تلخیص

بیانُ القرآن

من اضافات

المفسرؒ حضرت مولینا محمد علی لاہوریؒ

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ
لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

تلخیص

بیان القرآن

من اضافات

المفسر حضرت مولینا محمد علی لاہوری

احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام

ہند

www.aaiil.org

پیش لفظ

حضرت مولانا محمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مؤلف انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن کریم و سابق پریذیڈنٹ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور نے ۲۳-۱۹۲۲ء میں بیان القرآن یعنی اردو ترجمہ و تفسیر قرآن کریم شائع کی تھی۔ یہ ایک ضخیم کتاب تین جلدوں میں ہے اور عام لوگوں کا اس سے متمتع ہونا مشکل ہے۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ قرآن کریم کے علم کو وسعت دینے کے لیے ایک حمائل کے رنگ میں اردو ترجمہ قرآن کریم مع مختصر تفسیر کے شائع کیا جائے۔ اس پر حضرت مولانا موصوف نے ۱۹۲۹ء میں حمائل شریف شائع کی جس کا ترجمہ اور مختصر تفسیری نوٹ بیان القرآن سے اخذ کیے گئے تھے۔ تفسیر میں حل لغت کے حصہ کو بالکل چھوڑ دیا گیا تھا اور جس قدر گنجائش اجازت دیتی تھی مختصر تفسیری نوٹ حاشیہ پر دے دیئے گئے تھے۔ غرض یہ تھی کہ ہر مسلمان اپنے طور پر قرآن کریم کو سمجھ سکے کہ ان کی ترقی کا راز اسی میں مضمر ہے۔ ان حواشی میں حضرت مولانا موصوف نے موجودہ زمانہ کی ضروریات کو مدنظر رکھا تھا اور اُن شبہات کا ازالہ کرنے کی کوشش کی تھی جو آج مذہب کے متعلق دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ وہ حمائل شریف لوگوں میں مقبول ہوئی، مگر طباعت میں کچھ غلطیاں رہ گئی تھیں اور حواشی کے باریک نوٹ پڑھنا ہر کسی کے لیے آسان نہ تھا۔ اس لیے اس بات کی اشد ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اس حمائل شریف کو بلاکس کے نئے طرز سے اور دیدہ زیب طریق پر اعلیٰ کاغذ پر چھپوایا جائے۔ چنانچہ اب یہ ہدیۂ ناظرین کی جا رہی ہے۔

عربی متن کی کتابت منشی محمد شریف صاحب (خلف الرشید منشی محمد قاسم صاحب لدھیانوی مشہور کاتب قرآن کریم) نے کی ہے اور نہایت عمدہ کی ہے۔ متن ایک کالم میں ہے اور اس کے بالمقابل اردو ترجمہ اور نیچے تفسیری نوٹوں کی کتابت منشی غلام جیلانی صاحب نے کی ہے اور بہت اچھی کی ہے۔ نیز فنِ بلاک سازی کے مشہور و معروف ماہر جناب محمد شاہ صاحب (مالک انگریویکو بلاک میکرز) نے جس محنت اور شوق سے اِس حمائل کے بلاکس بنا کر اس کام کو سرانجام دیا ہے، انجمن اُن کی ممنون ہے۔

حمائل شریف اعلیٰ کاغذ پر بلاکس کے ذریعہ سے چھپوائی گئی ہے اور ہر مسلمان گھر کے لیے ایک تحفہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ عبارت کی صحت کا خاص طور پر خیال رکھا گیا ہے۔ اگر انجمن کی یہ مبارک کوشش مسلمان بھائیوں کے لیے قوتِ ایمان اور مسرتِ قلبی کا باعث ہو سکے تو محنت اور کوشش کا ثمرہ سمجھو کہ پالیا۔

مولانا عبدالمنان عمر صاحب ایم اے رکن ادارہ تحریر، اُردو انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، لاہور نے اپنے مشورے اور تجربے سے اور میاں ناصر احمد صاحب مینجر دارالکتب اسلامیہ نے حمائل کی کتابت اور طباعت کے سلسلہ میں دوڑ دھوپ سے انجمن کو ممنون کیا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ آمین!

ممتاز احمد فاروقی

افسر تالیفات و تصنیفاتِ انجمن

فہرست سُوَر قرآن شریف

نمبر شمار	نام سُورۃ	زمانہ نزول	تعداد آیات	صفحہ
۱	الفاتحۃ	ابتدائی مکی	۷	۱
۲	البقرۃ	سنہ ۱ و ۲ھ	۲۸۶	۳
۳	اٰل عمرٰن	سنہ ۳ھ	۱۹۹	۸۳
۴	النّسآء	سنہ ۵ھ	۱۷۷	۱۳۴
۵	المآئدۃ	سنہ ۷ و ۸ھ	۱۲۰	۱۸۶
۶	الانعام	آخری مکی	۱۶۶	۲۲۶
۷	الاعراف	〃	۲۰۶	۲۶۹
۸	الانفال	سنہ ۲ھ	۷۵	۳۱۶
۹	التّوبۃ	سنہ ۹ و ۱۰ھ	۱۲۹	۳۳۴
۱۰	یونس	آخری مکی	۱۰۹	۳۷۰
۱۱	ھود	〃	۱۲۳	۳۹۵
۱۲	یوسف	〃	۱۱۱	۴۲۱
۱۳	الرّعد	〃	۴۳	۴۴۶
۱۴	ابرٰھیم	〃	۵۲	۴۵۸
۱۵	الحِجْر	〃	۹۹	۴۷۰
۱۶	النّحل	〃	۱۲۸	۴۸۲
۱۷	بنیٓ اسرآءیل	ابتدائی مکی	۱۱۱	۵۰۸
۱۸	الکھف	〃	۱۱۰	۵۳۲
۱۹	مریم	〃	۹۸	۵۵۷
۲۰	طٰہٰ	〃	۱۳۵	۵۷۲
۲۱	الانبیآء	〃	۱۱۲	۵۹۳
۲۲	الحجّ	آخری مکی	۷۸	۶۱۲
۲۳	المؤمنون	〃	۱۱۸	۶۳۰
۲۴	النّور	سنہ ۵ھ	۶۴	۶۴۶
۲۵	الفرقان	آخری مکی	۷۷	۶۶۵
۲۶	الشّعرآء	〃	۲۲۷	۶۷۹
۲۷	النّمل	〃	۹۳	۶۹۷
۲۸	القصص	آخری مکی	۸۸	۷۱۴
۲۹	العنکبوت	درمیانی مکی	۶۹	۷۳۴
۳۰	الرّوم	〃	۶۰	۷۴۸
۳۱	لقمٰن	〃	۳۴	۷۶۰
۳۲	السّجدۃ	〃	۳۰	۷۶۷
۳۳	الاحزاب	سنہ ۵ و ۶ھ	۷۳	۷۷۲
۳۴	سبا	درمیانی مکی	۵۴	۷۹۲
۳۵	فاطر	〃	۴۵	۸۰۳
۳۶	یٰسٓ	〃	۸۳	۸۱۳
۳۷	الصّٰفّٰت	〃	۱۸۲	۸۲۵
۳۸	صٓ	〃	۸۸	۸۴۱
۳۹	الزّمر	〃	۷۵	۸۵۳
۴۰	المؤمن	〃	۸۵	۸۶۷
۴۱	حٰمٓ السّجدۃ	〃	۵۴	۸۸۲
۴۲	الشّورٰی	〃	۵۳	۸۹۴
۴۳	الزّخرف	〃	۸۹	۹۰۷
۴۴	الدّخان	〃	۵۹	۹۲۰
۴۵	الجاثیہ	〃	۳۷	۹۲۷
۴۶	الاحقاف	〃	۳۵	۹۳۳
۴۷	محمّد	سنہ ۱ھ	۳۸	۹۴۲
۴۸	الفتح	سنہ ۶ھ	۲۹	۹۵۱
۴۹	الحُجُرٰت	سنہ ۱۰ھ	۱۸	۹۶۰
۵۰	قٓ	ابتدائی مکی	۴۵	۹۶۶
۵۱	الذّٰریٰت	〃	۶۰	۹۷۲
۵۲	الطّور	〃	۴۹	۹۷۸
۵۳	النّجم	〃	۶۲	۹۸۴
۵۴	القمر	〃	۵۵	۹۹۰

نمبر شمار	نام سورۃ	زمانہ نزول	تعداد آیات	صفحہ
۵۵	الرحمٰن	ابتدائی مکی	۷۸	۹۹۶
۵۶	الواقعہ	〃	۹۶	۱۰۰۳
۵۷	الحدید	سنہ ۸ھ	۲۹	۱۰۱۰
۵۸	المجادلہ	سنہ ۳-۴ھ	۲۲	۱۰۱۹
۵۹	الحشر	سنہ ۳-۴ھ	۲۴	۱۰۲۵
۶۰	الممتحنۃ	سنہ ۷ھ	۱۳	۱۰۳۱
۶۱	الصّف	سنہ ۱ھ	۱۴	۱۰۳۶
۶۲	الجمعۃ	سنہ ۱ھ	۱۱	۱۰۴۰
۶۳	المنافقون	سنہ ۵ھ	۱۱	۱۰۴۳
۶۴	التّغابن	سنہ ۱ھ	۱۸	۱۰۴۵
۶۵	الطّلاق	سنہ ۵ھ	۱۲	۱۰۴۸
۶۶	التّحریم	سنہ ۹ھ	۱۲	۱۰۵۳
۶۷	الملک	ابتدائی مکی	۳۰	۱۰۵۷
۶۸	القلم	〃	۵۲	۱۰۶۲
۶۹	الحاقّۃ	〃	۵۲	۱۰۶۸
۷۰	المعارج	〃	۴۴	۱۰۷۲
۷۱	نوح	〃	۲۸	۱۰۷۶
۷۲	الجنّ	〃	۲۸	۱۰۷۹
۷۳	المزّمّل	〃	۲۰	۱۰۸۴
۷۴	المدّثّر	〃	۵۶	۱۰۸۷
۷۵	القیٰمۃ	〃	۴۰	۱۰۹۱
۷۶	الدّھر	〃	۳۱	۱۰۹۵
۷۷	المرسلٰت	〃	۵۰	۱۰۹۹
۷۸	النّبا	〃	۴۰	۱۱۰۳
۷۹	النّٰزعٰت	〃	۴۶	۱۱۰۶
۸۰	عبس	〃	۴۲	۱۱۰۹
۸۱	التّکویر	〃	۲۹	۱۱۱۲
۸۲	الانفطار	〃	۱۹	۱۱۱۴
۸۳	المطفّفین	〃	۳۶	۱۱۱۶
۸۴	الانشقاق	〃	۲۵	۱۱۱۹
۸۵	البروج	ابتدائی مکی	۲۲	۱۱۲۱
۸۶	الطّارق	〃	۱۷	۱۱۲۳
۸۷	الاعلٰی	〃	۱۹	۱۱۲۵
۸۸	الغاشیۃ	〃	۲۶	۱۱۲۷
۸۹	الفجر	〃	۳۰	۱۱۲۸
۹۰	البلد	〃	۲۰	۱۱۳۱
۹۱	الشّمس	〃	۱۵	۱۱۳۳
۹۲	الّیل	〃	۲۱	۱۱۳۴
۹۳	الضّحٰی	〃	۱۱	۱۱۳۶
۹۴	الانشراح	〃	۸	۱۱۳۷
۹۵	التّین	〃	۸	۱۱۳۸
۹۶	العلق	〃	۱۹	۱۱۳۹
۹۷	القدر	〃	۵	۱۱۴۰
۹۸	البیّنۃ	〃	۸	۱۱۴۱
۹۹	الزلزال	〃	۸	۱۱۴۲
۱۰۰	العٰدیٰت	〃	۱۱	۱۱۴۳
۱۰۱	القارعۃ	〃	۱۱	۱۱۴۴
۱۰۲	التّکاثر	〃	۸	۱۱۴۵
۱۰۳	العصر	〃	۳	۱۱۴۵
۱۰۴	الھمزۃ	〃	۹	۱۱۴۶
۱۰۵	الفیل	〃	۵	۱۱۴۶
۱۰۶	قریش	〃	۴	۱۱۴۷
۱۰۷	الماعون	〃	۷	۱۱۴۸
۱۰۸	الکوثر	〃	۳	۱۱۴۸
۱۰۹	الکٰفرون	〃	۶	۱۱۴۹
۱۱۰	النّصر	سنہ ۱۰ھ	۳	۱۱۴۹
۱۱۱	اللّھب	ابتدائی مکی	۵	۱۱۵۰
۱۱۲	الاخلاص	〃	۴	۱۱۵۱
۱۱۳	الفلق	〃	۵	۱۱۵۱
۱۱۴	النّاس	〃	۶	۱۱۵۲

فہرست سورۃ قرآن شریف (بہ ترتیب حروف تہجّی)

الف

نام سورۃ	نمبر سورۃ	تعداد آیات	زمانہ نزول	صفحہ
ابراھیم	۱۴	۵۲	آخری مکّی	۴۵۸
احزاب	۳۳	۷۳	سنہ ۵، ۶ ھ	۷۷۲
احقاف	۴۶	۳۵	درمیانی مکّی	۹۳۳
اخلاص	۱۱۲	۴	ابتدائی مکّی	۱۱۵۱
اعراف	۷	۲۰۶	آخری مکّی	۲۶۹
اعلیٰ	۸۷	۱۹	ابتدائی مکّی	۱۱۲۵
اٰل عمران	۳	۱۹۹	سنہ ۳ ھ	۸۳
انبیاء	۲۱	۱۱۲	ابتدائی مکّی	۵۹۳
انشراح	۹۴	۸	″	۱۱۳۷
انشقاق	۸۴	۲۵	″	۱۱۱۹
انعام	۶	۱۶۵	آخری مکی	۲۲۶
انفال	۸	۷۵	سنہ ۲ ھ	۳۱۶
انفطار	۸۲	۱۹	ابتدائی مکی	۱۱۱۴

ب

نام سورۃ	نمبر سورۃ	تعداد آیات	زمانہ نزول	صفحہ
بروج	۸۵	۲۲	ابتدائی مکّی	۱۱۲۱
بقرہ	۲	۲۸۶	سنہ ۱، ۲ ھ	۳
بلد	۹۰	۲۰	ابتدائی مکی	۱۱۳۱
بنی اسرآئیل	۱۷	۱۱۱	″	۵۰۸
بینۃ	۹۸	۸	″	۱۱۴۱

ت

نام سورۃ	نمبر سورۃ	تعداد آیات	زمانہ نزول	صفحہ
تحریم	۶۶	۱۲	سنہ ۹ ھ	۱۰۵۳
مطففین	۸۳	۳۶	ابتدائی مکّی	۱۱۱۶
تغابن	۶۴	۱۸	سنہ ۱ ھ	۱۰۴۵
تکاثر	۱۰۲	۸	ابتدائی مکی	۱۱۴۵
تکویر	۸۱	۲۹	″	۱۱۱۲

نام سورۃ	نمبر سورۃ	تعداد آیات	زمانہ نزول	صفحہ
توبہ	۹	۱۲۹	سنہ ۹ تا ۱۰ھ	۳۳۴
تین	۹۵	۸	ابتدائی مکّی	۱۱۳۸
ج				
جاثیۃ	۴۵	۳۷	درمیانی مکّی	۹۲۷
جمعۃ	۶۲	۱۱	سنہ ۱ھ	۱۰۴۰
جنّ	۷۲	۲۸	ابتدائی مکّی	۱۰۷۹
ح				
حاقّہ	۶۹	۵۲	ابتدائی مکّی	۱۰۶۸
حجّ	۲۲	۷۸	آخری مکّی	۶۱۲
حجر	۱۵	۹۹	"	۴۷۰
حُجُرات	۴۹	۱۸	سنہ ۱۰ھ	۹۴۰
حدید	۵۷	۲۹	سنہ ۸ھ	۱۰۱۰
حشر	۵۹	۲۴	سنہ ۳ تا ۴ھ	۱۰۲۵
حمٓ السجدہ	۴۱	۵۴	درمیانی مکّی	۸۸۲
د				
دخان	۴۴	۵۹	درمیانی مکی	۹۲۰
دھر	۷۶	۳۱	ابتدائی مکی	۱۰۹۵
ذ				
ذاریات	۵۱	۶۰	ابتدائی مکی	۹۷۲
ر				
رحمٰن	۵۵	۷۸	ابتدائی مکّی	۹۹۶
رعد	۱۳	۴۳	آخری مکّی	۴۴۶
روم	۳۰	۶۰	درمیانی مکّی	۷۴۸
ز				
زخرف	۴۳	۸۹	درمیانی مکّی	۹۰۷
زلزال	۹۹	۸	ابتدائی مکّی	۱۱۴۲

نام سورۃ	نمبر سورۃ	تعداد آیات	زمانہ نزول	صفحہ
زمر	۳۹	۷۵	درمیانی مکیؔ	۸۵۳
س				
سبا	۳۴	۵۴	درمیانی مکیؔ	۷۹۲
سجدہ	۳۲	۳۰	〃	۷۶۷
ش				
شعراء	۲۶	۲۲۷	آخری مکیؔ	۶۷۹
شمس	۹۱	۱۵	ابتدائی مکیؔ	۱۱۳۳
شوریٰ	۴۲	۵۳	درمیانی مکیؔ	۸۹۴
ص				
صٓ	۳۸	۸۸	درمیانی مکیؔ	۸۴۱
صٰفّٰت	۳۷	۱۸۲	〃	۸۲۵
صف	۶۱	۱۴	سنہ ۱ھ	۱۰۳۶

نام سورۃ	نمبر سورۃ	تعداد آیات	زمانہ نزول	صفحہ
ض				
ضحیٰ	۹۳	۱۱	ابتدائی مکیؔ	۱۱۳۶
ط				
طارق	۸۶	۱۷	ابتدائی مکیؔ	۱۱۲۳
طلاق	۶۵	۱۲	سنہ ۵ھ	۱۰۴۸
طٰہٰ	۲۰	۱۳۵	ابتدائی مکیؔ	۵۷۲
طور	۵۲	۴۹	〃	۹۷۸
ع				
عادیات	۱۰۰	۱۱	ابتدائی مکیؔ	۱۱۴۳
عبس	۸۰	۴۲	〃	۱۱۰۹
عصر	۱۰۳	۳	〃	۱۱۴۵
علق	۹۶	۱۹	〃	۱۱۳۹
عنکبوت	۲۹	۶۹	درمیانی مکیؔ	۷۳۴

نام سورۃ	نمبر سورۃ	تعداد آیات	زمانہ نزول	صفحہ
غ				
غاشیہ	۸۸	۲۶	ابتدائی مکی	۱۱۲۷
ف				
فاتحہ	۱	۷	ابتدائی مکی	۱
فاطر	۳۵	۴۵	درمیانی مکی	۸۰۳
فتح	۴۸	۲۹	سنہ ۶ھ	۹۵۱
فجر	۸۹	۳۰	ابتدائی مکی	۱۱۲۸
فرقان	۲۵	۷۷	آخری مکی	۶۶۵
فلق	۱۱۳	۵	ابتدائی مکی	۱۱۵۱
فیل	۱۰۵	۵	"	۱۱۴۶
ق				
قٓ	۵۰	۴۵	ابتدائی مکی	۹۶۶
قارعہ	۱۰۱	۱۱	"	۱۱۴۴
قدر	۹۷	۵	"	۱۱۴۰
قریش	۱۰۶	۴	ابتدائی مکی	۱۱۴۷
قصص	۲۸	۸۸	آخری مکی	۷۱۴
قلم	۶۸	۵۲	ابتدائی مکی	۱۰۶۲
قمر	۵۴	۵۵	"	۹۹۰
قیامہ	۷۵	۴۰	"	۱۰۹۱
ک				
کافرون	۱۰۹	۶	ابتدائی مکی	۱۱۴۹
کہف	۱۸	۱۱۰	"	۵۳۲
کوثر	۱۰۸	۳	"	۱۱۴۸
ل				
لقمان	۳۱	۳۴	درمیانی مکی	۷۶۰
لہب	۱۱۱	۵	ابتدائی مکی	۱۱۵۰
لیل	۹۲	۲۱	"	۱۱۳۴

نام سورۃ	نمبر سورۃ	تعداد آیات	زمانہ نزول	صفحہ
م				
مآعدہ	۵	۱۲۰	سنہ ۷ تا ۸ھ	۱۸۶
ماعون	۱۰۷	۷	ابتدائی مکی	۱۱۴۸
مجادلہ	۵۸	۲۲	سنہ ۳ تا ۴ھ	۱۰۱۹
محمدؐ	۴۷	۳۸	سنہ ۱ھ	۹۴۲
مدثر	۷۴	۵۶	ابتدائی مکی	۱۰۸۷
مرسلات	۷۷	۵۰	”	۱۰۹۹
مریم	۱۹	۹۸	”	۵۵۷
مزمل	۷۳	۲۰	”	۱۰۸۴
معارج	۷۰	۴۴	”	۱۰۷۲
ملک	۶۷	۳۰	”	۱۰۵۷
ممتحنہ	۶۰	۱۳	سنہ ۷ھ	۱۰۳۱
منافقون	۶۳	۱۱	سنہ ۵ھ	۱۰۴۳
مؤمن	۴۰	۸۵	درمیانی مکی	۸۶۷
المؤمنون	۲۳	۱۱۸	آخری مکی	۶۳۰
ن				
نازعات	۷۹	۴۶	ابتدائی مکی	۱۱۰۶
ناس	۱۱۴	۶	ابتدائی مکی	۱۱۵۲
نبأ	۷۸	۴۰	”	۱۱۰۳
نجم	۵۳	۶۲	”	۹۸۴

نام سورۃ	نمبر سورۃ	تعداد آیات	زمانہ نزول	صفحہ
نحل	۱۶	۱۲۸	آخری مکی	۴۸۲
النسآء	۴	۱۷۷	سنہ ۵ھ	۱۳۴
نصر	۱۱۰	۳	سنہ ۱۰ھ	۱۱۴۹
نمل	۲۷	۹۳	آخری مکی	۶۹۷
نوح	۷۱	۲۸	ابتدائی مکی	۱۰۷۷
نور	۲۴	۶۴	سنہ ۵ھ	۶۴۶
و				
واقعہ	۵۶	۹۶	ابتدائی مکی	۱۰۰۳
ہ				
ہمزہ	۱۰۴	۹	ابتدائی مکی	۱۱۴۶
ہود	۱۱	۱۲۳	آخری مکی	۳۹۵
ی				
یٰس	۳۶	۸۳	درمیانی مکی	۸۱۳
یوسف	۱۲	۱۱۱	آخری مکی	۴۲۱
یونس	۱۰	۱۰۹	آخری مکی	۳۷۰

اعترافِ عظمت

(حضرت مولانا محمد علی صاحب لاہوری علیہ الرحمۃ اور ان کی
بلند پایہ تفسیرِ قرآن کے متعلق علماء کرام کی آرائے گرامی)

جناب محمد مارماڈیوک پکتھال مرحوم (مترجم قرآن)

"کسی زندہ انسان نے اسلام کو دوبارہ زندہ کرنے کے لیے لاہور کے مولٰنا محمد علی صاحب سے زیادہ قیمتی اور طویل خدمات انجام نہیں دیں.... ان کے تصنیفی کارناموں کی وجہ سے تحریک احمدیت ایک خاص شہرت اور امتیاز کی مالک بن گئی ہے...."
(رسالہ اسلامک کلچر۔ حیدرآباد۔ اکتوبر ۱۹۳۶ء)

جناب خواجہ حسن نظامی صاحب دہلوی

"مجھے تبلیغی تعلقات کے سبب اپنی عمر کی ابتداء سے آج تک مرحوم (یعنی حضرت مولٰنا محمد علی صاحب ناقل) سے ملنا جلنا رہا۔ اور میں ان کو اسلام کا بہت کامیاب خادم گذار مانتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت کرے.... انھوں نے اسلام کی اتنی زیادہ خدمات انجام دی ہیں کہ میں اُن کے لیے فاتحہ خوانی ضروری سمجھتا ہوں۔"
(رسالہ "منادی" ستمبر و اکتوبر ۱۹۵۱ء)

جناب مولٰنا عبدالمجید صاحب سالکؔ

"وہ صرف عالمِ دین نہ تھے بلکہ ایک عالی پایہ مفسّر و مجتہد بھی تھے۔ اعلیٰ درجہ کے انگریزی داں تھے۔ اور مغربیوں کے ذہن کو خوب سمجھتے تھے۔ انھوں نے اسلام کو مغربی تعلیم یافتہ طبقوں اور خود مغربیوں تک ایسے رنگ میں پہنچایا کہ وہ بے اختیار اس مذہب کی عظمت کے قائل ہوگئے میں سمجھتا ہوں کہ ممالکِ مغرب کے صدہا طالبانِ حق مولٰنا محمد علیؒ کے مقالات اور کتابوں کو پڑھ کر مسلمان ہوئے۔ یہ مولٰنا محمد علیؒ کی ہی مساعی کی برکت ہے کہ آج ممالک مغرب میں اسلام کا نام احترام سے لیا جاتا ہے۔ اسلام کی بے لوث خدمت اور اس میں مدت العمر انہماک یقیناً مولٰنا محمد علیؒ کی مغفرت کا باعث ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کے مخلص خادموں کی سعی اور جدوجہد کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔" (تعزیتی پیغام برائے اخبار "پیغام صلح" لاہور۔ ۲۶ر دسمبر ۱۹۵۱ء)

جناب مولٰنا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ (مفسّر قرآن)

"مولٰنا محمد علی صاحب نے قرآن کا انگریزی ترجمہ کر کے اسلام کی جو عظیم بالشان خدمت انجام دی ہے، اس کا اعتراف نہ کرنا سورج کی روشنی سے انکار کرنا ہے۔ اس ترجمہ کی بدولت نہ صرف ہزاروں غیر مسلموں نے اسلام کے دامن میں پناہ لی، بلکہ ہزاروں مسلمان بھی اسلام کے زیادہ قریب آگئے۔ جہاں تک میرا تعلق ہے، میں نہایت مسرت سے اعتراف کرتا ہوں کہ یہ ترجمہ ان چند کتابوں میں سے ہے جو چودہ پندرہ سال پہلے، جب میں ظلمتوں اور دہریت کی گہرائیوں میں بھٹک رہا تھا، میرے لیے شمع ہدایت بن کر آئیں اور مجھے اسلام کا سیدھا راستہ سمجھایا۔ کامریڈ (اخبار) والے مولٰنا محمد علی مرحوم بھی اس ترجمہ کے بہت شائق تھے اور وہ ہمیشہ اس کی تعریف کرتے تھے۔ (اخبار "سچ" لکھنؤ ۲ جون ۱۹۴۲ء)

"محمد علی لاہوری کی انگریزی تفسیر قرآن..... کے بعد ان کی اور کتابیں پڑھیں۔ سیرت خیر البشر اور مقام حدیث اور خلافت راشدہ۔ سب ہی اچھی معلوم ہوئیں۔ اور سب سے بڑھ کر ان کی اردو تفسیر بیان القرآن تین جلدوں میں.... بہ حیثیت مجموعی بڑی قابل قدر ہے۔ اسلام اور قرآن کی حقانیت کا نقش دل پر ثبت کر دینے والی..... لاہور میں ایک بار مفصل ملاقات بھی ہوئی.....اور ان سے مل کر بھی اچھا اثر پڑا۔ چہرہ بشرہ ایک عبادت گزار، تہجد گزار کی نورانیت رکھتا تھا..... مرزا صاحب کو وہ نبی ہرگز نہیں مانتے تھے۔ البتہ ایک بزرگ ضرور تسلیم کرتے تھے۔" (معاصرین۔ صفحہ ۴۳ تا ۴۴۔ طبع اوّل ۱۹۷۹ء)

جناب مولانا ظفر علی خان صاحب مرحوم

"جناب مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے ان عزیز الوجود بزرگوں میں سے ہیں۔ جن کی عالمانہ زندگی کا کوئی لمحہ خدمت اسلام سے خالی نہیں رہتا۔ روزانہ قرآن کریم کا درس دیتے ہیں۔ اور ہر آیت کی تفسیر میں حقائق و معارف کے دریا بہا دیتے ہیں۔ حال ہی میں اس درس کے اہم اقتباسات انھوں نے خود ہی قلمبند کر کے شائع فرمائے ہیں۔ اور اس خوبی کی تفسیر کی ہے کہ شاید اردو زبان کا خزانہ ایسے تابناک جواہر ریزے بڑی مشکلوں سے بھی نہ نکال سکے۔"

(اخبار زمیندار۔ لاہور ۱۵ اپریل ۱۹۱۵ء)

مورخِ اسلام علّامہ شیخ محمد اکرام صاحب (ڈی لٹ)

"مولانا محمد علی امیر جماعت (احمدیہ لاہور) کا ترجمہ و تفسیر قرآن انگریزی زبان میں پہلا ترجمہ تھا جو کسی مسلمان کے ہاتھوں سرانجام پایا۔ ترجمے کے علاوہ آپ نے کلام مجید کی مختلف سورتوں کی تقسیم و ترتیب کر کے اور ان کے مضامین

کا خلاصہ دے کر مطالب قرآنی کو واضح کیا ہے۔ اور کوشش کی ہے کہ صرف الفاظ پر ہی توجہ نہ رہے بلکہ کلام مجید کے ارشادات اور خیالات بھی وضاحت سے ذہن نشین ہو جائیں۔

آج کل کلام مجید کے متعدد انگریزی ترجمے شائع ہو رہے ہیں۔ لیکن شرف اوّلیت مولانا محمد علی ہی کو ہے۔ اور گذشتہ ربع صدی میں انگریزی خواں طبقے کو قرآن سے زیادہ دلچسپی پیدا ہوئی ہے۔ اس کا ایک بڑا سبب مولٰنا محمد علی کا "ترجمۃ القرآن" ہے۔ آج مولٰنا ابوالکلام آزاد نے مطالب قرآنی کو واضح کرنے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا ہے اُس کا نمونہ مولوی محمد علی نے اب سے پچیس سال پہلے پیش کر دیا تھا۔" (موج کوثر۔ صہ ۱۰۵ ۔ طبع اوّل)

نوٹ :۔ محولہ بالا اقتباس کا آخری جُملہ بعد کے ایڈیشنوں سے حذف کر دیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت آج بھی اپنی جگہ برقرار ہے۔ (مرتب)

جناب مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی (مفسّرِ قرآن)

"اُردو کی تفسیروں میں محمد علی صاحب مرزائی کی تفسیر زمانہ جدید کی اچھی تفسیروں میں شمار ہوتی رہی) ۔۔۔۔ غالباً اکیلی یہی وہ اُردو تفسیر ہے جس نے مولفۃ القلوب کی قدیم تفسیروں سے پیدا ہونے والے اس خلجان سے بچ کر نکلنے کی کوشش کی ہے۔" (کتابچہ: مودودی صاحب کی تفسیر پر محققانہ نظر)

اس اعترافِ حق کے تقریباً تیس سال بعد کا لب و لہجہ ملاحظہ فرمائیں :۔

"ذوالقرنین کی تاریخی تحقیق | ذوالقرنین کی تعیین اور تشخیص میں پندرہ سو برس کا تمام تفسیری لٹریچر مختلف احتمالات اور اندازے پیش کرنے پر اکتفا کرتا رہا ہے۔ اور اگر کسی قول کو ترجیح دی گئی تو وہ علامہ ابن کثیر دمشقی (وفات ۷۷۴ھ ۱۳۷۲ء) کی تحقیق ہے۔ جس میں ذوالقرنین وہ سکندر رہے۔ جسے حضرت ابراہیم کی معاصرت حاصل ہے

حضرت محدث کشمیریؒ نے بھی شارح بخاری علامہ عینی کے حوالہ سے اسی رائے کو تسلیم کیا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس تحقیق سے گریز کیا ہے۔ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے ۱۹۲۵ء میں علامہ ابن کثیر ہی کی رائے کو ترجیح دی ہے اور یاجوج ماجوج کے بارے میں یہ عجیب بات لکھی ہے کہ ـــــ میرا خیال ہے یاجوج ماجوج کی قوم انسانوں اور جنات کے درمیان ایک برزخی مخلوق ہے۔ (حمائل۔۳۹۳)۔

مولانا محمد علی لاہوری نے اپنی تفسیر "بیان القرآن" (۱۹۲۲ء) میں تمام قدیم توجیہات سے ہٹ کر دانیال نبی کے خواب پر توجہ کی اور بائیبل کے اشارہ سے فارس کے شہنشاہ دارائے اوّل کو قرآن کا ذوالقرنین بتایا ـــــ دارائے اوّل سائرس کا دادا تھا۔ اور یاجوج ماجوج عیسائی قوموں کو قرار دیا۔ (جلد دوم۔ ۱۱۹۱)۔ قدیم تحقیقات سے ہٹ کر فارسی حکمران دارائے اوّل کی طرف یہ پہلا تحقیقی اشارہ تھا ـــــ اسی اشارہ کو مکمل تحقیق اور نشاندہی تک پہنچانے کا سہرا مولانا آزاد کے سر ہے"

(مولانا آزاد کی قرآنی بصیرت۔ ص۲۰۸۔ طبع اوّل)

ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین۔ (ایم۔اے (عربی) ایم۔اے (فارسی)۔بی۔ایڈ۔ ڈپ ایڈ، آر۔ایم۔پی، پی۔ایچ۔ڈی)

"مولوی محمد علی ایم۔اے (متوفی ۱۳۷۱ھ مطابق ۱۹۵۱ء) اُن شخصیات میں سے ہیں۔ جنھوں نے انگریزی اور مغربی تعلیم بدرجہ عالی پائی ہے۔ اُنھوں نے قرآن کا انگریزی میں بھی ترجمہ کیا ہے۔ جو ادبی حلقوں میں مقبول ہے۔ اُن کا اُردو ترجمہ اور تفسیر "بیان القرآن" تین جلدوں میں ہے.... تمام جلدوں کی چھپائی بہت صاف، عمدہ اور واضح ہے۔ کتابت خوبصورت ہے۔ متنِ قرآن

دیدہ ذیب طبع ہے اور تحت السطور اُردو ترجمہ ہے۔ اور نیچے حاشیہ پر تفسیر ہے۔ ترجمہ سلیس ہوتے ہوئے ادبی متانت لیے ہوئے ہے۔ لسانی حیثیت سے فصاحت اور شستگی ہے ..... مولانا قادیانی جماعت کے امیر تھے۔ (لیکن) اُن کا ترجمہ عقائد کی ترجمانی سے تقریباً خالی ہے۔ انھوں نے بہت محتاط ہو کر ترجمہ کیا ہے۔ نفس قرآن اور ترتیبِ الفاظ کا خیال رکھنے کے باوجود ترجمہ میں روانی اور تسلسل قایم ہے ..... مولانا محمد علی نے ہر جلد کی شروعات میں فہرست مضامین بیان القرآن دی ہے۔ ان کے ترجمے کا طریقہ یہ ہے کہ سورت کا نام لکھنے کے بعد خلاصہ مضمون لکھتے ہیں۔ اس کے بعد اس کا تعلق کن سورتوں اور آیتوں سے ہے اس کی وضاحت فرماتے ہیں۔ تاریخ نزول اور ترتیب نزولِ آیات پر بحث کرتے ہیں۔ تعلق اور ترتیب کے بارے میں تین قسم کے ربط اور تعلق پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ اولاً آیات کا باہمی تعلق۔ ثانیاً ہر سورت کے رکوعوں کا باہمی تعلق اور مختلف سورتوں کا باہمی تعلق۔ اس کے علاوہ ہر رکوع کا خلاصہ اس کے آخر میں دے دیا گیا ہے۔ سورتوں کے نام میں جو حکمت ہے اس کی بھی مترجم نے تشریح کر دی ہے۔ مولانا محمد علی نے ترجمہ بڑے خلوص اور رائے عامہ کو مد نظر رکھتے ہوئے لکھا ہے.....“

(قرآن حکیم کے اُردو تراجم، صد ۳۲۴ تا ۳۲۶۔ طبع ۱۹۸۴ء)

جناب مولانا ابوالکلام آزادؒ (مفسّر قرآن)

حضرت مولانا محمد علی لاہوریؒ اور عقیدۂ ختم نبوّت

”ایک عرصہ سے اس جماعت میں مسئلہ تکفیر کی بناء پر دو جماعتیں پیدا ہوگئی تھیں۔ ایک گروہ کا یہ اعتقاد تھا کہ غیر احمدی (حضرات بھی) مسلمان ہیں گو وہ مرزا صاحب کے دعوؤں

پر ایمان نہ لائیں۔ لیکن دوسرا گروہ صاف صاف کہتا تھا کہ جو لوگ مرزا صاحب پر ایمان نہ لائیں۔ وہ قطعی کافر ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آخری جماعت کے رئیس صاحبزادہ بشیر الدین محمود ہیں۔ اس گروہ نے انھیں اب خلیفہ قرار دیا ہے۔ مگر پہلا گروہ تسلیم نہیں کرتا۔ مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے۔ نے اس بارے میں جو تحریر شائع کی ہے، اور جس عجیب و غریب جرأت اور دلاوری کے ساتھ قادیان میں رہ کر اظہار رائے کیا ہے، جہاں پہلے گروہ کے رؤسا ہیں، وہ فی الحقیقت ایک ایسا واقعہ ہے جو ہمیشہ اس سال کا ایک یادگار واقعہ سمجھا جائے گا۔"

(اخبار الہلال۔ ۲۰ مارچ ۱۹۱۴ء)

جسٹس منیر رپورٹ (پاکستان)

"جب ۱۹۰۸ء میں مرزا غلام احمد صاحب (قادیانی) کا انتقال ہوگیا تو مولوی نور الدین جماعت احمدیہ کے خلیفہ اوّل مقرر ہوئے۔ ۱۹۱۴ء میں خلیفہ نور الدین کا بھی انتقال ہوگیا۔ اور مرزا غلام احمد کے بیٹے مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفہ ثانی قرار پائے۔ مرزا بشیر الدین محمود احمد کی مسند نشینی پر جماعت میں پھوٹ پڑ گئی۔ جماعت کا ایک حصہ (مبلغ اسلام) خواجہ کمال الدین اور مولوی محمد علی کی سرکردگی میں الگ ہوگیا اور ایک الگ پارٹی "لاہوری پارٹی" کے نام سے وجود میں آگئی۔ دونوں پارٹیوں میں فرق یہ ہے کہ قادیانی پارٹی کے عقیدے میں مرزا غلام احمد نبی ہیں۔ لیکن لاہوری پارٹی مرزا صاحب کو یہ درجہ دینے پر آمادہ نہیں۔ اس کے نزدیک مرزا صاحب زیادہ سے زیادہ ایک مجدد یا محدّث ہیں۔ ان الگ ہونے والوں نے لاہور میں اپنی ایک الگ تنظیم قایم کرلی جو انجمن اشاعتِ اسلام کہلاتی ہے۔ دونوں پارٹیاں غیر ممالک میں وسیع پیمانے پر تبلیغ و اشاعت کا کام کرنے میں مصروف ہیں۔"

("رپورٹ تحقیقاتی عدالت" برائے فسادات پنجاب۔ ۱۹۵۳ء)

اسی ضمن میں مولانا ابو الکلام آزادؒ نے ۱۹۳۶ء میں یوں تحریر فرمایا:۔

"قادیانی گروہ اپنے غلو میں بہت دُور تک چلا گیا ہے۔ حتیٰ کہ اسلام کے بنیادی عقائد متزلزل ہوگئے ہیں۔ مثلاً اس کا یہ اعتقاد کہ اب ایمان و نجات کے لیے اسلام

کے معلوم و مسلم عقائد کافی نہیں، مرزا صاحب قادیانی پر ایمان لانا ضروری ہے۔ لیکن لاہوری گروہ کو اس غلو سے انکار ہے۔ وہ نہ تو مرزا صاحب کی نبوّت کا اقرار کرتا ہے۔ نہ ایمان کی شرائط میں کسی نئی شرط کا اضافہ کرتا ہے۔"

(تحریری بیان مندرجہ اخبار زمیندار۔ لاہور ۲۶ جون ۱۹۳۶ء)

جناب مولانا عبدالمجید صاحب قرشیؒ (مدیر اخبار ایمان)

"احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کے کارنامے مجھ ناچیز کی تعریف و توصیف سے بالا تر ہیں..... انجمن کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے قادیانی جماعت کے غلو کی مخالفت کی۔ اور تمام دنیائے اسلام کے ساتھ شامل رہ کر ختم نبوّت کے عَلم کی حفاظت فرمائی۔ قادیانی جماعت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمقابل قادیان میں ایک نئے دین اور نئی نبوّت کے قیام کا راستہ صاف کر رہی تھی۔ اگر احمدیہ انجمن اشاعتِ اسلام لاہور اس کا راستہ نہ روکتی تو یہ فتنہ اب تک بہت ہی زیادہ پھیل چکا ہوتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ انجمن کی یہ خدمت تمام اُمّت کے لیے صد ہزار تحسین و آفرین کی مستحق ہے۔ انجمن کا دوسرا بڑا جہاد یہ ہے کہ اس نے فتنۂ تکفیر کا مقابلہ کیا۔ اور کفر سازی کی مشین گنوں کی قوت کو توڑ دیا۔"

(بحوالہ "مجدّد اعظم"۔ از ڈاکٹر بشارت احمد صاحب لاہوری۔ جلد ۲۔ صہ ۳۱۹)

مدیر محترم اخبار "کوثر"، لاہور

"مولوی محمد علی صاحب نے امیر جماعت احمدیہ لاہور ہونے کی حیثیت سے عقیدہ ختم نبوّت کے سلسلہ میں قابل قدر کام کیا ہے۔"

(کوثر۔ ۱۶ فروری ۱۹۴۵ء)

جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (مفسّرِ قرآن)

"مرزا غلام احمد صاحب کے متبعین میں قادیانیوں اور احمدیوں کو میں بھی ایک کٹیگری میں نہیں سمجھتا۔ قادیانی گروہ میرے نزدیک فرقِ اسلامیہ سے خارج ہے۔ مگر احمدی گروہ کا شمار فرقِ اسلامیہ ہی میں ہے۔ احمدی حضرات میں جو تعلیم یافتہ حضرات اس غیر معقول پوزیشن پر ٹھہرے ہوئے ہیں اُن کے متعلق ہم کوئی شرعی فتویٰ تو نہیں لگا سکتے۔ کیوں کہ وہ نبوّتِ مرزا کے مُنکر ہیں" (اقتباس از مکتوب۔ محررہ ۲۳ محرم ۱۳۵۷ھ اصل مکتوب لاہور انجمن کے پاس محفوظ ہے)۔

ہندوستان کے مشہور مسلم لیڈر مولانا محمد علی جوہر (مدیر کامریڈ) اپنی خود نوشت سوانح حیات میں اپنی نظر بندی کے وقت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"قریباً یہی وہ وقت تھا جب کہ ایک مشفق دوست نے ایک ایسا تحفہ ہمیں بھیجا جس سے بڑھ کر اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ یہ قرآن کریم کا نسخہ تھا جو نہایت اعلیٰ درجہ پر چھپوایا گیا ہے اور اس کے ساتھ انگریزی زبان میں نہایت صحیح ترجمہ اور معلومات سے بھرے ہوئے نوٹ درج ہیں۔ جو کہ قرآن کریم کی تفاسیر اور صحف یہود و نصاریٰ کے گہرے مطالعہ پر مبنی ہیں یہ میرے فاضل ہمنام مولانا محمد علی صاحب لاہوری کا کارنامہ ہے جو ایک بہت بڑی مذہبی جماعت کے لیڈر ہیں۔ اور اس جماعت کے کچھ ممبر انگلستان میں تبلیغ اسلام کا کام کر رہے ہیں۔ اور انھوں نے مسجد ووکنگ میں مشن قایم کر رکھا ہے۔ یہ ترجمہ اور اس کے حواشی اس زہر کا نہایت ضروری تریاق ہیں جو سیل راڈویل اور پامر جیسے انگریزی مترجمین کے فٹ نوٹوں میں پایا جاتا ہے اور اس ذہنی کیفیت میں جس میں میں اس وقت مبتلا تھا۔ میں نے اس دوست کو جس نے قرآن کریم کے یہ نسخے بھیجے تھے یہ لکھا کہ میرے لیے اس سے بڑھ کر کوئی چیز دل خوش کن نہیں ہو سکتی کہ جونہی مَیں ان قیود سے جو نظر بندی کی حالت

میں مجھ پر عائد ہیں آزاد ہو جاؤں۔ یورپ چلا جاؤں اور ان لوگوں کے جن کے دماغ جنگ کے اثر سے پاگل ہو چکے ہیں۔ ہر ایک پارک سے اور ہر بازار سے اس پاک مذہب کی تلقین کروں۔ جو ان جنگ کرنے والی قوموں کے شور و غل کو اسلام کے متحد کرنے والے امن و امان میں خاموش کر دا سکوں۔"

یہی مولانا محمد علی جوہر ایک دفعہ ولایت جانے سے پہلے مولانا محمد علی صاحب کو ملے تو کہنے لگے کہ "مولانا آپ مجھے ایک جھوٹ بولنے کی اجازت دیں کہ میں انگلستان میں یہ کہہ دوں کہ یہ ترجمہ میں نے کیا ہے۔" مولانا محمد علی صاحب مسکرائے اور کہنے لگے۔ "بے شک محمد علی نے ہی یہ ترجمہ کیا ہے۔"

الحاج حافظ غلام سرور صاحب، جنھوں نے قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ خود بھی کیا تھا، لکھتے ہیں:۔ "پچھلے بتّیس سال سے مولانا محمد علی صاحب نے اپنے آپ کو اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ ان کا انگریزی ترجمہ قرآن صرف ایک ہی کتاب نہیں ہے جو انھوں نے لکھی ہو مگر اس کی وجہ سے ان کا نام قرآن کی خدمت کرنے والوں میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ۱۹۱۷ء سے جب سے یہ ترجمہ چھپا ہے اس کی قدر و قیمت بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ انگریزی زبان میں کوئی اور ترجمہ یا تفسیر قرآن ایسی نہیں جو مولانا محمد علی صاحب کی اس معرکتہ الآرا، تصنیف کا مقابلہ کر سکے۔"

ایس۔ ایچ۔ لیڈر، انگلستان

"آپ کی مذہبی کتاب کے اتنے اعلیٰ درجہ پر اور خوبصورتی کے ساتھ چھپنے پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اس کے اندر جو نور اور علم و فضل بھرا ہوا ہے اس کو دیکھا جائے تو ہمارا دل آپ کی اتنی بڑی محنت کے لیے تشکّر کے جذبات سے بھر جاتا ہے۔ یہ ترجمہ دنیا کی مذہبی تاریخ میں ایک نئے دور کی ابتدا ہے۔"

اخبار "کویسٹ"، لنڈن

"بے شک یہ ایک ایسی تصنیف ہے جس پر ایک عالم و فاضل انسان فخر کر سکتا ہے۔"

اخبار "مدراس میل"

"مولانا محمد علی صاحب کا نام ہی اس ترجمہ کی عمدگی کا ضامن ہے۔ شاید ہی کوئی انگریزی ترجمہ اتنے اعلیٰ پایہ کا ہوگا۔"

اخبار "ہندو" مدراس

"اس کے مصنف صحیح اور قابل اعتماد ترجمہ کے لیے مشہور ہیں۔ کتاب کے مقدمہ میں اور تشریحی نوٹوں میں ایک علم کا خزانہ موجود ہے۔"

اخبار "یونائٹڈ انڈیا" دہلی

"نسل انسانی نے جو اب تک تصنیف و تالیف کے میدان میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے ہیں۔ ان میں مولانا محمد علی کا انگریزی ترجمہ قرآن ایک نمایاں اور ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔"

اخبار "ایسٹ اینڈ ویسٹ" انگلستان

"اس کتاب کی ترتیب انتہائی قابلِ تعریف ہے۔ اسلام کے مذہبی لٹریچر میں یہ ایک قیمتی اضافہ ہے۔"

اخبار "ٹائمز آف سیلون"

"اس تصنیف پر قابل مصنف بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔"

اخبار "ایڈووکیٹ" لکھنؤ

"ہم مولانا محمد علی صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں کہ ان کا یہ ترجمہ سب تراجم سے بڑھ چڑھ

کر رہے ہے"

اسی طرح پادری زویمر اپنے مشہور مسیحی رسالہ" مسلم ورلڈ" جولائی ۱۹۳۱ء (صفحات ۲۸۹ تا ۲۹۴) میں مولانا محمد علی صاحب، مسٹر پکتھال اور حافظ غلام سرور کے تراجم کا مقابلہ کرتے ہوئے صاف صاف لکھتے ہیں کہ مؤخر الذکر دونوں اصحاب اکثر مولانا محمد علی کے ترجمہ کا ہی اتباع کرتے ہیں اور معمولی الفاظ کا فرق رہ جاتا ہے۔ اور یہ کہ اس ترجمہ سے دونوں اصحاب نے کثیر استفادہ حاصل کیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا کا ترجمہ ایک نہایت وسیع مطالعے اور دقیق ریسرچ پر مبنی ہے اور اس رنگ میں باقی کے تراجم ORIGINAL نہیں کہلا سکتے۔

(مجاہد کبیر صـ ۱۴۹ - ۱۵۰)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

عرضِ حال

قرآن کریم کا یہ ترجمہ اور حواشی تفسیر بیان القرآن سے لیے گئے ہیں جو تین جلدوں میں کوئی آٹھ دس سال پیشتر شائع ہو چکی ہے۔ وہ تفسیر ایک ضخیم کتاب ہے اور عام لوگوں کا اُس سے متمتع ہونا مشکل ہے۔ اس لیے ضرورت معلوم ہوئی کہ قرآن کریم کے علم کو وسعت دینے کے لیے ایک حمائل کے رنگ میں اس ترجمہ اور تفسیر کو شائع کیا جائے۔ ترجمہ کسی قدر اصلاح کے ساتھ وہی ہے اور اصلاح کے کام میں بالخصوص مولانا غلام حسن خان صاحب پشاوری کا ممنون ہوں تفسیر میں سے حل لغت کے حصہ کو بالکل چھوڑ دیا گیا ہے اور جس قدر گنجائش اجازت دیتی تھی مختصر تفسیری نوٹ حاشیہ پر دے دیے گئے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ مسلمان اپنے طور پر قرآن کریم کو سمجھ سکے۔ میرا یقین ہے کہ مسلمانوں کی ترقی کا راز قرآن کریم میں ہی ہے۔ مگر ایک عرصہ سے قرآن کریم کی تعلیم ہماری مذہبی درس گاہوں سے قریباً مفقود ہو چکی ہے اور اسی وجہ سے مسلمان اس سرچشمۂ نور و ہدایت سے بہت حد تک ناآشنا ہو چکے ہیں۔ ضرورت یہ ہے کہ قرآن کریم کے علم کو عام کیا جائے۔ ہر خواندہ آدمی قرآن شریف کو خود پڑھے۔ وہ اپنے دل کی تسکین کا بہت سامان اس میں پائے گا، مگر یہ اُسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اس کا مفہوم سمجھ کر پڑھے۔ قرآن کریم ہی وہ چیز ہے جو آج مسلمانوں کے ایمان کو زندہ کر سکتی ہے، جو اُن میں ہمت اور استقلال، اخلاص اور سچائی کے جوہر پیدا کر سکتی ہے، جو اُن کو اعلیٰ درجہ کے با اخلاق انسان بنا کر اُن کا مقام دُنیا کی دُوسری قوموں سے بلند کر سکتی ہے، جو اُن میں وہ وسعتِ قلب پیدا کر سکتی ہے کہ وہ دوسروں سے اعلیٰ درجہ کا حُسنِ سلوک کریں اور کسی کو حقارت کی نگاہ سے نہ دیکھیں اور جو ان میں ایسی قوتِ مقابلہ پیدا کر سکتی ہے کہ وہ سخت سے سخت مخالفت سے نہ گھبرائیں۔ مَیں نے اپنے حواشی میں جہاں تک میرا علم تھا موجودہ زمانہ کی ضروریات کو مدِّ نظر رکھا ہے اور اُن شبہات کا ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے جو آج مذہب کے متعلق دلوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اگر میری یہ ناچیز کوشش میرے بھائیوں کے لیے قوتِ ایمان کا موجب ہو سکے تو اس سے زیادہ اور کوئی خواہش نہیں۔

آخر میں یہ کہوں گا کہ جو لوگ قرآن شریف کا زیادہ وسیع مطالعہ کرنا چاہتے ہیں یا جس قدر حواشی میں تشریح ہے اُس سے زیادہ چاہتے ہیں، وہ میری تفسیر بیان القرآن کا مطالعہ کریں +

محمد علی

۱۴۔ نومبر ۱۹۲۹ء احمدیہ بلڈنگس، لاہور

تمہید

نام | اگر قرآنِ کریم خود دنیا کا سب سے بڑا اور ہمیشہ رہنے والا معجزہ ہے، تو اُس کا نام بھی اپنے اندر ایک اعجاز رکھتا ہے۔ یہ لفظ قرأ سے مشتق ہے، جس کے معنے ہیں اکٹھا کیا، جمع کیا اور دُوسرے معنے ہیں، پڑھا۔ گویا پہلے معنے کے لحاظ سے یہ کتاب جامع یا اِکٹھا کرنے والی ہے اور دُوسرے معنے کے لحاظ سے پڑھی جانے والی۔ دونوں معنی کے لحاظ سے قرآنِ کریم کو جملہ کتبِ سماوی پر تین فضیلت حاصل ہے۔ جس قدر مذہبی صداقتوں کو قرآنِ کریم اپنے اندر جمع رکھتا ہے، دنیا کی اور کوئی کتاب نہیں رکھتی اور جس کثرت سے قرآنِ شریف دنیا میں پڑھا جاتا ہے اور کوئی کتاب نہیں پڑھی جاتی۔ امرِ اوّل کے متعلق اسی قدر کہہ دینا کافی ہے کہ غیر مسلم محققین نے بھی اس بات کو مانا ہے کہ انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر خواہ وہ اس کی معاشرت اور تمدن سے تعلق رکھتے ہوں یا اخلاقِ فاضلہ سے، یا اس کے خدا کی ہستی پر ایمان اور تعلق باللہ سے قرآن شریف ہر قسم کی ہدایات کو اپنے اندر جمع رکھتا ہے، پھر یہ ہر مذہب اور ہر مذہبی عقیدہ پر بحث کرتا ہے اور یہ جامعیت اور کسی کتاب میں نہیں اور امرِ دوم کے متعلق انسکلوپیڈیا برٹینیکا میں یہ اعتراف عیسائی محققین کا موجود ہے کہ قرآنِ شریف دنیا کی تمام مذہبی کتب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ مسلمان دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھتے ہیں اور ان تمام نمازوں کی رکعات فرض اور سنّت کی تعداد ۳۲ سے کم نہیں اور ہر رکعت میں قرآن شریف کا کچھ نہ کچھ حصّہ ضرور پڑھا جاتا ہے اور یہ فخر دنیا کی اور کسی کتاب کو حاصل نہیں کہ اس کے پیرو اسے دن میں ایک دو نہیں، بتّیس مرتبہ پڑھتے ہوں۔ اس کے علاوہ بھی جس قدر تلاوت قرآن کریم کی دنیا میں ہوتی ہے اور کسی کتاب کی نہیں ہوتی، پھر ہر مسلمان ملک میں ہزارہا بلکہ لاکھوں کی تعداد میں حافظ موجود ہیں پھر رمضان کے مہینے میں یہ پاک کتاب قریبًا تمام مساجد میں ایک دفعہ ضرور پڑھی جاتی ہے اور اس لحاظ سے بھی یہ دنیا کی تمام کتابوں سے زیادہ پڑھا جانے والی کتاب ہے۔

قرآن کا نزول | قرآن شریف کس کا کلام ہے، کس پر، کس طرح، کب، کس زبان میں اُترا، ان سب سوالات کا جواب خود قرآن شریف کے اندر موجود ہے۔ یہ رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا (۲۶: ۱۹۲) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر نازل ہُوا (۴۷: ۲)؛ رُوح القدس یا جبرئیل کے توسط سے یہ آپ کے قلب مبارک پر نازل ہُوا (۲۶: ۱۹۳)

اس کا نزول ماہ رمضان میں (۲ : ۱۸۹) پچیسویں یا ستائیسویں رات کو جو لیلۃ القدر کہلاتی ہے شروع ہُوا (۹۷ : ۱) یہ عربی زبان میں نازل ہُوا (۴۴ : ۵۸) اور ایک مرتبہ نہیں بلکہ تھوڑا تھوڑا کرکے نازل ہُوا (۲۵ : ۳۲) اور ان ٹکڑوں کی ترتیب خود محمد رسول اللہ صلعم نے وحی الٰہی کی ہدایت کے ماتحت کی (۷۵ : ۱۷)

قرآن کے اسماء قرآن کریم کے کئی نام ہیں، جو خود اس پاک کتاب کے اندر آئے ہیں: الکتاب (۲ : ۲) یعنی ایسی تحریر جو اپنے اندر کامل ہے - الفرقان (۲۵ : ۱) حق اور باطل میں فرق کرنے والا - الذکر (ذکری - تذکرة) (۱۵ : ۹) یاد دلانے والا یا شرف اور بڑائی کا ذریعہ - الموعظة (۱۰ : ۵۷) نصیحت - الحکمة (۱۷ : ۳۹) دانائی کی مضبوط باتیں - الحکم (۱۳ : ۳۷) فیصلہ - الشفاء (۱۰ : ۵۷) شفا دینے والا - الھدٰی (۷۲ : ۱۳) راہ دکھانے والا، منزلِ مقصود تک پہنچانے والا - التنزیل (۲۶ : ۱۹۲) اللہ کی طرف سے اُتارا گیا - الرحمة (۱۷ : ۸۲) رحمت - الروح (۴۲ : ۵۲) رُوح یا زندگی - الخیر (۳ : ۱۰۳) ہر قسم کی بھلائی کو جمع رکھنے والا - البیان (۳ : ۱۳۷) کھول کر بیان کرنے والا - النعمة (۹۳ : ۱۱) نعمت - البرھان (۴ : ۱۷۵) کھلی دلیل - القیم (۱۸ : ۲) مضبوط، مضبوط کرنے والا - المھیمن (۵ : ۴۸) (دوسری کتابوں کی صحیح تعلیم کی) حفاظت کرنے والا - النور (۷ : ۱۵۷) روشنی - الحق (۱۷ : ۸۱) حق، سچائی - حبل اللہ (۳ : ۱۰۲) اللہ کا عہد - اس کی صفت میں آتا ہے - المبین (۱۲ : ۱) واضح کرنے والا - الکریم (۵۶ : ۷۷) عزت دینے والا - المجید (۵۰ : ۱) بڑائی والا - الحکیم (۳۶ : ۲) حکمت والا - عربی (۱۲ : ۲) کھول کر بتانے والا - العزیز (۴۱ : ۴) زبردست - مکرّمة (۸۰ : ۱۳) عزت دیا گیا - مرفوعة (۸۰ : ۱۴) بلند کیا گیا - مطھرة (۸۰ : ۱۴) پاک - العجب (۷۲ : ۱) نادر چیز - مبارك (۶ : ۹۳) برکت دیا گیا جس کی خیر کبھی منقطع نہ ہوگی - مصدق (۶ : ۹۳) (پہلی کتابوں کی) تصدیق کرنے والا -

قرآن کریم کی تقسیم قرآن شریف ۱۱۴ حصّوں یا بابوں پر منقسم ہے - جن میں سے ہر ایک حصّہ سورة کہلاتا ہے (۲ : ۲۳) - سورت کے معنے ہیں مرتبہ کی بلندی اور عمارت کے ایک حصّہ کو بھی سورت کہا جاتا ہے اور دونوں معنی کے لحاظ سے یہ لفظ قرآن کریم کے مختلف حصّوں پر بولا گیا ہے : یعنی بلندیٔ مرتبہ کے لحاظ سے یا اِس لحاظ سے کہ اِس کا ہر ایک حصّہ گویا ایک عمارت کا حصّہ ہے اور عمارت سے تشبیہ دے کر بتایا کہ یہ ایک منظّم چیز ہے جس طرح عمارت کے مختلف حصّے ایک خاص ترتیب سے ہوتے ہیں، اسی طرح قرآن کریم کی سورتوں کی ترتیب بھی ایک حکمت پر مبنی ہے - مگر ہر سورت بجائے خود بھی ایک مضمون کو تکمیل تک پہنچاتی ہے اس لیے سورت کو کتاب بھی کہہ دیا گیا ہے اور قرآن کریم

میں کئی کتابوں کا ہونا بیان کیا گیا ہے ۔ صحفا مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ (۹۸ : ۳) لمبی سورتوں کی تقسیم رکوعوں میں کی گئی ہے ۔ ہر رکوع ایک مضمون کو بیان کرتا ہے اور مختلف رکوعوں کا باہم ایک تعلق اور ربط ہے جس طرح کل کے اندر ایک تعلق اور ربط ہے ۔ اس سے چھوٹی تقسیم آیات میں ہے ۔ اٰیۃ کے معنی نشان ہیں اور اسی معنے کے لحاظ سے اس کا اطلاق معجزہ پر بھی ہوا ہے ۔ مگر اٰیۃ کے معنے منجانب اللہ رسالت یا پیغام بھی ہیں اور اسی معنے کے لحاظ سے وہ جملے جن پر ہر سورت یا ہر رکوع منقسم ہے آیتیں کہلاتی ہیں ۔ مگر جس طرح وحی کا کوئی ایک ٹکڑا یا جملہ آیت کہلاتا ہے ، اسی طرح کسی نبی کی کل وحی یا شریعت بھی آیت کہلاتی ہے ۔ قرآن کریم کی صرف آخری ۳۵ سورتوں میں ایک ایک رکوع ہے۔ باقی میں دو سے لے کر چالیس تک رکوع ہیں۔ کل آیات قرآنی کی تعداد ۶۲۴۷ ہے اور ۱۱۳ سورتوں کے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم الگ آیت آتی ہے اس کو شامل کرکے کل آیات کی تعداد ۶۳۶۰ ہو جاتی ہے ۔ تلاوت کے لیے قرآن کریم کو تیس اجزا یا پاروں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر پارے کو پھر چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ اسی غرض کے لیے قرآن کریم کو سات منزلوں میں بھی تقسیم کیا گیا ہے ، مگر یہ تقسیم بلحاظ مضمون نہیں ۔

قرآن کریم کی جمع قرآن کریم تھوڑا تھوڑا کرکے نازل ہوتا رہا جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا اور تئیس سال کے عرصہ میں مکمل نازل ہو گیا ۔ یہاں تک کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر جو نبی صلعم کا آخری حج تھا اور جس کے ۸۲ دن بعد آپ نے وفات پائی یہ آیت نازل ہوئی الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی (۵ : ۳) مگر جو حصہ نازل ہوتا تھا وہ ایک خاص ترتیب سے جمع ہوتا رہتا تھا ۔ بہت سی سورتیں ایسی ہیں جو اکٹھی نازل نہیں ہوئیں ، بلکہ کئی کئی سال تک ان کا نزول رہا ۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی کوئی آیت آنحضرت صلعم پر نازل ہوتی تو آپ کاتب کو حکم دیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں موقعہ پر رکھ دو ۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ قرآن کریم کو حضرت عثمانؓ نے جمع کیا ، یہ صحیح نہیں ۔ قرآن کریم کی جمع کا کام خود رسول اللہ صلعم نے کیا اور وہ بھی وحی الٰہی کی ہدایت کے ماتحت اور اس پر یقینی شہادت خود قرآن شریف کی موجود ہے ، جو فرماتا ہے ان علینا جمعہ وقرانہ (القیامۃ ۷۵ : ۱۷) یعنی اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھنا دونوں ہم پر ہیں ، تو جس طرح اس کا پڑھنا اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے اسی طرح اس کا جمع کرنا اپنی طرف منسوب کیا ہے ۔ جس سے صاف معلوم ہوا کہ جس طرح رسول اللہ صلعم وہی پڑھتے تھے جو اللہ تعالیٰ آپ کو پڑھاتا تھا ، اسی طرح آپ ان مختلف ٹکڑوں کو جمع بھی اسی طرح کرتے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت فرماتا تھا ۔ پس قرآن کریم جس طرح کل کا کل رسول اللہ صلعم کی وفات سے پیشتر نازل ہو چکا تھا ، اسی طرح کل کا کل آپ

کی وفات سے پیشتر جمع بھی ہو چکا تھا۔ احادیث میں بھی حضرت عثمانؓ کے قرآن شریف کو جمع کرنے کا کوئی ذکر نہیں۔البتہ حضرت ابوبکرؓ کے قرآن شریف کو جمع کرنے کا ذکر ہے۔ سو اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس جمع سے مراد اُن اوراق کا جمع کرنا تھا، جو رسول اللہ صلعم کے سامنے لکھے گئے۔ چنانچہ احادیث میں اس واقعہ کا ذکر یوں آتا ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ کی ابتدائے خلافت میں بغاوتوں کے فرو کرنے میں بہت سے قرآن کریم کے حافظ شہید ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو اس امر کی طرف توجہ دلائی اور قرآن کریم کے جمع کرنے پر زور دیا۔ ان دو باتوں کا تعلق یہ ہے کہ قرآن شریف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو طریق پر محفوظ فرمایا کرتے تھے۔ ایک یہ کہ ہر آیت کو لکھوا دیتے، دوسرے یہ کہ اس کو حفظ کرا دیتے۔ اب جو لوگ قرآن شریف کو حفظ کرتے تھے ظاہر ہے کہ وہ کسی ترتیب سے ہی حفظ کرتے تھے۔ اگر سُورتوں کی اور سورتوں میں آیتوں کی کوئی ترتیب نہ ہوتی تو اس کا حفظ کرنا ناممکن تھا۔ چنانچہ آپ کی زندگی میں بہت لوگ پورے قرآن شریف کے حافظ تھے اور جو ٹکڑا نازل ہوتا تھا اُسے فوراً اپنے موقعہ پر رکھ کر یہ لوگ اپنے حافظوں میں اُسے محفوظ کر لیتے تھے اور ایک سے دُوسرا اور دُوسرے سے تیسرا سیکھ لیتا تھا اور پھر یہ حافظانِ قرآن اُسے بار بار دوہراتے رہتے تھے اور دَور کرتے رہتے تھے تاکہ کوئی آیت یا اُس کا کوئی لفظ حافظہ سے نکل نہ جائے اور یہ اس کا دوہرانا اور ایک دُوسرے کو سکھانا اسی صورت میں ممکن تھا کہ سب ایک ترتیب سے سُورتوں کو اور سورتوں کی آیتوں کو دوہراتے ہوں اور دُوسری طرف قرآن شریف سارے کا سارا لکھا ہُوا بھی موجود تھا اور رسول اللہ صلعم کے خاص خاص کاتب تھے جو ہر آیت یا سورت کو اس کے نزول کے ساتھ ہی لکھ لیتے۔ مگر یہ سب اوراق کسی خاص ترتیب سے جمع نہ تھے، بلکہ مختلف کاتب ہونے کی وجہ سے کوئی کاغذ کسی کے قبضہ میں تھا اور کوئی کسی کے۔ تو ایک طرف تو قرآن شریف حفاظ کے سینوں میں اپنی پوری ترتیب کے ساتھ جمع تھا اور دُوسری طرف کاغذوں میں پُورے کا پُورا لکھا ہُوا موجود تھا، مگر ان کاغذوں میں خاص ترتیب نہ دی گئی تھی اور جب تک رسول اللہ صلعم زندہ تھے ایسی ترتیب دی بھی نہ جا سکتی تھی، کیونکہ کبھی کسی سورت کی کوئی آیت نازل ہوتی کبھی کسی کی۔ حضرت عمرؓ نے جس بات کی طرف توجہ دلائی وہ یہی تھی کہ اگر حافظ کثرت سے شہید ہو گئے تو وہ ترتیب جو رسول اللہ صلعم کے ارشاد کے مطابق اُن کے سینوں میں محفوظ ہے ہاتھ سے جاتی رہے گی۔ اس لیے اُنھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے یہ عرض کیا کہ قرآن شریف کے لکھے ہوئے اوراق کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کرنے کا حکم دیا جائے۔ تاکہ اس کا انحصار صرف حافظوں پر نہ رہے۔

اور یہی وہ کام تھا جو حضرت ابوبکرؓ نے کیا، یعنی وہ تمام مسودات اکٹھے کرائے جو متفرق طور پر لوگوں کے پاس تھے اور اُن کو وہی ترتیب دی جو رسول اللہ صلعم نے حافظانِ قرآن کو سکھائی تھی، تاکہ اگر سب کے سب حافظانِ قرآن بھی جنگوں میں ایک مرتبہ شہادت پا جائیں تو قرآن کریم کو کوئی نقصان نہ پہنچے - چنانچہ یہ نسخہ قرآن شریف کا جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جمع ہُوا حضرت حفصہؓ کے پاس رکھا گیا - حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جو کام ہُوا وہ صرف اِس قدر تھا کہ جب حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا کہ بعض لوگوں میں قرأت کے متعلق اختلاف پیدا ہونے کا اندیشہ ہے تو آپ نے وہی حضرت حفصہؓ والا نسخہ منگوا کر اس کی کئی نقلیں محتاط اور عالم صحابہ سے کرائیں اور ایک ایک نسخہ مختلف مرکزوں میں رکھوا دیا تاکہ ہر جگہ کے لوگ اس مستند نسخہ کو دیکھ کر غلطیوں کو دُور کر سکیں یہ اتنا بڑا دُور اندیشی کا کام تھا کہ جس کی نظیر ہمیں اس زمانہ تک کی تاریخ میں نہیں ملتی - اور صرف یہی وجہ ہے کہ آج مسلمانوں میں مشرق و مغرب میں ایک ہی نسخہ قرآن شریف کا پایا جاتا ہے اور کوئی نسخہ قرآن شریف کا ایسا نہیں جس میں دوسرے کے ساتھ زیر و زبر تک کا بھی اختلاف ہو - اس مضمون پر اور اس کے ساتھ ہی مختلف قرأتوں پر مفصّل بحث میں نے اپنی کتاب جمع قرآن میں کی ہے اس تمہید میں اس مختصر خاکہ سے زیادہ گنجایش نہیں -

مکّی اور مدنی سورتیں آنحضرت صلعم کی عمر چالیس سال کی تھی، جب آپؐ پر وحی کا نزول شروع ہُوا اور تریسٹھ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی - یوں قرآن کریم کا نزول تیئس سال کے عرصہ میں ہُوا، ان تیئس سال میں سے آپ تیرہ سال مکہ معظمہ میں رہے اور جب آپ کی اور آپ کے ساتھیوں کی تکلیفیں انتہا کو پہنچ گئیں اور آپ کی جان لینے کی انفرادی کوششوں کے بعد تمام قبائل نے مل کر آخری اور قطعی فیصلہ آپ کو قتل کرنے کا کر لیا، تو آپ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور اپنی زندگی کے آخری دس سال یہیں گذارے - جن سورتوں کا نزول مکّہ میں ہُوا وہ مکّی کہلاتی ہیں اور جن سورتوں کا نزول مدینہ میں ہُوا وہ مدنی کہلاتی ہیں - قرآن کریم کی کُل ۱۱۴ سُورتوں میں سے ۹۳ کا نزول مکّہ میں ہُوا اور اکیس کا مدینہ میں، مگر اوّل الذکر میں سورت النصر (سورت ۱۱۰) بھی شامل ہے جو مدنی زمانہ کی ہے مگر مکہ میں ایامِ حج میں نازل ہوئی - گو مدنی سورتیں تعداد میں بہت تھوڑی ہیں مگر یہ عموماً زیادہ لمبی ہیں اور قرآن کریم کا قریباً ایک تہائی حصہ مدنی ہے اور دو تہائی مکّی - ترتیب قرآنی میں مکّی اور مدنی سورتوں کو ملا کر رکھا گیا ہے، چنانچہ سُورہ فاتحہ کے بعد چار مدنی سورتیں آتی ہیں پھر دو مکّی پھر دو مدنی، پھر چودہ

کی ، پھر ایک مدنی پھر آٹھ کی ، پھر ایک مدنی پھر تیرہ کی ، پھر تین مدنی پھر سات کی ، پھر دس مدنی اور آخر پر پھر اٹھائیس کی سورتیں ہیں سوائے نمبر ۱۱۰ کے جو بلحاظ مقام کی اور بلحاظ زمانہ مدنی ہے ۔

سورتوں کے نزول کی تاریخیں | کی سورتوں کی تاریخ نزول کی تعیین میں عموماً زیادہ دقت ہے ۔ اس لیے کی زمانہ کو تاریخ نزول سور کے لحاظ سے میں نے تین حصّوں پر تقسیم کر دیا ہے یعنی ابتدائی کی زمانہ جو پانچویں سال بعثت نبوی تک ہے ، درمیانی جو دسویں سال تک ہے اور آخری جو ہجرت تک ہے ۔ مدنی سورتوں میں چونکہ جنگوں کا اور دیگر واقعات کا ذکر ہے ان کے نزول کی تاریخ کی تعیین نسبتاً آسانی سے ہو سکتی ہے مگر کسی سورت کی تاریخ نزول کا جب ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مراد اس کے بڑے حصّے کا نزول ہوتا ہے ۔ کیونکہ مدنی سورتوں میں بالخصوص اُن میں سے لمبی سورتوں میں بعض آیات کا نزول کئی کئی سال پیچھے ہُوا مثلاً سورہ بقرہ حالانکہ پہلے اور دوسرے سال ہجرت کی سورت ہے مگر اس میں ایسی آیات بھی ہیں جو نبی صلعم کی زندگی کے آخری زمانہ میں نازل ہوئیں ۔ ان امور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سورتوں کے نزول کی تاریخ قریبًا قریبًا حسب ذیل معلوم ہوتی ہے :-

ابتدائی کی زمانہ	۶۰ سورتیں	۱ ، ۱۷ تا ۲۱ ، ۵۰ تا ۵۶ ، ۶۷ تا ۱۰۹ ، ۱۱۱ تا ۱۱۴ +
درمیانی کی زمانہ	۱۷ سورتیں	۲۹ تا ۳۲ ، ۳۴ تا ۴۶ (سورت ۳۳ مدنی ہے)
آخری کی زمانہ	۱۵ سورتیں	۶ تا ۷ ، ۱۰ تا ۱۶ ، ۲۲ ، ۲۳ ، ۲۵ تا ۲۸ +
سنہ ۱ و ۲ ہجری	۶ سورتیں	۲ ، ۸ ، ۴۷ ، ۶۱ ، ۶۲ ، ۶۴ +
سنہ ۳ و ۴ ہجری	۳ سورتیں	۳ ، ۵۸ ، ۵۹ +
سنہ ۵ تا ۸ ہجری	۹ سورتیں	۴ ، ۵ ، ۲۴ ، ۳۳ ، ۴۸ ، ۵۷ ، ۶۰ ، ۶۳ ، ۶۵ +
سنہ ۹ و ۱۰ ہجری	۴ سورتیں	۹ ، ۴۹ ، ۶۶ ، ۱۱۰ +

سورتوں کی ترتیب | یہ تو ظاہر ہے کہ قرآن شریف کی موجودہ ترتیب سورتوں کی نزولی ترتیب نہیں اور درحقیقت نزولی ترتیب ممکن بھی نہ تھی ، اس لیے کہ ایک ہی وقت میں مختلف سورتوں کی آیات نازل ہوتی تھیں اور یہ ترتیب جو اس وقت موجود ہے ، رسول اللہ صلعم کے ارشاد سے ہی ہوئی اور یہ وہی ترتیب ہے جس سے حافظانِ قرآن قرآن شریف کو حفظ رکھتے تھے اور جس کے مطابق تلاوت کرنے والے تلاوت کرتے تھے اور اسی ترتیب کو اللہ تعالیٰ نے اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ کہہ کر اپنی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ اگر ترتیب نزولی ہی اصل ترتیب ہوتی تو قرآن کے

پڑھنے کے علاوہ اس کی جمع کا ذکر ہی بے معنی تھا۔ موجودہ ترتیب میں ایک سورت کا دوسری سورت سے کیا تعلق ہے اس کو میں نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں کھول کر دکھایا ہے۔ جہاں ہر سُورت کا خلاصہ مضمون بھی سُورت کی ابتدا میں بیان کر دیا ہے۔ یہاں مجملاً اس قدر ذکر کر دینا کافی ہے کہ اگر سرسری نظر سے اس ترتیب کو دیکھا جائے تو یہ عجیب بات نظر آتی ہے کہ مکی اور مدنی سورتوں کو ملا دیا گیا ہے، یعنی کئی ایک مکی سورتوں کے بعد مدنی سُورت آجاتی ہے یا کئی ایک مدنی سورتوں کے بعد مکی سورتیں آ جاتی ہیں۔ یقیناً یہ ترتیب بلا مقصد نہیں۔ اس غرض کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اس بات پر غور کریں کہ مکی اور مدنی سورتوں کی موٹی موٹی خصوصیات کیا ہیں۔ ادنیٰ تامل سے معلوم ہو جائے گا کہ جہاں مکی سورتوں میں زیادہ زور ایمان کے استحکام اور مضبوطی پر دیا گیا ہے، مدنی سورتوں میں اس ایمان کو عمل میں لانے پر زور دیا گیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مکی سورتوں میں بھی اعمالِ صالحہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور مدنی سورتوں میں بھی ایمان کو ہی بنیادی اصول قرار دیا گیا ہے، لیکن اصل مضمون مکی سورتوں کا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان کو اس قدر مضبوط کیا جائے کہ انسان کے اندر عظیم الشان قوتِ عمل پیدا ہو جائے۔ اسی لیے ان سورتوں میں اللہ تعالیٰ کی طاقت اور قدرت اور علم وغیرہ کا اظہار ہے جو انسان کے ہر عمل کو دیکھتا اور اس پر جزا و سزا مترتب فرماتا ہے اور فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کی ہستی پر یہی کامل ایمان ہی انسان کے اندر بدی سے بچنے اور نیکی پر عمل کرنے کی قوت پیدا کرتا ہے کیونکہ یہ امر فطرت انسانی میں داخل ہے کہ جب اُسے ایک چیز کے نقصان کا یقین کامل ہو تو وہ کبھی اس کے نزدیک نہیں جاتا اور جس چیز میں بالآخر اُسے نفع پہنچنے کی امید ہو اس کے لیے اپنی جان کو بھی خطرے میں ڈال دیتا ہے۔ پس اگر ایسا ہی یقین کامل اس بات پر پیدا ہو جائے کہ ہر بدی اور غفلت ایک خطرناک بیماری ہے جو انسان کو ہلاک کر دیتی ہے اور ہر نیکی کا کام انجام کار انسان کے لیے نفع کا موجب ہے تو انسان بدی سے یقیناً بچے گا اور نیکی کو یقیناً اختیار کرے گا۔ نزولِ قرآن میں یہی ترتیب ہونی چاہیے تھی کہ اوّل اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان کامل پیدا کر کے قوتِ عمل پیدا کی جاتی اور یہ مکی سورتوں میں کیا اور پھر اس قوت عمل کو کام میں لانے کے لیے نیکی اور بدی کی راہوں کو نفع اور نقصان کی باتوں کو کھول کر بیان کیا جاتا اور یہ مدنی سورتوں میں کیا۔ ایک اور امتیاز جو مکی اور مدنی سورتوں میں نظر آتا ہے، یہ ہے کہ مکی سُورتیں پیشگوئیوں سے بھری پڑی ہیں اور مدنی سُورتیں گویا اُنہی پیشگوئیوں کو پُورا کرنے والی ہیں اور تیسرا امتیاز یہ ہے کہ مکی سورتیں یہ بتاتی ہیں کہ انسان کس طرح اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کر کے اطمینانِ قلب حاصل کر سکتا ہے اور مدنی سورتوں میں یہ بتایا گیا ہے کہ

انسانوں کے باہمی تعلقات سے کس طرح یہ زندگی انسان کے لیے راحت کا سرچشمہ بن سکتی ہے ۔ گویا اگر ایک طرف تعلق باللہ سے انسان کو راحت ملتی ہے تو دُوسری طرف باہم تعلقات سے بھی اُسے راحت ملتی ہے۔ تو مکّی اور مدنی سورتوں کے اختلاط میں ایک حکمت یہ نظر آتی ہے کہ ایمان کو اعمالِ صالحہ کے ساتھ ملا دیا جائے ، کیونکہ ان میں سے ایک کے بغیر دُوسرے کی تکمیل نہیں ہوتی اور قرآن شریف کی ترتیب ابلغ اور محکم اسی کو چاہتی تھی تاکہ اس کو مکمل حالت میں پڑھنے والا جب اُسے اُٹھائے اور جہاں سے اُسے پڑھے ایمان کے استحکام کے ساتھ اس پر اچھی اور بُری راہوں کی بھی وضاحت ہوتی جائے ، پیشگوئیوں کے ذکر کے ساتھ وہ اُن کے پُورا ہونے کو بھی دیکھتا جائے ، تعلق باللہ کے ساتھ ساتھ وہ انسانی تعلقات کو اور انسانی تعلقات کے اندر تعلق باللہ کو بھی مدِ نظر رکھے اور اُس کی اہمیت سے آگاہ ہوتا جائے اور بغیر اس اختلاط کے یہ غرض حاصل نہ ہو سکتی تھی۔

سورتوں کے مضامین اور ترتیب پر ایک مختصر نظر

یہ تمہید اس بات کی متحمل نہیں ہو سکتی کہ مَیں یہاں تفصیل سے سُورتوں کی اس ترتیب ابلغ اور محکم پر بحث کر سکوں ۔ مَیں نے کسی قدر وضاحت سے اس بات کو اپنی تفسیر بیان القرآن میں دکھایا ہے لیکن مختصراً ایک نظر یہاں بھی ڈال لی جائے تو اس خلش کو دُور کرنے کے لیے مفید ہوگی جو قرآن کریم کی موجودہ ترتیب کے متعلق بہت سے دلوں میں پیدا ہوتی ہے ۔ قرآن کریم کی ابتدا ایک چھوٹی سی مکی سورت سے ہوتی ہے جس کا نام الفاتحہ یا فاتحۃ الکتاب ہے اور یہ سورت اپنی سات آیتوں میں ایک ایسی بلند پایہ دُعا انسان کو سکھاتی ہے جس سے بہتر دعا انسان کی عقل تجویز نہیں کر سکتی اور جس نے اپنے اعدا سے بھی خراجِ تحسین وصول کیا ہے ۔ اس کی پہلی تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی چار صفاتِ کاملہ ربوبیت ، رحمانیت ، رحیمیت اور مالکیت کا ذکر ہے ، درمیانی آیت میں انسان اس معبودِ حقیقی کے آگے سر جھکاتا اور اس سے مدد کا طالب ہوتا ہے ۔ آخری تین آیات میں یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو صراطِ مستقیم پر چلائے ۔ یہ دعا کیا ہے گویا انسان کے دل کے اندر ایک تڑپ پیدا کرتا ہے کہ وہ بہترین راہ پر چلے ، بالفاظ دیگر بلند سے بلند جذبہ جو انسان کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے اُس کو پیدا کرنا اُس کا اصل مقصد ہے اور اس لحاظ سے یہ سُورت قرآن کریم کا خلاصہ بھی ہے کیونکہ مذہب کی غرض اِس دُعا کے اندر پُوری ہو جاتی ہے اور چونکہ اسے قرآن شریف کا خلاصہ قرار دیا گیا ہے ، اِسی لیے تیس پارے جن میں قرآن شریف کو تقسیم کیا گیا ہے دُوسری سُورت یعنی سورہ بقرہ سے شروع ہوتے ہیں ۔ اب یہ دُوسری سُورت گویا سورہ فاتحہ کی دعا اھدنا الصراط المستقیم کا جواب ہے کیونکہ اس کی ابتدا اس بیان سے ہوتی ہے کہ یہ

کتاب اس صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت کرتی اور اس صراط مستقیم پر چلنے والے کو منزلِ مقصود پر پہنچاتی ہے۔ سورہ فاتحہ کے بعد کی چاروں سورتیں مدنی ہیں اور ان چاروں میں قریباً تمام کی تمام شریعت آ جاتی ہے اور ان چاروں میں یہود و نصاریٰ کا ذکر بالخصوص آتا ہے اور جو غلط راہیں اُنھوں نے اختیار کی تھیں اُن کو ظاہر کیا ہے۔ یہ گویا مغضوب علیہم اور ضالین کی تفسیر ہے۔ ان چار کے بعد دو لمبی مکی سورتیں ہیں، ان میں سے چھٹی میں توحید پر اور ساتویں میں نبوت پر بحث ہے اور اثنائے بحث میں یہ بھی بتایا ہے کہ انبیاء کی مخالفت کرنے والوں کا انجام کیا ہُوا۔ اُن کے بعد پھر دو مدنی سورتیں آتی ہیں، جن میں یہ بتایا ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم کی مخالفت کرنے والوں کا انجام کیا ہُوا۔ آٹھویں میں جنگ بدر کا ذکر ہے جس سے مخالفین کی سزا شروع ہوئی اور نویں میں یہ ذکر ہے کہ وہ لوگ جنھوں نے جنگ میں ابتدا کی تھی کس طرح بالآخر جنگوں میں ہی مغلوب ہوئے۔ اس کے بعد الٓر کی سات مکی سورتیں آتی ہیں، جن میں آنحضرت صلعم کی صداقت کو ثابت کیا گیا ہے کبھی فطرتِ انسانی کو اپیل کر کے، کبھی گذشتہ انبیاء کی تاریخ کو یاد دلا کر، کبھی ظاہری قدرت کو بطور شہادت پیش کر کے۔ اس کے بعد پھر پانچ مکی سورتوں کا مجموعہ ہے جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے لیے کیا بلند مقام مقدر ہے سترھویں سورت میں بنی اسرائیل کی تاریخ کا حوالہ دے کر اٹھارویں اور اُنیسویں میں عیسائی تاریخ اور عیسائی عقیدے کا ذکر کر کے بیسویں میں حضرت موسیٰ کا ذکر کر کے اور اکیسویں میں عام طور سے انبیاء کا ذکر کر کے بائیسویں اور تیئیسویں بھی مکی سورتیں ہیں جن میں سے پہلی میں بتایا ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم کامیاب ہوں گے مگر اس کے لیے آپ کے ساتھیوں کو بڑی بڑی قربانیاں کرنی پڑیں گی اور دوسری میں یہ بتایا ہے کہ مسلم قوم کی بڑائی اخلاق عظمت پر مبنی ہے نہ مادی طاقت پر۔ چوبیسویں سورت پھر مدنی ہے جس میں بتایا کہ نہ صرف آنحضرت صلعم کامیاب ہی ہوں گے بلکہ آپ کے بعد جسمانی اور روحانی دونوں طور کی خلافت بھی قائم ہوگی۔ پچیسویں سورت مکی ہے، جس میں بتایا ہے کہ حق و باطل کا وہ امتیاز جو قرآن شریف لایا رسول اللہ صلعم کے صحابہ کی زندگیوں میں نظر آتا ہے اس کے بعد طٰسٓ کی تین مکی سورتیں آتی ہیں جن میں آنحضرت صلعم کی کامیابی کا ذکر حضرت موسیٰ اور فرعون کے ذکر میں کیا ہے۔ اس کے بعد پھر الٓمٓ کی چار مکی سورتیں ہیں جن میں بتایا ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ کمزوری اور بیکسی کی حالت تبدیل کر کے انھیں عظمت کے مقام پر پہنچایا جائے گا۔ ان کے بعد پھر ایک مدنی سورت آتی ہے جس میں بتایا ہے کہ کس طرح تمام مخالفین مل کر مسلمانوں کو تباہ نہ کر سکے اور اس کے ساتھ ہی آنحضرت صلعم کی ازدواجی زندگی پر جو اعتراض

آج کیے جاتے ہیں اُن کا جواب دیا ہے گویا ایک طرف اگر مادی طاقت آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکی تو دوسری طرف آپ کے خلاف وساوس پیدا کرکے بھی آپ کا کچھ نہ بگڑے گا۔ اس کے بعد پھر چھ کی سورتیں آتی ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ قوموں کی ترقی اور تنزل کا اصل انحصار اس نیکی یا بدی پر ہے جو اُن سے بحیثیت قوم ظاہر ہو اور بتایا ہے کہ جب کوئی قوم ترقی حاصل کرکے پھر ناشکری کا طریق اختیار کرتی ہے تو وہ تنزل کی طرف عود کر جاتی ہے۔ اس کے بعد حٰم کی سورت کی سورتوں کا مجموعہ ہے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ صداقت آخرکار غالب آتی ہے اور اس کی مخالفت پر کتنی بڑی مادی طاقت کیوں نہ ہو وہ آخر مغلوب ہوتی ہے۔ اس کے بعد تین مدنی سورتیں آتی ہیں ان میں سے سینتالیسویں میں جس کا نام محمد ہے بتایا ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم کے ساتھی جو اس وقت سخت مصیبت کی حالت میں ہیں اُن کی حالت کو بہتر بنا دیا جائے گا اور آپ کے مخالف جو اس وقت زور پر ہیں اُن کا زور توڑ دیا جائے گا اور وہ مغلوب ہو جائیں گے۔ اڑتالیسویں میں جس کا نام الفتح ہے بتایا ہے کہ اسلام اپنی روحانی طاقت سے آخرکار تمام ادیان پر غالب آئے گا اور انچاسویں میں ایک ترقی یافتہ قوم کو بتایا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح سلوک کریں۔ اس کے بعد پھر سات کی سورتیں آتی ہیں جن میں بتایا ہے کہ قرآن کریم کے ذریعہ سے کیسی روحانی بیداری پیدا کی جائے گی۔ اس کے بعد دس مدنی سورتوں کا آخری مجموعہ ہے جو فی الحقیقت سب سے پہلی چار مدنی سورتوں کے مضمون کی تکمیل کرتی ہیں اور آخر پر اڑتالیس چھوٹی چھوٹی کی سورتیں آتی ہیں جو بتاتی ہیں کہ کس طرح افراد اور قومیں اس صداقت کی پیروی کرکے جو قرآن شریف میں نازل ہوئی ہے ترقی کرسکتی ہیں یا اس صداقت کو رد کرکے نقصان اُٹھائیں گے۔ ان اڑتالیس سورتوں میں سے آخری تین میں اوّل توحید کو نہایت مختصر مگر جامع الفاظ میں بیان کیا اور آخری دو سورتوں میں سکھایا کہ انسان کس طرح ہر قسم کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آسکتا ہے۔

قرآن کریم کا بےمثل ہونے کا دعویٰ

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ بےمثل کتاب ہے اور اس کی مثل کوئی انسان نہیں بنا سکتا یہ دعویٰ ابتدائی اور درمیانی مکی سورتوں میں بھی موجود ہے۔ یعنی بنی اسرائیل ۱۷ : ۸۸، یونس ۱۰ : ۳۸ اور ہود ۱۱ : ۱۳ میں اور ابتدائی زمانہ کی مدنی سورت میں بھی ہے یعنی سورۃ البقرہ ۲ : ۲۳ میں جہاں یہود بھی خطاب میں شامل ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم صرف اسی معنے سے بےمثل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور انسان اس کی مثل نہیں بنا سکتا بلکہ الہامی کتابوں میں بھی یہ بےمثل ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے کس لحاظ سے بےمثل ہونے کا دعویٰ کیا ہے اس پر خود قرآن ہی روشنی ڈالتا ہے کیونکہ جہاں سے قرآن شریف کی ابتدا ہوتی ہے وہیں فرمایا ذٰلك الكتٰب لا ريب فيه هدًى للمتقين۔ یعنی یہ کتاب ایک ہدایت نامہ ہے اور اس کے سارے اسماء نور، ذکر، فرقان، رحمت، خیر، شفاء،

حکمت وغیرہ اسی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں کہ اس کی غرض انسانوں کو جہالت، تاریکی، پستی وغیرہ ذلیل حالات سے نکال کر بلند مقام پر پہنچانا ہے اور جہاں رسول کے کاموں کا ذکر کیا ہے وہاں اللہ کی آیات کو پڑھنے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دینے کے ساتھ چوتھی بات جس کا ذکر ہے وہ تزکیہ ہے یعنی ہر قسم کی آلائشوں یا گناہوں سے پاک کر کے ترقی کی راہ پر ڈالنا۔ عرب جو کہ قرآن کریم کے پہلے مخاطب تھے اور جن کے ذریعہ سے یہ ہدایت دوسروں کو پہنچنے والی تھی صدیوں سے قعرِ مذلت میں گرے چلے آتے تھے۔ یہودیوں نے صدیوں تک کوشش کی، عیسائیوں نے صدیوں تک کوشش کی اور اُن کے پیچھے سلطنت کی بڑی بھاری طاقت اور اثر تھا کہ عرب کی اصلاح کریں مگر ایک بُت پرستی کو بھی اُن کے اندر سے دُور نہ کر سکے۔ مگر قرآن نے اس سے بہت بڑھ کر کام ایک تئیس سال کے عرصہ میں کر دکھایا کہ نہ صرف اُنھیں بُت پرستی سے نکالا بلکہ ہر قسم کے اخلاقِ رذیلہ کو اُن کے اندر سے نکال کر ایسے بلند مقام پر پہنچا دیا کہ وہ دینی رنگ میں اور دنیوی رنگ میں دنیا کے رہبر بن گئے۔ فاتح، ملک گیر، مدبّر وہ ہوئے، علوم کی روشنی اُنھوں نے پھیلائی، مخلوقِ خدا کی بہتری کے لیے نظام اُنھوں نے قائم کیے، توحید اور اخلاق کے معلّم وہ بنے۔ اسی کی طرف قرآن کریم میں اشارہ ہے جہاں فرمایا لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیھم البینۃ۔ اہلِ کتاب اور مشرک جو بُری راہوں پر پڑ گئے وہ ان بُرائیوں سے جُدا ہونے والے نہ تھے جب تک کہ اُن کے پاس بیّنہ نہ آتا اور وہ بیّنہ کیا ہے خود ہی واضح کر دیا رسولٌ من اللہ یتلوا صحفا مطھرۃ فیھا کتب قیمۃ۔ اللہ کا رسول جو پاک صحیفے پڑھتا ہے، جن میں مضبوط کتابیں ہیں $\frac{۹}{۹۸}$ و ۳۔ یہ انقلابِ عظیم جو تئیس سال کے عرصہ میں قرآن پاک کی بدولت دنیا میں رونما ہُوا اپنی نظیر نہیں رکھتا اور تاریخ عالم اس کی دوسری نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے پس جب اس ہدایت کی کوئی نظیر نہیں جو قرآن کے ذریعہ سے دنیا میں آئی تو قرآن کریم کا دعوٰے بے مثل ہونے کا ایک ایسی حقیقت ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ انسانوں کی بنائی ہوئی کتابیں تو ایک طرف رہیں، دُنیا کی کوئی دوسری الہامی کتاب بھی اس کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

قرآن کی بے نظیری کے متعلق غیروں کا اعتراف

ذیل میں چند اقوال یورپین مُصنّفین کے نقل کیے جاتے ہیں جن میں یہ اعتراف پایا جاتا ہے کہ قرآن کریم نے جو کچھ کام کر کے دکھایا، وہ وہ کام ہے جس کے کرنے سے انسان عاجز تھے اور صاف الفاظ میں قرآن کریم کو ایک معجزہ تسلیم کیا گیا ہے:۔

" ایسے زمانہ سے جس سے آگے انسان کی یاد نہیں جاتی مکّہ اور جزیرہ نما (عرب) روحانی موت کی حالت میں تھا۔ یہودیت، نصرانیت اور فلسفیانہ تحقیقات کا عرب کے دلوں پر ہلکا اور عارضی اثر ایسا ہی تھا جیسا ایک ساکن جھیل کے اوپر کی سطح پر ذراسی

حرکت پیدا ہو جائے یہ پورے سکون اور بیحرکتی کی حالت تھی - لوگ توہمات، ظلم اور بدی میں غرق تھے ..... ہجرت سے تیرہ سال پیشتر مکّہ اس ذلیل حالت میں مُردہ پڑا تھا - مگر ان تیرہ سالوں نے کیا انقلاب پیدا کر دیا ...... یہودی صداقت مدّت سے مدینہ کے لوگوں کے کانوں میں گونجتی رہی تھی - مگر جب تک اُنھوں نے نبی عربیؐ کی رُوح کو ہلا دینے والی آواز نہیں سُنی اس وقت تک وہ بھی خواب سے بیدار نہیں ہوئے"۔ (میور)

"ان سے زیادہ تفرقہ کی حالت میں کوئی دُوسری قوم نہیں ملتی، یہاں تک کہ ناگہاں ایک معجزہ رونما ہُوا - ایک انسان اُٹھا جس نے اپنی شخصیت سے اور اپنے منجانب اللہ ہدایت یافتہ ہونے کے دعویٰ سے سچ مچ ناممکن کام کر دکھایا، یعنی ان تمام ایک دوسرے سے لڑنے والے اجزا کا اتحاد"۔ (انزا اینڈ آڈٹس آف میسوپوٹیمیا)

"باایں ہم سچائی کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی تاریخ ایسے واقعات پیش کرنے کا فخر نہیں کر سکتی جو اس حد تک دل پر زندہ اثر پیدا کرنے والے ہوں یا اپنے اندر اِس قدر حیرت انگیز ہوں جیسے کہ وہ واقعات جو ہم کو پہلے مسلمانوں کی زندگیوں میں ملتے ہیں خواہ ہم اس بڑے رہنما کو دیکھیں یا اُس کے وزرا کو جو سب انسانوں سے بڑھ کر بلند مرتبہ ہستیاں ہیں اور خواہ ہم اُن ملکوں کے حالات پر غور کریں جو اُس نے فتح کیے یا اُس شجاعت، نیکی اور اُن پاک جذبات کو دیکھیں جو اُس کے جرنیلوں اور سپاہیوں میں یکساں نظر آتے ہیں"۔ (کونٹ بولن ویرز کی لائف آف محمدؐ)

"یہ بات کہ بہترین عرب مُصنّف کبھی قرآن جیسا اعلیٰ درجہ کا کلام پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہُوا، کوئی تعجب کی بات نہیں"۔

(پامر کی تمہید انگریزی ترجمہ قرآن)

"یہ ایک معجزہ ہے جس کا محمد صلعم کو دعویٰ ہے وہ اُسے اپنا زندہ معجزہ کہتے ہیں اور فی الحقیقت یہ ایک معجزہ ہے"۔

(باسورتھ سمتھ کی لائف آف محمدؐ)

"دنیا کی کسی قوم نے اِس قدر سرعت کے ساتھ تہذیب کی طرف جیسی کہ وہ تھی قدم نہیں اُٹھایا، جیسا کہ عرب نے اسلام کے ذریعہ سے"۔ (ہرشفیلڈ)

"اثر ڈالنے کی طاقت میں، بلاغت میں، بلکہ ترکیب لفظی میں بھی قرآن بےمثل ہے"۔ (ہرشفیلڈ)

"اور اسی (قرآن) کے ذریعہ سے ہی اسلامی دنیا میں علوم کے تمام شعبوں میں حیرت انگیز ترقی ہوئی"۔ (ہرشفیلڈ)

"ایک علمی تصنیف ہونے کی حیثیت میں اس کا موازنہ کسی فرضی ذوق کی بنا پر نہ کرنا چاہیے بلکہ اس اثر کی بناء پر ہونا چاہیے جو اس نے محمد (صلعم) کے ہمعصروں اور اہلِ ملک کے دلوں پر کیا۔ اگر اُس نے ایسی قوت اور ایسے مؤثرانہ طریق پر اپنے سُننے

والوں کے دلوں پر اثر پیدا کیا کہ جو اجزا اب تک پراگندہ ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے بلکہ عداوت رکھنے والے تھے اُن کو ایک کر دیا اور ان میں وہ بلند خیالات اور جذبات پیدا کر دیئے جو اس سے پیشتر عرب میں کہیں نظر نہیں آتے۔ تب اس کی فصاحت کمال کو پہنچی ہُوئی تھی، کیونکہ اس نے وحشی اقوام کے اندر سے ایک مہذب قوم پیدا کر دی۔"

(سٹین گاس ہیوز ڈکشنری آف اسلام)

جامعیتِ مضامین کمال قرآن کریم کی بینظیری کی وجہ صرف وہ اثر ہی نہیں جو اس نے پیدا کر کے دکھایا، بلکہ بلحاظ مضامین بھی یہ ایک بیمثل کتاب ہے۔ درحقیقت جو اثر اس نے پیدا کیا وہ انہی مضامین کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہستی اور صفات کے متعلق، اعمال کی جزا و سزا کے متعلق، نبوت اور وحی کے متعلق۔ دوسری زندگی اور قیامت کے متعلق جو روشنی قرآن شریف میں ڈالی گئی ہے اس کی کوئی نظیر دوسری کسی کتاب میں نہیں ملتی۔ مذہب کے بڑے سے بڑے پیچیدہ مسائل کو قرآن شریف نے ایسی صفائی سے اور ایسے مدلل طریق پر بیان کیا کہ سُننے والوں کے دل اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے دشمن اس بات کو گوارا نہ کرتے تھے کہ لوگ قرآن شریف کو سنیں۔ فی الحقیقت اس کے دلائل اور صفائی بیان ہی اصل وجہ تھی کہ یہ اس قدر اثر لوگوں کے دلوں پر کرتا تھا۔ یہاں تک کہ سخت سے سخت دشمن بھی اُسے سُن کر وقتی طور متاثر ہو جاتے اسی لیے اس کا نام برہان اور نُور ہے۔ علاوہ دقیق سے دقیق مذہبی مسائل پر روشنی ڈالنے کے اور ان کو صفائی سے بیان کر دینے کے قرآن شریف کی جامعیتِ مضامین بھی بے نظیر ہے۔ کوئی اہم مذہبی مسئلہ نہیں، کوئی اہم مذہبی عقیدہ نہیں، جس پر اس میں روشنی نہ ڈالی گئی ہو۔ اور صرف یہی نہیں کہ بعض عقائد کی صحت اور بعض کی غلطی کو اس نے واضح کیا ہو بلکہ جو کچھ بیان کیا ہے اس کے ساتھ اس کے دلائل بھی دیئے ہیں اور یہ قرآن شریف کا کمال ہے جو اور کسی کتاب کو حاصل نہیں کہ دعویٰ بھی خود کرتا ہے اور اس دعویٰ کے دلائل بھی دیتا ہے پھر تمام مذہبی مسائل اور مذہبی عقائد پر روشنی ڈالنے کے علاوہ اخلاق، تمدن، معاشرت وغیرہ امور کے متعلق بھی ہدایت دیتا اور انسان کی زندگی کے سارے پہلوؤں میں کامل رہنمائی فرماتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی ہر سُورت بجائے خود ایک مضمون کو کمال تک پہنچاتی ہے۔ اور ان تمام امور کے لحاظ سے اور دنیا میں بلند خیالات کو پھیلانے کے لحاظ سے قرآن شریف ایک بیمثل کتاب ہے۔

قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت اگر اثر کے لحاظ سے، پھر مضامین اور خیالات عالیہ کے لحاظ سے قرآن شریف بے مثل ہے تو وہ ظاہری لباس جس میں یہ خیالات بلند ملبوس ہیں یعنی الفاظ کی ترکیب اور بندش، یا اپنی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے بھی اس کا بے مثل ہونا ثابت ہے۔ قرآن کریم نہ صرف ادب عربی کے لیے بلند سے بلند معیار ہے بلکہ اس نے عربی زبان

کو ایک زندہ زبان اور عرب سے باہر دنیا کی کئی قوموں کی زبان بنا دیا۔ دنیا کی تمام بڑی بڑی مذہبی کتابوں کی زبانیں مُردہ ہیں یعنی وہ دنیا میں کہیں بولی نہیں جاتیں۔ ویدوں کی زبان، توریت کی زبان، انجیل کی زبان، ژند اوستا کی زبان، بدھ مذہب کی کتب مقدسہ کی زبان، غرض دنیا کے کسی بڑے مذہب کو لے لیں، اس کی مقدس کتاب کی زبان آج ایک مُردہ زبان ہے مگر اس کے بالمقابل قرآن کریم کی زبان نہ صرف ایک زندہ زبان ہے بلکہ قرآن کی بدولت یہ زبان عرب سے باہر بہت ملکوں میں پھیل گئی۔ اور اُن کی مادری زبان بن گئی اور دیگر کئی ممالک میں اس کا اثر پھیل گیا۔ پھر اس کے علاوہ قرآن کریم کو زبان عربی میں فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے تمام عربی دانوں نے بلند سے بلند معیار تسلیم کیا ہے۔ یہ بجائے خود ایک بڑا بھاری اعجاز ہے کہ تیرہ سو سال تک ایک کتاب کی زبان میں کچھ فرق نہیں آتا، بلکہ وہ اس زبان کا ادبی معیار بن جاتی ہے اور کوئی مذہبی کتاب کسی زبان کا ادبی معیار نہیں۔ قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت پر بعض کوتہ اندیش یورپین ناقدین نے اعتراض کیا ہے اور قرآن شریف کی ابتدائی مکّی سورتوں کی فصاحت و بلاغت کا اعتراف کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ پچھلی مکّی سورتوں میں اور مدنی سورتوں میں فصاحت و بلاغت کا وہ بلند معیار باقی نہیں رہا۔ یہ محض عدم تدبر کا نتیجہ ہے۔ ابتدائی مکّی سُورتوں اور درمیانی زمانہ یا پچھلے زمانہ کی مکّی سُورتوں اور مدنی سورتوں کے طرزِ بیان میں فرق تو ضرور ہے مگر اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے مضامین میں بھی فرق ہے۔ ابتدائی مکّی سورتوں میں زیادہ زور اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور علمِ کامل کے اظہار پر انسان کے عجز اور نیکی پر اعمال کی جزا و سزا پر زور دیا گیا ہے اس لیے ان کا طرزِ بیان اور ہے۔ درمیانی اور آخری زمانہ کی مکی سورتوں میں ان صداقتوں کی تائید کے لیے انبیائے سابق اور ان کے اعدا کے تذکرے ہیں جن میں سامعین قرآن کے لیے عبرت کا سبق ہے ان کا طرزِ بیان لازماً اور ہے۔ مدنی سورتوں میں تفصیلاتِ شریعت ہیں جو انسان کی روزمرہ زندگی سے تعلق رکھتی ہیں ان کا طرزِ بیان اور ہے اور اور ہونا چاہیئے تھا۔ مگر فصاحت و بلاغت میں ان تینوں میں کوئی فرق نہیں۔ فصاحت و بلاغت کا اندازہ اس اثر سے ہوتا ہے جو وہ کلام پیدا کرے سو قرآن کریم نے جو اثر ابتدائی مکّی وحی سے پیدا کیا۔ وہی اثر پچھلی مکّی وحی سے اور مدنی وحی سے پیدا کیا اور اس قوت اور طاقت میں جس سے قرآن دلوں کو اپیل کرتا تھا کوئی فرق نہیں آیا۔ ڈاکٹر سٹین گیس نے اس بات کا صاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے وہ لکھتا ہے:-

"اگر ہم ان مضامین کی رنگا رنگی اور اختلاف کو مدنظر رکھیں جن پر قرآن بحث کرتا ہے۔ تو طرزِ بیان ایک ہی ہونے کی توقع رکھنا غلط ہے بلکہ برعکس اس کے ایسے حالات میں ایک ہی طرزِ بیان بالکل بے محل ہوتا۔ ہمیں اس بات کو فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ اس کتاب میں ایک مکمل ضابطہ عقائد اور اخلاق کا اور ان شرائع کا جو اُن پر مبنی ہیں دیا گیا

ہے ۔اس کے ساتھ ہی ایک وسیع جمہوریت کی ہر ایک شاخ کے لیے بنیاد رکھی گئی ہے ۔تعلیم و تربیت کے لیے،انصاف اور عدالت کے لیے ، قومی نظام کے لیے ، مالی نظم و نسق کے لیے ، غربا کے لیے ایک نہایت محتاط قانون سازی اور ان سب کی بنیاد ایک خدا پر ایمان پر رکھی گئی ہے جو انسانوں کی قسمت کا مالک ہے ۔جہاں اِس قدر اہم مضامین پر بحث ہو تو اس کمال کا معیار جس سے ہم قرآن شریف کی ترکیبِ لفظی کا بحیثیتِ کُلّی اندازہ کر سکتے ہیں ان مضامین کے اختلاف کے ساتھ مختلف ہوگا ۔ بلند اور پاکیزہ جہاں اللہ تعالیٰ کی توحید کی بلند صداقت کا اظہار ہے ۔ ایک شاعرانہ مذاق والی قوم کے تخیّل کے لیے نہایت مؤثر طریق پر اپیل کرنے والا جہاں انسان کے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے یا اُس کے خلاف بغاوت کرنے کے ابدی نتائج کا اظہار مقصود ہے ۔ اپنی سادہ سنجیدگی میں دل پر اثر کرنے والا جہاں یہ پہلے نبیوں کے ذکر میں اللہ کے رسول کی حوصلہ افزائی کرتا یا تسلّی دیتا ہے اور اُن لوگوں کو جن کی طرف اسے بھیجا گیا ہے تنبیہ کرتا ہے ۔ قرآن کی زبان روزمرہ زندگی کی ضروریات کے موزون حال ہوتی ہے ۔جہاں اس روز مرہ زندگی کو اس کی شخصی یا پبلک حیثیت میں نئے سلسلہ کے بنیادی اصولوں کے ساتھ مطابق کرنا ہوتا ہے"۔

قرآن شریف پہلی شرائع کا ناسخ ہے جب قرآن شریف نے کُل مذہبی صداقتوں کو اپنے اندر جمع کر لیا تو ظاہر ہے کہ پہلی شرائع کی ضرورت اس کی موجودگی میں نہ رہی ۔ وہ وقتی اور قومی شرائع تھیں اور قرآن کریم تمام زمانوں کے لیے اور تمام قوموں کے لیے ہے ۔ وہ شرائع روشن چراغ تھے جو رات کے وقت ایک ایک گھر کو روشن کرتے تھے ۔قرآن شریف سراجاً منیرا ۳۳: ۴۶ آفتاب عالمتاب ہے جس طرح آفتاب کے طلوع پر چراغوں کی ضرورت نہیں رہتی ، اُسی طرح قرآن کریم کے نزول کے بعد پہلی شرائع کی ضرورت نہیں رہی ۔ اس میں وہ صداقتیں موجود ہیں جو پہلی شرائع میں تھیں اور یہاں وہ بہتر صورت میں موجود ہیں کیونکہ قرآن شریف نے تمام دینی امور کو تکمیل کو پہنچایا جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے الیوم اکملت لکم دینکم (۵ : ۳) اسی لیے سابق شرائع کی منسوخی کا ذکر قرآن کریم ان الفاظ میں فرماتا ہے ماننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا (۲ : ۱۰۶) جو کوئی پیغام ہم منسوخ کرتے ہیں یا اُسے فراموش کرا دیتے ہیں تو اس جیسا یا اس سے بہتر لے آتے ہیں ۔اس جیسے سے مراد یہی ہے کہ جیسی صداقتیں پہلی شرائع میں تھیں مثلاً اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی وحدانیت ۔ اعمال کی جزا و سزا وغیرہ وہ سب اس کتاب میں موجود ہیں اور ان سے بہتر اس لیے کہ اب یہ سب مذہبی حقائق اپنی تکمیل یافتہ صورت میں آگئے ہیں ۔

قرآن کریم کی کوئی آیت نہ کبھی منسوخ ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے یہ خیال کہ شریعت کی بعض تفصیلات آج ایک طرح نازل ہوئی

تھیں اور کل کو وہ غلط قرار پاکر دوسری طرح نازل ہوتی تھیں اور یہ کہ وہ دونوں قسم کی آیات اب بھی قرآن شریف میں موجود ہیں۔ اس کی بنیاد قرآن یا حدیث پر نہیں کیونکہ اس کو قبول کرکے یہ ماننا پڑتا ہے کہ قرآن شریف میں بعض احکام اس وقت ایسے ہیں جو قابل عمل نہیں اور یہ بالبداہت غلط ہے اور اس سے بڑھ کر یہ ماننا پڑتا ہے کہ قرآن کریم کی بعض آیات اور احکام دوسری آیات اور احکام کے خلاف ہیں۔ حالانکہ قرآن شریف صراحت سے فرماتا ہے کہ اس میں اختلاف کوئی نہیں بلکہ یہ فرماتا ہے کہ اگر قرآن میں اختلاف ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں ہو سکتا لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً (۴ : ۸۲) اب جو لوگ بعض آیات کو دوسری آیات سے منسوخ مانتے ہیں اُنھیں لازماً یہ ماننا پڑے گا کہ وہ آیات ان دوسری کے مخالف ہیں۔ کیونکہ منسوخ ٹھیرانے کی ضرورت ہی اس وقت پیش آئے گی جب دو آیات میں اختلاف ہو۔ پس قرآن کریم میں اختلاف ماننے کے بغیر اس کی کسی آیت کو دوسری آیت سے منسوخ نہیں قرار دیا جاسکتا اور قرآن شریف میں اختلاف خود قرآن شریف کی نصِ صریح سے باطل ہے۔ جن دو آیات کو نسخ کے مسئلہ کی بنیاد ٹھیرایا جاتا ہے ان میں فی الحقیقت صرف یہ ذکر ہے کہ قرآن کریم کے آنے سے پہلی شرائع منسوخ ہوگئیں۔ دیکھو نوٹ ۲ : ۱۰۶ پر اور ۱۶ : ۱۰۱ پر۔ اگر قرآن کریم اس مسئلہ نسخ کو غلط ٹھیراتا ہے تو کوئی حدیث بھی ایسی نہیں جس میں یہ ذکر ہو کہ رسول اللہ صلعم نے فلاں آیت کو منسوخ کہا۔ کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ قرآن شریف کی آیات تو وہ ہوں جن کو نبی صلعم فرمائیں کہ یہ آیت قرآنی ہے، خود آپ کا کلام بھی آیت قرآنی نہیں اور ان آیات کو منسوخ کرنے کے لیے آپ کے سوائے کسی دوسرے کے قول کو سند مانا جائے۔ اگر قرآن شریف میں کوئی آیت منسوخ ہوتی تو خود آنحضرت صلعم فرماتے کہ فلاں آیت منسوخ ہے تم نے اس پر عمل نہیں کرنا۔ کسی دوسرے کے کہہ دینے سے کوئی آیت منسوخ نہیں ہوسکتی اور نبی صلعم کا قطعاً کوئی قول کسی ضعیف حدیث میں بھی اس مضمون کا نہیں ہے کہ آپ نے کسی آیت کو جو بین الدفتین ہے منسوخ فرمایا ہو۔

منسوخی کے اقوال | بعض صحابہ کے اقوال میں بعض آیات قرآنی کے متعلق نسخ کا لفظ ضرور پایا جاتا ہے مگر یہ عجیب بات ہے کہ اگر ایک صحابی نے ایک آیت کو منسوخ کہا ہے تو دوسرے نے اُسی کو غیر منسوخ کہا ہے۔ تو ہم منسوخی کے قول کو جس سے قرآن شریف میں اختلاف ماننا پڑتا ہے کیوں قبول کریں اور دوسرے صحابی کے قول کو کیوں قبول نہ کریں۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ صحابہ کے اقوال میں لفظ نسخ کا استعمال وسیع معنے میں ہوا ہے۔ یعنی جب کبھی کسی آیت سے کسی صحابی کو کوئی غلط فہمی پیدا ہوئی اور اس غلط فہمی کو دوسری آیت نے دور کردیا تو ایسے موقعہ پر بھی نسخ کا لفظ استعمال کرلیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی صحیح ہے کہ اس بات پر سخت اختلاف ہے کہ کون سی آیت منسوخ ہے کون سی نہیں۔ حتیٰ کہ تفاسیر میں اگر ایک آیت کی منسوخی کے

اقوال ہیں تو اسی کے غیر منسوخ ہونے کے اقوال بھی ہیں اور تعداد کا اختلاف یہاں تک ہے کہ بعض نے پانچ سو آیات کو منسوخ قرار دیا تو بعض نے صرف پانچ کو۔ امام سیوطی نے اتقان میں صرف اکیس آیات کو منسوخ قرار دیا ہے اور اُن میں سے بھی بعض وہ ہیں جن میں ایک عام بیان کو خاص کر دیا گیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس پر ترقی کی اور صرف پانچ آیات کو منسوخ مانا۔ اب جس دلیل سے پانچ سو سے اکیس اور اکیس سے پانچ آیتیں رہ گئیں۔ اور کسی صحابی یا مفسّر سے اختلاف کرنا جرم نہ بنا۔ کیا اسی دلیل سے ان پانچ آیتوں سے بھی منسوخی کا فتویٰ نہیں اُٹھ سکتا؟ نبی کریم صلعم کا کوئی ارشاد نہ پانچ سو کے متعلق ہے نہ اکیس کے نہ پانچ کے۔ سوال صرف تطبیق دینے کا ہے جو دو آیتوں میں تطبیق نہ دے سکا اُس نے اُن میں سے ایک کو منسوخ کہہ دیا اور جب دوسرا شخص اُنہی دو میں تطبیق دینے میں کامیاب ہوگیا تو اُس نے انہیں غیر منسوخ قرار دیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے فوز الکبیر میں جن پانچ آیات کو منسوخ لکھا ہے، وہ حسب ذیل ہیں:-

(۱) البقرہ - ۱۸۰ جس میں خیراتی کاموں کے لیے وصیت کا ذکر ہے۔ ابن جریر اور بیضاوی نے اس کے غیر منسوخ ہونے پر اقوال نقل کیے ہیں۔ (۲) البقرہ - ۲۴۰ جس میں بیوہ کے لیے وصیت کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق بخاری میں مجاہد کا قول موجود ہے کہ یہ منسوخ نہیں۔ (۳) الانفال - ۶۵ جس میں بیس مسلمانوں کے دو سو مخالف پر غالب آنے کا ذکر ہے۔ وہاں خود ذکر موجود ہے کہ یہ دو باتیں یعنی اوّل بیس کا دو سو پر اور دوم سو کا دو سو پر غالب آنا دو الگ الگ زمانوں کے متعلق خبریں ہیں ایک زمانہ کے لیے پہلی بات درست ہے دوسرے کے لیے دوسری اور یہ ہیں بھی خبریں احکام نہیں۔ (۴) الاحزاب - ۵۲ لا یحل لک النساء من بعد جسے الاحزاب ۵۰ سے منسوخ قرار دیا جاتا ہے حالانکہ ان دو میں بھی الگ الگ ذکر ہے۔ الاحزاب ۵۲ میں یہ ذکر ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد آپ کو شادیاں کرنے سے روکا گیا ہے اور الاحزاب ۵۰ میں ذکر ہے کہ جو بیویاں آپ کے گھر میں موجود ہیں وہ سب آپ کے لیے حلال ہیں۔ اصل بات صرف اس قدر معلوم ہوتی ہے کہ جب تعدّد ازواج کی اجازت دیتے وقت چار کی حد بندی کر دی تو نبی کریم صلعم کو فرما دیا کہ آپ کے ہاں جو اس وقت چار سے زیادہ بیویاں ہیں جو آپ نے ضروریات دینی کے لیے ہی نکاح کیے ان میں سے کسی کو آپ طلاق نہ دیں وہ سب آپ کے لیے حلال ہیں لیکن اس کے بعد اور نکاح نہ کریں۔ (۵) المجادلہ - ۱۲ جس میں نبی صلعم سے مشورہ لیتے وقت کچھ صدقہ دینے کا ذکر ہے یہاں وہ آیت جسے ناسخ سمجھا گیا ہے محض پہلی کی تشریح کرتی ہے کہ صدقہ دینا فرض نہیں اگر نہ ملے تو نہ سہی۔ پس قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔

آیاتہا ۷ (۱) سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۱	اللہ بے انتہا رحم والے ، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے[1]
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲	سب تعریف اللہ کے لیے ہے (تمام) جہانوں کے رب
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۳	بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۴	جزا کے وقت کے مالک (کے لیے)[3]
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۵	ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں[4]
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝۶	تو ہم کو سیدھے رستے پر چلا
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ	اُن لوگوں کے رستے (پر) جن پر تُو نے انعام کیا[5]
ع الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝۷	نہ اُن کے جن پر غضب ہُوا اور نہ گمراہوں کے[6]

نمبر۱ ۔ اس سورت کا سب سے مشہور نام الفاتحہ یا فاتحۃ الکتاب ہے ، کیونکہ اس سے کتاب کی ابتدا ہوتی ہے اور اس لحاظ سے بھی یہ نام موزوں ہے کہ فتح مشکلات اور غم و ہم کے دُور کرنے کو بھی کہا جاتا ہے اور یہ جامع دعا ہے جس سے انسان کی مشکلات دور ہوتی ہیں ۔ اس کی سات آیتوں میں سے پہلی تین میں حمد باری ہے ، آخری تین میں بہترین انعامات حاصل کرنے کی دعا سکھائی ہے ، درمیانی آیت اللہ تعالیٰ اور انسان کے تعلق کو ظاہر کرتی ہے ۔ یوں یہ سُورت مالک اور بندہ کے درمیان نصف نصف ہے اور یہ سورت قرآن کریم کا گویا خلاصہ ہے اس لیے اس کا نام ام الکتاب بھی ہے ۔ اس کا نزول مکہ میں بہت ابتدائی زمانہ میں ہُوا ۔

نمبر۲ ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے قرآن کریم کی ہر ایک سورت کی (سوائے البراۃ کے) ابتدا ہوتی ہے اور ان الفاظ میں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے رحمٰن و رحیم سے مدد چاہو ۔ رحمٰن کے معنی ہیں بے انتہا رحم والا ، جو انسان کے کسی فعل کے بغیر بھی اس پر رحم کرتا ہے اور کافر و مومن پر یکساں رحم کرتا ہے جیسے جسمانیات میں ہوا ، پانی زمین وغیرہ کا پیدا کرنا ، روحانیات میں رسولوں اور کتابوں کا بھیجنا ۔ رحیم کے معنے ہیں بار بار رحم کرنے والا یعنی جب انسان کوشش کرتا ہے اور کوئی عمل کرتا ہے تو وہ اس پر رحم کر کے نتیجہ مترتب فرماتا ہے اس لیے جسمانیات میں کوشش کرنے والا روحانیات میں مومن اسی اسم سے فائدہ اُٹھاتا ہے ، یہ ایک جامع دعا ہے جو گویا سورت فاتحہ کا خلاصہ ہے اس لیے حکم ہے کہ ہر بڑے کام کی ابتدا بسم اللہ سے کرنی چاہیئے ۔

نمبر۳ ۔ ان پہلی تین آیتوں میں چار اسمائے الٰہی ہیں جو نظام عالم اور تمام اسمائے الٰہی کے لیے جڑ کے طور پر ہیں یعنی (۱) ربّ جس کے معنی ہیں تمام اشیاء کو درجہ بدرجہ کمال تک پہنچانے والا (۲) رحمٰن یعنی کمال تک پہنچانے کے لیے ضروری اسباب مہیا فرمانے والا (۳) رحیم یعنی اسباب سے فائدہ اُٹھانیوالے کو نتائج عطا فرمانے والا ۔ (۴) مالک جزا و سزا یعنی قانون کی خلاف ورزی پر سزا دینے والا اور اللہ ذات باری کا اسم ذات ہے باقی سب صفاتی نام ہیں رب العٰلمین یعنی ایک قوم کا خدا نہیں سب قوموں کا خدا ہے تعلیم اسلامی کی وسعت کو پہلی آیت میں ہی بتا دیا ۔

نمبر۴ ۔ اوپر کی چار صفات میں بتا دیا کہ مستحق عبادت صرف اللہ کی ذات ہے اس لیے ایاک نعبد میں اس کی عبادت کا اقرار ہے اور جو مستحق عبادت ہے اسی سے اعانت کا طلب کرنا بھی ضروری ہے گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے ہی انسان کو قوت ملتی ہے ۔

نمبر۵ ۔ یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس راہ پر چلائے جس پر خدا کے پاک بندے چلتے رہے ، یہ گناہوں کی معافی کی دعا نہیں بلکہ گناہوں سے بچے رہنے کی دعا ہے ۔ یہ پاک سے پاک اور اعلیٰ سے اعلیٰ خواہش ہے جو انسان کے دل میں پیدا ہو سکتی ہے اور اگر یہ تڑپ فی الواقع پیدا ہو جائے تو اس کمال کا حاصل کرنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے دنیا کی تمام دعاؤں میں یہ بہترین دعا ہے ۔ (بقیہ برصفحہ ۳)

(۲) سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ مَدَنِیَّۃٌ

آیاتھا ۲۸۶ — رکوعاتھا ۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
الٓمّٓ ۱
ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۲
الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۳
وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ
اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۴

اللہ بے انتہا رحم والے، بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
مَیں اللہ کامل علم رکھنے والا ہوں ۲
یہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں، متقیوں کے لیے ہدایت ہے ۳
جو غیب پر ایمان لاتے ہیں ۴ اور نماز قائم کرتے ہیں اور
اس سے جو ہم نے اُن کو دیا خرچ کرتے ہیں ۵
اور جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اُتارا گیا اور جو
تجھ سے پہلے اُتارا گیا اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں ۶

(بقیہ صفحہ ۲)

نمبر۶- مغضوب علیہم سے مراد بروئے حدیث یہود ہیں ضالین سے عیسائی۔ یہودیوں نے تفریط کا رستہ اختیار کیا اور نبیوں کا انکار کیا اور عملی غلطی یہ کی کہ شریعت کے ظاہر کو مانتے ہوئے اس کے مغز سے ناآشنا ہو گئے۔ عیسائیوں نے افراط اور غلو کا رستہ اختیار کیا کہ ایک خدا کے نبی کو خدا بنا لیا۔ اور یہ علمی غلطی کی کہ اس کی صلیب کو اپنے گناہوں کا کفارہ قرار دیا اور شریعت کو غیر ضروری بلکہ لعنت قرار دیا۔ پس مطلب یہ ہے کہ اے خدا ہمیں یہودیوں کی تفریط اور عملی غلطی سے بچائیو اور عیسائیوں کے غلو اور علمی غلطی سے۔

نمبر۱- اس سورت کا نام البقرہ ہے جو یہودیوں کی گائے کی پرستش کے ذکر سے لیا گیا ہے۔ اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ انسان فلاح کیونکر حاصل کر سکتا ہے اور قوم زندہ اور کامیاب کس طرح ہو سکتی ہے یعنی انعمت علیہم کا رستہ کس طرح پا سکتا ہے اور یوں ایک رنگ میں یہ سورہ فاتحہ کی دعا کا جواب ہے اور کچھ ذکر مغضوب علیہم (یہود) کا کیا ہے تا مسلمان ان غلطیوں سے بچیں۔ اس کی ابتدا اصول دین سے کی ہے اور یوں اس سورت کا موزوں مقام قرآن کریم کی ابتدا ہے اس میں ۴۰ رکوع اور ۲۸۶ آیتیں ہیں، اس کا نزول مدینہ میں ابتدائی زمانہ میں ہوا اور اکثر حصہ جنگ بدر سے پیشتر کا ہے۔
نمبر۲- الٓمّٓ - ایسے حروف جو ۲۹ سورتوں کی ابتدا میں آتے ہیں مقطعات کہلاتے ہیں ان میں سے بعض کے معنے صحابہ سے مروی ہیں۔ یہ حروف الفاظ کے قائمقام ہیں اور حروف سے الفاظ کی طرف اشارہ کرنا تمام زبانوں میں مروج ہے الٓمّٓ کے معنی حضرت ابن عباس سے انا اللہ اعلم مروی ہیں یعنی میں اللہ بہت جاننے والا ہوں۔
نمبر۳- ھدی بمعنی ہادی ہے یعنی اس راہ پر چلانے والی جو منزل مقصود تک پہنچا دے۔ متقی وہ ہے جو اپنے آپ کو ضرر رساں چیزوں سے یا گناہ سے بچائے مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب ان لوگوں کو کمال حقیقی تک جو ان کی اصل منزل مقصود ہے پہنچا دیتی ہے، جو اپنے آپ کو ضرر رساں چیزوں سے بچانے والے ہوں۔ بشرطیکہ وہ اگلی پانچ باتوں کو اپنے اندر جمع کر لیں یعنی تقویٰ کے ادنیٰ مرتبہ سے ترقی کر کے وہ اس کے کمال کو حاصل کر لیتے ہیں اور یہ ھدی للناس یا ھدی للعالمین بھی ہے یعنی رستہ سب کو دکھاتی ہے۔

نمبر۴- غیب وہ چیز ہے جو حواس ظاہری سے مخفی ہو۔ یہاں مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو نہاں در نہاں ہے یہ پہلا رکن اسلام ہے۔
نمبر۵- ایمان کے پہلے رکن کے ساتھ دو عملی ارکان کا ذکر۔ نماز یعنی اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنا اور انفاق یعنی مخلوق خدا کی خدمت میں لگ جانا۔
نمبر۶- یہ ایمان کے دو اور رکن ہیں یعنی ۱- وحی الٰہی پر ایمان اور اس پر بھی کہ اس سے پہلے بھی وحی آئی ہے۔ اس میں تمام دنیا کے مذاہب میں صلح اور اتحاد کی بنیاد رکھ دی اور (۲) آخرت پر یقین یعنی اس بات پر کہ ہر ایک اچھے عمل کا نتیجہ ضرور اچھا ہوگا اور ہر ایک بُرے کام کا نتیجہ ضرور بُرا ہوگا اور انسان ان نتائج کو بالآخر پا کر رہے گا۔ یوں قرآن کریم

أُولَٰٓئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝٥

یہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝٦

جنھوں نے انکار کیا (یہاں تک) کہ ان کے لیے برابر ہے کہ تو اُن کو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ نہیں مانتے ۱

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰٓ أَبْصَٰرِهِمْ غِشَٰوَةٌ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝٧ ع

اللہ نے اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر مُہر لگا دی اور اُن کی آنکھوں پر پردہ ہے ۲ اور اُن کے لیے بڑا عذاب ہے

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ ءَامَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْءَاخِرِ وَمَا هُم بِمُؤْمِنِينَ ۝٨

اور لوگوں میں بعض ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے اور وہ مومن نہیں ۳

يُخَٰدِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ ءَامَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّآ أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝٩

وہ اللہ کو اور اُن کو جو ایمان لائے ہیں دھوکا دینا چاہتے ہیں اور سوائے اپنے آپ کے (کسی کو) دھوکا نہیں دیتے اور وہ سمجھتے نہیں

فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌۢ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ۝١٠

اُن کے دلوں میں بیماری ہے سو اللہ نے اُن کی بیماری کو بڑھایا اور اُن کے لیے در[illegible] ہے اس لیے کہ جھوٹ بولتے تھے ۴

کی ابتدا میں کھول کر بتا دیا کہ یہ کتاب ایسے لوگوں کو منزلِ مقصود پر پہنچا دیتی ہے یعنی وہ کمال انسانی کا مرتبہ حاصل کر لیتے ہیں جو تمام ضرر رساں چیزوں سے اپنے آپ کو بچاتے ہُوئے پانچ باتوں کو قبول کرتے ہیں یعنی اللہ تعالےٰ پر ایمان اس کی وحی پر ایمان۔ آخرت پر ایمان اور نماز کا قائم کرنا اور اپنے مال و علم کو خدا کی مخلوق کی خدمت میں لگانا۔

نمبر ۱ - یہ ان لوگوں کی آخری حالت بیان کی ہے جو کفر اختیار کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ وہ اس حالت تک پہنچ جاتے ہیں کہ پیغمبر کے ڈرانے کی ان کی پروا بھی نہیں ہوتی گویا متقی کی ترقی کے مقابل جو فلاح کو حاصل کرتا ہے یہ کافر کی آخری حالت کا ذکر ہے سواء علیھم جملہ معترضہ ہے۔

نمبر ۲ - اس آیت میں انہی لوگوں کا ذکر ہے جن کے لیے ڈرانا نہ ڈرانا برابر ہے۔ یہ مہر لگانا بطور نتیجہ کے ہے جب ایک شخص اپنے دل سے غور و فکر کا کام نہیں لیتا تو وہ قوت سلب ہو جاتی ہے جس طرح اگر ہاتھ سے کچھ مدت تک بالکل کام نہ لے تو وہ ہاتھ بے کار ہو جاتا ہے۔ دوسری جگہ ہے بل ران علی قلوبھم ما کانوا یکسبون۔ التطفیف ۸۳ - ۱۴) ان کے دلوں پر اسی نے زنگ لگا دیا ہے جو وہ کام کرتے تھے۔ زنگ لگنا پہلا مرتبہ ہے مُہر لگ جانا آخری مرتبہ۔ جو شخص انکار حق پر اصرار کرتا چلا جاتا ہے آخر اس کی قوتِ متفکرہ سمع بصر پر مُہر لگ جاتی ہے۔ جس طرح متقی ترقی پر ترقی کرتا چلا جاتا ہے یہ نیچے نیچے گرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بُرے کاموں کو اچھا سمجھنے لگتا ہے۔ مُہر لگانا اللہ کی طرف اس لیے منسوب کیا کہ انسان کے ہر فعل پر جو نتیجہ پیدا ہوتا ہے اس کا پیدا کرنے والا اللہ تعالےٰ ہی ہے۔

نمبر ۳ - پہلے رکوع میں دو گروہوں کا ذکر کیا۔ اوّل کامل طور پر ماننے والے دوسرے کلی طور پر انکار کرنے والے یہاں ایک تیسرے گروہ کا ذکر کیا ہے جو مُنہ سے کہتے ہیں مگر دل سے نہیں مانتے یہ منافق کہلاتے ہیں۔

نمبر ۴ - وہ بیماری نفاق یعنی جھُوٹ ہے یا اسلام کی عداوت ہے جو اپنے دلوں میں مخفی رکھتے تھے۔ اللہ تعالےٰ کا اس بیماری کو بڑھانا یوں تھا کہ جُوں جُوں اللہ تعالےٰ اسلام کو قوت اور شوکت عطا کرتا گیا ان کا نفاق اور ان کی اسلام سے عداوت اور ترقی کرتی گئی۔ اللہ تعالےٰ کی طرف بیماری کا بڑھانا منسوب کیا کیونکہ یہ بطور سزا تھا جب انھوں نے ایک بُرا کام کیا تو ضروری تھا کہ اس کی سزا اللہ تعالےٰ کی طرف سے ملتی جو شخص فطرتِ انسانی کا ذرا بھی مطالعہ کرے گا وہ دیکھ لیگا کہ قرآن کریم کی تعلیم عین فطرتِ انسانی کے مطابق ہے۔

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ ۙ قَالُوْۤا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

اور جب انھیں کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ کرو، کہتے ہیں ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں۔

اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰكِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

یقیناً یہ خود ہی فساد کرنے والے ہیں، پر سمجھتے نہیں۔

وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنْ لَّا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور جب انھیں کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جس طرح اور لوگ ایمان لائے، کہتے ہیں کیا ہم مان لیں جس طرح بے وقوفوں نے مان لیا، یقیناً یہ خود ہی بیوقوف ہیں لیکن نہیں جانتے۔

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَیٰطِیْنِهِمْ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور جب انھیں ملتے ہیں جو ایمان لائے، کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے ساتھ اکیلے ہوتے ہیں کہتے ہیں ہم تمھارے ساتھ ہیں (ان سے) ہم صرف ہنسی کرتے ہیں ۱؎

اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَ یَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾

اللہ اُن کو ذلیل کرے گا اور وہ اُن کو مہلت دیتا ہے، وہ اپنی سرکشی میں حیران پھر رہے ہیں ۲؎

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِیْنَ ﴿۱۶﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کو دے کر گمراہی خریدلی ۳؎ سو اُن کی تجارت فائدہ مند نہ ہوئی اور نہ ہی وہ ہدایت پانیوالے ہوئے

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّاۤ

اُن کی مثال اس شخص کی مثال کی طرح ہے جس نے آگ جلائی،

نمبر ۱۔ شیطان شطن سے ہے جس کے معنی ہیں دُور ہوا پس شیطان وہ ہستی ہے جو رحمتِ الٰہی سے دُور ہوئی۔ قرآن شریف میں شیطان کی خلقت نار یعنی آگ سے بیان فرمائی ہے۔ قوّتِ غضبیہ میں بڑھے ہوئے انسان بھی شیطان کہلاتے ہیں۔ لغت میں ہے کہ شیطان ہر ایک سرکش کا نام ہے۔ جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے یا حیوانوں میں سے۔ قرآن شریف میں شیاطین الانس والجن آتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ انسانوں میں سے بھی شیطان ہوتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ حسد بھی ایک شیطان ہے اور غضب بھی ایک شیطان ہے۔

اس جگہ شیاطین سے مراد قریباً تمام مفسرین کے نزدیک انسان شیطان ہی ہیں۔ بخاری میں مجاہد سے مروی ہے کہ شیاطین سے مراد ان کے منافق اور مشرک دوست ہیں۔ ابن عباس کہتے ہیں۔ رؤسائہم فی الکفر ان کے کافر سردار۔

نمبر ۲۔ استہزا کے معنی ذلّت اور حقارت کا روا رکھنا ہیں۔ کیونکہ استہزا کرنے والے کی اصل غرض دوسرے کی تحقیر کرنا ہوتی ہے۔ مفسرین نے مجازاً استہزا سے مراد تحقیر اور ذلّت کا وارد کرنا لیا ہے۔ امام غزالی کہتے ہیں کہ استہزا ایسے طریق پر تحقیر کرنے کو کہتے ہیں جس پر ہنسی آجائے۔ پس اصل معنی اس کے حقیر یا ذلیل کرنا ہی ہیں۔ عربی زبان میں یہ بھی قاعدہ ہے کہ کسی کے ایک فعل پر جو سزا دی جائے اس کو اسی فعل کے الفاظ میں ادا کیا جاتا ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ جب ایک فقرہ جواب کے طور پر ہو تو اس سے مراد فی الواقع وہ فعل نہیں ہوتا بلکہ دوسرے کے کسی فعل کی سزا ہوتی ہے۔ خود قرآن شریف میں اس کی مثالیں ہیں۔ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلها (الشوریٰ ۴۲۔ ۴۰) حالانکہ سزا فی الواقع بدی نہیں۔ پس یوں بھی معنے ہوسکتے ہیں کہ اللہ اُن کو اُن کی ہنسی کا مزہ چکھائے گا۔

نمبر ۳۔ کیونکہ ہدایت کو جو ان کے پاس آئی رد کر کے گمراہی کو اختیار کرلیا۔

اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَ
تَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾
صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾

پھر جب اس (آگ) نے جو کچھ اُس کے گرد تھا روشن کر دیا اللہ
اُن کے نور کو لے گیا اور انکو اندھیرے میں چھوڑ دیا وہ کچھ نہیں دیکھتے[۱]
بہرے ، گونگے ، اندھے ہیں سو وہ نہیں لوٹتے۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ
وَّ بَرْقٌ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ
الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾
يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا
فِيْهِ وَ اِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ
ع ۲ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾

یا جیسے مینہ (جو) بادل سے (برسا) اس میں اندھیرا اور کڑک اور
بجلی ہے ہولناک آوازوں سے اپنی انگلیاں موت کے ڈر سے اپنے
کانوں میں دیتے ہیں اور اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے[۲]
قریب ہے کہ بجلی اُن کی نظر کو اچک لیجائے جب کبھی وہ انکو روشنی دیتی ہے
اس میں چلنے لگتے ہیں اور جب اُن پر اندھیرا کرتی ہے ٹھیر جاتے ہیں اور اگر اللہ
چاہتا تو ضرور انکی شنوائی اور انکی بینائی کو لیجاتا ، اللہ ہر چیز پر قادر ہے[۳]

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ
وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾
الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ
بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ
مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا
لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور انہیں
جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی ہو جاؤ[۴]
وہ جس نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا اور آسمان کو عمارت
اور اوپر سے پانی اتارا ۔ پھر اس کے ساتھ تمہارے لیے
پھلوں سے رزق نکالا ، پس تم اللہ کے ہمسر نہ ٹھیراؤ اور
تم جانتے ہو[۵]

نمبر ۱ ۔ دو مثالیں بیان کی ہیں ایک اس آیت میں دوسری آیت (۱۹) میں دونوں مثالیں بحیثیت کل ہیں۔ پہلی مثال میں آگ جلانے والا منافق نہیں بلکہ رسول ہے۔ جیسا دوسری مثال میں بارش کی تشبیہ منافقت سے نہیں بلکہ وحی الہیٰ سے ہے اور بخاری میں ہے مثلی کمثل رجل استوقد نارا یعنی نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ میری مثال اس شخص کی مثال ہے کہ اس نے آگ جلائی۔ پس اس مثال کا ماحصل یہ ہے کہ رسول نے ایک آگ روشن کی جس کے ساتھ نور پیدا ہوا اور چیزیں نظر آنے لگیں مگر منافقوں کی حالت یہ ہے کہ انھوں نے وہ طاقت جس کے ساتھ انسان دیکھتا ہے گنوادی۔ سو جب وہ اندر کا نور جاتا رہا تو ان کے لیے بیرونی روشنی بھی جو رسول نے روشن کی تھی کچھ فائدہ مند نہ ہوئی۔

نمبر ۲ ۔ سماء محض بلندی یا اوپر کو کہتے ہیں اور اس کے معنے آسمان بھی ہیں اور بادل بھی اور بارش بھی ۔ اس تمثیل میں صیب یا رحمت کی بارش سے مراد وحی الہیٰ ہے۔ اندھیر سے مراد وہ مشکلات ہیں جو وحی الہیٰ کے قبول کرنے میں پیش آتی ہیں۔ کڑک سے مراد بعض خوفناک امور ہیں۔ جیسے مثلاً دشمنوں کے حملے جن سے کمزور دل خائف ہو جاتے ہیں۔ چمک سے مراد وہ کامیابیاں ہیں جو مطلع کو روشن کر دیتی ہیں۔ واللہ محیط یعنی یہ اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے بلکہ خود مغلوب ہوں گے۔

نمبر ۳ ۔ منافقوں کی حالت یہ ہے کہ جب کوئی کامیابی دیکھتے ہیں تو کچھ قدم آگے اٹھانا چاہتے ہیں لیکن پھر مشکلات نظر آتی ہیں پھر ٹھہر جاتے ہیں۔

نمبر ۴ ۔ اس رکوع میں بتایا کہ حقیقی ترقی خدائے واحد کی عبادت سے یا اس سے تعلق پیدا کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور اسی کی طرف وحی الہیٰ بلاتی ہے۔

نمبر ۵ ۔ آسمان کو عمارت کہنے سے یہ مراد ہے کہ سب کچھ ایک نظم کے ماتحت ہے۔ جیسے عمارت میں ایک ترتیب ہوتی ہے اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ اس کے بنانے

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا
فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ
وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾
وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا
مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ
رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَ لَهُمْ
فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۗۙ وَّ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور اگر تمھیں اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے بندے پر
اتارا ہے تو ایک سورت اس جیسی لے آؤ[1] اور اللہ[۲] کو
چھوڑ کر اپنے مددگاروں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔
پھر اگر تم نے (ایسا) نہ کیا اور ہرگز نہ کر سکو گے، تو اس آگ سے
بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں یہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے[2]
اور انھیں خوش خبری دے دو جو ایمان لاتے اور اچھے کام کرتے
ہیں کہ اُن کے لیے باغ ہیں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جب
کبھی اُن کو ان میں سے کوئی پھل رزق دیا جائے گا کہیں گے
یہ وہی ہے جو ہمیں پہلے دیا گیا، اور انھیں ملتا جلتا (رزق)
دیا جائیگا اور انکے لیے اُن میں پاک ساتھی ہونگے اور وہ انہی میں رہیں گے[3]

والی ایک مدبر بالارادہ ہستی ہے پھر آسمان اور زمین کے تعلق کو بیان کیا یعنی آسمان سے پانی برستا ہے تو اس کے ساتھ زمین سے پھل نکلتے ہیں۔ اسی طرح جب انسان اپنے آپ کو عبادت میں لگا کر ہستی کا مظہر بناتا ہے تو اس پر اللہ تعالےٰ کی رحمت کا نزول ہوتا ہے اور فطرت انسانی کی مخفی قوتیں ظہور پذیر ہوتی ہیں گویا وحی الٰہی ایک بارش کا حکم رکھتی ہے۔

نمبر ۱۔ قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے پر یہ دلیل دی ہے کہ اس کی مثل کوئی نہیں بنا سکتا۔ یہ بے مثل ہونا تین باتوں میں ہے۔ اوّل فصاحت و بلاغت اس میں قرآن کریم کا بے مثل ہونا خود اس سے ظاہر ہے کہ یہ زبان عربی میں فصاحت و بلاغت کا معیار مانا جاتا ہے۔ دوم کمال مضامین میں یہ حالت ہے کہ تمام مذاہب کی غلطیوں کی تردید کرتا اور تمام اصول حقہ کو کھول کر بیان کرتا ہے بلکہ تمدن اور معاشرت اور سیاست کے اصول کو بھی بیان کرتا ہے۔ پھر جس بات کا دعویٰ کرتا ہے اس کے دلائل بھی ساتھ دیتا ہے۔ بلحاظ جامعیت چھوٹی سے چھوٹی سورت بھی اپنے اندر یہ کمال رکھتی ہے کہ ایک خاص مضمون کو کمال تک پہنچاتی ہے اور ایک کتاب کا حکم رکھتی ہے۔ سوم اثر کے لحاظ سے یہ حالت ہے کہ قرآن کریم نے جو انقلاب دنیا میں پیدا کیا اور جس طرح نہایت پستی کی حالت سے ایک قوم کو اٹھا کر اوج کمال تک پہنچایا اس کے متعلق دنیا کو اعتراف ہے کہ ایسا کام کسی اور کتاب نے کر کے نہیں دکھایا اور یہی اس کا اصل دعویٰ ہے ہُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ یعنی انسان کو ترقی کے بلند سے بلند مقام پر پہنچاتی ہے۔

نمبر ۲۔ یہاں پیشگوئی کی ہے کہ اس کتاب کی مثل کبھی کوئی نہ بنا سکے گا اور اس کی صداقت آج آفتاب سے بھی زیادہ روشن ہے۔ پتھروں سے مراد یہاں معبودان باطل ہیں یا جیسا کہ امام راغب نے ایک قول نقل کیا ہے مراد ایسے لوگ ہیں جو حق کے قبول کرنے میں ایسے سخت دل ہیں جیسے پتھر اور عربی میں بڑے ہیبت ناک آدمی کو بھی حجر کہا جاتا ہے جس پر دوسرے کی بات کا اثر نہ ہو۔

نمبر ۳۔ پھل سے مراد اس دنیا کے پھل نہیں کیونکہ وہ سب مومنوں کو دنیا میں نہیں ملتے۔ مراد اعمال حسنہ کے ثمرات ہیں جن کو روحانی طور پر مومن یہاں بھی پالیتا ہے اور متشابہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ گو وہ آخرت کے پھل الگ ہوں گے مگر اعمال حسنہ کے متشابہ ہوں گے جس طرح بدی کی سزا اس کی مثل ہے اسی طرح نیکی کا پھل بھی اس عمل نیک سے ملتا جلتا ہے۔ ازواج کے معنی ساتھی ہیں کیونکہ مومن مردوں اور مومن عورتوں دونوں کا ذکر ہے۔ اگر بیبیاں بھی مراد لی جائیں تو بہشت میں ان کا ہونا کوئی امر قابل اعتراض نہیں۔ اللہ تعالےٰ نے ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے ہیں اور گو جوڑے پیدا کرنے کی ایک غرض اس دنیوی زندگی میں سلسلہ توالد و تناسل بھی ہے مگر مرد اور عورت کے جوڑے کی اور اغراض بھی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے لیے تسکین و راحت کا موجب ہیں۔ وہ ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والے ہیں۔ ان پاک تعلقات کے جنت میں ہونے پر کسی عقلمند کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَسْتَحْیٖۤ اَنْ یَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً
فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَیَقُوْلُوْنَ
مَا ذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ یُضِلُّ بِهٖ كَثِیْرًا ۙ وَّ
یَهْدِیْ بِهٖ كَثِیْرًا ؕ وَ مَا یُضِلُّ بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ۟ۙ ﴿۲۶﴾
الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ ۪
وَ یَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یُفْسِدُوْنَ
فِی الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾
كَیْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاكُمْ ۚ
ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾
هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ
ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ
ع ۳ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۲۹﴾

اللہ اس بات سے شرم نہیں کرتا کہ کوئی سی مثال بیان کرے مچھر کی اور
اس سے بڑھ کر[1] سو جو ایمان لائے وہ جانتے ہیں کہ یہ اُن کے رب کی
طرف سے سچ ہے اور جنھوں نے انکار کیا وہ کہتے ہیں اللہ نے اس مثال سے
کیا چاہا ہے وہ بہتیروں کو اس سے گمراہ ٹھیراتا ہے اور بہتیروں کو اس سے
ہدایت دیتا ہے اور وہ اس سے سوائے فاسقوں کے کسی کو گمراہ نہیں ٹھیراتا۔[2]
جو اللہ کے عہد کو اس کے پختہ کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور اُسے
کاٹتے ہیں، جس کا اللہ نے حکم دیا ہے کہ ملایا جائے اور زمین میں
فساد پھیلاتے ہیں، یہی نقصان اُٹھانے والے ہیں۔[3]
تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو اور تم مُردہ تھے، پھر اُس نے تمھیں
زندگی دی، پھر تم کو مارے گا پھر تم کو زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔[4]
وہی ہے جس نے سب کچھ جو زمین میں ہے تمھارے لیے پیدا
کیا، پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہُوا تو انھیں ٹھیک سات آسمان
بنایا اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔[5]

نمبر ۱ - قرآن کریم نے دقیق سے دقیق مضامین کو مثالیں دے کر صاف کیا ہے اور معبودانِ باطل کی مثالیں مکڑی اور مکھی تک سے دی ہیں۔ عربی زبان میں غایت درجہ کی کمزور چیز کی مثال مچھر سے دی جاتی ہے۔

نمبر ۲ - اضلال کا استعمال زبان عربی میں دو طرح پر ہے اوّل کسی کو گمراہ پانا یا گمراہ کہنا یا گمراہ ہونے کا حکم لگانا دوم کسی کو گمراہ کرنا۔ دوسرے معنی میں خدا کی طرف اضلال کو منسوب کرنے سے یہ مراد ہوگی کہ خدا تعالےٰ انسانوں کے سامنے باطل باتوں کو اچھے اچھے پیرایوں میں بیان کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ گمراہ ہو جاتے ہیں یہ بالبداہت باطل ہے پس لازماً پہلے معنی میں لفظ لیا جائے گا اور مراد صرف اس قدر ہوگی کہ اللہ تعالےٰ بعض لوگوں کو گمراہ پا کر گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے یا ان پر گمراہ ہونے کا فتویٰ لگاتا ہے۔ یعنی ان کی گمراہی اس حد تک پہنچ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر بطور سزا گمراہ ہونے کا فتویٰ لگ جاتا ہے اور یہاں فاسقوں کے اضلال کا ذکر کر کے صاف بتا بھی دیا کہ مراد گمراہی میں چھوڑنا یا گمراہ قرار دینا ہے کیونکہ فاسق پہلے ہی گمراہ ہے۔

نمبر ۳ - اللہ کا سب سے بڑا عہد یہی ہے جس کو ہر انسان کی فطرت میں رکھ دیا کہ وہ اپنے خالق کی عبادت کرے۔ پھر رسول بھیج کر اس عہد کو مضبوط کیا یقطعون میں حقوق عباد کے ادا نہ کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ لوگ فساد پھیلاتے ہیں۔

نمبر ۴ - پہلی موت سے مراد عدم ہے یعنی نیستی کی حالت سے عالم وجود میں آنا۔ (الدہر ۷۶ - ۱)

نمبر ۵ - سماء وہ ہے جو اوپر نظر آتا ہے۔ اس کی پہلی حالت کو دخان کہا ہے (حٰم السجدہ ۴۱ : ۱۱) سات آسمانوں سے مراد نظام شمسی کے سات سیارے بھی ہو سکتے ہیں جو زمین کے علاوہ ہیں ایک جگہ انھیں سبع طرائق بھی کہا ہے (المومنون ۲۳ - ۱۷) یعنی سات رستے کیونکہ وہ سیارے اپنے اپنے فلک میں گھومتے ہیں اور جس قدر ستارے ہمیں نظر آتے ہیں سائنس دانوں نے ان کے بھی سات ہی طبقے ٹھیرائے ہیں۔

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ
خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا
وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ
نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾
وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ
فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾
قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ
اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾
قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ
بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۙ وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک
خلیفہ بنانے والا ہوں ۱ انھوں نے کہا کیا تو اس میں اسے بناتا
ہے جو اس میں فساد کرتا اور خون گراتا ہے اور ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے
ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں ۲ ۔ فرمایا میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ۔
اور آدم کو سب کے نام سکھائے پھر اُن (چیزوں) کو فرشتوں کے
سامنے کیا اور کہا مجھے اُن کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو ۳ ۔
انھوں نے کہا تو پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں مگر وہی جو تو نے ہمیں
سکھایا ، بیشک تو علم والا ، حکمت والا ہے ۴ ۔
کہا اے آدم ان کے نام انھیں بتا دو ، پس جب اُس نے اُن کے
نام اُنھیں بتا دیئے ، فرمایا کیا میں نے تمھیں نہیں کہا تھا کہ میں
آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہوں اور میں جانتا ہوں جو کچھ

نمبر ۱ - اس رکوع میں یہ بتایا ہے کہ وحی الٰہی کی مدد کے بغیر انسان اس مقام بلند کو حاصل نہیں کر سکتا جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے اور جن امور کا یہاں ذکر کیا ہے وہ جس طرح اول البشر آدم پر صادق آتے ہیں ہر انسان پر بھی صادق آتے ہیں ۔ ملائکہ چونکہ وسائط ہیں اس لیے اللہ تعالٰے کا ان کو فرمانا یہ معنی رکھتا ہے کہ ارادہ الٰہی ظہور میں آئے ۔ وہ ارادہ الٰہی یہ ہے کہ کوئی اس کی مخلوق زمین پر خلیفہ کا حکم رکھے ۔ یہ مخلوق انسان ہے جیسا کہ فرماتا ہے انی خالق بشرا (الحجر ۱۵ : ۲۸) میں ایک بشر کو پیدا کرنے والا ہوں اور انسان کے خلیفہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالٰے کے علم اور قدرت سے حصہ ملے گا ۔ چنانچہ آگے انہی دو باتوں کا ذکر ہے ۔ ایک علم آدم الاسماء میں انسان کو علم دینے کا اور دوسرا ملائکہ کو فرمانبرداری کا حکم دے کر اپنی قدرت سے اس کو حصہ دینے کا ۔

نمبر ۲ - اللہ تعالٰے سے فرشتوں کا سوال و جواب اس رنگ میں نہیں جیسے ہمارے ذہن میں دو انسانوں میں باہم بات چیت ہوتی ہے کیونکہ قال کا مفہوم لفظوں میں ادا کرنا بھی ہے اور ایک حالت کے ظاہر کرنے کو بھی قول سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے زمین و آسمان کے متعلق ہے قالتا اتینا طائعین (۴۱ : ۱۱) جہاں مراد ان خاص الفاظ کا نطق نہیں بلکہ ایک حالت کا اظہار ہے سو یہاں فرشتوں کی زبان سے انسان کی اُس ابتدائی حالت کا ذکر کیا جس میں وہ فساد اور خونریزی کرتا ہے اس لیے یہ کہنا کہ فرشتوں نے مشورہ دیا یا اعتراض کیا لفظ قول کے معنے سے بے خبری کا نتیجہ ہے ۔ علاوہ ازیں وہ خود کہتے ہیں نحن نسبح یعنی تیری ذات سب عیبوں سے پاک ہے و نقدس لک یعنی تیرے افعال بھی عیوب سے پاک ہیں پس مراد صرف انسان کی ایک ادنےٰ حالت کا اظہار ہے جو پہلے ظاہر ہوتی ہے اسی لیے فرشتوں کو اس کا علم بھی ہو گیا انی اعلم میں بتایا کہ وہ ترقی کر کے کمالات کو حاصل کرے گا جس کا فرشتوں کو علم نہیں ۔

نمبر ۳ - آدم کے ذکر میں بنی آدم بھی شامل ہیں جیسے کہ خلق الانسان علمہ البیان (الرحمٰن ۵۵ - ۳، ۴) میں ہر ایک انسان کا ذکر ہے پس چیزوں کے اسماء یعنی ان کے صفات یا خواص بھی سب کو ہی سکھائے ۔ اللہ تعالٰے نے جن باتوں کے سیکھنے کی استعداد انسان کے اندر رکھ دی ہے وہ گویا اس نے انسان کو سکھا ہی دی ہیں جس طرح کاتب کے متعلق فرمایا کما علمہ اللہ ۔ البقرة ۲ - ۲۸۲ - کا تعلق صرف بتانے سے ہے کسی پہلے واقعہ سے نہیں یعنی یہ مطلب ہے کہ تم اٹکل پچو تو ایک بات کہو گے نہیں اگر تم سچے ہو تو بتاؤ یعنی تم نہیں بتا سکو گے ۔

نمبر ۴ - ملائکہ اعتراف کرتے ہیں کہ ہمیں صفات اشیاء کا علم نہیں سبحانک یعنی ایسا علم نہ دینے میں اللہ تعالٰے پر کوئی اعتراض نہیں اور آخر پر العلیم الحکیم کہہ کر بتا دیا کہ کامل علم تو اللہ تعالٰے کو ہی ہے اور وہ اپنی حکمت سے جس قدر چاہتا ہے کسی کو دیتا ہے ۔ ملائکہ کو جو وسائط ہیں خواص اشیاء کا علم نہ دینا اس کی حکمت پر مبنی ہے کیونکہ وسائط کو ایسے

كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿٣٣﴾
وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ
اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٤﴾
وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ
وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا تَقْرَبَا
هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٥﴾
فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا
فِيْهِ ۪ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ
فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٣٦﴾

تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے تھے ۱
اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو تو انھوں نے فرمانبرداری
کی ۲ مگر ابلیس (نے نہ کی) اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا ۳
اور ہم نے کہا اے آدم تو اور تیرا جوڑا باغ میں رہو اور اس میں
سے بافراغت کھاؤ جہاں چاہو اور اس درخت کے پاس نہ
جاؤ ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے ۴
پس شیطان نے اُن کو اس سے پھسلا دیا سو ان کو اس سے نکال دیا
جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا اُترو تم ایک دوسرے کے دشمن
ہو اور تمھارے لیے زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے ۵

علم کی ضرورت نہیں العلیم الحکیم میں یہی اشارہ ہے۔

نمبر ۱ ۔ آدم کا ملائکہ کو اسماء بتانا یہ معنی نہیں رکھتا کہ آدم نے ان کو وہ علم دے دیا جو اللہ تعالیٰ نے نہ دیا تھا بلکہ یہ خبر دینا عمل سے ہے انسان کے اشیاء پر تصرف سے پتہ لگ جاتا ہے کہ اس کو ان کی خاصیتوں پر اطلاع ہے کیونکہ بغیر خواص پر اطلاع کے تصرف نہیں ہو سکتا۔ ماتبدون وہ باتیں ہیں جو ملائکہ نے ظاہر کیں۔ یعنی انسان کا فساد اور خونریزی کرنا اور ماکنتم تکتمون وہ جو ان سے مخفی رہا یعنی انسان کا علم خواص اشیاء اور اس کا کمال۔

نمبر ۲ ۔ یہاں اصطلاح شرعی کا سجدہ جو اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے مراد نہیں۔ بلکہ لغوی معنے فرمانبرداری مراد ہیں اور ملائکہ کی فرمانبرداری سے مراد سارے عالم پر حکمرانی ہے۔

نمبر ۳ ۔ ابلیس (شقت ناامیدی کی وجہ سے) شیطان کا ہی نام ہے۔ یہ جھوٹا قصہ ہے کہ ابلیس فرشتوں میں تھا کان من الجن (الکہف ۱۸: ۵۰) فرشتوں کی پیدائش نور سے ہے جنّوں کی نار سے۔ فرشتے نیکی کے محرک ہیں جن بدی کے۔ ابلیس اور اس کی ذریت کا تعلق انسان کی سفلی خواہشات سے ہے۔ یہ کہنا کہ شیطان کو پیدا ہی کیوں کیا گویا اعتراض کرنا ہے کہ انسان کو یہ زندگی ہی کیوں عطا فرمائی۔ انسان کی ترقی کا پہلا مرتبہ انہی سفلی خواہشات کو حالتِ اعتدال پر لانا ہے۔ یعنی اپنے شیطان کو فرمانبردار بنا لینا وہ فرمانبرداری سے اباد استکبار کرتا ہے۔

نمبر ۴ ۔ خلق آدم (انسان) میں یہ تیسرا مرتبہ ہے۔ پہلے مرتبہ پر اسے علم دیا جاتا ہے۔ دوسرے مرتبہ پر اسے مسجود ملائک بنا کر طاقت دی جاتی ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ اسے جنت ملے یعنی راحت و آرام کی زندگی ظاہر ہے کہ یہ آخرت کی جنت نہیں کیونکہ اس سے انسان کبھی نکالا نہیں جاتا وما ھم منھا بمخرجین (الحجر ۱۵: ۴۸) اور اس سے آدم کو نکلنا پڑا۔ پس یہ جنت اس دنیا کی زندگی کی جنت ہے اور مفسرین نے اسے مانا ہے۔ جسمانی طور پر تو یہ جنت یوں حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھوک پیاس دور کرنے کے سب سامان پیدا کر دیے ہیں اور انسان کو ان کا علم دے دیا اور ان کے حاصل کرنے کی طاقت دے دی۔ مگر نرا کھانے پینے سے انسان کو راحت نہیں ملتی بلکہ اس کے لیے اطمینان قلب کی ضرورت ہے اور یہ انسان کی اس دنیا میں روحانی جنت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطرتاً بے گناہ پیدا کر کے یہ روحانی جنت بھی اسے دے دی ہے اور اسی کا بالخصوص یہاں ذکر ہے اور ھذہ الشجرۃ میں اشارہ شیطان کے ورغلانے کی طرف ہے۔ یا اباد استکبار کی طرف جس کا ذکر ابھی ہوا اور یہ درخت بدی کا درخت ہے جس کے کھانے سے انسان کا سکون قلبی جاتا رہتا ہے۔

نمبر ۵ ۔ شیطان کی وسوسہ اندازی سے حضرت آدم پھسل گئے مگر اسے ذلت کہہ کر بتا دیا کہ عمداً انھوں نے خلاف ورزی نہیں کی بالفاظ دیگر گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ دوسری جگہ ہے فنسی (طٰہٰ ۲۰: ۱۱۵) یعنی آدم بھول گئے۔ مگر چونکہ خلاف ورزی حکم الٰہی ہو گئی۔ اس لیے سکون قلبی کی جنت سے بھی نکل گئے قلنا اھبطوا یہاں فرمایا اور پھر

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنۡ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیۡهِ ؕ
اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ ﴿۳۷﴾

پھر آدم نے اپنے رب سے (کچھ) باتیں سیکھ لیں پس اس نے اس پر (رحمت سے) توجہ کی بیشک وہ (رحمت سے) توجہ کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا مِنۡهَا جَمِیۡعًا ۚ فَاِمَّا یَاۡتِیَنَّكُمۡ
مِّنِّیۡ هُدًی فَمَنۡ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوۡفٌ
عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ﴿۳۸﴾

ہم نے کہا سب اس سے اُتر جاؤ، پھر اگر میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو میری ہدایت پر چلا، نہ اُن کو ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ؎۱

وَالَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ
النَّارِ ۚ هُمۡ فِیۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۳۹﴾ ع

اور جنھوں نے انکار کیا اور ہماری باتوں کو جھٹلایا وہی آگ والے ہیں وہ اسی میں رہیں گے۔

یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِیَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتُ
عَلَیۡكُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِیۡۤ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ ۚ
وَاِیَّایَ فَارۡهَبُوۡنِ ﴿۴۰﴾

اے بنی اسرائیل میری نعمت کو یاد کرو جو میں نے تمھیں عطا کی اور میرے عہد کو پورا کرو، میں تمھارے عہد کو پورا کرونگا اور مجھ ہی سے ڈرو ؎۲

وَاٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ وَلَا
تَكُوۡنُوۡۤا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۪ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰیٰتِیۡ ثَمَنًا
قَلِیۡلًا ۫ وَّاِیَّایَ فَاتَّقُوۡنِ ﴿۴۱﴾

اور اُس پر ایمان لاؤ جو میں نے اُتارا، اُسے سچا ٹھیراتا ہُوا جو تمھارے پاس ہے اور تم اس کے پہلے منکر نہ ہو اور میری باتوں کے بدلے تھوڑا مول نہ لو اور میرا ہی تقویٰ اختیار کرو ؎۳

ساری نسل انسانی کے لیے آیت ۳۸ میں تو اھبطوا یہ ہے کہ انسان شیطان کی وجہ سے ایک خطرہ کی حالت میں ہے کیونکہ وہ اس کا دشمن ہے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بروئے تعلیم عیسائیت ہر ایک انسان گنہگار پیدا ہوتا ہے مگر قرآن کریم نے بتایا ہے کہ ہر انسان بے گناہ پیدا ہوتا ہے جیسے آدم بے گناہ پیدا ہوئے لیکن جس طرح آدم ایک خطرہ میں تھے ہر انسان خطرہ میں ہے جیسے (الاعراف ۷ : ۲۷) میں ہے کہ ایسا نہ ہو کہ شیطان تمھیں بھی جنت سے نکال کر تکلیف میں ڈالے۔جس طرح آدم کو نکلوا دیا۔

نمبر ا۔ حالت ہبوط کا علاج یہ ہے کہ نسل انسانی میں وقتاً فوقتاً منجانب اللہ ہدایت آتی رہے گی۔اس کی پیروی سے انسان اس جنت سے نکلنے کے خطرہ سے بچ جائے گا اور اگر کوئی آدم کی طرح نکل چکا ہے تو وہ پھر وحی الٰہی کی پیروی سے اس کھوئی ہوئی جنت کو حاصل کرلے گا۔اس کے ساتھ الفاظ لاخوف علیہم لاکر بتادیا کہ وحی الٰہی کی پیروی سے انسان جس جنت کو حاصل کرسکتا ہے اس سے کبھی نکالا نہیں جائے گا اور وحی الٰہی انسان کو ایسے مقام پر پہنچا دیتی ہے کہ پھر شیطان اس کا فرمانبردار ہوجاتا ہے اور خوف کی حالت دُور ہوجاتی ہے۔یہی ضرورت نبوت ہے۔

نمبر ۲۔ ان دو عہدوں کا ذکر جن کی طرف یہاں اشارہ ہے کتاب استثناء ۲۶ : ۱۷، ۱۸، ۱۹ میں ہے۔قوم کا عہد تھا کہ وہ خدا کی آواز کو سُنے گی یعنی نبی آخرالزمان کو قبول کرے گی۔خدا کا عہد تھا کہ وہ انھیں دنیا میں عزت کا مقام دے گا۔

نمبر ۳۔ قرآن کریم کو صرف بنی اسرائیل کی کتب کا مصدق ہی نہیں کہا گیا بلکہ دوسری جگہ کل کتب منزلہ کا مصدق بھی کہا گیا ہے مصدقا لما بین یدیه من الکتاب (المائدہ ۵ : ۴۸) قرآن کریم ہی ایک کتاب ہے جس نے نہ صرف انبیائے بنی اسرائیل کو سچا قرار دیا۔بلکہ تمام دنیا کے انبیاء پر ایمان لانا ضروری قرار دیا مصدقا لما معکم کے ایک اور معنی بھی ابن جریر سے مروی ہیں کہ آنحضرت صلعم کی پیشگوئیاں ان کے پاس تھیں۔پس آپ کے ظہور سے ان پیشگوئیوں کی تصدیق ہوئی ورنہ ان کے غلط ہونے میں کوئی شبہ ہی نہ تھا۔ثمن قلیل سے مراد دنیوی زندگی کے فوائد ہیں۔یعنی دنیا کی خاطر حق کو قبول کرنے سے نہ رکو۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ
وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور سچ کو جھوٹ کے ساتھ نہ ملاؤ اور نہ سچ کو چھپاؤ اور تم جانتے ہو۔[1]

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا
مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور جھک جانے والوں کے ساتھ جھکے رہو۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ
وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو۔ پس کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔[2]

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ
اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾

اور صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگتے رہو اور یقیناً یہ بڑی مشکل ہے مگر نہ ان پر جن کے دل پگھلتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ
اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾ ع

جو یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں اور کہ وہ اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔[3]

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ
عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾

اے بنی اسرائیل میری نعمت کو یاد کرو، جو میں نے تمھیں عطا کی اور یہ کہ میں نے تمھیں قوموں پر فضیلت دی۔[4]

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا
وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا
عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور اُس دن سے بچاؤ کرو جب کوئی جی کسی جی کے کچھ کام نہیں آئے گا اور نہ اس سے سفارش قبول کی جائے گی اور نہ اس سے بدل لیا جائے گا اور نہ انھیں مدد دی جائے گی۔

نمبر ۱ - یہاں حق سے مراد وہ پیشگوئیاں ہیں جو اب تک ان کی کتابوں میں چلی آتی تھیں اور باطل ان کی اپنی خواہشات جن کے ساتھ پیشگوئیوں کو غلط کرتے تھے۔

نمبر ۲ - افلا تعقلون اس قسم کے فقرات قرآن شریف میں کثرت آتے ہیں۔ عقل ہی سے انسان کی فضیلت حیوان پر ہے یہ کہنا کہ مذہب میں عقل کا دخل نہیں قرآن شریف کے صریح خلاف ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ وحی سے وہ باتیں معلوم ہوتی ہیں جن کو عقل خود دریافت نہیں کرسکتی۔ لیکن عقل کا عجز ان باتوں کے معلوم کرنے سے اور چیز ہے اور ان باتوں کا عقل کے مطابق ہونا اور ان کی صداقت کو عقل سے معلوم کر لینا بالکل الگ ہے۔ وحی فطرت کی روشنی یعنی عقل کو جلا دینے والی اور تیز کرنے والی چیز ہے۔

نمبر ۳ - صبر اصول حقہ پر مضبوط رہنے کا نام ہے اور صلوٰۃ اللہ تعالےٰ سے دعا کرنے کا۔ صبر تو یہ چاہتا ہے کہ انسان ایک بات پر ایسا اڑا رہے کہ کسی مخالفت کی اور کسی روک کی اسے کچھ پروا نہ ہو اور صلوٰۃ یہ کہ اللہ تعالےٰ کے سامنے انسان گرا رہے جب مخالفت کے سامنے حد درجہ کی مضبوطی اور اللہ تعالےٰ کے حضور میں حد درجہ کی عاجزی انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے تب کامیابی کی راہیں سہل ہو جاتی ہیں اور مشکلات کے پہاڑ بھی ہوں تو اُڑ جاتے ہیں۔

نمبر ۴ - اسرائیل حضرت یعقوب کا نام ہے۔ جو حضرت ابراہیمؑ کے پوتے ہیں۔ بنی اسرائیل انہی کی اولاد ہے۔ حضرت ابراہیم کی نسل کی دوسری شاخ حضرت اسمٰعیلؑ آپ کے بڑے بیٹے کی اولاد ہے جو عرب میں آباد ہوئی۔

وَإِذْ نَجَّيْنَٰكُم مِّنْ ءَالِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَآءَكُمْ ۚ وَفِى ذَٰلِكُم بَلَآءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۴۹﴾

اور جب ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے چھڑا لیا جو تمہیں بُرا دُکھ دیتے تھے، تمہارے بیٹوں کو مار ڈالتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی آزمائش تھی۔[1]

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَٰكُمْ وَأَغْرَقْنَآ ءَالَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿۵۰﴾

اور جب ہم نے تمہارے لیے دریا کو پھاڑ دیا پس ہم نے تمہیں بچا لیا اور فرعون کے لوگوں کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔[2]

وَإِذْ وَٰعَدْنَا مُوسَىٰٓ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنۢ بَعْدِهِۦ وَأَنتُمْ ظَٰلِمُونَ ﴿۵۱﴾

اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا پھر تم نے اس کے پیچھے بچھڑا بنا لیا اور تم ظالم تھے۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنكُم مِّنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۲﴾

پھر ہم نے تم کو اس کے بعد معاف کر دیا تاکہ تم شکر کرو۔

وَإِذْ ءَاتَيْنَا مُوسَى الْكِتَٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۵۳﴾

اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فرقان دیا تاکہ تم ہدایت پاؤ۔[3]

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِۦ يَٰقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُم بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوٓا۟ إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم بچھڑا بنا کر تم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے پس اپنے پیدا کرنے والے کی طرف پھر آؤ اور اپنے نفسوں کو مار ڈالو یہ تمہارے لیے تمہارے پیدا کرنے والے کے حضور بہتر ہے پس وہ تم پر رحمت

نمبر ۱ ۔ سوء العذاب یا بُرا دُکھ جس کا یہاں ذکر ہے اس کے لیے دیکھو خروج ۱: ۱۲، ۱۴۔ مصری لوگ بنی اسرائیل سے ذلیل قسم کی مشقت کے کام لیتے تھے۔ لڑکوں کے مارنے کا حکم بھی فرعون نے دیا تھا (خروج ۱: ۱۵، ۱۶) لڑکوں کو مارنے اور لڑکیوں کو جیتا رکھنے سے یہ منشاء تھا کہ قوم نابود ہو جائے۔ کیونکہ لڑکیاں مجبور ہو کر مصریوں کے نکاح میں آتیں۔

نمبر ۲ ۔ دو جگہ فرمایا وجاوزنا ببنی اسرائیل البحر (الاعراف ۷: ۱۳۸، یونس ۱۰: ۹۰) یعنی بنی اسرائیل کو ہم نے دریا پار کرا دیا۔ ایک جگہ فرمایا فانفلق (الشعراء ۲۶: ۶۳) یعنی دریا پھٹ گیا۔ دریا پھٹنے سے مراد یہی ہوتی ہے کہ خشک راستہ ہو گیا اور ایک جگہ فرمایا فاضرب لهم في البحر يبسا (طٰہٰ ۲۰: ۷۷) دریا میں ان کو خشک راستہ پر لے جاؤ اور ایک جگہ فرمایا واترک البحر رھوا (الدخان ۴۴: ۲۴) دریا کو ٹھہرا ہوا یا درمیان میں چھوڑ کر پار ہو جاؤ۔ نہ کہیں بارہ رستوں کا ذکر ہے نہ پانی کی دیواروں کا۔ ہاں خشک راستہ کس طرح ہو گیا یا دریا کس طرح پھٹ گیا۔ یہ قرآن شریف نے بیان نہیں فرمایا۔ بائبل میں صرف اس قدر ہے کہ "خداوند نے بسبب پوربی آندھی کے تمام رات میں دریا کو چلا دیا اور دریا کو سکھا دیا۔" (خروج ۱۴: ۲۱) قرآن شریف صرف اس قدر فرماتا ہے کہ دریا پھٹ گیا اور بنی اسرائیل گزر گئے۔ اب خواہ اللہ تعالےٰ نے آندھی سے یا جوار بھاٹے سے یا اپنی کسی اور قدرت سے دریا کو پیچھے ہٹا دیا۔ بہر حال یہ حضرت موسےٰ کا معجزہ تھا جس طرح آنحضرت صلعم کا معجزہ تھا کہ دشمنوں کے اندر سے بچ کر نکل گئے خواہ غار میں ہی چھپ کر بچے۔

نمبر ۳ ۔ فرقان، حق و باطل میں فرق کو کہتے ہیں۔ پس موسیٰ کو فرقان دینے سے مراد وہ معجزہ بھی ہو سکتا ہے جس سے بنی اسرائیل کے دشمن تباہ ہو گئے اور وہ نور بھی مراد ہو سکتا ہے جس سے انبیاء حق و باطل میں فرق کرتے ہیں۔

فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿٥٤﴾
وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ
جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿٥٥﴾
ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٥٦﴾
وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ
وَ السَّلْوٰى ۭ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَ مَا
ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٥٧﴾
وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا
حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا
وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَ سَنَزِيْدُ

سے متوجہ ہوا[1] بیشک وہ رحمت سے متوجہ ہونیوالا رحم کرنے والا ہے۔
اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم تیری بات کبھی نہ مانیں گے جب تک کہ کھلا
کھلا اللہ کو (نہ) دیکھ لیں پس تم کو ہولناک آواز نے آلیا اور تم دیکھ رہے تھے[2]
پھر ہمنے تمکو تمھاری موت (کی سی حالت) کے بعد اٹھایا، تاکہ تم شکر کرو[3]
اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور من اور سلوٰی تم پر اتارا[4] ان
ستھری چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور انھوں نے
ہمارا کچھ نقصان نہ کیا، بلکہ اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچاتے تھے۔
اور جب ہم نے کہا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس سے جہاں چاہو
بافراغت کھاؤ[5] اور دروازے میں فرمانبردار بنکر داخل ہو اور کہو ہماری
خطائیں معاف ہوں ہم تمھاری خطائیں معاف کردیں گے اور

نمبر ۱ ۔ توریت میں ہے کہ حضرت موسےٰ کے حکم سے تین ہزار آدمی مارے گئے (خروج ۳۲: ۲۷، ۲۸) مگر آیت ۵۲ میں فرمایا کہ ہم نے انھیں بچھڑا بنانے کا جرم معاف کردیا تھا اور قتل نفس سے مراد اماتۃ الشھوات بھی ہوسکتا ہے۔ دیکھو راغب اور بیضاوی نے تقلع الشھوات معنے کیے ہیں یعنی خواہشات کا مارنا اور پھر توبہ کا یہاں صاف طور پر ذکر بھی ہے اور اس کے بعد گویا بتایا کہ توبہ ایسی ہو کہ دوبارہ تم سے اس قسم کی ذلیل حرکت سرزد نہ ہو اس لیے اپنے نفسوں کو بہت فرمانبردار بناؤ اور اگلے الفاظ فتاب علیکم بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں اور سورۂ اعراف میں جہاں اس واقعہ کا زیادہ تفصیل سے بیان ہے صرف توبہ ہی کا ذکر ہے دیکھو الاعراف ۷ : ۱۵۳)

نمبر ۲ ۔ یہ کہنے والے سارے بنی اسرائیل نہیں بلکہ وہ ستر آدمی ہیں جن کو حضرت موسیٰ قوم میں سے منتخب کرکے ساتھ لے گئے تھے (الاعراف ۷ : ۱۸۷) خدا تعالےٰ نے اپنی ایک تجلی دکھائی جس سے پہاڑ میں زلزلہ آگیا اور یوں سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے کاموں اور عجیب قدرتوں سے پہچانا جاتا ہے۔ ان آنکھوں سے نہیں دیکھا جاتا اسی کو یہاں صاعقۃ کہا ہے سورہ اعراف میں اسی کو الرجفۃ یعنی زلزلہ بھی کہا ہے (الاعراف ۷ : ۱۵۵)۔

نمبر ۳ ۔ تفسیر [illegible] موجود ہیں کہ ان پر صرف غشی آئی تھی پھر افاقہ ہوگیا یا صاعقہ نے ان کے فہموں کو سلب کرلیا اور موت کے یہ معنے لغت عرب میں دیے ہیں۔ صاعقہ سے سچ مچ موت کا نہ واقع ہونا ان الفاظ سے ظاہر ہے۔ وانتم تنظرون اور دیکھنا حالت زندگی پر دلالت کرتا ہے۔ پس مراد یہی ہے کہ زلزلہ کی شدت سے ان کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ پھر اللہ نے ان کو ہوش و حواس دے دیے یا قوتِ عقل کا جاتے رہنا مراد ہے۔ یعنی یہ سوال تمھارا جہالت کا سوال تھا اور تم ایک جہالت کی موت میں تھے۔ خدا نے تمھیں اس سے باہر نکالا اور تم کو نورِ ایمان عطا فرمایا۔

نمبر ۴ ۔ مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل کو دشت سینا میں سے گزرنا پڑا جہاں شدت کی گرمی پڑتی ہے اور خیموں میں رہائش ناقابلِ برداشت ہوتی ہے شدت گرمی کے وقت ایسے بیابان میں بادل بڑی نعمتِ الٰہی ہے۔
اور کھانے کے لیے من و سلویٰ دیا۔ من گوند یا ترنجبین کی طرح ہوتی ہے اور کھمبی کو بھی من سے کہا گیا ہے اور سلویٰ پرند ہیں جو بٹیر کی طرح ہوتے ہیں۔ یہ نعمتیں بھی بیابان میں عطا فرمائیں۔

نمبر ۵ ۔ ھذہ القریۃ کسی مشہور بستی کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے اور وہ مشہور بستی بیت المقدس ہی ہے جس میں داخل ہونے کا دوسری جگہ صاف حکم ہے (المائدہ ۵ : ۲۱) ان کو کہا گیا تھا کہ بیت المقدس کو فتح کرکے اس میں داخل ہوں جہاں سے چاہو بافراغت کھاؤ میں یہی اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ بحیثیت فاتح داخل ہوں۔ اگلی آیت بتاتی ہے کہ انھوں نے اس حکم کو نہ مانا جیسا کہ مائدہ میں بھی ان کا انکار موجود ہے۔

الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾
فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ
لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ
السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٥٩﴾
وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب
بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا
عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ
كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا
فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٦٠﴾
وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ
فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ
مِن بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا

احسان کرنے والوں کو اور زیادہ بھی دیں گے۔
پھر اُن لوگوں نے جو ظالم تھے بات کو بدل کر اسکے خلاف بنا دیا جو
انھیں کہا گیا تھا پس ہم نے اُن پر جو ظالم تھے اوپر سے ایک
عذاب اُتارا اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے ۱
اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا، تو ہم نے
کہا اپنا عصا چٹان پر مار۔ پس اس سے بارہ چشمے پھوٹ
نکلے سب قبیلوں نے اپنا اپنا گھاٹ جان لیا۔ اللہ کے
رزق سے کھاؤ اور پیو اور ملک میں فساد نہ
پھیلاتے پھرو ۲
اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ایک کھانے پر صبر نہیں کر سکتے پس اپنے
رب سے ہمارے لیے دعا کر کہ وہ ہمارے لیے ان چیزوں سے نکالے
جو زمین اگاتی ہے اسکی ترکاریوں سے اور اسکی ککڑیوں سے اور اسکے

نمبر ۱۔ بات کے بدل دینے کے معنی یہ ہیں کہ اسے قبول نہ کیا۔ فاتح بن کر داخل ہونے سے انکار کیا۔ اس کی تفصیل مائدہ میں ہے اور اس کی بجائے زراعت وغیرہ گویا کہ کھانے کی چیزیں ملیں۔ بخاری کی حدیث میں جو آتا ہے کہ حطۃ کی جگہ انھوں نے حبۃ فی شعرۃ کہا یعنی بال میں دانا جو زراعت کی طرف اشارہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو تبدیلی انھوں نے چاہی وہ یہی تھی کہ بجائے جنگ میں جانے کے ہم زراعت کریں گے اور یوں جنگ کو ناپسند کیا۔
رجز کے اصل معنی اضطراب ہیں اور اس عذاب کو رجز کہا جاتا ہے، جو اپنی شدت کی وجہ سے قلق پیدا کرے۔ مائدہ میں ہے کہ چالیس سال جنگل میں بھٹکتے رہنے کی انھیں سزا دی گئی۔

نمبر ۲۔ ضرب کے معنی لغت میں مارنا بھی آتے ہیں اور چلنا بھی، اور عصا کے معنے جماعت بھی ہیں اور سونٹا بھی۔ پس اضرب بعصاک الحجر کے معنے دونوں طرح ہو سکتے ہیں۔ اپنا عصا چٹان پر مار و یا اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑ پر چلے جاؤ۔ اس آیت میں بنی اسرائیل کے پانی مانگنے کا ذکر ہے۔ اگلی آیت میں کھانا مانگنے کا۔ بیابان میں پانی کی ضرورت ایک اہم ضرورت تھی۔ قوم کا ٹھکانا سوائے پانی کے نہ ہو سکتا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو کسی خاص پہاڑ [illegible] فرمائی جہاں ان کو بارہ چشمے مل گئے۔ ایلیم ایک مقام ہے جہاں بارہ چشمے تھے (خروج ۱۵: ۲۷) اور آج تک یہ عیون موسیٰ کے نام سے مشہور ہیں۔ ممکن ہے [illegible] کوئی مقام ہو یا کسی خاص چٹان پر سونٹا مارنے کی ہدایت کی جہاں سے پانی کا چشمہ نکلا اور پھر اس کے بارہ چشمے بن گئے۔ کسی پتھر کے شق ہو جانے سے پانی کے چشمے [illegible] واقعہ ہے لیکن بارہ قبیلوں کے ان چشموں پر آباد ہونے کے لیے یہی معنی زیادہ موزوں معلوم ہوتے ہیں کہ اپنی جماعت کے ساتھ پہاڑ پر چلے جاؤ۔ [illegible] کہ حضرت موسیٰ کے ساتھ تین گز مربع کا ایک پتھر رہتا تھا۔ جہاں اسے جنگل میں رکھ کر سونٹا مارتے، اس سے بارہ چشمے نکل پڑتے۔ قرآن وحدیث پر نہیں ہے جو معنے پہلے کیے ہیں وہ اس لحاظ سے بھی زیادہ موزوں ہیں کہ اگلی آیت میں جب کھانا مانگنے کا ذکر آتا ہے تو یہ ہدایت ہوتی ہے کہ شہر میں اتر پڑو اور کھیتی باڑی کرو اور دونوں واقعوں کا ایک سا بیان بتاتا ہے کہ دونوں کی ایک ہی نوعیت ہے۔

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ
خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَ
ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ
بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ
ع ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى
وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾
وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ
الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا

مسور سے اور اس کے سورے اور اسکے پیاز سے۔ اس نے کہا کیا تم وہ چیز
جو ادنیٰ ہے اسکے بدلہ میں لینا چاہتے ہو جو بہتر ہے کسی شہر میں
اُتر پڑو جو تم مانگتے ہو تمھیں مل جائیگا[1] اور اُن پر ذلت اور محتاجی
ڈالی گئی اور وہ اللہ کے غضب میں آگئے یہ اس لیے ہُوا کہ وہ
اللہ کی باتوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے[2]
یہ اس لیے (ہُوا) کہ وہ نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔
جو ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور عیسائی اور صابی۔ جو کوئی
بھی اللہ اور پیچھے آنے والے دن پر ایمان لاتا ہے اور اچھے کام کرتا
ہے تو اُن کے لیے اُن کا بدلہ اپنے رب کے ہاں ہے اور اُن کو
کوئی ڈر نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے[3]
اور جب ہم نے تم سے اقرار لیا اور تمھارے اوپر پہاڑ بلند کیا، جو
ہم نے تمھیں دیا ہے اسے زور سے پکڑ رکھو اور جو اس میں ہے

نمبر ۱ ۔ ادنیٰ اور خیر سے مراد یہاں ادنیٰ اور بہتر حالت معلوم ہوتی ہے۔ وہ سبزیاں ترکاریاں چاہتے ہیں اور وہ بغیر کاشتکاری اختیار کرنے کے پیدا نہیں ہو سکتیں جو قوم زراعت میں لگ جانے گی وہ فاتح نہیں بن سکتی۔ اس لیے ان کو سمجھایا کہ گو تم کو کھانے کی مشکلات ہیں۔ مگر یہ حالت انجام کار تمھارے لیے زیادہ مفید ہے۔ زراعت میں لگ جاؤ گے تو فتوحات تمھیں میسر نہیں آسکتیں۔

نمبر ۲ ۔ نبیوں کے قتل سے کیا مراد ہے۔ بائیبل کے بعض حوالجات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے فی الواقع بھی بعض نبیوں کو قتل کیا۔ مگر قتل کے معنی ابطال دعوت بھی آتے ہیں یعنی اس کی دعوت کو باطل کر دینا ایسا ہی قتل کا لفظ زبان عربی میں ... اسباب کے جمع ہو جانے پر بھی بولا جاتا ہے جن سے موت واقع ہو سکتی ہے خواہ واقع ہو یا نہ ہو پس ان دونوں معنوں کے لحاظ سے بھی الفاظ قرآنی کی تفسیر ہو سکتی ہے یعنی انبیاء کی دعوت کو باطل کرنا یا ان کو قتل کرنے کی کوشش کرنا۔ روح المعانی میں ہے کہ مراد یہ ہے کہ ان کی حالت ایسی ہے کہ اگر کوئی مانع نہ ہو تو قتل ہی کر دیں۔

نمبر ۳ ۔ صابی۔ بعض کے نزدیک ملائکہ کی عبادت کرتے تھے بعض کے نزدیک ستاروں کی۔ بعض کہتے ہیں یہود و نصاریٰ کے بین بین ایک فرقہ تھا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا میں ہے کہ یہ ایک نیم عیسائی فرقہ تھا جو یوحنا بپتسمہ دینے والے کے مریدوں سے بہت مشابہ تھا۔ یہود سمجھتے تھے کہ قوم یہود ہی کو نجات مل سکتی ہے اور دنیا کی دوسری قومیں سب کی سب محروم کی گئی ہیں۔ پس یہاں یہ اصول بیان کر دیا کہ کوئی قوم بحیثیت قوم نہ نجات کی ٹھیکیدار ہے نہ نجات سے محروم ہے۔ اسلام کا دائرہ وسیع ہے۔ ہر ایک قوم اس میں داخل ہو سکتی ہے۔ ایمان اور اعمال صالح شرط ہیں الذین امنوا سے مراد منہ سے دعوی ایمان کرنے والے ہیں اور ان کو یہودیوں اور نصرانیوں کے ساتھ رکھ کر یہ بتا دیا کہ خالی دعویٰ ایمان سے چنداں فائدہ نہیں۔ ایمان باللہ والیوم الآخر قرآن شریف کے محاورہ میں اسلام پر قائم ہونے کے مرادف ہے۔ دیکھو آیت ۸ نیز سورہ مجادلہ آیت ۲۲ ۔ اسلام اس بات کا انکار نہیں کرتا کہ دوسرے مذاہب میں بھی صداقت ہے۔ ہاں اس صداقت میں باطل کی آمیزش ہو گئی ہے۔ مگر وہ صداقت اپنے کمال میں صرف اسلام میں پائی جاتی ہے اور شیطان کے پنجے سے پورے طور پر نجات وہی پا سکتا ہے جو محمد رسول اللہ صلعم کے دامن سے وابستہ ہو۔

مَا فِيۡهِ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿٦٣﴾
ثُمَّ تَوَلَّيۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ فَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ
عَلَيۡكُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ لَكُنۡتُمۡ مِّنَ الۡخٰسِرِيۡنَ ﴿٦٤﴾
وَلَقَدۡ عَلِمۡتُمُ الَّذِيۡنَ اعۡتَدَوۡا مِنۡكُمۡ فِى السَّبۡتِ
فَقُلۡنَا لَهُمۡ كُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِئِيۡنَ ﴿٦٥﴾
فَجَعَلۡنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهَا وَمَا خَلۡفَهَا
وَمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿٦٦﴾
وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُكُمۡ اَنۡ
تَذۡبَحُوۡا بَقَرَةً ؕ قَالُوۡۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ
اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِيۡنَ ﴿٦٧﴾
قَالُوا ادۡعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنۡ لَّنَا مَا هِىَ ؕ قَالَ
اِنَّهٗ يَقُوۡلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكۡرٌ ؕ
عَوَانٌۢ بَيۡنَ ذٰلِكَ ؕ فَافۡعَلُوۡا مَا تُؤۡمَرُوۡنَ ﴿٦٨﴾

اس کو یاد رکھو تاکہ تم متقی بنو[1]
پھر اس کے بعد تم پھر گئے سو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت
نہ ہوتی تو تم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوتے۔
اور بیشک تم ان کو جانتے ہو جو تم میں سے سبت کے معاملہ میں حد
سے نکل گئے، پس ہم نے ان سے کہا کہ تم ذلیل بندر ہو جاؤ[2]
پس ہم نے اُسے عبرت بنایا اُن کے لیے جو اُن کے سامنے تھے اور
جو اُن کے بعد میں آنے والے ہیں اور متقیوں کے لیے نصیحت۔
اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ
گائے ذبح کرو، انھوں نے کہا کیا آپ ہم سے ہنسی کرتے ہیں،
(موسیٰ نے) کہا میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں میں سے ہو جاؤں[3]
انھوں نے کہا اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں کھول
کر بتائے کہ وہ کیسی ہے، کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے جو نہ
بوڑھی ہے نہ بچہ، جوان ہے انکے بین بین، پس کرو جو کچھ تمھیں حکم دیا جاتا ہے

نمبر ۱ ۔ اخذ میثاق یا عہد لینے سے مراد بذریعہ نبی کے بعض احکام کا دیا جانا ہے۔ نبی پر ایمان لانا یہ اقرار کرنا ہے کہ ہم اس کے احکام کی تعمیل کریں گے رفعنا فوقکم الطور کے معنی یہ نہیں کہ پہاڑ کو اپنی جگہ سے اٹھا کر اونچا کیا بلکہ یہ کہ تم نیچے تھے اور پہاڑ تمھارے اُوپر اٹھا ہوا تھا۔ بخاری میں ہے فرفعت لنا صخرۃ جس کے معنی کیے گئے ہیں، ہماری آنکھوں کے سامنے چٹان ظاہر ہوئی حالانکہ عام معنی کی رُو سے یوں کہنا چاہیے تھا کہ ہمارے لیے صخرہ اونچا کیا گیا مگر فی الحقیقت صخرہ اونچا نہیں ہوا بلکہ اس کی اونچائی آنکھوں کے سامنے آگئی۔

نمبر ۲ ۔ کونوا قردۃ خاسئین مجاہد سے روایت ہے کہ ان کے دل مسخ ہو گئے تھے اور صورتیں مسخ ہو کر بندر نہیں بنیں۔ معزولت میں بھی ایک قول منقول ہے کہ ان کے اخلاق بندروں کے سے ہو گئے۔ اس تفسیر کی تائید قرآن کریم کے دیگر مقامات سے ہوتی ہے۔ النساء ۴-۴۷ میں ہے کہ ہم ان پر لعنت کریں جیسا سبت والوں پر لعنت کی۔ اب رسول اللہ صلعم کے دشمنوں پر جو لعنت واقع ہوئی وہی لعنت اصحاب سبت پر ہوئی لیکن اوّل الذکر بندر نہیں بنائے گئے بلکہ ذلیل کیے گئے۔ اسی طرح المائدہ ۵-۶۰ میں ہے کہ ان میں سے بندر اور سور بنائے اور پھر فرمایا کہ سیدھی راہ سے دُور چلے گئے اور قرآن کریم ایسے محاورات سے بھرا پڑا ہے کسی کو گدھے سے مثال دی ہے کسی کو کتے سے۔ بندر ایک نقال جانور ہے پس ان کو بندر کہنے سے مراد یہ ہے کہ وہ محض نقال کے طور پر رسوم ادا کرتے ہیں اور ان کے افعال حقیقت سے خالی ہیں یا ذلت کے لحاظ سے ان کو بندر کہا ہے اور اس کی طرف خاسئین میں اشارہ ہے حزقیل ۲۲: ۹، ۱۱ ۔

نمبر ۳ ۔ گائے کی پرستش ایک خاص قسم کا شرک تھا جو بنی اسرائیل مصر سے ساتھ لائے تھے اس کا علاج ضروری تھا۔ موسوی شریعت میں اس قسم کی گائیوں کی قربانی کرنے کا حکم خاص خاص موقعوں پر تھا جو بل میں نہ لگائی جاتی تھیں دیکھو استثناء ۲۱: ۱، ۹ گنتی ۱۹: ۱، ۱۹ یہ عام احکام بتاتے ہیں کہ گائے کی پرستش کے شرک کو دُور کرنا بھی ان کا مقصود تھا۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ
اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا
تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾

انھوں نے کہا اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں کھول کر بتائے کہ اس کا رنگ کیا ہے، کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے اس کا رنگ گہرا زرد ہے دیکھنے والوں کو خوش کرتی ہے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا ھِىَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ
تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ وَاِنَّآ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

انھوں نے کہا اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں کھول کر بتائے کہ وہ کیسی ہے کیونکہ ہمارے لیے گائیں ایک سی ہیں اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم ضرور پتہ لگالیں گے۔

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ
الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ
فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ فَذَبَحُوْهَا
ع ۸ وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾

کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے جو کام میں نہیں لگائی گئی کہ زمین کو پھاڑتی ہو اور نہ کھیت کو پانی دیتی ہے صحیح وسالم ہے اس میں کوئی داغ نہیں، انھوں نے کہا اب آپ نے ٹھیک پتہ بتایا ہے، سو انھوں نے اُسے ذبح کیا اور وہ کرنا نہ چاہتے تھے۔[۱]

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ
مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور جب تم نے ایک شخص کو اپنی طرف سے قتل کردیا، پھر آپس میں اختلاف کیا اور اللہ ظاہر کرنے والا تھا جو تم چھپاتے تھے۔[۲]

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ
الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾

پس ہم نے کہا کہ اس کو اسکے بعض سے مارو، اس طرح اللہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمھیں اپنے نشان دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔[۳]

نمبر ۱ - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک خاص گائے تھی اور چونکہ قوم کے دل میں اس کی محبت اور عظمت تھی اس لیے ذبح نہ کرنا چاہتی تھی۔ بار بار کی پس و پیش کا مطلب بھی یہی تھا کہ کسی طرح یہ حکم ٹل جائے۔

نمبر ۲ - مفسرین کہتے ہیں ایک بھتیجے نے چچا کو قتل کردیا تھا تاکہ اس کی بیٹی سے شادی کرکے اس کی جائداد کا وارث ہو۔ مگر اس قسم کے قتل کے واقعات تو قوموں میں ہر روز ہوتے ہیں اور تمام قوم ایک معمولی انسان کے قتل پر ملزم نہیں ہوسکتی۔ ہاں انبیاء کے قتل پر کل قوم کو ملزم کیا جاتا ہے کیونکہ وہ ساری قوم کا فعل ہوتا ہے۔ اب اس کے متعلق چند اور باتیں قابل توجہ ہیں اوّل یہ کہ اپنی طرف سے قتل کردینے کے بعد پھر ان لوگوں میں اختلاف ہوا ہے جیسا فادّٰرءتم فیھا سے ظاہر ہے۔ دوسرے وہ قتل میں کامیاب نہیں ہوئے کیونکہ فرمایا جو کچھ تم چھپانا چاہتے تھے اللہ نے اسے ظاہر کرنا تھا اور ہم ابھی دکھا چکے ہیں کہ قتل کا لفظ اسباب قتل کے جمع کردینے پر بھی بولا جاتا ہے گو فی الواقع قتل نہ ہوا ہو۔ اب ایسا قتل یا قتل کی کوشش جس میں اختلاف ہوا ہو اور پھر وہ قتل بھی نبی کا ہو۔ حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھانے کا واقعہ ہے اور کوئی واقعہ اس قسم کا تاریخ بنی اسرائیل میں نہیں پایا جاتا۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ صاف فرمایا وقولھم انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم یعنی وہ تو یہی کہتے ہیں کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم کو قتل کردیا مگر فرمایا وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم۔ انھوں نے نہ اس کو قتل کیا نہ صلیب پر مارا بلکہ ان کے لیے وہ مشابہ بالمقتول کردیا گیا اور پھر فرمایا وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ (النساء ۱۵۷) جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا وہ اس کے متعلق شک میں ہیں پس اگر ایک طرف قرآن صفائی سے بتاتے ہیں کہ ان الفاظ میں کسی نبی کے قتل کا ذکر ہے تو دوسری طرف یہ بھی ظاہر ہے کہ ایسا نبی جس کے قتل میں اختلاف ہوا ہو اور کامیابی نہ ہوئی ہو۔ وہ مسیح علیہ السلام ہیں۔ قرآن کریم بعض سے بعض کی تفسیر کرتا ہے۔ ان واقعات کا جو ذکر یہاں ہے وہی ذکر سورۃ النساء میں بھی ہے۔ دیکھو آیت ۱۵۲-۱۵۴-۱۵۵۔ اس قدر فرق ہے کہ یہاں تفصیل ہے۔ سورہ النساء میں انہی واقعات کا ذکر اختصار سے ہے اور پھر آیت ۱۵۷ میں حضرت مسیح کے قتل کی کوشش اور اس میں ناکامی اور اختلاف کا ذکر ہے۔ گویا جو کچھ یہاں سورہ بقرہ میں اشارتاً بیان فرمایا۔ اس کو سورہ النساء میں کھول کر بیان کردیا۔

نمبر ۳ - اضربوہ میں ضمیر نفس کی طرف جاتی ہے کیونکہ بعض وقت نفس کی ضمیر بلحاظ معنی مذکر آجاتی ہے اور بعضھا کی ضمیر فعل قتل کی طرف جاتی ہے یعنی حِصّہ قتل

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ
كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ
لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ
فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ
خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٤﴾

پھر تمھارے دل اس کے بعد سخت ہو گئے، سو وہ پتھروں کی طرح ہیں
بلکہ سختی میں اس سے بھی بڑھ کر اور یقیناً پتھروں میں ایسے بھی ہیں جن سے
نہریں بہتی ہیں اور بیشک ان میں ایسے بھی ہیں جو پھٹتے ہیں تو ان میں
سے پانی نکلتا ہے اور بیشک اُن میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کے خوف
سے گر جاتے ہیں اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ
مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ
مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾

پس کیا تم امید رکھتے ہو کہ وہ تمھاری بات مان لیں گے اور اُن میں
ایک گروہ ایسا بھی ہے جو اللہ کے کلام کو سنتے، پھر اس میں تحریف
کرتے بعد اس کے کہ اُسے سمجھ لیا اور وہ جانتے ہیں ۔[1]

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ
اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ
لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٧٦﴾

اور جب اُن سے ملتے ہیں جو ایمان لائے تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب ایک دوسرے کے ساتھ اکیلے
ہوتے ہیں کہتے ہیں کیا تم ان سے وہ کہتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولا ہے تاکہ وہ اس کے ساتھ
تمھارے رب کے حضور تم سے جھگڑ سکیں کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ۔[2]

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٧﴾

بھلا کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں ۔[3]

ـــــ اس کو مار دو یا فعل قتل اس پر پورا وارد نہ ہونے دو اور یہی ٹھیک ہے کہ حضرت مسیحؑ پر پورا فعل قتل وارد نہیں ہوا تفصیل کے لیے دیکھو سورت النساء۔ صلیب پر آپ صرف تین گھنٹے رہے اور اتنی تھوڑی دیر میں کوئی شخص صلیب کی موت سے مر نہیں سکتا۔ آپ کے ساتھ جو چور صلیب دیے گئے تھے ان کی ہڈیاں توڑی گئیں آپ کی ہڈیاں نہیں توڑیں لیکن یہی فاضربوہ ببعضها ہے اور کذالک یحی اللہ الموتیٰ کہ کر بتا دیا کہ جس کو تم مُردہ خیال کر بیٹھے تھے اسے خدا نے یوں زندہ رکھا یا زندہ کر دیا اور یہ جو فرمایا ہے یریکم اٰیاتہ لعلکم تعقلون تو بتایا کہ مسیح جو تم کو مردہ معلوم ہوتا تھا جس طرح اُسے خدا نے زندہ کر دیا۔ کیونکہ اللہ کے نام کو بلند کرنا اس کی زندگی کا مقصد تھا اسی طرح اگر تم بھی اعلائے کلمۃ اللہ کا کام اختیار کرو تو گو تم ایک مُردہ قوم ہو۔ اللہ تعالیٰ تمھیں زندگی عطا فرمائے گا۔

نمبر ۱ ۔ قرآن کریم کے اعجازوں میں سے ایک اعجاز یہ ہے کہ بائبل میں تحریف ہونے کا دعویٰ اُس وقت کیا جب دُنیا اس سے بے خبر تھی۔ آج تیرہ سو سال بعد خود عیسائی محققین کو یہ اعتراف ہے کہ بائبل میں تحریف ہوئی ہے۔ توریت تو ایک طرف رہی موجودہ اناجیل میں تحریف کا اقرار خود عیسائیوں کو ہے۔ چنانچہ متی ۱۷ : ۲۱ ترمیم شدہ ترجموں سے نکال دی گئی ہے مرقس ۱۶ : ۹ تا ۲۰ کے متعلق یہ اعتراف ہے کہ بعد میں بڑھائی گئیں۔

غرض تحریف بائبل اب ایک اظہر من الشمس صداقت ہے اور اس کے ساتھ ہی قرآن کریم کا یہ اعجاز بھی کہ تیرہ سو سال پیشتر اُس وقت تحریف بائبل کی خبر دی جب دُنیا میں کسی کو خبر تک نہ تھی کہ بائبل میں تحریف ہوئی ہے۔

نمبر ۲ ۔ یعنی تم مسلمانوں سے ان پیشگوئیوں کا ذکر نہ کرو جو پیغمبر آخر الزمان کے متعلق ہیں جن کا تمھیں علم ہے۔ کیونکہ اس طرح مسلمانوں کے ہاتھ میں ایک دلیل آجاتی ہے۔

نمبر ۳ ۔ یہ اس کا جواب ہے جو وہ کہتے تھے کہ پیشگوئیوں کا ذکر مسلمانوں سے نہ کرو انھیں بتایا ہے کہ اللہ تو ان پیشگوئیوں کو جانتا ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ نہایت ابتدائی زمانہ کی مکی سورتوں میں ان پیشگوئیوں کا ذکر ہے مثلاً سورہ مزمل میں مثیل موسیٰ والی پیشگوئی جو استثناء ۱۸ : ۱۸ میں ہے صراحت سے مذکور ہے اور مکی سورتوں میں جگہ جگہ قرآن کریم کو پہلی کتابوں کا مصدق کہا گیا ہے اور سورہ شعراء میں بھی صاف ذکر ہے کہ آنحضرتؐ کی پیشگوئیاں پہلے صحیفوں میں موجود ہیں وانہ لفی زبر الاولین۔ (۲۶ : ۱۹۶)

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ
وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿٧٨﴾
فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ
يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا
قَلِيْلًا فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ
وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿٧٩﴾
وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً قُلْ
اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ
عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٠﴾
بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ
فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٨١﴾
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٨٢﴾
وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ
اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَ
الْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ

اور کچھ اُن میں سے ان پڑھ ہیں جو کتاب تو جانتے نہیں مگر جھوٹے خیالات
کے پیچھے چلتے ہیں اور صرف اٹکل پچو خیال دوڑاتے ہیں ۔[1]
سو اُن کے لیے حسرت ہے جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہتے
ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑی قیمت لے لیں
پس ان کے لیے حسرت ہے اس کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے
لکھا اور اُن کے لیے حسرت ہے اس کی وجہ سے جو وہ کماتے ہیں۔
اور کہتے ہیں کہ سوائے گنتی کے دنوں کے ہمیں آگ نہیں چھوئے گی ۔[2] کہہ
کیا تم نے اللہ سے کوئی اقرار لیا ہے تو اللہ اپنے اقرار کے خلاف نہیں
کرتا ، بلکہ اللہ پر وہ بات بناتے ہو جو تم نہیں جانتے۔
ہاں جو بدی کماتا ہے اور اس کی بُرائیاں اُسے گھیر لیتی ہیں ، وہی
آگ والے ہیں وہ اسی میں رہیں گے ۔
اور جو ایمان لاتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں وہی جنت والے
ہیں ، وہ اسی میں رہیں گے۔
اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا کہ سوائے اللہ کے تم
کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اور رشتہ داروں
اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ ، اور لوگوں کو اچھی بات کہو اور نماز

نمبر ١ ۔ مجاہد نے یہاں تمنی کے معنی جھوٹ مراد لیے ہیں بعض نے بغیر معنی جاننے کے لفظوں کو پڑھ لینا بھی مراد لیا ہے۔ آج مسلمانوں کی بھی یہی حالت ہے کہ بغیر معنی جاننے کے قرآن کریم کو پڑھ لینا کافی سمجھتے ہیں۔ یہودیوں پر ایک وقت وہ آگیا کہ عوام الناس علم دین سے بالکل بے خبر ہو گئے اور جو کچھ ان کے علماء یا سجادہ نشین کہتے اسے مانتے چلے جاتے ۔ علوم ہوا کہ قرآن کریم اس کو پسند نہیں کرتا کہ علم دین صرف خاص لوگوں کے ہاتھ میں ہو بلکہ چاہتا ہے کہ ہر ایک شخص بجائے خود علم حاصل کرے تاکہ اندھا ہو کر دوسروں کے پیچھے نہ لگے۔ بلکہ خود بھی کچھ بصیرت سے کام لے۔ رسُول اللہ صلعم کا ایک کام یعلمہم الکتاب والحکمۃ بھی ہے اور آپ نے تمام صحابہ کو کتاب و حکمت سکھائی کسی خاص گروہ کو نہیں۔ اسی لیے ایک امی قوم دنیا میں علوم کی مشعل بردار ہو گئی اور مسلمانوں کی موجودہ حالت ان آیات کی روشنی میں قابل عبرت ہے وہ نہ صرف علوم سے بے بہرہ اور توہمات میں مبتلا ہیں بلکہ ان کے دنیوی اور دینی لیڈر بھی ان کا علوم سے مستفیض ہونا پسند نہیں کرتے۔ اس لیے کہ اس سے ان کی جھوٹی سرداری میں فرق آتا ہے۔

نمبر ٢ ۔ یہود کہتے تھے کہ ہم کو صرف چالیس دن عذاب ہوگا اور بعض کہتے تھے سات دن۔ عیسائیوں نے اس پر یہ ترقی کی ہے کہ مسیح کا تین دن دوزخ میں رہنا تمام بدکاریوں کے لیے کفارہ ہو گیا۔ گویا وہ ایام معدودۃ بھی ان کے بیٹے نہ رہے بلکہ اس شخص کے لیے ہوئے جسے انھوں نے خدا سمجھا ہوا ہے۔

اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا
قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

قائم کرو اور زکوٰۃ دو، پھر تم پھر گئے مگر تم میں سے تھوڑے اور
تم منہ موڑنے والے ہو۔[۱]

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ
وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ
وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾

اور جب ہم نے تم سے اقرار لیا کہ تم اپنے (لوگوں کے) خون نہ
گراؤ گے اور نہ اپنے لوگوں کو اپنے گھروں سے نکالو گے، پھر تم
نے اقرار کیا اور تم گواہ ہو۔

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ
فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ؗ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ
بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى
تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ
اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ
فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ
فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰۤى
اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾

پھر تم ہی وہ ہو کہ اپنے لوگوں کو قتل کرتے ہو اور اپنے میں سے
ایک گروہ کو اُن کے گھروں سے نکالتے ہو، ان کے خلاف گناہ اور
زیادتی سے ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو اور اگر قید ہو کر تمہارے
پاس آئیں فدیہ دیکر انہیں چھڑاتے ہو حالانکہ اُن کا نکالنا ہی تم پر
حرام تھا۔[۲] تو کیا تم کتاب کے ایک حصّے کو مانتے ہو اور ایک حصّے
کا انکار کرتے ہو، تو اس کی سزا جو تم میں سے ایسا کرتا ہے سوائے
اس کے کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں رسوائی ہو اور قیامت کے دن زیادہ
سخت عذاب کی طرف لوٹائے جائیں اور اللہ اس سے بےخبر نہیں جو تم کرتے ہو۔

نمبر ۱۔ پہلے جب اخذ میثاق کا ذکر کیا تو تفصیل نہ فرمائی تھی۔ اب اسی میثاق کی تھوڑی سی تفصیل کر دی ہے کہ کیا کیا حکم تھے۔ یہ احکام گویا اصل الاصول کے رنگ میں ہیں ایک خدا کی عبادت دوسرے مخلوق خدا سے نیکی۔ توریت میں خدا تعالیٰ کی توحید پر بڑا زور تھا۔ اس تاکید کو ظاہر کرنے کے لیے اخباری صورت اختیار کی ہے۔ دوسرے حصّہ میں سب سے پہلے والدین پھر رشتہ دار پھر یتیم پھر مسکین۔ پھر عام لوگ۔ پھر اس کی دو نمایاں صورتیں بیان کیں۔ نماز اور زکوٰۃ۔ توریت میں یہ سب احکام موجود ہیں۔ ماں باپ کی عزت کے لیے دیکھو خروج ۲۰: ۱۲۔ قریبی استثناء ۱۵: ۱۱۔ یتامیٰ استثناء ۱۲: ۲۹۔ مسکین استثناء ۱۵: ۱۱ عام لوگ خروج ۲۲ باب کا شروع۔ نماز استثناء ۱۳: ۴ زکوٰۃ خروج ۲۳: ۱۰، ۱۱۔ احبار ۲۵: ۱۔ ایک خدا کی عبادت خروج ۲۰: ۳۔

نمبر ۲۔ مدینہ میں خزرج اور اوس دو بڑی قومیں تھیں جن کی باہم جنگ رہتی تھی اور یہودیوں کی دو بڑی قوموں میں سے ایک یعنی بنو نضیر خزرج کے حلیف بن گئے تھے اور دوسری یعنی بنو قریظہ اوس کے۔ یوں یہ اپنے اپنے حلیف سے مل کر اپنے ہی بھائی بندوں کو قتل کرتے اور گھروں سے نکلواتے۔ مگر جب ایک فریق غالب آ کر دوسرے کے قیدی لے لیتا تو پھر دونوں قومیں مل کر چندہ کر کے انہیں چھڑاتیں اس پر انہیں ملزم کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اپنی قوم سے جنگ کرنے کا آپس میں فساد ڈالنے اپنے بھائی بندوں کو وطن سے جلے وطن کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دُنیا میں بھی ذلیل ہو جاؤ گے اور آخرت میں بھی جنت کی امید نہ رکھو۔ بلکہ دُنیا سے بدتر عذاب وہاں ملے گا۔
یہود کا قصّہ بیان کر کے توجہ مسلمانوں کو دلائی تھی۔ مگر وہ بھی انہیں کے نقشِ قدم پر چلے اور جو نقشہ یہاں کھینچا ہے وہ پیشگوئی کے رنگ میں مسلمانوں کا نقشہ ہے۔ ایک طرف تو ہمدردی کا اظہار اس قدر ہے کہ لڑائیوں میں دُنیا کے ایک حصّہ میں مسلمان زخمی ہو جائیں تو دوسرے حصّہ دُنیا میں چندہ ہوتا ہے اور دوسری طرف ایک مُلک دوسرے اسلامی ملک کو تباہ کرنے کی فکر میں ہے کبھی دوسروں سے مل کر کبھی خود بخود۔ ایک طرف خود مسلمان عیسائیوں کے ساتھ مل کر خلافتِ اسلامی کو تباہ کرتے ہیں اور دوسری طرف اس کے قیام کے لیے اپیلیں اور مظاہرے کرتے ہیں۔

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۖ
فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿٨٦﴾
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ
بِالرُّسُلِ ۖ وَاٰتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ
اَيَّدْنٰهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُولٌۢ
بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيقًا
كَذَّبْتُمْ ۖ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿٨٧﴾
وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ
فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٨٨﴾
وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ
لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى
الَّذِينَ كَفَرُوا ۖۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا

یہی وہ ہیں جنھوں نے آخرت کے بدلے اس دنیا کی زندگی کو خرید لیا،
پس نہ اُن سے عذاب ہلکا کیا جائیگا اور نہ وہ مدد دیئے جائیں گے ۱
اور یقیناً ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے بعد ہم نے پے بہ پے
رسول بھیجے اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلے دلائل دیے اور روح القدس
کے ساتھ اس کی تائید کی ۲ پس کیا جب کبھی کوئی رسول تمھارے
پاس وہ چیز لایا جسے تمھارا جی نہیں چاہتا تھا، تو تم نے تکبّر ہی کیا،
پس ایک گروہ کو تم نے جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کرنے لگے ۳
اور کہتے ہیں ہمارے دل پردوں میں ہیں بلکہ اللہ نے اُن کے کفر کی وجہ
سے اُن پر لعنت کی پس وہ بہت ہی کم مانتے ہیں ۴
اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے ایک کتاب آئی اس کی
تصدیق کرتی ہوئی جو اُن کے پاس ہے اور پہلے وہ ان پر جو کافر تھے
فتح مانگا کرتے تھے مگر جب اُن کے پاس وہ آیا جسے انھوں نے پہچانا

نمبر ۱ - اب کلام کا رخ اس طرف پھیرا ہے کہ یہ لوگ جنھوں نے عہد شکنیاں کیں۔ اب جب ان کی ہدایت کا سامان پھر آیا تو انھوں نے دنیا کی خاطر پھر دین کو ترک کر دیا۔ اگر وہ ہدایت کو اختیار کر لیتے تو ان کا عذاب دُور کر دیا جاتا۔ ان کی نصرت ہوتی مگر اب ایسا نہیں ہوگا۔

نمبر ۲ - حضرت عیسےٰ کے نام کے ساتھ قرآن کریم نے لفظ ابن مریم بڑھایا ہے۔ یہ عیسائیوں پر اتمام حجت کے لیے ہے کہ وہ جسے تم خدا اور بے گناہ بناتے ہو وہ ایک عورت کا بیٹا تھا اور انہی کی کتابوں میں لکھا ہے" اور وہ جو عورت سے پیدا ہوا ہے کیونکر پاک ٹھہرے" ایوب ۲۵ : ۴۔ پھر عیسائیوں کے خیال کے مطابق گناہ مرد دنیا میں نہیں لایا بلکہ عورت لائی۔ کیونکہ عورت نے ہی آدم کو ممنوع پھل کھلایا پس یہ بتایا ہے کہ جب اس کی ماں موجود ہے تو تم اسے دوسرے انسانوں سے بے گناہی کا امتیاز اس بناء پر کیونکر دے سکتے ہو کیونکہ جب اصلی گنہگار حوّا ہوئی اور اس کے ورثہ میں گناہ کا چلنا ضروری ہے جیسا کہ عیسائیوں کا اعتقاد ہے تو مریم اس سے کیونکر پاک ٹھہری۔ علاوہ ازیں حضرت عیسےٰ کی والدہ کو جو شہرت دنیا میں حاصل ہے اس کا عشر عشیر بھی ان کے خاوند کو حاصل نہیں اس لیے بھی مریم کی طرف منسوب کرنا اولیٰ تھا جیسے حضرت فاطمہ کی فضیلت کی وجہ سے بنی فاطمہ۔

حضرت عیسیٰ سے روح القدس کا تعلق وہی ہے جو ہر نبی کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ مومنوں کو بھی روح القدس کی تائید ملتی ہے فرمایا ایدھم بروح منہ (المجادلہ ۵۸-۲۲) جہاں صحابہ کا ذکر ہے یعنی اپنی روح سے ان کی تائید کی۔ اور حدیث میں ہے اللّٰھم اید حسان بروح القدس اے اللہ! حسّان کی تائید روح القدس سے فرما۔ حضرت مسیح کی بینات اور تائید روح القدس کا خصوصیت سے ذکر اس لیے کیا کہ یہودی ان کا انکار کرتے اور ان کو ناپاک قرار دیتے تھے۔

نمبر ۳ - اصل مقصد یہ بتانا ہے کہ نبی کریم صلعم سے تمھاری عداوت اس وجہ سے نہیں کہ تم کو دلائل نہیں ملتے بلکہ تم ایسے قسی القلب ہو گئے ہو کہ ہمیشہ ہی خدا کے رسولوں کی تکذیب کرتے رہے بلکہ ایک گروہ کے قتل کے بھی درپے ہوئے چنانچہ کذبتم کو ماضی رکھ کر اور تقتلون کو مضارع رکھ کر یہ بتایا ہے کہ تم اس وقت بھی ایک رسول کے قتل کے درپے ہو۔ اور اپنی طرف سے تو تم نے اُسے قتل کر ہی دیا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کا بچانے والا نہ ہوتا۔

نمبر ۴ - یہودیوں کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے دل ایسے پردوں کے اندر ہیں کہ آپ کی بات ان میں داخل نہیں ہو سکتی۔ اور یا یہ کہ ہمارے دلوں میں پہلے ہی علم بھرا ہوا ہے اور ہم تم سے کچھ نہیں سیکھ سکتے۔ اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اصل وجہ یہ ہے کہ تم رحمت اور توفیق الٰہی سے دُور جا پڑے ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تم بہت کم ہی مانتے رہے ہو۔

بِهٖ ۡ فَلَعۡنَةُ اللّٰهِ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ۝٨٩

اس کا انکار کردیا پس انکار کرنیوالوں پر اللہ کی لعنت ہے ؎۱

بِئۡسَمَا اشۡتَرَوۡا بِهٖۤ اَنۡفُسَهُمۡ اَنۡ يَّكۡفُرُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ
اللّٰهُ بَغۡيًا اَنۡ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ عَلٰى مَنۡ
يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ
وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ۝٩٠

کیا ہی بُرا ہے جس کے عوض انھوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا کہ اس کا انکار
کرتے ہیں جو اللہ نے اتارا، اس حسد سے کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے بندوں
میں سے جس پر چاہے اتارے پس وہ غضب پر غضب میں آگئے اور
کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے ؎۲

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا
نُؤۡمِنُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡنَا وَيَكۡفُرُوۡنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۚ
وَهُوَ الۡحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمۡ ؕ قُلۡ فَلِمَ تَقۡتُلُوۡنَ
اَنۡۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنۡ قَبۡلُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۝٩١

اور جب انھیں کہا جاتا ہے کہ اس پر ایمان لاؤ جو اللہ نے اتارا ہے،
کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر اُتارا گیا اور اس کا انکار کرتے
ہیں جو اس کے سوا ہے حالانکہ وہ حق ہے اسکی تصدیق کرنیوالا جو اُنکے
پاس ہے کہہ تو پہلے تم اللہ کے نبیوں کو کیوں قتل کرتے تھے اگر تم مومن تھے ؎۳

وَلَقَدۡ جَآءَكُمۡ مُّوۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ
الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ۝٩٢

اور بیشک موسیٰ تمھارے پاس کھلی دلیلیں لایا پھر اُس کے پیچھے تم نے
بچھڑا (معبود) بنالیا اور تم ظالم تھے۔

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِيۡثَاقَكُمۡ وَرَفَعۡنَا فَوۡقَكُمُ الطُّوۡرَ ؕ
خُذُوۡا مَاۤ اٰتَيۡنٰكُمۡ بِقُوَّةٍ وَّاسۡمَعُوۡا ؕ قَالُوۡا سَمِعۡنَا

اور جب ہم نے تم سے اقرار لیا اور تمھارے اوپر پہاڑ بلند کیا، جو ہم
نے تم کو دیا ہے اسے زور سے پکڑ لو اور سُن لو اُنھوں نے کہا ہمنے

نمبر۱ - چونکہ ان کے ساتھ وعدہ تھا کہ نبی موعود پر ایمان لائیں گے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں انھیں ممتاز قوم بنائے گا۔ استثناء ۲۸: ۱۲، ۱۸، ۱۵-۱۸ اس لیے جب دنیا میں بوجہ انبیاء کے انکار کے ذلیل ہوگئے تو پھر خدا سے یہ دعائیں مانگنے لگے کہ وہ موعود نبی آئے تو ہمیں کافروں پر غلبہ ملے۔ لیکن جب وہ کتاب آگئی جو ان کی وحی کی تصدیق کرتی تھی اور یہی اس موعود نبی کی سب سے بڑی علامت تھی کہ وہ دنیا کے کل انبیاء کی تصدیق کرے گا تو اسے رد کر دیا۔
یہاں بھی دعویٰ کیا ہے کہ وہ آنحضرت کی صداقت کو خوب پہچانتے ہیں اس لیے کہ نہایت بین اور موٹے نشان آپ کی صداقت کے ان پر کھل چکے تھے۔ مثیل موسیٰ ہونے کا دعویٰ اب تک کسی نبی نے نہ کیا تھا۔ صرف آپ نے کیا۔ دوسرے انبیاء کی تصدیق کسی نبی نے نہ کی تھی صرف آپ نے کی۔ اس موعود نبی کا انکار اللہ کی جناب سے دُوری ہے۔ صرف اس کی ہدایات پر عمل کرکے وہ خدا تک رسائی حاصل کرسکتے تھے۔ جب اس کو رد کردیا تو خود ہی دوری یا لعنت کو خرید لیا۔

نمبر۲ - جس انکار کا ذکر پچھلی آیت میں ہے اس کی وجہ بتائی کہ وہ صرف حسد ہے کہ اللہ نے اپنے فضل کا حصہ سوائے بنی اسرائیل کے کسی اور قوم پر کیوں اُتارا۔ چنانچہ اگلی آیت میں اس کی اور بھی تشریح فرمائی ہے۔ جہاں ان کا قول نقل کیا ہے کہ ہم صرف اسی پر ایمان لائیں گے جو بنی اسرائیل پر اُترے۔ غضب پر غضب اس لیے فرمایا کہ ایک غضب کے نیچے تو وہ پہلے ہی آئے ہوئے تھے۔ اب آنحضرت صلعم کے انکار سے اور غضب کے نیچے آگئے۔ عذاب مہین یا رسوا کرنے والا عذاب یہ ہے کہ دوسرے کے ماتحت رہیں۔

نمبر۳ - ان کے اس قول کا کہ سوائے بنی اسرائیل کے کسی دوسری قوم کے آدمی پر اگر وحی نازل ہو تو ہم نہیں مانیں گے۔ ایک جواب تو یہ دیا ہے کہ یہ وحی تمھاری وحی کی مصدق ہے اور یہی اس موعود نبی کا نشان تھا۔ دوسرا یہ کہ تمھارا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کہ بنی اسرائیل میں سے یہ نبی ہوتا تو تم ایمان لے آتے۔ پہلے تم اسرائیلی نبیوں کی قتل کی کوشش کیوں کرتے رہے۔ پہلے جواب میں یہ بھی بتا دیا کہ اگر بنی اسرائیل کے باہر سے یہ نبی نہ آتا تو تمھاری پیشگوئیاں غلط ٹھہرتیں۔ کیونکہ پیشگوئیوں میں بنی اسرائیل کے بھائیوں یعنی بنی اسمٰعیل میں

وَعَصَيْنَا ۗ وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ
بِكُفْرِهِمْ ۚ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُم بِهِ إِيمَانُكُمْ
إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٩٣﴾

سُن لیا اور نہیں مانتے ۱ اور ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں میں بچھڑا رچ گیا ۲ کہہ وہ بُرا ہے جس کے لیے تمھارا ایمان تمھیں حکم دیتا ہے اگر تم ایمان والے ہو۔

قُلْ إِن كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِندَ اللَّهِ
خَالِصَةً مِّن دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ
إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٩٤﴾

کہہ اگر آخرت کا گھر اللہ کے ہاں اور لوگوں کو چھوڑ کر صرف تمھارے لیے ہے، تو موت کی آرزو کرو، اگر تم سچے ہو ۳

وَلَن يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ۗ
وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٩٥﴾

اور کبھی اس کی آرزو نہ کریں گے بسبب اس کے جو اُن کے ہاتھ پہلے بھیج چکے ہیں، اور اللہ ظالموں کو جانتا ہے۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَىٰ حَيَاةٍ وَ
مِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا ۚ يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ
أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهِ مِنَ الْعَذَابِ
أَن يُعَمَّرَ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٩٦﴾

اور یقیناً تُو اُن کو سب لوگوں سے بڑھکر لمبی زندگی پر حریص پائے گا اور اُن سے بھی جنھوں نے شرک کیا ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کہ کاش اُسے ہزار برس کی عمر دیجائے اور یہ بات اُسے عذاب سے بچا نہیں سکتی کہ اُسے لمبی عمر دیجائے اور اللہ دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں ۴

قُلْ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ

کہہ جو کوئی جبریل کا دشمن (ہو) ہے ۵ اس نے تو اللہ کے حکم سے اس

سے آنے کا وعدہ ہے اور پھر عرب کا نام بھی موجود ہے۔ پھر موسیٰ کی مثل بنی موسیٰ کے خلفاء میں سے تو ہو نہ سکتا تھا۔ اس لیے اس کا دوسری قوم سے آنا ضروری ہُوا۔

نمبر ۱۔ زبان قال سے کہا سمعنا اور زبان حال سے کہا عصینا۔ آج یہی حالت مسلمانوں کی ہے منہ سے قرآن پر ایمان کا دعویٰ ہے مگر عملی حالت میں نافرمانی ہے۔

نمبر ۲۔ جب کسی چیز کا اندر سرایت کرجانا بتانا ہو تو اس کو پینے کی چیز سے مشابہت دیتے ہیں کیونکہ پانی فوراً رگ رگ میں پہنچ جاتا ہے اور بچھڑا رچ جانے سے مراد بچھڑے کی محبت کا رچ جانا ہے۔

نمبر ۳۔ موت کی آرزو کرنے سے مراد جھوٹے کی موت کی دعا کرنا ہے۔ جیساکہ سورہ آل عمران میں عیسائیوں کو مباہلہ کے لیے بُلایا۔ یہاں یہودیوں کو ایک قسم کے مباہلہ کے لیے بلایا جیساکہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے ادعوا بالموت علی ای الفریقین اکذب دعا کرو کہ جو فریق جھُوٹ پر ہے اس کو موت آجائے۔ اگر تم مقبولان بارگاہ الٰہی ہو جیساکہ تمھارا دعویٰ ہے تو خدا تعالیٰ تمھاری دعا قبول کرے گا۔ اگلی آیت میں بتادیا کہ اپنی بدعملیوں کی وجہ سے وہ ایسی دعا کی کبھی جرأت نہ کریں گے۔

نمبر ۴۔ مشرکوں سے مراد بعض لوگوں نے معض مشرک لیے ہیں اس لیے کہ وہ بعث بعد موت کے قائل نہیں۔ اس لیے اس دنیا کی زندگی کو ہی وہ سب کچھ سمجھتے ہیں اور بعض نے مجوس کو مراد لیا ہے جو جیساکہ ابن جریر میں ہے۔ چھینک پر "ہزار سال بزی" کی دعا دیتے تھے۔ یعنی ہزار سال زندہ رہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ومن الذین اشرکوا سے نیا بیان شروع ہوتا ہے اور ان مشرکوں سے مراد اہل کتاب کے مشرک یعنی عیسائی لوگ ہیں۔ بمقابلہ یہود کے گویا فرمایا کہ یہودی تو دنیا میں مبتلا ہوکر اس دنیا کی زندگی پر حریص ہیں ہی مگر ان کے مشرک بھائی یعنی عیسائی تو ایک ہزار سال کی زندگی چاہتے ہیں۔ اس صورت میں ہزار سال کی زندگی سے مراد ایک قوم کی مخالفت اسلام کی ہزار سال کی زندگی ہوگی۔

نمبر ۵۔ کئی ایک صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کے وقت میں یہودی جبرئیل کو اپنا دشمن سمجھتے تھے اور بعض روایات میں اس کی تشریح کی گئی ہے کہ جبرئیل کو سختی اور عذاب کا فرشتہ سمجھتے تھے حالانکہ بائیبل سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہ فرشتہ ہے جو وحی لاتا تھا دیکھو دانیال ۸: ۱۶ اور لوقا ۱: ۱۹، ۲۶۔ اور بخاری سے

عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ
کو تیرے دل پر اُتارا، اُس کی تصدیق کرتا ہُوا جو اس سے پہلے ہے

وَ هُدًی وَّ بُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۹۷﴾
اور مومنوں کے لیے ہدایت اور خوش خبری (ہے)

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ
جو کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرائیل

جِبْرِیْلَ وَ مِیْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿۹۸﴾
اور میکائیل کا دشمن ہے تو اللہ (اُن) کافروں کا دشمن ہے [1]

وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ۚ وَ مَا یَكْفُرُ
اور یقیناً ہم نے تیری طرف کھلی باتیں اُتاریں اور سوائے فاسقوں

بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾
کے کوئی ان کا انکار نہیں کرسکتا۔

اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ ؕ
اور کیا جب کبھی وہ کوئی عہد باندھتے ہیں انہی کا ایک فریق اُسے

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾
پھینک دیتا ہے بلکہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں لاتے

وَ لَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ
اور جب اللہ کی طرف سے اُن کے پاس ایک رسول آیا اُس کی تصدیق

لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِیْقٌ مِّنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙۗ
کرنے والا جو اُن کے پاس ہے تو اُن میں سے جنھیں کتاب دی گئی

كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾
تھی ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیا گویا وہ جانتے ہی نہیں۔

وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ عَلٰی مُلْكِ سُلَیْمٰنَ ۚ
اور ان باتوں کی پیروی کی جو شیطان سلیمان کی نبوت پر افترا کرتے تھے [2]

وَ مَا كَفَرَ سُلَیْمٰنُ وَ لٰكِنَّ الشَّیٰطِیْنَ كَفَرُوْا
اور سلیمان نے کفر نہیں کیا [3] مگر شیطان کفر کرتے ہیں (جو) لوگوں کو سحر

ہی یہ بھی ثابت ہے کہ وہی فرشتہ جو آنحضرت پر وحی لایا حضرت موسیٰ پر بھی وحی لاتا تھا دیکھو ورقہ کا قول اسی حقیقت کی طرف توجہ دلانے کے لیے جب جبرئیل کا ذکر آیا تو فرمایا کہ جس طرح وہ پہلے انبیاء پر وحی لاتا تھا اسی طرح تیرے قلب پر بھی وہی وحی الٰہی کا لانے والا ہے اور یہ وحی پہلی وحی کی مصدق بھی ہے اور مان لینے والوں کے لیے اس میں بشارت بھی ہے پس وہ عذاب کا فرشتہ نہیں بلکہ ہدایت اور بشارت لانے والا ہے۔

نمبر ۱۔ یہاں بتایا کہ جبرئیل کے ساتھ دشمنی اللہ تعالیٰ اور اس کے ملائکہ سب سے دشمنی ہے۔ میکائیل کا نام اس لیے بڑھایا کہ یہودی میکائیل کو اپنا دوست سمجھتے تھے۔ چنانچہ دانیال ۱۲: ۱ میں میکائیل کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے "وہ بڑا سردار جو تیری قوم کے فرزندوں کی حمایت کے لیے کھڑا ہے"۔ اور جو شخص اللہ اور ملائکہ سے دشمنی کرتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ایسے شخص کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوتا ہے۔ عداوت سے اللہ تعالیٰ پاک ہے اور اس لفظ کا استعمال محض ان کی عداوت کی سزا کے اظہار کے لیے ہے

نمبر ۲۔ یعنی بجائے کتاب اللہ کی پیروی کے یہ لوگ ان جھوٹی باتوں کے پیچھے لگ گئے ہیں جو شریر اور مفسد لوگ حضرت سلیمان پر افترا کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور ان باتوں کے ذریعہ سے حق کو مٹانا چاہتے ہیں۔ یہودی بہت سی جھوٹی باتیں حضرت سلیمانؑ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ جن میں سے کچھ حصہ مسلمانوں نے بھی لے کر سحر سلیمانی اور نقش سلیمانی بنا لیے ہیں۔ شیاطین سے مراد وہی لوگ ہیں، جو اس قسم کی باتیں حضرت سلیمان کی طرف منسوب کرتے تھے۔

نمبر ۳۔ یہودیوں کی بعض اقوام کو حضرت سلیمانؑ سے اس قدر بغض ہو گیا تھا کہ انھوں نے حضرت سلیمان کی طرف کفر و شرک کو منسوب کر دیا یہاں تک کہ یہ باتیں بائبل میں بھی داخل ہو گئیں۔ اسلاطین ۱۱: ۴ میں ہے: "جب سلیمان بوڑھا ہُوا تو اس کی جوروں نے اس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کیا اور اس کا دل خداوند اپنے خدا کی طرف مائل نہ تھا۔" پھر آگے آتا ہے کہ سلیمان کا دل خداوند سے برگشتہ ہو گیا اور خداوند اس پر غضب ناک ہُوا۔ یہ اگر ایک طرف بائبل میں تحریف کا قطعی ثبوت ہے تو دوسری طرف قرآن کریم کے

يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى
الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا
يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ
فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ
بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ
بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا
يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ
اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَ
لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۰۲

سکھاتے ہیں[1] اور وہ بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر نہیں اتارا گیا[2] اور نہ وہ دونوں کسی کو سکھاتے تھے یہاں تک کہ کہتے ہم صرف فتنہ ہیں، پس کافر نہ بن[3] سو وہ ان دونوں ذریعوں سے وہ باتیں سیکھتے ہیں[4] جن سے مرد اور اسکی جورو کے درمیان تفریق کرتے ہیں[5] اور اس سے وہ کسی کو ضرر پہنچانے والے نہیں ہونگے سوائے اسکے جو اللہ کے حکم سے ہو[6] اور وہ باتیں سیکھتے ہیں جو انھیں ضرر دیتی ہیں اور انھیں نفع نہیں دیتیں اور یقیناً وہ جانتے ہیں کہ جس نے اسکو مول لیا اُس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور کیا ہی بُرا ہے جس کے عوض انھوں نے اپنے آپ کو بیچ دیا، کاش وہ جانتے

ان کتابوں پر محافظ ہونے کا ثبوت ہے کہ ان کی غلطی کو ظاہر کر دیا۔ آج عیسائی محققین بھی اسی بات کے معترف ہیں کہ بائیبل کا یہ بیان غلط ہے چنانچہ بائیبل کے انسائیکلوپیڈیا میں اس غلطی کا اعتراف کیا گیا ہے۔

نمبر ۱ ۔ سحر ان دھوکے کی باتوں اور تخیلات کو کہتے ہیں جن کی حقیقت کچھ نہ ہو۔ اور جوہری کا قول ہے کہ وہ امر جس کی اصل دقیق اور لطیف ہو وہ سحر ہے اور حدیث میں ہے ان من البیان لسحرا۔ یعنی بعض بیان سحر کا حکم رکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ یہاں بتایا کہ شیاطین یعنی شریر لوگ ایک تو حضرت سلیمانؑ پر کچھ افترا کر کے لوگوں کو سناتے ہیں اور یہودی اس کی پیروی کرتے ہیں اور دوسرے یہ لوگ اس سحر کی پیروی کرتے ہیں جس کی تعلیم دینے والے بھی شریر لوگ ہیں۔

نمبر ۲ ۔ ہاروت ماروت کے جس قدر بے سروپا قصے بعض مفسرین نے لکھ دیئے ہیں ان کی اصل یا مجوسیوں میں کچھ ملتی ہے یا یہودیوں میں۔ قرآن و حدیث ان خرافات سے پاک ہیں۔ امام رازی نے ان قصوں کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ یہ روایت فاسد مردود ہے۔ شہاب عراقی نے کہا ہے کہ جو شخص ان باتوں کو مانتا ہے کہ ہاروت ماروت دو فرشتے ہیں جن کو زہرہ کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے وہ اللہ کا کافر ہے کیونکہ ملائکہ معصوم ہیں وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتے۔ روح المعانی میں ہے کہ ان قصوں میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بھی ثابت نہیں۔ قرآن کریم نے صاف الفاظ میں ہاروت ماروت پر سحر نازل ہونے کی نفی کی ہے اور یوں سارے قصہ کو باطل ٹھیرایا ہے۔

نمبر ۳ ۔ ہاروت ماروت کا قصہ بنانے والوں نے یہ بھی کہا ہے کہ وہ فرشتے جو اوندھے مُنہ بابل کے کنوئیں میں لٹکے ہوئے ہیں لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں۔ مگر پہلے یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایک آزمائش ہیں پس ہم سے جادو نہ سیکھو۔ اس سارے بے سروپا قصہ کا انکار کیا ہے اور فرمایا کہ وہ جو کچھ سکھاتے ہی نہیں جو یہ کہنے کی نوبت آئے۔

نمبر ۴ ۔ منھما میں ضمیر ان دو ذریعوں کی طرف جاتی ہے جن کا ذکر اُوپر ہے یعنی ایک وہ کفر کی باتیں سلیمانؑ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اور دوسرے وہ سحر جس کا بابل میں ہاروت ماروت پر نازل ہونا بیان کیا جاتا ہے۔

نمبر ۵ ۔ اس ایک فقرہ میں اس کل منصوبہ کی اصلیت کو بیان کر دیا ہے جو آنحضرت صلعم کے خلاف کیا جاتا تھا۔ دنیا میں صرف ایک ہی سوسائٹی ہر رنگ مذہب ایسی ہے جس نے مرد اور عورت میں تفرقہ کیا ہے یعنی مردوں کو اس کا ممبر بنایا جاتا ہے مگر عورتوں کو نہیں یہ فریمیسنوں کا طریق ہے۔

نمبر ۶ ۔ یہاں یہ بتایا کہ ان کی غرض اسلام کو اور آنحضرت صلعم کو نقصان پہنچانا ہے مگر وہ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے کہ اہل کتاب مومنوں کو نقصان پہنچانے کے لیے خفیہ منصوبے کرتے ہیں (المجادلہ ۵۸ : ۱۰) پس درحقیقت ان الفاظ میں بھی انہی خفیہ منصوبوں کی طرف اشارہ ہے جو فریمیسنوں کے ساتھ مل کر یہود آنحضرت صلعم کو ہلاک کرنے کے لیے کر رہے تھے۔ فریمیسن ایک سوسائٹی ہے جو بہت قدیم زمانہ سے چلی آتی ہے حضرت سلیمانؑ کے زمانہ کی طرف اس کو منسوب کیا جاتا ہے۔ اس کی آخری منزل عیسائیت ہے بعض بھولے بھالے مسلمان بھی اس جال میں پھنس کر اپنے دین و ایمان کو تباہ کر لیتے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝١٠٣

اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقوےٰ کرتے اللہ کی طرف سے بدلا بہتر تھا کاش وہ جانتے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝١٠٤

اے لوگو جو ایمان لائے ہو رَاعِنَا نہ کہو اور اُنْظُرْنَا کہو اور سُنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے [1]۔

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝١٠٥

اہل کتاب میں سے جو کافر ہیں پسند نہیں کرتے اور نہ ہی مشرک (کہ) تمھارے رب سے تم پر کوئی بھلائی اتاری جائے اور اللہ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٠٦

جو پیغام ہم منسوخ کرتے ہیں یا اُسے فراموش کرا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسا لے آتے ہیں کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے [2]۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ کی ہی ہے

نمبر ۱ - شریر لوگ راعنا کی بجائے رعن کہتے تھے اور یہ لفظ رعونت سے ہے جس کے معنی جہالت حماقت ہیں۔ راعنا کے معنی ہیں ہماری رعایت کیجیے یا ہماری بات سُنیئے، یہی معنی انظرنا کے ہیں۔ مسلمانوں کو اس سے روکا تاکہ یہودیوں کو اس شرارت کا موقعہ نہ ملے اور یوں یہ بھی بتا دیا کہ ان باتوں سے بھی بچو جن کا گو منشا بُرا نہ ہو مگر بُرا ہو۔

نمبر ۲ آیۃ کے معنی تاج العروس میں رسالت یا پیغام الٰہی اور دلیل اور معجزہ دیئے ہیں یہاں پہلے معنے مراد ہیں یعنی شرائع سابقہ کی منسوخی کا ذکر ہے فرماتا ہے کہ اگر ہم نے شریعت موسوی کو منسوخ کر دیا یا فراموش کرا دیا تو اس سے بہتر یا اسکی مثل شریعت جسے تم کو دیدی ہے بہتر یا مثل اس لیے کہا کہ بعض احکام تو وہی رہتے ہیں لیکن اسکی تعلیم کا اکثر حصہ موسوی شریعت سے بہتر ہے مفسرین نے اس آیت سے قرآن کریم کی بعض آیات کا بعض سے منسوخ ہونا مراد لے لیا ہے جو بالکل بے تعلق مضمون ہے۔ یہاں نہ پہلے نہ پیچھے کوئی ایسی آیت ہے جو دوسری سے منسوخ ہوئی ہو یا دوسری کی ناسخ ہو بلکہ اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ اس وقت تک کسی ایسی آیت کے نازل ہونے کا ثبوت نہیں ملتا جس نے کسی پہلی نازل شدہ آیت کو منسوخ کر دیا ہو۔ تیسری قطعی دلیل یہ ہے کہ یہاں نسخ کے ساتھ فراموش کرا دینے کا ذکر ہے لیکن قرآن کریم کے متعلق قطعی طور پر فرمایا سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى (الاعلیٰ ۸۷-۶) ہم جو کچھ تجھ کو پڑھائیں گے تو اسے نہیں بھولے گا اور امر واقع بھی یوں ہی ہے۔ نبی کریم صلعم پر بیس بیس رکوع کی سورت ایک وقت نازل ہوتی ہے اور آپ کو کبھی اس کا ایک لفظ نہیں بھولا۔ پھر ہر ایک آیت ساتھ کی ساتھ لکھی جاتی تھی۔ اس تحریر کو کون محو کر دیتا تھا۔ روایات نسخ کی یہ حالت ہے کہ اوّل تو ان میں سے کسی روایت میں یہ ذکر نہیں کہ نبی کریم صلعم نے کسی آیت کو منسوخ فرمایا۔ پس جب خود نبی کریم صلعم کسی آیت کو منسوخ قرار نہیں دیتے اور ہر آیت کا قابلِ عمل ہونا خود رسُول اللہ صلعم کے مُنہ سے ثابت ہے تو محض کسی صحابی کے قول سے کوئی آیت منسوخ نہیں ہوسکتی۔

دوم جہاں ایک مفسّر کی رائے ایک آیت کے منسوخ ہونے کے متعلق ہے وہیں دوسرے مفسّر کی رائے اس کے غیر منسوخ ہونے کے متعلق ہے۔ پس معلوم ہُوا کہ خود یہ اقوال ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں۔ جب ایک شخص ایک آیت کو دوسری کے ساتھ تطبیق نہیں دے سکا تو اس نے اسے منسوخ کہہ دیا اور تطبیق دینے کی بجائے منسوخ کہنا گویا قرآن کریم میں اختلاف قبول کرنا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اختلاف نہ ہونے کو بطور دلیل پیش کیا ہے وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النساء ۴-۸۲) اور اگر کسی صحابی سے بھی ایسی غلطی ہوگئی ہو کہ اس نے دو آیتوں میں تطبیق نہ کر سکنے کی وجہ سے ایک کو منسوخ کہہ دیا تو یہ منسوخی کی دلیل نہیں اور یہ بھی ثابت ہے کہ بعض وقت صحابہ ایک آیت کے وسیع مفہوم کے دوسری سے مقید ہو جانے پر بھی لفظ نسخ بول لیتے تھے۔

وَمَا لَكُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٠٧﴾

اور تمہارا اللہ کے سوا کوئی کارساز نہیں اور نہ کوئی مددگار ہے۔

أَمْ تُرِيدُونَ أَن تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ
مُوسَىٰ مِن قَبْلُ ۗ وَمَن يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ
بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١٠٨﴾

بلکہ تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کرو، جس طرح پہلے موسیٰ سے سوال کیا گیا تھا اور جو کوئی ایمان کے بدلے کفر لے لیتا ہے وہ ضرور سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن
بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن
بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ
يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾

اہل کتاب میں سے بہت سے چاہتے ہیں کہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں لوٹا کر کافر بنا دیں اپنے حسد کی وجہ سے، اس کے بعد کہ اُن پر حق کھل گیا سو معاف کرو اور خیال میں نہ لاؤ یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے اللہ ہر چیز پر قادر ہے [1]

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا
لِأَنفُسِكُم مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ ۗ
إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٠﴾

اور نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ دو، اور جو کوئی بھلائی اپنے لیے آگے بھیجو گے، اُسے اللہ کے پاس پاؤ گے، اللہ اُسے دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو۔

وَقَالُوا لَن يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا
أَوْ نَصَارَىٰ ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ
إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١١١﴾

اور کہتے ہیں کوئی جنت میں داخل نہ ہوگا سوائے اُن کے جو یہودی ہوں یا عیسائی، یہ اُن کی آرزوئیں ہیں کہہ اپنی سند لاؤ اگر تم سچے ہو۔

بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ
أَجْرُهُ عِندَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ
لَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾ ع

ہاں جس نے اپنے آپ کو اللہ کا فرماں بردار بنایا اور وہ احسان کرنے والا ہے تو اُس کا اجر اُس کے رب کے پاس ہے اور ان کو کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے [2]

نمبر ۱۔ اللہ کے اپنا امر یا حکم لانے سے منشاء یہ ہے کہ اسلام کی بادشاہت قائم ہو جائے۔ مسلمانوں کا جنگ کرنا عفو کے منافی نہ تھا بلکہ صرف اپنی حفاظت کے لیے اور اسلام کی حفاظت کے لیے تھا۔ انتقام کے طور پر کبھی جنگ نہیں کی، عین جنگ کے اندر پھر فتح کے بعد اسی تعلیم عفو و درگزر پر عمل رہا۔ فتح مکہ کے بعد لا تثریب علیکم الیوم اسی حکم کی تعمیل میں فرمایا۔ پس اس آیت کو منسوخ کہنا صریح غلطی ہے۔

نمبر ۲۔ یہود و نصاریٰ کا دعویٰ تھا کہ ان کے سوائے دوسرے لوگ جنت میں داخل نہ ہوں گے۔ جب آیت ماقبل میں اس کو دعویٰ بلا دلیل کہہ کر رد کیا تو اب یہ بتایا کہ مذہب دعویٰ کا نام نہیں بلکہ طریق عمل کا نام ہے اور جنت میں وہی داخل ہوتا ہے جو اُس طریق عمل کو اختیار کرتا ہے جو جنت تک پہنچانے والی ہے۔ منہ سے ایک یا دوسری بات کہہ دینا جنت میں نہیں پہنچاتا۔ اس میں ایک تو مسلمان کو یہ سمجھایا کہ بڑا دعویٰ اسلام بھی جنت تک نہیں پہنچاتا۔ جب تک وہ اس طریق عمل پر چلنے کے لیے پورا زور نہ لگائے جو اسلام نے بتایا ہے اور دوسرے لوگوں کو یہ سمجھایا کہ وہ طریق عمل جو خدا تک پہنچاتا تھا وہ تم میں باقی نہیں رہا۔ وہ طریق عمل کیا ہے۔ اپنی ساری توجہ کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَیْءٍ ۪
وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَیْءٍ ۙ
وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا
يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾
وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ
فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ
لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ۬ؕ لَهُمْ فِی
الدُّنْيَا خِزْیٌ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾
وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ
وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾
وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا

اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی کسی (سچائی) پر نہیں اور عیسائی
کہتے ہیں یہودی کسی (سچائی) پر نہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے ہیں[1]
اسی طرح انہی کے قول کی مانند وہ لوگ کہتے ہیں جو کچھ نہیں جانتے
سو اللہ اُن کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں کا فیصلہ کریگا
جن میں وہ اختلاف رکھتے تھے۔
اور اُس سے بڑا کون ظالم ہے جو اللہ کی مسجدوں سے روکتا ہے کہ اُن
میں اس کے نام کا ذکر کیا جائے اور اُن کے ویران کرنے کی کوشش کرتا
ہے انکو مناسب نہ تھا کہ اُن میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے ان
کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور انکے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے[2]
اور مشرق اور مغرب اللہ ہی کا ہے پس جدھر تم متوجہ ہو گے اُدھر ہی
اللہ کی توجہ بھی ہوگی، اللہ فراخی والا جاننے والا ہے[3]
اور کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا، وہ پاک ہے بلکہ جو کچھ آسمانوں اور زمین

لگا دینا۔ اپنے آپ کو بکلی خدا کو سونپ دینا۔ مگر نہ اس شخص کی طرح جو دنیا سے انقطاع کرے بلکہ خدا کی ایسی فرمانبرداری جس کا نتیجہ بنی نوع انسان کے ساتھ احسان اور مخلوقِ خدا کی خدمت گزاری ہو۔ اللہ تعالےٰ کی کامل فرمانبرداری جو نفس انسانی کا اپنی ذات میں کمال ہے اور مخلوقِ خدا کی خدمت گزاری جو دوسروں کی تکمیل میں معاون ہونا ہے۔ یہ سچے مذہب کے دو ستون ہیں اور ان کو کمال تک صرف اسلام نے پہنچایا۔

نمبر ۱ ۔ جب اس بات کو بیان کیا کہ نجات کس طرح حاصل ہوتی ہے تو ساتھ ہی اب یہ بھی بتا دیا کہ کسی مذہب کے متعلق یہ نہ کہنا چاہیے کہ اس میں کوئی بھی سچائی نہیں۔ یہود و نصاریٰ ایک ہی کتاب بائیبل کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی ضد میں آکر یہی کہتے ہیں کہ دوسرے فریق کے مذہب میں کچھ بھی صداقت نہیں۔ یہ جاہل لوگوں کا کام ہے کہ جب اپنے مذہب کی صداقت کو بیان کرنا شروع کیا تو دوسرے سب کو سراسر باطل اور تمام قسم کی خوبیوں سے خالی کہہ دیا۔ ہر مذہب میں کچھ خوبیاں بھی ہیں اور کچھ غلطیاں بھی داخل ہو گئی ہیں مگر ان غلطیوں کا فیصلہ قیامت میں ہی ہوگا۔ اس دنیا میں عقائد کی غلطیوں پر اللہ تعالےٰ عذاب نہیں بھیجتا۔

نمبر ۲ ۔ پہلی آیت میں اختلاف عقائد کا ذکر کیا تھا کہ اس کا فیصلہ تو قیامت کے دن ہوگا۔ یہاں فرمایا کہ جو لوگ دنیا میں شرارت میں حد سے بڑھ جاتے ہیں یہاں تک کہ مسجدوں میں خدا کی عبادت کو روکنے لگ جاتے ہیں اور ان کو ویران کرتے ہیں۔ ان کو سزا بھی دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔ اس کو نبی کریم صلعم کے اعدا کی حالت پر چسپاں کر کے بطور پیشگوئی ان اعدا کی ناکامی کا ذکر کیا۔ آج مسلمان بھی اپنے مسلمان بھائیوں کو مساجد سے روکتے ہیں اور ایک فرقہ کا مسلمان دوسرے فرقہ کے مسلمانوں کو اپنی مسجد میں آنے نہیں دیتا۔

نمبر ۳ ۔ یہاں قبلہ کا ذکر سمجھ کر جس پر کوئی قرینہ نہیں بعض نے اسے قبلہ بیت المقدس کی ناسخ اور بعض نے نفل وغیرہ سے منسوخ بتایا ہے۔ مگر اس آیت میں قبلہ کا کوئی ذکر نہیں۔ چونکہ پہلی آیت میں بتایا تھا کہ مسلمانوں کو مساجد سے یا خدا کی عبادت سے روکا جاتا ہے تو یہاں مسلمانوں کو تسلی دی ہے کہ اگر ان کو خانہ کعبہ سے روکا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی توجہ خانہ کعبہ پر محدود نہیں بلکہ اے مسلمانو! اگر تم مسلمان ہو تو جہاں جاؤ گے خواہ خانہ کعبہ سے دُور ہو اللہ کی توجہ وہیں تمہارے ساتھ ہوگی۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ جدھر مسلمان منہ پھیریں گے ادھر ہی فتح و ظفر ان کے ساتھ ہوگی اور ادھر ہی اللہ کی توجہ بھی ہوگی۔ کیونکہ مشرق و مغرب کا مالک اللہ ہی ہے۔

فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿١١٦﴾
بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا
فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿١١٧﴾
وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ
تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا
الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿١١٨﴾
اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ وَّ لَا
تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿١١٩﴾
وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ
مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ لَئِنِ
اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ
الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿١٢٠﴾
اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ

میں ہے اسی کا ہے، سب اس کے فرمانبردار ہیں ۱؎
مادہ کے بغیر آسمانوں اور زمین کا بنانے والا ہے اور جب ایک کام کا
حکم کرتا ہے تو اُسے کہہ دیتا ہے، ہو، سو وہ ہو جاتا ہے ۲؎
اور جو لوگ کچھ نہیں جانتے، کہتے ہیں کیوں اللہ ہم سے کلام نہیں کرتا
یا ہمارے پاس نشان نہیں آتا، اسی طرح انہی کے قول کی مانند اُن
لوگوں نے کہا، جو اُن سے پہلے تھے اُن کے دل ایک ہی جیسے ہیں
ہم نے اُن لوگوں کے لیے کھولکر باتیں بیان کر دی ہیں جو یقین رکھتے ہیں
ہم نے تجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری دینے والا اور ڈرانیوالا
اور تجھ سے دوزخ والوں کے متعلق بازپرس نہ کی جائے گی ۳؎
اور یہودی تجھ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے اور نہ ہی عیسائی، یہاں تک
کہ تو اُن کے مذہب کی پیروی کرے، کہہ اللہ کی ہدایت وہی (کامل) ہدایت
ہے اور اگر تو اُن کی گری ہوئی خواہشوں کی پیروی کرے اسکے بعد جو
تیرے پاس علم آیا تو تیرے لیے اللہ (کی سزا) سے بچانیوالا نہ کوئی دوست اور نہ مددگار ہوگا
جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسکی پیروی کرتے ہیں جیسا اس کی پیروی کرنیکا

نمبر ۱ ۔ عیسائیوں کی ابن اللہ بنانے کی غلطی کا جہاں کہیں ذکر ہے اس کے بعد لفظ سبحان اللہ کی شان میں بولا ہے۔ سبحان کے معنی ہیں کہ وہ ہر قسم کے عیب سے پاک ہے۔ اور بیٹا بنانے میں نہ صرف اس کی طرف ایک ظاہری عیب ہی منسوب کرنا پڑتا ہے کہ جس طرح باپ بیٹے کا محتاج ہوتا ہے خدا بھی بیٹے کا محتاج ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں بھی عیب ماننا پڑتا ہے کیونکہ بیٹے کی ضرورت یہ بتائی جاتی ہے کہ خدا باپ میں عدل ہے رحم نہیں اور بیٹے میں رحم ہے۔ پس خدا کی صفات ناقص ہوئیں جہاں رحم جیسی چیز ہی موجود نہیں۔ اس لیے جواب دیا کہ وہ عقیدہ صحیح نہیں ہو سکتا جو خدا کی طرف عیب منسوب کرتا ہے۔

نمبر ۲ ۔ بدع یا ابداع کے معنی ہیں ایسا بنانا جس کا پہلے نمونہ موجود نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے لیے جب یہ لفظ استعمال ہو تو معنی ہوتے ہیں بغیر آلہ اور مادہ اور زمانہ اور مکان کے کسی چیز کا وجود میں لانا۔ مادہ کے غیر مخلوق ہونے کے قائل اعتراض کرتے ہیں کہ کُن کا حکم کس کو دیا ہے۔ جواب ظاہر ہے کہ اس امر یا چیز کو جو علم الٰہی میں موجود ہے حکم ہوتا ہے۔ کیونکہ قضاء سے پہلے قدر ہے اور وہ چیز اندازہ الٰہی میں آ چکی ہے گو ظاہر میں اس کا وجود نہیں۔ مادہ کا مخلوق ہونا تو خود بدیع لا کر بتا دیا۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ جو کچھ انسانوں کے نزدیک ناممکن ہے اللہ تعالیٰ وہ بھی کر دکھائے گا اس کے ہاں ناممکن کچھ بھی نہیں اور انسان کی محدود طاقت پر اللہ تعالیٰ کی غیر محدود طاقت کا اندازہ کرنا غلط ہے۔

نمبر ۳ ۔ پہلی آیت میں دو سوال تھے۔ ایک سوال یہ تھا کہ اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا۔ اس کا جواب دیا ہے کہ ہم نے پیغمبر کو حق کے ساتھ خوشخبری دے کر بھیجا ہے اور وہ خوشخبری یہ ہے کہ اسکی اتباع سے انسان خدا کے قرب کو حاصل کر سکتا ہے اور جو خدا کے قرب کو حاصل کرے گا خدا اس سے کلام بھی کریگا۔ اللہ تعالیٰ قدوس ہے ناپاک لوگوں سے جو طرح طرح کے گندوں میں مبتلا ہیں وہ کس طرح کلام کر سکتا ہے اور دوسرا سوال تھا کہ ہم پر وہ نشان ہلاکت کیوں نہیں آتا جیسا پہلی قوموں پر آیا تو اس کا جواب دیا کہ اسی سے ان کو ڈرانے کے لیے تو ہم نے تمہیں بھیجا ہے وہ ضرور آئے گا۔

أُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَأُولٰٓئِكَ	حق ہے، وہی اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو کوئی اس کا انکار کرتا ہے
ع هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۱۲۱﴾	سو وہی نقصان اٹھانے والے ہیں ۱
يٰبَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِيٓ أَنْعَمْتُ	اے بنی اسرائیل! میری نعمت کو یاد کرو، جو میں نے تم کو دی،
عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِينَ ﴿۱۲۲﴾	اور یہ کہ میں نے تم کو قوموں پر فضیلت دی ۲
وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا	اور اُس دن سے بچاؤ کرو، جب کوئی جی کسی کے کچھ بھی کام نہ آئیگا
وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ	اور نہ اس کی طرف سے کوئی معاوضہ قبول کیا جائیگا اور نہ اُسے سفارش
وَّلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ﴿۱۲۳﴾	نفع دے گی اور نہ ان کی مدد کی جائیگی۔
وَإِذِ ابْتَلٰٓى إِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۭ	اور جب ابراہیم کو اُس کے رب نے چند احکام سے آزمایا تو اُس نے
قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۭ قَالَ وَمِنْ	اُن کو پورا کیا، فرمایا میں تجھے لوگوں کے لیے پیشوا بنانے والا ہوں،
ذُرِّيَّتِي ۭ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِينَ ﴿۱۲۴﴾	(ابراہیم نے) کہا اور میری اولاد سے؟ فرمایا میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچیگا ۳
وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ۭ	اور جب ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کیلیے مرجع اور امن بنایا ۴ اور ابراہیم

نمبر ۱ - یہ رکوع قرآن کریم کے کامل ہدایت ہونے پر تھا۔ سو آیت ماقبل میں بالصراحت یہ ذکر کرکے اب رکوع کی آخری آیت میں عمل کی طرف توجہ دلائی ہے۔ بمقابلہ یہود و نصاریٰ کے اپنی کتابوں پر عمل نہ کرنے کے اور بتایا ہے کہ کامل ہدایت نامہ ہونے سے اسی صورت میں فائدہ ہو سکتا ہے جب اس پر عمل کیا جائے۔ اس لیے فرمایا کہ یہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے۔ یعنی آنحضرت صلعم کے صحابہ یہ اس کی پیروی کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ جیسا پیروی اور عمل کرنے کا حق ہے اولٰئك یؤمنون به کہہ کر یہ بتایا کہ اصل ایمان تو یہی ہے کہ انسان اس پر عمل کرے اور فی الواقعہ اگر غور کیا جائے تو جس طرح صحابہ رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم پر عمل کیا۔ کبھی کسی قوم نے کسی آسمانی کتاب پر اس طرح عمل کرکے نہیں دکھلایا۔ ہزاروں سالوں کی بدیاں اور ہزاروں سالوں کے رسم و رواج سے قرآن کی آیات کے نزول پر وہ یوں پاک ہوتے جاتے تھے کہ گویا کبھی ان میں یہ چیزیں تھیں ہی نہیں۔ کوئی حکم قرآن شریف کا نازل نہیں ہوا جس کو انھوں نے فوراً عمل میں لا کر نہیں دکھلایا۔ آج مسلمانوں کا شمار عملاً اس دوسرے حصہ میں ہے جو فرمایا ومن یکفر به فاولٰئك هم الخاسرون کیونکہ جب حق عمل ادا نہیں کرتے تو اولٰئك یؤمنون به میں بھی داخل نہیں ہو سکتے۔

نمبر ۲ - یہ تیسری مرتبہ بنی اسرائیل کو خطاب کیا ہے۔ پہلے آنحضرت صلعم پر ایمان لانے کے لیے بلایا۔ دوسری مرتبہ حضرت موسیٰ اور بعد کے زمانہ کی طرف توجہ دلائی۔ اب تیسری دفعہ حضرت موسےٰ سے پہلے کا زمانہ اور ابراہیمی وعدہ یاد دلایا ہے۔ گویا اس طرح تین دفعہ خطاب کرکے اور ابتدائی وعدے یاد دلا کر بنی اسرائیل پر اتمام حجت کیا ہے۔

نمبر ۳ - اس آیت میں ان وعدوں کی طرف توجہ دلائی ہے جو حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کے ساتھ کیے گئے تھے۔ ان وعدوں میں حضرت ابراہیمؑ کے دونوں بیٹے اسمٰعیل اور اسحاق شامل تھے۔ دیکھو پیدائش ۱۲: ۲، ۳ - ۱۶: ۱۰، ۱۷: ۲۰۔ مطلب یہ ہے کہ اگر ابراہیمؑ کی اولاد کی ایک شاخ میں نبوت ہوئی تو اب دوسری شاخ بنی اسمٰعیل میں جو عرب میں رہتے تھے کیوں نہ ہو۔ کیونکہ وعدہ ابراہیمی یہ چاہتا تھا کہ دونوں فرزندوں کی نسل بڑی بنائی جائے۔

نمبر ۴ - البیت یا بیت اللہ خانہ کعبہ کا نام ہے جس کی شہرت اور عزت عرب میں ایسے قدیم زمانہ سے چلی آتی ہے جس کا پتہ نہیں چلتا۔ بائیبل میں بھی بیت ایل کا ذکر آتا ہے جس کا تعلق ابراہیم کے ساتھ ہے مگر بائیبل کا بیان بیت ایل کے مقام کی تعیین میں قابل اعتبار نہیں۔ دنیا میں آج صرف ایک ہی مقام ہے اور ہمیشہ ایک ہی رہا ہے جس پر بیت ایل یا بیت اللہ کا نام بولا گیا ہے اور وہ خانہ کعبہ ہے۔ یہاں اس کے متعلق دو پیشگوئیاں بھی ہیں۔ اوّل یہ کہ یہاں لوگ تاقیامت جمع ہوتے رہیں گے کبھی متروک

وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ وَ	کے مقام کو قبلۂ نماز بناؤ؎۱ اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو حکم دیا
عَهِدْنَاۤ اِلٰۤی اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا	کہ میرے گھر کو پاک کرو طواف کرنے والوں کے لیے اور اعتکاف
بَیْتِیَ لِلطَّآىِٕفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾	کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اسجدہ کرنیوالوں (کے لیے)
وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا	اور جب ابراہیم نے کہا میرے رب! اسکو امن والا شہر بنادے اور اسکے
اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ	رہنے والونکو پھلوں سے رزق دے جو کوئی ان میں سے اللہ اور پیچھے آنے
مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ	والے دن پر ایمان لائے، فرمایا اور جو کافر ہوگا تو اُسے بھی تھوڑا فائدہ
فَاُمَتِّعُهٗ قَلِیْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰی عَذَابِ	اُٹھانے دونگا، پھر اُسے آگ کے عذاب کی طرف بے بس کردوں گا
النَّارِ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۱۲۶﴾	اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔
وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ	اور جب ابراہیم گھر کی بنیادیں اُٹھاتا تھا اور اسمٰعیل
وَ اِسْمٰعِیْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ	(بھی)، اے ہمارے رب! ہم سے قبول فرما، تو سُننے والا
السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۲۷﴾	جاننے والا ہے؎۲
رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِنَاۤ	اے ہمارے رب! اور ہم کو اپنا فرماں بردار بنا، اور ہماری نسل

نہ ہوگا نہ برباد ہوگا نہ دنیا کی کوئی طاقت لوگوں کو وہاں جمع ہونے سے روک سکے گی اور تفرقہ کے بعد لوگوں کا یہاں اجتماع ہوگا۔ دوسرا یہ کہ یہ ہمیشہ امن کا مقام رہے گا چنانچہ اس کا نام ہی حرم ہے۔ اس مقام میں ایسا امن ہے کہ کسی کی مجال نہیں کہ اس کو توڑ سکے۔ عرب کی خونخوار طبائع کو جن میں دن رات لڑائیاں رہتی تھیں اس مقدس گھر کے سامنے اللہ تعالیٰ نے ایسا جھکایا کہ اس کی حدود کے اندر ان کی خونریزی کبھی ظاہر نہ ہوتی تھی۔ یہ خدائی تصرف تھا۔ ورنہ اتنے بڑے ملک کا خود اتفاق کرکے اس بات کو عمل میں لانا اور عین جنگ کے جوش کے وقت میں اس پر قائم رہنا محال تھا۔ مقام امن کہنے میں یہ پیشگوئی بھی ہے کہ اس کا دشمن کبھی اس پر قابض نہ ہوگا۔ بلکہ یہ انہی لوگوں کے ہاتھ میں رہے گا جو دل سے اس کی عزت و احترام کرنے والے ہیں۔ چنانچہ ہمیشہ سے ایسا ہی رہا ہے اور گو بُت پرست بھی اس پر قابض رہے مگر وہ بھی دل سے اس کا احترام کرنے والے تھے۔ اور جب ایک عیسائی بادشاہ نے اسے منہدم کرنے کی نیت سے حملہ کیا تو وہ اور اس کا لشکر تباہ ہوگئے۔ حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ اس میں طاعون اور دجال کبھی داخل نہ ہوں گے۔

نمبر ۱ ۔ مقام ابراہیم خانہ کعبہ میں ایک معروف مقام ہے جو چھ ستونوں پر قائم اور آٹھ فٹ بلند ہے۔ مگر یہاں مراد خود خانہ کعبہ ہے کیونکہ یہ ابراہیمؑ کے ٹھہرنے کی جگہ ہے چنانچہ بخاری میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا یا رسول اللہ لو اتخذت من مقام ابراہیم مصلی یا رسول اللہ اگر آپ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنائیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اب یہ سورت مدنی ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کے عرض کرنے کا منشا نہ ہو سکتا تھا کہ خانہ کعبہ میں چل کر آپ دو رکعت نماز پڑھیں کیونکہ خود حج ہی رکا ہوا تھا۔ پس اس سے مراد سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا تھا کہ خانہ کعبہ کو قبلہ بنایا جائے کیونکہ آنحضرت صلعم بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے تھے اور سیاق مضمون بھی یہی چاہتا ہے کہ جب یہ ذکر ہوا کہ خانہ کعبہ کو ہم نے لوگوں کے لیے مرجع اور امن بنایا ہے تو ساتھ ہی اس کے قبلہ بنانے کا ذکر ہو۔ یہی حکم یہاں دیا گیا ہے اور اس پر جو اعتراض ہوئے ان کا جواب سیقول السفہاء سے شروع ہوتا ہے۔

نمبر ۲ ۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے خانہ کعبہ کو بنایا مگر یہ اس کے منافی نہیں کہ خانہ کعبہ ان سے پہلے بھی موجود تھا اس لیے کہ قرآن شریف اور احادیث سے اور خود تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ یہ دنیا میں خداتعالیٰ کی عبادت کا سب سے پہلا گھر ہے۔ معلوم ہوتا ہے پہلی عمارت گر چکی تھی۔

أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ
عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٢٨﴾
رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ
آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ
إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾
وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ
نَفْسَهُ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ
فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿١٣٠﴾
إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٣١﴾
وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ
اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا
وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ﴿١٣٢﴾
أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ

سے ایک گروہ اپنا فرماں بردار بنائیو اور ہمیں ہمارے حج کے اعمال
بتائیو اور ہم پر رحمت سے توجہ فرما تو رحمت سے توجہ فرمانیوالا رحم کرنے والا ہے ۱
اے ہمارے رب! اور ان میں انہی میں سے ایک رسول اٹھا جو ان پر تیری
آیات پڑھے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھائے اور ان کو پاک
کرے، تو غالب حکمت والا ہے ۲
اور کون ابراہیمؑ کے مذہب سے منہ موڑتا ہے سوائے اس کے
جس نے اپنے آپ کو احمق بنایا اور یقیناً ہم نے اسے دنیا میں برگزیدہ
کیا اور بے شک وہ آخرت میں اچھے لوگوں میں سے ہے۔
جب اسکے رب نے اسے کہا فرمانبردار رہ۔ کہا میں جہانوں کے رب کا فرماں بردار ہوں
اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو یہی وصیت کی اور یعقوبؑ نے بھی اے میرے
بیٹو! اللہ نے یہ دین تمہارے لیے چن لیا ہے پس نہ مرنا مگر اس
حالت میں کہ تم فرماں بردار ہو ۳
یا کیا تم موجود تھے جب یعقوب کو موت آئی جب اس نے اپنے بیٹوں

نمبر ۱ - اس دعا میں دو امور کی طرف اشارہ ہے۔ ایک امۃ مسلمۃ کی طرف کہ یہ حضرت ابراہیمؑ کی دعاؤں کے پورا کرنے والی ہے اور یہ عجیب بات ہے کہ دنیا میں ایک ہی امت مسلمہ کہلائی۔ ہاں جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت مسلمان معدودے چند ہی تھے جو گھروں سے بھاگ کر دوسری جگہ پناہ گزین ہوئے تھے اور دشمن ان کو چاروں طرف سے تباہ کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ پس اس آیت کے نزول کے وقت یہ ایک پیشگوئی تھی۔ آج خدا کے فضل سے وہ امۃ مسلمۃ چاروں طرف دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ دوسرے یہاں یہ بتایا کہ اعمالِ حج حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کے ذریعہ سے قائم کیے گئے۔ یہ اعمال حج ہزار ہا سال سے آج تک وہی چلے آتے ہیں۔ بس یہ مشرکانہ رسوم نہیں بلکہ موحدین کے جد اعلیٰ کے قائم کردہ ہیں۔

نمبر ۲ - حضرت ابراہیمؑ کی اسی دعا کی طرف جو اس آیت میں مذکور ہے اشارہ کرتے ہوئے نبی کریم صلعم نے فرمایا انا دعوۃ ابی ابراھیم میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں یعنی اس دعا کی قبولیت میرے ذریعہ ظاہر ہوئی ہے۔ اس دعا سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح بعض وقت اللہ تعالیٰ ایک دعا کا اثر ہزار ہا سال بعد ظاہر کرتا ہے اس میں یہ سبق ہے کہ دنیا کی بہبودی اور بہتری ایک دن کا کام نہیں بڑے کام ایک لمبے وقت کو چاہتے ہیں۔ قرآن کریم نے یہ دعا دنیا کو اس وقت یاد دلائی جب ابھی سارا جزیرہ نمائے عرب کفر و شرک، فسق و فجور سے بھرا ہوا تھا اور پھر یہ دعا کس طرح پوری ہوئی کہ نہ صرف سارے عرب کا ہی تزکیہ ہوا بلکہ وہی عرب دنیا کے مزکی بنے اور ان کو ایسی تعلیم کتاب و حکمت دی گئی کہ یہ دنیا کے معلم بنے جیسا کہ آگے اسی مطلب کو ظاہر کرنے کے لیے فرمایا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا یعنی رسول اللہ صلعم کی تعلیم اور تزکیہ کا یہ نتیجہ ہے کہ تم دنیا کے معلم اور مزکی بننے کے اہل ہو گئے ہو اور اس لیے ہم نے تم کو دوسرے لوگوں کا پیشرو بنایا ہے۔

نمبر ۳ - حضرت ابراہیمؑ عملی طور پر نہ صرف خود اللہ تعالیٰ کے کامل فرمانبردار تھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا اس قدر جوش ان کے سینے میں تھا کہ یہی وصیت انھوں نے اپنی اولاد کو کی اور یہی جوش ان کے خاندان میں رہا۔ ملت ابراہیمی کا عملی اصل الاصول یہی کامل فرمانبرداری ہے۔

اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ قَالُوْا
نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ
وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾
تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا
كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾
وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ
مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِیْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۳۵﴾
قُوْلُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ
اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ
وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَاۤ اُوْتِیَ مُوْسٰى وَ عِیْسٰى وَ مَاۤ
اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ
اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ٘ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾
فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ
وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِیْ شِقَاقٍ ۚ فَسَیَكْفِیْكَهُمُ

سے کہا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے ؟ انھوں نے کہا ہم تیرے
خدا کی عبادت کرینگے اور تیرے بڑوں ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ
کے خدا کی جو ایک ہی خدا ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔
یہ ایک جماعت ہے جو گزر چکی ان کے لیے ہے جو انھوں نے کمایا اور
تمھارے لیے ہے جو تم نے کمایا اور اسکے متعلق تم سے باز پرس کیجائیگی جو وہ کرتے تھے
اور کہتے ہیں یہودی ہو جاؤ یا عیسائی تم ہدایت پا لوگے، کہہ بلکہ (ہم
ابراہیمؑ کے مذہب (پر ہیں) جو راست رو تھا اور وہ شرک کرنیوالوں میں سے نہ تھا۔[1]
تم کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا اور اس پر
جو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اسکی اولاد کی طرف
اتارا گیا۔ اور اس پر جو موسٰیؑ اور عیسٰیؑ کو دیا گیا،
اور اس پر جو نبیوں کو اپنے رب کی طرف سے دیا گیا۔[2] ہم ان میں
سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔
پس اگر وہ ایمان لائیں اس کی مثل جو تم ایمان لائے تو یقیناً انھوں نے
ہدایت پائی اور اگر پھر جائیں تو وہ صرف مخالفت پر ہیں پس اللہ ہی

نمبر ۱ ۔ ملت ابراہیمی کا عملی اصل الاصول کا ذکر کرنے کے بعد اب اعتقادی اصل الاصول کا ذکر کرتا ہے اور پہلے مخالفوں کا قول نقل کرتا ہے کہ یہود اپنے اعتقادات پر نجات کو مبنی قرار دیتے ہیں۔ عیسائی اپنے پر۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ نہیں تم دونوں شرک کی طرف جھک گئے ہو۔ اصل الاصول ملت ابراہیمی کا یہی ہے کہ شرک سے اجتناب کُلی ہو۔ پس اعتقادی رنگ میں مذہب کی بنیاد یہ قرار دی جائے گی کہ خدا تعالےٰ کی توحید کو ہر قسم کے شرک کی آمیزش سے خالص کر کے قبول کیا جائے۔ حنیف وہ ہے جو استقامت کی حالت پر قائم ہے نہ تفریط کی طرف جھکتا ہے نہ افراط کی طرف۔

نمبر ۲ ۔ اس آیت میں نہ صرف مذہب کے اصل الاصول ایک اللہ پر ایمان کا ذکر کیا ہے بلکہ سچے اور کامل مذہب کی جامعیت کا ذکر بھی کیا ہے اور اس کی غرض یہی ہے کہ یہ اصل الاصول ایک خدا پر ایمان ملت ابراہیمی کا ہی نہیں بلکہ دنیا میں جس قدر بھی نبی ہوئے سب کے مذہب کا اصل الاصول یہی تھا۔ اس لیے ایک مسلمان سب انبیاء پر ایمان لاتا ہے کیونکہ وہ سب ایک ہی اصول پر قائم تھے اور ایک ہی غرض کو پورا کرنے آئے تھے۔ یہاں اوّل تو چار بڑے انبیاء کا ذکر کیا یعنی ابراہیمؑ۔ اسمٰعیلؑ۔ اسحاقؑ یعقوبؑ پھر سب انبیائے بنی اسرائیل کا مجمل ذکر اسباط کے لفظ میں کیا۔ پھر یہود کے سب سے بڑے نبی موسٰےؑ کا ذکر کیا۔ پھر عیسائیوں کے نبی عیسٰیؑ کا ذکر کیا اور ان سب کے بعد اوتی النبیون کہہ کر یہ بتا دیا کہ سلسلہ ابراہیمی یا سلسلہ موسوی کے سوا نے اور بھی دنیا میں نبی ہوئے ہیں۔ ان کی بھی یہی تعلیم اصلی تھی۔ ان کو بھی ہم انبیائے برحق مانتے ہیں اور یوں جو ابتدائے سورت میں فرمایا تھا کہ اس پر ایمان لائیں جو تجھ سے پہلے اتارا گیا۔ اس کی تشریح خود ہی فرما دی کہ اس سے مراد وہ کلام ہے جو انبیاء پر نازل کیا گیا خواہ وہ ایک قوم کے نبی ہوں یا دوسری کے۔

اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۱۳۷	انکے مقابلے میں تیرے لیے کافی ہے اور وہ سننے والا جاننے والا ہے ۱
صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫	اللہ کا رنگ، اور اللہ سے بہتر کس کا رنگ ہے اور ہم اسی کی عبادت
وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝۱۳۸	کرنے والے ہیں ۲
قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَ هُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ وَ لَنَآ	کہہ کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو اور وہ ہمارا رب اور تمہارا رب ہے اور ہمارے لیے ہمارے
اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ۝۱۳۹	عمل اور تمہارے لیے تمہارے عمل ہیں اور ہم اسی کے لیے اخلاص رکھنے والے ہیں ۳
اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ	کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور اس کی اولادؑ
وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ	یہودی یا عیسائی تھے، کہہ کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور
قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ	اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اس گواہی کو چھپا دے
كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ	جو اللہ کی طرف سے اس کے پاس ہے اور اللہ اس سے بے خبر
بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۴۰	نہیں جو تم کرتے ہو۔
تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا	یہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی ان کے لیے ہے جو انھوں نے کمایا اور تمھارے لیے ہے جو تم نے
ع كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۴۱	کمایا اور تم سے اس کے متعلق باز پرس نہ ہوگی جو وہ کرتے تھے

نمبر ۱۔ یہاں یہ بتایا کہ ایسے صاف اور جامع مذہب پر ایمان نہ لانے والے وہی لوگ ہیں جو حق کے دشمن ہیں۔ کیونکہ اس مذہب کو مان لینا جو دنیا کے سارے انبیاء کو راستباز ٹھہراتا ہے عین اقتضائے عقل و انصاف ہے اور یہ مذہب کسی بزرگ کو جھوٹا اور مفتری قرار نہیں دیتا۔ اگر یہ سیدھی سیدھی بات نہ مانیں تو سمجھ لو کہ صرف حق کی مخالفت پر اڑے ہوئے ہیں مگر ان کی مخالفت کی پرواہ نہ کرو۔ ان کی شرارتوں سے خدا تعالےٰ تم کو محفوظ رکھے گا۔

نمبر ۲۔ یہاں دین الٰہی کے لیے جس کو رنگ کے ساتھ تشبیہ دی ہے لفظ صبغۃ اختیار کر کے عیسائیوں کے اصطباغ سے گویا اشارتاً مقابلہ کیا ہے کہ ایک طرف خدائی بپتسمہ یعنی دینِ الٰہی یا دینِ اسلام ہے جس کو لینے سے انسان کل انبیائے عالم کو راستباز قرار دیتا ہے اور دوسری طرف ایک انسانی بپتسمہ یعنی عیسائی مذہب ہے جس کا اصل الاصول یہ ہے کہ سوائے مسیح کے دنیا میں کوئی راست باز نہیں۔ یہ گویا سب کو جھوٹا قرار دیتا ہے۔ ایسا مذہب دنیا میں کبھی غالب نہیں ہو سکتا۔

نمبر ۳۔ دنیا میں ہر ایک قوم اللہ تعالےٰ کی روحانی ربوبیت کو اپنے تک محدود کرتی ہے۔ مگر اسلام اس خدا کو پیش کرتا ہے جو دنیا دیکھ رہی ہے، یعنی ہم جو مسلمان ہیں وہ ہماری ربوبیت بھی فرماتا ہے اور عیسائی اور یہودی جو مسلمانوں کی مخالفت کر رہے ہیں ان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ وہ تمہارا بھی رب ہے یہ گویا رب العالمین کی کھلی تفسیر کر دی اور ایک مسلمان کو سمجھا دیا کہ جو تمہارے دشمن ہیں جو تمہارے دین کے مخالف ہیں، اُن کا رب بھی وہی خدا ہے۔ پس جب اللہ تعالےٰ ان کی بھی ربوبیت فرماتا ہے تو ایک مسلمان جو اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتا ہے یعنی صفات الٰہی کو اپنے اندر لینے کی کوشش کرتا ہے اور جس کا مذہب تخلق باخلاق اللہ ہے اس کے لیے بھی ضروری ہوا کہ وہ اپنے قلب میں اس قدر وسعت پیدا کرے کہ اس میں اپنے دشمنوں کے لیے بھی سچی ہمدردی اور خیر خواہی موجود ہو۔ یہ نہایت ہی مشکل مقام ہے مگر ربنا و ربکم کی تعلیم دینے والی کتاب اسی مقام پر مسلمانوں کو پہنچانا چاہتی ہے اور یہی نقشہ نبی کریم صلعم کی زندگی میں اور صحابہؓ کی زندگی میں نظر آتا ہے کہ کس طرح عملی طور پر دشمنوں سے محبت اور پیار کر کے دکھایا اور کس طرح ان کے سارے مظالم پر یکسر قلم پھیر دیا۔

سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ
قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ
الْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٤٢﴾
وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ
عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ
وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ
مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ
وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ
هَدَى اللّٰهُ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٤٣﴾
قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ

بے وقوف لوگ یوں کہیں گے کس چیز نے اُن کو اُن کے قبلہ سے
پھیر دیا جس پر وہ تھے۔ کہہ مشرق اور مغرب اللہ کا ہی ہے، وہ
جسے چاہتا ہے سیدھے رستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے[1]۔
اور اسی طرح ہم نے تمھیں ایک اعلیٰ درجہ کا گروہ بنایا ہے تاکہ تم لوگوں
کے پیشرو بنو اور رسول تمھارا پیشرو ہو[2]۔
اور ہم نے اُسے جس پر تو تھا قبلہ نہیں بنایا، مگر اس لیے کہ ہم اس
شخص کو جو رسول کی پیروی کرتا ہے اس سے الگ کر دیں جو اپنی ایڑیوں
پر واپس ہوتا ہے اور بیشک یہ ایک بھاری بات تھی مگر نہ اُن لوگوں پر
جنھیں اللہ نے ہدایت کی[3]، اور اللہ (ایسا) نہیں کہ تمھارے ایمان کو ضائع
کرے اللہ لوگوں پر مہربان رحم کرنے والا ہے[4]۔
ہم یقیناً تیرے آسمان کی طرف توجہ کرنے کو دیکھتے ہیں پس ضرور ہم تجھے

نمبر ۱۔ حضرت ابراہیم کے ذکر میں خانہ کعبہ کے قبلہ بنانے کا ذکر ہو چکا ہے۔ ہجرت سے پہلے نبی کریم صلعم بیت المقدس کی طرف منہ کرکے نماز پڑھا کرتے تھے ہجرت کے سولہ یا سترہ ماہ بعد وحی الٰہی کے ماتحت خانہ کعبہ قبلہ قرار پایا۔ اس تبدیلی پر جو اعتراض کیے گئے ہیں، اُن کا جواب یہاں دیا ہے۔ سب سے پہلے یہ جواب دیا ہے کہ اللہ کا تعلق کسی خاص سمت سے نہیں یعنی تبدیلی قبلہ سے یہ مطلب نہیں کہ پہلے خدا اُدھر تھا، اب دُوسری طرف ہو گیا۔ صراطِ مستقیم میں اشارہ اس تعلیم کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور اس طرف بھی کہ آخری نبی کا قبلہ کعبہ ہونا ضروری تھا۔

نمبر ۲ یعنی جس طرح رسُول تمھارا معلم، تمھارا مزکّی ہے اُسی طرح اب تم دُنیا کے معلم و مزکّی اور پیشرو بنو۔ اس میں ختمِ نبوت کی طرف اشارہ ہے اور بتلایا ہے کہ اب اُمتِ محمدیہ وہ کام کرے گی جو پہلے نبی کیا کرتے تھے۔ پس جب آخری نبی آ گیا تو یہ بھی ضروری ہُوا کہ اس کا قبلہ کعبہ کو قرار دیا جائے، جو توحید کا سب سے پہلا گھر ہے۔ اوّل بیت وضع للناس (آل عمران۔ ۹۶) گویا توحید کا سب سے پہلا گھر ضروری تھا کہ توحید کا آخری مرکز قرار پاتا۔ یہ اصل جواب ہے۔

نمبر ۳۔ یہ بتا کر کہ کعبہ کو قبلہ کیوں بنایا، اب بتاتا ہے کہ پہلا قبلہ جس پر رسُول اللہ صلعم اتنی مدت رہے یعنی بیت المقدس قبلہ کیوں رہا۔ سو اوّل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی وحی کے ماتحت قبلہ قرار نہ دیا تھا، باوجود آنحضرت صلعم کا قبلہ اتنی مدت رہا اور اس کی غرض یہ تھی کہ کھرے کھوٹے کی تمیز ہو جائے یعنی جب آپ مکہ میں خانہ کعبہ کی عظمت کرنے والوں کے اندر تھے تو قبلہ بیت المقدس رہا، جب آپ مدینہ میں یہودیوں کے اندر آگئے تو قبلہ بیت المقدس کی جگہ کعبہ کو کر دیا گیا۔ اس طرح دونوں جگہ پر لوگ صداقت کی خاطر آپ کے متبع ہُوئے نہ اس لیے کہ آپ فلاں خاص مقام کی عزت کرتے ہیں۔ ایک اور وجہ آگے حل کر دی ہے۔ علم بمعنی تمیز بھی آتا ہے، خصوصاً جب اس کا صلہ من ہو یہاں تمیز کرنا ہی مراد ہے اور کُنْتَ بمعنی صِرْتَ بھی ہو سکتا ہے جس صورت میں معنے یوں ہوں گے کہ ہم نے اسے جس پر تو اب ہُوا ہے قبلہ اس لیے بنایا ہے کہ کھرے کھوٹے، مخلص منافق الگ الگ ہو جائیں اور کنت علیہا کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جس کے لیے تیری توجہ اور خواہش تھی۔

نمبر ۴ ۔ یعنی اصل مقصود تو ایمان ہے قبلہ کے بدلنے سے ایمان میں کوئی نقصان واقع نہیں ہوتا۔ اس میں مخالفینِ اسلام کے اس غلط خیال کی تردید ہے کہ مسلمان کعبہ کی عبادت کرتے ہیں کیونکہ ایک وقت تھا کہ وہ کعبہ کی طرف پیٹھ بھی کرتے تھے۔

قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۖ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۚ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

اس قبلہ کا متولی بنا دیں گے جسے تو پسند کرتا ہے سو تو اپنے منہ کو مسجد حرام کی طرف پھیر دے اور جہاں کہیں تم ہو اپنے مونہوں کو اسی کی طرف پھیر دو[1]۔ اور وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی ہے یقیناً جانتے ہیں کہ یہ اُن کے رب کی طرف سے سچ ہے اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو وہ کرتے ہیں[2]۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۚ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ ع

اور اگر تو ان لوگوں کے پاس جنہیں کتاب دی گئی ہے سب نشان بھی لے آئے وہ تیرے قبلہ کی تابعداری نہ کریں گے اور نہ تو ان کے قبلہ کا تابع ہے اور نہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کے تابع ہیں[3]۔ اور اگر تو ان کی گری ہوئی خواہشوں کی پیروی کرے اس کے بعد جو تیرے پاس علم سے آ چکا تو بیشک اس وقت تو ظالموں میں سے ہوگا۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ

وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے اسے اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور ان میں سے ایک فریق یقیناً

نمبر ۱۔ خانہ کعبہ کے اندر جو توحید کا مرکز تھا، بُت بھرے ہوئے تھے تو لازماً یہ خیال رسُول اللہ صلعم کے قلب مبارک میں پیدا ہوتا ہوگا کہ اس آلائش سے یہ مرکزِ توحید کب اور کس طرح پاک ہوگا۔ آسمان کی طرف توجہ کرنے میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے تسلی دی کہ ہم تم کو ہی اس قبلہ کا متولّی بنائیں گے جسے تم چاہتے ہو اور اس کے بعد جو فرمایا کہ فول وجهك تو اس کے معنی یہ نہیں کہ ہم تیرا مُنہ اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے، پس تُو بھی اپنا مُنہ پھیر لے، بلکہ اصل مراد اسی خیال کا ازالہ ہے کہ خانہ کعبہ میں بُت ہیں تو فرمایا کہ اس وجہ سے مضائقہ نہ کرو۔ کیونکہ ہم تُم کو اس کا متولّی بنا دیں گے اور یہ مرکزِ توحید موحدین کے ہاتھ میں ہی رہے گا۔ اس لیے بغیر کسی خیال کو دل میں لانے کے اپنا مُنہ مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ اب خانہ کعبہ کا متولّی کوئی غیر مسلم نہیں ہو سکتا۔

نمبر ۲۔ اہلِ کتاب پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی صداقت پوری طرح کُھل چکی تھی۔ پیشگوئیاں ان کی کتاب میں موجود تھیں، جن کے پُورا ہونے کا ابھی تک اُن کو انتظار تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے اسمٰعیلؑ کے ساتھ وعدہ تھا۔ حضرت اسمٰعیلؑ کو عرب میں چھوڑا گیا۔ بیت ایل سوائے عرب کے اور کہیں نہ تھا۔ یعنی خانہ کعبہ کے سوائے کوئی گھر بیت اللہ نہیں کہلایا۔ حضرت ابراہیمؑ کا تعلق اسی گھر سے تھا اور حضرت ابراہیمؑ کی یادگاریں یہاں موجود تھیں۔ وہ جانتے تھے کہ نبی موعود عرب میں ظاہر ہونے والا ہے۔ بلکہ یہی وجہ تھی کہ آنحضرتؐ کی بعثت سے پہلے یہودی ملک عرب میں کثرت سے آ کر آباد ہو گئے تھے اور ان کی پیشگوئیوں میں اب تک بھی صراحت سے عرب کا نام پایا جاتا ہے۔ چنانچہ یسعیاہ ۲۱: ۱۳ میں ان الفاظ کے بعد "عرب کی بابت الہامی کلام" آنحضرت صلعم کی ہجرت کی صاف پیشگوئی ہے تو اس قدر روشن نشان آپ کی صداقت کے جمع تھے کہ دل صداقت کا انکار نہ کر سکتے تھے۔

نمبر ۳۔ قبلہ یہاں دین کے قائم مقام ہے کیونکہ یہ ایک ظاہر اور کھلا نشان دین کا تھا اور حدیث لا تکفروا اهل قبلتك میں بھی اسی طرف اشارہ ہے اور یہ جو فرمایا کہ وہ ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں تو حضرت موسیٰؑ کے پیرؤوں میں یہودیوں کا قبلہ اور تھا، سامریوں کا اور، عیسائیوں نے بجائے بیت المقدس کے مشرق کو اپنا قبلہ قرار دیا۔ مسلمانوں میں بہت سے اختلافات کے باوجود قبلہ کا اختلاف نہیں ہُوا اور وہ اصول دین پر بھی مجتمع ہیں۔

لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٤٦﴾	حق کو چھپاتا ہے اور وہ جانتے ہیں۔[1]
ع الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١٤٧﴾	(یہ) حق تیرے رب کی طرف سے ہے پس ہرگز جھگڑنے والوں میں سے نہ ہو۔[2]
وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ	اور ہر ایک کے لیے ایک طرف ہے جدھر وہ منہ کرتا ہے پس نیکیوں کو ایک
أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا	دوسرے سے آگے بڑھ کر لو۔ جہاں کہیں تم ہوگے اللہ تم کو اکٹھا کرکے لائیگا
إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤٨﴾	اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔[3]
وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ	اور جہاں سے تو نکلے اپنے منہ کو مسجد حرام کی طرف پھیر دے، اور
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ	یقیناً یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے اور اللہ اس سے
وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾	بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔
وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ	اور جہاں سے تو نکلے اپنے مُنہ کو مسجد حرام کی طرف پھیر دے
شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ	اور جہاں کہیں تم ہو اپنے مونہوں کو اس کی طرف پھیر دو، تاکہ
فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ	لوگوں کے لیے کوئی دلیل تمہارے خلاف نہ رہے مگر وہ جو
عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ	اُن میں سے ظالم ہیں، سو اُن سے مت ڈرو اور مجھ سے
فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي	ڈرو۔[4] اور تاکہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور تاکہ تم

نمبر۱۔ نبی کریم صلعم کی صداقت بوجہ ان کھلی کھلی پیشگوئیوں اور وعدوں کے جو اہل کتاب کو دیے گئے تھے ان پر واضح ہو چکی تھی، مگر محض اس حسد کی وجہ سے قبول نہ کیا کہ بنی اسرائیل میں سے نہیں۔ علما جاؤھم ماعرفوا کفروا بہ (۲۔۸۹) یا ابناءھم سے مراد انبیائے بنی اسرائیل ہیں یعنی جن نشانات سے ان کی صداقت کو پہچانتے تھے، وہ سب نشانات یہاں بھی موجود ہیں۔

نمبر۲۔ یہ خطاب مخالف کو ہے۔

نمبر۳۔ مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھنے میں ہر شخص کسی نہ کسی طرف منہ کرے گا اور الگ الگ طرف منہ کرنے میں سب کی توجہ ایک طرف نہیں رہ سکتی۔ اس لیے تمام رُوئے زمین کے مسلمانوں کو ایک طرف منہ کرنے کی ہدایت کرکے ان میں یک جہتی اور اتحاد کی بنیاد رکھ دی اور اس پر قائم ہو جانا بہت سی نیکیوں کو لے لینا ہے۔ درحقیقت ایک قبلہ پر اتفاق اسلام کی اخوت عالمگیر کی بنیاد ہے اسی لیے حدیث میں آتا ہے لا تکفروا اھل قبلتک اپنے اہل قبلہ کی تکفیر مت کرو۔ پس کعبہ ایک طرف توحید کا مرکز ہے اور دوسری طرف اتحاد نسل انسانی کا۔ یہی اشارہ یات بکم اللہ جمیعًا میں ہے یعنی تم متحد الجہت رہوگے اور اس مرکز توحید کی برکت سے تمام قومی اور ملکی حدبندیاں توڑ کر تم کو ایک کر دیا جائیگا خانہ کعبہ کی جو کچھ عزت مسلمانوں کے دلوں میں ہے وہ اس وجہ سے ہے کہ یہ توحید کا اصل مرکز ہے اور نسل انسانی کے اتحاد کا بھی اصل مرکز یہی ہے بعض کوتہ اندیش مخالفین نے اس عزت کو پرستش کے قائمقام قرار دیکر اعتراض کیا ہے۔ حالانکہ کسی چیز کی عزت کرنا اور امر ہے اور اس کی پرستش امر دیگر ہے۔ پرستش یا عبادت میں تین باتوں کا پایا جانا ضروری ہے اول اس چیز کی عظمت سے اس قدر متاثر ہونا کہ اس کی طرف توجہ تام ہو، دوسرے اس کی حمد وستایش کرنا، تیسرے اس سے دعا مانگنا۔ اب جب ایک مسلمان خانہ کعبہ کی طرف منہ کرتا ہے تو ان تینوں باتوں میں سے ایک بات کا بھی وہم تک اس کے دل میں نہیں ہوتا محض ایک طرف منہ کرنے کو اس سمت کی پرستش قرار دینا عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہے۔

نمبر۴۔ جس خانہ کعبہ کی طرف پیٹھ کرتے تھے، اسی کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا۔ اس لیے کوئی شخص یہ کہنے کا حق نہیں رکھتا کہ مسلمان خانہ کعبہ کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ معبود نہیں جائے عبادت ہے معبود نہیں بدل سکتا۔ ہاں جو ظالم ہیں وہ اب بھی باتیں بناتے رہتے ہیں۔

عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾
ہدایت پالو۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ
اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾
جیسا کہ ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تم کو پاک کرتا ہے اور تم کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور تم کو وہ کچھ سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے[1]۔

فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾
پس مجھے یاد کرتے رہو میں تمہیں یاد رکھونگا اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو[2]۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ
الصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، صبر اور نماز کے ساتھ مدد مانگو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اَمْوَاتٌ ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾
اور جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں اُنھیں مُردہ نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تم محسوس نہیں کرتے[3]۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ
وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ
وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾
اور ضرور ہم کسی قدر ڈر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے تمھارا امتحان کریں گے اور صبر کرنے والوں کو خوش خبری دو۔

نمبر۱۔ یعنی تمھارا قبلہ خانہ کعبہ کو اسی طرح قرار دیا ہے۔ جیسا کہ تم میں دعائے ابراہیمی والا رسُول بھیج دیا۔ چنانچہ انہی الفاظ کو یہاں دوہرایا ہے جو حضرت ابراہیمؑ کی دعا میں اوپر آچکے ہیں آیت ۱۲۹ میں اسی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ دعا پوری ہو کر وہ رسُول آگیا تو ضروری ہُوا کہ وہ گھر بھی اس کا قبلہ قرار دیا جائے۔

نمبر۲۔ یہ مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ تم میرا ذکر کرو یعنی میرے نام کو دُنیا میں پھیلاؤ تو مَیں تمہیں بڑا بناؤں گا اور اگر تم اس نعمت کو چھپاؤ تو پھر تمھارے لیے سزا بھی ہے۔ چنانچہ اگلے رکوع کے دو حصّے کیے ہیں۔ ایک حصّہ میں ہدایت کے پھیلانے میں مشکلات کے مقابلہ کا اور دوسرے حصّہ میں کتمان ہدایت کا ذکر ہے۔ کاش آج مسلمان بڑا بننے کے لیے اس ارشاد الٰہی کی تعمیل کرکے اشاعتِ اسلام کے کام کو اپنا نصب العین بنائیں۔

نمبر۳۔ امام راغب نے اس کے ایک معنی یوں کیے ہیں کہ یہاں نفی موت سے مراد غم اور ناکامی کی موت ہے۔ اگر عام معنی لیے جائیں تو ظاہر ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے۔ مگر بُروں کے لیے چونکہ اس زندگی میں عذاب ہے۔ جس کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے لا یموت فیھا ولا یحییٰ (طٰہٰ ۲۰ : ۷۴) وہ زندگی تو ضرور ہے اس لحاظ سے کہ میتی نہیں، مگر اسکو حیات یا زندگی بھی نہیں کہہ سکتے۔ پس زندگی حقیقت میں نیکوں کے لیے ہی ہے۔ پھر بالخصوص وہ لوگ جو یہاں شہید کے مقام پر پہنچ جاتے ہیں جیسے انبیاء علیہم السلام یا ان کے کامل متبعین جن کو صدیق اور شہید کہا گیا ہے یا وہ لوگ جو اپنی جانیں خدا کی راہ میں دے دیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے مشاہدہ یا یقین سے گویا اللہ تعالٰے کی ہستی کے عینی گواہ ہو جاتے ہیں اور وہ حجاب جو اکثر اہلِ دنیا کی صورت میں اس عالم میں رہتا ہے ان کی صورت میں اُٹھ جاتا ہے۔ وہ اسی زندگی میں ایک نئی زندگی پا لیتے ہیں اور موت کے ساتھ ہی ان کی وہ نئی زندگی شروع ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے ان کو خصوصیت سے احیاء یعنی زندہ کہا گیا ہے۔ جن لوگوں نے ظاہر الفاظ پر زور دے کر اس آیت کے یہ معنی کرنے چاہے ہیں کہ شہدا کبھی مرتے ہی نہیں اور پھر اس خیال کو شرک کی حد تک پہنچایا ہے۔ یہاں تک کہ ان سے استمداد کرتے ہیں۔ بلکہ بعض بیہودہ باتوں کا اعتقاد بھی ان کے متعلق رکھتے ہیں۔ وہ قرآن شریف کے منشا سے بہت دُور نکل گئے ہیں۔ انبیاء صدیق شہید صالح سب مرتے ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلعم کو ارشاد ہوتا ہے انک میت وانھم میتون (الزمر ۳۹ : ۳۰) اور مر کر انسان عالم الغیب نہیں بن جاتا کہ اس عالم میں کوئی شخص کچھ دعا کرے تو اس کا علم ایک ولی یا شہید کو ہو جائے۔ عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے، وہی سب کی دعائیں سُنتا ہے اور وہی حاجات کو پُورا کرتا ہے اور نہ

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۱۵۶

جنھیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے کہتے ہیں ہم اللہ کے لیے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ۱

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۱۵۷

یہی وہ ہیں جن پر اُن کے رب کی طرف سے مغفرت اور رحمت ہے اور یہی وہ ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۱۵۸

صفا اور مروہ اللہ کے نشانوں میں سے ہیں، پس جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان دونوں کا طواف کرے اور جو کوئی شوق سے نیکی کرتا ہے تو اللہ بڑا قدردان جاننے والا ہے ۲۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۱۵۹

جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جو ہم نے کھلی باتوں اور ہدایت سے اتارا ہے اس کے بعد کہ ہم نے اسے لوگوں کے لیے کھول کر کتاب میں بیان کر دیا یہی ہیں کہ اللہ ان پر لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنیوالے ان پر لعنت کرتے ہیں ۳۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ

مگر وہ لوگ جنھوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور کھول کر بیان کر دیا اُن پر میں

قرآن و حدیث سے بعد موت ان سے استمداد جائز ثابت ہوتی ہے۔

نمبر ۱۔ خدا کی طرف سے بلا اظہار کمالات کا نام ہے۔ نیکوں پر جو تکالیف آتی ہیں جن میں اظہار صبر کی ضرورت پیش آتی ہے، ان کی حکمت یہاں بیان کی ہے کہ ان کے ساتھ ان کے اندرونی کمالات کو ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے کوئی قوم بڑی نہیں بنتی اور نہ کوئی انسان بڑا بنتا ہے جب تک کہ مصائب کی کٹھالی میں نہ پڑے۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔ مصیبت کے وقت اس کلمہ کا منہ پر آنا رضا بالقضاء اور مقام توحید کا نہایت بلند مقام ہے۔ اس میں یہ بتایا کہ اگر مال و جان کا کچھ نقصان ہوا تو یہ چیزیں انسان کی زندگی کا اصل مقصود نہیں بلکہ اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے آپ کو لگا دینا ہے۔

نمبر ۲۔ صفا اور مروہ مکہ معظمہ کے پاس دو چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں کے نام ہیں۔ صفا اور مروہ کے ذکر میں یہاں دوہرا اشارہ ہے۔ ایک تو صبر کے مضمون کے متعلق۔ کیونکہ صفا اور مروہ وہ مقام ہیں جہاں حضرت ہاجرہؑ حضرت اسمٰعیلؑ کے لیے پانی کی تلاش میں دوڑتی تھیں۔ ان کے عظیم الشان صبر کا یہ ثمرہ اللہ تعالیٰ نے دیا کہ ان دو پہاڑیوں کو الہٰی نشان قرار دیا اور ہمیشہ کے لیے اس صبر کے نمونہ کو یادگار بنایا۔ اس کی طرف یہاں اشارہ کر کے یہ بھی بتا دیا کہ حضرت ابراہیمؑ کا ہاجرہ کو یہاں چھوڑنا حضرت سارہؓ کی خوشی کے لیے نہ تھا جیسا کہ بائبل میں مذکور ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت تھا پس دوسرا اشارہ صفا اور مروہ کے ذکر میں یہ بھی ہے کہ یہی وہ مقام ہے جس کا تعلق حضرت اسمٰعیلؑ سے ہے اور آپ کو یہاں چھوڑنے کے یہی معنے تھے کہ اس مقام سے ان کا کوئی خاص تعلق ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انصار سعی بین الصفا والمروۃ میں کچھ مضائقہ کرتے تھے اور بعض کہتے ہیں کہ صفا اور مروہ پر دو بُت اساف اور نائلہ تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس رکن حج کو بجا لانے میں حرج نہیں گویا یہ ایک پیشگوئی تھی کہ دو بُت نہیں رہیں گے۔

نمبر ۳۔ ہدایت کا چھپانا یہ ہے کہ انسان اس پر عمل نہ کرے، دوسروں کو اس کی طرف نہ بلائے۔ اشارہ بالخصوص یہودیوں کی طرف ہے، جو اس زمانہ میں کتمان ہدایت کرتے تھے، مگر مسلمانوں کا بھی نقشہ کھینچ دیا ہے۔ آج مسلمان نہ خود قرآن پر عامل ہوتے ہیں نہ دوسروں کو قرآن کی طرف بلاتے ہیں۔ اس لیے وہی بلائیں جن کے مستحق یہود تھے آج مسلمانوں کے لاحق حال ہو رہی ہیں۔

أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ
عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٦١﴾
خَالِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ
وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿١٦٢﴾
ع وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٣﴾
إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ
اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي
الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ
مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ
بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ
وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿١٦٤﴾
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ
أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ
آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ۗ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ
ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ

رحمت کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں اور میں توبہ قبول کرنیوالا رحم کرنیوالا ہوں۔
جو کافر ہوئے اور مرگئے درآنحالیکہ وہ کافر ہی تھے یہی ہیں کہ اُن پر
اللہ اور فرشتوں اور سب لوگوں کی لعنت ہے۔
اسی میں رہیں گے نہ اُن کا دُکھ ہلکا کیا جائے گا اور نہ اُن کو
مہلت دی جائے گی۔
اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اسکے سوا کوئی معبود نہیں وہ بے انتہا رحم کرنیوالا بار بار رحم کرنیوالا ہے[1]
آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے
ادل بدل میں اور کشتیوں میں جو سمندر میں چلتی ہیں اس
کے ساتھ لوگوں کو نفع دے اور پانی میں جو اللہ بادل سے
اتارتا ہے پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ
کرتا ہے اور اس کے اندر ہر قسم کے جانور پھیلاتا ہے اور ہواؤں
کے ہیر پھیر میں اور بادل میں جو آسمان اور زمین کے درمیان کام
میں لگایا گیا ہے اُن لوگوں کے لیے یقینی نشان ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں[2]
اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ کے سوا (اس کے) ہمسر
بنالیتے ہیں، ان سے اللہ کی محبت کی طرح محبت کرتے ہیں اور
جو ایمان لائے وہ اللہ کی محبت بہت بڑھ کر رکھتے ہیں اور اگر وہ
جو ظالم ہیں دیکھیں جب عذاب کو دیکھیں گے کہ سب طاقت اللہ

نمبر۱۔ اس رکوع میں صبر کی تعلیم دی، اس لیے کہ توحید الٰہی کے قائم کرنے میں بڑی بڑی مشکلات کا مقابلہ تھا۔ اب رکوع کی آخری آیت میں اس غرض کو کھول کر بیان کیا اور ساتھ ہی اگلے رکوع کے مضمون کی طرف اشارہ کردیا۔

نمبر۲۔ جب ہدایت کے پھیلانے کے لیے مصائب کے مقابلہ کو بھی ضروری قرار دیا۔ تو اب بتاتا ہے کہ ہدایت کی جڑ خدا کی ہستی اور اس کی توحید ہے اور یہ ایسی چیز ہے کہ اس پر اگر ایک طرف مناظرِ قدرت سے شہادت ملتی ہے تو دوسری طرف فطرتِ انسانی بھی اس پر گواہی دے اُٹھتی ہے۔ چنانچہ اس آیت میں مناظرِ قدرت کی شہادت کو پیش کیا۔ مگر مناظرِ قدرت بھی وہ پیش کیے ہیں جن سے دُنیا کا کوئی حصّہ خالی نہیں۔ پہلے خود زمین و آسمان کی پیدائش ہے۔ پھر تغیراتِ زمانہ ہیں رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات۔ پھر سمندر کو پیش کیا اور اس میں پہلے اس کھلے فائدہ کی طرف توجہ دلائی جسے سطحی نظر بھی دیکھ لیتی ہے یعنی اس میں کشتی چلا کر انسان فوائد حاصل کرتا ہے۔ پھر اس کے ان فوائد عظیم کی طرف توجہ دلائی جن سے انسان کو زندگی اور اس کے سارے سامان ملتے ہیں یعنی یہیں سے بادل اُٹھ کر پانی برساتا ہے۔ اسی پانی سے زمین

جَمِیْعًا ۙ وَّ اَنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾
کے لیے ہی ہے اور کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا
وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَ تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾
جب وہ جو پیشوا بنائے گئے تھے ان سے بیزار ہو جائیں گے جو ان کے پیرو تھے اور عذاب کو دیکھیں گے اور انکے تعلقات کٹ جائیں گے

وَ قَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ
مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ
اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَیْهِمْ ؕ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ
مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ ع
اور وہ جو پیرو تھے کہیں گے کاش ہمارے لیے پھر کر جانا ہوتا تو ہم اُن سے اسی طرح بیزار ہوتے جس طرح وہ ہم سے بیزار ہیں اسی طرح اللہ ان کو اُن کے عمل اُن پر حسرتیں بنا کر دکھائے گا اور وہ آگ سے باہر نکلنے والے نہ ہوں گے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا
طَیِّبًا ۖ٘ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ
اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۶۸﴾
اے لوگو! اس سے جو زمین میں ہے حلال اور پاکیزہ کھاؤ اور شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۲۔

اِنَّمَا یَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ
تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾
وہ تمہیں صرف بدی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ تم اللہ پر وہ بات بناؤ جو تم نہیں جانتے۔

زندگی پیدا ہوتی ہے اور ہواؤں کے چلنے سے یہ بادل ہر جگہ پہنچ کر اس زندگی کے سامان کو پہنچاتے ہیں۔

نمبر۱۔ لَو یری کا جواب محذوف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں وہ شرک اختیار کرنے کی جرأت نہ کرتے۔
مناظرِ قدرت سے فطرتِ انسانی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ انسان کے دل میں محبت اس چیز کی ہوتی ہے جس سے اُسے منفعت پہنچتی ہے اور مناظرِ قدرت میں جہاں تک غور کرو سب منفعت کے سامان انسان کے لیے خدا تعالےٰ نے پیدا کیے ہیں۔ پس فطرتِ انسانی کا تقاضا تو یہ تھا کہ ایک خدا کی محبت سے ہی قلب لبریز ہوتا، مگر مشرک نہ مناظرِ قدرت پر غور کرتا ہے نہ فطرت کی شہادت کی پروا کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہمسر قرار دے کر ان سے ایسی محبت کرتا ہے جیسی اُسے خدا سے کرنی چاہیے تھی۔ انداد یا ہمسروں سے مراد یہاں وہ بڑے لوگ ہیں جن کی فرمانبرداری کر کے لوگ معصیت میں پڑتے ہیں۔ ہاں مومن کی محبت جو وہ اپنے مالک سے رکھتا ہے، اس سے بھی بڑھ کر ہے جس قدر مشرک کو اپنے جھوٹے معبود سے ہوتی ہے۔

نمبر۲۔ جب ہدایت کے اصل الاصول توحید کا ذکر کیا تو اب کسی قدر ذکر ہدایت کی تفصیلات کا کیا ہے اور بتایا ہے کہ کھانے پینے تک کے احکام بھی شریعت میں دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ غذاؤں کا اثر اخلاق و روحانیت دونوں پر پڑتا ہے۔ سب سے پہلی ضرورت حلال کھانے کی بتائی۔ جو مال باطل طریق پر حاصل کیا جائے، وہ حلال نہیں ہو سکتا۔ دوسری ضرورت طیّب کھانے کی بتائی یعنی ستھری چیز۔ اس ایک لفظ کو لا کر بہت سی تفصیلات سے مستثنیٰ کر دیا اور کسی قدر اختلاف رواج سے بھی طیّب کا اختلاف پیدا ہو سکتا ہے۔ اس لیے عام لفظ رکھا۔ غذا کے حکم کے بعد یہ لفظ لا کر کہ شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ باطنی طہارت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ غذا بھی اچھی کھاؤ۔ اخلاق بھی اچھے دکھاؤ۔ جیسا کہ اگلی آیت میں شیطان کی پیروی نہ کرنے کی وضاحت کر دی کہ بدی اور بے حیائی کی باتوں سے بچو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم انسان کی جسمانی اور روحانی حالتوں میں ایک تعلق بتاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات جسمانیات کی طرف سے مضمون کو روحانیات کی طرف اور روحانیات سے جسمانیات کی طرف منتقل کرتا ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۷۰﴾

اور جب انھیں کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ نے اتارا ہے کہتے ہیں بلکہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا۔ کیا اگرچہ انکے بڑے نہ کچھ عقل سے کام لیتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں[1]۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۷۱﴾

اور ان لوگوں کی مثال جو کافر ہوئے ایک شخص کی مثال کی طرح ہے کہ وہ اسے آواز دے رہا ہو جو بجز پکار اور آواز کے کچھ نہیں سنتا بہرے گونگے اندھے ہیں سو وہ عقل سے کام نہیں لیتے[2]۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۱۷۲﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ان پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دی ہیں اور اللہ کا شکر کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ

اس نے تم پر صرف مُردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور وہ جسے اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لیے پکارا جائے حرام کیا ہے[3] مگر جو شخص لاچار ہو جائے نہ خواہش کرنے والا ہو اور نہ حد سے گزرنے والا تو اس

نمبر۱۔ قرآن کریم نے بسا اوقات کفار کا نقشہ پیش کرکے مسلمانوں کو سمجھایا ہے۔ آنکھیں بند کرکے تقلید بھی انہی کا طریق فرمایا۔ غرض یہ ہے کہ مسلمان اس راہ پر نہ چلیں کہ چونکہ فلاں فلاں بات ہمارے بزرگ مانتے آئے ہیں، اس لیے اس کے خلاف ہم نہیں سُن سکتے۔ مگر آج اندھا دھند تقلید کرنے میں مسلمان سب قوموں پر سبقت لے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ اپنے خیالات کے خلاف بات سُن بھی نہیں سکتے۔ غور کرنا تو ایک طرف رہا۔

نمبر۲۔ اس تمثیل میں کفار کو جو عقل اور ہدایت کی پروا نہیں کرتے چارپایوں سے تشبیہ دی ہے اور آنحضرت صلعم کو راعی سے۔ فی الحقیقت انسان اور حیوان میں مابہ الامتیاز عقل ہے۔ پس جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے وہ حیوانوں کے حکم میں ہی ہیں۔ اس لیے آخر پر اُن کو بہرے گونگے اندھے کہا ہے۔

نمبر۳۔ یہاں ان چیزوں کی حرمت کا ذکر کیا جو اخلاق و روحانیت پر بُرا اثر ڈالتی ہیں۔ ان کی حرمت کا حکم اس سے پہلے مکہ میں ہی سورہ الانعام اور سورہ النحل میں نازل ہو چکا تھا اور چوتھی بار زیادہ تصریح کے ساتھ اس کے بعد سورہ المائدہ میں نازل ہوا ہے۔ ان چار چیزوں میں سے اوّل الذکر تین چیزوں کی حرمت کا ذکر یہود کی شریعت میں بھی ہے۔ چنانچہ مُردار کی حرمت احبار ۱۷ : ۱۵ میں، خون کی حرمت احبار ۷ : ۲۶ میں، سؤر کی حرمت احبار ۱۱ : ۷ میں ہے اور گو عیسائیوں نے سؤر کو حلال کرکے اسے اپنی محبوب ترین غذا بنا لیا ہے مگر حضرت مسیحؑ کے کلام میں سؤر کو پلید ہی قرار دیا گیا ہے جیسے اپنے موتیوں کو سؤروں کے آگے مت پھینکو (متی ۷ : ۶) پطرس بھی سؤر کے ساتھ ان لوگوں کو مشابہت دیتا ہے جو بار بار گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں یعنی اس کو ناپاک قرار دیتا ہے (۲ پطرس ۲ : ۲۲)۔

اسلام نے ان تین چیزوں کے علاوہ جن کا اثر صحت جسمانی کے علاوہ اخلاق پر بھی بُرا پڑتا ہے۔ ایک چوتھی چیز حرام قرار دی ہے یعنی ہر جانور جو ویسے حلال ہو مگر ذبح کرتے وقت اس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے اور یوں شرک کو عملی رنگ میں جڑ سے کاٹا ہے۔ ان چیزوں کی حرمت کی وجہ دوسری جگہ خود کلام پاک میں دی ہے دیکھو الانعام ۶ : ۱۴۵ جہاں پہلی تین چیزوں کو رجس کہا ہے یعنی پلیدی۔ گویا ان کا اثر جسم اور اخلاق پر بُرا ہے اور ما اھل بہ لغیر اللہ کو فسق کہا ہے۔ مردار اور خون اور سؤر کے گوشت میں زہروں کا ہونا آج ایک مسلّم امر ہے اور اخلاق پر جو بد اثر پڑتا ہے اس پر خود واقعات شاہد ہیں۔ مردار خوار قومیں جیسے ہمارے ملک میں چوہڑے ہمیشہ سے نہایت ذلیل حالت میں رہی ہیں۔ خون پینا درندوں کا کام ہے اور اس سے درندگی پیدا ہوتی ہے۔ اس لیے اسلام نے ذبح کرنے کو بھی ضروری قرار دیا ہے تاکہ خون بہ جائے۔ سؤر کے گوشت کھانے سے جو دیوثی اور بے غیرتی انسانوں میں پیدا ہوتی ہے وہ آج کل کی مہذب قوموں کے فحش تعلقات اور عورتوں کے ننگے جسموں سے خود ہی ظاہر ہے

إِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٧٣﴾
إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ
الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ أُولٰٓئِكَ
مَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ
اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۖۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ﴿١٧٤﴾
أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى
وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾
ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ
ع الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ ﴿١٧٦﴾
لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ
وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى
الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَ
الْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي
الرِّقَابِ ۚ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ
الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ
فِي الْبَأْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَأْسِ ۗ أُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۖ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾

پر کوئی گناہ نہیں اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔[1]
وہ جو اُسے چھپاتے ہیں جو اللہ نے کتاب سے اُتارا ہے اور اس
کے عوض تھوڑی سی قیمت لیتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں سوائے
آگ کے کچھ نہیں ڈالتے اور اللہ قیامت کے دن ان سے کلام
نہیں کریگا اور نہ ان کو پاک کریگا اور اُن کے لیے دردناک دکھ ہے۔[2]
یہی وہ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کو اور مغفرت کے بدلے
عذاب کو خرید لیا۔ سو اُن کا آگ پر جرأت کرنا کیسا عجیب ہے۔
یہ اس لیے ہے کہ اللہ نے کتاب کو حق کے ساتھ اُتارا ہے اور جو لوگ
کتاب کا خلاف کرتے ہیں وہ یقیناً دور کی مخالفت میں ہیں۔
بڑی نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے مُونہوں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیر دو
لیکن بڑا نیک وہ ہے جو اللہ اور آخرت کے دن اور فرشتوں
اور کتاب اور نبیوں پر ایمان لائے اور اس کی محبت کے
لیے قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں اور سوالیوں
کو اور غلام آزاد کرنے میں مال دے اور نماز قائم کرے
اور زکوٰۃ دے اور اپنے اقرار کو پورا کرنے والے
جب وہ اقرار کریں۔ اور صبر کرنے والے تنگی اور
تکلیف میں اور مقابلہ کے وقت۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں
نے سچ کر دکھایا اور یہی متقی ہیں۔[3]

نمبر ۱۔ غیر باغ۔ خود خواہش نہیں کرتا یعنی دل میں بہرحال کراہت رکھتا ہے لا عاد یعنی جان بچانے کی ضرورت سے تجاوز نہیں کرتا۔
نمبر ۲۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا تو کلام سے مراد محبت کا کلام ہے جو ایک نعمت کے رنگ میں انسان کو دیا جاتا ہے۔ اس رکوع کا خاتمہ کتمان ہدایت پر کیا ہے یعنی خود ہدایت پر عامل نہ ہونا۔ دوسروں کو اس کا نہ پہنچانا۔
نمبر ۳۔ قوم کی کامیابی کے چند اصول بتائے ہیں۔ اوّل اصول صحیحہ کا قبول کرنا جن میں سے پہلے اللہ پر ایمان ہے جس سے انسان کے اندر نیکیوں کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ دوسرے آخرت پر ایمان یعنی ہر ایک عمل کی جزا و سزا کا قائل ہونا اور اس لیے اپنے ہر ایک عمل میں اپنی ذمہ داری کو مدنظر رکھنا۔ تیسرے فرشتوں پر ایمان یعنی نیکی

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ
فِي الْقَتْلَى ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ
وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ
شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ
ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ فَمَنِ
اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٨﴾
وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٧٩﴾
كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ
بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾
فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو مقتولوں کے بارے میں تم پر
قصاص مقرر کیا گیا ہے (قاتل) آزاد ہو تو آزاد (ہی مارا جائے)
اور غلام ہو تو غلام اور عورت ہو تو عورت، مگر جس کو اپنے بھائی کی
طرف سے کچھ معافی دی گئی ہے تو عمدگی سے پیروی کرنی چاہیئے اور
نیکی کے ساتھ اسے ادا کیا جائے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی
اور مہربانی ہے پھر جو کوئی اسکے بعد زیادتی کرے اسکے لیے دردناک عذاب ہے[1]
اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے اے عقل والو تاکہ تم
بچے رہو[2]
تم پر جب تم میں سے کسی کے لیے موت آموجود ہو عمدگی کے
ساتھ وصیت کرنا ضروری ٹھہرایا گیا ہے اگر وہ بہت سا مال ماں باپ
کے لیے اور قریبیوں کے لیے چھوڑے یہ متقیوں پر لازم ہے[3]
پھر جو کوئی اس کے بعد جو اس نے سن لیا ہے اسے بدل دے تو اس کا

کی تحریک کو جب دل میں پیدا ہو فوراً قبول کرلینا۔ چوتھے کتاب پر ایمان یعنی اللہ تعالٰے نے جو ہدایات انسان کی بہتری کے لیے نازل کی ہیں، ان پر عمل پیرا ہونا۔ پانچویں نبیوں پر ایمان یعنی جس طرح پر انبیاء نے ان تعلیمات پر عمل کرکے دکھایا ان کے نمونہ اور نقشِ قدم پر چلنا۔

دوسرا عظیم الشان اصول جو کامیابی کا عملی رنگ رکھتا ہے، وہ ایثار ہے۔ یعنی اپنے مال کا دوسروں کی بہبودی کے لیے خرچ کرنا۔ ان میں مقدم انسان کے اپنے قریبی ہیں۔ اولاً۔ ماں باپ۔ بھائی بہن اور رشتہ دار۔ پھر یتیم، پھر مسکین، پھر غلام جو فی الحقیقت دشمنوں میں سے قید ہو کر آئے تھے۔ یہ دشمن سے محبت کی عملی تعلیم دی ہے۔ پھر نماز اور زکوٰۃ کے اصول کو بیان کیا، پھر عہد کا پورا کرنا۔

اور آخر میں پانچواں اور سب سے ضروری اصول بیان کیا اور وہ ہے صبر۔ تنگی میں، دکھ درد اور تکلیف کی حالت میں اور سب سے بڑھ کر حین الباس مشکلات سے مقابلہ کے وقت میں یا دشمن سے مقابلہ کے وقت میں جیسے جنگ کی حالت میں، یہی اصل گر کامیابی کا ہے۔ اسی لیے اس کو آخر پر رکھا اور منصوب علی المدح کیا۔

نمبر۱۔ جب کوئی شخص قتل ہو جائے تو حکم دیا کہ قصاص لو یعنی قاتل کو قتل کردو۔ عرب میں رواج تھا کہ بعض قومیں اپنے آپ کو دوسروں سے بڑا سمجھتی تھیں۔ اس لیے ان کا غلام قتل ہو جائے تو وہ کہتے تھے کہ ہم اس کی جگہ آزاد کو قتل کریں گے۔ آزاد غلام کو قتل کردے تو اس آزاد کو قتل نہ کیا جاتا تھا۔ ان تمام امتیازات کو اُٹھا دیا اور فرمایا کہ قاتل آزاد ہو تو وہی قتل کیا جائے۔ عورت قاتل ہو تو وہی قتل کی جائے۔ غلام قاتل ہو تو وہی قتل کیا جائے۔ یہ بھی اجازت دی ہے کہ اگر مستغیث یعنی وارثِ قاتل خون بہا پر راضی ہو جائے تو دیت کا لے لینا جائز ہے۔ اس زمانہ میں بھی بعض حالات ایسے پیش آجاتے ہیں جیسے ایک سلطنت کا باشندہ دوسری سلطنت کی کسی رعایا کو خاص حالات میں قتل کردے تو ہرجانہ ہی کافی معاوضہ سمجھا جاتا ہے۔ اسلام چونکہ ایک عالمگیر مذہب ہے اس لیے ہر قسم کی گنجایش اس کی تعلیم میں موجود ہے۔

نمبر۲۔ اگر قتل کی سزا قتل نہ ہو تو امن مفقود ہو جائے اور دنیا میں فساد پھیل جائے۔

نمبر۳ ۔ اس حکم وصیت کو ورثہ والی آیت (النساء۔۱۱) سے منسوخ کہا گیا ہے۔ حالانکہ اس آیت میں وصیت کی صحت کو تسلیم کیا گیا ہے جیسا کہ الفاظ من بعد وصیۃ

عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ؕ ﴿۱۸۱﴾
فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ
بَيْنَهُمْ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ ع
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ
الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾
اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا
اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى
الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ

گناہ انہی پر ہے جو اسے بدلتے ہیں اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔
مگر جسے وصیت کرنیوالے کی طرف سے طرفداری یا گناہ کا خوف ہو پھر وہ
انکے درمیان صلح کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اللہ بخشنے والا رحم کرنیوالا ہے۔
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تمھارے لیے روزے ضروری
ٹھیرائے گئے ہیں جیسے کہ ان لوگوں کے لیے ضروری ٹھیرائے گئے
جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم متقی بنو[۱]۔
چند دن، پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اور دنوں
سے گنتی (پوری) کی جائے[۲]۔ اور جو اس میں مشقت پاتے ہوں وہ
ایک مسکین کا کھانا فدیہ دیں[۳]۔

سے ظاہر ہے۔ ایسا ہی سورہ مائدہ ۱۰۶، ۱۰۷ میں وصیت کے لکھا جانے وغیرہ کے متعلق صاف احکام ہیں۔ اصل میں یہاں جس معصیت کا ذکر ہے وہ خیراتی کاموں کے لیے ہے اور آیت کا مطلب یہ نہیں کہ والدین اور قریبیوں کے لیے وصیت کرے، بلکہ یہ مطلب ہے کہ والدین اور قریبیوں کے لیے خیر یعنی مال کثیر چھوڑے تو کچھ مال کی وصیت بھی کر جائے اور اس معنے کی صحت پر سعد بن ابی وقاص کی متفق علیہ حدیث صاف گواہ ہے کہ جب وہ بیمار ہوئے اور ان کی ایک لڑکی تھی اور سارا مال انھوں نے وصیت کرنا چاہا تو رسول اللہ صلعم نے منع کیا اور ایک تہائی مال کی وصیت کی اجازت دی اور فرمایا کہ ورثاء کو بھی محروم نہ کرو۔ جس سے صاف معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم نے خود اس آیت سے خیراتی وصیت کا مفہوم سمجھا حضرت علی رض اور حضرت عائشہ رض سے بھی ایسے فیصلے مروی ہیں۔

نمبر ۱۔ دنیا کی کوئی قوم نہیں جس نے روزہ کو عبادات میں نہ رکھا ہو صرف عیسائیوں نے شریعت کو جلب دے کر روزوں کا انکار کیا ہے، مگر حضرت عیسیٰ کا اناجیل سے نہ صرف خود روزے رکھنا ثابت ہے بلکہ اپنے پیروؤں کے لیے روزے رکھنے کی تعلیم موجود ہے۔ دیکھو متی ۴: ۲ اور لوقاہ ۳۳: ۳۵-۳۵؛ روزہ سے خواہشات کو ترک کرنے کی قوت انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے اور یہی قوت انسان کو اپنے نفس پر حاکم بنا کر اعلیٰ سے اعلیٰ پاکیزگی اور نیکی کے مقام پر پہنچاتی ہے۔ اسلام نے ہر ایک چیز کو ایک قاعدہ اور ضبط کے ماتحت کیا ہے اور وقت پر کھانا عین تعلیم اسلامی کے مطابق ہے۔ روزہ میں اس ضبط کو توڑنا مقصود نہیں بلکہ انسان کے اندر یہ قوت پیدا کرنا مقصود ہے کہ خواہشات حیوانی جو کھانے پینے اور زوج کی طرف رغبت کرنے سے تعلق رکھتی ہیں، انسان کے اقتدار کے نیچے ہوں اور ایسا نہ ہو کہ انسان ان کا غلام اور ان کا محکوم بن جائے۔

نمبر ۲۔ بیماری کیسی ہو۔ اس میں افراط و تفریط دونوں سے بچنا چاہیے۔ یہ کہنا کہ مرض ایسا خطرناک ہو کہ انسان کے فوراً مر جانے کا خطرہ ہو یا یہ کہ ادنیٰ سے ادنیٰ تکلیف ہو تو روزہ ترک کر دیا جائے دونوں غلط راہیں ہیں۔ اگر روزے رکھنے سے دوائی کا نہ پینا، یا بار بار ہلکی غذا کا نہ پہنچنا یا اور کوئی وجہ بیماری کے بڑھنے کا موجب ہو تو روزہ ترک کرنا چاہیے۔ سفر کا لفظ بھی عام ہے۔ عرف عام میں جسے سفر کہا جاتا ہے سب جانتے ہیں اور مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم تین میل پر بھی نماز قصر کر لیتے تھے۔ ریل کا سفر بھی سفر ہے۔ اس رخصت سے فائدہ اٹھانا بہتر ہے لیکن اگر کوئی سفر میں روزہ رکھ لے تو ہو جاتا ہے۔

نمبر ۳۔ بخاری میں ایک روایت ابن عمر رض سے ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور دوسری ابن عباس رض سے ہے کہ یہ منسوخ نہیں، بلکہ اس سے مراد بہت بوڑھے ہیں۔ یطیقونہ کے معنے بروئے لغت یہ ہیں کہ ایسا کرنے میں سخت مشقت پاتے ہیں۔ اوپر ذکر بیمار اور مسافر کا ہے۔ پس مطلب یہ ہے کہ بیمار اور مسافر پیچھے گنتی پوری کر لیا کریں۔ لیکن ایسے بیمار یا مسافر جن کو پیچھے گنتی پورا کرنے میں مشقت ہے وہ فدیہ دے دیا کریں۔ مثلاً بعض لوگ دائم المریض ہوتے ہیں اور اسی حکم میں بہت بوڑھے لوگ بھی ہیں اور ابو داؤد کی حدیث کی رو سے اسی حکم میں حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت ہیں، کیونکہ اس میں حمل یا بچہ کے ضائع ہونے کا خوف ہوگا۔

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ
تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ
هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ
الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ
فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ
فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ
الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ وَلِتُكْمِلُوا
الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾
وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ
دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ
وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾
اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ
هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ

پھر جو کوئی تکلیف سے نیکی کرتا ہے وہ اس کے لیے بہتر ہے اور
روزے رکھنا تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔
رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اتارا گیا لوگوں کے لیے ہدایت
اور ہدایت کی اور حق اور باطل کو الگ کر دینے کی کھُلی دلیلیں ہیں
پس جو کوئی تم میں سے اس مہینے کو پائے تو چاہیے کہ اس کے روزے[1]
رکھے اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اور دنوں سے گنتی (پوری)
کی جائے۔ اللہ تمھارے لیے آسانی چاہتا ہے اور تمھارے
لیے تنگی نہیں چاہتا اور کہ تم گنتی کو پورا کرو اور اللہ کی بڑائی
کرو اس لیے کہ اس نے تمھیں ہدایت کی اور تاکہ تم
شکر کرو۔
اور جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو میں قریب
ہوں میں دعا کرنے والے کی دعا کو جب وہ مجھے پکارتا ہے قبول کرتا ہوں
پس چاہیے کہ میری فرمانبرداری کریں اور چاہیے کہ مجھ پر ایمان لائیں تاکہ ہدایت پائیں۔[2]
تمھارے لیے روزوں کی رات میں اپنی عورتوں کی طرف رغبت کرنا
حلال کیا گیا ہے وہ تمھارے لیے لباس ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو

ایسے لوگوں کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ فدیہ دے دیا کریں۔ چنانچہ بخاری میں ہے کہ حضرت انسؓ جب بہت بوڑھے ہوگئے تو روزہ کی بجائے فدیہ دے دیا کرتے تھے۔ اگلے الفاظ تَطَوَّعَ خَيْرًا میں بتایا ہے کہ روزہ رکھنا تکلف سے نیکی اختیار کرنا ہے اور یہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ اس سے نیکی کی قوت ترقی پکڑتی ہے۔

نمبر ۱۔ قرآن کا نزول ماہِ رمضان میں ہوا (یعنی پہلی وحی یا ابتدا اسی ماہ میں لیلۃ القدر میں ہوئی) اور الفاظ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ سے ان مقامات کو خارج کر دیا جہاں دن بہت لمبے ہونے کی وجہ سے مہینوں کی یہ تقسیم باقی نہیں رہتی اور کئی کئی دنوں تک یا کئی کئی مہینوں تک سورج غروب نہیں ہوتا یا نکلتا نہیں۔ کیونکہ وہاں وہ مہینہ ہی نہیں اور جہاں اٹھارہ بیس گھنٹے کا دن ہے وہاں روزہ رکھنا مشکل بھی نہیں۔ اس لیے کہ ایسے مقامات سرد ہوتے ہیں۔

نمبر ۲۔ اس آیت کو جس میں قربِ الٰہی کا ذکر ہے، رمضان کے احکام میں لانے میں یہ اشارہ ہے کہ رمضان میں قربِ الٰہی کی راہیں بہت کھل جاتی ہیں۔ اس کا طریق یہ بتایا کہ دعا کرو تو میرا قرب مل سکتا ہے۔ گویا یہی مہینہ مسلمان کے لیے مجاہدات کا مہینہ ہے۔ جس کے اندر تزکیہ نفس ہو کر اللہ تعالےٰ کا قرب حاصل ہو سکتا ہے۔ فی الواقع فطرتِ انسانی جب صفائی پر ہوتی ہے اور روزہ سے اس میں صفائی ضرور آتی ہے تو اس کے اندر یہ تڑپ پیدا ہوتی ہے کہ قربِ الٰہی کو حاصل کرے۔ اس قرب کو حاصل کرنے کے لیے بتایا کہ نرے روزے سے ہی نہیں بلکہ پھر دعا بھی ساتھ کرو۔

اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ
عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ
وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا
حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ
الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى
الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ
فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾
وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا
بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ
النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ ع
يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ

اللہ جانتا ہے کہ تم اپنی جانوں کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے سو اس
نے تم پر رجوع برحمت کیا اور تم کو معاف کیا پس اب ان سے میل جول
کرو اور جو اللہ نے تمہارے لیے مقرر کیا ہے چاہو[۱] اور کھاؤ اور پیو
یہاں تک کہ تمہارے لیے صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے
الگ ہو جائے پھر رات تک روزے کو پورا کرو[۲]۔ اور جب تم مسجدوں
میں اعتکاف میں ہو تو اُن سے میل جول نہ کرو[۳]۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں پس
تم ان کے قریب مت جاؤ۔ اس طرح اللہ اپنی باتیں لوگوں کے لیے
کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ تقویٰ کریں۔
اور اپنے مالوں کو آپس میں ناجائز طور پر نہ کھاؤ اور (نہ) ان کے
ذریعہ حاکموں تک پہنچو، تاکہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ گناہ کے
ساتھ کھا جاؤ، حالانکہ تم جانتے ہو[۴]۔
تجھ سے ہلالوں کے متعلق سوال کرتے ہیں[۵]۔ کہہ یہ لوگوں کے فائدہ

نمبر ۱۔ بخاری میں ہے کہ جب رمضان کے روزوں کا حکم نازل ہوا تو لوگ سارا مہینہ عورتوں کے پاس نہ جاتے تھے اور بعض روایتوں میں ہے کہ اگر سو جاتے تو پھر اس کے بعد کھانا پینا، عورتوں کے قریب جانا جائز نہ سمجھتے تھے۔
چونکہ بعض صحابہ کا یہ خیال تھا کہ روزہ میں رات کے وقت بھی بیوی کے پاس نہیں جانا چاہیے۔ گو ایسا کوئی حکم الٰہی نازل نہ ہوا تھا اور خواہش طبعی چاہتی تھی تو اس صورت میں اس تحریک خواہش کو اختیان کہا ہے۔ اس حکم سے ایک غلط خیال کی تردید ہوئی۔ توبہ اور عفو کا لفظ عام ہیں۔ ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پہلے کوئی فعل خلاف حکم الٰہی ہو چکا ہے۔ ایک سہل حکم اللہ تعالےٰ کی طرف سے رجوع برحمت ہے اور ایک سختی جو خود لازم کر لی گئی تھی اس کا دُور کرنا عفو ہے۔

نمبر ۲۔ یہاں روزہ کی حدود بیان کی ہیں۔ صبح صادق کے نمودار ہونے تک کھانا پینا جائز ہے اور آفتاب غروب ہوتے ہی افطار کر دینا چاہیے۔ سحری کے وقت میں حتی الوسع تاخیر کی اور افطار میں تعجیل کی تاکید آئی ہے۔

نمبر ۳۔ اعتکاف کے لیے رمضان کا آخری عشرہ مخصوص ہے۔ اسی میں لیلۃ القدر بھی ہے۔

نمبر ۴۔ اس حکم کو رمضان کے حکم کے ساتھ لانے کا منشا یہ ہے کہ جب تم میں یہ قوت پیدا ہو گئی کہ تم اللہ تعالےٰ کی رضا کے لیے حلال چیزوں کو بھی جب وہ ترک کرنے کا حکم دے ترک کر دیتے ہو تو حرام اور باطل کو ترک کرنا کس قدر آسان ہے۔

نمبر ۵۔ یہ سوال خاص مہینوں یا ہلالوں کے متعلق ہے۔ جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے ھی مواقیت للناس والحج اور یہ خاص مہینے رمضان کے اختتام کے ساتھ ہی شروع ہو جاتے ہیں۔ یعنی شوال، ذیقعد اور دس دن ذی الحج کے۔ یہ حج کے مہینے ہیں۔ چونکہ حج کے مہینوں میں دو مہینے حرمت والے بھی ہیں ان کا ذکر بھی ساتھ ہی کر دیا۔ حرمت کے مہینے کل چار ہیں یعنی محرم۔ رجب۔ ذیقعد۔ ذی الحج۔ عرب میں ان ایام میں جنگ بالکل بند ہو جاتی تھی، راستے کھل جاتے تھے، تجارتیں شروع ہو جاتی تھیں۔ اسی رعایت سے مواقیت للناس فرمایا یعنی لوگوں کی بھلائی کے لیے اوقات مقررہ۔ ویسے تو سبھی مہینے لوگوں کے لیے وقت مقرر ہیں۔

لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا	کے لیے اور حج کے لیے مقرر وقت ہیں۔ اور یہ بڑی نیکی نہیں کہ تم
الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ	گھروں میں ان کے پچھواڑوں سے آؤ، لیکن بڑا نیک وہ ہے جو
وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ	تقویٰ اختیار کرتا ہے اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ۔
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۱۸۹	اور اللہ کا تقویٰ کرو تاکہ تم کامیاب ہو[۱]۔
وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا	اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں
تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۱۹۰	اور زیادتی نہ کرو، اللہ زیادتی کرنے والوں سے پیار نہیں کرتا[۲]۔
وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ	اور جہاں اُن کو پاؤ مارو اور انھیں نکال دو جہاں سے انھوں نے تمھیں
مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ	نکالا ہے اور فتنہ قتل سے بڑھ کر سخت ہے[۳] اور مسجد حرام کے قریب
الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	ان سے جنگ نہ کرو جب تک کہ وہ اس کے اندر تمھارے ساتھ جنگ
حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ	نہ کریں پھر اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تم ان کو مارو۔ کافروں
كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۹۱	کی یہی سزا ہے۔
فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۹۲	پھر اگر وہ رک جائیں تو اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے[۴]۔

نمبر۱۔ اہلِ عرب میں یہ رواج تھا کہ جب کوئی شخص کسی مقصد کو سامنے رکھ لیتا اور اس کا حاصل کرنا مشکل ہوتا تو وہ ایک سال تک گھر کے پچھواڑے کی طرف سے داخل ہوتا اور اس کو کامیابی کا ذریعہ سمجھتا۔ مسلمانوں کو بتایا ہے کہ تمھاری کامیابی کا مدار ایسی توہم پرستیوں پر نہیں، بلکہ تقویٰ پر ہے۔ بعض کے نزدیک دروازہ سے داخل ہونا سیدھی راہ اختیار کرنے سے اور پچھواڑے کی طرف سے آنا سیدھی راہ سے انحراف کرنے سے کنایہ ہے۔

نمبر۲۔ یہاں حکم فی سبیل اللہ جنگ کرنے کا ہے۔ فتوحاتِ ملکی کے لیے یہ جنگ نہیں۔ حفاظتِ قومی کے لیے بھی نہیں بلکہ اس لیے کہ اللہ کا نام یہ کافر مٹا دیں اور مسلمانوں کو خدا کی عبادت سے جو خدا تک پہنچنے کا ذریعہ ہے نہ روکیں۔ دوسری جگہ اسی جنگ کی غرض کو یوں بیان کیا ہے ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدمت صوامع وبیع وصلوٰت ومساجد (الحج ۲۲: ۴۰) اگر اللہ بعض لوگوں (یعنی کفار) کو بعض (یعنی مسلمانوں) کے ذریعہ سے نہ روک دیتا تو راہبوں کی کوٹھڑیاں اور گرجا گھر اور دیگر مذاہب کے عبادت خانے اور مسجدیں سب ویران کر دی جاتیں اور یوں اللہ کا ذکر دنیا سے مٹا دیا جاتا۔ پس اسی مذہبی آزادی اور امن کا قائم کرنا ہی جنگ فی سبیل اللہ ہے اور اسلامی جنگ کی پہلی شرط بھی ہے۔

دو اور شرائط بھی لگا دی ہیں۔ ایک یہ کہ ان لوگوں سے جنگ کرو جو تمھارے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔ جو فی الواقع جنگ میں شامل نہ ہوں یا جو جنگ میں ابتدا نہ کریں ان سے جنگ کرنے کی اجازت نہیں اور دوسرے یہ کہ حد سے نہ بڑھو۔ یعنی حالتِ جنگ میں اپنے حق سے یا ضرورتِ جنگ سے تجاوز نہ کیا جائے۔ خوامخواہ اتلافِ جان و مال نہ ہو۔ جہاں کہیں قرآن شریف میں کسی قوم سے قتال کا حکم یا اجازت ہے وہ انھیں تین شرائط کے ماتحت ہے اور بغیر اس کے جائز نہیں۔

نمبر۳۔ واقتلوھم میں ضمیر انہی لوگوں کی طرف جاتی ہے جن کا پیچھے ذکر ہے یعنی الذین یقاتلونکم وہ لوگ جو تم سے جنگ کرتے ہیں ان کو جہاں پاؤ مارو۔ یہ نہیں کہ کسی غیر مسلم کو جہاں پاؤ مارو۔ فتنہ کے معنے دُکھ اور تکلیف ہیں اور مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کو اسلام لانے کی وجہ سے جو ایذائیں دی جاتی ہیں وہ قتل سے بڑھ کر ہیں۔

نمبر۴۔ اس آیت میں اور اس سے اگلی آیت میں دونوں جگہ کافروں کے رک جانے کا ذکر ہے۔ یہاں چونکہ رُکنے کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے غفور رحیم

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

اور ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کے لیے ہو پھر اگر وہ رُک جائیں تو سزا ظالموں کے سوائے اور کسی کے لیے نہیں۔[1]

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینے کے بدلے ہے اور تمام حرمت والی چیزوں میں بدلہ ہے پس جو کوئی تم پر زیادتی کرے تم اس کو اسی کے مطابق سزا دو جو اس نے تم پر زیادتی کی ہے[2] اور اللہ کے تقوے پر رہو اور جان لو کہ اللہ ان کے ساتھ ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔

وَاَنْفِقُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ ۖ وَاَحْسِنُوْا ۛ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾ ع

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو اور احسان کرو۔ اللہ احسان کرنے والوں سے پیار کرتا ہے[3]۔

کا ذکر ہے اس لیے مراد کفر سے باز آنا ہے۔ اس کے ساتھ ہی جنگ رُک جاتی تھی۔ اگلی آیت میں چونکہ مسلمانوں کو دُکھ دینے اور ظالموں کی سزا کا ذکر ہے اس لیے مراد مسلمانوں کو دُکھ دینے سے رُکنا ہے۔

نمبر۱۔ قاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ان سے جنگ کرو۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو دین کی وجہ سے دُکھ نہ دیا جائے ویکون الدین للہ سے یہ غلط نتیجہ نکالا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اسلام ہی اسلام ملک میں ہو۔ یہ معنی اوّل تو خود لاتکون فتنۃ کے خلاف ہیں اور دوسرے قرآن شریف کی ان آیات کے بھی خلاف ہیں جن میں کفار سے صلح کر لینے کا حکم ہے وان جنحوا للسلم فاجنح لھا (الانفال ۸ - ۶۱) پھر نبی کریم صلعم کے عمل کے خلاف ہیں کہ آپ نے اس وقت تک جنگ نہیں کی کہ اسلام ہی اسلام ہو۔ صلح حدیبیہ میں کفار کی پیش کردہ شرائط پر صلح کی، یہاں تک کہ جو کافروں میں سے مسلمان ہو کر آپ کے پاس آئیں۔ ان کو واپس کر دینا منظور کیا۔ پھر فتح مکہ میں اہل مکہ کو حالتِ کفر پر چھوڑ کر معاف کر دیا۔ حتیٰ کہ کفر کی حالت میں ان سے بعض لوگ مسلمانوں کے ساتھ مل کر دوسری قوموں کے ساتھ جنگ کرتے رہے۔ پھر آپ کے پاس نویں اور دسویں سال ہجرت میں وفد پر وفد مشرکوں کے آتے تھے۔ اگر مشرکوں سے جنگ کا حکم ہوتا تو یہ لوگ کس طرح حالتِ شرک میں رہ کر مدینہ آ سکتے تھے۔

یکون الدین للہ کے معنی صاف ہیں دین اللہ کے لیے ہو۔ جب دین کے لیے کوئی دُکھ دینے والا نہ ہو تو دین اللہ کے لیے ہوگا۔ یہی معنی لھدمت صوامع الآیہ میں ہیں کہ جنگ کی غرض دنیا میں مذہبی آزادی کا قائم کرنا ہے اور یہی معنی لا اکراہ فی الدین کے ہیں دین میں کوئی جبر نہیں۔ دوسری جگہ ہے ویکون الدین کلہ للہ۔ یعنی تمام مذاہب کو آزادی حاصل ہو۔

نمبر۲۔ اعتداء کے اصل معنی مجاوزۃ الحق ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ جب دشمن نے حق سے تجاوز کیا ہے تو اب اس کے خلاف کارروائی حق سے تجاوز نہیں بلکہ عین حق ہے اس لیے دوسرے اعتداء کے معنی مجازاۃ عدوان ہیں یعنی زیادتی کا بدلہ یا اس کی سزا۔ اور یہ اسی کے مطابق ہے جو جزاء سیئۃ کو قرآن کریم نے خود سیئۃ کہا ہے حالانکہ سزا فی الواقع برائی نہیں ہے۔

نمبر۳۔ اپنے ہاتھوں سے اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو۔ بخاری میں ہے کہ یہ آیت خرچ کرنے کے بارے میں نازل ہوئی۔ پس مراد اس سے یہ ہوئی کہ خدا کی راہ میں خرچ کرو گے تو ہلاکت سے بچو گے۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا قول اسی کی تائید میں منقول ہے۔ آپ نے فرمایا ہلاکت اس میں تھی کہ ایک شخص اپنے اہل اور مال میں بیٹھا رہے اور جہاد کو ترک کر دے۔

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ
فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَ لَا تَحْلِقُوْا
رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ
فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ
رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ
اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ٚ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ
اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ
لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ
سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ
ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ ع

اور حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو، پھر اگر تم روکے جاؤ
تو جو کچھ قربانی آسانی سے میسر آئے کرو اور اپنے سروں کو نہ
منڈواؤ، یہاں تک کہ قربانی اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائے۔ پھر جو
کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ دکھ ہو تو اس کا فدیہ
روزوں سے یا صدقہ سے یا قربانی سے دے۔ پھر جب تم
امن میں ہو تو جو کوئی حج کے ساتھ عمرہ کا فائدہ اٹھائے تو جو قربانی
آسانی سے میسر آئے کر دے اور جو نہ پائے تو تین دن کے روزے
حج میں رکھے اور سات، جب تم لوٹ کر آؤ۔ یہ پورے دس
ہیں۔ یہ اس کے لیے ہے جس کے اہل
مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں اور اللہ
کے تقویٰ پر رہو اور جان لو کہ اللہ (بدی کی) سزا
دینے میں سخت ہے[1]۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ
الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ ۙ وَ لَا جِدَالَ
فِي الْحَجِّ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ

حج کے معلوم مہینے ہیں، پس جس نے ان میں اپنے اوپر حج
لازم کر لیا تو حج میں نہ فحش کلام اور نہ گالی گلوچ اور نہ کوئی
جھگڑا ہو[2]۔ اور جو کچھ نیکی تم کرتے ہو، اللہ اُسے جانتا ہے اور

نمبر۱۔ حج تین طرح پر ہے۔ افراد۔ قرآن۔ تمتع۔ افراد یہ ہے کہ حج اور عمرہ علٰحدہ علٰحدہ کرے۔ مثلاً حج کے بعد عمرہ کے لیے احرام باندھے یا حج کے مہینوں سے پہلے عمرہ کرلے اور پھر اسی سال حج کے مہینوں میں حج کرے۔ قرآن یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ اور حج کی اکٹھی نیت کرے اور دونوں کے لیے احرام باندھے اور جب تک دونوں نہ کرلے احرام نہ کھولے۔ یا حج کے مہینوں میں عمرہ کے لیے احرام باندھے اور احرام کھولنے سے پہلے حج کو ساتھ ملائے اور تمتع یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں عمرہ کے لیے احرام باندھے۔ پھر عمرہ کرکے احرام کھول دے اور حج کے دنوں میں حج کے لیے احرام باندھے۔ گویا یوں عمرہ کو ساتھ ملا کر انسان فائدہ اٹھا لیتا ہے۔ اس کے لیے فدیہ قربانی یا دس روزے قرار دیے اور حج اور عمرہ میں فرق یہ ہے کہ حج کے لیے ایک ہی وقت مقرر ہے۔ عمرہ جب کوئی چاہے کرسکتا ہے اور حج میں میدانِ عرفات میں اجتماع ہوتا ہے، عمرہ میں نہیں۔ گویا حج بطور فرض ہے اور عمرہ بطور نفل۔

نمبر۲۔ حج کے مہینے مشہور ہیں۔ شوال۔ ذیقعد اور دس دن ذی الحج کے۔ حج کا احرام صرف انہی دو ماہ اور دس دن میں باندھا جاسکتا ہے۔ لیکن حج کرنے کے دن صرف آٹھویں ذی الحج سے شروع ہوتے ہیں۔ حج میں تین باتوں سے خصوصیت سے روکا ہے۔ ایسی کلام سے جو مرد و عورت کے تعلقات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ گالی دینے سے۔ جھگڑا کرنے سے۔ اوّل میں یہ اشارہ ہے کہ خدا کی محبت کے سامنے اور کسی کی محبت کا نام نہ لیا جائے۔ دوسرے میں یہ کہ مساواتِ انسانی اعلیٰ درجہ پر قائم ہو۔ تیسرے میں یہ کہ اطمینانِ قلب جو روحانیت کا بلند ترمقام ہے کامل طور پر حاصل ہو۔

اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫
وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾

زاد (راہ) لے لیا کرو البتہ بہترین توشہ تقویٰ ہے۔ اور اے عقل والو میرا تقوےٰ اختیار کرو۔[1]

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ
رَّبِّكُمْ ۭ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ
عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ
وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿١٩٨﴾

تم پر کوئی گناہ نہیں کہ اپنے رب سے فضل کی طلب میں لگو۔[2] پھر جب تم عرفات سے نکلو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو اور اسے یاد کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت دی اور گو اس سے پہلے تم یقیناً گمراہوں میں سے تھے۔[3]

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ
اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٩٩﴾

پھر تم وہاں سے ہو کر چلو جہاں سے لوگ ہو کر چلتے ہیں اور اللہ کی حفاظت مانگو اللہ حفاظت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔[4]

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ
كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ۭ فَمِنَ
النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا
وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿٢٠٠﴾

پھر جب تم اپنے حج کے ارکان کو پورا کر لو تو اللہ کا ذکر کرو جس طرح تم اپنے بڑوں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بڑھ کر۔[5] پھر لوگوں میں سے کوئی کہتا ہے اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں (ہی) دیدے اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔

نمبر ۱۔ حج میں عاشقانہ رنگ تو سکھایا۔ مگر وہ امور جن کو بعض لوگوں نے عاشقانہ فعل تصور کر کے اختیار کیا تھا اور حقیقت میں وہ نقص تھے۔ ان سے روک بھی دیا۔ اہل یمن حج کرتے تو زادِ راہ نہ لیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم توکل ہیں بعض لوگ حالتِ احرام میں سفر خرچ کو پھینک دیتے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ یا سوال کرتے یا چوری یا کسی اور ناجائز ذریعہ سے مال لیتے۔ کیونکہ اس کے بغیر تو زندہ رہنا ناممکن تھا۔ اس لیے فرمایا کہ زادِ راہ ساتھ لے لیا کرو ورنہ کم از کم سوال تو کرنا پڑے گا۔ اس میں مسلمان کو اعلیٰ درجہ کی خودداری سکھائی ہے۔

نمبر ۲۔ فضل کی طلب سے مراد تجارت کرنا ہے۔ حج سے فراغت کے بعد تجارت کرنے کی اجازت ہے۔

نمبر ۳۔ عرفات اس میدان کا نام ہے جہاں یوم حج یعنی نویں ذی الحج کو تمام حاجی اکٹھے ہوتے ہیں۔ یہ مکہ سے بارہ[12] میل کے فاصلہ پر ہے۔ مشعر الحرام مزدلفہ کا نام ہے جہاں عرفات سے واپس ہو کر رات کاٹی جاتی ہے۔ یہاں مغرب اور عشاء کی نماز جمع کر کے پڑھی جاتی ہے۔

نمبر ۴۔ قریش اور کنانہ جو حُمس کے نام سے موسوم تھے۔ اپنے آپ کو دوسرے لوگوں سے ممتاز کرنے کے لیے میدانِ عرفات میں نہ جاتے تھے اور مزدلفہ سے واپس آجاتے تھے۔ ان امتیازات کو دور کر کے مساوات کو قائم کیا اور حکم دیا کہ سب لوگ عرفات میں جائیں اور وہاں سے لوٹیں۔

اس کے بعد استغفار کا ذکر ہے۔ بخاری میں اس کی تفسیر میں ہے واستغفروا اللّٰہ ان اللّٰہ غفور رحیم حتی ترموا الجمرۃ گویا رمی جمار یا کنکریوں کا پھینکنا اسی استغفار کے ذکر میں ہی آگیا اور یوں رمی جمار کی اصل حقیقت بتادی۔ کنکریں پھینکنے میں ایک مسلمان کی یہ تصویر دکھانا مقصود ہے کہ وہ بدی کے ساتھ کبھی صلح نہیں کر سکتا۔ کنکر یا پھینکنا بدی سے مقابلہ کی طرف اشارہ ہے۔

نمبر ۵۔ زمانۂ جاہلیت میں حج سے فارغ ہو کر لوگ میلے لگاتے اور ان میں اپنے اپنے باپ دادوں کی بڑائی کا ذکر کرتے۔ اس کی بجائے اللہ تعالےٰ کا ذکر سکھایا جو حقیقی ترقی کی راہ ہے۔ آج مسلمانوں کو بھی یہی فخر ہے کہ ہمارے بڑے بادشاہ یا سید تھے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾

اور کوئی ان میں سے کہتا ہے اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں (بھی) بھلائی دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا[1]۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

یہی ہیں جنھیں اس سے حصّہ ملے گا جو انھوں نے کمایا اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے[2]۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اور گنتی کے دنوں میں اللہ کو یاد کرو[3]۔ پھر جو کوئی جلدی کرکے دو دن میں چلا جائے اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو کوئی پیچھے رہے اس پر (بھی) کوئی گناہ نہیں (یہ) اس کے لیے ہے جو تقویٰ اختیار کرتا ہے اور اللہ کے تقوے پر رہو اور جان لو کہ تم اس کے حضور اکٹھے کیے جاؤ گے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَھُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾

اور لوگوں میں سے وہ (بھی) ہے کہ جس کی بات دنیا کی زندگی میں تجھے تعجب میں ڈالتی ہے اور وہ اللہ کو اس پر گواہ بناتا ہے جو اُس کے دل میں ہے اور وہ جھگڑا کرنے میں بہت سخت ہے[4]۔

وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾

اور جب حاکم بنتا ہے تو ملک میں کوشش کرتا ہے کہ اس میں فساد ڈالے اور کھیتی اور نسل کو ہلاک کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا[5]۔

نمبر۱۔ پہلی دُعا ان لوگوں کی ہے جن کی ہمتیں دُنیا تک محدود ہیں۔ خدا سے بھی کچھ مانگتے ہیں تو اس دنیا کی زندگی کے لیے ہی مانگتے ہیں۔ آج کل کی مہذب دُنیا کا یہ نقشہ ہے۔ مگر مسلمان کو اللہ تعالےٰ یہ تعلیم دیتا ہے کہ تم کو دین و دنیا دونوں کے کمال پر پہنچنا اپنے مدِّنظر رکھنا چاہیے۔ صرف ایک کا کمال مت چاہو۔

نمبر۲۔ یہ جو فرمایا کہ اللہ سریع الحساب ہے تو اس کا جلدی حساب لینا یہی ہے کہ جو فعل انسان کرتا ہے اس کا حساب ساتھ ساتھ ہی ہوتا جاتا ہے اور اس کو ایک کا حساب لینا دوسرے کے حساب لینے سے روکتا نہیں کہ ایک کے معاملہ میں تاخیر کرنی پڑے۔ یہاں صرف یہ معنی نہیں کہ قیامت کے دن حساب لینے میں اُسے بہت دیر نہ لگے گی، بلکہ اُسے دُنیا میں بھی دیر نہیں لگتی۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ الٰہی محاسبہ ہر آن جاری ہے۔ کوئی فعل نہیں مگر اس کا نتیجہ ساتھ ساتھ ہی پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ ہاں قیامت کے دن وہ محاسبہ جو بوجہ اپنی لطافت کے یہاں نظر نہیں آتا، کھُلے طور پر محسوس ہونے لگے گا، اسی کی طرف اشارہ ہے۔ ان الفاظ میں لقد کنت فی غفلۃ من ھذا فکشفنا عنك غطاءك فبصرك الیوم حدید (ق ۵۰ : ۲۲) یعنی نتائج تو ساتھ ساتھ ہی ظاہر ہو رہے تھے مگر اے انسان تو ان کی طرف سے غافل تھا۔ آج وہ غفلت کا پردہ ہم نے دُور کر دیا اور تیری نظر تیز ہوگئی۔ ان نتائج کو اب تُو دیکھ سکتا ہے۔

نمبر۳۔ اس سے مراد ایامِ تشریق ہیں یعنی ۱۱۔۱۲۔۱۳ ذی الحج۔

نمبر۴۔ اس مضمون کا تعلق پچھلے مضمون سے اس لحاظ سے ہے کہ پہلے ذکرِ جنگ کا تھا اور یہاں سمجھایا ہے کہ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ وہ باتیں تو چکنی چپڑی کرتے ہیں اور اپنے آپ کو نسلِ انسانی کا بڑا ہمدرد ظاہر کرتے ہیں لیکن دل میں ظلم اور فساد ہوتا ہے۔ گویا اسلام کے دشمنوں کا نقشہ کھینچا ہے۔

نمبر۵۔ بتایا ہے کہ حکومت کی اصل غرض زمین کو سرسبز و شاداب بنانا اور لوگوں کی بہی خواہی کرنا ہے۔ آج کل کی مہذب قومیں لفظوں میں بڑے

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَ لَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۲۰۶

اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ کا تقوےٰ اختیار کرو تو جھوٹی شیخی اسے گناہ میں لگا دیتی ہے سو اسکے لیے دوزخ بس ہے اور یقیناً وہ بُری جگہ ہے۔

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۲۰۷

اور لوگوں میں سے وہ (بھی) ہے جو اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو بیچ ڈالتا ہے اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۲۰۸

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم سارے کے سارے فرمانبرداری میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۰۹

پھر اگر تم اس کے بعد جو تمھارے پاس کھلے دلائل آ چکے پھسل جاؤ، تو جان لو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝۲۱۰ ع ۲۵

وہ کسی بات کے منتظر نہیں مگر یہ کہ اللہ[1] بادلوں کے سایوں میں اور فرشتے ان کے پاس آئیں اور معاملہ کا فیصلہ کر دیا جائے اور سب کام اللہ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں۔

سَلْ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ؕ وَ مَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

بنی اسرائیل سے پوچھ کہ کس قدر کھلے نشان ہم نے ان کو دیے اور جو اللہ کی نعمت کو بدل دے اس کے بعد کہ وہ اس کے پاس

لیے چوڑے اصول باندھتی ہیں اور اپنے آپ کو نسلِ انسانی کا سچا بہی خواہ ظاہر کرتی ہیں، لیکن جب موقع ملتا ہے تو دوسری قوموں کو ذلیل کرنے میں اور ان کو انسانیت کی صفت سے محروم کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھتیں۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں نے قرآن پر توجہ نہ کی اور حکومت کی اصل غرض کو نظر انداز کر کے اس حالت پر پہنچے کہ حکومت اُن سے لے لی گئی کیونکہ وہ نفس پرست بن گئے اور قوم کی بہتری ان کی اصل غرض نہ رہی۔

نمبر ۱۔ اللہ کے آنے سے مراد اس کا خود آنا نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ آنے جانے سے پاک ہے۔ بلکہ اس کے آنے سے مراد اس کی اس سزا کا آنا ہے جس سے کفار کی کوششیں اسلام کے خلاف نیست و نابود ہو جائیں جیسے کہ سورہ الحشر میں ہے فاتٰهم الله من حيث لم يحتسبوا (الحشر ۵۹ - ۲) اللہ ان کے پاس ایسی طرف سے آیا جدھر سے ان کو گمان بھی نہ تھا۔ حالانکہ وہاں ذکر سزائے استیصال کا ہے۔ پس اللہ کے آنے سے مراد اس امر الٰہی کا آنا ہے جو ان کی مخالفت کا استیصالِ کلّی کر دے۔ ملائکہ کے آنے سے مراد بھی کفار پر عذاب کا آنا اور مومنوں کی نصرت ہی ہے۔ سورہ فرقان میں ہے يوم يرون الملٰئكة لا بشرٰى يومئذ للمجرمين (الفرقان ۲۵ - ۲۲) یعنی فرشتوں کا آنا تو مجرموں کی سزا کے لیے ہی ہوا کرتا ہے اور قرآن کریم میں ان تینوں لڑائیوں میں جن میں قریش کا مقابلہ رسول اللہ صلعم سے ہوا ہے ملائکہ کے آنے کا ذکر ہے جس میں یہی اشارہ ہے۔ پس ملائکہ کے آنے سے مراد کسی قدر ان کو سزا کا مل جانا یا ان کی تھوڑی مغلوبیت ہے اور اللہ کے آنے سے مراد ان کی مخالفت کا آخری استیصال ہے جو فتح مکہ میں ہوا اور ظلل من الغمام کے بڑھانے میں بھی اشارہ عذاب کی طرف ہے جو ان کے استیصال کا موجب ہے کیونکہ ظلل کا لفظ ظلة کی جمع ہے اور ان کا استعمال قرآن کریم میں عذاب کے موقعہ پر ہی ہوا ہے۔ دیکھو الزمر[۳۹]-۱۶۔ لقمان[۳۱]-۳۲۔ الشعراء[۲۶]-۱۸۹۔

مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢١١﴾
زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ
يَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ
اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ
مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢١٢﴾
كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۟ فَبَعَثَ اللّٰهُ
النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ
مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ
فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا
الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ
بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا

آگئی تو اللہ سخت سزا دینے والا ہے[1]۔
جو کافر ہیں ان کے لیے دنیا کی زندگی آراستہ کی گئی ہے اور وہ
اُن سے ہنسی کرتے ہیں جو ایمان لائے اور جو تقوےٰ کرتے ہیں۔ وہ
قیامت کے دن ان سے اوپر ہونگے اور اللہ جسے چاہتا ہے بےحساب
رزق دیتا ہے[2]۔
سب لوگ ایک ہی جماعت ہیں، پس اللہ نے نبیوں کو بھیجا خوشخبری
دینے والے اور ڈرانے والے اور ان کے ساتھ حق کے
ساتھ کتاب اتاری تاکہ لوگوں میں ان باتوں کا فیصلہ کرے جن
میں وہ باہم اختلاف کرتے تھے[3] اور جنھیں وہ (کتاب) دی
گئی تھی، انہی نے آپس کی ضد کی وجہ سے اس میں اختلاف کیا
اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی دلیلیں آچکی تھیں پس اللہ نے اپنے

نمبر ۱۔ کھلے نشان کیا تھے؟ اوّل وہ کھلی پیشگوئیاں جو آنحضرت صلعم کے ظہور کے متعلق اُن کی کتابوں میں تھیں اور جو خود ان میں مشہور چلی آتی تھیں۔ دوسرے نبی کریم صلعم کی صداقت کے نشان جو وہ خود دیکھ سکتے تھے کیونکہ یہ اہلِ کتاب تھے اور سنت انبیاء سے واقف تھے۔ اللہ کی نعمت اسلام ہے اور اس کے بدل دینے سے مراد اس کا انکار کرکے گمراہی کو اختیار کرنا ہے۔

نمبر ۲۔ کفّار کا مومنوں پر ہنسنا تحقیر کے رنگ میں تھا۔ اس لیے کہ انھوں نے دین کی خاطر دنیوی عزت مال۔ جائداد سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ جن کی نظر میں دُنیا کا مال ومتاع ہی سب کچھ ہو، وہ ایک قوم کو غربت کی حالت میں دیکھ کر کہاں ان کی عزت کرسکتے ہیں۔ اس لیے بھی ہنستے ہوں گے کہ مومنوں کے ساتھ بڑی بڑی فتوحات کے وعدے تھے اور یہاں حالت دگرگوں نظر آتی تھی۔

والذین اتقوا فوقھم یوم القیامۃ۔ اس بڑے دن جب سب حقائق آشکارا ہو جائیں گے۔ معلوم ہوگا کہ فوقیت مالِ دُنیا سے نہیں، بلکہ تقوٰی سے یعنی رعایت حقوق الہٰی وحقوق العباد سے ہے۔ صحیح اصول پر چلنے سے ہے۔ حق و انصاف کی پیروی کرنے سے ہے۔

نمبر ۳۔ بعض نے کہا پہلے سب لوگ نیک تھے، پھر اُن میں اختلاف شروع ہوئے جن کے مٹانے کو نبی آئے اور بعض نے کہا کہ پہلے سب گمراہی پر جمع تھے تب اللہ تعالےٰ نے نبی بھیج کر نیکوں کو بدوں سے الگ کر دیا۔ مگر یہ دونوں باتیں قرآن شریف کے خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالےٰ نے سلسلہ رشد وہدایت کا جو انبیاء کے ذریعہ سے قائم ہوتا ہے۔ آدمؑ کے ساتھ ہی شروع ہونا صاف الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ کان کا استعمال ایک شے کے وصف لازم کے لیے بھی ہوتا ہے اس طرح آیت کے معنی بالکل صاف ہو جاتے ہیں۔ سب لوگ ایک ہی جماعت ہیں اور اللہ تعالےٰ کا ان سے یکساں ہی معاملہ ہوتا رہا یعنی ان سب میں اللہ تعالےٰ نبی بھیجتا رہا اور پھر نبی کو اللہ تعالےٰ نے کتاب بھی دی تھی تاکہ وہ اس کے ذریعہ لوگوں کے باہمی اختلافوں کا فیصلہ کرے اور آیت کے پچھلے حصّہ میں فرمایا کہ نبیوں کے آنے کے بعد پھر لوگوں نے باہم اختلاف کیا یعنی ہر ایک نبی کی اُمّت اس پہلی حالت سے گر گئی اور انبیاء کے پیرو ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے۔ اس اختلاف کے فیصلہ کے لیے محمد رسُول اللہ صلعم کو مبعوث کیا گیا اور آپ پر ایمان لانے والوں کو صحیح راہ کی ہدایت دی گئی اور سب انسانوں کو ایک ہی سلسلۂ اخوت میں منسلک کرنے کی بنیاد رکھی گئی۔

اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ
يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٢١٣﴾
أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ
مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسَّتْهُمُ
الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ
الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ
اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿٢١٤﴾
يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۖ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ
مِنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ
وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا
مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢١٥﴾
كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ ۖ وَ
عَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ ۖ وَ
عَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ

حکم سے ان کو جو ایمان لائے اس حق کی طرف ہدایت دی جس میں لوگ
اختلاف کرتے تھے اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے رستہ کیطرف ہدایت کرتا ہے۔
کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تمھیں
اُن لوگوں کی سی حالت پیش نہیں آئی جو تم سے پہلے گزر چکے، ان کو
سختی اور دُکھ پہنچے اور خوب ہلائے گئے یہاں تک کہ رسول اور وہ
لوگ جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے بول اُٹھے کہ اللہ کی نصرت کب
آئے گی سنو اللہ کی نصرت قریب ہے[۱]۔
تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، کہہ جو کچھ بھی اچھے مال سے
خرچ کرو وہ ماں باپ اور قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور
مسافر کے لیے ہے اور جو کچھ بھی تم نیکی کرو گے، تو اللہ
اسے جانتا ہے[۲]۔
تم پر جنگ کرنی لکھی گئی اور وہ تم کو ناگوار ہے اور ہو سکتا ہے کہ
تمھیں ایک چیز ناگوار ہو حالانکہ وہ تمھارے لیے اچھی ہو[۳] اور ہو سکتا
ہے کہ تم ایک چیز کو پسند کرو اور وہ تمھارے لیے بُری ہو اور

نمبر ۱ جب بتایا کہ یہ کتنا بڑا کام تم مسلمانوں کے سپرد کیا گیا ہے کہ کل دنیا کے اختلافات کو دُور کرو۔ تو یہ بھی بیان کر دیا کہ حق کا دُنیا میں قائم کرنا کس قدر مشکل کام ہے اور کس قدر دُکھوں کا سامنا ہے۔ چھوٹے پیمانے پر حق قائم کرنے کے لیے بھی کیا کیا مصائب اُٹھانے پڑے تو اب اس عظیم الشان امر کے قیام کے لیے کن کن تکالیف کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ مصائب ہی کامیابی کی کنجی ہیں۔ ان میں پڑنے کے بغیر انسان پختہ نہیں ہوتا۔

سوال تھا جنت میں داخل ہونے کے متعلق اور جواب میں فرمایا کہ اللہ کی نصرت قریب ہے پس مومنوں کے لیے جب خدا کی نصرت آتی ہے اور ان کو کامیاب کر کے منزل مقصود پر پہنچاتی ہے تو وہ بھی ان کے لیے ایک جنت ہی ہے۔

نمبر ۲۔ سوال تھا کیا خرچ کریں؟ اس کا جواب یہ دیا کہ جو کچھ بھی خرچ کرو وہ ماں باپ وغیرہ کے لیے ہی ہے۔ گویا فرمایا کہ جو کچھ خرچ کر سکتے ہو کرو۔ آخر یہ خرچ کرنا تمھارے اپنے لوگوں کی بھلائی کے لیے ہی ہے۔ یا تو یوں کہ انفاق کا پہلا مصرف والدین اور قریبیوں، یتیموں وغیرہ کی خبرگیری ہی ہے اور یا یوں کہ تمھارے بہت سے قریبی اور بہت سے ضعیف لوگ تمھارے جہاد پر مال خرچ کرنے سے مصائب سے باہر نکل آئیں گے۔ کیونکہ جو مسلمان بھاگ آئے تھے، ان کے عزیز واقربا ابھی مکہ میں کافروں کے تسلط میں ہی تھے۔

نمبر ۳۔ صحابہ کے پاک گروہ پر یہ الزام لگانے والے کہ لوٹ کی خاطر جنگ کرتے تھے۔ ان الفاظ پر غور کریں۔ لوٹ کی خاطر جنگ کرنے والوں کے لیے جنگ کا حکم خوشی کا موجب ہوتا نہ کہ ناگوار۔

ع يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢١٦﴾
يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ
قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَ اِخْرَاجُ
اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ الْفِتْنَةُ
اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ
حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ
وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ
هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي
الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢١٧﴾

اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

تجھ سے حرمت والے مہینہ کی نسبت پوچھتے ہیں (یعنی) اس میں لڑائی کی نسبت، کہہ دے اس میں جنگ کرنی بہت بُری ہے، اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے (روکنا) اور اس کے لوگوں کا اس سے نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بُرا ہے اور فتنہ قتل سے بڑھ کر بُرا ہے[۱] اور وہ تم سے ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تمھیں تمھارے دین سے لوٹا دیں اگر انھیں طاقت ہو[۲] اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھرے پھر مر جائے حالانکہ وہ کافر ہی ہو، سو یہی ہیں جن کے عمل دنیا اور آخرت میں کام نہ آئے۔ اور یہی آگ والے ہیں، وہ اسی میں رہیں گے۔[۳]

نمبر۱۔ یہاں چار حرمت والے مہینوں کا ذکر کیا اور بتایا کہ ان میں جنگ ممنوع ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ کافر جن کی طرف سے یہاں سوال ہوتا ہے خود سب حرمت والی چیزوں کی بے حرمتی کر چکے ہیں۔ اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکا، مسجد حرام سے روکا، بلکہ آخر کار مسلمانوں کو مسجد حرام سے نکال دیا۔ حالانکہ مسجد حرام کی حد میں ان کے ہاں امن کا دیا جانا ایک مسلّم امر تھا۔ ان سب باتوں کو لفظ فتنہ سے تعبیر کیا ہے۔

نمبر۲۔ معلوم ہوا کہ کافر مسلمانوں کے ساتھ اس لیے جنگ کرتے تھے کہ ان کو دینِ اسلام سے پھیر دیں۔ پہلے تکلیفیں دیں، پھر گھروں سے نکالا، آخر تلواریں لے کر کھڑے ہو گئے کہ اس کے زور سے مسلمانوں کو دین سے پھیر دیں گے۔ کس قدر خلافِ واقعہ اتہام ہے کہ مسلمان کافروں کو مسلمان بنانے کے لیے جنگ کرتے تھے۔

نمبر۳۔ یہاں مُرتد کے حالتِ کفر پر مرنے کا ذکر ہے نہ کہ اس کے قتل کرنے کا۔ سورہ مائدہ کی آیت ۵۴ میں بھی مُرتد کا ذکر ہے، مگر وہاں بھی اس کو قتل کرنے کا حکم نہیں۔ نہ قرآن کریم میں کسی دوسری جگہ قتلِ مرتد کا حکم ہے۔ آنحضرتؐ کے عمل سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ کی زندگی میں ایک ہی واقعہ قتلِ مُرتد کا ہے۔ یعنی عکل اور عرینہ کے چند لوگ جنھوں نے آپ کے پاس آکر اظہارِ اسلام کیا، پھر بیمار ہو گئے تو آپ نے انھیں کھلے میدان میں بھیج دیا، جہاں بیت المال کے اونٹ تھے۔ انھوں نے چرواہوں کو مار ڈالا، مال چُرا لیا، عورتوں کی بے حرمتی کی۔ ایسے لوگوں کو سزا دینا اُن کے ارتداد کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ان کے قتل اور ڈاکہ کے جُرم کی وجہ سے تھا۔ صلح حدیبیہ میں آنحضرت صلعم نے یہ شرط قبول کی تھی کہ کوئی مسلمان کفار سے جا ملے تو وہ واپس نہیں کیا جائے گا۔ اگر قرآن میں مُرتد کی سزا قتل ہوتی تو آپ اس کے خلاف شرط کبھی قبول نہ کرتے۔ رہی حدیث من بدل دینہ فاقتلوہ سو اس سے فقہاء نے خود عورت کو مستثنیٰ کیا ہے، اس وجہ پر کہ وہ محارب نہیں جس سے صاف معلوم ہوا کہ اس حدیث کا منشاء بھی مُرتد کو سزا دینا نہ تھا بلکہ محارب کو سزا دینا تھا۔ پس مرتد کے لیے سزائے قتل صحیح نہیں اور اسی طرح وہ احکام جو فقہاء نے اس پر متفرع کیے ہیں وہ بھی آج ان حالات میں جب مسلمان غیر مسلم سلطنتوں کے ماتحت ہیں درست نہیں۔ مثلاً یہ کہ مُرتد کے سارے حقوق زائل ہو جاتے ہیں۔ پھر اس پر یہ حکم متفرع کیا گیا کہ اس کا نکاح بھی باقی نہیں رہتا۔ اب انگریزی عدالتوں نے باقی فتویٰ کو تو حالاتِ ملکی کے لحاظ سے قبول نہیں کیا۔ یعنی مُرتد کے حقوق کو زائل نہیں کیا، مگر نکاح فسخ ہو جانے کو اس فتویٰ کی بناء پر مان لیا ہے۔ حالانکہ حالاتِ ملکی کے لحاظ سے دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں یا سارا فتویٰ مانا جائے یا سارا چھوڑا جائے اور چونکہ پہلی صورت پر عمل نہیں ہو سکتا۔ دوسری صورت اختیار کرنی چاہیے۔ مگر ہمارے علماء کی حالت بھی عجیب ہے۔ دیکھ رہے ہیں کہ کس طرح محض طلاق حاصل کرنے

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۱۸﴾	جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ حفاظت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔
یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَیْسِرِ ؕ قُلْ فِیْهِمَاۤ اِثْمٌ كَبِیْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَ اِثْمُهُمَاۤ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾	تجھ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ ان دونوں میں بڑی برائی ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں اور ان کی برائی ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے[۱] اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ جو کچھ (حاجت سے) بڑھ رہے[۲] اسی طرح اللہ تمہارے لیے کھول کر باتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم فکر کرو۔
فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰی ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ ؕ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۲۰﴾	دنیا اور آخرت میں۔ اور تجھ سے یتیموں کی نسبت پوچھتے ہیں کہہ ان کی اصلاح کرنا اچھا ہے اور اگر تم ان سے میل جول کرو تو تمہارے بھائی ہیں اور اللہ بگاڑنے والے کو اصلاح کرنے والے سے الگ پہچانتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں مشکل میں ڈالتا۔ اللہ غالب حکمت والا ہے[۳]۔

کے لیے آئے دن مسلمان عورتیں عیسائی ہو جاتی ہیں اور خاموش ہیں۔

نمبر ۱۔ شراب اور جوا مہذب قوموں کی اور بالخصوص عیسائی اقوام کی دو خطرناک بیماریاں ہیں اور ان کا علاج سوائے اسلام کے اور کسی مذہب نے نہیں کیا۔ آنحضرت صلعم کی قوت قدسی اس کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ وہ چیز جس کی خطرناک گرفت سے ایک انسان کا بچانا بھی مشکل ترین کام ہے۔ اس سے آپ نے آناً فاناً ایک قوم کی قوم اور ایک ملک کے ملک کو ایسا پاک کر دیا کہ شراب تو کیا وہ برتن بھی باقی نہ رہے جن میں شراب بنائی جاتی تھی۔ حالانکہ آپ کے ظہور کے وقت عرب کے ملک میں اس قدر کثرت سے شراب پی جاتی تھی کہ اس کی نظیر سوائے موجودہ زمانہ کے یورپ کے اور کہیں نہیں ملتی۔ ادھر حرمت شراب کے حکم کا نازل ہونا تھا، ادھر شراب مدینہ کی گلیوں میں بارش کے پانی کی طرح بہ رہی تھی۔ لوگ خارق عادت امور میں معجزات تلاش کرتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور کون سا اعجاز ہوگا، جس نے آن کی آن میں نسلِ انسانی کو اس خبیث چیز سے آزاد کر دیا۔ آج امریکہ بھی تیرہ سو سال بعد رسول اللہ صلعم کے اس فعل کی نقل کرنے لگا ہے مگر کہاں نبی کی قوتِ قدسی جو قوم کو پاک صاف کر دیتی ہے۔ کہاں دنیا دار دل کے ریزولیشن جن سے بچنے کے لیے طرح طرح کے حیلے ابھی سے نکالے جا رہے ہیں۔

ہاں یہ بھی سچ ہے کہ اسلام نے جو فطرتِ انسان کو پہچانتا ہے حرمت شراب کا حکم تدریجاً پہنچایا۔ حالانکہ اور کسی بدی کی بیخ کنی میں تدریج روا نہیں رکھی۔ چنانچہ اول یہ سمجھایا کہ اس میں کچھ فوائد تو ضرور ہیں، جن کی وجہ سے دنیا آج تک اس میں مبتلا رہی، مگر اس کا نقصان نفع سے بہت بڑھ کر ہے اور پھر فرمایا کہ نشہ کی حالت میں نماز میں مت آؤ اور بالآخر قطعی حکم سورہ مائدہ میں نازل فرمایا۔

نمبر ۲۔ یہاں عفو کے معنی امام راغبؒ نے مَا یَسْهُلُ اِنْفَاقُه کئے ہیں یعنی وہ چیز جس کا خرچ کرنا سہل ہو اور ابن عمرؓ اور اکثر مفسرین تابعین نے اس کے معنی کیے ہیں وہ مال جو تمہارے اہل کی حاجت سے زیادہ ہو اور ابن کثیر میں ہے کہ بعض نے اس کے معنی افضل اور اطیب مال کیے ہیں اور جوئے کی ناپاک کمائی کے مقابل پر یہ معنی نہایت موزوں ہیں۔

نمبر ۳۔ یتیموں سے مخالطت یہ ہے کہ ان کو کھانے پینے میں رہنے میں تجارت میں شریک کر لیا جائے۔ یہ اس لیے کہا گیا کہ دوسری طرف یتیم کے مال کی

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ښ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (۲۲۱)

وَيَسْــَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ ھُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْھُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّـوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (۲۲۲)

نِسَاۗؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ۭ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۲۳)

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا

اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں اور یقیناً ایک مومن لونڈی ایک مشرک (بی بی) سے بہتر ہے گو وہ تمھیں اچھی لگتی ہو اور مشرکوں کو (عورتیں) نکاح میں نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں اور یقیناً ایک مومن غلام مشرک (آزاد) سے بہتر ہے گو وہ تمھیں اچھا لگے۔ یہ آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے حکم سے جنت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور وہ اپنی باتیں لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں[1]۔

اور تجھ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ یہ ضرر (کی بات) ہے۔ پس حیض میں عورتوں سے الگ ہو اور ان کے نزدیک نہ جاؤ، یہاں تک کہ وہ صاف ہو جائیں پھر جب غسل کریں تو ان کے پاس جاؤ جس طرح تمھیں اللہ نے حکم دیا ہے۔ اللہ (اپنی طرف) رجوع کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے اور وہ پاکیزگی اختیار کرنیوالوں سے محبت رکھتا ہے[2]۔

تمھاری عورتیں تمھارے لیے کھیتی ہیں پس جب چاہو اپنی کھیتی میں جاؤ اور اپنے لیے (کچھ) آگے بھیجو اور اللہ کا تقوےٰ اختیار کرو، اور جان لو کہ تم اس سے ملنے والے ہو اور مومنوں کو خوش خبری دو[3]۔

اور اللہ کو اپنی قسموں کی آڑ نہ بناؤ کہ نیک سلوک اور تقوےٰ اور

حفاظت کی سخت تاکید تھی۔

نمبر۱۔ چونکہ شرک سے تمام بدیاں پیدا ہوتی ہیں، اس لیے اس سے کامل بیزاری کی تعلیم دی اور مشرکوں کے ساتھ تعلقات ازدواج کو منع کر دیا۔ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ دیکھو سورۃ مائدہ ۵۔

نمبر۲۔ یہاں سے اکتیسویں رکوع کے آخر تک حیض، طلاق اور بیوہ عورتوں کے متعلق مسائل کا ذکر ہے اور مسئلہ طلاق کا تعلق ایام ماہواری سے ہے کیونکہ ان ایام میں طلاق ناجائز ہے۔ اس لیے یہاں سے ابتدا کی، پھر طلاق کے مسائل بتائے، پھر بیوہ عورتوں کے۔ یہاں سوال ایام حیض میں مقاربت کا ہے جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے، اس لیے ھو اذی میں اشارہ مقاربت کی طرف ہے یعنی ایام حیض میں عورت سے مقاربت ضرر رساں ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ حیض خود ضرر رساں ہے۔

نمبر۳۔ عورت کو یہاں حرث سے تشبیہ دی ہے اور حرث زمین میں بیج ڈالنا اور اسے زراعت کے لیے تیار کرنا ہے۔ پس بتایا ہے کہ جس طرح دانے کی بقا زمین سے ہے، نوع انسانی کی بقا عورت سے ہے۔ جس طرح اچھی یا بری فصل کا انحصار زمین کے اچھا یا برا ہونے پر ہے، اسی طرح اولاد کی تربیت کا انحصار ماؤں پر ہے اور یہاں بالخصوص اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ مرد اور عورت کے تعلقات کا ایک عظیم الشان مقصود نسل انسانی کا بڑھانا ہے۔ پس اس مقصود کو مدنظر رکھتے ہوئے

وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٢٤﴾
لوگوں کے درمیان اصلاح نہ کروا[1] اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ
اللہ تمھاری بلا ارادہ قسموں پر تمھیں نہیں پکڑتا۔ لیکن وہ اس پر تمھیں پکڑتا

يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿٢٢٥﴾
ہے جو تمھارے دلوں نے کمایا ہے اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے[2]۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ
ان لوگوں کے لیے جو اپنی عورتوں کے حق نہ دینے کی قسم کھا لیتے ہیں چار ماہ کا

اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢٦﴾
انتظار ہے پھر اگر وہ رجوع کریں تو اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے[3]۔

وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٢٧﴾
اور اگر طلاق کا پختہ ارادہ کریں تو اللہ سننے والا جاننے والا ہے[4]۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۗ
اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو تین حیض تک انتظار میں رکھیں اور

وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ
ان کے لیے جائز نہیں کہ اسے چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کیا ہے

اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۗ
اگر وہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں[5] اور اس اثناء میں ان کے

جب چاہو مقاربت اختیار کرو۔ انّی کے معنے یہاں متی یعنی جب ہی ہیں۔ اُوپر چونکہ ایامِ حیض کا ذکر تھا اور بتایا تھا کہ ایامِ حیض میں مقاربت نقصان رساں ہے۔ بالخصوص عورت کے لیے۔ اس لیے فرمایا کہ ایسا کام نہ کرو جس سے نسلِ انسانی کی افزائش کی غرض کو نقصان پہنچتا ہے اور اگر جس طرح بھی معنے کیے جائیں تو بھی اس سے یہ مطلب نکالنا کہ خلاف وضع فطرتِ انسانی کوئی اجازت یہاں دی ہے بگڑے ہوئے دماغ کا کام ہے۔ جب اُوپر کی آیت میں یہ بھی کہہ دیا فاتوھن من حیث امرکم اللہ جس طرح تمھیں اللہ نے حکم دیا ہے اُس طرح اُن کے پاس جاؤ۔ اللہ کا حکم فطرتِ انسانی کی اقتضا کے مطابق ہے۔

نمبر ۱۔ طلاق کی ایک قسم عرب میں ایلاء کے نام سے مشہور تھی جس میں مرد قسم کھا لیتا کہ وہ عورت کے پاس نہیں جائے گا۔ چونکہ سب سے پہلے اسی قسم طلاق کا ذکر قرآن شریف نے کیا ہے، اس لیے تمہیداً قسم پر کچھ فرمایا اور اس قسم کو ان قسموں میں سے ایک قرار دے کر جن میں انسان ایک نیکی یا نگہداشت حقوق یا اصلاح کے کام سے رُک جاتا ہے اس سے روکا ہے اور ساتھ ہی ایک عام اور وسیع تعلیم دے دی ہے کہ کبھی اپنے آپ کو ایسے امر کا پابند نہ کرو، جس میں اچھے کام سے رُک جاؤ۔

نمبر ۲۔ لغو قسموں سے مراد وہ قسمیں ہیں جو انسان معمولی بات چیت میں عادت کے طور پر کھا لیتا ہے خلاف ان کے جو وہ قصد اور ارادہ سے کھاتا ہے اس دوسری قسم کے لیے کفارہ دینا ضروری ہے (المائدہ ۵ - ۸۹) مگر لغو قسم پر جو بے سوچے سمجھے کھائی جائے یہ سختی نہیں رکھی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ لغو قسمیں کھانے سے نہیں روکا و الذین ھم عن اللغو معرضون (المؤمنون ۲۳ - ۳) میں ہر لغو بات اور فعل سے روکا ہے اور خود قسم کی حفاظت کا ذکر دوسری جگہ ہے واحفظوا ایمانکم (المائدہ ۵ - ۸۹)۔

نمبر ۳۔ عرب میں یہ رواج تھا کہ جب کوئی آدمی کسی عورت کو نہ چاہتا اور یہ بھی پسند نہ کرتا کہ وہ کسی دوسرے سے نکاح کرے، تو قسم کھا لیتا کہ میں اُس کے قریب نہ جاؤں گا اور اس کی غرض صرف عورت کو دُکھ پہنچانا تھا۔ قرآن کریم نے اس سے روکا ہے اور اگر کوئی ایسا کرے تو چار ماہ کی مہلت دی ہے۔ اس عرصہ میں رجوع کر لے۔ چار ماہ گزرنے کے بعد طلاق واقع ہو جاتی ہے اور عورت بذریعہ حاکم خاوند کو مجبور کر سکتی ہے۔ جو خاوند یہ کہہ کر عورتوں کو معلقہ چھوڑ دیتے ہیں کہ نہ ہم رکھیں گے نہ چھوڑیں گے۔ گو وہ قسم نہ کھائیں مگر یہ حالت ایلاء سے ملتی ہے اور ایلاء کا حکم ان پر وارد ہونا چاہیے۔

نمبر ۴۔ اسلام نے طلاق کے مسئلہ کو صحیح بنیاد پر قائم کیا۔ نہ تو یہودیوں اور عربوں والی آزادی باقی رکھی نہ ہندوؤں اور عیسائیوں کی تنگی کو ممکن العمل قرار دیا اور ایک ایسے میانہ راہ کی ہدایت کی جس کی طرف آج خود ساری دُنیا کا رجحان ہو رہا ہے یعنی ایک طرف اگر طلاق کی اجازت دی تو دوسری طرف بہت سی قیود اور شرائط کے ماتحت اسے کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے اصل منشاء کو سمجھ کر فرمایا ابغض الحلال الی اللہ الطلاق تمام حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسند چیز خدا کو طلاق ہے۔ یہ الفاظ ہر ایک مسلمان کے لیے سوائے اشد ضرورت کے کافی روک ہیں۔

نمبر ۵۔ یہ انتظار عدت کہلاتا ہے اور غرض اس کی یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو اس عرصہ میں میاں بیوی میں اصلاح ہو جائے۔ دوسری غرض یہ ہے کہ حمل ہو تو وہ ظاہر

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا
اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠
وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٢٨﴾ ع
اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ
بِاِحْسَانٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ
اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـــًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ
اللّٰهِ ۭ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ۭ تِلْكَ
حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ
حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٢٩﴾

خاوند اُن کو واپس لینے کے زیادہ حقدار ہیں اگر وہ اصلاح چاہیں[١] اور
ان کے لیے پسندیدہ طور پر (حقوق) ہیں جیسے ان پر (حقوق) ہیں اور مردوں
کو ان پر ایک فضیلت ہے[٢] اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔
(یہ) طلاق دو دفعہ ہے پھر پسندیدہ طور سے رکھنا یا حسن سلوک کے ساتھ
رخصت کرنا ہے[٣] اور تمھارے لیے جائز نہیں کہ تم اس (مال) سے کچھ لو جو تم نے
انھیں دیا ہے سوائے اس کے کہ دونوں کو ڈر ہو کہ اللہ کی حدوں کو قائم
نہیں رکھ سکیں گے پس اگر تمھیں یہ ڈر ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدوں کو قائم نہیں
رکھ سکیں گے تو پھر ان پر اس میں کچھ گناہ نہیں جو عورت فدیہ میں دیدے[٤] یہ اللہ کی حدیں
ہیں۔ پس ان سے آگے نہ بڑھو۔ اور جو اللہ کی حدوں سے آگے
بڑھتے ہیں وہی ظالم ہیں۔

ہو جائے۔ یہ بھی طلاق پر ایک قید ہے۔

نمبر١۔ اس وقفہ عدت کے اندر اگر اصلاح چاہیں (اور اصلاح کا تو حکم ہے) تو خاوند اس بات کا حقدار ہے کہ بی بی کو اس کی طرف لوٹایا جائے۔ اس میں ہر ایک قسم کی جلد بازی کا جو طلاق کے معاملہ میں اختیار کی جا سکتی ہے علاج متصوّر ہے۔

نمبر٢۔ گویا بلحاظ حقوق مرد و عورت میں مساوات ہے۔ دوسری طرف مساوات حقوق سے ایک نقص پیدا ہوتا تھا کہ پھر امورِ خانگی میں نظم کیوں کر قائم رہے کیونکہ کوئی نظم قائم نہیں ہو سکتا جب تک اس میں ایک کو دوسرے پر کچھ فوقیت نہ دی جائے۔ پس ساتھ ہی فرمایا کہ مردوں کو عورتوں پر ایک فوقیت بھی ہے۔ اگر سلسلۂ نظامِ عالم پر غور کیا جائے تو یہ صاف نظر آتا ہے کہ مرد کو عورت پر ایک فوقیت حاصل ہے۔ کیونکہ مرد میں قوت و شجاعت کا جوہر عورت سے بڑھ کر ہے اس لیے گھر کا نظام مرد سے قائم رہ سکتا ہے۔

نمبر٣۔ یعنی ایسی طلاق جس میں عدت کے اندر رجوع ہو سکتا ہے جیسا پچھلی آیت میں فرمایا۔ صرف دو دفعہ ہے یعنی ایک دفعہ طلاق دے، پھر عدت میں رجوع کر سکتا ہے۔ دوسری دفعہ پھر کبھی طلاق دے، پھر عدت میں رجوع کر سکتا ہے۔ تیسری دفعہ نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ طلاق دو یا تین دفعہ کہنے سے واقع ہوتی ہے۔ ایک دفعہ کہنا اور سو دفعہ کہنا یکساں ہے اور یہ جو تین طلاق کا رواج ہے، یہ ایام جاہلیت کا طریق تھا۔ آنحضرت صلعم کے سامنے کسی نے ایسا کیا تو آپ سخت ناراض ہوئے کہ قرآن کریم کے ساتھ ہنسی کرتے ہو۔ فقہاء بھی اسے طلاق بدعی کہتے ہیں، مگر اس سے روکتے نہیں۔ تین دفعہ اکٹھی طلاق کہنا ان آیات کے احکام کو باطل کرتا ہے۔ قرآن شریف میں یہی ہدایت ہے کہ طلاق کی ضرورت پیش آئے تو ایک دفعہ طلاق دو، پھر عدت شروع ہو جاتی ہے اور عدت کے اندر رجوع ہو سکتا ہے۔

نمبر٤۔ جس صورت طلاق کا ذکر یہاں ہے اُسے اصطلاح شرعی میں خلع کہتے ہیں۔ یعنی وہ صورت جہاں عورت طلاق حاصل کرنا چاہتی ہے مگر الفاظ یہ ہیں کہ دونوں حدود اللہ کو قائم نہیں رکھ سکتے۔ کیونکہ جب عورت کی طرف سے خواہش طلاق ہوگی تو یہ خطرہ ہے کہ مرد اس پر دباؤ ڈالنے کے لیے زیادتی کرے اور یوں گویا دونوں حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے۔ عورت طلاق حاصل کرنا چاہے تو اُسے قاضی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ وہ اگر دیکھے کہ خلع ہونا چاہیے تو خلع کرا دے۔ جمیلہ کی طلاق کے واقعہ سے جو صحیح حدیث میں ہے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو مرد سے طلاق حاصل کرنے کا حق نہ صرف اس صورت میں حاصل ہے کہ اس کے اخلاق پر وہ عیب لگا سکے یعنی وہ اُس سے بدسلوکی کرتا ہو یا دین پر عیب لگا سکے۔ مثلاً جو زانی ہو یا فاسق فاجر ہو، بلکہ محض ناموافقت طبع کی وجہ پر بھی طلاق مل سکتی ہے۔

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى	پھر اگر وہ اسے تیسری بار طلاق دے تو وہ عورت اس کے بعد اس کے
تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ	لیے حلال نہیں یہاں تک وہ کسی دوسرے خاوند سے نکاح کرے پھر اگر وہ اسے طلاق
عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا	دیدے تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں اگر وہ ایک دوسرے کی طرف رجوع کریں
حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا	اگر ان کو یقین ہو کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھیں گے اور یہ اللہ کی حدیں ہیں
لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾	وہ انھیں ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں[1]۔
وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ	اور جب تم عورتوں کو طلاق دو پھر وہ اپنی میعاد کو پہنچنے لگیں تو یا
فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ	انھیں اچھی طرح رکھو یا حُسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دو اور
بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ	اُن کو دُکھ دینے کے لیے نہ روک رکھو تاکہ تم زیادتی کرو۔
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا	اور جو ایسا کرتا ہے وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ اور اللہ کی
تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ؗ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ	باتوں سے ہنسی نہ کرو اور اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہے، یاد
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ	کرو اور اس کو بھی جو تم پر کتاب اور حکمت اتاری جس کے ساتھ
وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا	تمھیں نصیحت کرتا ہے اور اللہ کا تقوےٰ اختیار کرو اور جان لو
اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾	کہ اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے[2]۔
وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ	اور جب تم عورتوں کو طلاق دو پھر وہ اپنی میعاد کو پہنچ جائیں، تو
فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ	انھیں (اس بات سے) مت روکو کہ وہ اپنے خاوندوں سے نکاح

نمبر ۱۔ ان الفاظ سے حلالہ کی لعنت کو جائز کیا گیا ہے جو (کہ) کبھی شخص بیوی پر ناراض ہوا، جھٹ تین طلاق کہہ دی۔ بعد میں پچھتایا تو مُلا صاحب نے حلالہ کا مسئلہ پیش کر دیا یعنی ایک رات کے لیے کسی دوسرے شخص سے ایک فرضی نکاح ہو جائے اور صبح کو وہ طلاق دے دے۔ حلالہ کی رسم بھی دراصل ایک جاہلیت کی رسم تھی اور حدیث میں صاف آتا ہے کہ رسُول اللہ صلعم نے حلالہ کرنے والے پر اور اس پر جس کے لیے حلالہ کیا گیا ہے لعنت کی ہے۔ آیت کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ دو دفعہ طلاق دے کر اگر عدت کے اندر رجوع کر چکا ہو، پھر تیسری دفعہ طلاق دے دے تو عدت کے اندر رجوع نہیں۔ ہاں وہی عورت کسی دوسری جگہ نکاح کرلے اور پھر اگر وہ خاوند بھی اسے طلاق دے دے تو پہلے خاوند سے نکاح ہو سکتا ہے۔

نمبر ۲۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ جہاں عورت کو دُکھ دینے کے لیے روک رکھنا ثابت ہو ان حالات میں قرآن شریف کے ماتحت قاضی طلاق دلوا سکتا ہے۔ کثرت سے ایسے واقعات ہیں کہ جن میں خاوند یہ کہہ کر عورتوں کو معلقہ چھوڑ دیتے ہیں کہ نہ ہم تمھیں طلاق دیں گے نہ بسائیں گے۔ یہ قرآن شریف کے ساتھ ہنسی ہے، جیسا کہ اس آیت میں صاف فرمایا۔ ہزارہا عورتیں اس مصیبت کے عالم میں ہیں کہ جنھیں خاوند نہ بساتے ہیں نہ چھوڑتے ہیں۔ پھر وہ تنگ آکر عیسائی ہو جاتی ہیں اور بعض علماء بھی فتویٰ دینے کو تیار ہو جاتے ہیں کہ اب نکاح فسخ ہو گیا۔ گویا عورتوں کو مُرتد ہوتا دیکھ کر خوش ہیں اور قرآن کریم کو پسِ پشت ڈال رہے ہیں۔ جن کی حالت یہ ہو کہ باہر کسی مسئلہ پر بحث کرتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں یوں ہو تو میری بیوی پر طلاق ہے۔ اُن سے اصلاح کی امید رکھنا عبث ہے۔

إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ
بِهِ مَن كَانَ مِنكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ
وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٢﴾
وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ
كَامِلَيْنِ ۖ لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ
وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ
بِالْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا
تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَّهُ
بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ ۗ فَإِنْ
أَرَادَا فِصَالًا عَن تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدتُّمْ أَن تَسْتَرْضِعُوا

کرلیں آپس میں پسندیدہ طور پر راضی ہوں۔ اس کے ساتھ تم میں
سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور آخرت کے
دن پر ایمان رکھتا ہے یہ تمھارے لیے بہت پاکیزہ اور بہت صفائی
(کی بات) ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے[1]۔
اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دُودھ پلائیں، اس
کے لیے جو دودھ پلانے کے زمانہ کو پورا کرنا چاہتا ہے
اور جس کا بچہ ہے اس پر اچھے طور پر ان کا کھانا اور ان کا
کپڑا ہے۔ کسی شخص پر بوجھ نہیں ڈالا جاتا مگر جہاں تک اس کی طاقت
ہے نہ ماں کو اپنے بچے کی وجہ سے تکلیف دی جائے اور نہ باپ کو
اپنے بچے کی وجہ سے اور وارث پر بھی ایسی ہی (ذمہ داری) ہے۔
پھر اگر وہ دونوں آپس کی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا
چاہیں تو اُن پر کوئی گناہ نہیں[2]، اور اگر تم چاہتے ہو کہ اپنی اولاد کے

نمبر ۱۔ جس طرح پہلی دو طلاق کے بعد عدت کے اندر رجوع کا حق حاصل ہے، اسی طرح عدت گزر جانے پر پھر اسی خاوند اور بیوی کا نکاح بھی جائز ہے چنانچہ یہی معنی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ یہ آیت ایسے شخص کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جو اپنی بیوی کو ایک بار یا دو بار طلاق دے چکا ہو پھر اس کی عدت گزر جائے، تب وہ یہ چاہے کہ پھر اُس سے نکاح کرے۔ صحیح بخاری میں معقل بن یسار کا واقعہ بھی اسی معنی کی وضاحت کرتا ہے۔ معقل کی ہمشیرہ کو اُس کے خاوند نے طلاق دے دی۔ جب اُس کی عدت گزر گئی تو پھر دوبارہ اُس سے نکاح کی خواہش ظاہر کی۔ معقل نے انکار کیا۔ پھر یہ آیت نازل ہُوئی تو معقل نے اپنی ہمشیرہ کا نکاح پہلے خاوند سے کر دیا، بیوی رضامند تھی۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ اکٹھی تین طلاقیں ناجائز ہیں، کیونکہ طلاق کے بعد جو میاں بیوی کو دوبارہ پھر نکاح کر لینے کی اجازت اس آیت سے ملتی ہے، وہ اکٹھی تین طلاقوں سے باطل ہو جاتی ہیں اور اس کو جواز کی اور اطلاء کہا تو یہ بھی ظاہر ہے کیونکہ اس کے خلاف کر کے حلالہ کا گند قبول کرنا پڑا۔

نمبر ۲۔ طلاق کے مسائل میں اولاد کو دودھ پلانے کا سوال بالخصوص پیدا ہوتا ہے۔ گو مسئلہ عام طور پر بیان کر دیا ہے۔ گو روٹی اور کپڑا بوجہ دودھ پلانے کے دینا صاف بتاتا ہے کہ اصل ذکر مطلقہ عورتوں کا ہی ہے۔ دودھ پلانے کی مدت دو سال بیان فرمائی۔ مگر یہ حکم نہیں کہ ضرور اس عمر تک دودھ پلایا جائے کیونکہ خود اس آیت میں ہی فرمایا کہ اگر دونوں چاہیں تو دو سال سے پہلے دودھ چھڑا دیں۔ جیسے کہ مجاہد سے یہ معنی مروی ہیں کہ دو سال کی مدت دودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ ہے اور دودھ پلانے سے جو حرمت رشتوں کی پیدا ہوتی ہے یہ اس کی میعاد ہے۔ دو سال سے زیادہ کے بچے کو دودھ پلانے سے حرمت پیدا نہیں ہوتی گویا ضمناً یہاں اس طرف اشارہ کر دیا ہے۔

اور دوسری جگہ جو فرمایا وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا جس میں حمل اور دودھ چھڑانے کی میعاد اڑھائی سال قرار دی ہے تو یہ اس کے خلاف نہیں۔ اس لیے کہ ادنیٰ مدتِ حمل چھ ماہ ہے اور اس لیے بھی کہ وہاں ماں کی تکلیف کا ذکر ہے اور حمل کا بوجھ چوتھے مہینہ میں ہی شروع ہوتا ہے لہذا یوں حمل کی تکلیف چھ ماہ اور دودھ پلانا دو سال، کُل اڑھائی سال ہُوئے۔

أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُم مَّا
آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا
أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٣﴾

لیے (اور) دودھ پلانے والی رکھ لو تو تم پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ جو تم نے دینا تھا عمدگی سے پورا دے دو اور اللہ کا تقوے[1] کرو اور جان لو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا
يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا ۖ
فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا
فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاللَّهُ بِمَا
تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿٢٣٤﴾

اور تم میں سے جو مر جائیں اور وہ عورتیں چھوڑ جائیں، وہ اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن انتظار میں رکھیں پھر جب وہ اپنی میعاد کو پہنچ جائیں تو اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں جو وہ اپنے حق میں پسندیدہ طریق پر کریں[2]۔ اور جو تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے خبردار ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ
خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ فِي أَنفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ
اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ
سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا
عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَ
اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنفُسِكُمْ
فَاحْذَرُوهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿٢٣٥﴾

اور اس کے لیے تم پر کوئی گناہ نہیں جو تم اشارۃً (بیوہ) عورتوں کو پیغامِ نکاح دو یا اپنے دلوں میں چھپائے رکھو اللہ جانتا ہے کہ تم ان کا خیال رکھو گے، لیکن ان سے خفیہ وعدہ مت کرو ہاں پسندیدہ بات بیشک کہو۔ اور نکاح کی گرہ کو پختہ مت کرو یہاں تک کہ مقرر کیا ہوا وقت اپنی انتہا کو پہنچ جائے اور جان لو کہ اللہ اسے جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے پس اس سے خبردار رہو اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا بردبار ہے[3]۔

لَّا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ
تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ

تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دیدو جب کہ تم نے ابھی ان کو چھوا نہ ہو، یا مہر مقرر نہ کیا ہو۔ اور ان کو کچھ سامان دو

نمبر۱۔ مراد یہ ہے کہ کسی دوسری دودھ پلانے والی کے رکھنے سے مطلقہ کے حقوق میں کوئی کمی نہ ہو یا اس کے مہر کا کوئی حصہ واپس نہ لیا جائے۔

نمبر۲۔ بیوہ کی عدت چار ماہ اور دس دن ہے لیکن حمل ہو تو اس کی عدت دوسری جگہ مذکور ہے اور وہ وضع حمل تک ہے، خواہ چار ماہ دس دن سے کم ہو یا زیادہ (الطلاق ۶۵-۴) اپنے بارہ میں پسندیدہ طریق سے کچھ کرنے سے مراد نکاح کی غرض سے زینت وغیرہ کرنا۔ یہاں بیوہ عورت کے نکاح کرنے کو امر معروف قرار دیا گیا ہے، جو مسلمان ہندوؤں کی طرح اس سے عار کرتے ہیں وہ قرآن کریم کے صریح حکم کے خلاف کرتے ہیں۔ فیما فعلن میں فعل کو خود ان کی طرف منسوب کرنے میں اشارہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے نکاح کی خود مختار ہیں۔

نمبر۳۔ مطلب یہ ہے کہ ظاہر لفظوں میں پیغام نہ دے کہ میں تم سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ البتہ ایسے لفظ کہہ دے جیسے یہ کہ تم جمیلہ ہو یا مرغوب ہو۔ جس سے اشارہ پایا جاتا ہو تو ہرج نہیں اور یہ حکم صرف ایامِ عدت کے لیے ہے۔ عدت کے اندر نہ صراحتاً نکاح کا ذکر کرنا جائز ہے نہ اس کا فیصلہ کرنا۔

عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا
بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٢٣٦﴾
وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ
وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا
فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ
بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا
اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ
بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٣٧﴾
حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۤ
وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿٢٣٨﴾
فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ

فراخی والا اپنی قدر کے موافق اور تنگ دست اپنی قدر کے مطابق اچھے
طریق پر نفع پہنچانا ہے یہ نیکی کرنے والوں پر ایک حق ہے[1]۔
اور اگر تم اُن کو طلاق دے دو اس سے پہلے کہ تم نے اُن
کو چھوا ہو، اور تم ان کے لیے مہر مقرر کر چکے ہو تو اُس کا
آدھا دے دو جو مقرر کیا ہو، مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں یا وہ
شخص جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے (اپنا حق) معاف
کر دے[2] اور یہ کہ تم (مرد) معاف کرو تقوےٰ سے بہت نزدیک
ہے اور آپس میں نیک سلوک کرنا نہ بھلاؤ جو تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے۔
تم اپنی نمازوں اور درمیانی نماز کی محافظت کرو اور اللہ کے فرمانبردار
بن کر کھڑے ہو جاؤ[3]۔
پھر اگر تم کو ڈر ہو تو پیدل یا سوار (جس طرح ہو نماز پڑھ لو)[4] پھر

نمبر ۱۔ یہاں اس حالت کا ذکر ہے جب میاں بیوی میں خلوت نہیں ہوئی بلکہ مہر بھی مقرر نہیں ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر مہر مقرر نہ ہوا ہو تو نکاح باطل نہیں ہوتا۔ البتہ خلوت سے پہلے مہر کا مقرر ہو جانا یا دیا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے جیسا کہ اگلی آیت میں ہے) اس صورت میں اگر طلاق دینے کی ضرورت پیش آئے تو مہر نہیں دیا جائے گا (اور عدت بھی کوئی نہیں جیسے دوسری جگہ مذکور ہے یعنی عورت کا نکاح دوسری جگہ فوراً طلاق کے بعد ہو سکتا ہے) لیکن ایسی صورت میں بھی کچھ سامان دینا ضروری ہے۔ وہ رقم حالات کے لحاظ سے ہوگی۔ امیر کے لیے زیادہ، غریب کے لیے کم۔ خواہ انسان خود دے دے یا حاکم مقرر کر دے۔ یہ محسنوں یا نیکی کرنے والوں پر بالخصوص ایک حق ہے اور گویا عورت کی دل شکنی کے لیے ایک معاوضہ ہے۔ لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ طلاق دینے سے بہت کثرت سے روکتے تھے، اس لیے لوگوں کو گمان ہوا کہ ایسی صورت میں تو طلاق ناجائز ہوگی، تو یہ آیت اُتری۔ کیونکہ فی الواقع حالات انسانی کے بے حد اختلافات میں ایسی ضرورت بھی پیش آ سکتی ہے۔

نمبر ۲۔ چونکہ طلاق دینے یا عقدہ نکاح کو کھولنے کا مجاز خاوند ہے، اس لیے اس سے مراد خاوند ہی ہے۔

نمبر ۳۔ اصل ذکر جنگ کا تھا اور طلاق کے مسائل بھی اسی ذیل میں آئے تھے اور یہاں بھی بالخصوص جنگ کی نماز کا ذکر ہے۔ جیسے اگلی آیت سے ظاہر ہے۔ الصلوٰۃ الوسطیٰ بخاری کی حدیث میں یہ لفظ رسول اللہ صلعم کی زبان سے نماز عصر کے لیے آئے ہیں پس وہی مراد ہے۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نمازیں پانچ ہیں کیونکہ صلوٰت جو جمع ہے تین یا زائد پر بولا جائے گا، مگر ایک نماز کے وسط میں ہونے کے لیے باقی تعداد جفت چاہیے یعنی کم از کم چار نمازیں اور ہونی چاہئیں۔

نمبر ۴۔ جب نماز کی حفاظت کے لیے تاکید فرمائی تو یہ بھی بتا دیا کہ نماز ترک کسی صورت میں نہیں ہو سکتی۔ یہاں تک کہ کسی قسم کا خوف ہو۔ دشمن کا خوف ہو یا کوئی اور مثلاً یہی کہ انسان ریل پر سوار ہے اور خوف ہے کہ اُتر کر نماز پڑھے تو ریل چلی جائے، تو فرمایا کہ حالتِ خوف میں بھی نماز ترک نہ کرو۔ یہاں تک کہ اگر انسان پیدل چل رہا ہے اور ٹھہرنے میں خوف ہے تو اسی حالت میں نماز پڑھ لے اور گھوڑے یا گاڑی یا کشتی یا ریل پر سوار ہے تو اسی حالت میں پڑھ لے۔ دشمن سے خوف کی حالت بھی یہاں آ جاتی ہے گو سورۃ النساء ۴-۱۰۱ میں دشمن کے فتنہ کا صریح الفاظ میں ذکر ہے مگر ان دونوں صورتوں میں فرق یہ ہے کہ وہاں پھر بھی جمع ہو کر نماز پڑھنے کی صورت باقی ہے۔ یہاں ایسی صورت نہیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ خوف اس سے بھی زیادہ ہے۔

أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ
تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۹﴾

جب امن میں ہو جاؤ تو اللہ کو یاد کرو جس طرح اس نے تمھیں سکھایا
جو تم نہیں جانتے تھے۔[۱]

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ
أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِم مَّتَاعًا إِلَى
الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ
مِن مَّعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۴۰﴾

اور تم میں سے جو مر جائیں اور وہ عورتیں چھوڑ جائیں، اپنی عورتوں
کے لیے وصیّت کر جائیں کہ ایک سال تک گھر سے نکالے
بغیر خرچ دیا جائے۔ پھر اگر وہ خود چلی جائیں تو تم پر اس
کا کوئی گناہ نہیں جو انھوں نے بھلائی سے اپنے حق میں کیا۔[۲]
اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا
عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۲۴۱﴾

اور طلاق دی ہوئی عورتوں کو پسندیدہ طور پر فائدہ پہنچانا چاہیے
یہ متقیوں پر ایک حق ہے۔

كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲۴۲﴾

اسی طرح اللہ اپنی باتیں تمھارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے
تاکہ تم سمجھو۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِمْ
وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ
اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو
فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ
النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۲۴۳﴾

کیا تو نے ان کے حال پر غور نہیں کیا جو موت کے ڈر سے
اپنے گھروں سے نکل پڑے اور وہ ہزاروں تھے۔ پس اللہ نے
ان کو فرمایا کہ تم مر جاؤ۔ پھر ان کو زندہ کیا یقیناً اللہ لوگوں پر
بڑے فضل کرنے والا ہے۔ لیکن اکثر لوگ شکر نہیں
کرتے۔[۳]

نمبر۱۔ یہاں نماز کی تفصیلات کی تعلیم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ نماز جس طرح پر آنحضرت صلعم نے سکھائی ہے (اور ساری اُمت میں ایک ہی نماز کا پایا جانا بتاتا ہے کہ یہی وہ نماز ہے) اللہ تعالیٰ کی وحی خفی سے تھا۔

نمبر۲۔ اس آیت میں بیوہ کو متاع دینے یا اس کے ساتھ احسان کا حکم ہے۔ یہ خیال کہ اس کو ورثہ کی آیت نے بیوہ کو حصّہ وراثت دے کر منسوخ کر دیا اس لیے غلط ہے کہ جب مطلقہ کو مہر سے علاوہ متاع یا سامان دینے کا حکم ہے جیسا آگے آتا ہے تو بیوہ کو حصّہ وراثت کے ساتھ متاع دینے کے حکم میں کیا حرج ہے۔ اسی طرح یہ آیت آیت ۲۳۴ کے مضمون کے بھی خلاف نہیں کیونکہ وہاں بیوہ کی عدت چار ماہ دس یوم بتائی ہے تو یہاں عدت کو منسوخ نہیں کیا بلکہ یہاں متاع کا ذکر ہے جو بیوہ کو دیا جائے گا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ وہ متاع اسی صورت میں ہے۔ جب بیوہ نکاح نہ کرے کیونکہ جب نکاح کرے گی تو پھر اس کا دوسرا کفیل پیدا ہو جائے گا۔ باقی یہ کہ روایات میں نسخ کے اقوال ہیں سو ان کے مقابل پر عدم نسخ کے بھی اقوال موجود ہیں۔

نمبر۳۔ وہ واقعہ جس کی طرف قرآن کریم نے توجہ دلائی ہے، بنی اسرائیل کے مصر سے خروج کا واقعہ ہے جس کا ذکر حضرت موسیٰ کی کتاب میں ہے جس کا

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۴۴﴾

اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو اور جان لو کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے[1]۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَہٗ لَہٗٓ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَ اللّٰہُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ ۪ وَ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

کون ہے جو اللہ کے لیے اچھا مال الگ کرے تو وہ اسے اس کے لیے کئی گنا بڑھاتا ہے اور اللہ گھٹاتا اور بڑھاتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے[2]۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَ مَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ قَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَ

کیا تو نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں کے حال پر غور نہیں کیا جب انھوں نے اپنے ایک نبی سے کہا کہ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کردو[3] تاکہ ہم اللہ کی راہ میں لڑیں۔ اس نے کہا کہ تم سے کچھ بعید نہیں کہ اگر جنگ کرنا تم پر ضروری ٹھہرایا گیا تو جنگ نہ کرو۔ انھوں نے کہا کہ ہمارا کیا عذر ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ نہ کریں حالانکہ ہم اپنے گھروں سے اور اپنے بیٹوں سے

نام ہی خروج ہے۔ قرآن کریم نے وہی لفظ خرجوا اختیار کرکے اس مشہور واقعہ کا صاف پتہ بتا دیا ہے۔ دوسری تعیین اس کی لفظ الوف سے ہوتی ہے کیونکہ بنی اسرائیل کے سوائے جن کی تعداد بائیبل میں چھ لاکھ لکھی ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں اور کسی قوم کا خروج ثابت نہیں اور آگے چل کر جو فرمایا کہ موسیٰ ؑ کے بعد یوں ہوا، تو اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ ؑ کے زمانہ کا ہے۔ یہ لوگ موت کے خوف سے نکلے۔ وہ موت فرعون کی غلامی تھی جو ان کو کمزور کرکے ادنیٰ اور بیگار کے کام لے کر اُن کو ذلت کی موت مارنا چاہتا تھا۔ جب انھوں نے حضرت موسیٰ ؑ کے ساتھ ہو کر جنگ کرنے سے انکار کیا تو حکم ہوا (المائدہ ۵ - ۲۶) کہ چالیس سال تک اس سرزمین وعدہ سے جو اُن کی حیاتِ قومی کا موجب ہونے والی تھی، محروم کر دیے گئے۔ بیابان میں بھٹکتے رہے اور بائیبل میں لکھا ہے کہ وہ نسل ہلاک ہوگئی گنتی ۱۴ : ۲۹ - ۳۰ اور اس کے ساتھ ہی ہے کہ تمھاری دوسری نسل یعنی تمھارے بچے اس زمین میں داخل ہوں گے۔ سو یہ اُن کی موت تھی۔ ثم احیاھم۔ پھر اُن کو زندہ کیا کیونکہ آخر کار وہ اس موعود سرزمین میں داخل ہوئے اور ایک بڑی قوم بنے۔ فاتح اور حکمران ہوتے۔ اعلیٰ اخلاق سے متصف ہوئے۔ یہی قوم کی حیات اور زندگی ہوتی ہے۔

نمبر ۱ ۔ بنی اسرائیل کے واقعات کے اندر مسلمانوں کو یہ حکم دینا بتاتا ہے کہ یہ ذکر کہانیوں کے طور پر نہیں بلکہ بتایا کہ تم بھی اگر خدا کی راہ میں جنگ کرنے سے انکار کروگے تو موت وارد ہوگی۔

نمبر ۲ ۔ قرض شامل ہے ایسے عمل کے آگے بھیجنے سے جس پر ثواب کی امید ہو اور قرض حسن مجاہد اور انفاق فی سبیل اللہ ہے۔

نمبر ۳ ۔ یہاں سے بنی اسرائیل کی ایک مثال شروع کی ہے جو حضرت داؤد ؑ کے ذکر پر ختم ہوتی ہے۔ یہ نبی جس کی طرف یہاں اشارہ ہے سموئیل ؑ تھے۔ دیکھو ۱۔سموئیل ۸ : ۱۸ و ۱۹۔ اس وقت بنی اسرائیل فلستیوں سے مغلوب ہو چکے تھے اور کئی دفعہ شکستیں کھا کر اُن کے ہزارہا آدمی کٹ چکے تھے۔ اگلے الفاظ قد اخرجنا من دیارنا سے مغلوب ہو کر ملک دے بیٹھنا اور من ابناءنا سے آدمیوں کا کٹ جانا یا غلامی میں لیا جانا مراد ہے۔ یہ تاریخی مثال اس رکوع کے باقی حصہ میں اور کچھ اگلے رکوع میں مذکور ہے۔ غرض مسلمانوں کو سمجھانا تھا کہ جو اپنے گھروں سے نکل چکے اور اپنے عزیز و اقارب سے الگ ہو چکے تھے کہ اب سوائے جنگ کے تم زندہ نہیں رہ سکتے۔

اَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا
إِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٤٦﴾

جدا کیے گئے ہیں پھر جب ان کے لیے لڑائی کرنا ضروری ٹھیرایا گیا ان میں سے تھوڑوں کے سوائے (باقی) پھر گئے اور اللہ ظالموں کو جانتا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ
طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ
عَلَيْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَ لَمْ
يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ
اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ
وَ الْجِسْمِ ؕ وَ اللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٤٧﴾

اور ان کے نبی نے انھیں کہا کہ اللہ نے تمھارے لیے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اسے ہم پر بادشاہی کس طرح مل سکتی ہے اور ہم اس کی نسبت بادشاہی کے زیادہ حق دار ہیں، اور اسے مال کی فراخی نہیں دی گئی۔ (نبی نے) کہا اللہ نے اُسے تم پر برگزیدہ کیا ہے اور علم اور جسم میں اس کو بہت بڑھایا ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنا مُلک دیتا ہے اور اللہ فراخی والا جاننے والا ہے[1]۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ
التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ
مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ

اور اُن کے نبی نے انھیں کہا کہ اس کی بادشاہی کا نشان یہ ہے کہ تمھارے پاس تابوت آئے[2] جس میں تمھارے رب کی طرف سے سکون اور اس کا بقیہ ہے جو موسیٰ کے سچے تابعداروں اور ہارون

نمبر ۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہت کے انتخاب میں قرآن کریم علم اور طاقت کو مدنظر رکھنے کی تعلیم دیتا ہے اور وراثت کی بادشاہت یا دولتمند ہونے کے لحاظ سے بادشاہت کا انتخاب اس کے نزدیک ٹھیک نہیں۔ مسلمانوں نے بالکل خلاف تعلیم قرآن اور نمونہ خلفائے راشدین بادشاہت کو وراثت قرار دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ بجائے قوت کا موجب ہونے کے کمزوری کا موجب ہو گئے۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہے کہ بادشاہ بنانے کی اصل غرض یہ ہے کہ وہ قوم کو دشمن کے مقابل میں قوی بنائے، لیکن بادشاہت جب بطور وراثت آجاتی ہے تو عیش پسندی کا ایک ذریعہ بن جاتی ہے اور اصل غرض مفقود ہو جاتی ہے۔ پس بادشاہت یا امارت انتخاب سے ہے وراثت سے نہیں اور انتخاب کے اصول یہ ہیں کہ جو شخص نیکی میں بڑھ کر اور علم میں زیادہ اور طاقت ور ہو، اسے بادشاہ بنایا جائے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ نظم و نسق ملکی کے لیے بادشاہت کی ضرورت بھی ہے۔ یعنی ایک ایسے شخص کی جو نظام حکومت کو قائم رکھنے والا ہو۔ نبوت اور بادشاہت چونکہ عموماً دو الگ الگ منصب رہے ہیں، اس لیے باوجود نبی کی موجودگی کے بادشاہ کی ضرورت پڑی۔

نمبر ۲۔ ایک مشہور تابوت وہ ہے جس کا ذکر بائبل کے پُرانے اور نئے عہدناموں میں پایا جاتا ہے۔ یہ تابوت یا صندوق ایک مرتبہ بنی اسرائیل کے قبضہ سے نکل کر فلستیوں کے قبضہ میں چلا گیا اور کچھ مدت بعد انھوں نے اسے واپس کر دیا اور آخرکار حضرت داؤدؑ اسے یروشلم میں لے آئے اور حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں بیت المقدس میں رکھا گیا۔ اس کے بعد اس کا پتہ نہیں چلتا، لیکن لغت اس بات پر شاہد ہے کہ تابوت کے معنی قلب یعنی دل بھی ہیں اور مفسرین نے بھی ان معنوں کو لیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم طالوت کے پاس بہت مال نہ ہونے کی وجہ سے اس کی بادشاہت پر معترض ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اسے ایسا قلب دیا ہے جس میں سکینت وغیرہ ہے۔ خود الفاظ قرآنی اسی معنی کے موید ہیں کیونکہ یہ تابوت وہ نہیں جس میں الواح ہوں یا من کا طشت ہو۔ بلکہ وہ ہے جس میں سکینت تھی اور سکینت قلب پر ہی نازل ہوا کرتی ہے۔ پھر فرمایا کہ اس میں وہ اچھی باتیں تھیں جو آل موسیٰ یعنی موسیٰ کے برگزیدہ پیروؤں اور آل ہارون یعنی ہارون کے برگزیدہ پیروؤں نے چھوڑیں۔ موسیٰ قوم کے سردار تھے اور ان کے متبعین کامل اسی سرداری کے حقدار۔ ہارون عبادات وغیرہ کراتے تھے۔ خدا نے طالوت کو دونوں کی اچھی باتوں کا وارث بنا دیا۔

الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ع ﴿٢٤٨﴾
فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ
مُبْتَلِیْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَیْسَ
مِنِّیْ ۚ وَمَنْ لَّمْ یَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّیْۤ اِلَّا مَنِ
اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِیَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا
قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْیَوْمَ بِجَالُوْتَ وَ
جُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا
اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِیْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً
كَثِیْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿٢٤٩﴾
وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَاۤ

کے سچّے تابعداروں نے چھوڑا ہے فرشتے اُسے اُٹھائے ہوں گے یقیناً
اس میں تمھارے لیے نشان ہے اگر تم مومن ہو۔
پھر جب طالوت فوجوں کے ساتھ روانہ ہوا، اس نے کہا کہ اللہ نہر
کے ذریعے تمھارا امتحان کرنے والا ہے پس جو اس میں سے پانی پی لیگا
وہ مجھ سے نہیں ہے اور جو اسے نہ چکھے وہ مجھ سے ہے، مگر وہ جو
اپنے ہاتھ سے ایک چلّو بھر لے۔ پھر اُن میں سے تھوڑوں کے سوائے
(باقیوں نے) اس سے پیا[1]۔ پس جب وہ اس سے گزر گیا اور وہ جو ایمان
لائے اس کے ساتھ تھے انھوں نے کہا کہ آج ہم میں جالوت اور
اس کی فوجوں کے مقابلے کی طاقت نہیں۔ جنھیں یقین تھا کہ وہ اللہ سے
ملنے والے ہیں وہ بولے بسا اوقات چھوٹا گروہ بڑے گروہ پر اللہ کے
حکم سے غالب آگیا ہے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے[2]۔
اور جب وہ جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے نکلے، انھوں نے کہا

نمبر ۱۔ یہ آزمائش ہوسکتا ہے محض اس لیے کی گئی ہو کہ کون شخص بھوک اور پیاس کی شدّت پر صبر کر سکتا ہے۔ اگر مراد اس سے پانی کی نہر لی جائے اور اس طرح پر بہادروں اور دل کے کمزوروں کو الگ الگ کرنا ہو اور ہوسکتا ہے کہ نہر سے مراد وسعت اور فراخی ہو۔ کیونکہ یہاں طالوت کی اس فوج کشی کا ذکر ہے جب جالوت کے مقابلہ میں وہ نکلا اور اس سے پہلے اس کو عمالیقیوں پر فتح حاصل ہوچکی تھی اور بہت سامالِ غنیمت ہاتھ آیا تھا جس کا ذکر ا سموئیل کے باب ۱۵ میں ہے اور حالانکہ بنی اسرائیل کو حکم تھا کہ مالِ غنیمت کو حرام کریں (یعنی تباہ کردیں اور اپنے استعمال میں نہ لائیں) مگر طالوت کی فوجوں نے اس وقت عمدہ عمدہ مالِ غنیمت کو لے لیا اور اپنے تصرّف میں لائے اور اس کے بعد یہ لوگ پھر فلستیوں کے مقابلہ میں بہت کمزور ہو گئے۔

لیکن اگر نہر سے مراد پانی کی نہر بھی ہو تو بھی عیسائیوں کا یہ اعتراض کہ اس واقعہ کے یہاں لکھنے میں قرآن کریم نے تاریخی غلطی کی ہے، صحیح نہیں۔ یہ سچ ہے کہ بروئے بائیبل طالوت کے زمانے سے کوئی ڈیڑھ سو سال پیشتر جدعون کو پانی کے ذریعہ سے لشکر کو آزمانے کا حکم ہوا تھا جس کا ذکر قاضیوں کی کتاب کے ساتویں باب کے شروع میں ہے۔ لیکن اس سے طالوت کے وقت میں آزمائش کا ہونا غلط نہیں ٹھیر سکتا، بلکہ یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔ علاوہ ازیں خود بائیبل سے معلوم ہوتا ہے کہ پکے اور کچّے لوگوں میں امتیاز کے لیے اور بھی امتحان ہوئے۔ ایک کا ذکر استثناء ۲۰ : ۸ میں ہے۔ اس لیے اگر جدعون کے وقت بھی ایسا واقعہ ہوا ہو اور طالوت کے وقت بھی تو کون سا امر بعید ہے۔ ایک کا ذکر بائیبل نے کر دیا، ایک کا قرآن شریف نے۔

نمبر ۲۔ چھوٹا گروہ بڑے گروہ پر بسا اوقات دُنیا میں غالب آتا رہتا ہے۔ یہ لوگ ایک بڑے امتحان میں سے ہو نکلے اور حکم کے ماتحت ہر دُکھ اور تکلیف کے اُٹھانے کے لیے عزم کر چکے تھے۔ اس لیے اس بات کے اہل تھے کہ تھوڑے ہونے کے باوجود بھی بہتوں پر غالب آئیں۔ اصل غرض مسلمانوں کو تشفی دینا تھا اور ہے بشرطیکہ وہ صابر بنیں۔ جس صفائی سے تھوڑوں کے بہتوں پر غالب آنے کا نقشہ آنحضرت صلعم کی زندگی میں نظر آتا ہے، اُس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ ہمیشہ دشمن کی کثرت رہی اور مسلمان تھوڑے رہے۔ ہمیشہ سامان زیادہ دشمن کے پاس رہا مگر مسلمانوں میں قوّتِ ایمانی صبر و برداشت کی طاقت ان کو نصرتِ الٰہی کا حقدار ٹھہراتی رہی۔ آج مسلمانوں کی مغلوبیت قوّتِ ایمانی اور صبر ہی کی کمی کا نتیجہ ہے۔

اَفۡرِغۡ عَلَيۡنَا صَبۡرًا وَّثَبِّتۡ اَقۡدَامَنَا وَ
انۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِيۡنَ ۲۵۰

اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال دے اور ہمارے قدموں کو مضبوط رکھ اور کافر قوم پر ہمیں مدد دے۔

فَهَزَمُوۡهُمۡ بِاِذۡنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوۡتَ
وَاٰتٰٮهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا
يَشَآءُ ‌ؕ وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ
بِبَعۡضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الۡاَرۡضُ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ
ذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ ۲۵۱

پس اللہ کے حکم سے انھوں نے اُن کو بھگا دیا اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا اور اللہ نے اسے بادشاہی اور حکمت دی اور جو کچھ چاہا اُسے سکھایا اور اگر اللہ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرے تو زمین تباہ ہو جائے، لیکن اللہ تعالیٰ جہانوں پر فضل کرنے والا ہے۔

تِلۡكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا عَلَيۡكَ بِالۡحَـقِّ‌ؕ
وَاِنَّكَ لَمِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۲۵۲

یہ اللہ کی باتیں ہیں، جن کو ہم حق کے ساتھ تجھ پر پڑھتے ہیں اور یقیناً تو مرسلوں میں سے ہے۔

تِلۡكَ الرُّسُلُ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ‌ ۘ
مِنۡهُمۡ مَّنۡ كَلَّمَ اللّٰهُ‌ وَرَفَعَ بَعۡضَهُمۡ دَرَجٰتٍ‌ ؕ
وَاٰتَيۡنَا عِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ الۡبَيِّنٰتِ وَاَيَّدۡنٰهُ
بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ‌ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقۡتَتَلَ الَّذِيۡنَ

ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے[۱]، ان میں سے وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور بعض کو مراتب میں (اُو) بلند کیا اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلے دلائل دیئے اور رُوح القدس سے اس کی تائید کی اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ جو اُن کے بعد ہوئے

نمبر۱۔ رسُولوں کی فضیلت کا ذکر یہاں کس تعلق سے شروع کیا؟ پیچھے فرمایا تھا تم رسولوں میں سے ایک ہو اور یہاں فرمایا ان رسُولوں کو ہم نے ایک دوسرے پر فضیلت دی تھی۔ گویا یوں فرمایا کہ تم رسُولوں میں سے ایک ہو اور سب پر فضیلت رکھتے ہو اور اصل میں یہ اشارہ یہاں اس لیے کیا کہ متعدد موقعوں پر رسُول کریم صلعم کی فضیلت کا ذکر ہو چکا تھا۔ مثلاً کل جہانوں کی طرف مبعوث ہونے میں، پھر قرآن کریم کی سب کتابوں پر فضیلت میں، پھر اس کے پہلی ساری شرائع کے ناسخ ہونے اور ان سے بہتر ہونے میں، پھر آنحضرت صلعم کے تمام مذاہب عالم کے جھگڑوں میں فیصلہ کرنے والا ہونے میں اس لیے فرمایا کہ تم جو ان سب رسُولوں کی جگہ لیتے ہو۔ یہ تمہاری فضیلت لا نفرق بین احد منھم (البقرۃ ۱۳۶) کے خلاف نہیں کیونکہ پہلے رسُولوں کو بھی ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے اور یہاں چونکہ حضرت داؤد ؑ کو بادشاہت اور نبوت دونوں دینے کا ذکر آیا تھا، جو دوسرے انبیائے بنی اسرائیل پر ان کی ایک فضیلت تھی، اس لیے رسُول اللہ صلعم کی فضیلت کا ذکر کیا کیونکہ آپ کو بھی نبوت کے ساتھ اب بادشاہت مل رہی تھی اور ایک کو دوسرے پر فضیلت دینے سے یہ منشاء نہیں کہ وہ دوسرا ناقص ہے۔ بلکہ دو کامل انسانوں میں جو چیز ایک کو دوسرے سے ممیز کرتی ہے یا جو کوئی زائد بلند مرتبہ دیا جاتا ہے وہی اس کی فضیلت ہے۔ گویا کمال انسانی کے بھی مختلف مدارج ہیں۔

ایک اور بات اس جگہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ نبی کریم صلعم کی اس فضیلت کا ذکر سلسلہ موسویہ کے دو عظیم الشان انبیاء داؤد ؑ اور عیسیٰ ؑ کے درمیان کیا ہے۔ حضرت داؤد ؑ ظاہری شان و شوکت کے لحاظ سے ان انبیاء میں سب سے بڑھ کر ہیں تو حضرت عیسیٰ ؑ اخلاقی اور روحانی تعلیم کے لحاظ سے۔ نبی کریم صلعم ان دونوں پہلوؤں سے دونوں سے بلند تر ثابت ہوئے۔ علاوہ بریں ان دونوں نبیوں نے آنحضرت صلعم کے متعلق جو پیشگوئیاں کی ہیں، ان میں آپ کی آمد کو خدا کی آمد قرار دیا ہے۔ دیکھو زبور (۱۱۰) اور متی ۲۱: ۴۲-۴۴ گویا باوجود اپنے اپنے کمالات ظاہری و باطنی کے انھوں نے آنحضرت صلعم کے کمالات ظاہری و باطنی کو اس بلند مرتبہ پر پایا کہ آپ کی ہر دو شانوں میں ان کو خدا کی شان نظر آئی۔

مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ
وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ
مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿٢٥٣﴾ ع
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ
مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا
خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٥٤﴾
اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ
سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ
اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا
خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا
بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ
وَلَا يَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿٢٥٥﴾

آپس میں نہ لڑتے اس کے بعد کہ اُن کے پاس کھلی دلیلیں آچکی تھیں، لیکن انھوں نے اختلاف کیا، پس اُن میں سے وہ ہے جو ایمان لایا اور ان میں سے وہ ہے جس نے انکار کیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے لیکن اللہ جو کچھ ارادہ کرتا ہے، کر دیتا ہے۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اس میں سے جو ہم نے تم کو دیا ہے خرچ کرو اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی اور نہ ہی کوئی سفارش اور کافر ہی ظالم ہیں۔

اللہ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ ہمیشہ زندہ خود قائم، قائم رکھنے والا ہے۔ اس پر نہ اونگھ غالب آتی ہے اور نہ نیند، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ کون ہے جو اس کے پاس سوائے اس کی اجازت کے سفارش کرے[1] وہ جانتا ہے جو کچھ اُن کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز پر احاطہ نہیں کر سکتے سوائے اس کے جو وہ چاہے اس کا علم آسمانوں اور زمین پر حاوی ہے[2] اور ان دونوں کی حفاظت اس پر بوجھ نہیں اور وہ بہت بلند عظمت والا ہے۔

نمبر ۱۔ یہاں شفاعت کے لیے اذن الٰہی کو ضروری قرار دیا ہے اور اس اذن کی ضرورت نہ صرف شفاعت کرنے والے کے لیے ہی بکار ہے بلکہ جس کے لیے شفاعت کی جائے اس کے متعلق بھی فرمایا لا یشفعون الا لمن ارتضیٰ (الانبیاء ۲۸) شفاعت کرنے والے بھی اسی کے متعلق شفاعت کریں گے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرے۔ پس شفاعت نہ تو شفاعت کرنے والے کے اختیار کی کوئی چیز ہے کہ جب چاہے شفاعت کرے اور نہ جس کے لیے شفاعت کی جائے اُسے کوئی حق ہے کہ وہ اپنا شفیع پیش کرے۔ شفاعت میں اذن کا مفہوم اصل میں کیا ہے، اس کی حقیقت حدیث شفاعت سے منکشف ہوتی ہے۔ اس میں آتا ہے کہ نبی کریم صلعم فرماتے ہیں کہ میں قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں سجدہ میں گر جاؤں گا، یہاں تک کہ مجھے حکم ہوگا کہ کہو تمہاری بات قبول کی جائے گی اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلعم کی یہ شفاعت بھی درحقیقت قیامت کے دن دعا کا ہی ایک رنگ ہے جس طرح اس دنیا میں آپ نے اپنے صحابہؓ کے لیے اور اپنی اُمت کے لیے دعائیں کر کے ان کو گناہوں سے پاک و صاف کیا اسی طرح قیامت کے دن بھی آپ ان کے لیے دعا کریں گے اور وہ آپ کی دعا قبول ہوگی۔

نمبر ۲۔ کرسی عرف عام میں وہ چیز ہے جس پر بیٹھا جاتا ہے، مگر یہاں ابن عباس نے کرسی کے معنے علم کیے ہیں اور یہی معنے یہاں موزوں ہیں بلکہ ابن جریرؒ کہتے ہیں کہ کرسی کا اصل مفہوم علم ہے اس لیے ایسے صحیفہ کو جس میں علم کی بات لکھی ہوئی ہو کراسۃ کہا جاتا ہے اور علماء کو کراسی (کرسی کی جمع) کہا جاتا ہے۔ خود قرآن شریف سے کرسی کے معنے علم ہی صحیح ثابت ہوتے ہیں۔ اوّل سیاق و سباق میں علم کا ذکر ہے کیونکہ حفاظت بھی بذریعہ علم ہی ہے۔ دوم قرآن کریم میں ایسے بیانات تو بکثرت ہیں کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کا ہے یا اس کو وہ جانتا ہے۔ مگر یہ نہیں آتا کہ جو کچھ کرسی میں ہے وہ اس کا ہے یا اس کو وہ جانتا ہے۔ یہ آیت کریمہ آیت الکرسی کے نام سے مشہور ہے اور حدیث میں اس کی بڑی عظمت مذکور ہے۔ ہر فرض نماز کے بعد اس کے پڑھنے کی تاکید ہے ایک حدیث میں ہے کہ یہ سب سے زیادہ

لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥٦﴾

دین میں کوئی زبردستی (منوانا) نہیں ہدایت (کی راہ)، گمراہی سے واضح ہو چکی ہے[1]، پس جو شخص شیطان کا انکار کرتا ہے اور اللہ پر ایمان لاتا ہے، اس نے ایک محکم جائے گرفت کو مضبوط پکڑ لیا جو ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥٧﴾

اللہ اُن لوگوں کا ولی ہے جو ایمان لائے، وہ اُن کو سخت اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ اور جو کافر ہیں ان کے ولی شیطان ہیں وہ انھیں روشنی سے نکال کر اندھیرے کی طرف لے جاتے ہیں یہ آگ والے ہیں وہ اسی میں رہیں گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَ يُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَ اُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٥٨﴾

کیا تو نے اس (کی حالت) پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا اس لیے کہ اللہ نے اُسے مُلک دیا جب ابراہیم نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندگی بخشتا اور مارتا ہے اس نے کہا میں بھی زندگی دیتا اور مارتا ہوں، اور ابراہیم نے کہا کہ اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو تو اسے مغرب سے نکال، پھر وہ جو کافر تھا حیران رہ گیا اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا[2]۔

عظمت والی آیت ہے اور ایک میں ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔

نمبر۱۔ یہ الفاظ ایسے صاف اور اس قدر وسیع ہیں کہ دین اسلام پر جبر پھیلایا جانے کے جس قدر اعتراضات ہیں ان سب کا ایک ہی جواب کافی ہے اور اس کو منسوخ کہنا محض ایک غلط خیال ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ اس حکم کے ساتھ تو دلیل بھی موجود ہے پھر حکم کو منسوخ یا محدود کرنا اس دلیل کو غلط قرار دینا ہے اور وہ دلیل یہ ہے کہ ہدایت کی راہ گمراہی سے متمیز ہو چکی ہے۔ اس لیے جبر داخل کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب حکم منسوخ تب ہو جب یہ تمیز دُور ہو جائے، جو بالبداہت باطل ہے اور نہ صرف دوسروں پر جبر نہیں بلکہ مسلمانوں پر بھی کوئی جبر نہیں۔ شریعت نے جو سزائیں تجویز کی ہیں مثلاً قتل، چوری، ڈاکہ وغیرہ پر وہ سب نظام اور امن کے قائم رکھنے کے لیے ہیں۔ عقائد یا عبادات میں کوئی سزا شریعت نے تجویز نہیں کی۔

نمبر۲۔ حضرت ابراہیم کا ایک شخص کے ساتھ جھگڑا ہوتا ہے بظاہر وہ کوئی بادشاہ ہے جیسا کہ اس کے اس قول سے ظاہر ہوتا ہے انا احی و امیت حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ وہ جو میرا رب ہے وہی قوموں کو زندہ کرتا اور وہی مارتا ہے اس کا جواب بادشاہ کی طرف سے یہ ہے کہ میں بھی بڑا صاحب اقتدار ہوں ہر جس کو چاہوں زندہ رکھوں، جس کو چاہوں ماروں جس زمین کو چاہوں آباد کروں جس کو چاہوں ویران کر دوں۔ تو میری طاقت بھی خدا کے برابر ہوئی۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اگر تمھاری طاقت خدا کے برابر ہے تو پھر خدا تو اپنے قانون کے مطابق سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تم مغرب سے نکال کر دکھاؤ۔ جس پر وہ کافر بادشاہ مبہوت رہ گیا اور کوئی بات نہ سوجھی ویسے بھی عموماً بت پرست قومیں بادشاہ کو خدا کا اوتار سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے حضرت ابراہیمؑ اس سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر تم میں خدائی طاقتیں ہیں تو پھر خدا کے قانون کو ادل بدل کر کے دکھاؤ۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس نے حضرت ابراہیمؑ کو یہ جواب کیوں نہ دیا کہ تمھارا خدا اس کو مغرب سے نکال کر دکھائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ	یا اس کی مثال پر (غور نہیں کیا) جو ایک بستی پر گزرا اور وہ ویران تھی اس
عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ	کی عمارتیں گری ہوئی تھیں۔ اس نے کہا اللہ اسے اس کی موت کے بعد کب
بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ	زندہ کرے گا۔ سو اللہ نے اسے ایک سو سال موت کی حالت میں رکھا
ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ	پھر اسے اٹھایا کہا تو کتنا ٹھہرا۔ اس نے کہا ایک دن یا دن کا کوئی حصہ
يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ	ٹھیرا ہوں، کہا بلکہ تو سو سال ٹھہرا۔ پس تو اپنے کھانے اور پانی
عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ	کو دیکھ، وہ نہیں سڑا اور اپنے گدھے کو دیکھ اور تاکہ ہم تجھے
يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ	لوگوں کے لیے نشان بنائیں اور ہڈیوں کو بھی دیکھ،
اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ	ہم انھیں کیوں کر اٹھاتے ہیں پھر ان پر گوشت چڑھاتے
نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ	ہیں۔ پس جب اس کے لیے بات کھل گئی تو اس نے کہا میں
قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶۰﴾	جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے[1]
وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ	اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب مجھے دکھا تو کس طرح مردوں
الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ	کو زندہ کرتا ہے، کہا کیا تو نے نہیں مانا کہا ہاں مگر اس لیے کہ میرے دل

کا یہ دعویٰ نہ تھا کہ وہ اپنے خدا سے جو چاہیں کرا سکتے ہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے آفل تو ہمین کی طرف ہی توجہ دلا رہے ہیں (الانعام ۔۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج اس قوم کا بڑا دیوتا بھی تھا۔

نمبر ا۔ اس واقعہ کو کالذی سے شروع کیا۔ معنے یوں ہونگے، کیا تو نے اس کی مثال یا مثالی حالت کو نہیں دیکھا گویا یہ واقعہ عالم مثال یا عالم رؤیا کا ہے۔ حزقیل ۳۶ و ۳۷ باب میں حزقیل کے ایک کشف کا ذکر ہے جس کی ابتدا یہ ہے کہ وہ ایک ہڈیوں سے بھری ہوئی وادی میں بحالت کشف گزرے گویا وہ ایک ویران بستی تھی جیسا کہ قرآن شریف نے فرمایا اور بائبل میں بھی سوال ہے اے آدم زاد کیا یہ ہڈیاں جی سکتی ہیں۔ قرآن شریف میں بھی ہے انی یحی ھذہ اللہ بعد موتھا اور کشف میں ان کو دکھایا گیا کہ کس طرح ہڈیوں کو اٹھایا جاتا اور ان پر گوشت چڑھایا جاتا ہے جس کو قرآن نے کیف ننشزھا ثم نکسوھا لحما میں بیان فرمایا اور بائبل میں ہے کہ یہ ہڈیاں بنی اسرائیل ہیں۔ قرآن شریف میں بھی ہے ولنجعلک آیۃ للناس اور الناس سے مراد یہاں انہی کی قوم بنی اسرائیل ہے۔ پس یہ مطابقت صاف بتاتی ہے کہ دونوں جگہ ایک ہی واقعہ کا ذکر ہے۔ ہاں قرآن شریف میں کچھ امر زائد ہے اور وہ یہ ہے کہ حالت موت کا سو سال رہنا۔ سو یہاں بائبل کی کمی کو بھی پورا کر دیا ہے اور ایک پیشگوئی بھی کی ہے کیونکہ امر واقع یہ ہے کہ بنی اسرائیل پر وہ مردہ ہونے کی حالت ایک سو سال ہی تھی گو بائبل میں اس کا ذکر نہیں بخت نصر نے ۶۱۳ قبل مسیح میں یروشلم پر چڑھائی کر کے اس کو فتح کیا اور ۵۳۶ قبل مسیح میں بابلیوں کی تباہی کے بعد خورس شاہ ایران نے یہودیوں کو واپس آ کر آباد ہونے کی اجازت دی۔ اور ۵۰۲ قبل مسیح تک یہ دوبارہ آباد ہوتا رہا گویا یہ ۹۳ یا قریباً ایک سو سال کا زمانہ موت کا گزرا اور پیشگوئی یہ تھی کہ قریباً بالکل اسی قدر زمانہ یروشلم پر گذرا جب عیسائیوں نے صلیبی جنگوں میں اسے مسلمانوں کے ہاتھ سے لے لیا تھا اور پھر دوبارہ مسلمانوں کے ہاتھ میں اس کا آنا اس کی زندگی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا کہ سو سال تو ٹھہرا ہے تو یہ اس حقیقت کے اظہار کے لیے تھا کہ اصل غرض تم کو یہ سو سال کی موت کا رؤیا دکھانے کی یہی ہے کہ تمہاری قوم پر یہ موت سو سال تک رہے گی۔ سو چونکہ تم اپنی قوم کے قائم مقام ہو اس لیے حالت لبث یا حالت موت فی الحقیقت سو سال ہی ہے ہاں تم کو ہم نے یہ نقشہ ایک رؤیا میں دکھایا ہے سو دیکھ لو تمہارا کھانا پینا سب اسی طرح موجود ہے اور تمہارا گدھا بھی اسی طرح زندہ موجود ہے (قرآن کریم نے کہیں نہیں فرمایا کہ گدھا مردہ تھا) اس میں یہ اشارہ تھا کہ جس طرح تمہارے یہ کھانے

لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ؕ وَ اعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۲۶۰ ع

کو اطمینان حاصل ہو کہا تو چار پرندے لے پھر انھیں اپنے ساتھ ہلا لے پھر ان میں سے ایک ایک حصّہ ہر ایک پہاڑ پر رکھ دے، پھر ان کو بلاؤ، تیرے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے اور جان لے کہ اللہ غالب حکمت والا ہے[1]۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۲۶۱

ان لوگوں کی مثال جو اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایک دانہ کی مثال ہے جو سات بالیں اُگائے ہر ایک بال میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے کئی گنا کرکے دیتا ہے اور اللہ کشایش والا جاننے والا ہے[2]۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَاۤ

وہ لوگ جو اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، پھر اس کے پیچھے جو خرچ کیا نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ دُکھ دیتے

پینے کے سامان اور تمھاری سواری کا سامان اصلی موجود ہے اسی طرح پر تمھاری قوم پھر اپنی اصلی حالت پر آجائے گی۔

نمبر۱۔ یہ تیسری آیت ہے جس میں احیائے موتٰے کا ذکر ہے۔ صُر جو صار یصور سے امر ہے اس کے معنی ہیں اپنی طرف مائل کرے، قیمہ کرنا اس کے معنے نہیں اور یہاں سوال یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے یا نہیں بلکہ وہ مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کرتا ہے اس کی کیفیت کا سوال کرتے ہیں۔ نطفہ سے انسان بنتا ہے، بیج سے درخت بنتا ہے۔ مگر ہم کیفیت سے ناواقف ہیں کہ یہ کیونکر ہو جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا سوال صرف کیفیت سے ہے یعنی وہ دلائل چاہتے ہیں۔ یقین ایمان سے حاصل ہو جاتا ہے مگر اطمینان دلائل کو چاہتا ہے۔ اس کیفیت کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک مثال دی ہے چار جانوروں کو لو اور ان کو ہلا لو۔ پھر چار مختلف سمتوں میں ان کو ایک ایک کرکے رکھ دو۔ پھر بلاؤ اور دیکھو کہ کس طرح تمھاری آواز پر بھاگے چلے آتے ہیں۔ اس مثال سے حضرت ابراہیمؑ کو سمجھ میں آگیا یعنی کیفیت کا پتہ لگ گیا کہ باوجودیکہ ایک پرند انسان سے بہت دور رہنے والی اور بھاگنے والی چیز ہے لیکن انسان جب اُسے ہلالے تو یہاں تک اسے اپنے حکم کے تابع کرسکتا ہے کہ اس کی آواز پر وہ اُڑا چلا آتا ہے تو جب انسان میں اور اس کی ہلائی ہوئی چیزوں میں ایسا شدید تعلق محض ایک عارضی تدبیر سے پیدا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا تصرف جو خالق و مالک ہے کیوں اس سے بڑھ کر نہ ہو۔ وہی خالق اسباب ہے اس کے تصرف میں سب چیزیں ہیں اور چونکہ اس مثال سے حضرت ابراہیمؑ کو اصل کیفیت معلوم ہو جاتی ہے اس لیے ان کو یہ ضرورت بھی پیش نہیں آتی کہ وہ ایسا کرکے بھی دیکھیں اور نہ قرآن شریف میں ان کے ایسا کرنے کا ذکر ہے کیونکہ یہ ایک مثال برنگ دلیل تھی اور حضرت ابراہیمؑ جانتے تھے کہ ایسا ہوتا رہتا ہے۔

نمبر۲۔ خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے کو اس بیج کے بونے سے مشابہت دی ہے جس سے ایک دانہ سے سات سو دانہ بنتا ہے بلکہ اس سے بھی دوچند اور کئی گنا ہوتا رہتا ہے اور یہ نرا وعدہ ہی نہیں بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں ہی اس وعدہ کا ثبوت بھی مل جاتا ہے۔ سیکڑوں دیئے تو لاکھوں اور کروڑوں پائے۔ بعض لوگوں کو یہ غلطی لگتی ہے کہ وہ ایک پیسہ جیب سے دے کر یہ چاہتے ہیں کہ فوراً دس پیسے غیب سے ان کی جیب میں آپڑیں۔ آتا یوں ہے کہ قومی اور دینی مفاد پر جو اموال خرچ کیے جاتے ہیں وہ قوم کو خدا کے فضلوں کا وارث بنا دیتے ہیں اور جب قوم میں دولت آتی ہے تو بحصہ رسدی اس کے سب افراد اس میں حصّہ دار ہو جاتے ہیں۔ قومی زندگی ہی اصل زندگی ہے اسی کی طرف قرآن شریف بار بار توجہ دلاتا ہے۔ مگر تنگ دل انسان اپنا مال صرف اسی کو سمجھتا ہے جو اس کی جیب میں ہو۔

أَذًى لَّهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٢٦٢﴾

ہیں اُن کے لیے ان کا اجر اُن کے رب کے پاس ہے اور اُنھیں
کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّن صَدَقَةٍ
يَتْبَعُهَا أَذًى وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ﴿٢٦٣﴾

نیک بات کہنا اور معاف کر دینا اس صدقہ سے بہتر ہے جس کے
پیچھے دکھ پہنچایا جائے اور اللہ بے نیاز بردبار ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم
بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ
رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ
الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ
تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا
لَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ
لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٢٦٤﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنی خیرات کو احسان جتا کر اور ستا کر
باطل نہ کرو اس شخص کی طرح جو اپنا مال لوگوں کے دکھانے کے لیے
خرچ کرتا ہے اور اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں لاتا۔ سو اس کی
مثال اس صاف چٹان کی سی ہے جس پر مٹی ہو، پھر اس
پر زور کا مینہ برسے اور اسے بالکل صاف کر کے چھوڑ دے
اس میں سے کچھ بھی نہ پاسکیں گے جو کمایا تھا اور اللہ کافر
لوگوں کو راہ نہیں دکھاتا۔[1]

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ
مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ
جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا
ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ
وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٦٥﴾

اور ان لوگوں کی مثال جو اپنے مالوں کو اللہ کی رضا چاہتے ہوئے
اور اپنے آپ کو مضبوط رکھنے کے لیے خرچ کرتے ہیں، اس باغ کی
مثال کی طرح ہے جو اعلیٰ درجہ کی زمین پر ہو پھر اس پر زور کا مینہ
پڑے تو وہ اپنا پھل دو چند دے اور اگر اس پر زور کا مینہ نہ پڑے تو ہلکا مینہ
ہی (کافی ہے) اور اللہ جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔[2]

نمبر ۱۔ اس آیت میں اصل مقصود تو مسلمانوں کو ریا سے روکنا ہے مگر اس کا پیرایہ یہ اختیار کیا کہ تم ریا سے خرچ کرنے والوں کی طرح نہ ہو جانا کیونکہ ریا سے خرچ کرنے والے وہ لوگ ہوتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے یعنی یہ تو کافروں کا کام ہے مومن کا کام ہی نہیں۔ یوں اس فعل کو حد سے زیادہ قبیح بنا کر دکھایا ہے۔ رسوم و رواجات پر جو روپیہ خرچ ہوتا ہے وہ سب ریا سے ہے کیونکہ اس میں مدنظر صرف یہ ہوتا ہے کہ لوگ ایسا کہیں اور ایسا نہ کہیں۔ اگر خرچ نہ کریں تو لوگوں میں ناک کٹتی ہے یہی ریا کی شناخت ہے افسوس ہے کہ جس فعل کو ایسا قبیح بنا کر دکھایا گیا تھا کہ یہ مسلمان کا کام ہی نہیں ہو سکتا، اس میں آج اس کثرت سے مسلمان ملوث ہیں کہ شاذ و نادر ہی کوئی بچا ہوگا۔ رسوم و رواج پر قرضے لیتے اور مکانات اور جائدادیں بیچ دیتے ہیں لیکن خدا کی راہ میں دینے کے لیے پاس موجود ہو تو بھی حیلے تلاش کرتے ہیں۔ مومن کہلا کر کام کافروں سے بدتر ہیں۔

نمبر ۲۔ یہ دوسری مثال ان لوگوں کی ہے جو اللہ کی رضا کے لیے مال خرچ کرتے ہیں اس کے ساتھ ہی یہ بھی بڑھایا ہے کہ اپنے نفسوں کے ثبات کے لیے۔ یہ انفاق مال کا فلسفہ بیان کیا ہے۔ یعنی خدا کی رضا کے لیے مال خرچ کرنے سے ایمان پر ثابت قدمی بڑھتی ہے کیونکہ مال انسان کی محبوب چیز ہے اور جس چیز پر وہ

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَ اَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢٦٦﴾ ع

کیا تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ اس کا ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا ہو اس کے نیچے نہریں بہتی ہوں اس کے لیے اس میں ہر قسم کے پھل ہوں اور اسے بڑھاپے نے آلیا ہو اور اس کی اولاد چھوٹی چھوٹی ہو، پھر اسے ایک بگولا پہنچے جس میں آگ ہو[١]، پس وہ جل جائے اسی طرح اللہ تمھارے لیے باتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم فکر کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿٢٦٧﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اُن اچھی چیزوں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو اور اس سے جو ہم نے تمھارے لیے زمین سے نکالا ہے اور ردّی چیز دینے کا قصد نہ کرو اس میں سے تم خرچ کرو گے حالانکہ تم خود اس کو لینے والے نہیں سوائے اس کے کہ اس کی قیمت کم کراؤ اور جان لو کہ اللہ بے نیاز تعریف کیا گیا ہے[٢]۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَ اللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَ فَضْلًا ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦٨﴾

شیطان تم کو تنگدستی سے ڈراتا ہے اور تمھیں بخل کا حکم دیتا ہے اور اللہ تمھیں اپنی طرف سے مغفرت اور فضل کا وعدہ دیتا ہے اور اللہ کشایش والا جاننے والا ہے[٣]۔

اپنا مال خرچ کرے گا اسی سے اُسے محبت پیدا ہوگی پس خدا کی رضا کے لیے مال خرچ کرنے سے خدا کی راہ میں ثابت قدمی اور وفاداری بڑھتی ہے۔

نمبر۱- یہ تیسری مثال من واذیٰ کے اثر کی ہے اصل مضمون من واذیٰ کا ہی تھا۔ اس سے روکتے ہوئے ریا کا ذکر کیا۔ پھر رضائے الٰہی کے لیے خرچ کرنے کا اور رکوع کے آخر پر پھر اصل مضمون کی طرف رجوع کیا اور سمجھایا کہ ابتدا میں انسان رضائے الٰہی کے لیے خرچ کرتا ہے اس لیے وہ جڑ پکڑتا ہے اور باغ بن جاتا ہے لیکن من واذیٰ کا اثر اس پر بگولے کی طرح ہوتا ہے جو ہری بھری کھیتی کو جلا دیتا ہے۔ گویا اس رکوع میں رضائے الٰہی کے لیے اور دین حق پھیلانے کے لیے خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے من واذیٰ اور ریا سے روکا ہے اور تینوں باتوں کی وضاحت تین مثالوں سے کردی ہے۔

نمبر۲- اس سے پہلے رکوع میں بتایا تھا کہ انفاق کس طرح پھل لاتا ہے۔ کس طرح بیج ضائع ہونے سے بچایا جا سکتا ہے۔ کس طرح آفات سے محفوظ رہ سکتا ہے اس رکوع میں بتایا ہے کہ کونسا مال خرچ کرنا چاہیے کس طرح پر یعنی علانیہ یا چھپکر خرچ کرنا چاہیے اور کس پر خرچ کرنا چاہیے یوں انفاق کی تمام اصولی تفصیلات کو ان دو رکوعوں میں بیان کر دیا ہے + کونسا مال ہو جو خدا کی راہ میں دیا جائے اوّل شرط یہ ہے کہ مال طیّب ہو یعنی جائز طور پر کمایا ہوا ہو اور اچھا ہو۔ دوسری یہ کہ ردّی مال نہ ہو جس کی تمھارے نزدیک بھی کوئی وقعت نہیں۔ ردی چیز کو دے کر اعلیٰ درجہ کے نتائج حاصل نہیں ہو سکتے۔

نمبر۳- اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جو خیالات بعض وقت اللہ کی راہ میں دینے میں مانع ہوتے ہیں۔ وہ حقیقت میں شیطانی خیال ہیں کہ خدا کی راہ میں دے کر ہم غریب ہو جائیں گے۔ ایک حدیث میں آتا ہے نبی کریم صلعم نے فرمایا تین باتوں پر قسم کھاتا ہوں جن میں سے ایک یہ ہے کہ خدا کی راہ میں دینے سے مال کم نہیں ہوتا اور حق بھی یہی ہے کہ آج تک کوئی شخص خدا کی راہ میں دینے سے فقر و فاقہ میں مبتلا نہیں ہوا گو سارا مال بھی خدا کی راہ میں دیدے۔ البتہ رسم و رواج کی پابندیوں سے بہتیرے تباہ ہوگئے ہیں

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾	وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت دی جائے تو اُسے بہت بھلائی دی گئی[1] اور نصیحت قبول نہیں کرتے مگر (وہی جو) عقل والے (ہیں)۔
وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾	اور جو کچھ خرچ کرنے کی چیز تم خرچ کرو یا کوئی منت مان لو، تو اللہ اُسے جانتا ہے اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں[2]۔
اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾	اگر تم خیرات کھلے طور پر دو تو کیا ہی اچھی بات ہے اور اگر تم اُسے چھپاؤ اور محتاجوں کو دو تو وہ تمھارے لیے اچھا ہے اور وہ بعض تمھاری برائیاں تم سے دور کر دے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے[3]۔
لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ	ان کی ہدایت تیرے ذمے نہیں لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے[4] اور جو کچھ مال تم خرچ کرو گے وہ تمھارے اپنے ہی لیے ہے۔

نمبر۱۔ گویا اس اصول کو سمجھ لینا کہ خدا کی راہ میں مال دینے سے انسان تنگدست نہیں ہوتا اصول دین میں سے ایک اصل ہے اور اس کو سمجھ کر انسان خیر کثیر کا مالک ہو جاتا ہے۔ اس حکمت کو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سمجھا اور باوجودیکہ وہ غریب تھے اپنے مالوں کو انھوں نے اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ دنیا میں بھی خیر کثیر کے مالک ہو گئے اس لیے ایک زندہ اور کامیاب قوم بن گئی۔ آج مسلمان اُن سے بہت زیادہ مالدار اور تعداد میں ہزار ہا گنے زیادہ ہیں، مگر اسی حکمت کی بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ان کا مال اُن کے ہاتھوں سے نکل کر دوسروں کے ہاتھوں میں جا رہا ہے اور پھر بھی وہ قرآن کریم کی اس حکمت کی بات پر عمل پیرا نہیں ہوتے۔

نمبر۲۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں لفظ نذر آیا ہے کوئی شرط ساتھ نہیں۔ نذر کے معنی صرف اسی قدر ہیں کہ تم اپنے نفس پر عبادت یا صدقہ وغیرہ سے کوئی چیز بطور نفل واجب کر لو۔ اور گو مفسرین لکھتے ہیں کہ نذر شرط کے ساتھ یا بلا شرط ہو سکتی ہے۔ مگر قرآن شریف میں یا حدیث میں شرط کا ذکر نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرطیں لگانا کہ فلاں کام ہو جائے تو ہم یوں کریں گے درست معلوم نہیں ہوتا۔

نمبر۳۔ اس آیت میں انفاق کا طریق بتایا۔ انجیل میں صدقات کا مضمون اتنی ہی بات پر ختم ہو جاتا ہے کہ تم دکھاوے کے لیے خیرات نہ کرو بلکہ تمھارا دایاں ہاتھ دے تو بائیں کو خبر نہ ہو۔ ضروریات انسانی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ممکن نہیں کہ انسان جب صدقہ کرے تو ایسے ہی طور پر کرے کہ دایاں ہاتھ دے تو بائیں کو خبر نہ ہو۔ بڑے بڑے قومی چندے جن سے ضروریات قومی پوری ہوتی ہیں وہ کبھی اس طریق پر نہیں دیے جا سکتے۔ اس لیے فرمایا کہ علانیہ طور پر بھی مال خدا کی راہ دینا بہت اچھا ہے بلکہ اسے پہلے بیان کیا۔ اس میں ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ دوسروں کو نیکی کی تحریک ہوتی ہے اور درحقیقت بڑے بڑے قومی کام علانیہ چندوں سے ہی سرانجام پا سکتے ہیں۔ ساتھ ہی دوسرے پہلو کا بھی ذکر کر دیا کہ غرباء کی کچھ مدد کرو تو وہ چھپا کر کرو وہ بھی ایک ضرورت قومی ہے اور بہت لوگ مستحق امداد ہوتے ہیں جن کو علانیہ دینا موزوں نہیں اور نہ وہ علانیہ لینا پسند کرتے ہیں۔

نمبر۴۔ پہلے پہلے مسلمان (بوجہ ان سختیوں کے جو کفار سے پہنچی تھیں) فی سبیل اللہ اپنے مشرک رشتہ داروں کی امداد کرنا ناپسند کرتے تھے تو یہ آیت نازل

وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا
تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا
تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٢﴾

اور تم خرچ نہیں کرتے سوائے اس کے کہ اللہ کی رضا چاہو اور جو کچھ مال تم خرچ کروگے وہ تمھیں پورا دیا جائے گا اور تمھیں نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا
يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ؗ يَحْسَبُهُمُ
الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ
بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا
تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿٢٧٣﴾

ان محتاجوں کے لیے جو اللہ کی راہ میں روکے گئے ہیں، زمین میں چلنے پھرنے کی طاقت نہیں رکھتے (سوال سے) بچنے کے باعث ناواقف ان کو دولت مند سمجھتا ہے، تو انھیں ان کی نشانیوں سے پہچان لیگا۔ وہ لوگوں سے چپٹ کر نہیں مانگتے اور جو کچھ مال تم خرچ کرو اللہ اسے یقیناً جانتا ہے[1]

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ
سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٤﴾

جو لوگ رات اور دن چھپ کر اور ظاہر اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں تو ان کے لیے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کو کوئی ڈر نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا
يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ

جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہیں ہونگے، مگر اس طرح جیسے وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا بنا دیا ہو[2]۔ یہ اس لیے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت بھی سود ہی کی طرح ہے

ہوتی، یعنی قرآن شریف نے غیر مسلموں کی امداد بھی فقر اور تنگی کی حالت میں ضروری قرار دی ہے اور انسانی ہمدردی کے دائرہ کو تنگ نہیں کیا۔

نمبر۱- اب یہ بتاتا ہے کہ خصوصیت سے کون سے محتاج مستحق ہیں وہ فقرا ہیں جو اللہ کی راہ میں روکے گئے ہوں یعنی اپنے کاروبار نہ کر سکتے ہوں اور یہ تین قسم کے لوگ ہیں (۱) وہ مجاہدین یا خدا کی راہ میں کوشش کرنے والے جو اس لیے کہ ساری قوت اسی کام پر لگاتے ہیں اپنا ذریعہ معاش نہ رکھتے ہوں۔ نبی کریم صلعم کے زمانے میں اصحاب الصفہ کا گروہ اسی ذیل میں شامل تھا۔ اب بھی جو لوگ تعلیم دین پاتے ہوں یا خدمت دین کے لیے اپنے آپ کو وقف کر چکے ہوں اس ذیل میں آتے ہیں (۲) وہ لوگ جو کفار کے ظلم کی وجہ سے یا امن اٹھ جانے کی وجہ سے اپنا کاروبار نہ کر سکتے ہوں۔
(۳) وہ لوگ جو دینی جنگ میں زخمی ہو گئے ہوں یا خدمت دینی ادا کرتے ہوئے کام کے ناقابل ہو گئے ہوں۔ یہاں لفظ تعفف کے استعمال سے اور مستحقین کے متعلق یہ بتا کر کہ وہ سوال نہیں کرتے۔ یہ بھی بتا دیا ہے کہ سوال کرنا اچھی بات نہیں کیونکہ تعفف بُری بات سے بچنے کا نام ہے تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سوال کرنا مذموم امر ہے مگر آج جدھر دیکھو بھیک مانگنے والے مسلمان نظر آتے ہیں۔ بخاری کی حدیث میں جو ان الفاظ کی تفسیر ہے یہ لفظ آتے ہیں کہ مسکین وہ نہیں جس کو ایک یا دو کھجوریں یا ایک دو لقمے دیئے جاتے ہیں انما المسکین الذی یتعفف۔ مسکین یعنی لینے کا حق دار صرف وہی ہے جو سوال سے بچے۔

نمبر۲- ربٰو راس المال پر بڑھوتی کا نام ہے لیکن شریعت میں خاص قسم کی بڑھوتی پر یہ لفظ بولا گیا ہے لسان العرب میں ہے کہ جو ربٰو حرام ہے اس کی صورت اس قرض کی ہے جس کے ذریعہ سے جتنا دیا تھا اس سے زیادہ لیا جائے یا جس کے ذریعہ سے کوئی اور فائدہ اٹھایا جائے۔ اور جو حرام نہیں وہ یہ ہے کہ انسان بطور ہبہ یا تحفہ کوئی چیز دے

وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ
جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ
مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧٥﴾

حالانکہ اللہ نے خرید و فروخت کو حلال کیا اور سود کو حرام کیا ہے۔ سو جس کے پاس اپنے رب سے نصیحت آگئی پھر وہ رک گیا تو اس کے لیے ہے جو گزر چکا اور اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور جو پھر لینے لگے تو وہی آگ والے ہیں وہ اس میں رہ پڑیں گے[۱]۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ
لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿٢٧٦﴾

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرگزار گنہگار کو پسند نہیں کرتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ
اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا
هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٧﴾

جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے کام کرتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں ان کے لیے ان کا اجر اُن کے رب کے پاس ہے اور ان کو کوئی ڈر نہیں ، اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا
بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧٨﴾
فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقوٰے کرو اور جو کچھ سُود سے باقی رہ گیا ہے اُسے چھوڑ دو اگر تم مومن ہو۔ پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑائی

یہ چاہتا ہُوا کہ اس سے بڑھ کر اس کو ملے جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ ایک شخص کا دوسرے پر قرضہ ہوتا تو وہ کہتا کہ تم اس قدر اصل میں بڑھا لو اور ادائیگی میں مہلت دے دو۔

سُود کی ممانعت کی پہلی وجہ ان الفاظ میں ہے کہ سُودخوار کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسے ایک شخص کو شیطان نے مجنون بنا کر گرا دیا ہو گویا وہ مال و دولت کی محبت میں مجنون ہو جاتا ہے اور پھر وہ گر جاتا ہے یعنی شرف انسانیت کھو دیتا ہے۔ یہ الفاظ نہایت سچے ہیں جب ایک انسان یا ایک قوم سودخوری میں ترقی کرتی ہے تو آخر مال و دولت کو اپنا معبود بنا لیتی ہے اور ہمدردئ انسانی کی اعلیٰ صفات سے محروم ہو جاتی ہے۔ یہودیوں نے سودخوری میں ترقی کی، ہمارے ملک کے بنئے بھی اسی کی مثال ہیں۔ ان کی مال و دولت کی محبت اس حد تک ترقی کر گئی ہے کہ اپنے آرام و آسائش پر اپنی اولاد پر بھی صرف کرنا اُن کو دشوار نظر آتا ہے۔ وہ مہذب قومیں جنہوں نے آج سودخوری میں ترقی کی ہے ان کا معبود صرف ایک مال رہ گیا ہے اسی کی وہ پوجا کرتے ہیں اس پر دین ایمان، عزت عفت سب کچھ بیچنے کو تیار ہیں۔

نمبر۱۔ یہاں بتایا کہ لوگ سود کے جواز کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ جیسا سود ویسی تجارت، ظاہری مساوات جس کی طرف لوگوں کی نظر جاتی ہے وہ تو یہ ہے کہ جب انسان مال خرید کر اس سے منفعت حاصل کر سکتا ہے اسی طرح روپے سے بھی اسے منفعت حاصل کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے مگر ان دونوں میں فرق ہے سود میں محنت نہیں خرید و فروخت میں محنت کرنی پڑتی ہے۔ اسلام نے چونکہ محنت کو انسانی ترقی کا ضروری جزو قرار دیا ہے اس لیے ایک ایسے معاملہ کو جس میں محنت نہیں ناجائز ٹھہرایا ہے اور نہ صرف سودخوری محنت سے خالی ہے بلکہ اس سے محنت کی بے قدری بھی ہوتی ہے اور وہ اس طرح کہ سرمایہ دار جب سود پر روپیہ دیتا ہے تو وہ شخص جو اس سے تجارت کرتا ہے اور اس پر محنت کرتا ہے بعض وقت نفع اٹھاتا ہے بعض وقت نقصان۔ مگر سرمایہ دار ہمیشہ نفع لیتا ہے اور نقصان سے اسکو کچھ واسطہ نہیں۔ اگر بالفرض تجارت میں سارے مال کا بھی نقصان ہو جائے تو بھی سرمایہ دار نہ صرف اپنے سرمایہ کا حق دار ہے بلکہ وہ اس پر نفع بھی لیگا گویا محنت کی بمقابلہ سرمایہ یعنی روپیہ کے کچھ بھی قدر نہیں نقصان کی ذمہ دار وہ اور نفع سے فائدہ اُٹھانے والا سرمایہ ✦

وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ	کے لیے خبردار ہو جاؤ اور اگر تم توبہ کرلو تو تمھارے لیے تمھارے اصل مال ہیں
اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾	نہ تم نقصان پہنچاؤ اور نہ تمھیں نقصان پہنچایا جائے[1]
وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ	اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو فراخی تک مہلت دینی چاہیئے اور اگر
وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾	تم خیرات کردو تو تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔
وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۣ ثُمَّ	اور اس دن سے اپنا بچاؤ کرو جس میں تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤگے
تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾	پھر ہر شخص کو جو اس نے کمایا پورا دیا جائیگا اور انھیں نقصان نہیں پہنچایا جائیگا
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ	اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم آپس میں مقرر وقت کے لیے قرض کا
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ	معاملہ کرو تو اسے لکھ لو[2]۔ اور چاہیئے کہ تمھارے درمیان لکھنے
بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ	والا عدل کے ساتھ لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے
اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ	جیسا اللہ نے اُسے سکھایا، اور ضرور لکھ دے اور چاہیے
الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا	کہ وہ جس پر حق ہے لکھائے اور وہ اللہ اپنے رب کا تقوے

نمبر ۱۔ یہاں سود لینے کو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرنا قرار دیا ہے بعض لوگوں نے ظاہر الفاظ کا تتبع کرکے یہ خیال کرلیا ہے کہ سود لینے والے کو قتل کردینا جائز ہے مگر یہ درست نہیں اور نہ حدود شرعی میں اس کا کہیں ذکر آتا ہے یہ الفاظ صرف تنبیہ و تہدید کے لیے ہیں۔ بعض لوگ بنکوں کے سود کو تجارتی منافع قرار دیکر اسے سود کی تعریف سے مستثنےٰ کرنا چاہتے ہیں لیکن یہ درست معلوم نہیں ہوتا۔ البتہ جو لوگ بنک میں روپیہ صرف حفاظت یا پس انداز کرنے کی خاطر رکھتے ہیں ان کا معاملہ بھی عام صورت سے علٰحدہ ہے۔ اگر ایسے لوگوں کی نیت یوں روپیہ رکھ کر اس سے سود حاصل کرنا نہ ہو اور جو روپیہ بنک بموجب اپنے قواعد کے ایسی امانتوں پر دیدے وہ لیکر کسی نیک کام پر صرف کردیا جائے تو یہ رقم سود کی تعریف میں نہیں آتی کیونکہ نہ روپیہ رکھنے والے کی نیت اس سے سود حاصل کرنا تھا نہ ہی جو کچھ راس المال سے زاید ملتا ہے وہ اسے لیتا اور اپنے صرف میں لاتا ہے تو یہ سود نہیں۔ جس طرح پر اگر قرضدار بغیر مقرر کرنے یا وعدہ کرنے کے زاید رقم دیدے تو اس کا لے لینا سود میں داخل نہیں کیونکہ نیت نہ یہاں ہے نہ وہاں فاذنوا بحرب من اللہ و رسولہ سے یہ اجتہاد بھی کیا گیا ہے کہ سود کا روپیہ اشاعتِ اسلام پر لگایا جاسکتا ہے کیونکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے مقابلہ پر خرچ ہوگا۔ البتہ کوایریٹو بنکوں کی صورت بالکل علٰحدہ ہے کیونکہ وہاں منافع ناقابل تقسیم ہوتا ہے ان بنکوں میں شرکت سود کی تعریف کے نیچے نہیں آتی۔ ایسا ہی اگر تجارتی بنک اس اصول پر قائم کیے جائیں کہ نفع و نقصان میں حصہ دار شریک ہوں تو یہ صورت بھی مستثنےٰ ہوگی۔

نمبر ۲۔ پچھلے تین رکوعوں میں ایک طرف انفاق فی سبیل اللہ پر زور دیکر اور دوسری طرف سود کو حرام قرار دیکر مال کی محبت کی جڑ کاٹی ہے تو اب یہ بھی بتا دیا کہ مال کی حفاظت کی کس قدر ضرورت ہے۔ یہاں تک کہ مال کی حفاظت کو ایک دینی حکم قرار دیا بلکہ ان لوگوں کو جو اپنے مال کی حفاظت نہیں کرسکتے سفیہ قرار دیا۔ لین دین کے معاملات تین طرح پر ہوسکتے ہیں (۱) لینے دینے کی دونوں چیزیں موجود ہوں اس کو تجارتِ حاضرہ کے نام سے موسوم کیا ہے قیمت دی اور چیز لی۔ تحریر کی ضرورت نہیں (۲) لینے دینے کی دونوں چیزیں موجود نہ ہوں یہ فرضی بیع ہے جیسا آج کل تجارت کے رنگ میں جوا کھیلا جاتا ہے جسے سٹہ کہتے ہیں اسے اسلام نے منع کیا ہے (۳) ایک چیز موجود نہ ہو اور دوسری ہو یہی مداینہ ہے اس میں حکم ہے کہ ایسے معاملات کو لکھ لیا کرو اور گواہ بھی رکھ لیا کرو تا جھگڑے کم ہوں۔

عرب اُمّی قوم تھی، معاملات سادہ رنگ کے تھے ان میں لکھنے کا رواج نہ تھا، کاغذ بھی کمیاب تھا۔ ایسی قوم کو تحریرِ معاملات کا اتنا موکد حکم بتاتا ہے کہ اس میں مسلمانوں کے ایک عظیم الشان متمدن قوم بننے کا اشارہ تھا اس لیے اس قوم کی بنیاد ہی ایسی رکھی کہ آئندہ ضرورتوں کا سامان پہلے سے کردیا۔

يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ۚ فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ
الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ
يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ
وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ ۖ
فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ
مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ
إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ ۚ
وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا
تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ
أَجَلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ
وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا ۖ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً
حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ
وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِنْ

اختیار کرے اور اس سے کچھ کمی نہ کرے ۔ پھر اگر وہ شخص جس پر
حق ہے کم عقل یا ضعیف ہو یا لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو
تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ لکھوائے[1] اور دو گواہ
اپنے مردوں میں سے گواہی کے لیے بلا لیا کرو ۔ پھر اگر
دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ان گواہوں
میں سے ہوں جن کو تم پسند کرو ۔ تاکہ اگر ایک بھول جائے
تو ایک ان دونوں میں سے دوسری کو یاد دلا دے[2]۔
اور گواہ جب بلائے جائیں انکار نہ کریں اور اس کے وقت
تک اسے لکھنے میں کاہلی نہ کرو تھوڑا ہو یا بہت ۔ یہ اللہ
کے نزدیک بہت انصاف کی بات ہے اور گواہی کو بہت
مضبوط رکھنے والی ہے اور اس سے بہت قریب ہے کہ تم شک میں نہ
پڑو لیکن اگر نقد سودا ہو جس کو تم آپس میں لیتے دیتے ہو تو پھر تم پر کوئی
گناہ نہیں کہ اُسے نہ لکھو اور جب خرید و فروخت کرو تو گواہ رکھ لیا
کرو اور نہ لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے اور نہ گواہ کو ۔ اور

نمبر۱۔ اس ایک آیت میں ایک ترقی یافتہ قوم کی لین دین کی جملہ ضروریات کو مدِ نظر رکھا گیا ہے ۔ اوّل کاتبوں یا وثیقہ نویسوں کی ضرورت بتائی ۔ وہ لکھنے سے انکار نہیں کر سکتے اور لکھنے والے کو معاوضہ دینا ضروری ہے ۔
دوم گواہ ہوں وہ گواہی دینے سے انکار نہیں کر سکتے مگر جو اُن کو بطور گواہ بلاتا ہے وہ ان کے کاروبار کے ہرجہ کا معاوضہ دے ۔ سوم معاملہ کرنیوالا بچہ ہو یا بوڑھا یا مال کی حفاظت نہ کر سکتا ہو یا کوئی اور امر مانع ہو تو اس کا ولی مقرر کیا جائے ۔ غرض ایک ایک فقرہ میں ایک ایک قانون کی بنیاد قائم کر دی ہے ۔ آگے اس پر قانون بن سکتے ہیں ۔
نمبر۲۔ شہادت میں دو گواہوں کا ہونا بلحاظ حالات عامہ ہے ۔ عموماً دو گواہوں سے بات مضبوط ہو جاتی ہے ۔ جھوٹ کی ملاوٹ کا احتمال کم ہو جاتا ہے ۔ بیان کا جو حصہ ایک دوسرے کی تائید میں ہو وہ وزنی ہو جاتا ہے یہ حکم نہیں کہ اگر ایک ہی گواہ ہو تو فیصلہ نہ کیا جائے یا قرائن کی شہادت پر فیصلہ نہ کیا جائے بلکہ حضرت یوسفؑ کے معاملہ میں جہاں قمیص کے آگے یا پیچھے سے پھٹنے کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ قرائن کی شہادت پر بھی فیصلہ ہو سکتا ہے ۔ اور ایک مرد کی جگہ جو دو عورتوں کی شہادت رکھی تو اس کی وجہ بھی خود ہی بتا دی کہ عورتوں کو چونکہ معاملات لین دین سے واسطہ کم پڑتا ہے ۔ اس لیے ایسی باتوں کو شاید وہ اچھی طرح یاد نہ رکھ سکیں تو ایک کی کمی کو دوسری پورا کر دے ۔ اکیلی عورت کی شہادت ناقابل قبول ہونے کا ذکر کہیں نہیں ۔ بلکہ لعان کے معاملہ میں جو وزن مرد کی چار مرتبہ شہادت کو دیا ہے وہی وزن عورت کی چار مرتبہ شہادت کو دیا ہے گویا مرد اور عورت کی شہادت میں کوئی فرق نہیں کیا ولادت بکارت وغیرہ معاملات میں فقہا نے بھی عورت کی شہادت کو پورا وزن دیا ہے ۔

تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَؕ
وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ۲۸۲
وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا
فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ
بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِی اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ
اللّٰهَ رَبَّهٗؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَؕ وَمَنْ
يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗؕ وَاللّٰهُ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۲۸۳

اگر تم (ایسا) کروگے تو یہ تمھاری طرف سے نافرمانی ہوگی اور اللہ کا تقویٰ کرو اور اللہ تم کو سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو (کچھ) با قبضہ گرو رکھ لیا جائے پھر اگر تم میں سے ایک دوسرے کا اعتبار کرے تو جس کا اعتبار کیا گیا ہے چاہیئے کہ وہ امانت کو ادا کرے اور اللہ اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرے[1]۔ اور گواہی کو نہ چھپاؤ، اور جو شخص اسے چھپاتا ہے تو اس کا دل ضرور گنہگار ہوتا ہے اور جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے[2]۔

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِؕ وَاِنْ
تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ
بِهِ اللّٰهُؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ
يَّشَآءُؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ۲۸۴

اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے یا اسے چھپاؤ، اللہ اس کا تم سے حساب لیگا، پھر وہ جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ

رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے رب سے اس کی طرف اتارا

نمبر ۱۔ قرض کا معاملہ تحریر سے دو صورتوں میں مستثنےٰ کیا۔ اوّل رہن با قبضہ کی صورت میں۔ دوم اعتماد ہو۔ رہن با قبضہ کا جواز تو یہاں صریح ہے اور یہ جواز عام ہے اور یہاں صرف یہ توجہ دلائی ہے کہ اگر سفر وغیرہ میں کاتب نہ ملے، تو تمھارے لیے ایک دوسری صورت بھی جائز ہے۔ یہی جمہور کا مذہب ہے یعنی رہن با قبضہ بہر حال جائز ہے خواہ سفر میں ہو یا حضر میں۔ کاتب ملے یا نہ ملے۔ احادیث صحیحہ سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت انسؓ سے ہے کہ رسول اللہ صلعم فوت ہو گئے اور آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس دستی جو پر رہن تھی جو آپ نے اپنے اہل کے گذارہ کے لیے لیے تھے۔

اس آیت سے اور احادیث سے جو اس بارہ میں مروی ہیں یہ بھی ثابت ہے کہ رہن با قبضہ ہی جائز ہے بلا قبضہ رہن جائز نہیں اور وہ درحقیقت سُود کی ایک صورت ہے۔ البتہ احادیث سے یہ ثابت ہے کہ رہن با قبضہ کی صورت میں مرہونہ چیز سے نفع اُٹھانا جائز ہے۔ مثلاً گھوڑا رہن رکھا تو اس کو چارہ دیا جائے اور اس سے سواری کا کام لیا جائے۔ جائداد غیر منقولہ کے رہن با قبضہ کا مسئلہ بھی اس سے اخذ کیا جا سکتا ہے یعنی زمین یا مکان کا رہن با قبضہ جائز ہے اور زمین کی پیداوار اور مکان کے کرایہ سے فائدہ اُٹھانا بھی جائز ہے بشرطیکہ لگان یا اخراجات وغیرہ بھی ادا کیے جائیں۔

نمبر ۲۔ پہلے ذکر کیا تھا کہ گواہ انکار نہ کرے اب یہ حکم دیا ہے کہ گواہی کو نہ چھپائے اور جو چھپائے اس کا دل گنہگار ہوتا ہے۔ دل گنہگار کہنے سے یہ منشا ہے کہ انسان ان لین دین کے معاملات کو معمولی نہ سمجھے جو شخص ان معاملات میں راستبازی سے کام نہیں لے سکتا وہ راستباز نہیں ہو سکتا۔ قلب چونکہ تمام نیکیوں کا مرکز ہے اس پر اثر پڑنے سے دوسری نیکیوں کی توفیق بھی چھن جاتی ہے۔ پس یہ سمجھایا ہے کہ یہی چھوٹے چھوٹے معاملات ہی انسان کے قلب کو سفید یا سیاہ کر دیتے ہیں۔ جو شخص انسانوں کے باہم معاملات اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں صداقت کا طریق اختیار نہیں کرتا وہ نماز اور روزہ سے نیک نہیں بن سکتا۔

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ
وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۫ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ
مِّنْ رُّسُلِهٖ ۫ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ٭
غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝٢٨٥
لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا
مَا كَسَبَتْ وَ عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا
تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا
وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ
عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا
مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَ اعْفُ عَنَّا ٭ وقفة
وَ اغْفِرْ لَنَا ٭ وقفة وَ ارْحَمْنَا ٭ وقفة اَنْتَ مَوْلٰىنَا
فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝٢٨٦ ع

گیا اور مومن بھی۔ سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں
اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں ہم اس کے رسولوں میں سے
کسی میں کچھ تفرقہ نہیں کرتے ۔اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور ہم نے فرمانبرداری
کی اے ہمارے رب تیری حفاظت رچاہیئے اور تیری طرف ہی انجام کار پہنچنا ہے۔
اللہ کسی پر کچھ لازم نہیں کرتا مگر جس قدر اس کی طاقت ہو اسی کے لیے ہے
جو وہ (اچھی) کمائی کرے اور اسی پر ہے جو وہ (بُری) کمائی کرے اے ہمارے
رب ہم کو نہ پکڑ اگر ہم بھول جائیں یا چُوک جائیں اے ہمارے رب اور
ہم پر بھاری بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے اُن پر ڈالا جو ہم سے پہلے تھے
اے ہمارے رب اور ہم پر ایسا بوجھ نہ رکھ جس کی طاقت ہم میں نہیں
اور ہمیں معاف فرما اور ہماری حفاظت فرما اور ہم
پر رحم فرما تو ہمارا مولیٰ ہے۔ پس ہمیں کافر قوم
پر مدد دے[1]

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ (٣)

اٰيَاتُهَا ٢٠٠ — رُكُوْعَاتُهَا ٢٠

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
الٓمّٓ ۝١

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
میں اللہ کامل علم رکھنے والا ہوں۔

نمبر۱۔ اس دعا میں تین باتیں ہیں۔ اوّل انسان کے عجز کا پہلو کہ نسیان اور خطا اس سے واقع ہو جاتا ہے تو دعا سکھائی کہ اس پر گرفت نہ ہو۔ ایسی دعا انسان کو متنبہ کرتی ہے کہ وہ غافل نہ ہو ایسا نہ ہو کہ وہ احکام الٰہی کو بھول جائے اور احکام الٰہی کی فرمانبرداری میں بہت محتاط اور چُست ہو تا کہ خطا سے بچا رہے اور جو نسیان و خطا باوجود کوشش کے واقع ہو جائے اس کے نتائج سے حفاظت مانگنا سکھایا ہے۔ دوسری دعا ہے کہ عہد شکنی کے بوجھ سے بچایا جائے۔ یعنی اس قدر مخالفت احکام الٰہی کی نہ ہو کہ عہد کو توڑ ڈالے جس طرح پہلی قومیں توڑتی رہیں اور تیسری دعا یہ ہے کہ ہم پر وہ بوجھ مصائب قضا و قدر کا نہ ڈالا جائے جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہ ہو۔ ان تینوں کے مقابل پر پھر تین دعائیں سکھائی ہیں۔ نسیان و خطا کے بالمقابل عفو کی درخواست یعنی یہ کہ نسیان و خطا انسان کی عاجزی سے واقع ہوتے رہتے ہیں ان کے بد نتائج سے بچایا جائے اور عہد شکنی کے بوجھ سے بچنے کے مقابل پر دعائے غفر (حفاظت) یعنی دیدہ دانستہ انسان سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو۔ اور قضاء و قدر کے مصائب کے مقابلہ پر رحم کی درخواست اور ان سب کا آخری مقصد کیا ہے کہ کافر قوم کے خلاف اللہ تعالیٰ کی نصرت ملے۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام آل عمران ہے جو سلسلہ بنی اسرائیل کے بانی حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کے والد کے نام سے لیا گیا ہے اس میں بیس رکوع اور ۲۰۰ آیتیں

اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۲﴾	اللہ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہمیشہ زندہ خود قائم قائم رکھنے والا ہے۱؎۔
نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا	اس نے تجھ پر حق کے ساتھ کتاب اتاری اس کی تصدیق کرتی ہوئی جو اس سے
بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۳﴾	پہلے ہے اور توریت اور انجیل کو۔
مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ	لوگوں کو راہ دکھانے کے لیے پہلے سے نازل کیا۲؎ اور حق و باطل میں فیصلہ اتارا۳؎۔
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ	وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب
شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾	ہے اور اللہ غالب سزا دینے والا ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ	یقیناً اللہ تعالیٰ پر نہ زمین میں کوئی چیز چھپی ہے اور نہ
وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۵﴾	آسمان میں۔
هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ	وہی ہے جو تمھاری تصویریں رحموں میں جس طرح چاہتا ہے
يَشَآءُ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶﴾	بناتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، غالب حکمت والا ہے۴؎۔
هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ	وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری اس میں سے (کچھ)
اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ	محکم آیتیں ہیں جو کتاب کی اصل ہیں اور کچھ اور متشابہ
مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ	ہیں۔ پھر جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ اس کے

ہیں۔ اس کا نزول مدینہ میں ابتدائی ایام میں ہوا مگر سورہ بقر کے بعد اور اس کا اکثر حصّہ تیسرے سال ہجرت کا نازل شدہ ہے اس سورت میں مسلمانوں کو فلاح کا طریق بتاتے ہوئے ضالین یعنی نصاریٰ کی غلطیوں سے بچنے کی ہدایت کی ہے۔ اس کے بڑے حصّہ میں جنگ اُحد کا ذکر ہے جس میں اشارہ یہ ہے کہ جس طرح جنگ احد میں بظاہر مسلمانوں کو ناکامی نظر آتی تھی مگر اس کی تہ میں ایک عظیم الشان کامیابی تھی اسی طرح اگر اسلام کی حالت کسی وقت عیسائیت کے مقابلہ میں بیکسی اور درماندگی کی بھی ہو جائے تو اس بلا کے نیچے بھی ایک گنج کرم ہوگا اور عیسائی لوگ آخر اسلام قبول کریں گے۔"

نمبر۱۔ چونکہ اس سورت کے ابتدائی حصّہ میں عیسائیت کی تردید ہے اس لیے اس کی ابتدا میں ان صفات الٰہی کا ذکر کیا ہے جو عیسائی مذہب کے بطلان پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ اوّل توحید کا ذکر فرمایا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر فرمایا کہ وہ حیّ اور قیّوم ہے اور عیسائی اسے خدا کہتے ہیں جس پر موت آئی۔ یہی دلائل خود رسول اللہ صلعم نے وفد نجران کے مقابلہ پر پیش کیے جن کے ساتھ مباہلہ کا ذکر اس سورت کی آیت ۶۰ میں آتا ہے۔

نمبر۲۔ یہ کتابیں بھی اللہ تعالیٰ نے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لیے نازل کی تھیں اور سچ تو یہ ہے کہ اب بھی ان میں کچھ نہ کچھ ہدایت موجود ہے اور سب سے بڑی ہدایت ان میں یہی موجود ہے کہ دونوں کتابیں نبی کریم صلعم کی آمد کی پیشگوئی کرتی ہیں اور انجیل تو صاف طور پر کہتی ہے کہ کامل ہدایت کی راہیں سکھانے والا میرے (یعنی مسیح کے) بعد آنے والا ہے۔

نمبر۳۔ گویا ان پہلی کتابوں میں جو حق تھا اس کے ساتھ کچھ باطل مل گیا اس لیے قرآن نازل فرمایا جو حق و باطل کو الگ کرتا ہے۔

نمبر۴۔ اللہ پر کوئی چیز مخفی نہیں، مگر مسیح جنھیں خدا کہا جاتا ہے ایک بے پھل انجیر کے درخت کی طرف دوڑ گئے کہ پھل کھائیں جس سے اُن کی لاعلمی ظاہر ہوتی ہے، مرقس ۱۱: ۱۲ و ۱۳ اور وہ خود اپنی لاعلمی کا اقرار کرتے ہیں متی ۲۴: ۳۶ پھر خدا دوسروں کی تصویریں بناتا ہے مسیح کی تصویر رحم مادر میں کس نے بنائی۔"

فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑦

پیچھے پڑ جاتے ہیں جو اس میں سے متشابہ ہے فتنہ پیدا کرنے کے لیے، اور یہ چاہتے ہوئے کہ اس کی (من مانی) تاویل کریں[1] اور اس کی تاویل کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور ان کے جو علم میں پختہ ہیں[2] وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور عقل والوں کے سوائے کوئی نصیحت قبول نہیں کرتا۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ⑧

اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ ہونے دے اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت کی اور اپنے پاس سے ہمیں رحمت عطا فرما، بیشک تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے[3]۔

نمبر۱۔ اس آیت میں بیان فرمایا ہے کہ قرآن شریف میں بعض کلام محکم ہے اور بعض متشابہ۔ محکم اُسے کہتے ہیں جس کے معنے ظاہر ہوں یعنی ایسا بیان جو اپنی وضاحت کے لیے دوسرے کا محتاج نہیں اور متشابہ وہ ہے جس کی تفسیر بوجہ اس کی غیر کے ساتھ مشابہت کے مشکل ہو یا جس کے معنے کئی طرح پر ہو سکتے ہوں۔ مثلاً اللہ احد اللہ ایک ہے محکم ہے لیس کمثلہ شی اس کی مثل کوئی چیز نہیں محکم ہے۔ ید اللہ (اللہ کا ہاتھ) متشابہ ہے۔ جنت و نار یا قیامت کے متعلق جن باتوں کا ذکر ہے وہ متشابہ ہیں کیونکہ ان کی حقیقت کو ہم بیان معلوم نہیں کر سکتے اور ان کا ذکر بھی مثال کے رنگ میں ہوا ہے ایسا ہی قرآن شریف میں مجاز اور استعارہ کے طور پر بھی کلام موجود ہے جو متشابہ ہے۔ تفسیر کا اصول یہ بیان فرمایا کہ اصول دین سب محکم ہیں کیونکہ انھیں ام الکتاب کہا ہے اور ام اصل یا جڑ کو کہتے ہیں پس ان کو بطور اصل قرار دیا جائے اور متشابہ کے معنے کرنے میں یہ مدنظر رکھا جائے کہ اصول کے خلاف نہ ہو۔ اگر متشابہ کے معنے کرنے میں اس طریق کو مدنظر نہ رکھا جائے تو فتنہ پیدا ہو گا یعنی ایک جگہ ایک اصول قائم کیا دوسری جگہ خود اس کے خلاف معنے کر لیے۔ پہلے اصول قائم کرو اور مجاز اور استعارہ کے رنگ کے کلام کو ان کے ماتحت کرو۔ یہاں عیسائی مذہب کے ذکر میں اس اصول کو بیان کر کے بتایا ہے کہ اس مذہب کو غلطی اسی سے لگی ہے یعنی اس نے اصول دین کو متشابہات پر قائم کیا ہے مثلاً مسیح کی خدائی کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ پیشگوئیوں میں ان کے لیے خدا کا لفظ آیا ہے حالانکہ پیشگوئی اصول دین میں سے نہیں اور پیشگوئیوں کی زبان مجاز اور استعارہ سے بھری ہوئی ہوتی ہے خود مسیح کی آمد کے جو نشان ہیں ان کو عیسائی بھی مانتے ہیں کہ یہ مجاز ہے۔ پھر انہی کی بائبل میں نیک لوگوں کو مجازاً خدا کہا گیا ہے "میں نے تو کہا کہ تم الٰہ ہو اور تم سب حق تعالیٰ کے فرزند ہو (زبور ۸۲ : ۶) اسی طرح بطور مجاز اگر مسیح کے حق میں خدا یا ابن اللہ کا لفظ آ گیا تو اس سے خدا کی توحید کو توڑنا جو سب دینوں کا اصل ہے خطرناک غلطی ہے۔ اسی طرح اصول باطلہ میں عموماً مجازی کلام سے غلطی لگی ہے مسلمانوں کے فروعی جھگڑے بھی آج ختم ہو جاتے ہیں اگر فروع کو اصول کے ماتحت کیا جائے، کیونکہ اصول پر سب کا اتفاق ہے۔

نمبر۲۔ یہاں اللہ اور والراسخون فی العلم دونوں جگہ پر وقف ہے۔ اس لیے والراسخون فی العلم دونوں طرف ملتا ہے۔ یعنی اس کی تاویل کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور راسخون فی العلم کے اور یہ بتانے کو کہ وہ راسخ فی العلم کس طرح اس تاویل کو جانتے ہیں یہ الفاظ بڑھا دیئے ہیں۔ یقولون آمنا بہ کل من عند ربنا یعنی ہم متشابہات اور محکمات دونوں کو خدا کی طرف سے مانتے ہیں۔ گویا اُن کا اصول یہ ہے کہ متشابہات کو محکمات پر عرض کرتے ہیں چنانچہ بخاری میں اسی طرح پر ان الفاظ کے معنی کیے ہیں والراسخون یعلمون یقولون آمنا بہ یعنی راسخ بھی ان معنوں کو جانتے ہیں وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے اور حضرت ابن عباسؓ سے مجاہد کی وساطت سے یہ قول مروی ہے کہ آپ نے فرمایا انا من الراسخین الذین یعلمون تاویلہ میں ان راسخوں میں سے ہوں جو اس کی تاویل کو جانتے ہیں۔

نمبر۳۔ اس دعا کی اس مقام پر تعلیم صاف اِس بات کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ متشابہات کی پیروی میں لگ کر دین میں فتنہ پیدا کرنے والے وہی لوگ ہوتے

رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝٩

اے ہمارے رب! ضرور تو لوگوں کو اس دن کے لیے اکٹھا کرنے والا ہے جس میں کچھ شک نہیں بیشک اللہ وعدہ کا خلاف نہیں کرتا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝١٠

جنھوں نے انکار کیا، ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ (کے عذاب) کے سامنے ان کے کسی کام نہ آئے گی اور وہی آگ کا ایندھن ہیں۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝١١

(ان کا حال) فرعون کے لوگوں اور ان کے حال کی طرح ہے جو ان سے پہلے تھے۔ انھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا پس اللہ نے انکو ان کے گناہوں کے سبب پکڑا اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝١٢

جنھوں نے انکار کیا ان سے کہہ دے کہ تم جلد مغلوب کیے جاؤگے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤگے اور کیا ہی برا بچھونا ہے[1]۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝١٣

ان دو گروہوں میں جن کی آپس میں مٹ بھیڑ ہوئی یقیناً تمھارے لیے نشان تھا[2]۔ ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑتا تھا، اور دوسرا کافر تھا وہ اُن کو ظاہر آنکھ سے اپنے سے دوچند دیکھتے۔ اور اللہ اپنی مدد کے ساتھ جس کو چاہے قوت دیتا ہے بصیرت والوں کے لیے اس میں یقینی عبرت ہے[3]۔

ہیں جو پہلے ہدایت پا چکے ہیں کیونکہ ان کے متعلق فرمایا تھا کہ اُن کے دلوں میں زیغ یعنی کجی ہوتی ہے۔ اس لیے اب مومنوں کو اسی زیغ سے بچنے کی دعا سکھاتا ہے۔

نمبر۱۔ یہ پیشگوئی اس زمانہ کی ہے کہ ابھی نبی کریم صلعم کی جمعیت ملک عرب میں دشمنوں کے مقابلہ پر کچھ بھی نہ تھی اور مخالفت ایک مشرکین عرب کی طرف سے ہی نہ تھی بلکہ اندرونی مخالف منافق اور بیرونی مخالف عرب کے سب مشرک اور یہود ونصاریٰ اسلام کی مخالفت پر کمربستہ ہو چکے تھے۔ ان حالات میں ایسے صاف الفاظ میں کفار کی مغلوبیت کی پیشگوئی کرنا اور پھر اس پیشگوئی کا آنحضرت صلعم کے سامنے پورا ہو جانا اسلام کی صداقت کے چمکتے ہوئے نشانوں میں سے ایک نشان ہے۔

نمبر۲۔ یہ اشارہ جنگ بدر کی طرف ہے اس میں آنحضرت صلعم کی صداقت کا نشان ایک تو اس طرح تھا کہ قرآن کریم کی مکی سورتوں میں مسلمانوں اور کفار کے درمیان ایک مٹھ بھیڑ کی خبر بار بار دی گئی تھی، جس میں کفار کی ہزیمت اور مسلمانوں کی فتح کی پیشگوئی کی گئی تھی۔ ام یقولون نحن جمیع منتصر سیھزم الجمع ویولون الدبر بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر (۵۴: ۴۴-۴۶)۔ یہاں ساعۃ سے مراد ہی ہزیمت کی ساعت ہے ورنہ قیامت کے دن ہزیمت اور جنگ کا کیا ذکر ہے اور اہل کتاب کے لیے بالخصوص ایک نشان جنگ بدر میں تھا کیونکہ اس کی پیشگوئی ان کی کتابوں میں بھی پائی جاتی ہے دیکھو یسعیاہ ۲۱: ۱۳ تا ۱۷ جس کا عنوان ہے "عرب کی بابت الہامی کلام"

نمبر۳۔ بدر میں ایک طرف کفار کا زبردست گروہ تھا۔ ایک ہزار مسلح جنگ جو۔ دوسری طرف تین سو تیرہ مسلمان، ہتھیار بہت کم، بہتیرے کمزور اور ناتوان۔ مگر کفار کی طاقت توڑ دی جاتی ہے ان کے سب سردار مارے جاتے ہیں۔ یہ خدا کی طرف سے نشان تھا۔ کفار تھے تو تین گنا مگر اُن کا دوگنا دیکھنا اس لحاظ سے تھا کہ ایک

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

لوگوں کو نفسانی خواہشوں کی محبت بھلی معلوم ہوتی ہے (جیسے) عورتیں اور بیٹے اور ڈھیروں ڈھیر سونا اور چاندی اور پلے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتی، یہ اس وَرلی زندگی کا سامان ہے اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔[1]

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۗ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾

کہہ کیا میں تم کو اس سے اچھی بات بتاؤں، ان لوگوں کے لیے جو تقوے اختیار کرتے ہیں ان کے رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں رہنے والے ہیں اور پاک ساتھی اور اللہ کی رضامندی ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔[2]

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾

وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لائے۔ پس ہمارے گناہ بخش اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

صبر کرنے والے اور سچ کر دکھانے والے اور فرمانبردار اور خرچ کرنے والے اور صبح کے وقتوں میں استغفار کرنے والے۔[3]

حصّہ پہاڑ کے پیچھے تھا اور مسلمانوں کے لیے چونکہ وعدہ تھا کہ وہ دوچند پر غالب آئیں گے اس لیے مصلحت الٰہی نے مسلمانوں کے حوصلے بڑھانے کے لیے انھیں صرف اسی قدر حصّہ دکھایا اور یہ وعدہ سورہ انفال - ۶۶ میں ہے۔

نمبر۱۔ عیسائیوں کے ساتھ بحث میں دنیا کی محبوب چیزوں کا ذکر بالخصوص کیا ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ یہ قوم دنیا کی مرغوب چیزوں کی محبت میں پڑ کر اللہ کو بالکل بھول جائے گی۔ بالخصوص یہاں ڈھیروں ڈھیر سونے چاندی کا ذکر بتاتا ہے کہ یہ عرب کے لوگوں کا نقشہ نہیں جن کے پاس سونا چاندی اگر تھا بھی تو برائے نام اور آیت کا خاتمہ ان الفاظ پر کیا ہے کہ حسن مآب اللہ کے پاس ہے۔ گویا یہ بتایا ہے کہ مرغوباتِ دنیا کو اپنی زندگی کا مقصد بنانا انجام کار مفید نہیں ان سے بے شک فائدہ اُٹھائے مگر مدنظر خدا کی رضا ہو جیسا اگلی آیت میں کھول دیا۔

نمبر۲۔ بتایا ہے کہ بعض قومیں محض مرغوبات دنیا میں منہمک ہو گئیں یا ہو جائیں گی۔ مگر مرغوباتِ دنیا میں انہماک کا انجام کبھی اچھا نہیں ہوتا۔ ہاں رضائے الٰہی اصل چیز ہے جس کے حصول کے لیے انسان کو پوری کوشش کرنی چاہیئے۔ کیونکہ یہی دنیا و آخرت کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ رضائے الٰہی کو نعمائے جنت میں داخل کر کے جنت کی حقیقت بھی واضح کر دی ہے۔

نمبر۳۔ صابر وہ ہیں جو سخت مشکلات کے وقت طاعت پر قائم رہتے اور معصیت سے بچتے ہیں۔ اس کے بعد صادق ہیں یعنی اپنی بات پر پکے رہ کر قدم آگے بڑھانے والے پھر فرمانبردار پھر اپنی تمام طاقتوں کو خدا کے رستے میں لگانے والے اور سب سے آخری مرتبہ صبح کے وقت استغفار کرنیوالوں کا ہے۔ معلوم ہوا استغفار روحانی ترقی میں سب سے بلند مرتبہ کا نام ہے۔ غفر کے معنے حفاظت کرنا اور استغفار کے معنے حفاظت چاہنا ہیں۔ اب ایک استغفار گنہگار کا ہے کہ وہ گناہ کی سزا سے حفاظت چاہتا ہے اور ایک استغفار اس شخص کا ہے جو خود گناہ سے ہی حفاظت چاہتا ہے یعنی وہ خدا کی حفاظت کا طالب ہوتا ہے کہ اس سے گناہ صرزد نہ ہو اور واقعی ایسا

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور فرشتے اور علم والے بھی انصاف پر قائم ہو کر۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں غالب حکمت والا ہے[۱]۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے[۲]۔ اور انھوں نے جن کو کتاب دی گئی اختلاف نہیں کیا۔ مگر اس کے پیچھے کہ ان کے پاس علم آچکا ہے آپس کی ضد سے اور جو شخص اللہ کی آیتوں کا انکار کرتا ہے تو اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

پھر اگر تجھ سے جھگڑا کریں تو کہہ دے کہ میں نے اپنی توجہ کو اللہ کی فرمانبرداری میں لگا دیا ہے اور انھوں نے (بھی) جو میرے پیچھے چلتے ہیں اور ان لوگوں کو جنھیں کتاب دی گئی اور اُمیوں کو کہہ دے کہ کیا تم فرمانبردار ہو؟ پھر اگر وہ فرمانبردار ہو جائیں تو یقیناً انھوں نے راہ پالی اور اگر پھر جائیں تو تجھ پر پہنچانا ہی ہے اور اللہ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے[۳]۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ

وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور جو ان کو قتل کرتے ہیں جو لوگوں میں سے انصاف کا حکم دیتے ہیں، تو ان کو دردناک عذاب کی

شخص روحانی ترقی کے بلند ترین مرتبہ پر ہوتا ہے۔ یہی نبیوں کا استغفار رہتا ہے اور ایسے ہی استغفار کرنے والوں کا یہاں ذکر ہے۔

نمبر۱۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر تین قسم کی شہادت پیش کی ہے۔ اوّل خود اللہ تعالیٰ کی شہادت جو اس کی فعلی کتاب سے ملتی ہے یعنی اس کے ہاتھ کی نکلی ہوئی چیزیں خود توحید پر دلالت کرتی ہیں۔ دوسری شہادت ملائکہ کی ہے جن کا تعلق پاک فطرت انسانوں سے ہے۔ کیونکہ فطرت انسانی جب گرد وپیش کے حالات سے متاثر نہیں ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی توحید پر گواہی دیتی ہے۔ اور تیسری علم والوں کی شہادت جو درحقیقت دنیا کی الہامی کتابوں کی شہادت ہے کہ وہ سب بھی بہت سی باتوں میں باہم اختلاف رکھتی ہوئی اس بات پر متفق ہیں کہ خدا ہے اور ایک ہے۔

نمبر۲۔ جب یہ بتا دیا کہ توحید الٰہی پر ہی تمام شہادتوں کا اتفاق ہے اور دین اسلام ہی وہ دین ہے جس نے توحید خالص کو سکھایا پس اسلام ہی اب سچا دین ہے۔ جس کو قبول کرنے کے سوا کوئی شخص توحید خالص پر قائم نہیں ہو سکتا اور واقعات شہادت دیتے ہیں کہ یہ دعویٰ بالکل سچا ہے ہر مذہب میں توحید کا کسی قدر شرک کے ساتھ اختلاط ہو گیا ہے مگر اسلام کی پاک کتاب نے اگر ایک طرف شرک کے خفی مراتب تک کو بیان کر دیا تو دوسری طرف وہ تعلیم تحریف سے بھی پاک ہے۔

نمبر۳۔ یہاں اہل کتاب اور اُمّی دونوں کو خطاب کے لیے حکم دیا ہے اور اس میں درحقیقت کل دنیا آجاتی ہے۔ اُمّی سے مراد مکّہ کے لوگ ہیں کیونکہ انہی لوگوں کی طرف کوئی رسول نہ آیا تھا باقی کل دنیا کی قوموں کی طرف رسول آچکے تھے پس وہ سب اہل کتاب میں داخل تھے۔

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾

خبر دے دے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کے عمل دنیا اور آخرت میں کام نہ آئے اور ان کے لیے کوئی مددگار نہ ہوں گے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

کیا تو نے اُن کو نہیں دیکھا، جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا ہے وہ اللہ کی کتاب کی طرف بلائے جاتے ہیں تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر ایک گروہ ان میں مُنہ موڑتا ہُوا پھر جاتا ہے[1]۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَغَرَّهُمْ فِىْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

یہ اس لیے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ سوائے گنتی کے دنوں کے ہمیں آگ نہیں چھوئے گی اور اس بات نے ان کو اُن کے دین میں دھوکا دیا ہے جو وہ افترا کرتے تھے۔

فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

پھر کیا حال ہوگا، جب ہم ان کو اس دن اکٹھا کریں گے جس میں کوئی شک نہیں اور ہر ایک جان کو پورا دیا جائے گا، جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِى الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ۭ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۭ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾

کہہ اے اللہ ملک کے مالک تو جسے چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک لے لیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ میں (سب) بھلائی ہے تو ہر چیز پر قادر ہے[2]۔

نمبر ۱۔ ان لوگوں سے جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا یہود و نصاریٰ مراد ہیں جن کو کتاب دی گئی مگر وہ اصل کتاب الٰہی ان کے ہاتھوں میں نہ رہی بلکہ صرف اس کا ایک حصہ موجودہ محرف کتابوں میں باقی رہ گیا۔ قرآن کریم نے اس بیان کے ساتھ کہ اصل کتاب ان کے پاس نہیں بلکہ صرف اس کا ایک حصہ ہے اپنا منجانب اللہ ہونا ثابت کر دیا ہے اس لیے کہ اس حقیقت پر جو اس وقت دنیا کی نظروں سے مخفی تھی آج تیرہ سو سال بعد روشنی پڑتی ہے اور خود عیسائیوں کو یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ موجودہ توریت و اناجیل میں اصل کتابوں کا صرف ایک حصہ باقی رہ گیا ہے اس لیے فرمایا کہ وہ کتابیں اب حق کے ساتھ فیصلہ نہیں کر سکتیں کیونکہ حق ان میں بہت کم رہ گیا اور اب ان کو کامل کتاب اللہ قرآن کی طرف بلایا جاتا ہے اور فیصلہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ جو مذہبی اختلافات ان کے درمیان ہیں ان کا فیصلہ کرے کیونکہ قرآن کریم کا یہ دعویٰ ہے اور آج یہ ثابت شدہ دعویٰ ہے کہ تمام اختلافات مذہبی کا یہ فیصلہ کرتا ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا وما انزلنا علیك الكتاب الا لتبین لهم الذی اختلفوا فیه (النحل ۱۶۔ ۶۴) یعنی ہم نے قرآن کو اسی غرض سے اتارا ہے کہ جو اصولی اختلافات مذاہب میں پڑ گئے ہیں ان کا یہ فیصلہ کر دے۔

نمبر ۲۔ لفظ ملک میں جس کے حقیقی معنی سلطان و عظمت ہیں نبوت اور بادشاہت دونوں شامل ہیں۔ اور خاص لفظ ملک کو اختیار کرنے میں یہ حکمت ہے کہ تا یہ معلوم

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِی النَّهَارِ وَ تُوْلِجُ النَّهَارَ فِی
الَّيْلِ وَ تُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُخْرِجُ
الْمَيِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ تَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ
بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور مُردہ سے زندہ کو نکالتا ہے اور زندہ سے مُردہ کو نکالتا ہے، اور تو جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے[1]۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ
دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ
مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ
تُقٰىةً ؕ وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ
اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾

مومن مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں[2] اور جو ایسا کرے تو اس کا اللہ کے ساتھ کچھ تعلق نہیں سوائے اس کے کہ تم ان سے کسی طرح بچاؤ کرو[3] اور اللہ تم کو اپنی سزا سے ڈراتا ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف انجام کار پہنچنا ہے۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ
يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَ يَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا

کہ اگر جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے چھپاؤ یا اسے ظاہر کرو اللہ اسے جانتا ہے اور وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

ہو جائے کہ یہ وہی خدا کی بادشاہت ہے جس کی انتظار چلی آتی تھی اور جس کے قرب کی خوشخبری حضرت مسیح علیہ السلام نے دی تھی اور جس کے جلد آنے کے لیے اپنے پیروؤں کو روزانہ دعا میں یہ سکھایا تھا کہ "تیری بادشاہت آوے" (متی ۶: ۱۰) سلسلہ بنی اسرائیل میں بھی یہ خدا کی بادشاہت موجود تھی مگر اس کا اپنے کمال کو پہنچنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے مقدر تھا۔ اس لیے خدا کی بادشاہت کا لفظ بالخصوص اسی پر بولا گیا ہے۔

نمبر۱۔ عموماً مُردہ سے زندہ اور زندہ سے مُردہ کے نکالنے سے مراد نطفہ سے جاندار کا اور جاندار سے نطفہ کا پیدا کرنا لیا گیا ہے مگر یہاں مراد یہ نہیں جس کو پچھلی آیت میں بادشاہت کا دینا معزز بنانا کہا تھا اسی کو یہاں دن اور زندگی قرار دیا ہے اور جس کو وہاں بادشاہت کا لے لینا اور ذلیل کرنا فرمایا تھا اسے یہاں رات اور مردگی سے تعبیر کیا ہے قوموں کی زندگی اور مردگی عزت اور ذلت یہی چیز ہے۔

نمبر۲۔ یہاں مومنوں کو کفار کی جس ولایت سے روکا ہے اس کے ساتھ من دون المومنین کے لفظ بڑھائے ہیں تو گویا یوں فرمایا کہ مومنوں کو نہیں چاہیئے کہ مومنوں کو چھوڑ کر یا مومنوں کے معاملہ میں پیچھے رہتے ہوئے یعنی ان کے فوائد کو نقصان پہنچاتے ہوئے کفار کی ولایت اختیار کریں۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ شدید تعلق قرب و محبت و نصرت جو مومنوں کو باہم ہوتا ہے کفار کے ساتھ وہ نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ کفار کے ساتھ تعلق یا معاہدہ نصرت ہو سکتا ہے مگر ایسا کوئی معاہدہ جائز نہیں جس میں مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو۔ حبش میں مسلمان ہجرت کر کے گئے تھے وہ حبش کے عیسائیوں کی حمایت میں ان کے دشمنوں کے خلاف لڑے نبی کریم صلعم نے کئی مشرک قبائل سے معاہدات کیے اور یہودیوں سے بھی معاہدات کیے۔ جنگِ حنین میں مشرکین مسلمانوں کی فوج میں موجود تھے صحابہ کے وقت میں ایران کی جنگوں میں عیسائی فوج مسلمان فوج کے پہلو بہ پہلو لڑی۔

نمبر۳۔ الا ان تتقوا منہم تقٰۃ میں تبلایا ہے کہ ایسے معاہدات میں تمہارا اپنا بچاؤ مدنظر ہو یعنی کسی بڑے نقصان سے بچنے کے لیے اس کو اختیار کر لینا جائز ہے۔ مثلاً جنگ کی صورت میں ہی جب مسلمان مغلوب ہو جائیں تو مجبوراً اپنی حفاظت اور بچاؤ کے لیے جو صورت اختیار کرنی پڑے کر لیں۔ مگر جو کچھ عہد کریں اس کی پابندی ضروری ہو گی جیسے نبی کریم صلعم نے صلح حدیبیہ میں مغلوب فریق کی شرائط قبول کیں تو پھر ان کا ایفا بھی کیا یہاں تک کہ کفار نے خود اس عہد کو توڑ دیا۔ ان الفاظ سے تقیہ کا مسئلہ نکالنا بالکل غلط ہے تقیہ ایک منافقت ہے کہ دل میں کچھ ہو اور انسان ظاہر کچھ کرے اور یہ قرآن کریم کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔

فِي الْأَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾

اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۖ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيْدًا ۗ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

جس دن ہر شخص جو کچھ اس نے نیکی کی ہے موجود پائے گا اور جو کچھ اس نے بدی کی ہے، آرزو کرے گا کہ اس کے اور اس کے درمیان لمبا فاصلہ ہوتا اور اللہ تم کو اپنی سزا سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر مہربان ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾

کہہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو کہ اللہ تم سے محبت کرے اور تمھیں تمھارے گناہ بخش دے اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے[1]۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

کہہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ پھر جائیں تو اللہ انکار کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾

اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ اور ابراہیمؑ کے گھرانے اور عمران کے خاندان کو قوموں پر چن لیا[2]۔

ذُرِّيَّةً ۢ بَعْضُهَا مِنْ ۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾

(یہ) ایک دوسرے کی نسل سے تھے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

نمبر۱۔ یہاں مسیحؑ کے اُن الفاظ کی طرف اشارہ ہے جو یوحنا ۱۴ : ۱۵ و ۱۶ میں مذکور ہیں۔"اگر تم مجھ سے پیار کرتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا اور وہ تمھیں دوسرا تسلی دینے والا بخشے گا"۔ جس لفظ کے معنی تسلی دینے والا کیے گئے ہیں اس کے معنی شفیع بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ بائبل کے نئے ترجموں کے حواشی پر صاف نوٹ دیا ہوا ہے اب جائے غور ہے کہ یہ دوسرا تسلی دہندہ، دوسرا شفیع جو مسیحؑ کے بعد دنیا میں آیا کون ہے؛ عیسائیوں کو حکم تھا کہ جب دوسرا شفیع آجائے تو اس کی اتباع کریں اور اسی بات پر قرآن کریم یہاں اُن کو ملزم کرتا ہے

نمبر۲۔ یہ امر تاریخی طور پر ثابت ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے والد کا نام عمران تھا اور اس لیے موسیٰؑ اور ہارونؑ سے جو سلسلۂ نبوت شروع ہُوا وہ آل عمران کے اندر داخل ہوگا۔ گویا آل عمران سلسلہ موسویہ کے قائمقام ہے۔ مقاتل نے یہاں عمران سے مراد حضرت موسیٰ کے والد کو ہی لیا ہے۔ بہت سے مفسرین نے یہ خیال کیا ہے کہ حضرت مریم کے والد کا نام بھی عمران تھا مگر اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں۔

اس آیت سے اس رکوع بلکہ اس سورت کا اصل مضمون شروع ہوتا ہے کیونکہ اصل غرض حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ کو صاف کر کے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی صداقت کو ظاہر کرنا ہے اس قصہ کو شروع کرنے کے لیے ابتدا یوں کی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ خدا کے ایک ہی برگزیدہ بندہ نہیں بلکہ جب سے نسل انسانی کی ابتدا ہوئی اسی وقت سے اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو برگزیدہ کرتا رہا ہے۔ حضرت آدمؑ اُن کے بعد ان کی نسل سے حضرت نوحؑ جنھوں نے ایک نئے سلسلہ کی بنیاد رکھی پھر آل ابراہیم اور آل عمران جو آل ابراہیمؑ کی ایک شاخ ہے اور اس آل عمران یعنی سلسلہ موسویہ کے بہت سے انبیاء میں سے ایک حضرت عیسیٰؑ ہیں آل ابراہیم کے بعد آل عمران کا ذکر کر کے یہ اشارہ کیا ہے کہ آل ابراہیم کا دوسرا عظیم الشان سلسلہ، سلسلۂ محمدیہ ہے۔

إِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾

جب عمران کی ایک عورت نے کہا[1] میرے رب جو کچھ میرے پیٹ میں ہے میں نے آزاد کرکے تیری نذر مانا ہے پس مجھ سے قبول فرما کیونکہ تو سننے والا جاننے والا ہے[2]

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ۭ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى ۚ وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾

پھر جب اسے جنا، کہا میرے رب میں نے یہ لڑکی جنی ہے اور اللہ بہتر جانتا ہے جو اس نے جنا، اور لڑکا اس لڑکی کی طرح نہیں[3]۔ اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اسے اور اس کی نسل کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں[4]۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

سو اس کے رب نے اس کو اچھی قبولیت سے قبول کیا اور اس کو عمدہ پرورش سے بڑھایا[5] اور اسے زکریا کے سپرد کیا جب کبھی زکریا اس کے پاس عبادت گاہ میں آتے اس کے پاس رزق پاتے کہا اے مریم یہ تجھے کہاں سے ملا، اس نے کہا یہ اللہ کی طرف سے ہے۔ بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے[6]۔

نمبر ۱۔ امراۃ عمران کے معنے دو طرح پر ہو سکتے ہیں۔ عمران کی بیوی (اس صورت میں عمران مریم کے والد کا نام ہوا اور بزرگوں کے ناموں پر نام رکھنا ایک عام رواج تھا) یا آل عمران کی عورت۔ چونکہ اوپر آل عمران کی برگزیدگی کا ذکر تھا اور اسی کے متعلق مضمون چلتا ہے اس لیے اس دوسرے معنی کو ترجیح ہے اور عمران کا آل عمران کی جگہ رکھا جانا عام محاورہ کے مطابق ہے۔

نمبر ۲۔ گزشتہ قصے تو سب مسلمانوں کی عبرت کے لیے بیان ہوئے ہیں۔ اس بیان میں یہ اشارہ ہے کہ بنی اسرائیل کی اس گئی گزری حالت میں اُن کے اندر ایسے لوگ ابھی موجود تھے جو محض خدمت دین الٰہی کے لیے اپنی اولاد کو وقف کر دیتے تھے۔

نمبر ۳۔ یا یہ مطلب ہے کہ جیسا لڑکا تو محض خدمت دین کے لیے چاہتی تھی وہ اس لڑکی کے پایہ کو نہیں پہنچ سکتا اور یا اسے اگر مریم کی والدہ کا قول مانا جائے تو مراد یہ ہوگی کہ جو کام لڑکا کر سکتا ہے وہ لڑکی نہیں کر سکتی۔

نمبر ۴۔ حضرت مریم کی والدہ کی اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ مریم کو باوجود ہیکل کی خدمت کے لیے وقف کرنے کے ان کا یہ منشا نہ تھا کہ وہ کنواری رہیں گی بلکہ وہ جانتی تھیں کہ وہ جوان ہو کر بیاہی جائیں گی اور صاحب اولاد ہوں گی۔

نمبر ۵۔ عجوبہ پسند طبائع نے یہاں بھی کچھ قصے بنا لیے ہیں کہ مریم ایک دن میں اتنا بڑھتی تھی جتنا کوئی دوسرا ایک سال میں بڑھے، حالانکہ یہاں صرف نباتاً حسناً عمدہ پرورش کا ذکر ہے۔ زکریا کی سپردگی میں ان کا دیا جانا حصولِ علم دین کے لیے تھا۔

نمبر ۶۔ رزق کے اصل معنی راغب کے نزدیک عطائے جاری ہیں خواہ دنیوی ہو یا اُخروی مال ہو یا جاہ یا علم۔ اس لیے رزقت علماً علم دیا جانے پر بولتے

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾

وہیں زکریا نے اپنے رب سے دعا کی۔ کہا میرے رب اپنی جناب سے مجھے پاکیزہ اولاد عطا فرما۔ تو دعا سُننے والا ہے[1]۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا ۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

پھر فرشتوں نے اسے پکارا جبکہ وہ عبادت گاہ میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا، کہ اللہ تجھے یحییٰ کی خوش خبری دیتا ہے جو اللہ کے ایک کلام کو سچا کرنے والا اور سردار اور بدیوں سے رُکنے والا اور نبی نیکوکاروں میں سے (ہوگا)[2]۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾

اس نے کہا میرے رب میرے بیٹا کیوں کر ہوگا اور مجھ پر بڑھاپا آچکا ہے اور میری عورت بانجھ ہے فرمایا اسی طرح ہوگا اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ

اس نے کہا میرے رب میرے لیے کوئی نشان مقرر کردے فرمایا تیرے لیے نشان یہ ہے کہ تین دن سوائے اشارہ کے لوگوں سے بات

ہیں۔ مفسرین نے حسب معمول اس کو غیر معمولی رزق قرار دیا ہے، حالانکہ یہاں کوئی ایسے لفظ نہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ گرمی کے پھل سردیوں میں اور سردیوں کے پھل گرمیوں میں ملتے تھے۔ حالانکہ قرآن شریف میں نہ روٹی کا ذکر ہے نہ پھلوں کا۔ اوّل تو رزق سے مراد پھل ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔ پھر پھل بھی خلافِ موسم اور یہ بھی لکھا ہے کہ زکریا اس پر سات دروازوں پر قفل لگایا کرتے تھے۔ ان قفلوں میں تو معمولی پھلوں کا پہنچنا بھی کافی اعجاز تھا خلاف موسم بنانے کی کوئی ضرورت نہ تھی اور مجاہد سے روایت ہے وجد عندھا رزقاً۔ ای علماً او قال صحفاً فیھا علم یعنی رزق سے مراد یہاں علم ہے یا صحیفے جن میں علم تھا۔

نمبر۱۔ حضرت زکریاؑ بنی اسرائیل کی حالت کو دیکھ کر یہ سمجھے ہوئے تھے کہ اب یہ قوم اس قابل نہیں رہی کہ اس کے اندر وہ پاک لوگ پیدا ہوں جو اس قوم کو راہِ راست پر رکھ سکیں جب حضرت مریم کے اندر ایسی نیکی اور سعادت دیکھی تو ان کی طبیعت میں بھی ایک جوش پیدا ہوا کہ اللہ تعالیٰ انھیں بھی ایسی نیک اولاد عطا کرے۔

نمبر۲۔ کلمۃ۔ یہ لفظ قرآن کریم میں وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی کلام کے ہم معنی۔ یہاں اس کے معنے کے متعلق مفردات راغب میں تین قول ہیں: کلمۃ التوحید۔ توحید کی بات۔ کتاب اللہ یعنی اللہ کی کتاب۔ عیسیٰ اور عیسیٰ کا نام کلمۃ اس لیے رکھا گیا کہ دوسری جگہ کلمۃ القاھا الی مریم (نساء ع ۲۳) قرآن شریف میں آتا ہے۔ میرے نزدیک یہاں کلمۃ عام معنی میں ہے یعنی اللہ کے ایک کلام کو سچا کر دکھائے گا اور اس کلمۃ کے لفظ میں اس پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے جو حضرت یحییٰؑ کے متعلق بائبل میں پائی جاتی ہے یعنی یہ پیشگوئی کہ مسیح کے آنے سے پہلے الیاس دوبارہ آئے گا جس کی تشریح حضرت مسیحؑ نے یوں کی کہ یہ پیشگوئی یحییٰ کے آنے سے پوری ہوگئی کیونکہ یحییٰ الیاس کے مثیل ہیں۔

حصور سے مراد پاک دامنی کی وجہ سے عورتوں کے پاس نہ جانے والا ہے جیسا کہ مفردات راغب میں ہے اور ابن عباس کی ایک روایت میں بھی یہ لفظ آئے ہیں الذی لا یاتی النساء مع القدرۃ علی ذلك اور روح المعانی میں ہے کہ جائز ہے کہ حصور سے مراد یہ ہو کہ جو شخص نفس کے روکنے کو کمال تک پہنچا دے اور باوجود قدرت کے شہوات سے اسے روک رکھے۔

رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع

نہ کرے اور اپنے رب کو بہت یاد کر اور شام اور صبح تسبیح کر[۱]

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾

اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم اللہ نے تجھے برگزیدہ کیا اور تجھے پاک بنایا ہے اور قوموں کی عورتوں میں سے تجھے چُن لیا ہے[۲]

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

اے مریم! اپنے رب کی فرمانبرداری کر اور سجدہ کر اور جھک جانے والوں کے ساتھ جھک جا۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے، جو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں اور تو ان کے پاس نہ تھا جب وہ اپنی قلمیں ڈالتے تھے کہ ان میں سے کون مریم کا کفیل بنے اور نہ تو ان کے پاس تھا جب وہ آپس میں جھگڑتے تھے[۳]

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ

جب فرشتوں نے کہا، اے مریم! اللہ تجھے اپنی طرف سے ایک کلام کے ساتھ خوشخبری دیتا ہے[۴]۔ اس (مبشر) کا نام مسیح عیسیٰ بن

نمبر۱۔ اس بات کی طرف تو مفسرین گئے ہیں کہ حضرت زکریا کا نہ بولنا کسی آفت کی وجہ سے نہ تھا۔ کیونکہ سورۂ مریم میں صاف لفظ سویّا بڑھا دیا ہے یعنی حالت صحت میں ہونے کے باوجود کلام نہ کرو۔ مگر اکثر کا خیال یہی ہے کہ زکریا کا نہ بولنا بطور اضطرار تھا۔ لیکن عطاء کہتے ہیں کہ یہ روزہ رکھنے کی طرف اشارہ تھا کیونکہ ان میں دستور تھا کہ روزہ رکھتے تھے تو کلام نہ کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت مریم کے ایسا روزہ رکھنے کا ذکر مریم[۱۹]۔۲۶ میں ہے پھر یہاں ساتھ ہی یہ بھی حکم ہے کہ اپنے رب کو بہت زیادہ یاد کرو اور صبح اور شام تسبیح کرو اور تسبیح اور ذکر بول کر ہی کرتے تھے۔

نمبر۲۔ حضرت مریم کی تطہیر کی تشریح میں روح المعانی میں ہے کہ ایمان کی وجہ سے کفر سے پاک کیا اور طاعت کے ساتھ نافرمانی سے پاک کیا گویا بُرے اخلاق سے پاک کیا۔ یہاں تطہیر سے عیسائیوں کا یہ استدلال کرنا کہ حضرت مریم کو حیض نہ آتا تھا اور اس طرح وہ پاکیزگی میں دنیا کی تمام خواتین سے فضیلت رکھتی ہیں۔ کیونکہ حیض کے آنے یا نہ آنے کو پاکیزگی کا معیار بنانا کسی طرح بھی درست نہیں۔ صاحبزادی حضرت [illegible] جو سیدۃ النساء اپنے زمانہ میں اسی طرح پاک اور برگزیدہ ہوئیں۔ انھیں حیض آتا تھا مگر وہ پاک اور برگزیدہ تھیں اگر حیض کا نہ آنا ہی پاکیزگی کا نشان ہے تو کیا سب مرد پاک ہیں؟

نمبر۳۔ بعض لکھتے ہیں کہ صغر سنی میں جب حضرت مریم تعلیم و تربیت کے لیے ہیکل میں آئیں تو اس وقت کاہنوں میں جھگڑا ہوا کہ ان کا کفیل کون ہو اور بذریعہ قرعہ اندازی جو خواہ تیروں سے ہوئی یا قلموں سے، حضرت زکریا مریم صدیقہ کے کفیل ہوئے۔ اس صورت میں ما کنت لدیہم وغیرہ میں ضمیر کاہنوں کی طرف ہوگی جن کا کوئی ذکر پہلے نہیں۔

بعض مفسرین کے نزدیک یہ اشارہ کسی ایسی کفالت کی طرف ہے جو مریم رضی اللہ کے بلوغ کو پہنچ جانے کے بعد وقوع میں آئی۔ جب زکریا اس کی کفالت سے عاجز آ گئے قرین قیاس یہ ہے کہ یہ کفالت حضرت مریم کے نکاح کے متعلق تھی، کیونکہ یہاں زکریا کی کفالت کا کوئی ذکر نہیں۔

نمبر۴۔ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اس کے معنی میں نے یوں کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تجھے اپنے ایک کلام کے ذریعہ بشارت دیتا ہے مگر عام طور پر اس کے معنے یوں کیے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تجھے اپنے ایک کلمہ کی بشارت دیتے ہیں اس معنی کے لحاظ سے گویا مسیح کو اللہ تعالیٰ کا ایک کلمہ کہا گیا ہے۔ اور عیسائیوں کا اس پر بہت زور

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾

مریم ہے جو دنیا اور آخرت میں وجاہت والا اور مقربوں میں سے ہوگا[۱]۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور وہ لوگوں سے جھولے میں اور ادھیڑ عمر میں باتیں کریگا اور نیکوں میں سے ہوگا[۲]۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾

اس نے کہا میرے رب میرے بیٹا کیوں کر ہوگا اور مجھے کسی انسان نے چھوا نہیں، فرمایا اسی طرح ہوگا، اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جب کسی امر کا فیصلہ کر دیتا ہے تو اُسے کہتا ہے ہو پس وہ ہو جاتا ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾

اور وہ اسے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل سکھائے گا۔

ہے کہ مسیح کو کلمۃ اللہ کہہ کر قرآن شریف نے ایک ایسی خصوصیت دیدی ہے جو دوسرے کسی نبی کو نہیں دی اور پھر اس خصوصیت کی بنیاد پر مسیح کو خدا بنایا جاتا ہے حالانکہ کلمۃ منہ یعنی اپنی طرف سے ایک کلمہ کہنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ اکیلا ہی کلمہ نہیں بلکہ کلموں میں سے ایک کلمہ ہے اور اپنے کلمات کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے قل لو کان البحر مدادا لکلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات ربی (الکہف ۱۰۹-۱۸) اگر میرے رب کے کلمات کے لیے سمندر بھی سیاہی بن جائیں تو میرے رب کے کلمات اس قدر لاتعداد و لاتحصیٰ ہیں کہ سمندر ختم ہو جائیں مگر وہ کلمات ختم نہ ہوں۔ اس لاانتہا تعداد میں سے جو اللہ تعالیٰ کے کلموں کی ہے ایک کلمہ مسیح بھی ہے۔ پس خصوصیت کوئی نہ رہی اور امام رازی کہتے ہیں کہ چونکہ پہلے نبیوں کی کتابوں میں مسیح کے متعلق بشارت تھی پس جب مسیح آیا تو کہا گیا کہ وہ کلمہ آگیا۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نسبت فرماتے ہیں انا دعوۃ ابی ابراھیم۔ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں۔ حالانکہ آپ کوئی دعائے مجسم تو نہ تھے۔ مگر چونکہ آپ کے وجود میں حضرت ابراہیم کی دعا پوری ہوئی۔ اس لحاظ سے آپ نے اپنے آپ کو دعا کہہ دیا ہے۔

نمبر۱۔ ومن المقربین یعنی حضرت عیسٰی خدا تعالیٰ کے مقربوں میں سے ایک ہیں۔ بعض عیسائی مشنری یہ کہہ دیتے ہیں کہ چونکہ قرآن نے مسیح کو مقرب کہا اور مقرب ملائکہ ہوتے ہیں اس لیے مسیح کو بشر سے اوپر مانا ہے۔ یہ لوگ قرآن سے بالکل بے بہرہ ہیں کیونکہ جن مقربین میں سے مسیح کو کہا گیا ہے ان مقربین میں امتِ محمدیہ کا ایک گروہ بھی داخل ہے السابقون السابقون اولئک المقربون (الواقعۃ ۱۰-۱۱) یعنی سابقین اس امت کے مقربین بارگاہ الٰہی ہیں اور من المقربین خود بتاتا ہے کہ مسیح کے علاوہ اور بھی مقرب ہیں۔

وجیہا یعنی مرتبہ یا وجاہت والا۔ یہاں یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگ سمجھیں گے کہ یہ شخص ذلیل ہوگا مگر ایسا نہ ہوگا بلکہ اسے دنیا میں بھی ضرور وجاہت حاصل ہوگی اور آخرت میں بھی۔ ان الفاظ سے یہ خیال اور بھی زور پکڑتا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام صلیب کی ذلت آمیز موت سے بچا لیے گئے اور یہودیوں کی یہ کوشش کہ اس کو لعنتی موت ماریں ناکام رہی اور پھر آپ واقعہ صلیب کے بعد بنی اسرائیل کی دوسری قوموں کی طرف چلے گئے جو بخت نصر کے زمانہ میں جلاوطن ہو کر دوسرے ممالک میں آباد ہو چکی تھیں۔

نمبر۲۔ کہل کی عمر کی مختلف حدیں اہل لغت نے بیان کی ہیں مگر صحیح وہ ہے جو راغب نے لکھا ہے اور لسان العرب میں بھی ہے کہ کہل وہ ہے جس کے سیاہ بالوں کے اندر سفید مل گئے ہوں۔ مہد اور کہل میں باتیں کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ لمبی عمر پائے گا اور یہ بھی اشارہ ہے کہ بچپن سے لیکر بڑھاپے تک پہنچے ہیں جو حالات انسان پر آتے ہیں وہ سب اس پر آئیں گے اور یہ عیسائیت پر اتمام حجت ہے۔

وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ۬ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ وَ اُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ﴿۴۹﴾

اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا ۔ کہ میں تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے ایک بات لایا ہوں کہ میں تمھارے لیے کیچڑ سے پرندکی شکل کی مانند تجویز کرتا ہوں پھر اس کے اندر پھونکتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے اُڑنے والا ہوجاتا ہے اور اللہ کے حکم سے شب کور اور پھلوہری والے کو اچھا کرتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کرتا ہوں اور جو تم کھاؤ اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ رکھو اس کی خبر دیتا ہوں ، یقیناً اس میں تمھارے لیے نشان ہے اگر تم مومن ہو۔

نمبر۱۔ یہاں حضرت مسیحؑ کے متعلق چار باتوں کا ذکر ہے اوّل پرند کا بنانا ، دوسرے اکمہ اور ابرص کو شفا دینا تیسرے مُردوں کو زندہ کرنا ، چوتھے بعض باتوں کی اطلاع دینا ۔ معجزاتِ انبیاء حق ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ سے اپنی قدرت نمائی کے لیے وہ کام کراتا ہے جو دوسروں سے نہیں ہو سکتے ۔ یہی ان کے معجزات ہیں اور ان کا سب سے بڑا معجزہ اصلاح خلق ہے ۔ ایک آدمی کو راہِ راست پر لانا انسان کی طاقت سے باہر ہے وہ قوموں کی قوموں کو راہِ راست پر لاتے ہیں ۔ سوال یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کے ان معجزات سے کیا مراد ہے ۔ ظاہر الفاظ کو اگر لیا جائے تو ان میں سے دو باتیں ایسی ہیں کہ وہ اصول دین کے خلاف ہیں ۔ یعنی ایک پرندوں کا بنانا ، دوسرے مُردوں کا زندہ کرنا ۔ قرآن شریف محکم طور پر اصول باندھ چکا ہے کہ خلق اشیاء صرف خاصہ باری تعالیٰ ہے اور بالخصوص یہ کہ جن لوگوں کو من دون اللہ معبود مانا گیا ہے انھوں نے کبھی کسی چیز کو پیدا نہیں کیا قل اللہ خالق کل شیء یعنی اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے ۔ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ (النحل ۱۶ - ۲۰) امر جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیہم (الرعد - ۱۶) ان لوگوں نے خدا کے کوئی ایسے شریک بنا رکھے ہیں جنھوں نے خدا کی طرح کوئی چیز پیدا کی ہو اور وہ چیز خدا کی مخلوق کے ساتھ مل جل گئی ہو بس یہ تو کسی صورت میں مانا نہیں جا سکتا کہ حضرت مسیحؑ نے ایسے ہی پرند پیدا کیے جیسے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے یہ صراحت قرآن کریم کے خلاف ہے ۔ اگر معجزہ کے طور پر ایسا کیا ہو کہ ایک چیز میں آن کی آن کے لیے پرواز آگیا ہو اور پھر وہ مٹی کی مٹی رہ گئی ہو تو اس سے ہمیں انکار نہیں ۔ لیکن اس سے بہتر توجیہ یہ ہوگی کہ طیر کا لفظ یہاں مجازاً ان لوگوں پر بولا گیا ہے جو شہید کے مرتبہ کو پہنچ جاتے اور اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں دیدیتے ہیں ۔ حدیث میں بھی شہدا کے لیے طیر کا لفظ بولا گیا ہے ۔ ایسا ہی مُردوں کا زندہ ہوکر اس دنیا میں لوٹ کر آنا قرآن کریم کی صراحت کے خلاف ہے ۔ انھم لایرجعون (انبیاء ۲۱ - ۹۵) مُردے اس دنیا میں لوٹ کر نہیں آتے اور حدیث میں ہے کہ ایک شہید پر اللہ تعالیٰ نے خوش ہوکر فرمایا کہ مانگ جو مانگتا ہے ۔ اس نے عرض کیا کہ دوبارہ دنیا میں بھیجا جاؤں اور پھر تیرے رستہ میں شہید ہوں ۔ ارشاد ہُوا یہ میرے وعدہ کے خلاف ہے جو مر جائے وہ لوٹ کر اس دنیا میں نہیں جائے گا ۔ پس حضرت مسیحؑ کا مردوں کو زندہ کرنا اس معنے میں صحیح نہیں کہ کچھ مُردے لوٹ کر اس دنیا میں آگئے ہوں ہاں انبیاء کا ایک عظیم الشان معجزہ مُردوں کو زندہ کرنے کا وہ ہے جس کا ذکر ہمارے نبی کریم صلعم کے متعلق بھی ان الفاظ میں ہے اذا دعاکم لما یحییکم (الانفال ۸ - ۲۴) وہ تمھیں بلاتا ہے کہ زندہ کرے ۔ اومن کان میتا فاحییناہ (الانعام ۶ - ۱۲۳) جو مُردہ تھا پھر ہم نے اُسے زندہ کیا اور آگے آتا ہے اُسے نُور دیا جسے لیکر وہ لوگوں میں چلتا ہے یعنی نورِ ایمان ۔ پس اس معنے میں حضرت مسیحؑ کے معجزہ کے بھی ہم قائل ہیں جس معنے میں آنحضرتؐ کے مُردوں کو زندہ کرنے کے قائل ہیں ۔

رہا شبکور اور برص والے کو شفا دینا ، سو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی دعا سے بیمار اچھے ہو گئے ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد روحانی بیمار ہوں اور چوتھی بات یہ کہ آپ خبر دیتے تھے کیا کھاؤ اور کیا رکھو ۔ یہ حضرت مسیحؑ کے ایسے اقوال کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اس دنیا پر اپنا ذخیرہ مت کرو بلکہ خدا کی راہ میں دیدو ۔ ورنہ یہ لوگوں کو کہتے رہنا کہ تم فلاں چیز کھا کر آئے ہو اور فلاں چیز تمھارے گھر میں رکھی ہے نبی کی شان کے مطابق نہیں ۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾

اور اس کی تصدیق کرنے والا جو توریت میں سے مجھ سے پہلے ہے اور تا کہ اس کا کچھ حصّہ تمھارے لیے حلال ٹھہراؤں جو تم پر حرام کیا گیا ہے[1]۔ اور میں تمھارے پاس تمھارے رب سے ایک پیغام لایا ہوں، پس اللہ کا تقوے اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾

اللہ ہی میرا رب اور تمھارا رب ہے۔ پس اس کی عبادت کرو یہی سیدھا رستہ ہے۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾

پھر جب عیسیٰؑ نے اُن سے کفر محسوس کیا تو کہا، کون اللہ کے دین میں میرے مددگار ہیں۔ حواریوں نے کہا، ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے۔ اور گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

اے ہمارے رب ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے نازل کیا اور رسول کی پیروی کی پس تو ہمیں گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ۔

ع وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾

اور کافروں نے تدبیر کی اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے اچھا ہے[2]۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾

جب اللہ نے کہا، اے عیسیٰؑ میں تجھے وفات دینے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف بلند کرنے والا ہوں اور تجھے ان کے الزام سے پاک کرنے والا ہوں جو کافر ہیں اور جنھوں نے تیری پیروی کی انھیں ان پر جنھوں نے انکار کیا قیامت کے دن تک فوقیت دینے والا ہوں پھر میری ہی طرف تمھارا لوٹ آنا ہے پس میں تمھارے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے[3]۔

نمبر۱۔ اس میں اشارہ توریت کے بعض احکام کے تغیر و تبدل کی طرف ہے دیکھو متی باب ۵۔

نمبر۲۔ مکر کے اصل معنے زبان عربی میں مخفی طور پر مضبوط تدبیر کرنا ہیں۔ دھوکا یا فریب نہیں۔ اس لیے ماکر کے ساتھ خیر کا لفظ آیا ہے اصل لفظ میں بُرائی کا مفہوم نہیں۔

نمبر۳۔ یہاں حضرت مسیح کو کل چار وعدے دیئے گئے ہیں۔ جو بجواب تدابیر یہود ہیں جن کا ذکر پچھلی آیت میں الفاظ مکروا میں ہے۔ وہ تدابیر کیا تھیں ؟ حضرت عیسیٰؑ کو بذریعہ صلیب مارنا۔ سو اوّل بذریعہ صلیب مارنے کی نفی کی اور اس کا جواب دیا مُتَوَفِّيْكَ میں تجھے طبعی طور پر وفات دوں گا، یعنی صلیب پر تمھاری موت نہ ہوگی۔ پھر صلیب پر مارنے کا نتیجہ تھا کہ ایسا شخص ملعون ہو۔ استثناء ۲۱ : ۲۲ و ۲۳ میں صلیب کا ذکر کرکے لکھا ہے "کیونکہ وہ جو پھانسی دیا جاتا

فَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَمَا لَهُمْ مِّن نَّاصِرِينَ ﴿٥٦﴾

سو وہ جنھوں نے انکار کیا میں ان کو دنیا اور آخرت میں سخت دکھ کا عذاب دوں گا ، اور ان کے لیے کوئی بھی مددگار نہ ہوگا۔

وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٥٧﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے سو ان کے اجر اُن کو پورے دے گا اور اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔

ذَٰلِكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ﴿٥٨﴾

یہ ہم آیتوں اور حکمت والے ذکر سے تجھ پر پڑھتے ہیں۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾

بیشک عیسیٰؑ کی حالت اللہ کے نزدیک آدم کی حالت کی مانند ہے اسے مٹی سے پیدا کیا پھر اسے کہا ہو جا، پس وہ ہو جاتا ہے۔[1]

ہے خدا کا ملعون ہے" اور گلتیون ۳ : ۱۳ میں پولوس کہتا ہے "کیونکہ لکھا ہے جو کوئی کاٹھ پر لٹکایا گیا سو لعنتی ہے"۔ اور ملعون کے معنی ہیں خدا سے دور، اس لیے اس نتیجہ کی نفی کی کہ وہ خدا سے دور نہیں بلکہ مرفوع یعنی خدا کا مقرب ہوگا۔ پھر صلیب پر مار کر اور کذاب مشہور کر کے غلط الزامات کا آپ پر لگانا تھا جیسے مثلاً یہ کہ آپ ناجائز تعلق سے پیدا ہوئے جیسا کہ قولھم علٰی مریم بھتانا عظیما (۴ : ۱۵۶) سے ظاہر ہے۔ اس کی نفی مطھرك من الذین کفروا میں کی۔ یعنی فرمایا کہ تم پر سے یہ الزامات بھی دُور کر دوں گا۔ یا یہ کہ تم پر سے ملعون ہونے کے الزام کو بھی دور کر دوں گا جو دوسرا نتیجہ صلیب کا ہے اور پھر وہ مصلوب کر کے تم کو نا کام کرنا چاہتے ہیں سو میں تمہارے پیروؤں کو تمہارے منکروں پر قیامت تک غالب رکھوں گا اور چاروں وعدوں میں ایک اور بھی لطیف ترتیب ہے۔ رفع یعنی حقیقی قرب کا مقام بعد وفات ہی حاصل ہوتا ہے جب سارے حجاب دور ہو جاتے ہیں پس توفی کے بعد رفع فرمایا، تو جب مقام قرب عطا ہوتا ہے تو دوسری طرف مخلوق میں بھی محبت اور عزت بڑھتی ہے یہی آپ کی تطہیر یعنی الزامات سے پاک کیا جانا ہے اور عزت اور محبت کے بعد متبعین کی کثرت اور غلبہ کا ہونا لازمی امر ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ خیال کہ کبھی حضرت عیسیٰؑ پھر آئیں گے تو سارے اہل کتاب ان پر ایمان لے آئیں گے قرآن کے خلاف ہے اس لیے کہ قرآن شریف قیامت تک مسیحؑ کے پیروؤں اور مسیحؑ کے منکروں کا وجود ضروری قرار دیتا ہے۔ متوفیك کے معنی ممیتك صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں اور یوں لغت بھی کہتی ہے کہ توفاہ اللہ کے معنے ہیں قبض روحہ یعنی اس کی روح قبض کر لی اور رفع کے معنے بھی بلندی درجات ہیں جیسا کہ ہم خود ہر روز نماز میں دعا کرتے ہیں وارفعنی یعنی اے خدا مجھے بلند درجہ عطا فرما، جو اللہ کا قرب ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الرافع ہے جس کے معنی لغت میں لکھے ہیں کہ وہ اپنے اولیاء کو اپنا قرب عطا کر کے ان کے درجات بلند کرتا ہے۔ انسان کا کسی اونچی جگہ پر چلا جانا خدا کے نزدیک بلندی نہیں نہ خدا کوئی جسم ہے کہ خاص بلندی پر بیٹھا ہوا ہو۔

نمبر[1]۔ عیسیٰؑ کی حالت اللہ کے نزدیک آدم کی حالت کی طرح ہے اسے مٹی سے پیدا کیا۔ پھر اسے کہا ہو سو وہ ہو گیا۔ آدم کا ذکر قرآن کریم میں دو رنگ میں آیا ہے۔ ابو البشر ہونے کے لحاظ سے یعنی بشریت کے لوازمات تامہ اس میں پائے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ایک ہونے کے

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾
فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ
مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا
وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا
وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ
اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾
اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ
اِلَّا اللّٰهُ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾
ع فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾
قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ
بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ

حق تیرے رب کی طرف سے ہے پس تو جھگڑا کرنے والوں میں سے نہ ہو۔
پھر اگر کوئی اس کے بعد جو تیرے پاس علم آ چکا، اس کے بارے میں
تجھ سے جھگڑا کرے تو کہہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور تمھارے
بیٹوں کو اور اپنی عورتوں اور تمھاری عورتوں کو اور اپنے لوگوں
اور تمھارے لوگوں کو بلائیں پھر گڑگڑا کر دعا کریں اور جھوٹوں پر
اللہ کی لعنت کریں[1]۔
یقیناً یہی سچا بیان ہے اور اللہ کے سوا کوئی بھی معبود
نہیں اور یقیناً اللہ ہی غالب حکمت والا ہے۔
اور اگر وہ پھر جائیں تو اللہ فساد کرنے والوں کو جانتا ہے۔
کہہ اے اہل کتاب اس بات کی طرف آؤ جو ہمارے درمیان
اور تمھارے درمیان یکساں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت

لحاظ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ اوپر ذکر ہوا، اس میں بھی انھی دو باتوں کا ذکر ہے یعنی حضرت عیسیٰؑ میں بشر ہونے کی ساری صفات پائی جاتی ہیں، اور دوسرے وہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں میں سے ایک ہیں۔ چنانچہ بشریت کے لحاظ سے آپ کی پیدائش، طفولیت، کہولت، وفات کا ذکر فرمایا۔ کیونکہ یہی باتیں بشر کو خدا سے الگ کرتی ہیں۔ خدا نہ پیدا ہوتا ہے، نہ مرتا ہے، نہ اس پر تغیرات آتے ہیں کہ بچپن کی حالت سے ترقی کرتا کرتا ترقی کے آخری مرتبہ پر پہنچ کر پھر اس کے قویٰ میں تنزل واقع ہونا شروع ہو اور برگزیدگی کے لحاظ سے آپ کے رسول ہونے اور دنیا میں ایک روحانی انقلاب پیدا کرنے اور رفعت مرتبہ وغیرہ کا ذکر ہے۔ پس جو کمال آدم میں اللہ تعالیٰ نے رکھا تھا وہ کمال حضرت عیسیٰؑ کو بھی دیا اور اس طرح پر عیسائیوں پر اتمام حجت کیا اور اس اتمام حجت کا خلاصہ اس آیت میں ہے۔ یہ یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ اس سورت کے صدر میں عیسائیوں کے ساتھ ہی بحث ہے اور غرض اس سارے بیان کی حضرت مسیحؑ میں لوازمات بشریت کا ثابت کرنا اور یہ ظاہر کرنا ہے کہ وہ خدا نہ تھے انسان تھے اور اگر یہ کہا جائے کہ صورت پیدائش میں مشابہت ہے تو کوئی مشابہت فی الواقع نہیں آدم کو جس طرح بنایا مسیح کو اس طرح نہیں بنایا۔ رہا مٹی سے پیدا ہونا سو ہر بشر مٹی سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ فانا خلقنکم من تراب (الحج ۲۲ - ۵) اکفرت بالذی خلقك من تراب (الکہف ۱۸ - ۳۷)

خلقه من تراب ثم قال له کن فیکون میں بھی انھی دو مذکورہ بالا باتوں کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے یعنی خلقهٗ من تراب یا مٹی سے پیدا کرنے میں بشریت کی طرف اشارہ ہے اور کن فیکون میں برگزیدہ کیا جانے کی طرف کیونکہ خلق کے بعد کُن کا امر یہی معنی رکھ سکتا ہے کہ اس کو ایک دوسری زندگی عطا فرمائی یعنی روحانی زندگی یا اپنا کلام اس میں نفخ کیا۔

نمبر ا۔ دلائل کی رو سے جب اتمام حجت کر دیا اور عیسائیوں نے دلائل کے قبول کرنے سے انکار کر دیا تو پھر مباہلہ کرنے کے لیے بلایا یعنی بالمقابل دعا کرنے کے لیے اور دعا پر پورا زور لگانے کے لیے۔ یہ گویا ایک دوسرے رنگ کا اتمام حجت تھا۔ دعا کی قبولیت کے عیسائی بھی قائل ہیں اور انجیل میں ہے کہ متقی کی دعا سنی جاتی ہے۔ اس لیے انھیں بلایا کہ بالمقابل دعا کر لیں کہ جھوٹا ہلاک ہو۔ جو متقی ہوگا اس کی دعا سنی جائے گی۔ مگر عیسائی وفد نے مباہلہ سے بھی فرار اختیار کیا۔

بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا
بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں اور نہ ہم میں سے کوئی
کسی کو اللہ کے سوا رب بنائے اور اگر وہ پھر جائیں تو تم کو گواہ
رہو کہ ہم فرماں بردار ہیں ۱۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْۤ اِبْرٰهِيْمَ
وَمَاۤ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَ الْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ
بَعْدِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾

اے اہل کتاب تم ابراہیمؑ کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو
حالانکہ توریت اور انجیل اس کے بعد ہی اتاری گئیں۔ پھر کیا تم
عقل سے کام نہیں لیتے ۲۔

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ
فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ
وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

سنو! تم وہ ہو جو اس میں جھگڑ چکے جس کا تم کو علم تھا۔
پھر اس میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تم کو علم نہیں۔ اور
اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۳۔

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّ لَا نَصْرَانِيًّا وَّ

ابراہیمؑ نہ یہودی تھا اور نہ نصرانی، لیکن وہ راست رو

نمبر۱۔ جب دلائل اور دعا دونوں سے اتمام حجت ہو چکا اور دلائل کے قبول کرنے سے انھوں نے انکار کیا اور دعا میں مقابلہ سے خائف ہوئے تو اب اُن پر ایک اور رنگ میں اتمام حجت کیا جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ تمہارے اور ہمارے مذہب میں جو امر مشترک ہے اس کو دونوں بنیاد کے طور پر مان لیں تو بحث سا فساد مٹ جاتا ہے۔ ایک عیسائیت کیا جملہ مذاہب پر اسلام کی حجت قائم ہے کہ اگر سب مذاہب میں امر مشترک کو نکالا جائے تو وہ اسلام کا مذہب ہے اور اس لیے کسی مذہب کا پیرو بھی اسلام کی حقانیت کا انکار نہیں کر سکتا۔ ایک رنگ میں سب قومیں ہی اہل کتاب ہیں۔ گو مخصوص طور پر یہود یا عیسائیوں کو اہل کتاب کے نام سے پکارا گیا ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر قوم میں ہم نے رسول بھیجا۔ پس رسول کی تعلیم ہی اس قوم کی کتاب ہے۔ اب اگر دنیا کی ساری قوموں کے معتقدات اور ساری مذہبی کتابوں کو دیکھا جائے تو ذات باری کے عقیدہ میں جو امر مشترک ان میں پایا جاتا ہے وہ ایک خدا کی ہستی ہے۔ پھر ہر قوم نے اس خدائے ذوالجلال کے نیچے اپنے لیے طرح طرح کے خدا تجویز کر لیے۔ کہیں رام چندر اور کرشن ہیں تو کہیں مسیح۔ پس اللہ تعالیٰ مذاہب میں فیصلہ کے لیے ایک سیدھی راہ بتاتا ہے کہ سب مذاہب میں امر مشترک کو لے لو اسی کو کلمۃ سواء فرمایا ہے تو یہ امر مشترک یہی ہوگا کہ صرف ایک خدا کی پرستش کی جائے۔ یہی اسلام کا بنیادی اصول ہے اسی آیت کے الفاظ میں صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرت صلعم نے ہرقل اور دیگر شاہانِ عالم کو مخاطب فرمایا تھا۔

نمبر۲۔ حضرت ابراہیمؑ کا وجود چاروں قوموں مشرکین عرب، یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں میں بطور ایک امر مشترک کے تھا کہ چاروں آپ کی بزرگی کو مانتے تھے۔ گویا یہ بتایا ہے کہ توریت اور انجیل تو حضرت ابراہیمؑ کے بعد کی کتابیں ہیں۔ اصل الاصول وہ ہے جس پر ابراہیمؑ بھی قائم تھے اور وہ وہی خدائے واحد کی عبادت ہے۔

نمبر۳۔ یہود حضرت موسیٰؑ کے مذہب کے بارے میں اور عیسائی حضرت عیسیٰؑ کے مذہب کے بارہ میں جھگڑا کر چکے اور ان جھگڑوں کا ذکر سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران میں ہو چکا تو اب اصل الاصول یعنی حضرت ابراہیمؑ کے مذہب کی طرف توجہ دلائی کیونکہ انہی کے ساتھ وعدہ کے ماتحت یہود و نصاریٰ کا وجود پیدا ہوا تو فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ یا حضرت عیسیٰؑ کے مذہب کے علم کا تو تم کو کچھ دعویٰ بھی ہے مگر حضرت ابراہیمؑ کے مذہب کا ذکر تو تمہاری کتب مقدسہ میں بھی جیسی کچھ وہ تحریف شدہ موجود ہیں نہیں ہے پس اس پر تمہارا جھگڑا کرنا بالکل فضول ہے۔ یا فیما لکم بہ علم سے مراد وہ پیشگوئیاں ہیں جو اُن کی کتابوں میں آنحضرت صلعم کے متعلق پائی جاتی تھیں۔ یعنی پیشگوئیوں کے بارہ میں تو تم نے جھگڑا کر لیا مگر یہ اصول مقابلہ مذاہب اور اصول مشترکہ کی طرف رجوع کرنا ایک ایسا امر ہے جس کا تم کو علم نہیں تھا۔ مگر بات صاف ہے اس میں جھگڑا کیوں کرتے ہو۔

لٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾

فرمانبردار تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ وَلِىُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾

یقیناً ابراہیم سے بہت نزدیک وہ لوگ ہیں جنھوں نے اس کی پیروی کی اور یہ نبی اور وہ جو ایمان لائے اور اللہ مومنوں کا ولی ہے[1]۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾

اہل کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ تم کو گمراہ کریں، اور وہ اپنے آپ کو ہی گمراہ کرتے ہیں اور وہ محسوس نہیں کرتے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

اے اہل کتاب اللہ کی آیتوں کا کیوں انکار کرتے ہو، حالانکہ تم گواہ ہو۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع

اے اہل کتاب کیوں حق کو باطل سے ملاتے ہو اور حق کو چھپاتے ہو، حالانکہ تم جانتے ہو۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِىْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کہا کہ دن کی ابتدا میں اس پر ایمان لے آؤ جو اُن لوگوں پر اتارا گیا ہے جو ایمان لائے ہیں اور اس کے آخر میں انکار کردو تاکہ وہ لوٹ آئیں[2]۔

نمبر ۱۔ یہاں ھٰذا النبی والذین اٰمنوا کو الذین اتبعوہ سے الگ کر دیا ہے۔ یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان ابراہیم کے متبعین میں سے نہیں ہیں گو آپ کا ملتِ ابراہیمی پر ہونا بیان کیا گیا ہے۔ مگر وہ بحیثیت ایک متبع کے نہیں، بلکہ اس لیے کہ وہی اصول دین آپ کو بھی وحی ہوتے ہیں۔ الذین اتبعوہ سے مراد حضرت ابراہیم کے پیرو ہیں جو آپ کے زمانۂ نبوت میں آپ کی شریعت پر تھے۔

نمبر ۲۔ لکھا ہے کہ کچھ یہودیوں نے دین اسلام کو بدنام کرنے کے لیے یہ تجویز کی تھی کہ اپنے چند لوگوں کو تیار کیا کہ صبح جاکر نفاق کے طور پر مسلمان بن جائیں اور شام کو کہہ دیں کہ ہم تو اس کا انکار کرتے ہیں۔ ہم نے دیکھ لیا کہ اس دین میں کوئی حق نہیں اور لعلّھم یرجعون کے معنے ہوئے تاکہ مسلمان بھی اپنے دین سے لوٹ آئیں یعنی اس طرح وہ سمجھیں گے کہ اہل کتاب کو کوئی دشمنی تو نہیں وہ مسلمان تو ہو گئے تھے لیکن جب انھوں نے اس دین کے اندر داخل ہو کر اس کو جھوٹا پایا تو اُسے چھوڑ دیا یہی بات درست ہوگی یوں وہ بھی اسلام چھوڑ کر پھر کفر کی طرف لوٹ آئیں گے۔ چونکہ دین اسلام کی یہ خوبی تھی کہ جب ایک شخص اس کے اندر داخل ہو جاتا تو پھر مرتد نہیں ہوتا تھا۔ جیسا کہ ہرقل والی حدیث میں ابوسفیان کی زبان سے شہادت موجود ہے اور مسلمانوں کی اس مضبوطی کو دیکھ کر ہی اہل کتاب اس قسم کے حیلے سوچتے رہتے تھے کہ کسی طرح دین اسلام بدنام ہو۔ یہ دلائل میں عاجز ہونے کا نتیجہ تھا۔ یہود کا یہ ارادہ خواہ عمل میں آیا ہو یا نہ آیا ہو اس سے قطعی طور پر ثابت ہے کہ رسول اللہ صلعم مرتدین کو سزائے قتل یا کوئی دوسری سزا نہ دیتے تھے کیونکہ اگر ارتداد کی کوئی سزا ہوتی تو یہودیوں کے سر میں ایسا خیال نہ آسکتا تھا

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۚۙ ﴿٧٣﴾

اور سوائے اس کے کسی پر ایمان نہ لاؤ جو تمہارے دین پر چلے[1] کہہ (کامل) ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے کہ کسی شخص کو اس کی مثل دیا جائے، جو تمہیں دیا گیا یا وہ تمہارے رب کے نزدیک تمہارے ساتھ جھگڑا کرینگے کہہ فضل تو اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے اسے دیتا ہے اور اللہ کشایش والا جاننے والا ہے[2]۔

يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٤﴾

وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ

اور اہل کتاب میں سے وہ ہے کہ اگر تو اس کو مال کے ڈھیر پر امین بنائے تو وہ اسے تجھے واپس دیدے اور ان میں سے وہ ہے کہ اگر تو اسے ایک دینار پر امین بنائے تو وہ اسے تجھے واپس دے سوائے اس کے کہ تو اس (کے سر) پر کھڑا رہے یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر ان امیوں کے بارے میں کوئی (الزام کی) راہ نہیں اور وہ اللہ پر

نمبر۱- اہل کتاب کے قول کا بقیہ حصہ ہے اور مراد اس پر ایمان لانے سے جو تمہارے دین کا پیرو ہے یہ ہے کہ حقیقی ایمان تمہارا صرف اسی نبی پر ہو جو شریعت اسرائیلی کا پیرو ہو۔

نمبر۲- الھدیٰ، انّ اسم ہے اور ھدی اللہ الھدیٰ سے بدل۔ گویا اس بات کا جواب کہ سوائے موسوی شریعت کے پیرو کے اور کسی نبی کو نہ مانو، اللہ تعالیٰ یہ دیتا ہے کہ ان کو کہہ دو کہ کامل ہدایت (جو اللہ کی ہدایت ہے) یہ ہے کہ جو کچھ لے اہل کتاب تم کو دیا گیا، یعنی موسوی شریعت اس کی مثل کسی اور کو دیا جائے کیونکہ تمہارے ہاں تو یہ پیشگوئی موجود ہے کہ موسیٰ کی مثل ایک نبی آئے گا اور اس لیے یہ ضروری ہے کہ جو تم کو دیا گیا یعنی شریعت موسوی اس کی مثل کسی اور کو دیا جائے یا (یعنی اگر ایسا نہ ہو تو) مسلمان تمہارے رب کے حکم میں تمہارے ساتھ جھگڑا کر سکیں گے۔ دونوں صورتوں میں اشارہ اس عظیم الشان پیشگوئی کی طرف ہے جس کا کوئی جواب اہل کتاب کے پاس نہیں جو حضرت موسیٰؑ نے کی تھی اور جس کی صداقت کو کل انبیائے بنی اسرائیل نے تسلیم کیا، یہاں تک حضرت عیسیٰؑ نے بھی اسکو تسلیم کیا یعنی حضرت موسیٰؑ کی مثل ایک پیغمبر کا دنیا میں ظاہر ہونا جس کا ذکر استثناء ۱۸: ۱۵-۱۸ میں ہے۔ اب یہ موسیٰؑ کی مثل نبی کا کھڑا کیا جانا سوائے اس کے کیا معنی رکھتا ہے کہ جس طرح ایک شریعت بنی اسرائیل کو موسیٰؑ کے ذریعہ دی گئی اسی طرح ایک شریعت بنی اسمٰعیل میں سے ایک نبی کے ذریعہ سے دنیا کو دی جائے۔ یوں تو بنی اسرائیل میں نبی بہت ہوئے مگر موسیٰؑ کی مثل ہونے کا کسی نے دعویٰ نہ کیا۔ حتیٰ کہ حضرت مسیح نے بھی نہیں کیا۔ جیسا کہ یوحنا ۱: ۲۱ سے ثابت ہے کہ یہودی تین کے منتظر تھے: الیاس کی دوبارہ آمد، سو وہ حضرت یحییٰؑ میں پوری ہوئی۔ مسیح کی آمد جس کا دعویٰ حضرت عیسیٰؑ نے کیا۔ موعود نبی کی آمد؛ جس کا دعویٰ نہ حضرت عیسیٰؑ نے کیا نہ حضرت یحییٰؑ نے۔ اور نہ بنی اسرائیل کا کوئی نبی جو شریعت موسوی کا پیرو ہو ایسا دعویٰ کر سکتا تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت جو آپ کو بنی اسرائیل کے کل انبیائے ممتاز کرتی ہے، یہی ہے کہ آپ ایک جدید اور مستقل شریعت لائے۔ اس لیے پیشگوئی میں موسیٰ کی مثل کا لفظ لانے سے سوائے اس کے کچھ منشاء نہیں ہو سکتا کہ وہ نبی بھی ایک جدید اور مستقل شریعت لانے والا ہو۔ اسی شریعت کے آنے پر اب وہ انکار کر رہے تھے۔

عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾

جھوٹ بولتے ہیں اور وہ جانتے ہیں[1]۔

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٧٦﴾

ہاں جو شخص اپنے اقرار کو پورا کرتا ہے اور تقوے کرتا ہے تو یقیناً اللہ متقیوں سے محبت کرتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٧﴾

وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے تھوڑی قیمت لے لیتے ہیں ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور نہ اللہ ان سے کلام کریگا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کریگا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٨﴾

اور ان میں سے ایک گروہ ہے جو کتاب کے متعلق جھوٹ بناتے ہیں تاکہ تم اسے کتاب سے سمجھو، حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے اور وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور وہ جانتے ہیں[2]۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ

کسی بشر کے لیے رشایاں نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکم اور نبوت دے، پھر وہ لوگوں کو کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ لیکن (وہ کہتا ہے)

نمبر ۱۔ جہاں ایک طرف اہل کتاب کو یہ الزام دیا ہے کہ جب دنیوی معاملہ میں ان کی حالت ایسی خراب ہے کہ ایک دینار کی امانت کا حق ادا نہیں کر سکتے تو دینی معاملہ میں کتاب کی حفاظت میں، پیشگوئیوں کی حفاظت میں وہ کیونکر قابل اعتبار ہو سکتے ہیں تو دوسری طرف مسلمانوں کو بھی سمجھایا ہے کہ دین و دنیا الگ الگ نہیں ہو سکتے۔ اگر وہ دنیوی معاملات میں امانت و دیانت کا حق ادا نہیں کر سکتے تو دین میں ان کا راہِ راست پر ہونے کا دعویٰ کس کام کا ہے۔

نمبر ۲۔ یلون السنتھم بالکتاب کے معنی یحرفونہ ہیں۔ یعنی کتاب کی تحریف کرتے ہیں لوی لسانہ بکذا ایک خاص محاورہ ہے، جس کے معنی میں راغب نے لکھا ہے کنایۃ عن الکذب و تخرص الحدیث یعنی جھوٹ اور بات کے بنانے سے کنایہ ہے۔ پس یہاں لفظی معنی زبان کو مروڑنے کے مراد نہیں بلکہ کتاب میں تحریف کے معنی ہیں۔ یا کتاب کے متعلق جھوٹ بنا لینے کے۔

یہاں اب صاف طور پر ان کی تحریف کتاب اللہ کو بیان کیا ہے جس کی طرف پہلے امانت کے ادا نہ کرنے کا ذکر کر کے اشارہ کیا تھا مراد یہ ہے کہ کچھ عبارتیں جھوٹ کے طور پر کتاب اللہ کی طرف منسوب کر کے پڑھ دیتے ہیں تاکہ تم ان عبارتوں کو کتاب کا حصہ سمجھو حالانکہ وہ کتاب کا حصہ نہیں۔ یعنی جو کتاب ان کے پاس ہے اس میں بھی وہ عبارتیں نہیں۔

كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿٧٩﴾

تم ربّانی ہو جاؤ اس لیے کہ تم کتاب سکھاتے تھے اور اس لیے کہ تم (اسے) پڑھتے تھے۱۔

وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَن تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۗ أَيَأْمُرُكُم بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿٨٠﴾ ع

اور نہ یہ کہ وہ تم کو حکم دے کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو خداوند بنالو کیا وہ تم کو کفر کا حکم دے گا اس کے بعد کہ تم مسلم ہو چکے ہو۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُم مِّن كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ ۚ قَالَ أَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَٰلِكُمْ إِصْرِي ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۚ قَالَ فَاشْهَدُوا وَأَنَا مَعَكُم مِّنَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨١﴾

اور جب اللہ نے نبیوں کے ذریعہ سے عہد لیا کہ جو کچھ میں نے تمھیں کتاب اور حکمت سے دیا ہے پھر تمھارے پاس وہ رسول آئے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہو جو تمھارے پاس ہے تو تم نے ضرور اس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اس کی مدد کرنی ہوگی کہا کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرے عہد کا بوجھ لیتے ہو انھوں نے کہا ہم اقرار کرتے ہیں کہا پس گواہ رہو اور میں تمھارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں۲۔

نمبر۱۔ تحریف کتاب کے ذکر میں اب ان کی ایک عظیم الشان تحریف کا ذکر کرتا ہے کہ انھوں نے بعض کلمات حضرت عیسیٰؑ کی طرف ایسے منسوب کر دیے ہیں جن سے یہ معلوم ہو کہ وہ یہ تعلیم دیتے تھے کہ وہ خدا ہیں۔ حالانکہ انہی کی کتابوں میں حضرت عیسیٰؑ کے ایسے اقوال بھی موجود ہیں کہ مجھے خدا نے بھیجا ہے اور اپنی عبودیت کا بھی اقرار ہے تو اس لیے فرماتا ہے کہ ایک ایسے بشر کے لیے جسے اللہ تعالیٰ کتاب اور حکم اور نبوت دے یہ کہاں شایاں ہے کہ وہ پھر لوگوں کو یہ بھی کہے کہ اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر میری عبادت کرو اور مجھے اپنا خدا مانو، وہ تو یہی تعلیم دیگا کہ تم ربّانی بنو یا خدا تعالیٰ کی طرف قدم آگے بڑھانے والے بنو یا عالم و فقیہ بنو کیونکہ عیسائیوں نے جو بعض استعارات کی بنا پر مسیح کو خدا بنایا ہے تو درحقیقت انھوں نے فقاہت سے کام نہیں لیا ورنہ اگر تدبر کرتے تو ان کو صاف سمجھ آ جاتا کہ حضرت مسیح کے کسی کلام میں اگر خدا کے بیٹے کا لفظ اپنے لیے آگیا ہے تو وہ خود ہی فرماتے ہیں کہ میرا خدا کا بیٹا اپنے آپ کو کہنا اس لیے قابل الزام نہیں کہ تمھارے بڑے یعنی بنی اسرائیل کے بزرگوں پر تو خدا کا لفظ بھی بولا گیا ہے۔ گویا ان کی مراد یہ تھی کہ جس طرح وہ مجاز اور استعارہ کے رنگ میں خدا کہلائے اسی طرح مجاز اور استعارہ کے رنگ میں خدا کا بیٹا کہلایا۔

ہر نبی مرسل کو تین چیزیں دینے کا ذکر ہے۔ کتاب، حکم، نبوۃ جس سے معلوم ہُوا کہ ہر نبی کو لازمًا کتاب و حکم ملتا ہے۔ حکم سے مراد فیصلہ کرنے کا اختیار ہے یعنی وہ خود صاحب اختیار ہوتا ہے اور وحی الٰہی کے ماتحت فیصلہ کرتا ہے۔

نمبر۲۔ میثاق النّبیین سے مراد وہ عہد ہے جو اللہ تعالیٰ نے نبیوں کے ذریعہ سے ان کی امتوں سے لیا۔ یہ معنے حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں۔ اہل کتاب پر کامل اتمام حجت کرکے اور پچھلے رکوع میں ان کو پیشگوئیوں کی طرف توجہ دلا کر اب بتایا ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم کی پیشگوئیاں صرف یہودیوں اور عیسائیوں کی کتابوں میں ہی نہیں بلکہ اسلام جملہ انبیائے عالم کا موعود مذہب ہے جیسا کہ قرآن کریم میں بار بار ذکر آیا ہے۔ جس قدر رسول آنحضرت صلعم سے پہلے آتے رہے سب خاص خاص قوموں کی طرف آتے رہے۔ کل دنیا کی طرف مبعوث ہونا یہ صرف ایک ہی رسول کے لیے مخصوص رکھا گیا جو سب سے آخر اور سب کو ایک دین پر جمع کرنے کے لیے آیا۔ تو چونکہ اس رسول نے ساری قوموں کو ایک دین پر جمع کرنا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ساری قوموں سے بذریعہ ان کے نبیوں کے یہ عہد لیا کہ جب وہ رسول آ جائے تو تم سب نے اس کے دین پر چلنا ہوگا۔ مختلف قوموں میں مختلف نبیوں کے آنے سے قومی امتیازات ایک

فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

پھر جو کوئی اس کے بعد پھر جائے تو وہی بدعہد
ہیں۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ
كَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

تو کیا اللہ کے دین کے سوا کچھ اور چاہتے ہیں اور جو
آسمانوں اور زمین میں ہیں خوش اور ناخوش اسی کے فرمانبردار
ہیں اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے[۱]۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا
وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَ
اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ
مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ
لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ
لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾

کہہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا
اور اس پر جو ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ
اور (اس کی) اولاد پر اتارا گیا۔ اور جو موسےٰ
اور عیسےٰؑ اور نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا
ہم ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے اور ہم اُسی
کے فرماں بردار ہیں۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ
يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہتا ہے،
تو اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں
نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوگا[۲]۔

حد تک مضبوط ہوتے چلے گئے اور چونکہ تعلقات بین الاقوام بھی اس وقت نہ تھے۔ سب قومیں اپنے اپنے ملکوں میں علٰحدہ علٰحدہ پڑی ہوئی تھیں۔ اس لیے ان حالات کا اقتضا بھی یہی تھا کہ ہر قوم کے اندر جدا جدا نبی مبعوث ہو۔ مگر یہ علٰحدگی جو ملکوں اور قومیتوں کی حدبندی سے پیدا ہوتی ہمیشہ کے لیے رہنے والی نہ تھی اس لیے یہ ضروری ہوا کہ جب وہ وقت آجائے کہ تعلقات بین الاقوام کی راہیں کھل جائیں تو قومی رسولوں کی بجائے ایک ہی رسول ساری دنیا کی طرف مبعوث ہو یہی وجہ ہے کہ ایک ہی رسول دنیا میں ہوا جس نے علی الاعلان بار بار کہا میں کل عالمین کی طرف آیا ہوں۔ اس رسول کی سب سے بڑی علامت جو یہاں بتائی وہ یہ ہے کہ وہ مصدق لما معکم ہے یعنی اس کی تصدیق کرتا ہے جو پہلی قوموں کے پاس ہے۔ یہ ایک امتیازی نشان ہے جو رسول عربی میں پایا جاتا ہے کیونکہ یہی ایک رسول ہے جس نے اپنے سے پہلے دنیا کے تمام رسولوں پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔ کوئی اور نبی دنیا میں نہیں ہوا جس نے یہ دعویٰ کیا ہو کہ وہ کل نبیوں کا موعود ہے نہ کوئی ایسا نبی ہوا جس نے تمام دنیا کے نبیوں کی تصدیق کی ہو۔ اس لیے بھی اب اس کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔

نمبر۱۔ اس آیت میں اسلام کے عالمگیر مذہب ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے گویا پہلی آیت میں بتایا تھا کہ اسلام تمام انبیاء علیہم السلام کا موعود مذہب ہونے کے لحاظ سے ساری نسل انسانی کا مذہب ہے۔ اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ اسلام اپنی حقیقت میں کل عالم کا مذہب ہے۔ کیونکہ اسلام کے اصل معنی فرمانبرداری ہیں اور مذہب کے رنگ میں قوانین شریعت کی فرمانبرداری کا نام اسلام ہے اور عام رنگ میں قوانین الٰہی کی فرمانبرداری بھی اسلام ہی ہے۔ پس اسلام جمیع مخلوقات کا مذہب ہے۔

نمبر۲۔ جب دین اسلام سب انبیاء کا موعود بھی ہوا، سب رسولوں کا مصدق بھی ہوا، بلحاظ اپنے معنی کے تمام ذرات عالم کا مذہب بھی ہوا تو جو شخص ایسے کامل

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ شَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾

اللہ ان لوگوں کو کس طرح ہدایت کرے جو اپنے ایمان کے بعد کافر ہوئے اور وہ گواہ ہیں کہ رسول سچا ہے اور ان کے پاس کھلی دلیلیں آچکیں اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔[1]

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾

ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ اور فرشتوں اور لوگوں سب کی لعنت ہے۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾

اس میں رہیں گے نہ ان سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

مگر وہ جنھوں نے اس کے بعد توبہ کی اور اصلاح کی تو اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾

جو اپنے ایمان کے بعد کافر ہوئے، پھر کفر میں بڑھتے گئے ان کی توبہ قبول نہیں ہوتی اور وہی گمراہ ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ

جو کافر ہوئے اور مرگئے اور وہ کافر ہی تھے،

دین کو چھوڑ کر ناقص چیز کو قبول کرے وہ واقعی خسارہ میں ہے اور چونکہ خسران راس المال کے ضائع ہوجانے کا نام ہے اس لیے اس نے گویا اپنے راس المال کو بھی تباہ کردیا۔ انسان کا راس المال مذہب کے معاملہ میں اس کی فطرت ہے اور حدیث شاہد ہے کہ کل مولود یولد علی الفطرۃ۔ ہر ایک انسانی بچہ اسی فطری دین پر پیدا ہوتا ہے پس جو شخص اسلام یا کامل فرمانبرداری کی راہوں کو ترک کرکے اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرتا ہے اس نے اپنی فطرت کو بھی بگاڑ دیا۔

یہ آیت اس بات کا فیصلہ کرتی ہے کہ کامل راہیں نجات کی صرف اسلام میں پائی جاتی ہیں، گو قرآن کریم دوسرے مذاہب میں خوبیوں کا اعتراف کرتا ہے اور اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ سب مذاہب کی ابتدا خدا کی طرف سے ہی ہے مگر اس امر حق کا بھی اظہار فرماتا ہے کہ سب مذاہب میں غلطیوں کے راہ پاجانے سے اب انسان ان کے ذریعہ سے گناہ سے نجات یا اخروی نجات حاصل نہیں کرسکتا۔

نمبر ۱۔ ان آیات میں اہل کتاب کا ہی ذکر ہے۔ اسلام پر اس قدر کھلے دلائل کے باوجود ان لوگوں نے کوئی توجہ اسلام کی طرف نہ کی۔ کفروا بعد ایمانھم سے یہ مراد ہے کہ وہ پہلے انبیاء پر ایمان لائے اور اس کے بعد اب محمد رسول اللہ صلعم کا کفر کرتے ہیں و شھدوا انّ الرّسول حقٌّ میں یہ اشارہ ہے کہ درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا یہ لوگ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرچکے ہیں۔ اللہ کے ان کو ہدایت نہ دینے سے یا تو یہ مراد ہے کہ ان کو ہدایت کی منزل مقصود پر نہیں پہنچاتا یا یہ کہ ان کو کامیاب نہیں کرتا یا جنت میں نہیں پہنچاتا۔ اور یا یہ کہ ایسے ظالموں سے ہدایت کی توفیق چھین لیتا ہے اور یہ اُن کے دلائل کی طرف توجہ نہ کرنے اور مشاہدہ کے باوجود حق کو قبول نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔

فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ
ذَهَبًا وَّ لَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ
وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾
كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا
مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ
اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ
فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾
فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ
ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾

تو ان میں سے کسی سے زمین بھر کر سونا بھی قبول
نہ کیا جائے گا اگرچہ وہ اسے فدیہ دے ان کے لیے
دردناک عذاب ہے اور ان کے لیے کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا۔
تم راستبازی کو ہرگز حاصل نہ کرو گے یہاں تک کہ اس سے خرچ کرو جس سے تم محبت رکھتے
ہو اور جو کوئی چیز بھی تم خرچ کرو گے تو اللہ اسے خوب جاننے والا ہے۔[1]
کھانے کی سب چیزیں بنی اسرائیل کے لیے حلال تھیں قبل اس کے
کہ تورات اتاری جائے۔ سوائے اس کے جو اسرائیل نے
اپنی جان پر حرام کر لیا[2] کہہ تو تورات لاؤ پھر اسے پڑھو،
اگر تم سچے ہو۔
پھر جو کوئی اس کے بعد اللہ پر جھوٹ بنائے تو وہی
ظالم ہیں۔

نمبر۱۔ سونے سے زمین بھرنے والوں کے بالمقابل جنھوں نے اپنی ساری طاقتوں کو اسی سفلی زندگی پر لگا دیا ہے اس گروہ کا ذکر کیا جو ہر قسم کی خیر اور نیکی کو حاصل کرے تو اس کا گر یہ بتایا کہ جن چیزوں سے تم کو محبت ہے وہ خرچ کرو تو جمیع ابواب خیر میں داخل ہو سکتے ہو۔ مِمَّا تُحِبُّوْنَ صرف مال وزر ہی نہیں بلکہ اگر ضرورت ہو تو اپنے وقت عزیز کو خدا کی راہ میں لگانا۔ اپنی عزت اور مرتبہ کو جس سے انسان محبت کرتا ہے، خدا کی راہ میں خرچ کر دینا اپنی ساری قوتوں اور طاقتوں کو لگا دینا یہ سب کچھ اس کے اندر داخل ہے۔ ہاں مال و دولت جائداد سب سے زیادہ محسوس ہونے والی چیزیں ہیں۔ بعض لوگوں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ یہ آیت حکم زکوٰۃ سے منسوخ ہے۔ حالانکہ یہ ایک ایسا محکم اور پختہ اصول ہے کہ جب تک انسان اس دنیا میں ہے یہ کبھی منسوخ نہیں ہو سکتا۔ نسل انسانی کی ساری ترقیات کا مدار ہی محبوب اشیاء کے انفاق پر ہے۔

نمبر۲۔ روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ ہم دین ابراہیمؑ پر ہیں تو یہودیوں نے کہا کہ آپ اونٹ کا گوشت کھاتے ہیں اور اونٹ کا گوشت نوحؑ اور ابراہیم علیہما السلام پر بھی حرام تھا۔ تو یہ آیت ان کی تکذیب کے لیے اتری گویا یہ الفاظ اس اعتراض کے جواب میں ہیں کہ کھانے کی چیزوں میں مسلمانوں کا ملت ابراہیمی سے کوئی اختلاف ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ وہی چیزیں جو ابراہیمؑ کے لیے حلال تھیں بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں۔ مگر اسرائیل نے کچھ اپنے اوپر حرام کر لیا تھا وہ کیا تھا؟ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اونٹ کا گوشت تھا اور حضرت یعقوبؑ نے ایک لمبی بیماری میں مبتلا ہونے پر یہ نذر مانی تھی کہ وہ محبوب ترین طعام کو جو اونٹ کا گوشت تھا ترک کر دیں گے۔ بعض نے چربیوں وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے عبادت کے رنگ میں اس کو ترک کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ایسا کیا تھا۔ بہر حال اہل کتاب کا جو اعتراض تھا کہ یہ چیزیں ہمیشہ سے حرام تھیں اور ملت ابراہیمی میں بھی حرام تھیں۔ اس کا جواب دیا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو توریت لا کر پڑھو اور اس میں دکھاؤ کہ کہاں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ پر بھی یہ چیزیں حرام تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ توریت سے پہلے بنی اسرائیل پر ہر ایک قسم کا طعام جو مسلمانوں کے لیے حلال ہے حلال تھا۔ اب بنی اسرائیل پر بہت سی چیزوں کی حرمت کی وجہ ان کی اصلی حرمت نہیں بلکہ سزا کے طور پر ہے (الانعام۔ ۱۴۷)

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۟ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾

کہ اللہ نے سچ فرمایا ہے پس راست رَو ہو کر ابراہیمؑ کے دین کی پیروی کرو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۚ﴿۹۶﴾

پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا، یقیناً وہی ہے جو مکہ میں ہے برکت دیا گیا اور سب قوموں کے لیے ہدایت ہے۔[۱]

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾

اس میں کھلے کھلے نشان ہیں مقام ابراہیم، اور جو وہاں داخل ہُوا امن والا ہو گیا اور لوگوں پر اللہ کے لیے اس گھر کا حج کرنا ہے اس پر جو اس تک راہ پا سکے اور جس نے انکار کیا تو اللہ جہانوں سے بے نیاز ہے۔[۲]

نمبر۱۔ خانہ کعبہ اوّل بیت یعنی دنیا کا سب سے پہلا معبد ہے۔ بخاری اور مسلم میں ہے کہ ابوذرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کونسی مسجد سب سے پہلے بنائی گئی؟ تو آپ نے جواب دیا، مسجد الحرام یعنی مسجد حرام یا خانہ کعبہ۔ سر ولیم میور ایک مخالف بھی یہی گواہی دیتا ہے وہ لکھتا ہے کہ مکہ کے مذہب کے نمایاں خصوصیات کے لیے ایک نہایت ہی قدیم زمانہ تجویز کرنا پڑتا ہے ڈائیوڈرس سکولس سنہ عیسوی سے بھی نصف صدی پیشتر لکھتا ہوا عرب کے ذیل میں لکھتا ہے کہ اس ملک میں ایک معبد ہے جس کی عرب لوگ بہت ہی عزت کرتے ہیں۔ ان الفاظ میں یقیناً خانہ کعبہ کا جو مکہ میں ہے ذکر کیا گیا ہے کیونکہ اور کسی معبد کا عرب میں نام بھی نہیں جس کی عزت عرب میں عام طور پر ہوئی ہو۔ زبانی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ قدیم ترین زمانہ سے خانہ کعبہ کا حج عرب کے ہر گوشہ کے لوگ کرتے رہے ہیں۔ یمن اور حضرموت سے خلیج فارس کے کنارہ سے، شام کے بادیہ سے، حیرہ اور عراق عرب سے لوگ ہر سال مکہ میں جمع ہوتے ہوئے پائے جاتے ہیں اس قدر عام طور پر سارے ملک عرب میں اس عزت کا حاصل ہونا یقیناً ایک ایسے قدیم زمانہ سے ہونا چاہیئے جس کے پرے اور کوئی قدیم زمانہ تجویز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ مکہ کا ہی نام ہے جس طرح اس گھر کو اوّل بیت کہا ہے اسی طرح لفظ مبارک میں یہ اشارہ بھی کر دیا ہے کہ خاتم النبیین کا یہ قبلہ خدا کی عبادت کا آخری گھر بھی ہے کیونکہ مبارک کے معنی ہیں جس کی خیر و برکت کبھی منقطع نہ ہو اور دائمی ہو۔

نمبر۲۔ تین کھلے نشانوں کا ذکر ہے اوّل مقام ابراہیم۔ حضرت ابراہیمؑ کے نام کا تعلق خانہ کعبہ اور اس کی عبادت سے اس لیے نشان ہے کہ اگر حضرت ابراہیمؑ یہاں نہ آئے ہوتے تو عرب کے بُت پرستوں کو کیا ضرورت تھی کہ ابراہیمؑ کا اس قدر تعلق اس سے ظاہر کرتے جو بت شکن تھا۔ اس سے معلوم ہُوا کہ وہ بیت ایل جس کا ذکر بائبل میں ہے وہ بیت اللہ ہی تھا کیونکہ اور کسی گھر کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کے نام کا تعلق باقی نہیں رہا۔ دوسرا کھلا نشان یہ ہے کہ یہ ایک امن کا مقام ہے یہ بھی خصوصیت ساری دنیا میں خانہ کعبہ کو ہی حاصل ہے کہ وہ امن کا مقام ہے مکہ کی حدود کے اندر کسی قسم کی حرکت جائز نہیں اور یہ حرمت اس کی عرب کے اندر ابتدا سے اللہ تعالیٰ نے ایسی محکم رکھی تھی کہ عرب جیسی جنگجو قوم جس کا شغل ہی دن رات جنگ کرنا تھا اس قوم میں بھی مکہ کی حدود کے اندر کسی کی طاقت نہیں تھی کہ تلوار کو نیام سے باہر نکال سکے اور جو ہزار ہا سال کی تاریخ میں کوئی ایک دو مثالیں اس حکم کی خلاف ورزی کی پیش کی جاتی ہیں تو وہ النادر کالمعدوم کے حکم میں ہیں۔ پھر ایک حدیث میں مکہ کی حرمت کے متعلق یہ لفظ بھی آئے ہیں کہ اس کے اندر نہ دجّال داخل ہوگا اور نہ طاعون۔ یہ امن اس مقدس سرزمین میں اس لیے رکھا گیا تاکہ یہ ایک نشان ہو اس روحانی امن و امان کا جس کا جھنڈا اس مقام پر بلند ہو کر دنیا کی کل قوموں میں صلح و اتحاد اور اخوت کی بنیاد رکھی جانی تھی۔

تیسرا نشان یہ کہ اس مقدس گھر کا حج کرنا ضروری ٹھہرایا گیا۔ دنیا کے کل مقدس مقامات ایک نہ ایک وقت اپنے مخالفوں کے ہاتھ میں پڑ کر تباہ و برباد ہو گئے ہیں تو اس کے قیام کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ نہ صرف ہمیشہ کے لیے قائم رہیگا بلکہ اس کا حج بھی لوگ ہمیشہ کرتے رہیں گے گویا کسی وقت یہ اپنے مخالفوں کے ہاتھ میں نہ پڑے گا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ	کہہ اے اہل کتاب کیوں اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہو
اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾	اور اللہ اس پر گواہ ہے جو تم کرتے ہو۔
قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ	کہہ اے اہل کتاب کیوں اسے اللہ کی راہ سے روکتے ہو جو ایمان
اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ	لائے تم اس کے لیے ٹیڑھا پن چاہتے ہو، حالانکہ تم گواہ ہو اور
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾	اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ	اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم ان لوگوں میں سے ایک گروہ کے
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ	پیچھے لگ جاؤ گے جن کو کتاب دی گئی ہے تو وہ تمھیں تمھارے
اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾	ایمان کے بعد کافر بنا دیں گے[1]۔
وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ	اور تم کس طرح کفر کر سکتے ہو حالانکہ تم وہ ہو کہ تم پر اللہ
اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ	کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول ہے اور جو
ع بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾	اللہ کو مضبوط پکڑتا ہے وہ یقیناً سیدھی راہ کی طرف ہدایت پا گیا۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ	اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ کرو جیسا کہ اس کے تقوے کا
وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾	حق ہے اور تم نہ مرو مگر ایسی حالت میں کہ تم فرماں بردار ہو[2]۔
وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠	اور سب کے سب اللہ کے عہد کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو[3]

نمبر۱۔ کسی دوسرے کی اطاعت یہ ہے کہ انسان برضا و رغبت جو وہ کہے مانتا چلا جائے اور جو وہ کرے اسی طرح کرتا چلا جائے پس اطاعت صرف اللہ اور اس کے رسول کی ہو سکتی ہے یا اولوالامر کی جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا صرف انہی کے حکم کے ماتحت کسی دوسرے کا حکم مانا جا سکتا ہے اس لیے کفار کی اطاعت فی الواقع کوئی نہیں۔

نمبر۲۔ بتایا کہ فرداً فرداً ہر انسان کے اندر ذمہ داری کا احساس پیدا ہونا چاہیئے کیونکہ تقوی اللہ یہی ہے کہ انسان ان حقوق اور ذمہ داریوں کو پورا کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے ذمہ رکھی ہیں یہی کامیابی کا پہلا اصول ہے۔

نمبر۳۔ وحدت قومی کو کامیابی کا دوسرا اصول قرار دیا پھر یہ اصولِ وحدت ناکمل ہوتا اگر یہ نہ بتایا ہوتا کہ وہ کونسی خاص بات ہے جس پر امر اتحاد کی بنیاد رکھی جائے پس ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ اتحاد اسلامی کی بنیاد حبل اللہ یعنی قرآن کریم ہے۔ اس میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ قرآن شریف کے متعلق مسلمانوں کا کبھی باہم اختلاف نہ ہوگا اور سب کے ہاتھ میں ایک ہی قرآن کریم ہوگا۔ کیونکہ اتحاد کی بنیاد اسی چیز پر ہو سکتی ہے جس کے بارہ میں اختلاف کوئی نہ ہو۔ یہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہے کہ بعض لوگوں نے اتحاد کی اس بنیاد کو چھوڑ کر اپنی اپنی روایات کو اصل بنیاد قرار دے لیا ہے۔ قرآن کریم کو بنیاد اتحاد قرار دینے سے یہ منشا ہے کہ تمام روایات کو جو کسی فرقہ کے ہاتھ میں ہوں اصول قرآنی پر پرکھا جائے اور جو روایت قرآن کریم کے خلاف ہو اُسے ترک کیا جاوے یہی وہ قرآن تھا جس نے عرب کے ریت کی طرح متفرق اجزا کو اکٹھا کر کے ایک پہاڑ کی طرح اسے مضبوط کر دیا۔ آج بھی مسلمان اس قرآن کی طرف توجہ کریں تو وہی معجزہ پھر دیکھ سکتے ہیں۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً
فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ
اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ
النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ
لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم باہم دشمن تھے
پھر اس نے تمھارے دلوں میں اُلفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت
سے بھائی بھائی ہوگئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے
تو اس نے تم کو اس سے بچالیا۔ اسی طرح اللہ تمھارے لیے
اپنی باتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ
وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ
الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور چاہیئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بلائیں
اور اچھے کاموں کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے روکیں اور
وہی کامیاب ہونے والے ہیں[1]۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا
مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ
لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾

اور ان کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں نے تفرقہ کیا اور اختلاف
کیا اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی باتیں آچکی تھیں اور انہی
کے لیے بڑا عذاب ہے۔

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا
الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۟ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ
اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

جس دن (کچھ) مُنہ سفید ہونگے اور (کچھ) منہ سیاہ ہوں گے پس جن
کے منہ سیاہ ہوئے کیا تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہوئے ہو تم
عذاب چکھو اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے۔

نمبر۱۔ اس آیت میں کامیابی کا تیسرا اصول دعوت الی الخیر کو بیان فرمایا ہے مراد دعوت الی الاسلام یا دعوت الی القرآن ہے۔ بتایا کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ہمیشہ ایسی موجود رہے جو دعوت الی الاسلام کے کام میں لگی [illegible] کام کو کیوں اس قدر اہمیت دی ہے۔ اس لیے کہ بغیر اس کے مسلمان قوم ایک زندہ قوم نہیں رہ سکتی۔ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ جس قوم نے اپنی ترقی کے لیے اپنی تعداد کو بڑھانے کے لیے جد وجہد ترک کر دی ہے۔ اس میں تنزل اور انحطاط شروع ہوگیا ہے۔ زندگی کے آثار اس میں سے دُور ہوگئے ہیں اور وہ آخر کار مردگی کی حالت تک پہنچ گئی ہے۔ لوگ خیال کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا تنزل اُن کی سلطنت اور حکومت کے جاتے رہنے سے ہُوا ہے حالانکہ حق یہ ہے کہ مسلمانوں کا تنزل اس وقت سے شروع ہُوا ہے جب سے انھوں نے دعوت الی الاسلام کے کام کی طرف کم توجہی کردی ہے اور سلطنتوں کا جاتے رہنا محض اس کے نتائج میں سے ایک نتیجہ ہے۔ پھر جب مسلمان دعوت الی الاسلام کے کام پر پوری توجہ کریں گے تو پھر وہی کامیابیاں اور وہی شان و شوکت اُن کے لیے ہوگی جس کا وعدہ اولئك هم المفلحون میں ہے۔

اس زمانہ میں جب دعوت الی الاسلام کے کام کی طرف سے اکثر مسلمان غافل ہو رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس صدی کے مجدد حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو اپنی جناب سے یہ الہام کیا کہ وہ ایک جماعت اس غرض کے لیے تیار کریں۔ پس آپ نے مسلمانوں کے اندر اس حکم کی تعمیل کے لیے ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر ایک جماعت بنانی چاہی ہے۔ ہر ایک شخص جو اس جماعت میں داخل ہوتا ہے وہ درحقیقت یہ عہد کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کا اصل نصب العین صرف دعوت الی الاسلام رکھے گا اور ظاہر ہے کہ بغیر ایک جماعت اور نظم و اتحاد کے کوئی کام ہو نہیں سکتا۔

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ
اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور جن کے منہ سفید ہوئے وہ اللہ کی رحمت میں ہیں وہ
اسی میں رہیں گے ۱؎

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَ مَا
اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

یہ اللہ کی باتیں ہیں جن کو ہم تجھ پر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں اور
اللہ جہانوں کے لیے ظلم کا ارادہ نہیں کرتا۔

وَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ
وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ ع

اور اللہ کے لیے ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں
ہے اور اللہ کی طرف ہی (سب) کام لوٹائے جاتے ہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ ؕ وَ لَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ
مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

تم سب سے اچھی جماعت ہو جو لوگوں (کی بھلائی) کے لیے ظاہر کی گئی
ہے تم اچھے کاموں کا حکم دیتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان
لاتے ہو ۲؎ اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے تو یقیناً ان کے لیے اچھا ہوتا،
ان میں کچھ مومن ہیں اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَ اِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ
يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۟ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے سوائے ستانے کے اور اگر تم سے لڑیں گے تو
تمہارے سامنے پیٹھ پھیر لیں گے پھر ان کو مدد نہ دی جائے گی ۳؎

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا
بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوْ

اُن پر ذلّت کی مار ہے، جہاں کہیں وہ پائے جائیں سوائے اس
کے کہ) اللہ کے عہد اور لوگوں کے عہد کے ذریعہ سے (پناہ لیں) اور وہ

نمبر۱۔ مومنوں کی سفیدی سے مراد عزّت اور سیاہی سے مراد ذلّت ہے۔

نمبر۲۔ اس آیت میں مسلمانوں کو بہترین امت قرار دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ خود بتادی ہے۔ ایک یہ کہ یہ امت دنیا کے تمام لوگوں کی بھلائی کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ ہر ایک نبی کی امت زیادہ تر اپنی قوم کی بہتری میں ہی کوشاں رہی مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے قومیت کا نشان مٹا کر ان کو تمام لوگوں کی بھلائی چاہنے والے قرار دیا گیا اور دوسری وجہ ان کی فضیلت کی اُن کا آمر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہوتا ہے یعنی بھلائیوں کا حکم دینے والے اور بدیوں سے روکنے والے گویا جو کام پہلے انبیاء کرتے تھے وہ بوجہ ختم نبوّت اب امتی لوگ کریں گے اگر امر بالمعروف کے لیے اس امت کو اسرائیلی مسیح کی ضرورت ہے تو اس کی فضیلت باقی نہ رہی۔ اور یہ دعویٰ کہ تم بہترین امت یا خیر الامم ہو بلا ثبوت نہیں چھوڑا گیا جس ردّی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کو پایا کیا بلحاظ عقاید کے اور کیا بلحاظ اعمال کے اور کیا بلحاظ جہالت کے ایسی بدترین حالت کی قوم اور کسی نبی کو اصلاح کے لیے نہیں دی گئی مگر باوجود ایسی ردی حالت میں پانے کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی نے ان کو ایمانی اور عملی پہلو کے لحاظ سے اور تعلیم اور تہذیب کے لحاظ سے ایسے اعلیٰ مقام پر پہنچایا کہ کسی نبی نے اپنی امت کو اس مقام پر نہیں پہنچایا۔ وہ نہ صرف زہد و عبادت میں تمام دنیا کی قوموں سے آگے بڑھ گئے بلکہ ہر طرح کے اخلاق فاضلہ کے زیور سے آراستہ ہو کر ہر پہلو میں دنیا کے ہادی و رہبر بنے کیا فتوحات ملکی کے لحاظ سے، کیا سیاست کے لحاظ سے، کیا تمدن اور معاشرت کے لحاظ سے، کیا علوم کے لحاظ سے، کیا تہذیب کے لحاظ سے، کیا آزادیٔ خیال کو قائم کرنے کے لحاظ سے۔ اور کیا مساوات نسل انسانی کے قائم کرنے کے لحاظ سے۔

نمبر۳۔ یہ یہودیوں کا ذکر ہے جیسا کہ اگلی آیت سے ظاہر ہے۔

بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
وَ يَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ
بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

اللہ کا غضب کما لائے اور ان پر مسکینی کی مار ہے۔ یہ اس لیے کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ اس لیے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے بڑھ جاتے تھے[1]

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ
قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَ هُمْ
يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

(سب) برابر نہیں۔ اہل کتاب میں سے ایک جماعت (حق پر) قائم ہے جو اللہ کی آیتوں کو رات کی گھڑیوں میں پڑھتے ہیں اور سجدے کرتے ہیں۔

يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَاْمُرُوْنَ
بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُسَارِعُوْنَ
فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَ اُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

وہ اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لاتے ہیں اور اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں اور نیکیوں کو جلدی لیتے ہیں اور وہی نیکوں میں سے ہیں[2]

وَ مَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَ اللّٰهُ
عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

اور جو کچھ وہ نیکی کریں گے تو اس کی ناقدری نہیں کی جائے گی اور اللہ متقیوں کو خوب جاننے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ
وَ لَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْئًا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

جنھوں نے کفر کیا اُن کے مال اور ان کی اولاد اللہ (کے عذاب) کے سامنے ان کے کسی کام نہ آئیں گے اور وہی آگ والے ہیں وہ اسی میں رہیں گے۔

نمبر۱۔ حبل من اللہ سے مراد اللہ کے عہد یعنی اسلام [illegible] رہا اور حبل من الناس سے مراد کسی حکومت سے عہد کرکے اس کے نیچے رہنا ہے۔ مراد یہ ہے کہ سوائے اس کے کہ اسلام لائیں دنیا میں کسی دوسری قوم کے ماتحت ہوکر ہی رہیں گے۔

نمبر۲۔ ان دو آیات میں اہل کتاب میں سے ایک گروہ کا ذکر کیا ہے مگر اہل کتاب میں سے ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ یہودیوں کے مذہب پر ہیں بلکہ وہ لوگ جو ان میں سے نکل کر اسلام میں آگئے تھے چونکہ پچھلی آیت میں یہود کی ذلت اور ان پر غضب کا ذکر تھا تو اس لیے اب فرمایا کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کی قوم کے ساتھ یہ کوئی خصوصیت ہے بلکہ یہ ان کے اعمال کی وجہ سے ہے۔ اسی لیے اس دوسرے گروہ کا ذکر کردیا جو اپنے اعمال واعتقادات کی وجہ سے ان تمام باتوں سے نکل کر ایک اعلیٰ مقام پر پہنچ چکے ہیں۔ یہاں ان لوگوں کی کچھ صفات بیان فرمائی ہیں۔ پہلی صفت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر استقامت اختیار کرنے والے ہیں۔ دوسری صفت یہ ہے کہ رات کی گھڑیوں میں آیات اللہ کی تلاوت کرتے ہیں۔ تیسری صفت یہ ہے کہ ھم یسجدون جس سے مراد نماز ہے کیونکہ رکوع اور سجدہ دونوں لفظ بوجہ اپنی عظمت کے نماز پر بولے گئے ہیں۔ چوتھی صفت ان کی یہ فرمائی کہ وہ اللہ اور یوم آخر پر ایمان لاتے ہیں ان الفاظ میں ہمیشہ قرآن شریف میں مسلمانوں کا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ پانچویں صفت ان کی یہ ہے کہ دوسروں کی تکمیل کرتے ہیں یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں اور چھٹی یہ کہ ہر قسم کی بھلائیوں میں سبقت کرتے ہیں۔ یہ پچھلی آیت کے حبل من اللہ والوں کی حالت ہے۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۱۱۷

اس کی مثال جو اس دنیا کی زندگی کے متعلق خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ہوا، جس میں سخت سردی ہو وہ ان لوگوں کی کھیتی کو پہنچے جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے اور اسے تباہ کر دے[1] اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۱۸

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنوں کے سوائے (اپنے) رازدار نہ بناؤ، وہ تمھاری خرابی میں کمی نہیں کرتے، وہی چاہتے ہیں جو تمھیں تکلیف دے ان کے مونہوں سے بغض ظاہر ہو چکا ہے اور جو کچھ ان کے سینے چھپاتے ہیں وہ بڑھ کر ہے، یقیناً ہم نے تمھارے لیے باتیں کھول کر بیان کر دی ہیں اگر تم عقل سے کام لو[2]

هٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ڝ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ

سنو! تم وہ ہو جو ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے حالانکہ تم ساری کی ساری کتاب پر ایمان لاتے ہو اور جب وہ تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب علیحدہ ہوتے ہیں تو سخت

نمبر۱۔ پچھلی آیت میں فرمایا تھا کہ ان لوگوں کے مال اور اولاد جن کے فخر پر وہ تخریب اسلام کے درپے ہیں ان کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکیں گے یہاں ان کی ان کوششوں کا انجام ایک مثال کے رنگ میں سمجھایا ہے۔ ان کے خرچ کرنے کو ماینفقون فی ھذہ الحیٰوۃ الدنیا قرار دیا ہے۔ کیونکہ جو کچھ وہ اس وقت کر رہے تھے محض نمود اور ریا کے لیے تھا ان کے لشکروں کی تیاری اور دیگر ایذارسانی پر خرچ کرنے کو ایک کھیتی سے تشبیہ دی ہے جس کو آخر ایک عذاب کی ہوا تباہ کر دے گی اور ان کے ہاتھ میں سوائے حسرت اور ندامت کے کچھ نہ آئے گا اور آخر پر فرمایا کہ ان کی کوششوں کی ناکامی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظلم کے طور پر نہیں بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں کیونکہ بجائے نیکی اور تائید حق کے اپنے اموال کو معصیت اور تخریب حق پر خرچ کرتے ہیں اور اس لیے وہ سزا کے مستحق ہیں۔

نمبر۲۔ اس آیت میں اپنے دشمنوں کو رازدار دوست بنانے کی ممانعت ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ اپنے دشمن کو رازدار دوست بنانا اپنی ہی تخریب ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ من دونکم عام الفاظ ہیں ان کو دشمنوں کے ساتھ خاص کیوں کیا جائے تو اس کی وجہ خود آگے بیان کر دی ہے کہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کرتے۔ بلکہ چاہتے ہیں کہ ان پر کوئی ہلاک کرنے والی مصیبت آئے۔ پھر یہ ان کی باتیں مخفی ہی نہیں بلکہ یہ بغض ان کے الفاظ سے ظاہر ہو چکا ہے ہاں جس قدر انھوں نے ظاہر کیا ہے اس سے بہت بڑھ کر ابھی ان کے سینوں میں مخفی ہے یہ سب کچھ کھول کر مسلمانوں کو بتا دیا تاکہ وہ جلد ان کو ہلاک کرنے دینے والی دوستی سے بچیں۔ یہود نے جیسا کہ اگلی آیت سے معلوم ہوگا منافقانہ روش اختیار کر رکھی تھی۔ ادھر نبی کریم صلعم کے ساتھ معاہدہ کر رکھا تھا ادھر اندر ہی اندر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے اور مسلمانوں کے دشمنوں کو مسلمانوں پر چڑھائی کرنے کے لیے اکساتے رہتے تھے ان مخفی شرارتوں کے علاوہ ان کی بدزبانی بھی انتہا کو پہنچ چکی تھی جیسا کہ قد بدت البغضاء من افواھھم سے ظاہر ہے نبی کریم صلعم کے سامنے بھی شرارت سے باز نہ آتے تھے اور پاک دامن مسلمان بیبیوں کو اشعار میں بدنام کرتے اور مسلمانوں کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے تھے۔

الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾
اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۡ وَاِنْ
تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ۭ وَاِنْ
تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ
ع شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾
وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ
مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾
اِذْ هَمَّتْ طَّاۗىِٕفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ
وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَي اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾
وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ

غصے کے مارے تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں کہہ اپنے غصے میں مرجاؤ۔ اللہ
سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے ۔۱۔
اگر تم کو کوئی بھلائی پہنچے اُن کو بُرا لگتا ہے اور اگر تم کو کوئی
بُرائی پہنچے وہ اس سے خوش ہوتے ہیں اور اگر تم صبر کرو اور
تقوے کرو تو اُن کی تدبیر تمھیں کوئی نقصان نہ پہنچائے گی
اللہ اس کا جو وہ کرتے ہیں احاطہ کیے ہوئے ہے ۔
اور جب تو سویرے اپنے گھر والوں سے چلا مومنوں کو لڑائی کے لیے
مورچوں پر بٹھاتا تھا اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۔۲۔
جب تم میں سے دو گروہوں نے ارادہ کیا کہ ہمت ہار دیں اور اللہ
ان دونوں کا ولی تھا اور اللہ پر ہی مومنوں کو بھروسہ
کرنا چاہیئے ۔۳۔
اور یقیناً اللہ نے تم کو بدر میں مدد دی جب تم کمزور

نمبر۱۔ اس آیت میں اوّل مسلمانوں کو ان کی محبت سے روکا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود ان کی شرارتوں کے مسلمان اپنی پاک فطرتوں کی وجہ سے ان سے محبت ہی کرتے تھے اور اگر معمولی حالات رہتے خواہ وہ اسلام میں داخل نہ ہوتے تو مسلمانوں کو بھی اللہ تعالیٰ نہ روکتا۔ مگر روکنے کی وجہ بھی بتا دی کہ اُن کا غیظ و غضب تم پر حد سے بڑھا ہوا ہے پہلے فرمایا وَلَا یُحِبُّوْنَکُمْ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِالْکِتٰبِ کُلِّهٖ یعنی حالانکہ تم تو ان کی کتاب پر ایمان بھی لاتے ہو پھر بھی وہ تم سے محبت نہیں کرتے حالانکہ حق یہ تھا کہ جب مذہب کے رُو سے بھی مسلمان ان کی کتابوں کو اصولاً منزل من اللہ مانتے تھے تو وہ ان سے محبت کرتے مگر بجائے محبت کے بغض و عداوت میں اتنی ترقی کی کہ اپنی ساری کوشش اسلام کو تباہ کرنے پر صرف کی۔

نمبر۲۔ جنگ بدر میں سخت ہزیمت اٹھانے کے بعد قریش مکہ نے مسلمانوں کو تباہ کرنے اور ایک بڑی بھاری کوشش پہلی ہزیمت کا داغ مٹانے کے لیے کی اور اگلے سال یعنی ۳ھ ہجری میں تین ہزار کا لشکر لیکر جس میں دو سو سوار تھے شوال کے مہینہ میں اُحد کے مقام پر جو مدینہ کے شمال میں صرف چار میل کے فاصلہ پر ہے پہنچ گئے۔ ان کا وہاں ٹھہر جانا اس لیے تھا کہ تا مسلمان کسی طرح مدینہ سے باہر نکل آئیں۔ کیونکہ مدینہ کے اندر رہنے سے ان کی حالت زیادہ مضبوط رہتی چنانچہ بدھ کے دن وہ مقام اُحد پر پہنچے۔ ادھر آنحضرت صلعم نے بھی تیاری کی اور مشورہ سے یہ قرار پایا کہ مدینہ سے باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ کثرت رائے اس طرف تھی گو آنحضرت صلعم کی اپنی رائے یہی تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر لڑائی کی جائے۔ جمعہ کے دن بعد نمازِ جمعہ آپ چلے آپ کے ساتھ ایک ہزار آدمی نکلے۔ لیکن عبداللہ بن ابی ایک تہائی آدمیوں کے ساتھ رستہ سے واپس ہوگیا۔ باقی چھ سات سو آدمیوں کو لے کر آپ اُحد کے مقام پر پہنچے اور اگلے دن علی الصبح پہاڑ کو اپنی پشت پر رکھ کر اپنے لشکر کو جنگ کے لیے تیار کیا۔ اھلک کے لفظ میں یہاں حضرت عائشہ صدیقہ رض کی طرف اشارہ ہے تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ حضرت صدیقہ جنگِ اُحد میں آپ کے ساتھ تھیں۔

نمبر۳۔ یہ دو گروہ بنو حارثہ اور بنو سلمہ تھے انھوں نے پہلے واپسی کا ارادہ کیا۔ مگر یہ ارادہ عمل میں نہ آیا اور اللہ تعالےٰ نے انھیں استقامت دی۔

أَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٢٣﴾

تھے پس اللہ کا تقوے کرو تاکہ تم شکر گزار بنو ۱؎

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ ﴿١٢٤﴾

جب تو مومنوں سے کہتا تھا کہ کیا یہ تمھارے لیے کافی نہیں کہ تمھارا رب تین ہزار اتارے ہوئے فرشتوں سے تمھاری مدد کرے ۲؎

بَلَىٰ ۚ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿١٢٥﴾

ہاں اگر تم صبر کرو اور تقوے کرو اور وہ اپنے پورے جوش میں تم پر حملہ کریں تمھارا رب پانچہزار (دشمن کو) تباہ کرنے والے فرشتوں سے تمھاری مدد کرے گا۔

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ ۗ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿١٢٦﴾

اور اللہ نے اُسے صرف تمھارے لیے خوش خبری ٹھیرایا، اور تاکہ تمھارے دل اس سے اطمینان پکڑیں اور مدد تو اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے ہی ہے ۳؎

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ

تاکہ ان لوگوں سے جو کافر ہوئے ایک حصّہ کو کاٹ دے یا

نمبر۱۔ اللہ تعالیٰ جب انسان کو کوئی نئی نعمت عطا فرماتا ہے تو اس کے لیے ایک نئی شکر گذاری کا موقع ہوتا ہے۔ پس شکر گزار بننے میں اشارہ یہ ہے کہ اب تمھیں پھر نصرت ملے گی۔

نمبر۲۔ یہاں یعنی جنگ اُحد میں تین ہزار فرشتوں کے نزول کا ذکر ہے اور سورہ انفال میں جنگ بدر میں ایک ہزار ملائکہ کی امداد کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ بدر میں دشمن کی فوج ایک ہزار تھی تو اسی کے مطابق ملائکہ کی تعداد بھی تباتی اور جنگ اُحد میں دشمن کی تعداد تین ہزار تھی اس لیے یہاں تین ہزار ملائکہ کے نزول کا ذکر ہے اور پانچ ہزار کا وعدہ جو اگلی آیت میں ہے وہ ایک تیسرے موقعہ کے متعلق ہے جب دشمن اپنے پورے جوش میں آئے اور یہ جنگ احزاب کا موقعہ تھا گو وہاں دشمن کی تعداد تو زیادہ تھی مگر معلوم ہوتا ہے قریش کی تعداد پانچ ہزار کے قریب تھی باقی جو حلیف تھے وہ قریش کے بھاگ اُٹھنے کے ساتھ خود ہی بھاگ گئے۔

نمبر۳۔ یہ نزولِ ملائکہ کوئی فرضی بات نہ تھی بلکہ ایک حقیقت تھی ورنہ یہ ناممکن تھا کہ معدودے چند مسلمان اس قدر فوجوں کا مقابلہ کرکے کامیاب ہو سکتے۔ غور کا مقام ہے کہ ایک آدھ میدان میں اگر تھوڑے بہتوں پر غالب آجائیں تو اُسے اتفاق کہا جاسکتا ہے گو وہاں بھی کوئی نہ کوئی وجوہ کامیابی کی ضرور ہونی چاہئیں مگر یہاں تو یہ حالت ہے کہ اوّل میدان بدر میں کفار کی جمعیت تگنی۔ میدان کا اچھا حصّہ اُن کے ہاتھ میں، پانی اُن کے قبضہ میں، ان کی فوج میں تجربہ کار جنگی جوان بالمقابل مسلمانوں میں بچے اور بوڑھے شامل، ہتھیار ندارد، میدان کی مشکلات، پھر بھی کفار سخت نقصان اُٹھاتے ہیں اور بھاگ جاتے ہیں۔ پھر میدانِ اُحد میں بجائے تگنے کے اب کفار کی تعداد مسلمانوں سے چوگنی ہے، سواروں کی ایک بڑی جمعیت ان کی فوج میں ہے، خالد جیسے بہادر بھی ساتھ ہیں۔ مگر پھر بھی کفار خالی ہاتھ اور نامراد واپس جاتے ہیں۔ جنگ احزاب میں کفار کی تعداد مسلمانوں سے دس گنی، علاوہ ازیں اندر یہودی دشمن، منافق جاسوسوں کا کام کرنے والے موجود مگر وہاں بھی خدا نے اس بڑی فوج کو ناکام اور نامراد کرکے واپس پھیرا اور وہ سخت پریشانی کی حالت میں بھاگے۔ یہ نزولِ ملائکہ کا ہی نتیجہ تھا۔ البتہ یہاں سے اور انفال-۱۲- سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ثابت قدم کیا اور کفار کے دلوں میں رُعب ڈالا۔ ملائکہ کا جنگ کرنا ثابت نہیں نہ قرآن میں یہ ذکر ہے کہ ملائکہ جنگ کے لیے بھیجے گئے تھے اور جنگ اُحد کے متعلق مجاہد کی روایت ہے کہ ملائکہ نے لڑائی نہیں کی۔

يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

ان کو ذلیل کرکے لوٹا دے سو وہ نامراد واپس جائیں ۱

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ
اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

اس کام میں تیرا کچھ (دخل) نہیں خواہ وہ ان پر رحمت سے لوٹے یا انھیں عذاب دے کہ وہ ظالم ہیں ۲

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ
لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾

اور اللہ کے لیے ہی ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا
اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو بڑھا بڑھا کر سود نہ کھاؤ، اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ
عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

اور اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف جلدی کرو جس کی وسعت آسمانوں اور زمین (کے برابر) ہے وہ متقیوں کے لیے تیار کی گئی ہے ۳

نمبر۱۔ دو باتیں بیان فرماتی ہیں ایک کافروں کی ایک جماعت کی ہلاکت۔ دوسرا ان کا نامراد واپس لوٹنا۔ چنانچہ ابتدائے جنگ میں مسلمانوں نے کفار کے ایک حصّہ کو ہلاک کیا اور بہتوں کو زخمی کیا۔ انجام کار وہ نامراد ہی واپس ہوئے، نہ مسلمانوں کو میدان جنگ سے ہٹا سکے نہ مدینہ پر حملہ کر سکے۔ اُحد کی جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہونا ایک غلط قصّہ ہے۔

نمبر۲ اس آیت میں نبی کریم صلعم کو بدُعا کرنے سے روکا گیا ہے۔ ایک قوم نے غداری سے آپ کے ستر واعظ قتل کر دیئے۔ آپ کے دل کو اس قدر دُکھ پہنچا کہ آپ نے خلافِ عادت اس موقعہ پر اُن کے لیے بد دعا کی جس پر اللہ تعالیٰ نے روک دیا گو ظالم ہیں مگر بد دعا مت کرو شاید خدا ہدایت ہی دیدے۔

نمبر۳ یہاں جنت کے متعلق فرمایا کہ اس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے گویا ہر انسان کی جنت اتنی وسیع ہوگی جو انسان کے وہم و گمان میں آسکتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ہرقل نے نبی کریم صلعم کو لکھا تھا کہ آپ مجھے اس جنت کی طرف بلاتے ہیں جس کا عرض آسمان اور زمین ہیں۔ تو پھر دوزخ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا سبحان اللہ رات کہاں ہوتی ہے جب دن آجاتا ہے گویا آپ نے جنّت و نار کی وسعت کو سمجھانے کے لیے مکان کی بجائے کیفیت کی مثال دی ہے کیونکہ دن اور رات یا نور و ظلمت درحقیقت دو کیفیات ہیں اور جب ہم زیادہ غور کرتے ہیں تو حق یہی معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ قرآن کریم میں جو نقشہ جنت و نار کا کھینچا گیا ہے اس میں ایک طرف تو ان دونوں میں اس قدر بُعد ہے کہ اہل جنّت دوزخ کی آہٹ کو بھی نہ سنیں گے۔ دوسری طرف اہل جنت اور اہل نار باہم بات چیت بھی کرتے ہیں اور دوزخ والے جنتیوں سے پانی بھی مانگتے ہیں اور دیگر نعما کا بھی سوال کرتے ہیں اور جنتی ان کو جواب بھی دیتے ہیں پس وہ ایک دوسرے کی باتوں کو سنتے ہیں مگر اس خطرناک آگ کی آہٹ کو نہیں سنتے جس کی زفیر و شہیق کی دنیا میں کوئی نظیر ہی نہیں۔ اس سے معلوم ہُوا کہ اُس عالم میں مکان کا وہ رنگ نہیں جو اس عالم میں ہے۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ بعض کے نزدیک اتنی بڑی جنت جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہے وہ ایک ایک شخص کے لیے ہوگی۔ گویا ہر ایک شخص کی جنت اس قدر وسیع ہے کہ سارے آسمانوں اور زمین پر محیط ہوگی لیکن پھر بھی وہ ایک دوسرے کے دخل سے محفوظ ہوگی اور حق تو یہ ہے کہ کچھ رنگ اس دنیا میں جنت و نار کا ہر ایک کو مل جاتا ہے۔ اس سے جو کچھ ہر ایک انسان خود سمجھ سکتا ہے وہ دوسرے کو الفاظ میں سمجھا نہیں سکتا۔

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ
وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ
وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

جو لوگ آسودگی اور تنگی میں خرچ کرتے ہیں اور سخت غضب
کو دبا لینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور اللہ
احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

وَ الَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْۤا
اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ
وَ مَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۟ وَ لَمْ
يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

اور وہ کہ جب وہ کوئی بُرا کام کرتے ہیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر
بیٹھتے ہیں اللہ کو یاد کرتے ہیں پھر اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں
اور اللہ کے سوا کون گناہوں کو بخشتا ہے اور جو کر بیٹھیں اس پر
اصرار نہیں کرتے درآنحالیکہ وہ جانتے ہوں [۱]

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ
وَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ نِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

یہ لوگ ان کا بدلہ اپنے رب کی مغفرت اور باغ ہیں جن کے
نیچے نہریں چلتی ہیں، ان میں رہیں گے اور کام کرنے والوں
کا اجر کیا ہی اچھا ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا
فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾

تم سے پہلے واقعات گزر چکے ہیں - پس تم زمین
میں پھرو، پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا
انجام ہُوا۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ مَوْعِظَةٌ
لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

یہ لوگوں کے لیے بیان اور متقیوں کے لیے ہدایت
اور وعظ ہے۔

وَ لَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

اور نہ سُست ہو اور نہ غمگین ہو اور تم ہی غالب
رہو گے اگر تم مومن ہو۔

اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ
قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ
النَّاسِ ۚ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ يَتَّخِذَ

اگر تم کو کوئی زخم پہنچا ہے تو یقیناً اسی طرح کا زخم (مخالف)
قوم کو (بھی) پہنچا ہے اور ان دنوں کو ہم لوگوں میں نوبت بنوبت
لاتے رہتے ہیں اور تاکہ اللہ ان کو جان لے جو ایمان لائے اور

نمبر۱- پہلی آیت کے متقی تو نہایت اعلیٰ درجہ پر ہیں، جو دوسروں کے قصوروں کو معاف کرنے والے اور ان سے احسان کرنے والے ہیں۔ اس آیت میں اس سے کم تر درجہ کے متقیوں کا ذکر ہے۔

مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

تم میں سے شہید بنائے اور اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا[۱]۔

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

اور تاکہ اللہ ان لوگوں کو کھرا کر دے جو ایمان لائے اور کافروں کو مٹا دے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

کیا تم سمجھتے ہو کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے اُن لوگوں کو نہیں جانا جو جہاد کرتے ہیں اور (تاکہ) وہ صبر کرنے والوں کو جانے[۲]۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۪ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

اور یقیناً تم جنگ چاہتے تھے قبل اس کے کہ اُسے ملو، سو اب تم نے اسے دیکھ لیا اور تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہو[۳]۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ

اور محمد ایک رسول ہی ہے اس سے پہلے (سب) رسول مر چکے ہیں[۴]۔ پھر اگر وہ مرجائے یا قتل کیا جائے

نمبر۱۔ قرآن کریم نے عموماً اللہ کے علم کو اس جگہ بیان کیا ہے جہاں مقصود اعمال کی جزا و سزا ہے۔ پس یہاں لیعلم اللہ سے مراد وہ علم بھی ہو سکتا ہے جس کا تعلق جزا و سزا سے ہے کیونکہ گو اللہ تعالیٰ کو سب موجود و غیر موجود کا علم ہے مگر اس کی جزا و سزا محض علم پر نہیں ہوتی بلکہ وقوع پر ہوتی ہے پس لیعلم اللہ سے مراد ہوئی تاکہ جزا دینے کے لیے جان لے اور یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسے علم کے ساتھ جان لے جو اُن کو اُن کے غیر سے ممیز کر دے۔

نمبر۲۔ گویا جنت میں تمہارے داخل ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اللہ تم میں سے جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو جان لے۔ اب جنت میں داخل ہونا جہاد کرنے اور صبر کرنے پر منحصر ہے۔ یعنی ان امور کے واقع ہونے پر۔ پس یہاں اللہ کے علم سے مراد اُن چیزوں کے وقوع کا علم ہے جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ جزا ملے کہ وہ لوگ جنت میں داخل ہوں۔

نمبر۳۔ یہاں موت کا لفظ اسبابِ موت پر بولا گیا ہے۔ آگے آتا ہے تم اُسے دیکھ رہے تھے۔ حالانکہ موت کو کوئی شخص نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں اسباب موت دیکھے جا سکتے ہیں اس لیے بھی موت سے مراد اس کا سبب یعنی جہاد اور قتل ہے اور یا موت کی تمنّی سے مراد صرف خدا کی راہ میں جان دینے کی آرزو ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس بات سے محبت رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔ خدا کی راہ میں جان دینے کی آرزو سب آرزوؤں سے بہتر ہے۔

نمبر۴۔ اس آیت میں جنگ اُحد کے اس نازک ترین موقعہ کی طرف اشارہ ہے جب قریش مکّہ کا رسالہ خالد کے ماتحت لشکر اسلامی کی عقب کی طرف سے حملہ آور ہُوا اور بھاگتا ہوا لشکر کفار بھی لوٹا اور مسلمان پریشانی کی حالت میں ہو گئے۔ اس حالت میں نبی کریم صلعم نے لوگوں کو ایک جگہ اکٹھا کرنے کے لیے بلند آواز سے یہ کہنا شروع کیا اِلَیَّ عباد اللہ انا رسول اللہ "اے اللہ کے بندو میری طرف آ جاؤ میں رسول اللہ ہوں"۔ اس آواز کے بلند ہوتے ہی کفار نے نہایت تندی سے آنحضرت صلعم پر حملہ کیا اور ابن قمئہ حارثی نے رسول اللہ صلعم پر ایک بڑا پتھر پھینکا جس سے آپ کے سامنے کے دانت مبارک شہید ہو گئے اور منہ اور سر زخمی ہو گیا اور یہ شخص آگے بڑھا کہ آپ کو قتل کر دے کہ مصعب بن عمیر صاحب الرایۃ درمیان میں حائل ہو گئے اور خود شہید ہو کر نبی کریم صلعم کو بچا لیا اور آہستہ

انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ
عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ
وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾
وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ
كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ
مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ
مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾
وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ
كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ؕ وَاللّٰهُ
يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

تو کیا تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ اور جو کوئی اُلٹے پاؤں
پھر جائے تو وہ اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑے گا اور اللہ
شکر کرنے والوں کو جلد بدلہ دیگا۔
اور کسی شخص کے لیے یہ نہیں کہ وہ اللہ کے اذن کے سوا مر جائے
(موت کا) وقت لکھا ہُوا ہے[1]۔ اور جو کوئی دنیا کا بدلہ چاہتا ہے ہم
اُسکو اس سے دیدیتے ہیں اور جو کوئی آخرت کا بدلہ چاہتا ہے ہم اس کو
اس سے دیدیتے ہیں اور شکر کرنے والوں کو ہم جلد بدلہ دیں گے۔
اور کتنے نبی ہوئے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت سے ربّانی لوگ لڑے،
پھر اس وجہ سے وہ سُست نہ ہوئے جو ان کو اللہ کی راہ میں
مصیبت پیش آئی اور نہ کمزور ہوئے اور نہ عاجزی اختیار کی اور اللہ
صبر کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے[2]۔

آہستہ رسول اللہ صلعم کے سامنے صحابہ کی ایک دیوار حائل ہوگئی۔ مگر آپ زخم کی شدّت سے گر گئے۔ ادھر جب ابن قمئہ آپ کو قتل نہ کر سکا تو اس نے یہ خبر اُڑا دی کہ محمد رسول اللہ صلعم قتل ہوگئے اور یہ آواز سارے لشکر میں بلند ہوگئی۔ اسی واقعہ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ ہے۔ اسی آیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے آنحضرت صلعم کی وفات پر استدلال کیا۔ جب نبی کریم صلعم کی خبر شائع ہوئی تو حضرت عمرؓ نے عام مجمع میں یہ کہہ دیا کہ جو شخص رسول اللہ صلعم کو وفات یافتہ کہے گا میں اس کا سر اُڑا دوں گا۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے مسجد میں آکر ایک خطبہ پڑھا جس میں آپ نے آنحضرتؐ کی وفات کا اعلان کرتے ہوئے یہ آیت پڑھی۔ اور اس سے یہ استدلال کیا کہ آنحضرت صلعم فوت ہوگئے۔ اب ظاہر ہے کہ یہ استدلال اسی صورت میں کام دے سکتا تھا جب حضرت صدیقؓ اور دیگر صحابہؓ کا یہ اعتقاد ہو کہ آنحضرتؐ سے پہلے تمام رسول وفات پا چکے ہیں۔ کیونکہ اگر پہلے رسولوں میں سے کچھ زندہ بھی مانے جائیں تو پھر ایک رسول کی وفات پر یہ کوئی دلیل نہیں ہو سکتی۔ اگر بعض رسولوں نے وفات پائی اور بعض نے نہیں پائی تو پھر کیوں رسول اللہ صلعم ان میں سے نہ ہوں جنھوں نے وفات نہیں پائی۔ ہاں اگر سب رسول ہی وفات پا چکے تو پھر آنحضرت صلعم کی وفات پر کوئی اعتراض باقی نہیں رہتا۔ پس حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے اس استدلال کی صحت کے سامنے سارے صحابہ کا خاموش ہو جانا ایک قطعی شہادت اس بات پر ہے کہ وہ آنحضرت صلعم سے پہلے کل رسولوں کو وفات یافتہ مانتے تھے۔ بیضاوی میں ان الفاظ کی تفسیر یوں کی ہے فسیخلو اکما خلوا بالموت او القتل پس آپ بھی گزر جائیں گے جیسے وہ گزر گئے موت سے یا قتل سے۔ یہ آیت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات پر قطعی شہادت ہے۔

نمبر ۱۔ ان الفاظ میں ان لوگوں کی باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جنھوں نے یہ مشہور کیا تھا کہ آنحضرت صلعم فوت ہوگئے۔ گو محمد رسول اللہ صلعم کی موت کے سب سامان جمع ہو چکے تھے مگر اللہ تعالیٰ کا یہ اذن نہ تھا کہ آپ اس وقت وفات پائیں اور الفاظ کو عام کر کے یہ بتایا ہے کہ کسی شخص کو بھی نہ چاہیے کہ جب اس کا فرض اس کو موت کے مقام پر کھڑا ہونے کے لیے بلاتا ہو تو گھبرا کر وہاں سے بھاگے۔ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ اسباب موت کے جمع ہونے کے باوجود بھی اس کو بچا لے۔

نمبر ۲۔ یہاں جو تین لفظ اختیار کیے ہیں یہ تین الگ الگ مراتب کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ سب سے پہلے وھن یا رائے کی سُستی اور ارادہ کی کمزوری ہے

وَ مَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا	اور اُن کی بات سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ اُنھوں نے کہا ہمارے
اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَ	رب ہمارے گناہ اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمیں بخش دے اور ہمارے
ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾	قدموں کو مضبوط رکھ اور ہم کو کافر قوم پر مدد دے۔
فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ	سو اللہ نے اُن کو دنیا کا ثواب اور آخرت کا اچھا ثواب دیا اور
ع الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾	اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ	اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اگر تم اُن کی اطاعت کرو گے جو کافر
كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا	ہوئے تو وہ تم کو اُلٹے پاؤں لوٹا دیں گے پس تم نقصان اُٹھانے
خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾	والے ہو کر پھر جاؤ گے[۱]
بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَ هُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾	بلکہ اللہ ہی تمھارا مولیٰ ہے اور سب سے اچھا مددگار ہے۔
سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ	ہم عنقریب اُن لوگوں کے دلوں میں رُعب ڈال دینگے جو کافر ہوئے اس لیے
بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ	کہ اُنھوں نے اللہ کے ساتھ شریک بنایا ہے جس کی اُس نے کوئی سند نہیں
وَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَ بِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾	اُتاری اور اُن کا ٹھکانا آگ ہے اور ظالموں کی کیا ہی بُری جگہ ہے[۲]
وَ لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ	اللہ نے یقیناً اپنا وعدہ تم سے سچا کر دکھایا جب تم اس کے اذن
بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِي	سے اُن کو کاٹ رہے تھے[۳] یہاں تک کہ تم نے نامردی کی اور

جس کا تعلق گویا دشمن کی تیاری سے ہے اور اس کی جموع کثیرہ اور اس کے سامان جنگ سے۔ دوسرا ضعف یا کمزوری کا پیدا ہو جانا ہے جس کا تعلق بعض کے قتل ہو جانے اور بعض کے زخمی ہو جانے سے ہے اور تیسرا اظہار عاجزی ہے جس کا تعلق دنیا کی آنی فنحیابی سے ہے۔ گویا بہرحال انسان کو دشمن کے مقابلہ پر مضبوط اور قوی رہنا چاہیے اور دب نہیں جانا چاہئیے۔

نمبر۱۔ یہاں اطاعت سے مراد یا تو کافروں کے سامنے کمزور ہو کر عاجزی اختیار کر لینا اور اُن کی ماتحتی قبول کر لینا ہے فرمایا کہ ان کافروں کی اطاعت کا نتیجہ صرف ایک ہی ہو سکتا ہے کہ وہ دین اسلام سے تم کو پھیر دیں۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ اُن کی رائے کو دین کے بارے میں مت قبول کرو اور اُن کو اپنے خیر خواہ سمجھ کر اُن کے پیچھے نہ چلو۔

نمبر۲۔ اُحد کے میدان میں باوجود مسلمانوں کو اس قدر نقصان پہنچانے کے کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب تھا۔ ان کو صاف معلوم ہو گیا تھا کہ محمد رسول اللہ صلعم بھی زندہ ہیں، ابوبکرؓ و عمرؓ بھی زندہ ہیں جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث سے ظاہر ہے پس ابوسفیان نے جب دیکھا کہ مسلمان آنحضرت صلعم کے گرد جمع ہو گئے تو اس نے اپنی بہتری اسی میں دیکھی کہ فوراً مکہ کی راہ لے اور پھر رعب کی وجہ سے ہی تھا کہ اگلے سال باوجود وعدہ کر جانے کے ابوسفیان مقابلہ کے لیے نہ نکلا۔ پھر اسی رعب کی وجہ سے جنگ احزاب میں بھاگ اُٹھے۔ آج بھی باوجود اسلام کی قوت کے منتشر اور پراگندہ ہو جانے کے یورپ پر اسلام کا رعب ہے اور عیسائی مشنری اگر کسی مذہب کو اپنا مدمقابل سمجھتے ہیں تو وہ اسلام ہے۔

نمبر۳۔ مسلمانوں کا کافروں کو قتل کرنا اور یہاں تک قتل کرنا کہ وہ میدان جنگ سے بھاگ اُٹھے تاریخی واقعات ہیں۔ کفار کے لشکر کو مسلمانوں نے یہاں

الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

حکم میں جھگڑا کیا اور نافرمانی کی اس کے بعد کہ جو کچھ تم پسند کرتے تھے تم کو دکھایا۔ تم میں سے کچھ وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے اور کچھ تم میں سے وہ تھے جو آخرت چاہتے تھے[۱] پھر تم کو ان سے ہٹا دیا تاکہ تمھیں امتحان میں ڈالے اور یقیناً اس نے تمھیں معاف کر دیا اور اللہ مومنوں پر فضل والا ہے۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِىْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

جب تم دور نکلے جا رہے تھے اور کسی کی طرف التفات نہ کرتے تھے اور رسول تمھیں تمھارے پیچھے بلاتا تھا[۲]۔ پھر تم کو ایک غم کے بدلے دوسرا غم دے دیا تاکہ تم اس پر غمگین نہ ہو جو تم سے جاتا رہا اور نہ اس (مصیبت) پر جو تمھیں پہنچی[۳] اور اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً

پھر غم کے بعد تم پر امن نازل کیا (یعنی) اونگھ جس نے تم میں سے ایک گروہ

تک نہ تیغ کیا کہ ان کا صاحب لواء مارا گیا، بلکہ نو آدمی جن کے ہاتھ میں یکے بعد دیگرے جھنڈا آیا سب مارے گئے اور یہ بھی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اس قدر لوگ زخمی ہو گئے تھے کہ آخر سواریوں کے ناکافی ہو جانے کی وجہ سے ایک دوسرے کو پیٹھوں پر اٹھا کر لے گئے۔

نمبر۱۔ یہ سارا واقعہ تیر اندازوں کے متعلق ہے نبی کریم صلعم نے اُحد میں جب فوج کو تقسیم کیا تو ایک مورچہ پر جو نہایت ضروری تھا، پچاس تیر انداز مقرر کیے اور ان کو سخت حکم دیا کہ خواہ ہمیں فتح ہو یا شکست، تم نے کسی صورت میں اپنی جگہ کو نہ چھوڑنا ہوگا۔ جب لشکر کفار بھاگ اُٹھا تو ان تیر اندازوں نے اس خیال سے کہ ہم بھی مال غنیمت کے لیے شریک ہوں، آنحضرت کے حکم کی نافرمانی کی اور اپنی جگہ چھوڑ دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خالد جو رسالہ پر مقرر تھا اس نے مورچہ کو خالی پا کر تعاقب کرتے ہوئے لشکرِ اسلامی کے عقب سے حملہ کیا اور اس حملہ کو دیکھ کر بھاگتا ہوا لشکر کفار لوٹا اور مسلمانوں کی فوج دونوں طرف سے گھِر گئی۔

نمبر۲۔ یہ جنگ کی وہ حالت ہے جب مسلمان دشمن کی زد میں آ کر بھاگ اُٹھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو اجتماع کے لیے بلا رہے تھے اور باواز بلند کہہ رہے تھے اِلَیَّ عباد اللہ اِلَیَّ عباد اللہ انا رسول اللہ۔ اے اللہ کے بندو! میری طرف آجاؤ میں اللہ کا رسول ہوں۔ ایسے خطرناک موقعہ پر اپنے آپ کو آگے بڑھانا اور دشمن کے حملہ کی زد میں لانا نبی کریم صلعم کی کمال شجاعت کو دکھاتا ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ آپ کو اللہ کی نصرت پر کس قدر بھروسہ تھا کہ میدانِ جنگ میں دشمن کے غلبہ کے وقت آپ سب سے آگے ہوتے اور گویا دشمن کو اپنے اوپر حملہ کرنے کے لیے بلاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس آواز کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ مسلمانوں نے آپ کے گرد جمع ہونا شروع کیا اور ان کی منتشر جمعیت مجتمع ہو گئی۔

نمبر۳۔ اللہ تعالیٰ نے ایک غم کی جگہ یا ایک غم کے ساتھ دوسرا غم تم کو دے دیا تاکہ تم غم نہ کرو نہ اس پر جو تمھارے ہاتھ سے جاتا رہا اور نہ اس پر جو تم کو مصیبت پہنچی مطلب یہ ہے کہ مسلمان رسول اللہ صلعم کی حالت کو دیکھ کر اپنا غم بھول گئے اس کا نتیجہ یہ بتایا ہے کہ تاجو غنیمت تمھارے ہاتھ سے نکل گئی اور دشمن بچ کر چلا گیا۔ اس پر تم کو افسوس نہ رہے اور نہ ہی جو دکھ اور مصیبتیں تم کو پہنچیں ان پر کچھ افسوس ہو کیونکہ رسول اللہ صلعم سے جو محبت مسلمانوں کو تھی وہ ایسی شدید تھی کہ آپ کی تکلیف کو دیکھتے ہی انھیں اپنے سب غم بھول گئے۔

نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ
اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ
الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا
مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ
لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ
لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ
مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ
لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى
مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ
وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ
اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ
ع وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع

کو ڈھانک لیا[1] اور ایک گروہ کو اپنی جانوں کی فکر پڑ رہی تھی، وہ اللہ پر ناحق بدگمانی جاہلیت کی سی بدگمانی کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کیا ہمارا بھی کچھ اختیار ہے، کہہ اختیار تو سب کا سب اللہ کا ہی ہے۔ وہ اپنے دلوں میں وہ باتیں چھپاتے ہیں جو تجھ پر ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں اگر ہمارا بھی کچھ اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ کیے جاتے[2] کہہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تو جن کے لیے قتل ہونا لکھا جا چکا تھا وہ ضرور اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے اور تاکہ اللہ اُسے ظاہر کردے جو تمھارے سینوں میں ہے اور اسے خالص کردے جو تمھارے دلوں میں ہے اور اللہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے[3]

وہ لوگ جنھوں نے اس دن تم میں سے پیٹھ پھیری جس دن دو گروہ (جنگ میں) ملے شیطان نے ہی ان کی کسی کمائی کی وجہ سے ان کو پھسلانا چاہا اور یقیناً اللہ نے ان کو معاف کردیا ہے اللہ بخشنے والا حلم والا ہے[4]

نمبر۱۔ یعنی مسلمان اسی میدان میں رہے اور دشمن کی طرف سے ایسے مطمئن ہوئے کہ بعض کو نیند آگئی یا کامل سکون کی حالت وارد ہوگئی۔ اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ مسلمانوں نے گو تکلیف اٹھائی مگر شکست نہیں کھائی۔ کیونکہ میدان جنگ میں وہ موجود رہے اور ایسے اطمینان کی حالت میں تھے اور دشمن کی طرف سے ایسے بیخوف کہ بعض کو نیند بھی آگئی۔

نمبر۲۔ یہ گروہ جن کو اپنی ہی جانوں کی فکر پڑی ہوئی تھی منافقین کا گروہ تھا جو عبداللہ بن ابی کے ساتھ جنگ کے شروع ہونے سے پہلے ہی واپس ہوگیا تھا ان کو اسلام کی حفاظت سے بہت بڑھ کر اپنی فکر تھی کہ کہیں مارے نہ جائیں اس لیے وہ ساتھ شامل نہ ہوئے انھیں یہ خیال تھا کہ اتنے بڑے لشکر کے ہاتھ سے کھلے میدان میں مسلمان مارے جائیں گے۔ اب جو واقعات جنگ کی خبر اُن کو پہنچی تو اور بھی باتیں بنانے لگے اور کچھ اپنے مشوروں کو اہمیت دینی شروع کی +

نمبر۳۔ منافقوں کی بیہودہ گوئیوں کا یہ جواب دیا ہے کہ جن مسلمانوں نے جان نثاری کی ہے اور خدا کی راہ میں شہید ہوگئے ہیں وہ تو خدا کی راہ میں اس طرح جان دینے کو تیار رہتے کہ مدینہ میں رہ کر جنگ ہوتی تو وہ کوئی اپنے گھروں میں چھپے نہ بیٹھے رہتے بلکہ دشمن کے مقابلہ پر نکل کر جان نثاری کا سچا نمونہ دکھاتے لو کنتم فی بیوتکم سے مراد یہی ہے کہ مدینہ میں رہ کر جنگ کرتے۔ ورنہ یوں تو منافق اپنے گھروں میں ہی رہتے تھے۔

نمبر۴۔ کچھ لوگ اس پریشانی کی حالت میں جب کفار آگے اور پیچھے سے حملہ آور ہوئے رسول اللہ صلعم کی طرف نہ آسکے اور میدان جنگ سے بھاگ گئے خواہ کچھ بھی واقعات ہوں۔ میدان جنگ سے بھاگنا اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کے لیے پسند نہ تھا اگر وہ تھوڑی دیر اور انتظار کرتے تو اصل جمعیت کے ساتھ

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۵۶﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو کافر ہوئے اور اپنے بھائیوں کی نسبت کہتے ہیں جب وہ زمین میں سفر کرتے ہیں یا لڑائی کرتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کیے جاتے تاکہ اللہ اس کو ان کے دلوں میں حسرت بنائے اور اللہ زندہ کرتا اور مارتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے[۱]۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۱۵۷﴾

اور اگر تم اللہ کی راہ میں قتل کیے جاؤ یا مرجاؤ تو اللہ کی مغفرت اور رحمت یقیناً اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

وَلَئِنْ مُتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَإِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿۱۵۸﴾

اور اگر تم مرجاؤ یا قتل کیے جاؤ تو یقیناً اللہ کی طرف ہی اکٹھے کیے جاؤ گے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ

سو اللہ کی رحمت سے تو ان کے لیے نرم ہے اور اگر تو سخت کلام، سخت دل ہوتا تو تیرے اردگرد سے بکھر جاتے[۲]۔ پس ان کو معاف کر اور ان کے لیے بخشش مانگ اور معاملات

مل جاتے۔ مگر ساتھ ہی اس کو زلت کہہ کر بتا دیا کہ وہ ارادۃً نہیں بھاگے اور پھر معاف بھی کر دیا ان بھاگنے والوں میں حضرت عمرؓ قطعاً نہ تھے۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ وہ میدان جنگ میں رہے۔ حضرت عثمانؓ بھاگنے والوں میں تھے بھاگنے والوں کی کل تعداد چند نفر سے زیادہ نہ تھی۔

نمبر۱۔ وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ تھا، اُن کے بھائی بند جب تجارت کے لیے یا دشمن کے ساتھ جنگ کے لیے نکلتے اور مارے جاتے تو اُن کو افسوس ہوتا کہ کاش وہ باہر نہ نکلے ہوتے اور ہمارے پاس ہی رہتے تو موت سے بچ جاتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ محض ایک حسرت ان کے دل میں رہ جاتی ہے جس کا فائدہ کچھ نہیں کیونکہ ایسا کہنے سے کہ یوں کرتے تو ایسا ہوتا فائدہ کچھ نہیں باقی رہی موت و حیات سو وہ اللہ کے ہاتھ میں ہے نہ گھر میں بیٹھنے والے سب موت سے بچے رہتے ہیں نہ باہر نکلنے والے سب مر جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو منع کیا ہے کہ تم ایسے نہ ہو جاؤ، بلکہ زمین میں تجارت یا طلب معاش کے لیے سفر کرنے یا دشمن سے جنگ کے لیے نکلنے میں موت کا خوف کبھی تمہارے لیے روک نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ کمزور دلوں کی باتیں ہیں جس کام کا کرنا ضروری ہے خواہ اس میں موت آئے اس کو کرنا چاہیئے۔

نمبر۲۔ نبی کریم صلعم کے خلق لینت اور عفو کی طرف توجہ دلائی ہے لکھا ہے کہ جو لوگ اُحد کی جنگ میں بھاگ گئے تھے ان کے ساتھ نبی کریم صلعم نے کسی طرح کی سختی نہیں کی نہ کسی کو درشت لفظ کہا۔ بلکہ محبت بھرے کلام میں ان سے گفتگو کی۔ ہر ایک خلق کا اظہار کامل رنگ میں اس وقت ہوتا ہے جب اس کے اظہار کے مخالف موقعہ ہو۔ جنگ کا وقت ایسا ہوتا ہے کہ اس میں نرمی کے اظہار کا موقعہ نہیں ہوتا۔ پس اوّل تو موقعہ اظہار شدت کا تھا دوسرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی گئی جس کی وجہ سے اس قدر عظیم مصیبت آپ کو اور مسلمانوں کو برداشت کرنی پڑی اور یہ موقعہ سخت سے سخت سزا کو چاہتا تھا۔ مگر ان حالات کے ماتحت بھی جو بظاہر خلق لینت کے اظہار کے منافی معلوم ہوتے ہیں آپ کے اندر اس خلق کا اظہار ہوتا ہے۔

فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾
اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ
يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ
بَعْدِهٖ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾
وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ
يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى
كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾
اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ
مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾
هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ
بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾
لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ
فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

میں اُن کا مشورہ لے ۔ پھر جب پختہ ارادہ کرلے تو اللہ پر ہی بھروسہ
کر۔ اللہ توکل کرنے والوں سے محبت کرتا ہے [1]
اگر اللہ تمھاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور
اگر وہ تمھیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمھاری مدد کرے
اور اللہ ہی پر مومنوں کو توکل کرنا چاہیئے ۔
اور کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے اور جو خیانت کرے
وہ جو کچھ خیانت کی ہے قیامت کے دن لائے گا پھر ہر شخص کو
جو اس نے کمایا ہے پورا دیا جائیگا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا [2]
تو کیا جو شخص اللہ کی رضا کی پیروی کرے وہ اس کی طرح ہو سکتا ہے جو
اللہ کی ناراضگی کما لائے اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ کیا ہی بری پہنچنے کی جگہ ہے۔
وہ اللہ کے نزدیک درجے رکھتے ہیں [3] اور اللہ دیکھتا ہے
جو وہ کرتے ہیں ۔
یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان کیا ، جب اُن میں انہی
میں سے ایک رسول بھیجا ۔ جو اُن پر اس کی آیتیں

نمبرا۔ اس آیت کے ساتھ امرھم شوریٰ بینھم کو اس قدر قوت دیدی ہے کہ کسی مسلمان کو یہ جرأت نہ ہونی چاہیئے کہ اصول شوریٰ کا انکار کرے یا اسے استخفاف کی نظر سے دیکھے اور پھر خود نبی کریم صلعم تمام امور مہمہ میں صحابہ سے مشورہ لیا کرتے تھے ۔ بدر میں بعد مشورہ مدینہ سے نکلے ۔ اُحد میں بھی ۔ احزاب میں مشورہ کر کے خندق کھدوا دی اور محصور ہوئے پھر صلح کی اس تجویز پر کہ ایک تہائی مدینہ کے پھل کفار کو دیدیئے جائیں مشورہ کیا اور اسے چھوڑ دیا۔ حدیبیہ میں بھی مشورہ کیا بلکہ ایک ایسے معاملہ میں جو صرف آپ کی ذات سے تعلق رکھتا تھا یعنی حضرت عائشہ صدیقہ پر افک کا معاملہ اس میں بھی مشورہ کیا اور حدیث میں ہے ماتشاور قوم قط الا ھدوا لارشد امرھم کبھی کسی قوم نے مشورہ نہیں کیا مگر اپنے معاملہ میں نہایت سیدھی راہ کی طرف ہدایت کیے جاتے ہیں۔ شوریٰ میں نبی کریم صلعم نے اپنی رائے کے خلاف بھی کیا ہے ۔ جیسے اُحد کے معاملہ میں بلکہ وہاں کچھ خواب بھی آپ کو آئے مگر چونکہ صریح وحی کوئی نہ تھی اس لیے مشورہ پر ہی عمل کیا۔ فاذا عزمت میں بتایا ہے کہ جب مشورہ کی بنا پر ایک پختہ فیصلہ کرلو پھر اللہ پر توکل کر کے اسی طرح کر گذارو۔

نمبر۲۔ اس آیت میں یہ بتانا مقصود ہے کہ جنگ میں جو مصیبت پیش آئے وہ اس وجہ سے نہیں کہ محمد رسول اللہ صلعم میں کوئی نقص ہے یا آپ نے کوئی کوتاہی کی ہے کیونکہ محمد رسول اللہ کا تو اتنا بلند مرتبہ ہے یہ کسی بھی نبی کی شان نہیں کہ وہ خیانت کرے اس لیے کہ نبی معصوم ہوتا ہے ۔

نمبر۳۔ مطلب ہے لھم درجات یعنی ان کے لیے درجات ہیں یہ اسی قسم کا بیان ہے جیسے حدیث میں آتا ہے الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ لوگ کانیں ہیں سونے اور چاندی کی کانوں کی طرح ۔

اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ
وَ الْحِكْمَةَ ۚ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ
لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٦٤﴾

پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب
اور حکمت سکھاتا ہے ۔ اگرچہ وہ پہلے ضرور کھلی
گمراہی میں تھے ۔

اَوَ لَمَّاۤ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ
مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ
عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٦٥﴾

اور کیا جب تمھیں ایک مصیبت پہنچی کہ اُس جیسی
دو چند تم پہنچا چکے ہو، تم نے کہا یہ کہاں سے
ہے ، کہہ یہ تمھاری اپنی طرف سے ہی ہے - اللہ
ہر شے پر قادر ہے ١۔

وَ مَاۤ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ
فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٦٦﴾

اور جو کچھ تمھیں اس دن مصیبت پہنچی جب دو گروہ (جنگ میں)
ملے تو اللہ کے اذن سے تھا اور تاکہ وہ مومنوں کو جان لے -

وَ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۖۚ وَ قِيْلَ لَهُمْ
تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ
قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ
لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ
يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ
وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿١٦٧﴾ۚ

اور تاکہ ان لوگوں کو جان لے جنھوں نے نفاق کیا اور ان کو
کہا گیا آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا مدافعت کرو - انھوں نے
کہا اگر ہم لڑائی جانیں تو ضرور تمھارا ساتھ دیں ٢۔ وہ آج
کے دن ایمان کی نسبت کفر سے بہت نزدیک ہیں
اپنے مونہوں سے کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں
ہے اور اللہ (خوب) جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں -

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ

جنھوں نے اپنے بھائیوں کے متعلق کہا اور خود بیٹھے رہے

نمبر ١ - آیت ١٦٠ میں جس امر کی طرف اشارہ کیا تھا اب اس کی تصریح فرماتا ہے یعنی اس مصیبت کی وجہ ذات پاک نبوی تو نہیں ہے لیکن یہ کہاں سے آئی - اس کا جواب دینے سے پہلے فرمایا جس کی دو چند ویسی تم پہنچا چکے ہو - اس دو چند مصیبت میں ایک تو جنگ بدر کی طرف اشارہ ہے کہ وہاں کفار کے ستر آدمی مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے اور دوسرے جنگ اُحد کی ابتدائی حالت کی طرف کہ اس میں بھی بیس سے زیادہ آدمی قریش کے مارے گئے اور بہت سے آدمی زخمی ہوئے اور فرمایا کہ یہ مصیبت تمھیں اپنی غلطی کی وجہ سے آئی ہے یعنی تم میں سے ایک گروہ نے رسول اللہ صلعم کی نافرمانی کی ۔

نمبر ٢ - قتال فی سبیل اللہ تو ایمان کو چاہتا ہے اس لیے پہلے ان کو یہی کہا جاتا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو اللہ کے دین کی حفاظت کرنا اور اُس کو نیست و نابود ہونے سے بچانا تمھارا فرض ہے لیکن اگر تمھارا اس پر ایمان نہیں تو کم از کم اپنے لوگوں کو اہل و عیال کو ہی بچاؤ اور ان کی حمایت میں ہی کھڑے ہو جاؤ یہی آج مسلمانوں کی حالت ہے اور ان کے لیے اس میں سبق ہے - انھوں نے خدا کے دین کی خدمت کو چھوڑ دیا اور خدا کی راہ میں کوشش نہ کی مگر اب ذلت کی حالت کو پہنچ چکے ہیں اس کا تقاضا کم از کم یہ تو ہے کہ اپنی قوم اور اپنی ناموس کی حفاظت کے لیے اب بیدار ہو جائیں اور دیکھیں کہ بدوں ایثار اور قربانی کے وہ دنیا

أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا ؕ قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ
أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿١٦٨﴾

کہ اگر وہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ کیے جاتے، کہہ تو اپنی جانوں سے موت کو ہٹا رکھو اگر تم سچے ہو۔[1]

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ
أَمْوَاتًا ؕ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿١٦٩﴾

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انھیں مُردے مت خیال کرو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق دیئے جاتے ہیں۔

فَرِحِينَ بِمَا آتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ
وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا
بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ ۙ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٧٠﴾

اس سے خوش رہتے ہیں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا اور اُن کی وجہ سے (بھی) خوش ہوتے ہیں جو اُن کے پیچھے سے اُنھیں نہیں ملے کہ اُن کو کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔[2]

يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ
وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿١٧١﴾

اللہ کی نعمت اور فضل سے خوش ہوتے ہیں اور کہ اللہ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ مِنْ
بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا
مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٢﴾

وہ جنھوں نے اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کی اس کے بعد کہ انھوں نے زخم کھایا، جنھوں نے ان میں سے احسان کیا اور تقوے کیا ان کے لیے بڑا اجر ہے۔[3]

میں زندہ بھی نہیں رہ سکتے۔

نمبر۱ - یہ بھی منافقین کا ذکر ہے وہ اپنے بھائیوں کے متعلق (کیونکہ ان لوگوں کے قریبی سب مومن تھے) کہتے کہ اگر وہ بھی ہماری بات مانتے یعنی دل سے ایمان نہ لاتے اور ہمارے ساتھ نفاق میں شامل رہتے یا جنگ میں نہ نکلتے تو قتل نہ ہوتے خصوصیت اعتراض کو چھوڑ کر ایک عام جواب دے دیا ہے کہ یہ کوئی اصولِ زندگی نہیں کہ اگر ایک کام کے کرنے میں جس کی ضرورت انسانی زندگی کے بقا کے لیے ہے موت کا خطرہ ہو تو انسان وہ کام نہ کرے گویا کہ موت سے بچنا انسانی زندگی کی اصل غرض سمجھے موت تو آخر کار آئے گی اسی کی طرف اگلی آیت میں اشارہ ہے۔

نمبر۲ اس آیت اور اس کے بعد کی آیت میں مسلمانوں کو سمجھایا ہے کہ زندگی کے مقصد کے حاصل کرنے میں جو لوگ اپنی جانیں دیتے ہیں اور جو پیچھے رہ جاتے ہیں یہ دونوں گروہ خوش قسمت ہیں۔ گروہِ اول یعنی شہداء کا گروہ تو ان خوشیوں اور راحتوں کو پا لیتا ہے جو نیکوں کو زندگی بعد الموت میں ملنے والی ہیں اور جو پیچھے رہ جاتے ہیں ان کے لیے یہ بشارت ہے کہ وہ کامیاب ہوں گے۔

نمبر۳ اُحد کے واقعہ سے اگلے ہی دن نبی کریم صلعم نے مسلمانوں میں یہ منادی کرائی کہ ہم دشمن کے تعاقب میں نکلنے والے ہیں۔ چنانچہ جس قدر آدمی ساتھ چل سکتے تھے وہ ساتھ ہو لیے لیکن کفار اس خبر کو سن کر جلد کوچ کر گئے اور آنحضرت صلعم حمراء الاسد سے واپس آ گئے۔ اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے دشمن کے تعاقب کا حکم حالانکہ صرف نبی کریم صلعم نے ہی دیا تھا، مگر یہاں اسے اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کہا ہے جس سے معلوم ہوا کہ رسول کی فرمانبرداری خدا کی فرمانبرداری ہے۔

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾

وہ جن کو لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے (مقابلے کے) لیے (لشکر) جمع کیے ہیں پس ان سے ڈرو تو اس (بات) نے ان کا ایمان بڑھایا اور انھوں نے کہا اللہ ہمیں کافی ہے اور کیا ہی اچھا کارساز ہے۔[۱]

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾

پس وہ اللہ کی نعمت اور فضل کے ساتھ واپس آئے انھیں کوئی دکھ نہ پہنچا اور انھوں نے اللہ کی رضا کی پیروی کی اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔[۲]

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۖ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

یہ شیطان صرف اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے[۳] سو تم ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ہی ڈرو اگر تم مومن ہو۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

اور وہ لوگ تجھے غمگین نہ کریں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں یقیناً وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے۔ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾

جنھوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا وہ اللہ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

نمبر۱۔ جب ابوسفیان اُحد کے میدان سے چلا تو اس نے بآوازِ بلند کہا کہ "اے محمد (صلعم) ہمارے اور تمھارے درمیان اگلے سال بدرِ صغریٰ پر جنگ ہو گی" سو جب اگلا سال آیا تو ابوسفیان اپنی قوم کے ساتھ نکلا جب مرّالظہران کے مقام پر پہنچا تو اس کا دل مرعوب ہو گیا اور اس نے واپسی کی ٹھان لی۔ اتنے میں نعیم ابن مسعود اشجعی سے ملا تو ابوسفیان نے اس سے کہا کہ میں نے محمد صلعم سے وعدہ کیا تھا کہ بدرِ صغریٰ پر اگلے سال ہماری تمھاری جنگ ہو گی، مگر کچھ خشک سالی ہے اور ہم واپس ہونا چاہتے ہیں لیکن اس طرح یہ خوف ہے کہ مسلمانوں کی جرأت بڑھ جائے گی اور وہ خیال کریں گے کہ ان لوگوں میں ہمارے مقابلہ کی طاقت نہیں اس لیے تم مدینہ جاؤ اور مسلمانوں کو ڈراؤ تاکہ وہ جنگ کے لیے نہ نکلیں اور تمھیں دس اونٹ دوں گا۔ چنانچہ نعیم آیا اور اس نے مسلمانوں کو تیاری کرتے پایا تو اس نے کہا یہ بات ٹھیک نہیں پچھلے سال انھوں نے تم کو کس قدر نقصان پہنچایا تھا اور اب وہ بہت بڑی تیاری کے ساتھ آ رہے ہیں مگر مسلمانوں نے اس کی پروا نہ کی اور کہا حسبنا اللہ ونعم الوکیل اور بدرِ صغریٰ پر پہنچ گئے جہاں بنی کنانہ کا ایک تجارتی میلہ لگا کرتا تھا۔ اس میں مسلمانوں نے تجارت کر کے بہت فائدہ اٹھایا اور چونکہ وہاں قریش نہیں آئے اس لیے کوئی جنگ نہیں ہوئی۔

نمبر۲۔ اس آیت میں غزوۂ بدرِ صغریٰ سے لوٹنے کا ذکر ہے۔ اللہ کی نعمت اور فضل میں ان تجارتی منافع کی طرف اشارہ ہے جو اُن کو وہاں حاصل ہوئے اور لَمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ میں یہ بتایا ہے کہ کسی قسم کی بھی تکلیف اُن کو نہ پہنچی، کیونکہ جنگ نہ ہوئی۔

نمبر۳۔ شیطان سے مراد وہی نعیم ہے اور اپنے دوستوں کو ڈرانے سے مراد منافقوں وغیرہ کو ڈرانا ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِىْ
لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ؕ اِنَّمَا نُمْلِىْ لَهُمْ
لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾
مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ
عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا
كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ
وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾
وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ
اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ
هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا
بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ

اور جو کفر کرتے ہیں وہ یہ خیال نہ کریں کہ ہم جو انھیں
مہلت دیتے ہیں یہ ان کے لیے اچھا ہے ہم انھیں مہلت دیتے
ہیں آخر وہ گناہ میں بڑھ جاتے ہیں اور انکے لیے ذلیل کرنیوالا عذاب ہے[1]۔
اللہ ایسا نہیں کہ وہ مومنوں کو اس حالت پر چھوڑ دے جس پر تم ہو
جب تک کہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کردے[2] اور اللہ
ایسا نہیں کہ تمھیں غیب پر اطلاع دے، لیکن اللہ اپنے
رسولوں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے پس اللہ اور اس کے رسولوں
پر ایمان لاؤ اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو تو تمھیں بڑا اجر ملے گا[3]
اور وہ لوگ جو اس میں بخل کرتے ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے
فضل سے دیا ہے یہ خیال نہ کریں کہ یہ اُن کے لیے اچھا ہے
بلکہ وہ اُن کے لیے بُرا ہے قیامت کے دن وہی اُن کے گلے کا ہار
بنایا جائیگا جس میں وہ بخل کرتے ہیں[4] اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ

نمبر۱- جنگ اُحد میں کفار کو قرار واقعی سزا نہ ملنے پر وہ سمجھتے تھے کہ بس اب ہم کامیاب ہو گئے۔ فرماتا ہے کہ یہ تو ایک مہلت ہے سو اگر وہ مہلت کو اپنی بھلائی کے لیے استعمال کرتے تو یہ ان کے لیے مفید تھا مگر وہ تو اس کو اور بھی شرارتوں اور منصوبہ بازیوں میں صرف کرتے ہیں اس لیے اس مہلت کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ ان کا پیمانہ لبریز ہو جائے اور ان پر گرفت کا موقعہ آجائے۔

نمبر۲- بتایا ہے کہ ایک پاک گروہ کو مصائب کے دن میں کیوں ڈالا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ منہ کی باتوں سے خوش نہیں ہو سکتا۔ ان میں کچے اور پکے منافق اور مومن یکساں ہو سکتے ہیں۔ اس لیے ان دونوں گروہوں کو الگ الگ کرنے کے لیے مومنوں کی کمال وفاداری دکھانے کے لیے اللہ تعالیٰ مصائب لاتا ہے اور اس طرح پر ایک ملے جلے گروہ میں سے خبیث اور طیب کو الگ الگ کر دیتا ہے ما انتم علیہ میں مخاطب منافق ہیں انہی کو فرمایا کہ خدا کی شان قدوسیت کا یہ تقاضا نہیں کہ تم جیسے ناپاک لوگوں کو غیب کی خبر دے۔

نمبر۳- جب یہ کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ مصائب اس لیے بھیجتا ہے تاکہ مومن اپنے کمال کو حاصل کریں تو پھر یہ اعتراض ہوتا تھا کہ اگر کمال تک ہی پہنچانا مقصود ہو تو اللہ تعالیٰ ہم کو خود ہی کیوں غیب پر یعنی اپنی رضا کی راہوں پر اطلاع نہیں دے دیتا تاکہ ہم ان راہوں پر چلیں اور کمال کو حاصل کرلیں۔ گویا ہر ایک کو خود وحی کیوں نہیں ہو جاتی تاکہ وہ اپنے کمال کو حاصل کرلے۔ تو اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ اللہ کی شان قدوسیت کا تقاضا نہیں کہ تم جیسے ناپاک لوگوں کا اس سے تعلق ہو۔ پہلے تمھارا پاک ہونا ضروری ہے اور تمھارے پاک کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ راہ رکھی ہے کہ اپنے ایک رسول پر فیضان الٰہی بغیر اس کی کسی سعی کے جاری کرکے اس کے ذریعہ دوسروں کو پاک کرتا ہے۔ اسی لیے فرمایا فامنوا باللہ ورسولہ یعنی اسی طریق سے تم کمال حاصل کر سکتے ہو۔

نمبر۴- یعنی اس کا نتیجہ بھگتیں گے۔

وَ الْاَرْضِ ۭ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١٨٠﴾
لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ
اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ
مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ
وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿١٨١﴾
ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ
لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٨٢﴾
اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا
نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ
تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ
مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ بِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ
قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٨٣﴾
فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ

کی ہی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔

یقیناً اللہ نے ان لوگوں کی بات کو سن لیا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ ہم لکھ رکھیں گے جو کچھ انھوں نے کہا ہے اور ان کا نبیوں کو ناحق قتل کرنا بھی۔ اور ہم کہیں گے جلنے کا عذاب چکھو۱۔

یہ اس کی وجہ سے ہے جو تمھارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور کہ اللہ بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔

جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہماری طرف تاکیدی حکم بھیجا تھا کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ہمارے پاس وہ قربانی نہ لائے جسے آگ کھاتی ہو۔ کہہ مجھ سے پہلے رسول تمھارے پاس کھلی دلائل کے ساتھ اور اس کے ساتھ جو تم کہتے ہو آئے تو ان کو تم نے کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو۲۔

پھر اگر وہ تجھے جھٹلائیں تو تجھ سے پہلے بھی رسول جھٹلائے جا چکے ہیں

نمبر۱۔ یہ یہودیوں کا ذکر ہے جن کے تعلقات منافقوں سے تھے۔ انھیں اپنے مال پر فخر تھا اور مسلمانوں کی غربت پر استہزاء کرتے تھے۔

نمبر۲۔ ایک قسم کی قربانی یہودیوں کے ہاں سوختنی قربانی کہلاتی تھی۔ جو ساری کی ساری آگ میں جلا دی جاتی تھی۔ مگر ایسی قربانی کو انبیاء کہیں سے ساتھ نہ لاتے تھے۔ بلکہ وہی قربانیاں جو لوگ گزارتے تھے ان میں سے بعض قسم کی قربانیوں کو سالم آگ میں جلانے کا حکم تھا اور بعض قسم کی قربانیوں کا کچھ حصہ آگ میں جلایا جاتا تھا اور باقی کاہن کھاتے تھے۔ دیکھو احبار ۱: ۶-۹ و ۶: ۱۴-۱۶ و ۲۶ وغیرہ۔ پس شریعت موسوی میں قربانی کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور آگ کھا جاتی تھی پس قربان تاکلہ النار میں صرف شریعت موسوی یا اس کی سوختنی قربانیوں کا ذکر ہے نہ کچھ اور۔ مگر اسلام میں قربانی کا کوئی حصہ جلایا نہیں جاتا گویا اسلام کی قربانی نے شریعت موسوی کی قربانی کو منسوخ کر دیا پس مراد یہ ہے کہ ہم اسی رسول کو مانیں گے جو ہماری شریعت پر چلے اعتراض کا جواب یوں دیا ہے کہ تمھارے پاس تو ایسے رسول بھی آتے رہے جو شریعت موسوی پر عامل ہونے کی وجہ سے قربانیوں کو جلانے کا حکم دیتے تھے مگر تم نے ان کو بھی قتل کیا۔

اور یہ جو مفسرین نے لکھا ہے کہ ایسی قربانی ہوتی تھی جسے ایک سفید آگ آسمان سے اتر کر کھا جاتی تھی۔ سو آسمان سے آگ اترنے کا ذکر نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں، ہاں بائبل میں ایک موقعہ پر آگ کے آسمان سے اترنے کا ذکر ہے مگر وہ ایک خاص موقعہ ہے اور ہر اسرائیلی نبی کی صداقت کا یہ نشان بائبل سے ثابت نہیں ہوتا صرف ۲ تواریخ ساتویں باب کے شروع میں ہے"۔ اور جب سلیمان دعا مانگ چکا تھا تو آسمان سے آگ اتری اور سوختنی قربانی کو اور ذبیحوں کو کھا گئی اور وہ گھر خداوند کے جلال سے بھر گیا" مگر سلیمان کو بنی اسرائیل نے قتل نہیں کیا نہ ان کے قتل کے درپے ہوئے اور یہاں آتا ہے فلم قتلتموھم پس اس کی طرف اشارہ نہیں۔

قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ وَ الْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾
جو کھلی دلائل اور صحیفے اور روشن کتاب لائے تھے ۱؎

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَ اِنَّمَا تُوَفَّوْنَ
ہر ایک شخص موت چکھنے والا ہے اور تم کو صرف قیامت

اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ
کے دن تمھارے پورے اجر دیئے جائیں گے۔ پس جو آگ سے

النَّارِ وَ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَ مَا
دُور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ ضرور مراد کو پہنچ گیا

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾
اور دنیا کی زندگی نرا دھوکے کا سامان ہے۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ وَ لَتَسْمَعُنَّ
ضرور تم اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں آزمائے جاؤ گے اور

مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ مِنَ
ضرور تم ان لوگوں سے جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی ہے

الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا وَ اِنْ تَصْبِرُوْا
اور اُن سے جو مشرک ہوئے بہت سی دُکھ دینے والی باتیں سنو گے

وَ تَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾
اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے ۲؎

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
اور جب اللہ نے ان سے اقرار لیا جنھیں کتاب دی گئی ہے کہ ضرور

لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ
تم اس کو لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتے رہو گے اور اسے نہیں چھپاؤ گے

وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا
پھر انھوں نے اس کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے

نمبر ۱۔ یہاں انبیاء کو تین چیزیں دینے کا ذکر ہے۔ بینات، زبور، کتاب منیر۔ بینات سے مراد دلائل نبوت یا معجزات ہیں زبور سے مراد کتاب ہی ہے نہ کچھ اور۔ اور قرآن کریم میں صحف یا کتب انبیاء پر یہ لفظ بولا گیا ہے پھر زبر کے بعد کتاب منیر کے لانے کی کیا ضرورت تھی؟ اس میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ زبر سے مراد چھوٹے صحیفے اور کتاب منیر سے مراد توریت، انجیل و زبور ہیں۔ گویا بعض انبیاء کو چھوٹے صحیفے دیئے اور بعض کو ایسی عظیم الشان کتابیں جیسے توریت و انجیل و زبور۔ ایک قول ہے کہ ہر ایک کتاب ذی حکمت کو زبور کہہ دیا ہے اور جس میں احکام شرعی ہوں اس کو کتاب کہہ دیا ہے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ زبور کے معنی میں غلظت یا شدت پائی جاتی ہے اور اس شدت کا تعلق اعدا سے ہوتا ہے اور اس کے مقابل کتاب منیر میں نور کی طرف توجہ دلائی ہے، گویا وہ پیروؤں کو ایک نور عطا کرتی ہے۔ پس زبور اسی کتاب کو بلحاظ اس کی شدت کے کہا ہے اور کتاب منیر اسی کو نور اور روشنی کے لحاظ سے کہا ہے۔

نمبر ۲۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے دو سخت قسم کے ابتلاؤں کا ذکر کیا ہے جو ابھی پیش آنے والے تھے۔ ایک مالی اور جانی ابتلا، دوسرا اہل کتاب اور مشرکین سے ایذا کی باتیں سُننا، جنگ احد کے بعد اس آیت کا نزول بتاتا ہے کہ یہ مالی اور جانی ابتلا اور یہ ایذا کی باتیں کسی آئندہ زمانہ سے تعلق رکھتی ہیں ان الفاظ میں یقیناً اہلِ اسلام کے ان مالی اور جانی نقصانوں کی طرف اشارہ ہے جو ہمارے اس زمانہ میں ان کو اُٹھانے پڑے ہیں اور اسی لیے ان کے ساتھ ایذا کی باتوں کو جمع کیا ہے کہ یہ دونوں باتیں اسی زمانہ میں اکٹھی ہوئی ہیں۔ مالی اور جانی نقصان ظاہر ہیں ملکوں کے ملک چھن گئے۔ دولت اور املاک ہاتھوں سے نکل گئے۔ اپنے گھروں سے نکالے گئے، شہید کیے گئے۔ مرد اور بچے اور عورتیں ہزارہا کی تعداد میں تہ تیغ ہوئے اس کے ساتھ ہی عیسائیوں اور مشرکوں کی طرف سے وہ کچھ ایذا کی باتیں، اسلام کے مقدس پیشوا اور بزرگان دین کی نسبت سننی پڑیں کہ الاماں۔ یہ آیت قرآنی ہمیں تسلی دیتی ہے کہ اسلام اب بھی مغلوب نہ ہوگا۔

فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

بدلے تھوڑی سی قیمت لے لی، سو کیا ہی بُرا ہے جو وہ لیتے ہیں[۱]

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

ہرگز خیال نہ کرو کہ جو لوگ اس پر خوش ہوتے ہیں جو انھوں نے کیا اور پسند کرتے ہیں کہ اس کے لیے ان کی تعریف کی جائے جو انھوں نے نہیں کیا۔ یہ ہرگز بھی خیال نہ کرو کہ وہ عذاب سے نجات پا گئے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے[۲]

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾

اور آسمانوں اور زمین کا ملک اللہ کا ہی ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾

یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے اختلاف میں عقل والوں کے لیے نشان ہیں۔

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر یاد کرتے رہتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں فکر کرتے رہتے ہیں، ہمارے رب تُو نے اسے بے فائدہ پیدا نہیں کیا تو پاک ہے پس ہمیں آگ کے عذاب سے بچا[۳]

نمبر۱۔ ساتھ ہی مسلمانوں کو سمجھایا ہے کہ تم پر بھی وہ وقت آئے گا کہ خدا کی کتاب قرآن کریم کو کھول کر لوگوں کے لیے بیان نہ کرو گے بلکہ اس کو چھپاؤ گے۔ آج اگر غور کیا جائے تو اس قدر مصائب کا آماجگاہ ہونے کے باوجود بھی مسلمان قرآن کے کتمان کے مجرم ہیں۔

نمبر۲۔ آج مسلمانوں کی قوم کو یہ بیماری کھا گئی ہے۔ کام کرنے والے بہت قلیل ہیں اور تھوڑا سا کرتے ہیں تو اس پر اتراتے ہیں اور پھر اکثر کی حالت یہ ہے کہ کرتے کراتے کچھ نہیں۔ اپنی تعریف کے گیت لوگوں سے سننا چاہتے ہیں۔

نمبر۳۔ یہاں مومنوں کی دو بڑی صفات بیان فرمائی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اللہ کا ذکر ہر حال میں کرتے ہیں اور دوسرے یہ کہ مخلوق میں فکر کرتے ہیں۔ اللہ کا ذکر صرف زبان سے نہیں ہوتا بلکہ زبان اور قلب اور جوارح سب سے ہے۔ دوسری صفت مومنوں کی یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین کی خلق میں فکر کرتے ہیں اور ان کے فکر کا نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ وہ پکار اُٹھتے ہیں ربنا ماخلقت ھذا باطلا یعنی ہر ایک چیز ایک حقیقت رکھتی ہے اور ایک غرض کے لیے پیدا کی گئی ہے۔ اس حصہ میں علوم کی طرف توجہ دلائی ہے کیونکہ جس قدر علوم دنیا میں پیدا ہوتے ہیں وہ حقیقت اشیاء میں فکر کرنے سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ دنیا میں اکثر ایسا ہوتا رہا کہ جب ایک قوم خدا کے ذکر کی طرف متوجہ ہوئی تو علوم سے غافل ہو گئی اور جب علوم کی طرف جھکی تو خدا سے غافل ہو گئی چنانچہ عیسائیت کی تاریخ میں اس کا بہترین نظارہ نظر آتا ہے۔ جب ابتدا میں ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف میلان ہوا تو ایسی خطرناک رہبانیت اختیار کی کہ علوم میں ترقی کو کفر قرار دیا اور مدت تک جو کوئی ان میں علوم طبعی یا حساب وغیرہ کی طرف توجہ کرتا اُسے ملحد و بے دین قرار دیا جاتا اور علوم کو شیطانی خیالات سمجھا جاتا۔ لیکن آج اس قوم کی یہ حالت ہے کہ یہاں تک علوم میں توغل ہے کہ خدا کا نام تک لینا گناہ سمجھا جاتا ہے۔ چونکہ اس سورت میں بالخصوص عیسائیت سے خطاب ہے اس لیے اس کے خاتمہ پر جو صفات مومنوں کی بیان فرمائی ہیں ان میں ان دونوں باتوں کی طرف ایک ہی آیت میں توجہ دلائی ہے کہ ایک طرف ذکر الٰہی سے غافل نہ ہوا اور دوسری طرف مخلوق میں تفکر

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ
اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾
رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ
اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا
ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾
رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا
تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾
فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ
عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ
مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا
مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا
وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا
مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

ہمارے رب جس کو تو آگ میں داخل کرے یقیناً اسے تو نے
رسوا کیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔
ہمارے رب ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا ہے جو ایمان کے لیے بلاتا ہے کہ تم اپنے رب
پر ایمان لاؤ پس ہم ایمان لائے ہمارے رب تو ہماری کمزوریوں کی حفاظت فرما اور
ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے اور ہم کو راستبازوں کے ساتھ وفات دے۔
ہمارے رب اور ہمیں وہ عطا فرما جس کا وعدہ تو نے ہمیں اپنے رسولوں کے ذریعہ
دیا ہے اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا بیشک تو وعدہ کا خلاف نہیں کرتا۔
ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنیوالے
کے عمل کو ضائع نہیں کرتا مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے سے
ہو[۱] سو جنھوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے،
اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے
میں ضرور ان کی تکلیفوں کو ان سے دور کر دوں گا اور میں ضرور
ان کو باغوں میں داخل کرونگا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ یہ اللہ
کی طرف سے بدلہ ہے اور اللہ ہی کے پاس اچھا بدلہ ہے[۲]

کام لو۔ اور حقیقت اشیاء پر غور کر کے علوم حاصل کرو۔

نمبر۱۔ سورہ بقرہ کا خاتمہ بھی ایک دعا پر کیا تھا اور یہاں بھی دعا پر خاتمہ ہے مگر یہاں ساتھ قبولیت دعا کی بھی بشارت دے دی ہے یعنی یہ تمھاری دعا جو ہم نے خود تمھیں سکھائی ہے ضائع نہیں کی جائے گی بلکہ اس کو اللہ تعالیٰ قبول کر چکا ہے اور وہ قبولیت کا جواب جو مومنوں کی اس دعا پر دیا گیا یہ ہے کہ میں تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کروں گا۔ یعنی ان کے عمل کو بارآور کیا جائیگا اور ان کا مقصود و مطلوب ان کو دیا جائے گا۔ یہ قبولیت دعا ہے کہ کام کرو گے تو اجر پاؤ گے۔ صرف دعا کوئی چیز نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ عمل نہیں۔ مسلمانوں نے دعا کے مسئلہ کو کس قدر غلط سمجھ رکھا ہے۔

نمبر۲۔ پہلے حصہ آیت میں فرمایا تھا کہ عمل کرنیوالوں کے عمل کو ضائع نہیں کرونگا۔ اب اس عمل کی کچھ تفصیل فرمائی ہے پہلا کام جو ان لوگوں نے کیا وہ ہجرت ہے اس کے بعد ہے کہ اپنے گھروں سے نکالے گئے۔ پھر گھروں سے نکال دینے کے بعد خدا کی راہ میں ان کو ایذا پہنچائی گئی اوذوا فی سبیلی میں وہ ایذائیں مراد ہیں جو بعد ہجرت کے ان کو برداشت کرنی پڑیں اور ان ایذاؤں کی انتہا یہ ہوئی کہ ان کے اوپر چڑھائی کی گئی تاکہ تلوار کے ساتھ ان کو نابود کیا جائے اس لیے ان کو بھی بالمقابل جنگ کرنی پڑی جس کا ذکر لفظ قتلوا میں کیا ہے۔ پھر ان لڑائیوں کے اندر ان میں سے لوگ مارے بھی جاتے ہیں۔ اس لیے وقتلوا پر ختم کیا۔ گو سارے نہ مارے جائیں۔ مگر ایک قوم نے جب اپنے سر خدا کی راہ میں دیدیئے تو جتنے بھی ان میں سے کٹیں سبھی کو کہا جائے گا کہ انھوں نے اپنے سر کٹوا دیئے یہ وہ عمل ہیں جن پر خدا کی طرف سے اجر ملتا ہے۔ میسیحی تو

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾
مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾
لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِنْ
عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِلْأَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾
وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ
وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ
خَاشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ
ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٩٩﴾
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا
وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٢٠٠﴾ ع ۱۱

جو کافر ہیں اُن کا ملکوں میں تصرف تجھے دھوکے میں نہ ڈالے۔
تھوڑا سا سامان ہے پھر اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بُری جگہ۔
لیکن جنھوں نے اپنے ربّ کا تقویٰ کیا اُن کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے
نہریں بہتی ہیں انہی میں رہیں گے یہ اللہ کی طرف سے مہمانی ہے اور جو
اللہ کے پاس ہے وہ راستبازوں کے لیے بہت اچھا ہے۔
اور اہل کتاب میں سے وہ بھی ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس
پر جو تمھاری طرف اتارا گیا اور اس پر جو اُن کی طرف اتارا گیا۔
اللہ کے سامنے عاجزی کرتے ہوئے اللہ کی آیات کے بدلے
تھوڑی قیمت نہیں لیتے ، انہی کے لیے اُن کے رب کے پاس
اُن کا اجر ہے بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ۔[1]
اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر کرو اور مقابلے میں بڑھ کر صبر دکھاؤ
اور محافظت کرو اور اللہ کا تقوےٰ اختیار کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔[2]

ایک صلیب مسیح کو لیے پھرتے ہیں یہاں ایک ایک مسلمان صلیب سے بڑھ کر مصیبت اُٹھاتا ہے ۔ یہ توان کے عمل ہوئے ۔ اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان اعمال پر کیا وعدہ ہے اوّل یہ کہ میں ان کی تکلیفوں کو ضرور اُن سے دُور کردُوں گا یہاں سیئات سے مراد وہی تکلیفیں معلوم ہوتی ہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا گو لفظ ایسا اختیار کیا ہے جس میں بدیوں اور گناہوں کو دور کرکے ایک پاکیزہ بہشتی زندگی عطا کرنے کی طرف بھی اشارہ ہے اور دوسرا وعدہ قبولیت دعا پر یہ ہے کہ ان کو جنات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور یہ وعدہ گو اخروی زندگی کے متعلق ہے مگر ہر ایک وعدہ کا کچھ نہ کچھ رنگ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس دنیا میں بھی دکھا دیا ہے اس لیے جنت آخرت کے وعدہ میں اشارہ کامیابی اور فتحمندی کی طرف بھی ہے۔

نمبر۱ ۔ جس طرح لتسمعن من الذین اوتوا الکتاب[۱۸۶] میں عیسائیوں کے آئندہ زمانے میں اسلام کے خلاف بدزبانی کی اور کافروں کے تقلب فی البلاد میں عیسائیوں کے دنیا میں تصرف کی پیشگوئی ہے اسی طرح اب یہ بشارت سنا دی ہے کہ ہمیشہ حالت یکساں نہ رہے گی بلکہ اہل کتاب کا ایک حصہ آخر قرآن کریم پر ایمان لائے گا اور اس کی صداقت کو تسلیم کرلے گا ۔ آج یہ پیشگوئی بھی ہماری آنکھوں کے سامنے پوری ہو رہی ہے ۔

نمبر۲ ۔ یہاں فلاح کے لیے تین باتیں بتائی ہیں صبر، مصابرۃ ، رباط ۔ ان تینوں الفاظ میں اگر ایک طرف نیکی پر قائم ہونے اور باہم اچھا معاملہ کرنے کی ہدایت ہے تو دوسری طرف بدی کے مقابلہ اور دشمن کے مقابل میں تیار رہنے کی ہدایت ہے ۔ صبر تو یہ ہے کہ نیکی پر قائم ہو جائے اور معصیت سے رک جائے یا جو مشکلات اور مصائب قضا و قدر سے یا دشمن کی طرف سے پیش آئیں ان کو برداشت کرے اور ان کے نیچے ہمت نہ ہارے مصابرۃ ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرنا یا اپنی خواہشات کے ساتھ جہاد کرنا یا مصائب اور تکلیفوں کی برداشت میں اپنے دشمن سے فوقیت لے جانا ہے ۔ گویا دشمن کے مقابلہ میں اس سے بڑھ کر مصائب کو برداشت کرنے کے عادی ہو ۔ اور رباط سے مراد لزوم اور ثبات ہے یعنی نیکیوں کے کرنے پر یا بدی سے رُکنے یا مصائب و مکارہ کے اُٹھانے میں دوام اور مضبوطی اختیار کی جائے اور دشمن کے مقابلہ کے لیے ہر وقت تیار رہے اور ایک لمحہ بھی اس کی طرف سے غافل نہ ہو دشمن سے مراد ملکی دشمن ہی نہیں ۔ جو لوگ دین پر حملہ کرتے ہیں ان کے مقابل میں دلائل اور جواب سے اسی طرح تیار رہنا چاہیئے ۔

(۴) سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ ¹

اٰيَاتُهَا ۱۷۶ — رُكُوْعَاتُهَا ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ
خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا
زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①
وَاٰتُوا الْيَتٰمٰۤى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا
الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَهُمْ
اِلٰۤى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ②
وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا
مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ

اللہ کے نام سے جو بے انتہا رحم والا بار بار رحم کرنے والا ہے۔
اے لوگو! اپنے رب کا تقویٰ اختیار کرو، جس نے تم کو ایک
ہی اصل سے پیدا کیا² اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا۔
اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں³ اور اللہ کے
(حقوق کی) جسکے ذریعہ سے تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور رحموں
کی نگہداشت کرو اللہ تم پر نگہبان ہے⁴۔
اور یتیموں کو اُن کے مال دو اور اچھی چیز کو ردی سے
نہ بدلو اور ان کے مالوں کو اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر
نہ کھاؤ یہ بڑا گناہ ہے۔
اور اگر تمھیں خوف ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ
کرسکو گے تو ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو تمھیں پسند ہوں⁵۔

نمبر۱۔ اس سورت کا نام النساء ہے اور اس میں عورتوں کے حقوق اور معاشرت اور امور خانہ داری کا ذکر ہے اور کچھ ذکر منافقین اور یہود کا ہے اور اس لحاظ سے یہ سورہ بقرہ کے مقابلہ پر ہے جس طرح سورہ مائدہ آل عمران کے مقابلہ پر ہے کیونکہ ان دونوں میں عیسائیوں کا ذکر زیادہ ہے اور اصول معاشرت قوم کی زندگی اور فلاح سے تعلق رکھتے ہیں اس میں ۲۴ رکوع اور ۱۷۶ آیتیں ہیں یہ سورت مدینہ میں نازل ہوئی۔ اور اکثر حصہ چوتھے پانچویں سال ہجرت کا ہے۔

نمبر۲۔ یہاں چونکہ حقوق انسانی کی طرف توجہ دلانی تھی اور اس میں بالخصوص کمزوروں یعنی یتامیٰ اور عورتوں کے حقوق کی طرف اس لیے فرمایا کہ اس نے تم کو ایک نفس یا ایک ہی جی سے پیدا کیا۔ گویا تم سب ایک ہی کنبہ کے لوگ ہو۔

نمبر۳۔ جس طرح یہاں فرمایا خلق منھا زوجھا اسی طرح دوسری جگہ سارے انسانوں کے متعلق فرمایا خلق لکم من انفسکم ازواجاً (الروم ۳۰-۲۱) پس اس سے یہ نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ حوا آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی یوں ماننا پڑے گا کہ ہر عورت اپنے خاوند کی پسلی سے پیدا ہوتی ہے ان الفاظ کا منشا صرف زن و شوہر کے اتحاد کو ظاہر کرنا ہے اور مساوات حقوق مرد و عورت کی طرف توجہ دلانا۔ حوا کے پسلی سے پیدا ہونے کا قصہ کسی صحیح حدیث میں نہیں صرف بائبل میں ہے۔

نمبر۴۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اتقوا اللہ والارحام کہہ کر اور رحموں کے حقوق کی نگہداشت کو اپنے حقوق کی نگہداشت کے ساتھ بیان کرکے حقوق رحم کی عظمت کی طرف توجہ دلائی ہے اور بتایا ہے کہ صرف عبادت کوئی چیز نہیں جب تک کہ ہر طرح کے حقوق جو انسان کے ذمہ ہیں ادا نہ ہوں اور چونکہ اوپر ساری نسل انسانی کو ایک کنبہ قرار دیا ہے اس لیے حقوق العباد سب صلہ رحمی میں ہی داخل ہیں۔

نمبر۵۔ عموماً مراد یہ لی گئی ہے کہ اگر یتیم لڑکیوں کو نکاح میں لاکر یہ خوف ہو کہ ان کے ساتھ انصاف نہیں کرسکو گے تو پھر دوسری عورتوں سے جو تمھیں پسند ہوں نکاح کرلو۔ لیکن یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ اگر تم کو خوف ہو کہ یتیم بچوں کے بارہ میں انصاف نہ کرسکو گے تو ایسی عورتوں سے جن کے وہ بچے ہیں نکاح کرلو

وَرُبٰعَ ۚ فَاِنۡ خِفۡتُمۡ اَلَّا تَعۡدِلُوۡا فَوَاحِدَةً
اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ؕ ذٰلِكَ اَدۡنٰۤى
اَلَّا تَعُوۡلُوۡا ۝۳

دو دو اور تین تین اور چار چار اور اگر تمھیں خوف ہو کہ عدل نہیں کر سکو گے تو ایک ہی یا جس کے تمھارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے یہ زیادہ نزدیک ہے تا کہ تم نا انصافی نہ کرو۔[۲]

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحۡلَةً ؕ فَاِنۡ
طِبۡنَ لَكُمۡ عَنۡ شَىۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَكُلُوۡهُ
هَنِيۡٓـئًا مَّرِيۡٓـئًا ۝۴

اور عورتوں کو اُن کے مہر بلا بدل دو۔ پھر اگر وہ خوشی سے اس میں سے کچھ تمھارے لیے خود دیں تو اسے مزے سے خوش گواری سے کھاؤ۔

وَلَا تُؤۡتُوا السُّفَهَآءَ اَمۡوَالَكُمُ الَّتِىۡ جَعَلَ
اللّٰهُ لَكُمۡ قِيٰمًا وَّارۡزُقُوۡهُمۡ فِيۡهَا وَاكۡسُوۡهُمۡ
وَقُوۡلُوۡا لَهُمۡ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا ۝۵

اور کم عقل لوگوں کو تم اپنے مال نہ دے دو جن کو اللہ نے تمھارے لیے سہارا بنایا ہے اور تم انھیں ان کے ذریعہ سے کھانے کے لیے دو اور انھیں کپڑا پہناؤ اور انھیں بھلی بات کہتے رہو۔[۳]

کیونکہ نکاح سے وہ بچے اولاد کی حیثیت حاصل کر لیں گے اور ان کی ذمہ داری ان کی والدہ کے شوہر پر ہوگی۔ اس معنی کی آیت ۱۲۷ بھی موید ہے۔ اس لیے کہ اس آیت یعنی یستفتونك فی النساء کے بارہ میں یہ مسلّم ہے کہ یہ اُم کحت کے بارہ میں نازل ہوئی جو یتامٰی کی والدہ تھی پس معلوم ہوا کہ وہ آیت امہات الیتامٰی کے بارہ میں ہے اور اس لیے اس آیت میں جو اس پہلی آیت کی طرف اشارہ ہے واضح کرتا ہے کہ یہاں بھی ان عورتوں کے نکاح کا ذکر ہے جو امہات الیتامی ہیں۔ اس توجیہ کے لیے آیت میں کچھ محذوف ماننے کی ضرورت نہیں اور سیاق مضمون بھی یہی چاہتا ہے کیونکہ اصل مضمون اس رکوع میں عورتوں سے نکاح کا نہیں، بلکہ یتامٰی کی خبر گیری کی ایک دقت رفع کرنے کے لیے ایسے نکاح کو ایک علاج کے طور پر بتایا ہے ما طاب لکم سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نکاح کے لیے پسندیدگی شرط ہے اور پسندیدگی کے لیے دیکھنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے اور دوسرے چونکہ نابالغ پسندیدگی کا اہل نہیں اس لیے چھوٹی عمر میں نکاح نہیں ہونا چاہیئے +

نمبر۱۔ یہ الفاظ مسئلہ تعدد ازدواج کی بنیاد ہیں مگر ظاہر ہے کہ یہ کوئی عام قانون بیان نہیں کیا نہ یہ کوئی حکم ہے کہ ہر مسلمان کئی نکاح کرے۔ بلکہ کسی نقص کا یہ علاج بتایا گیا ہے۔ اگر وہ نقص واقع ہونے کا خوف ہو (یا اسی قسم کا اور کوئی نقص) تو اجازت ہے کہ دوسرا تیسرا چوتھا نکاح کر لے اس سے کس کو انکار ہو سکتا ہے کہ بعض وقت ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ یہ فرض انسانی ہو جاتا ہے کہ ایک سے زیادہ عورتیں نکاح میں لائی جائیں۔ مثلاً جب یتیم بچوں کی خبر گیری کا سوال ہے جیسا لڑائیوں میں اکثر ہو جاتا ہے اور جس صورت کا ذکر قرآن شریف نے کیا ہے۔ جب عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہو، جیسا آج کل یورپ میں ہے یا عورت دائم المریض ہو۔ ایسے حالات میں تعدد ازدواج ایک علاج ہے جسے اختیار نہ کیا جائے تو بدترین اخلاقی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ہر ایک قوم کے راستبازوں نے اس مسئلہ تعدد ازدواج کو جائز رکھا ہے اور اس پر خود بھی عمل پیرا ہوئے ہیں۔ اسلام نے چار کی حد بندی اس پر ضروری قرار دی ہے اور دوسرے بیبیوں میں عدل کی شرط ٹھیرائی ہے۔

نمبر۲۔ یہ الفاظ ما ملکت ایمانکم قرآن شریف نے ازواج کے متقابل پر رکھے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ زوج یعنی بیوی حقوق میں مساوات رکھتی ہے لفظ زوج کے لغوی معنے بھی اس پر شہادت دیتے ہیں لیکن لونڈیوں کو مساوات کے حقوق حاصل نہ تھے اور یہاں لونڈیوں کے نکاح کا ہی ذکر ہے یعنی جو حکم واحدۃ کا ہے وہی ما ملکت ایمانکم کا ہے یعنی ایک بیوی سے نکاح کر دیا لونڈیوں سے۔ لونڈیوں سے نکاح کے شرائط آگے آیت ۲۵ میں مذکور ہیں۔

نمبر۳۔ اس آیت میں یتامٰی کے ذکر کی طرف رجوع کیا ہے وارزقوھم فیھا فرما کر بتا دیا ہے کہ راس المال کو ایسے کم عقلوں کے دلی تباہ نہ کریں بلکہ اس مال کو تجارت یا کسی اور کام پر لگا کر اس کے منافع یا آمدنی سے ان کا گزارہ چلائیں پس جو لوگ کسی قسم کی تجارت یا کوئی اور شغل معاش کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے اور اپنے راس المال کو تباہ کرتے چلے جاتے ہیں وہ سب کم عقلوں میں داخل ہیں۔ ان کے سپرد مال کرنے کی بجائے یہ حکم دیا کہ ان اموال کو تم کسی تجارت وغیرہ میں لگاؤ اور منافع

وَ ابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰىٓ اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ
اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ
وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّ بِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ
وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ
فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ
اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى
بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ⑥

اور یتیموں کا امتحان لیتے رہو یہاں تک کہ جب وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائیں تب اگر تم ان میں عقل کی پختگی پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو اور فضول خرچی سے اور جلدی کرکے اُن کو کھا نہ جاؤ کہ وہ بڑے ہو جائینگے اور جو آسودہ ہے چاہیئے کہ وہ بچا رہے اور جو حاجتمند ہے وہ مناسب طور پر لے لے۔ پھر جب تم ان کے مال اُن کے حوالے کرو تو اُن پر گواہ کر لو اور اللہ کافی حساب لینے والا ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ
وَ الْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ
الْوَالِدٰنِ وَ الْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ
اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ⑦

مردوں کے لیے اس سے ایک حصّہ ہے (جو اُن کے) والدین اور قریبی چھوڑیں اور عورتوں کے لیے اس سے ایک حصّہ ہے جو اُن کے، ماں باپ اور قریبی چھوڑیں، خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت، ایک مقرر حصّہ[1]۔

وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى
وَ الْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَ قُوْلُوْا
لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ⑧

اور جب تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور مسکین موجود ہوں تو ان کو اس میں سے کچھ دو اور ان کو اچھی بات کہو[2]۔

سے ان کو کھانے پینے کو دو۔ یہاں مخاطب حکام ہیں اسی لیے اموالکم کہا کیونکہ فرداً فرداً جس قدر اموال ہیں وہ درحقیقت قوم کے اموال ہیں اور جس قدر مال ضائع ہوگا وہ قومی نقصان ہے۔ اسی لیے اموال کو قیام یعنی قوم کے بقا کا موجب قرار دیا ہے جس قوم کا مال تباہ ہو جاتا ہے وہ گر جاتی ہے۔ علاوہ کھانے اور لباس کے ایک اور ضرورت بتائی وقولوا لھم قولاً معروفا۔ اس میں ان کی تربیت کے اہتمام کی ضرورت بتائی ہے اور اسی لیے کھانے اور پینے کے ساتھ اس کو تیسری ضرورت بتایا ہے یعنی ان کی تربیت پر روپیہ خرچ کرتے رہو۔ چنانچہ اگلی آیت میں جو فرمایا وابتلوا الیتامیٰ وہ اسی کی طرف اشارہ ہے کہ جب ان کی تربیت کا اہتمام کرو تو ساتھ ہی ان کا امتحان بھی لیتے رہو۔

نمبر۱۔ یہاں سے وراثت کا مضمون شروع ہوتا ہے مگر اصل غرض اب بھی یتامیٰ کے حقوق کی حفاظت ہی ہے کیونکہ یتامیٰ کو خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں، میراث سے حصّہ نہ دیا جاتا تھا۔ عرب کے لوگ کہتے تھے کہ کوئی ورثہ نہیں لے سکتا مگر وہ جو گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر جنگ کرتا ہے۔ پس اس آیت نے ایک قدیم رسم کو موقوف کیا۔

نمبر۲۔ اذا حضر القسمۃ سے یہ مراد نہیں کہ وہ اس وقت آکر دستِ سوال دراز کریں تو ہی اُن کو کچھ دینا چاہیئے بلکہ ان کی محض موجودگی مراد ہے خواہ وہ کہیں ہوں۔ اس آیت میں بتایا ہے کہ ایک تو وہ ہیں جن کے حصّے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیئے لیکن ان کے علاوہ دوسرے قریبیوں کو (جن کو یہاں اولی القربیٰ کہا گیا ہے) اور مسکینوں اور یتیموں کو بھی فائدہ پہنچانا چاہیئے۔

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ
ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا
اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿٩﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا
اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ
ع وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿١٠﴾
يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ
حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَاۗءً فَوْقَ
اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ
وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ
وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ
كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّ
وَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ
لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ

اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیئے جو اگر اپنے پیچھے کمزور اولاد چھوڑیں تو ان کے لیے ڈرتے ہوں، پس چاہیئے کہ اللہ کا تقوے کریں اور چاہیئے کہ سیدھی بات کریں۔

جو یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ ہی کھاتے ہیں اور وہ بھڑکائی ہوئی آگ میں داخل ہونگے۔

اللہ تمھاری اولاد کے متعلق تمھیں تاکیدی حکم دیتا ہے مرد کے لیے دو عورتوں کے حصّہ کے برابر ہو پھر اگر (اولاد میں) دو (یا اس) سے اوپر عورتیں ہوں تو ان کے لیے اس کی دو تہائی ہے جو چھوڑا اور اگر اکیلی ہو تو اس کے لیے نصف ہے[1] اور اس کے ماں باپ کے لیے دونوں میں سے ہر ایک کے لیے اسکا چھٹا حصّہ ہے جو چھوڑا ہے اگر اس کی اولاد ہو۔ لیکن اگر اس کی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اسکے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصّہ ہے اور اگر اسکے بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصّہ ہے[2]۔ وصیّت (کی ادائیگی)

نمبر۱۔ ورثہ کے لیے اول قرابت کا حق قرار دیا ہے۔ اولاد، ماں، باپ، بھائی بہن اور دوسرا زوجیت کا یعنی خاوند یا بیوی اگر کوئی بیٹا یا بیٹی مر چکے ہوں اور ان کی اولاد موجود ہو تو کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ وہ اولاد اپنے باپ یا ماں کے قائم مقام نہ ہو تعالٰی بیشک اس کے خلاف ہو مگر الفاظ قرآنی میں کوئی دلیل اس کے خلاف نہیں اور چھوٹے چھوٹے پوتوں کو محروم الارث کر دینا حالانکہ وہ سب سے زیادہ محتاج ہیں درست معلوم نہیں ہوتا۔ نہ ہی تعالٰی کا یہ فیصلہ نبی کریم صلعم کے کسی فیصلہ کی بنا پر ہے اور مسئلہ وراثت میں بہتیرے اس قسم کے اختلاف موجود ہیں۔
سب سے پہلے جیسا کہ حق تھا اولاد کا ذکر کیا کیونکہ ایک تو اولاد کی پرورش ماں باپ کے ذمہ ہوتی ہے دوسرے عموماً ماں باپ کی وفات سے اولاد ترکہ کو لیتی ہے اور اولاد کی وفات سے ماں باپ کا ترکہ کو لینا کم واقع ہوتا ہے۔ سب سے پہلی صورت یہ ہے کہ اولاد صرف وہی لینے والی ہو۔ اور اس میں اوّل اس صورت کو لیا کہ لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہوں تو ان میں تقسیم وراثت کا یہ قاعدہ بتایا ہے کہ لڑکے کا حصّہ لڑکی سے دو چند ہو اور اس طرح ساری جائداد تقسیم ہو۔ اس صورت کا ذکر نہیں کیا جس میں صرف لڑکے ہوں اس لیے کہ وہ خود اس سے ظاہر ہے اور جب صرف لڑکیاں ہی ہوں تو اس صورت میں فرمایا کہ ایک لڑکی ہو تو جائداد کی نصف کی وہ مالک ہوگی۔ باقی دور کے رشتہ داروں کو جائے گی اور اگر دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو وہ سب بحصّہ مساوی دو تہائی جائداد لیں گی اور باقی ایک تہائی اور رشتہ داروں کو جائے گی۔ یہ تقسیم صرف اس صورت میں ہے جہاں اولاد کے ساتھ ماں باپ یا بیوی خاوند لینے والے نہیں۔

نمبر۲۔ اس حصّہ میں ماں اور باپ کے حصّہ وراثت کا ذکر کیا ہے اور اس کی تین صورتیں قائم کی ہیں۔ اوّل یہ کہ ماں باپ ہوں اور اولاد بھی ہو۔ اس صورت میں ماں اور باپ ہر ایک چھٹا حصّہ لیتا ہے اور باقی اولاد کو ملتا ہے۔ اگر اولاد میں لڑکے ہوں یا لڑکے اور لڑکیاں ہوں یا دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں ہوں تو سب ان

وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ
وَاَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّھُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ
نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ
عَلِــيْمًا حَكِـيْمًا ⑪
وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ
لَّمْ يَكُنْ لَّھُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَھُنَّ
وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ
وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِھَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَلَھُنَّ
الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ
وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَھُنَّ الثُّمُنُ
مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ
بِھَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ
كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ
فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ

کے بعد جو اس نے کی ہو یا قرضہ کے۔ تمھارے باپ اور
تمھارے بیٹے تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون تمھارے لیے فائدے
کے لحاظ سے زیادہ نزدیک ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کیا گیا
ہے، اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔
اور تمھارے لیے اس کا نصف ہے جو تمھاری بیویاں چھوڑیں
اگر ان کی اولاد نہ ہو۔ اگر ان کی اولاد ہو تو تمھارے لیے
اس کا چوتھا حصّہ ہے جو انھوں نے چھوڑا ہے وصیت (کی
ادائیگی) کے بعد جو انھوں نے کی ہو یا قرضہ (کے) اور ان کے لیے
اس کا چوتھا حصّہ ہے جو تم نے چھوڑا ہے۔ اگر تمھاری اولاد نہ ہو
اور اگر تمھاری اولاد ہو تو ان کے لیے اس کا آٹھواں حصّہ ہے
جو تم نے چھوڑا ہے وصیت (کی ادائیگی) کے بعد جو تم نے کی ہو
یا قرضہ (کے)۔ اور اگر کوئی مرد یا عورت جس کی میراث لی جاتی
ہے کلالہ ہو، اور اس کا بھائی یا بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر
ایک کے لیے چھٹا حصّہ ہے۔ اور اگر وہ اس سے

کو مل جائے گا۔ اگر صرف ایک لڑکی ہو تو نصف وہ لے لیگی اور باقی چھٹا حصّہ پھر والد کو قریب ترین عصبہ ہونے کے لحاظ سے چلا جائے گا۔ کیونکہ اکیلی لڑکی کو بہرحال نصف سے زیادہ نہ ملے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ماں باپ ہوں اور اولاد کوئی نہ ہو تو اس صورت میں ماں کو ایک تہائی اور باقی دو تہائی باپ کو چلا جائے گا تیسری صورت یہ بیان کی ہے کہ اولاد نہ ہو مگر بھائی ہوں تو اس صورت میں ماں کو چھٹا حصّہ ملے گا۔ باپ کو کیا ملے گا۔ اس میں اختلاف ہے۔ جمہور کے نزدیک بھائیوں کا ہونا صرف ماں کے تیسرا حصّہ پانے کے لیے روک ہے اور بھائیوں کو کچھ نہ ملے گا۔ مگر حضرت ابن عباس کا مذہب ہے کہ جو ماں کا حصّہ کم ہوا ہے وہ بھائیوں کو ملے گا اور یہی درست معلوم ہوتا ہے اور میرے نزدیک ان کے حصص کا ذکر آگے چل کر آتا ہے جہاں کلالہ کی وراثت کا ذکر ہے۔

نمبرا۔ یہ تیسری صورت ہے اس میں متوفی کی بیوی یا خاوند زندہ ہے۔ اگر بیوی مرگئی ہے اور اولاد ہے تو خاوند کو چوتھا حصّہ اور نہیں ہے تو نصف اور اگر خاوند مرگیا ہے اور بیوی زندہ ہے اور اولاد ہے تو بیوی کو آٹھواں حصّہ اور نہیں ہے تو بیوی کو چوتھا حصّہ ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو اسی حصّہ میں شریک ہوں گی۔ اور باقی اولاد لے لیگی۔ لیکن اس صورت میں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ خاوند یا بیوی بھی ہو اور ماں باپ بھی ہوں تو حصص کس طرح تقسیم ہوں گے۔ اس صورت میں خواہ اولاد ہو یا نہ ہو بعض مشکلات پیش آتی ہیں۔ اگر اولاد نہ ہو ماں باپ ہوں اور خاوند ہو تو نصف خاوند کو چاہیئے۔ ایک تہائی ماں کو اور اس طرح باپ کا حصّہ صرف چھٹا رہ جاتا ہے جو ماں سے نصف ہے۔ اور اگر اولاد میں مثلاً لڑکیاں ہوں اور خاوند ہو اور ماں باپ ہوں تو لڑکیوں کو دو تہائی چاہیئے، ماں باپ کو ایک تہائی۔ تو خاوند کے لیے کچھ نہیں بچتا۔ صورت اوّل میں یعنی جب اولاد نہ ہو ماں باپ ہوں اور خاوند یا بیوی ہو تو اکثر اس طرف گئے ہیں کہ خاوند

كَانُوٓا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾

زیادہ ہوں تو تہائی میں شریک ہیں ۱؎ وصیت کی ادائیگی، کے بعد جو کی گئی ہو یا قرضہ (کے) جو ضرر پہنچانے کے لیے نہ ہو۔ یہ اللہ کی طرف سے تاکیدی حکم ہے اور اللہ جاننے والا بردبار ہے ۲؎

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ ۚ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُۥ يُدْخِلْهُ جَنَّٰتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۚ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٣﴾

یہ اللہ کی حدبندیاں ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ اسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُۥ يُدْخِلْهُ نَارًا خَٰلِدًا فِيهَا وَلَهُۥ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٤﴾ ع

اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے اور اس کی حدبندیوں سے آگے نکلتا ہے اسے آگ میں داخل کریگا وہ اس میں رہیگا اور اس کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

یا بیوی پہلے اپنا حصّہ لے لیں گے اور باقی کی ایک تہائی ماں کو اور دو تہائی باپ کو جائے گا گویا خاوند یا بیوی کا حق سب پر فائق ہوگا اور یہی صورت تمام مشکلات کو حل کرتی ہے یعنی جہاں خاوند یا بیوی ہے اور ماں باپ ہیں تو پہلے خاوند یا بیوی اپنا لیں گے۔ بقیہ میں سے ماں باپ کا حصّہ نکالا جائے گا اور جو باقی رہ جائے گا وہ اولاد کے لیے ہوگا۔ اس سے عول کی مشکل بھی حل ہو جاتی ہے۔

نمبر۱۔ کلالہ کے معنے دو طرح ہو سکتے ہیں وہ جس کی نہ اولاد نہ ہو یا وہ جس کی نہ اولاد ہو نہ ماں باپ۔ قرآن کریم میں دو جگہ کلالہ کا ذکر آیا ہے۔ ایک یہاں اور ایک اسی سورت کے آخر میں، یہاں بھائی یا بہن کا حصّہ چھٹا اور زیادہ ہوں تو ایک تہائی میں سب شریک اور وہاں بہن کا حصّہ نصف، دو یا زیادہ بہنیں ہوں تو دو تہائی صرف بھائی ہوں ایک یا زیادہ تو کل لیں۔ بھائی اور بہنیں ملے جلے ہوں تو سارا ورثہ مرد کو عورت سے دو چند حصّہ دیکر تقسیم ہو۔ مفسرین نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ یہاں بھائی بہن سے مراد اخیافی بھائی بہن ہیں یعنی ماں کی طرف سے اور دوسرے موقعہ پر یعنی آخر سورت میں بھائی بہن سے مراد اعیانی یا علاتی بہن بھائی ہیں یعنی ماں باپ دونوں کی طرف سے یا صرف باپ کی طرف سے۔ مگر نبی کریم صلعم کی کوئی حدیث اس کے متعلق نہیں۔ اس لیے دوسری توجیہ اس کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ دونوں جگہ کلالہ سے الگ الگ مراد ہے یعنی ہو سکتا ہے کہ یہاں کلالہ سے مراد وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو مگر ماں باپ ہوں اور بہن بھائی ہوں اور سورت کے آخر میں کلالہ سے مراد وہ کلالہ ہے جس کے نہ ماں باپ ہوں نہ اولاد اور یہی وجہ ہے کہ وہاں ساری جائداد بہن بھائیوں کو دلاتا ہے اور یہاں نہیں دلاتا۔ کیونکہ وہاں اور کوئی وارث نہیں ہے اور یہاں اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اوپر ایک صورت کا ذکر کیا تھا کہ بھائی ہوں اور اولاد نہ ہو تو ماں کو چھٹا حصّہ ملے مگر بھائیوں کا حصّہ بیان نہ کیا تھا۔ اس کا ذکر اب یہاں کر دیا ہے ورنہ یہ اعتراض باقی رہتا کہ ایک صورت کو قائم کر کے حصص کا ذکر نہیں کیا۔

اس طرح پر ان چار احکام میں ذیل کی چار صورتیں بیان کر دی ہیں، اول صرف اولاد ہو، دوم ماں باپ ہوں اور اولاد ہو یا نہ ہو، سوم خاوند بیوی اور اولاد ہو یا نہ ہو، چہارم ماں باپ ہوں اولاد نہ ہو اور بھائی ہوں، اور پانچویں صورت سورت کے آخر پر یہ بیان کی ہے کہ نہ اولاد ہو نہ ماں باپ ہوں صرف بھائی بہن ہوں، ان پانچوں صورتوں میں اگر خاوند یا بیوی ہو تو اس کا حصّہ پہلے نکالو پھر ماں باپ ہوں تو ان کا حصّہ دو پھر اولاد کو، اولاد نہ ہو یا ماں باپ اور اولاد دونوں نہ ہوں تو بھائی بہنوں کو۔

نمبر۲۔ غیر مضار۔ وصیت اور قرضہ کے پہلے ادائگی کا حکم تو ہر جگہ دیا ہے مگر یہاں غیر مضار ساتھ بڑھا دیا ہے یعنی وصیت یا قرضہ ایسے ہوں جو ضرر پہنچانے والے نہ ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اولاد کوئی نہیں اور ممکن ہے محض دور کے ورثہ کو نقصان پہنچانے کے لیے قرضہ لے لیا ہو۔

وَالّٰتِيْ يَاْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝١٥

اور تمھاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا ارتکاب کریں تو اپنے میں سے چار گواہ اُن پر بلاؤ، سو اگر وہ گواہی دیں تو اُن کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ ان کو موت لے جائے یا اللہ ان کے لیے کوئی راہ نکال دے[1]

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝١٦

اور جو دو تم میں سے اس کا ارتکاب کریں تو ان کو سزا دو پھر اگر وہ توبہ کریں اور اصلاح کریں تو ان کو جانے دو اللہ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے[2]

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْۗءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰۗىِٕكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝١٧

اللہ کے نزدیک توبہ صرف اُن لوگوں کے لیے ہے جو جہالت سے بدی کر بیٹھتے ہیں پھر جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ پس انہی پر اللہ (رحمت سے) متوجہ ہوتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے[3]

نمبر۱۔ الفاحشۃ۔ ہر قول یا فعل ہے جو بڑا قبیح ہو گو اس میں شک نہیں کہ فاحشہ کا لفظ قرآن شریف اور زبان عربی میں زنا پر بھی بولا گیا ہے مگر اصل استعمال اس کا ہر قبیح کام پر ہے اور اسی معنی میں زیادہ تر قرآن شریف میں بھی آیا ہے۔ پہلے دو رکوعوں میں عورتوں کے حقوق کو بیان کیا ہے۔ اس رکوع میں کچھ ان کی ذمہ داری کا ذکر ہے جس طرح اسلام نے سارے مذاہب سے امتیاز کے طور پر عورتوں کو بہت سے حقوق دیئے ہیں اور ان کے ساتھ حسن معاشرت کو تعلیم الٰہی کا حصہ قرار دیا ہے۔ اسی طرح ان کی کچھ ذمہ داریاں بھی رکھی ہیں اور یہ چاہا ہے کہ جس طرح سے وہ حقوق کو حاصل کرنے میں تمام دنیا کی عورتوں پر فائق ہیں اسی طرح اپنے چال چلن میں اعلیٰ درجہ کی پاکبازی اور راستبازی اختیار کرنے میں بھی فوقیت لے جائیں چونکہ زنا کی سزا دوسری جگہ بتائی ہے (۲۴ : ۲) اس لیے یہاں الفاحشہ سے مراد ایسے بیحیائی کے کام ہیں جو زنا کے مبادی کے طور پر ہوں اور اس کا علاج یہ بتایا ہے کہ ایسی عورتوں کو باہر نکلنے سے روک دو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پاک دامن عورتوں کو باہر نکلنے سے نہ روکنا چاہیئے۔ آخری الفاظ آیت میں اشارہ توبہ کی طرف ہے ابو مسلم نے یہاں فاحشہ سے مراد سحاقت کو لیا ہے۔

نمبر۲۔ پچھلی آیت میں عورتوں کی بے حیائی کے ارتکاب کا ذکر کیا تھا اب بتایا کہ اگر مرد اور عورت دونوں کسی بیحیائی کا ارتکاب کریں اور دونوں سے مبادئ زنا کا ظہور ہو تو دونوں کو سزا دی جائے عورت کی سزا کا ذکر تو اوپر آچکا کہ اس کو باہر نکلنے سے روک دیا جائے لیکن مرد کو ایسی سزا دینا گویا اسے کاروبار سے روکنا تھا۔ اس لیے عام الفاظ میں کہہ دیا کہ سزا تو دونوں کو دی جائے گی مگر اپنے اپنے حالات کے مطابق الذان سے مراد مفسرین نے بھی یہاں مرد و عورت ہی لیا ہے۔ گو آذوھما کی سزا کو فہمائش یا تنبیہہ و زجر یا ہلکی سزا تک محدود رکھا ہے۔ ابو مسلم نے الذان سے مراد دونوں مرد لے کر یہاں لواطت کا ارتکاب مراد لیا ہے۔

نمبر۳۔ من قریب اس لیے فرمایا کہ جس قدر جلد انسان توبہ کرے گا اسی قدر جلد بدی کی گرفت سے نکل سکے گا۔ ورنہ بدی عادت کے طور پر راسخ ہوتی جائے گی۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ
حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ
اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ
وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓـئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ
عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾

اور توبہ اُن لوگوں کے لیے نہیں ہے جو بدیاں کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت آ موجود ہوتی ہے کہتا ہے اب میں نے توبہ کی اور نہ ان لوگوں کے لیے جو کافر ہونے کی حالت میں ہی مرجاتے ہیں یہی ہیں جن کے لیے ہم نے دردناک دُکھ تیار کر رکھا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ
تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ
لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ
يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ
بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ
تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمھارے لیے جائز نہیں کہ عورتوں کو زبردستی ورثہ میں لو [1] اور نہ ان کو روک رکھو اس لیے کہ اس کا کچھ حصہ لے لو جو تم نے انھیں دیا ہے سوائے اس کے کہ وہ کھُلی بے حیائی کا ارتکاب کریں [2] اور ان کے ساتھ پسندیدہ طور سے میل جول رکھو پھر اگر تم انھیں ناپسند کرتے ہو تو ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی بھلائی رکھے

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ
زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا
تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا
وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾

اور اگر تم ایک بی بی کی جگہ دوسری بی بی (سے نکاح) کرنا چاہو اور تم اُسے سونے کا ڈھیر دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ نہ لو، کیا تم اُسے بہتان سے اور کھُلے گناہ کے ساتھ لو گے؟ [3]

نمبر۱۔ اہل جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ جب ایک شخص وفات پا جاتا تو اس کے وارث اس کی عورت کے بھی حقدار ہوتے تھے اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو اس سے نکاح کر لیتا تھا اور اگر وہ چاہتے تو اس کا نکاح کسی سے نہ کرتے۔

نمبر۲۔ یہ دوسری تکلیف ہے جو عورتوں کو پہنچائی جاتی تھی۔ یعنی جب ایک شخص ایک بیوی کو ناپسند کرتا تو بجائے اس کے کہ اسے طلاق دے روک رکھتا اور اس کو تنگی اور تکلیف میں رکھتا یہاں تک کہ وہ تنگ ہو کر اس بات کو منظور کرتی کہ اپنے مال میں سے کچھ اسے دے یا جیسا کہ اہل تسامہ کے ذکر میں لکھا ہے طلاق دیتے وقت یہ شرط کر لیتا کہ وہ اسی پہلے خاوند کے منشا کے خلاف شادی نہ کرے گی اور غرض اس کی یہ ہوتی کہ جو کچھ مال اس پر پہلے خرچ کیا تھا اس کا کچھ حصہ اسے دوسرے خاوند کے نکاح میں دے کر خود وصول کرے۔

نمبر۳۔ استبدال زوج سے مراد ہے ایک بیوی کو طلاق دینا اور اس کی جگہ دوسری سے نکاح کرنا، کیونکہ بعض قوموں میں جیسے عیسائی، یہ سختی تھی کہ اگر زن و شوہر میں طلاق ہو جائے تو پھر کسی کو بھی نکاح کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مہر پر کوئی حد بندی نہیں لیکن جس قدر بھی مہر ہو اس کا دیا جانا ضروری ہے۔ فرضی مہر ٹھیک نہیں اور یہ جو فرمایا کیا تم مہر بہتان اور کھلے گناہ سے واپس لو گے تو یہ اشارہ اس طرف ہے کہ عورت سے مہر دو صورتوں میں واپس لیا جا سکتا ہے اوّل یہ کہ اس نے فاحشہ کا ارتکاب کیا ہو تو اس صورت میں خاوند کو بہتان نہ لگانا چاہیئے۔ دوسرا یہ کہ عورت خود طلاق چاہتی ہو تو اس صورت میں

وَكَيْفَ تَأْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾

اور تم اُسے کس طرح لے سکتے ہو حالانکہ تم میں سے ایک دوسرے تک پہنچ چکا ہے اور وہ تم سے مضبوط عہد لے چکی ہیں

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾

اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہیں مگر جو گزر چکا، یہ بے حیائی اور سخت بیزاری کی بات ہے اور بُری راہ ہے[1]۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ؗ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ؗ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۲۳﴾

تم پر (یہ عورتیں) حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی بیٹیاں اور بہن کی بیٹیاں اور تمہاری وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری رضاعی بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری پالی ہوئی لڑکیاں جو تمہاری حفاظت میں ہوں ان عورتوں (کے بطن) سے جن پر تم داخل ہو چکے ہو اور اگر تم ان پر داخل نہ ہوئے ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری پیٹھوں سے ہوں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو اکٹھا کرو مگر جو گزر چکا۔ اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ

اور تمام بیاہی ہوئی عورتیں سوائے ان کے جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہو چکے[2]۔ یہ تم پر اللہ کا فرض کیا ہوا ہے اور جو

بعض لوگ عورت کو دکھ دینا شروع کرتے ہیں تاکہ وہ خود طلاق کی درخواست کرے۔ اثم مبین میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

نمبر ۱۔ یہ پانچویں صلاح ہے جو مرد و عورت کے تعلقات میں اسلام نے کی۔ عرب میں یہ رواج تھا جیسا کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اپنے باپوں کی بیویوں سے نکاح کر لیتے تھے۔ گو معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسم اچھی نہ سمجھی جاتی تھی اور اسی لیے وہ لوگ اسے نکاح مقت کہتے تھے تاہم اس رسم پر عمل ہوتا تھا۔ اسلام نے اس کو جڑ سے کاٹ ڈالا۔ الا ماقد سلف استثنا گناہ سے ہے جواز فعل سے نہیں یعنی ایسا نکاح فوراً منسوخ ہوگا۔

نمبر ۲۔ اس آیت کی رو سے تمام منکوحہ عورتوں سے خواہ وہ کسی مذہب و ملت سے تعلق رکھتی ہوں نکاح حرام ٹھیرایا گیا ہے الا ما ملکت ایمانکم یعنی اس حکم کے نزول سے پہلے جو تمہارے عقد نکاح میں آ چکی ہیں وہ مستثنیٰ ہیں اور اگر ما ملکت ایمانکم سے لونڈیاں مراد لی جائیں تو چونکہ لونڈی سے نکاح کے لیے مومنہ ہونے کی شرط ہے دیکھو آیت ۲۵۔ اس لیے صرف ان لونڈیوں سے نکاح ہو سکتا ہے جو مسلمان عورتیں ایسی صورت میں گو ان کے کافر خاوند زندہ بھی

مَا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ
مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ
بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً وَلَا
جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ
الْفَرِيْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾
وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ
الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ
مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ
بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ
وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ
غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ
فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ
نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ذٰلِكَ

اس کے سوا ہیں وہ تمھارے لیے حلال ہیں (اس طرح) کہ تم اپنے مالوں کے
ساتھ ان کو چاہو نکاح میں لا کر نہ شہوت رانی کرتے ہوئے[۲] سو تم نے ان میں سے
جس کے ساتھ نفع اٹھایا ہے انھیں ان کے مقرر شدہ مہر دے دو۔ اور تم
پر اس کے متعلق کوئی گناہ نہیں تم مقرر کرنے کے بعد آپس میں رضامند
ہو جاؤ۔ اللہ جاننے والا حکمت والا ہے[۳]
اور جو شخص تم میں سے یہ مقدور نہیں رکھتا کہ آزاد مومن عورتوں
سے نکاح کرے تو تمھاری ان مومن لونڈیوں سے نکاح کرلے،
جن کے تمھارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے اور اللہ تمھارے ایمان کو خوب
جانتا ہے تم آپس میں ایک ہی ہو سو انھیں ان کے مالکوں کی اجازت سے
نکاح میں لاؤ اور ان کو دستور کے موافق ان کے مہر دیدو پاکدامن ہوں
نہ کھلی بدکاری کرنے والی اور نہ درپردہ آشنا رکھنے والی۔ پھر جب
وہ نکاح میں لائی جائیں تو اگر بے حیائی کا ارتکاب کریں تو ان کے لیے
آزاد عورتوں کی سزا سے آدھی ہے یہ تم میں سے اس کے لیے

ہوں تو بھی ان کا پہلا نکاح باقی نہیں رہ سکتا۔ اس لیے دوسرا نکاح جائز ہوا۔

نمبر۱۔ چونکہ اوپر ان عورتوں کا ذکر تھا جن کے ساتھ نکاح ناجائز ہے اس لیے اب بتایا کہ باقی عورتوں میں سے تم جسے چاہو اپنے نکاح میں لا سکتے ہو اور مال کے ساتھ ڈھونڈنے کی شرط اس لیے لگائی کہ جب تک ایک انسان اس قدر مال کمانے کے قابل نہیں کہ وہ اپنی بیوی کا پھر اولاد کا خرچ دے سکے اُسے یہ بار نہ اٹھانا چاہیئے۔ گویا نہ صرف بالغ ہو بلکہ مال کمانے کے قابل بھی ہو اور پھر دوبارہ کہا کہ عورت و مرد کا تعلق صرف اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس سے نکاح ہو۔

نمبر۲۔ اہل تشیع نے یہاں مراد متعہ یعنی عارضی نکاح لیا ہے مگر یہ غلط ہے۔ قرآن شریف نے احصان یعنی نکاح کے مقابلہ پر مسافحت یعنی شہوت رانی کو رکھا ہے گویا احصان نہیں وہ مسافحت ہے۔ اس لیے متعہ کو ہمیں ان دونوں میں سے ایک میں شامل کرنا پڑے گا۔ احصان اور مسافحت میں امر مشترک اس قدر ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کا تعلق ہوتا ہے دونوں میں امتیاز یہ ہے کہ احصان میں مرد اور عورت کا تعلق ساری عمر کے لیے ہوتا ہے مسافحت میں نہیں۔ احصان میں عورت کے مرد پر کچھ حقوق پیدا ہوتے ہیں مثلاً ایک دوسرے کی زوجیت میں مرجائے تو حق وراثت پیدا ہوتا ہے۔ مسافحت میں پیدا نہیں ہوتا۔ احصان میں اولاد کی پرورش کا ذمہ وار باپ ہے مسافحت میں نہیں۔ پس احصان میں وہی امر داخل ہو سکتا ہے جو اس کے امتیازی پہلوؤں میں اس کا شریک ہو۔ اب متعہ میں ایک مرد و عورت کا تعلق ہے اس حد تک کہ اس کا مسافحت کے ساتھ اشتراک ہے اور احصان کی کوئی امتیازی خصوصیت اس کے اندر نہیں پائی جاتی۔ متعہ میں نہ تو کوئی تعلق عمر بھر کے لیے ہوتا ہے اور نہ اگر مرد و عورت میں سے ایک دوسرے کی زوجیت میں فوت ہو جائے تو کوئی حقوق وراثت پیدا ہوتے ہیں۔ نہ اولاد کی پرورش کا ذمہ دار باپ ہوتا ہے۔ اس لیے صریحاً متعہ مسافحت میں داخل ہے۔ آنحضرتؐ نے اپنی زندگی میں خود متعہ سے روک دیا تھا۔

نمبر۳۔ یعنی مہر مقرر ہو جانے کے بعد میاں بیوی کی رضامندی سے کم بھی ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی۔

لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۗ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع

ہے جسے ہلاکت میں پڑنے کا خوف ہو اور اگر تم صبر کرو تو تمھارے لیے بہتر ہے اور اللہ مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔[۱]

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾

اللہ چاہتا ہے کہ تمھارے لیے کھول کر بیان کرے اور تم کو اُن کی راہیں دکھا دے جو تم سے پہلے تھے اور تم پر توجہ فرمائے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَ يُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾

اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر توجہ فرمائے اور جو لوگ خواہشات کی پیروی کرتے ہیں چاہتے ہیں کہ تم بہت زیادہ جھک جاؤ۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

اللہ چاہتا ہے کہ تم سے (بوجھ) ہلکا کر دے اور انسان کمزور پیدا ہوا ہے۔[۲]

نمبر۱۔ اس آیت میں لونڈیوں کے ساتھ نکاح کے احکام اور شرائط بیان کیے گئے ہیں۔ قرآن کریم میں دو جگہ آتا ہے۔ لفروجھم حافظون الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم (المومنون ۲۳۔ ۵ و ۶۔ المعارج ۷۰۔ ۲۹ و ۳۰) پس جب ازواج یعنی بیبیوں کے متعلق احکام بیان کر دیئے تو ضروری تھا کہ ما ملکت ایمانھم کے متعلق بھی احکام کو بیان کر دیا جاتا جس طرح ایک آزاد عورت کو زوجیت میں لینے کی شرائط اللہ تعالیٰ نے بیان کر دی ہیں اسی طرح ما ملکت ایمانکم کے ساتھ تعلقات زناشوئی قائم کرنے کے احکام بھی بیان کر دیئے ہیں۔ اس کے سوائے لونڈیوں کے ساتھ زن و شوہر کا تعلق کسی صورت میں جائز نہیں۔ قرآن شریف میں جہاں کہیں بھی لونڈیوں کے نکاح کا ذکر ہے بغیر نکاح اُن سے تعلق رکھنے کا قطعاً کہیں ذکر نہیں۔ مثلاً فرمایا وانکحوا الایامٰی منکم والصلحین من عبادکم وامائکم۔ (النور ۲۴۔ ۳۲) یعنی اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے نکاح کر دو۔ اور ایک جگہ فرمایا قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم وما ملکت ایمانھم (احزاب ۳۳۔ ۵۰) یعنی ہم نے مومنوں کے لیے ازواج اور لونڈیوں کے احکام بیان کر دیئے ہیں اور وہ احکام نکاح کے متعلق ہی ہیں نہ بغیر نکاح تعلق رکھنے کے متعلق اور حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو شخص لونڈی کو اچھی تعلیم دے پھر اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔ اور آنحضرت صلعم نے خود ایسی عورتوں سے آزاد کر کے ہی نکاح کیا۔ ان تمام شہادتوں سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ لونڈی کے ساتھ نکاح کے بغیر تعلق رکھنا جائز نہیں۔

ایک اور سوال یہ ہے کہ کیا مالک کے لیے محض ملک یمین کی وجہ سے لونڈی سے زن و شوہر کا تعلق رکھنا جائز ہے۔ یا وہ بھی ان شرائط کے ماتحت ہے جن کا ذکر اوپر ہوا۔ جہاں تک موجودہ زمانہ کا سوال ہے نہ اس وقت غلامی باقی ہے نہ ملکِ یمین کا سوال پیدا ہوتا ہے تاہم ایک مسئلہ کے رنگ میں یہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جن وجوہات کی بنا پر غیر مالک کو لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے سے حتی الوسع روکا ہے۔ وہی وجوہات مالک کے لیے موجود ہیں۔ بلکہ مالک کے لیے تو اور بھی آسان راہ ہے کہ اگر کوئی ملک یمین والی عورت اس کو پسند آئے تو وہ آزاد کر کے اس سے نکاح کر سکتا ہے اور چونکہ ایسی صورت میں آزادی عطا کرنا ہی مہر کے قائم مقام بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ حضرت صفیہؓ کی حالت میں ہوا اس لیے اس کے لیے کوئی مشکل بھی نہیں۔ لیکن جب تک وہ اس کو لونڈی کی حیثیت میں رکھنا چاہتا ہے وہ ان تمام شرائط کا پابند ہے۔ ہاں بعض شرائط اس کی حالت میں خود زائل ہو جاتی ہیں مثلاً یہ کہ مالک کے اذن سے نکاح کیا جائے سو اس کو کوئی اذن بکار نہیں۔ یا مثلاً یہ کہ مہر دیا جائے۔ کیونکہ لونڈی کا مال مالک کا مال تصور ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو مہر دینے کی ضرورت نہیں۔ باقی رہا اعلان سو وہ ضروری ہے۔

نمبر۲۔ اس آیت میں وجہ بیان فرمائی کہ انسان چونکہ کمزور پیدا ہوا ہے اپنی ہدایت کی مخفی راہوں پر خود اطلاع نہیں پا سکتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ اپنے کلام کے یہ ہدایات اسے عطا فرمائی ہیں گویا ان تین آیتوں میں تین اصولی باتیں بیان فرمائی ہیں یعنی اوّل نزولِ شریعت کوئی نئی بات نہیں، پہلے لوگوں پر بھی شرائع نازل

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ
بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً
عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۗ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۗ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے مالوں کو آپس میں ناحق کے
ساتھ مت کھاؤ سوائے اس کے کہ تمھاری باہمی رضامندی سے
تجارت ہو اور اپنے لوگوں کو قتل نہ کرو۔ بیشک اللہ تم
پر رحم کرنے والا ہے۔۱

وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّ ظُلْمًا فَسَوْفَ
نُصْلِيْهِ نَارًا ۗ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

اور جو شخص حد سے نکل کر اور ظلم سے ایسا کرے گا ہم اسے آگ
میں داخل کریں گے اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ
عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ نُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

اگر تم ان بڑی بدیوں سے بچتے رہو جن سے تم کو روکا جاتا ہے تو ہم تمھاری
برائیاں تم سے دور کر دیں گے اور تم کو عزت کی جگہ میں داخل کریں گے۔۲

وَ لَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى
بَعْضٍ ۗ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۗ
وَ لِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۗ وَسْئَلُوا
اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ

اور اس کی آرزو نہ کرو جس سے اللہ نے تم کو ایک دوسرے پر
فضیلت دی ہے، مردوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں،
اور عورتوں کا حصہ ہے جو وہ کمائیں۔ اور اللہ سے اس
کا فضل مانگتے رہو۔ اللہ ہر چیز کو جاننے

ہوتی رہیں۔ دوم خدا کی طرف سے مقرر کردہ شریعت نہ ہوگی تو لوگ اپنی خواہشات کی پیروی کریں گے۔ سوم نزول شریعت اس لیے ضروری ہے کہ انسان ہدایت کی راہوں کو اپنی کوشش سے پانے سے عاجز ہے۔

نمبر۱۔ شریعت کے احکام میں سب سے زیادہ رفعت اس بات کو دی ہے کہ ایک دوسرے کے مال باطل طور پر نہ کھائیں۔ درحقیقت دنیا کی اکثر بدیاں باطل طور پر مال کھانے سے پیدا ہوتی ہیں۔ مال کی محبت اور اس کی حرص ہی انسان سے اور قوموں سے اکثر ظلم کراتی ہے اور قتل نفس کو اکل مال بالباطل کے بعد اس لیے رکھا کہ قتل کے واقعات بھی بہت سے مال کی وجہ سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ یورپ کی اس خطرناک جنگ کا موجب بھی جس میں لاکھوں جانیں ضائع ہوئیں یہی لالچ تھا۔

نمبر۲۔ کبیرہ کے معنے گناہ ہیں جس کی عقوبت بڑی ہو۔ احادیث میں کبائر کی چند مثالیں ہیں۔ تعیین نہیں اور ابن عباس سے ہے کہ جس چیز سے اس نے روکا ہے وہ کبیرہ ہے۔ پس یہاں بتایا کہ بڑی بڑی بین بدیوں سے بچو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ہر قسم کی برائیوں سے پاک کر دیگا۔ اس آیت میں ایک پُرحکمت فلسفہ بدی سے بچنے کا پایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ بدی جس قدر زیادہ بیّن ہوگی یا جس قدر بڑی ہوگی اسی قدر انسان اس کا آسانی سے مقابلہ کر سکے گا۔ فطرت انسانی ایسی ہی ہے کہ جس چیز کا نقصان بہت بیّن ہوتا ہے اس سے بچنا انسان کے لیے آسان ہوتا ہے کیونکہ فطرت کے اندر خالق فطرت نے جو طاقتیں ودیعت کر رکھی ہیں وہ ایک کھلے نقصان کو دیکھ کر مقابلہ کے لیے باہر نکل کھڑی ہوتی ہیں اور انسان کا بدی پر غالب آنا یہی ہوتا ہے کہ اس کے اندر جو نیکی کی طاقتیں ہیں وہ مقابلہ کے لیے باہر نکل آئیں۔ پس جب ایک شخص بڑی بدیوں کا مقابلہ کرنے کا اپنے آپ کو عادی بنائے گا تو اس کی نیکی کی اندرونی قوتیں نشو و نما پائیں گی اور ان قویٰ کے نشو و نما کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان چھوٹی بدیوں سے بھی بچ جائے گا جن کے نتائج ایسے بیّن نہیں ہیں کیونکہ اس کے اندر سے آہستہ آہستہ بدی کا میلان بھی دور ہو جائے گا اور اس کی بدی کی طاقتیں بالکل مر جائیں گی۔

شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٣٢﴾
وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ
وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ
فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ
ع كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٣٣﴾
الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ
اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ
أَمْوَالِهِمْ ۚ فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ حَافِظَاتٌ لِلْغَيْبِ
بِمَا حَفِظَ اللَّهُ ۚ وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ
فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ
وَاضْرِبُوهُنَّ ۖ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا
عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

والا ہے۔
اور سب کے لیے ہم نے وارث بنائے اس میں سے
جو والدین اور قریبی چھوڑیں اور جن سے تمھارے داہنے ہاتھوں
نے عہد باندھے ہیں تو ان کو ان کا حصّہ دو[1] اللہ
ہر چیز پر گواہ ہے۔
مرد عورتوں کے ذمہ دار ہیں اس لیے کہ اللہ نے ان میں سے
بعض کو بعض پر فضیلت دی اور اس لیے کہ انھوں نے اپنے
مالوں سے کچھ خرچ کیا ہے[2] سو نیک عورتیں فرمانبردار پیٹھ
پیچھے حفاظت کرنیوالی ہوتی ہیں اس کی وجہ سے جو اللہ نے (ان کی)
حفاظت کی ہے[3] اور جن عورتوں کی سرکشی کا تمھیں ڈر ہو تو ان کو وعظ کرو
اور خوابگاہوں میں انکو الگ کردو اور ان کو مارو پھر اگر وہ تمھاری اطاعت
کریں تو ان کے خلاف کوئی راہ تلاش نہ کرو۔ اللہ بلند

نمبر۱۔ یعنی ایسے لوگوں کے لیے جن سے تم عقد اخوت قائم کرو۔ ورنہ نہیں۔ جاہلیت میں ایسے لوگ ورثہ کا حصّہ بھی پاتے تھے قرآن کریم نے اسے منسوخ کردیا۔ "ان کو ان کا حصّہ دو" یعنی نصرت و نصیحت وغیرہ جو کچھ ایک مومن دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرسکتا ہے وہ کرے۔

نمبر۲۔ اسلام ایک عملی مذہب ہے اس قدر باہمی حقوق اور ذمہ داریاں پیدا کرنے کے بعد یہ ضروری تھا کہ گھر کی چھوٹی سی سلطنت میں ایک دوسرے پر کچھ رنگ حکومت بھی دیا جاتا اور عملاً ساری دنیا کو دینا پڑا ہے کیونکہ اس کے بغیر نظم قائم نہیں رہ سکتا اور وہ رنگ حکومت جس سے گھر کے امور طے ہوں مرد کو دیا گیا ہے کیونکہ مردوں کو عورتوں پر قوائے جسمانی میں فضیلت ہے۔ اس لیے روزی کمانے کا کام اور ملک و قوم کی حفاظت کا کام ان کے سپرد کیا اور جو ملک کا محافظ ہے وہی گھر کا محافظ بھی ہو سکتا ہے اور دوسری وجہ یہ بیان فرمائی کہ مرد عورتوں پر اپنے مال خرچ کرتے ہیں یعنی مرد کو عورت پر اختیار اس لیے دیا گیا ہے کہ اس پر بوجھ بھی زیادہ ڈالا گیا ہے کیونکہ وہ مال کمانے والا اور یہ مال کے خرچ کرنے والی ہے اور مال کے کمانے والے کو بہر حال اس کے خرچ کرنے والے پر اختیارات ہونے چاہئیں۔

نمبر۳۔ نیک عورتوں کی دو خوبیاں بیان کی ہیں اوّل یہ کہ وہ قانتات ہوں یعنی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے والی ہوں، دوسرے یہ کہ وہ خاوند کے حقوق کی پیٹھ پیچھے حفاظت کرنے والی ہوں۔ خاوند کے حقوق کا بلحاظ ان کی عظمت کے ذکر کیا گویا خدا کی فرمانبرداری کے بعد ان پر خاوند کے حقوق کی حفاظت کی ذمہ واری ہے اور للغیب یا پیٹھ کے پیچھے کی شرط اس لیے لگائی کہ جو عورت پیٹھ پیچھے حقوق خاوند کی نگہداشت کرتی ہے وہ اس کے سامنے تو ضرور ہی کرے گی۔ ان میں سب سے بڑی بات خاوند کا حقِ زوجیت ہے گویا عورت کی عفت کو اس کا سب سے بڑا جوہر قرار دیا ہے مگر خاوند کے اور بھی حقوق عورت پر ہیں۔ مثلاً اس کی پردہ کی باتوں کو ظاہر نہ کرے۔ اس کے مال کی حفاظت کرے اس میں کسی قسم کا ناجائز تصرف نہ کرے۔ اس میں فضول خرچی نہ کرے۔ ضرورت اور ذرائع آمد سے زیادہ خرچ نہ کرے۔ ایک حدیث میں ہے اذا غبت عنہا حفظتک فی مالک و نفسہا جب تم اس سے غائب ہو تو تمھارے مال میں اور اپنے نفس میں تمھاری حفاظت کرے۔

عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾
بہت بڑا ہے [1]

وَ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

اور اگر تم کو دونوں رمیاں بیوی) میں باہم دشمنی کا ڈر ہو تو ایک فیصلہ کرنیوالا اس (مرد) کے لوگوں میں سے اور ایک فیصلہ کرنیوالا اس (عورت) کے لوگوں میں سے مقرر کرو اگر وہ دونوں اصلاح چاہیں گے اللہ ان میں موافقت کر دے گا بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے [2]

وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ ﴿۳۶﴾

اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو اور قریبیوں کے ساتھ بھی اور یتیموں اور مسکینوں اور قریبی پڑوسی اور دور کے پڑوسی اور پاس والے ساتھی اور مسافر اور ان کے ساتھ بھی جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے اللہ اسے پسند نہیں کرتا جو تکبر کرنے والا فخر کرنے والا ہے۔

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ
جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں،

نمبر ۱۔ صالحات کے ذکر کے بعد جو اپنے خاوند کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔ اب اُن عورتوں کا ذکر آتا ہے جو حقوقِ خاوند کی حفاظت نہیں کرتیں جسے یہاں لفظ نشوز سے تعبیر کیا ہے۔ اور نشوز کے معنے ہیں بیوی کا خاوند کے خلاف اُٹھ کھڑا ہونا، جس میں نہ صرف خاوند کی اطاعت سے باہر ہو جانا ہے بلکہ عفت کے خلاف امور کا سرزد ہونا بھی آجاتا ہے۔ ایسی عورتوں کے لیے تین علاج بتائے ہیں۔ اوّل اُن کو نصیحت کرنا، جن کو نصیحت سے فائدہ نہ ہو ان کے لیے دوسرا علاج یہ تجویز کیا ہے کہ خوابگاہوں میں ان سے علٰحدگی اختیار کی جائے یعنی محبت کا میل جول ترک کر دیا جائے، جن کو اس سے بھی فائدہ نہ ہو انھیں مارنے کی ہدایت کی ہے۔ لیکن یہ صرف ان عورتوں سے مخصوص معلوم ہوتا ہے جو حقوقِ خاوند کی حفاظت نہیں کرتیں۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع میں فرمایا واتقوا اللہ فی النساء فانھن عندکم عوان ولکم علیھن ان لا یوطئن فرشکم احدا تکرھونہ فان فعلن فاضربوھن ضربا غیر مبرح یعنی عورتوں کے بارہ میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرو کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں اور تمہارا اُن پر یہ حق ہے کہ تمہارے گھر میں کسی دوسرے کو نہ آنے دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو ان کو مارو مگر صرف ایسا جس کا اثر نہ ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مارنے کی اجازت سخت جرم پر ہے نبی کریم صلعم کا اپنا پاک نمونہ یہی ہے کہ آپ نے اپنی ساری عمر میں کبھی کسی بیوی کو مارا نہیں اور جب بعض بیبیوں نے آپ کے پاس خاوندوں کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا ایسے لوگ اچھے نہیں ہیں اولٰئک بخیارکم۔

نمبر ۲۔ یہ وہ صورت ہے جب دونوں یعنی میاں بیوی میں فساد اور عداوت کی صورت ہو۔ شقاق بینھما سے اس کو اس لیے تعبیر کیا کہ خاص طور پر ایک کی طرف فساد منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ پس یہ دیکھنے کو کہ ذمہ داری کس پر عاید ہوتی ہے اور کس طرح پر موافقت میاں بیوی میں ہو سکتی ہے دو حَکَم یا سرپنچ مقرر کرنے کا حکم ہے۔ ایک خاوند کے اہل میں سے، ایک بیوی کے اہل میں سے۔ کیونکہ ایسے حکم بہ نسبت اجنبیوں کے اصل حالات سے اور دونوں کے مزاج سے زیادہ واقف ہوں گے۔ فابعثوا میں حکم حکام کو ہے یعنی جو صاحب اختیار حاکم ہوں۔ اگر ایسے حاکم میسر نہ آئیں تو مسلمانوں کی جماعت ہی کا یہ کام ہے۔ آج کسی جگہ مسلمانوں کا اس ہدایت پر عمل نظر نہیں آتا ذرا غصہ آیا اور فوراً طلاق دے دی۔

بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۳۷

اور اسے چھپاتے ہیں جو اللہ نے انھیں اپنے فضل سے دیا ہے اور ہم نے کافروں کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ۳۸

اور جو اپنے مالوں کو لوگوں کے دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور نہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور نہ پیچھے آنے والے دن پر اور جس کا ساتھی شیطان ہو تو وہ بہت ہی بُرا ساتھی ہے۔

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ۳۹

اور ان پر کیا (وبال) آجاتا اگر یہ اللہ اور پیچھے آنے والے دن پر ایمان لاتے اور اس میں سے خرچ کرتے جو اللہ نے ان کو دیا تھا اور اللہ ان کو خوب جانتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۴۰

اللہ ایک ذرہ کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر وہ نیکی ہو (تو) وہ اس کو کئی گنا بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے بڑا اجر دیتا ہے۔

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ۴۱

پھر کیا حال ہوگا جب ہم ہر ایک امت سے گواہ لائیں گے اور تجھ کو ہم ان پر گواہ لائیں گے [1]

نمبر۱- یہاں بتایا کہ مسلمانوں کے مصائب رسول کی تعلیم سے انحراف کا نتیجہ ہیں۔ اس لیے رسول کی شہادت کا ذکر کیا اور بتایا کہ جس طرح دوسری امتوں کے رسول اُن امتوں پر گواہ ہوں گے اسی طرح محمد رسول اللہ صلعم امت محمدیہ پر گواہ ہوں گے ھٰؤلاء میں اشارہ بعض مفسرین نے انبیاء سابقین یا من کل امۃ بشہید کی طرف لیا ہے۔ مگر یہ درست نہیں۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ ھٰؤلاء سے مراد امت محمدیہ ہے اور یہ اسی کے مطابق ہے جو دوسری جگہ فرمایا ہے لتکونوا شہدآء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا (البقرۃ - ۱۴۳) اور صحیح بخاری میں یہ حدیث ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ تو ابن مسعود نے کہا یا رسول اللہ میں آپ کو پڑھ کر سناؤں اور آپ پر تو نازل ہی ہوا ہے فرمایا ہاں مجھے پسند آتا ہے کہ میں دوسرے سے سنوں۔ تو حضرت ابن مسعودؓ نے سورۃ النساء پڑھنی شروع کی۔ یہاں تک کہ آپ اس آیت پر آئے فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علی ھؤلاء شہیدا۔ تو آپ نے فرمایا بس کرو اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ابن ابی حاتم نے ایک دوسرے صحابی سے اس حدیث کو یوں بیان کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابن مسعودؓ اور اور صحابی تھے تو آپ اسی طرح قرآن کریم سن رہے تھے۔ جب پڑھنے والا اس آیت پر پہنچا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رو پڑے اور فرمایا یا رب ھذا شھدت علی من انا بین اظھرھم فکیف بمن لم ارہ۔ اے رب ان پر تو میں گواہ دوں گا یعنی یہ کہ انھوں نے میری فرمانبرداری کی جو میرے سامنے ہیں۔ لیکن ان کی گواہی کس طرح دوں گا جن کو میں نے نہیں دیکھا اس سے صاف معلوم ہوا کہ یہاں ھؤلاء سے مراد آپ کے پیرو ہی ہیں۔ اسی کی تائید میں ابن جریر نے ایک حدیث بیان کی ہے جس کے راوی ابن مسعودؓ ہی ہیں اس موقعہ پر پہنچ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم (۵:۱۱۷) یعنی میں ان پر گواہ ہوں جب تک میں ان میں ہوں پھر جب تو مجھ کو وفات دے تو تو ہی ان پر نگران ہے۔ اور اس کی تائید بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے جو آیت قرآنی فلما توفیتنی کے نیچے

يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ
لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ
ع اللّٰهَ حَدِيْثًا ۝۴۲

اس دن وہ جنھوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی ، آرزو کریں گے کہ کاش زمین اُن پر برابر کردی جاتی اور اللہ سے کوئی بات نہیں چھپا سکیں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ
وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ
وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى
تَغْتَسِلُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى
سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ
اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً
فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ
وَاَيْدِيْكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ۝۴۳

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ، نماز کے نزدیک جاؤ جب تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو اور نہ جنابت کی حالت میں سوائے اس کے راستہ گزر رہے ہو، یہاں تک کہ غسل کرو اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے آئے۔ یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو پھر تم کو پانی نہ ملے ، تو پاک مٹی کا قصد کرو پھر اپنے مونہوں اور ہاتھوں پر مسح کرو بیشک اللہ معاف کرنے والا مغفرت کرنیوالا ہے ۱؎

انھوں نے بیان کی ہے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رونا اس لیے تھا کہ آپ کو امت کی پچھلی حالت کی خبر دی گئی تھی۔

نمبر۱۔ پچھلے رکوع میں مسلمانوں کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی طرف توجہ دلائی تھی۔ اس رکوع میں یہودیوں کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے اور بتایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے احکام سے انسان انحراف کرتا ہے تو اس کی نوبت کہاں تک پہنچتی ہے اور چونکہ پاکیزگی کی راہوں کو چھوڑ کر انسان بڑی بڑی بلاؤں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس لیے سب سے پہلے نماز کے ذکر سے اس مضمون کو شروع کیا۔ کیونکہ نماز تزکیہ نفس انسانی کے لیے سب سے بہتر علاج ہے مگر ایک مسلمان کی نماز کیسی ہو اس کے ساتھ سکر اور جنابت کی حالت جمع نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ وہ کسی دوسرے ذریعہ سے لذت حاصل کر چکا ہے۔ اس لیے وہ کمال لذت جو ذکر الٰہی میں حاصل ہوتی ہو اس کو ادنیٰ لذتِ نفسانی سے ممتاز کر دیا ہے۔ جنابت اور حالتِ سُکر کو اکٹھا بیان کرنے کی یہ بھی وجہ ہے کہ دونوں میں اعلیٰ درجہ کا جسمانی سرور انسان کو حاصل ہوتا ہے اور نماز کو دونوں حالتوں میں منع کر کے بتایا ہے کہ وہ روحانی سرور جو نماز سے حاصل ہوتا ہے اس کا کیا بلند مقام ہے کہ ان جسمانی سروروں کو اس کے مقابلہ میں کوئی وقعت حاصل نہیں۔ اسی مضمون کی طرف اس حدیث میں بھی اشارہ ہے۔ حبب الی من دنیاکم الطیب والنساء وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (بخاری) تمھاری دنیا سے میری طرف خوشبو اور عورت کو محبوب بنایا گیا ہے مگر میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور میری حقیقی راحت نماز میں ہے۔ یعنی گو ان چیزوں میں انسان کے لیے سرور اور لذت ہے مگر قرت عین یا حقیقی راحت صرف نماز میں یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق میں ہے۔ وانتم سکارٰی کی تفسیر میں عموماً مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہاں سُکر سے مراد شراب کا نشہ ہے تو اصل غرض یہاں سُکر سے روکنے کی ہے۔ کیونکہ پانچ اوقات نماز کی تقسیم دن رات میں اس طرح ہے، کہ جو شخص حالتِ سکر میں ہوگا وہ کسی نہ کسی نماز میں شامل ہونے سے رہ جائے گا اور اصل مقصود یہ نہیں کہ جب نشہ ہو جائے تو نماز مت پڑھو۔ بلکہ اصل مقصود یہ ہے کہ نماز تو تم نے پڑھنی ہے مگر حالتِ نشہ میں نماز بے معنی ہے اس لیے نشہ کی حالت سے بچو۔ الفاظ حتّٰی تعلموا ما تقولون سے اس حکم کی علت غائی معلوم ہوتی ہے کہ نماز ایک بے معنی حرکت نہیں ، نہ صرف کھڑے ہونے رکوع کرنے اور سجدہ کرنے کا نام نماز ہے حالانکہ یہ نماز کے ارکان ہیں۔ نہ صرف چند الفاظ منہ سے کہنے کا نام نماز ہے حالانکہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی بلکہ اصل نماز یہ ہے کہ انسان کا دل کسی خاص طرف لگا ہو اور اس کو یہ علم ہو کہ میرے اس فعل کا اور میرے ان الفاظ کا یہ منشاء ہے۔ دوسرے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کو نماز کے بالخصوص اور قرآن کریم کے عموماً معنی اور مفہوم

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ
يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ
تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿٤٤﴾

کیا تونے ان لوگوں (کے حال) پر غور نہیں کیا جن کو کتاب کا ایک حصہ دیا گیا وہ گمراہی کو خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم راستہ سے بھٹک جاؤ۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ
وَلِيًّا ۙ وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿٤٥﴾

اور اللہ تمھارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور اللہ ہی کافی دوست ہے اور اللہ ہی کافی مددگار ہے۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ
مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا
وَ اسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ
وَ طَعْنًا فِى الدِّيْنِ ؕ وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا
وَ اَطَعْنَا وَ اسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ
وَ اَقْوَمَ ۙ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ
فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٤٦﴾

ان لوگوں میں سے جو یہودی ہوئے بعض باتوں کی ان کے موقعوں سے تحریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سُن لیا اور ہم نہیں مانتے اور سُن تو نہ سنوایا جائے اور راعنا اپنی زبانیں مروڑتے ہوئے اور دین پر طعن کرتے ہوئے اور اگر وہ (یوں) کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم فرمانبرداری کرتے ہیں اور سنیئے اور اُنظرنا تو ان کے لیے بہت اچھا اور درست ہوتا لیکن اللہ نے اُن پر اُن کے کفر کی وجہ سے لعنت کی سو وہ بہت کم ایمان لاتے ہیں ۱؎

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا
مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ
وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ
كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَ كَانَ
اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿٤٧﴾

اے لوگو! جن کو کتاب دی گئی ہے اس پر ایمان لاؤ، جو ہم نے اتارا ہے اس کی تصدیق کرتا ہُوا جو تمھارے پاس ہے قبل اس کے کہ ہم مونہوں کو مٹا دیں اور انھیں ان کی پیٹھ پر لوٹا دیں یا اُن پر لعنت کریں جس طرح کہ ہم نے سبت والوں پر لعنت کی اور اللہ کا حکم تو ہو ہی چکا ہوا ہے ۲؎

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ

اللہ نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شریک بنایا جائے اور جو اس کے

معلوم ہونے چاہئیں پس مسلمانوں کے ہر بچہ کے لیے تعلیم لازمی ہے کیونکہ جس نے تعلیم حاصل نہیں کی وہ الفاظ کے معنی کس طرح جان سکتا ہے۔

نمبر۱۔ راعنا کے معنے ہیں ہماری رعایت کیجئے اور زبان مروڑ کر رعن ہو جاتا ہے جس کے معنے ہیں وہ احمق ہے۔ اور انظرنا کے معنے ہیں ہم پر نظر کر۔ اصل مفہوم دونوں لفظوں کا ایک ہے مگر راعنا کو بگاڑ لیتے تھے۔

نمبر۲۔ مونہوں کے مٹانے سے مراد ان کی عزت کا دور کرنا ہے کیونکہ منہ انسان میں اشرف چیز ہے اور ان کے پیٹھ پر لوٹانے سے مراد عزت و اقبال کی جگہ ذلت و ادبار کا وارد کرنا ہے اور لعنت سے مراد ان کا دربدر کرنا ہے۔

مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ

علاوہ ہے وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جو شخص اللہ کے

بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

ساتھ شریک کرتا ہے وہ ایک بھاری گناہ افترا کرتا ہے [1]

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ

کیا تو نے ان لوگوں (کے حال) پر غور نہیں کیا جو اپنے آپ کو پاکیزہ ظاہر

اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾

کرتے ہیں بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے پاک کرتا ہے اور ان پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کیا جائیگا [2]

اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ

دیکھ کس طرح اللہ پر جھوٹ بناتے ہیں اور یہی کھلا گناہ

وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾

کافی ہے [3]

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ

کیا تو نے اُن لوگوں (کے حال) پر غور نہیں کیا جن کو کتاب

يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ

کا ایک حصہ دیا گیا وہ سحر اور کاہنوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان کے

لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ

بارے میں جو کافر ہوئے کہتے ہیں یہ ان کی نسبت جو ایمان

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾

لائے زیادہ سیدھی راہ پر ہیں [4]

نمبر ۱۔ یہود کے ذکر میں شرک کا ذکر اس مناسبت سے ہے کہ یہودی بھی شرک میں مبتلا ہو گئے تھے یہاں تک کہ قریش سے ساز باز کے لیے بتوں تک کو سجدہ کر دینے سے پرہیز نہ کیا جیسا آگے مفصل ذکر آتا ہے اور دوسرے اس لیے کہ اصلی غرض مسلمانوں کو پاکیزگی کی راہیں بتانا تھا تو ان کو بتایا ہے کہ جس طرح توحید سب نیکیوں کی جڑ ہے اسی طرح شرک سب بدیوں کی جڑ ہے اس سے سخت اجتناب کریں۔

شرک کو کیوں ایسا خطرناک جرم قرار دیا ہے۔ کیا خدا کی شان اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنے میں کچھ کم ہو جاتی ہے۔ اس لیے وہ ایسا ناراض ہو جاتا ہے کہ بخشتا ہی نہیں، اگر ساری دنیا بھی خدا کے ساتھ شریک بنائے تو اس سے اس کی شان میں کوئی کمی نہیں آتی اور اگر ساری دنیا موحد ہو جائے تو اس سے خدا کی شان بڑھ نہیں جاتی۔ بات یہ ہے کہ خدا کے ساتھ شریک ٹھہرا کر انسان اپنے آپ کو ذلیل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو احسن تقویم میں پیدا کیا۔ اس کو اعلیٰ سے اعلیٰ صفات دیں اس کو تبادیا کہ اس عالم کی ساری طاقتیں اور ساری چیزیں ہم نے تیرے لیے مسخر کر دی ہیں اس کو سب مخلوقات سے اشرف بنایا۔ پھر بایں اگر وہ بتوں کے آگے یا عناصر کے آگے یا سورج چاند کے آگے یا خود اپنے بھائی انسان کے آگے عبودیت کی ذلت اختیار کرتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اس اعلیٰ مرتبہ سے نیچے گرا دیتا ہے۔ پس خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا درحقیقت انسانیت کو ذلیل کرنا اور اس شرف کو چھوڑنا ہے جو خدا نے انسان کو دیا ہے اس لیے یہ سب سے خطرناک جرم ہے۔ دوسرے گناہوں کو اللہ تعالیٰ چاہے تو بلا توبہ ہی معاف کر دے مگر شرک کی سزا ضرور ملتی ہے سوائے اس کے کہ انسان توبہ کرے۔

نمبر ۲۔ شرک کے ذکر کے ساتھ ان لوگوں کا ذکر جو اپنے آپ کو دوسروں سے برتر اور پاک بتانے میں صاف بتاتا ہے کہ یہ ان علماء اور پیروں کی طرف اشارہ ہے جو اپنے آپ کو دوسروں سے برتر اور پاک بتاتے ہیں۔ یہودیوں کی حالت کا نقشہ کھینچ کر مسلمانوں کو پیر پرستی کے خطرناک مرض سے ڈرایا ہے۔

نمبر ۳۔ یعنی ان کا یہ دعویٰ کہ ہم پاک اور بے گناہ ہیں کافی بڑا گناہ ہے۔

نمبر ۴۔ معلوم ہوتا ہے کہ ایک مدت عرب میں رہ کر عربوں کی بت پرستی اور کہانت پر یہودیوں کا بھی اعتقاد ہو گیا تھا۔ وہ یہودی جو عرب میں توحید کا پیغام لیکر آئے تھے۔ بجائے اس کے کہ بت پرستوں کو توحید کی طرف لاتے خود بت پرستی اور کہانت پر گر گئے اور بت پرست کفار کو مسلمانوں پر ترجیح دینے لگے۔ اس کی مثال مسلمانوں میں بھی ملتی ہے جب تک وہ دوسروں کو توحید کا پیغام پہنچانے پر زور لگاتے تھے ان کے خیالات ہندوؤں میں اثر کرتے

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿٥٢﴾

یہی وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی اور جس پر اللہ لعنت کرے تو تُو اس کے لیے کوئی مددگار نہ پائے گا۔

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿٥٣﴾

کیا اُن کے لیے بادشاہت سے کچھ حصّہ ہے تو پھر وہ لوگوں کو تل برابر بھی نہ دیں گے۔[1]

اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿٥٤﴾

بلکہ وہ لوگوں سے اس پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے اُن کو اپنے فضل سے دیا ہے سو ہم نے آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت دی اور ان کو بڑی بادشاہت دی ہے۔[2]

فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿٥٥﴾

پس بعض اُن میں سے وہ ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو اس سے رُکتے ہیں اور دوزخ جلانے کو کافی ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۗ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿٥٦﴾

جو لوگ ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں ہم ان کو عنقریب آگ میں داخل کریں گے، جب اُن کی کھالیں پک جائیں گی ہم اُن کی جگہ ان کو اور کھالیں دے دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھیں، بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔[3]

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۗ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ

اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے ان کو باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ اُنہی میں رہیں گے، ان کے لیے اُن میں پاک ساتھی ہوں گے اور ہم

چلے گئے۔ مگر جب انھوں نے اس کو ترک کر دیا تو ہندوؤں کے بہت سے خیالات ان میں مروج ہو گئے حتیٰ کہ بعض صوفیوں کے گروہ ایسے ہیں کہ انھوں نے ہندوؤں کی دعاؤں اور وظیفوں کو لے لیا ہے اور ہندوؤں کے رسم و رواج تو بہت سے مسلمانوں میں آ گئے ہیں۔

نمبر۱- اس سے معلوم ہوا کہ بادشاہت کے لیے بھی ایک وسیع دل چاہیئے، بخل اور بادشاہت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ نبوت کیلئے اس سے بھی وسیع دل چاہیئے۔

نمبر۲- آل ابراہیم سے مراد یہاں آنحضرتؐ اور آپ کے پیرو ہیں۔ ملک عظیم میں اسلام کی آئندہ بادشاہت کا وعدہ تھا جو تھوڑے ہی سالوں میں دنیا کے کثیر حصّہ میں پھیل گئی۔ اس وعدہ میں اہل کتاب کو یہ بھی بتانا مقصود تھا کہ تم جس قدر چاہو ان کی مخالفت کر لو۔ ان کو اللہ تعالیٰ اب عظیم الشان بادشاہت دنیا میں دینے والا ہے۔

نمبر۳- چمڑوں کے بدلنے میں یہ اشارہ ہے کہ وہ لگاتار عذاب محسوس کرتے رہیں گے ایسا نہ ہوگا جیسے یہاں ہوتا ہے کہ ایک جگہ پک جاتی ہے تو وہ دکھ محسوس نہیں کرتی۔

وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿٥٧﴾	انھیں گھنے سایوں میں داخل کریں گے[1]
اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى	اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانتیں اُن کے اہل کو ادا کرو،
اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ	اور جب لوگوں میں فیصلہ کیا کرو، تو انصاف سے فیصلہ
تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ	کیا کرو۔ بیشک یہ بہت ہی عمدہ بات ہے جس کی تمھیں اللہ
بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿٥٨﴾	نصیحت کرتا ہے اللہ سُننے والا دیکھنے والا ہے[2]
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا	اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور
الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ	رسول کی اور اپنے میں سے صاحبان امر کی اطاعت کرو[3] پھر اگر

نمبر۱۔ ظل کے مشہور معنے سایہ ہیں مگر اس سے مراد حفاظت آسایش عزت لی جاتی ہے اور یہاں یہی مراد ہے۔

نمبر۲۔ امانت کے اصل معنی اطاعت اور عبادت اور ودیعت وغیرہ ہی ہیں پس جو حکم ادائے امانت کا یہاں ہے اس میں اگر امانت مال داخل ہے تو اصلی امانت یعنی اللہ کی اطاعت اور اللہ کی دی ہوئی قوت کو ٹھیک طور پر لگانا بھی شامل ہے۔ اور الی اھلھا کا لفظ اس لیے بڑھایا کہ انسان کی نیکی کا اصل معیار دوسرے انسانوں سے تعلقات میں پورا اترنا ہے جو شخص اس معیار پر پورا نہیں اُترتا اس کی نیکی برائے نام نیکی ہے۔ پس ہر انسان کو اس کا حق دینا اور ذمہ داری کو اس کے بارہ میں پورا کرنا فی الحقیقت ادائے امانت الی اھلھا ہے اور یہاں مراد یہ ہے کہ اپنے اوپر حاکم بناؤ تو ان لوگوں کو جو اس کے اہل ہیں اس لیے اگلے الفاظ میں ان حکام کو مخاطب کرکے فرمایا کہ تم بھی فیصلہ انصاف سے کرو۔

نمبر۳۔ حقیقی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی ہے ان دو کے حکم کی فرمانبرداری بلا قید ہے۔ لیکن اولو الامر کی فرمانبرداری کا اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کی طرح مطلق اور بلا قید حکم نہیں بلکہ یہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف نہ ہو گویا اللہ اور رسول کا حکم ایک ذیل میں ہے۔ اولو الامر کا حکم دوسری ذیل میں۔ اللہ اور رسول حکم دینے میں غلطی نہیں کر سکتے نہ رسول کا حکم اللہ کے حکم کے خلاف ہو سکتا ہے لیکن اولو الامر حکم دینے میں غلطی کر سکتے ہیں اولو الامر کے احکام کی پابندی کی اصل بنیاد اتحاد جماعت ہے کیونکہ جب تک سب اپنے آپ کو ایک حکم کے ماتحت نہیں کرتے اس وقت تک اتحاد قائم نہیں رہ سکتا اس لیے اگر امیر کوئی ایسا حکم دے جس کو ایک شخص ناپسند کرتا ہے تو بھی اسے ماننا چاہیئے بشرطیکہ اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف نہ ہو۔ اگر خلاف ہو تو اس صورت میں امیر کے حکم کی اطاعت نہ کی جائے اولی الامر منکم میں آئمہ دین، بادشاہ، حکام سب شامل ہیں۔ مگر چونکہ خطاب الذین امنوا کو ہے اس لیے یہاں مراد مسلمان حکام ہی ہیں۔ ہاں یہ سوال علیحدہ ہے کہ آیا اگر کسی جگہ مسلمان غیر مسلم بادشاہ کے ماتحت ہوں تو اس کے احکام کی اطاعت کریں یا نہ بشرطیکہ وہ احکام خلاف قرآن و حدیث نہ ہوں اس کے لیے نبی کریم صلعم کا اور ان صحابہ کا جو حبش میں گئے نمونہ کافی ہے۔ قرآن کریم سے اجتہاد کے رنگ میں اسی آیت سے ان کا حکم بھی مستنبط ہو سکتا ہے۔ یہ امر بھی یہاں یاد رکھنا ضروری ہے کہ کسی تنازعہ میں اصلی اور فیصلہ کن قول یا اللہ تعالیٰ کا کلام ہو سکتا ہے یا نبی کریم صلعم کی حدیث۔ پس جہاں کہیں مسلمانوں میں کوئی تنازعہ ہو اس پر فیصلہ کرنے کے لیے مقدم قرآن شریف اور بعدہٗ حدیث ہے اور قرآن شریف کا تقدم اس سے بھی ظاہر ہے کہ دوسری جگہ بصورت تنازعہ فحکمہ الی اللہ ہی فرمایا۔ یعنی اس کا حکم اللہ کے اختیار میں ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جس طرح پر قرآن محفوظ ہے اس طرح پر حدیث محفوظ نہیں بلکہ حدیث کے الفاظ میں کمی بیشی کا ہو جانا اور بسا اوقات روایت کا بالمعنی ہونا ایک امر مسلم ہے اور آئمہ مجتہدین کے اقوال ایسے ہیں کہ ان کے ساتھ انسان اختلاف کر سکتا ہے اور وہ غلط بھی ہو سکتے ہیں۔

اجتہاد کا دروازہ بے شک اس امت میں کھلا ہے۔ مگر اجتہاد کو اس کے اصل منصب سے بڑھ کر مرتبہ دے دیا گیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ازحد تقلید کی حکومت مسلمانوں کے دلوں پر ہو گئی ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر ایک اجتہاد قرآن و حدیث پر پرکھا جائے گا۔ امام معصوم کا وجود جو اہل تشیع نے مانا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ائمہ کو رسول چھوڑ کر خدائی کے مرتبہ پر پہنچا دیا گیا بروئے آیت کوئی امام رسول کی طرح معصوم نہیں دوسرے یہ آیت بتاتی ہے کہ آنحضرت

تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ
اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ
ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۵۹ ع

کسی چیز میں باہم جھگڑا کرو، تو اسے اللہ اور رسول کی طرف
لے جاؤ اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہو
یہ بہتر اور انجام کار اچھا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ
اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ
اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا
اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ
يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۶۰

کیا تو نے ان (کی حالت) پر غور نہیں کیا جو دعوے کرتے ہیں کہ
وہ اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا
گیا وہ چاہتے ہیں کہ شیطان سے فیصلہ کرائیں حالانکہ ان کو حکم
دیا گیا تھا کہ اس کا انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو
گمراہی میں دور بھکالے جائے ۱؎

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ
عَنْكَ صُدُوْدًا ۶۱ ع

اور جب ان کو کہا جاتا ہے کہ اس کی طرف آؤ جو اللہ نے اتارا
اور رسول کی طرف، تو تو منافقوں کو دیکھے گا کہ وہ تجھ سے
ہٹتے ہوئے رُکتے ہیں۔

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ
اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖۗ بِاللّٰهِ
اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ۶۲

تو پھر کیا حال ہوگا جب ان کو اس کی وجہ سے مصیبت پہنچے
گی جو اُن کے اپنے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے پھر تیرے پاس اللہ کی قسمیں کھاتے ہوئے
آئیں گے کہ ہمارا تو سوائے بھلائی اور اتفاق کے اور کچھ منشا نہ تھا ۲؎

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ق
فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ

یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔ پس ان
سے مُنہ پھیرلے اور اُن کو نصیحت کر اور ان سے ان کے حق

کے بعد اس امت میں کوئی نبی نہیں ہو سکتا کیونکہ آیت نے اللہ اور رسول کے بعد صرف اولوالامر کو رکھا ہے اور ان سے اختلاف جائز رکھا ہے۔ اگر نبی کا آنا جائز ہوتا تو اس کی اطاعت کا ذکر بھی ہوتا اور درحقیقت امت کا اتحاد بغیر اس کے قائم نہ ہو سکتا تھا، کیونکہ یہی ایک صورت ہے جس میں ساری امت کا مرجع صرف حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی ذات رہ سکتی ہے۔

نمبر ۱۔ یہ منافقوں کا ذکر ہے جو رسول اللہ کے احکام کی اطاعت نہ کرتے تھے اور کفار سے ساز باز رکھتے تھے۔

نمبر ۲۔ یہاں بتایا کہ یہ منافق عنقریب قسمیں کھائیں گے کہ ہم جو دوسرے لوگوں سے تعلقات رکھتے تھے تو اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ہم تم کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتے تھے بلکہ یہ کہ اُن لوگوں کے ساتھ ہم نیکی کریں اور فریقین میں موافقت پیدا ہو اُن کی ان قسموں کے جھوٹا ہونے کا قرآن شریف میں بارہا ذکر ہے۔ ویحلفون علی الکذب (المجادلۃ ۵۸-۱۴) اتخذوا ایمانہم جنۃ (المنافقون ۶۳-۲) وغیرہ اور یہاں بھی اگلی آیت میں یہ بتایا ہے دوسری جگہ ان کا قول منقول ہے انما نحن مصلحون (البقرۃ ۲-۱۱) ہم دونوں فریق میں میل ملاپ کرانا چاہتے ہیں۔

اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾
وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ
اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاۗءُوْكَ
فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ
لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾
فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ
فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ
حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾
وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ
اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ
مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ

میں اثر کرنے والی بات کہہ۔
اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے اذن سے
اس کی اطاعت کی جائے[1] اور اگر وہ اس وقت جب اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا
تیرے پاس آتے پھر اللہ کی بخشش مانگتے اور رسول ان کے لیے استغفار
کرتا تو یقیناً وہ اللہ کو توبہ قبول کرنیوالا رحم کرنے والا پاتے۔
سو نہیں تیرے رب کی قسم وہ ایمان ہی نہیں لاتے جب تک کہ وہ تجھے اس
میں حکم (نہ) بنائیں جو ان میں آپس میں اختلاف ہو پھر اپنے دلوں میں اس سے کوئی تنگی
نہ پائیں جو تو فیصلہ کرے اور پوری پوری فرمانبرداری کریں[2]
اور اگر ہم ان پر یہ لازم کر دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کر دو یا اپنے گھروں
سے نکل جاؤ، تو ان میں سے سوائے تھوڑے لوگوں کے یہ نہ کرتے
اور اگر وہ کریں جو ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو یقیناً ان کے لیے

نمبر۱۔ امام رازی لکھتے ہیں یہ آیت دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ کوئی رسول نہیں ہو سکتا مگر یہ ضروری ہے کہ اس کے ساتھ ایک شریعت ہو اور وہ اس شریعت میں مطاع ہو اور اس کے بارہ میں اسی کی پیروی کی جائے۔ کیونکہ اگر وہ صرف اپنے سے کسی پہلے رسول کی شریعت کی طرف ہی بلاتا ہے تو فی الحقیقت وہ مطاع نہ ہوا بلکہ مطاع وہ پہلا رسول ہوا جس کی وہ شریعت ہے اور اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ ہر ایک رسول کے لیے لازمی ہے کہ وہ مطاع بھی ہو اس لیے چونکہ قرآن نے یہ فیصلہ کر دیا کہ اس امت کے اندر ہمیشہ کے لیے حقیقی مطاع ایک محمد رسول اللہ صلعم ہونگے جیسا کہ فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ و الرسول (۵۹) سے ظاہر ہے۔ اس لیے آپ کے بعد اس امت کے اندر کوئی رسول نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر کوئی رسول ہوگا، تو وہ خود مطاع ہوگا اور اس لیے محمد رسول اللہ صلعم تو مطاع نہ رہیں گے۔ اب تا قیامت کوئی رسول قطعاً نہیں آسکتا نہ کوئی پرانا رسول آسکتا ہے اور نہ نیا۔

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے بعض انبیاء بھی تو حضرت موسیٰ کی شریعت کے پیرو تھے۔ لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ گو ان کو نئی شرائع نہ دی گئی ہوں۔ مگر وہ سابق شریعت میں کمی بیشی تغیر تبدل اپنے زمانے کی ضرورت کے مطابق کر سکتے تھے اس لیے جس بات کو وہ درست کہ دیں وہ درست اور جس کو وہ غلط کہ دیں وہ غلط ماننی ضروری تھی۔ اس لیے بہرحال مطاع وہ خود ہی تھے۔ گو وحی الٰہی نے ان کو یہی ہدایت کی ہو کہ وہ موسوی شریعت کی پیروی کریں۔ لیکن اس امت کے اندر ایسا کوئی انسان نہیں ہو سکتا جو ایک شوشہ بھی شریعت کا کم و بیش کر سکے۔ اس لیے اس امت میں تا قیامت ایک ہی مطاع ہوگا اور وہ محمد رسول اللہ صلعم ہیں۔

نمبر۲۔ ظاہر ہے کہ یہاں اطاعت سے مراد امور دینی میں اطاعت ہے یعنی ان راہوں پر چلنا جو اللہ اور رسول نے بتائی ہیں اور خود اس آیت کے الفاظ بھی یہی بتاتے ہیں کیونکہ یہاں فرمایا جو کوئی اختلاف باہم مسلمانوں میں ہو اس میں حکم رسول اللہ صلعم کو بنایا جائے تب ایک شخص حقیقت ایمان پر قائم ہوتا ہے اور جو شخص کچھ تو نبی کریم صلعم کی پیروی کرتا ہے اور کچھ اپنی خواہشات کی وہ حقیقت ایمان پر قائم نہیں، اور پھر نبی کریم صلعم کے فیصلے پر شرح صدر سے راضی ہو یہاں تک کہ اس فیصلے کو قبول کرنے میں کسی قسم کی تنگی بھی سینہ میں نہ آنے پائے اور پوری تسلیم کے ساتھ فرمانبرداری کرے۔

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾
بہتر اور ثابت قدم رکھنے میں زیادہ مضبوط ہوتا[1]

وَّ اِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾
اور یقیناً تب ہم ان کو اپنی جناب سے بڑا اجر دیتے۔

وَّ لَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾
اور یقیناً ان کو سیدھے رستہ پر چلاتے۔

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾
اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہے تو یہ اُن کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ نے انعام کیا (یعنی) نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالح لوگوں (کے ساتھ)، اور یہ اچھے ساتھی ہیں۔

ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾
یہ فضل اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کافی جاننے والا ہے[2]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿٧١﴾
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے بچاؤ (کا سامان) لے لیا کرو، پھر گروہ گروہ ہو کر نکلو یا اکٹھے نکلو۔

وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿٧٢﴾
اور تم میں سے وہ بھی ہے جو ضرور پیچھے رہ جاتا ہے پھر اگر تم کو مصیبت پہنچے، کہتا ہے اللہ نے مجھ پر انعام کیا، کہ میں اُن کے ساتھ موجود نہ تھا۔

وَ لَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ
اور اگر تم کو اللہ کی طرف سے فضل پہنچے تو بول اٹھتا

نمبر[1]۔ اُقتلوا انفسکم سے مراد ایسا امر ہے جو اخرجوا من دیارکم کی طرح ممکن ہے یعنی دین کے لیے اس قدر قربانی کرنا کہ گویا انسان اپنے آپ کو اس راہ میں قتل کر دے کیونکہ اشرف علی القتل یا اپنے آپ کو قتل ہونے کے لیے پیش کر دینا یا اپنی جانوں کی پروا نہ کرنا گویا اپنے آپ کو قتل ہی کر دینا ہے۔

نمبر[2]۔ اس سارے رکوع میں رسول اللہ صلعم کی اطاعت پر ہی زور دیا ہے اطاعت نہ کرنے والوں کو منافق قرار دیا ہے اور اب اطاعت کرنے والوں کے اجر پر اس کا خاتمہ کیا ہے۔ فرمایا کہ جو لوگ رسول اللہ صلعم کی اطاعت کرتے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جو بڑے بڑے انعامات کے وارث ہوئے ہیں اور وہ بڑے انعام پانے والے کون لوگ ہیں جو نبوت کے منصب پر کھڑے کیے گئے اور صدیق یعنی جو کمال ایمانی کو حاصل کر لیتے ہیں اور شہید یعنی جو کمال علمی کو حاصل کر لیتے ہیں اور صالح جو کمال عملی کو حاصل کر لیتے ہیں تو گویا یوں فرمایا کہ اطاعت رسول سے انسان کو کامل انسانوں کی رفاقت حاصل ہو جاتی ہے گو وہ خود اس کمال کو پہنچے یا نہ پہنچے اور اس میں کیا شک ہے کہ کمال ایمانی اور کمال علمی اور کمال عملی کو حاصل کرنے والے تھوڑے لوگ ہوتے ہیں اور اکثر لوگ بوجہ طرح طرح کے اشغال اور کدورتوں کے یا دیگر حالات کے کمال کو نہیں پا سکتے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ایسے لوگوں کو بھی جنھوں نے حتی الوسع نبی کریم صلعم کی اطاعت کی کوشش کی ہے گو انھوں نے ان کمالات کو حاصل نہ کیا ہو، ان کمالات والوں کی رفاقت عطا فرمائی۔ چنانچہ قرآن مجید کے اپنے الفاظ اس پر شاہد ہیں۔ اوّل بیعت کا ذکر کیا پھر حسن اولٰئک رفیقا (النساء-۶۹) کہہ کر بتایا کہ ان کی رفاقت ان کو ملے گی اور آخر آیت میں فرمایا ذلک الفضل من اللہ۔ یہ اللہ کی طرف سے فضل ہے کہ صرف اطاعت پر ہی اتنا بڑا اجر عطا فرمایا اور پچھلی آیت کا مضمون بھی یہی چاہتا ہے۔

كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿٧٣﴾

ہے گویا کہ تم میں اور اس میں کوئی دوستی نہ تھی، اے کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی کامیابی حاصل کرتا۔

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٧٤﴾

سو چاہیئے وہ لوگ اللہ کے رستہ میں جنگ کریں جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو بیچتے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں جنگ کرے، پھر قتل کیا جائے یا غالب آ جائے تو ہم اس کو جلد بڑا اجر دیں گے[1]

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿٧٥﴾

اور تمھیں کیا (عذر) ہے کہ تم اللہ کے رستے میں جنگ نہ کرو اور کمزور مردوں اور عورتوں اور بچوں کے لیے جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم کو اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی ولی بنا اور اپنی جناب سے ہمارا کوئی مددگار بنا[2]

احادیث سے بھی اسی مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ ترمذی نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشہداء (تاجر صادق امین نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ نبی بن جاتا ہے اور ایک حدیث میں ہے المرء مع من احبّ آدمی اُن کے ساتھ ہوگا جن سے وہ محبت کرتا ہے۔ ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے لوگ منعم علیہم میں داخل ہو کر نبی، صدیق، شہید اور صالح بن جاتے ہیں یا نہیں؛ صالح کے مرتبہ پر ایک مومن کا پہنچ جانا اس سے تو قرآن شریف بھرا پڑا ہے شہید اور صدیق کے مرتبہ پر پہنچنے پر بھی بہتیری آیات شاہد ہیں۔ جیسے فرمایا لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا (البقرۃ - ۱۴۳) والذین اٰمنوا باللہ ورسلہ اولئک ھم الصدیقون والشہداء عند ربھم (الحدید - ۱۹) لیکن بذریعہ ایمان بذریعہ اطاعت بذریعہ اعمال صالحہ کسی کا نبوت کے مرتبہ پر پہنچ جانا اس کا ذکر قرآن کریم میں کہیں نہیں ملیگا۔ بلکہ رسالت کے متعلق فرمایا اللہ اعلم حیث یجعل رسلتہ (الانعام - ۱۲۴) اللہ خود بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کہاں رکھے یعنی نبوت اکتساب سے نہیں ملتی کہ جو شخص کوشش کرے تو ترقی کرتا کرتا نبی بن جائے بلکہ اکتساب کا کمال صدیقیت ہے۔

نمبر۱۔ چونکہ پچھلی دو آیتوں میں کچھ کم ہمتوں کا یا دوسرے لوگوں کا ذکر کیا تھا اس لیے اب یہاں ان کا ذکر کرتا ہے جو سب کچھ اللہ کی راہ میں دے چکے ہیں اور اپنا کچھ بھی باقی نہیں رکھا اور بتانا یہ مقصود ہے کہ ان کی دنیوی غرض کوئی باقی نہیں رہی حتیٰ کہ جنگ کرنے میں بھی ان کی کوئی دنیوی غرض باقی نہیں۔ نہ اپنی فتح کا نقارہ چاہتے ہیں نہ کسی مال غنیمت کے طالب ہیں۔ بلکہ پہلے وہ دنیا کے سارے سامان کو خدا کی راہ میں دے چکے ہیں۔ یہ کتنی کڑی شکل ہے خدا کی راہ میں جنگ کرنے کے لیے بلایا ہی اُسے جاتا ہے جو اپنا سب کچھ خدا کے لیے قربان کر چکا ہو۔ مال غنیمت کے خیال سے جنگ کرنا تو ایک طرف رہا جنگ جیسی خطرناک چیز کو کس قدر نفسانی خیالات سے پاک کیا ہے۔

نمبر۲۔ ھذہ القریۃ اشارہ مکہ کی طرف ہے جہاں اب تک مسلمانوں پر ظلم ہو رہے تھے جو وہاں سے بوجہ کمزوری کے ہجرت نہ کر سکتے تھے کیونکہ کفار مانع تھے۔ اس آیت میں بتایا ہے کہ جنگ کرنے کی بڑی بھاری ضرورت کیا ہے سو اوّل تو اس کو فی سبیل اللہ کہہ کر بتایا کہ جنگ کی ضرورت دینی ہی

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ
الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ
كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ ع
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ
وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا
كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ
يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ
خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا
الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ

جو ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں،
اور جو کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں جنگ کرتے ہیں
پس تم شیطان کے مددگاروں سے جنگ کرو شیطان کی
جنگ یقیناً کمزور ہے [1]۔
کیا تم نے ان کے حال پر غور نہیں کیا جن کو کہا گیا کہ اپنے ہاتھوں
کو روکے رکھو اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ پھر جب
ان پر جنگ ضروری ٹھیرائی گئی تو اُن میں سے ایک گروہ لوگوں
سے اس طرح ڈرنے لگا جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہیئے بلکہ اس
سے بھی بڑھکر۔ اور بولے اے ہمارے رب تو نے ہم پر جنگ کرنا
کیوں ضروری ٹھیرایا، کیوں تھوڑی مدت تک ہم کو ڈھیل دی [2]

کی حفاظت ہے کیونکہ مخالف اس کو تلوار سے نیست و نابود کرنا چاہتے تھے اور دوسری ضرورت یہ بتائی کہ کمزور مرد عورتیں بچے اہل مکہ سے دکھ اُٹھا رہے ہیں اور ان پر مظالم ہو رہے ہیں اور وہ اس قابل نہیں کہ ہجرت کر سکیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل مکہ کی طرف سے مسلمانوں پر کس قدر ظلم تھا کہ باوجودیکہ اُن کا بیشتر حصہ اب مدینہ میں جا چکا تھا مگر پھر بھی جو بعض کمزور لوگ یا عورتیں یا بچے رہ گئے تھے وہ بھی اُن کے ظلم کا تختۂ مشق ہو رہے تھے۔

نمبر ۱ - اس آیت میں یہ پیشگوئی صریح الفاظ میں ہے کہ کفار جنگ میں مغلوب ہو گئے کیونکہ آخر پر فرمایا کہ شیطان کی جنگ کمزور ہے حالانکہ اس وقت تو کفار کا سخت غلبہ تھا۔ بلکہ سارا ملک ہی مٹھی بھر مسلمانوں کے خلاف تلا ہوا تھا پس یہاں شیطان کی جنگ کو کمزور کہنے سے اس کے انجام کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ یعنی انجام کار کمزور ثابت ہوگی۔

نمبر ۲ - اس رکوع میں یہ ذکر ہے کہ منافق لڑائی میں نکلنے سے ڈرتے ہیں۔ ہاتھوں کو روکنے اور نماز کو قائم کرنے کا حکم تو عام ہے یعنی سب مسلمانوں کو مگر ڈر لے والا اور باتیں بنانے والا گروہ مسلمانوں کا نہیں بلکہ منافقوں کا ہے اور ان کو فریق منہم اس لیے کہا کہ بظاہر منافق مسلمانوں کے اندر ہی ملے ہوئے تھے لوگوں سے اس طرح ڈرنے والے جیسے خدا سے ڈرنا چاہیئے۔ متاع دنیا کی آرزو کرنے والے پھر آیت ۸۱ کے راتوں کو مشورہ کرنے والے مومن نہیں ہو سکتے اور یہ جو کہا گیا کہ ہاتھوں کو روک رکھو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلعم کو یہ حکم تھا کہ جب تک دشمن جنگ میں ابتدا نہ کرے اس وقت تک جنگ نہ کریں اس لیے جب تک دشمن نے پہل نہیں کی آپ کی یہی ہدایت تھی کہ جنگ نہ کی جائے اور اس کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ کا حکم ملانے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ جنگ اسلام کی اصل غرض نہیں، بلکہ ضرورت وقتی ہے۔ اصل غرض جس کے لیے نبی آتا ہے تکمیل نفس انسانی ہے اس لیے جن باتوں سے تکمیل نفس انسانی ہوتی ہے انھیں اختیار کیا جائے یعنی نماز کا قیام اور زکوٰۃ کی دائیگی جنگ سے رُکنے اور زکوٰۃ کا حکم دینے کا اکٹھا بیان کرکے یہ بتا دیا کہ انسان کے لیے دو جہاد ہیں ایک جہاد اصلاح نفس کے لیے دوسرا حفاظت دین کے لیے۔ ان میں جہاد اصلاح نفس مقدم ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کی اجازت اس وقت دی اور وہ بھی مشروط جب پہلے ان کو اصلاح نفس کے جہاد میں کامیاب ثابت کر دیا۔ نماز یا عبادت سے انسان کے اندر فروتنی اور نرمی کے اخلاق پیدا ہوتے ہیں۔ زکوٰۃ سے انسانی ہمدردی قوت پکڑتی ہے۔ جو قومیں اپنی تکمیل نفس کے بغیر جنگوں میں پڑ گئی ہیں ان میں صرف اخلاق خشونت ہی پرورش پاتے رہے اور نرمی اور فروتنی کے اخلاق بالکل دب گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ظلم خونخواری، محکوم کو ذلیل حالت میں رکھنا۔ انتقام کی سخت خواہش یہ باتیں ان کے اخلاق میں پیدا ہو گئیں۔ یہی نقشہ آج کل کی برائے نام مہذب اقوام میں بھی ہم کو نظر آتا ہے۔

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۚ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾

کہ دنیا کا سامان تھوڑا ہے اور آخرت اس کے لیے بہتر ہے جو تقوےٰ کرے اور تم پر ذرہ بھر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۗ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾

جہاں کہیں تم ہو گے موت تمھیں آلے گی، خواہ تم مضبوط قلعوں ہی میں (کیوں نہ) ہو اور اگر ان کو بھلائی پہنچتی ہے، کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر اُن کو دکھ پہنچتا ہے، کہتے ہیں یہ تیری وجہ سے ہے۔ کہہ سب اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ پھر ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ بات سمجھنا ہی نہیں چاہتے ۱؎

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۗ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾

اے انسان، جو کوئی بھلائی تجھے پہنچتی ہے سو وہ اللہ سے ہے اور جو دکھ تجھے پہنچتا ہے تو وہ تیرے ہی نفس سے ہے ۲؎ اور ہم نے تجھے سب لوگوں (کی بھلائی) کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کافی گواہ ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿۸۰﴾

جو شخص رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ یقیناً اللہ کی اطاعت کرتا ہے اور جو پھر جائے تو ہم نے تجھے ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا ۳؎

نمبر۱۔ جب جنگ اُحد میں کچھ تکلیف پہنچی تو منافقوں نے کہنا شروع کیا کہ یہ نبی کریم صلعم کی سوء تدبیر سے ہے کیوں باہر نکلے؛ حالانکہ اس کی اصل وجہ رسول اللہ صلعم کی نافرمانی تھی۔ منافقوں کا طریق عمل یہی تھا کہ جہاں کامیابی ہوئی اور کچھ مال ہاتھ لگ گیا کہہ دیا یہ اللہ کی طرف سے ہے ھذہ من عند اللہ۔ مطلب یہ کہ ہم اسی کے حق دار ہیں۔ اور جہاں کچھ تکلیف پہنچی اسے رسول اللہ صلعم کی طرف منسوب کر دیا۔ فرمایا کامیابی ہو یا تکلیف ہو سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے ہی ہے۔

نمبر۲۔ من اللہ اور من عند اللہ میں یہ فرق کیا گیا ہے کہ من اللہ اُن امور پر بولا جاتا ہے جو اللہ کی رضا اور اس کے حکم سے ہوں اور من عند اللہ عام ہے جو کچھ قضا و قدر ہے خواہ وہ نتیجہ اللہ کی رضا سے واقع ہو یا اس کی ناراضگی سے اور خواہ خدا نے اس کام کا حکم دیا ہو یا اس سے منع کیا ہو۔ وہ سب من عند اللہ ہے اس لیے پہلی آیت میں فرمایا تھا کل من عند اللہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے ہے (اِن سب کچھ اللہ کی رضا کے مطابق نہیں اس لیے بیان فرمایا۔ اصابك من حسنة فمن اللہ۔ کیونکہ اللہ کی رضا تو یہی ہے کہ انسان کو حسنہ یعنی بھلائی پہنچے اور جو دکھ پہنچتا ہے وہ انسان کے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ وما اصابكم من مصيبة فبما كسبت ايديكم الشوریٰ ۳۰) اور فرماتا ہے: ولا يرضى لعباده الكفر (الزمر ۷) وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پر راضی نہیں ہوتا۔ گو اس کی قضا و قدر یہ ہے کہ کافر بھی ہوں۔ پس جس راہ پر اللہ تعالیٰ انسان کو چلاتا ہے اس کا مآل حسنہ یعنی بھلائی ہے اس لیے رسول کی اطاعت سے انسان کو کبھی دکھ نہیں پہنچ سکتا وہ تکلیفیں جو انسان ایک غرض کے حصول کے لیے اٹھاتا ہے یا جو مومن اللہ کی راہ میں خوش ہو کے اٹھاتا ہے وہ سیئۃ میں داخل نہیں۔ جیسا ایک طالب علم کا امتحان میں کامیاب ہونے کے لیے یا ایک شخص کا معاش کے لیے محنت اور مزدوری کرنا سیئۃ میں داخل نہیں۔

نمبر۳۔ اس آیت میں بالکل صاف کر کے بتا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت خدا کی ہی اطاعت ہے پہلی آیت میں فرمایا ارسلنٰك للناس رسولا

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ ۫ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ
بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ۭ وَاللّٰهُ
يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ۚ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ
عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا ﴿۸۱﴾
اَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ
عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿۸۲﴾
وَإِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ
اَذَاعُوا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلٰٓى
اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهٗ

اور کہتے ہیں اطاعت (قبول ہے) پھر جب تیرے پاس سے نکلتے ہیں
ان میں سے ایک گروہ رات کو اس کے خلاف مشورہ کرتا ہے جو تُو
کہتا ہے اور اللہ لکھ لیتا ہے جو یہ راتوں کو مشورہ کرتے ہیں سو ان
کا کچھ خیال نہ کر اور اللہ پر بھروسہ کر اور اللہ کافی کارساز ہے۔
پھر کیا قرآن میں تدبّر نہیں کرتے اور اگر یہ غیر اللہ کی طرف سے
ہوتا تو اس میں بہت اختلاف پاتے ۔ا۔
اور جب کوئی امن یا خوف کی بات ان کو پہنچتی ہے، تو
اس کو پھیلاتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول اور اپنے
میں سے صاحبان امر کی طرف لوٹاتے تو اسے وہ جان لیتے

فرما کر اور یہاں من یطع الرسول کہہ کر واضح کر دیا کہ رسول سے مراد خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اہل قرآن کی اس تفسیر کے لیے کہ رسول سے مراد رسالت ہے یہاں گنجائش باقی نہیں اور آپ کی اطاعت ضروری ہے اور اسی اطاعت کا ذکر ہی اس رکوع میں ہے۔

نمبر۱۔ یہ جو کچھ منصوبے منافق کرتے تھے اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ آنحضرت صلعم کی نبوت پر ایمان نہ لاتے تھے بلکہ خیال کرتے تھے کہ یہ رسول اللہ صلعم خود ہی باتیں بنا کر پیش کرتے رہتے ہیں اس لیے ان کو قرآن شریف میں تدبر کرنے کو کہا ہے اور فرمایا کہ اگر قرآن شریف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتا تو اس میں بہت سا اختلاف پاتے۔ کیوں؟ اس لیے کہ رسول اللہ صلعم کو اس قدر مختلف حالات زندگی میں سے گزرنا پڑا کہ ایک منصوبہ باز انسان ان مختلف حالات میں ایک حالت پر نہ رہ سکتا تھا بلکہ آج اگر ایک تجویز اپنی کامیابی کی سوچتا تو کل دوسری۔ مگر محمد رسول اللہ صلعم کی حالت پر غور کرو کہ کس طرح ایک زمانہ آپ پر وہ ہے کہ آپ اکیلے غارِ حرا میں مخلوق خدا کی بہتری کے لیے آہ و زاری کرتے ہیں تو دوسرا زمانہ وہ ہے کہ آپ اب مدینہ میں ایک چھوٹی سی ریاست کے بادشاہ ہیں اور ایک زمانہ وہ ہے کہ چاروں طرف آپ کی صداقت و راستبازی کا شہرہ ہے تو دوسرا زمانہ وہ ہے کہ سب لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں اور کوئی بات تک نہیں سنتا۔ کبھی چاروں طرف سے دکھوں اور تکلیفوں میں گھرے ہوئے ہیں تو دوسرے وقت چاروں طرف جاں نثار موجود ہیں۔ کبھی دشمن آپ کو نقصان پہنچا جاتے ہیں تو کبھی آپ فاتح اور غالب ہوتے ہیں۔ ایک وقت اگر امام نماز ہو کر ساتھیوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ منازل روحانی کی سیر کراتے ہیں تو دوسرے وقت جرنیل بن کر مشکل سے مشکل مقامات میں سے اپنی فوج کو نکال کر ان کو میدان جنگ میں فاتح کے مقام پر پہنچاتے ہیں۔ کبھی عدالت کا کام آپ کے سپرد ہے تو کبھی قانون سازی بھی آپ کو خود ہی کرنی پڑتی ہے۔ ابھی بادشاہ کی حیثیت میں اختیار حکومت کو برت رہے ہیں تو دوسرے لمحہ میں دوستوں کے اندر اس قدر انکساری سے بیٹھے ہوئے ہیں کہ آپ کو کوئی پہچان بھی نہیں سکتا۔ ابھی وعظ و نصیحت میں مصروف ہیں تو ابھی گھر میں بیوی کو کسی کام میں مدد دے رہے ہیں اور ان تمام حالات متفرقہ میں قرآن کریم آپ پر نازل ہوتا رہتا ہے۔ منصوبہ باز انسان کی حالت ایسے اوقات میں لازماً بدلتی رہتی ہے اور اس کے خیالات میں بھی اسی طرح تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔ مگر قرآن کریم اول سے آخر تک پڑھ جاؤ۔ وہ سب کا سب ایک ہی رنگ میں رنگین اور ایک ہی اثر سے متاثر ہے اس کے خیالات میں باوجود اختلاف مضامین کے ایک ہی رو دوڑتی ہوئی نظر آتی ہے۔ اس کے تاریخی بیانات میں کوئی اختلاف واقع نہیں ہوتا۔ اس کے نظم میں کوئی تغیر نظر نہیں آتا۔ اس کے احکام میں کوئی متضاد امر نہیں۔ اس کی فصاحت و بلاغت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ قرآن کریم میں اختلاف کا نہ ہونا اس کے منجانب اللہ ہونے پر ایک قطعی دلیل ہے اور یہ اختلاف کا نہ ہونا نہ صرف ان حالات مختلفہ کے لحاظ سے اپنے اندر ایک اعجاز کا رنگ رکھتا ہے جن میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تیئیس سال کے عرصہ میں گزرنا پڑا، بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے لیکن دنیا کے سارے مذاہب پر قرآن شریف میں بحث

مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ
لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

جو ان میں سے بات کی تہ تک پہنچ سکتے ہیں[1] اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تھوڑوں کے سوائے تم ضرور شیطان کے پیچھے لگ رہتے۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا
نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ
يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ
بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾

پس اللہ کی راہ میں جنگ کر، تجھے اپنی ذات کے سوا کسی اور کے لیے مکلف نہیں کیا جاتا اور مومنوں کو بہت ترغیب دے قریب ہے کہ اللہ ان کی جنگ کو روک دے جو کافر ہیں اور اللہ طاقت میں سب سے زیادہ قوی اور عبرتناک سزا دینے میں سخت تر ہے[2]۔

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ
مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ
كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾

جو کوئی بھلی بات سفارش کرے اس کو اس سے حصہ ملے گا۔ اور جو کوئی بُری بات کی سفارش کرے اس کو اس سے حصہ ملیگا اور اللہ ہر چیز پر قابو رکھنے والا ہے[3]۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ
اَوْ رُدُّوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾

اور جب تم کو کسی دعا کے ساتھ دعا دی جائے تو اس سے بہتر کے ساتھ دعا دو، یا اسی کو لوٹا دو۔ بیشک اللہ ہر چیز کا حساب کرنے والا ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ
الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ
اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾ ع

اللہ، اس کے سوائے کوئی معبود نہیں وہ ضرور تم کو قیامت کے دن تک جس میں کوئی شک نہیں جمع کرے گا اور اللہ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہے۔

ہے۔ پھر آپ نے ان کی کتابوں کو پڑھا نہیں۔ باایں کہ مکی اور مدنی دونوں سورتوں میں کثرت کے ساتھ ان کی تاریخ کے حوالجات پائے جاتے ہیں۔ کس قدر کمال ہے کہ ان واقعات میں نہ باہم کوئی اختلاف ہے نہ صحیح تاریخ سے اختلاف ہے جن لوگوں نے قرآن میں ناسخ و منسوخ مانا ہے انھوں نے اس آیت پر غور نہیں کیا۔ کیونکہ نسخ کی ضرورت تب ہوگی جب دو آیتیں ایک دوسری کی مخالف ہوں اور اختلاف کو یہ آیت باطل ٹھیراتی ہے۔

نمبر۱۔ اب پھر منافقوں کی حالت کو بیان کرتا ہے کہ کوئی بات امن کی ہو یعنی حالات عامہ کے متعلق یا خوف کے متعلق یعنی دشمن کی چڑھائی وغیرہ کے تو یہ لوگ اسے بہت پھیلاتے ہیں تاکہ بدامنی پھیلے حالانکہ چاہیئے یہ تھا کہ ایسی باتوں کو اولی الامر کی طرف لوٹاتے جو قوتِ استنباط رکھتے ہیں۔ یہاں یہ بھی معلوم ہُوا کہ حکومت کے اہل بھی وہی لوگ ہیں جو قوت استنباط کو کام میں لا سکتے ہیں یعنی بعض حالات سے ایک صحیح نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ اس آیت سے مسائل شرعی میں استنباط کا مسئلہ بھی نکلتا ہے کیونکہ استنباطِ مسائل یہی ہے کہ ایک مسئلہ کا صریح حکم موجود نہیں ہوتا۔ یعنی صورت پیش آمدہ میں کچھ حالات مختلفہ جمع ہوتے ہیں ان کو قرآن شریف اور سنت پر پیش کرکے ایک صحیح نتیجہ اخذ کرنا ہوتا ہے۔

نمبر۲۔ کسی کام کے کرنے کے لیے ہر انسان اپنی ذات میں ہی مکلف ہے دوسروں کو صرف کہنا اور ترغیب دینا ہے اور پھر صاف الفاظ میں پیشگوئی کی ہے کہ کافر آخر مغلوب ہو کر جنگ سے رک جائیں گے۔

نمبر۳۔ شفاعت سے مراد اچھی یا بُری بات میں مدد کرنا ہے یا دوسرے کے لیے اچھا یا بُرا رستہ بتا دینا۔ جو اچھا رستہ بتاتا ہے دوسروں کے اس پر چلنے کا ثواب بھی اسے ملتا ہے۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ
أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ تَهْدُوْا
مَنْ أَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ
تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾

سو تمھارے لیے کیا وجہ ہے کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ بنو حالانکہ اللہ نے ان کو اس کی وجہ سے اوندھا کر دیا جو انھوں نے کمایا، کیا تم چاہتے ہو کہ اسے ہدایت کرو، جسے اللہ نے گمراہی میں چھوڑ دیا ہے اور جس کو اللہ گمراہ چھوڑ دے تو تُو اس کے لیے کوئی راستہ نہ پائے گا۱

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَاۗءً
فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ أَوْلِيَاۗءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ
حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۠ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ
وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾

وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ جس طرح وہ کافر ہوئے اور یوں برابر ہو جاؤ، سو اُن میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کریں۲۔ لیکن اگر وہ پھر جائیں تو ان کو پکڑو اور ان کو قتل کرو جہاں کہیں انھیں پاؤ اور ان میں سے کسی کو دوست اور مددگار نہ بناؤ۳۔

إِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ إِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ
مِّيْثَاقٌ أَوْ جَاۗءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ
أَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ۭ وَلَوْ
شَاۗءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ
فَإِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَأَلْقَوْا
إِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ

مگر جو ایسی قوم سے جا ملیں کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہے۴ یا تمھارے پاس آئیں اس حال میں کہ ان کے سینے تنگ ہیں کہ تمھارے ساتھ جنگ کریں یا اپنی قوم کے ساتھ جنگ کریں اور اگر اللہ چاہتا تو اُن کو تم پر قابو دے دیتا سو وہ تم سے ضرور لڑتے پس اگر وہ تم سے کنارہ کش ہوں پھر تم سے جنگ نہ کریں اور تم سے صلح کی درخواست کریں تو اللہ نے تمھارے لیے

نمبر۱۔ دو گروہ ان سے جنگ کے بارے میں تھے بخاری میں ہے کہ اُحد سے واپس آنے والوں کے متعلق اختلاف تھا۔ بعض کہتے تھے انہیں قتل کیا جائے کیونکہ انھوں نے وقت پر مسلمانوں کو دھوکا دیا تھا اور گویا دشمن کا ساتھ دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ خود مدینہ میں اور مدینہ کے اردگرد منافقین کا ایک بڑا گروہ پیدا ہو گیا تھا جن کے نفاق کے مختلف مدارج تھے۔ یہاں یہ بتایا ہے کہ مسلمانوں کو ان سے کیا سلوک کرنا چاہیئے۔

نمبر۲۔ پہلے اس گروہ کا ذکر کیا جو باطن میں کافر ہیں مگر ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں ان کے متعلق صرف یہی حکم دیا کہ ان میں سے کسی کو اپنا دلی نہ بناؤ یعنی ان کے ساتھ قرب ونصرت کا تعلق نہ رکھو۔ ہاں ظاہر میں مسلمانوں والا تعلق ان سے رکھو۔

نمبر۳۔ یہاں اسی گروہ کی دوسری حالت کا ذکر ہے کہ درپردہ عداوت رکھتا ہُوا وہ اب یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ علانیہ دین اسلام سے پھر کر دشمنوں کے ساتھ جا ملا ہے۔ ان کے لیے وہی حکم ہے جو کفار کے لیے حکم ہے۔ ایسے لوگ مدینہ کے اردگرد تھے۔ جو مسلمانوں کا ذرا غلبہ دیکھ کر اظہار اسلام کرتے اور پھر موقعہ پاتے تو علی الاعلان اسلام سے منحرف ہو کر مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے۔

نمبر۴۔ ان الفاظ میں منافقین کے ایک تیسرے گروہ کا ذکر ہے جو اسلام کے بعد پھر علی الاعلان کافر ہو گئے ہیں مگر ایسی قوم کے ساتھ جا ملے ہیں جس کا مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ ہے۔ معاہد قوم میں چلے جانے سے اس کے بھی وہی حقوق پیدا ہو گئے ہیں جو اس معاہد قوم کے ہیں۔

عَلَيۡهِمۡ سَبِيۡلًا ﴿٩٠﴾
سَتَجِدُوۡنَ اٰخَرِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّاۡمَنُوۡكُمۡ
وَيَاۡمَنُوۡا قَوۡمَهُمۡ ؕ كُلَّمَا رُدُّوۡۤا اِلَى الۡفِتۡنَةِ
اُرۡكِسُوۡا فِيۡهَا ۚ فَاِنۡ لَّمۡ يَعۡتَزِلُوۡكُمۡ وَيُلۡقُوۡۤا
اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوۡۤا اَيۡدِيَهُمۡ فَخُذُوۡهُمۡ
وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ ؕ وَاُولٰٓـئِكُمۡ
جَعَلۡنَا لَكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا ﴿٩١﴾ ع
وَمَا كَانَ لِمُؤۡمِنٍ اَنۡ يَّقۡتُلَ مُؤۡمِنًا اِلَّا
خَطَـئًا ۚ وَمَنۡ قَتَلَ مُؤۡمِنًا خَطَـئًا فَتَحۡرِيۡرُ
رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهۡلِهٖۤ
اِلَّاۤ اَنۡ يَّصَّدَّقُوۡا ؕ فَاِنۡ كَانَ مِنۡ قَوۡمٍ عَدُوٍّ
لَّكُمۡ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ ؕ
وَاِنۡ كَانَ مِنۡ قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ
فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰۤى اَهۡلِهٖ وَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ

اُن کے خلاف کوئی راہ نہیں رکھی ۔۱
تم کچھ اور لوگ پاؤ گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں
اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں جب کبھی وہ فتنہ کی طرف لوٹائے
جاتے ہیں اس میں اوندھے گر جاتے ہیں پس اگر وہ تم سے کنارہ کش نہ
ہوں اور (نہ) تم سے صلح کی درخواست کریں اور (نہ) اپنے ہاتھ روکیں تو
ان کو پکڑو اور ان کو قتل کردو، جہاں انھیں پاؤ اور یہ وہ ہیں جن کے
خلاف ہم نے تم کو کھلی دلیل دی ہے ۔۲
اور کسی مومن کو شایاں نہیں کہ وہ مومن کو مار ڈالے، مگر غلطی
سے، اور جو کوئی غلطی سے کسی مومن کو مار ڈالے تو ایک مومن
غلام آزاد کرے اور خون بہا دے جو اس کے وارثوں کے سپرد کیا جائے
سوائے اس کے کہ وہ معاف کردیں ۳ پھر اگر (مقتول) ایسے لوگوں سے ہو
جو تمھارے دشمن ہیں اور وہ مومن ہو تو ایک مومن غلام آزاد کرنا چاہیئے،
اور اگر ایسے لوگوں سے ہو کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہے، تو
خون بہا دینا چاہیے جو اس کے وارثوں کے سپرد کیا جائے اور ایک مومن غلام آزاد

نمبرا۔ یہ چوتھے گروہ کا ذکر ہے جو دین اسلام سے پھر کر کسی معاہد قوم کی پناہ میں تو نہیں گئے مگر خود نہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنا چاہتے ہیں نہ اپنی قوم کے ساتھ یعنی کفار کے ساتھ اور مسلمانوں سے صلح کی درخواست کریں تو ایسے لوگوں سے بھی جنگ جائز نہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ مرتدین کے ساتھ اسی وقت جنگ جائز ہے جب وہ یا مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ جا ملیں یا خود مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں۔ لیکن اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہ کریں تو گو وہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر کفار سے بھی جنگ نہ کریں تاہم ان کو مارنا یا ان سے جنگ کرنا جائز نہیں ۔

نمبر۲۔ اس آیت میں ایک پانچویں گروہ کا ذکر ہے۔ ان کی غرض صرف اسی قدر ہے کہ کبھی اسلام ظاہر کردیں تاکہ مسلمانوں کے دشمنوں میں نہ گنے جائیں۔ مگر حالت یہ ہے کہ جب کافر ان کو مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے بلاتے ہیں تو اس میں اوندھے منہ گر جاتے ہیں یعنی مسلمانوں کے ساتھ اپنے عہد و پیمان کی کوئی پروا نہیں کرتے مگر باایں ان کو بھی اس قدر موقعہ دیا ہے کہ اگر وہ پھر بھی مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے سے کنارہ کشی کریں اور صلح کی درخواست کریں اور عملاً مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے سے اپنے آپ کو روک دیں تو ان کو کچھ نہ کہا جائے۔ لیکن اگر ان باتوں میں سے کوئی بھی نہ کریں، تو پھر بلاشبہ مسلمان حق دار ہیں کہ جہاں ان کو پائیں قتل کردیں کیونکہ سوائے اس کے اسلام باقی نہیں رہ سکتا تھا اور مسلمان مار دیئے جاتے ۔

نمبر۳۔ مومن مومن کو کبھی قتل کر ہی نہیں سکتا۔ ہاں غلطی سے بعض وقت ایسا ہو جاتا ہے کہ مومن کے ہاتھ سے مومن قتل ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک قوم دشمن تھی اور مسلمانوں کے ساتھ برسرپیکار، مگر ایک شخص ان میں سے مسلمان ہو گیا دوسرے نے اسے مسلمان نہیں سمجھا یا کسی اور کو مارنے کا ارادہ تھا غلطی سے وہ فعل اس پر واقع ہو گیا۔

مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ	کرنا چاہیئے۔ پھر جو شخص نہ پائے تو دو مہینے کے متواتر روزے رکھے
مُتَتَابِعَيْنِ ؗ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ	تاکہ، اللہ اس پر رحمت سے متوجہ ہو اور اللہ جاننے والا
عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾	حکمت والا ہے۔
وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ	اور جو جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کرے تو اس کی سزا دوزخ
جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ	ہے، اسی میں رہے گا اور اللہ اس پر ناخوش ہے اور اس پر
وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾	لعنت کرتا ہے اور اس کے لیے بڑا عذاب تیار کرے گا۔[1]
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ	اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب تم اللہ کی راہ میں نکلو تو
سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ	تحقیق کر لیا کرو اور جو تمہیں السلام علیکم کہے اسے یہ نہ کہو
اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ	کہ تو مومن نہیں۔ تم دنیا کی زندگی کا سامان
عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؗ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ	چاہتے ہو۔ پس اللہ کے پاس غنیمتیں بہت ہیں۔
كَثِيْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ	تم بھی پہلے ایسے ہی تھے۔ پھر اللہ نے تم پر
عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا	احسان کیا، سو تحقیق کر لیا کرو[2]۔ اللہ تعالیٰ اس سے
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾	جو تم کرتے ہو خبردار ہے۔
لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ	(دونوں) برابر نہیں مومنوں میں سے بیٹھ رہنے والے
اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ	جن کو کوئی دکھ نہیں، اور اپنے مالوں اور جانوں کے

نمبرا۔ مگر توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ گو حد قائم ہو جائے گی۔

نمبر۲۔ یہاں اس مشتبہ حالت کا ذکر کیا ہے۔ جب قوم تو دشمن ہو مگر ایک شخص اس میں سے مسلمان ہو چکا ہے تو اس کے مسلمان ہونے کا ثبوت اسی قدر کافی ہے کہ وہ اپنے مخاطب کو السلام علیکم کہے۔ اس صورت میں گو وہ دشمن قوم کا ایک جزو ہو مگر اُسے قتل کرنا نہیں چاہیئے بعض ایسے واقعات بھی ہوئے۔ اور جب ایک شخص نے نبی کریم صلعم کے سامنے یہ عذر کیا کہ جس شخص نے اظہارِ اسلام کیا تھا وہ محض اپنی جان بچانے کے لیے تھا۔ تو آپ نے فرمایا هلا شققت قلبه کیا تو نے اس کا دل پھاڑ کر دیکھ لیا تھا۔ كذلك كنتم من قبل میں یہ بتایا کہ تم بھی کلمہ شہادت کے اقرار سے اسلام میں داخل ہو گئے تھے جو بات تمہارے لیے کافی تھی وہ دوسرے کے لیے بھی کافی ہے۔ مسلمان کی شناخت قرآن شریف نے تو اتنی موٹی قرار دی ہے کہ وہ السلام علیکم کہتا ہو اور آج علماء کی یہ حالت ہے کہ ایک شخص کے اقوال کو لیکر بال کی کھال اتارتے ہیں اور تب صبر کرتے ہیں جب کافر بنا لیتے ہیں۔ دوسری بات جو یہاں بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ مال غنیمت کے لالچ سے کسی کو قتل نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حصول مقصد کے اور بہتیرے سامان بنا دیئے ہیں۔ مال غنیمت کے خیال کو یہاں دنیا کا سامان کہا ہے اور یوں مسلمانوں کو بتایا ہے کہ جو شخص مال غنیمت کا خیال دل میں لاتا ہے وہ خدا کی راہ میں جنگ نہیں کرتا۔

اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ
الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى
الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ
الْحُسْنٰى ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى
الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٩٥﴾

ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اللہ نے درجہ میں بزرگی دی ہے اور سب سے اللہ نے اچھا وعدہ کیا ہے اور اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بڑا اجر دیکر بزرگی بخشی ہے ؎1

دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ
وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٩٦﴾ ع

اپنے ہاں مرتبے اور حفاظت اور رحمت۔ اور اللہ مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ
اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا
مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ
اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰۗىِٕكَ
مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿٩٧﴾

اُن کو جن کی فرشتے جان قبض کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنیوالے ہیں وہ کہیں گے تم کس حال میں تھے کہیں گے ہم ملک میں بے بس تھے (فرشتے) کہیں گے کیا اللہ کی زمین فراخ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ
وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا
يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٩٨﴾

مگر وہ کمزور مرد اور عورتیں اور بچے، کہ نہ وہ حیلہ کر سکتے ہیں اور نہ راستہ پا سکتے ہیں۔

فَاُولٰۗىِٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۭ وَ
كَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٩٩﴾

سو یہ امید ہے کہ اللہ انھیں معاف کرے اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي

اور جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے وہ زمین میں بہتیری

نمبر1۔ جماعت اسلامی میں دونوں قسم کے لوگ رہیں گے ایک وہ بلند مرتبہ لوگ جو جہاد میں لگے رہتے ہیں ان کے مال اور ان کی جانیں دین اسلام کی خدمت کے لیے وقف ہوتی ہیں۔ دوسرے وہ لوگ جو دنیا کے کاموں میں زیادہ منہمک رہتے ہوئے احکام خداوندی کو بھی بجالاتے ہیں اور اپنے مالوں میں سے ضروری حق ادا کرتے رہتے ہیں دونوں کے ساتھ یہ وعدہ ہے کہ ان کا انجام اچھا ہوگا، مگر جہاد کرنے والوں کے بلند مراتب سے اُن دوسرے لوگوں کو کچھ نسبت نہیں، مگر یہ عامہ حالات کا ذکر ہے۔ خاص صورتوں میں بعض وقت ضروریات قومی ایسی پیدا ہو جاتی ہیں جب ہر ایک متنفس کے لیے جہاد کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ان حالات میں قدم پیچھے ہٹانے والا عتاب کے نیچے ہوتا ہے جیسا کہ جنگ تبوک میں جو لوگ بلا وجہ پیچھے رہ گئے تھے ان پر عتاب ہُوا۔

الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ؕ وَمَنْ
يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى
اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٠﴾

جگہ اور کشایش پائے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہجرت کرتا ہُوا اپنے گھر سے نکلے پھر اس کو موت آئے تو اس کا اجر ضرور اللہ کے ذمّہ ہو چکا اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ
جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ
اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ
كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿١٠١﴾

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر لو۔ اگر تمھیں ڈر ہو کہ جو کافر ہیں وہ تمھیں تکلیف پہنچائیں گے۔ کافر تمھارے کھلے دشمن ہیں[1]۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ
طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۫
فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ ۪ وَلْتَاْتِ
طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا
حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور جب تو ان کے درمیان ہو پھر ان کے لیے نماز قائم کرے۔ تو چاہیئے کہ ان میں سے ایک گروہ تیرے ساتھ کھڑا ہو اور چاہیئے کہ وہ اپنے ہتھیار لیں پھر جب سجدہ کر چکیں تو وہ تمھارے پیچھے ہو جائیں اور چاہیئے کہ ایک دوسرا گروہ جنھوں نے نماز نہیں پڑھی آئے پھر وہ تیرے ساتھ نماز پڑھیں اور وہ اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار لیے رہیں[2]۔ کافر چاہتے ہیں کہ تم

نمبر۱۔ علاوہ سفر کے یہاں قصر کے لیے بظاہر ایک اور شرط بھی ہے اور وہ یہ کہ کافروں کے تکلیف پہنچانے کا خوف ہو مگر رسول اللہ صلعم نے ہر قسم کے سفر میں قصر ثابت ہے اور اسی پر امت کا تعامل ہے اور آپ کا ارشاد بھی ہے کہ قصر صلوٰۃ ایک صدقہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کیا پس اُس کے صدقہ کو قبول کرو۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ قصر صلوٰۃ یعنی چار کی بجائے دو رکعت فرض خوف سے مشروط نہیں۔ اصل یہ ہے کہ قصر صلوٰۃ دو طرح پر ہے ایک چار رکعت کی بجائے دو رکعت ظہر، عصر، عشاء میں اور یہ صرف حالتِ سفر سے مشروط ہے اور دوسرا وہ قصر جس کا ذکر اگلی آیت میں آتا ہے۔ جو حالتِ خوف سے مشروط ہے۔ یعنی دو رکعت کی بجائے ایک رکعت باجماعت ادا کر کے دشمن کے مقابلہ پر چلا جانا اور قرآن کریم کے الفاظ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کیونکہ کفار کے تکلیف پہنچانے کے خوف کا یوں کوئی ازالہ نہیں ہو سکتا کہ چار رکعت کی بجائے دو رکعت پڑھ لی جائیں صرف اتنے وقت کی کمی خوف کا علاج نہیں۔ دشمن اتنی دیر میں کہ دو رکعت ادا کی جائیں حملہ کر کے کام تمام کر دے گا۔ بلکہ خوف کا علاج وہی ہے جو اگلی آیت میں بیان فرمایا کہ ایک گروہ دشمن کے مقابلہ پر رہے اور جب دوسرا گروہ ایک رکعت ادا کر کے دشمن کے مقابل پر چلا جائے تو پہلا گروہ امام کے ساتھ دوسری رکعت باجماعت ادا کر لے۔ تا دشمن نماز پڑھنے والوں پر حملہ ہی نہ کر سکے اور یہ ظاہر ہے کہ بجائے چار کے امام نے بھی صرف دو رکعت ادا کی ہیں اور مقتدیوں نے امام کے ساتھ صرف ایک ایک رکعت ادا کی ہے پس چار رکعت کی بجائے دو رکعت کا ہونا شرط اول کے ماتحت ہے یعنی سفر کی وجہ سے اور دو رکعت کی بجائے صرف ایک ایک رکعت باجماعت ادا کرنا شرط دوم کی وجہ سے ہے یعنی دشمن کے خوف سے اور دشمن کے خوف کا یہی دوسرا قصر علاج ہے نہ پہلا قصر۔ اگر محض چار رکعت کی جگہ دو رکعت دشمن کے خوف کا علاج ہوتا تو یہ دوسرا علاج نہ بتایا جاتا۔

نمبر۲۔ حالت جنگ میں جب دشمن کا خوف ہو ایک صورت فان خفتم فرجالاً او رکباناً (البقرۃ۔ ٢٣٩) ہے وہ ایسے خوف کی حالت ہے جب

لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ
فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَاجُنَاحَ
عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ
كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا
حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾
فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا
وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ
فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ
عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾
وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا
تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ
وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع
اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ
وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾

اپنے ہتھیاروں اور اپنے اسباب سے غافل ہو تو وہ تم
پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں۔ اور تم پر کوئی گناہ نہیں
کہ اگر تمھیں بارش کی وجہ سے تکلیف ہو، یا تم
بیمار ہو تو اپنے ہتھیار اتار رکھو اور اپنا بچاؤ کیے رہو۔ یقیناً اللہ
نے کافروں کے لیے رُسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔
پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو کھڑے بیٹھے اور اپنی کروٹوں
پر اللہ کو یاد کرو اور جب مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو
(اصلی حالت پر) قائم کرو، نماز مومنوں پر مقررہ
اوقات میں فرض کی گئی ہے۔
اور (دشمن) قوم کا پیچھا کرنے میں سُستی نہ کرو، اگر تم دُکھ
اُٹھاتے ہو تو جس طرح تم دُکھ اُٹھاتے ہو وہ بھی دُکھ اُٹھاتے ہیں
اور تم اللہ سے وہ اُمیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے۔
اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔
یقیناً ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ کتاب اُتاری ہے
تاکہ تو لوگوں کے درمیان اُس کے مطابق فیصلہ کرے جو اللہ
نے تجھے علم دیا ہے اور دغا بازوں کی طرف سے جھگڑنے والا نہ بننا۔[1]

جماعت کا قیام نہیں ہو سکتا اور دُوسری صورت یہاں بیان فرمائی ہے اسی لیے یہاں فرمایا فاقمت لھم الصلوۃ یعنی ایسی حالت ہو کہ نماز باجماعت ہو سکتی ہے وہ صورت ہے جب میدان جنگ میں ہونے کی وجہ سے دشمن کے حملہ کا خوف ہے مگر فی الواقع حالتِ جنگ نہیں۔ روایات میں اس بارہ میں اختلاف ہے کہ اس نماز کی کیفیت کیا تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ غزوہ ذات الرقاع میں آنحضرت صلعم نے یوں نماز ادا کی کہ ایک گروہ نے آپ کے پیچھے صف باندھی اور دوسرا گروہ دشمن کے مقابل پر رہا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک رکعت ادا کر چکے تو آپ حالتِ قیام میں رہے یہاں تک کہ جو گروہ آپ کے پیچھے تھا وہ دوسری رکعت ادا کر کے پیچھے ہٹ گیا اور دشمن کے مقابل پر ہو گیا اور دوسرا گروہ جو پہلے دشمن کے مقابل پر رہا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑا ہُوا اور آپ نے دوسری رکعت اس کے ساتھ ادا کی اور جب آپ نے سلام پھیرا تو اس گروہ نے اُٹھ کر بقیہ رکعت پوری کر لی۔ بعض روایات میں صرف ایک ہی رکعت کا ذکر ہے یعنی مقتدیوں نے صرف ایک ہی رکعت باجماعت ادا کر کے نماز ختم کر لی اور قرآن شریف کے ظاہر الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور جنگ کی حالت کے لیے زیادہ موزون بھی ہے۔

نمبر ۱۔ ایک منافق طبع مسلمان طعمہ بن ابیرق تھا اس نے ایک دُوسرے شخص کے گھر سے ایک زرہ چرائی اور پھر اس کو ایک یہودی کے پاس رکھ دیا۔

وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝١٠٦

اور اللہ کی حفاظت مانگ بیشک اللہ حفاظت کرنیوالا رحم کرنیوالا ہے ۔[1]

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ۝١٠٧

اور ان کی طرف سے مت جھگڑ جو اپنے نفسوں کی خیانت کرتے ہیں اللہ بڑے خیانت کرنیوالے گنہگار کو ہرگز دوست نہیں رکھتا ۔

يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ۝١٠٨

یہ لوگوں سے چھپنا چاہتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے ۔ اور وہ اُن کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ رات کو مشورے کرتے ہیں جس بات کو وہ پسند نہیں کرتا اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے ۔

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ۝١٠٩

دیکھو تم وہ لوگ ہو جو دنیا کی زندگی میں اُن کی طرف سے جھگڑتے ہو ۔ پر قیامت کے دن کون اُن کی طرف سے اللہ کے ساتھ جھگڑے گا[2] یا کون اُن کا وکیل بنے گا ۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝١١٠

اور جو شخص بدی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے وہ اللہ کو بخشنے والا رحم کرنے والا پائے گا ۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝١١١

جو شخص گناہ کا ارتکاب کرتا ہے وہ اپنی جان پر ہی اس کا وبال لیتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ۔

جب تحقیقات شروع ہوئی اور زرہ کا اثر طعمہ کے گھر تک پہنچا اور آخر وہ یہودی کے گھر سے برآمد ہوئی تو اس نے طعمہ کا پتہ بتایا مگر اس نے انکار کیا اور اس کے ساتھیوں نے بھی رسول اللہ صلعم کے سامنے اس کی بریت کی مگر آپ نے فیصلہ اس کے خلاف دیا ۔ اسی واقعہ کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ۔ ان الفاظ سے کہ دغا بازوں کی طرف سے جھگڑنے والا نہ بنا یہ قیاس کر لینا کہ آپ نے کوئی طرفداری کی ہوگی ، ایک نادانی کا خیال ہے ۔ کسی حکم کا جو آپ کو قرآن میں دیا گیا ہے ہرگز یہ منشا نہیں کہ آپ نے اس کی خلاف ورزی کی تھی ۔ اس لیے اس حکم کی ضرورت پیش آئی بلکہ اُمت کو تعلیم دینا مقصود ہے کیونکہ آپ خود اعلیٰ سے اعلیٰ اصول پر قائم تھے اقم الصّلوٰۃ کا حکم کیوں بار بار دیا جاتا تھا کیا اس لیے کہ آپ نے نماز ترک کر دی تھی ؟ آپ نے جیسا کہ اوپر کی روایت سے ظاہر ہے خائن کی طرف سے جھگڑا نہیں کیا تھا ۔ بلکہ اس کے خلاف فیصلہ کیا تھا ۔ پس ان الفاظ کے لانے کا منشا منافقین کی جھوٹی امید وں کا منقطع کرنا تھا ۔ نبی کریم صلعم کی صداقت اور دیانت تو قبل از نبوت بھی عرب میں مسلّم تھی تو بعد از نبوّت ان باتوں کا قیاس آپ کے خلاف کرنا صریح واقعات کا انکار کرنا ہے ۔

نمبر۱ ۔ جب ایک طرف اس اصول پر آپ کو قائم کیا کہ کسی خائن دغا باز کی حمایت آپ نہ کریں گے تو مشکلات کا تو اور بھی اضافہ ہو گیا ۔ اس لیے فرمایا کہ مشکلات میں اللہ کی حفاظت چاہو اور یا مراد یہ ہے کہ غلطی کرنے والوں کے لیے استغفار کرو ۔ نبی کریم صلعم منافقوں تک کے لیے بھی استغفار کرتے تھے ۔

نمبر۲ ۔ یہ ایسے لوگوں کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جو اپنی کم فہمی سے منافقوں کے دھوکے میں آ کر ان کے حامی بن جاتے تھے جیسے طعمہ والے واقعہ میں طعمہ کے رشتہ داروں نے اس کی حمایت کی تو ایسے لوگوں کو سمجھایا ہے کہ یہ منافق درپردہ دشمن اسلام ہیں اور حق اور راستی سے دور پڑے ہوئے ہیں ، تم ان کے حامی نہ بنو بلکہ حق کے حامی بنو ۔ آیت ۱۰۷ میں ولا تجادل میں خطاب عام ہے جیسا کہ آیت ۱۰۹ کے الفاظ ھاانتم ھٰؤلاء جادلتم عنھم جمع لا کر صاف کر دیا ۔

وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ
بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع
وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ
طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ
اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ
وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ
فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾
لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ
بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ؕ
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ
فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

اور جو شخص خود قصور یا گناہ کرے پھر ایک بے گناہ پر اُس کی تہمت لگائے
یقیناً وہ اپنے اوپر بہتان اور کھُلے گناہ کا بوجھ لیتا ہے ۱۔
اور اگر تجھ پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت
نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ قصد کر ہی چکا تھا کہ
تجھے گمراہ کریں اور وہ اپنے آپ کو ہی گمراہ کرتے ہیں
اور تجھے کچھ ضرر نہیں پہنچا سکتے اور اللہ نے تجھ پر کتاب اور
حکمت نازل کی اور تجھے وہ سکھایا، جو تو نہیں جانتا تھا اور
اللہ کا فضل تجھ پر بڑا ہے ۲۔
اُن کے بہت سے خفیہ مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں سوائے
اس کے کہ کوئی خیرات یا بھلے کام یا لوگوں میں اصلاح کے لیے
حکم دے اور جو شخص اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے ایسا
کرے گا اسے ہم بہت بڑا اجر دیں گے ۳۔

نمبر۱۔ اس قسم کی کمینہ حرکت کو کہ انسان خود بُرا کام کرے اور دُوسرے کے ذمہ لگا دے۔ قرآن کریم نے منافقوں کی طرف منسوب کیا ہے حتیٰ کہ ایک یہودی کے متعلق بھی یہ جائز نہ تھا کہ خود بُرے فعل کا ارتکاب کرکے اس کے سر پر وہ تھوپا جانا۔ یہ تو وہ اخلاق تھے جو قرآن کریم نے دشمنوں تک کے متعلق سکھائے تھے مگر آج کتنے مسلمان ہیں جو اپنے بھائیوں کے ساتھ یہی سلوک کرتے ہیں اور آج غیر مسلموں کا مال لے لینا تو ایک طرف رہا، مسلمان بھائیوں پر کفر کے فتوے لگا کر ان کے مال بھی بالباطل لے لینا جائز قرار دیا جاتا ہے اس سے بڑھ کر کیا خیانت ہوگی۔

نمبر۲۔ اضلال کے ایک معنی اہلاک بھی آتے ہیں یعنی ہلاک کرنا اور اگر گمراہ کرنا معنی لیے جائیں تو بھی کوئی ہرج نہیں۔ یہاں یہ بتایا کہ منافق صرف اتنی کمزوری ہی نہیں دکھاتے کہ جنگ سے پیچھے ہٹتے ہوں بلکہ وہ اسلام کے چھُپے دشمن ہیں اور ہمیشہ اسلام کو تباہ کرنے کے منصوبے سوچتے رہتے ہیں ساتھ ہی تسلی دی کہ پیغمبر کو کتاب و حکمت دیکر بھیجا گیا ہے جس کی اس نے دنیا میں تعلیم دینی ہے پس وہ ہلاک نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری جگہ فرمایا ھموا بمالم ینالوا (التوبہ ۹، ۷۴) جو کچھ قصد یہ منافق کرتے ہیں اس مقصد کو کبھی نہیں پائیں گے۔

نمبر۳۔ یہاں منافقوں کے خفیہ مشوروں کا ذکر کرکے فرمایا، کہ اُن کے خفیہ مشوروں میں بھلائی کی کوئی بات نہیں۔ بھلائی کا کام تو یہ ہے کہ کوئی شخص دوسروں کو صدقات دینے کے لیے کہے یا نیک بات کی ہدایت کرے یا لوگوں کے درمیان اصلاح کا کوئی کام کرے مگر یہ جب ملتے ہیں تو ان امور کے خلاف ہی کچھ کرتے ہیں اس آیت میں بھلائی کی ان سب قسموں کو جو ایک انسان دوسرے کے ساتھ کر سکتا ہے جمع کر دیا ہے۔ اوّل صدقہ رکھا یعنی جو مالی امداد کا محتاج ہو اس کو مالی مدد دینا۔ دوسری قسم کی بھلائی یہ ہے کہ انسان کسی کو اچھی راہ پر ڈال دے یعنی اسے معروف کا حکم دے اور تیسری یہ کہ فساد کو دور کرکے اصلاح کر دے، یہ وہ کام تھا جو محمد رسول اللہ صلعم اور آپ کے ساتھی کر رہے تھے۔ آج جب علماء آنکھیں بند کرکے مسلمانوں کی تکفیر کرکے فساد ڈلوا رہے ہیں اس بات کی ضرورت ہے کہ مسلمانوں کا سنجیدہ طبقہ اصلاح بین الناس کی آواز بلند کرے۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۝۱۱۵

اور جو شخص رسول کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس کے لیے حق کُھل چکا اور مومنوں کے رستے کے سوائے اور راستہ کی پیروی کرے ہم اُسے پھیر دینگے جدھر وہ پھرتا ہے اور اُسے جہنم میں داخل کرینگے اور وہ بُری جگہ ہے۔[۱]

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۱۱۶

اللہ یہ نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شریک بنایا جائے اور جو اس کے سوا ہو جسے چاہتا ہے بخشتا ہے اور جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھیراتا ہے وہ گمراہی میں دُور نکل گیا۔

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ۝۱۱۷

اُسے چھوڑ کر وہ سوائے بیجان چیزوں کے اور کسی کو نہیں پکارتے اور وہ سرکش شیطان کے سوا اور کسی کو نہیں پکارتے۔[۲]

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝۱۱۸

اُسے اللہ نے پھٹکار دیا ہے اور اس نے کہا میں ضرور تیرے بندوں سے ایک مقرر حصہ لونگا۔

وَّلَاُضِلَّنَّھُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّھُمْ وَلَاٰمُرَنَّھُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّھُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ۝۱۱۹

اور میں انھیں ضرور گمراہ کروں گا اور اُنھیں جھوٹی آرزوئیں دلاؤنگا اور انھیں کہوں گا سو وہ جانوروں کے کان چیرینگے اور انھیں کہوں گا سو وہ اللہ کے بنائے ہوئے (دین) کو بدل دیں گے اور جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بناتا ہے وہ یقیناً کھلا نقصان اُٹھاتا ہے۔[۳]

نمبر۱۔ امام شافعی سے منقول ہے کہ انھوں نے تین سو مرتبہ قرآن شریف اس غرض کے لیے پڑھا کہ اجماع امت کے دلیل شرعی ہونے پر کون سی آیت حجت ہے اور آخر ان کو یہ آیت ملی۔ اس پر یہ اعتراض ہُوا ہے کہ سبیل المومنین کوئی الگ راستہ نہیں بلکہ قال اللہ وقال الرّسول پر ایمان ہی سبیل المومنین ہے اور وہی ہدایت ہے جس کا ذکر یہاں موجود ہے پس ان الفاظ سے اجماع امت پر کوئی دلیل پیدا نہیں ہوتی اور اگر سیاق و سباق عبارت پر غور کیا جائے تو یہ اعتراض بالکل صحیح ہے۔ یہاں ذکر رسول اللہ صلعم سے دشمنی کا ہے کہ کوئی شخص ایمان اور محبت کی بجائے کفر اور دشمنی کا طریق اختیار کرے اور ان میں سے اول الذکر مومنین کا رستہ ہے اس سے بڑھ کر مومنین کے رستہ سے کچھ مراد نہیں اور نہ ہی اجماع کے کچھ معنی ہو سکتے ہیں کیونکہ تمام مسلمانوں کا کس طرح ایک بات پر اتفاق ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ وہ بات قرآن یا حدیث میں ہو۔

نمبر۲۔ مفسرین نے مراد موتی بھی لیے ہیں جن سے وہ سوائے خدا کے اپنی حاجت براری چاہتے ہیں ان کو اناث کہا ہے یا اس لحاظ سے کہ ان کے ہاں اکثر بُتوں کے نام مونث تھے۔ جیسے لات اور عزّٰی اور منات، ہر ایک قبیلہ کا ایک بُت ہوتا تھا جسے وہ انثٰی بنی فلاں کہتے تھے یعنی فلاں قبیلہ کی دیوی اور یا اس لحاظ سے کہ ان چیزوں کو جن میں رُوح نہ ہو اناث کہا جاتا تھا۔

نمبر۳۔ ایام جاہلیت میں رسم تھی کہ جب اُونٹنی پانچ بچے جن لیتی اور پانچواں نر ہوتا تو اُس کے کان چیر کر اُس کو چھوڑ دیتے اور نہ اُس پر سوار ہوتے نہ اس سے کوئی کام لیتے۔ یہ ایک مشرکانہ رسم تھی یعنی بتوں کے نام پر ایسا کرتے تھے۔ اس کو بحیرۃ کہتے جس کا ذکر دوسری جگہ آتا ہے ماجعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ (المائدہ ۱۰۳) اور بعض نے کہا ہے کہ بتوں کی پرستش کا یہ ایک حصہ تھا کہ جانوروں کے کان چیر دیتے تھے۔ خلق اللہ سے یہاں کیا مراد ہے خود

يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾	وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور ان کو جھوٹی آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان صرف ان کو دھوکا دینے کو ہی وعدے دیتا ہے ملہ
اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾	یہی ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ اس سے کوئی بھاگنے کی جگہ نہ پائیں گے۔
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾	اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان کو ہم باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ انھیں میں رہیں گے۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون بات کا سچا ہے۔
لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾	نہ تمھاری خواہشوں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی خواہشوں پر جو کوئی بدی کرے گا اس کا بدلہ اُسے دیا جائے گا۔ اور اللہ کو چھوڑ کر وہ نہ کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار پائے گا ملہ
وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ	اور جو نیک کام کرے، خواہ مرد ہو یا عورت،

قرآن کریم نے اس کی تصریح دوسری جگہ فرمادی ہے فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذٰلک الدین القیم (۳۰:۳۰) پس خلق اللہ کی تبدیلی سے مراد دین الٰہی کی تبدیلی ہے اور یہی معنی حسن، ضحاک، مجاہد اور بہت سے آئمہ سے مروی ہیں اور صحیحین کی حدیث میں ہے کل مولود یولد علی الفطرۃ یعنی ہر ایک بچہ اسی فطرتِ اسلامی پر پیدا ہوتا ہے گویا ایک طرف اگر بڑی موٹی قسم شرک کی تباہی یعنی جانوروں کے کانوں کا چیرنا، تو دوسری طرف اس کی باریک سے باریک صورت کو بیان کر دیا۔ یعنی الٰہی دین کو بدلنا جس سے مراد اللہ کے حلال کو حرام اور اس کے حرام کو حلال کرنا ہے۔ اس کی تفسیر لعن اللہ لواشمات سے کرنا صحیح نہیں کیونکہ اس سے خلق اللہ میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی ورنہ ہر ایک زینت خلق اللہ کی تبدیلی ہو جائے گی اور حدیث کا منشاء صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان عورتوں پر آپ نے لعنت کی ہے جو دیکھنے والوں کو زنا کی طرف بلانے کی غرض سے ہاتھوں وغیرہ پر نیل بھر لیتی ہیں اور تغییر خلق اللہ میں ایک قول یہ بھی ہے کہ مراد اس سے اس غرض کی تبدیلی ہے جس غرض کے لیے اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو پیدا کیا ہے مثلاً حیوانوں کو سواری کے لیے پیدا کیا۔ بحیرۃ، سائبہ بنا کر ان کی پرستش کرنا تغییر خلق اللہ ہے۔ سورج چاند کو انسان کے لیے مسخر کیا اُن کی عبادت تغییر خلق اللہ ہے۔

نمبر ا۔ نہ صرف شیاطین الجن کے وعدے ہی سراسر جھوٹ اور فریب ہوتے ہیں بلکہ شیاطین الانس جب لوگوں کو غلط راہ پر لگاتے ہیں تو وہ بھی جھوٹے وعدے دیکر ہی ایسا کرتے ہیں جو شخص دوسرے کو بدی کی ترغیب دیتا ہے وہ اس کو خوب سجاتا ہے اور اکثر لوگ بدوں کی صحبت میں بیٹھ کر اسی لیے تباہ ہوتے ہیں کہ وہ ان کی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں۔

نمبر ۲۔ آرزوؤں اور خواہشات پر اجر نہیں ملتے خواہ مسلمان ہوں خواہ یہود و نصاریٰ جو مسلمان نام کو مسلمان کہلاتے ہیں اور قرآن شریف کو اپنا دستور العمل نہیں بناتے وہ محض امانی کے پیرو ہیں۔

اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿١٢٤﴾

اور وہ مومن ہو ـ تو یہی جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرہ بھر ظلم نہ کیا جائے گا۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۗ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿١٢٥﴾

اور دین میں اس سے اچھا کون ہے جس نے اپنی ساری توجہ کو اللہ کی فرمانبرداری میں لگا دیا اور وہ احسان کرنیوالا ہے اور راست رو ہو کر ابراہیم کے مذہب کی پیروی کرتا ہو اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا پیارا بنایا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ مُّحِيْطًا ﴿١٢٦﴾ ع

اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ کا ہی ہے اور اللہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِى النِّسَآءِ ۗ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ فِىْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِىْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿١٢٧﴾

اور تجھ سے عورتوں کے متعلق فتویٰ پوچھتے ہیں کہ اللہ تم کو ان کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے اور جو تم پر کتاب میں پڑھا جاتا ہے ان عورتوں کے یتیموں کے بارے میں ہے جن کو تم جو کچھ ان کے لیے اور ناتواں بچوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے نہیں دیتے ہو اور نہیں چاہتے ہو کہ ان کے نکاح کرو اور یہ کہ یتیموں کے معاملے میں انصاف پر قائم رہو اور جو کچھ بھلائی تم کرو تو اللہ اسے جاننے والا ہے[۲]۔

نمبر۱۔ پس جس طرح مرد کے لیے نعمائے جنت ہیں اسی طرح اور وہی نعمائے جنت عورت کے لیے بھی ہیں۔ پس اگر عیسائیوں نے اسلام پر یہ جھوٹا الزام دیا ہے کہ ان کے نزدیک عورت کی روح ہی نہیں تو خود مسلمان بھی اس غلط فہمی میں ہیں کہ بہشت میں جو انعامات مرد کے لیے ہیں وہ عورت کے لیے نہیں۔

نمبر۲۔ یتامی النساء کے معنی دونوں طرح ہو سکتے ہیں۔ عورتوں کے یتیم بچے یعنی بیوہ عورتوں کے بچے اور یتیم عورتیں اور لسان العرب میں ہے کہ یتیم اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کا خاوند نہ ہو۔

ماکتب لھن۔ جو حصہ ان کے لیے مقرر ہوا ہے اس سے مہر مراد نہیں، بلکہ میراث کا حصہ مراد ہے کیونکہ اس کے ساتھ ہی کمزور بچوں کا ہی ذکر ہے عورتوں اور بچوں کو عرب لوگ میراث نہ دیتے تھے ترغبون ان تنکحوھن کے دونوں معنے ہو سکتے ہیں کہ ان کے نکاح میں رغبت کرتے ہو اور یہ کہ ان کے نکاح نہیں چاہتے کثرت دوسرے معنی کی طرف ہے اور سیاق بھی یہی چاہتا ہے اس لیے کہ مال کا ورثہ لینے کے لیے وہ نہ چاہتے تھے کہ ایسی عورتیں نکاح کریں۔ اس رکوع کا تعلق ابتدائے سورت سے ہے اور اس میں اسی مضمون تعدد ازدواج کا ذکر ہے جس کا ذکر سورت کے شروع میں کیا تھا۔ ابن عباس سے ایک روایت میں ہے کہ یہ آیت ام کحت کے بارہ میں نازل ہوئی جس کے یتیم بچے تھے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ حکم جو پہلے دیا جا چکا ہے کہ تم دو دو تین تین چار چار عورتوں سے نکاح کرلو۔ وہ یتامی النساء کے بارہ میں ہے یعنی ایسی عورتوں کے بارہ میں جو بلا خاوند رہ گئی ہیں جیسا کہ لڑائیوں میں بہت سی عورتیں بیوہ ہو گئیں اور یا اگر یتامی النساء کے دوسرے معنی لیے جائیں یعنی عورتوں کے یتیم بچے تو آیت ۳ کے معنی یوں ہوں گے کہ عورتوں کے یتیم بچوں کے بارہ میں انصاف نہ کرسکو تو ان عورتوں سے نکاح کرو جو ان کی مائیں ہیں جس سے تعدد ازدواج کے مسئلہ کی صراحت ہوتی ہے کہ یہ مشکلات پیش آمدہ کے حل

وَاِنِ امۡرَاَةٌ خَافَتۡ مِنۡۢ بَعۡلِهَا نُشُوۡزًا اَوۡ
اِعۡرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡهِمَاۤ اَنۡ يُّصۡلِحَا
بَيۡنَهُمَا صُلۡحًا ؕ وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ ؕ وَاُحۡضِرَتِ
الۡاَنۡفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنۡ تُحۡسِنُوۡا وَتَتَّقُوۡا فَاِنَّ
اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ خَبِيۡرًا ﴿۱۲۸﴾

اور اگر ایک عورت کو اپنے خاوند کی زیادتی یا بے رغبتی کا ڈر ہو تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں صلح کریں اور صلح اچھی چیز ہے اور طبیعتوں میں بخل ہوتا ہے۔ اور اگر تم احسان کرو اور تقوٰے کرو تو اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے ۱؎

وَلَنۡ تَسۡتَطِيۡعُوۡۤا اَنۡ تَعۡدِلُوۡا بَيۡنَ النِّسَآءِ
وَلَوۡ حَرَصۡتُمۡ فَلَا تَمِيۡلُوۡا كُلَّ الۡمَيۡلِ
فَتَذَرُوۡهَا كَالۡمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنۡ تُصۡلِحُوۡا وَتَتَّقُوۡا
فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ﴿۱۲۹﴾

اور تم طاقت نہیں رکھتے کہ عورتوں میں عدل کر سکو، خواہ کتنا ہی چاہو۔ پس بالکل بھی نہ جھک جاؤ یہاں تک کہ اُسے اُدھر میں لٹکی ہوئی کی طرح چھوڑ دو اور اگر تم اصلاح کرو اور تقوٰے کرو تو اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۲؎

کرنے کے لیے تھا اور یہ امر کہ یہاں اسی مسئلہ تعدد ازدواج کی طرف اشارہ ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اس کے بعد عدل کا ذکر صفائی سے کیا ہے اور یہ جو فرمایا کہ ان کو تم ان کا مقرر حصہ نہیں دیتے، نہ چھوٹے بچوں کو تو اس میں عرب کے پُرانے دستور کی طرف اشارہ ہے کہ وہ عورتوں اور بچوں کو محروم الارث کرتے تھے اور ترغبون ان تنکحوھن سے معلوم ہوتا ہے کہ بوجہ ان کی اولاد کی پرورش کی ذمہ داری کے وہ ان سے نکاح بھی نہ کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے اسلام نے دونوں حکم دیئے کہ عورتوں اور کمزور بچوں کو حق ورثہ بھی دیں اور ایسی عورتوں سے جن کے یتیم بچے رہ گئے ہیں نکاح بھی کریں اور اس کے لیے تعدد ازدواج کی بھی اجازت دی۔

نمبر ۱۔ یہاں اس صورت کا ذکر کیا جب عورت کو خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا خوف ہو۔ اس خاص صورت کا ذکر کہ عورت کو خاوند کی طرف سے خوف ہو تعدد ازدواج کے جھگڑے سے ہی وابستہ معلوم ہوتا ہے اور اسی لیے عورت کے نشوز (آیت ۳۴) اور شقاق (آیت ۳۵) سے اسے الگ کیا۔ فرمایا کہ جب خاوند کی دوسری شادی کرنے سے عورت کو یہ خوف ہو کہ وہ اس کی طرف سے بالکل بے رغبت ہو جائے گا یا اس پر زیادتی کرے گا تو وہ دونوں کوئی صورت صلح کی اختیار کریں اور وہ صورت یوں بھی ہو سکتی ہے کہ خاوند ہی ازدواج ثانی کے ارادہ کو ترک کر دے یا یہ کہ عورت کا اطمینان کر دے کہ اس کو نقصان نہیں پہنچے گا۔

نمبر ۲۔ مرد کا عورتوں میں عدل کرنا دو طرح پر ہو سکتا ہے۔ ایک ظاہر حالات میں یعنی خرچ دینے میں، باری میں۔ دُوسرا محبت میں۔ سورت کے شروع میں فرمایا تھا کہ اگر تم کو خوف ہو کہ عدل نہ کر سکو گے تو ایک سے زیادہ نکاح نہ کرو بلکہ ایک پر ہی اکتفا کرو۔ وہ عدل حالات ظاہر میں ہے۔ یہاں خاوند اور بیوی میں رغبت اور محبت کا ذکر ہے اس لیے ولن تستطیعوا ان تعدلوا میں جس عدل کی عدم استطاعت کا ذکر ہے وہ عدل تعلقات محبت میں ہے اور بتایا ہے کہ یہ انسان کی طاقت میں ہی نہیں کہ اگر دو بیویاں اس کے گھر میں ہیں تو دونوں سے یکساں محبت کر سکے، عدل ظاہری کی نفی یہاں نہیں ہے کیونکہ وہ تو انسان کر سکتا ہے یہ خیال کہ تعدد ازدواج کی اجازت دے کر پھر اسے ایک محال شرط سے وابستہ کر دیا ہے اور خود ہی اس شرط کو محال قرار دیا ہے صحیح نہیں اس لیے کہ تعدد ازدواج کی اجازت تو ایک خاص مشکل کو حل کرنے کے لیے دی تھی جس کا ذکر ابھی ہو چکا ہے اور خدا کے کلام کو یہ شایاں نہیں کہ خود ایک ضرورت کو بیان کرے پھر خود ہی اس کے پورا کرنے کو ایک محال شرط سے وابستہ کر دے۔ اگر ضرورت تعدد ازدواج کی ہے تو پھر اس کا انکار اس بنا پر نہیں ہو سکتا کہ تم عدل نہیں کر سکتے کیا یہ خود خدا تعالیٰ پر اعتراض نہیں کہ ایک طرف تعدد ازدواج کی ضرورت کو بیان کرتا ہے اور دوسری طرف تعدد ازدواج کو ایک شرط محال سے وابستہ کرتا ہے۔ اس آیت کے معنی صاف ہیں کہ عدل ظاہری کا حکم تو ہم دے چکے ہیں۔ محبت میں مساوات کے لیے ہم تم کو مجبور نہیں کرتے

وَإِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

اور اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی کشائش سے
غنی کر دیگا اور اللہ وسعت والا حکمت والا ہے ۱

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ
وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ
قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ
تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾

اور اللہ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے
اور ہم نے اُن کو جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی اور تم کو بھی یہی
حکم دیا کہ اللہ کا تقویٰ کرو اور اگر تم انکار کرو، تو جو کچھ
آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ کا ہی ہے اور
اللہ بے نیاز تعریف کیا گیا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ
وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾

اور اللہ کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں
ہے اور اللہ ہی کارساز بس ہے۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ
بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾

اے لوگو! اگر وہ چاہے تو تم کو لے جائے اور اوروں کو
لے آئے اور اللہ اس پر قادر ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ
ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
ع سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

جو کوئی دنیا کا ثواب چاہتا ہے تو اللہ کے ہاں دنیا اور
آخرت (دونوں) کا ثواب ہے اور اللہ سننے والا
دیکھنے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ
شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ
وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا
فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ
تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، انصاف پر قائم ہونیوالے
اللہ کے لیے گواہی دینے والے رہو، گو (معاملہ) تمھاری اپنی
ذات یا ماں باپ اور قریبیوں کے خلاف ہو اگر کوئی امیر ہو یا غریب
تو اللہ دونوں کا (تمھاری نسبت) زیادہ خیر خواہ ہے سو تم خواہش کی پیروی
نہ کرو تاکہ عدل کر سکو اور اگر تم پیچ دار بات کرو یا (حق سے) اعراض
کرو تو یقیناً جو تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے ۲

ہاں ایک عورت کی طرف اس قدر بے رغبتی کرنا کہ وہ نہ خاوند والیوں میں داخل ہو نہ بغیر خاوند والیوں میں اُدھر بیچ لٹکی ہوئی ہو اس سے منع فرمایا۔

نمبر ۱۔ اگر میل موافقت نہ ہو سکے تو دونوں کا جدا ہو جانا ہی بہتر ہے یہ آیت ۱۲۸ کے مضمون کی تکمیل ہے۔

نمبر ۲۔ اصل ذکر منافقوں کا تھا اور منافق نہ انصاف پر قائم رہ سکتا ہے نہ حق کی گواہی ایسے موقعہ پر دے سکتا ہے جہاں اسے کچھ نقصان پہنچا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ
الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ
بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ
كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ
لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ؕ﴿۱۳۷﴾
بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۙ﴿۱۳۸﴾
الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر[۱]
اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری اور اس
کتاب پر جو پہلے اتاری اور جو شخص اللہ اور اس کے
فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور پچھلے دن کا انکار
کرتا ہے وہ گمراہی میں دور نکل گیا۔
بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کافر ہوئے، پھر ایمان
لائے پھر کافر ہوئے، پھر کفر میں بڑھ گئے، تو اللہ یہ نہیں کہ
ان کی مغفرت کرے اور نہ یہ کہ ان کو راہ پر سیدھا چلائے[۲]
منافقوں کو خبر دیدے کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔
جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے

ہو۔ اس لیے فرمایا کہ ایمان والوں کو چاہیئے کہ اوّل انصاف کے قوام نہیں یعنی اس کو ہمیشہ مضبوطی سے قائم رکھنے والے اور ہر ایک قسم کے حقوق پورے انصاف سے ادا کرنے والے، فیصلہ کرنا صرف ایک موقعہ ہے جو بعض انسانوں کو پیش آتا ہے۔ قرآن کریم کے الفاظ تمام قسموں کے حقوق کی ادائگی پر حاوی ہیں گو اس میں شک نہیں کہ فیصلہ کا وقت سب سے زیادہ انسان کے لیے آزمایش کا وقت ہے دوسری جگہ یوں فرمایا لا یجرمنکم شنان قوم علیٰ الا تعدلوا (المائدہ۔ ۸) کسی قوم کی دشمنی کی وجہ سے بھی عدل کے مقام سے نہ ہٹو۔ یہ مشکل سے مشکل مقام عدل کا ہے انسان کی اپنی ذات یا اقربا کا معاملہ ہو یا کسی قوم سے عداوت ہو تو وہاں عدل قائم رکھنا مشکل ہے۔ ایسا ہی شہادت حقہ کا ادا کرنا ایک مشکل بات ہے۔ بالخصوص جہاں اپنی ذات پر اس کا اثر پڑتا ہو یا ماں باپ یا قریبیوں پر، اس لیے دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ گواہی دینے میں اللہ کی رضا کے سوائے اور کچھ مدِ نظر نہ ہو۔ اللہ کے لیے گواہی دینے سے یہی مطلب ہے پھر بعض وقت انسان ایک امیر آدمی کے لحاظ سے انصاف اور شہادت حقہ کو چھوڑ دیتا ہے تاکہ اُسے خوش کرے اور بعض وقت ایک غریب پر رحم کر کے۔ فرمایا تم دونوں باتوں کی پروا نہ کرو یعنی غنی کی رضا حاصل کرنا یا فقیر پر رحم کرنا حق سے تمہیں نہ پھیر دے۔ غنی کے معاملہ میں اللہ کی رضا اور غریب کے معاملہ میں اللہ کا رحم اس سے بڑھ کر ہے اور تم سے بڑھ کر اللہ ان دونوں کا خیر خواہ ہے۔ تم کسی کی خیر خواہی میں خواہ وہ امیر ہو اور خواہ غریب عدل اور حق کو ترک نہ کرو۔ عدل کی صفت سے انسان تب ہی متصف ہوتا ہے جب خواہشات کی پیروی ترک کر دے۔ اس لیے بتایا کہ اس مقام پر پہنچنے کا طریق یہی ہے کہ تم خواہشات کی پیروی چھوڑ دو۔

نمبر۱۔ پہلے ایمان سے مراد ایمان ظاہر یا اقرار باللسان ہے اور دوسرے ایمان سے مراد تکمیل ایمانی ہے جس میں تصدیق بالقلب اور اس کے مطابق عمل بھی شامل ہیں۔ چونکہ اصل ذکر منافقین کا تھا۔ اس لیے فرمایا کہ صرف منہ کا ایمان فائدہ نہیں دیتا جب تک اس کے ساتھ عمل نہ ہو۔

نمبر۲۔ اس سے مراد منافق ہی ہیں۔ چنانچہ اگلی آیت میں تصریح موجود ہے۔ ایمان لائے پھر کافر ہوئے، پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے۔ مراد دو دفعہ کی گنتی نہیں بلکہ ان کے تردّد کو ظاہر کرنا مقصود ہے اور یہ تردد بعض منافقوں کی صورت میں ظاہر میں بھی واقع ہوتا تھا یعنی مسلمان ہونے کے بعد علی الاعلان مرتد ہو جاتے اور بعض کی صورت میں صرف باطن میں تھا ثم ازدادوا کفرا سے مراد یہ ہے کہ آخری حالت ان کی یہ ہے کہ کفر میں ترقی کرتے چلے گئے۔ ایسوں کی حفاظت اور ہدایت اللہ نہیں کرتا۔ اس لیے کہ جب ایک شخص غلط راہ کو اختیار کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے مجبور کر کے نیک کام کی طرف نہیں لاتا۔ جیسے نیک کو مجبور کر کے بدی کی طرف نہیں لے جاتا۔

دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۱۳۹

ہیں ۔ کیا وہ ان کے ہاں عزت چاہتے ہیں تو عزت سب اللہ کے لیے ہی ہے ۔

وَ قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَ يُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۙ ۱۴۰

اور وہ تم پر کتاب میں (یہ حکم) نازل کر چکا ہے کہ جب تم سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جاتا ہے اور ان پر ہنسی کی جاتی ہے تو ان کے ساتھ مت بیٹھو یہاں تک کہ وہ اس کے سوا کسی دوسری بات میں لگ جائیں ضرور تم بھی اس وقت انہی کی طرح ہو ، اللہ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں اکٹھا کرنے والا ہے [1] ۔

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَ اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَ نَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَ لَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۱۴۱ ع ۱۷

وہ جو تمھارے متعلق انتظار میں ہیں ، پس اگر تم کو اللہ کی طرف سے فتح ملے تو کہتے ہیں کیا ہم تمھارے ساتھ نہ تھے ؟ اور اگر کافروں کو کچھ حصہ مل جائے تو کہتے ہیں کیا ہم تم کو چڑھا نہیں لائے اور مومنوں سے تمھاری حفاظت نہیں کی [2] سو اللہ تمھارے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا اور اللہ ہرگز کافروں کو مومنوں پر (غلبہ کی) راہ نہیں دے گا۔

نمبر۱ - یہ حکم پہلے سورۃ الانعام میں نازل ہو چکا ہے (و اذا رایت الذین یخوضون فی ایاتنا فاعرض عنھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ - (الانعام - ۶۷) کیونکہ سورہ الانعام مکہ میں نازل ہوئی اور یہ سورت یعنی النسآء مدینہ میں نازل ہوئی ۔ مکہ میں مشرکین عرب اپنی مجالس میں قرآن کریم پر ہنسی ٹھٹھا کرتے تھے ۔ مدینہ میں یہودی اور منافق ۔ روکنے کی وجہ یہاں بتا دی ہے کہ اس صورت میں تم بھی ان جیسے ہو گے ۔ جب انسان ایک چیز کے متعلق استہزا کا طریق اختیار کرتا ہے تو جو شخص اس استہزا کو خوش ہو کر سنتا ہے اس کا قلب بھی اسی رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے ۔ یوں کفار کے ساتھ بیٹھنے سے ، بات چیت کرنے سے منع نہیں کیا ۔ منافقین کفار کے ساتھ بیٹھ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی ہنسی اڑایا کرتے تھے مسلمانوں کو روکا کہ ان کے دام میں نہ آ جائیں ۔

نمبر۲ - یہاں منافقوں کی دو رخی چال کا ذکر کیا ہے ۔ ایک طرف مومنوں کے ساتھ ملے رہتے ، انھیں غلبہ ہوتا تو کہتے ہم تمھارے ساتھ تھے دوسری طرف کافروں کے ساتھ جب کسی جنگ میں کچھ فائدہ کافروں کو ہو جاتا تو ان کو جتاتے کہ ہم ہی تمھارے اس فائدہ کا اصل موجب ہیں کیونکہ ہم ہی تم کو چڑھا کر لائے اور ہم نے پھر مومنوں کا ساتھ چھوڑ کر تمھارا ان سے بچاؤ کر دیا ۔ یعنی وہ اس قابل نہ رہے کہ تم پر حملہ کر سکتے اور یوں تمھارا بچاؤ ہو گیا ۔ پس جو کچھ تم کو حاصل ہوا صرف ہماری وجہ سے حاصل ہوا یہ ان کی شرارتیں تھیں جن کی وجہ سے ان کو اگلے رکوع میں انجام بد سے ڈرایا گیا ہے ۔ یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ لڑائی کے اتار چڑھاؤ میں جو مسلمانوں اور کفار کے درمیان ہو رہی تھی ، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی کامیابی کے لیے لفظ فتح اختیار فرمایا ہے اور کفار کے لیے لفظ نصیب یعنی کچھ تھوڑا سا حصہ ، جس سے معلوم ہوا کہ کفار کو مسلمانوں کے مقابل پر فتح کبھی حاصل نہیں ہوئی ۔ ہاں کچھ تھوڑی تکلیف مسلمانوں کو پہنچ گئی ۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾

منافق اللہ کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور وہ ان کو دھوکا بازی کی سزا دیگا۱؎ اور جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں کرتے مگر بہت کم۔

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

درمیان میں پریشان ہیں۔ نہ اِدھر کے، نہ اُدھر کے، اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں چھوڑ دے، تو تو اس کے لیے ہرگز راہ نہ پائے گا۲؎

يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۴۴﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کی سزا کے لیے اپنے خلاف کھلی دلیل بناؤ۳؎

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾

منافق آگ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہیں، اور تو ان کے لیے کوئی مددگار نہیں پائے گا۴؎

إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَأَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا

مگر وہ جو توبہ کریں اور اصلاح کریں اور اللہ کے احکام کو مضبوط پکڑیں

نمبر۱۔ خدع کے معنی ہیں کسی شخص پر ایسے طریق پر دکھ وارد کرنا جسے وہ جان نہ سکے۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف فعل خدع منسوب کرنے کا منشا صرف اس قدر ہے کہ وہ ان پر ایسا امر وارد کرے گا جسے وہ ناپسند کرتے ہیں اور یا برطبق جزاء سیئة سیئة مثلها۔ معنی یہ ہیں کہ وہ ان کو ان کے خدع کی سزا دے گا۔ اور مخادعة کے مقابل پر جب خدعة کہیں تو مراد ہوتی ہے ظفرت به یعنی میں اس پر غالب آیا۔ ان تینوں میں سے کوئی سے معنی کیے جائیں مطلب وہی ہے۔ پچھلے رکوع کے آخر پر منافقوں کی دھوکہ بازی کا ذکر کیا تھا کس طرح مسلمانوں کے دشمنوں کو ان پر چڑھا کر لاتے اور پھر کہتے ہم تمہارے ساتھ ہیں تو فرمایا کہ یہ مومنوں کو اس طرح دھوکا دیکر گویا خدا کو دھوکا دینا چاہتے ہیں مگر وہ دھوکا دے نہیں سکتے بلکہ آخر کار مغلوب ہوکر خود نقصان اٹھائیں گے۔ سورہ بقرہ کے شروع میں منافقوں کے ذکر میں فرمایا تھا کہ یخدعون الله والذین امنوا۔ اور اس کی سزا بیان فرمائی تھی وما یخدعون الا انفسهم خدا کو کیا دھوکا دینا ہے بلکہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔ یہاں بجائے ان الفاظ کے فرمایا وهو خادعهم مطلب وہی ہے کہ آخر اس دھوکا بازی کا بُرا نتیجہ پا کر رہیں گے۔

نمبر۲۔ جب منافقوں کی مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ بازی کا ذکر کیا تو ساتھ ہی بتایا کہ وہ نماز میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف آتے ہیں تو اس کی غرض بھی صرف دھوکا بازی ہے یعنی لوگ یہ خیال کریں کہ یہ مسلمان ہیں اس لیے نماز میں خوش دلی یا شرح صدر کس طرح پیدا ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب تک نماز میں انشراح اور خوشی کی کیفیت پیدا نہ ہو، وہ اصل مقصد کو پورا نہیں کرتی۔

نمبر۳۔ منافقوں کے ذکر میں اس آیت کا لانا بتاتا ہے کہ یہ بھی نفاق کی ایک علامت ہے اور منافقوں کے ذکر میں پیچھے آچکا ہے کہ وہ کفار سے تعلقات پیدا کر کے عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں اسلام کے دشمنوں سے عزت کا خواہاں ہونا یہ بھی ان کی ولایت ہے۔

نمبر۴۔ منافق ارتکاب کفر بھی کرتا ہے اور چھپ کر اسلام کے ساتھ دشمنی بھی۔ پھر وہ اسلام کی صداقت کے نشان بھی دیکھتا ہے اس لیے سب سے نچلے طبقہ میں ہے۔ ذلیل ترین لوگ دنیا میں بھی وہی ہیں جو منہ سے کچھ کہتے ہیں اور کرتے کچھ ہیں اگلی آیت میں اخلاص کا لفظ لا کر صاف اس طرف اشارہ کیا ہے۔

بِاللّٰهِ وَ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ
الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَ سَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ
اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾

اور اپنی فرماں برداری کو اللہ کے لیے خالص کریں، تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں۔ اور عنقریب اللہ تم مومنوں کو بڑا اجر دے گا۔

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ
وَ اٰمَنْتُمْ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

اللہ تمھیں عذاب دے کر کیا کرے گا، اگر تم شکر کرو اور ایمان لاؤ، اور اللہ قدر کرنے والا جاننے والا ہے[۱]۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ
اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ۭ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾

اللہ بری بات کے مشہور کرنے کو کسی سے پسند نہیں کرتا سوائے اس کے جس پر ظلم کیا گیا اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے[۲]۔

اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ
سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾

اگر تم بھلی بات کو ظاہر کرو یا اس کو چھپاؤ یا بدی سے درگزر کرو تو اللہ معاف کرنے والا قدرت والا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ
يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ
وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ
وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۵۰﴾

وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں، اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان راہ نکالیں۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ
عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾

وہ سچ مچ کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے[۳]۔

نمبر۱- چونکہ منافقوں کا ذکر تھا اور ابھی ان کو یہ کہا گیا تھا کہ ان کے لیے آگ کا سب سے نچلا طبقہ ہے اس لیے اب بتاتا ہے کہ اس قدر شدید وعید کے باوجود بھی اگر یہ لوگ شکر کریں اور ایمان لائیں تو پھر اللہ کو کوئی ضرورت نہیں کہ ان کو عذاب دے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ عذاب کی اصل غرض انسان کی اصلاح ہے نہ کچھ اور۔ اگر انسان اپنے نفس کی اصلاح خود کرلے تو عذاب بھی ٹل جاتا ہے۔

نمبر۲- یہ آیت قانون ازالۂ حیثیت عرفی کی بنیاد ہے۔ یہاں بتایا ہے کہ کسی شخص کو حق نہیں پہنچتا کہ دوسرے کی نسبت کسی بُری یعنی ہتک آمیز بات کو شہرت دے سوائے اس کے کہ ایک شخص مظلوم ہے یعنی اس کو نقصان پہنچا ہے تو اس کو حق ہے کہ وہ ظالم کی نسبت ہتک آمیز بات کا اعلان کرے مگر اس سے مراد وہی ہتک آمیز باتیں ہیں جو سچ ہیں ورنہ جھوٹ بات کہنے کا کسی صورت میں بھی حق نہیں۔ منافقوں کے ذکر میں اس آیت کا یہ تعلق ہے کہ کئی رکوعوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے حالات کھول کر بیان فرمایا اور جو کچھ ان کی چھپی ہوئی بدیاں تھیں اُن کو ظاہر کیا اب ان کے ذکر کو ختم کرتے ہوئے یہ سمجھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خفیہ بدیوں کا یوں اعلان نہ کرتا اگر یہ لوگ ظالم نہ ہوتے اُن کی شرارتوں کا کھلا ذکر اس لیے کرنا پڑا کہ مسلمانوں پر ظلم کر رہے تھے اور ان کو تباہ کرنا چاہتے تھے۔ آخر میں صفات سمیع علیم لانے سے مسلمانوں کی خوبیوں کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔

نمبر۳- یہود و نصاریٰ اور منافقین کے باہم تعلقات تھے۔ اس لیے منافقوں کے ذکر کو ختم کرکے اب یہود و نصاریٰ کا ذکر اگلے رکوع میں شروع ہوتا

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا
بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ
اُجُوْرَهُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾ ع

اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے یہی وہ ہیں جن کو اللہ اُن کے اجر دے گا اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ
كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ
مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ
الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْۢ
بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ
ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾

اہل کتاب تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو اُن پر آسمان سے ایک کتاب اُتارے، سو موسیٰؑ سے انھوں نے اس سے بھی بڑھ کر سوال کیا اور کہا کہ اللہ کو ہمیں کھُلا کھُلا دکھا۔ سو اُن کے ظلم کی وجہ سے اُن کو عذاب نے آپکڑا، پھر انھوں نے بچھڑا بنا لیا، بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی دلیلیں آچکی تھیں، لیکن ہم نے یہ معاف کر دیا اور موسیٰؑ کو کھلا غلبہ دیا۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا
لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا
تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾

اور ہم نے ان کے اقرار کے وقت پہاڑ کو ان پر بلند کیا اور ہم نے ان کو کہا کہ فرمانبرداری کرتے ہوئے دروازے میں داخل ہو جاؤ اور ہم نے انکو کہا کہ سبت کے بارے میں حد سے نہ گزر جائیو اور ہم نے اُن سے مضبوط وعدہ لیا۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا
غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا
يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾

سو اُن کے عہد کو توڑ دینے کی وجہ سے اور اللہ کی آیتوں کا انکار کرنے اور ان کے نبیوں کو ناحق قتل کرنے اور ان کے یہ کہنے سے کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں بلکہ اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے اُن پر مہر لگا دی سو وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔[1]

ہے مگر ان آخری آیات میں ربط مضمون کو قائم کیا ہے تعلقات کو چھوڑ کر حالت کے لحاظ سے منافقوں اور یہود وغیرہ میں یہ تعلق تھا کہ دونوں ایمان اور کفر کے بین بین رستہ اختیار کر رہے تھے جس کی طرف الفاظ یریدون ان یتخذوا بین ذٰلک سبیلا میں اشارہ کیا ہے منافق تو یوں کہ کبھی ایمان لائے کبھی کافر ہو گئے یا ظاہر میں ایمان لائے اندر سے کافر رہے اور یہود و نصاریٰ یوں کہ بعض رسولوں پر ایمان لائے اور بعض کا کفر کیا۔ اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق سے مراد صرف یہی نہیں کہ اللہ کو مان لیا اور رسولوں کا انکار کر دیا جیسے برہمو ہیں بلکہ یہ بھی کہ بعض رسولوں کو مان لیا اور بعض کا انکار کر دیا جیسے تمام اہل کتاب کی حالت ہے۔

نمبر۱۔ ان تمام امور کا ذکر سورہ بقرہ میں ہو چکا ہے۔ یہاں چونکہ حضرت مسیحؑ کے متعلق اُن کے جرم کا ذکر کرنا تھا، اس لیے خلاصۃً اُن کے پہلے جرموں کو بھی دوہرایا ہے اور کتاب آسمان سے اتارنے سے مراد یہ ہے کہ کاغذوں پر لکھی لکھائی کتاب آسمان سے اُترے جو گویا خدا نے اپنے ہاتھ سے لکھی ہو، تو فرمایا کہ یہ ایسا ہی سوال ہے جیسا موسیٰؑ سے کیا تھا کہ خدا کو ان آنکھوں سے کھُلا کھُلا دیکھیں جس طرح خدا تعالیٰ کو ان آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا اسی طرح اس کا کلام بھی اس طرح پر لکھا ہُوا نازل نہیں ہوتا جس طرح انسانوں کی بنائی ہوئی کتابیں ہوتی ہیں بلکہ وہ رسول کے قلب پر بتوسط جبرائیلؑ

وَّ بِكُفْرِهِمْ وَ قَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾	اور ان کے کفر کے سبب سے اور ان کے مریم پر بڑا بہتان باندھنے کی وجہ سے[۱]
وَّ قَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ	اور ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے
رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَ مَا قَتَلُوْهُ وَ مَا صَلَبُوْهُ وَ لٰكِنْ	رسول کو قتل کر دیا اور انھوں نے نہ اسے قتل کیا اور نہ اسے صلیب
شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ	پر مارا[۲] مگر وہ ان کے لیے اس جیسا بنا دیا گیا[۳]۔ اور بیشک وہ لوگ

نازل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ جواب صفائی سے اگلے رکوع کی پہلی آیت میں دیا ہے انا اوحینا الیك کما اوحینا الی نوح۔ یعنی تمھاری طرف اسی طرح وحی ہوئی جس طرح پہلے انبیاء کی طرف ہوتی تھی ۔

نمبر۱۔ ان کے کفر سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت انکار ہے جیسا آگے ذکر آئے گا اور حضرت مریم پر بہتان یہ تھا کہ ان کو نعوذ باللہ من ذلك زنا سے متہم کرتے تھے۔ یہودیوں کی روایات سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ انھوں نے ان کو یوسف کے متعلق متہم کیا ہو یعنی شادی سے پہلے یوسف کے ساتھ کسی ناجائز تعلق ہونے پر الزام لگایا ہو بلکہ مسیح کی ایک سوانح عمری یہودی نقطۂ خیال سے لکھی ہوئی کچھ عرصہ ہوا طبع ہوئی تھی۔ اس میں ایک یہودی پینتھر نام کے ساتھ ناجائز تعلق ہونے کا اتہام حضرت مریم صدیقہ پر لگایا ہے۔ قرآن کریم نے اس کو بہتان عظیم قرار دے کر حضرت مریم کا دامن پاک کیا ہے اور یہ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کا احسان عیسائیوں پر تھا جس کا معاوضہ اس ناشکر گزار قوم نے یہ دیا ہے کہ اس پاکوں کے سردار محمد صلعم پر طرح طرح کے ناپاک اتہام لگائے۔ مگر سچ ہے پاکوں کے منہ سے پاک باتیں ہی نکلتی ہیں اور ناپاکوں کے منہ سے ناپاک ۔

نمبر۲۔ صلب کے معنے لغت میں صلیب کے ذریعہ سے قتل کرنا ہیں صرف لٹکانا نہیں۔ یہودیوں میں صلیب کی یہ طرز تھی کہ ایک ٹی کی شکل کی لکڑی پر یعنی + اس قسم کی لکڑی پر ایک شخص کو لٹکا دیا جاتا تھا اور اس کے ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں لگا دی جاتی تھیں اور یہودی انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ مصلوب کی موت بھوک اور طاقت کے زائل ہو جانے سے واقع ہوتی تھی اور لاش بعض وقت تین دن صلیب پر لٹکی رہتی تھی۔ ہاں موت جلد واقع کرنے کے لیے بعض وقت ٹانگیں توڑ دی جاتی تھیں۔ یہاں حضرت عیسیٰؑ سے قتل و صلیب ہر دو کی نفی کی گئی ہے۔ گویا یہ بتایا ہے کہ ان دونوں طریقوں میں سے کسی طریق سے حضرت مسیح کی جان اُن کے جسم سے جدا نہیں ہوئی نہ بذریعہ قتل، نہ بذریعہ صلیب۔ سوال یہ ہے کہ کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح اب تک زندہ ہیں۔ اگر ایک شخص کے متعلق کہا جائے کہ وہ قتل یا صلیب سے نہیں مارا گیا تو کیا اس کی مطلق موت کی نفی ہو جاتی ہے ؟ مگر تعجب یہ ہے کہ حضرت مسیح کی نفی قتل و صلب سے ان کی موت کی نفی مراد لی جاتی ہے حالانکہ قرآن شریف خود بتاتا ہے کہ کیا ہوا۔ فرمایا ولکن شبه لهم مگر وہ (یعنی مسیح) اُن کے لیے مشابہ بنایا گیا جس کے معنے غلطی سے یوں کیے جاتے ہیں کہ کوئی شخص مسیح کا مشابہ بنایا گیا۔ یہ صریح غلطی ایک قصہ کو ذہن میں رکھ کر کی گئی ہے حالانکہ نہ قرآن شریف میں کسی ایسے شخص کا ذکر ہے نہ شبہ میں ضمیر سوائے مسیح کے کسی دوسرے کی طرف جا سکتی ہے ذیل کے واقعات بتاتے ہیں کہ مسیح صلیب پر چڑھائے گئے مگر مصلوب نہیں ہوئے بلکہ زندہ اُترے البتہ صلیب پر چڑھنے کی وجہ سے وہ مصلوب یا مقتول سے مشابہ ہو گئے۔ اوّل حضرت مسیح ایک روایت کے مطابق صلیب پر چھ گھنٹے (مرقس ۱۵ : ۲۵) اور ایک روایت کے مطابق تین گھنٹے سے بھی کم رہے (یوحنا ۱۹ : ۱۴) دوم یوحنا ۱۹ : ۳۲ سے ثابت ہے کہ مسیح کے ساتھ جو دو چور صلیب پر لٹکائے گئے جب ان کو اُتارا گیا تو ان کی ٹانگیں توڑی گئیں مگر مسیح کی ٹانگیں نہیں توڑی گئیں۔ سوم جب سپاہی نے مسیح کی پسلی میں بھالے کی نوک ماری تو خون نکلا جو زندگی کی علامت ہے۔ یوحنا ۱۹ : ۳۴۔ چہارم پلاطوس کو مسیح کے مرنے کا یقین نہیں آیا مرقس ۱۵ : ۴۴۔ پنجم مسیح کو دفن کرنے کی بجائے فراخ جگہ میں رکھ کر سامنے پتھر رکھ دیا گیا تاکہ تازہ ہوا اندر جائے مرقس ۱۵ : ۴۶۔ ششم تیسرے دن پتھر دروازے سے ہٹا ہوا پایا گیا۔ مرقس ۱۶ : ۴ جس کی غرض مسیح کو نکالنے کے سوائے کچھ نہیں ہو سکتی ۔ ہفتم یوحنا ۲۰ : ۱۵ حضرت مسیح نے باغبان کا بھیس بدلا ۔ ہشتم مسیح کے ہاتھوں پر کیلوں کے زخموں کے نشان باقی تھے (یوحنا ۲۰ : ۲۵ سے ۲۸) نہم لوقا ۲۴ : ۳۹ - ۴۴ سے ثابت ہے کہ واقعہ صلیب کے بعد حواریوں کے ساتھ مل کر آپ نے بھونی ہوئی مچھلی اور شہد کھایا۔ دہم جلیل کو پیدل سفر کیا متی ۲۸ : ۱۰۔ دوسری طرف جو روایت پیش کی جاتی ہے نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں نہ انجیل میں نہ کسی تاریخ میں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ مسیح کا ہم شکل کسی کو بنا دیا گیا کہ یہودی اسے صلیب دے دیں۔ اس کی ضرورت کیا تھی ؟ کیا اگر کسی کو ہم شکل بنائے بغیر خدا تعالیٰ مسیح کو اٹھا لیتا تو یہودی اس کو وہاں سے پکڑ لاتے۔ جو خدا نے ایک ہم شکل

لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾	جنھوں نے اس کے متعلق اختلاف کیا اس بارے میں شک میں ہیں ان کو اس کا کچھ علم نہیں صرف گمان کے پیچھے چلتے ہیں اور انھوں نے اسکو یقینی طور پر قتل نہیں کیا
بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾	بلکہ اللہ نے اسے اپنا قرب عطا فرمایا اور اللہ غالب حکمت والا ہے ۲۔
وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾	اور اہل کتاب میں سے کوئی نہیں مگر وہ اپنی موت سے پہلے اس پر ضرور ایمان لاتا ہے اور قیامت کے دن وہ اُن پر گواہ ہوگا ۳۔

بنا کر ان کو دھوکہ میں ڈال دیا۔ پس آیت کے معنی صاف ہیں مسیح قتل وصلیب سے مرے نہیں بلکہ مشابہ بالمقتول یا مشابہ بالمصلوب ہو گئے اور پھر اس کے بعد کبھی اپنی طبعی موت سے مرے جیسا پچھلی سورت میں اِنّی متوفیک سے ظاہر ہے۔

نمبر۱۔ اختلاف کرنے والے لوگ یہود و نصاریٰ دونوں ہیں سو تاریخ سے ثابت ہے کہ فی الواقع دونوں شک میں رہے اور کسی کو بھی قتل کا یقین نہیں ہُوا تین گھنٹے کے اندر اندر صلیب سے اُترنا ٹانگیں نہ توڑا جانا۔ پیلاطوس کا شک کرنا۔ پتھر کا ہٹا ہُوا پایا جانا۔ حواریوں سے خفیہ ملاقاتیں۔ کیا یہ صریح امور نہیں جن کا لازمی نتیجہ شک ہونا چاہیئے جو دونوں گروہوں کے دلوں میں پیدا ہُوا۔ اگر مسیح آسمان پر چلے گئے تھے اور ان کا ہم شکل مصلوب ہُوا تھا تو شک کیسا اور علم کا نہ ہونا کیا معنی ؟ یا تو یہودیوں نے مسیح کو آسمان پر جاتے دیکھا ہوگا تو ان کو یقین ہوگا کہ مسیح مصلوب نہیں ہُوا اور یا نہیں دیکھا تو ان کو یقین ہوگا کہ مسیح مصلوب ہو گئے دونوں صورتوں میں شک کوئی نہیں۔

نمبر۲۔ ابن جریر نے ابن جریج سے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مسیح کے رفع کرنے سے مراد ہے ان کو وفات دینا اور کافروں سے ان کی تطہیر کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ تو مصلوب مان کر اسے قرب الہٰی سے دور پھینکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اُسے قرب عطا فرمایا۔ اب قرب بارگاہ الہٰی اور مصلوبیت ایک دوسرے کی ضد ہیں اس لیے کہ یہودی جھوٹے مسیحوں کو مصلوب کرتے تھے اور اس لیے بھی کہ استثناء ۲۱ : ۲۳ سے اور پھر گلتیوں ۳ : ۱۳ سے ثابت ہے کہ صلیب کی موت کو لعنتی موت سمجھا جاتا تھا اور لعنت کا مفہوم اللہ تعالیٰ سے دوری ہے۔ پس لعنت کے ابطال کے لیے رفع کا ذکر کیا۔ کیونکہ لعنت دوری ہے اور رفع قرب۔

نمبر۳۔ یہ معنے کہ تمام یہودی حضرت عیسیٰؑ پر ان کے نزول ثانی کے وقت ایمان لائیں گے کئی طرح سے غلط ہیں۔ اوّل تو نزول ثانی کے لفظ قرآن میں نہیں یہ اپنی طرف سے زیادتی ہے۔ دوسرے یہاں ذکر عیسائیوں کا ہے کیونکہ حضرت عیسیٰ کی گواہی اپنی امت پر ہے دیکھو المائدہ ۔ ۱۱۷۔ تیسرے یہودیوں کا حضرت عیسیٰؑ پر دوبارہ نزول کے وقت ایمان لانا بے معنی ہے اگر دوبارہ نزول فرض بھی کر لیا جائے تو ایمان حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ لائیں گے ۔ نہ حضرت عیسیٰؑ پر۔ اس وقت حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لانے کے معنی یہ ہوئے کہ اس وقت کے نبی حضرت عیسیٰؑ ہوں گے حالانکہ عام عقیدہ کے مطابق بھی وہ محض مجدد ہو کر آئیں گے نہ نبی ہو کر پھر ان پر ایمان لانے کے کیا معنی ۔ اور پھر جو حضرت عیسیٰؑ پر ایمان لائیں گے یہاں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ان پر قیامت کے دن شہید ہونگے گویا اُمت محمدیہ کے ایک بڑے حصّہ پر جو حضرت عیسیٰؑ کے ذریعہ سے مسلمان ہوگا شہید حضرت محمد مصطفٰے صلعم نہ ہوں گے بلکہ حضرت عیسیٰؑ ہوں گے حالانکہ قرآن کریم میں اسی سورۃ میں دوسری جگہ فرمایا فکیف اِذا جئنا من کلّ امّۃ بشہید وجئنا بك علیٰ ھٰؤُلاءِ شہیدًا (۴۱) یعنی ہر امت میں اس کا رسول شہید ہوگا اور آپ یعنی محمد مصطفٰے صلعم ان پر یعنی امت محمدیہ پر شہید ہوں گے۔ چوتھے حضرت عیسیٰؑ کے منکر بھی قیامت تک رہیں گے دیکھو آل عمرانؑ ۵۴ ۔ مطلب صاف ہے کہ حالانکہ عیسائی خود حضرت عیسیٰؑ کے صلیب پر مرنے کے معاملہ میں شک میں ہیں اور ان کو یقین نہیں مگر ان میں سے ہر ایک پر اپنی موت سے پہلے ایمان ضرور لاتا ہے۔ عیسائیت کی بنیاد حضرت مسیح کے مصلوب ہونے پر ہے اگر مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ
طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۙ﴿١٦٠﴾

سو اُن لوگوں کے ظلم کی وجہ سے جو یہودی ہوئے ہم نے اُن پر اچھی چیزیں جو اُن کے لیے حلال کی گئی تھیں حرام کر دیں اور ان کے اللہ کی راہ سے بہت روکنے کی وجہ سے۔

وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ
اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ
مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾

اور ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ وہ اس سے روکے گئے تھے اور ان کے لوگوں کا مال ناحق کے ساتھ کھانے کی وجہ سے اور ہم نے اُن میں سے کافروں کے لیے دردناک دکھ تیار کیا ہے۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ
يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ
قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ
سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٦٢﴾ ع

لیکن اُن میں سے علم میں پختہ لوگ اور مومن اسی پر ایمان لاتے ہیں، جو تیری طرف نازل کیا گیا، اور جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا اور نماز کے قائم کرنے والے اور زکوٰۃ دینے والے اور اللہ اور آخر کے دن پر ایمان لانے والے۔ وہ ہیں جن کو ہم بڑا اجر دیں گے۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ
وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ
وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ
وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَ
سُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿١٦٣﴾

بے شک ہم نے تیری طرف وحی کی، جیسے ہم نے نوحؑ اور اُس سے پچھلے نبیوں کی طرف وحی کی اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور (اس کی) اولاد اور عیسیٰؑ اور ایوبؑ اور یونسؑ اور ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف وحی کی اور ہم نے داؤدؑ کو زبور دی۔

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ
وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ
مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿١٦٤﴾

اور (کچھ) رسول ہیں جن کا حال ہم تجھ سے پہلے بیان کر چکے ہیں اور (کچھ) رسول ہیں جن کا ذکر ہم نے تجھ سے نہیں کیا اور اللہ نے موسیٰؑ سے بہت باتیں کیں۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ

رسول خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے تاکہ لوگوں

تو نہ انھوں نے لوگوں کے گناہوں کی لعنت اٹھائی نہ وہ کفارہ ہو سکتے ہیں اور موت سے پہلے کا لفظ اس لیے بڑھایا کہ موت سے پہلے ضرور ہے کہ پادری عیسائی عقیدہ کا اقرار کرلے۔

لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۶۵﴾
لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ
وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۱۶۶﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۶۷﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ
لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ﴿۱۶۸﴾
اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ
وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۱۶۹﴾
يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ
مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا
فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَ
كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾
يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ وَلَا
تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ
عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ
اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا

کو رسولوں کے بعد اللہ پر کوئی عذر نہ رہے اور اللہ
غالب حکمت والا ہے۔
لیکن اللہ اس کے ساتھ گواہی دیتا ہے جو اس نے تیری طرف نازل کیا کہ اسے اپنے
علم کے ساتھ نازل کیا اور فرشتے گواہی دیتے ہیں اور اللہ ہی کافی گواہ ہے
وہ لوگ جنھوں نے انکار کیا اور اللہ کی راہ سے روکا ، وہ
گمراہی میں دُور نکل گئے۔
وہ لوگ جنھوں نے انکار کیا اور ظلم کیا اللہ ایسا نہیں کہ ان کو بخش
دے اور نہ یہ کہ ان کو راہ دکھائے۔
مگر دوزخ کی راہ ، اس میں ابد تک رہیں گے اور
یہ اللہ پر آسان ہے۔
اے لوگو ، رسول تمھارے رب کی طرف سے حق کے ساتھ
تمھارے پاس آیا ، سو ایمان لاؤ تمھارے لیے اچھا ہے اور
اگر تم انکار کرو تو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ ہی کا
ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔
اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو مت کرو ، اور
اللہ کی نسبت سوائے حق کے کچھ نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ بن
مریم صرف اللہ کا رسول اور اس کی پیشگوئی ہے ، جو
اس نے مریم کی طرف القا کی اور اس کی طرف سے روح ہے[1]

نمبر۱۔ حضرت عیسیٰ کو روح منہ کہا گیا۔ جس سے مراد زہری کے نزدیک رحمت ہے اور لوگوں نے بھی یہاں رحمت مراد لی ہے کیونکہ قرآن کریم میں دوسری جگہ ہے ورحمۃ منا (مریم ۱۹-۲۱) اور اگر حیات مراد لی جائے تو جس طرح آدم کے متعلق فرمایا ونفخت فیہ من روحی (الحجر ۱۵-۲۹) اور جس طرح ہر بشر کے متعلق فرمایا ثم جعل نسلہ من سللۃ من ماء مہین ثم سواہ ونفخ فیہ من روحہ (السجدہ ۳۲-۸-۹) اسی طرح حضرت مسیح کو روح منہ فرمایا اور اضافت بر سبیل تشریف ہے اور خصوصیت سے اس ذکر کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ یہود حضرت مریم پر زنا کا الزام لگاتے تھے اور زنا کی اولاد کو بوجہ تقدیس ذاتِ باری اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا جاسکتا ، تو یہ بتایا کہ وہ جائز تعلق سے ہے ناجائز تعلق سے نہیں۔ آدم کے ذکر میں بھی اپنی روح پھونکنے سے یہ اشارہ کرنا مقصود ہے کہ عیسائی عقیدہ جو آدم کو فطرتاً گنہگار ٹھہراتا ہے صحیح نہیں کیونکہ اس میں خدائی روح ہے۔

بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا	سو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور مت کہو تین ہیں
خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ	باز آجاؤ، تمھارے لیے بہتر ہے اللہ صرف ایک ہی
اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ	معبود ہے وہ اس سے پاک ہے کہ اس کا بیٹا ہو، اسی کا ہے
وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿١٧١﴾	جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کافی کارساز ہے
لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا	مسیح ہرگز بُرا نہیں مانتا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور نہ
لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَ مَنْ	ہی مقرب فرشتے اور جو کوئی اُس کی بندگی کو بُرا مانے
يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ يَسْتَكْبِرْ	اور تکبر کرے تو وہ ان سب کو اپنی طرف اکٹھا
فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿١٧٢﴾	کرے گا۔
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	پھر جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے،
فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَ يَزِيْدُهُمْ مِّنْ	تو ان کو وہ ان کے اجر پورے دے گا اور اپنے فضل سے ان
فَضْلِهٖ ۚ وَ اَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا	کو زیادہ دے گا اور جنھوں نے بُرا منایا اور تکبر کیا تو ان کو وہ
فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ	دردناک عذاب دے گا اور وہ اللہ کے سوائے نہ کوئی
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿١٧٣﴾	دوست اور نہ مددگار پائیں گے۔
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ	اے لوگو یقیناً تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے روشن دلیل

یعنی وہ روح جو فطرتاً پاک ہے۔ پس جس طرح ایک غلط عقیدہ کی تردید کے لیے آدم میں اپنی روح قرار دی اسی طرح ایک ناپاک خیال کی تردید کے لیے مسیح کی روح کو اپنی طرف منسوب کیا۔

نمبر۱۔ یہاں تثلیث کی صاف تردید کی اور خدا کے رسولوں پر ایمان لانے کو ضروری ٹھیرایا یعنی حضرت عیسیٰ کو بھی رسولوں میں سے ایک رسول مانو۔ یہ عیسائیوں کا اسلام پر افترا ہے کہ قرآن نے خدا اور مسیح اور مریم کو عیسائیت کی تثلیث سمجھا ہے۔ قرآن شریف نے مریم کی الوہیت کی تردید کی ہے مگر اس لیے کہ مریم کو خدا ماننے والا اس سے دعائیں مانگنے والا بھی ایک گروہ ہے۔ مریم کو تثلیث کا تیسرا اقنوم کہیں نہیں کہا۔ نہ تثلیث کے ذکر میں مریم کی الوہیت کا ذکر کیا ہے۔

نمبر۲۔ موجودہ اناجیل بھی اس پر شاہد ہیں کہ مسیح نے عبودیت کو کبھی عار نہیں سمجھا۔ بلکہ اس کو اپنا فخر سمجھا ہے۔ آخر یہ کس کا قول ہے کہ "تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور اس اکیلے کی بندگی کر" (متی ۴ : ۱۰) اور یہ کس نے کہا "تو کیوں مجھے نیک کہتا ہے نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا" مقرب فرشتوں کا ذکر اس لحاظ سے کیا کہ انسان تو انسان ہے وہ فرشتے جو ہر وقت بارگاہ الٰہی میں حاضر رہتے ہیں وہ بھی عبودیت کو اپنا فخر جانتے ہیں اور اس لحاظ سے بھی کہ جس طرح عیسائی حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا بناتے ہیں عرب کے بُت پرست فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے دونوں کی تردید ایک جگہ کر دی۔

رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَآ إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ﴿١٧٥﴾
فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ
فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ
وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿١٧٦﴾
يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ
إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ
فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَآ إِن لَّمْ
يَكُن لَّهَا وَلَدٌ فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا
الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِن كَانُوٓا إِخْوَةً
رِّجَالًا وَنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ
الْأُنثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا
ع وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٧٧﴾

آچکی ہے اور ہم نے تمھاری طرف واضح کردینے والا نور نازل کیا ہے۔[1]
سو وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور اس کو مضبوط پکڑا تو
اُن کو وہ اپنی طرف سے رحمت اور فضل میں داخل کرے گا
اور ان کو وہ اپنی طرف سیدھی راہ پر چلائے گا۔
تجھ سے فتوے مانگتے ہیں، کہہ اللہ تم کو کلالہ کے بارے میں
فتویٰ دیتا ہے۔[2] اگر کوئی شخص مرجائے اس کی اولاد نہ ہو اور اس
کی بہن ہو تو اس کے لیے جو اس نے چھوڑا اس کا نصف ہے اور اگر
عورت کی کوئی اولاد نہ ہو تو وہ (بھائی) اس کا وارث ہوگا
اور اگر دو (بہنیں) ہوں تو ان دونوں کے لیے جو اس نے چھوڑا اس کی
دو تہائی ہے اور اگر بہت بہن بھائی مرد اور عورتیں ہوں تو
مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کی مانند ہے اللہ تمھیں کھول کر
بتاتا ہے تاکہ تم غلطی میں نہ پڑو اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

نمبر۱۔ ایک طرف اگر ایسے عقیدہ کا ذکر کیا جس کے ساتھ عقلی دلیل کوئی نہیں تو اس کے بالمقابل اب ایک روشن دلیل اور ایسے نور کا ذکر کیا جو سب چیزوں کو روشن اور واضح کردیتا ہے اور حق کو باطل سے الگ کردیتا ہے جس کے سامنے عقل انسانی کو بیکار نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے جوہر بھی ظاہر ہوتے ہیں اور خود اس پر روشنی پڑتی ہے۔ نورٌ مبین، قرآن کریم ہے اور برہان رسول اللہ صلعم کا وجود ہے۔ کیونکہ آپ قرآن کریم کی تعلیم کو اپنے عمل سے اس طرح واضح کردیتے ہیں جس طرح برہان دعویٰ کو روشن کردیتی ہے۔

نمبر۲۔ یہ حکم اور آیت (۱۲) کا حکم چونکہ ملتے جلتے ہیں اس لیے دو صورتوں سے خالی نہیں۔ یا کلالہ کے وہاں اور معنی ہیں یہاں اور۔ اور یا وہاں بھائی بہنیں اور ہیں یہاں اور۔ صورت اوّل میں آیت (۱۲) میں اُس کلالہ کا ذکر ہے جس کی صرف اولاد نہ ہو اس لیے بھائی بہنوں کو تھوڑا حصہ دیا ہے اور یہاں اُس کلالہ کا ذکر ہے جس کے نہ اولاد ہو نہ والدین اس لیے بھائی بہنوں کو پورا وارث کیا ہے یا زیادہ حصہ دیا ہے لیس لہ ولد اس کے مخالف نہیں کیونکہ ایک طرف کا ذکر کرکے دونوں کا مراد لینا عام ہے اور دوسرے اس لفظ میں ایک خاص اشارہ ہے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ صورت دوم میں آیت (۱۲) میں اخیافی بھائی بہنوں کا ذکر ہے۔ یعنی جو ماں کی طرف سے بھائی ہوں بوجہ تعداد ان کو کم حصہ دیا ہے اور یہاں اعیانی یعنی حقیقی اور علاتی یعنی باپ کی طرف سے بھائی بہنوں کا ذکر ہے اس لیے حصہ زیادہ دیا ہے۔ سورت کا خاتمہ ورثہ کی آیت پر کرکے سورت کے اصل مضمون کی طرف پھر توجہ دلائی ہے اور ساتھ ہی اس طرف بھی کہ جس طرح کلالہ کے وارث اس کے بھائی ہوتے ہیں اسی طرح اب بنی اسرائیل حضرت مسیح کی آمد کے بعد جن کا ذکر اوپر ہوچکا ہے ایک کلالہ کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ سلسلۂ نبوت عملی طور پر ان میں منقطع ہوچکا۔ اس لیے اب نبوت بنی اسمٰعیل میں منتقل ہوتی ہے جو بنی اسرائیل کے بھائی ہیں اور دونوں خاندانوں کو بابرکت کرنے کا وعدہ ہی حضرت ابراہیمؑ سے تھا یہ ایک نہایت لطیف اشارہ ہے اور اسی لیے یہاں کلالہ کے ساتھ الفاظ لیس لہ ولد بڑھا دیئے ہیں۔

ایاتہا ۱۲۰ (٥) سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱ رکوعاتہا ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ بے انتہا رحم والے باربار رحم کرنے والے کے نام سے۔

الربع يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ
لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ
غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اقراروں کو پورا کرو ۲ تمہارے لیے چوپائے جانور حلال کیے گئے ہیں، سوائے اس کے جو تم پر پڑھا جاتا ہے نہ شکار کو حلال جاننے والے جب تم حالتِ احرام میں ہو اللہ جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے ۳۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ
وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْىَ وَلَا
الْقَلَآئِدَ وَلَاۤ اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ
يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ
وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے نشانوں کی بے حرمتی نہ کرو، اور نہ حرمت والے مہینے کی اور نہ قربانیوں کی اور نہ ان کی جو گانی پہنائے گئے ہوں اور نہ حرمت والے گھر کا قصد کرنیوالوں کی وہ اپنے رب سے فضل اور خوشنودی چاہتے ہیں ۴ اور جب تم احرام کھول دو تو شکار کرو اور کسی قوم کی دشمنی

نمبر۱۔ اس سورت کا نام المائدہ ہے اور اس میں ۱۶ رکوع اور ۱۲۰ آیتیں ہیں۔ مائدہ سے مراد کھانا ہے اور اس کا ذکر حضرت مسیح کے متبعین کے متعلق ہے اس سورت میں بہت زیادہ ذکر عیسائیوں کا ہی ہے جو شریعت کو ترک کر کے لذائذ دنیوی میں منہمک ہو گئے اور مسلمانوں کے لیے مسائل تمدن کا بھی اسی ذیل میں ذکر ہے اس کا نزول مدینہ میں پچھلے ایام میں ہوا۔

نمبر۲۔ اس سورت کو پابندی معاہدہ کے حکم سے شروع کرنے میں کئی مصالح ہیں۔ ایک تو یہ کہ تمدن کی بنیاد پابندی معاہدہ پر ہے اور یہ سورت تمدن پر ہے دوسرے یہ کہ اس میں خصوصیت سے عیسائی مذہب کا ہی ذکر ہے اور اس مذہب نے چونکہ کفارہ کا مسئلہ سکھا کر ایک حصہ یعنی خدائی عقود یا تکالیف شرعیہ کو تو بالکل ہی جواب دیا اور دوسرے حصہ یعنی انسانوں یا قوموں کے باہمی معاہدات کی بھی اس مذہب کے پیرؤں نے کم پروا کی ہے اس لیے مسلمانوں کو متنبہ کرنا ضروری تھا۔ تیسرے اس سورت میں یہودیوں اور عیسائیوں کی عہد شکنی کا خاص طور پر ذکر ہے اور اس حکم میں مسلمانوں کو کامل وفاداری کی تعلیم دی ہے عہد شریعت کی بھی پابندی کریں اور باہمی معاہدات کی بھی۔

نمبر۳۔ جو چیزیں انسان سے احکام الٰہی کی پابندی تڑواتی ہیں وہ اس کی خواہشات ہیں اور ان خواہشات میں سب سے بڑھ کر کھانے پینے کی خواہش ہے اس لیے سب سے پہلے کھانے پینے کی حرمت وحلت کے احکام کو بیان کیا اور اس لیے بھی کہ عیسائیوں نے جن سے اس سورت میں خاص بحث ہے کھانے پینے کی حلت وحرمت کو بالکل اٹھا دیا ہے اور کھانے پینے کی خواہشات ان پر یہاں تک غالب آ گئی ہیں کہ اس بارہ میں انہوں نے ہر ایک قید کو توڑ دیا ہے اور شریعت کی بھی کوئی پروا نہیں کی۔

نمبر۴۔ ان جانوروں کو جن کو حج کے موقعہ پر قربانی کے طور پر لے جاتے ہیں اور بطور علامت یا نشان ان کے گلے میں گانی یا ہار پہناتے تھے قلائد کہتے تھے اور حج کو جاتے یا وہاں سے واپس آنے والے خود بھی اسی طرح ہار پہن لیتے تھے تاکہ ان کو کوئی دکھ نہ پہنچائے۔

شَنَاٰنُ قَوۡمٍ اَنۡ صَدُّوۡكُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ
الۡحَرَامِ اَنۡ تَعۡتَدُوۡا ۘ وَتَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡبِرِّ
وَالتَّقۡوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوۡا عَلَى الۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ ۖ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ ۝۲
حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةُ وَالدَّمُ وَلَحۡمُ
الۡخِنۡزِيۡرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيۡرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالۡمُنۡخَنِقَةُ
وَالۡمَوۡقُوۡذَةُ وَالۡمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيۡحَةُ
وَمَاۤ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيۡتُمۡ
وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنۡ تَسۡتَقۡسِمُوۡا
بِالۡاَزۡلَامِ ؕ ذٰلِكُمۡ فِسۡقٌ ؕ اَلۡيَوۡمَ يَئِسَ
الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ دِيۡنِكُمۡ فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ

کہ انھوں نے تم کو حرمت والی مسجد سے روکا تم کو اس بات پر
آمادہ نہ کرے کہ تم زیادتی کرو[1] اور نیکی اور تقوےٰ پر ایک دوسرے
کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو[2]
اور اللہ کا تقویٰ کرو اللہ (بدی کی) سزا دینے میں سخت ہے۔
مُردار تم پر حرام کیا گیا ہے اور خون اور سؤر کا
گوشت اور وہ جس پر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام
پکارا جائے اور گلا گھٹ کر مرا ہُوا اور چوٹ لگ کر مرا ہُوا اور سینگ لگ کر
مرا ہُوا اور وہ جسے درندوں نے کھایا ہو ہاں جسے تم ذبح کرلو[3]
(وہ کھالو) جو تھانوں پر ذبح کیا گیا ہو۔ اور یہ کہ تم پاسوں سے
قسمت معلوم کرو، یہ سب نافرمانی ہے۔ آج وہ لوگ جو کافر
ہیں تمھارے دین سے نا امید ہو گئے، سو اُن سے نہ ڈرو

نمبر۱۔ حدود اللہ کی طرف توجہ دلا کر اب انسانوں کے ایک دوسرے پر حقوق کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ دشمن کے انصاف کا معاملہ کرنا یعنی اس کے حقوق اس کو دینا یہ سب سے مشکل کام ہے اس لیے اس کا ذکر کر کے سمجھا دیا کہ جو دشمن نہ ہوں یا جن سے تعلقات محبت یا اتحاد ہوں ان کے حقوق کی نگہداشت کس قدر ضروری ہے اور پھر دشمن کے لفظ کو بھی عام نہیں رکھا کیونکہ بعض وقت محض غیریت قومی سے ایک قوم کو دشمن سمجھ لیا جاتا ہے بلکہ ان صدوکم عن المسجد الحرام کہہ کر بتا دیا کہ وہ دشمن جو تم کو انتہا درجہ کے دکھ پہنچا چکے ہیں تم کو گھروں سے نکال چکے ہیں اور تمھارے مذہبی فریضہ تک کی ادائیگی میں حائل ہوئے ہیں ان سے بھی عدل کرو۔ یعنی ان کے حقوق ان کو دو پس پابندی معاہدہ سخت ترین دشمن کے ساتھ بھی چاہیئے اور نہ صرف پابندی معاہدہ بلکہ حالت تمدن اور معاشرت سے جو حقوق پیدا ہوتے ہیں وہ بھی دینے چاہئیں +

نمبر۲۔ سخت ترین دشمنوں کے ساتھ انصاف کی تعلیم دے کر اپنی قوم کے حقوق بتائے ایک دوسرے کی اعانت کرو۔ ہاں اعانت صرف نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ہو۔ گناہ اور زیادتی میں اعانت نہ ہو۔ کیسا پاک اصول ہے جو تمدن کی بنیاد کے طور پر قائم کر کے دنیا میں صلح و آشتی کی بنیاد ڈالی ہے اور تمام قومی عنادوں کی جڑ کاٹ دی ہے۔ قوم اور ملک اور رنگ کے تفرقوں سے جو امتیاز لوگوں نے بنا رکھے ہیں جن کی بنا پر دوسری قوموں سے ظلم کیا جاتا ہے ان تمام کو اسلام نے یکسر مٹا دیا اور حکم دیا کہ اپنی قومیت بھی بناؤ اور ایک دوسرے کی اعانت بھی کرو مگر دوسروں کو نقصان پہنچانے کے لیے قومیت کو آڑ نہ بناؤ۔

نمبر۳۔ یہاں حرمت کی چیزوں کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور ان جانوروں کو جو صدمات سے مر جائیں جیسے گلا گھٹ کر یا چوٹ سے یا گر کر یا سینگ لگنے سے یا درندوں کے پھاڑ دینے سے مردار میں ہی شامل کیا ہے اِلَّا مَا ذَكَّيۡتُمۡ یہاں بطور استثنائے منقطع ہے یعنی جس جانور کو ذبح کرو اُسے ہی کھاؤ اور اس میں یہ بھی شامل ہے کہ چوٹ سینگ لگا ہوا وغیرہ جانور اگر ابھی مرا نہ ہو اور ذبح کے قابل ہو تو وہ بھی ذبح کر کے کھایا جا سکتا ہے اور لفظ تزکیہ میں بتا دیا کہ اصل ذبح میں خون نکالنا ہے۔ اس لیے بجائے ذبح کے تزکیۃ کا لفظ اختیار کیا۔ کیونکہ خون میں بہت قسم کی زہریں ہیں اور تزکیہ اسی جانور کا ہو سکتا ہے جس میں زندگی باقی ہو یعنی حرارت غریزی موجود ہو +

وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ
وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ
الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ
مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳﴾

اور مجھ سے ڈرو۔ آج میں نے تمھارا دین تمھارے لیے کامل کردیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کردیا اور تمھارا دین اسلام ہونے پر میں راضی ہُوا۔ پھر جو شخص بھوک سے مجبور ہو جائے گناہ کی طرف جھکنے والا نہ ہو تو اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے [1]۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ قُلْ اُحِلَّ
لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ
مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۫
فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ
اللّٰهِ عَلَيْهِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴﴾

تجھ سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لیے کیا حلال کیا گیا ہے کہہ تمھارے لیے ستھری چیزیں حلال کی گئی ہیں اور وہ جو تم شکاری جانوروں کو شکار کی تعلیم دیتے ہوئے سکھاؤ تم ان کو سکھاتے ہو اس (علم) سے جو اللہ نے تمھیں سکھایا سو جس کو وہ تمھارے لیے پکڑ رکھیں اس سے کھاؤ اور اس پر اللہ کا نام یاد کرو اور اللہ کا تقویٰ کرو۔ اللہ جلد حساب لینے والا ہے [2]۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ

آج تمھارے لیے ستھری چیزیں حلال کی گئیں اور ان لوگوں کا کھانا جن کو کتاب دی گئی تمھارے لیے حلال ہے اور

نمبر ۱۔ یہ آیت الیوم اکملت حجۃ الوداع میں عرفہ کے دن (جو جمعہ تھا) میدان عرفات میں بعداز عصر نازل ہوئی۔ آنحضرت صلعم سے پہلے جس قدر انبیاء آئے چونکہ وہ خاص خاص قوموں کی طرف خاص خاص زمانوں کے لیے مبعوث ہوئے تھے اس لیے ابھی تکمیل دین کی ضرورت پیش نہ آئی تھی۔ مگر اسلام میں مذہب کمال کو پہنچا اور اس لیے ساری دنیا کا مذہب اسلام ہی ہو سکتا ہے + دین اسلام کے کمال میں کیا کیا باتیں داخل ہیں؟ جو جو غرض دین کی ہو سکتی ہے ان سب اغراض کو اسلام نے پورا کر دیا۔ نمونہ کے طور پر دیکھ لو کہ کتاب ایسی کامل کہ فیہا کتب قیمۃ سب مضبوط کتابیں اس کے اندر ہیں یعنی پہلی کل صداقتیں جن کا دنیا میں رہنا ضروری تھا اس کے اندر جمع کر دی گئیں۔ بلکہ آیندہ بھی کوئی ایسی صداقت دینی ظاہر نہ ہو گی جو قرآن کریم کے اندر نہ ہو۔ سب مذاہب پر بحث موجود۔ ہر ایک عقیدہ حقہ کی تائید اور عقیدہ باطلہ کی تردید موجود حتیٰ کہ ان عقاید کی بھی جو اس وقت اہل عرب کے علم میں نہ تھے۔ پھر سب مذاہب کو خدا کی طرف سے مان کر ان کے اختلافات میں فیصلہ کی ایک نہایت ہی لطیف راہ بتائی۔ پھر ہر ایک دعویٰ بھی خود پیش کیا، دلائل بھی خود دیئے۔ کوئی حملہ اس پر ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس کے کسی اصول کو غلط ٹھہرا دے۔ جس نیکی اور خلق کو سکھایا کمال کے رنگ میں سکھایا کہ اس سے آگے اس نیکی یا خلق کا کوئی مرتبہ نہیں۔ جس بدی سے روکا اس کے مبادی سے بھی بچنے کی راہیں ساتھ ہی ساتھ بتائیں یہاں تک کہ باریک سے باریک باتیں جو کسی بدی کی طرف لے جا سکتی ہیں ان کو بھی واضح کر دیا جو وعدہ دیا اس کو اس دنیا میں پورا کر کے دکھایا اور صرف آخرت کے انتظار پر نہیں چھوڑا۔ جس مقام پر انسانوں کو پہنچانے کا دعویٰ کیا تھا اس مقام پر پہنچا کر دکھایا۔ تعلیم ایسی کامل کہ سب ملکوں سب قوموں سب زمانوں کی ضروریات کے لیے کافی ہے ۔

نمبر ۲۔ یہاں شکار کو جائز قرار دیا ہے۔ سدھائے ہوئے جانور کا مارا ہُوا کھانا جائز ہے بشرطیکہ اُسے چھوڑتے وقت تکبیر پڑھ لی جائے اور بدیں شرط کہ وہ اس سے نہ کھائے۔ بندوق یا تیر وغیرہ سے مارا ہُوا جانور بشرطیکہ شکار کے طور پر ہو جائز ہے اس شرط کے ساتھ کہ چلاتے وقت تکبیر کہی ہو +

حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ
وَ الْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ
اَخْدَانٍ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ
حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ
الْخٰسِرِيْنَ ۝ ع
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ
فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ
وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى
الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَ

تمہارا کھانا اُن کے لیے حلال ہے[1]۔ اور پاکدامن مومن عورتیں
اور اُن میں سے پاکدامن عورتیں جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی۔
جب تم اُن کو اُن کے مہر دے دو، نکاح میں لانے
والے، نہ کھلی بدکاری کرنے والے اور نہ چھپی دوستی رکھنے
والے۔ اور جو شخص ایمان سے انکار کرے تو اس کا
عمل ضائع ہو گیا اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے
والوں میں سے ہے[2]۔
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب تم نماز کو اُٹھو
تو اپنے منہ اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھو لیا کرو اور
اپنے سروں کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں
(دھو لیا کرو)[3]۔ اور اگر حالتِ جنابت میں ہو تو نہا لیا کرو،

نمبر۱۔ اگر اہل کتاب اللہ کے نام پر کسی جانور کو ذبح کریں تو اس کا کھانا مسلمانوں کے لیے جائز ہے اور اگر اللہ کے نام پر ذبح نہ کریں تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک جائز ہے بعض کے نہیں۔

نمبر۲۔ اہل کتاب کے ساتھ کھانے پینے کے احکام کے ساتھ نکاح کے احکام بھی بیان کر دیئے۔ کیونکہ کھانے پینے کی طرح نکاح بھی انسان کی فطری خواہش ہے پس ظاہری خواہشات فطری کے سارے احکام کو اس رکوع کے اندر جمع کر دیا ہے بعض کے نزدیک چونکہ اہل کتاب کی اصل بنیاد توحید باری پر ہے اس لیے سب اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز ہے خواہ وہ عملاً یا اعتقاداً مشرک بھی ہوں مگر اقرب الی الصواب یہی ہے کہ صرف اُن عورتوں سے نکاح کرنا چاہیئے جو اعتقاداً مشرک نہ ہوں۔ قرآن کریم نے یہ جائز نہیں رکھا کہ ایک مسلم بی بی کا کسی غیر مسلم سے نکاح ہو۔ کیونکہ غیر مسلم عورت مسلمان کے گھر میں آ کر ایک مسلم عورت کے حقوق حاصل کر کے فائدہ اُٹھاتی ہے۔ مگر مسلم عورت غیر مسلم کے گھر میں جا کر پہلے حقوق کو بھی کھو بیٹھے گی۔ عورتوں کے حقوق کو ہر حال میں تلف ہونے سے بچایا ہے۔ علاوہ ازیں ظاہر ہے کہ اولاد باپ کے مذہب پر ہو گی پس اس بات سے روکا ہے کہ ایک مسلمان بی بی کی اولاد شرک وکفر پر پرورش پائے۔ یہودی شریعت میں غیر یہود سے نکاح بالکل ناجائز تھا۔ استثناء ۷: ۳ و ۴۔ ہمارے ملک کے ہندو اسی طرح اہل کتاب میں داخل ہیں جس طرح ایران کے مجوسیوں کو داخل کیا گیا۔

نمبر۳۔ جب پہلے رکوع میں ان عقود یا احکام کا ذکر کیا جو انسان کے کھانے پینے اور مرد اور عورت کے تعلقات کی فطری خواہشات سے تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی جن خواہشات میں انسان کا اشتراک بہائم سے ہے اور یوں صفات بہیمیہ کو حدِ اعتدال کے اندر لانے کی راہ بتائی۔ تو اب اس دوسرے رکوع میں مضمون کا انتقال ان عقود کی طرف کیا جو انسان کی اس اعلیٰ فطری خواہش سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو صلوٰۃ یا دعا کے نام سے موسوم ہے۔ کیونکہ اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کی جو فطرت انسانی کا خالق و مالک ہے خواہش بھی انسان کی فطرت میں موجود ہے اس لیے اس رکوع کو نماز کے متعلق بعض احکام سے شروع کیا ہے اور اسی قسم کے تفصیلی احکام سے شروع کیا ہے یعنی وضو سے، جیسے غذاؤں کے متعلق تفصیلی احکام دیئے تھے نماز کی تفصیل کا ذکر تو قرآن شریف میں نہیں کیا، لیکن وضو کا کسی قدر تفصیلی ذکر کر دیا ہے۔ حالانکہ وضو اسی طرح پر برابر کئی سال سے نبی کریم صلعم اور مسلمان

إِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ
مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ
تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا
فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ
مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِّنْ حَرَجٍ
وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ
عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ⑥

اور اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو، یا تم میں سے کوئی جائے ضرور سے ہو کر آئے یا تم نے عورتوں کو چھوا ہو، پھر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اس سے اپنے مونہوں اور ہاتھوں پر مسح کرلو۔ اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کسی طرح کی تنگی کرے، لیکن وہ چاہتا ہے کہ تم کو پاک کرے اور اپنی نعمت تم پر پوری کرے تاکہ تم شکر کرو۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ
الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا
وَأَطَعْنَا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ
بِذَاتِ الصُّدُورِ ⑦

اور اللہ کی نعمت یاد کرو (جو) تم پر ہے اور اُس کے اُس عہد کو بھی جو اس نے تم سے پختہ لیا جب تم نے کہا، ہم نے سُنا اور ہم اطاعت اختیار کرتے ہیں ۱؎ اور اللہ کا تقویٰ کرو۔ اللہ سینوں کی باتوں کو جانتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ
شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ
قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ
لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ⑧

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کے لیے کھڑے ہونے والے انصاف کی گواہی دینے والے ہوجاؤ ۲؎ اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو، انصاف کرو یہ تقوے سے قریب تر ہے اور اللہ کا تقویٰ کرو، اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۙ
لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ⑨

اللہ نے اُن سے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں وعدہ کیا ہے کہ ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

کرتے چلے آرہے تھے اس میں ان لوگوں کا رد ہے جو نبی کریم صلعم کی وحی خفی کے منکر ہیں۔

نمبر ۱۔ بعض کے نزدیک اس عہد سے مراد اس شریعت کی خوبی ہے جو عقول انسانی میں مرکوز ہے اور بعض نے اسے فطری عہد قرار دیا ہے۔ چونکہ اوپر انسان کی اس فطری خواہش کا ذکر ہے جو اسے کشاں کشاں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتی ہے اس لیے فطری عہد ہی یہاں مراد معلوم ہوتا ہے، جو الست بربکم میں لیا گیا ہے۔

نمبر ۲۔ انسان کی وہ صفات جو خواہشات سفلی سے بالاتر ہیں جن کی طرف اس رکوع میں توجہ دلائی ہے ان کا خلاصہ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں آجاتا ہے ان دونوں کے قیام کی طرف یہاں توجہ دلائی ہے قوامین للہ میں حقوق اللہ کی طرف اللہ کے لیے کھڑا ہوجانا ان حقوق کی حفاظت کے لیے کھڑا ہونا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے ذمے رکھے ہیں اور شہداء بالقسط میں حقوق العباد کی طرف۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ	اور وہ جنھوں نے انکار کیا اور ہماری باتوں کو جھٹلایا، وہی
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝١٠	دوزخ والے ہیں۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ	اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی نعمت یاد کرو (جو)
عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ	تم پر (ہوئی) جب ایک قوم نے ارادہ کر لیا کہ اپنے ہاتھ
اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا	تمھاری طرف بڑھائیں تو اس نے تم سے اُن کے ہاتھوں کو روکا
ع اللّٰهَ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١١	اور اللہ کا تقوی کرو اور اللہ پر ہی مومنوں کو چاہیئے کہ بھروسہ کریں[1]
وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ	اور یقیناً اللہ نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا۔ اور ہم
وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۗ وَقَالَ	نے اُن میں سے بارہ[12] سردار مقرر کیے[2] اور
اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ ۗ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ	اللہ نے کہا میں تمھارے ساتھ ہوں، اگر تم نماز قائم کرو
اٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ	اور زکوٰۃ دو اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی مدد
وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ	کرو اور اچھا مال اللہ کو کاٹ کر دو گے[3] تو میں بالضرور
عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ	تمھاری برائیاں تم سے دور کر دونگا اور بالضرور تم کو باغوں

نمبر۱۔ بعض مفسرین نے اس آیت کی تشریح خاص واقعات سے کرنی چاہی ہے۔ آنحضرت صلعم جنگل میں ایک درخت کے نیچے سوئے ہوئے تھے اور تلوار درخت کے ساتھ لٹکائی ہوئی تھی تو ایک دشمن نے تلوار اُٹھا کر کہا کہ اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے تو آپ نے جواب دیا کہ خدا۔ جس پر تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی تب آپ نے وہی تلوار اُٹھا کر اس سے یہی سوال کیا اور باوجود اس پر قابو پانے کے اُسے مارا نہیں۔ یا اس واقعہ سے کہ یہود بنی نضیر نے نبی صلعم پر جب آپ دیوار کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے چکی کا پاٹ گرا کر آپ کو ہلاک کرنا چاہا تھا، مگر ان دو واقعات پر کیوں ان الفاظ کو محدود کیا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں طرف دشمن ہی دشمن تھے اور کیا قریش اور کیا دیگر مشرک قبائل عرب اور کیا یہودی اور کیا عیسائی اور کیا عرب اور کیا عجم سب آپ کو اور آپ کے مٹھی بھر ساتھیوں کو ہلاک اور تباہ کرنے کے درپے تھے اور اللہ کے فضل نے ان کو بچایا ہوا تھا۔

نمبر۲۔ اس رکوع میں یہود و نصاریٰ کی خلاف ورزیٔ عہد کا ذکر ہے جب مسلمانوں کو دو قسم کے عہد بتا دیئے تو اب مثال کے طور پر پہلی قوموں کا ذکر کرتا ہے جنھوں نے عہد شکنی کی۔ مگر یہود کا ذکر پہلی دو آیتوں میں کر کے پھر اس کی تفصیل اگلے رکوع میں کی ہے اور اس رکوع میں عیسائیوں کی خلاف ورزیٔ عہد کا ہی بالخصوص ذکر ہے۔

جس عہد کا یہاں ذکر ہے اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری کا عہد تھا اور بارہ سردار جو مقرر کیے گئے وہ سرزمین کنعان کے حالات کا پتہ لگانے کے لیے تھے اور نہروں والی زمین بھی وہی سرزمین کنعان ہے۔ "پھر خداوند نے موسیٰ کو خطاب کر کے فرمایا کہ تو لوگوں کو بھیج تاکہ کنعان کی زمین کی جو میں بنی اسرائیل کو دیتا ہوں جاسوسی کریں۔" گنتی ۱۳: ۱ و ۲) اور پھر ۴ - ۱۵ آیات تک ان بارہ سرداروں کے نام دیئے ہیں۔

نمبر۳۔ قرض اصل میں کاٹنا یا قطع کرنا ہے جیسے تقرضہم ذات الشمال (الکہف ۱۸-۱۷) میں مراد سورج کا اُن کو ایک طرف چھوڑ دینا ہے یعنی غار کو سایہ میں چھوڑ کر آگے نکل جانا۔ اور قرض اس مال کو بھی کہتے ہیں جو اس شرط پر دیا جاتا ہے کہ اس کا بدل لوٹایا جائے گا یعنی ادھار اس لیے اس کا

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ
ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ۝۱۲
فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا
قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ
مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ
وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ إِلَّا
قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ إِنَّ
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۳
وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا إِنَّا نَصٰرٰٓى أَخَذْنَا
مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠
فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ إِلٰى
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ
بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝۱۴

میں داخل کروں گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، پس جو کوئی تم میں سے اس کے بعد انکار کرے وہ بلاشبہ سیدھے رستہ سے بھٹک گیا۔

سو اُن کے اپنا عہد توڑ دینے کی وجہ سے ہم نے اُن پر لعنت کی اور ان کے دل سخت کر دیئے لفظوں کو اپنی جگہ سے پھیرتے ہیں[1] اور جو اُن کو نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک حصہ بھول گئے اور ان میں سے تھوڑے لوگوں کے سوائے تو ان کی خیانت پر خبر پاتا رہے گا سو ان کو معاف کر اور درگزر کر، اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

اور ان سے جو کہتے ہیں ہم نصرانی ہیں ہم نے اُن سے عہد لیا مگر وہ اس کا ایک حصہ بھول گئے جو انھیں نصیحت کی گئی تھی سو ہم نے ان کے درمیان قیامت کے دن تک دشمنی اور بغض ڈال دیا اور عن قریب اللہ ان کو اس کی خبر دیگا جو وہ کرتے تھے[2]۔

استعمال ہر فعل پر ہوتا ہے جس کا بدلہ دیا جائے۔ چونکہ جو مال اللہ کی راہ میں دیا جاتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک بدلہ دیا جاتا ہے اس لیے ایسے مال کو قرض کہا گیا ہے۔ مگر لغت عرب میں قرض کے معنی اس سے بھی وسیع ہیں۔ چنانچہ تاج العروس میں ہے کہ قرض ہر عمل کو کہا جاتا ہے، نیکی سے ہو یا بدی سے جس کا بدلہ ملنے والا ہے اور زبان عرب میں یہ لفظ اس معنے میں استعمال ہوتا ہے۔ پس اقرضتم اللہ قرضاً حسناً کے معنے یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ اچھا مال کاٹ کر اللہ کی راہ میں دو اور [illegible] اللہ کے لیے اچھے کام کرو جن پر تمھیں نیک بدلہ ملے گا۔

نمبر۱۔ کلام کو اپنی جگہ یا محل سے پھیرنا یہ ہے کہ اس کے مفہوم کو بدل دیا جائے اور لفظی تحریف بھی مراد ہو سکتی ہے۔

نمبر۲۔ عیسائیوں کے اخذ میثاق سے مراد ان کو احکام دینا ہے۔ انجیل بھی اس پر شاہد ہے جس کی پہاڑی تعلیم میں بھی احکام پائے جاتے ہیں ایسا کرو ایسا نہ کرو۔ ان کو بھی شریعت پر عمل کرنے کا حکم تھا۔ نماز پڑھنے کا روزہ رکھنے کا بھی حکم تھا دوسرے لوگوں سے عدل و انصاف کرنے کا حکم تھا۔

یہودیوں کی عہدشکنی کی سزا فرمائی تھی لعنت، یعنی ان کا دُور کر دینا اور دربدر کر دینا۔ عیسائیوں کی عہدشکنی کی سزا بتائی ہے۔ ان میں باہم دشمنی کا رہنا یا یہود سے دشمنی مراد ہے مگر اوّل کو ترجیح ہے۔ دونوں باتیں آج تک صحیح پائی جاتی ہیں اور قرآن کریم کے الفاظ کی صداقت ہمیشہ ہی ظاہر ہوتی رہے گی۔ چونکہ عیسائی قوموں کی غرض محض مالِ دنیا کا جمع کرنا ہے اور اخلاق فاضلہ سے عاری ہیں اس لیے ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف منصوبے کرتے رہتے ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عیسائی قیامت تک رہیں گے اور ان میں باہم دشمنی بھی رہے گی۔ ہاں غالب مذہب اسلام ہوگا جیسا لیظہرہٗ کے وعدہ سے ظاہر ہے۔

يٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ قَدۡ جَآءَكُمۡ رَسُوۡلُنَا
يُبَيِّنُ لَـكُمۡ كَثِيۡرًا مِّمَّا كُنۡتُمۡ تُخۡفُوۡنَ
مِنَ الۡكِتٰبِ وَيَعۡفُوۡا عَنۡ كَثِيۡرٍ ؕ قَدۡ جَآءَكُمۡ
مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ ۙ ﴿۱۵﴾

اے اہل کتاب ہمارا رسول تمھارے پاس آچکا ہے، وہ بہت کچھ اس میں سے کھول کر بیان کرتا ہے جو تم کتاب سے چھپاتے تھے اور بہت سی باتوں سے درگزر کرتا ہے تمھارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کرنے والی کتاب آچکی ہے ۱؎

يَّهۡدِىۡ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهٗ
سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ
اِلَى النُّوۡرِ بِاِذۡنِهٖ وَيَهۡدِيۡهِمۡ اِلٰى
صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴿۱۶﴾

اس کے ساتھ اللہ اس کو جو اس کی رضا کی پیروی کرتا ہے سلامتی کی راہوں پر چلاتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو اندھیرے سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے اور ان کو سیدھی راہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

لَـقَدۡ كَفَرَ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ
الۡمَسِيۡحُ ابۡنُ مَرۡيَمَ ؕ قُلۡ فَمَنۡ يَّمۡلِكُ
مِنَ اللّٰهِ شَيۡـئًا اِنۡ اَرَادَ اَنۡ يُّهۡلِكَ الۡمَسِيۡحَ
ابۡنَ مَرۡيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ

وہ یقیناً کافر ہیں، جو کہتے ہیں کہ اللہ مسیح ابن مریم ہے ۲؎ کہہ کس کو اللہ کے مقابلہ میں کچھ بھی اختیار ہوا، جب اللہ نے مسیح ابن مریم اور اس کی ماں اور ان سب کو جو زمین میں تھے ہلاک

نمبر۱۔ یہاں بتایا کہ یہ رسول اہل کتاب کے لیے بھی ہے۔ اہل کتاب پیشگوئیوں کا بھی اخفا کرتے تھے اور تعلیم کا بھی پس دونوں مراد ہو سکتے ہیں اور نبی کریم صلعم کے معاف کرنے سے مراد اُن کی بہت سی شرارتوں کا معاف کرنا بھی ہو سکتا ہے جو وہ رسول اللہ صلعم کے خلاف کرتے تھے۔

نمبر۲۔ یہاں اول عیسائیوں کا قول نقل کیا ہے کہ مسیح خدا ہے اور ایسا کہنے والوں کو کافر قرار دیا ہے اس کے بعد فمن یملک میں ابطال الوہیتِ مسیح پر دلیل دی ہے۔ عام طور پر ان الفاظ کے یہ معنی کیے جاتے ہیں کہ خدا اگر یہ ارادہ کرلے کہ مسیح ابن مریم اور اس کی ماں کو ہلاک کردے تو پھر کون اللہ کے مقابلہ میں کچھ اختیار رکھتا ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس سے بودی اور کوئی دلیل نہیں ہو سکتی کہ ایک طرف تو یہ فرض کرلیں کہ مسیح اب تک زندہ ہے اور اس سے جب ایک قوم اس کی الوہیت کی دلیل لے تو جواب میں ہم کہیں کہ خدا جب چاہے گا اسے مار دے گا۔ پھر علاوہ ازیں اگر مسیح اس وقت تک نہیں مرے تو ان کی ماں بھی اسی ذیل میں آتی ہے کیونکہ اس کے متعلق بھی وہی ان اراد کا لفظ پڑا ہوا ہے اور سارے لوگ بھی اسی ذیل میں آئے گویا اس وقت سے جس قدر من فی الارض ہوئے ہیں ان سب کے متعلق ابھی ارادہ الٰہی ہلاک کرنے کا نہیں ہوا۔ نہ مسیح اب تک مرے نہ مسیح کی ماں، نہ اُس زمانہ سے اِس وقت تک کوئی انسان ہی مرا ہے۔ پس جب مسیح کی ہلاکت کو بطور دلیل پیش کیا ہے اور دلیل یہ بن نہیں سکتی۔ اگر نزول قرآن کے وقت مسیح زندہ ہوں تو لازماً ماننا پڑیگا کہ نزول قرآن کے وقت مسیح فوت ہو چکے تھے جس طرح ان کی ماں فوت ہو چکیں جس طرح باقی اہل زمین فوت ہوتے رہے اور چونکہ ہلاکت کا ارادہ فعل محقق الوقوع ہے اس لیے اِنْ یہاں شرطیہ نہیں بلکہ بمعنی اِذْ ہے یعنی جب خدا نے ایسا ارادہ کرلیا۔ جیسا کہ لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللہ اٰمنین (الفتح ۴۸ - ۲۷) میں اور فمن یملک میں مضارع کا اختیار کرنا اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ کیونکہ اس فعل میں استمرار ہے اب بھی جب کبھی اللہ تعالیٰ اہل زمین کی ہلاکت کا ارادہ کرتا ہے تو کون اس کا مقابلہ کر سکتا ہے یا کون کسی کو بچا سکتا ہے۔

جَمِيْعًا ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ
وَ مَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾

کرنے کا ارادہ کیا اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اور جو اُن
کے درمیان ہے اللہ کے لیے ہی ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا
ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا
اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ
بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ
يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا
بَيْنَهُمَا ؗ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

اور یہودی اور عیسائی کہتے ہیں، ہم اللہ کے بیٹے اور اس
کے پیارے ہیں[۱] کہہ پھر تمھارے گناہوں کی وجہ سے تمھیں کیوں
عذاب دیتا ہے بلکہ تم انھیں میں سے بشر ہو جنھیں اس نے پیدا کیا۔
وہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے۔
اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اور وہ جو ان دونوں کے
درمیان ہے اللہ کے لیے ہے اور اسی کی طرف پھر کر جانا ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ
لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا
مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٍ ؗ فَقَدْ
جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّ نَذِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾ ع

اے اہل کتاب یقیناً ہمارا رسول تمھارے پاس آیا ہے وہ
رسولوں کے بند ہو جانے پر تمھارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے
تا کہ تم نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا نہیں آیا[۲] اور
نہ کوئی ڈرانے والا سو تمھارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا
آ گیا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا
نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کو کہا اے میری قوم اللہ کی نعمت
(جو) تم پر (ہوئی) یاد کرو جب اس نے تم میں نبی بنائے۔

نمبر۱۔ ابن اللہ کا لفظ توریت اور انجیل دونوں میں پایا جاتا ہے۔ خروج ۴: ۲۲ میں ہے "اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے"۔ اور یرمیاہ ۳۱: ۹ میں ہے "میں اسرائیل کا باپ ہوں اور افرائیم میرا پلوٹھا ہے"۔ اور انجیل متی ۵: ۹ میں ہے "مبارک وے جو صلح کرنے والے ہیں کیونکہ وہ خدا کے فرزند کہلائیں گے"۔ یہود اور نصاریٰ کہتے تھے کہ چونکہ ہم خدا کے بیٹے ہیں اور بیٹا باپ کا پیارا ہوتا ہے اس لیے ہم ان کے پیارے بھی ہیں۔ گویا کل مخلوق میں سے اپنی خاص نسبت اوّل الذکر بوجہ اولاد اسرائیل ہونے کے اور عیسائی بوجہ کفارہ پر ایمان لانے کے اللہ تعالیٰ سے قائم کرتے تھے اس لیے فرمایا کہ تمھارے گناہوں کی سزا تو یہاں بھی اسی طرح تم کو ملتی رہتی ہے جس طرح دوسری مخلوق کو، پس خاص تعلق ابنیت اور محبت کا تمھارا کوئی نہیں ہو سکتا۔

نمبر۲۔ فترۃ کا زمانہ وہ کہلاتا ہے جو دو نبیوں یا رسولوں کے درمیان خالی گذرے کوئی چھ سو سال کا زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ایسا گزرا ہے کہ اس میں کوئی نبی دنیا میں ظاہر نہیں ہوا اس پر حدیث لیس بینی و بینہ شاہد ہے یعنی میرے اور عیسیٰؑ کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا۔ تاریخ عالم بھی اس پر گواہ ہے اور یہ جو بعض نے لکھا ہے کہ تین نبی بنی اسرائیل سے اور ایک خالد بن سنان العبسی عرب سے ہوا سو ان پر نبوت کا نام محض بطور مجاز بولا گیا ہے۔

وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ
اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ⑳

اور تم کو بادشاہ بنایا اور تم کو وہ دیا جو قوموں میں سے کسی کو نہیں دیا۔[1]

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ
كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى
اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ㉑

اے میری قوم پاک سرزمین میں داخل ہو جاؤ، جسے اللہ نے تمھارے لیے لکھ رکھا ہے اور پیٹھ پھیرتے ہوئے واپس نہ ہو آنا ورنہ تم نقصان اُٹھانے والے ہو جاؤ گے۔[2]

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ
وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ
فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ㉒

انھوں نے کہا اے موسیٰ اس میں قوی ہیکل لوگ ہیں اور ہم ہرگز اس میں داخل نہ ہوں گے جب تک وہ اُس میں سے نکل نہ جائیں ہاں اگر وہ اس میں سے نکل جائیں تو ہم ضرور داخل ہو جائینگے۔[3]

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ
اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا
دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ
فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ㉓

اُن میں سے جو ڈرتے تھے دو شخصوں نے جن پر اللہ نے انعام کیا تھا کہا ان پر دروازے سے داخل ہو جاؤ، سو جب تم اس میں داخل ہو جاؤ گے، تو یقیناً تم غالب ہو گے۔[4] اور اللہ پر توکل کرو، اگر تم مومن ہو۔[5]

نمبر۱- نبی بنانے اور بادشاہ بنانے کا ذکر بطور وعدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ایسے ہیں کہ گویا جو کچھ اس نے کہا وہ ہو ہی چکا ہے یا انبیاء سے اشارہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی طرف ہے جو اس وقت موجود تھے اور بادشاہ بنانے سے ان کا حالت غلامی سے نکال کر جس میں وہ مصر میں تھے خود مختار اور اپنی قسمت کا آپ مالک بنا دینا مراد ہے۔ کیونکہ اصل بادشاہت دوسرے کی ماتحتی سے آزادی ہے۔ جب قوم اپنی قسمت کی مالک ہو گئی دوسری قوم کی غلامی سے نکل گئی تو وہ بادشاہ بن گئی اور نبی بنانے کے متعلق کہا کہ تم میں نبی پیدا کیے مگر بادشاہت کو ساری قوم کی طرف منسوب کیا اس میں بتایا کہ بادشاہت درحقیقت قوم کی ہوتی ہے نہ چند افراد کی۔

نمبر۲- الارض المقدسۃ سرزمین شام ہے جس میں بیت المقدس بھی شامل ہے اور ایک قول ہے کہ وہ دمشق اور فلسطین اور بعض علاقہ اُردن ہے اور بائبل میں اس کی برکتوں کا یوں ذکر کیا کہ "اس میں سچ مچ دودھ اور شہد بہتا ہے (گنتی ۱۳ : ۲۷) کتب اللہ لکم میں اس پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے جو حضرت ابراہیمؑ سے کی گئی تھی (پیدایش ۱۵ : ۱۸)

حضرت موسیٰؑ نے ان کو ارض مقدس میں بحیثیت فاتح داخل ہونے کو کہا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ یہ سرزمین تمھیں ملے گی لیکن اس کے لیے جدوجہد ضروری ہے اور لا ترتدّوا علیٰ ادبارکم سے مراد یہی ہے کہ دشمن سے ڈر کر پیٹھ نہ پھیر دو۔

نمبر۳- گنتی ۱۳ : ۳۱ میں ہے "ہمیں زور نہیں کہ اُن پر چڑھیں کیونکہ وے ہم سے زیادہ زور آور ہیں"۔ اور ۳۳ میں ہے "ہم نے وہاں جباروں کو... دیکھا" اور ۱۴ باب کے شروع میں ذکر ہے کہ کس طرح بنی اسرائیل ان سے خائف ہوئے اور اس سرزمین میں داخل ہونے سے انکار کیا اور مصر کو واپسی کی ٹھانی یعنی جنگ پر اس حالت غلامی کو ترجیح دی۔

نمبر۴- ان دو شخصوں کے نام گنتی ۱۴ : ۶ میں دیئے ہیں۔ یوشع بن نون اور کالب بن یفنہ ہیں۔

نمبر۵- اس سے معلوم ہوا کہ توکل اسباب سے کام لینے کے لیے منافی نہیں لڑائی کرو پھر خدا پر بھروسہ کر دیہ نہیں جیسا آج کل خیال ہے کہ ہاتھ پاؤں باندھ کر بیٹھ رہنا

قَالُوا يٰمُوسٰى إِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُونَ ﴿٢٤﴾

انھوں نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز اس میں کبھی داخل نہ ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں ہیں پس تو اور تیرا رب جاؤ اور جنگ کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِينَ ﴿٢٥﴾

(موسیٰ نے) کہا اے میرے رب میں سوائے اپنے اور اپنے بھائی کے اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا سو ہم میں اور ان نافرمان لوگوں میں فیصلہ کر دے۔

قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِينَ ﴿٢٦﴾ ع

(اللہ نے) کہا اب وہ (زمین) ان پر چالیس سال کے لیے حرام کر دی گئی ہے، اسی زمین میں سرگردان پھرتے رہیں گے سو تو ان نافرمان لوگوں پر افسوس نہ کر[1]

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٢٧﴾

اور ان پر آدم کے دو بیٹوں کی خبر حق کے ساتھ پڑھ دو، جب انھوں نے کوئی قربانی پیش کی سو وہ ان دونوں میں سے ایک سے قبول کی گئی اور دوسرے سے قبول نہ کی گئی اس نے کہا میں ضرور تجھے قتل کر دوں گا (اس نے) کہا اللہ صرف متقیوں سے قبول کرتا ہے[2]

لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا

اگر تو میری طرف اپنا ہاتھ بڑھائے گا کہ مجھے قتل کر دے میں اپنا

توکل ہے اصل مطلب یہ ہے کہ کوشش کرو اور نتیجہ کو خدا کے سپرد کرو۔

نمبر۱۔ گنتی ۱۴: ۲۳ میں ہے "وے اس زمین کو جس کی بابت میں نے ان کے باپ دادوں سے قسم لی تھی نہ دیکھیں گے" اور ۲۹ میں ہے "تمھاری لاشیں اور ان سب کی جو تم میں شمار کیے گئے ان کی کل جمع کے مطابق بیس برس والے سے لیکے اوپر والے تک جنھوں نے میری شکایتیں کیں اس بیابان میں گریں گی" گویا یہ نسل یہیں تباہ ہو جائیگی اور ان کی اولاد فاتح ہو گی۔ قرآن کریم نے چالیس سال کا لفظ اختیار فرما کر اسی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ اوسط عمر ساٹھ سال ہے پس چالیس میں یہ لوگ جو اس وقت نافرمانی کر رہے ہیں اور جنگ کرنے کے قابل ہیں ہلاک ہو جائیں گے۔

نمبر۲۔ اس رکوع میں ایک مثال بیان کی ہے کہ کس طرح ایک انسان نے دوسرے کو محض اس کی نیکی پر حسد کی وجہ سے قتل کر دیا اصل غرض اس قصہ میں یہی بتانا ہے کہ یہود محض حسد کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف منصوبے کرتے ہیں اور اس ذکر کا بطور ایک مثال کے یہ سمجھانے کے لیے بیان کیا کہ وہ یہود جو جنگ سے اس قدر خائف تھے کہ باوجود حکم الٰہی کے اس سے انکار کیا اب آنحضرت صلعم سے محض بربنائے حسد برسرپیکار تھے یہی حالت آج کل عیسائیوں کی ہے کہ ایک طرف دعویٰ صلح اور محبت کا ہے اور یہی انجیل کی تعلیم کا ماحصل بتایا جاتا ہے اور دوسری طرف ذرا ذرا بات پر دنیا کی آزادی سلب کرنے کے لیے اور دوسری قوموں کو محکوم بنانے کے لیے لڑائیاں کرتے ہیں۔ آدم کے یہ دو بیٹے اکثر کے نزدیک حضرت آدم کے صلبی بیٹے ہابیل وقابیل تھے۔ حسن اور ضحاک کہتے ہیں بنی اسرائیل کے دو آدمی تھے۔ مضمون کی کلی حیثیت اسی خیال کی موید ہے کہ یہ کوئی بہت ابتدائی واقعہ ہے کہ کس طرح اول اول انسان کا ہاتھ اپنے ہی بھائی کے مارنے کے لیے اٹھا، خواہ وہ حضرت آدمؑ کے صلبی فرزند ہوں یا نہ ہوں۔ کیا قربانی کی تھی اور کس طرح اس کی قبولیت کا پتہ لگا۔ یہ نہیں بتایا۔

بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾

ہاتھ تیری طرف نہ بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کروں میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہانوں کا رب ہے۔

اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ۚ

میں چاہتا ہوں[1] کہ تو میرے (خلاف) گناہ اور اپنے گناہ کی سزا پائے اور یوں آگ والوں میں سے ہو جائے اور یہی ظالموں کا بدلہ ہے۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾

سو اس کے نفس نے اس کے بھائی کے قتل پر اُسے راضی کر دیا پس اس نے اسے مار ڈالا اور نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہو گیا۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ۚۛ

تب اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کریدتا تھا، تاکہ اُسے دکھائے کہ کس طرح اپنے بھائی کی لاش کو چھپائے کہنے لگا مجھ پر افسوس مجھ سے اتنا نہ ہو سکا کہ اس کوے کی مانند ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش کو چھپاتا، تب وہ پچھتانے والوں میں سے ہوا[2]۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰي بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ

اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل کے لیے یہ مقرر کر دیا کہ جو کوئی کسی جان کو بغیر جان کے (بدلہ کے) یا زمین میں فساد کے مار ڈالے تو گویا اس نے سب لوگوں کو مار ڈالا اور جو کوئی اس کو زندہ رکھے تو گویا اس نے سب لوگوں کو زندہ رکھا[3]

نمبر۱۔ اثمی کے معنی ہوں گے میرا گناہ۔ مگر حقیقت میں مراد ہے میرے خلاف گناہ۔ کیونکہ اوپر اس کو متقی قرار دیا جا چکا ہے۔ بہت سے صحابہ سے اثمی کے معنی اثم قتلی مروی ہیں یعنی میرے قتل کا گناہ جو تو اپنے ذمہ لے گا۔ اور اثمک سے مراد اس کے پہلے گناہ ہیں جن کی وجہ سے اس کی قربانی قبول نہیں ہوئی۔

نمبر۲۔ ظالم انسان طاقت کے نشہ میں اپنے بھائی کی کچھ پروا نہیں کرتا، بلکہ اس کو اپنی راہ میں روک سمجھ کر نیست و نابود کرنے کی کوشش کرتا ہے حالانکہ وہ پرند و چرند سے ہمدردی کا سبق سیکھ سکتا ہے۔ کوے کو مٹی کریدتے دیکھ کر اس قاتل نے سبق حاصل کیا اور ابتدا میں انسان کا کسی جانور سے سبق حاصل کر لینا کوئی بعید بات نہیں۔ چونکہ یہاں نہ دوسرے کوے کا ذکر ہے نہ اس کی لاش کو چھپانے کا۔ اس لیے ابومسلم نے کہا ہے کہ کوئی چیز کوے نے زمین کرید کر چھپائی تو قاتل کو یہ ندامت ہوئی کوے کا بھیجنا اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اس لیے کہ انسان اس سے ایک مفید سبق حاصل کرتا ہے۔ کوے میں دو باتوں کی خصوصیت ہے ایک یہ کہ اپنی جنس کی لاش کو کھلا نہیں رہنے دیتا، دوسرے کوؤں کو جس قدر ہمدردی ایک دوسرے سے ہوتی ہے اس کی نظیر دوسرے جانوروں میں نہیں ملتی ایک کی آواز پر ہزاروں جمع ہو جاتے ہیں۔

نمبر۳۔ بنی اسرائیل کو چونکہ اس وقت خاص مخالفت رسول اللہ صلعم سے تھی، اس لیے ان کا خاص ذکر کیا کہ یا ب آنحضرت کے قتل کے درپے ہیں۔ حالانکہ کسی کا قتل

جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ
ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ
فِي الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝۳۲

اور یقیناً ہمارے رسول ان کے پاس کھلی دلائل لیکر آئے پھر
اس کے بعد بھی ان میں سے بہت سے یقیناً زمین میں حد سے
نکلنے والے ہیں۔

اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ
رَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا
اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ
وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ
الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَ
لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۳۳

ان کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرتے ہیں
اور ملک میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں، صرف
یہی ہے کہ وہ قتل کیے جائیں یا صلیب پر مارے جائیں یا ان کے ہاتھ اور
پاؤں مخالف اطراف سے کاٹے جائیں یا ان کو قید کیا جائے،
یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے
لیے بڑا عذاب ہے [1]

کرنا اس وقت جائز ہوتا ہے جب اس نے کوئی خون کیا ہو یا زمین میں کوئی فساد پھیلائے۔ ان دونوں باتوں میں سے آنحضرت صلعم کی طرف کوئی بھی منسوب نہ ہو سکتی تھی۔ اور شاید لفظ نفس میں اشارہ بلحاظ عظمت آنحضرت صلعم کی طرف ہو کہ ایسے عظیم معلم نیکی اور مصلح کو جو شخص قتل کر دے اس نے گویا سب کو ہی قتل کر دیا اور جو شخص اس کے بچانے میں حصہ لیتا ہے اس نے گویا سبھی لوگوں کو بچا لیا۔ یوں عام معنی کے لحاظ سے درست بھی ہے بیگناہ کو جیسا ایک کو قتل کر دیا، ویسا سب کو کیا اور ایک کی زندگی بچائی تو سب ہی کی بچائی اور یہ اسی کے مطابق ہے جو دوسری جگہ فرمایا تھا ولکم فی القصاص حیوٰۃ (البقرہ۔ ۱۷۹) گویا قصاص بھی احیائے نفس ہے، کیونکہ اس سے ہلاکت سے نجات ملتی ہے اور احیاء سے کسی نفس کا رحمت اور شفقت کر کے موت سے بچانا ہے۔

نمبر[1]۔ یہاں یحاربون اللہ ورسولہٗ سے مراد زمین میں فساد کرنے والے لیے گئے ہیں اور بالخصوص ڈاکو جو جان سے مار کر یا جان سے مارنے کا خوف دیکر لوگوں کا مال لوٹتے ہیں مسلمان ہوں یا کافر اور امام ابو حنیفہ نے محاربہ دستوں پر ڈاکہ مارنے والوں سے خاص کیا ہے اور جمہور نے اس کا نزول عرینہ کے لوگوں کے بارے میں مانا ہے۔ عرینہ کے چند آدمی آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ پھر بیمار ہو گئے تو نبی کریم صلعم نے انھیں وہاں بھیج دیا جہاں مدینہ سے باہر صدقہ کے اونٹ تھے۔ تاکہ دودھ پئیں اور علاج کریں۔ انھوں نے تندرست ہو کر چرواہوں کو مار ڈالا اور اونٹ لے گئے ڈاکے مارے اور عورتوں کی آبروریزی کی، تو آپ نے ان کے ہاتھ اور پاؤں کٹوا دیئے اور ان کی آنکھیں نکلوا دیں اور یہ بطور قصاص تھا اس لیے کہ انھوں نے چرواہوں کی آنکھیں نکال دی تھیں اور ان کو دھوپ میں ڈلوا دیا یہاں تک کہ وہ مر گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جس میں ایسے لوگوں کی سزا خاص کر دی گئی۔ گو قصاص کے رنگ میں وہ زیادہ سزا کے مستحق بھی ہوں۔ چار قسم کی سزا ان کے لیے تجویز کی گئی ہے۔ قتل، صلیب، ہاتھ پاؤں کا کاٹنا، قید۔ ظاہر ہے کہ چار قسم کی سزا جرم کی چار نوعیتوں کے لحاظ سے ہو سکتی ہے اور وہ نوعیتیں ڈاکہ کے جرم کی یہ ہیں کہ مال لینے کے ساتھ قتل بھی کریں۔ یا صرف قتل سے ڈرا کر مال لیں۔ پہلی صورت میں سزا قتل یا صلیب ہے، دوسری میں ہاتھ پاؤں کاٹنا یا قید۔ گو بعض روایات میں یہ ہے کہ قید کی سزا اس صورت میں ہے جب صرف ڈراتے ہوں اور مال نہ لیا ہو مگر بغیر مال لینے کے ڈرانا بے معنی ہے۔ پھر قتل کی صورت میں دو حالتیں ہیں۔ اول یہ کہ بعض ڈاکو بہت وارداتیں کر کے ایک دھاک بٹھا دیتے ہیں یا قتل کے ساتھ عورتوں کی آبروریزی کرتے ہیں۔ ایسوں کی سزا قتل کے ساتھ صلیب بھی ہے تاکہ عبرت بھی ہو اور عام طور پر لوگوں کو پتہ بھی لگ جائے اور اسی طرح جب قتل نہ ہو اور مال لیا جائے تو بھی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی قسم کا نقصان جسمانی بھی پہنچایا جائے یا اور کسی جرم کا ارتکاب ہو تو اس صورت میں ہاتھ پاؤں کا کاٹنا ہے۔ یا یہ کہ قتل کی حالت کی طرح بہت وارداتیں کی ہوں اور اس کے سوائے صرف قید کی سزا ہے اور سزا کی تعیین قاضی کے اختیار میں ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِن قَبْلِ أَن تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ ۖ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳۴﴾ ع

سوائے اُن کے جو توبہ کر لیں اس سے پہلے کہ تم اُن پر قابو پا لو سو جان لو کہ اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۵﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقوٰے کرو، اور اس کا قرب چاہو اور اس کی راہ میں جہاد کرو، تاکہ تم کامیاب ہو [1]۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۶﴾

جو لوگ کافر ہوئے اگر جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب ان کا ہو اور اس کی مثل (اور بھی) اس کے ساتھ ہو کہ اس کے ساتھ قیامت کے دن کے عذاب کا فدیہ دیں ان سے قبول نہ کیا جائیگا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۳۷﴾

چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں اور وہ اس سے نہیں نکل سکیں گے اور اُن کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہے۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۳۸﴾

اور چور مرد اور چور عورت سو اُن دونوں کے ہاتھ کاٹ دو (یہ) اس کی سزا ہے جو انھوں نے کیا اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا اور اللہ غالب حکمت والا ہے [2]۔

نمبر۱۔ وسیلۃ کے معنی قرب ہیں۔ قرآن پر عمل سے قرب الٰہی ملتا ہے۔

نمبر۲۔ قرین قیاس ہے کہ ہاتھ کاٹنا چور کی انتہائی سزا ہے اور امام کو اختیار ہے کہ اس سے کم سزا دے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی جو ڈاکوؤں کی سزا بتائی ہے اس میں امام کے اختیار کو بڑا وسیع کیا ہے قتل وصلیب سے لیکر قید محض تک جو سزا چاہے دے اور جب یہ آیتیں ایک دوسرے حکم کی تکمیل کرتی ہیں تو ماننا پڑے گا کہ جس طرح وہاں انتہائی سزا قتل ہے یہاں صرف انتہائی سزا قطع ید بتادی ہے۔ کیونکہ ڈاکو کو جو بجبر مال لیتا ہے جب قید کی سزا دینا جائز ہے تو چور کو کیوں نہیں۔ پھر ہاتھ پاؤں کا کاٹنا ڈاکو کی سزا بھی ہے جیسے ہاتھ کا کاٹنا چور کی، پھر ڈاکو کی سزا قتل وصلیب ہے جو چور کے لیے نہیں اور یہ ڈاکو کی انتہائی سزا ہے اس سے نیچے اُتر کر ہاتھ پاؤں کاٹنے کی سزا ہے جو چور کی انتہائی سزا قرار دی ہے اور اس سے اُتر کر قید کی سزا ہے جو ڈاکو کو دی جاسکتی ہے۔

علاوہ ازیں ایک اور بات یہاں قابل غور ہے۔ اُبی کی قرأت میں بجائے سارق کے سَرّق اور سارقہ کے سَرّقہ ہے جو مبالغہ کے صیغے ہیں۔ پس قرین قیاس یہ ہے کہ عادی چور کے لیے یہ سزا لازمی ہے اور یہی وجہ ہے کہ توبہ کی گنجایش بھی رکھی ہے ورنہ اگر پہلی چوری پر ہی سزا قطع ید ہو تو توبہ کا کیا فائدہ۔ جب توبہ کی صورت میں ڈاکو کو بھی رعایت دی ہے تو چور کو رعایت کیوں نہ ملنی چاہیئے پس عادی چور کی لازمی سزا قطع ید ہے اور معمولی چور کی انتہائی سزا۔ اور یوں امام کو قید کا اختیار ہے۔ قطع ید کو عبرتناک سزا قرار دینا بھی بتاتا ہے کہ یہ محض انتہائی سزا ہے اور سزا کے دینے میں امام حالات وقتی وملکی یا حالات قومی کو بھی مدنظر رکھ سکتا ہے اس لیے بعض حالات میں بلحاظ حالات قومی یا ملکی پہلی چوری پر بھی قطع ید کی سزا دی جاسکتی ہے۔ اس زمانہ میں اگر حالات وقتی کے لحاظ سے عادی چور کی سزا قطع ید ہو اور اس سے ادھر سزائے قید تو ہرج نہیں اور دوسری طرف یہ بھی سچ ہے کہ عادی چور کی سزا سوائے ہاتھ کاٹنے کے اور کوئی مفید

فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَ اَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾

پھر جو شخص اپنے ظلم کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرے تو اللہ اس پر رحمت سے توجہ کریگا اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾

کیا تو نہیں جانتا کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ کے لیے ہی ہے جسے چاہے عذاب دے اور جسے چاہے بخش دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَ لَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛۚ وَ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَ اِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَ مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚۖ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾

اے رسول وہ لوگ تجھے غمناک نہ کریں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں ان میں سے جو اپنے مونہوں سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور ان کے دل ایمان نہیں لائے اور اُن میں سے یہودی ہیں وہ جھوٹ بولنے کے لیے جاسوسی کرنے والے ہیں ایک اور گروہ کی جاسوسی کرنیوالے جو تیرے پاس نہیں آیا۔ باتوں کو ان کی جگہ (جاننے) کے بعد بدلتے ہیں۔ کہتے ہیں اگر تم کو یہ دیا جائے تو اُسے لیلو اور اگر یہ نہ دیا جائے تو بچو۔ اور جس کے دُکھ میں پڑا رہنے کا اللہ ارادہ کرلے تو اللہ کے سامنے تُو اس کے لیے کچھ اختیار نہیں رکھتا یہی وہ ہیں کہ اللہ نے ارادہ نہیں کیا کہ اُن کے دلوں کو پاک کرے۔ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں بڑا عذاب ہے[1]۔

نہیں ہوسکتی۔ اگر غرض اصلاح ہو تو قلبی تبدیلی ایسے حالات میں سوائے اخلاقی حالت پر اثر ڈالنے کے اور کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں اور ہاتھ کاٹنے سے نہ صرف جرم رک جاتا ہے بلکہ اصلاح کی بھی یہی ایک صورت ہے۔

نمبر۱۔ یہاں پھر کلام کو اصل موضوع کی طرف پھیرا ہے اور یہودیوں کے ساتھ منافقوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ منافقوں کی طرح یہودیوں کا ایک گروہ منافقانہ روش اختیار کیے ہوئے تھا۔ ان کا ذکر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو قبول نہیں کرتے بلکہ مانتے اپنے سرداروں کی بات کو ہی ہیں اور جو کچھ وہ کہہ دیتے ہیں اس کو پلے باندھا ہوا ہے جس حد تک انھوں نے بات ماننے کو کہا مان لی اس سے آگے انکار کردیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آخری فیصلے یہ لوگ رسول اللہ صلعم سے کراتے تھے اور یہ اس معاہدہ کے مطابق تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ تشریف آوری پر ہوا تھا۔ ایسے حالات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے فیصلے توریت کے مطابق کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ ایک زانی اور زانیہ یہودی آپ کے سامنے لائے گئے تو آپ نے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور یہی حکم توریت میں تھا مگر جب ان سے دریافت کیا گیا کہ تمھاری کتاب میں کیا حکم ہے تو کہا اُن کے منہ کالے کیے جائیں اور انھیں ذلیل کیا جائے تب بعض علمائے یہود سے توریت منگوا کر پڑھائی گئی تو انھوں نے اس کو قبول کیا کہ زنا کی سزا اصل میں رجم ہے۔ حضرت مسیح کے وقت

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ	جھوٹ کے لیے جاسوسی کرنے والے ہیں حرام کھانے والے ہیں
فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ	سو اگر تیرے پاس آئیں تو اُن کے درمیان فیصلہ کر یا اُن سے منہ پھیرلے
عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ	اور اگر تو اُن سے منہ پھیرلے تو تیرا کچھ بھی بگاڑ نہ سکیں گے
شَيْئًا ؕ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ	اور اگر تو فیصلہ کرے تو ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر
بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾	اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔
وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ	اور کیوں کر تجھے فیصلہ کرنے والا ٹھیراتے ہیں اور انکے پاس توریت ہے
فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ	اس میں اللہ کا فیصلہ ہے پھر اس کے بعد پھر جاتے ہیں
ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ ع	اور یہ مومن نہیں ۱؎
اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ	ہمیں نے توریت اتاری اس میں ہدایت اور روشنی ہے ۲؎ اس
يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا	کے مطابق نبی جو فرمانبردار تھے یہودیوں کے لیے فیصلے کرتے
لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ	تھے اور مشائخ اور علماء اس لیے کہ اللہ کی کتاب
بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا	کی حفاظت کرنے کو انھیں کہا گیا تھا اور وہ اس پر
عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ	گواہ تھے ۳؎ سو لوگوں سے مت ڈرو اور مجھ سے ہی

تک اس حکم کا توریت میں موجود ہونا ثابت ہے۔ چنانچہ یوحنا (۸: ۴ و ۵) میں ہے کہ فریسیوں نے کہا "اے استاد یہ عورت زنا میں عین فعل کے وقت پکڑی گئی موسیٰ نے تو توریت میں ہم کو حکم دیا ہے کہ ایسوں کو سنگسار کریں، پر تو کیا کہتا ہے"۔ حالانکہ موجودہ توریت میں رجم نہیں اس سے تحریف توریت کا فیصلہ ہوتا ہے۔ یہ بھی قابل غور بات ہے کہ آنحضرت صلعم کو خطاب یاایھا الرسول یا یاایھا النبی سے کیا ہے یعنی النبی یا الرسول کے نام سے اس کی وجہ گو آپ کی تشریف بھی ہو مگر اصلی حکمت یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی اور رسول ہونے والا نہ تھا۔

نمبر۱۔ یعنی یہودی رہ کر پھر رسول اللہ کو کس طرح حکم بنا سکتے ہیں۔ ان کے لیے توریت میں خدائی فیصلہ موجود ہے اگر اسی کو شریعت حقہ سمجھتے ہیں اور اسلام کو قبول نہیں کرتے تو پھر اس پر فیصلہ کریں۔ یہ کیا کہ مذہب تو یہود کا رکھیں اور فیصلہ یہودی شریعت کا قبول نہ کریں ما اولٓئک بالمومنین میں یہی اشارہ ہے کہ ان کا ایمان نہ توریت پر ہے نہ یہ قرآن شریف کو مانتے ہیں۔

نمبر۲۔ اس رکوع میں باہمی تنازعات سے اسلام کے ساتھ ان کے اختلافات کی طرف رجوع کیا ہے بلکہ کل مذاہب کے اسلام سے اختلافات کا ذکر کرکے یہ بتایا ہے کہ ان اختلافوں کا فیصلہ کرنے کے لیے قرآن نازل ہوا ہے۔ توریت ہدایت اور روشنی کو لیے ہوئے نازل ہوئی۔ تحریف سے اس ہدایت اور نور کا کچھ حصہ ضائع کر دیا گیا۔ لیکن بلاشبہ اب بھی اس میں ہدایت اور نور موجود ہے۔

نمبر۳۔ تمام نبی خدا کے کامل فرمانبردار تھے۔ اس لیے ان سب کو مسلم کہا ہے۔ یہاں مراد وہ خاص نبی ہیں جو حضرت موسیٰ کے بعد آئے ان الفاظ سے توریت کا غیر محرف ہونا یا محفوظ رہنا ثابت نہیں ہوتا اور توریت و انجیل میں تحریف کا ذکر کھلے الفاظ میں قرآن کریم کئی دفعہ کر چکا ہے ان الفاظ سے زیادہ سے زیادہ یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ مشائخ اور علماء کو تاکید کی گئی تھی کہ وہ کتاب اللہ کی حفاظت کریں۔ مگر یہ کہیں ذکر نہیں کہ انھوں نے فی الواقع حفاظت بھی کی بلکہ ان

وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

ڈرو۔ اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی قیمت نہ لو اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے اتارا، تو وہی کافر ہیں۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور ہم نے اُس میں اُن پر یہ فرض کیا تھا کہ جان کے بدلے جان، اور آنکھ کے بدلے آنکھ، اور ناک کے بدلے ناک، اور کان کے بدلے کان، اور دانت کے بدلے دانت، اور زخموں میں بدلا ہے۔ پھر جو شخص اُسے معاف کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہوگا اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے اتارا تو وہی ظالم ہیں [1]۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۪ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۶﴾ؕ

اور ہم نے ان کے قدموں پر عیسٰی ابن مریم کو ان کے پیچھے بھیجا اس کی تصدیق کرتا ہُوا جو اس سے پہلے توریت میں سے تھا اور ہم نے اس کو انجیل دی، اس میں ہدایت اور نُور ہے اور اس کی تصدیق کرتی ہوئی جو اس سے پہلے توریت میں سے تھا اور متقیوں کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔

الفاظ سے تو صاف مترشح ہوتا ہے کہ توریت میں تحریف بھی ہوئی کیونکہ اس کی حفاظت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ نہ لیا حالانکہ قرآن کے متعلق فرمایا اِنَّا لَہٗ لحافظون اور یہاں استحفظوا کا مطلب صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ اس کے احکام کی حفاظت کرنے یعنی انھیں نافذ کرنے کے لیے انھیں کہا گیا تھا۔

ایک اور سوال یہ ہُوا ہے کہ جب نبی بھی شریعت توریت پر ہی فیصلے کرتے تھے تو معلوم ہوا کہ ان کو کوئی الگ کتابیں نہیں دی گئیں اور نہ اس شریعت میں کسی قسم کی کمی بیشی تغیر و تبدل ہُوا۔ یہ دونوں نتائج غلط ہیں الگ کتابیں ان انبیاء کو ملنے کا صریح ثبوت تو آیت ۴۶ سے ملتا ہے جہاں اُن میں سے ایک یعنی مسیح کو انجیل دینے کا ذکر ہے کہ توریت میں بے شک ایک شریعت بنی اسرائیل کو دی گئی مگر وقتاً فوقتاً جو انبیاء ظاہر ہوتے رہے وہ اس شریعت کی تکمیل کرتے رہے اور اس کے ساتھ ہی جو کچھ توریت میں تھا اس کے مطابق فیصلے کرتے رہے۔

نمبر [1]۔ جان کے بدلے جان کا حکم تو قرآن شریف میں بیان فرما دیا ہے کتب علیکم القصاص فی القتلیٰ (البقرۃ - ۱۷۸) لیکن زخموں میں قصاص یا دانت وغیرہ کا حکم قرآن شریف میں نہیں پایا جاتا۔ صرف توریت میں ہے۔ قرآن شریف میں اس کی بجائے وسیع حکم ہے جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا پس جیسی سزا حالات وقتی کے مناسب ہو دی جائے گی۔

وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ بِمَآ أَنْزَلَ
اللّٰهُ فِيهِ ۗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ
اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿۴۷﴾
وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا
عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا
تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۗ
لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۗ
وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً
وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا
الْخَيْرٰتِ ۗ إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا

اور ہم نے کہا تھا کہ انجیل کے پیرو اس کے مطابق فیصلہ
کریں جو اللہ نے اس میں اتارا اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ
کرے جو اللہ نے اتارا تو وہی نافرمان ہیں ۱؎
اور ہم نے تیری طرف کتاب حق کے ساتھ اتاری اس
کی تصدیق کرتی ہوئی جو اس سے پہلے کتاب میں سے ہے اور اُس پر
نگہبان ۲؎ سو اُن کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کر جو اللہ
نے اتارا اور اس کو چھوڑ کر جو تیرے پاس حق آیا اُن
کی خواہشوں کی پیروی نہ کر ۳؎ ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک
شریعت اور طریق مقرر کیا ۴؎ اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک ہی گروہ بنا دیتا
لیکن وہ چاہتا ہے کہ جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمہارے جوہر پرکھے
سو نیکیوں کو آگے بڑھ کر لو تم سب کو اللہ کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے پس

نمبر۱۔ ولیحکم یا تو بطور حکایت ہے یعنی ہم نے اہل انجیل کو انجیل دیکر یہ کہا تھا کہ جو کچھ اس میں اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے اس کے مطابق فیصلہ کرو اور یا رسول اللہ ؐ کے زمانہ کے نصاریٰ مخاطب ہیں کہ اس انجیل میں آنحضرت صلعم کی صداقت کی پیشگوئیاں ہیں پھر ان کو کیوں رد کرتے ہو آیت ۴۴ - ۴۵ - ۴۷ کے آخری الفاظ ملتے جلتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ اوّل میں کافر، دوم میں ظالم، سوم میں فاسق کا لفظ آتا ہے۔ آیت ۴۴ میں محض کتاب اللہ کا انکار ہے اس لیے اسے کفر کہا۔ آیت ۴۵ میں اس کے ان احکام سے عملی انکار ہے جو دوسروں سے تعلق رکھتے ہیں اُسے ظلم کہا۔ آیت ۴۷ میں پیشگوئیوں یا مواعظ وغیرہ کا انکار ہے اسے فسق کہا ۔

نمبر۲۔ قرآن شریف کی دو شانوں کا بیان کیا ہے ایک تو وہ پہلی کتابوں کا مصدّق ہے یعنی ان کا منجانب اللہ ہونا مانتا ہے اور ان کی پیشگوئیوں کو پورا کر کے ان کو سچا ٹھہراتا ہے اور دوسرے وہ ساری کتب سابقہ کا محافظ ہے۔ یعنی ان کی اصلی تعلیم کی حفاظت کرتا ہے اور جو اُن میں تحریف ہوئی تھی اس کو غلط ٹھہراتا ہے اور یوں ان کے اختلافات کا بھی فیصلہ کرتا ہے۔ انجیل کو بھی توریت کا مصدق کہا ہے مگر اس پر مہیمن قرار نہیں دیا۔ لیکن قرآن کو کل کتب سابقہ پر مہیمن قرار دیا ہے۔ اس لفظ کے استعمال سے بھی توریت وانجیل وغیرہما کی تحریف کا فیصلہ کر دیا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ قرآن کریم میں تحریف نہ ہو گی اور مہیمن کہہ کر شرائع سابقہ کے منسوخ ہونے کا فیصلہ بھی کر دیا ہے۔ کیونکہ اب وہی تعلیم دنیا میں رہے گی جس نے پہلی صحیح تعلیموں کی جن کی ضرورت نسل انسانی کو ہمیشہ کے لیے تھی حفاظت کر کے اپنے اندر لے لیا۔

نمبر۳۔ جب قرآن کریم کے مہیمن یعنی کتب سابقہ کے ناسخ ہونے اور ان کی صحیح تعلیم کے محافظ ہونے کا ذکر کیا تو اب فرمایا کہ مختلف مذاہب میں صحیح فیصلے اب قرآن شریف ہی کرے گا۔ اس بات پر کہ یہاں ذکر مقدمات کا نہیں بلکہ اختلافات مذہبی کا ہے یہ قطعی شہادت ہے کہ اس کے بعد فوراً یہ ذکر ہے کہ ہم نے تم میں سے سب کے لیے یعنی مختلف قوموں کے لیے ایک شریعت اور ایک طریق مقرر کر دیا تھا اور پھر آیت کے آخر پر صاف فرما دیا کہ جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تم کو ان کی خبر دیگا۔ لمابین یدیہ من الکتاب میں دنیا کی کل پہلی کتابیں آگئیں ۔

نمبر۴۔ یعنی نزول قرآن سے پہلے سب قوموں میں نبی بھیجے ۔

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ۝٤٨

جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے وہ تمھیں بتا دیگا ۔

وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا
تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ
عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ فَإِنْ
تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ
بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِنَ
النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ۝٤٩

اور کہ ان کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کرو، جو اللہ نے اتارا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر اور ان سے احتیاط کرتے رہو مبادا البعض ان باتوں سے ہٹا کر تجھے دکھ میں ڈال دیں جو اللہ نے تیری طرف اتاریں پھر اگر وہ پھر جائیں تو جان لو کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے ان پر مصیبت ڈالے ۔ اور بہت سے لوگ بلاشبہ نا فرمان ہیں ۔

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ
ع مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝٥٠

کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں اور ان لوگوں کے لیے جو یقین رکھتے ہیں اللہ سے بہتر فیصلہ دینے والا کون ہے ؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ
وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ
بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ
إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝٥١

اے لوگو ! جو ایمان لائے ہو یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست مت بناؤ ، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں انھیں دوست بناتا ہے تو وہ انہی میں سے ہے اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا ۔

نمبرا ۔ یہاں ان اختلافات کی حکمت کو بیان کیا ہے جو طبائع انسانی میں پائے جاتے ہیں اکثر لوگ یہ کہتے ہیں کہ جب مذہب اسلام ایک ایسی اعلیٰ درجہ کی صداقت ہے تو کیوں نہ ایسا ہوا کہ سب لوگ فوراً قبول کر لیتے اور اختلاف نہ کرتے ۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اگر تم کو ایسا بنانا چاہتا کہ تم میں اختلاف طبائع ہی نہ ہوتا تو ایسا بھی کر سکتا تھا کہ سب ایک ہی گروہ بن جائے ۔ لیکن اس کی حکمت کا تقاضا یہی ہوا ہے کہ انسانوں میں اختلاف طبائع رکھے ۔ اس اختلاف طبائع کی وجہ سے بعض لوگ ایک بات کو قبول کر لیتے ہیں تو بعض رد کر دیتے ہیں ۔ مگر یہ اختلاف طبائع جو بعض انسانوں کو قبولیت حق سے محروم کر دیتا ہے ایک بے معنی اختلاف نہیں بلکہ اس کے اندر بڑی حکمت یہ ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر قویٰ اور استعدادیں رکھی ہیں وہ یوں نشو و نما پائیں اگر اختلاف طبائع نہ ہوتا تو انسان کو کمالات حاصل کرنے کا بھی کوئی موقعہ نہ ہوتا ۔ اس لیے نصیحت کے طور پر فرماتا ہے کہ نیکیوں کو آگے بڑھ کر لو تاکہ تمھارے کمالات جو تمھارے اندر مخفی ہیں نشو و نما پائیں اور ظاہر ہوں ۔

نمبر۲ ۔ یہاں انہی یہود و نصاریٰ کی ولایت سے روکا ہے جو اسلام سے عداوت رکھتے ہوئے اسلام کی تباہی کے درپے تھے اور اسلام کے خلاف لوگوں کو اکساتے تھے ابن جریر اس معنی کو ترجیح دیتے ہیں کہ یہ ایسی ولایت سے روکا ہے جو من دون المومنین ہو یعنی مسلمانوں کے خلاف یا جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو اسلام میں اس قسم کی تنگدلی نہیں کہ اپنے متبعین کو دوسروں سے ملنے کی اجازت نہ دیتا ہو یا ان سے کسی قسم کے تعلقات ضروری سے جو مدنی حیثیت میں پیش آتے ہیں روکتا ہو ۔ انہی اہل کتاب کی شریف بیبیوں کو زوجیت میں لانے کی اجازت دی ہے ۔ یہی اہل کتاب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایرانیوں کے مقابل جنگ میں شامل تھے اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر لڑتے تھے ۔ ہاں ان لوگوں میں جو ہمارے مذہب کے دشمن ہیں اور ان میں جو ایسے نہیں اسلام نے فرق کرنا سکھایا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جو ایسے لوگوں سے ساز باز رکھتا ہے وہ ان کے خیالات

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ
فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ
فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ
مِنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَى مَا أَسَرُّوا
فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ ۚ ﴿۵۲﴾

پس جس کے دلوں میں بیماری ہے تو اُن کو دیکھے گا کہ اُن (کی دوستی) کے لیے جلدی کرتے ہیں کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر کوئی گردش نہ آجائے سو قریب ہے کہ اللہ فتح یا اپنی طرف سے کوئی امر لائے ۱؎ پس ان باتوں پر جن کو اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں پشیمان ہوں گے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ
أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ
لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ﴿۵۳﴾

اور جو ایمان لائے کہیں گے کیا یہ وہی ہیں جنھوں نے اللہ کی قسمیں بڑی مضبوط قسمیں کھائی تھیں کہ وہ یقیناً تمھارے ساتھ ہیں ان کے عمل ضائع ہوئے سو وہ نقصان اٹھانے والے ہوگئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ
عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ
يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ۙ أَذِلَّةٍ عَلَى
الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ ۚ
يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ
لَوْمَةَ لَائِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ
مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۵۴﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ ایک قوم لائے گا وہ ان سے محبت رکھے گا اور وہ اس سے محبت رکھیں گے۔ مومنوں کے سامنے نرم، کافروں کے مقابلہ میں غالب، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں گے۔ یہ اللہ کا فضل ہے، جسے چاہے اس کو دے اور اللہ فراخی والا جاننے والا ہے ۲؎

سے متاثر بھی ہوگا اور یوں انہی میں سے ہو جائے گا یہی معنی ہیں فانہ، منہم کے۔

نمبر۱- یعنی یا مسلمانوں کی فتح ہو یا کسی اور طرح اسلام کا غلبہ ہو جائے۔

نمبر۲- اعزۃ - عزیز کی جمع ہے اور عزۃ اس حالت کا نام ہے جب انسان مغلوب نہ ہو۔ دشمن کے سامنے مغلوب نہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس کا اثر قبول نہ کرے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا اشداء علی الکفار اور یوں تو مسلمانوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت سے لیکر آج تک کبھی نہ کبھی غیر مسلموں کے ماتحت بھی رہنا پڑا ہے۔ پس اعزۃ میں جسمانی مغلوبیت کی نفی مراد نہیں۔ بلکہ اخلاقی اور روحانی مغلوبیت کی نفی مراد ہے بلکہ جب غیر مسلم حکام کے ماتحت رہنا پڑے تو اس صفت عزیز کے اظہار کی اور بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اسوقت الناس علیٰ دین ملوکھم والا معاملہ ہوتا ہے۔ لوگ بادشاہوں کے دین، اُن کے اوضاع و اطوار کی طرف زیادہ جھکتے ہیں۔ اُن سے مرعوب ہو کر راہِ حق کو ترک کر دیتے ہیں پس ایسے وقت میں مسلمان کو یہ تعلیم دی ہے کہ جسمانی طور پر ان سے مغلوب ہونے کے باوجود بھی اخلاقاً ان پر غالب ہو اور اس قسم کی ذلت ان کے سامنے اختیار نہ کرے جس سے اخلاق پر، مذہب پر، روحانیت پر برا اثر پڑے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تو شاذو نادر ہی کوئی ارتداد کا واقعہ ہوا ہے یہاں تک کہ ابوسفیان کی شہادت حالت کفر میں ہرقل کے سامنے

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿٥٥﴾

تمھارے دوست صرف اللہ اور اس کا رسول ہیں اور وہ جو ایمان لائے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ جھکنے والے ہیں؎۱

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿٥٦﴾ ع

اور جو اللہ اور اس کے رسول کو اور ان کو جو ایمان لائے دوست بناتا ہے تو یقیناً اللہ کی جماعت ہی غالب ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو ان میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمھارے دین کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں اور (نہ) کافروں کو اور اللہ کا تقویٰ کرو اگر تم مومن ہو۔

وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿٥٨﴾

اور جب تم نماز کے لیے بلاتے ہو تو اس کو ہنسی اور کھیل بناتے ہیں یہ اس لیے کہ یہ لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے؎۲

یہ تھی کہ مسلمانوں میں سے کوئی شخص اپنے دین سے بیزار ہو کر ارتداد اختیار نہیں کرتا۔ سب سے بڑا فتنہ ارتداد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں اُٹھا، جب سارے ملک عرب میں بغاوت پھیل گئی، اور قریب تھا کہ باغی سلطنتِ اسلام کا نام و نشان مٹا دیں حضرت ابوبکرؓ کا قدم اس عظیم الشان فتنہ میں انبیاء کی طرح مضبوط رہا اور یہ تمام قومیں پھر اسلام میں داخل ہوئیں پس ابوبکرؓ اور آپ کے ساتھی یحبھم و یحبونہٗ کے مصداق ہیں یعنی خدا ان سے محبت رکھتا تھا اور وہ خدا سے محبت رکھتے تھے اور قرآن کریم کی یہ شہادت آپ کے حق میں ان تمام زبان درازیوں کا کافی جواب ہے جو اہل تشیع نے کی ہیں اس زمانہ میں یعنی آج سے کوئی پچاس سال پیشتر البتہ ارتداد زیادہ واقع ہوا اور یہ ارتداد اسلام سے عیسائیت کی طرف ہے اور اس کی دیکھا دیکھی اب ہندؤں نے بھی مسلمانوں کو مرتد کرنے کا تہیہ کیا ہے۔ انہی فتنوں کے مقابلہ کے لیے اس صدی کے مجدد حضرت مرزا غلام احمد صاحبؒ نے ایک جماعت تیار کی جو اس وقت تبلیغ کے کام میں مصروف ہے۔

نمبر۱۔ کہا جاتا ہے کہ اس آیت کے مصداق حضرت علیؓ ہیں اس لیے کہ آپ نے حالتِ رکوع میں اپنی انگوٹھی ایک سائل کو دے دی تھی اور یہ آیت انہی کے لیے ہے کہ حالت رکوع میں وہ زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اول تو یہ فعل خود کوئی ایسا قابلِ تعریف فعل نہیں کہ ایک شخص نماز پڑھتے پڑھتے اپنی انگوٹھی سائل کو دیدے۔ اس سے بڑھ کر ایثار کے کام وہ ہیں جو حضرت ابوبکرؓ سے ظاہر ہوئے کہ بارہا اپنا سارا مال خدا کی راہ میں لٹا دیا مکہ میں بھی اور مدینہ میں بھی۔ دوسرا لوگ مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے آتے ہیں نہ زکوٰۃ دینے کے لیے۔ تیسرا یہاں تو ہے کہ زکوٰۃ دیتے ہیں اور حضرت علیؓ کا انگوٹھی دینا زکوٰۃ نہ تھا اور زکوٰۃ بیت المال میں دیجاتی تھی ھم راکعون کے معنی صاف یہی ہیں کہ وہ احکام الٰہی کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا چونکہ دو عظیم الشان رکن اس فرمانبرداری کے تھے ان کا علیحدہ ذکر کر دیا ہے۔ اس سے حضرت علیؓ کی فضیلت اور امامت کی دلیل لینا بہت ہی بودی بات ہے۔

نمبر۲۔ ندائے صلوٰۃ یعنی اذان کا ذکر کیا کہ اس کی بھی تحقیر کرتے ہیں اور اسے ایک لغو چیز سمجھتے ہیں۔ اذان کو یہاں اس قدر وقعت دی ہے کہ شعائرِ اسلامی میں اسے ایک ایسی چیز قرار دیا ہے جس کی تحقیر گویا دین اسلام کی ہی تحقیر ہے اور یہ سچ بھی ہے اس لیے کہ اذان اصولِ اسلامی کا ایک اعلان ہے اور یہ بات اسلام سے خاص ہے کہ اس اصول کی منادی اس قدر زور سے دنیا میں پانچ وقت ہوتی ہے تاکہ سب لوگ اسلام کے اصول سے واقف ہو جائیں اور

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ
اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ
مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾

کہہ اے اہل کتاب تم ہم پر کس لیے عیب لگاتے ہو صرف
اس لیے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف اتارا گیا
اور اس پر جو پہلے اتارا گیا اور تم میں سے اکثر نافرمان ہیں ۱؎

قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً
عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ
وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ
الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ
عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿۶۰﴾

کہہ میں تم کو بتاؤں کہ اللہ کے نزدیک اس سے بدتر بدلہ پانے والا
کون ہے وہ جس پر اللہ نے پھٹکار کی اور اس پر ناراض ہوا۔
اور اُن میں سے بندر اور سؤر بنائے اور وہ جس نے
شیطان کی پرستش کی۔ یہ مرتبہ میں بدتر اور سیدھے راستہ
سے بہت دُور بھٹکے ہوئے ہیں ۲؎

وَاِذَا جَآءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا
بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ
اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿۶۱﴾

اور جب تمہارے پاس آتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور وہ
یقیناً کفر کے ساتھ آئے اور وہ یقیناً اس کے ساتھ ہی نکل گئے اور
اللہ اس کو خوب جانتا ہے جو چھپاتے ہیں۔

وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ
مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور تو اُن میں سے اکثر کو دیکھے گا کہ وہ گناہ اور زیادتی
میں اور حرام کھانے میں جلدی کرتے ہیں، بیشک
جو وہ کرتے ہیں بُرا ہے۔

اس میں مذہب اسلام کی صداقت پر ایک شہادت ہے اس لیے کہ جب تک کسی کے دل میں صداقت کا پورا یقین نہ ہو اُسے یہ جرأت نہیں ہوتی کہ اپنی باتوں کا اس قدر زور سے بار بار دنیا میں اعلان کرے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہاں اذان کو دین اسلام کے عظیم الشان ارکان میں سے قرار دیا ہے حالانکہ یہ کلمات ایک رؤیا میں حضرت عمرؓ کو اور ایک صحابی کو بتائے گئے تھے مگر ان پر تصدیق نبوی کی مہر نے انھیں دین اسلام کے ارکان میں داخل کر دیا۔

نمبر ۱۔ ان کے استہزاء کا ذکر کر کے اب بتایا کہ یہ استہزا بھی دشمنی کی وجہ سے ہے اسی لیے سوال کیا ہے کہ کس وجہ سے تم ہم کو بُرا سمجھتے ہو حالانکہ کفار کو تم ایسا بُرا نہیں سمجھتے۔ لیکن مسلمانوں میں اور کافروں میں اگر فرق ہے تو یہی کہ مسلمان اللہ پر اور اس کی وحی پر ایمان لاتے ہیں۔

نمبر ۲۔ قردۃ سے مراد اصحاب سبت اور خنازیر سے مراد حضرت عیسیٰؑ کے اصحاب مائدہ لیے گئے ہیں۔ یعنی جن کے لیے حضرت عیسیٰؑ نے مائدہ طلب کیا۔ ظاہر ہے کہ اصحاب السبت نے سبت کے دن جو ان کی عبادت کے لیے مقرر کیا گیا تھا عبادت کو ترک کر دیا اور دنیا میں غرق ہو گئے۔ اسی طرح یہ مائدہ والا گروہ حضرت عیسیٰؑ کے پیرووں میں سے وہ گروہ ہے جو روٹیوں پر گر گیا اور مذہب کی غرض بھی سوائے حظ جسمانی کے اُن کے نزدیک کوئی اور نہ رہی جس طرح بندر بننے سے مراد مسخ قلوب ہے اسی طرح خنزیر بنانے سے مراد خنزیر صفت بنانا ہے۔ حدیث میں مسیح موعودؑ کے متعلق آتا ہے یکسر الصلیب و یقتل الخنزیر۔ حالانکہ مراد صرف یہ ہے کہ عیسائیت کے مذہبی غلبہ کو توڑے گا۔ ورنہ یہ کسی مصلح کا کام نہیں ہو سکتا کہ جنگلوں میں جا کر سؤروں کو مارتا پھرے پس مراد غلبہ صلیبی کا دور کرنا اور صفت خنزیریت کی ہلاکت ہے جو ایک خنزیر خور قوم میں ترقی کر گئی ہے۔

لَوْ لَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ
قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ
لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾

کیوں ان کو مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے نہیں روکتے یقیناً بُرا ہے، جو وہ کرتے ہیں [1]۔

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ؕ غُلَّتْ
اَيْدِيْهِمْ وَ لُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ
مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَآءُ ؕ وَ لَيَزِيْدَنَّ
كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ
طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ؕ وَ اَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ
وَ الْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَاۤ اَوْقَدُوْا
نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَ يَسْعَوْنَ فِى
الْاَرْضِ فَسَادًا ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۴﴾

اور یہودی کہتے ہیں اللہ کا ہاتھ بندھا ہُوا ہے، انہی کے ہاتھ باندھے گئے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں اس کی وجہ سے اُن پر پھٹکار کی گئی [2] بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے [3] اور وہ جو تیرے رب سے تیری طرف اتارا گیا ضرور ان میں سے بہتوں کو سرکشی اور کفر میں بڑھائیگا اور ہم نے اُن کے درمیان قیامت کے دن تک دشمنی اور بغض ڈال دیا ہے۔ جب کبھی وہ لڑائی کے لیے آگ جلاتے ہیں اللہ اس کو بجھا دیتا ہے اور وہ زمین میں فساد پھیلاتے دوڑتے ہیں اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا
عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾

اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے تو ہم ضرور اُن سے اُن کی بُرائیاں دور کر دیتے اور ان کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے۔

وَ لَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ
وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا

اور اگر وہ توریت اور انجیل کو اور جو اُن کی طرف ان کے رب سے اتارا گیا ہے قائم رکھتے تو اپنے اوپر سے اور اپنے

نمبر۱۔ اگلی آیت میں پھر یہود کا نام لے کر ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہُوا کہ یہاں یہود و نصاریٰ دونوں کا ذکر ہے اور حسن کا قول ہے کہ ربانی علمائے انجیل ہیں اور احبار علمائے توریت جس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ قردۃ میں بنی اسرائیل کے نافرمانوں کی طرف اور خنازیر میں عیسائی شہوت پرستوں کی طرف اشارہ ہے۔

نمبر۲۔ محاورہ میں مغلول الید بخیل کو کہا جاتا ہے اور دوسری جگہ ہے لا تجعل یدك مغلولة الی عنقك ..... یہودیوں کے استہزا کی مثال دی ہے۔ عیسائی آج اس سے بھی بڑھ کر استہزا کرتے ہیں۔ یہودی مسلمانوں کے مالی مصائب پر تمسخر کرتے تھے کہ مسلمانوں کا خدا بخیل ہو گیا ہے اور عیسائی کہتے ہیں کہ اگر دین اسلام سچا ہوتا تو سیاسی رنگ میں اس کا زوال کیوں ہوتا۔ اس کا جواب جو غلت ایدیھم سے دیا ہے اس سے مراد پیشگوئی کے طور پر یہ ہے کہ اسلام کی مخالفت میں ان کے ہاتھ ایسے باندھے جائیں گے کہ یہ مخالفت نہ کر سکیں گے۔

نمبر۳۔ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں یعنی وہ دونوں قسم کی نعمتیں دینی و دنیوی اپنی عبادت کرنے والوں کو دے گا اور یہ پیشگوئی ہے مگر لفظ ایسے اختیار فرمائے ہیں کہ جو کچھ عیسائی کہتے ہیں اس کا بھی جواب آ گیا ہے۔ ید کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا بلحاظ اپنے اصل معنے کے ہے یعنی طاقت کے معنے ہے کیونکہ ہاتھ ہی انسان کی طاقت کا موجب ہے۔

مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ؕ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ؕ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۶۶

پاؤں کے نیچے سے کھاتے رہتے۔ ان میں سے ایک گروہ میانہ رَو ہے اور بہت سے ان میں سے بُرے کام کرتے ہیں[1]۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۶۷

اے رسول جو کچھ تیرے رب سے تیری طرف اتارا گیا، پہنچا دے اور اگر تو (ایسا) نہ کرے تو تُونے اس کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور اللہ تجھے لوگوں سے محفوظ رکھے گا[2]۔ اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ

کہہ اے اہل کتاب تم کسی (سچائی) پر نہیں، یہاں تک

نمبر۱۔ ما انزل الیھم من ربھم سے مراد قرآن شریف ہے۔ چنانچہ پچھلی آیت میں بجائے اقامت توریت وانجیل وما انزل کے لو انھم امنوا واتقوا ہے یعنی وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے اور ایمان لانے سے مراد محمد رسول اللہ صلعم پر ایمان لانا ہی ہے۔ ما انزل کے ساتھ توریت وانجیل کی اقامت کا ذکر اس لیے کیا کہ توریت وانجیل میں صریح پیشگوئیاں آنحضرت صلعم کی تشریف آوری کی ہیں۔ لاکلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم اوپر کا رزق برکات سماوی ہیں اور نیچے کا رزق برکات ارضی۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ صرف رزق تحت ارجل کی طرف جھک گئے ہیں۔ یعنی اس دنیا کی زندگی پر۔ حالانکہ اگر یہ قرآن شریف کو قبول کرتے تو روحانی اور جسمانی دونوں قسم کی برکات سے متمتع ہوتے۔ امۃ مقتصدۃ سے مراد اچھے اور بُرے کے بین بین ہے۔ یوں باوجود اُن کی اس قدر مخالفت کے ان کے اندر نیکی کو تسلیم کیا ہے۔

نمبر۲۔ جب یہود ونصاریٰ کی عداوت واستہزا کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا کہ اُن سے میانہ روی تھوڑوں میں پائی جاتی ہے اور اکثر کی حالت بہت بُری ہے تو اب فرماتا ہے کہ تمہارا کام پیغام کا پہنچا دینا ہے اور اگر کسی قوم کے غلبہ کی وجہ سے یا اُن کے دنیوی جاہ وجلال سے ڈر کر ایک پیغام کو نہ پہنچاؤ گے تو تم نے کسی پیغام کو بھی نہیں پہنچایا۔ رسول میں اس کے پیرو بھی شامل ہیں جو اس کے بعد اس پیغام کو دنیا میں پہنچانے والے قرار پائے۔ ہاں ایسے حالات میں جب چاروں طرف دشمن ہی دشمن ہوں پیغام کا پہنچانا آسان کام نہیں اس لیے ساتھ ہی یہ وعدہ دیا کہ ان دشمنوں سے اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے دین کو محفوظ رکھے گا اور ضمناً اس میں رسول اللہ صلعم کی عصمت کو بھی بیان کر دیا اور فی الحقیقت اس عصمت کا اور دشمنوں کے شر سے بچانے کا بڑا تعلق بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جب انبیاء کو ایک صفا جوہر سے بناتا ہے جیسا کہ عصمت کے معنی امام راغب نے لکھے ہیں تو وہ غرض جس کے لیے وہ ایسا کرتا ہے پوری نہیں ہوتی اگر وہ ان کو دشمنوں کی شرارتوں اور منصوبوں سے محفوظ نہ رکھے یہاں تک کہ اپنا پیغام پورے طور پر دنیا میں پہنچا دیں۔ پس عصمت حقیقی اور عصمت ظاہری ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اور یہاں دونوں مراد ہیں۔ اہل تشیع کا یہ خیال کہ اس آیت میں تبلیغ سے مراد حضرت علیؓ کی خلافت کی تبلیغ ہے۔ الفاظ سے ہنسی ہے گویا ما انزل الیک سے مراد پیغام توحید اور نیکی کی دعوت نہیں بلکہ حضرت علیؓ کی خلافت کا ملنا ہے اور وہ شیعہ کے خیال کے مطابق ہے یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعدا مکہ کی نسبت بہت زیادہ ہو گئے تھے۔ وہاں صرف قریش تھے یہاں ایک گروہ منافقوں کا، ایک یہود کا، ایک عیسائیوں کا، پھر سب قبائل عرب خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اور قریش نے اب اپنی ساری طاقت کو اکٹھا کر کے مسلمانوں کو تباہ کرنے کی ٹھان لی تھی اس لیے وعدۂ حفاظت کی خاص ضرورت ہوئی اور اس قدر دشمنوں میں جو شب و روز آپ کی جان کے درپے تھے آپ کا بچ رہنا ایک عظیم الشان معجزہ ہے اور چونکہ اس رکوع میں عیسائیوں کے غلو کا خاص رد ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ مخالفت دین اسلام کی اس قوم کی طرف سے ہونے والی تھی اور یہی سب سے بڑے دشمن عصمت انبیاء کے تھے۔ اس لیے ان کے غلو کا ذکر کرنے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت کا ذکر کیا تا اُن پر اتمام حجت ہو اور تا مسلمان ان کی مخالفت سے گھبرائیں نہیں۔

حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ
اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ
كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ
طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَي
الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾

کہ توریت اور انجیل کو قائم رکھو اور اس کو جو تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف اتارا گیا اور جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی طرف سے اتارا گیا یقیناً اُن میں سے بہتوں کو سرکشی اور انکار میں بڑھائے گا، سو تو کافر قوم پر افسوس نہ کر۔[1]

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا
وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾

وہ جو ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور صابی اور عیسائی جو کوئی اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے، تو اُن پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ پچھتائیں گے۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ
وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ
رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا
كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾

یقیناً ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور اُن کی طرف رسول بھیجے۔ جب کبھی ان کے پاس رسول وہ چیز لے کر آیا جس کو ان کے دل نہیں چاہتے تھے، ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کرنے لگے۔

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا
وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ
عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ

اور اُنھوں نے گمان کیا کہ کوئی خرابی نہ ہوگی، سو وہ اندھے اور بہرے ہوگئے، پھر اللہ نے اُن پر رجوع برحمت کیا، پھر اُن میں سے بہت سے اندھے اور بہرے ہوگئے

نمبر۱۔ آنحضرت صلعم کی عصمت کا ذکر کر کے اب عیسائیت کے خلاف دلائل کی طرف رخ کیا ہے اور اس بحث میں سب سے پہلے ان کو اہل کتاب کہہ کر اصول بحث کی طرف بلایا ہے یعنی یہ کہ توریت وانجیل اور ان کتابوں کو جو تمھارے انبیاء کی وساطت سے تمھاری طرف نازل ہوئیں (ما انزل الیکم من ربکم) ان کو قائم کرو جو کچھ ان میں ہے وہ بطور اصول تسلیم کرو۔ یہاں چونکہ عیسائیت کے ساتھ بحث شروع ہوتی ہے اس لیے ان کو بتایا ہے کہ اس بحث میں تمھارے ہاتھ میں کوئی سچائی نہیں جس کی طرف توجہ کی جائے جب تک کہ اپنی کتب مقدسہ کے اصول کو تسلیم نہ کرو اور ان لوگوں کی وحی کو نہ مانو جن کو تم انبیاء تسلیم کرتے ہو ان تمام کتابوں کا اصول متفقہ توحید الٰہی اور خدا کی طرف سے شریعت اور ہدایت کا ملنا اور اعمال صالحہ کا بجا لانا ہے۔ نہ کہیں تثلیث کا ذکر ہے نہ کفارہ کا یہاں تک کہ خود انجیل میں خدائے واحد کے ایک ہونے کی شہادت موجود ہے لیکن عیسائی ان تمام باتوں کو رد کر کے ایک نیا مذہب بناتے ہیں جس کی بنا تثلیث اور کفارہ پر ہے۔

بَصِيرٌۢ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٧١﴾
لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّ اللَّهَ هُوَ
الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۖ وَقَالَ الْمَسِيحُ
يَٰبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ اعْبُدُوا۟ اللَّهَ رَبِّى وَ
رَبَّكُمْ ۖ إِنَّهُۥ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ
حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَىٰهُ
النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّٰلِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ ﴿٧٢﴾
لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوٓا۟ إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ
ثَلَٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّآ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ ۚ
وَإِن لَّمْ يَنتَهُوا۟ عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ
الَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٧٣﴾
أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَهُۥ ۚ وَاللَّهُ
غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٧٤﴾
مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ ۚ

اور اللہ دیکھتا ہے جو وہ کرتے ہیں ؎۱
یقیناً وہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم
ہی اللہ ہے - اور مسیح نے کہا اے بنی
اسرائیل اللہ کی عبادت کرو، جو میرا اور تمہارا رب
ہے ؎۲ جو اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو اللہ
نے اس پر جنت کو حرام کر دیا ہے اور اس کا ٹھکانا
آگ ہے اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں۔
یقیناً وہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں کا تیسرا
ہے اور معبود تو سوائے ایک معبود کے کوئی نہیں
اور اگر وہ اس سے نہ رکیں گے جو کہتے ہیں تو ضرور
ان کو جو اُن میں سے کافر ہیں دردناک عذاب پہنچے گا۔
تو کیا یہ اللہ کے حضور توبہ نہیں کرتے اور اس کی بخشش نہیں
چاہتے اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔
مسیح ابن مریم صرف رسول ہے۔ اس سے

نمبر۱- اندھے اور بہرے ہونے سے مراد یہی ہے کہ اصولِ حقہ کو ترک کر کے نئے اصول بنا لیے۔ چنانچہ اس کی تشریح صاف اگلی آیت میں کر دی ہے۔ پہلی مرتبہ اندھے اور بہرے ہونا حضرت عیسیٰؑ کے بعد کا فتنہ ہے۔ جب عیسائیوں نے توحید اور شریعت کو ترک کر کے تثلیث اور کفارہ کے عقاید ایجاد کر لیے۔ ان پر رجوع برحمت کرنا آنحضرت صلعم کا مبعوث فرمانا ہے۔ مگر پھر بھی یہ راہِ راست پر نہ آئے، اندھے اور بہرے ہی رہے بلکہ کثرت انہی کی ہو گئی اور موحد گروہ بالکل مٹ گیا۔

نمبر۲- یہاں صراحت کر دی کہ وہ اندھا اور بہرہ ہونا جس کا ذکر اوپر ہے وہ توحید الٰہی سے انحراف ہی ہے عیسائیوں کے عقیدہ کو یہاں اور آیت ۱۷ میں یوں بیان کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے اور اس سے اگلی آیت میں یعنی آیت ۷۳، میں اور النساء ۱۷۱، انہیں تین خداؤں کا ماننا ان کا عقیدہ بتایا بعض لوگوں نے اسے اختلاف سمجھ کر یوں توجیہ کی ہے کہ بعض فرقوں کا ایک عقیدہ تھا، بعض کا دوسرا۔ مگر اصل یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں درست ہیں۔ اور ماحصل ایک ہی ہے عیسائی مانتے تو یہی ہیں کہ تین اقنوم ہیں باپ بیٹا، روح القدس۔ لیکن عملی رنگ میں مسیح ہی مسیح رہ جاتا ہے کیونکہ نجات دہندہ وہی ہے اور سارا تعلق اسی سے ہے۔ سارا زور اسی کی خدائی ثابت کرنے پر صرف کیا جاتا ہے اور اسی کی خدائی کی اشاعت دنیا میں ہوتی ہے۔ پس دونوں باتیں درست ہیں۔ ایک ان کا کتابی عقیدہ ہے اور ایک عملی۔ اس عقیدہ کے بالمقابل مسیح کا قول پیش کیا ہے کہ وہ خود خدا کی عبادت کی طرف بلاتا تھا۔ اگر خدا ہوتا تو خود کیوں خدا کی عبادت کرتا اور اس کی عبادت کی طرف بلاتا۔ دیکھو متی ۴: ۱۰۔ آیت ۴، میں ان کے بالآخر حق کی طرف رجوع کا ذکر کیا ہے اور اگلے رکوع میں اُن کے اسلام سے قرب کے ذکر میں اسی کی تائید پائی جاتی ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۗ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ۗ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٧٥﴾

پہلے بھی رسول گزر چکے - اور اس کی ماں صدیقہ تھی - وہ دونوں کھانا کھاتے تھے ـ دیکھو کس طرح ہم اُن کے لیے باتیں بیان کرتے ہیں پھر دیکھو یہ کس طرح اُلٹے پھرے جاتے ہیں ؏

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا ۗ وَ اللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٦﴾

کہہ کیا تم اللہ کے سوائے اُس کی عبادت کرتے ہو جس کو نہ تمھارے نقصان کا اختیار ہے اور نہ نفع کا اور اللہ ہی سننے والا جاننے والا ہے ـ

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٧٧﴾ ع

کہہ اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور اُن لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو ـ جو پہلے گمراہ ہوئے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ سے بھٹک گئے ؎

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۗ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٧٨﴾

جن لوگوں نے بنی اسرائیل میں سے کفر کیا ، اُن پر داؤدؑ اور عیسیٰؑ ابن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی یہ اس لیے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور حد سے بڑھ جاتے تھے ؎

نمبر۱۔ مسیح کی خدائی کی تردید میں اُن کی ماں کا ذکر قرآن شریف نے ہمیشہ کیا ہے یہ تبلانے کو کہ ایک عورت کے فرزند کو خدا بنایا جاتا ہے اور دونوں کے کھانا کھانے کا ذکر اس لیے کیا کہ جو کھانا کھاتا ہے وہ تمام حوائج بشری کا محتاج ہے ـ جب کھانا کھائیگا تو پیشاب پاخانہ بھی کرے گا اور وہ خدا نہیں ہوسکتا جو کھانے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا ـ یہ ایک نہایت ہی بیّن دلیل ہے مگر افسوس ہے کہ عیسائی توجہ نہیں کرتے ـ مگر ان پر کیا افسوس ہے جب مسلمانوں کی اپنی ہی یہ حالت ہے کہ ان کھلے الفاظ کے ہوتے ہوئے کہ مسیح کھانے کے محتاج تھے یہ مان رہے ہیں کہ دو ہزار سال سے اسی جسد عنصری کے ہوتے ہوئے کھانے کے محتاج نہیں نہ دیگر حوائج بشری کے اور عیسائی ایسے عقیدہ سے اس کی الوہیت کی دلیل لے کر خود مسلمانوں کو گمراہ کر رہے ہیں ـ

نمبر۲ـ یہاں یہ بتایا ہے کہ ایک انسان کو خدا بنانا یہ پہلی گمراہ قوموں کی پیروی ہے ـ یہ الزام جو قرآن کریم نے عیسائیوں پر دیا ہے اس کی صداقت کا اعتراف آج خود عیسائی کہلانے والے لوگوں کو ہے ـ پہلے بت پرستوں نے بھی اسی قسم کا مذہب بنایا ہوا تھا کہ وہ اپنے دیوتاؤں کو خدا اور خدا کے بیٹے کہتے تھے اور آج یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ پولوس نے محض یونانی بت پرستی کی تقلید میں یہ مذہب بنایا ـ کیا ایک عرب کا اُمّی دنیا کی تاریخ سے ناواقف یہ کہہ سکتا تھا؟ نہیں یہ خدائے عالم الغیب کا کلام تھا جس نے اس حقیقت کو دنیا پر ظاہر کیا اور آج خود یورپ کے محققین نے اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے ـ قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے پر یہ ایک بیّن شہادت ہے ـ

نمبر۳ـ حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت داؤدؑ میں بنی اسرائیل نے جسمانی ترقی کا اور حضرت عیسیٰؑ میں روحانی ترقی کا کمال حاصل کیا اور ان دونوں نبیوں نے آنحضرت صلعم کی بڑی مدح کی ہے اور آپ کی آمد کا بہت ذکر کیا ہے مگر دونوں نے یہ بھی دیکھا کہ یہ قوم نہایت سخت دل ہوتی جاتی ہے اور احکام الٰہی کی فرمانبرداری

كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَن مُّنكَرٍ فَعَلُوهُ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧٩﴾

وہ ایک دوسرے کو بُرے کام سے جو وہ کرتے تھے روکتے نہ تھے کیا ہی بُرا ہے جو وہ کرتے تھے۔

تَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ أَن سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿٨٠﴾

تو اُن میں سے بہتوں کو دیکھے گا کہ جنھوں نے کفر کیا انھیں دوست بناتے ہیں کیا ہی بُرا ہے جو انھوں نے اپنے لیے آگے بھیجا ہے کہ اللہ اُن پر ناراض ہُوا اور وہ عذاب میں رہنے والے ہوں گے۔

وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوهُمْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿٨١﴾

اور اگر (یہی) اللہ پر اور نبی پر اور اس پر ایمان لاتے جو اس کی طرف اتارا گیا، تو ان کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں سے بہت نافرمان ہیں [1]۔

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿٨٢﴾

تو یقیناً ان کے لیے جو ایمان لائے، دشمنی میں سب لوگوں سے زیادہ سخت یہودیوں کو پائے گا اور ان کو جو مشرک ہیں اور ان کے لیے جو ایمان لائے دوستی میں سب سے قریب تُو ان لوگوں کو پائے گا جو کہتے ہیں کہ ہم عیسائی ہیں یہ اس لیے کہ ان میں سے عالم اور راہب ہیں اور اس لیے کہ وہ تکبر نہیں کرتے [2]۔

نہیں کرتی۔ اس لیے دونوں نے ان سزاؤں کا جو یہود پر آنے والی تھیں ذکر کیا ہے یہی لعنت یعنی دُوری ہے۔ حضرت داؤدؑ کے بعد بخت النصر کے ذریعہ سے اس قوم پر تباہی آئی اور حضرت عیسٰیؑ کے بعد طیطوس رُومی کے ذریعہ سے۔ اس کا ذکر سورۂ بنی اسرائیل میں ہے۔

نمبر ١۔ النبی کا لفظ قرآن شریف میں آنحضرت صلعم پر ہی بولا گیا ہے۔ بعض لوگوں نے یہاں حضرت موسٰیؑ کو مراد لیا ہے یعنی اگر یہ یہودی حضرت موسٰیؑ پر ایمان لاتے تو کافروں کو دوست نہ بناتے۔ مگر مراد اصل میں یہ ہے کہ کافروں اور مشرکوں کو تو ان لوگوں نے دوست بنا رکھا ہے جیسا کہ پچھلی آیت میں کہا اور وہ دوستی ملک عرب میں رہایش کی وجہ سے یا ہمسائیگی کی وجہ سے نہیں کیونکہ اگر وہی لوگ آنحضرت صلعم پر ایمان لے آئیں تو پھر یہ ان کو کبھی دوست نہ بنائیں۔ گویا صرف اسلام کی دشمنی کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔

نمبر ٢۔ اصل منشا اس رکوع میں یہی بتانے کا ہے کہ عیسائی لوگ باوجود اپنے غلو کے دین اسلام کے قریب ہیں۔ یہودیوں کی عداوت اور قساوت قلبی کا ذکر کر کے اب اصل مضمون کو بیان کیا ہے کہ ان میں مسلمانوں کے ساتھ محبت زیادہ ہے۔ کیونکہ ان کے علماء بھی عابد لوگ ہیں اور ان میں راہب بھی ہیں جو دنیا کو ترک کر کے عبادت میں لگے ہوئے ہیں اور عبادت سے دل نرم ہوتا ہے۔ اس وقت یہودیوں اور عیسائیوں میں یہ فرق بیّن تھا کہ یہود بالکل دنیا پر گرے ہوئے تھے۔ سود خواری اور مال دنیا کا کمانا اس سے بڑھ کر ان کی کوئی غرض نہ تھی اور عیسائیوں میں عبادت کی طرف زیادہ توجہ تھی۔ اس لیے یہود میں قساوت قلبی

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾

اور جب اُسے سُنتے ہیں کہ جو رسُول کی طرف اتارا گیا، تو تُو دیکھے گا کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے ہیں اِس لیے کہ اُنھوں نے حق کو پہچان لیا۔ کہتے ہیں ہمارے رب ہم ایمان لائے، سو تُو ہم کو گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے ؎۱

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور ہمارے پاس کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ پر اور اس حق پر جو ہمارے پاس آیا ایمان نہ لائیں اور ہم آرزو رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہم کو صالح لوگوں کے ساتھ داخل کرے۔

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

سو اللہ نے اُن کو اِن باتوں کا بدلہ باغ دیئے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اُنھی میں رہیں گے اور یہ نیکی کرنے والوں کا بدلہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾ ع

اور جنھوں نے انکار کیا اور ہماری باتوں کو جھٹلایا، وہی دوزخ والے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ستھری چیزیں حرام نہ ٹھیراؤ

زیادہ تھی اور عیسائیوں میں نرمی زیادہ تھی۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں نجاشی شاہِ حبش مسلمان ہُوا۔ ہرقل نے بھی چاہا تھا کہ اسلام قبول کرے مگر قوم کی مخالفت سے گھبرا گیا۔ مقوقس شاہِ مصر نے آپ کے خط کے جواب میں تحائف بھیجے۔ خود نجران کے وفد کو مباہلہ میں نکلنے کی جرأت نہ ہوئی اور گو موجودہ زمانہ میں عیسائیت کا یہ امتیاز بہت کچھ کم ہوگیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی بجائے ان قوموں نے دولت کے دیوتا اور حکومت کے طاغوت کی پرستش شروع کردی ہے۔ لیکن بایں آیت کے الفاظ یہ امید دلاتے ہیں کہ یہ لوگ پھر اسلام کی طرف متوجہ ہوں گے اور مسلمانوں کو چاہیے کہ تبلیغ دین میں اس قوم کی طرف خصوصیت سے توجہ کریں۔

نمبر ا۔ اسی گروہ میں سے نجاشی شاہِ حبش تھا، جو مسلمان قریش کی اذیت سے بھاگ کر حبش چلے گئے اُن کو نجاشی نے پناہ دی۔ اُن کے پیچھے قریش بھی پہنچے اور بہت سے تحفے وزراء وغیرہ کو دیکر یہ درخواست کی کہ مسلمانوں کو حبش میں امن نہ دیا جائے۔ نجاشی نے اس درخواست کو رد کردیا تو انھوں نے اس کو یہ کہہ کر اُکسانا چاہا کہ یہ لوگ ہمارے مذہب کو ہی بُرا نہیں کہتے بلکہ تمھارے مذہب کو بھی بُرا کہتے ہیں۔ نجاشی نے مسلمانوں کو دربار میں بلایا۔ حضرت جعفرؓ نے اصل حال کہہ سنایا کہ ہم کس طرح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے اور گناہوں میں غرق تھے پیغمبر نے ہمیں ضلالت سے نکال کر کس طرح اعلیٰ مقام پر پہنچایا۔ جب اس نے پوچھا کہ حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں تم لوگ کیا کہتے ہو۔ انھوں نے سورت مریم کی آیات پڑھ کر سنائیں جن سے نجاشی پر اس قدر اثر ہُوا کہ وہ رو پڑا اور شہادت دی کہ جو کچھ قرآن نے عیسیٰؑ کے بارہ میں بیان کیا ہے اس سے وہ ایک تنکے کے برابر بڑھ کر نہیں۔ آخرکار نجاشی مسلمان ہوگیا۔ یہ تو ایک نمونہ ہے۔ اسی طرح کئی لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ ہاں ایسے نمونے آج بھی بہتیرے ملتے ہیں۔ لارڈ سٹینلے کے حالات میں ایک شخص نے لکھا ہے کہ وہ پچھلی رات تہجد کی نماز میں قرآن شریف پڑھ کر رو دیتا تھا اور بھی آج کئی ایک یورپین عیسائی ہیں جن کے دل قرآن کریم کے سامنے پگھل جاتے ہیں۔

اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا
يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾
وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠
وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾
لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ
وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ
فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ
اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ
اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ
ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا
حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ
اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ
وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ

جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں اور حد سے نہ بڑھو اللہ
حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں رکھتا۔[1]
اور اس سے جو اللہ نے تم کو دیا ہے حلال اور ستھری چیزیں کھاؤ
اور اللہ کا تقویٰ کرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔
اللہ تمہاری بلا ارادہ قسموں پر تم پر گرفت نہیں کرتا لیکن
اس پر گرفت کرتا ہے جو تم قسم کو مضبوط کرو۔ سو اس کا
کفارہ دس مسکینوں کا کھانا ہے، درمیانہ کھانے
سے جو تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو یا ان کو لباس دینا
یا گردن کا آزاد کرنا اور جو شخص نہ پائے، تو تین دن کے
روزے رکھنا ہے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے، جب تم
قسم کھالو۔ اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اس طرح اللہ
اپنی باتیں تمہارے لیے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔[2]
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو شراب اور جوا
اور بت اور پاسے ناپاک کام صرف شیطان کے

نمبر ۱۔ رکوع سابق میں عیسائیوں کا اسلام کے قریب ہونا بیان کرتے ہوئے ان کے راہبوں وغیرہ کا محل مدح پر ذکر کیا تھا مگر چونکہ اسلام رہبانیت کو جائز نہیں ٹھہراتا اس لیے ساتھ ہی مسلمانوں کو ہدایت دی ہے کہ تم اس قسم کی غلطیوں میں نہ پڑنا جن میں یہ عیسائی پڑے ہیں کہ انھوں نے سمجھ رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان سے محبت نہیں کرتا، جب تک کہ وہ خداداد نعمتوں اور خداداد طاقتوں کو ترک نہ کرے اس لیے فرمایا کہ جب ستھری چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال ٹھہرائی ہیں تو تم ان کو حرام نہ کرو مثلاً بیوی بچوں کے تعلقات کھانا پینا وغیرہ۔ جو عبادت میں حد مقررہ سے گزر جاتے ہیں وہ بھی غلو کرتے ہیں مگر اسلام غلو کو جائز نہیں رکھتا۔ اسی لیے رسول اللہ صلعم نے فرمایا مابال اقوام حرموا النساء والطعام والطیب والنوم۔ ان قوموں کا کیا حال ہوگا جنھوں نے عورتوں کو اور کھانے کو اور خوشبو کو اور نیند کو حرام کر دیا اور اس کے آخر پر فرمایا کہ میری امت کی رہبانیت جہاد کرنا ہے اور ایک حدیث میں فرمایا فمن رغب عن سنتی فلیس منی جو شخص میری سنت سے دوسری طرف مائل ہوتا ہے وہ مجھ سے نہیں ہے۔

نمبر ۲۔ لغو قسم بلا ارادہ قسم ہے۔ یہاں اس کا ذکر اس لیے کیا کہ بسا اوقات لوگ بلا ارادہ قسم کھا کر ایک حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ہیں۔ ہاں جب انسان پختہ طور پر اور پورا عزم کرکے ایک قسم کھالے تو پھر کفارہ دینا چاہیے۔ مگر قسم کے کفارہ کے یہ معنی نہیں کہ انسان ایک جائز عہد کرکے اس پر قسم کھا لیتا ہے تو کفارہ دیکر اس کو بھی توڑ دے اس کا توڑنا تو کسی صورت میں جائز نہیں بلکہ قسم کی حفاظت کرنی ضروری ہے۔ ہاں قسم کھا کر ایک جائز چیز کو اپنے لیے ناجائز کر دیا تو ایسی قسم کا کفارہ دے کیونکہ جائز کا ناجائز کرنا خلاف حکم خداوندی ہے جیسا کہ ابھی اوپر آیت ۸۷ میں فرمایا قسموں کی حفاظت سے مراد یہ بھی ہے کہ قسم کو توڑو نہیں۔ اور یہ بھی مراد ہے کہ قسم کم کھاؤ۔

الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾

عمل سے ہیں سو اس سے بچو تاکہ تم کامیاب ہو ؏۱

اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾

شیطان صرف یہ چاہتا ہے کہ تمھارے درمیان شراب او جُوئے سے عداوت اور بغض ڈال دے اور تم کو اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روک دے۔ سو کیا تم رُک جاؤ گے ؏۲

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾

اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور بچتے رہو۔ پھر اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے رسول پر صرف کھول کر پہنچا دینا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع

ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے کوئی گناہ نہیں اس بارے میں جو وہ کھائیں جب کہ وہ تقویٰ کریں اور ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں پھر تقویٰ کریں اور مان لیں پھر تقویٰ کریں اور احسان کریں اور اللہ احسان کرنیوالوں سے محبت کرتا ہے ؏۳

نمبر ۱۔ انصاب اور ازلام کا ذکر پہلے شروع سورت میں بھی آیا ہے۔ انصاب سے مراد وہ پتھر ہیں جن کی عبادت کرتے تھے اور ازلام سے مراد اُن تیروں کے ذریعہ سے فال کا نکالنا جن پر لا، نعم وغیرہ لکھا ہوتا تھا۔ شراب اور جوئے کی حرمت کا ذکر عیسائیت کے بیان میں لاکر یہ اشارہ کیا ہے کہ وہ عیسائی جنھوں نے ایک وقت رہبانیت اختیار کرکے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر دیا، ایک دوسرا وقت آنے والا ہے کہ اس قدر دنیا میں غرق اور خدا سے دُور ہوں گے کہ حرام کو بھی حلال کریں گے اس لیے مسلمانوں کو شراب اور جوئے سے بالخصوص روکا ہے۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ اس آیت کے نزول پر حرمت شراب کی عام منادی کرائی گئی تو اسی وقت مدینہ کی گلیوں میں تمام کی تمام شراب بہا دی گئی۔ اس قوت قدسی کا نظارہ کسی نبی کی زندگی میں نظر نہیں آتا اور شراب اور جوئے کے ذکر کے ساتھ بت پرستی وغیرہ کو لانا اس طرف اشارہ ہے کہ جیسے ان کی حرمت ویسے ان کی +

نمبر ۲۔ جن قوموں نے شراب اور جوئے میں ترقی کی ہے اللہ کے نام تک کو بھول گئی ہیں ذکر تو ایک طرف رہا اور پھر ظاہر نقصان یہ بھی ہے کہ شراب اور جوئے سے باہم عداوت اور بغض پیدا ہوتا ہے جس کا یورپ آج کھلا نقشہ دکھا رہا ہے اس مقابلہ میں یہ بھی بتایا ہے کہ وہ سرور جس کو شراب خوار شراب میں تلاش کرتا ہے وہ اللہ کے ذکر میں ہی میسر آتا ہے۔

نمبر ۳۔ اوپر حلال چیزوں کو حرام کرنے والوں کا ذکر تھا۔ اس لیے یہاں فرمایا کہ کھانے پینے سے انسان گنہگار نہیں ہوتا جو ان چیزوں کا ترک کرنا بھی تقرب الی اللہ میں داخل ہو چنانچہ سلف میں سے بھی بعض اس طرف گئے ہیں اور لکھا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارہ میں نازل ہوئی جنھوں نے اپنے لیے گوشت حرام کر لیا تھا اور راہبانہ طریق اختیار کرنا چاہتے تھے سو یہاں ایسے لوگوں کی غلطی کو بھی ظاہر کر دیا ہاں قرب الٰہی کو حاصل کرنے کی راہ بھی ساتھ ہی بتا دی اور اس میں تقویٰ کے تین مراتب بھی بیان کر دیئے۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ ایمان لائے اور اچھے کام کرے۔ دوسرا مرتبہ تقویٰ کا یہ ہے کہ تمام باتوں کو مان لے اور کسی پر اس کے دل میں خلش پیدا نہ ہو۔ یعنی سب احکام الٰہی کی فرمانبرداری اختیار کرے اور تیسرا مرتبہ تقویٰ کا یہ ہے کہ مخلوق خدا کے ساتھ احسان کرے۔ رہبانیت میں زیادہ سے زیادہ پہلا مرتبہ تقویٰ کا آسکتا ہے کہ ایمان لاکر کچھ اچھے کام کر لیے۔ مگر کل احکام الٰہی کی فرمانبرداری راہب کیونکر

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ
مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ
لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ
اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ
وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا
فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ
بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ
اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ
صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا
سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ
وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾
اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا
لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کچھ شکار سے تمہیں ضرور
آزمائے گا جس کو تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے پہنچ سکتے ہیں
تاکہ اللہ جان لے کہ کون اس سے غیب میں ڈرتا ہے سو جو کوئی اس
کے بعد زیادتی کرے اس کے لیے دردناک عذاب ہے [1]
اے لوگو جو ایمان لائے ہو شکار کو نہ مارو جب
تم حالت احرام میں ہو، اور جو کوئی تم میں سے اُسے
جان بوجھ کر مارے تو اس کا بدلہ چارپایوں سے اس کی مثل ہے جو مارا ہے
جس کا فیصلہ تم میں سے دو عدل والے کریں یہ قربانی کعبہ پہنچنے والی ہو
یا کفارہ ہے مسکینوں کا کھانا یا اس کے برابر روزے رکھنا تاکہ
اپنے کام کا بُرا نتیجہ چکھے جو گزر گیا، وہ اللہ نے معاف کر دیا
اور پھر جو ایسا کرے تو اللہ اس کو اس کی سزا دے گا
اور اللہ غالب سزا دینے والا ہے [2]
تمہارے لیے دریا کا شکار اور اس کا طعام حلال کیا گیا ہے
تمہارے اور مسافروں کے فائدے کے لیے [3] اور تم پر خشکی کا شکار

کر سکتا ہے۔ پھر اس آخری مرتبہ مخلوق خدا کے ساتھ احسان کو وہ کیونکر پا سکتا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ سے ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ مجھے کہا گیا ہے کہ تو بھی ان میں سے ہے یعنی یہ تینوں مراتب تقویٰ تم میں پائے جاتے ہیں ؀

نمبر۱۔ اس رکوع میں اصل ذکر خانہ کعبہ کی عزت و حرمت کا ہے۔ اسی کے متعلق یہ احکام شکار بھی ہیں اس مضمون کو بھی عیسائیت کے ذکر سے خاص تعلق ہے۔ نبی کریم صلعم کی پیدائش کے سال میں ایک عیسائی بادشاہ نے خانہ کعبہ کو تباہ کرنے کا ارادہ کیا تھا جس کا ذکر سورۃ فیل میں ہے۔ پھر آخری زمانہ میں غلبہ عیسائیت کی صریح پیشگوئیاں قرآن شریف اور حدیث میں موجود ہیں اور ظاہر ہے کہ عیسائیت کے غلبہ سے خانہ کعبہ کی حفاظت کا سوال پھر پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے عیسائی مذہب کے ذکر میں اس کا ذکر کیا ہے۔ خانہ کعبہ کی حرمت کو اس قدر بلند مقام پر رکھا ہے کہ حالت احرام میں شکار کو بھی منع کر دیا ہے۔ علاوہ ازیں ایسے موقعہ پر جب آدمیوں کا اس قدر اجتماع ہو شکار کھیلنا ویسے بھی نقصان جان کا موجب ہو سکتا ہے ؀

نمبر۲۔ قرآن کریم نے عموماً ایسے فیصلوں پر ایک سے زیادہ آدمیوں کو رکھا ہے۔ یہاں بھی دو کو رکھا ہے اور طلاق کے معاملہ میں بھی دو کو۔ منشاء یہ ہے کہ دو آدمی ایک دوسرے سے آراء کا مقابلہ کر کے صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ ایک سے غلطی کا احتمال زیادہ ہو سکتا ہے۔ ججوں کے بنچ بٹھانا کوئی نیا خیال نہیں ؀

نمبر۳۔ صید وہ ہے جس کا شکار کر کے اُسے مارا جائے اور طعام وہ ہے جسے دریا خود پھینک دے یا دریا کے پیچھے ہٹ جانے سے رہ جائے

الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹۶﴾

حرام کیا گیا ہے جب تک کہ تم حالتِ احرام میں ہو اور اللہ کا تقویٰ کرو، جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾

اللہ نے کعبہ عزت والے گھر کو لوگوں کے لیے قائم رکھنے والا بنایا ہے اور حرمت والے مہینوں کو اور قربانیوں کو اور گانیوں والے جانوروں کو۔ یہ اس لیے کہ تم جان لو کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور یہ کہ اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ؎۱

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ؕ

جان لو کہ اللہ (بدی کی) سزا دینے میں سخت ہے اور کہ اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾

پیغمبر پر سوائے پہنچا دینے کے کچھ نہیں۔ اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي

کہہ ناپاک اور ستھرا برابر نہیں، گو تجھے ناپاک کی بہتات تعجب میں ڈالے، سو اے عقل والو اللہ کا تقویٰ کرو

نمبر۱۔ کعبہ کو خدا نے قیام بنایا ہے گویا یہ لوگوں کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔ یہاں خاص اہل عرب کا ذکر نہیں کیا، بلکہ سب لوگوں کے لیے قیام کہا ہے اس لیئے صرف اس قدر مراد نہیں ہو سکتی کہ عرب کے لوگوں کے لیے یہ معاش کا ذریعہ ہے۔ اس لیے کہ تجارت کا مرکز ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جس طرح غذائیں جسمانی قیام کا موجب ہیں۔ اسی طرح خانہ کعبہ لوگوں کے روحانی قیام کا موجب ہے جس کے ذریعہ سے دنیا کے امور دینی کی اصلاح ہوئی اور یہ بالکل سچ ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا نہ ہوتے تو توحید اور روحانیت کا نام دنیا سے مٹ جاتا پس یوں خانہ کعبہ دنیا کی روحانی زندگی کا موجب ہو کر دنیا کے لیے قیام کا موجب ہو گیا اور اسی لیے خانہ کعبہ کو بربادی سے بھی ہمیشہ کے لیے بچایا گیا۔ کیونکہ اس کو ظاہری نشان اس بات کا ٹھہرایا گیا کہ حق کبھی تباہ نہیں ہو سکتا۔ اس طرح قیام اپنے دونوں معنوں میں خانہ کعبہ پر صادق آتا ہے۔ یہ ہمیشہ قائم رہے گا دنیا کی کوئی طاقت اسے برباد نہ کر سکے گی اور جو روحانیت اس سے پیدا ہوئی ہے وہ کبھی برباد نہ ہو گی بلکہ دنیا کی زندگی کا موجب ثابت ہو گی۔ باقی تین چیزوں کا ذکر بھی یہی بتانے کو ہے کہ نہ صرف خانہ کعبہ ہی آخر دنیا تک قائم رہے گا بلکہ وہ چیزیں بھی جن کا اس سے تعلق ہے حرمت والے مہینے جن میں حج کیا جاتا ہے اور ہدی اور قلائد جن کی قربانی کی جاتی ہے۔ پس مراد اس سے یہ ہے کہ اس کا حج بھی ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ عطاءؒ سے مروی ہے کہ جب تک لوگ اس گھر کا حج کرتے رہیں گے ہلاک نہیں ہوں گے اور جب حج ترک ہو جائیگا تو ہلاک ہو جائیں۔ اس کو بڑی عظیم الشان پیشگوئی قرار دیا ہے یعنی اس کی صداقت سے معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ غیب کا جاننے والا ہے ایسا دعویٰ کسی گھر کے متعلق دنیا میں نہیں کیا گیا۔ اور کیا عجیب بات ہے باوجود ہزارہا قسم کے منصوبوں کے کوئی شخص خانہ کعبہ کو نقصان پہنچانے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ عیسائیوں پر سب سے بڑھ کر اتمام حجت ہے کیونکہ سب سے زیادہ طاقت ان کو دی گئی ہے۔

ع ١٣ الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾

تاکہ تم کامیاب ہو۔ؔ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ
اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا
حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ
عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو (بہت) چیزوں کے متعلق سوال نہ کرو کہ اگر تمھارے لیے ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں تکلیف دیں اور اگر تم ایسے وقت میں ان کے متعلق سوال کرو جب قرآن نازل کیا جا رہا ہے تو تمھارے لیے ظاہر کر دی جائینگی اللہ نے اسے معاف کر دیا اور اللہ بخشنے والا بُردبار ہے۔ؔ

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا
بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾

تم سے پہلے ایک قوم نے اِن (باتوں) کا سوال کیا۔ پھر ان کا انکار کرنے والے ہو گئے۔ؔ

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ
وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَ
اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٣﴾

اللہ نے نہ کوئی بحیرہ بنایا ہے اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام۔ لیکن جو کافر ہوئے وہ اللہ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے۔ؔ

نمبر۱۔ ناپاک کی کثرت اب بھی ایک عالم کو تعجب میں ڈالے ہوئے ہے مگر ناپاک اور طیّب برابر نہیں۔ اور طیّب آخر کار غالب آئے گا۔

نمبر۲۔ اس ساری سورت میں شریعت پر زور دیا گیا ہے اور اس کی تفصیلات کو بیان کیا ہے مگر قرآن کریم نے ہر جگہ افراط و تفریط کے پہلوؤں کو مدنظر رکھا ہے جس طرح پچھلے سے پچھلے رکوع میں عبادت میں غلو کو روکا اسی طرح یہاں تفصیلات شریعت میں غلو کو روکتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ تم بہت سوال نہ کیا کرو۔ اللہ خود جن احکام کو انسانوں کی رہبری کے لیے ضروری سمجھتا ہے دیدے گا جس طرح شریعت کا نہ ہونا انسان کے لیے موجب تکلیف ہے اسی طرح چھوٹے چھوٹے امور میں احکام شریعت موجب تکلیف ہو جاتے ہیں۔ اسلامی شریعت نے اعتدال کا پہلو اختیار کیا ہے۔ ضروری تفصیلات دے بھی دی ہیں مگر بہت سی باتوں کو چھوڑ بھی دیا ہے تاکہ اجتہاد کا دروازہ کھلا رہے اور چونکہ احکام قرآنی میں تو تبدیلی ہو نہیں سکتی لیکن اجتہاد حالات زمانہ کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے اور بلاشبہ بہت سے تفصیلی امور میں تبدیلی حالات کے لحاظ سے تبدیلیٔ حکم کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے یہی طریق اَمن تھا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں احکام قرآنی نہ دیئے جاتے اور ضروریات پیش آمدہ کے مطابق اجتہاد سے کام لیا جاتا۔ حدیثوں میں بھی آیا ہے کہ لوگ رسول اللہ صلعم سے چھوٹے چھوٹے سوالات کیا کرتے تھے جس پر آپ اظہار ناراضگی فرماتے وہ بھی اسی کا مؤید ہے۔

نمبر۳۔ پہلی قوم سے جب نام نہ لیا جائے عموماً بنی اسرائیل ہی مراد ہیں۔ ان کی شریعت میں بہت سے چھوٹے چھوٹے امور کا ذکر ہے۔ شاید وہ ایسے سوال بھی کرتے ہوں اور ابن عباسؓ سے روایت ہے جیسے عیسائیوں نے مائدہ کا سوال کیا پھر ناشکری کی۔

نمبر۴۔ بحیرۃ بحر سے ہے جس کے معنی شق کرنا ہیں جس اونٹنی کا کان چیرا جائے اسے بحیرۃ کہتے تھے یعنی جب اونٹنی دس بچے جنتی اور آخری نر ہوتا تو اونٹنی کا کان چیر کر آزاد چھوڑ دیا جاتا اور اس سے کسی قسم کا کام نہ لیا جاتا۔

سائبۃ ساب سے ہے جس کے معنی ہیں زمین پر چلا۔ وہ اونٹنی جو نذر مان لینے کی وجہ سے یا دس مادہ بچے جننے کی وجہ سے آزاد چھوڑ دی جاتی اور کسی چارہ یا پانی سے اس کو نہ روکا جاتا۔

وصیلۃ۔ وصل سے ہے جس کے معنی ملانا ہیں۔ بعض کے نزدیک وہ بکری جو سات دفعہ دو دو بچے جنے۔ آخری میں اگر ایک نر اور ایک مادہ ہو تو ماں

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ
وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا
عَلَيْهِ آبَاءَنَا ۚ أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٠٤﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے اس کی طرف آؤ، جو اللہ نے اتارا اور رسول کی طرف، کہتے ہیں ہمارے لیے وہ بس ہے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا۔ کیا اگرچہ ان کے بڑے نہ کچھ علم رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ ۖ لَا
يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ إِلَى
اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا
كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنی جانوں کی فکر کرو۔ جو گمراہ ہوا وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تم ہدایت پر ہو تم سب نے اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے سو وہ تم کو اس کی خبر دیگا جو تم کرتے تھے۔[۱]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا
حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ
اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِنْ
غَيْرِكُمْ إِنْ أَنتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو تمہاری آپس میں گواہی وصیت کے وقت جب تم میں سے کسی کے سامنے موت آموجود ہو۔ دو اپنوں میں سے صاحب عدل لوگوں کی ہے۔ یا کوئی اور دو تمہارے غیروں سے، اگر تم زمین میں سفر کر رہے ہو پھر تم کو

کا دودھ صرف مرد پیتے۔

حام۔ حمی سے ہے محفوظ رکھنا۔ وہ نر جس سے سواری کا کام نہ لیا جائے۔ عموماً ایسے نر جن کی نسل شروع ہو جاتی ہے یا دس بچے ایک مادہ سے ہو جاتے ان سے پھر سواری کا کام نہ لیتے تھے۔

یہ تمام رسوم شرک سے تعلق رکھتی تھیں گویا بتلا دیا کہ گو تفصیلات شریعت میں آزادی بھی بہت دی ہے مگر شرک چونکہ سب بدیوں کی جڑ ہے اس لیے اس کے متعلق ہر قسم کی رسوم جڑ سے کاٹنی ضروری ہے۔ مسلمان غور کریں کہ مشرکانہ رسوم سے اللہ تعالیٰ نے کس قدر بچنے کی تاکید فرمائی ہے اور ان کے گھروں میں کس طرح مشرکانہ رسوم جال کی طرح پھیلی ہوئی ہیں۔ بحیرۃ سائبۃ تو اب دنیا میں نہیں مگر ان کے قائمقام بیشمار رسوم مسلمانوں کے گھروں میں موجود ہیں۔

نمبر۱۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ یہ آیت ان قوموں کے لیے ہے جو بعد میں آنے والی ہیں۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ یہ آخری زمانہ کے لیے ہے۔ یعنی جب ضالین کی کثرت ہو تو یہ مت گمان کرو کہ وہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں بشرطیکہ تم خود ہدایت پر قائم ہو۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کو ہدایت کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہدایت پر ہونے کا ایک جزو لازم ہے کہ دوسروں کو ہدایت کی طرف بلائے وتواصوا بالحق (العصر ۱۰۳-۳) بلکہ ہدایت کی طرف بلانے میں تکلیفیں اٹھائے وتواصوا بالصبر (العصر ۱۰۳-۳) پس یہ آیت مسلمانوں کو یہ نہیں بتاتی کہ جب چاروں طرف ضلالت پھیلی ہوئی دیکھو تو تم اپنی ہی فکر کرو دوسروں کو دین کی طرف نہ بلاؤ۔ بلکہ یہ مسلمانوں کی ایک گری ہوئی حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔ جب ضالین ان کے چاروں طرف ہوں گے اور ان کو بتایا ہے کہ تم کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ دوسروں کی وجہ سے نہیں تم اپنی فکر کرو اپنے حالات کو درست کرو خود ہدایت پر قائم ہو جاؤ پھر تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ؕ تَحْبِسُوْنَهُمَا
مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ
ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا
قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا
لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

موت کی مصیبت پہنچے - ان دونوں کو تم نماز کے بعد روک لو۔ پس اگر تم کو شک ہو تو دونوں اللہ کی قسم کھائیں کہ ہم اس کے عوض کچھ قیمت نہ لیں گے، گو وہ قریبی ہو۔ اور ہم اللہ کی شہادت کو نہ چھپائیں گے - بیشک اس صورت میں ہم گنہگاروں میں سے ہونگے [1]۔

فَاِنْ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّاۤ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ
يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ
عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ
اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَاۤ ۖ اِنَّاۤ
اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

پھر اگر معلوم ہو کہ ان دونوں نے گناہ سے حق لیا ہے تو دو اور ان دو کی جگہ کھڑے ہوں اُن میں سے جن سے دو پہلوں نے (گناہ سے) حق لیا ہے سو وہ اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی اِن دونوں کی گواہی سے زیادہ سچی ہے اور ہم حد سے نہیں بڑھتے - بیشک اس صورت میں ہم ظالموں سے ہوں گے [2]۔

ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ
اَوْ يَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ؕ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى
ع الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

یہ بہت قریب (طریق) ہے کہ وہ شہادت کو ٹھیک ٹھیک ادا کریں یا ڈریں کہ ان کی قسموں کے بعد اور قسمیں لوٹائی جائیں گی - اور اللہ کا تقویٰ کرو اور سنو اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَاۤ

جس دن اللہ پیغمبروں کو جمع کرے اور کہیگا تمہیں کس طرح

نمبر ۱- کہا جاتا ہے کہ یہ آیت تمیم داری اور اس کے بھائی عدی کے بارہ میں نازل ہوئی مگر کہنا یوں چاہیے کہ وہ قصہ بھی اس آیت کے ماتحت آتا ہے اور آیت عام ہے - اس آیت میں وصیت کے متعلق شہادت کا حکم ہے - یہاں سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ وصیت کا حکم جو سورہ بقرہ میں ہے وہ کبھی منسوخ نہیں ہُوا - کیونکہ اس آیت کا نزول آیت توریث سے بعد کا ہے - آخران من غیرکم میں گواہی اپنوں کی یعنی مسلمانوں کی بھی جائز رکھی ہے اور غیروں کی یعنی غیر مسلموں کی بھی - اور یہ جو فرمایا ان انتم ضربتم فی الارض یعنی سفر کی حالت میں ہو تو یہاں صرف ایک سخت ضرورت کی حالت کو بیان کیا ہے یہ شرط نہیں کہ اس کے سوائے گواہ یا وصیت نہ ہوں تحبسونہما میں جو روکنے کا ذکر ہے وہ شہادت لینے کے وقت ہے نماز کے بعد اس لئے کہا کہ نماز میں انسان اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور یہ معاملہ ایک مشکوک شہادت کا ہے - حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ صلوٰۃ سے مراد ہر ایک اہلِ دین کی اپنی اپنی صلوٰۃ ہے - یعنی اگر گواہ عیسائی ہوں تو ان کے مذہب کی صلوٰۃ کے بعد پس یہاں مراد صلوٰۃ سے مطلق دعا ہی لینا چاہیے۔

نمبر ۲- یہاں یہ بتایا ہے کہ گواہوں کی گواہی جب اس کے خلاف قرائن ہوں دوسرے گواہوں سے رد کی جا سکتی ہے یہ نہیں کہ جھوٹے گواہوں کی گواہی کا کوئی علاج نہیں - اور مطلب یہ ہے کہ اگر پہلے گواہوں کے جھوٹ بولنے پر کوئی قرینہ ہے تو وہ لوگ جو مال کے حق دار ہیں اُن کے خلاف گواہ پیش کر سکتے ہیں۔

أُجِبْتُمْ ۗ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۗ اِنَّكَ
اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿١٠٩﴾
اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ
نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ
بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۣ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ
وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ
الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا
فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ
وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى
بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ
اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٠﴾

قبول کیا گیا کہیں گے ہمیں کوئی علم نہیں۔ تو ہی غیب کی باتوں
کا جاننے والا ہے ۱؎

جب اللہ نے کہا اے عیسٰی ابن مریم میری نعمت کو یاد
کر جو میں نے تجھ پر اور تیری ماں پر کی جب میں نے
روح القدس کے ساتھ تیری تائید کی تو لوگوں سے جھولے
میں اور اور بڑھاپے میں باتیں کرتا تھا اور جب میں نے تجھے کتاب
اور حکمت اور توریت اور انجیل سکھائی اور جب تو میرے حکم سے
مٹی سے پرند کی صورت کی مانند اندازہ کرتا پھر اس میں پھونکتا،
سو وہ میرے حکم سے اڑنے والا ہو جاتا اور تو شب کور اور
مبروص کو میرے حکم سے اچھا کرتا اور جب تو میرے حکم سے
مُردوں کو نکالتا اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے روک دیا،
جب تو ان کے پاس دلائل لے کر آیا تو جو ان میں سے کافر ہوئے
اُنھوں نے کہا یہ صرف کھلا جادو ہے ۲؎

نمبر۱۔ اس رکوع میں اصلی غرض تو عیسائی قوم کا انہماک لذات دنیوی کا بیان کرنا ہے لیکن اس کا آغاز ایک عام بیان سے کیا ہے کہ قیامت کے دن سب رسولوں سے پوچھا جائے گا کہ تمھاری قبولیت جو تمھارے پیروؤں نے کی کس رنگ میں کی۔ اگلے رکوع میں یہی عام سوال خصوصیت سے حضرت عیسٰی سے کیا ہے۔ رسولوں کا جواب ہے کہ ہمیں کوئی علم نہیں کہ جو کچھ اُن کی امتوں نے ان کے بعد کیا اس کا علم صرف علام الغیوب کی ذات کو ہی ہو سکتا ہے اور یہ سوال محض پیغمبروں کی امتوں پر بطور اتمام حجت ہے کہ انبیاء ان میں کس غرض کے لیے آئے تھے اور ان کا قدم کدھر جا رہا ہے۔
نمبر۲۔ کفّ کے اصل معنی ہاتھ سے یعنی کف سے روکنا ہیں۔ پھر عام ہو گیا ہے یعنی کسی طرح پر روکنا (غ) اس لفظ کے استعمال سے بھی یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ آسمان پر چلے گئے کیونکہ بنی اسرائیل کو روکنا بتاتا ہے کہ وہ ان کو پکڑ نہیں سکے اور نہ ان کو ہاتھ لگا سکے۔ یہ استدلال بہت ہی عجیب ہے گویا سب پیغمبروں کو تو ان کے دشمن ایذائیں پہنچاتے رہے مگر حضرت عیسٰی کچھ ایسے نرالے رسول تھے کہ کسی دشمن کا ہاتھ بھی ان کو نہ چھو سکا بنی اسرائیل کو روکنے کا منشاء تو صرف اس قدر ہے کہ وہ اپنے منصوبہ میں جو حضرت عیسٰیؑ کے خلاف کیا کامیاب نہ ہو سکے۔ ورنہ جو حالات دشمنوں سے سخت ترین تکلیفیں اٹھانے کے اوروں کو پیش آئے وہ حضرت عیسٰیؑ کو بھی آئے باوجود وعدہ یعصمک من الناس کے اگر آنحضرت صلعم زخم کھا کر گر جاتے ہیں اور مشہور ہو جاتا ہے کہ محمد صلعم قتل ہو گئے ہیں۔ اگر ایک یہودی عورت آپ کو زہر دے سکتی ہے تو کففت میں کوئی نقص واقع نہیں ہو سکتا۔ اگر یہودی مسیح کو پکڑ کر صلیب سے لٹکا دیں مگر اللہ تعالیٰ آپ کی جان بچا لے۔

باقی تمام امور پر مفصل بحث سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے یہاں ان کو اس غرض کے لیے بیان کیا ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کا اصل مقصد تو روحانی مُردوں کو زندہ کرنا، روحانی بیماروں کو شفا دینا اور مستعد فطرتوں کو زمینی خیالات سے بلند کر کے روحانیات کی بلندیوں میں پرواز کرانا تھا۔ مگر ان لوگوں نے

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي
وَبِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّنَا مُسْلِمُونَ ﴿١١١﴾
إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ
هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا
مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ
إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٢﴾
قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ
قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ
عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿١١٣﴾
قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا
أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ
لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ ۖ
وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١١٤﴾

اور جب میں نے حواریوں کی طرف وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسول
پر ایمان لاؤ انھوں نے کہا ہم ایمان لائے اور گواہ رہ کہ ہم فرمانبردار ہیں ۱؎
جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ ابن مریم کیا تیرا رب
طاقت رکھتا ہے کہ ہم پر آسمان سے کھانا نازل کرے
(حضرت عیسیٰؑ نے کہا ، اللہ کا تقویٰ کرو ۔ اگر تم
مومن ہو ۲؎
انھوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور
ہمارے دل اطمینان پائیں اور ہم جان لیں کہ ضرور تو نے سچ
کہا ہے اور اس پر گواہ ہو جائیں ۳؎
عیسیٰؑ ابن مریم نے کہا اے اللہ ہمارے رب ہم پر آسمان
سے کھانا نازل کر وہ ہمارے لیے عید ہو ہمارے پہلوں
کے لیے اور ہمارے پچھلوں کے (لیے) اور تیری طرف سے نشان ہو
اور ہم کو رزق دے اور تو ہی بہتر رزق دینے والا ہے ۴؎

رُوحانی اُمور کو بھی جسمانی خیال کیا اور پستی کی طرف جھک گئے۔

نمبر۱۔ حواریوں کی طرف وحی کرنا صاف بتاتا ہے کہ وحی غیر انبیاء کو بھی ہوتی ہے یہ خیال کہ حواری بھی نبی ہوں گے بدیہی البطلان ہے۔

نمبر۲۔ یہ آیت اس رکوع کے اصل مضمون کی طرف توجہ کو پھیرتی ہے ۔ باوجودیکہ حواریوں کو الہام بھی ہوا کہ وہ رسول پر ایمان لائیں مگر اس زمانہ کے یہودیوں کی حالت ایسی پستی کی تھی کہ دنیوی آسایش کا خیال دل سے نہیں گیا اور حواری تھے بھی معمولی درجہ کے لوگ ماہی گیر اور محصول لینے والے، حضرت عیسیٰؑ کا جواب بڑا لطیف ہے ۔ دعویٰ تو مومن ہونے کا کرتے ہو اور نبی مومنوں کو تقویٰ کی راہوں پر چلانے آتا ہے نہ جسمانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے پس تم بھی مومن ہو تو تقویٰ کی راہوں پر چلو جو میری بعثت کی غرض ہے۔

نمبر۳۔ ان الفاظ سے حواریوں کی اصل حالت کا اندازہ لگتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بار بار شکایت کرتے ہیں جیسا کہ انجیل میں ہے کہ تم میں ایمان نہیں ۔ تو یہ بلاوجہ نہ تھا اور وہ دیکھ رہے تھے کہ خواہشاتِ دنیا کا ان پر غلبہ ہے اور گو کچھ ترقی روحانیات میں کرنے کی بھی کوشش کرتے ہیں مگر پھر بھی کھانے پینے کے جسمانی خیالات پیچھا نہیں چھوڑتے ۔

نمبر۴۔ ایک مرتبہ نصیحت کر کے آخر حضرت عیسیٰؑ دعا کرتے ہیں ۔ مگر بجائے مائدہ کے جو صرف حواریوں پر نازل ہو آپ ایسے مائدہ کی درخواست کرتے ہیں جو پہلوں اور پچھلوں کے لیے یکساں موجب سرور ہو ۔ اس دعا کی قبولیت میں حالات موجودہ کچھ شک باقی نہیں رہنے دیتے ۔ کھانے کے معاملہ میں عیسائیوں کے ہاں عید ہی عید ہے ۔ پہلوں اور پچھلوں میں فرق صرف یہ ہے کہ ان کو روٹی کے ساتھ کچھ فکر آخرت کی بھی تھی ۔ اب روٹی اور پیٹ کی پوجا ہی باقی رہ گئی ہے ۔ حضرت مسیحؑ کے معجزات میں بھی کھانے پینے کا بہت ذکر ہے ۔ کہیں تھوڑی سی روٹیاں بہت لوگوں کو کفایت کرتی ہیں (یوحنا ۶: ۱۔ ۱۴) تو کہیں شمارہ

قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ ۚ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۵﴾

اللہ نے کہا میں اس کو تم پر اتارنے والا ہوں۔ پھر جو کوئی تم میں سے (اس کے) بعد ناشکری کرے تو میں اُسے ایسا عذاب دونگا کہ تمام جہان میں اور کسی کو ایسا عذاب نہیں دونگا۔

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَ لَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

اور جب اللہ نے کہا اے عیسیٰؑ ابن مریم کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا (کہ) مجھے اور میری ماں کو خدا کے سوا دو معبود بنا لو! (عیسیٰؑ نے) کہا، تُو پاک ہے مجھے کہاں شایاں تھا کہ مَیں وہ کہوں، جس کا مجھے حق نہیں۔ اگر میں نے ایسا کہا ہوتا، تو تجھے ضرور اس کا علم ہوتا، تو جانتا ہے جو کچھ میرے جی میں ہے اور مَیں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے تو ہی غیب کی باتوں کا جاننے والا ہے[۱]۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ ۚ وَ كُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَ اَنْتَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾

میں نے ان سے کچھ نہیں کہا مگر وہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا، کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا رب اور تمہارا رب ہے اور مَیں ان پر گواہ تھا جب تک میں ان میں تھا، پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو تُو ہی ان پر نگہبان تھا اور تو ہر چیز پر گواہ ہے[۲]۔

من پانی کی شراب بن جاتی ہے اور لوگ پی پی کر بدمست ہوتے ہیں (یوحنا ۲: ۱-۱۱) اور اسی معجزہ کا اثر آج یورپ میں نمایاں ہے۔ دعا کرتے ہیں تو وہاں بھی روز کی روٹی کی دعا ہی سب پر مقدم ہے "ہماری روز ینہ کی روٹی آج ہم کو بخش" (متی ۶: ۱۱) سو عیسائیوں کو روٹی بھی مل گئی اور شراب بھی ممکن ہے کہ ان بیانات میں غلطیاں بھی ہوں۔ مسلمان کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ وہ دنیا میں نیکی اور اخلاق کا معلّم بنے۔ روٹیاں بھی خدا دیتا ہے مگر سچ یہی ہے کہ انسانیت کا نصب العین کھانا پینا نہیں، بلکہ نیکی اور اخلاق ہیں اتقوا اللّٰہ ان کنتم مؤمنین۔

نمبر۱۔ یہ کلام عالمِ برزخ کا ہے، جو نزول قرآن سے پہلے ہو چکا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں اس کی تفسیر میں حدیث ہے کہ قیامت کے دن نبی کریم صلعم اپنی امت کے بعض لوگوں کو دوزخ کی طرف جاتے دیکھیں گے آگے لفظ ہیں فاقول کما قال العبد الصالح میں کہوں گا جیسے عبد صالح یعنی عیسیٰؑ نے کہا جہاں اپنے لیے صیغہ مضارع اور حضرت عیسیٰؑ کے لیے صیغہ ماضی استعمال کیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہو چکا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کا خدا بنانا تو ظاہر ہے۔ مریم کو بھی عیسائیوں کے بعض فرقوں نے صفات الوہیت دی ہیں چنانچہ رومن کیتھولک اس کے بُت بنا کر اُن کی پرستش کرتے ہیں۔ "خدا کی ماں"۔ اس کا خطاب ہی بتاتا ہے کہ اس کو کیا مرتبہ دیا گیا ہے اور انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا میں ہے کہ تھریس عرب وغیرہ مقامات میں بعض عورتیں مریم کو خدا کی طرح پوجتی تھیں اور مریم سے دعاؤں کا مانگنا جائز رکھا گیا ہے۔

نمبر۲۔ حضرت عیسیٰ عقیدۂ الوہیت مسیح کی تین طرح پر نفی کرتے ہیں۔ اول یہ کہ نبی کو شایان نہ تھا کہ ایسی تعلیم دیتا۔ دوسرے یہ کہ اس کے خلاف خدائے واحد کی عبادت کی تعلیم دی۔ تیسرے یہ کہ آپ کی زندگی میں وہ لوگ واقعی اس تعلیم پر قائم بھی رہے۔ ہاں ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میری وفات کے بعد اُن کے عقائد

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَإِنْ تَغْفِرْ
لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١١٨﴾

اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو
ان کی حفاظت کرے تو تو ہی غالب حکمت والا ہے ؎۱

قَالَ اللَّهُ هَٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ
صِدْقُهُمْ ۚ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ رَضِيَ اللَّهُ
عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١٩﴾

اللہ نے کہا یہ وہ دن ہے کہ صادقوں کو ان کی سچائی نفع دیگی
ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ ہمیشہ انہی
میں رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے
راضی ہوئے یہ بڑی کامیابی ہے۔

لِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا
فِيهِنَّ ۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٢٠﴾ ع

آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اور جو کچھ ان میں ہے اللہ کے لیے
ہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ؎۲

بدلے جب تک میں اُن میں تھا تب تک وہ صحیح تعلیم پر قائم تھے۔

یہ آیت حضرت مسیحؑ کی وفات کو قطعی طور پر ثابت کرتی ہے۔ کیونکہ اس میں عیسائیوں کا عقیدہ بگڑنے کا زمانہ حضرت مسیحؑ کی وفات کے بعد کا قرار دیا ہے اور چونکہ وہ عقیدہ نزول قرآن سے پہلے بگڑا ہوا تھا اس لیے حضرت عیسیٰؑ کی وفات بھی نزول قرآن سے پہلے ہو چکی تھی۔ بخاری میں ہے کہ جب قیامت کے دن میری امت کے بعض لوگ پکڑ کر دوزخ کی طرف لیجائے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تو نہیں جانتا کہ تیرے بعد انھوں نے کیا کیا۔ فاقول کما قال العبد الصالح وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم۔ یعنی میں وہی بات کہوں گا جو عیسیٰؑ نے کہی تھی اور میں ان پر گواہ تھا جب تک ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے وفات دیدی تو تو ہی ان پر نگہبان تھا۔ نبی کریم صلعم کا انہی الفاظ کو استعمال کرنا صاف بتاتا ہے کہ آپ کے نزدیک حضرت عیسیٰؑ کی امت بھی حضرت عیسیٰؑ کی وفات کے بعد بگڑی اور اسی طرح آپ کی امت آپؐ کی وفات کے بعد بگڑے گی۔ اس قطعیۃ الدلالت آیت اور اس حدیث صریح کے ہوتے ہوئے حضرت عیسیٰؑ کی وفات کا انکار کرنا نصوص صریحہ کو رد کرنا ہے اور توفیتنی کے معنی سوائے وفات کے کچھ اور کرنا لغت کے خلاف ہے اور بخاری نے ابن عباسؓ کے اثر متوفیك ممیتك کو یہاں بیان کر کے بتا دیا ہے کہ توفیتنی کے معنی سوائے وفات دینے کے اور کچھ نہیں ہو سکتے۔

حضرت عیسیٰؑ کے دوبارہ نزول کو بھی یہ آیت غلط ٹھہراتی ہے اگر دوبارہ آئیں تو ان کو علم ہونا چاہیئے کہ ان کے بعد ان کی اُمت نے کیا عقیدہ بنالیا۔

نمبر ۱۔ یہاں حضرت عیسیٰؑ شرک کی معافی کے لیے سفارش نہیں کرتے بلکہ چونکہ یہ کلام عالم برزخ کا ہے جو نزول قرآن سے پہلے ہو چکا اس لیے تغفرلھم سے مراد اُن کی حفاظت کر دینا ہے اور وہ حفاظت بذریعہ رسول کے ہے جو صحیح پیغام پہنچا کر ان کو ان کی غلطی پر متنبہ کرتا ہے اسی لیے آخری الفاظ انت الغفور الرحیم نہیں۔ ابن جریر میں سدی سے یہی معنے مروی ہیں کہ انھیں نصرانیت سے نکال کر اسلام کی طرف ہدایت کرے۔

نمبر ۲۔ سورۃ کے آخری الفاظ میں اپنی وسعت سلطنت پر فخر کرنے والی قوم کو بتایا ہے کہ زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ کی ہی ہے انسانوں کا تصرف عارضی ہے۔ حقیقی مالک ایک ہی ہے جو ہمیشہ رہے گا۔ ابن جریر میں ہے کہ مخاطب نصاریٰ ہیں۔

آیاتها ١٦٥ (٦) سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ ١ رکوعاتها ٢٠

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنیوالے کے نام سے۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ①	سب تعریف اللہ کے لیے ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیرا اور روشنی بنائے، پھر بھی جو کافر ہیں اپنے رب کے ساتھ (دوسروں کو) برابر ٹھیراتے ہیں ۲۔
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ②	وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر ایک میعاد ٹھیرا دی اور ایک (اور) میعاد اس کے ہاں معین ہے پھر بھی تم جھگڑتے ہو ۳۔
وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ؕ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③	اور آسمانوں اور زمین میں وہی اللہ ہے وہ تمہاری چھپی اور ظاہر (باتیں) جانتا ہے اور وہ جانتا ہے جو تم کماتے ہو۔

نمبر ۱۔ اس سورت کا نام الانعام ہے جس کے معنے چارپائے ہیں۔ یہ سورت توحید پر ہے اور تمام مشرکانہ رسوم کی جڑ کاٹتی ہے۔ عرب کی بعض مشرکانہ رسوم چارپایوں سے تعلق رکھتی تھیں اس میں بیس رکوع اور ۱۶۶ آیتیں ہیں۔ یہ سورت ساری کی ساری مکہ میں ایک رات میں نازل ہوئی اور غالباً آنحضرت صلعم کی مکی زندگی کے آخری سال میں نازل ہوئی۔ اتنی لمبی سورت کا یکمرتبہ نازل ہونا اور باوجود اس کے کہ اس میں دلائل توحید دیئے گئے ہیں آنحضرت صلعم کا ایک ہی مرتبہ فرشتے سے سُن کر اُسے یاد رکھ لینا قرآن کا وہ اعجاز ہے جس کی طرف سنقرئک فلا تنسیٰ میں اشارہ ہے۔ تعلق اس سورت کا پہلی سورت سے یوں ہے کہ سورہ مائدہ ایفائے عہد پر ہے تو اس سورت میں سب سے بڑے عہد یعنی توحید کا ذکر ہے اور یوں بھی پہلی چار سورتوں میں فلاح قومی معاشرت اور تمدن کے اصول بتا کر اور پہلے مذاہب کے ساتھ اسلام کا تعلق بتا کر اس سورت میں مذہب کے اصل الاصول توحید پر بحث کی ہے ۔

نمبر ۲۔ اس سورت کی اصل غرض توحید الٰہی کو بیان کرنا ہے۔ اس لیے پہلی آیت میں ہی سب سے موٹی قسم کے شرک یعنی شرک فی الذات کی تردید کی ہے اور وہ شرک ثنویہ کا ہے یعنی جو لوگ دو خدا مانتے ہیں۔ ایک خالق خیر اور ایک خالق شر۔ یا ایک نور کا بنانے والا اور ایک ظلمت کا۔ یہ عقیدہ آتش پرستوں میں پایا جاتا ہے۔ اسلام نے شر یا بدی کا کوئی مستقل وجود نہیں مانا۔ بلکہ بدی چونکہ محض ان قویٰ کے غلط استعمال کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں اس لیے خالق ایک ہی ہے یہی وجہ ہے کہ آسمان اور زمین کے ساتھ خلق کا لفظ رکھا یا اور ظلمت اور نور کے ساتھ جعل۔ کیونکہ جو چیزیں اچھے استعمال کے لیے پیدا کی گئی ہیں انہی کے بُرے استعمال کا نام بدی ہے ہاں جعل کا فاعل اللہ ہے کیونکہ مسبب الاسباب وہی ہے ۔

نمبر ۳۔ معلوم ہوا کہ ہر انسان مٹی سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ مٹی کا خلاصہ غذائیں ہیں اور غذاؤں کا خلاصہ وہ نطفہ جس سے انسان کی پیدائش ہوتی ہے۔ جب آسمان اور زمین کی پیدائش کا ذکر کیا تو انسان کی پیدائش کا بھی ذکر کیا۔ ایک میعاد ٹھہرانے میں انسان کی زمینی زندگی کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ایک وقت کے لیے ہے یعنی موت تک اور اجل مسمّٰی جو اس کے حضور ہے وہ دوسری زندگی کے متعلق ہے۔ یعنی اس کا کا ظہور بھی ایک وقت مقرر کے بعد ہوگا یعنی قیامت کے دن، اس لیے اسے مسمّٰی یا معین کہا ہے۔ یوں مضمون کا انتقال توحید سے بعث بعد الموت کی طرف کیا گیا ہے۔

وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٤﴾

اور کوئی پیغام اپنے رب کے پیغاموں میں سے ان کے پاس نہیں آتا مگر وہ اس سے منہ پھیرنے والے ہوتے ہیں ۱؎

فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٥﴾

سو انھوں نے حق کو جھٹلا دیا جب وہ اُن کے پاس آیا سو اُن کے اس (کے وقوع) کی خبریں آرہیں گی، جس پر وہ ہنسی کرتے تھے۔

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ وَأَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿٦﴾

کیا انھوں نے غور نہیں کیا کہ کس قدر اُن سے پہلے ہم نے نسلیں ہلاک کر دیں، جن کو ہم نے زمین میں وہ طاقت دی تھی، جو طاقت تم کو نہیں دی اور ہم نے اُن پر زور سے مینہ برستا ہوا بادل بھیجا اور نہریں بنا دیں جو اُن کے نیچے بہتی تھیں۔ پھر ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔ اور ان کے پیچھے دوسری نسل پیدا کر دی ۲؎

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٧﴾

اور اگر ہم تجھ پر کاغذ (لکھی ہوئی) کتاب اتارتے پھر وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھوتے تو جو کافر ہیں وہ یہی کہتے کہ یہ صرف کھلا جادو ہے ۳؎

وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ

اور کہتے ہیں اس پر فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا اور اگر ہم فرشتہ اتاریں تو معاملہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا، پھر ان

نمبر۱۔ آیۃ، یہاں اس پیغام کو کہا ہے جو انبیاء مختلف وقتوں میں لاتے رہے۔ کیونکہ دوسری زندگی کے راز کو اللہ تعالیٰ نے انسان پر بذریعہ اپنی وحی کے ہی ظاہر کیا۔

نمبر۲۔ پہلی نسلوں کی ہلاکت کا ذکر اُن کی عبرت کے لیے کیا ہے جن لوگوں کو دنیوی آسائشوں کا حصہ زیادہ مل جاتا ہے وہ آخرت کی طرف سے غافل ہو جاتے ہیں اور اس کا آخری نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہلاک ہو جاتے ہیں اور کوئی دوسری قوم ان کی جگہ کھڑی ہو جاتی ہے۔

نمبر۳۔ روحانیت سے بے بہرہ لوگ امور روحانی کو بھی جسمانی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں اس لیے چاہتے ہیں کہ کتاب لکھی لکھائی اوپر سے آئے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا تعلق انسان کے قلب سے ہے اور اس لیے اس کا کلام قلب پر نازل ہوتا ہے اگر لکھا لکھایا کلام اوپر سے نازل ہوتا تو قلب انسانی سے اس کا کچھ تعلق نہ ہوتا اور نہ دلوں کے اندر اس سے انقلاب پیدا ہوتا اور جو اصل غرض اس کلام کے آنے کی تھی وہی مفقود ہو جاتی۔ اور یہ جو فرمایا کہ اگر ہم اس طرح بھی اتاریں تو اُسے سحر کہیں گے۔ تو یہ فرض کر لینے کے طور پر نہیں بلکہ آخر کار اسی قرآن کو اللہ تعالیٰ نے کتاباً فی قرطاس بھی بنا دیا مگر پھر بھی نہ مانا۔

لَا يُنْظَرُوْنَ ﴿٨﴾
کو ڈھیل نہ دی جائے گی ۱؎

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴿٩﴾
اور اگر ہم اسے فرشتہ بناتے تو ہم اس کو ضرور انسان بناتے اور ان پر وہی اشتباہ ڈالتے، جو اشتباہ وہ اب ڈال رہے ہیں ۲؎

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٠﴾ ع
اور یقیناً تجھ سے پہلے رسولوں کے ساتھ ہنسی کی گئی، سو جو لوگ ان میں سے ہنسی کرتے تھے ان کو اسی نے آگھیرا جس کے ساتھ وہ ہنسی کرتے تھے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾
کہہ زمین میں پھرو۔ پھر دیکھو جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلْ لِّلّٰهِ ۭ كَتَبَ عَلٰي نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢﴾
کہہ، کس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ کہہ، اللہ کا۔ اس نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کرلیا ہے وہ تم کو ضرور قیامت کے دن کے لیے جمع کردیگا اس میں کوئی شک نہیں جنھوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈالا وہ ایمان نہیں لاتے ۳؎

نمبر۱۔ یہ دوسرا اعتراض بھی روحانیت سے بے بہرہ لوگوں کا ہے وہ جس طرح کلام الٰہی کو جسمانی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں اسی طرح فرشتوں کو بھی۔ اس کا جواب یہ دیا ہے کہ فرشتے تو سزا دینے کے لیے نازل ہوں گے جب انسان نیکی کے محرک ملائکہ کی بات کو قبول نہیں کرتا تو پھر لازماً دوسری قسم کے ملائکہ یعنی سزا دینے والے اس کے لیے آتے ہیں۔

نمبر۲۔ کبھی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ بشر کیوں رسول ہوا۔ فرشتہ کو خدا رسول بنا کر بھیجتا تا یقین آجاتا۔ جواب دیا ہے کہ فرشتہ بھی انسانوں کی طرف رسول بن کر آتا تو انسان کی صورت میں ہی آتا۔ کیونکہ رسول کا بڑا کام تو یہ ہے کہ نمونہ بن کر دکھائے اور انسان کے لیے انسان ہی نمونہ کا کام دے سکتا ہے۔ علاوہ ازیں فرشتہ تو غیر مرئی ہستی ہے جب تک وہ تجسم اختیار نہ کرے انسان اس کو دیکھ بھی نہیں سکتا اور جب ملک مجسم ہو کر آتا تو پھر اعتراض ویسے کا ویسا ہی رہتا۔

نمبر۳۔ اس رکوع میں یہ بتایا کہ عبادت اور اطاعت صرف اللہ کے لیے ہی ہے کیونکہ وہی سب کا مالک ہے اور سب پر رحم کرتا ہے کتب علٰی نفسہ الرحمۃ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت بے پایاں کا ذکر کیا ہے اور دوسری جگہ فرمایا ورحمتی وسعت کل شی (الاعراف ۔ ۱۵۶) اور حدیث میں ہے اِنّ رحمتی سبقت غضبی میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی اور یوں اپنے بندوں کو تسلی دی ہے اور عیسائیوں کے اس عقیدہ کی بھی تردید کی ہے کہ خدا میں عدل ہے رحم نہیں۔ بتایا کہ رحم تو اس قدر غالب ہے کہ اس کو اس نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔ اس کا رحم بے پایاں جس طرح جسمانی دنیا میں کام کر رہا ہے اسی طرح عالم روحانی میں کام کرتا ہے اور یہ جو اس کے بعد فرمایا کہ تمھیں قیامت کے دن کے لیے جمع کریگا تو اس میں گویا اسی رحمت کی وسعت کا ہی ذکر ہے کیونکہ اس رحمت کا عظیم الشان ظہور اسی عالم میں ہوگا اور جنھوں نے اچھے کام کیے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ اپنے انعامات سے مالا مال کرے گا بلکہ بتا دیا کہ سب پر ہی رحمت ہوگی ہاں جنھوں نے خدا کی رحمت کے سامانوں سے اس دنیا میں فائدہ نہیں اٹھایا وہ کچھ نقصان بھی اٹھائیں گے۔ مگر آخر کار ان پر بھی رحمت ہوگی۔ رحمت کے غضب پر سبقت لیجانے کے کچھ معنی نہیں اگر یہ مانا جائے کہ کوئی حصہ بلکہ کثیر حصہ اور بڑا حصہ مخلوق کا ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہے گا اور عذاب جہنم سے کبھی بھی نجات نہ پائے گا۔

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَ النَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ⑬

اور اسی کا ہے جو کچھ رات اور دن میں بستا ہے اور وہ سننے والا جاننے والا ہے ؎۱

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ⑭

کہہ، کیا میں اللہ کے سوا دوست بناؤں، جو آسمانوں اور زمین کی ابتدا کرنے والا ہے اور وہ کھانے کو دیتا ہے اور اسے کھانے کو نہیں دیا جاتا۔ کہہ، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں (ان میں) سب سے پہلا ہوں جو فرمانبردار ہوئے اور تو ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہو۔

قُلْ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ⑮

کہہ، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں، تو ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ؎۲

مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ⑯

جس سے وہ (عذاب) آج پھیر دیا جائے ؎۳ تو اس پر اس نے رحم کیا اور یہ کھلی کامیابی ہے۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑰

اور اگر اللہ تجھے کوئی ضرر پہنچائے تو سوائے اس کے کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تجھے بھلائی پہنچائے، تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ⑱

اور وہ اپنے بندوں کے اوپر غالب ہے اور وہ حکمت والا خبردار ہے۔

قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ۫ وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا

کہہ، کون سی چیز شہادت میں سب سے بڑی ہے۔ کہہ، اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے ؎۴ اور یہ قرآن میری طرف وحی

نمبر۱۔ غرض یہ ہے کہ جس طرح مکان کے لحاظ سے سب کچھ اسی کا ہے اسی طرح زمانہ کے لحاظ سے بھی سب کچھ اسی کا ہے اور عبادت اسی کی ہو سکتی ہے جو سب کا مالک ہے۔

نمبر۲۔ یعنی خود رسول اللہ صلعم بھی اسی قانون کے ماتحت ہیں جس کی طرف وہ دوسروں کو بلاتے ہیں پس دوسرا کوئی اس قانون سے کس طرح باہر نکل سکتا ہے۔

نمبر۳۔ آج کے دن سے مراد دنیا کی زندگی بھی ہو سکتی ہے اور قیامت بھی۔ مگر پہلے معنے کو ترجیح ہے۔ عذاب کا اس دنیا میں پھیر دینا راہِ راست کی ہدایت دینا ہے۔

نمبر۴۔ اللہ کی شہادت اس کے فعل سے ادا ہوتی ہے۔ وہ اسباب دنیا میں پیدا کر دیئے جنھوں نے رسول اللہ صلعم کا حق پر ہونا ظاہر کر دیا اور یہی سب سے بڑی شہادت ہے جو فعل سے ظاہر ہو۔

الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ
لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ
لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ
بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾

کیا گیا ہے تاکہ میں تمہیں اس کے ساتھ ڈراؤں اور اسے جس کو پہنچے
کیا تم گواہی دیتے ہو، اللہ کے ساتھ اور معبود ہیں ؟ کہہ، میں
گواہی نہیں دیتا۔ کہہ، وہ صرف ایک ہی معبود ہے اور
میں اس سے بری ہوں جو تم شرک کرتے ہو۲۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا
یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ
فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

جنہیں ہم نے کتاب دی وہ اسے پہچانتے ہیں جس طرح اپنے
بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ وہ جو اپنے آپ کو نقصان میں
ڈالتے ہیں، وہی ایمان نہیں لاتے ۳۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے
یا اس کی باتوں کو جھٹلائے۔ظالم کامیاب نہ ہوں گے۔

وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ
اَشْرَكُوْۤا اَیْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِیْنَ
كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور جس دن ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے تب ہم ان کو جنھوں
نے شرک کیا کہیں گے وہ تمہارے شریک کہاں ہیں جن کے لیے
تم جھوٹے دعوے کرتے تھے۔

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ
رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِیْنَ ﴿۲۳﴾

تب اُن کا فتنہ نہ ہوگا مگر یہ کہ وہ کہیں گے کہ اللہ ہمارے رب
کی قسم ہم مشرک نہ تھے ۴۔

نمبر۱۔ یہاں قرآن کریم کے ذریعہ سے انذار کے لیے دو گروہوں کا ذکر کیا۔ایک وہ جو اس کے براہِ راست مخاطب ہیں اور دوسرے من بلغ یعنی جن کو یہ پہنچے۔ ان الفاظ سے قرآن کریم کے انذار کا دامن سب قوموں اور تمام زمانوں پر قیامت تک پھیلا دیا ہے کیونکہ من بلغ سے باہر کوئی نہیں رہ جاتا۔ اسی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جن کو قرآن کریم کی تبلیغ نہ پہنچے وہ اس کو نہ ماننے کی وجہ سے مواخذہ کے نیچے نہیں بلکہ نور قلب کی ہدایت کے خلاف جو کام وہ کریں اس کی وجہ سے مواخذہ کے نیچے ہوں گے۔ گویا ایک تو انسان کی فطرت کی دھیمی روشنی ہے جو طرح طرح کے عوارض کے نیچے دب جاتی ہے اور ایک قرآن کریم کے آفتاب عالمتاب کی روشنی ہے اس دوسری روشنی میں نہ چلنے کی وجہ سے گرفت انہی لوگوں پر ہوگی جن کو یہ روشنی پہنچ گئی ورنہ فطری روشنی کے لحاظ سے ہر انسان مواخذہ کے نیچے ہے +

نمبر۲۔ اس میں اصل غرض کو کھول کر بیان کیا وہ سب چیز کا مالک ہے۔سب پر رحم کرنے والا ہے۔سب کا خالق ہے وہی سب پر غالب ہے۔ پس اس کے سوائے دوسرا معبود کسی کو نہ بناؤ۔ وحی اور فطرت دونوں کی یہی شہادت ہے +

نمبر۳۔ پہلا حصہ آیت کا وہی ہے جو البقرہ۔ ۱۴۶ میں آچکا وہ مدنی ہے یہ مکی۔ گویا جو کچھ مکہ میں فرمایا وہی مدینہ میں حالانکہ اس وقت یہودیوں کی طرف سے ابھی مخالفت کا اظہار نہ ہوا تھا +

نمبر۴۔ فتنہ سے مراد بیہاں بعض مفسرین نے شرک لیا ہے بعض نے جواب یا عذر اور ان کے عذر کو فتنہ اس لیے قرار دیا کہ وہ جھوٹ ہے۔ مگر فتنہ کے اصل معنی بلا یا عذاب یا دکھ ہیں اس لیے یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ایک تو یہ وقت ہے کہ مسلمانوں کو توحید کی وجہ سے دکھ دیتے ہیں، لیکن وہ وقت بھی اُن پر

اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۲۴

دیکھ کس طرح اپنے اوپر جھوٹ بولتے ہیں اور جو وہ افترا کرتے تھے، اُن سے جاتا رہے گا۔[۱]

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۲۵

اور اُن میں سے وہ ہیں جو تیری طرف کان دھرتے ہیں اور ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ اُسے سمجھیں نہیں اور اُن کے کانوں میں بوجھ (ہے) اور اگر یہ سارے نشان بھی دیکھیں تو اُن پر ایمان نہ لائیں۔ یہاں تک کہ جب تیرے پاس آتے ہیں تجھ سے جھگڑتے ہیں جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں یہ کچھ نہیں مگر پہلوں کی کہانیاں ہیں[۲]

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــــَٔـوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۲۶

اور وہ اس سے روکتے ہیں اور خود بھی دُور رہتے ہیں۔ اور وہ صرف اپنے آپ کو ہی ہلاک کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَي النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۲۷

اور اگر تو دیکھے جب آگ کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے[۳] تو کہیں گے کہ اے کاش ہم لوٹائے جائیں اور رب کی باتوں کو نہ جھٹلائیں اور مومنوں میں سے ہوں۔

آئے گا کہ دکھ دینا تو ایک طرف رہا خود شرک سے اپنی بیزاری ظاہر کریں گے۔

"ہم مشرک نہ تھے" یا تو جھوٹا عذر ہے اور اگلی آیت میں یہ اشارہ ہے اور یا اشارہ ان کے اس خیال کی طرف ہے مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی (الزمر ۳۹ - ۳) یعنی ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ اس ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں۔ اس صورت میں اگلی آیت میں یہ فرمایا کہ جس بات کا اقرار ان کی فطرتیں کرتی ہیں جیسا کہ قیامت کے دن وہ بول اُٹھیں گے اس کے آج خلاف کر رہے ہیں۔ دوسری جگہ بھی جہاں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کا نقشہ کھینچا ہے یہی دکھایا ہے کہ جب دکھ اور مصیبتیں انتہا کو پہنچ جاتی ہیں تب صرف خدا کو پکارتے ہیں یوں بار بار اس فطرت کی شہادت کی طرف توجہ دلائی ہے، جس کی گواہی انسان کو اس دنیا میں بھی مل جاتی ہے۔ مگر پھر وہ جھوٹ بولتا ہے یعنی اپنی فطرت کی شہادت کے خلاف عمل کرتا ہے۔

نمبر۱۔ اپنے آپ پر جھوٹ بولنے میں ان کے اس دنیا میں عمل کی طرف اشارہ ہے کہ فطرت کی شہادت کچھ ہے لیکن یہ اپنے ہی خلاف جھوٹ بول کر کبھی تقرب کا عذر کر کے اور کبھی کچھ کہہ کر شرک کے مرتکب ہوتے ہیں اور یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے دن انکار شرک کر کے اپنے ہی خلاف جھوٹ بولتے ہیں

نمبر۲۔ اس امر پر کہ اللہ تعالیٰ ابتدا کے طور پر مہر نہیں لگاتا یا پردے نہیں ڈالتا مفصل لکھا جا چکا ہے ایسے الفاظ میں عموماً اس کفر پر اصرار کی حالت کو قرآن کریم بیان کرتا ہے جو کفار خود اپنے ہاتھوں سے اپنے لیے پیدا کر لیتے ہیں اور خود اس آیت اور اس سے اگلی آیت کے الفاظ سے یہی ظاہر ہے کیوں کہ یہاں اوّل فرمایا کہ سارے نشان صداقت دیکھ بھی لیں تو ایمان نہ لائیں گویا وہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ کفر کو کبھی نہ چھوڑیں گے خواہ کتنا بھی بیّن ثبوت مل جائے۔ پھر فرمایا کہ جب رسول اللہ صلعم کے پاس آتے ہیں تو ٹھنڈے دل سے باتوں پر غور کرنے کی بجائے جھگڑنے کے لیے آتے ہیں اور اس سے اگلی آیت میں ہے کہ نہ صرف وہ خود حق سے دور رہتے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی اس سے روکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دلوں پر پردوں کا ڈالا جانا عین قوانین الٰہیہ کے مطابق ہے وہ فی الحقیقت اپنے ہاتھوں سے پردے ڈالتے ہیں۔

نمبر۳۔ آگ کے سامنے لا کر کھڑا کر دینے سے مراد ہے کہ یقینی طور پر ان کو عذاب آنے کا مشاہدہ ہو جائے گا اور دوزخ سامنے ہوگا۔

بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۗ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾

بلکہ ان کے لیے ظاہر ہوگیا جو پہلے چھپاتے تھے اور اگر لوٹائے جائیں تو پھر وہی کریں جس سے روکے گئے تھے اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں ؎۱

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور کہتے ہیں سوائے ہماری دنیا کی زندگی کے اور کچھ نہیں اور ہم نہیں اُٹھائے جائیں گے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۗ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۗ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۗ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

اور اگر تو دیکھے جب وہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے وہ کہیگا کیا یہ سچ نہیں، کہیں گے ہاں ہمارے رب کی قسم۔ کہے گا تو عذاب چکھو اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾

وہ لوگ ضرور گھاٹے میں رہے جنھوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا ؎۲ یہاں تک کہ جب (مقررہ) گھڑی ان پر یکایک آجائے گی کہیں گے، ؎۳ اے ہم پر افسوس اس پر جو ہم نے اس میں کمی کی ؎۴ اور وہ اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر اُٹھائیں گے۔ سنو وہ بوجھ بُرا ہے جو اُٹھائیں گے۔

نمبر۱۔ پہلی آیت میں بتایا کہ آگ کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے تو پھر دوبارہ دنیا میں جانے کی خواہش ظاہر کریں گے اور کہیں گے کہ اب ہم خدا کی باتوں کو نہ جھٹلائیں گے۔ یہاں جواب دیا ہے کہ ایسا کہنے میں وہ جھوٹے ہیں اور اس کی وجہ یہ دی ہے کہ کوئی نئی بات تو ہوئی نہیں بل بدا لھم ماکانوا یخفون من قبل جو پہلے چھپاتے تھے وہ ظاہر ہوگیا یعنی ان کے افعال بد کے بدنتائج اگر یہ چاہتے تو ان نتائج کو پہلے بھی دیکھ سکتے تھے۔ کیونکہ سچ یہی ہے کہ بُرے فعل کے بدنتیجہ کو انسان دیکھ سکتا ہے مگر خود ہی اس کی طرف سے آنکھیں بند کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ نتیجہ ایک خطرناک رنگ میں ظاہر ہوتا ہے، جیسا کہ قیامت کے دن ہوگا یا جیسا کہ بعض وقت اس دنیا میں بھی ہوتا ہے جب بدی اپنے کمال کو پہنچ جاتی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اگر عالم دنیا میں دوبارہ جائیں تو پھر وہی کام کریں گے کیونکہ ان کے بدافعال کے نتائج تو پھر اسی رنگ میں ہوں گے جیسے اب ہیں اور ان کے اندر اخفا کا رنگ ہوگا وہ کھلا رنگ نہ ہوگا جس کا ظہور قیامت میں ہوتا ہے۔ اس لیے وہ ان کاموں سے رکیں گے بھی نہیں۔ اس دنیا میں بھی انسان کی یہی حالت ہے کہ ایک فعل کے بدنتائج کو دیکھتا ہے مگر ذرا ان سے نجات ہوئی پھر اس بدفعل کا ارتکاب کرتا ہے۔

نمبر۲۔ اللہ کی ملاقات یا لقاء اللہ کا مرتبہ انسان کے اعلیٰ سے اعلیٰ کمال کا مرتبہ ہے اور اس کا جھٹلانا گویا انسان کے کمال کی ترقیات کا جھٹلانا ہی جتنی اعلیٰ غرض انسان اپنے سامنے رکھتا ہے اسی قدر اپنے خدا داد قویٰ سے زیادہ فائدہ اٹھاتا ہے اور لقاء اللہ سے یا اخلاق اللہ میں رنگین ہونے سے بڑھ کر کوئی مقصد انسانی زندگی کا نہیں ہوسکتا۔ جو شخص اس مقصد کو چھوڑتا ہے وہ اپنی اغراض کو صرف دنیوی زندگی تک محدود کرلیتا ہے اور اپنے اعلیٰ قویٰ کو بیکار کردیتا ہے اور جس بوجھ سے وہ بچنا چاہتا ہے یعنی خدا کے لیے جدوجہد اس سے بہت بڑھ کر بوجھ اسے اُٹھانا پڑتا ہے۔

نمبر۳۔ ساعۃ اصل میں زمانہ کے اجزا میں سے کسی جزو کا نام ہے یعنی گھڑی۔ اور راغب کہتے ہیں کہ ساعتیں تین ہیں: اوّل کبریٰ یا کُل نسل انسانی کا خاتمہ ہوجانا۔ دوم ساعت وسطیٰ یا ایک نسل کا گزرجانا جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے عبداللہ بن انیس کو دیکھ کر فرمایا کہ اگر اس لڑکے کی عمر لمبی ہو تو یہ نہیں مریگا یہاں تک کہ ساعت آجائے۔ چنانچہ روایت ہے کہ وہ صحابہ میں سے آخری بزرگ ہیں جو فوت ہوئے اور صغریٰ جو ہر انسان کی موت کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور ساعت کبریٰ فی الحقیقت وہ آخری تباہی ہے جس کے ساتھ دنیا کی موجودہ صف لپیٹ دی جائے گی اور قرآن شریف میں اکثر ساعت کا لفظ ساعت وسطےٰ یا

وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ لَلدَّارُ
الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾
قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ
فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾
وَ لَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا
عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَ اُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ
وَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَ لَقَدْ جَآءَكَ
مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور دنیا کی زندگی صرف کھیل اور بے حقیقت مشغلہ ہے اور آخرت کا گھر یقیناً اُن لوگوں کے لیے بہتر ہے جو تقوےٰ کرتے ہیں پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے

ہم خوب جانتے ہیں کہ تجھے وہ بات غم دلاتی ہے جو وہ کہتے ہیں، پر وہ تجھے نہیں جھٹلاتے لیکن ظالم اللہ کی باتوں کا انکار کرتے ہیں ۲

اور تجھ سے پہلے رسول یقیناً جھٹلائے گئے، سو اُنھوں نے جھٹلایا جانے پر اور ایذا دیا جانے پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کو ہماری مدد پہنچی اور اللہ کی باتوں کو کوئی تبدیل کرنے والا نہیں اور تیرے پاس پیغمبروں کی کسی قدر خبر بلاشبہ آچکی ہے ۳

ایک قوم کی تباہی پر بولا گیا ہے۔

نمبر۱ - لہو وہ چیز ہے جو انسان کو اس بات سے جو اس کے لیے ضروری اور اہم ہے روک کر دوسری طرف مشغول کر دے اور لعب ایسا فعل ہے جس سے کوئی صحیح مقصد مدنظر نہ ہو فرق یہ ہے کہ لعب میں خوشی کو فوراً حاصل کرنے کا خیال ہوتا ہے اور لہو صرف اصل مقصد سے روکنے والی چیز ہے گو اس سے فوری خوشی مقصود نہ ہو۔

حیٰوۃ الدنیا یا دنیا کی زندگی سے یہاں اور ایسے دوسرے موقعوں پر مراد وہ حصّہ ہے جو لقاء اللہ کے اعلیٰ مقصد سے خالی ہے جو صرف کھانے پینے اور سفلی خواہشات کے پورا کرنے تک محدود ہے اس لیے اس کا مقابلہ آخرت سے کیا ہے۔ پس وہ اعمال جن میں اللہ تعالیٰ کی رضا مدنظر ہے گو وہ کھانے پینے سے بھی تعلق رکھتے ہوں حیٰوۃ الدنیا کا نہیں بلکہ دار الآخرۃ کا حصّہ ہوں گے۔ یہاں یہ توجہ دلائی ہے کہ کھانا پینا اور خواہشات سفلی کا پورا کر لینا ان باتوں کا تو آخرت سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو حیوانی زندگی کے ساتھ اشتراک ہے۔ پس جہاں تک آخرت کی تیاری کا سوال ہے جہاں تک لقاء اللہ کے اعلیٰ مقاصد کو سامنے رکھنے کا سوال ہے اس پر کھانے پینے وغیرہ سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ اس لحاظ سے یہ صرف ایک کھیل اور بے حقیقت بات ہے۔

نمبر۲ - یہ آیت اس بات پر صریح دلالت کرتی ہے کہ نبی کریم صلعم کا صدق دشمنوں تک کو مسلّم تھا۔ چنانچہ اس قسم کے واقعات جن میں ایسا اعتراف موجود ہے تاریخ میں موجود ہیں۔ حرث نے آپ سے کہا ماکذبت قط تو نے ہم سے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ ابوجہل کے لفظ ان محمد الصادق وماکذب قط۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادق ہیں اور کبھی جھوٹ نہیں بولا اور سب اہل عرب آپ کو الامین کے نام سے پکارتے تھے۔ یہاں جب ان کے لقاء اللہ کی تکذیب کا ذکر کیا تو ساتھ ہی فرمایا کہ یہ تجھے تو جھوٹا نہیں کہہ سکتے کیونکہ آپ نے کبھی جھوٹ نہ بولا تھا نہ کبھی کسی نے آپ کی طرف جھوٹ منسوب کیا۔ ہاں یہ آیات اللہ کا انکار ہے۔ کیونکہ آپ کی صداقت کا انکار نہیں بلکہ اس پیغام کا انکار ہے جو منجانب اللہ آپ کو دیا گیا ہے۔

نمبر۳ - لا مبدل لکلمات اللہ عیسائیوں نے ان الفاظ کو اس بات پر دلیل پیش کیا ہے کہ توریت و انجیل میں تحریف نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ کلام خدا ہے۔ حالانکہ ان کی تحریف کا دعویٰ قرآن شریف بار بار کر چکا ہے اور آج عیسائیوں کو خود تحریف مسلّم ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ کی تکذیب پر آپ کو یہاں تسلی دیتے ہوئے یوں فرمایا ہے کہ پہلے رسول بھی جھٹلائے گئے، یہاں تک کہ نصرت الٰہی آپہنچی۔ ایسا ہی تمہارے ساتھ ہوگا اور لا مبدل لکلمات اللہ یعنی اس پیشگوئی کو کہ تیرے دشمن ہلاک ہوں گے کوئی بدل نہیں سکتا یعنی یہ پوری ہو کر رہے گی اور آگے ولقد جاءك من نباء المرسلین موجود ہے یعنی جیسا پہلے رسولوں کے دشمنوں سے ہوا ایسا ہی تمہارے دشمنوں سے ہوگا۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾

اور اگر تجھ پر اُن کا مُنہ پھیر لینا دشوار گزرتا ہے، تو اگر طاقت رکھتا ہے کہ زمین میں کوئی سرنگ تلاش کرلے یا آسمان میں کوئی سیڑھی، پس ان کو کوئی نشان لادے اور اگر اللہ چاہے تو ان کو ہدایت پر جمع کر دے، سو تو جاہلوں میں سے نہ ہو[1]۔

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؔ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾

صرف وہی قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور مُردوں کو اللہ اُٹھائے گا پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے[2]۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور کہتے ہیں اس پر کوئی (بڑی) نشانی اس کے رب کی طرف سے کیوں نہ اتاری گئی، کہہ، اللہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ نشان اتارے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے[3]۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ

اور زمین میں کوئی جان دار نہیں اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے دو پروں سے اُڑتا ہے مگر وہ بھی تمھاری طرح جماعتیں ہیں[4]۔ ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی۔ پھر وہ اپنے

نمبر۱۔ یہاں خطاب ہر مخاطب کو ہے لیکن اگر رسول اللہ صلعم کو بھی خطاب مانا جائے تو کوئی ہرج نہیں۔ نبی کریم صلعم کو جو اُن کے ایمان لانے کی بڑی تڑپ تھی تو اس لیے ان کا اعراض بڑا شاق گزرتا تھا اور آپ چاہتے تھے کہ زمین و آسمان سے کوئی ایسے نشان ظاہر ہوں کہ وہ ایمان لائیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نشانوں کا دکھانا پیغمبر کی طاقت میں نہیں اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اس کے ذریعہ سے کوئی معجزہ دکھا دیتا ہے +

نمبر۲۔ مُردوں کا بعث ایک تو قیامت کے دن محاسبہ کے لیے ہوگا اور ایک بعث روحانی ہے جو نبی کریم صلعم کے ذریعہ ظہور میں آنا تھا کیونکہ یہ بھی ایک موت سے اٹھنا ہے یہاں یوم قیامت کا ذکر نہیں اس لیے مراد اس سے بعث روحانی ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ جو بالکل مُردہ ہیں اور بات کو سنتے نہیں یہ بھی آخر اٹھیں گے گو ابھی صرف وہی قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں۔ دوسری جگہ ہے اعلموا ان اللہ یحیی الارض بعد موتھا (الروم - ۵۰) اللہ زمین کو موت کے بعد پھر زندہ کریگا زمین کی موت اس کے رہنے والوں کی روحانی موت ہے +

نمبر۳۔ یہاں آیت سے مراد عذاب استیصال ہے اور آیت کی تنوین تعظیم کے لیے ہے جب اُن کو یہ کہا گیا کہ تم مُردوں میں بھی اللہ تعالیٰ پیغمبر کے ذریعے روح نفخ کرے گا تو بجائے اس سے فائدہ اٹھانے کے وہ اعدائے حق کی عادت مستمرہ کے مطابق ہلاکت مانگتے ہیں چنانچہ اس رکوع کی آخری آیات میں صاف اس عذاب کا ذکر ہے یہاں نشانات یا معجزات کے دینے سے انکار نہیں بلکہ یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے بتا دیا ہے کہ عذاب بھی آخر آئے گا۔

نمبر۴۔ چرند اور پرند سب تمھاری طرح جماعتیں ہیں۔ اس سے کیا مراد ہے۔ یہاں ذکر کفار کا ہے جن کی نظر دنیا سے آگے نہیں۔ جو لقاء اللہ کو جھٹلاتے ہیں اور اسی حیات دنیا کو سب کچھ سمجھتے ہیں۔ جن کی نظر کھانے پینے اور خواہشات سفلی سے اوپر نہیں اٹھتی ان کو بتایا ہے کہ اس لحاظ سے تو تم میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں۔ دوسری جگہ ایسے ہی لوگوں کا ذکر کر کے فرمایا اولئک کالانعام بل ھم اضل (الاعراف - ۱۷۹) وہ چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ بہت زیادہ گمراہ۔

اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾	رب کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے ۔ؔ
وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى	اور جنھوں نے ہماری باتوں کو جھٹلایا ہے بہرے اور گونگے
الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ	اندھیرے میں ہیں۔ جس کو اللہ چاہے گمراہی میں رہنے دے
يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾	اور جسے چاہے اسے سیدھے راہ پر رکھے۔
قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ	کہہ، بتاؤ اگر اللہ کا عذاب تم پر آ جائے، یا (مقرر)
اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ	گھڑی تم کو آ لے، کیا تم اللہ کے سوائے (کسی اور
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾	کو) پکارو گے اگر تم سچے ہو۔ؔ
بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ	بلکہ تم اسی کو پکارو گے سو جس کے لیے تم پکارو گے اگر چاہے تو اسے دور
اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾	کردیگا اور تم انھیں بھول جاؤ گے جنھیں تم شریک ٹھیراتے ہو۔
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ	اور بلاشبہ ہم نے تجھ سے پہلے قوموں کی طرف رسول بھیجے تب
فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ	ہم نے ان کو تکلیف اور دکھ میں مبتلا کیا، تاکہ وہ
لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾	عاجزی کریں ۔ؔ

دوسری توجیہ ان الفاظ کی یوں ہو سکتی ہے کہ سب انسانوں کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ دوسرے جاندار بھی تمھاری طرح ہیں جو فطرت ان کو خدا نے دی ہے وہ اس کے مطابق چلتے ہیں مگر تم اپنے فطری نور کی شہادت کو رد کرتے ہو جیسا کہ فرمایا کہ ان من شیْ الا یسبح بحمدہ (بنی اسرائیل۔۴۴) تیسری توجیہ یہ ہے کہ انسانوں کے دو گروہوں کی طرف اشارہ کیا ہے ایک وہ جو چارپایوں کی طرح زمین پر جھکے رہتے ہیں دوسرے وہ جو طائر کی طرح عالم روحانیت میں پرواز کرتے ہیں اور چونکہ دابہ کا لفظ قرآن شریف میں کئی جگہ پر ان لوگوں کے لیے بولا گیا ہے جو زمینی زندگی پر گرے رہتے ہیں۔ اس لیے یہی بہترین توجیہ ہے۔

نمبر۱۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ بہائم کا حشر ان کی موت ہے یہ مطلب نہیں کہ ان کا حساب کتاب ہوگا کیونکہ وہ مکلف نہیں اور اصل یہ ہے کہ یحشرون میں ضمیر لوگوں کی طرف پھرتی ہے جن کا ذکر اوپر چلا آیا ہے نہ حیوانات کی طرف جن کا ذکر صرف بطور مثال ہوا ہے بلکہ ربھم میں ضمیر جو ذوی العقول کے لیے ہے اس کی تائید کرتی ہے۔ پس مراد ہے کہ انسانوں کی مثال تو دوسری جاندار مخلوق کی طرح ہے جہاں تک اس سفلی زندگی کا سوال ہے جو خورد و نوش سے تعلق رکھتی ہے مگر ان میں ایک بات ان سے بڑھ کر ہے کہ ان کا حشر بھی اپنے رب کی طرف ہوگا یعنی اعمال کی جزا و سزا کے لیے دوبارہ اٹھائے جائیں گے اگلی آیت میں اس دوسری زندگی کی تکذیب کرنے والوں کو صمٌ بکمٌ کہا ہے یعنی جس طرح چارپایہ نہ آواز کا مفہوم سمجھ سکتا ہے نہ بول سکتا ہے یہی حالت ان کی ہے بما لا یسمع الا دعاء و نداء (البقرۃ-۱۷۱) حیوانات کے لیے نہ جزا و سزا ہے نہ ان کا حشر ہوگا۔

نمبر۲۔ یہاں عذاب اللہ اور ساعۃ کو الگ الگ کر کے بیان کیا ہے کیونکہ ساعت سے مراد ان کی تباہی یا ان کی شوکت و قوت کے جاتے رہنے کی گھڑی ہے جو ان کی ساعت وسطیٰ ہے اور عذاب سے مراد اس سے چھوٹا عذاب ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں ساعۃ سے مراد قیامت کبریٰ نہیں کیونکہ اگلی آیت میں دنیوی تکالیف کا ذکر ہے۔

نمبر۳۔ یہاں ایک عام قانون بیان فرمایا ہے کہ دکھوں اور تکلیفوں کے بھیجنے سے اللہ تعالیٰ کی غرض صرف یہ ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوں اور تکبر کو چھوڑ کر خدا کے حضور عاجزی کا اظہار کریں پس دکھ اور تکلیف کے آنے سے انسان کو یہ فائدہ اٹھانا چاہیئے کہ خدا کی طرف جھکے اور دنیوی زندگی کی

فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

تو جب ان پر ہمارا عذاب آیا کیوں نہ انھوں نے عاجزی اختیار کی، لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے اُسے انکے لیے خوبصورت کر دکھایا جو وہ کرتے تھے ۱۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾

سو جب انھوں نے اسے چھوڑ دیا جس کی ان کو نصیحت کی گئی تھی ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب اس پر بہت خوش ہو گئے جو انھیں دیا گیا تھا ہم نے انکو اچانک پکڑ لیا تب وہ مایوس ہو گئے ۲۔

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

یوں اس قوم کی جڑ کاٹ دی گئی جنھوں نے ظلم کیا اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کی پرورش کرنے والا ہے ۳۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

کہہ، کیا تم نے غور کیا اگر اللہ تمھارے کان اور تمھاری آنکھیں لے جائے اور تمھارے دلوں پر مہر لگا دے اللہ کے سوائے کون معبود ہے جو تم کو یہ لادے۔ دیکھو ہم کس طرح باتوں کو بار بار بیان کرتے ہیں پھر بھی یہ پھر جاتے ہیں ۴۔

ظاہری نمایشوں پر فریفتہ نہ رہے۔

نمبر ۱۔ یہاں صفائی سے بتا دیا کہ انسان جو عمل بد کرتا ہے تو ان کو مزین کر کے دکھانے والا شیطان ہوتا ہے نہ خدا۔ یہ آیت ان آیات کے حل کرنے میں اصول محکم کے طور پر ہے جہاں تزئین کے فاعل کا ذکر نہ ہو اور جس فعل کو اچھا کر کے دکھایا گیا ہے وہ فعل بد ہو۔

نمبر ۲۔ جب تھوڑی مصیبت سے قوم فائدہ نہیں اٹھاتی تو بڑی مصیبت کا آنا لازمی امر ہے مگر بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ تھوڑی تکلیف جب دُور ہو جاتی ہے تو پھر ہر قسم کے آسایش کے سامان میسر آجاتے ہیں اور لوگ اس پر خوش ہو کر سمجھ بیٹھتے ہیں کہ یہ ایک معمولی بات تھی قالوا قد مس آباءنا الضراء والسراء (الاعراف - ۹۵)

نمبر ۳۔ دابر قوم کے کاٹ دینے سے مراد قوم پر عذاب استیصال کا آنا ہے جس سے ان کی شوکت و قوت ٹوٹ جائے یہ ضروری نہیں کہ سب کے سب لوگ مر جائیں گے۔ جنگ بدر کے ذکر میں ہے ویرید اللہ ان یحق الحق بکلمتہ ویقطع دابر الکفرین (الانفال - ۷) اللہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں سے ثابت کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ حالانکہ ان کے چند سردار مارے گئے تھے مگر چونکہ قوم کی قوت ٹوٹ گئی اس لیے اس کو جڑ کاٹنے سے تعبیر کیا۔ ظالم قوم کی ہلاکت کے بعد یہ لفظ لا کر الحمد للہ رب العالمین یہ بتایا کہ کسی قوم کا استیصال اللہ تعالیٰ عالمین کی ربوبیت کے لیے کرتا ہے یعنی جب قوم کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ وہ ربوبیت عالمین میں ہارج ہوتی ہے اور نیکی کی جڑ بالکل کٹنے لگتی ہے تب اس کا استیصال کر دیا جاتا ہے۔

نمبر ۴۔ یہ انہی لوگوں کو فرمایا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل میں سخت دلی اختیار کر رہے ہیں۔ پہلی قوموں کا حال سنا کر اب ان کو تنبیہ کرتا ہے کہ اگر تم اسی طرح مخالفت میں لگے رہو گے تو جانتے ہو نتیجہ کیا ہوگا! تمھارے کان ہوں گے پر سنو گے نہیں۔ آنکھیں ہوں گی پر دیکھو گے نہیں۔ دل ہوں گے پر سوچو گے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بیجا نا یہی ہے کہ ان کے فائدہ سے محروم کر دیگا۔ کیونکہ اس کا قانون یہی ہے کہ جب ایک قوت سے انسان کام نہیں لیتا تو وہ بیکار ہو جاتی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾

کہہ، بتاؤ اگر اللہ کا عذاب تم پر اچانک یا کھلا کھلا آجائے (تو) کیا سوائے ظالم لوگوں کے کوئی (اور) ہلاک کیا جائے گا[1]

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور ہم پیغمبروں کو نہیں بھیجتے مگر خوش خبری دیتے ہوئے اور ڈراتے ہوئے۔ پس جو کوئی ایمان لائے اور اچھے کام کرے تو ان پر کوئی ڈر نہیں اور نہ وہ پچھتائیں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور جو لوگ ہماری باتوں کو جھٹلاتے ہیں انھیں عذاب پہنچے گا اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۚ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

کہدے، مَیں تم کو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ مَیں غیب جانتا ہوں اور نہ مَیں تم کو کہتا ہوں کہ مَیں فرشتہ ہوں مَیں کسی چیز کی پیروی نہیں کرتا سوائے اسکے جو میری طرف وحی کی جاتی ہے کہہ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں سو کیا تم غور نہیں کرتے[2]

نمبر۱۔ بَغْتَةً اچانک جس کے نشانات پہلے سے ظاہر نہ ہوں۔ جَهْرَةً۔ کھلا کھلا جس کے علامات بھی پہلے سے ظاہر ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب کبھی ایک رنگ میں ظاہر ہوتا ہے کبھی دوسرے میں۔

نمبر۲۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صحابہ کو خزانوں سے مالا مال کر دیا اور بہت سی آیندہ کی خبریں ان کو بتا دیں یہاں تک کہ جو جو حالات اس امت کو پیش آنے والے تھے وہ سب بتا دیئے اور جب چاروں طرف شرک و بدیدینی کی ظلمت پھیل رہی تھی آپ ایک فرشتہ کی طرح ہر ایک قسم کی آلایش سے پاک رہے۔ لیکن ایمان لانے کے لیے نیکی کرنے کے لیے یہ لالچ نہیں دیتے۔ نیکی کی خاطر نیکی کرنا سکھاتے ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ ان کو کہہ دو کہ اللہ کے خزانوں کا مالک میں نہیں وہ جسے چاہے دے۔ غیب کا مالک میں نہیں۔ فرشتہ میں نہیں تمھاری طرح بشر ہوں۔ پس میں تم کو حصول کمالِ انسانی کے لیے بلاتا ہوں۔ وہی اصل غرض میری دعوت کی ہے۔ مجھے قبول کرو تو اس میں کوئی دنیوی طمع نہ ہو۔ کوئی نفسانی خواہش نہ ہو۔ ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ میں ایک تو رسول اللہ صلعم کی عصمت پر شہادت ہے کہ آپ صرف احکام الٰہی کی پیروی کرتے ہیں نہ کسی خواہش نفس کی نہ کسی دوسرے کی۔ دوسرے [illegible] کے کمال کی طرف اشارہ ہے کہ جو کچھ قرآن شریف میں وحی تعلیم کے رنگ میں موجود ہے آپ اس سب کی پیروی کرتے ہیں گویا جن کمالات کا ذکر [illegible] نے کیا ہے وہ سب آپ میں موجود ہیں قرآن علم ہے تو آپ عمل ہیں۔ تیسرے آپ کے پیرووں کو بتایا کہ وہ اگر کمال کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اتباع قرآن اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ان کے لیے ایک راہ ہے اسی لیے آیت کا خاتمہ اس پر کیا ہے کہ اعمیٰ اور بصیر برابر نہیں۔ اعمیٰ وہ ہے جو ان کمالات سے غافل رہا۔ بصیر وہ ہے جس نے ان کو دیکھ لیا۔ اور پھر ان کو حاصل کرنے کی کوشش میں لگ گیا۔ ان الفاظ سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق عمل امور دینی میں قابل اتباع نہیں منشائے الفاظ کے بالکل برعکس ہے یہاں تو یہ بتایا ہے کہ جو عمل رسول اللہ صلعم سے ثابت ہو وہ آپ کی خواہش نفسانی سے نہیں بلکہ وحی الٰہی سے ہے خواہ وہ وحی جلی ہو یا خفی۔

وَ اَنۡذِرۡ بِهِ الَّذِيۡنَ يَخَافُوۡنَ اَنۡ يُّحۡشَرُوۡۤا اِلٰى رَبِّهِمۡ لَيۡسَ لَهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ وَلِىٌّ وَّلَا شَفِيۡعٌ لَّعَلَّهُمۡ يَتَّقُوۡنَ ﴿۵۱﴾

اور اس کے ساتھ ان کو ڈرا جو خوف رکھتے ہیں کہ اپنے رب کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے ان کے لیے اس کے سوائے نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا تاکہ وہ تقوٰے اختیار کریں ۱؎۔

وَلَا تَطۡرُدِ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ بِالۡغَدٰوةِ وَالۡعَشِىِّ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَهٗ ؕ مَا عَلَيۡكَ مِنۡ حِسَابِهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ وَّمَا مِنۡ حِسَابِكَ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡ شَىۡءٍ فَتَطۡرُدَهُمۡ فَتَكُوۡنَ مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۵۲﴾

اور اُن کو نہ نکال جو صبح اور شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اسی کی رضا چاہتے ہیں۔ تجھ پر اُن کے حساب میں سے کچھ (ذمہ داری) نہیں اور نہ ان پر تیرے حساب میں سے کچھ (ذمہ داری) ہے کہ تو ان کو نکال دے۔ پس ظلموں میں سے ہو جائے ۲؎۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لِّيَقُوۡلُوۡۤا اَهٰٓؤُلَاۤءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِنَا ؕ اَلَيۡسَ اللّٰهُ بِاَعۡلَمَ بِالشّٰكِرِيۡنَ ﴿۵۳﴾

اور اسی طرح ہم ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ تکلیفوں میں ڈالتے ہیں تاکہ وہ کہیں کیا یہ وہی ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے احسان کیا ہے کیا اللہ شکر کرنے والوں کو نہیں جانتا ۳؎۔

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيۡنَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلۡ سَلٰمٌ عَلَيۡكُمۡ كَتَبَ رَبُّكُمۡ عَلٰى نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنۡ عَمِلَ مِنۡكُمۡ سُوۡٓءًۢا

اور جب تیرے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری باتوں پر ایمان لاتے ہیں تو کہہ، تم پر سلامتی ہو، تمھارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم کر لیا ہے کہ جو کوئی تم میں سے نادانی سے بُرائی کر بیٹھے

نمبر۱۔ قرآن کریم کا انذار تو سب کے لیے ہے۔ یہاں خصوصیت سے بعض لوگوں کے انذار سے مراد یہ ہے کہ انھی کی صورت میں انذار کی غرض حاصل ہوتی ہے کیونکہ بعض لوگ ایسے ہیں کہ انذار کی پروا نہیں کرتے اس لیے ان کو انذار کچھ فائدہ نہیں دیتا۔

نمبر۲۔ پہلے مسلمان اکثر غربا میں سے تھے بعض حبشی غلام تھے۔ رسول اللہ صلعم ان کے ساتھ مل کر بیٹھتے اور باتیں کرتے تھے قریش اپنے فخر قومی پر نازاں تھے۔ رسول اللہ صلعم کو کہا کرتے تھے کہ ان لوگوں کو اپنے پاس سے اُٹھا دو تو ہم تمھارے پاس بیٹھیں گے مگر اسلام کا تو اصل مقصد ہی یہی تھا کہ انسانیت کے اشتراک کے سامنے تفریق رنگ و قوم تفریق وجاہت و مرتبہ تفریق مال و دولت کو مٹادے۔ اس آیت میں کفار کے اسی مطالبہ کا جواب ہے۔

نمبر۳۔ فتن کے اصل معنی سونے کو آگ میں ڈالنا ہیں تاکہ میل دور ہو جائے۔ اسی طرح جب ایک انسان کو دکھوں میں ڈالا جاتا ہے تو اس پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے جب غرض یہ ہو کہ اس کے کمالات اور خلوص کو ظاہر کیا جائے۔ کیونکہ تکالیف شاقہ میں پڑنے کے بغیر کمالات ظاہر نہیں ہوتے۔ نبی کریم صلعم کے ساتھ غربا و ضعفاء ملے ان کو کفار نے نہ صرف حقارت کی نظر سے دیکھا بلکہ ان کو طرح طرح کی ایذائیں دیں۔ نتیجہ کیا ہوا (لیقولوا میں لام عاقبت کا ہے) کہ یہی غریب لوگ جب دکھوں میں ڈالے گئے تو ان کے کمالات دنیا میں ظاہر ہوئے اور آخر کفار کو بھی تعجب ہوا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر احسان کیا اور ان کو ایسے بلند مقام پر پہنچایا مگر کیوں اس لیے کہ وہ شاکر تھے۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کی انھوں نے قدر کی اور ان کو ضائع نہیں کیا اس میں دنیا کی کمزور قوموں کے لیے خوش خبری ہے کہ اگر وہ بھی خدا کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر کریں تو ان کو بھی اللہ تعالیٰ بڑا بنا دے گا۔

بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾

پھر اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح کرلے، تو وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے [۱]

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾

اور اسی طرح ہم باتوں کو کھول کر بیان کرتے ہیں اور تاکہ مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے۔

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَاۗءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

کہہ، مجھے روک دیا گیا ہے کہ میں اُن کی عبادت کروں، جن کو تم اللہ کے سوائے پکارتے ہو، کہہ، میں تمھاری خواہشات کی پیروی نہیں کرونگا اس صورت میں گمراہ ہونگا اور ہدایت پانیوالوں میں سے نہ ہونگا [۲]

قُلْ اِنِّيْ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ۭ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾

کہہ، میں اپنے رب کی ایک کھلی دلیل پر قائم ہوں اور تم نے اس کو جھٹلا دیا، وہ میرے پاس نہیں جس کے لیے تم جلدی کرتے ہو۔ حکم اللہ ہی کا ہے۔ وہ حق بیان کرتا ہے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے [۳]

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ

کہہ، اگر وہ میرے پاس ہوتا جس کے لیے تم جلدی کرتے ہو تو

نمبر۱۔ ناواقفیت سے غلطی ہو جائے تو وہ قابلِ معافی ہے لیکن عمداً بدیوں پر اصرار کرنا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو جان لینے کے باوجود بُری راہ کو چھوڑنے کی کوشش نہ کرنا اس کا نتیجہ ہلاکت ہے۔

نمبر۲۔ یہاں فرمایا کہ رسول اللہ صلعم کو غیر اللہ کی عبادت سے روکا گیا ہے تو یہ روکنا نوں سے نوبعد نبوت ہُوا مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے آپ کو بچپن سے ہی بت پرستی وغیرہ سے روکے رکھا جیسا کہ تاریخ کی اس پر گواہی ہے کہ آپ کبھی مشرک نہیں ہوئے اور اسی طرف عقل اور فطرت سلیم نے آپ کو ہدایت کی۔ یہاں شرک کو ان کی اہواء قرار دیکر بتا دیا کہ فطرت اور عقل جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر ودلیت کی ہے وہ توحید کی طرف ہی ہدایت فرماتی ہے۔

نمبر۳۔ محمد رسول اللہ صلعم جیسا وسیع دل انسان کوئی نہیں ہُوا۔ اپنے دشمنوں سے جس قدر عملی نرمی اور محبت کا ثبوت آپ نے دیا ہے دُوسرے کسی انسان کی زندگی میں وہ نہیں ملتا۔ لیکن خدا کا رحم اور محبت بہت بڑھ کر وسیع ہیں فرماتا ہے کہ ان کے جرائم اس قدر ہیں کہ اگر انسان کے اختیار میں ان کا سزا دینا ہوتا تو خواہ رسول اللہ صلعم ہی ہوتے ان کا فیصلہ ہو چکا ہوتا جیسا کہ اگلی آیت میں صاف فرمایا مگر خدا بہت بُردبار ہے اور انسان کو بڑی مہلت دیتا ہے آج بھی اس کا وہی قانون کام کرتا ہے لوگ چاہتے ہیں فلاں قوم جلد تباہ ہو جائے مگر وہ جو فیصلہ کرنے والا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کب کس کی تباہی کا وقت ہے ان الحکم الا للہ سے یہاں مراد صرف دشمنوں کی سزا کا حکم ہے کہ وہ اللہ کے اختیار میں ہے کسی انسان کے نہیں جیسا کہ سیاق عبارت سے ظاہر ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں اور کوئی حکم دینے والا ہے ہی نہیں کیونکہ یہ خلاف واقعات ہے۔ اہل قرآن کا اس آیت سے ان احکام دینی کے خلاف استدلال کرنا جو احادیث میں نبی کریم صلعم کی زبان سے مروی ہیں سیاق و سباق عبارت کے خلاف ہے علاوہ ازیں ادنیٰ عقل سے بھی جو شخص کام لے وہ دیکھ لے گا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت کسی کا کسی کو حکم دینا خدا کے حکم میں داخل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہی سب احکام دیئے۔

لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾

میرے اور تمہارے درمیان معاملہ کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾

اور اس کے پاس غیب کے خزانے ہیں سوائے اس کے ان کو کوئی نہیں جانتا اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور سمندر میں ہے اور کوئی پتا نہیں گرتا، مگر وہ اسے جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں نہیں اور نہ تر اور نہ خشک۔ مگر وہ ایک کھلی کتاب میں ہے ؎۱

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع

اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روح قبض کرتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ تم دن کو کرتے ہو پھر وہ تم کو اس میں اٹھاتا ہے تا کہ ایک مقررہ وقت پورا کیا جائے پھر اسی کی طرف تمہارا لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تم کو خبر دیگا جو تم عمل کرتے تھے ؎۲

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾

اور وہ غالب ہے اپنے بندوں سے بالاتر ہے اور تم پر نگہبان بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے ہمارے بھیجے ہوئے اسکی روح قبض کرتے ہیں اور وہ کوتاہی نہیں کرتے ؎۳

نمبر۱۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت کو بیان کیا ہے کیونکہ اعمال کی جزا و سزا کا تعلق علم سے ہے کوئی عمل ظاہر کرے یا چھپ کر کرے اللہ تعالیٰ اُسے یکساں جانتا ہے۔ علاوہ ازیں خشک ہو کر گرنے والے پتے میں اس قوم کی طرف اشارہ بھی ہے جس کا عروج اب جانے والا ہے زمین کی تاریکیوں میں دانہ جو اب اُگ کر درخت بنے گا خود اسلام ہے مطلب یہ ہے کہ یہ سب کچھ ہونا ہے ہو کر تو رہے گا مگر اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ترقی تدریجاً ہوگی۔ بسا اوقات قرآن کریم کی دلیل دو کام کرتی ہے۔ ایک طرف اللہ کے علم کامل کا ذکر کیا جو اس کی توحید کی دلیل ہے۔ دوسری طرف یہ بھی بتایا کہ قوموں کا زوال و عروج کس طرح ہوتا ہے اور کہ قوم کا زوال اس وقت ہوتا ہے جب وہ خشک پتا کی طرح خوبیوں سے خالی ہو جاتی ہے اور عروج ایک دانہ کی طرح بو یا جاتا ہے اور درخت بن جاتا ہے۔

نمبر۲۔ مفردات میں ہے قد عُبِّرَ عن الموت والنّوم بالتوفی یعنی توفّی سے مراد موت ہوتی ہے یا نیند۔ توفی اصل میں قبض روح کا نام ہے پھر اس کا استعمال دونوں حالتوں پر ہے۔ قبض تام جو موت کے وقت ہوتا ہے اور قبض ناقص جو نیند کے وقت ہوتا ہے مگر یہ لفظ قبض روح کے لیے خاص ہے، جسم انسانی کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جانے پر کبھی نہیں بولا جاتا۔ نیند اور موت پر لفظ توفی کے مشترک طور پر بولنے میں یہ اشارہ ہے کہ جو چیز نیند کے وقت قبض کی جاتی ہے وہی موت کے وقت قبض کی جاتی ہے اور وہ تمیز ہے جس پر انسان کے اعمال کا مدار ہے اور جو انسان اور حیوان میں ما بہ الامتیاز ہے۔

نمبر۳۔ حفظة۔ حافظ کی جمع ہے۔ مراد اعمال انسانی کی حفاظت کرنے والے ملائکہ ہیں دوسری جگہ فرمایا وَاِنَّ علیکم لحافظین کراماً کاتبین

ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۟ وَ هُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾

پھر وہ اپنے مولا برحق کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سنو اسی کا حکم ہے، اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾

کہہ، کون تم کو خشکی اور تری کی مشکلات سے نجات دیتا ہے جب تم اس کو عاجزی سے اور چھپ کر پکارتے ہو اگر وہ ہم کو اس سے نجات دے تو ہم یقیناً شکر کرنے والوں میں سے ہونگے۔

قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَ مِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾

کہدے، اللہ تم کو ان سے اور ہر سختی سے نجات دیتا ہے، پھر تم شرک کرتے ہو۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

کہہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیجے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تمہیں کئی فرقے بنا کر ملا دے اور تم میں سے بعض کو بعض کی لڑائی (کا مزہ) چکھادے[۱] دیکھ ہم کس طرح باتوں کو بار بار بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھ لیں۔

یعلمون ما تفعلون (الانفطار ۱۰-۱۲) اور یقیناً تم پر حفاظت کرنے والے مقرر ہیں معزز لکھ لینے والے جو تم کرتے ہو وہ جانتے ہیں اور یہ جو فرمایا لہٗ معقبات من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہٗ من امر اللہ (الرعد ۱۱) تو اس سے بھی مراد یہی اعمال کی حفاظت کرنے والے ملائکہ ہیں اور یحفظونہ اس لیے فرمایا کہ یہی چیز انسان میں سے حفاظت کے قابل ہے کیونکہ اسی سے انسان کی دوسری زندگی یا زندگی بعد الموت پیدا ہوتی ہے۔ ایسا ہی فرمایا: قد علمنا ما تنقص الارض منہم وعندنا کتاب حفیظ (ق ۴) یعنی جو چیز زمین ان سے کم کرتی ہے اس کو ہم جانتے ہیں اور ہمارے پاس کتاب ہے جو محفوظ رکھ لیتی ہے یعنی جو حفاظت کے قابل چیز ہے وہ محفوظ رکھ لی جاتی ہے اور اجزاء زمینی زمین میں مل جاتے ہیں۔ توفتہ رسلنا۔ رسول یا بھیجے ہوئے یہاں وہ ملائکہ ہیں جو ارواح کو قبض کرتے ہیں اگر توفی کے معنی جسم کو لینے کے ہوتے تو یہاں الفاظ چاہتے ہیں کہ وہی معنے لیے جاتے کیونکہ یہاں نہ صرف خدا انسان کو پورا لینے کے لیے اپنے رسولوں کو بھیجتا ہے بلکہ یہ بھی ساتھ کہدیا کہ وہ کوئی کمی نہیں کرتے یعنی کوئی ایسی چیز نہیں چھوڑتے جو لینے کے قابل ہو پس اگر توفی میں جسم خاکی بھی کبھی لینے کے قابل ہوتا تو سب انسانوں کے جسم خاکی بھی ملک الموت کو ساتھ لے جانے چاہئیں۔

نمبر ۱۔ من فوقکم۔ او من تحت ارجلکم سے ایک مراد تو اوپر اور نیچے سے جیسے ہواؤں آندھیوں یا زلزلوں غرق وغیرہ سے لی گئی ہے، مگر زیادہ قرین قیاس ائمۃ السوء یعنی اعلیٰ اور سفلۃ الناس یا ادنیٰ طبقہ یعنی امراء یا ضعفاء ہیں۔ بعض وقت ایک قوم اس لیے ہلاک ہوجاتی ہے کہ ان کا اعلیٰ طبقہ خراب ہوجاتا ہے اور بعض وقت اس لیے کہ عوام الناس یا ادنیٰ طبقہ خراب ہوجاتا ہے یا وہ لوگ جو کمزور سمجھے جاتے ہیں یعنی عوام الناس تو وہ بڑوں کو ہلاک کردیتے ہیں۔ جیسے بولشویک۔ اس آیت میں نبی کریم صلعم کے مخالفین کا ذکر ہے جو توحید الٰہی کو دنیا میں پھیلنے سے روکتے ہیں مگر قرآن کریم چونکہ ہمیشہ کے لیے ہے اور اس کا پیغام توحید بھی دنیا میں ہمیشہ ہی پہنچتا رہے گا اور لوگ بھی اس کی مخالفت ہمیشہ ہی کرتے رہیں گے اس لیے آئندہ زمانہ کے مخالف بھی اس میں شامل ہیں۔ حدیث میں بعض قوموں کا ذکر آتا ہے جو آخری زمانہ میں اسلام کو مٹانا چاہیں گے اور ان کے متعلق آتا ہے لا یدان لاحد بقتالہم ان کے ساتھ جنگ کرنے کی مسلمانوں کو طاقت نہیں ہوگی۔ اس لیے ان کے لیے عذاب بھی اسی رنگ کا ہوگا کہ وہ خود باہم جنگ و جدال

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ قُلْ
لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝٦٦

اور تیری قوم نے اسے جھٹلا دیا، حالانکہ وہ حق ہے۔ کہہ میں تم پر داروغہ نہیں۔

لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝٦٧

ہر ایک خبر کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور تم جان لو گے۱

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا
فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰي يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ
غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ
بَعْدَ الذِّكْرٰي مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝٦٨

اور جب تو ان لوگوں کو دیکھے، جو ہماری آیتوں کے متعلق بیہودہ باتیں کرتے ہیں تو اُن سے مُنہ پھیر لے۔ یہاں تک کہ اس کے سوائے کسی دوسری بات میں لگ جائیں اور اگر شیطان تجھے بھلا دے تو یاد آجانے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھ۔

وَمَا عَلَي الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ
شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰي لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝٦٩

اور ان لوگوں پر جو تقوے اختیار کرتے ہیں ان کے حساب میں سے کچھ ذمہ داری نہیں لیکن یہ نصیحت ہے تاکہ وہ بچیں۲

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا
وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ
اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ڰ لَيْسَ لَهَا
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ
تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ

اور ان لوگوں کو چھوڑ دے جنھوں نے اپنے دین کو کھیل اور بے حقیقت تماشا بنا رکھا ہے اور دنیا کی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈالا ہوا ہے اور اس (قرآن) کے ساتھ نصیحت کر کوئی جان اس کی وجہ سے جو اس نے کمایا ہلاک نہ کی جائے اس کے لیے اللہ کے سوائے کوئی دوست نہیں اور نہ کوئی سفارش کرنے والا۔ اور اگر ہر ایک قسم کا بدلہ دینا چاہے تو اس سے نہ لیا جائے گا۔

سے ایک دوسرے کو کمزور کردیں اور قرآن کریم میں جو عیسائیوں کا ذکر آتا ہے (والقینا بینہم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیامۃ (المائدہ-۶۴) وہ اس کا موید ہے یعنی باہم بغض و عداوت ان کے لیے عذاب کا رنگ اختیار کرے گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ اس امت کی ہلاکت کا موجب ان کا باہمی فساد ہوگا ابوداؤد میں ہے لا یسلط علیہم عدوا من سوی انفسہم فیستبیح بیضتہم یعنی ان کے اپنے لوگوں کے سوائے دوسرا کوئی دشمن ان پر مسلط نہ کرے گا۔ جو اُن کو نیست و نابود کردے بلکہ باہم جنگ و جدال سے ہلاک ہوں گے مسلمانوں کی تاریخ پر جو شخص غور کرے گا وہ دیکھ لے گا کہ مسلمانوں کے باہمی فساد ہی ان کی ہلاکت کا موجب ہوئے ہیں اور آج جب سلطنت باقی نہیں رہی تو بھی جدال کا سلسلہ جاری ہے۔ اسی حدیث میں آتا ہے کہ مجھے دو خزانے دیئے گئے ہیں ایک احمر یعنی سُرخ اور ایک ابیض یعنی سپید۔ یہ سپید خزانہ ملنا ابھی باقی ہے۔ آپ کے خزانے آپ کی امت ہی ہیں اسلام کی پہلی ترقی مشرقی ممالک کی طرف رہی۔ اب مغربی ممالک میں اس کے ظہور کا وقت آیا ہے اور یہی سپید خزانہ ہے۔ پس عذاب استیصال اللہ تعالیٰ نے اسلام کے پہلے دشمنوں پر بھی اسی رنگ کا بھیجا کہ ان کی شوکت ٹوٹ گئی اور وہ اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ اور پچھلے مخالفوں کے لیے بھی ایسا ہی مقدر معلوم ہوتا ہے۔

نمبر۱۔ مراد یہ ہے کہ پیشگوئی تو پوری ہو کر رہے گی مگر اپنے وقت پر۔

نمبر۲۔ یعنی ساتھ بیٹھنے سے انسان دوسروں کے افعال کا ذمہ وار تو نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک نصیحت ہے تاکہ مسلمان خود ان کے اثر بد سے بچتے رہیں۔ یا مراد یہ ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کے پاس خاطر سے وہ لوگ بھی دین کے ساتھ استہزا کرنے سے بچ جائیں گے۔

الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۷۰

یہ وہ ہیں جو اس کی وجہ سے جو انھوں نے کمایا ہلاک کیے گئے اُن کے لیے کھولتا ہوا پانی پینے کو اور دردناک عذاب ہوگا اس لیے کہ وہ کفر کرتے تھے۔[1]

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۖ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۷۱

کہہ، کیا ہم اللہ کے سوائے اسے پکاریں جو ہم کو نفع نہیں دیتا اور نہ ہی ہمکو نقصان پہنچا سکتا ہے اور کیا ہم اپنی ایڑیوں پر لوٹائے جائیں اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں سیدھا رستہ دکھایا اس شخص کی طرح جسے شیطانوں نے زمین کے اندر حیران بنا کر خواہشات کی پیروی میں لگا دیا اس کے ساتھی ہوں جو اس کو ہدایت کی طرف بلاتے ہوں کہ ہمارے پاس آجا۔ کہہ اللہ کی ہدایت ہی (کامل) ہدایت ہے اور ہمکو حکم دیا گیا ہے کہ ہم جہانوں کے پروردگار کی فرمانبرداری کریں[2]

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِىْۤ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۷۲

اور کہ نماز کو قائم کرو اور اس کا تقوےٰ اختیار کرو اور وہی ہے جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝۷۳

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا اور جس دن کہے گا کہ ہو، تو وہ ہو جائے گا[3]۔ اس کا فرمانا حق ہے۔ اور اسی کے لیے بادشاہت ہے، جس دن صور میں پھونکا جائیگا[4]۔ وہ غیب اور ظاہر کا جاننے والا اور وہ حکمت والا خبردار ہے۔

نمبر۱۔ یہاں یہ بتایا کہ یہ کافی نہیں کہ ایسے ہم نشینوں سے ہی بچے جو دین سے استہزا کرتے ہیں بلکہ جن کے پاس بیٹھے اُن کو نصیحت بھی کرتا رہے بہ میں ضمیر قرآن شریف کی طرف ہی جاتی ہے۔ اور نصیحت کا پیرایہ یہ بتایا کہ اپنے آپ کو ثواب یعنی اعلیٰ مقامات سے محروم کر لینا اچھا نہیں ہ

نمبر۲۔ خدا کی فرمانبرداری کے خلاف دوسری حالت خواہشات کی پیروی ہے یہاں بتایا ہے کہ ایک مسلمان اگر اللہ کو چھوڑ کر غیراللہ کی اتباع کرے تو اس کی مثال اس شخص کی ہے جو شیاطین کے پیچھے لگ کر ایسا بھٹک جائے کہ پھر اسے رستہ نہ ملتا ہو اور یہ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری میں انسان کے قلب کو اطمینان ملتا ہے مگر خواہشات کی پیروی میں ایک تردد اور اضطراب اس کے لاحق حال رہتا ہے کبھی ایک طرف جھکتا ہے کبھی دوسری طرف اور یوں ایک بلند مقام سے گر کر ذلیل حالت میں آجاتا ہے اور اصحاب جو اسے بلاتے ہیں وہ اس کے پہلے ساتھی ہیں۔

نمبر۳۔ یوم یقول کن فیکون اس میں اشارہ بعث بعد الموت کی طرف ہے آسمان اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔ یعنی کسی غرض کے لیے پس اسی غرض کے لیے جو تکمیل نفس انسانی ہے جو خلاصہ موجودات ہے یہ ضروری ہوا کہ اس عالم کی کمی کو اس عالم میں پورا کیا جائے ہ

نمبر۴۔ صُور کے عام معنی قرن یا سینگ ہیں جیسے بگل۔ لیکن لسان العرب میں صور کو صورۃ کی جمع بھی قرار دیا ہے نفخ فی الصور یا نفخ فی القرن سے سچ مچ کا سینگ مراد لینا درست نہیں ایسے الفاظ جو قیامت کے متعلق بولے گئے ہیں ان کی صحیح حقیقت کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں صُور یا

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٤﴾

اور جب ابراہیم نے اپنے بزرگ آزر کو کہا کیا تو بتوں کو معبود بناتا ہے میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں [1]

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿٧٥﴾

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی بادشاہت دکھاتے رہے اور تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو [2]

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿٧٦﴾

سو جب رات چھا گئی، اس نے ستارہ دیکھا۔ کہا، کیا یہ میرا رب ہے؟ سو جب وہ ڈوب گیا کہا، میں ڈوب جانیوالوں سے محبت نہیں رکھتا [3]

قرن میں نفخ کرنے والے ملائکہ ہوں گے اور ملائکہ کا قرن بھی کسی اور رنگ کی شے ہی ہوگی نہ وہ سینگ جس کے ذریعہ سے انسان بگل بجاتے ہیں اور اصل یہ ہے کہ مراد تو نفخ فی الصور سے حشر ہے نہ کچھ اور۔ بگل بھی جمع کرنے کے لیے بجایا جاتا ہے پس نفخ فی الصور سے اصل مراد صرف حشر یا اکٹھا کرنا ہی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ حشر جیسا کہ قرآن شریف کے متعدد مقامات سے ظاہر ہوتا ہے ارواح کا صورتوں میں پھونکا جانا ہے۔ پس قرآن کریم نے ایسا لفظ اختیار کیا ہے جو دونوں مفہوموں پر حاوی ہے۔

نمبر۱۔ اب ہر شخص کو جو کسی کے وجود میں لانے یا اس کی اصلاح یا اس کے ظہور کا سبب ہو آب کہا جاتا ہے اس لیے اس کے معنی باپ بھی آتے ہیں اور چچا، دادا دیگر بزرگوں پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے اور معلم پر بھی آزر کو ابراہیم کا اَب کہا ہے آیا مراد اس سے باپ ہے یا کوئی اور بزرگ اس میں شک نہیں کہ پہلے خیال اسی طرف جاتا ہے کہ وہ آپ کے والد ہوں لیکن اس کے خلاف ایک امر تو یہ ہے کہ توریت میں حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارح لکھا ہے اور عرب کے نساب بھی اس پر متفق ہیں اور زرقانی نے بھی تارح ہی لکھا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ عربی میں آکر نام کی صورت بدل جاتی ہے۔ علاوہ ازیں یوسیبس ایک یہودی مؤرخ نے تارح کو آتھر لکھا ہے، جو آزر سے بالکل ملتا ہے لیکن دوسری طرف خود قرآن کریم سے اس کے خلاف شہادت ملتی ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد کا نام آزر ہو کیونکہ سورہ ابراہیم ۱۴۔ میں صاف ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم نے بڑھاپے میں یہ دعا کی ربنا اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب جس میں ماں باپ کے لیے مغفرت مانگی ہے۔ حالانکہ اس اَب کے متعلق التوبۃ ۹۔۱۱۴ میں ہے کہ ابراہیم کا اپنے اَب کے لیے استغفار صرف ایک وعدہ کے سبب سے تھا جو اس سے کیا تھا۔ پھر جب اس پر کھل گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس نے اس سے بریت کی پس آزر حضرت ابراہیم کے والد نہ تھے کوئی اور بزرگ تھے۔

نمبر۲۔ یہ بتایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام ابتدا سے ہی شرک وغیرہ معاصی سے پاک ہوتے ہیں اور قبل از وحی قانون قدرت کا مطالعہ بھی ان کو حق کی طرف لے جاتا ہے۔ ان کی فطرت صحیح ہوتی ہے ان کا نور قلب دھندلا نہیں ہوتا۔ ان کی عقل ٹھوکر نہیں کھاتی۔ اُن کا فکر ان کو صحیح نتائج پر پہنچاتا ہے۔

نمبر۳۔ ھذا ربی۔ موقنین میں سے تو ابراہیم پہلے ہی ہو چکے ہیں اور بت پرستی اور شرک سے بیزار۔ بلکہ دوسروں کے شرک پر تعجب کرتے ہیں اتتخذ اصناما الھۃ۔ اس لیے وہ ستارہ دیکھ کر کبھی دل میں یہ وہم بھی نہیں لا سکتے کہ وہ ان کا رب ہے۔ اگلی دو آیات کے مطالعہ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ ان کا اپنی قوم کے ساتھ مباحثہ ہو رہا ہے کیونکہ جب ان کی قوم کا سب سے بڑا دیوتا سورج بھی ڈوب جاتا ہے تو وہ صاف اس قوم کو مخاطب کرکے کہتے ہیں کہ میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں اور پھر آگے صاف آتا ہے وتلک حجتنا اتینھا ابراھیم علی قومہ (۸۳) پس ھذا ربی استفہام انکاری ہے یعنی کیا یہ میرا رب ہے۔ فلما افل۔ افول اجرام نورانی کے غائب ہونے پر بولا جاتا ہے۔ جیسے چاند ستارہ وغیرہ۔ ستارہ کے ڈوب جانے سے حضرت ابراہیم قوم پر یہ ظاہر کرتے ہیں کہ جو چیز کبھی سامنے آجائے اور کبھی غائب ہو جائے وہ خود انسان کی طرح کسی قانون میں جکڑی ہوئی ہے اور معبود نہیں ہو سکتی۔ وہ ایک جسمانی چیز ہے جو کبھی آنکھوں کے سامنے اور کبھی غائب ہے۔ انی لا احب الافلین میں یہ اشارہ ہے کہ جس چیز سے تم محبت کرتے ہو وہ خود بے اختیار ہے خدا سے محبت کرنے سے تو ایسا تعلق اس ذات پاک سے پیدا ہو جاتا ہے کہ پھر وہ اس انسان سے الگ نہیں ہوتا۔

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ
فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ
لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾

پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا۔ کہا، کیا یہ میرا رب ہے ؟ سو جب وہ ڈوب گیا۔ کہا، اگر میرے رب نے مجھے ہدایت نہ دی ہوتی تو میں یقیناً گمراہ لوگوں میں سے ہوجاتا۔

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ
هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ
اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾

پھر جب سورج کو چمکتا ہوا دیکھا۔ کہا، کیا یہ میرا رب ہے ؛ یہ سب سے بڑا ہے [1] پھر جب وہ ڈوب گیا۔ کہا اے میری قوم میں اس سے بری ہوں جو تم شریک بناتے ہو۔

اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾

میں نے یکسو ہو کر اپنا منہ اس کی طرف کیا ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ
وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ
بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَيْـــًٔا ۭ وَسِعَ رَبِّيْ
كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور اُس کی قوم نے اس سے جھگڑا کیا، کہا، کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو اور اس نے مجھے یقیناً ہدایت کی ہے اور میں اس سے نہیں ڈرتا جس کو تم اس کے ساتھ شریک کرتے ہو۔ ہاں یہ کہ میرا رب کچھ چاہے [2]۔ میرے رب کا علم تمام چیزوں کو لیے ہوئے ہے۔ پس کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے۔

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ
اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ
عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ
بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾

اور میں کس طرح اس سے ڈروں جس کو تم شریک بناتے ہو اور تم نہیں ڈرتے کہ تم نے اللہ کے ساتھ اسے شریک بنایا ہے جس کے لیے اس نے تم پر کوئی سند نہیں اتاری، پس دونوں گروہوں میں سے کون امن کا زیادہ حقدار ہے اگر تم جانتے ہو [3]۔

مگر ایسی چیز سے محبت کا کیا فائدہ جو خود قانون کے اندر اس طرح جکڑی ہوئی ہے کہ محبت کرنے والا تڑپتا رہ جائے وہ غائب ہو جاتی ہے۔

نمبر ۱۔ معلوم ہوا کہ اس قوم کا سب سے بڑا دیوتا سورج تھا۔

نمبر ۲۔ جب ابراہیمؑ کے دلائل کا کوئی جواب بن نہیں پڑا تو اسے ڈرایا ہے کہ ہمارے دیوتا تمہیں نقصان پہنچائیں گے۔ اس کا جواب دیا ہے کہ مجھے ان سے کچھ خوف نہیں کیونکہ یہ چیزیں کوئی نقصان پہنچانے پر قادر نہیں اور الا ان یشاء ربی شیئاً میں بتایا کہ نبیوں کو بھی تکلیفیں پہنچتی ہیں مگر وہ مشیت الٰہی کے ماتحت پہنچتی ہیں یعنی ان سے اُن کے کمالات کا ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے اور اگلی آیت میں انھیں یوں ملزم کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو نفع نقصان پہنچانے پر قادر ہے اس سے تم ڈرتے نہیں اور مجھے ان شریکوں سے ڈراتے ہو جو کوئی نفع و نقصان پہنچانے پر قادر نہیں۔

نمبر ۳۔ مالم ینزل بہ سلطاناً۔ کسی نبی کی تعلیم میں یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے شرک کا حکم دیا ہے اور نہ ہی شرک پر کوئی عقلی دلیل موجود ہے ای الفریقین احق بالامن۔ دونوں فریقوں میں سے کون امن کا زیادہ حقدار ہے۔ اس میں انسان کی ہدایت کے لیے ایک اعلیٰ درجہ کا اصول بتایا ہے ایک شخص خدا پر ایمان رکھتا ہے اُسے اس سے نقصان کچھ نہیں پہنچتا لیکن خدا کا نہ ماننے والا اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالتا ہے۔ ایسا ہی آخرت پر

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٨٢﴾

جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا، انہی کے لیے امن ہے اور وہ ہدایت پانے والے ہیں ؎۱

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿٨٣﴾

اور یہ ہماری دلیل تھی، جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے خلاف دی، ہم جس کو چاہتے ہیں مرتبہ میں بلند کرتے ہیں۔ تیرا رب حکمت والا جاننے والا ہے ؎۲

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٤﴾

اور ہم نے اس کو اسحٰقؑ اور یعقوبؑ دیئے، ہر ایک کو ہم نے ہدایت دی اور نوحؑ کو ہم نے پہلے سے ہدایت دی اور اس کی نسل سے داؤدؑ اور سلیمانؑ اور ایوبؑ اور یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ کو (ہدایت دی) اور اسی طرح ہم احسان کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٥﴾

اور زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسےٰؑ اور الیاسؑ کو (یہ) سب صالحین میں سے تھے۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٦﴾

اور اسمٰعیلؑ اور الیسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ۔ اور (ان) سب کو ہم نے قوموں پر فضیلت دی۔

وَمِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٨٧﴾

اور ان کے باپ دادوں میں سے اور ان کی نسل سے اور انکے بھائیوں سے اور ہم نے ان کو برگزیدہ کیا اور ہمنے ان کو سیدھی راہ کی طرف ہدایت دی ؎۳

ایمان انبیاء پر ایمان ہے کہ اس سے کوئی انسان نقصان کچھ نہیں اُٹھاتا اور نفع کا امیدوار ہے۔ لیکن ان کا انکار کرنے والا اگر یہ باتیں سچی ہیں تو سخت نقصان کی حالت میں اپنے آپ کو ڈالتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ سوچے کہ کس رستہ میں امن زیادہ ہے۔

نمبر۱۔ ظلم کے مختلف معنی میں سے ایک شرک بھی ہیں اور حدیث متفق علیہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ظلم کے معنی شرک بیان فرمائے اور قرآن کریم کی اس آیت سے بھی استدلال فرمایا ان الشرك لظلم عظيم (لقمان۔۱۳) اور خود اس سورۃ کا مضمون بھی توحید ہی ہے۔

نمبر۲۔ یہ دلیل جس کا یہاں ذکر ہے توحید الہیٰ پر ہے جیسا کہ اوپر ذکر آچکا ہے اور اسی توحید پر قائم ہونے کو بلندئ درجات قرار دیا ہے اور یہ سچ بھی ہے کہ توحید پر مضبوطی سے قائم ہو جانا تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔

نمبر۳۔ ان آیات میں اٹھارہ انبیاء کے نام لیے ہیں جن میں داؤدؑ سے شروع کرکے ترتیب بلحاظ خصوصیات کے ہے اور اس سے اگلی سورت میں انبیاء کا ذکر بلحاظ ترتیب تاریخی کیا ہے یہاں اوّل ظاہری شوکت کے لحاظ سے داؤدؑ اور سلیمانؑ کا ذکر کیا جن کو عظیم الشان بادشاہتوں کا مالک بنایا گیا۔ پھر دکھوں اور تکلیفوں میں صبر کے مقام بلند کے لحاظ سے ایوبؑ اور یوسفؑ کا ذکر کیا۔ ان دونوں کو صبر کے بعد اللہ تعالیٰ نے بلند مقام پر پہنچایا۔ پھر قوم کو نہایت ذلت کی حالت سے نکال کر اعلیٰ مقام پر پہنچانے کے لحاظ سے اور قوم کو ایک قانون اور راہ بتانے کے لحاظ سے موسیٰؑ اور ہارونؑ کا ذکر کیا۔ یہ

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾

یہ اللہ کی ہدایت ہے اس کے ساتھ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور اگر وہ شرک کرتے تو ان کے وہ عمل ان کے کام نہ آتے جو وہ کرتے تھے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

یہ وہ ہیں جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت دی ۱؎ سو اگر یہ لوگ اس کا انکار کریں، تو ہم نے اس کو ایسے لوگوں کے سپرد کیا ہے جو اس کا انکار کرنے والے نہیں ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ

یہ وہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی۔ سو ان کی ہدایت کی پیروی کر ۲؎ کہہ میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ وہ صرف

چھ نبی ایسے ہیں کہ کسی نہ کسی رنگ میں ان کو بادشاہت یا سرداری یا حکومت ملی۔ اس لیے ان کے بعد نجزی المحسنین کے الفاظ آتے ہیں۔ اس کے بعد زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کا ذکر کرکے اُن کو صرف صالحین کہنے پر اکتفا کیا ہے یعنی ان کے صرف ایک پہلو زہد کامل کی طرف توجہ دلائی ہے اس لیے کہ دنیا میں ان کو کوئی حکومت کا رنگ نہیں ملا۔ زکریا، یحییٰ اور عیسیٰ کا ایک ہی زمانہ اور ایک ہی رنگ سادگی، زہد، عبادت کا ظاہر ہے۔ الیاس کا مسیح سے پہلے آنا خود اس سے ظاہر ہے کہ حضرت یحییٰ کی آمد کو الیاس کی آمد ثانی قرار دیا گیا اور اس بات کی شہادت انجیل میں موجود ہے کہ یحییٰ الیاس کے رنگ اور اس کی روح میں آیا (لوقا ۱: ۱۷) پھر اس کے بعد اسمٰعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کا ذکر کرکے ان کی فضیلت کی طرف توجہ دلائی ہے کیونکہ ان چاروں کی تحقیر کی گئی ہے جیسے حضرت اسمٰعیل کی تو نبوت سے ہی انکار کیا گیا ہے اور ان کو کسی ابراہیمی وعدہ کا وارث نہیں سمجھا جاتا اور لوط کی بھی نبوت کا انکار کیا جاتا ہے اور یونس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ خدا کے حضور سے بھاگ گئے تھے ان کی فضیلت کا خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا کہ ان کی تحقیر ہوئی ورنہ دوسرے انبیاء کو بھی فضیلت دی گئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کس طرح قرآن شریف ایک الزام کو دور کرنے کے لیے ایک نبی کے متعلق بعض تعریفی الفاظ بیان کرتا ہے اسی اصول کو نہ سمجھنے سے عیسائیوں نے یہ ٹھوکر کھائی ہے کہ حضرت مسیح کے متعلق تعریفی کلمات سے ان کی دوسرے انبیاء پر فضیلت ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ مراد صرف الزامات کا دور کرنا تھا۔

نمبر۱۔ کتاب وہ وحی ہے جو نبی پر اس کی امت کی ہدایت کے لیے نازل ہوتی ہے حکم وہ اختیار ہے جو نبی کو دیا جاتا ہے کہ وہ کسی دوسرے کا مطیع نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کو اپنی اطاعت کی طرف بلاتا ہے جو اس کی امت کہلاتے ہیں اور نبوت بلحاظ لغت وہ پیشگوئیاں ہیں جو اس کو دین کی تائید کے لیے دی جاتی ہے اور یا اس سے مراد یہاں سفارت ہے اور گو کتاب اور حکم نبوت میں شامل ہیں مگر ان دو خاص باتوں کا ذکر اس لیے کیا تا معلوم ہو جائے کہ منصب نبوت کی یہ ضروری شرائط ہیں یعنی ایک کتاب کا دیا جانا اور دوسرا حکم یا اختیار کا دیا جانا۔

نمبر۲۔ آنحضرت صلعم کو ارشاد ہوتا ہے کہ تم ان انبیاء کی ہدایت کی اقتدا کرو ظاہر ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے اللہ تعالیٰ وہ ہدایت اپنی وحی سے آنحضرت صلعم کو دے چکا اور مزید برآں ان انبیاء کی کوئی کتابیں دنیا میں موجود نہ تھیں کہ ان کو پڑھ کر عمل کرنے کی ہدایت ہوتی اور جو کچھ ان کی تعلیم باقی رہ گئی وہ خود ظنیات میں سے تھی۔ پس ان کی ہدایت کے اقتدا سے مراد صرف ان کے طریق کی موافقت ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح توحید کے قائم کرنے میں انھوں نے مشکلات کا مقابلہ کیا اُسی طرح تم بھی صبر سے اس کام کو کرو۔ ہاں ان الفاظ میں ایک اور اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ ہدایت کے معنی منزل مقصود تک پہنچانا ہیں، یعنی کمال انسانی کو حاصل کرنا۔ پس کسی نبی کی ہدایت اس کا ایک خاص کمال انسانی کو حاصل کرنا ہے۔ کسی کمال انسانی کو ابراہیمؑ اپنے اندر لیتے ہیں تو کسی کو موسیٰؑ کسی کو ہارونؑ، کسی کو داؤدؑ کسی کو سلیمانؑ، کسی کو عیسیٰؑ کسی کو یحییٰؑ کسی کو ایوبؑ وقس علیٰ ھذا۔ پس فبھداھم اقتدہ کے معنی یہ ہوئے کہ جن جن کمالات کو ان انبیاء نے حاصل کیا ان تمام کمالات کو تم اکیلے اپنے اندر جمع کرو۔ آخری الفاظ

ع إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ ۝٩٠

جہانوں کے لیے نصیحت ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا
مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ
مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ
نُورًا وَهُدًى لِلنَّاسِ ۖ تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ
تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا ۖ وَعُلِّمْتُمْ مَا لَمْ
تَعْلَمُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ ۖ قُلِ اللَّهُ ۖ
ثُمَّ ذَرْهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ۝٩١

اور انھوں نے اللہ کو نہیں پہچانا (جس طرح) اس کے پہچاننے کا حق
(تھا) جب یہ کہا کہ اللہ نے انسان پر کچھ نہیں اتارا[1]۔ کہہ کس نے
وہ کتاب اتاری، جو موسیٰ لایا۔ لوگوں کے لیے نور اور ہدایت
تھی، تم اس کو ورق ورق کرتے ہو۔ اس (کے ایک حصہ) کو
ظاہر کرتے ہو اور بہت سا چھپاتے ہو اور تمھیں وہ باتیں سکھائی
گئیں جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمھارے باپ دادا۔ کہہ، اللہ ہی
نے (اتارے) پھر ان کو چھوڑ دے اپنی بیہودہ بکواس میں کھیلتے رہیں۔

وَهَٰذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُصَدِّقُ
الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ
وَمَنْ حَوْلَهَا ۚ وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ
يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ۝٩٢

اور یہ کتاب جسے ہم نے اتارا برکت دی گئی ہے اس کی تصدیق کرتی
ہوئی جو اس کے پہلے ہے تاکہ تو (اہل) مکہ کو ڈرائے اور ان کو
جو اس کے گرد ہیں[2]۔ اور جو لوگ آخرت پر ایمان لاتے ہیں۔
اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور وہ اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا
أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ
وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ ۗ

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ افترا کرے۔
یا کہے میری طرف وحی کی گئی اور اس کی طرف کچھ وحی نہیں کی گئی۔
اور جو کہے، میں اس کی مثل اتار سکتا ہوں، جو اللہ نے اتارا[3]

میں قرآن شریف کو عالمین کے لیے نصیحت قرار دینا اسی معنی کی تائید کرتا ہے اور یا اولئک میں اشارہ اوپر والی قوم کی طرف ہے جس کا ذکر فقد وکلنا بھا قوما لیسوا بھا بکفرین میں ہے یعنی صحابہ کی طرف اور یہاں خطاب عام ہے یعنی اے مسلمانو! تم صحابہ کا اقتدا کرو اور حدیث میں ہے: اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں جس کا اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اقتدا سے مراد صرف اپنے اعمال کو ان کے اعمال کے مطابق کرنا ہے کیونکہ پیروی فی الحقیقت مسلمان آنحضرت صلعم کی کرتے ہیں۔

نمبر۱۔ یہ یہود کا قول ہے مطلب یہ ہے کہ اب کوئی وحی نازل نہ ہوگی۔ جواب میں حضرت موسیٰ کی پیشگوئی کی طرف توجہ دلائی ہے کہ موسیٰ کی مانند ایک نبی کا آنا تمھاری اپنی کتاب کی رو سے ضروری ہے اسی لیے اگلی آیت میں مصدق کہا ہے اور انہی پیشگوئیوں کے چھپانے پر ملزم کیا ہے۔

نمبر۲۔ ام القریٰ مکہ کا نام ہے یعنی بستیوں کی ماں۔ ماں اس کو اس لیے کہا کہ ساری دنیا کے لیے روحانی غذا یہیں سے ملتی ہے اور پھر اسے کل اہل دنیا کا قبلہ بھی قرار دیا گیا ہے اور لوگ اس کی طرف اکٹھے ہوتے ہیں جیسے بچے ماں کی طرف اور یوں بھی پرانی دنیا کے وسط میں واقع ہے اور نئی دنیا اس کے نیچے ہے پس اس کا مرکز ہونا ظاہر معنے میں بھی درست ہے۔

نمبر۳۔ یہ سب نبی صلعم کے مختلف قسم کے مخالف ہیں۔ بعض شرک وغیرہ کے عقائد بناتے تھے یا جیسے عیسائی جو اللہ تعالیٰ کی طرف ایک باطل

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ
وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا
اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ
بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ
وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور اگر تو دیکھے جب ظالم موت کی سختیوں میں ہوں، اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلا رہے ہوں۔ اپنی جانوں کو نکالو، آج تم کو رسوائی کا عذاب اس کے بدلے میں دیا جائے گا جو تم اللہ پر ناحق کہتے تھے، اور تم اس کی باتوں سے تکبر کرتے تھے۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ
مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ
وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ
اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ
وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ ع

اور یقیناً تم ہمارے پاس اکیلے آئے ہو، جیسے ہم نے تم کو پہلی دفعہ پیدا کیا اور جو کچھ ہم نے تم کو عطا کیا تھا وہ تم اپنی پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے وہ سفارشی نہیں دیکھتے جو تم سمجھتے تھے کہ تمہارے بارے میں (ہمارے) شریک ہیں۔ یقیناً تمہارے تعلقات کٹ گئے اور وہ تم سے جاتا رہا جو تم جھوٹے دعوے کرتے تھے۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ یُخْرِجُ الْحَیَّ
مِنَ الْمَیِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَیِّتِ مِنَ الْحَیِّ ؕ
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾

اللہ ہی دانہ اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔ زندہ کو مُردہ سے نکالتا رہتا ہے۔ اور مُردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے۔ یہی اللہ ہے پھر تم کہاں سے اُلٹے پھر جاتے ہو۔[۱]

تعلیم منسوب کرتے تھے اور یہ سب اللہ پر افترا تھا۔ بعض آپ کے مقابل پر جھوٹے مدعیانِ نبوت یا وحی تھے یا کہانت کرتے تھے یا بعض جیسے نضر بن الحرث یہ کہتے تھے کہ ہم بھی قرآن جیسی وحی بنا سکتے ہیں۔ دوسری جگہ اُن کا قول مذکور ہے لو نشاء لقلنا مثل ھذا (الانفال - ۳۱) اور یہ جو بعض مفسرین نے یہاں عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کا نام لیا ہے کہ اس وحی کو لکھتے لکھتے ولقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین ثم انشانہ خلقا آخر اس عجیب بیان کو سُن کر بول اُٹھا فتبارک اللہ احسن الخالقین اور یہی اگلی وحی کے الفاظ تھے جس پر وہ مرتد ہو گیا تو یہ روایت معتبر نہیں۔

نمبر ۱۔ اس رکوع میں ایک طرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے نظارے دکھا کر اس کی توحید کا اثبات کیا ہے اور دوسری طرف ساتھ ہی یہ بتایا ہے کہ وہ صداقت جو نبی کریم صلعم لائے ہیں ایک دانہ کی طرح نشو و نما پاتے پاتے آخر کار دنیا میں غالب ہو گی۔ ایک ہی ترکیب لفظی میں دونوں خیالات کو ظاہر کرنا کمالِ بلاغت اور کمالِ علم پر دلالت کرتا ہے۔ دانہ اور گٹھلی کو پھاڑ کر اس میں سے پودے اور درخت بنانا کتنی بڑی قدرت کا کام ہے حق بھی مثل ایک دانہ یا گٹھلی کے ہے جس طرح ایک گٹھلی ایک ناواقف کی نظر میں نہیں جچتی اور وہ نہیں جانتا کہ اس سے ایک عظیم الشان درخت بن جائے گا اسی طرح حق کے مخالف اس سے ناواقف ہیں کہ وہ حق جس کو وہ حقارت کی نظر سے دیکھ رہے ہیں کس طرح ایک دن دنیا میں مقبول ہوگا۔ زندہ کو مُردہ سے نکالنے کے یہی معنے ہیں کہ ایک کام کے لیے بظاہر کوئی سامان نظر نہیں آتے مگر اللہ تعالیٰ اس کو سرسبز کر دیتا ہے اور جس طرح ایک گٹھلی زمین میں پھٹ کر اپنے موافق غذاؤں کو زمین سے اور ہوا سے حاصل کر کے ایک درخت بن جاتی ہے اسی طرح جو امرِ حق ہے وہ بھی اپنی قوت کے سامان گردوپیش سے حاصل کر کے دنیا میں آخر پھیل جاتا ہے اور مُردہ کو زندہ سے نکالنا یہ ہے کہ مخالفت اور مقابلہ کی قوت کو جس میں زندگی کے سارے سامان نظر آتے ہیں توڑ کر بالکل مُردہ کر دے۔

فَالِقُ الْإِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿٩٦﴾

وہ صبح کو پھاڑنے والا ہے اور اس نے رات کو آرام کے لیے بنایا اور سورج اور
چاند کو حساب کے لیے ۱؎ یہ غالب علم والے کا اندازہ ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا
بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا
الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٩٧﴾

اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستارے بنائے تاکہ ان کے ذریعے سے
خشکی اور تری کے اندھیروں میں راہ پاؤ۔ ہم نے باتیں ان لوگوں کے
لیے کھول کر بیان کر دیں جو علم رکھتے ہیں ۲؎

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ
فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ
لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿٩٨﴾

اور وہی ہے جس نے تم کو ایک ہی جان سے پیدا کیا۔ پھر
ایک ٹھیرنے کی جگہ ہے اور ایک سونپا جانے کی جگہ، ہم نے باتیں اُن
لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دی ہیں جو سمجھ سے کام لیتے ہیں ۳؎

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا
بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا
نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ
مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ
اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا
وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ

اور وہی ہے، جس نے اوپر سے پانی اُتارا، پھر اس کے ساتھ ہم
ہر طرح کی روئیدگی نکالتے ہیں، پھر اُس سے ہم سبز کونپلیں نکالتے
ہیں اس سے ہم گتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں، اور کھجور سے اس کے
گابھے میں سے جھکے ہوئے گچھے۔ اور انگوروں کے باغ۔
اور زیتون اور انار۔ ایک دوسرے سے ملتے جلتے،
اور نہ ملتے جلتے۔ اُس کے پھل کو دیکھو، جب وہ پھل لاتے

نمبر۱۔ پس شمسی اور قمری دونوں حساب درست ہیں۔

نمبر۲۔ جس خدا نے اس قدر سامان انسان کے فوائد جسمانی کے لیے بنا رکھے ہیں کیا اس نے اس کی اصل تکمیل کی غرض کا ہی کوئی سامان پیدا نہیں کیا؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ پس جس کو یہ علم ہے کہ انسان کا اصل کمال محض کھانے پینے میں نہیں۔ وہ یقیناً جان لے گا کہ تکمیل روحانی کا سامان بھی ضرور اللہ تعالیٰ نے انسان کو دیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے اصحابی کالنجوم میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں۔

نمبر۳۔ مستقر کے اصل معنی جائے قرار، مستودع کے معنی جائے سپردگی ہیں۔ مفسرین نے مختلف توجیہات کی ہیں حضرت ابن مسعودؓ کے نزدیک مستقر زمین میں ہے اور مستودع قبور میں۔ یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ دونوں زندگیوں کے لیے یعنی دنیوی اور اخروی کے لیے ایک ایک مستقر ہے اور ایک ایک مستودع۔ دنیوی زندگی کے لیے مستقر رحم مادر ہے اور مستودع پیدائش کے بعد موت تک اور اخروی زندگی کے لیے مستقر قبر ہے اور مستودع قیامت۔

نمبر۴۔ دانہ اور گٹھلی کو پھاڑ کر اللہ تعالیٰ کیا بناتا ہے۔ مردہ دانہ زندہ ہو کر سرسبز ہو جاتا ہے کونپلیں نکلتی ہیں اور آخر پھر دانے بن جاتے ہیں۔ گٹھلی سے باغ۔ کھجور وغیرہ۔ یہ بھی ایک وقت پھل لاتے اور پھر وہ پھل پکتے ہیں۔ اسی طرح حق بھی بڑھے گا پھولیگا اور پھر پھیلیگا۔ ایمان والوں کے لیے اس میں نشان اس لیے کہا کہ حق پر ان کا ایمان ہے اس کے بڑھنے پھیلنے کو مثال سے سمجھا دیا۔ آج پھر حق ایک دانہ یا گٹھلی کی طرح زمین کی تاریکی میں بظاہر غائب ہوتا نظر آتا ہے مگر وہ اسی طرح درخت بن کر نکلے گا جس طرح پہلے درخت بنا تھا۔

وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾
وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَ
خَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ
ع سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾
بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ
لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ
كُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾
ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ
كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ
شَیْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾
لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ
الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾

اور اسکے پکنے کو دیکھو یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔
اور اللہ کے لیے جن شریک بنا رکھے ہیں، حالانکہ اس نے ان کو پیدا کیا
اور اس کے لیے بے علمی سے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کر لیے ہیں۔
وہ پاک اور اس سے بلند ہے جو وہ بیان کرتے ہیں [۱]۔
آسمانوں اور زمین کا عجیب پیدا کرنے والا۔ اس کا بیٹا کس طرح
ہو سکتا ہے اور اس کی کوئی جورو نہیں، اور اس نے ہر چیز
کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے [۲]۔
یہ اللہ تمہارا رب ہے۔ اس کے سوائے کوئی معبود نہیں
ہر چیز کا پیدا کرنے والا، سو اسی کی عبادت کرو اور وہ
ہر چیز کا کارساز ہے۔
نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ نگاہوں کا احاطہ کرتا
ہے اور وہ باریک باتوں کا جاننے والا خبردار ہے [۳]۔

نمبرا۔ دو قسم کے شرک کا ذکر کیا ہے ایک جنوں کو شریک بنانے کا، دوسرے خدا کے لیے بیٹے اور بیٹیاں تجویز کرنے کا۔ بیٹا عیسائیوں نے بنایا ہے اور بعض دیگر مذاہب نے بیٹیاں عرب کے بت پرست تجویز کرتے تھے۔ جن کے شریک بنانے میں مجوسیوں کے عقیدہ کی طرف بھی اشارہ ہے جو اہرمن کو خلق شر قرار دیتے ہیں اور تمام قسم کے شرکاء بھی اسی میں آ جاتے ہیں کیونکہ وہ نظروں سے مستور ہوتے ہیں۔

نمبر۲۔ شرک کا سب سے زیادہ دھوکا دینے والا پہلو خدا کا بیٹا بنانا ہے اسی کو پہلے لیا ہے ایک لفظ پرست قوم کو جس نے صرف ظاہر الفاظ سے دھوکا کھایا ہے اور حقیقت پر غور نہیں کیا ظاہر کی طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ بیٹا اکیلے باپ سے کبھی پیدا نہیں ہوتا۔ جس جنس کا باپ ہے اسی جنس سے ماں تجویز کرو۔ ماں انسان اور باپ خدا! اس میں ایک اور اشارہ بھی ہے۔ آج کل عیسائی اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ اگر خدا کی ذات میں کثرت نہ ہو تو اس میں محبت نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ محبت کس سے کرے لم تکن لہ صاحبۃ میں بتایا ہے کہ محبت کے لیے پہلے زوج ہوتا ہے، پس پہلے جورو تجویز کرو پھر پورا کنبہ بناؤ۔ پھر دوسرا جواب دیا کہ سب چیز کا خالق اللہ ہے۔ اگر بیٹا ہے تو چاہیئے تھا کہ کچھ مخلوق وہ بھی پیدا کرتا۔ تیسرا جواب علم میں دیا ہے۔ کیونکہ انجیل میں شہادت موجود ہے کہ بیٹا پورا علم نہ رکھتا تھا نہ اسے غیب کا علم تھا نہ قیامت کا۔ پس صفات میں کوئی اشتراک نہیں تو بیٹا کیسا یوں اشتراک ناقص تو کل مخلوق کو حاصل ہے مگر اس سے اسے الگ کرنے کے لیے کسی بات میں اشتراک کامل ہی دکھانا چاہیئے اور وہ ہے نہیں۔

نمبر۳۔ خدا تعالیٰ جسم نہیں کہ نظر انسانی اس کا احاطہ کر لے اور نہ ہی عقل انسانی اس کی کنہ تک پہنچ سکتی ہے۔ حالانکہ جس قدر شریک ٹھہرائے جاتے ہیں وہ سب احاطہ نظر انسانی میں آ جاتے ہیں اس سے قیامت میں اللہ تعالیٰ کی رویت کی تردید نہیں ہوتی کیونکہ وہاں دوسرے قویٰ دیئے جائیں گے اور یہاں ان آنکھوں یا اس عقل کے عجز کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لطیف ہونے سے مراد یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ باریک امور سے واقف ہے اور یہ بھی کہ وہ اپنے بندوں کی ہدایت کرنے میں لطف اور نرمی کرتا ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ
اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَآ
اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿١٠٤﴾

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیلیں آچکی ہیں سو جو کوئی دیکھتا ہے تو وہ اپنی جان (کی بھلائی) کے لیے اور جو اندھا رہا اسی پر (وبال) ہے اور میں تم پر نگہبان نہیں۔

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا
دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿١٠٥﴾

اور اسی طرح ہم باتوں کو بار بار بیان کرتے ہیں ۱؎ اور تاکہ وہ کہیں تو نے (خوب) پڑھا ہے اور تاکہ ہم اُسے ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کریں جو جانتے ہیں۔

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٦﴾

اس کی پیروی کر تا رہ جو تیری طرف تیرے رب سے وحی کی گئی ہے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے کنارہ کر۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ؕ وَمَا جَعَلْنٰكَ
عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٧﴾

اور اگر اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے تجھ کو اُن پر نگہبان مقرر نہیں کیا اور نہ تو ان کا کارساز ہے ۲؎۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ كَذٰلِكَ
زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ
مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٨﴾

اور اُن کو گالی نہ دو، جن کو یہ اللہ کے سوائے پکارتے ہیں ایسا نہ ہو کہ وہ زیادتی کر کے بے علمی سے اللہ کو گالی دیں۔ اسی طرح ہم نے ہر ایک گروہ کے لیے ان کا عمل اچھا کر کے دکھایا۔ پھر ان کے رب کی طرف اُن کا لوٹ کر آنا ہے سو وہ اُنھیں بتا دیگا جو وہ کرتے تھے ۳؎۔

نمبر۱۔ جب باتوں کو طرح طرح کے پیراؤں میں بیان کیا جاتا ہے کبھی فطرت انسان کی طرف اور کبھی قانونِ قدرت کی طرف اور کبھی امم سابقہ کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ یہ باتیں پچھلی تعلیم سے لی ہوئی ہیں اور خوب کوشش کر کے ان کو یاد کر لیا ہے حالانکہ آپ نے کبھی تعلیم حاصل نہیں کی۔ مگر صاحب علم لوگ اس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں کیونکہ وہ امر حق پہچان لیتے ہیں اور یہ جان لیتے ہیں کہ مختلف قسم کے دلائل ایک ہی نتیجہ پر پہنچاتے ہیں یہی اس کی صداقت کا بین ثبوت ہے +

نمبر۲۔ لوشاء اللہ ما اشرکوا یہاں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت ایسی ہوتی تو یہ شرک نہ کرتے اور دوسری جگہ کفار کا قول منقول ہے لوشاء اللہ ما اشرکنا (۱۴۸) حالانکہ کفار کے قول کی تردید کی ہے۔ ان دونوں مقامات میں فرق یہ ہے کہ کفار کے قول کا منشا تو یہ ہے کہ خدا کی مشیت یہی ہے کہ ہم شرک کریں۔ اس لیے اُن کا جواب بھی یوں دیا ہے فلوشاء لھدٰکم اجمعین (۱۴۹) یعنی اگر مشیت سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور کرنا ہوتا تو ہدایت پر مجبور کرتا نہ شرک پر جیسا کہ دوسری مخلوق کو اپنی فرمانبرداری کے قانون میں جکڑا ہوا ہے اور اس جگہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ایسی ہوتی تو وہ شرک نہ کرتے تو مطلب یہی ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمھیں پیدا ہی ایسا کرتا کہ تم نافرمانی نہ کر سکتے مگر اس کے ساتھ ہی انسان کا سارا شرف دوسری مخلوق پر جاتا رہتا۔ اس لیے ماجعلنٰک علیھم حفیظا یہاں فرمایا کہ تم انھیں مجبور کر کے شرک نہیں چھڑوا سکتے اگر مجبوری کرنا ہوتا تو اللہ تعالیٰ پیدائش میں ہی ان کو مجبور کر دیتا مگر اس کی مشیت ایسی نہیں ہوئی اس لئے قانون بنا کر راہ دکھا دی اب انسان کا اختیار رہا اس پر چلے یا نہ چلے شاید یہ بھی اشارہ ہو کہ آخر شرک ان میں سے مٹ جائے گا +

نمبر۳۔ مخالفین کی باتیں نہایت درجہ دُکھ دینے والی تھیں۔ بُرا کہتے تھے ہنسی اڑاتے تھے، گالیاں دیتے تھے اس لیے مسلمانوں کو ایک اصول بتایا کہ العیاذ ہو تم بھی ان کے معبودانِ باطل کو اسی طرح سب و شتم کرنے لگو اور چونکہ یہاں شرک کی برائیوں کا ذکر تھا اس لیے ساتھ ہی یہ بتلانے کی ضرورت محسوس ہوئی

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰیَةٌ لَّیُؤْمِنُنَّ بِهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَ مَا یُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَاۤ اِذَا جَآءَتْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

اور وہ بڑے زور کی قسموں کے ساتھ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر ان کے پاس نشان آئے تو ضرور اس پر ایمان لائیں گے کہہ، نشان صرف اللہ کے پاس ہیں، اور تمھیں کیا خبر ہے کہ جب وہ (نشان) آئیں گے تو یہ ایمان نہیں لائیں گے ۱؎

وَ نُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَ اَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ یُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ نَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو پھیر دیں گے جس طرح وہ اس پر پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے اور ہم ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکا ہوا چھوڑ دیں گے ۲؎

وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

اور اگر ہم اُن پر فرشتے اتارتے، اور مُردے اُن سے باتیں کرتے اور سب چیزوں کو اُن کے سامنے لا اکٹھا کرتے وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے، مگر یہ کہ اللہ چاہتا، لیکن اُن میں سے اکثر جاہل ہیں ۳؎

کر دوسرے کے عقائد میں جو بُرائی ہو اُس کی اصلاح کے لیے اس کا بیان کر دینا تو ضروری ہے مگر حد سے تجاوز نہ ہو۔ گالی تک نوبت نہ پہنچے۔ ایک غلطی کا اظہار اور چیز ہے جس کی ضرورت ہمیشہ دنیا میں رہے گی۔ مگر خواہ مخواہ بُرے الفاظ سے دوسرے کے دل کو دُکھ پہنچانا جائز نہیں۔ یوں قرآن کریم ساتھ ساتھ اخلاقی تعلیم بھی دیتا چلا جاتا ہے۔ ایک ایسا عمدہ اصول بیان کر دیا ہے کہ جس سے مذہبی تنافر کی بجائے انسانوں میں باہم محبت پیدا ہو۔ عام طور پر اس اصول کو مدنظر نہ رکھنے سے مذہب کی خاطر انسان ایک دوسرے کے دشمن ہو گئے حالانکہ مذہب کی غرض یہ تھی کہ تمام انسانوں سے محبت اور آشتی ہو اس زمانہ میں عیسائیوں اور آریوں نے دوسروں کے بزرگوں کو گالیاں دینا اپنا شیوہ بنا کر باہم بغض و تنفر کا خطرناک بیج بو دیا۔ مگر مسلمانوں کو باایں ہمہ نہ چاہیئے کہ ان کے بزرگوں کو گالیاں دیں۔

نمبر ۱- اس آیت سے انکار معجزات نکالنا آیت کے صریح منطوق کے خلاف ہے اذا جاءت کا لفظ صاف بتاتا ہے کہ جس قسم کے معجزات وہ چاہتے ہیں وہ بھی ان کو مل جائیں گے مگر ایمان تو دلائل سے ہی پیدا ہوگا نہ معجزات سے۔

نمبر ۲- اللہ تعالیٰ کی طرف دلوں اور آنکھوں کے پھیرنے کی نسبت ویسی ہی ہے جیسے ازدیاد مرض کی۔ افعال انہی کے ہیں مگر نتیجہ دینے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اور ان کے افعال ہونا خود اس سے ظاہر ہے کہ لم یومنوا بہ اول مرۃ کا نتیجہ اسے بتایا پہلے ایمان نہیں لائے نتیجہ یہ ہے کہ اب کبھی ایک رائے بدلتے ہیں کبھی دوسری اور سرکشی میں بھٹکتے پھر رہے ہیں چونکہ پہلے ایمان کی طرف انھیں دلائل سے بلایا تھا اور دلائل کو انھوں نے قبول نہ کیا پھر معجزات دیئے تو کبھی ساحر کہا کبھی کاہن کہا کبھی کچھ کہا۔ یہی تقلیب افئدۃ ہے حقیقت کی طرف دلائل راہنمائی کرتے ہیں۔ معجزات محض تائیدی امور ہیں اُن سے وہ شخص کیا فائدہ اٹھائیگا جو دلائل پر غور نہیں کرتا۔

نمبر ۳- جن لوگوں نے کھلی کھلی دلائل کو رد کر دیا ہے اور معجزات کے طالب ہیں، وہ معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے جیسے دلائل سے اُنھوں نے آنکھیں بند کر لیں اور قوت متفکرہ سے کام نہ لیا۔ ایسا ہی معجزات کے وقت ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر وہ موٹے موٹے نشان بھی ظاہر ہو جائیں جو یہ مانگتے رہتے ہیں تو بھی قساوت قلبی اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ جن لوگوں نے مخالفت کی ٹھان لی ہے وہ کبھی نہ مانیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ
الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ
زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ رَبُّكَ
مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

اور اسی طرح ہم نے ہر ایک نبی کے لیے انسانوں اور جنوں میں سے شیطانوں کو دشمن بنایا، وہ دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے ہیں۔ اور اگر تیرا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے سو اُن کو چھوڑ دے اور اسے جو وہ افترا کرتے ہیں۔

وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ
مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور تاکہ اس کی طرف ان لوگوں کے دل جھکے رہیں جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور تاکہ وہ اس پر راضی ہو جائیں اور تاکہ کیے جائیں جو وہ کر رہے ہیں [1]۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ
اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ
الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ
بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

تو کیا میں اللہ کے سوائے فیصلہ کرنے والا تلاش کروں اور وہ وہی ہے جس نے تمھاری طرف واضح کتاب اتاری اور وہ جن کو ہم نے کتاب دی، جانتے ہیں کہ وہ تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ اتاری گئی ہے سو تو جھگڑنے والوں میں سے نہ ہو [2]۔

قوائے روحانی بالکل مُردہ ہو جاتے ہیں الّا ان یشاء اللہ کے لفظ آخر پر لا کر یہ بھی بتا دیا ہے کہ گو اس قسم کے معجزات سے تو نہیں مگر دراسباب سے جو اللہ تعالیٰ پیدا کر دے گا لوگ مانیں گے بھی۔ فرشتے بھی سزا کے لیے آئے اور مُردوں نے بھی ان سے کلام کیا یعنی بہت سے لوگ جو قوائے رُوحانی کے لحاظ سے مر چکے تھے اُن کو خدا نے زندہ کر کے ایک روشنی عطا کی دیکھو اگلے رکوع کی پہلی آیت کہ ایک شخص مُردہ ہو ہم اُسے زندہ کر دیں اور اُس کو نُور دیدیں تو وہ اُس کی طرح نہیں جو اندھیروں میں ہے اور یا پہلی کتابوں کی شہادت کلام موتیٰ ہے اور ہر چیز کے سامنے آ جانے سے ان کی سزا کے سب سامانوں کا اکٹھا ہو جانا مراد ہے ✦

نمبر۱۔ یہ آیت عطف ہے غرورًا پر یعنی وہ ملمع کی باتیں جو ایک دوسرے کے دل میں ڈالتے ہیں وہ محض دھوکہ دینے کے لیے ہوتی ہیں اور اس غرض کے لیے کہ عام لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے۔ اعمال کی جزا و سزا کو نہیں جانتے۔ اُن کے دل ان ملمع کی باتوں کی طرف مائل ہو جائیں اور وہ ان کو پسند کرنے لگیں اور جو بُرے کام کرتے ہیں وہ کرتے جائیں اور یا مطلب یہ ہے کہ یہ شیاطین کے پیرو ایسے ہی کام مخالفت حق کے کرنے لگیں جیسے وہ شیطان یعنی ان کے سردار خود کرتے ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیاطین صرف ان کے سردار ہیں جو پہلے خود حق کے دشمن بنتے ہیں پھر آہستہ آہستہ اپنے پیروؤں کو بھی اس پر راضی کر لیتے ہیں یہاں تک کہ وہ پیرو بھی تمام وہ شرارت کی باتیں کرنے لگتے ہیں جو اُن کے سردار کرتے ہیں ✦

نمبر۲۔ چونکہ قرآن کریم بار بار پہلے انبیاء کی شہادت کی طرف توجہ دلاتا تھا اس لیے مشرک یہ حیلہ کرتے تھے کہ یہودی یا عیسائی ہمارے اور تمھارے درمیان حَکَم بن جائیں۔ آج بھی بعض لوگ مسائل دینی میں بحث کرتے ہیں تو کہتے ہیں فلاں شخص کو حَکَم بنا لیں۔ جس کے یہ معنی ہوتے کہ اس شخص کا فیصلہ مبرّا عن الخطا ہے اس کا جواب دیا ہے کہ جب کتاب مفصّل ہے یعنی اس کے اندر دعاوی بھی ہیں اور دلائل بھی تو پھر دوسرے کو حَکَم بنانے کی کیا ضرورت ہے اس کے دعاوی اور دلائل پر غور کر کے خود ہی فیصلہ کر لو۔ یہاں مفصل سے مراد یہ نہیں کہ تمام فروعات دین اس کے اندر تفصیل سے موجود ہیں بلکہ اس مضمون جو اثبات توحید و رسالت پر ہے جس میں جھگڑا ہو رہا ہے اسی کے دعاوی اور دلائل کے کھول کر بیان کرنے کا ذکر ہے اور قرآن کریم کا مفصّل ہونا پہلی کتب کے مقابلہ پر بھی ہے کیونکہ وہ تمام اصول مذہب جو اُن کتابوں میں مجملاً بیان کیے گئے ہیں مثلاً توحید باری کی ضرورت، نبوّت، آخرت یعنی بہشت

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا
مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١١٥﴾
وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ
وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿١١٦﴾
اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ
وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿١١٧﴾
فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ
كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾
وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ
عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا
مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ
بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

اور تیرے رب کی بات سچائی اور انصاف میں کمال کو پہنچ گئی کوئی اس کی
باتوں کو بدلنے والا نہیں ہے اور وہ سننے والا جاننے والا ہے ملے
اور اگر تو اکثر ان لوگوں کی بات ماننا چلا جائے جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے
اللہ کی راہ سے گمراہ کردیں، وہ صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں اور
وہ محض اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں مٹ
تیرا رب اس کو خوب جانتا ہے جو اس کے رستے سے گمراہ ہوتا ہے اور
وہ سیدھی راہ پر چلنے والوں کو بھی رب جانتا ہے۔
سو اس سے کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اگر تم اس کی باتوں
پر ایمان لانے والے ہو۔
اور تمہارا کیا عذر ہے کہ تم اس سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا
گیا ہے اور اس نے تم کو کھول کر بتا دیا ہے وہ جو تم پر حرام کیا
سوائے اس کے جس کے لیے تم لاچار ہو جاؤ اور یقیناً بہت سے اپنی گری
ہوئی خواہشات سے لاعلمی کے ساتھ گمراہ کرتے ہیں۔ تیرا رب حد سے

اور دوزخ وغیرہ ان تمام مضامین کو قرآن کریم نے پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور آخری حصہ میں اہل کتاب کا ذکر کیا کہ وہ اس بات کے گواہ ہیں کہ محمد رسول اللہ صلعم کا نزول حق کے ساتھ ہے کیونکہ ان کی کتابوں میں آپ کی پیشگوئیاں بھی موجود ہیں اور اس تعلیم کو بھی وہ دیکھ سکتے ہیں کہ ان کی کتابوں کے مقابلہ پر کیسی اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہے ÷

نمبر ا۔ پچھلی آیت کے مضمون کو اور واضح کیا ہے۔ وہاں کتاب کو مفصل کہا تھا۔ یہاں بتایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ صدق و عدل میں یہ کتاب اس حد کمال کو پہنچ گئی ہے کہ اپنے سے باہر کسی چیز کی محتاج نہیں رہی۔ صدق میں اشارہ اس کے دعاوی کی سچائی کی طرف ہے اور عدل میں اس کی دلائل کے حق ہونے کی طرف چونکہ احکام دینی میں فروع دین اس کے اصول سے مستنبط ہوتے ہیں۔ اس لیے سارے فروع کا اس کے اندر تفصیل سے نہ ہونا خلاف اتمام نہیں کیونکہ اجتہاد سے وہ فروع درحقیقت اسی کے اندر سے اخذ کیے جاتے ہیں، ہاں اصول سب ضروری ہے کہ اس کے اندر مفصل ہوں یعنی دعاوی مع اپنے دلائل کے ہوں لا مبدل لکلماتہ میں ذکر ان ہی کلمات کا ہے جن کا ذکر تمت کلمت ربک میں ہے یعنی مراد اس سے قرآن شریف ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ کلام اس کمال کو پہنچ گیا کہ اب اس کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ یعنی کوئی شخص اس کلام کی جگہ صدق و عدل کے لحاظ سے بہتر کلام نہیں لا سکتا اور یہ دنیا کی آخری مذہبی کتاب ہے ÷

نمبر ۲۔ یہاں بتا دیا کہ پیروی علم صحیح کی کرنی چاہیئے۔ اٹکل پچو اور ظنی باتیں کرنے والے گو تعداد میں بہت ہوں مگر پیروی ان کی نہیں چاہیئے بلکہ علم کی یعنی دلائل کی کرنی چاہیئے۔ یہ ایک اصولی غلطی ہے جس میں اکثر مسلمان پڑے ہوئے ہیں کہ حق اس طرف ہوتا ہے جدھر زیادہ لوگ ہوں ÷

أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

گزرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

اور کھلے اور چھپے گناہ کو چھوڑ دو، جو لوگ گناہ کماتے ہیں اُن کو ضرور اس کے موافق بدلہ دیا جائے گا، جو وہ کماتے ہیں ۱؎

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

اور اس سے مت کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، اور یہ یقیناً نافرمانی ہے اور بیشک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں کہ وہ تم سے جھگڑتے رہیں اور اگر تم ان کی بات مانوگے تو یقیناً تم مشرک ہو ۲؎

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور کیا وہ جو مُردہ تھا پھر ہم نے اُسے زندہ کر دیا اور اُسے روشنی دی جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلے، اس شخص کی مانند ہے جس کی مثال یہ ہے کہ وہ اندھیرے میں ہے اس سے نکلتا نہیں اسی طرح کافروں کو وہ کام اچھے معلوم ہوتے ہیں جو وہ کرتے ہیں ۳؎

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ

اور اسی طرح ہم نے ہر ایک بستی میں اس کے بڑے بڑے مجرموں کو بنایا تاکہ وہ اس میں منصوبے کریں اور وہ منصوبے نہیں کرتے مگر اپنی ہی

نمبر۱- غذاؤں کی حلّت وحرمت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے بتا دیا کہ کھلے اور چھپے دونوں گناہوں سے بچو۔ یہ نہ ہو کہ باطنی احکام کی طرف متوجہ ہو تو احکام ظاہری کی پروا نہ کرو یا کھلے گناہوں سے بچو تو مخفی طور پر ان کا ارتکاب کر لو۔

نمبر۲- یہ آیت اس بات کو بالصراحت بیان کرتی ہے کہ جس چیز پر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا کھانا جائز نہیں۔ پس ذبیحہ اہل کتاب اسی حد تک جائز ہے کہ وہ اس پر خدا کا نام لیں۔

نمبر۳- اسلام کے خلاف منصوبہ بازی کرنے والوں کے انجام کا ذکر کرتے ہوئے پہلے بتایا کہ اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ساتھ ان لوگوں کو جن کے قوائے روحانی مرچکے ہیں کس مقام پر پہنچائے گا۔ وہ نہ صرف ان کو زندگی عطا فرمائے گا بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ ان کو ایک نور بھی عطا فرمائے گا اور وہ بھی صرف اپنی ذات کے لیے نہ ہوگا بلکہ دوسرے لوگوں میں اس کو لے کر چلیں گے یعنی اوروں کو بھی فائدہ پہنچائیں گے۔ یہ آنحضرت صلعم کی قوتِ قدسی کا کمال تھا جس نے مُردگی کی حالت سے اُٹھا کر ایسے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیا۔ اس کے بالمقابل اُن لوگوں کا ذکر کیا جو تاریکی میں رہتے ہیں اور نور ایمان سے متمتع نہیں ہوتے اور پھر اس تاریکی سے اس قدر پیار کرتے ہیں کہ اس میں سے باہر نہیں نکلتے۔ گویا ان کو اپنے بدعمل ہی بھلے معلوم ہونے لگتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہاں میّت کے معنے کافر ضال۔ احیاء سے مراد ہدایت۔ نُور سے قرآن مروی ہے۔

اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾	جانوں کے ضرر کے لیے اور وہ محسوس نہیں کرتے ۔[1]
وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿١٢٤﴾	اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ ہم کو اس کی مثل دیا جائے جو اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ کہاں اپنی رسالت کو رکھے ۔[2] ان لوگوں کو جنہوں نے جرم کیے اللہ کی طرف سے ذلّت اور سخت عذاب پہنچ کر رہے گا ، اس لیے کہ وہ منصوبے کرتے تھے ۔
فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢٥﴾	سو جسے اللہ ارادہ کرتا ہے کہ ہدایت دے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے[3] اور جس کے لیے ارادہ کرتا ہے کہ اس کو گمراہی میں چھوڑ دے اس کا سینہ تنگ گھٹا ہوا کر دیتا ۔ ہے گویا وہ اوپر کو چڑھ رہا ہے ، اسی طرح اللہ ان لوگوں پر ناپاکی رہنے دیتا ہے ، جو ایمان نہیں لاتے ۔
وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾	اور یہ تیرے رب کا سیدھا رستہ ہے ہم نے باتیں اُن لوگوں کے لیے کھول کر بیان کر دی ہیں جو نصیحت حاصل کرتے ہیں ۔
لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٧﴾	ان کے لیے ان کے رب کے ہاں سلامتی کا گھر ہے اور وہی ان کا دوست ہے ان (اعمال) کی وجہ سے جو وہ کرتے تھے ۔

نمبر۱۔ یعنی جس طرح ان کو اپنے بدعمل بھلے معلوم ہونے لگتے ہیں اسی طرح پھر اُن کو حق کے خلاف منصوبہ بازی سوجھتی ہے ۔ تاریکی سے پیار کرنے والے کبھی روشنی کو قبول نہیں کرتے اس لیے جب وہ نور دنیا میں آتا ہے اس کے بجھانے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں مگر مآل ان منصوبہ بازیوں کا اپنا ہی نقصان ہوتا ہے ۔

نمبر۲۔ آیت سے مراد بیان عام ہے کوئی حکم الٰہی ، کوئی شریعت یا کوئی رسول آتا ہے تو بجائے اس کے کہ ایک حق بات کو قبول کریں یہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ پیغامبری کا منصب ہم کو کیوں نہ ملا ۔ دوسری جگہ آتا ہے ۔ بل یرید کل امرئ منھم ان یؤتی صحفا منشرۃ (المدثر ۔ ۵۲) اس کا جواب دیا ہے کہ خدا پیغامبری کے منصب پر ہر کس و ناکس کو ممتاز نہیں فرمایا کرتا ۔ تاریکی کے فرزندوں کو وہ پیغامبری ؛ بدے تو پھر دنیا کی اصلاح کیا ہو ۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا پیغمبر جن لوگوں کو بناتا ہے وہ اس منصب کے لیے خاص اہلیت رکھتے ہیں جس سے دوسرے عاری ہوتے ہیں ۔ اسی سے عصمت انبیاء پر بھی دلیل پیدا ہوتی ہے اور اس بات پر بھی کہ منصب رسالت کسی کو کوشش سے یا دُعا سے نہیں ملتا ۔ بلکہ یہ ایک امر وہبی ہے جسے خدا چاہتا ہے دیتا ہے ۔

نمبر۳۔ شرح کے اصل معنی بسط یا پھیلانا ہیں اور شرح صدر کے معنی راغب نے کیے ہیں ۔ الٰہی نور اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینت اور اطمینان کے ساتھ قلب میں وسعت پیدا ہو جانا ۔

وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ	اور جس دن ان سب کو اکٹھا کرے گا ، اے جنوں کے گروہ تم نے
قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ	انسانوں میں سے بہت سے لے لیے [1] اور انسانوں میں سے ان کے دوست
مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ	کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا
وَّ بَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ	اور ہم اپنی میعاد کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کی تھی - کہیگا آگ
مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ	تمہارا ٹھکانا ہے اسی میں رہو گے ، مگر جو اللہ چاہے بے شک تیرا
اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝۱۲۸	رب حکمت والا علم والا ہے [2]
وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا	اور اسی طرح ہم ظالموں کو ایک دوسرے کا دوست بنا دیتے ہیں
بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۱۲۹ ع	بہ سبب اس کے جو وہ کماتے ہیں -
يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ	اے جنوں اور انسانوں کے گروہ کیا تمہارے پاس تم میں سے
رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ	رسول نہ آئے تھے جو تمہارے اوپر میری آیات کو بیان

یہ منشا نہیں کہ خدا نے دو قسم کے انسان پیدا کیے ہیں اور بعض کا سینہ کھلا اور بعض کا تنگ پیدا کیا ہے بلکہ یہ بتانا مراد ہے کہ امر حق کافر کو ایک پہاڑ کی طرح نظر آتا ہے - حالانکہ فی الحقیقت وہی باتیں جن سے اس کے سینہ میں اتنی تنگی پیدا ہوتی ہے سینے کے کھولنے والی ہیں اور ان سے انسان کے اخلاق وسیع ہوتے ہیں - کافر کا سینہ بوجہ اپنے کفر کے تنگ ہوتا ہے بالفاظ دیگر تنگی کفر کا نتیجہ ہے - کفر تنگی کا نہیں -

نمبر ۱ - جن وہ نوع ہے جس کو انسان کی آنکھ دیکھ نہیں سکتی اور وہ اس سے پوشیدہ ہے - اسی نوع میں سے قرآن شریف نے ابلیس کو قرار دیا ہے - اور شیطان بھی دو طرح کے بتائے ہیں شیاطین الانس والجن - یعنی ایک انسانوں میں سے اور ایک جن میں سے - لیکن تبریزی نے شرح حماسہ میں لکھا ہے کہ عرب کے لوگ ایسے شخص کو جو معاملات میں تیز اور زود رس ہو ، جنّ کہہ دیتے تھے اور اشعار جاہلیت میں جنّ کا استعمال انسانوں پر ہوا ہے - یہاں جنّ سے کیا مراد ہے - ایک تو کہا ہم ایک دوسرے سے فائدہ اُٹھاتے رہے - انسان ایک دوسرے سے فائدہ اُٹھاتے ہیں مگر وہ غیر مرئی ہستیاں انسانوں سے اور انسان اُن غیر مرئی ہستیوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے - دوسرے اگلے رکوع کے شروع میں جنوں اور انسانوں کا ایک ہی معشر فرمایا اور معشر لغت کی رُو سے وہ جماعت ہے جن کا معاملہ ایک ہو کل جماعة امرھم واحد اگر الگ نوع والے جنّ یہاں مراد ہوتے تو انسانوں کے ساتھ انھیں ایک معشر قرار نہ دیا جاتا - پھر فرمایا کہ جنوں اور انسانوں کے پاس انہی میں سے رسول آئے - اب ظاہر ہے کہ وہ غیر مرئی ہستیاں ایک الگ نوع ہیں - ان کے پاس انسانوں میں سے رسول نہ آسکتے تھے - مگر جہاں تک قرآن کریم نے رسولوں کا ذکر کیا ہے وہ سب انسان رسول ہی ہیں اور بنی آدم کے ساتھ ہی وعدہ تھا کہ اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم آیاتی (اعراف - ۳۵) اور ان غیر مرئی ہستیوں کو بھی یہ رسول یا ان کے پیرو ہی مسلمان کرتے ہیں - جیسا حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ میرا شیطان مسلمان ہوگیا - پس یہاں جنوں سے مراد وہ انسان ہیں جو جنوں کی طرح ہیں - وہی لوگ جن کو شروع میں اکابر کہا ہے -

اور بڑے لوگ اس لیے جنّ کہلا سکتے ہیں کہ وہ عوام الناس کی نظروں سے عموماً چھپے رہتے ہیں ان کو شیاطین کہنا سب مفسرین کے نزدیک مسلّم ہے - پس جنّ کہہ دینے میں کوئی ہرج نہیں -

نمبر ۲ - حالانکہ یہاں صاف کفار کا ذکر ہے - مگر جہنم میں ان کے رہنے کے ساتھ ایک استثناء بھی موجود ہے الا ما شاء اللہ یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اس حالت سے انھیں باہر بھی نکال دے -

وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

کرتے اور اس تمھارے دن کی ملاقات سے تم کو ڈراتے تھے کہیں گے، ہم اپنی جانوں کے خلاف گواہی دیتے ہیں۔ اور ان کو دنیا کی زندگی نے دھوکا دیا اور وہ اپنی جانوں کے خلاف گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے [1]

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

یہ اس لیے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم کے ساتھ ہلاک کرنے والا نہیں حالانکہ ان کے رہنے والے بے خبر ہوں [2]

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور سب کے لیے درجے ہیں اس کے مطابق جو انھوں نے عمل کیے اور تیرا رب اس سے بے خبر نہیں جو وہ کرتے ہیں۔

وَرَبُّكَ الْغَنِىُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾

اور تیرا رب بے نیاز رحمت والا ہے، اگر چاہے تم کو لے جائے اور تمھارے بعد جن کو چاہے تمھارا جانشین بنا دے، جیسا تمھیں ایک اور قوم کی نسل سے پیدا کیا۔

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

جس کا تمھیں وعدہ دیا جاتا ہے وہ یقیناً آنے والا ہے اور تم اسے عاجز کرنے والے نہیں [3]

نمبر۱۔ اس آیت کے جنوں کو نوع انسانی کے جن نہ قرار دینے سے مفسرین کو یہ مشکل پیش آئی ہے کہ آیا جنوں میں علیحدہ جن رسول آئے۔ ظاہر ہے کہ یہاں منکم سے مراد یہ نہیں ہو سکتی کہ جنوں میں سے جن اور انسانوں میں سے انسان رسول آئے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جس نوع کے لیے رسول بھیجا ہے وہ اس نوع میں سے بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب انسان یہ کہتے ہیں کہ ملک یعنی فرشتہ ان کی طرف رسول کیوں نہ بھیجا گیا تو اس کا جواب یہ دیا کہ اگر زمین میں فرشتے آباد ہوتے تو فرشتہ ان کی طرف رسول بھیجا جاتا قل لو کان فی الارض ملٰئکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السّمآء ملکا رسولا (بنی اسرائیل۔ ۹۵) یہ آیت اس بات پر قطعی شہادت ہے کہ ایک نوع دوسری نوع کی طرف رسول نہیں ہو سکتی اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ رسول صرف احکام پہنچانے والا نہیں بلکہ ان احکام پر عمل کرکے دکھانے والا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فرشتہ انسان کے لیے نمونہ نہیں ہو سکتا۔ ایسے ہی انسان جنوں کے لیے نمونہ نہیں ہو سکتا اور جس طرح ملک انسانوں کے لیے رسول کا کام نہیں دے سکتا۔ انسان جنوں کے لیے رسول کا کام نہیں دے سکتا پس جنوں اور انسانوں کو ایک معشر قرار دیکر پھر ان میں سے رسول بھیجنے کا ذکر صاف بتاتا ہے کہ ایک ہی نوع کا یہاں ذکر ہے اور اس دوسری نوع کا ذکر نہیں جو غیر مرئی ہستیاں ہیں۔

نمبر۲۔ یعنی رسولوں کے بھیجنے کی غرض یہ تھی کہ بے خبری میں لوگ ہلاک نہ ہوں اُن کے فرائض سے اُن کو آگاہ کرنے والا کوئی ہو۔ اور یوں بھی ان الفاظ کے معنی ہو سکتے ہیں کہ محض لوگوں کے ظلم یعنی کفر یا شرک کی وجہ سے یا عقائد کی غلطی کی وجہ سے انھیں ہلاک نہیں کیا جب تک پہلے رسول بھیج کر تنبیہ نہیں کر دی۔

نمبر۳۔ نیکی کا نتیجہ اچھا اور بدی کا نتیجہ بُرا ہونے پر جس قدر یقین اور وثوق نبی کریم صلعم کے قلب مبارک میں تھا۔ اس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ ایک طرف دشمنوں کی طرف سے تکلیف پر تکلیف پہنچتی ہے اور یہ زمانہ آپ کی انتہائی بیکسی کا ہے مگر کس قدر یقین حق کی آخری کامیابی پر ہے

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ
عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ
عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۱۳۵

اے میری قوم تم اپنی طاقت کے مطابق عمل کرتے جاؤ، میں بھی عمل کرنے والا ہوں پھر تم کو معلوم ہو ہی جائے گا کہ کس کے لیے اس گھر کا (بہتر) انجام ہے۔ ہاں ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ
نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا
لِشُرَكَاۗىِٕنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَاۗىِٕهِمْ فَلَا يَصِلُ
اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى
شُرَكَاۗىِٕهِمْ ۭ سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۱۳۶

اور کھیتی اور چارپایوں سے جو اس نے پیدا کیے ہیں اللہ کے لیے حصّہ ٹھیراتے ہیں اور کہتے ہیں یہ اللہ کے لیے ہے ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے ہے سو جو اُن کے شریکوں کے لیے ہوتا ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو اللہ کے لیے ہوتا ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچ جاتا ہے۔ بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں ۱؎

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ
قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَاۗؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ
وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا
فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۱۳۷

اور اسی طرح بہت سے مشرکوں کے لیے اُن کی اولاد کا قتل کرنا اُن کے شریک اچھا کر دکھاتے ہیں، تاکہ وہ انھیں ہلاک کردیں اور ان کا دین اُن پر غلط کردیں اگر اللہ چاہتا تو ایسا نہ کرتے۔ سو اُن کو اور جو وہ افترا کرتے ہیں چھوڑ دے ۲؎

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ڰ لَّا

اور کہتے ہیں یہ چارپائے اور کھیتی منع ہے۔ اس کو کوئی نہیں

کہ ایک پہاڑ میں جنبش آسکتی ہے مگر اس یقین کو جنبش دینے والی کوئی چیز نہیں +

نمبر۱۔ مشرکانہ رسوم اس قوم کے روزمرّہ کے افعال کے اندر داخل ہو کر قومی خون کے اندر رچ گئی تھیں اور ان رسوم کا ان سے دُور کرنا اور سیکڑوں سالوں کی عادات قومی کو بدل دینا کسی انسان کی طاقت میں نہ تھا۔ یہ کمال محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت قدسی کو ہی دیا گیا کہ تمام رسوم کو چند سال کے عرصہ میں ایسا دور کیا کہ ان کا کہیں نام و نشان بھی نہ رہا۔ خیرات کے لیے جو حصّہ الگ کرتے اس میں سے ایک حصّہ اللہ کے نام پر رکھتے اور مہمانوں مساکین وغیرہ پر خرچ کرتے اور ایک حصّہ بتوں کے لیے جو کاہنوں اور بتوں کے مجاوروں کو دیتے پھر طرح طرح کی تجویزوں سے اس حصّہ کو جو خدا کے لیے ہوتا، بتوں پر صرف کر دیتے۔ مثلاً اگر دیکھتے کہ جو حصّہ اللہ کے لیے مقرر کیا ہے وہ عمدہ حالت میں ہے تو اسے بھی بتوں کا چڑھاوا بنا دیتے۔ یا کچھ غلط واقع ہو جاتا تو سارا بتوں کا چڑھاوا قرار دیدیتے۔ آج مسلمانوں کے چندے خیراتی کاموں کے لیے اسی رنگ میں رنگین ہیں وعدہ کرلیتے ہیں مگر اپنی ضروریات آئیں تو جو حصّہ خدا کے لیے دینا کیا ہے اُسے بھی وہیں خرچ کرلیتے ہیں اور یوں کبھی نہیں ہوتا کہ اپنی ضروریات کو کاٹ کر اللہ تعالیٰ کے لیے دیں۔ الّا ماشاء اللہ۔

نمبر۲۔ قتل اولاد۔ ایک تو بیٹیوں کا زندہ گاڑ دینا تھا۔ اس صورت میں شرکاؤھم سے مراد اُن کے اکابر ہوں گے جو ایک جھوٹی غیرت کی وجہ سے بیٹیوں کو زندہ نہ رہنے دیتے تھے۔ انہی کا تتبع عوام الناس کرنے لگے اور علاوہ ازیں ان میں یہ بھی رسم تھی کہ جب بیٹوں کی تعداد دس تک پہنچ جائے تو ایک کو بتوں کا چڑھاوا چڑھا دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ عبدالمطلب نے کیا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کو بت پر چڑھاوے کے طور پر ذبح کرنے کے لیے چڑھایا اور آخر ایک سو اونٹ آپ کی جگہ دیا۔ اسی لیے رسول اللہ صلعم نے فرمایا انا ابن الذبیحین میں دو ذبیحوں کا بیٹا یعنی ایک حضرت اسمٰعیلؑ اور دوسرے آپ کے والد عبداللہ۔ اور قتل اولاد سے مراد یہ بھی ہوسکتی ہے کہ ان کی پرورش ظلم شرک جہالت میں کرنے جیسا کہ امام راغب نے لا تقتلوا اولادکم

يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَ اَنْعَامٌ
حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَ اَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ
اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ
بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

کھا سکتا، مگر وہ جس کو ہم چاہیں، ان کے خیال میں اور چارپائے جن
کی پیٹھوں (پر چڑھنے) کو حرام کر دیا گیا ہے اور چارپائے جن پر اللہ کا نام
نہیں لیتے اس پر افترا کرتے ہوئے وہ ان کو اُس کا بدلہ دیگا
جو وہ افترا کرتے تھے۔

وَ قَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ
لِّذُكُوْرِنَا وَ مُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَ اِنْ
يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ
وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾

اور کہتے ہیں جو کچھ ان چارپایوں کے پیٹوں میں ہے وہ خالص
ہمارے مردوں کے لیے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر وہ
(بچہ) مرا ہوا ہو تو وہ سب اس میں شریک ہوتے ہیں، وہ اُن کو اُن کے
بیان کا بدلہ دیگا وہ حکمت والا علم والا ہے ملہ

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا
بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ حَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً
عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ ع

بیشک وہ گھاٹے میں ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو بے وقوفی سے
لاعلمی میں قتل کر دیا اور جو اللہ نے ان کو رزق دیا تھا اس کو اللہ پر افترا
کر کے حرام کر دیا۔ بیشک وہ گمراہ ہوئے اور وہ ہدایت پانے والے نہیں ملہ

وَ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَيْرَ
مَعْرُوْشٰتٍ وَّ النَّخْلَ وَ الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا
اُكُلُهٗ وَ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ غَيْرَ
مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَ
اٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَ لَا تُسْرِفُوْا ؕ
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

اور وہی ہے جس نے باغ پیدا کیے ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے اور نہ
چڑھائے ہوئے اور کھجوریں اور کھیتی اس کے پھل مختلف ہیں۔ اور
زیتون اور انار، ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور نہ
ملتے جلتے۔ اس کے پھل سے کھاؤ جب وہ پھل لائے اور
اس کے کاٹنے کے دن اس کا حق دو اور بے جا خرچ نہ کرو،
وہ بے جا خرچ کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا ملہ

من املاق (۱۵۲) میں لکھا ہے۔ قیل ان ذٰلک نہی عن شغز الاولاد بما یصدّہم عن العلم۔
نمبر۱۔ یہ تمام مشرکانہ رسوم عرب میں مروج تھیں مگر اسلام نے ایسا ان رسوم سے ملک کو پاک کیا کہ پھر ان میں سے کسی رسم کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔
یوں اسلام نے صرف عقیدتاً توحید نہیں پھیلائی بلکہ ان کی عملی زندگی میں سے ہر ایک قسم کے شرک کو دور کیا۔ آج بھی مسلمان گھروں سے مشرکانہ رسوم کے دور کرنے کی ضرورت ہے
نمبر۲۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل اولاد سے مراد اُن کی جہالت اور مشرکانہ رسوم میں پرورش کرنا ہے۔
نمبر۳۔ معروش کے معنی ٹٹی پر چڑھایا ہوا اور معروشات سے مراد انگور وغیرہ ہیں جن کو کسی سہارے کی ضرورت [illegible] دشمات وہ خود اپنے
تنہ پر کھڑے ہوتے ہیں۔
مسرف دو طرح پر ہے ایک یہ کہ ضرورت سے زیادہ خرچ کرے۔ دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باہر خرچ کرے خواہ قلیل ہی ہو رسوم [illegible]

وَ مِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّ فَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

اور چار پایوں میں سے جو اٹھائے جاتے ہیں اور جن پر سوار ہوتے ہیں اس سے کھاؤ جو تم کو اللہ نے رزق دیا ہے اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے ملہ

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

آٹھ نر اور مادہ، دو بھیڑوں میں سے، اور دو بکریوں میں سے۔ کہہ، کیا دونوں نر حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ، یا وہ جو دونوں مادہ کے رحموں میں ہے؟ مجھے علم کے ساتھ خبر دو اگر تم سچے ہو۲ؔ

وَ مِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَ مِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

اور اونٹوں میں سے دو، اور گایوں میں سے دو۔ کہہ، کیا دونوں نر حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ، یا وہ جو دونوں مادہ کے رحموں میں ہے؟ یا تم گواہ تھے جب اللہ نے تم کو یہ حکم دیا۔ پس اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے تاکہ بے علمی سے لوگوں کو گمراہ کرے، اللہ ظالم قوم

پر جو خرچ کیا جاتا ہے وہ سب طاعۃ اللہ سے باہر ہونے کی وجہ سے اسراف میں داخل ہے۔

اوّل نباتات میں جو اللہ تعالیٰ کی نعماء میں ان کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس میں حق صرف خالق کا ہو سکتا ہے اس کے سوا اور کسی کا حق نہیں اور وہ حق زکوٰۃ ہے۔ مشرک نباتات یعنی کھیتیوں میں اور چار پایوں میں بتوں کے حقوق مقرر کرتے تھے۔ خود کھانے کا ذکر ترتیب طبعی کے لحاظ سے پہلے رکھا ہے ۔

نمبر۱۔ حمولۃ حمل سے ہے جس کے معنی اٹھانا ہیں۔ راغب نے اس کے معنی کیے ہیں مَا یُحْمَلُ جو خود اُٹھایا جائے یعنی چھوٹا۔

فراش ۔ فرش کے معنی بچھانا ہیں اور زمین کو فراش کہا ہے کہ اس پر انسانوں کا استقرار ہے فرش کے معنی ما یفرش ہیں اور اس سے مراد ما یرکب ہے یعنی جس پر سواری کی جائے ۔ گزشتہ رکوع کی مشرکانہ رسوم کا ابطال کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان جانوروں کا پیدا کرنے والا خدا تعالیٰ ہے نہ تمھارے بُت۔ پس اللہ تعالیٰ نے جس کام کے لیے انھیں پیدا کیا ہے وہ کام ان سے لو حمولۃ اور فرش کے معنی میں بہت سا اختلاف ہے۔ میں نے راغب کے معنوں کو ترجیح دی ہے اس لیے کہ اگلی آیات میں اس ترتیب سے ان جانوروں کا ذکر کیا۔ پہلے چھوٹے اور پھر بڑے ۔

نمبر۲۔ زوج ۔ نر اور مادہ میں سے ہر ایک دوسرے کا زوج کہلاتا ہے پس آٹھ ازواج سے مراد ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ لے کر کل تعداد آٹھ ہے جیسا کہ آگے خود تقسیم کرکے بتایا ہے۔ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نہ نر کو حرام کیا ہے نہ مادہ کو نہ ان کے بچوں کو مشرک بعض وقت نر کو بتوں کا چڑھاوا قرار دے کر اُن سے کام لینا حرام سمجھتے تھے۔ بعض وقت مادہ کو اور جیسا کہ پچھلے رکوع میں ذکر ہے۔ بعض وقت جو بچہ پیٹ میں ہو اُسے مردوں کے لیے حلال اور عورتوں کے لیے حرام قرار دیتے تھے۔ اس لیے نر اور مادہ کا الگ الگ ذکر کیا۔

يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

کو ہدایت نہیں کرتا۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾

کہہ، میں اس میں جو میری طرف وحی کی گئی ہے کسی چیز کو جو کوئی کھانے والا کھائے حرام نہیں پاتا، سوائے[1] اس کے کہ مُردا ہو یا خون گرایا گیا، یا سؤر کا گوشت، کیونکہ یہ (سب) ناپاک ہیں یا وہ نافرمانی ہو کہ اس پر اللہ کے سوائے دوسرے کا نام پکارا گیا ہو۔ پھر جو کوئی لاچار ہو جائے نہ خواہش کرنیوالا نہ حد سے بڑھنے والا تو تیرا رب بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۱۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

اور اُن پر جو یہودی ہیں ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کیے تھے اور گایوں اور بھیڑ بکری سے ہم نے ان کی چربی حرام کی تھی، سوائے اس کے جو اُن کی پیٹھ پر یا انتڑیوں پر لگی ہو یا ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو۔ یہ ہم نے اُن کو اُن کی بغاوت کی وجہ سے سزا دی تھی اور یقیناً ہم سچے ہیں ۲۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

پھر اگر وہ تجھے جھٹلائیں تو کہہ، تمھارا رب وسیع رحمت والا ہے۔ اور اس کی سزا مجرم قوم سے نہیں ٹلتی۔

نمبر۱۔ جب مشرکانہ رسوم کا ذکر ہوا جن کی رُو سے حلال چیزوں کو حرام کیا جاتا تھا۔ تو یہ بھی بتا دیا کہ وحی الٰہی کس چیز کو حرام ٹھہراتی ہے لا اجد فیما اوحی الی بتاتا ہے کہ یہاں اشارہ سورہ نحل کی طرف ہے جو بلحاظ نزول سورۂ انعام سے پہلے کی ہے اور سب سے پہلے اسی میں غذاؤں کی حرمت و حلت کا ذکر آیا ہے۔ یہاں زائد یہ بیان کر دیا ہے کہ پہلی تین یعنی مردار اور خون جو بہ گیا ہو اور سؤر کا گوشت یہ تینوں اپنی ناپاکی کی وجہ سے حرام کیے گئے ہیں اور یہ وہ مضرات ہیں جو انسان کے جسم پر اور اس کے اخلاق پر بُرا اثر پیدا کرتے ہیں اور ما اھل بہ لغیر اللہ کو ان تینوں سے الگ کر کے اُسے فسق قرار دیا گیا ہے کیونکہ اس کی ناپاکی اصلی نہیں بلکہ وہ محض خدا کے حکم کی نافرمانی ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ غذاؤں تک میں مشرکانہ رسوم کی بیخکنی کر دی جائے اور دوسرے جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینے میں یہ اشارہ ہے کہ ہم ایک جان کو اللہ کے حکم کے ماتحت لیتے ہیں کہ اس نے اسے اسی غرض کے لیے پیدا کیا۔

نمبر۲۔ ذی ظفر۔ ظفر، انسان اور اس کے غیر دونوں پر بولا جاتا ہے اور ذی ظفر سے مراد ذی مخالب ہیں یعنی پنجہ والے۔ بہائم اور پرندوں میں سے وہ جن کی انگلیاں پھٹی ہوئی نہ ہوں جیسے اونٹ اور شتر مرغ اور بطخ۔ مطلب یہ ہے کہ یہودیوں پر جو ان ممنوعہ غذاؤں یعنی سؤر وغیرہ سے علاوہ کچھ حرام کیا گیا تھا تو یہ ان کی شرارتوں کی وجہ سے ایک وقتی سزا تھی۔ یعنی ان کے مادہ سرکشی کو کم کرنے کے لیے بعض چیزوں سے انھیں بطور سزا محروم کر دیا گیا۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿١٤٨﴾

جنھوں نے شرک کیا ، اب وہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کوئی چیز حرام کرتے ، اسی طرح وہ لوگ جھٹلاتے رہے جو ان سے پہلے تھے۔ یہاں تک کہ ہماری سزا کا مزا چکھا۔ کہہ ، کیا تمھارے پاس کوئی علم ہے تو اس کو ہمارے لیے نکالو تم صرف ظن کی پیروی کرتے ہو اور تم نری اٹکلیں دوڑاتے ہو۔[1]

قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٤٩﴾

کہہ دے ، تو اللہ کی دلیل ہی فیصلہ کن ہے ، سو اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیتا۔[2]

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَكُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَٰذَا ۖ فَإِن شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُم بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ﴿١٥٠﴾ ع

کہہ ، اپنے وہ گواہ لاؤ ، جو یہ گواہی دیں کہ اللہ نے اس کو حرام کیا ہے۔ پھر اگر یہ خود گواہی دیں تو تو ان کے ساتھ گواہی نہ دے اور ان لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کر ، جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور ان کی جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور وہ (دوسروں کو) اپنے رب کے برابر ٹھیراتے ہیں۔[3]

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ

کہہ ، آؤ میں پڑھ کر سناؤں جو تمھارے رب نے حرام کیا ہے تم پر

نمبر۱- جب ہر قسم کے دلائل ابطالِ شرک کے ہو چکے تو اب ان کے آخری عذر کا فیصلہ کرتا ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو ہم ایسا نہ کرتے ۔ مطلب یہ کہ ہمارا شرک بھی مشیت الٰہی سے ہے۔ اس کا جواب کئی طرح پر دیا ہے۔ اوّل یہ کہ یہ محض تکذیب ہے۔ پہلے لوگ بھی اسی طرح کے بودے عذر بنا کر انبیاء کو جھٹلاتے رہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا یہ منشا ہوتا کہ انسان شرک کریں تو پھر وہ شرک کی وجہ سے عذاب کیوں بھیجتا۔ دوسرا جواب اسی کے اندر ہے کہ اگر تم ایسے مسلوب الاختیار ہو تو پھر تکذیب کیوں کرتے ہو۔ حق کے قبول کرنے میں مسلوب الاختیار بنتے ہیں اس کی تکذیب کے وقت نہیں بنتے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ کوئی علم پیش کرو کیونکہ اگر الٰہی منشا یہ ہوتا کہ لوگ شرک کیا کریں گو اس کی تعلیم بذریعہ انبیاء بھی یہی ہوتی مگر کسی نبی کی تعلیم شرک کی طرف نہیں بلاتی اور آخر پر بتایا کہ یہ تمھاری باتیں نرے ظن اور اٹکلوں پر مبنی ہیں۔ حالانکہ پیغمبر جو ابطالِ شرک کرتا ہے وہ یقینی علم کی بنیاد پر کرتا ہے۔

نمبر۲- پہلے دلائل کے بعد ایک فیصلہ کن دلیل اور پیش کی کہ اگر مشیت نے انسان کو کسی بات پر مجبور کرنا ہوتا تو ہدایت پر مجبور کیا جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق اس کے قوانین کی فرمانبرداری پر مجبور ہے اور اللہ تعالیٰ بذریعہ انبیاء بھی ہدایت ہی بھیجتا ہے اگر اس کی مشیت انسانوں کو مجبور کرنا ہوتی تو وہ ہدایت پر مجبور کرتا نہ شرک پر۔

نمبر۳- ان سے گواہ وہ طلب کیے تھے جو یہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام کیا ہے یعنی کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصلح ایسا آیا ہو جس نے یہ کہا ہو۔ لیکن چونکہ ایسا گواہ وہ کوئی پیش نہیں کر سکتے۔ اس لیے فرمایا کہ اگر بجائے دوسرا گواہ پیش کرنے کے یہ اپنے آپ کو پیش کریں تو تم ان کے ساتھ گواہی نہ دو۔ یعنی ان کی گواہی قابلِ قبول نہیں کیونکہ یہ تکذیب کرنے والے ہیں۔

اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ
وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ
نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ
مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ
الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ
بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١٥١﴾

واجب ہے کہ تم اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو اور ماں باپ
کے ساتھ احسان کرو اور اپنی اولاد کو مفلسی کی وجہ سے قتل نہ کرو، ہم
تم کو رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی اور بے حیائی کی باتوں کے قریب
مت جاؤ جو ان میں سے ظاہر ہوں اور جو چھپی ہوئی ہوں اور اس جان
کو جسے اللہ نے حرام ٹھیرایا ہے قتل نہ کرو مگر حق پر اس کا تم کو حکم دیتا
ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔[1]

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ
اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ
وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا
وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ
ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ
بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٥٢﴾

اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ، مگر اس طریق سے
جو بہت اچھا ہو، یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے
اور ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو، ہم کسی جی کو مکلف نہیں
کرتے مگر اس کی وسعت کے مطابق اور جب تم بات کہو تو عدل کرو اگرچہ قریبی
ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔ اس کا تم کو حکم دیتا ہے
تاکہ تم نصیحت پکڑو۔[2]

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ

اور کہ یہ میرا راستہ سیدھا ہے سو اس کی پیروی کرو[3]

نمبرا۔ ہر قسم کے شرک کی بلکہ اس کے ساتھ ہی مشرکانہ رسوم کی تردید کر کے اب اس رکوع میں بتایا ہے کہ توحید کو قبول کرنا محض ایک عقیدہ کا مان لینا نہیں بلکہ خاص اصول پر اپنی زندگی کو چلانے کا نام ہے۔ چنانچہ اول خلاصہ کے طور پر ہر قسم کے شرک کا ابطال یوں کیا کہ کسی چیز کو مسیح ہو یا ملائکہ یا بُت ہوں یا اور چیزیں ہوں یا اہرمن ہو خدا کے ساتھ شریک مت ٹھہراؤ اور اس کے ساتھ ہی دوسرے احکام کا ذکر کیا جو انسان کی عملی زندگی کے لیے ہیں گویا بتایا کہ شرک سے بچنا یہی ہے کہ صحیح اصول زندگی پر عمل پیرا ہو۔ ان میں سب سے پہلے والدین کے حقوق کی طرف توجہ دلائی۔ پھر اولاد کے قتل اولاد سے یہاں بعض نے مراد عزل وغیرہ سے بیج ضائع کرنا لیا ہے اور بعض نے لڑکیوں کا زندہ گاڑنا مگر سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد یہ ہے کہ اولاد کو علم وغیرہ سے محروم مت کرو کیونکہ اکثر لوگ محض اس خیال سے اولاد کو تعلیم نہیں دیتے کہ ہم مفلس ہیں یا مفلس ہو جائیں گے۔ مفلسی کے خوف سے لڑکیوں کو نہ مارتے تھے گویا والدین کے حقوق کے مقابل اولاد کے حقوق یہ بیان کیے کہ ان کو اچھی تعلیم و تربیت دی جائے پھر ہر قسم کی بیحیائی کی باتوں سے روکا خوا۔ ان کا اثر دوسرے پر نہ پہنچتا ہو اور بدترین بیحیائی زنا ہے جس سے نسل انسانی کی افزائش پر بھی بُرا اثر پڑتا ہے۔ پھر بقائے نسل انسانی میں جو سب سے بڑی ضرورت ہے یعنی حفاظت جان اس کی طرف توجہ دلائی۔ ایک رنگ میں یہ دونوں باتوں کا تعلق حفاظت جان سے ہے۔

نمبر۲۔ اس آیت میں حفاظت مال کی طرف توجہ دلائی ہے۔ سب سے پہلے یتیم کے مال کی حفاظت کی پھر ماپ اور تول کو ٹھیک رکھنے کا حکم دیا۔ پھر حقوق اور ذمہ داریوں کی ادائیگی میں انصاف کا حکم دیا اور بالآخر اللہ کے عہد کی طرف توجہ دلا کر تمام احکام شریعت کی طرف توجہ دلائی۔ اس کا خاتمہ نصیحت پر کیا کیونکہ لوگ مال کے معاملہ میں یا شہادت کے ادا کرنے میں خدا کو یاد نہیں رکھتے۔

نمبر۳۔ حقوق اللہ یا اللہ کی توحید کے ساتھ حقوق العباد کو بیان کر کے اس سب کو صراط مستقیم کہا ہے جس سے معلوم ہوا کہ حقوق العباد

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

اور دوسرے راستوں کی پیروی نہ کرو کہ وہ تم کو اس کے راستہ سے ہٹا دیں گے اس کا تم کو حکم دیتا ہے تاکہ تم تقویٰ کرو۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ ع

پھر ہم نے موسٰیؑ کو کتاب دی اس پر (نعمت کا) اتمام کرنے کے لیے جو نیکی کرتا ہے اور ہر ضروری چیز کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت تاکہ وہ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں ۱۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

اور یہ کتاب جس کو ہم نے اتارا ہے برکت دی گئی ہے سو اس کی پیروی کرو اور تقویٰ کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۲۔

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾

ایسا نہ ہو کہ تم کہو کہ کتاب صرف ہم سے پہلے دو گروہوں پر اتاری گئی اور ہم ان کے پڑھنے سے یقیناً بے خبر تھے ۳۔

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۗ

یا کہو اگر کتاب ہم پر اتاری جاتی تو ہم یقیناً ان سے زیادہ ہدایت پر ہوتے سو ضرور تمہارے پاس تمہارے رب سے کھلی دلیل اور ہدایت اور رحمت آ گئی۔ پھر اس سے زیادہ ظالم کون ہے، جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور ان سے پھر جائے۔ ہم

کی ادائیگی بھی صراطِ مستقیم میں شامل ہے +

نمبر۱۔ یعنی جس طرح تم کو یہ احکام دیئے اسی طرح پہلے بھی دیئے اور حضرت موسٰیؑ کا نام بالخصوص اس لیے لیا کہ توریت اور قرآن میں بہت زیادہ مشابہت ہے اور جس اتمامِ نعمت کا یہاں ذکر ہے وہ اس قوم کے لیے خاص ہے جس کے لیے توریت نازل ہوئی۔ جس طرح توریت مختص القوم اور مختص الزمان تھی اسی طرح اتمامِ نعمت بھی اور تفصیلات بھی اسی طرح مطابق ضرورت قومی تھیں۔ قرآن کریم چونکہ کل عالم اور کل زمانوں کے لیے ہے اس لیے اس کا اتمامِ نعمت بھی عام ہے۔ اس لیے اگلی آیت میں قرآن کریم کو مبارک کہا ہے یعنی ایسی کتاب جس کی خیر کبھی منقطع نہ ہو گی +

نمبر۲۔ سورت کے خاتمہ پر اس رکوع میں دو باتوں کا ذکر کیا ہے ایک یہ کہ توحید کی تعلیم دنیا میں گو پہلے بھی آتی رہی جیسا کہ ابھی حضرت موسٰیؑ کی کتاب کے ذکر میں فرمایا تھا اور اپنے اپنے وقت میں ہر قوم پر اتمامِ نعمت وہی تعلیم تھی۔ لیکن وہ کامل تعلیم جو دنیا میں ہمیشہ رہنے کے لیے بھیجی جاتی ہے وہ اس کتاب میں ہے جو مبارک ہے جس کی خیر دائمی ہے اور کبھی منقطع نہ ہو گی اور دوسرا اس توحید کا عملی نمونہ حضرت محمد مصطفٰے صلعم کو پیش کیا ہے اور یوں بتایا ہے کہ توحید کی تعلیم علمی رنگ میں اپنے کمال میں اگر قرآن شریف میں موجود ہے تو عملی رنگ میں وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے ::

نمبر۳۔ یہاں مخاطب خصوصیت سے اہلِ عرب ہیں اور ان تقولوا کا تعلق انزلنہ سے ہے یعنی اگر ہم کتاب نہ اتارتے تو تم ایسا کہہ سکتے تھے اور صرف دو گروہوں کا ذکر اس لیے کیا کہ یہ دو گروہ ملکِ عرب میں آباد تھے اور انھوں نے عرب کی اصلاح کے لیے کوشش بھی کی تھی۔ چنانچہ تاریخ سے ثابت ہے کہ پہلے یہودیوں اور پھر عیسائیوں نے اپنا پورا زور اہلِ عرب کو یہودی اور عیسائی بنانے پر لگایا لیکن ان کو کامیابی نہ ہوئی اور ان کی دراست سے بے خبر ہونا اس لحاظ سے کہا کہ یہ کتابیں زبان عربی میں نہ تھیں اور ان کے ترجمے بھی وہ دوسری زبانوں میں کرنا جائز نہ سمجھتے تھے بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں کا یہی خیال تھا کہ

سَنَجْزِی الَّذِیْنَ یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا یَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ان لوگوں کو جو ہماری آیات سے پھرتے ہیں، بُرے عذاب کی سزا دیں گے اس لیے کہ وہ پھر جاتے تھے۔

هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ اَوْ یَاْتِیَ رَبُّكَ اَوْ یَاْتِیَ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَؕ یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًاؕ قُلِ انْتَظِرُوْۤا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

وہ کسی بات کا انتظار نہیں کرتے مگر یہ کہ ان کے پاس فرشتے آئیں یا تیرا رب آئے یا تیرے رب کے بعض نشان آئیں۔ جس دن تیرے رب کے بعض نشان آئیں گے کسی شخص کو اس کا ایمان نفع نہیں دے گا، جو پہلے ایمان نہ لایا تھا۔ یا اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کمائی تھی۔ کہہ، انتظار کرو ہم (بھی) انتظار کرنے والے ہیں ؎۱

اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِیَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِیْ شَیْءٍؕ اِنَّمَاۤ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ یُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

وہ لوگ جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا اور (کئی) فرقے ہو گئے، تیرا ان سے کچھ سروکار نہیں ان کا معاملہ اللہ کی طرف ہے پھر وہ ان کو بتا دیگا، جو وہ کرتے تھے ؎۲

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَاۚ وَ مَنْ جَآءَ بِالسَّیِّئَةِ فَلَا یُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا

جو کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کے لیے دس اس کی مثل ہیں اور جو کوئی بدی کرتا ہے تو اس کی مثل ہی اس کو سزا دی جائے گی،

ان کی مقدس کتابوں کو صرف مذہبی پیشوا ہی پڑھ سکتے ہیں۔ یہودیوں کا تو اب تک یہی خیال ہے اور عیسائیوں میں پراٹسٹنٹ فرقہ کے پیدا ہونیکے بعد ترجمے شروع ہوئے۔

نمبر۱۔ بعض اٰیتِ ربک سے مراد مفسرین نے اشراط الساعۃ لی ہیں۔ جن میں مغرب سے طلوع آفتاب دجال یا جوج ماجوج، عیسیٰ بن مریم کا ظہور ہے۔ لیکن اگر ان باتوں کے وقوع پر اور عیسےٰ بن مریم کے ظہور پر ایمان فائدہ نہ دے گا، تو عیسےٰ کے بھیجنے کا کیا فائدہ۔ یہ دکھایا جا چکا ہے۔ (دیکھو۔ البقرہ ۔ ۲۱۰) کہ فرشتوں کے آنے سے مراد لڑائیوں میں عذاب کا آنا ہے۔ اور رب کے آنے سے مراد دشمن کا استیصال قطعی ہے۔ پس یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ بعض آیات ربک کے آنے سے مراد موت کا آنا ہے۔ جو وہ بھی من مات فقد قامت قیامتہ کے ماتحت قیامت ہی ہے اور اس میں شک نہیں کہ جب موت کے آثار ظاہر ہو جائیں تو پھر کافر کو ایمان لانا کوئی فائدہ نہیں دے سکتا نہ ایسے شخص کو ایمان کچھ فائدہ دے سکتا ہے جو منہ سے ایمان لایا مگر اعمال اس کے مطابق نہ کیے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان بغیر اعمال کے کام نہیں دیتا۔ پہلی آیت میں جس عذاب کا ذکر تھا اس کی یہاں زیادہ صراحت کر دی ہے اور یہ سب تکذیب کرنے والوں کے لیے ہے اور یہی اشارہ فانتظروا میں ہے

نمبر۲۔ شیعا۔ ہر ایک قوم جو ایک امر پر جمع ہو، وہ ایک شیعۃ ہیں اور ازہری کہتے ہیں وہ بعض بعض کی اتباع کرتے ہیں اور وہ سب متفق نہیں ہوتے اور یہاں مراد ایسے فرقے ہیں جو ایک دوسرے کی تکفیر کرتے ہیں ؛ اس سے مراد عموماً یہود و نصاریٰ لیے گئے ہیں۔ مگر ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ اس سے مراد اس امت کے اہل بدعت ہیں اور یہی درست معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ اوپر ایمان میں نیکی نہ کمانے والوں کا ذکر تھا۔ اس لیے ساتھ ہی ایسے لوگوں کا بھی ذکر کر دیا۔

وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۶۰﴾

اور اُن پر ظلم نہ کیا جائے گا[1]۔

قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۶۱﴾

کہہ، بے شک مجھ کو میرے رب نے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دی ہے - دین صحیح ابراہیم راست رو کے مذہب کی طرف، اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶۲﴾

کہہ، میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا، اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔

لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿۱۶۳﴾

اس کا کوئی شریک نہیں اور یہی مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں[2]۔

قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۱۶۴﴾

کہہ، کیا میں اللہ کے سوائے کوئی رب چاہوں اور وہ ہر چیز کا رب ہے اور کوئی جی (بدی) نہیں کماتا مگر اس کا وبال، اسی پر ہے۔ اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا، پھر تمہارے رب کی طرف تمہارا لوٹ کر آنا ہے پھر وہ تم کو اس کی خبر دے گا، جس میں تم اختلاف کرتے تھے[3]۔

نمبر۱۔ نیکی اور بدی کی جزا و سزا کا جو قانون یہاں بیان کیا ہے وہ دوسرے مقامات کے خلاف نہیں۔ ہر نیکی کا بدلہ ملتا ہے اور وہ دس گنا ہے یا اس سے بھی زیادہ، ہر بدی کا بدلہ ملتا ہے اور وہ اس بدی کی مثل ہوتا ہے یا اس سے بھی کم یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو اُسے بالکل معاف ہی کر دے۔

نمبر۲۔ اس آیت میں عملی رنگ میں کمال توحید کو بیان کیا ہے موحد انسان اپنے کمال کو اس وقت پہنچتا ہے جب اس کا ہر فعل خیر عبادت کے رنگ میں ہو یا قربانی کے رنگ میں۔ جب اس کا جینا مرنا اپنے لیے نہ ہو بلکہ صرف اپنے مولا کے لیے ہو۔ رب العالمین کے لیے ہونے میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ عالمین کی ربوبیت فرماتا ہے اسی طرح موحد کامل بھی عالمین کی ربوبیت میں لگ جاتا ہے۔ پس توحید کا عملی رنگ مخلوق خدا کی ربوبیت ہے اور سب سے بڑی ربوبیت افضل المخلوقات انسان کی ربوبیت روحانی ہے جو انبیاء کے سپرد کی جاتی ہے اور اس ربوبیت روحانی کا سب سے اعلیٰ مرتبہ ہمارے نبی کریم صلعم کو حاصل ہوا کیونکہ جس قدر اصلاح نسلِ انسانی کی آپ نے کی وہ اور کسی نبی کے حصہ میں نہیں آئی۔ اس لیے آپ اوّل المسلمین کل مخلوقات میں سے ٹھہرے۔

چونکہ اس سورت میں اصل بحث توحید الٰہی پر تھی اس لیے اس کا خاتمہ اس پر کیا کہ محمد رسول اللہ صلعم توحید کے کس مقام کامل پر ہیں اور اگلی سورت کے مضمون سے جو اثبات نبوت ہے رابطہ بھی پیدا کر دیا۔ اصل غرض یہ ہے کہ ہر مسلمان کا نصب العین یہی ہو کہ اپنے آپ کو اس مقام عالی پر پہنچانے۔ یہی وجہ ہے کہ قبل از فاتحہ جو دعا سکھائی گئی ہے اس میں یہی لفظ آتے ہیں صرف لفظ اوّل المسلمین کی جگہ عام مسلمانوں کو من المسلمین کہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

نمبر۳۔ یہ سنہرا قانون توحید کا ضروری تتمہ تھا۔ ہر ایک انسان اپنے افعال کا خود ذمہ دار ہے۔ ایک کی ذمہ داری دوسرا نہیں لے سکتا یہی اسلام

وَهُوَ الَّذِىْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِىْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ ۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

اور وہی ہے جس نے تم کو زمین کا حاکم بنایا اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند کیا ۔ تاکہ تم کو اس کے بارے میں آزمائے جو تم کو دیا ہے تیرا رب جلدی بدی کی سزا دینے والا اور یقیناً وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے [1] ۔

(۷) سُوْرَةُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ ۲

اٰیاتہا ۲۰۶ — رکوعاتہا ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے ۔

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾

میں اللہ بہت جاننے والا بہترین فیصلہ کرنے والا ہوں [3]

كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِىْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

یہ کتاب ہے تیری طرف نازل کی گئی پس تیرے سینے میں اس کی وجہ سے کوئی تنگی نہ ہو تاکہ تو اس کے ساتھ ڈرائے اور مومنوں کے لیے نصیحت ہو [4] ۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾

اس کی پیروی کرو جو تمہارے رب سے تمہاری طرف اتارا گیا ۔ اور اس کو چھوڑ کر اور دوستوں کی پیروی نہ کرو بہت ہی کم تم نصیحت قبول کرتے ہو ۔

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾

اور کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کردیں ، سو ہمارا عذاب ان پر رات کو آیا یا دوپہر کو سوتے ہوئے ۔

فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾

سو ان کی پکار جب ہمارا عذاب ان پر آیا سوائے اس کے کچھ نہ تھی کہ انھوں نے کہا بیشک ہم ظالم تھے ۔

کا اصل الاصول ہے اور کفارہ کے عقیدہ پر ایسا سخت حربہ ہے جس کا کوئی جواب عیسائیوں کے پاس نہیں ۔

نمبر۱ ۔ اس میں پیشگوئی ہے ۔ مسلمان مخلوقِ خدا کی خدمت میں لگے تو بادشاہ بنے ۔ نفس پرستیوں میں پڑ گئے تو بادشاہت کھو بیٹھے ۔

نمبر۲ ۔ اس سورت کا نام الاعراف ہے اور اس میں چوبیس رکوع اور دو سو چھ آیتیں ہیں ۔ الاعراف کے معنی بلند مقامات ہیں اور اس سورت کے پانچویں اور چھٹے رکوع میں کچھ لوگوں کا ذکر ہے جو اعراف میں ہوں گے اور یہ انبیاء کا گروہ ہے یا ان کے کامل متبعین اور چونکہ اس سورت میں ضرورتِ نبوت پر بحث ہے اس لیے اس کے نام میں انبیاء کے مقام بلند کی طرف توجہ دلائی ہے اور اثباتِ توحید کے بعد جو پہلی سورت کا مضمون ہے ترتیب طبعی اس کو چاہتی تھی اس کا نزول مکہ میں ہوا اور اسی زمانہ کی سورت ہے جس زمانہ کی الانعام ہے ۔

نمبر۳ ۔ الٓمّٓ کے ساتھ ص بڑھایا ہے ۔ جو صادق کے قائم مقام ہے یا افصل کے یعنی بہترین فیصلہ کرنیوالا ، جیسا کہ ابن عباسؓ سے روایت ہے ۔

نمبر۴ قرآن شریف کا نام ذکر یا ذکری یا تذکرہ اس لحاظ سے ہے کہ وہ ان باتوں کو یاد دلاتا ہے جو فطرت انسانی میں ہیں مگر غفلت کی وجہ سے دبی رہتی

فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَ
لَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾

سو یقیناً ہم ان سے پوچھیں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور یقیناً ہم رسولوں سے بھی پوچھیں گے۔

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿۷﴾

پھر ہم ان پر علم کے ساتھ بیان کرینگے اور ہم کبھی غیر حاضر نہیں ہوتے۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ﹰالْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ
مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸﴾

اور وزن اس دن حق ہے [1] سو جس کی نیکیاں بھاری ہوگئیں تو وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾

اور جس کی نیکیاں ہلکی ہوگئیں تو وہی ہیں جنھوں نے اپنا نقصان کیا، اس لیے کہ وہ ہماری آیتوں کے بارے میں ناانصافی کرتے تھے [2]

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ
ع فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾

اور یقیناً ہم نے زمین میں تمھارا ٹھکانا بنایا اور تمھارے لیے اس کے اندر روزی کے سامان رکھے، بہت کم تم شکر کرتے ہو۔

ہیں وحی الٰہی ان کو یاد دلا کر انسان کو فطرت کے صحیح قوانین پر چلاتی ہے یا چونکہ ذکر کے معنی شرف ہیں اس لیے قرآن کریم کا نام ذکر ہے کہ یہ انسان کو بلند مقام پر پہنچاتا ہے۔

فلا یکن فی صدرك حرج منه جملہ معترضہ کے طور پر ہے۔ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اس کتاب کے نزول نے پیغمبر خدا کو شرح صدر عطا کر دی تھی جیسا کہ فرمایا الم نشرح لك صدرك (الانشراح ۹۴-۱) اور ہو سکتا ہے کہ ان مشکلات کی طرف بھی اشارہ ہو جو اس سورت کے نزول کے وقت آنحضرت صلعم کو پیش آ رہی تھیں کہ آپ کی دس بارہ سال کی کوششوں کے باوجود مخالفت بڑھ رہی تھی۔

نزول کتاب کی اصل غرض دو لفظوں میں بتائی ہے۔ بدی کے انجام بد سے ڈرانا اور دوسرا مومنوں کے لیے ذکر یا ذکری یعنی ان کے لیے موجب شرف اور بلندی مرتبہ ہے یا ان کو فطرت کے صحیح قوانین پر چلانا ہے اس لیے یہاں بشارت کی بجائے ذکری کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

نمبر ۱- الوزن - اصل میں کسی شے کے اندازہ کے پہچاننے کو کہتے ہیں۔ راغب کہتے ہیں کہ عام طور پر وزن وہ سمجھا جاتا ہے جو ترازو کے ساتھ ہو اور یہاں اشارہ محاسبہ میں عدل کی طرف ہے اور مجاہد کا قول ہے کہ وزن سے مراد یہاں قضاء یعنی فیصلہ ہے۔

میزان کا لفظ قرآن میں وسیع معنی میں آیا ہے ایک جگہ رسولوں کے بھیجنے کے ذکر میں آتا ہے وانزلنا معھم الکتاب والمیزان (الحدید ۵۷-۲۵) ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری جس سے مراد کسی صورت میں ترازو نہیں ایسا ہی والسماء رفعھا ووضع المیزان (رحمٰن ۵۵-۷) میں میزان کے رکھنے سے مراد کسی ترازو کا رکھنا نہیں بلکہ مراد عدل کا قائم کرنا ہے جس پر سارے آسمانوں اور زمین کا بھی مدار ہے اور حق یہ ہے کہ احادیث میں بھی جس ترازو کا ذکر ہے اس سے مراد بھی محض اس قسم کا ترازو لینا جس سے اجسام کا وزن کیا جاتا ہے صحیح نہیں۔ اس ترازو کی حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اس دنیا کی چیزوں پر اس کا قیاس نہیں ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث میں اگر کہیں اعمال کے وزن کا ذکر ہے تو کہیں کتب اعمال کا اور کہیں صاحب اعمال کا اور ایک قوم کے اعمال دنیوی کا ذکر کر کے جو قیامت میں کسی کام نہ آئیں گے قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلا نقیم لھم یوم القیامۃ وزنا (الکہف ۱۸-۱۰۵) ان کے لیے ہم قیامت میں کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔

نمبر ۲- موازین - موزون کی جمع بھی ہو سکتی ہے اور میزان کی بھی، پہلی صورت میں مراد اعمال موزونہ ہیں یعنی نیکیاں اور میزان یا میزانوں کے بوجھل یا ہلکا ہونے سے بھی مراد یہی لی گئی ہے کہ نیکیوں کا پلڑا بوجھل یا ہلکا ہو جائے اور مجاہد سے موازین کے معنی حسنات یعنی نیکیاں مروی ہیں۔ اعمال کا وزن یعنی ہر ایک عمل کا حساب میں آنا ایک ایسا امر ہے جس کی طرف صرف وحی الٰہی نے ہی ہدایت کی ہے اس لیے قرآن کریم کے نزول کی اغراض کو بیان کرتے ہوئے وزن اعمال کا ذکر کیا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا	اور یقیناً ہم نے تم کو پیدا کیا، پھر ہم نے تمھاری صورت بنائی پھر
لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ	ہم نے فرشتوں کو کہا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو، سو انھوں نے فرمانبرداری کی
اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ⑪	مگر ابلیس نے (نہ کی)، وہ فرمانبرداروں میں سے نہ ہوا[1]
قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ؕ	(اللہ نے) کہا، تجھے کس چیز نے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے تجھے
قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ	حکم دیا[2] اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں، تُو نے مجھے آگ سے پیدا کیا
وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ⑫	اور اسے مٹی سے پیدا کیا[3]
قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ	کہا، پھر اس حالت سے اُتر جا، تیرے لیے یہ شایاں نہیں تو اس پر
تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ⑬	تکبر کرے سو نکل جا، تو ذلیل ہونے والوں میں سے ہے[4]
قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ⑭	کہا، مجھے اس دن تک مہلت دے جو وہ اُٹھائے جائیں[5]
قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ⑮	کہا، تُو ان میں سے ہے جن کو مہلت دی گئی[6]

نمبر۱۔ اوپر کی آیت میں سارے انسانوں کو خطاب تھا اس عام خطاب کو جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے تم سب کو پیدا کیا پھر تم سب کی صورت بنائی پھر فرشتوں کو آدم کی فرمانبرداری کے لیے کہا جس سے صاف معلوم ہوا کہ اس رنگ میں ہر ایک ابن آدم آدم ہے اور فرشتوں سے آدم کی فرمانبرداری کرانے میں ابنائے آدم کا بھی ذکر ہے۔ ہاں جس طرح ابن آدم شیطان کو جسمانی رنگ میں نہیں دیکھتا بلکہ شیطان صرف وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ اسی طرح آدم کی صورت میں سمجھنا چاہیئے۔

نمبر۲۔ جہاں جہاں سجدے کا حکم آتا ہے ملائکہ کو آتا ہے لیکن یہاں اذ امرتك سے معلوم ہوا کہ شیطان کو بھی حکم تھا۔ ملائکہ چونکہ اعلیٰ ہستیاں ہیں اس لیے ان کو حکم دینے میں جنّ یا شیاطین جو ادنیٰ ہستیاں ہیں وہ بھی شامل ہوگئیں۔

نمبر۳۔ دوسری جگہ عام طور پر جنّات کے متعلق ہے والجانّ خلقناہ من قبل من نار السموم (الحجر ۱۵۔ ۲۷) جنّوں کو ہم نے پہلے نار سموم سے پیدا کیا یہ زمین بھی پہلے خود ایک شعلہ نار تھی اس لیے پہلی مخلوق کا اسی رنگ کا ہونا عین قرین قیاس ہے اور آگ سے ہونے کی وجہ سے ہی وہ غیر مرئی ہستیاں بھی ہیں یعنی ہم ان کو دیکھ نہیں سکتے۔ لیکن اس سے علاوہ آگ یا مٹی سے پیدا ہونا یہ معنی بھی رکھتا ہے کہ وہی صفت ان میں غالب ہو جیسے انسان کے متعلق فرمایا خلق الانسان من عجل (الانبیاء ۲۱۔ ۳۷) یا فرمایا خلقکم من ضعف (الروم ۳۰۔ ۵۴) اب طین یا مٹی کی صفت نرمی ہے اور آگ کی صفت تیزی ہے۔ پس شیطان کہتا ہے کہ میں ناری صفت ہو کر کس طرح طینی صفت انسان کے سامنے جھک سکتا ہوں۔

نمبر۴۔ قریب تر ذکر اس کا اپنی فضیلت کو پیش کرنا ہے اور اسی سے ہبوط کا حکم ہے۔

نمبر۵۔ جب تک یہ عالم موجود ہے اس وقت تک انسان کے ساتھ خواہشات سفلی اور ان خواہشات کے ساتھ شیطان کا رہنا ضروری ہے۔ مگر بعثت کا لفظ وسیع معنی میں آتا ہے پس مراد ہر انسان کی بعثت روحانی کا وقت بھی ہو سکتا ہے یعنی وہ وقت جب شیطان پر انسان کو پورا تصرف حاصل ہوتا ہے۔ حدیث سے ثابت ہے کہ ہر انسان کے لیے ایک الگ ملک یعنی فرشتہ اور ایک شیطان ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میرا شیطان مسلمان ہوگیا۔ پس یوم یبعثون میں اگر ایک طرف ذرّیت آدم کی طرف اشارہ ہے تو دوسری طرف ذریت ابلیس کی طرف بھی اشارہ ہے کیونکہ ہر انسان کو بدی کی تحریک کرنے والا وہی شیطان ہے جو اس کے ساتھ لگا ہوا ہے۔

نمبر۶۔ آدم کی کامیابی اس میں تھی کہ اسے مقابلہ کرنا پڑتا۔ بغیر مقابلہ کے انسان کے کمالات کا اظہار نہ ہو سکتا تھا۔

قَالَ فَبِمَآ اَغۡوَيۡتَنِيۡ لَاَقۡعُدَنَّ لَهُمۡ صِرَاطَكَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ﴿۱۶﴾

کہا اس لیے کہ تو نے مجھے گمراہ ٹھیرایا میں ضرور تیری سیدھی راہ پر اُن کے لیے گھات میں بیٹھوں گا۔[۱]

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ اَيۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ‌ؕ وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِيۡنَ ﴿۱۷﴾

پھر میں ضرور ان کے سامنے سے اور اُن کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے اُن پر آؤں گا۔ اور تو اُن میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔[۲]

قَالَ اخۡرُجۡ مِنۡهَا مَذۡءُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا‌ؕ لَمَنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنۡكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۸﴾

کہا، اس (حالت) سے اُتر جا ذلیل دھتکارا ہوا[۳] جو کوئی ان میں سے تیری پیروی کرے گا، یقیناً میں تم سب سے جہنم کو بھروں گا۔

وَيٰۤاٰدَمُ اسۡكُنۡ اَنۡتَ وَزَوۡجُكَ الۡجَـنَّةَ فَكُلَا مِنۡ حَيۡثُ شِئۡتُمَا وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۹﴾

اور اے آدم، تو اور تیری بیوی باغ میں رہو۔ پھر جہاں سے چاہو کھاؤ اور اس درخت کے پاس نہ جاؤ، ورنہ تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔

فَوَسۡوَسَ لَهُمَا الشَّيۡطٰنُ لِيُبۡدِىَ لَهُمَا مَاوٗرِىَ عَنۡهُمَا مِنۡ سَوۡاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا

پھر شیطان نے اُن دونوں کو وسوسہ ڈالا تاکہ ان کے لیے اُن کے وہ عیب کھول دے جو ڈھانکے گئے تھے[۴] اور

نمبر۱- غوی کے معنی خاب یعنی ناکام رہا بھی کیے گئے ہیں اور فسد عیشہ بھی یعنی اس کی زندگی خراب ہو گئی۔ غی جہالت ہے جو اعتقاد فاسد سے پیدا ہو اور غوی ناکام رہا یا اس کی زندگی خراب ہو گئی۔ پس اغویتنی کے اصل معنے ہوئے مجھ پر جہالت یا ناکامی کا حکم لگایا۔ یہی گمراہ ٹھیرانے سے مراد ہے۔ ابن جریر نے اھلکتنی معنے کیے ہیں یعنی تو نے مجھے [illegible] کیا۔

نمبر۲- شیطان کے چاروں طرف سے آنے کے معنی ہر طرح کی وسوسہ اندازی کرنا ہیں۔ یہ مراد نہیں کہ وہ چاروں طرف سے اس پر غلبہ پالے گا شیطان کو انسان پر کوئی غلبہ نہیں دیا گیا۔

نمبر۳- بدی اور اس کا مظہر شیطان واقعی مردود اور حقیر ہے۔ بدی کو اگر کرنیوالے سے الگ کر دیا جائے تو خود وہ بھی اس کو اچھا نہ سمجھے گا۔ کوئی جھوٹ بولنے والا دوسرے کے جھوٹ کو اچھا نہیں کہتا۔ کوئی زنا کرنے والا دوسرے کے زنا کو اچھا نہیں سمجھتا۔ دنیا میں گو بدی کرنے والے رہیں مگر بدی ہمیشہ مردود و ذلیل رہے گی پس شیطان اور جس چیز کی طرف وہ بلاتا ہے فطرت انسانی ان دونوں کو دھکے دیتی ہے۔

نمبر۴- شیطان کا آدم کو پھسلانا وسوسہ کے ذریعہ سے تھا جس طرح ہر انسان کو وہ پھسلاتا ہے اور وسوسہ ڈالنے کی غرض یہ بیان فرمائی ہے کہ ان کی "سوآت" جو اُن سے چھپا کر رکھی گئی تھیں یعنی ظاہر نہ ہوئی تھیں وہ ظاہر کر دے۔ آیا فی الحقیقت اس سے مراد کوئی لباس ہے جو اُن کو پہنایا گیا تھا اور شیطان کی غرض اس لباس کو اتار دینا تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ کوئی ظاہری لباس ہو تو کسی ممنوع درخت کے پھل کھانے سے اس کے رہنے یا اُترنے کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ مفسرین نے بھی اس دقت کو محسوس کیا ہے۔ ابن جریر وہب بن منبہ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ان پر ایک نور تھا جس کی وجہ سے اُن کی سوآت دیکھی نہ جا سکتی تھیں۔ ظاہر ہے کہ نور جن سوآت کو ڈھانک سکتا ہے وہ ظاہری شرمگاہیں نہیں بلکہ باطنی عیوب اور قبائح ہیں اور سوآت کے اصل معنی لغت میں

نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ
اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿٢٠﴾
وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿٢١﴾
فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ
لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا
مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ
اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ
لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٢٢﴾
قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ
تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾
قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ
فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٢٤﴾

اس نے کہا تمھارے رب نے تم کو اس درخت سے نہیں روکا مگر اس لیے کہ
تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ رہنے والوں میں سے نہ ہو جاؤ [1]
اور ان سے قسم کھا کر کہا کہ یقیناً میں تمھارے خیر خواہوں میں سے ہوں۔
پس دھوکے سے ان کو گرا دیا، سو جب ان دونوں نے درخت
کو چکھا ان کے عیب اُن پر کھل گئے اور وہ باغ کے پتوں سے
اپنے آپ کو ڈھانکنے لگے۔ اور ان کے رب نے انھیں پکارا
کیا میں نے تمھیں اس درخت سے نہ روکا تھا اور تمھیں نہیں
کہا تھا، کہ شیطان تمھارا کھلا دشمن ہے [2]
انھوں نے کہا، اے ہمارے رب ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اگر تو
ہماری حفاظت نہ کرے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہونگے۔
کہا اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمھارے لیے زمین
میں ایک وقت تک ٹھکانا اور سامان ہے۔

بُری خصلت ہیں اور آیت ۲۷ میں جہاں یہ ذکر ہے کہ آدم کا لباس شیطان نے اتروا دیا۔ مجاہد سے روایت ہے ھو لباس التقویٰ یعنی تقویٰ کا لباس تھا جو اتار دیا۔ پس سَوْات سے مراد بھی عیوب اور قبائح ہی ہو سکتے ہیں اور حدیث میں بھی یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پس سوات سے مراد یہاں ان کے عیوب اور کمزوریاں ہیں اور شیطان کی غرض پھسلانے میں یہ تھی کہ وہ پردہ جو انسان کی کمزوریوں پر پڑا رہتا ہے دور ہو جائے یعنی اس سے کمزوری کا اظہار ہو۔

نمبر۱۔ شیطان چونکہ جھوٹا تھا اس لیے واقعات کے عین خلاف ان کے دل میں وسوسہ ڈالا یعنی یہ کہ بدی سے تم کو اس لیے روکا گیا ہے کہ تم فرشتے نہ ہو جاؤ یا موت سے بچے رہو۔ گویا بدی کو اس قدر سجایا اور اس قدر اچھا دکھایا کہ انسان یہ خیال کرنے لگا کہ یہی میری موت سے بچنے کا ذریعہ ہے۔ پہلا میلان انسان کا بدی کی طرف یہیں سے پیدا ہوتا ہے کہ اس کے ارتکاب میں وہ کوئی لذت دیکھتا ہے یا اسے اپنی زندگی کے سامانوں کا موجب سمجھتا ہے شیطان چونکہ دھوکا باز ہے اس لیے بدی سے جو حالت پیدا ہوتی ہے عین اس کے اُلٹ ہونے کا وسوسہ ڈالتا ہے بدی انسان کو ملکوتی صفات سے بہیمی صفات کی طرف لے جاتی ہے اور زندگی سے موت کی طرف اِس لیے اُس کا اُلٹ کہا کہ اس سے تم ملک بن جاؤ گے اور غیر فانی ہو جاؤ گے۔

نمبر۲۔ جب اوپر کی تشریح سے ثابت ہو گیا کہ جو لباس اُترا تھا وہ لباس تقویٰ تھا اور جو سَوْات ظاہر ہوئی تھیں وہ اندرونی کمزوریاں تھیں تو باغ کے پتے لگانے کا مفہوم بھی ظاہری نہیں ہو سکتا بلکہ استعارۃً مراد اس سے ایسا فعل ہے کہ انسان اپنی کمزوری کا اخفا کرنے لگے اور ورق یا پتوں کا لفظ لا کر بتا دیا کہ یہ وہ انسانی کوشش ہے جو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتی اس لیے اس کو ورق سے تعبیر کیا اور آگے آیت ۲۶ میں لباس التقویٰ کا ذکر کیا جو وحی الٰہی سے انسان کو ملتا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہاں دو باتیں الگ الگ ہیں کھانا اور لباس۔ کسی چیز کے کھا لینے سے کسی لباس کا اُتر جانا صحیح نہیں ہو سکتا جب تک کہ دونوں سے مراد روحانی امور نہ لیے جائیں یعنی کھانے سے مراد کسی بدی کا ارتکاب تھا لباس کے اُتر جانے سے مراد اپنی کمزوری کا احساس ہے یہی ہم دن رات بنی آدم میں دیکھتے ہیں اس لیے آدم کے لیے کوئی الگ معنی تجویز کرنے انسانی تجربہ کو باطل کرنا ہے۔

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿٢٥﴾

کہا، اسی میں تم جیو گے، اور اسی میں تم مرو گے، اور اسی سے تم نکالے جاؤ گے۔[۱]

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا ۖ وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٢٦﴾

اے بنی آدم! بیشک ہم نے تم پر لباس اُتارا جو تمھارے عیبوں کو ڈھانکے اور زینت ہو اور تقویٰ کا لباس۔ یہی بہتر ہے یہ اللہ کی باتوں میں سے (باتیں) ہیں تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔[۲]

يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْآتِهِمَا ۗ إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۗ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٧﴾

اے بنی آدم شیطان تم کو دُکھ میں نہ ڈال دے، جس طرح تمھارے ماں باپ کو باغ سے نکلوا دیا۔ اُن سے ان کا لباس اُتروا دیا تاکہ اُن کو اُن کے عیب دکھا دے۔ وہ اور اس کی جماعت تم کو ایسی طرح پر دیکھتے ہیں کہ تم ان کو نہیں دیکھتے۔ ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا دوست بنایا جو ایمان نہیں لاتے۔[۳]

نمبر۱- فیہا تحیون میں بتایا کہ زمینی زندگی تمھارے لیے ضروری ہے یعنی اس سے تمھاری ترقیات پیدا ہوتی ہیں اور زمینی زندگی کا اختتام موت سے ہوتا ہے نہ کسی اور طریق سے اور اس موت کے بعد پھر اُٹھتا ہے جس میں اس زمینی زندگی کے اعمال کا نتیجہ ملتا ہے۔ یہ حصر اس بات پر قطعی شہادت ہے کہ ان انسانوں کی زندگی جو اس زمین پر ہیں اسی زمین پر محدود ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر زندہ اُٹھایا جانا اس آیت کے خلاف ہے ایسا ہی زمینی زندگی کا انقطاع صرف موت سے ہو سکتا ہے۔

نمبر۲- جس لباس التقویٰ کا یہاں ذکر ہے وہ ایمان اور اعمال صالحہ کا لباس ہے پس لباس ظاہری سے لباس باطنی کی طرف توجہ دلاتی ہے مگر یوں بھی اس کے معنی ہو سکتے ہیں کہ انزلنا علیکم لباساً سے مراد وحی الٰہی ہی ہو جو انسان کے عیوب کو ڈھانکنے اور اس کی زینت کا موجب ہے کیونکہ اگلی آیت میں صاف طور پر آدم کے لباس کے اتر جانے کا ذکر کر کے سب انسانوں کو متنبہ کیا ہے کہ جس طرح شیطان نے تمھارے باپ اور ماں کا لباس اتروا دیا تھا اسی طرح تمھارا لباس نہ اُتار دے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں جس لباس کا ذکر ہے وہ لباس روحانی ہے اور اسی لباس کو جو انسان کے عیوب کے ڈھانکنے کے دور کرنے اور اس کی زینت کا موجب ہے لباس التقویٰ کہا ہے اور ہدایت کی ہے کہ اس لباس کا پہن لینا یعنی وحی الٰہی پر عملدرآمد کرنا تمھاری بہتری کا موجب ہے اور انسان کی حقیقی زینت کا موجب یہی لباس روحانی ہے۔

نمبر۳- یہاں لفظ کما کے استعمال سے صاف بتا دیا کہ جو حملہ شیطان کا آدم پر تھا وہی ابن آدم پر ہو سکتا ہے۔ جس طرح اُس کو دُکھ میں ڈالا کہ باغ سے نکال دیا۔ اسی طرح ہر ابن آدم کو دکھ میں ڈالنے کا موجب ہو سکتا ہے جس طرح شیطانی وسوسے سے اُن میں ایک کمزوری نمودار ہو گئی۔ اسی طرح ہر انسان اس کمزوری کا شکار ہو سکتا ہے۔ یہی معنے مجاہد نے کیے ہیں یعنی ینزع عنہما لباسہما کی تشریح کرتے ہوئے وہ کہتے ھو لباس التقویٰ یعنی اس لباس کے اتروا دینے سے مراد لباس تقویٰ کا اتروا دینا یا معصیت کرانا ہے یہ الفاظ بھی صفائی سے بتاتے ہیں کہ ساری نسل انسانی جنت سے نہیں نکلی نہ وہ گنہگار رہے۔ اسی آیت سے یہ بھی شہادت ملتی ہے کہ آدم نے بھی شیطان کو نہیں دیکھا جس طرح ہم نہیں دیکھتے نہ کوئی انسان جنوں کو دیکھ سکتا ہے۔ کیونکہ شیطان بھی جنوں میں سے ہے ہاں شیاطین الانس کو بیشک دیکھا جا سکتا ہے اور جنوں کو دیکھنے وغیرہ کے جو قصے بنے ہوئے ہیں سب بے بنیاد ہیں۔ ہاں کشفی نظر سے وہ دیکھے جا سکتے ہیں اور وہ انسانوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کے سوا اور کوئی دخل ان کے کاروبار میں نہیں دیتے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ شیطان کے لفظ کا استعمال اسم جنس کے طور پر ہوا ہے کیونکہ شیطان کا ذکر کرتے کرتے یہاں اس کی جماعتوں کا ذکر بھی کر دیا۔

وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ
اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ
لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨﴾

اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں، کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایسا کرتے پایا اللہ نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے۔ کہہ، اللہ کبھی بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔ کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۫ وَ اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ
عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۬
كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ؕ ﴿٢٩﴾

کہہ، میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے اور اپنے آپ کو ہر سجدے کے وقت میں سیدھا رکھو اور فرمانبرداری کو اسی کے لیے خالص کرتے ہوئے اسے پکارو جس طرح تم کو پہلے بنایا تم لوٹ کر بھی آؤ گے[1]

فَرِيْقًا هَدٰى وَ فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ
اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٣٠﴾

ایک گروہ کو ہدایت کی اور دوسرا گروہ اس پر گمراہی ثابت ہو گئی، کیونکہ انھوں نے اللہ کے سوا شیطانوں کو دوست بنایا۔ اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ سیدھی راہ پر چلنے والے ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ
مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا ۚ
اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾ ع

اے بنی آدم! ہر سجدے کے وقت اپنی زینت کو لے لیا کرو، اور کھاؤ اور پیو اور زیادتی نہ کرو۔ وہ زیادتی کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا[2]

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ
لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً

کہہ، کس نے اللہ کی زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی ہے اور کھانے کی ستھری چیزوں کو حرام کیا ہے۔ کہہ وہ دنیا کی زندگی میں ان لوگوں کے لیے ہیں جو ایمان لائے قیامت کے دن

نمبر۱ جب فواحش سے روکا تو ساتھ ہی بتایا کہ اللہ تعالیٰ حکم کن باتوں کا دیتا ہے۔ حقوق انسانی کی ادائیگی تو قسط میں آ گئی۔ اصول عدل کو ملحوظ رکھو اور دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف توجہ دلائی تعودون میں دوسری زندگی کی طرف۔

نمبر۲ زینت لینے سے مراد اکثر مفسرین نے کپڑوں کا پہننا کیا ہے اس لیے کہ عرب کے لوگ حج کے وقت یا دعا کے وقت کپڑے اتار دیا کرتے تھے یہاں تک کہ عورتیں بھی برہنہ ہو جایا کرتی تھیں اس خیال سے کہ جن کپڑوں میں گناہ کیا ہے ان کپڑوں میں عبادت نہیں کرنی چاہیئے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ زینت سے مراد روحانی زینت ہو یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے اخلاق حسنہ سے اپنے آپ کو آراستہ کرو۔ چنانچہ اس رکوع کی سب سے پہلی آیت میں جب لباس کو پردہ پوشی اور زینت کا سامان قرار دیا تو ساتھ ہی فرمایا کہ اس سے بہتر ایک لباس اور بھی ہے اور وہ لباس تقویٰ ہے یعنی نیکی سے آراستہ ہونا پس اگر زینتکم سے لباس کا پہننا یا اچھے لباس سے ملبوس ہونا مراد ہے تو ساتھ ہی یہ بھی مراد ہے کہ حقیقی زینت روحانیت ہے اس کو بھی ساتھ رکھو اور اپنے آپ کو تقویٰ سے آراستہ کر کے مسجدوں میں جاؤ اور جس طرح اخلاق حسنہ کی طرف توجہ دلائی۔ ساتھ ہی کھانے پینے کے متعلق بھی ہدایت فرمائی کہ کھانے پینے میں افراط و تفریط سے بچو اس سے انسان کی خواہشات سفلی حالت اعتدال پر آ جاتی ہیں۔

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ
لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

خالص اس کے لیے، اسی طرح ہم باتوں کو ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان
کرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں ۱

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ
مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ
الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ
بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

کہ، میرے رب نے صرف بیحیائی کی باتوں کو حرام کیا ہے جو اُن
میں سے ظاہر ہوں اور جو چھپی ہوں اور گناہ کو اور ناحق بغاوت کو
اور یہ کہ تم اللہ کے ساتھ اسے شریک کرو، جس کے لیے اس نے کوئی
سند نہیں اتاری اور یہ کہ اللہ پر وہ بات کہو، جو تم نہیں
جانتے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ
لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور ہر ایک قوم کے لیے ایک میعاد ہے، پھر جب اُن کی میعاد آ
پہنچتی ہے تو ایک گھڑی پیچھے نہیں رہ سکتے اور نہ پہلے جا سکتے ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ
يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ
فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾

اے بنی آدم اگر کبھی تمھارے پاس تمھیں میں سے رسول آئیں میری
آیات تم پر بیان کریں، تو جو کوئی تقوے کرے اور اصلاح کرے
ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ پچھتائیں گے ۲

نمبر۱ اچھی چیزوں کو روحانی ہوں یا جسمانی اللہ تعالیٰ نے منع نہیں کیا۔ نہ اچھے کھانوں کو۔ نعمائے دنیا بھی اگر مومن کو میسر ہوں تو ان سے فائدہ اٹھائے۔ آنحضرت صلعم حالانکہ نہایت درجہ کی سادگی سے گزارہ کرتے تھے لیکن اگر کھانے کے لیے کوئی اچھی چیز آ جائے تو اُسے ردّ نہ کرتے تھے۔ پہننے کے لیے اچھا کپڑا مل جائے تو اسے پھینک نہ دیتے تھے۔

نمبر۲۔ یہاں اور اس سے پیشتر چند باتیں عام طور ساری نسل انسانی کو مخاطب کر کے کہی ہیں۔ یٰبنی اٰدم قد انزلنا علیکم لباسًا۔ یٰبنی اٰدم خذوا زینتکم۔ اور یہاں یٰبنی اٰدم اما یاتینکم رسلٌ جس کا مطلب یہ ہے کہ اس سارے بنی آدم کے لیے ہے۔ شیطان کے فتنہ سے سب بنی آدم کو متنبہ کیا ہے۔ سب بنی آدم کو خدا کی عبادت کرتے وقت زینت اختیار کرنے کو کہا اور بالآخر سب بنی آدم کو بتایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کوئی اپنا رسول بھیجے تو اس کو قبول کرنا چاہیئے کیونکہ رسولوں کو قبول کرنے سے انسان کی اصلاح ہوتی ہے اور ان کا ردّ کرنا موجب خسران ہے۔ بعض ختم نبوت کے منکر اس سے یہ نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں کہ اس کے ماتحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی رسول آتے رہنے چاہئیں۔ ایک شرطیہ جملہ سے یہ نتیجہ نکالنا نادانی ہے۔ مطلب تو صرف اس قدر ہے کہ اگر بنی آدم کے پاس خدا کا رسول آئے تو اس کو قبول کرنے میں ان کی بہتری ہے۔ سو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کی ذات بابرکات کے متعلق یہ اعلان ہے کہ اگر اس کو قبول کر لو گے تو تمھاری بہتری کا موجب ہے اگر ردّ کرو گے تو تمھارے نقصان کا موجب ہے اور اگر کہا جائے کہ رسل کا لفظ جمع کیوں استعمال کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس لیے کہ خطاب کل بنی آدم کو ہے اور بنی آدم کی طرف رسول بھیجنے کا عام ذکر ہے۔ تو بلا شبہ آنحضرت صلعم سے پہلے بنی آدم کے پاس رسول آتے رہے اور سب سے آخر حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو بھیجا گیا کہ دنیا کی کُل قوموں کو ایک سلسلہ اخوت میں منسلک کریں اور اس بات کی شہادت کہ آپ کے بعد رسول نہ آئیں گے، دوسری جگہ سے ملتی ہے جہاں فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم آج کے دن میں نے تمھارے لیے تمھارا دین کامل کر دیا۔ رسول تو دین سکھانے کے لیے آتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے دین کو کامل کر کے پہنچا دیا تو پھر رسولوں کے آنے کی ضرورت بھی باقی نہ رہی۔ جب کمالِ شریعت اور شریعت کے آنے کے لیے مانع ہو گیا تو کمالِ نبوت بھی اور نبی کے آنے کے لیے مانع ہو گیا۔ جو ضرورت تھی وہ پوری ہو گئی۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾
فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا
اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ
مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا
يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا
عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾
قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا
دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا
فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا
هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۬ؕ
قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں اور ان سے تکبر کریں، وہ آگ والے ہیں اسی میں رہیں گے۔

پھر اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے ان لوگوں کو ان کا حصہ نوشتہ سے ملتا ہے گا[1]۔ یہاں تک کہ جب ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس آئیں گے کہ ان کو وفات دیں کہیں گے، وہ کہاں ہیں جن کو اللہ کے سوائے تم پکارتے تھے۔ کہیں گے وہ ہم سے جاتے رہے اور اپنی جانوں پر گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے[2]۔

کہے گا، ان قوموں میں جو تم سے پہلے جنوں اور انسانوں سے گزر چکیں آگ کے اندر داخل ہو جاؤ۔ جب کبھی کوئی جماعت داخل ہو گی اپنی ساتھی (قوم) پر لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب سب اس کے اندر ایک دوسرے کو پالیں گے اُن کے پچھلے ان کے پہلوں کو کہیں گے اے ہمارے رب انھوں نے ہمیں گمراہ کیا سو ان کو دوچند عذاب آگ کا دے کہے گا ہر ایک کے لیے دوچند ہے لیکن تم نہیں جانتے[3]۔

آفتاب رسالت شمس نصف النہار کی طرح چمک رہا ہے اس لیے اب کسی رسول کی ضرورت دنیا کو نہیں اور وہ لوگ جو رسول کے آنے کا جواز نکالتے ہیں مگر شریعت کا آنا نہیں مانتے ان کے لیے خود یہاں لفظ موجود ہیں یقصون علیکم اٰیتی یعنی رسول اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی پیغام بھی لائیں گے وہی پیغام شریعت ہے۔

نمبر۱۔ نصیبہم من الکتاب۔ کتاب بمعنی مکتوب بھی ہو سکتا ہے یعنی جو حصہ ان کے لیے لکھا گیا ہے۔ مگر الکتاب سے مراد یہی قرآن بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی وہ قرآن کو رد کر کے اس حظ سے بہرہ ور ہوں گے جو رد کرنے والوں کے لیے قرآن نے قرار دیا ہے۔

نمبر۲۔ شھدوا علی انفسھم اپنے نفسوں پر شہادت دینے سے مراد یہ ہے کہ الزام قبول کرلیں گے اور اپنے گناہوں کا اقرار کریں گے۔ یا یہ کہ ان کی حالت خود بتا دے گی کہ وہ کافر تھے اور جو طاقتیں انسان کی ترقی کے لیے انسان کے اندر ودیعت کی گئی تھیں ان کو انھوں نے دبا یا۔

نمبر۳۔ اَخ اور اُخت کا لفظ ہر قسم کی مشارکت پر بول دیا جاتا ہے۔ یہاں اختہا بلحاظ سیاق ان کے اولیاء ہیں یا یہ کہ تابع متبوع پر لعنت کریں گے اور متبوع تابع پر۔

اخراھم لاولٰھم سے پچھلے اور پہلے بلحاظ مرتبہ مراد ہیں یعنی تابع اور متبوع۔ یا ضعفا اور کبرا۔ لکل ضعف یعنی اگر متبوع زیادہ عذاب کے مستحق ہیں اس لیے کہ انھوں نے دوسروں کو گمراہ کیا تو تابع بھی زیادہ کے مستحق ہیں اس لیے کہ انھوں نے آنکھیں بند کر کے تقلید کی۔ دوسری توجیہ دوچند عذاب کی یہ ہے کہ ظاہر و باطن کا عذاب مراد ہے یوں ہر ایک کے لیے اس کا دوچند ہے جو نظر آتا ہے گو دوسرا نہ جانتا ہو۔

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾	اور ان کے پہلے ان پچھلوں کو کہیں گے تم کو ہم پر کوئی فوقیت نہیں۔ سو اس کے بدلے میں جو تم کماتے تھے، عذاب چکھو۔
اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾	جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور ان سے سرکشی اختیار کرتے ہیں، ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے[1] اور وہ جنت میں داخل نہ ہونگے جب تک اونٹ سُوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو[2]۔ اور اسی طرح ہم مجرموں کو سزا دیتے ہیں۔
لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾	ان کے لیے جہنم کا بچھونا ہے اور ان کے اوپر (اسی) اوڑھنے[3] اور اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیتے ہیں۔
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ۡ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾	اور جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں ہم کسی شخص پر کچھ لازم نہیں کرتے مگر اس کے مقدور کے مطابق۔ یہی جنت والے ہیں وہ اسی میں رہیں گے۔
وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْھٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِھٰذَا ۣ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْ	اور جو کچھ ان کے سینوں میں رنج ہوں ہم نکال دیں گے[4] ان کے نیچے نہریں بہتی ہونگی اور کہیں گے سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہم کو اس کے لیے ہدایت دی اور ہم تو ہدایت نہ پا سکتے

نمبر۱۔ مراد یہ ہے کہ اُن کے اعمال اوپر نہیں جاتے یا ان کی ارواح کا رفع نہیں ہوتا۔ صالح عمل کو اللہ تعالیٰ رفع دیتا ہے والعمل الصالح یرفعہ (فاطر ۳۵-۱۰) ایسا ہی مومنوں کو بھی اللہ تعالیٰ رفع دیتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا اسم الرافع ہے۔ اس لیے خواہ یہاں کفار کے اعمال مراد لیے جائیں یا اُن کی ارواح، مطلب ایک ہی ہے۔

نمبر۲۔ اونٹ کو عرب بڑائی میں بطور مثال بیان کرتے ہیں اور سُوئی کے ناکے کو تنگئ مسلک میں۔ یہاں یہ بتایا کہ ان کے اعمال نے ان کے لیے جنت میں داخل ہونا ایسا ہی مشکل کر دیا ہے جیسا اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزرنا مشکل ہے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ان کو وہاں پہنچا دے یا سزا دینے کے بعد تو یہ اور معاملہ ہے۔

نمبر۳۔ جہنم کے اوڑھنا اور بچھونا ہونے سے مراد یہ ہے کہ چاروں طرف سے عذاب ان پر محیط ہوگا۔

نمبر۴۔ نعمائے دنیا کے ساتھ یہ بھی لگا ہوا ہے کہ سینوں میں کسی قدر غل وغش رہتا ہے ایک دوسرے کے ساتھ کینہ یا حسد ہوتا ہے۔ جنت کی نعماء کے ساتھ یہ باتیں نہ ہوں گی۔ درجات میں اگر ایک دوسرے سے بلند بھی ہوں گے تو بھی دلوں میں کوئی حسد نہ ہوگا وہ نعماء ہر قسم کی ردی آمیزش سے پاک ہوں گی اور یا یہ مراد ہے کہ مومنوں میں بھی بعض وقت غلط فہمیوں سے ایک دوسرے سے رنج ہو جاتا ہے۔ قیامت میں وہ نہ ہوگا۔

لَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ
رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَ نُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ
اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ دیتا یقیناً ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے اور انھیں پکارا جائے گا کہ اس جنت کا تم کو اس کے بدلے میں وارث بنایا گیا جو تم کرتے تھے۔[1]

وَ نَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ
قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ
وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ
فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ
عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

اور جنت والے آگ والوں کو پکاریں گے۔ کہ بے شک ہم نے جو ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا تھا سچ پایا، تو کیا تم نے بھی جو تمھارے رب نے وعدہ کیا تھا سچ پایا؟ کہیں گے ہاں! تب ایک پکارنے والا ان کے درمیان پکارے گا کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا
عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

جو اللہ کی راہ سے روکتے اور اسے ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں اور وہ آخرت کے بھی منکر ہیں۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ
يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰىهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ

اور ان کے درمیان ایک پردہ ہوگا[2]۔ اعراف پر کچھ مرد ہونگے، جو سب کو ان کے نشانوں سے پہچانتے ہونگے[3] اور وہ جنت

نمبر۱۔ یہاں جنت کو مومن کے لیے ورثہ بتانے میں یہ اشارہ ہے کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتی ہے۔ اعمال کا بدلہ بھی ساتھ فرمایا مگر سچ یہی ہے کہ اعمال صالحہ جو انسان کرتا ہے تو وہ اپنا فرض ادا کرتا ہے۔ ان پر نعماء کا عطا کرنا یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

نمبر۲۔ یعنی اہل جنت اور اہلِ نار کے درمیان پردہ حائل ہوگا۔ پس وہاں کے حواس الگ ہی ہیں اور وہاں کی کیفیات بھی الگ ہیں دونوں کے درمیان پردہ بھی حائل ہے بایں ایک دوسرے سے باتیں بھی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو دیکھتے بھی ہیں۔

نمبر۳۔ الاعراف۔ عُرف کی جمع ہے اور وہ ہر ایک بلند مرتفع مکان کو کہتے ہیں اور زجاج کا قول ہے کہ اعراف وہ بلند مکان ہیں جو دیوار کے اوپر ہوں اور ایسا ہی جو بلند زمین ہو وہ بھی عرف کہلاتی ہے۔

اصحاب اعراف کون لوگ ہیں۔ اکثر مفسرین کا یہ خیال ہے کہ یہ اصحاب اعراف وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہیں اور وہ اعراف کو حجاب قرار دیتے ہیں جو جنت اور دوزخ کے درمیان ہے۔ مگر لفظ کے لغوی معنی کی رُو سے یہ تاویل درست معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اعراف بلند مقاموں کا نام ہے دوسرے اُن کے مرتبہ کی بلندی اس سے ظاہر ہے کہ وہ سب کو پہچانتے ہیں۔ یعنی اہلِ دوزخ کو اور اہلِ جنت کو نشانوں سے پہچانتے ہیں یہ ان کی بلند معرفت کا نتیجہ ہے اور لسان العرب میں ایک قول اصحاب الاعراف کے متعلق یہ بھی منقول ہے کہ وہ انبیاء ہیں اور یہی حق ہے کیوں کہ وہی اپنی امتوں کو پہچانتے ہیں کہ کون جنت میں جائیں گے اور کون دوزخ میں۔ اس کی تائید قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ انبیاء کو ایک خصوصیت دی گئی ہے کہ انھیں اپنی اپنی امتوں پر شہید کہا گیا ہے اور یہ ایک الگ ہی گروہ قرار دیا گیا ہے۔ ہاں امتِ محمدیہ کو یہ فضیلت دی گئی ہے کہ اس کے کامل الایمان لوگوں کو بھی اس گروہ میں داخل کیا ہے جیسے فرمایا لتکونوا شھداء علی الناس (البقرہ ۲-۱۴۳) اور اسی کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ قرآن کریم نے دوسری جگہ تین گروہ ہی بنائے ہیں ایک سابقون یا مقربون کا گروہ۔ ایک اصحاب الیمین یا اہلِ جنت کا گروہ ایک اصحاب الشمال

الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿٤٦﴾

والوں کو پکاریں گے کہ تم پر سلامتی ہو وہ ابھی اس میں داخل نہیں ہوئے اور وہ امید رکھتے ہوں گے۔

وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤٧﴾

اور جب اُن کی آنکھیں آگ والوں کی طرف پھریں گی، کہیں گے اے ہمارے رب ہم کو ظالم قوم کے ساتھ نہ کیجیو۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٤٨﴾

اور اعراف والے کچھ مردوں کو پکاریں گے جن کو وہ ان کے نشانوں سے پہچانتے ہونگے کہیں گے تم کو تمھاری جمعیت نے کچھ فائدہ نہ دیا اور (نہ) اس نے جو تم تکبر کرتے تھے ۱؎

اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿٤٩﴾

کیا یہ وہی ہیں جو تم قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ اُن پر رحمت نہیں کرے گا۔ جنت میں داخل ہو جاؤ، تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم پچھتاؤ گے ۲؎

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿٥٠﴾

اور آگ والے جنت والوں کو پکاریں گے، کہ ہم پر کچھ پانی بہاؤ، یا اُس سے (دو) جو اللہ نے تم کو رزق دیا ہے۔ کہیں گے اللہ نے ان کو کافروں پر حرام کیا ہے ۳؎

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّ

جنھوں نے اپنے دین کو تماشا اور کھیل بنایا اور ان کو دنیا

یا اہلِ دوزخ کا گروہ۔ دیکھو سورۃ الواقعہ ۵۶: ۲۸ تا ۴۱ اس لیے یہاں اہلِ جنت اور اہلِ نار کے علاوہ جس تیسرے گروہ کا ذکر ہو سکتا ہے وہ یہی سابقین اور مقربین کا گروہ ہے اور اگلے الفاظ میں لم یدخلوھا میں اصحاب جنت کا ذکر ہے اور انہی کا ذکر آیت ۴۷ میں ہے۔

نمبر۱۔ جمعکم سے مراد جمعیت بھی ہو سکتی ہے اور مال دولت کو جمع کرنا بھی۔ یہ الفاظ کہ اعراف والے دوزخ والوں میں سے خاص لوگوں کو پکاریں گے اور ان کو ان کی جمعیت اور ان کا تکبر یاد دلائیں گے اسی نتیجہ کے موید ہیں جس پر ہم اوپر پہنچے ہیں کہ اصحاب اعراف سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں اور وہ رجال جن کو وہ پکاریں گے وہ لوگ ہیں جنھوں نے دنیا میں اپنے مال اور جتھے کو حق کی مخالفت پر لگایا۔ ان لوگوں کو جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں حق کے ان مخالفین سے کیا تعلق اور ان کے انھیں پہچاننے کا کیا مطلب؟ ہاں انبیاء ان کو پہچانتے ہوں گے اس لیے کہ ان کی مخالفت ان لوگوں نے کی اور اگلی آیت میں اپنے متبعین کا ذکر کرتے ہیں۔

نمبر۲۔ یہ اہل جنت کی طرف اشارہ کر کے کہا گیا ہے اور مراد یہ ہے کہ یہ لوگ جو اب جنت میں جا رہے ہیں ان کے متعلق تم کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت نہیں کرے گا کیونکہ مخالفینِ حق مومنوں کو ذلیل سمجھا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کے اس قسم کے اقوال دوسری جگہ موجود ہیں۔ اَھٰۤؤُلَآءِ منّ اللہ علیہم من بیننا (الانعام ۶: ۵۳) ھٰؤلاء میں اشارہ اہل جنت کی طرف ہے جو اُن انبیاء کے پیرو ہیں۔

نمبر۳۔ جو لوگ اس دنیا میں کھانے پینے کے ہی خیال میں منہمک رہے وہاں بھی یہی خیال سر میں رہے گا اور ان کو جواب یہ دیا گیا ہے کہ وہ رزق اب مانگنے سے نہیں مل سکتا۔ ان کے قویٰ ہی اس قابل نہیں کہ وہ روحانی ثمرات حاصل کریں جن کا موقعہ انھوں نے خود گنوا دیا۔

غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰهُمْ
كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَ مَا
كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾

کی زندگی نے دھوکا دیا سو آج ہم ان کو چھوڑ دیں گے جس طرح وہ اپنے اس دن کی ملاقات کو بھول گئے ، اور اس لیے کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے ۱ ۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ
هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور یقیناً ہم نے ان کو کتاب دی جسے ہم نے علم کے ساتھ کھول کر بیان کیا ہے ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں ۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ
تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ
قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا
مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ
غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
ع ۱۲ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾

کیا وہ اس کے رتبائے ہوئے انجام ہی کا انتظار کرتے ہیں ۲ جس دن اس کا رتبایا ہوا انجام آئیگا وہ لوگ جنھوں نے اسے پہلے بھلا رکھا تھا کہیں گے بیشک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے پس کیا ہمارے کوئی شفاعتی ہیں جو ہمارے لیے سفارش کریں یا ہم لوٹائے جائیں تو اور عمل کریں اس کے خلاف جو ہم عمل کرتے تھے انھوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں ڈالا اور وہ جو افترا کرتے تھے ان سے جاتا رہا ۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ

تمھارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ وقتوں میں پیدا کیے ۳

نمبر ۱ ۔ یعنی دنیا میں ان کو موقع دیا گیا تھا جس کو انھوں نے ضائع کر دیا ۔ دین کو کھیل سمجھا اور حیوانی خواہشات پر ہی گرے رہے ۔ اس لیے ان کے روحانی قویٰ مر گئے اور وہ اس رزق کے اہل ہی نہیں رہے ۔ گویا اہل جنت بخل نہیں کرتے بلکہ انھیں بتاتے ہیں کہ وہ رزق خاص قویٰ کے حصول سے مل سکتا ہے ۔ مگر تم نے خود دنیا میں ان قویٰ کو بیکار کر دیا ۔

نمبر ۲ ۔ تاویل سے مراد اس کا بیان کردہ انجام ہے ۔ یعنی وہ وعید جو اُن کو دیئے گئے ۔ مطلب یہ ہے کہ اصلاح کا وقت تو یہی ہے کہ وعید کے آنے سے پہلے پہلے کر لے ۔ جب بدی کا انجام بد ظاہر ہو گیا تو پھر وہ ٹل کس طرح سکتا ہے ۔

نمبر ۳ ۔ ایک لمحہ سے لے کر پچاس ہزار سال کو بھی یوم کہا جا سکتا ہے ظاہر ہے کہ وہ یوم جس کو ہم دن کہتے ہیں جو آفتاب کے طلوع اور غروب سے تعلق رکھتا ہے وہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے بعد ظہور میں آیا پس ذکر پیدائش میں یہ مراد نہیں ہو سکتا ۔ اصل ذکر یہ ہے کہ حق کی ترقی تدریجی ہوگی ابتدایوں کی کہ آسمانوں کو اور زمین کو بھی اللہ تعالیٰ نے چھ وقتوں میں پیدا کیا یعنی ان کی پیدائش کی جو آخری حالت ہے چھ زمانوں میں چھ حالتوں سے گزار کر اُن کو اس حالت تک پہنچایا ۔ ان معنوں کی صحت پر یہ امر شاہد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ المومنون ۲۳ کے پہلے رکوع میں انسان کی پیدائش کے بھی چھ ہی مراتب بیان کیے ہیں ۔ نطفہ ، علقہ ، مضغہ ، مضغہ میں ہڈیوں کا پیدا ہونا ۔ پھر سارے اعضا کا ٹھیک ہو کر ہڈیوں پر گوشت کا چڑھ جانا ۔ پھر اس میں زندگی کا پیدا ہونا اور اس کے مقابل پر دہیں یعنی سورہ المومنون میں چھ ہی مراتب خلق روحانی کے بیان فرمائے ہیں ۔ زمین کی پیدائش کو اگر لیا جائے تو سائنس سے موجودہ حالت تک پہنچنے میں چھ مرتبے ثابت ہوتے ہیں ایک وہ حالت جب یہ انگارے کی صورت میں تھی ۔ دوسری وہ حالت جب وہ انگار ٹھنڈا ہونا شروع ہوا اور پانی وغیرہ الگ ہوئے ۔ تیسری وہ حالت جب اس کی سطح کا اوپر کا حصہ کافی موٹا ہو گیا اور پہاڑ وغیرہ بن گئے ۔ چوتھی وہ حالت جب نباتات بنیں ۔ پانچویں وہ حالت جب حیوانات پیدا ہوئے ۔ چھٹی وہ حالت جب خلاصہ مخلوقات انسان بنا ۔ اسی طرح زمین و آسمان کی ہر چیز کی پیدائش میں چھ مرتبے نظر آتے ہیں ۔

الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ یَطْلُبُهٗ حَثِیْثًا ۙ وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمْرِهٖ ؕ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ ؕ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۵۴

پھر وہ عرش پر متمکن ہے [1]۔ رات کو دن کا لباس پہناتا ہے وہ اس کے پیچھے لگاتار چلا آتا ہے اور سورج اور چاند ستارے اس کے حکم سے کام میں لگائے گئے ہیں، سن لو بنانا اور حکم دینا اسی کا کام ہے۔ اللہ بابرکت ہے جو جہانوں کا رب ہے۔

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝۵۵

اپنے رب کو عاجزی سے اور چھپ کر پکارو، وہ حد سے بڑھنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

وَ لَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَ ادْعُوْهُ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ؕ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝۵۶

اور زمین کے اندر اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ کرو۔ اور خوف کرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے اس کو پکارو، اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں سے قریب ہے۔

وَ هُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ

اور وہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری دیتے ہوئے بھیجتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ بھاری بادل کو اٹھا لاتی ہیں ہم اس کو ایک مردہ زمین کی طرف چلاتے ہیں پھر ہم اس سے پانی اتارتے ہیں۔ پھر اس سے ہر قسم کے پھل نکالتے ہیں اسی طرح ہم مُردوں کو نکال کھڑا کریں

نمبر1۔ راغب کہتے ہیں کہ عرش اصل میں مسقف چیز کو کہتے ہیں اور بادشاہ کے بیٹھنے کی جگہ یعنی تخت کو عرش اس کے علو کے لحاظ سے کہا جاتا ہے اور پھر لکھتے ہیں کہ اس سے مراد عزّ یعنی غلبہ اور سلطان اور مملکت بھی لیا جاتا ہے اور پھر لکھتے ہیں کہ اللہ کا عرش ایک ایسی چیز ہے جس کو فی الحقیقت کوئی بشر نہیں جانتا اور جو عوام الناس کا وہم ہے وہ ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں عرش اللہ تعالیٰ کو اٹھانے والا ہوتا حالانکہ اللہ کی ذات اس سے پاک ہے اور پھر لکھتے ہیں کہ بعض کے نزدیک ذوالعرش وغیرہ میں عرش سے مراد اس کی مملکت اور غلبہ ہے نہ اس کے ٹھہرنے کی جگہ جس سے وہ پاک ہے۔ استویٰ علی العرش سے کیا مراد ہے۔ وہی لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے استعمال ہوتے ہیں جو انسان کے لیے ہوتے ہیں مگر ان کی حقیقت میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ خدا کے بھی ہاتھ ہیں، وہ سنتا ہے، دیکھتا ہے مگر اس کو انسانوں کے ہاتھوں پر، اُن کے سننے پر، اُن کے دیکھنے پر قیاس کرنا صریح غلطی ہے۔ اس طرح اگر ایک عرش بادشاہ کا ہے اور ایک عرش خدا کا ہے تو ان دونوں سے ایک ہی معنی تخت مراد لینا صریح غلطی ہے بادشاہ کی بادشاہت تخت سے وابستہ ہے مگر خدا کی بادشاہت ان باتوں سے پاک ہے۔ بادشاہ کے تخت پر بیٹھنے سے مراد صرف اس قدر ہوتی ہے کہ اس کی قدرت اور حکومت کا نفاذ ہو گیا۔ یہی مراد نہ تخت پر بیٹھنے کا ظاہری فعل خدا کے استویٰ علی العرش سے ہو سکتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف الفاظ منسوب ہوں تو جو اُن میں آلہ ذریعہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں ہوتا بلکہ صرف فعل کی آخری غرض منسوب ہوتی ہے۔ سیاق بھی اسی معنی کو چاہتا ہے کیونکہ اوّل خلق کا ذکر ہے دوسرا کام جس سے قدرت کامل ہوتی ہے نفاذ امر ہے اور جب کرسی کے معنے بخاری بھی علم کرتے ہیں تو عرش کے اس معنی میں کوئی دقت باقی نہیں رہتی۔

نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾	گے تاکہ تم نصیحت قبول کرو ۱
وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ	اور اچھی زمین کا سبزہ اس کے رب کے حکم سے (خوب) نکلتا ہے
رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ	اور جو خراب ہے (وہاں) نکلتا بھی ہے تو ناقص ۲ اسی طرح
ع كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴿۵۸﴾	ہم ان لوگوں کے لیے جو شکر کرتے ہیں بار بار باتیں بیان کرتے ہیں۔
لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ	بیشک ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا، سو اس نے کہا اے
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْٓ	میری قوم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ میں تم
اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾	پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ۳
قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ	اس کی قوم کے سرداروں نے کہا، ہم یقیناً تجھ کو کھلی گمراہی

نمبر۱۔ قدرت کا ایک عام نظارہ بیان کرکے کہ ٹھنڈی ہوائیں کس طرح بارش کی خوشخبری لاتی ہیں اپنی روحانی بارش کی طرف توجہ دلائی کہ اس کے آگے آگے بھی ٹھنڈی ہوائیں چلی آرہی ہیں۔ یہ ٹھنڈی ہوائیں اسلام کی ہلکی ہلکی قبولیت کی خوشخبریاں ہیں پھر اس کے بعد وہ وقت بھی آتا ہے کہ یہ روحانی بارش ایک مردہ زمین پر پڑ کر اسے زندہ کردے۔

نمبر۲۔ اس میں بتایا ہے کہ جس طرح پر ظاہر میں دیکھتے ہو کہ سب زمینیں یکساں نہیں۔ بارش تو ایک ہی سب پر ہوتی ہے مگر بعض کی استعداد قبولیت اچھی ہوتی ہے۔ ان میں روئیدگی اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔ بعض زمین ناقص ہوتی ہے اس لیے روئیدگی اس میں نکلے بھی تو نہایت قلیل اور مُردہ سی کہ ترقی نہیں کرتی۔ اسی طرح طبائع انسانی کی استعداد میں اختلاف ہے۔ اپنی اپنی استعداد کے مطابق خدا تعالیٰ کی اس روحانی بارش سے فائدہ اُٹھائیں گے سب پر یکساں توقع غلط ہے۔

نمبر۳۔ وحی الٰہی کے جھٹلانے کے بُرے نتائج سے قریش اور دشمنانِ اسلام کو آگاہ کرکے اب کچھ مثالیں پہلی تاریخ سے پیش کی ہیں کہ کس طرح جن لوگوں نے پہلے پیغمبروں کے ساتھ عداوت کرکے ان کو تباہ کرنا چاہا اُن کا انجام خطرناک ہُوا۔ پیغمبروں کا ذکر جو قرآن کریم میں آتا ہے اس کے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قصوں کے رنگ میں نہیں اور اسی لیے ساری تفصیلات کا ذکر نہیں ہوتا بلکہ صرف ان امور کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے ذریعہ سے اعدائے اسلام کو متنبہ کرنا مقصود ہو۔ مثلاً تعلیم میں سے۔ عموماً یہ موٹا اصول لے لیا ہے جو سب انبیاء کی تعلیم میں مشترک ہے کہ خدا ایک ہے اسی کی عبادت کرو، تقویٰ اختیار کرو، خلق خدا کے ساتھ نیکی کرو۔ لوگوں نے کیا سلوک کیا اس کی تفصیلات کو عموماً چھوڑ دیا ہے امر مشترک کہ نبی کو جھوٹا کہا اس کے تباہ کرنے کی کوشش کی اس کی مخالفت پر کھڑے ہو گئے اس کو بیان کردیا ہے۔ اور پھر آخر بتا دیا ہے کہ اعداء ہلاک ہو گئے اور تعلیم حق پھیل گئی۔ عموماً یہ ذکر مکی سورتوں میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامیابی کا کسی کو وہم بھی نہ ہو سکتا تھا اور جہاں اعداء کی طاقت کے نیست و نابود ہونے کا کسی کو شبہ بھی نہ ہو سکتا تھا۔ پس ان انبیاء کا ذکر درحقیقت ایک پیشگوئی کے طور پر ہے کہ جس طرح پہلوں کے اعداء تباہ ہو گئے اسی طرح محمد رسول اللہ صلعم کے دشمن بھی تباہ ہو جائیں گے۔

یہاں جن انبیاء کا ذکر کیا ہے وہ تاریخی ترتیب سے ہے اور چند نہایت مشہور انبیاء کا ذکر کردیا ہے۔ آدمؑ کا ذکر تو پہلے ضرورت وحی میں ہی آچکا۔ اب سب سے پہلے نوحؑ کا ذکر کیا ہے۔ گویا یوں سمجھنا چاہیئے کہ عرب کے اردگرد جس قدر نبی ہوئے ان میں سے تاریخی طور پر جن انبیاء کا ذکر باقی رہ گیا ہے ان میں حضرت نوحؑ ہی سب سے پہلے نبی تھے اس لیے ان کے ذکر سے ابتدا کی۔ حضرت نوحؑ کا ذکر علاوہ اس موقعہ کے اور کئی مقامات پر بھی آتا ہے۔

ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦٠﴾	میں دیکھتے ہیں ۔
قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ	اس نے کہا اے میری قوم مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں ۔لیکن
مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦١﴾	میں جہانوں کے رب کا رسول ہوں ۔
اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ	میں تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمھاری خیر خواہی کرتا ہوں
اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٢﴾	اور میں اللہ سے کچھ جانتا ہوں ۔جو تم نہیں جانتے ۔
اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ	اور کیا تم تعجب کرتے ہو کہ تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے
عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَ لِتَتَّقُوْا	تم ہی میں سے ایک شخص کے ذریعہ سے نصیحت آئی تاکہ وہ تم کو ڈرائے
وَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٦٣﴾	اور تاکہ تم تقوےٰ کرو اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۔
فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي	پر انھوں نے اس کو جھٹلایا سو ہم نے اسے اور انھیں جو اس کے ساتھ
الْفُلْكِ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا	کشتی میں تھے بچایا اور انھیں غرق کردیا جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا¹
ع اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿٦٤﴾	وہ اندھی قوم تھی ۔
وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا	اور عاد کی طرف اُن کے بھائی ہُود کو (بھیجا)² اس نے کہا اے میری قوم
اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٦٥﴾	اللہ کی عبادت کرو تمھارے لیے سوائے اس کے کوئی معبود نہیں پس کیا تم تقویٰ اختیار نہ کروگے
قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا	اس کی قوم کے سرداروں نے جو کافر تھے ، کہا
لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّ اِنَّا لَنَظُنُّكَ	ہم تجھے بے وقوف دیکھتے ہیں اور ہم تجھے جھوٹوں
مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦٦﴾	میں سے سمجھتے ہیں ۔
قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ	اس نے کہا اے میری قوم مجھ میں بے وقوفی کوئی نہیں
رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٧﴾	لیکن جہانوں کے رب کا رسول ہوں ۔
اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنَا لَكُمْ	میں تمھیں اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور میں تمھارا

نمبر۱۔ طوفان کے متعلق مفصل ذکر آگے آئے گا ۔لیکن کلام پاک کے یہ الفاظ واغرقنا الذین کذبوا بآیتنا صاف بتاتے ہیں کہ صرف وہی لوگ غرق ہوئے جن کی طرف حضرت نوحؑ پیغام لائے اور جنھوں نے آپ کو جھوٹا کہا اور آپ کی مخالفت کی اور حضرت نوحؑ کا پیغام صرف اپنی قوم کی طرف تھا جیسا کہ آیت ۵۹ سے ظاہر ہے ۔ نہ کل عالم کی طرف اس سے سارے عالم پر محیط ہونے والے طوفان کا خیال غلط ٹھہرتا ہے ۔

نمبر۲۔ نوحؑ کی قوم کے بعد بلحاظ ترتیب زمانی عاد کا ذکر کیا ہے یہ ایک بڑی زبردست قوم تھی جو عرب کے جنوب میں الاحقاف میں آباد تھی اور

نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾	امانت دار خیر خواہ ہوں ۱؎
اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ	اور کیا تم تعجب کرتے ہو کہ تمھارے پاس تمھارے رب
عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ؕ وَاذْكُرُوْٓا	کی طرف سے تم میں سے ہی ایک شخص کے ذریعہ سے نصیحت
اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ	آئی تاکہ وہ تم کو ڈرائے اور یاد کرو جب اس نے تم کو نوحؑ
وَّزَادَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا	کی قوم کے بعد بادشاہ بنایا اور تم کو پیدائش میں قوت میں بڑھایا
اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾	سو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو ۲؎۔
قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا	انھوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم اکیلے اللہ کی عبادت
كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ	کریں اور اس کو چھوڑ دیں جس کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے۔ تو ہم
كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۷۰﴾	پر لے آ جو تو ہمیں وعدہ دیتا ہے اگر تو سچوں میں سے ہے۔
قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ	اس نے کہا یقیناً تمھارے رب کی طرف سے تم پر پلیدی اور ناراضگی
وَّغَضَبٌ ؕ اَتُجَادِلُوْنَنِىْ فِىْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ	آچکی۔ کیا تم میرے ساتھ (ان) ناموں پر جھگڑتے ہو، جو
اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ	تم نے اور تمھارے باپ دادوں نے رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نہیں اتاری ۳؎
فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۷۱﴾	سو انتظار کرو میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔
فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا	سو ہم نے اس کو اور ان کو جو اس کے ساتھ تھے اپنی رحمت سے بچا لیا۔

جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے ان کا عروج اس قدر ہو گیا تھا کہ یہاں سے نکل کر انھوں نے بہت سے ملکوں پر اپنا قبضہ جما لیا تھا۔ خود عاد جس کے نام پر اس قوم کا نام ہوا ارم کا پوتا تھا جو نوحؑ کا پوتا تھا اور اس قوم کو بعض وقت عاد اولیٰ بھی کہا جاتا ہے اور ثمود کو جو اس قوم کی ایک شاخ تھی، عاد ثانیہ کہا جاتا ہے۔ اس قوم کے تاریخی نشانات اور کتبے بھی ملے ہیں۔ انھوں نے اپنے چار دیوتا قرار دیئے ہوئے تھے۔ ساقیہ، حافظہ۔ رازقہ۔ سالمہ یعنی بارش کا دیوتا۔ دشمنوں سے بچانے والا دیوتا۔ رزق دینے کا دیوتا۔ صحت کا دیوتا۔ حضرت ہودؑ کو جو ان کی طرف مبعوث ہوئے ان کا بھائی اسی قوم میں سے ہونے کی وجہ سے کہا ہے۔

نمبر۱۔ امین۔ امن طمانیت نفس کا نام ہے اور امین وہ ہے جو ایسی ہر طرح کی خوبیوں سے متصف ہو کہ اس کے متعلق سب کو طمانیت نفس حاصل ہو اور چونکہ امانت کا لفظ بھی ان تمام فرائض پر بولا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے ذمہ رکھے ہیں۔ اس لیے امین وہ ہے جو تمام فرائض انسانی کو ادا کرنے والا ہو۔ ایک رسول کو امین یعنی ہر طرح سے راستباز قرار دے کر تمام رسولوں کی عصمت کے اصول کو بیان کر دیا۔ ورنہ یہ مطلب نہیں کہ حضرت ہودؑ تو امین تھے اور حضرت عیسیٰؑ امین نہ تھے اس لیے کہ ان کے متعلق یہ لفظ قرآن شریف میں نہیں آیا۔

نمبر۲۔ قوم عاد قوت میں اور غالباً قوتِ جسمانی میں بھی اپنے ہمعصروں پر فوقیت لے گئی تھی اور بڑے حصہ دنیا کو اپنے تصرف میں کر لیا تھا۔

نمبر۳۔ اسماء کے لفظ میں ان دیوتاؤں کی طرف اشارہ ہے جو انھوں نے اپنے لیے مقرر کر رکھے تھے انکو محض نام کہا ہے جن کے نیچے کوئی حقیقت نہیں۔

وَ قَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا
وَ مَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۲﴾

اور ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا
اور وہ مومن نہ تھے۔

وَ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ
جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ
اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ
اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ کو بھیجا[1] اس نے کہا اے
میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمھارے لیے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں
یقیناً تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے کھلی دلیل آچکی۔ یہ اللہ کی اونٹنی[2]
تمھارے لیے نشان ہے سو اس کو چھوڑ دو، اللہ کی زمین میں چرے اور اس کو کوئی
دکھ نہ پہنچاؤ ورنہ تمھیں دردناک عذاب پکڑے گا۔

وَ اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ
وَّ بَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا
قُصُوْرًا وَّ تَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا
اٰلَآءَ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾

اور یاد کرو جب تم کو عاد کے بعد جانشین بنایا اور تمھیں زمین
میں ٹھکانا دیا، تم اس کے میدانوں میں محل بناتے ہو
اور پہاڑوں کو تراش کر کوٹھیاں بناتے ہو۔ سو اللہ کی نعمتوں
کو یاد کرو اور زمین میں فساد مچاتے مت پھرو۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ
لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ

سرداروں نے جنھوں نے اس کی قوم میں سے تکبر کیا۔ ان سے جو
کمزور تھے جو ان میں سے ایمان لائے کہا کیا تم جانتے ہو

نمبر ۱۔ قوم ثمود جو ارم کے ایک دوسرے پوتے کے نام پر مشہور ہوئی قوم عاد سے قریبی تعلق رکھتی ہے مگر عاد کے دو سو سال بعد اُس کا عروج ہوا۔ یہ قوم مدینہ کے شمال میں الحجر کے علاقہ میں آباد تھی جو پہاڑی علاقہ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ثمود اُن کا نام ثمد سے ہے۔ جس کے معنی قلیل پانی ہیں جس کا مادہ کوئی نہ ہو۔ یہ پہاڑی علاقہ تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ بارش کا پانی اکٹھا کر کے گزارہ کرتے تھے اور چشموں کی بہت قلت تھی۔

نمبر ۲۔ ناقة الله۔ یہ اضافت محض تعظیم کے لیے ہے جیسے بیت اللہ میں اور ادنیٰ ملابست کی اضافت ہے کیونکہ اللہ کی طرف سے وہ اونٹنی بطور نشان قرار دی گئی کہ جو کوئی اس کو مارے گا وہ خود تباہ کر دیا جائے گا۔ جس طرح بیت اللہ کو ایک نشان قرار دیا گیا کہ جو کوئی اس کو برباد کرنا چاہے وہ خود برباد کر دیا جائے گا۔ باقی باتیں کہ یہ اونٹنی پتھر سے پیدا ہوئی تھی اور تنہا ساری قوم کا پانی پی جاتی تھی محض قصے ہیں جن کی کوئی بھی اصلیت نہیں۔ اونٹنی کا نشان تکذیب کے بعد دیا گیا اور وہ عذاب کے آنے کے لیے محض ایک نشان کے طور پر تھا جیسا کہ جاء تکم بینة من ربکم سے ظاہر ہے یعنی حق کے دلائل تو آچکے، مگر چونکہ ان دلائل کی پروا نہیں کی اس لیے اب عذاب آتا ہے۔ یہ ذکر زیادہ تفصیل سے سورۂ ہود میں اور سورۂ شعراء میں موجود ہے اور مؤخر الذکر سورت میں لمبی بحث کے بعد وہ خود نشان مانگتے ہیں فات بایة ان کنت من الصادقین (الشعراء ۲۶-۱۵۴) اور اس اونٹنی کے مارنے میں بھی درحقیقت ایک تمہید معلوم ہوتی ہے کہ اس کے بعد وہ خود حضرت صالحؑ کو مارنا چاہتے تھے۔ چنانچہ حضرت صالحؑ کے خلاف ان کی اس سازش کا ذکر سورۂ النمل۔ ۴۸ و ۴۹ میں موجود ہے کہ آپ کے اور آپ کے سب ساتھیوں کو قتل کرنے کا منصوبہ وہ کر چکے تھے لنبیتنه واهله پس اس اونٹنی کا مار دینا آخری نشان تھا کہ اب وہ حضرت صالحؑ کو قتل کر دیں گے اور حضرت صالحؑ کا یہ فرمانا کہ اسے چھوڑ دو اللہ کی زمین میں چرے یا یہ کہ اس کو بھی پانی پینے دو یہ بتانے کو تھا کہ اگر تمھیں عداوت ہے تو مجھ سے ہے ایک بے زبان جانور کو دکھ نہ پہنچاؤ۔

اَتَعۡلَمُوۡنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرۡسَلٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوۡۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرۡسِلَ بِهٖ مُؤۡمِنُوۡنَ ۝۷۵

کہ صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہے ، بولے جو کچھ اسے دیکر بھیجا گیا ہے اس پر ایمان لانے والے ہیں۔

قَالَ الَّذِيۡنَ اسۡتَكۡبَرُوۡۤا اِنَّا بِالَّذِىۡۤ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ كٰفِرُوۡنَ ۝۷۶

جو متکبر تھے بولے ، جس پر تم ایمان لائے ہم اس کا انکار کرنے والے ہیں۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوۡا عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهِمۡ وَقَالُوۡا يٰصٰلِحُ ائۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝۷۷

پس انھوں نے اونٹنی کو مار ڈالا اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہا اے صالح لے آ جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے ، اگر تو پیغمبروں میں سے ہے۔

فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ۝۷۸

سو اُن کو زلزلے نے آ پکڑا ، تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے ۔[1]

فَتَوَلّٰى عَنۡهُمۡ وَقَالَ يٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسَالَةَ رَبِّىۡ وَنَصَحۡتُ لَـكُمۡ وَلٰـكِنۡ لَّا تُحِبُّوۡنَ النّٰصِحِيۡنَ ۝۷۹

پس اس نے اُن سے منہ پھیرا اور کہا اے میری قوم یقیناً میں نے تم کو اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور تمھارا بھلا چاہا ، لیکن تم خیر خواہوں کو دوست نہیں رکھتے۔

وَلُوۡطًا اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖۤ اَتَاۡتُوۡنَ الۡفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمۡ بِهَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۸۰

اور لوطؑ کو (بھیجا) جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم ایسی بےحیائی کرتے ہو جو تم سے پہلی قوموں میں سے کسی نے نہیں کی ۔[2]

نمبر ۱۔ جٰثمین۔ جثم پرند کے متعلق کہا جاتا ہے جب وہ زمین پر بیٹھ جائے اور اس سے لگ جائے پس جٰثمین سے مراد ہے جہاں تھے وہیں رہ گئے جیسا زلزلہ میں دب کر لوگ رہ جاتے ہیں۔ یہاں الرجفة کا لفظ استعمال کر کے صاف بتا دیا کہ ثمود کی قوم کا عذاب بھونچال تھا۔ صیحة ، صاعقة وغیرہ نام سب زلزلہ پر صادق آتے ہیں۔ کیونکہ سخت زلزلہ کے ساتھ خطرناک آواز بھی ہوتی ہے۔

نمبر ۲۔ ترتیب زمانی کے لحاظ سے ثمودؑ کے بعد ابراہیمؑ کا ذکر کرنا چاہیئے تھا مگر اس کا ذکر بالکل چھوڑ کر لوطؑ کا ذکر شروع کر دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا ذکر پہلے الگ سورہ الانعام میں کر دیا ہے اور یہ علیٰحدہ ذکر بھی بلاوجہ نہیں جس قدر انبیاء کا یہاں ذکر کیا ہے وہ اس غرض کے لیے ہے کہ بتایا جائے کہ ان کے اعدا ہلاک ہو گئے۔ اس لیے حضرت ابراہیمؑ کو جن کی قوم پر ایسے عذاب کے آنے کا کوئی ذکر نہیں ان انبیاء سے الگ کر دیا اور آنحضرت صلعم کے اعدا کے ساتھ سلوک حضرت ابراہیمؑ کے اعدا والا ہوا یعنی ان کو تباہ نہیں کیا گیا مگر ان کی قوت توڑ کر اُن کا استیصال کر کے ایک رنگ میں دوسرے انبیاء کے اعداء کے ساتھ ان کو شامل کر دیا۔

حضرت لوطؑ حضرت ابراہیم کے بھتیجے تھے مگر علیٰحدہ قوم کی طرف مبعوث ہوئے یعنی سدومیوں کی طرف۔ بائبل میں جو ذکر لوطؑ کا ہے اس میں حضرت لوطؑ کو بدترین افعال شنیعہ کا مرتکب بیان کیا گیا ہے یعنی یہ کہ وہ نعوذ باللہ من ذالک اپنی بیٹیوں سے تعلق ناجائز کے مرتکب ہوئے۔ مگر جس طرح کئی ایک انبیاء کے متعلق بائبل میں تحریف ہو کر غلط باتیں راہ پا گئیں اسی قسم کی یہ ایک غلطی ہے جو بائبل کی تحریف کو ثابت کرتی ہے اور پطرس کی شہادت ۲ پطرس ۲: ۷ و ۸ میں یوں مرقوم ہے " اور راستباز لوط کو جو شریروں کی ناپاک چالوں سے دق ہوا رہائی بخشی کہ وہ راستباز اُن میں

إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّن دُونِ النِّسَاءِ ۚ بَلْ أَنتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿٨١﴾

تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت رانی کے لیے آتے ہو، بلکہ تم حد سے نکل جانے والے لوگ ہو۔

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَن قَالُوا أَخْرِجُوهُم مِّن قَرْيَتِكُمْ ۖ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ ﴿٨٢﴾

اور اس کی قوم کا جواب کچھ نہ تھا مگر یہ کہ انھوں نے کہا ان کو اپنی بستی سے نکال دو یہ وہ لوگ ہیں جو پاک بنتے ہیں[1]

فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿٨٣﴾

سو ہم نے اُسے اور اس کے اہل کو بچا لیا، مگر اس کی عورت وہ پیچھے رہنے والوں میں سے تھی[2]

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِم مَّطَرًا ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٨٤﴾ ع

اور ہم نے اُن پر ایک مینہ برسایا۔ پس دیکھ مجرموں کا انجام کیسا ہوا[3]

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو (بھیجا)[4] اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمھارے لیے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں یقیناً تمھارے رب کی طرف تمھارے پاس کھلی دلیل آ چکی۔ سو ماپ اور تول کو پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو[5]

رہ کر اُن کے بے شرع عملوں کو دیکھ سن کے ہر روز اپنے سچے دل کو شکنجے میں کھینچتا تھا۔" بھلا جو شخص ایسے گندے فعل کا ارتکاب کرے یعنی بیٹیوں سے ناجائز تعلق رکھے وہ راستباز کہلا سکتا ہے اور اس کا دل دوسروں کے اسی قسم کے گندے فعل سے کیوں دُکھے گا۔ پس بائبل کو خود بائبل غلط ٹھہراتی ہے اور صحیح فیصلہ قرآن کا ہے کہ لوطؑ انبیاء میں سے تھے۔

نمبر۱۔ حضرت لوطؑ باہر سے آکر ان کی بستی میں آباد ہوئے تھے۔ یہ محض ان کی اصلاح کے لیے تھا اور حکم خداوندی کے ماتحت آئے تھے۔

نمبر۲۔ یہاں اھلہ سے مراد حضرت لوطؑ کے متبع ہی ہیں اور بلاشبہ انبیاء کے ساتھ ان کے متبع ہی بچائے جاتے ہیں۔ اور اوپر اناس یتطھرون میں حضرت لوطؑ کے پیروؤں کا ہی ذکر تھا۔

نمبر۳۔ یہ بارش کیا تھی اس کا ذکر دوسری جگہ آتا ہے کہ پتھروں کی بارش تھی (ہودؑ۔ ۸۲، الحجرؑ۔ ۷۴) جس سے معلوم ہوا کہ آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا۔

نمبر۴۔ شعیبؑ حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں سے پانچویں پشت میں ہیں اس لیے ان کا ذکر تاریخی ترتیب میں حضرت لوطؑ کے بعد آیا ہے۔ بائبل میں ہے کہ مدیان ابراہیمؑ کے ایک بیٹے کا نام تھا جو اُن کی تیسری بی بی قتورہ کے بطن سے پیدا ہُوا۔ اسی نام کا ایک شہر بحیرہ قلزم پر ہے جہاں مدیان کی نسل آباد ہوئی۔

نمبر۵۔ وزن کے پورا کرنے میں اشارہ ہے کہ تمام اقوال و افعال میں عدل کو ملحوظ رکھے۔ کیونکہ وزن اصل میں کسی شے کا اندازہ جاننے کو کہتے ہیں۔ عام طور پر وزن وہ سمجھا جاتا ہے جو ترازو کے ساتھ ہو مگر اس کا استعمال عام بھی ہے اور جس طرح تول میں ایک چیز لی جاتی ہے اور دوسری دی جاتی ہے۔ اسی طرح انسان کے ہر قسم کے حقوق اور ذمہ داریاں ہیں جس طرح ایک انسان کا حق دوسرے پر ہوتا ہے اسی طرح اس کے متعلق کچھ ذمہ داری بھی ہوتی ہے ان تمام حقوق اور ذمہ داریوں کو پورا کرنا وزن کا پورا کرنا ہے۔

النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ
بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۸۵

اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ کرو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مان لو۔

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ
وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ
بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ
قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ
عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۸۶

اور ہر ایک رستہ پر مت بیٹھو تم ڈراتے ہو، اور اللہ کی راہ سے اُسے روکتے ہو جو اس پر ایمان لاتا ہے اور اس میں ٹیڑھا پن چاہتے ہو۱۔ اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے پھر تم کو بہت کر دیا اور دیکھ لو کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا۔

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ
اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا
حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۸۷

اور اگر تم میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو اس پر ایمان لایا ہے جو مجھے دیکر بھیجا گیا ہے اور ایک گروہ ایمان نہیں لایا تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ ہمارے درمیان فیصلہ کرے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ
لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ
مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ
اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ۸۸

سرداروں نے جنھوں نے اس کی قوم میں سے تکبر کیا کہا، اے شعیبؑ ہم تجھ کو اور ان کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے ضرور اپنی بستی سے نکال دینگے یا تمھیں ہمارے مذہب میں لوٹ آنا ہوگا۔ کہا، کیا اس حال میں بھی کہ ہم بیزار ہوں۲۔

نمبر۱۔ رستوں میں بیٹھنا حقیقی معنوں میں بھی ہو سکتا ہے یعنی ڈاکہ مارنے کے معنی ہیں جیسے قطع طریق آتا ہے اور مجازی معنی میں بھی۔ یعنی مراد اس سے صرف لوگوں کا روکنا ہُوا۔ اور کل صراط سے مراد ہر ایک حق کا رستہ ہے۔ نبی کریم صلعم کے اعدا بھی ایسا ہی کرتے تھے اور انہی کی طرف اشارہ کرنے کو اس کا ذکر کیا۔

نمبر۲۔ لتعودن۔ عود کے اصل معنی ہیں ایک چیز سے انصراف یعنی پھر جانے کے بعد اس کی طرف رجوع کرنا خواہ اپنی ذات سے ہو یا محض قول سے یا عزیمت سے۔ انبیاء علیہم السلام کبھی حالت ضلالت میں نہیں ہوتے، چہ جائیکہ ان کی طرف کفر منسوب کیا جا سکے۔ عود کا لفظ محض اس لیے استعمال کیا کہ قوم کی حالت عام طور پر کفر تھی۔ یا وہ ایک قومی مذہب تھا یہی وجہ ہے کہ یہاں کفار تمنا رکھتے ہیں یعنی اس مذہب کو اپنا مذہب قرار دیتے ہیں اور حضرت شعیبؑ جو [illegible] منکم کہتے ہیں یعنی تمہارا مذہب اور اس لیے بھی عود کا استعمال جائز ہے کہ یہاں اکیلے حضرت شعیبؑ کا ذکر نہیں بلکہ والذین اٰمنوا کا ذکر بھی ساتھ ہے اور یہ لوگ بلاشبہ حالتِ کفر سے نکل کر حالتِ اسلام کی طرف آئے تھے۔ قرآن کریم کی اس دلیل پر کہ جب ہم ایک عقیدہ سے دل سے بیزار ہیں تو اس کی طرف کیونکر آ سکتے ہیں۔ وہ لوگ غور کریں جو ایسے مہدی کا آنا مانتے ہیں جو تلوار کے زور سے لوگوں کو مسلمان کرے گا۔ خواہ دل سے وہ ان عقاید کو ناپسند ہی کرتے ہوں۔

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ
مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ؕ وَمَا
يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَاۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ
رَبُّنَا ؕ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ عَلَى اللّٰهِ
تَوَكَّلْنَا ؕ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا
بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿٨٩﴾

یقیناً ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھا، اگر ہم تمہارے مذہب میں لوٹ آئیں اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں اس سے نجات دی اور ہمیں شایاں نہیں کہ ہم اس میں لوٹ آئیں مگر جو اللہ ہمارا رب چاہے[1] ہمارے رب کا علم تمام چیزوں پر حاوی ہے۔ ہم نے اللہ پر بھروسہ کیا۔ اے ہمارے رب ہمارے درمیان اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر اور تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ
اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿٩٠﴾

اور اس کی قوم کے سرداروں نے جو کافر تھے کہا اگر تم نے شعیبؑ کی پیروی کی، تو تم یقیناً نقصان اٹھانے والے ہوگے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ
دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٩١﴾

سو اُن کو زلزلے نے آپکڑا، پس وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا
فِيْهَا ۛۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا
هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٢﴾

وہ جنھوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا گویا کہ وہ وہاں بسے ہی نہ تھے۔ وہ جنھوں نے شعیبؑ کو جھٹلایا، وہی نقصان اٹھانے والے ہوئے۔

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ
رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ
اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿٩٣﴾

تب اس نے ان سے مُنہ پھیر لیا اور کہا اے میری قوم یقیناً مَیں نے تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیے اور تمہارا بھلا چاہا، سو میں نہ ماننے والی قوم پر کیا افسوس کروں[2]۔

نمبر۱۔ الا ان یشاء اللہ ربنا۔ ایک طرف تو یہ زور سے کہا ہے کہ ہم کہاں کفر کی حالت میں جا سکتے ہیں دوسری طرف انکار بھی کیا ہے کہ اگر اللہ چاہے تو جس طرح وہ چاہے ہو۔ اس میں شک نہیں کہ ہر کہ عارف تراست ترساں تر اور انبیاء کا ایمان بھی بین الخوف والرجا ہوتا ہے کیونکہ وہ بھی بشر ہیں لیکن اصل بات جس کی طرف توجہ دلائی ہے وہ یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت شعیبؑ کو اور آپ کے ساتھیوں کو باکراہ کفر کی طرف لوٹانا چاہتے ہیں اور مومن سب یکساں نہیں ہوتے بعض حالت جبر و اکراہ میں نبی کا ساتھ نہیں دے سکتے اس لیے فرمایا کہ اللہ کو منظور ہے کہ کوئی ان مومنوں سے پھر جائے۔ تو جیسا وہ چاہے۔ ورنہ ہم اپنے اختیار سے تو کبھی پھر نہیں سکتے۔ اس اجبار و اکراہ کے ذکر میں بھی مسلمانوں پر جو جبر کیا جاتا تھا۔ اس کی طرف اشارہ ہے۔

نمبر۲۔ انبیاء میں مخلوق کی غم خواری کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ مگر جب حق تبلیغ ادا کر چکے تو اب افسوس کیا کریں۔ جہاں تک ممکن تھا انکی خیر خواہی کی جب انھوں نے نہ سنا اور نہ مانا تو پھر خدا کی رضا کا اظہار کیا اب افسوس کرنے سے کیا فائدہ۔ ہاں جب غمخواری کرنے کا وقت ہوتا ہے تو خطرناک مخالفت کے باوجود غمخواری بھی اس قدر کرتے ہیں اور کفار کی خاطر اس قدر اُن کے دل میں درد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین (الشعراء۔۳) شاید تو اپنے آپ کو ہلاک کر دے گا کہ وہ مومن نہیں ہوتے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿٩٤﴾

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی نہیں بھیجا مگر اس کے رہنے والوں کو سختی اور دکھ نے پکڑا تاکہ وہ عاجزی اختیار کریں ۔۱

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٩٥﴾

پھر ہم نے دکھ کی جگہ سکھ بدل دیا، یہاں تک کہ وہ بڑھ گئے اور کہنے لگے ہمارے باپ دادوں کو بھی دکھ اور خوشی پہنچتے رہے تب ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا اور انھیں خبر بھی نہ ہوئی ۔۲

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٦﴾

اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور تقوٰے اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین سے برکتیں کھول دیتے، لیکن انھوں نے جھٹلایا، تب ہم نے ان کو پکڑ لیا اس کی سزا جو وہ کماتے تھے۔

اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿٩٧﴾

تو کیا بستیوں والے نڈر ہیں کہ ہمارا عذاب ان پر رات کے وقت آئے، جب وہ سوتے ہوں۔

اَوَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿٩٨﴾

اور کیا بستیوں والے نڈر ہیں کہ ہمارا عذاب ان پر دن چڑھے آئے، جب وہ کھیلتے ہوں ۔۳

اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٩٩﴾

سو کیا وہ اللہ کی تدبیر سے نڈر ہیں تو اللہ کی تدبیر سے کوئی نڈر نہیں ہوتا مگر وہی لوگ جو گھاٹے میں رہنے والے ہیں۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ

کیا ان کے لیے کھل نہیں گیا جو اس کے پہلے رہنے والوں کے بعد زمین کے وارث ہوئے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے گناہوں کی وجہ سے انھیں

نمبر۱۔ انبیاء اور ان کے مخالفین کی چند مثالیں پیش کر کے اب بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قانون اس دنیا میں عذاب کا اس لیے ہے کہ تا دکھوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہو کر لوگ عاجزی اختیار کریں اور اللہ کی طرف رجوع کریں گویا وہ بھی بندوں کی بھلائی کے لیے ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے جو عذاب آئیگا وہ محض سزا کے طور پر نہیں بلکہ انسان کی اصلاح اس کی اصل غرض ہے اس لیے دوزخ کا عذاب بھی انسان کی اصلاح کے لیے اور بطور علاج ہی ہو سکتا ہے نہ صرف بطور سزا۔

نمبر۲۔ عفوا۔ عفی کے معنی نشان کا مٹانا بھی آتے ہیں اور بڑھنا بھی جیسے عفو النبت۔ یہی معنی یہاں ہیں یعنی ایک دکھ جب ایک قوم پر آتا ہے اور وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتی بلکہ اتباع حق کے ساتھ عناد میں ترقی کرتی ہے تو پھر نتیجہ اس کی تباہی ہوتی ہے تاکہ دوسری قوم اس کی جگہ لے۔

نمبر۳۔ پہلی آیت میں نائم یا سونے والوں سے اور دوسری میں کھیلنے والوں سے مراد غافل اور دنیا کے لہو ولعب میں مشغول اور حقیقت زندگی سے بے خبر لوگ بھی ہو سکتے ہیں۔ اس میں عرب والوں کو صاف تنبیہ ہے۔

وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝١٠٠
تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ
وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا
كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ؕ
كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ۝١٠١
وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ
وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ۝١٠٢
ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ
اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ئِهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ۝١٠٣
وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ
رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٠٤
حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ
قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ

پکڑیں اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں سو وہ نہیں سنتے۔
یہ بستیاں ان کے کچھ حالات ہم تجھ پر بیان کرتے ہیں اور یقیناً ان کے
رسول ان کے پاس کھلی دلائل لیکر آئے مگر وہ ایسے نہ تھے کہ اس پر
ایمان لاتے جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے۔ اسی طرح اللہ نہ ماننے
والوں کے دلوں پر مہر لگاتا ہے۔ؔ
اور ہم نے اُن میں سے بہتوں میں عہد (کا نباہ) نہ پایا اور یقیناً ہم نے
ان میں سے بہتوں کو نافرمان پایا۔ؔ
تب ہم نے ان کے پیچھے موسیٰؑ کو اپنی آیات کے ساتھ فرعون اور
اس کے سرداروں کی طرف بھیجا مگر انھوں نے ان کا انکار کیا، تو دیکھ
فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ؔ
اور موسیٰؑ نے کہا اے فرعون میں جہانوں کے رب کی طرف سے
رسول ہوں۔
اس پر قائم کہ اللہ پر سوائے حق کے کچھ نہ کہوں۔ میں
تمہارے پاس تمہارے رب سے کھلی دلیل لایا ہوں،

نمبر۱۔ یہاں صفائی سے بتایا کہ پہلے انسان گناہ کرتا ہے تب خدا کی طرف سے مہر لگتی ہے اور خود لفظ طبع کا استعمال یہی بتاتا ہے کیونکہ ایک خاص صورت کا نقش کرنا ہے اور جس طرح عادت طبیعت ثانیہ ہو جاتی ہے یہی حالت گناہ کی ہے کہ جب انسان بار بار گناہ کرتا ہے تو اس کا ایک نقش دل پر ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ بکثرت اس کو دوہرانے سے ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ بوجہ عادت کے طبیعت کا ایک جزو ہو جاتا ہے اور مہر لگنا یہی ہے کہ جب انسان جھٹلا دیتا ہے تو پھر ایمان لانے کی توفیق نہیں ملتی۔ جھٹلانا حق کی مخالفت پر کھڑا ہو جانا ہے اور مخالفت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اس کے کسی اچھے پہلو کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا بلکہ سارا زور اس کے نیست و نابود کرنے پر لگاتا ہے اس لیے دل کی حالت ایسی ہو جاتی ہے کہ پھر ایمان کی طرف اس کا میلان نہیں ہوتا۔ پس یہی خدا کی مہر ہے۔

نمبر۲۔ عہد سے مراد یا تو عام ہے یعنی جب کبھی وہ کوئی عہد کرتے ہیں اس کو پورا نہیں کرتے جو انسان کسی عہد کا پابند نہیں ہوتا وہ انسانیت کے اعلیٰ مقصد کو کبھی حاصل نہیں کر سکتا اور یا عہد سے مراد عہد فطرت ہے یعنی جو کچھ ان کی فطرت میں مرکوز ہے اس پر وہ قائم نہیں رہتے۔ یہاں تک کہ وہ نور فطرت بجھ جاتا ہے۔ دوسرے معنی قابل ترجیح ہیں۔

نمبر۳۔ درمیان میں بہت سے انبیاء کا ذکر چھوڑ کر حضرت موسیٰ کا ذکر شروع کیا ہے اور اس کو بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے جس کی وجہ آنحضرت صلعم کو حضرت موسیٰؑ کے ساتھ کئی ایک امور میں مماثلت کا ہونا ہے۔

فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿۱۰۵﴾

سو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے[1]۔

قَالَ إِن كُنتَ جِئْتَ بِـَٔايَةٍ فَأْتِ بِهَآ إِن كُنتَ مِنَ ٱلصَّٰدِقِينَ ﴿۱۰۶﴾

اس نے کہا اگر تو کوئی نشان لایا ہے تو وہ لے آ، اگر تو سچا ہے۔

فَأَلْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿۱۰۷﴾

تب اس نے اپنا عصا ڈالا تو ناگہاں وہ صریح اژدہا تھا۔

وَنَزَعَ يَدَهُۥ فَإِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنَّٰظِرِينَ ﴿۱۰۸﴾

اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو ناگہاں وہ دیکھنے والوں کے لیے سفید تھا[2]۔

قَالَ ٱلْمَلَأُ مِن قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هَٰذَا لَسَٰحِرٌ عَلِيمٌ ﴿۱۰۹﴾

فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا یقیناً یہ کوئی دانا جادوگر ہے۔

يُرِيدُ أَن يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُمْ ۖ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿۱۱۰﴾

چاہتا ہے کہ تمھیں تمھارے ملک سے نکال دے سو تم کیا مشورہ دیتے ہو۔

قَالُوٓا۟ أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي ٱلْمَدَآئِنِ حَٰشِرِينَ ﴿۱۱۱﴾

بولے، اسے اور اس کے بھائی کو ڈھیل دے اور شہروں میں نقیب بھیج دے۔

نمبر۱۔ حضرت موسیٰ کا اصل کام فرعون کو تبلیغ کرنا نہ تھا بلکہ بنی اسرائیل کو فرعون سے چھڑانا۔ کیونکہ وہ مبعوث صرف اپنی قوم کے لیے ہوئے تھے۔ جیسا کہ فرمایا اخرج قومك من الظلمٰت الی النور (ابراہیم - ۵) اسی لیے سب سے پہلے انھوں نے اس بات کو پیش کیا ہے کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے ہاں جب ان کا واسطہ فرعون سے پڑنا ضروری تھا تو فرعون کو نصیحت بھی ضروری تھی یہ بھی انھوں نے کی۔

نمبر۲۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ معجزہ کا ظہور عموماً اعدائے حق کے مقابلہ میں ہوتا ہے اور انہی کو عاجز کرنا مقصود ہوتا ہے لیکن حضرت موسیٰ کو پہلے یہ معجزات اس وقت دکھلائے جاتے ہیں جب وہ اکیلے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہیں۔ اور جب ان پر وہ حالت طاری ہے جس حالت میں اللہ تعالیٰ کا کلام انبیاء علیہم السلام سے ہوتا ہے یہ حالت جیسا کہ احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں خاص حالت ہوتی ہے۔ جس میں نبی ایک امر کو دیکھتا ہے اور ایک آواز کو سنتا ہے مگر پاس بیٹھنے والے اُسے نہیں دیکھتے اور نہ سنتے ہیں چنانچہ احادیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بعض وقت حضرت نبی کریم صلعم اصحاب میں بیٹھے ہوتے تھے جب آپ پر حالت وحی وارد ہوتی اور آپ کی حالت بدل جاتی اور فرشتہ آپ کے سامنے آتا اور آپ سے کلام کرتا مگر فرشتہ کو پاس بیٹھے ہوئے صحابہ نہ دیکھتے نہ ہی وہ فرشتہ کی آواز سنتے اور آنحضرت دیکھتے اور سنتے بھی۔ پس اس حالت میں بھی جب حضرت موسیٰ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکلام تھے۔ ان معجزات کا ظہور ایک کشفی رنگ رکھتا ہے ہاں فرعون کے سامنے بھی ان معجزات کا ظہور ہوا ہے لیکن بعض اوقات کشفی نظارہ کے دیکھنے میں دوسرے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے تصرف تام سے شریک کر دیتا ہے اور یہی اعجاز ہے۔ ورنہ حضرت موسیٰ کے سونٹے میں یہ خاصیت نہ تھی کہ جب زمین پر ڈالیں تو اژدہا بن جائے نہ ہی سوائے ان دونوں موقعوں کے اور کبھی دشمن کے بالمقابل بھی اس کے اژدہا بننے کا ذکر ہے وہ ایک معمولی سونٹا تھا جیسا کہ خود حضرت موسیٰ کے الفاظ ہیں کہ میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور بکریوں کے لیے اس سے پتے جھاڑتا ہوں اور کام بھی لے لیتا ہوں۔ ہاں عصا کے اژدہا بننے اور ید بیضا کے ایک معنی بھی تھے یعنی اول میں یہ اشارہ تھا کہ حضرت موسیٰ کے پیروں کی جماعت کیونکہ عصا کا لفظ جماعت پر بھی بولا جاتا ہے اپنے فریق مخالف پر غالب آئے گی اور ید بیضا میں اشارہ حضرت موسیٰ کی دلائل نیرہ کی طرف تھا جو دلوں کو کھا جائینگی چنانچہ فرعونیوں کا غرق ہونا اور ساحروں کا حضرت موسیٰ پر ایمان لانا ان دونوں معجزوں کی اصل حقیقت پر شاہد ہے۔

يَأْتُوكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيمٍ ﴿١١٢﴾ — وہ تیرے پاس ہر دانا جادوگر کو لے آئیں۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوٓا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِينَ ﴿١١٣﴾ — اور جادوگر فرعون کے پاس آئے کہنے لگے ہم کو اجر تو ضرور ملے گا اگر ہم ہی غالب رہے۔

قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿١١٤﴾ — ہاں! اور تم یقیناً (میرے) مقربوں میں سے ہوگے۔

قَالُوا يٰمُوسٰىٓ إِمَّآ أَنْ تُلْقِيَ وَإِمَّآ أَنْ نَكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ ﴿١١٥﴾ — انھوں نے کہا اے موسیٰؑ یا تو تو ڈال، یا ہم (پہلے) ڈالنے والے ہوں۔

قَالَ أَلْقُوا فَلَمَّآ أَلْقَوْا سَحَرُوٓا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَآءُو بِسِحْرٍ عَظِيمٍ ﴿١١٦﴾ — کہا، ڈالو، سو جب انھوں نے ڈالا، لوگوں کی آنکھوں کو دھوکا دیا اور اُن کو ڈرایا، اور ایک بڑا فریب بنا کھڑا کیا[1]۔

وَأَوْحَيْنَآ إِلٰى مُوسٰىٓ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿١١٧﴾ — اور ہم نے موسیٰؑ کی طرف وحی کی کہ تو اپنا سونٹا ڈال، پس وہ فوراً اُسے نگل گیا جو وہ جھوٹ بناتے تھے[2]۔

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١١٨﴾ — سو حق ظاہر ہوگیا اور جو وہ کرتے تھے باطل ہوگیا۔

فَغُلِبُوا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوا صٰغِرِينَ ﴿١١٩﴾ — پس وہاں ہار گئے اور ذلیل ہو کر پھرے۔

نمبر۱- وہ کیا چیز تھی جو انھوں نے ڈالی- دوسری جگہ آتا ہے حبالہم وعصیہم (الشعرا ۲۶: ۴۴) ان کی رسّیاں اور ان کی سونٹیاں۔ ممکن ہے کہ کوئی رسّیاں اور سونٹیاں وہ ساتھ لائے ہوں اور ان کو ڈالا ہو اور ممکن ہے کہ مراد اس سے صرف باطل کی حمایت میں جھوٹے سامان ہوں لیکن ظاہر الفاظ کو بھی اگر لیا جائے اور واقعی لوگوں کو مرعوب کرنے کے لیے فرعون نے چالاک آدمیوں سے کچھ فریب کاری اس قسم کی کرائی ہو جس سے لوگوں کو خیال ہو جائے کہ فرعون میں کچھ خدائی ہے تو یہ امر بھی بالکل قرین قیاس ہے کیونکہ عموماً مشرک قومیں توہم پرست بھی بہت ہوتی ہیں جو لوگ ہواؤں اور بجلیوں اور بارشوں اور آگ اور درختوں اور پتھروں اور جانوروں کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں ان کو اس قسم کی شعبدہ بازی سے مرعوب کر لینا بہت آسان ہوتا ہے۔ پس فرعون نے بڑے بڑے دانا آدمیوں کو اکٹھا کر کے ان سے کوئی اس قسم کی شعبدہ بازی کرائی اور اس خاص طرز کو ممکن ہے انھوں نے اس لیے اختیار کیا کہ فرعون کے سامنے حضرت موسیٰؑ کے عصا کے اژدہا بننے کا معجزہ مشہور ہو چکا تھا۔ انھوں نے سمجھا یہ کوئی چالاکی سے کام نکال رہے ہیں گے مگر اس کا پول حضرت موسیٰؑ نے کھول دیا جس کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

نمبر۲- یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے عصا میں یہ صفت نہ تھی کہ جب ڈالا جائے تو اژدہا بن جائے اور حضرت موسیٰؑ نے اُسے خود ڈالنے کی جرأت بھی نہیں کی جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نہیں ہوئی۔ عصا کے ڈالنے کا نتیجہ کیا ہوا، جو کچھ ساحروں نے افک یا جھوٹ بنایا تھا یا جو حق کو باطل سے پھیرا تھا اس کو وہ عصا کھا گیا اور ان کا کچھ باقی نہ رہنے دیا۔ کس طرح پر ہوا اس کی تفصیل قرآن شریف میں نہیں نہ کہیں یہ ذکر ہے کہ یہ عصا اژدہا بن گیا تھا نہ یہ ذکر ہے کہ ان کی سونٹیاں سانپ بن گئی تھیں صرف اس قدر ذکر ہے کہ ان کے سحر سے وہ دوڑتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں اور حضرت موسیٰؑ نے جب عصا ڈالا تو ساحروں کے جھوٹ کو کھا گیا اور حق ظاہر ہوگیا اور یہ خیال کہ اژدہا بن کر ہی نگلا ہوگا محض خیال ہی ہے۔ یہی عصا جب سمندر سے گزرنے کے لیے ضرورت پیش آئی تو اژدہا نہیں بنا۔

وَ اُلْقِیَ السَّحَرَةُ سٰجِدِیْنَ ۚ ﴿۱۲۰﴾	اور جادوگر سجدے میں گر گئے ۔
قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ ﴿۱۲۱﴾	کہا ، ہم جہانوں کے رب پر ایمان لائے ۔
رَبِّ مُوْسٰی وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾	موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب پر۔[1]
قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ	فرعون نے کہا تم اس پر ایمان لائے قبل اس کے میں تم کو
لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِی الْمَدِیْنَةِ	اجازت دوں ، یہ ایک حیلہ ہے ، جو تم نے اس شہر میں بنا
لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾	لیا ہے تاکہ اس کے رہنے والوں کو اس سے نکال دو سو تم (نتیجہ) جان لوگے۔
لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ	میں ضرور تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف طرف سے کاٹ دونگا
خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۲۴﴾	پھر میں ضرور تم کو صلیب کی موت ماروں گا۔
قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ۚ ﴿۱۲۵﴾	انھوں نے کہا ، ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔
وَ مَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا	اور تو ہم سے دشمنی نہیں کرتا مگر اس لیے کہ ہم اپنے رب کی باتوں پر ایمان
جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ ﴿۱۲۶﴾ ع	لائے جب وہ ہمارے پاس آگئیں ، اے ہمارے رب ہم پر صبر ڈال اور ہمیں مسلمان مار۔[2]
وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی	اور فرعون کی قوم کے سرداروں نے کہا ، کیا تو موسیٰؑ اور
وَ قَوْمَهٗ لِیُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَ یَذَرَكَ	اس کی قوم کو چھوڑتا ہے کہ ملک میں فساد کریں اور وہ تجھے اور تیرے
وَ اٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَ نَسْتَحْیٖ	معبودوں کو چھوڑ دے اس نے کہا ہم ان کے بیٹوں کو قتل کر دیں گے
نِسَآءَهُمْ ۚ وَ اِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾	اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھیں گے اور ہم ان کے اوپر غالب ہیں۔
قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ	موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا ، اللہ سے مدد مانگو اور
وَ اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ یُوْرِثُهَا مَنْ	صبر کرو ۔ زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے

نمبر۱۔ جادوگروں کے ایمان لانے کا ذکر بائبل میں نہیں مگر یہودیوں کی روایات میں ہے اور اس کی تائید خروج ۱۲ : ۳۸ سے ہوتی ہے ، جہاں بنی اسرائیل کے ساتھ ایک دوسرا بڑا گروہ مل جل کر ان کے ساتھ گیا اور یہودی انسائیکلوپیڈیا میں ہے " کیونکہ مصری جب موسیٰؑ کی پہاڑ سے واپسی کا وقت گزر گیا اُن میں سے چالیس ہزار اکٹھے ہو کر دو مصری جادوگروں ینیس اور یمبریس کے ساتھ اور ینیس اور یمبریس وہی جادوگر تھے جو حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ پر آئے جیسا کہ ۲ تمطاؤس ۳ : ۸ سے ظاہر ہے۔

نمبر۲۔ مومن اور کافر میں یہ فرق دکھایا ہے کہ یہی جادوگر جو حالت کفر میں روپوں کا اجر فرعون سے طلب کرتے تھے اب جان تک کی ان کو پروا نہیں اس لیے کہ خدا کو پا لیا۔

يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٨﴾
قَالُوْۤا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَ مِنْۢ
بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ
يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَ يَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ
فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٩﴾
وَ لَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ
وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿١٣٠﴾
فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ
وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَ
مَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ

جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور اچھا انجام متقیوں کے لیے ہے
انھوں نے کہا ہمیں دُکھ دیا گیا اس سے پہلے کہ تو ہمارے پاس آتا اور
اس کے بعد کہ تو ہمارے پاس آیا، اس نے کہا قریب ہے کہ تمھارا رب تمھارے
دشمن کو ہلاک کردے، اور تم کو زمین میں جانشین بنائے، پھر
دیکھے تم کس طرح عمل کرتے ہو۔[۲]
اور البتہ ہم نے فرعون کے لوگوں کو قحط اور پھلوں کی کمی
میں پکڑا، تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔
سو جب اُن کو سُکھ پہنچتا، کہتے یہ ہمارا حق ہے۔ اور
اگر اُن کو دُکھ پہنچتا، موسیٰؑ اور اس کے ساتھیوں کی شومی بتاتے
سنو ان کی شومی صرف اللہ کی طرف سے ہے، لیکن اُن

نمبر۱۔ قرآن کریم نے جن گذشتہ واقعات کو بیان کیا ہے ان سب میں اور بالخصوص بنی اسرائیل کے ذکر میں اسلام کی تاریخ لکھی ہوئی ہے جو کچھ حالت بنی اسرائیل کو پیش آئی وہی مسلمانوں کو پیش آنے والی تھی۔ اس لیے بنی اسرائیل کے واقعات کا ذکر کرکے جو ان کو حضرت موسیٰؑ کی معرفت علاج بتایا ہے وہ مسلمانوں کی مشکلات کا علاج ہے۔ بنی اسرائیل ایک دوسری قوم کی غلامی میں تھے اور دوسری قوم اُن پر حکمران تھی۔ حاکم قوم ان کو روز بروز کمزور کرتی چلی جاتی تھی اور ایسی تدابیر ان کے متعلق اختیار کرتی تھی کہ جن سے اُن کی قومی زندگی مٹتی چلی جائے۔ سب ذلت کے کام ان سے لیے جاتے تھے ان کے بیٹوں کو قتل کیا جاتا تھا اور عورتوں کو زندہ رکھا جاتا تھا تاکہ یہ قوم آہستہ آہستہ فنا ہو جائے۔ آج یہی نقشہ مسلمانوں کا نظر آتا ہے صرف اس قدر فرق ہے، جو حالاتِ زمانہ سے پیدا ہونا لازم تھا آج مسلمان عموماً ساری دنیا میں اور بالخصوص اس ملک ہند میں ایک دوسری قوم کی غلامی میں ہیں وہ دوسری قوم اُن پر حکمران ہے اور حکومت کی تدابیر اس قدر مضبوط ہیں کہ محکوم قوم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی محکوم قوم کے اعلیٰ درجہ کے جوہر مٹتے چلے جا رہے ہیں۔ دنیا کے مال کے لالچ کے لیے وہ دین و ایمان بیچتے چلے جاتے ہیں شجاعت اور مردانگی کا جوہر مفقود ہوتا چلا جاتا ہے۔ دین اسلام کی محبت اور غیرت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ دنیوی شان و شوکت تو مدت سے رخصت ہو چکی جو کچھ باقی رہی تھی اس کا اس جنگ نے فیصلہ کر دیا۔ ہاں وہاں اگر بیٹوں کو قتل کرتے تھے تو یہاں مجازی طور کا قتل ہے کیونکہ مردانگی اور شجاعت کی اعلیٰ صفات کا مر جانا بھی مجازاً قوم کے فرزندوں کا قتل ہے۔ آرائش و زیبائش جسمانی مال و دولتِ دنیا، دنیا کی دلفریبی کے ظاہری سامانوں پر فریفتگی یہ وہ زنانہ صفات ہیں جو نستحیی نساءھم کے قائم مقام ہو رہی ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ ان مشکلات کا علاج کیا ہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ آج ہماری قوم کو بالکل وہی حالات پیش آئے ہیں جو بنی اسرائیل کو فرعون کے ماتحت پیش آئے تھے تو علاج بھی وہی ہے۔ استعینوا باللّٰہ واصبروا اللہ کی مدد مانگو یعنی خدا کی طرف رجوع کرو اور صبر سے کام لو۔

نمبر۲۔ باوجود اُن سارے دکھوں کے جو بنی اسرائیل کو ملتے ہیں باوجود اس کے کہ ایک سخت غلامی کی حالت میں وہ پڑے ہوئے ہیں اور حاکم قوم بڑی زبردست ہے اور یہ صرف چند بیگار کے کام کرنے والے لوگ ہیں جن کو حکومت میں بھی کوئی رسوخ حاصل نہیں۔ حضرت موسیٰؑ کا ایمان کس قدر ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ تمھارا دشمن ضرور ہلاک ہوگا اور تم بادشاہ بنو گے مگر پھر تمھارے عملوں کو بھی اللہ تعالیٰ دیکھے گا جب تم اس طرح مخلوق خدا کو دکھ دینے لگو گے تو تم سے بھی حکومت لے لی جائے گی۔ موسیٰؑ کے ساتھیوں کی تکالیف میں مسلمانوں کی اس وقت کی تکالیف کا نقشہ کھینچا ہے گو دونوں رنگوں میں کچھ فرق ہو کر دوسری قوموں کے ہاتھ میں یہ لوگ ذلیل اور مقہور ہو رہے ہیں۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾
وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا
بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾
فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ
وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫
فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾
وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى
ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ
كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ
وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾
فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ
بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾
فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾
وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ
مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِىْ بٰرَكْنَا
فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۥ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا

میں سے اکثر نہیں جانتے ۔ ؎۱
اور انھوں نے کہا جو کوئی نشان بھی تو ہمارے پاس لائے تاکہ اس
کے ساتھ ہم کو دھوکا دے تو ہم تیری بات کو نہیں مانیں گے ۔
سو ہم نے اُن پر طوفان اور ٹڈیاں اور جُوئیں اور
مینڈکیں اور خون الگ الگ نشانیاں بھیجیں مگر انھوں نے تکبر
کیا اور وہ مجرم قوم تھے ۔ ؎۲
اور جب اُن پر عذاب پڑتا کہتے اے موسیٰ ہمارے
لیے اپنے رب سے دعا کر جیسا اس نے تجھ سے عہد کیا ہے
اگر تو ہم سے عذاب اُٹھا دے ہم ضرور تجھ پر ایمان لے آئیں گے
اور ضرور تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے ۔
پس جب ہم ان سے ایک وقت کے لیے جس کو وہ پہنچنے والے تھے
عذاب اُٹھا دیتے تو فوراً عہد شکنی کرتے ۔
پس ہم نے اُن پر سزا بھیجی اور ان کو دریا میں غرق کر دیا ، اس لیے کہ
وہ ہماری باتوں کو جھٹلاتے تھے اور اُن سے لاپروا تھے ۔
اور ہم نے اس قوم کو جسے کمزور گنا جاتا تھا اس زمین کے
مشرقی اور اس کے مغربی حصّوں کا وارث کر دیا ،
جس میں ہم نے برکت دی تھی اور تیرے رب کی اچھی بات
بنی اسرائیل کے حق میں پوری ہوئی اس لیے کہ انھوں نے صبر کیا اور

نمبر۱ ۔ جب کوئی راستباز آتا ہے اور وہ ایک اچھی راہ کی طرف بلاتا ہے اور بُری راہ سے روکتا ہے اور لوگ اس کی بات کو نہ ماننے سے ادر مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں تو بجائے اس کے کہ اپنی اصلاح کی طرف توجہ کریں اور راہِ حق کو قبول کریں یوں کہنے لگتے ہیں کہ یہ مصائب اس شخص کی وجہ سے ہم پر آ رہے ہیں ۔ ان کو توجہ دلائی ہے کہ داعی خیر کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کے اپنے اعمال بد کی وجہ سے ان پر مصائب آتے ہیں ۔

نمبر۲ ۔ بائبل میں ذیل کی نشانیوں کا ذکر ہے ۔ دریا کا لہو بن جانا ، مینڈکوں کی آفت ، جُوئیں ، مچھر ۔ مویشی پر مری ۔ پھوڑوں کی آفت ۔ اولے ، ٹڈی ، تاریکی ۔ قرآن کریم نے جو آفات بیان کی ہیں وہ سات ہیں جن میں سے پانچ یہاں اور دو آیت ۱۳۰ میں یعنی قحط اور پھلوں کی کمی اور ان سات کے ساتھ عصا اور یدِ بیضا کے معجزات ملا کر کل نو نشان ہو جاتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ذکر ہے ۔

مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ۝

ہم نے وہ سب تباہ کر دیا جو فرعون اور اس کی قوم کرتے تھے اور جو وہ عمارتیں بناتے تھے [1]

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے گزار دیا۔ تب وہ ایک قوم پر آئے جو اپنے بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ بولے اے موسیٰ ہمیں بھی ایک دیوتا بنا دے جیسے ان کے دیوتا ہیں [2] اس نے کہا تم لوگ جہالت کرتے ہو۔

اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

یہ جس کام میں لگے ہوئے ہیں وہ تباہ ہونا ہے اور جو وہ کرتے ہیں باطل ہے [3]

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝

کہا، کیا میں اللہ کے سوائے تمہارے لیے معبود چاہوں اور اس نے تم کو مخلوقات پر فضیلت دی ہے [4]

وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ

اور جب ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے بچایا وہ تمہیں

نمبر۱- الارض سے مراد ارض مقدس یعنی شام کی زمین ہے اس کے مشرق و مغرب کا مالک کر دیا یعنی ساری ارض مقدس کا وارث کر دیا گو یہ بہت بعد کا واقعہ ہے۔

یہاں بنی اسرائیل کی کامیابی کو ان کے صبر کا نتیجہ بتایا۔ اور حسن سے مروی ہے کہ اگر لوگ جب اُن کو اپنے بادشاہ کی طرف سے کسی قسم کی تکلیف پہنچے صبر کریں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کریں تو بہت دیر نہ لگے گی کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت کو دور کر دے گا، لیکن وہ گھبرا کر تلوار کی طرف جاتے ہیں تو اسی کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں اور انہی سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل کو جو کچھ ملا اُن کے صبر سے ہی ملا اور یہ اُمت جب تلوار کی طرف دوڑے گی تو کبھی نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ ان روایات کو نقل کر کے مصنف روح المعانی لکھتے ہیں کہ ہم نے لوگوں کو ۱۲۴۸ سال تک دیکھا کہ وہ جب تلوار کی طرف دوڑے ہیں تو ان کو اس سے کچھ فائدہ نہ ہُوا۔ نہ ان کی مراد پوری ہوئی نہ کوئی محمود امر ہُوا۔

نمبر۲- مصری لوگ ہر چیز کی پرستش کرتے تھے اس قسم کی بُت پرست قوم میں رہ کر بنی اسرائیل کی عادات میں بت پرستی داخل ہوگئی تھی اس لیے بار بار بُت پرستی کی طرف ان کا میلان پایا جاتا ہے۔ ہندوستان میں بھی مسلمانوں پر ہمسایہ قوم کا بہت اثر ہوا ہے یہاں تک کہ قبر پرستی، پیر پرستی کے رنگ میں طرح طرح کے مشرکانہ عقیدے ان میں پھیل گئے ہیں اور ہر قسم کی مشرکانہ رسوم و رواج ان میں جڑ پکڑ گئے ہیں۔

نمبر۳- یعنی بُت پرستی آخر کار دنیا سے اُٹھ جائے گی۔ اب تک دنیا کی تاریخ سے اس پر شہادت ملتی ہے کہ بت پرستی کا مذہب دنیا میں علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ کمزور ہوتا چلا گیا ہے اور یقیناً وہ وقت آنے والا ہے کہ یہ مذہب بالکل نابود ہو جائے گا اور خدائے واحد کی عبادت دنیا میں قائم ہوگی۔

نمبر۴- اس میں شرک کے خلاف اعلیٰ درجہ کی دلیل دی ہے جو فطرت انسانی کو اپیل کرتی ہے یعنی فرمایا کہ خدا نے انسان کو تو ساری مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔ پھر کیا اسی مخلوقات میں سے تمہارے لیے معبود تجویز کیا جائے اور فطرت انسانی کو اس چیز کے آگے جھکایا جائے جس پر اس کو فضیلت حاصل ہے۔

سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ
يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ
مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾
وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا
بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ
وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ
قَوْمِيْ وَ اَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۴۲﴾
وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ
قَالَ رَبِّ اَرِنِيْۤ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ
تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ
اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى
رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ
فَلَمَّاۤ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَ
اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

برا دکھ پہنچاتے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کرتے اور تمہاری
عورتوں کو زندہ رکھتے اور اس میں تمہارے رب سے
بڑی آزمائش تھی۔
اور ہم نے موسیٰؑ سے تیس رات کا وعدہ ٹھیرایا اور
ان کو دس راور سے پورا کیا تب اس کے رب کی مدت چالیس رات پوری
ہوئی ۱۔ اور موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہا میری قوم میں
میری جگہ کام کر اور اصلاح کرنا اور فساد کرنیوالوں کی راہ کی پیروی نہ کرنا ۲۔
اور جب موسیٰؑ ہمارے وقت مقررہ پر آیا اور اس کے ربّ نے اس سے کلام
کیا۔ کہا، میرے رب مجھے (اپنا آپ) دکھا کہ میں تیری طرف دیکھوں۔ کہا
تو مجھے نہیں دیکھ سکتا لیکن پہاڑ کی طرف دیکھ، اگر یہ اپنی جگہ
کھڑا رہ گیا تو تُو مجھے بھی دیکھ لے گا، پس جب اس کے
رب نے پہاڑ پر تجلّی فرمائی اس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰؑ بے ہوش
ہو کر گر گیا، پھر جب ہوش میں آیا تو کہا تو پاک ہے میں تیری طرف
رجوع کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والا ہوں ۳۔

نمبر۱۔ سورہ بقرہ۔۵۱ میں صاف فرمایا کہ موسیٰؑ سے ہم نے چالیس رات کا وعدہ کیا تھا اور یہاں بھی چالیس رات کو ہی میقات ربہ یعنی رب کا مقرر کردہ وقت کہا ہے اس لیے یہ کہنا صحیح نہیں کہ پہلے تیس رات کا وعدہ کیا تھا اور اس کے گزر جانے کے بعد پھر دس راتیں اور بڑھا دیں بلکہ مطلب صرف ایک ماہ اور دس دن کو ظاہر کرنے کا ہے کیونکہ تیس رات کا ایک پورا مہینہ بنتا ہے اور اس تقسیم میں اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے کہ سنت انبیاء پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے بھی چالیس راتیں مقرر کی ہیں تیس راتیں رمضان کی اور دس ذوالحجہ کی جو خاص طور پر عبادت کی راتیں ہیں۔

نمبر۲۔ نبی حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ دونوں تھے۔ مگر حکومت اور سرداری کا منصب حضرت موسیٰؑ کو حاصل تھا۔ اس لیے اخلفنی سے مراد صرف یہی ہے کہ حکومت کا کام جو حضرت موسیٰؑ کے سپرد تھا وہ ان ایام میں حضرت ہارونؑ کریں۔ نہ یہ کہ اُن کی جگہ نبوت کا کام کریں۔ کیونکہ نبی وہ خود اصالتاً تھے۔

نمبر۳۔ اصل سوال حضرت موسیٰؑ کے ساتھیوں کا تھا۔ لن نومن لک حتی نری اللہ جھرۃ (البقرہ۔۵۵) انہی کی خاطر حضرت موسیٰؑ نے یہ سوال کیا تھا جس طرح حضرت عیسیٰؑ نے حواریوں کی درخواست کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا انزل علینا مائدۃ من السماء حالانکہ اس سوال کو ناپسند بھی کرتے تھے اور اپنے متعلق درخواست اس لیے کی کہ بنی اسرائیل کے وہ سردار تو خدا سے بہت دُور پڑے ہوئے تھے۔ اس لیے اگر انسان کے لیے ان آنکھوں سے خدا کو دیکھنا ممکن ہے تو خدا کا ایک نبی اسے دیکھ سکتا ہے جس کے ساتھ وہ کلام بھی کرتا ہے۔ جواب ملا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان آنکھوں سے نہیں دیکھا جا سکتا بلکہ وہ اپنی تجلیات سے دیکھا جاتا ہے اور اس کی تجلیات کیا ہیں قدرت کے سب کام اس کی تجلیات میں ہیں۔ ہاں بعض تجلیات دوسروں سے

قَالَ يٰمُوْسٰۤى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ
بِرِسٰلٰتِىْ وَبِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَاۤ اٰتَيْتُكَ
وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

کہا اے موسیٰ میں نے تجھے اپنے پیغاموں اور اپنے کلام سے (دوسرے)
لوگوں پر چن لیا[1] سو جو میں نے تجھے دیا ہے وہ لے،
اور شکر کرنے والوں میں سے ہو۔

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ
مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا
بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ
سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

اور ہم نے اس کے لیے تختیوں میں ہر قسم کی نصیحت
اور ہر چیز کی تفصیل فرض کر دی[2] سو اس کو مضبوطی
سے پکڑ اور اپنی قوم کو حکم دے کہ اس کی بہترین باتیں پکڑے
زمین میں تم کو نافرمانوں کا گھر (بھی) دکھا دوں گا[3]۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِىَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ
فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ
اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ

میں اپنی آیات سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو زمین میں ناحق
تکبر کرتے ہیں اور اگر وہ ہر ایک نشان بھی دیکھ لیں تو
اس پر ایمان نہ لائیں اور اگر وہ دوستی کی راہ دیکھ لیں، تو

بڑھ کر ہوتی ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنی تجلی کا ایک زبردست نمونہ دکھایا جس سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا یہی وہ رنگ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا طاقتور ہاتھ دنیا میں کام کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ بڑے بڑے انسان اور بڑی بڑی قومیں پہاڑوں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے طاقتور ہاتھ کے سامنے یوں پاش پاش ہو جاتی ہیں گویا کچھ بھی نہ تھیں۔

حضرت موسیٰؑ کے ان آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ سکنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قیامت کے دن بھی مومن اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ سکیں گے۔ کیونکہ وہ اور حواس ہوں گے۔

نمبر۱۔ یہاں رسالت اور کلام کو الگ الگ کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کلام اُن سے بھی کرتا ہے جن کے سپرد رسالت کا کوئی کام نہیں ہوتا جیسے اس امت کے مجددین۔ رسالت پیغام ہے جو عموماً علم کے رنگ کا ہوتا ہے اور کلام میں پیشگوئیاں وغیرہ داخل ہیں۔

نمبر۲۔ کتبنا۔ کتاب۔ بمعنی اثبات۔ ایجاب۔ فرض بھی آتا ہے۔ پس مراد یہاں فرض کر دینا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جس کو انسان کی آنکھ دیکھ نہیں سکتی اس کی تحریر انسان کی تحریر کی طرح نہیں ہو سکتی اس کا لکھنا اس کا فرض کر دینا ہی ہے جیسے کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی (المجادلۃ - ۲۱) میں بھی یہی مراد ہے۔ ایسا ہی کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت (البقرۃ - ۱۸۰) میں یا کتب علیکم الصیام (البقرۃ - ۱۸۳) میں۔ ان تمام موقعوں پر فعل کتابت اللہ کی طرف منسوب ہے۔ اس لیے اگر توریت کو الواح میں خدا نے خود لکھا تھا تو قرآن میں بھی یہ احکام خود ہی لکھے۔ یہ کہنا کہ توریت اپنے ہاتھ سے لکھی اور قرآن اپنے ہاتھ سے نہیں لکھا ایک بے معنی تفریق ہے۔ اس بارہ میں کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ لکل شیٔ یعنی ہر چیز جن کی ان کو اُس وقت حاجت تھی کیونکہ باوجود اس تفصیل کے بعد میں جو انبیاء آئے ان کو کتابیں بھی دی گئیں جیسے داؤدؑ کو زبور اور عیسٰیؑ کو انجیل اور ان کتابوں میں اُن باتوں کی تفصیل تھی جن کی ضرورت ان انبیاء کے وقت میں پیش آئی۔

نمبر۳۔ خصوصیت سے احسن درجہ پر قائم رہنے کا حکم دیا ہے کیونکہ اگر نبی کے پہلے متبعین ہی اعلیٰ مقامات پر نہ پہنچیں تو پچھلے بہت ہی گر جائیں گے اس کی طرف دار الفاسقین میں اشارہ کیا ہے یعنی اس قوم کی حالت ایک وقت نافرمانی کی ہو جانے والی ہے اور فاسقوں کا جو انجام ہوتا ہے وہ بھی تم دیکھ لو گے۔ دار الفاسقین سے یہی مراد ہے یا یہ کہ تم کو دکھا دوں گا کہ فاسقوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔

الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا
سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

اسے (اپنا) راستہ نہ ٹھیرائیں اور اگر وہ گمراہی کا رستہ دیکھ
لیں تو اسے (اپنا) رستہ بنالیں، یہ اس لیے کہ انھوں نے ہماری
آیات کو جھٹلایا اور ان سے غافل رہے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ الْاٰخِرَةِ
حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا
مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور جنھوں نے ہماری آیات کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلایا
ان کے عمل بے کار ہوئے، ان کو کوئی بدلہ نہ ملے گا،
مگر وہی جو عمل کرتے تھے ۱۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ
حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ
يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ
اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

اور موسیٰؑ کی قوم نے اس کے پیچھے اپنے زیوروں سے ایک
بچھڑا بنا لیا، ایک جسم جس میں سے گائے کی آواز نکلتی
تھی کیا انھوں نے نہ دیکھا کہ وہ ان سے کلام نہیں کرتا اور نہ ان کو رستہ
دکھاتا ہے اس کو (معبود) بنالیا اور وہ ظالم تھے ۲۔

وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ
ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا
وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

اور جب وہ پشیمان ہوئے ۳۔ اور دیکھ لیا کہ وہ یقیناً گمراہ ہوگئے
کہنے لگے اگر ہمارے رب نے ہم پر رحم نہ کیا اور ہمیں نہ بخشا تو یقیناً
ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ
اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ

اور جب موسیٰؑ اپنی قوم کی طرف لوٹ کر آیا غضبناک افسوس
کرتا ہوا ۴۔ کہا میرے پیچھے تم نے میری بُری نیابت کی۔

نمبر۱۔ ان کے عمل حبط ہونے کا ذکر بھی ہے اور یہ بھی کہ ان کے عملوں کا بدلہ ہی انھیں ملے گا جس سے معلوم ہوا کہ ان کے نیک عمل حبط ہو گئے یعنی وہ ایسے کام نہ تھے کہ ان کی وجہ سے وہ بہشتی زندگی جو اعلیٰ زندگی ہے حاصل کرتے یا ان اعمال کا حبط ہونا مراد ہے جو محض دنیا کے لیے یا نمود کے لیے کرتے تھے۔ آگے ان کے لقاء آخرت کو جھٹلانے کا ذکر اس معنی کو قابل ترجیح ٹھیرانا ہے اور جو انھوں نے بُرے عمل کیے تھے اُن کا بُرا نتیجہ ضرور تھا کہ پاتے۔

نمبر۲۔ بچھڑے کے معبود بنانے کے خلاف جو دلیل بیان دی ہے وہ یہ ہے کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا تھا۔ پس معلوم ہوا معبود وہ ہو سکتا ہے جو کلام کرے۔ جو لوگ اس زمانہ میں خدا کا کلام کرنا بالکل منقطع مانتے ہیں وہ اس کی معبودیت کے اس دلیل سے اپنے آپ کو مجرم ٹھہراتے ہیں۔

نمبر۳۔ سقوط ایک چیز کا بلند مکان سے پست مکان میں گرنا ہے اور سقط فی ایدیھم بطور محاورہ کے نادم ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

نمبر۴۔ اسف وہ غم ہے جس کے ساتھ غضب بھی ملا ہوا ہو گو صرف بمعنی غم و بمعنی غضب بھی آتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو بذریعہ وحی قوم کی اس لغزش کا علم ہو گیا تھا قال فانا قد فتنا قومك من بعدك و اضلھم السامری (طٰہٰ ۲۰- ۸۵) اس سے آپ قوم کے اس مشرکانہ فعل پر غصہ میں تھے۔ ایسے امور میں غضب کا آنا مذموم نہیں بلکہ مستحسن ہے۔

بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَ اَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَ اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗۤ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَ كَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِیْ ۖ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَ لَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

کیا تم نے اپنے رب کے امر کو جلد چاہا[1] اور تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ کر اس کو اپنی طرف کھینچا۔ اس نے کہا ماں کے بیٹے قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے مار دیں، سو دشمنوں کو مجھ پر مت ہنسا۔ اور مجھے ظالموں کے ساتھ نہ ملا[2]۔

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِاَخِیْ وَ اَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ۖ ۫ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

(موسیٰؑ نے) کہا میرے رب میری اور میرے بھائی کی حفاظت فرما اور ہم کو اپنی رحمت میں داخل کر اور تو سب رحم کرنیوالوں سے بڑھ کر رحم کرنیوالا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

جن لوگوں نے بچھڑا بنایا، ان کو اُن کے رب کی طرف سے ناراضگی اور دنیا کی زندگی میں رسوائی پہنچ کر رہے گی اور اسی طرح ہم جھوٹ بنانے والوں کو سزا دیتے ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْۤا ۫ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۵۳﴾

اور جنھوں نے برے کام کیے، پھر اس کے بعد توبہ کی اور ایمان لائے یقیناً تیرا رب اس کے بعد بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

وَ لَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ

اور جب موسیٰؑ کا غصہ کم ہوا تختیاں لیں[3] اور

نمبر۱۔ عجلتم امر ربکم یعنی تمھارے رب نے جو وعدہ تم سے کیا تھا اس کے بارہ میں جلدی کی۔ سورۃ طٰہٰ میں اس کی تفسیر موجود ہے جہاں آیت ۸۶ میں ایسا ہی ذکر کر کے فرمایا افطال علیکم العھد ام اردتم ان یحل علیکم غضب من ربکم یعنی کیا چالیس رات کا عہد تمھیں لمبا معلوم ہوا۔ یا تم نے چاہا کہ تم پر تمھارے رب کا غضب نازل ہو۔ پس امر ربکم سے مراد رب کی سزا یا اس کا غضب ہی ہے اور امر بمعنی سزا قرآن کریم میں آیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ سزا تو قوم پر پیچھے دیر سے آنا کرتی ہے مگر تم نے اس کو میری زندگی میں اور میرے سامنے اس قدر جلدی لانا چاہا۔

نمبر۲۔ ان الفاظ سے قرآن کریم نے حضرت ہارونؑ کے بچھڑا بنانے میں شرکت سے صاف انکار کیا ہے اور یوں بائبل کے اس بیان کو غلط ٹھہرایا ہے کہ ہارونؑ نے ہی یہ بچھڑا بنایا تھا۔ حضرت ہارونؑ جیسا کہ یہاں سے معلوم ہوتا ہے صرف اس لیے خاموش رہے کہ انھیں خوف تھا کہ اگر انھوں نے حکماً روکا تو وہ لوگ انھیں قتل کر دیں گے۔ حضرت موسیٰؑ کا سر پکڑ کر ان کو کھینچنا اس غصہ کی وجہ سے تھا جو اُن کو صحیح طور پر تھا اور انھیں یہ بھی خیال ہوگا کہ ہارونؑ نے کیوں اُن کو حکماً اس سے نہیں روک دیا۔ آخر جب وجہ سنی تو بھائی کو اپنے ساتھ دعا میں شامل کیا۔ حضرت ہارونؑ کا ابن ام سے خطاب کرنا رحمت کی طرف توجہ دلانے کو ہے۔

نمبر۳۔ خروج ۳۲-۱۹ میں ہے کہ موسیٰ نے غصہ میں تختیاں توڑ ڈالیں مگر قرآن اس کا موید نہیں اور نہ یہ نبی کی شان کے شایاں ہے۔ قوم پر ناراض ہو کر احکام خدا کا استخفاف نبی کا کام نہیں ہو سکتا اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم توریت سے نقل نہیں کرتا بلکہ اصل سرچشمہ کوئی اور ہے اسی لیے موقعہ موقعہ پر بائبل کی غلطیوں کی اصلاح کرتا چلا جاتا ہے۔ اسی ایک واقعہ میں تین اہم اموریں بائبل کے نقشہ کی اصلاح فرمائی ہے اوّل حضرت ہارونؑ کی

الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِیْ نُسْخَتِهَا هُدًی وَّرَحْمَةٌ
لِّلَّذِیْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ یَرْهَبُوْنَ ۝۱۵۴
وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا
لِّمِیْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ
رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِیَّایَ ؕ
اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِیَ
اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ
مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا
وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ ۝۱۵۵
وَاكْتُبْ لَنَا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّفِی
الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَاۤ اِلَیْكَ ؕ قَالَ عَذَابِیْۤ
اُصِیْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ
كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَ

ان کی تحریر میں اُن لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت
تھی جو اپنے رب سے خوف رکھتے ہیں۔
اور موسیٰؑ نے اپنی قوم کے ستر آدمی ہمارے وعدہ کے
لیے چُن لیے [۱] پھر اُن کو زلزلے نے آلیا۔ کہا، میرے
رب اگر تو چاہتا ان کو اور مجھے پہلے سے ہی ہلاک کر دیا ہوتا
کیا تو ہم کو اس کے لیے ہلاک کرتا ہے جو ہم میں سے بیوقوفوں نے کیا یہ صرف
تیری آزمائش ہے [۲] تو اس کے ساتھ جسے چاہتا ہے گمراہ ٹھیراتا ہے
اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے تو ہی ہمارا ولی ہے سو ہماری حفاظت
فرما اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے۔
اور ہمارے لیے اس دنیا میں بھلائی لکھ دے اور آخرت میں
ہم تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔ کہا، میرا عذاب اس
میں جسے چاہوں مبتلا کروں اور میری رحمت ہر شے پر
حاوی ہے سو میں اس کو ان کے لیے لکھ دوں گا جو تقویٰ کرتے ہیں

شرک عجل میں ملوث کی، حالانکہ بروئے بائیل ہارونؑ ہی بچھڑا بنانے والے تھے۔ دوم یہی تختیوں کا توڑنا۔ سوم بچھڑے کو جلا کر اس کی خاکستر کو پانی میں ملا کر بنی اسرائیل کو پلانا جو ایک بے معنی بات ہے۔

نمبر۱۔ ذکر عجل کے بعد کلام کا رجوع پھر اسی اصل واقعہ کی طرف کیا ہے جو حضرت موسیٰؑ کے طور پر جانے کا واقعہ ہے۔ یہ یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ قرآن کریم نے حضرت موسیٰ کی صرف ایک ہی میقات کا ذکر کیا ہے توریت میں دو دفعہ طور پر جانے کا ذکر ہے جس کی وجہ توریت کی تختیوں کا ٹوٹ جانا ہے مگر چونکہ قرآن کریم اس تختیوں کے توڑنے کے واقعہ کو ہی تسلیم نہیں کرتا اس لیے دوسری میقات کا اس میں نہ کوئی ذکر ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور مفسرین کا یہ خیال کہ بچھڑے کی پرستش کی وجہ سے جو ناراضگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی اس کے لیے پھر جانے کی ضرورت پیش آئی یا حضرت موسیٰؑ پر ہارون کے قتل کا الزام جب بنی اسرائیل نے لگایا تو اس کی صفائی کے لیے ہارونؑ کی قبر پر اُن ستر آدمیوں کو لیکر حضرت موسیٰؑ گئے محض قصے ہیں۔ پس یہ ستر آدمی وہی تھے جو اس وقت حضرت موسیٰؑ کے ساتھ گئے جب آپ کو شریعت دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے طور پر بلایا تھا۔ اور انھوں نے ہی کہا تھا۔ لن نومن لك حتی نری اللہ جھرة (البقرۃ - ۵۵) اور اس کے مطابق ابن جریر میں ایک روایت بھی موجود ہے اور ذکر عجل کے بعد پھر طور والے واقعہ کا ذکر اس لیے کیا کہ اس پیشگوئی کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جو توریت میں حضرت موسیٰؑ کو بتائی گئی۔ جیسا کہ آیت ۱۵۷ میں صاف اس کی تصریح فرما دی ہے۔

نمبر۲۔ یہاں بعض مفسرین نے صرف غشی کا واقعہ ہونا مراد لیا ہے "قیل غشی علیھم ثم افاقوا" یعنی ان کو صرف غشی آئی پھر افاقہ ہو گیا۔ اور اصعقھم فسلب افھامھم یعنی ان پر صاعقہ بھیجا اور ان کے فہموں کو سلب کر لیا اور یہی حق ہے اور جو بیوقوفوں نے کیا اس سے مراد اُن کا یہ کہنا ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ کو کھلا کھلا نہ دیکھ لیں ہم ایمان نہ لائیں گے۔

يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۵۶
اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیات پر ایمان لاتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ
اور جو رسول نبی امی کی پیروی کرتے ہیں، جسے

الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ
وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں

وَ الْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰىهُمْ
وہ اُن کو بھلی باتوں کا حکم دیتا، اور ان کو بُری باتوں

عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ
سے روکتا اور ان کے لیے ستھری چیزیں حلال کرتا اور

عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ
ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا اور ان سے ان کا بوجھ

وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ
اتارتا ہے اور وہ طوق بھی جو ان پر تھے [1]۔ سو جو لوگ

اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا
اس پر ایمان لائیں اور اس کی تعظیم کریں اور اس کو

النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ
مدد دیں اور اس نور کی پیروی کریں جو اس کے ساتھ اتارا

الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۵۷ ع
گیا ہے وہی کامیاب ہوں گے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ
کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

جَمِيْعًا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ
وہ جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے [2]۔ اس

نمبر۱۔ الامی۔ امی ناخواندہ کو بھی کہتے ہیں اور اس شخص کو بھی جو ام القریٰ یعنی مکہ کی طرف منسوب ہو اور نبی امی سے مراد نبی عربی ہی ہے جیسا کہ آگے دکھایا جائے گا۔

حضرت موسیٰؑ کو تورات ملنے کے ذکر میں اس پیشگوئی کا ذکر کر دیا ہے اور ضروری تھا کہ کیا جاتا جو تورات میں آنحضرت صلعم کی آمد کے متعلق ہے بلکہ اسی غرض کے لیے حضرت موسیٰؑ کا ذکر بھی کیا تھا اس پیشگوئی میں رسول نبی امی کا ذکر کیا ہے یعنی نبی عربی کیونکہ حضرت موسیٰؑ کی اس پیشگوئی میں جو استثناء ۱۸: ۱۵-۱۸ میں ہے بنی اسرائیل کو خطاب کر کے یہ صاف ذکر ہے کہ تیرے بھائیوں میں سے ایک نبی اٹھاؤں گا اور ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل کی بھائی قوم بنی اسمٰعیل ہی تھی گویا یوں بتا دیا کہ وہ رسول عربی ہوگا اور [illegible] سے اس کے طلوع کا ذکر بھی موسیٰؑ کی کتاب میں موجود ہے۔

دوسری بات اس رسول کے متعلق یہ بتائی کہ اس کا ذکر تورات میں ہی نہیں بلکہ انجیل میں بھی ہے۔ انجیل میں یہ ذکر دو طرح پر موجود ہے ایک اس طرح کہ اس مثیل موسیٰؑ رسول کا ذکر انجیل میں ہے دیکھو یوحنا ۱: ۲۱ کہ وہ اس وقت تک آیا تھا اور دوسرے اس طرح انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کی پیشگوئی دوسرے فارقلیط یا دوسرے شفیع کے آنے کی ہے دیکھو یوحنا باب ۱۴: ۱۶ - یہ کھلی کھلی پیشگوئیاں ہیں جو اور کسی کے حق میں پوری نہیں ہوئی۔ اس کے بعد اس رسول کی صفات بیان کی ہیں۔ اِصر اور اغلال کے رد کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان تمام باتوں کو رد کرتا ہے جن سے انسان نیکیوں کے کرنے میں رُکتا ہے گویا بدیوں کی جڑ کاٹتا ہے اور انسان کی ترقی کی حقیقی راہ کھولتا ہے۔ اہل کتاب کے لیے یہ ایک کھلا نشان آنحضرت صلعم کی صداقت کا تھا کہ کس طرح وہ لوگ جن کی اصلاح سے یہودی اور عیسائی دونوں عاجز آ چکے تھے آنحضرت صلعم کی قوتِ قدسی سے ہر قسم کی بدیوں سے پاک ہوتے چلے جاتے تھے۔ کس طرح صدیوں کی بدیوں اور رسم و رواج کی قیدوں سے وہ آزاد ہوتے چلے جاتے تھے۔ اس طرح پر نیکی کا دنیا میں پھیلانا سوائے صادق کے دوسرے کا کام نہ ہو سکتا تھا اس لیے جب پیشگوئی کا ذکر کیا تو یہ بھی بتایا کہ جن بیڑیوں کو تم نہیں کاٹ سکے ان کو عرب کے ایک امی نے کاٹ دیا اور یہی اس کے منجانب اللہ ہونے کا کافی نشان ہے۔

نمبر۲۔ یہ اس نبی عربی کی خصوصیت بتائی۔ آپ سے پہلے تمام رسول ایک ایک قوم کی طرف آئے لیکن سب سے آخر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا رسول بھیجا جو

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحۡيٖ وَيُمِيۡتُ فَاٰمِنُوۡا
بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهِ النَّبِيِّ الۡاُمِّيِّ الَّذِيۡ يُؤۡمِنُ
بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوۡهُ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿١٥٨﴾
وَمِنۡ قَوۡمِ مُوۡسٰٓى اُمَّةٌ يَّهۡدُوۡنَ بِالۡحَقِّ
وَبِهٖ يَعۡدِلُوۡنَ ﴿١٥٩﴾
وَقَطَّعۡنٰهُمُ اثۡنَتَيۡ عَشۡرَةَ اَسۡبَاطًا اُمَمًا ؕ
وَاَوۡحَيۡنَآ اِلٰى مُوۡسٰٓى اِذِ اسۡتَسۡقٰىهُ قَوۡمُهٗٓ
اَنِ اضۡرِبۡ بِّعَصَاكَ الۡحَجَرَ ۚ فَانۡبَجَسَتۡ
مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا ؕ قَدۡ عَلِمَ كُلُّ
اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ ؕ وَظَلَّلۡنَا عَلَيۡهِمُ الۡغَمَامَ
وَاَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهِمُ الۡمَنَّ وَالسَّلۡوٰى ؕ كُلُوۡا
مِنۡ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقۡنٰكُمۡ ؕ وَمَا ظَلَمُوۡنَا
وَلٰكِنۡ كَانُوۡٓا اَنۡفُسَهُمۡ يَظۡلِمُوۡنَ ﴿١٦٠﴾
وَاِذۡ قِيۡلَ لَهُمُ اسۡكُنُوۡا هٰذِهِ الۡقَرۡيَةَ وَكُلُوۡا مِنۡهَا
حَيۡثُ شِئۡتُمۡ وَقُوۡلُوۡا حِطَّةٌ وَّادۡخُلُوا الۡبَابَ

کے سوائے کوئی معبود نہیں وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے سو اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی امّی پر جو اللہ اور اس کے کلموں پر ایمان لاتا ہے اور اس کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

اور موسیٰؑ کی قوم میں سے ایک جماعت ہے جو حق کے ساتھ ہدایت کرتے اور اس کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔

اور ہم نے ان کو بارہ قبیلوں میں الگ الگ قومیں بنا کر تقسیم کر دیا اور ہم نے موسیٰؑ کی طرف وحی کی جب اس کی قوم نے اس سے پانی مانگا کہ اپنے عصا کو چٹان پر مار۔ تو اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے، ہر ایک قوم نے اپنا گھاٹ جان لیا اور ہم نے اُن پر بادل کا سایہ کیا، اور ہم نے اُن پر من اور سلوےٰ اُتارا۔ ستھری چیزوں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں کھاؤ اور انھوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔

اور جب ان کو کہا گیا اس بستی میں رہ پڑو اور جہاں سے چاہو کھاؤ اور کہو ہمارے گناہ معاف کیے جائیں اور دروازے میں فرمانبرداری کرتے ہوئے داخل ہو،

ساری قوموں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرلے اور ساری انسانی قوموں میں وحدت پیدا کرے۔

نمبرا۔ ان واقعات کو تیسری دفعہ بیان کیا ہے پہلی دفعہ سورہ بقرہ میں حضرت موسیٰؑ کے ذکر میں۔ دوسری دفعہ سورہ نساء میں حضرت عیسیٰؑ کے ذکر میں۔ تیسری دفعہ یہاں آنحضرت صلعم کے ذکر میں اور ہر مقام پر لانے میں ایک خاص غرض ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سورت مکی ہے اس لیے یہاں ان واقعات کا ذکر پہلی دفعہ کیا ہے۔ اور قریباً انہی الفاظ میں کیا ہے جن میں بعد میں زیادہ تفصیل کے ساتھ سورہ بقرہ میں کیا ہے۔ یہود کی ان سرکشی کی مثالوں کا ایسے وقت میں بیان کرنا جب ابھی آپ کو یہود سے واسطہ نہیں پڑا اپنے اندر ایک پیشگوئی کا رنگ رکھتا ہے کہ آپ کے ساتھ اس قوم کا کیسا سلوک ہوگا اور اس میں نبی کریم صلعم کو قبل از وقت تسلّی دی گئی ہے کہ یہ لوگ آپ کے ساتھ سرکشی سے پیش آئیں تو آپ کو رنج نہ ہو اور یہ علم ہو کہ اس قوم کی عادت ہی سرکشی رہی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے سخت غلطی کھائی ہے جنھوں نے یہ خیال کیا ہے کہ پہلے نبی کریم صلعم یہود کو اچھا کہتے تھے اور جب مدینہ میں اس قوم نے آپ کی مخالفت کی تب اُن کو بُرا کہنا شروع کیا۔ یہی وہ امور ہیں جو قرآن کریم کے منجانب اللہ ہونے کے یقینی دلائل ہیں اگر یہ انسان کا کلام ہوتا تو وہ انسان ضرور مختلف حالات سے متاثر ہو کر کبھی ایک طرح کے خیالات کا اظہار کرتا اور کبھی دوسری طرح کے خیالات کا +

سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ ۭ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾

ہم تمھاری خطائیں بخش دیں گے احسان کرنے والوں کو ہم بڑھ کر دیں گے۔

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاۗءِ
ع بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

مگر ان لوگوں نے جو اُن میں سے ظالم تھے اس بات کے سوائے جو ان کو کہی گئی تھی دوسری بات بدل دی۔ سو ہم نے ان پر آسمان سے دبا بھیجی اس لیے کہ وہ ظلم کرتے تھے۔

وَسْـَٔـلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

اور ان سے اس بستی کا حال پوچھ جو دریا پر واقع تھی۔ جب وہ سبت کے بارے میں حد سے بڑھتے تھے۔ جب ان کے سبت کے دن ان کی مچھلیاں پانی کے اوپر ان کے سامنے آجاتیں اور جس دن اُن کا سبت نہ ہوتا ان کے سامنے نہ آتیں۔ اسی طرح ہم انکو آزماتے رہے اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۱۔

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَۨا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا تم کیوں اس قوم کو وعظ کرتے ہو جسے اللہ ہلاک کرنے والا ہے یا ان کو سخت عذاب دینے والا ہے، انھوں نے کہا تاکہ تمھارے رب کے سامنے معذور ہوں اور شاید کہ وہ تقوی کریں۲۔

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْۗءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَـِٔيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾

سو جب انھوں نے اسے چھوڑ دیا جس کی ان کو نصیحت کی گئی تھی، ہم نے ان کو بچا لیا جو بدی سے روکتے تھے اور جو ظالم تھے ان کو سخت عذاب میں پکڑ لیا اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿۱۶۶﴾

سو جب انھوں نے اس سے سرکشی کی جس سے روکے گئے تھے۔ ہم نے انھیں کہا ذلیل بندر ہو جاؤ۳۔

نمبر۱۔ القریۃ، اس بستی کو بعض نے ایلہ کہا ہے جو مدین اور طور کے درمیان بحیرۂ قلزم پر واقع ہے اور بعض نے خود مدین۔
سبت کے دن مچھلیوں کا پانی کے اوپر آجانا اور دوسرے دنوں میں نہ آنا یہودیوں کے لیے موجب ابتلا ہُوا۔ اس لیے کہ سبت کے دن اُن کو شکار کی ممانعت تھی اور مچھلیوں کے اُس دن اوپر آنے کی وجہ بھی یہی تھی کہ اُس دن ان کا شکار نہ کیا جاتا تھا اور جانور کی یہ عادت ہے کہ وہ وقت کو پہچانتا ہے۔

نمبر۲۔ یہ الفاظ جو تاریخی طور پر بالکل صحیح ہیں پیشگوئی کے رنگ میں ان میں صاف نقشہ کھینچا گیا ہے کہ آنحضرت صلعم سے اُن کا کیا معاملہ ہوگا اور کہ آپ کا ان کو وعظ ونصیحت کرنا کہاں تک مفید ہوگا اور کہ آخر اُنؐ کے لیے عذاب ہے۔

نمبر۳۔ ان کے قردۃ یا بندر بننے کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔ یہاں یہ بات مزید قابلِ غور ہے کہ ایک طرف تو ان کے بندر بنانے کا ذکر کیا اور ساتھ ہی

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ
اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَ اِنَّهٗ
لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۷﴾

اور جب تیرے رب نے خبر دے دی کہ ان پر قیامت کے دن تک ایسے لوگوں کو اُٹھاتا رہے گا جو اُن کو بُرا عذاب دیتے رہیں۔ بیشک تیرا رب بدی کی سزا جلد دیتا ہے اور یقیناً وہ بخشنے والا رحم کرنے والا بھی ہے [۱]۔

وَ قَطَّعْنٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ
الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ؗ وَ بَلَوْنٰهُمْ
بِالْحَسَنٰتِ وَ السَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۸﴾

اور ہم نے انھیں فرقے بنا کر ملک میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ کچھ اُن میں سے صالح ہیں اور کچھ اَور طرح کے ہیں، اور ہم اُن کو سکھوں اَور دکھوں سے آزماتے رہے تاکہ وہ رجوع کریں۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ
يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَ يَقُوْلُوْنَ
سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَ اِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ
يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ
الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ
وَ دَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ
لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

پھر اُن کے پیچھے ایسے ناخلف لوگ آئے جو کتاب کے وارث ہوئے وہ اس ادنیٰ زندگی کا سامان لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم کو بخش دیا جائے گا اور اگر ان کے پاس اسی قسم کا سامان اور آجاتا ہے، اسے بھی لے لیتے ہیں۔ کیا ان سے کتاب کے ذریعے عہد نہ لیا گیا تھا، کہ اللہ پر سوائے حق کے کچھ نہ کہیں گے اور جو کچھ اس میں ہے اسے پڑھتے ہیں اور پچھلا گھر اُن لوگوں کے لیے بہتر ہے جو تقوٰی کرتے ہیں [۲]۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

دوسری آیت میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تک اُن پر ایسے لوگوں کو حاکم بناتا رہے گا جو اُن کو سخت دُکھ دیتے رہیں گے حالانکہ حاکم انسانوں پر بنائے جاتے ہیں اور عذاب بھی انسانوں کو ہی دیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان کی صورتیں بندروں کی سی نہ بنی تھیں بلکہ انسانوں ہی کی رہی تھیں۔

نمبر۱۔ ان الفاظ میں ایک ایسی زبردست پیشگوئی ایسے صریح الفاظ میں ہے جس کی نظیر سوائے قرآن شریف کی دوسری جگہ نہیں ملے گی اور یہ نبی کریم صلعم کی زندگی کا مکی زمانہ ہے جب ابھی یہود سے واسطہ بھی نہیں پڑا یہود کا محکوم رہنا اور برابر قیامت تک محکوم رہنا اور پھر وقتاً فوقتاً ان پر ایسے لوگوں کا مسلط ہوتے رہنا جو انکو طرح طرح کی تکالیف دیں کس قدر صفائی سے یہاں بیان کیا ان بیانات کی عظمت اس وقت نظر آتی ہے جب ایک طرف اس بات کو مدنظر رکھا جائے کہ یہ لفظ ایک اُمی کے منہ سے نکل رہے ہیں۔ جسے نہ دنیا کی تاریخ کا علم ہے نہ وہ دنیا کے ممالک میں پھرا ہے کہ یہود کی حالت کو دیکھے جس کے اپنے ملک میں کم و بیش یہود کی آزاد بستیاں بھی ہیں جہاں انھوں نے اپنا خاصہ رعب قائم کیا ہوا ہے اور دوسری طرف اس کے بعد کی تیرہ سو سال کی یہودیوں کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے اور دیکھا جائے کہ کس طرح یہ قوم کبھی ایک قوم کے اور کبھی دوسری قوم کے مظالم کی تختہ مشق بنی رہی۔ یورپ میں یہودیوں کی تاریخ قرآن کریم کی اس پیشگوئی کے پورا ہونے کی گویا تفصیل ہے اور قیامت تک ان کا محکوم رہنا ابھی آئندہ کے لیے بھی پیشگوئی کا کام دیتا رہے گا۔ ہاں انہ غفور رحیم میں یہ پیشگوئی بھی موجود ہے کہ جہاں اسلام اختیار کرلیں وہاں ان کی حالت بھی تبدیل ہو جائے گی اور افغانستان کی تاریخ اس حصہ پیشگوئی کی واضح مثال ہے کیونکہ اس میں شبہ نہیں کہ افغان بنی اسرائیل ہیں اور یہ قوم اسلام لاکر حاکم قوم بن گئی ہے۔

نمبر۲۔ میثاق الکتاب سے مراد وہ میثاق ہے جو کتاب یعنی توریت میں مذکور ہے گویا اضافت بمعنی فی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے لوگوں میں تو صالح

وَ الَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ۝۱۷۰

اور جو لوگ کتاب کو مضبوط پکڑتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں ہم کبھی اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۱۷۱

اور جب ہم نے ان کے اوپر پہاڑ کو ہلایا گویا وہ سائبان تھا، اور انھوں نے خیال کیا کہ وہ ان پر گرنے والا ہے جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے مضبوطی سے پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے یاد رکھو تاکہ تم بچ جاؤ[1]۔

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ۝۱۷۲

اور جب تیرے رب نے بنی آدم سے (یعنی) ان کی پیٹھوں سے ان کی اولاد نکالی اور ان کو اپنے آپ پر گواہ ٹھیرایا، کیا میں تمھارا رب نہیں انھوں نے کہا ہاں! ہم گواہ ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن کہو، ہم تو اس سے بے خبر تھے[2]۔

بھی تھے مگر جو پیچھے آئے وہ اکثر ناخلف ہی تھے۔ مالِ دنیا کے حصول کے لیے دین اور اخلاق کی ان کو پرواہ نہ رہی اور اعتقاد یہ رکھا کہ گناہ تو اللہ تعالیٰ بخش ہی دیگا یہ بنی اسرائیل کے قصہ میں مسلمانوں کا نقشہ ہے۔

نمبر۱۔ نتقنا۔ نتق کے اصل معنی لغت میں الزعزعۃ والھز ہیں یعنی ایک چیز کو حرکت میں لانا اور ہلا دینا اور ابھی پیچھے رجفۃ یعنی زلزلہ کا ذکر گزر چکا ہے تو یہی معنی یہاں مراد لیے جائیں گے اس لیے بھی کہ پہاڑ کو ایک جگہ سے اٹھا کر موسیٰؑ کے لشکر پر لانا اور پھر ان سے اقرار پابندیٔ معاہدہ لینا اللہ تعالیٰ کے اس قانون کے خلاف ہے جو اپنی شرائع کے بارہ میں اس نے رکھا ہے فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر (الکھف-۲۹)۔ اسی کیفیت کا ذکر کیا ہے جب وہ پہاڑ کے دامن میں تھے اور اوپر سے زور کا زلزلہ آیا جس سے ان کو معلوم ہوا کہ پہاڑ ان کے اوپر ہی گر پڑے گا۔

نمبر۲۔ یہود کی خلاف ورزیٔ میثاق کا ذکر کرتے ہوئے اس میثاق کا ذکر کیا جس کا تعلق کسی خاص قوم سے نہیں بلکہ فطرت انسانی سے تعلق ہونے کی وجہ سے اس کا دائرہ سب انسانوں پر محیط ہے۔ یعنی فطرت انسانی میں ایک نور رکھا گیا ہے جو اسے حق کی طرف ہدایت کرتا ہے یا جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر شہادت دیتا ہے۔ وحی الٰہی اسی نور کی معاون ہو کر اس کی تکمیل کرتی ہے۔ پس یہودیوں کو دونوں میثاق یاد دلائے اوّل اُن کا خاص میثاق، دوسرا فطرت انسانی کا میثاق۔ یوں بھی وحی الٰہی کا مضمون جس پر اس سورت میں خاص بحث ہے نامکمل رہتا اگر اس نورِ فطرت کی طرف توجہ نہ دلائی جاتی، جس کو چمکانے کے لیے وحی الٰہی آتی ہے۔

یہاں آدم کی پیٹھ سے اولاد نکالنے کا ذکر نہیں، بلکہ بنی آدم کی پیٹھ سے نکالنے کا ذکر ہے اور پھر ایک طرف تو کہا کہ بنی آدم سے ان کی اولاد نکالی اور دوسری طرف ساتھ ہی بدل کے طور پر فرمایا من ظھورھم ان کی پیٹھوں سے۔ پس اس سے مراد ہر ایک نسل کا اپنے آباء کی پیٹھوں سے پیدا ہونا ہے۔ من ظھورھم کے لفظ نے صاف بتا دیا کہ اس سے مراد ایک نسل کے بعد دوسری کا پیدا ہونا ہے۔ حضرت عمرؓ کی حدیث میں جو ذکر ہے تو وہ عالم مثال کے متعلق ہے کیونکہ علمِ الٰہی میں بلاشبہ سب چیزیں پہلے سے موجود تھیں۔ لیکن قرآن کریم بالتصریح فرماتا ہے کہ ہر روح ساتھ کے ساتھ عدم سے وجود میں آتی ہے۔ ثم انشانٰہ خلقًا اٰخر (المومنون-۱۴) اشھدھم علی انفسھم اپنے آپ پر گواہ ٹھہرانے سے مراد یہ ہے کہ دلائل ربوبیت ان کی فطرت میں رکھ دیئے اور عقل انسانی میں ان کو مرکوز کر دیا اور اسی کی طرف حدیث میں اشارہ ہے کل مولود یولد علی الفطرۃ یعنی ہر بچہ فطرت صحیحہ پر پیدا ہوتا ہے اور قرآن کریم میں فرمایا فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا (الروم-۳۰) اللہ کی پیدا کی ہوئی فطرت جس پر سب لوگوں کو پیدا کیا۔

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ۚ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝

یا کہو صرف ہمارے باپ دادا نے پہلے شرک کیا اور ہم ان کے پیچھے (ان کی) اولاد تھے۔ تو کیا تو ہم کو اس کی وجہ سے ہلاک کرتا ہے جو غلط کاروں نے کیا۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

اور اسی طرح ہم کھول کھول کر آیتیں بیان کرتے ہیں اور تاکہ وہ رجوع کریں ؎۱

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝

اور ان پر اس شخص کی خبر پڑھ دے جس کو ہم نے اپنی آیات دیں پھر وہ انہیں چھوڑ نکلا تب شیطان اس کے پیچھے لگا سو وہ گمراہوں میں سے ہو گیا ؎۲

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

اور اگر ہم چاہتے تو ان کے ذریعے سے اس کا مرتبہ بلند کرتے لیکن وہ زمین کے ساتھ لگ گیا اور اپنی خواہش کی پیروی کی ؎۳ سو اس کی مثال کتے کی مثال کی مانند ہے، اگر تو اس پر حملہ کرے تو ہانپے اور چھوڑ دے تو ہانپے۔ یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں۔ سو یہ حال بیان کر دے، تاکہ وہ فکر کریں ؎۴

سَآءَ مَثَلَا ۨالْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

ان لوگوں کی مثال بُری ہے جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے

نمبر۱۔ مطلب یہ ہے کہ اصل مبطل یعنی ابطال حق کرنے والے تو گو وہ لوگ تھے جنھوں نے پہلے شرک کر کے اس کی بنیاد رکھی اور پیچھے آنے والی نسل محض ناقل ہے کیونکہ آبا و اجداد کی تقلید فطرت انسانی میں ہے۔ اس لیے پیچھے آنے والے اپنی بریت ظاہر کرتے ہیں۔ اس کا جواب اسی فطرتِ انسانی کے میثاق میں ہے یعنی وہ عقل و فطرت جس میں ربوبیت الٰہی مرکوز ہے وہ تو سب انسانوں کو ہم نے یکساں دی ہے اس لیے تقلید غلط کاری کے لیے کوئی حجت نہیں۔

نمبر۲۔ اس سے مراد کوئی خاص شخص نہیں، گو بعض نے بلعم کا اور بعض نے کسی راہب اور بعض نے اُمیہ کا نام لیا ہے۔ اس کا عام ہونا خود اگلی آیت سے واضح ہے جہاں یہ لفظ صاف ہیں ذٰلک مثل الذین کذبوا بآیٰتنا۔ یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو ہمارے احکام کو جھٹلاتے ہیں۔ پس جس شخص کو احکام الٰہی پہنچیں اور وہ ان کی پروا نہ کرے یا ان کو قبول کر کے رد کر دے اس کا وہ نور فطری بھی بجھ جاتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان جو اس کے پیچھے لگا ہوا ہوتا ہے اُسے آ پکڑتا ہے پھر جدھر اُسے شیطان چلاتا ہے اسی طرف چلتا جاتا ہے۔

نمبر۳۔ یہاں رفع کے بالمقابل اخلد الی الارض یا زمین سے پیوست ہو جانے کے لفظ بھی موجود ہیں مگر تاہم نہ رفع سے مراد آسمان پر جانا ہے نہ اخلاد الی الارض سے مراد سچ مچ زمین کے ساتھ لگا رہنا ہے بلکہ دونوں جگہ مراد روحانی طور پر رفع اور روحانی طور پر زمین کے ساتھ لگنا ہے۔

نمبر۴۔ ایسے لوگوں کی مثال جو احکام الٰہی کو جھٹلاتے ہیں کتے سے دی ہے جو ہر حال میں ہانپتا ہے خواہ کوئی اس پر حملہ کرے یا نہ کرے گویا قلق اور اضطراب ہر وقت ایسے انسان کو لاحق حال رہتا ہے اور اطمینان قلب اسے کسی حال میں میسر نہیں آتا۔ احکام الٰہی یا وحی الٰہی کی غرض تو یہی ہے کہ انسان کو سکون یعنی اطمینان قلب حاصل ہو۔ پس اس کا رد کرنا لازماً موجب قلق و اضطراب ہے اور اطمینان قلب صرف ذکر اللہ سے میسر آتا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (الرّعد - ۲۸)

وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

ہیں اور اپنے آپ پر ہی وہ ظلم کرتے ہیں۔

مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَ مَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾

جس کو اللہ ہدایت دے تو وہی ہدایت پانے والا ہے اور جس کو وہ گمراہ چھوڑ دے تو وہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ۡ وَ لَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اور یقیناً ہم نے بہت سے جنوں اور انسانوں کو دوزخ کے لیے پیدا کیا ہے[1]۔ ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں۔ اور اُن کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ وہ چار پایوں کی طرح ہیں، بلکہ زیادہ گمراہ۔ یہی بے خبر ہیں۔ ملہ

وَ لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۪ وَ ذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآئِهٖ ؕ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

اور اللہ کے سب اچھے نام ہیں سو ان کے ساتھ اس کو پکارو اور ان کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں ٹیڑھی راہ چلتے ہیں۔ انھیں اس کا بدلہ دیا جائے گا جو وہ کرتے تھے[2]۔

وَ مِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ

اور ان میں جنھیں ہم نے پیدا کیا۔ ایک گروہ ہے جو سچی راہ بتاتے

نمبر۱۔ دوسری جگہ فرماتا ہے وماخلقت الجن والانس الا لیعبدون (الذاریٰت - ۵۶) یعنی جن وانس کو پیدا کیا تو صرف اس غرض کے لیے کہ وہ عبادت کریں پس جہنم کے لیے پیدا کرنا غرض پیدائش نہیں ہوسکتی اس لیے اکثر مفسرین نے یہاں لام کو لام عاقبت کہا ہے جیسے فالتقطہ آل فرعون لیکون لھم عدوا وحزنا (القصص - ۸) یعنی اس کا انجام یہ ہے کہ وہ جہنم میں جاتے ہیں جس طرح شاعر کہتا ہے لدوا للموت وابنوا للخراب۔ موت کے لیے اولاد پیدا کرو اور ویران ہونے کے لیے عمارتیں بناؤ۔ مطلب یہ نہیں کہ ان میں تمھاری غرض یہ ہے۔ بلکہ انجام تو یہی ہے کہ جو پیدا ہوگا وہ مرے گا جو عمارت بنی سو ایک دن ویران ہوگی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تو ان کو پیدا کیا اور پیدا کرنے کی غرض بھی دوسری جگہ عبادت بتادی مگر نتیجہ یہ ہے کہ وہ گویا جہنم کے لیے ہی پیدا ہوئے تھے کیوں؟ اس لیے کہ دل اور کان اور آنکھ سے کام نہیں لیتے یعنی اس لیے کہ کام ایسے کرتے ہیں جن کا نتیجہ جہنم ہے۔ قرآن شریف کا ایک ایک لفظ اس پر شاہد ہے کہ کوئی شخص اس لیے بُرے عمل نہیں کرتا کہ خدا نے اس کو الگ قسم کے قویٰ کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یہاں بھی یہی بات فرمائی یوں نہیں فرمایا کہ ہم نے ان کو دل دیئے مگر فقاہت سے خالی یہ تو اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہوتا۔ فرمایا کہ دل بھی ہیں اور فقاہت کی قوت بھی ان میں ہے مگر وہ اس قوت فقاہت سے کام نہیں لیتے ایسا ہی ان کو دوسروں کی طرح آنکھ اور کان دیئے مگر وہ خود ان سے دیکھنے اور سننے کا کام نہیں لیتے یہ نہیں کہ اُن میں دیکھنے یا سننے کی قوت نہیں، اشرف انسانیت یہی تھا کہ انسان سُن کر اور سمجھ کر ان نتائج پر پہنچتا جن پر حیوان نہیں پہنچ سکتا اس شرف کو انھوں نے گنوا دیا اس لیے چار پایوں کی طرح ہو گئے۔

نمبر۲۔ یہاں اسمائے الٰہی کا ذکر اس لیے کیا کہ انہی اسماء سے ہی انسان کمال کو حاصل کرسکتا ہے۔ گویا جس اللہ تعالیٰ کے اسم کو پکارتا ہے اسی کمال کو اپنے اندر بھی چاہتا ہے اور ہر ایک غلط عقیدہ کسی اسم الٰہی میں الحاد سے پیدا ہوتا ہے یعنی اس کی طرف غلط صفات منسوب کرنے سے اور غلط عقیدہ سے خراب عمل پیدا ہوتا ہے۔

بِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾

ہیں اور اسی پر انصاف کرتے ہیں ۱؎

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ
مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾

اور جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم ان کو تدریجاً پکڑیں گے جہاں سے وہ جانتے بھی نہیں ۲؎

وَاُمْلِيْ لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾

اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں، میری تدبیر مضبوط ہے۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۜ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ
اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾

اور کیا انھوں نے فکر نہیں کیا کہ ان کے رفیق کو جنون نہیں ہے وہ صرف کھلے طور پر ڈرانے والا ہے۔

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ۙ وَّاَنْ عَسٰٓى اَنْ
يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ۚ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ
بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

اور کیا انھوں نے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت میں نظر نہیں دوڑائی اور جو چیز اللہ نے پیدا کی ہے اور یہ کہ شاید ان کا وقت نزدیک آگیا ہے۔ سو اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔

مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ۭ وَيَذَرُهُمْ
فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

جس کو اللہ گمراہ قرار دے اس کے لیے کوئی ہادی نہیں، اور وہ ان کو ان کی سرکشی میں چھوڑتا ہے اندھے ہو رہے ہیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۭ قُلْ
اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ
اِلَّا هُوَ ۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ
لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ۭ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ
حَفِيٌّ عَنْهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

تجھ سے اس گھڑی کے متعلق پوچھتے ہیں کہ اس کا واقع ہونا کب ہوگا؟ کہہ، اس کا علم تو میرے رب کو ہی ہے اس کو اس کے وقت پر کوئی ظاہر نہیں کرے گا مگر وہی۔ وہ آسمانوں اور زمین میں بھاری بات ہے تم پر اچانک ہی آئے گی۔ تجھ سے پوچھتے ہیں، گویا کہ تو اس کے متعلق کاوش کرنے والا ہے۔ کہہ، اس کا علم صرف اللہ کو ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۳؎

نمبر۱۔ امۃ یھدون کی تفسیر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے ھٰذہ امتی یعنی میری امت۔

نمبر۲۔ نبوت کی بحث کا خاتمہ اس قوم کی سزا کے ذکر پر کیا جو حق کو نابود کرنا چاہتی ہے۔

نمبر۳۔ یہاں الساعۃ سے کیا مراد ہے۔ یہ دکھایا گیا ہے کہ ساعتیں یا قیامتیں تین ہیں: صغریٰ، وسطیٰ، کبریٰ۔ ساعت وسطیٰ ایک قوم کی تباہی کا وقت ہے۔ اب ظاہر ہے کہ یہاں اوپر ذکر صاف الفاظ میں اعدائے حق کے پکڑا جانے کا ہے جیسا کہ رکوع کے شروع کی آیتوں میں صفائی سے فرمایا تو پس جب ان کو استدراج کی خبر دی گئی اور یہ کہ ان کو تھوڑے وقت کے لیے مہلت دی جاتی ہے تو وہ سوال کرتے ہیں کہ یہ ہماری تباہی اور ناکامی کا وقت کب آئے گا کیونکہ اس وقت وہ زوروں پر تھے اس کا جواب یہ دیا کہ کب وہ وقت آئے گا اس کے بتانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اوپر بتا دیا تھا کہ آہستہ آہستہ

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا
مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ
لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۖۛ وَ مَا مَسَّنِيَ
السُّوْٓءُ ۛؕ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ
لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝١٨٨

کہہ میں اپنی جان کے لیے نفع کا مالک نہیں اور نہ نقصان کا
مگر جو اللہ چاہے -- اور اگر میں غیب جانتا ، تو بہت
بھلائی لے لیتا ، اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی[1]
میں صرف ڈرانے والا ہوں اور ان لوگوں کو خوشخبری
دینے والا جو ایمان لاتے ہیں -

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ
وَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ
فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ
بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ
اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝١٨٩
فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ

وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا،
تاکہ وہ اس سے آرام حاصل کرے۔ پھر جب وہ اس پر پردہ ڈالتا ہے تو وہ
ایک ہلکا سا بوجھ اٹھا لیتی ہے اور اس کے ساتھ چلتی پھرتی ہے پھر جب وہ بوجھ
معلوم کرتی ہے دونوں اپنے رب کو پکارتے ہیں کہ اگر تو ہمیں صحیح و سالم
(بچہ) دے تو ہم ضرور شکر کرنے والوں میں سے ہوں گے[2]
پھر جب وہ ان کو صحیح و سالم (بچہ) دیتا ہے وہ اس میں جو ان کو دیا اس کے شریک ٹھہراتے ہیں

اور تدریجاً آئے گا۔ ہاں یہ فرمایا کہ وہ کوئی ایسی آسان شے نہیں جس کے متعلق تم بار بار جلدی کرتے ہو اور اس کا ثقیل ہونا اس لحاظ سے بھی ہے کہ وہ اس قوم کے لیے ایک امر ناخوشگوار ہے اور اس لیے بھی کہ اسے دوسری جگہ خافضۃ رافعۃ (الواقعۃ - ۳) کہا ہے یعنی بعض یعنی کفار کو ذلیل کر دے گی اور بعض یعنی مومنوں کو بلند مقام پر پہنچا دے گی۔

نمبر۱۔ مخالفین کو ان کے بد انجام سے ڈرانے کے بعد قبول کرنے والوں کو خوشخبریاں سنا کر پھر بھی یہی فرمایا کہ رسول عالم الغیب نہیں۔ جس قدر اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا اس قدر سنا دیا اپنے لیے بشر سے بڑھ کر طاقت کا دعویٰ نہ کرنا دکھاتا ہے کہ کس قدر سادگی آپ کے اصول دین میں تھی سب کچھ سنا تو دیا مگر یہ بھی بتا دیا کہ حق کو حق کی خاطر قبول کرو نہ اس لیے کہ بہت سی آسائش مل جائے اسلام کے اصول کی کامیابی کا اصل راز ان کی سادگی ہے۔

نمبر۲۔ صالحًا۔ صلاح۔ فساد کی ضد ہے اس لیے صالح بلحاظ افعال بھی ہو سکتا ہے یعنی جس کے افعال میں کوئی فساد نہ ہو اور بلحاظ جسم بھی یعنی جس کے جسم میں کوئی نقصان نہ ہو اور یہی یہاں مراد ہے اس لیے کہ بچہ کی صلاحیت اس کے جسم کے لحاظ سے ہی ہو سکتی ہے اس رکوع میں یہ بتایا ہے کہ مخالفت میں کیا طریق اختیار کرنا چاہیے مگر پہلے بتایا ہے کہ انسان کس طرح ناشکری اختیار کرتا ہے جب دکھ اور تکلیف کا وقت ہوتا ہے تو خدا کو پکارتا ہے۔ جب آسائش اور نعمت حاصل ہو جاتی ہے تو پھر خدا کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگتا ہے۔

یہاں لفظ تو عام ہیں مگر نفس واحدۃ کے لفظ نے بہت لوگوں کو اس طرف مائل کر دیا کہ یہاں آدم و حوّا کا ذکر ہے حالانکہ کسی حدیث میں یہ نہیں اور دوسری طرف الفاظ کو عام رکھنے سے کوئی محذور لازم نہیں آتا۔ کیونکہ جو انسان پیدا ہوتا ہے وہ ایک ہی نفس سے پیدا ہوتا ہے اور زوج کا اسی نفس سے پیدا ہونا صرف حوا کے لیے مخصوص نہیں بلکہ تمام انسانوں کو یہی کہا ہے کہ تم سب کی بیویوں کو تمہارے ہی نفسوں سے پیدا کیا ہے۔ ومن اٰیاتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجًا لتسکنوا الیہا (الروم - ۲۱) جہاں سارے لفظ وہی ہیں جو یہاں ہیں۔ پس آدم و حوا پر ان کا لگانا اور اس پر یہ قصے بڑھانا کہ آدم و حوا کی اولاد نہ جیتی تھی۔ تب انھوں نے ایک بچہ کا نام عبدالحارث رکھا اور حارث شیطان کا نام ہے سب بے بنیاد باتیں ہیں اور محقق مفسرین نے ان کو رد کیا ہے۔

فِيمَآ اٰتٰهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿١٩٠﴾
اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿١٩١﴾ۖ
وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ
اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿١٩٢﴾
وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ۭ
سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ
اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿١٩٣﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ
اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٩٤﴾
اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ
اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ
يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ
بِهَا ۭ قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ
فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿١٩٥﴾

سو اللہ اس سے بلند ہے جو وہ شریک بناتے ہیں۔
کیا وہ اسکو شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کرسکتے اور وہ خود پیدا کیے جاتے ہیں۔
اور وہ ان کی مدد نہیں کر سکتے، اور نہ ہی اپنی مدد کر سکتے ہیں۔
اور اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ، تو وہ تمہاری پیروی نہیں کرتے، تمہارے لیے یکساں ہے کہ تم اُن کو پکارو یا تم چپکے رہو۔[1]
وہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، تمہاری طرح بندے ہیں سو اُن کو پکارو تو چاہیئے کہ تم کو جواب دیں اگر تم سچے ہو۔[2]
کیا اُن کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں یا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں یا ان کے کان ہیں جن سے وہ سُنتے ہیں کہہ، اپنے شریکوں کو پکارو، پھر میرے خلاف تدبیریں کرو اور مجھے کبھی مُہلت نہ دو۔[3]

نمبر۱۔ اس آیت میں خطاب مشرکوں کو ہے جیسا کہ اگلی آیت سے واضح ہوتا ہے اور ان کو بتوں کی بے بسی کی طرف توجہ دلائی ہے اور ھدیٰ سے مراد حصول کامیابی کی راہ ہے اور اتباع یا پیروی کرنے سے مطلب حصول مراد میں امداد دینا ہے۔ سواء علیکم اس کو واضح کرتا ہے کیونکہ اگر دعوت الی الحق مراد ہو اور خطاب مسلمانوں کو ہو تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ تمہارے لیے ان کا بلانا نہ بلانا یکساں ہے۔ دعوت الی الحق سے بہرحال بلانے کو فائدہ پہنچا ہے

نمبر۲۔ اس میں ہر قسم کے شرکا شامل ہیں اکثر انسانوں کو ہی شریک ٹھیرایا جاتا ہے۔ مگر دوسری چیزیں بھی لی جائیں تو ان کی عبودیت اس لحاظ سے ہے کہ وہ بھی عاجزی کی حالت میں ہیں۔

نمبر۳۔ یعنی مشرکوں کی اور ان کے فرضی خداؤں کی مخالفت حق کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تھی۔ سورۂ اعراف کے نزول کا زمانہ وہ ہے جب مخالفت زوروں پر ہے اور ساتھی اوّل تو تعداد میں کچھ نہیں، جو ہیں وہ بھی متفرق۔ پھر وطن سے بے وطن۔ مگر کس قدر تحدّی ہے کہ سارا زور لگالو، ساری تدبیریں میری ہلاکت کی کرلو، مجھے کوئی مہلت بھی نہ دو۔ ایک بیکس انسان جو چاروں طرف سے ستایا جارہا ہو جس کی زندگی معرض خطر میں ہو جس کے چاروں طرف دشمن ہی دشمن ہوں ایسے لفظ منہ سے نہیں نکال سکتا۔ یہ پُرشوکت الفاظ اسی خدائے قادر کے منہ سے نکلے ہوئے ہیں جس کے سامنے انسانوں کی مخالفت کوئی وقعت نہیں رکھتی جس کے مقابلہ پر ساری دنیا اگر کوشش کرے تو ناکام ہوتی ہے ایسی بیکسی کی حالت میں اس قدر پرشوکت متحدیانہ دعویٰ جو ساری دنیا کو مخالفت کے لیے بلا رہا ہو ثابت کر رہا ہے کہ وحی

اِنَّ وَلِیِّ َۧ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتٰبَ ۗ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹۶﴾

میرا ولی اللہ ہے، جس نے کتاب اُتاری اور وہی نیکوں کی حمایت کرتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَکُمْ وَلَآ اَنْفُسَھُمْ یَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾

اور جن کو تم اُس کے سوا پکارتے ہو وہ تمھاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں ؎۱

وَاِنْ تَدْعُوْھُمْ اِلَی الْھُدٰی لَا یَسْمَعُوْا ۭ وَتَرٰىھُمْ یَنْظُرُوْنَ اِلَیْکَ وَھُمْ لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

اور اگر تم اُن کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو وہ نہ سُنیں اور تو اُن کو دیکھے گا کہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں حالانکہ وہ دیکھتے نہیں ؎۲

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰھِلِیْنَ ﴿۱۹۹﴾

درگزر اختیار کر اور نیک کام کا حکم دے، اور جاہلوں سے کنارہ کر۔

وَاِمَّا یَنْزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰہِ ۭ اِنَّہٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۰۰﴾

اور اگر شیطان کی فساد کی بات تجھے تکلیف دے تو اللہ کی پناہ پکڑ، وہ سننے والا جاننے والا ہے ؎۳

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّھُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ

جو بدی سے بچتے ہیں جب ان کو شیطان سے کوئی خیال پہنچتا ہے (خدا کو)

کے الفاظ نہ محمد رسول اللہ صلعم کے بنائے ہوئے ہیں نہ آپ کے قلب کا نقشہ ہیں بلکہ یہ کوئی خارجی شے ہے جو انتہائی درجہ کی بیکسی کے وقت مہبط وحی کی قوت کا باعث ہو رہی ہے۔

نمبر۱۔ اوپر کی آیات میں تو یہ بتایا تھا کہ وہ آنحضرت صلعم کے خلاف سارا زور لگا کر بھی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ یہاں بتایا کہ نہ صرف یہی بلکہ جب مشرک مغلوب ہوں گے تو یہ بُت ان کی کچھ مدد نہ کر سکیں گے ان کی مدد کرنا تو ایک طرف رہا اپنے آپ کو بھی تباہی سے نہ بچا سکیں گے۔ یہی وہ بات تھی جس نے آخرکار ابوسفیان اور دیگر اہل مکہ پر اثر کیا کہ کس طرح جو کچھ بیکسی کی حالت میں رسول اللہ صلعم کے منہ سے کہلوایا گیا تھا وہ حرف بحرف پورا ہوا اور مشرک باوجود اپنی ساری طاقت کے آخرکار مغلوب ہوئے اور اُن کے فرضی خدا ان کی کچھ مدد نہ کر سکے۔

نمبر۲۔ اس آیت میں خطاب بدل دیا ہے یعنی مسلمانوں کو خطاب ہے کہ اگر تم ان کفار کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو بھی نہیں سنتے۔ یہاں سننے سے مراد قبول کرنا ہے۔

نمبر۳ نزغ کے معنی ہیں کسی امر میں اس کو بگاڑنے کے لیے مداخلت کرنا چنانچہ قرآن کریم میں دوسری جگہ ہے نزغ الشیطان بینی وبین اخوتی (یوسف ۱۰۰) (یعنی) شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں فساد ڈلوایا۔ اور نزغ الرجل کے معنی ہیں ذکرہ بقبیح اس کا بُرے لفظوں میں ذکر کیا اور نزغ کے معنی وسوسہ بطور مجاز ہیں اصل معنی نہیں اور نہ ہی وسوسہ یہاں معنی مراد ہو سکتے ہیں اس لیے کہ حدیث میں صاف آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا قرین جن مسلمان ہو گیا اور وہ سوائے بھلائی کے مجھے کچھ نہیں کہتا اعاننی علیہ فاسلم فلا یامرنی الا بخیر پس یہاں نزغ شیطان اپنے حقیقی معنی میں ہے یعنی شیطان تیرا کام بگاڑنا چاہے یا تیری نسبت بُری باتیں کہتا پھرے اور شیطان سے مراد انسانی شیطان ہی ہیں جو دن رات آپ کے کام کو بگاڑنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے اور آپ کے متعلق بُرے کلمات کہہ کر لوگوں کو آپ کی باتیں سننے سے روکتے تھے۔ تو اس کا علاج بتایا کہ خدا کی پناہ میں آجاؤ۔

الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴿۲۰۱﴾

یاد کرتے ہیں سو یکا یک وہ روشنی حاصل کرنیوالے ہو جاتے ہیں ۱؎

وَاِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ
لَا يُقْصِرُوْنَ ﴿۲۰۲﴾

اور اُن کے بھائی بند اُن کو گمراہی میں بڑھا رہے ہیں - پھر وہ کمی نہیں کرتے ۲؎

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا
اجْتَبَيْتَهَا ۭ قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ
مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَاۗىِٕرُ مِنْ رَّبِّكُمْ
وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اور جب تو اُن کے پاس کوئی آیت نہیں لاتا کہتے ہیں تو خود اسے کیوں نہیں بنا لاتا۔ کہہ میں صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب سے میری طرف وحی کیا جاتا ہے یہ تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیلیں ہیں اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ
اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً
وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ
وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾

اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرتا رہ عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے اور ایسی آواز میں جو بہت بلند نہ ہو، صبح و شام کے وقتوں میں اور غافلوں میں سے مت ہو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ
عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾ ع سجدة

جو تیرے رب کے پاس ہیں، اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ کرتے ہیں ۳؎

نمبر ۱۔ پچھلی آیت میں ان باتوں کا ذکر کیا تھا جو شریر لوگ آنحضرت صلعم کے متعلق مشہور کرتے تھے اب اسی بات کو عام کیا ہے اور سب مسلمانوں کو بتایا ہے کہ اگر ان کو دکھ دینے والے کلمات سن کر غضب آئے تو یہ نہیں چاہیئے کہ ان کی طبائع انتقام کی طرف مائل ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ کو یاد کریں تو غضب فرو ہو جائے گا اور یہاں طائف من الشیطان سے مراد غضب ہی ہے جیسا کہ مجاہد سے روایت ہے۔ سیاق عبارت بھی اسی معنی کو چاہتا ہے کیونکہ جب شیاطین کی طرف سے مخالفت ہوگی تو بعض وقت غضب آ ہی جائے گا اور غضب انسان کو اندھا کر دیتا ہے اس لیے اس کا علاج یہ بتایا کہ پھر خدا کو یاد کرو غضب خود فرو ہو جائے گا اور بصارت پیدا ہو جائے گی۔

نمبر ۲۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ ایک تو شیطان ہیں اور دوسرے ان کے بھائی جو گمراہی میں ان کو بڑھاتے ہیں۔ اس لیے شیاطین سے مراد وہ شیطان نہیں ہو سکتے جو بدی کی تحریک کرتے ہیں کیونکہ ان کو ان کے اتباع گمراہی میں کیا بڑھائیں گے بلکہ شیاطین سے مراد وہی کفار کے رؤساء ہیں جن کا ذکر واذا خلوا الی شیاطینھم (البقرہ ۲: ۱۴) میں ہے جب لوگ ان کے پیچھے لگتے ہیں تو پھر وہ گمراہی میں اور ترقی کرتے ہیں اس لیے کہ ان کو معاون مل جاتے ہیں اگر ان کے معاون نہ ہوں تو ان کی شرارتیں خود ہی ختم ہو جائیں۔

نمبر ۳۔ ترتیب قرآن کریم میں یہاں سجدہ تلاوت پہلی دفعہ آتا ہے۔ سجدۂ تلاوت ایک شہادت ہے کہ مسلمان گویا قرآن پر ایمان لانے والے کو تعمیل حکم الٰہی میں کس قدر جلدی کرنی چاہیئے۔

(٨) سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ

آیاتہا ٧٥ — رکوعاتہا ١٠

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ۪ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ①

تجھ سے مالِ غنیمت کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ کہہ، مالِ غنیمت اللہ اور رسول کا ہے سو اللہ کا تقوےٰ کرو اور اپنے اندر کے معاملات کو سنوارو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اگر تم مومن ہو ۔[1]

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ②

مومن وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں وہ اُن کو ایمان میں بڑھاتی ہیں اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ③

جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور اُس سے جو ہم نے اُن کو دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ④

یہی سچے مومن ہیں ان کے لیے ان کے رب کے ہاں (بڑے) درجے اور حفاظت اور عزت والا رزق ہے ۔[3]

نمبر۱۔ اس سورت کا نام الانفال ہے اور اس میں دس رکوع اور ۷۵ آیات ہیں۔ الانفال کے معنی ہیں مالِ غنیمت یا وہ مال جو باقاعدہ جنگ میں دشمن سے ہاتھ آتا ہے اس سورت میں اصل ذکر جنگِ بدر کا ہے اور یہ سب سے پہلی باقاعدہ جنگ ہے جو مسلمانوں اور کفار میں ہوئی اور اس میں دشمن سے مالِ غنیمت ہاتھ میں آیا اور قیدی بھی پکڑے گئے ایسے مال کو جائز قرار دیا ہے دوسری طرف ایک تجارتی قافلہ انہی قریش کا جا رہا تھا اور مسلمانوں میں سے بعض لوگوں کا خیال تھا کہ اس قافلہ پر حملہ کر کے لوٹ لیا جائے اس کو قرآن شریف نے عرض الدنیا یعنی دنیا کا مال قرار دیکر ناجائز قرار دیا تو گویا بتانا یہ مقصود تھا کہ جنگ میں جو مال دشمن سے ملے وہ جائز ہے لیکن مال کا حاصل کرنا اصل غرض نہیں بلکہ جنگ کی اصل غرض کچھ اور ہے اس لحاظ سے سورت کا نام الانفال قرار دیا۔ پچھلی سورت میں جب انبیاء کے مخالفین کی ہلاکت کا ذکر کیا تو اب بتایا کہ آنحضرت کے مخالفین کی ہلاکت کی ابتدا یہاں سے ہوتی ہے اس کا نزول دوسرے سال ہجرت میں مدینہ میں ہوا۔

نمبر۲۔ الانفال نفل کی جمع ہے جو اصل میں زیادت ہے یعنی جس قدر واجب ہو جو اس سے زیادہ ہو وہ نفل ہے۔ اسی معنی میں نفل عبادت ہے اسی لیے مالِ غنیمت کو نفل کہا جاتا ہے لِلّٰهِ والرسول سے مراد بیت المال ہے یعنی مسلمانوں کی عام مشترکہ ضروریات۔ پس بتایا ہے کہ مالِ غنیمت مسلمانوں کی عام ضروریات پر خرچ ہو لیکن یہ سمجھانے کے لیے کہ جنگ اصل ضروریات میں سے نہیں بلکہ محض ایک اتفاقی پیش آمدہ امر ہے۔ جنگ کے ذکر کو چھوڑ کر اس طرف توجہ دلائی کہ متقی باخلاق انسان بنو اور آپس میں صلح کرو۔

نمبر۳۔ مسلمانوں کی تیاری جنگ کے لیے اس طرح پر نہیں ہوئی کہ انھیں فنونِ جنگ میں مہارت کا سبق سکھایا جاتا۔ بلکہ قیام نماز اور انفاق فی سبیل اللہ

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝۵

جس طرح تیرے رب نے تجھے تیرے گھر سے حق کے ساتھ نکالا اور مومنوں میں سے ایک گروہ ناخوش تھا ۱۔

يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶

تیرے ساتھ حق کے بارے میں جھگڑتے ہیں اس کے بعد کہ وہ واضح ہو گیا گویا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ دیکھ رہے ہیں ۲۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷

اور جب اللہ تمھیں دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ دیتا تھا کہ وہ تمھارے لیے ہے اور تم چاہتے تھے کہ جس کے پاس ہتھیار نہیں وہ تمھارے لیے ہو اور اللہ ارادہ کرتا تھا کہ اپنی پیشگوئیوں کے ذریعے سے حق کو ثابت کرے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے ۳۔

کا سبق ان کو پڑھا کر اور یہ بتا کر کہ دل میں خوف الٰہی ہونا چاہیئے اور متکبرانہ روش سے بچنا چاہیئے ان کو جنگ کے لیے تیار کیا ہے۔ اسی سبق کا نتیجہ تھا کہ بڑی بڑی فتوحات کے وقت دشمنوں کے ساتھ کمال عفو اور نرمی کا سلوک تھا اور مخلوق خدا کی ہمدردی مدنظر تھی۔

نمبر۱۔ کما میں اشارہ آیت ماقبل کے آخری الفاظ کی طرف ہے یعنی انہی درجات بلند اور رزق کریم کے دینے کے لیے ہی اللہ تعالیٰ نے تم کو تمھارے گھر سے حق کے ساتھ نکالا یعنی جنگ بدر کے لیے مدینہ سے تم کو حق کے ساتھ نکالا بالفاظ دیگر اس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو نکلنے کا حکم دیا جب ضروریات حقہ پیش آچکی تھیں۔

جنگ بدر جن حالات میں پیش آئی اس کے متعلق قرآن کریم سے بڑھ کر اور کوئی معتبر شہادت نہیں ہو سکتی اور ان آیات میں مختصر مگر جامع الفاظ میں جنگ بدر کے تمام ابتدائی مراحل کی شہادت ہمیں ملتی ہے اس قدر تو مسلّم ہے کہ جب نبی کریم صلعم مدینہ سے نکلے ہیں اس وقت ایک طرف کفار کی ایک زبردست جمعیت ابوجہل کے ماتحت مکہ سے نکل چکی تھی بلکہ اس کی خبر بھی نبی کریم صلعم کو پہنچ چکی تھی۔ کیونکہ مقام بدر جہاں مٹھ بھیڑ ہوتی ہے مکہ سے آٹھ یا نو منزل اور مدینہ سے تین منزل پر ہے۔ دوسری طرف ایک تجارتی قافلہ شام سے ابوسفیان کی سرکردگی میں مکہ کو واپس آرہا تھا اور اس کی اطلاع بھی مسلمانوں کو تھی ارباب سیر نے بعض غیر محتاط روایات سے یہ غلطی کھائی ہے کہ نبی کریم صلعم ابوسفیان کے تجارتی قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے گھر سے نکلے تھے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ آپ ابوجہل کے لشکر کے مقابلہ کے لیے نکلے تھے۔ قرآن کریم ایسی روایات کی تردید کرتا ہے۔ اوّل تو فرماتا ہے کہ تیرے رب نے حق کے ساتھ یعنی ضرورت حقہ کے پیش آنے پر تجھے گھر سے نکالا۔ قافلہ پر حملہ کرنے کی نہ کوئی ضرورت تھی نہ ہی وہ حملہ فی الواقعہ ہوا۔ دوسری قطعی شہادت ان الفاظ سے ملتی ہے کہ آپ جب مدینہ سے نکلے تو اس وقت مومنوں کا ایک حصہ ناخوش تھا۔ اس ناخوشی کی وجوہات اگلی آیت میں بتائی ہیں مگر یہ ظاہر ہے کہ اگر قافلہ پر حملہ کا مطلب ہوتا تو کوئی فریق ناخوش کیوں ہوتا اور اس کو مصیبت کیوں سمجھتا تین سو چھوڑ پچاس آدمی بھی ایک قافلہ کو لوٹنے کے لیے کافی تھے۔ پس مدینہ سے نکلتے وقت مومنوں کی ایک جماعت کی ناخوشی صاف بتاتی ہے کہ وہ مدینہ پر حملہ آور لشکر کے مقابلہ کے لیے نکل رہے تھے۔

نمبر۲۔ قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے نکلنے کو کون موت کے منہ میں جانا کہہ سکتا ہے۔ ہاں وہ طاقتور لشکر جو مدینہ پر حملہ آور ہو رہا تھا اس سے مقابلہ کرنے کے لیے نکلنا واقعی موت کے منہ میں جانا تھا۔

نمبر۳۔ یہاں صاف بتا دیا ہے کہ دو گروہ تھے ایک مسلح اور ایک غیر مسلح یعنی تجارتی۔ اور تجارتی قافلہ پر حملہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف تھا اور یہ محض بعض کمزور دلوں کی خواہش تھی۔ پیشگوئیوں کا پورا ہونا اور کافروں کی جڑ کاٹ دینا بھی ابوجہل کے لشکر کے متعلق ہو سکتا ہے نہ تجارتی قافلہ پر حملہ سے۔ کیونکہ اس کے متعلق نہ پیشگوئی تھی نہ اس سے کفار کی قوت ٹوٹتی تھی۔

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿٨﴾

تاکہ حق کو سچ اور باطل کو جھوٹا کر دے، گو مجرم ناپسند کریں۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾

جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے سو اس نے تمھاری پکار سنی کہ میں ایک ہزار آگے چلنے والے فرشتوں کے ساتھ تمھاری مدد کرنے والا ہوں۔

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾ ع

اور اللہ نے اسے صرف ایک خوشخبری ٹھیرایا اور تاکہ اس کے ساتھ تمھارے دلوں کو اطمینان ہو اور مدد تو اللہ کی طرف سے ہی ہے اللہ غالب حکمت والا ہے ۱؎

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿١١﴾

جب اس نے تم پر اپنی طرف سے امن کے لیے اونگھ ڈال دی ۲؎ اور اس نے تم پر بادل سے پانی اتارا تاکہ اس سے تم کو پاک کرے اور تم سے شیطان کی ناپاکی کو دور کر دے اور تاکہ تمھارے دلوں کو قوت دے اور قدموں کو اس کے ساتھ مضبوط کرے ۳؎

نمبر۱۔ ملائکہ کے ذریعے نصرت کا جو وعدہ دیا اس کے متعلق یہاں دو باتیں بیان فرمائیں ایک یہ کہ تمھارے لیے یہ خوشخبری ہے کہ چونکہ فرشتے بھی تمھاری نصرت پر ہیں اس لیے تم ضرور فتحیاب ہو گے۔ دوسرے یہ کہ تمھارے دلوں کو اس سے اطمینان ہو۔ قلوب میں اطمینان کا پیدا کرنا بھی ملائکہ کا کام ہے اور یہ عام تجربہ ہے کہ وہی شخص جب اس کے قلب میں اطمینان ہو تو بہت بڑے بڑے کام کر سکتا ہے حالانکہ اگر اس کا قلب اطمینان سے خالی ہو تو اس کے جسمانی قویٰ اور ظاہری سامان اس کو کچھ بھی نفع نہیں دیتے۔

تیسری غرض سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب (۱۲) میں بیان فرمائی یعنی ملائکہ کے ذریعہ سے دشمنوں کے دل میں رعب ڈال دیا جائے گا۔ مومن کتنے بھی ثابت قدم ہوتے مگر کفار مرعوب نہ ہو جاتے تو مسلمانوں کو فتح نہ مل سکتی تھی پس ملائکہ کے نزول کی یہی غرض تھی اگر لڑائی کرنا غرض ہوتی تو اسے بھی قرآن کریم بیان کر دیتا۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ یہ آیت اس بات کی صحت پر دلالت کرتی ہے کہ بدر کے دن ملائکہ جنگ کرنے کے لیے نازل نہیں ہوئے اور اس کی تائید میں ایک روایت حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے اسی طرح روح المعانی میں ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے لڑائی نہیں کی اور باقی دو لڑائیاں جن میں نزول ملائکہ کا ذکر ہے یعنی جنگ اُحد اور جنگ احزاب اُن کے متعلق یہ اتفاق ہے کہ وہاں فرشتوں نے لڑائی نہیں کی اور اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ جنگ بدر میں بھی لڑائی نہیں کی کیونکہ جو غرض ان کے نزول کی ایک جنگ میں تھی وہی دوسری میں ہونی چاہیئے پس جن لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ جنگ بدر میں ملائکہ نے جنگ کی، اُنھیں غلطی لگی ہے۔

نمبر۲۔ نعاس اونگھ یا تھوڑی نیند کو کہتے ہیں اور سکون بھی اس کے معنے ہو سکتے ہیں پس مراد یا رات کو نیند کا آجانا ہے اور یوں دشمن کا خوف دل سے جاتا رہتا ہے اور یا یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کے دلوں میں جو پہلے بہت ڈرتے تھے سکون پیدا کر دیا۔

نمبر۳۔ دوسری نعمت مسلمانوں پر یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مینہ برسا دیا اور اس مینہ سے کئی ایک فوائد حاصل ہوئے۔ اول یہ کہ جہاں مسلمان اُترے تھے وہاں پانی کافی نہ تھا۔ دوسرے مسلمانوں کے اُترنے کی جگہ نشیب میں تھی اور ریتلی زمین تھی جس میں پاؤں دھنستا تھا۔ پس بارش سے ایک تو پانی استعمال

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ؕ ﴿۱۲﴾

جب تیرا رب فرشتوں کو وحی کرتا تھا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں سو جو ایمان لائے ان کو ثابت قدم رکھو۔ میں ان کے دلوں میں جو کافر ہوئے رعب ڈال دونگا۔ سو گردنوں کے اُوپر مارو اور ان کے پوروں کو کاٹ ڈالو۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾

یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ (بدی کی) سخت سزا دینے والا ہے۔

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

اس (عذاب) کا مزہ چکھ لو اور (جان لو) کہ کافروں کے لیے آگ کا عذاب ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ۚ ﴿۱۵﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم ان سے جو کافر ہیں، جنگ کی حالت میں ملو تو اُن سے پیٹھ نہ پھیرو۔[1]

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

اور جو کوئی اس دن ان سے اپنی پیٹھ پھیرے سوائے اس کے کہ جنگ کے لیے ایک طرف پھر جائے یا کسی جماعت کے تو وہ اللہ کی ناراضگی لے پھرا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۪ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾

سو تم نے ان کو نہیں مارا بلکہ اللہ نے ان کو مارا۔ اور جب تو نے پھینکا تو تُو نے نہیں پھینکا، بلکہ اللہ نے پھینکا۔ اور تا کہ وہ مومنوں کو اپنی طرف سے اچھا انعام دے۔ اللہ سُننے والا جاننے والا ہے[2]۔

کے لیے با فراط ہوگیا اور دوسرے زمین سخت ہوگئی اور اس پر قدم جمنے لگا۔ اور تطہیر سے مراد یا تو وضو غسل وغیرہ ہی ہیں اور یا دلوں سے کمزور خیالات کا دور کرنا شیطان کی ناپاکی دور کرنے سے ان وساوس کا دور کرنا مراد ہے جو شیطان بعض دلوں میں ڈالتا تھا۔

نمبر۱۔ جنگ کے ذکر میں بتایا کہ مسلمان کا یہ کام نہیں کہ دشمن کو پیٹھ دکھائے۔ استثناء کا ذکر اگلی آیت میں ہے یعنی ایک اغراض جنگ کے لیے دوسرا بڑے حصہ لشکر سے کٹ جائے تو اس کے ساتھ ملنے کے لیے۔

نمبر۲۔ یہاں دو باتوں کا ذکر ہے۔ ایک مسلمانوں کا کفار کو قتل کرنا دوسرے نبی کریم صلعم کا رمی یعنی پھینکنا۔ حنین کے دن نبی کریم صلعم کی رمی مسلّم ہے مگر بدر کے دن بھی بعض احادیث میں رمی کا ذکر ہے۔ گو طیبی نے اس کے صحیح احادیث میں ہونے سے انکار کیا ہے اور وہ رمی یہ تھی کہ آنحضرت صلعم نے ایک مٹھی کنکریاں

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾	یہ تو ہو چکا اور جان لو کہ اللہ کافروں کی جنگ کو کمزور کرنے والا ہے [۱]
اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ	اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو فیصلہ تمھارے پاس آگیا [۲] اور اگر
تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ	تم رک جاؤ تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے اور اگر تم پھر (جنگ)
وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ	کروگے ہم بھی پھر (سزا) دینگے اور تمھارا جتھا تمھارے کچھ کام نہ آئے گا،
وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾	اگرچہ بہت ہو اور جان لو کہ اللہ مومنوں کے ساتھ ہے [۳]
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور
وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾	اس سے مت پھرو درانحالیکہ تم سنتے ہو [۴]
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا	اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنھوں نے کہا ہم سنتے ہیں،
وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾	اور وہ قبول نہیں کرتے۔
اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ	اللہ کے نزدیک سب جانداروں سے بدتر وہ بہرے گونگے

کی دشمن کے لشکر کی طرف پھینکی جو اس کی ہزیمت کا موجب ہو گئی۔ ان دونوں باتوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے اس سبب سے کہ دونوں میں ایک اعجازی رنگ ہے۔ تین سو مسلمان ہزار کے ساتھ مقابلہ کر کے ان کو کس طرح قتل کر سکتے تھے ایک مٹھی کنکروں کی دشمن کو کس طرح بھگا سکتی تھی دونوں میں اللہ تعالیٰ نے اعجازی رنگ پیدا کر دیا۔ اللہ کے قتل اور رمی سے مراد یہی ہے کہ ان میں اعجازی طاقت پیدا کر دی۔

نمبر۱۔ ذالک میں اشارہ موجودہ جنگ کے نتائج کی طرف ہے ان اللہ موھن کید الکٰفرین میں یہ بتایا کہ اب ان کی جنگ جاری تو رہے گی لیکن اللہ تعالیٰ اس کو کمزور کر دے گا یعنی آہستہ آہستہ یہ خود رک جائیں گے۔

نمبر۲۔ جب کفار مکہ سے چلے تو استار کعبہ کو پکڑ کر یہ دعا کی اللّٰھم انصر اعلی الجندین واھدی الفئتین واکرم الحزبین اے اللہ دونوں لشکروں میں سے اعلیٰ لشکر کو اور دونوں جماعتوں میں سے زیادہ ہدایت والی جماعت کو اور دونوں گروہوں میں سے زیادہ معزز گروہ کو مدد دے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ ابوجہل نے میدان جنگ میں یہ دعا کی تھی کہ جو ہم دونوں میں سے فساد اور قطع رحمی کا مرتکب ہے اس کو ہلاک کر دے۔ انہی دعاؤں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تمھاری اپنی دعا کے مطابق اللہ تعالیٰ نے فیصلہ دے دیا اب اس فیصلہ کو تو قبول کرلو۔

نمبر۳۔ کفار کو نصیحت کی ہے کہ جنگ سے رک جاؤ تو اسی میں تمھارا فائدہ ہے اور پھر جنگ کروگے تو اس کا نتیجہ یہی ہے کہ اور سزا بھگتو گے اور یہ بھی پیشگوئی کھلے الفاظ میں کر دی کہ کتنے بڑے لشکر لے کر آؤ کامیاب نہ ہوگے۔ ان حالات میں جب مسلمانوں کی جمعیت ابھی تین چار سو ہے کل عرب کو مخاطب کر کے یہ کہنا الٰہی طاقت کا جلوہ ہے ان الفاظ کی صداقت روز روشن کی طرح چمکی جس سے کوئی دشمن بھی انکار نہیں کر سکتا۔

نمبر۴۔ پچھلے رکوع کے آخر میں کفار کو صاف کہہ کر کہ تمھارے بڑے بڑے جتھے اسلام کو نیست و نابود نہ کر سکیں گے بلکہ جنگ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کو سزا ملے گی اور مسلمانوں کو بتا کر کہ اللہ اُن کے ساتھ ہے یعنی وہ کامیاب اور غالب ہونگے اس رکوع میں خود مسلمانوں کو تنبیہ کرتا ہے اور ان کو بتاتا ہے کہ یہ مت سمجھ لینا کہ حکومت اور بادشاہت کا مل جانا اور دشمنوں کا ناکام ہو جانا ہی فلاح ہے بلکہ تمھاری حقیقی فلاح اللہ اور رسول کے احکام کی پابندی میں ہے۔ ہماری موجودہ حالت کے لیے ہدایت ہے۔

الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے ۱؎۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ۭ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور اگر اللہ ان میں بھلائی جانتا تو ان کو سناتا اور اگر ان کو سنائے تو وہ پھر جائیں اور وہ منہ پھیرنے والے ہوں ۲؎

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور رسول کا حکم مانو، جب وہ تم کو اس کام کے لیے بلاتا ہے جو تمھیں زندگی دیتا ہے ۳؎ اور جان لو کہ اللہ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل رہتا ہے اور کہ تم اس کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے ۴؎

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاۗصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

اور اس عظیم الشان فتنہ سے بچاؤ کرلو جو خاص کر ان لوگوں کو نہ پہنچے گا جو تم میں سے ظالم ہیں اور جان لو کہ اللہ (بدی کی) سزا دینے میں سخت ہے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ

اور یاد کرو جب تم تھوڑے زمین میں کمزور تھے ڈرتے تھے کہ لوگ تم کو زبردستی پکڑ نہ لے جائیں، سو اس نے تم کو پناہ دی اور اپنی نصرت کے ساتھ تمھاری تائید کی اور تم کو اچھی

نمبر۱۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف کی اصطلاح میں بہرے اور گونگے وہ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے بعض پیشوایان دین علی الاعلان کہتے ہیں کہ عقل کو مذہب میں کیا دخل ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو انسان ہو کر عقل سے کام نہ لے وہ چارپایوں بلکہ کیڑے مکوڑوں سے بھی بدتر ہے اور یہ ظاہر بھی ہے کیونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے عقل نہیں دی ہے۔ اس لیے انسان جس کو وہ نعمت ملی ہے جب اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا تو ان سے بدتر ہوا۔

نمبر۲۔ وہ لوگ جو عقل سے کام نہیں لیتے وہ خیر سے خالی ہیں۔ سننے سے فائدہ تب ہوتا ہے جب انسان اس پر غور کرے یعنی عقل سے کام لے اگر وہ چونکہ غور نہیں کرتے اس لیے ان کا سننا نہ سننا برابر ہے۔ یہ ان کی حالت واقعی کا اظہار ہے اس کے بعد ان کی حالت عناد کا ذکر کیا کہ انھوں نے نہ صرف اپنے آپ کو خیر و خوبی سے ہی محروم کر دیا ہے بلکہ حق کی عداوت میں یہاں تک ترقی کر گئے ہیں کہ اگر کلمۂ حق ان کے کان میں ڈالا بھی جائے تو بوجہ عناد کے منہ پھیر لیں گے۔ غور کرنا تو ایک طرف رہا۔ وہ اعراض کرتے ہیں یعنی کچھ کی کچھ باتیں بناتے ہیں۔

نمبر۳۔ اللہ اور رسول کی فرمانبرداری کا نتیجہ بتایا ہے کہ وہ تمھاری زندگی کا موجب ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول جو مردوں کو زندہ کرتا ہے اس سے مراد احیائے روحانی ہی ہوا کرتا ہے۔ اگر حضرت عیسیٰؑ نے مُردے زندہ کیے تو ہمارے نبی کریم صلعم نے اس سے لاکھوں درجہ بڑھ کر مُردے زندہ کیے۔

نمبر۴۔ اللہ تعالیٰ کے انسان اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ یہاں تک کہ قلب انسان اور انسان جن میں کوئی فرق نہیں ان دونوں کے درمیان بھی اللہ تعالیٰ حائل ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا نحن اقرب الیہ من حبل الورید (ق۔۱۶) اور یہ بھی صحیح ہے کہ قلب انسانی اللہ تعالیٰ کے تصرف میں ہے۔ اس کے عزائم بعض وقت رکھے کے رکھے رہ جاتے ہیں۔ پس یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ انسان کو نیکی کا موقع ملے تو فوراً عمل کرے ایسا نہ ہو کہ نیکی کو ترک کرتے کرتے دل کی ایسی حالت ہو جائے کہ نیکی کی تحریک ہی اس کے اندر نہ ہو۔

مِنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٢٦﴾
چیزوں سے رزق دیا تاکہ تم شکر کرو ۱

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور رسول کی خیانت نہ کرو۔ اور

الرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٧﴾
(نہ) اپنی امانتوں میں خیانت کرو حالانکہ تم جانتے ہو ۲

وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ
اور جان لو کہ تمھارے مال اور تمھاری اولاد آزمائش ہے اور

ع وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾
یہ کہ اللہ کے ہاں بھاری اجر ہے ۳

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ کا تقویٰ کرو تو وہ تمھارے

لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ
لیے (حق و باطل میں) فرق کردیگا اور تمھاری برائیاں تم سے دور کردے گا۔

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٢٩﴾
اور تمھاری حفاظت کرے گا اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے ۴

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ
اور جب وہ جو کافر ہوئے تیرے متعلق تدبیریں کرتے تھے تاکہ تجھے قید کریں

اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ
یا تجھے قتل کریں یا تجھے نکال دیں اور وہ تدبیریں کرتے تھے۔ اور

وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿٣٠﴾
اللہ بھی تدبیر کرتا تھا اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے ۵

نمبر۱۔ پچھلی آیت میں ایک ایسے فتنۂ عظیم کا ذکر کیا تھا جس میں بُروں کے ساتھ اچھے بھی لپیٹے جائیں گے حدیثوں میں بھی اس قسم کے فتنے مسلمانوں پر آنے کا ذکر ہے جو سارے عالم اسلامی پر محیط ہو جائیں گے۔ جو موجودہ حالت کا نقشہ ہے یہ آیت اسی کی تائید کرتی ہے کیونکہ یہاں پہلی حالت کی طرف توجہ دلائی ہے جب مسلمان تعداد میں بھی کم تھے گویا تسلی دی ہے کہ جس نے پہلے اسلام کو غالب کیا وہی پھر اسے کرے گا۔

نمبر۲۔ اللہ اور رسول کی خیانت یہ ہے کہ اُن کی فرمانبرداری کا اقرار کرکے، مسلمان کہلا کر پھر اُن کی فرمانبرداری نہ کریں۔ یا یہ کہ وہ کام کریں جس سے دین اسلام اور مسلمان قوم کو نقصان پہنچتا ہو کیونکہ دین ایک امانت تھی جو اُن کے سپرد کی گئی تھی۔ مسلمانوں میں یہ خیانت ہی آج کل اُن کی بڑی تباہی کا موجب ہو رہی ہے قومی اور دینی اغراض کو اپنی ذاتی اغراض پر قربان کر دیتے ہیں۔ ایمان فروشی اور قوم فروشی ان کا عام شیوہ ہو گیا ہے بڑی بڑی سلطنتیں اسی سے تباہ ہوئیں کہ ایک شخص نے چند پیسے اپنی جیب میں ڈالنے کے لالچ سے اغراض قومی کو دوسری قوموں کے ہاتھ بیچ دیا۔ ہندوستان میں سلطنت کھو کر اب بھی یہی عام شیوہ ہے کہ ایک خان بہادری یا چند گز زمین کے لیے قومی مفاد اور دینی مصالح کو خیرباد کہہ دیتے ہیں۔ گویا اس حصۂ آیت میں اغراض قومی و اغراض دینی کو مقدم کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یہ قومی ترقی کا راز ہے۔ اپنی امانتوں کی خیانت یہ ہے کہ جو قویٰ اللہ تعالےٰ نے انسان کو دیئے ہیں اُن کو اپنے محل اور موقع پر کام میں نہ لائے اور خداداد طاقتوں کو بیکار کر دے یہ انسانی یعنی افراد قوم کی ترقی کا راز ہے۔

نمبر۳۔ مال اور اولاد مسلمانوں کے لیے فتنہ ہو گئے ہیں اس لیے کہ انھوں نے اسی کو غرض زندگی سمجھ لیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا اسی قدر فرض ہے کہ اپنے لیے کچھ مال کمالیں یا جمع کرلیں اور اپنی اولاد کا کچھ فکر کرلیں اور اغراض قومی اور اغراض دینی کی اہمیت کو کچھ بھی نہیں سمجھا۔ اس لیے سزا بھی اسی مال اور اولاد پر ہی آکر پڑی۔ یعنی قوموں میں مفلس قوم رہ گئے اور اولاد دوسروں کی محکوم ہو گئی۔

نمبر۴۔ ایک فرقان ظاہری تو وہ تھا جو جنگ بدر کے ذریعہ سے مسلمانوں کو عطا ہوا۔ یہاں اس دوسرے فرقان کا ذکر ہے جو اندرونی طور پر مومن کو عطا ہوتا ہے یعنی اس کے اندر ایک ایسا نور پیدا کر دیا جاتا ہے جس سے اسے دوسروں سے ایک امتیاز مل جاتا ہے۔

نمبر۵۔ اس میں مسلمانوں کی تکلیفوں کا وہ نقشہ کھینچا ہے جب خود رسول اللہ صلعم کو بھی کہیں امن نہ ملتا تھا اور دارالندوہ میں اکٹھے ہو کر کفار نے مختلف

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا
لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ
اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں کہتے ہیں ہم نے سُن لیا۔ اگر ہم چاہیں، تو اس کی مثل کہہ لیں۔ یہ کچھ نہیں مگر پہلوں کی کہانیاں ہیں۔

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ
مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ
السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾

اور جب انھوں نے کہا اے اللہ اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا، یا ہم پر دردناک عذاب بھیج مـ۱

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۭ
وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان کو عذاب دیتا حالانکہ تو ان میں تھا اور اللہ ان کو عذاب دینے والا نہ تھا حالانکہ وہ استغفار کرتے ہوں مـ۲

وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ
عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ
اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور ان کا کیا عذر ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے۔ اور وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں اور وہ اس کے متولی نہیں۔ اس کے متولی سوائے متقیوں کے اور کوئی نہیں ہو سکتے لیکن ان میں سے بہت نہیں جانتے مـ۳

تجویزیں آپ کے متعلق کیں۔ یہ کہ آپ کو قید کر دیا جائے یا قتل کر دیا جائے یا نکال دیا جائے۔ باقی تجویزیں رد ہو کر آخر اس بات پر اتفاق ہُوا تھا کہ آپ کو قتل کیا جائے۔ اس کے بالمقابل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی تمھارے بچانے کے لیے ایک تدبیر کی اور وہی تدبیر کارگر ہوئی۔

خیر الماکرین۔ مکر کے معنی مخفی تدبیر ہیں اچھی ہو یا بُری۔ لفظ خیر کا ماکر کے ساتھ آنا خود بتاتا ہے کہ ماکر میں بجائے خود کوئی شر یا بُرائی نہیں کیونکہ بُری چیز پر خیر کا لفظ بولا ہی نہیں جا سکتا۔

نمبر۱۔ جب ان سے پہلوں کا ذکر کیا جاتا اور ان کی مخالفت حق کا انجام بتایا جاتا تو کہتے کہ اگر محمد رسول اللہ صلعم حق پر ہیں تو ہم پر ایسا ہی عذاب کیوں نہیں آتا بدر میں بھی ان کا اس قسم کی دعا کرنا ثابت ہے۔

نمبر۲۔ بتایا کہ عذاب تو تم پر آنا ہی تھا، مگر اس وقت کس طرح آتا جب محمد رسول اللہ صلعم ابھی تمھارے درمیان موجود تھے۔ سنت اللہ عذاب کے متعلق یہی ہے کہ جب نبی قوم سے الگ ہو جاتا ہے تب عذاب آتا ہے پس اہل مکہ پر عذاب ضروری تھا کہ ہجرت نبی کریم صلعم کے بعد آتا۔ دوسری وجہ یہ دی ہے کہ ابھی وہ استغفار کرتے تھے یعنی گو بظاہر عناد کی حالت میں عذاب مانگ بیٹھتے تھے مگر پھر پچھتاتے تھے اور گھروں میں جا کر استغفار بھی کرتے تھے لیکن جب مقابلہ پر آخر نکل کھڑے ہوئے اور تلوار ہاتھ میں لے لی کہ مسلمانوں کو بالکل نیست و نابود کر دیں تو وہ حالت استغفار پھر باقی نہ رہی اور یا ھم یستغفرون میں اشارہ مسلمانوں کے استغفار کی طرف ہے۔

نمبر۳۔ یعنی عذاب کا آنا تو اس لیے ضرور ہے کہ وہ حق کی مخالفت کو ترک نہیں کرتے اور مسجد حرام سے مسلمانوں کو روکتے ہیں حالانکہ بوجہ اپنے مشرک ہونے کے وہ ولایت مسجد حرام کے مستحق بھی نہیں کیونکہ مسجد توحید کا گھر ہے اور وہی لوگ اب اس کے اولیا قرار پائیں گے جو مذہب توحید رکھتے ہیں یعنی اہل اسلام۔ متقیوں سے مراد یہاں شرک سے بچنے والے لوگ ہیں۔ بمقابلہ ان مشرکوں کے جن کا ذکر ہے اور یہی ادنیٰ مرتبہ اتقا بھی ہے۔ اس میں یہ پیشگوئی بھی ہے کہ اہل اسلام ہی آئندہ خانہ کعبہ کے متولی رہیں گے۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٥﴾

اور ان کی نماز خانہ (کعبہ) کے پاس سوائے سیٹیاں بجانے اور تالیاں پیٹنے کے اور کچھ نہیں۔ سو عذاب چکھو، اس لیے کہ تم کفر کرتے تھے ۔1

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۚ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۗ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٣٦﴾

وہ جو کافر ہیں اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے روکیں، سو ان کو خرچ کرتے رہیں گے پھر وہ ان کے لیے پچھتاوا ہوں گے۔ پھر وہ مغلوب کیے جائیں گے اور جو کافر ہیں وہ جہنم کی طرف اکٹھے کیے جائیں گے ۔2

لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٣٧﴾

تاکہ اللہ پاک کو ناپاک سے الگ کردے اور ناپاک کو ایک دوسرے پر رکھتا چلا جائے پھر سب کو ایک ڈھیر بنا دے پھر اس کو جہنم میں ڈال دے وہی نقصان اٹھانے والے ہیں ۔3

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾

ان لوگوں کو جنھوں نے کفر کیا، کہہ دو اگر وہ رک جائیں، تو جو گزر چکا اُن کو معاف کردیا جائے گا۔ اور اگر وہی کام پھر کریں تو پہلوں کا معاملہ گزر ہی چکا ہے ۔4

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ

اور ان کے ساتھ جنگ کرو، یہاں تک کہ (دین کے لیے) دکھ دینا

نمبر1۔ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ مشرک حج کے وقت ننگے ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے یا اشارہ ان کے اُن افعال کی طرف ہے جو نبی کریم صلعم کو عبادت سے روکنے کے لیے کرتے تھے۔ گویا ان کی عبادت اب اسی قدر رہ گئی ہے کہ سیٹیاں اور تالیاں بجا کر دوسروں کی عبادت میں مخل ہوں۔ راغب کہتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ ان کی نماز یا دعا میں حقیقت کچھ نہیں ایسی ہے جیسے سیٹی یا تالی یعنی بے معنی حرکت یا آواز۔

نمبر2۔ یہاں بتایا ہے کہ مسلمانوں سے ان کو عداوت اور کسی وجہ سے نہیں بلکہ محض اس لیے کہ وہ مسلمانوں کے دین کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔

یہاں آیندہ کے لیے بھی پیشگوئی ہے کہ ابھی یعنی جنگ بدر کے بعد اور بھی مال اسلام کی مخالفت پر خرچ کریں گے مگر چونکہ ناکام رہیں گے اس لیے یہ خرچ ان کے لیے موجب حسرت رہے گا اور صرف مسلمانوں پر چڑھائی میں ہی ناکام نہ رہیں گے بلکہ آخر کار مسلمانوں سے مغلوب بھی ہو جائیں گے۔ جنگ بدر کے بعد بھی ایسی صریح پیشگوئی قیاس انسانی سے بالکل بالاتر تھی۔

نمبر3۔ یہاں ان کے مغلوب ہونے کا نتیجہ بتایا۔ یعنی تاکہ پاک اور ناپاک الگ الگ ہو جائیں مطلب یہ ہے کہ اس مغلوبیت پر کافروں اور مسلمانوں میں ایک کھلا کھلا امتیاز قائم ہو جائے گا اور ان کے لشکر یکے بعد دیگرے آتے رہیں گے مگر نتیجہ سب کا ناکامی ہوگا یہ بھی ان کا جہنم ہے۔

نمبر4۔ سنت کے معنی طریق ہیں۔ سنت الاولین سے مراد وہ طریق ہے جو پہلے سرکش لوگوں کے ساتھ اللہ نے برتا یعنی مراد پہلوں کا قائم کردہ طریق نہیں بلکہ وہ طریق ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف قائم کیا یعنی جس طرح ان کو سرکشی کی سزا دی اسی طرح تمھیں بھی دے گا۔

الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ
بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٣٩﴾
وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ
نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿٤٠﴾
۱۰ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ
خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى
وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ
بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ
يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤١﴾
اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ
الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ وَلَوْ
تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ
لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ڏ لِّيَهْلِكَ
مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْ

نہ رہے اور دین سب کے سب اللہ کے لیے ہوں پھر اگر وہ رک جائیں
تو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے جو وہ کرتے ہیں ۔ۓ
اور اگر پھر جائیں تو جان لو کہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے کیا ہی اچھا
مولیٰ اور کیا ہی اچھا مددگار ہے ؟
اور جان لو کہ جو چیز تم فتح پا کر حاصل کرو، تو اس کا پانچواں حصہ اللہ
کے لیے ہے اور رسول کے لیے اور قریبیوں کے لیے اور یتیموں
اور مسکینوں اور مسافروں (کے لیے) ۂ اگر تم اللہ پر ایمان لاتے ہو اور
اس (پر) جو ہم نے اپنے بندہ پر حق و باطل میں فرق کرنے کے دن اتارا،
جس دن دو گروہوں میں مٹھ بھیڑ ہوئی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔
جب تم ورلے کنارے پر تھے اور وہ پرلے کنارے پر اور
قافلہ تم سے نیچے تھا اور اگر تم (دونوں گروہ) آپس
میں قرارداد کرتے تو تم میعاد میں اختلاف کرتے،
لیکن (ایسا ہوا) تاکہ اللہ ایک امر کا فیصلہ کر دے جو ہو کر رہنا
تھا تاکہ جو ہلاک ہوتا ہے وہ کھلی دلیل سے ہلاک ہو اور جو زندہ ہوتا ہے وہ

نمبر۱- یہاں الفاظ الدین کلہ قابل غور ہیں جن کے معنی ہیں سب دین جیسے لیظہرہ علی الدین کلہ میں۔ سب دینوں کا اللہ کے لیے ہونا یہی ہے کہ جو دین کوئی چاہے اختیار کرے کسی ایک دین پر مجبور نہ کیا جائے۔ یہ عین اس کے مطابق ہے جہاں دوسری جگہ اسلامی جنگ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ہم ایسی اجازت نہ دیتے تو گرجے اور راہبوں کی کوٹھڑیاں اور دوسرے ان کے عبادت خانے سب تباہ ہو جاتے گویا وہاں بھی سب مذاہب کی حفاظت اسلامی جنگ کی غرض بتائی ہے اور یہاں بھی ؎

نمبر۲- مال غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہو۔ اللہ کے لیے ہونے سے مراد یہی ہے کہ وہ فی سبیل اللہ خرچ ہو یعنی بیت المال میں داخل ہو کر مسلمانوں کی ضروریات عامہ پر خرچ ہو اور باقی سپاہیوں وغیرہ میں تقسیم ہو یا ان کی تنخواہوں وغیرہ کے کام آئے۔ پھر ان ضروریات عامہ کی تفصیل کر دی یعنی رسول اور قریبی اور یتیم اور مسکین اور مسافر۔ امام اپنی رائے کے مطابق ان اغراض پر جس طرح چاہے صرف کرے خود رسول اللہ صلعم بقدر کفایت لے کر باقی سب ضروریات عامہ مسلمین پر خرچ کر دیتے تھے آپ کی سادہ زندگی اور قرضے لینا اس بات پر گواہ ہیں کہ آپ بہت تھوڑا لیتے تھے۔

ذوی القربیٰ سے مراد نبی کریم صلعم کے ذوی القربیٰ ہی لیے گئے ہیں مگر اس سے مراد یہ نہیں کہ ان کے اغنیا کو دیا جائے بلکہ جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا وہ حق صرف اس قدر تھا کہ ان میں سے جو غربا ہوں اُن کو دیا جائے اور ان کی بیوہ کا نکاح کر دیا جائے اور کسی کو جس کے پاس خدمتگار نہ ہو خادم دیدیا جائے اور ان کے خاص ذکر کی وجہ یہ ہے کہ بیت المال میں جو صدقات آتے تھے وہ ان پر حرام کیے گئے تھے۔

بَيِّنَةٍ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ﴿٤٢﴾

کھلی دلیل سے زندہ ہو اور اللہ یقیناً سننے والا اور جاننے والا ہے ۔ ۱

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَ لَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ لَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٤٣﴾

جب اللہ نے تجھے تیرے خواب میں انھیں تھوڑا دکھایا، اور اگر وہ تجھے ان کو بہت دکھاتا تو تم ہمت ہار دیتے اور تم معاملہ میں جھگڑنے لگتے ، لیکن اللہ نے بچا لیا۔ وہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے ۔ ۲

وَ اِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْۤ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّ يُقَلِّلُكُمْ فِيْۤ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿٤٤﴾ ع

اور جب تم ایک دوسرے کے سامنے آئے تو تمھاری نظروں میں انھیں تھوڑا کر کے دکھایا اور ان کی آنکھوں میں تم کو تھوڑا کر کے دکھایا تاکہ اللہ ایک کام کا فیصلہ کر دے جو ہو کر رہنا تھا اور اللہ کی طرف ہی سب کام لوٹائے جاتے ہیں ۔ ۳

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَ اذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٤٥﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تمھارا کسی جماعت سے مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو ۔ ۴

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۚ﴿٤٦﴾

اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ہمت ہار دو گے اور تمھاری ہَوا جاتی رہے گی اور صبر کرو، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۔ ۵

نمبر۱۔ اس آیت میں اول دونوں فوجوں کی حالت بتائی ہے ۔ مسلمان مدینہ کے قریب کے کنارہ کی طرف تھے اور کفار دُور والے کنارہ کی طرف اس میں یہ بتایا ہے کہ مسلمان کفار سے پیچھے میدانِ جنگ میں نکلے اور مقابلہ کی غرض یہ بتائی کہ وہ پیشگوئیاں پوری ہوں جو پہلے سے ہو چکی تھیں اور نتیجہ اس کا یہ بتایا ہے کہ کوئی ایسی مضبوط دلیل صداقتِ اسلام پر قائم ہو کہ ہلاک ہونے والے اور مخالفت کرنے والے بھی اس کھلی دلیل کو دیکھ لیں۔ اور زندہ ہونے والی قوم یعنی مسلمان بھی اس کھلی دلیل کو دیکھ لیں۔ گویا بدر کی فتح اس لیے فرقان تھی کہ کفار کو شکست اور مسلمانوں کو فتح ہوئی بلکہ اس لیے کہ عین پیشگوئیوں کے مطابق یہ سب کچھ وقوع میں آیا جو مدت سے شائع شدہ تھیں جن کا علم کفار کو بھی تھا اور مسلمانوں کو بھی ۔

نمبر۲۔ نبی کریم صلعم کو رویا میں دشمن تھوڑا دکھایا گیا اس لیے کہ وہ مغلوب ہونے والا تھا اور اس میں حکمت یہ تھی کہ تا مسلمانوں کے دلوں کو قوت رہے۔

نمبر۳۔ یہ دوسرا واقعہ ہے یعنی میدان جنگ میں جب ایک دوسرے کے سامنے آئے تو اس وقت بھی مسلمانوں کو کافر تھوڑے نظر آئے صرف اپنے سے دوچند، حالانکہ تھے سہ چند دیکھو آل عمران۳۔ ۱۲۔ اس سے بھی ان کے حوصلے بڑھے اور مسلمانوں کا کفار کی نظر میں تھوڑا ہونا تو مطابق واقع تھا

نمبر۴۔ یہاں پھر مسلمانوں کو فلاح کے اسباب کی طرف متوجہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ جنگ اور مقابلہ کے وقت بھی اللہ کو یاد رکھو کیونکہ اصل غرض صرف جنگ میں فتح حاصل کرنا نہیں بلکہ اصل غرض فلاح ہے یعنی زندگی کے مقصود حقیقی تک پہنچنا۔

نمبر۵۔ ریح کے معنی ہَوا ہیں۔ مگر مفردات میں ہے کہ کبھی ریح کا لفظ بطور استعارہ غلبہ پر بولا جاتا ہے اور قتادہ سے روایت ہے کہ ریح سے مراد ریح النصر یعنی مدد کی ہَوا ہے کیونکہ ہَوا بھی نصرت کے خاص سامانوں میں سے ہے چنانچہ جنگ احزاب میں ایک ہَوا نے ہی دشمن کے ٹڈی دل لشکر

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٤٧﴾

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھانے کے لیے اپنے گھروں سے نکلے اور وہ اللہ کی راہ سے روکتے تھے۔ اور اللہ اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے جو وہ کرتے ہیں م۱

وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۖ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۚ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ ع

اور جب شیطان نے اُن کو اُن کے عمل خوب صورت بنا کر دکھائے اور کہا آج لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور میں تمہارا حامی ہوں۔ پھر جب دونوں گروہ ایک دوسرے کے سامنے آئے اُلٹے پاؤں پھر گیا اور کہا میرا تم سے کچھ واسطہ نہیں، میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ سزا دینے میں سخت ہے م۲

إِذْ يَقُولُ الْمُنَافِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ غَرَّ هَٰؤُلَاءِ دِينُهُمْ ۗ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٩﴾

جب منافق اور وہ جن کے دلوں میں بیماری تھی کہنے لگے اُن لوگوں کو ان کے دین نے دھوکا دیا ہے اور جو شخص اللہ پر بھروسا کرتا ہے تو اللہ غالب حکمت والا ہے م۳

کو پراگندہ کردیا اور ان کے قدم اکھیڑ دیئے۔ بتایا ہے کہ اتفاق اور مشکلات کے مقابلہ میں ثابت قدمی یہ دو بڑے کامیابی کے راز ہیں۔

نمبر۱۔ ابوجہل اور اس کے ساتھی مکہ سے نکلے تو بڑے ساز و سامان سے نکلے اور ان کو اپنی قوت پر بڑا فخر تھا اور ان کا منشا یہی قبائل عرب پر اپنا رعب بٹھانا تھا کہ ہماری طاقت بڑی ہے مسلمانوں کو تنبیہ کی ہے ، کہ فاتح ہو کر کبھی اس غرض کے لیے جنگ نہ کرنا اور نہ اپنی قوت پر ناز کرنا۔

نمبر۲۔ قریش اور بنی کنانہ میں جنگ رہا کرتی تھی اس لیے جب قریش نے مدینہ پر حملہ کیا تو ان کو یہ بھی خیال تھا کہ کہیں بنی کنانہ جنگ پر آمادہ نہ ہو جائیں۔ بنی کنانہ کا سردار سراقہ بن مالک تھا اس نے ابوجہل کو یقین دلایا کہ تمہاری طاقت بڑی ہے اور ہم تمہارے ساتھ جنگ نہ کریں گے بلکہ ہم تو تمہارے حامی ہیں مفسرین کہتے ہیں کہ شیطان سراقہ بن مالک کنانی کی صورت اختیار کرکے آیا تھا لیکن اگر سراقہ ہی آیا ہو اور اسی کو شیطان کہا ہو جیسا کہ کئی جگہ پر سرداران کفار کو شیطان یا شیاطین کہا ہے تو اس میں بھی کوئی ہرج نہیں۔ جب قریش کے پاؤں اکھڑتے دیکھے تو بھاگ گیا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ سب شیطان کی وسوسہ اندازی ہو نہ کوئی واقعی گفتگو۔

نمبر۳۔ اس رکوع میں اصل ذکر کفار کی بدعہدی کا اور بار بار عہد شکنی کا ہے اور فرعون کے ساتھ مثال دینے کی وجہ بھی غالباً یہی ہے کہ وہ بھی اسی طرح حضرت موسیٰؑ کے ساتھ بدعہدی کرتا تھا فلما کشفنا عنهم الرجز الی اجل هم بالغوه اذاهم ینکثون (الاعراف - ۱۳۵) ایسی بدعہدیاں نبی کریم صلعم کے آخری زمانہ میں بھی بہت سی وقوع میں آئیں جیسا کہ سورہ برأۃ کے شروع میں ذکر ہے مگر ابتدا میں بھی حالت ایسی ہی تھی اور آنحضرت صلعم نے کفار قریش کی دستبرد سے مسلمانوں کو بچانے کے لیے کئی ایک اقوام کے ساتھ جو حالت کفر پر تھیں عہدنامے کر رکھے تھے۔ مگر جب یہ لوگ ذرا مسلمانوں میں کمزوری دیکھتے تو فوراً عہد شکنی کرتے۔ مسلمانوں کی کمزوری کو دیکھ کر اور بالمقابل چاروں طرف دشمنوں کو دیکھ کر منافق اور کمزور دل یہ کہتے تھے کہ مسلمان ان وعدوں پر بھروسہ کرکے اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں جو محمد رسول اللہ صلعم نے ان کو دے رکھے ہیں اس کا جواب دیا ہے کہ اللہ پر بھروسہ کرنے والا دھوکا نہیں کھاتا۔ یہی لوگ غالب ہوں گے کیونکہ اللہ غالب ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ
يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَ
ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۵۰

اور اگر تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں، ان کے مونھوں اور پیٹھوں کو مارتے ہیں اور جلنے کا عذاب چکھو۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ
لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۵۱

یہ اس کی سزا ہے جو تمھارے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے۔ اور کہ اللہ بندوں پر کچھ بھی ظلم کرنے والا نہیں۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ
كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۵۲

فرعون کے لوگوں کی طرح اور جو ان سے پہلے ہوئے انھوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا سو اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑا اللہ طاقتور سزا دینے میں سخت ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً
اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ
وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۵۳

یہ اس لیے کہ اللہ کبھی کسی نعمت کو نہیں بدلتا، جو اس نے کسی قوم پر کی ہو، جب تک کہ وہ خود اپنی حالتوں کو نہ بدلیں اور کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے [۱]۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ
وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا
ظٰلِمِيْنَ ۝۵۴

فرعون کے لوگوں کی طرح اور جو ان سے پہلے ہوئے انھوں نے اپنے رب کی آیتوں کو جھٹلایا، سو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کردیا اور فرعون کے لوگوں کو غرق کردیا اور سب ظالم تھے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۵۵

اللہ کے نزدیک بدترین جاندار وہ ہیں جو کافر ہوئے، پھر وہ ایمان لاتے ہی نہیں [۲]۔

نمبر۱- یعنی اللہ تعالیٰ باوجود ان کے کفر کے بھی ان سے یہ نعمتیں نہ چھینتا اگر یہ اپنی حالتوں کو خراب نہ کر ڈالتے۔ ہاں جب قوم سے حکومت کی اہلیت چھن جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو اٹھا کر دوسری کو اس کی جگہ لے آتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی دی ہوئی نعمتوں کو نہیں لیتا جب تک انسان خود ہی ان کو نہیں پھینکتا۔ آج مسلمانوں کے ہاتھ سے بھی سلطنت و دولت کی نعمتیں تب ہی گئیں جب انھوں نے اپنے حالات کو بدل ڈالا۔ پس مقدم ضرورت اپنی حالت میں اصلاح کرنے کی ہے اور اسی کی طرف سے مسلمان غافل ہیں۔

نمبر۲- یعنی ایسے کافر جنھوں نے یہ ٹھان لیا ہے کہ ایمان کسی صورت میں لائیں گے ہی نہیں، اس لیے وہ حق کی مخالفت پر کمربستہ رہتے ہیں جیسا کہ ان کی عہد شکنی سے ظاہر ہے جیسا کہ اگلی آیت میں ذکر ہے۔

اَلَّذِیْنَ عٰھَدْتَّ مِنْھُمْ ثُمَّ یَنْقُضُوْنَ — وہ جن سے تو عہد کرتا ہے پھر وہ اپنا عہد ہر بار توڑ دیتے ہیں،
عَھْدَھُمْ فِیْ کُلِّ مَرَّۃٍ وَّھُمْ لَا یَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ — اور وہ (خلاف ورزی عہد سے) نہیں بچتے ؎۱۔
فَاِمَّا تَثْقَفَنَّھُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِھِمْ — سو اگر تو ان کو جنگ میں پائے تو ان (کی عبرتناک سزا) سے ان کو منتشر
مَّنْ خَلْفَھُمْ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ — کردے جو ان کے پیچھے ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ؎۲۔
وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَۃً فَانْۢبِذْ — اگر تجھے کسی قوم کی دغابازی کا خوف ہو تو ان کا عہد (برابری کو ملحوظ
ع اِلَیْھِمْ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْخَآئِنِیْنَ ﴿۵۸﴾ — رکھتے ہوئے ان کی طرف پھینک دے اللہ دغابازوں سے محبت نہیں کرتا ؎۳۔
وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ — اور جو کافر ہیں وہ یہ خیال نہ کریں کہ وہ آگے نکل گئے وہ
اِنَّھُمْ لَا یُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾ — عاجز نہیں کر سکتے۔
وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ — اور جو کچھ طاقت اور گھوڑوں کے سرحدوں پر باندھ رکھنے سے
وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ — تم سے ہو سکے ان کے لیے تیار رکھو، تم اس کے ساتھ اللہ کے دشمن
اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِھِمْ ۚ — اور اپنے دشمن کو خوف زدہ رکھو اور ان کے سوائے اوروں کو بھی)
لَا تَعْلَمُوْنَھُمْ ۚ اَللّٰہُ یَعْلَمُھُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا — جنھیں تم نہیں جانتے، اللہ ان کو جانتا ہے۔ اور جو کوئی چیز تم
مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ — اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تم کو پوری واپس دی جائے گی اور
وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾ — تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا ؎۴۔

نمبر۱۔ یہ حالت بھی اس وقت عام تھی۔ نبی کریم صلعم چاہتے تھے کہ ان قوموں کے ساتھ جنگ نہ ہو۔ اس لیے آپ نے جہاں تک ہو سکتا تھا معاہدے کرلیے تھے مگر ایفائے عہد ان اقوام میں بہت کم تھا۔ حتیٰ کہ یہودی جو اہل کتاب تھے وہ بھی ایفائے عہد کی پروا نہ کرتے تھے اور بالخصوص مسلمانوں کی کمزوری ان کو اور بھی زیادہ عہد شکنی کی طرف مائل کرتی تھی۔ اتقاء سے مراد یہاں خلاف ورزی عہد سے بچنا ہی ہے۔ مفسرین نے اس آیت کے نیچے بنو قریظہ یا بعض اور قبائل یہود کا ذکر لکھا ہے۔ مگر تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ سوائے شاذ و نادر کے جن اقوام نے آنحضرتؐ سے معاہدات کیے تھے، عموماً عہد شکنی ہی کرتی رہیں۔

نمبر۲۔ شردت بہ کے معنی ہیں اس کے ساتھ ایسا فعل کیا جس نے اس کے غیر کو بھگا دیا یعنی ایسی عبرتناک سزا جو دوسرے کو ایسا فعل کرنے سے روک دے۔

مراد یہ ہے کہ جو لوگ بار بار بد عہدیاں کرتے اور امن اٹھا دیتے ہیں ان کو اگر واقعی مسلمانوں کے خلاف جنگ میں پائے جائیں تو عبرتناک سزا دینی چاہیئے تاکہ دوسرے لوگ اس قسم کی بد عہدی سے باز آئیں۔

نمبر۳۔ یہ اسلام کی تعلیم کا کمال ہے کہ ایک خائن قوم کے ساتھ بھی خیانت کی اجازت نہیں دی بلکہ یہ فرمایا کہ اگر کسی قوم کی خیانت کا علم ہو جائے تو ان کو برابری کا موقعہ دیکر معاہدہ سے دست برداری کر لی جائے۔

نمبر۴۔ اٰخرین من دونھم یعنی ان دشمنوں کے سوائے جو اب تمھارے مقابل پر ہیں کچھ اور دشمن بھی ہیں جن کو تم نہیں جانتے۔ کسی نے کہا یہود ہی

وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾

اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تو بھی اس کی طرف جھک جا، اور اللہ پر بھروسہ رکھ، وہ سننے والا جاننے والا ہے[1]

وَ اِنْ يُّرِيْدُوْۤا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾

اور اگر ان کا ارادہ ہو کہ تجھے دھوکا دیں، تو اللہ تجھے بس ہے جس نے اپنی نصرت کے ساتھ اور مومنوں کے ساتھ تجھے قوت دی۔

وَ اَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۳﴾

اور اس نے ان کے دلوں میں الفت ڈالی اگر تو جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب خرچ کر دیتا تو ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتا لیکن اللہ نے ان میں اُلفت ڈال دی وہ غالب حکمت والا ہے[2]

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع

اے نبی! اللہ تیرے لیے بس ہے اور (اس کے لیے) جو مومنوں میں سے تیرا پیرو ہو گا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا

اے نبی! مومنوں کو جنگ کی رغبت دے۔ اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں، تو دوسو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک سو ہوں، تو کافروں میں

قرلیفہ، کسی نے منافق، کسی نے اہلِ فارس۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مراد جن ہیں۔ میرے نزدیک ایک معنی سے یہ آخری قول درست ہے۔ کیونکہ جن وہ ہیں جو نظروں سے مخفی ہوں پس اسلام کے وہ دشمن ہیں جو ابھی ظاہر نہ ہوئے تھے اور پھر وہ دشمن جن کا حملہ جنوں کی طرح وسوسہ اندازی سے ہو جیسے آج کل کے عیسائی مشنری کہ ان کا حملہ اسلام پر کھلا نہیں بلکہ جنّ کی طرح مخفی حملہ ہے اور طرح طرح کے اعتراض کر کے وسوسہ اندازی کرتے ہیں انہی کی طرف یہاں اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ اس آیت میں دشمن کے مقابلہ کے لیے مسلمانوں کو دو باتوں کا حکم دیا ہے۔ ایک قوت یعنی دشمن کی مدافعت کا سامان مثلاً جنگ میں آلات اور قلعے اور فنون جنگ سے واقفیت اور گولہ بارود اور جہادِ قلمی میں وہ علمی سامان جس سے دشمن کے اعتراضات کا مقابلہ ہو اور دوسرے مستعد رہنا جس کو یہاں رباط الخیل کہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دشمن کو اتنا موقعہ نہیں دینا چاہیئے کہ وہ سرحد سے آگے نکل سکے بلکہ اس کا مقابلہ سرحد پر کرنے کے لیے پورا تیار رہنا چاہیئے قلمی جہاد میں عیسائی ممالک میں تبلیغ اسلام رباط الخیل کا حکم رکھتا ہے۔

نمبر۱۔ کیا یہ اس مذہب کی تعلیم ہو سکتی ہے جو بجبر اپنے آپ کو دنیا میں پھیلانا چاہتا ہو سخت ترین دشمنوں کا ذکر کر کے، ان کی غداری کا ذکر کر کے ان کے مقابلہ میں مستعد رہنے کا حکم دیکر پھر بھی فرمایا کہ اصل غرض جنگ نہیں اگر صلح کی طرف دشمن مائل ہو تو تم بھی صلح کرو۔ بلکہ اس سے اگلی آیت میں فرمایا کہ اگر میلان صلح میں غداری کا ارادہ بھی ان کا پنہاں ہو تو بھی تم صلح کی طرف جھکو۔ رہی غداری تو اس کے مضرات سے اللہ تم کو بچا دے گا۔

نمبر۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کے بڑے پہلو کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے کہ مسلمانوں میں باہمی الفت پیدا کر دی۔ بلاشبہ کسی قوم کے دلوں میں الفت و محبت کا پیدا ہو جانا اس کی کامیابی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ دلوں میں محبت ہو تو ایک دوسرے پر حسن ظن ہوتا ہے ایک دوسرے کے کام کی قدر ہوتی ہے ذاتی اغراض درمیان میں نہیں آتیں آج مسلمانوں کا جو کام دیکھو اس کے خلاف نظر آتا ہے۔ ذاتی رنجشیں اور کدورتیں ہیں بدظنی ہے ایک دوسرے کی تحقیر ہے یہی وجہ ہے کہ کسی کام میں برکت نہیں۔

نمبر۳۔ ظاہری سامانوں کی ضرورت بتا کر اور یہاں دشمن کے مقابلہ کی تیاری کو ضروری قرار دیکر فرمایا کہ یہ سب کچھ کر کے ان چیزوں پر بھروسہ نہ کرو۔ سامان سب کرو مگر بھروسہ اللہ کی ذات پر ہی رکھو۔

اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾

سے ایک ہزار پر غالب آئیں گے ، یہ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ سے کام نہیں لیتے ۱؎

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ؕ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

اس وقت اللہ نے تمھارا بوجھ ہلکا کر دیا اور وہ جانتا ہے کہ تم میں کمزوری ہے ، سو اگر تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے ہوں ، دو سو پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار ہوں اللہ کے حکم سے دو ہزار پر غالب آئیں گے اور اللہ صبر کرنیوالوں کے ساتھ ہے۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖۗ وَ اللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٦٧﴾

ایک نبی کے لیے شایاں نہیں کہ اس کے (قبضہ میں) قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں جنگ کر کے غالب نہ آئے۔ تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ (تمھارے لیے) آخرت کو چاہتا ہے۔ اور اللہ غالب حکمت والا ہے ۲؎

نمبر۱- مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابل بہت ہی تھوڑی تھی - پس ان کی تسلی کے لیے فرمایا کہ تم صابر بنو، یعنی مصائب اور مشکلات کا مقابلہ کرو تو تم میں سے ایک آدمی دس پر غالب آئے گا۔ اس سے اگلی آیت کو اس کا ناسخ سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہاں کوئی حکم ہی نہیں جو منسوخ ہو سکتا ہو۔ بلکہ صرف ایک خبر ہے ہاں ان دونوں خبروں میں کہ پہلی جگہ فرمایا کہ مسلمان دہ چند تعداد پر غالب آئیں گے اور یہاں فرمایا کہ دو چند تعداد پر غالب آئیں گے دو مختلف حالات کا ذکر کیا ہے - ایک مسلمانوں کی حالت نزول آیت کے وقت جس کو نیکہ ضعفا سے تعبیر کیا ہے یعنی مسلمانوں میں اس وقت کمزوری ہے اور یہ زمانہ جنگِ بدر کا ہے - طاقت کے لحاظ سے وہ سب جنگ کے قابل نہ تھے ان میں بوڑھے اور بچے بھی تھے جن کو میدانِ جنگ میں جانا پڑتا تھا۔ فنون سپاہگری سے واقف نہ تھے آلاتِ حرب اُن کے پاس کافی نہ تھے - دیگر ضروریاتِ جنگ مثلاً گھوڑے باربرداری کا سامان بھی موجود نہ تھا۔ اس لیے فرمایا کہ تم میں طرح طرح کی کمزوریاں ہیں باوجود ان کمزوریوں کے اگر تم صبر اختیار کرو تو پھر بھی تم دو چند تعداد پر غالب آؤ گے اور جہاں دہ چند پر غالب آنے کی خبر دی ہے اُس حالت کا ذکر ہے جب مسلمان ہر طرح سے مسلح اور تیار رہوں جیسا کہ اس سے پہلے رکوع میں اس کا مفصل ذکر بھی کیا ہے کہ تم کو ہر ایک قسم کے آلاتِ حرب اور سامان جنگ تیار کرنا چاہیئے اور فنونِ جنگ سے واقفیت حاصل کرنا چاہیئے اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں اس کا ثبوت بھی دے دیا کہ وہ اپنے سے دس دس گنی تعداد پر ہر میدان میں غالب آتے تھے۔

نمبر۲- روایات سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلعم نے جنگ بدر کے قیدیوں کے متعلق صحابہ سے مشورہ کیا تو حضرت ابوبکرؓ نے یہ رائے دی کہ فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا جائے اور حضرت عمرؓ نے یہ کہ مسلمان ابھی کمزور ہیں قیدیوں کو قتل کر دیا جائے اور رسول اللہ صلعم نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے پر عمل کیا۔

لیکن حضرت ابن عباسؓ سے اس قدر مزید روایت ہے کہ اگلے دن حضرت ابوبکرؓ اور نبی کریم صلعم رو رہے تھے تو حضرت عمرؓ نے وجہ دریافت کی تو اس آیت کا نزول وجہ بتائی گئی یعنی یہ کہ فدیہ لینا خلاف منشائے حکم الٰہی تھا۔ روایت کے اس حصّہ کے غلط ہونے پر چونکہ قرآن کریم صراحت سے گواہ ہے اس لیے یہ کسی طرح قبول نہیں کیا جا سکتا۔ ذیل کی وجوہات بتاتی ہیں کہ اسیرانِ بدر کو فدیہ پر چھوڑنا عین حکم قرآن کے مطابق تھا:-

اوّل: اگلے رکوع کی پہلی آیت یوں ہے کہ ان قیدیوں کو جو تمھارے ہاتھوں میں ہیں کہہ دو کہ اگر اللہ تمھارے دلوں میں کوئی بھلائی جانتا ہے تو تم کو اس سے بہتر دے دیگا جو تم سے لیا گیا یعنی جو فدیہ تم سے لیا گیا ہے۔ اگر قتل کرنا ضروری تھا تو ان کو یہ تسلی کسی طرح نہ دی جا سکتی تھی۔

لَوْ لَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ
اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾

اگر اللہ کی طرف سے پہلے سے حکم نہ ہو چکا ہوتا تو تم کو اس بارے
میں جو تم کرنے لگے تھے بھاری عذاب پہنچکر رہتا ۱؎

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّ اتَّقُوا
اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾

اس سے جو تم نے فتح پاکر حاصل کیا ہے حلال طیب کھاؤ اور
اللہ کا تقوی کرو اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ
الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا
يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَ يَغْفِرْ
لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۰﴾

اے نبی ان کو جو تیرے ہاتھ میں قیدیوں میں سے ہیں کہہ دے اگر
اللہ تمھارے دلوں میں کوئی بھلائی جانے گا تو تم کو اس سے بہتر
دے گا جو تم سے لیا گیا ہے اور تمھیں بخش دے گا اور اللہ بخشنے
والا رحم کرنے والا ہے۔

وَ اِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ
مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾

اور اگر وہ تجھ سے دغا کرنا چاہیں تو پہلے اللہ سے دغا کر چکے ہیں
سو اس نے ان پر تم کو قابو دیدیا اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ۲؎

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا
بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ
اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَمْ يُهَاجِرُوْا
مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى

جو ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور اپنے مالوں اور
اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کیا، اور
وہ جنھوں نے (ان کو) پناہ دی اور مدد دی یہ ایک دوسرے
کے دوست ہیں اور وہ جو ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت نہیں کی
تم پر ان کی دوستی کا کوئی حق نہیں، یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں

دوم: دوسری جگہ صراحت سے یہ حکم قرآن شریف میں موجود ہے کہ جب دشمن پر غالب آکر قیدی پکڑو تو یا ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دو یا بطور احسان، قیدیوں کو قتل کرنے کا حکم قرآن شریف میں کہیں نہیں۔ دیکھو سورۃ محمد۔ ۴۔

سوم: نبی کریم صلعم نے بعض لڑائیوں میں ہزاروں کی تعداد میں قیدی پکڑے لیکن کبھی ان کو قتل نہیں کیا۔ بلکہ جنگ بدر میں تو فدیہ لیا باقی لڑائیوں میں عموماً بطور احسان ہی آزاد کیا۔

چہارم: فدیہ کے فیصلہ کی تعمیل ہونے میں بہت دن لگے یعنی جب تک گھر سے زر فدیہ آئے اس وقت تک قیدی قبضہ میں تھے۔ جب نبی کریم صلعم کو اپنی غلطی کی اطلاع مل گئی تھی تو اس کی اصلاح کیوں نہ کی؟ پھر بعض قیدیوں سے فدیہ بجائے روپے کے یہ لیا گیا کہ وہ کتابت سکھا دیں۔ یہ ایک دن کا کام نہ تھا بلکہ کئی مہینے اس پر لگے ہوں گے۔ مال دنیا کے چاہنے میں اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جن کی یہ خواہش تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تجارتی قافلہ پر حملہ کریں۔ دیکھو آیت ۷۔

نمبر ۱۔ اس سے مراد وہ کام جو تم کرنے لگے تھے یعنی قافلہ پر حملہ کرنا۔

نمبر ۲۔ خیانت سے مراد یہ ہے کہ جو عہد کیا گیا ہے کہ پھر مسلمانوں کے خلاف جنگ نہ کریں گے اس پر قائم نہ رہیں۔

يُهَاجِرُوْا ۚ وَ اِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ
فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَ
بَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾

اور اگر تم سے دین کے متعلق مدد چاہیں تو تم پر مدد دینا فرض ہے سوائے اس کے کہ (یہ مدد) ان لوگوں کے خلاف ہو جنکے اور تمہارے درمیان عہد ہے اور اللہ جو تم کرتے ہو اسے دیکھتا ہے ۱؎

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ اِلَّا
تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾

اور جو کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اگر تم ایسا نہ کروگے تو ملک میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا ۲؎

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّ نَصَرُوْۤا اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ
وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۴﴾

اور جو ایمان لائے اور (انھوں نے) ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ جنھوں نے پناہ دی اور مدد دی، یہی سچے مومن ہیں۔ ان کے لیے حفاظت اور عزت کا رزق ہے۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَ هَاجَرُوْا وَ
جٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ؕ وَ اُولُوا
الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ
اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۵﴾

اور جو بعد میں ایمان لائے اور انھوں نے ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا تو وہ تم میں سے ہی ہیں اور رشتہ کے تعلقات والے اللہ کے حکم میں آپس میں زیادہ حق دار ہیں، اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

نمبر۱۔ اس آیت میں مسلمانان مدینہ کے ان مسلمانوں کے ساتھ تعلقات کا ذکر ہے جو کفار کے اندر رہ گئے تھے اور انھوں نے ہجرت نہیں کی۔ ان کے متعلق فرمایا کہ ان کی ولایت کا کوئی حق مسلمانوں پر نہیں یعنی ان مہاجرین اور انصار پر جو مدینہ میں بایک جمعیت بن گئی تھی اور جن کی اپنی حکومت قائم ہوگئی تھی۔ گو محض مسلمان ہونے کے لحاظ وہ ان کے بھائی ہوں مگر ولایت جس میں لین دین تجارت میراث عہد نصرت وغیرہ کے تعلقات شامل ہیں وہ ان کے ساتھ نہیں۔ کیونکہ ان کا فر قوموں کے ساتھ ایسے تعلقات قائم نہیں اور دینی تعلق کی وجہ سے ایک حالت کو مستثنیٰ کیا ہے یعنی اگر وہ مسلمان دین کے بارہ میں تم سے مدد مانگیں تو ان کو مدد دو اور ظاہر ہے کہ یہ مدد جنگ کی صورت میں ہوگی تاکہ ان کافر قوموں کے ظلم سے انھیں نجات حاصل ہو اس طرح پر ان کی مدد کرنا مسلمانوں کا فرض قرار دیا لیکن اس سے پھر ایک حالت کو مستثنے کیا یعنی اگر ایک کافر قوم کے ساتھ تمہارا عہد ہو تو پھر دینی رنگ میں ان کی مدد کرنا جائز نہیں کیونکہ ایسی مدد اس معاہدہ کے خلاف ہوگی جو اس قوم کے ساتھ ہے اور معاہدہ بہرحال مقدم ہے۔

نمبر۲۔ الا تفعلوہ میں کسی فعل کے نہ کرنے کا ذکر ہے اور اوپر جس فعل کے کرنے کا حکم تھا وہ صرف یہی تھا ان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر یعنی مسلمانوں کو جہاں کفار بوجہ مسلمان ہونے کے اذیت پہنچاتے ہوں وہاں ان کی مدد کرنا مسلمانوں کا فرض قرار دیا گیا ہے یہ نہیں کہ دوسرے مسلمان خاموش بیٹھے دیکھتے رہیں۔ اس لیے اب یہ بتایا کہ اگر ایسا نہ کروگے یعنی وہ اپنے معاملہ میں تمہاری مدد چاہتے ہیں اور تم مدد نہیں کرتے تو پھر زمین میں فتنہ و فساد ہوگا یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے شروع میں فرمایا والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض یعنی کفار ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں تو تمہیں بھی ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیئے اس حکم کی پروانہ کرنے سے مسلمانوں کی بڑی بڑی سلطنتیں برباد ہوگئیں۔

آیاتہا ۱۲۹ (۹) سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۱۳ رکوعاتہا ۱۶

بَرَآءَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖٓ اِلَی الَّذِیْنَ — یہ علیحدگی (کا اعلان) ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے

عٰھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝۱ — مشرکوں میں سے اُن لوگوں کی طرف جنکے ساتھ تم نے معاہدہ کیا تھا ۱؎ ۲؎

فَسِیْحُوْا فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَۃَ اَشْھُرٍ وَّ اعْلَمُوْٓا — پس چار مہینے ملک میں چلو پھرو اور جان لو کہ تم اللہ کو

اَنَّکُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰہِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰہَ — عاجز کرنے والے نہیں اور کہ اللہ کافروں کو

مُخْزِی الْکٰفِرِیْنَ ۝۲ — رسوا کرنے والا ہے ۳؎

وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖٓ اِلَی النَّاسِ — اور (یہ) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں

نمبر۱۔ اس سورۃ کا نام التوبۃ یا البرأۃ ہے اور اس میں ۱۶ رکوع اور ۱۲۹ آیات ہیں اور اس کا نام البراءۃ اس کی پہلی ہی آیت میں مذکور ہے جہاں ان کفار سے علیحدگی اور بیزاری کا اعلان ہے جو اپنے معاہدات پر قائم نہ رہتے تھے اور اس سورت میں منافقین کو بھی بالکل الگ کر دیا ہے جو اب تک ملے چلے آتے تھے اس کے نام میں یہ اشارہ ہے کہ شرک اور نفاق سے مسلمان الگ ہوتے ہیں اور کامل بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور اس کا دوسرا نام التوبۃ لقد تاب اللہ علی النبی (۷۰۱۱) سے لیا گیا ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے ان فضلوں اور رحمتوں کا ذکر کیا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر کیے اس لیے کہ انھوں نے سخت تنگی کے وقت میں نبی کریم صلعم کی آواز پر لبیک کہا یہاں تک کہ تیس ہزار آدمی اپنے سب کاروبار چھوڑ کر سخت گرمی کے موسم میں پکی ہوئی فصلوں کو چھوڑ کر آپ کے ساتھ ہو گئے اور ایک لمبا اور صعوبت والا سفر اختیار کیا۔

اس سورت کا پچھلی سورت سے ایسا شدید تعلق ہے کہ ان کو ایک ہی سورت کے دو حصّے قرار دیکر درمیان میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم بھی نہیں لکھی گئی۔ سورۂ انفال میں بالخصوص جنگِ بدر کا ذکر تھا اور مخالفین کو سمجھایا تھا کہ یہ جنگ تمھارے لیے ایک نشان ہے اگر تم جنگ سے رک جاؤ تو تمھارے لیے بہتر ہے اگر جنگ کو جاری رکھو تو تمھارا انجام ذلت اور مغلوبیت ہے۔ سورہ براءۃ میں اس ذلت اور مغلوبیت کا نقشہ کھینچا ہے کہ کس طرح آخر کار کفر کا زور ٹوٹا اور اسے اسلام کے سامنے نیچا دیکھنا پڑا۔ اس کا نزول نویں سال ہجرت میں مدینہ میں ہوا۔

نمبر۲۔ ایک بڑی تکلیف جو عرب کی مشرک و[illegible] سے مسلمانوں کو پہنچتی رہتی تھی یہ تھی کہ ایک دن یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ عہد کر لیتے اور مسلمان اُن کی طرف سے مطمئن ہو جاتے لیکن اگلے ہی دن ذرا مخالفین کا دباؤ پڑا تو عہد شکنی کر دیتے۔ اب جبکہ فتح مکہ کے بعد ملک عرب میں جنگ کا خاتمہ ہو رہا تھا یہ ضروری ہوا کہ ان عہد شکنیوں کی گنجایش کا خاتمہ کیا جائے اور ملک میں ایک عالمگیر صلح کی بنیاد رکھی جائے چنانچہ نویں سال ہجری میں حج کے موقعہ پر اس سورت کی پہلی چند آیات کا جمع شدہ قبائل میں مع امور ذیل اعلان کیا گیا۔ اوّل یہ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک خانہ کعبہ کے قریب نہ جائیگا۔ دوم یہ کہ کوئی شخص ننگا ہو کر طواف نہ کرے گا۔ سوم یہ کہ ہر ایک عہد پورا کیا جائے گا۔ یہ ظاہر ہے کہ ان آیات میں تمام مشرکین عالم کا ذکر نہیں بلکہ تمام مشرکین عرب کا بھی ذکر نہیں جیسا کہ چوتھی آیت سے ظاہر ہے۔ یہ اعلان صرف ان لوگوں کے متعلق تھا جو بار بار عہد کر کے خلاف ورزی کرتے تھے۔

نمبر۳۔ چار مہینے اس وقت سے دیئے گئے جب یہ اعلان حج کے دن ہوا۔ یہ خیال کہ فتح مکہ کی وجہ سے چونکہ مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا تھا اس لیے ان معاہدات کے ختم ہو جانے کا اعلان کیا گیا صحیح نہیں، فتح مکہ کا واقعہ رمضان ۸ھ سنہ ہجری کا ہے اور یہ چودہ ماہ بعد کا واقعہ ہے باوجود فتح مکہ کے جس کا تعلق صرف قریش سے تھا دوسری اقوام عرب کی طرف سے مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچتی رہی تھیں بلکہ یہاں جو لفظ استعمال فرمائے ہیں کہ جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک یہ لوگ اسلام کے خلاف منصوبوں میں لگے ہوئے تھے۔

يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ
مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۵ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ
تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا
اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ ٣

کو حج اکبر کے دن اطلاع ہے [1] کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہے، پس اگر تم توبہ کرو تو وہ تمھارے لیے بہتر ہے اور اگر پھر جاؤ تو جان لو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں، اور جنھوں نے انکار کیا ان کو دردناک عذاب کی خبر دے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ
ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا
عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى
مُدَّتِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ٤

مگر جن مشرکوں کے ساتھ تم نے عہد کیا، پھر انھوں نے تمھارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمھارے خلاف کسی کو مدد دی، تو ان کے ساتھ ان کا عہد ان کی مدت تک پورا کرو۔ اللہ متقیوں سے محبت رکھتا ہے [2]۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا
الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ
وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ
فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ
فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ٥

پھر جب حرمت والے مہینے نکل جائیں تو ان مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کرو اور ان کو پکڑ لو اور ان کو روک دو، اور ان کے لیے ہر گھات کی جگہ بیٹھو پھر اگر وہ توبہ کریں، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں تو ان کا رستہ چھوڑ دو۔ اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے [3]۔

نمبر۱۔ یوم الحج الاکبر سے مراد قربانیوں کا دن یعنی دسویں ذی الحجہ ہے۔

نمبر۲۔ یہ استثناء صاف بتاتا ہے کہ مشرکین سے قطع تعلق کی وجہ صرف ان کی عہد شکنی ہوئی تھی جہاں عہد شکنی نہیں ہوئی ان کے ساتھ عہد پورا کرنے کو اتقاء قرار دیا ہے گویا اس اعلان کی اصل وجہ شرک یا کفر نہیں بلکہ عہد شکنی ہے۔

نمبر۳۔ الاشهر الحرم سے مراد یہاں وہی چار ماہ ہیں جن کے متعلق اوپر اعلان ہو چکا۔ کہ ان میں جنگ نہ کی جائیگی اس آیت سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ ہر ایک مشرک بلکہ غیر مسلم کو قتل کرنا جائز ہے حالانکہ سورت کی پہلی آیت میں ہی ان احکام کو صرف ان مشرکوں تک محدود کیا ہے جن سے مسلمانوں کے معاہدات تھے اور آیت ۴ میں بتا دیا ہے کہ ان معاہدہ کرنے والوں میں سے ان قوموں کے متعلق یہ احکام نہیں جنھوں نے معاہدات کو نہیں توڑا۔ پس آیت ۵ کے مشرک صرف وہ ہیں جنھوں نے مسلمانوں سے معاہدات کر کے انھیں توڑ دیا انھیں چار مہینے کی مہلت دی اس کے بعد ان کی شرارت کے سدباب کے لیے یہ صورتیں بتائیں کہ ان کو قتل کرو اور پکڑو اور روک دو اور ان کے لیے گھات میں بیٹھو۔ اب ظاہر ہے کہ یہاں قتل محض کا حکم نہیں۔ اگر ایسے مشرکوں کو بھی سب کو قتل کرنے کا حکم ہوتا تو پھر ان کو پکڑنا یا قید کرنا بے معنی ہے تو یہ جرم کی نوعیت پر ہوا کہ جو بہت شریر ہیں اور مسلمانوں کے قتل کے مرتکب ہوئے ہیں وہ قتل کیے جائیں گے اور جن سے اس سے کم نقصان پہنچا ہے انھیں گرفتار کیا جائے گا اور جن کی شرارت کا سدباب کسی اور طرح ہو سکتا ہے انھیں روک دیا جائے گا اور جو اس قسم کے مجرم ہیں کہ وہ پوشیدہ طور پر نقصان پہنچاتے رہتے ہیں اور سامنے نہیں آتے ان کے لیے گھات میں بیٹھنا ہوگا۔ پس یہ سزائیں خود بتاتی ہیں کہ شرارت کے روکنے کے لیے ہیں۔ پھر ان مجرموں میں سے ان کو مستثنٰی کر دیا جو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں۔ تو اس سے یہ لازم نہ آیا کہ جو مجرم تو

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝٦ ع

اور اگر ان مشرکوں میں سے کوئی تجھ سے پناہ مانگے، تو اس کو پناہ دو، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اس کو اسکے امن کی جگہ پہنچا دو یہ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو جانتے نہیں ۔۱

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝٧

اور ان مشرکوں کے لیے اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک عہد کیوں کر ہو سکتا ہے، سوائے ان کے جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس عہد کیا، سو جب تک وہ تمھارے لیے قائم ہیں تم ان کے لیے قائم رہو۔ اللہ متقیوں سے محبت کرتا ہے ۔۲

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝٨

(عہد) کس طرح ہو حالانکہ اگر وہ تم پر غالب آئیں تو تمھارا کچھ لحاظ نہ کریں نہ ناطے کا اور نہ ہی عہد کا وہ اپنے مونہوں سے تم کو راضی کرتے ہیں اور ان کے دل انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں ۔۳

کبھی تھے ہی نہیں نہ انھوں نے عہد کیا نہ عہد شکنی کی تھی۔ تو اب وہ محض اس لیے نماز نہیں پڑھتے مجرم بنکر مستحق سزا ہو گئے۔ محض نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے، اسلام نہ لانے کی وجہ سے قرآن کریم نے کسی شخص کو مستحق سزا قرار نہیں دیا (اس کی سزا عالم آخرت میں ہے) ہاں عہد شکنی کے لیے مستحق سزا قرار دیا اور اس سزا کی جس کے وہ مستحق ہو چکے تھے اس صورت میں معافی کا اعلان کر دیا جب مسلمان ہو جائیں اور یہ صرف ایک صورت ہے کیونکہ اسلام میں داخل ہونے سے ان کی شرارتوں کا کامل طور پر سد باب ہو جاتا تھا۔ دوسری صورتیں یہ بھی ہیں کہ ان کو گرفتار کر لیا جائے یا ان کو روک دیا جائے۔

نمبر۱۔ چونکہ پچھلی آیت میں کہا تھا کہ جو مسلمان ہو جائے اسے معاف کر دو۔ لیکن اسلام لانے کے لیے ضروری تھا کہ مسلمانوں سے ملیں اور دین اسلام کے متعلق دریافت کریں اس لیے فرمایا کہ وہی مشرک جن کا ذکر ان آیات میں ہے کہ وہ مستحق سزا ہیں۔ اگر دین اسلام کے متعلق کچھ باتیں دریافت کرنے کے لیے تم سے امن مانگیں تو ان کو امن دو۔ پھر یہ نہیں کہ وہ سن کر مسلمان نہ ہو تو اسے مار ڈالو بلکہ اس حالت میں اسے امن کے ساتھ اپنی قوم کے مقام سکونت میں واپس پہنچا دو، یہی تفسیر ابن جریر سے مروی ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سزا صرف شرارت کرنیوالوں کے لیے تھی اور عہد شکن قوم کا ہر ایک آدمی واجب القتل نہ تھا ورنہ ایک طرف ایک مشرک عہد شکن کو پناہ دینا دوسری طرف اسے اپنی عہد شکن قوم میں واپس پہنچانا کسی طرح صحیح نہیں ٹھہر سکتا اور پھر جب وہ مشرک اسلام لانے سے انکار کرتا ہے تو اسے قتل کرنے کی بجائے حفاظت سے اس کے گھر میں پہنچانے کے کیا معنے ہوئے۔ ایک ہاتھ میں قرآن اور ایک میں تلوار کی کہانی بنانے والے کبھی ان الفاظ پر غور نہیں کرتے۔

نمبر۲۔ اس رکوع میں انہی مشرکوں کا ذکر ہے جن کا ذکر پچھلے رکوع میں تھا یعنی عہد شکنی کرنے والے، جیسا کہ خود مضمون بھی شاہد ہے اور ان سے قطع تعلق کی وجوہات بیان کی ہیں۔ الا الذین عاھدتم وہی ہیں جن کا ذکر پیچھے آیت ۴ میں ہو چکا ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ عہد کو قائم کرنا بڑا اتقاء ہے یہ عہد کی عزت ہے جو اسلام نے سکھائی ہے مسلمان کبھی عہد نہیں توڑ سکتا۔ خواہ مفاد قومی کو بھی نقصان پہنچتا ہو۔

نمبر۳۔ یہ حالت عام اہل عرب کی تھی کہ جن کے ساتھ عہد ہو ذرا طاقت پکڑی تو عہد کو توڑ ڈالا جیسا کہ دوسری جگہ قرآن شریف میں مذکور ہے تتخذون ایمانکم دخلا بینکم ان تکون امۃ ھی اربیٰ من امۃ (النحل ۹۲) یہی حال ان مسلمانوں کے ساتھ تھا اور اس کی وجوہات تو اور بھی قوی تھیں۔ دل سے مسلمانوں کے دشمن تھے۔ عہد صرف ظاہری طور پر کر لیتے تھے۔ حالانکہ دلوں میں بغض مخفی ہوتا اس لیے موقعہ کی تاک میں رہتے۔ جب کسی مسلمان کو نقصان پہنچانے کا موقعہ ملتا نہ قرابت کا لحاظ کرتے نہ عہد کی خلاف ورزی کا۔

اِشۡتَرَوۡا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيۡلًا فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِيۡلِهٖ ؕ اِنَّهُمۡ سَآءَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۞ ۹

اللہ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت لے لی یوں اس کی راہ سے روکا، برا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

لَا يَرۡقُبُوۡنَ فِىۡ مُؤۡمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ وَاُولٰٓـئِكَ هُمُ الۡمُعۡتَدُوۡنَ ۞ ۱۰

کسی مومن کا لحاظ نہیں کرتے نہ ناطے کا اور نہ ہی عہد کا۔ اور وہ حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔

فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخۡوَانُكُمۡ فِى الدِّيۡنِ ؕ وَنُفَصِّلُ الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ۞ ۱۱

سو اگر توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں، تو دین میں تمھارے بھائی ہیں۔ اور ہم ان لوگوں کے لیے باتیں کھول کر بیان کرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔

وَاِنۡ نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَطَعَنُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا اَـئِمَّةَ الۡـكُفۡرِ ۙ اِنَّهُمۡ لَاۤ اَيۡمَانَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَنۡتَهُوۡنَ ۞ ۱۲

اور اگر وہ اپنے عہد کے بعد اپنی قسموں کو توڑیں اور تمھارے دین میں عیب لگائیں تو کفر کے سرداروں کے ساتھ جنگ کرو، ان کی قسمیں کچھ نہیں، تاکہ وہ باز آئیں[1]۔

اَلَا تُقَاتِلُوۡنَ قَوۡمًا نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ وَهَمُّوۡا بِاِخۡرَاجِ الرَّسُوۡلِ وَهُمۡ بَدَءُوۡكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اَتَخۡشَوۡنَهُمۡ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنۡ تَخۡشَوۡهُ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۞ ۱۳

کیوں اُن لوگوں کے ساتھ جنگ نہ کرو جنھوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اور رسول کے نکال دینے کا قصد کیا اور انھوں نے پہلے تمھارے ساتھ ابتدا کی، کیا تم اُن سے ڈرتے ہو بلکہ اللہ ہی زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔

نمبر۱۔ حذیفہ سے یہ روایت ہے کہ اس آیت کے مذکور کفار سے جنگ نہیں ہوئی اور بعض نے ائمۃ الکفر سے مراد ابوجہل وغیرہ کو لیا ہے جو کسی صورت میں درست نہیں گو آیت ۱۳ کے الفاظ سے خیال اس طرف جاتا ہو اس لیے کہ یہ سورت یقیناً نویں سال کی ہے اور ابوجہل وغیرہ جنگ بدر میں ہلاک ہو چکے تھے لیکن آیت ۱۳ و ۱۴ و ۱۵ کے الفاظ اس بات کو قبول کرنے کی اجازت نہیں دیتے جو حذیفہ سے مروی ہے یعنی یہ کہ ان لوگوں سے کبھی جنگ نہیں ہوئی کیونکہ آیت ۱۴ میں صاف حکم ہے کہ ان لوگوں سے جنگ کرو اور پیشگوئی موجود ہے کہ اللہ تمھارے ہاتھوں سے ان کو عذاب دیگا۔ اصل بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جو مسلمان ہونے کے بعد اپنے عہد وغیرہ کو توڑیں کیونکہ پچھلی آیت میں بتایا تھا کہ اگر یہ قومیں جو عہد شکنی کرتی رہی ہیں اسلام لے آئیں تو وہ اخوانکم فی الدین ہیں تو اب بتایا کہ اگر اسلام لانے کے بعد بھی عہد شکنی کریں تو پھر ان سے جنگ کرنے کی اجازت ہے جیساکہ آنحضرت صلعم کے آخری ایام میں مسیلمہ کذاب نے کیا اور آپ کی وفات کے بعد بعض دیگر اقوام عرب نے جن کے خلاف حضرت ابوبکرؓ نے فوج کشی کی ان کا زکوٰۃ دینے سے انکار کرنا پھر مدینہ پر چڑھائی کی تیاری ان کا نکث ایمان تھا۔ رہی یہ بات کہ ان کے متعلق آیت ۱۳ میں فرمایا وھموا باخراج الرسول۔ سو مسیلمہ وغیرہ کا ایسا کرنا ظاہر ہے کہ وہ یہ قصد کر چکا تھا اور دوسری قوموں نے بھی آنحضرتؐ کے جانشین کو مدینہ سے نکالنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور لڑائی میں پہل بھی انھوں نے ہی کی اور قریش کا آنحضرت صلعم کو نکالنا ان الفاظ میں نہیں آسکتا کیونکہ وہ تو یہ کام کر چکے تھے ان پر ھموا صادق نہیں آسکتا اور یہ الفاظ کہ یشف صدور قوم مومنین ویذھب غیظ قلوبھم (۱۴، ۱۵) بھی مسیلمہ اور اس کے ساتھیوں پر ہی صادق آتے ہیں کہ ان کی وجہ سے جو مسلمانوں کو سخت رنج پہنچا تھا ان کی ہلاکت سے وہ دور ہو گیا۔ محض طعن فی الدین پر قتل کا فتویٰ ان الفاظ سے نہیں نکل سکتا۔

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَ يُخْزِهِمْ وَ يَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٤﴾

اُن سے جنگ کرو اللہ ان کو تمھارے ہاتھوں سے عذاب دیگا اور ان کو رسوا کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمھیں مدد دیگا اور مومن لوگوں کے سینوں کو شفا بخشے گا۔

وَ يُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿١٥﴾

اور اُن کے دلوں سے غصّہ دور کردے گا اور اللہ جس پر چاہتا ہے رجوع برحمت کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے[1]

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَ لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَ لَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لَا رَسُوْلِهٖ وَ لَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٦﴾ ع

کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے اور اللہ نے تم میں سے ان کو ابھی الگ نہیں کیا جنھوں نے جہاد کیا اور نہ اللہ کے سوائے اور نہ اس کے رسول اور نہ مومنوں کے رسوائے کسی کو ولی دوست بنایا ہے اور اللہ اس سے واقف ہے جو تم کرتے ہو[2]

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَ فِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿١٧﴾

مشرکوں کا کام نہیں کہ اپنے اوپر کفر کی گواہی دیتے ہوئے اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں۔ ان کے عمل بے کار ہیں اور وہ آگ کے اندر رہیں گے[3]

نمبر۱۔ یذھب غیظ قلوبہم۔ قلوبہم میں ضمیر مخالفین کی طرف ہے یعنی ان کے دلوں میں جو غیظ و غضب اسلام کی تباہی کے لیے پیدا ہوگا اللہ اس کو بھی دور کردیگا اور یہ دونوں طرح ہوسکتا ہے ان کے ذلیل ہوجانے سے بھی اور ان کے مسلمان ہونے سے بھی۔ جس کی طرف ویتوب اللّٰہ علٰی من یشاء میں اشارہ کیا ہے۔

نمبر۲۔ ظاہر ہے کہ اس سے سابقین اولین مراد نہیں جو جہاد بھی کرچکے اور اپنا اخلاص اللہ اور رسول کے لیے بھی دکھا چکے ہیں۔ بلکہ ان کا ذکر ولا المومنین میں ہے اور حسبتم میں مخاطب وہ لوگ ہیں جو اب دین اسلام میں داخل ہوئے تھے ان کو بتایا ہے کہ تم کو بھی اللہ کی راہ میں جہاد کرنا پڑے گا اور اپنے خلوص کا ثبوت دینا ہوگا۔

نمبر۳۔ پچھلے رکوع کے آخر پر ذکر کیا تھا کہ ایک مسلمان کو صرف اتنی بات پر نہیں چھوڑا جاتا کہ منہ سے اپنے آپ کو مسلمان کہہ دے بلکہ جہاد اور خلوص کا ظاہر ہونا اس سے ضروری ہے اس لیے اب یہاں بتایا کہ اسلام کیسی قربانیاں چاہتا ہے اور چونکہ کفار صرف اسی قدر کو بڑی خدمت سمجھتے تھے کہ خانہ کعبہ کے ہم خدمت گذار ہیں حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں مرمت وغیرہ کرتے ہیں اور یوں اس گھر کو آباد رکھتے ہیں تو یہ سمجھانے کے لیے کہ یہ کوئی بڑے مجاہدانہ کام نہیں کہ مسلمان بھی مسجدوں کے متولی ہونے کو اپنا فخر سمجھیں بلکہ خدا کی راہ میں جان و مال کی قربانیاں بکار ہیں۔ شروع یہاں سے کیا کہ مشرک جوان کاموں پر فخر کرتے ہیں اول تو حق ہی کیا رکھتے ہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں۔ کیونکہ مسجد اللہ کی عبادت کے لیے بنائی گئی ہے اور یہ بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ اپنے آپ پر کفر کی شہادت ہے کیونکہ اس وقت خانہ کعبہ بتوں سے بالکل پاک ہوچکا تھا تو اس لیے اب بُت پرستوں کا خانہ کعبہ میں جانا یا اس کی کوئی اور خدمت کرنا خود اُن کے اپنے معتقدات کے خلاف تھا اور اس طرح پر شروع کرنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اعلان کردیا گیا تھا کہ آیندہ مشرک خانہ کعبہ کا حج نہ کریں اس کی وجہ بھی بتادی اور یہ جو فرمایا کہ ان کے عمل بیکار رہیں تو مراد اس سے وہ عمل ہیں جن پر ان کو بوجہ خدمت خانہ کعبہ فخر تھا۔ فرمایا کہ یہ عمل کچھ کام نہیں دے سکتا۔ جب شرک و کفر میں مبتلا ہیں تو خانہ کعبہ کی خدمت یا خانہ کعبہ کا حج کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ خانہ کعبہ کی تولیت کسی مشرک یا کافر قوم کے سپرد نہیں ہوسکتی۔

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝١٨

اللہ کی مسجدیں صرف وہی آباد کرتے ہیں، جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ دی، اور اللہ کے سوائے کسی کا خوف نہ کیا، سو امید ہے کہ یہ ہدایت پانے والوں میں سے ہوں۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٩

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کا آباد کرنا اس کی طرح ٹھیرایا ہے جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اللہ کے ہاں وہ برابر نہیں اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا[1]

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝٢٠

جو ایمان لاتے ہیں اور ہجرت کرتے ہیں اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، اللہ کے ہاں بہت بڑا درجہ رکھتے ہیں اور وہی بامراد ہونگے۔

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝٢١

ان کا رب ان کو اپنی رحمت اور رضا اور باغوں کی خوشخبری دیتا ہے ان کے لیے ان میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہونگی۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝٢٢

انہی میں ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَي الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٢٣

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دوست نہ بناؤ، اگر وہ ایمان پر کفر کو دوست رکھیں اور جو کوئی تم میں سے ان کو دوست بنائے گا، تو یہی ظالم ہیں۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ

کہہ دے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے

نمبر۱ - یعنی چھوٹے چھوٹے فیاضی کے کام اور جہاد فی سبیل اللہ جیسا عظیم الشان کام جو کہ حق کو دنیا میں قائم کرنے کے لیے پوری جد و جہد کرنے کا نام ہے یکساں نہیں۔

وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ﰳاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ ع

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

بھائی اور تمھاری بیویاں اور تمھارے کنبے اور مال جو تم کماتے ہو اور تجارت جس کے مندا پڑ جانے سے تم ڈرتے ہو اور مکان جن کو تم پسند کرتے ہو ۔ تمھارے نزدیک اللہ اور اسکے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ۔

یقیناً اللہ نے تمھیں بہت سے میدانوں میں مدد دی ، اور حنین کے دن جب تمھاری کثرت تمھیں اچھی لگی ، پھر وہ تمھارے کچھ بھی کام نہ آئی ، اور تم پر زمین باوجود فراخی کے تنگ ہوگئی تب تم پیٹھ دیتے ہوئے پھر گئے ؎۲

نمبر۱۔ اس آیت میں مسلمانوں کی قومی زندگی کا ایک اصول بیان کیا ہے جس کو آج مسلمانوں نے یہاں تک بھلا رکھا ہے کہ ایک مترجم قرآن نے اپنے ترجمہ کے حاشیہ پر لکھ دیا کہ یہ حکم ابتدائی زمانہ کے مسلمانوں کے لیے تھا ہمارے لیے نہیں۔ گویا یہاں تک اس حالت سے جو ان کی اصل زندگی کا موجب ہوئی تھی دور پڑ گئے ہیں کہ اب وہ اس اصول کو قابل عمل ہی نہیں سمجھتے ۔ اس آیت کی رو سے مسلمانوں کو اس سے منع نہیں کیا گیا کہ وہ اپنے عزیزوں اور قریبیوں سے تعلق رکھیں یا مال کمائیں یا تجارتیں کریں یا بڑے بڑے مکانات بنائیں۔ بلکہ ان کے سارے تعلقات دنیا کا ذکر کیا ۔ ان کی ایسی تجارتوں کا ذکر کیا جن سے ذرا توجہ ادھر ادھر ہو تو مندی پڑ جائیں ۔ ان کے بڑے بڑے محلات و مکانات کا ذکر کیا ۔ یہ سب کچھ مسلمان رکھیں اس کے لیے کوشش کریں مگر اصول یہ رکھیں کہ یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیاری نہ ہوں ۔ یعنی اگر خدا کے لیے ان کو قربان کرنے کی ضرورت پڑے تو قربان کردیں حق کے قبول کرنے یا پھیلانے میں تعلقات رشتہ داری چھوڑنے پڑتے ہیں تو چھوڑیں ۔ مال برباد ہوتے ہیں تو ہوں ۔ تجارت جاتی ہے تو جائے ۔ غرض ان چیزوں کو اسلام پر قربان کرنے کے لیے تیار رہیں ۔ اسی آیت قرآنی کا خلاصہ ہے جو اس صدی کے مجدد نے اپنے ساتھیوں سے یہ اقرار لیا ہے" میں دین کو دنیا پر مقدم کروں گا" یہ سب چیزیں وسائل میں داخل ہیں مگر خدا اور اس کا رسول اصل غرض ہیں وسائل کو حصول غرض کے لیے قربان کرنا ضروری ہے ۔ آخر پر فرمایا کہ اگر ایسا نہ کرو گے اگر انھیں چیزوں کو تم اصل غرض زندگی بنا لوگے تو پھر تمھارے ساتھ فاسقوں والا معاملہ ہوگا ۔

نمبر۲۔ حنین ، مکہ اور طائف کے درمیان وادی ہے ، مکہ سے صرف تین میل کے فاصلہ پر ہے ۔

مکہ کو فتح کرنے کے بعد رسول اللہ صلعم کو خبریں پہنچیں کہ ہوازن اور ثقیف مسلمانوں پر حملہ کی تیاری کر رہے ہیں ۔ اس لیے آپ نے مناسب سمجھا کہ قبل اس کے کہ وہ زور پکڑیں اس شورش کو دبا دیا جائے ۔ چنانچہ آپ اسی دس ہزار جمعیت کے ساتھ جس کو لے کر مکہ فتح کیا تھا اور جن میں اب دو ہزار طلقاءؓ مل کر کل بارہ ہزار ہوگئی تھی ، باہر نکلے ۔ مسلمانوں کو اپنی کثرت پر فخر ہوا بالمقابل دشمن صرف چار ہزار تھے ۔ ہوازن اور ثقیف مشہور تیر انداز تھے اور پہاڑوں کے تنگ رستوں پر قابض تھے ۔ پہلے حملہ میں ہی مسلمانوں پر اس قدر زور سے تیروں کی بوچھاڑ ہوئی کہ جو فوج آگے بڑھی تھی اور جس میں اکثر طلقا تھے اس نے پیٹھ پھیر لی اس کا اثر پچھلی فوج پر پڑا اور آن کی آن میں بارہ ہزار کی فوج بھاگ اٹھی ۔ مگر نبی کریم صلعم اپنی خچر پر سوار اور حضرت عباسؓ آپ کی رکاب پکڑے ہوئے برابر دشمن کی طرف بڑھے جا رہے تھے اور بلند آواز سے یوں پکار رہے تھے : انا النبی لا کذب ، انا ابن عبد المطلب " میں نبی ہوں کوئی جھوٹ نہیں میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں " یہ ہمت اور شجاعت کا نظارہ ایسا نہ تھا کہ بے اثر رہتا ۔ تھوڑی ہی دیر میں لوگ آپ کے گرد جمع ہونا شروع ہوئے اور آہستہ آہستہ ساری فوج کا رخ پلٹا اور دوبارہ حملہ کرکے دشمن کو شکست دی ۔ زمین کے تنگ ہونے سے مراد یہی پسپائی کی حالت ہے جب بھاگنے کو

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى
الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٦﴾

تب اللہ نے اپنی تسکین اپنے رسول پر اور مومنوں پر نازل کی
اور وہ لشکر اُتارے، جن کو تم نہیں دیکھتے تھے اور ان کو جو
کافر تھے عذاب دیا اور یہی کافروں کی سزا ہے ۔ ١

ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ
يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٧﴾

پھر اللہ اس کے بعد جس پر چاہے رجوع برحمت کرے اور
اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ
نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ
بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً
فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٨﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، مشرک ضرور پلید ہیں ۔
سو اپنے اِس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے پاس نہ آئیں ٢
اور اگر تم کو مفلسی کا ڈر ہو تو اللہ اگر چاہے گا تم کو اپنے
فضل سے غنی کر دے گا ۔ اللہ علم والا
حکمت والا ہے ۔ ٣

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا
بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ
اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ
مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا

اُن سے جنگ کرو، جو اللہ پر ایمان نہیں لائے اور نہ
پچھلے دن پر اور نہ ہی ان چیزوں کو حرام ٹھیراتے ہیں، جو اللہ
اور اس کے رسول نے حرام کیں اور نہ سچے دین کو اختیار کرتے ہیں،
ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی یہاں تک کہ وہ ہاتھ سے

جگہ نہ ملتی تھی۔ یہاں اس گزشتہ واقعہ کا ذکر اس لحاظ سے کیا کہ مسلمان متنبہ رہیں کہ ان کے لیے فتح و ظفر کا موجب نصرت الٰہی ہے نہ ان کی کثرت وہ اپنی کثرت پر کبھی نازاں نہ ہوں۔

نمبر۱۔ جنودا لم تروھا ۔ ملائکہ کی نصرت ہے ۔ اور لم تروھا اُن کو تم نے نہیں دیکھا ثابت کرتا ہے کہ ملائکہ کا نزول جو لڑائیوں میں ہوا وہ ان آنکھوں سے نہیں دیکھا گیا ہاں کسی صحابی نے کشفی نظر سے دیکھ لیا ہو تو الگ بات ہے ۔

نمبر۲۔ یہاں مراد روحانی نجاست ہے مراد یہ نہیں کہ اُن کے جسم پلید ہیں ان سے مسجد حرام پلید ہو جائے گی ۔ بلکہ ان کے عقائد اور ان کا شرک ناپاک ہیں اور مسجد حرام کو اللہ تعالیٰ نے توحید کا پاک نشان بنایا ہے ۔ مسجد حرام میں مشرکوں کے آنے کو روک دیا اس لیے کوئی غیر مسلم حدود حرم میں داخل نہیں ہو سکتا اور یہ حکم حج سے مخصوص نہیں بلکہ عام ہے یعنی کسی وقت بھی غیر مسلم حدود حرم میں داخل نہ ہو اور مشرک کے لفظ میں ہر غیر مسلم اس لیے داخل ہے کہ توحید کا مذہب سوائے اسلام کے کوئی نہیں رہا یہ حکم ہر ایک مسجد کے لیے نہیں بلکہ خاص مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ کے لیے ہے اور اس میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ تا اسلام کا یہ مرکز غیر مسلموں کے تصرف میں نہ آنے پائے ۔

نمبر۳۔ مکہ تو خود وادی غیر ذی زرع میں تھا۔ تجارت سے اس کی ساری رونق تھی بالخصوص موسم حج میں تجارتی مال دور دور سے لوگ ساتھ لاتے تھے اور اہل مکہ کو بیٹھے بٹھائے تجارت سے نفع حاصل ہوتا تھا۔ سو فرمایا کہ یہ خوف مت کرو۔ اللہ تعالیٰ اس کے سامان اپنے فضل سے پیدا کر دے گا وہ فضل کے سامان یہ تھے کہ سارے ملک عرب کو مسلمان کر دیا بلکہ سارے عالم میں اسلام کو پھیلا دیا۔

الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٢٩﴾
وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ
النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ
بِاَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
مِنْ قَبْلُ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٣٠﴾
اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ
دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَآ
اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ
اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٣١﴾
يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ

جزیہ دیں اور وہ محکوم ہوں [1]
اور یہودی کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے، اور عیسائی
کہتے ہیں مسیح اللہ کا بیٹا ہے - یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں [2]
یہ ان کی بات کی نقل کرتے ہیں، جو پہلے کافر ہوئے -
اللہ ان کو ہلاک کرے کہاں سے اُلٹے پھرے جاتے ہیں [3]
انھوں نے اپنے عالموں اور راہبوں کو اللہ کے سوائے
رب بنالیا ہے اور مسیح ابن مریم کو اور ان کو سوائے اس کے کچھ
حکم نہ دیا گیا تھا کہ ایک معبود کی عبادت کریں اس کے سوائے
کوئی معبود نہیں، وہ اس سے پاک ہے جو وہ شریک ٹھیراتے ہیں [4]
وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور اپنے مونہوں سے بجھادیں، اور

نمبرا۔ الجزیۃ - یہ لفظ جزاء سے نکلا ہے جس کے معنی بدلہ ہیں - جزیہ ایک ٹیکس ہے جو غیر مسلموں سے اخراجات حفاظت ملک کے بدلہ میں لیا جاتا ہے۔

اہل کتاب کا نام یہاں لینے سے منشاء صرف اس قدر ہے کہ جن حالات میں مشرکوں سے جنگ کی اجازت یا حکم دیا ہے انہی حالات میں اہل کتاب سے بھی جنگ جائز ہے یعنی قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم (۲: ۱۹۰) کی شرط سے مشروط ہے - نبی کریم صلعم کا عمل بھی اس کے مطابق تھا - چنانچہ غزوۂ تبوک میں آپ تیس ہزار فوج لے کر سرحد شام پر پہنچے مگر چونکہ دشمن جنگ کے لیے نہیں نکلے تھے اس لیے آپ بغیر جنگ کرنے کے واپس آگئے جس سے معلوم ہوا کہ آپ اہل کتاب کے ساتھ جنگ کو بھی اسی شرط سے مشروط سمجھتے تھے جس سے مشرکوں کی جنگ مشروط تھی -

نمبر۲- عزیر یا عزرا یہودیوں میں ایک بڑے عظیم الشان نبی گزرے ہیں - علمائے طالمود نے ان کے متعلق بڑے مبالغہ آمیز بیان کیے ہیں - یہاں تک کہ بعض نے کہا ہے کہ اگر موسیٰ پر شریعت نازل نہ ہوئی ہوتی تو عزیر پر نازل ہوتی - ممکن ہے اس زمانہ میں یہودیوں کی قوم اس قسم کے بیانات کی وجہ سے اور عیسائیوں کے مقابل میں آکر سچ مچ عزیر کو ابن اللہ کہنے لگی ہو - یا ان کا کوئی خاص فرقہ یہ اعتقاد رکھتا ہو -

نمبر۳- ان الفاظ میں ایک ایسی بات کی خبر دی ہے جس کی اطلاع آج دنیا کو ہوئی ہے یعنی یہ کہ عیسائیوں نے خدا کا بیٹا تجویز کرنے میں پہلی کافر قوموں کی نقل کی ہے - آج یونانیوں اور رومیوں کے مذاہب کا مطالعہ بتاتا ہے کہ فی الواقع یہ خدا کا بیٹا بنانے کا عقیدہ ان میں مروج تھا اور وہیں سے پولوس نے اس کو لیا کیونکہ جب اس نے دیکھا کہ یہودی تو حضرت عیسیٰ کو قبول نہیں کرتے تو اس نے حضرت مسیح کے بعض الفاظ کو جو مجاز اور استعارہ کے طور پر تھے حقیقت پر محمول کرکے اور اصل بنانے مذہب قرار دے کر بت پرستی سے ملتا جلتا ایک مذہب بنا دیا جس کی وجہ سے غیر یہودی اقوام کا میلان عیسائیت کی طرف بہت ہوگیا -

نمبر۴- عدی ابن حاتم نے اس آیت کے نزول پر رسول اللہ صلعم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ لوگ احبار و رہبان کی عبادت تو نہ کرتے تھے تو آپ نے فرمایا کیا ایسا نہیں کہ جو اللہ نے حلال کیا ہے اُسے وہ حرام کر دیتے تو لوگ بھی اسے حرام سمجھ لیتے اور جو اللہ نے حرام کیا ہے اُسے حلال کہہ دیتے تو لوگ بھی اسے حلال سمجھ لیتے -

وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾

اللہ کو کچھ منظور نہیں مگر یہی کہ اپنے نور کو پورا کرے، گو کافر بُرا ہی مانیں ۱؎

هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴿۳۳﴾

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اس کو کل دینوں پر غالب کرے، گو مشرک بُرا ہی مانیں ۲؎

ع

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یقیناً بہت سے علماء اور راہب لوگوں کے مال ناحق کھاتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾

اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں، اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، تو ان کو دردناک عذاب کی خبر دے ۳؎

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا

جس دن اس مال کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائیگا پھر اس کے ساتھ ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائینگی یہ وہ ہے جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، سو اس کا مزہ

نمبر۱۔ اس آیت میں ایک طرف تو یہ بتایا کہ عیسائیوں کے کیا کیا منصوبے اسلام کے خلاف ہیں اور وہ کس طرح اسلام کے نیست و نابود کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور دوسری طرف نہایت پرزور الفاظ میں یہ خبر ہے کہ دین اسلام کامل ہو کر رہے گا۔

نمبر۲۔ یہ دوسری خوشخبری ہے۔ پہلی آیت میں تو یہ بتایا تھا کہ دین اسلام کو یہ نیست و نابود نہیں کر سکیں گے۔ اب فرمایا کہ یہی نہیں بلکہ یہ دین کل ادیان پر غالب کر دیا جائے گا۔ اہل کتاب کے ذکر میں اس پیشگوئی کا لانا صاف بتاتا ہے کہ اسلام کا مقابلہ انہی کی طرف سے زیادہ ہوگا مگر ان کی کوششیں کچھ نہ کر سکیں گی اور اسلام غالب ہو کر رہے گا۔ اکثر مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ اظہار دین اس امت میں مسیح موعود کے ظہور کے بعد ہوگا۔ البتہ یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ اظہار اسلام سے مراد کل دینوں کا ہلاک ہو جانا ہے بلکہ غلبہ یا اظہار کا لفظ صاف بتاتا ہے کہ دوسرے دین بھی رہیں گے مگر غالب دین اسلام ہوگا اس زمانہ میں دین عیسوی کے عقاید خود بخود اس طرح دلوں سے نکلتے چلے جاتے ہیں اور خود عیسائی اُن سے اس طرح بیزار ہو رہے ہیں اور دوسری طرف عقاید حقہ اسلامیہ کی قبولیت خود بخود بڑھتی جاتی ہے کہ صاف ثابت ہوتا ہے کہ مسیح کا زمانہ آچکا ہے۔

نمبر۳۔ اس آیت میں اول علماء و مشائخ کے مال و زر بالباطل کھانے کا ذکر کیا ہے کہ اس زمانہ میں علمائے یہود و نصاریٰ عوام کالانعام کو اس طرح دھوکا دیکر مال کھاتے تھے کہ ہم کو راضی کر لوگے تو اللہ راضی ہو جائے گا اور رشوتیں لیکر فتوے دیتے تھے مگر یہ یہود و نصاریٰ علماء تک محدود نہیں بلکہ اسکے ذکر میں مسلمانوں کو سمجھایا ہے۔ چنانچہ ہمارے اس زمانہ میں اکثر علماء و مشائخ کی یہی حالت ہے کہ وہ بھی اپنی رضا میں خدا کی رضا بتاتے ہیں۔

مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

چکھو جو تم جمع کرتے تھے[1]

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ
شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْأَرْضَ مِنْهَآ أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۭ ذٰلِكَ
الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۥ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ
أَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً
كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا أَنَّ اللّٰهَ
مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾

مہینوں کی گنتی اللہ (تعالیٰ) کے نزدیک اللہ کے حکم
میں بارہ مہینے ہے، جس دن آسمان اور زمین
پیدا کیے۔ ان میں سے چار حرمت والے ہیں
یہ دین مضبوط ہے۔ سو ان میں اپنے اوپر
ظلم مت کرو اور مشرکوں سے سب کے سب جنگ
کرو، جس طرح وہ تم سے سب کے سب جنگ کرتے ہیں
اور جان لو کہ اللہ تو متقیوں کے ساتھ ہے[2]

إِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ
عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا
مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ۭ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ أَعْمَالِهِمْ ۭ
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾ ع

مہینوں کا پیچھے کر دینا کفر کی ایک زیادتی ہے وہ جو کافر ہیں اس
سے گمراہ ہوتے ہیں ایک سال اسے حلال قرار دیتے ہیں اور ایک سال اسے حرام
قرار دیتے ہیں تاکہ ان (مہینوں) کی گنتی کے مطابق کر لیں جو اللہ نے حرام کیے
ہیں اور یوں جو اللہ نے حرام کیا ہے اسے حلال کر لیں اُن کو اُن کے بُرے
کام اچھے معلوم ہوتے ہیں اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا[3]

نمبر۱۔ پچھلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر تھا جو مال جمع کرتے ہیں مگر بوقت ضرورت اسے خدا کے رستے میں خرچ نہیں کرتے۔ یہاں ان کی سزا کا ذکر ہے اور جس رنگ کی بدی ہے اسی رنگ کی سزا ہے وہ پیشانی جس سے وہ اظہار فخر کرتا ہے وہ پہلو جو بوجہ تکبر وہ پھیر لیتا ہے وہ پیٹھ جو وہ حاجتمند پر پھیرتا ہے سب محل سزا ہو جاتے ہیں۔

نمبر۲۔ اصل مضمون مشرکین سے جنگ کا تھا اور غزوۂ تبوک اور منافقین کا ذکر شروع کرنے سے پہلے اسی اصل مضمون کی طرف عود کیا ہے۔ حرمت کے مہینے جن میں جنگ کرنا منع کیا گیا ہے۔ ان کا ذکر خاص طور پر کیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ مشرک لوگ نسئی کے ذریعہ سے حرمت کے مہینوں کو بدلتے رہتے تھے جس سے امن اُٹھ جاتا تھا۔ چنانچہ خود اسی نویں سال میں حج ذیقعد میں ہوا تھا۔ اس لحاظ سے بھی کہ مشرکوں کے لیے یہ ایک اعلان تھا۔ یہ اطلاع ضروری تھی کہ آئندہ یہ تغیر و تبدل نہ ہوں گے پس فرمایا کہ مہینے تو بارہ ہی ہیں اور پہلے دن سے ہی بارہ ہیں۔ چنانچہ سب قوموں میں سال کے بارہ مہینے ہی پائے جاتے ہیں۔ ان میں سے چار حرمت کے مہینے ہیں جن کے بارہ میں اپنے آپ پر ظلم مت کرو یعنی ان کے اندر جنگ مت کرو۔ اور اس کو یعنی حرمت کے تسلیم کرنے کو دین قیم کہا ہے۔ اس لحاظ سے کہ یہ ایک مضبوط اصول ہے جس سے جنگ کے اندر قوموں کی زندگی وابستہ ہے اور یا دین یہاں بمعنی حساب ہے یعنی یہ حساب مضبوط ہے۔ اس سے شک و شبہ پیدا نہیں ہوتا۔
حرمت کے مہینوں کو قائم کر کے پھر فرمایا کہ مشرکوں کے ساتھ سب کے سب جنگ کرو جس طرح وہ سب کے سب تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں جس میں یہ اصول سمجھایا ہے کہ دشمن کے مقابل میں سب مسلمانوں کو ایک رہنا چاہیئے جس طرح دشمن مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک ہو جاتے ہیں۔

نمبر۳۔ نسئی، نسٔ کے معنی تاخیر کرنا یا پیچھے ڈال دینا ہیں اور نسیئۃ حرمت کے مہینوں کا پیچھے ڈال دینا ہے جو عرب لوگ کرتے تھے بعض وقت

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ
انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ
اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ
فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ
اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تمھیں کیا ہُوا کہ جب تم کو کہا جائے کہ اللہ کی راہ میں نکلو، تو تم بوجھل ہو کر زمین کی طرف جھک جاتے ہو کیا تم آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے ہو، سو دنیا کی زندگی کا سامان آخرت کے مقابلے میں تھوڑا ہی ہے ملہ

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ
وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ
شَيْـًٔا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

اگر تم نہ نکلو تو وہ تم کو دردناک عذاب دے گا اور تمھاری جگہ دوسرے لوگ لے آئے گا، اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ
اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ

اگر تم اس کی مدد نہ کرو تو یقیناً اللہ نے اس کی مدد کی، جب اس کو اُن لوگوں نے جو کافر تھے نکال دیا (اس حال میں) وہ دو میں کا دوسرا تھا جب وہ دونوں غار میں تھے جب اس نے اپنے رفیق کو کہا غمگین نہ ہو

یہ لوگ یوں کیا کرتے تھے کہ اگر جنگ ہو رہی ہو اور حرمت کا مہینہ آجائے تو اسے پیچھے ڈال دیتے یعنی اس کی بجائے کسی پچھلے مہینہ کو حرمت والا قرار دے لیتے۔ بعض اور اغراض کے لیے بھی ایسا کر لیتے تھے۔ اس سے ناواقفوں کو بڑی تکلیف ہوتی تھی۔ اس لیے نسئی کو ناجائز قرار دیا گیا اور فرمایا کہ خدا کے حکم میں جب چار ماہ کی حرمت قرار دی گئی تو یہ نسئی نہ تھی یہ پیچھے کافروں نے اپنی اغراض کے لیے بنا لی۔ اس لیے اب اس کو دور کیا جاتا ہے۔

نمبر۱۔ یہاں سے جنگ تبوک اور اس کے متعلق واقعات کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ یہ مہم رجب سنہ ۹ ہجری میں تیار ہوئی اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ نبی کریم صلعم کو سلطنت روما کے متعلق یہ خبریں متواتر پہنچیں کہ وہ عرب پر حملہ کرنا چاہتے ہیں جنگ کے معاملہ میں آپ کا طریق نہایت احتیاط کا تھا جب کبھی کسی قوم کی تیاری کی خبر آپ کو پہنچتی آپ فوراً اس کے انسداد کے لیے مہم روانہ کر دیتے تھے۔ اس موقعہ پر بھی متواتر خبروں کے پہنچنے پر آپ نے تیاری کا حکم دیا۔ اس وقت مسلمانوں کے لیے بہت سی مشکلات کا سامنا تھا اوّل تو ایام قحط تھے دوسرے ملک شام کی حدود تک ایک بہت ہی لمبا سفر تھا اور راستہ میں پانی اور رسد وغیرہ کی بہت قلت تھی۔ تیسرے فصل بالکل پختہ کاٹنے کے لیے تیار تھی اور اس حالت میں اس کو چھوڑنا بڑا مشکل تھا۔ چوتھے موسم سخت گرمی کا تھا اور پانچویں مقابلہ عرب کی کسی قوم سے نہ تھا بلکہ ایک منتظم سلطنت کی باقاعدہ فوجوں سے مقابلہ تھا جو ہر قسم کے سامانِ جنگ سے آراستہ تھیں اور روما اور ایران کی سلطنتوں سے عرب کے لوگ ہمیشہ خائف رہتے تھے کیونکہ ان کی طاقت کے سامنے عربوں کی طاقت ہیچ تھی۔ مگر باوجود ان مشکلات کے مسلمانوں نے نبی کریم صلعم کی آواز پر لبیک کہا اور تیس ہزار آدمی آپ کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور کسی نے مشکلات کی پروا نہ کی بلکہ جو لوگ تنگدست تھے اور سواری کا انتظام ان کے لیے نہ ہو سکا وہ روتے ہوئے پیچھے رہے البتہ منافقوں کی تمیز کا یہ آخری موقعہ آپہنچا تھا اور وہ طرح طرح کے عذر کر کے رہ گئے اور یہاں جو اثاقلتم الی الارض کہا، تو مطلب اس کا یہ نہیں کہ مومن زمین کی طرف جھک گئے تھے بلکہ یہ بطور حث ہے اور خطاب ان لوگوں سے ہے جو نرا منہ سے دعویٰ ایمان کرتے تھے جیسا کہ آیت ۴۰ میں الا تنصروہ سے ظاہر ہے کیونکہ مومن مدد کرنے والے تھے۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَ اَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

اللہ ہمارے ساتھ ہے، سو اللہ نے اپنی تسکین اس پر اتاری اور اس کو ایسے لشکروں سے قوت دی جن کو تم نہ دیکھتے تھے اور اُن لوگوں کی بات کو جو کافر تھے نیچا دکھایا اور اللہ کی بات ہی بلند ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے [۱]۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

ہلکے اور بوجھل نکل پڑو، اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو [۲]۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّ سَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

اگر فائدہ جلد ملنے والا اور سفر میانہ ہوتا، تو ضرور تیرے پیچھے ہو لیتے، لیکن مشقت کا سفر انھیں بہت دُور معلوم ہُوا۔ اور اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور تمھارے ساتھ نکلتے، اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور اللہ جانتا

نمبر۱- وہ واقعہ جس کا یہاں ذکر ہے نبی کریم صلعم کی مکّہ سے مدینہ کو ہجرت کا واقعہ ہے۔ آپ کے قتل کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ قاتلوں کا جتھا آپ کے گھر کا محاصرہ کیے ہوئے کھڑا تھا اس حالت میں آپ ان کے درمیان سے نکلتے ہیں اور یہ دونوں ساتھی رات کی تاریکی میں نکلتے ہیں تیسرا مرتبہ اذ هما فی الغار کا بیان کیا ہے۔ یہ غار ثور ہے جو مکّہ سے کوئی تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ رات کے وقت غار میں جا کر چھپنا کس قدر خطرات سے پُر ہے اور غار بھی نہایت بے آباد اور سنسان مقام میں جہاں انسان کا گزر نہیں۔ حضرت ابوبکرؓ اس غار میں پہلے داخل ہوئے اور اس کے سارے سوراخوں وغیرہ کو بند کیا اور ہاتھ پھیر کر اندر سے صاف کیا تب اس بات کا اطمینان کر کے کہ کوئی موذی جانور اندر نہیں نبی کریم صلعم کو اندر داخل ہونے دیا اور اس تاریک پُر خطر جگہ میں یہ دونو ساتھی چھپے۔ آخر کار دن چڑھا کفار کو پتہ لگا ہر طرف تلاش شروع ہوئی۔ سراغ غار کے منہ تک پہنچا ادھر حضرت ابوبکرؓ نے اوپر پاؤں کی آہٹ سنی تو آپ کو نہ اپنے لیے بلکہ اس اپنے پیارے رفیق کے لیے جس کی خاطر سب کچھ قربان کر رکھا تھا، فکر ہوا کہ اب گریز کی کوئی جگہ نہیں۔ دو آدمی غار کے اندر ہیں اور دشمنوں کا جمگھٹا اس کے منہ پر اس حالت میں وحی الٰہی کی تسکین کام دیتی ہے ہم دو نہیں بلکہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ کیا عجب شانِ خداوندی ہے کہ ایک مکڑی غار کے منہ پر جالا تن دیتی ہے اور تلاش کرنے والے سراغ رسانی کرتے ہوئے غار کے منہ تک پہنچتے اور وہاں سے جالا دیکھ کر واپس ہو جاتے ہیں۔ مکڑی کا جالا جو اوھن البیوت ہے وہ کام دے جاتا ہے جو ایسے اوقات میں بڑے بڑے مضبوط قلعے نہیں دے سکتے یہ نصرت الٰہی کا نظارہ تھا۔

ثانی اثنین- ان اللہ معنا میں حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت پر صریح دلیل ہے۔ اللہ کی معیت جو آنحضرت صلعم کو حاصل تھی اس میں حضرت ابوبکرؓ بھی شامل ہیں۔

نمبر۲- خفافًا یا ہلکا ہونے میں ہر وہ امر شامل ہے جس کی وجہ سے نکلنا سہل ہو جیسے قوت بدن۔ صحت جسمانی، جوانی کی عمر۔ فراخیٔ مال، شغل سے فراغت۔ سواری کا ہونا اور اس کے خلاف جو کچھ ہو وہ ثقال میں داخل ہے جیسے ضعف جسمانی، کمزوری، بیماری، بڑھاپا، تنگیٔ مال۔ صورت معاش کا نہ ہونا وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ جب ضرورت آ پڑے تو جس حال میں بھی ہو نکل پڑو۔

إِنَّهُمْ لَكٰذِبُونَ ﴿٤٢﴾

ہے کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں[1]۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِينَ ﴿٤٣﴾

اللہ تجھے معاف کرے تو نے کیوں اُن کو اجازت دی یہاں تک کہ جو سچے تھے وہ تیرے لیے الگ ہو جاتے اور تو جھوٹوں کو بھی جان لیتا[2]۔

لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿٤٤﴾

جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لاتے ہیں وہ تجھ سے اجازت نہیں مانگتے کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد نہ کریں اور اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے۔

إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ﴿٤٥﴾

وہی تجھ سے اجازت چاہتے ہیں جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان نہیں لاتے، اور ان کے دل شک میں پڑ گئے سو وہ اپنے شک میں متردد ہیں۔

وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقٰعِدِينَ ﴿٤٦﴾

اور اگر اُن کا ارادہ نکلنے کا ہوتا تو اس کے لیے سامان مہیا کرتے لیکن اللہ نے اُن کا اُٹھنا پسند نہ کیا، سو اُن کو بوجھل کر دیا اور کہا گیا بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھ جاؤ[3]۔

نمبر۱۔ یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جو پیچھے رہ گئے یعنی منافقین۔ چنانچہ ایک حرف لاتبعوك صاف بتاتا ہے دوسری طرف ان کا جھوٹی قسمیں کھانا اور پھر اگلے رکوع کا مضمون سب اس پر گواہ ہیں کہ اس رکوع میں منافقوں کا ذکر ہے۔

نمبر۲۔ عفا الله عنك۔ یہ کلمہ بعض وقت صرف محبت اور تعظیم کے لیے بولا جاتا ہے۔ ایسا ہی موقعہ یہاں ہے جنگ تبوک کی مشکلات کو دیکھ کر منافقوں نے جو ہمیشہ جنگ میں پیچھے رہ جاتے تھے عذر پیش کر کر کے نبی کریم صلعم سے اجازت مانگی۔ آپ میں اس قدر حیا تھی کہ آپ نے ان کا پول کھولنا پسند نہ کیا اور ان کو اجازت دے دی۔ یہ اجازت دینا اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کے خلاف نہ تھا۔ بلکہ محض ایک طبعی حیا کی وجہ سے اور درحقیقت ایک نہایت بلند مقام اخلاق تھا جس کو ظاہر کرنے کے لیے یہ فرمایا گویا آپ میں صفت عفو اس قدر غالب ہے کہ اس پر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تجھے بھی معاف کرے۔ یعنی جیسا معاملہ تو لوگوں سے کرتا ہے ایسا ہی اللہ تجھ سے کرے اس میں صدور گناہ کا وہم بھی نہیں پایا جاتا۔ ہاں یہ فرمایا کہ اب موقعہ آچکا تھا کہ یہ منافق الگ ہو جاتے حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا لقد عجبت من یوسف علیه السلام وکرمه وصبره والله تعالیٰ یغفر له حین سئل عن البقرات العجاف والسمان مجھے یوسف علیہ السلام پر اور آپ کے کرم اور صبر پر تعجب ہے اور اللہ ان کو بخشے جب ان سے دُبلی اور موٹی گائیوں کے متعلق سوال کیا گیا۔ یہاں ذکر ان کے کرم و صبر کا ہے اور ساتھ دعائے مغفرت ہے۔ مطلب یہی ہے کہ جس طرح اس نے مغفرت سے کام لیا۔ اللہ اس سے مغفرت کرے +

نمبر۳۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا ارادہ کبھی جنگ کے لیے نکلنے کا ہوا ہی نہیں اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ انھوں نے کوئی تیاری ہی نہیں کی ہاں اللہ تعالیٰ کو بھی ان کا نکلنا ناپسند ہی تھا کیونکہ ان سے بوجہ ان کی دلی بیماری کے بجائے فائدہ کے نقصان ہوتا۔ اُن کا نہ اُٹھنا اور ان کا رک رہنا اُن کا اپنا فعل ہے مگر اس کو منسوب اللہ تعالیٰ کی طرف کیا ہے کیونکہ ان کے کسی پہلے فعل پر بطور سزا کے اللہ تعالیٰ نے ہی یہ نتیجہ مترتب کیا ہے۔ ان کے نکلنے سے کیا نقصان ہوتا ہے وہ اگلی آیت میں بیان کیا ہے۔

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا
وَّلَا۟اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ
سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾

اگر تم میں (مل کر) نکلتے تو تم میں سوائے فساد کے کچھ نہ بڑھاتے اور تمہارے اندر تمہارے لیے دکھ چاہتے ہوئے چغلیاں پھیلاتے پھرتے اور تم میں اُن کے جاسوس بھی ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے[1]

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ
الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ
وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾

یقیناً انھوں نے پہلے بھی دکھ میں ڈالنا چاہا اور تیرے لیے تدبیریں کرتے رہے، یہاں تک کہ حق آگیا اور اللہ کا حکم غالب رہا اور وہ بُرا مانتے ہی رہے[2]

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ
اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ
لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

اور ان میں وہ بھی ہے جو کہتا ہے مجھے اجازت دیجیے، اور مجھے دکھ میں نہ ڈالیے، دیکھو دکھ میں تو یہ پڑ ہی گئے اور دوزخ یقیناً کافروں کا احاطہ کیے ہوئے ہے[3]

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ
مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ
قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾

اگر تجھے بھلائی پہنچے انھیں بُرا لگتا ہے اور اگر تجھے تکلیف پہنچے کہتے ہیں ہم نے اپنا کام پہلے ہی سے ٹھیک کر لیا تھا اور وہ پھر جاتے ہیں اس حال میں کہ خوشیاں مناتے ہوتے ہیں۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ
مَوْلٰىنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

کہہ ہم کو ہرگز کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ رکھی ہے وہ ہمارا آقا ہے اور اللہ پر ہی مومنوں کو بھروسا رکھنا چاہیے[4]

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى

کہہ تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے ہی ایک کا انتظار کرتے

نمبر۱- چونکہ فی الواقع یہ لوگ مسلمانوں کی تباہی چاہتے تھے اس لیے اگر وہ نکلتے تو فساد پھیلانے کی ہی کوشش کرتے۔ پس ان کا نہ نکلنا مسلمانوں کی بہتری کا موجب ہی تھا۔ گو اُن کا یہ فعل مستحسن نہیں۔

نمبر۲- تقلیب الامور یعنی امور کے ہیر پھیر کے معنی محاورہ میں تدبیریں ہیں کیونکہ تدبیریں معاملات کے سب پہلوؤں پر غور کیا جاتا ہے۔ مراد ان کی منصوبہ بازیاں اور سازشیں ہیں جو نبی کریم صلعم کے خلاف کرتے رہتے تھے۔ امر اللہ جو اللہ نے پہلے فرما دیا تھا۔ اللہ کا حکم سو وہی آخر کار غالب رہا۔

نمبر۳- روایت ہے کہ بعض منافقوں نے یہ عذر بنا لیا کہ عیسائیوں کی عورتیں خوبصورت ہیں ہم ان کے ساتھ جنگ کرنے جائیں گے تو ان کی وجہ سے فتنہ میں پڑیں گے لیکن یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ آپ کے ساتھ نکلنے سے مال و عیال ہلاک ہو جائے گا ہمیں اس تکلیف میں نہ ڈالیے۔ جواب میں فرمایا دکھوں میں تو اپنے افعال سے پڑ چکے ہیں یعنی اس دنیا میں بھی دکھوں میں مبتلا ہوں گے اور پھر جہنم آئندہ زندگی میں ہے۔

نمبر۴- یعنی تم ہم کو مصیبت پہنچانے پر قادر نہیں مگر چونکہ بعض مصائب انسان کی ترقی کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ ایسے مصائب جو اللہ نے ہمارے لیے مقدر کر رکھے ہیں ان کو ہم خوشی سے اٹھانے کو تیار ہیں کیونکہ وہ ہماری بہتری کا موجب ہیں۔ ھو مولٰنا میں اسی طرف اشارہ ہے۔

الْحُسْنَيَيْنِ ؕ وَ نَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ
اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖۤ
اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖؗ فَتَرَبَّصُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾
قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ
مِنْكُمْ ؕ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾
وَ مَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ
اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ وَ لَا
يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَ هُمْ كُسَالٰى وَ لَا
يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾
فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ
اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

ہو اور ہم تمہارے حق میں انتظار کرتے ہیں کہ اللہ تم پر کوئی عذاب
(یا) اپنی طرف سے لائے یا ہمارے ہاتھوں سے ۔ سو انتظار
کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں ۱؎
کہہ دے خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول
نہ کیا جائے کیونکہ تم نافرمان قوم ہو ۲؎
اور کوئی چیز اُن کے حق میں مانع نہیں ہوئی کہ اُن کے خرچ اُن
سے قبول کیے جائیں، سوائے اس کے کہ وہ اللہ کا اور اس کے
رسول کا انکار کرتے ہیں اور نماز کو نہیں آتے مگر اس حال میں کہ وہ کاہل
ہوں اور خرچ نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ناخوش ہوں ۳؎
سو اُن کے مال تجھے تعجب میں نہ ڈالیں اور نہ ان کی اولاد ہی ۔
اللہ یہی چاہتا ہے کہ ان کی وجہ سے دنیا کی زندگی میں ان کو
عذاب دے اور ان کی جانیں نکلیں جب وہ کافر ہوں ۴؎

نمبر۱۔ احدی الحسنیین ۔ دو بھلائیوں میں سے ایک ۔ منافق کبھی تو یہ خیال کرتے تھے کہ مسلمان اپنے دشمنوں کے ہاتھ سے مارے جائیں گے کبھی نصرتوں کو دیکھ کر سمجھتے تھے کہ کامیاب ہو جائیں گے ان دونوں باتوں کو مسلمانوں کے حق میں بھلائی فرمایا اس لیے کہ اگر کفار کے ہاتھ سے مارے جائیں تو بہرحال مقصدِ زندگی تو حاصل کر لیا کہ حق کی خاطر اپنی جانیں دیدیں ۔ نتیجہ تو پھر بھی اچھا ہوا اور یا نصرتِ الٰہی کے ساتھ حق پھیل گیا اور کامیاب ہو گئے تو یہ بھی بھلائی ہے ۔ دنیا کے مال کی خاطر دنیا کی عزت کی خاطر دنیا کی حکومت کی خاطر وہ جنگ نہ کرتے تھے جو ان کا مارا جانا حصولِ مقصدِ زندگی کے منافی ہوتا لیکن بالمقابل منافقوں کے لیے عذاب ہی تھا ۔ کیونکہ اگر مسلمان مارے بھی جائیں تو بھی منافقوں کو اس سے فائدہ نہ تھا بلکہ ضرور تھا کہ وہ اپنے اعمالِ بد کی سزا پاتے ۔ یہ عذاب من عندہ ہے اور اگر مسلمان کامیاب ہوں تو پھر جو کچھ منصوبے مسلمانوں کی تباہی کے منافقوں نے کیے ضرور تھا کہ ان کی پاداش میں سزا پاتے اس کی طرف بایدینا میں اشارہ ہے ۔

نمبر۲۔ منافق کھلی مخالفت تو کر نہ سکتے تھے ۔ اس لیے کچھ نہ کچھ مال بھی ان کو خرچ کرنا پڑتا تھا اور بعض وقت جنگ میں بھی نکلنا پڑتا تھا ۔ مگر چونکہ اخلاص نہ تھا ۔ اللہ کے ہاں ان اعمال کی قدر کوئی نہ تھی ۔

نمبر۳۔ نہ اللہ سے کوئی تعلق کیونکہ نماز بھی مجبوری کی پڑھتے ہیں ۔ نہ مسلمانوں سے حقیقی تعلق کیونکہ خرچ اخلاص سے نہیں کرتے بلکہ محض بحالتِ مجبوری کہ اپنے آپ کو ظاہر مسلمان کرتے ہیں یہی بات ان کے نفقات کے نہ قبول ہونے کا موجب ہو گئی ۔ کیونکہ قبول اخلاص ہوتا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں سستی یعنی ایسی حالت کہ انسان بوجھ سمجھ کر نماز پڑھے علامتِ نفاق ہے ۔

نمبر۴۔ اللہ تعالیٰ کا مال اور اولاد کے ذریعہ ان منافقوں کو عذاب دینا یوں تھا کہ ان کو مال جنگ وغیرہ میں خرچ کرنا پڑتا تھا اور زکوٰۃ بھی دینی پڑتی تھی ۔ لیکن چونکہ دل سے یہ نہ چاہتے تھے اس لیے یہ خرچ ان کے لیے عذاب کا موجب ہو رہا تھا اور ان کی اولاد کی وجہ سے یوں عذاب تھا کہ وہ لوگ دینِ اسلام کے خادم تھے اور اپنی جانیں خدا کی راہ میں دیتے تھے جس اسلام کو وہ خود نیست و نابود کرنے کے منصوبے کرتے تھے اسی کی خاطر

وَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَ لٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝٥٦

اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تمھیں میں سے ہیں اور وہ تم میں سے نہیں بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو ڈر رہے ہیں ؁۱

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَ هُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝٥٧

اگر کوئی پناہ کی جگہ یا غاریں یا گھسنے کی جگہ پائیں تو اس کی طرف پھر جائیں اور وہ بے تحاشا بھاگ رہے ہوں۔

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَ اِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَاۤ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ۝٥٨

اور اُن میں سے وہ بھی ہیں جو زکوٰۃ (کے بانٹنے) میں تجھے طعنہ دیتے ہیں سو اگر ان میں سے ان کو دیدیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر ان میں سے ان کو نہ دیا جائے تو ناخوش ہو جاتے ہیں۔

وَ لَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ ۙ وَ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَ رَسُوْلُهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ۝٥٩ ع

اور (کیا اچھا ہوتا) اگر وہ اس پر راضی ہو جاتے جو اللہ اور اس کے رسول نے اُن کو دیا تھا اور کہتے اللہ ہمارے لیے بس ہے اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول (اور بھی) ہمکو دیگا ہم تو اللہ کی طرف ہی رغبت رکھنے والے ہیں ؁۲

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝٦٠

زکوٰۃ صرف ناداروں کے لیے ہے اور مسکینوں اور اس کے کارکنوں (کے لیے) اور جن کے دل مائل کرنا ہے اور غلاموں کے آزاد کرنے اور قرضداروں (کے لیے) اور اللہ کی راہ میں اور مسافر (کے لیے) یہ اللہ کی طرف سے ضروری ٹھیرایا گیا ہے۔ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ؁۳

وَ مِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَ يَقُوْلُوْنَ

اور ان میں سے وہ لوگ ہیں جو نبی کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے

ان کی اولاد اپنی جانیں قربان کر رہی تھی۔ عبداللہ بن ابی کا لڑکا عبداللہ مخلص مومن تھا۔

نمبر۱۔ فرق کے معنی الگ ہونا ہیں۔ اسی سے امن سے حالت مفارقت یعنی خوف بھی فرق کے معنی آتے ہیں ان کا قسمیں کھانا کہ ہم مسلمان ہیں، محض خوف کی وجہ سے ہے یعنی مسلمانوں کے مقابلہ کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے اظہار مخالفت نہیں کرتے۔

نمبر۲۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام کی اصل غرض کوئی مال لوگوں کو دینا تو نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنا اور اس کی رضا کی طرف قدم بڑھانا ہے۔ پس ان کو چاہیے تھا کہ اصل غرض کو مقدم رکھتے۔ ہاں اسلام نے دنیوی زندگی کے لیے بھی اعلیٰ درجہ کے اصول قائم کر دیئے ہیں۔ منجملہ ان کے غربا کی خبرگیری ہے سو وہ بھی ہوتی رہتی ہے مگر جس شخص نے مال کو ہی زندگی کا مقصد قرار دے لیا وہ اصل راہ کو چھوڑ کر دور نکل گیا۔

نمبر۳۔ صدقات صَدَقَة وہ ہے جو انسان اپنے مال سے قرب حاصل کرنے کے لیے خرچ کرے۔ یہاں زکوٰۃ ہی مراد ہے کیونکہ جو نفل صدقات ہوں وہ ہر انسان جس طرح چاہے دے سکتا ہے۔ معین تقسیم اس کی ہو سکتی ہے جو بیت المال میں داخل ہو اور یہ زکوٰۃ ہی ہے۔
تقسیم زکوٰۃ کی یہاں آٹھ مدات بیان کی ہیں پہلے فقرا یعنی نادار لوگ، دوسرے مسکین جو گو بالکل نادار تو نہ ہوں مگر بغیر امداد اپنی روزی کمانے

هُوَ اُذُنٌ ؕ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ	ہیں یہ کان (کا کچا) ہے کہدے تمھاری بھلائی کے لیے ہی کان (دھرتا)
بِاللّٰهِ وَ يُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ	ہے اللہ پر ایمان لاتا ہے اور مومنوں کی بات مانتا ہے اور ان لوگوں
اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ؕ وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ	کے لیے رحمت ہے جو تم میں سے ایمان لائے اور جو لوگ اللہ کے
اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦١﴾	رسول کو دکھ دیتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے ١

کے قابل نہ ہو سکیں۔ مثلاً اہلِ حرفہ کے لیے خاص ہتھیار۔ طالب علموں کے لیے ذرائع حصول علم کا مہیا کرنا وغیرہ۔ تیسرے وہ لوگ جو صدقات کے انتظام پر متعین ہوں جیسے مال زکوٰۃ کے جمع کرنے والے، اس کے تقسیم کرنے والے۔ چوتھے مولفۃ القلوب یعنی ایسے لوگ جن کے دلوں سے تنفر دور کرنا مقصود ہو اور ان کے دلوں کو حق کی طرف مائل کرنا ہو۔ رُوح المعانی میں ہے کہ اس میں تین گروہ آتے ہیں اوّل ایسے لوگ جو اسلام نہیں لائے اور ان کو اسلام کے قریب لانے کی ضرورت ہے ان کو مال دینے کی غرض یہ نہیں کہ پیسوں سے ان کا ایمان خریدا جائے ایسے ایمان کو اسلام ایک لمحہ کے لیے نہیں چاہتا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ حصول تعلیم اسلام کے لیے یا اسلام سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے ان کو مدد دینے کی ضرورت ہے تو دی جائے۔ دوم وہ لوگ جو ایمان لے آئے ہیں مگر ان کا ایمان ابھی کمزور ہے یعنی نومسلموں کی امداد اور ان کو تعلیم اسلام میں مضبوط کرنا۔ سوم وہ لوگ جن کے شر سے اسلام کو بچانا مقصود ہو۔ پانچویں فی الرقاب جس کے معنی گردنوں کو آزاد کرنا ہیں اور یہ تین طرح پر ہو سکتا ہے:

اوّل یہ کہ حکومت کی طرف سے ان لوگوں کی امداد کی جائے۔ جو غلامی کی حالت سے نکلنا چاہتے ہیں کیونکہ اسلام نے غلام کو یہ حق دیا تھا کہ وہ اپنے مالک سے مکاتبہ کرلے لیکن اس کی آزادی مشروط ہو اس بات پر کہ ایک خاص رقم مالک کو جمع کر کے دے تو اس میں امداد دینا یا اس رقم کا مہیا کر دینا حکومت کا فرض ٹھہرایا کہ وہ بیت المال سے ان لوگوں کی امداد کرے۔ دوم یہ کہ حکومت خود مالکوں سے غلام خرید کر ان کو آزاد کرے۔ سوم یہ کہ اس سے اسیران جنگ کا فدیہ ادا کیا جائے۔ وہ اسیران جنگ ظاہر ہے کہ دشمن قوم میں سے اور پھر غیر مسلم ہونگے۔ یہ تعلیم اسلامی کی وسعت ہے۔ چھٹے قرضداروں کا قرضہ ادا کرنے کے لیے یا جن پر جرمانہ ہوگیا ہو ان کا جرمانہ ادا کرنے کے لیے۔ ساتویں فی سبیل اللہ یعنی جہاد کے لیے خواہ وہ جہاد قلمی ہو یا سیفی۔ کفار کے حملوں سے اپنے مذہب کو محفوظ کرنے کے لیے اور اصول حقہ کو کافروں میں پھیلانے کے لیے خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کو مال زکوٰۃ لینا جائز ہے گو وہ غنی ہو کیونکہ اس کی غرض اس مال کو دشمنوں کے مقابلہ میں خرچ کرنا ہے۔ آٹھویں مسافر کے لیے۔ کیونکہ اپنے گھر سے باہر وہ بھی مفلس کے حکم میں ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ مراد اس سے ایسا مسافر ہے جو محتاج امداد ہو مسلمانوں کے کل قومی کام آج صرف ایک فریضہ زکوٰۃ کے قیام پر ہو سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اس کے جمع کرنے کا کوئی انتظام ہو۔ قرآن کریم نے تو زکوٰۃ کو ایک جگہ جمع کرنے کی ضرورت یہاں تک مقدم کی ہے کہ اخراجات زکوٰۃ میں ایک خصوصیت سے کارکنان زکوٰۃ کی قائم کردی ہے جس پر خرچ کرنا ضروری ٹھہرایا ہے۔ گویا قرآن کریم کوئی حالت زکوٰۃ ایسی فرض نہیں کرتا کہ ہر شخص اپنی زکوٰۃ آپ ادا کرے بلکہ اس کا قومی بیت المال میں جمع ہونا اور پھر وہاں سے تقسیم ہونا ضروری ہے کاش مسلمان اس طرف توجہ کریں۔ پھر مسلمانوں کی سب سے بڑی دو قومی ضرورتیں اس وقت ہیں ایک اشاعت اسلام دوسرے تعلیم ہر قسم کی ہو۔ یہ دونوں کام زکوٰۃ کے مصارف میں داخل ہیں اور آج اگر زکوٰۃ کا روپیہ ایک جگہ جمع ہو تو مسلمانوں کے یہ دونوں کام عمدہ طور پر سرانجام پا سکتے ہیں۔ بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ یتامٰی پر زکوٰۃ کا روپیہ خرچ نہیں ہو سکتا۔ یہ انھوں نے اس سے قیاس کیا ہے کہ یتامٰی کی مد مصارف زکوٰۃ میں نظر نہیں آتی۔ حالانکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یتامٰی غنی بھی ہوتے ہیں اور فقیر بھی اس لیے یتامٰی کی مد قائم کرنا درست نہ تھا۔ ہاں جو یتیم فقرا یا مساکین یا اور کسی مد میں آتے ہوں وہ اس مد کی ذیل میں زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔

نمبر ١۔ منافقوں کی مراد آنحضرت صلعم کو اُذُن کہنے سے یہی تھی کہ ہم جب آپ کے سامنے جا کر قسم کھا لیتے ہیں تو ہماری بات کا اعتبار کر لیتے ہیں اس لیے آپ کی غیبت میں ہم جو چاہیں کہیں اور جو چاہیں کریں جب سامنے جائیں گے اور کہدیں گے کہ ہمارا منشا یہ تھا تو آپ اس بات کو مان لیں گے۔ درحقیقت یہ امر نبی کریم صلعم کے خلق عظیم میں سے تھا کہ آپ ان لوگوں کی طرح نہ تھے کہ کوئی بات کرے تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ تو جھوٹ کہتا ہے حسن ظن اور حیا آپ کی طبیعت میں غالب امور تھے چنانچہ اسی کے مطابق ان کی اس بات کا جواب دیا ہے کہ اگر آپ بات کو سن کر مان لیتے ہیں تو یہ تو تمھاری ہی بھلائی کے لیے ہے ایسا خلق دیکھ کر تو چاہیے تھا کہ تم آپؐ پر ایمان لاتے نہ یہ کہ اور ایذا دیتے۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَ
رَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾
اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ
الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾
يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ
تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ
اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿٦٤﴾
وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ
وَنَلْعَبُ ۭ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ
كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦٥﴾
لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۭ
اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ
طَاۗىِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾
اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ
يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ
وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ
اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾

تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم کو خوش رکھیں اور اللہ
اور اس کا رسول زیادہ حقدار ہیں کہ اس کو راضی کریں اگر وہ مومن ہیں۔
کیا ان کو معلوم نہیں ہوا کہ جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت
کرتا ہے تو اس کے لیے دوزخ کی آگ ہے اسی میں رہے گا
یہ بڑی رسوائی ہے۔
منافق ڈرتے ہیں کہ ان پر کوئی سورۃ (نہ) اتاری جائے، جو اُن
کو ان باتوں کی خبر دیدے جو اُن کے دلوں میں ہیں کہہ دے ہنسی کیے
جاؤ، اللہ اس کو کھولنے والا ہے جس کا تم کو ڈر ہے۔
اور اگر تو ان سے سوال کرے تو کہیں گے ہم تو یوں ہی باتیں اور
دل لگی کرتے تھے کہہ، کیا اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول
کے ساتھ تم ہنسی کرتے تھے؟
بہانے نہ بناؤ تم نے یقیناً اپنے ایمان کے بعد کفر کیا۔ اگر ہم
تم میں سے ایک گروہ کو معاف کریں گے تو ایک گروہ کو عذاب
دیں گے۔ اس لیے کہ وہ مجرم تھے [1]۔
منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک سے ہی ہیں۔ وہ
بُرے کام کرنے کو کہتے ہیں اور اچھے کاموں سے روکتے ہیں اور
اپنے ہاتھ بند رکھتے ہیں انھوں نے اللہ کو چھوڑ دیا، سو اللہ نے ان کو
چھوڑ دیا، منافق ہی نافرمان ہیں [2]۔

نمبر۱- یہ ایک پیشگوئی تھی جو پوری ہوئی منافقوں کا اکثر حصہ اسلام میں شامل ہو گیا کچھ ایسے بھی تھے جنھوں نے اس حالت نفاق کو ترک نہ کیا۔ ان کو بالآخر مسلمانوں سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اس طرح پر نبی کریم صلعم نے خطبہ میں ان کے نام لے کر ظاہر کر دیا اور ان کو مسجد سے نکال دیا، اور ان سے زکوٰۃ نہ لی جاتی تھی۔ یہی وہ عذاب تھا جو اُن کو دیا گیا۔

نمبر۲- بعضہم من بعض لفظی معنی ہیں بعض ان کے بعض میں سے ہیں مگر مراد ان کا تشابہ ہے جس طرح ایک ہی چیز کے مختلف اجزا میں تشابہ ہوتا ہے گویا وہ سب ایک ہی ہیں کیا مرد اور کیا عورتیں۔

یقبضون ایدیہم۔ قبض کے معنی ہیں کسی چیز کا پورے کف سے لے لینا اور کسی شے پر قبض الید سے مراد اس کا جمع رکھنا ہے اس کے دے دینے

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْكُفَّارَ
نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ
وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۶۸﴾

اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے دوزخ کی آگ کا وعدہ کیا ہے، اسی میں رہیں گے وہ ان کو کافی ہے، اور اللہ نے اُن پر لعنت کی اور ان کے لیے قائم رہنے والا عذاب ہے۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْۤا اَشَدَّ مِنْكُمْ
قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا ؕ فَاسْتَمْتَعُوْا
بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا
اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ
وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ
اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

(تم منافق بھی) اُن کی طرح ہو جو تم سے پہلے ہو چکے، وہ تم سے طاقت میں زیادہ اور مالوں اور اولاد میں بڑھ کر تھے، سو انھوں نے اپنے حصّے سے تھوڑا فائدہ اٹھایا پس تم بھی اپنے حصّے سے تھوڑا سا فائدہ اُٹھا رہے ہو جیسے ان لوگوں نے جو تم سے پہلے تھے اپنے حصّے سے تھوڑا سا فائدہ اٹھایا اور تم بیہودہ باتوں میں لگے رہے جیسے وہ لگے رہے ان کے عمل دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے ۱؎ اور یہی نقصان اُٹھانے والے ہیں۔

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ
نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۬ۙ وَ قَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ
وَ اَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَ الْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ
اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ

کیا ان کے پاس ان کی خبر نہیں آئی، جو اُن سے پہلے تھے، نوحؑ کی قوم اور عادؔ کی اور ثمودؔ کی اور ابراہیمؑ کی قوم کی اور مدین کے رہنے والوں کی اور تباہ شدہ بستیوں کی ۲؎ ان کے رسول ان کے پاس دلائل لے کر آئے

کے بعد اور یقبضون ایدیھم کے معنی ہیں خرچ کرنے سے رکتے ہیں۔

نمبر۱۔ حبط عمل سے مراد عمل کا بے نتیجہ رہنا یا کام نہ آنا ہے۔ راغب کہتے ہیں حبط عمل تین طرح پر ہے اول یہ کہ دنیوی کام ہوں تو یہ آخرت میں کام نہ آئیں گے مثلاً انسان تجارت کرتا ہے صنعتیں بناتا ہے تاکہ روپیہ کمائے دوسری صورت یہ ہے کہ عمل آخرت کے ہوں لیکن ان کے کرنے والے کی نیت اللہ تعالیٰ کی رضا نہ ہو۔ تیسری صورت یہ ہے کہ بدیاں نیکیوں سے بڑھ جائیں۔ اس کے علاوہ حبط عمل کی دو اور صورتیں ہیں ایک وہ حبط عمل جو مخالفین انبیاءؑ کے لیے خاص ہے کیونکہ انبیاء دنیا میں حق پھیلانے کے لیے آتے ہیں ان کے مخالف اس کو نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی کوششیں رائیگاں جاتی ہیں کیونکہ ضرور ہے کہ حق آخرکار دنیا میں غالب آئے جیسا سورہ آل عمران میں نبیوں اور نیک لوگوں کے قتل کرنے والوں کا ذکر کر کے فرمایا اولئک الذین حبطت اعمالھم فی الدنیا و الآخرۃ ایسا ہی حبط اعمال یہاں مراد ہے کیونکہ منافق اسلام کو نیست و نابود کرنا چاہتے تھے اور ایک حبط عمل جیسا مرتد کی صورت میں ہے مسلمان تھا اچھے عمل کرتا تھا پھر کافر ہو گیا بدی کی راہ اختیار کر لی پہلی نیکیاں بھی ضائع ہوئیں کیونکہ زندگی کا رُخ ہی پلٹ گیا۔

نمبر۲۔ المؤتفکات۔ مؤتفکۃ کی جمع ہے اور ائتفاک کے معنی (جو افک سے ہے) انقلاب ہیں اور مراد اس سے ہے سب لوگ جو ہلاک ہوئے اور نضر بن انس نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ اس نے کہا اے بیٹے بصرہ میں نہ اُترنا فانھا احدی المؤتفکات اور بعض نے اسے صرف لوطؑ کی بستیوں سے خاص کیا ہے اور مفردات میں ہے کہ مؤتفکۃ وہ ہوائیں ہیں جو اپنے چلنے سے پھر جائیں۔

اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
يَظْلِمُوْنَ ﴿٧٠﴾

سو اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرے بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ
بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ
الْمُنْكَرِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ
وَ يُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ
اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾

اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں وہ اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور بُرے کاموں سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان پر اللہ رحم کرے گا۔ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
وَ مَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ
مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾

اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے باغوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں انھیں میں رہیں گے اور ہمیشگی کے باغوں میں پاکیزہ رہنے کی جگہ کا۔ اور اللہ کی رضا سب سے بڑھ کر (نعمت) ہے یہی بڑی بھاری کامیابی ہے [1]

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ
وَ اغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ
وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٧٣﴾

اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور ان کے مقابلہ میں شدت اختیار کر۔ اور اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے [2]

نمبر۱- ورضوان من اللہ اکبر- اللہ کی رضا کو یہاں جنت کی سب سے بڑی نعمت فرمایا ہے۔ یہ ایک فیصلہ کن دلیل ہے کہ مسلمانوں کا بہشت کیسی چیز ہے جس کی سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔ پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ اللہ کی رضا مومن کو اس دنیا میں بھی مل جاتی ہے اور صحابہ کے متعلق تو نص صریح ہے رضی اللہ عنہم پس مومن کی جنت اسی دنیا سے شروع ہوتی ہے۔

نمبر۲- جاھد جہد سے ہے جس کے معنی زور لگانا کوشش کرنا ہیں- اور جہاد اور مجاہدہ دشمن کی مدافعت میں اپنی طاقت کا خرچ کرنا ہے راغب کہتے ہیں جہاد تین طرح پر ہے دشمن ظاہری سے مجاہدہ اور شیطان سے مجاہدہ اور اپنے نفس سے مجاہدہ۔

اغلظ علیھم- غلظ اصل میں رقت کی ضد ہے اور اس کا استعمال قوت اور مضبوطی پر بھی ہوتا ہے۔ منافقوں کے ساتھ ایک مدت تک نبی کریم صلعم نرمی برتتے رہے ان کی شرارتوں پر چشم پوشی سے کام لیتے رہے ان کے جنگ میں نہ نکلنے پر کبھی سخت گیری نہیں کی بلکہ ان کے عذروں کو قبول کر لیتے جیسا کہ اس جنگ میں بھی ہوا مگر اب چونکہ وہ موقع پہنچ چکا تھا کہ منافقوں اور مومنوں کو الگ کر دیا جائے اور زیادہ ان کے مسلمانوں میں ملا رہنے سے مسلمانوں کو نقصان پہنچ رہا تھا۔ اس لیے اب حکم ہوتا ہے کہ کافروں اور منافقوں دونوں کے خلاف جہاد کرو۔ ظاہر ہے کہ یہاں جہاد سے مراد جہاد سیفی نہیں۔ کیونکہ منافقوں کے ساتھ کبھی جہاد سیفی نبی کریم صلعم نے نہیں کیا- پس اس سے مراد دوسرا جہاد ہے جس کے معنی محض کوشش اور زور لگانے کے ہیں یعنی اب ان کو اپنے میں سے نہ سمجھو اور ان کے خلاف پورا زور لگاؤ۔ اور دوسری بات فرمائی واغلظ علیھم نبی کریم صلعم کے غلیظ القلب ہونے کی

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا ۭ وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا ۚ وَمَا نَقَمُوا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوبُوا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ انھوں نے نہیں کہا اور یقیناً انھوں نے کلمۂ کفر کہا اور اپنے (اظہار) اسلام کے بعد کافر ہو گئے اور ایسی چیز کا قصد کیا جس کو نہیں پا سکے[1] اور وہ بُرا نہیں کہتے مگر اس لیے کہ اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول نے اُن کو غنی کر دیا[2] سو اگر توبہ کریں تو ان کے لیے بہتر ہوگا اور اگر پھرے رہیں تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور زمین میں ان کا کوئی دوست نہ ہوگا اور نہ کوئی مددگار (ہوگا)[3]

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

اور ان میں سے ایسے بھی ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر وہ اپنے فضل سے دے تو ہم ضرور صدقہ دیتے اور ہم ضرور نیکوکاروں میں سے ہوں گے۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾

پھر جب اس نے ان کو اپنے فضل سے دیا تو اس میں بخل کیا اور پھر گئے اور وہ منہ پھیرنے والے ہیں[4]

تو قرآن کریم نے نفی کی ہے لو کنت فظاً غلیظ القلب لا انفضوا من حولک (آل عمران ۱۵۹) اگر تو سخت گو سخت دل ہوتا تو تیرے پاس سے بھاگ جاتے۔ مطلب صرف اس قدر ہے کہ آپ جو اس قدر نرمی ان کے مقابلہ میں برتتے رہے ہیں اگر یہ نرمی سے درست ہونے والے ہوتے تو ہو جاتے اس لیے اب وہ چشم پوشیاں اور عفو اور درگزر جو اُن کے قصوروں اور شرارتوں پر آپ کرتے رہے ہیں۔ ان کو ترک کر کے ان کے مناسب حال شدت کا طریق اختیار کریں۔

نمبر۱۔ منافقوں نے اسلام کو تباہ کرنے کا قصد کیا مگر اس مقصد کو حاصل نہ کر سکے۔ جو لوگ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو منافق کہتے ہیں قرآن کریم کی اس نص صریح کے خلاف کرتے ہیں۔ اس لیے کہ قرآن فیصلہ کرتا ہے کہ منافقوں کو ان کے ارادہ میں کامیابی نہ حاصل ہو سکی مگر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو وہ کامیابیاں اللہ تعالیٰ نے دیں اور ایسی ایسی نصرتیں ان کے ذریعہ سے اسلام کو عطا فرمائیں کہ بہت سے انبیاء کو بھی وہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔

نمبر۲۔ اللہ نے تو ان کو اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ کیونکہ جو وسعت وغنا فتوحات کے بڑھنے کے ساتھ مسلمانوں کو ملے۔ اس میں یہ منافق بھی شریک تھے۔ مگر نتیجہ اُلٹ ہُوا کہ بجائے اس کے کہ نفاق کو چھوڑتے اور بُرا کہنا شروع کیا۔

نمبر۳۔ دنیا کا عذاب الیم کوئی سزا ہے جو ان کو اس دنیا میں دی جائے۔ اس صورت میں صرف مسلمانوں سے ان کی تمیز کر دینا ہی ان کے لیے عذاب الیم تھا اور جب یہ سزا ان کو ملی تو ان کا کوئی دوست و مددگار نہ بنا جو اس سزا کو ٹال دیتا۔

نمبر۴۔ ثعلبہ بن حاطب ایک غریب آدمی تھا جس نے رسول اللہ صلعم سے دعا کرائی کہ اس کے پاس مال بہت ہو تو وہ سب حقوق دے گا۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کی زندگی میں ہی اس کا مال بڑھ گیا۔ یہاں تک کہ اس نے نماز وغیرہ بھی ترک کر دی اور منافقانہ رویّہ اختیار کیا اور جب نبی کریم صلعم کے عامل اس کے پاس زکوٰۃ وصول کرنے گئے تو انکار کر دیا۔ پھر جب منافقین کو مسلمانوں کی جماعت سے الگ کر دیا گیا تو یہ شخص رسول اللہ صلعم کے پاس آیا کہ اس کے مال سے زکوٰۃ لی جائے آپ نے فرمایا اب نہیں لی جا سکتی۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد اور پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے بھی انکار کر دیا۔

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ
يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ
وَ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾

سو اس نے انھیں بدلہ دیا کہ ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا۱
اس دن تک کہ وہ اس سے ملیں اس لیے کہ انھوں نے اللہ سے اس
کے خلاف کیا جو اس سے وعدہ کیا تھا اور اس لیے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَ
نَجْوٰىهُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾

کیا اُن کو معلوم نہیں کہ اللہ ان کے بھیدوں کو اور ان کے خفیہ
مشوروں کو جانتا ہے اور کہ اللہ غیب کی باتوں کا جاننے والا ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
فِي الصَّدَقٰتِ وَ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا
جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ
مِنْهُمْ ۫ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾

جو ان مومنوں پر طعن کرتے ہیں جو دل کھول کر صدقہ دیتے ہیں
اور جو سوائے اپنی سخت مشقت کے کچھ نہیں پاتے تو ان پر ہنسی
کرتے ہیں اللہ اُن کو ہنسی کی سزا دے گا اور ان کے لیے
دردناک عذاب ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ
تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ
اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ
ع رَسُوْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾

اُن کے لیے بخشش مانگ یا ان کے لیے بخشش نہ مانگ۔ اگر
تو ان کے لیے ستر مرتبہ بھی بخشش مانگے تو اللہ ان کو نہیں بخشے گا
یہ اس لیے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرتے ہیں اور اللہ
نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا ۲۔

نمبر۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ نفاق کا ان کے دلوں میں پیدا ہونا خود ان کے پہلے اعمال کی سزا تھی کہ اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے خلاف ورزی کرتے رہے ہر ایک خدائی مہر بطور سزا ہی لگتی ہے۔ اسی کے مطابق جو منافق کی علامات میں لکھا ہے کہ اذا وعد اخلف جب وہ وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے واذا حدث کذب اور جب بات کرتا ہے جھوٹ بولتا ہے۔ جھوٹ بولنا اور وعدہ خلافی منافقت میں داخل ہیں +

نمبر۲۔ اس آیت کا ظاہر مفہوم یہ ہے کہ منافقوں کی حالت ایسی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو کسی صورت میں نہیں بخشے گا خواہ نبی ان کے لیے استغفار کرے یا نہ کرے لیکن اس سے ممانعت استغفار نہیں نکلتی۔ اس لیے وہ حدیث صحیح اس آیت کے خلاف نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلعم نے عبد اللہ بن ابی رئیس المنافقین کا جنازہ پڑھا بلکہ حضرت عمرؓ کو جنھوں نے اس آیت کے مضمون کی طرف توجہ دلا کر روکنا چاہا۔ آپ نے فرمایا اخر عنی یا عمر لو اعلم انی لو زدت علی السبعین یغفر له لزدت علیھا اے عمر ہٹ جا اگر مجھے یہ علم ہوتا کہ اگر میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کروں تو اسے بخش دیا جائے گا تو میں ضرور ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کرتا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ستر کا لفظ نبی کریم صلعم نے بھی عدد کامل کے معنی میں لیا ہے اور اس سے یہ مراد نہیں لی کہ ستر سے زیادہ بار استغفار ہو تو اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔ بلکہ یہ تو آپ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا فرمایا ہے کہ استغفار کر دیا نہ کرو اللہ انھیں نہیں بخشے گا اور اس سے پہلے سورۃ منافقون میں نازل ہو چکا ہے استغفر لھم او لا تستغفر لھم .... فلن یغفر اللہ لھم جہاں سبعین مرۃ مذکور نہیں پس یہ آپ کا استغفار اسی غلبۂ رحمت و شفقت سے تھا جس کی وجہ سے آپ رحمۃ للعالمین کہلائے کہ ایسی آیت کے ہوتے ہوئے رئیس المنافقین کی نماز جنازہ پڑھی۔ ہاں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم کا یہ بھی ایمان تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے مواعید کو بھی ٹال دیتا ہے اسی بنا پر آپ نے دعا کی۔ لیکن جب لا تصل (۸۴) کا حکم صریح آگیا تب آپ رک گئے۔ اگلا رکوع منافقوں سے قطع تعلق پر ہے۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ۭ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ۭ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾	جو پیچھے چھوڑے گئے وہ اللہ کے رسول کے خلاف بیٹھ کر خوش ہوگئے اور ناپسند کیا کہ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ اور کہا گرمی میں مت نکلو۔ کہہ دوزخ کی آگ گرمی میں بہت بڑھ کر ہے، کاش یہ سمجھتے۔
فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾	سو تھوڑا ہنسیں اور بہت روئیں۔ اس کی سزا جو وہ کماتے تھے ۱۔
فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَاۗىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۭ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾	پس اگر اللہ تجھے ان میں سے کسی گروہ کی طرف لوٹا کر لائے اور وہ نکلنے کے لیے تجھ سے اجازت مانگیں تو کہدے میرے ساتھ کبھی نہ نکلو گے اور نہ میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے جنگ کرو گے تم پہلی مرتبہ بیٹھنے پر راضی ہو گئے، سو اب پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو ۲۔
وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓي اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰي قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾	اور تو ان میں سے کسی پر جو مر جائے نماز (جنازہ) کبھی نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑا ہونا، کیونکہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور وہ مر گئے اِس حالت میں کہ وہ نافرمان تھے ۳۔

نمبر۱۔ مطلب یہ ہے کہ یہ تو رسول اللہ صلعم کی اس مخالفت سے خوش ہو رہے ہیں حالانکہ ان کو چاہیئے کہ اپنی اس حالت پر بہت روئیں اور تھوڑا ہنسیں یعنی ان کی ایسی حالت کہ بُرے کام پر خوش ہو رہے ہیں رونے کے قابل ہے خوشی کا مقام نہیں اور ضحک اور بکاء سے خوشی اور غم مراد ہیں یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ خوش تو ہو رہے ہیں مگر یہ ان کی خوشی بہت تھوڑے دن ہے اور آخر کار رونا یا غم ہی ہوگا۔

نمبر۲۔ یہ ان منافقین سے جو توبہ نہ کریں اور دین اسلام میں سچے دل سے داخل نہ ہوں تعلقات ظاہری کا انقطاع ہے کہ آیندہ ان کو کسی جنگ میں نکلنے کی اجازت نہ دی جائے گی۔ چونکہ یہ وحی حالتِ سفر میں ہوئی اس لیے فرمایا فان رجعک اللہ۔

نمبر۳۔ یہ انقطاع تعلقات روحانی ہے کہ آپ کو ان کے جنازہ سے بھی روک دیا گیا۔ کیونکہ ان کی عداوت اب حد سے بڑھ گئی تھی اور اخفاء کی حالت سے نکل چکی تھی۔ لاتقم علیٰ قبرہٖ سے مراد قبر پر دعا کے لیے کھڑا ہونا ہے اس آیت کا نزول عبد اللہ بن ابی کے جنازہ کے واقعہ کے بعد کا ہے اور یہ متعدد احادیث سے جو بخاری اور دیگر صحاح میں ہیں ثابت ہے۔ چونکہ حضرت عمرؓ عبد اللہ بن ابی کا جنازہ پڑھنے کو پسند نہ کرتے تھے اس لیے یہ ان مواقع میں سے ایک موقع ہے جن پر حضرت عمر رضی اللہ کی رائے کا وحی الٰہی سے توافق ہوا۔ یہاں سے ہی یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وحی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے خیالات کا نتیجہ نہ تھی۔ کیونکہ آپ کی شفقت تو جبلی تھی۔ استغفر لھم او لا تستغفر لھم..... فلن یغفر اللہ لھم کے ارشاد نے بھی

وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ ۚ إِنَّمَا
يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا
وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿٨٥﴾

اور ان کے مال اور ان کی اولاد تجھے تعجب میں نہ ڈالیں۔ اللہ یہی ارادہ کرتا ہے کہ ان کی وجہ سے ان کو دنیا میں عذاب دے اور ان کی جانیں نکل جائیں اور وہ کافر ہوں۔

وَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ آمِنُوا بِاللَّهِ
وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ أُولُو
الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ مَعَ الْقَاعِدِينَ ﴿٨٦﴾

اور جب کوئی سورت اُتاری جاتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ ہو کر جہاد کرو تو ان میں سے فراخی والے تجھ سے اجازت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں چھوڑ ہم بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ رہ جائیں۔

رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ
عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٨٧﴾

وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ عورتوں کے ساتھ رہ جائیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی، سو وہ سمجھتے نہیں۔

لَٰكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ
جَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ
لَهُمُ الْخَيْرَاتُ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٨٨﴾

لیکن رسول اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ایمان لائے اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں اور انہی کے لیے (سب) بھلائیاں ہیں اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
ع الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٨٩﴾

اللہ نے اُن کے لیے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، انہی میں رہیں گے یہ بڑی بھاری کامیابی ہے۔

وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ
لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ
سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٠﴾

اور دیہاتیوں میں سے بہانے کرنیوالے آئے کہ انھیں اجازت دی جائے اور جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا وہ بیٹھے رہے [1] جو اُن میں سے کفر پر رہے انھیں دردناک دکھ پہنچے گا۔

آپ کو دعائے مغفرت کرنے سے نہ روکا۔ اللہ تعالیٰ بخشے یا نہ بخشے یہ اس کا اختیار ہے۔ آپ نے اپنی شفقت جبلی سے اور رحمت وسیع سے دعائے مغفرت بھی کی اور اپنی قمیص بھی بطور تبرک عطا کر دی۔ اب اس کے خلاف وحی ہونا صاف بتاتا ہے کہ یہ آپ کی رائے اور خیالات سے الگ ہی امر تھا۔

نمبر ١۔ معذرون۔ لسان العرب میں ہے کہ مُعْتَذِر سچا بھی ہوتا ہے اور جھوٹا بھی یعنی محض عذر کرنے والا خواہ وہ عذر درست ہو یا غلط اور عذّر کے معنی قصّر ہیں یعنی کوتاہی کی اور معذّر وہ ہے جو عذر پیش کرے اور اس کا عذر درست نہ ہو، یعنی جھوٹا عذر بنانے والا یا بہانہ کرنے والا۔

الاعراب۔ اصل میں عَرَب کی جمع ہے مگر یہ ان لوگوں کے لیے خاص ہو گیا ہے جو بادیہ کے رہنے والے ہوں ہمارے ہاں اس کے مقابل پر دیہاتی کا لفظ ہے۔

اس رکوع میں بالخصوص ان لوگوں کا ذکر ہے جو بادیہ کے رہنے والے تھے اور جن میں ایسے بھی لوگ تھے جو منافقانہ طور پر اسلام کا دعویٰ کرتے تھے اور ایسے بھی تھے جو سچے دل سے مسلمان تھے جیسا کہ آیت ٩٩ سے ظاہر ہے مجاہد کہتے ہیں یہاں جن کا ذکر ہے وہ بنی غفار کا ایک گروہ تھا وقعد الذین میں اسی گروہ کا ذکر ہے اور کذبوا اللہ ورسولہ میں ان کے جھوٹے عذروں کا ذکر ہے۔ یعنی یہ لوگ جھوٹے عذر کر کے جنگ سے پیچھے رہ گئے۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا
عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ
اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى
الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾

نہ کمزوروں پر کوئی گناہ ہے اور نہ بیماروں پر اور نہ اُن پر جو
خرچ کرنے کو کچھ نہیں پاتے جب وہ اللہ اور اس کے رسول سے اخلاص
رکھیں نیکی کرنے والوں پر (الزام کی) کوئی راہ نہیں، اور اللہ بخشنے
والا رحم کرنے والا ہے ۱؎

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ
قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا
وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا
يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ؕ ﴿۹۲﴾

اور نہ ان پر (الزام ہے) کہ جب وہ تیرے پاس آئے کہ تو انہیں
سواری دے تو نے کہا مجھے کچھ نہیں ملتا جس پر تمہیں سوار کروں
وہ واپس چلے گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اس غم سے
کہ وہ مال نہیں پاتے جسے خرچ کریں ۲؎

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ
وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا
مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

الزام صرف ان پر ہے، جو تجھ سے اجازت مانگتے
ہیں۔ حالانکہ وہ دولت مند ہیں۔ راضی ہو گئے کہ عورتوں
کے ساتھ رہیں اور اللہ نے اُن کے دلوں پر مُہر لگادی
سو وہ نہیں جانتے۔

نمبر ۱۔ نَصَحَ الشَّیْءُ کے معنی ہیں خَلَصَ یعنی خالص ہوئی۔ جب پچھلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر کیا جنھوں نے رسول اللہ صلعم سے جھوٹے عذر کر کے اجازت لے لی تھی کہ وہ جنگ میں نہ جائیں تو اب اس آیت اور اس سے اگلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر کیا جو فی الحقیقت معذور تھے۔ اس میں تین گروہوں کا ذکر کیا کمزور جیسے بچے بوڑھے بیمار۔ وہ لوگ جن کے پاس خرچ کرنے کو موجود نہیں۔ ایسے لوگ جہاد سیف میں معذور ہیں۔

نمبر ۲۔ یہ ان لوگوں میں سے جو اس جنگ میں جانے میں فی الواقع معذور تھے چوتھا گروہ ہے۔ کسی نے کہا یہ بنو مقرن تھے جو مزینہ میں سے تھے کسی نے کہا عرباض بن ساریہ کا ذکر ہے کسی نے کہا مختلف قبیلوں کے سات آدمی تھے۔ کسی نے ابو موسیٰ اشعری اور بعض اہل یمن کو اس کا مصداق ٹھہرایا ہے۔ ممکن ہے یہ سب ہی ہوں تخصیص کی ضرورت نہیں۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ ہر موقعہ پر اس کے مناسب حال انتظام نہ ہونے سے انسان معذور ہوتا ہے چونکہ یہ لمبا سفر تھا بغیر سواری کے نہ پہنچا جا سکتا تھا اس لیے سواری کا نہ ملنا بھی صحیح عذر تھا۔ لیکن جو نقشہ یہاں ان معذورین کا کھینچا ہے وہ صحابہؓ کے قلب کی کیفیت کا ایک عجیب نقشہ ہے۔ ایک وہ لوگ ہیں جن کے پاس خرچ کرنے کو ہے وہ خوشی سے اللہ کی راہ میں دیتے ہیں۔ دوسرے یہ ہیں کہ جب خرچ کرنے کو نہیں پایا اور رسول اللہ صلعم بھی سواری مہیا نہ فرما سکے تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جذبہ محبت جو رسول اللہ صلعم کی فرمانبرداری کراتا تھا کس قدر زبردست تھا۔ آج مسلمانوں کی انفاق مال میں یہ حالت ہے کہ اول تو اسلام کی حالت زار دیکھ کر اُسے چاروں طرف سے مصیبتوں میں مبتلا پا کر بھی ان کے دل دینے کے لیے نہیں پگھلتے اور اس قدر دل سخت کر لیتے ہیں کہ ایک پیسہ تک جیب سے نہیں نکلتا اور جو کچھ دیتے ہیں تو وہ بھی ایک گونہ جبر و اکراہ سے۔ دل نہیں چاہتا مگر لحاظ سے یا اور وجوہ سے کچھ دینا پڑتا ہے۔ اسلام اس مقام کو چاہتا ہے کہ جو دے اس کا دل خوشی سے بھرا ہوا ہو کہ اس نے کچھ خدمت کی اور جو نہ دے سکے اس لیے کہ اس کے پاس نہیں اس کا دل غم سے اور آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی ہوں +

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۭ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۭ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾

وہ تمھارے پاس بہانے لائیں گے جب تم لَوٹ کر ان کی طرف جاؤگے کہہ، بہانے مت بناؤ ہم تمھاری بات ہرگز نہ مانیں گے، اللہ نے تمھارے حالات کی خبر ہمیں دیدی ہے اور اللہ اور اس کا رسول تمھارے عمل کو دیکھے گا، پھر تم غائب اور حاضر کے جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو وہ تمھیں خبر دے گا جو تم کرتے تھے مـــا۔

سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۭ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۡ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَاۗءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾

وہ تمھارے پاس اللہ کی قسمیں کھائیں گے جب تم اُن کی طرف واپس جاؤگے تاکہ تم اُن سے درگزر کرو، سو اُن سے درگزر کرو وہ ناپاک ہیں اور اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے، اس کا بدلہ جو وہ کرتے تھے مـــ٢۔

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾

وہ تمھارے پاس قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہوجاؤ، سو اگر تم اُن سے راضی ہو جاؤ تو اللہ نافرمان لوگوں سے راضی نہیں ہوتا۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰي رَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾

دیہاتی کفر اور نفاق میں بڑے سخت ہیں اور اسی کے زیادہ لائق ہیں کہ اس کی حدوں کو نہ جانیں جو اللہ نے اپنے رسول پر اتارا ہے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے مـــ٣۔

نمبر۱۔ چونکہ ان آیات کا نزول سفر تبوک میں ہُوا اس لیے پہلے باطل عذروں کے ساتھ جو اجازت کے لیے ان لوگوں نے کیے تھے جن کا ذکر جاء المعذرون (۹۰) میں ہے یہاں اُن عذروں کا ذکر کیا ہے جو جنگ سے واپسی کے بعد پھر یہ لوگ کریں گے۔ پہلی دفعہ یہ عذر قبول کرلیے گئے اب فرمایا کہ کہہ دو کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی سے تمھارے معاملہ پر روشنی ڈالی ہے اور تمھارا فیصلہ کردیا ہے اس لیے اب عذر بے سود ہیں۔

نمبر۲۔ ان کی قسمیں کھانے کی یہ غرض بتائی کہ مسلمان ان سے اعراض کریں۔ یعنی اُن کو ان کی کمزوریوں پر ملامت نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم اُن سے اعراض ہی کردو یعنی کسی قسم کا تعلق نہ رکھو اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ وہ ناپاک ہیں یعنی ان کے خیالات ناپاک ہیں وسوسہ اندازی ان کا کام ہے۔

نمبر۳۔ یہ قرآن شریف کا کمال تھا کہ ایسے سخت لوگوں کو بھی جو علم سے اس قدر دور تھے کہ حدود اللہ کا علم حاصل کرنے کے لیے گویا پیدا ہی نہیں ہوئے ان کو بھی حدود اللہ پر قائم کر دکھایا۔ اعراب کے اس نقشہ میں یہ دکھانا مقصود ہے کہ دنیا کی کوئی قوم نہیں جس کی اصلاح قرآن شریف نہیں کرسکتا۔

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾

اور بعض دیہاتی ایسے ہیں کہ جو کچھ وہ خرچ کرتے ہیں اُسے چٹی سمجھتے ہیں اور تم پر زمانہ کی گردشوں کی تاک میں رہتے ہیں بُری گردش انھیں پر پڑیگی اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾ ع

اور بعض گاؤں والے ایسے بھی ہیں جو اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ کے ہاں قرب اور رسول کی دعاؤں کا ذریعہ ٹھیراتے ہیں، سنو وہ ان کے لیے قرب کا ذریعہ ہے اللہ انھیں اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۱؎

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

اور پہلے سبقت لے جانے والے مہاجرین اور انصار میں سے اور وہ جنھوں نے نیکی میں ان کی پیروی کی اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے راضی ہوئے، اور اس نے ان کے لیے باغ تیار کیے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ انھیں میں ہمیشہ رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے ۲؎

نمبر۱- یہاں نہ صرف ایک حق بات کو ظاہر کیا کہ اعراب میں یا دیہاتیوں میں اگر سخت لوگ ہیں تو اچھے بھی ہیں بلکہ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ کس طرح قرآن کریم کی بدولت ایک قوم ایک ایسے ذلیل مقام سے جس پر عرب کے دیہاتی تھے بلند مقام پر ترقی کر گئی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا حاصل کرنا ان لوگوں کی غرض ہو گئی گویا کوئی دنیوی غرض نہیں کہ اس طرح مال خرچ کرنے سے حکومت اور سلطنت مل جائے گی بلکہ محض قرب الٰہی کا حصول غرض ہے۔

نمبر۲- سابقون الاولون سے کیا مراد ہے بعض نے کہا وہ جنھوں نے دو قبلوں کی طرف نماز پڑھی، بعض نے کہا اہل بدر، بعض نے اہل بیعت رضوان، بعض نے کہا جو ہجرت سے پہلے ایمان لائے اور انصار میں سے سابق اوّل اہل بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ کو کہا ہے لیکن اکثر اس طرف گئے ہیں کہ اس سے مراد کل مہاجرین اور انصار ہیں اور سابق اوّل ہونا بلحاظ دوسرے مسلمانوں کے ہے مگر اصل بات یہ ہے کہ سابق اور اوّل ہونے میں گو زمانہ کو بھی خاص دخل حاصل ہے اس لیے کہ جس قدر زیادہ مصائب اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اسی قدر زیادہ کمالِ ایمان بھی ان لوگوں کو حاصل ہوا اور جو لوگ پہلے ایمان لائے ان میں سے اکثر نے بہت بڑی بڑی ترقیاں کیں مگر سابق اور اوّل سے اصل مراد اعمال صالح کے لحاظ سے سابق ہونا اور دوسروں کے لیے مقتدا ہونے کے لحاظ سے اوّل ہونا ہے۔ اسی لیے جب ان کے اتباع کا ذکر کیا تو باحسان کا لفظ بڑھایا۔ یعنی نیکیوں میں ان کی اتباع کرنے والے گویا ان کا تقدم اور ان کی سبقت نیکیوں کے لینے میں تھی۔ یہ آیات جو صحابہ کے مقام کو صفائی سے ظاہر کرتی ہیں اہل تشیع کے لیے قابل غور ہیں۔

ع وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ
وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى
النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ
سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى
عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۚ﴿١٠١﴾

اور بعض تمھارے ارد گرد کے دیہاتیوں میں سے منافق ہیں اور بعض مدینے کے رہنے والے بھی نفاق پر اڑے بیٹھے ہیں۔ تو اُن کو نہیں جانتا۔ ہم انھیں جانتے ہیں ہم ان کو دو بار عذاب دیں گے پھر وہ بھاری عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے ۱؎

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا
عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ
يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٠٢﴾

اور کچھ اور ہیں جنھوں نے اپنے قصور مان لیے ایک نیک کام اور دوسرا بُرا ملایا، قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۲؎

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ
وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ
سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٣﴾

ان کے مالوں سے زکوٰۃ لے لے تاکہ اس سے تو انھیں پاک اور صاف کرے، اور ان کے لیے دعا کر، کیونکہ تیری دعا اُن کے لیے تسکین ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۳؎

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ

کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے

نمبر۱۔ یہ مدینہ کے منافقوں کا ذکر ہے ان کا نفاق اس وقت سے شروع ہوا جب نبی کریم صلعم مدینہ میں تشریف لائے اور اب نویں سال تک انھوں نے اپنی حالت میں کوئی تبدیلی پیدا نہ کی تھی ان کی سزا بتائی کہ دو دفعہ ان کو عذاب دیں گے پھر عذاب عظیم کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ عذاب عظیم آخرت کا عذاب ہے اس لیے دو دفعہ کا عذاب اس دنیا میں ہونا چاہیئے۔ ایک عذاب پر حضرت ابن عباسؓ سے روایت موجود ہے کہ آنحضرت صلعم نے خطبۂ جمعہ میں ان منافقوں کے نام لے کر ان کو مسجد سے نکال دیا۔ یہ ان کی رسوائی ان کے لیے واقعی سخت عذاب کا موجب تھی اس لیے کہ اب تک وہ اپنی منافقت کو جھوٹی قسمیں کھا کر چھپاتے تھے اب وہ سب پردہ فاش ہوگیا اور دوسرے عذاب پر قرآن کریم اپنی نص صریح سے شاہد ہے ولا تعجبك اموالهم واولادهم انما يريد الله ان يعذبهم بها فى الدنيا (۸۵) ان کی اولاد ان کی آنکھوں کے سامنے مسلمان بنی اور اسلام کی تائید اور نصرت میں جانوں تک دیتے تھے اور ان کو مال بھی ظاہرداری کے لیے اسلام کی تائید میں خرچ کرنے پڑتے تھے اور یہ ان کے لیے موجب عذاب تھا۔

نمبر۲۔ یہ اس گروہ کا ذکر ہے جنھوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا اور ان کی اصلاح کی کوشش کی۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ سخت دشمن اسلام نہ تھے یا کمزوری کی وجہ سے منافقین سے ملے ہوئے تھے اور سوائے ان تھوڑوں کے جن کے نام لے کر انھیں مسجد سے نکالا گیا بڑا حصہ منافقوں کا ایسا ہی تھا جو سچے دل سے مسلمان ہو گئے اور عسى الله ان يتوب عليهم میں جو امید دلائی ہے وہ ان کے حق میں پوری ہوئی۔

نمبر۳۔ یہاں رسول اللہ صلعم کو یہ حکم دیکر کہ ان کے مالوں سے زکوٰۃ لیلو۔ یہ بھی بتا دیا ہے کہ آیت ۱۰۱ کے منافقوں سے جنھیں مسجد سے نکال دیا گیا زکوٰۃ نہیں لینی چاہیئے جو مسلمان زکوٰۃ ادا نہیں کرتے وہ غور کریں کہ ان کا حشر کس گروہ میں ہوگا۔ نام کا مسلمان کہلانا کوئی فائدہ نہ دیگا جس طرح منافقوں کو فائدہ نہ دیا۔

عَنْ عِبَادِهٖ وَ يَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَ اَنَّ اللّٰهَ
هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾

اور زکوٰۃ لے لیتا ہے اور کہ اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا
رحم کرنے والا ہے۔

وَ قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ
وَ رَسُوْلُهٗ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَ سَتُرَدُّوْنَ اِلٰى
عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور کہہ عمل کرو اللہ تمھارے عمل کو دیکھے گا اور اس کا
رسول اور مومن بھی۔ اور تم غائب اور حاضر کے جاننے والے
کی طرف لوٹائے جاؤگے ، سو وہ تمھیں خبر دے گا
جو تم عمل کرتے تھے۔

وَ اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ
وَ اِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾

اور کچھ اور اللہ کے حکم کے لیے پیچھے رکھے گئے ہیں یا انھیں
عذاب دے اور یا ان کی توبہ قبول کرے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے[1]

وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ
كُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا
لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ
وَ لَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَ
اللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اور کچھ وہ ہیں ، جنھوں نے ضرر اور کفر اور مومنوں میں
پھوٹ ڈالنے کے لیے مسجد بنائی اور اس شخص کے لیے گھات
جس نے پہلے سے اللہ اور اس کے ساتھ لڑائی کی اور وہ یقیناً
قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا ارادہ سوائے بھلائی کے کچھ نہ تھا۔ اور
اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں[2]۔

نمبر۱- اس سے مراد وہی تین شخص ہیں جن کا ذکر آیت ۱۱۸ میں ہے۔

نمبر۲- اس آیت میں منافقوں کے اس گروہ کا ذکر ہے جنھوں نے وہ مسجد بنائی جو مسجد ضرار کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بارہ آدمی تھے جنھوں نے ابو عامر راہب کی سازش سے ایک مسجد، مسجد قباء کے پاس بنائی۔ ابو عامر خزرج میں سے ایک شخص تھا جو زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہوگیا اور بوجہ اس کی عبادت کے خزرج اس کی عزت کرتے تھے۔ جب بدر میں رسول اللہ صلعم کو فتح ہوئی تو ابو عامر بھاگ کر قریش سے جا ملا اور ان کو رسول اللہ صلعم کی جنگ کے لیے اُکسایا اور اُحد میں خود بھی آیا۔ اور انصار کو ورغلانا چاہا مگر نامراد رہا۔ آخر جب رسول اللہ صلعم کے امر کو غالب ہوتے دیکھا تو ملکِ شام میں چلا گیا تاکہ ہرقل سے رسول اللہ صلعم کے خلاف مدد لے اور وہاں سے کچھ وعدہ پاکر اس نے اپنی قوم کے بعض آدمیوں کو خط لکھا کہ وہاں ایک علیٰحدہ مسجد بنائیں جہاں منصوبہ بازی کا کام آسانی سے ہو سکے۔ اسی بنا پر یہ مسجد بننی شروع ہوئی۔ رسول اللہ صلعم تبوک کے لیے تیار تھے جب یہ لوگ رسول اللہ صلعم کے پاس آئے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں آپ نے فرمایا سفر سے واپسی پر دیکھا جائے گا۔ واپسی پر مدینہ سے تھوڑے فاصلہ پر تھے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے اصل حقیقت سے آپ کو اطلاع دی اور آپ نے اس مسجد کو گرا دیا۔ اس کے بنانے کی اوّل غرض ضرار فرمائی یعنی مسلمانوں کو ایذا پہنچانا۔ سو ظاہر ہے۔ دوسری غرض کفر کا پھیلانا وہ بھی ظاہر ہے۔ تیسری تفریقاً بین المؤمنین جس سے مراد یہ ہے کہ الگ مسجد بنانے کی غرض مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا تھا تاکہ بعض لوگوں کو دھوکہ دیکر اپنے ساتھ ملالیں اور ارصادا لمن حارب اللہ ورسولہ سے مراد ابو عامر کے لیے گھات ہے کیونکہ غرض یہ تھی کہ ابو عامر اس مسجد کے ذریعہ سے رسول اللہ صلعم کے حالات سے آگاہی وغیرہ حاصل کرتا رہے جس سے آپ کے خلاف سازش میں اسے مدد ملے۔

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا ۚ لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ
عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن
تَقُومَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن
يَتَطَهَّرُوا ۚ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ ﴿١٠٨﴾

اس میں کبھی کھڑا نہ ہو یقیناً وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقوے پر رکھی گئی ہے زیادہ لائق ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو اس میں ایسے لوگ ہیں جو چاہتے ہیں کہ پاک رہیں اور اللہ پاک رہنے والوں سے محبت کرتا ہے ۱

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ
اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ
عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ
جَهَنَّمَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٩﴾

تو کیا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے تقوے اور رضا پر رکھی اچھا ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایک کھوکھلے گرتے ہوئے کنارے پر رکھی سو وہ اس کو جہنم کی آگ میں لے گرا اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي
قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَن تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ ۗ وَاللَّهُ
عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١١٠﴾

اُن کی عمارت جو انھوں نے بنائی ہے ہمیشہ ان کے دلوں کی بےچینی کا موجب رہے گی، یہاں تک کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ
وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ
فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ ۖ وَعْدًا
عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَ
الْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ ۚ
فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ
وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾

اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں (اس کے) بدلہ میں کہ اُن کے لیے جنت ہے وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں، سو مارتے ہیں اور مرتے ہیں - یہ وعدہ اس کے ذمے سچا ہے، توریت اور انجیل اور قرآن میں، اور اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو کون پورا کرنے والا ہے سو اپنے سودے پر جو تم نے اس سے کیا ہے خوش ہو جاؤ، اور یہی بڑی کامیابی ہے ۲

نمبر۱. اس مسجد سے مراد مسجد قبا ہے مگر بعض روایات میں مسجد نبوی کا ذکر بھی ہے مگر قول اوّل کو ترجیح ہے۔
نمبر۲- اوّل اللہ پر ایمان کی حقیقت یہ بتائی کہ انسان اپنی محبوب ترین چیزوں کو اپنا نہ سمجھے بلکہ اللہ تعالیٰ کا مال سمجھے یہ گویا اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں کے ساتھ عہد ہے۔
اس وعدہ کے بعد ان کاموں کا ذکر کیا جو منافقوں کے مقابل پر ہیں۔ منافق نمازمیں بھی شامل ہو جاتے تھے۔ زکوٰۃ بھی دیدیتے تھے اور احکام ظاہری نکاح وغیرہ کے معاملات میں بھی شریعت قرآنی پر عمل کر لیتے تھے۔ مگر لڑائیوں میں اُن میں اور مومنوں میں پورا بالا امتیاز ہو گیا - اس لیے عمل کے

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ
الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ
وَ النَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ الْحٰفِظُوْنَ
لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، خدا کی راہ میں سفر کرنیوالے، رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے بھلائی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی حدود کی حفاظت کرنے والے اور مومنوں کو خوش خبری دے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا
لِلْمُشْرِكِيْنَ وَ لَوْ كَانُوْۤا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ
مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾

نبی کے لیے شایاں نہیں اور (نہ) ان کے لیے جو ایمان لائے کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش مانگیں، گو وہ قریبی ہوں۔ اس کے بعد کہ ان پر کھل گیا کہ وہ دوزخ والے ہیں ۱؎۔

وَ مَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ
اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ
لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ
لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

اور ابراہیم کا اپنے بزرگ کے لیے بخشش مانگنا صرف ایک وعدے کی وجہ سے تھا جو اس نے اس سے کیا تھا پھر جب اس پر کھل گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے وہ اس سے الگ ہو گیا، یقیناً ابراہیم بہت نرم دل اور بردبار تھا ۲؎۔

رنگ میں اس چیز کو پیش کیا جو منافقوں اور مومنوں میں مابہ الامتیاز تھا۔ یعنی جنگ کرنا علاوہ ازیں یہ بھی ظاہر ہے کہ جان اور مال کو دینے کا پورا امتحان جنگ میں ہی ہوتا ہے اس لیے وعدہ کے ذکر کے ساتھ اس چیز کا ذکر کیا جو ایفائے وعدہ کے لیے ایک ممک کے طور پر کام دے سکتی تھی۔

تیسری بات جو یہاں بیان فرمائی وہ یہ ہے کہ یہ وعدہ جو اللہ تعالیٰ کا مومنوں کے ساتھ ہے یہ توریت اور انجیل اور قرآن سب میں پایا جاتا ہے چنانچہ دیکھو متی ۱۹: ۲۱ جہاں انجیل میں وعدہ ہے کہ آسمانی خزانہ اسے مل سکتا ہے جو اپنا سارا مال خدا کی راہ میں دیدے۔ رہا جنگ کا کرنا سو وہ ایفائے وعدہ ہے آنحضرت کے صحابہ کو اس کا موقع مل گیا حضرت مسیح کے حواریوں کو نہیں ملا۔

نمبر۱۔ استغفار کی ممانعت کو اس بات کے ساتھ مشروط کیا ہے کہ ان کا دوزخی ہونا صراحت سے معلوم ہو جائے۔ مفسرین نے صرف دو ہی صورتیں ایسے ماتبین کی ٹھہرائی ہیں ایک یہ کہ ایک شخص حالت کفر پر مر جائے۔ دوسرا یہ کہ وحی سے معلوم ہو جائے کہ ایک شخص ناقابل اصلاح ہے اور قرآن کریم نے خود جو تصریح فرمائی ہے وہ اگلی آیت میں مذکور ہے جہاں حضرت ابراہیم کا استغفار سے اس وقت رکنا بیان کیا گیا ہے جب یہ واضح ہو گیا کہ وہ شخص خدا کا دشمن تھا پس اصل بات تو یہی ہے کہ استغفار سے روکنے کی غرض صرف یہی ہے کہ جو شخص کھلے طور پر حق اور صداقت کا جو اللہ تعالیٰ نے بھیجی ہے دشمن ہو اس کے لیے طلب حفاظت الٰہی یا طلب معافی بے معنی ہے خدا کے دشمنوں سے ایسا تعلق مومن کو شایاں نہیں اور کسی شخص کی ایسی دشمنی پر قطعی یقین تو وحی الٰہی سے ہی پیدا ہوتا ہے گو بعض وقت واقعات بھی بتا دیتے ہیں مگر اس نہی میں عام مشرک یا کافر شامل نہیں ہاں جو لوگ حالت شرک یا کفر پر مر جائیں ان کی نماز جنازہ کے نہ پڑھنے کا استدلال بھی اس سے کیا جا سکتا ہے اور اصل تو یہ ہے کہ نماز جنازہ صرف مسلمان کا حق مسلمان پر ہے انسانی ہمدردی کا حق اور ہے اور اسلامی ہمدردی عامہ انسانی ہمدردی کے حق کے علاوہ ہے نماز جنازہ بغیر تعلق اخوت اسلامی جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی وسیع رحمت سے جس طرح چاہے ان سے معاملہ کرے مگر نماز جنازہ انہی لوگوں کی ہو سکتی ہے جو ظاہر طور پر اسلام میں داخل ہو چکے ہیں۔

نمبر۲۔ حضرت ابراہیم کا اپنے اب یا بزرگ کے لیے استغفار سے روکا جانا یہاں سے صراحت سے ثابت ہے۔ حالانکہ والدین کے لیے استغفار

وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًۢا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اور اللہ کی شان نہیں کہ ایک قوم کو گمراہ قرار دے جب انھیں ہدایت دے چکا جب تک کہ ان کے لیے بیان نہ کرے جس سے انھیں بچنا چاہیئے ۔ اللہ سب باتوں کا جاننے والا ہے ع۱

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ؕ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ کی ہی ہے ۔ وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ کے سوائے تمھارا کوئی حمایتی نہیں اور نہ کوئی مددگار ہے ۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِیِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِیْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۙ﴿۱۱۷﴾

اللہ نبی پر اور اُن مہاجرین اور انصار پر مہربان ہُوا جنھوں نے تنگی کی گھڑی میں اس کا ساتھ دیا ، اس کے بعد کہ قریب تھا کہ اُن میں سے ایک گروہ کے دل پھر جاتے ، پھر اُن پر مہربان ہُوا ، وہ ان پر مہربان رحم کرنے والا ہے ۔

وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

اور اُن تین پر جو پیچھے رکھے گئے تھے ، یہاں تک کہ زمین باوجود فراخی کے اُن پر تنگ ہوگئی اور وہ اپنی جانوں سے تنگ آ گئے اور یقین کر لیا کہ اللہ کی سزا سے سوائے اس کے کوئی پناہ نہیں ۔ تب وہ ان پر مہربان ہوا تاکہ وہ پھر آئیں اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے ع۲

آخر عمر تک کرتے رہے ربنا اغفر لی و لوالدی (ابراہیم ۔ ۴۱)
وعدہ جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے اس کی تصریح دوسری جگہ ہے دیکھو مریم ۔ ۴۷ ۔ جہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ باوجود آزر کے حضرت ابراہیمؑ کو سنگسار کرنے کی دھمکی دینے اور اس سے علیحدگی اختیار کر لینے کے حضرت ابراہیمؑ نے استغفار کا وعدہ کیا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک استغفار کو نہیں چھوڑا جب تک آزر کی دشمنی اور استیصال حق کی کوشش انتہا کو نہیں پہنچ گئی ۔

نمبر۱ ۔ مسلمانوں کے مشرکوں کے لیے استغفار کرنے کو اللہ تعالیٰ نے ضلالت قرار نہیں دیا ، یہاں تک کہ اس حکم کو کھول کر قرآن میں بیان کر دیا ۔ ہاں حکم کے آجانے کے بعد جو شخص ایسا کرے وہ ضلالت میں ہوگا ۔

نمبر۲ ۔ یہ تین شخص جن کا یہاں خصوصیت سے علیحدہ ذکر کیا گیا ہے ۔ کعب بن مالک ۔ مرارۃ بن الربیع اور ہلال بن امیہ تھے ۔ غزوۂ تبوک میں تیاری کو ایک سے دوسرے دن پر ملتوی کرتے کرتے یہ لوگ پیچھے رہ گئے یہاں تک کہ رسول اللہ صلعم بہت دور نکل گئے ۔ تب انھوں نے ارادہ ترک کر دیا واپسی پر جب بہت سے منافقین نے جھوٹے عذر پیش کیے تو کعب اور اُن کے دونوں ساتھیوں نے رسول اللہ صلعم سے سچ سچ کہہ دیا کہ ہمارا عذر

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾	اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کا تقویٰ کرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔[۱]
مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔــوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾	مدینہ کے رہنے والوں اور ان کے اردگرد کے دیہاتیوں کو نہ چاہیے کہ اللہ کے رسول کے پیچھے رہ جائیں اور نہ (یہ کہ) اپنی جانوں کو اس کی جان سے زیادہ چاہیں، یہ اس لیے کہ انھیں اللہ کی راہ میں نہ پیاس پہنچتی ہے اور نہ تکان اور نہ بھوک اور نہ وہ کسی ایسی جگہ چلتے ہیں جس سے کافروں کو غصہ آتا ہے اور نہ دشمن سے کچھ چیز حاصل کرتے ہیں مگر اس کے لیے اُن کا نیک عمل لکھا جاتا ہے۔ اللہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔[۲]

کوئی نہ تھا رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جب تک اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ان کے بارہ میں نازل نہ ہو مسلمان ان سے قطع تعلق کرلیں۔ پچاس دن تک ان تینوں کی یہ حالت رہی کہ کوئی شخص ان سے کلام تک نہ کرتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ان تینوں میں سے کعب علاوہ تبوک کے صرف بدر میں غیر حاضر تھے اور دوسرے دونوں اصحاب بدر میں بھی شامل تھے۔ بایں غزوہ تبوک میں نہ جانے کی وجہ سے ان پر ایسی سختی ہوئی۔ وہ مسلمان غور کریں جو آج خدمتِ اسلام کو ایک بے معنی چیز ٹھہرا کر صرف اپنے نفسوں کے فکر کو کافی سمجھے ہوئے ہیں یا زیادہ سے زیادہ کسی نے نماز پڑھ لی اور سمجھ لیا کہ ہم جنت کے وارث ہو گئے

منجملہ اور امور کے جو ان تین شخصوں کے ذکر میں مقصود ہیں ایک حقیقت بھی ظاہر ہوتی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جاں نثاری اور اطاعت کس حد تک پہنچ چکی تھی۔ ایک طرف اس جنگ کی مشکلات کو رکھو۔ پھر بھی تیس ہزار تو ساتھ ہوتے ہیں اور صرف تین پیچھے رہ جاتے ہیں (منافقوں کو الگ رکھو کیونکہ وہ دل سے ہی دشمن اسلام تھے) اس جاں نثاری کی مثال تاریخ عالم اور پیش نہیں کرسکتی۔

نمبر۱- یہ آیت قرآن کریم کی ترتیب ابلغ اور محکم پر گواہ ہے۔ پچھلی آیت میں ان تین شخصوں کا ذکر تھا جو ہمیشہ غزوات میں شامل ہوتے ہوتے غزوۂ تبوک سے رہ گئے تو ان پر اس قدر عتاب اللہ تعالیٰ کا ہوا کہ پچاس دن تک کسی مسلمان کو ان سے بولنے کی اجازت نہ تھی حالانکہ وہ نمازیں پڑھتے اور سب مسلمانوں والے کام کرتے اور مسلمانوں کی جماعت میں سے تھے تو سمجھایا کہ ضروریات دینی میں جو مسلمان ان ضروریات کو محسوس کرکے ان کے پورا کرنے کا تہیّہ نہ کریں وہ اس بات کے اہل نہیں کہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہوں۔ اب نبوت کا سلسلہ تو منقطع ہونا تھا مگر ضروریات دینی ختم ہونے والی نہ تھیں اس لیے اس کے فوراً بعد مسلمانوں کو نصیحت کرتا ہے کہ جو صادق راستباز تمھارے اندر پیدا ہوں اور ضروریات دینی کی طرف قوم کی رہنمائی کریں تو قوم کا ان کے ساتھ ہو جانا اس وقت کا سب سے اہم فرض ہوتا ہے اور صادقین سے مراد یہاں ایسے ہی لوگ ہیں جو خدمت دین میں صدق دکھاتے ہیں۔ آج مسلمان قرآن شریف سے اس قدر دور پڑے ہوئے ہیں کہ کثرت سے یہی کہتے اور جواب دیتے ہیں کہ فلاں شخص مجدد زمانہ ہے تو ہو ہم نمازیں پڑھتے ہیں۔

نمبر۲- اس آیت میں بتایا ہے کہ دشمنان دین کے مقابلہ پر جو کام کیے جائیں وہ سب عبادات میں داخل ہیں اور انسان کے لیے اعمال صالحہ کا کام دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اعمال صالحہ میں اس سے بڑھ کر کونسا کام ہو سکتا ہے جس سے دین اسلام کو زندگی ملے۔ عمل صالحہ درحقیقت وہی عمل ہے

وَلَا يُنْفِقُوْنَ نَفَقَةً صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾	اور نہ وہ کچھ خرچ کرتے ہیں تھوڑا یا بہت اور نہ کسی میدان سے گزرتے ہیں مگر وہ ان کے لیے لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ انھیں اس کا بہترین بدلہ دے جو وہ کرتے تھے۔
وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ؕ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾	اور مومنوں کو یہ بھی مناسب نہیں کہ سب کے سب نکل پڑیں تو کیوں ان کی ہر ایک جماعت میں سے ایک گروہ نکلے، تاکہ وہ دین میں سمجھ حاصل کریں اور اپنی قوم کو ڈرائیں جب وہ ان کی طرف واپس جائیں تاکہ وہ بھی بچیں ۱؎
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾	اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اُن کافروں سے جنگ کرو جو تمھارے قریب ہیں اور چاہیئے کہ وہ تم میں شدت پائیں اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے ۲؎

جو انسان کے لیے موجب بقا ہے مگر انسان کی زندگی سے بڑھ کر حق اور صداقت کا زندہ رہنا ہے اس لیے حق اور صداقت کو زندہ رکھنے کے لیے جو کام کیے جاتے ہیں وہ انسان کے بہترین اعمال صالحہ میں ہیں کیونکہ ان سے انسان کا اپنا بھی بقا ہے۔ کس قدر لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ وہ صرف اندر بیٹھ کر خدا کا نام لے لینے کو عمل صالح سمجھتے ہیں اور طرح طرح کے مجاہدات اختیار کیے جاتے ہیں حالانکہ دشمنان دین کا مقابلہ کرنا وہ مجاہدہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو چلایا اور یوں بتا دیا کہ یہ بہترین مجاہدہ ہے ہاں آج قلم سے بھی وہ مجاہدہ ایسا ہی دین اسلام کی بقا کے لیے ضروری ہو گیا ہے جیسا اس وقت تلوار سے ضروری تھا۔

نمبر ۱۔ اس سورت کے نزول کے ساتھ عرب میں جنگ کا خاتمہ ہوا اور اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مختلف اقوام عرب کے وفد آنے شروع ہوئے۔ قوم پر قوم آنے لگی اور اسلام کے اصول معلوم کر کے دین اسلام میں داخل ہوتے گئے۔ ان مختلف اقوام کی تعلیم کا ایک انتظام تو یہ ہو سکتا تھا کہ جو مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر تعلیم حاصل کر چکے تھے وہ باہر نکل جائیں مگر اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سب کے سب ہی باہر نکل جاتے اس لیے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ ہر ایک قوم میں سے کچھ آدمی مدینہ میں آ کر تعلیم حاصل کریں اور پھر یہی لوگ جا کر اپنی قوم کو تعلیم دیں جو ان میں سے مسلمان ہو گئے تھے ان کو اسلام کی تعلیم دیں جو مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کو اسلام کی طرف بلائیں ولینذروا قومھم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی قوموں کا بڑا حصہ کفر پر تھا گو ان میں تھوڑے لوگ مسلمان ہو گئے تھے علاوہ ازیں دین اور علم کے تمام اقوام میں پھیلانے کا یہی بہترین ذریعہ تھا اگر اہل مدینہ ہی اس کام کے لیے مخصوص رہتے تو دوسری قومیں سمجھتیں کہ علم انہی کا خاص ورثہ ہے۔

نمبر ۲۔ قاتلوا الذین یلونکم من الکفار عام حکم نہیں جس سے پہلے احکام قتال کے متعلق منسوخ ہو جاتے ہوں مثلاً جن کفار کے ساتھ معاہدات تھے ان کے متعلق خود حکم دے چکا ہے کہ ان عہدوں کو پورا کرو یہی تقویٰ ہے۔ پھر یہودی خیبر میں رہے حالانکہ کافر تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جنگ نہیں کی اور ایک یہود پر کیا انحصار ہے۔ بہتیرے قبیلے اور قومیں تھیں جن کے خلاف آپ نے جنگ نہیں کی۔ پس یہ حکم بھی قتال کے اس پہلے حکم کے ماتحت ہے جو درحقیقت تمام احکام قتال پر حاوی ہے یعنی ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ پھر الذین یلونکم کہنے کی ضرورت کیا تھی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو دُکھ اور تکلیفیں انہی لوگوں سے پہنچتی تھیں جو قریب تھے دُور والوں نے دُکھ کیا دینا تھا اسی طرف الذین یلونکم میں اشارہ کیا ہے مراد یہ ہے کہ محض قرب کے لحاظ سے قوم کی مصیبت کو نہ بھول جاؤ۔

وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ
أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَٰذِهِۦٓ إِيمَٰنًا ۚ فَأَمَّا ٱلَّذِينَ
ءَامَنُوا۟ فَزَادَتْهُمْ إِيمَٰنًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ١٢٤

اور جب کوئی سورت اُترتی ہے تو ان میں سے بعض کہتے ہیں
کہ اس نے تم میں سے کس کا ایمان بڑھایا ہے۔ سو جو ایمان
لائے ان کا ایمان بڑھایا اور وہ خوش ہوتے ہیں۔

وَأَمَّا ٱلَّذِينَ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ
رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا۟ وَهُمْ كَٰفِرُونَ ١٢٥

اور جن کے دلوں میں بیماری ہے تو ان کی پلیدی پر پلیدی کو زیادہ
کیا اور وہ مر گئے اور وہ کافر ہی رہے ؎١

أَوَلَا يَرَوْنَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِى كُلِّ عَامٍ
مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا
هُمْ يَذَّكَّرُونَ ١٢٦

اور کیا وہ دیکھتے نہیں کہ وہ ہر سال میں ایک بار یا دو بار
آزمائے جاتے ہیں۔ پھر بھی وہ توبہ نہیں کرتے اور نہ نصیحت
حاصل کرتے ہیں ؎٢

وَإِذَا مَآ أُنزِلَتْ سُورَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ
إِلَىٰ بَعْضٍ هَلْ يَرَىٰكُم مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ
ٱنصَرَفُوا۟ ۚ صَرَفَ ٱللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُمْ
قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُونَ ١٢٧

اور جب کبھی کوئی سورۃ اترتی ہے وہ ایک دوسرے کی طرف
دیکھنے لگتے ہیں، کیا تمھیں کوئی دیکھتا ہے، پھر پھر جاتے ہیں
اللہ نے ان کے دلوں کو پھیر دیا ہے کیونکہ وہ ایسے لوگ
ہیں جو سمجھ سے کام نہیں لیتے ؎٣

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ
عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم
بِٱلْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ١٢٨

یقیناً تمھارے پاس تمھیں میں سے ایک رسول آیا ہے۔ تمھارا
تکلیف پانا اس پر شاق گزرتا ہے، وہ تمھارے لیے (بھلائی کا)
خواہشمند ہے مومنوں پر مہربان رحم کرنے والا ہے ؎٤

نمبر١- رجس یا پلیدی ان کا نفاق ہے جیسا کہ فی قلوبھم مرض سے ظاہر ہے اور پہلی آیت میں مومنوں کے ایمان کے بڑھنے کا ذکر ہے اس کے مقابلہ پر یہاں انکے نفاق کے بڑھنے کا ذکر ہے۔

نمبر٢- یہ آزمایا جانا ایک تو لڑائیوں میں تھا کیونکہ یہ لوگ اس انتظار میں رہتے تھے کہ کوئی لڑائی ہو تو اس میں مسلمان شکست کھائیں اور دوسرے یہاں عام تکالیف قحط بیماریوں وغیرہ کی طرف اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ باوجود مصائب کے آنے کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے۔

نمبر٣- سورت کے نزول سے مراد یہاں ایسی سورت کا نزول ہے جس میں منافقوں کا ذکر ہو اور ان کا ایک دوسرے کی طرف دیکھنا یا تو اس غرض سے ہے کہ اب یہاں سے چلنا چاہیئے اور یا بطور تمسخر آنکھوں سے اشارہ کرنا مراد ہے۔

نمبر٤- یہاں سورت کا خاتمہ ہوتا ہے۔ اس میں کچھ جنگ کا ذکر ہے کچھ منافقوں کا ذکر ہے۔ اس لیے آخر پر بتایا کہ یہ کوئی رسول کے آنے کی غرض نہیں بلکہ اصل بات یہ ہے کہ رسول کی حالت تو یہ ہے کہ جو کچھ تم پر تکلیفیں اور مصیبتیں آتی ہیں وہ اس پر بھی شاق گزرتی ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ تم ان مصائب سے باہر نکل جاؤ اور وہ تم پر حریص ہے یعنی تمھاری بہتری کو چاہتا ہے۔ اس آخری پیغام میں رسول کے قلب کی پہلی حالت کا ذکر کیا، جو دنیا میں گناہ اور ہلاکت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا اور خدا سے مدد چاہی اور بالمؤمنین رؤف رحیم میں بتایا کہ اگر تم مومن بن جاؤ

فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ حَسۡبِیَ اللّٰہُ ۫ۖ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ؕ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡتُ وَ ہُوَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۱۲۹﴾

سو اگر پھر جائیں تو کہہ اللہ میرے لیے کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی پر میں نے بھروسا کیا، اور وہ عرش عظیم والا رب ہے۔

(۱۰) سُوۡرَۃُ یُوۡنُسَ مَکِّیَّۃٌ

آیاتھا ۱۰۹ — رکوعاتھا ۱۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

الٓرٰ ۟ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۱﴾

میں اللہ دیکھتا ہوں [2] یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں [3]

اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ مِّنۡہُمۡ اَنۡ اَنۡذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَہُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ؕ قَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ اِنَّ ہٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۲﴾

کیا لوگوں کو تعجب ہے کہ ہم نے اُن میں سے ایک مرد کی طرف وحی کی کہ لوگوں کو ڈرا، اور انھیں خوشخبری دے جو ایمان لائے کہ ان کے لیے اُن کے رب کے ہاں راستی کا قدم ہے [4]۔ کافروں نے کہا، یہ تو صریح جادوگر ہے [4]

تو پھر وہ رسول تو تمھارے لیے مجسم راحت و رحمت ہی ہے صرف جب لوگ شرارت میں حد سے بڑھے تو ضرورت وقتی کے لحاظ سے حق کو تباہی سے بچانے کے لیے تلوار اٹھانی پڑی۔

نمبر۱۔ اس سورت کا نام یونس ہے اور اس میں گیارہ رکوع اور ۱۰۹ آیات ہیں۔ اس کا نام یونس اس بات کی طرف توجہ دلانے کے لیے ہے کہ جس طرح حضرت یونسؑ کی قوم آخر ایمان لا کر ہلاکت سے بچ گئی تھی ویسا ہی معاملہ آنحضرت صلعم کی قوم سے ہوگا یعنی یہ قوم تباہ نہ کی جائے گی، بلکہ آخر راہ راست پر آجائے گی۔ یہاں سے لیکر النحل تک سات سورتوں کا ایک ہی مجموعہ ہے اور ان میں سخت مخالفت کے وقت آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کو تسلی دی ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھتا ہے اور کہ حق آخرکار غالب آئے گا۔ ان کا نزول مکہ میں آنحضرت کی مکی زندگی کے پچھلے حصہ میں ہوا، جب تکالیف بہت بڑھ چکی تھیں۔

نمبر۲۔ یہ مجموعہ حروف اس سورت کے علاوہ چار اور سورتوں کی ابتدا میں آتا ہے یعنی ھود۔ یوسف۔ ابراھیم۔ الحجر اور ان چار کے درمیان سورہ الرعد ہے جو المرا سے شروع ہوتی ہے ان چھ سورتوں کا مضمون بھی ملتا جلتا ہے یہ حروف انا اللہ اری کے قائمقام ہیں جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کی صفت لانے کا منشا یہ ہے کہ وہ تمھارے اعمال کو دیکھتا ہے اور اس کے مطابق جزا دیگا۔

نمبر۳۔ قرآن کریم کو کتاب حکیم کہا ہے اور حکیم کا استعمال دو معنوں میں ہے یعنی ایک محکم اور دوسرا وہ جس میں حکمت بھری ہوئی ہے اور جہاں کتاب اور حکمت کو الگ الگ کر کے بیان کیا ہے تو وہاں حکمت سے مراد وہ حکمت کی باتیں ہیں جنھیں فہم رسول نے کھول کر بیان کر دیا اور قرآن کو حکیم کہنے میں ایک لطیف اشارہ ہے کہ مذہب کی بنا اصل میں حکمت پر ہے اور یہ ایک سائنس ہے جس کے قوانین اور قواعد عقل و علم کے مطابق ہیں چند بے جوڑ باتوں کا نام مذہب نہیں جیسا پہلے لوگوں نے خیال کر رکھا تھا۔

نمبر۴۔ ہر ایک فضیلت والے فعل کو ظاہری ہو یا باطنی صدق کہا جاتا ہے اور قدم صدق سے مراد فضیلت میں قدم آگے بڑھانا ہے

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى
عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ
اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ
فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾

تمھارا رب اللہ ہے ، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ وقتوں میں پیدا کیا ، پھر وہ عرش پر غالب ہے ہر کام کی تدبیر کرتا ہے ، کوئی سفارش کرنے والا نہیں مگر اس کے حکم کے بعد ۔ یہ اللہ تمھارا رب ہے ، سو اس کی عبادت کرو تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ۔[۱]

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ
اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ
وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۴﴾

اسی کی طرف تم سب کو لوٹ کر جانا ہے ۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے وہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا تاکہ انھیں جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں انصاف کے ساتھ بدلہ دے اور جو کافر ہیں ان کے لیے کھولتا ہوا پانی پینے کو اور دردناک عذاب ہے ، اس لیے کہ وہ کفر کرتے تھے ۔[۲]

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ
نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ
السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ

وہی ہے ، جس نے سورج کو چمکتا ہوا اور چاند کو روشن بنایا اور اس کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب جان لو ، اللہ نے یہ حق کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے

گویا ایمان لانے سے انسان کا قدم ترقی کی طرف اٹھتا ہے ۔ قرآن کریم کے ان اعلیٰ درجہ کے دلوں پر اثر کرنے والے مضامین کی وجہ سے ہی وہ لوگ آنحضرت صلعم کو ساحر کہتے تھے ۔

نمبر ۱ ۔ پہلی آیت میں وحی الٰہی کا ذکر تھا ، جو بدی اور نیکی کی جزا کو ضروری قرار دیتی ہے ۔ اور اس کے لیے ایک دوسری زندگی کا وعدہ دیتی ہے ۔ اس پر کفار کو تعجب ہوتا ہے تو عظمت الٰہی کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ، کیا وہ دوسری خلق پر قادر نہیں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا افعیینا بالخلق الاول بل ھم فی لبس من خلق جدید (ق ۵ : ۱) انسان کی عقل اور اس کا علم تو اس موجودہ مخلوق کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے تو اور خلق کے انکار کے کیا معنی اور چھ وقتوں کا ذکر اس لیے فرمایا کہ یہ خلق بھی بتدریج ہوئی اور وہ دوسری خلق بھی بتدریج ہوگی ۔ اور یہ جو فرمایا کہ اس کے اذن سے ہی کوئی شفیع ہو سکتا ہے تو اشارہ اس طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم نہ کرنا اور شفیع پر بھروسہ کرنا غلط رستہ ہے گویا اصل تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کیا جائے شفاعت بھی انہی کو فائدہ دے سکتی ہے جو ایسا کریں ۔

نمبر ۲ ۔ یہاں پچھلی آیت کے اشارہ کو واضح کر دیا ہے اور الیہ مرجعکم سے مراد موت کے بعد بعث کے ذریعہ لوٹ کر جانا ہے اور یہی وعدہ حق ہے ورنہ موت کو تو سب جانتے ہیں اور آگے پہلی پیدائش کا ذکر کیا ۔ اور اس دوبارہ پیدائش کی غرض یہ بتائی کہ نیک اور بد عمل کرنے والے اس کے مطابق پھل پائیں ۔

اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝٥

وہ ان لوگوں کے لیے کھول کر باتیں بیان کرتا ہے جو علم رکھتے ہیں ۔ ملہ

اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ
اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝٦

رات اور دن کے ادل بدل اور (اس میں) جو اللہ نے آسمانوں
اور زمین میں پیدا کیا ہے، ان لوگوں کے لیے نشان ہیں
جو تقوے سے کام لیتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوْا
بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا وَ الَّذِيْنَ
هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝٧

جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر
راضی ہیں اور اسی پر مطمئن ہو گئے ہیں۔ اور وہ جو ہماری
آیتوں سے بے خبر ہیں ۔ ملہ

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝٨

ان کا ٹھکانا آگ ہے، اس کا بدلہ جو وہ کماتے تھے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝٩

جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں، ان کا رب اُن
کے ایمان کی وجہ سے انھیں راہ دکھائے گا، نعمتوں والے
باغوں میں ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں ۔ ملہ

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمْ
فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ

اُن میں اُن کی دعا ہے اے اللہ تو پاک ہے اور ان میں اُن
کی آپس کی دعا سلام ہے اور ان کی آخری دعا ہے کہ سب تعریف

نمبر۱۔ ضوء اور نور میں یہ فرق ہے کہ ضوء وہ ہے جو بالذات ہے جیسے سورج یا آگ کی روشنی اور نور وہ ہے جو بالعرض ہو اور دوسرے سے حاصل کیا گیا ہو اسی لحاظ سے یہاں سورج کو ضیاء اور قمر کو نور کہا ہے اور اس ظاہری نظام کو جس پر انسان کی زندگی کا انحصار ہے بیان کرنا اس غرض سے ہے کہ عالم جسمانی سے عالم روحانی کے نظام کی طرف توجہ دلائی جائے جیسا اگلی آیت سے ظاہر ہے اور بتایا جائے کہ وہ خدا جس نے انسان کی حیوانی زندگی کے لیے یہ سامان پیدا کیے ہیں اسی نے روحانی زندگی کے سامان بھی پیدا کیے ہیں اور سورج اور چاند کے بالخصوص ذکر میں اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سورج کی روشنی بالذات ہے اسی طرح روحانی ترقیات کے لیے اصل مطلوب اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس کے انبیاء جو بطور شفیع کام کرتے ہیں وہ خود جو کچھ لیتے ہیں اسی سرچشمہ سے لیتے ہیں اور اسی کی طرف دوسروں کو بلاتے ہیں۔

نمبر۲۔ دنیا کی زندگی پر راضی اور مطمئن ہونے سے مراد یہ ہے کہ اسی حیوانی زندگی کو ہی اصل زندگی قرار دیا جائے اور کھانے پینے اور آسائش جسمانی کو ہی مقصد زندگی سمجھ لیا جائے ایسے لوگ حقیقی راحت کو کبھی نہیں پاتے جب اس دنیا میں بھی نہیں پاتے تو آخرت میں کہاں پائیں گے۔

نمبر۳۔ یعنی وہ ایمان ہی ان کے لیے اس منزل مقصود تک پہنچنے کا موجب ہو جاتا ہے۔ گویا بغیر ایمان کے انسان منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتا یہی ایمان انسان کے لیے نور بن جاتا ہے اس دنیا میں بھی جیسا فرمایا یخرجھم من الظلمات الی النور (البقرۃ ۲۵۷) اور آخرت میں بھی یوم تری المؤمنین والمؤمنات یسعیٰ نورھم بین ایدیھم (الحدید ۱۲) مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ عمل صالح کوئی چیز نہیں بلکہ عمل صالح کی توفیق ایمان سے ملتی ہے۔ ایمان ایک روشنی ہے۔ صرف روشنی فائدہ نہیں دیتی جب تک کہ انسان اس میں چلے نہیں۔

ع اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰
اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا رب ہے ؎۱

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۱۱
اور اگر اللہ لوگوں پر مصیبت جلد بھیجے جیسے وہ بھلائی کو جلد چاہتے ہیں تو ان کی ہلاکت کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ؎۲ سو جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے، ہم ان کو اُن کی سرکشی میں بھٹکتے چھوڑ دیتے ہیں۔

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۲
اور جب اِنسان کو دُکھ پہنچتا ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے اپنی کروٹ پر یا بیٹھا یا کھڑا۔ پھر جب ہم اس کا دُکھ دُور کر دیتے ہیں تو اس طرح گزر جاتا ہے گویا کہ ہمیں کسی دُکھ کے لیے جو اسے پہنچا ہو پکارا ہی نہ تھا۔ اسی طرح خطا کاروں کو بھلا معلوم ہوتا ہے جو وہ کرتے ہیں ؎۳

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۳
اور یقیناً ہم نے تم سے پہلے کئی نسلوں کو ہلاک کر دیا، جب انھوں نے ظلم کیا اور ان کے رسول اُن کے پاس کھلی دلائل لے کر آئے اور نہ تھے وہ کہ ایمان لاتے، اسی طرح ہم مجرم لوگوں کو سزا دیتے ہیں۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ
پھر ہم نے اُن کے بعد تمھیں زمین میں جانشین بنایا تاکہ

نمبر۱۔ مومن کے منہ سے تو اس زندگی میں بھی یہی کلمات نکلتے ہیں سبحانک اللّٰھم۔ الحمد للہ رب العٰلمین۔ پانچ وقت کی نماز میں یہی بار بار کہتا ہے مسلمان مسلمان سے ملتا ہے تو اسے سلامتی کی دعا دیتا ہے اور عملاً بھی اس کی سلامتی کا خواہاں ہوتا ہے المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ مسلم وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں پس مومن کا بہشت اسی دنیا کی زندگی سے شروع ہوتا ہے اور جنات نعیم کا نقشہ بیان کیا لطیف کھینچا ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد اور ایک دوسرے پر سلامتی۔

نمبر۲۔ جب کفار کو ان کی بدکرداریوں کے انجام سے ڈرایا جاتا تھا تو کہتے تھے وہ عذاب آتا کیوں نہیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دُکھ اور تکلیف کو جلد نہیں بھیجتا۔ گو انسان اپنی بیوقوفی سے اس کے لیے جلدی کرتا ہے جس طرح بھلائی کے لیے جلدی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ لوگ اس کی رحمت کو چاہیں اپنے لیے دکھ اور تکلیف نہ چاہیں۔

نمبر۳۔ اس آیت میں بتایا کہ دکھ تو مانگتے ہیں لیکن دکھ پہنچتا ہے تو پھر خدا کو پکارتے ہیں اور یہ بھی بتایا کہ دکھ ہم اس لیے بھیجتے ہیں تاکہ انسان اپنی اصلاح کرے مگر انسان جلد بھول کر پھر خطا کاری کی طرف چلا جاتا ہے۔

بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾
وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ
الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ
غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ
اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ
اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ
رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾
قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ
اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا
مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾

ہم دیکھیں تم کیا کرتے ہو ۱۔
اور جب اُن پر ہماری کھلی آیات پڑھی جاتی ہیں، تو جو
ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے۔ کہتے ہیں اس کے سوا
کوئی اور قرآن لا، یا اسے بدل دے ۲۔ کہہ، میرا کام
نہیں کہ اپنی طرف سے اسے بدل دوں۔ میں تو کسی چیز کی
پیروی نہیں کرتا سوائے اس کے جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے
اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔
کہہ، اگر اللہ چاہتا تو میں اسے تم پر نہ پڑھتا اور نہ وہ تمھیں اس
کا علم دیتا۔ میں تو تم میں اس سے پہلے ایک عمر رہا ہوں،
تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ۳۔

نمبر۱۔ اس میں نہ صرف اس وقت کے لوگ مخاطب ہیں بلکہ ایک عام قانون ہے کہ ایک قوم کے بعد دوسری قوم کو حکومت دی جاتی ہے پھر جب وہ بھی اس اعلیٰ مقام سے گر جاتی ہے تو اس کی جگہ ایک اور قوم کھڑی کر دی جاتی ہے۔

نمبر۲۔ نشاۃ ثانیہ یعنی دوسری زندگی جو ہر عمل کی جزا و سزا کو ضروری ٹھہراتی ہے اور جس کو مدنظر رکھتے ہوئے انسان کو اپنے ہر عمل کے نتیجہ پر پہلے غور کرنا چاہیے۔ دنیا پرست لوگوں کے لیے جو خواہشات حیوانی سے اوپر اُٹھنا نہیں چاہتے ناقابل قبول چیز ہے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ یہ قرآن جو ایک دوسری زندگی پر اس قدر زور دیتا ہے اسے ہم قبول نہیں کر سکتے۔ وہ چاہتے تھے کہ جس طرح ان کے کاہن ان کے حسب منشا باتیں عالم بالا کی بیان کر دیتے ہیں اسی طرح رسول اللہ صلعم کریں اور ان کے کھانے پینے، شہوات محبت دنیا وغیرہ امور میں کوئی دخل نہ دیں نہ ان کی بت پرستی کو بُرا کہیں۔ جواب کیا لطیف دیا ہے۔ میں تو خود صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں۔ اگر یہ میری بنائی ہوئی بات ہوتی تو میں خود اس پر کیوں عمل کرتا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم تمام احکام قرآنی کی تعمیل کرتے تھے اور سوائے وحی کے اور کسی چیز کی پیروی نہ کرتے تھے۔ اس لیے تفصیلات شریعت کے دینے میں بھی آپ نے اتباع وحی الٰہی ہی کیا۔

نمبر۳۔ مطلب یہ ہے کہ وہ تو اس کے ذریعہ سے تمھیں گمراہی سے نکال کر دین اور دنیا میں شرف دینا چاہتا ہے اسی لیے اس نے اسے اتارا اور یہ جو فرمایا کہ میں نے تمھارے اندر ایک عمر بسر کی ہے تم کیوں عقل سے کام نہیں لیتے تو یہ ان کی اس بات کا جواب ہے کہ کوئی اور قرآن بنا لو یا اسے بدل دو مطلب یہ ہے کہ جھوٹ بنانا میرا کام نہیں میں نے تمھارے اندر چالیس سال کاٹے ہیں۔ کیا تم نے کبھی میری صداقت اور دیانت و امانت پر حرف رکھا جس شخص نے چالیس سال تک ایسی صداقت اور راستبازی کا نمونہ دکھایا کہ ملک عرب نے اسے الامین کے نام سے پکارا جس شخص نے اتنی مدت انسان پر جھوٹ نہیں بولا کیا اب ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر اتنا بڑا افترا کرے کہ شب و روز جھوٹ باتیں اس کی طرف منسوب کرے اور ایک دن نہیں دو دن نہیں بلکہ برابر سالہا سال تک جھوٹ پر جھوٹ بناتا چلا جائے۔ یہ دلیل ان عربوں کے لیے جو آپ کی چالیس سالہ اخلاق و عادات سے واقف تھے دلوں کو کھا جانے والی تھی۔ صحیح بخاری میں ہے۔ جب ابوسفیان سے ہرقل نے آنحضرت صلعم کے حالات دریافت کیے اور اس وقت ابوسفیان رسول اللہ صلعم کے سخت ترین دشمن تھے اور ان پر یہ سوال ہوا ھل کنتم تتھمونہ بالکذب قبل ان یقول ما قال یعنی کیا اس دعویٰ سے پہلے تم ان پر جھوٹ کی تہمت لگاتے تھے تو ابوسفیان نے اقرار کیا کہ ایسا نہ تھا اور ہرقل نے اس

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کی آیات کو جھٹلایا ۔ مجرم کامیاب نہیں ہوتے ۱؎

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہیں جو نہ انھیں نقصان پہنچاتا ہے اور نہ انھیں نفع دیتا ہے اور کہتے ہیں یہ اللہ کے حضور ہمارے سفارشی ہیں ۔ کہہ کیا تم اللہ کو ایسی بات بتاتے ہو جو نہ آسمانوں میں اس کے علم میں ہے اور نہ زمین میں ، وہ پاک ہے اور اس سے بلند ہے جو وہ شرک کرتے ہیں ۲؎

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ

اور سب لوگ ایک ہی گروہ ہیں ، سو وہ اختلاف کرتے ہیں ۔ اور اگر ایک بات تیرے رب کی طرف سے پہلے نہ ہو چکی ہوتی

سے استدلال کیا کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ ایک شخص ایسا راستباز ہو کبھی لوگوں پر جھوٹ نہ بولے پھر اللہ پر جھوٹ بولے ۔ ایسا ہی نجاشی کے سامنے حضرت جعفرؓ نے کفار قریش کے سامنے یہ شہادت دی جس کا وہ انکار نہیں کر سکے نعرف صدقه ونسبه وامانته ۔ ہم آپ کے صدق اور عالی نسبی اور امانت کو پہچانتے ہیں بعض سعید فطرت لوگ آتے اور آپ کے وجہ مبارک کو دیکھ کر پکار اُٹھتے لیس بوجه رجل كذاب ۔ یہ کذاب کا منہ نہیں۔

نمبر۱ ۔ مکی زمانہ ہے آنحضرت صلعم سخت مصائب میں ہیں ۔ بات کوئی مانتا نہیں ۔ چند ماننے والے یا تکلیفیں اٹھا رہے ہیں یا تتر بتر ہو چکے ہیں مگر اپنی صداقت اور راستبازی پر اور اللہ تعالیٰ کی صفات پر کتنا بڑا ایمان ہے کہ اس وقت فرماتے ہیں کہ ان دونوں گروہوں میں سے یعنی ایک طرف آپ اور ایک طرف آپ کو جھوٹا کہنے والے ایک گروہ نہایت ہی ظالم ہے اور مجرم ہے اور مجرم کو کبھی فلاح نہیں مل سکتی اگر میں نے اللہ پر جھوٹ بنایا ہے تو مجھ سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں اگر تم خدا کی باتوں کو جھوٹ قرار دیتے ہو تو تم سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ۔ پھر اس بیکسی کے وقت کے لفظ جب مخالفت کا پورا زور صرف ہو جانے کے بعد اس قدر سچے ثابت ہوئے اور کوئی دنیوی طاقت حق اور صداقت کی رو کو نہ روک سکی ۔ بلکہ اس کی ہر ایک طاقت اس کے سامنے خود بہ گئی ۔ اللہ تعالیٰ نے انہی عربوں کو ایک دوسرا نقشہ بھی دکھایا کہ جب آپ کی کامیابیوں کو دیکھ کر مسیلمہ اور اسود نے نبوت کے دعوے کیے تو افترا کرنے والوں کا انجام بد بھی اللہ نے دکھا دیا ۔

نمبر۲ ۔ عرب کے بت پرست بتوں کو اپنا شفیع سمجھتے تھے یعنی کہتے تھے ہم خدا تک نہیں پہنچ سکتے یہ ہمیں اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کا واسطہ ہیں ۔ بعینہ جس طرح آج کثرت سے مسلمان پیروں کو اپنا شفیع سمجھتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ اس قابل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو سکیں یا اس سے کوئی دعا کر سکیں ۔ اُن کے پیر اُن کے شفیع ہیں ۔ ہندوؤں کا عامی عقیدہ تو نہایت سطحی ہے ۔ مگر ان کا فلسفیانہ عقیدہ اسی کے قریب قریب ہے وہ بتوں میں اللہ کا حلول مان کر ان پر اپنی توجہ لگاتے ہیں اور کہتے ہیں اصل غرض ان کی عبادت نہیں خدا کی عبادت ہے مگر چونکہ ایک غیر جسم غیر مرئی چیز پر ہم اپنی توجہ نہیں لگا سکتے اس لیے ان کو توجہ کے لیے سامنے رکھتے ہیں یہ بعینہ اس کی مثال ہے جو عرب کے بت پرست کہتے تھے ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفى (الزمر - ۳) اللہ کو مان کر ایسی باتوں کو پیش کرنے پر فرمایا کہ تم سمجھتے ہو کہ تم کو بعض ایسی باتیں بھی معلوم ہیں جن کا علم اللہ کو نہیں اس نے یہ تعلیم آج تک کسی نبی کی معرفت نہیں دی کہ کسی اور کو شفیع بنا کر اس کی عبادت کیا کریں بلکہ وحی یہی راہ بتاتی ہے کہ ہر انسان خود ان

رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿١٩﴾

تو ان میں ان باتوں کا فیصلہ کر دیا جاتا جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں ۱؎

وَيَقُولُونَ لَوْلَآ أُنزِلَ عَلَيْهِ ءَايَةٌ مِّن رَّبِّهِۦ ۖ فَقُلْ إِنَّمَا ٱلْغَيْبُ لِلَّهِ فَٱنتَظِرُوٓا۟ إِنِّى مَعَكُم مِّنَ ٱلْمُنتَظِرِينَ ﴿٢٠﴾ ع

اور کہتے ہیں اس پر اس کے رب کی طرف سے نشان کیوں نہ اتارا گیا۔ کہہ، غیب صرف اللہ کے لیے ہے، سو انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں ۲؎

وَإِذَآ أَذَقْنَا ٱلنَّاسَ رَحْمَةً مِّنۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِىٓ ءَايَاتِنَا ۚ قُلِ ٱللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿٢١﴾

اور جب ہم لوگوں کو تکلیف کے بعد جو انھیں پہنچی ہے رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو وہ ہماری آیتوں کے حق میں تدبیریں کرنے لگتے ہیں، کہہ، اللہ سب سے جلد تدبیر کر سکتا ہے ہمارے بھیجے ہوئے لکھتے جاتے ہیں جو تم تدبیریں کرتے ہو۔

هُوَ ٱلَّذِى يُسَيِّرُكُمْ فِى ٱلْبَرِّ وَٱلْبَحْرِ ۖ حَتَّىٰٓ إِذَا كُنتُمْ فِى ٱلْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا۟ بِهَا جَآءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَآءَهُمُ ٱلْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوٓا۟ أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا۟ ٱللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِۦ لَنَكُونَنَّ مِنَ ٱلشَّٰكِرِينَ ﴿٢٢﴾

وہی ہے جو تمہیں خشکی اور تری میں چلاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ انھیں اچھی ہوا کی مدد سے لیکر چلتی ہیں اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں انھیں تند ہوا آلیتی ہے اور ہر طرف سے ان پر لہریں چڑھ آتی ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ ہلاکت میں گھر گئے۔ اللہ کو اسی کی خالص فرمانبرداری کرتے ہوئے پکارتے ہیں۔ اگر تو ہمیں اس سے نجات بخشے، تو یقیناً ہم شکرگزاروں میں سے ہوں گے ۳؎

راہوں پر چل کر جو اللہ تعالیٰ نے بتائی ہیں قرب الٰہی کا مقام حاصل کر سکتا ہے اور لا یضرھم ولا ینفعھم میں بتایا کہ جب دنیا میں کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو اللہ تعالیٰ کے حضور کیا نفع دیں گے۔

نمبر۱۔ مراد یہ ہے کہ جیسے پہلے لوگ تھے ویسے ہی یہ تمہارے مخالف ہیں انھوں نے بھی حق کی مخالفت کی یہ بھی حق کی مخالفت کرتے ہیں۔ کلمۃ سبقت من ربک سے مراد یہ ہے کہ ان کی سزا کا ایک وقت مقرر ہو چکا ہے وہ جلدی چاہتے ہیں مگر وہ اپنے وقت پر آئے گی۔ یہی مضمون اس رکوع کا ہے اور یوں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب سے آگے ہے سبقت رحمتی غضبی۔

نمبر۲۔ آیتہ میں اشارہ اسی نشان ہلاکت کی طرف ہے اور تنکیر عظمت کے لیے ہے اسی لیے جواب دیا ہے کہ وہ نشان تو آ کر رہے گا میں بھی انتظار کرتا ہوں تم بھی کرو۔ ہاں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کونسا دن اور کونسا وقت ہوگا کیونکہ غیب کی ساری تفصیلات کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

نمبر۳۔ جو کچھ اوپر بیان فرمایا تھا اسی کی ایک مثال دی ہے کہ کس طرح مصیبت کے وقت انسان خدا کو پکارتا ہے گویا بتایا ہے کہ فطرت انسانی میں یہ بات مرکوز ہے کہ اللہ تعالیٰ کا سہارا تلاش کرے مگر مصیبت سے نکل کر آسایش کی زندگی پھر دل پر غفلت کا پردہ ڈال دیتی ہے اور ابتدا

فَلَمَّآ اَنْجٰهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

پھر جب انھیں نجات دیتا ہے تو وہ زمین میں ناحق سرکشی کرتے ہیں ۔ اے لوگو! تمھاری سرکشی تمھاری اپنی ہی جانوں پر ہے دنیا کی زندگی کا سامان (لے لو) پھر تمھیں ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے ، پھر ہم تمھیں بتائیں گے جو کچھ تم کرتے تھے ۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَ الْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ ازَّيَّنَتْ وَ ظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

دنیا کی زندگی کی مثال صرف پانی کی طرح ہے جسے ہم بادل سے اتارتے ہیں، پھر اس سے زمین کا سبزہ مل نکلا جسے لوگ اور چارپائے کھاتے ہیں ، یہاں تک کہ جب زمین اپنا سنگار کر لیتی ہے اور خوب صورت بن جاتی ہے اور اس کے مالک سمجھتے ہیں کہ وہ اس پر پوری طاقت رکھتے ہیں ۔ ہمارا حکم رات یا دن کو اس پر آتا ہے تو ہم اسے کٹی ہوئی کھیتی کی طرح کر دیتے ہیں گویا کل وہ تھی ہی نہیں اسی طرح ہم باتوں کو ان لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتے ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں ۔[۲]

وَ اللّٰهُ يَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾

اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جسے چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھاتا ہے ۔[۳]

تو خطاب سے کی ہے کنتم ، مگر جرین میں غائب کی طرف التفات کلام کر دیا ہے غرض ان کے بُعد کی طرف توجہ دلانا ہے جو آسایش کے وقت انسان کو ہو جاتا ہے اور یا چونکہ مثال میں دکھ تو بعض کا ہے اور مثال کی غرض سب کو سمجھانا ہے اس لیے مخاطب سے غائب کی طرف التفات کیا ۔

نمبر۱ ۔ اختلاط دو چیزوں کا باہم مل جل جانا ہے یہاں مختلف سبزیوں کا اُگنا مراد ہے گویا وہ ایک دوسرے سے مل جل گئیں اور ایک ہی چیز کا بہت بڑھ جانا بھی مراد ہو سکتا ہے گویا اس کے اجزا ایک دوسرے سے مختلط ہو گئے ۔ اس صورت میں با سبب کے لیے ہوئی یعنی بارش کے سبب سے سبزیوں میں بہت نشوونما ہوا اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ زمین کی نبات اس پانی کے ساتھ مل گئی کیونکہ روئیدگی اسی سے پیدا ہوتی ہے کہ پانی کے اجزا سبزیوں کے اجزا سے مل جاتے ہیں ۔

نمبر۲ ۔ اس مثال میں بھی وہی بات سمجھائی ہے جو پہلی مثال میں تھی ۔ زمین کی زینت کے سامان اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہی کرتا ہے ۔ مگر جب لوگ اس آسایش کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طاقت و قدرت سے غافل ہو کر اپنے آپ کو ہی قادر سمجھ لیتے ہیں ۔ انھم قادرون علیھا ۔ تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا دوسرا نظارہ بھی دکھا دیتا ہے تاکہ انسان سمجھ لے کہ اس کی طاقت سب طاقتوں سے اوپر نہیں بلکہ وہ کوئی اور عظیم الشان طاقت ہے جس کے قبضۂ قدرت میں سب کچھ ہے ۔

نمبر۳ دارالسلام ۔ سلم اور سلامۃ کے معنی آفات ظاہری اور باطنی سے پاک ہونا ہیں اور دارالسلام سے مراد دارالسلامۃ ہے اور

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَ زِيَادَةٌ ؕ وَ لَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّ لَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾

جو نیکی کرتے ہیں ان کے لیے نیک بدلہ ہے اور بڑھ کر، اور اُن کے منہ کو نہ سیاہی ڈھانکے گی اور نہ ذلت ۔ یہی جنت والے ہیں وہ اسی میں رہیں گے ۔[1]

وَ الَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ وَ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور جو بدیاں کماتے ہیں (تو) بدی کا بدلہ اسی کی مثل ہے اور ان پر ذلّت چھا جائے گی کوئی انھیں اللہ سے بچانے والا نہ ہوگا گویا کہ اُن کے مونہوں پر رات کا سیاہ ٹکڑا اُوڑھا دیا گیا ہے ۔ یہی آگ والے ہیں ، وہ اسی میں رہیں گے ۔

وَ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَ شُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَ قَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور جس دن ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے پھر انھیں جنھوں نے شرک کیا تھا کہیں گے تم اور تمھارے شریک اپنی جگہ ٹھیرے رہو پھر ہم اُن میں جدائی ڈال دیں گے اور ان کے شریک کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہ کرتے تھے ۔[2]

السلام اللہ تعالیٰ کا بھی اسم ہے کیونکہ وہ ہر قسم کے عیوب اور نقائص سے پاک ہے۔ دنیا کی نعمتوں کے مقابل جن میں دکھ اور تکلیفیں ملی ہوئی ہیں اللہ تعالیٰ ایسے گھر کی طرف بلاتا ہے جو دکھوں اور تکلیفوں سے پاک ہے۔ انسان اگر سکھ چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی سکھ کی طرف بلاتا ہے مگر انسان عارضی سکھ کو مدنظر رکھ کر خود اپنے لیے دُکھ کا سامان کر لیتا ہے۔

نمبر[1] زیادۃ ۔ تو اصل میں ایک چیز پر کچھ بڑھانے کا نام ہے مگر یہاں چونکہ نعمائے جنت میں اس کا ذکر ہے اس لیے مراد نظر الی وجہ اللہ لی گئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا دیکھنا جو بہشت کی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت ہے۔ راغب کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رویت کو زیادۃ اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ ایسی چیز ہے جس کا تصوّر بھی دنیا میں ممکن نہیں ۔ ابن جریر میں کچھ اور اقوال بھی منقول ہیں مثلاً بڑھا ہُوا اجر یا دس گُنا اجر یا اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رضوان یا اس دنیا میں نعمتیں ۔

احسان یعنی اپنے نفس میں نیکی کرنے یا دوسروں سے نیکی کرنے کا انجام یہ ہے کہ بدلہ نیک ملتا ہے کچھ اور بھی ملتا ہے ۔ اور چہرہ پر سیاہی چھا جانا جو ناکامی اور نامرادی کا لازمی نتیجہ ہے وہ پیدا نہیں ہوتی نہ انسان کو ذلیل ہونا پڑتا ہے۔

نمبر[2] شرکاءکم اور شرکاءھم سے مراد وہ ہیں جنھیں وہ اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہراتے تھے حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربی و ربکم (المائدہ ۔ ۱۱۷) اور ملائکہ کے متعلق ہے اھٰؤلاء ایاکم کانوا یعبدون (السّبا ۔ ۴۰) یہاں فرمایا کہ وہ ان کے شرکاء کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہ کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ ان دونوں یعنی عابد اور معبود کو الگ الگ کر دیگا اور دوسری جگہ ہے انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم (الانبیاء ۔ ۹۸) لو کان ھٰؤلاء اٰلھۃ ما وردوھا (الانبیاء ۔ ۹۹) تو معلوم ہُوا کہ ان دونوں مقامات پر الگ الگ قسم کے معبودین کا ذکر ہے ایک تو اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں یا ملائکہ کو معبود بنا لیا گیا ہے یہ آیات ان کے متعلق ہیں اور جہاں معبودین کے دوزخ میں پڑنے کا ذکر ہے تو مراد وہ لوگ ہیں جو خود اپنے آپ کو بڑا بنا کر دوسروں سے اپنے آپ کو خدا کی طرح منواتے ہیں اور پتھروں، درختوں

فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اِنْ
سو ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ بس ہے کہ ہم تمہاری

كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۲۹﴾
عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ
وہاں ہر شخص اس کی خبر پالے گا جو آگے بھیجا تھا اور وہ

وَرُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ
اللہ اپنے سچے مولیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جو وہ

ع عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾
افترا کرتے تھے اُن سے جاتا رہے گا۔[1]

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ
کہہ کون تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے، یا کس

اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ
کے اختیار میں کان اور آنکھیں ہیں اور کون زندہ مُردے

يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ
سے نکالتا ہے اور مُردہ زندہ سے نکالتا ہے اور کون کاروبار

مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ۭ فَسَيَقُوْلُوْنَ
عالم کی تدبیر کرتا ہے، تو کہیں گے اللہ۔ پس کہہ پھر کیا تم

اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾
تقوےٰ اختیار نہیں کرتے۔[2]

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ
تو یہی اللہ تمھارا سچا رب ہے اور حق کے بعد کیا ہے

الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ښ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾
مگر گمراہی۔ پھر تم کہاں سے پھرے جاتے ہو۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ
اسی طرح تیرے رب کی بات ان پر صادق آئی جنھوں نے نافرمانی

اور ہواؤں وغیرہ کو معبود بنا لیتے ہیں تو ان کا ذکر ان دونوں میں نہیں کیوں کہ حشر صرف انسانوں کا ہوگا نہ جمادات اور نباتات کا۔

نمبر۱۔ جب اعمال کی سزا کے بھگتنے کا وقت آتا ہے تو غلط سہارے سب گر جاتے ہیں اور اصل حقیقت انسان کے سامنے منکشف ہو جاتی ہے یہ تجربہ ہر انسان یہاں بھی کر سکتا ہے۔ ہر ایک غلط کار کو اپنی غلطیوں کی سزا آخر خود بھگتنی پڑتی ہے اور جو اس کو ان غلطیوں میں ڈالتے ہیں۔ نتیجہ بھگتنے کے وقت وہ الگ ہو جاتے ہیں۔ رکوع کے پہلے حصہ میں بتایا تھا کہ مصیبتوں کے وقت فطرت انسانی صرف اللہ تعالیٰ کے آگے جھکتی ہے اور معبودان باطل کو اس وقت انسان بھول جاتا ہے ان چھوٹی چھوٹی مصیبتوں کے مقابلہ میں آخری آیات میں اس مصیبت عظمیٰ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ جو بدکرداروں کے لیے نتائج اعمال کے رنگ میں ظہور پذیر ہوگی اس وقت انکشاف کامل ہوگا کہ غیر اللہ معبود کسی کام نہیں آ سکتے بلکہ وہ معبود بھی انکار کریں گے کہ ان کی عبادت کی جاتی تھی۔

نمبر۲۔ یملك السمع والبصر سے مراد ہے کہ کون ان قوتوں کو وجود میں لانے والا اور کون ان کی حفاظت کا متولی ہے۔ پچھلے رکوع میں یہ بتایا تھا کہ مصیبت کے وقت فطرت انسانی اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتی ہے اور معبودانِ باطل کو بھول جاتی ہے اسی سے اس ہولناک وقت کی طرف توجہ دلائی تھی۔ جو نتائج اعمال کے بھگتنے کا وقت ہوگا کہ خود وہ معبود ہی انکار کریں گے۔ اسی مضمون کے سلسلہ کو جاری رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ایک بت پرست کی فطرت بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت دے اٹھتی ہے اور بعض باتوں میں تو مجبوراً اسے بھی ماننا پڑتا ہے کہ یہ کام صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ہے۔ چنانچہ آسمان اور زمین سے رزق کا دینا۔ آسمانی رزق سے مراد یا تو وحی کا نزول ہے اور زمینی رزق سے مراد جسمانی سامانوں کا عطا کرنا اور یا آسمان کا رزق پانی ہے جو اوپر سے برستا ہے اور زمین کا رزق اس پانی سے روئیدگی کا نکلنا ہے۔ ایسا ہی

فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝۳۳

کہ وہ ایمان نہیں لاتے ہ۱

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ یَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ۝۳۴

کہہ کیا تمھارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو پہلے پیدا کرتا ہے ، پھر اسے دوہراتا ہے - کہہ اللہ ہی پہلے پیدا کرتا ہے، پھر اسے دوہراتا ہے پھر تم کہاں سے الٹ جاتے ہو۲

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّهْدِیْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ یَهْدِیْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ یَّهْدِیْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْٓ اِلَّآ اَنْ یُّهْدٰی ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝۳۵

کہہ کیا تمھارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو صحیح راہ بتاتا ہے، کہہ ، اللہ ہی صحیح راہ بتاتا ہے ، تو کیا وہ جو صحیح راہ بتاتا ہے زیادہ حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود راہ نہیں پاتا ، سوائے اس کے کہ اُسے راہ دکھائی جائے تمھیں کیا ہو گیا تم کیسا فیصلہ کرتے ہو۳

وَمَا یَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا یَفْعَلُوْنَ ۝۳۶

اور ان میں اکثر اٹکل پر ہی چلتے ہیں ، حق کے مقابلے میں اٹکل کچھ کام نہیں دیتی - اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں -

---

سمع اور بصر پر اختیار یعنی قوائے انسانی پر کیونکہ سمع اور بصر داعلیٰ قوائے انسانی ہیں۔ پھر مُردوں سے زندوں کو اور زندوں سے مُردوں کو نکالنا جسمانی رنگ میں ہو یا توزں کی احیاء و اماتت ہو خلاصہ ان سب امور کا تدابیر میں آجاتا ہے جس سے مراد نظام عالم کا چلانا ہے مسیح کی پرستش کرنیوالا شجر و حجر کی پرستش کرنے والا مانتا ہے کہ یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے ہی ہیں اس لیے فرمایا پھر مستحق پرستش دوسرے کس طرح ہو گئے جیسا کہ اگلی آیت میں واضح کر دیا۔

نمبر۱۔ فسق یہاں عام معنی میں ہے یعنی عہد فطرت کی خلاف ورزی مراد ہے کیونکہ اوپر عہد فطرت کی طرف اشارہ ہے جو اس عہد کی نافرمانی کرتے ہیں وہ اس دوسرے عہد یعنی شریعت یا وحی کو قبول نہیں کرتے۔

نمبر۲۔ خلق کے لوٹانے سے مراد بعد موت زندگی بھی ہو سکتی ہے تو گو وہ اس کے قائل نہ تھے مگر مراد یہ ہو سکتی ہے کہ جب وہ پہلی بار بھی خلق نہیں کر سکتے تو دوسری زندگی جو اللہ تعالیٰ کے اور بھی عجائباتِ قدرت سے ہے اور ایک حقیقت ہے اس پر وہ کیونکر قادر ہو سکتے ہیں اور یا پہلی خلق سے مراد بار اوّل اشیاء کو وجود میں لانا اور اعادہ سے مراد ایک قانون کے ماتحت ان کو بار بار پیدا کرتے رہنا ہے ۔ جیسے انسان اوّل کو پیدا کیا یہ بدء ہے پھر اس سے آگے ایک قانون کے ماتحت نسل چلائی یہ اعادہ ہے اس صورت میں معنی ظاہر ہیں۔

نمبر۳۔ یھدی۔ اصل میں یَہْتَدِی ہے اور اھتداء کے معنی ہدایت پانا ہیں۔

تیسری بات جس کی طرف توجہ دلائی (پہلی تدبیر امر ہے آیت ۳۱ - دوسری خلق آیت ۳۴) وہ ہدایت کا دینا ہے یہ بھی کوئی بُت یا کوئی معبود باطل نہیں دیتا صرف اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے اور معبودانِ باطل کے متعلق جو فرمایا کہ لا یھدی اِلَّا ان یھدی تو یا عباد امثالکم (الاعراف - ۱۹۴) مراد ہیں کہ وہ خود محتاج ہدایت ہیں اور یا ھدی سے مراد اُن کا ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا ہے یعنی وہ خود چلنے کے قابل بھی نہیں اور یا وہ ہدایت عامہ مراد ہے جو جاندار اور بیجان اور ذی عقل اور غیر ذی عقل سب کو دی جاتی ہے کہ اس کا دینے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ
بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ
فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٧﴾

اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا اوروں کا افترا ہو، بلکہ یہ اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے، اور کتاب کی تفصیل ہے جس میں کچھ شک نہیں، جہانوں کے رب کی طرف سے ہے ۔[۱]

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ
مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٨﴾

کیا کہتے ہیں کہ اسے از خود جھوٹ بنا لیا ہے کہہ ایک سورة اس جیسی لے آؤ اور اللہ کے سوا جسے بُلا سکو بُلا لو، اگر تم سچے ہو۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَ
لَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٩﴾

بلکہ اُسے جھٹلاتے ہیں جس کے علم کا وہ احاطہ نہیں کر سکتے اور ابھی اس کی حقیقت ان تک نہیں آئی اسی طرح ان لوگوں نے جھٹلایا جو ان سے پہلے تھے، تو دیکھ لو ظالموں کا انجام کیسا ہوا ۔[۲]

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا
يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٤٠﴾ ع

اور کچھ ان میں سے وہ ہیں جو اس پر ایمان لائیں گے اور کچھ وہ ہیں جو اس پر ایمان نہیں لائینگے اور تیرا رب فساد کرنیوالوں کو خوب جانتا ہے۔

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ
عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓئُوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ

اور اگر تجھے جھٹلائیں تو کہہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمھارے لیے تمھارا عمل، تم اُس سے بری ہو جو میں کرتا ہوں اور میں اس سے

نمبر۱- یہاں دو باتیں بالخصوص بتائیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ قرآن افترا نہیں - ایک پہلی کتابوں کا مصدق ہونا یعنی ان پیشگوئیوں کو پورا کرنے والا ہے جو اس کے آنے سے ہزار ہا برس پہلے موجود ہیں۔ ان پیشگوئیوں کو محمد رسول اللہ ؐ نے نہیں بنایا اور دوسرا یہ تفصیل کتاب ہے یعنی وہ باتیں جو پہلی کتابوں میں مجمل اور مبہم رہ گئی ہیں ان کی تفصیل یہ قرآن شریف فرماتا ہے جیسے مسئلہ معاد یا مسئلہ صفات الٰہی کہ پہلی کتابیں اس بارہ میں بہت ہی اجمالی تعلیم دیتی ہیں- ایسا ہی ان کتابوں میں دلائل کا نام ونشان نہیں- اگلی آیت میں اس دعویٰ کو اور مضبوط کیا کہ اگر تم پھر بھی اسے افترا سمجھتے ہو تو اس جیسی ایک ہی سورت لے آؤ- اور قرآن کا ذکر یہاں اس لحاظ سے کیا کہ اس میں دلائل توحید الٰہی ہیں-

نمبر۲- مثل لانے کی تحدی کے بعد کتاب کے علوم کی طرف توجہ دلائی ہے جھوٹ تو کہہ دیا مگر اس کے علوم کی خبر تک نہیں اس کے مضامین عالیہ پر کبھی غور نہیں کیا اگر غور کرتے تو خود وہ باتیں ہی ان کے دلوں کو کھینچ لیتیں- تو یہ کس قدر جرأت ہے کہ بغیر ایک چیز کا علم حاصل کرنے کے اس کی تکذیب شروع کر دی- چونکہ حقیقت معنی کا ذکر احاطہ بالعلم میں آچکا ہے اس لیئے تاویل سے مراد تاویل فعلی یا انجام ہے اور اسی انجام تکذیب کی طرف آیت کے آخری الفاظ میں توجہ دلائی ہے کیف کان عاقبۃ الظالمین- پس مطلب یہ ہوا کہ قرآن کے علم پر غور کرتے تو اس کی تکذیب نہ کرتے اور جو تکذیب کی ہے تو اب اس کا انجام وہی ہوگا جو ان کو پہلے سے بتا دیا گیا ہے-

وَ اَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾	بَری ہوں جو تم کرتے ہو۔
وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَ لَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾	اور اُن میں سے بعض وہ ہیں جو تیری طرف کان لگاتے ہیں تو کیا تو بہروں کو سنائے گا گو وہ عقل سے کام نہ لیں۔
وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ وَ لَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾	اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو تیری طرف نظر اُٹھاتے ہیں تو کیا تو اندھوں کو راہ دکھائے گا گو وہ سوجھ نہ رکھتے ہوں۔
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّ لٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾	اللہ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا۔ لیکن لوگ آپ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں [1]۔
وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾	اور جس دن اُن کو اکٹھا کرے گا گویا نہ رہے تھے مگر دن کی ایک گھڑی، ایک دوسرے کو پہچانیں گے اور وہ لوگ گھاٹے میں رہے جنھوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور وہ ہدایت پانے والے نہ ہوئے [2]۔
وَ اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾	اور اگر ہم ان وعدوں میں سے جو انھیں دیتے ہیں کچھ تجھے دکھا دیں یا تجھے وفات دیں تو ہماری طرف ہی انھیں لوٹ کر آنا ہے پھر اللہ اس پر گواہ ہے جو وہ کرتے ہیں [3]۔
وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ	اور ہر ایک قوم کے لیے ایک رسول ہے۔ سو جب ان کا رسول

نمبر ١۔ جب اعمال کی ذمہ داری کا ذکر کیا تو بتایا کہ بعض لوگ بظاہر کان تو لگاتے ہیں یعنی آواز تو ان کے کان میں پڑتی ہے مگر عقل سے کام نہیں لیتے اس لیے سُن کر فائدہ نہیں اُٹھاتے اور آنکھوں سے دیکھتے تو معلوم ہوتے ہیں مگر چونکہ بصیرت سے کام نہیں لیتے اس لیے ان کا دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہے اور یہ کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سزا بطور ظلم نہیں دیتا۔

نمبر ٢۔ دنیا میں جو مدت رہے ہیں وہ ایک گھڑی بھر سے بھی کم معلوم ہوگی انسان کتنی بھی عمر آسایش اور آرام میں گذارے جب مصیبت آتی ہے تو وہ سب ایک گھڑی ہی معلوم ہوتی ہے۔ ایک دوسرے کو پہچاننے سے بھی یہی مطلب ہے کہ گویا علیحدہ ہوئے کوئی عرصہ نہیں گزرا اور یا شاید یہ اشارہ ہو کہ عالم برزخ کا قیام صرف ایک گھڑی کا حکم رکھتا ہے۔

نمبر ٣۔ مطلب یہ ہے کہ سزا کے سارے وعدوں کا آپ کی زندگی میں پورا ہونا ضروری نہیں اور حق تو یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دامن جب قیامت تک ممتد ہے اور قرآن کریم میں سب ہی مکذبین اور مخالفین کا ذکر ہے تو ان کی سزائیں سب کی سب آنحضرت ؐ کی زندگی میں کس طرح وارد ہو سکتی تھیں اور بعض کا آپ کو دکھایا جانا تاریخ سے ثابت ہے اور یہ جو فرمایا کہ اللہ اس پر گواہ ہے جو وہ کرتے ہیں، تو مطلب یہ ہے کہ ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جس جس کو وہ جس سزا کے لائق سمجھے گا دیتا رہے گا۔

رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ	آجاتا ہے ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیا جاتا ہے
لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾	اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا ما۔
وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ	اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا، اگر تم
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾	سچے ہو۔
قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا	کہہ میں اپنے لیے نہ بُرے کا مالک ہوں نہ بھلے کا، سوائے
مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا	اس کے جو اللہ چاہے۔ ہر ایک قوم کا ایک وقت ہے جب ان کا
جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً	وقت آجاتا ہے تو ایک گھڑی پیچھے نہیں رہ سکتے اور
وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾	نہ آگے بڑھتے ہیں مٹ۔
قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا	کہہ بتاؤ اگر اس کا عذاب رات یا دن کو تم پر آجائے
اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾	تو اس میں سے وہ کیا ہے جس کے لیے مجرم جلدی کر رہے ہیں۔
اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ	(اور) کیا پھر جب وہ آ ہی جائے گا اس پر ایمان لاؤ گے، اب
كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾	(ایمان لاتے ہو) اور (پہلے) اس کے لیے جلدی مچاتے تھے۔
ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ	پھر انھیں جنھوں نے ظلم کیا تھا کہا جائے گا دیرپا عذاب چکھو تمھیں
الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾	بدلہ نہیں دیا جاتا مگر وہی جو تم کماتے تھے۔
وَيَسْتَنْۢبِئُوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِيْ وَرَبِّيْٓ	اور تجھ سے دریافت کرتے ہیں کیا یہ سچ ہے، کہہ ہاں! میرے رب کی

نمبرا۔ ہر قوم کے لیے ایک رسول ہے۔ یہ وہ عظیم الشان صداقت ہے جو اسلام سے پہلے کسی نے نہیں سکھائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت چونکہ کل دنیا کی طرف ہوئی اس لیے سب عالم ایک ہی امت کے حکم میں ہو گیا۔ رسول کا اب کسی قوم کے پاس آنا ان کو تبلیغ ہونا ہے۔ جس قوم پر آپ کی تعلیم کی تبلیغ ہو گئی اس کے متعلق اس آیت کا مضمون صادق آگیا اور بینہم سے مراد رسول اور اس کے مخالف ہیں کہ ان کے درمیان فیصلہ ہو جاتا ہے یعنی مخالفین پر سزا وارد ہو جاتی ہے۔ اسی کے متعلق اگلی آیت میں سوال ہے کہ وہ سزا کب آئے گی اور قرآن کریم میں متی ھذا الوعد۔ متی ھذا الفتح اکثر دنیوی عذاب کے متعلق ہی ہے۔

نمبر۲۔ جب یہ سوال ہوا کہ وہ سزا ہم پر کب آئے گی تو فرمایا کہ جواب میں کہہ دو کہ تمھیں سزا پہنچانے کا اختیار مجھے کہاں ہے میں تو اپنی جان کے لیے بھی کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور یہ جو فرمایا کہ ہر قوم کے لیے ایک میعاد مقرر ہے تو اس میں یہ تعلیم دی ہے کہ جس طرح انسان پیدا ہوتے اور مرتے ہیں اسی طرح قومیں بھی پیدا ہوتی اور مرتی ہیں اور ہر ایک قوم کے لیے علم الٰہی میں ایک وقت مقرر ہوتا ہے جب وہ صف لپیٹ لی جاتی ہے۔ پس کسی قوم کو اپنی طاقت پر فخر نہیں کرنا چاہیئے۔ جس طرح کسی انسان کو اپنی قوت پر فخر نہیں کرنا چاہیئے۔

إِنَّهُۥ لَحَقٌّ ۖ وَمَآ أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ﴿٥٣﴾
قسم یہ یقیناً حق ہے اور تم (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے [1]

وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِى ٱلْأَرْضِ
لَٱفْتَدَتْ بِهِۦ ۗ وَأَسَرُّوا۟ ٱلنَّدَامَةَ لَمَّا
رَأَوُا۟ ٱلْعَذَابَ ۖ وَقُضِىَ بَيْنَهُم بِٱلْقِسْطِ
وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٥٤﴾
اور اگر ہر شخص کے لیے جس نے ظلم کیا وہ (سب کچھ) ہو جو زمین میں ہے تو اس کے ساتھ فدیہ دینا چاہیگا اور جب عذاب کو دیکھیں گے تو ندامت کو چھپائیں گے اور ان میں انصاف سے فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا [2]

أَلَآ إِنَّ لِلَّهِ مَا فِى ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۗ
أَلَآ إِنَّ وَعْدَ ٱللَّهِ حَقٌّ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ
لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٥﴾
سنو اللہ کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، سنو اللہ کا وعدہ سچا ہے، لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

هُوَ يُحْىِۦ وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٥٦﴾
وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن
رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِى ٱلصُّدُورِ
وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾
اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آگئی ہے اور اس کے لیے شفا جو سینوں میں ہے۔ اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت [3]

قُلْ بِفَضْلِ ٱللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِۦ فَبِذَٰلِكَ
فَلْيَفْرَحُوا۟ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿٥٨﴾
کہہ، اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر ہاں اسی پر چاہیے کہ خوش ہوں وہ اس (دولت) سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں [4]

نمبر۱- اِی حرف جواب اور تصدیق ہے جس کے معنی نعم ہیں یعنی ہاں اور اس کا استعمال اس طرح پر قسم کے ساتھ خاص ہے پھر اسی عذاب کے متعلق سوال ہے کہ کیا ایسا سچ مچ ہوگا۔ جب ایک قوم طاقت کے نشہ میں ہوتی ہے تو اسے کبھی خیال نہیں آتا کہ اس کے لیے بھی کوئی وقت آنے والا ہے جب اس کی طاقت نابود کر دی جائے گی۔ یہ بار بار کے سوال اسی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں۔

نمبر۲- ندامت کو چھپانے سے مراد یہ ہے کہ بڑے لوگ اپنے متبعین سے ندامت کو چھپائیں گے۔ تکذیب پر جس عذاب کا وعدہ تھا اسی کا ذکر یہاں ہے وہ دنیا میں ظاہر ہو جاتا ہے مگر کامل طور پر قیامت میں ظہور پذیر ہوگا۔

نمبر۳- تکذیب کے انجام بد سے ڈرا کر اور پچھلی آیات میں یہ بتا کر کہ واقعی طاقت اور قدرت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور جو برسر طاقت ہیں وہ خوب یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اب اس طرف توجہ دلائی ہے کہ تم تکذیب میں کیوں جلدی کرتے ہو۔ قرآن تو تمہارے رب کی طرف سے ایک وعظ ہے اور وعظ روکتا ہے اس طرح کہ بدی کے بد انجام سے ڈرایا جائے۔ دوسری بات فرمائی کہ انسان کو جو کچھ قویٰ دیئے گئے ہیں جیسے ہوا، غضب، شہوت وغیرہ ان کے لیے یہ دوا ہے یعنی ان کی اصلاح کرتا ہے۔ تیسری بات ہدایت ہے کہ ان کو صحیح راہ پر لگاتا ہے اور چوتھی رحمت کہ اس سے اچھے نتائج پیدا ہوتے ہیں یعنی اخلاق فاضلہ کی بلند ترین منازل پر یہ پہنچاتا ہے جو دنیا کے لیے موجب رحمت ہیں۔

نمبر۴- یہاں اسی بات کو واضح کر کے بیان کیا ہے کہ اللہ کی طرف سے یہ فضل اور رحمت ہے جو تم کو بلند مقامات پر پہنچاتا ہے اور اس مال و دولت

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ
رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ
آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿٥٩﴾
وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى
ع النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٦٠﴾

کہہ، کیا دیکھتے ہو جو اللہ نے تمھارے لیے رزق اتارا ہے، پھر تم اس سے حرام اور حلال ٹھیراتے ہو۔ کہہ، کیا اللہ نے تمھیں اس کا حکم دیا ہے؟ یا تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو۔[1]

اور جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں قیامت کے دن کی نسبت اُن کا کیا خیال ہے؟ یقیناً اللہ لوگوں پر فضل کرتا ہے لیکن اُن میں سے اکثر شکر نہیں کرتے۔

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ
مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ
اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ
فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ
مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي
السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ
اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٦١﴾

اور تو کسی حال میں نہیں ہوتا اور نہ اس میں کچھ قرآن پڑھتا ہے اور نہ تم کچھ کام کرتے ہو، مگر ہم تم پر موجود ہوتے ہیں جب تم اس میں مصروف ہوتے ہو۔[2] اور تیرے رب سے ذرّہ کے وزن کے برابر بھی کوئی چیز نہ زمین میں چھپی رہتی ہے اور نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹی اور نہ بڑی، مگر وہ ایک کھلی کتاب میں ہے۔

سے جس کے جمع کرنے کی فکر میں تم اس کی تکذیب کرتے ہو وہ بہت بہتر ہے گویا سمجھایا ہے کہ اخلاق فاضلہ دولت سے اچھی چیز ہے۔ قرآن کریم تم میں وہ اخلاق فاضلہ پیدا کرتا ہے۔ تم دولت کے جمع کرنے کے لیے بڑی کوشش کرتے ہو لیکن ان اخلاق کے لینے کے لیے کیوں متوجہ نہیں ہوتے دولت سے انسان عزت اور راحت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر دولت سے یہ چیزیں کبھی نہیں ملتیں اور جو عزت اور راحت ہمیشہ کے لیے اخلاق فاضلہ سے ملتی ہے وہ دولت سے عارضی طور پر بھی نہیں مل سکتی۔

نمبر۱- ایک معنی تو ظاہر ہیں کہ مشرک بعض قسم کی چیزوں کو حرام قرار دے لیتے ہیں هٰذہ انعام وحرث حجر (الانعام - ١٣٨) مگر سیاق وسباق کے لحاظ سے یہ مراد معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اخلاق سے بھی رزق دیا ہے اور قیام جسم کے لیے بھی پھر تم اس رزق سے جو اخلاق سے تعلق رکھتا ہے اپنے آپ کو بکلی محروم رکھ کر اسے گویا حرام ٹھہرا رہے ہو۔ ھو خیر مما یجمعون سے یہی معلوم ہوتا ہے اگلی آیت بھی اس معنی کی مؤید ہے فرمایا کہ یہاں تو اس رزق سے تم دن کاٹ لوگے مگر قیامت کے دن کی نسبت جہاں یہ رزق ساتھ نہیں ہوگا تمھارا کیا خیال ہے یعنی اس کے لیے کیوں کچھ بھی تیاری نہیں کرتے۔

نمبر۲- جب کفار کو یہ توجہ دلائی کہ وہ بجائے تکذیب کے قرآن کریم سے فائدہ اُٹھائیں کیونکہ اس میں شفا اور ہدایت ہے تو اب یہ بتایا کہ یہ قرآن اپنی پیروی کرنے والوں کو کن مقامات عالیہ پر پہنچاتا ہے اور اس پہلی آیت میں تلاوت قرآن کا ذکر کیا خواہ خطاب خاص نبی صلعم سے لیا جائے یا عام اور آپ کے یا آپ کے پیچھے متبعین کی ساری شانیں ہی اچھی ہیں مگر تلاوت قرآن کا بالخصوص ذکر کیا۔ منہ میں ضمیر اس شان کی طرف ہے اور یا اللہ کی طرف یعنی اللہ کی طرف سے نازل شدہ قرآن کی تلاوت کرتے ہو اور ما تعملون من عمل میں سب مومن مراد ہیں جو کسی کام میں لگے ہوں تو ان کو خوشخبری دی ہے کہ تمھارا کوئی نیک عمل ضائع نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہے۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾

سنو اللہ کے دوستوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾

جو ایمان لائے اور تقوےٰ کرتے تھے۔

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٤﴾

ان کے لیے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں خوشخبری ہے[1] اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں، یہ بڑی بھاری کامیابی ہے۔

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٥﴾

اور اُن کی بات تجھے غمگین نہ کرے، عزت سب اللہ کے لیے ہے، وہ سننے والا جاننے والا ہے[2]

نمبر۱- اولیاء اللہ کو ایک طرف یہ خوشخبری دی تھی کہ ان کے لیے خوف و حزن باقی نہ رہے گا تو اب دوسری طرف یہ بھی بتایا کہ صرف یہی نہیں بلکہ ان کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بشارتیں ہوں گی - حدیث صحیح میں اس کی تصریح موجود ہے جہاں فرمایا لم یبق من النبوۃ الا المبشرات یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان جو سفارت کا کام انبیاء کرتے تھے اس میں سے اب صرف مبشرات باقی رہ گئی ہیں، جو مومنوں کو ملتی رہیں گی - نبوۃ یا سفارۃ تو کئی ایک چیزوں کے مجموعہ کا نام تھا - مثلاً مبشرات کے علاوہ کتاب کا ملنا جیسا کہ وانزل معھم الکتاب (البقرہ - ۲۱۳) سے ظاہر ہے یا کسی نمونہ کا ظاہر کرنا وغیرہ - اس سفارت میں ایک حصہ یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی تائیدات اور نصرتوں کی خوشخبری اس کے بندوں کو پہنچائی جائے سو وہ حصہ باقی رہ گیا یعنی کل میں سے ایک جزو اور بلحاظ اس اصل پیغام کے جو اللہ تعالیٰ کی راہوں کا بتانا اس کے اوامر و نواہی کا پہنچانا وغیرہ ہیں اسے نبوت کا صرف چالیسواں اور چھیالیسواں یا ساٹھواں حصہ قرار دیا ہے اور مبشرات کی تشریح حدیث میں رؤیائے صالحہ سے کی ہے اور اس میں الہام بھی داخل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو جو بذریعہ رؤیا یا کشف یا الہام انسان تک پہنچایا جاتا ہے من وراء حجاب میں داخل کیا ہے اور حدیث نے بلحاظ کثرت کے جو رؤیا کو حاصل ہے اسی کو اصل قرار دیا ہے اور متعدد حدیثوں میں ہے کہ رسول اللہ صلعم سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد رؤیائے صالحہ ہے دیکھو ابن جریر اور ابن کثیر - حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم صلعم نے فرمایا انّ الرّسالۃ والنّبوّۃ قد انقطعت ولا رسول بعدی ولا نبی قال فشق ذالک علی الناس فقال ولکن المبشرات - یعنی رسالت اور نبوت منقطع ہوگئی اور میرے بعد کوئی رسول نہیں اور نہ کوئی نبی ہے تو یہ بات لوگوں پر شاق گزری تو آپ نے فرمایا لیکن مبشرات باقی ہیں جس میں یہی ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ کا مکالمہ و مخاطبہ جو اصل نعمت ہے وہ باقی ہے کیونکہ وہ معرفت الٰہی کا ذریعہ ہے اور اسی طرف اشارہ ہے رجال یکلمون من غیر ان یکونوا انبیاء میں - ہاں نبوت کی اصل غرض چونکہ لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہوں کا ظاہر کرنا تھا اور تکمیل دین کے بعد اس کی ضرورت نہ رہی اس لیے اب نبوت نہیں مگر مقامات عالیہ تک پہنچنے کی سب راہیں موجود ہیں بلکہ پہلے سے بھی بڑھ کر جیسا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ان للہ تعالیٰ عباداً لیسوا بانبیاء ولا شھداء یغبطھم النبیون والشھداء علی مجالسھم وقربھم من اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں جو نبی اور شہید نہیں لیکن نبی اور شہید اُن کے مرتبہ اور اُن کے اللہ تعالیٰ کے قرب پر رشک کریں گے اور ابوہریرہؓ سے اسی کی مثل روایت ہے ان من عباد اللہ عباداً یغبطھم الانبیاء والشھداء اور جب لوگوں نے پوچھا کہ وہ کون ہیں تو آپ نے ان کے متعلق کچھ باتیں بیان کر کے یہی آیت پڑھی اَلَا اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون - ۶۲-

نمبر۲- مومنین کے ان مدارج عالیہ کو کفار کیا سمجھ سکتے تھے جن کی نظریں دنیا تک محدود تھیں اور جنھیں مال و دولت دنیوی اور حکومت ظاہری

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنۡ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى
الۡاَرۡضِ‌ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ
مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ‌ؕ اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا
الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ ﴿۶۶﴾

سنو اللہ کے لیے ہی ہے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، اور جو اللہ کے سوا (اوروں کو) پکارتے ہیں وہ (ان) شریکوں کی پیروی نہیں کرتے وہ صرف (اپنے) خیال کی پیروی کرتے ہیں اور صرف اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔

هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الَّيۡلَ لِتَسۡكُنُوۡا
فِيۡهِ وَالنَّهَارَ مُبۡصِرًا‌ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ ﴿۶۷﴾

وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام کرو اور دن روشنی دینے والا (بنایا) یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشان ہیں جو سنتے ہیں۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا‌ سُبۡحٰنَهٗ‌ؕ هُوَ الۡغَنِىُّ‌ؕ
لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ
اِنۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍۢ بِهٰذَا‌ؕ اَتَقُوۡلُوۡنَ
عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۸﴾

کہتے ہیں اللہ نے بیٹا بنایا وہ (اس سے) پاک ہے، وہ بے نیاز ہے، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں، کیا تم اللہ پر (جھوٹ) کہتے ہو جو تم نہیں جانتے ۱؎

قُلۡ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَفۡتَرُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ
لَا يُفۡلِحُوۡنَ ؕ ﴿۶۹﴾

کہہ، وہ جو اللہ پر جھوٹ بناتے ہیں، کامیاب نہیں ہوتے۔

مَتَاعٌ فِى الدُّنۡيَا ثُمَّ اِلَيۡنَا مَرۡجِعُهُمۡ ثُمَّ
نُذِيۡقُهُمُ الۡعَذَابَ الشَّدِيۡدَ بِمَا كَانُوۡا يَكۡفُرُوۡنَ ﴿۷۰﴾

دنیا کا سامان ہے پھر ہماری طرف انھیں لوٹ کر آنا ہے پھر ہم انھیں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اس لیے کہ وہ کفر کرتے تھے۔

وَاتۡلُ عَلَيۡهِمۡ نَبَاَ نُوۡحٍ‌ۘ اِذۡ قَالَ لِقَوۡمِهٖ
يٰقَوۡمِ اِنۡ كَانَ كَبُرَ عَلَيۡكُمۡ مَّقَامِىۡ وَ
تَذۡكِيۡرِىۡ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلۡتُ

اور ان پر نوحؑ کی خبر پڑھ، جب اس نے اپنی قوم کو کہا اے میری قوم! اگر میرا کھڑا ہونا اور میرا اللہ کی آیات سے نصیحت کرنا تم پر بھاری ہے، تو میرا بھروسا اللہ پر ہے

پر ناز تھا اس لیے تسلی کے طور پر فرمایا کہ ان باتوں سے غمگین مت ہو عزت و ذلت بھی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ مومن اگر اس وقت دنیوی طور پر بیکسی کی حالت میں ہیں تو یہ بھی کوئی غم کی بات نہیں اصل عزت سب اللہ تعالیٰ کے لیے ہے وہ ان کو بھی دیوے گا۔

نمبر۱۔ جب شرک کا ذکر کیا تو اس سب سے بڑے شرک کا بھی ذکر کیا جو دنیا میں پھیل جانے والا تھا اور یہ بھی بتایا کہ اس شرک کی بھی کوئی دلیل ان کے ہاتھ میں نہیں اور آیت ۷۰ میں ان کی ظاہری حالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ دنیا کی زندگی کے سامان اگر انھیں بہتات سے ملیں تو یہ عارضی اور چند روزہ بات ہے حقیقی راحت کے سامانوں سے وہ محروم ہیں اس لیے انجام دکھ ہی دکھ ہے۔

فَاَجْمِعُوْۤا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ
اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْۤا اِلَيَّ
وَ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾

سو اپنا کام درست کرلو اور اپنے شریک جمع کرلو، پھر تم کو اپنے کام میں شبہ نہ رہے، پھر میرے ساتھ (وہ) کرگزرو اور مجھے مہلت نہ دو۔[1]

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ
اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَ اُمِرْتُ اَنْ
اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾

پھر اگر تم پھر جاؤ تو میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا اجر صرف اللہ پر ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے، کہ میں فرماں برداروں میں سے رہوں۔

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ
وَ جَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾

پر انھوں نے اسے جھٹلایا سو ہم نے اسے اور انھیں جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے بچایا اور انھیں جانشین بنایا اور انھیں غرق کردیا جنھوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا تو دیکھ لے جو ڈرائے گئے تھے ان کا انجام کیسا ہُوا۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ
فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا
بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ
نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

پھر ہم نے اس کے بعد اپنی (اپنی) قوم کی طرف رسول بھیجے اور وہ اُن کے پاس کھلی دلائل لائے گروہ ایسے نہ تھے کہ اس پر ایمان لاتے جسے پہلے جھٹلا چکے تھے۔ اسی طرح ہم حد سے گزر جانے والوں کے دلوں پر مُہر لگا دیتے ہیں۔[2]

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَ هٰرُوْنَ
اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا

پھر ہم نے اس کے بعد موسیٰؑ اور ہارونؑ کو اپنی آیتوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا، پر

نمبر۱۔ رسول اللہ صلعم کی تکذیب کا ذکر تھا اسی میں قرآن کریم کے مومنوں کو مقاماتِ عالیہ پر پہنچانے کا ذکر آیا۔ اب پھر اصل مضمون کی طرف رجوع کیا ہے اور مثال کے رنگ میں پہلے انبیاء کی تکذیب اور اس کے نتائج کو پیش کیا ہے مگر اصل ذکر آنحضرت کا مقصود ہے اور آپ کے ہی مخالفوں کو ان الفاظ میں خطاب ہے کہ تم جو کچھ طاقت رکھتے ہو میرے خلاف کرگزرو۔ میری ہلاکت کا عزم کرلو۔ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے، مہلت بھی نہ دو اور جو کرنا چاہتے ہو فوراً کرگزرو۔ اس شدید مخالفت کے اندر اور کفار کے اس جوش کے اندر جو ان میں پہلے ہی پھیلا ہوا تھا۔ ان الفاظ میں دشمنوں کو یہ کہنا کہ تم سے جو کچھ ہو سکتا ہے میری مخالفت پر زور لگا لو اور میری تباہی کے سامان کرلو انسان کا کام نہ ہو سکتا تھا۔ چاروں طرف دشمن ہی دشمن ہیں چند دوست ہیں وہ گھروں سے نکل چکے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت پر کس قدر ایمان ہے کہ یہ پیغام پورے زور کے ساتھ دشمنوں کو پہنچاتے ہیں۔

نمبر۲۔ الی قومھم میں بتایا کہ ہر ایک رسول کو ایک خاص قوم کی طرف بھیجا گیا۔ ان رسولوں کا ذکر چھوڑ دیا ہے حضرت نوحؑ کی بعثت بھی عام نہ تھی، جیسا کہ اِنّا ارسلنا نوحًا الی قومہ (نوحؑ۔۱) سے ظاہر ہے اور اس کا سارا خطاب اپنی قوم سے ہی پایا جاتا ہے اور جو فرمایا کہ جس بات کو پہلے جھٹلایا اس پر ایمان نہ لائے تو مطلب یہ ہے کہ ہر رسول کے ساتھ اس کی قوم نے یکساں سلوک کیا یعنی پہلے ہی بغیر سوچے سمجھے جھٹلا دیا پھر مخالفت اور تکذیب پر اڑ گئے کیونکہ دلوں میں نفرت اور بغض بیٹھ گیا۔

وَ كَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۷۵
انھوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷۶
سو جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا انھوں نے کہا یہ کھلا جادو ہے۔

قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ۝۷۷
موسیٰ نے کہا، کیا تم حق کو (یہ) کہتے ہو کہ جب وہ تمھارے پاس آیا، کیا یہ جادو ہے؟ اور جادوگر کامیاب نہیں ہوتے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۷۸
انھوں نے کہا کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اس (راہ) سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے بڑوں کو پایا اور تم دونوں کے لیے ملک میں بڑائی ہو اور ہم تم دونوں پر ایمان لانے والے نہیں۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝۷۹
فرعون نے کہا ہر ایک علم والے جادوگر کو میرے پاس لے آؤ۔

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝۸۰
سو جب جادوگر آگئے، موسیٰ نے انھیں کہا، ڈالو جو تم ڈالتے ہو۔

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۸۱
تو جب ڈال چکے موسیٰ نے انھیں کہا، جو تم لائے ہو یہ دھوکا ہے اللہ اس کو ابھی باطل کر دکھائے گا کیونکہ اللہ فساد کرنے والوں کے کام نہیں سنوارتا۔

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸۲ ع
اور اللہ اپنے کلمات سے حق کو سچ کر دکھائے گا، گو مجرم برا مانائیں ۱۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۸۳
پھر موسیٰ پر کوئی ایمان نہ لایا مگر اُس کی قوم کے کچھ لوگ فرعون اور اُس کے سرداروں سے ڈرتے ہوئے کہ انھیں دُکھ دے گا اور فرعون یقیناً ملک میں سرکش تھا اور وہ حد سے بڑھنے والوں میں سے تھا ۲۔

نمبر ۱۔ یہ آخری الفاظ بتاتے ہیں کہ احقاق حق بذریعہ ان کلمات کے ہوا جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو سکھائے تھے اور یہی بات حضرت موسیٰ کے آخری غلبہ کا موجب ہوئی۔

نمبر ۲۔ ذریۃ من قومہ میں مراد بعض نے قوم بنی اسرائیل اور بعض نے قوم فرعون لی ہے مگر ترجیح قول اوّل کو ہے سیاق عبارت یہی

وَ قَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ	اور موسیٰ نے کہا اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو
بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾	اسی پر بھروسہ کرو ، اگر تم فرمانبردار ہو۔
فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا	تو انھوں نے کہا اللہ ہی پر ہم بھروسا کرتے ہیں اے ہمارے رب
فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾	ہمیں ظالم لوگوں کے لیے فتنہ نہ بنا ۱؎
وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾	اور اپنی رحمت سے ہمیں کافر لوگوں سے چھڑا۔
وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَ اَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ	اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف وحی کی کہ اپنی قوم
لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّ اجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ	کے لیے مصر میں گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو ایک دوسرے کے مقابل بناؤ
قِبْلَةً وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾	اور نماز قائم کرو اور مومنوں کو خوشخبری دے ۲؎
وَ قَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ	اور موسیٰ نے کہا اے ہمارے رب! تو نے فرعون اور اس کے

چاہتا ہے کیونکہ آگے ذکر موسیٰ کی قوم کا ہی چلتا ہے اور ذریۃ سے مراد یہاں ابن عباسؓ کے نزدیک قلیل ہے یعنی تھوڑے لوگ اور بعض نے اولاد مراد لی ہے یعنی ان کے باپ مدت گزر جانے سے مر چکے تھے اور ملا ئھم میں ضمیر ذریۃ کی طرف بلحاظ معنی جاتی ہے یا قوم کی طرف یا تو فرعون کی قوم کے سرداروں کو بنی اسرائیل کے سردار کہا ہے اس لیے کہ بنی اسرائیل محکوم تھے اور ملائھم سے مراد واقعی بنی اسرائیل کے بڑے لوگ ہیں کیونکہ فرعون انہی لوگوں کے ذریعہ سے بنی اسرائیل پر ظلم کرتا تھا جیساکہ دوسری جگہ قارون کا ذکر صاف الفاظ میں ہے اور یہ قاعدہ کی بات ہے کہ خود غرض لوگ اپنے ذاتی رسوخ اور مالی فائدہ کے لیے اپنی ہی قوم کی جڑیں کاٹنے کے لیے مستعد رہتے ہیں۔ جیسے آج کل بھی بہتیرے مسلمانوں کی یہ حالت ہے پس مراد یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں سے بہت سے لوگ فرعون اور اپنے سرداروں کے خوف سے حضرت موسیٰؑ پر ایمان نہ لائے اور یہ ابتدا کا ذکر ہے اور یہاں قوم فرعون کا ذکر نہیں۔ گو ان میں سے بھی چند ایک لوگ جیسے خود ساحر اور رجل مومن مذکورہ سورت المومن حضرت موسیٰ پر ایمان لائے تھے۔

نمبر۱۔ فتنہ کے معنے دکھ اور عذاب ہیں اور یہاں فتنہ کا محل مراد ہے گویا انھیں فرعون سے جو تکلیف پہنچتی تھی اس سے نجات مانگی ہے۔

نمبر۲۔ حضرت موسیٰ کو حکم دیا گیا تھا کہ اپنی قوم کو فرعون کے پنجہ سے چھڑا لاؤ۔ چنانچہ حضرت موسیٰ کا پہلا مطالبہ فرعون سے یہی تھا کہ بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دو لیکن فرعون نے اس کی اجازت نہ دی اور اپنے شدائد اور مظالم کو بنی اسرائیل پر اور سخت کیا حکم ہوا کہ ابھی کچھ مدت تک مصر میں رہنا ہوگا مگر یہ تمھارا رہنا بیکار نہ ہو بلکہ نماز کو قائم کرو تاکہ تمھارے اندر اخلاق فاضلہ پیدا ہوں جیساکہ دوسری جگہ بھی فرمایا استعینوا باللہ (الاعراف - ۱۲۸) یہی ان کی مشکلات کا علاج تھا۔ قوموں کے اندر جب ان کی حالت گر چکی ہو اخلاق فاضلہ کا پیدا کرنا آسان امر نہیں ہوتا ایک عرصہ دراز کو چاہتا ہے۔ آج مسلمان اس صریح تعلیم قرآن کی پرواہ تک نہیں کرتے اور حکومت اور بادشاہت کو ہی اپنا پہلا اور آخری نصب العین بنا کر راہ صواب سے اِدھر اُدھر بھٹک رہے ہیں اور واجعلوا بیوتکم قبلۃ کے معنے دو طرح ہو سکتے ہیں یہ کہ گھروں کو ایک دوسرے کے مقابل بناؤ تاکہ مصیبت کے وقت اکٹھے ہو سکو گویا ایک ظاہری نظام کی صورت بتائی ہے اور یا یہ کہ اپنے گھروں کو مسجدیں بناؤ یعنی گھروں میں ہی نمازیں پڑھو اور دعا کرو۔

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی وحی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارونؑ دونوں کو ہوتی تھی اور یہاں ذکر بھی دونوں باتوں کا ہے ایک مصر میں اقامت کرنے کا دوسرا نماز کا اور نماز کی اقامت کا کام حضرت ہارونؑ کے سپرد تھا۔

وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّ اَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ
رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ
عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا
يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾

سرداروں کو دنیا کی زندگی میں آسایش کا سامان اور بہت سا مال دے رکھا ہے اے ہمارے رب اس لیے کہ وہ تیرے رستہ سے بہکائیں اے ہمارے رب ان کے مالوں کو برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے سو وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھیں[1]

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيْمَا وَلَا
تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

فرمایا تم دونوں کی دعا قبول ہوئی سو تم دونوں ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کے رستہ کی پیروی نہ کرو جو علم نہیں رکھتے۔

وَ جٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ
فِرْعَوْنُ وَ جُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّ عَدْوًا ؕ حَتّٰٓى اِذَآ
اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ
اِلَّا الَّذِيْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَ اَنَا
مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۹۰﴾

ہم نے بنی اسرائیل کو دریا پار کر دیا، پھر فرعون اور اس کے لشکروں نے شرارت اور زیادتی سے اُن کا پیچھا کیا یہاں تک کہ جب ڈوبنے لگا کہا، میں مانتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے، اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں[2]

آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ
مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۹۱﴾

کیا اب (ایمان لاتا ہے، اور پہلے تو نے نافرمانی کی اور تو فساد کرنے والوں میں سے تھا۔

فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ
خَلْفَكَ اٰيَةً ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ

سو آج ہم تیرے بدن کو بچا دیں گے۔ تا کہ تو اُن کے لیے جو تیرے پیچھے ہیں نشان ہو اور یقیناً بہت سے لوگ ہمارے

نمبر۱۔ حضرت موسیٰ کی یہ دعا اس وقت کی ہے جب فرعون کے سامنے ہر قسم کے نشان اور دلائل دیئے جا چکے ہیں اور بار بار نشان دیکھ کر اور ایمان لانے کا وعدہ کر کے وہ اس سے انحراف کر چکا ہے اور بنی اسرائیل پر سختی کو اور بڑھا دیا ہے جب چھوٹی چھوٹی تکالیف سے انسان اپنی اصلاح نہیں کرتا تو پھر بڑی تکالیف اس پر آتی ہیں اسی کی طرف آیت کے آخری الفاظ میں اشارہ ہے فرعون کو جس چیز نے حق سے روکا وہ مال ہے اس لیے اس کی تباہی کی دعا کی گویا جس مال نے حق سے روکا تھا وہ بھی باقی نہ رہے۔
اشدد علی قلوبهم کے معنی عموماً یوں ہی کیے ہیں کہ ان کے دلوں پر مہر کر دے یا ان کے دلوں کو سخت کر دے مگر شد کا صلہ علیٰ ہو تو اس کے معنی حملہ کرنے کے لغت میں آتے ہیں اور دلوں پر حملہ کرنے سے مراد دلوں کی محبوب چیزوں کو الگ کر دینا ہے گویا وہ چیزیں جن کی محبت نے انھیں حق سے پھیرا ہے ان سے چھین لی جائیں اور اگر دلوں کو سخت کرنے کے معنی ہی لیے جائیں تو یہ دعا چونکہ ان کی سزا کے لیے ہے اس لیے ایسے اعدائے حق کے لیے ایسی دعا بھی قابل اعتراض نہیں گو اس میں سختی کا پہلو غالب ہے۔
نمبر۲۔ فرعون کی توبہ یا مرتے وقت ایمان لانے کا ذکر بائبل میں نہیں مگر قرآن کریم نے اس کا ذکر کیا ہے اور اس کو ایک دوسرے امر کے ساتھ وابستہ کیا ہے یعنی اس کی لاش کے باہر پھینکے سے، دیکھو اگلی آیت اس کا ذکر بھی کسی تاریخ میں نہیں مگر آج واقعات نے اس کو صحیح ثابت کر کے اس دوسرے امر کی صداقت پر بھی مہر لگا دی اور یوں بتا دیا کہ قرآن کریم بائبل سے نہیں لیتا اور عجیب بات یہ ہے کہ گو بائبل میں یہ ذکر نہیں مگر طالمود میں خروج ۹ : ۱۶ کی تفسیر کرتے ہوئے یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ فرعون نے توبہ کی تھی۔

عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾
وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ
وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا
حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾
فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ
فَسْــَٔـلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ
لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ
مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾

نشانوں سے بے خبر ہیں ۔[1]
اور بلاشبہ ہم نے بنی اسرائیل کو صدق کے مقام میں ٹھیرایا اور
ان کو ستھری چیزوں سے رزق دیا تو انھوں نے اختلاف نہیں
کیا یہاں تک کہ ان کے پاس علم آیا تیرا رب قیامت کے دن ان میں
فیصلہ کرے گا جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے تھے ۔
(اے سننے والے) اگر تجھے اس میں شک ہے جو ہم نے تیری طرف
اتارا تو ان لوگوں سے پوچھ جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں یقیناً
تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے حق آیا ہے پس تو جھگڑا
کرنے والوں میں سے نہ ہو ۔[2]

نمبر۱۔ قرآن کریم کی صداقت کے عظیم الشان نشانوں میں سے ایک نشان ہے کہ اس بات کا پتہ دیا جس کا اس زمانہ میں کسی کو علم تک بھی نہ تھا لیکن آج واقعات اسے صحیح ثابت کرتے ہیں بلکہ اس کی صحت کا ایسا پختہ ثبوت ملتا ہے کہ جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا نہ بائبل میں نہ اور کسی کتاب میں فرعون کی لاش کو باہر پھینکنے کا ذکر ہے۔ مگر قرآن کریم نے یہ ذکر ایسے کھلے الفاظ میں کیا ہے کہ ان الفاظ کے یہی معنی تمام مفسرین کرتے آئے ہیں کہ فرعون کی لاش کو اللہ تعالیٰ نے سمندر سے باہر نکال پھینکا تھا حضرت موسیٰؑ کے مقابل میں جو فرعون تھا اس کا نام تاریخ سے رعمیسس ثانی ثابت ہے اور انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا میں مضمون ممی کے نیچے لکھا ہے کہ رعمیسس ثانی کی لاش آج تک ان لاشوں میں محفوظ ہے جو مصالحہ وغیرہ کے ذریعہ سے رکھی جاتی ہیں۔ آج ان الفاظ لتکون لمن خلفك آیۃ کی شوکت کے سامنے دنیا کو سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے کہ یہ کلام صرف خدائے عالم الغیب کا ہو سکتا تھا۔ آج سے تیرہ سو سال پیشتر عرب کے امی کی زبان سے ایک بات کا اظہار کرایا جاتا ہے جس سے دنیا بے خبر تھی اور آج واقعات اسے صحیح ثابت کرتے ہیں بہت سے لوگوں کے آیات اللہ سے بے خبر ہونے میں بھی اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانہ تک بے خبر رہنے کے بعد دنیا کو یہ پتہ چلے گا۔ دنیا کی کوئی مذہبی کتاب اس قسم کا بیّن ثبوت خدائے عالم الغیب کی طرف سے ہونے کا پیش نہیں کر سکتی۔

نمبر۲۔ شک کسی شخص کے نزدیک دو امور کا جو ایک دوسرے کے نقیض ہیں یکساں اور مساوی ہونا شک ہے اور یہ یا اس لیے ہوتا ہے کہ اس شخص کے نزدیک دونوں میں یکساں نشانات پائے جاتے ہیں یا دونوں میں یکساں نشان نہیں پائے جاتے۔
قرآن کریم میں بسا اوقات خطاب عام ہوتا ہے گو مخاطب واحد ہو اور ہر مخاطب واحد نبی صلعم نہیں یہاں ایسے مخاطب کا ذکر ہے جس کو قرآن کے بارہ میں شک ہے اور شک کے معنی اوپر بیان ہو چکے کہ دو نقیض باتوں میں مساوات اور اعتدال مثلاً شک اس شخص کو ہوگا جو فیصلہ نہیں کر سکتا کہ قرآن خدا کی طرف سے ہے یا افترا ہے اب ظاہر ہے کہ نبی صلعم کو ایسا خیال ہونا قطعی طور پر ناممکن ہے اگر نعوذ باللہ من ذلک آپ افترا کر رہے تھے تو بھی آپ کو علم تھا کہ میں افترا کر رہا ہوں اور اگر آپ افترا نہیں کر رہے تھے تو بھی معلوم تھا کہ میں افترا نہیں کر رہا ہوں قرآن کے متعلق کسی دوسرے کو شک ہو سکتا ہے خود رسول اللہ صلعم کو شک نہیں ہو سکتا شک کا لفظ انہی لوگوں کے متعلق ہو سکتا ہے جو ایک درمیانی اور تذبذب کی حالت میں ہیں۔ پھر جس شخص کے اندر اس قدر قوت یقین بھری ہوئی ہو کہ سینکڑوں دلوں کے اندر ایسا یقین پیدا کردے کہ وہ موت کے منہ میں جانا قبول کرلیں مگر قرآن کو نہ چھوڑیں کیا اس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ اس کو شک ہوا اور آیت ۱۰۴ میں فرمایا یایھا الناس ان کنتم فی شك من دینی اے لوگو! اگر تمھیں میرے دین کے متعلق کچھ شک ہے جس سے معلوم ہوا کہ وہی لوگ جن کو بصیغہ واحد خطاب کیا ہے وہاں بصیغہ جمع خطاب کر کے بات کو صاف کر دیا ہے کہ شک کرنے والے دوسرے لوگ تھے اور مما انزلنا الیك اس کے خلاف نہیں کیونکہ قرآن شریف میں بار بار قرآن کریم کے سب کی طرف نزول کا ذکر ہے۔

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٩٥﴾

اور تو ان لوگوں میں سے نہ ہو جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں ورنہ تو نقصان اُٹھانے والوں میں سے ہوگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٩٦﴾

وہ لوگ جن پر تیرے رب کی بات پوری ہو گئی، ایمان نہیں لائیں گے۔

وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٩٧﴾

اور گو اُن کے پاس سب نشان آجائیں، یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھیں۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٩٨﴾

تو کیوں کوئی بستی ایسی نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان اسے نفع دیتا، مگر یونسؑ کی قوم، جب وہ ایمان لائے تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان سے ذلت کا عذاب دور کردیا اور ایک وقت تک ان کو سامان دیا[1]۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا ؕ اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٩٩﴾

اور اگر تیرا رب چاہتا تو زمین میں جس قدر لوگ ہیں سب کے سب ایمان لے آتے، تو کیا تُو لوگوں کو مجبور کرے گا یہاں تک کہ وہ مومن بن جائیں۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٠﴾

اور کسی شخص کے لیے نہیں کہ سوائے اللہ کے اذن کے ایمان لائے اور وہ پلیدی کو انہی پر ڈالتا ہے جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

کہ دیکھو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور نشان اور

نمبر۱۔ یونسؑ۔ بائبل میں یہ نام یوناہ ہے اور ان کی ایک مختصر سی کتاب بائبل کے مجموعہ کتب انبیاء میں موجود ہے۔ ان کا زمانہ آٹھویں صدی قبل مسیح ہے ان کا پیغام اہل نینوہ کی طرف تھا اور نینوہ اس زمانہ میں ایک ایسی عظیم الشان سلطنت کا دارالخلافہ تھا جو دنیا کے بڑے حصہ پر محیط تھی۔ جہاں انبیاء کے مکذبین کی ہلاکت اور تباہی کا ذکر کیا ایک ایسے نبی کا بھی ذکر کردیا جس کے مخالفین باوجود نہ ماننے کے آخر توبہ کرکے عذاب الٰہی سے بچ گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کی طرف حضرت یونسؑ کو بھیجا گیا۔ ابن کثیر میں ہے کہ حضرت یونسؑ نے اہل نینویٰ کو عذاب سے ڈرایا مگر انھوں نے نہ مانا تب یونسؑ ان کے درمیان سے چلے گئے (تاکہ عذاب کے مقام سے الگ ہو جائیں) تب ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا اور اللہ تعالیٰ نے وہ عذاب دور کردیا پھر دو گروہ ہیں ایک کہتے ہیں کہ ان سے صرف عذاب دنیا دور کیا گیا اور عذاب اُخروی نہیں (گویا وہ فی الواقع ایمان نہ لائے تھے صرف عذاب کے خوف سے کچھ رجوع کیا) اور دوسرے کہتے ہیں کہ عذاب اُخروی بھی ان سے دور کیا گیا اور وہ ایمان لے آئے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انذاری پیشگوئیاں ٹل بھی جاتی ہیں۔ حالانکہ ایک نبی کی زبان سے وہ ظاہر بھی کردی گئی ہوں اور گو رجوع کامل ہو جس میں ایمان صحیح ہو یا ناقص ہو کہ صرف عذاب کے خوف سے رجوع کیا جائے۔
حضرت یونسؑ کے اس ذکر میں جو خصوصیت سے مکذبین کے انجام میں لایا گیا ہے یہ اشارہ ہے کہ آپ کے مخالفین بھی آخر رجوع کریں گے اور وہ تباہ نہ کیے جائیں گے۔

وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰۱

ڈرانے والے ان لوگوں کے کچھ کام نہیں آتے جو ایمان نہیں لاتے۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝۱۰۲

یہ تو صرف ایسے ہی دنوں کا انتظار کرتے ہیں جیسے اُن پر آئے جو اُن سے پہلے گزر چکے کہ انتظار کرو میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں[1]

ع ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۳

پھر ہم اپنے رسولوں کو اور انھیں جو ایمان لائے بچاتے ہیں، اسی طرح ہمارا ذمہ ہے ہم مومنوں کو بچائیں گے[2]

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ښ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۱۰۴

کہ اے لوگو! اگر تمھیں میرے دین میں شک ہے تو میں اُن کی عبادت نہیں کرتا جن کو تم اللہ کے سوائے پوجتے ہو۔ لیکن میں اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمھیں وفات دیتا ہے، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنوں میں سے ہوں[3]

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۰۵

اور یہ کہ یکسو ہو کر اپنے تئیں دین پر قائم رکھ ۔ اور مشرکوں میں سے مت ہو[4]

نمبر۱۔ ایام سے مراد واقعات ہیں جو پہلوں پر گزرے یعنی جیسے مصائب ان پر آئے یہاں فرمایا کہ یہ ایام بھی آئیں گے۔ انتظار کرو۔

نمبر۲۔ جب پچھلی آیت میں عذاب کے انتظار کے لیے کہا تو اب بتایا کہ جب عذاب آتا ہے تو رسول اور اس کے ساتھ مومن نجات پا جاتے ہیں یعنی دشمنوں کے ظلم سے رہائی حاصل کر لیتے ہیں تو اس میں رسول اللہ صلعم اور آپ کے ساتھیوں کو تسلی دی اور دوبارہ فرمایا کہ اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیں گے یعنی اعدائے دین کے ظلم سے چھڑانا صرف رسول سے مخصوص نہیں بلکہ جب کبھی مومنوں پر مصائب آئیں گی تو اسی طرح ہم ان کو نجات دیتے رہیں گے۔ بلکہ درمیان میں حقا علینا لاکر اسے اور بھی مؤکد کیا ہے اس قدر تاکید کے باوجود آج کس طرح مسلمان ملکوں کے ملک اور قوموں کی قومیں مصائب میں گرفتار ہیں مگر کیوں؟ اس لیے کہ مومن نہیں بنتے اگر مسلمان سچے دل سے مومن بن جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے مصائب کو خود دور فرما دے۔

نمبر۳۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کے مضمون کو قرآن شریف نے بار بار دہرایا ہے اس صراحت کے ہوتے ہوئے کسی کو آپ کے دین میں کیا شک ہو سکتا تھا یہاں پھر وضاحت کر دی جن کی تم عبادت کرتے ہو اس کی میں عبادت نہیں کرتا بلکہ میں اس کی عبادت کرتا ہوں جو تمھیں وفات دیتا ہے اس خاص صفت کے اختیار کرنے میں ایک تو یہ اشارہ ہے کہ جن انسانوں کو تم نے خدا یا خدا کی طرح سمجھا ہوا ہے وہ بھی آخر مرتے ہیں اور دوسرا یہ کہ تمھارا کوئی معبود تمھیں موت سے نہیں بچا سکتا۔

نمبر۴۔ اس آیت میں خطاب پھر بدل گیا ہے اوپر کی آیت میں تھا کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنوں سے ہوں اور یہاں ہے کہ تو اپنی توجہ کو دین کے لیے مضبوط رکھ اور مشرکوں میں سے نہ ہو جس سے صاف ظاہر ہے کہ دوسرا مخاطب مراد ہے اگلی آیت اور بھی اس کی وضاحت کرتی ہے۔ ۱۰۷ آیت تک یہی عام خطاب ہے اسی لیے آیت ۱۰۸ میں پھر دوبارہ فرمایا قل۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾	اور اللہ کے سوا اُسے نہ پکار، جو نہ تجھے نفع دیتا ہے اور نہ تجھے نقصان دیتا ہے اور اگر (ایسا) کیا تو تُو بھی اس وقت ظالموں میں سے ہوگا۔
وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾	اور اگر اللہ تجھے کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا اس کے دور کرنے والا کوئی نہیں اور اگر وہ کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو رد کرنے والا کوئی نہیں وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اسے پہنچاتا ہے اور وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔
قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾	کہہ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آچکا سو جو کوئی راہ پر چلتا ہے وہ اپنے بھلے کو ہی راہ پر چلتا ہے اور جو کوئی گمراہ ہوتا ہے اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہے، اور میں تم پر مختار نہیں۔
وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ ع	اور اس کی پیروی کر جو تیری طرف وحی کی جاتی ہے اور صبر کر یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کرے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔

آیاتہا ۱۲۳ (۱۱) سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ ۱ رکوعاتہا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴿۱﴾	میں اللہ دیکھتا ہوں، یہ کتاب جس کی آیتیں پُر حکمت بنائی گئی ہیں پھر کھول کر بیان کی گئی ہیں حکمت والے خبردار (خدا) کی طرف سے ہے[۲]

نمبر۱۔ اس سورت کا نام ہود ہے اور اس میں دس رکوع اور ایک سو تیئیس آیتیں ہیں گو اس میں حضرت نوحؑ اور دیگر انبیاء کا بھی ذکر ہے مگر اس کا نام ہود اس خصوصیت کی وجہ سے اختیار کیا گیا ہے کہ حضرت ہود پہلے نبی ہیں جو عرب میں ہوئے پچھلی سورت میں زیادہ تر علمی بحث تھی اس میں گزشتہ انبیاء اور ان کے مخالفین کی مثالیں دیکر سمجھایا ہے۔

نمبر۲۔ پچھلی سورت میں صرف الکتاب الحکیم فرمایا تھا یہاں تفصیل آیات شاید اس اشارہ کے لیے بڑھایا ہو کہ اس سورت میں اسی مضمون کو زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے اور احکام سے اصل مطلب یہ ہے کہ قرآن شریف سارا پُر حکمت کلام ہے اور اس کی بنیاد علم پر ہے اور دوسری طرف تمام تفصیلات ضروری بھی ہیں۔ ضروریات انسانی کا کوئی پہلو نہیں جب پر اس میں بحث نہ ہو۔ اسی موزونیت سے فرمایا کہ یہ حکیم و خبیر کی طرف سے ہے اس کے اسم حکیم کے مطابق یہ کتاب

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِیْ لَكُمْ مِّنْهُ	کہ اللہ کے سوائے کسی کی عبادت نہ کرو میں اس کی طرف سے تمھارے
نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ ۙ﴿۲﴾	لیے ڈرانے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں۔
وَّ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ	اور کہ اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اس کی طرف رجوع کرو،
یُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی	وہ تمھیں ایک وقت مقرر تک اچھے سامان سے فائدہ پہنچائے
وَّ یُؤْتِ كُلَّ ذِیْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَ اِنْ	گا اور ہر ایک بزرگی والے پر اپنا فضل کرے گا [۱] اور اگر تم پھر
تَوَلَّوْا فَاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ كَبِیْرٍ ﴿۳﴾	جاؤ تو میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔
اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴﴾	اللہ کی طرف ہی تم سب کو لوٹ کر جانا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔
اَلَاۤ اِنَّهُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِیَسْتَخْفُوْا	سنو یہ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں تاکہ اس سے چھپے رہیں سنو
مِنْهُ ؕ اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ ثِیَابَهُمْ ۙ	جب یہ اپنے کپڑے لپیٹ لیتے ہیں، وہ جانتا ہے جو یہ چھپاتے
یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ	ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔ کیوں کہ وہ سینوں کی باتوں
عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۵﴾	کو جاننے والا ہے [۲]
وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ	اور زمین میں کوئی جاندار نہیں، مگر اللہ کے ذمہ ہی اس کا رزق ہو
رِزْقُهَا وَ یَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ؕ	اور وہ اس کے ٹھیرنے کی جگہ اور اس کے سونپے جانے کی جگہ کو
كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶﴾	جانتا ہے، سب کچھ ایک کھلی کتاب میں ہے [۳]

پر حکمت اور خبیر کے مطابق مفصل ہے۔

نمبر۱۔ پہلے حصہ میں بیان فرمایا کہ اگر تم گناہوں سے استغفار کرو اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی طرف رجوع کرو تو اس سے تمھاری دنیا بگڑ نہیں جاتی بلکہ اس زندگی میں بھی اچھا سامان ملتا ہے اور دوسرے حصہ میں ذی فضل سے مراد عمل صالح میں زیادتی والا ہے۔ اور فضلہ میں ضمیر یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل عظیم سے اسے دیتا ہے اور یا ضمیر اسی ذی فضل کی طرف ہے اور مراد اس کے فضل یعنی عمل صالح کی جزا ہے۔

نمبر۲۔ یثنون صدورھم کے معنی ہیں کہ محبت ظاہر کرتے ہیں اور سینوں میں بغض چھپاتے ہیں اور مجاہد نے مراد شک اور امتراء لیا ہے اور یا اس سے مراد حق سے اعراض ہے کیونکہ جو شخص ایک چیز کو لیتا ہے اس کا سینہ اس کے سامنے ہوتا ہے اور جو اعراض کرتا ہے وہ اس پر پیٹھ پھیر لیتا ہے۔
یستغشون ثیابھم کے معنی ہیں کپڑوں کو لپیٹتے ہیں اور مراد اس سے یا تو یہ ہے کہ اپنے کانوں پر لپیٹ لیتے ہیں گویا سننے سے اعراض کرتے ہیں اور یا یہ کہ دوڑ جانے سے کنایہ ہے۔

نمبر۳۔ تمام جانداروں کا رزق اللہ کے ذمہ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رزق کے سب سامان پیدا کر رکھے ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ انسان کو معاش یا رزق کی فکر نہیں کرنی چاہیے بلکہ آیت ۳ کے مضمون کی طرح اس کا مضمون ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے سے انسان سے دنیا کے سامان چھن نہیں جاتے بلکہ رزق تو ہر حال میں پہنچ سکتا ہے نیکی کے اختیار کرنے سے رزق نہیں رک جاتا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کفار طرح طرح کی اذیتیں مسلمانوں کو پہنچاتے تھے اور اس سے قبل شعب ابی طالب میں محصور کر کے سامان خوراک وغیرہ بھی ان تک پہنچنا بند کر دیا تھا پس جب پچھلی آیت میں کفار کی عداوت کا ذکر کیا تو یہاں مسلمانوں کو تسلی دی کہ وہ رزق کے سامانوں کو تم سے

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷

اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ وقتوں میں پیدا کیا۔ اور اس کا عرش پانی پر ہے تاکہ تمہیں آزمائے کون تم میں سے اچھے عمل کرنے والا ہے، اور اگر تو کہے کہ تم موت کے بعد اُٹھائے جاؤ گے تو جو کافر ہیں، کہیں گے یہ تو صریح جادو ہے ۔۱

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۸ ع

اور اگر ہم اُن سے عذاب کو ایک مقرر وقت تک پیچھے ڈال دیں تو کہیں گے اسے کس چیز نے روک رکھا ہے، سنو جس دن ان پر آئیگا پھر ان سے ٹلے گا نہیں اور وہ چیز اُن کو گھیر لے گی، جس پر یہ ہنسی کرتے تھے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝۹

اور اگر ہم اِنسان کو اپنی رحمت چکھائیں پھر اُسے اس سے لے لیں تو وہ ناامید ناشکر گزار ہو جاتا ہے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝۱۰

اور اگر دُکھ کے بعد جو اُسے پہنچا ہو ہم اسے سُکھ چکھائیں تو کہتا ہے سب تکلیفیں مجھ سے جاتی رہیں یقیناً وہ اترانے والا شیخی کرنے والا ہے ۔۲

نہیں چھین سکتے اس کے یہ معنی لینا کہ گھر بیٹھے رہو وہیں رزق پہنچ جائے گا درست نہیں ہر ایک جانور اپنے رزق کی تلاش میں نکلتا ہے۔ چڑیا اور چیونٹی بھی اپنے رزق کی تلاش میں نکلتی ہے۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے سامان ان کے لیے بھی پیدا کر رکھے ہیں۔ انسان کے لیے بھی۔

نمبر۱۔ کان عرشہ علی الماء۔ مفسرین نے یہ مراد لی ہے کہ خلق سے پہلے اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اور مسلم میں ہے کان اللہ تعالیٰ ولم یکن معہ شئی وکان عرشہ علی الماء جس کی تشریح میں ابن الکمال لکھتے ہیں کہ اس کے عرش سے مراد اس کی قیومت ہے اور ماء میں اشارہ صفت حیات کی طرف ہے جہاں تک عرش کا سوال ہے دلائل قطعیہ سے دکھایا جا چکا ہے کہ جس طرح کرسی سے مراد علم ہے۔ عرش سے مراد قدرت ہے۔ پس عرش کے یا قدرت کے پانی پر ہونے سے کیا مراد ہے؟ دوسری جگہ قرآن شریف میں ہے جعلنا من الماء کل شئی حی (الانبیاء۔ ۳۰) ہر ایک زندہ چیز کو پانی سے بنایا اور یہاں اس سے پہلی آیت میں دابۃ یعنی جانوروں کا ذکر ہے پس قرینہ چاہتا ہے کہ جب آسمانوں اور زمین کی پیدائش کا ذکر کیا تو جانداروں کی پیدائش کا بھی ذکر کیا اور اس سے انسان کی زندگی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: لیبلوکم ایکم احسن عملا جس کی تقدیر بعض مفسرین نے یوں نکالی ہے وخلقکم لیبلوکم یعنی تمہارے پیدا کرنے کی غرض یہ ہے کہ اس بات کو انجام کار ظاہر کرے کہ اچھے عمل کون کرتا ہے پس عرشہ علی الماء میں انسان کی زندگی کی ابتدا کی طرف اشارہ ہے اور یہ حقیقت آج تمام سائنس دانوں کے نزدیک مسلم ہے کہ زندگی کی ابتدا پانی سے ہوئی۔ اور اصل غرض یہ بتانا ہے کہ جو پہلی زندگی کو اس قدر باریک راہوں سے وجود میں لایا اس کے اس ارشاد پر کہ موت کے بعد بعث ہوگا اور ایک دوسری زندگی ہوگی کیوں اس قدر تعجب کرتے ہو کہ اسے سحر مبین کہتے ہو اور یہاں سحر مبین کسی معجزہ کو نہیں کہا۔ بلکہ اس بیان کو موت کے بعد بعث ہوگا سحر مبین کہا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ یہ محض دھوکہ ہے ایسا کہاں ہو سکتا ہے۔

نمبر۲۔ دنیا طلب انسان کی تھڑدلی کا ذکر کیا ہے پہلی آیت میں یہ کہ سُکھ کے بعد دُکھ آتا ہے تو پھر چاروں طرف سے ناامید ہو بیٹھتا ہے اور پہلی نعمت کی بھی

إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۗ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿۱۱﴾

مگر جو صبر کرتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں یہی ہیں جن کے لیے حفاظت اور بڑا اجر ہے۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوحٰىٓ إِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ أَنْ يَّقُولُوا لَوْلَآ أُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ۗ إِنَّمَآ أَنْتَ نَذِيرٌ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيلٌ ﴿۱۲﴾

تو کیا تو اس کا کچھ حصہ جو تیری طرف وحی کیا جاتا ہے، چھوڑ دے اور تیرا سینہ اس پر تنگ ہوگا کہ وہ کہتے ہیں اس پر خزانہ کیوں نہیں اُترا یا اس کے ساتھ فرشتہ (کیوں نہیں) آیا تو تو ڈرانے والا ہے اور اللہ ہر چیز کا کارساز ہے ۔لہ

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰىهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿۱۳﴾

یا یہ کہتے ہیں کہ اس نے جھوٹ بنایا ہے؟ کہہ پھر اس جیسی دس سورتیں بنائی ہوئی لے آؤ اور اللہ (تعالیٰ) کے سوائے جسے بُلا سکتے ہو، بلا لو، اگر تم سچے ہو۔ ۲ے

فَإِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوٓا أَنَّمَآ أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَأَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ﴿۱۴﴾

پھر اگر وہ تمھاری بات قبول نہ کریں، تو جان لو کہ یہ اللہ کے علم سے اتارا گیا ہے اور کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، سو کیا تم فرماں بردار ہوتے ہو؟ ۳ے

ناشکری کرتا ہے اور اس میں یہ کہ دُکھ کے بعد سُکھ ملتا ہے تو خوشی سے پھولا نہیں سماتا اور اس پر اتراتا ہے اور دوسروں پر فخر کرتا ہے اور یہ سمجھایا ہے کہ دنیا کے دکھوں اور تکلیفوں کے آنے پر نہ تو خدا کے فضل اور رحمت سے نا امید ہونا چاہیئے اور نہ اُن کے چلے جانے پر اترانا چاہیئے گویا دنیا کے مال اور آرام کو عارضی چیزیں سمجھے۔ یہ زندگی کی غرض نہیں۔ اگلی آیت میں بتایا کہ اخلاق انسانی میں اصل چیز صبر ہے اور زندگی کی غرض اعمال صالحہ سے پوری ہوتی ہے اور دنیا طلب کے مقابلہ پر اعمال صالحہ کرنے والوں کا ذکر کیا۔

نمبر۱۔ دنیاداروں کے خیالات دنیوی زندگی تک ہی محدود ہوتے ہیں اس لیے کہتے ہیں نبی یا مصلح اخلاق آئے تو وہ بھی خزانہ ساتھ لائے۔ حالانکہ اس کے آنے کی غرض یہ ہے کہ مالِ دنیا کو اپنا محبوب نہ بنائیں پس مال دنیا کی محبت کو وہ کم کرنے آتا ہے مسلمان بھی آج ایسا ہی مصلح چاہتے ہیں جو اُن کو بہت سا دنیا کا مال دیدے دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ فرشتہ ساتھ ہو۔ گویا روحانیت کو بھی مادی رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں فرشتے تو نبی کریم صلعم پر نازل ہوتے تھے مگر ان کے دیکھنے کے لیے دوسری آنکھیں چاہئیں۔ ایسے ایسے اعتراض سن کر نبی کریم صلعم کے دل پر کیا کیا غم نہ گزرتا ہوگا تو فرمایا کہ ان باتوں پر غم مت کرو کوئی ان باتوں کی وجہ سے تم نے وحی کو تو ترک کرنا ہی نہیں۔

نمبر۲۔ یہاں دس سورتوں کے مقابلہ میں لانے کی تحدی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ سورت سورۂ یونس سے پہلے کی نازل شدہ ہے کیونکہ سورۂ یونس میں ایک سورت کے لانے کا مطالبہ ہے اس سے بھی پہلے کل قرآن کی مثل لانے کا مطالبہ سورۂ بنی اسرائیل میں ہے۔

نمبر۳۔ یعنی اگر وہ لوگ جنھیں تم مدد کے لیے بلاؤ وہ تمھاری بات کو قبول نہ کریں یا اس کا جواب نہ دیں یعنی دس سورتیں قرآن شریف کی مثل نہ لاسکیں تو سمجھ لو کہ یہ بشر کی طاقت سے بالاتر بات ہے انزل بعلم اللہ میں صاف بتا دیا کہ اس کے اندر مضامین ایسے کامل اور ایسی علم کی باتیں ہیں جو بشر کے علم میں نہیں آسکتیں تو اصل مطالبہ محض فصاحت لفظی کا نہیں بلکہ یہ کہ ایسی سورتیں لاؤ جن میں ایسا علم ہو۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾

جو دنیا کی زندگی اور اس کی زینت ہی چاہتا ہے ہم انھیں ان کے عمل اسی (زندگی) میں پورے دے دیتے ہیں اور اس میں ان کے ساتھ کوئی کمی نہیں کی جاتی ۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں سوائے آگ کے کچھ نہیں اور جو کچھ انھوں نے اس (زندگی) میں کیا تھا کسی کام نہ آئیگا اور جو کچھ وہ کرتے تھے باطل ہے [۱]۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِىْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۗ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

تو کیا وہ شخص جو اپنے رب سے کھلی دلیل رکھتا ہے اور اس کی طرف سے ایک گواہ اس پر عمل کرتا ہے اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی ۔ یہی اس پر ایمان لاتے ہیں ۔ اور جو کوئی فرقوں میں سے اس کا انکار کرتا ہے تو اس کا ٹھکانا آگ ہے ، سو تو اس میں کسی شک میں نہ رہ وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے ۔ لیکن اکثر لوگ نہیں مانتے [۲]۔

نمبر۱۔ اللہ تعالیٰ کا قانون ایسا ہے کہ جو شخص جس راہ پر اپنے آپ کو ڈالتا ہے اس میں کچھ نہ کچھ حاصل کر لیتا ہے۔ اس لیے جو لوگ دنیا کی زندگی کو غرض بنا لیتے ہیں انھیں دنیا کی زندگی میں بہتیرا کچھ مل جاتا ہے مگر آخرت میں اور انجام کار یہ باتیں کچھ فائدہ نہیں دیتیں حرص دنیا کو بڑھانے کا انجام آگ ہے۔ یہاں کے عمل وہاں حبط ہیں یعنی بے نتیجہ اس سے حبط اعمال کے مفہوم کا بھی پتہ لگتا ہے۔

نمبر۲۔ دنیا اور اس کی زینت کے طالب کے مقابل پر یہاں پر ایک دوسرے فریق کا ذکر کیا ہے جن کا مقصد زندگی بہت بلند ہے افمن کان علی بینۃ من ربہ عام ہے جس سے مراد مومن ہے اور بینۃ من ربہ قرآن کریم ہے جس کو دوسری جگہ بینات من الھدیٰ فرمایا ہے (البقرۃ - ۱۸۵) اور شاھد منہ یا اللہ کی طرف سے گواہ رسول اللہ صلعم ہیں جو اس قرآن کو پڑھتے ہیں اور اس پر عمل کر کے دکھاتے ہیں اور شاہد اور شہید اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے نبی ہی ہوتے ہیں اور یتلوہ کے معنی دونوں طرح پر ہو سکتے ہیں اس قرآن کو پڑھتا ہے یا اس قرآن پر عمل کرتا ہے۔ اور دوسرے معنی قابل ترجیح ہیں کیونکہ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ مومن کے ہاتھ میں صرف ایک بینۃ یعنی کتاب یا روشنی ہی نہیں بلکہ اس کے لیے ایک کامل نمونہ بھی موجود ہے جو اس بینۃ پر عمل کر کے اس رستہ کو بالکل صاف کر دیتا اور اس میں بھی اس کتاب پر عمل کرنے کی طاقت پیدا کر دیتا ہے۔ تو کہاں وہ دنیا طلب انسان جس کی ہمت کی غایت دنیا کا مال اور اس کی زینت ہے اور کہاں یہ حق پرست انسان۔ اسی مقابلہ کو صاف کرنے کے لیے رکوع کی آخری آیت میں فرمایا: مثل الفریقین کالاعمیٰ والاصم والبصیر والسمیع ۲۴۔ اور یہ جو فرمایا و من قبلہ کتاب موسیٰ اماما و رحمۃ یعنی اس سے پہلے حضرت موسیٰ کی کتاب کی پیروی کی جاتی تھی اور وہ رحمت تھی تو اس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ اس طرح پر کتابوں کو نازل کرنا اور انبیاء کو ان کتابوں کی تعلیم کا عملی نمونہ بنانا یہ اللہ تعالیٰ کی قدیم سے سنت رہی ہے تاکہ لوگ دنیا کو اپنی زندگی کی غرض و غایت نہ بنائیں یہی وجہ ہے کہ آگے جن انبیاء کا ذکر آتا ہے وہ سب اپنی امتوں سے یہی خطاب کرتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف سے ایک بینۃ پر ہیں اور رحمت کے پرتو ہیں۔ کیونکہ ہر نبی کی وحی اس کے حق میں بینۃ ہی ہے۔ مگر

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۚ أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ أَلَا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿١٨﴾

اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔ وہ اپنے رب کے سامنے لائے جائیں گے اورگواہ کہیں گے یہی ہیں جنھوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا۔سنو ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے ۱؎

الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُم بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿١٩﴾

جو اللہ (تعالےٰ) کی راہ سے روکتے اور اس کے لیے کجی چاہتے ہیں اور وہ آخرت سے بھی منکر ہیں۔

أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ۘ يُضَاعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ﴿٢٠﴾

وہ زمین میں (خدا کو) عاجز کرنے والے نہیں اور نہ اُن کے لیے سوائے اللہ کے کوئی مددگار ہونگے اُن کے لیے دوگنا عذاب ہے وہ نہ سُن سکتے تھے اور نہ دیکھتے تھے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢١﴾

یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں رکھا اوران سے گم ہوگیا جو وہ جھوٹ بنانے تھے۔

لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ﴿٢٢﴾

ضرور ہے کہ وہ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانیوالے ہوں

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٣﴾

جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں اور اپنے رب کے آگے عاجزی کرتے ہیں، وہی جنت والے ہیں وہ اسی میں رہیں گے۔

مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ

ان دونوں گروہوں کی مثال ایسی ہے جیسے اندھا اور بہرا اور دیکھنے والا اور سننے والا۔ کیا دونوں کی

اس میں ایک دوسری غرض یہ بھی ہے کہ یہ بینۃ (یعنی قرآن) ایسی صاف ہے کہ اس کی شہادت حضرت موسیٰؑ کی کتاب اور پہلی کتابوں میں بھی ہے۔

نمبر۱- اس سے معلوم ہوا کہ اللہ پر جھوٹ افترا کرنے والے اعدائے حق ہوتے ہیں اوران کا افترا دو طرح پر ہے ایک افترا کرکے لوگوں کو راہ حق سے رکتے ہیں دوسرے دین حق میں کجی پیدا کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ اگلی آیت میں صراحت کردی اور اشہاد سے مراد شہید یعنی انبیاء علیہم السلام ہیں۔

مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۲۴

حالت یکساں ہے، تو کیا پھر تم نصیحت قبول نہیں کرتے۔[1]

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖۤ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۲۵

اور ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ میں تمھیں کھلا ڈرانے والا ہوں۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ۲۶

کہ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کرو میں تم پر ایک دُکھ دینے والے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰی لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ۲۷

تو اس کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ ہم تجھے اپنے ہی جیسا انسان دیکھتے ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ تیری پیروی کی ہو مگر ان لوگوں نے جو ہم میں سے نیچ ہیں (اور وہ بھی) سرسری نظر سے اور ہم تم میں اپنے اوپر کوئی بڑائی نہیں دیکھتے، بلکہ تمھیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔[2]

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۲۸

کہا، اے میری قوم بتاؤ اگر میں اپنے رب سے ایک کھلی دلیل پر ہوں اور اس نے اپنے پاس سے مجھے رحمت عطا فرمائی ہو، پھر وہ تم پر مشتبہ رہ گئی ہو کیا ہم اسے تمھیں لگا دیں، حالانکہ تم اسے ناپسند کرنے والے ہو۔[3]

نمبر۱۔ یہاں دنیا طلب دنیوی زندگی کو اپنی غرض بنا لینے والے اور اس شخص کا جو زندگی کی اصل غرض وغایت کو سمجھ چکا ہے کھلے لفظوں میں مقابلہ کیا ہے۔ ایک کی مثال اندھے اور بہرے کی ہے کیونکہ وہ اصل غرض زندگی سے اندھا ہے اور دوسرے کی مثال بصیر و سمیع کی ہے۔

نمبر۲۔ سب سے پہلا اعتراض انبیاء پر یہی ہوتا ہے کہ یہ ہماری طرح بشر ہیں۔ کھانے پینے اور حوائج بشری کے محتاج ہیں حالانکہ بشر ہی بشر کے لیے رہنما اور ہادی کا کام دے سکتا ہے۔ جو شخص حوائج بشری کا محتاج نہیں وہ بشر کے لیے نمونہ کا کام کیوں کر دے سکتا ہے اگر خالی تعلیم انسانوں کی رہنمائی کے لیے کافی ہوتی اور کسی نمونہ کی ضرورت نہ ہوتی تو بلاشبہ ہو سکتا تھا کہ یہ تعلیم بذریعہ ملک یا کسی اور ذریعہ سے بغیر وسیلہ بشر کے انسانوں کو پہنچا دی جاتی مگر جس طرح تعلیم کی ضرورت ہے اسی طرح نمونہ کی ضرورت ہے اور بغیر نمونہ کے تعلیم عبث ہے۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ نبی کے پیرو شروع میں غریب لوگ ہوتے ہیں۔ انہی کو یہاں اراذل کہا ہے گویا دولت و مرتبہ دنیوی کو وہ لوگ شرف اور بزرگی کا معیار قرار دیتے ہیں اور مزدوری کر کے کمانے اور کھانے والے اُن کو رذیل نظر آتے ہیں۔ حجام ہو یا دھوبی یا مزدور۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مزدوری اور محنت ہی شرف انسانیت ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ یہ لوگ جو حضرت نوحؑ کے ساتھ تھے حجام اور موچی تھے۔ حضرت مسیحؑ خود بلحاظ پیشہ بڑھئی تھے آپ کے حواری ماہی گیر اور دھوبی تھے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ وہ چھوٹوں کو نبی کی تعلیم سے بلند مقامات پر پہنچاتا ہے اور سرکشوں متکبروں کو جو حق کی مخالفت کرتے ہیں نیچا دکھاتا ہے۔ دنیا نے محنت اور مزدوری کی قدر کو نہیں سمجھا۔ قرآن کریم نے اس پر بہت زور دیا ہے اور نبی کریم صلعم نے قرآن کریم کی اس تعلیم کا عملی نمونہ یوں بن کر دکھایا کہ ہر قسم کے کام یہاں تک کہ ٹوکری اٹھا لینا، پھاوڑا چلا لینا، بکریوں کو دوہ لینا، اپنے کپڑے جوتی وغیرہ کی مرمت کر لینا سب کام اپنے ہاتھ سے کیے تا دنیا کو یہ معلوم ہو کہ ہر قسم کی محنت و مزدوری قابل عزت شے ہے۔

نمبر۳۔ شروع سورت میں طالب دنیا اور طالب حق کا مقابلہ جس رنگ میں دکھایا تھا کہ ایک دنیا کی زندگی اور اس کے سامان کو ہی اپنا مقصد بنا لیتا ہے۔

وَ يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ
اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّیْۤ
اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

اور اے میری قوم میں اس کے بدلے تم سے مال نہیں مانگتا، میرا اجر صرف اللہ پر ہے اور میں انھیں نکال نہیں سکتا جو ایمان لائے ہیں وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں لیکن میں تمھیں ایسی قوم دیکھتا ہوں جو جاہل ہو۔

وَ يٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ
طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اور اے میری قوم کون اللہ کے مقابلہ میں میری مدد کرسکتا ہے اگر میں انھیں نکال دوں تو کیا تم نصیحت قبول نہیں کرتے۔

وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ
وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ
وَّلَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْيُنُكُمْ
لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا
فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّیْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿﴾

اور میں تمھیں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ میں کہتا ہوں کہ جنھیں تمھاری نظریں حقیر دیکھتی ہیں اللہ ان کو بھلائی نہیں دیگا۔ اللہ جانتا ہے جو ان کے دلوں میں ہے۔ (ایسا کروں) تو بیشک میں ظالموں میں سے ہونگا۔

اور دوسرا اپنے رب سے بینہ پر ہوتا ہے اسی کی مثال اب سب انبیاء میں دی ہے اور بتایا ہے کہ وہی بات جو نبی اور اس کے پیرووں کے لیے روشن دلیل ہے ان کے منکرین کو تاریک اور مشتبہ معلوم ہوتی ہے اس لیے کہ ان کے دلوں پر طرح طرح کے پردے مال و دنیا کی محبت کے پڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ دلوں پر زنگ کی وجہ سے اس روشنی کو نہیں دیکھ سکتے جو ایک صاف دل انسان کو نظر آتی ہے ان کی فطرت کے آئینہ پر زنگ لگ چکا ہے اور مومن کی فطرت کا آئینہ صاف ہوتا ہے۔

نمبر۱۔ تمام انبیائے عالم کی ایک ہی شان نظر آتی ہے کہ دنیا کے مال کی ان کے دلوں میں کچھ عظمت نہیں ہوتی اور نہ ہی جو محنت اور خدمت قوم کی یا نسل انسانی کی وہ کرتے ہیں اس کا کوئی معاوضہ لیتے ہیں۔ ایک نمایاں شان ان کی یہ ہوتی ہے کہ وہ ایثار اور بے نفسی کا کامل ترین نمونہ انسانوں کے لیے ہوتے ہیں۔ جو کچھ مال ان کے ہاتھ میں ہو وہ بھی مخلوق خدا کی خدمت میں صرف کر دیتے ہیں اور مال کمانے کی ان کو قطعاً کوئی فکر نہیں ہوتی۔ یہ نمونہ بھی اپنے کمال میں محمد رسول اللہ صلعم کی زندگی میں ہی نظر آتا ہے اور درحقیقت تمام انبیاء کے تذکرہ میں اصل غرض محمد رسول اللہ صلعم کے مقام بلند کی طرف توجہ دلانا ہے جس سے مخاطب روشنی حاصل کر سکتے تھے ہاں سبھی انبیاء کا نمونہ یہی ہوتا ہے کہ وہ مال نہیں چاہتے اور نہ دنیا داروں اور صاحبانِ مال و دولت سے انھیں کچھ اُنس ہوتا ہے بلکہ ان کے تعلقات انہی لوگوں سے ہوتے ہیں جو اخلاق اور روحانیت کو مدنظر رکھتے ہوں اس لیے فرمایا کہ جو لوگ اپنے رب سے ملنے والے ہیں یعنی مال دنیا کی جگہ اللہ تعالیٰ کے لقاء کو اپنی زندگیوں کا مقصد اور منتہا ٹھیرا۔ تم یہ وہی اس بات کے اہل ہیں کہ نبی کے پاس رہیں دنیاداروں کی خاطر اُن لوگوں کو نبی کس طرح جواب دے سکتا ہے۔

نمبر۲۔ یہ باتیں اس لیے کہی جاتی ہیں کہ کسی قسم کے دنیوی لالچ کو مدنظر رکھ کر کوئی شخص اس تعلیم کو قبول نہ کرے رسول کے قبضے میں مال و خزانے نہیں ہوتے کہ اپنے متبعین کو مالامال کر دے نہ وہ غیب دانی کا دعویٰ کرتا ہے کہ اپنے ساتھیوں کو غیب دانی سے تکلیف سے بچالے۔ نہ وہ خود ملک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کہ آپ ہی حوائج بشری سے پاک ہو۔ ہاں جنھیں دنیا کے لوگ حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں اس لیے کہ ان کے پاس بہت مال نہیں یا وہ بڑے مرتبہ پر نہیں۔ ان کے متعلق وہ بھلائی کا امیدوار ہوتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو دیکھ کر اس کے مطابق ان کو اجر دیتا ہے۔

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

انھوں نے کہا اے نوحؑ! تو ہم سے جھگڑا اور ہم سے بہتیرا جھگڑ چکا تو جس کا وعدہ دیتا ہے وہ لے آ، اگر تو سچوں میں سے ہے۔

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾

اس نے کہا اس کو اللہ ہی لے آئے گا جب وہ چاہے گا اور تم (اسے) عاجز نہیں کر سکتے۔

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۟ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور تمھیں میری نصیحت نفع نہیں دے سکتی اگر میں چاہوں کہ تمھاری خیر خواہی کروں اگر اللہ کا ارادہ ہو چکا ہو کہ وہ تمھیں ہلاک کرے وہ تمھارا رب ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ۱؎

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ ع

کیا یہ کہتے ہیں کہ یہ جھوٹ بنا لیا ہے کہہ، اگر میں نے یہ جھوٹ بنایا ہے تو میرا گناہ مجھ پر ہے اور میں اس سے بری ہوں جو تم گناہ کرتے ہو۔

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ ج

اور نوحؑ کی طرف وحی کی گئی کہ تیری قوم سے کوئی ایمان نہیں لائے گا، مگر وہی جو ایمان لا چکا، سو تو اس پر غم نہ کر، جو وہ کرتے ہیں ۲؎

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ اور ان کے بارے میں مجھے کچھ نہ کہہ جو ظالم ہیں وہ غرق کیے جائیں گے ۳؎

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۟ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا

اور وہ کشتی بنانے لگا اور جب اس قوم کے سردار اس پر گزرتے ہیں اس پر ہنستے ہیں، کہا اگر تم ہم پر ہنستے ہو، تو ہم بھی تم پر

نمبر۱۔ انسان کی خیر خواہی دوسرے کے کام تبھی آسکتی جب وہ خود غلط راہ پر قدم مارتا ہوا اتنی دور نکل جائے کہ اللہ تعالیٰ اس پر گمراہ ہونے کا یا ہلاکت کا حکم لگا دے کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسا حکم اسی وقت لگاتا ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ ایک شخص اپنی اصلاح کسی صورت میں نہیں کرتا۔

نمبر۲۔ حضرت نوحؑ کو قوم کی سخت دلی دیکھ کر سخت غم ہوتا تھا اور سبھی انبیاء کو ہوتا ہے۔ آنحضرت صلعم کے متعلق ہے لعلك باخع نفسك الا یکونوا مومنین (الشعراء ۔۳)۔ ان حالات میں اطلاع دی ہے کہ یہ قوم اب ہلاکت کے قابل ہی ہے حضرت نوحؑ کی دعا رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ (نوح ۔۲۷) اس وحی کے بعد ہی معلوم ہوتی ہے۔

نمبر۳۔ چونکہ اس قوم کو اللہ تعالیٰ نے سیلاب سے تباہ کرنا تھا اس لیے حضرت نوحؑ کو پہلے سے کشتی بنانے کا حکم دیا۔ پس یہ کشتی وحی الٰہی کے مطابق بنی اور اپنی حفاظت کا ذکر اس لیے فرمایا کہ دشمن بہت تھے پس تسلی دی کہ وہ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

مِنَّا فَاِنَّا نَسۡخَرُ مِنۡكُمۡ كَمَا تَسۡخَرُوۡنَ ﴿۳۸﴾	ہنستے ہیں؎ جیسے تم (ہم پر) ہنستے ہو۔
فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۙ مَنۡ يَّاۡتِيۡهِ عَذَابٌ	سو تم جان لوگے کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رُسوا کرے
يُّخۡزِيۡهِ وَيَحِلُّ عَلَيۡهِ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ ﴿۳۹﴾	اور کس پر قائم رہنے والا عذاب اُترتا ہے۔
حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَمۡرُنَا وَفَارَ التَّنُّوۡرُ ۙ	یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آیا اور وادی نے جوش مارا؎
قُلۡنَا احۡمِلۡ فِيۡهَا مِنۡ كُلٍّ زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ	ہم نے کہا اس میں ہر (ضرورت کی) شے کے نر و مادہ دو دو لے لو
وَاَهۡلَكَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ	اور اپنے اہل کو مگر جس کے متعلق پہلے حکم ہو چکا اور ان کو بھی جو ایمان
وَمَنۡ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيۡلٌ ﴿۴۰﴾	لائے اور اس کے ساتھ تھوڑے ہی ایمان لائے تھے؎
وَقَالَ ارۡكَبُوۡا فِيۡهَا بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖٮٰهَا	اور اس نے کہا اس میں سوار ہو جاؤ اللہ کے نام سے اس کا چلنا اور
وَمُرۡسٰٮهَا ؕ اِنَّ رَبِّىۡ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۴۱﴾	اس کا لنگر ڈالنا ہے یقیناً میرا رب بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔
وَهِىَ تَجۡرِىۡ بِهِمۡ فِىۡ مَوۡجٍ كَالۡجِبَالِ	اور انھیں پہاڑ جیسی لہروں میں لیے چلی جا رہی تھی، اور

نمبر۱۔ نسخر منکم حضرت نوحؑ یا مومنوں کا واقعی ہنسی کرنا مراد نہیں اس لیے کہ استہزا مومن کی شان نہیں۔ یہ محض ان کے فعل کے مقابل پر ذکر ہے جیسے جزاء سیئة سیئة مثلہا ہیں اور کشاف نے اس کے معنی استجہال لیے ہیں کیونکہ استہزا کا اصل سبب جہالت ہے تو بحوالہ منہ سے مراد اس کا سبب لیا ہے گویا مطلب یہ ہوا کہ تم اپنی جہالت کی وجہ سے ہم پر ہنستے ہو مگر ہم تمھیں جاہل سمجھتے ہیں کیونکہ اصل حقیقت کی تمھیں خبر نہیں۔

نمبر۲۔ فار کے معنی ہیں جوش میں آیا اور پانی جب پھوٹ کر چشمہ سے نکلے تو اس پر بھی فار بولا جاتا ہے۔
تنور کے ایک معنی تو مشہور ہیں جس میں ہماری زبان میں بھی یہ استعمال ہوتا ہے یعنی جہاں روٹی پکائی جاتی ہے۔ اس کے دوسرے معنی جو تاج العروس میں دیئے ہیں وجہ الارض یعنی سطح زمین ہیں محل ماء الوادی یعنی وادی کے پانی کے اکٹھا ہونے کی جگہ کو بھی تنور کہتے ہیں۔
یہاں اس سیلاب کے آنے کا ذکر ہے جو طوفان نوح کے نام سے مشہور ہے۔ عام طور پر یہ خیال ہے کہ اس کی ابتدا یوں ہوئی تھی کہ ایک تنور سے پانی پھوٹ نکلا تھا لیکن قرآن شریف نے خود دوسری جگہ یوں فرمایا ففتحنا ابواب السماء بماء منھمر (القمر۔ ۱۱) یعنی اوپر سے بہت پانی برسایا اور خود یہاں جب طوفان کو ٹھہرانے کا وقت آتا ہے تو حکم ہوتا ہے یا سماء اقلعی (۴۴) اے بادل تھم جا جس سے معلوم ہوا کہ بادلوں سے پانی برسنا شروع ہوا تھا اور جب مینہ زیادہ برسے تو سطح زمین پر طوفان کا آنا یا پانی کا جوش مارنا اس کا لازمی نتیجہ ہے۔

نمبر۳۔ ہر شے کے زوجین لے لو تو ہر شے سے مراد یہ نہیں کہ تمام روئے زمین پر پھر کر جانوروں کو اکٹھا کرو۔ ایسا کام ایک نبی کے سپرد کرنا بے معنی بات ہے اور یہ فرض کر لینا کہ ایک ایک جوڑے کو خود اللہ تعالیٰ نے وحی کر دی کہ وہ زمین کے تمام گوشوں سے بھاگ کر حضرت نوحؑ کے پاس جمع ہو گئے اور باقی اسی نوع کے جانوروں کو وحی نہ کی تو طوفان کے آنے سے پہلے اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر کہ درند، چرند، پرند و درخت سب حضرت نوحؑ کے پاس جمع ہوئے تھے۔ لوگ کیوں ایمان نہ لے آتے یہ تمام بے ضرورت اور بے سند باتیں ہیں جو ایک غلطی سے تراشی ہوئی ہیں۔ کل سے مراد یہاں ہر اپنی ضرورت کی شے ہے جیسا جب توریت کو تفصیل کل شیٔ (یوسف۔ ۱۱۱) کہا تو مراد اس سے اس وقت کی ضرورت ہے یا ایک ملک کے متعلق ہے (واوتیت من کل شیٔ (النمل۔ ۲۳) تو مراد تمام عالم کی اشیاء نہیں بلکہ اس کی اپنی ضرورت کی اشیاء ہیں اسی طرح بیان ہے اور ابھی سورۂ اعراف میں گذر چکا کہ اس طوفان میں صرف قوم نوحؑ جنھوں نے نوحؑ کو جھٹلایا تھا غرق ہوئی تھی۔

وَ نَادٰى نُوْحُ ۨ ابْنَهٗ وَ كَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَ لَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۴۲﴾

نوحؑ نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ الگ ہو رہا تھا اے میرے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ مت ہو[۱]

قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰى جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَ حَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ ﴿۴۳﴾

اس نے کہا میں کسی پہاڑ پر پناہ لے لونگا جو مجھے پانی سے بچا لے۔ کہا آج کی سزا سے کوئی بچانے والا نہیں، مگر وہی (بچے گا) جس پر وہ رحم کرے، اور ایک لہر ان کے درمیان حائل ہوئی اور وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا۔

وَ قِیْلَ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَ یٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَ غِیْضَ الْمَآءُ وَ قُضِیَ الْاَمْرُ وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِیِّ وَ قِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۴﴾ ع

اور کہا گیا اے زمین اپنا پانی جذب کر لے اور اے بادل تھم جا اور پانی خشک ہو گیا اور کام کا فیصلہ ہو گیا اور (کشتی) جودی پر ٹھیر گئی، اور کہا گیا ظالم قوم کے لیے دوری ہے[۲]

وَ نَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَ اِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۴۵﴾

اور نوحؑ نے اپنے رب کو پکارا اور کہا اے میرے رب، میرا بیٹا میرے اہل سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے۔

قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۗ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۴۶﴾

کہا، اے نوحؑ! وہ تیرے اہل سے نہیں ہے، کیونکہ وہ بدعمل ہے، سو مجھ سے ایسا سوال نہ کر، جس کا تجھے علم نہیں، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو ناواقفوں میں سے نہ ہو[۳]

نمبر۱۔ کان فی معزل سے مراد یہ ہے کہ حضرت نوحؑ سے علیحدہ تھا یعنی مومنوں میں سے نہ تھا۔ حضرت نوحؑ نے چاہا کہ اب بھی ایمان لے آئے۔ یا مراد یہ ہے کشتی سے دور تھا۔

نمبر۲۔ جودی ایک پہاڑ کا نام ہے جو موصل اور جزیرہ کے درمیان ہے اور وہ اصل میں جود یعنی بخشش کی طرف منسوب ہے۔
جب وہ بستیاں ہلاک ہو چکیں تو مینہ تھم گیا اور زمین نے پانی کو جذب کر لیا اور کشتی جودی پر ٹھہر گئی۔ ابن جریر میں بعض روایات میں ہے شمخت الجبال وتواضع جس کے معنے یہ سمجھے گئے ہیں کہ دوسرے پہاڑوں نے تکبر کیا اور جودی نے تواضع اختیار کی۔ مگر شمخ کے اصل معنی بلند ہونا اور وضع کے معنی پست ہونا اور مراد صاف یہ معلوم ہوتی ہے کہ دوسرے پہاڑ بلند تھے، جو غرق نہیں ہوئے اور جودی پست تھا یعنی کوئی چھوٹا ٹیلا تھا جس پر کشتی آ لگی۔

نمبر۳۔ انہ عمل غیر صالح۔ میں ضمیر سوال کی طرف نہیں بلکہ اس کے بیٹے کی طرف ہے اور مراد ہے ذو عمل یعنی وہ غیر صالح یا برے کام کرنے والا ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝۴۷

کہا ، اے میرے رب ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے ایسا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر تو میری حفاظت نہ کرے اور مجھ پر رحم نہ کرے تو میں نقصان اٹھانیوالوں میں سے ہونگا ۔

قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَ عَلٰۤی اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۴۸

کہا گیا اے نوحؑ ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اُتر جو تجھ پر اور (کئی) جماعتوں پر ہونگی جو تیرے ساتھ والوں سے ہونؑ اور ایسی امتیں (بھی) ہونگی جنھیں ہم کچھ سامان دینگے پھر انھیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا۔

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝۴۹ ع

یہ غیب کی خبروں سے ہیں جو ہم تیری طرف کرتے ہیں ، تو انھیں اس سے پہلے نہ جانتا تھا اور نہ تیری قوم ۔ سو صبر کر انجام متقیوں کے لیے ہے ۳۔

وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝۵۰

اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہودؑ کو (بھیجا) اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمھارے لیے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں ، تم صرف جھوٹ بنانے والے ہو۔

یٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۵۱

اے میری قوم میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا میرا اجر صرف اس پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

معانقہ ۔ الوقف علی غیرہٗ احسن و ابلغ

ان آیات میں ظاہر الفاظ کے لحاظ سے بعض نے یہ خیال کیا ہے کہ یہ حضرت نوحؑ کا بیٹا نہ تھا ، بلکہ حضرت نوحؑ کی بیوی کا کسی پہلے خاوند سے بیٹا تھا ۔ یہ فی الواقع صحیح ہو یا نہ ہو ۔ یہاں یہ مراد نہیں بلکہ اصل مطلب یہ ہے کہ حضرت نوحؑ کے اہل کو جو بچانے کا وعدہ تھا تو حضرت نوحؑ نے ظاہر الفاظ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے عرض کیا کہ اہل میں تو وہ داخل تھا یعنی بلحاظ نسب اس لیے وہ کیوں مطابق وعدہ نہ بچایا گیا ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ صالحین کے اہل صرف بلحاظ نسب نہیں ہوتے بلکہ بلحاظ عمل بھی ۔ چونکہ وہ بدعمل ہے بُرے کام کرتا ہے اس لیے وہ تمھارے اہل میں داخل نہیں ۔

نمبر۱ ۔ یہ جو فرمایا کہ ایسا سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں ۔ تو مطلب یہ ہے کہ دعا ایسے امور کے لیے کرنی چاہیے جن کے متعلق یہ علم ہو کہ ان کا حصول درست اور حکمت الٰہی کے مطابق ہے ۔ چونکہ پہلے ہی فرما دیا گیا تھا لا تخاطبنی فی الذین ظلموا انھم مغرقون(۳۷) اس لیے یہ لفظ استعمال کیے ہیں ۔

نمبر۲ ۔ امم ممن معک یعنی ایسی امتیں جو تیرے ساتھیوں میں سے بن جائیں گی جس سے معلوم ہُوا کہ جو لوگ حضرت نوحؑ کے ساتھ تھے ان میں سے بھی آگے قومیں بنیں اور امم سنمتعھم میں بظاہر دوسری قوموں کی طرف اشارہ ہے جو اس وقت دنیا میں موجود تھیں یا انہی کی نسل میں سے پیچھے آنے والی امتیں مراد ہیں ۔

نمبر۳ ۔ پچھلے رکوع کے آخر پر بھی انتقال مضمون آنحضرت صلعم کے اعدا کی طرف کیا تھا یہاں بھی کیا ہے اور بتایا ہے کہ نوحؑ اور اس کے مخالفوں کا قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مخالفوں کے لیے بطور پیشگوئی ہے اور یہی انباء الغیب ہیں جن کا یہاں ذکر ہے جیسا کہ آخری الفاظ فاصبر ان العاقبۃ للمتقین سے ظاہر ہے ۔

وَ يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَ لَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

اور اے میری قوم اپنے رب کی بخشش مانگو، پھر اس کی طرف رجوع کرو، وہ تم پر زور سے برستا ہوا بادل بھیجے گا اور تمھاری طاقت کو بڑھا کر زیادہ طاقتور کریگا اور مجرم ہو کر پھر نہ جاؤ۔[1]

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّ مَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَ مَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

انھوں نے کہا اے ہود تو ہمارے پاس کوئی کھلی دلیل نہیں لایا اور ہم تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تجھ کو ماننے والے ہیں۔

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾

ہم تو یہی کہیں گے کہ ہمارے کسی معبود نے تجھے آسیب پہنچایا ہے، اس نے کہا، میں اللہ کو گواہ ٹھیراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں اس سے بیزار ہوں جسے تم اس کے سوائے شریک کرتے ہو۔

مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾

تو تم سب میرے لیے تدبیر کرو، پھر مجھے مہلت نہ دو۔[2]

اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَ رَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾

میرا بھروسہ اللہ پر ہے جو میرا رب اور تمھارا رب ہے۔ کوئی جاندار نہیں مگر وہ اس کی چوٹی کو پکڑے ہوئے ہے، میرا رب سیدھے رستہ پر ہے۔[3]

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ

سو اگر تم پھر جاؤ تو میں نے تمھیں پہنچا دیا ہے جو مجھے دیکر

نمبر۱۔ مینہ برسانے سے مراد اللہ تعالےٰ کے افضال ہیں۔ اگر ایک قوم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور ظلم اور زیادتی سے رُک جائے تو اللہ تعالیٰ کے افضال اس پر اور بھی زیادہ ہوتے ہیں اور ان کی قوت بجائے گھٹنے کے بڑھتی ہے۔

نمبر۲۔ چونکہ انھوں نے کہا تھا کہ ہمارے کسی معبود نے تمھیں اس طرح مصیبت میں ڈال دیا ہے اس کے جواب میں اول شرک سے بیزاری کا اظہار کرکے پھر یہ کہا ہے کہ اگر تمھارے معبود اور تم مجھے کچھ نقصان پہنچا سکتے ہو تو سب مل کر کوشش کر لو اور مجھے مہلت بھی نہ دو اور دراصل تو یہ آنحضرت صلعم کے اعدا کو خطاب ہے کیونکہ ہر نبی کے ذکر میں آپ کا ہی ذکر مقصود ہے کہ جو تکالیف تم پہنچا چکے ہو ان پر بس نہ کرو بلکہ جو زور میرے خلاف لگا سکتے ہو لگا لو تاکہ کل کو یہی بات میرے منجانب اللہ ہونے پر نشان ٹھیرے کہ تم نے اپنی پوری طاقت میری تباہی کے لیے صرف کی مگر میرا کچھ نہ بگاڑ سکے اگر یہ امر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ دنیا کی طاقتیں مل کر اسے برباد نہ کر دیتیں۔

نمبر۳۔ اخذ بناصیتھا۔ ناصیۃ پیشانی کے بالوں کو کہتے ہیں اور عرب اخذ ناصیۃ کا استعمال انتہائے ذلت اور عاجزی کے موقعہ پر کرتے تھے ان کا مطلب اس سے یہ ہوتا تھا کہ دوسرا شخص اسے جس طرح چاہتا ہے چلاتا ہے اور یہ بھی ان میں دستور تھا کہ ایک قیدی کو جب چھوڑنا ہوتا تو نشان کے طور پر اس کی پیشانی کے بال کاٹ دیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے کامل تصرف میں ہیں اور رب کے صراط مستقیم پر ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ سب سے عدل و انصاف کا معاملہ کرتا ہے۔ اچھے سے اچھا بُرے سے بُرا۔

بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ۭ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـــًٔا ۭ اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ۝٥٧

تمھاری طرف بھیجا گیا ہے اور میرا رب تمھارا جانشین دوسرے لوگوں کو بنا دے گا اور تم اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے، میرا رب تمام چیزوں پر نگہبان ہے[1]

وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝٥٨

اور جب ہمارا حکم آگیا ہم نے ہودؑ کو اور انھیں جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے اپنی رحمت سے بچا لیا اور ہم نے انھیں سخت عذاب سے بچایا۔

وَتِلْكَ عَادٌ ڞ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝٥٩

اور وہ عاد ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے رسولوں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش دشمن حق کے حکم کی پیروی کی[2]

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۝٦٠

اور اس دنیا میں لعنت ان کے پیچھے لگی اور قیامت میں بھی سنو! عاد نے اپنے رب کا انکار کیا، سنو! ہودؑ کی قوم عاد پر پھٹکار رہے[3]

وَاِلٰي ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝٦١

اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ کو (بھیجا) اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو، تمھارے لیے اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں، اس نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور اس میں تمھیں آباد کیا سو اس کی بخشش مانگو اور اس کی طرف رجوع کرو میرا رب نزدیک (اور) قبول کرنے والا ہے۔

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا

انھوں نے کہا اے صالحؑ اس سے پہلے تجھ پر ہمیں امید تھی، کیا تو ہمیں روکتا ہے کہ اس کی عبادت کریں جس کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے

نمبر۱۔ یہاں بعض نے خطاب کا انتقال کفار قریش کی طرف سمجھا ہے اور یہی درست بھی معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ ہود کے ذکر میں سمجھانا تو انہی لوگوں کو اصل مقصود تھا۔

نمبر۲۔ معاند ؔ اور عنادؔ یہ ہے کہ ایک چیز کو پہچانے پھر اس کا انکار کردے پس عنید وہ حق سے پھرنے والا باغی ہے جو باوجود علم کے حق کو رد کرتا ہے۔

نمبر۳۔ بُعد اور بُعدؔ ہلاکت کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں اور دُوری کے لیے بھی فبعدا للقوم الظالمین (المؤمنون ۔ ۴۱) اور یہاں چونکہ قوم ہلاک ہو چکی ہے اس لیے مراد رحمت الٰہی سے دوری ہے یا مطلب یہ ہے کہ جس طرح عاد ہلاک ہوئے ایسی اور قومیں بھی ہلاک ہوں گی جو وہی راہ اختیار کریں۔

وَاِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ٦٢	تھے اور یقیناً ہمیں اس کے متعلق شک ہے جس کی طرف تو ہمیں بلاتا ہے ١
قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ	اس نے کہا اے میری قوم بتاؤ اگر میں اپنے رب سے
مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ	کھلی دلیل پر قائم ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت عطا
یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَیْتُهٗ فَمَا	فرمائی تو کون اللہ کے خلاف میری مدد کریگا اگر میں اس کی نافرمانی کروں
تَزِیْدُوْنَنِیْ غَیْرَ تَخْسِیْرٍ ٦٣	تو تم سوائے گھاٹے کے میرا کچھ نہیں بڑھاتے۔
وَیٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً	اور اے میری قوم یہ تمھارے لیے اللہ کی اونٹنی ہے (یہ) ایک نشان
فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا	(ہے) سو اسے چھوڑ دو، اللہ کی زمین میں چرے اور اُسے کوئی دُکھ
تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِیْبٌ ٦٤	نہ پہنچاؤ۔ ورنہ تمھیں نزدیک کا عذاب آ پکڑے گا۔
فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ	مگر انھوں نے اسے مار ڈالا تو اس نے کہا اپنے گھروں میں تین دن فائدہ
اَیَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ ٦٥	اُٹھالو، یہ وعدہ ہے جو کبھی جھوٹ نہ ہوگا۔
فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِیْنَ	سو جب ہماری سزا آگئی تو ہم نے اپنی رحمت سے صالح کو اور ان
اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْیِ	کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے (اس سے) بچا لیا اور اس دن کی
یَوْمِىٕذٍ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ٦٦	رسوائی سے تیرا رب طاقتور غالب ہے۔
وَاَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا	اور جو ظالم تھے انھیں ہولناک آواز نے آ پکڑا سو وہ اپنے گھروں
فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ٦٧	میں اوندھے پڑے رہ گئے ٢
كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا	گویا کہ ان میں بسے ہی نہ تھے، سنو ثمود نے اپنے رب کا انکار

نمبر ١۔ حضرت صالحؑ کے متعلق ان کی قوم کا یہ اعتراف کہ آپ سے اس سے پہلے ہماری بہت امیدیں وابستہ تھیں بتاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام شروع سے ہی قوموں کی امید گاہ ہوتے ہیں۔ ان کا دل اور دماغ اور ان کی قوت عملی ایسی زبردست ہوتی ہے کہ قوم میں وہ اس دعوی سے پہلے ایک نمایاں امتیاز حاصل کر لیتے ہیں تاریخی رنگ میں اس کا بہترین نظارہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں نظر آتا ہے کہ ہر قسم کے باطل سے متنفر کھیل کود سے الگ ہر وقت خدمت قومی میں لگے ہوئے ہیں۔ بعثت سے پہلے ثمال الیتامی عصمة للاصل ہیں۔ غریبوں اور بیکسوں کے ملجا اور ماویٰ ہیں۔ دن رات مخلوق خدا کی فکر ہے۔ نیکی اور استبازی ایسی مسلّم کہ کوئی شخص آخر تک حرف نہیں رکھ سکا۔ درحقیقت قرآن کریم نے جو مختلف نقشے انبیاء کے کھینچے ہیں وہ آنحضرت صلعم کے متعلق ہی توجہ دلانے کے لیے ہیں۔ مگر جب یہ لوگ ان ساری باتوں کے باوجود قوم کے اندر سے بدی کی جڑ کاٹنا چاہتے ہیں تو شیاطین کا گروہ ان کا دشمن ہو جاتا ہے۔

نمبر ٢۔ صیحۃ۔ آواز بلند کرنے کا نام ہے جس کو یہاں صیحۃ کہا اسی کو الاعراف۔ ٨، میں رجفۃ یا زلزلہ کہا جس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی عذاب کی مختلف حالتوں کے یہ نام ہیں۔ زلزلہ سے پہلے بھی خطرناک آواز آتی ہے۔

ع رَبَّهُمْ ۭ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ٦٨
وَلَقَدْ جَاۗءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى
قَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ
جَاۗءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ٦٩
فَلَمَّا رَآٰ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ
نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ۭ قَالُوْا
لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ٧٠
وَامْرَاَتُهٗ قَاۗىِٕمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا
بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَاۗءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ٧١

کیا، سنو ثمود پر پھٹکار ہے۔
١ اور یقیناً ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیمؑ کے پاس خوش خبری لیکر
آئے۔ کہا سلامتی ہو، اس نے کہا سلامتی اور دیر نہ کی کہ تلا
ہُوا بچھڑا لے آیا۔
مگر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں اُٹھتے، اُس نے
انھیں اجنبی سمجھا اور اُن سے دل میں ڈرا، انھوں نے کہا، نہ ڈر
ہم لوط کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں ٢۔
اور اس کی عورت کھڑی تھی سو وہ خوش ہوئی تو ہم نے اسے اسحاق کی اور
اسحاق کے پیچھے (ایک پوتے) یعقوب کی خوش خبری دی ٣۔

نمبر١۔ یہ رسول کون تھے۔ روایات میں ہے کہ وہ فرشتے تھے۔ بائبل میں پیدائش ١٨ باب میں بھی یہی ذکر ہے۔ قرآن کریم میں صراحت سے یہ ذکر کہیں نہیں کہ یہ فرشتے تھے البتہ یہ ذکر ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ اُن کے سامنے کھانا لائے تو انھوں نے کھایا نہیں۔ مگر ان کے دوسرے سارے حالات انسانوں سے ملتے ہیں اور کھانا نہ کھانے کی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں ممکن ہے اس وقت انھیں بھوک ہی نہ ہو یا روزہ سے ہوں۔ رہا یہ کہ انھوں نے حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے کی بشارت دی تو یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ اس زمانہ میں کوئی ایسے صالح لوگ ہوں جن کو اللہ تعالیٰ نے یہ خوشخبری دی ہو اور انھوں نے اس کا ذکر حضرت ابراہیمؑ سے کیا۔ حالانکہ حضرت ابراہیمؑ کو اس سے پہلے خود بھی اولاد کی خوشخبری دی تھی مگر چونکہ حضرت اسمٰعیلؑ کی پیدائش سے وہ پیشگوئی پوری بھی ہو چکی تھی۔ اس لیے ممکن ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا خیال یہ ہو کہ اب اور اولاد اُن کے ہاں نہ ہوگی۔ تب اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے ذریعہ سے ان کو یہ خبر پہنچائی کہ سارہ کے بطن سے بھی ان کے ہاں اولاد ہوگی اور اصل میں یہ حضرت لوطؑ کی قوم کی طرف بھیجے گئے تھے جو ایک بدکار قوم تھی اور خلاف وضع فطرت انسانی افعال شنیعہ کا ارتکاب کرتی تھی اور ان کو وہاں بھیجنے کا منشا اس قوم پر اتمام حجت کے رنگ میں معلوم ہوتا ہے۔ یعنی آپس میں تو ایسے افعال کرتے تھے مگر جب مہمانوں پر دست درازی کریں جو نہ صرف ان افعالِ بد کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں بلکہ جن کی تکریم لازم تھی تو اللہ تعالیٰ کا غضب اُن پر بھڑک اُٹھے۔ اگر یہ فرشتے ہوتے جن کی وساطت سے اللہ تعالیٰ اپنا کلام انسانوں کو پہنچاتا ہے تو کلام وحی اور ملک کا آنا اس رنگ میں نہیں ہوتا بلکہ وہ ایک دوسرے عالم میں آتا ہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلعم پر جب جبرئیلؑ وحی لے کر آتے تو کوئی دوسرا شخص انھیں نہ دیکھ سکتا نہ ان کے کلام کو سُن سکتا۔ حالانکہ سب سے زیادہ پُرزور اور پُرشوکت وحی رسول اللہ صلعم کو ہی ہوئی۔ پس حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ کو وحی اس رنگ میں ہی ہو سکتی تھی جس طرح ہمارے نبی کریم صلعم کو ہوئی اور ان واقعات میں چونکہ وہ رنگ نہیں اس لیے ماننا پڑے گا کہ یہ کوئی صالح انسان تھے جن کو بطور ایک نشان کے قوم لوط کی طرف بھیجا گیا اور اسی لحاظ سے ان کو رسول کہا گیا جیسا کہ ایک جگہ حضرت صالحؑ کی اونٹنی کے متعلق بھی فرمایا کہ ہم نے اس اونٹنی کو بھیجا (انا مرسلوا الناقة فتنة لهم (القمر ٥٤: ٢٧)

نمبر٢۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان کے نہ کھانے کو دستور ملک کے مطابق اس بات پر محمول کیا کہ ان کا ارادہ اچھا نہیں اس لیے آپ نے دل میں ان سے خوف محسوس کیا جس کا جواب انھوں نے دیا کہ تمھارے لیے تو خوشخبری ہے۔ ہاں اگر ہم بُرائی کی خبر لائے ہیں تو وہ قوم لوط کے لیے ہے۔

نمبر٣۔ من وراء اسحٰق کے معنی ہوئے اسحاق سے آگے یعنی اگلی نسل میں یا اسحاق کی اولاد گویا صرف بیٹے کی خوشخبری نہیں بلکہ ایک قوم کے پیدا ہونے کی خوشخبری ہے۔

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا
بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ﴿٧٢﴾

اس نے کہا مجھ پر تعجب ہے! میں جنوں گی حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرا
خاوند بھی بوڑھا ہے یہ تو بڑی عجیب بات ہے[1]

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ
اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ
حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴿٧٣﴾

انھوں نے کہا، کیا تو اللہ کے حکم سے تعجب کرتی ہے؟ اے
اہل بیت اللہ کی رحمت اور برکتیں تم پر ہیں، وہ تعریف
کیا گیا بزرگ ہے۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَ
جَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ؕ ﴿٧٤﴾

سو جب ابراہیمؑ سے ڈر جاتا رہا اور اسے خوش خبری پہنچی
لوط کی قوم کی نسبت ہم سے جھگڑنے لگا[2]

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿٧٥﴾

یقیناً ابراہیمؑ بُردبار، نرم دل (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا تھا۔

يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ
قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ
عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿٧٦﴾

اے ابراہیمؑ یہ خیال چھوڑ دے، کیونکہ تیرے رب کا حکم
آچکا ہے اور اُن پر وہ عذاب آنے والا ہے
جو ردّ نہیں ہو سکتا۔

وَ لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِىْٓءَ بِهِمْ
وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ﴿٧٧﴾

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے لوط کے پاس آئے وہ ان کی
وجہ سے مغموم ہُوا اور ان کے معاملے میں ہاتھ کو تنگ پایا اور کہا یہ دن بڑا سخت ہے[3]

وَ جَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَ مِنْ
قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ
يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِىْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ

اور اس کے پاس اس کی قوم دوڑتی آئی اور وہ پہلے سے بُرے کام
کرتے تھے۔ اس نے کہا اے میری قوم یہ میری بیٹیاں ہیں
یہ تمھارے لیے سب سے بڑھ کر پاک ہیں سو اللہ کا تقویٰ کرد

امرأتہ قائمۃ میں بتایا کہ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی بھی مہمانوں کی خدمت میں مشغول تھیں اور ان کے ضحک سے مراد اگر ہنسنا یا خوش ہونا لیا جائے تو اس لیے ہو سکتا ہے کہ ان کو اطمینان ہو گیا کہ یہ لوگ ہمارے متعلق کوئی بری خبر نہیں لائے بلکہ قوم لوط کے لیے لائے ہیں۔

نمبر ۱۔ یہ کلمہ یا ویلتیٰ اہل عرب تعجب کے وقت بھی بولتے ہیں۔

نمبر ۲۔ یجادلنا فی قوم لوط۔ یعنی لوط کی قوم پر جو عذاب کی خبر انھیں ملی تو اس کے ٹل جانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور اسے مجادلہ اس لیے کہا کہ ارادۂ الٰہی ظاہر ہو چکا تھا۔

نمبر ۳۔ جب اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے حضرت لوطؑ کے پاس آتے ہیں تو ان کو اپنی قوم کی بدکاری کی وجہ سے یا اس لیے کہ ان کی قوم اس بات کو پسند نہ کرتی تھی کہ اجنبی لوگ ان کے پاس آکر ٹھہریں جیسا کہ اولم ننھک عن العالمین (الحجر-۷۰) سے ظاہر ہے ان کی حفاظت کی فکر ہوئی اور خوف ہوا کہ وہ ان مہمانوں کی حفاظت نہ کر سکیں گے اس لیے وہ مغموم ہوئے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ
اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ﴿۷۸﴾

اور میرے مہمانوں کے معاملہ میں مجھے رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھلا آدمی نہیں ؟ ۱؎

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ
مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿۷۹﴾

انھوں نے کہا تو جانتا ہے ہمارا تیری بیٹیوں پر کوئی حق نہیں اور تو خوب جانتا ہے جو ہم چاہتے ہیں ۲؎

قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ
اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿۸۰﴾

اس نے کہا کاش مجھ میں تمھارے (مقابلہ) کے لیے طاقت ہوتی بلکہ میں ایک مضبوط سہارے کی پناہ لیتا ہوں ۳؎

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ
يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ
مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا
امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ
اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ
الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾

انھوں نے کہا اے لوطؑ ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں وہ تجھ تک نہ پہنچ سکیں گے تو کچھ رات سے اپنے اہل کو لے نکل سوائے تیری عورت کے اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اس پر وہی مصیبت آنے والی ہے جو ان پر آ رہی ہے ان کا مقرر وقت صبح ہے۔ کیا صبح قریب نہیں ؟

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا

سو جب ہمارا حکم آگیا ہم نے اُسے تہ و بالا کر دیا۔

نمبر۱- هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ اس کے ایک معنی تو یہ کیے گئے ہیں کہ حضرت لوطؑ نے اپنے مہمانوں کو بچانے کے لیے فرمایا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں تم ان سے نکاح کرلو کیونکہ وہ لوگ پہلے حضرت لوطؑ سے اُن کی بیٹیاں نکاح میں مانگتے تھے تو آپ انکار کرتے تھے۔ اپنے مہمانوں کی حفاظت کے لیے آپ نے اس بات کو بھی قبول کیا کہ وہ اپنی لڑکیاں ان کو نکاح میں دے دیں اور بعض کہتے ہیں کہ ان الفاظ سے صرف ان کو شرم دلانا مقصود تھا حقیقت میں نکاح میں دینا مقصود نہ تھا۔ اور ایک روایت ہے کہ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ میں اشارہ عورتوں کی طرف تھا کہ قضائے شہوت کے لیے تمھاری بیویاں موجود ہیں اور وہ تمھارے لیے پاکیزہ ہیں پس تمام حرام اور فاحش طریقوں کو چھوڑ دو اور عام عورتوں کو بناتی اس لحاظ سے کہا کہ نبی اپنی امت کے لیے باپ کے حکم میں ہوتا ہے۔ یہ آخری تاویل کسی قدر کمزور ہے اس لیے کہ نبی کا باپ ہونا مومنوں کے حق میں ہوتا ہے نہ کفار کے۔ مگر پھر بھی مجازاً بناتی سے مراد عام عورتیں لی جاسکتی ہیں اور یہی معنی قابل ترجیح ہیں کہ آپ نے مرد اور عورت کے قدرتی اور پاکیزہ تعلق کی طرف توجہ دلائی۔

نمبر۲- اس جواب میں کہ تمھاری بیٹیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں، اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ تم دوسری قوم سے ہو اس لیے ہم تمھاری بیٹیوں سے نکاح نہیں کرسکتے یا یہ کہ تم ان کے متعلق پہلے انکار کر چکے ہو۔

نمبر۳- پہلے اپنی کمزوری کا اعتراف ہے کاش مجھ میں یہ طاقت ہوتی کہ میں تمھارا مقابلہ کرکے اپنے مہمانوں کو تم سے بچا سکتا لیکن چونکہ مجھ میں یہ طاقت نہیں، اس لیے پھر فرمایا اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ بلکہ میں ایک مضبوط سہارے کی پناہ لیتا ہوں اور گو اس مضبوط سہارے سے بعض مفسرین نے مراد کنبہ لیا ہے مگر حدیث نبوی سے ظاہر ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا سہارا ہے۔ چنانچہ حدیث کے یہ الفاظ ہیں: رحم اللّٰه لوطاً فانه كان يأوي الى ركن شديد۔ اللہ تعالیٰ حضرت لوطؑ پر رحم کیا کیونکہ وہ ایک مضبوط سہارے کی پناہ لیتا تھا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ؛

وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَیۡہَا حِجَارَۃً مِّنۡ سِجِّیۡلٍ ۬ۙ
مَّنۡضُوۡدٍ ﴿۸۲﴾

اور ہم نے اس پر سخت پتھر پے در پے برسائے ۱؎

مُّسَوَّمَۃً عِنۡدَ رَبِّکَ ؕ وَ مَا ہِیَ مِنَ
الظّٰلِمِیۡنَ بِبَعِیۡدٍ ﴿۸۳﴾

تیرے رب کے ہاں سے نشان لگائے ہوئے اور وہ ظالموں سے دور نہیں ۲؎

وَ اِلٰی مَدۡیَنَ اَخَاہُمۡ شُعَیۡبًا ؕ قَالَ
یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ
غَیۡرُہٗ ؕ وَ لَا تَنۡقُصُوا الۡمِکۡیَالَ وَ الۡمِیۡزَانَ
اِنِّیۡۤ اَرٰىکُمۡ بِخَیۡرٍ وَّ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ
عَذَابَ یَوۡمٍ مُّحِیۡطٍ ﴿۸۴﴾

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو (بھیجا) اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمھارے لیے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں اور ماپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو، میں تمھیں اچھی حالت میں دیکھتا ہوں اور میں تم پر گھیر لینے والے دن کے عذاب کے آنے سے ڈرتا ہوں۔

وَ یٰقَوۡمِ اَوۡفُوا الۡمِکۡیَالَ وَ الۡمِیۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ
وَ لَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡیَآءَہُمۡ وَ لَا
تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِیۡنَ ﴿۸۵﴾

اور اے میری قوم! ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور فساد پھیلاتے ہوئے زمین میں حد سے نہ بڑھو۔

بَقِیَّتُ اللّٰہِ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۬ۚ
وَ مَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِحَفِیۡظٍ ﴿۸۶﴾

جو اللہ کے پاس باقی رہتا ہے وہ تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو، اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں ۳؎

نمبر۱۔ جعلنا عالیہا سافلہا کی تفسیر میں مفسرین نے بعض آثار کی بنیاد پر لکھا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے زمین کے اس ٹکڑے کو اُٹھا کر اتنا اونچا کیا کہ آسمان والوں نے مرغوں کی آواز اور کتوں کا بھونکنا سُنا اور پھر اسے وہاں سے پھینکا مگر کسی حدیث میں یہ نہیں اور اگر اس سے یہ مراد ہوتی تو پھر ساتھ پتھر برسانے کا ذکر بے معنی ہے کیونکہ جب زمین کے نیچے کا حصہ اوپر آگیا اور اوپر والا نیچے چلا گیا تو پتھر کہاں برسے۔ گویا قرآن کریم نے پتھر برسانے کا ذکر کرکے خود بتا دیا کہ عالی کو سافل بنانے سے مراد تہ و بالا کرنا ہے اور دوسری جگہ اس قوم کے عذاب کو کہیں صرف امطرنا علیہم مطرا (النمل۲۷-۵۸) کہا ہے اور کہیں انا ارسلنا علیہم حاصبا (القمر۵۴-۳۴) گویا صرف پتھروں کی بارش کا ذکر کیا ہے۔ پس یہی اصل عذاب تھا اور اسی کے ذریعہ سے وہ زمین تہ و بالا کردی گئی اور ظاہر ہے کہ پتھروں کی بارش آتش فشاں پہاڑوں سے ہوتی ہے اور پے در پے بھیجنے سے بھی یہی منشا ہے۔

نمبر۲۔ پتھروں کو مسوّمۃ یا نشان لگائے ہوئے اس لیے کہا کہ گویا وہ ان کے لیے مقدر ہو چکے تھے اور ماھی من الظٰلمین ببعید میں یہ بتایا کہ وہ جگہ ان ظالموں سے جو اس وقت حق کی مخالفت کر رہے ہیں دُور نہیں یعنی اسے دیکھتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ ہے کہ اس پر تم گذرتے ہو اور یا مراد یہ ہے کہ ایسا ہی عذاب ان ظالموں کے لیے تیار ہے۔

نمبر۳۔ بقیت اللہ۔ بقا کسی چیز کا پہلی حالت پر ثابت رہنا ہے اور اپنے نفس میں باقی رہنے والی صرف ذات باری ہے۔ باقی سب کا بقا اسی کی ذات سے ہے۔ ایسا ہی بقا اہل جنت کا ہے اور الباقیات الصالحات (الکھف۱۸-۴۶) وہ اعمال ہیں جن کا ثواب انسان کے لیے باقی رہتا ہے اور بقیۃ اللہ سے مراد بھی یہی ہے اور اس کی اضافت اللہ کی طرف ہے اور اس کے معنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت یا اللہ تعالیٰ کا رزق بھی کیے ہیں۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾

انھوں نے کہا اے شعیبؑ کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم اسے چھوڑ دیں جس کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے تھے یا اپنے مالوں میں جس طرح چاہیں (نہ) کریں بیشک تو بڑا بردبار سیدھی راہ پر چلنے والا ہے ۔[1]

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾

اس نے کہا اے میری قوم بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک کھلی دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے اچھی روزی دی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تمھاری مخالفت کرکے وہ کام کروں جس سے میں تمھیں روکتا ہوں سوائے اصلاح کے کچھ نہیں چاہتا جہاں تک میری طاقت ہے اور مجھے توفیق ملنا اللہ کی مدد سے ہی ہے اسی پر میں بھروسا رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ۔[2]

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾

اور اے میری قوم میری دشمنی تم سے ایسا نہ کرائے کہ تم پر ایسی ہی مصیبت آپڑے جیسی نوحؑ کی قوم، یا ہودؑ کی قوم، یا صالحؑ کی قوم پر پڑی اور لوطؑ کی قوم بھی تم سے دور نہیں ۔[3]

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾

اور اپنے رب کی بخشش مانگو، پھر اس کی طرف پھر آؤ، میرا رب رحم کرنے والا محبت کرنے والا ہے ۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ

انھوں نے کہا اے شعیبؑ ہمیں بہت سی وہ باتیں سمجھ نہیں

نمبر۱۔ بظاہر ان کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نماز پڑھتے ہو تو پڑھو، ہماری باتوں میں دخل کیوں دیتے ہو۔ ہم اپنے پرانے طریق پر عبادت کرتے ہیں جس طرح ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے۔ رہا مال سو وہ ہماری چیز ہے جس طرح پر چاہیں کریں کم دیں یا زیادہ دیں۔ اور یہ جو کہا کہ تم حلیم رشید ہو تو بعض نے اسے بطور تہکم مراد لیا ہے یعنی تم اپنے زعم میں حلیم و رشید ہو مگر قرین قیاس یہ ہے کہ وہ حضرت شعیبؑ کی حلیمی اور رشد کے قائل تھے۔

نمبر۲۔ رزق حسن سے مراد یہاں نبوت و حکمت ہے کیونکہ یہی وہ رزق ہے جو انبیاء کو خصوصیت سے ملتا ہے اور ان کی اس بات کا کہ ہماری باتوں میں دخل نہ دو یہ جواب دیا ہے کہ میں تمھاری اصلاح چاہتا ہوں اور یہ کہ میں خود اسے اچھا سمجھتا ہوں اس سے ظاہر کہ میں خود بھی اس پر عامل ہوں۔

نمبر۳۔ یہاں کیسی صفائی سے بتا دیا کہ جس طرح ہودؑ، صالحؑ اور لوطؑ کی قوم پر عذاب آیا اسی طرح حضرت نوحؑ کی قوم پر بھی عذاب آیا جس سے معلوم ہوا کہ طوفان نوحؑ کا عذاب صرف قوم نوحؑ کے لیے تھا، نہ کل عالم کے لیے۔ سارے قرآن شریف میں جہاں جہاں حضرت نوحؑ کا ذکر آتا ہے ان کی قوم کا اسی طرح ذکر ہے، جس طرح دوسرے انبیاء کی قوموں کا۔

وَإِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ
لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿٩١﴾

ہم تجھ کو اپنے اندر کمزور دیکھتے ہیں اور اگر تیرے بھائی بند نہ ہوتے تو ہم تجھے سنگسار کر دیتے اور تو ہم پر غالب نہیں ہے۔[1]

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ
وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ اِنَّ
رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٩٢﴾

اس نے کہا اے میری قوم کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ تم پر اللہ سے زیادہ ہے اور تم نے اسے پیٹھ کے پیچھے ڈال رکھا ہے میرا رب اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے جو تم کرتے ہو۔[2]

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ
سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ
يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا
اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿٩٣﴾

اور اے میری قوم اپنی طاقت کے مطابق عمل کرو، میں بھی عمل کرنے والا ہوں، تم جان لوگے کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے اور کون جھوٹا ہے اور دیکھتے رہو میں بھی تمھارے ساتھ دیکھ رہا ہوں۔

وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا
فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٩٤﴾

اور جب ہمارا حکم آگیا ہم نے شعیبؑ کو اور انھیں جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے، اپنی رحمت کے ساتھ بچالیا اور جنھوں نے ظلم کیا اُن کو سخت آواز نے آپکڑا سو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہی رہ گئے۔

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ
كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿٩٥﴾ ع

گویا کہ اُن میں بسے ہی نہ تھے سنو مدین پر پھٹکار ہے جیسے ثمود پر پھٹکار ہوئی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰي بِاٰيٰتِنَا
وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿٩٦﴾

اور ہم نے موسیٰؑ کو اپنے نشانوں اور کھلی سند کے ساتھ بھیجا۔

نمبر۱۔ انبیاء کی تعلیم ایسی سادہ ہوتی ہے کہ عام انسان اس کو سمجھ سکتے ہیں ان کا یہ کہنا کہ ہم سمجھتے نہیں گویا اس بات کے قائم مقام ہے کہ ہم پروا نہیں کرتے کیونکہ تم ہم میں کوئی طاقتور آدمی نہیں ہو کہ تمھاری بات کی ہم پروا کریں۔ ضعیف سے یہی مراد ہے اور یہ جو حضرت ابن عباسؓ سے ضعیف کے معنی اندھا مروی ہیں تو یہ درست نہیں اس لیے کہ انبیاء ایسے عیوب سے پاک ہوتے ہیں اور یہاں لفظ ہیں کہ ہم تم کو اپنے اندر ضعیف پاتے ہیں جس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے مقابلہ میں تم کمزور ہو اور اگر ضعیف سے اندھا مراد لیا جائے جس پر لغت کی بھی شہادت نہیں تو معنی کچھ نہیں بنتے۔ کیونکہ اپنے اندر اندھا پانا بے معنی ہے۔

نمبر۲۔ یعنی میری برادری تمھارے نزدیک قابل لحاظ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی تمھیں کوئی پروا نہیں۔ ان الفاظ میں بھی رسول اللہ صلعم کی طرف اشارہ ہے کہ ابو طالب کی وجہ سے سارا قبیلہ بنی ہاشم آپ کے ساتھ تھا اور اسی وجہ سے کفار آسانی سے آپ پر ہاتھ نہ ڈال سکتے تھے اور خفیہ طور پر قتل کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَإِيْهِ فَاتَّبَعُوٓا أَمْرَ فِرْعَوْنَ ۖ وَمَآ أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ۝٩٧

فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف ، مگر انھوں نے فرعون کے حکم کی پیروی کی اور فرعون کا حکم راستی پر نہ تھا۔

يَقْدُمُ قَوْمَهُۥ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۖ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ ۝٩٨

وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا سو ان کو آگ پر پہنچا دیگا اور کیا ہی بُری گھاٹ ہے جس پر پہنچے۔

وَأُتْبِعُوا فِي هٰذِهِۦ لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ ۝٩٩

اور اس دنیا میں بھی لعنت اُن کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی بُرا انعام ہے جو دیا جائے گا۔

ذٰلِكَ مِنْ أَنۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهُۥ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَحَصِيدٌ ۝١٠٠

یہ بستیوں کے کچھ حالات ہیں جو ہم تجھ پر بیان کرتے ہیں ان میں سے کچھ آباد اور کچھ اجڑی ہوئی ہیں۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوٓا أَنْفُسَهُمْ فَمَآ أَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِي يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَمَا زَادُوهُمْ غَيْرَ تَتْبِيبٍ ۝١٠١

اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن انھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا سو جب تیرے رب کا حکم آگیا تو ان کے وہ معبود ان کے کچھ کام نہ آئے جنھیں وہ اللہ کے سوائے پکارتے تھے اور اُن کے حق میں ہلاکت ہی بڑھائی۔

وَكَذٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَآ أَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظٰلِمَةٌ ۚ إِنَّ أَخْذَهُۥٓ أَلِيمٌ شَدِيدٌ ۝١٠٢

اور اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہوتی ہے جب وہ بستیوں کو پکڑتا ہے درانحالیکہ وہ ظالم ہوں ہاں اس کی پکڑ دردناک سخت ہوتی ہے۔

إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۚ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ ۝١٠٣

یقیناً اس میں اس کے لیے نشان ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے ، یہ وہ دن ہے جس میں سب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے اور یہ حاضری کا دن ہے۔

وَمَا نُؤَخِّرُهُۥٓ إِلَّا لِأَجَلٍ مَّعْدُودٍ ۝١٠٤

اور ہم اسے ایک مقرر وقت کے لیے پیچھے ڈال رہے ہیں۔

يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِۦ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ۝١٠٥

جس دن وہ آجائے گا کوئی شخص سوائے اس کے حکم کے بات نہیں کریگا، پھر ان میں سے بدقسمت اور خوش قسمت ہوں گے۔

فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ۝١٠٦

سو جو بدقسمت ہیں وہ آگ میں ہوں گے اُن کے لیے اس میں چیخنا اور چلّانا ہوگا۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾

اسی میں رہیں گے، جب تک آسمان اور زمین ہیں مگر جو تیرا رب چاہے، کیوں کہ تیرا رب جو چاہے کر گزرے۔

وَ اَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾

اور وہ جو خوش قسمت ہیں وہ جنت میں ہوں گے، اسی میں رہیں گے جب تک آسمان اور زمین ہیں، مگر جو تیرا رب چاہے یہ بخشش ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگی۔[1]

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ

سو اُن کے متعلق کچھ بھی شک نہ کر جن کی یہ عبادت کرتے ہیں وہ اسی طرح عبادت کرتے ہیں جیسے پہلے ان کے باپ دادا عبادت

نمبر۱۔ یہاں جنت اور دوزخ کے ذکر میں کہ ان کے اندر ہمیشہ کے لیے رہنا ہوگا ایک بیّن فرق نظر آتا ہے یعنی دونوں میں اِلَّا مَاشَاءَ رَبُّكَ فرما کر دوزخ کی صورت میں پیچھے یہ لفظ لائے گئے ہیں کہ تیرا رب جو چاہے کر گزرے یعنی چاہے تو انھیں دوزخ سے نکال دے اور بہشت کی صورت میں یہ کہ یہ عطا کبھی منقطع نہ ہوگی یعنی بہشت سے کبھی کوئی شخص باہر نہ نکالا جائے گا۔ پس دوزخ کے لیے وہ ہمیشگی نہیں جو جنت کے لیے ہے اس کی تائید میں صحابہ کے اقوال ہیں مثلاً حضرت عمرؓ کا قول لو لبث اھل النار فی النار کقدر رمل عالج لکان لھم علی ذلک یوم یخرجون فیہ۔ یعنی اگر اہل دوزخ، دوزخ میں اتنی مدت بھی رہیں جیسے ریت کے انبار پر انبار تو بھی ایک دن ان پر آئے گا جس میں وہ نکالے جائیں گے اور اس روایت کے رجال کو ثقات قرار دیا ہے اور ایک قول حضرت ابوہریرہؓ کا ہے سیاتی علی جھنم زمن لا یبقی فیھا احد جہنم پر ایک وقت ایسا آئیگا کہ اس میں کوئی بھی باقی نہ رہے گا اور ایسے ہی اقوال ابن مسعودؓ ابن عمرؓ وغیرہ اصحاب اور تابعین کے ہیں اور حدیث شفاعت بھی اسی کی مؤید ہے۔ صحیح حدیث میں ہے شفعت الملائکۃ وشفع النبیون وشفع المومنون ولم یبق الا ارحم الراحمین فیقبض قبضۃ من النار فیخرج منھا قوما لم یعملوا خیرا قط۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ فرشتے بھی شفاعت کر چکے اور نبی بھی شفاعت کر چکے اور مومن بھی شفاعت کر چکے اور اب سب سے زیادہ رحم کرنے والا باقی رہ گیا ہے پس ایک مٹھی دوزخ سے بھرے گا اس میں سے ان لوگوں کو باہر نکال دیگا جنھوں نے کبھی کوئی بھلائی نہ کی تھی۔ اب اس حدیث سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ پہلے تین قسم کی شفاعت ہے مومنوں کی، نبیوں کی، فرشتوں کی۔ ظاہر ہے کہ مومنوں کی شفاعت بہت محدود ہے صرف اپنے سے تعلق رکھنے والوں کے لیے اس سے بڑھ کر انبیاء کی شفاعت ہے اور وہ اپنی امتوں کے لیے۔ اس کے بعد فرشتوں کی شفاعت ہے اس کا دائرہ اس سے بھی وسیع ہے کیونکہ وہ تمام نیکی کرنے والوں کے لیے ہے اور ارحم الرحمین ایک ایسی قوم کو نکالے گا جس کا تعلق نہ کسی مومن سے تھا، نہ کسی نبی سے، نہ نیکی کے محرک فرشتوں سے اور اس لیے انھوں نے کبھی کوئی نیکی نہ کی تھی اور خدا کی مٹھی سے باہر کون رہ جائے گا۔ والارض جمیعا قبضتہ یوم القیمۃ والسموت مطویت بیمینہ (الزمر۔ ۶۷) اور اس کے بالمقابل خلود اور ابد کی بحث بے سود ہے اس لیے کہ جو خلود اور ابد عصاۃ مسلمین کے لیے ہے وہی کفار کے لیے ہے۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں جو بات ایک کو مستثنیٰ کر سکتی ہے وہی دوسرے کو۔ اور اصل بات یہ ہے کہ خلود کے لیے ہمیشگی لازم نہیں بلکہ یہ بقائے طویل کا نام ہے۔ رہا لفظ ابد۔ سو مفردات میں تابد الشئ کے معنی میں لکھا ہے: ۔ لعمر یبقی مدۃ طویلۃ یعنی اس سے مراد وہ چیز لی جاتی ہے جو مدت طویل تک باقی رہے۔ اور پھر ابد کی جمع آباد زبان عربی میں آتی ہے حالانکہ اگر اس کے معنی ہمیشگی ہوتے تو جمع نہ ہو سکتی تھی اور اس طرح اس کی تاکید بھی آتی ہے اَبَدًا اٰبِدًا۔ اٰبِیْدًا حالانکہ اگر غیر محدود زمانہ اور ہمیشگی لازماً اس کے معنی میں ہوتی تو تاکید بھی نہ آسکتی تھی۔ اگر غیر محدود زمانہ بھی اس سے مراد لیا جائے تو بھی اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ کے استثناء نے دوزخیوں کو اس سے باہر نکال دیا ورنہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن شریف نے دوسری جگہ لٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا (النبأ۔ ۲۳) کہہ کر یہ صاف بتا دیا کہ دوزخ کا ابد بھی ایک محدود زمانہ ہے۔ برخلاف بہشت کے ابد کے کہ اس کے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں فرمایا جو محدود زمانہ پر بھی بولا جا سکتا ہو جیسا کہ احقاب ہے جو حقبۃ کی جمع ہے اور دوسرے بہشت کی ابدیت کو عطاءً غیر مجذوذ قرار دے کر بھی واضح کر دیا کہ یہ نعماء ہمیشہ کے لیے ہیں۔

مِّنْ قَبْلُ ؕ وَ اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ۱۰۹ ع

کرتے تھے اور ہم ان کو ان کا حصہ بغیر کم کیے پورا پورا دینے والے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۱۱۰

اور ہم نے ہی موسیٰ کو کتاب دی پھر اس میں اختلاف کیا گیا، اور اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات پہلے نہ ہو چکی ہوتی، تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا اور وہ اس کے بارے میں سخت شک میں ہیں۔

وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۱۱۱

اور یقیناً تیرا رب سب کے سب کو ان کے عمل پورے پورے دیگا، کیونکہ یہ جو کچھ کرتے ہیں وہ اس سے خبردار ہے۔

فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۱۱۲

سو سیدھی راہ پر چلتا رہ جیسا تجھے حکم دیا گیا ہے اور وہ بھی جو توبہ کرکے تیرے ساتھ ہوا اور حد سے نہ بڑھو جو کچھ تم کرتے ہو وہ اُسے دیکھ رہا ہے[۱]

وَلَا تَرْكَنُوْۤا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۱۱۳

اور ان کی طرف نہ جھکو جو ظالم ہیں، ورنہ تمھیں آگ چھو جائے گی اور اللہ کے سوائے تمھارے کوئی حمایتی نہ ہوں گے، پھر تمھیں مدد بھی نہیں ملے گی[۲]

نمبر۱- اس آیت میں نہ صرف نبی کریم صلعم کو حکم ہے کہ آپ کسی صورت میں صراطِ مستقیم سے اِدھر اُدھر نہ ہوں بلکہ یہ بھی ساتھ ہی حکم ہے کہ آپ کے ساتھی بھی جادہ مستقیم سے ذرہ بھر انحراف نہ کریں۔ بغیر اس استقامت کے وہ کامیابیاں جن کا وعدہ دیا گیا ہے میسر نہیں آسکتیں۔ نبی اپنی ذات میں تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرکے دکھاتا ہے بلکہ کتاب کی تعلیم کو عمل کے رنگ میں لاکر دکھاتا ہے لیکن ساتھیوں کا بھی اس استقامت کی راہ پر چلنا بہت ہی دشوار ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا شیّبتنی ھود۔ یعنی سورہ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ ساتھیوں کو اس راہ پر قائم کرنا یہ ایک نہایت ہی دشوار امر تھا۔ کتنے انبیاء ہیں کہ ان کے ساتھیوں نے ان کے ساتھ چلنے سے انکار کر دیا حضرت موسیٰؑ کے ساتھی کہتے ہیں فاذھب انت وربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون (المائدہ - ۲۴) حضرت عیسیٰؑ نے جب اپنے حواریوں کو کہا کہ آج کی رات میرے ساتھ مل کر دعا ہی کرو تو وہ اس سے بھی عہدہ برا نہ ہو سکے۔ مگر یہ فخر سرور دو عالم صلعم کے حصہ میں ہی آیا کہ آپ کے صحابہ نے صراطِ مستقیم پر ایسا لزوم اختیار کیا جس کی نظیر دنیا کی تاریخ پیش نہیں کر سکتی وہ اپنے ہر عمل میں صرف قرآن شریف کو ہی اپنا ہادی بناتے تھے اور اس کی تعلیم سے ایک بال بھر انحراف کو بھی آگ میں گرنے کے برابر سمجھتے تھے۔ علاّ بن عبداللہ کا قول ہے کہ لا تطغوا میں جو خطاب ہے اس سے مراد اصحاب نبی صلعم نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد آنے والے تھے۔

نمبر۲- جب پہلی آیت میں طاعۃ اللہ پر استقامت کا حکم دیا اور ہر قسم کے ظلم یا طغیان سے روکا تو یہاں اور بھی ترقی کی یعنی نہ صرف انسان ہر قسم کے ظلم سے بچے بلکہ ظالم کی طرف میلان سے بھی بچے چونکہ ان سورتوں کے نزول کا زمانہ اسلام اور مسلمانوں پر سخت ترین مصائب کا زمانہ تھا اور مصائب میں انسان ہر قسم کا سہارا تلاش کرتا ہے اس لیے فرمایا کہ ایسا نہ ہو کہ ان تکالیف میں تم کفار کی طرف جھک کر ان مصائب سے نکلنے کا خیال کرو پھر اللہ تعالیٰ کی ولایت تمھارے لیے نہ ہوگی۔ آج بھی مسلمانوں کو اس ہدایت کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ وہ بجائے طاعۃ اللہ پر استقامت کے دوسرے لوگوں کے سہارے تلاش کرتے ہیں اور

وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

اور دن کی دونوں طرفوں میں اور پہلی رات نماز کو قائم رکھو[1] کیوں کہ نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں[2] یہ نصیحت قبول کرنے والوں کے لیے نصیحت ہے۔

وَ اصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

اور صبر کر کیونکہ اللہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَاۤ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

پھر کیوں تم سے پہلی نسلوں میں اچھے عملوں والے لوگ نہ ہوئے جو ملک میں فساد سے روکتے، ہاں تھوڑے سے اُن میں سے جنھیں ہم نے بچا یا (ایسے تھے) اور جو ظالم تھے وہ ان آسایشوں کے پیچھے پڑے رہے جو انھیں دی گئی تھیں اور وہ مجرم تھے[3]

وَ مَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور تیرا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم سے ہلاک کر دے اور ان کے رہنے والے نیکو کار ہوں[4]

وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی گروہ کر دیتا اور وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہتے ہیں۔

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ

مگر جس پر تیرا رب رحم کرے اور اسی کے لیے اُس نے انھیں پیدا کیا ہے

یہ سہارے ایک ایک کر کے گرتے چلے جاتے ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنا سہارا نہیں بناتے اس لیے ناکامی پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔

نمبر۱۔ جب ظالموں کی طرف جھکنے سے روکا تو ساتھ ہی بتایا کہ اللہ کی طرف جھکو اور نماز اس کا ذریعہ ہے۔ اسی لیے قرآن کریم نے مصائب میں نماز سے استعانت کا بار بار ذکر کیا ہے طرفی النہار میں طلوع آفتاب سے پہلے یعنی فجر کی نماز اور زوال آفتاب کے بعد کی دو نمازیں یعنی ظہر و عصر آجاتی ہیں اور زلفاً من اللیل میں مغرب و عشاء یوں یہاں پانچوں نمازوں کا ذکر موجود ہے۔

نمبر۲۔ ان الفاظ میں ایک اعلیٰ درجہ کا اصول بتایا ہے یعنی جب انسان نیکی کو اختیار کرتا ہے تو اس کی بدیاں دُور ہو جاتی ہیں ظاہر ہے کہ نیکی اور بدی ایک ہی قوت کے صحیح یا غلط استعمال کا نام ہے۔ پس جب انسان ایک قوت کو برمحل استعمال کرے گا تو وہ قوت بُرے محل پر استعمال ہونے سے خود رُک جائے گی یہ بھی معلوم ہُوا کہ نیکی کی قوت اس قدر زبردست ہے کہ بدی کی طاقت اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

نمبر۳۔ گویا اس بات پر اظہار افسوس کیا ہے کہ ایسے عقلمند اُن میں کیوں نہ ہوئے کہ وہ لوگوں کو فساد سے روکتے۔ جس سے معلوم ہوا کہ تباہی زمین میں فساد پھیلانے کی وجہ سے آتی ہے۔ ظالم لوگ آسایش دنیوی کے پیچھے پڑ کر ظلم میں یہاں تک ترقی کرتے ہیں کہ آخر مجرم کی سزا کی نوبت آجاتی ہے۔

نمبر۴۔ اس کے معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو محض ان کے شرک کی وجہ سے ہلاک نہیں کرتا۔ اگر وہ ملک میں فساد پھیلانے والے نہ ہوں۔ گویا کسی قوم کو ہلاک اس وقت کیا جاتا ہے جب وہ زمین میں شرارت اور فساد اور ظلم میں حد سے تجاوز کر جاتی ہے محض عقائد باطلہ کی وجہ سے نہیں۔

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ	اور تیرے رب کی بات پوری ہوگئی : میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں
مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۱۹﴾	سب سے بھردوں گا ۔
وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآءِ الرُّسُلِ	اور سب جو ہم رسولوں کے حالات سے تجھ پر بیان کرتے ہیں اس
مَا نُثَبِّتُ بِهِۦ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِى هَـٰذِهِ	سے ہم تیرے دل کو مضبوط کرتے ہیں اور اس میں تیرے پاس حق
الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۲۰﴾	آگیا اور (وہ) مومنوں کے لیے وعظ اور نصیحت (ہے)
وَقُل لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اعْمَلُوا عَلَىٰ	اور جو ایمان نہیں لاتے انھیں کہہ دے اپنی جگہ کام کیے جاؤ
مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَـٰمِلُونَ ﴿۱۲۱﴾	ہم بھی کام کرتے ہیں ۔
وَانتَظِرُوٓا۟ إِنَّا مُنتَظِرُونَ ﴿۱۲۲﴾	اور انتظار کرو ، ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں ۔
وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَـٰوَٰتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ	اور آسمانوں اور زمین کا غیب اللہ کے لیے ہی ہے اور اسی کی طرف
يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُۥ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ	ہی سب کام لوٹائے جاتے ہیں سو اس کی عبادت کرو اور اس
عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَـٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۳﴾	پر بھروسا کرو اور تیرا رب اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو ۔

نمبر اس سے پہلی آیت میں بیان فرمایا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی گروہ بنا دیتا یعنی ان میں کوئی اختلاف نہ ہوتے مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت نے انسان کو کچھ قویٰ دیکر ان کے استعمال کا اسے اختیار دیا ہے اس لیے وہ اختلاف کرتے ہی رہیں گے یعنی احکام الٰہی کے بارہ میں اختلاف کرینگے جس سے مراد ان کی مخالفت ہے ۔ اس آیت میں بتایا ہے کہ وہ لوگ مخالفت نہیں کرتے جن پر تیرے رب نے رحم کیا ہے یعنی مومن یا اہل حق اور اس سے آگے جو لفظ آتے ہیں ولذلک خلقھم اسی کے لیے انھیں پیدا کیا ، تو مراد اس سے یہ ہے کہ انھیں رحم کے لیے پیدا کیا ۔ ابن کثیر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول منقول ہے للرحمۃ خلقھم ولم یخلقھم للعذاب ۔ یعنی رحمت کے لیے ہی پیدا کیا ہے عذاب کے لیے پیدا نہیں کیا اور حدیث میں ہے میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی پس جب اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو رحم کے لیے ہی پیدا کیا ہے تو آخر کار سب پر رحم ہی ہوگا اور یہ اس کے مطابق ہے جو نمبر ۵ کے حاشیہ میں دکھایا گیا کہ دوزخ پر آخر فنا آنے گی ۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوزخ بھی اللہ تعالیٰ کے رحم کا ایک رنگ اپنے اندر رکھتا ہے جس طرح یہاں مصائب میں پڑ کر انسان آرام پاتا ہے اسی طرح وہ لوگ جو یہاں آسائش جسمانی کے درپے رہتے ہیں ان کے لیے ایک اور قسم کے دکھوں میں سے گزر کر اللہ تعالیٰ کا رحم حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے ۔ ایک پھوڑے کا چیرنا پھاڑنا بیمار کو عذاب کے رنگ میں نظر آتا ہے مگر طبیب جانتا ہے کہ ایسی حالت میں یہی رحم ہے ۔ یہی حالت عذاب نار کی ہے ۔ اسی لیے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رحم کے لیے انسانوں کو پیدا کیا ہے اس کے بعد فرمایا کہ دوزخ کو بھی جنوں اور انسانوں سے بھرا جائے گا تو اس کی غرض بھی وہی ہے ۔

ایاتہا ۱۱۱ (۱۲) سُوْرَۃُ یُوْسُفَ مَکِّیَّۃٌ ۱ رکوعاتہا ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ ۱	مَیں اللہ دیکھتا ہوں، یہ کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں۔
اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ ۲	ہم نے یہ قرآن عربی میں اتارا ہے تاکہ تم سمجھو۔[۲]
نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۞ ۳	ہم اس قرآن کی تیری طرف وحی کرنے سے تجھے نہایت اچھا بیان سناتے ہیں، گو تو اس سے پہلے بے خبروں میں سے تھا۔[۳]
اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ	جب یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ!

نمبر۱۔ اس سورت کا نام یوسف ہے اور اس میں بارہ رکوع اور ایک سو گیارہ آیتیں ہیں۔ اس کا نام یوسفؑ حضرت یوسفؑ کے تذکرہ سے لیا گیا ہے جو اس کا واحد مضمون ہے پچھلی سورت کے آخر میں بتایا تھا کہ انبیاء کے ذکر میں آنحضرتؐ کا ذکر ہے پس یہاں ایک ایسے نبی کا ذکر کیا جس کے حالات کے ساتھ آنحضرت صلعم اور آپ کے مخالفین کے حالات کی کھلی کھلی مشابہت پیش آنے والی تھی۔

نمبر۲۔ حضرت اسماعیلؑ کی اولاد کو عرب کہا جاتا ہے اور عَرَبِی فصیح واضح کلام کو کہا جاتا ہے جیسے یہاں۔ یا بلسان عربی مبین (الشعرآء-۱۹۵) یا حکما عربیا (الرعد-۳۷) میں جہاں معنی کیے گئے ہیں فصاحت سے بیان کر نیوالا جو حق کو حق اور باطل کو باطل کر دکھائے اور بعض نے اس کے معنی شریف کریم کیے ہیں اور یا عَرَبِی کے معنی ہیں نبی عربی کی طرف منسوب یہ تشریح مفردات میں ہے اور بظاہر یہاں قرآن عربی سے مراد وہ کتاب ہے جو اپنے مضامین کو کھول کر اور فصاحت سے بیان کرتی ہے تاکہ لوگ اُسے اچھی طرح سمجھ لیں جو کوئی شخص چاہے قرآن کریم کا مقابلہ دوسری مذہبی کتابوں سے کرکے دیکھ لے کہ جس طرح کھول کر یعنی مدلل طور پر اور باایں فصاحت قرآن کریم نے ہستی وصفات باری، اثبات نبوت مسئلہ معاد اور دیگر دینی مسائل کو بیان کیا ہے اس سے دوسری کتابوں کو نسبت ہی نہیں اور اگر زبان عربی مراد لی جائے تو یہ اشارہ بھی ہوسکتا ہے کہ قرآن جو خاتم الکتب ہے ضرور تھا کہ اس زبان میں نازل ہوتا جو سب زبانوں کی ماں اور ہمیشہ زندہ رہنے والی زبان ہے اور اس پیشگوئی کی طرف بھی اشارہ ہوسکتا ہے جو اہل کتاب کے پاس ہے۔

نمبر۳۔ قصص کے معنی بیان ہیں۔ یا وہ خبر جو بیان کی جائے اور قِصَّہ کی جمع قِصَص ہے اور احسن القصص کے معنی احسن البیان ہیں یعنی نہایت اچھا بیان۔ اس ذکر کو جو اس سورت میں ہے نہایت عمدہ بیان کہا ہے۔ اس لیے کہ گو یہ محض ایک انسان کی زندگی کے تھوڑے سے حالات کا بیان ہے مگر اول سے لیکر آخر تک اعلیٰ درجہ کے اخلاقی سبقوں سے بھرا پڑا ہے اور علاوہ ازیں یہ گویا نبی کریم صلعم اور آپ کی قوم کے تعلقات کا مرقع ہے اور اسی کی طرف وان کنت من قبلہ لمن الغافلین میں اشارہ ہے یعنی ابھی تمہیں معلوم نہیں کہ تمہاری قوم تمہارے ساتھ کیا کیا سلوک کرے گی اور کس طرح تم کو گھر سے نکالا جائے گا اور کسی دوسرے مقام پر پہنچکر تمہیں وہ عزت کا مقام ملیگا جس کے سامنے تمہاری قوم کو آخر اسی طرح سر جھکانا پڑے گا جس طرح یوسفؑ کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے سامنے جھکایا اور بما اوحینا الیک ھذا القرآن میں بتایا کہ یہ قصہ نہیں، بلکہ اس کی غرض اخلاق کی تعلیم ہے اور جس رنگ میں یہ تذکرہ بائبل میں مذکور ہے اگر اس کے ساتھ ہی اس کا مقابلہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ قرآن کریم میں اول سے آخر تک اس تذکرہ سے ایسے اخلاق سکھائے گئے ہیں جو بائبل میں نہیں پائے جاتے اور اسی لیے بائبل کے ساتھ کہیں کہیں اختلاف بھی ہے۔ گو یا بتا دیا ہے کہ اگر یہ وحی الٰہی کے ذریعہ سے نہ سکھایا گیا ہو

اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴿۴﴾

میں نے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا، میں نے دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کرتے ہیں ۱؎

قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۵﴾

اس نے کہا اے میرے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تیرے لیے کوئی مخفی تدبیر کریں گے کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶﴾ ع

اور اسی طرح تیرا رب تجھے چن لے گا اور تجھے باتوں کی حقیقت سکھائے گا اور اپنی نعمت تجھ پر اور یعقوبؑ کی اولاد پر پوری کرے گا، جیسے اس نے پہلے تیرے باپ دادا ابراہیمؑ اور اسحاقؑ پر اسے پورا کیا، تیرا رب جاننے والا حکمت والا ہے ۲؎

تو محض بائبل کی نقل ہوتی۔

نمبر۱۔ حضرت یوسفؑ کے رؤیا سے آپ کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلعم کو بھی قبل از نبوت سچے خواب آتے تھے اور آپ کے خواب فلق الصبح کی طرح سچے ہوتے تھے۔ گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کا سجدہ کرنا کسی تمثل کے رنگ میں ہوگا۔ کیونکہ سجدہ کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ ماتھا زمین پر رکھا جائے۔ سو یہ چیزیں اپنی اصل ہیئت میں ایک انسان کی رویت میں اس مفہوم کو پورا نہیں کر سکتیں۔ پس یا تو ان چیزوں نے انسان کا تمثل اختیار کرکے حضرت یوسفؑ کو سجدہ کیا اور یا یہ سجدہ کسی رنگ کا اظہار فرمانبرداری تھا جس کی کوئی تصریح یہاں موجود نہیں۔

نمبر۲۔ بائبل میں ہے کہ یوسفؑ نے یہ خواب حضرت یعقوبؑ کے سامنے بیان کیا تو اس کے باپ نے اسے ڈانٹا اور اس سے کہا کہ یہ کیا خواب ہے جو تو نے دیکھا ہے کیا میں اور تیری ماں اور تیرے بھائی سچ مچ تیرے آگے زمین پر جھک کے تجھے سجدہ کریں گے" (پیدائش ۳۷:۱۰) قرآن کریم میں اس کے خلاف اس کو سچا قرار دیا ہے اور اس کی تعبیر یہ کی ہے کہ یوسف ایک عظیم الشان انسان ہوگا۔ سورج اور چاند اور گیارہ ستاروں کے سجدہ کرنے سے کیا مراد ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ سورج کی تعبیر بادشاہ اور سونا اور زوجہ جمیلہ ہے اور قمر کی تعبیر امیر اور کواکب کی رؤسا۔ تو اس صورت میں سورج اور چاند اور ستاروں کے سجدہ سے مراد کسی بادشاہ اور امیر اور رؤسا کا آپ کی اطاعت کرنا ہوگا۔ اور مصر میں آپ واقعی ایسے بلند مرتبے پر پہنچے کہ شاہ مصر اور اس کے رؤسا سب آپ کے سامنے جھک گئے اور سب پر آپ کو فوقیت ملی اور کواکب کی تعداد یا تو اس لحاظ سے ہوگی کہ وہاں کے بڑے بڑے رؤسا یا وزرا کی تعداد گیارہ ہو اور یا محض ایک عدد کامل کے طور پر۔ مگر مفسرین زیادہ تر اس طرف گئے ہیں کہ گیارہ ستاروں سے مراد اُن کے گیارہ بھائی اور شمس اور قمر سے مراد والد اور والدہ ہیں۔ مگر محض بھائیوں یا ماں باپ پر کسی شخص کی فوقیت اس قدر بلند مرتبہ کا پتہ نہیں دیتی جیسا بادشاہ یا وزرا پر فوقیت کا حاصل ہونا۔ بلکہ حضرت یعقوبؑ نے جو تعبیر کی ہے وہ دین و دنیا میں بلند مراتب پر پہنچنا ہے جیسا کہ آگے آتا ہے۔

حضرت یعقوبؑ نے تین باتوں کی خبر دی ہے: اوّل اجتباء، جس سے مراد اچھی صفات کا آپ میں جمع کر دینا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اجتباء نبیوں اور صدیقوں اور شہداء کے لیے ہوتا ہے۔ دوسری بات تاویل احادیث کا علم دینا ہے اور اس سے مراد بعض نے تعبیر رؤیا کو لیا ہے اور بعض نے عواقب امور کو اور بعض نے احادیث انبیاء اور کتب سابقہ کو۔ مگر جس طرح احادیث کا لفظ وسیع ہے اور اس میں رؤیا اور وحی آ جاتے ہیں، اسی طرح یہاں بھی معنی میں توسیع مراد ہے یعنی ہر ایک بات کی تہ تک پہنچنا اور اعلیٰ درجہ کے فہم کا ملنا۔ اسی اعلیٰ درجہ کے علم میں تعبیر اور رؤیا بھی شامل ہے، جو محض اس کا ایک حصہ ہے۔ اور تیسری بات اتمام نعمت ہے اور اس سے مراد دنیا اور آخرت کی نعمت

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝۷

بیشک یوسفؑ اور اس کے بھائیوں (کے ذکر) میں پوچھنے والوں کے لیے نشان ہیں۔

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۣ ۝۸

جب انھوں نے کہا کہ یوسفؑ اور اس کا بھائی تو ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم قوی جماعت ہیں، یقیناً ہمارا باپ صریح غلطی پر ہے ۱؎

اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝۹

یوسفؑ کو مار ڈالو یا اُسے کسی اور ملک میں نکال دو تاکہ تمھارے باپ کی توجہ صرف تمھاری طرف ہی ہو جائے اور اس کے بعد تم نیک لوگ بن جاؤ۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَ اَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝۱۰

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا، یوسفؑ کو قتل نہ کرو اور اسے کنوئیں کی گہرائی میں ڈال دو تاکوئی قافلہ اسے نکال لے جائے اگر تم کچھ کرتے ہو (تو یہ کرو)

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝۱۱

انھوں نے کہا اے ہمارے باپ کیا وجہ ہے کہ تو یوسفؑ کے معاملہ میں ہمارا اعتبار نہیں کرتا حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں۔

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَ يَلْعَبْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۱۲

کل اسے ہمارے ساتھ بھیجیے کہ وہ کھائے (پیئے) اور کھیلے (کودے) اور ہم اس کے نگہبان ہیں۔

قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝۱۳

اس نے کہا مجھے اس بات سے غم ہوتا ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھا جائے اور تم اس کی طرف سے بے خبر رہو۔

کا مل جانا یا اکٹھا ہو جانا ہے جیسے نبوّت کے ساتھ بادشاہت یا دوسروں کی غلامی سے آزادی۔ رُوحانی اور جسمانی دونوں قسم کی نعمتیں مل جانا یہی اتمام نعمت ہے حضرت یعقوبؑ نے یہ سب کچھ بظاہر اس خواب سے ہی سمجھا ہے اور ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بذریعہ وحی بھی اطلاع دی ہو کہ یوسفؑ ان بلند مراتب پر پہنچنے والا ہے مگر یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ سورج چونکہ اصل سرچشمۂ نُور ہے اس لیے اس کے سجدہ سے مراد کمال دینی ہے کیونکہ انسان کے اصل فضائل دینی ہیں اور قمر چونکہ سورج سے نور مستعار لیتا ہے اس لیے مراد کمال دنیوی ہے اور یہ حضرت یوسفؑ کو کمال دینی کی طفیل حاصل ہوتا ہے اور آپ کی راستبازی اور علم ہی آپ کو حکومت تک پہنچاتے ہیں اور کواکب سے چونکہ علم حاصل کیا جاتا ہے وبالنجم ھم یھتدون (النحل - ۱۶) اس لیے کواکب کے سجدہ سے مراد علم کا حاصل ہونا ہے۔

نمبر ۱۔ یوسف کے بھائی سے مراد یہاں اُن کا حقیقی بھائی ہے جس کا نام بن یامین تھا۔ یہ دونوں ایک والدہ سے تھے۔

قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝١٤

انھوں نے کہا اگر اسے بھیڑیا کھا جائے حالانکہ ہم ایک قوی جماعت ہیں تو اس صورت میں بیشک ہم گھاٹے میں رہنے والے ہونگے۔

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝١٥

سو جب اسے لے گئے اور اتفاق کر لیا کہ اسے کنوئیں کی گہرائی میں ڈال دیں اور ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ تو انھیں ان کے کام کی خبر دیگا اور وہ نہیں جانتے ہونگے ۱۔

وَ جَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ۝١٦

اور رات کو اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَ مَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَ لَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۝١٧

کہا، اے ہمارے باپ ہم ایک دوسرے سے آگے نکلتے ہوئے چلے گئے اور یوسف کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑا تو بھیڑیا اسے کھا گیا اور تو ہماری بات ماننے کا نہیں اگرچہ ہم سچے ہوں ۲۔

وَ جَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝١٨

اور اس کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے۔ اس نے کہا بلکہ تمھارے دلوں نے تمھارے لیے ایک (بڑی) بات کو اچھا کر دکھایا تو نیک صبر ہی ہے اور اس پر اللہ کی ہی مدد طلب کیجاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو ۳۔

نمبر۱۔ بائبل میں حضرت یوسفؑ کی طرف اس وحی کا ذکر نہیں اور اتنی بات سے دونوں تذکروں میں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ بائبل میں یہ محض ایک کہانی کا رنگ رکھتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ کا بیٹا گم ہو گیا اور پھر مل گیا۔ قرآن کریم میں یہ طرح طرح کے روحانی اور اخلاقی سبقوں سے بھرا ہوا ہے۔ مثلاً یہی واقعہ کہ عین اس وقت جب بھائی اپنی طرف سے یوسفؑ کا کام تمام کر چکے تھے اور کوئی امید کی جھلک باقی نہ رہی تھی اور زندگی کا خاتمہ سامنے نظر آتا تھا، ایک خارجی آواز آتی ہے کہ تم پر وہ زمانہ آئے گا کہ تم انہی بھائیوں کو ان کی اس حرکت کی خبر دو گے اور تمھارا مقام اس قدر بلند ہوگا کہ ان کو وہم و گمان بھی نہ ہوگا کہ تم اس مقام پر پہنچے ہوئے ہو۔ یہ آواز نہ صرف یوسفؑ کے اندر اللہ تعالیٰ کی ہستی پر کامل ایمان پیدا کرتی ہے اور اس کو آئندہ زندگی میں مصائب کی برداشت کے قابل بناتی ہے اور بڑے بڑے ابتلاؤں میں نیکی پر قائم رہنے کی قوت دیتی ہے بلکہ اس ذکر کے پڑھنے والے کے اندر بھی یہی تمام باتیں پیدا کرتی ہے۔ ایک اتنے ذکر کو چھوڑ دینے سے بائبل میں یہ ذکر محض ایک قصہ رہ جاتا ہے اور قرآن کریم میں یہ ایک اعلیٰ درجہ کا اخلاقی سبق بن جاتا ہے۔

اس وحی کے ہونے سے یہ ضروری نہیں ہو جاتا کہ حضرت یوسفؑ اس وقت نبی بھی ہو گئے تھے آیت ۲۲ میں بتایا ہے کہ حکم اور علم روحانی بلوغ کو پہنچنے پر ملا تھا اور وہ اس واقعہ کے بہت بعد تھا۔ وحی غیر نبی کو بھی ہو جاتی ہے۔

نمبر۲۔ ولو کنا صادقین سے مراد یہ ہے کہ اگر ہم آپ کے نزدیک صادق القول بھی ہوتے تو بھی اس معاملہ میں آپ ہماری بات کا یقین نہ کرتے اور جب آپ پہلے ہی ہمارے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے تو ہماری بات کو آپ مانیں گے تو نہیں۔

نمبر۳۔ یہاں پھر بائبل کے ذکر میں اور قرآن شریف میں ایک بین فرق نظر آتا ہے۔ بائبل میں ہے کہ جب یہ خبر حضرت یعقوبؑ کے پاس پہنچی تو انھوں نے اس کو باور کر لیا اور کہا "یوسف بے شک پھاڑا گیا تب یعقوبؑ نے اپنے کپڑے پھاڑے، اور ٹاٹ اپنے کولے پر ڈالا اور بہت دن تک اپنے بیٹے کا غم کیا۔" (پیدائش ۳۷: ۳۳ و ۳۴) یہ بات شان نبوت سے بعید ہے۔ قرآن کریم نے اس کی بجائے کیسے پاک لفظ فرمائے ہیں فصبر جمیل۔ اتنے بڑے عظیم الشان صدمے پر بھی نہ صرف

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾

اور ایک قافلہ آیا تو انھوں نے اپنا پانی بھرنے والا بھیجا اور اس نے اپنا ڈول ڈالا، کہا، خوش خبری ہو یہ لڑکا ہے اور اُسے مالِ تجارت قرار دے کر چھپا رکھا، اور اللہ جانتا ہے جو یہ کرتے ہیں۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ ۚ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴿۲۰﴾ ع

اور اسے تھوڑی سی قیمت چند درہموں پر بیچ ڈالا اور وہ اس کے بارے میں بے رغبت تھے۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۱﴾

اور جس نے اسے مصر میں خریدا تھا، اس نے اپنی عورت سے کہا، اسے عزت کی جگہ دے، شاید یہ ہمیں نفع دے، یا ہم اسے بیٹا بنا لیں۔ اور اسی طرح ہم نے یوسفؑ کو ملک میں جگہ دی، تاکہ ہم اسے باتوں کی حقیقت سکھائیں۔ اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے[1]۔

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۲﴾

اور جب وہ اپنی بلوغت کو پہنچا، ہم نے اُسے حکم اور علم دیا اور اسی طرح ہم نیکو کاروں کو بدلہ دیتے ہیں۔

صبر کیا بلکہ صبر جمیل فرمایا یعنی خوبی کی بات یہی ہے۔ ایک اور بڑا فرق جو قرآن شریف اور بائبل میں ہے یہ ہے کہ قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو یقین تھا کہ حضرت یوسفؑ مارے نہیں گئے بلکہ زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ آخر ان باتوں کو پورا کر دے گا جو رؤیا میں ان کو دکھائی گئیں۔ اپنے بیٹوں کو صاف کہہ دیا کہ جو کچھ تم کہتے ہو یہ سب غلط ہے اور واللہ المستعان میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ ان باتوں کو پورا کریگا جو اس نے دکھائی ہیں۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ حضرت یوسفؑ کے ذکر میں تین مرتبہ قمیص کا ذکر آتا ہے جس قمیص کو یوسفؑ کے بھائیوں نے بطور شہادت پیش کیا اسی سے حضرت یعقوبؑ معلوم کرتے ہیں کہ جھوٹ موٹ کے نشان ہیں گویا یوسفؑ کے زندہ ہونے کی وہ شہادت بنی۔ دوسرے موقعہ پر ایک قمیص سے ہی یوسفؑ کی بریت کی شہادت ملی اور تیسرے موقعہ پر اپنی قمیص کو ہی حضرت یوسفؑ نے اپنے باپ کے پاس بھیجا گویا وہ یوسفؑ کی شان و شوکت کی شہادت بنی۔ بالفاظ دیگر یوسفؑ کی زندگی، یوسفؑ کی عصمت اور یوسفؑ کی شان و شوکت کی گواہی قمیص سے ہی ملتی ہے اور رؤیا میں قمیص کی تعبیر علم ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ پر میں نے لمبی قمیص دیکھی اور اس کی تعبیر علم کی۔ اور یہاں اس سورت میں بھی جس طرح قمیص کا ذکر تین دفعہ آتا ہے تین ہی دفعہ حضرت یوسفؑ کے تاویل احادیث کے علم کا ذکر بالخصوص آتا ہے یعنی آیت ۶ میں اور ۲۱ میں اور ۱۰۱ میں۔

نمبر ۱۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے امر پر غالب آنا یہ ہے کہ وہ جس طرح پر چاہے ہوتا ہے کوئی اس کے امر کو روک نہیں سکتا اور یہ اشارہ ہے یوسفؑ کو مقام عزت ملنے کی طرف کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حالتِ غلامی میں بھی عزت کے مقام پر رکھا۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور جس کے گھر میں تھا، اس نے اسے اپنے ارادہ سے پھیرنا چاہا اور دروازے بند کر لیے اور کہا ادھر آؤ، اس نے کہا اللہ کی پناہ (مانگتا ہوں) میرے رب نے میرے مقام کو بہت اچھا بنایا۔ ظالم کامیاب نہیں ہوتے [۱]

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور اس عورت نے اس کا قصد کیا اور وہ بھی اس کا قصد کرتا، اگر وہ اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل نہ دیکھ چکا ہوتا، یوں ہوا تاکہ ہم اس سے بدی اور بےحیائی کو پھیر دیں وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھا [۲]

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ

اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور اس عورت نے اس کی قمیص پیچھے سے پھاڑ دی اور دونوں نے اس کے خاوند کو دروازے پر پایا، بولی اس کی کیا سزا ہے جو تیری عورت سے برا ارادہ کرے سوائے

نمبر۱۔ قرآن کریم نے جو لفظ اختیار کیے ہیں ان سے حضرت یوسفؑ کے ارادہ عصمت کی مضبوطی پر کافی شہادت ملتی ہے کیونکہ راودت میں یہ بتایا کہ اس عورت کا ارادہ یوسفؑ کے ارادہ کے خلاف تھا اور عن نفسہ میں اور بھی اس کو موکد کیا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے اس عورت کی تمام کارروائیوں اور ارادوں کا ایک ہی جواب دیا ہے معاذاللہ۔ معلوم ہوا کہ آپ کے ارادۂ عصمت میں ادنیٰ جنبش بھی نہیں آئی۔ انہ ربی سے مراد بعض نے اس عورت کا خاوند لیا ہے مگر ایک متقی آدمی کے منہ میں ربی سے مراد اللہ تعالیٰ ہی لینا بہتر ہے اور اچھی جگہ دینا بھی حضرت یوسفؑ عزیز کی طرف منسوب نہیں رکھتے کیونکہ وہ محض ایک واسطہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں جو حقیقی سبب ہے کیونکہ عزیز کے دل کو اللہ تعالیٰ نے ہی یوسفؑ کی عزت کی طرف پھیرا۔ ایسے موقع پر جہاں تنہائی ہو، ایک عورت جو مالکہ ہے اپنے غلام کو اپنی طرف بلائے، دروازے بند ہیں حضرت یوسفؑ کا عصمت کے بلند مقام پر کھڑا ہونا اس ذکر کے پڑھنے والوں کے لیے ایک اعلیٰ درجہ کا روحانی سبق ہے اور حقیقت میں اگر عزیز مصر کی عورت نے حضرت یوسفؑ کو مقام عصمت سے پھیرنے کی کوشش کی تو قریش نے بھی آنحضرت صلعم کو جن کو وہ امین جانتے اور کہتے تھے، مقام عصمت سے ہٹانے کے لیے خوبصورت سے خوبصورت عورت دینے کا لالچ دیا جس کا جواب آپ نے یہ دیا کہ دنیا کی حکومت اور دولت اور خوبصورتی کیا حقیقت رکھتی ہے اگر سورج کو میرے دائیں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں رکھ دیں تو بھی میں اپنے مقام کو نہ چھوڑوں۔

نمبر۲۔ وھم بھا لولا ان رّا برھان ربہ۔ لسان العرب میں اس کے معنے لکھے ہیں۔ اگر یوسفؑ اپنے رب کی دلیل نہ دیکھ چکا ہوتا تو اس کا قصد کرتا۔ بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ حضرت یوسفؑ معصیت کا خیال دل میں لائے تھے اور حضرت ابن عباسؓ سے کچھ ایسے اقوال منقول ہیں۔ مگر یہ درست نہیں۔ اس لیے کہ قرآن کریم کی پہلی آیت اس کے خلاف ہے۔ اگر حضرت یوسفؑ کے دل میں کوئی خیال معصیت کا آتا تو قرآن کریم آپ کی طرف الفاظ معاذاللہ منسوب نہ کرتا اور پھر دوسری جگہ خود اس عورت کی شہادت حضرت یوسفؑ کی عصمت پر موجود ہے ولقد راودتہ عن نفسہ فاستعصم (۳۲) میں نے اس کو اس کے ارادہ سے پھیرنا چاہا مگر وہ مضبوط رہا اور عصمت اختیار کی۔ جہاں کہیں اس واقعہ کا ذکر ہے دو ہی باتوں کا بیان ہے عورت کی کوشش اور یوسفؑ کا بچا رہنا۔ دیکھو آیت (۵۱) نہ دوسری عورتیں یوسفؑ میں کسی ادنیٰ بدی کے خیال کی شہادت دیتی ہیں نہ عزیز کی عورت۔ اور خود اس آیت میں ہے کذٰلک لنصرف عنہ السوء والفحشاء۔ جہاں ظاہر ہے کہ فحشاء بےحیائی کے فعل کا ارتکاب ہے خواہ وہ زنا ہو یا مبادی زنا اور سوء بےحیائی کا خیال دل میں لانا ہے پس اللہ تعالیٰ حضرت یوسفؑ سے نہ صرف زنا اور ہر قسم کے مبادی زنا کی نفی کرتا ہے بلکہ ان گندے خیالات کے آپ کے پاک دل میں آنے کی بھی نفی کرتا ہے۔

أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۵﴾

اس کے کہ اسے قید کیا جائے یا دردناک سزا ہو۔

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ
شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ
مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿۲۶﴾

(یوسفؑ نے) کہا اس نے مجھے میرے ارادہ سے پھیرنا چاہا اور اس کے لوگوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اگر اس کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہو تو وہ سچی ہے اور وہ جھوٹوں میں سے ہے ۱۔

وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ
وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۲۷﴾

اور اگر اس کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہوئی ہو تو وہ جھوٹی ہے اور وہ سچوں میں سے ہے

فَلَمَّا رَأَى قَمِيصَهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ
مِنْ كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ﴿۲۸﴾

سو جب اس نے اس کی قمیص کو پیچھے سے پھٹا ہوا دیکھا تو کہا یہ تم عورتوں کی چال ہے بلاشبہ تمھاری چال بڑی بھاری ہے۔

يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا وَاسْتَغْفِرِي
لِذَنْبِكِ إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ﴿۲۹﴾

یوسفؑ! اس سے درگزر کر اور (اے عورت!) اپنے قصور کی معافی مانگ کیونکہ تو خطا کاروں میں سے ہے۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ
تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا
إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۳۰﴾

اور شہر میں عورتوں نے کہنا شروع کیا کہ عزیز کی عورت اپنے غلام کو اس کے ارادہ سے پھیرنا چاہتی ہے اس کی محبت اس کے دل میں بیٹھ گئی ہے ہم اسے صریح غلطی میں پاتی ہیں ۲۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ
وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ
وَاحِدَةٍ مِنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ
عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ
أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا

جب اُس نے اُن کی چال سُنی ان کو بلوا بھیجا اور ان کے لیے کھانا تیار کیا اور اُن میں سے ہر ایک کو ایک (ایک) چھُری دی اور (یوسف کو) کہا ان کے سامنے نکل۔ سو جب انھوں نے اسے دیکھا، اسے بہت بڑا سمجھا اور اپنے ہاتھ کاٹے ۳۔ اور بول اٹھیں اللہ پاک ہے یہ انسان

نمبر۱۔ یہ شاہد بعض کے نزدیک ایک چھوٹا بچہ تھا اور بعض کے نزدیک دانا، عمر رسیدہ آدمی۔ دونوں قسم کے اقوال ابن کثیر میں اور ابن جریر میں موجود ہیں اس کی گواہی اس قدر تھی کہ اس نے ایک مضبوط قرینہ کی طرف توجہ دلائی بیاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرائن کی شہادت بھی مقدمات کے فیصلہ کے لیے کافی ہو جاتی ہے۔

نمبر۲۔ العزیز۔ عزیز۔ غالب کو کہتے ہیں اور بادشاہ کو اور مصر کے بادشاہوں کا یہ خطاب تھا مگر بیاں بادشاہ مراد نہیں اس لیے کہ اس کا ذکر لفظ ملک میں الگ آتا ہے بلکہ اس کے عظیم الشان امراء میں سے ایک مراد ہے جس کے سپرد کل کاروبار سلطنت کا انصرام معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ جب یہی حیثیت حضرت یوسفؑ کو ملتی ہے تو پھر اسے اسی خطاب العزیز سے پکارا جاتا ہے۔ بائبل میں اس کا نام فوطیفار لکھا ہے جو فرعون کا ایک امیر اور لشکر کا رئیس تھا۔

نمبر۳۔ مکر۔ باریک تدبیر کو کہتے ہیں اور عورتوں کی گفتگو کو جو انھوں نے عزیز کی عورت کے متعلق کی۔ مکر کہنے کی تشریح یوں کی گئی ہے کہ انھوں نے اسے یوسفؑ کے

بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾

نہیں، یہ تو ایک بزرگ فرشتہ ہے۔

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِىْ لُمْتُنَّنِىْ فِيْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

(عزیز کی عورت نے) کہا یہ وہی ہے جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں اور میں نے اسے اس کے ارادے سے پھیرنا چاہا مگر یہ بچا رہا اور اگر جو میں حکم دوں اس نے نہ کیا تو اسے ضرور قید کر دیا جائے گا اور وہ ذلیل لوگوں میں سے ہوگا۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَىَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِىْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّىْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۳﴾

(یوسف نے) کہا اے میرے رب! مجھے قید اس سے زیادہ پسند ہے جس کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو ان کی چال کو مجھ سے نہ پھیرے تو میں ان کی طرف مائل ہو جاؤنگا اور جاہلوں میں سے ہو جاؤنگا [۱]

دیکھنے کا حیلہ بنایا مگر بعد کے واقعات بتاتے ہیں کہ مکر سے مراد یہ ہے کہ انھوں نے کہلا بھیجا کہ ہم ایک تجویز کرتے ہیں جس سے یوسف کو قابو میں لایا جا سکتا ہے اور اسی غرض کے لیے انھیں بلایا گیا۔ عورتوں کا یوسف کو یکایک دیکھ کر جب وہ کھانے میں مصروف تھیں اور اس غرض کے لیے ان کے ہاتھوں میں چھریاں تھیں حیرت زدہ ہو جانا اور اپنے ہاتھوں کو کاٹ لینا کوئی ایسا تعجب انگیز واقعہ نہیں جس کا انکار کیا جائے۔ ہاں ہاتھوں کے کاٹنے سے مراد یہاں یہ نہیں کہ ہاتھ کٹ کر الگ ہو گئے تھے بلکہ چھری سے ان پر زخم ہو جانا مراد ہے اور گو یہ مجاز ہے مگر مفسرین نے بھی عموماً اسی معنی کو ترجیح دی ہے یہاں تک کہ عکرمہؓ سے ایک معنی مروی ہیں کہ ہاتھوں کو نہیں بلکہ آستینوں کو کاٹ لیا تھا اور مجاز کے رنگ میں یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حیرت سے اپنے ہاتھوں کو کاٹ لیا۔ جیسا غضب کے وقت انگلیوں کے کاٹنے کا محاورہ ہے عضوا علیکم الانامل من الغیظ (آل عمران - ۱۱۹) اور ان کا یہ کہنا کہ یہ بشر نہیں بلکہ فرشتہ ہے صرف حسن صورت کے لحاظ سے نہیں بلکہ عصمت پر مضبوطی کے لحاظ سے یہ لفاظ زیادہ موزوں ہیں اور قرین قیاس ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اس حسن و زینت کے مجمع کو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا جس پر انھیں اور بھی زیادہ تعجب ہوا۔ اور اصل یہ ہے جیسا کہ لفظ مکر کی تشریح میں اشارہ کیا گیا ہے کہ عزیز کی عورت نے ان کو ایک چال کرنے کے لیے بلایا تھا اور وہ تجویز انھوں نے اسے پہلے بتا دی ہوگی اس لیے دعوت کا سامان تیار کر کے چھریاں وغیرہ ان کے ہاتھ میں دیدیں اور یوسف کے نکلنے پر ان سب نے یا بعض نے چھریوں کو عمداً ہاتھوں پر لگا لیا اور پھر یوسف پر زور ڈالا کہ یہ واقعہ تمہارے خلاف بطور شہادت ہو جائے گا ورنہ تم عزیز کی عورت کی بات مان لو۔ اور پھر بھی جب حضرت یوسفؑ نے انکار ہی کیا تو وہ بول اٹھیں کہ یہ بشر نہیں جو کسی بات کی پروا بھی نہیں کرتا، بلکہ فرشتہ ہے اس صورت میں اگلی آیت میں لُمْتُنَّنِىْ فِيْهِ سے مراد ہوگی کہ تم مجھے ملامت کرتی تھیں کہ میں اسے راضی نہیں کر سکی اب تم نے بھی زور لگا کر دیکھ لیا۔

نمبر ۱- یہاں ان عورتوں کے سارے مشوروں کا ذکر نہیں جو اس وقت انھوں نے کیے یا جو کچھ حضرت یوسفؑ کو کہا مگر مِمَّا يَدْعُوْنَنِىْٓ اِلَيْهِ اور كَيْدَهُنَّ سے صاف ظاہر ہے کہ ان عورتوں نے حضرت یوسفؑ کو کسی بات کے لیے کہا ہے اور کوئی چال چلی ہے جس سے حضرت یوسفؑ کو سخت فکر ہوا ہے اب بلانے والی ایک نہیں اور نہ چال چلنے والی اکیلی عزیز کی عورت ہے بلکہ یہ عورتیں بھی اس چال میں شامل ہو گئی ہیں اور وہ بھی کسی رنگ میں حضرت یوسفؑ کو اسی بات کی طرف بلاتی ہیں جس کی طرف عزیز کی عورت نے بلایا تھا۔ بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ عورتیں عزیز کی عورت کے منشاء کو پورا کرنے میں معاون ہو گئیں اور انھوں نے ہاتھوں کے کاٹنے کو اس بات کی طرف منسوب کیا کہ حضرت یوسفؑ نے ان کی عفت پر حملہ کیا ہے اور ان کے ہاتھوں وغیرہ پر اس وجہ سے زخم آ گئے ہیں۔ اس لیے باوجود اس بات کے کہ عزیز اپنی بیوی کے معاملہ میں مطمئن ہو چکا تھا کہ قصور عورت کا ہے حضرت یوسفؑ کو قید کیا جاتا ہے دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کو جب قید خانہ سے رہائی کا حکم جاتا ہے تو وہ اپنی بریت سے پیشتر اس سے نکلنا پسند نہیں کرتے اور اس بریت کے لیے عزیز کی عورت کی طرف سے بریت نہیں چاہتے بلکہ یوں کہتے ہیں ما بال النسوة التی قطعن ایدیھن ان ربی بکیدھن علیم (۵۰) ان عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے میرا رب ان کی چال سے خوب واقف ہے جس سے ظاہر ہے کہ ہاتھ کاٹنے کا واقعہ یا تو فی الواقع کوئی چال تھی یا اسے بطور ایک چال کے استعمال کیا گیا۔ اور ان عورتوں کا جواب ما علمنا علیہ من سوء (۵۱) ہم

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۴﴾

سو اس کے رب نے اس کی دعا قبول کی اور ان کی چال کو اس سے پھیر دیا وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۳۵﴾ ع

پھر اس کے بعد کہ نشانیاں دیکھ چکے تھے، انھیں یہ سوجھا کہ اسے ایک وقت تک قید کر دیں۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾

اور اس کے ساتھ قید خانہ میں دو جوان اور داخل ہوئے ان میں سے ایک نے کہا میں نے اپنے آپ کو شراب نچوڑتے ہوئے دیکھا اور دوسرے نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اُٹھائے ہوئے ہوں جن میں سے پرند کھا رہے ہیں۔ ہمیں اس کی تعبیر بتا، کیونکہ ہم تجھے نیکوکاروں میں سے دیکھتے ہیں۔

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

اس نے کہا جو کھانا تمھیں دیا جاتا ہے تمھارے پاس آنا نہیں پائیگا کہ میں اس کی تعبیر تمھیں بتا دوں گا قبل اس کے کہ وہ (کھانا) تمھارے پاس آئے یہ وہ علم ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا کیونکہ میں نے اس قوم کے مذہب کو چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں ۱؎

نے یوسف میں کوئی بُرائی نہیں پائی۔ یوسف کی بریت کرتا ہے جس سے معلوم ہُوا کہ ان کی طرف سے کسی بُرائی کا الزام پہلے دیا گیا تھا۔ قرآن کریم کی یہ صراحت صاف بتاتی ہے کہ اس موقع پر ان عورتوں نے یا تو عمداً ہاتھ کاٹے تھے اور یا اگر استعجاب میں ہاتھ کٹ گئے تھے تو اسی واقعہ کو یوسفؑ کے خلاف ایک نئے الزام کی صورت میں کھڑا کیا گیا اور اس موقع پر حضرت یوسفؑ کو بتایا گیا کہ عزیز کی عورت کی خواہش کو پورا کرو ورنہ جیل خانہ میں جانا ہوگا۔ اسی پر آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ یعنی قید خانہ کو اختیار کرنا آسان ہے اور معصیت میں پڑنا مشکل ہے۔ اسی ایمان پر اللہ تعالیٰ ہر مسلم کو قائم کرنا چاہتا ہے کہ معصیت اسے قید اور ہلاکت سے بڑی مصیبت معلوم ہو۔

نمبر ۱۔ چونکہ انھوں نے خود کہا تھا کہ ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں۔ اس لیے حضرت یوسفؑ نے اوّل ان کو نصیحت شروع کی کہ شاید وہ بھی اصلاح کی راہ پر آجائیں۔ بائبل میں یہ حصہ پھر مفقود ہے اور صرف خوابوں اور خوابوں کی تعبیر کا ذکر ہے۔ ایک ایک قدم پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے کس طرح حضرت یوسفؑ کے ذکر کو مفید نصائح سے بھر دیا ہے حالانکہ بائبل میں یہ ایک خشک کہانی ہے اور یوں بتا دیا ہے کہ زندان کی پتھر کی دیواریں بھی انسان کو نیکی سے نہیں روک سکتیں جو اس کی زندگی کی اصل غرض ہے اور جو شروع میں کھانے کا ذکر کیا ہے تو مراد یہ نہیں کہ کھانے کی کیفیت بتا دوں گا بلکہ تاویلہ سے مراد خواب کی تعبیر ہی ہے جو انھوں نے دریافت کی ہے مگر چونکہ آپ ان کو کچھ وعظ کرنا چاہتے تھے اور دنیادار وعظ سے جلد اُکتا جاتے ہیں اس لیے فرمایا کہ تمھارا بڑا کام تو اب کھانے سے پیٹ بھرنا ہے سو اس سے پہلے ہی تمھیں تعبیر بھی بتا دوں گا اور نصیحت کو بھی ختم کر دوں گا۔

وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾	اور مَیں اپنے بزرگوں ابراہیمؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ کے مذہب کا پیرو ہوں، ہمارا کام نہیں کہ کسی چیز کو بھی اللہ کے ساتھ شریک بنائیں۔ یہ ہم پر اور لوگوں پر اللہ کا فضل ہے، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ۱؎
یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ؕ ﴿۳۹﴾	اے میرے قید خانہ کے دو ساتھیو! کیا الگ الگ خداوند اچھے ہیں یا اللہ (جو) اکیلا سب پر غالب (ہے) ۲؎
مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾	اسے چھوڑ کر تم صرف ناموں کی پوجا کرتے ہو، جو تم نے اور تمہارے بزرگوں نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔ حکم اللہ کے سوا اور کسی کا نہیں۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوائے کسی کی عبادت نہ کرو یہ سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔
یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ ؕ ﴿۴۱﴾	اے میرے قید خانہ کے دو ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور دوسرا صلیب دیا جائے گا، تو پرند اس کے سر سے (نوچ کر) کھائیں گے اس بات کا فیصلہ ہو چکا جس کے متعلق تم دریافت کرتے ہو۔
وَ قَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ ؗ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ	اور اُسے جس کے متعلق اسے خیال تھا کہ وہ ان دونوں میں رہائی پائیگا۔ کہا میرا ذکر اپنے آقا کے پاس کرنا۔ مگر شیطان نے اسے اپنے آقا کے

نمبر۱۔ یہاں صرف اصل اصول مذہب کا ذکر ہے یعنی توحید باری جو سب مذاہب میں یکساں ہے پس مراد یہ ہے کہ جو اصول ان کے مذہب کے ہیں وہی میرے مذہب کے اصول ہیں۔

نمبر۲۔ گویا شرک کرنے والا مختلف آقاؤں کی غلامی اختیار کرتا ہے اور مختلف آقاؤں کا غلام کبھی خوشحال نہیں ہو سکتا۔ اللہ سب پر غالب ہے جو اس کی غلامی اختیار کرتا ہے اس کو اور کسی کی احتیاج نہیں رہتی۔

ع ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿٤٢﴾
وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ
سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ
سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۭ يٰٓاَيُّهَا
الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ
لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿٤٣﴾
قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ
بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿٤٤﴾
وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ
اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿٤٥﴾
يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ
بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ
وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۙ
لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿٤٦﴾
قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا
حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا

پاس ذکر کرنا بھلا دیا سو (یوسفؑ) کئی سال قید خانہ میں پڑا رہا[1]
اور بادشاہ نے کہا میں نے سات موٹی گائیں دیکھی ہیں، انھیں سات دُبلی گائیں کھا گئی ہیں۔ اور سات بالیں ہری اور دوسری سوکھی، اے درباریو! میرے خواب کی تعبیر بتاؤ، اگر تم خواب کی تعبیر کر سکتے ہو؟
انھوں نے کہا پریشان خواب ہیں[2] اور ہمیں (ایسے) خوابوں کی تعبیر معلوم نہیں۔
اور جو ان دونوں (قیدیوں) میں سے رہا ہوا تھا اس نے کہا اور ایک مدت کے بعد اُسے یاد آیا میں تمھیں اس کی تعبیر بتاؤنگا مجھے بھیجو۔
یوسفؑ! اے صدیق! ہمیں سات موٹی گائیوں کی تعبیر بتاؤ، جنھیں سات دبلی گائیں کھا گئی ہیں۔
اور سات ہری بالیں اور دوسری سوکھی۔ تاکہ میں لوگوں کے پاس واپس جاؤں تاکہ وہ جان لیں۔
(یوسفؑ نے) کہا تم حسب معمول سات سال کھیتی کرو گے، تو جو کچھ کاٹو اسے اپنے خوشہ میں ہی رہنے دو، سوائے تھوڑے

نمبر۱۔ ذکر ربہٖ میں اضافت ادنیٰ ملابست ہے اور مراد ہے ذکر یوسف عند ربہ یہ درخواست استعانت غیراللہ میں داخل نہیں بلکہ چونکہ انھوں نے آپ کی نیکی کو دیکھ کر خود اعتراف کیا تھا اس لیے آپ نے یہی چاہا کہ یہی شہادت حقہ وہ بادشاہ کے دربار میں بھی ادا کر دے تا اسے معلوم ہو جائے کہ یوسفؑ پر ناحق الزام لگایا گیا ہے۔

نمبر۲۔ اضغاث۔ ضغث کی جمع ہے اور ضغث ایک چیز کے ایک حصّہ کو دوسرے حصّہ سے ملا دینا ہے۔ اور ضغث الحدیث کے معنی ہیں بات کو خلط ملط کر دیا اس لیے ایسی خوابیں جو بوجہ پریشانی کے ایک دوسرے سے مل گئی ہوں انکو اضغاث کہا جاتا ہے۔ جن کی اختلاط کی وجہ سے تعبیر نہیں ہو سکتی۔
احلام حِلم کی جمع بھی ہے اور حُلم کی بھی۔ اور حُلم کے معنے خواب ہیں اور حُلم بمعنی خواب اور رؤیا میں فرق یہ ہے کہ ابتداً زبان عرب میں دونوں خواب پر بولے جاتے تھے مگر شارع علیہ السلام نے رؤیا کو اچھے خواب سے اور حلم کو بُرے خواب سے مخصوص فرمایا۔ جیسا کہ فرمایا الرؤیا من اللہ والحلم من الشیطان۔ رؤیا اللہ کی طرف سے ہے اور حُلم شیطان کی طرف سے ہے۔ یہی فرق قرآن کریم نے بھی رکھا ہے کیونکہ بادشاہ اپنے خواب کو رؤیا کہتا ہے اور اہل دربار اسے احلام قرار دیتے ہیں۔

مِمَّا تَأْكُلُوْنَ ﴿٤٧﴾

کے جس سے تم کھاؤ ۔ [1]

ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿٤٨﴾

پھر اس کے بعد سات سخت (سال) آئیں گے وہ سب کچھ کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لیے پہلے جمع کیا ہے ، مگر تھوڑا ، جو تم بچا لو گے ۔ [2]

ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿٤٩﴾ ع

پھر اس کے بعد ایک سال آئے گا ، جس میں لوگوں پر مینہ برسایا جائے گا اور اس میں وہ (انگور) نچوڑیں گے ۔ [3]

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿٥٠﴾

اور بادشاہ نے کہا اُسے میرے پاس لے آؤ سو جب ایلچی اس کے پاس آیا تو اس نے کہا اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے ، میرا پروردگار ان کی چال سے خوب واقف ہے ۔ [4]

نمبر ۱ ۔ حضرت یوسفؑ تعبیر کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیتے ہیں کہ انھیں کیا کرنا چاہیئے ۔ اس لیے جب سات موٹی گائیوں اور سات سبز خوشوں کی تعبیر ان الفاظ سے کی کہ سات سال حسب معمول کھیتی کرو گے یعنی فصلیں اچھی لگیں گی تو ساتھ ہی بتا دیا کہ جتنا کھانے کی ضرورت ہو اُسے نکال کر باقی کو خوشوں میں چھوڑ دو ۔ اس کی غرض یہ تھی کہ تا کیڑے سے محفوظ رہے اور خراب نہ ہو جائے ۔

نمبر ۲ ۔ بخاری میں سورہ یوسف کی تفسیر میں اس موقعہ پر وہ حدیث لکھی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ نبی کریم صلعم کی دعا سے قریش پر سات سال قحط کے آنے قال اللھم اکفنیھم بسبع کسبع یوسف یعنی نبی کریم صلعم نے دعا کی کہ اے اللہ ان پر سات سال کا قحط بھیج کر جیسے یوسف کے وقت میں سات سال کا قحط پڑا تھا مجھے ان کی شرارتوں سے بچا چنانچہ اس دعا کا اثر یہ لکھا ہے فاصابتھم سنۃ حصت کل شیٔ حتی اکلوا العظام حتی جعل الرجل ینظر الی السماء فیری بینہ و بینھا مثل الدخان ۔ یعنی ان پر ایسا قحط پڑا جس نے سب چیزوں کو برباد کر دیا ، یہاں تک کہ لوگوں نے ہڈیاں کھا کر گزارہ کیا اور یک شخص آسمان کی طرف دیکھتا تو اپنے اور اس کے درمیان دھواں سا دیکھتا ۔ چنانچہ یہ پیشگوئی قرآن شریف میں دوسری جگہ موجود ہے فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین (الدخان ۔ ۱۰) اس حدیث کو سورہ یوسف کی تفسیر میں لا نے کا صاف منشاء یہ ہے کہ سورہ یوسف میں بھی آنحضرت صلعم کا ہی ذکر ہے اور یہی منشاء ان الفاظ کا ہے آیات للسائلین جو شروع سورت میں ہیں ۔

نمبر ۳ ۔ عام کے معنی سال ہیں جس طرح سنۃ کے معنی سال ہیں ۔ لیکن سنۃ کا استعمال زیادہ تر ایسے سال پر ہے جس میں خشکی اور شدت ہو اور عام کا اس پر جس میں بارش اور ارزانی ہو ۔ یہ محض خوشخبری کے طور پر ہے کہ قحط کے سات سال ختم ہو کر پھر بارش ہوگی اور حدیث میں ہے کہ جب سات سال قحط کے قریش پر گزرے تو ابوسفیان آنحضرت صلعم کے پاس آیا اور کہا کہ آپ کی قوم کے لوگ بھوک سے مر رہے ہیں ۔ تب نبی کریم صلعم نے دعا کی اور بارش ہوئی اسی کی طرف اشارہ کرنے کو یہاں آخر پر بارش کے سال کا ذکر ۔

نمبر ۴ ۔ [illegible] میں یہ ذکر بھی موجود نہیں ۔ بلکہ صرف اس قدر ہے کہ جب فرعون نے یوسفؑ کو خواب کی تعبیر کے لیے بلوایا تو حضرت یوسفؑ فوراً حاضر ہوئے اور دربار شاہی میں آ گئے برخلاف اس کے قرآن شریف اس حقیقت کا ذکر کر کے یہ بتاتا ہے کہ خدا پرستوں کی نگاہ میں دنیوی وجاہت کچھ وقعت نہیں رکھتی حضرت یوسفؑ جانتے تھے کہ ان کے خواب [illegible] بادشاہ ان کی عزت کریگا مگر وہ قید خانہ سے نکلنا بھی پسند نہیں کرتے جب تک کہ اس الزام سے تمام لوگوں کی نظر میں پاک نہ ہو جائیں جو الزام لگا کر انھیں [illegible] حضرت یوسفؑ کا ان عورتوں کے ہاتھ کاٹنے کے معاملہ کو اس قدر وقعت دینا بتاتا ہے کہ یہی ان کے خلاف بڑی بھاری گواہی تھی

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ؗ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾

(بادشاہ نے) کہا، کیا معاملہ تھا جب تم نے یوسفؑ کو اپنے ارادے سے پھیرنا چاہا انھوں نے کہا اللہ پاک ہے ہم نے اس میں کوئی بدی معلوم نہیں کی، عزیز کی عورت نے کہا اب حق کھل گیا، میں نے ہی اسے اس کے ارادے سے پھیرنا چاہا اور یقیناً وہ سچوں میں سے ہے ۱؎

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

(یوسفؑ نے کہا) یہ اس لیے ہے کہ وہ جان لے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اس کی خیانت نہیں کی اور کہ اللہ خیانت کرنیوالوں کی چال کو منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا ۲؎

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾

اور میں اپنے نفس کو پاک نہیں ٹھیراتا، کیونکہ نفس تو یقیناً بدی کا حکم دیتا رہتا ہے، مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔ میرا رب حفاظت کرنے والا رحم کرنے والا ہے ۳؎

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿۵۴﴾

اور بادشاہ نے کہا اُسے میرے پاس لے آؤ، میں اسے اپنے لیے خاص کروں، پس جب اس سے گفتگو کی کہا آج تو ہمارے ہاں صاحب مرتبہ امین ہے۔

قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ

(یوسفؑ نے) کہا مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کردو،

نمبر۱۔ بادشاہ نے ان عورتوں سے یوں خطاب کیوں کیا کہ کیا بات تھی جب تم نے یوسفؑ کو ورغلانا چاہا۔ اس کی وجہ دو معلوم ہوتی ہیں اوّل حضرت یوسفؑ کی راستبازی کا اثر جو اس پر اپنے مصاحب کے بیان سے ہُوا اور خود اس خواب کی تعبیر میں جس علم کا اظہار ہوا اس نے بھی سب لوگوں کی گردنیں یوسفؑ کے سامنے جھکا دیں۔ دوسرے حضرت یوسفؑ نے قید خانہ سے بادشاہ کو جو کچھ کہلا بھیجا اس میں یہ بھی لفظ تھے کہ ان عورتوں کا ہاتھ کاٹنا ان کا کید یا چال تھی جو میرے خلاف انھوں نے کی اور لوگوں کی نظروں سے وہ مخفی رہی مگر اللہ تعالیٰ تو اسے خوب جانتا تھا۔ یوسفؑ کے یوں کہلا بھیجنے سے بھی بادشاہ کو یقین ہوگیا کہ یہ سب یوسفؑ کے خلاف ایک سازش کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ عورتوں نے اس بات کو محسوس کر کے کہ یوسفؑ کی راستبازی اب کھل چکی ہے اور یہ بھید بھی چھپا نہیں رہ سکتا، صاف اقرار کیا کہ یوسفؑ نے ہرگز ان کے متعلق کسی قسم کا بُرا ارادہ نہیں کیا۔ تب عزیز کی عورت بھی بول اٹھی کہ سچائی پر جتنے پردے ڈالے گئے تھے وہ اب دور ہوگئے جس سے معلوم ہُوا کہ قطع ید کے ذریعہ سے یوسفؑ کی سچائی پر پردہ ڈالا گیا تھا۔

نمبر۲۔ بظاہر یہ کلام عزیز کی عورت کے کلام کے سلسلہ میں ہے اور اس سے اگلی آیت کا مضمون بھی، مگر اس پر یہ صادق نہیں آتا۔ اور مضمون سے ظاہر ہے کہ کلام حضرت یوسفؑ کا ہے اور عموماً مفسرین اسی طرف گئے ہیں عزیز کی عورت یہ نہ کہہ سکتی تھی کہ میں نے پیٹھ پیچھے اس کی خیانت نہیں کی حضرت یوسفؑ کہتے ہیں کہ میں نے یہ تحقیقات اس لیے چاہی، کہ تا بادشاہ کو علم ہو جائے کہ میں نے اس کی یعنی عزیز کی خیانت نہیں کی۔

نمبر۳۔ نفس کی پہلی حالت امّارہ ہے یعنی وہ بدی کا حکم کرتا رہتا ہے ہاں جن پر اللہ تعالیٰ رحم کرے۔ یعنی خدا کے نیک بندے کہ وہ ان تحریکات کو قبول نہیں کرتے۔

اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾
میں نگہبان خبردار ہوں ۱؎

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ
يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاۗءُ ۭ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا
مَنْ نَّشَاۗءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾
اور یُوں ہم نے یوسف کو ملک میں طاقتور بنایا ، وہ اس
میں جہاں چاہتا اختیار رکھتا تھا ، ہم اپنی رحمت جسے چاہتے ہیں
پہنچاتے ہیں اور ہم احسان کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ ع
اور بلاشبہ آخرت کا اجر ان کے لیے بہتر ہے جو ایمان لاتے
ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔

وَجَاۗءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ
فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾
اور یوسفؑ کے بھائی آئے ، پھر اس کے پاس گئے ، تو اس نے
ان کو پہچان لیا اور وہ اسے نہ پہچان سکے ۲؎

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ
بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّىْٓ
اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۵۹﴾
اور جب انھیں ان کے سامان سے تیار کر دیا ، کہا اپنے اس بھائی کو بھی
میرے پاس لاؤ جو تمھارے باپ کی طرف سے ہے کیا تم نہیں دیکھتے
کہ میں ماپ بھی پورا دیتا ہوں اور اچھی طرح اتارتا ہوں ۳؎

فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ
عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿۶۰﴾
لیکن اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو تمھیں میرے پاس سے
(غلہ کا) ماپ نہ ملے گا اور میرے پاس نہ آؤ۔

قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ﴿۶۱﴾
انھوں نے کہا ہم اس کے باپ کے ارادے کو پھیر دینگے اور ہم (یہ) کر کے ہی رہیں گے

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ
اور اس نے اپنے نوکروں سے کہا ان کا سرمایہ ان کی بوریوں میں رکھ دو،

نمبر۱۔ حضرت یوسفؑ کی جب بادشاہ نے خود عزت افزائی کی تو انھوں نے ملک کے خزانوں یعنی ملی مالت کا انتظام اپنے لیے طلب کیا ، اس لیے کہ آنے والے قحط کے مقابلہ پر اس کی ضرورت تھی کہ مالی انتظام امین اور سمجھدار ہاتھوں میں ہوتا دنیا کے کاروبار کو اور خدمات ملکی کو امانت کے ساتھ سرانجام دینا بھی اعلیٰ درجہ کی راستبازی ہے۔ بائبل میں اس موقعہ پر ہے کہ بادشاہ نے حضرت یوسفؑ کو کل اختیار حکومت دے دیئے تھے۔ قرآن شریف نے حفیظ علیم کی خزائن الارض فرمایا ہے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ مالی تصرف ہی اصل حکومت ہے آج یورپ کی طاقتیں جب کسی سلطنت کو دبانا چاہتی ہیں تو پہلے اس کے مالی معاملات میں دخل دینا شروع کرتی ہیں جس کی ابتدا قرضہ دینے سے ہوتی ہے۔
نمبر۲۔ بہت سے درمیانی واقعات کو چھوڑ دیا ہے۔ فراخی کے سات سال گزر جاتے ہیں اور قحط شروع ہوتا ہے غلہ کی تلاش میں یوسفؑ کے بھائی بھی مصر میں آتے ہیں اور حضرت یوسفؑ کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ مگر چونکہ آپ محض بچے تھے جب ان سے جدا ہوئے اور حالات میں بہت تغیر آچکا تھا اس لیے وہ آپ کو نہ پہچان سکے۔
نمبر۳۔ حضرت یوسفؑ نے بات چیت کر کے سب حالات اُن سے دریافت کیے اس لیے بھائی کو ساتھ لانے کا حکم دیا اور ماپ پورا دینا اور مہمان نوازی کا ذکر بطور احسان جتانے کے نہیں بلکہ اظہار واقعات کے لیے ہے تاکہ وہ دوبارہ آئیں۔ مہمان نوازی عرب کی خاص صفت رہی ہے۔ اس لیے مصر میں حضرت یوسفؑ کی مہمان نوازی کی برابری کوئی نہ کرسکتا تھا۔

لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَآ إِذَا انقَلَبُوٓا إِلَىٰٓ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۝٦٢

کہ جب وہ اپنے گھر والوں کی طرف واپس جائیں تو اسے پہچان لیں تاکہ پھر واپس آئیں ۱۔

فَلَمَّا رَجَعُوٓا إِلَىٰٓ أَبِيهِمْ قَالُوا يَـٰٓأَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَآ أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَـٰفِظُونَ ۝٦٣

پس جب وہ اپنے باپ کے پاس واپس گئے کہا اے ہمارے باپ! غلہ ہم سے روک دیا گیا اس لیے ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج کہ ہم غلہ لائیں اور ہم اس کے نگہبان ہیں۔

قَالَ هَلْ ءَامَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَآ أَمِنتُكُمْ عَلَىٰٓ أَخِيهِ مِن قَبْلُ ۖ فَاللَّهُ خَيْرٌ حَـٰفِظًا ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّٰحِمِينَ ۝٦٤

کہا، کیا میں اس کے لیے تمھارا اعتبار کروں مگر اسی طرح جیسے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں تمھارا اعتبار کیا تھا سو اللہ ہی بہتر نگہبان ہے اور وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے ۲۔

وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَـٰعَهُمْ وَجَدُوا بِضَـٰعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ ۖ قَالُوا يَـٰٓأَبَانَا مَا نَبْغِى ۖ هَـٰذِهِۦ بِضَـٰعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا ۖ وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ۖ ذَٰلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ ۝٦٥

اور جب انھوں نے اپنا اسباب کھولا اپنے سرمایہ کو اپنی طرف لوٹایا ہوا پایا کہا اے ہمارے باپ ہم اور کیا چاہتے ہیں یہ ہمارا سرمایہ ہمیں واپس کیا گیا ہے اور ہم اپنے اہل کے لیے غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کرینگے اور ایک اونٹ کا بوجھ زیادہ لائینگے یہ غلہ (جو ہم لائے ہیں) تھوڑا ہے۔

قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُۥ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِى بِهِۦٓ إِلَّآ أَن يُحَاطَ بِكُمْ ۖ فَلَمَّآ ءَاتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ۝٦٦

اس نے کہا میں اسے ہرگز تمھارے ساتھ نہیں بھیجونگا جب تک مجھے خدا کا عہد نہ دو کہ تم اسے ضرور میرے پاس لے آؤ گے، سوائے اس کے کہ تم سب ہی گھیر لیے جاؤ۔ پس جب انھوں نے اپنا عہد اسے دیدیا اس نے کہا جو ہم کہتے ہیں اللہ ہی اس کا ذمہ دار ہے۔

وَقَالَ يَـٰبَنِىَّ لَا تَدْخُلُوا مِنۢ بَابٍ وَٰحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَٰبٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۖ وَمَآ أُغْنِى عَنكُم مِّنَ اللَّهِ مِن شَىْءٍ ۖ إِنِ الْحُكْمُ

اور اس نے کہا اے میرے بیٹو! ایک دروازے سے داخل نہ ہونا، اور الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا اور اللہ کے مقابل پر میں تمھارے کچھ بھی کام نہیں آسکتا۔ حکم صرف اللہ کا ہے اسی

نمبر۱۔ غلہ کی قیمت واپس کرنے کی غرض یہ تھی کہ وہ لوٹ کر آئیں۔ یہ مراد ہو سکتی ہے کہ اتنے بڑے احسان کو دیکھ کر وہ پھر غلہ کے لیے اسی طرف رخ کریں گے اور یہ بھی کہ شاید اس روپے کو واپس کرنے کے لیے آئیں۔

نمبر۲۔ مطلب یہ کہ تم پر اعتبار کروں تو ویسا ہی اعتبار ہوگا جیسا یوسفؑ کے معاملہ میں کیا تھا۔ حفاظت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔ یہی استغناء دل کا طریق ہے۔ یوں ان سے سخت اقرار بھی لیا مگر پھر بھی بھروسہ ان پر نہیں بلکہ اللہ پر ہے۔ اسباب سے بھی کام لیتے ہیں مگر ان اسباب کو کامیابی کا مدار نہیں سمجھتے۔

إِلَّا لِلَّهِ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُتَوَكِّلُونَ ۝٦٧

پر میں نے بھروسا کیا اور اسی پر چاہیے کہ سب بھروسا کرنے والے
بھروسا کریں ملے۔

وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ
مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا
حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا ۚ وَإِنَّهُ
لَذُو عِلْمٍ لِمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ
ع النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝٦٨

اور جب وہ داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے حکم دیا تھا
وہ اللہ کے مقابل پر ان کے کچھ بھی کام نہ آسکتا تھا، ہاں یعقوبؑ
کے دل میں ایک حاجت تھی جسے اس نے پورا کیا اور بلاشبہ وہ
علم والا تھا اس لیے کہ ہم نے اسے علم دیا تھا۔ لیکن اکثر لوگ
نہیں جانتے۔

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ
قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا
كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝٦٩

اور جب وہ یوسفؑ کے پاس آئے اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس
جگہ دی کہا میں تیرا بھائی ہوں، سو اس پر افسوس نہ کر جو
یہ کرتے رہے ہیں ملے۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ
فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا

پھر جب اُن کا سامان دے کر تیار کر دیا (ایک نے) پانی پینے
کا کٹورا اس کے بھائی کی بوری میں رکھ دیا ملے پھر ایک پکارنے

نمبر۱۔ مفسرین کا زیادہ رجحان اسی طرف ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے ان کو نظر لگنے کے خوف سے یہ کہا تھا۔ بائبل سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی مرتبہ جب وہ گئے تو یوسفؑ نے ان سے سختی کی اور کہا تھا کہ تم جاسوس ہو (پیدائش ۴۲: ۹) تو شاید حضرت یعقوبؑ نے خیال کیا ہو کہ اکٹھے داخل ہوں تو پھر حکومت مصر کو شبہات نہ گزریں اور ایسا نہ ہو کہ بادشاہ تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ اس شبہ میں گرفتار ہو جائیں اور یوں بادشاہ کی مہربانی بھی کچھ کام نہ آئے اس لیے انھوں نے داخلہ کے وقت احتیاط کا پہلو اختیار کرنے کی تاکید کی اور اس کی تائید دو اور باتوں سے ہوتی ہے اول یہ کہ جب ان سے اقرار لیا تو وہاں بھی ایک استثناء کیا تھا یعنی فرمایا الا ان یحاط بکم سوائے اس کے کہ تم سب گرفتار ہو جاؤ اور دوسرے اس سے کہ ساتھ ہی فرمایا ما اغنی عنکم من اللہ من شئی۔ اگر اللہ کی طرف سے ضرور کوئی مصیبت تم پر آنے والی ہے تو اس کا علاج تو میں کر نہیں سکتا اور اگلی آیت میں اسی بات کا ذکر کر کے فرمایا انہ لذو علم لما علمناہ یعنی اسے کچھ علم بھی تھا جو ہم نے دیا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو کسی وحی یا رویا کے ذریعہ سے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ان پر اس دفعہ کچھ مصیبت آنے والی ہے لیکن چونکہ پیشگوئی میں تفصیلات سے اطلاع نہیں دی جاتی عموماً اجمالی رنگ میں ایک واقعہ دکھایا جاتا ہے۔ اس لیے آپ کا خیال اس طرف گیا کہ پہلی مرتبہ جو اُن پر جاسوسی کا شک ہوا شاید اسی وجہ سے بلا میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ مگر چونکہ یہ خیال محض اجتہاد پر مبنی تھا اس لیے ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مصیبت آنے والی ہے اسے تو میں دور نہیں کر سکتا چنانچہ اگلی آیت میں پھر جب ان کے داخلہ کا ذکر کیا کہ وہ عافیت سے شہر میں تو داخل ہو گئے تو ساتھ ہی پھر بڑھایا کہ جو مصیبت آنے والی تھی وہ اس طرح پر دُور نہ ہو سکی۔ کیونکہ وہ مصیبت جیسا آگے ذکر آتا ہے ابتداء سے آنے والی تھی۔ حضرت یوسفؑ کے معاملہ میں بھی مصیبت کا کچھ نقشہ حضرت یعقوبؑ کو دکھایا گیا تھا اس لیے انھوں نے فرمایا تھا واخاف ان یاکلہ الذئب (۱۳) پیشگوئیوں میں عموماً واقعات کا تعین نہیں ہوتا۔

نمبر۲۔ یعنی اپنے بھائی کو خصوصیت سے اپنے پاس جگہ دی اور اسے علیحدگی میں بتا دیا کہ میں تمھارا بھائی ہوں اس لیے جو کچھ انھوں نے کیا اس پر غم نہ کر یعنی جو معاملہ میرے ساتھ کیا اس پر اب کوئی افسوس نہ کرو۔

نمبر۳۔ جعل السقایۃ میں ضمیر کس طرف جاتی ہے ؟ مفسرین کا خیال یوسفؑ کی طرف ہے گویا حضرت یوسفؑ نے خود بوری کے اندر پیالہ رکھا۔ مگر خود اسی

والے نے پکارا، اے قافلے والو! تم تو چور ہو۔	الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿٧٠﴾
انھوں نے کہا اور وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے تم کیا نہیں پاتے؟	قَالُوْا وَ اَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿٧١﴾
انھوں نے کہا ہم بادشاہ کا پیالہ نہیں پاتے اور جو شخص اسے لائے	قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَ لِمَنْ جَآءَ
اس کے لیے ایک اونٹ کا بوجھ (انعام) ہوگا اور میں اس کا ذمہ دار ہوں۔	بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّ اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿٧٢﴾
انھوں نے کہا اللہ کی قسم تم جانتے ہو ہم اس لیے نہیں آئے کہ ملک	قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ
میں فساد کریں اور ہم چور نہیں ہیں۔	فِي الْاَرْضِ وَ مَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾
انھوں نے کہا پھر اس کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے نکلے۔	قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿٧٤﴾
انھوں نے کہا اس کی سزا یہ ہے کہ جس شخص کی بوری میں وہ نکلے وہی	قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ
اس کا بدلہ ہوگا، ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں۔	جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٥﴾
تب اس نے ان کے بھائی کے تھیلے سے پہلے ان کے تھیلوں سے	فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ
شروع کیا تب اسکے بھائی کے تھیلے سے اسے نکالا اسی طرح ہم نے	اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا
یوسفؑ کے لیے ارادہ کیا وہ اپنے بھائی کو شاہی قانون کے مطابق	لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ
لے نہ سکتا تھا، سوائے اس کے جو اللہ چاہے ہم جس کے چاہتے ہیں	الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ

کارروائی کرکے پھر سب لوگوں میں یہ اعلان کرانا کہ یہ قافلہ والے چور ہیں ایتھا العیر انکم لسارقون۔ ایک نبی کے کس طرح شایاں شان ہوسکتا ہے یہ تو ایک معمولی آدمی بھی کرے تو قابل گرفت ہے۔ مفسرین اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ ان کو سارق اس لحاظ سے کہا کہ انھوں نے خود یوسفؑ کو اپنے باپ سے چرایا تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ جس الزام کا اہل مصر کے سامنے اعلان ہوا وہ تو یہ تھا کہ تم نے پیالہ چرایا ہے اور اس کے وہ مرتکب نہ تھے اور آخر کار انہی میں سے ایک کی بوری سے اسے نکال کر اہل مصر کی نظر میں انھیں چور ٹھہرا بھی دیا۔ پس قرآن کریم کا منشا ہرگز یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت یوسفؑ نے خود پیالہ بوری میں رکھا یا رکھوایا۔ قرآن شریف سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح حضرت یوسفؑ کے ساتھ ان کے بھائیوں نے ایک بھاری شرارت کی تھی۔ اسی طرح بن یامین کے ساتھ بھی کی۔ چنانچہ جب حضرت یوسفؑ اپنے آپ کو ان پر ظاہر کرتے ہیں تو یوں فرماتے ہیں هل علمتم ما فعلتم بیوسف و اخیه (٨٩) اب ظاہر ہے کہ اور کوئی واقعہ بنیامین کے ساتھ ایسا نہیں ہوا جس میں قریبًا قریبًا ویسا ہی سلوک ہوا ہو جیسا یوسفؑ کے ساتھ ہوا تھا۔ صرف یہی ایک واقعہ ہے اور ان کی شرارت کی مزید تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ انھوں نے چوری کا جھوٹا الزام یوسفؑ پر بھی لگایا قالوا ان یسرق فقد سرق اخ له من قبل (٧٧) اگر اس نے چوری کی ہے تو اس کے بھائی یوسف نے بھی چوری کی تھی۔ حالانکہ یہ دونوں جھوٹ تھے گویا بجائے صفائی کی شہادت پیش کرنے کے اور چوری کے الزام کی تائید کی۔ مطلب یہ کہ یہ دونوں بھائی چور ہیں اور حضرت یعقوبؑ سے جب انھوں نے جاکر یہ ذکر کیا کہ تیرے بیٹے نے چوری کی ہے تو انھوں نے اس کا الزام انہی پر دیا بل سولت لکم انفسکم امرا (٨٣) جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ تمہاری ہی کوئی شرارت ہے۔ پس اصل واقعہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان بھائیوں میں سے کسی نے محض شرارت کے طور پر پیالہ اٹھا کر بن یامین کی بوری میں رکھ دیا تاکہ یوسفؑ کی طرح وہ بھی حضرت یعقوبؑ کی نظروں سے دور ہو جائے۔

مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَ فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ ۝۷۶ — درجے بلند کرتے ہیں اور ہر ایک علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے ۔ ؎۱

قَالُوْۤا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ وَ لَمْ یُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝۷۷ — انھوں نے کہا اگر اس نے چوری کی ہے تو پہلے اس کے بھائی نے بھی چوری کی تھی ۔ سو یوسف نے اُسے اپنے دل میں چھپایا اور اسے اُن پر ظاہر نہ کیا ۔ کہا تم بُری حالت کے لوگ ہو اور اللہ بہتر جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو ؎۲ ۔

قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَیْخًا كَبِیْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝۷۸ — انھوں نے کہا اے عزیز اس کا باپ بہت بوڑھا آدمی ہے تو ہم میں سے ایک کو اس کی جگہ رکھ لے ہم تجھے نیکو کاروں میں سے دیکھتے ہیں ؎۳ ۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ۝۷۹ ع — اس نے کہا اللہ کی پناہ کہ ہم کسی اور کو پکڑیں مگر جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا تو ہم ظالم ہوں گے ۔

فَلَمَّا اسْتَایْــَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِیًّا ؕ قَالَ — جب اس سے مایوس ہو گئے تو مشورہ کرنے کے لیے الگ ہو گئے

نمبر۱۔ جن واقعات کا ذکر ہے ان سے یہ نہیں پایا جاتا کہ یہ سب کچھ حضرت یوسفؑ کی موجودگی میں ہو رہا ہے بلکہ بظاہر وہی شخص جو تحقیقات کے لیے آیا ہے سب کچھ یہ خود ہی کر رہا ہے اور بن یامین کی بوری کو پیچھے رکھنا اگر عمداً تھا تو شاید اس لیے ہو کہ بن یامین کی خصوصیت سے یوسفؑ کے ہاں عزت ہوئی تھی ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارا ارادہ یوسفؑ کے لیے ایسا ہی ہوا کہ ان کا بھائی ان کے پاس رہ جائے ۔ کدنا بمعنی اردنا ہے اور اگر کدنا بمعنی تدبیر بھی لیا جائے تو اللہ فرماتا ہے کہ یہ تدبیر ہم نے یوسفؑ کے لیے کی ، یہ نہیں فرمایا کہ یوسفؑ نے یہ تدبیر کی اور اس صورت میں کدنا کے لفظ میں یہ اشارہ ہوگا کہ ان کے بھائیوں کی تدبیر تو یہ تھی کہ بن یامین کسی طرح واپس حضرت یعقوبؑ کے پاس نہ جائے اور اللہ تعالیٰ نے اسی کو یوسفؑ کے حق میں کر دیا کہ بھائی بھائی کے پاس رہ گیا ۔ وہ خود بغیر افشائے راز کے اسے رکھ نہ سکتے تھے ۔ اور اس حقیقت کو وہ بھی ظاہر نہ کرنا چاہتے تھے مشیت ایزدی سے یہ ایک سامان پیدا ہو گیا کہ بن یامین حضرت یوسفؑ کے پاس رہ گئے ۔ گو وہ ذی علم تھے مگر یہ سامان اس خدا کی طرف سے ہو گیا جو ان سے بڑھ کر علیم تھا ۔ اگر یوسفؑ نے خود یہ کام کیا ہوتا تو یہاں نرفع درجات من نشاء کا کوئی موقعہ نہ تھا کیونکہ بہرحال یہ ایک چالبازی تھی اور چالبازی کے موقع پر رفع درجات موزوں نہیں ، ہاں خود بخود اس سامان کا پیدا ہو جانا رفع درجات پر گواہ ہے یعنی جب انسان اللہ تعالیٰ کے لیے ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے فائدے کے سامان خود بخود پیدا کر دیتا ہے ۔

اس آیت سے یہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ جب ایک شخص دوسرے مذہب کے بادشاہ کے ماتحت ہے تو اسی کے قانون پر عمل بھی کرنا پڑتا ہے ۔ حضرت یوسفؑ ایک ایسے بادشاہ کے ماتحت تھے جو اُن کے دین پر نہ تھا با ایں صورت اسکے قانون پر ہی عمل کرتے تھے اس چھوٹے سے واقعہ کے اظہار سے ایک عظیم الشان اصول قائم کر دیا ہے ۔

نمبر۲۔ حضرت یوسفؑ پر چوری کا الزام انھوں نے لگایا ہے تو مفسرین اس کو صحیح ثابت کرنے کے لیے یا تو بائبل کے بعض بیانات میں ادل بدل کرتے ہیں یا خود کوئی کہانی تجویز کر لیتے ہیں ۔ لیکن یہ الزام دینے والے وہ لوگ ہیں جنھوں نے ایک بےگناہ کی جان تک لینے سے دریغ نہ کیا اور پھر حضرت یعقوبؑ کے سامنے جا کر جھوٹ بولا ۔ یوسفؑ نے اپنے دل میں کس بات کو چھپایا ؟ اس تہمت کے جواب کو ۔ ان پر ظاہر نہ کرنا چاہتے تھے ورنہ یوں جواب دیتے کہ تم میرے منہ پر مجھ پر جھوٹا الزام لگاتے ہو ۔

نمبر۳۔ ان بھائیوں میں بعض اچھے دل کے بھی تھے ان میں سے ہی وہ بھی تھا جس نے پہلے موقعہ پر کہا تھا لا تقتلوا یوسف اب بھی ان میں سے کوئی حضرت یوسفؑ کے سامنے یہ تجویز پیش کرتا ہے کہ بنیامین کی جگہ کسی دوسرے کو قید کر لیا جائے جس کو حضرت یوسفؑ رد کرتے ہیں ۔

كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ
عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَ مِنْ قَبْلُ مَا
فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ
حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ
وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۸۰

سب سے بڑے نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ تمھارے باپ نے تم سے اللہ کا عہد لیا تھا اور پہلے جو یوسفؑ کے معاملہ میں تم قصور کر چکے ہو، سو میں ہرگز اس ملک کو نہیں چھوڑونگا جب تک کہ میرا باپ مجھے اجازت نہ دے، یا اللہ میرے لیے فیصلہ نہ کرے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ
ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَ مَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا
وَ مَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝۸۱

اپنے باپ کی طرف واپس جاؤ[۱] اور کہو اے ہمارے باپ تیرے بیٹے نے چوری کی اور ہم وہی گواہی دیتے ہیں جو ہمیں معلوم ہے اور ہم غیب کے نگہبان نہ تھے۔

وَ سْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَ الْعِيْرَ
الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝۸۲

اور اس بستی سے دریافت کرو جس میں ہم تھے اور اس قافلے سے جس میں ہم آئے ہیں اور ہم بالکل سچے ہیں۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ
جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ
اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۸۳

اس نے کہا بلکہ تمھارے دلوں نے ایک (بُری) بات کو اچھا کر دکھایا سو نیک صبر ہی ہے۔ امید ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے، وہ علم والا حکمت والا ہے[۲]۔

نمبر۱ - یہ کلام اسی بڑے بھائی کا سمجھا گیا ہو مگر بعض نے کہا کہ یہ یوسفؑ کا کلام ہے۔ زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ یہ ان کے مشورے کا آخری نتیجہ ہے یعنی آخرکار سب اس رائے پر پہنچے کہ یوں ہی کہا جائے کہ بن یامین نے چوری کی اور غیب کے حافظ نہ ہونے سے یہ مراد ہے کہ جو کام ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوا یعنی بن یامین کا چوری کرنا اس کی ہم حفاظت کیوں کر کر سکتے تھے۔ یا مراد یہ ہے کہ جب عہد کیا تھا تو اس وقت اس غیب کی بات کا ہمیں علم نہ تھا کہ یہ چوری کرے گا۔ درمیانی واقعات کو چھوڑ کر اب بتایا ہے کہ جب اسی کے مطابق انھوں نے حضرت یعقوبؑ سے کہا تو انھوں نے جواب میں وہی لفظ کہے جو حضرت یوسفؑ کے ماجرا کے وقت کہے تھے بل سولت لکم انفسکم امرا فصبر جمیل[۱۳] جس سے معلوم ہوا کہ حضرت یعقوبؑ نے اس بات کو ان کی طرف منسوب کیا ہے کہ یہ بھی تم نے ایک منصوبہ بنایا ہے جس طرح یوسفؑ کے معاملہ میں بنایا تھا اور ظاہر ہے کہ حضرت یعقوبؑ سولت لکم انفسکم کہ کر کہ تم نے اب بھی کوئی برا کام کیا ہے جو تمھیں اچھا معلوم ہوا کوئی جھوٹا الزام ان پر نہ دے سکتے تھے بلکہ یہ بات ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوگئی تھی جس طرح یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ وہ دونوں واپس مل بھی جائیں گے۔

نمبر۲ - درمیانی واقعات کو چھوڑ کر اب بتایا ہے کہ جب اسی کے مطابق انھوں نے حضرت یعقوبؑ سے کہا، تو انھوں نے جواب میں وہی لفظ کہے جو حضرت یوسفؑ کے ماجرا کے وقت کہے تھے۔ بل سولت لکم انفسکم امرا فصبر جمیل ۸۳ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت یعقوبؑ نے اس بات کو ان کی طرف منسوب کیا ہے کہ یہ بھی تم نے ایک منصوبہ بنایا ہے جس طرح یوسفؑ کے معاملہ میں بنایا تھا اور ظاہر ہے کہ حضرت یعقوبؑ سولت لکم انفسکم کہ کر کہ تم نے اب بھی کوئی برا کام کیا ہے جو تمھیں اچھا معلوم ہوا، کوئی جھوٹا الزام ان پر نہ دے سکتے تھے۔ بلکہ یہ بات ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معلوم ہوگئی تھی، جس طرح یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ وہ دونوں واپس بھی مل جائیں گے۔

وَ تَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَ ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٨٤﴾

اور ان سے منہ پھیر لیا اور کہا ہائے افسوس یوسف کی وجہ سے اور اس کی آنکھیں غم سے ڈبڈبا آئیں۔ پس وہ غم کو دبانے تھے ١۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿٨٥﴾

انھوں نے کہا اللہ کی قسم تو یوسف کا ذکر کرتا ہی رہے گا یہاں تک کہ تو مرنے کے قریب ہو جائے یا ہلاک ہونے والوں میں سے ہو جائے ٢۔

قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾

کہا میں اپنی پریشانی اور غم کی شکایت اللہ سے ہی کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ٣۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ اَخِيْهِ وَ لَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٧﴾

اے میرے بیٹو! جاؤ اور یوسفؑ اور اس کے بھائی کا پتہ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، کیونکہ اللہ کی رحمت سے سوائے کافر لوگوں کے اور کوئی مایوس نہیں ہوتا ٤۔

نمبر١۔ ابیضت عینٰہ من الحزن کے معنی مفسرین نے عموماً یوں کیے ہیں کہ غم کی وجہ سے حضرت یعقوبؑ روتے رہتے تھے اور روتے رہنے سے ان کی آنکھیں جاتی رہیں یعنی وہ اندھے ہو گئے۔ لیکن یہ نبی کی شان نہیں کہ بیٹے کے گم ہو جانے پر تبلیغ و اصلاح کے کام کو چھوڑ کر جو اس کی بعثت کی اصل غرض ہے رونے لگ جائے اور یہاں تک روئے کہ اسی سال تک آنسو نہ تھمیں اور رو رو کر اندھا ہو جائے، مخلوق کی اصلاح تو ایک طرف رہی ایسا شخص تو خدا تعالیٰ کی عبادت بھی نہیں کر سکتا اگر ایک عامی آدمی اپنے کسی عزیز کی وفات پر ایک ماہ بھی اس طرح روئے تو وہ ملامت کے قابل ہو گا چہ جائیکہ خدا کا نبی اسی سال تک اس حال میں رہے پھر ساتھ ساتھ یہ بھی کہہ رہا ہو فصبر جمیل، پھر اللہ تعالیٰ نے اسے یقین بھی دلا دیا ہو کہ وہ بیٹا زندہ ہے۔ ابیضاض عین کے معنی لغت میں اندھا ہونا کہیں نہیں لکھے ہاں یہ مراد سمجھی گئی ہے مگر اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ آنکھوں میں آنسو بھر کر آنکھیں سفید ہو گئیں جس کو ہماری زبان میں ڈبڈبانا کہتے ہیں اور یہ وہ امر ہے جو ایک نبی کی شان کے لائق ہے کہ جب آپ کو یہ خبر پہنچتی ہے کہ بن یامین پکڑے گئے تو حضرت یوسفؑ کا صدمہ تازہ ہو کر آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں مگر بایں وہ اپنے رنج اور غم کو دباتے ہیں جیسا کہ لفظ کظیم لا کر ظاہر کیا گیا ہے جس کے معنی غصہ یا غم وغیرہ دبانے کے ہیں کہ وہ ظاہر نہ ہونے پائے۔ یہی معنی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں اور تفسیر کبیر نے اسی معنے کو ترجیح دی ہے۔

نمبر٢۔ مطلب یہ ہے کہ اب آپ بوڑھے ہو کر موت کے قریب ہو گئے ہیں تاہم یوسفؑ کے ذکر کو نہیں چھوڑتے اس سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت یعقوبؑ ہر وقت یوسفؑ کا ذکر کرتے رہتے تھے بلکہ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مدت کے بعد یہ ذکر کیا جس کی وجہ سے بھائیوں کو یہ بات کہنے کی ضرورت پیش آئی۔

نمبر٣۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے رنج و مصائب کو دوسروں پر ظاہر کرنے سے حتی الوسع بچنا چاہیئے اور صرف اپنے مولےٰ کے سامنے ظاہر کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہی غم و رنج کو دور بھی کر سکتا ہے۔ حدیث میں ہے من کنوز البر اخفاء الصدقة وکتمان المصاب۔ صدقہ کا اخفا اور مصائب کا چھپانا نیکی کے خزانے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ کا روتے رہنا اس آیت کے بھی خلاف ہے۔

نمبر٤۔ حضرت یوسفؑ کی تاریخ کا یہ حصہ کہ بھائی دوبارہ حضرت یعقوبؑ کے پاس گئے اور بن یامین کی گرفتاری کا قصہ سنایا بائبل میں مذکور نہیں بلکہ حضرت یوسفؑ اپنے آپ کو اسی وقت ظاہر کر دیتے ہیں جب بن یامین کو پکڑا جاتا ہے اور بھائی حیران ہیں کہ اب کیا کریں۔ قرآن کریم نے اس حصہ کو بیان کر کے اور بائبل سے اس موقعہ پر اختلاف کر کے یہ دکھایا ہے کہ باوجود اسباب مایوسی کے انتہا کو پہنچ جانیکے اور باوجود ایک صدمہ کے ساتھ دوسرا صدمہ اور مل جانے کے مایوسی حضرت یعقوبؑ کے قریب بھی نہیں آئی بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور ان تکالیف کے دور کرنے پر آپ کا ایمان بڑھتا ہی چلا گیا اور یہ وہ عظیم الشان سبق ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نیک لوگوں کی زندگیاں بیان کر کے سکھانا چاہتا ہے کہ وہ کس طرح پر مایوسی کے اسباب کے کمال کو پہنچ جانے کے باوجود ایک لمحہ کے لیے بھی مایوسی کو اپنے پاس نہیں آنے دیتے۔ بلکہ جس قدر تاریکی بڑھتی ہے اسی قدر ان کا ایمان بڑھتا ہے کہ روشنی ضرور نمودار ہوگی۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ ﴿۸۸﴾

پھر جب اس کے پاس آئے کہا اے عزیز ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو تکلیف پہنچی ہے اور ہم تھوڑا سا سرمایہ لیکر آئے ہیں سو ہمیں (غلّہ کا) پورا ماپ دے اور ہمیں خیرات دے اللہ خیرات دینے والوں کو (اچھا) بدلہ دیتا ہے۔

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَ اَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ﴿۸۹﴾

اس نے کہا، کیا تم جانتے ہو تم نے یوسفؑ اور اس کے بھائی سے کیا کیا، جب تم جاہل تھے [۱]۔

قَالُوْۤا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَ هٰذَاۤ اَخِيْ ؗ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾

انھوں نے کہا، کیا تو ہی یوسفؑ ہے؟ اس نے کہا، میں یوسفؑ ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اللہ نے ہم پر احسان کیا ہے، ہاں جو کوئی تقوٰے اور صبر کرتا ہے، تو اللہ بھی نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا [۲]۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ اِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ ﴿۹۱﴾

انھوں نے کہا اللہ کی قسم اللہ نے تجھے ہم پر فوقیت دی ہے، اور یقیناً ہم خطا کار تھے۔

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ؗ وَ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾

کہا، آج تم پر کچھ الزام نہیں، اللہ تمھیں معاف کرے اور سب رحم کرنیوالوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے [۳]۔

نمبر۱۔ یہی ایک موقع ہے جس پر حضرت یوسفؑ نے ان بھائیوں کا سلوک یاد دلایا ہے وہ بھی ملامت کے لیے نہیں بلکہ اس بات کے ظاہر کرنے کے لیے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس قدر وسیع ہے کہ گو تم نے میرے ساتھ ایسا سلوک کر کے پھر میرے بھائی سے بھی اس قسم کا سلوک کیا تاہم آج تم پر ان باتوں کے لیے کوئی ملامت نہیں۔ لا تثریب علیکم الیوم (۹۲) اس سے یہ یقینی طور پر معلوم ہوا کہ بن یامین کے ساتھ کوئی شرارت اسی رنگ کی ان بھائیوں کی طرف سے ہوئی تھی جیسے یوسفؑ کے ساتھ اور قرآن کریم میں ایک ہی ایسے واقعہ کا ذکر ہے یعنی پیالہ کی چوری۔ بائبل میں بھی اور کوئی واقعہ مذکور نہیں جس سے معلوم ہو کہ بن یامین کے ساتھ کوئی اس قسم کا سلوک ہوا تھا جس کا الزام یہاں ان پر دیا گیا ہے۔

نمبر۲۔ اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہوئے فرمایا قد من اللہ علینا یعنی ان تمام واقعات کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب پر احسان کیا اور دکھ سے راحت پیدا کر دی۔ اس بات سے بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کی طرف توجہ دلائی ہے اور اس کے فضل کی طرف کہ بظاہر انسان پر دکھ بھی آتے ہیں تو کس طرح وہ اپنے فضل سے انھیں راحت میں تبدیل کر دیتا ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ہر ایک راحت دکھ سے ہی پیدا ہوتی ہے جب تک انسان تکلیفوں میں مبتلا نہ ہو کبھی حقیقی راحت کو نہیں پا سکتا۔ اس لیے مصائب کو خوش دلی سے برداشت کرنا چاہیئے۔

نمبر۳۔ کتنا بڑا دل ہے اور کتنا بڑا عفو ہے کہ وہ لوگ جو جان لینے کے درپے تھے انھیں یہ کہا کہ آج تم پر اس کی وجہ سے کوئی ملامت بھی نہیں مگر اس مقام سے کس قدر بلند وہ مقام ہے جس کی طرف یوسف علیہ السلام کے ذکر میں اشارہ ہے یعنی آنحضرت صلعم کا مقام جن کی جان لینے کی ایک دفعہ نہیں متعدد مرتبہ کوشش کی گئی اور آپ کو تیرہ سال کے عرصہ میں مکّہ میں بڑے بڑے دکھ پہنچائے گئے اور نہ صرف آپ کو بلکہ ہر اس شخص کو جو آپ کا دم بھرتا حد درجہ کے دکھ دیئے جاتے بعض کو جان سے مار دیا گیا

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾

یہ میری قمیص لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے سامنے ڈال دو، تا وہ یقین کرکے آجائے اور اپنا سب کنبہ میرے پاس لے آؤ[۱]۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾

اور جب قافلہ (مصر سے) چلا، ان کے باپ نے کہا، یوسفؑ کی خوشبو پاتا ہوں اگر مجھے بہکا ہوا نہ سمجھو[۲]۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾

انھوں نے کہا اللہ کی قسم تو اپنی پرانی غلطی میں ہے۔

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾

پھر جب خوش خبری دینے والا آپہنچا (اور) اسے اس کے سامنے پیش کیا تو وہ یقین کرنے والا ہوا۔ کہا کیا میں تمھیں نہیں کہتا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾

انھوں نے کہا اے ہمارے باپ! ہمارے لیے ہمارے قصوروں کی معافی مانگ، ہم قصوروار ہیں۔

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾

کہا، میں اپنے رب سے تمھارے لیے بخشش مانگوں گا وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ

پھر جب وہ یوسفؑ کے پاس آئے، اس نے اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا مصر میں خدا چاہے تو امن سے

پھر تلوار لیکر مدینہ پر چڑھائی کی جاتی ہے باایں ان سب جرموں کے مرتکب جب مغلوب ہو کر آپ کے سامنے آتے ہیں تو یہی لفظ آپ کی زبان مبارک سے نکلتے ہیں۔ لا تثریب علیکم الیوم[۹۲] اور سید البشر کے عفو عظیم کا یہ نمونہ دنیا میں ہمیشہ کے لیے اپنی نظیر آپ ہی ہے۔

نمبر۱۔ یہاں قمیص کا ذکر تیسری دفعہ آیا ہے اور یہ قمیص آپ کی حکومت کا نشان ہوئی۔ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت عثمانؓ کو فرمایا ان اللہ سیقمصک قمیصا ً وانک تقلاص علی خلعہ فایاک وخلعہ۔ اللہ تعالیٰ تمھیں ایک قمیص پہنائے گا اور تمھیں اس قمیص کے اتارنے کو کہا جائے گا مگر خبردار اس قمیص کو نہ اتارنا۔ ابن اثیر کہتے ہیں کہ اس سے مراد خلافت ہے۔ پس ہو سکتا ہے کہ وہ قمیص اصلی تھی اور صرف بطور نشان حکومت بھیجی گئی تھی جو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو عطا فرمائی تھی یعنی تا کہ حضرت یعقوبؑ کو یقین آجائے کہ جو کچھ ان کے بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کی حکومت اور اختیارات کے متعلق کہا ہے وہ سچ ہے اور ہو سکتا ہے کہ قمیص سے مراد یہاں واقعی حکومت ہی ہو اور قمیص کو لے جانے کے معنی یہ ہوں کہ یہ خبر لے جاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکومت عطا فرمائی ہے بائبل میں یہ ذکر نہیں کہ قمیص بھیجی گئی تھی، صرف اسی قدر ذکر ہے کہ ان کو کہا تھا میرے باپ کو خبر سنا دو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہاں حکومت دی ہے اور بصیر دونوں معنے میں آتا ہے۔ آنکھوں سے دیکھنے والا اور دل کی قوت مدرکہ سے ایک بات کو پا لینے والا اور یہاں یہی دوسرے معنے ہیں۔

نمبر۲۔ یوسفؑ کی ریح سے مراد یا تو یہ ہے کہ مجھے خوشبو آرہی ہے کہ یوسف زندہ ہے اور یا مراد یہ ہے کہ اس کی قوت و شوکت کی خوشبو آرہی ہے۔

اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾

داخل ہو جاؤ۔

وَ رَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ
سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ
رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ
حَقًّا ۭ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ
السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ
اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۭ
اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ هُوَ
الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

اور اس نے اپنے والدین کو تخت پر اونچا بٹھایا اور وہ اس کی خاطر سجدہ میں گر گئے اور اس نے کہا اے میرے باپ! یہ میرے پہلے کے خواب کی تعبیر ہے، میرے رب نے اسے سچ کر دیا۔ اور اس نے مجھ پر احسان کیا، جب مجھے قید خانہ سے نکالا اور تمہیں بادیہ سے لے آیا اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوا دیا تھا، میرا رب جو بات چاہے اسے باریک تدبیرسے کرتا ہے۔ وہ علم والا حکمت والا ہے [1]۔

رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ
مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ
تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

میرے رب تو نے مجھے حکومت سے حصہ دیا اور مجھے باتوں کی حقیقت سکھائی، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا ولی ہے، مجھے فرمانبرداری کی حالت میں وفات دے اور مجھے نیکوں کے ساتھ ملا [2]۔

نمبر۱۔ باپ اور ماں کو تخت پر بٹھانا امتیاز کے لیے تھا اس پر سب سجدہ میں گرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تسبیح و حمد کرتے ہیں جیسا کہ خروا کے استعمال سے ظاہر ہے یہ سراسر غلط خیال ہے کہ یہ سجدہ یوسفؑ کو تھا تو پھر حمد و تسبیح کس کی تھی؟ اور ظاہر ہے کہ جس کی حمد و تسبیح تھی اسی کو سجدہ تھا اور یہ کہنا کہ پہلی شرائع میں غیر اللہ کو سجدہ جائز تھا، ایسا ہی ہے جیسا کوئی کہدے کہ پہلی شرائع میں شرک جائز تھا، شرک یا غیر اللہ کو سجدہ سب شرائع میں ناجائز تھا اور اصول دین ہمیشہ سے ایک ہی رہے ہیں اور لہٗ میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف بھی جا سکتی ہے۔

اور حضرت یوسفؑ کا یہ فرمانا کہ یہ میرے رؤیا کی تعبیر ہے تو اس سے سجدہ مراد لینا دوسری غلطی ہے۔ بلکہ لفظ ھذا میں اسی یوسفؑ کی عظمت و شوکت کی طرف اشارہ ہے جس کی وجہ سے سب نے سجدۂ شکر کیا اور خود حضرت یوسفؑ اگلی آیت میں اس کی تصریح کرتے ہیں کہ تو نے مجھے حکومت اور علم دیئے ہیں یہی مراد سورج اور چاند اور ستاروں کے سجدہ کرنے سے تھی ورنہ یہ کونسی بڑی بات ہے کہ کسی شخص کو اپنے بھائیوں میں اس قدر عظمت حاصل ہو جائے کہ وہ اس کی عظمت کا اعتراف کریں۔

نمبر۲۔ راستبازوں کی خواہش کیا پاک ہوتی ہے۔ حکومت بھی ملی، علم بھی ملا اور علم بھی علم دین۔ مگر دل میں ایک ہی تڑپ ہے اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری میں جئیں اور مریں اور صلحاء کے زمرہ میں ہوں۔ یہی زندگی کا اصل مقصد ہے مسلمانوں کو سبق دیا تھا مگر آج کون قرآن کی طرف توجہ کرتا ہے۔ راست بازی کا پھل حکومت بھی ہے مگر جو حکومت کو پہلے چاہتے ہیں اور کہتے ہیں راست باز بعد میں بنیں گے۔ وہ قرآن کی بتائی ہوئی راہ پر نہیں چلتے۔ ہاں اس میں محمد رسول اللہ صلعم اور آپ کے ساتھیوں کو یہ بھی وعدہ ہے کہ جس طرح یوسفؑ آخرکار بادشاہ بنے اور بھائیوں کو ان کے سامنے اعتراف عجز کرنا پڑا۔ اسی طرح آنحضرت صلعم کی مخالفت کرنے والے بھی آخرکار مغلوب ہونگے اور مسلمانوں کو بادشاہت ملے گی اور چونکہ یہاں بھائیوں کے قائمقام عرب کے لوگ ہیں اس لیے جس بادشاہت کا وعدہ دیا جاتا ہے۔ وہ صرف عرب کی بادشاہت نہیں بلکہ اتنی بڑی بادشاہت ہے کہ جس سے عرب کے لوگ بھی فائدہ اٹھائیں جس طرح یوسفؑ کی بادشاہت سے بھائیوں نے فائدہ اٹھایا۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

یہ غیب کی خبروں میں سے ہیں جو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں اور تو ان کے پاس نہیں تھا جب انھوں نے اپنے معاملہ پر اتفاق کر لیا اور وہ باریک تدبیر کر رہے ہیں ۱؎۔

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾

اور اکثر لوگ گو تم کتنا ہی چاہو ایمان نہیں لاتے۔

وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ ع

اور تو ان سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا وہ صرف تمام قوموں کے لیے نصیحت ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور آسمانوں اور زمین میں کتنے نشان ہیں جن پر لوگ گزرتے ہیں اور وہ ان سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

اور ان میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر وہ شرک بھی کرتے ہیں ۲؎۔

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

تو کیا وہ اس بات سے نڈر ہو گئے ہیں کہ اُن پر اللہ کے عذاب کی بھاری مصیبت آپڑے یا ناگہاں وہ گھڑی ان پر آجائے اور انھیں خبر بھی نہ ہو۔

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۟ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

کہہ دے یہ میرا رستہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں سمجھ بوجھ کر میں اور جو میری پیروی کرتے ہیں اور اللہ سب نقصوں سے پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں ۳؎۔

نمبر۱۔ انتقال مضمون آنحضرت صلعم اور آپ کے خلاف تدابیر کرنے والوں کی طرف کیا ہے چنانچہ اس آیت میں الفاظ وھم یمکرون وہ باریک تدابیر کر رہے ہیں صاف اس پر شاہد ہیں اور اگلی آیات کا مضمون بھی صاف یہی ظاہر کرتا ہے۔ پس انباء الغیب سے مراد بھی وہ خبریں ہیں جو بطور پیشگوئی حضرت یوسفؑ کے تذکرہ میں ہیں، یعنی مخالفین کی سازشیں اور کوششیں اور سات سال کا قحط اور بالآخر ان کی ناکامی اور مغلوب ہو کر آنحضرت صلعم کی خدمت میں آنا اور آنحضرت صلعم کا ان کو معاف کرنا اور آپ کو وسیع حکومت کا ملنا اور ان کا اس میں حصہ دار ہونا۔ اور اگر حضرت یوسفؑ کے تذکرہ کی طرف بھی ذلك من انباء الغیب میں اشارہ لیا جائے تو اس معنی سے بالکل بجا ہے کہ کتنی وہ باتیں قرآن شریف نے بیان کی ہیں جن سے اعلیٰ درجہ کے اخلاقی سبق حاصل ہوتے ہیں حالانکہ بائبل میں وہ باتیں موجود نہیں۔

نمبر۲۔ کوئی مشرک قوم نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بھی ساتھ ساتھ اقرار کرتی ہے۔ عرب کے لوگ باوجود پتھروں اور درختوں اور بتوں کی پرستش کے، ہندو باوجود اپنے کروڑ ہا دیوتاؤں اور دیویوں اور بتوں کے خدا کو ایک مانتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر عیسائی ہیں کہ تین خدا کہتے ہوئے خدا کو ایک بھی کہتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر فطرت انسانی کی شہادت ہے اور کوئی قوم اس فطری گواہی کا انکار نہیں کر سکتی گو اس فطرت کی شہادت کے ساتھ خواہشات نفسانی کو ملا کر اور بھی ہزار ہا رب بنا لیے ہیں۔

نمبر۳۔ جب یہ ذکر کیا کہ یہ تمام لوگ توحید کے ساتھ شرک کو ملا رہے ہیں تو اپنے رستہ کا بھی ذکر کیا کہ وہ توحید خالص ہے جو ہر قسم کے شرک سے پاک ہے سب سے زبردست بات جو یہاں فرمائی یہ ہے کہ

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ
اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي
الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ
اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۰۹

اور ہم نے تجھ سے پہلے بھی بستیوں کے رہنے والوں میں سے مردوں کو ہی بھیجا تھا جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے تو کیا یہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا انجام کیسا ہوا جو ان سے پہلے تھے اور آخرت کا گھر ان کے لیے بہتر ہے جو تقوے اختیار کرتے ہیں تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ
قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ
نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۱۰

یہاں تک کہ جب رسول (لوگوں کی طرف سے) ناامید ہو گئے اور لوگوں نے سمجھ لیا کہ ان کے ساتھ جھوٹ بولا گیا ہماری مدد انکے پاس آ پہنچی سو جسے ہم نے چاہا بچ گیا اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے پھیرا نہیں جاتا۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ
مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ
الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ
شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۱۱۱ ع

ان کے ذکر میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے یہ کوئی ایسی بات نہیں جو بنائی گئی ہو لیکن اس کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے ہے اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ہدایت ہے اور ان لوگوں کے لیے رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں۔

ہیں جس بات پر قائم ہوں علی بصیرت ہوں میں ہی نہیں میرے پیرو بھی گویا اچھی طرح اس راہ کے حق ہونے کو دیکھ رہے ہیں اور یقین کامل سے اس پر قائم ہیں پس محمد رسول اللہ صلعم کی پیروی ہی انسان کو علی البصیرت ایمان پر قائم کرنے والی چیز ہے افسوس کہ کتنے مسلمان ہیں جو آج آپ کی پیروی کی برکت سے اس علی البصیرت مقام پر ہونے کا دعوے کر سکتے ہیں سامعیں اپنے دین کی صداقت کے دلائل کا کچھ علم بھی نہیں رہا اس سے زیادہ دوسرے لوگوں کو علم ہے حالانکہ ہر ایک مسلمان پر حق تھا کہ وہ اپنے دین کی صداقت کے دلائل سے پورا واقف ہوتا تاکہ علی البصیرت اپنے مذہب پر ہو کر دوسروں کو بھی دعوت دے سکتا۔

نمبر۱- یہاں بہت لوگوں کو ضمیروں کی غلط فہمی ہوئی ہے ظنوا میں مراد وہ لوگ ہیں جن کی طرف رسول بھیجے گئے یعنی ان کو اس قدر مہلت دیجاتی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ رسولوں نے جو عذاب کے وعدے ہمارے ساتھ کیے تھے وہ سب انھوں نے جھوٹ ہی کہا تھا اور رسولوں کے مایوس ہونے سے مراد صرف یہ ہے کہ جب ان کی تبلیغ کی طرف لوگوں نے توجہ ہی چھوڑ دی تو انھوں نے سمجھا کہ اب قطعاً ایمان نہ لائیں گے تو ایسے اوقات میں نصرت الٰہی آتی ہے اور فی الواقع نصرت الٰہی اس کا نام رکھا جاتا ہے جب اسباب کوئی باقی نہ رہیں اور چاروں طرف سے مایوسی ہی مایوسی نظر آتی ہو۔

(۱۳) سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ

آیاتها ۴۳ — رکوعاتها ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَ الَّذِيْٓ
اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَ لٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ①
اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ
تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ
الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ
مُّسَمًّى ؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ
لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ②

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
میں اللہ خوب جانتا اور دیکھتا ہوں ۔[۱] یہ کتاب کی آیتیں ہیں اور وہ جو تیرے
رب کی طرف سے اتارا گیا ہے ، حق ہے لیکن اکثر لوگ
نہیں مانتے ۔
اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بغیر ایسے ستونوں کے بلند
کیا جنھیں تم دیکھتے ہو ، پھر عرش پر قرار پڑا اور سورج اور چاند
کو کام پر لگایا ہر ایک ایک مقرر وقت تک چل رہا ہے ۔ وہ کاروبار
کی تدبیر کرتا ہے ، باتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب
کی ملاقات کا یقین کرو ۔[۳]

نمبر ۱ ۔ اس سورت کا نام الرعد ہے اور اس میں چھ رکوع اور تینتالیس آیتیں ہیں ۔ یہ نام اس لحاظ سے رکھا گیا ہے کہ وحی الٰہی کو قرآن شریف نے بار بار بارش سے تشبیہ دی ہے اور اس سورت میں بالخصوص یہ ذکر ہے کہ وحی الٰہی سے ہی مُردہ دل زندہ ہوتے ہیں جس طرح بارش سے مردہ زمین میں جان پڑ جاتی ہے اور بارش میں کڑک کو ان حملوں سے بھی تشبیہ دی ہے جو دشمن حق کے نیست و نابود کرنے کے لیے کرتے تھے اور اس سے مراد وہ مصائب بھی ہیں جو مخالفین حق پر آتی ہیں اور در حقیقت یہ مصائب اس تصادم کا نتیجہ ہوتے ہیں جو حق اور باطل کے درمیان ہوتا ہے ۔ اس سورت میں جہاں اسلام کی آخری کامیابی اور غلبہ کا ذکر ہے وہاں ان چھوٹے چھوٹے مصائب کا آنا اس آخری کامیابی کے لیے بطور نشان قرار دیا ہے اور اسی مناسبت سے اس کا نام الرعد رکھا ہے اس سے پہلی سورت میں جب حضرت یوسفؑ کے ذکر میں بتایا کہ آخر کار محمد رسول اللہ صلعم کے سامنے آپ کے دشمن اور آپ کے خلاف منصوبے کرنے والے کس طرح مغلوب ہوں گے تو اس میں حق کی آخری کامیابی اور اس کی وجوہات کو کھول کر بیان فرمایا اور یہ بھی بتایا کہ اس آخری غلبہ کے نشان کس طرح اب بھی ظاہر ہو رہے ہیں ۔

نمبر ۲ ۔ الٓمّٓرٰ کے معنی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ وَ اَرٰی ۔ گویا الٓمّٓ میں جو ان سورتوں کے شروع میں آتا ہے ۔ ر بڑھا دیا ہے جو اعلم کا قائم مقام ہے اور اس میں حق کو تباہ کرنیوالوں کی سزا کے ساتھ علمی رنگ میں ان کی آخری ناکامی اور نامرادی کے دلائل دیئے ہیں ۔ اسی لیے یہاں علم اور رویت دونوں صفات کو جمع کیا ہے ۔

نمبر ۳ ۔ رفع السمٰوٰت بغیر عمد ترونھا ۔ ابن عباسؓ اور مجاہدؒ سے یہ معنی مروی ہیں اور الفاظ بھی خود اسی معنی کو چاہتے ہیں کہ آسمانوں کو بلند رکھا ہُوا ہے بغیر ایسے ستونوں کے جنھیں تم دیکھتے ہو گویا آسمانوں اور زمین کے درمیان کوئی ایسے ستون ہیں جنھیں ہم نہیں دیکھتے یعنی ان کا باہم کوئی تعلق تو ہے مگر وہ ان آنکھوں سے نظر آنے کے قابل نہیں اور چونکہ یہاں ساری بحث ہی بعض تعلقات پر ہے جو آنکھوں سے نظر نہیں آتے جیسے سورج اور چاند کا تعلق یا جیسے زمین اور آسمان کا تعلق ، یا جیسے پہاڑوں اور دریاؤں کا تعلق ، رات اور دن کا تعلق وغیرہ ۔ اس لیے یہی معنی درست ہیں اور آج سائنس بھی اس بات پر شہادت دیتی ہے کہ ہر ایک نظام کے اندر وہ تعلقات موجود ہیں جو اس کو قائم رکھے ہوئے ہیں ۔ بغیر ان تعلقات کے جیسے کشش ثقل وغیرہ یہ نظام قائم نہیں رہ سکتا ۔ سو یہی وہ ستون ہیں جنھیں ہم نہیں دیکھتے ۔

قرآن شریف نے بڑی کثرت سے ظاہری امور کو امور باطنی کے لیے بطور شہادت پیش کیا ہے اور صحیفۂ قدرت کے نظاروں سے عالم روحانیت کے نظاروں

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ③	اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے، اور ہر قسم کے پھلوں سے اس میں دو دو (یعنی) جوڑے بنائے، وہ دن پر رات کا پردہ ڈالتا ہے اور اس میں اُن لوگوں کے لیے یقینی نشان ہیں جو فکر کرتے ہیں ۱
وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ ۫ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ④	اور زمین میں پاس پاس ٹکڑے ہوتے ہیں اور انگوروں کے باغ اور کھیتی اور کھجوریں ایک ہی جڑ سے کئی کئی نکلی ہوئیں اور الگ الگ جڑوں سے نکلی ہوئیں سب کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور ہم ان میں سے بعض کو بعض پر پھل میں فضیلت دیتے ہیں اس میں ان لوگوں کے لیے نشان ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں ۲
وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا	اور اگر تو تعجب کرے تو ان کا یہ کہنا جائے تعجب ہے کہ کیا جب ہم

کی طرف توجہ دلائی ہے سلفاءاللہ یا اللہ کی ملاقات یہ چاہتی ہے کہ انسان اور اس کے رب کے درمیان کوئی تعلق ہو جسے حاصل کیے بغیر نہ صرف انسان کمال کو ہی نہیں پہنچ سکتا بلکہ وہ سارا نظام ہی تباہ ہو جاتا ہے۔ اور مذہب کی اصل غرض اسی تعلق کی طرف توجہ دلانا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ مخلوق پر غور کرو وہاں تم بڑے سے بڑے اجرام میں ایک تعلق کو موجود پاؤ گے جس تعلق سے وہ اپنے وجود کی غرض کو پورا کر رہے ہیں اور جس کے قیام بغیر نظام عالم تباہ ہو جائے۔ پھر سورج اور چاند کے لفظ لا کر توجہ دلائی کہ کس طرح سورج کے نور کا اثر چاند قبول کرتا ہے حالانکہ چاند بالذات روشن نہیں اور یہ سوال کہہ کر توجہ دلائی کہ اس عالم کا سارا نظام کاروبار کی کل تدبیر اسی ایک اصول پر ہے کہ ایک چیز اثر ڈالتی ہے اور دوسری اثر قبول کرتی ہے۔ اسی طرح انسان کا بھی ذات باری سے ایک تعلق ہے جو گو آنکھوں سے نظر نہیں آتا مگر ان لوگوں کی زندگیوں میں نظر آتا ہے جو اس تعلق کو کمال کو پہنچاتے ہیں کہ کس طرح وہ عام انسانوں سے ممتیز ہو جاتے ہیں۔

نمبر ا۔ رفع سماوات کے مقابل یہاں مدالارض سے شروع کیا اور یوں آسمان اور زمین کے تعلق زوجیت کی طرف توجہ دلائی ہے پھر جس طرح وہاں سورج اور چاند میں یہاں پہاڑوں اور دریاؤں کا عجیب تعلق ہے کہ پہاڑ بادلوں کو کھینچتے ہیں اور یہاں پانی برستا ہے تو اس سے دریا بنتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ غور کرو تو معلوم ہوگا کہ تمام قسم کے پھلوں میں بھی جوڑے ہیں یہ بھی ایک حقیقت ہے جس کا آج ہی دنیا کو علم ہوا۔

نمبر ۲۔ جب یہ بیان کیا کہ انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے تو اب باوجود اس تعلق کے اختلافِ مراتب کی وجہ بیان فرمائی کہ یہ اختلاف خود اس استعداد سے بھی پیدا ہوتا ہے جو قبولیت کے لیے چیزوں میں ہے چنانچہ زمین تو ایک ہی ہے مگر اس کے مختلف قطعات کو دیکھو کہ پاس پاس قطعات ہوتے ہیں پھر ان میں سے بعض ایک قسم کے پھل کو اچھا اگاتے ہیں بعض دوسری قسم کے پھر باوجود اس کے کہ ایک ہی پھل ہو اور ایک ہی پانی ملا ہو ان کے ذائقوں میں اختلاف ہوتا ہے۔ اس میں مسئلہ تناسخ کی بھی تردید کر دی ہے کہ اگر انسانوں میں اختلاف مراتب ہے تو یہ اختلاف تقاضائے قدرت سے ہے بدون اس اختلاف کے دنیا رہ ہی نہیں سکتی یہاں تک کہ زمین کے مختلف قطعات میں بھی اختلاف ہے پس جن لوگوں نے محض اختلاف مراتب استعداد انسانی کو دیکھ کر یہ خیال کر لیا ہے کہ کسی پہلی زندگی کے اعمال کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے عقل سے کام نہیں لیا۔ ہاں اس اختلاف میں جو وحدت نظر آتی ہے وہ اس بات کی شہادت ہے کہ ایک ہی خالق کے ہاتھ سے یہ نکلی ہوئی چیزیں ہیں۔

تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ؕ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ
الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝٥

مٹی ہو جائیں گے تو پھر ایک نئی پیدائش میں آئیں گے۔
یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے رب کا انکار کرتے ہیں اور یہی ہیں
جن کی گردنوں میں زنجیریں ہیں اور یہی آگ والے ہیں
وہ اسی میں رہیں گے ؎۱

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ
وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ
رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ
وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝٦

اور بھلائی سے پہلے تجھ سے دکھ کی جلدی کر رہے ہیں
اور ان سے پہلے عبرت ناک مثالیں گزر چکی ہیں اور تیرا رب لوگوں
کو باوجود ان کے ظلم کے معاف کرتا رہتا ہے اور تیرا رب بدی
کی سزا دینے میں سخت (بھی) ہے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ
عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ
مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝٧ ع

اور جو کافر ہوئے وہ کہتے ہیں کہ اس پر اپنے رب کی طرف سے
نشان کیوں نہیں اتارا جاتا تو صرف ڈرانے والا ہے اور ہر قوم کے
لیے راہ دکھانے والا ہے ؎۲

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا
تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ
شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝٨

اللہ جانتا ہے جو ہر ایک مادہ حمل میں لیتی ہے اور جسے رحم
گھٹاتے ہیں اور جسے وہ بڑھاتے ہیں اور ہر ایک چیز اس کے ہاں
اندازہ سے ہے ؎۳

نمبر۱۔ تعلق باللہ کا کمال چونکہ زندگی بعد الموت میں حاصل ہوتا ہے اس لیے اب مضمون کا انتقال اس طرف کیا ہے اور اس زندگی بعد الموت کو خلق جدید یا ایک نئی پیدائش قرار دیا ہے وہ یہ زندگی ہے جسے دوسری جگہ صفائی سے فرمایا و ننشئکم فی ما لا تعلمون (الواقعۃ - ۶۱) یعنی ایسی زندگی تمہیں دیں گے جس کو تم نہیں جانتے اور اس دوسری زندگی کے منکروں کے متعلق فرمایا کہ ان کی گردنوں میں طوق ہیں یعنی جو لوگ لقاء اللہ کے منکر ہوتے ہیں ان کے قوائے روحانی نشوونما پانے سے رک جاتے ہیں جس طرح وہ شخص جس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیئے جائیں کاروبار سے رک جاتا ہے اور اس طرح رک جانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اصحاب النار ہیں گویا قوائے روحانی کے نشوونما سے جنت پیدا ہوتی ہے اور ان کے نشوونما کے رک جانے سے آگ پیدا ہوتی ہے اور یہی انسان کا دوزخ ہے۔

نمبر۲۔ آیت سے مراد یہاں وہی نشان ہلاکت ہے جس کی طرف پچھلی آیت میں بھی اشارہ ہے یستعجلونک بالسیئۃ یعنی حق کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ جو بڑھایا ولکل قوم ھاد تو مطلب یہ ہے کہ چونکہ آپ کو ہر قوم کا ہادی بنا کر بھیجا گیا ہے اس لیے وہ باتیں جن سے آپ ڈراتے ہیں وہ بھی ہر قوم کے لیے ہیں پس جو کوئی قوم بھی آپ کی مخالفت کرے گی اسی کے لیے یہ انذار بھی ہے۔

نمبر۳۔ پیچھے بھی اعمال کی جزاء و سزا کا ذکر ہے اور آگے بھی اور درمیان میں یہ ایک آیت ہے پس اس سے مراد صرف اس قدر لینا کہ اللہ کو یہ علم ہے کہ عورت کے پیٹ میں لڑکا یا لڑکی ہے اور مدت حمل آٹھ یا نو یا دس مہینے ہے درست نہیں بلکہ جس طرح پچھلے رکوع میں آسمان اور زمین کی اور ہر ہر شے میں ایک اثر ڈالنے والے اور ایک اثر قبول کرنے والے کی مثالیں دی تھیں۔ اسی طرح یہاں عورت کے حمل کو بطور ایک مثال کے بیان کیا ہے۔ گویا عمل کرنے والا بمنزلہ ایک مادہ کے ہے اور جو عمل وہ کرتا ہے وہ بطور حمل کے ہے جس طرح عورت کے پیٹ میں وہ چیزیں نظروں سے مخفی ہوتی ہیں جو اندر ہی اندر تیار ہو رہی ہیں اسی طرح اعمال کے نتائج نظروں سے مخفی ہوتے ہیں لیکن

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ⑨ | وہ غائب اور حاضر کا جاننے والا بہت بڑا بلند ہے۔

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ⑩ | برابر ہے تم میں جو چھپ کر بات کرے اور جو اُسے پکار کر کہے اور جو رات کو چھپ رہا ہو اور جو دن کو چل رہا ہو۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ⑪ | اس کے لیے اس کے آگے اور پیچھے (اعمال کا) پیچھا کرنیوالے ہیں جو اسے اللہ کے حکم سے محفوظ کر لیتے ہیں[1]۔ اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک کہ وہ اپنی حالت کو نہ بدلیں[2] اور جب اللہ کسی قوم کے لیے تکلیف کا ارادہ کرتا ہے تو وہ کسی طرح رد نہیں ہو سکتی اور ان کے لیے اس کے سوائے کوئی حمایتی نہیں۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ⑫ | وہی ہے جو تمہیں ڈرانے اور امید دلانے کو بجلی کی چمک دکھاتا ہے اور بھاری بادل اٹھاتا ہے۔

ایک صورت وہ اندر ہی اندر تیار کرتے جاتے ہیں۔ گویا وحی الٰہی اثر ڈالنے والی چیز ہے انسان اثر قبول کرنے والا ہے۔ اعمال جو اس اثر سے پیدا ہوتے ہیں وہ بمنزلہ حمل کے ہیں اور یہ جو فرمایا کہ بعض کو رحم تکمیل تک نہیں پہنچاتے اور بعض کو بڑھاتے ہیں تو یہی حالت اعمال میں ہے بعض وقت ایک انسان اچھے عمل کرتا ہے جن سے اچھے نتائج کی توقع ہونی چاہیئے مگر ایک مرتبہ کوئی ایسی آفت آجاتی ہے کہ وہ نتیجہ تکمیل پذیر ہونے سے رہ جاتا ہے۔

نمبر۱۔ معقبات ایک معنی کے لحاظ سے وہ فرشتے ہیں جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں اور دوسرے معنی کے لحاظ سے وہ جو انسان کے اقوال و افعال کا پیچھا کرتے ہیں یعنی انہیں محفوظ کرتے جاتے ہیں۔ پس یہ وہی ملائکہ ہیں جن کو دوسری جگہ کراماً کاتبین کہا ہے اور سیاق اور سباق کے لحاظ سے بھی ظاہر ہے کہ یہاں ذکر انسان کی بلاؤں سے حفاظت کا نہیں ہے بلکہ اس کے اعمال کی حفاظت کا ہے جیسا کہ اس سے پہلی آیت سے اور اگلے الفاظ لا یغیر ما بقوم سے ظاہر ہے۔ انہیں ملائکہ کو حافظ اور نگہبان کہا گیا ہے مثلاً ایک جگہ فرمایا ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید (ق ۵۰: ۱۸) کوئی بات منہ سے نہیں نکلتی مگر اس کے پاس ایک حفاظت کرنے والا تیار رہتا ہے اور دوسری جگہ ہے وان علیکم لحافظین کراماً کاتبین یعلمون ما تفعلون (الانفطار ۸۲: ۱۰-۱۲) تم پر حفاظت کرنے والے ہیں کراماً کاتبین وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو اور یہی مراد یحفظونہ من امر اللہ سے ظاہر ہے اور یحفظونہ میں ضمیر یا اس عمل کی طرف ہے جو انسان کرتا ہے اور یا خود کرنے والے انسان کی طرف ہے کہ اس کی حفاظت سے مراد اس کے اعمال کی ہی حفاظت ہے۔

نمبر۲۔ اعمال کی ذمہ داری کے احساس میں ہی شرف انسانیت ہے جس قدر انسان ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ اسی قدر اس میں اپنے اعمال کی ذمہ داری کا احساس زیادہ سے زیادہ پیدا ہوتا چلا جاتا ہے اور اس احساس ذمہ داری کو مذہب نے اور بالخصوص اسلام نے کمال تک پہنچا دیا۔ جب یہ قانون بنا دیا کہ کسی حال میں ہو ہر ایک عمل لکھ لیا جاتا ہے یعنی محفوظ کر لیا جاتا ہے اس لیے کوئی عمل بھی انسان کا بلا نتیجہ نہیں رہتا اس اصول کے تسلیم کرنے میں نسل انسانی کی حقیقی بہتری ہے اس لیے اس کے ساتھ ہی فرمایا کہ اگر کوئی قوم اپنی بہتری چاہتی ہے تو اس کے افراد اپنی حالت کو تبدیل کریں بدون اس کے قوم کی حالت بہتر نہیں ہو سکتی۔ آج مسلمان اس اصول کو فراموش کر کے ادھر اُدھر بھٹک رہے ہیں اور اپنے نفسوں کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

وَ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ
مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَ يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ
بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَ هُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ
وَ هُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾

اور گرج اس کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتی ہے اور فرشتے اس کے خوف سے اور وہ بجلیاں بھیجتا ہے پھر جس پر چاہتا ہے انہیں گراتا ہے اور وہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور وہ بڑی قوت والا ہے ؎۱

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا
كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَ مَا
هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَ مَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾

اسی کا حق ہے کہ اُسے پکارا جائے اور وہ جنہیں وہ اس کے سوائے پکارتے ہیں وہ ان کی دعا کو قبول نہیں کرتے۔ مگر اس شخص کی طرح جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلاتا ہے تاکہ وہ اس کے منہ تک آپہنچے اور وہ اس تک پہنچنے والا نہیں اور کافروں کی دعا ضائع ہی ہوتی ہے

وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ
طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾

اور جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں چار و ناچار اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں، اور اُن کے سائے بھی صبح اور شام (سجدہ کرتے ہیں) ؎۲

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ

کہہ کون آسمانوں اور زمین کا رب ہے؟ کہہ دے اللہ!، کہہ

نمبر۱۔ وحی الٰہی کو نزولِ باراں سے یہ مشابہت ہے کہ جس طرح بارش سے زمین کی مخفی طاقتیں کام کرنے لگ جاتی ہیں وحی الٰہی سے بھی انسانوں کی مخفی طاقتیں کام کرنے لگ جاتی ہیں اور ایک مردہ قوم میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے اور صاعقہ کے بھیجنے سے مراد یہ ہے کہ کچھ لوگ اُتنا جھگڑا کرکے اس کے تباہ کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔

نمبر۲۔ طوعاً و کرہاً سے مراد ہے کہ بہرحال اس کی فرمانبرداری کرتے ہیں جو برضا و رغبت فرمانبرداری نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا نہیں کرتے، وہ اس کا نتیجہ کسی سزا کے رنگ میں بھگتتے ہیں اور اسی کو کرہاً فرمانبرداری کہا ہے یہ بھی آخرکار سجدہ ہی ہے گو نقصان کے رنگ میں۔

ظلال یا سایوں کے سجدے سے کیا مراد ہے؟ اس کی تصریح خود قرآن شریف نے دوسری جگہ کر دی ہے اولم یروا الی ما خلق اللہ من شیء یتفیؤا ظلٰلہ عن الیمین والشمائل سجدا للہ وھم داخرون (النحل۔ ۴۸) مطلب یہ ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے قانون کے ماتحت چلتے ہیں تو انسان اس قانون سے باہر کیوں کر نکل سکتا ہے جب اس کا سایہ تک بھی قانون میں جکڑا ہوا ہے مگر آیا ظل یا سایہ سے مراد صرف انسان کا وہ سایہ ہے جو سورج کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے ظل عربی زبان میں بہت وسیع معنی میں استعمال ہوتا ہے اس کے معنی پردہ اور سواد اور کسی چیز کا اپنا وجود بھی مراد لے لیا جاتا ہے اور ظل کے معنی خیال اور حالت بھی ہیں۔

اور ظل کا لفظ دو حدیثوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے ایک میں ہے سبعۃ یظلھم اللہ فی ظلہ جہاں اللہ کے ظل سے مراد اس کی رحمت لی گئی ہے اور السلطان ظل اللہ فی الارض جہاں ظل اللہ کے معنی ستر اللہ یا خاصۃ اللہ لیے گئے ہیں اور دونوں حدیثوں سے ظاہر ہے کہ ظل سے مراد اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا ظہور لیا گیا ہے جس طرح سایہ کسی شخص کا ظہور ہوتا ہے پس ظلال کے ظاہر معنی لیتے ہوئے ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہاں ایک لطیف اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ انسان خود تو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری چار و ناچار اختیار کرتا ہی ہے مگر اس کی صفات کا جو ظہور اعمال کے رنگ میں ہوتا ہے جسے انسان کا ظل کہنا چاہیے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے قوانین کے ماتحت اور اس کا فرمانبردار ہے۔ یعنی انسان جیسا بھی چاہے عمل کرے وہ گو اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرے مگر جو وہ عمل کرتا ہے چونکہ اس پر نتیجہ پھر اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق مترتب ہوتا ہے اس لیے وہ اس کا ظل یا عمل یا اس کی صفات کا ظہور اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کرتا ہے اور ظل بمعنی حالت اوپر بیان ہو چکا یہ معنی اس کے مطابق ہیں اور میرے نزدیک حضرت ابن عباسؓ کی اس حدیث کے الکافر یسجد لغیر اللہ وظلہ یسجد للہ کے یہی معنی ہیں۔

قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ لَا
يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ
هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ۬
اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ۬
اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ
فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ
كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۶﴾
اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ
بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ
وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ
حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ
يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۬ؕ
فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا
يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ
كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿۱۷﴾

تو کیا تم اس کے سوائے حمایتی بناتے ہو، جو اپنے بھلے بُرے کے مالک نہیں، کہہ کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہیں، یا کیا اندھیرا اور روشنی برابر ہیں یا کیا انھوں نے اللہ کے کوئی ایسے شریک بنائے ہیں جنھوں نے (کچھ) پیدا کیا ہو، جیسے اللہ پیدا کرتا ہے پیدائش ان کی نظر میں مل جل گئی، کہدے اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ اکیلا ہے سب پر غالب ہے۔

وہ بادل سے پانی اتارتا ہے پھر نالے اپنے اپنے اندازے کے موافق بہ نکلتے ہیں پس سیلاب جھاگ کو اوپر اٹھا دیتا ہے، اور اس میں جسے آگ میں تپاتے ہیں، زیور یا اور سامان بنانے کے لیے اسی طرح جھاگ ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ حق اور باطل کی مثال دیتا ہے۔ سو جھاگ تو رائیگاں جاتا ہے اور وہ (پانی) جو لوگوں کو نفع پہنچاتا ہے، زمین میں ٹھیرا رہتا ہے۔ اسی طرح اللہ مثالیں بیان کرتا ہے ۲ۓ۔

نمبر۱۔ توحید کے مضمون کو جاری رکھا تاکہ لوگ صرف ایک اللہ سے تعلق پیدا کرنے کی کوشش کریں جس سے انسان کو فائدہ پہنچ سکتا ہے ایک انسان کو خدا سمجھ کر یا خدائی کا مرتبہ دے کر یا کسی اور چیز کو اپنا معبود بنا کر اور اس سے تعلق پیدا کر کے انسان کو حقیقتاً کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا اس لیے کہ یہ چیزیں تو خود اپنی ذات کے لیے بھی نفع نقصان کی مالک نہیں۔ آیت کے آخری حصہ میں خلق کو دلیل عبادت قرار دے کر فرمایا کہ جن کو معبود بناتے ہو کیا ان میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ اس نے کچھ پیدا کیا ہو خلقوا کخلقہ کی شرط اس لیے لگائی کہ انسان بھی تو دن رات چیزیں بناتے رہتے ہیں اور خلق یعنی اندازہ بھی کرتے رہتے ہیں مگر کیا اللہ تعالیٰ کی مخلوق جیسی بھی وہ کوئی چیز پیدا کر سکتے ہیں۔ ایک چیونٹی کیا ایک چیونٹی کا پاؤں بھی نہیں بنا سکتے۔ مسیح کو بھی اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا گیا ہے۔ جو مسلمان یہ مانتا ہے کہ آپ نے چمگادڑ بنائے تھے جو خدا کی مخلوق جیسی مخلوق ہے یا کوئی اور پرندے بنائے تھے جو خدا کی مخلوق سے مل گئے ہیں وہ عیسائیوں کے ہاتھ میں مسیح کی خدائی کی ایک دلیل دیتا ہے۔

نمبر۲۔ اس مثال کو اللہ تعالیٰ نے خود ہی واضح کر دیا کہ یہ حق اور باطل کی مثال ہے باطل ایک وقت اوپر نظر آتا ہے مگر وہ جھاگ کی طرح ہوتا ہے اور حق اس پانی کی طرح ہے جو لوگوں کو نفع دیتا ہے۔ بقدرہا میں یہ بتا دیا کہ جس طرح وادی اپنے قدر کے مطابق بارش کے پانی کو لیتی ہے اسی طرح ہر انسان اپنی استعداد کے مطابق وحی الٰہی سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ آج بھی باطل جھاگ کی طرح اوپر آیا ہوا ہے یہ جھاگ جاتا رہے گا اور حق رہ جائے گا۔

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَ الَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾

جنھوں نے اپنے رب کی بات مانی ان کے لیے بھلائی ہے اور جو اس کی بات نہیں مانتے اگر ان کے لیے وہ سب کچھ بھی ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی، تو وہ سب اپنے چھڑانے کو دے دیں ان کے لیے بُرا حساب ہے اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے ؁۱

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾

بھلا کیا وہ جو جانتا ہے کہ جو کچھ تیرے رب کی طرف سے تیری طرف اتارا گیا ہے سچ ہے۔ اس جیسا ہے جو اندھا ہے، عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ لَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿۲۰﴾

جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اقرار کو نہیں توڑتے۔

وَ الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَ يَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾

اور جو اُسے جوڑتے ہیں، جو اللہ نے حکم دیا ہے کہ جوڑا جائے اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور بُرے حساب کا خوف رکھتے ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً وَّ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾

اور جو اپنے رب کی رضا چاہتے ہوئے صبر کرتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور اس میں سے جو ہم نے دیا ہے، چُھپ کر اور ظاہر خرچ کرتے ہیں اور بُرائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں انہی کے لیے اس گھر کا انجام اچھا ہے ؁۲

نمبر۱- آخری آیت میں پھر تعلق باللہ کی طرف توجہ دلائی کہ اس کو بہتری ہے اور وہ بہتری جو اس ذریعہ سے حاصل ہو سکتی ہے وہ دنیا کے سامنے ان دولت سے حاصل نہیں ہو سکتی دنیا کا سارا مال بھی اکٹھا کیا جائے تو اخلاق فاضلہ کو پیدا نہیں کر سکتا۔

نمبر۲- ان تینوں آیتوں میں مومنوں کے اوصاف بیان کیے سب سے آخر میں فرمایا کہ وہ بُرائی کو بھلائی سے دور کر دیتے ہیں۔ یہ نہیں فرمایا کہ جو بُرائی کرتا ہے ضرور اس سے بھلائی کرتے ہیں کیونکہ بعض وقت بُرائی کی سزا دینی پڑتی ہے اور بُرائی کرنے والے کو تکلیف پہنچانی ضروری ہوتی ہے۔ یہ ناقص تعلیم انجیل کی مشہور پہاڑی وعظ میں ہے جو ایک وقتی تعلیم تھی۔ مگر جس پر دنیا ہمیشہ کے لیے کبھی بھی عامل نہیں ہو سکتی۔ ہر طمانچہ مارنے والا ایسا نہیں ہوتا کہ اس کے آگے دوسری گال کر دی جائے اس لیے اس کامل تعلیم میں یہ ہدایت فرمائی کہ بدی کو دور کرنا اصل غرض ہونی چاہیے۔ ہاں اسے بھلائی سے دور کرو۔ اس میں یہ بات بھی آگئی کہ تم سے کوئی بُرائی کرے تو تم اس سے نیکی کرو اور یہ بھی کہ بدی کا دور کرنا اصل غرض سمجھو پس جہاں نیکی کرنے سے بُرائی دور نہیں ہوتی تو اچھے طریقے سے اسے دور کرو۔ اور یہ بھی

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَ مَنْ صَلَحَ	ہمیشگی کے باغ جن میں وہ داخل ہوں گے اور وہ بھی) جو
مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ	ان کے ماں باپ سے اور ان کی بیویوں اور اولاد میں سے
وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿٢٣﴾	نیک ہوں اور فرشتے اُن پر ہر دروازے سے داخل ہوں گے ملہ
سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿٢٤﴾	تم پر سلامتی ہو اس لیے کہ تم نے صبر کیا سو کیا ہی اچھا اس گھر کا انجام ہے۔
وَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ	اور وہ جو اللہ کے عہد کو اس کے پکا کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور اسے
مِيْثَاقِهٖ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ	کاٹتے ہیں جو اللہ نے حکم دیا ہے کہ جوڑا جائے ، اور زمین
اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ	میں فساد کرتے ہیں یہی ہیں جن کے لیے لعنت ہے اور
اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿٢٥﴾	جن کے لیے (اس) گھر کا برا انجام ہے۔
اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ۭ	اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور
وَ فَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَ مَا الْحَيٰوةُ	(جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کرتا ہے اور لوگ دنیا کی زندگی پر خوش ہو جاتے
الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿٢٦﴾ ع	ہیں حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلہ میں صرف عارضی سامان ہے۔
وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ	اور جنہوں نے کفر کیا کہتے ہیں اس پر اس کے رب کی طرف سے نشان
عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ	کیوں نہیں اتار دیا جاتا۔ کہہ اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑتا ہے
يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿٢٧﴾	اور اسے اپنی طرف رستہ دکھاتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ	جو ایمان لاتے ہیں اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے اطمینان حاصل کرتے ہیں
اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴿٢٨﴾	سن رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان ملتا ہے ملہ

اس میں آجاتا ہے کہ اپنی طاقتوں کو نیکی پر لگا کر اپنی برائیوں کو دور کر دیتے ہیں۔

نمبر۱۔ باب دروازہ کو کہتے ہیں اور کسی چیز کا باب وہ ذریعہ ہے جس ذریعہ سے اس تک پہنچ سکیں اور یہاں راغب کے نزدیک من کل باب سے مراد ہے ہر ایک قسم کے خوش کرنے والی چیزوں سے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ ابواب جنت یا ابواب جہنم سے مراد وہ اسباب ہیں جو انسان کو جنت یا جہنم میں پہنچاتے ہیں۔ پس ملائکہ کا ہر باب سے ان پر داخل ہونا یہ ہے کہ جس قدر اسباب نیکی کے ہیں ان سب سے وہ بہرہ ور ہوتے ہیں۔

نمبر۲۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اطمینان قلبی میسر آتا ہے یہ ایک حقیقت ہے جسے تمام پاک لوگوں کی زندگیاں روشن کرتی ہیں کہ کس طرح مصائب کے اندر مشکلات کے اندر، ناکامیوں کے اندر، قید میں پڑ کر ان کے دلوں میں راحت ہوتی ہے اور اللہ کے ذکر کے سوا نے اطمینان قلبی میسر نہیں آتا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے جسے تمام طالبان دنیا کی زندگیاں اظہر من الشمس کرتی ہیں کہ کس طرح جب ملک پر ملک فتح ہوتا چلا جاتا ہے تو دل میں اور آگ بھڑکتی ہے اور جب خزانہ پر خزانہ حاصل ہوتا جاتا ہے، تو ہوس دنیا کی آگ اور تیز ہوتی جاتی ہے۔ نہ فتوحات نے اور نہ مال دنیا نے کسی شخص کے دل میں کبھی اطمینان پیدا کیا ہے اور چونکہ قلب انسانی کو جب تک اطمینان میسر نہیں آتا اس وقت تک وہ ترقی کے قابل نہیں ہوتا اور نہ اس کے وہ جوہر نشو و نما پاتے ہیں جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے اس لیے یہ بتا کر کہ صرف اللہ کے ذکر سے

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ (٢٩)

جو ایمان لاتے ہیں اور اچھے کام کرتے ہیں ان کے لیے انجام کار خوشحالی اور اچھا ٹھکانا ہے۔

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ (٣٠)

اسی طرح ہم نے تجھے ایک امت میں بھیجا ہے جس سے پہلے امتیں گزر چکی ہیں تاکہ تو ان پر وہ پڑھے، جو ہم نے تیری طرف وحی کی اور وہ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں۔ کہہ وہ میرا رب ہے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں، اسی پر میں نے بھروسا کیا اور اس کی طرف میرا رجوع ہے۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ

اور اگر قرآن ایسا ہوتا جس سے پہاڑ دور کر دیئے جائیں یا اس سے زمین کاٹ دی جائے یا اس کے ذریعہ سے مُردوں سے باتیں کی جائیں [1] بلکہ سب باتیں اللہ کے اختیار میں ہیں۔ تو کیا جو ایمان لاتے ہیں انھوں نے جان نہیں لیا کہ اگر اللہ چاہتا، تو سب ہی لوگوں کو ہدایت دیتا [2]۔ اور جنھوں نے کفر کیا انھیں اس کی وجہ سے جو وہ کرتے ہیں کوئی نہ کوئی مصیبت پہنچتی رہے گی، یا

ہی اطمینان قلب میسر آتا ہے توجہ دلائی ہے کہ قلب انسانی میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کر کے ایک انقلاب عظیم پیدا ہوتا ہے۔

نمبر۱- جبال۔ جبل کی جمع ہے یعنی پہاڑ۔ مگر یہ لفظ عظیم الشان انسانوں پر بھی بولا جاتا ہے بعض وقت ثبات کے معنی کے لحاظ سے جو اس میں پایا جائے الجبل سیّد القوم وعالمهم یعنی قوم کے سردار اور ان کے عالم کو جبل کہا جاتا ہے اور طاقتور آدمی کے لیے کہا جاتا ہے فلان جبل من الجبال وہ شخص پہاڑوں میں سے پہاڑ ہے۔
لَو کی جزا محذوف ہے ایسی صورتوں میں جواب اس لیے چھوڑ دیا جاتا ہے کہ سیاق کلام سے ظاہر ہوتا ہے اگر کوئی قرآن ایسا ہو سکتا ہے تو یہی ہے لکان ھذا القرآن اور دوسری جگہ صفائی سے فرمایا لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (الحشر ۲۱) بلکہ لله الامر جميعًا کہہ کر صاف بھی کر دیا کہ یہ سب باتیں اسی قرآن سے ہو جائیں گی۔ پہاڑوں کے دور کر دینے یا اپنی جگہ سے ہٹا دینے سے مراد ان عظیم الشان آدمیوں کا دور کر دینا ہے جو اس کی راہ میں روک ہو رہے تھے جیسا کہ لفظ جبل کی لغوی تشریح سے ظاہر ہے زمین کے کاٹنے سے مراد اس میں نہروں اور چشموں کا چلانا ہے اور مجازاً مراد علوم روحانی کی نہریں اور چشمے ہیں جیسا کہ اسی سورت میں وادیوں کے بقدر استعداد پانی کے لینے سے یہی مراد ہے اور مُردوں کے کلام سے مراد روحانی مُردوں کا زندہ ہونا ہے جس کو خود دوسری جگہ قرآن شریف نے فرمایا اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ (الانعام - ۱۲۲) اور اذا دعاكم لما يحييكم اور یہ کل کا بیان انما اسی لیے ہے کہ اگر کسی کو یہ خیال ہو کہ ایسا کمال ہو سکتا ہے تو یاد رکھو کہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں اور ہو کر رہیں گی یعنی نہ صرف قلوب انسانی میں (۲۸) انقلاب پیدا ہوگا بلکہ ظاہر میں بھی ایک انقلاب عظیم پیدا ہوگا۔

نمبر۲- یائس کے معنی یہاں تعلم کیے گئے ہیں۔ بعض نے کہا یہ معنی لغت ہوازن میں ہیں اور بعض کے نزدیک یہ مجاز ہے کیونکہ مایوس ہونے والے کو یہ علم ہوتا ہے کہ یہ بات نہیں ہوگی۔

تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَأْتِيَ
وَعْدُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝۳۱
وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ
فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۣ
فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۳۲
اَفَمَنْ هُوَ قَاۗىِٕمٌ عَلٰي كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا
كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ ۭ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۭ
اَمْ تُنَبِّــــُٔـوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ
اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۭ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ
كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَ
مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝۳۳

اُن کے گھر کے قریب اُترے گی، یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آجائے
اللہ وعدے کا خلاف نہیں کرتا ۱؎۔
اور تجھ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ ہنسی کی جاتی رہی۔ سو میں
نے کافروں کو مہلت دی، پھر انھیں پکڑا۔ سو میری
سزا کیسی تھی ۲؎۔
پھر کیا وہ جو ہر شخص پر اس کا کیا لیے کھڑا ہے (انھیں
سزا نہ دے گا) اور انھوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں،
کہہ اُن کے نام لو آیا تم اللہ کو جتاتے ہو جو زمین میں ہے وہ
نہیں جانتا، یا سرسری بات کرتے ہو جس کی کوئی حقیقت نہیں، بلکہ جو
کافر ہیں انھیں اپنی چال اچھی معلوم ہوتی ہے اور وہ رستے سے رُک گئے
اور جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں ۳؎۔

نمبر۱۔ قارعۃ۔ مصیبت کو کہا جاتا ہے یا سخت مصیبت کو اور یہاں قارعۃ کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد رسول اللہ صلعم کا کوئی سریہ ہے اور قیامت کو بھی القارعۃ کہا ہے۔

یہ کفار کے مطالبہ نشان کا جواب ہے جو دو دفعہ آچکا ہے اور اس لیے اس کی تفسیر میں یہی قول صحیح ہے کہ یہاں کفار سے مراد قریش اور عرب ہیں اور قارعۃ سے مراد لڑائیاں ہیں اور وعد اللہ سے مراد اسلام کا آخری غلبہ اور اس کی حکومت ہے جو فتح مکہ سے قائم ہوئی اور قریباً من دارھم میں یہ اشارہ ہے کہ وہ مصائب خواہ خود اُن مخالفین اسلام پر نازل ہوتی رہیں یا ان کے آس پاس نازل ہو کر ان کی تنبیہ کا موجب ہوتی رہیں اور تحل میں خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی ہو سکتا ہے یعنی تو ان کے گھر کے قریب نازل ہو جیسے حدیبیہ میں ہُوا۔

نمبر۲۔ یہاں کافروں کے استہزا کا ذکر اس لیے کیا کہ جب انھیں عذاب کا وعدہ دیا جاتا تھا تو وہ ہنسی کرتے تھے کہ یہ شخص جو کوئی طاقت نہیں رکھتا کوئی اس کی بات نہیں سنتا اس کے سامنے ہم ذلیل اور مغلوب ہوں گے۔

نمبر۳۔ من ھو قائم۔ قائم کے معنی یہاں حافظ ہیں کیونکہ قیام بمعنی مراعات بھی آتا ہے مراد ایسا شاہد یا دیکھنے والا ہے، جو اس عمل کو محفوظ بھی رکھتا ہو یعنی اس پر جزا و سزا مترتب کرتا ہو مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک شخص کو جو کچھ وہ کرتا ہے اس کی جزا یا سزا دیتا ہے کوئی عمل ضائع نہیں ہونے دیتا۔ یہ تو اللہ کی شان ہے اور انھوں نے اس کے شریک بنا رکھے ہیں۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ غور کرو کیا وہ شریک بھی کچھ لوگوں کے اعمال کی جزا و سزا دیتے ہیں کیا ان کو بھی تھوڑی سی بہت قدرت ہے کہ لوگوں کے اعمال کو دیکھیں پھر ان پر جزا و سزا مترتب کریں اور قائم علی کل نفس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ تم جو تدبیریں ہمارے رسول کے خلاف کر رہے ہو ہم انھیں بھی محفوظ کر رہے ہیں اسی کی وضاحت آیت کے آخر میں مکرھم میں موجود ہے۔ سموھم میں یہ مراد نہیں کہ ان کے نام کیا ہیں وہ بتاؤ مثلاً لات یا عزّیٰ بلکہ مراد یہ ہے کہ جن کو تم خدا کہتے ہو اُن کے متعلق حق امر کو ظاہر کرو۔ اور بتاؤ کہ ان اسماء کے معانی بھی ان میں پائے جاتے ہیں اور بعض نے یوں معنی کیے ہیں کہ وہ تو ذکر کے قابل ہی چیزیں نہیں ہیں۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۴﴾

ان کے لیے دنیا کی زندگی میں عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے اور کوئی انہیں اللہ کی سزا سے بچانے والا نہیں۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اُكُلُهَا دَاۗىِٕمٌ وَّظِلُّهَا ۭ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ڰ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾

جنت کی مثال جس کا وعدہ متقیوں کو دیا گیا ہے (یہ ہے) اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اس کے پھل ہمیشہ رہیں گے اور اس کی آسایش بھی یہ ان کا اچھا انجام ہے جو تقوےٰ اختیار کرتے ہیں۔ اور کافروں کا انجام آگ ہے ۱؎

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾

اور وہ جنھیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اس سے خوش ہوتے ہیں جو تیری طرف اتارا گیا اور کچھ فرقے اس کی بعض باتوں کا انکار کرتے ہیں ۲؎ کہہ مجھے صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ شریک نہ کروں اسی کی طرف میں بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا ٹھکانا ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع

اور اسی طرح ہم نے اسے اتارا فیصلہ عربی میں ۳؎ اور اگر تو ان کی خواہشوں کی پیروی کرے اس کے بعد جو تیرے پاس علم آگیا، تو تیرے لیے اللہ کے مقابلہ پر کوئی حمایتی نہ ہوگا اور نہ کوئی بچانے والا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾

اور ہم نے تجھ سے پہلے رسول بھیجے اور انھیں بیویاں اور اولاد بھی دی اور کسی رسول کے لیے نہ تھا کہ سوائے اللہ کے حکم کے نشان لاتا۔ ہر میعاد کے لیے ایک حکم معین ہے۔

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ ښ وَعِنْدَهٗٓ

اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے

نمبر۱- قرآن کریم اور حدیث صحیح نے بیان کر دیا ہے کہ جنت کی نعماء ایسی چیزیں ہیں جنھیں آنکھوں نے نہیں دیکھا اور کانوں نے نہیں سنا اور دل میں نہیں گزریں تو لازماً ان کا ذکر اس دنیا کی چیزوں کے رنگ میں بطور مثال سمجھانے کے لیے ہے اور اسی لیے قرآن شریف نے ان کے لیے یہاں اور سورۂ محمدؐ ۵ میں مثل کا لفظ استعمال کیا ہے جو اپنے اسی معنی پر ہے اور اس لفظ کے اختیار کرنے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ لازمی بات ہے کہ یہ نعماء کسی نہ کسی رنگ میں اس عالم میں بھی ان لوگوں کو ملیں جنھوں نے حق کو قبول کیا ہے مگر وہ نتائج عملی رنگ اختیار نہیں کرتے جب تک کہ قبولیت حق عمل میں نہ آئے۔

نمبر۲- الذین اتینھم الکتاب سے مراد اصحاب نبی یا مومن ہیں اور احزاب سے مراد یہود و نصاریٰ۔

نمبر۳- عربی سے مراد یہاں واضح لیا گیا ہے۔

أُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾

اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے ۔ ع۱

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ
نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا
الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾

اور اگر ہم تجھے وہ بعض باتیں دکھا دیں جو اُن سے وعدہ کرتے ہیں یا تجھے وفات دے دیں تو تجھ پر صرف پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے ۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا
مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ
لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾

اور کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں اور اللہ فیصلہ کرتا ہے کوئی اس کے فیصلہ کو رد کرنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے ۔ ع۲

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ
الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ
نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾

اور ان لوگوں نے بھی (حق کے خلاف) تدبیریں کیں جو ان سے پہلے تھے مگر سب تدبیر اللہ کے اختیار میں ہے وہ جانتا ہے جو ہر شخص کماتا ہے ۔ اور کافر جان لیں گے کہ اس گھر کا اچھا انجام کس کے لیے ہے ۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ
كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ۙ

اور کافر کہتے ہیں تو بھیجا ہوا نہیں کہہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے ۔

نمبر۱ - یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت سے اس بات پر بھی شہادت ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنی قضا و قدر کو بھی ٹال دے اور یہی حق ہے واللہ غالب علی امرہ (یوسف۔۲۱) میں اس طرف اشارہ ہے ۔ چنانچہ اگلی آیت میں یہ صاف فرما بھی دیا کہ بعض عذاب جن کا وعدہ دیا جاتا ہے ہم چاہیں تو دور بھی کر دیں اور عذاب کا وعدہ کر کے اس کا نہ لانا اللہ تعالیٰ کے وسیع عفو و کرم کا نتیجہ ہے جو انسان کے حیطۂ خیال سے باہر ہے وہ کسی حالت میں بھی انسان کو مایوس نہیں ہونے دیتا ۔ ام الکتاب سے مراد علم الٰہی ہے ۔

نمبر۲ - ہم زمین کے کناروں کو گھٹاتے چلے آتے ہیں یعنی اُن کے بڑے بڑے آدمیوں کو کم کرتے چلے آتے ہیں اور دُور دُور اطراف عرب میں اسلام کا چرچا شروع ہو گیا ہے اور یہ کم کرنا صرف ان کی موت سے نہ تھا بلکہ ان کے مسلمان ہو جانے سے عظیم ترین کامیابی اسلام کی جو اس زمانہ سے خاص تعلق رکھتی ہے ۔ مدینہ میں اسلام کا پھیل جانا اور بعض اور جوانب میں اس کی قبولیت کے آثار کا ظاہر ہونا ہے اور یہی ظاہر طور پر زمین کی اطراف کا گھٹتا چلا آنا تھا اور یہ اسلام کا معجزہ تھا کہ جس قدر اس کی مخالفت بڑھتی چلی جا رہی تھی اسی قدر دلوں پر اس کا اثر زیادہ ہوتا چلا جاتا تھا اور اسی قدر وہ اسباب پیدا ہوتے چلے جاتے تھے جن سے اس کا چرچا دور دور پھیلتا جاتا تھا اور دوسری جگہ فرمایا افلا یرون انا ناتی الارض ننقصها من اطرافها افهم الغالبون (الانبیاء۔۴۴) یعنی یہ زمین میں اسلام کی قبولیت کا پھیلتے جانا کفر کے غلبہ کا نشان نہیں بلکہ اس کی مغلوبیت کا نشان ہے جس سے صاف معلوم ہوا کہ یہاں بھی کفر کی آخری مغلوبیت کی طرف ہی توجہ دلائی ہے درحقیقت حق کے آخری غلبہ کی اس سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں ہو سکتی کہ دشمنوں کے دلوں پر وہ اثر پیدا کر دیتا ہے کاش آج بھی مسلمان دیکھتے کہ کس طرح اسلام اور محمد رسول اللہ صلعم کی صداقت یورپ کے دلوں کو کھا تی جا رہی ہے اور اس نشان سے سبق حاصل کر کے اپنا زور ان لوگوں کو مسلمان بنانے پر لگاتے اور مایوسی کو اپنے پاس نہ آنے دیتے ۔

وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ — اور جس کے پاس کتاب کا علم ہے[1]۔

اٰيَاتُهَا ۵۲ — (۱۴) سُوْرَةُ اِبْرٰهِيْمَ مَكِّيَّةٌ — رُكُوْعَاتُهَا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ — میں اللہ دیکھنے والا ہوں - (یہ) کتاب (ہے) جو ہم نے تیری طرف اتاری تاکہ تو

النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ — لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لیجائے۔

بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۱﴾ — اس کے رستہ کی طرف جو غالب تعریف کیا گیا ہے[2]۔

اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ — اللہ کی طرف جس کے لیے سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور

وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ﴿۲﴾ — جو زمین میں ہے اور کافروں پر سخت عذاب کی وجہ سے افسوس ہے۔

الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى — جو دنیا کی زندگی کو آخرت پر پسند کرتے ہیں اور اللہ کی راہ

الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ — سے روکتے ہیں - اور اس میں ٹیڑھا پن ڈھونڈتے ہیں۔

وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۳﴾ — یہی پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں[3]۔

نمبر۱- اللہ کی گواہی عملی رنگ میں ظاہر ہوتی ہے - یہی پیشگوئیاں جو اس قدر صفائی سے ان کو سنائی جاتی تھیں جب اپنے وقت پر آکر پوری ہوئیں تو سب عرب کی گردنیں اسلام کے سامنے جھک گئیں - چونکہ اللہ تعالیٰ کی شہادت انہی پیشگوئیوں میں مذکور تھی اس لیے ساتھ ان لوگوں کا نام بھی بڑھا دیا جن کے پاس کتاب یعنی قرآن کریم اور اس کی ان پیشگوئیوں کا علم تھا - من عندہ علم الکتاب سے یہی مراد ہے۔

نمبر۲- اس سورت کا نام ابراہیم ہے اور اس میں سات رکوع اور ۵۲ آیات ہیں اس سورت میں اعدائے رسل کے رسولوں کو دُکھ دینے اور گھروں سے نکالنے اور رسولوں کی آخری کامیابی کا عام ذکر ہے مگر اس کے چھٹے رکوع میں حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کا ذکر ہے جو آپ نے مکّہ اور اہل مکّہ کے لیے کی تھی اور جس دعا میں یہ ذکر ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کو ایک خاص غرض کے لیے خانہ کعبہ کے قریب ایک وادی غیر ذی زرع میں چھوڑا گیا - اور یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ان کا اس طرح چھوڑا جانا سلسلہ نبوت میں ایک پُر حکمت فعل تھا - کیونکہ آخر اسی دُور افتادہ شاخ سے اور اسی بے آب گیاہ میدان سے توحید کا وہ چشمہ پھوٹنا تھا جس نے ساری دنیا کو سیراب کرنا تھا اس لحاظ سے اس سورت کا نام ابراہیم رکھا گیا۔

نمبر۳- ظلمات سے مراد جہالت - شرک او فسق کو لیا جاتا ہے جیسا کہ نور سے مراد انہی باتوں کی ضد ہوتی ہے پس ظلمات سے نور کی طرف لے جانے سے مراد ہے کہ ہر قسم کی جہالت توہمات اور فاسد اعتقادات سے نکال کر صحیح علم اور صحیح خیالات کی طرف لے جائے۔

قرآن شریف کے نازل کرنے کی غرض لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لانا ہے بالفاظ دیگر توہم پرستی اور جہالت کو دُور کر کے علم صحیح اور خیالات صحیحہ کا دنیا میں پھیلانا اور یہاں الناس کا لفظ لا کر اور آیت ۵ میں حضرت موسٰیؑ کی وحی کی یہی غرض قرار دیکر مگر قوم کا لفظ لا کر دونوں نبیوں کی مماثلت کو ظاہر کرتے ہوئے فرق بھی بتا دیا ہے کہ ایک کی غرض صرف اپنی قوم تک محدود تھی اور دوسرے کا پیغام تمام لوگوں کے لیے ہے اور یہاں اس راہ کو عزیز و حمید کی راہ قرار دیکر بتا دیا کہ یہی صفات اس کے بندوں میں بھی پیدا ہو جائیں گی۔

نمبر۴- استحباب ایک چیز کو دوسری پر ترجیح دینا یا ایک سے بڑھ کر دوسری سے محبت کرنا ہے - پس دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دینا یا اس سے آخرت سے بڑھ

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ
لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَ
يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۴﴾

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اپنی قوم کی زبان میں
تاکہ انھیں کھول کر بتا دے، پھر اللہ جسے چاہتا ہے گمراہ ٹھہرا
دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے وہ غالب حکمت والا ہے ۱ـ

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ
قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ
وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۵﴾

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتوں کے ساتھ بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیرے
سے روشنی کی طرف نکال لا۔ اور ان کو اللہ (کی نعمتوں) کے
دن یاد دلا، یقیناً اس میں ہر ایک صبر کرنے والے شکر
کرنے والے کے لیے نشان ہیں۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ
يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَ يُذَبِّحُوْنَ
اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ
ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۶﴾

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کو کہا اللہ کی نعمت کو یاد کرو (جو)
تم پر ہوئی ہے، جب اس نے تمھیں فرعون کی قوم سے چھڑایا
جو تمھیں سخت عذاب دیتے تھے اور تمھارے بیٹوں کو مار
ڈالتے اور تمھاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں
تمھارے رب کی طرف سے بڑی بھاری آزمایش تھی۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ
وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ﴿۷﴾

اور جب تمھارے رب نے بتا دیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمھیں زیادہ دوں گا
اور اگر ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بھی سخت ہے ۲ـ

کر محبت رکھنا کافروں کا کام ہے اور اس کا نتیجہ وہ سب کچھ ہوتا ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ آج مسلمانوں کی سب سے بڑی بیماری یہی دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا ہے یعنی فوائد دنیوی کی فوائد دینی سے بڑھ کر پیدا کرنا اور فوائد دنیوی کی خاطر فوائد دینی کو قربان کر دینا آج سب قومیں قومی فوائد کے لیے ایثار کرتی ہیں۔ جب تک مسلمانوں میں قربانی کی روح پیدا نہیں ہوگی اس وقت تک ان میں زندگی کے آثار کبھی پیدا نہیں ہو سکتے۔

نمبر۱۔ عیسائی معترضین کہتے ہیں کہ یہاں جو اصول بیان کیا گیا ہے اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ آنحضرت صلعم صرف عرب کی طرف مبعوث ہوئے تھے کیونکہ آپ کی زبان عربی تھی اور ایسے قطعی نتیجہ لیا جاتا ہے یہاں یہ فرمایا کہ ہر ایک نبی اپنی قوم کی زبان میں ہی بھیجا جاتا ہے یہ نہیں فرمایا کہ ہر ایک نبی صرف اپنی ہی قوم کی طرف مبعوث ہوتا ہے اور یہ دو بالکل جدا باتیں ہیں۔ آنحضرت صلعم کی قوم عرب تھی مگر آپ کی بعثت عرب اور عجم دونوں کی طرف تھی، جیسا کہ قرآن کریم نے بار بار فرمایا ہے کہ آپ کو کافۃ للناس (۳۴: ۲۸) بھیجا گیا اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ کی بعثت اسود اور احمر سب کی طرف تھی۔ ہاں یہ سچ ہے کہ پہلے تمام انبیاء ایک ایک قوم کی طرف ہی بھیجے گئے جیسا کہ ہر نبی کا ذکر کر کے فرمایا کہ وہ الی قومہ بھیجا گیا یعنی اپنی قوم کی طرف یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق فرمایا ورسولاً الی بنی اسرائیل (۳: ۴۹) مگر آنحضرت صلعم کی نسبت کہیں نہیں فرمایا کہ آپ کو عرب کی طرف یا صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا گیا بلکہ سب سے پہلی آیت میں ہی یہ فرق ظاہر کر دیا ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ نبی صلعم نے اپنی قوم کو تیار کیا کہ وہ آپ کا پیغام تمام دنیا میں پہنچائے۔

نمبر۲۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ایک عام قانون بیان فرمایا ہے کہ جب نعمت کے لیے انسان شکر کرتا ہے تو وہ اور زیادہ ملتی ہے اور ناشکری کا نتیجہ دکھ ہے۔ شکر نعمت عملی رنگ میں یہ ہے کہ حصول نعمت کے لیے جو اسباب اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں ان سے فائدہ اٹھائے یہ قانون جسمانی اور روحانی دونوں نعمتوں پر یکساں حاوی ہے

وَقَالَ مُوسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۸	اور موسیٰ نے کہا اگر تم اور جو زمین میں ہیں سب کے سب انکار کرو تو اللہ یقیناً بے نیاز تعریف کیا گیا ہے ۱؎
اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ڛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ڔ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۭ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۹	کیا تمھارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی، جو تم سے پہلے تھے (یعنی) نوحؑ کی قوم اور عاد اور ثمودؑ کی۔ اور ان کی جو اُن کے پیچھے ہوئے، انھیں اللہ کے سوائے کوئی نہیں جانتا، ان کے رسول کھلی دلائل لے کر آئے تو انھوں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں ڈالے اور کہا ہم اس کا انکار کرتے ہیں جو تمھیں دیکر بھیجا گیا ہے اور یقیناً ہمیں اس کے بارے میں سخت شک ہے جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ۲؎
قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۱۰	ان کے رسولوں نے کہا کیا اللہ میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے وہ تمھیں بلاتا ہے تاکہ تمھارے قصور تمھیں بخش دے اور تمھیں ایک مقرر وقت تک مہلت دے۔ انھوں نے کہا تم بھی ہمارے جیسے انسان ہو۔ تم چاہتے ہو کہ ہمیں اس سے روک دو جس کی ہمارے باپ دادا عبادت کرتے تھے تو ہمارے سامنے کوئی کھلی سند لاؤ ۳؎

نمبر۱۔ مطلب یہ ہے کہ کفر (انکار یا ناشکری) سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑتا۔ کسی کے شکر کرنے سے یا ایمان لانے سے اللہ تعالیٰ کو فائدہ نہیں پہنچتا اور نہ ناشکری اور کفر سے اس کا کچھ بگڑتا ہے اس لیے کہ وہ غنی ہے یعنی اسے کسی کی احتیاج نہیں اور اس کی حمد میں بھی اس سے فرق نہیں آتا۔ زمین میں اللہ تعالیٰ نے طاقت رکھی ہے کہ وہ بیج کو نشوونما دے اس نعمت کا شکر یہ ہے کہ زمین میں بیج ڈالا جائے۔ قلب انسانی میں طاقت رکھی ہے کہ وحی اسی کے اثر سے اس کی مخفی قوتیں بڑھیں اس نعمت کا شکر اس وحی کی قبولیت ہے جو اس طرح پر قدر کرتا ہے وہ فائدہ اٹھاتا ہے جو نہیں کرتا اس کا انجام محرومی اور دکھ ہے۔

نمبر۲۔ ردّوا ایدیھم فی افواھھم اس کے معنے تین طرح پر ہو سکتے ہیں۔ منکروں نے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں میں ڈالے گویا غیظ و غضب سے اپنے ہاتھ کاٹے جیسا کہ دوسری جگہ ہے عضوا علیکم الانامل من الغیظ (آل عمران۔ ۱۱۸) یا اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر رکھے گویا خاموشی کی طرف اشارہ ہے یا اپنے ہاتھ نبیوں کے مونہوں میں ڈالے۔ گویا انھیں خاموش کرنا چاہا اور ردّ کا استعمال یہ ظاہر کرنے کو ہے کہ وہ بار بار ایسا کرتے رہے۔ یہاں بیان کو حضرت موسیٰؑ کے ذکر سے توڑ کر عام کر دیا ہے اور پھر فرمایا کہ اتنی قومیں ہوئی ہیں جنھیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا گویا ان کی تاریخ بھی محفوظ نہیں رہی۔ انہیں الفاظ کی بنا پر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ نساب یعنی وہ لوگ جو سلسلہ نسب حضرت آدمؑ تک پہنچایا کرتے ہیں جھوٹ بولتے ہیں۔

نمبر۳۔ سلطان کے معنی ہیں ایسی دلیل جو دلوں کو پکڑے اور ان پر غالب آ جائے۔ پہلی آیت میں رسولوں کا بیّنات یعنی کھلے دلائل کے ساتھ آنا بیان کیا تھا۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ
مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ
مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ
بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾
وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا
سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾
وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ
مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ
فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾
وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِهِمْ ؕ
ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾
وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾

ان کے رسولوں نے انھیں کہا کہ ہم تمھارے جیسے ہی انسان ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے اور یہ ہمارا کام نہیں کہ ہم تمھارے پاس سوائے اللہ کے حکم کے کوئی سند لائیں۔ اور چاہیئے کہ مومن اللہ ہی پر بھروسا کریں۔

اور کیوں کر ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ پر بھروسا نہ کریں اور اسی نے ہمیں سارے رستوں کی ہدایت کی ہے اور ضرور ہم اس پر صبر کریں گے جو تم ہمیں ایذا دیتے ہو اور چاہیئے کہ اللہ پر بھروسا کرنیوالے اللہ پر ہی بھروسا کریں۔

اور جو کافر تھے انھوں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم تمھیں اپنے ملک سے نکال دیں گے یا تمھیں ہمارے مذہب میں آجانا ہوگا۔ سو ان کے ربّ نے ان کی طرف وحی کی کہ ہم یقیناً ظالموں کو ہلاک کردیں گے۔

اور یقیناً ہم ان کے بعد تمھیں زمین میں آباد کریں گے۔ یہ اس کیلیے ہے جو میرے سامنے کھڑا ہونے سے اور میرے (عذاب کے) وعدے سے ڈرتا ہے[1]۔

اور انھوں نے فیصلہ چاہا اور ہر ایک سرکش باغی نامراد ہوا[2]۔

یہاں ان کے مخالف سلطان کا مطالبہ کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حق کے غالب ہوجانے کا مطالبہ کرتے ہیں جیسا کہ انھیں کہا جاتا تھا اہل باطل کا عذر ہمیشہ ایک ہی رہا ہے جس بات کی طرف بلایا جاتا ہے اس کی پروا نہیں تعلیم کو نہیں دیکھتے کہ وہ انسان کو کس مقام پر پہنچاتی ہے لکیر کے فقیر رہنے کو ترجیح دیتے ہیں جن باتوں کو ہمارے بزرگ اچھا سمجھتے تھے انھیں کیوں ترک کریں۔

نمبر۱۔ یہاں مقامی کے معنی میرا قیام یعنی میرا حفظ اعمال کے ساتھ قائم ہونا بھی ہو سکتے ہیں یا میرا عدل و انصاف پر قائم ہونا۔ اور اس کے معنی میرا موقف یعنی میرے حضور سب انسانوں کے کھڑا ہونے کی جگہ بھی ہو سکتے ہیں۔

سب رسولوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قانون ایک ہی رہا ہے۔ آخری کامیابی سب کو ملتی ہے۔ مگر اس زمانہ میں سے بھی سب کو گذرنا پڑتا ہے جب باطل کی قومیں پورے زور پر ہوتی ہیں۔ اس وقت رسولوں کو وعدہ دیا جاتا ہے کہ حق کو مٹانے کی کوشش کی جاتی ہے مگر وہ ضرور غالب آئے گا اور باطل کو نیست و نابود کردیا جائے گا۔ آیت ۱۳ میں ارضنا سے مراد خاص وہ ملک ہے جہاں مخالفین کا غلبہ ہے مگر آیت ۱۴ میں الارض وسیع ہے حق کو قائم کردیا جائے گا خواہ کہیں ہو اسی جگہ پر واپس لانے کا وعدہ رسول اللہ صلعم سے خاص تھا۔ لرادك الى معاد (القصص - ۸۵)

نمبر۲۔ استفتحوا۔ استفتاح فتح سے ہے جس کے معنی زنجیروں بیڑیوں کا دور کرنا ہیں یعنی کھولنا اور یہ جسمانیات پر بھی بولا جاتا ہے یعنی جو چیزیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں اور علوم وغیرہ پر بھی یعنی جو بصیرت سے تعلق رکھتی ہے اور استفتاح کے معنی طلب الفتح بھی ہو سکتے ہیں اور طلب الفتاح بھی۔ یعنی فتح چاہنا یا فیصلہ چاہنا استفتاح انبیاء بھی کرتے ہیں جیسے ربنا افتح بيننا وبين قومنا بالحق (الاعراف ۸۹) سے ظاہر ہے اور ان کے مخالف بھی جیسے ربنا عجل لنا قطنا (ص ۱۶)

مِّنْ وَّرَآىِٕهٖ جَهَنَّمُ وَ يُسْقٰى مِنْ	اس کے سامنے دوزخ ہے اور اُسے کھولتا ہُوا پانی
مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾	پلایا جائے گا ؎۱
يَّتَجَرَّعُهٗ وَ لَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَ يَاْتِيْهِ	وہ اسے گھونٹ گھونٹ پیئے گا اور اُسے گلے سے نہیں اتار
الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ	سکے گا اور ہر طرف سے اُسے موت آرہی ہوگی اور وہ مرے گا نہیں
بِمَيِّتٍ ؕ وَ مِنْ وَّرَآىِٕهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾	اور اس کے سامنے سخت عذاب ہوگا ؎۲
مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ	ان لوگوں کی مثال جو اپنے رب کا انکار کرتے ہیں (یہ ہے کہ) اُن کے عمل
كَرَمَادِ ِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ	راکھ کی طرح ہیں، جس پر آندھی کے دن ہُوا زور سے چلے
عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى	جو کچھ انھوں نے کمایا تھا، اس میں سے کوئی چیز ان کے ہاتھ نہ
شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۸﴾	آئے گی۔ یہ پرلے درجہ کی گمراہی ہے ؎۳
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ	کیا تو غور نہیں کرتا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا
بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ يَاْتِ	کیا، اگر وہ چاہے تو تمھیں لے جائے اور نئی مخلوق
بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۹﴾	لے آئے ؎۴

فاتنا بما تعدنا (اعراف۔۷۰) اور جنگ بدر کے لیے جب قریش نکلے ہیں تو اس وقت ابوجہل نے بھی دعا کی تھی۔

نمبر۱۔ صدید۔ صَدّ اور صدود کسی چیز سے روکنا یا رُکنا ہے اور صدید پیپ وغیرہ کو کہا جاتا ہے جو چمڑے اور گوشت کے درمیان حائل ہو اور یہ دوزخیوں کے طعام کے لیے بطور مثال بیان کیا گیا ہے اور صدید اس گرم پانی کو بھی کہا جاتا ہے جو اُبالا گیا ہو۔ یہاں تک کہ گاڑھا ہو جائے اور تلچھٹ کو بھی۔

نمبر۲۔ جب استفتاح کا نتیجہ یہ فرمایا کہ حق کو نابود کرنے کی کوشش کرنے والے نامراد ہو جائیں گے تو اس عذاب دنیا کے بعد عذاب جہنم کا ذکر کیا۔ موت کا لفظ کئی معنی میں آتا ہے اور لسان العرب میں ہے کہ کبھی استعارۃً احوال شاقہ پر بھی بولا جاتا ہے اور یہاں مراد وہ دکھ اور مصائب ہیں جو موت تک پہنچا دیتے ہیں مگر چونکہ موت وہاں نہیں ہے اس لیے وہ مرتا نہیں لا یموت فیہا ولا یحییٰ (طٰہٰ۔ ۷۴) موت کی مصیبت سخت ترین مصائب ہے لیکن فی الواقع موت کے آجانے کے بعد چونکہ انسان ان مصائب سے ہمیشہ کے لیے نجات پا جاتا ہے اس لیے فرمایا موت جیسی مصائب ہر طرف سے آتی رہیں گی مگر خود موت نہیں آئے گی جو ان مصائب کے سلسلہ کو منقطع کرے من ورائه کے معنی آگے اور پیچھے دونوں ہو سکتے ہیں اس لیے من ورائه عذاب غلیظ میں عذاب دنیا کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔

نمبر۳۔ کفار کے اعمال سے مراد یہاں ان کے وہ اعمال معلوم ہوتے ہیں جو وہ حق کے نیست و نابود کرنے کے لیے کرتے ہیں ان کی تمام زبردست کوششوں کو ایک راکھ کے ڈھیر سے تشبیہ دی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نصرت کو ایک زبردست ہوا سے جس کے آتے ہی وہ تمام کوششیں رائیگاں ہو جائیں گی اور فی الحقیقت سب کچھ نبی کریم صلعم کے مخالفین کو سمجھایا ہے کہ جتنا زور چاہو لگا لو، اللہ تعالیٰ کی زبردست نصرت کے سامنے تمھاری تمام طاقت اور ساری کوششیں ایک راکھ کے ڈھیر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔

نمبر۴۔ آیت کے دونوں حصوں میں کیا تعلق ہے حق کے ساتھ زمین و آسمان کو پیدا کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہر فعل ایک نتیجہ پیدا کرتا ہے اس لیے انسانوں کے افعال بھی بلا نتیجہ نہیں رہ سکتے اور ایک قوم کے اعمال و افعال ہی اس کے زوال کا موجب ہوتے ہیں اس لیے جب قوم کے عمل بد ہو جاتے ہیں تو اس قوم کو تباہ کرکے دوسری قوم اس کی جگہ لائی جاتی ہے۔

وَّ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿٢٠﴾
وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا
لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ
اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ
شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ
سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا
ع لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿٢١﴾
وَ قَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ
وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ
وَ مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ
دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ
وَ لُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ
وَ مَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ
اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٢﴾

اور یہ اللہ پر کچھ بھی مشکل نہیں۔
اور سب اللہ کے سامنے نکل کھڑے ہوں گے۔ تب کمزور انھیں جو متکبر تھے۔ کہیں گے ہم تمھارے پیرو تھے، تو کیا آج تم کچھ اللہ کا عذاب ہم سے دُور کر سکتے ہو؟ وہ کہیں گے اگر اللہ ہمیں راہ دکھاتا تو ہم تمھیں راہ دکھاتے ہمارے لیے برابر ہے کہ ہم واویلا کریں یا صبر کریں، ہمارے لیے کوئی گریز کی جگہ نہیں۔
اور جب بات کا فیصلہ ہو جائے تو شیطان کہے گا اللہ نے تمھیں سچا وعدہ دیا تھا اور میں نے تمھارے ساتھ وعدہ کیا تو تم سے وعدہ خلافی کی اور میرا تم پر کوئی غلبہ نہ تھا[1] مگر میں نے تمھیں بلایا تو تم نے میری بات مان لی، سو مجھے ملامت نہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو۔ نہ میں تمھاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریاد رسی کر سکتے ہو۔ میں اس کا انکار کرتا ہوں جو تم نے پہلے مجھے شریک بنایا[2] ظالموں کے لیے دردناک دکھ ہے۔

نمبر ۱۔ اس آیت میں یہ دو باتیں قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہوتے ہیں اور شیطان کے وعدے جھوٹے اور اس کا نظارہ ہم اس دنیا میں بھی دیکھتے ہیں کہ نیکی پر خوشی کا وعدہ جو اللہ تعالیٰ دیتا ہے ہمیشہ سچا ثابت ہوتا ہے اور بدی پر خوشی کا وعدہ جو شیطان دیتا ہے ہمیشہ جھوٹا ثابت ہوتا ہے اور جو لوگ بد صحبت میں بیٹھ کر برباد ہوتے ہیں وہ بھی جانتے ہیں کہ جس جس شیطان نے جو جو کہہ کر ان کو بدی کی طرف مائل کیا تھا وہ آخر کار سب جھوٹ نکلا۔ دوسری بات یہ ہے کہ شیطان کا نیکوں پر تو کیا بدوں پر بھی کوئی تسلط نہیں۔ وہ صرف ایک تحریک ہوتی ہے جو انسان اپنی بدبختی سے جھٹ پٹ قبول کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر شیطان کو مسلط نہیں کیا بلکہ لوگ خود اس کا اتباع اختیار کرتے ہیں۔
نمبر ۲۔ انی کفرت بما اشرکتمون من قبل کے ایک معنی تو وہ ہیں جو ترجمہ میں اختیار کیے گئے ہیں اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ خدا کا شریک ہونے کا میں پہلے ہی منکر تھا یا میں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میں خدا کا شریک ہوں یا تم مجھے خدائی طاقتوں میں اس کا شریک مانو اور یہ معنی بالکل سیاق و سباق کے مطابق ہیں کیونکہ اوپر وہ صاف کہتا ہے کہ اللہ کے وعدے تو سچے ہوتے تھے اور میرے وعدے جھوٹے پس اسی سے تم سمجھ سکتے تھے کہ اگر مجھ میں بھی کوئی خدائی طاقت ہوتی تو میں بھی اپنے وعدوں کو پورا کر دوں اب جو تم مجھ سے مدد مانگتے ہو تو میں تمھاری کیا مدد کر سکتا ہوں کیونکہ میں کوئی خدا کا شریک تو ہوں نہیں۔ دوسرے معنی یوں ہو سکتے ہیں کہ میں نے جو خدا کا انکار کیا تو اس کی وجہ خود تمھارا شرک ہے اگر تم مجھے خدا کا شریک نہ بناتے تو میں بھی اس کا فرمانبردار ہوتا اور اس صورت میں شیطان سے مراد وہی سردار ہوگا

وَ اُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ — اور جو ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کیے باغوں میں داخل
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ — کیے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اپنے رب کے حکم سے انھیں
فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾ — میں ہمیشہ رہیں گے ان میں ان کی دعائے ملاقات سلام ہوگی۔
اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً — کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ نے اچھی بات کی مثال کس طرح بیان کی ہے
طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ — جیسا ایک پاکیزہ درخت اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں
وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ — آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں [1]
تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَ — وہ اپنے رب کے حکم سے اپنا پھل ہر موسم میں دیتا ہے اور اللہ تعا

جس کا ذکر پچھلی آیت میں ہے انا کنا لکم تبعا۔ گویا جب کمزوروں نے بڑوں سے درخواست کی کہ ہم تمھاری بات مان کر تمھارے پیچھے چلا کرتے تھے تو وہ بڑے یہ جواب دیتے ہیں کہ تمھارے پیچھے چلنے نے ہی تو ہمیں کافر بنایا اور یہ بالکل سچ ہے کہ اکثر لوگ دنیا میں جو اپنے لیے خدا کی برابری کا دعویٰ کرتے ہیں اور جو چاہتے ہیں اپنے پیروؤں سے منوا لیتے ہیں تو اس کی وجہ عوام الناس کی حماقت ہوتی ہے جب لوگ ایک شخص کو بڑا بنانا شروع کریں تو وہ کیوں بڑا نہ بنے گویا جب عوام نے یہ کہا کہ ہم تمھاری پیروی کی وجہ سے ہلاک ہوئے تو وہ جواب میں کہتے ہیں کہ ہم تمھارے ہی بڑا بنانے سے کافر ہوئے اور کفر میں بڑھتے گئے گویا تم ہماری ہلاکت کا موجب ہوئے اور ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ میں اس بات کا انکار کرتا ہوں کہ تم نے مجھے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں شریک بنایا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ تو اچھے کاموں کا حکم دیتا تھا اور میں بُرے کاموں کی طرف بلاتا تھا۔

نمبر [1]۔ اس آیت میں کلمۃ طیبۃ اور آیت ۲۶ میں کلمۃ خبیثۃ کی مثال دی ہے جس سے مراد حق اور باطل ہیں کلمہ طیبہ سے کسی نے لا الٰہ الا اللہ کسی نے قرآن کسی نے دعوت الی الاسلام مراد لی ہے۔ مگر کلمہ حق میں یہ سب کچھ داخل ہے ایسا ہی کلمہ خبیثہ سے مراد کفر، کذب وغیرہ لیا گیا ہے جو سب کچھ باطل میں داخل ہے یہاں بتایا ہے کہ حق بات کی مثال اس درخت کی ہے جس کی جڑ زمین میں مضبوط لگی ہوئی ہو اور اس کی شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہوں یعنی بلند بھی ہوں اور دیسے بھی دور دور تک پھیلی ہوئی ہوں۔ یہ مثال صرف سمجھانے کے لیے ہے آیا مراد اس سے کھجور کا درخت ہے، صحیح حدیث میں مسلم کی مثال کھجور کی درخت سے دی ہے کیونکہ اس کی کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی۔ مگر یہاں مسلم کی مثال نہیں بلکہ حق بات کی مثال ہے اور اس میں سمجھایا ہے کہ جس طرح ایک درخت کی جڑ زمین میں لگی ہوئی ہو اس کی شاخیں آسمان میں پھیل جاتی ہیں اسی طرح کلمہ حق ہوتا ہے کہ اس کا اصل مضبوط ہوتا ہے اور اس کی فرع سب اس اصل سے تعلق رکھتی ہیں گو کتنی بھی دور دور تک پھیلی ہوئی ہوں پس وہ فروع سب ایک اصل کے ماتحت ہوتی ہیں اور اصل وہ فروع کا تعلق اسی طرح دلائل عقلی سے روشن ہوتا ہے جس طرح درخت کی جڑ اور شاخوں کا تعلق ظاہر ہوتا ہے اور اس مثال میں یہ بھی سمجھایا ہے کہ جس طرح درخت کی جڑ پانی کے ذریعہ سے غذا حاصل کرتی ہے۔ و اس کی آسمان میں پھیلی ہوئی شاخیں ہوا اور دھوپ وغیرہ سے بھی ساتھ ساتھ اپنی غذا حاصل کرتی چلی جاتی ہیں اسی طرح حق کے اصل اصول تو وحی الٰہی سے قائم ہوتے ہیں جو بمنزلہ پانی کے ہے مگر اس کی فروع کو علاوہ اس غذا کے حالات پیش آمدہ سے بھی جو ان کے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہوتے ہیں غذا ملتی رہتی ہے یہ اجتہاد کے ذریعہ سے ان فروع کا نشوونما پاتا ہے۔

یہاں بہشت کے ذکر کے بعد فوراً اس مثال کو بیان کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مثال کا تعلق بہشت سے بھی ہے بہشت کا نقشہ عموماً ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ وہ باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور یہاں کلمہ حق کو درخت سے مثال دے کر بتا دیا کہ بہشت کے درخت اور ثمرات اسی کلمہ حق کا ہی نتیجہ ہیں جس کو قبول کر کے انسان اس کے مطابق عمل کرتا ہے گویا ہر کلمہ حق بمنزلہ ایک بیج کے ہے جس سے ایک ایسا درخت بن جاتا ہے جو ہمیشہ اپنا پھل دیتا رہتا ہے آیت ۲۵ یعنی دنیا کے درختوں کی طرح نہیں کہ سال میں ایک آدھ دفعہ پھل دے دیا بلکہ اس کا پھل ہر وقت موجود رہتا ہے۔ یہی انسان کے اعمال ہی آخرکار باغوں اور پھلوں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ ہاں اس عالم میں وہ زیادہ تر نظروں سے مخفی رہتے ہیں عالم آخرت میں کھلے کھلے نظر آ جائیں گے گویا ہر شخص کے اعمال کے مطابق ہی اس کے لیے بہشت تیار ہوتا ہے۔

يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝٢٥	لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔
وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اجْتُثَّتْ	اور ناپاک بات کی مثال گندے درخت کی طرح ہے جو زمین کے
مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝٢٦	اوپر سے ہی اکھاڑ پھینکا جائے اس کو کچھ بھی قرار نہیں ۔۱
يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ	اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں یقینی بات کے ساتھ مضبوط کرتا
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ	ہے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور اللہ ظالموں کو ہلاک
اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۝٢٧	کرتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ۔۲
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ	کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری
كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝٢٨	سے بدلا اور اپنی قوم کو ہلاکت کے گھر میں اتارا ۔۳
جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝٢٩	(یعنی) دوزخ میں اس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔
وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ	اور اللہ کے شریک بناتے ہیں تاکہ اس کے رستہ سے گمراہ کریں، کہہ
قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝٣٠	(دنیا میں) فائدہ اٹھالو آخرکار تمھیں دوزخ کی طرف ہی جانا ہے۔
قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ	میرے بندوں کو جو ایمان لائے ہیں کہہ دے کہ وہ نماز کو قائم کریں
وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً	اور اس سے جو ہم نے ان کو دیا ہے چھپے اور کھلے خرچ کریں اس سے
مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ	پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ لین دین ہوگا اور نہ دوستی

نمبر۱۔ جس طرح حق بات کی مثال ایک مضبوط جڑ والے درخت سے دی ہے باطل کی مثال اس درخت سے دی ہے جس کی جڑ زمین کے اندر مضبوط نہیں بلکہ ذرا سے مقابلہ پر وہ سارے کا سارا اکھڑ جاتا ہے اور یہی باطل کا قاعدہ ہے کہ اسے قیام کچھ نہیں ہوتا۔ ایک دلیل سے پاش پاش ہو جاتا ہے۔ ان دو مثالوں کو لاکر یہ بتایا کہ قرآن کی حقانیت ایسی زبردست ہے کہ کوئی دلائل اسے توڑ نہیں سکتیں بلکہ جوں جوں عقلی دلائل ترقی کریں گی توں توں اس کی مضبوطی اور اس کی شاخوں کی بلندی ظاہر ہوتی جائے گی اور باطل کو کبھی بھی قرار نہیں ہوگا۔ یہی حال ان عقائد کا ہے جو اسلام کے خلاف ہیں کہ وہ کسی اصل کے ماتحت نہیں۔ اس لیے فوراً گر جاتے ہیں۔

نمبر۲۔ اس آخری آیت میں بتا دیا کہ اصول حقہ کا یہ اثر مومن کی زندگی میں بھی نظر آتا ہے یہاں بھی اور آخرت میں بھی پس جس شخص کو ایسی مضبوطی حاصل نہیں۔ اس کا ایمان بھی ناقص ہے۔ یضل اللہ الظالمین میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کلام سے تو لوگوں کو مضبوط ہی کرتا ہے مگر جو لوگ خود ظلم کا طریق اختیار کرتے ہیں انھیں ان کی گمراہی کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے جس کا نتیجہ ہلاکت ہوتا ہے۔

نمبر۳۔ نعمت سے مراد وحی الٰہی یا قرآن ہے اور اس کے تبدیل کرنے سے مراد اس کا قبول نہ کرنا اور اس کی جگہ کفر کا لینا ہے گویا اس نعمت کو دیکر کفر لیا یہ اہل مکہ کی طرف اشارہ ہے جو اب نعمت الٰہی کی قبولیت کی جگہ رسول اللہ صلعم کو جو اس نعمت کے لانے والے تھے گھر سے نکال رہے تھے جس کا نتیجہ ان کی قوم پر ہلاکت کا آنا ہوا۔

وَ لَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾

کام آئے گی ۱؎

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اوپر سے پانی اتارا پھر اس کے ساتھ تمھارے لیے پھلوں سے رزق نکالا اور کشتیوں کو تمھارے کام میں لگا یا تاکہ وہ سمندر میں اس کے حکم سے چلیں اور دریاؤں کو تمھارے کام میں لگایا۔

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآىٕبَیْنِ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ﴿۳۳﴾

اور سورج اور چاند کو جو ایک قانون پر چل رہے ہیں تمھارے کام میں لگایا اور رات اور دن کو بھی تمھارے کام میں لگایا۔

وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾

اور جو کچھ تم مانگو اس میں سے تمھیں دیتا ہے اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو انھیں گن نہ سکو گے۔ یقیناً انسان بڑا ہی ظالم بڑا ناشکر گزار ہے ۲؎

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾

اور جب ابراہیمؑ نے کہا میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا اور مجھے اور میری اولاد کو اس سے بچا کہ ہم بتوں کی پرستش کریں ۳؎

نمبر۱- نماز کا قائم کرنا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ان مشکلات کا علاج بتایا جو کفار کی طرف سے اس وقت پیش آرہی تھیں۔

نمبر۲- اوپر کی دونوں آیتوں میں جب یہ ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کشتیوں اور دریاؤں کو، سورج اور چاند کو، رات اور دن کو انسان کے لیے مسخر کر رکھا ہے اور اس کے کام میں لگا دیا ہے تو یہاں اسکو عام کر کے بیان فرمایا کہ یہ کیا ہر چیز کو تمھارے کام میں لگا رکھا ہے اور تم اس سے فائدہ اٹھاتے ہو۔ ہاں ان چیزوں سے پھر تم اس قدر فائدہ اٹھاتے ہو جس قدر مانگو اور وہ مانگنا اپنے عمل سے ہے۔ ہوائیں، بادل، بجلیاں، آگ، پانی یہ سب چیزیں انسان کی خدمت میں لگائی ہیں کیونکہ انسان ان سے منفعت حاصل کرتا ہے۔ مگر پھر جس قدر زیادہ ان سے وہ خود کام لے لے اسی قدر زیادہ نفع اٹھائیگا پس جس طرح دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ کی روحانی نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ، ان کو کیوں ظلم اور ناشکری سے پھینکتے ہو۔ وحی الٰہی کو رد کر کے اسی طرح انسان دکھ اور تکلیف اٹھاتا ہے جس طرح جسمانی نعمتوں سے محروم ہو کر نتیجہ دکھ ہوتا ہے اور دوسری طرف اس میں یہ بھی سمجھایا ہے کہ جن چیزوں کو تم اپنا معبود بناتے ہو اللہ تعالیٰ نے انھیں تمھاری خدمت کے لیے پیدا کیا ہے

نمبر۳- اس سارے رکوع میں صرف اس دعا کا ذکر ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے مکہ اور اہل مکہ کے لیے اور اپنی اولاد کے لیے کی اور اس سے پہلے اور پیچھے دونوں طرف مخالفت حق اور اس کے انجام کا ذکر ہے یہ مضمون بے تعلق نہیں بلکہ یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ مذہب اور وحی الٰہی کا سلسلہ سب ایک نظم میں منسلک ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو اپنے اسی ارادہ کے مطابق دنیا میں مبعوث فرمایا ہے جو وہ مدتوں پیشتر انبیا پر ظاہر فرما چکا تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم گویا ایک جڑ کی طرح ہیں کیونکہ وہ بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل کے لیے بطور جد کے ہیں اور یوں گویا یہ بھی ایک تشریح ہے اس اصول کی جو آیت ۲۴ میں بیان فرمایا کہ حق ایک درخت کی طرح ہے

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۶

میرے رب! انھوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کیا ہے، سو جو میری پیروی کرے تو وہ مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بخشنے والا رحم کرنے والا ہے[1]۔

رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝۳۷

ہمارے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے عزت والے گھر کے پاس اس وادی میں بسایا ہے جہاں کھیتی نہیں ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں سو تو کچھ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں سے رزق دے، تاکہ وہ شکر کریں[2]۔

جس کی جڑ زمین میں قائم ہے اور شاخیں چاروں طرف آسمان میں پھیلی ہوئی ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کے مذہب کا اصل الاصول بھی وہی توحید الٰہی تھا جو سب مذاہب کے لیے بطور ایک جڑ کے ہے۔ کوئی مذہب نہیں جس نے ایک خدا کے ساتھ تعلق قائم کرنے کو بطور اصل اور جڑ نہ ٹھیرایا ہو۔ اسی لیے حضرت ابراہیمؑ کی دعا میں بھی سب سے پہلے ذکر توحید الٰہی کا کیا۔ ہاں اس توحید کے ذکر کے ساتھ یہ بھی دعا ہے کہ مکہ امن والا شہر ہو سو اس لیے کہ اس میں خانہ کعبہ تھا جو وہ بھی توحید کے لیے بطور نشان ابتدائے عالم سے قائم کیا گیا اور ایک خدا کی پرستش کا سب سے پہلا معبد دنیا میں یہی ہوا۔

حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعا عصمت انبیاء کے خلاف نہیں۔ اس لیے کہ وہ عصمت حاصل ہی اس سے ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی طرف جھکتے اور اس سے مدد طلب کرتے رہتے ہیں اسی لیے حفاظت الٰہی ان کے شامل حال رہتی ہے عصمت انبیاء کا اگر یہ مطلب ہوتا کہ وہ کوئی علیحدہ قویٰ کے ساتھ پیدا ہوئے ہیں تو انبیاء کی عصمت ہمارے لیے کچھ مفید نہ ہو سکتی تھی ان کی عصمت کا راز ہی یہ ہے کہ وہ ہر وقت اور ہر حال میں حفاظت الٰہی طلب کرتے رہتے ہیں اور اپنے نفس پر بھروسہ نہیں کرتے اور ان کی عصمت کے اس راز کو سمجھ کر ہی ہم بھی گناہوں سے بچ سکتے ہیں کہ ان کی طرح اپنے نفسوں پر بھروسہ نہ کریں بلکہ ہر حال میں حفاظت الٰہی کے طالب ہوں لا تکلنی الی نفسی طرفۃ عین نبی کریم صلعم کی دعا ہمارے لیے کیسی اچھی تعلیم ہے۔

نمبر۱۔ آیت کے پہلے حصہ میں بتوں کو لوگوں کے گمراہ کرنے والے ٹھیرایا ہے اور یہ اسناد بطور مجاز ہے مطلب یہ ہے کہ بت پرستی سے لوگ گمراہ ہو گئے ورنہ بت تو بے جان ہیں وہ گمراہ نہیں کرتے۔ پچھلے حصہ میں انبیاء کی وسعت قلبی اور رحم دلی کا نقشہ ہے۔ وہ نافرمانوں کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کی صفت غفر اور رحم کا ہی ذکر کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا میں آپ کے اس فرزند کی حالت قلبی کا بھی نقشہ کھینچا ہے جو رحمۃ للعالمین کر کے بھیجا گیا۔ اس لیے اس کے دشمن یوں تباہ نہ ہوئے جیسے انبیائے سابق کے مخالفوں کی ہلاکت کا نقشہ قرآن شریف نے کھینچا ہے بلکہ زیادہ حصہ اللہ تعالیٰ کے غفر اور رحم کی صفات کے نیچے آکر ہدایت پر آگیا اور چونکہ جو نقشہ حق کے مخالفین کی ہلاکت کا اس سورت میں کھینچا ہے اس میں خاص مقصود نبی کریم صلعم کے ہی دشمن ہیں۔ اس لیے حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا میں یہ بتایا ہے کہ کچھ ہلاک ہو کر بہت غفر اور رحم کے نیچے آجائیں گے۔

نمبر۲۔ یہ حضرت اسماعیلؑ کے خانہ کعبہ کے پاس چھوڑنے کی طرف اشارہ ہے یہاں لفظ اسکنت لا کر بتا دیا ہے کہ یہ چھوڑنا محض اخراج کے طور پر نہ تھا بلکہ مصلحت الٰہی کا تقاضا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کا ایک حصہ یہاں آباد ہو اور حدیث میں بھی ہے کہ یہ چھوڑنا حکم الٰہی سے تھا اور وادٍ غیر ذی زرع اسے کہا اس لیے کہ وہ پتھریلی زمین ہے جہاں سبزی وغیرہ نہیں ہوتی اور بارش بھی بہت کم ہوتی ہے اس لیے وہ زراعت کے لیے موزوں نہ تھی۔ اس لفظ کے لانے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ انھیں رضائے الٰہی کے ماتحت یہاں چھوڑا ہے کسی غرض دنیوی کے لیے نہیں اسی کی تائید کے لیے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا لیقیموا الصلوٰۃ یعنی غرض یہ ہے کہ قیام صلوٰۃ ہو جس میں حصول رضائے الٰہی مدنظر ہے نہ کوئی دنیوی غرض۔ اور عند بیتک المحرم کے لفظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیت الحرام یعنی خانہ کعبہ وہاں موجود تھا حالانکہ حضرت ابراہیمؑ کے بنانے کا جو ذکر ہے اس میں حضرت اسمٰعیلؑ کی شمولیت موجود ہے وَ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعۡلَمُ مَا نُخۡفِیۡ وَمَا نُعۡلِنُ ؕ وَمَا یَخۡفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنۡ شَیۡءٍ فِی الۡاَرۡضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾

ہمارے رب تو جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں اور اللہ پر کوئی چیز بھی چھپی نہیں رہتی (نہ) زمین میں اور نہ آسمان میں۔

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ وَہَبَ لِیۡ عَلَی الۡکِبَرِ اِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے بڑھاپے کے باوجود اسمٰعیل اور اسحاق دیئے، یقیناً میرا رب دعا کا سننے والا ہے۔

رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ٭ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾

میرے رب مجھے نماز کا قائم کرنے والا بنا اور میری اولاد میں سے بھی ہمارے رب اور میری دعا قبول فرما۔

رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ ﴿۴۱﴾ ع

ہمارے رب! میری حفاظت فرما اور میرے باپ کی اور مومنوں کی بھی جس دن حساب قائم ہو۔

وَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰہَ غَافِلًا عَمَّا یَعۡمَلُ الظّٰلِمُوۡنَ ۬ؕ اِنَّمَا یُؤَخِّرُہُمۡ لِیَوۡمٍ تَشۡخَصُ فِیۡہِ الۡاَبۡصَارُ ﴿۴۲﴾ مُہۡطِعِیۡنَ مُقۡنِعِیۡ رُءُوۡسِہِمۡ لَا یَرۡتَدُّ اِلَیۡہِمۡ طَرۡفُہُمۡ ۚ وَاَفۡـِٕدَتُہُمۡ ہَوَآءٌ ﴿ؕ۴۳﴾

اور اللہ کو اس سے بےخبر نہ سمجھ جو ظالم کرتے ہیں، وہ صرف ان کے معاملہ کو اس دن تک پیچھے ڈال رہا ہے جب آنکھیں کھلی رہ جائیں گی[۱] بھاگے جا رہے ہونگے اپنے سر اٹھائے ہوئے ان کی نگاہ ان کی طرف نہ پھرے گی اور ان کے دل خالی ہوں گے[۲]۔

البقرہ - ۱۲۷) لیکن جب اسمٰعیل کو وہاں چھوڑا تو ان کی عمر چھوٹی تھی۔ لوگوں کے دلوں میں مکہ کے رہنے والوں کے لیے محبت کا پیدا کرنا خود خانہ کعبہ کی محبت کے تقاضا مقام ہے یہ دعا بھی کیا عجیب ہے اس مقام کے لیے جذب اور کشش پیدا ہونے کی دعا ہے جہاں کوئی بھی ظاہری سامان کشش کا نہیں یہاں تک کہ وہ جگہ زراعت سے بھی خالی ہے۔ یہ اس لیے ہوا کرتا ایک اللہ کے نام کے سوائے یہاں کوئی دوسری کشش نہ ہو اور صرف دینی فوائد کے لیے ہی یہ جگہ مخصوص رہے ہاں یہ بھی دعا ہے کہ کھانے کو بھی انھیں ملتا رہے گو وہ اشیائے خوردنی وہاں باہر سے ہی جائیں۔ اگلی آیت میں یہ بتایا ہے کہ نیت اور ارادہ کا جاننے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ ہماری نیتوں میں کوئی دنیا کی ملونی نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو ایسا بابرکت کیا کہ ساری دنیا کے دل اس کی طرف کھچے چلے جاتے ہیں۔

نمبر۱۔ ظالم جو حق کو مٹانا چاہتے ہیں جب اپنے ارادوں میں کامیاب ہوتے چلے جاتے ہیں تو اکثر دلوں میں یہ خلش پیدا ہوتی ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ دیکھتا نہیں پھر انھیں پکڑتا کیوں نہیں جس کا جواب دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ان کے معاملہ میں تاخیر کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ دن آ پہنچتا ہے جب آنکھیں پھٹی رہ جاتی ہیں اور وہ موت کا وقت ہے۔ مراد اس سے یا تو واقعی مجرم کی موت ہو سکتی ہے اور یا عذاب کا دن جب اکثر دلوں پر وہ کیفیت وارد ہوتی ہے جس کا نظارہ موت کے وقت دیکھا جاتا ہے اور اگلی آیت سے ظاہر ہے کہ یہ عذاب کا دن ہے جب عذاب کی سختی سے مجرموں کی کیفیت اس شخص کی سی ہو جاتی ہے جو حالت نزع میں ہو۔

نمبر۲۔ یہاں وہ نقشہ کھینچا ہے جب بڑے بڑے مغرور اور متکبر انسان آخرکار مغلوب ہوتے ہیں اور انہی لوگوں کے سامنے جن پر انھوں نے ظلم کیا تھا ذلت کی حالت میں آتے ہیں شرمندگی کے مارے سر بھی نیچا ہے اور دہشت کی وجہ سے اٹھا ہوا بھی ہے۔

وَ اَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾

اور اس دن سے لوگوں کو ڈرا جب اُن پر عذاب آ جائے گا جو ظالم ہیں کہیں گے ہمارے رب! ہمیں ایک قریب وقت تک تاخیر دے، ہم تیری دعوت کو مانیں اور رسولوں کی پیروی کریں اور کیا تم پہلے قسمیں نہ کھایا کرتے تھے کہ تم پر زوال نہیں آئے گا؟ ۱

وَّ سَكَنْتُمْ فِىْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ تَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَ ضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾

اور تم ان لوگوں کی جگہوں میں آباد ہوئے جنھوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور تمھارے لیے کھل چکا ہے کہ ہم نے ان سے کیا کیا اور ہم نے تمھارے لیے مثالیں بیان کیں ۲

وَ قَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَ اِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾

اور انھوں نے اپنی چال چلی اور ان کی چال اللہ کے اختیار میں ہے اور گو اُن کی چال ایسی ہی ہو کہ اس سے پہاڑ ٹل جائیں ۳

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۷﴾

سو یہ گمان نہ کر کہ اللہ اپنے رسولوں سے اپنے وعدے کا خلاف کرے گا، اللہ غالب سزا دینے والا ہے ۴

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَ السَّمٰوٰتُ وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾

جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور (لوگ) اللہ اکیلے سب پر غالب کے سامنے نکل کھڑے ہوں گے ۵

نمبر۱۔ یہاں صاف اشارہ ہے کہ مخالفین کے اقتدار اور قوت کے ٹوٹنے کا وقت آ جائیگا اس لیے ان کو وہ وقت یاد دلایا ہے جب اپنی طاقت کے نشہ میں سرشار وہ کہا کرتے تھے کہ ہماری قوت اور سلطنت کبھی زوال نہ دیکھے گی۔

نمبر۲۔ اس سے مراد وہ قومیں ہیں جو پہلے عرب میں یا اس کے اردگرد حکمران تھیں جن کے تذکرے اور انجام قرآن شریف میں مذکور ہیں۔

نمبر۳۔ اس میں قریش کا ذکر ہے اور یہ ان کی چال وہی ہے جس کا ذکر دوسری جگہ فرمایا اذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک (الانفال۔ ۳۰) اور یہ ان کی چال تو اس قدر مضبوط تھی کہ پہاڑوں کو بھی اُڑا دیتے مگر اللہ جو سب سے طاقتور ہے اس کے اختیار میں ہر بات ہے اس لیے وہ ان کی چال کو سرسبز نہ ہونے دیگا یہی معنی ہیں عند اللہ مکرھم کے۔

نمبر۴۔ اس پر اس قدر زور اس لیے دیا کہ ابھی بڑی بڑی مشکلات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آنے والی تھیں جہاں بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ دین اسلام کا خاتمہ ہو گیا اس لیے فرمایا کہ یہ کبھی ہو نہیں سکتا اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہو کر رہے گا۔

نمبر۵۔ قرآن کریم میں جس قدر وعدے عذاب کے کفار کے ساتھ ہیں وہ آخرت پر بھی چسپاں ہو سکتے ہیں اور دنیا پر بھی یہی زمین و آسمان کا بدل جانا قیامت میں بھی درست ہے اور ایک معنی میں جب عرب اسلام کے سامنے جھک گئے اور چاروں طرف بت پرستی کی جگہ توحید کا نقارہ بج گیا۔ بتوں کا نام و نشان باقی نہ رہا۔

وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۴۹

اور تُو اُس دن مجرموں کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھے گا۔

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۵۰

اُن کے کُرتے رال کے ہونگے اور ان کے مونہوں کو آگ ڈھانک لے گی۔

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۵۱

تاکہ اللہ ہر نفس کو وہ بدلہ دے، جو اس نے کمایا بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۵۲

یہ لوگوں کو کھولکر پہنچا دینا ہے تاکہ وہ اس کے ذریعہ سے ڈرائے جائیں اور تاکہ وہ جان لیں کہ وہ صرف ایک ہی معبود ہے اور تاکہ خالص عقل والے نصیحت حاصل کریں[1]

سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ (۱۵)

اٰیاتُھَا ۹۹ — رُکُوْعَاتُھَا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۱

میں اللہ دیکھنے والا ہوں۔ یہ کتاب کی آیتیں ہیں اور قرآن کی جو کھولکر بیان کرنیوالا ہے[3]

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا

بعض اوقات کافر چاہیں گے کہ کاش! وہ مسلمان

شراب خوری اور زنا مٹ گئے جہالت کی جگہ علوم کی نہریں بہنے لگیں تو یہ بھی واقعی زمین و آسمان کے بدل جانے کا ہی نظارہ تھا اور اگلی آیت میں زنجیروں میں جکڑے ہونے کا نظارہ بھی لڑائیوں میں دیکھ لیا گیا۔

نمبر۱۔ نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو شناخت کریں سو ایسا ہی ہوا کہ کل عرب نے توحید الٰہی کے سامنے سر جھکا دیا اور جو نظارہ عرب میں پیش آیا اس کو دنیا بھی عنقریب کسی نہ کسی رنگ میں دیکھ لے گی۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام الحجر ہے اور اس میں چھ رکوع اور ننانوے آیات ہیں۔ حجر کے معنی پتھر ہیں اور الحجر اس وادی کا نام ہے جس میں حضرت صالحؑ کی قوم یعنی ثمود رہتے تھے۔ اس قوم کا مسکن نہ صرف اہل مکہ کے بالکل قریب تھا بلکہ اس رستہ پر تھا جو مکہ سے شام کو جاتا تھا اور جس پر اُن کے قافلے آتے جاتے تھے اور سخت دلی میں بھی معلوم ہوتا ہے یہ قوم اپنی نظیر آپ ہی تھی۔ جو کچھ انہوں نے حضرت صالحؑ کے خلاف منصوبے اور سازشیں کیں وہ بعینہٖ ایسے تھے جیسے قریش نے ہمارے نبی کریم صلعم کے خلاف کیے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام الحجر ہے اور اس کے ساتھ ہی اس سورت میں دو اور قوموں کا ذکر ہے یعنی حضرت شعیبؑ کی قوم اور حضرت لوطؑ کی جن کے مسکن اسی رستہ پر تھے جس پر ثمود کا مسکن تھا اور یہ تینوں قومیں ایک ہی عذاب یعنی زلزلے سے تباہ ہوئیں۔

نمبر۳۔ الکتاب کا لفظ عام ہے یعنی جنس کتاب پر بولا گیا ہے اس کے لانے میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح پہلے انبیاء پر کتابیں نازل ہوتی رہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک وحی ہے۔

مُسْلِمِينَ ۝٢
ہوتے ملہ

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝٣
انھیں چھوڑ دو کھائیں اور فائدہ اُٹھائیں اور آرزوئے (دنیا) انھیں غافل کیے رکھے عنقریب جان لیں گے۔

وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ ۝٤
اور ہم نے کسی لبستی کو ہلاک نہیں کیا، مگر اس کے لیے ایک میعاد مقرر تھی۔

مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۝٥
کوئی جماعت اپنے وقت سے پہلے نہیں جا سکتی اور نہ وہ پیچھے رہ سکتے ہیں۔

وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۝٦
اور کہتے ہیں اے شخص جس پر نصیحت اتاری گئی ہے، یقیناً تو پاگل ہے۔

لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَائِكَةِ إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝٧
تو فرشتوں کو ہمارے پاس کیوں نہیں لے آتا، اگر تو سچوں میں سے ہے۔

مَا نُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُنْظَرِينَ ۝٨
ہم فرشتوں کو نہیں اتارتے مگر جب حکمت چاہتی ہو اور اس وقت اُن کو مہلت بھی نہ دی جائے گی۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝٩
ہم نے خود یہ نصیحت اتاری ہے اور ہم خود ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں ملہ

نمبر ا۔ کب ایسی آرزو کریں گے۔ قیامت کے دن تو ایسا کرنا ظاہر ہی ہے جب انکشافِ حقیقت پورے طور پر ہو جائے گا اور ضحاک کا قول ہے کہ یہ موت کے وقت دنیا میں ہوگا اور حضرت ابن مسعود کا قول ہے کہ یہ آیت کفار قریش کے بارہ میں ہے اور یہ ان کا آرزو کرنا بدر کے دن تھا جب اہلِ اسلام کا غلبہ دیکھا ظاہر ہے کہ یہ پیشگوئی کا رنگ ہے اور رُبَمَا لا کر بتایا کہ یہ اکثر اوقات میں ہوگا پس مراد یہ ہے کہ یہ ان کی آرزو ہر غلبہ کے وقت میں ہوگی جو اسلام کو حاصل ہوگا یہاں تک کہ اس کے کامل غلبہ کا وقت آجائے گا اور سیاق عبارت اسی کو چاہتا ہے کیونکہ ابھی پچھلی سورت کے آخری رکوع میں کفار کی مغلوبیت کا نقشہ کھینچا جا چکا ہے اسی کی طرف یہاں اشارہ ہے کہ جب یہ اپنی مغلوبیت کے نظارہ کو دیکھیں گے تو پھر یہ بھی آرزو کریں گے کہ ہم مسلمان ہی ہوتے۔

نمبر ۲۔ الذکر قرآن شریف کے ناموں میں سے ایک نام ہے جیسا کہ آیت ۶ میں نزل علیہ الذکر کہہ کر صاف کر دیا ہے اور خود سیاق عبارت یہی چاہتا ہے کہ یہاں ذکر حفاظت قرآن کا ہے اس لیے کہ کفار کو اپنے ظاہری غلبہ پر فخر تھا اور پچھلی سورت میں ان کی تدابیر کا ذکر ہو چکا کہ وہ حق کو کس طرح ملیامیٹ کرنا چاہتے ہیں تو اب صفائی سے بتا دیا کہ کفار کا کتنا ہی غلبہ ہو وہ اس حق کو جو قرآن شریف میں نازل ہوا اب دنیا سے مٹا نہیں سکتے۔ نہ صرف یہ کہ وہ مٹا نہیں سکتے بلکہ اس میں کسی قسم کی تحریف کمی بیشی بھی نہ ہوگی کیونکہ اس کی حفاظت کو ہم نے اپنے ذمہ لیا ہے برخلاف دیگر کتب سماوی کے جن کی حفاظت ان کے پیرووں کے سپرد کی گئی تھی جیسا کہ بما استحفظوا من کتاب اللہ (المائدہ۔ ۴۴) سے ظاہر ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ⑩	اور ہم تجھ سے پہلے اگلی اُمتوں میں رسول بھیج چکے ہیں ۔
وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑪	اور کوئی رسول اُن کے پاس نہیں آتا رہا مگر اس سے وہ ہنسی کرتے تھے ۔
كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ⑫	اسی طرح ہم اسے مجرموں کے دلوں میں داخل کرتے ہیں۔
لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ⑬	وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور پہلوں کا بھی یہی طریق رہا ہے۔[1]
وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ⑭	اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں پھر وہ اس میں چڑھنے لگیں ۔
لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ⑮ ع	تو کہیں گے ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا گیا ہے ، بلکہ ہم وہ لوگ ہیں جن پر جادو کر دیا گیا ہے ۔
وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ⑯	اور یقیناً ہم نے آسمان میں ستارے بنائے اور اسے دیکھنے والوں کے لیے سجایا ۔
وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ⑰	اور اُسے ہر شیطان مردود سے محفوظ کیا ۔[2]
اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ	ہاں جو چھپ کر کچھ سن لے تو اُسے روشن کرنے والا انگارا

حفاظت قرآن سے مراد یہ ہے کہ اس میں کوئی کمی بیشی ، تغیر تبدل نہ ہو ۔ یہ ایک دعویٰ ہے جس کی صداقت آج دشمنوں تک کو مسلّم ہے ۔ میور کہتا ہے جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں جو اس کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو ۔" پھر وان ہیمر کا قول نقل کرتا ہے " ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو بعینہٖ محمد (صلعم) کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسے مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں " اور واقعات خود بھی بتاتے ہیں اس لیے کہ وہ کتاب جس کے پہلے دن سے لکھے جا کر بکثرت نسخے ہر قوم اور ہر ملک میں شائع ہوئے اور آخر مشرق سے مغرب تک پھیل گئے ان ہزار در ہزار قدیم ترین نسخوں میں ایک بھی ایسا نسخہ نہیں ملتا جس میں ایک حرف کا یا ایک زیر و زبر کا فرق ہوا ہو ۔ اہل تشیع میں سے محقق اس کی حفاظت کے ہی قائل ہیں اور اگر نہ ہوں تو اس الزام کے نیچے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنی خلافت میں قرآن کو کیوں مکمل نہ کیا یہ ایک وسیع مضمون ہے جس پر پوری تحقیقات میں نے اپنی کتاب جمع قرآن میں شائع کی ہے اور یہاں اس کو دوہرانے کی گنجائش نہیں ۔

نمبر۱ ۔ آیت ۱۱ میں فرمایا تھا کہ وہ ہر رسول سے استہزا کرتے ہیں یہاں کذلک سے شروع کر کے بتایا کہ جس طرح وہ وحی الٰہی کے متعلق طریق استہزا اختیار کرتے ہیں اسی طرح ہم بھی ان کو اسی رستہ پر چلاتے ہیں کہ وہ ایمان نہیں لاتے ۔ گویا اللہ تعالیٰ کا انھیں ایک راہ پر چلانا ان کے اپنے فعل کا نتیجہ ہے ۔

نمبر۲ ۔ اس قسم کی آیات میں جہاں ستاروں یا آسمانوں کے شیاطین سے حفاظت کا ذکر ہے ۔ شیاطین سے مراد کاہن اور منجم ہیں جیسا کہ رجوماً للشیاطین (الملک ۵) کی تفسیر میں ابن اثیر نے لکھا ہے مطلب یہ کہ یہ منجم اور کاہن جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم ستاروں سے علم غیب کی باتیں معلوم کر لیتے ہیں جھوٹے ہیں ۔ ان شیاطین کی وہاں تک رسائی نہیں اور نہ یہ علم غیب کے دعوے میں سچے ہیں ۔

شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾

آلیتا ہے ملے

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾

اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور ہم نے اس میں پہاڑ بنائے اور اس میں ہم نے ہر ایک چیز اندازہ کی ہوئی اُگائی۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور تمھارے لیے اس میں روزی کا سامان بنایا اور اس کے لیے (بھی) جسے تم رزق نہیں دیتے۔

وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ ۫ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾

اور کوئی چیز نہیں مگر اس کے خزانے ہمارے ہی پاس ہیں اور ہم اسے ایک مناسب اندازے سے اتارتے رہتے ہیں۔

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

اور ہم (پانی سے) بھری ہوئی ہواؤں کو بھیجتے ہیں۔ تب ہم بادل سے پانی اتارتے ہیں، پھر ہم وہ تمھیں پلاتے ہیں اور تم اس کا خزانہ نہیں رکھتے۔

نمبر ۱۔ استراق سمع سے کیا مراد ہے اور شہاب کے پیچھے آنے سے کیا مراد ہے یہ دونوں سوال باہم ملے ہوئے ہیں۔ اگر استراق سمع سے یہ مراد لی جائے کہ واقعی شیاطین جن کچھ اللہ تعالیٰ کے رازوں کو بھی چھپ کر سن لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر اعتراض ہوتا ہے کہ شیاطین بھی چھپ کر اس کے بھیدوں سے آگاہ ہو جاتے ہیں گویا وہ اپنے بھیدوں کی اس قدر بھی حفاظت نہیں کر سکتا جس قدر ایک انسان کر سکتا ہے۔ علاوہ ازیں باوجود شہاب ثاقب کے پیچھے آنے کے بھی وہ خبر کے پہنچانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں گویا اول تو اللہ تعالیٰ اپنے رازوں کو شیطانوں سے نہیں بچا سکتا پھر جب پتہ لگ بھی جاتا ہے اور راز کو بچانے کی کوشش کی جاتی ہے تو وہ کوشش بھی ناکام ہوتی ہے ان باتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا اس کی صفات کاملہ میں نقص قبول کرنا ہے۔ اس بحث میں عجیب تر وہ آیت قرآنی ہے جس میں فرمایا وانا کنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن یستمع الآن یجد له شهابا رصدا (الجن۲ - ۹) جس سے معلوم ہوا کہ پہلے وہ گھات میں بیٹھ کر باتیں سن لیا کرتے تھے صرف رسول اللہ صلعم کے ظہور پر شہاب کا آنا شروع ہوا۔ اس مشکل کو قرآن شریف دو لفظوں میں حل کر دیتا ہے جہاں یلقون السمع (الشعراء۲۶ - ۲۲۳) میں القائے سمع شیاطین کی طرف ہے۔ یعنی یہ منجم یا کاہن شیاطین سے کچھ علم حاصل کرنا چاہتے ہیں اور جس طرح القائے سمع سے مراد فرشتوں کی باتیں سننا نہیں اسی طرح استراق سمع سے مراد چھپ کر فرشتوں کی باتیں سننا نہیں چونکہ جس طرح رسول کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے کاہنوں اور منجموں کا تعلق شیاطین سے ہوتا ہے اور یہ کاہن اور منجم ان باتوں کو مخفی طور پر حاصل کرنے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اس لیے ان باتوں کو القائے سمع اور استراق سمع فرمایا اور شہاب سے مراد بھی ظاہری شہاب نہیں کیونکہ سورہ جن کی آیت جو اوپر نقل ہوئی صاف بتاتی ہے کہ پہلے ایسے نجومی آزادی سے اپنا کام کرتے تھے اب ان سے کچھ اور سلوک ہوتا ہے۔ پس اس شہاب سے استعارۃً کوئی ایسی روشنی مراد ہے جو ان کاہنوں کے استراق سمع کے اثر کو زائل کر دیتی ہے یعنی کچھ ان کی اٹکل پچو باتیں جو سچی نکل آتی ہیں تو اس سے لوگوں پر ایک اثر ہوتا ہے پہلے اس اثر کو دور کرنے والی کوئی چیز نہ تھی اور اس لیے لوگ کہانت اور نجوم کے اثر کے قائل تھے لیکن اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ایسی روشنی آ گئی ہے جو اس اثر کو دور کر دیتی ہے۔ یہ شہاب پیغمبر کے آنے سے خاص ہے۔ شہاب ظاہری پیغمبر کے آنے سے خاص نہیں پس اس شہاب سے مراد پیغمبر کی وہ کھلی پیشگوئیاں ہیں جو نجومیوں کی دھندلی پیشگوئیوں کے اثر کو باطل کر دیتی ہیں اور شہاب کے لفظ کا یہ استعمال کچھ بھی بعید نہیں جب خود رسول اللہ صلعم کو بھی النجم الثاقب فرما دیا ہے بلکہ والنجم اذا هوىٰ (النجم۵۳ - ۱) اور فلا اقسم بمواقع النجوم (الواقعۃ۵۶ - ۷۵) میں خود مفسرین کو یہ امر مسلّم ہے کہ نجم سے مراد قرآن کریم کا ایک ٹکڑا ہے پس یہی مراد شہاب سے بھی لی جائے گی۔ جب ظاہری معنی کو واقعات غلط ٹھہراتے ہیں۔

وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِۦ وَنُمِيتُ وَنَحْنُ ٱلْوَٰرِثُونَ ﴿٢٣﴾

اور یقیناً ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہم ہی وارث ہیں۔

وَلَقَدْ عَلِمْنَا ٱلْمُسْتَقْدِمِينَ مِنكُمْ
وَلَقَدْ عَلِمْنَا ٱلْمُسْتَـْٔخِرِينَ ﴿٢٤﴾

اور ہم تم میں سے آگے بڑھنے والوں کو خوب جانتے ہیں اور ہم پیچھے رہنے والوں کو بھی جانتے ہیں۔

وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۚ إِنَّهُۥ
حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥﴾ ع

اور تیرا رب انہیں اکٹھا کرے گا، وہ حکمت والا علم والا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا ٱلْإِنسَٰنَ مِن صَلْصَٰلٍ
مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿٢٦﴾

اور ہم نے انسان کو سوکھی ہوئی مٹی سے سیاہ کیچڑ سے جو متغیر ہو چکا ہو پیدا کیا۔

وَٱلْجَآنَّ خَلَقْنَٰهُ مِن قَبْلُ مِن
نَّارِ ٱلسَّمُومِ ﴿٢٧﴾

اور جنوں کو ہم نے (اس سے) پہلے تیز آگ سے پیدا کیا۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّى خَٰلِقٌۢ
بَشَرًا مِّن صَلْصَٰلٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿٢٨﴾

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں انسان کو سوکھی ہوئی مٹی سیاہ کیچڑ سے جو متغیر ہو چکا ہو پیدا کرنے والا ہوں [1]

فَإِذَا سَوَّيْتُهُۥ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِى
فَقَعُوا۟ لَهُۥ سَٰجِدِينَ ﴿٢٩﴾

سو جب میں اسے تکمیل کو پہنچاؤں اور اپنی روح اس میں پھونکوں تو تم اس کے لیے فرمانبرداری کرتے ہوئے گر پڑنا [2]

نمبر۱۔ زندگی کی ابتدا کا جو کچھ پتہ آج سائنس سے ملتا ہے وہ وہی ہے جس کا ذکر یہاں دو تین لفظوں میں قرآن شریف نے کر دیا ہے۔ یعنی سب سے پہلی حالت زمین کی جو انسانی زندگی کی معاون ہوئی وہ صلصال تھی یا سوکھی ہوئی مٹی اور دوسری جگہ اسے صلصال کالفخار (الرحمٰن ۱۴) کہہ کر بتا دیا کہ گویا وہ آگ سے پک کر نکلی ہے اس میں یہ توجہ دلانا مقصود ہے کہ زمین کی موجودہ سطح گویا آگ سے پک کر تیار ہوئی ہے اور اسی کی شہادت آج سائنس سے ملتی ہے کہ ابتدا میں یہ زمین ایک آگ کا ٹکڑا تھا۔ تدریجاً ٹھنڈا ہوتے ہوتے اس کی اوپر کی سطح سخت ہو گئی۔ قرآن کریم نے اسے صلصال کالفخار کہہ کر اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے اور اگلی آیت میں اس کی ناری حالت کا ذکر بھی ان الفاظ میں کیا ہے کہ جنوں کو اس سے پہلے نار سے پیدا کیا گویا اس سے پہلی حالت زمین کی نار کی تھی اور اسی ناری صفت کے مطابق جو ہستیاں پیدا ہوئیں وہ جن ہیں اور یہاں من صلصال کہہ کر پھر فرمایا حمإ مسنون۔ تو بتایا کہ صلصال کی حالت سے تبدیل ہو کر پھر حما کی حالت ہوئی یعنی اس مٹی کے ساتھ پانی ملا اور پھر اس میں تغیر آیا اور ابن عباسؓ سے حما مسنون کے معنی طین رطب یعنی گیلی مٹی مروی ہیں اور ابتدائے زندگی کی تاریخ پر جو روشنی سائنس نے ڈالی ہے وہ یہی ہے کہ زندگی کی ابتدا ایسی مٹی سے ہوتی ہے جس میں پانی مل کر اس میں ایک تغیر واقع ہو جائے۔ ایک اُمی کے منہ سے آج سے تیرہ سو سال پہلے یہ الفاظ کہلوا کر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس علم کامل کا ثبوت دیا ہے جس کے مقابل پر انسانی علوم ہیچ ہیں اور صلصال میں چونکہ آواز کا خیال پایا جاتا ہے اور مسنون میں شکل و صورت دینے کا اس لیے ان الفاظ کے اختیار کرنے میں ساتھ ہی انسان کی ان دو صفات کی طرف بھی اشارہ ہے جو اُسے دوسرے حیوانات سے تمیز کرتی ہیں یعنی ایک گویائی اور دوسرے خاص قسم کی شکل و صورت۔

نمبر۲۔ استوی کے معنی ہیں ایک چیز اپنے کمال کو پہنچ گئی پس سوّی کے معنی ہیں اس کو کمال کو پہنچایا۔ روحی۔ ابن الانباری کا قول ہے کہ روح اور نفس ایک ہی ہیں سوائے اس کے روح مذکر ہے اور نفس مونث اور نفس کے ایک معنی قوت ممیزہ بھی ہیں اور روح کے معنی جان بھی آتے ہیں اور نفس بھی یعنی نفس ناطقہ، اور

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝۳۰
پس کل فرشتوں سب کے سب نے فرمانبرداری کی ،

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝۳۱
مگر ابلیس (نے نہ کی) اس نے انکار کیا کہ فرمانبرداری کرنے والوں کے ساتھ ہو

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝۳۲
فرمایا اے ابلیس کیا وجہ ہے کہ تو فرماں برداری کرنیوالوں کے ساتھ نہیں ہوتا ؟

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝۳۳
اس نے کہا مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ میں ایک انسان کی فرمانبرداری کروں جسے تو نے سوکھی ہوئی مٹی سے تغیر شدہ کیچڑ سے پیدا کیا ہے ۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝۳۴
کہا ، تو اس (حالت) سے نکل جا کیونکہ تو دور کیا گیا ہے ۔

وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳۵
اور تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت ہے ۔

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝۳۶
کہا میرے رب تو مجھے اس دن تک مہلت دے جس دن وہ اٹھائے جائیں

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝۳۷
کہا تو ان میں سے ہے جنھیں مہلت دی گئی ۔

اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝۳۸
ایک معلوم وقت کے دن تک ۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۳۹
کہا میرے رب جیسا تو نے مجھے گمراہ ٹھہرایا میں انھیں زمین میں نافرمانی کو خوبصورت بنا کر دکھاؤنگا اور ان سب کو (حصول مقصد میں) ناکام رکھونگا

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝۴۰
سوائے تیرے بندوں کے جو ان میں سے خالص کیے گئے ہیں ۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ۝۴۱
فرمایہ سیدھا رستہ میری طرف ہے ۔

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ
کہ میرے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں مگر جو جاہلوں میں سے

وحی اور قرآن وغیرہ اور روحی کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف بر سبیل تشریف ہے جیسے بیتی میں اور یہاں روح سے مراد نفس ناطقہ یا وہ چیز ہے جس سے انسان تمیز کرتا ہے یہاں روح جان کے معنی میں اس لیے نہیں ہو سکتی کہ یہ روح انسان اور دوسرے حیوانات میں اشتراک رکھتی ہے اور سجدہ کا حکم کسی خصوصیت کی وجہ سے ہے اگر جان کے ڈالا جانے کی وجہ سے یہ حکم ہوتا تو دوسرے جاندار بھی اس میں شامل ہوتے اور سورۂ بقرہ میں اول انسان کو علم دیا جاتا ہے تب ملائکہ کو سجدہ کا حکم ہوتا ہے ۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہاں نفخ روح سے مراد اس قوت ممیزہ کا نفخ ہے جس سے انسان علم حاصل کرتا ہے اور روح سے مراد وہ بھی نہیں ہو سکتی اس لیے کہ یہ وہ روح ہے جو تمام انسانوں میں نفخ ہوتی ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا : ثم جعل نسله من سللة من ماء مهين ثم سوىه ونفخ فيه من روحه (السجدة ۳۲ - ۸ و ۹)

نمبر ا ۔ فی الارض میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا کی زندگی انھیں اچھی کر کے دکھاؤں گا یہاں تک کہ وہ اس دنیوی زندگی کو ہی اپنا اصل مقصد بنالیں ۔ اس لیے آخر پر لاغوینھم کا لفظ استعمال کیا ہے اور غی کے معنی وہ جہالت ہیں جو اعتقاد فاسد سے پیدا ہو اور غوی کے معنی خاب یعنی ناکام ہوا اور اغواء کے معنی ناکام رکھنا ہیں یعنی اصل مقصد زندگی کی طرف ان کی توجہ نہ ہونے دونگا اور یوں انھیں اس مقصد کے حصول میں ناکام رکھوں گا ۔

اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ تیرے پیچھے چلے ¹

وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اور یقیناً ان سب کے وعدہ کی جگہ دوزخ ہے۔

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾ اس کے سات دروازے ہیں، ہر ایک دروازے کے لیے ان میں سے ایک حصّہ الگ کر دیا گیا ہے ²

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ؕ ﴿۴۵﴾ متقی باغوں اور چشموں میں رہیں گے۔

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾ ان میں سلامتی سے امن کی حالت میں داخل ہو جاؤ۔

وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ اور جو ان کے دلوں میں کچھ کدورت ہو گی ہم اسے نکال دینگے وہ بھائی بھائی تختوں پر آمنے سامنے ہونگے۔

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾ انھیں ان میں کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں گے ³

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ میرے بندوں کو خبر دے کہ میں بخشنے والا رحم کرنے والا ہوں۔

وَ اَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ اور کہ میرا عذاب دردناک عذاب ہے۔

نمبر ۱۔ عباد کا لفظ یہاں عام ہے کیونکہ عباد مخلصین سے تو شیطان خود ہی مایوس ہے وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں انھیں چھوڑ کر باقی سب کو ناکام کر دوں گا یعنی دنیا ہی ان کا مقصد ہو جائے گی اور وہ اصل مقصد زندگی کے حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارا تسلط اور غلبہ تو کسی پر بھی نہ ہو گا۔ ہاں جو خود بخود اپنے فاسد اعتقاد کی وجہ سے جاہل رہ کر تیری پیروی کرے تو کرے۔ یہ آیت اس بات پر قطعی شہادت ہے کہ شیطان کا بندوں پر تسلط کوئی نہیں وہ خود اس کے پیچھے لگتے ہیں۔

نمبر ۲۔ ابواب، باب کی جمع ہے۔ کسی چیز میں داخل ہونے کا رستہ۔ اور اصل میں مکانوں میں داخل ہونے کا رستہ ہے اور ابواب الجنۃ اور ابواب جہنم سے مراد وہ باتیں ہیں جن کے ذریعہ سے ان تک پہنچا جاتا ہے اور حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ابواب جہنم سے مراد طبقات جہنم ہیں نہ دروازے۔ اور ان سات طبقوں کے نام جہنم، لظٰی، حطمۃ، سعیر، سقر، جحیم، ہاویہ لیے گئے ہیں اور قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساتوں دوزخ کے مختلف نام ہیں اور ہر ایک ان میں سے کسی وصف کے لحاظ سے دوزخ کا نام ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ سات کا استعمال ایسی حالت میں عدد کامل کے طور پر ہو یعنی بہت سے دروازے ہیں اور قتادہؒ کہتے ہیں کہ یہ سات دروازے ان کے اعمال کے مطابق سات منزلیں ہیں اور یہی اصل حقیقت ہے کہ ہر ایک شخص کا دوزخ اس کے اعمال کے مطابق ہے۔

نمبر ۳۔ جنت کا نقشہ یہاں جن الفاظ میں کھینچا ہے اس کی طرف کم لوگ توجہ کرتے ہیں۔ انسان کے اپنے نفس کے لیے وہاں ہر قسم کے عیوب سے سلامتی ہے اور ہر قسم کے خطرات سے امن ہے پھر دوسروں سے بھی تعلقات ہیں اور وہ تعلقات اس اعلیٰ درجہ کی محبت کے ہیں جو اخوت کے نام سے موسوم ہے مگر اخوت بھی ایسی جس میں بغض وحسد کوئی نہیں جس سے دنیا کی محبتیں اور اخوتیں عموماً آلودہ رہتی ہیں پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ان نعمتوں کا دوام ہے، یعنی ان سے کبھی کوئی نکالا نہیں جائے گا جو بلا یہاں دنیا کی نعمتوں سے لگی ہوئی ہے کہ آج ایک شخص کو ملتی ہیں تو کل اُن سے محروم ہو جاتا ہے مگر ایک چیز کی مداومت سے انسان تھک جاتا ہے۔ اس لیے فرمایا کہ یہ مداومت ایسی نہ ہو گی جس میں تکان ہو۔ یہ کمال راحت کا نقشہ ہے جس سے بڑھ کر راحت کے لیے اور الفاظ تجویز نہیں ہو سکتے۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۝٥١
اور انھیں ابراہیمؑ کے مہمانوں کی خبر دے دو۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۭ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ۝٥٢
جب وہ اس کے پاس آئے تو کہا سلامتی ہو، اس نے کہا ہم تم سے ڈرتے ہیں۔

قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝٥٣
انھوں نے کہا نہیں ہم تجھے ایک صاحب حکم لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓي اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۝٥٤
اس نے کہا کیا تم مجھے خوشخبری دیتے ہو حالانکہ مجھے بڑھاپے نے آلیا ہے تو تم کاہے کی خوش خبری دیتے ہو۔

قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۝٥٥
انھوں نے کہا ہم حق کے ساتھ تجھے خوشخبری دیتے ہیں، پس تو ناامیدوں میں سے نہ ہو۔[1]

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ ۝٥٦
اس نے کہا اور سوائے گمراہوں کے اپنے رب کی رحمت سے کون مایوس ہو سکتا ہے۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝٥٧
کہا، تو اے رسولو! تمھارا کام کیا ہے؟

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۝٥٨
انھوں نے کہا، ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝٥٩
سوائے لوطؑ کے پیروؤں کے ہم ان سب کو ضرور بچا لیں گے۔

اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝٦٠
مگر اس کی عورت ہم مقدر کر چکے ہیں کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہو۔[2]

نمبر ۱- یہاں انہی واقعات کا ذکر ہے جو سورۂ ہود میں ۶۹-۷۰ میں بیان ہو چکے ہیں۔ یہاں ان آنے والوں کو مہمان کہا ہے اس سے بھی یہ پتہ لگتا ہے کہ یہ انسان تھے اور حضرت ابراہیمؑ کا یہ کہنا کہ تم کس ذریعہ سے مجھے خوشخبری دیتے ہو، صاف بتاتا ہے کہ وہ انھیں ملائکہ نہ سمجھتے تھے اور یہ ناممکن ہے کہ فرشتہ نبی پر نازل ہو تو وہ اسے شناخت نہ کرے کہ یہ فرشتہ ہے اور ان کا جواب کہ ہم تجھے حق کے ساتھ خوشخبری دیتے ہیں اس بات کا موید ہے گویا وہ بتاتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی سے آگاہ کیا ہے جو امر حق ہے۔

نمبر ۲- الا آل لوط میں الا استثنائے منقطع ہے اور مطلب صرف اس قدر ہے کہ آل لوط اس مجرم قوم میں داخل نہیں اور اگلے رکوع کی پہلی آیت میں صاف فرمایا کہ رسول آل لوط کے پاس آئے۔ قدرنا میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف جاتی ہے کیونکہ قضاء و قدر نہ ملائکہ کے اختیار میں ہے نہ انسانوں کے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اس میں بُعد کوئی نہیں کہ ان مرسلوں کے کلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کلام شروع ہو گیا ہو۔ دوسری جگہ انہی مرسلوں کا کلام یوں نقل کیا ہے قالوا انا ارسلنا الی قوم مجرمین۔ لنرسل علیہم حجارۃ من طین۔ مسومۃ عند ربک للمسرفین فاخرجنا من کان فیہا من المومنین فما وجدنا فیہا غیر بیت من المسلمین۔ وترکنا فیہا آیۃ للذین یخافون العذاب الالیم (الذاریات ۳۲-۳۷) جس میں لازماً کہیں نہ کہیں ضمیر کو بدل کر اللہ تعالیٰ کی طرف لانا پڑتا ہے کیونکہ آخری الفاظ ترکنا کسی طرح ان ملائکہ کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے اور اس موقعہ پر تفاسیر میں فاخرجنا سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکایتاً قول مانا گیا ہے اسی طرح یہاں انا لمنجوھم سے کلام حکایتاً اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوۡطِ ۣ الۡمُرۡسَلُوۡنَ ﴿۶۱﴾
سو جب رسول لوطؑ کی آل کے پاس آئے۔

قَالَ اِنَّكُمۡ قَوۡمٌ مُّنۡكَرُوۡنَ ﴿۶۲﴾
اس نے کہا تم اجنبی لوگ ہو۔

قَالُوۡا بَلۡ جِئۡنٰكَ بِمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ﴿۶۳﴾
انھوں نے کہا بلکہ ہم وہ بات تیرے پاس لائے ہیں جس میں جھگڑتے تھے

وَاَتَيۡنٰكَ بِالۡحَـقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿۶۴﴾
اور ہم حق کے ساتھ تیرے پاس آئے ہیں اور یقیناً ہم سچے ہیں۔[۱]

فَاَسۡرِ بِاَهۡلِكَ بِقِطۡعٍ مِّنَ الَّيۡلِ وَاتَّبِعۡ اَدۡبَارَهُمۡ وَلَا يَلۡتَفِتۡ مِنۡكُمۡ اَحَدٌ وَّامۡضُوۡا حَيۡثُ تُؤۡمَرُوۡنَ ﴿۶۵﴾
سو اپنے اہل کو کچھ رات رہے لیکر چلا جا اور خود ان کے پیچھے چل اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور چلے جاؤ جہاں تمھیں حکم دیا گیا ہے۔[۲]

وَقَضَيۡنَاۤ اِلَيۡهِ ذٰلِكَ الۡاَمۡرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَاۤءِ مَقۡطُوۡعٌ مُّصۡبِحِيۡنَ ﴿۶۶﴾
اور ہم نے اس کے ساتھ اس بات کا فیصلہ کر دیا کہ ان کی جڑ صبح ہوتے ہی کاٹ دی جائے گی۔[۳]

وَجَآءَ اَهۡلُ الۡمَدِيۡنَةِ يَسۡتَبۡشِرُوۡنَ ﴿۶۷﴾
اور شہر کے لوگ خوش خوش آئے۔

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَاۤءِ ضَيۡفِىۡ فَلَا تَفۡضَحُوۡنِۙ ﴿۶۸﴾
لوطؑ نے کہا یہ میرے مہمان ہیں تو تم مجھے رسوا نہ کرو۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ ﴿۶۹﴾
اور اللہ کا تقویٰ کرو اور مجھے ذلیل نہ کرو۔

قَالُوۡۤا اَوَلَمۡ نَـنۡهَكَ عَنِ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۷۰﴾
انھوں نے کہا کیا ہم نے تمھیں جہان (کے لوگوں) سے روکا نہیں۔[۴]

نمبر۱۔ جس طرح حضرتِ ابراہیمؑ نے ان آنے والوں کو ملائکہ نہیں سمجھا حضرت لوطؑ نے بھی نہیں سمجھا۔ کیونکہ نبی ملائکہ کو منکر یا اجنبی لوگ نہیں کہہ سکتا اور ان کا حضرت لوطؑ کو یقین دلانا کہ ہم سچے ہیں صاف بتاتا ہے کہ یہ انسان تھے فرشتوں کو ایسا یقین دلانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اتیناک بالحق کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ایک حق بات ہم آپ کے پاس لائے ہیں یعنی عذاب الٰہی جس کا آنا حق ہے مگر یہ خطاب حضرتِ لوطؑ کے لیے موزوں نہیں ان کی قوم کے لیے موزوں ہو سکتا ہے اس لیے میں نے دوسرے معنی اختیار کیے ہیں کہ ہم اقتضائے حکمت کے مطابق آپ کے پاس آئے ہیں تاکہ اس قوم پر اتمام حجت ہو جائے اور یہ اپنی شرارت کو اس انتہا تک پہنچا دیں جس کے بعد قوم کو مہلت نہیں دی جاتی۔

نمبر۲۔ خود ان کے پیچھے چلو یہی انبیاء کی طرز ہے۔ سب سے بڑھ کر خطرے کے مقام میں خود رہتے ہیں نبی کریم صلعم نے بھی سب صحابہ کو مکہ سے رخصت کر کے سب سے آخر خود ہجرت کی تاکہ کمزور ناتواں وغیرہ پیچھے نہ رہ جائیں۔ پیچھے مڑ کر نہ دیکھنے کی تاکید اس لیے کی کہ وہ ایک خطرناک مقام تھا ایسا نہ ہو کہ نکل کر اس انتظار میں ٹھہر جائیں کہ اس قوم پر کیا سزا آتی ہے اور جہاں حکم دیا جاتا ہے وہاں چلے جاؤ یہ حکم الٰہی حضرتِ لوطؑ کو علیحدہ دیا گیا اور ہو سکتا ہے کہ یہ سارا کلام فاسر باھلک سے لیکر حضرت لوطؑ کی طرف وحی ہے جیسا کہ اسی آیت میں اس وحی کا صاف ذکر بھی ہے۔

نمبر۳۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان رسولوں کا آنا اور وحی الٰہی دو الگ الگ امر ہیں۔ اگر یہ رسول فرشتے ہوتے تو علیحدہ وحی الٰہی کی ضرورت نہ تھی۔ بلکہ فرشتوں کا آنا ہی کافی تھا۔ مگر چونکہ رسول اپنی وحی پر ہی عمل کرتے ہیں اس لیے حضرت لوطؑ کی طرف وحی بھی ہوئی۔

نمبر۴۔ پیدائش ۱۹: ۹ میں ہے "یہ ایک مرد یہاں گزران کرنے آیا" مطلب یہ ہے کہ ہماری قوم میں سے نہیں۔ معلوم ہوتا ہے اسی وجہ سے انھوں نے حضرت لوطؑ کو اس بات سے روک دیا تھا کہ آپ کے پاس کوئی مہمان آکر رہے یعنی کوئی غیر قوم کا آدمی آکر ٹھہرے۔ یہی مطلب ان الفاظ کا ہے۔

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِیٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ﴿۷۱﴾	کہا یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تم (ان سے نکاح) کرنا چاہتے ہو۔
لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾	تیری زندگی کی قسم وہ اپنی بدمستی میں اندھے ہو رہے تھے ؎۱
فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ مُشْرِقِیْنَ ﴿۷۳﴾	سو ایک خطرناک آواز نے انھیں سورج نکلتے ہی آپکڑا۔
فَجَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَیْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ﴿۷۴﴾	پس ہم نے اُسے تہ و بالا کر دیا ، اور ہم نے اُن پر سخت پتھر برسائے۔
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ ﴿۷۵﴾	یقیناً اس میں فراست والوں کے لیے نشان ہیں۔
وَ اِنَّهَا لَبِسَبِیْلٍ مُّقِیْمٍ ﴿۷۶﴾	اور وہ (شہر) ایک دائمی رستے پر ہے ؎۲
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۷﴾	یقیناً اس میں مومنوں کے لیے نشان ہیں۔
وَ اِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ لَظٰلِمِیْنَ ﴿۷۸﴾	اور بَن کے رہنے والے بھی ظالم تھے ؎۳
فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَ اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۹﴾	سو ہم نے انھیں سزا دی اور یہ دونوں (شہر) کھلے رستے پر ہیں ؎۴
وَ لَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۸۰﴾	اور حجر کے رہنے والوں نے رسولوں کو جھٹلایا ؎۵

نمبر۱۔ یہاں قسم کھانے والا کون ہے اور کس چیز کی قسم ہے اکثر اس طرف گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلعم کی زندگی کی قسم کھائی ہے اور بعض کے نزدیک حضرت لوطؑ کے مہمانوں نے لوطؑ کی زندگی کی قسم کھائی ہے۔ انسان جب خدا کی قسم کھاتا ہے تو اس کا منشا عموماً یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اس بات پر گواہ ٹھہراتا ہے پس اللہ تعالیٰ کی قسم سے مراد صرف اس قدر ہوگی کہ کسی چیز کو بطور گواہ پیش کیا جاتا ہے۔ تو اس صورت میں نبی کریم صلعم کی زندگی کو بطور گواہ پیش کیا ہے اور یہ سچ ہے کہ ایک راستباز، ہاں تمام راستبازوں کے سردار کی زندگی ان لوگوں کے اندھا اور بدمست ہونے پر گواہ ہے جو بدی میں منہمک ہو جاتے ہیں اور لسان العرب میں ابن عباسؓ کے اس قول کو نقل کرکے اللہ تعالیٰ نے یہاں نبی کریم صلعم کی زندگی کی قسم کھائی ہے اور آپ کے سوا نے اور کسی کی زندگی کی قسم نہیں کھائی۔ اس کا انکار بھی نقل کیا ہے اور لکھا ہے کہ دوسروں نے اس کے معنی کیے ہیں لدینك الذی تعمر یعنی تیرے اس دین کی قسم جسے تو مروج کرتا ہے۔

نمبر۲۔ مراد یہ ہے کہ لوط کی یہ بستیاں ایک ایسے رستہ پر ہیں جو ہمیشہ چلتا ہے۔ اس لیے یہ تباہ شدہ بستیاں بھی نظروں کے سامنے آتی رہتی ہیں۔ آج بھی یہ رستہ اسی طرح جاری ہے۔

نمبر۳۔ اصحاب الایکہ۔ ایکہ کے معنے بن ہیں اور شہر کا نام بھی ہو سکتا ہے۔ اصحاب الایکہ کی طرف حضرت شعیبؑ ہی مبعوث ہوئے ہیں ممکن ہے کہ یہ کوئی الگ قوم ہو یا اہل مدین کا ہی دوسرا نام ہو۔

نمبر۴۔ دونوں سے مراد لوط اور شعیب کی بستیاں ہیں کیونکہ یہ دونوں ایک ہی رستہ پر واقع ہیں اور امام رستہ کو بھی کہا جاتا ہے۔

نمبر۵۔ الحجر قوم ثمود کے مسکن کا نام ہے اور یہ قطعہ مدینہ کے شمال میں ملک عرب کی حدود کے اندر واقع ہے۔
یہاں قوم ثمود کا ذکر ہے اس سے پہلے قوم لوط اور پھر قوم شعیب کا ذکر کیا تھا۔ ان تینوں کو یہاں ذکر سے کیوں مخصوص کیا۔ اور پھر یہ ترتیب کیسی ہے کہ لوط کی قوم ثمود کے بعد ہوئی۔ اور شعیب کا زمانہ لوط سے بعد ہے لیکن یہاں ذکر اول لوط کا پھر قوم شعیب کا پھر قوم ثمود کا ہے بات یہ ہے کہ ان تینوں قوموں کے مسکن اس رستہ پر ہیں جہاں سے اہل مکہ اپنی شام کی تجارت میں بار بار گذرتے تھے۔ اس لیے انہی تین کو یہاں ذکر سے مخصوص کیا اور ترتیب اس لحاظ سے ہے کہ سب سے اوپر لوط کی بستیاں ہیں اس سے نیچے قوم شعیب کی اور اس سے نیچے وادی حجر ہے یعنی قوم ثمود کا مسکن ان کا ذکر ابتدائے اسلام کی عبرت کے لیے کیا۔ نبی کریم صلعم نے مسلمانوں کو فرمایا

وَ اٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾
اور ہم نے انھیں اپنی آیتیں دیں تو وہ اُن سے منہ پھیر لینے والے ہوئے۔

وَ كَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾
اور وہ امن میں پہاڑوں کو تراش کر گھر بنا[illegible] تھے

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾
سو صبح ہوتے ہی انھیں سخت آواز نے آلیا۔

فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾
پس جو کچھ وہ کماتے تھے ان کے کسی کام نہ آیا۔

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾
اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے حق کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے اور یقیناً (موعود) گھڑی آنے والی ہے سو خوبی سے درگزر کرتے رہو[1]

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾
تیرا رب سب کا پیدا کرنے والا جاننے والا ہے۔

وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾
اور ہم نے ہی تجھے سات بار بار دہرائی گئی (آیتیں) اور عظمت والا قرآن دیا ہے[2]

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَ لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾
تو اپنی آنکھوں کو اس طرف نہ لگا جو ہم نے ان میں سے کئی قسم کے لوگوں کو چند روزہ سامان دیا ہے اور ان کے لیے غم نہ کھا اور مومنوں کے لیے اپنے بازوؤں کو جھکا[3]

کہ ان تباہ شدہ مقاموں پر جائیں تو روتے ہوئے جائیں مطلب یہ ہے کہ عبرت حاصل کریں۔ خود مدت بعد تبوک کو جاتے ہوئے صحابہ کو اسی طرح نصیحت فرمائی۔ معلوم ہوتا ہے یہ قوم قبول حق میں بہت ہی سخت تھی شاید اسی مذمومیت سے سورۃ کا نام الحجر ہے۔

نمبر۱۔ ان تینوں قوموں کے ذکر میں یہ سمجھایا کہ [illegible] جزا حق ہے۔ اس لیے اب عام کر کے سمجھایا کہ آسمان اور زمین میں جہاں تک بھی دیکھتے جاؤ یہی معلوم ہوگا کہ کوئی فعل بے نتیجہ نہیں پس اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ قوم جو اعمال بد میں بڑھتی چلی جاتی ہے آخر اس کی صف لپیٹ دی جائے۔ اور الساعۃ سے مراد یہاں وہی قوم کی تباہی کا وقت ہے جیسے الساعۃ الوسطی کہا جاتا ہے۔ اسی لیے اس کے بعد درگزر کا حکم دیا کیونکہ ان کی ساعت ان کی مغلوبیت تھی۔

نمبر۲۔ سبع من المثانی سے کیا مراد ہے بخاری میں ابو ہریرہؓ اور ایک دوسرے صحابی سے روایت ہے کہ نبی کریم صلعم نے فرمایا کہ یہ سورہ فاتحہ ہے اور دونوں روایتوں میں اس کو قرآن عظیم بھی فرمایا ہے اور یہ اس لحاظ سے بھی مثانی بالخصوص کہلائے گی کہ نماز میں یہی حصہ ہے جو بار بار دوہرایا جاتا ہے اور اس کے ساتھ کوئی سورت یا حصہ اور پڑھا جاتا ہے۔ اور ہر رکعت میں دوہرائی صرف یہی سورت جاتی ہے اور اس کی سات آیات بھی ہیں اور قرآن عظیم اس کو اس معنی سے کہا جیسے ام الکتاب اس لیے کہ اس میں ساری تعلیم قرآنی کا نچوڑ موجود ہے۔ اور اس کا ذکر اس لیے کیا کہ اگر لوگوں کے پاس مال و دولت ہے دیکھو اگلی آیت جس کے بھروسہ پر وہ تمھاری مخالفت کرتے ہیں تو تمھارے پاس وہ حق موجود ہے جس کے سامنے کوئی چیز ٹھہر نہیں سکتی اور وہی غالب آکر رہے گا۔

نمبر۳۔ جب اس عظیم الشان حق کا ذکر کیا جو نبی کریم صلعم کو دیا گیا تو اس کے بالمقابل جن چیزوں پر لوگ فخر کرتے ہیں ان کا ذکر بھی کیا یعنی دنیا کا مال اور اس کی نعمتیں اور آسائشیں۔

وَ قُلْ اِنِّیْۤ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ﴿۸۹﴾	اور کہہ میں کھلے طور پر ڈرانے والا ہوں ۔
كَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِیْنَ ﴿۹۰﴾	جس طرح ہم نے قسمیں کھانے والوں پر اتارا[1]
الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ﴿۹۱﴾	جنھوں نے قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا[2]
فَوَ رَبِّكَ لَنَسْــٴَـلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۲﴾	سو تیرے رب کی قسم ہم ضرور ان سے پوچھیں گے ۔
عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾	جو وہ عمل کرتے تھے ۔
فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۴﴾	سو کھول کر کہہ دے جو تجھے حکم دیا جاتا ہے اور مشرکوں کا خیال نہ کر[3]
اِنَّا كَفَیْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِیْنَ ﴿۹۵﴾	ہم تیری طرف سے ہنسی کرنے والوں (کی سزا) کے لیے کافی ہیں ۔
الَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾	جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود قرار دیتے ہیں سو عنقریب جان لیں گے ۔
وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ یَضِیْقُ صَدْرُكَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾	اور ہم جانتے ہیں کہ تیرا دل اس سے تنگ پڑتا ہے جو یہ کہتے ہیں ۔
فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۹۸﴾	سو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتا رہ اور سجدہ کرنیوالوں میں رہ ۔
وَ اعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى یَاْتِیَكَ الْیَقِیْنُ ﴿۹۹﴾	اور اپنے رب کی عبادت کرتا رہ یہاں تک کہ تجھ پر موت آجائے[4]

نمبر۱۔ مقتسمین سے مراد راغب نے وہ لوگ لیے ہیں جنھوں نے مکہ کی گھاٹیوں میں آنحضرت صلعم کی مخالفت پر قسمیں کھائی تھیں یہی معنی بخاری میں ہیں اور بعض نے معنے کیے ہیں قرآن کو تقسیم کرنے والے یعنی ایک حصہ کو حق اور دوسرے کو باطل کہنے والے جیسا اہل کتاب کہتے تھے ۔
جب عذاب سے ڈرایا تو فرمایا کہ ہم اسی طرح عذاب نازل کریں گے جس طرح قسمیں کھانے والوں پر اتارا۔ ظاہر ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور ابھی نہ اہل کتاب پر عذاب اترا تھا نہ اہل مکہ پر۔ اس لیے بعض نے خیال کیا کہ مقتسمین سے مراد پہلے انبیاء کے مخالف ہیں اور اگلی آیت میں القرآن سے بھی پہلی کتب منزلہ کو مراد لیا ہے مگر یہ بالبداہت غلط ہے یہ کسی آیندہ زمانہ کی طرف اشارہ ہے جب دنیا کے سامان بہت ترقی کر جائیں ۔ فرمایا کہ ان پر بھی ہم اسی طرح عذاب نازل کریں گے جس طرح ان سے پہلے لوگوں پر کیا جنھوں نے رسول اللہ صلعم کی مخالفت پر قسمیں کھائیں اور اس صورت میں انزلنا کا استعمال بہ سبب تحقق وقوع درست ہے اس لیے کہ انھیں بار بار اس کی پیشگوئیاں سنا دی گئی تھیں ۔
نمبر۲۔ قرآن کو عضین بنانے سے یہ منشا ہے کہ کسی حصہ پر ایمان لاتے ہیں اور کسی کا انکار کرتے ہیں اور یا یہ کہ کبھی اُسے سحر کہتے ہیں کبھی کہانت کبھی شعر وغیرہ بخاری میں ابن عباسؓ سے پہلے معنی مروی ہیں اور یہود و نصاری مراد لیے گئے ہیں ۔
نمبر۳۔ مشرکوں سے اعراض کے یہ معنی ہیں کہ ان کی مخالفت اور عداوت اور منصوبوں کی کچھ پروا نہ کرو اور کھول کھول کر بیان کرتے چلے جاؤ ۔
نمبر۴۔ یقین کے معنے یہاں موت ہیں عام معنے ہی لیے جائیں تو مطلب یہ نہیں کہ یقین آجائے تو عبادت چھوڑ دو تب تو چاہیئے تھا کہ رسول اللہ صلعم عبادت چھوڑ دیتے ۔ مراد ہے کہ عبادت کرو تا کہ یقین کا مرتبہ حاصل ہو پھر عبادت میں خود لذت پیدا ہو جائے گی ۔

اٰيَاتُهَا ۱۲۸ (۱۶) سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔
اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ | اللہ کا حکم آگیا سو اس کے لیے جلدی مت کرو، وہ پاک ہے
وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۱ | اور اس سے بلند ہے جو وہ شریک بناتے ہیں ؏۲۔
يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ | وہ فرشتوں کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے اپنے بندوں
عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا | میں سے جس پر چاہتا ہے اتارتا ہے کہ بتا دو کہ میرے سوائے کوئی
اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۝۲ | معبود نہیں سو میرا تقوےٰ اختیار کرو ؏۳۔
خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ | اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا، وہ اس
تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۳ | سے بلند ہے، جو وہ شریک بناتے ہیں۔
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ | انسان کو نطفہ سے پیدا کیا، پھر دیکھو وہ کھلم کھلا جھگڑا
خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝۴ | کرنے والا ہے ؏۴۔
وَ الْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ | اور چارپایوں کو اسی نے پیدا کیا۔ تمھارے لیے ان میں گرمی

نمبر۱۔ اس سورت کا نام النحل ہے اور اس میں سولہ رکوع اور ۱۲۸ آیات ہیں۔ نحل کے معنی شہد کی مکھی ہیں اس نام میں اشارہ یہ ہے کہ جس طرح شہد کی مکھی مختلف پھولوں پر بیٹھ کر اُن کی مٹھاس کو چوس کر ایک اعلیٰ درجہ کی شیریں اور شفا دینے والی چیز پیدا کر دیتی ہے اسی طرح وحی الٰہی جو قرآن میں ہے اس نے تمام بہترین ہدایاتِ عالم کو جو کبھی دی گئی ہوں اس پاک کتاب کے اندر جمع کر دیا ہے۔ یہ سورت گویا پہلی چھ سورتوں کے مضمون کی تکمیل کرتی ہے۔

نمبر۲۔ امر اللہ سے مراد وہ عذاب ہے جس کا کفار کو وعدہ دیا جاتا تھا اور جس کا وہ بار بار مطالبہ کرتے تھے۔ چونکہ اسی عذاب سے ان کی مخالفت اور قوت کا استیصال ہوتا تھا اس لیے اسے امر اللہ کہا ہے گویا حکومت اسلامی کا قیام بھی اسی سے ہو جائے گا۔ اتی یا آگیا سے مراد ہے کہ اس کا آنا قطعی اور یقینی ہے۔

نمبر۳۔ یہاں روح سے مراد وحی الٰہی ہے کیونکہ یہاں ذکر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے روح نازل کرتا ہے اور روح جو حیات ہے یا جو نفس ناطقہ ہے وہ تو سب کو ملتی ہے اور اس روح کے نازل کرنے کا نتیجہ بھی انذار ہے اور یہاں اشارہ قرآن کریم کے نزول کی طرف ہے اور پہلی آیت سے تعلق یہ ہے کہ یہ غالب آکر رہے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ بے سود کام نہیں کرتا کیونکہ اس کی ساری خلق بالحق ہے جیسا کہ اگلی آیت میں بیان فرمایا تو حق کا نازل کرنا جس غرض کے لیے ضرور ہے کہ وہ بھی پوری ہو کر رہے۔

نمبر۴۔ نطفة۔ اس میں الماء الصافی یعنی مصفےٰ پانی کو کہتے ہیں خواہ قلیل ہو یا کثیر آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے بعد انسان کا ذکر کیا اور اس کی ابتدا کی طرف اشارہ کر کے اپنی قدرت کاملہ کا ذکر کیا کہ کس طرح پر مصفی خلاصہ در خلاصہ نکلتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ انسان بنتا ہے۔ بایں انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت میں جھگڑا کرتا ہے اور اسے اس موت کے بعد زندگی جس کے لیے وحی الٰہی انسان کو تیار کرتی ہے ایک بعید بات معلوم ہوتی ہے۔

وَّ مَنَافِعُ وَ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۵﴾	کا سامان اور کئی فائدے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے ہو۔[1]
وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ	اور تمھارے لیے ان میں خوبصورتی کا سامان ہے جب تم شام کو
وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ﴿۶﴾	(انھیں) واپس لاتے ہو اور جب چرانے لے جاتے ہو۔
وَ تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا	اور وہ تمھارے بوجھ ایسے مقامات کی طرف اٹھالے جاتے ہیں
بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّكُمْ	جہاں تم سوائے جانوں کو مشقت میں ڈالنے کے نہیں پہنچ سکتے تھے
لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷﴾	یقیناً تمھارا رب مہربان رحم کرنے والا ہے۔
وَّ الْخَيْلَ وَ الْبِغَالَ وَ الْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا	اور گھوڑے اور خچریں اور گدھے (پیدا کیے) تاکہ تم ان پر سوار ہو اور زینت
وَ زِيْنَةً ؕ وَ يَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸﴾	کا سامان ہوں اور وہ وہ کچھ پیدا کرتا رہتا ہے جو تم نہیں جانتے۔[2]
وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ ؕ	اور اللہ ہی سیدھی راہ پر چلاتا ہے اور بعض راہیں ٹیڑھی ہیں اور
وَ لَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹﴾ ع	اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت کرتا۔[3]
هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ	وہی ہے جو تمھارے لیے بادل سے پانی اتارتا ہے اس سے پینے کے
مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴿۱۰﴾	کام آتا ہے اور اس سے درخت پرورش پاتے ہیں جن میں تم چراتے ہو۔
يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّيْتُوْنَ	اسی سے وہ تمھارے لیے کھیتی اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور اور
وَ النَّخِيْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ	انگور اور ہر قسم کے پھل یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشان ہے
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾	جو فکر کرتے ہیں۔

نمبر۱۔ انسان سے نیچے اتر کر چار پایوں کا ذکر کیا جو جاندار ہونے میں انسان کے شریک ہیں اور یہ بتاکر کہ ان میں انسانوں کے لیے فواید ہیں۔ یہ ظاہر کیا کہ انسان کی زندگی کی کوئی اور بلند غرض ہے۔

نمبر۲۔ جب ان پر سواری کا ذکر کیا تو ساتھ ہی بڑھایا کہ اللہ تعالیٰ ایسی چیزیں بھی پیدا کرتا ہے اور کرے گا جنھیں تم جانتے نہیں اور اس میں بالخصوص سواری کی ان چیزوں کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جو ابھی ظاہر ہونے والی تھیں اور دوسری جگہ فلک یعنی کشتی کا ذکر کرکے جس سے سواری کا کام لیا جاتا ہے فرمایا وخلقنا لهم من مثله ما يركبون (یٰس۔ ۴۲) یعنی کشتی کی شل سواری کی اور چیزیں بھی ہم پیدا کریں گے اور عام بھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ایسی ایسی مخلوق ہے جس کا انسان کو علم بھی نہیں۔

نمبر۳۔ قصد کے معنی رستہ کی استقامت یا سیدھا ہونا ہیں اور قصد السبیل استقامت والا رستہ یا سیدھا رستہ ہے۔
جب انسان پر اپنی جسمانی نعمتوں کا ذکر کیا تو اب اس طرف توجہ دلائی کہ جس نے اس قدر سامان جسمانی آسایش کے لیے بنائے ہیں ضروری تھا کہ وہ اخلاق اور روحانیت کے لیے بھی کوئی رستہ دکھاتا۔ اس لیے فرمایا کہ سیدھے رستہ کی طرف ہدایت کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا ہی کام تھا اور اسی غرض کے لیے وہ وحی بھیجتا ہے۔ ہاں لوگ خود بھی رستہ تراش لیتے ہیں مگر یہ سیدھی راہیں نہیں بلکہ طریق مستقیم سے ایک طرف پھیر دینے والی ہیں۔

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ وَ الشَّمْسَ
وَ الْقَمَرَ ؕ وَ النُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾
وَ مَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾
وَ هُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ
لَحْمًا طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً
تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ
وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾
وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ
بِكُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾

اور اس نے تمھارے لیے رات اور دن کو اور سورج اور چاند کو
کام میں لگا رکھا ہے اور ستارے بھی اُس کے حکم سے کام میں لگے ہوئے ہیں
یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔
اور جو کچھ اس نے تمھارے لیے زمین میں پیدا کیا ہے اس کے مختلف رنگ
ہیں یقیناً اس میں اُن لوگوں کے لیے نشان ہے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں۔[۱]
اور وہی ہے جس نے سمندر کو کام میں لگا رکھا ہے تاکہ تم اس سے
تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے (موتیوں کے) زیور نکالو جنھیں تم
پہنتے ہو، اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے اُسے پھاڑتی چلی جاتی ہیں تاکہ
تم اس کا فضل طلب کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔[۲]
اور اس نے زمین میں پہاڑ ڈالے کہ تمھیں لیکر کانپے نہیں اور دریا
اور راستے ربنائے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔[۳]

نمبر۱۔ لَون کے معنی رنگ ہیں لیکن الوان سے بعض وقت اجناس اور انواع بھی مراد لی جاتی ہیں۔ یہاں بھی نعمتوں کی مختلف انواع مراد ہیں۔ رنگوں کے اختلاف کی طرف دوسری جگہ توجہ دلائی ہے اختلاف السنتکم والوانکم۔
ان تمام نعمائے الٰہی کے ذکر میں ان کے پیدا کرنے والے کی طرف توجہ دلائی ہے کہ کس طرح زمین کے پھل اور آسمان کے ستارے یکساں انسان کے لیے فائدے کا موجب ہو رہے ہیں۔ یہ کام نہ عیسیٰ مسیح کا ہے جسے عیسائیوں نے خدا بنایا نہ رامچندر اور کرشن جی کا جن کو ہندوؤں نے خدائی کا مرتبہ دیا نہ کسی بت کا جسے بُت پرست پوجتے ہیں بلکہ یہ بھی بتا دیا کہ اس سورج اور چاند کو بھی کسی نے کام میں لگا رکھا اور قید میں جکڑ رکھا ہے۔ ان تمام چیزوں کی حد بندیاں بتاتی ہیں کہ کوئی حد بندی کرنے والا بھی ہے اور یہ سارا نظم ظاہر کرتا ہے کہ کوئی اس نظام کو وجود میں لانے والا بھی ہے۔
نمبر۲۔ طری: تازہ۔ اسی سے طراوت ہے اور لحم طری سے مراد مچھلی کا گوشت ہے۔ حلیۃ تلبسونھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن شریف عورتوں اور مردوں کو یکساں مخاطب کرتا ہے زیورات تو عورتیں ہی پہنتی ہیں۔ سمندر کا مسخر ہونا یہ ہے کہ کشتیوں کے ذریعہ سے انسان اس پر حکمرانی کرتا ہے اور طرح طرح کے فوائد حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے چیزوں کو کام میں لگا رکھا ہے مگر انسان جد وجہد کے بغیر ان سے منافع حاصل نہیں کر سکتا۔
نمبر۳۔ مَید کے معنی اضطراب الشئ العظیم بھی ہیں یعنی عظیم الشان چیز کا اضطراب جیسے زمین کا اضطراب۔ اور مَاد کے معنی اطعم بھی ہیں یعنی کھانا دیا۔ تَمِیْدُ بکم کے معنی دونوں طرح ہو سکتے ہیں یعنی یہ کہ وہ تمھیں کھانے کا سامان دے اور یہ بھی کہ وہ اضطراب سے رک جائے۔ اور پہلے معنی انھارًا کی مناسبت سے زیادہ موزوں ہیں کیونکہ اگر پہاڑ نہ ہوتے تو دریا بھی نہ ہوتے اور انسان کی روزی کے سامان کا انحصار پہاڑوں اور دریاؤں پر ہی ہے اور یہ امر کہ پہاڑ اور دریا دونوں یہاں ان تمید بکم کے حکم میں ہیں اس سے ظاہر ہے انھار کو سُبُل کے ساتھ نہیں لگایا جا سکتا کیونکہ دریا رستوں کا کام نہیں دیتے اور حدیث میں جو آیا ہے کہ لما خلق اللہ الارض جعلت تمید فارسٰھا بالجبال یعنی جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو اس میں بہت اضطراب تھا۔ تب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ قائم کیے سو یہ بالکل درست ہے اور سائنس بھی اس پر شاہد ہے کہ پہاڑوں کے بن جانے سے زمین کا اضطراب زلزلوں کے رنگ میں کم ہو گیا۔

وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝۱۶

اور بڑے بڑے نشان اور ستاروں سے وہ راہ پاتے ہیں۔

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝۱۷

توکیا جو پیدا کرتا ہے وہ اس کی طرح ہے جو پیدا نہیں کرتا، سو کیوں تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۸

اور اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو انھیں گن نہ سکو گے یقیناً اللہ حفاظت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝۱۹

اور اللہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝۲۰

اور وہ جنھیں یہ اللہ کے سوائے پکارتے ہیں وہ کوئی چیز پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں۔

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝۲۱ ع

مُردے ہیں نہ زندے اور وہ نہیں جانتے کہ کب اُٹھائے جائیں گے ۱؎

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝۲۲

تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے، سو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل انکاری ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں ۲؎

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۝۲۳

حق یہی ہے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں، وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

نمبر ۱۔ یہ دونوں آیتیں بتاتی ہیں کہ وہ انسان جن کو لوگ خدا کر کے پکارتے تھے وہ مر چکے تھے کوئی ان میں سے زندہ نہ تھا اور نہ ان کو یہ علم تھا کہ وہ خود کب اٹھائے جائیں گے ان باتوں کا ذکر کیوں فرمایا؟ اس لیے کہ اوپر فرمایا تھا کہ وہ جو پیدا کرتا ہے اس کی طرح نہیں ہو سکتا جو پیدا نہیں کر سکتا اور چونکہ وہ انسان جنھیں خدا بنایا گیا ان کے متعلق بھی خود ان کے پرستاروں کو یہ اعتراف ہے کہ انھوں نے پیدا کچھ نہیں کیا۔ اس لیے یوں اتمام حجت کر کے اب بتایا کہ انھوں نے نہ صرف کچھ پیدا ہی نہیں کیا بلکہ وہ خود مخلوق ہیں اور مخلوق کی جو حالت ہوتی ہے وہ ان پر آئی یعنی وہ مر گئے اور بعثت چونکہ دوسری پیدائش کا نام ہے اس لیے فرمایا کہ جب انھیں پہلی خلق میں کچھ حصہ نہیں تو دوسری میں بھی نہیں ان آیات سے یہ یقینی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جن کو انسانوں کے ایک بڑے حصہ نے خدا بنایا ہے وہ بھی اس آیت کے نزول کے وقت مردوں میں داخل تھے۔ اموات کے بعد غیر احیاء تاکید کے طور پر لایا گیا ہے کیونکہ اموات سے یہ مراد بھی ہو سکتی تھی کہ آئندہ کبھی ان پر موت آ جائے اس لیے فرمایا کہ نہیں وہ اس وقت بھی زندہ نہیں۔

نمبر ۲۔ پہلے رکوع میں صحیفۂ قدرت سے وحی الٰہی پر اور دوسرے میں توحید پر دلائل دیئے تھے اب دونوں باتوں کو ملا کر فرماتا ہے کہ جو لوگ زندگی بعد الموت کو نہیں مانتے ان کے دل درحقیقت توحید الٰہی سے بھی انکاری ہیں گویا وہ توحید الٰہی کی حقیقت کو بھی نہیں پہچانتے یوں برائے نام اللہ تعالیٰ کی ہستی کا اقرار کرتے ہیں اور متکبر ان کو اس لحاظ سے کہا کہ وہ اعمال کی ذمہ داری نہیں سمجھتے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُم مَّاذَآ أَنزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوٓا أَسَٰطِيرُ ٱلْأَوَّلِينَ ﴿٢٤﴾

اور جب انھیں کہا جاتا ہے تمھارے رب نے کیا اتارا ہے کہتے ہیں پہلوں کی کہانیاں۔

لِيَحْمِلُوٓا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ وَمِنْ أَوْزَارِ ٱلَّذِينَ يُضِلُّونَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ أَلَا سَآءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٢٥﴾

کہ اپنے بوجھ قیامت کے دن پورے اُٹھائیں اور اُن کے بوجھوں سے بھی جنھیں علم کے بغیر گمراہ کرتے ہیں، سنو برا بوجھ ہے جو وہ اُٹھاتے ہیں ۱؎

قَدْ مَكَرَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَأَتَى ٱللَّهُ بُنْيَٰنَهُم مِّنَ ٱلْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ ٱلسَّقْفُ مِن فَوْقِهِمْ وَأَتَىٰهُمُ ٱلْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾

انھوں نے بھی (حق کے خلاف) تدبیریں کیں جو ان سے پہلے تھے سو اللہ نے ان کی عمارت کو بنیادوں سے گرایا، سو چھت ان کے اوپر سے اُن پر آگری اور عذاب اُن پر آپہنچا، جہاں سے انھیں خیال نہ تھا ۲؎

ثُمَّ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَآءِىَ ٱلَّذِينَ كُنتُمْ تُشَٰٓقُّونَ فِيهِمْ قَالَ ٱلَّذِينَ أُوتُوا ٱلْعِلْمَ إِنَّ ٱلْخِزْىَ ٱلْيَوْمَ وَٱلسُّوٓءَ عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿٢٧﴾

پھر قیامت کے دن انھیں رسوا کرے گا اور کہے گا میرے شریک کہاں ہیں جن میں تم (حق کی) مخالفت کرتے تھے، جنھیں علم دیا گیا ہے، کہیں گے آج کی رسوائی اور خرابی کافروں پر ہے۔

ٱلَّذِينَ تَتَوَفَّىٰهُمُ ٱلْمَلَٰٓئِكَةُ ظَالِمِىٓ أَنفُسِهِمْ فَأَلْقَوُا ٱلسَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِن سُوٓءٍ بَلَىٰٓ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌۢ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٨﴾

جن کی جانیں فرشتے قبض کرتے ہیں (دراں حالیکہ) وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں، تب وہ فرمانبرداری ظاہر کریں گے (کہیں گے) ہم کوئی بدی نہیں کرتے تھے، ہاں اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے تھے۔

فَٱدْخُلُوٓا أَبْوَٰبَ جَهَنَّمَ خَٰلِدِينَ فِيهَا

سو دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ، اسی میں رہو گے

نمبر۱- یحملوا میں لام عاقبت کا ہے یعنی ان کے ایسی باتیں کرنے کا نتیجہ یہ ہے کہ خود بھی گمراہ ہوتے چلے جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ وحی الٰہی کو جو انسان کے اعمال کی ذمہ داری کی طرف توجہ دلاتی ہے اور بتاتی ہے کہ کوئی عمل بے نتیجہ نہیں رہیگا۔ کہانیاں کہنے کا یہ نتیجہ ہے کہ اصلیت پر غور نہیں کرتے گمراہی میں بڑھتے چلے جاتے ہیں اور کاملۃ اس بوجھ کو اسی لحاظ سے کہا کہ جس حد تک یہ بڑھ سکتا تھا انھوں نے اُسے بڑھایا۔

نمبر۲- جب یہ بتایا کہ توحید الٰہی کا علم درحقیقت وحی الٰہی سے ہی آتا ہے تو اب ان لوگوں کا ذکر کیا جو اس عظیم الشان امرِ حق کی مخالفت میں تدبیریں کر کے اسے نیست و نابود کرنا چاہتے تھے اور اس آیت میں سمجھایا ہے کہ ان کی تمام تدابیر بمنزلہ ایک بڑی عمارت کے ہیں جس کی بنیادوں کو اللہ تعالیٰ کھوکھلا کر دے گا اور بجائے اس کے کہ اس عمارت سے حق کو نقصان پہنچے یہ خود ہی ان تدابیر سے نقصان اٹھائیں گے۔ بنیان سے مراد یہاں ان کی تدابیر کی عمارت ہے۔

فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿٢٩﴾

یقیناً متکبروں کا ٹھکانا بہت بُرا ہے۔

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ
قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ
الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ۭ
وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٠﴾

اور جو تقویٰ کرتے ہیں انھیں کہا جاتا ہے تمھارے رب نے کیا اتارا ؟ کہتے ہیں بھلائی جو لوگ نیکی کرتے ہیں ان کے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر یقیناً بہتر ہے اور متقیوں کا گھر کیا ہی اچھا ہے ۱۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ۭ
كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٣١﴾

ہمیشگی کے باغ جن میں داخل ہوں گے، اُن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان کے لیے اُن میں ہے جو کچھ وہ چاہیں۔ اسی طرح اللہ متقیوں کو جزا دیتا ہے۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ
يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٣٢﴾

جن کی جانیں فرشتے قبض کرتے ہیں (درآنحالیکہ) وہ پاک ہیں کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو جنت میں داخل ہو جاؤ، اس کا بدلہ جو تم کرتے تھے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ
اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ
كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٣٣﴾

وہ سوائے اس کے اور کچھ انتظار نہیں کرتے کہ اُن پر فرشتے آجائیں یا تیرے رب کا حکم آجائے اسی طرح انھوں نے کیا جو ان سے پہلے تھے اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ اپنی جانوں پر آپ ہی ظلم کرتے تھے ۲۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ
بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٣٤﴾ ع

سو جو وہ عمل کرتے تھے اسی کی بُرائیاں اُن پر آئیں اور اسی نے انھیں آلیا جس پر وہ ہنسی کرتے تھے۔

نمبر۱- ان دونوں رکوعوں کا مضمون ایک ہونا اس سے ظاہر ہے کہ پچھلے رکوع میں یہی سوال کفار پر ہے کہ تمھارے رب نے کیا نازل کیا ہے تو وہ کہتے ہیں یوں ہی قصے ہیں ماننے کے قابل باتیں نہیں (۲۴) یہاں وہی سوال مومنوں سے ہے تو وہ جواب دیتے ہیں کہ وحی الٰہی انسانوں کی بھلائی کے سامان اپنے اندر رکھتی ہے سو اللہ تعالیٰ ان کو دنیا کی بھی اور آخرت کی بھی بھلائی عطا فرماتا ہے۔

نمبر۲- مخالفت کرنے والوں کی سزا کا ذکر اکثر دفعہ دو ہی رنگ میں آیا ہے۔ ایک اُن پر چھوٹی چھوٹی مصائب کا آتے رہنا۔ دوسرا بڑے عذاب کا آنا جس سے مراد ان کا استیصال ہے۔ یہاں بھی ملائکہ کے آنے میں ان چھوٹے مصائب کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ملائکہ کے متعلق دوسری جگہ فرمایا کہ وہ سزا کے لیے ہی نازل ہوتے ہیں اور جب وہ نازل ہوں گے تو پھر یہ سزا سے نہیں بچ سکیں گے اور امر رب وہی امر اللہ ہے جس کا ذکر سورت کی پہلی آیت میں ہے یعنی مخالفین کی قوت اور مخالفت کا قطعی استیصال۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾

اور جو شرک کرتے ہیں وہ کہتے ہیں اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوائے کسی چیز کی عبادت نہ کرتے نہ ہم اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم اس کے (حکم کے) سوائے کوئی چیز حرام ٹھیراتے اسی طرح انھوں نے کیا جو اُن سے پہلے تھے۔ سو رسولوں پر سوائے کھول کر پہنچا دینے کے اور کوئی ذمہ داری نہیں۔

وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾

اور یقیناً ہم نے ہر ایک قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو، سو اُن میں سے کوئی ایسا تھا جسے اللہ نے ہدایت دی اور کوئی ان میں ایسا تھا جس پر گمراہی ثابت ہوئی، سو زمین میں چلو پھرو دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا[1]۔

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا

اگر تو ان کی ہدایت کی آرزو کرتا ہے تو اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا

نمبر۱۔ ان دو آیتوں میں باطل پرستوں کے اس عذر باطل کا فیصلہ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم ایسا نہ کرتے۔ گویا اللہ ہی یہ چاہتا ہے کہ لوگ شرک کریں اگر وہ یہ چاہتا کہ شرک نہ کریں تو انھیں روک دیتا۔ اس کا جواب دیا ہے کہ اللہ تو رسولوں کو اسی لیے بھیجتا ہے کہ لوگ شرک سے بچیں۔ فهل على الرسل الا البلغ المبين۔ لیکن رسولوں کا کام صرف پیغام کو پہنچا دینا ہے وہ جبراً نہیں روکتے۔ اگر اس کا منشاء یہ ہوتا کہ لوگ شرک کریں تو پھر وہ رسولوں کو شرک کے خلاف تعلیم دیکر کیوں بھیجتا۔ پھر آیت ۳۶ میں اس کو اور تقویت دی کہ ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور طاغوت سے یعنی غیر اللہ کی پرستش سے بچو۔ پھر اس تعلیم کے آنے پر دو گروہ ہو جاتے ہیں ایک وہ جنھیں اللہ تعالیٰ ہدایت دے دیتا ہے یعنی وہ ہدایت کو قبول کر لیتے ہیں اور دوسرے وہ جن پر ضلالت یعنی گمراہی ثابت ہو جاتی ہے۔ اب اس دوسرے فریق کے متعلق فرمایا کہ ان پر گمراہی ثابت ہو جاتی ہے یعنی ان کی تکذیب اور مخالفت حق اس حد کو پہنچ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے ان افعال کی وجہ سے اُن پر گمراہ ہونے کا فتویٰ لگا دیتا ہے۔ چنانچہ آیت کے آخر پر مکذبین کا ذکر کر کے اسے صاف کر دیا کہ وہ خود تکذیب حق میں یہاں تک بڑھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر بطور سزا یہ حکم لگ جاتا ہے اور یہ وہ حالت ہوتی ہے جب انسان کو اپنے ان بُرے افعال سے آہستہ آہستہ اس قدر پیار ہو جاتا ہے کہ وہ گویا اس کی طبیعت کا جزو ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اگلی آیت میں یہ لفظ اختیار فرمائے ہیں فان الله لا يهدى من يضل یعنی جب یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے تو پھر وہ ہدایت سے بہت دُور جا پڑتا ہے اس لیے اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا اور جو بعض جگہ ایسے لفظ آجاتے ہیں جیسے ولو شاء الله ما اشركوا (الانعام۔ ۱۰۷) یا فلو شاء لهدىكم اجمعين (الانعام۔ ۱۴۹) تو ان کا مفہوم بھی اسی کے مطابق ہے کیونکہ مطلب یہاں بھی یہی ہے کہ ہم نے انسان کو اختیار دیا ہے کہ وہ ایک راہ اختیار کرے یا دوسری یعنی اس کی مشیت یہی ہے کہ انسان مجبور محض نہ ہو۔ نہ وہ شرک پر مجبور ہے نہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت پر مجبور کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور ہی کرنا ہوتا تو وہ ہدایت پر مجبور کرتا جیسے دوسری مخلوق کو کیا ہے، شرک پر کسی صورت میں مجبور نہیں کر سکتا تھا۔ پس ماحصل دونوں کے الفاظ کا ایک ہے۔

يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝٣٧	جس پر وہ گمراہی کا فتویٰ لگا دیتا ہے اور ان کے لیے کوئی مددگار نہیں ہونگے[1]
وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا	اور اللہ (تعالیٰ) کی قسم کھاتے ہیں سخت ترین قسم،
يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا	کہ جو مر جاتا ہے اللہ (تعالیٰ) اُسے نہیں اُٹھائے گا
عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ	ہاں، یہ وعدہ ہے سچا، جو اس کے ذمہ ہے،
لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٣٨	لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔
لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ	تاکہ اُن پر وہ باتیں کھول دے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں
وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ۝٣٩	اور تاکہ جو کافر ہیں وہ جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔
اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ	ہمارا فرمان کسی چیز کے لیے جب ہم اس کا ارادہ کریں صرف یہی
لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝٤٠	ہوتا ہے کہ ہم اسے کہہ دیں ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔
وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ	اور جن لوگوں نے اس کے بعد جو اُن پر ظلم کیا گیا، اللہ کے
مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ	لیے ہجرت کی ہم ضرور انھیں دنیا میں اچھی جگہ دیں گے اور
وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝٤١	آخرت کا بدلہ تو بڑا ہے کاش وہ جانتے[2]۔
الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝٤٢	جنھوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر ہی بھروسا کرتے ہیں۔
وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ	اور ہم نے تجھ سے پہلے مرد ہی بھیجے تھے جن کی طرف
اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ	ہم وحی کرتے تھے۔ تو اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم

نمبر۱۔ من یضل کے ایک معنی وہ ہیں جو ترجمہ میں اختیار کیے گئے ہیں اور جن کی تشریح اوپر گزر چکی اور دوسرے معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا جو دوسروں کو گمراہ کرتا ہے اور مآل ایک ہے اس لیے کہ ایک شخص کی جب گمراہی سے بہت ترقی کر کے اس کی طبیعت کا جزو ہو جاتی ہے تو پھر وہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنا شروع کرتا ہے۔

نمبر۲۔ اس آیت میں جو ہجرت کا ذکر ہے تو اس سے دونوں ہجرتوں کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے یعنی پہلی ہجرت جو ملک حبش کی طرف ہوئی اور دوسری ہجرت جو مدینہ کی طرف ہوئی۔ کیونکہ مدینہ کی ہجرت بھی نبی کریم صلعم کی مکہ میں موجودگی میں ہی شروع ہو گئی تھی اور آپ نے سب سے آخر ہجرت کی۔ ان لوگوں کو جو اس بے سروسامانی میں اپنے گھروں سے نکلے اور جن کی کوئی بڑی تعداد بھی نہ تھی اتنی بڑی بشارت کہ ہم انھیں دنیا میں بھی اچھی جگہ دیں گے قرآن کریم کی ان بے نظیر پیشگوئیوں میں سے ایک ہے۔ جن کے سامنے سخت سے سخت معاند کو بھی سر جھکانا پڑتا ہے۔ یہ مکی سورت ہے مکہ میں اس کا اعلان ہوتا ہے اور ان لوگوں کے متعلق جو کس مپرسی کی حالت میں کفار کے ہاتھ سے دکھ اٹھا کر بھاگے جا رہے ہیں یہ بآواز بلند اُن کے مخالفین کو سنایا جاتا ہے کہ ان کا استیصال نہیں ہوگا جیسا کہ تم نے گمان کر لیا ہے بلکہ ان کو دنیا میں ہی مقامات بلند عطا ہوں گے۔ سارا ملک چند نفوس کے استیصال کے درپے ہو کسی کے وہم میں بھی نہ آ سکتا تھا کہ یہی چند نفوس اس دنیا میں بھی اعلیٰ مقامات پر پہنچیں گے اس قسم کی پیشگوئیوں کے پورا ہونے نے ہی ملک عرب کو آخر آنحضرت صلعم کے سامنے جھکا دیا۔

كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ — نہیں جانتے ۱؎

بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ ؕ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

کھلی دلائل اور کتابوں کے ساتھ (انھیں بھیجا) اور ہم نے تیری طرف ذکر بھیجا ہے تاکہ تو لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرے جو اُن کی طرف اتارا گیا ہے اور تاکہ وہ فکر سے کام لیں۔

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾

تو کیا وہ بُرائی کی تدبیریں کرتے ہیں اس بات سے نڈر ہوگئے ہیں کہ اللہ ان کو ملک میں ذلیل کردے یا ان پر ایسی طرف سے عذاب آجائے جس کا انھیں خیال بھی نہیں ۲؎

اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۴۶﴾

یا وہ انھیں اُن کے آنے جانے میں پکڑے تو وہ اس کی گرفت سے نکل نہیں سکتے۔

اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ ؕ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۷﴾

یا وہ انھیں ڈرا کر پکڑے سو تمھارا رب مہربان رحم کرنے والا ہے ۳؎

نمبر۱۔ الذکر، قرآن کریم کا نام خصوصیت سے ہے اور ہر ایک وحی کو بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس لیے اھل الذکر سے مراد یہاں اہل کتاب بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ سوال صرف اس قدر ہے کہ انسان ہی ہمیشہ رسول ہو کر آتے رہے یا نہیں اور مسلمان بھی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ اصل غرض صرف ان پر اتمام حجت ہے۔ یعنی تم ان باتوں کو جانتے تو ہو لیکن اگر نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو اور اگلی آیت میں قرآن شریف کا یہی نام الذکر لے کر اسی دوسرے معنے کی تائید کی ہے۔ رجالًا کا لفظ یہاں آنے پر یہ بحث ہوئی ہے کہ اس آیت کی تصریح کے بموجب عورت رسول تو نہیں ہو سکتی مگر آیا وہ نبی بھی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ روح المعانی میں ہے کہ عورتوں کی نبوت کے صحیح ہونے کی ایک جماعت قائل ہے۔ سو اصل یہ ہے کہ اس نبوت سے مراد محض اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی ہے۔ یعنی نبوت اپنے لغوی معنی میں جس کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے جاری ہے لیکن اصطلاح شرعی میں نبوت چونکہ ماموریت کو چاہتی ہے اس لیے وہ رسالت سے الگ نہیں ہو سکتی اور اس لیے اصطلاح شریعت میں نبوت عورتوں کو نہیں ملتی۔

نمبر۲۔ خسف کا استعمال استعارۃً ذلت پر بھی ہوتا ہے اور خسف کے معنی مذال اور ذلت اور اذلال یعنی کسی کو ذلیل کرنا بھی آتے ہیں اور خسف بہ الارض کے معنی ہیں اُسے زمین میں غائب کر دیا۔

اس آیت میں آنحضرت صلعم کے مخالفین کے عذاب کا ذکر ہے اور سب سے پہلے ان کے خسف کا ذکر کیا۔ اگر خسف سے مراد زمین میں دھنسا دیا جائے تو یہ عذاب عام طور پر آپ کے مخالفین پر نہیں آیا۔ ایک آدھ واقعہ جیسے سراقہ کا الگ امر ہے لیکن خسف کے دوسرے معنی یعنی ذلیل کرنا۔ آپ کے مخالفین پر اپنی عمومیت میں صادق آتے ہیں اس لیے وہی معنی یہاں لیے جائیں گے۔

نمبر۳۔ تخوفناھم کے معنی ہیں ہم نے تھوڑا تھوڑا کر کے یعنی تدریجًا کم کیا جس کا اقتضا خوف ہوا اور تخوف کے معنی تنقص ہیں اور ابن جریر میں اس کے معنی دیئے ہیں کہ ان کو اطراف ونواحی سے تھوڑا تھوڑا کر کے کم کرتا جائے یہاں تک کہ سب کو ہلاک کر دے۔

ان تین آیات میں عذاب کے تین رنگ بیان کیے ہیں ایک ان پر ذلت وارد کرنا دوسرے ان کے آنے جانے یا سفروں میں ان کو پکڑنا اور تیسرے تدریجًا انھیں کم کرتے چلے جانا۔ یہاں بڑی صراحت اور صفائی سے اس عذاب کا ذکر ہے جو آپ کے مخالفین پر آنے والا تھا اس میں شک نہیں کہ عام طور پر ان کی مغلوبیت کا

اَوَ لَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَ هُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

کیا وہ ہر اس چیز کو نہیں دیکھتے جو اللہ نے پیدا کی ہے اس کے سائے بھی دائیں اور بائیں سے ڈھلتے ہیں اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں۔[1]

وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور اللہ کی ہی فرمانبرداری کرتے ہیں جو کوئی جاندار آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور فرشتے بھی اور وہ تکبر نہیں کرتے۔[2]

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۩ ﴿۵۰﴾ ع السجدة

وہ اپنے رب سے جو اُن پر غالب ہے ڈرتے ہیں اور جو کچھ حکم دیا جاتا ہے کرتے ہیں۔[3]

وَ قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾

اور اللہ نے کہا ہے کہ دو معبود مت بناؤ، وہ صرف اکیلا ہی معبود ہے سو مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔[4]

وَ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور فرمانبرداری اسی کی لازم ہے تو کیا اللہ کے سوائے کسی اور کا تقویٰ کرو گے؟

وَ مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور جو کوئی نعمت تمہارے پاس ہے سو اللہ کی طرف سے ہے، پھر جب تمہیں دکھ پہنچتا ہے تو اسی کی طرف فریاد لے جاتے ہو۔

ذکر بہت دفعہ کیا ہے مگر یہاں اس مغلوبیت کی صورتیں بھی بتا دی ہیں اور انہی رنگوں میں سے ایک نہ ایک رنگ میں اہل مکہ پر یہ عذاب آیا اُن کے آنے جانے کے ذکر میں ان کے تجارتی سفروں کی طرف اشارہ ہے جو وہ شام کی طرف کرتے تھے انہی سفروں پر ان کی تجارت اور خوشحالی کا دارومدار تھا اور مسلمانوں کی مدینہ میں موجودگی اسی رنگ میں سب سے بڑھ کر ان کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئی۔

نمبر۱۔ سایوں کے سجدہ کرنے کی تشریح الرعد-۱۵ میں گزر چکی ہے یہاں سایوں کے سجدہ کرنے کا ذکر ہے اگلی آیت میں خود ہر چیز کے سجدہ کرنے کا ذکر ہے یہاں کفار کی ذلت کا ذکر کر کے پھر یہ ذکر کیا ہے کہ ہر چیز کے سائے بھی ذلیل ہو کر سجدہ کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے اور اس کے اصلی قوانین کے سامنے ہر چیز کو سرِ تسلیم خم کرنا پڑتا ہے یہ کافر اس قانون سے باہر نہیں۔

نمبر۲۔ ملائکۃ کا عطف دابۃ پر بتاتا ہے کہ فرشتے الگ قسم کی مخلوق ہیں اور معمولی جانداروں میں شمار نہیں ہوتے۔ دابّۃ وہ ہیں جن میں حرکت جسمانی ہے کیونکہ اس کا اصل دبّ ہے جس کے معنی ہلکا چلنا ہیں۔

نمبر۳۔ من فوقہم۔ اللہ تعالیٰ کے ان کے اوپر ہونے سے مراد اس کا قہر اور اس کا غلبہ ہے کیونکہ فوقیت مکانی کی نسبت اس کی طرف نہیں ہو سکتی اور اس میں بظاہر ملائکہ کی طرف ضمیر جاتی ہے اور یخافون ربہم میں رب کے خوف سے مراد اس کے حکم کی خلاف ورزی کا خوف ہے۔

نمبر۴۔ دو خداؤں اور تین خداؤں کا عقیدہ لوگوں نے علی الاعلان اختیار کیا ہے اور دونوں عقیدوں کی تردید قرآن کریم نے کھلے الفاظ میں کی ہے گو جعل الظلمٰت والنور میں بھی اس کی تردید ہو چکی ہے۔ مگر یہاں اثنین کا لفظ لا کر یہ صاف کر دیا کہ ثنویہ کا عقیدہ غلط ہے اسکی دلیل لہ ما فی السمٰوات والارض اگلی آیت میں ہے۔

ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنكُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنكُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿٥٤﴾

پھر جب وہ تم سے دُکھ دور کردیتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ اپنے رب کے ساتھ شریک بناتے ہیں۔

لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٥٥﴾

تاکہ اس کی ناشکری کریں جو ہم نے انھیں دیا ہے۔ سو چند روزہ فائدہ اُٹھالو آخر جان لوگے۔

وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ ۗ تَاللَّهِ لَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنتُمْ تَفْتَرُونَ ﴿٥٦﴾

اور وہ ان کے لیے جو وہ کچھ نہیں جانتے اس کا ایک حصہ مقرر کرتے ہیں جو ہم نے انھیں دیا ہے اللہ کی قسم ضرور تم سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا جو تم افترا کرتے تھے [1]

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ سُبْحَانَهُ ۙ وَلَهُم مَّا يَشْتَهُونَ ﴿٥٧﴾

اور اللہ کے لیے بیٹیاں ٹھیراتے ہیں، وہ پاک ہے اور اُن کے لیے ہے جو وہ چاہتے ہیں۔

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٥٨﴾

اور جب ان میں سے ایک کو لڑکی کی خبر دی جاتی ہے اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غصّہ سے بھرا ہوتا ہے [2]

يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٥٩﴾

وہ اس خبر کی بُرائی سے جو اسے دی جاتی ہے، لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کیا اسے ذلّت کے ساتھ رہنے دے یا اسے مٹی میں گاڑ دے سو بہت بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں [3]

نمبر۱۔ لما لا یعلمون میں ضمیر آلھۃ کی طرف ہے جن کے بنانے کا ذکر یجعلون میں ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے یعنی کچھ علم نہیں رکھتے اور خود کفار کی طرف بھی ہو سکتی ہے یعنی وہ کفار ان معبودوں کی اصل حقیقت سے کچھ بھی واقف نہیں۔

نمبر۲۔ چہرہ کی سیاہی سے مراد غم، فکر، نفرت وغیرہ کا پیدا ہونا ہے سچ مچ سیاہ ہونا مراد نہیں۔ توجہ دلائی ہے کہ کس قدر انسان اپنے فعل سے خود الزام کے نیچے ہے اپنے خدا کی طرف بیٹیاں منسوب کرنے والے لوگ اپنے ہاں بیٹی کی خبر کو کس قدر بُرا مناتے ہیں۔ گویا خود فطرت انھیں ملزم کر رہی ہے۔

نمبر۳۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کے ذکر میں ہی یہ ایک عظیم الشان اصلاح بھی قرآن کریم نے کی ہے یعنی لڑکیوں کو مار دینا جس کا رواج ملک عرب میں، بالخصوص اعلیٰ طبقہ میں بہت پایا جاتا تھا بعض باتیں اصلاح کی ایسی ہیں کہ پہلے دن سے ہی قرآن کریم نے ان کی طرف توجہ دلائی ہے حالانکہ کوئی تفصیلات شریعت ابھی نازل نہ ہوئی تھیں جیسے یتامیٰ اور مساکین کی خبرگیری، انھیں میں لڑکیوں کو مارنے یا زندہ گاڑنے کا رواج ہے جس کی اصلاح قرآن کریم نے ابتدا سے مدنظر رکھی۔ چنانچہ اس سے بہت پہلے کی وحی میں ہے واذا الموءدۃ سئلت (التکویر۔ ۸) عرب میں لڑکی کو جب وہ پانچ چھ سال کی عمر کو پہنچ جاتی، گڑھا کھود کر اس میں زندہ دھکیل کر اوپر سے مٹی ڈال دیتے یا پہاڑ سے نیچے گرا دیتے۔ اس سنگدلی پر رحمۃ للعالمین کا دل پگھلا اور آپ کی آواز نے وہ اثر پیدا کیا جو نہ کوئی قانون اور نہ کوئی عبرتناک سزا پیدا کر سکتی ہے اسلام کے بعد اس بے رحمی کے اعادہ کی ایک اکیلی نظیر بھی پیش نہیں کی جا سکتی۔ بدی کو دور کرنے کی جو طاقت آپ کو دی گئی اس کی نظیر کوئی اور طاقت دنیا میں نظر نہیں آتی۔

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ	جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اُن کی بُری مثال ہے اور اللہ
ع وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٦٠﴾	کی صفت نہایت بلند ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے ۱
وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ	اور اگر اللہ لوگوں کو اُن کے ظلم پر پکڑتا تو اس پر کوئی جاندا
عَلَيْهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى	نہ چھوڑتا ۲ لیکن وہ انھیں ایک وقت مقرر تک مہلت دیتا ہے
اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا	پس جب ان کا وقت آجائے گا وہ ایک گھڑی بھی پیچھے
يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٦١﴾	نہیں رہ سکتے اور نہ آگے جا سکتے ہیں ۲
وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ	اور اللہ کے لیے وہ ٹھیراتے ہیں جسے خود ناپسند کرتے ہیں
اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ۭ	اور ان کی زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں کہ ان کے لیے بھلائی ہے
لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿٦٢﴾	حق یہی ہے کہ ان کے لیے آگ ہے اور یہ کہ وہ آگے بھیجے جائینگے ۳
تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ	اللہ کی قسم ہم نے تجھ سے پہلے قوموں کی طرف رسول بھیجے،
فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ	پھر شیطان نے انھیں اُن کے بُرے عمل اچھے کرکے دکھائے
وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٦٣﴾	سو وہ آج ان کا دوست ہے اور ان کے لیے دردناک دُکھ ہے ۴

نمبر۱۔ دوسری جگہ قرآن شریف میں ہے لیس کمثلہ شیٔ (الشوریٰ۔ ۱۱) اس لیے یہاں مثل کے معنی وصف مراد ہیں اور راغب نے اس آیت میں دونوں جگہ مثل کے معنی وصف ہی لیے ہیں یعنی آخرت پر ایمان نہ لانیوالوں کی صفات نہایت بُری ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات بلند ہیں اور پہلے حصّہ میں معنی مثال بھی ہو سکتے ہیں اور اصل غرض تو یہ توجہ دلانا ہے کہ ان لوگوں کی حالت کیسی بُری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف وہ بات منسوب کرتے ہیں جو اپنے لیے بھی پسند نہیں کرتے لیکن ساتھ ہی سمجھایا کہ اگر یہ اپنے لیے بیٹوں کو پسند کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بھی بیٹا تجویز کر سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اوصاف بہت بلند ہیں اور اس کی ذات ان تمام باتوں سے پاک ہے جو گو انسان کے لیے محبوب ہوں مگر وہ ایک رنگ کا نقص ہے جو مخلوق میں پایا جاتا ہے اور خالق کی ذات اس سے برتر ہے۔

نمبر۲۔ دابّۃ سے مراد یہاں بعض کے نزدیک سب جاندار ہیں اور بعض کے نزدیک صرف وہی ظالم لوگ ہیں جو ظلم کرتے ہیں اور ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ دابّۃ سے مراد یہاں مشرک ہیں اور گو یہ سچ ہے کہ اگر کل انسان تباہ ہو جائیں تو دوسرے جانداروں کی جو انسان کی خاطر ہی پیدا کیے گئے ہیں کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن ظلم کا ذکر صاف بتاتا ہے کہ مراد وہی مخلوق ہے جو ظلم کر سکتی ہے یعنی انسان اور اس آیت میں آنحضرت صلعم کے زمانہ میں جو حالت دنیا کی تھی اس کی تصویر کھینچی ہے یعنی ظلم اس حد تک دنیا میں پھیل گیا تھا کہ زمین اس قابل نہ رہی تھی کہ اس پر انسان باقی رہے کیونکہ انسان نے اپنے خدا کو بالکل بھلا دیا اور ساری دنیا خطرناک شرک اور معصیت میں گرفتار ہو گئی۔ گویا روحانی طور پر دنیا پر موت وارد ہو گئی۔ اس لیے یہ اس قابل تھی کہ اسے ویسے بھی مٹا دیا جاتا مگر اس موت سے اس آسمانی بارش نے اسے بچایا جس کا ذکر صاف الفاظ میں رکوع کے آخر میں ہے اور دابّۃ انہی انسانوں کو کہا ہے جو حد درجہ ذلیل ہو کر کالانعام ہو چکے تھے۔

نمبر۳۔ مفرط کے معنی آگے بھیجا ہُوا، جلدی بھیجا ہُوا یا عذاب میں چھوڑا ہُوا ہو سکتے ہیں۔ ان کے اعتقادات فاسدہ کی تصویر یہاں کھینچی ہے کہ خدا کی طرف وہ باتیں منسوب کرتے ہیں جو اپنے لیے بھی پسند نہیں کرتے۔ اسی کا اثر اعمال پر بھی ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ نیک اور بزرگ لوگوں کی طرف بدیاں منسوب کرنے لگتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بدی آہستہ آہستہ دل کو اچھی معلوم ہونے لگتی ہے۔ یہ بدترین حالت ہے جس پر قوم پہنچ جاتی ہے۔

نمبر۴۔ یہاں بتایا کہ پہلے بھی ہم رسول بھیجتے رہے جس طرح اب رسول بھیجا ہے لیکن ان کے متبعین بھی گمراہ ہو گئے اور شیطان نے بُرے عملوں کو ان کے لیے

وَ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ
لَهُمُ الَّذِى اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ‌ۙ وَهُدًى
وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶۴﴾

اور ہم نے تجھ پر کتاب صرف اس لیے نازل کی ہے کہ تو ان کے لیے وہ باتیں کھول کر بیان کرے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں اور وہ ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو ایمان لاتے ہیں[1]

وَاللّٰهُ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡيَا
بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا‌ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ
ع لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ ﴿۶۵﴾

اور اللہ ہی بادل سے پانی اتارتا ہے پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے یقیناً اس میں لوگوں کے لیے نشان ہے جو سنتے ہیں۔

وَاِنَّ لَكُمۡ فِى الۡاَنۡعَامِ لَعِبۡرَةً‌ ؕ نُسۡقِيۡكُمۡ
مِّمَّا فِىۡ بُطُوۡنِهٖ مِنۡۢ بَيۡنِ فَرۡثٍ وَّدَمٍ
لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيۡنَ ﴿۶۶﴾

اور تمھارے لیے چارپایوں میں عبرت ہے ہم تمھیں اس چیز سے جو ان کے پیٹوں میں ہے گوبر اور لہو کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے[2]

وَمِنۡ ثَمَرٰتِ النَّخِيۡلِ وَالۡاَعۡنَابِ
تَتَّخِذُوۡنَ مِنۡهُ سَكَرًا وَّرِزۡقًا حَسَنًا‌ ؕ
اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۷﴾

اور کھجوروں اور انگوروں کے میووں میں سے تم اس سے شراب اور اچھا رزق بناتے ہو۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشان ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں[3]

ایسا خوبصورت کر دکھایا کہ وہ اس کے پیچھے لگ گئے یہاں تک کہ آج یعنی رسول اللہ صلعم کی بعثت کے وقت وہ اس طرح شیطان کے تصرف میں آگئے کہ وہی ان کا ولی اور رفیق ہے۔

نمبر۱۔ جب پہلے رسولوں کا ذکر کیا تو اب ساتھ ہی بتایا گیا کہ باوجود پہلی قوموں میں رسولوں کے آنے کے اب ایک اور رسول کی ضرورت تھی تاکہ ان میں جو اختلافات پیدا ہو گئے ہیں وہ اپنی وحی یعنی قرآن سے ان کا فیصلہ کر دے تمام دنیا کے اختلافات مذہبی کا فیصلہ سوائے اللہ تعالیٰ کی وحی کے نہ ہو سکتا تھا اور چونکہ قرآن سب اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے اس لیے خود مسلمانوں میں کوئی اس قسم کا اختلاف نہیں ہو سکتا جیسے پہلے مذاہب میں اختلافات ہوئے یعنی اصولی اختلاف نہیں۔ اگلی آیت میں آسمانی پانی وحی الٰہی ہے جو مردہ دلوں کو زندہ کرتی ہے۔

نمبر۲۔ پچھلے رکوع میں وحی الٰہی کا ذکر تھا کہ رفع ظلم و اختلاف کے لیے اس کی ضرورت ہے۔ اس پر یہ اعتراض ہوتا تھا کہ انسان اپنی عقل سے ہی سب کچھ کر سکتا ہے تو سمجھایا کہ دیکھو اگر تمھیں دودھ کی ضرورت ہو تو تم یہ نہیں کر سکتے کہ چارہ اور گھاس کوٹ کر اس کا جوہر دودھ کی صورت میں نکال لو، بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنی قدرت سے حیوانوں کے اندر ایک کل پیدا کی ہے وہ اس چارہ کو بدل کر تین چیزوں کی صورت میں بناتی ہے ایک فضلہ جو گوبر کی صورت میں نکل جاتا ہے، دوسرا خون جو حیوان کے بقا کا موجب ہے اور ان دونوں کے درمیان ایک تیسری چیز دودھ بن جاتی ہے جو انسان کے پینے کے لیے ایک نہایت ہی خوشگوار چیز ہے۔ پس اگر ایک اپنی زندگی کی ضرورت دودھ کے لیے انسان قدرت کی کل کا محتاج ہے اور خود اُسے نہیں بنا سکتا تو روحانی بقا کے لیے بھی اس کی اپنی کوشش کارگر نہیں ہو سکتی۔

نمبر۳۔ خدا کے پیدا کیے ہوئے پھلوں سے انسان شراب بھی بنا لیتا ہے جو اُن کا بُرا استعمال ہے کیونکہ اس سے نقصان پیدا ہوتا ہے اور رزق حسن بھی لے لیتا ہے رزق حسن کے مقابل پر سکر کو لانے سے صاف اس کی برائی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وَ اَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف وحی کی کہ پہاڑوں میں گھر بنا اور درختوں میں اور اس میں جو وہ بناتے ہیں۔

ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾

پھر تمام پھلوں سے کھا اور اپنے رب کے رستوں پر فرمانبرداری سے چلی جا، ان کے پیٹوں سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے رنگ مختلف ہیں اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشان ہے جو فکر کرتے ہیں ؎۱

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ ۙ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَىْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۷۰﴾ ع

اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا پھر وہ تمھیں مارتا ہے اور تم میں سے کوئی وہ ہے جو نہایت خراب عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تاکہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے اللہ جاننے والا قدرت والا ہے۔

وَ اللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾

اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں فضیلت دی ہے تو جنھیں فضیلت دی گئی ہے وہ اپنی روزی انھیں نہیں دیدیتے جو ان کے ماتحت ہیں کہ وہ اس میں برابر ہو جائیں۔ تو کیا اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں ؎۲

نمبر۱۔ ایک اور مثال اسی اصول کی وضاحت کے لیے ہے اور یہاں وحی کا ذکر صفائی سے کیا ہے کہ یہ وحی اور رنگ کی ہے۔ شہد کی مکھی علم حاصل نہیں کرتی بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ اس کی فطرت میں رکھ دیا ہے اس کے مطابق چل کر مختلف پھولوں سے شیرینی حاصل کرکے اسے ایسے رنگ میں جمع کرتی ہے۔ جو انسان کے لیے موجب شفا ہے۔ انسان اپنے سارے علوم کو خرچ کرکے وہ چیز پیدا نہیں کرسکتا۔ اسی طرح جب انسان کی ہدایت کے لیے اس کی شفائے روحانی کے لیے ایک شہد کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ مقصد بھی انسان کے علوم مکتسب سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کے لیے ایک وحی کی ضرورت ہے ہاں چونکہ اللہ تعالیٰ کا تعلق جو اپنی مخلوق سے ہے جیسے شہد کی مکھی اس سے بہت بڑھ کر تعلق اُسے انسان سے ہے اور یہ غرض بھی اعلیٰ اور ارفع ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی یہ وحی بھی اعلیٰ اور ارفع ہے اور یہ وحی الٰہی کا ہی کام تھا کہ تمام مذاہب کے اختلافات کا فیصلہ کرتی کوئی انسان اپنی کوشش سے یہ نہ کرسکتا تھا۔

نمبر۲۔ ما ملکت ایمانھم سیاق سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو دوسروں کے ماتحت ہیں یا جن سے دوسرے کام لےکر بہت دولت کے مالک بن جاتے ہیں۔ اس رکوع میں چند ایک تمثیلات بیان فرمائی ہیں جن میں یہ توجہ دلائی ہے کہ جیسے وحی علم کو دوسرے عام انسانوں پر اللہ تعالیٰ نے ہی فضیلت دی ہے اس سب سے پہلی مثال میں یہ سمجھایا ہے کہ ظاہری سامان معیشت میں بھی جو سب کے لیے یکساں کھلے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہی بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ایک کام لینے والے ہیں ایک کام دینے والے اسی طرح روحانیت میں الگ الگ استعدادیں ہیں اسی طرف آیت کے آخر میں نعمۃ اللہ کا لفظ لاکر توجہ دلائی ہے خصوصیت سے نعمۃ اللہ کا اطلاق وحی الٰہی پر ہی ہو سکتا ہے کیونکہ وہ فی الحقیقت سب سے بڑی نعمت الٰہی انسانوں پر ہے اور بعض مفسرین نے بھی اس سے یہی مراد لی ہے اور فما الذین فضلوا جملہ معترضہ کے طور پر ہے جس کے معنی بعض نے یوں بھی لیے ہیں کہ اپنے مملوکوں کو تمھیں اپنے برابر رکھنا چاہیے جیسا کہ حدیث

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً وَّ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾

اور اللہ نے تمھارے لیے تم سے ہی عورتیں بنائیں اور تمھارے لیے تمھاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے بنائے اور تمھیں ستھری چیزوں سے رزق دیا تو کیا جھوٹ کو مانتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا وہ انکار کرتے ہیں [1]

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ ۚ

اور اللہ کے سوائے ان کی عبادت کرتے ہیں جو انھیں آسمانوں اور زمین سے رزق دینے کا کوئی اختیار نہیں رکھتے اور نہ ہی کچھ طاقت رکھتے ہیں۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾

پس اللہ کے لیے مثالیں نہ بیان کرو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے [2]

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

اللہ ایک غلام کی مثال بیان کرتا ہے جو دوسرے کے اختیار میں ہے کسی چیز کی طاقت نہیں رکھتا اور ایک وہ ہے جسے ہم نے اپنے ہاں سے اچھا رزق دیا ہے، سو وہ اس سے چھپا کر اور ظاہر خرچ کرتا ہے کیا یہ دونوں برابر ہیں؟ سب تعریف اللہ کے لیے ہے بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے [3]

سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ انھیں وہ کھانا دو جو خود کھاتے ہو اور وہ لباس پہناؤ جو خود پہنتے ہو اور یوں معنے بھی ہو سکتے ہیں کہ نظام عالم اس طرح کی مساوات پر چل نہیں سکتا کہ سب میں مال و دولت برابر تقسیم ہو اس لیے فرق مراتب رکھا ہے اور استعداد روحانیت میں اس فرق کا بیان ذکر اس لیے کیا کہ پچھلے رکوع میں شہد کی مکھی کی طرف وحی کا ذکر کر کے سمجھایا تھا کہ وحی الٰہی جو سامان انسان کے لیے مہیا کر سکتی ہے وہ انسان اپنی کوشش سے نہیں کر سکتا تو اس پر یہ اعتراض ہوتا تھا کہ پھر ہر شخص کو خود وحی کیوں نہیں ہو جاتی۔ اور کفار کا یہ اعتراض قرآن شریف میں منقول بھی ہے حتیٰ نوتی مثل ما اوتی رسل اللہ (الانعام۔ ۱۲۴) مفسرین نے اس مثال کو شرک پر لگایا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو بتوں کی طرف منسوب کرتے ہو۔

نمبر۱۔ اس آیت میں بھی اختلاف مراتب کی طرف ہی توجہ دلائی ہے حالانکہ سب انسان ایک ہی ہیں مگر ان میں کوئی مرد ہے کوئی عورت کوئی باپ ہے کوئی بیٹا کوئی خسر ہے کوئی داماد۔ گویا اختلاف مراتب پر نظام عالم کا دارومدار ہے اور آخر پر نعمت اللہ یعنی وحی الٰہی کے انکار کے مقابل پر ان کے باطل پر ایمان یعنی بت پرستی کا ذکر کیا اور اسی لیے اگلی آیت میں کھول کر ان کی بت پرستی کا ذکر کیا۔

نمبر۲۔ امثال۔ مِثل کی جمع بھی ہو سکتی ہے اور اس صورت میں امثال سے مراد ہو گی کہ اس کے شریک مت بناؤ اور تضربوا کے معنی تجعلوا ہونگے فلا تجعلوا للہ انداداً (البقرہ۔ ۲۲) اور یہ معنی ابن عباسؓ سے مروی ہیں اور عموماً اسے مَثل کی جمع مانا گیا ہے اور اس صورت میں مراد یہ ہو گی کہ کسی دوسرے کو اس جیسا نہ کہا جائے نہ اسے دوسرے جیسا۔ یا یہ کہ اس کی صفات میں کسی کو شریک کیا جائے۔

نمبر۳۔ یہ کافر اور مومن کی مثال ہے اور غرض وہی ہے جس کا ذکر پہلے ہوا جب کافر اور مومن میں بھی یہ فرق تب ہے تو قول المومنین کے ساتھ ان

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ ع

اور اللہ دو آدمیوں کی مثال بیان کرتا ہے ایک ان میں سے گونگا ہے، کوئی کام نہیں کر سکتا اور وہ اپنے مالک پر بوجھ ہے، جدھر اسے بھیجتا ہے کوئی اچھا کام کر کے نہیں آتا۔ کیا وہ اور ایسا شخص برابر ہیں جو انصاف کا حکم دیتا ہے اور وہ سیدھے رستہ پر ہے ؎۱

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۷۷﴾

اور آسمانوں اور زمین کا علم غیب اللہ کو ہی ہے اور قیامت کا معاملہ آنکھ کے جھپکنے کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی قریب۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ؎۲

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

اور اللہ نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں سے پیدا کیا، تم کچھ بھی نہ جانتے تھے اور تمھیں کان اور آنکھیں اور دل دیئے تاکہ تم شکر کرو۔

کفار کو کیا نسبت ہو سکتی ہے اور یا رزق حسن سے مراد وحی الٰہی ہے اور وہ جسے رزق حسن دیا ہے وہ مہبط وحی صلعم ہے اگلی آیت کے آخری الفاظ اسی کے موید ہیں اور سراً خرچ کرنا اپنے قویٰ کو مخلوق کی خدمت میں لگانا ہے اور جہراً اپنے مال کو۔ اور کافر یا مشرک عبد مملوک ہے اس لیے کہ جن چیزوں پر اسے حکومت کرنے کے لیے بنایا گیا تھا وہ اپنے آپ کو ان کا محکوم اور انھیں اپنا معبود اور مسجود بناتا ہے اور لا یقدر علیٰ شیءٍ اس لیے کہ جس غرض کے لیے اس کے اندر اعلیٰ درجہ کے قویٰ رکھے گئے تھے۔ وہ اسے پورا نہیں کرتا اس لیے اسے نتیجہ بھی کچھ نہیں ملتا۔

نمبر۱۔ یہ مثال بھی ویسی ہی ہے جیسی اس سے پہلی۔ مگر یہاں من یامر بالعدل وھو علیٰ صراط مستقیم سے زیادہ وضاحت کر دی ہے۔ بعض نے ان الفاظ کی وجہ سے یہ خیال کیا ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور ابکم سے مراد بت ہیں اور پھر پہلی مثال کو بھی اسی پر قیاس کیا ہے مگر اللہ کی مثال کسی چیز سے نہیں دی جا سکتی جیسا کہ ابھی خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلا تضربوا للہ الامثال۔ اس لیے من یامر بالعدل سے مراد رسول اللہ صلعم ہی ہیں اور آپ ہی صراط مستقیم پر ہیں اور اس مثال میں اسی مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے جس کا ذکر اس رکوع میں ہے اینما یوجھہ لایات بخیر میں یہ بھی بتا دیا ہے کہ کفار اپنے کسی مقصد میں کامیاب نہ ہوں گے۔

نمبر۲۔ قرآن کریم کا تسلسل مضمون اس سے ظاہر ہے کہ کس طرح یہاں پھر اس ساعت کا ذکر کیا ہے جو اس سورت کا اصل منشاء ہے جس کی طرف سب سے پہلی آیت میں ان الفاظ میں توجہ دلائی تھی اتی امر اللہ فلا تستعجلوہ۔ پھر چوتھے رکوع کے شروع میں آیت ۲۶ میں ان کے مکروں کا ذکر کر کے فرمایا تھا اتھم العذاب من حیث لا یشعرون پھر اسی رکوع کے آخر میں آیت ۳۳ میں فرمایا ھل ینظرون الا ان تاتیھم الملائکۃ او یاتی امر ربک۔ پھر چھٹے رکوع میں آیت ۴۵-۴۶-۴۷ میں مختلف قسم کے عذابوں کا ذکر کیا جو ان پر آنے والے تھے اور اب پھر اس ساعت کا ذکر کرتا ہے جو ساعت کبریٰ یعنی قیامت کے لیے بطور ایک نمونہ کے ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس رکوع کی آخری آیات میں صاف طور پر کافروں کے پھر جانے اور رسول اللہ صلعم کے انکار کا ذکر ہے۔

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ	کیا یہ پرندوں کو نہیں دیکھتے جو آسمان کی فضا میں رام کیے ہوئے
السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ	ہیں اللہ کے سوائے انھیں کوئی نہیں تھامتا۔ اس میں ان لوگوں
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾	کے لیے نشان ہیں جو ایمان لاتے ہیں ۱
وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا	اور اللہ نے تمھارے لیے تمھارے گھروں کو رہنے کی جگہ بنایا
وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا	اور تمھارے لیے چارپایوں کی کھالوں سے گھر بنائے جنھیں تم اپنے
تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ	کوچ کے وقت اور گھر میں ٹھیرنے کے وقت ہلکا پھلکا پاتے ہو
وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ	اور ان کی اُون اور ان کی پشم اور ان کے بالوں سے تمھارے
اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾	لیے اسباب اور ایک وقت مقرر تک سامان (بنایا)
وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ	اور اللہ نے تمھارے لیے اس سے جو پیدا کیا سائے بنائے
لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ	اور تمھارے لیے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں بنائیں۔ اور تمھارے
سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ	لیے کپڑے بنائے جو تمھیں گرمی سے بچاتے ہیں اور (ایسے)

نمبر۱۔ پرندوں کے ہوا میں روکنے کا ذکر دو جگہ قرآن شریف میں ہے ایک یہاں اور ایک سورۂ ملک میں اولم یروا الی الطیر فوقھم صٰفّٰت ویقبضن ما یمسکھن الا الرحمٰن (الملک۔ ۱۹) یہاں بھی اعداء پر عذاب آنے کا ذکر ہے اور وہاں اس سے بھی زیادہ صاف الفاظ میں ہے۔ کیونکہ پہلی آیت میں ہے ولقد کذّب الذین من قبلھم فکیف کان نکیر (الملک ۱۸) اور بعد کی آیت میں ہے اَمَّنْ ھٰذَا الَّذِیْ ھُوَ جُنْدٌ لَّکُمْ یَنْصُرُکُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ (الملک۔ ۲۰) اور کوئی تعلق اس آیت کا یہاں نہیں ہے قرآن کریم نے اس مشکل کو خود ہی حل فرمایا جہاں تیسری جگہ پرندوں کے ذریعہ سے عذاب بھیجنے کا ذکر کیا وارسل علیھم طیرا ابابیل ترمیھم بحجارۃ من سجیل (الفیل ۳ و ۴) اور خود شر کو بھی طائر کہا ہے الا انما طائرھم عند اللہ (الاعراف۔ ۱۳۱) اور جب ہم محاورہ عرب کی طرف توجہ کرتے ہیں تو وہاں بھی عذاب یا ذلت یا شکست کے متعلق پرندوں کا ذکر کیا جاتا ہے چنانچہ میدانی نے مجمع الامثال میں یہ مثال دی ہے تبدد بلحمک الطیر جو بد دعا ہے یعنی تو ہلاک ہو جائے اور ایسی طرح ہلاک ہو کہ دفن ہونا بھی میسر نہ آئے اور پرندے تیرے گوشت کو کھائیں اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھیلائیں اور نابغہ کا شعر ہے ؎

اذا ما غزا بالجیش حلق فوقہ عصائب طیر تھتدی بعصائب

یعنی جب وہ لشکر کے ساتھ نکلتا ہے تو اس کے اوپر پرندوں کے جھنڈ حلقہ باندھ لیتے ہیں اور جدھر لشکر چلتے ہیں ان کے ساتھ ہی وہ بھی چلتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ایک فاتح فوج کے ساتھ پرند ہوتے ہیں گویا ان کو علم ہو جاتا ہے کہ دشمن اس فوج کے ہاتھ سے مارا جائے گا اور ایسا ہی ابوالطیب کا شعر ہے ؎ اذا القوا جیشاً یتقن انہ ٭ من بطن طیر تنوفۃ محشور ٭ یعنی جب ان کا مقابلہ کسی فوج سے ہوتا ہے تو اسے یقین ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن وہ "تنوفہ کے پرندوں کے پیٹ سے اٹھائے جائیں گے" اور بائبل میں یاجوج کی ہلاکت کے لیے ایسے ہی الفاظ میں پیشگوئی کی ہے "تو اسرائیل کے پہاڑوں پر گر جائے گا اور تیرا سارا لشکر اس گروہ سمیت جو تیرے ساتھ ہے اور میں تجھے ہر قسم کے شکاری پرندوں اور میدان کے درندوں کو خوراک کے لیے دوں گا۔" (حزقی ایل ۳۹:۴) پس ان تمام شہادتوں سے ظاہر ہے کہ پرندوں کے روکنے میں اشارہ عذاب اور شر کے روکنے کی طرف ہے جو ان پر آنے والی تھی اور یوں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نظاروں میں سے بھی ہے کہ کس طرح پرند ہوا میں معلق رہتے ہیں اور یا اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں تفاوت مراتب کی طرف اشارہ ہے۔

بَأْسَكُمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ
لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ ﴿٨١﴾

کپڑے جو تمھیں تمھاری جنگ میں بچاتے ہیں۔ اسی طرح وہ تم پر اپنی
نعمت کو پورا کرتا ہے تاکہ تم فرمانبرداری کرو۔[1]

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿٨٢﴾

پھر اگر وہ پھر جائیں تو تجھ پر صرف کھول کر پہنچا دینا ہے۔

يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا
ع وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ ﴿٨٣﴾

اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان
میں سے اکثر ناشکر ہیں۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ
لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٨٤﴾

اور جس دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کرینگے پھر جنھوں نے کفر کیا انھیں
(بولنے) کی اجازت نہ دیجائیگی اور نہ انھیں عتاب دور کرنیکا موقع دیا جائیگا۔[2]

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا
يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٥﴾

اور جنھوں نے ظلم کیا جب عذاب کو دیکھیں گے تو نہ وہ ان سے ہلکا
کیا جائے گا اور نہ انھیں مہلت دی جائے گی۔

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ
قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا
نَدْعُو مِنْ دُونِكَ ۖ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ
النصف إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٨٦﴾

اور جب شرک کرنے والے اپنے شریکوں کو دیکھیں گے کہیں گے
اے ہمارے رب یہ ہمارے شریک ہیں جنھیں ہم تیرے سوائے
پکارتے تھے تو وہ بات کو ان (کے منہ) پر ماریں گے کہ تم یقیناً
جھوٹے ہو۔[3]

نمبر۱۔ ان دونوں آیتوں میں ایسی نعمتوں کا ذکر ہے جن سے انسان کو دکھوں اور تکلیفوں سے آرام ملتا ہے چنانچہ پہلی آیت میں گھر اور خیمے اور اس آیت میں سائے اور غاریں اور کرتے مذکور ہیں اور تقیکم الحر کہہ کر حر اور برد یعنی گرمی اور سردی دونوں مراد لیے ہیں اور اس آیت کے آخر میں اپنی روحانی نعمتوں کی طرف صاف توجہ دلائی جہاں اتمام نعمت کا ذکر کیا۔ کیونکہ اتمام نعمت اس کے بغیر نہ ہوتا تھا کہ جسمانی طور پر تو اس قدر آرام کی چیزیں ہوتیں اور روحانی طور پر دکھوں اور تکلیفوں سے بچانے والی کوئی چیز نہ ہوتی اسی مناسبت سے آیت کا خاتمہ تسلمون پر کیا۔ یعنی تم اسلام میں یا سلامتی میں داخل ہو جاؤ جس سے مراد روحانی سلامتی ہے اور اگلی آیت میں فان تولوا کہہ کر اور اس سے اگلی آیت میں نعمت اللہ یعنی وحی کے انکار کا ذکر کر کے مضمون کو بالکل صاف کر دیا ہے۔

نمبر۲۔ گواہ سے مراد ہر قوم کا نبی ہے اور رکوع کی آخری آیت میں اس کو صاف کر دیا ہے اور نبی کا اپنے پیروؤں کے لیے گواہ ہونا اس لحاظ سے ہے کہ قیامت کے دن ان کے ایمان اور طاعت کی گواہی دیگا اور اس دنیا میں ان کے لیے وہ نمونہ بنتا ہے جیسا کہ فرمایا وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا (البقرۃ۔۱۴۳) یا حضرت عیسٰی کا قول وکنت علیھم شھیدا ما دمت فیھم (المائدۃ۔۱۱۷)

نمبر۳۔ دوسری جگہ ہے ماکنتم ایانا تعبدون (یونس۔۲۸) اور ایک جگہ ہے بل کانوا یعبدون الجن (السبا۔۴۱) اپنے ہی توہمات کی پرستش کرتے ہیں کیونکہ ان چیزوں کے نیچے کوئی حقیقت نہیں جن کی پرستش بظاہر کرتے ہیں۔

وَ اَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَىِٕذِ ِ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾

اور اس دن اللہ کے سامنے فرمانبرداری پیش کریں گے اور جو افترا وہ کرتے تھے ان سے جاتا رہے گا۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾

وہ جنھوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا، ہم انھیں عذاب پر عذاب بڑھا کر دیں گے، اس لیے کہ وہ فساد کرتے تھے۔

وَ يَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَ جِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ ع ۱۲

اور جس دن ہم ہر امت میں سے ان کے اندر سے ایک گواہ کھڑا کر دیں گے اور تجھے ان پر گواہ لائیں گے۔ اور ہم نے تجھ پر کتاب اتاری ہے (جو) ہر چیز کو کھول کر بیان کرنے والی اور فرمانبرداروں کے لیے ہدایت اور رحمت اور خوش خبری (ہے)

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾

اللہ تمھیں عدل اور احسان اور قریبیوں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی اور برائی اور زیادتی سے روکتا ہے۔ وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو۔[1]

نمبر ۱۔ پچھلی آیت میں جب قرآن کریم کو تبیانا لکل شی کہا تو اب اس کی جامع تعلیم کا ایک نمونہ پیش کیا ہے اور اس آیت میں خیر اور شر کو پورے طور پر جمع کیا ہے۔ خیر کی اقسام میں عدل اور احسان اور ایتاء ذی القربیٰ کو بیان کیا ہے اور شر میں فحشا اور منکر اور بغی۔ اور یہ تینوں باتیں ایک ترتیب میں ہیں عدل ادنیٰ درجہ کی نیکی ہے جو مساوات کے رنگ میں ہے یعنی جو کوئی تمھارے ساتھ نیکی کرے اس کے ساتھ نیکی کرنا۔ یا احسان وہ نیکی ہے جو بطور ابتدا بغیر کسی حاضر کے یا معاوضہ کے خیال سے کی جائے اور ایتاء ذی القربیٰ سے مراد صرف قریبیوں کو دینا نہیں گو صلہ رحمی بجائے خود ایک ایسی اعلیٰ درجہ کی نیکی ہے جس سے سب نیکیاں پیدا ہوتی ہیں بلکہ ایسا ایتاء مراد ہے جیسے ذی القربیٰ کا ہوتا ہے۔ قریبیوں کو انسان کسی احسان کے خیال سے نہیں دیتا۔ یہ بھی نہیں سمجھتا کہ میں کوئی نیکی کر رہا ہوں بلکہ یہ ایک فطری خواہش کے ماتحت ہوتا ہے۔ پس یہ تیسرا مرتبہ یہ چاہتا ہے کہ نیکی انسان میں فطری خواہش کی طرح بن جائے۔ ایک کام کو جب انسان بار بار کرتا ہے تو آخر ہوتے ہوتے وہ اس کی طبیعت کا جزو بن جاتا ہے۔ پس انسان اس قدر بار بار احسان کرے کہ احسان کرنا اس کی فطری خواہش ہو جائے اور اقسام شر میں سب سے پہلے فحشاء ہے۔ یعنی ہر امر جو بذاتِ خود قبیح ہے اور دوسری قسم منکر ہے جسے دوسرے برا مانیں اس کا اثر دوسروں پر بھی پڑتا ہے۔

اور تیسری قسم بغی ہے جس میں انسان حد سے نکلنا چاہتا ہے وہ گویا ایسا تجاوز ہے جس کا اثر بہت ہی وسیع ہے ایک دوسرے رنگ میں فحشا قوت شہویہ سے پیدا ہوتا ہے منکر قوت غضبیہ سے، بغی قوت وہمیہ سے، شہوت کا اثر بد دوسرے انسانوں پر بہت کم پڑتا ہے اور عموماً اس میں ظلم کا رنگ بہت کم ہوتا ہے غضب کے اثر بد کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے اور عموماً اس سے دوسرے انسانوں کو تکلیف پہنچتی ہے مگر سب سے بڑے مظالم دنیا میں توانے

وَ اَوۡفُوۡا بِعَہۡدِ اللّٰہِ اِذَا عٰہَدۡتُّمۡ وَ لَا تَنۡقُضُوا الۡاَیۡمَانَ بَعۡدَ تَوۡکِیۡدِہَا وَ قَدۡ جَعَلۡتُمُ اللّٰہَ عَلَیۡکُمۡ کَفِیۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۹۱﴾

اور اللہ (تعالیٰ) کے عہد کو پورا کرو، جب تم عہد کر لو اور قسموں کو ان کے پکا کرنے کے بعد مت توڑو اور تم اللہ (تعالیٰ) کو اپنا ضامن کر چکے ہو، اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو ۔

وَ لَا تَکُوۡنُوۡا کَالَّتِیۡ نَقَضَتۡ غَزۡلَہَا مِنۡۢ بَعۡدِ قُوَّۃٍ اَنۡکَاثًا ؕ تَتَّخِذُوۡنَ اَیۡمَانَکُمۡ دَخَلًۢا بَیۡنَکُمۡ اَنۡ تَکُوۡنَ اُمَّۃٌ ہِیَ اَرۡبٰی مِنۡ اُمَّۃٍ ؕ اِنَّمَا یَبۡلُوۡکُمُ اللّٰہُ بِہٖ ؕ وَ لَیُبَیِّنَنَّ لَکُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ مَا کُنۡتُمۡ فِیۡہِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۹۲﴾

اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ، جس نے محنت کرکے کاتا ہُوا سوت ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا موجب بنا لیتے ہو اس لیے کہ ایک جماعت دوسری جماعت سے بڑھ کر ہو۔ اللہ اس طرح صرف تمھیں آزماتا ہے اور وہ ضرور تمھارے لیے قیامت کے دن وہ باتیں کھول کر بیان کرے گا جن میں تم اختلاف کرتے تھے ۔

وہمیہ سے پیدا ہوتے ہیں جن کی وجہ سے قوموں کی قومیں اور ملکوں کے ملک صرف ایک وہم کے ماتحت تباہ کر دیئے جاتے ہیں اور یہ تینوں قوتیں اگر حالت اعتدال پر آجائیں تو انسان بدی کی تمام راہوں سے بچ سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے اس آیت کو خطبہ جمعہ کے آخر میں داخل کیا۔

نمبرا۔ اللہ کا عہد اس کی شریعت ہے یا اس کی وحی اور اذا عاھدتم سے ان کا منہ سے قبول کرنا مراد ہے اور محمد رسول اللہ صلعم پر جو اللہ کے رسول ہیں ایمان لاکر اور آپ کے ہاتھ پر اقرار کرکے گویا اللہ کو ضامن بنایا گیا کہ ہم اس عہد کو پورا کریں گے۔ پس جب قرآن کریم کی ایک اعلیٰ درجہ کی تعلیم تباتی اور یہ بتایا کہ وحی الٰہی تمھیں ہر نیکی کی طرف اور اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی نیکی کی طرف بلاتی ہے اور ہر بدی سے روکتی ہے تو اب یہ بھی سمجھایا کہ زبانی سے اقرار کر لینا کافی نہیں بلکہ جب تم نے پختہ عہد کیا ہے تو اسے پُورا بھی کرکے دکھاؤ۔

نمبر۲۔ بخاری میں اور تفاسیر میں ایک عورت کا ذکر ہے جو مکہ میں تھی، جو دن بھر کات کات کر شام کو توڑ دیا کرتی تھی اور یہ اس کا جنون تھا مگر سیاق بتاتا ہے اور ایسی ہی روایت مجاہد وغیرہ سے ہے کہ یہ ایک مثال کے طور پر ہے خاص عورت کا ذکر مقصود نہیں۔ گویا پچھلی آیت میں جو فرمایا تھا کہ جب اللہ سے عہد کیا ہے یعنی ایمان لائے ہو تو اسے پورا کرو تو یہاں بتایا کہ اسے پورا نہ کرنا گویا اس عورت کی مثال ہے جو کات کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ بظاہر یہ ایک مجنون کا فعل ہے مگر دنیا میں کتنے عقلمند کہلانے والے ہیں جو اسی فعل کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اپنے ہاتھوں سے ایک عمارت کو کھڑا کرتے ہیں پھر خود اس کی جڑ بنیاد کو اکھیڑتے ہیں۔ مسلمانوں کو جس بات سے بچنے کی نصیحت کی تھی انھوں نے اس کا ارتکاب کیا اور اپنے ہی افعال سے اپنے کیے کرائے کام کو بگاڑا۔ اور سب سے زیادہ نقصان جو پہنچا وہ اسی بات سے پہنچا جس کا ذکر یہاں کیا ہے یعنی باہم اختلاف اور ان معاہدات کو مدنظر نہ رکھنا جو ایک دوسرے کے ساتھ ہیں اس وجہ سے کہ ایک جماعت اپنے آپ کو دوسری جماعت سے زبردست دیکھتی ہے یا اس لیے کہ وہ زبردست ہو جائے یہی مسلمانوں کی بیماری ہے جس نے انھیں موجودہ حالت تک پہنچایا جن کی دنیا پر پھیلی ہوئی حکومت اس مجنون عورت کے سوت کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ مگر اب بھی اس کی اصلاح کی طرف توجہ نہیں تتخذون ایمانکم یہاں جملہ معترضہ کے طور پر ہے جہاں اہل جاہلیت کا ذکر ہے یا عام طور پر دنیا کی روش کا ذکر ہے۔ مسلمانوں کو خاص حکم اس بارہ میں آیت ۹۴ میں موجود ہے۔ اہل جاہلیت میں یہ رواج عام تھا کہ معاہدے موکد ہوتے مگر ایک قوم ذرا اپنے آپ کو دوسری سے طاقتور پاتی تو سب معاہدات کو بالائے طاق رکھ دیتی بعینہٖ جیسے آج یورپ کی حالت ہے کہ جس قوم کو کمزور دیکھا اس کے ساتھ معاہدہ ردی کاغذ کا ٹکڑا بن جاتا ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۹۳

اور اگر اللہ چاہتا تمھیں ایک ہی گروہ بنا دیتا، لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور ضرور تم سے پوچھا جائے گا جو تم کرتے تھے۔

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْۗءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝۹۴

اور اپنی قسموں کو آپس میں فساد کا موجب نہ بناؤ، ایسا نہ ہو کہ قدم جمے پیچھے پھسل جائے اور تم تکلیف کا مزہ چکھو۔ اس لیے کہ تم نے اللہ کی راہ سے روکا اور تمھیں بڑا عذاب ہو۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۹۵

اور اللہ کے عہد کے بدلے تھوڑی قیمت نہ لو۔ جو اللہ کے پاس ہے تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹۶

جو تمھارے پاس ہے وہ جاتا رہے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے اور جنھوں نے صبر کیا ان کے بہترین اعمال کے لیے جو انھوں نے کیے ہم ضرور انھیں اجر دینگے۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹۷

جو کوئی اچھا عمل کرتا ہے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہے ہم یقیناً اسے ایک پاک زندگی میں زندہ رکھیں گے اور ہم انھیں بہترین اعمال کا جو وہ کرتے تھے اجر دیں گے ۱؎۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝۹۸

سو جب تُو قرآن پڑھنے لگے تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگ ۲؎۔

نمبر۱۔ اس آیت میں جیسا کہ اور بھی کئی موقعوں پر قرآن شریف نے نہایت صفائی سے بتا دیا ہے کہ اعمال حسنہ کی جزا میں مردوں اور عورتوں میں کوئی فرق نہیں باوجود ان صراحتوں کے عیسائی کہتے ہیں کہ قرآن شریف کی رو سے عورت میں روح کوئی نہیں جو اصل میں ان کا اپنا خیال تھا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ یہاں حیات کا ہی ذکر ہے اور حیات طیبہ مومن کو اس دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی۔

نمبر۲۔ واذا قرأت القرآن سے مراد ہے جب قرآن شریف پڑھنے لگو تو اس وقت استعاذہ کر لیا کرو۔ اور سب سے مشہور استعاذہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ہے جو اسی آیت کے حکم کی تعمیل ہے۔

إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِينَ اٰمَنُوا
وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝۹۹
إِنَّمَا سُلْطٰنُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ
وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ۝۱۰۰ ع
وَإِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ
أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوٓا إِنَّمَآ أَنْتَ
مُفْتَرٍ ۭ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝۱۰۱
قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ
بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَهُدًى
وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِينَ ۝۱۰۲
وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ
بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ
أَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ ۝۱۰۳

کیوں کہ اس کا کوئی غلبہ اُن لوگوں پر نہیں جو ایمان لائے
اور اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں۔
اس کا غلبہ صرف اُنہی لوگوں پر ہے جو اُسے دوست بناتے
ہیں اور وہ جو اس کے ساتھ شریک بنانے والے ہیں۔
اور جب ہم ایک پیغام کی جگہ دُوسرا پیغام بھیجتے ہیں اور اللہ
بہتر جانتا ہے جو وہ اُتارتا ہے، کہتے ہیں تُو تو افترا کرنے
والا ہے بلکہ اُن میں سے اکثر نہیں جانتے ۱۔
کہہ اسے رُوح القدس نے تیرے رب کی طرف سے حق
کے ساتھ اُتارا ہے تاکہ اُنھیں مضبوط کرے جو ایمان لائے اور
وہ فرمانبرداروں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے۔
اور ہم جانتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ اسے تو ایک انسان
سکھاتا ہے اس کی زبان جس کی طرف یہ سکھانے کی نسبت
کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ کھُلی عربی زبان ہے ۲۔

نمبر ۱۔ تمام مفسرین نے اس آیت کے یہ معنی کیے ہیں کہ ہم ایک آیت قرآنی کو منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسری لاتے ہیں۔ حالانکہ ادنیٰ تدبر سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ آیت قرآنی کے منسوخ ہونے کا بیان کوئی ذکر نہیں۔ اول یہ کہ یہ کفار کا قول ہے اور ان کو اس سے کیا واسطہ تھا کہ آج کونسا حکم قرآنی منسوخ ہوا ہے اور کونسا قائم ہے۔ دوم، یہ کہ سیاق عبارت ناسخ و منسوخ کی بحث کو نہیں چاہتا اصل مضمون کفار کے مقابلہ پر وحی الٰہی کی صداقت کو ثابت کرنا ہے اور آگے آیت ۱۰۳ میں صاف ان کا قول مذکور ہے کہ ایک بشر آپ کو سکھاتا ہے۔ سوم، یہ کہ یہ سورت مکی ہے اور جن آیات کو ناسخ کہا جاتا ہے وہ سب مدینہ کی نازل شدہ ہیں جب مکہ میں تفصیلات شریعت ہی نازل نہیں ہوئیں تو منسوخ کیا چیز کی گئی اور یہ قطعی دلیل ہے کہ اس آیت میں ناسخ و منسوخ قرآنی کا کوئی ذکر نہیں۔ (چہارم) اگلی آیت میں اس کے نازل کرنے کی غرض یہ بتائی کہ مومنوں کو مضبوط کیا جائے اور مسلموں کے لیے ہدایت اور بشارت ہو۔ یہ سارے قرآن کے نزول کی شان ہے جیسا کہ فرمایا لنثبت بہ فؤادک (الفرقان: ۳۲)۔ یہاں آیت کے بدلنے سے نئی رسالت یا نئے پیغام الٰہی کا آنا مراد ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ پچھلے سے پچھلے رکوع میں دوسرے انبیاء کا جو اپنی اپنی قوموں میں آئے ذکر کیا تھا دیکھو آیت ۸۴ و آیت ۸۹ اور پچھلے رکوع میں صرف یہ بتایا کہ قرآن کریم کی تعلیم نیکی کھلانے والی اور بدی سے روکنے والی ہے تو اب کفار کے اس اعتراض کا ذکر کیا کہ جب پہلے بھی رسول آئے تھے تو نئے رسول کی کیا ضرورت ہے اور کیوں اس نے سابق شرائع کو منسوخ کیا اس لیے وہ کہتے ہیں کہ یہ تو بہرحال افترا ہے۔ اس کا جواب دیا ہے کہ روح القدس نے اُسے نازل کیا ہے اور روح القدس کے نازل کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا گناہ کی ظلمت میں مبتلا تھی اس کے دور کرنے کے لیے اس وحی کی ضرورت تھی چنانچہ اس نے ایک عالم کو گناہ سے پاک کر کے دکھا بھی دیا اور بالحق کہنے میں یہ اشارہ ہے کہ باوجود پہلی رسالتوں کے ایک نئی رسالت کی ضرورت تھی جس پر قرآن کریم میں بار بار دلائل گزر چکی ہیں۔

نمبر ۲۔ کفار مکہ بھی ایسے اعتراض کرتے تھے اور مخالفت حق میں ان کے پیرو عیسائی بھی یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کفار قریش جن لوگوں کے نام لیتے تھے وہ سب

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا	جو لوگ اللہ کی باتوں پر ایمان نہیں لاتے اللہ انھیں ہدایت
يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٠٤﴾	نہیں دیتا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ۔
اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ	جھوٹ تو صرف وہ لوگ بناتے ہیں جو اللہ کی باتوں پر ایمان
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿١٠٥﴾	نہیں لاتے اور وہی جھوٹے ہیں ؎۱
مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ	جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ کا انکار کرتا ہے مگر وہ نہیں
اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ	جسے مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو ۔
مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ	بلکہ وہ جس کا سینہ کفر پر کھل جائے تو ان پر اللہ کی طرف سے
غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٠٦﴾	غضب ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے ؎۲
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا	یہ اس لیے کہ انھوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر عزیز رکھی اور
عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ	کہ اللہ (تعالیٰ) کافر لوگوں کو منزلِ مقصود پر
الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٠٧﴾	نہیں پہنچاتا ۔
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	یہی وہ ہیں جن کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان

اہل کتاب عموماً عیسائی نو مسلم تھے جو عجمی لوگ تھے اور قرآن کریم کی زبان ہمیشہ کے لیے عربی زبان کی فصاحت کا معیار ہو گئی اسے کوئی عجمی کب سکھا سکتا تھا ۔ اگلی آیات میں ایک ورجواب دیا ہے جہاں یہ ذکر ہے کہ اسلام کی خاطر کیا کیا تکلیفیں لوگوں کو اٹھانی پڑیں ۔ اول تو ایسے لوگ جو خود سکھاتے ہوں سلمان ہی کس طرح ہو سکتے تھے پھر ان ایذاؤں اور تکلیفوں کو برداشت وہ کیوں کرتے جب جانتے تھے کہ یہ نرا جھوٹ ہے جو ہم خود سکھا رہے ہیں جن دکھوں اور تکلیفوں میں سے مسلمان گزرے انھوں نے ان کے اخلاص پر تو ضرور مہر لگا دی اور جو کوئی چاہے کیسے افترا کرنے والے یا افترا میں حصہ لینے والے انھیں کوئی نہیں کہہ سکتا ۔

نمبر۱ ۔ ان دونوں آیتوں میں بتایا کہ یہ لوگ یعنی رسول اللہ صلعم اور آپ کے ساتھی مفتری نہیں ہو سکتے کیونکہ جو اللہ پر افترا کرتا ہے وہ آیات اللہ پر ایمان نہیں لا سکتا اور جو آیات اللہ پر ایمان نہیں لاتا وہ اس ہدایت پر قائم نہیں رہ سکتا کیونکہ خطرناک دکھوں اور تکلیفوں کا مقابلہ افترا کرنے والے نہیں کر سکتے ۔ اگلی آیت میں اس مضمون کو اور کھولا ہے ۔

نمبر۲ ۔ اصل غرض تو اسی بات کو بیان کرنا ہے کہ کس ہمت اور کس قوت ایمانی سے سلمانوں نے مصائب کا مقابلہ کیا ۔ اسی ضمن میں ان لوگوں کا بھی ذکر کر دیا ہے جو بعض وقت بتقاضائے بشریت کافروں کے ظلم کے نیچے منہ سے کوئی ایسی بات کہہ دیتے ہیں جن سے ان کی جان بچ جائے بشرطیکہ قلب میں ایمان ہو لیکن جو کفر کے دباؤ کے نیچے آ کر کفر پر راضی ہو جائیں تو ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا کہ وہ غضب الٰہی کے نیچے ہیں ۔ رہے وہ جو ایک وقت قلب میں تو کچھ انکار نہیں پاتے لیکن زبان سے انکار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں تو یہ کوئی اعلیٰ مقام نہیں ، ہاں چونکہ جان بچانے کی مجبوری کے لیے وہ ایسا کرتے ہیں اس لیے ایک حد تک انھیں قابل معافی سمجھا ہے اور اصل میں ایمان کامل یہی ہے کہ جان کی بھی پروا اس کے مقابلہ میں انسان نہ کرے اور یہی اکثر مسلمانوں نے کیا ۔ ایسے لوگوں کی مثالیں جنھوں نے کافروں کے ظلم کے نیچے کلمۂ کفر کہہ دیا ہو شاذ و نادر ملیں گی مگر ان لوگوں کی مثالیں جنھوں نے خوش دلی سے نہ صرف تکلیفیں اٹھائیں بلکہ گردنیں بھی کٹوائیں قدم قدم پر ملتی ہیں ۔

وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ وَأُولَٰئِكَ
هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿١٠٨﴾
لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿١٠٩﴾
ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ
مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ
ع مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١٠﴾
يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا وَ
تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١١١﴾
وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً
مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ
مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ
لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿١١٢﴾
وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْهُمْ فَكَذَّبُوهُ
فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١١٣﴾
فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا

کی آنکھوں پر اللہ نے مُہر لگا دی اور وہی
غافل ہیں۔
کچھ شک نہیں کہ وہی آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔
پھر تیرا رب ان لوگوں کے لیے جنھوں نے اس کے بعد کہ
انھیں دکھ دیا گیا ہجرت کی پھر جہاد کیا اور صبر کیا یقیناً تیرا
رب اس کے بعد حفاظت کرنے والا رحم کرنے والا ہے ۔[1]
جس دن ہر شخص اپنی ہی ذات کے لیے جھگڑا کرتا آئے گا اور ہر شخص کو
جو اُس نے کیا پورا دیا جائیگا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا۔
اور اللہ ایک بستی کی مثال بیان کرتا ہے، جو امن اور اطمینان
کی حالت میں تھی، اس کی روزی ہر جگہ سے اس کے پاس
بافراغت آتی تھی پھر اس نے اللہ کی نعمتوں کا انکار کیا تو اللہ نے اسے
بھوک اور خوف کے لباس کا مزہ چکھایا، اس کا بدلہ جو وہ کرتے تھے[2]
اور ان کے پاس ایک رسول انہی میں سے آیا تو انھوں نے اُسے
جھٹلایا سو عذاب نے انھیں آلیا اور وہ ظالم تھے۔
سو اس سے جو تمھیں اللہ نے دیا ہے حلال اچھی چیزیں

نمبر ۱ آخر میں اُن لوگوں کا ذکر کیا جو نہ صرف خوش دلی سے اللہ کی راہ میں ہر قسم کی مصائب برداشت کرتے ہیں بلکہ آخر کار گھر بار کو وطن کو عزیز و اقارب کو بدی سے بچنے کے لیے چھوڑ دیتے ہیں بلکہ پھر اللہ کی راہ میں جہاد بھی کرتے ہیں یعنی اپنا سارا زور بھی لگاتے ہیں اور پورے استقلال سے کھڑے ہو جاتے ہیں ایسے کامل الایمان لوگوں کے لیے اللہ کا غفور ہونا یہی معنی رکھتا ہے کہ وہ انھیں اپنی حفاظت میں لے کر گناہوں سے پاک کر دیتا ہے۔

نمبر ۲ لباس الجوع والخوف۔ لباس وہ چیز ہے جو پہنی جاتی ہے یا جسم کو ڈھانک لیتی ہے اور خوف اور جوع کو لباس کہا گویا اس نے جسم اختیار کرکے لباس کی صورت اختیار کرلی اور چاروں طرف سے انسان کو ڈھانک لیا۔

یہ قریہ یا بستی جس کی مثال دی ہے مکّہ ہے امن اور اطمینان کی وہ حالت جو دنیا میں کسی بستی کو میسّر نہیں آئی اور باوجود وادیٔ غیر ذی زرع ہونے کے ہر قسم کے پھل اور غلّہ وہاں پہنچتا۔ سارے عرب کی چیزیں گھر بیٹھے ان کے پاس پہنچ جاتیں اللہ کی نعمتوں کی ناشکری یہ کہ جب سب سے بڑی روحانی نعمت ملی تو اسے قبول نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ پہلے بھوک اور خوف کے رنگ میں عذاب آیا۔ بھوک تو یہ کہ سات سال کا قحط پڑا جس کی پیشگوئی پہلے سے ہو چکی تھی فارتقب یوم تاتی السماء بدخان مبین (الدخان - ۱۰) اور خوف اس لحاظ سے کہ یہ قحط قریب تھا کہ مکّہ کو برباد کر دیتا کیونکہ مُردار اور چمڑے اور ہڈیاں کھانے تک نوبت پہنچ گئی تھی امن و اطمینان کی جگہ بھوک اور خوف کفرانِ نعمت یعنی انکار رسول کی سزا تھی جیسا کہ اگلی آیت میں صاف ذکر ہے۔

وَّ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر کرو ، اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

اس نے تم پر صرف مُردار اور خون اور سُور کا گوشت حرام کیا ہے اور وہ جس پر اللہ کے سوائے کسی دوسرے کا نام پکارا جائے پھر جو شخص ناچار ہوجائے نہ خواہش کرنے والا اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ ﴿۱۱۶﴾

اور اسے جو تمھاری زبانیں جھوٹ بیان کر دیتی ہیں نہ کہا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ، تاکہ اللہ پر جھوٹ بناؤ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ، وہ کامیاب نہیں ہوتے [1]

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

تھوڑا سامان ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور ان پر جو یہودی ہیں ہم نے وہی حرام کیا تھا جو تجھ پر پہلے بیان کر چکے ہیں اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا ، لیکن وہ اپنی جانوں پر خود ہی ظلم کرتے تھے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْۤا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ ع

پھر تیرا رب ان لوگوں کے لیے جو نادانی سے بدی کر بیٹھتے ہیں پھر اس کے بعد توبہ کرتے ہیں اور اصلاح کر لیتے ہیں یقیناً تیرا رب اس کے بعد حفاظت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَ لَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ ﴿۱۲۰﴾

ابراہیم ایک امام اللہ کا فرماں بردار راست رو تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا [2]

نمبر۱۔ اہل مکہ جو قرآن کو افترا کہتے تھے انھیں بتایا ہے کہ جو حق ہے اسے تم افترا کہتے ہو اور خود افترا کرتے ہو۔ چنانچہ غذاؤں کی حلت و حرمت کے متعلق وہ اللہ تعالےٰ پر یہ افترا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یوں حکم دیا ہے۔ اگلی آیت میں اسے اور صاف کیا ہے۔

نمبر۲۔ اُمّۃ جماعت کو کہتے ہیں اور راغب نے یہاں معنی کیے ہیں کہ اللہ کی عبادت میں ایک جماعت کے قائم مقام تھے لیکن اس کے معنے لغت میں امام بھی آئے ہیں۔

شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَ هَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾

اس کی نعمتوں کا شکر کرنے والا اس نے اُسے چُن لیا اور سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کی۔

وَ اٰتَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَ اِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ؕ

اور ہم نے اسے دنیا میں بھلائی دی اور وہ آخرت میں یقیناً نیکوں میں سے ہے۔

ثُمَّ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ابراہیمؑ راست رو کے دین پر چل اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا ۔

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

سبت (کا وبال) صرف ان لوگوں پر ڈالا گیا جنھوں نے اس میں اختلاف کیا اور تیرا رب قیامت کے دن ضرور ان میں ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے ۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ

اپنے رب کے رستے کی طرف ۳ حکمت اور اچھے وعظ سے

حضرت ابراہیمؑ کا ذکر اس آخری رکوع میں دو وجہ سے کیا۔ ایک کفار کو توجہ دلانے کے لیے کہ حضرت ابراہیمؑ جن کی وہ پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں مشرک نہ تھے دوسرے مسلمانوں کو بتانے کے لیے کہ وہ اس شخص کا طریق اختیار کریں جو دنیا میں راستبازوں کا سردار ہوا اور پھر اپنے زمانہ میں بے نظیر انسان تھا جس نے حق کی پیروی میں کسی کی پروا نہیں کی اور ابراہیمؑ کو امت کہنے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ نیکی کے معلم دنیا میں ہمیشہ سردار بن جاتے ہیں پس اگر مسلمان بھی دنیا میں نیکی کے معلم بنیں تو وہ بھی دنیا کے پیشوا بنا دیئے جائیں گے ۔ چنانچہ (ان عاقبتم (۱۲۶) میں اور ان اللہ مع الذین اتقوا (۱۲۸) میں مسلمانوں کی آیندہ شوکت کی طرف صاف اشارہ ہے ۔

نمبر۱۔ یعنی وہی کام کرو جو ابراہیمؑ نے کیا ۔ مطلب یہ ہے کہ تم بھی شرک کی بیخکنی کرو۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے کی کیونکہ ملت ابراہیمی کا اصل الاصول تو یہی بیان کیا کہ وہ مشرکوں میں سے نہ تھا شرک سے دنیا کو صاف کرنا حضرت ابراہیمؑ کا بھی مقصد تھا یہی مقصد محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت کا تھا۔

نمبر۲۔ یہاں سبت کے اختلاف سے مراد مفسرین نے یہ لی ہے کہ اصل سبت جمعہ ہی تھا، یہودیوں اور عیسائیوں نے ہفتہ اور اتوار بنا لیے مگر یہاں یہ ذکر نہیں اور یہودیوں نے باہم تو کوئی اختلاف سبت کے بارے میں نہیں کیا نہ عیسائیوں نے ، بلکہ ان کے سبت متفقہ طور پر ہفتہ اور اتوار ہی رہے اور اتنے بڑے تعامل قوم میں اس قدر اختلاف کا ہونا بھی مشکل ہے ۔ پھر یہود کے اندر نبی پر نبی آتے رہے اگر کسی وقت انھوں نے اس کو بدل دیا تھا تو اس کی اصلاح انبیاء کر دیتے ! در آیت کا مطلب سبت کے معنی عبادت کا دن لے کریں بھی ہو سکتے ہیں جعل وبال ترک تعظیم السبت یعنی سبت کی تعظیم کو ترک کرنے کا وبال اُن لوگوں پر آیا جنھوں نے سبت میں اختلاف کیا یعنی سبت کی تعظیم کو قائم نہ رکھا اور یہ معنی بعض مفسرین نے کیے ہیں اور یا سبت کے اصل معنی قطع عمل لے کر یہ مراد ہوگی کہ جن لوگوں نے قرآن شریف کے متعلق اختلاف کیا یا اسے نہ مانا ان کے عمل قطع ہو گئے کیونکہ قرآن کریم اعمال صالحہ کی طرف توجہ دلاتا ہے اور بلحاظ سیاق یہ معنی سب سے زیادہ موزون ہیں۔

نمبر۳۔ خاتمہ پر وحی کی اصل غرض دعوت الی الحق کا ذکر کیا اور اس کا طریق بتایا۔ حکمت مضبوط بات یا فہم ہے یا مضبوط دلیل اور وعظ تنبیہ کے لیے ہے دعوت الی الحق میں یہی دو چیزیں ضروری ہیں ۔ نہ دلائل محکمہ کے بغیر دعوت کا کام ہو سکتا ہے نہ وعظ کے بغیر۔ اس کے بعد جدال کا ذکر ہے یعنی بحث کا اس لیے کہ دعوت میں بحث کی بھی ضرورت پیش آ جاتی ہے پس اگر بحث کی ضرورت پیش آئے تو عمدہ طریق پر بحث کی جائے جس سے دلوں میں تنفر اور باطل پر اصرار پیدا نہ ہو بلکہ حق بات کے فہم میں مدد ملے ۔

الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ
رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ
وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۲۵﴾
وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم
بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ﴿۱۲۶﴾
وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ وَلَا تَحْزَنْ
عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿۱۲۷﴾
إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم
مُّحْسِنُونَ ﴿۱۲۸﴾ ع

بُلا اور ان کے ساتھ اس طریق پر بحث کر جو نہایت عمدہ ہو۔
تیرا رب اسے خوب جانتا ہے جو اس کے رستے سے گمراہ ہوا اور وہ
سیدھی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔
اور اگر تم (انھیں) بدلہ دو تو اتنا دو جتنی تمھیں تکلیف دی گئی۔
اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہت اچھا ہے ۱۔
اور صبر کر اور تیرا صبر اللہ کی مدد سے ہی ہے اور ان پر افسوس
نہ کر اور اس کی وجہ سے تنگ نہ ہو جو وہ تدبیریں کرتے ہیں۔
اللہ ان کے ساتھ ہے جو تقوے اختیار کرتے ہیں اور وہ جو
احسان کرنے والے ہیں۔

اٰیاتها ۱۱۱ (۱۷) سُورَةُ بَنِي إِسْرَائِيلَ مَكِّيَّةٌ رکوعاتها ۱۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ﴿۱﴾
سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ ﴿۲﴾
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
وہ ذات پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے (محمدؐ) کو مسجد
حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گیا ۳۔ بابرکت بنایا۔ تاکہ

نمبر۱- مراد یہ ہے کہ تمھیں جو دکھ اور تکلیفیں دی جاتی ہیں۔ ان کی سزا دینے کا موقعہ ملے تو اس سے زیادہ سزا نہ دو۔ جس قدر تکلیف تمھیں پہنچائی گئی ہے بلکہ بہتر یہی ہے کہ تم صبر سے ہی کام لو اور بدلہ نہ لو۔

نمبر۲- اس سورت کا نام بنی اسرائیل ہے اور اسرا بھی اس کا نام آیا ہے اور اس میں بارہ رکوع اور ایک سو گیارہ آیتیں ہیں۔ بنی اسرائیل کے ذکر سے ہی یہ سورت شروع ہوتی ہے اور انہی کے ذکر پر ختم ہوتی ہے۔ اور اس کی پہلی ہی آیت میں یہ اشارہ کر دیا گیا ہے کہ وہ سب برکات جو بنی اسرائیل کو دی گئیں ان کا وارث بھی اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جاتا ہے اور سورت کے آخری رکوع میں پھر شریعت موسوی کا ذکر کیا ہے۔ اس لحاظ سے اس سورت کا نام بنی اسرائیل ہے اور اس کے نام اسرا میں اشارہ کمالاتِ محمدیہ کی طرف ہے جن پر آپ کا معراج جس کا ذکر سورت کے ابتدا اور پھر درمیان میں موجود ہے دلالت کرتا ہے۔ اس کا تعلق پچھلی سورتوں سے یہ ہے کہ جب اُن میں اس پر زور دیا کہ حق دنیا میں قائم ہو کر رہے گا اور کوئی طاقت اس کو برباد نہ کر سکے گی تو یہاں بتایا کہ کمالات محمدیہ پہلے سب انبیاء کے کمالات پر فوقیت لے جائیں گے اور ضمناً یہود کی حالت کا ذکر کر کے اس قوم کو خاص طور پر مخاطب کیا۔ اس سورت کے نزول کے متعلق اور ایسا ہی اس سے اگلی چار سورتوں کے متعلق ابن مسعودؓ کی شہادت ہے کہ مکہ میں ابتدائے زمانہ بعثت میں نازل ہوئیں اور انھوں نے اس ابتدائی زمانہ میں ان کو سیکھا۔ ان پانچوں سورتوں کا بیشتر حصہ چھٹے سال بعثت سے پہلے کا ہے۔

نمبر۳- اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے نبی کریم صلعم کو رات کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کو لے جانے کا ذکر ہے اور مفسرین نے اس سے مراد

الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں۔ وہ سُننے والا دیکھنے والا ہے۔

وَ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ؕ②

اور ہم نے موسٰیؑ کو کتاب دی اور اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت ٹھیرایا کہ میرے سوائے کسی کو کارساز نہ بناؤ۔

ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا ③

(تم) ان کی نسل (ہو) جنھیں ہم نے نوحؑ کے ساتھ سوار کیا تھا۔ وہ شکر گزار بندہ تھا۔

وَ قَضَیْنَآ اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْکِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَلَتَعْلُنَّ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں یقینی خبر دے دی تھی۔ کہ ضرور تم ملک میں دو دفعہ فساد کرو گے اور بڑی سرکشی

معراج لیا ہے۔ کیونکہ حدیث معراج میں نبی کریم صلعم کو پہلے بیت المقدس لے جانے کا ذکر ہے۔ خلاصہ احادیث معراج کا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلے بیت المقدس میں تشریف لے گئے اور پھر سب آسمانوں کی سیر آپ کو کرائی گئی، یہاں تک کہ آپ ان تمام مقامات سے اوپر نکل گئے جہاں تک دوسرے انبیاء علیہم السلام پہنچے تھے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پانچ نمازوں کا فرض ہونا بھی واقعہ معراج سے ہی متعلق ہے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ آیا معراج جسد عنصری کے ساتھ تھا یا نہیں۔ امت میں دو گروہ ہوئے ہیں کثیر گروہ اسے جسم عنصری کے ساتھ مانتا ہے اور قلیل گروہ جن میں حضرت عائشہؓ صدیقہ اور معاویہؓ اور حسنؓ ہیں اسے رؤیا مانتا ہے۔ جن لوگوں نے معراج کو جسمانی مانا ہے ان کے دلائل حسب ذیل ہیں: اوّل یہ کہ اسے ایک عظیم الشان واقعہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے مگر اس کی عظمت جسم سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ آنحضرت کو تمام انبیاء سے بلند تر مقام پر پہنچایا گیا۔ دوم یہ کہ اگر جسمانی نہ ہوتا تو کفار قریش تکذیب کیوں کرتے۔ مگر کفار تو آنحضرت صلعم پر وحی آنے کی بھی تکذیب کرتے تھے اور حضرت ابوبکرؓ کا جواب بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ جب آپ کے سامنے ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ میں تو اس سے بھی زیادہ بعید از قیاس بات پر آپ کی تصدیق کرتا ہوں میں تو آپ کو اس میں بھی سچا مانتا ہوں کہ صبح شام آپ پر آسمان کی خبر آتی ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ اس موقعہ پر بعض مسلمان مرتد ہو گئے تھے مگر یہ صحیح نہیں نہ کوئی اس کا تاریخی ثبوت ملتا ہے۔ چوتھی بات کہ لفظ عبد مجموعہ جسم و روح سے عبارت ہے بہت ہی کمزور ہے کیونکہ رؤیا اور کشف میں جو کچھ انسان دیکھتا ہے وہ گو اس جسد عنصری سے نہ ہو مگر روح کو ایک اور جسم مل جاتا ہے اور انبیاء کا رؤیا عام خوابوں کی طرح نہیں۔ اس امر کی کہ معراج رؤیا یا کشف تھا سب سے پہلی دلیل خود قرآن کریم میں موجود ہے کہ اسی سورت میں معراج کا ذکر کر کے فرمایا وما جعلنا الرؤیا التی ارینٰک (۶۰) جہاں صاف الفاظ میں اسے رؤیا کہا ہے اور رؤیا کا لفظ عالم خواب سے مخصوص ہے جس میں جسد عنصری حرکت نہیں کرتا پھر حدیث بخاری میں صاف یہ لفظ ہیں۔ فیما یری قلبه وتنام عینه ولا ینام قلبه یعنی اس حالت میں معراج ہوا جب آپ کا قلب دیکھتا تھا اور آپ کی آنکھ سوتی تھی مگر دل نہیں سوتا تھا اور اسی حدیث کے آخر میں یہ لفظ ہیں واستیقظ وهو فی المسجد الحرام پھر آپ جاگ اُٹھے اور آپ مسجد حرام میں تھے جس سے صاف ثابت ہوا کہ یہ سب کچھ آپ پر حالت خواب میں وارد ہوا اور دوسری روایت میں جو وہ بھی بخاری کی ہے معراج کی حالت کو بین النائم والیقظان یعنی سوتے اور جاگتے کے درمیان یا حالت مکاشفہ قرار دیا ہے۔ واقعہ اسراء میں یعنی آنحضرت صلعم کے مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے جائے جانے میں یہ اشارہ ہے کہ بیت المقدس جو انبیاء بنی اسرائیل کا مقام تھا آنحضرت صلعم کے متبعین کو دیدیا جائے گا اور دوسرا آپ کے کمالات کا نقشہ ہے کہ آپ وہاں پہنچے، جہاں آپ سے پہلے کوئی نبی نہیں پہنچا۔

نمبر ا واقعہ اسراء میں چونکہ مسجد اقصیٰ میں لیجانے کا ذکر تھا اور اس کا تعلق سلسلہ موسویہ سے ہے اس لیے فوراً حضرت موسیٰؑ کا ذکر کیا اور اشارہ یہ ہے کہ وہ سب برکات بھی جو اس سلسلہ سے تعلق رکھتی ہیں سب آپ کو ملنے والی ہیں۔

عُلُوًّا كَبِيْرًا ④

اختیار کرو گے ملہ

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ⑤

سو جب دونوں میں سے پہلا وعدہ آ پہنچا ہم نے تم پر اپنے سخت لڑنے والے بندے اُٹھا کھڑے کیے پس وہ شہروں کے اندر گھس گئے اور وعدہ پورا ہونا ہی تھا ملہ

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ⑥

پھر ہم نے لوٹا کر تمھیں اُن پر غلبہ دیا اور مال اور بیٹوں سے تمھاری مدد کی اور تمھیں بڑا جتھا بنایا۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ⑦

اگر تم نے نیکی کی تو اپنا ہی بھلا کیا، اور اگر تم نے بُرائی کی تو اپنے لیے۔ پھر جب پچھلی بار کا وعدہ آیا اور بندے اٹھا کھڑے کیے تاکہ وہ تمھارا بُرا حال کریں اور تاکہ وہ مسجد میں داخل ہوں جس طرح پہلی بار داخل ہوئے اور تاکہ جس چیز پر وہ غالب آئیں برباد کرتے ہوئے برباد کریں ملہ

عَسٰي رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ⑧

قریب ہے کہ تمھارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے ہم پھر وہی سزا دیں گے اور ہم نے دوزخ کو کافروں کے لیے قید خانہ بنایا ملہ

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ⑨

یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو زیادہ مضبوط ہے اور ان مومنوں کو جو اچھے کام کرتے ہیں خوش خبری دیتا ہے کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے ملہ

نمبر ۱۔ اس کی تصریح ... ہے اور یہ دو خبریں وہ ہیں جو ایک تو حضرت داؤدؑ کی زبان سے دی گئیں اور ایک تو حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے گو یروشلم پر اور بھی کئی حملے ہوئے اور کم و بیش بربادی وہاں ہوئی۔ مگر یہ تباہی کمال کو دو ہی دفعہ پہنچی ہے۔

نمبر ۲۔ یہ بخت النصر شاہ بابل کا حملہ ہے جو حضرت مسیحؑ سے چھ سو سال پیشتر ہوا اور یروشلم تباہ ہوگیا۔ اور ہیکل جلا دیا گیا اور بنی اسرائیل قید کرکے نکال دیئے گئے۔ گو وہ غلبہ جس کا اگلی آیت میں ذکر ہے خورس شاہ ایران کے ذریعہ سے ہوا جس نے یروشلم کو دوبارہ بنانے کی اجازت دی۔

نمبر ۳۔ یہ دوسری تباہی وہ ہے جو مسیحؑ سے ستر سال بعد طیطوس رومی نے یروشلم کو پھر تباہ کیا۔ بنی اسرائیل کے ذکر میں نہ صرف مسلمانوں کو تنبیہ کرنا مقصود ہے بلکہ بنی اسرائیل کی تاریخ میں مسلمانوں کی تاریخ دوہرائی گئی ہے خلافت اسلامی بھی دو مرتبہ تباہ کی گئی یعنی بار اول جب بغداد خلافت عباسیہ کے ساتھ تباہ ہوا اور دوسری مرتبہ اب جب یورپ نے سلطنت ٹرکی کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے خلافت اسلامیہ کو تباہ کیا۔ مگر جیسے پہلی مرتبہ خلافت کی تباہی شوکت اسلامی میں تبدیل ہوتی ایسا ہی پھر ہوگا۔

نمبر ۴۔ دونوں عذابوں کا ذکر کرکے پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ذکر میں بعثت رحمۃ للعالمین کا ذکر ہے یعنی اب بھی اگر یہ قوم آنحضرت صلعم کو قبول کرلے تو اللہ تعالیٰ ان پر رحم کرکے انھیں ذلت اور محکومیت کی حالت سے نکال دیگا اور عدتم سے مراد ان کا فساد کی طرف لوٹنا ہے اور عدنا سے اللہ تعالیٰ کا پھر سزا دینا۔

نمبر ۵۔ آیت ۲ میں حضرت موسیٰؑ کی کتاب کا ذکر کیا تھا اس کے مقابل پر یہاں قرآن شریف کا ذکر کیا ہے اس راہ کو اقوم کہا ہے یعنی بمقابلہ اس پہلی

وَّ اَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۰﴾

اور کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے اُن کے لیے دردناک دُکھ تیار کر رکھا ہے۔

وَ يَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ﴿۱۱﴾

اور انسان بھلائی مانگنے کی جگہ بُرائی مانگتا ہے، اور انسان جلدباز ہے [۱]۔

وَ جَعَلْنَا الَّيْلَ وَ النَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَاۤ اٰيَةَ الَّيْلِ وَ جَعَلْنَاۤ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ وَ كُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿۱۲﴾

اور ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنایا ہے پھر ہم نے رات کی نشانی کو مٹا دیا اور دن کی نشانی کو روشن بنا لیا تاکہ تم اپنے رب کا فضل طلب کرو [۲] اور تاکہ سالوں کی گنتی اور حساب کو جانو اور ہر چیز کو ہم نے پوری تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔

وَ كُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ؕ وَ نُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ؕ﴿۱۴﴾

اور ہر انسان کے عملوں کو ہم نے اُس کی گردن میں ڈالا اور ہم اس کے لیے قیامت کے دن ایک کتاب نکالیں گے جسے وہ کھلا ہوا پائے گا [۳]۔ اپنی کتاب پڑھ، آج تو خود ہی اپنا حساب لینے کے لیے کافی ہے [۴]۔

را کے زیادہ مضبوط ہے۔ یہ بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ گو جس طرح بنی اسرائیل پر مصائب آئیں گی۔ مگر یہ تعلیم چونکہ زیادہ مضبوط ہے اور تاقیامت باقی رہے گی اس لیے مسلمان اس حالت کو نہ پہنچیں گے جس حالت کو بنی اسرائیل پہنچے اور عظیم الشان مصیبت کے بعد پھر اللہ تعالیٰ ان کی دستگیری فرمائے گا۔

نمبر۱- یہاں بتایا ہے کہ انسان چونکہ جلدباز ہے اس لیے نفع عاجل یعنی دنیوی نفع حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنی حقیقی بھلائی کی راہوں کو ترک کر دیتا ہے یعنی اعمال صالحہ کی پروا نہیں کرتا کیونکہ اس کا نفع دیر سے ملتا ہے اور یوں جہاں اسے بھلائی کا طالب ہونا چاہیئے تھا وہ درحقیقت اپنے لیے شر کا طالب ہو جاتا ہے اور جلد آنے والے نفع کی خاطر اپنے حقیقی نفع کو ترک کر دیتا ہے۔

نمبر۲- آیۃ الیل چاند ہے اور آیۃ النہار سورج۔ اور چاند کو محو کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کے نور اصلی کو محو کر دیا اور آثار میں بھی ابن عباسؓ سے ایسا ہی مروی ہے کہ پہلے چاند بھی سورج کی طرح روشن تھا پھر اس کی وہ اصلی روشنی محو ہو گئی اور ایک روایت میں یہی لفظ نبی کریم صلعم کی طرف منسوب کیے گئے ہیں۔

نمبر۳- اس آیت میں اعمال خیر و شر اور ان کے نتائج کا ایک نہایت پُرحکمت فلسفہ بیان کیا ہے۔ انسان کا ہر ایک عمل اچھا ہو یا بُرا اس کی گردن کا طوق بن جاتا ہے یعنی اس کے لازم حال ہو جاتا ہے یا اس پر اپنا ایک نتیجہ چھوڑ جاتا ہے مگر ان نتائج کو انسان ان آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا۔ قیامت کے دن وہ تمام نتائج ایک کھلی کتاب کے رنگ میں اس کے سامنے آ جائیں گے۔ یعنی وہ تمام نتائج کھلے کھلے دیکھ لیگا۔ اسی کے مطابق دوسری جگہ فرمایا: لقد کنت فی غفلۃ من ھذا فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید (ق۔۲۲)

نمبر۴- یہاں بتایا کہ انسان کے محاسبہ کے لیے اس کا اپنا نفس ہی قیامت کے دن کافی ہوگا اس میں صاف اس حقیقت کو آشکارا کر دیا ہے جس کا ذکر اوپر ہوا کہ نفس کی حالت ہی خود سب کچھ ظاہر کر دے گی۔ پس اقرء کتابک میں جو پڑھنے کا ارشاد ہے وہ بھی دوسرے رنگ کا پڑھنا ہے۔ کیونکہ کہیں تو یہ ذکر

مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۭ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴿۱۵﴾

جو شخص سیدھی راہ پر چلا، وہ اپنے ہی لیے سیدھی راہ پر چلا اور جو گمراہ رہا تو اپنے اوپر وبال کے لیے گمراہ رہا اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھاتا اور ہم عذاب دینے والے نہ تھے یہاں تک کہ ایک رسول کو اُٹھا کھڑا کرتے ۱

وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾

اور جب ہم ارادہ کرتے ہیں کہ کسی بستی کو ہلاک کریں تو اس کے آسودہ حال لوگوں کو حکم بھیجتے ہیں پھر وہ اس میں نافرمانی کرتے ہیں تب (سزا کا) حکم اس پر ثابت ہو جاتا ہے سو ہم اُسے ہلاک کر دیتے ہیں جیسا ہلاک کرنا چاہیئے ۲

ہے کہ میزان قائم کی جائے گی گویا اعمال ناموں کا وزن ہوگا اور کہیں یہ ذکر ہے جیسے یہاں کہ انسان کا اپنا نفس ہی حساب کر لیگا اور کہیں اس اعمال نامہ کے پڑھنے کے لیے دوسروں کو بلایا جاتا ہے حقیقت یہی ہے کہ جو چیزیں اس دوسرے عالم سے تعلق رکھتی ہیں ان کو اس عالم پر قیاس کرنا غلطی ہے ہاں سمجھایا انہی الفاظ میں جا سکتا تھا جو یہاں کی چیزوں پر بولے جاتے ہیں۔

نمبر۱۔ جب اعمال کی جزا و سزا کا قانون بتایا اور یہ بھی بتایا کہ قیامت کے دن یہ جزا و سزا کھلی کھلی نظر آ جائے گی تو اب بتایا کہ ہدایت اختیار کرنے والا اپنے اعمال کا اچھا نتیجہ اپنے آپ میں دیکھ لیگا اور گمراہ اپنی گمراہی کا بُرا نتیجہ اپنے اندر دیکھ لیگا۔ گویا ہر ایک کو وہ کھلا نتیجہ جس کا ذکر اوپر تھا وہ کتاب منشور اپنے نفس میں ہی اسے نظر آ جائے گی اور پھر بتایا کہ اس نتیجہ کا تعلق نفس انسانی سے ایسا ہے کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی دوسرا انسان اسے اپنے ذمہ لیکر عمل کرنے والے کو چھڑا دے اور جب اس قانون جزا و سزا کی یوں تکمیل کر دی تو پھر ایک اور پہلو سے بھی اس کی تکمیل فرمائی یعنی یہ فرمایا کہ اعمال کی یہ سزا انسان کو بے خبری کی حالت میں نہیں دی جاتی بلکہ پہلے ہم نے اپنے رسول بھیج کر لوگوں کو اس بات کی خبر پہنچا دی کہ اعمال کی جزا و سزا یوں ظاہر ہوتی ہے اور قرآن کریم کی متعدد آیات سے یہ ظاہر ہے کہ جب تک رسول بھیج کر نیکی اور بدی کا صحیح احساس پیدا نہ کیا جائے گا اس وقت تک عذاب نہ دیا جائے گا۔ اگر یہاں مراد عذاب دنیوی لیا جائے تو بھی مفہوم یہی ہوگا کہ دنیا کی قوموں پر جو ہم بعض وقت ان کے سخت عملوں کی وجہ سے عذاب دنیوی بھیجتے ہیں تو وہ بھی انھیں اعمال کی جزا و سزا کے قانون سے واقف کرنے کے بعد بھیجتے ہیں اور یہ خبر بذریعہ انبیاء علیہم السلام جو کل قوموں میں مبعوث ہو چکے ہم نے ان کو پہنچا دی ہے دنیا کی جاہل سے جاہل قومیں بھی اعمال کی جزا و سزا کا علم اور احساس رکھتی ہیں کیونکہ سب میں رسول مبعوث ہو چکے۔ لیکن جو لوگ ان الفاظ سے یہ مراد لیتے ہیں کہ دنیا میں کبھی کوئی عذاب نہیں آتا جب تک کہ پہلے ایک رسول اس وقت مبعوث نہ کیا جائے وہ غلطی کرتے ہیں اس کا یہ مطلب ہوگا کہ جب دنیا میں عذاب آئے اس وقت ایک زندہ رسول بھی موجود ہو اور عذاب تو لگاتار آتے ہی رہتے ہیں رسول بھی ہر وقت موجود رہنے چاہئیں۔ مثلاً اسی وقت کو لے لو ابھی بڑے خطرناک زلزلے جاپان میں آئے ہیں تو کیا ان سے معلوم ہوتا ہے کہ روئے زمین پر کہیں کوئی زندہ رسول بھی موجود ہے؟

نمبر۲۔ یہاں اسی عذاب آخرت کے لیے بطور دلیل اس بات کو بیان کیا ہے کہ جب بدی انتہا کو پہنچ جاتی ہے اور ایک قوم کی قوم اس میں مبتلا ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی کھلا کھلا ہلاکت کا عذاب بھیج دیتا ہے تاکہ عذاب آخرت محض ایک قصہ کہانی نہ رہ جائے۔ چنانچہ فرمایا کہ کسی بستی کے رہنے والوں کو جب فسق و فجور کی کثرت ہو جائے تو ہلاک بھی کر دیتے ہیں۔ امرنا مترفیہا کے معنے دونوں طرح پر ہو سکتے ہیں انھیں حکم بھیجتے ہیں یا ان کی کثرت کر دیتے ہیں حکم کے معنی لیکر بھی یہ ضروری نہیں کہ اس وقت کوئی نیا رسول بھیج کر نیا حکم دیا جائے بلکہ احکام تو رسولوں کے ذریعہ سے فسق و فجور سے بچنے کے لیے ہر قوم کو اللہ تعالیٰ دے ہی چکا ہے بلکہ انسان کو عقل دیکر بھی اسے اپنے احکام پہنچا دیئے ہیں یہ معنی کرنا کہ فسق و فجور کا حکم دیدیتے ہیں خلاف قرآن ہے ان اللہ لا یامر بالفحشاء (اعراف۔ ۲۸) اور یہ سچ ہے کہ جب تک قوم میں فساق کی کثرت نہ ہو جائے وہ ہلاک نہیں ہوتی اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ہلاکت سے مراد لازماً اس قوم کا موت کے گھاٹ اتارنا ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی قوت و طاقت کو برباد کر دینا بھی اس کی ہلاکت ہی ہے۔ اگلی آیت میں بتایا ہے کہ اس قانون

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ
نُوْحٍ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ
خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾
مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ
فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا
لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾
وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَ
هُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾
كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ
رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾
اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ
وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾
لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ
مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ ع
وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ
بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ

اور کتنی نسلیں ہم نے نوحؑ کے بعد ہلاک کر دیں، اور
تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار دیکھنے
والا بس ہے۔
جو کوئی جلد آنے والا نفع چاہتا ہے ہم اسے اسی (دنیا) میں جو کچھ
ہم چاہتے ہیں جس کے لیے ارادہ کریں جلد دیدیتے ہیں پھر ہم نے
اس کے لیے دوزخ ٹھیرائی ہے وہ اس میں بُرے حال میں دھتکارا ہُوا داخل ہوگا[۱]
اور جو آخرت کو چاہتا ہے اور اس کے لیے کوشش کرتا ہے جو اس کی کوشش
کا حق ہے اور وہ مومن ہے تو یہی ہیں جن کی کوشش کی قدر کی جاتی ہے[۲]
ہم سب کو مدد دیتے ہیں اُن کو بھی اور ان کو بھی، تیرے رب
کی عطا سے اور تیرے رب کی عطا کبھی رکتی نہیں۔
دیکھو ہم کس طرح بعض کو بعض پر فضیلت دیتے ہیں اور یقیناً
آخرت درجات میں بڑھ کر اور فضیلت میں برتر ہے[۳]
اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ بنانا ورنہ تو بُرے حال میں
بیکس ہو کر بیٹھ جائے گا۔
اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس کے سوائے (کسی کی)
عبادت نہ کرو اور ماں باپ سے نیکی کرو، اگر تیرے سامنے دونوں

کے مطابق حضرت نوحؑ کے بعد بھی بہتیری قوموں کو ہلاک کیا۔ ہاں قوم کے ذنوب اس قدر ہو جانا کہ ان پر اسی دنیا میں ہلاکت آجائے اس کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے کوئی انسان اس میں دخل نہیں دے سکتا کہ فلاں قوم فلاں وقت ہلاک کیوں نہیں ہوتی۔

نمبر۱۔ یہاں اس شخص کا ذکر ہے جو اس زندگی کے نفع عاجل کو اپنی زندگی کی اصل غرض بنالیتا ہے۔ فرمایا کہ اسے ہم جس قدر چاہتے ہیں دنیا بھی دیدیتے ہیں۔ ما نشآء اس لیے کہا کہ دنیا کی ہوس ساری کبھی پوری نہیں ہوتی۔ دوسری جگہ ہے من کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منہا (الشوریٰ۔ ۲۰) مگر نتیجہ اس کا جہنم ہے یعنی انجام کار ایسا شخص جس کی نظر اس دنیا سے اوپر نہیں اٹھتی دکھ اٹھاتا ہے۔

نمبر۲۔ یہاں فرمایا کہ جو آخرت کو اپنا مقصد بناتا ہے تو اس کی کوشش پر ضرور انعام ملتا ہے بشرطیکہ کوشش کا حق ادا ہو۔ گویا وہ لازماً کامیاب ہوتا ہے دوسری جگہ ہے الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا (العنکبوت۔ ۶۹)

نمبر۳۔ یعنی دنیا میں انسان کوشش کر کے ایک دوسرے سے بڑھ جاتے ہیں تو آخرت کے لیے بھی جو کوشش کرے گا وہ بڑھ جائے گا۔

الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ	میں سے ایک یا دونوں ہی بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف (تک)
اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ﴿۲۳﴾	نہ کہہ اور نہ ان کو ڈانٹ اور ان دونوں سے ادب سے بات کر۱۔
وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ	اور ان دونوں کے آگے رحم کے ساتھ عاجزی کا بازو جھکا اور کہہ اے
وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴿۲۴﴾	میرے رب تو ان پر رحم کر جس طرح انھوں نے مجھے چھوٹے ہوتے پالا ۲۔
رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ط اِنْ تَكُوْنُوْا	تمھارا رب خوب جانتا ہے جو تمھارے دلوں میں ہے اگر تم نیک
صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ﴿۲۵﴾	ہو تو وہ رجوع کرنے والوں کو بخشتا ہے۔
وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ	اور قریبی کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو (بھی) اور بیجا
السَّبِيْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴿۲۶﴾	خرچ کر کے (مال کو) نہ اُڑا ۳۔
اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ط	مال اُڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے
وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ﴿۲۷﴾	رب کا ناشکر گزار ہے۔
وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ	اور اگر تو اپنے رب کی رحمت کو چاہتا ہوا جس کی تجھے امید

نمبر۱۔ اس اور اگلے رکوع میں کچھ اخلاق فاضلہ کی تعلیم دی ہے اور توریت کی گویا ساری تعلیم جو دس احکام پر مشتمل ہے اس رکوع اور اگلے رکوع میں آجاتی ہے مگر اس سے بہت زیادہ بسط اور بہت زیادہ وضاحت کے ساتھ اور اکمل رنگ میں اور یہ تعلیم اخلاق فاضلہ کی اس یعنی تیئسویں آیت سے لیکر سینتیسویں آیت تک ہے جو کل پندرہ آیتیں ہیں اور یہاں اس تعلیم کو شروع بھی توحید الٰہی سے کیا ہے۔ گویا یہ اخلاق فاضلہ کی جڑ ہے اور یہی سچ ہے کہ جو شخص ایک خدا کے آگے سر نہیں جھکاتا نہ وہ اخلاق کے بلند ترین مقام پر پہنچ سکتا ہے اور نہ وہ جو ہر چیز کے سامنے سر جھکاتا پھرتا ہے اور تذلل اختیار کرتا ہے۔ انسان سے بالاتر سوائے خدا کے کوئی طاقت نہیں یہی ایک چیز ہے جس کا اعتراف انسان کو انسان بناتا اور اخلاق فاضلہ پر قائم کرتا ہے۔ اس کے بعد انسانوں سے حسن سلوک کا حکم دیا اور اس میں سب سے پہلے والدین کے حقوق کی طرف توجہ دلائی کیونکہ وہ انسان کی ربوبیت جسمانی کرنے میں سب سے بڑھکر ہیں اور احسان کی تاکید کے ساتھ ہی یہ بھی حکم دیا کہ ان کو کوئی تحقیر کا کلمہ نہ کہا جائے اور نہ ان کو سختی سے کسی کام سے روکا جائے۔ بلکہ قول کریم یعنی ایسے قول کے ساتھ جس میں ان کا اکرام ہو، انھیں مخاطب کیا جائے اور بڑھاپے کا ذکر اس لیے کیا کہ بڑھاپے میں انسان کی طبیعت کمزور ہو جاتی ہے اور اس وقت والدین اولاد پر کچھ زیادتی بھی کر لیتے ہیں وہی وقت ہوتا ہے جب اولاد کو والدین کے ساتھ اخلاق سے پیش آنے اور احسان کرنے کا موقعہ ہوتا ہے اور یہ زمانہ بچپن کے زمانہ سے زیادہ مشابہ ہوتا ہے اور یہاں خطاب عام ہے۔

نمبر۲۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک محبت سے ہونا چاہیئے یعنی انسان کا دل ان کی محبت سے بھرا ہوا ہو جس طرح ان کا دل اولاد کی محبت سے بھرا ہوا تھا۔ یہاں تک کہ ان کے لیے دعائیں بھی کرے۔

نمبر۳۔ ماں باپ کے حقوق کے بعد قریبیوں پھر مساکین، پھر مسافروں کے حقوق کی طرف توجہ دلائی اور حقّہٗ کہہ کر یہ بتایا کہ ہر انسان کے مال میں اس کے قریبیوں اور مساکین اور مسافروں کا بھی کچھ حق ہے۔ اور اس کی تبذیر یعنی بیجا مال خرچ کرنے سے روک کر یہ سمجھایا کہ مال کو جب تم صحیح موقعہ پر خرچ کرتے ہو تو وہ ایک بیج کی طرح ہے جو زمین میں پڑتا اور پھل لاتا ہے لیکن جو بیج بے موقعہ پھینکا جائے گا وہ ضائع ہو گیا اس میں مال کی حفاظت کس قدر سکھائی ہے مگر اس کی محبت کی تعلیم قرآن شریف نہیں دیتا اور یہی اس کا کمال ہے۔

رَبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ﴿۲۸﴾
ہے اُن سے منہ پھیرلے تو ان سے نرمی کی بات کہہ دے ۱ؔ

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ
اور اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہُوا نہ رکھ اور نہ

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ
اسے حد سے زیادہ کھول ورنہ تو ملامت کیا ہُوا اور ماندہ

مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴿۲۹﴾
ہو کر بیٹھ رہے گا ۲ؔ

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ
تیرا رب جسے چاہتا ہے رزق کی فراخی دیتا ہے اور وہی تنگ کرتا

يَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾
ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں سے خبردار (انھیں) دیکھنے والا ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ
اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے نہ مار ڈالو، ہم ہی انھیں

نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ
رزق دیتے ہیں اور تمھیں (بھی)، اُن کا مار ڈالنا

كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾
بڑی غلطی ہے ۳ؔ

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ
اور زنا کے قریب مت جاؤ، کیونکہ وہ بے حیائی کی

وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ﴿۳۲﴾
بات ہے اور بُری راہ ہے ۴ؔ

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا
اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام ٹھیرایا ہے

نمبر۱۔ اعراض یا منہ پھیر لینے سے مراد ہے کہ مسکین وغیرہ کو کچھ دینے کی استطاعت نہ ہو تو ایسی صورت میں سختی سے انھیں رد نہ کرے نرمی سے کلام کرنا بھی ایک صدقہ ہے اور ابتغاء رحمۃ من ربّک اس لیے بڑھایا کہ نیت انسان کی بہر حال یہی ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے ذرا وسعت دے تو وہ دوسروں کو بھی دیگا۔

نمبر۲۔ ہاتھ کے بندھا ہُوا ہونے یا گردن سے بندھا ہُوا ہونے سے مراد بخل کرنا ہے اور اس کے کھولنے سے مراد اسراف ہے۔ جب انفاق کی نصیحت کی اور اس کے بعد تنگ دستی کی حالت کا ذکر کیا تو اب خرچ کرنے کا ایک عام اصول بھی بتا دیا کہ مال کے خرچ کرنے میں نہ تو انسان بخیل ہو کیونکہ بخیل خدا کی راہ میں بھی نہیں دے سکتا۔ اور نہ فضول خرچ ہو کیونکہ فضول خرچ کے پاس خدا کی راہ میں دینے کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا اور حدیث میں ہے ما عال من اقتصد جو شخص خرچ میں میانہ روی اختیار کرے وہ تنگدست نہیں ہوتا اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پس انداز کرنا یا کچھ بچاتے رہنا اسلام کی تعلیم کے خلاف نہیں، بلکہ اس کا عین منشا ہے اور بخل کا نتیجہ ملامت ہے اور اسراف کا درماندگی اور خدا کی راہ میں سارا مال دے دینا بھی اسراف نہیں اس لیے کہ وہ بے جا خرچ نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر کوئی ضروری خرچ نہیں۔

نمبر۳۔ پہلے رکوع میں دوسروں سے نیکی کی تعلیم ہے اور یہاں دوسروں سے بدی کرنے سے روکا ہے گویا ایک میں دوسروں سے نیکی کرنے کا ذکر ہے دوسرے میں ان کی حق تلفی سے روکا ہے اور یہ دونوں باتیں معاملات میں اخلاق کی تکمیل کرتی ہیں۔ موٹی موٹی باتیں جن کا یہاں ذکر ہے قتل اولاد، فواحش یا زنا قتل نفس، یتیم کا مال کھانے سے روکنا، ماپ اور تول اور عہد کا پورا کرنا ہیں۔

نمبر۴۔ زنا کے قریب مت جاؤ یعنی اس کے مبادی سے بھی بچو اور یہی اسلام کا کمال ہے کہ صرف بدی سے روکتا نہیں بلکہ بدی سے بچنے کا طریق بھی بتاتا ہے اور پھر اس کے بدنتائج سے بھی آگاہ کرتا ہے اور بدنتائج میں اس کا فاحشہ ہونا بیان کیا یعنی اس سے بے حیائی بڑھتی ہے اور اخلاق فاضلہ کا ستیاناس ہوتا ہے اور دوسرے اس میں اور بھی برائیاں ہیں مثلاً نسب کا ضائع ہونا فتنوں اور جنگ و جدل کا پیدا ہونا۔

بِالْحَقِّ ؕ وَ مَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِیِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا یُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ﴿۳۳﴾

مگر حق کے ساتھ اور جو ظلم سے قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے ولی کو اختیار دیا ہے مگر وہ قتل میں زیادتی نہ کرے اس لیے کہ اسے مدد دی گئی ہے[۱]۔

وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۪ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾

اور یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر اس طریق سے جو نہایت عمدہ ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور عہد کو پورا کرو کیونکہ (ہر) عہد کے متعلق سوال کیا جائے گا۔

وَ اَوْفُوا الْكَیْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ﴿۳۵﴾

اور جب تم ماپو تو ماپ کو پورا کرو اور سیدھی ترازو سے تولو، یہ بہتر اور انجام کار بہت خوبی کی بات ہے[۲]۔

وَ لَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۶﴾

اور اس کے پیچھے نہ لگ جس کا تجھے علم نہیں، کان اور آنکھ اور دل ان سب سے اس کے متعلق پوچھا جائے گا[۳]۔

وَ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَ لَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾

اور زمین میں اکڑتا ہوا نہ چل۔ کیوں کہ نہ تو زمین کو پھاڑ ڈالے گا اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچے گا[۴]۔

نمبر۱۔ اسراف فی القتل یہ ہے کہ خود بخود ایک شخص کو قتل کر دے اور اس کی وجہ بتائی کہ وہ منصور ہے یعنی حکومت وقت اس کی مدد کرے گی اور وہی تحقیقات کرنے اور فیصلہ دینے کی مجاز ہے اور حکومت وقت کو بھی سزا کے طور پر قتل میں اسراف سے روکا ہے یعنی یہ کہ ایک کی جگہ کئی کو قتل کر دے جیسے بعض ظالم حکام اپنے یا اپنے متعلقین میں سے کسی کے قتل پر شہروں کے شہر اُڑا دیتے ہیں اور گنہگاروں کے ساتھ بے گناہوں کو بھی تہ تیغ کر دیتے ہیں اور جب سزائے قتل میں بھی گنہگار سے تجاوز کرنا جائز نہیں تو دوسری سزاؤں میں کہاں جائز ہو سکتا ہے۔

نمبر۲۔ اس رکوع میں سب نواہی کا ذکر ہے لیکن ایفائے عہد اور ماپ اور وزن کا پورا کرنا اوامر ہیں اور غرض دونوں کی ایک ہے یعنی دوسروں کی حق تلفی سے روکنا۔ ایفائے عہد نہ کرنا بھی دوسروں کی حق تلفی ہے اور ماپ تول کو پورا نہ کرنا بھی۔ ماپ تول کے پورا کرنے سے مراد صرف ترازو وغیرہ نہیں بلکہ تمام معاملات میں عدل و انصاف کا برتاؤ ہے۔ یورپ کی موجودہ تہذیب نے عیسائیت میں اپنے معراج پر پہنچ کر دو میزانیں رکھی ہیں مسلمانوں اور ایشیائی اقوام کے لیے اصول انصاف اور ہیں۔ یورپ کی وحشی سے وحشی قوم کے لیے اور۔ پھر ایک قوم سے معاملہ میں لینے کے بٹے اور ہیں دینے کے اور۔

نمبر۳۔ یعنی دوسروں کی بدگوئی یا عیب جوئی نہ کرنا یا بغیر سننے اور دیکھنے کے ایک بات کا دیکھا اور سنا ہوا بیان نہ کرنا۔

نمبر۴۔ جب ہر ایک قسم کی دوسروں کی حق تلفی اور عیب گیری سے روکا تو آخر پر یہ بھی بتایا کہ بعض افعال ایسے ہوتے ہیں کہ گو ان میں دوسروں کی حق تلفی نہ ہو مگر ان کے کرنے سے انسان اُن اخلاق فاضلہ سے محروم رہ جاتا ہے جو دوسروں کی حق تلفی سے بچاتے ہیں اور یہ انسان کی متکبرانہ روش ہے اور مشی یا چلنے سے مراد صرف چلنا نہیں بلکہ ہر قسم کی روش ہے کہ اس میں انسان تکبر اختیار نہ کرے کیونکہ تکبر سے دوسروں کی حق تلفی کی طرف طبیعت کا میلان ہو جاتا ہے۔

كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ
رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾

ان سب کی بُرائی تیرے رب کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ
وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ
جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾

یہ اُن حکمت کی باتوں میں سے ہیں جو تیرے رب نے تیری طرف وحی کیں اور اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھیرا ورنہ تُو ملامت کیا گیا دھتکارا ہوا ہو کر جہنم میں ڈالا جائے گا۔

اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ
الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ ع

تو کیا تمھارے رب نے تمھیں بیٹوں کے لیے چُن لیا اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنایا۔ یقیناً تم بڑا بول بولتے ہو۔[۱]

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ
وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ﴿۴۱﴾

اور یقیناً ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کے پیرائے اختیار کیے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں اور یہ بات (بھی) ان کی نفرت ہی بڑھاتی ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ
اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾

کہہ اگر اس کے ساتھ (اور) معبود ہوتے جیسا یہ کہتے ہیں تو یہ ضرور عرش کے مالک کی طرف رستہ ڈھونڈ نکالتے۔[۲]

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴۳﴾

وہ پاک ہے اور جو کچھ یہ کہتے ہیں اس سے بہت ہی بلند ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ
وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ
بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ؕ
اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ﴿۴۴﴾

ساتوں آسمان اُس کی تسبیح کرتے ہیں اور زمین، اور جو کوئی ان کے اندر ہیں (وہ بھی) اور کوئی چیز نہیں مگر اس کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ وہ تحمل والا بخشنے والا ہے۔[۳]

نمبر۱۔ سب اخلاق فاضلہ کی تعلیم کے بعد پھر اصل الاصول یعنی توحید کی طرف توجہ دلائی جیسا کہ پچھلی آیت کے آخری حصہ سے ظاہر ہے اور اس آیت میں عرب کے ایک موٹے قسم کے شرک کا ذکر کیا کہ یہاں تک ان کا شرک ترقی کر گیا ہے کہ اس بات کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں جسے خود اپنے لیے بھی ناپسند کرتے ہیں یعنی یہ کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔

نمبر۲۔ مشرک قوموں کا بڑا عذر یہ ہوتا ہے اور یہی عرب کے بُت پرستوں کا تھا کہ ہم بتوں کی یا اوروں کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب اس ذریعہ سے حاصل کریں فرمایا کہ اگر یہ درست ہوتا تو پھر ان کو خدائے برتر کا قرب حاصل ہو جانا چاہیئے تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہوں پر اطلاع پا لیتے تو اس صورت میں وحی الٰہی کے پانے والے نبوت اور رسالت کے مقام پر کھڑے ہونے والے بھی مشرک ہوتے نہ مُوحد حالانکہ جتنے اس قسم کے انسان تاریخ میں نظر آتے ہیں جو نبوت اور رسالت کے مقام پر کھڑے کیے گئے ہیں وہ سب مُوحد ہی ہوئے ہیں اور یا یہ مراد ہے کہ اگر یہ خدا تعالیٰ کے مقرب ہوتے تو پھر اسلام کی مخالفت میں کامیاب ہو جاتے +

نمبر۳۔ یہ تسبیح جس کا یہاں ذکر ہے زبان حال سے ہے اور یہ خود لا تفقھون تسبیحھم سے ظاہر ہے کیونکہ زبان کی تسبیح کو وہ بھی سمجھتے تھے اگر غور کیا جائے تو ہر ایک مخلوق اپنے خالق کے وجود پر گواہی دیتی ہے اس لیے کہ ہر مخلوق ایک قید اور ایک دائرہ اور ایک حد بست کے اندر ہے اور موقوف ال

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝۴۵

اور جب تُو قرآن کو پڑھتا ہے تو ہم تیرے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ایک چھپا ہوا پردہ حائل کر دیتے ہیں ؎۱

وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝۴۶

اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں تاکہ وہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں بوجھ (ڈال دیا ہے) اور جب قرآن میں اپنے اکیلے رب کا ذکر کرتا ہے اپنی پیٹھیں پھیرتے ہوئے بدک کر چل دیتے ہیں

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝۴۷

ہم خوب جانتے ہیں جیسا وہ سنتے ہیں جب تیری طرف کان لگاتے ہیں اور جب یہ خفیہ مشورہ کرتے ہیں، جب ظالم کہتے ہیں کہ تم صرف ایک جادو کیے ہوئے مرد کی پیروی کرتے ہو۔

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝۴۸

دیکھ کس طرح تیرے لیے مثالیں بیان کرتے ہیں سو یہ گمراہ ہو گئے اور راستہ نہیں پا سکتے ؎۲

ہیں ہے لیکن خالق یا معبود مقید یا محدود اور زوال پذیر نہیں کیونکہ مقید اور محدود ہونا یا معرض زوال میں ہونا ایک عیب ہے پس عملی رنگ میں تمام چیزوں مقید اور محدود اور معرض زوال میں ہو کر ایک خالق کے وجود پر شہادت دیتی ہیں جو دوسری چیزوں کو اندازوں اور حدبست کے اندر رکھنے والا اور خود لازوال ہے اور یہی تسبیح ہے کہ وہ ان تمام عیوب سے پاک ہے جو مخلوق کے لاحق حال ہیں اور شرک کی تردید اس سے ہوتی ہے اس لیے کہ جن کو خدا کے شریک بنایا جاتا ہے وہ سب مخلوقیت کی مہر اپنے اوپر رکھتے ہیں۔ حلم وغفر کی صفات آخر میں لا کر یہ بتایا کہ جو لوگ اس کو چھوڑتے ہیں ان پر فوراً عذاب نازل نہیں کرتا۔

نمبر۱ اس آیت میں حجاب کے حائل کرنے اور اگلی میں دلوں پر پردے ڈالنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے جس کے متعلق مفصل بحث گزر چکی ہے یہ پردے اس لیے ڈال دیئے جاتے ہیں کہ وہ خود سننا اور سمجھنا نہیں چاہتے چنانچہ یہاں بھی آیت ۴۱ میں بتایا کہ ہم طرح طرح کے پیرایوں میں باتوں کو بیان کرتے ہیں تاکہ وہ سمجھیں مگر ان کی نفرت اور بڑھتی چلی جاتی ہے اور اگلی آیت میں نفرت کو صاف الفاظ میں ان کی طرف منسوب کیا کہ جب ایک بات کا ذکر ہوتا ہے تو وہ اس کے سننے کی برداشت ہی نہیں کر سکتے اور اسی کے مطابق دوسری جگہ اور بھی صفائی سے فرمایا: واذا ذکر اللہ وحدہ اشمأزت قلوب الذین لا یومنون بالآخرۃ واذا ذکر الذین من دونہ اذا ھم یستبشرون (الزمر ۳۹: ۴۵) پس توحید الٰہی کا ذکر سنتے ہی ان کے دل گھٹ جاتے پھر سمجھنا کیا تھا یہی وہ پردے ہیں جو حائل ہو جاتے تھے اور آیت ۴۷ میں اور بھی اس بات کو واضح کیا ہے کہ وہ کچھ سنتے بھی ہیں تو صرف اس نیت سے کہ ان باتوں پر ہنسی اڑائیں اور حق تو یہ ہے کہ قرآن کریم اپنی تفسیر آپ کرتا ہے۔ دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے وقالوا قلوبنا فی اکنۃ مما تدعونا الیہ وفی آذاننا وقر ومن بیننا وبینک حجاب (حٰمٓ ۴۱: ۵) وہ خود کہتے تھے کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان حجاب ہے اسی بات کو یہاں اس دوسرے پیرائے میں بیان کیا ہے۔

نمبر۲۔ ضربوا لک الامثال یا مثالیں بیان کرنے سے مراد یہ ہے کہ کن کن سے تجھے تشبیہ دیتے ہیں یعنی کبھی ساحر کہتے ہیں، کبھی استہزا کرتے ہیں اور مجنون کہتے ہیں، کبھی مفتری قرار دیکر منصوبے کرتے ہیں اور گمراہ ہونے اور راستہ نہ پانے سے اسلامی صداقتوں کا انکار بھی مراد ہو سکتا ہے اور یہ بھی کہ آنحضرت ؐ کے معاملہ میں یہ بھٹک رہے ہیں اور کوئی مخرج نہیں ملتا کہ کیا ایک رائے قائم کریں اس لیے کوئی کچھ کہتا تھا کوئی کچھ اور ایک دوسرے کو خود ہی جھٹلا دیتے تھے۔

وَقَالُوٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ خَلۡقًا جَدِيۡدًا ﴿۴۹﴾

اور کہتے ہیں کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو کیا نئی پیدائش کے لیے اٹھائے جائیں گے۔

قُلۡ كُوۡنُوۡا حِجَارَةً اَوۡ حَدِيۡدًا ﴿۵۰﴾

کہہ پتھر ہو جاؤ یا لوہا۔

اَوۡ خَلۡقًا مِّمَّا يَكۡبُرُ فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ ۚ فَسَيَقُوۡلُوۡنَ مَنۡ يُّعِيۡدُنَا ؕ قُلِ الَّذِىۡ فَطَرَكُمۡ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنۡغِضُوۡنَ اِلَيۡكَ رُءُوۡسَهُمۡ وَيَقُوۡلُوۡنَ مَتٰى هُوَ ؕ قُلۡ عَسٰٓى اَنۡ يَّكُوۡنَ قَرِيۡبًا ﴿۵۱﴾

یا کوئی اور مخلوق جو تمھارے دلوں میں بڑی سخت معلوم ہوتی ہے پس کہیں گے ہمیں کون لوٹائے گا۔ کہہ جس نے تمھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ تب وہ تیرے سامنے اپنے سر ہلائیں گے اور کہیں گے یہ کب ہوگا؛ کہہ شاید قریب ہی ہو[1]۔

يَوۡمَ يَدۡعُوۡكُمۡ فَتَسۡتَجِيۡبُوۡنَ بِحَمۡدِهٖ وَتَظُنُّوۡنَ اِنۡ لَّبِثۡتُمۡ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۵۲﴾ ۚ

جس دن وہ تمھیں بلائے گا تب تم اس کی حمد کرتے ہوئے فرمانبرداری کرو گے اور جان لو گے کہ تم تھوڑا ہی رہے۔

وَقُلۡ لِّعِبَادِىۡ يَقُوۡلُوا الَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ ؕ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ يَنۡزَغُ بَيۡنَهُمۡ ؕ اِنَّ الشَّيۡطٰنَ كَانَ لِلۡاِنۡسَانِ عَدُوًّا مُّبِيۡنًا ﴿۵۳﴾

اور میرے بندوں کو کہہ دے وہ (بات) کہیں جو بہت اچھی ہے شیطان ان میں فساد ڈلواتا رہتا ہے شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے[2]۔

یہی حالت مخالفین اسلام کی آج بھی ہے۔

نمبر۱۔ بعث بعد الموت مادہ پرستوں کے لیے ہمیشہ ہی تعجب کا مقام رہا ہے انکار کے رنگ میں کہتے ہیں کہ ہم مر جائیں گے اور گوشت گل کر ہڈیاں رہ جائیں گی اور آخر وہ ہڈیاں بھی چورا ہو جائیں گی تو کیا پھر ہم از سر نو زندہ کیے جائیں گے۔ اس کے جواب میں فرمایا کہ چورا اور مٹی تو آسانی سے زندگی قبول کر لیتی ہے اگر تم ایسی چیز بھی بن جاؤ کہ جو زندگی قبول ہی نہیں کر سکتی جیسے پتھر یا لوہا یا اس سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز جو تمھارے خیال میں آسکتی ہو تب بھی موت کے بعد تم زندہ ہوگے اور آگے چل کر فرمایا کہ تم چورا چورا ہو جاؤ گے تو وہ تمھاری مثل پیدا کر دیگا دیکھو (۹۹) کیونکہ وہ زندگی اعمال انسانی سے پیدا ہوتی ہے اور اس پیرایہ کے اختیار کرنے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اگر تمھارے دل پتھر اور لوہے کی طرح بھی سخت ہو جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی تمھیں ایمان کی توفیق دے دیگا اور شاید قریبًا میں اسی طرف اشارہ ہو اور اگلی آیت میں حمد کے ساتھ فرمانبرداری کرنا اسی کا موید ہے گویا اس بعثت کبریٰ سے پیشتر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا نظارہ ایک بعثت وسطیٰ میں بھی دکھا دیگا۔

نمبر۲۔ عین اس وقت جب کفار کی طرف سے سخت تکلیفیں پہنچ رہی تھیں آنحضرت صلعم پر استہزا ہوتا آپ کو ساحر، کاہن، مفتری، شاعر کہا جاتا تھا۔ مسلمانوں کو آیات بالا میں یہ خوشخبری سنا کر یہ بھی ایک وقت اسلام قبول کریں گے یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ سب کچھ سن کر بھی اپنے مخالفین سے احسن طریق پر بات کریں اور ان سے خشونت نہ کریں کیونکہ شیطان کی کوشش ہے کہ فساد بڑھائے اور سخت کلامی سے فساد اور بڑھے گا۔ حق اور صداقت دنیا میں صرف نرمی سے پھیل سکتے ہیں اور بغیر درشتی برتنے کے بھی ہم بعض افعال سے اظہار نفرت کر سکتے ہیں۔

رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ
اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ
عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾

تمہارا رب تمہیں خوب جانتا ہے اگر وہ چاہے تم پر رحم
کرے اور اگر چاہے تمہیں عذاب دے اور ہم نے تجھے
ان کا ذمہ دار (بنا کر) نہیں بھیجا۔

وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ
عَلٰي بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾

اور تیرا رب انھیں خوب جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں
ہیں اور یقیناً ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی
اور داؤدؑ کو ہم نے زبور دی ۱؎

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ
فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ﴿۵۶﴾

کہہ انھیں پکارو جنھیں تم اس کے سوائے (معبود) خیال کرتے ہو تو وہ نہ
تم سے تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اور نہ بدل دینے کا۔

اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى
رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ
رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ
رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾

وہ جنھیں یہ پکارتے ہیں ان میں سے وہ جو زیادہ قرب رکھتے ہیں
خود اپنے رب تک پہنچنے کا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں اور اس کی
رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں
تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے ۲؎

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا
قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا

اور کوئی بستی نہیں مگر ہم اسے قیامت کے دن سے پہلے ہلاک
کر دیں گے یا اسے سخت عذاب دیں گے ۳؎ یہ کتاب

نمبر۱۔ بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دینے میں اشارہ آنحضرت صلعم کی طرف ہے اور یہاں سورت کی ابتدا ہی اس ذکر سے ہوتی ہے جس میں یہ بتایا گیا کہ آپ کل انبیاء کے فضائل کو اپنے اندر جمع رکھتے ہیں اور کامیابی اور تقرب الٰہی کے بلند سے بلند مرتبہ پر جو انسان کے لیے ممکن ہے پہنچے ہوئے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہاں اس فضیلت کی طرف اشارہ کر کے اس رکوع کے آخر پر پھر اسی رویائے معراج نبوی کا ذکر کیا زبور دینے کا یہاں بالخصوص ذکر اس لیے کیا کہ جن کامیابیوں کی طرف اس سورت میں توجہ دلائی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس بھی مسلمانوں کو دیا جائے گا اور یہ پیشگوئی خاص طور پر حضرت داؤدؑ کی زبور میں ہی ہے ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون (الانبیاء۔ ۱۰۵)

نمبر۲۔ مراد ایسے راستباز انسان ہیں جیسے حضرت عیسیٰؑ۔ انجیل کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ خود عبادات اور دعائیں کرتے تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں خدا کو خدا کا قرب حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ پس قرب الٰہی حاصل کرنے کا وہی راستہ ہے جس پر چل کر ان راستبازوں نے قرب الٰہی حاصل کیا۔ یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری کی جائے نہ یہ کہ ان کی عبادت کی جائے۔

نمبر۳۔ ان الفاظ سے خود قیامت کا آنا مراد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ پھر ہلاکت اور سخت عذاب کو علیحدہ علیحدہ بیان نہ کیا جاتا۔ قیامت کے آنے پر تو ہلاکت ہی ہلاکت ہو گی پس اس آیت میں ان امور کا ذکر ہے جو قیامت سے پیشتر آنحضرت صلعم کے زمانہ نبوت میں وقوع میں آنے والے ہیں اور ہلاکت سے مراد یہ ہے کہ بعض بستیاں بالکل تباہ کر دی جائیں گی اور عذاب شدید سے مراد یہ ہے کہ ان پر طرح طرح کے مصائب بھیجے جائیں گے اور جیسا کہ دوسرے مقامات سے ظاہر

شَدِيْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۵۸

وَ مَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَ اٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَ مَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۵۹

وَ اِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِىْۤ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَ الشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِى الْقُرْاٰنِ ؕ وَ نُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۶۰ ع

میں لکھا ہوا ہے۔

اور ہمیں کسی چیز نے نہیں روکا کہ نشان بھیجتے رہیں مگر یہ (ہوا) کہ پہلے انھیں جھٹلاتے رہے اور ہم نے ثمود کو اونٹنی روشن (نشان کے طور پر) دی، سو انھوں نے اس پر ظلم کیا اور ہم نشان صرف ڈرانے کو بھیجتے ہیں ۱؎

اور جب ہم نے تجھے کہا کہ تیرے رب نے لوگوں کو گھیر لیا ہے اور ہم نے اس رؤیا کو جو تجھے دکھایا صرف لوگوں کے لیے فتنہ بنایا اور اس درخت کو (بھی) جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے اور ہم انھیں خوف دلاتے ہیں تو اس سے ان کی خطرناک سرکشی اور بڑھتی ہے ۲؎

ہے اللہ تعالیٰ کا عذاب لوگوں کی اصلاح کے لیے آیا کرتا ہے اخذنا اھلھا بالباساء والضراء لعلھم یضرعون (الاعراف-۹۴) اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر سبقت لے گئی ہے اس لیے ہلاکت کا عذاب کم ہی آتا ہے باایں تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ بستیوں کی بستیاں دنیا سے بالکل نابود ہو گئیں اور یہ بھی سچ ہے کہ انسانوں کی ہر بستی کبھی نہ کبھی کچھ نہ کچھ مزا طرح طرح کی بلاؤں کا چکھتی ہی رہتی ہے اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ لوگ ظلم میں حد سے تجاوز کر جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی سزا محض ان کی تنبیہ کے لیے اور ان کے معاصی کی وجہ سے ہوتی ہے۔

نمبر ۱- اس آیت کے معنی میں بسا اوقات یہ غلطی کی جاتی ہے کہ اس میں معجزات یا خاص قسم کے معجزات کا انکار مانا جاتا ہے۔ اگر واقعی کسی کا تکذیب کرنا اللہ تعالیٰ کے لیے روک ہو سکتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ سلسلہ رسل و انبیاء کو ہی بند کر دیتا کیونکہ کونسا رسول آیا جس کی تکذیب نہیں ہوئی۔ اور علاوہ ازیں اگلی آیت میں نخوفھم لا کر بتا دیا کہ جس طرح پہلے آیات تخویف کے لیے بھیجتے رہے ہیں اب بھی بھیج رہے ہیں یہ دونوں باتیں صاف بتاتی ہیں کہ اس آیت میں کسی قسم کے معجزات کا بھی انکار نہیں اور سیاق مضمون بھی صاف یہی بتاتا ہے کہ یہاں انکار آیات نہیں کیونکہ اس سے پچھلی آیت میں صراحت کے ساتھ بیان فرمایا تھا کہ ہم عذاب ہلاکت یا دوسرے عذاب دنیا میں بھیجتے رہیں گے اور اگلی آیت میں بھی عذاب بھیجنے کا ذکر ہے بس الا کو استثنائے منقطع لے کر آیت کے معنی یوں ہوں گے کہ کسی چیز نے بھی ہمیں نشانوں کے بھیجنے سے نہیں روکا ہاں دوسری طرف یہ بھی ہوتا رہا کہ جن کے لیے یہ نشان بھیجے گئے تھے کہ وہ ان سے سبق حاصل کریں انھوں نے نشانات کی تکذیب کی اور آیات تخویف کے لیے بھیجی جاتی ہیں یعنی ہلاکت سے کمتر عذاب اس لیے بھیجے جاتے ہیں کہ لوگ ڈر کر رجوع کریں۔

نمبر ۲- الشجرۃ الملعونۃ سے مراد زقوم کا درخت لیا گیا ہے اور ملعونۃ اسے اس لیے کہا کہ اس کے کھانے والے ملعون ہوں گے لیکن اِبا و استکبار کی وجہ سے جیسے قرآن شریف میں ایک شجرۃ ہی قرار دیا گیا ہے شیطان ملعون ہوا اور خود بدی کو شجرۃ خبیثۃ کہا ہے (ابراہیم-۲۶)۔ رکوع کی اس آخری آیت میں صاف طور پر سورت کے اصل مضمون کی طرف پھر متوجہ کیا ہے اور اس رؤیا کا ذکر کیا ہے جس سے سورت کی ابتدا کی تھی اور پہلے بلحاظ سیاق مضمون بتایا کہ جو مخالف اپنے آپ کو بڑا طاقتور سمجھتے ہیں وہ سب اللہ کی گرفت میں ہیں اور ہلاک کر دیئے جائیں گے اور بعض مفسرین نے یہاں اشارہ بالخصوص بدر کی طرف مانا ہے اور پھر رویائے معراج کا ذکر کیا ہے جس میں نبی کریم صلعم کی آئندہ کامیابیوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور پھر ملعون درخت کا یعنی زقوم کا درخت جو دوزخیوں کا طعام ہوگا اور اس میں اشارہ مخالفوں کی سزادہی کی طرف ہے اور یا بدی کا درخت یا ابا و استکبار کا درخت کہ اسی سے ڈرانا مقصود ہے اور دونوں کو فتنۃ للناس فرمایا یعنی ایک طرف رسول کی ترقیات اور دوسری طرف مخالفوں کی سزادہی کی خبر۔ ان دونوں باتوں کو ان حالات میں جب مخالفت زور پر تھی اور آنحضرتؐ اور آپ کے ساتھی بیکسی کی حالت میں تھے کون مانتا تھا وہ اور زیادہ سرکشی میں بڑھے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿۶۱﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو تو انھوں نے فرماں برداری کی مگر ابلیس (نے نہ کی) کہا کیا میں اس کی فرمانبرداری کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔

قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِىْ كَرَّمْتَ عَلَىَّ ۡ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾

کہا رب بتا جسے تو نے مجھ پر بزرگی دی ہے اگر تو مجھ کو قیامت کے دن تک مہلت دے تو میں ضرور سوائے تھوڑوں کے اس کی نسل کو قابو میں کر لوں گا۔

قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾

فرمایا چلا جا جو کوئی ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو دوزخ تمھاری سزا ہے (اور) پوری سزا ہے۔

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾

اور ان میں سے جس کو تو کر سکے اپنی آواز سے خفیف کر دے اور ان پر اپنے سواروں اور اپنے پیادوں کو اکٹھا کر لا اور ان کے مالوں اور اولاد میں شریک ہو تا رہ اور ان سے وعدے کرتا رہ اور شیطان جو ان سے وعدے کرتا ہے سو دھوکا ہے ۔[1]

اِنَّ عِبَادِىْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿۶۵﴾

میرے بندوں پر تیرا کوئی غلبہ نہیں ۔ اور تیرا رب کافی کارساز ہے ۔[2]

نمبر۱۔ یہاں شیطان کے وسوسہ کو یا اس کے بلانے یا اس کی تحریک کو تحقیر کے رنگ میں صوت سے تعبیر کیا ہے گویا کہ وہ ایک بے معنی بات ہے۔ بخیلک ورجلک۔ شیطان کے سواروں اور پیادوں سے مراد بعض نے وہ سوار اور پیادے لیے ہیں جو اللہ تعالٰی کی معصیت میں جنگ کرتے ہیں اور بعض کے نزدیک مراد صرف اس کے اعوان اور اتباع ہیں یعنی اس کے مددگار۔

شارکھم فی الاموال والاولاد۔ شیطان کی مالوں اور اولاد میں شرکت سے مراد بعض کے نزدیک ان کا اللہ تعالٰی کی معصیت میں صرف کرنا اور ناجائز طریق پر کمانا ہے اور بعض نے اولاد میں شیطان کی شرکت سے مراد اولاد زنا لی ہے اور بعض نے ان کا ادیان باطلہ میں داخل کرنا مراد لیا ہے اور درحقیقت یہ لفظ ان سب باتوں پر حاوی ہیں۔ یہاں بتایا ہے کہ شیطان جس رستہ سے بھی چاہے انسان کو بہکائے اور اپنی جمعیت سے اور اپنے اعوان و انصار سے ڈرائے یہ سب دھوکا ہے فی الحقیقت وہ انسان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔

نمبر۲۔ اوپر کی سب باتوں کا جواب ایک ہی دیا گیا ہے کہ میرے بندوں پر شیطان کو کوئی تسلط یا غلبہ حاصل نہیں۔ عبادی سے مراد سب بندے بھی ہو سکتے ہیں اور عباد اللہ المخلصین بھی۔ اور یہ سچ ہے کہ شیطان کو فی الواقع کسی انسان پر بھی غلبہ نہیں دیا گیا یعنی وہ اسے زبردستی پکڑ کر معصیت نہیں کرا سکتا جیسا کہ دوسری جگہ شیطان کا اپنا اعتراف موجود ہے وماکان لی علیکم من سلطان الا ان دعوتکم فاستجبتم لی۔ (ابراھیم۔ ۲۲) مجھے تم پر کوئی غلبہ حاصل نہ تھا۔ (اور یہاں مخاطب خود اس کے پیچھے لگنے والے ہیں) میں صرف تمھیں بلاتا تھا تو تم فوراً میری بات مان لیتے تھے۔

رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ
لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٦٦﴾
وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ
تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ ۖ فَلَمَّا نَجَّاكُمْ إِلَى
الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ﴿٦٧﴾
أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ
أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا
لَكُمْ وَكِيلًا ﴿٦٨﴾
أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ
فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُمْ
بِمَا كَفَرْتُمْ ۙ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا
بِهِ تَبِيعًا ﴿٦٩﴾
وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي
الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ
وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴿٧٠﴾ ع
يَوْمَ نَدْعُو كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ ۖ فَمَنْ
أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ

تمھارا رب وہ ہے جو تمھارے لیے دریا میں کشتیاں چلاتا ہے
تاکہ تم اس کے فضل کو طلب کرو وہ تم پر رحم کرنے والا ہے۔
اور جب تمھیں دریا میں مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کھوئے جاتے
ہیں جنھیں تم پکارتے ہو سوائے اس کے پھر جب وہ تمھیں بچا کر خشکی
پر لے آتا ہے تم منہ پھیر لیتے ہو اور انسان ناشکرگزار ہے۔
تو کیا تم (اس سے) نڈر رہو کہ وہ تم کو خشکی کے قطعہ پر ہی نابود کر دے
یا تم پر کنکر برسانے والی آندھی بھیج دے ۱؎ پھر تم اپنے لیے
کوئی کارساز نہ پاؤ۔
یا تم (اس سے) نڈر ہو کہ ایک دفعہ پھر تم کو اسی (دریا) میں لے
جائے پھر تم پر کشتی توڑ دینے والی ہوا چلائے اور تم کو غرق
کر دے اس لیے کہ تم نے ناشکری کی پھر تم اپنے لیے ہمارے خلاف
اس کی کوئی پیروی کرنے والا نہ پاؤ۔
اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور ہم نے ان کو خشکی اور تری میں
سواری دی اور ان کو اچھی چیزوں سے رزق دیا اور ہم نے ان
کو بہتوں پر جنھیں ہم نے پیدا کیا ہے بڑی فضیلت دی ہے ۲؎
جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے سرداروں کے ساتھ بلائیں گے
تو جسے اس کی کتاب اس کے داہنے ہاتھ میں دی جائے گی وہ اپنی

نمبر ۱۔ حاصب۔ حصبۃ کنکری کو کہتے ہیں اور حاصب اس ہوا کو کہتے ہیں جو بوجہ اپنی شدت کے مٹی اور کنکر اڑا دیتی ہے اور اس بادل کو بھی جس سے اولے برستے ہیں اور عذاب کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یہ نقشہ قرآن کریم نے بار بار کھینچا ہے کہ کس طرح مشرک جب اس انتہائی بیکسی کی حالت کو پہنچتے ہیں جو طوفان کے وقت سمندر میں پیش آتی ہے تو شریکوں کو چھوڑ کر خدا کو پکارتے ہیں لیکن مصائب سے نکل کر پھر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں تو فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو خشکی میں بھی یعنی اس جگہ جسے تم مقام امن سمجھتے ہو تمھیں نابود یا ذلیل کر سکتا ہے جیسا بدر میں ہوا۔ یا سخت ہوا چلا کر تمھاری قوت کو توڑ سکتا ہے جیسا کہ غزوۂ احزاب میں ہوا۔

نمبر ۲۔ یہاں سب بنی آدم کو عزت اور بزرگی دینے کا ذکر ہے اور یہ بحیثیت مخلوق کے بمقابلہ دوسری مخلوق کے ہے۔ اور کثیر سے مراد یہ نہیں کہ بہت سی قسم کی مخلوق پر تو بنی آدم کو فضیلت دی ہے اور بعض پر نہیں بھی دی یعنی کثیر کسی کے مقابلہ پر نہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ تمھیں ایک دو قسم کی مخلوق پر فضیلت نہیں دی بلکہ بہت قسموں کی مخلوق پر فضیلت دی ہے کیونکہ دوسری جگہ صاف فرمایا وھو فضلکم علی العالمین (الاعراف۔۱۴۰)

كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝٧١
وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي
الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝٧٢
وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ
اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ
وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝٧٣
وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ
اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝٧٤

کتاب کو پڑھیں گے اور ان پر ذرا بھر ظلم نہ ہوگا۔[1]
اور جو کوئی اس (دنیا) میں اندھا رہا تو وہ آخرت میں بھی اندھا
ہوگا اور راہ سے بہت دور پڑا ہوا۔[2]
اور وہ تجھے اس سے ہٹانے ہی لگے تھے جو ہم نے تیری طرف
وحی کی تاکہ تو اس کے سوائے ہم پر جھوٹ بنالے اور تب یہ تجھے
ضرور دوست بنا لیتے۔
اور اگر ہم نے تجھے ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو تو تھوڑا سا ضرور
ان کی طرف جھک جاتا۔[3]

نمبر۱۔ امام سے مراد یہاں روحانی سردار یعنی انبیاء ہی ہیں جن کی پیروی کا لوگ دعویٰ کرتے تھے اسی لیے دوسری جگہ انھیں شہید کہا ہے۔ اور امام کے ساتھ بلانے سے مراد یہ ہے کہ ان کے امام نے تو انھیں کمال انسانی کی طرف دعوت دی تھی پھر ایک گروہ نے اس کی پیروی کی اور اس کمال کو پالیا اور دوسرے نے اس سے آنکھیں بند کرلیں اور محروم رہ گئے اور بعض نے امام سے مراد اُن کے اعمال اور بعض نے وہ کتاب مراد لی ہے جو ان پر نازل کی گئی۔

کتاب کے داہنے ہاتھ میں دیا جانے سے کیا مراد ہے؟ قرآن کریم میں جہاں بعض لوگوں کے یمین میں کتاب دینے کا ذکر ہے تو دوسروں کے لیے مختلف پیرائے اختیار کیے ہیں کہیں تو اس کے مقابل پر فرمایا واما من اوتی کتٰبہ بشمالہ (الحاقۃ ۶۹: ۲۵) اور کہیں فرمایا واما من اوتی کتٰبہ وراء ظھرہ (الانشقاق ۱۰) اور یہاں کتاب کو یمین میں دینے کے مقابل پر فرمایا ومن کان فی ھذہ اعمیٰ فھو فی الاخرۃ اعمیٰ تو پس یمین میں کتاب ہونے کے مقابل پر شمال میں کتاب ہونا بھی ہے اور پیٹھ پیچھے کتاب ہونا بھی اور اندھا ہونا بھی۔ اس سے معلوم ہُوا کہ یہ قیامت کے دن کتابوں کا دیا جانا جزاءً وفاقاً کے رنگ میں ہے یعنی ایک لوگ وہ ہیں جو اس کتاب کو جو انھیں اُن کے نبی کی معرفت ملتی ہے اس دنیا میں یمین میں لیتے ہیں یعنی قوت و قدرت سے اس پر عمل کرتے ہیں اور ایک وہ ہیں جو شمال میں لیتے ہیں یعنی ناقص طور پر اسے لیتے ہیں یا وراء ظھرہ یعنی اسے پیٹھ پیچھے پھینک دیتے ہیں یا وہ جو بالکل ہی اس کی طرف سے آنکھیں بند کرلیتے ہیں اور اندھے رہتے ہیں تو اسی کے مطابق قیامت میں ان سے معاملہ ہوگا۔ جس نے یہاں کتاب کو یمین میں لیا اسے وہاں بھی یمین ہی میں دی جائے گی اور جس نے یہاں شمال میں لیا اسے وہاں بھی شمال میں ملے گی اور جس نے یہاں کتاب کو پیٹھ کے پیچھے پھینکا اس کو وہاں بھی پیٹھ کے پیچھے ملے گی اور جو یہاں اندھا رہ وہ وہاں بھی اندھا ہوگا اور بظاہر یقرءون کتابھم کے مقابل پر اگلی آیت میں اعمیٰ لانے سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے نہیں پڑھیں گے مگر اس سورت میں گزر چکا کہ سب کو حکم ہوگا اقرا کتابک (۱۴) اپنی اپنی کتابیں پڑھو پس یہ پڑھنا ایسا ہے جسے اندھا بھی پڑھ سکتا ہے اور چونکہ پڑھنے سے انسان کو علم حاصل ہوجاتا ہے اس لیے اصل منشا یہی ہے کہ انھیں ان اچھے اور بُرے اعمال کا علم ہوجائے گا مگر نہ صرف واقعات کے رنگ میں بلکہ نتائج کے رنگ میں کیونکہ بار بار اس کا ذکر یوں بھی آتا ہے ذوقوا ما کنتم تعملون (العنکبوت ۲۹: ۵۵)۔

نمبر۲۔ اس آیت میں دوزخ کی کیفیات کو دوسرے رنگ میں بیان کیا ہے اور عذاب نار کے پہلو بہ پہلو یہ نقشہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے اور اعمیٰ سے مراد یہاں یہی ہوسکتی ہے کہ اپنے رب کے لقاء سے محروم رہے گا اور وہ نور اسے نہ ملے گا جو مومنوں کو ملے گا بلکہ وہ تاریکیوں میں رہے گا۔

نمبر۳۔ اس میں اشارہ قریش کے اس وفد کی طرف ہے جس کا ذکر ابن ہشام میں ہے یعنی جب آپ کو اور آپ کے صحابہ کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچا کر قریش آپ کے دعوت الی الاسلام کے کام کو روکنے میں ناکام ہوئے تو انھوں نے لالچ دے کر آپ کو اس کام سے روکنا چاہا اور آپ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا کہ قرآن شریف میں آپ من دون اللہ معبودان کا ذکر چھوڑ دیں تو جو چیز آپ چاہیں دولت، حُسن، حکومت وہ سب حاضر کرنے کو تیار ہیں۔ مگر آپ نے اس لالچ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ رسول اللہ صلعم نے یہ ارادہ کیا تھا کہ قریش کی بات مان لیں اور نہ الفاظ سے یہ نتیجہ نکل سکتا ہے بلکہ یہاں تو صاف فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ثابت قدم نہ کیا ہوتا تو تُو جھک جاتا یعنی لالچ اس قدر زبردست تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی خاص حفاظت آپ کے شامل حال نہ ہوتی تو آپ جھک جاتے یا کوئی آدمی کتنا

إِذًا لَّأَذَقْنَٰكَ ضِعْفَ ٱلْحَيَوٰةِ وَضِعْفَ ٱلْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ﴿۷۵﴾

تب البتہ ہم تجھے دُگنا (عذاب) زندگی میں اور دُگنا مرنے پر چکھاتے پھر تو ہمارے خلاف کوئی مددگار نہ پاتا۔

وَإِن كَادُوا۟ لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ ٱلْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا ۖ وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلَٰفَكَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۷۶﴾

اور وہ تجھے اس سرزمین میں خفیف بنانے لگے تھے تاکہ تجھے اس سے نکال دیں اور اس صورت میں یہ بھی تیرے پیچھے نہ ٹھیرتے مگر تھوڑی مدت ۱۔

سُنَّةَ مَن قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِن رُّسُلِنَا ۖ وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴿۷۷﴾ ع

یہی ہمارا طریق ان رسولوں سے رہا جنھیں ہم نے تجھ سے پہلے بھیجا اور تو ہمارے طریق میں کوئی تبدیلی نہ پائے گا ۲۔

أَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِدُلُوكِ ٱلشَّمْسِ إِلَىٰ غَسَقِ ٱلَّيْلِ وَقُرْءَانَ ٱلْفَجْرِ ۖ إِنَّ قُرْءَانَ ٱلْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴿۷۸﴾

سورج کے ڈھلنے سے (شروع کرکے) رات کے اندھیرے تک نماز کو قائم رکھ اور صبح کے قرآن کو (بھی) صبح کے قرآن میں حضور ہوتا ہے ۳۔

وَمِنَ ٱلَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِۦ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰٓ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ﴿۷۹﴾

اور رات کے کچھ حصے میں اس (قرآن) کے ساتھ جاگتا رہ یہ تیرے لیے نفل کے طور پر ہے امید ہے کہ تیرا رب تجھے بڑی تعریف کے مقام پر کھڑا کرے ۴۔

بھی بڑا ہوتا جھک جاتا، اگلی آیت بھی یہی بتاتی ہے کہ آپ نے کبھی ایسا ارادہ نہیں کیا کیونکہ عذاب نہیں آیا۔

نمبر۱۔ اس آیت میں قریش کے اس ارادہ کا ذکر ہے کہ آپ کو ہلکا اور خفیف بنا کر نکال دیں اور یہ قریش کی آخری تدبیر کی طرف اشارہ نہیں جو دارالندوہ میں ہوئی تھی جس کا ذکر دوسری جگہ ان الفاظ میں ہے واذ یمکر بك الذین کفروا لیثبتوك او یقتلوك او یخرجوك (الانفال۔ ۳۰) یہاں صرف استفزاز کا ذکر ہے اور یہ اشارہ آپ کے شعب ابی طالب میں قید کر دینے کی طرف ہے اور اصل غرض یہ تھی کہ رسول اللہ صلعم گھبرا کر اس سرزمین کو چھوڑ دیں اور چونکہ آخر نبی صلعم کو ہجرت کرنی پڑی تو اس لحاظ سے فرمایا کہ گو یہ اس میں کامیاب تو نہ ہوئے لیکن جب تم حکم الٰہی کے ماتحت مکہ سے نکل جاؤ گے تو پھر یہ بھی تمھارے بعد تھوڑے ہی دن یہاں ٹھیریں گے۔ چنانچہ یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور آپ کی ہجرت کے ڈیڑھ سال بعد ہی قریش کو بدر میں ایسی سخت شکست اٹھانی پڑی کہ ان کی قوت ٹوٹ گئی اور آخر آٹھ ہی سال میں فتح مکہ میں ان کا دورِ حکومت و تکلیف دہی ختم ہو گیا۔

نمبر۲۔ یعنی جب رسولوں کی تکالیف اس انتہا کو پہنچ جاتی ہیں کہ انھیں وہ سرزمین چھوڑنی پڑتی ہے تو پھر مخالفین خود بھی جلد ہی ہلاک ہو جاتے ہیں یہی سنت اللہ دربارہ رسل ہے۔ جس کا یہاں ذکر کیا ہے۔

نمبر۳۔ پچھلے رکوع میں جب کفار کے فتنوں اور مخالفت کی کوششوں کا ذکر کر کے ہجرت نبوی کا ذکر بطور پیشگوئی کیا تو اسی مضمون کو جاری رکھتے ہوئے مصائب میں قیام صلوٰۃ پر مداومت کی طرف توجہ دلائی، زوال آفتاب سے رات کی تاریکی تک چار نمازیں آجاتی ہیں ظہر و عصر اور مغرب و عشا اور نماز فجر کا علیحدہ ذکر کیا ہے اور اسے مشہود کہا ہے یعنی اس وقت سکینت رحمت وغیرہ موجود ہوتی ہے جیسا کہ اہل لغت نے لکھا ہے بالفاظ دیگر حضور قلب زیادہ میسر آتا ہے۔

نمبر۴۔ پانچ فرض نمازوں کے بعد تہجد کا ذکر کیا ہے جو پچھلی رات پڑھی جاتی ہے۔ نماز تہجد کو رسول اللہ صلعم کے ساتھ خاص کہا گیا ہے مگر دوسری جگہ صاف فرمایا وطائفۃ من الذین معك (المزمل۔ ۲۰) پس ہر ایک مسلمان کو پچھلی رات اٹھنے اور نماز تہجد کی عادت ڈالنی چاہیئے اور مقام محمود سے مراد

وَ قُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ	اور کہہ اے میرے رب مجھے سچائی کے داخلہ سے داخل کیجیو اور سچائی
وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ	کا نکلنا نکالیو اور مجھے اپنے پاس سے مدد دینے والی قوت
مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۸۰	دے ۔ا۔
وَ قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ	اور کہہ حق آگیا اور باطل بھاگ گیا۔ باطل بھاگنے والا
الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۸۱	ہی تھا ۔۲۔
وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ	اور ہم قرآن سے وہ کچھ اتارتے ہیں جو مومنوں کے لیے
رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ وَ لَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ	شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کو یہ صرف نقصان میں
اِلَّا خَسَارًا ۸۲	بڑھاتا ہے ۔۳۔
وَ اِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَ نَاٰ	اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور
بِجَانِبِهٖ وَ اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ یَئُوْسًا ۸۳	پہلو تہی کرتا ہے اور جب اسے برائی پہنچتی ہے تو نا امید ہو جاتا ہے۔
قُلْ كُلٌّ یَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ	کہہ ہر ایک اپنے طریق پر عمل کرتا ہے سو تمہارا رب اسے خوب جانتا

مقام شفاعت عظمیٰ ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے اور بخاری کی حدیث کے آخر میں ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرے گا جس کی تشریح یوں کی ہے یحمدہ اھل الجمع کلھم سب لوگ جو جمع ہوں گے آپ کی حمد کریں گے اور آپ کی حمد اس دنیا میں بھی روز بروز بڑھ رہی ہے اور بعض احادیث میں مقام محمود سے مراد شفاعت لی گئی ہے۔

نمبر۱۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ آیت ہجرت کے بارہ میں نازل ہوئی یعنی دخول سے مراد دخول مدینہ ہے اور خروج سے مراد مکہ سے نکلنا اور دخول کو خروج پر مقدم اس لیے کیا کہ وہ اہم ہے اور غرض یہ ہے کہ آپ کو ضائع نہیں کیا جائے گا بلکہ اگر آپ مکے سے نکلیں گے تو آپ کے داخل ہونے کی جگہ اس سے پیشتر مقرر ہو چکی ہے اور سلطنًا نصیرا سے مراد غلبہ ہے جس کو نصرت ملے اور بعض نے اسے فتح مکہ کہا ہے اور اس پر اگلی آیت شاہد ہے کیونکہ یہی الفاظ نبی کریم صلعم نے فتح مکہ پر پڑھے۔

نمبر۲۔ بخاری میں ہے کہ نبی کریم صلعم جب فتح مکہ کے بعد مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے، آنحضرت صلعم ایک چھڑی سے جو آپ کے ہاتھ میں تھی ایک ایک بت کو مارتے اور یہ آیت پڑھتے جاتے تھے اور اس کے ساتھ ہی یہ آیت بھی وما یبدئ الباطل وما یعید (السبا۔ ۴۹) کس قدر عظیم الشان پیشگوئی اس وقت پوری ہوئی جو بیکسی کی حالت میں مکہ میں بیان کی گئی تھی اور کس قدر عظمت اس پیشگوئی کو حاصل ہے جس کا نظارہ ہم آج بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اس خانہ کعبہ میں پھر وہ بت نہیں جا سکے۔

نمبر۳۔ قرآن شریف روحانی بیماریوں کی شفا کے لیے نازل ہوا اور یہی شفائیاں مراد ہے جیسا کہ خود فرمایا وشفاء لما فی الصدور (یونس ۱۰۔ ۵۷)، شفا اور تعویذ کے طور پر قرآن شریف کی یا دوسری عبارتیں لکھ کر بیماروں کو پلانا کسی حدیث سے ثابت نہیں اور حسن اور مجاہد اور نخعی نے لوگوں کو اس سے روکا اور آخر پر فرمایا کہ یہی قرآن جھٹلانے والوں کے لیے اور زیادہ ہلاکت کا موجب ہوتا ہے اس لیے کہ ہر نیکی کے مقابل پر جو اس کے اندر سکھائی جاتی ہے وہ مخالفت کی وجہ سے اور زیادہ بدیوں کا ارتکاب کرتے ہیں یا اس کی مخالفت میں قدم بڑھاتے چلے جاتے ہیں۔

ع اَعۡلَمُ بِمَنۡ هُوَ اَهۡدٰى سَبِيۡلًا ﴿۸۴﴾

ہے جو سب سے بڑھ کر سیدھی راہ پر ہے ۱؎

وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الرُّوۡحِ ؕ قُلِ الرُّوۡحُ مِنۡ اَمۡرِ رَبِّىۡ وَمَاۤ اُوۡتِيۡتُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۸۵﴾

اور تجھ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، کہہ رُوح میرے رب کے حکم سے ہے اور تمھیں تھوڑا سا ہی علم دیا گیا ہے ۲؎

وَلَـئِنۡ شِئۡنَا لَنَذۡهَبَنَّ بِالَّذِىۡۤ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلَيۡكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيۡنَا وَكِيۡلًا ﴿۸۶﴾

اور اگر ہم چاہتے تو اسے لے جاتے جو ہم نے تیری طرف وحی کی پھر تو اپنے واسطے اس کے رلا دینے کے لیے ہمارے اوپر کوئی ذمہ لینے والا نہ پاتا

اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضۡلَهٗ كَانَ عَلَيۡكَ كَبِيۡرًا ﴿۸۷﴾

مگر یہ تیرے رب کی طرف سے رحمت ہے۔ اس کا فضل تجھ پر بہت بڑا ہے۔

قُلْ لَّـئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَالۡجِنُّ عَلٰٓى اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا يَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِهٖ وَلَوۡ كَانَ بَعۡضُهُمۡ لِبَعۡضٍ ظَهِيۡرًا ﴿۸۸﴾

کہہ اگر انسان اور جن اس بات پر اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند بنا لائیں تو اس کی مانند نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں ۳؎

وَلَقَدۡ صَرَّفۡنَا لِلنَّاسِ فِىۡ هٰذَا الۡقُرۡاٰنِ مِنۡ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكۡثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوۡرًا ﴿۸۹﴾

اور یقیناً ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی نادر باتیں بار بار بیان کر دی ہیں، مگر اکثر لوگوں کو سوائے انکار کے کچھ منظور نہیں۔

نمبر۱: انسان کی شاکلۃ اس کی شکل اور اس کی جانب اور اس کا طریق ہے اور مفسرین نے طریق طبیعت اور دین اس سے مراد لیے ہیں۔

نمبر۲: روح سے مراد روح حیوانی بھی ہے اور روح انسانی یا نفس ناطقہ بھی اور حیاتِ اُخروی والی روح یعنی وحی الٰہی بھی اور تینوں کے متعلق فرمایا کہ وہ من امر ربی ہے یعنی وہ جو ربوبیت کرنے والا ہے اس کے امر خاص سے ہے اور تینوں پر اس لیے حاوی ہے کہ ربوبیت تینوں سے ہوتی ہے اور چونکہ انسان کی اصل ربوبیت جو اسے اس کے حقیقی کمال تک پہنچاتی ہے وحی الٰہی سے ہے اس لیے اسی کے متعلق ذکر کو جاری رکھا ہے جیسے اگلی آیت میں الذی اوحینا کے ذکر سے یا آیت ۸۸ میں قرآن کے ذکر سے اور باقی دو اس کے اندر شامل ہیں اور ان تینوں کی حقیقت یا کنہ کو انسان نہیں پہنچ سکتا اور ما اوتیتم من العلم الا قلیلا میں بتایا کہ انسان کا علم بمقابلہ علم الٰہی کچھ بھی نہیں۔ انسان صرف چند اوپر اوپر کی باتوں کا علم حاصل کر سکتا ہے ان کی کنہ تک پہنچنا اس کا کام نہیں۔

یہاں اس قدر اور بڑھا دینا ضروری ہے کہ یہ خیال کہ روحیں اللہ تعالیٰ نے پہلے سے پیدا کر کے رکھ چھوڑی ہیں صحیح نہیں اور یہ حدیث کہ روحیں دو ہزار سال پیشتر پیدا ہوئیں اس کی اسناد صحیح نہیں جیسا کہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کیونکہ دوسری حدیث میں ہے کہ انسان جب نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ بنتا ہے تب اللہ تعالیٰ فرشتہ بھیجتا ہے جو اس میں رُوح پھونکتا ہے ...... اور روح المعانی میں یہ قول نقل کیا ہے کہ روحوں کا جسموں سے پہلے پیدا ہونا قولِ فاسد اور خطائے صریح ہے اور عقل اور شرع کے مطابق یہی امر ہے کہ روح جسم کے ساتھ پیدا ہوتی ہے اور یہی مذہب اہل تحقیق کا ہے جیسا کہ امام غزالیؒ نے بھی لکھا ہے۔

نمبر۳: یہاں بھی قرآن کے مثل لانے کی تحدی ہے مگر یہاں خصوصیت سے خطاب انہی کو ہے جنہیں سورہ البقرہ میں شہدا کہا ہے یعنی ان کے بڑے۔

وَ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿٩٠﴾

اور کہتے ہیں ہم تجھ پر ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ تو ہمارے لیے اس زمین سے چشمہ بہا دے [1]

اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ عِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿٩١﴾

یا تیرا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو۔ پھر تو اس کے اندر خوب نہریں بہا نکالے۔

اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ﴿٩٢﴾

یا تو آسمان کو جیسا کہا کرتا ہے ٹکڑے ٹکڑے کرکے ہم پر گرا دے یا تو اللہ اور فرشتوں کو سامنے لے آئے [2]

اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَ لَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿٩٣﴾ ع

یا تیرا سونے کا گھر ہو، یا تو آسمان میں چڑھ جائے [3] اور ہم تیرے چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے۔ جب تک کہ تو ہم پر کتاب نہ اتارے جسے ہم پڑھ لیں، کہہ میرا رب پاک ہے میں صرف ایک بشر رسول ہوں۔

نمبر۱۔ باوجود قرآن شریف کی اس عظمت کے اس کے ہدایت میں بے مثل ہونے اور اس کی تعلیم کے کمال کے اس کا انکار کیا جاتا ہے اور مطالبہ یہ کیا جاتا ہے کہ کوئی زمین سے ایک چشمہ پھوٹ نکلے چونکہ راستبازوں کے لیے جنّات وانہار کے وعدے تھے اور مخالفین پر عذاب کے آنے کے اس لیے مطالبات بھی قریباً اسی رنگ کے ہیں۔ چشمے اور نہریں اور باغ ہوں جن میں رسول اللہ صلعم رہیں یا مخالفوں پر آسمان ٹوٹ پڑے۔ وہ نعماء جن کا روحانی طور پر وعدہ دیا گیا تھا انہیں جسمانی رنگ میں اس دنیا میں دیکھنا چاہتے ہیں یہ حالت آج بھی ہے اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان فتوحات میں جو مسلمانوں کو عطا فرمائیں ایک رنگ ظاہری بھی ان نعماء روحانی کا دکھا دیا کہ مکہ میں پانی کا چشمہ بھی بہہ نکلا یعنی وہ نہر جو اب وہاں بہتی ہے رسول اللہ صلعم باغوں اور نہروں کے مالک بھی ہوئے۔ مخالفوں پر آسمان بھی ٹوٹا مگر نہ اس رنگ میں جیسے وہ چاہتے تھے جس کی وجہ رکوع کی آخری آیت میں بتائی ہے۔

نمبر۲۔ یہ وہی عذاب ہیں جن کے ان کو وعدے دیئے جاتے تھے مگر جیسا کہ لفظ کسف کا استعمال بتاتا ہے مراد یہ نہ تھی کہ آسمان کوئی ٹھوس چیز ہے جس کا ایک بڑا سا ٹکڑا ان پر گر کر انہیں تباہ کر دیگا جیسا انہوں نے سمجھا بلکہ اس سے مراد اوپر سے کسی عذاب کا آنا تھا۔ ہوا کے رنگ میں ہو یا بادل کے۔ اللہ اور فرشتوں کا آنا بھی حق تھا مگر نہ اس رنگ میں جیسا انہوں نے خیال کیا بلکہ مخالفت کی سزا اور بالآخر ان کی طاقت کا استیصال تھا۔

نمبر۳۔ سونے کا گھر ہو، یہ مطالبہ اس وجہ سے تھا کہ دوسری جگہ فرمایا کہ ہمارے ہاں سونے اور چاندی کی کچھ بھی وقعت نہیں اور اگر لوگوں کے فتنہ میں پڑ جانے کا احتمال نہ ہوتا تو کافروں کے چاندی سونے کے گھر بنا دیتے (الزخرف۔ ۳۳) تو لفظ پرست کہتے ہیں کہ تمہارے رب کے ہاں اتنی بہتات سونے کی ہے تو پہلے تمہارا گھر ہی سونے کا بن لے اور اسی سورت میں آپ کے معراج کا یعنی آسمانوں کے عجائبات کے دیکھنے کا ذکر ہے تو اس لیے کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ کر دکھاؤ اور یہ جو تم کہتے ہو کہ وہاں سے احکام الٰہی لایا ہوں تو اوپر سے ہی تمہارے ساتھ کوئی کتاب بھی آئے جس میں وہ احکام لکھے ہوئے ہوں۔ غرض باتیں تو وہی ہیں جو قرآن شریف نے فرمائیں لیکن ایک لفظ پرست قوم نے بجائے حقیقت کی طرف توجہ کرنے کے لفظوں پر اعتراض شروع کر دیئے ان سب کا جواب ایک ہی دیا کہ میں بشر رسول ہوں اور اللہ تعالیٰ کی ذات عیب سے پاک ہے یعنی وہ خدا جسم نہیں کہ آسمان پر چڑھ کر اس تک پہنچ سکیں اور اس کا کلام بھی یوں سنا یا دیکھا نہیں جاتا بلکہ اس کے لیے دوسرے غیر مادی اور روحانی حواس بکار ہیں جو ان حواس کے نقصوں سے خالی ہوں اور اس کی تمام باتیں پوری ہوئیں اور ہونگی مگر نہ اس طرح پر کہ تم چاہتے ہو۔ اسی سورت میں معراج کا ذکر ہونے کے باوجود کفار کے اس مطالبہ کا ذکر کہ تم آسمان پر چڑھ جاؤ صاف بتاتا ہے کہ آنحضرت صلعم کا معراج روحانی تھا اور جسمانی طور پر آسمان پر چڑھنا بشریت کے منافی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سبحان ہونے کے بھی منافی ہے کیونکہ اس صورت میں ماننا پڑے گا کہ خدا بھی ایک جسم ہے اور یا اس میں عیب کا ماننا ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾

اور لوگوں کو کوئی چیز ایمان لانے سے مانع نہیں ہوتی جب ان کے پاس ہدایت آئی مگر یہ کہ انھوں نے کہا کیا اللہ نے ایک انسان کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾

کہہ اگر زمین میں فرشتے اطمینان سے چلتے پھرتے تو ضرور ہم ان پر آسمان سے فرشتہ رسول بنا کر بھیجتے ۱؎

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾

کہہ اللہ میرے اور تمھارے درمیان کافی گواہ ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں سے خبردار (انھیں) دیکھنے والا ہے۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ۭ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ﴿۹۷﴾

اور جسے اللہ ہدایت دے تو وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے وہ گمراہ ٹھہرائے تو تُو ان کے لیے اس کے سوائے اور کوئی حمایتی نہ پائے گا اور ہم انھیں قیامت کے دن تک ان کے مونہوں کے بل گرتے ہوئے (اکٹھا کرینگے اندھے اور گونگے اور بہرے، ان کا ٹھکانا دوزخ ہے جب کبھی وہ آگ بجھنے لگے گی ہم اُن پر اور زیادہ بھڑکا دینگے۔

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۹۸﴾

یہ ان کی سزا ہے اس لیے کہ وہ ہماری باتوں کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کیا جب ہم ہڈیاں اور چورا ہو جائیں گے تو نئی پیدائش میں اٹھائے جائیں گے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

کیا وہ غور نہیں کرتے کہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو

نمبر۱۔ بشریت رسول کا مضمون جاری رکھ کر فرمایا ہے کہ انسان کے لیے انسان ہی رسول ہو سکتا تھا اور جو انسان ہوگا اس کے ساتھ لوازم بشریت بھی ہونگے یہ روحانی امور کو جسمانی رنگ میں دیکھنے کے خواہاں ہیں اس لیے کہتے ہیں کہ فرشتے اُن کو نظر آئیں مگر فرشتے انسانوں کی طرف رسول بن کر نہیں آسکتے کیونکہ رسول کا کام تو ہے نمونہ دکھانا اور نمونہ جنس ہی جنس کے لیے ہو سکتی ہے نہ غیر جنس انسانوں کی جگہ فرشتے زمین پر آباد ہوتے تو فرشتے ہی ان کی طرف رسول بنکر آتے اور خود پیغمبر پر فرشتہ کا آنا اس کے منافی نہیں کیونکہ پیغمبر فرشتہ کو ان حواس جسمانی سے نہیں بلکہ حواس روحانی سے دیکھتا ہے اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انسان کے یہ حواس جسمانی فرشتوں کو نہیں دیکھ سکتے بلکہ وہ روحانی حواس کے ساتھ دیکھے جاسکتے ہیں کیونکہ اس بات کو بشریت کے منافی قرار دیا ہے اور رسول اللہ صلعم جو ملائکہ کو دیکھتے تھے اور حضرت جبرائیل شب و روز آپ کے پاس آتے تھے تو وہ ان ہی حواس انبیاء سے دیکھنا تھا۔ اور حضرت جبرائیل کو دحیہ کلبی یا کسی اعرابی کی شکل میں دیکھنا اس آیت کے خلاف نہیں ہو سکتا اور وہ بھی ایک کشفی نظارہ ہی ہو سکتا ہے جس میں دوسرے صحابہ بھی بسبب زبردست قوت کشفی نبوی کے شامل ہو گئے جس طرح پر حضرت ابوبکر کا بعض وقت وحی کی آواز کی بھنبھناہٹ کو سن لینا روایات سے معلوم ہوتا ہے۔

وَ الْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ
وَ جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى
الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٩٩﴾

پیدا کیا اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے پیدا کرے اور
اس نے ان کے لیے ایک میعاد ٹھیرائی ہے جس میں کوئی شک نہیں
مگر ظالموں کو سوائے انکار کے کچھ منظور نہیں ١ـــ

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ
رَبِّیْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ
وَ كَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿١٠٠﴾ ع

کہہ اگر تم میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو
تب تم اُن کے خرچ ہو جانے کے ڈر سے (انھیں) روک رکھتے
اور انسان تنگ دل ہے ٢ـــ

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ
فَسْـَٔلْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ
فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى
مَسْحُوْرًا ﴿١٠١﴾

اور یقیناً ہم نے موسیٰؑ کو نو کھلے نشان دیے ۔ سو بنی اسرائیل
سے پوچھ ، جب وہ ان کے پاس آیا ۔
تو فرعون نے اسے کہا ، اے موسیٰؑ میں سمجھتا ہوں کہ
تجھ پر جادو کیا گیا ہے ٣ـــ

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَاۤ اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَ اِنِّیْ
لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿١٠٢﴾

اس نے کہا تو خوب جانتا ہے کہ یہ آسمانوں اور زمین
کے رب کے سوائے اور کسی نے نہیں اتارے روشن دلائل کے
طور پر اور میں اے فرعون تجھے ہلاک شدہ خیال کرتا ہوں ۔

فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ
فَاَغْرَقْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا ﴿١٠٣﴾

سو اس نے چاہا کہ انھیں اس زمین میں خفیف کر دے ، سو ہم نے
اسے غرق کر دیا اور ان سب کو بھی جو اس کے ساتھ تھے ۔

وَّ قُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْۤ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا

اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا وعدے کی زمین

نمبر١۔ یہاں حیات بعد الموت کو یا قیامت میں اُٹھایا جانے کو مثلھم قرار دیا ہے یعنی انھی انسانوں کی مثل جس سے معلوم ہُوا کہ وہ بالکل یہی جسم نہیں اور یہ جسم تو ہر آن بدلتا بھی رہتا ہے بلکہ اس کی مثل ہے اور مثل کا لفظ اس لیے بھی موزوں ہے کہ جزا اور سزا مطابق اعمال ہے اور اجل کا ذکر اس لحاظ سے کیا کہ یہ جسم ایک وقت مقرر کے بعد فنا ہو جاتا ہے لیکن اعمال فنا نہیں ہوتے۔

نمبر٢۔ انفاق سے مراد یہاں مال کا جاتے رہنا یا ختم ہو جانا ہے ۔ یہ ان سوالات کا جواب ہے کہ تمھارے لیے باغ اور نہریں اور سونے کا گھر ہو یعنی یہ چیزیں بھی اللہ تعالیٰ دے دیگا وہ بُردں کو دیدیتا ہے تو اچھوں کو کیوں نہ دیگا ، انسان کی طرح وہ بخیل نہیں اور نہ اسے ان کے ختم ہو جانے کا خوف ہے کیونکہ اس کے خزانے بے انتہا ہیں اور یہ اشارہ رسول اللہ صلعم کی کامیابیوں کی طرف ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے آپ کو بڑے بڑے سامان اور بادشاہتیں دے دیگا کیونکہ مالک وہ ہے تم نہیں ہو۔

نمبر٣۔ تسع آیات سے مراد نو نشان ہیں دیکھو نوٹ الاعراف ٣٣ ۔ نو احکام نہیں ، کیونکہ احکام دس تھے اور وہ مصر سے جانے کے بعد دیئے گئے ۔ بنی اسرائیل کے ذکر کو آخر پر لا کر اصل مضمون کی طرف رجوع کیا ہے ۔

الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا
بِكُمْ لَفِيْفًا ﴿۱۰۴﴾

میں آباد ہو جاؤ ۔ پھر جب پچھلا وعدہ آئے گا ہم تمہیں اکٹھا
کرلائیں گے ؎۱

وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۭ وَمَآ
ربع اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ﴿۱۰۵﴾

اور ہم نے اسے حق کے ساتھ اتارا اور وہ حق کے ساتھ اترا اور
ہم نے تجھے صرف خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے ۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى
مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾

اور قرآن کو ہم نے جدا جدا کردیا ہے تاکہ تو اسے ٹھیر ٹھیر کر لوگوں پر پڑھے
اور ہم نے اسے تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کیا ہے ؎۲

قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ
يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾

کہ اسے مانو یا نہ مانو ، جن لوگوں کو اس سے پہلے
علم دیا گیا ہے ، جب یہ ان پر پڑھا جاتا ہے وہ ٹھوڑیوں کے
بل سجدے کرتے ہوئے گر پڑتے ہیں ۔

وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ كَانَ وَعْدُ
رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾

اور کہتے ہیں ، ہمارا رب پاک ہے ، یقیناً ہمارے رب کا وعدہ
پورا ہونا تھا ؎۳

وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ
خُشُوْعًا ۩ السجدۃ ﴿۱۰۹﴾

اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں ، روتے ہیں اور
یہ ان کی عاجزی بڑھاتا ہے ۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ۭ اَيًّا مَّا

کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو ۔ جس نام سے

نمبر۱ ۔ یہاں مراد وعد الاخرۃ سے قیامت کا آنا لیا گیا ہے لیکن اس کے بعد فوراً آتا ہے وبالحق انزلناہ وبالحق نزل اس لیے وعد الآخرۃ سے مراد نبی کریم صلعم کا آنا بھی ہو سکتا ہے اس لیے کہ یہ خاص وعدہ تھا جو حضرت موسیٰؑ سے کیا گیا تھا آگے چل کر پھر اسی وعدے کا ذکر کیا ہے ان کان وعد ربنا لمفعولا (۱۰۸) اور اس کے کہنے والے اوتوا العلم ہیں اور اس صورت میں اکٹھا کرانے سے مراد یہ ہے کہ تم کو اس پاک سرزمین سے یعنی ارض مقدس سے بیدخل کر دیا جائے گا یا سلسلہ بنی اسرائیل ختم ہو جائے گا اور ایک نیا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

نمبر۲ ۔ فرقنا ۔ فرق کے اصل معنی دو چیزوں کا الگ الگ کرنا ہیں پس یہاں دو طرح پر معنی ہو سکتے ہیں کھول کھول کر بیان کیا یعنی اس کے احکام کو تفصیل کے ساتھ الگ الگ کر دیا یا تھوڑا تھوڑا کرکے یعنی الگ الگ ٹکڑوں میں نازل کیا۔

نمبر۳ ۔ وہ وعدہ جو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کی زبان سے کیا تھا استثناء ۱۸ : ۱۵ ۔ ۱۸ وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کی ذات بابرکات میں ہی پورا ہوا اور اگر آپ نہ آتے تو وہ وعدہ بھی پورا نہ ہوتا ۔ دو بار گرنے میں نماز کے دو سجدوں کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے اور اصل مراد یہ ہے کہ جب وعدہ الٰہی کے پورا ہونے پر وہ سجدۂ شکر بجالاتے ہیں تو پھر ایک ایسا سرور قرآن کے ساتھ ان کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے کہ اس سے بھر کر پھر دوبارہ خدا کے حضور گر جاتے ہیں گویا ان کا علم و یقین اور ترقی کر جاتا ہے ۔

تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾

پکارو، اس کے سب نام اچھے ہیں[1] اور پکار پکار کر دعا نہ کر اور نہ چُپکا ہی رہ اور اس کے بیچ بیچ ایک طریق اختیار کر۔

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ﴿۱۱۱﴾

اور کہہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے بیٹا نہیں بنایا اور نہ بادشاہی میں اس کا کوئی شریک ہے اور نہ وہ عاجز ہے کہ اس کا کوئی مددگار ہو اور اس کی بڑائی بیان کر جو حق بڑائی بیان کرنے کا ہے[2]۔

(۱۸) سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ

اٰیاتھا ۱۱۰ — رکوعاتھا ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب

نمبر۱۔ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت میں تمام مذاہب باطلہ نے ٹھوکر کھائی ہے عرب کے بُت پرست بھی عیسائی قوم کی طرح صفت رحمانیت یعنی رحم بلا بدل کو نہ مانتے تھے اور گو سورت میں ذکر بنی اسرائیل کا تھا مگر چونکہ ان سے پھیر کر اب عیسائیت کی طرف ذکر کو لانا ہے جس پر سلسلہ موسوی ختم ہوتا ہے اس لیے اس آیت میں اور اگلی آیت میں صاف طور پر عیسائی عقیدہ کا ذکر کیا ہے اور اصل میں یہاں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور خضوع و خشوع سے اور اپنے آپ کو اس کے اسمائے حسنیٰ کے ماتحت لانے سے انسان اپنے کمال کو حاصل کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی سب صفات ہی خوبصورت ہیں جس صفت کو انسان اپنے اندر لینے کی کوشش کرے اسی سے اس کے اندر حُسن پیدا ہوگا۔ اور صلوٰت کا لفظ جو آگے آیا ہے تو اس کے معنی دعا ہیں اور اوپر صاف ذکر دعا کا ہے۔ یعنی جب یہ ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے اسمائے حسنیٰ سے پکارو تو اب یہ بھی بتایا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے میں میانہ روی اختیار کرو نہ اس قدر چیخ کر پکارو کہ گویا خدا بلند آواز کو ہی سنتا ہے اور نہ ہی یہ سمجھ کر کہ اللہ تعالیٰ دل کی باتوں کو جانتا ہے منہ سے کچھ کہنے کی کیا ضرورت ہے بالکل خاموشی اختیار کرو۔ اور صلوٰۃ کے معنی نماز لیکر قرأت ہی مراد لیجائے تو مطلب یہ ہوگا کہ نہ تو ساری قرأت بالجہر ہو اور نہ ساری آہستہ ہو بلکہ ان کے درمیان چلو یعنی کچھ حصہ بالجہر ہو تاکہ اس حالت میں سب کے سب ایک ہی طرح پر خدا کی عظمت کے آگے سر جھکائے ہوتے ہوں اور ایک حصہ آہستگی سے ہو تاکہ ہر شخص اپنے رنگ میں خدا کے خیال میں محو ہو۔

نمبر۲ عقیدہ ولد کا ذکر کر کے مضمون کا انتقال عیسائی مذہب کی طرف کیا جس پر اگلی سورت میں بحث ہے۔

نمبر۳ اس سورت کا نام الکھف ہے اور اس میں بارہ رکوع اور ایک سو دس آیتیں ہیں اور کہف کے معنی غار بھی ہیں اور جائے پناہ بھی اور اس سورت کا نام کہف اس وجہ سے ہے کہ اس میں اصحاب الکہف کا ذکر ہے یعنی چند لوگوں کا جنھوں نے شرک سے بچنے کے لیے اور توحید کو پھیلانے کے لیے ایک غار میں پناہ لی تھی اور یہ لوگ عیسائی مذہب کے تھے اور عیسائی مذہب کی پرورش اس رنگ میں بھی کہف میں ہوئی کہ ایک عرصہ دراز تک اس کی حالت مظلومیت کی رہی اور آزادانہ اس کی تبلیغ نہ ہو سکتی تھی اور اس رنگ میں بھی کہ اس میں جو اچھے لوگ ہوتے ہیں وہ زیادہ تر رہبانیت کی طرف جھکے رہے یعنی دنیا و مافیہا سے الگ ہو کر پہاڑوں اور غاروں میں خدا تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اس لیے اس کا نام کہف اسی مذہب کی تاریخ کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہے اس کا نزول مکہ میں ابتدائی زمانہ میں ہوا یعنی غالباً پانچویں سال بعثت میں۔

الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۜ ① — اتاری اور اس کے لیے کوئی کجی نہ رہنے دی [1]

قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ — قائم رکھنے والی [2] تاکہ اس کی طرف سے سخت عذاب سے ڈرائے

وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ — اور ان مومنوں کو خوش خبری دے جو اچھے عمل کرتے ہیں کہ

الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۙ② — ان کے لیے اچھا اجر ہے۔

مّٰكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۙ③ — وہ اس میں ہمیشہ ٹھیرنے والے ہیں۔

وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۤ④ — اور انھیں ڈرائے، جو کہتے ہیں اللہ نے بیٹا بنا لیا۔

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ ؕ — انھیں اس کے متعلق کچھ بھی علم نہیں اور نہ ان کے بڑوں کو (تھا)

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ؕ — بڑی بات ہے جو اُن کے مونہوں سے نکلتی ہے وہ جھوٹ

اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ⑤ — ہی کہتے ہیں [3]

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ — تو کیا تو اپنی جان کو ان کے پیچھے غم سے ہلاک کر دے گا اگر وہ

اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ⑥ — اس بات پر ایمان نہ لائیں [4]

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا — جو کچھ زمین پر ہے ہم نے اسے اس کے لیے زینت بنایا ہے تاکہ

نمبر۱۔ حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا کہ جو شخص سورہ کہف کی ابتدائی دس آیتیں یاد رکھے گا وہ دجال سے محفوظ رہے گا اور دوسری حدیث میں ہے کہ جو شخص سورہ کہف کی پچھلی دس آیات پڑھے گا وہ فتنہ دجال سے محفوظ رہے گا۔ پس یہ غور طلب ہے کہ ان پہلی اور پچھلی دس آیتوں میں کیا خاص بات ہے جو فتنہ دجال سے بچا سکتی ہے ایک سرسری نظر سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دونوں جگہ عیسائیت کا ذکر ہے۔ پہلی دس آیات میں قالوا اتخذ اللہ ولدا میں بلحاظ عقیدہ کہ وہ خدا کا بیٹا بناتے ہیں اور انا جعلنا ما علی الارض زینۃ میں بلحاظ عمل یعنی زمین کو زینت دیں گے اور پچھلی دس میں ان یتخذ والعبادی من دونی اولیاء میں بلحاظ عقیدہ اور الذین ضل سعیھم فی الحیٰوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا میں بلحاظ عمل کہ ان کی ساری کوشش دنیا پر اور صنعتوں پر صرف ہوگی اس سے معلوم ہوا کہ دجال کا فتنہ یہی عیسایت کا فتنہ ہے۔

نمبر۲۔ یعنی نہ صرف اس میں خود کوئی کجی، کوئی التباس کوئی اختلاف لفظی یا تناقض معنی نہیں بلکہ یہ پہلی کتابوں کی صحیح تعلیم کو اور ہر صحیح تعلیم کو ہمیشہ کے لیے قائم رکھنے والی ہے۔

نمبر۳۔ یعنی اس عقیدہ اتخاذ ولد کا نہ انھیں علم حاصل ہے یعنی نہ ان کے پاس کوئی علمی دلائل ہیں نہ اُن کے باپ دادوں کے پاس تھیں خود عیسائیوں سے کفارہ وغیرہ کے دلائل پوچھو تو جواب ملتا ہے کہ مذہب میں عقل کو دخل نہیں پہلے اسے مان لو۔ قرآن کریم نے یہاں بتایا کہ جب سے یہ عقیدہ دنیا میں آیا ہے کبھی اس پر علمی دلائل پیش نہیں کیے گئے۔

نمبر۴۔ نہ صرف اس آیت سے بلکہ اس سے اگلی آیات سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلعم کو ان کی دنیوی زیب و زینت کا اور اسلام سے اعراض کا نقشہ دکھایا گیا اور اس کا ثبوت احادیث صحیحہ سے بھی ملتا ہے جہاں نزول عیسیٰؑ کی ضرورت یہ بتائی کہ وہ کسر صلیب کریگا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلیبی غلبہ آپ کو دکھایا گیا تھا اور آپ کے قلب کو اس سے اتنا رنج پہنچا تھا کہ فرمایا تو اس رنج میں اپنے آپ کو ہلاک کر دیگا آپ کے اس درد کے ذکر میں مسلمانوں کے لیے خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ضائع نہیں کرے گا۔

لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝٧

انھیں آزمائیں کہ کون ان میں سے بہترین عمل کرنے والا ہے۔

وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۝٨

اور ہم یقیناً اسے جو اس پر ہے خالی زمین چٹیل میدان بنا دیں گے۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝٩

کیا تو سمجھتا ہے کہ غار اور کتبہ والے ہماری عجیب نشانیوں میں سے تھے۔[1]

اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۝١٠

جب ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تو کہا اے ہمارے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں ہمارے لیے بھلائی مہیا کر دے۔[2]

نمبر۱۔ رقیم۔ رقم سے ہے جس کے معنی ہیں موٹا لکھنا یا واضح طور پر لکھنا اور کپڑوں پر قیمتوں کا لکھنا اور رقیم لکھی ہوئی چیز ہے اور اس سے مراد تختی یا پتھر یا کوئی چیز ہے جس پر کچھ لکھا ہوا ہو۔ اصحاب کہف کا مشہور قصہ یوں ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کے مذہب پر تھے اور شہنشاہ دیسئس یا دقیانوس کے زمانہ کے چند نوجوان تھے جنھوں نے اس بادشاہ کی ایذا رسانی سے تنگ آکر ایک غار میں پناہ لی۔ جہاں اطلاع ملنے پر بادشاہ نے غار کے سامنے دیوار بنوادی اور اختلاف روایات پر کوئی دو کو سال سے لیکر لو نے چار سو سال تک یہ لوگ اس غار میں سوئے رہے تب وہ جاگے اور اس وقت رومن امپائر میں عیسائی مذہب کا دور دورہ تھا اس لیے ان کی اطلاع ملنے پر اس وقت کا بادشاہ خود انھیں دیکھنے گیا اور بعض روایات کے مطابق اس نے انھیں دیکھا اور بعض کے مطابق ان کا پتہ نہ ملا۔

اس قصہ کی عام شہرت بتاتی ہے کہ ان روایات میں گو کچھ غلط ملط ہو گیا ہو۔ مگر کچھ نہ کچھ اصل اس کی ضرور تھی۔ لیکن قرآن کریم نے انھیں بجائے اصحاب کہف کے اصحاب الکہف والرقیم کے نام سے یاد کیا ہے اس مشکل کو حل کرنے کے لیے سیاق قرآنی کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے عیسائیت کا ذکر کرتے ہوئے فوراً اس قصہ کو شروع کر دیا ہے اور یہ ہم جانتے ہیں کہ قرآن کریم کی غرض صرف یہ نہیں ہو سکتی کہ چند نوجوانوں کا حال معلوم ہو جائے بلکہ اس کی تہ میں کوئی اور بات ہے غور سے دیکھا جائے تو عیسائیت کی تاریخ کا خلاصہ انہی دو الفاظ میں آجاتا ہے یعنی کہف اور رقیم میں عیسائیت کی ابتدائی تاریخ غار سے وابستہ ہے اور اس کی آخری حالت رقیم سے، عیسائیت کی پرورش غاروں میں ہوئی نہ صرف اس لیے کہ ابتدا میں اس مذہب کے قبول کرنے والوں کو مظالم سے تنگ آکر غاروں میں پناہ لینی پڑی بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ عیسائیت کا پہلا رجحان رہبانیت کی طرف تھا اور اس لیے عیسائیوں میں جو بڑے بڑے لوگ ہوئے انھوں نے رہبانیت اختیار کر کے غاروں میں ہی اپنے کمال کو حاصل کیا اسی کی طرف لفظ کہف میں اشارہ ہے اور اس مذہب کی آخری حالت رقیم سے وابستہ ہے یعنی لکھی ہوئی تختیوں سے جو اس قوم کا نمایاں امتیاز ہے کہ نہ صرف ہر زندہ شخص کے نام کی تختی لکھی ہوتی ہے نہ صرف مردہ کی قبر پر لکھی ہوئی تختی ہوتی ہے بلکہ ان کی تمام تجارتی اشیا پر بھی ایک لکھی ہوئی تختی ہوتی ہے اور لفظ رقیم کے اختیار کرنے میں اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ رقم کے معنی کپڑوں پر قیمتوں کا لکھنا بھی ہیں اور تجارتی اشیاء پر قیمتوں کے لکھنے میں اشارہ ان کی وسعت تجارت کی طرف معلوم ہوتا ہے یا ان کی تجارت اور دنیا میں انہماک کی طرف گو یا رقیم کہف کے مقابل پر ہے اور جس طرح کہف رہبانیت کو ظاہر کرتی ہے یعنی دین کی خاطر دنیا کو بکلی ترک کر دینا۔ اسی طرح رقیم تجارت کو ظاہر کرتی ہے یعنی دنیا کی خاطر دین کو بکلی ترک کر دینا اور تجارتی اغراض کے سامنے تمام قسم کی اغراض کو قربان کر دینا سورت کے آخر پر الفاظ الذین ضل سعیھم فی الحیٰوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعًا (۱۰۴:۱۸) بھی اسی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ جن کی ابتدا رہبانیت تھی اس افراط کے مقام پر بھی پہنچیں گے کہ صرف دنیا کے طالب رہ جائیں۔

نمبر۲۔ مختصر طور پر اصحاب کہف کا ذکر اس اور اس سے اگلی دو آیات میں کر دیا ہے اور اصل حقیقت صرف اسی قدر ہے کہ وہ چند جوان تھے جنھوں نے دین کی خاطر غار میں پناہ لی اور اس غار میں کئی سالوں تک وہ باہر کی خبروں سے بے خبر رہے اور ان کی غرض وہاں جانے میں صرف اس قدر نہ تھی کہ وہ کسی ظالم کے مظالم سے بچ جائیں بلکہ ان کے دلوں میں اعلائے کلمۃ اللہ کا جوش تھا اسی لیے جب وہ غار کی طرف جاتے ہیں تو دعا کرتے ہیں کہ اے مولیٰ تو اپنی جناب سے ہمیں رحمت عطا فرما اور ہمارے معاملہ میں رشد یعنی بھلائی یا کامیابی کی راہ پیدا کر دے۔

فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ
سِنِيْنَ عَدَدًا ⑪
ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ
اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ⑫
نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ
اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ⑬
وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا
رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۟
مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ⑭
هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ
لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ
اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ⑮
وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ
فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ
رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ⑯

سو ہم نے اُن کے کانوں پر گنتی کے سال (پردہ)
ڈال رکھا ۱؎
پھر ہم نے انھیں بھیجا تاکہ ہم ظاہر کریں کہ دونوں گروہوں میں سے کون
اس مدت کی بہتر حفاظت کرنے والا ہے جو ٹھیرے رہے ۲؎
ہم ان کی خبر تجھ پر حق کے ساتھ بیان کرتے ہیں وہ کئی جوان
تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے انھیں ہدایت میں بڑھایا
اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کیا جب وہ اُٹھ کھڑے ہوئے
اور کہا ہمارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم اس کے سوائے
کسی اور معبود کو نہ پکاریں گے کیونکہ اس صورت میں ہم ایسی بات کہیں گے جو حق سے دور ہے
ان ہمارے لوگوں نے اس کے سوائے اور معبود بنا لیے ہیں کیونکہ ان پر کوئی
کھلی سند نہیں لاتے۔ پس اس سے زیادہ کون ظالم ہے
جو اللہ پر جھوٹ افترا کرتا ہے۔
اور جب تم ان سے علیحدہ ہو گئے اور اس سے جس کی وہ اللہ کے سوائے
عبادت کرتے ہیں تو غار میں پناہ لو تاکہ تمہارا رب تمہارے لیے اپنی رحمت کے سامان
پھیلا دے اور تمہارے کام میں سہولت مہیا کر دے ۳؎

نمبر۱۔ ضربنا علٰی آذانہم۔ مفسرین نے عموماً اس سے مراد نیند یعنی سُلا دینا لیا ہے مگر اصل مفہوم ان الفاظ کا صرف اس قدر ہے کہ اس عرصہ میں وہ دنیا کے واقعات سے بے خبر رہے۔

نمبر۲۔ مراد اُن کا کہف سے نکل کر دنیا میں جانا ہے یعنی جب انہوں نے اپنی تنہائی اور خلوت غار کی مدت کو بہترین طریق پر صرف کیا تو ہم نے انھیں دوسرے لوگوں کی طرف بھیجا تاکہ وہ اوروں کے لیے نیکی کا نمونہ بنیں اور دکھا دیں کہ عبادت الٰہی سے انسان کس بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے اور اُن کا غار میں جانا اسی غرض کے لیے تھا کہ وہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے دنیا میں نکلیں۔ انسان کی زندگی کی غرض سو رہنا نہیں کہ اللہ تعالےٰ اصحاب کہف کے سو رہنے کے قصّہ کو ہمارے لیے اپنی ہدایت کے طور پر ذکر کرتا۔ دو فریق جن کا یہاں ذکر ہے ایک تو خود اصحاب کہف ہیں جن کو غاروں میں پناہ لینی پڑی مگر انھوں نے حق کو نہ چھوڑا اور دوسرا وہ دنیا داروں کا گروہ ہے جن کے مظالم سے انھیں پناہ لینی پڑی اور جن کی نظر دنیا سے اوپر نہ اُٹھ سکی اور وہ انسانیت کے مقام بلند کو نہ دیکھ سکے اور وقت کی حفاظت سے مراد ہے کہ نتائج نے ظاہر کر دیا کہ کس کا وقت زیادہ مفید کام میں لگا۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ ہم جان لیں اسی کی تائید کرتا ہے کیونکہ یوں تو اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے مگر جہاں جہاں اس طرح پر اللہ تعالیٰ کے علم کا ذکر آیا ہے وہ وہی علم ہے جو اعمال کے نتائج سے تعلق رکھتا ہے۔

نمبر۳۔ یہاں سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ غار میں صرف ایک وقت کے لیے پناہ لیتے ہیں اور ان کی دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی اور رستہ کھول

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾

اور تو سُورج کو دیکھیگا کہ جب وہ نکلتا ہے تو ان کے غار سے دائیں طرف کو جھک جاتا ہے اور جب غروب ہوتا ہے تو ان سے بائیں طرف کترا جاتا ہے اور وہ اس کے ایک کُھلے میدان میں ہیں یہ اللہ کے نشانوں میں سے ہے جسے ہدایت دے تو وہی ہدایت پانے والا ہے اور جسے وہ گمراہی میں چھوڑ دے تو تُو اس کے لیے کوئی دوست راہ بتانے والا نہ پائے گا۔ؔ

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۖۗ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖۗ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿۱۸﴾

اور تُو انھیں جاگتے ہوئے سمجھتا ہے اور وہ سوئے ہوئے ہیں اور ہم انھیں دائیں بائیں پھیرتے ہیں، اور اُن کا کتا چوکھٹ پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے ہے اگر تو ان پر جھانکے تو بھاگتا ہوا ان سے پیٹھ پھیر لے ؔ اور تجھ پر اُن سے دہشت چھا جائے ؔ۔

دے جو ان کے لیے نفع کا موجب ہو جیسا کہ لفظ مرفق لا کر بتا دیا۔ غرض لفظ لفظ سے یہ شہادت ملتی ہے کہ اصحاب کہف کے مدنظر کوئی عظیم الشان کام تھا۔

نمبرا۔ حاصل مطلب آیت کے پہلے حصّہ کا تو صرف اس قدر ہے کہ یہ لوگ ایسی جگہ پر تھے جہاں انھیں غار کی تنگی اور سورج کی دھوپ ایذا نہیں دیتی تھی۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ ان الفاظ سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ کہف کا دروازہ شمال کی طرف تھا اور من آیات اللہ اسے اس لیے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایسے غار کی طرف ہدایت دیدی اور جو کچھ ابن کثیر نے کہا وہ بالکل درست ہے کیونکہ خطِ استوا سے جس قدر زیادہ شمال کی طرف شمال رُخ مکانات ہیں دھوپ کم داخل ہوتی ہے اور خطِ استوا سے جس قدر زیادہ شمال کی طرف جگہ ہو گی اسی قدر زیادہ اس پر یہ الفاظ صادق آئیں گے۔ لیکن جس طرح یہ الفاظ ایسے غار پر صادق آتے ہیں اس سے بڑھ کر صحت کے ساتھ کسی شمالی ملک پر صادق آتے ہیں کیونکہ شمالی ممالک میں سورج سر پر نہیں آتا بلکہ نیچے کی طرف مائل رہتا ہے یعنی طلوع سے لیکر دوپہر تک دائیں طرف جھکا رہتا ہے اور دوپہر سے لے کر غروب تک بائیں طرف کو جھکا رہتا ہے اور ممالک یورپ جہاں عیسائیت نے زور پکڑا اس کے صحیح مصداق ہیں اور عیسائیت کا پہلا رخ انہی ممالک کی طرف ہوا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح کا ایک شاگرد یوسف آرمتیا انگلستان میں بھی آیا تھا۔

نمبر۲۔ یہاں پر کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ اس سے کیا مطلب ہے کہ وہ سو رہے تھے اور دیکھنے والا انھیں جاگتا ہُوا سمجھتا۔ بعض نے کہا اُن کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں بعض نے کہا شدت حفاظت اور قلت تغیر جو اُن پر تھا اس لحاظ سے بعض نے کہا کروٹ لینے کی وجہ سے ان ساری توجیہات میں کوئی تسلی بخش جواب نہیں اور لکھا ہے کہ کروٹ سال میں ایک دفعہ یا چھ ماہ میں ایک دفعہ لیتے تھے اور آنکھیں کھلی رکھنے کا کیا مطلب تھا اور پھر اس سارے قصّے کو دوہرانے کا کیا منشا ہے۔ دوم کتے کا ذکر یہاں ساتھ شروع کیا آیا وہ بھی بطور اعجاز سویا رہا یا نہیں بعض کہتے ہیں سویا رہا۔ بعض کہتے ہیں سویا نہیں پہرہ دیتا تھا اور اسے غذا اپنے ہاتھ چاٹنے سے پہنچ جاتی تھی۔ اس پہرہ کا کیا منشا تھا کیا جس طرح سانپ اور بچھو سے ان کی حفاظت کی گئی اسی طرح جنگلی درندوں وغیرہ سے ان کی حفاظت نہ ہو سکتی تھی۔ سوم کروٹیں بدلاتے رہنے میں کس حکمت کا اظہار ہے۔ اگر بطور اعجاز تین سو سال تک سوئے رہے تو یہ اعجاز کیا خدا تعالیٰ کی قدرت سے باہر تھا کہ بغیر کروٹ بدلنے کے پڑے رہتے اور اگر کروٹیں لیتے بھی تھے تو اس ذکر کا یہاں کیا مطلب ہے۔ میرے نزدیک اس آیت میں ذکر ان لوگوں کا ہے جن کی طرف پچھلے رکوع کی آخری آیت میں من بعض کہہ کر اشارہ کیا ہے یعنی انہی اصحاب کہف کے جانشین جو دنیا میں غرق ہو کر اصحاب الرقیم بنے اپنی دنیوی جد وجہد کے لحاظ سے وہ الفاظ

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ
قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا
اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ
فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ
فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ
بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ
بِكُمْ اَحَدًا ﴿۱۹﴾

اور اسی طرح ہم نے انھیں اُٹھا کھڑا کیا تاکہ ایک دوسرے سے سوال کریں
اُن میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم کتنی مدت ٹھیرے رہے (بعض نے) کہا ہم ایک
دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھیرے رہے ہیں اور (بعض نے) کہا تمھارا رب خوب جانتا ہے تم کتنا
ٹھیرے رہے۔ اب اپنے میں سے ایک کو اس روپے کے ساتھ شہر کی طرف بھیجو
سو وہ دیکھے کہ کونسا اُن میں زیادہ ستھرا کھانا ہے پس تمھارے پاس اس
میں سے کھانا لائے اور چاہیئے کہ وہ نرمی کرے اور تمھارا پتہ کسی
کو نہ لگنے دے[1]۔

نصف القرآن باعتبار عدد الحروف
... النصف الاول ... النصف الآخر

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ
اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ
تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾

کیونکہ اگر وہ تم پر غالب آ جائیں تو تمھیں سنگسار کریں گے یا
اپنے مذہب میں لوٹا دیں گے اور اس وقت تم کبھی کامیاب
نہ ہوگے۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ
وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ

اور اسی طرح ہم نے (لوگوں کو) ان پر مطلع کر دیا، تاکہ وہ جان
لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور کہ قیامت میں کچھ بھی شک نہیں

ہیں نہ صرف جاگتے ہیں بلکہ کمال درجہ کی مستعدی اور ذہانت دکھا رہے ہیں لیکن حقیقت سے بے خبر ہونے کے لحاظ سے وہ سوتے ہوئے ہیں اور دنیا میں دائیں بائیں یعنی ہر جانب میں پھر بھی رہے ہیں اور کوئی جگہ نہیں ہے انھوں نے چھوڑا ہو اور کتے کا ذکر اس لیے کیا کہ یہ بھی ان کی خصوصیت ہے جس قدر محبت اس قوم نے کتے سے کی ہے اور کسی نے نہیں کی۔ ان کی عورتیں کتوں کو گودیوں میں لے کر بچوں سے زیادہ محبت کرتی ہیں کتوں کا منہ چاٹتے اور چومتے بلکہ ان کی زبانوں تک چوستے ہیں اور قریبًا ہر شخص کتا بھی اپنے ساتھ ضرور رکھتا ہے اور ظاہری شان و شوکت اس قدر ہے کہ ہر شخص ان کے ظاہری سامانوں کو دیکھ کر مرعوب بھی ہو جاتا ہے۔

[1] اس آیت میں پھر اصحاب کہف کا ذکر ہے۔ آیت ۱۶ میں فرمایا تھا کہ جب غار میں گئے تو انھوں نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی مفید راہ پیدا کر دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آخر انھیں اس غرض کے لیے اُٹھا کھڑا کیا۔ رہا یہ سوال کہ کتنی مدت رہے، سو آیت ۱۱ میں اسے سنین عددا کہا ہے یعنی کئی سال اور یہی انسانی زندگی کے لحاظ سے صحیح مدت ہے اور دن یا دن کا کچھ حصہ کہنے سے شاید ان کا منشا یہی ہو کہ ہم نے تو گویا اپنی عمر ہی یہاں گزار دی یا عمر کا بڑا حصہ گزار دیا۔ اس کے بعد وہ کام کرنے کی تجویز سوچتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ایک آدمی کو روپے دے کر شہر میں بھیجو کہ وہ اچھا کھانا لائے اور یوں کچھ تعلقات اہل شہر کے ساتھ قائم ہوں اور گفتگو اور تبلیغ میں نرمی کا پیرایہ اختیار کرے تاکہ آہستہ آہستہ لوگوں کا رجوع حق کی طرف ہو اور کسی کو پتہ نہ لگنے دے کہ اصل کیا منشا ہے یہ نقشہ اگرچہ اصحاب کہف کا ہے تو عیسائیت کی ابتدائی تاریخ بھی اسی کے مطابق ہے کیونکہ عیسائیت قریبًا تین سو سال محکومیت کی حالت میں رہی اور اس وقت اس کی تبلیغ نہایت نرمی کے طریق سے کی جاتی تھی اور چھپ کر کی جاتی تھی۔ علانیہ تبلیغ نہ ہو سکتی تھی جیسا کہ اگلی آیت میں اسی طرف اشارہ ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ آج یورپ کی عیسائی اقوام اپنے سیاسی مقاصد کو حاصل کرنے میں بھی یہی طریق کا تتبع کرتی ہیں یعنی جس ملک میں یہ لوگ قدم رکھتے ہیں پہلے تجارت کے بہانے سے جاتے ہیں اور نرمی کا طریق اختیار کر کے آہستہ آہستہ ملک کے اندر تصرف تام حاصل کر لیتے ہیں اور اس تصرف کے حاصل کرنے میں ان کے بڑے معاون دراہم ہیں یعنی روپے دے کر اپنا کام نکال لیتے ہیں اور اپنے اصل ارادہ پر کسی کو مطلع نہیں ہونے دیتے پس اصحاب کہف کے قصہ میں یہاں بھی تاریخ عیسائیت ہی لکھی ہے۔

فِيهَا ۚ إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ
فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِم بُنْيَانًا ۖ رَّبُّهُمْ
أَعْلَمُ بِهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ
أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا ﴿٢١﴾
سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَ
يَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا
بِالْغَيْبِ ۖ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ
كَلْبُهُمْ ۚ قُل رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا
يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۗ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ
إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم
ع مِّنْهُمْ أَحَدًا ﴿٢٢﴾

جب وہ ان کے معاملہ میں ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے تو انھوں نے کہا ان پر ایک عمارت بنا دو۔ ان کا رب ان کو خوب جانتا ہے جو لوگ اپنے امر پر غالب ہوئے۔ انھوں نے کہا ہم ضرور ان پر مسجد بنائیں گے ۱۔

کہیں گے وہ تین ہیں، ان کا چوتھا ان کا کتا۔ اور کہیں گے پانچ ہیں ان کا چھٹا ان کا کتا ہے۔ اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔ اور کہیں گے سات ہیں اور ان کا آٹھواں ان کا کتا ہے۔ کہہ میرا رب ان کی گنتی بہتر جانتا ہے سوائے تھوڑوں کے انھیں کوئی نہیں جانتا۔ سو ان کے بارے میں جھگڑا نہ کر، سوائے (اس کے کہ) ظاہر جھگڑا (ہو) اور ان کے بارے میں ان میں سے کسی سے نہ پوچھ ۲۔

نمبر۱۔ کذلک اعثرنا علیھم میں عموماً یہ مراد لیگئی ہے کہ درہم کی وجہ سے جو تین سو سال کا پرانا سکہ تھا لوگوں کو ان کی خبر مل گئی مگر صرف ایک شخص کے ہاتھ میں پرانا سکہ دیکھ کر اس قدر یقین ہو جانا کہ قیامت حق ہے بے معنی بات ہے نہ لمبا عرصہ سویا رہنے سے یہ یقین پیدا ہو سکتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی قابل تسلیم نہیں کہ ایک شخص کے بیان پر اعتبار کر کے لوگوں کو اس قدر یقین حاصل ہو گیا ہو، میرے نزدیک اعثرنا علیھم میں ان کے اصل مقصد پر مطلع کر دینا ہے۔ یعنی یوں ہی وہ نرمی کے پیرایہ میں لوگوں کو سمجھاتے رہے یہاں تک کہ لوگوں کو اس بات کا علم ہو گیا کہ جس بات کی طرف یہ بلاتے ہیں وہ سچ ہے اور بعث بعد الموت بھی بلاشبہ صحیح ہے۔ قیامت پر یقین لوگوں کو انبیاء کی تعلیم سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے جب نیکی اور اخلاق کی تعلیم آہستہ آہستہ ان کے اندر پھیلا دی تو ان کے حق پر ہونے کا یقین بھی ان کو ہو گیا۔

اور اگر عیسائیت کی تاریخ میں موجودہ ارادوں کے متعلق اسے لیا جائے تو بھی درست ہے کیونکہ آخر کار دنیا ان اقوام کے ارادوں پر مطلع ہو گئی اور اس صورت میں لیعلموا کی ضمیر خود اُن لوگوں کی طرف جائے گی یعنی دنیا کے ان کے ارادوں پر اطلاع پا جانے سے جب انھیں دنیا میں ناکامی ہو گی تو پھر حق کی طرف توجہ ہو گی اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہی زندگی ہی سب کچھ نہیں جس پر انھوں نے اپنا سارا زور لگا دیا بلکہ اس کے بعد کوئی اور زندگی بھی ہے۔ آیت کے پچھلے حصہ میں انہی لوگوں کا ذکر ہے جن کے پیغام کو انھوں نے قبول کیا یعنی یا تو یہ حالت تھی کہ ان کی بات کوئی نہ سنتا تھا اور یا اب ان کی نیکی کی وجہ سے ان کی یادگاریں بنانے کی تجویزیں ہونے لگیں اور اس کے بھی بعد ایک اور مرحلہ آیا کہ وہ لوگ جنھیں پوری حکومت اور غلبہ ملا یعنی جب عیسائیت غالب ہو گئی (غلبوا علیٰ امرھم سے مراد غلبہ ہی ہے) تو اب انھوں نے انہی صلحاء کو اور نیک لوگوں کو اپنا معبود بنا لیا اور عیسائیت میں مسیح کی خدائی کا عقیدہ بھی قسطنطین کے تبدیل مذہب کے ساتھ پختہ ہوا۔ بخاری میں ہے لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد۔ یہود اور نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا اور ایک اور حدیث میں ہے اذا کان فیھم الرجل الصالح فمات بنوا علیٰ قبرہ مسجدا وصوروا فیہ تلک الصور۔ یعنی جب ان میں کوئی صالح آدمی مرجاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا لیتے اور اس میں یہ صورتیں بنا لیتے یعنی نیک لوگوں کی تصویریں بنا کر ان کی عبادت کرتے اسی کی طرف یہاں اشارہ معلوم ہوتا ہے اور یہ ان کے غلو کا ذکر ہے۔

نمبر۲۔ اس آیت میں آئندہ کا ذکر ہے لوگ ایسا کہیں گے کہ یہ ذکر نہیں کہ پہلے کہتے ہیں مفسرین نے اس کی یوں توجیہ کی ہے کہ قرآن شریف میں جو کچھ ان کا مذکور ہوا اُسے سُن کر کہیں گے کہ وہ تعداد میں اتنے تھے مگر پھر وہی بات رہتی ہے جب تک پہلے ان میں ایسے اقوال موجود نہ ہوں کہ وہ تین تھے یا پانچ تھے وہ یہ کہہ نہیں سکتے اور جب پہلے

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ اور کسی چیز کی نسبت (یوں) نہ کہہ کہ میں اسے کل کرنے والا ہوں۔

اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ مگر جو اللہ چاہے اور جب تو بھول جائے تو اپنے رب کو یاد

وَقُلْ عَسٰۤی اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ کر اور کہہ کہ امید ہے کہ میرا رب مجھے اس سے قریب تر

مِنْ هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾ بھلائی کا رستہ دکھائے گا۔[۱]

وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ اور وہ اپنے غار میں تین سو سال رہے اور نو (اور)

وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ بڑھائے۔

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَیْبُ کہہ، اللہ خوب جانتا ہے جتنا رہے[۲] آسمانوں اور زمین۔

ایسے اقوال موجود تھے تو اللہ تعالیٰ نے سیقولون کیوں فرمایا اور آگے جو فرمایا ما یعلمھم الا قلیل تو وہاں علت کا لفظ چھوڑ دیا ہے۔ یہ قلیل علماء ہی ہیں جو ان لوگوں کی گنتی نہیں بلکہ ان کے حالات کو جانتے ہیں اور لا تستفت فیھم منھم احدا میں منھم میں ضمیر اہل کتاب کی طرف لی گئی ہے من اھل الکتاب جن کا ذکر یہاں سوائے اس کے کوئی نہیں کہ خود اس قصہ میں اہل کتاب کا ذکر ہی اصل مقصود سمجھا جائے یعنی عیسائیت کا۔ میرے نزدیک یہاں زیادہ مدِّ نظر عیسائیت کی تاریخ ہی ہے اور اسی لیے ثلثۃ، خمسۃ، سبعۃ مطلق آیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد تین آدمی وغیرہ ہوں یا تین اقوام وغیرہ ہوں یا تین حکومتیں وغیرہ ہوں اور لا تستفت فیھم منھم میں اشارہ ہے کہ یہ قصہ کے آدمیوں کی گنتی کا ذکر نہیں کیونکہ یہ ذکر تو ان میں مشہور تھا اور وہ سات ہی انھیں سمجھتے تھے اور پچھلی دو صورتوں میں کلبھم سے مراد کوئی ایسی قوم یا حکومت ہو گی جو ان کے لیے کلب کا کام دے یعنی پہریدار کا یا ان کی حفاظت کرنے والے کا۔

نمبر۱۔ ان آیات کے شانِ نزول میں جو قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ قریش نے یہود مدینہ سے آنحضرت صلعم کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے کہا کہ آپ سے اصحاب کہف اور روح اور ذوالقرنین کے متعلق دریافت کرو اگر وہ جواب نہ دے سکے تو جھوٹا ہے اور دریافت کرنے پر آپ نے کل بتانے کا وعدہ کیا اور پھر پندرہ دن تک وحی نازل نہ ہوئی۔ یہ ابن عباسؓ سے ایک مشکوک سی روایت ہے اور یہود کا تعلق اصحاب کہف سے کچھ تھا بھی نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب اصحاب کہف اور ان کی مشکلات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کس طرح پیغام حق پہنچانے میں انھیں ایک مدت غار میں رہنا پڑا اور آخر ان کو وہ راہ ملی کہ وہ پیغام حق پہنچانے کے قابل ہوئے یا ضمناً عیسائیت کا ذکر کیا کہ کس طرح تین سو سال کا عرصہ دراز کھلے طور پر اپنے پیغام کو نہ پہنچا سکی تو بالمقابل اسلام کا ذکر کیا جیسا کہ لاقرب من ھذا رشدا سے ظاہر ہے یعنی جو بھلائی کا رستہ ان کو دکھایا گیا اس سے قریب تر کوئی بھلائی کا رستہ اللہ تعالیٰ امت محمدیہ کو دکھائے گا۔ اللہ تعالیٰ کی توحید کو دنیا میں پھیلانا تو ایسا کام ہے کہ خود خدا تعالیٰ اسے چاہتا ہے بایں فرمایا کہ ایسے کام کی نسبت بھی یہ مت کہو کہ ہم کل یا قرب زمانہ میں ایسا کر لیں گے۔ ہاں نسبتاً اسلام کی ترقی اس قدر جلد ہوئی ہے کہ دوسرے کسی مذہب کی نہیں ہوئی چنانچہ ابتدائی تاریخ اسلام اور ابتدائی تاریخ عیسائیت میں زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ عیسائیت تین سو سال تک ایک سلطنت روما کے اندر بھی بمشکل آٹھواں حصہ ساتھ ملا سکی مگر اسلام تین سو سال کے عرصہ میں کل روئے زمین پر پھیل گیا۔

نمبر۲۔ بظاہر یہ دونوں بیان، ایک یہ کہ وہ اپنے غار میں تین سو نو سال رہے اور دوسرا یہ کہ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کتنا رہے متضاد معلوم ہوتے ہیں بڑی مشہور تاویل اس کی یہ ہے کہ ولبثوا فی کہفھم عطف ہے سیقولون پر اور مراد یہ ہے کہ یہ بھی دوسرے لوگوں کا قول ہے مگر کوئی روایت تین سو یا تین سو نو سال کی نہیں اصل یہ ہے کہ پہلی آیت میں ہے کہ تین سو نو سال اپنی کہف میں رہے دوسری میں فی کہفھم کا لفظ نہیں بلکہ صرف لبثوا ہے اور اس کے ساتھ لہ غیب السمٰوات والارض بڑھا کر بتا دیا کہ یہ آیندہ کے زمانہ کی خبر ہے اور اصل یہ ہے کہ یہاں ان اصحاب کہف کا ذکر نہیں بلکہ خود عیسائیت کا ذکر ہے اور اس کی دو حالتوں کے متعلق فرمایا کہ ایک ان کی کہف کی حالت تھی اور ایک غلبہ کی حالت جب عیسائیت شاہی مذہب ہو کر اصل حقیقت سے بھی دور جا پڑی۔ ان کی پہلی حالت تین سو نو برس تک ہی اور دوسری حالت کے متعلق فرمایا کہ جتنی مدت وہ رہیں گے اللہ ہی اس کو خوب جانتا ہے کیونکہ یہ غیب کی بات ہے اور غیب کا جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے ظاہر ہے کہ پہلا وہ پنہا غیب کی حالت نہیں کہلا سکتا اور پھر دوسرے رہنے کے ساتھ یہ بڑھا کر کہ اللہ کے سوائے ان کا کوئی ولی نہیں اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا یہ بھی

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَ اَسْمِعْ ؕ
مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ ۫ وَّ لَا یُشْرِكُ
فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ۟ ۲۶

کے بھید اسی کو معلوم ہیں کیا خوب دیکھنے والا اور کیا خوب سننے والا ہے اس کے سوائے کوئی ان کا حمایتی نہیں، اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

وَ اتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ؕ
لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ۫ وَ لَنْ تَجِدَ مِنْ
دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۟ ۲۷

اور پڑھ جو تیرے رب کی کتاب سے تیری طرف وحی کی گئی ہے۔ کوئی اس کی باتوں کو بدلنے والا نہیں، اور اس کے سوائے تو کہیں پناہ نہیں پائے گا۔

وَ اصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ
رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ
وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِیْدُ
زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَ لَا تُطِعْ مَنْ
اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ
وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۟ ۲۸

اور اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ روک رکھ جو صبح اور شام اپنے رب کو پکارتے ہیں (اور) اسی کی رضا چاہتے ہیں۔ اور اپنی نگاہیں ان سے ہٹا کر (اور طرف) نہ دوڑا کہ تو دنیا کی زندگی آرایش کا ارادہ کرے اور اس کی بات نہ مان جس کا دل ہم نے اپنے ذکر سے غافل رکھا ہے اور وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے گزرا ہوا ہے ملہ

وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ
فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ ۙ اِنَّاۤ

اور کہہ حق تمھارے رب کی طرف سے ہے، سو جو کوئی چاہے ایمان لائے اور جو کوئی چاہے انکار کرے۔ ہم نے ظالموں

تبا دیا ہے کہ آخرکار ان کے غلبہ کی صف بھی لپیٹ دی جائے گی۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قسطنطین کے عیسائی مذہب علی الاعلان اختیار کرنے کے بعد ۳۲۵ءء میں مذہب تثلیث کو اصل عیسائیت اور شاہی مذہب قرار دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی اگر ایک طرف عیسائیت مظلومیت کی حالت سے نکل کر غالب مذہب بن گئی تو دوسری طرف اصل توحید سے یہ دور جا پڑی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ قرآن شریف نے بجائے ۳۲۵ سال کے تین سو نو سال کیوں فرمائے۔ یہیں پر قرآن کریم کے علم غیب کے سامنے انسان کو سر جھکانا پڑتا ہے عیسائیت کی تاریخ میں خود چھ سال کی غلطی چلی آتی ہے یعنی حضرت مسیح کی پیدائش جس سے سنہ عیسوی شروع ہوتا ہے مشہور سنہ عیسوی سے چھ سال پہلے ہوئی اس لیے جسے ۳۲۵ءء عیسوی کہا جاتا ہے وہ مسیح کی پیدائش سے فی الواقع تین سو تیس یا اکتیس سال ہیں اور حضرت مسیح کا دعویٰ تاریخ عیسائیت کے مطابق تیس سال کی عمر میں ہوا اس لیے دعویٰ سے لیکر تثلیث کے سرکاری طور پر عیسائی مذہب قرار پانے تک پورے تین سو سال ہوئے اور نو سال کے بڑھانے کا جو علیحدہ ذکر قرآن شریف نے کیا ہے تو اسے مفسرین نے بھی قمری حساب کا اضافہ بیان کیا ہے۔ یعنی ہر صدی میں قمری حساب سے تین سال بڑھ جاتے ہیں پس پوری تین صدیاں جو عیسائیت کی حالت کہف تھی اس پر قمری حساب سے نو سال اور بڑھ گئے۔

نمبر ا۔ یہاں بھی عیسائیت اور اسلام کا مقابلہ کیا ہے ایک طرف وہ لوگ ہیں جو صبح شام یعنی اپنے تمام اوقات میں خدا تعالیٰ کو پکارتے ہیں اور صرف اللہ کی رضا کو چاہتے ہیں اور دوسری طرف وہ ہیں جو دنیا کی آرائشوں کے پیچھے اس قدر پڑے ہیں کہ اللہ کے ذکر سے ان کے دل بالکل غافل ہو گئے ہیں اور اپنی حرص و ہوا کی پیروی میں لگے ہوئے ہیں تو رسول کو یا ہر داعی الی الحق کو حکم ہوتا ہے کہ اللہ کی رضا ہی وہ چیز ہے جس کی طرف نظر اٹھنی چاہیئے اور زیب و زینت دنیوی تمھاری نظر کو نہ کھینچ لے۔

اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۭ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَاۗءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ ۭ بِئْسَ الشَّرَابُ ۭ وَسَاۗءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

کے لیے آگ تیار کی ہے، جس کی قناتیں ان کو گھیر لیں گی۔ اور اگر پانی مانگیں گے تو انھیں تلچھٹ جیسا پانی دیا جائے گا جو ان کے مونہوں کو جلا دے گا، کیا ہی بُرا پانی ہوگا اور جائے آرام بھی بُری ہوگی ۱

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾

جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں (تو) ہم اس کا اجر ضائع نہیں کرتے جو اچھا عمل کرتا ہے۔

اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـــِٕيْنَ فِيْهَا عَلَي الْاَرَاۗىِٕكِ ۭ نِعْمَ الثَّوَابُ ۭ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾ ع

ان کے لیے ہمیشگی کے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان میں انھیں سونے کے کڑے پہنائے جائیں گے اور وہ باریک اور موٹے ریشم کے سبز کپڑے پہنیں گے، ان کے اندر تختوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے کیا ہی اچھا بدلہ ہے اور جائے آرام بھی اچھی ہوگی۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿۳۲﴾

اور ان کے لیے دو شخصوں کی مثال بیان کر، جن میں سے ایک کے لیے ہم نے انگوروں کے دو باغ بنائے اور ان کے گرداگرد کھجوریں لگائیں اور ان دونوں کے درمیان کھیتی لگائی

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْــــًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾

یہ دونوں باغ اپنے پھل دیتے تھے اور اس میں کوئی کمی نہ کرتے تھے اور ان دونوں کے درمیان ہم نے نہر بہائی تھی ۲

نمبر۱۔ اس آیت میں صاف بتا دیا کہ یہ وہ حق ہے جو ان لوگوں کو پیش کیا جاتا ہے الحق من ربکم۔ ایمان لانا یا انکار کرنا ہر شخص کا اپنا اختیار ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ ایمان لانے پر مجبور کرتا ہے نہ انکار پر۔ پھر جیسے ان کے اعمال ہیں ویسی سزا ہے جس طرح حرص دنیا نے یہاں چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے وہی آگ بن کر وہاں گھیر لے گی اور جس طرح دنیا کی محبت کی پیاس یہاں نہیں بجھتی تھی وہاں بھی اس کے بجھنے کا کوئی سامان نہ ہوگا۔

نمبر۲۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مومنوں کی ایک مثال بیان فرمائی ہے اور جس چیز کی مثال دی جائے اس کا وجود ضروری نہیں ہوتا یعنی یہ مطلب نہیں کہ فی الحقیقت کوئی ایسے دو آدمی تھے مطلب صرف اس قدر ہے کہ عیسائیوں کو جو مال و دولت ہم نے دیا ہے تو اس کی مثال یوں ہے اور باغوں سے مثال اس لیے دی کہ دنیا میں یہ راحت کا بڑا بھاری سامان ہے ان باغوں میں بہترین پھل انگور کا ذکر کیا اور گرداگرد کھجور کا لگانا اس کی خوبصورتی کے لحاظ سے ہے کہ وہ بوجہ اپنی لمبائی اور سیدھا ہونے کے اعلیٰ درجہ کی زینت کا سامان ہے اور پھر صرف پھل دار درخت ہی نہیں بلکہ درمیان میں غلہ کے لہلہاتے کھیت اور اگلی آیت میں ہے کہ نہریں اس میں بہتی ہیں اور ظاہری

وَّ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝۳۴
اور اس کے پاس طرح طرح کا مال تھا تو اس نے اپنے ساتھی کو کہا اور وہ اس سے باتیں کر رہا تھا میں مال میں تجھ سے بڑھ کر ہوں اور جتھے کے لحاظ سے غالب ہوں۔

وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ۝۳۵
اور وہ اپنے باغ میں داخل ہوا اور وہ اپنے آپ پر ظلم کرنے والا تھا کہنے لگا میں یقین نہیں کرتا کہ یہ کبھی برباد ہو گا۔[۲]

وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝۳۶
اور میں یقین نہیں کرتا کہ قیامت آئے اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی جاؤں تو یقیناً لوٹنے کی جگہ اس سے بہتر پاؤں گا۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝۳۷
اس کے ساتھی نے اسے کہا اور وہ اس سے باتیں کر رہا تھا کیا تو اس کا انکار کرتا ہے جس نے تجھے پہلے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر تجھے پورا انسان بنایا۔

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ۝۳۸
لیکن میں جانتا ہوں کہ وہی اللہ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔[۳]

طور پر بھی ان قوموں نے جنگلوں کو باغ بنا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے باغ کے دینے کھجوریں لگانے نہریں بہانے سب باتوں کو اپنی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ کفار نے انھیں اپنے لیے بنایا ہے اس لیے کہ سامان تو اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کیے ہیں۔

نمبر۱۔ حالانکہ اوپر صرف باغ کا ذکر تھا۔ مگر یہ سمجھانے کو کہ یہ محض بطور مثال بیان کیا ہے۔ یہاں اس باغ والے کے منہ سے جو لفظ کہلوائے ہیں یہ ہیں کہ میرا مال اور میرا جتھا تم سے بڑھ کر ہے اور اس جتھے کی وجہ سے اپنے غلبہ کو بھی ظاہر کیا ہے مال اور جتھے پر ہی عیسائیت کو فخر ہے اور ثمر سے مراد پھل نہیں بلکہ قسم قسم کا مال ہے اس معنی میں بھی یہ لفظ لغت میں آیا ہے۔

نمبر۲۔ جنت میں داخل ہونے سے مراد ایک خاص وقت میں داخل ہونا نہیں بلکہ مراد اپنے مال و متاع سے فائدہ اٹھانا ہے وھو ظالم میں بتایا کہ ان سامانوں میں ایسے منہمک ہونے کہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرنے لگے۔ کیونکہ اخلاق اور روحانیت کی طرف سے لاپروائی اختیار کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا اور اصل غرض زندگی مال و دولت کو سمجھ لیا اور اس کے پیے اتنا زور لگایا کہ یہ یقین ہو گیا کہ اب دنیوی جاہ و حشم ہمارے ہاتھوں سے نہیں جا سکتا یہی حالت آج عیسائیت کی ہے اور اگلی آیت میں بتایا کہ آخرت پر ان کا یقین بالکل نہیں رہیگا سو یہ عجیب ہے کہ آج عیسائی اقوام کو نہ آخرت پر یقین رہے نہ آخرت کا کچھ فکر ہے ہاں چونکہ انجیل میں قیامت کا ذکر ہے اس لیے یہ فرض کر رکھا ہے کہ آخرت کی نعمتوں کے مستحق ہم ہی ہیں۔

نمبر۳۔ یہاں مومن کی حالت کو بیان کیا ہے یا یوں کہنا چاہیئے کہ عیسائیت کے بالمقابل اسلام کی حالت کو۔ ولا اشرک بربی احدا۔ توحید کامل صرف اسلام میں ہی ہے اور اس سے پہلی آیت میں جو اللہ تعالیٰ کے کفر کا ذکر ہے تو یہ بھی سچ ہے کہ عملاً عیسائی اقوام خدا کا انکار ہی کر رہی ہیں یہاں تک کہ کسی معاملہ میں خدا کا نام تک لینا معیوب سمجھتی ہیں اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا انکار کرتے ہیں کہ وہ جس نے انسان کو ایسا ظاہری کمال عطا فرمایا ہے وہ اس کو کمال روحانی کے لیے بھی اٹھائیگا۔ اسی آیت میں انسان کی پیدائش کے ذکر میں فرمایا کہ تجھے مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے یعنی ہر ایک انسان مٹی سے ہی پیدا ہوتا ہے اور پھر مٹی سے نطفہ کی صورت میں آتا ہے گویا اجزائے انسانی مٹی میں ہی ہوتے ہیں وہاں سے خلاصہ ہو کر نطفہ کی صورت میں آتے ہیں اسی طرح پر نشأۃ الآخرۃ یا دوسری زندگی ہے کہ انسان کے اعمال متفرق اور پراگندہ ہوتے ہیں ان کے نتائج کے ساتھ ساتھ ظہور پذیر ہونے سے ایک خلاصہ انسان کی دوسری زندگی کا بنتا جاتا ہے جس کو نطفہ سے مشابہت ہے یعنی زندگی تو وہ یہاں بھی موجود ہے لیکن نطفہ کے طور پر ایک نامعلوم صورت میں ہے پھر عالم برزخ گویا اس حالت سے مشابہ ہے جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اور قیامت اس کی پیدائش کا وقت ہے۔

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿٣٩﴾

اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا کیوں نہ تو نے کہا جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، اللہ کے سوائے کوئی بھی قوت نہیں۔ اگر تو مال اور اولاد میں مجھے اپنے سے کمتر سمجھتا ہے۔

فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿٤٠﴾

سو امید ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا فرمائے اور اس پر آسمان سے بلا بھیجے، تو وہ خالی زمین چٹیل میدان رہ جائے [1]۔

اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿٤١﴾

یا اس کا پانی اتر جائے، پھر تو اسے نکال نہ سکے۔

وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿٤٢﴾

اور اس کا مال و دولت تباہ کر دیا گیا تو اس پر اپنے ہاتھ ملنے لگا جو اس پر خرچ کیا تھا اور وہ ویران تھا اپنی چھتوں پر گرا ہوا اور کہنے لگا اے کاش! میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا [2]۔

وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ﴿٤٣﴾

اور اس کے لیے کوئی جتھا نہ تھا جو اللہ کے سوائے اس کی مدد کرتا اور نہ ہی وہ خود اپنی مدد کر سکا۔

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ﴿٤٤﴾ ع ۱۷

وہاں اختیار اللہ کے لیے ہے جو حق ہے، وہی بدلا دینے میں اچھا اور اچھا انجام لانے میں بہتر ہے [3]۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ

اور ان کے لیے دنیا کی زندگی کی مثال بیان کر اس کی مثال پانی

نمبر ۱۔ بہتر باغ سے مراد وہی جنت آخرت ہے جس کا مومنوں کے لیے وعدہ ہے جو کبھی فنا نہیں ہوگی۔ اس دنیا کے مال پر فنا بھی آجاتی ہے طاقت حشمت اور دولت سب کچھ جاتا رہتا ہے جس کے لیے کوئی آسمانی اسباب پیدا ہو جاتے ہیں من السماء یا زمینی، جیسا اگلی آیت میں ہے کہ پانی خشک ہو جائے۔

نمبر ۲۔ یقلب کفیہ کے معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ ہاتھوں کو الٹا سیدھا کرنا یا ایک ہاتھ کی ہتھیلی دوسرے کی پشت پر رکھنا پھر اس کے برعکس مطلب اظہار ندامت ہے جیسے ہماری زبان میں ہاتھ ملنا کہتے ہیں۔ مال دنیا تو ہاتھ سے نکلتا ہی رہتا ہے۔ تبھی انسان کو سمجھ آتی ہے کہ خدا سے تعلق ہی وہ چیز ہے جو ہر حال میں انسان کے کام آتا ہے فی الحقیقت یہی وہ جنت ہے جس سے انسان کبھی نکالا نہیں جاتا۔

نمبر ۳۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ وَلایة کے معنی موالات ہیں اور وِلایة کے حکومت اور غلبہ۔ مطلب یہ ہے کہ اسی مقام پر آکر معلوم ہوتا ہے کہ نصرت اللہ کی طرف سے ہی ملتی ہے کیونکہ دنیا دار طاقتور آخر اپنی طاقت کو ہلاکت سے نہیں بچا سکتے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ سے ہی ولایت یا دوستی کا تعلق کام آتا ہے۔

أَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ
الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ
وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۵﴾

کی طرح ہے جو ہم بادل سے برساتے ہیں تو اس کے ساتھ زمین کی روئیدگی
(بڑھ کر) مل جل جاتی ہے پھر وہ چورا چورا ہو جاتی ہے جسے ہوائیں اڑائے
پھرتی ہیں اور اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے[1]۔

الْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ
وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ
ثَوَابًا وَّخَيْرٌ أَمَلًا ﴿۴۶﴾

مال اور بیٹے دنیا کی زندگی کی زینت ہے اور باقی
رہنے والے اچھے عمل تیرے رب کے نزدیک بدلے میں بہتر ہیں۔
اور امید کے لحاظ سے (بھی) بہت اچھے ہیں[2]۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ
بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ
مِنْهُمْ أَحَدًا ﴿۴۷﴾

اور جس دن ہم پہاڑوں کو دور کر دیں گے اور تو زمین کو کھلا میدان
دیکھے گا اور ہم انھیں اکٹھا کریں گے سو اُن میں سے کسی کو پیچھے
نہیں چھوڑیں گے[3]۔

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَ
كَمَا خَلَقْنٰكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍۭ ؗ بَلْ زَعَمْتُمْ
أَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۴۸﴾

اور وہ تیرے رب کے سامنے صف باندھ کر پیش کیے جائیں گے یقیناً
تم ہمارے پاس آ جاؤ گے جس طرح ہم نے تمھیں پہلی مرتبہ پیدا کیا بلکہ تم سمجھتے ہو
کہ ہم نے تمھارے لیے وعدے کے پورا ہونے کا کوئی وقت مقرر نہیں کیا[4]۔

نمبر۱۔ کیسا پُر حکمت کلام ہے۔ چونکہ عیسائی اقوام کو حیات دنیا کی زیب و زینت پر ہی سارا فخر ہے اس لیے یہاں اس کی حقیقت بھی بتادی اور فرمایا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیز ہے مگر یہ سبزی کی طرح ہے ایک وقت کیسی خوشنما ہوتی اور لہلہاتی ہے اور دوسرا وقت ہوتا ہے خشک ہو کر چورا چورا ہو جاتی ہے یہی حالت قوموں کی زندگی کی ہے کہ ایک وقت ایک قوم زیب و زینت دنیوی کے لحاظ سے کمال کو پہنچی ہوئی ہوتی ہے دوسرا وقت آتا ہے اس کا نام و نشان بھی نہیں ملتا علیٰ کلّ شیءٍ مقتدرا میں اسی طرف اشارہ ہے۔

نمبر۲۔ دنیوی زیب و زینت کے مقابل پر اس اصلی سامانِ زینت کا ذکر کیا جو کبھی برباد نہیں ہوتا اور اسی لیے اس کو باقیات کہا وہ اعمال جن کا مقصد حصول رضائے الٰہی ہو یہی ایک چیز ہے جو ہمیشہ کے لیے باقی رہتی ہے کیونکہ جزا اسی [illegible] الاحد عندہ من نعمۃ تجزی الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلیٰ ولسوف یرضی (اللیل ۹۲- ۱۹ تا ۲۱) اور حدیثوں میں جو الباقیات الصالحات کی تفسیر میں بعض کلمات آئے ہیں جیسے سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، لا الٰہ الا اللہ تو مراد یہی ہے کہ وہ بھی الباقیات الصالحات میں داخل ہیں۔

نمبر۳۔ اس آیت میں اور اس سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کا ذکر فرمایا ہے جہاں یہ دنیا کا مال کچھ کام نہیں دیگا۔ مگر قیامت کے متعلق جس قدر الفاظ استعمال کیے ہیں وہ عموماً مجازی رنگ میں قیامت وسطیٰ یعنی ایک قوم کی تباہی پر بھی صادق آتے ہیں۔

نمبر۴۔ رب کے سامنے صف باندھ کر پیش کیا جانے سے کیا مراد ہے؟ حدیث میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اولین اور آخرین کو ایک ہی مقام پر صفیں باندھ کر کھڑا کرے گا۔ مراد اس سے ایک ہی صف میں سب کا کھڑا کرنا بھی ہو سکتا ہے یعنی سب کا یکساں حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا اور یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ الگ الگ اُمتیں الگ الگ صفوں میں کھڑی کی جائیں گی اور بعض نے کہا کہ یہ کلام استعارہ کے رنگ میں ہے اور مشہور معنی میں پیش ہونا یا صفیں باندھنا مراد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ان کے بارہ میں حکم صادر کرنا ہے۔

لقد جئتمونا یا قول کے طور پر ہے یعنی ہم کہیں گے یا اُنھیں کہا جائے گا اور یا ماضی کا استعمال استقبال کے لیے تحقق وقوع فعل کے لیے ہے یعنی ضرور تمھاری دوسری پیدائش اسی طرح حق ہے جس طرح یہ پہلی پیدائش حق ہے۔

وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ
مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَ يَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا
مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا
كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰهَا ۚ وَ وَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا
ع ۱۸ حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾

اور کتاب رکھی جائے گی تو تو مجرموں کو اس سے جو اس میں ہے، ڈرتے ہوئے دیکھے گا اور وہ کہیں گے اے ہم پر افسوس! یہ کیسی کتاب ہے کہ نہ چھوٹی بات کو پیچھے چھوڑتی ہے اور نہ بڑی کو مگر اسے محفوظ کر لیا ہے اور جو کچھ انھوں نے کیا تھا موجود پائینگے اور تیرا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ۓ

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا
اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ
اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ
مِنْ دُوْنِيْ وَ هُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ
لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۰﴾

اور جب ہم نے فرشتوں کو کہا آدم کی فرماں برداری کرو تو انھوں نے فرمانبرداری کی مگر ابلیس نے (نہ کی) وہ جنوں میں سے تھا سو اپنے رب کے حکم سے باہر نکل گیا تو کیا تم مجھے چھوڑ کر اسے اور اس کی نسل کو دوست بناتے ہو۔ اور وہ تمھارے دشمن ہیں ظالموں کے لیے کیا ہی بُرا بدل ہے۔ۓ

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ
وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَ مَا كُنْتُ مُتَّخِذَ
الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۱﴾

میں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرتے وقت انھیں گواہ نہ بنایا تھا اور نہ خود انھیں پیدا کرتے وقت۔ اور میں ایسا نہ تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو (اپنا قوت بازو) بناتا۔ۓ

نمبر۱۔ وضع کے معنی رکھنا ہیں اور وضع الکتاب سے مراد ہے بندوں کے اعمال کا ظاہر کرنا جس طرح فرمایا نخرج لہ یوم القیامۃ کتبا یلقہ منشورا۔ (بنی اسرائیل۔ ۱۳)

نمبر۲۔ جب پچھلے رکوع میں محبت دنیا اور محاسبہ اعمال کا ذکر کیا تو یہاں بتایا کہ انسان شیطان کے پیچھے لگ کر اس غلط راہ پر پڑتا ہے جس کا انجام ہلاکت ہے۔ یہاں کھول کر بتایا کہ شیطان ملائکہ میں سے نہیں، بلکہ جنوں میں سے ہے باایں صراحت عجیب عجیب کہانیاں ابلیس کو ملائکہ میں سے قرار دینے کے لیے بنائی گئی ہیں کوئی جنوں کو ملائکہ کا قبیلہ قرار دیتا ہے۔ حالانکہ جن کے متعلق صراحت سے مذکور ہے کہ اُسے نار سے پیدا کیا گیا اور ملائکہ کا نور سے پیدا ہونا حدیث سے ثابت ہے۔ کوئی اسے اشراف ملائکہ میں سے قرار دیتا ہے کوئی کہتا ہے کہ جنوں اور فرشتوں کی جنگ ہوا کرتی تھی ابلیس چھوٹا ہوتا قید ہو کر ملائکہ میں آگیا اور ملائکہ کی طرح عبادت کرنے لگا اس لیے ملائکہ میں سے سمجھا جانے لگا۔ یہ سب بے اصل باتیں ہیں حسن کا قول ہے قاتل اللہ اقواما زعموا ان ابلیس من الملائکۃ واللہ تعالیٰ یقول کان من الجن۔ ایک اور بات قابل توجہ یہ ہے کہ یہاں شیطان یا ابلیس کی ذریت بھی قرار دی گئی ہے۔ قتادہ سے روایت ہے ھو یتوالدون کما تتوالد بنو آدم یعنی ان کا سلسلہ نسل اسی طرح چلتا ہے جس طرح بنی آدم کا اور اس سے بھی زیادہ صاف ابن زید کا قول ہے قال اللہ لابلیس انی لا اذرا لآدم ذریۃ الا ذرات لک مثلھا یعنی اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو کہا کہ میں آدم کی نسل میں کوئی شخص پیدا نہیں کرونگا مگر تیرے لیے اس کی مثل پیدا کرونگا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہر انسان کے لیے الگ شیطان ہوتا ہے اور اس سے صفائی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کا شیطان الگ ہے اور فی الحقیقت ہر انسان کے بہیمی قوی سے جس ہستی کا تعلق ہے وہی اس کا شیطان ہے مگر ان روایات کا یہ مطلب لینا کہ جنوں میں اسی طرح نکاح اور سلسلہ توالد وتناسل ہوتا ہے جس طرح انسانوں میں یہ صحیح نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کی ذریت وہ اسی لحاظ سے ہے کہ وہی کام کرتی ہے جو وہ کرتا ہے چنانچہ بعض نے ذریت سے مراد اس کے اتباع لیے ہیں۔

نمبر۳۔ کسی کو کسی اہم کام کے وقت بلانے سے منشا یہ ہوتا ہے کہ اس سے مدد لی جائے اسی بنا پر وادعوا شھداءکم من دون اللہ (البقرۃ۔ ۲۳) میں

وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَآءِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۵۲

اور جس دن کہے گا (انھیں) پکارو جنھیں تم میرا شریک قرار دیتے تھے، پس وہ انھیں پکاریں گے مگر وہ انھیں جواب نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان ہلاکت کو حائل کر دیں گے۔

وَرَاَ الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا ۵۳ ع

اور مجرم آگ کو دیکھیں گے تو یقین کر لیں گے کہ وہ اس میں پڑنے والے ہیں اور وہ اس سے ہٹ کر جانے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۵۴

اور بلا شبہ ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر قسم کی مثالیں بار بار بیان کی ہیں اور انسان بہت ہی جھگڑالو ہے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِينَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۵۵

اور کسی چیز نے لوگوں کو جب ہدایت ان کے پاس آ گئی اس بات سے نہیں روکا کہ وہ ایمان لائیں اور اپنے رب سے استغفار کریں مگر یہ کہ پہلوں کا طریق اُن سے برتا جائے یا عذاب ان کے سامنے آ موجود ہو۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ اِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوٓا اٰيٰتِي وَمَآ اُنْذِرُوا هُزُوًا ۵۶

اور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے۔ اور جو کافر ہیں وہ باطل پر جھگڑا کرتے ہیں۔ تاکہ اس کے ساتھ حق کو زائل کر دیں اور میری آیتوں کو اور اسے جو انھیں ڈرایا جاتا ہے ہنسی سمجھتے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ۚ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوهُ وَفِيٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوٓا اِذًا اَبَدًا ۵۷

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اس کے رب کی آیتیں یاد دلائی جاتی ہیں تو وہ ان سے منہ پھیر لیتا ہے اور اسے بھول جاتا ہے جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے (پس) ہم نے انکے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں تاکہ اسے نہ سمجھیں اور انکے کانوں میں بوجھ (ڈال دیا) ہے اور اگر تو انھیں ہدایت کی طرف بلائے تو وہ کبھی بھی ہدایت پر نہ آئیں گے۔

وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ

اور تیرا رب بخشنے والا رحمت کا مالک ہے اگر وہ انھیں اس پر

يُؤَاخِذُهُم بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَل لَّهُم مَّوْعِدٌ لَّن يَجِدُوا مِن دُونِهِ مَوْئِلًا ﴿٥٨﴾

پکڑے جو وہ کماتے ہیں، تو فوراً اُن پر عذاب بھیج دے۔ بلکہ اُن کے لیے ایک وعدے کا وقت ہے جس کے مقابل پرے کوئی پناہ نہ پائیں گے۔

وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِم مَّوْعِدًا ﴿٥٩﴾ ع

اور ان بستیوں نے جب ظلم کیا ہم نے انھیں ہلاک کر دیا اور ان کی ہلاکت کے لیے بھی ہم نے ایک وعدے کا وقت مقرر کر دیا ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ﴿٦٠﴾

اور جب موسیٰؑ نے اپنے نوجوان (ساتھی) کو کہا میں (چلنا) نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے اکٹھا ہونے کی جگہ پہنچ جاؤں[۱] یا برسوں چلتا رہوں۔

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾

پس جب وہ ان دونوں (دریاؤں) کے اکٹھا ہونے کی جگہ پہنچے وہ اپنی مچھلی بھول گئے تو اس نے چلتے چلتے اپنا رستہ دریا میں لے لیا[۲]۔

شہداء سے مراد مددگار لیے گئے ہیں اور خود آیت کے خاتمہ کے الفاظ اسی معنی پر دلالت کرتے ہیں جہاں فرمایا کہ میں مضلین کو اپنا مددگار نہ بنا سکتا تھا۔ پس مراد یہ ہے کہ پیدائش میں یہ خدا کے شریک یا معاون نہیں کہ ان کی فرمانبرداری کی جائے کیونکہ حق عبادت خلق سے پیدا ہوتا ہے۔

نمبر۱۔ مجمع البحرین دو دریاؤں یا دو سمندروں کے ملنے کی جگہ ہے اور اُبی سے مروی ہے کہ وہ افریقیہ میں ہے اور یہی صحیح ہے اس لیے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی بعثت سے پیشتر بھی اور بعثت سے بعد بھی مدت تک مصر میں رہے اور مجمع البحرین بحر ابیض اور بحر اسود یعنی دریائے نیل کی دونوں بڑی شاخوں کے ملنے کی جگہ ہے اور یہ خرطوم پر ملتے ہیں۔ یہاں سے وہ ذکر شروع ہوتا ہے جو حضرت خضرؑ کے قصہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس قصہ کے یہاں لانے کی غرض یہ ہے کہ ایک طرف عیسائیوں کے ان اعتراضات کا جواب دیا جائے جو وہ آنحضرت صلعم پر کرتے ہیں اکثر عیسائی مورخین اس بات کے قائل ہیں کہ مکہ میں آپ کی زندگی بالکل بے لوث تھی مگر مدینہ میں آکر بادشاہ بن کر لوگوں کو ناحق قتل کیا گیا۔ اس کا جواب یہاں دیا ہے کیونکہ سب سے بڑی بات جو حالات خضرؑ میں نظر آتی ہے وہ ایک ایسے شخص کا قتل ہے جس پر بظاہر الزام قتل کوئی نہ تھا اور باقی دو معاملات میں بھی آنحضرت صلعم کی صداقت کی طرف ہی اشارہ ہے دوسری طرف یہ بھی اس قصہ کے لانے کی غرض معلوم ہوتی ہے کہ یہ بتایا جائے کہ سلسلہ موسوی ایک محدود سلسلہ تھا جس کا پیغام کل دنیا کی طرف ہونا تو ایک طرف رہا وہ قومیں جو بنی اسرائیل سے بالکل قریب رہتی تھیں ان کے حالات سے بھی ان کو واقفیت نہ تھی۔ اور نہ وہ سلسلہ دوسری قوموں کی ہدایت کے لیے تھا بلکہ ان قوموں کو علیحدہ ہدایتیں دی گئی تھیں اور وہ ایسی ہدایتیں تھیں جن سے خود حضرت موسیٰؑ بھی ناواقف تھے۔

سب سے پہلے اس تذکرہ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا فی الواقع بھی حضرت موسیٰؑ نے کوئی ایسا سفر کیا۔ جو واقعات آپ کے بائبل میں موجود ہیں ان میں کوئی ایسا ذکر نہیں۔ نہ علمائے یہود کی روایات میں ایسا ذکر ہے۔ لیکن تورات میں یہ ذکر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی ایک بیوی اس علاقہ کی تھیں گنتی ۱۲ : ۱۔ اور علمائے یہود کی روایات میں جو ذکر حضرت موسیٰؑ کا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ ایتھیوپیا گئے تھے جو مصر کے جنوب میں ایک بادشاہت تھی جس کی جنوبی حد خرطوم ہے بلکہ یہ بھی ذکر ہے کہ اس ملک کے بادشاہ کی بیوہ کے ساتھ انھوں نے شادی بھی کی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ انہی کی تدبیر اور بہادری سے اس کو ایک بڑے قومی دشمن سے نجات ملی تھی۔ پس ان حالات کے ہوتے ہوئے حضرت موسیٰؑ کا ایسا سفر کرنا بالکل قرین قیاس ہے اور چونکہ مدین سے واپس آکر آپ کو بہت وقت مصر میں رہنا پڑا اس لیے اغلب یہی ہے کہ یہ سفر اس وقت پیش آیا۔ حضرت موسیٰؑ کے ساتھی کا نام یوشع ہے۔

نمبر۲۔ اگر صرف الفاظ قرانی کی تشریح مطلوب ہو تو اس میں چنداں دقت معلوم نہیں ہوتی۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ دریا کے کنارہ پر چل رہے تھے سفر میں جب ٹھہر جاتے ہوں گے تو مچھلی پکڑ لیتے ہوں گے تاکہ بھوک کے وقت غذا کا کام دے اور سہل ترین غذا یہی تھی جو اس حالت میں میسر آ سکتی تھی۔ لیکن احادیث میں یہ ذکر ہے

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا ۡ
لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿٦٢﴾

سو جب وہ دونوں آگے نکل گئے (موسیٰؑ نے) اپنے نوجوان (ساتھی) سے کہا ہمارا صبح کا ناشتہ لے آ ہمیں اس (آج کے) سفر سے تکان ہو گئی ہے۔[1]

قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ
فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ ۡ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ
اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ
فِي الْبَحْرِ ۖ عَجَبًا ﴿٦٣﴾

کہا دیکھئے، جب ہم نے چٹان پر پناہ لی تھی تو میں مچھلی بھول گیا اور شیطان نے مجھے بھلا دیا کہ اس کا ذکر کروں اور اس نے سمندر میں اپنا رستہ لے لیا، تعجب ہے۔[2]

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى
اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿٦٤﴾

کہا، یہی تو ہے جو ہم تلاش کرتے تھے، سو وہ دونوں اپنے (پاؤں کے) نشانوں کا پیچھا کرتے ہوئے واپس لوٹے۔[3]

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً
مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿٦٥﴾

پس انھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا فرمائی تھی اور اپنے پاس سے اسے علم سکھایا تھا۔[4]

کہ آپ کو حکم ہوا تھا کہ ایک مچھلی ساتھ لے لو۔ جہاں اسے بھول جاؤ وہیں وہ عبد صالح ملے گا اور بعض روایات میں جو اسے بھنی ہوئی مچھلی کہا گیا ہے تو یہ محض زوائد ہیں قرآن شریف میں یہ ذکر نہیں اور قصص کی حدیثیں خود محدثین کے نزدیک بھی یہ پایہ نہیں رکھتیں کہ ان کے لفظ لفظ کو رسول اللہ صلعم کی طرف سے سمجھا جائے۔ ہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ معمولی طور پر اگر کھانے کی مچھلی اسے سمجھا جائے تو قرآن شریف نے اس کا کیوں ذکر کیا۔ سو بات یہ ہے کہ بتانا یہ تھا کہ علم حاصل کرنے کے لیے انبیاء نے کیا کیا صعوبتیں اٹھائی ہیں اور علم سے کس قدر محبت رکھتے تھے کہ اتنا بڑا سفر اختیار کیا جس میں سواری کا بھی کوئی انتظام نہیں اور پھر غذا کے ساتھ لینے کا بھی کوئی اہتمام نہیں کیا بلکہ مچھلی پر ہی صبر کیا جو وہیں دریا کے کنارے سے مل جاتی تھی۔

نمبر۱۔ اتنے لمبے سفر میں حضرت موسیٰؑ نے کوئی تکان محسوس نہیں کی جب تک کہ حد مقررہ سے آگے نہیں نکل گئے۔

نمبر۲۔ اوی کے لفظ سے جس میں پناہ لینے کا مفہوم پایا جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے چٹان پر پناہ لی اور چونکہ ان کا سفر دریا کے کنارے کنارے تھا اس لیے پناہ سیلاب سے ہی لی ہوگی جو یکایک آ گیا۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کوئی ایسا وقت تھا جب آپ آرام کر رہے تھے تو گھبراہٹ میں اٹھنا پڑا۔ مچھلی کو بھول جانے کی بھی یہی وجہ ہے خواہ یہ خاص مچھلی ہو جو بطور نشان ساتھ لی گئی تھی یا محض کھانے کے لیے کوئی مچھلی دریا سے پکڑ کر ساتھ رکھی ہو۔

نمبر۳۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰؑ کے رفیق نے دو باتوں کا ذکر کیا ہے ایک چٹان پر پناہ لینے کا دوسرا مچھلی بھول جانے کا تو حضرت موسیٰؑ نے جو فرمایا ذالك ما كنا نبغ یہی ہم تلاش کرتے تھے۔ تو ممکن ہے ان کی مراد صخرۃ ہو یعنی صخرۃ ہی تو ہماری مقررہ جگہ تھی اور ممکن ہے مراد یہ ہو کہ مچھلی کا بھول جانا ہی نشان تھا۔ اکثر روایات میں تو نشان مچھلی کا بھول جانا ہی قرار دیا ہے اور ایک روایت میں یہی آتا ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ نے پتہ دریافت کیا تو آپ کو بتایا گیا عند الصخرة التي عندها العين اس چٹان کے پاس جس کے قریب چشمہ یا دریا ہے۔

نمبر۴۔ یہ بندہ کون تھا؟ احادیث میں ان کا نام خضر آیا ہے مگر ان کے بارہ میں اختلاف اقوال کی کوئی حد نہیں۔ بعض ان کو ولی۔ بعض نبی غیر مرسل بعض نبی رسول کہتے ہیں۔ بعض انھیں ایک فرشتہ قرار دیتے ہیں پھر کوئی کہتا ہے کہ وہ اب تک زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے یہاں تک کہ دجال کی تکذیب کریں اہل علم کہتے ہیں وہ مر گئے۔ صوفی کہتے ہیں وہ اب بھی موجود ہیں اور لوگ ان سے ملاقات بھی کرتے ہیں بعض ان سے علم سیکھنے کا بھی دعویٰ کرتے ہیں۔ صحیح یہی ہے کہ اگر انسان تھے تو فوت ہو چکے۔ اگرچہ جمہور نے خضر کو ولی یا نبی غیر مرسل مانا ہے لیکن ان کے جن حالات کا ذکر قرآن شریف میں ہے ان سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوم کی طرف رسول تھے گو لحاظ ضروریات قومی ان کی نبوت کا رنگ علیحدہ ہو۔

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ
تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝۶۶

موسیٰؑ نے اسے کہا میں تیرے ساتھ چلوں اس (شرط) پر کہ تو مجھے اس میں سے سکھائے جو بھلائی تجھے سکھائی گئی ہے ۱؎۔

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝۶۷

اس نے کہا تو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکے گا۔

وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝۶۸

اور تو کس طرح اس پر صبر کرے گا جس کی تجھے پوری پوری خبر نہیں۔

قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ
اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ۝۶۹

(موسیٰؑ نے) کہا تو مجھے انشاء اللہ صابر پائے گا اور میں کسی معاملہ میں تیری نافرمانی نہیں کرونگا۔

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْــَٔلْنِيْ عَنْ
شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝۷۰ ع

کہا اگر تو میرے ساتھ چلے تو مجھ سے کسی بات کا سوال نہ کرنا یہاں تک کہ میں خود تجھ سے اس کا ذکر کروں۔

فَانْطَلَقَا ۫ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِيْنَةِ
خَرَقَهَا ۭ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ
لَقَدْ جِئْتَ شَيْـــًٔا اِمْرًا ۝۷۱

پس وہ دونوں چلے۔ یہاں تک کہ کشتی میں سوار ہوئے تو اس نے کشتی کو پھاڑ دیا، (موسیٰؑ نے) کہا کیا تو نے اسے پھاڑ دیا تاکہ اس کے سواروں کو غرق کردے، یقیناً تو نے ایک خطرناک بات کی ہے ۲؎۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ
مَعِيَ صَبْرًا ۝۷۲

کہا، کیا میں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ تو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکے گا۔

قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا
تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ۝۷۳

(موسیٰؑ نے) کہا، آپ گرفت نہ کیجیئے جو میں بھول گیا اور میرے معاملہ میں مجھ پر تنگی نہ ڈالیے۔

نمبر۱۔ یہاں سے معلوم ہُوا کہ جو علم خضر کو دیا گیا وہ اور تھا۔ کیونکہ علم تو حضرت موسیٰؑ کو بھی دیا گیا تھا جیسا کہ فرمایا اٰتینٰہ حکما وعلما (القصص۔۱۴) اور چونکہ دو تو علم، علم دین ہیں اس لیے دین کا ایک علم حضرت موسیٰؑ کو دیا گیا جو اُن کی ضروریات کے مطابق تھا اور دین کا ہی ایک علم حضرت خضر کو دیا گیا جو اُن کی قوم کی ضروریات کے مطابق تھا اور یہ بھی سچ ہے کہ اپنی اپنی امت کے متعلق اللہ تعالیٰ بعض وقت اپنے انبیاء کو خاص واقعات کا علم دیتا ہے جہاں تک ظاہر نظریں نہیں پہنچ سکتیں اور وہ ایک ایسا فعل اس علم کی بنا پر کر لیتے ہیں جو ظاہر نظروں میں قابل اعتراض بھی ہوتا ہے لیکن اگر حقیقت پر غور کیا جائے اور ان کے سارے حالات کا مطالعہ کیا جائے تو وہ اعتراض نہیں رہتا۔

نمبر۲۔ اس رکوع میں ان تین واقعات کا ذکر ہے جو حضرت موسیٰؑ اور خضر کو پیش آئے۔ پہلا واقعہ کشتی کا توڑنا ہے خضر کے اس طرح کشتی توڑنے سے اور آگے غلام کو قتل کرنے سے بعض لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ خضر ایک ایسا انسان تھا جسے عام آنکھیں نہیں دیکھتی تھیں، صرف موسیٰؑ دیکھتے تھے۔ ورنہ لوگ اُسے کشتی توڑنے یا قتل کرنے سے روک دیتے تو یہ صورت مکاشفہ کی ہوگی یعنی وہ صورت جب خضر کوئی انسان نہیں بلکہ فرشتہ سمجھا جائے اور نووی نے تہذیب الاسماء میں لکھا ہے کہ خضر بادشاہت کے خاندان سے تھے اور ممکن ہے کہ انھیں خود بھی اس علاقہ میں کوئی ریاست یا بادشاہی حاصل ہو جس وجہ سے انھیں روکا نہیں گیا یا ان لوگوں کو اُن پر اس قدر اعتقاد ہو کہ ان کے فعل کو وہ ناپسندیدہ نگاہ سے نہ دیکھتے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ خرقہا سے مراد صرف اسی قدر ہو کہ اس کے توڑنے کا حکم دے دیا اور ایسا ہی غلام کے قتل کرنے میں بھی ممکن ہے مراد صرف اس کے قتل کا حکم ہو ایسے موقعہ پر اس قسم کے الفاظ کا بول دینا عام محاورہ ہے۔

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰىٓ اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

پھر دونوں چلے ، یہاں تک کہ جب ایک جوان سے ملے تو اس نے اسے قتل کر دیا (موسیٰؑ نے) کہا تو نے ایک بے گناہ جان کو بغیر جان کے (بدلہ کے) مار ڈالا یقیناً تو نے بہت بُری بات کی [1]۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾

کہا ، کیا مَیں نے تجھے نہیں کہا تھا کہ تُو میرے ساتھ صبر نہ کر سکے گا۔

قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾

(موسیٰؑ نے) کہا اگر مَیں تجھ سے اس کے بعد کسی بات کے متعلق سوال کروں تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھنا ، تُو میری طرف سے عذر (کی حد) کو پہنچ چکا۔

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰىٓ اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِۣ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ۭ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾

پھر دونوں چلے ۔ یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں کے پاس آئے جہاں کے لوگوں سے کھانا طلب کیا تو انھوں نے انکار کیا کہ ان کی مہمانی کریں ۔ پس انھوں نے اُس میں ایک دیوار پائی جو گرا چاہتی تھی ، تو (خضر نے) اسے کھڑا کر دیا (موسیٰؑ نے) کہا اگر تو چاہتا تو اس کی مزدوری لے لیتا ۔

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾

کہا ، یہ مجھ میں اور تجھ میں جدائی ہے ، اب مَیں تجھے اس کی اصل حقیقت سے خبر دیتا ہوں ، جس پر تو صبر نہیں کر سکا ۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا

جو کشتی تھی وہ تو مسکین لوگوں کی تھی ، جو دریا میں مزدوری کرتے تھے ، تو مَیں نے چاہا کہ اسے عیب دار

[1] نمبرا ۔ یہ دوسرا واقعہ ہے اور گو مفسرین نے عموماً اُسے بچہ قرار دیا ہے اس وجہ پر کہ اسے زکیۃ کہا گیا ہے لیکن اگر زکیۃ کے معنی بے گناہ بھی لیے جائیں تو مراد صرف اس قدر ہوگی کہ اس نے کوئی ایسا گناہ نہ کیا تھا جس کی وجہ سے اسے قتل کیا جاتا چنانچہ بغیر نفس اسی لیے بڑھایا ہے کہ اس نے کسی کو قتل نہیں کیا تھا اور یہ نابالغ بچہ نہ تھا بلکہ جوان تھا کیونکہ سزائے قتل بلوغت پر ہی وارد کی جاتی ہے ۔ جب سے دنیا پیدا ہوئی کسی شخص نے خواہ نبی ہو یا رسول ، بچوں کو اس لیے قتل نہیں کیا کہ وہ بڑے ہو کر گنہگار ہو جائیں گے ۔ اگر یہ بھی کوئی قانون ہوتا تو پھر چاہیئے یوں تھا کہ جتنے گنہگار ہونے والے ہوتے اللہ تعالیٰ انھیں بچپن میں ہی خود مار دیا کرتا یا کم سے کم کسی نبی کے وقت میں اسے ہی اطلاع دے دیا کرتا کہ فلاں بچہ گنہگار ہوگا اُسے قتل کر دو ۔

وَ كَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿٧٩﴾

کردوں اور اُن سے پرے ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک کشتی کو زبردستی پکڑ لیتا تھا[1]۔

وَ اَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ﴿٨٠﴾

اور جو جوان تھا تو اس کے ماں باپ مومن تھے تو ہم ڈرے کہ وہ انھیں سرکشی اور کفر میں مبتلا کر دے گا۔

فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّ اَقْرَبَ رُحْمًا ﴿٨١﴾

تو ہم نے چاہا کہ اُن کا رب انھیں صلاحیت میں اس سے بہتر اور رحم سے قریب تر (چیز) بدلہ میں دے[2]۔

وَ اَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَ كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَ يَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَ مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ؕ

اور جو دیوار تھی، تو وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی، اور اس کے نیچے اُن دونوں کا خزانہ تھا اور اُن کا باپ نیک تھا، سو تیرے رب نے چاہا کہ وہ اپنی قوت کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ (یہ) تیرے رب کی طرف سے رحمت (ہوئی) اور میں نے اپنے اختیار سے یہ نہیں کیا۔ یہ اس

نمبر ۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ کشتی کو صرف عیب دار کر دیا گیا تا کہ اپنے عیب کی وجہ سے ظلماً لیا جانے سے بچ رہے تو یہ ایک پُر حکمت فعل تھا اور اس میں حضرت خضر کو جو اطلاع تھی تو بوجہ حالات سے واقف ہونے کے تھی۔ وحی کے ذریعہ سے یہ اطلاع دی گئی کہ کشتی کو پھاڑ کر بچا دیں اسی کی طرف ما فعلته عن امری میں اشارہ ہے اور حضرت موسٰیؑ کو مقامی حالات کا علم نہ ہونے کی وجہ سے اس کی اطلاع نہ تھی اس لیے ان کے دل میں اعتراض پیدا ہوا اور رسول اللہ صلعم کے حالات کی طرف اس میں یوں اشارہ ہے کہ ملک عرب گویا ایک ایسی کشتی کا حکم رکھتا ہے جو عیب دار بنا دی گئی ہو تا کہ دنیا کے فاتحین کی حریص آنکھیں اس کی طرف نہ اٹھیں اور حاملانِ توحید کی قوم یہاں آزادی سے پرورش پائے۔

نمبر ۲۔ آثار میں ہے کہ یہ جوان فساد برپا کرتا تھا اور ایک روایت میں ہے کہ ڈاکے مارتا تھا اور پھر اپنے ماں باپ کے سامنے قسم کھا دیا کرتا تھا کہ میں نے ایسا فعل کوئی نہیں کیا تو وہ اس سے قصاص نہ لینے دیتے تھے اور اس کی حمایت کرتے تھے۔ خود قرآن شریف میں اوّل لفظ رھق موجود ہے اور ارھق کے معنی خفیة بفجر جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ والدین پر بھی کچھ جبر کرتا تھا۔ دوسرے لفظ طغیان موجود ہے جس کے معنی حد سے گزر جانا تو یہاں کفر میں حد سے گزرنے کا ذکر نہیں کیونکہ کفر کا لفظ الگ بعد میں لایا گیا ہے بلکہ فساد اور قانون کی نافرمانی میں حد سے گزرنا ہے اور دوسرے کو طغیان میں وہی مبتلا کر سکتا ہے جو پہلے خود اس کا ارتکاب کرتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ واقعی یہ شخص مفسد تھا۔ تیسرے خیراً منه زکوٰة بھی بتاتا ہے کہ اس میں صلاحیت نہ تھی اور چہارم اقرب رحما سے ظاہر ہے کہ اس میں رحم نہ تھا تو ان الفاظ قرآنی اور آثار سے ظاہر ہے کہ یہ جوان کوئی مفسد تھا جو بوجہ اپنے والدین کی عزت اور مرتبت کے یا ان کی حمایت کے قانون کی گرفت سے بچا ہوا تھا اور اس کا فساد ظاہر رنگ میں آشکارا نہ تھا اس لیے حضرت موسٰیؑ کو اعتراض ہوا مگر حضرت خضر کو بوجہ علم حالات اصل حقیقت سے آگہی بھی تھی اور اللہ تعالیٰ کا حکم بھی آ گیا کہ بغیر اس کے قتل کے اس کا فساد رفع نہیں ہو سکتا اور نبی صلعم کے حالات کی طرف یوں اشارہ ہے کہ آپ کو تلوار محض لوگوں کے فساد کے دور کرنے کے لیے اٹھانی پڑی اور بعض واقعات قتل بھی ایسے ہیں جیسے کعب بن اشرف یہودی کا قتل اگر ان مفسدوں کو قتل نہ کیا جاتا اور ان سے جنگ نہ کی جاتی تو امن قائم نہ ہو سکتا تھا نہ حق زندہ رہ سکتا تھا۔

ذٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿۸۲﴾ کی اصل حقیقت ہے جس پر تو صبر نہ کر سکا۔¹

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ۖ قُلْ اور تجھ سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کرتے ہیں، کہہ میں اس

سَأَتْلُوا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۸۳﴾ کا کچھ ذکر تم پر پڑھوں گا۔²

إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِنْ ہم نے اُسے زمین میں طاقت دی تھی اور ہر قسم کا سامان

كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿۸۴﴾ اُسے دیا تھا۔

فَأَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾ سو وہ ایک راہ پر چلا۔

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا یہاں تک کہ جب وہ (ادھر) پہنچا، جدھر سورج ڈوبتا تھا،

تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَوَجَدَ عِنْدَهَا اسے ایک سیاہ کیچڑ والے پانی میں غائب ہوتا ہوا پایا اور

قَوْمًا ۗ قُلْنَا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِمَّا اس کے پاس ایک قوم کو (بھی) پایا۔ ہم نے کہا، اے

أَنْ تُعَذِّبَ وَإِمَّا أَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ ذوالقرنین! چاہو تو سزا دو اور چاہو تو ان سے بھلائی

حُسْنًا ﴿۸۶﴾ کا معاملہ کرو۔³

قَالَ أَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ اس نے کہا جو ظلم کرے ہم اُسے سزا دیں گے، پھر وہ اپنے رب

نمبر۱۔ دیوار بلا اُجرت بنا دینے کی وجہ یہ بتائی کہ گو انھوں نے خود تو ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا مگر ان کا والد نیک آدمی تھا اس کی نیکی کی وجہ سے اُن نا اہل لوگوں کے ساتھ بھی نیکی کرنا ضروری تھا اور اسی معاملہ کو رحمۃ من ربک کہا ہے اور یہاں بھی رسول اللہ صلعم کے حالات کی طرف اشارہ ہے اور دو یتیم غلام یہی یہود و نصاریٰ ہیں جن کی دیوار کو سیدھا کر دیا یعنی جو اصلاح کا کام وہ خود نہ کر سکتے تھے وہ رسول اللہ صلعم سے کرا دیا اور اب صالح حضرت ابراہیم ہیں۔

نمبر۲۔ ذوالقرنین کے لفظی معنے ہیں دو سینگوں والا اور بائبل میں دانیال کی رؤیا میں دو سینگ والے مینڈھے کا ذکر ہے اور اس کی تعبیر بھی وہیں موجود ہے کہ وہ مینڈھا جسے تو نے دیکھا کہ اس کے دو سینگ ہیں سو مادہ اور فارس کے بادشاہ ہیں۔ (دانیال ۸ : ۲۰) مادہ اور فارس کے بادشاہوں میں سے دارائے اول ۵۲۱ ق م تا ۴۸۵ ق م قبل مسیح) وہ شخص ہے جس پر قرآن شریف کا بیان جو یہاں ذوالقرنین کے متعلق ہے صادق آتا ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق لکھا ہے کہ دارا ایران کی شہنشاہیت کی تنظیم کرنے والا تھا۔ اس کی فتوحات نے اس کی سلطنت کی حدود کو آرمینیا اور کوہ قاف اور ہندوستان اور تورانی پہاڑوں اور وسط ایشیا کے مرتفع میدانوں میں درست کر دیا۔

نمبر۳۔ مغرب الشمس کے معنی ہیں منتھی الارض من جھۃ المغرب یعنی مغرب کی طرف الارض کا انتہائی مقام مگر الارض سے مراد یہاں روئے زمین لینا غلطی ہے اس سے مراد اس کا اپنا ملک ہے پس مغرب الشمس سے مراد اس کے ملک کی مغربی حد ہے نہ کچھ اور وہیں تک وہ جا بھی سکتا تھا۔ عین حمئۃ یا سیاہ کیچڑ والا پانی، بحیرہ اسود ہی جس کا نام بسبب اس کے پانی کی سیاہی کے اسود ہے اور اس کی سیاہی کی وجہ یہ ہے اس کی مٹی کا سیاہ ہونا ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ دارائے اول کی حکومت مغرب میں بحیرہ اسود تک پہنچی ہوئی تھی۔ سب سے پہلے قرآن کریم نے دارا کے مغربی سفر کا ذکر کیا ہے جو بحیرہ اسود پر جا کر ختم ہو گیا۔ اس کے بعد سفر مشرق کا ذکر آتا ہے اور اس کے بعد شمال کے سفر کا جو کوہ قاف کی طرف تھا۔ قرآن کریم نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ واقعی سورج سیاہ پانی میں غروب ہوتا تھا بلکہ ذوالقرنین نے ایسا پایا کیونکہ جب وہ خشکی کی سرحد پر پہنچ گیا، تو آگے پانی ہی پانی تھا اور اسی میں اسے سورج ڈوبتا ہوا معلوم ہوا۔

ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿٨٧﴾

کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ اسے بہت بڑا عذاب دے گا۔

وَأَمَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ
جَزَاءً الْحُسْنَىٰ ۖ وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ
أَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾

اور جو کوئی ایمان لاتا ہے اور اچھے عمل کرتا ہے، تو اس کے لیے بہت اچھا بدلہ ہے اور ہم اسے اپنے معاملہ میں سہل بات کہیں گے ۱۔

ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾

پھر وہ ایک (اور) راہ پر چلا۔

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا
تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَل لَّهُم مِّن
دُونِهَا سِتْرًا ﴿٩٠﴾

یہاں تک کہ جب وہ (ادھر) پہنچا جدھر سورج نکلتا تھا تو اسے ایک ایسی قوم پر نکلتے ہوئے پایا جن کے لیے ہم نے اس سے بچنے کے لیے کوئی اوٹ نہیں بنائی تھی ۲۔

كَذَٰلِكَ ۖ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٩١﴾

ایسا ہی تھا اور جو اس کے پاس تھا ہمیں اس کا پورا علم تھا۔

ثُمَّ أَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٩٢﴾

پھر ایک (اور) راہ پر چلا۔

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ
مِن دُونِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُونَ
يَفْقَهُونَ قَوْلًا ﴿٩٣﴾

یہاں تک کہ جب وہ دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا تو اُن سے ورے ایک قوم کو پایا جو قریب نہ تھا کہ بات سمجھیں ۳۔

قَالُوا يَا ذَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ
مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ
لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَن تَجْعَلَ بَيْنَنَا
وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٩٤﴾

انھوں نے کہا، اے ذوالقرنین! یاجوج اور ماجوج اس ملک میں فساد کرنے والے ہیں، تو کیا ہم تیرے لیے کچھ خرچ مہیّا کر دیں، تاکہ تو ہمارے اور اُن کے درمیان ایک روک بنا دے ۴۔

نمبر۱۔ یہاں ایسے ہی دو گروہوں کا ذکر ہے جو انبیاء کے معاملہ میں ہو جاتے ہیں یعنی ایک گروہ تو وہ جو ایمان لاتا اور عمل صالح کرتا ہے اور دوسرا گروہ محض منکروں کا نہیں ہوتا بلکہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو حق کی مخالفت کرتے اور اہل حق پر ظلم کرتے ہیں جس کو یہاں ظلم کہا ہے۔

نمبر۲۔ یہ ذوالقرنین کا مشرقی سفر ہے جو حدود کی مضبوطی کے لیے کیا اور اس طرف اس کی مملکت کی انتہا اس قوم پر بتائی ہے جو عمارتیں بنا کر نہ رہتے تھے یعنی خانہ بدوش اقوام تھیں۔

نمبر۳۔ یہاں سدّین سے مراد جیسا کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے آرمینیا اور آذربائیجان کے دو پہاڑ ہیں۔
لا یکادون یفقھون قولا سے مراد ہے کہ وہ زبان نہ سمجھتے تھے یعنی ان کی زبان اور تھی۔ یہ ذوالقرنین کا شمالی سفر ہے اور سب سے زیادہ خطرہ اسی طرف سے تھا۔

نمبر۴۔ یاجوج و ماجوج آدم کی نسل سے ہیں جیسا کہ صحیحین سے ثابت ہے اور بعض الفاظ جو احادیث میں آتے ہیں جن سے بعض کو یہ خیال گزرتا ہے کہ وہ غاری

قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي
بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٩٥﴾
آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ
بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انفُخُوا ۖ حَتَّىٰ إِذَا
جَعَلَهُ نَارًا قَالَ آتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴿٩٦﴾
فَمَا اسْطَاعُوا أَن يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا
لَهُ نَقْبًا ﴿٩٧﴾

اس نے کہا جو میرے رب نے مجھے طاقت دی ہے وہ بہتر ہے سو تم مجھے (اپنی) قوت سے مدد دو، میں تمھارے اور اُن کے درمیان ایک دیوار بنا دوں گا[١] میرے پاس لوہے کے (بڑے بڑے) ٹکڑے لے آؤ، پھر جب اس نے پہاڑ کی دونوں طرفوں کے درمیان (دیوار کو) برابر کر دیا، کہا دھونکو یہانتک کہ جب اُسے آگ (کی طرح) کر دیا کہا مجھے پگھلا ہُوا تانبا لا دو تاکہ اس کے اوپر ڈالوں[٢] سو نہ تو وہ اس قابل تھے کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ اس میں سوراخ کر سکتے تھے[٣]

طرح کے آدمی نہیں تو لازماً وہ استعارکہ رنگ کے ہیں اور اس بارہ میں سب روایات قابل قبول ہی نہیں۔ مثلاً یہ قول جو حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب ہے کہ اُن کے قد ایک بالشت اور دو بالشت یا زیادہ سے زیادہ تین بالشت ہیں۔ یا یہ کہ ان میں سے ایک مرتا ہے تو ایک ہزار ذریت چھوڑتا ہے اور بائبل میں ہے "خداوند کا کلام مجھ کو پہنچا اور اس نے کہا کہ اے آدم زاد تو جوج کے مقابل جو ماجوج کی سرزمین کا ہے اور روش اور مسک اور توبال کا سردار ہے اپنا منہ کر اور اس کے برخلاف نبوت کر اور کہہ کہ خداوند یہوواہ یوں کہتا ہے کہ دیکھ لے جوج روش اور مسک اور توبال کے سردار میں تیرا مخالف ہوں اور میں پھر تجھے پھرا دوں گا اور تیرے جبڑوں میں بنیاں ماروں گا۔" (حزقی ایل - ۳۸ : ١-۴)۔ یہاں تین نام یاجوج ماجوج کے ذکر میں آئے ہیں۔ روش، مسک اور توبال۔ یاجوج ماجوج کا کوہ قاف کے شمال میں ہونا ایک امر مسلّم ہے جیسے یہودی انسائیکلوپیڈیا اور انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا دونوں میں صحیح تسلیم کیا گیا ہے۔ کوہ قاف کے شمال میں روس بھی ہے اور مسک اور توبال بھی موجود ہیں۔ مؤخر الذکر دونوں ناموں کے دو دریا (مسکو اور توبال) کوہ قاف کے شمال میں ملک روس میں بہ رہے ہیں۔ اور ان میں سے اوّل پر ماسکو کا قدیم شہر آباد ہے اور مؤخر الذکر پر توبالسک۔ اور یہ تو یقینی امر ہے کہ جوج یا یاجوج جس کا بیان ذکر ہے اس سے مراد روس ہی ہے نہ کچھ اور اور یہ سلافی قوموں کا مسکن ہے۔ آیا ماجوج ٹیوٹن قوموں کا مسکن ہے یا نہیں۔ گو اس کی تائید میں کوئی دلائل پیش نہیں کر سکتا لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ ماجوج سے مراد بھی انہی قوموں کا کوئی دوسرا بڑا عظیم الشان حصہ ہے اور لندن کے گلڈہال کے سامنے یاجوج اور ماجوج کے بُت بھی پُرانے زمانے سے چلے آتے ہیں۔

نمبر١۔ یہ دیوار جس کا یہاں ذکر ہے وہ مشہور دیوار ہے جو دربند پر جو بحیرہ خضر کے کنارے پر واقع ہے بنی ہوئی ہے انسائیکلوپیڈیا بریٹینیکا میں اس دیوار کا حسب ذیل ذکر ہے۔ "دربند ایران کا ایک شہر ہے جو علاقہ قاف میں داغستان کے صوبہ میں ہے اور بحیرہ خضر کے مغربی کنارہ پر ہے۔ یہ سمندر کے ساتھ ہی ایک تنگ قطعہ زمین پر واقع ہے جہاں سے یہ ڈھلوان بلندیوں پر خشکی کے اندر کو چلا گیا ہے اور جنوب کی طرف دیوار قاف کا سمندر کی طرف کا سرا واقع ہے جو پچاس میل لمبی ہے جسے سدِّ سکندر کہتے ہیں جس کی وجہ سے بابِ حدید یا بابِ خضر کا تنگ درہ رکھا گیا ہے یہ دیوار جب سالم تھی تو ۲۹ فٹ اونچی تھی اور موٹائی میں تقریباً دس فٹ تھی اور اپنے لوہے کے دروازوں اور بے شمار حفاظت کے بُرجوں کے ساتھ سرحد ایران کا نہایت قیمتی استحکام تھی۔" اس دیوار کا شمالی سرحد پر ایران کی حفاظت کا ذریعہ ہونا جیسے یہاں تسلیم کیا گیا ہے بالکل قرآن شریف کے بیان کے مطابق ہے اور اسے جو سدِ سکندر کہا جاتا ہے تو اس کی وجہ مسلمان تاریخ نویسوں کی یہ غلطی معلوم ہوتی ہے کہ وہ ذوالقرنین سے مراد سکندر لیتے ہیں۔

نمبر٢۔ یہ دیوار لوہے کی بنی ہوئی نہ تھی بلکہ پتھروں کی تھی، جس پر خود لفظ رَدم شاہد ہے۔ لوہے کے ٹکڑے دروازوں کے لیے منگوائے اس دیوار کی جو کیفیت اوپر بیان ہوئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ اس میں لوہے کے دروازے تھے کس قدر قرآن کریم کے علم غیب پر زبردست دلیل ہے۔

نمبر٣۔ یعنی یہ دیوار اُن شمالی قوموں کے لیے روک ہو گئی، نہ وہ اس کے اوپر چڑھ سکتے تھے نہ نقب لگا سکتے تھے اس لیے کہ جا بجا اس میں بُرج تھے جن میں فوج رہتی تھی۔

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ ۚ فَاِذَا جَآءَ
وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ
وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ﴿٩٨﴾

کہا یہ میرے رب کی رحمت ہے، پس جب میرے ربّ کا وعدہ
آجائے گا تو اسے ہموار (زمین) کردے گا اور میرے رب کا
وعدہ سچّا ہے ۱۔

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ
وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾

اور ہم انھیں اس دن ایک دوسرے پر موجیں مارتے ہوئے چھوڑ دیں گے
اور صور پھونکا جائے گا پس ہم اُن کو اکٹھا کردیں گے ۲۔

وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿١٠٠﴾

اور اس دن ہم دوزخ کو کافروں کے سامنے لے آئیں گے۔

الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ
ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ﴿١٠١﴾

وہ جن کی آنکھیں میرے ذکر سے پردے میں تھیں اور
وہ سن بھی نہ سکتے تھے۔

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا
عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا
جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾

تو کیا جو کافر ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ میرے مقابل میں میرے بندوں
کو کارساز بنائیں، ہم نے دوزخ کو کافروں کے لیے مہمانی کے
طور پر تیار کیا ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ﴿١٠٣﴾

کہہ کیا ہم تمھیں عملوں میں بہت بڑھ کر گھاٹے میں رہنے والوں کی خبر دیں۔

اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾

وہ جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ
وہ صنعت کے بہت اچھے کام بنا رہے ہیں ۳۔

نمبر۱۔ مطلب یہ کہ یہ روک آخرکار تباہ ہوجائے گی اور پھر یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ خروج اسی دیوار کی جگہ سے ہو نہ یہ ضروری ہے کہ وہی قوم نکلے بلکہ اس قوم کی نسل یا اسی قسم کی اور قومیں مراد ہوسکتی ہیں اور ایک حدیث میں خود یہ لفظ آتے ہیں کہ نبی صلعم نے فرمایا کہ آپ کی بعثت کے وقت اس دیوار میں ایک چھوٹا سا سوراخ کرلیا گیا ہے۔ تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ ان قوموں کے خروج اور دنیا پر غالب آنے کا وقت قریب آگیا ہے۔

نمبر۲۔ یہ انہی اقوام کی حالت ہے جن کے خروج کی طرف آیت ماقبل میں اشارہ ہے خود قرآن کریم میں دوسری جگہ صاف الفاظ میں ہے حتی اذا فتحت یاجوج وماجوج وھم من کل حدب ینسلون (الانبیاء ۲۱-۹۶) یعنی جب یاجوج ماجوج کا خروج ہوگا تو وہ ہر ایک بلندی سے نکل پڑیں گے جس سے مراد یہ ہے کہ کل دنیا پر غالب ہوجائیں گے اور حدیث مسلم میں ہے لایدان لاحد بقتالھم ان کے ساتھ جنگ کرنے کی کسی کو طاقت نہ ہوگی قرآن وحدیث کی یہ متفقہ شہادت ایک ذرہ بھر بھی شبہ باقی نہیں چھوڑتی کہ یاجوج وماجوج کون سی قومیں ہیں اور کہ ان کا خروج ہوچکا ہے وہ یہی یورپین اقوام ہیں، سلافی ہوں یا ٹیوٹن جنھوں نے دنیا پر ایسا غلبہ حاصل کیا ہے کہ کوئی بلندی ان کے تصرف سے باہر نہیں رہ گئی اور یہ دنیا کی تاریخ میں ایک بےنظیر امر ہے اور اس آیت میں ان کی اپنی حالت کا ذکر ہے کہ ہم انھیں ایسی حالت میں چھوڑ دیں گے جب وہ ایک دوسرے پر موجیں مارتے ہوں گے یعنی ساری دنیا پر غالب آکر پھر آپس میں لگ جائیں گے خواہ وہ جنگ کے ذریعہ سے ہو جیسا کہ گذشتہ جنگ یورپ میں ہوا یا اور کسی ذریعہ سے اور ان کے جمع ہونے میں اشارہ شاید دین حق پر یعنی اسلام پر جمع ہوجانا ہو یعنی اکثر حصہ ان کا اسلام قبول کرلیگا اور اسی کے بالمقابل اگلی آیت میں کافروں کا ذکر ہوسکتا ہے۔

نمبر۳۔ ابن عباسؓ سعد بن ابی وقاصؓ اور مجاہدؒ سے مروی ہے کہ جن لوگوں کا یہاں ذکر ہے وہ یہود ونصاریٰ ہیں اور حق یہ ہے کہ جس قدر یہ الفاظ آج نصاریٰ

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِـَٔايَٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهِۦ فَحَبِطَتْ أَعْمَٰلُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَٰمَةِ وَزْنًا ﴿١٠٥﴾

یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی باتوں اور اس کی ملاقات کا انکار کیا ، سو اُن کے عمل اُن کے کام نہ آئے اس لیے ہم قیامت کے دن ان کے لیے وزن قائم نہیں کریں گے ۔

ذَٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوٓا ءَايَٰتِى وَرُسُلِى هُزُوًا ﴿١٠٦﴾

یہ اُن کی سزا ہے (یعنی) دوزخ - اس لیے کہ انھوں نے کفر کیا اور میری باتوں اور میرے رسولوں کو ہنسی بنایا -

إِنَّ الَّذِينَ ءَامَنُوا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحَٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿١٠٧﴾

جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں ان کے لیے فردوس کے باغ مہمانی ہیں -

خَٰلِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿١٠٨﴾

انہی میں رہیں گے وہاں سے جگہ بدلنا نہیں چاہیں گے ۔

قُل لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَٰتِ رَبِّى لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَٰتُ رَبِّى وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِۦ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾

کہہ اگر سمندر میرے رب کے کلمات کے لیے سیاہی بن جائے تو سمندر ختم ہو جائیگا قبل اس کے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں گو ہم اسی جیسا (اور اس کی) مدد کو لائیں ۔ ملا

قُلْ إِنَّمَآ أَنَا۠ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰٓ إِلَىَّ أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ فَمَن كَانَ يَرْجُوا

کہہ میں صرف تمھاری طرح بشر ہوں (لیکن) میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے ملا پس جو کوئی اپنے رب

قوموں کی حالت پر صادق آتے ہیں ایسا کسی قوم پر صادق نہیں آئے یورپ و امریکہ کی نصاریٰ اقوام دنیا میں بکلی منہمک ہیں شب و روز یہی فکر ہے کہ دنیا میں کس طرح ترقی کریں مال دولت کن کن ذرائع سے آسکتا ہے ضل سعیھم فی الحیوٰۃ الدنیا اور اس کوشش کا برباد ہونا اس لیے کہا کہ ان چیزوں کو اخلاق انسانی سے کچھ تعلق نہیں اور جو چیز باقی رہتی ہے وہ اخلاق سے ہی تعلق رکھتی ہے اور صنع کے لفظ میں ان کے ہاتھ کی کاریگری کے کاموں کی طرف اشارہ کیا ہے جس میں یہ اقوام کل دنیا پر سبقت لے گئی ہیں۔

نمبرا- اصل مضمون تو یہ تھا کہ جو لوگ مسیح کو خدا بناتے ہیں وہ غلطی پر ہیں اور انہی کے مقابل پر ایمان والوں کا ذکر کیا تھا - اس مضمون کا کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات لاانتہا ہیں یہاں کیا تعلق ہے قرآن کریم میں ہے اِنَّمَآ اَمْرُہٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (۳۶ : ۸۲) جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق اس کے کلمہ سے پیدا ہوتی ہے اور حضرت مسیح کو جو کلمۃ اللہ کہا ہے تو اس سے بھی اصل مراد یہی ہے کہ وہ اس کی مخلوق ہے نہ خدا یا خالق - اور عیسائیوں نے چونکہ مسیح کے کلمہ ہونے پر بڑی ٹھوکر کھائی ہے اور وہ کلمہ کو خدا کا مترادف ہی قرار دیتے ہیں "اور کلام خدا تھا" (یوحنا - ۱ : ۱) تو اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا ہے کہ ساری مخلوق ہی اس کے کلمے ہیں ایک مسیح ہی کلمہ نہیں ۔

نمبر۲- سورت کا خاتمہ ایک ایسی آیت پر کیا ہے جو نہ صرف عیسائی مذہب کی بنیاد ہی کو گرا دیتی ہے بلکہ انسان کے سامنے ترقیات کا ایک نہایت کھلا میدان لا کر اسے اعلیٰ سے اعلیٰ منازل روحانی پر پہنچنے کی خوشخبری سناتی اور ان منازل کو حاصل کرنے کے لیے اس کی ہمت بندھاتی ہے - میں تمھاری طرح ایک بشر ہوں - پس تم میری پیروی کر سکتے ہو لیکن جو تمھارے اعتقاد میں تم جیسا بشر نہ تھا خدا تھا اس کی پیروی تم کیوں کر کر سکتے ہو اس کا آنا نہ آنا تمھارے لیے برابر ہے - دوسری طرف بشر مثلکم کہہ کر ہمیں یہ خوشخبری سنائی کہ وہ مقاماتِ عالیہ جن پر محمد رسول اللہ صلعم پہنچے اپنی اپنی استعداد کے مطابق تم بھی حاصل کر سکتے ہو۔

لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا — کی ملاقات کی امید رکھتا ہے تو چاہیئے کہ وہ اچھے عمل کرے اور
يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ — اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ (۱۹)

اٰیاتہا ۹۸ — رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿۱﴾ — کافی، ہادی، برکت والا، عالم، صادق (خدا)[۲]

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿۲﴾ — (یہ) تیرے رب کی رحمت کا ذکر اپنے بندے زکریاؑ پر ہے۔

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ﴿۳﴾ — جب اس نے اپنے رب کو چپکے سے پکارا[۳]

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَ — کہا، میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور سر بالوں
اشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ — کی سفیدی سے شعلے مار رہا ہے اور میرے رب تجھ سے
بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ﴿۴﴾ — دعا کر کے میں محروم نہیں رہا۔

وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ — اور میں اپنے بھائی بندوں سے اپنے پیچھے ڈرتا ہوں اور میری عورت
امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ﴿۵﴾ — بانجھ ہے سو اپنے پاس سے مجھے کوئی وارث عطا فرما

نمبر۱۔ اس سورت کا نام مریم ہے اور یہ نام خود نبی کریم صلعم سے مروی ہے اور اس میں چھ رکوع اور اٹھانوے آیات ہیں اور مریم حضرت عیسٰی علیہ السلام کی والدہ کا نام ہے اور چونکہ اس سورت میں حضرت عیسٰی کا ذکر کر کے عیسائیت پر اتمام حجت کیا ہے اس لیے اس سورت کا نام حضرت عیسٰیؑ کی والدہ کے نام پر رکھا ہے۔ اس سورت کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ اس میں تمام انبیاء کی بیگناہی یا عصمت پر زور دیا گیا ہے اور یوں حضرت عیسٰی کا جو خاص امتیاز عیسائی قائم کرتے ہیں اسے باطل کیا گیا ہے اس کے ساتھ سورت کا نام مریم رکھ کر یہ توجہ دلائی ہے کہ عیسائیوں کے عقیدہ کے بموجب گناہ دنیا میں عورت کی وجہ سے آیا پس اگر وہ گناہ ورثہ میں ملتا ہے جس کی وجہ سے تمام انبیاء کو گنہگار قرار دیا جاتا ہے تو حضرت عیسٰی بھی اس سے خالی نہیں جو ایک عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور خود ان کی اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ "وہ جو عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے کیونکر پاک ٹھہرے" (ایوب ۲۵ : ۴) پچھلی سورت میں عیسائیت کی تاریخ بیان کی تو یہاں اس کے اعتقاد کا ذکر کیا۔ چونکہ اس سورت کا پانچویں سال بعثت میں نجاشی کے سامنے پڑھا جانا ثابت ہے اس لیے اس کا نزول مکہ میں پانچویں سال سے پہلے کا ہے۔

نمبر۲۔ کٓھٰیٰعٓصٓ۔ اُمّ ہانیؓ نے رسول اللہ صلعم سے ان حروف کے معانی میں روایت کی ہے کہ اس سے مراد اسمائے الٰہی کاف ہاد عالم صادق ہیں۔ اس صورت میں یا بطور حرف ندا ہوگی اور ابن اثیر میں سعید بن جبیر کی تفسیر میں (لفظ عین کے نیچے) مذکور ہے کاف ہادی امین عزیز صادق جہاں یا کو یمین کے قائم مقام ٹھہرایا ہے اور یا من اور یمین کے معنی برکت والا دیئے ہیں۔

نمبر۳۔ اور چونکہ اصل غرض اس سورت کی عیسائیت پر اتمام حجت ہے اور یہ اتمام حجت حضرت عیسٰی کی خاص بیگناہی کو جس پر عیسائی زور دیتے ہیں مٹا کر کیا ہے اور تمام انبیاء کو بے گناہ ثابت کیا ہے اس لیے سورت کی ابتدا اس شخص کے ذکر سے کی ہے جس کے متعلق خود عیسائیوں کی کتابوں میں یہ اعتراف موجود ہے کہ وہ خدا کے حضور راستباز اور بے عیب تھا نہ صرف وہی بلکہ اس کی بیوی بھی باوجود عورت ہونے کے بیگناہ تھی دیکھو لوقا ۱ : ۶ +

يَّرِثُنِيْ وَ يَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ
رَبِّ رَضِيًّا ۝۶

جو میرا ورثہ لے اور آلِ یعقوب کا ورثہ لے اور اے میرے
رب اسے پسندیدہ بنائیو[1]

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ اسْمُهٗ يَحْيٰى
لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝۷

اے زکریاؑ ہم تجھے ایک لڑکے کی خوش خبری دیتے ہیں اس کا نام یحییٰ
ہے ہم نے اس کا کوئی نظیر پہلے نہیں بنایا[2]

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّ كَانَتِ
امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّ قَدْ بَلَغْتُ مِنَ
الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝۸

کہا، میرے رب میرے لڑکا کیسے ہوگا اور میری عورت بانجھ
ہے۔ اور مَیں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ
گیا(ہوں)

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ
وَّ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ تَكُ شَيْئًا ۝۹

کہا ایسا ہی ہوگا، تیرے رب نے فرمایا ہے۔ یہ مجھ پر آسان
ہے اور پہلے میں نے تجھے پیدا کیا اور تو کچھ چیز نہ تھا۔

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ
اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝۱۰

کہا میرے رب میرے لیے کوئی نشان مقرر کردے کہا تیرے لیے
نشان یہ ہے کہ تو تین راتیں صحیح وسالم رہ کر لوگوں سے بات نہ کرے۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى
اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا ۝۱۱

سو وہ عبادت گاہ سے اپنی قوم پر نکلا تو انھیں اشارہ سے کہا کہ
صبح اور شام تسبیح کرو۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَ اٰتَيْنٰهُ
الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝۱۲

اے یحییٰؑ کتاب کو مضبوطی سے پکڑ۔ اور ہم نے اسے لڑکپن
کی حالت میں فہم دیا[3]

نمبر۱۔ اہلِ تشیع نے اور ان کے تتبع میں بعض اور لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ یہاں یرثنی سے مراد یہ ہے کہ میری جائداد کا وارث ہو مگر اس سے بڑھ کر ایک راستباز کی کوئی ہتک نہیں ہو سکتی کہ اس کے متعلق یہ کہا جائے کہ بڑھاپے کو پہنچکر اور موت کا نظارہ سامنے دیکھ کر اسے یہ فکر ہوا کہ میری جائداد کو چچا کے بیٹے سنبھال لیں گے اس لیے وہ دعا کرتا ہے کہ مجھ کو ایک بیٹا ملے جو اس جائداد کو سنبھال لے۔ راستبازوں کی وراثت علم اور ہدایت کی ہوتی ہے۔

نمبر۲۔ اگر سمی کے معنی ہمنام لیے جائیں تو مراد ہوگی کہ اس خاص گھرانے میں پہلے اس نام کا کوئی آدمی نہیں ہوا۔ دیکھو لوقا ۱: ۶۱ مگر سمی کے معنے نظیر ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جن خصوصیات کو یحییٰؑ لے کر آتا ہے وہ سلسلہ اسرائیلی میں اور کسی کو نہیں دی گئیں اور یہ ان کی نبوت کی طرف اشارہ ہے کیونکہ سلسلہ اسرائیلی میں ہر ایک نبی خاص صفات کا مظہر ہو کر آتا تھا جن کا مظہر دوسرا نبی نہ ہوتا تھا۔

نمبر۳۔ کتاب سے یہاں مراد حضرت یحییٰ کی اپنی کتاب ہے اور یہ ان کے زمانہ نبوت کا ذکر ہے اور آگے جو آتا ہے وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا تو یہ پہلے زمانہ کا ذکر ہے یعنی وہ باتیں جن کی ضرورت نبوت کے لیے ہوتی ہے وہ شروع سے دی جاتی ہیں جیسے فہم یا حکمت، رحم دلی، پاکیزگی، بدیوں سے بچنا اور یوں عصمت انبیاء کے اصول کو ساتھ ہی قائم کیا ہے۔

وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۚ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿١٣﴾
اور اپنے پاس سے رحمدلی اور پاکیزگی (دی تھی) اور وہ (گناہ سے) بچنے والا تھا[1]

وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿١٤﴾
اور اپنے ماں باپ سے نیکی کرنے والا اور سرکش نافرمان نہیں تھا۔

وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ
وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾
اور اس پر سلامتی ہے جس دن وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے اور جس دن وہ زندہ اٹھایا جائے گا[2]

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ
مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿١٦﴾
اور کتاب میں مریم کا ذکر کر، کہ جب وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر ایک مشرقی مکان میں چلی گئی[3]

فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۚ فَاَرْسَلْنَآ
اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿١٧﴾
پس اس نے ان سے پردہ کر لیا سو ہم نے اپنے کلام کو اس کی طرف بھیجا تو وہ اس کے سامنے ایک پورے انسان کی شکل میں آیا[4]

قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ
كُنْتَ تَقِيًّا ﴿١٨﴾
کہا، میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں، اگر تو متقی ہے۔

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ
لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ﴿١٩﴾
اس نے کہا، میں صرف تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا بخشوں[5]

نمبر۱۔ یہاں تین چیزوں کا ذکر ہے جو انبیاء کو شروع سے دی جاتی ہیں جن میں سے پہلی چیز شفقت علیٰ خلق اللہ ہے جو رحم دلی سے پیدا ہوتی ہے اور دوسری بات زکوٰۃ ہے یعنی طاہر الخلق ہونا یا نیکیوں میں ترقی کرنے والا اور تیسری اتقاء یعنی بدیوں سے بچنا اور اگلی آیت میں صاف طور پر حضرت یحییٰ کو بے گناہ قرار دیا ہے۔

نمبر۲۔ یہاں تین موقعوں پر سلامتی کا ذکر ہے۔ ولادت کے وقت، موت کے وقت، بعثت کے وقت۔ گویا ہر حال میں سلامتی ہے۔ ہر نبی دنیا میں سلامتی کی حالت میں آتا ہے یعنی شیطان کے حملہ سے محفوظ ہوتا ہے، اور موت کے بعد بھی اسے سلامتی ہوتی ہے یعنی عذاب قبر سے محفوظ ہوتا ہے اور قیامت کو سلامت ہے یعنی عذاب جہنم سے محفوظ ہے۔

نمبر۳۔ یہاں بھی اور سورۃ آل عمران میں بھی حضرت عیسیٰؑ اور یحییٰؑ کے اکٹھے ذکر میں عیسائیت پر اتمام حجت ہے اور اسی لیے حضرت یحییٰ کی عظمت اور بے گناہی پر زور دیا گیا ہے اور دوسرے یہ اشارہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ صرف ایک شاخ اخلاق انسانی کی پرورش کے لیے آئے تھے اس لیے ان کے ساتھ حضرت یحییٰ کی ضرورت پیش آئی جس طرح حضرت موسیٰؑ جب اکیلے بوجھ نہ اٹھا سکے تو ان کے ساتھ حضرت ہارون کو کھڑا کیا گیا۔ یہاں حضرت مریمؑ کے بلوغ کو پہنچ جانے کے بعد کے حالات ہیں جیسا کہ اگلی آیت میں لفظ حجاب لا کر بتا دیا۔ پس مکان شرقی میں چلے جانے سے مراد یہی ہے کہ جب آپ بلوغت کو پہنچیں اور حیض کے ایام آئے تو آپ مسجد میں نہ رہ سکتی تھیں۔ اس لیے کسی شرقی مکان میں چلی گئیں اور غالباً یہ مشرقی مکان ناصرہ تھا جہاں کا رہنے والا یوسف نجار تھا جو بیت المقدس کے شمال مشرق میں ہے۔

نمبر۴۔ روح سے مراد اکثر نے یہاں جبرائیلؑ لیا ہے اور ابو مسلم نے خود حضرت عیسیٰ کو، مگر روح کے معنی کلام الٰہی بھی ہیں اور دوسری جگہ اذ قالت الملائکۃ (آل عمران۔ ۴۵) اسی کا مؤید ہے اور وحی جبرائیل انبیاء سے مخصوص بھی ہے پس مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا کلام یا الہام اس کی طرف بھیجا اور تمثل لہا میں ضمیر اپنے اوپر ہوگی یعنی اس کلام الٰہی کے آنے کی تفصیل یہ ہے کہ ایک متمثل ہونے والا البشر کی صورت پر متمثل ہوا یعنی ایک کشفی نگاہ میں اسے ایک بشر نظر آیا۔

نمبر۵۔ لاھب میں فاعل وہ انسان کی صورت نہیں جس کی وساطت سے کلام ہو رہا ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ ہے۔ چنانچہ دوسری قرأت اس کی لیھب ہے جو اس

قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝۲۰

کہا، میرے لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھے کسی انسان نے نکاح کرکے چھوا نہیں اور نہ میں بدکار ہوں ۱؎

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝۲۱

اس نے کہا ایسا ہی ہوگا، تیرا رب کہتا ہے، یہ مجھ پر آسان ہے، اور تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے نشان اور اپنی طرف سے رحمت بنائیں اور یہ امر فیصلہ شدہ ہے ۲؎

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۝۲۲

پھر (مریم نے) اسے حمل میں لیا اور اس کے ساتھ الگ ہو کر دور چلی گئی ۳؎

فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۝۲۳

پھر دردِ زِہ اُسے کھجور کے تنے کی طرف لے آیا، کہنے لگی اے کاش! میں اس سے پہلے مرجاتی اور بھولی بسری ہوتی ۴؎

فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۝۲۴

تو اس کے نیچے سے اُسے ایک ندا آئی کہ غم نہ کر تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ (بہا) رکھا ہے۔

وَهُزِّيْۤ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۝۲۵

اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلا، تجھ پر تازہ پکی کھجوریں جھڑ پڑیں گی۔

معنی کی صحت کی مؤید ہے اور اس ترکیب کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جب اس متمثل نے یہ کہا کہ میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تو اب اس پیغام کو بھی ظاہر کیا جو وہ لیکر آیا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کے یہ الفاظ تھے کہ میں تجھے ایک لڑکا دونگا اور یہ اس کے مطابق ہے جو فرمایا انّ اللہ یبشرك (آل عمرآن ۔۴۴)

نمبر۱۔ لم اك بغیا نکاح کے مقابل پر بڑھایا کیونکہ مس بشر کنایہ ہے اس سے کہ نکاح ہوا ہو۔

نمبر۲۔ ہر چیز جو بطور ایک دلیل یا نشان کے ہو آیۃ کہلاتی ہے ...یل والنھار اٰیتین (بنی اسرائیل ۔۱۲) حالانکہ دن رات معمولی طور پر آتے جاتے ہیں۔ یوسفؑ اور اس کے بھائیوں کا معاملہ بھی ایک آیت ہے لقد کان فی یوسف واخوته اٰیات للسائلین (یوسف ۔ ۷) ہوسکتا ہے کہ آیۃ میں یہاں مسیح کی رسالت کی طرف اشارہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نبی بلکہ اس کے صالح بندے بھی اس کے وجود پر ایک آیت بن جاتے ہیں۔ یا خصوصیت سے مراد یہ ہو کہ ان کے بعد نبوت بنی اسرائیل سے منقطع ہو جائے گی۔

نمبر۳۔ یہ بھی عیسائیت کے عقیدۂ الوہیتِ مسیح کے خلاف دلیل ہے۔ کیونکہ وہ چیز جسے عورت حمل میں لیتی ہے وہ خدا نہیں ہوسکتا اور شاید اس لیے بھی حمل کا ذکر ہو کہ تا معلوم ہو کہ جس طرح پر عورتوں کو حمل ہوتا ہے اسی طرح حضرت مریم کو بھی ہوا اور نبی کریم صلعم نے وفد نجران کے مقابل پر ایسا ہی فرمایا: الستم تعلمون ان عیسٰی حملته امه کما تحمل المرأة ۔ کیا تم نہیں جانتے کہ عیسٰی کو اس کی ماں نے حمل میں لیا جس طرح عورتیں حمل میں لیا کرتی ہیں۔

نمبر۴۔ عیسائی کہتے ہیں کہ آدم کے گناہ کی وجہ سے عورت کو یہ سزا ملی تھی کہ "درد سے تو لڑکے جنے گی"۔ (پیدائش ۳: ۱۶) اور جسے عیسائی اپنا خدا سمجھتے ہیں جس نے آدم کے گناہ کا ازالہ کرنا تھا جب وہ جنا جاتا ہے تو اس کی ماں بھی دردِ زِہ سے جنتی ہے اور یہاں تک شدت دردِ زِہ کی ہوتی ہے کہ وہ چلا اٹھتی ہے یٰلیتنی متّ قبل ھذا۔

فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۚ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا ﴿٢٦﴾	سو کھا اور پی اور آنکھیں ٹھنڈی کر پھر اگر تو کسی انسان کو دیکھے تو کہنا، میں نے رحمٰن کے لیے (اپنے اوپر) روزہ واجب کیا ہے، اس لیے آج میں کسی انسان سے کلام نہیں کروں گی ۱؎
فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾	پھر اسے سوار کیے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئی انھوں نے کہا اے مریم تو ایک عجیب چیز لائی ہے ۲؎
يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾	اے ہارون کی بہن! تیرا باپ بُرا آدمی نہیں تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی ۳؎
فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ	تو اس نے اُس کی طرف اشارہ کیا، انھوں نے کہا ہم کس طرح

نمبر۱۔ من البشر احداً صاف بتاتا ہے کہ کسی انسان سے بھی کلام نہیں کرنا یہاں تک کہ یوسفؑ سے بھی نہیں کیونکہ وہ بھی بشر میں داخل ہے یہ خاموشی کا روزہ صرف ذکرِ الٰہی کے لیے تھا اور یہودی ایسا کرتے تھے کہ ذکرِ الٰہی کے لیے خاموشی کا روزہ رکھتے تھے کسی الزام کے خوف سے خاموشی کی ہدایت نہیں کیونکہ سفر میں اسے جانتا کون تھا جو الزام دیتا۔

نمبر۲۔ یہ واقعہ بالکل الگ ہے اور حضرت عیسیٰؑ کی ولادت کے ساتھ اس ذکر کو چھوڑ دیا ہے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ کی نبوت کا زمانہ آجاتا ہے اور یہ بالکل اس کے مطابق ہے جو پچھلے رکوع میں حضرت یحییٰؑ کے ذکر میں طرز اختیار فرمائی تھی یعنی بشارت دیکر اور اس پر تسبیح کا ارشاد کر کے فوراً فرمایا یا یحییٰ خذ الکتاب بقوۃ۔ حالانکہ یحییٰ کے پیدا ہونے کا بھی ذکر نہیں کیا تھا۔ اور اس پر قطعی دلیل یہ ہے کہ اس موقعہ پر جو کچھ حضرت مریم کو کہا گیا اور اس کا جو جواب حضرت عیسیٰؑ نے دیا وہ یقیناً اور قطعاً زمانہ نبوت سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ حضرت عیسیٰؑ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنایا ہے اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ مجھے کتاب دی ہے اور یہ کہنا کہ یہ باتیں لامحالہ واقع ہونے والی ہونے کی وجہ سے ماضی کے صیغہ میں بیان کی گئی ہیں اور مراد استقبال ہے تو اوصٰنی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ مادمت حیاً[۳۱] کے کس طرح معنی کیے جائیں گے اور وہ مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیگا جب تک میں زندہ رہوں گویا جب کلام کر رہے ہیں اس وقت زندہ نہ تھے یا اس وقت نمازیں بھی پڑھتے تھے زکوٰۃ بھی دیتے تھے۔ یہ واقعات صاف بتاتے ہیں کہ یہ ذکر بعد نبوت کا ہے اور ان پر یہ الزام تھے کہ یہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے جس کا جواب انی عبد اللہ میں ہے اور یہ کہ ماں سے بھی اچھا سلوک نہیں کرتا (اور یہ واقعہ اناجیل میں بھی موجود ہے) جس کا جواب برًّا بوالدتی میں ہے اور یہ کہ یہ ایک سرکش آدمی ہے جو علماء اور گدی نشینوں کو بُرا کہتا ہے جس کا جواب لم یجعلنی جبارًا شقیاً[۳۱] میں ہے۔ پس فاتت بہ قومھا تحملہ لازماً حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ نبوت سے تعلق رکھتا ہے اور حضرت عیسیٰؑ اس وقت حضرت مریم کی گود میں نہ تھے بلکہ سوار ہو کر یروشلم میں داخل ہوئے تھے اور سوار ہو کر داخل ہونا کسی خاص غرض سے تھا دیکھو متی ۲۱: ۷ اور فقیہوں وغیرہ کا یہ کہنا کہ اے مریم تو ایک بناوٹ بنا لائی ہے یا تو ایک عجیب چیز لائی ہے اسی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ ایک طرف ان کے نزدیک خدائی کا دعویٰ ہے دوسری طرف حضرت مسیحؑ نے اپنے وعظوں میں اپنی قوم کے علماء کے ساتھ سختی بھی کی تھی انھیں سانپ کہہ کر خطاب کرتے متی ۱۲: ۳۴۔ ریاکار، قبروں کی مانند۔ اندر نجاست سے بھرے ہوئے۔ متی ۲۳: ۲۷۔

نمبر۳۔ اخت ہارون۔ حضرت مریم کو ان الفاظ میں خطاب کیا ہے۔ تعجب ہے کہ عیسائی اعتراض کرتے ہیں جن کی اپنی انجیل میں موجود ہے۔ اے یوسف ابن داؤدؑ اس خطاب میں گو نہ حضرت مریم کی بزرگی کا اعتراف بھی ہے کیونکہ حضرت ہارون کی طرف آپ کو نسبت دی گئی۔

مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝۲۹ اس سے کلام کریں جو ابھی کل جھولے میں لڑکا تھا[1]۔

قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝۳۰ (عیسیٰ نے) کہا میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا۔

وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۠ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝۳۱ اور مجھے برکت والا بنایا جہاں کہیں میں رہوں اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے جب تک میں زندہ رہوں۔

وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ ۡ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝۳۲ اور اپنی ماں سے نیکی کرنے والا (رہوں) اور اس نے مجھے سرکش بدبخت نہیں بنایا[2]۔

وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝۳۳ اور مجھ پر سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں اور جس دن میں زندہ اٹھایا جاؤں۔

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝۳۴ یہ مریم کا بیٹا عیسیٰ ہے، یہ سچائی کی بات ہے جس میں وہ جھگڑتے ہیں۔

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اللہ کو شایاں نہیں کہ وہ کوئی بیٹا بنائے وہ پاک ہے

نمبر۱۔ حضرت عیسیٰ تیس سال کے نوجوان تھے پرانے بزرگوں کے سامنے وہ بچہ ہی تھے اس لیے انھوں نے کہا کہ جو ہمارے سامنے کا بچہ ہے ہم اس سے کیا خطاب کریں۔ کَانَ کا استعمال خود بتاتا ہے کہ کلام کرنے والا بچپن کی حالت سے نکل چکا ہے۔

نمبر۲۔ اس جواب میں جو آیت ۳۰ و ۳۱ و ۳۲ میں حضرت عیسیٰ نے دیا ہے ذیل کی باتیں کہی ہیں:- میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے کتاب ملی ہے۔ میں نبی بنایا گیا ہوں۔ میں بابرکت ہوں یہاں رہوں یا دوسری جگہ جاؤں۔ مجھے جب تک زندہ ہوں نماز اور زکوٰۃ کا تاکیدی حکم ملا ہے۔ میں اپنی ماں سے حسن سلوک کرتا ہوں اُن کی گستاخی نہیں کرتا۔ میں جبار شقی نہیں کہ بزرگوں اور نیکوں کو بُرا کہوں۔

اب جیسا کہ میں نے کہا یہ زمانۂ نبوت کا کلام ہے اس صورت میں ہر ایک جواب اعلیٰ درجہ کی حکمت پر مبنی ہے۔ اپنی عبودیت کا اعتراف اس لیے کیا کہ یہ لوگ آپ کی طرف خدائی کا دعویٰ منسوب کرتے تھے۔ ساتھ ہی اپنے نبی ہونے کا ذکر کیا گویا بتایا کہ جس طرح پہلے تم میں نبی ہوتے رہے ہیں میں بھی نبی ہوں اور مجھے خدا کی طرف سے کتاب ملی ہے اور آیت ۳۰ کی یہ تینوں باتیں گویا ایک خدائی کے دعویٰ کے اعتراض کا جواب ہیں اور پھر آیت ۳۱ میں اپنی نبوت پر دلیل دی کہ میں بابرکت ہوں یعنی میرا پیغام مقبول ہے یہاں بھی مقبول ہو رہا ہے کیونکہ باوجود علماء کی مخالفت کے لوگ ان کے ساتھ ملتے بھی تھے بلکہ ان کی خاطر سب کچھ چھوڑ کر اُن کے ساتھ ہو گئے تھے اور اینما کنت میں پیشگوئی ہے کہ میں کسی دوسری جگہ جاؤں گا اور وہاں بھی میرا پیغام مقبول ہوگا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ میں نیکی پر عمل پیرا ہوں اور اسی کا حکم دیتا ہوں اس لیے نماز اور زکوٰۃ کا ذکر کیا کہ یہی دو باتیں تمام نیکیوں کا اصل الاصول ہیں اور نیکی پر عامل ہونا اور اس کی تعلیم دینا یہی انبیاء کا کام ہوتا ہے۔ اس کے بعد آیت ۳۲ میں اُن اعتراضات کا جواب دیا جو سخت کلامی کے متعلق تھے اوّل ماں کے متعلق کہ میں ہرگز اُن کی گستاخی نہیں کرتا بلکہ ان سے نیکی کرتا ہوں دوسرا اوروں کے متعلق کہ میں جبار شقی نہیں کہ خواہ مخواہ دوسروں کو بُرا کہوں اور ان پر زیادتی کروں اور عجیب بات یہ ہے کہ ان تمام باتوں میں اگر یہودیوں کے اعتراضات کا جواب ہے تو ساتھ ہی عیسائیت پر بھی اتمام حجت ہے اور اصل غرض جیسا کہ آیت ۳۵ میں ہے یہی ہے۔

إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٣٥﴾	جب کسی امر کا فیصلہ کر دیتا ہے تو اسے کہتا ہے ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے
وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٣٦﴾	اور اللہ میرا رب اور تمھارا رب ہے سو اس کی عبادت کرو یہ سیدھا رستہ ہے۔
فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِن بَيْنِهِمْ ۖ فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِن مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿٣٧﴾	پھر فرقوں نے باہم اختلاف کیا سو ان پر افسوس ہے جنھوں نے کفر کیا کہ انھیں ایک سخت دن میں حاضر ہونا ہوگا۔[1]
أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ يَوْمَ يَأْتُونَنَا ۖ لَٰكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٣٨﴾	وہ کیسے سننے والے اور کیسے دیکھنے والے ہونگے جس دن ہمارے سامنے آئیں گے لیکن ظالم آج کھلی گمراہی میں ہیں۔
وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٣٩﴾	اور انھیں حسرت کے دن سے ڈرا جب معاملہ کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور وہ غفلت میں ہیں اور وہ ایمان نہیں لاتے۔
إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿٤٠﴾ ع	ہم ہی زمین کے وارث ہیں اور ان کے بھی جو اس پر ہیں اور وہ ہماری طرف لوٹائے جائیں گے۔
وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾	اور کتاب میں ابراہیم کا ذکر کر، وہ صدیق نبی تھا۔[2]
إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا	جب اس نے اپنے بزرگ سے کہا اے میرے بزرگ تو کیوں اس کی عبادت

نمبر۱۔ احزاب یا فرقوں سے مراد عیسائیت کے مختلف فرقے ہیں ان کے باہمی اختلافات حضرت عیسیٰؑ کے بارہ میں بہت ہیں اور ہر ایک عقیدہ باطل کا یہی حال ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے فرقوں اور عیسائیوں کے فرقوں میں کتنا فرق ہے کہ وہ سب فرقے حتیٰ کہ سُنّی اور شیعہ بھی رسول اللہ صلعم کے متعلق کوئی اختلاف ایسا نہیں رکھتے کہ آپ کا مرتبہ کیا تھا اور ان میں اصولی اختلاف کوئی نہیں مگر عیسائیوں کے تمام فرقوں میں ایک دوسرے سے اصولی اختلاف ہے اور کوئی دو فرقے اس پر اتفاق نہیں کرتے کہ حضرت عیسیٰؑ کو کیا کہیں۔

نمبر۲۔ اس سورت کا اصل مضمون عیسائیت پر اتمام حجت ہے اور حضرت ابراہیمؑ کا ذکر اس لیے کیا کہ آپ ان تمام انبیاء کے مورث اعلیٰ ہیں جو سلسلۂ اسرائیلی میں ہوئے جن میں سے ایک حضرت عیسیٰؑ بھی ہیں اور بلحاظ قبولیت آپ کا مرتبہ بہت ہی بلند ہے اس لیے کہ یہودی اور عیسائی اور مشرکین عرب اور مسلمان سب ان کی راستبازی کے قائل تھے اور توجہ اس عظیم الشان سلسلہ نبوت کی طرف دلائی ہے جو حضرت ابراہیمؑ سے شروع ہوتا اور حضرت عیسیٰؑ پر ختم ہوتا ہے۔
صدیق کا کم سے کم مرتبہ یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سچ بولے اس سے کبھی جھوٹ سرزد نہ ہو۔ اس لیے حضرت ابراہیمؑ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ پس وہ حدیث غلط ہے جس میں تین دفعہ جھوٹ بولنا حضرت ابراہیمؑ کی طرف منسوب کیا گیا ہے یوں حضرت ابراہیمؑ کے متعلق جو ایک ہی بات ان کی عصمت کے خلاف بیان کی جاتی ہے اس کی تردید کر کے حضرت ابراہیمؑ کی عصمت کو قائم کیا ہے۔

يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْـًٔا ﴿٤٢﴾
کرتا ہے جو نہ سنتا ہے اور نہ دیکھتا ہے اور نہ کچھ تیرے کام آسکتا ہے۔

يٰۤاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ
يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿٤٣﴾
اے میرے بزرگ مجھے وہ علم ملا ہے جو تجھے نہیں ملا، سو تو میری پیروی
کر، میں تجھے سیدھا رستہ دکھاؤں گا۔

يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ
كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿٤٤﴾
اے میرے بزرگ! شیطان کی عبادت نہ کر، کیونکہ شیطان
رحمٰن کا نافرمان ہے ١؎۔

يٰۤاَبَتِ اِنِّيْۤ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ
مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾
اے میرے بزرگ! میں ڈرتا ہوں کہ تجھے رحمٰن کی طرف سے
کوئی عذاب آپہنچے تو تُو شیطان کا دوست بن جائے ٢؎۔

قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۚ
لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ﴿٤٦﴾
اس نے کہا اے ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے منہ موڑتا ہے
اگر تو باز نہ آئے میں تجھے سنگسار کروں گا اور تو ایک مدت مجھ سے الگ ہو جا۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ
اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا ﴿٤٧﴾
کہا تجھ پر سلامتی ہو، میں اپنے رب سے تیرے لیے استغفار کروں گا
وہ مجھ پر بہت مہربان ہے ٣؎۔

وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ
رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿٤٨﴾
اور میں تم سے اور ان سے جنہیں تم اللہ کے سوائے پکارتے ہو الگ
ہوتا ہوں اور میں اپنے رب سے دعا کروں گا، امید ہے میں اپنے
رب سے دعا کر کے محروم نہیں رہوں گا۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ وَكُلًّا
جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿٤٩﴾
سو جب ان سے الگ ہو گیا اور ان سے جن کی وہ اللہ کے
سوائے عبادت کرتے تھے ہم نے اسے اسحاقؑ اور یعقوبؑ دیئے
اور ہر ایک کو ہم نے نبی بنایا ٤؎۔

نمبر ١۔ شیطان کو کوئی معبود نہیں کہتا مگر چونکہ عبادة غایت تذلل کا نام ہے اس لیے جو لوگ شیطان کے آگے غایت درجہ کا تذلل اختیار کرتے ہوئے اس کی ہر آواز کی پیروی کرتے چلے جاتے ہیں وہ گویا اسی کی عبادت کرتے ہیں بعض نے شیطان کی عبادت سے مراد بتوں کی عبادت لی ہے اس لیے کہ شیطان ہی اس کی تحریک کرتا ہے۔

نمبر ٢۔ شیطان کا ولی بن جائے۔ یعنی دوسروں کے بہکانے میں شیطان کا مددگار ہو جائے پس اس عذاب سے مراد اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہے گو اس میں کوئی ظاہری دکھ نہ ہو۔ یعنی خود شیطان کا اتباع کرتے کرتے تو اللہ تم سے اس قدر دور پڑ جائے کہ پھر خود دوسروں کو غلط راہ پر ڈالنے لگے اسی دوری کو یہاں عذاب کہا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بُعد اور دوری سب سے بڑا عذاب ہے۔

نمبر ٣۔ گالی دینے والے کے لیے استغفار کرنا حضرت ابراہیم کے دشمنوں سے محبت کرنے کا عملی ثبوت ہے اور اس میں اشارہ ہے کہ یہ کوئی حضرت عیسیٰؑ کی تعلیم کی خصوصیت نہیں

نمبر ٤۔ یہاں اسحاقؑ اور یعقوبؑ دینے کا ذکر ہے۔ اشارہ یہ ہے کہ جب اس نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے بزرگ اور اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کی

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾	اور ہم نے انھیں اپنی رحمت سے حصّہ دیا اور ہم نے ان کے لیے سچا ذکر بلند کیا۔
وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۚ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥١﴾	اور کتاب میں موسیٰؑ کا ذکر کر، وہ ہر کھوٹ سے پاک تھا اور رسول نبی تھا[1]۔
وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿٥٢﴾	اور ہم نے اسے پہاڑ کی بابرکت طرف سے پکارا اور اپنے راز بتانے کو اسے مقرب بنایا۔
وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿٥٣﴾	اور ہم نے اسے اپنی رحمت سے اس کا بھائی ہارونؑ نبی عطا فرمایا۔
وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥٤﴾	اور کتاب میں اسمٰعیلؑ کا ذکر کر وہ وعدے کا سچا تھا، اور رسول نبی تھا[2]۔
وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۠ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾	اور اپنے ساتھیوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا اور اپنے رب کے نزدیک پسندیدہ تھا[3]۔

توہم نے اسے ایک ایسی نسل دی جس میں ایک مدت تک سلسلۂ نبوت چلا۔ اسی لیے اسحاقؑ کے ساتھ اس کے بیٹے یعقوبؑ کا بھی ذکر کیا۔ یہاں حضرت اسمٰعیل کا ذکر اس لیے نہیں کیا اور اس لیے بھی کہ اسمٰعیلؑ کا ذکر آگے علیحدہ آتا ہے کیونکہ اس سے ایک علیحدہ نسل چلی جس میں سے ہمارے نبی کریم صلعم پیدا ہوئے۔

نمبر۱۔ چونکہ سورت کا اصل مضمون عیسائیت پر اتمام حجت ہے اس لیے حضرت ابراہیمؑ کے بعد سلسلۂ اسرائیلی کے اس عظیم الشان نبی کا ذکر کیا جو اس سلسلہ کا بانی ہے اور باقی تمام انبیاء کے ذکر کو چھوڑ دیا۔ لیکن ہارونؑ کا ذکر ساتھ کر دیا۔ حضرت موسیٰؑ کو مخلص فرمایا یعنی جو ہر قسم کی میل اور کھوٹ سے پاک تھا اس سے بڑھ کر یگانہ ہی متصوّر نہیں ہو سکتی اور یہاں حضرت موسیٰؑ کو رسول نبی کہا ہے۔ اصطلاح شرعی میں ہر ایک رسول نبی ہے اور ہر نبی رسول ہے اس لیے جس کو ایک جگہ نبی کہا ہے اُسے دوسری جگہ رسول کہا ہے۔ مثلاً حضرت عیسیٰؑ کے متعلق اوپر فرمایا وجعلنی نبیا اور آل عمران میں فرمایا تھا ورسولاً الی بنی اسرائیل۔

نمبر۲۔ حضرت موسیٰؑ کے بعد حضرت اسمٰعیلؑ کا ذکر کیا ہے اس لیے کہ سلسلہ موسوی کے ختم ہونے کے بعد حضرت اسمٰعیلؑ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور نبوت سلسلہ موسوی سے سلسلہ محمدی میں منتقل ہوتی ہے اور حضرت اسمٰعیلؑ کے صادق الوعد ہونے کے ذکر میں بائبل کے اس بیان کی تردید ہے کہ اسمٰعیل ایک وحشی آدمی تھا (پیدائش ۱۶ : ۱۲) اور ہمارے نبی کریم صلعم میں بھی یہ وصف کمال کو پہنچا ہُوا تھا اور اُمت محمدیہ میں بھی وعدہ کی سچائی کی صفت خاص طور پر نمایاں نظر آتی ہے بمقابلہ دوسری اقوام کے جن میں وعدہ توڑنا ایک معمولی بات ہے۔ حضرت اسمٰعیلؑ قبیلہ جرہم کی طرف مبعوث ہوئے تھے کیونکہ اس وقت مکہ میں کوئی آبادی نہ تھی بائبل میں ان کی رسالت کا ذکر نہیں۔

نمبر۳۔ صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی تعلیم سب انبیاء میں مشترک تھی یہ دو اصل دین کے ہمیشہ سے چلے آئے ہیں حضرت عیسیٰؑ کو بھی یہی حکم دیا تھا۔ حضرت اسمٰعیلؑ بھی اپنے پیروؤں کو اسی راہ پر چلاتے تھے اور آپ کے مرضیّ یا رضائے الٰہی کا محل ہونے میں یہ بتایا کہ ان سے کوئی فعل اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف سرزد نہیں ہُوا اور یہی مقام عصمت ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ؗ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾

اور کتاب میں ادریسؑ کا ذکر کر۔ وہ صدیق نبی تھا۔

وَّ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾

اور ہم نے اسے بلند مقام پر اٹھایا ۱؎۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّ مِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۡ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ؕ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِيًّا ﴿۵۸﴾ السجدة

یہ نبیوں میں سے وہ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا آدم کی نسل سے اور اُن سے جنھیں ہم نے نوحؑ کے ساتھ سوار کیا، اور ابراہیمؑ اور اسرائیل کی نسل سے اور ان میں سے جنھیں ہم نے ہدایت دی اور چن لیا جب ان پر رحمٰن کی آیتیں پڑھی جائیں وہ سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے گر پڑتے ۲؎۔

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾

پھر ان کے بعد ناخلف جانشین ہوئے، جنھوں نے نماز کو ضائع کیا اور نفسانی خواہشوں کی پیروی کی سو وہ ہلاکت کو پائیں گے۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

مگر جنھوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور اچھے

نمبر۱۔ حضرت ادریسؑ وہی ہیں جن کا ذکر بائبل میں حنوک کے نام سے ہے اور یہ حضرت نوحؑ سے پہلے کے ہیں بعض کے نزدیک ان میں اور نوحؑ میں ایک ہزار سال کا فرق ہے جس طرح نوحؑ اور ابراہیمؑ میں ایک ہزار سال کا فرق ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ حضرت آدم کے بعد پہلے رسول ہیں اور بائبل میں ہے کہ حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا تھا اور غائب ہوگیا اس لیے کہ خدا نے اسے لے لیا (پیدائش ۵ : ۲۴) اور پولوس کہتا ہے "ایمان ہی سے حنوک اٹھا لیا گیا تاکہ موت نہ دیکھے" (عبرانیوں ۱۱ : ۵) اسی وجہ سے ہمارے بعض مفسرین نے بھی لکھ دیا کہ حضرت ادریسؑ زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے اور وہ چوتھے یا چھٹے آسمان پر ہیں اور بعض نے کہا کہ چوتھے آسمان پر اُن کی روح قبض کر لی گئی۔ ان باتوں کی کوئی اصلیت نہ قرآن شریف میں ہے نہ حدیث صحیح میں اور کعب احبار سے جو روایت ہے کہ ایک فرشتہ حضرت ادریسؑ کا دوست انھیں چوتھے آسمان پر لے گیا تھا اور وہاں ملک الموت نے ان کی روح قبض کرلی تو اس کو نقل کرکے ابن کثیر نے لکھا ہے کہ یہ کعب کی اسرائیلیات ہیں اور ان میں بعض باتیں ناقابلِ قبول ہیں اور رفعناہ مکاناً علیاً کی تفسیر حسن سے مروی ہے ھو شرف النبوۃ والزلفی عند اللّٰہ تعالیٰ یعنی اس سے مراد شرف نبوت اور قرب الٰہی ہے اور پھر روایات کو نقل کرکے بتایا ہے کہ بلند مکان سے مراد علو شان اور بلند مرتبہ ہو تو یہ تعریف کی بات ہے ورنہ صرف اونچے مکان پر لے جانا کوئی حقیقت نہیں رکھتا اور حضرت ادریسؑ کے رفع کا ذکر کرکے یہ بھی بتا دیا کہ رفع بھی حضرت عیسیٰؑ کی خصوصیت نہیں بلکہ سب انبیاء کا ہوا۔

نمبر۲۔ آدم کی ذریت سے تو سب ہیں مگر یہاں قریب ترین جد کا ذکر کیا ہے یعنی ادریسؑ آدمؑ کی ذریت سے۔ ابراہیمؑ نوحؑ کی ذریت سے اسحاقؑ اور اسمٰعیلؑ ابراہیمؑ کی ذریت سے۔ موسیٰؑ ہارونؑ عیسیٰؑ یحییٰؑ اسرائیل کی ذریت سے۔ حضرت عیسیٰؑ کے یوں ذریت میں شامل کرنے پر مفسرین کو یہ کہنا پڑا کہ نسب لڑکی کی طرف سے بھی ہوتی ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا
يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿۶۰﴾

عمل کیے تو یہ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا۔

جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ
بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾

ہمیشگی کے باغوں میں جن کا رحمٰن نے اپنے بندوں سے بن دیکھے وعدہ کیا ہے اس کا وعدہ آ کر رہے گا۔

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ
رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾

اس میں کوئی بیہودہ بات نہیں سنیں گے، ہاں سلام سنیں گے، اور ان کا رزق اس میں صبح اور شام انھیں ملے گا۔[1]

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا
مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾

یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اسے بناتے ہیں جو متقی ہوں۔

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهٗ مَا
بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ
ذٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿۶۴﴾

اور ہم تیرے رب کے حکم کے سوائے نازل نہیں ہوتے[2] اسی کا ہے جو کچھ ہمارے سامنے ہے اور جو کچھ ہمارے پیچھے ہے اور جو اس کے درمیان ہے اور تیرا رب بھولنے والا نہیں۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا
فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ؕ هَلْ تَعْلَمُ
لَهٗ سَمِيًّا ﴿۶۵﴾ ع

آسمانوں اور زمین کا رب اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سو اس کی عبادت کر اور اسی کی عبادت پر مضبوط رہ، کیا تو اس جیسا کوئی اور جانتا ہے۔

نمبر۱- بہشت میں رات نہیں کہ وہاں صبح اور شام ہوں۔ آنحضرت صلعم سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اوقات مراد ہیں جن میں یہاں نماز پڑھتے تھے گویا ان کا رزق وہی نماز کا پھل ہے اور صبح و شام سے دوام بھی مراد ہوتا ہے یعنی ہر حالت میں اور تمام اوقات میں اور سلام وہاں ہونے سے مراد آفات سے سلامتی کا ہونا ہے اور سلام سننے سے مراد ایک تو ان کا باہمی سلام ہے تحیتہم فیہا سلام (ابراہیم ۲۳) اور دوسرا ملائکہ کا ان پر سلام کہنا سلام علیکم طبتم (الزمر ۳۹-۷۳)

نمبر۲- اسی ایک روایت کی بنا پر جو اصحاب کہف کے سوال کے متعلق ہے یہاں یہ سمجھا گیا ہے کہ حضرت جبرائیل کا قول ہے جس میں گویا یہ بتایا ہے کہ وحی کیوں رک گئی تھی اور بخاری میں ابن عباسؓ کی روایت صرف اس قدر ہے کہ آنحضرت صلعم نے جبرائیل کو کہا تھا کہ آپ اس سے زیادہ نزول کیوں نہیں کرتے تو انھوں نے یہ جواب دیا لیکن آیت کے الفاظ سے جو مفہوم اقرب الی الذہن معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہاں خود انبیاء علیہم السلام کے نزول کا ذکر ہے یعنی نبی تبھی آتا ہے جب امر رب ہو اور یا بالخصوص نزول قرآن کریم کا ذکر ہے کہ اب جو یہ وحی نازل ہوئی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہے ما بین ایدینا سے مراد مستقبل اور ما خلفنا سے مراد ماضی اور ما بین ذلک حال ہے اور ما کان ربک نسیا میں یا تو یہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کو بھول نہیں سکتا جو اس نے ایک آخری رسول بھیجنے کے متعلق سب انبیاء سے کیے تھے اور یا یہ کہ وہ لوگوں کو اس طرح ضلالت کی حالت میں چھوڑ نہیں سکتا تھا اور بعض نے مراد یہ لی ہے کہ اپنے نبیوں کو نہیں چھوڑ سکتا یعنی ان کی نصرت کرے گا۔

وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ أَإِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾

اور انسان کہتا ہے کیا جب میں مرجاؤں گا تو پھر زندہ کرکے نکالا جاؤں گا۔

أَوَلَا يَذْكُرُ الْإِنْسَانُ أَنَّا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٦٧﴾

کیا انسان یاد نہیں کرتا کہ ہم نے اسے پہلے پیدا کیا اور وہ کچھ بھی نہ تھا۔

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيَاطِينَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ﴿٦٨﴾

سو تیرے رب کی قسم ہم ضرور انھیں اور ان کے شیطانوں کو اکٹھا کریں گے ہم ضرور انھیں دوزانو بیٹھے ہوئے دوزخ کے گرد لا حاضر کریں گے

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَٰنِ عِتِيًّا ﴿٦٩﴾

پھر ہر گروہ میں سے ہم ضرور انھیں الگ نکال لیں گے جو رحمٰن کے خلاف سرکشی میں سخت تر تھے۔

ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٧٠﴾

پھر یقیناً ہم انھیں خوب جانتے ہیں جو اس میں داخل ہونے کے زیادہ اہل ہیں[1]

وَإِنْ مِنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَقْضِيًّا ﴿٧١﴾

اور تم میں سے کوئی نہیں مگر اس پر سے گزرے گا یہ تیرے رب پر لازم ہے (جس کا) فیصلہ ہوچکا (ہے)[2]

نمبر ۱۔ اولیٰ لانے سے یہ مطلب نہیں کہ بعض زیادہ اہل ہیں بعض کم گو یہ معنی بھی کیے گئے ہیں اور ہو سکتے ہیں کہ جو لوگ کفر میں زیادہ سخت تھے جیسا اوپر کی آیت میں ہے وہی آگ میں بھی پہلے داخل ہوں گے اور ان کا عذاب بھی سخت تر ہوگا۔ مگر یہاں مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جن کا آگ میں داخل ہونا بہ نسبت ان کے باہر رہنے کے زیادہ مفید ہے اس لیے وہ آگ میں نہ داخل ہونے کی بہ نسبت داخل ہونے کے زیادہ اہل ہیں۔ اس میں یہ بتایا ہے کہ ان کا آگ میں داخل ہونا ہی ان کا علاج ہے۔

نمبر ۲۔ ورود۔ اس کے اصل معنی ہیں پانی یا آگ پر پہنچنا بغیر اس میں داخل ہونے کے گو بعض نے توسیع کرکے داخل ہونا بھی اس میں شامل کر لیا ہے۔ ورود کے معنی کو مدنظر رکھتے ہوئے اس آیت کے معنی میں قطعاً کوئی دقت نہیں رہتی گو ان منکم میں تمام انسان یعنی مومن و کافر شامل ہوں کیونکہ یہ دوزخ کے اوپر پہنچنا یا اس کے اوپر سے گزرنا ہے نہ دوزخ میں داخل ہونا اور ایک حدیث میں ہے جسے غریب کہا گیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ نیک اور بد دونوں اس میں داخل ہونگے مگر نیکوں پر وہ آگ ٹھنڈک اور سلامتی ہوگی اور ایک اثر میں ہے کہ جب اہل جنت جنت میں داخل ہونگے تو وہ دریافت کریں گے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا ان منکم الا واردھا تو کہا جائے گا تم اس کے اوپر سے گزر آئے ہو اور اس کی آگ بجھی ہوئی تھی۔ تو ان تینوں سے ایک ہی بات ثابت ہوتی ہے یعنی یہ کہ حقیقتاً نیک لوگ دوزخ میں داخل نہ ہونگے اور یہی قرآن کی تعلیم ہے کیونکہ فرمایا لا یسمعون حسیسھا (الانبیاء ۔ ۱۰۲) وہ اس کی آواز تک کو نہ سنیں گے اور اولئک عنھا مبعدون (الانبیاء ۔ ۱۰۱) وہ اس سے دور رکھے جائیں گے پس اگر یہاں ورود میں نیک و بد دونوں شامل بھی سمجھے جائیں تو یہ وہ ورود ہے جس کے ساتھ دخول نہیں۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں منکم میں خطاب صرف کفار کو ہے اور شروع رکوع سے ہی ذکر کفار کا ہے۔ مثلاً آیت ۶۶ میں انسان کا لفظ عام ہے مگر مراد صرف وہی انسان ہے جو منکر بعث ہے پھر آیت ۶۸ میں انہی منکرین بعث اور شیاطین کے حشر کا ذکر ہے۔ پس منکم میں وہی لوگ داخل ہیں اور یہ حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اور بعض نے کہا کہ مومن کا ورود بھی گو شامل ہے مگر اس سے مراد وہ مصائب و تکالیف ہیں جو اس دنیا میں

ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ
الظّٰلِمِیْنَ فِیْهَا جِثِیًّا ﴿۷۲﴾

پھر ہم انھیں بچالیں گے جنھوں نے تقوےٰ اختیار کیا اور ہم
ظالموں کو اس میں گھٹنوں پر گرا ہوا چھوڑ دیں گے۔

۱ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ
الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا ۙ اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ
خَیْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِیًّا ﴿۷۳﴾

اور جب ہماری کھلی کھلی آیات ان پر پڑھی جاتی ہیں تو کافر مومنوں
سے کہتے ہیں، دونوں فریق میں سے کس کا مقام اچھا ہے اور
کس کی مجلس زیادہ خوبصورت ہے ۱؎۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ
اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْیًا ﴿۷۴﴾

اور کتنی نسلیں ہم نے اُن سے پہلے ہلاک کیں جو سامان اور حسن
منظر میں ان سے اچھی تھیں ۲؎۔

قُلْ مَنْ كَانَ فِی الضَّلٰلَةِ فَلْیَمْدُدْ لَهُ
الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ حَتّٰۤی اِذَا رَاَوْا مَا
یُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَ اِمَّا السَّاعَةَ ؕ
فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا
وَّ اَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾

کہہ جو کوئی گمراہی میں رہتا ہے تو رحمٰن اس کے لیے مہلت بڑھاتا
جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ دیکھیں گے، جس کا
انھیں وعدہ دیا جاتا ہے، خواہ وہ عذاب اور
خواہ وہ (موعود) گھڑی، تو جان لیں گے کس کی حالت
بُری ہے اور کس کا لشکر کمزور ہے ۳؎۔

مومن پر آتی ہیں اور یہ مجاہد کی طرف منسوب ہے اور اس کے آگے جو آتا ہے ثم ننجی الذین اتقوا تو یہاں ثم ترتیب کے لیے نہیں بلکہ یہ ایک الگ واقعہ کا ذکر ہے کہ متقی نجات پا جائیں گے یعنی عذاب سے بچ جائیں گے اور ظالم دوزخ میں رہیں گے۔ اور یہ جو بعض آثار میں صحابہ کے ایسے اقوال پائے جاتے ہیں کہ وہ اس آیت سے بہت خائف رہتے تھے تو ان سے مراد یہ ہوسکتی ہے کہ ایک نہ ایک رنگ میں ہر انسان کو مصائب برداشت کرنی پڑتی ہیں اور مقاماتِ عالیہ بغیر تکالیف شاقہ میں پڑنے کے میسر ہی نہیں آسکتے تو گویا یہ تکالیف بھی بظاہر ایک رنگ دوزخ کا ہی رکھتی ہیں لیکن مومن کے لیے وہ بردوسلام بن جاتی ہیں۔

نمبر۱۔ مجلس کی خوبصورتی پر جس قدر فخر عیسائی اقوام کو ہوا ہے اور کسی قوم کو نہیں ہوا اس لیے کہ اُن کی عورتیں آرائش کے سامان سے مزین ہو کر اُن کی مجالس کی زینت بنتی ہیں۔

نمبر۲۔ رِئیا وہ ہے جس کی طرف اس کے حُسن کی وجہ سے نظر اُٹھے۔ یہاں انہی اعدائے حق کے اثاث اور حسنِ منظر کا ذکر ہے۔ اثاث گھر کا سامان بھی ہوسکتا ہے اور مال بھی اور گھر کے سامان میں سب فرنیچر اور لباس آجاتا ہے کون قوم اس کی مصداق ہے یہ محتاج بیان نہیں جو سامان اور لباس بادشاہوں اور امراء کو میسّر نہ آتے تھے وہ اس قوم کے معمولی آدمیوں کے پاس موجود ہیں۔

نمبر۳۔ فلیمد د لہ الرحمٰن میں بتایا کہ عادت اللہ یہ ہے کہ ضال قوم کو مہلت زیادہ دیتا ہے اور اما العذاب و اما الساعۃ میں چھوٹے عذاب اور ساعت وسطیٰ یعنی قوم کی تباہی کے وقت مراد ہیں کیونکہ آگے لشکر کی کمزوری کا ذکر ہے اور تباہی سے مراد ان کے سازوسامان کا چھن جانا ہے۔ اس سورت میں لفظ رحمان کو بڑی کثرت سے دوہرایا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ سورت عیسائیت پر اتمام حجت کے طور پر ہے اور عیسائیت نے صفت رحمانیت کا مطلق انکار کیا اور رحم بلا بدل کو اللہ تعالیٰ کی صفات کے خلاف قرار دیکر بیٹے کی قربانی کو گنہگاروں کی بخشش کا بدل ٹھہرایا ہے گویا اللہ تعالیٰ کوئی گناہ بخش نہیں سکتا جب تک اس کا بدلہ نہ لے اور یہ اس کی صفت رحمانیت کے خلاف ہے۔

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۗ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِندَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾

اور اللہ انھیں ہدایت میں بڑھاتا ہے جو سیدھے رستہ پر چلتے ہیں اور باقی رہنے والے اچھے عمل تیرے رب کے نزدیک ثواب میں بہتر ہیں اور انجام میں خوب تر ہیں۔

أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ﴿٧٧﴾

تو کیا تو نے اسے دیکھا جو ہماری آیتوں کا انکار کرتا ہے اور کہتا ہے مجھے ہمیشہ مال اور اولاد ملتے رہیں گے[1]۔

أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿٧٨﴾

کیا اسے غیب کی اطلاع ہے یا اس نے رحمٰن سے کوئی اقرار لے لیا ہے۔

كَلَّا ۚ سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٧٩﴾

ہرگز نہیں ہم لکھ لیں گے جو وہ کہتا ہے اور اس کے لیے عذاب کو بڑھاتے چلے جائیں گے۔

وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿٨٠﴾

اور ہم اس چیز کے وارث ہوں گے جو وہ کہتا ہے اور وہ اکیلا ہمارے پاس آئے گا[2]۔

وَاتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لِّيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴿٨١﴾

اور وہ اللہ کے سوائے اور معبود بناتے ہیں تا کہ ان کے لیے قوت کا موجب ہوں۔

كَلَّا ۚ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ﴿٨٢﴾

ایسا نہ ہوگا، وہ ان کی عبادت کا انکار کریں گے اور ان کے مخالف ہوں گے[3]۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿٨٣﴾

کیا تو نے غور نہیں کیا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے جو انھیں اکساتے رہتے ہیں[4]۔

نمبر ۱۔ لاوتین مالا ولدا کہنے والا پہلے ہی صاحب مال و ولد ہے۔ پس یہاں مراد ایتائے مستمر ہے یعنی یہ چیزیں ہمیشہ ہی مجھے ملتی رہیں گی۔ گویا یہ ایک انسان کا کہنا نہیں بلکہ ایک قوم کا کہنا ہے جو اپنے مال و ولد پر فخر کرتی ہے اور سمجھتی ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے دنیا کے اموال و بڑے جتھے کی مالک ہوگی۔

نمبر ۲۔ مایقول سے مراد وہی مال و ولد ہے جس پر وہ فخر کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس کے وارث ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ مال اس سے لیا جائے گا موت کے وقت تو ہوتا ہی ہے مگر یہاں قومی حالت کا ذکر ہے مال اور جتھے کی مالک دنیا میں کبھی ایک قوم ہوتی ہے کبھی دوسری اور جس قوم کو اپنے مال پر اور جتھے پر فخر ہو اس کا اس سے چھن جانا اس پر سخت ترین عذاب بلکہ اس کی ہلاکت ہے۔

نمبر ۳۔ یہ نیک لوگ ہیں جنھیں معبود بنایا گیا، بالخصوص حضرت مسیح جن کی قوم کا یہاں خاص ذکر ہے۔ یہاں پرستاروں کے انکار کا ذکر نہیں بلکہ معبودین کے انکار کا ذکر ہے۔

نمبر ۴۔ لغت میں ہے کہ ارسال کبھی تخلیہ اور ترک منع سے ہوتا ہے یعنی ایک چیز کو اس کی حالت پر چھوڑ دینا اور اسے نہ روکنا پس ارسلنا الشیطین سے مراد ہے کہ ہم نے ان شیطانوں کو منع نہیں کیا۔ اور وہ اپنا کام کرتے ہیں۔

فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ — سو تو ان پر عذاب کے لیے جلدی نہ کر، ہم صرف ان (کے دنوں)
لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾ — کی گنتی اُن کے لیے پوری کر رہے ہیں۔
يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾ — جس دن ہم متقیوں کو رحمٰن کی طرف ایک عزت والے گروہ کے طور پر اکٹھا کریں گے
وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾ — اور مجرموں کو ہم جہنم کی طرف (پیاسے جانوروں کی طرح) ہانک لے جائیں گے۔
لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ — وہ شفاعت کے مالک نہ ہونگے، مگر جس نے رحمٰن سے
عِنْدَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾ — عہد باندھا ہے [1]۔
وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَٰنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ — اور کہتے ہیں رحمٰن نے بیٹا بنالیا؛
لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿۸۹﴾ — یقیناً تم ایک خطرناک بات کر گزرے [2]۔
تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ — قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں اور زمین شق
الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ﴿۹۰﴾ — ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو کر گر جائیں [3]
أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمَٰنِ وَلَدًا ﴿۹۱﴾ — کہ وہ رحمٰن کے لیے بیٹے کا دعوے کرتے ہیں۔
وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿۹۲﴾ — اور رحمٰن کو زیبا نہیں کہ وہ بیٹا بنائے۔
إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ — آسمانوں اور زمین میں جتنی چیزیں ہیں سوائے اس کے نہیں کہ وہ
إِلَّا آتِي الرَّحْمَٰنِ عَبْدًا ﴿۹۳﴾ — رحمٰن کے پاس غلام بن کر آئیں گی۔

نمبر۱- مراد یہاں شفیع بھی ہو سکتا ہے اور مشفوع بھی۔ شفیع کی صورت میں مراد کامل الایمان لوگ ہیں جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے عہد کو مضبوط پکڑ لیا یعنی اس کے احکام پر عمل کیا اور مقاماتِ عالیہ حاصل کیے پس کامل الایمان مومن دوسرے مومنوں کے لیے شفیع ہو جائیں گے اور مشفوع کی صورت میں مراد یہ ہے کہ شفاعت ان کے حق میں ہوگی جنھوں نے رحمٰن سے عہد باندھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی شرائع کو انھوں نے قبول کیا مگر کسی وجہ سے کچھ نقص ان کے عمل میں رہ گیا۔

نمبر۲- یہاں صاف طور پر بتادیا کہ وہ کونسی قوم ہے جس کا خاص ذکر اس سورت میں چلا آتا ہے اور جس کے سامانوں اور آرائشوں اور حسن منظر کا ذکر تھا۔ یہ وہ قوم ہے جنھوں نے عقیدۂ ابنیت کو دنیا میں پھیلایا ہے۔

نمبر۳- ان ہیبت ناک الفاظ میں صرف اس عقیدہ کی برائی کا اظہار ہی نہیں کیا بلکہ فی الواقع دنیا میں کوئی قانون باقی نہیں رہتا اور نہ خود اس عالم کا وجود باقی رہتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کا بیٹا مانا جائے کیونکہ بیٹا ماننا ہی اس بنا پر جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں رحم بلا بدل نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ رحم بلا بدل بھی کر سکتا ہو تو اسے کسی بیٹے کی ضرورت نہیں جو انسانوں کے گناہوں کے لیے معاوضہ بنے اور عیسائیت نے ابنیت اور کفارہ کی بنیاد ہی اسی بنا پر رکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک کوئی بدلہ نہ لے اس وقت تک وہ گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا اور انسان کی نجات ناممکن ہو جاتی ہے تو اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر رحم بلا بدل اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک آن کے لیے بھی نکل جائے تو نہ آسمان باقی رہیں نہ زمین نہ پہاڑ خلق عالم اور نظام عالم کی بنیاد ہی رحم بلا بدل پر ہے۔ اسی سے معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ دنیا میں رہ نہیں سکتا۔ ما ینبغی للرحمٰن ان یتخذ ولدا [92] میں اس کو صاف بیان بھی کر دیا ہے کہ اگر رحمانیت مانی جائے تو عقیدہ ابنیت باقی نہیں رہ سکتا۔

لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿۹۴﴾
اُس نے اُن کا احاطہ کرلیا ہے اور اُنھیں پُورا پُورا گن رکھا ہے۔

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿۹۵﴾
اور وہ سب کے سب قیامت کے دن اس کے پاس اکیلے اکیلے آئیں گے ۔[۱]

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾
وہ جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں ، رحمٰن ان کے لیے محبت پیدا کردے گا[۲]۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾
سو ہم نے اسے تیری زبان میں آسان کیا ہے تاکہ تو متقیوں کو اس کے ذریعہ سے خوشخبری دے اور ایک جھگڑالو قوم کو اس کے ساتھ ڈرائے ۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿۹۸﴾ ع
اور ان سے پہلے ہم نے کتنی نسلیں ہلاک کردیں ، کیا تو اُن میں سے کسی کو دیکھتا ہے ، یا اُن کی بھنک بھی سُنتا ہے ۔

اٰیاتھا ۱۳۵ — (۲۰) سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتھا ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

طٰهٰ ﴿۱﴾
اے مرد کامل ![۳][۴]

نمبر۱۔ یعنی عابد اور معبود سب خدا کے حضور اپنی اپنی ذمہ داری کو لے کر آئیں گے۔

نمبر۲۔ یعنی پاک لوگوں کی محبت خود بخود دنیا میں پیدا ہوتی چلی جاتی ہے جتنے اللہ تعالیٰ کے نیک بندے ہوئے ہیں ابتدا میں ان کی مخالفت بھی سخت ہوتی ہے مگر آہستہ آہستہ ان کی محبت دنیا میں بڑھتی چلی جاتی ہے اور یہاں رسول اللہ صلعم کی قبولیت کی طرف اشارہ ہے یعنی آپ کی محبت دنیا میں یوماً فیوماً ترقی کرتی جائے گی۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ وہ عیسائی جنھوں نے کسی زمانہ میں آنحضرت صلعم کے متعلق ہر قسم کی بدزبانی کی اور غلطیوں کو پھیلایا اب انہی میں سے بہت سے دلوں میں آپ کی محبت پیدا ہوتی جارہی ہے۔

نمبر۳۔ اس سورت کا نام طٰہٰ ہے اور اس میں آٹھ رکوع اور ۱۳۵ آیات ہیں اس کا نام اس کے پہلے حروف سے لیا گیا ہے جن سے یہ سورت شروع ہوتی ہے اور جن میں آنحضرت صلعم کو مرد کامل کے نام سے خطاب کرکے یہ ظاہر کیا ہے کہ نور محمدی اپنے کمال کو پہنچ کر رہے گا گو ابتدا میں وہ ایک ہلال کی طرح نظر آئے اور اسی کمال کا ذکر ہی اس سورت میں ہے پس اس کا نام اس کے مضمون کو ظاہر کرتا ہے یہ سورت بھی اس سے پہلی تینوں سورتوں کی طرح جن کے مضمون کے ساتھ اس کے مضمون کا گہرا تعلق ہے پانچویں سال بعثت کے قریب قریب کی معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عمرؓ کی ہدایت کا موجب یہی سورت ہوئی تھی۔

نمبر۴۔ طٰہٰ بعض لغتوں میں یا رجل کی جگہ بولا جاتا ہے یعنی اے مرد۔ اور اس کے نکرہ رکھنے میں عظمت اور کمال کی طرف اشارہ ہے اور روح المعانی میں باب الاشارہ میں ہے کہ طٰہٰ کے عدد چودہ ہیں اور یہ مرتبہ بدریہ کی طرف اشارہ ہے یا یہ کہ نور محمدی جس کا انکار کیا جائے گا۔ چودھویں کے چاند کی طرح اپنے کمال کو پہنچے گا اور یہ عجیب بات ہے کہ وہ حق جو شروع میں ایک ہلال کی طرح تھا، ٹھیک چودھویں سال میں یوں کمال کو پہنچا۔ اس کی قبولیت کو استحکام حاصل ہوا اور اس کے مخالفوں کی قوت و شوکت ٹوٹ گئی کیا عجب ہے کہ چودھویں صدی میں پھر ایک دفعہ یہ نور محمدی جس کے مٹانے کی کوشش کی گئی ہے از سر نو بدر ہو کر چمکے۔

مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝۲

ہم نے تجھ پر قرآن اس لیے نہیں اتارا کہ تو ناکام رہے ؎۱

اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝۳

بلکہ یہ اس کے لیے نصیحت ہے جو ڈرتا ہے۔

تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝۴

اس کی طرف سے اتارا گیا ہے جس نے زمین اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا۔

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۝۵

وہ رحمٰن رب ہے جو عرش پر قائم ہے۔

لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۝۶

اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو ان دونوں کے درمیان ہے اور جو گیلی مٹی کے نیچے ہے۔

وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ۝۷

اور اگر تو پکار کر بات کہے تو وہ بھید کو اور اس سے مخفی بات کو بھی جانتا ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَهُ الْاَسْمَاۗءُ الْحُسْنٰى ۝۸

اللہ، اس کے سوائے کوئی معبود نہیں اچھے نام اسی کے ہیں۔

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝۹

اور کیا تجھے موسیٰ کی خبر پہنچی ہے؟

اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّىْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّىْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝۱۰

جب اسے آگ دکھائی دی تو اپنے گھر والوں سے کہا ٹھیر جاؤ میں نے آگ دیکھی ہے، شاید میں تمہارے پاس اس میں سے (ایک) شعلہ لے آؤں یا اسی آگ پر رستہ پاؤں ؎۲

نمبر۱۔ اتنی بڑی عظیم الشان اور کامل کتاب اللہ تعالےٰ نے اپنے پیغمبر پر نازل کی ہے تو یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ پیغمبر اب اس غرض کے حصول میں ناکام رہے جس کے لیے وہ کتاب نازل کی گئی ہے۔ بالفاظ دیگر کتاب اس لیے نازل کی ہے کہ تم مخلوق الٰہی کو ہدایت پر لا سکو۔ اس لیے یہ لازمی ہے کہ تم کامیاب بھی ہو۔ چونکہ پچھلی سورت کے آخر پر ایک سخت جھگڑالو قوم کا ذکر کیا تھا اس لیے اب تشفی دیتا ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ سے آخر دنیا ہدایت کو قبول کرے گی۔

نمبر۲۔ یہاں حضرت موسیٰ پر نزول وحی کی ابتدا کا ذکر کیا ہے اور جو کچھ یہاں فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت موسیٰ سفر میں تھے اور آپ کے اہل آپ کے ساتھ تھے اور یہ سفر مدین سے مصر کی طرف واپسی کا تھا (۴۰) اور طور کی جانب میں یہ واقعہ پیش آیا (القصص۔ ۲۹) یہ آگ کیسی تھی؟ یہ تو اگلی آیات سے ثابت ہے کہ یہ آگ نہ تھی جو جلانے کا کام دیتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی ایک رؤیت حالت منام میں ہے اور ایک رؤیت حالت کشف میں اور ایک حالت وحی میں اور ایک رؤیت عام واقعات کی جیسے عام انسانوں میں۔ اب یہ رؤیت عام واقعات کی تو نہ تھی کیونکہ وہ آگ ایسی نہ تھی جس میں سے حضرت موسیٰ جلتی ہوئی لکڑی اٹھا لاتے اور یہ حالت خواب بھی نہیں اور وحی کا نزول بھی ابھی آپ پر نہیں ہوا۔ پس یہ کشف کی حالت ہے اور کشف میں انسان حالت بیداری میں ایک واقعہ کو دیکھتا ہے مگر وہ واقعہ دوسرے عالم کا ہوتا ہے۔

اجد علی النار ھدی کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہاں کوئی رستہ بتانے والا مل جانے اور یہ بھی کہ وہاں ہدایت دینی ملے اسی دوسرے معنی کے قریب قریب معنے مجاہد اور قتادہ سے مروی ہیں۔ یہ دوسرے معنی ہی یہاں موزون ہیں۔ گویا حضرت موسیٰ کو خود بھی ظن غالب یہ تھا کہ یہ کشفی نظارہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ہدایت دینی ملنے والی ہے۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ⑪	سو جب اس کے پاس آیا آواز آئی اے موسیٰؑ!
اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ	میں تیرا رب ہوں، سو تو اپنی جوتیاں اتار دے تو پاک وادی
بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ⑫	طوےٰ میں ہے ۱؎
وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ⑬	اور میں نے تجھے چن لیا سو اسے سن جو وحی کی جاتی ہے۔
اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ	میں اللہ ہوں میرے سوائے کوئی معبود نہیں، سو میری عبادت کر
وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ⑭	اور میرے ذکر کے لیے نماز قائم کر۔
اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا	وہ گھڑی ضرور آنے والی ہے میں اسے مخفی ہی رکھنا چاہتا ہوں تاکہ
لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ⑮	ہر نفس کو اس کے مطابق بدلہ دیا جائے جو وہ کوشش کرتا ہے۔
فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا	تجھے اس سے وہ شخص نہ روکے جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور
وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ⑯	اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے سو تو ہلاک ہو جائے۔
وَ مَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ⑰	اور اے موسیٰؑ یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟
قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَ اَهُشُّ	اس نے کہا یہ میرا عصا ہے میں اس پر سہارا لگاتا ہوں اور اس سے
بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَ لِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ⑱	میں اپنی بکریوں کے لیے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لیے اور بھی فائدے ہیں
قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى ⑲	کہا اے موسیٰؑ اسے ڈال دے۔
فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ⑳	سو اُسے ڈال دیا تو کیا دیکھا کہ وہ سانپ ہے (جو) دوڑ رہا ہے ۲؎

نمبر۱۔ ظاہر ہے کہ جس کا ذکر پہلی آیت اور اس آیت میں ہے الٰہی ہے اذ ناداہ ربہ بالواد المقدس طوی (النزعٰت ۔۱۶) اور پکارنے والا خود اللہ تعالیٰ ہے وہ آواز کسی درخت کی نہیں۔ اور طویٰ وادی کا نام ہے اور وحی جس طرح پر انبیاء کو ہوتی ہے اسی طرح حضرت موسیٰؑ کو ہوئی اور بعض لوگوں نے جو یہاں پر بحث کی ہے کہ لفظ کوئی نہ تھے تو یہ صحیح نہیں وحی متلو میں ہمیشہ لفظ ہوتے ہیں اور جوتیاں اتارنے سے کیا مراد ہے مفردات میں ایک قول نقل کیا ہے کہ یہ ایک مثال ہے اور مراد اس سے یہ ہے کہ مضبوط ہو جاؤ اور روح المعانی میں ہے کہ نعل سے مراد وہ چیز بھی لی جاتی ہے جو آرام کا موجب ہو اس لیے مراد یہ ہے کہ اہل اور مال کے خیال سے اپنے دل کو خالی کر دے اور انی انا ربك کے ساتھ یہی معنی موزون ہیں کیونکہ اگر جوتی میں ہو کر اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا مرتبہ حاصل ہو سکتا ہے تو کسی پاک مقام پر پاک جوتی کا جانا منع نہیں ہو سکتا اسی کی مثال ہے جو نبی کریم صلعم کو حکم ہوا وثیابك فطھر (المدثر ۷۴ ۔ ۴) تو مراد اس سے عمل صالح کا کرنا یا تطہیر نفس ہے۔

نمبر۲۔ حیّۃ سانپ کو کہتے ہیں اور یہ حیاۃ بمعنی زندگی سے مشتق ہے بوجہ اپنی زندگی کے طول کے اور چھوٹے بڑے دونوں پر اس کا استعمال ہوتا ہے قرآن کریم میں تین جگہ یہ ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو وحی کی اور عصا ڈالنے کو کہا تو وہ سانپ بن گیا ایک یہاں اور اسے حیّۃ کہا ہے۔ دوسرا (النمل ۲۷ ۔ ۱۰) میں اور تیسرا (القصص ۔۳۱) جہاں دونوں جگہ اسے جانّ کہا ہے۔ جانّ باریک سانپ کو کہتے ہیں اور دو جگہ یہ ذکر ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے سامنے عصا ڈالا تو وہاں دونوں جگہ ثعبان کا لفظ ہے یعنی اژدہا (الاعراف ۔۱۰۷) اور (الشعراء ۲۶ ۔ ۳۲) اور ساحروں کے مقابلہ پر جہاں ڈالنے کا حکم ہے تو وہاں ان دونوں

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ﴿٢١﴾	کہا اسے پکڑ لے اور ڈر نہیں، ہم اسے اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے [1]۔
وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ﴿٢٢﴾	اور اپنا ہاتھ اپنے پہلو سے لگا، وہ سفید نکل آئے گا، بغیر اس کے کہ اس میں کوئی بُرائی ہو (یہ) دوسرا نشان (ہے)۔
لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَىٰ ﴿٢٣﴾	تاکہ ہم تجھے اپنے بہت بڑے نشانوں میں سے دکھائیں [2]۔
اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿٢٤﴾	فرعون کی طرف جا کہ وہ حد سے نکل گیا ہے۔
قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿٢٥﴾	موسیٰؑ نے کہا میرے رب میرا سینہ کھول دے۔
وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿٢٦﴾	اور میرا کام میرے لیے آسان کر دے۔
وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي ﴿٢٧﴾	اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔
يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿٢٨﴾	تاکہ میری بات کو سمجھ لیں [3]۔

میں سے کوئی لفظ اختیار نہیں فرمایا۔ صرف یہ فرمایا ہے کہ جو کچھ ساحروں نے بنایا تھا عصا اُسے نگل گیا (الاعراف ۷-۱۱۷؛ طٰہٰ ۲۰-۶۹؛ الشعراء ۲۶-۴۵) یہ فرق بلاوجہ نہیں ہو سکتا۔ ظاہر ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ کو اکیلے عصا کا سانپ بننا دکھایا گیا ہے تو یہ معجزہ نہیں کیونکہ معجزہ کی ضرورت منکر کے لیے ہوتی ہے اور حضرت موسیٰ منکر نہ تھے نہ یہ بتانے کو ہے کہ اس عصا میں یہ خاصیت ہے کہ جب ڈالا جائے گا تو سانپ بن جائے گا۔ کیونکہ نہ صرف اس کے حضرت موسیٰؑ کی ساری زندگی میں سوائے فرعون کے مقابلہ پر سانپ بننے کا ذکر نہیں کیا، بلکہ خود ساحروں کے مقابل پر بھی حضرت موسیٰؑ نے عصا نہیں ڈالا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نہیں ہوئی۔ پس ہر جگہ پر عصا ڈالنے اور اس کے سانپ بننے کی غرض الگ ہے۔ اور حضرت موسیٰؑ کو اپنے طور پر اس کیفیت کے دکھانے کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی قوم کو اللہ تعالیٰ زندہ کرے گا اور فرعون کے مقابل پر اژدہا بنانے کا یہ منشا ہے کہ آپ کی جماعت اسے اور اس کی افواج کو کھا جائے گی اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ عصا سانپ یا اژدہا نہیں بنا تھا بلکہ یہ مطلب ہے کہ سانپ یا اژدہا بننے کے نیچے یہ مفہوم تھا۔

نمبر ۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ عصا کے سانپ ہونے کی حالت محض ایک وقتی حالت تھی۔

نمبر ۲۔ مطلب یہ ہے کہ یہ نشان جو ہم نے دکھائے ہیں اس لیے دکھائے ہیں تاکہ اس سے بھی بڑے نشان تمہیں دکھائیں اور اس سے بڑے نشانوں سے مراد وہی غلبہ ہے جس کی طرف ان نشانات میں اشارہ تھا۔

نمبر ۳۔ شرح صدر سے مراد دلائل کا ملنا اور تیسیر میں مشکلات کے دور ہونے کی دعا ہے اور عقدۃ لسان کے کھلنے سے مراد جیسا کہ امام راغب نے لکھا ہے قوت بیانی میں جو نقص ہے اس کا دُور کیا جانا ہے اور قرآن شریف نے خود بھی یہی فرمایا ہے کیونکہ ایک جگہ فرعون کا اعتراض ہے ولا یکاد یبین (الزخرف ۴۳-۵۲) یعنی موسیٰؑ میں قوت بیانی نہیں۔ اور حضرت موسیٰؑ خود ہارونؑ کا ذکر کر کے فرماتے ہیں ھو افصح منی لسانا (القصص ۲۸-۳۴) اور خود اپنے متعلق فرماتے ہیں ویضیق صدری ولا ینطلق لسانی (الشعراء ۲۶-۱۳) پس یہ خیال کہ حضرت موسیٰؑ کی زبان میں کوئی گرہ تھی صحیح نہیں اور یہاں عصا اور ید بیضا کا نشان مل جانے کے بعد حضرت موسیٰؑ تین باتوں کے لیے دعا کرتے ہیں: اوّل شرح صدر یعنی اعلیٰ درجہ کی دلائل میسر آجائیں۔ دوسرے اُن دلائل کے پیش کرنے میں جو مشکلات اور رکاوٹیں ہیں وہ دور ہو جائیں تیسرے فصاحت لسانی ملے اور ان سب کا نتیجہ یہ کہ آپ کے مخاطب اصل بات کو اچھی طرح سمجھ لیں جس سے صاف معلوم ہوا کہ تبلیغ حق کے لیے ان باتوں کی ضرورت حضرت موسیٰؑ کو تھی جیسے آج ہر مبلغ کو ہے۔

وَ اجۡعَلۡ لِّیۡ وَزِیۡرًا مِّنۡ اَهۡلِیۡ ﴿۲۹﴾ — اور میرے ساتھیوں میں سے ایک میرا بوجھ بٹانیوالا بنا دے۔

هٰرُوۡنَ اَخِی ﴿۳۰﴾ — ہارون میرا بھائی [۱]۔

اشۡدُدۡ بِهٖۤ اَزۡرِیۡ ﴿۳۱﴾ — میری قوت کو اس کے ساتھ مضبوط کر۔

وَ اَشۡرِكۡهُ فِیۡۤ اَمۡرِیۡ ﴿۳۲﴾ — اور میرے کام میں اسے شریک کر [۲]۔

كَیۡ نُسَبِّحَكَ كَثِیۡرًا ﴿۳۳﴾ — تاکہ تیری بہت تسبیح کریں۔

وَّ نَذۡكُرَكَ كَثِیۡرًا ﴿۳۴﴾ — اور تجھے بہت یاد کریں۔

اِنَّكَ كُنۡتَ بِنَا بَصِیۡرًا ﴿۳۵﴾ — تو ہمیں ہر حال میں دیکھتا ہے۔

قَالَ قَدۡ اُوۡتِیۡتَ سُؤۡلَكَ یٰمُوۡسٰی ﴿۳۶﴾ — کہا اے موسیٰ تیری درخواست منظور ہوئی۔

وَ لَقَدۡ مَنَنَّا عَلَیۡكَ مَرَّةً اُخۡرٰۤی ﴿۳۷﴾ — اور یقیناً ہم نے تجھ پر ایک بار اور احسان کیا۔

اِذۡ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰۤی اُمِّكَ مَا یُوۡحٰۤی ﴿۳۸﴾ — جب ہم نے تیری ماں کی طرف وحی کی جو (اب) وحی کی جاتی ہے۔

اَنِ اقۡذِفِیۡهِ فِی التَّابُوۡتِ فَاقۡذِفِیۡهِ
فِی الۡیَمِّ فَلۡیُلۡقِهِ الۡیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاۡخُذۡهُ
عَدُوٌّ لِّیۡ وَ عَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَ اَلۡقَیۡتُ عَلَیۡكَ
مَحَبَّةً مِّنِّیۡ ۚ۬ وَ لِتُصۡنَعَ عَلٰی
عَیۡنِیۡ ﴿۳۹﴾

کہ اسے صندوق میں ڈال دے، پھر اس (صندوق) کو دریا میں ڈال دے تو دریا اسے کنارے پر ڈال دے گا۔ تاکہ میرا ایک دشمن اور اس کا دشمن اسے لے لے اور میں نے تجھ پر اپنی طرف سے محبت ڈالی۔ اور تاکہ میرے سامنے تیری تربیت کی جائے [۳]۔

نمبر۱۔ حضرت موسیٰ کی یہ دوسری درخواست جناب ... میں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کو فرعون کے قبضہ سے نکالنے کے لیے اور اس کی سارے پہلوؤں میں اصلاح کے لیے حضرت موسیٰ نے اپنے آپ کو کافی نہیں سمجھا اور ایک مددگار ساتھ چاہا ہے اور اس مددگار کو نام سے مخصوص کیا ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت موسیٰ نے دعا کی تھی کہ ہارون کو نبی بنا دیا جائے ایسی کسی دعا کا قرآن شریف میں کوئی ذکر نہیں اور فارسل الی ھٰرون (الشعراء - ۱۳) اور فرسلہ معی (القصص - ۳۴) سے بھی یہ مراد نہیں کہ اسے رسول بنا دے بلکہ اپنے ساتھ فرعون کی طرف بھیجا جانے کی درخواست ہے اور حضرت موسیٰ کی اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں یہ علم تھا کہ ان کے بھائی ہارون کو نبوت مل چکی ہے اور یہ حضرت موسیٰ سے بڑے تھے۔

نمبر۲۔ امر سے مراد یہاں امر تبلیغ و دعوت الی الحق ہے نہ نبوت۔

نمبر۳۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اس وحی کا ذکر کیا ہے جو حضرت موسیٰ کی والدہ کو ہوئی کہ اپنے بچہ کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دے اللہ تعالیٰ خود اس کی حفاظت کے سامان پیدا کردیگا اور ایسا ہی انھوں نے کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وحی الٰہی غیر نبی کو بھی (کیونکہ حضرت موسیٰ کی والدہ نبیہ نہ تھیں) ایسی ہی یقینی ہو سکتی ہے جیسے نبی کو لیکن اس میں جو امور ظاہر کیے جاتے ہیں وہ اور رنگ کے ہوتے ہیں اگر حضرت موسیٰ کی والدہ کو اس وحی کے منجانب اللہ ہونے کا یقین کامل نہ ہوتا تو وہ اپنے بچہ کو اس کی بنا پر دریا میں نہ ڈال سکتی تھیں۔

إِذْ تَمْشِيٓ أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُۥ ۖ فَرَجَعْنَٰكَ إِلَىٰٓ أُمِّكَ كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَٰكَ مِنَ ٱلْغَمِّ وَفَتَنَّٰكَ فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِىٓ أَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَٰمُوسَىٰ ﴿٤٠﴾

جب تیری بہن گئی اور کہا کیا میں تمھیں بتاؤں جو اس کی پرورش کو اپنے ذمہ لے، سو ہم نے تجھے تیری ماں کی طرف لوٹایا تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ غم نہ کرے اور تو نے ایک شخص کو مار ڈالا، سو ہم نے تجھے غم سے نجات دی اور ہم نے تجھے طرح طرح کی تکلیفوں میں مبتلا کیا، پھر تو مدین کے لوگوں میں کئی سال رہا، پھر تو اے موسیٰؑ ایک اندازے پر آگیا۔

وَٱصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِى ﴿٤١﴾

اور میں نے تجھے اپنے لیے کمال خوبی میں بنایا ہے[1]

ٱذْهَبْ أَنتَ وَأَخُوكَ بِـَٔايَٰتِى وَلَا تَنِيَا فِى ذِكْرِى ﴿٤٢﴾

تُو اور تیرا بھائی میری آیتوں کے ساتھ جاؤ اور میرے ذکر میں سستی نہ کرنا۔

ٱذْهَبَآ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُۥ طَغَىٰ ﴿٤٣﴾

دونوں فرعون کی طرف جاؤ کہ وہ حد سے نکل گیا ہے۔

فَقُولَا لَهُۥ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُۥ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ ﴿٤٤﴾

سو اُسے نرم بات کہو، شاید وہ نصیحت پکڑے یا ڈرے[2]

اللہ تعالیٰ کے حضرت موسیٰؑ پر محبت ڈالنے میں یہ بتایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی محبت قلوب میں پہلے سے ہوتی ہے یہ حضرت موسیٰؑ کی خصوصیت نہیں بلکہ اس قسم کے الفاظ سب ہی انبیاء پر صادق آتے ہیں خود ہمارے نبی کریم صلعم پر اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے محبت ڈالی گئی تھی اور کوئی دل نہ تھا جو آپ کی محبت سے خالی ہوتا اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا کہ میرے سامنے تو اچھا بنایا جائے ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کے لیے پرورش کے سامان بھی ویسے مہیا فرما دیتا ہے کہ ان کی تربیت اچھی ہو اور اللہ تعالیٰ کے سامنے اس لیے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان میں کوئی ایسی بات پیدا ہونے نہیں دیتا جو ان کے آیندہ منصب کے خلاف ہو وہ گویا اللہ تعالیٰ کے حضور پرورش پاتے ہیں گو ظاہری ذرائع کیسے ہی ہوں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ دشمنوں کے ہاتھ سے بھی ان کی پرورش اسی اعلیٰ درجہ کے معیار پر کرا لیتا ہے۔ یہ بھی انبیاء کی عصمت پر دلیل ہے۔

نمبر ۱۔ اس لیے کہ انبیاء اللہ تعالیٰ کا نام ہی دنیا میں پھیلاتے ہیں اور نیکی اور پاکیزگی کی تعلیم دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابن عباسؓ سے اس کے معنی مروی ہیں اپنی وحی اور رسالت کے لیے پس معلوم ہُوا کہ انبیاء کی زندگی محض خدا کے لیے ہوتی ہے اور وہ تمام اغراض نفسانی سے پاک ہوتے ہیں۔

نمبر ۲۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ فرعون حد سے گزر گیا ہے وہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کرتا تھا نہایت ذلیل کام ان سے لیتا تھا۔ با ایں کلمۂ حق پہنچانے کے لیے اپنے نبیوں کو بھی ارشاد ہوتا ہے کہ اس سے نرمی سے بات کرنا اور پھر ساتھ ہی امید دلاتا ہے کہ شاید وہ نصیحت پکڑے یہ ہے تبلیغ حق کا طریق جس کی پیروی آج مسلمانوں کو کرنی چاہیئے۔ اگر وہ اس وقت اسی حالت میں ہیں جس حالت میں بنی اسرائیل فرعون کے ماتحت تھے اگر ان پر حکمران قوم حد سے نکل چکی ہے اگر ان کے بیٹے ذبح کیے جاتے ہیں اگر ان کو ذلیل سمجھا جاتا ہے اور ذلیل حالت میں رکھا جاتا ہے تو بھی اس قوم سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔

قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ
عَلَيْنَآ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى ٤٥

دونوں نے کہا، ہمارے رب ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم
پر زیادتی کرے یا حد سے نکل جائے۔

قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ٤٦

کہا مت ڈرو میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا اور دیکھتا ہوں۔

فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ
مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ ۭ
قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۭ وَالسَّلٰمُ
عَلٰي مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ٤٧

سو اس کے پاس جاؤ اور کہو ہم تیرے رب کے دو رسول ہیں،
سو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیجدے۔
اور انھیں دکھ نہ دے۔ ہم تیرے رب کی طرف سے تیرے پاس
ایک نشان لائے ہیں اور اس پر سلامتی ہے جو ہدایت کی پیروی کرتا ہے

اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰي مَنْ
كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ٤٨

ہماری طرف یہ وحی ہوئی ہے کہ عذاب اس پر ہے، جو
جھٹلاتا ہے اور پھر جاتا ہے۔

قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى ٤٩

(فرعون نے) کہا اے موسیٰ! تم دونوں کا رب کون ہے؟

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰي كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ
ثُمَّ هَدٰى ٥٠

کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کی پیدائش عطا
کی پھر اسے (اپنے کمال کی) راہ دکھائی [1]

قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى ٥١

اس نے کہا تو پھر پہلی نسلوں کا کیا حال ہے۔

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ فِيْ كِتٰبٍ ۚ لَا يَضِلُّ
رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ٥٢

کہا اُن کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں ہے، میرا رب
غلطی نہیں کرتا، نہ بھولتا ہے [2]

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ
لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۭ

وہ جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا اور تمہارے لیے
اس میں رستے چلائے اور بادل سے پانی اتارا، پھر ہم اس کے

نمبر۱۔ سوال رب کے متعلق تھا اس لیے فرمایا کہ وہ صرف خالق ہی نہیں اور اس نے مخلوق کو پیدا کر کے یونہی نہیں چھوڑ دیا، بلکہ اس کی ربوبیت کا یہ اقتضا ہے کہ اسے ہدایت بھی دی یعنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کی راہ دکھائی اسی فطری ہدایت سے ہر چیز اپنے دائرہ میں کمال کو حاصل کرتی ہے اور اس میں وحی الٰہی کی ضرورت پر بھی دلیل ہے اور بتایا ہے کہ انسان کو اس کے کمال تک پہنچنے کے لیے وحی کی ضرورت ہے کیونکہ روحانی کمال کے لیے روحانی سامانوں کی ضرورت ہے۔

نمبر۲۔ سوال کا مطلب یہ تھا کہ پہلی قومیں جنھیں یہ ہدایت نہیں ملی، ان کا کیا حال ہے تو اس کا جواب دیا ہے کہ وہ میرا کام نہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے مناسب حال جو سامان چاہا کر دیا کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے وہ نہ کسی کے متعلق غلطی کرتا ہے نہ کسی کو بھولتا ہے۔

فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾
ساتھ مختلف سبزیوں کے جوڑے پیدا کرتے ہیں ۱؎

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى ﴿۵۴﴾ ع
کھاؤ اور اپنے چارپایوں کو چراؤ یقیناً اس میں عقل والوں کے لیے نشان ہیں۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ﴿۵۵﴾
اسی (زمین) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے ہم تمہیں دوسری دفعہ نکالیں گے ۲؎

وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ﴿۵۶﴾
اور ہم نے اسے اپنے سب کے سب نشان دکھائے مگر اس نے جھٹلایا اور انکار کیا۔

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ یٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾
کہا اے موسیٰ کیا تو ہمارے پاس آیا ہے کہ اپنے جادو سے ہمیں اپنے ملک سے نکال دے۔

فَلَنَاْتِیَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَیْنَنَا وَبَیْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَاۤ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾
سو ہم ضرور تیرے پاس اسی طرح کا جادو لائیں گے سو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وعدہ ٹھیرا لے جس کی نہ ہم خلاف ورزی کریں اور نہ تو برابر مکان میں (رہوں) ۳؎

قَالَ مَوْعِدُكُمْ یَوْمُ الزِّیْنَةِ وَاَنْ یُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾
کہا تمہارا وعدے کا وقت جشن کا دن ہے اور یہ کہ لوگ چاشت کے وقت جمع کیے جائیں ۴؎

فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَیْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿۶۰﴾
سو فرعون پھر گیا اور اپنی تدبیروں کو جمع کیا پھر آیا۔

نمبر۱۔ اس میں اسی پہلی دلیل کو اور بسط کے ساتھ بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ جس طرح اوپر سے پانی برستا ہے تو زمین کی روئیدگیاں نکل آتی ہیں اسی طرح وحی الٰہی قلب انسانی کو زندگی بخشتی ہے اور اس میں طرح طرح کی قوتیں نشو و نما پاتی ہیں۔ ازواج کے لفظ میں یہی اشارہ ہے کہ ہر چیز اپنا ایک زوج رکھتی ہے جس سے اثر قبول کر کے وہ لقائے حیات میں ساون ہوتی ہے۔ قلب انسانی بغیر ہدایت وحی کے ترقی نہیں کر سکتا۔

نمبر۲۔ سب انسان زمین سے ہی پیدا ہوتے ہیں اور زمین میں ہی لوٹ کر جاتے ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے اور دوسری مرتبہ زمین سے پیدا کیا جانا اس لحاظ سے ہے کہ انسان کے وہ اعمال جن سے اس کی دوسری زندگی پیدا ہوتی ہے اسی زمین پر ہی ہوتے ہیں نہ اس سے باہر اور سچ تو یہ ہے کہ پہلی مرتبہ زمین سے پیدا کیا جانا بھی کئی مراحل سے وقوع میں آتا ہے اور یہ نہیں ہوتا کہ ایک مٹی کا بُت بنا کر کھڑا کر دیا جائے بلکہ اس مٹی سے نباتات اور غلّے پیدا ہوتے ہیں جنھیں حیوانات کھاتے ہیں اور انسان بھی پھر ان غذاؤں کا خلاصہ در خلاصہ وہ چیز ہے جس سے ہر انسان کی پیدائش کی ابتدا ہوتی ہے۔ دوسری زندگی کن مراحل سے گزر کر آئیگی اور کن طریقوں پر یا کیسی ہوگی یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ دوسرے عالم کے متعلق ہے۔

نمبر۳۔ ایسی جگہ ہو جہاں ہم اور تم برابر ہوں یعنی حاکم اور رعیت کا جو فرق ہے وہ اس میدان میں نہ ہوگا۔ کیونکہ اس اجتماع کی غرض تحقیق حق تھی اور یہی معنی یہاں موزوں ہیں۔ یہ حضرت موسیٰؑ کی نرم گفتگو کا نتیجہ تھا کہ فرعون تحقیق حق پر اس طرح راضی ہوگیا اور گو وہ خود محروم رہا مگر اس کی قوم میں سے کئی لوگ ایمان لے آئے۔

نمبر۴۔ یوم الزینۃ سے مراد وہ دن ہے جس میں لوگ زینت کرتے ہیں اور یہ نوروز یا کوئی میلہ یا کوئی اور جشن کا دن ہو سکتا ہے۔

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى
اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَ قَدْ
خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾

موسیٰؑ نے انھیں کہا، تم پر افسوس! اللہ پر جھوٹ نہ باندھو ورنہ وہ تمھیں عذاب سے فنا کر دے اور جو جھوٹ بناتا ہے وہ نامراد رہتا ہے۔

فَتَنَازَعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَ اَسَرُّوا النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾

تب انھوں نے اپنے معاملہ میں باہم جھگڑا کیا اور مشورے کو مخفی رکھا۱۔

قَالُوْۤا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ اَنْ
يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا
بِطَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى ﴿٦٣﴾

انھوں نے کہا یہ جادوگر ہیں (جو) چاہتے ہیں کہ اپنے جادو سے تمھیں تمھارے ملک سے نکال دیں، اور تمھارے عمدہ طریقہ کو مٹا دیں۔

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ
اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿٦٤﴾

اس لیے اپنی تدبیر کو پختہ کرو، پھر صف باندھ کر آؤ، اور آج وہی کامیاب ہے جو غالب ہوا۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ وَ اِمَّاۤ اَنْ
نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿٦٥﴾

انھوں نے کہا، اے موسیٰؑ! کیا تو ڈالے گا یا ہم پہلے ڈالنے والے ہوں۔

قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَ
عِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ
اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿٦٦﴾

کہا، بلکہ تم ڈالو، تو اُن کی رسّیاں اور اُن کی لاٹھیاں اُن کے جادو سے اُسے ایسا خیال ہوا کہ گویا وہ دوڑ رہی ہیں ۲۔

نمبر۱۔ اس سے پہلی آیت میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے ان کو سمجھایا کہ افترا نہ کریں اسی کا اثر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں باہم کچھ اختلاف ہوا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے یقیناً وہاں کوئی تقریر کی ہے اور یہی اصل بات ہے جو کبھی فرعون کے سرداروں کے اور کبھی ساحروں کے دلوں کو کھائے چلی جاتی ہے اور یہ ہونا بھی ضروری تھا اس لیے کہ اشرح لی صدری اور احلل عقدۃ من لسانی (۲۰: ۲۵، ۲۷) کی دعا بیکار تھی اگر اصل مقابلہ دلائل میں نہ تھا اور قبل اس کے کہ ساحر اپنے ہاتھ کے کرتب دکھائیں ان کے دل حضرت موسیٰؑ کے دلائل حقہ سے کھائے گئے تھے۔ چنانچہ آخر پر وہ کہتے بھی ہیں ما اکرھتنا علیہ من السحر (۷۳)، جس سے معلوم ہوا کہ فرعون نے مجبور کر کے ان سے وہ شعبدہ بازی کرائی جس کا ذکر آگے آتا ہے وہ خود اس پر رضامند نہ تھے۔

نمبر۲۔ اعراف - ۱۱۶ میں صرف یہ ذکر ہے کہ لوگوں کو مرعوب کر دیا اور ان کی آنکھوں کو دھوکا دیا۔ یہاں حضرت موسیٰؑ کا ذکر ہے کہ آپ کو وہ رسّیاں وغیرہ دوڑتی ہوئی خیال میں گزریں۔ یہ نہیں فرمایا کہ ساحروں نے رسیوں کی قلب ماہیت کر دی تھی اور وہ فی الواقع دوڑنے لگیں بلکہ صرف ان کی چالاکی اور دھوکا دہی سے حضرت موسیٰؑ کو بھی یہ خیال گزرا کہ یہ دوڑ رہی ہیں۔ پس یہ محض چالاکی اور دھوکا دہی تھی جس طرح آجکل بھی شعبدہ باز کر لیتے ہیں۔ ساحروں کی رسیوں اور لاٹھیوں کا فی الحقیقت سانپ بننا قرآن شریف میں مذکور نہیں۔ مفسرین نے اس شعبدہ بازی کی کچھ تفصیلات بیان کی ہیں کسی نے کہا ہے ان میں پارہ بھر دیا تھا کسی نے کہا نیچے آگ جلا دی تھی۔ یہ سب بے ضرورت باتیں ہیں جس تفصیل کو اللہ تعالیٰ نے چھوڑ دیا ہے اس کی ہمیں ضرورت نہیں اور اس قسم کی شعبدہ بازیاں ایسی عام ہیں کہ کسی شخص کو یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ مداری ہر جگہ ایسی شعبدہ بازیاں دکھاتے رہتے ہیں۔

فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ۝٦٧

پس موسیٰؑ نے اپنے دل میں خوف معلوم کیا۔[1]

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ۝٦٨

ہم نے کہا ڈر نہیں، تو ہی غالب ہے۔

وَ اَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ
اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَ لَا يُفْلِحُ
السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ۝٦٩

اور جو تیرے دائیں ہاتھ میں ہے ڈال دے، کہ جو انھوں نے بنایا اُسے نگل جائے، جو انھوں نے بنایا ہے جادوگر کی چال ہے اور جادوگر کامیاب نہیں ہوتا خواہ کہیں سے آئے۔

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ
هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰى ۝٧٠

پس جادوگر سجدے میں گر گئے، کہنے لگے ہم ہارونؑ اور موسیٰؑ کے رب پر ایمان لائے۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ؕ
اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ
فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ
خِلَافٍ وَّ لَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫
وَ لَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّ اَبْقٰى ۝٧١

(فرعون نے) کہا تم اس پر ایمان لائے اس سے پہلے کہ میں تمھیں اجازت دوں یقیناً وہ تمھارا بڑا ہے جس نے تمھیں جادو سکھایا ہے۔ سو میں ضرور تمھارے ہاتھ اور تمھارے پاؤں مخالف اطراف سے کاٹ دونگا اور تمھیں کھجوروں کے تنوں میں صلیب دونگا اور تم جان لوگے ہم میں سے کون زیادہ سخت اور دیرپا عذاب دے سکتا ہے۔

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ
الْبَيِّنٰتِ وَ الَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ
قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝٧٢

انھوں نے کہا ہم تجھے اس پر ترجیح نہ دیں گے، جو نشان ہمارے پاس آچکے، اور نہ اس پر جس نے ہمیں پیدا کیا۔ سو کر گزر جو تو کرنے والا ہے تو صرف اس دنیا کی زندگی کے متعلق ہی حکم چلا سکتا ہے۔

اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَ مَآ
اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَ اللّٰهُ
خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝٧٣

ہم اپنے رب پر ایمان لائے تاکہ وہ ہماری خطائیں ہمیں بخش دے۔ اور وہ جادو (بھی) جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا اور اللہ ہی بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔[2]

نمبر۱۔ یہ خوف اس لیے تھا کہ لوگ دھوکا نہ کھا جائیں اور اللہ تعالیٰ نے تسلی دی اور بتایا انت الاعلیٰ یعنی تمھارا غلبہ کھلا ہوگا اور کسی قسم کا دھوکا باقی نہ رہے گا۔

نمبر۲۔ ایک آن کی آن میں کتنا بڑا تغیر ہے یہ محض ان کی شعبدہ بازی کے دھوکہ کے ظاہر ہو جانے سے نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ وہ خود جانتے تھے کہ یہ شعبدہ بازی ہے اور اگر شعبدہ باز کسی چالاکی کو کوئی معلوم کرے تو وہ اس پر ایمان نہیں لے آئے گا۔ پس یہ یقینی ثبوت ہے کہ اصل میں ان کے دل حضرت موسیٰؑ کے دلائل سے کھائے گئے ہیں اسی لیے وہ اب اس قدر پختہ ہیں کہ فرعون کی سزا دینے کی دھمکی کا کچھ بھی اثر ان پر نہیں پڑتا۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ لَا يَحْيٰى ﴿٧٤﴾

بات یہ ہے کہ جو اپنے رب کے حضور مجرم بن کر آئے گا تو اس کے لیے دوزخ ہے وہ نہ اس میں مرے گا اور نہ زندہ رہے گا۔[1]

وَ مَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿٧٥﴾

اور جو کوئی اس کے حضور مومن بن کر آئے گا کہ اس نے اچھے عمل کیے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے اونچے درجے ہیں۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿٧٦﴾ ع

ہمیشگی کے باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، انہی میں رہیں گے اور یہ اس کا بدلہ ہے جو پاک ہوا۔

وَ لَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ۬ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّ لَا تَخْشٰى ﴿٧٧﴾

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی۔ کہ میرے بندوں کو راتوں رات لے جا، پھر انھیں سمندر میں خشک رستہ پر جلد لے جا نہ تجھے پکڑا جانے کا خوف ہے اور نہ تو (غرق ہونے سے) ڈرے۔[2]

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ؕ ﴿٧٨﴾

تب فرعون نے اپنے لشکروں کے ساتھ ان کا پیچھا کیا، سو دریا نے انھیں جیسے ڈھانکنا تھا ڈھانک لیا۔

وَ اَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَ مَا هَدٰى ﴿٧٩﴾

اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور سیدھا رستہ نہ دکھایا۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَ وٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ﴿٨٠﴾

اے بنی اسرائیل ہم نے تمھیں تمھارے دشمن سے نجات دی اور طور کی بابرکت جانب کا تمھارے ساتھ عہد کیا اور تم پر منّ اور سلویٰ اتارا۔

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ لَا

ستھری چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمھیں دی ہیں اور اس میں حد

نمبر۱۔ جہنم میں موت نہیں، کیونکہ مر کر انسان دکھ سے چھوٹ جاتا ہے اور وہاں حیات یعنی زندگی بھی نہیں اس لیے کہ اصل زندگی تو لقاء اللہ ہے اذا دعاکم لما یحییکم اور وہ اہلِ نار کو میسر نہیں اور یا اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعماء سے محروم ہونگے اور زندگی ان نعماء سے فائدہ اُٹھانا ہے جیسا کہ بل احیاء عند ربھم میں نعماء سے لذت حاصل کرنا مراد لیا گیا ہے۔

نمبر۲۔ ان الفاظ سے اوّل تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ رستہ جس پر حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کو لے جانے کا حکم ہُوا تھا ایک ہی رستہ تھا۔ نہ بارہ رستے جیسا کہ اکثر لوگوں کا خیال ہے پھر سے طریق یا رستہ کہا ہے جس سے معلوم ہوا کہ اور لوگ بھی وہاں سے چلتے تھے کیونکہ طریق اسی کو کہا جاتا ہے جس پر لوگ چلیں اور یہی وجہ ہے کہ فرعون بھی اس رستہ پر چل پڑا اگر وہ سمندر کی دیواریں بن کر غیر معمولی خشک جگہیں ہوتیں تو نہ ان پر طریق کا لفظ بولا جاتا نہ فرعون کبھی ان پر چلنے کی جرأت کرتا۔ پھر حضرت موسیٰؑ کو مصر سے چلنے سے پیشتر وحی ہو جاتی ہے کہ سمندر میں خشک رستہ مل جائے گا اور یبس کے جو معنی امام راغب نے دیئے ہیں اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں سے پانی ہٹ گیا تھا۔ خواہ جوار بھاٹے سے ہو یا اور غیر معمولی اسباب سے۔

تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ	سے نہ بڑھو ، ورنہ میرا غضب تم پر اُترے گا اور جس پر میرا
وَ مَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى ﴿٨١﴾	غضب اُترا وہ پستی میں گر گیا ۔
وَ اِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ	اور یقیناً میں اس کو بخشنے والا ہوں جو توبہ کرتا ہے اور ایمان لاتا ہے
صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿٨٢﴾	اور اچھا عمل کرتا ہے ، پھر ہدایت پر قائم رہتا ہے ۔
وَ مَاۤ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿٨٣﴾	اور اے موسیٰؑ کیا چیز تجھے اپنی قوم (آگے) جلدی لے آئی ۔
قَالَ هُمْ اُولَاۤءِ عَلٰۤى اَثَرِيْ وَ عَجِلْتُ	کہا وہ بھی میرے نقشِ قدم پر ہیں[1] اور اے میرے رب
اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى ﴿٨٤﴾	میں نے تیری طرف جلدی کی تاکہ تو راضی ہو ۔
قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ	کہا تو ہم نے تیری قوم کو تیرے پیچھے فتنہ میں ڈالا ، اور
بَعْدِكَ وَ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾	سامری نے انھیں گمراہ کیا[2] ۔
فَرَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ	سو موسیٰؑ اپنی قوم کی طرف ناراض افسوس کرتا ہوا لوٹا ،
قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ	کہا ، اے میری قوم ! کیا تمھارے رب نے تم
وَعْدًا حَسَنًا ؕ اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ	سے اچھا وعدہ نہ کیا تھا ، تو کیا وہ وعدہ تمھیں
الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ يَّحِلَّ	لمبا معلوم ہوا ، بلکہ تم نے یہ ارادہ کر
عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ	لیا کہ تم پر تمھارے رب کا غضب اُترے ، سو تم نے
مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾	میرے ساتھ (وعدہ) وعدہ کا خلاف کیا ۔
قَالُوْا مَاۤ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا	انھوں نے کہا ہم نے تیرے (ساتھ) وعدہ کا خلاف اپنے اختیار سے
وَ لٰكِنَّا حُمِّلْنَاۤ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ	نہیں کیا بلکہ ہم پر قوم کی زینت سے بوجھ ڈالا گیا سو ہم نے اُسے

نمبر ۱۔ یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کے آدمیوں کو جو ساتھ لائے تھے پہاڑ کے نیچے چھوڑ کر خود اوپر چلے آئے تھے واختار موسیٰ قومہ سبعین رجلا لمیقاتنا (اعراف - ۱۵۵) اور اس سوال میں کوئی تنبیہ کرنا مقصود نہیں بلکہ صرف اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ انبیاء کے سب کام رضائے الٰہی کے لیے ہوتے ہیں اور بعض کے نزدیک ہم اولاء علیٰ اثری سے مراد یہ ہے کہ وہ میرے قریب ہی ہیں اور مراد ساری قوم ہے یعنی میری قوم بھی مجھ سے کچھ دور نہیں اور بعض کے نزدیک علیٰ اثری سے مراد علیٰ دینی ہے یعنی وہ میرے ہی دین پر ہیں۔

نمبر ۲۔ سامرۃ بنی اسرائیل کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ ہے جو بعض امور دینی میں یہود سے اختلاف رکھتے تھے اور سامری انہی کی طرف منسوب ہے اور بعض مفسرین نے سامری کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ایک قبطی تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مصر سے نکلا تھا اور وہ ایک منافق آدمی تھا اور یہ حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب ہے ۔

فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿٨٧﴾	پھینک دیا اور ایسا ہی سامری نے (خیال) ڈالا[۱]
فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ	پس ان کے لیے ایک بچھڑا نکال کھڑا کیا (محض) ایک جسم جس سے
فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى ۵	بچھڑے کی آواز نکلتی تھی، تو انھوں نے کہا یہ تمھارا معبود ہے اور
فَنَسِيَ ﴿٨٨﴾	موسٰی کا معبود ہے مگر (موسٰی) بھول گیا۔
اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ	کیا وہ غور نہ کرتے تھے کہ وہ ان کی بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ
ع وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿٨٩﴾	ان کے لیے کسی نقصان کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نفع کا۔
وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ	اور ہارونؑ نے ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا اے میری قوم
يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَاِنَّ رَبَّكُمُ	تم اس سے صرف آزمائش میں ڈالے گئے ہو اور تمھارا رب بہت رحم
الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴿٩٠﴾	کرنیوالا ہے سو میری پیروی کرو اور میرے حکم کی فرمانبرداری کرو[۲]
قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى	انھوں نے کہا ہم اس کی عبادت میں لگے رہیں گے جب تک کہ موسٰیؑ
يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى ﴿٩١﴾	ہماری طرف لوٹ کر آئے۔
قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا ﴿٩٢﴾	(موسٰیؑ نے) کہا اے ہارون کس چیز نے تجھے روکا جب تو نے انھیں دیکھا کہ گمراہ ہو گئے

نمبر۱- اوزارمن زینۃ القوم سے وہی مراد ہے جو دوسری جگہ من حلیہم سے مراد ہے (الاعراف - ۱۴۸) یعنی زیورات اور زینۃ القوم کے لفظ سے مفسرین نے عام طور پر یہ مراد لیا ہے کہ یہ وہ زیورات تھے جو بنی اسرائیل قبطیوں سے عاریتاً لے آئے تھے جیسا کہ خروج ۱۲ : ۳۵ میں ذکر ہے۔ مگر قرآن شریف کے الفاظ جہاں ان زیورات کو (الاعراف - ۱۴۸) میں حلیہم یعنی بنی اسرائیل کے زیورات قرار دیا ہے اس کی توجیہ کو صحیح نہیں ٹھہراتے اور بعض نے اُسے مالِ غنیمت قرار دیکر پھر خود ہی اعتراض کیا ہے کہ مالِ غنیمت کا لینا ان کے لیے جائز نہ تھا اور مالِ غنیمت اسے یوں بنایا ہے کہ جب فرعون اور اس کے ساتھی سمندر میں غرق ہو گئے تو ان کے زیورات سمندر نے ساحل پر پھینک دیئے اور وہ بنی اسرائیل نے لے لیے۔ مگر یہ سب دور از قیاس باتیں ہیں اور صحیح بات صرف اس قدر معلوم ہوتی ہے کہ فرعونیوں کی نقل کر کے بنی اسرائیل کے خیالات بھی زینت کے ظاہری سامانوں یعنی زیورات وغیرہ کی طرف بہت جھک گئے تھے اس لیے یہ تجویز کہ زیورات کو اتار دیا جائے سب کو اچھی بھی معلوم ہوتی۔ پس زینۃ القوم سے مراد اہلِ مصر کی ظاہری آرائش کے سامان ہیں اور جملانا میں یہ اشارہ ہے کہ بنی اسرائیل بھی ان کی نقل کر کے اس مرض میں مبتلا ہو گئے اور زیورات وغیرہ کا شوق بہت بڑھ گیا۔ اسی لیے دوسری جگہ حلیہم فرمایا۔ پھر یا تو ان زیورات سے بچھڑا بنایا گیا اور یا کوئی بت بچھڑے کا بنا کر اُن زیورات سے اُسے آراستہ کیا گیا اور بتوں کو زیورات پہنانے کا دستور بھی بُت پرست قوموں میں پایا جاتا ہے۔

نمبر۲- یہاں قرآن کریم نے نہایت صفائی سے بائبل کے اس قصہ کی تردید کی ہے کہ حضرت ہارونؑ بچھڑے کے بنانے اور عبادت میں شریک تھے یوں نہ صرف ان کی عدم شرکت کا ذکر کیا بلکہ یہ بھی بتایا کہ حضرت ہارونؑ نے بنی اسرائیل کو گوسالہ پرستی سے روکا بھی تھا ایسے ایسے مقامات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم بائبل کے قصوں کو نقل نہیں کرتا بلکہ اس کلام پاک کا سرچشمہ کوئی اور ہے اور وہ بائبل کی غلطیوں کی اصلاح کرتا ہے اور یہاں حضرت ہارونؑ کی عصمت کو ثابت کیا ہے۔

اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِىْ ﴿۹۳﴾	کہ تو نے میری اتباع نہ کی تو کیا تو نے میرے حکم کی نافرمانی کی ہے [۱]
قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِىْ وَلَا	کہا اے میری ماں کے بیٹے میری ڈاڑھی اور میرا سر نہ پکڑ میں
بِرَاْسِىْ ۚ اِنِّىْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ	ڈر گیا کہ تو کہے گا تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور
بَيْنَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِىْ ﴿۹۴﴾	میری بات کا پاس نہ کیا [۲]
قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِىُّ ﴿۹۵﴾	(موسیٰؑ نے) کہا اے سامری تیرا کیا معاملہ ہے۔
قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ	اس نے کہا میں نے وہ کچھ جانا جو انھوں نے نہیں جانا پس میں نے
فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ	رسول کے نقش قدم سے کچھ حاصل کیا پھر اسے پھینک دیا اور
فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِىْ نَفْسِىْ ﴿۹۶﴾	ایسا ہی میرے دل نے مجھے (یہ کام) اچھا کر دکھایا ہے [۳]
قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِى الْحَيٰوةِ اَنْ	کہا تو چلا جا تیرے لیے زندگی میں یہ (سزا) ہے کہ تو کہتا ہے،
تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۪ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ	چھونا نہیں اور تیرے لیے ایک (اور) وعدہ ہے جس کے خلاف تجھ سے
تُخْلَفَهٗ ۚ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِىْ ظَلْتَ	نہ ہوگا اور اپنے اس معبود کو دیکھ جس کی عبادت میں تو لگا ہوا تھا
عَلَيْهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ	ہم اسے جلا دیں گے، پھر اسے دریا میں اچھی
لَنَنْسِفَنَّهٗ فِى الْيَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾	طرح بکھیر دیں گے [۴]

نمبر۱۔ اتباع نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ایسے حالات میں تم نے وہ کچھ کیوں نہ کیا جو میں کرتا اور بعض کے نزدیک یہ مراد ہے کہ تم اُن لوگوں کو ساتھ لیکر جو شرک سے بچے رہے تھے میرے پیچھے کیوں نہ آگئے۔ مگر پہلے معنے زیادہ صاف ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں سے تعلق منقطع کر دیتے یا ایسا فساد ڈالنے والے کو قرار واقعی سزا دیتے یا سختی سے روک دیتے۔

نمبر۲۔ حضرت ہارون کو یہ خیال تھا کہ اگر انھوں نے سختی کی تو قوم میں فساد پڑ جائیگا کیونکہ وہ سر گروہ اور ان کے سرغنے بہت زبردست تھے جیسا کہ اعراف میں ہے کادوا یقتلوننی (۷: ۱۵۰)

نمبر۳۔ یہاں بہت سے زواید داخل کر کے یوں معنی کیے گئے ہیں کہ میں نے رسول یعنی جبرائیل کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے کی مٹی لے لی اور اسے آگ میں ڈالا، ز بچھڑا بن گیا معلوم نہیں اس عجیب کہانی کا ماخذ کیا ہے۔ اول تو یہاں جبرائیل کا ذکر نہیں نہ جبرئیل کے گھوڑے کا۔ پھر مٹی کا کوئی ذکر نہیں۔ اثر کے معنی مٹی نہیں، بلکہ نقش ہیں۔ آگ میں ڈالنے کا کوئی ذکر نہیں، بچھڑا بننے کا کوئی ذکر نہیں۔ سامری کو منافق بھی کہا جاتا ہے اور ساتھ ہی اس کے اس کو ایسی قوت کا مالک بھی سمجھا جاتا ہے کہ جبرائیل اور اس کا گھوڑا جو مخلص مومنوں کو نظر نہ آئے وہ منافق سامری کو نظر آگیا۔ غرض یہ کہانی کسی طرح پر قابل قبول نہیں۔ رسول خود حضرت موسیٰؑ ہیں اور ان کے اثر سے کچھ لینا صاف بتاتا ہے کہ ان کی تعلیم کو اس نے پورے طور سے قبول نہیں کیا بلکہ اس کو بہت تھوڑا قبول کیا اور بصر کے معنے قلب کی قوت مدرکہ سے لینا ہیں۔ پس وہ اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے کہ یہ لوگ جو بلا سوچے سمجھے تمھاری تعلیم کی پیروی کرتے چلے جاتے ہیں میں ان میں سے نہیں بلکہ صاحب علم ہوں کچھ اپنے مطلب کی بات لے لی پھر اسے پس پشت پھینک دیا اور یا مراد یہ ہے کہ زیورات کا جو بنی اسرائیل سے لینا تو رسول کی تعلیم کا کچھ اثر تھا مگر پھر اسے پھینک دیا اور انھی زیورات کے ذریعہ سے قوم کو مشرک بنا دیا۔

نمبر۴۔ لامساس کے معنی ہیں تم کسی سے مخالطت نہ کرو یعنی میل جول نہ رکھو، سامری کا میل جول دوسرے لوگوں سے بطور سزا روک دیا گیا۔

اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾	تمھارا معبود صرف اللہ ہے ، جس کے سوائے کوئی معبود نہیں ، اس کا علم ہر چیز پر پھیلا ہوا ہے ۔
كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ﴿۹۹﴾	اسی طرح ہم تجھ پر اس کی خبر بیان کرتے ہیں ، جو پہلے گزر چکا ، اور ہم نے تجھے اپنے پاس سے ذکر دیا ہے ۔
مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ﴿۱۰۰﴾	جو کوئی اس سے منہ پھیرے گا تو وہ قیامت کے دن بوجھ اٹھائے گا ۔
خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَسَاۗءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾	اسی میں رہے گا اور قیامت کے دن اُن کا بوجھ بُرا ہوگا ۔
يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَىِٕذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾	جس دن صور پھونکا جائے گا اور ہم اس دن مجرموں کو اکٹھا کریں گے ان کی آنکھیں نیلی ہونگی [1]
يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾	آپس میں آہستہ آہستہ باتیں کریں گے کہ تم صرف دس (دن) ہی ٹھیرے ۔
نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع	ہم خوب جانتے ہیں جو وہ کہیں گے ۔ جب ان میں سے اچھے طریق والا کہے گا تم صرف ایک ہی دن ٹھیرے [2]

چونکہ نحرقنہ کے معنی دو طرح ہو سکتے ہیں یعنی جلانا اور پیس ڈالنا ۔ ممکن ہے جلانے سے وہ خاکستر کی طرح ہو گیا ہو اور ممکن ہے بوجہ سونے چاندی وغیرہ سے بنا ہونے کے اس کو پیس کر ریت کی طرح کیا گیا ہو دونوں صورتوں میں اسے دریا میں ڈال دیا گیا تاکہ اس کی خاکستر سے بھی کوئی فائدہ نہ اُٹھا سکے یہاں بھی قرآن کریم نے بائبل کے اس قصہ کی تردید کی ہے کہ بچھڑے کی خاکستر گھول کر بنی اسرائیل کو پلائی گئی (خروج ۳۲ : ۲۰) بعض مفسرین نے یہاں بھی یہ قصہ بڑھا دیا ہے کہ اس بچھڑے میں گوشت اور خون پیدا ہو گیا تھا گویا وہ سچ مچ کا زندہ بچھڑا بن گیا تھا ۔ اس لیے اسے جلانے کی ضرورت پیش آئی ۔ یہ بھی بالکل بے بنیاد بات ہے ۔

نمبرا ۔ حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا کہ ایک آیت میں عمیا یعنی حشر میں اندھے ہونے کا ذکر ہے اور یہاں زرقا یعنی نیلی آنکھوں والے تو آپ نے فرمایا کہ قیامت کے مختلف حالات ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس زرق کے لفظ میں بعض ایسی قوموں کی طرف اشارہ ہو جن کی آنکھیں نیلی ہیں اور حشر کے لفظ میں ان کے دنیوی حشر کی طرف اشارہ ہو ۔

نمبر۲ ۔ پہلی آیت میں ہے کہ وہ ایک دوسرے سے کہیں گے کہ تم دس دن رہے اور یہاں ان میں سے اعلیٰ درجہ کے انسان کا قول بیان کیا ہے کہ تم ایک ہی دن رہے ۔ اگر یہ قیامت کا قول ہے تو عشر اور یوم کا الگ الگ بیان کرنا کوئی خاص معنی نہیں رکھتا دونوں قلت میعاد پر دلالت کرتے ہیں اگر کسی قوم کی حیات دنیا کی طرف اشارہ لیا جائے تو پھر عشر سے مراد دس صدیاں ہوں گی اور افضل انسان کا قول کہ یہ دس صدیاں نہیں ایک یوم ہے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾

اور تجھ سے پہاڑوں کے متعلق پوچھتے ہیں تو کہہ دے کہ میرا رب انھیں اڑا کر بکھیر دے گا[1]۔

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾

پھر ان کو صاف ہموار میدان کر چھوڑے گا۔

لَّا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾

نہ تو ان میں ٹیڑھا پن دیکھے گا اور نہ اُونچ نیچ[2]۔

يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾

اس دن بلانے والے کی پیروی کریں گے جس میں کوئی کجی نہیں۔ اور رحمٰن کے سامنے آوازیں پست ہو جائیں گی، پس تو سوائے ہلکی آواز کے کچھ نہ سنے گا[3]۔

نزدیک ایک یوم ہزار سال کی طرح ہے وان یوما عند ربك كالف سنة مما تعدون (الحج ۲۲-۴۷) اور دوسری جگہ امر اسلام کا ایک ہزار سال رکا رہنا مذکور ہے ثم یعرج الیہ فی یوم کان مقدارہ الف سنة مما تعدون (السجدة ۳۲-۵) اس لیے اگر یہاں مراد ایسی قوم لی جائے جو اسلام کی ترقی میں مانع ہو اور اس کے خلاف زور لگائے تو واقعات کے لحاظ سے اقوام یورپ پر یہ الفاظ صادق آتے ہیں کہ ان کی آنکھیں بھی نیلی ہیں اور ایک ہزار سال تک انھوں نے اسلام کی ترقی کو بھی روکا ہے۔

نمبر۱۔ پہاڑوں کے اڑانے پر دیکھو الرعد ۱۳-۳۱۔ اسی سورت میں فرعون کی ہلاکت اور سامری کی سزا کا ذکر ہے اور یہ دونوں باتیں اس دنیا سے تعلق رکھتی ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ قرآن شریف ایک قوم کی اس دنیا میں تباہی کو بطور نظیر بیان کر کے پھر مخالفین نبی کریم صلعم کو صرف عذاب قیامت سے ڈرائے کیونکہ عذاب قیامت سے تو یوں بھی ڈرایا جا سکتا تھا۔ اس کے لیے کسی قوم کی دنیوی سزا کے ذکر کی کیا ضرورت تھی اور خود الفاظ آیت پر غور کیا جائے تو یہاں سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ قیامت کے آنے یا مُردوں کے زندہ ہونے کے لیے جبال یعنی پہاڑوں کا وجود کوئی رکاوٹ نہیں کہ وہ لوگ اس کے متعلق سوال کرتے نہ ایسا سوال کبھی کسی نے فی الواقع کیا کہ پہاڑ موجود ہیں تو قیامت کیونکر آئے گی۔ اصل بات یہی ہے کہ وہ لوگ جبال کا لفظ عظیم الشان انسانوں پر بولتے تھے اور جب انھیں طرح طرح کے پیرایوں میں بتایا جاتا کہ آخر ان کی بھی وہی حالت ہوگی جو پہلے حق کا مقابلہ کرنے والوں کی ہوئی جیسا کہ آیت ۱۱۴ میں ذکر ہے تو انھیں یہ امر مستبعد معلوم ہوتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اتنے اتنے عظیم الشان انسان جو حق کی مخالفت کے درپے ہیں یہ کہاں جائیں گے اور اس کے جواب میں ایسا پیرایہ اختیار فرمایا ہے کہ ان الفاظ میں قیامت کبرٰے اور قیامت وسطیٰ دونوں کا ذکر آگیا ہے اور ولو ان قرانا سیرت به الجبال (الرعد ۱۳-۳۱) اس پر شاہد ہے کہ اس قرآن کے مقابل پر کتنے بھی عظیم الشان لوگ آئیں اللہ تعالیٰ ان سب کو دور کر دے گا۔

نمبر۲۔ ان آیات میں ھا کی ضمیر جبال کی طرف ہی ہے گویا پہاڑ جو روک کا کام دیتے ہیں وہ نہ رہیں گے اور وہی ہموار پست زمین بن جائیں گے گویا ایک انقلاب عظیم کا آنا مراد ہے وہ انقلاب عظیم اس دنیا میں یوں آیا کہ مقابلہ کرنے والے سب نابود یا مطیع ہو گئے اور سب روکیں جو حق کے پھیلنے میں نظر آتی تھیں دور کر دی گئیں اور ان میں عوج اور امت نہ رہنے کا ذکر کیا۔ حالانکہ عوج اس ٹیڑھا پن کو کہا جاتا ہے جس کا ادراک فکر اور بصیرت سے ہو اگر آنکھ سے دیکھا جانے والا ٹیڑھا پن مراد ہوتا تو عَوَج چاہیئے تھا۔ پہلے یہ لوگ (تبغونها عوجا (الاعراف ۸۶) کے مصداق تھے آخر یہ عوج نہ رہے گا اور قیامت میں پہاڑوں کو دور کر کے زمین کے ہموار کر دینے سے جو مراد ہے اس کی اصل حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے کہ اس کی کیا صورت اور کیا غرض ہے۔

نمبر۳۔ داعی کون ہے قرآن کریم میں یہ لفظ بالخصوص رسول اللہ صلعم پر ہی بولا گیا ہے اور آپ کا نام خاص طور پر داعی اللہ یا داعی الی اللہ رکھا گیا ہے مگر مفسرین یہاں داعی الی الحشر مراد لیتے ہیں یعنی اسرافیل۔ اگر داعی رسول اللہ صلعم ہوں تو لا عوج له آپ کی صفت ہے انزل علی عبده الكتاب ولم يجعل له عوجا (الکہف ۱۸-۱) اور رسول اللہ صلعم کو داعی مراد لیکر یہ امر دنیا میں بھی صحیح ثابت ہوا اور آخرت میں بھی ہوگا کہ وہی لوگ جو پہلے آپ کے صد درجہ کے مخالف تھے وہ سب بڑے بڑے لوگ آپ کے متبع ہوئے اور آوازوں کا رحمان کے سامنے پست ہونا بھی دنیا میں صحیح ہوا کہ سرکشی کی بجائے اللہ تعالیٰ کے حضور فروتنی اختیار کی۔

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ	اس دن سفارش کسی کو نفع نہ دے گی سوائے اس کے جس کے لیے
أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾	رحمٰن اجازت دے اور اس کے لیے بات کو پسند کرے ملنہ
يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ	وہ جانتا ہے جو اُن کے آگے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے اور
وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿١١٠﴾	وہ اپنے علم سے اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔
وَعَنَتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ	اور زندہ قائم (رکھنے والا) کے سامنے بڑے بڑے لوگ ذلیل ہو جائیں گے ملہ
خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾	اور وہ نامراد ہوا جس نے ظلم (کا بوجھ) اٹھایا۔
وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ	اور جو اچھے عمل کرے اور وہ مومن ہے تو اسے نہ ظلم کا خوف
مُؤْمِنٌ فَلَا يَخَافُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾	ہو گا اور نہ حق تلفی کا ملنہ
وَكَذَٰلِكَ أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَ	اور اسی طرح ہم نے اسے قرآن عربی اتارا اور اس میں طرح
صَرَّفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ	طرح سے ڈرانے کی باتوں کو بیان کیا ہے تاکہ وہ (بُری راہوں سے)
يَتَّقُونَ أَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾	بچیں بلکہ یہ ان کے لیے بڑائی پیدا کرے گا ملنہ
فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۗ وَلَا تَعْجَلْ	سو اللہ کی بلند شان ہے جو سچا بادشاہ ہے اور تو قرآن کے لینے
بِالْقُرْآنِ مِن قَبْلِ أَن يُقْضَىٰ إِلَيْكَ	میں جلدی نہ کر قبل اس کے کہ اس کی وحی تیری طرف پوری کی جائے

نمبرا۔ ان الفاظ کے معنے دونوں طرح پر ہو سکتے ہیں اوّل یہ کہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کسی کو نفع نہ دیگی مگر صرف اسی کو جس کی شفاعت کے لیے اللہ تعالیٰ اجازت دے اور جن کی خاطر قول شفاعت کو پسند کرے یا جس کی بات کو پسند کرے یعنی جو ایمان اور اطاعت پر قائم ہو اور دوسرے یہ کہ کوئی شفاعت نفع نہ دیگی سوائے اس شخص کی شفاعت کے جسے رحمٰن اجازت دے اور جس کی بات کو پسند کرے اور قرآن شریف سے ثابت ہے کہ شفاعت میں اذن شفاعت کرنے والے کے لیے بھی ہے اور جس کے لیے شفاعت کی جائے اس کے لیے بھی من ذالذی یشفع عندہٗ الا باذنہٖ (البقرۃ - ٢٥٥) لا یشفعون الالمن ارتضیٰ (الانبیاء - ٢٨) اور اذن سے مراد یہ ہے کہ شفاعت کرنے والے بھی خاص لوگ ہوں گے جو قرب کے مرتبہ پر ہیں اور مشفوع بھی خاص لوگ ہونگے جنھوں نے کوشش کی مگر ایسی وجوہات سے جو ان کی طاقت سے باہر ہیں کمال کے حاصل کرنے سے رہ گئے۔

نمبر۲۔ وجوہ کے معنے منہ بھی ہیں اور اشراف الناس کو بھی کہتے ہیں۔

نمبر۳۔ ایسے مومن کو جو اعمال صالحہ کرے ظلم اور ہضم کا خوف نہیں ہوگا ظلم تو یہ ہے کہ ایک شخص نے ایک کام نہیں کیا اور اسے سزا دی جائے یا جتنا بُرا کام کیا ہے اس سے بڑھ کر سزا دی جائے اور ہضم یہ کہ جو اس نے اچھا کام کیا ہے اس کے بارہ میں اس کی حق تلفی ہو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ بُرائی کرنے والوں کے حق میں ظلم اور ہضم ہوگا مگر چونکہ وہ سزا پائیں گے اور ان کے نیک عمل ایسے نہ ہونگے جو اُن کو سزا سے بچا سکیں اس لیے یہ ترکیب اختیار کی ہے۔

نمبر۴۔ ذکر سے مراد یہاں شرف و عظمت ہے اور آو بمعنی بل ہے یعنی نہ صرف وہ بدیوں سے بچ جائیں گے بلکہ یہ قرآن اُن کے لیے ایک عظمت اور شرف کا مقام پیدا کردے گا۔

وَحْيُهٗ ؗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا ﴿١١٤﴾ — اور کہہ میرے رب مجھے علم میں بڑھا[1]۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ — اور یقیناً ہم نے آدم کو پہلے حکم دیا تھا مگر وہ بھول گیا، اور

فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿١١٥﴾ — ہم نے اس کا عزم نہ پایا[2]۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ — اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کی فرمانبرداری کرو، تو

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿١١٦﴾ — انھوں نے فرمانبرداری کی مگر ابلیس نے (نہ کی) اس نے انکار کیا۔

فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ — تو ہم نے کہا اے آدم یہ تیرا اور تیرے جوڑے کا دشمن ہے سو یہ تم دونوں کو

فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿١١٧﴾ — جنت سے نہ نکلوائے پس تو تکلیف میں پڑے۔

اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿١١٨﴾ — تیرے لیے یہ ہے کہ تو اس میں نہ بھوکا رہے اور نہ ننگا رہے۔

وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴿١١٩﴾ — اور یہ کہ تو اس میں نہ پیاسا رہے اور نہ دھوپ میں رہے[3]۔

فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰٓاٰدَمُ هَلْ — پس شیطان نے اس کو وسوسہ ڈالا کہا اے آدم کیا میں تجھے ہمیشگی

اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ﴿١٢٠﴾ — کے درخت کا پتہ دوں اور ایسی بادشاہت کا جو پرانی نہ ہو[4]۔

نمبر۱۔ قرآن کے متعلق جلدی کرنے سے مراد یہ لی گئی ہے کہ جیسا حدیث میں ذکر ہے پہلے نبی کریم صلعم اس خوف سے کہ کچھ رہ نہ جائے مَلک سے وحی لینے میں جلدی کیا کرتے تھے مگر یہاں وعید کا ذکر ہے اس لیے یہ مراد نہیں ہوسکتی اصل یہ ہے کہ ابتدائی سورتوں میں وعد اور وعید کا ذکر زیادہ تر مجاز اور استعارہ کے رنگ میں ہے جیسا کہ اوپر بھی وعید کا اسی رنگ میں ذکر ہوا اور رسول اللہ صلعم یہ چاہتے تھے کہ ان کو ان کی بدکرداریوں اور مخالفت حق کا انجام صاف لفظوں میں جلد بتا دیا جائے اس لیے فرمایا کہ اس معاملہ میں جلدی نہ کرو۔ بلکہ کہو رب زدنی علما یعنی اور زیادہ علم دیا جانے اور یہ بھی بتایا ہے کہ انسان کو اپنا علم بڑھانے کی خواہش ہر حالت میں رہنی چاہیئے۔

نمبر۲۔ جو امر آدم سے سرزد ہُوا وہ نسیان کا نتیجہ تھا۔ عزم یعنی عمد اور ارادہ سے نہ تھا۔ بالفاظ دیگر ذنب پر عزم نہ تھا اور راغب نے یوں معنی کیے ہیں کہ یہاں مراد اس امر کی محافظت ہے۔ یعنی جو کچھ حکم دیا گیا تھا اس کی حفاظت نہ کرسکے اور قیام پر ہم نے ان میں عزم نہ پایا دونوں صورتوں میں نسیان کا لفظ آدم کی عصمت پر بیّن دلیل ہے۔

نمبر۳۔ ان دو آیات میں اسباب راحت کو جمع کر دیا ہے بھوک کی تکلیف سے بچا رہے ننگا نہ ہو پیاس اور دھوپ سے محفوظ رہے۔ کھانا پینا پہننا مکان یہی انسان کی ضرورت کی چار چیزیں ہیں اور ان کا مہیا ہو جانا گویا انسان کی آسایش کے اسباب کا اجتماع ہے اور دوسری جگہ اسی خیال کو ان الفاظ میں ظاہر فرمایا ہے وکلا منها رغدا حیث شئتما (البقرہ - ۳۵) گویا دونوں جگہ ہر قسم کی فراغت کا ہی ذکر ہے۔ مگر کیا اس سے مراد جسمانی طور پر فارغ البال ہونا ہے اور انسان کی جنت یہی ہے کہ اسے کھانے پینے کو بہت ملے تو پھر اس جنت کو بہت سے بدکار بھی اس دنیا میں حاصل کر لیتے ہیں آیت ۱۲۴ اس کو حل کرتی ہے جو شخص میرے ذکر سے منہ پھیرتا ہے اس کے لیے تنگی کی روزی ہے ظاہر ہے کہ اس تنگی کی معیشت سے یہ مراد نہیں کہ اسے جسم کو قائم رکھنے کے لیے سامانِ معیشت کم ملے گا یا نہ ملے گا بلکہ وہ ایسی تنگی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ قیامت کے دن وہ اندھا اٹھایا جائے گا۔ لفظ بھوک اور پیاس وغیرہ کے استعمال ہوئے ہیں مگر مراد یہی ہے کہ روحانی طور پر تنگی نہیں بلکہ آسایش حاصل ہے اور یا مطلب یہ ہے کہ جب انسان اپنی زندگی کی اصل غرض ذکر اللہ یا لقاء اللہ کو سمجھے تو کھانے پینے وغیرہ سامانوں کے متعلق اُسے آسائش حاصل ہوتی ہے۔

نمبر۴۔ دوسری جگہ ہے الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخالدین (الاعراف - ۲۰) میں شجرۃ الخلد سے مراد ہمیشہ کی زندگی ہے۔

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ
طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ
وَ عَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾
ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾
قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًۢا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ
عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى ۙ۬
فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾
وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً
ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ﴿۱۲۴﴾
قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِىْۤ اَعْمٰى وَقَدْ
كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۵﴾
قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ

سو دونوں نے اس سے کھا یا تو اُن کے عیب اُن کے لیے ظاہر ہو گئے
اور وہ جنت کے پتوں سے اپنے آپ کو ڈھانکنے لگے اور آدم نے
اپنے رب کی نافرمانی کی پس ناکام ہُوا۔
پھر اس کے ربّ نے اسے چن لیا پس اس پر رحمت سے متوجہ ہوا اور راستہ دکھایا[۱]
فرمایا تم سب اس سے نکل جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ سو اگر
میری طرف سے تمھارے پاس ہدایت آئے، سو جو کوئی میری
ہدایت کی پیروی کریگا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔
اور جو کوئی میرے ذکر سے منہ پھیرے گا تو اس کے لیے تنگی کی زندگی
ہو گی اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا اٹھائیں گے[۲]۔
کہے گا اے میرے رب تو نے مجھے اندھا کیوں اُٹھایا اور میں
دیکھنے والا تھا۔
کہا ایسا ہی تیرے پاس میری آیات آئیں تو تُو نے ان کی پروا

نمبر۱ھدی میں اس ہدایت کی طرف اشارہ کیا جو بذریعہ وحی الٰہی ملتی ہے فتلقی آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ (البقرہ۔ ۳۷) یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعہ ان غلطیوں سے بچایا جن کے دفع کرنے پر فطرت انسانی اکیلی قادر نہیں۔

نمبر۲۔ اللہ سے اعراض کا ذکر ہے اور دوسری جگہ فرمایا الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (الرعد۔ ۲۸) یعنی اطمینان قلب انسان کو اس دنیا کی زندگی میں صرف ذکر اللہ سے ملتا ہے اور جو ذکر اللہ سے اعراض کرے گا ظاہر ہے کہ وہ اطمینان قلب کو کبھی حاصل نہیں کر سکتا اور فی الحقیقت زندگی میں وسعت اور تنگی کثرت و قلت سامان پر منحصر نہیں بلکہ حالت قلب پر اس کا انحصار ہے جسے اطمینان قلب میسر آجاتا ہے اس کے لیے تھوڑا سامان بھی بہت ہے اور جسے اطمینان قلب نہیں ملتا اس کے لیے ساری دنیا بھی ہو تو بھی اور زیادہ جلن کا موجب ہی ہوتی ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے معیشۃ ضنکا کے معنی شقاء مروی ہیں یعنی خیرات اور نیکیوں سے محرومی۔ پس دنیا دار کی زندگی فی الواقع ایک تنگی کی زندگی ہے اور وہ خود اس تنگی کو محسوس کرتا ہے اور ایک اور لحاظ سے بھی یہ تنگی کی زندگی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف قسم کے قویٰ دیئے ہیں اور ان سب قویٰ سے کام لینے سے ہی انسان کی زندگی میں حقیقی کشائش پیدا ہوتی ہے لیکن جو لوگ اخلاقی اور روحانی پہلو کی طرف سے آنکھیں بند کر کے صرف دنیا کی زندگی پر ہی گرے رہتے ہیں وہ خود اپنی زندگی کو ایک تنگ دائرہ میں محدود کر دیتے ہیں۔ اعمیٰ یا اندھا اُٹھانے سے کیا مراد ہے؟ دوسری جگہ ہے ونحشرھم یوم القیامۃ علی وجوھھم عمیا وبکما وصما (بنی اسرائیل۔ ۹۷) یعنی اندھے بہرے گونگے اُٹھائے جائیں گے عام طور پر سمجھا گیا ہے کہ ان کی آنکھیں نہیں ہوں گی مگر وہ آگ کو دیکھیں گے ورأی المجرمون النار (الکھف۔ ۵۳) اور اپنا نامہ اعمال بھی پڑھیں گے اقرأ کتابک (بنی اسرائیل۔ ۱۴) پس یہ ایسا اندھا پن ہے کہ سزا کے سامانوں کو دیکھیں گے اور نعماء کو نہ دیکھ سکیں گے اور ان نعماء کو وہی دیکھ سکتا ہے جو خود اپنے اندر ایسی آنکھیں پیدا کرتا ہے جن سے وہ نعماء دیکھی جا سکتی ہیں ایک راستباز انسان جس راحت اور جنت کو اس دنیا کی زندگی میں محسوس کرتا ہے اسے ایک طالب دنیا نہیں دیکھ سکتا۔ پس نعمائے جنت کو کس طرح دیکھے اور آیت ۱۲۶ میں بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ترک کیا جانا یا لقاء اللہ سے محرومی ہی نابینائی ہے۔

وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ﴿۱۲۶﴾
نہ کی اسی طرح آج تیری بھی پروا نہ کی جائے گی۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾
اور اسی طرح ہم اسے بدلہ دیتے ہیں جو حد سے بڑھے اور اپنے رب کی باتوں پر ایمان نہ لائے اور آخرت کا عذاب یقیناً زیادہ سخت اور زیادہ دیرپا ہے ۱؎

اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى ﴿۱۲۸﴾ ع
تو کیا ان کو اس سے ہدایت نہیں ہوئی کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی نسلوں کو ہلاک کیا، جن کے رہنے کی جگہوں میں یہ چلتے پھرتے ہیں، اس میں عقل والوں کے لیے نشان ہیں۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۱۲۹﴾
اور اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات پہلے نہ ہو چکی ہوتی، اور ایک وقت مقرر (نہ ہوتا) تو یقیناً (عذاب) آ ہی لگا ہوتا ۲؎

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾
سو اس پر صبر کر جو وہ کہتے ہیں اور سورج کے نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر اور رات کے وقتوں میں بھی تسبیح کر اور دن کی طرفوں میں بھی، تاکہ تو راضی ہو جائے ۳؎

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ
اور اپنی نگاہیں اس کے پیچھے لمبی نہ کر جو ہم نے ان میں سے قسم قسم کے لوگوں کو دنیا کی زندگی کی آرائش کے لیے سامان دیا ہے

نمبر۱۔ اسراف کسی فعل میں حد سے گزر جانے کا نام ہے اور یہاں شہوات میں انہماک مراد ہے اور عذاب آخرت کو جو اشد و ابقیٰ کہا تو مراد ہے کہ دنیا کے عذاب سے وہ زیادہ سخت اور دیرپا ہے اور دنیا کا عذاب وہ ہے جس کا ذکر فان له معيشة ضنكا[۱۲۴] میں ہے گویا وہی تنگی سخت تر صورت میں ظاہر ہو جائے گی۔

نمبر۲۔ اجل مسمی یہ تھی کہ مخالف اپنی تمام تدابیر کو کمال تک پہنچا کر آخر اسلام کو تلوار سے نیست و نابود کرنے کے لیے نکل پڑیں سيهزم الجمع ويولون الدبر (القمر ۴۵)۔ اس لیے اجل مسمی سے مراد بعض نے یوم بدر لیا ہے۔

نمبر۳۔ مصائب پر صبر کے ساتھ ہمیشہ نماز کا ذکر ہوتا ہے کیونکہ اس میں رجوع الی اللہ ہے واستعينوا بالصبر والصلوٰة اور یہاں بھی پانچ اوقات نماز کا ذکر ہے۔ صبح اور عصر کا ذکر تو صراحت سے ہے قبل طلوع الشمس وقبل غروبها اور باقی نمازوں کا ذکر اناء الليل واطراف النهار میں ہے دن کی طرفیں لیں بھی ہو سکتی ہیں کہ طلوع آفتاب سے پہلے اور زوال آفتاب کے بعد اور یہی مراد طرفی النهار (ہود ۱۱۴) میں ہے اور یوں بھی ہو سکتا ہے کہ زوال آفتاب کے بعد اور غروب آفتاب کے بعد اور یہی یہاں مراد ہے یعنی ظہر اور مغرب۔

لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّأَبْقَىٰ ﴿١٣١﴾	تاکہ ہم ان کو اس کے ذریعے سے آزمائیں اور تیرے رب کا رزق بہتر اور زیادہ دیرپا ہے[1]
وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَوٰةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ	اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور خود اس پر قائم رہ۔ ہم تجھ
لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ	سے رزق نہیں مانگتے ہم تجھے رزق دیتے ہیں اور اچھا انجام تقویٰ
وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ﴿١٣٢﴾	کے لیے ہے[2]
وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ أَوَلَمْ	اور کہتے ہیں ہم پر ایک نشان اپنے رب کی طرف سے کیوں نہیں لے آتا
تَأْتِهِم بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ﴿١٣٣﴾	کیا ان کے پاس اس کی کھلی دلیل نہیں آچکی جو پہلے صحیفوں میں ہے[3]
وَلَوْ أَنَّا أَهْلَكْنَاهُم بِعَذَابٍ مِّن قَبْلِهِ لَقَالُوا	اور اگر ہم انھیں اس سے پہلے عذاب کے ساتھ ہلاک کر دیتے تو کہتے
رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ	اے ہمارے رب کیوں تو نے ہماری طرف رسول نہ بھیجا تو ہم تیری آیتوں
آيَاتِكَ مِن قَبْلِ أَن نَّذِلَّ وَنَخْزَىٰ ﴿١٣٤﴾	کی پیروی کرتے قبل اس کے کہ ہم ذلیل اور رسوا ہوتے[4]
قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوا ۖ فَسَتَعْلَمُونَ	کہہ سب ہی انتظار کرنے والے ہیں سو تم بھی انتظار کرو پھر تم
مَنْ أَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ	جان لوگے کہ کون سیدھے رستے پر چلنے والے ہیں اور کون
اهْتَدَىٰ ﴿١٣٥﴾ ع	ہدایت پر قائم ہیں۔

نمبر۱۔ یہ نقشہ آج یورپ ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کرتا ہے اور اسی زمانہ کے مسلمان بالخصوص مخاطب ہیں کہ دوسری قوموں کے سامانِ زینت و آرائش حسن کو دیکھ کر دنیا کے سامانوں کی طرف نہ جھک جائیں اور فی الحقیقت ایسا ہی ہوا ہے کہ آرائش ظاہری کی بیماری اور دنیا طلبی مسلمانوں میں بھی سرایت کر گئی ہے یہاں تک کہ خدا کے آگے جھکنے کے لیے انھیں فرصت بھی نہیں ملتا اس کے بالمقابل رزقِ رب کا ذکر کیا جس سے مراد نبوت و ہدایت لی گئی ہے مگر فی الحقیقت تمام وہ امور اس میں داخل ہیں جو روحانیت سے تعلق رکھتے ہیں۔

نمبر۲۔ نماز کے ذکر کے ساتھ فرمایا کہ ہم تجھ سے رزق نہیں مانگتے "۔" یہ ہے کہ نماز سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اس کی بڑائی اور عظمت زیادہ نہیں ہوتی کیونکہ وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ نحن نرزقك میں بتایا کہ یہ نماز انسان کے رزق روحانی کا موجب ہے۔

نمبر۳۔ مطلب یہ ہے جیسے نشانوں کا ذکر سنایا جاتا ہے ویسا کوئی ایک نشان استیصال ہم پر بھی لے آئے اس کا جواب نہایت لطیف دیا ہے ان کے پاس پہلے صحیفوں کا بیّنہ یعنی رسول رحمۃ للعالمین آچکا ہے یہ اس سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے جیسا دوسری جگہ : قالوا لولا انزل علیہ آیات من ربہ (العنکبوت ۔ ۵۰) کا جواب دیا ہے اولم یکفھم انا انزلنا علیك الکتاب یتلی علیھم ان فی ذلك لرحمۃ وذکری لقوم یؤمنون (العنکبوت[29] ۔ ۵۱) یعنی کتاب میں ان کے لیے رحمت موجود ہے وہ اس سے فائدہ کیوں نہیں اٹھاتے ایسا ہی یہاں ہے کہ پہلے صحیفوں میں رسول کریم کا ذکر موجود ہے اور وہ کھلی دلیل اب ان کے پاس آچکی ہے کیونکہ پہلے صحیفوں کا بھی مصدق ہے اور بینہ رسول کریم صلعم کو دوسری جگہ صفائی سے فرمایا (البیّنۃ[98] ۔ ۲)

نمبر۴۔ یہاں دو باتیں بیان فرمائی ہیں اول یہ کہ مکذبین کا فساد اور ظلم تو پہلے ہی اس حد کو پہنچا ہوا تھا کہ انھیں ہلاک کر دیا جاتا مگر اتمام حجت کے لیے ضروری تھا کہ رسول ان کے پاس آجاتا اور دوسرے عذاب جو مکذبین نبی کریم پر آنیوالا تھا اس کی نوعیت بھی بیان فرمادی۔ ان نذل ونخزیٰ یہ عذاب ذلت و رسوائی کا تھا۔ اسی میں ان کا استیصال اور یہی ان کی ہلاکت تھی کہ آخر کار اسی کے سامنے ذلیل اور مغلوب ہو کر آئے جس کو مٹانے کے درپے تھے۔

اٰیاتُھا ١١٢ (٢١) سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ ١ رُکوعاتُھا ٧

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ
غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ①
مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ
اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ②
لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ
الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ
اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ③
قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ④
بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ
افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَاْتِنَا
بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ⑤

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

لوگوں کے لیے اُن کا وقت حساب قریب آگیا ہے اور وہ غفلت
میں منہ پھیرے ہوئے ہیں ٢
کوئی نصیحت اُن کے رب کی طرف سے اُن کے پاس نہیں آتی، مگر
وہ اس کو سنتے ہیں حالانکہ وہ کھیل رہے ہوتے ہیں۔
اُن کے دل غافل ہوتے ہیں، اور جو ظالم ہیں وہ چھپ کر مشورہ کرتے
ہیں کہ وہ کچھ نہیں، مگر تمھاری طرح ایک انسان ہے تو کیا تم جادو کو
قبول کرتے ہو، حالانکہ تم دیکھتے ہو ٣
کہا میرا رب (ہر ایک) بات کو جانتا ہے (جو) آسمانوں اور زمین
میں (کہی جاتی) ہے اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔
بلکہ کہتے ہیں (یہ) پریشان خوابیں ہیں بلکہ (یہ کہ) اس نے افترا کیا
بلکہ (یہ کہ) وہ شاعر ہے، سو ہمارے پاس کوئی نشان لائے جس
طرح (کے نشانوں کے ساتھ) پہلوں کو بھیجا گیا ٤

نمبر ١- اس سورت کا نام الانبیاء ہے اور اس میں سات رکوع اور ١١٢ آیتیں ہیں لفظ انبیاء اس سورت میں نہیں آتا مگر اس کا مضمون انبیاء علیہم السلام کے متعلق ہی ہے اُن پر اعتراضات، اُن کا مقامِ بلند، ان کے مخالفین کی ہلاکت، ان کے دشمنوں کے ہاتھ سے ان کی نجات۔ ان کا اور ان کے متبعین کا وارثِ زمین ہونا، انھیں باتوں کا اس میں ذکر ہے اور بالخصوص اس میں عصمتِ انبیاء کا مضمون نہایت صفائی سے بیان ہُوا ہے کہ وہ اپنے قول اور فعل دونوں میں کامل طور پر اللہ تعالیٰ کی رضا کی راہوں پر چلتے ہیں اس لحاظ سے اس کا نام انبیاء ہے۔ یہ سورت بھی اسی زمانہ کی ہے جس زمانہ کی اس سے پہلی چار سورتیں، یعنی ابتدائی مکی زمانہ میں اس کا نزول ہُوا۔

نمبر ٢- حساب کا یا حساب کے وقت کا قریب ہونا کئی طرح پر ہے ایک یہ کہ انسان کا ہر عمل ساتھ ساتھ ہی نتیجہ پیدا کرتا جاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ موت پر بھی ایک حساب انسان کے سامنے آجاتا ہے (اور) موت کا وقت بھی ہر انسان سے قریب ہے۔ تیسرا یہ کہ اس قوم یا ان لوگوں کے لیے جن میں رسول اللہ صلعم مبعوث ہوئے تھے، ان کا وقتِ حساب قریب آگیا تھا۔ چوتھا یہ کہ سب لوگوں کا حساب قریب ہے یعنی قیامتِ کبریٰ بھی جلد آنے والی ہے۔

نمبر ٣- ابتدائی زمانہ کی سورت ہے، بڑے بڑے معجزات ابھی ظاہر نہیں ہوئے اور قرآن کریم اندر ہی اندر دلوں کو کھینچ رہا ہے۔ یہاں تک کہ سخت ترین تکلیفیں اُٹھا کر بھی لوگ اسے قبول کرتے چلے جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں یہ اثر ہی تھا جس کی وجہ سے اسے سحر کہتے تھے۔

نمبر ٤- پہلی بات جو قرآن کریم کے متعلق کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ پریشان خواب ہیں پھر جب اس پر خود بھی مطمئن نہیں ہوتے اور اس کے نظم کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں

مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝٦

ان سے پہلے کوئی بستی ایمان نہیں لائی، جسے ہم نے ہلاک کیا تو کیا یہ ایمان لائیں گے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝٧

اور تجھ سے پہلے ہم نے کسی کو نہیں بھیجا سوائے مردوں کے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے، پس اہلِ علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝٨

اور اُن کے ہم نے ایسے جسم نہ بنائے تھے کہ کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ وہ غیر متغیر تھے[1]۔

ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝٩

پھر ہم نے (اپنا) وعدہ انھیں سچ کر دکھایا، سو انھیں ہم نے نجات دی اور جسے چاہا، اور زیادتی کرنے والوں کو ہم نے ہلاک کر دیا[2]۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝١٠ ع

ہم نے تمھاری طرف کتاب اُتاری ہے جس میں تمھاری بڑائی ہے۔ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے[3]۔

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ

اور کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں جو ظالم تھیں اور ان کے بعد

افترا ہے یا اس نے خود بات بنا کر کہہ دی ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ محض شاعر ہے یعنی اس کے الفاظ حقیقت سے خالی ہیں۔ قرآن کریم کے مخالف آج بھی اس بات پر متفق نہیں ایک کچھ کہتا ہے تو دوسرا کچھ۔ پریشان خوابوں میں تعلق کوئی نہیں ہوتا وہ کاہنوں کی طرح چند بے معنی فقرے چاہتے تھے مگر قرآن کریم میں ایک غرض اور مقصد صاف نظر آتا ہے اس لیے یوں اُٹھتے ہیں کہ یہ بناوٹ ہے پھر محض بناوٹ نہیں کیونکہ بناوٹ میں اتنا اثر نہیں ہوتا اس لیے پھر یہ خیال گزرتا ہے کہ یہ شاعرانہ کلام ہے کیونکہ شاعر تخیل کے زور سے کلام میں اثر پیدا کرتا ہے۔

نمبر۱۔ خلود اور خالد کے اصل معنی فساد واقع ہونے سے بری ہونا ہیں اور جو کھانے کا محتاج ہے وہ خالد نہیں ہو سکتا یعنی اس کا جسم تغیر سے پاک نہیں ہو سکتا کیونکہ کھانا بدل ما یتحلل ہے اور انسان کو کھانے کی ضرورت اس لیے ہوتی ہے کہ اس کے جسم خاکی سے کچھ اجزا ہر وقت نکلتے رہتے ہیں ان کی جگہ دوسرے اجزا لیتے رہتے ہیں اور کچھ اجزا کا نکلنا اور دوسروں کا ان کی جگہ لینا فانی ہونے کی دلیل ہے اور یہاں بتایا ہے کہ رسولوں کا جسم خاکی بھی دوسرے انسانوں کی طرح ہوتا ہے یعنی تغیر اس میں بھی ہوتا رہتا ہے یہ دلیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس جسم خاکی کے ساتھ آسمان پر زندہ ہونے کو جیسا کہ بہت مسلمانوں کا خیال ہے صریحاً باطل ٹھہراتی ہے۔

نمبر۲۔ یہ ان کے اقوال آیت ۵ کا جواب ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ جو مومنوں کی نجات اور مکذبوں کی ہلاکت کے متعلق ہے پورا ہو کر اس خیال کو باطل ٹھہراتا ہے کہ یہ پریشان خوابیں ہیں۔ پریشان خوابوں کا نتیجہ سالہا سال کے بعد کیونکر وہی نکل سکتا ہے جو قبل از وقت بتایا جاتا ہے ایسا ہی ان وعدوں کے پورا ہونے سے افترا یا بناوٹ ہونے کا خیال بھی باطل ہوتا ہے کیونکہ ایک مفتری آئندہ کے متعلق کوئی پُر زور دعویٰ نہیں کر سکتا۔ بالخصوص جب وہ خود سخت بے سروسامانی کی حالت میں ہو اور چاروں طرف مخالفت کا زور ہو۔ رہا شاعر سو وہ موزون کلام بنا سکتا ہے مگر وہ بھی یہ نہیں کر سکتا کہ بڑی بڑی قوموں کا تنہا مقابلہ کر سکے۔

نمبر۳۔ مطلب یہ ہے کہ نہ صرف ایمان لانے والوں کے لیے نجات اور مکذبین کے لیے ہلاکت کی خبر ہے بلکہ فی الحقیقت اس کے اندر وہ اعلیٰ درجہ کے جواہر موجود ہیں کہ ان کو عمل میں لا کر ایک قوم دنیا میں عظیم الشان مرتبہ پر پہنچ سکتی ہے اور مومن دنیا میں ایک عظیم الشان قوم بن جائیں گے۔

ظَالِمَةً وَّ اَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ⑪	ہم نے دوسری قوم کو اٹھا کھڑا کیا ؎۱
فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ	پھر جب انھوں نے ہمارے عذاب کی آہٹ پائی ، تو اس سے
مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ⑫	بھاگنے لگے ۔
لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْآ اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ	بھاگو نہیں اور اس کی طرف لوٹ جاؤ جس میں تم عیش کرتے تھے
فِيْهِ وَ مَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْـَٔلُوْنَ ⑬	اور اپنے ٹھکانوں کی طرف تاکہ تم سے سوال کیا جائے ۔
قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑭	انھوں نے کہا ہم پر افسوس! ہم ظالم تھے ۔
فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى	سو یہی ان کی پکار رہی یہاں تک کہ ہم نے انھیں کٹے ہوئے کھیت
جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ⑮	اور بجھے ہوئے شعلے کی طرح کر دیا ؎۲
وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا	اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ،
بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ⑯	کھیلتے ہوئے پیدا نہیں کیا ۔
لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ	اگر ہم ارادہ کرتے کہ کھیل بنائیں تو اپنے پاس سے اسے بناتے
مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ⑰	ہم ایسا کرنے والے نہ تھے ؎۳
بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ	بلکہ ہم حق کو باطل پر ڈالتے ہیں سو وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے
فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ	پس ناگہاں وہ نابود ہو جاتا ہے اور تمھارے لیے اس کی وجہ
الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ⑱	سے افسوس ہے جو تم بیان کرتے ہو ؎۴

نمبر۱۔ بڑی بڑی قوموں کا ایک فرد واحد کے مقابلہ میں زور لگانا اور آخر گر جانا بتاتا ہے کہ خدا کی طاقت اس شخص کے لیے کام کر رہی ہے اور دائمی اس کا تعلق اسی سے ہے جو سب طاقتوں کا مالک ہے۔

نمبر۲۔ یہاں اُن کی اس آخری حالت کو دو باتوں سے تشبیہ دی ہے ایک کھیتی سے جو اُن کی پہلی سرسبزی کی طرف اشارہ ہے مگر وہ کھیتی کاٹ لی گئی ، دوسرے آگ سے جس کا شعلہ بجھ گیا ہو گویا وہ اُن کا غیظ و غضب فرو ہو گیا۔ پس یہ بھی قوموں کی تباہی ہی ہے کہ اُن کے اقبال میں کمی آ جائے اور حق کے مقابل اُن کا غیظ ٹھنڈا پڑ جائے جو بسا اوقات اس لیے ہوتا ہے کہ وہ مخالفت ترک کر کے حق کو قبول کر لیتی ہیں۔

نمبر۳۔ یہاں لَهْوًا کے معنی بہت سے مفسرین سے زوجۃ اور ولد مروی ہیں لیکن پہلی آیت میں لعب کا قرینہ بتاتا ہے کہ اسی مضمون کو جاری رکھا ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہمارا ارادہ ہی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی چیز بے حقیقت ہو اور اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ میں اِنْ نافیہ ہے مطلب یہ ہے کہ ہماری شان ہی یہ نہیں کہ ہم ایسا کرتے۔

نمبر۴۔ پہلی دو آیتوں میں جو کچھ فرمایا تھا اس کا نتیجہ یہاں بتایا کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کو مقصد صحیح سے پیدا کرتا ہے اس لیے حق جب آ جاتا ہے تو باطل کا باوجود اس کی ساری طاقت کے سر کچل دیتا ہے اسی طرح توحید سے شرک کی تعلیم دنیا میں مٹ جائے گی اور باطل حق کے سامنے بھاگ جائے گا۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۚ ﴿۱۹﴾

اور اسی کے لیے ہے جو کوئی آسمانوں میں اور زمین ہے اور جو اس کے پاس ہیں وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ تھکتے ہیں ۱

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ﴿۲۰﴾

رات اور دن میں تسبیح کرتے ہیں سست نہیں ہوتے۔

اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾

کیا انھوں نے زمین سے معبود بنالیے ہیں ، جو پیدا کرتے ہیں۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾

اگر ان دونوں میں اللہ کے سوائے (کوئی اور) معبود ہوتا تو دونوں بگڑ جاتے سو اللہ عرش کا رب اس سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں ۲

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

اس سے پوچھا نہیں جاتا جو وہ کرتا ہے اور اُن سے پوچھا جاتا ہے ۳

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾

کیا اس کے سوائے (اور) معبود بنالیے ہیں۔ کہہ اپنی روشن دلیل لاؤ یہ اس کا ذکر ہے جو میرے ساتھ ہے اور اس کا ذکر جو مجھ سے پہلے ہے ، بلکہ ان میں سے اکثر حق کو نہیں جانتے اس لیے وہ منہ پھیرے ہوئے ہیں ۴

نمبر۱۔ من عندہ سے فرشتے مراد لیے گئے ہیں مگر یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے پاک بندوں پر بھی صادق آتے ہیں کیونکہ دن اور رات تسبیح وہ بھی کرتے رہتے ہیں یعنی تسبیح پر ملازمت کرتے ہیں قول سے اور فعل سے۔ اور وہ خدا کی عبادت سے تھکتے نہیں اور انھیں اس میں نشاط بھی حاصل ہوتی ہے اس میں سُست نہیں ہوتے یا جس طرح ملائکہ رسالت تسبیح سے نہیں رکتی اسی طرح نیک لوگوں کو بھی نہیں رکتی اور یہاں ذکر انبیاء کا ہے کیونکہ انھیں کے متعلق یہ اثبات کرنا ہے کہ ان کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے۔ تو پہلے یہ تعلق اس رنگ میں ظاہر کیا کہ ان کے مقابلہ پر بڑی بڑی قومیں بھی گر جاتی ہیں اور اب اسی تعلق کو صاف الفاظ میں بیان فرمایا اور ان کے مقام بلند کا ذکر کیا جو اللہ تعالیٰ کے حضور اُن کو حاصل ہے اور بتایا کہ یہی کیسا کھلا نشان ان کے تعلق باللہ کا ہے کہ انھیں ذکر الٰہی میں کمال درجہ کا سرور حاصل ہوتا ہے اور وہ اس کی عبادت اور اس کی مخلوق کی خدمت کرتے ہوئے تھکتے نہیں بلکہ باوجود مخالفت کے اس میں خوشی سے لگے چلے جاتے ہیں۔

نمبر۲۔ یہ توحید باری پر دلیل ہے اور اس مضمون کے یہاں لانے کی وجہ آیت ۲۵ میں صاف بیان فرما دی ہے کہ تمام رسول توحید کی تعلیم لے کر آئے اور انھی کی تعلیم سے اللہ تعالیٰ کی توحید دنیا میں پھیلی۔ ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو نظام عالم قائم نہ رہ سکتا کیونکہ ایک ایک طرح پر اسے چلاتا ، تو دوسرا اپنے حسب منشاء دوسری طرح پر چلاتا۔

نمبر۳۔ کیونکہ وہ قانون کا نافذ کرنے والا ہے یہ قانون کے ماتحت ہیں۔

نمبر۴۔ ذکر من معی سے مراد ہے اس اُمت کا ذکر اور ذکر من قبلی سے پہلی امتوں کا ذکر۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی توحید ہی میرے ساتھیوں کا ذکر ہے اور یہی پہلوں کا ذکر تھا یعنی وہ بھی توحید پر قائم تھے۔ جیساکہ اگلی آیت میں فرمایا کہ پہلے رسولوں کی طرف بھی یہی وحی ہوتی تھی کہ اللہ ایک ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ	اور تجھ سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس کی طرف ہم یہی
اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ	وحی کرتے تھے کہ میرے سوائے کوئی معبود نہیں، سو میری
اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿٢٥﴾	ہی عبادت کرو۔
وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ط	اور کہتے ہیں رحمٰن نے بیٹا بنا لیا، وہ پاک ہے بلکہ وہ معزز
بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٢٦﴾	بندے ہیں۔
لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ	وہ بات میں اس سے آگے نہیں بڑھتے اور اس کے حکم کے
يَعْمَلُوْنَ ﴿٢٧﴾	مطابق وہ عمل کرتے ہیں [1]
يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ	وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے
وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى	اور وہ شفاعت نہیں کرتے مگر اسی کے لیے جسے وہ پسند کرے
وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿٢٨﴾	اور وہ اس کی ہیبت سے ڈرتے ہیں۔
وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ	اور جو کوئی ان میں سے کہے کہ میں اس کے سوائے معبود ہوں
دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ط	تو اسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے۔
كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ ع	اسی طرح ہم ظالموں کو سزا دیتے ہیں۔
اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ	کیا جو کافر ہیں وہ غور نہیں کرتے کہ آسمان اور زمین
وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ط	دونوں بند تھے تو ہم نے انھیں کھولا۔
وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط	اور ہر زندہ چیز کو ہم نے پانی سے بنایا، تو کیا

نمبر ١- آیت ٢٦ سے لیکر ٢٩ تک کا مصداق ملائکہ کو سمجھا گیا ہے لیکن کئی ایک قرائن صاف بتاتے ہیں کہ ان میں مراد انبیاء علیہم السلام ہی ہیں اور ولدیت کا عقیدہ بھی انبیاء کے متعلق ہی بنا۔ اول اتخذ الرحمٰن ولدا سبحانہ میں عموماً عیسائیوں کے عقیدہ ولدیت مسیح کی تردید ہی کی گئی ہے گو اور بھی اس میں شامل ہو جائیں اور عباد کا لفظ اس لیے استعمال کیا کہ مسیح کے سوائے اور لوگوں کو بھی خدا کا بیٹا بنا یا گیا ہے دوم اوپر جو ذکر تھا وہ یہی تھا کہ کسی رسول کو یہ تعلیم نہیں دی گئی کہ خدا کے سوائے کوئی اور بھی لائق عبادت ہے پس یہ بھی رسولوں کا ہی ذکر ہے۔ سوم انتیسویں آیت میں ہے ومن یقل منھم انی الٰہ جو کوئی ان میں سے کہے میں معبود ہوں۔ ظاہر ہے کہ فرشتے انسانوں کو اس طرح کہنے نہیں آتے بلکہ انسان کو انسان ہی کہہ سکتا ہے اور دوسرے انسان تو ایسا کہنے والے ہوئے ہیں یعنی جنھوں نے اپنے آپ کو خدا کہا مگر فرشتہ کوئی ایسا نہیں ہو سکتا اور نہ ہوا۔ چہارم ماکان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتاب والحکم والنبوۃ (آل عمران ۹) میں صاف یہی ذکر موجود ہے اور یہ دونوں مقامات ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں پنجم آخری آیت کے آخری الفاظ کذالک نجزی الظالمین صاف بتاتے ہیں کہ انسانوں کا ذکر ہے کیونکہ فرشتہ پر ظالم کا لفظ آ ہی نہیں سکتا پس اس آیت میں انبیاء علیہم السلام کے مقام بلند کا ذکر ہے اور ان کی عصمت پر دلیل ہے وہ نہ تو قول میں اللہ تعالیٰ پر سبقت کرتے ہیں نہ عمل میں یعنی وہی تعلیم لوگوں کو دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ انھیں فرماتا ہے اور ان کے اعمال بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہوتے ہیں پس نہ قولاً اور نہ عملاً وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے ایک ذرہ بھی انحراف کر سکتے ہیں اور یہی مقام عصمت ہے۔

اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٠﴾

یہ نہیں مانتے ؀۱

وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۖ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿٣١﴾

اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے تاکہ وہ انہیں لے کر کانپے نہیں ، اور ہم نے اس میں کھلے رستے بنائے ، تاکہ وہ راہ پائیں ۔

وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿٣٢﴾

اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا اور وہ اس کے نشانوں سے منہ پھیر رہے ہیں ؀۲

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿٣٣﴾

اور وہی ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو پیدا کیا ۔ سب (اپنے اپنے) فلک میں تیزی سے چل رہے ہیں ؀۳

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۭ اَفَا۟ئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ﴿٣٤﴾

اور تجھ سے پہلے ہم نے کسی انسان کے لیے ہمیشگی نہیں رکھی ، تو کیا اگر تو مر جائے تو یہ رہ جائیں گے ۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَنَبْلُوْكُمْ

ہر شخص موت کا مزہ چکھنے والا ہے اور کھرا کھوٹا الگ کرنے کے لیے ہم

نمبر۱۔ آسمان اور زمین کے بند ہونے اور ان کے کھولا جانے سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ سب چیزیں ایک غیر ممیز صورت میں باہم ملی جلی تھیں ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام اجرام کو الگ الگ کرکے ایک دُوسرے سے ممیز کر دیا اور اس کی طرف آگے کل فی فلک یسبحون (۳۳) میں اشارہ بھی ہے کہ اب وہ سب اپنے اپنے افلاک میں چکر لگا رہے ہیں اور اس معنی سے ملتے جلتے معنی مفسرین نے کیے ہیں اور سائنس بھی یہی کہتا ہے کہ یہ سب نظام ایک ابتری کی حالت میں سے نکل کر اس موجودہ نظام پر آیا اور ایک معنی ابن عباسؓ سے مروی ہیں یعنی آسمان سے پانی کا برسنا اور زمین سے روئیدگی کا نکلنا ۔ پانی سے ہر زندہ چیز کا ہونا یہ بھی ایک عظیم الشان صداقت ہے جس کا اعتراف سائنس نے آج کیا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس صداقت کا علم ایک عرب کے اُمّی کے منہ سے آج سے تیرہ سو سال پیشتر دنیا کو دیا ۔ یوں اس ایک آیت میں ایسی عظیم الشان علمی صداقتیں اکٹھی کر دی ہیں جن کا علم دنیا کو آج ہوا ہے ۔

نمبر۲۔ یہاں آسمان کو سقف کہا ہے اور محفوظ بھی ۔ اور دوسری جگہ سماء کو بناء یعنی عمارت کہا ہے ۔ ان الفاظ کے استعمال میں بتایا ہے کہ یہ تمام نظامِ عالم بمنزلہ ایک گھر کے ہے جس کا ایک مالک ہے اور اسے محفوظ کہا ہے یعنی وہ نظام فساد سے محفوظ ہے یعنی اتنا بڑا نظام بگڑتا نہیں ۔ اگر اس کی پیدا کرنے والی ایک مدبر بالارادہ ہستی نہ ہو تو اتنا بڑا نظام جس میں لاکھوں اجرام شب و روز گشت لگا رہے ہیں کس طرح قائم رہ سکتا ہے یہی وہ آیات ہیں جن سے کفار اعراض کرتے ہیں اور ان موٹی موٹی باتوں پر غور نہیں کرتے ۔

نمبر۳۔ یسبحون کا استعمال بتاتا ہے کہ وہ سیارے خود فلک میں تیز دوڑ رہے ہیں نہ یہ کہ فلک اُن کو لیے ہوئے گھوم رہا ہے ۔ پس فلک وہ رستہ ہے جس میں یہ اجرام مختلف چلتے ہیں اور وہ فلک ہر جرم کے لیے الگ ہے جیسا کہ زجاج کا قول ہے اور فی فلک میں واحد کا استعمال جنس کے لیے ہے جس سے مراد جمع ہوتی ہے اور کلٌّ میں ضمیر بعض نے شمس و قمر کے لیے لی ہے مگر مراد سب کواکب ہیں کیونکہ سورج اور چاند سب روشن اجرام ہیں اور بعض کے نزدیک ضمیر نجوم کی طرف ہے گو ان کا ذکر موجود نہ ہوا ہو لیکن جو بیان ہو رہا ہے اس سے ان کے ذکر پر دلالت ملتی ہے اجرام سماوی کا اپنے اپنے فلکوں میں گھومنا ایک اور علمی حقیقت ہے جس کو قرآن کریم نے ظاہر کیا ہے ۔

بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً ۭ وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ۝٣٥

تمھیں دُکھ اور سُکھ سے آزماتے ہیں اور تم ہماری طرف ہی لوٹائے جاؤ گے۔

وَإِذَا رَاٰكَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا إِنْ
يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوًا ۭ أَهٰذَا الَّذِي
يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ
الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُونَ ۝٣٦

اور جب کافر تجھے دیکھتے ہیں تیری ہنسی اڑاتے ہیں۔ کیا یہی وہ ہے جو تمھارے معبودوں کا ذکر کرتا ہے اور وہ خود رحمٰن کے ذکر کا انکار کرنے والے ہیں۔

خُلِقَ الْإِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ۭ سَاُورِيكُمْ
اٰيٰتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونِ ۝٣٧

انسان جلدی کا پُتلا بنایا گیا ہے میں تمھیں اپنے نشان دکھاؤں گا سو تم مجھ سے جلدی نہ کرو[1]۔

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ إِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ۝٣٨

اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا، اگر تم سچے ہو۔

لَوْ يَعْلَمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينَ لَا يَكُفُّونَ
عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ
وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ۝٣٩

کاش جو کافر ہیں، اس وقت کو جانیں جب وہ اپنے مونہوں سے آگ کو نہ روک سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ انھیں مدد دی جائے گی۔

بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا
يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝٤٠

بلکہ وہ (گھڑی) ان پر اچانک آجائے گی پس وہ ان کے ہوش کھو دے گی تو وہ اُسے ہٹا نہ سکیں گے اور نہ انھیں مہلت ملے گی۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ
فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا
كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُونَ ۝٤١ ع

اور یقیناً تجھ سے پہلے رسولوں سے ہنسی کی گئی، تو انھیں جو ان میں سے ہنسی کرتے تھے، اسی نے آلیا جس کی وہ ہنسی کرتے تھے[2]۔

نمبر۱۔ خلق الانسان من عجل کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عجلت میں پیدا کیا یا ایسے وقت پیدا ہوا جب دن تھوڑا رہ گیا تھا۔ مطلب صرف اس قدر ہے کہ عجلت انسان میں اس قدر ہے کہ گویا اسی سے پیدا ہوا ہے جیسے اللہ الذی خلقکم من ضعف (الروم۔ ۵۴) اور لسان العرب میں ہے کہ جب انسان میں ایک چیز بہت پائی جائے تو اہل عرب یوں کہتے ہیں خُلِقتَ منہ یعنی تو اس سے پیدا ہوا ہے۔ مثلاً خُلِقْتَ مِنْ لَعِبٍ اسے کہیں گے جو بہت کھیلتا ہو اور سیاق خود بتاتا ہے کہ یہی معنی ہیں اس لیے کہ ساتھ ہی جلد بازی سے روکا ہے۔

نمبر۲۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ وہ عذاب جس کے متعلق وہ سوال کرتے ہیں اس دنیا کا عذاب ہے کیونکہ اس چیز کا آلینا جس سے وہ ہنسی کرتے تھے ان کی ہلاکت ہی ہے نہ کچھ اور۔ اور درحقیقت یہ سأُریکم آیاتی اور فلا تستعجلون سے صاف ظاہر ہے کیونکہ وہ جس نشان کو جلدی مانگتے ہیں وہ نشان ہلاکت ہے نہ قیامت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ایسے ہی نشان دکھانے کا وعدہ ہے قیامت نشان نہیں کہلا سکتی ہے۔ پس آیت ۳۹ میں جو آگ کو مونہوں اور پیٹھوں سے

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۭ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۴۲

کہہ، کون رات کو اور دن کو رحمٰن سے تمھاری حفاظت کرتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے رب کے ذکر سے منہ پھیر رہے ہیں ۱۔

اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا ۭ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ۝۴۳

کیا اُن کے معبود ہیں جو ہمارے مقابلے میں انھیں بچا لیں گے وہ آپ اپنی مدد کی طاقت نہیں رکھتے اور نہ ہماری طرف سے ان کی حفاظت ہوگی ۲۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَاۗءِ وَاٰبَاۗءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۭ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ۝۴۴

بلکہ ہم نے انھیں اور ان کے باپ دادوں کو سامان دیا۔ یہاں تک کہ اُن کی عمر لمبی ہوگئی، تو پھر کیا غور نہیں کرتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں، تو کیا وہ غالب ہیں ۳۔

قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ڮ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاۗءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ۝۴۵

کہہ، میں تمھیں صرف وحی کے ساتھ ڈراتا ہوں اور بہرے پکار کو نہیں سنتے، جب اُنھیں ڈرایا جائے ۴۔

وَلَىِٕنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۴۶

اور اگر انھیں تیرے رب کے عذاب کی ہوا بھی لگ جائے، تو کہیں گے اے افسوس ہم پر، ہم ہی ظالم تھے۔

نہ ہٹا سکنے کا ذکر ہے تو اس سے مراد مجازاً جنگ ہی ہے اور مونہوں اور پیٹھوں کا ذکر اس لیے کیا کہ جب وہ حملہ کر کے آئیں گے تب بھی دکھ اٹھائیں گے اور جب پیٹھ پھیر کر جائیں گے تب بھی دکھ اٹھائیں گے اور آیت ۴۰ سے بھی یہی ظاہر ہے اس لیے کہ مبہوت ہونا اسی زندگی کے لیے ہے جب انسان دلائل میں مقابلہ سے عاجز آ جائے۔

نمبر ۱- من الرحمٰن سے مراد ہے رحمان کی سزا۔ مطلب یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کی رحمانیت نہ ہوتی تو اپنے اعمال بد کی سزا میں کفار فوراً پکڑے جاتے بایں ہمہ رب رحمان کی طرف رجوع نہیں کرتے۔

نمبر ۲- یعنی جو اُن کے معبودانِ باطل ہیں وہ تو اپنے آپ کو دوسروں کے مقابل پر نہیں بچا سکتے جیسا کہ اگلے رکوع میں حضرت ابراہیمؑ کے ذکر سے واضح کر دیا ہے۔ اور جب سزا کا وقت آ جائے گا تو پھر وہ رحمٰن کی حفاظت بھی نہیں رہے گی اس لیے اس وقت ان کے بچنے کا کوئی سامان بھی نہ رہے گا۔

نمبر ۳- ایک قوم پر جب ایک لمبے زمانہ تک اللہ تعالیٰ گرفت نہیں کرتا تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم دنیا میں ہمیشہ رہیں گے جو چاہیں کریں اور غور کی عادت بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ عمر سے مراد یہاں ایک قوم کی عمر ہے اطراف کے گھٹانے سے مراد کفار کے دلوں پر اسلام کا اثر ہونا ہے اس لیے فرمایا کہ اب اسلام کے غالب آنے کے نشان تو واضح ہیں ان کا غلبہ نہیں رہ سکتا۔

نمبر ۴- وحی کے ساتھ ڈراتا ہوں یعنی یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ اس خبر کا سرچشمہ یقینی ہے۔

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور ہم قیامت کے دن کے لیے انصاف کی میزانوں کو قائم کرتے ہیں۔ پس کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہ کیا جائے گا اور اگر ایک رائی کے دانے کے برابر بھی (عمل) ہوگا ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں ؎۱

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ﴿۴۸﴾

اور ہم نے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرقان اور روشنی اور نصیحت متقیوں کے لیے دی ؎۲

الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾

جو غیب میں اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور (اس) گھڑی کا اُن کو خوف ہے۔

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

اور یہ (قرآن) بابرکت ذکر ہے جسے ہم نے اتارا ہے تو کیا تم اس کا انکار کرتے ہو۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۚ﴿۵۱﴾

اور ہم نے ہی ابراہیمؑ کو پہلے سے اس کے (لائق حال) ہدایت دی اور ہم اس کو خوب جانتے تھے ؎۳

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾

جب اس نے اپنے بزرگ اور اپنی قوم سے کہا یہ مورتیں کیا ہیں جن کی تعظیم میں تم لگے ہوئے ہو۔

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

انھوں نے کہا ہم نے اپنے بڑوں کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا۔

قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾

کہا، تم اور تمھارے بڑے کھلی گمراہی میں تھے۔

نمبر۱۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسا وزن قائم ہے کہ اس سے ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی عمل باہر نہیں رہتا۔

نمبر۲۔ فرقان، ضیا، ذکر سب توریت کے نام بھی ہو سکتے ہیں۔ فرقان حق و باطل میں فرق کرنے کے لحاظ سے، ضیا اس لحاظ سے کہ ہر قسم کی ظلمت کو دور کر کے اس کی جگہ روشنی کر دی اور ذکر اس لحاظ سے کہ اپنے پیروؤں کو کمال تک پہنچا۔ اور یا فرقان وہ معجزات ہیں جنھوں نے حق و باطل میں فرق کر دیا۔ ضیاء دلائل ہیں جن سے تعلیم روشن ہوئی اور ذکر خود وہ تعلیم ہے تینوں چیزیں موسیٰؑ اور ہارونؑ دونوں کو دی گئیں۔

نمبر۳۔ رشد، غیّ اور ضلال کا نقیض ہے اس لیے رشد کے دینے میں ضلالۃ اور غیّ کی نفی پائی جاتی ہے اور رشدہ اس لیے کہا کہ یہ معمولی رشد نہیں نہ صرف دنیا کے کاموں میں رشد تھا بلکہ ایسا رشد جو اس کے لائق حال تھا یعنی رشد کامل جو رسولوں اور نبیوں کو دیا جاتا ہے من قبل میں اشارہ حضرت موسیٰؑ کی طرف یا خود آنحضرت صلعم کی طرف ہے اور بعض نے مراد من قبل البلوغ لیا ہے یعنی بچپن سے ہی وہ ہدایت پر تھے اور اس کو جاننے میں اشارہ ان کے کمالات کی طرف ہے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿٥٥﴾

انھوں نے کہا، کیا تو ہمارے پاس حق لایا ہے یا تو کھیل کرنے والوں میں سے ہے۔

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٥٦﴾

کہا بلکہ تمہارا رب آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ جس نے اُنھیں پیدا کیا اور میں اس پر گواہی دینے والوں میں سے ہوں۔

وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٥٧﴾

اور اللہ کی قسم میں تمہارے بتوں کو تکلیف پہنچاؤں گا، اس کے بعد کہ تم پیٹھ پھیرتے ہوئے واپس چلے جاؤ گے۔

فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ﴿٥٨﴾

سو ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، مگر ان کے بڑے کو رہنے دیا تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں[1]

قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٩﴾

کہنے لگے ہمارے معبودوں سے کس نے یہ کام کیا ہے، یقیناً وہ ظالموں میں سے ہے

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٠﴾

(لوگوں نے) کہا ہم نے ایک نوجوان کو اُن کا ذکر کرتے سنا تھا جسے ابراہیم کہا جاتا ہے۔

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿٦١﴾

کہنے لگے، اسے لوگوں کے سامنے لاؤ، تاکہ وہ گواہی دیں۔

قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿٦٢﴾

کہا، اے ابراہیم کیا تو نے ہمارے معبودوں سے یہ کام کیا ہے؟

قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ﴿٦٣﴾

اس نے کہا بلکہ یہ کیا (جس نے کیا) ان کا بڑا یہ ہے، سو ان سے پوچھو اگر وہ بولتے ہیں[2]

نمبر١- اس کی طرف رجوع کریں یعنی دیکھ لیں کہ بڑا بت باوجود صحیح سالم ہونے کے ان کی کچھ مدد نہیں کرسکتا۔

نمبر٢- یہ یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ بل، فعلہ پر وقف ہے اور اسی کو مدنظر نہ رکھنے سے حضرت ابراہیم کی طرف یہ جھوٹ منسوب کرنا پڑتا ہے کہ آپ نے خود بت توڑنے سے انکار کیا اور جواب یہ دیا کہ بڑے بت نے چھوٹے بتوں کو توڑ دیا ہے اس معنی کے خلاف اور قرائن بھی ہیں۔ اوّل حضرت ابراہیم نے علی الاعلان انھیں کہہ دیا تھا لاکیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین (۵۷) مفسرین نے اس صریح خطاب کو جو قوم سے حضرت ابراہیم نے کیا مخفی طور پر کہنا قرار دیا ہے اگر مخفی تھا تو بعد

فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۶۴

سو انھوں نے اپنے آپ کی طرف رجوع کیا اور کہنے لگے تم خود ہی ظالم ہو۔[۱]

ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَاۗءِ يَنْطِقُوْنَ ۝۶۵

پھر اپنے سر ڈال کر اوندھے گر گئے (اور بولے) تو جانتا ہے کہ یہ بات نہیں کرتے۔

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـــًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝۶۶

کہا تو کیا اللہ کو چھوڑ کر تم اس کی عبادت کرتے ہو، جو تمھیں کچھ نفع نہیں دیتا اور نہ تمھیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۷

تف ہے تم پر اور اس پر جس کی تم اللہ کے سوائے عبادت کرتے ہو، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝۶۸

کہنے لگے اسے جلا دو اور اپنے دیوتاؤں کی مدد کرو، اگر تم (کچھ) کرنے والے ہو۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝۶۹

ہم نے کہا، اے آگ! ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جا۔[۲]

ان تو تو اکے کیا معنی ہوئے وہ تو کچھ لوگوں کو خطاب کر کے کہ رہے ہیں کہ تم پھر جاؤ گے تو میں انھیں نقصان پہنچاؤں گا۔ اور اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے حضرت ابراہیم کو ڈرایا ہوگا کہ اگر تم بتوں کے خلاف کوئی بات منہ سے نکالو گے تو وہ تمھیں نقصان پہنچائیں گے۔ حضرت ابراہیم نے کہا انھوں نے مجھے کیا نقصان پہنچانا ہے میں انھیں نقصان پہنچاؤں گا اور طرز عبارت صاف بتاتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے یہ بات میدان مقابلہ میں کہی تھی اور بہت لوگوں نے اُسے سُنا ہے اسی لیے جب بُت ٹوٹے ہوئے پائے گئے اور تحقیقات شروع ہوئی تو بہت سے لوگ بول اُٹھے کہ ہم نے ابراہیم کو یوں کہتے سُنا تھا۔ اسی لیے ابراہیم کو بلایا گیا تاکہ سب کے سامنے یہ گواہی دی جائے۔ یہ دوسرا قرینہ اس بات پر ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے فعل کا اخفا نہیں کیا اور اخفا کرنے سے اُن کی اصل غرض ہی پوری نہ ہوتی تھی۔ تیسرا اور نہایت قوی قرینہ یہ ہے کہ بڑے بت سے پوچھنے کے لیے نہ حضرت ابراہیم کہتے ہیں اور نہ پجاری بڑے بت کے متعلق نہ بولنے کا عذر کرتے ہیں بلکہ حضرت ابراہیم بھی کہتے ہیں: فسئلوھم ان کانوا ینطقون اور وہ بھی جواب میں کہتے ہیں۔ ما ھٰؤلاء ینطقون۔ اگر بڑے بُت کو اس لیے چھوڑا گیا تھا کہ قتل کو اس کی طرف منسوب کیا جائے تو فسئلوہ کہنا چاہیئے نہ فسئلوھم۔ بل، فعلہٗ پر وقف ہے اور کسائی جیسے نحوی نے ان الفاظ کی توجیہ یوں کی ہے فعلہ من فعلہ کیا جس نے کیا یعنی فاعل محذوف ہے تو حضرت ابراہیم نے یوں جواب دیا ہے کہ میں نے کیا یا کسی اور نے کیا۔ اس سے کیا حاصل۔ اگر تمھارے یہ بت کچھ کر سکتے ہیں کوئی نفع نقصان پہنچانے پر قادر ہیں تو ابھی سب سے بڑا بُت موجود ہے یہ کیوں کچھ نہیں کر لیتا۔ رہا یہ کہ کس نے کیا تو خود ان سے کیوں نہیں پوچھتے جس شخص کو مار پڑے وہ خود بتا دیا کرتا ہے کہ فلاں نے مجھے مارا ہے یہ کیوں نہیں بتاتے۔

نمبر۱۔ اپنے آپ کی طرف رجوع کرنے سے مراد تفکر و تدبر ہے یعنی اپنے دلوں میں سوچا۔

نمبر۲۔ حضرت ابراہیم کے آگ میں ڈالا جانے اور رہنے کے قصوں کو بعض مفسرین نے عجیب عجیب پیرایوں میں بیان کیا ہے چالیس دن تک لکڑیوں کا جمع کیا جانا پھر ایک عظیم الشان آگ کا جلنا پھر کفار کو سمجھ نہ آنا کہ کس طرح حضرت ابراہیم کو اس آگ میں ڈالیں اور شیطان کا آکر انھیں گوپھیا بنانا سکھانا پھر حضرت ابراہیم کا اس آگ میں چالیس یا پچاس دن رہنا اور ایسے ایسے قصوں کو نقل کر کے روح المعانی میں لکھا ہے کہ اس قصہ کی بہت سی روایتیں ہیں لیکن بحر المحیط میں ہے

وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَیْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِیْنَ ﴿۷۰﴾

اور انھوں نے اس سے بُرائی کرنی چاہی تو ہم نے انہی کو نقصان اُٹھانے والے کر دیا۔

وَ نَجَّیْنٰهُ وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۱﴾

اور ہم نے اُسے اور لوطؑ کو اس سرزمین کی طرف بچا نکالا جس میں ہم نے قوموں کے لیے برکت رکھی تھی [1]۔

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ ؕ وَ یَعْقُوْبَ نَافِلَةً ؕ وَ كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِیْنَ ﴿۷۲﴾

اور ہم نے اسے اسحٰقؑ دیا اور یعقوبؑ پوتا اور سب کو ہم نے نیک بنایا۔

وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ﴿۷۳﴾

اور ہم نے انھیں امام بنایا، وہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کی طرف نیکیوں کے کرنے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی کی اور وہ ہماری عبادت کرنے والے تھے۔

وَ لُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓىِٕثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ ﴿۷۴﴾

اور لوطؑ کو بھی ہم نے فہم اور علم دیا اور اسے اس بستی سے نجات دی جو ناپاک کام کرتی تھی، وہ بُرے لوگ (اور) نافرمان تھے۔

وَ اَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ

اور ہم نے اُسے اپنی رحمت میں داخل کیا وہ

کہ لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کے ماجرا کو بیان کرنے میں بہت سی باتیں بنائی ہیں اور صحیح وہی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا ہے کہ آپ کو آگ میں ڈالا گیا، تو اللہ تعالیٰ نے اس آگ کو ٹھنڈا کر دیا" اور یہی صحیح ہے۔ اب قرآن کریم میں کفار کے ارادہ کا ذکر یہاں تو صرف اس قدر ہے کہ انھوں نے کہا حرقوہ اور دوسری جگہ ہے اقتلوہ او حرقوہ (العنکبوت ۲۹-۲۴) اسے قتل کر دو یا جلا دو اور تیسری جگہ ہے ابنوا لہ بنیانا فالقوہ فی الجحیم اس کے لیے عمارت بناؤ اور اسے جحیم یعنی دوزخ میں ڈال دو (الصّٰفّٰت ۳۷-۹۷) اور کیا ہوا اس کے متعلق یہاں فرمایا قلنا یا نار کونی بردًا و سلامًا علی ابراھیم اور دوسری جگہ کہا ہے فانجٰہ اللہ من النار (العنکبوت ۲۹-۲۴) اور تیسری جگہ ہے فارادو بہ کیدا فجعلنھم الاسفلین (الصّٰفّٰت ۳۷-۹۸) اور یہاں بھی بردًا و سلامًا کے بعد یہی لفظ آتے ہیں اس لیے اگر ہم قرآن کریم کے بیان سے آگے نہ نکلیں تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ آیا فی الواقع حضرت ابراہیمؑ کو اس آگ میں ڈالا گیا یا جیسا کہ انجٰہ اللہ من النار سے ظاہر ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کمال حکمت سے حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں پڑنے سے پہلے نجات دیدی اور کسی دوسری طرف نکال دیا جیسا کہ آیت ۷۱ سے ظاہر ہے اور حضرت ابراہیمؑ کا وہاں سے ہجرت کر جانا تو صاف معلوم ہوتا ہے جس خدا نے حضرت نوحؑ کو طوفان سے، حضرت موسیٰؑ کو سمندر سے، حضرت عیسیٰؑ کو صلیب سے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کو قتل سے بچالیا حالانکہ آپ کے گھر کا محاصرہ ہو چکا تھا وہ اس بات پر بھی قادر تھا کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ سے بچا دے خواہ آگ میں پڑ کر آپ بچائے گئے ہوں اور خواہ اس سے بھی پیشتر اس آگ کو ابراہیمؑ کے حق میں (علیٰ ابراہیم) ٹھنڈا کر دیا گیا ہو۔ اور آیت ۷۰ سے اور ایسا ہی (الصّٰفّٰت ۳۷-۹۸) سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ابھی ارادہ ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں وہاں سے نجات دیدی۔

نمبر ۱۔ برکت والی زمین سے مراد ارض شام ہے جدھر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ ہجرت کر کے چلے گئے۔

ع الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ — نیکوں میں سے تھا۔

وَ نُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾ — اور نوحؑ کو جب (اس سے بھی) پہلے اس نے پکارا تو ہم نے اس کی (دعا) قبول کی سو اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی۔

وَ نَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۷۷﴾ — اور اسے اس قوم کے مقابل پر مدد دی جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تھے، وہ بُرے لوگ تھے۔ سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔

وَ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَ كُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾ — اور داؤدؑ اور سلیمانؑ کو جب وہ کھیتی کے معاملہ میں فیصلہ کرنے لگے جب اس میں لوگوں کی بکریاں رات کو چر گئیں اور ہم ان کے فیصلے کے گواہ تھے۱۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَ كُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا ۫ وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَ الطَّيْرَ ؕ وَ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۷۹﴾ — سو ہم نے وہ (فیصلہ) سلیمانؑ کو سمجھا دیا اور سب کو ہم نے فہم اور علم دیا تھا اور ہم نے پہاڑوں کو جو تسبیح کرتے تھے اور پرندوں کو داؤدؑ کے ساتھ کام میں لگا دیا، اور ہم ہی کرنے والے تھے۔

وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ — اور ہم نے اسے تمہارے لیے زرہ بنانی سکھائی، تاکہ تمہاری لڑائی میں تمہاری حفاظت کرے۔ تو کیا تم شکر گزار ہو۲۔

نمبر۱ - حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ بادشاہت کی حیثیت میں بڑے بڑے اہم امور ملکی طے کرتے تھے اور یہ ایک نہایت خفیف سا معاملہ ہے کہ کسی کی بکریاں رات کو کھیت چر گئیں اس میں یہ توجہ دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے بادشاہ بھی ہو جائیں تو وہ اپنی رعایا میں سے معمولی لوگوں کی شکایات کی طرف اسی طرح توجہ کرتے ہیں جس طرح اہم امور ملکی کی طرف۔

نمبر۲ - یہاں اور سورۂ سبا میں تین باتوں کا اکٹھا ذکر ہے (۱) پہاڑوں کی تسخیر یعنی ان کا حضرت داؤدؑ کے کام میں لگایا جانا اور تسبیح کرنا (۲) پرندوں کا ان کے کام میں لگایا جانا (۳) حضرت داؤدؑ کا زرہیں بنانا۔ اب ان تینوں میں سے جہاں تک زرہیں بنانے کا سوال ہے۔ اس کی غرض ظاہر ہے تاکہ وہ لڑائی [illegible] قرآن کریم نے یہ وضاحت کر دی ہے لتحصنکم من باسکم اور یہ بھی معلوم ہے کہ حضرت داؤدؑ کے وقت میں بڑی بڑی فتوحات [illegible] سلطنت اسرائیلی نہایت وسیع و مستحکم ہو گئی اور جب زرہیں بنانے کا تعلق صاف طور پر ان فتوحات سے ہے تو لازماً دوسری باتوں کا تعلق بھی فتوحات سے ہی ہونا چاہیے ورنہ تینوں باتوں کا اکٹھا ذکر نہ ہوتا۔ پرندوں کا تعلق فتوحات سے دو طرح پر ہو سکتا ہے ایک یہ کہ پرند جنگ میں خبر رسانی کا کام دیتے تھے اور اسی لیے حضرت سلیمانؑ کے ذکر میں

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿۸۱﴾

اور ہم نے سلیمانؑ کے لیے تیز چلنے والی ہوا کو (کام میں لگا دیا) وہ اس کے حکم سے اس زمین کی طرف چلتی تھی جس میں ہم نے برکت رکھی تھی اور ہم ہر چیز کو جاننے والے ہیں ۱؎

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾

اور کئی سرکش جو اس کے لیے غوطہ زنی کرتے اور اس کے سوائے اور کام بھی کرتے تھے اور ہم ان کی حفاظت کرنے والے تھے ۲؎

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۸۳﴾

اور ایوبؑ کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنیوالوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے ۳؎

بھی پرندوں کا ذکر آتا ہے مگر ایک اور رنگ میں بھی پرندوں کا ذکر فتوحات میں اشعار عرب میں آتا ہے دیکھو نوٹ النحل - ۹۔ تیسری بات پہاڑوں کی تسخیر اور ان کی تسبیح ہے اب ایک رنگ میں تو زمین و آسمان کی سب چیزیں انسانوں کے لیے مسخر ہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ کشتی کی اور دریاؤں کی اور چاند اور سورج کی تسخیر کا ذکر آتا ہے اور تسبیح بھی ہر چیز کرتی ہے دان من شیٔ الا یسبح بحمدہ (بنی اسرائیل - ۴۴) اس لیے یہاں کوئی خصوصیت ہونی چاہیئے۔ زرہوں اور پرندوں کے تعلق کو مدِنظر رکھتے ہوئے پہاڑوں کا مسخر ہونا اور تسبیح کرنا اس معنی میں ہے کہ وہاں پر حضرت داؤدؑ کی حکومت قائم ہو گئی اور ان کی تسبیح سے مراد ان پہاڑی قوموں کا تسبیح کرنا ہے جو ظاہری اور باطنی دونوں رنگوں میں حضرت داؤدؑ کے ساتھ ہو گئیں اور یہ تو ظاہر ہے کہ جس معنی میں کل مخلوق کو انسان کے لیے مسخر کیا ہے اسی معنی میں پہاڑ اور پرند حضرت داؤدؑ کے لیے مسخر کیے۔ کل مخلوق انسان کے لیے اسی معنی میں مسخر ہے کہ وہ اس کے کاموں میں معاون ہے پھر جس قدر انسان اس پر زیادہ تصرف حاصل کرے اسی قدر زیادہ مسخر ہو جاتی ہے۔ مثلاً ہوا سب انسانوں کے لیے بھی مسخر ہے یعنی ان کے کام میں لگی ہوئی ہے پھر جو انسان اس سے دوسروں سے بڑھکر فائدہ اٹھاتا ہے اس کے لیے خصوصیت سے مسخر ہو گئی پس پہاڑوں اور پرندوں کے مسخر ہونے کے معنی سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتے کہ پہاڑ اور پرند ان کے کام میں دوسروں کی نسبت زیادہ آئے اور ان کے لیے نصرت کا موجب ہو گئے۔

نمبر ۱۔ ہوا کا حضرت سلیمانؑ کے لیے مسخر ہونا یہی ہے کہ آپ کے کام میں معاون تھی اور غالباً تجری بامرہ میں اس ہوا کے کشتیاں چلانے کی طرف اشارہ ہے یا خود کشتیوں کا چلنا ہی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہوائے موافق یا بادبانوں وغیرہ کے استعمال سے جہاز دور دور کا سامان لیکر ملک شام میں جو ارض مبارک ہے آتے تھے چنانچہ یہودی انسائیکلوپیڈیا میں ہے کہ خلیج فارس اور خلیج عقبہ کے درمیان حضرت سلیمانؑ کے جہاز چلتے تھے اور اس تجارت سے ملک میں سونا اور دولت بہت بڑھ گئی تھی اور یہی وجہ حضرت سلیمانؑ کی شان و شوکت کی تھی۔

نمبر ۲۔ لغت میں صاف طور پر موجود ہے کہ شیطان سرکش انسان کو بھی کہا جاتا ہے اور قرآن کریم میں شیاطین الانس بالتصریح مذکور ہیں اور یہاں غوطہ زنی کا صاف ذکر ہے، جو کام ہمیشہ انسان کرتے چلے آئے ہیں اور اب بھی کرتے ہیں اور دوسری جگہ ہے کہ وہ معماری کا کام بھی کرتے تھے (ص - ۳۷) اور ان کاریگروں کو شیاطین اس لیے کہا کہ وہ سرکش قوموں میں سے تھے جنھیں سلیمانؑ نے فتح کرکے مغلوب کیا تھا اور بعض کو ان میں سے قید کرکے کام لیا جاتا تھا جیسا کہ آخرین مقرنین فی الاصفاد (صٓ - ۳۸) سے ظاہر ہے اسی لیے کنا لہم حافظین بھی فرمایا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت نہ ہوتی تو ان سے کام لینا آسان نہ تھا۔

نمبر ۳۔ قرآن کریم نے ضر یا تکلیف کی کوئی تشریح نہیں فرمائی مفسرین نے کچھ بائبل سے اخذ کرکے اور کچھ اس پر اور بڑھا کر خطرناک پیرایہ جسمانی تکالیف کا بنایا ہے گو یہ بھی ممکن ہے مگر اصل یہ ہے کہ انبیاء کی تکالیف اور رنگ کی ہوتی ہیں اور بیماریوں سے بڑھ کر ان میں صبر دکھانا پڑتا ہے۔ ہاں یہاں سے یہ معلوم ہوتا ہے اور دوسری جگہ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت ایوبؑ اپنے اہل و عیال سے الگ ہو گئے تھے۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَ مِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

تو ہم نے اس کی (دعا) قبول کی اور جو اسے تکلیف تھی وہ دور کر دی اور ہم نے اُسے اس کے اہل دے دیئے اور ان کی مثل ان کے ساتھ اور بھی دیئے یہ ہماری طرف سے رحمت تھی اور عبادت کرنے والوں کے لیے یاد دلانے کو ہے[1]

وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِدْرِيْسَ وَ ذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور اسمٰعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو۔ سب صبر کرنے والوں میں سے تھے[2]

وَ اَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾

اور ہم نے انھیں اپنی رحمت میں داخل کیا۔ وہ نیکوکاروں میں سے تھے۔

وَ ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

اور ذوالنون[3] کو جب وہ (قوم پر) ناراض ہو کر چلا گیا، اس نے گمان کیا کہ ہم اس پر تنگی نہیں کریں گے، پس اس نے مشکلات میں پکارا کہ تیرے سوائے کوئی معبود نہیں، پاک ہے، میں اپنے (اوپر) ظلم کرنے والوں میں سے ہوں[3]۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَ نَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ؕ

سو ہم نے اس کی (دعا) قبول کی اور اسے غم سے نجات دی اور

نمبر۱۔ کہا گیا ہے کہ حضرت ایوبؑ کی سب اولاد مر گئی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا اور اٰتینٰہ اھلہ سے یہی مراد لی گئی ہے۔ لیکن قرآن شریف میں نہ ان کے مرنے کا ذکر ہے نہ دوبارہ زندہ ہونے کا اور دینے سے مطلب صرف یہی ہے کہ وہ اسے دوبارہ مل گئے اور نہ صرف وہی مل گئے بلکہ اور بھی اللہ تعالیٰ نے اسے بہت سی اولاد دی۔

نمبر۲۔ عرب کے لوگ حزقیل کو کفل کہتے ہیں اور مفسرین لکھتے ہیں کہ یہود کہتے ہیں کہ ذوالکفل سے مراد حزقیل ہیں پس ان دونوں شہادتوں کی بنا پر یہی صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ذوالکفل حضرت حزقیل کا نام ہے۔ جب حضرت ایوبؑ کا ذکر کیا جو صبر میں ایک نمونہ ہیں تو اپنے اپنے وقتوں کے اور ایسے انبیاء کا بھی ذکر کیا جنھوں نے صبر میں کمال دکھایا ان سب کے سرتاج حضرت اسمٰعیلؑ ہیں جنھوں نے بلوغت سے بھی پیشتر اپنی گردن چھری کے آگے رکھ دی اور حزقیل نبی بھی صبر میں نمونہ ہیں اس لیے کہ وہ اس وقت مبعوث ہوئے جب یہودی قید اور یروشلم تباہ ہو گیا تھا اور بنی اسرائیل پر سخت ترین مصائب کا زمانہ تھا۔

نمبر۳۔ نون بڑی مچھلی کو کہتے ہیں اور حضرت یونسؑ کو ذوالنون مچھلی کی وجہ سے کہا گیا ہے جس نے آپ کو منہ میں لیا تھا۔ حضرت یونسؑ ناراض ہو کر چلے گئے۔ کس سے ناراض ہو کر؟ قریباً تمام بڑے بڑے مفسرین نے اس قول کو ترجیح دی ہے کہ وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے یعنی ان لوگوں سے جن کی طرف انھیں بھیجا گیا تھا۔ کیونکہ انھوں نے آپ کو قبول نہ کیا۔ یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ سے ناراض ہو کر چلے گئے تھے کہ اس نے عذاب کیوں ٹال دیا کسی صورت میں صحیح نہیں ہو سکتا اس لیے کہ نبی تو ایک طرف رہا یہ ایک معمولی مومن کی بھی شان کے خلاف ہے اور یہ آپ کا قوم سے ناراض ہو کر جانا بطور ہجرت تھا لیکن ہجرت کا حکم ان کو نہیں ہوا تھا اور انھیں یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ان پر گرفت نہیں کرے گا۔ مگر ہجرت کے لیے انھیں حکم الٰہی کا انتظار کرنا چاہیئے تھا۔ اسی لیے فرمایا فاصبر لحکم ربك ولا تكن كصاحب الحوت (القلم ۶۸: ۴۸) نتیجہ یہ ہوا کہ ظلمات یعنی مشکلات میں پڑ گئے اور انی کنت من الظلمین اس لیے کہ نبی کی ادنےٰ غلطی بھی گو وہ کسی حکم الٰہی کی خلاف ورزی نہ ہو اور گناہ نہ ہو ظلم میں داخل ہے۔ کیونکہ ظلم کا لفظ بہت وسیع ہے ... ہجرت جیسا اچھا فعل بھی محض اس لیے ظلم میں داخل ہو گیا کہ بغیر اجازت الٰہی اسے اختیار کیا گیا۔

وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾	اسی طرح ہم مومنوں کو نجات دیتے ہیں۔
وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ	اور زکریا کو، جب اس نے اپنے رب کو پکارا، میرے رب مجھے
فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۸۹﴾	اکیلا نہ چھوڑیو اور تو سب وارثوں سے بہتر ہے۔
فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۫ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَ	سو ہم نے اس کی (دعا) قبول کی اور اسے یحییٰؑ دیا اور اس کی
اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا	عورت کو اس کے لیے اچھا کر دیا۔[۱] وہ نیکیوں میں جلدی کرتے
يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا	تھے اور ہمیں امید اور خوف سے پکارتے تھے اور ہمارے
رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿۹۰﴾	سامنے عاجزی کرنے والے تھے۔
وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا	اور وہ جس نے اپنی عصمت کو محفوظ کیا، سو ہم نے اپنا کلام
مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ	اس میں پھونکا اور اُسے اور اس کے بیٹے کو قوموں کے
اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾	لیے نشان بنایا۔[۲]
اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ	یہ تمھاری جماعت ایک ہی جماعت ہے۔ اور میں
وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾	تمھارا رب ہوں سو میری عبادت کرو۔[۳]
وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ	اور انھوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا سب
اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ ع	ہماری طرف لوٹ کر آنے والے ہیں۔
فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ	تو جو کوئی کچھ اچھے کام کرے اور وہ مومن ہو، تو اس کی
مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ	کوشش کی ناقدری نہ ہوگی۔ اور ہم اس کے لیے
وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾	لکھ لیتے ہیں۔
وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ	اور اس بستی پر جسے ہم ہلاک کر دیں، لازم ہے کہ وہ

نمبر۱۔ یعنی اس کا عقم (بانجھ ہونے کا نقص) دور کر دیا۔

نمبر۲۔ اگر نفخ روح سے مراد جان ڈالنا لیا جائے تو یہ جان حضرت مریم میں پھونکی گئی حالانکہ وہ زندہ تھیں۔ بات صاف ہے روح کے معنی کلام الٰہی ہیں اور مریم کو وحی ہونا قرآن کریم سے ثابت ہے۔

نمبر۳۔ اُمت کے معنی جماعت بھی ہیں اور دین بھی اور یہاں دونوں طرح پر معنی ہو سکتے ہیں یعنی انبیاء اور راستبازوں کی ایک ہی جماعت ہے جس طرح ایک کو اپنے اعدا سے نجات دی دوسرے کو بھی دی اور اس کی عبادت کرنے والوں کو وہ اب بھی نجات دے گا اور دین معنی لیکر مراد یہ ہوگی کہ ملت توحید اور اسلام ہی سب کا اصل مذہب ہے۔

لَا يَرْجِعُوْنَ ۝۹۵
حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ
وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۝۹۶
وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ
شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ
يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ
هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝۹۷
اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ۝۹۸

لوٹ کر نہ آئیں ۱ـہ
یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیے جائیں
گے اور وہ ہر بلندی سے تیزی سے پھیل جائیں گے ۲ـہ
اور سچا وعدہ قریب آجائے گا تو ناگاہ ان کی
آنکھیں جو کافر ہیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی،
ہم پر افسوس ہم اس سے غفلت میں رہے، بلکہ ہم
ظالم تھے۔
تم اور وہ چیزیں جن کی تم اللہ کے سوائے عبادت کرتے
ہو دوزخ کا ایندھن ہو تم اس میں داخل ہو گے ۳ـہ

نمبر۱۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک قول میں سے منقول ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ جو لوگ ہلاک کر دیئے جائیں گے وہ قیامت سے پہلے پھر دوبارہ نہ آئیں گے۔ یعنی اس دنیا میں لوٹ کر نہ آئیں گے۔ یہاں ذکر یہی ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ ہلاک کر دے وہ اس دنیا میں لوٹ کر نہیں آتے۔ جب انبیاء اور راستبازوں کی اعدا اور مصائب سے نجات کا ذکر کیا تو ساتھ ہی بتا دیا کہ جو قوم بوجہ مخالفت حق ہلاک کر دی جاتی ہے وہ لوٹ کر اس دنیا میں نہیں آتی کہ دوبارہ مخالفت کرے لیکن اس خاص موقعہ پر ایک عام قانون بیان کر دیا کہ جو مر جائے وہ اس دنیا میں لوٹ کر نہیں آیا کرتا جس طرح پچھلی آیت میں بھی ایک خاص موقعہ پر عام قانون بیان کر دیا۔ اور اسی پر نسائی اور ابن ماجہ کی حدیث بھی گواہ ہے جس میں مذکور ہے کہ جابر بن عبداللہؓ کے باپ کو جو شہید ہو گئے تھے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو کچھ مانگتے ہو مانگو اور انھوں نے دوبارہ دنیا میں جانے کی خواہش ظاہر کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا قد سبق منی انہم لا یرجعون یہ میں پہلے سے کہہ چکا ہوں کہ مُردے لوٹ کر دنیا میں نہ جائیں گے۔

نمبر۲۔ خروج یاجوج ماجوج سے مسلمانوں پر خاص طور پر بلاؤں اور مشکلات کا آنا مذکور ہے یہاں تک کہ لکھا ہے کہ مسلمان اپنے شہروں اور گھروں میں گھس جائیں گے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حکومت اور سلطنت ان کے ہاتھ سے نکل جائے گی اور یہ جو بعض احادیث میں ہے کہ وہ دریاؤں کا سب پانی پی جائیں گے تو شاید اس لحاظ سے ہے کہ پانی ہی زندگی کا موجب ہے تو مطلب یہ ہے کہ دوسری قوموں کی اور بالخصوص مسلمانوں کی زندگی کے سامانوں کو وہ چٹ کر جائیں گے اور ہر بلندی سے تیزی سے نکل پڑنے کے معنی صاف ہیں کہ ہر بلندی پر تھوڑے عرصہ میں قابض ہو جائیں گے یعنی خشکی اور تری کے تمام مقاموں پر اُن کا قبضہ یا ان کا تصرف ہو جائے گا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ وہ ساری زمین کو ڈھانک لیں گے اور لا یدان لاحد بقتالہم سے بھی یہی ظاہر ہے یعنی ان کے ساتھ جنگ کرنے کی طاقت دنیا میں کسی قوم کو نہیں ہوگی اور ان کی آخری حالت کا ذکر یوں فرمایا وترکنا بعضہم یومئذ یموج فی بعض (الکہف۔ ۹۹) یعنی وہ ایک دوسرے سے ہی الجھ پڑیں گے اور یہاں یاجوج ماجوج کا ذکر اس لیے کیا کہ حق کے مخالفین اور ان کی ہلاکت اور ہلاکت کے بعد دنیا میں لوٹ کر نہ آنے کا ذکر تھا تو اس لیے فرمایا کہ اتنی بڑی زبردست اقوام بھی جو دنیا کی ہر بلندی پر قابض ہوں گی اور جن کے ساتھ جنگ کی طاقت کسی کو نہ ہوگی وہ بھی اسی قانون کے ماتحت ہیں یعنی وہ بھی آخر ہلاک ہوں گی اور ہلاکت کے بعد لوٹ کر نہ آئیں گی۔

نمبر۳۔ ما تعبدون من دون اللہ سے یہاں مراد صرف ان کے کبراء اور سادات ہیں جن کے دوزخ میں ہونے کا بار بار ذکر بھی آتا ہے چونکہ انھوں نے اپنی عبادت کرائی یا ایسی تعظیم کرائی جو عبادت کے قائم مقام تھی اس لیے وہ مستحق دوزخ ہیں اور لو کان ھؤلاء الہۃ میں یہی بتایا ہے کہ جیسا کہ یہ اپنے آپ کو پیش کرتے تھے اگر سچ مچ ویسے ہوتے تو دوزخ میں کیوں داخل ہوتے۔

لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ۭ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٩٩﴾

اگر یہ معبود ہوتے تو اس میں داخل نہ ہوتے اور سب اسی میں رہیں گے۔

لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾

ان کے لیے اس میں چلّانا ہوگا اور وہ اس میں کچھ نہ سنیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰۗىِٕكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿١٠١﴾

جن کے لیے ہماری طرف سے پہلے سے بھلائی آ چکی ہے وہ اس سے دور رکھے جائیں گے۔

لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٢﴾

وہ اس کی آہٹ (بھی) نہ سنیں گے اور وہ اس میں جو اُن کے دل چاہیں رہیں گے۔

لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ۭ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿١٠٣﴾

سب سے بھاری گھبراہٹ انھیں غمگین نہ کرے گی اور فرشتے اُن سے ملیں گے۔ یہ وہ تمھارا دن ہے، جس کا تمھیں وعدہ دیا جاتا تھا۔

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاۗءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿١٠٤﴾

جس دن ہم آسمان کو لپیٹ لیں گے جس طرح تحریروں کا طومار لپیٹ لیا جاتا ہے جس طرح ہم نے پہلی پیدائش شروع کی اُسے پھر بنائیں گے یہ ہم پر وعدہ ہے ضرور ہم (یہ) کرنے والے ہیں ۱؎

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ﴿١٠٥﴾

اور ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا تھا، کہ زمین کے وارث میرے صالح بندے ہوں گے ۲؎

نمبر۱۔ بظاہر مراد قیامت ہے لیکن اس انقلاب عظیم کی طرف بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے جب کفر کی صف لپیٹ کر اس کی جگہ حق کو قائم کیا جائے جیسا کہ یہ نظارہ ہمارے نبی کریم صلعم کی زندگی میں ملک عرب میں دیکھا گیا اور آگے ذکر بھی ہے کہ زمین کے وارث اس کے صالح بندے ہوں گے۔

نمبر۲۔ زبور۔ ۳۷: ۲۹ میں ہے "صادق زمین کے وارث ہونگے" اسی کی طرف بیان اشارہ ہے اور الارض سے مراد ارض مقدس بھی ہو سکتی ہے۔ جو وعدہ ابراہیمی کے ماتحت آنحضرتؐ کے جانشینوں کو دی جانی تھی اور عام زمین بھی اور اس صورت میں اشارہ مسلمانوں کی حکومت اور بادشاہت کی طرف ہوگا۔ جیسا کہ احادیث نبوی میں صاف آتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ان ربی زوی لی الارض فاریت مشارقھا و مغاربھا وان ملک امتی سیبلغ ما زوی لی منھا واعطیت الکنزین الاحمر والابیض۔ یعنی میرے رب نے زمین کو میرے لیے سکیڑ دیا اور اس کی مشرقی اور مغربی زمینیں مجھے دکھائی گئیں اور میری امت کی بادشاہت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک زمین مجھے سکیڑ کر دکھائی گئی اور مجھے دو خزانے دیئے گئے ہیں ایک سرخ اور ایک سفید اور سرخ خزانہ مشرقی اقوام کا اسلام میں داخل ہونا ہے اور سفید خزانہ مغربی اقوام کا جو سفید رنگ کی ہیں اور اس میں صاف بشارت ہے کہ جس طرح مشرق میں اسلام پھیلا مغرب میں بھی پھیلے گا اور یہی زمین کی اصلی وراثت ہے اس لیے اگلی آیت میں توجہ دلائی کہ عابدین بنو تو بادشاہت بھی تمھیں مل جائے گی۔

اِنَّ فِیۡ ھٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوۡمٍ عٰبِدِیۡنَ ﴿۱۰۶﴾ ؕ	یقیناً اس میں عبادت کرنے والے لوگوں کے لیے پیغام ہے۔
وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۰۷﴾	اور ہم نے تجھے تمام قوموں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے ۔ؔ
قُلۡ اِنَّمَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰـہُکُمۡ اِلٰہٌ	کہہ میری طرف یہی وحی کی جاتی ہے کہ تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے
وَّاحِدٌ ۚ فَہَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۰۸﴾	تو کیا تم (اللہ کے) فرماں بردار بنتے ہو۔
فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَقُلۡ اٰذَنۡتُکُمۡ عَلٰی سَوَآءٍ ؕ	پھر اگر پھر جائیں تو کہہ دے میں نے تمھیں انصاف کی بات
وَ اِنۡ اَدۡرِیۡۤ اَقَرِیۡبٌ اَمۡ بَعِیۡدٌ مَّا	کہہ کر خبردار کر دیا ہے اور میں نہیں جانتا کہ وہ قریب ہے یا دُور
تُوۡعَدُوۡنَ ﴿۱۰۹﴾	ہے جس کا تمھیں وعدہ دیا جاتا ہے۔
اِنَّہٗ یَعۡلَمُ الۡجَہۡرَ مِنَ الۡقَوۡلِ وَ	وہ پکار کر کہی ہوئی بات کو جانتا ہے اور اُسے بھی جانتا
یَعۡلَمُ مَا تَکۡتُمُوۡنَ ﴿۱۱۰﴾	ہے جو تم چھپاتے ہو۔
وَ اِنۡ اَدۡرِیۡ لَعَلَّہٗ فِتۡنَۃٌ لَّکُمۡ	اور میں نہیں جانتا شاید وہ تمھارے لیے آزمائش ہے اور ایک وقت
وَ مَتَاعٌ اِلٰی حِیۡنٍ ﴿۱۱۱﴾	تک فائدہ اُٹھانا۔
قٰلَ رَبِّ احۡکُمۡ بِالۡحَقِّ ؕ وَ رَبُّنَا	(رسول نے) کہا، میرے رب حق کے ساتھ فیصلہ فرما۔ اور ہمارا
ۧ الرَّحۡمٰنُ الۡمُسۡتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾ ع	رب رحمٰن ہے جس سے ان باتوں پر مدد مانگی جاتی ہے جو تم بیان کرتے ہو۔

نمبرا۔ اس میں نہ صرف یہ بات بتائی گئی ہے کہ آپ کل دنیا کی طرف مبعوث ہوئے بلکہ یہ بھی کہ آپ رحمت کے رنگ میں مبعوث ہوئے اور دشمنوں کو تباہ اور برباد کرنے کے لیے نہیں آئے جیسا کہ زبور دشمنوں کی تباہی اور ویرانی کی دعاؤں سے بھری ہوئی ہے یہ تشریح ان الفاظ کی خود حدیث نبوی میں موجود ہے کہ جب آپ سے کہا گیا کہ یا رسول اللہ مشرکوں پر بددعا کیجیے تو آپ نے فرمایا انی لم ابعث لعانًا و انما بعثت رحمۃً میں لعنت کرنے کے لیے مبعوث نہیں کیا گیا بلکہ رحمت بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ یہاں ذکر تھا کہ راستباز زمین کے وارث ہوں گے اور یہ وراثت چاہتی تھی کہ دشمن برباد ہوں اور تباہ ہو جائیں تاکہ ان کی جگہ راستباز لیں تو فرمایا کہ ایسا نہیں ہوگا اس لیے کہ ہم نے رسول کو رحمت بنا کر بھیجا ہے اور رحمۃ للعالمین میں یہ بھی اشارہ ہے کہ آپ صرف اپنے متبعین کے لیے رحمت نہیں بلکہ دوسری تمام قوموں کے لیے بھی رحمت ہیں اور اسلام کی تعلیم سے دوسری قوموں نے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ خود عیسائیوں نے اسلام کی تعلیم کے اثر کے ماتحت ترقی کی ٭

اٰیاتها ۷۸ (۲۲) سُوْرَۃُ الْحَجِّ مَدَنِیَّۃٌ ۱ رُکُوْعَاتُهَا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ ﴿۱﴾

اے لوگو! اپنے رب کا تقوٰے اختیار کرو اس گھڑی کا زلزلہ ایک بڑی چیز ہے ۲

یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَ تَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَ لٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِیْدٌ ﴿۲﴾

جس دن تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی (بدحواس ہو کر) اسے چھوڑ دے گی جسے دودھ پلاتی تھی اور ہر حمل والی اپنا حمل ڈال دے گی اور تو لوگوں کو متوالے دیکھے گا، حالانکہ وہ متوالے نہیں ہوں گے۔ لیکن اللہ کا عذاب سخت ہے ۳

نمبر۱۔ اس سورت کا نام الحج ہے اور اس میں دس رکوع اور ۷۸ آیتیں ہیں اور اس کا نام الحج اس حکم سے لیا گیا ہے جو حج کے متعلق اس سورت میں دیا گیا ہے اور چونکہ کفار نے مسلمانوں کو مکّہ سے نکال کر نہ صرف حج سے روک دیا تھا بلکہ تلوار لیکر انھیں نیست و نابود کرنے کے لیے نکل پڑے تھے اس لیے پچھلی سورت میں جب انبیاء کے اپنے اعداء سے مخلصی کا ذکر کیا تو اس سورت میں بتایا کہ آنحضرت صلعم کو اعداء سے مخلصی کے لیے تلوار سے کام لینا پڑے گا۔
یہ سورت مکی ہے اور مکہ کے آخری ایام کی ہے ممکن ہے بعض آیات کا نزول بعد ہجرت ہوا ہو۔ بعض نے مدنی کہا ہے۔

نمبر۲۔ قیامت سے پیشتر ایک زلزلۂ عظیم کی خبر بہت سے آثار میں پائی جاتی ہے اور اسے زلزلۃ الساعۃ اس لیے کہا کہ اس کے قرب میں اور اس کے نشانوں میں سے ہوگا اور بعض احادیث کی رُو سے اس کا وقوع مُردوں کے جی اُٹھنے کے بعد ہے۔ دوسری آیات قرآنی پر جن میں زلزلہ کا ذکر ہے غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ زلزلہ وہ ہے جس سے زمین تباہ ہو کر قیامت قائم ہوگی مثلاً وحملت الارض والجبال فدکتا دکۃ واحدۃ (الحاقۃ ۶۹-۱۴) اور اذا رجت الارض رجا (الواقعہ-۴) یعنی پہلے زلزلۂ عظیم آکر یہ نظام تباہ ہو جائے گا پھر قیامت یومئذ یصدر الناس اشتاتاً لیروا اعمالھم (الزلزال ۹۹-۶) تو گویا اس سب کو ایک یوم قرار دیکر یوں فرمایا کہ پہلے زلزلہ سے اس نسل انسانی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پس زلزلۃ الساعۃ قبل قیامت ہی ہے مگر اس طرح پر کہ وہی قیامت کا لانے والا ہے البتہ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ساعتیں تین ہیں یعنی صغریٰ، وسطیٰ، کبریٰ۔ صغریٰ جو ہر انسان کی موت سے تعلق رکھتی ہے اس کا ذکر تو یہاں نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں خطاب سب لوگوں کو ہے اور وسطیٰ اور کبریٰ دونوں قیامتوں پر یہ الفاظ صادق آتے ہیں اور ساعت وسطےٰ کی صورت میں لفظ زلزلہ سے مراد زمین کا کانپنا نہیں بلکہ اہوال شدائد اور لڑائیاں وغیرہ ہیں اور زلزلہ سے یہاں مراد مجازاً اہوال وشدائد کا آنا مفسرین نے بھی قبول کیا ہے اور یہاں اس ساعت وسطیٰ کی طرف یقیناً اشارہ ہے اس لیے کہ پچھلی سورت کا خاتمہ اس ساعت وسطیٰ یعنی نشان ہلاکت کے ذکر پر ہوا تھا تو اب کھول کر اس کے اہوال سے ڈرایا ہے اور ساعت وسطیٰ ساعتِ کبریٰ کے لیے بطور ایک گواہ کے ہے اس لیے کہ اس کے قیام سے تقوی اللہ کی طرف دل مائل ہوتے ہیں اور اس سورت میں آگے چل کر جنگ کی اجازت بھی دی ہے پس یہ تمام قرائن بتاتے ہیں کہ یہاں خصوصیت سے اشارہ ایک قوم کی ساعت وسطیٰ کی طرف ہے۔

نمبر۳۔ گھبراہٹ کی شدت کی یہ تصویر کھینچی ہے کیونکہ ماں کا دودھ پیتے ہوئے بچّہ کو چھوڑنا یا حمل والی کا حمل گر جانا سخت ترین غم سے ہی ہو سکتا ہے اور سکاریٰ سے مراد یہاں شراب سے بدمست ہے، یعنی بدحواس ایسے ہوں گے اور عقل پر اس قدر پردہ پڑا ہوا ہوگا کہ گویا شراب سے بدمست ہیں حالانکہ وہ بدحواسی شراب

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ
عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ﴿٣﴾
كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ
يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿٤﴾
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ
الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ
مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ
مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ
لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا
نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ
طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ
مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ

اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو علم کے بغیر اللہ کے بارے میں جھگڑتا ہے اور ہر سرکش شیطان کے پیچھے چلتا ہے۔ اس کی نسبت لکھا جا چکا ہے کہ جو کوئی اسے دوست بناتا ہے وہ اسے گمراہ کر دیتا ہے اور اسے جلتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف لے جاتا ہے ۱۔ اے لوگو! اگر تمھیں جی اُٹھنے میں شک ہے۔ تو غور کرو کہ ہم نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر لوتھڑے سے، پھر گوشت کے ٹکڑے سے جو کبھی پورا بن جاتا ہے اور کبھی ادھورا رہتا ہے تاکہ تمھارے لیے کھول کر بیان کر دیں ۲۔ اور ہم جو چاہتے ہیں رحموں میں ایک مقررہ وقت تک ٹھہرائے رکھتے ہیں، پھر تمھیں بچہ بنا کر نکالتے ہیں پھر تمھیں بڑھاتے ہیں تاکہ تم اپنی جوانی کو پہنچو اور تم میں سے کوئی ایسا ہے جو وفات پا جاتا ہے اور کوئی تم میں سے وہ ہے جو

سے نہ ہوگی، بلکہ شدت عذاب سے ہوگی۔

نمبر ۱۔ ہر دو آیات عام ہیں نضر ابن الحرث ہو یا ابوجہل یا کوئی ان کا مثیل، بلکہ ابوجہل اور اس کے مثیلوں کا ذکر شیطان مرید کے لفظ میں ہے اور اتباع کرنے والے عام لوگ ہیں اور شیطان مرید سے رؤسائے کفار مراد ہونا مفسرین نے بھی مانا ہے اور اتباع کا لفظ انہی کے لیے زیادہ موزوں ہے عَلَیہ میں ضمیر اسی شیطان مرید کی طرف ہے کہ اس کی دوستی سے انجام کار قلب کو راحت نہیں ملتی بلکہ جلن ہی پیدا ہوتی ہے۔

نمبر ۲۔ جو لوگ موت کے بعد جی اُٹھنے کو امر مستبعد خیال کرتے ہیں اور اس بنا پر اس میں شک کرتے ہیں کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے ان کو بتایا ہے کہ انسان کی پہلی پیدائش پر غور کریں پہلی اس کی حالت مٹی کی ہوتی ہے گویا ہر انسان کی پیدائش مٹی سے شروع ہوتی ہے اسی مٹی سے نطفہ بنتا ہے۔ کیونکہ مٹی سے غذائیں، غذاؤں سے خون صالح، خون صالح سے منی بنتی ہے۔ یہ انسان کی دوسری حالت ہے۔ پھر یہ نطفہ رحم مادر سے تعلق پیدا کرتا ہے اور اس کی حالت علقہ کی ہو جاتی ہے۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ علقہ اس حالت کا نام اسی لیے رکھا گیا ہے کہ اس میں ایک نیا تعلق پیدا ہوتا ہے جو نطفہ رحم مادر سے تعلق پیدا نہیں کرتا وہ بچہ نہیں بنتا پس علقہ ماں کے پیٹ میں بچہ کی ابتدائی حالت ہے پھر یہ نشو و نما پاتا ہوا گوشت کا ایک ٹکڑا بن جاتا ہے اور مخلّقۃ اور غیر مخلّقۃ سے صحیح مراد وہی ہے جو مجاہد نے کہا ہے یعنی مخلّقۃ وہ ہے جس کی مدت حمل پوری ہو جاتی ہے اور غیر مخلّقۃ وہ ہے جو ادھورا رہ کر ناتمام گر جاتا ہے اور یہ مراتب اس لیے بیان کیے کہ تا انسان پر واضح ہو جائے کہ اگر ایسے حالات میں سے ایک خوبصورت انسان بن سکتا ہے تو اعمال سے اس کو ایک اور زندگی ملنا کونسا مستبعد امر ہے اور دوسری طرف یہ خلق جسمانی کے مراتب خلق روحانی کے مراتب کے مقابل پر ہیں یعنی اعمال انسانی پہلے اسی طرح پراگندہ سے ہوتے ہیں جس طرح انسان کے اجزا مٹی میں پھر نطفہ کی حالت میں آکر ان اعمال میں ایک غیر محسوس طریق پر زندگی پیدا ہوتی ہے مگر یہ زندگی نطفہ کی طرح قابل نشو و نما نہیں ہوتی جب تک کہ ان اعمال کا تعلق اللہ تعالیٰ سے نہ ہو پھر وہ تعلق کبھی ناقص ہوتا ہے کبھی کامل۔

الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ	نکمّی عمر کی طرف لوٹایا جاتا ہے تاکہ علم کرنے کے بعد اسے کچھ علم نہ رہے[1]
وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا	اور تو زمین کو بے حس پڑی دیکھتا ہے۔ پھر جب ہم اس پر پانی
عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ	اتارتے ہیں تو وہ لہلہاتی ہے اور ابھرتی ہے اور ہر قسم کی خوشنما
مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝٥	روئیدگی اگاتی ہے۔
ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ	یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور کہ وہی مُردوں کو زندہ
الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٦	کرتا ہے اور کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے[2]
وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ	اور کہ وہ گھڑی آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں اور یہ کہ اللہ
وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝٧	انہیں اٹھائے گا جو قبروں میں ہیں۔
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ	اور لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے جو اللہ کے بارے میں جھگڑتا ہے
عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝٨	حالانکہ نہ علم رکھتا ہے اور نہ ہدایت اور نہ روشنی دینے والی کتاب۔
ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ	اپنی کروٹ موڑ کر تاکہ اللہ کی راہ سے بہکا دے اس کے لیے
لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ	دنیا میں رُسوائی ہے اور ہم اسے قیامت کے دن جلنے کا
الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝٩	عذاب چکھائیں گے[3]
ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ	یہ اس کی وجہ سے ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ
ع ٨ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝١٠	بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى	اور لوگوں میں سے کوئی ایسا ہے جو کنارے پر رہ کر اللہ کی عبادت

نمبر ۱۔ اس حصہ میں بتایا کہ بچہ ہونے سے انسان کس طرح ترقی کر کے اپنے جسمانی کمال کو پاتا ہے پھر اپنے روحانی کمال کو حاصل کرتا ہے اور کمال جسمانی کے بعد پھر اس میں زوال بھی آنے لگتا ہے جو اس کے مخلوق ہونے پر دلالت ہے اور یہ تنزل کی حالت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ انسان پھر ایک بچہ کی طرح ہو جاتا ہے اور سب کچھ حاصل کیا ہوا پھر بھول جاتا ہے۔

نمبر ۲۔ اللہ تعالیٰ کے ان قوانین سے معلوم ہوا کہ اللہ حق ہے اور جس طرح وہ مُردہ زمین کو بارش سے زندہ کرتا ہے اسی طرح مُردہ دلوں کو روحانی بارش یعنی وحی الٰہی سے زندہ کرتا ہے۔ یحیی الموتیٰ سے یہاں یہی مراد ہے قیامت میں مُردوں کو اُٹھانے کا ذکر اگلی آیت میں الگ ہے۔ یعنی ساعت کا آنا اور جو قبروں میں ہیں ان کا اُٹھ کھڑا کیا جانا۔

نمبر ۳۔ ثانی عطفہ۔ عطف کسی چیز کے متعلق کہا جاتا ہے جب اس کی ایک طرف دوسری پر دہرا دی جائے اور عطف انسان کی جانب اس کے سر سے لے کر ران تک ہے اور ثنی عطفہ کے معنی ہیں اعراض کیا الگ ہو گیا۔

حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾

کرتا ہے سو اگر اسے کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو اس پر مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر اُسے تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے منہ پر الٹا پھر جاتا ہے۔ دنیا اور آخرت میں گھاٹے میں رہا۔ یہی کھلا گھاٹا ہے ۔ ۱

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ﴿۱۲﴾

اللہ کو چھوڑ کر اسے پکارتا ہے جو نہ اسے نقصان دے سکتا ہے اور نہ اسے نفع پہنچا سکتا ہے، یہ پرلے درجے کی گمراہی ہے۔

يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾

اُسے پکارتا ہے جس کا نقصان اس کے نفع سے قریب تر ہے۔ کیا ہی بُرا دوست اور کیا ہی بُرا رفیق ہے ۔ ۲

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾

اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں باغوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اللہ جو ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَاۗءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ

جسے یہ خیال ہے کہ اللہ اس (رسول) کی دنیا اور آخرت میں مدد نہیں کرے گا، تو چاہیئے کہ وہ اپنے آپ کو کسی ذریعے آسمان پر لے جائے پھر اسے کاٹ دے پھر دیکھے کہ کیا اس

نمبر ۱۔ فلان علیٰ حرف من امرہ۔ یعنی اپنے معاملہ میں وہ ایک کنارہ پر کھڑا ہے گویا انتظار کر رہا ہے کہ اگر آرام اور سُکھ ملتا رہے تو خیر اور ذرا تکلیف پہنچی تو فوراً دوسری طرف مائل ہو گیا اور زجاج نے علیٰ حرف کے معنی علیٰ شک کیے ہیں یعنی شک کی حالت میں رہ کر۔ یہ ایسے لوگوں کا ذکر ہے جو دین کو دین کی خاطر قبول نہیں کرتے بلکہ دنیوی فوائد کے لیے قبول کرتے ہیں۔ اس لیے جب تک کچھ فائدہ پہنچتا رہا خوش رہے لیکن دین کی خاطر بڑی بڑی تکلیفیں بھی اٹھانی پڑتی ہیں بخاری میں ہے کہ ایک شخص مدینہ میں آتا پھر اس کی عورت لڑکا جنتی اور اس کی گھوڑیاں بچے جنتیں تو کہتا یہ اچھا دین ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو کہتا یہ بڑا بُرا دین ہے ایسے لوگ اعراب میں سے تھے جنہیں دین کی خاطر کوئی دکھ اٹھانا نہیں پڑا ورنہ ابتدائی مسلمانوں کا بیشتر حصہ وہ تھا جنہوں نے دین کی خاطر سر بھی دیدیئے۔ اور یہاں یہ سمجھایا ہے کہ حق کو حق کی خاطر قبول کرنا چاہیئے نہ اس لیے کہ اس سے کوئی دنیوی فائدہ پہنچتا یا نقصان دور ہوتا ہے۔

نمبر ۲۔ پہلی آیت میں ذکر ہے کہ وہ اُسے بلاتا ہے جو نہ اسے نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان اور دوسری میں ہے کہ اسے بلاتا ہے جس کا نقصان اس کے نفع سے قریب تر ہے اور ان دونوں باتوں میں تناقض سمجھا گیا ہے حالانکہ تناقض فی الحقیقت کوئی نہیں۔ معبود باطل فی الحقیقت نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان یعنی نہ وہ کسی کا کچھ بنا سکتا ہے نہ کچھ بگاڑ سکتا ہے۔ مگر اس کی عبادت، عبادت کرنے والے کو یقیناً نقصان پہنچاتی ہے اور عبادت کرنے والا اس میں نفع سمجھتا ہے تو یہ نقصان اس کے فرضی نفع سے قریب تر ہے یعنی نفع کی امید تو اُسے آیندہ کے لیے ہے اور نقصان اس کے اخلاق کو جب وہ اپنے آپ کو ایک مخلوق کے سامنے گراتا ہے فوراً پہنچ جاتا ہے۔

يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿١٥﴾

تا آنکہ اس چیز کو دور کر دیتی ہے جو اسے غصہ میں لاتی ہے ۔۱؎

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿١٦﴾

اور اسی طرح ہم نے اسے آتارا ہے (کہ کھلی آیتیں ہیں) اور اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿١٧﴾

جو ایمان لائے اور وہ جو یہودی ہیں اور صابی اور نصاریٰ اور مجوس اور جو مشرک ہیں، اللہ ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کرے گا۔ اللہ ہر چیز پر گواہ ہے ۲؎

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ۭ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۭ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۩ ﴿١٨﴾ السجدة

کیا تو نے غور نہیں کیا کہ اللہ کی ہی فرمانبرداری کرتے ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔ اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور جاندار اور بہت سے لوگ (بھی) اور بہت (ایسے ہیں کہ) عذاب ان پر لازم ہو گیا۔ اور جسے اللہ ذلیل کرے تو کوئی اسے عزت دینے والا نہیں۔ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے ۳؎

نمبر۱۔ من ینصرہ میں ضمیرہٗ کی رسول اللہ صلعم کے لیے ہے اور یہ ابن عباسؓ اور اور مفسرین سے مروی ہے اور خود قرینہ بھی یہی چاہتا ہے اس لیے کہ ذکر رسول اللہ صلعم سے جھگڑنے والوں کا ہے فلیمدد بسبب الی السماء ثم لیقطع کے ایک معنی رسبب کے معنی رسّہ اور سماء کے معنی سقف بیت یعنی گھر کی چھت لیکر اور لیقطع کے معنی یختنق یعنی گلا گھونٹنا لے کر یہ کیے گئے ہیں کہ چھت سے رسّہ لٹکا کر پھانسی لے لے یعنی نصرت تو بہر حال آئے گی مگر چونکہ سبب کے معنی کوئی ذریعہ ہیں جس سے کسی چیز تک پہنچا جائے اس لیے یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ نصرت الٰہی تو رسول کے لیے آئے گی جو شخص اسے روکنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ کسی ذریعہ سے آسمان پر پہنچ کر یعنی اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل کر کے اس نصرت کو قطع کر دے مگر کسی کی کوشش کچھ نہیں کر سکتی اور رسول کے لیے نصرت کا آنا یقینی ہے کسی کے غیظ و غضب سے یہ سلسلہ قطع نہیں ہو سکتا۔

نمبر۲۔ اس آیت میں بتایا ہے کہ اختلاف عقاید اس دنیا میں رہے گا اور اس کا فیصلہ قیامت میں ہی ہوگا۔ یہ نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان ادیان کو بکلی مٹا دے۔

نمبر۳۔ بعض مخلوق صرف سجدہ تسخیری کرتی ہے اور بعض یعنی انسان دوسری مخلوق کے ساتھ سجدہ تسخیری میں شامل ہے اور سجدہ اختیاری اس کا امتیاز ہے۔ اس لیے پہلے من فی الارض میں انسان بھی شامل ہے اور سجدہ تسخیری میں اس کا بھی ذکر ہے اور اس کے بعد جو سورج چاند درختوں وغیرہ کا ذکر کیا تو یہ صرف یہ بتانے کے لیے ہے کہ یہ چیزیں جن کی بعض لوگ عبادت کرتے ہیں یہ خود اللہ تعالیٰ کے قانون میں جکڑی ہوئی اور اس کے احکام کی پابند ہیں جتنی چیزوں کا یہاں نام لیا گیا ہے ان سب کی عبادت کی گئی ہے یہاں تک کہ درختوں اور چارپایوں کی بھی لوگوں نے عبادت کی ہے اور کثیر من الناس میں سجدہ اختیاری کا ذکر ہے مگر اس سے

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ۡ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿۱۹﴾

یہ دو جھگڑنے والے ہیں جنھوں نے اپنے رب کے بارے میں جھگڑا کیا، سو جو کافر ہیں اُن کے لیے آگ کے کپڑے قطع کیے گئے ہیں ان کے سروں کے اوپر کھولتا ہُوا پانی ڈالا جائے گا ۱؎

يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿۲۰﴾

اس سے جو کچھ اُن کے پیٹوں میں ہے اور کھالیں گل جائیں گی ۲؎

وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿۲۱﴾

اور ان کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے ۳؎

كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۲۲﴾ ع

جب کبھی ارادہ کریں گے کہ اس سے غم کے مارے نکل جائیں، اس میں لوٹائے جائیں گے اور (کہا جائے گا) جلنے کا عذاب چکھو ۴؎

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ

اللہ اُن لوگوں کو جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں، باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں - ان میں انھیں سونے کے کڑے اور موتی پہنائے

بھی لازماً مراد صرف زمین پر ماتھے کا رکھنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی فرمانبرداری ہے اور ان لوگوں کا ذکر جو احکام الٰہی کی فرمانبرداری نہیں کرتے کثیر حق علیہ العذاب میں کیا یعنی انھوں نے سجدہ اختیاری سے انکار کرکے اپنے آپ کو سزا کا مستوجب کرلیا اور آخر پھر بھی اللہ تعالیٰ کے قانون سے باہر نہ نکل سکے۔ ہاں من دون اللہ کی فرمانبرداری اور عبادت انسان کو ذلیل کرنے والی شے ہے اور اللہ کی فرمانبرداری اسے عزت دینے والی ہے۔

نمبر ۱- ھذان خصمان کے متعلق قیسؓ کی روایت ابوذرؓ سے بخاری میں ہے کہ بدر کے دن حضرت علیؓ اور آپ کے دو ساتھیوں اور عتبہ اور اس کے دو ساتھیوں کے حق میں یہ نازل ہوئی مگر یہ سورت مکّی ہے اور صحیح یہی ہے کہ دو جھگڑنے والوں سے مراد مومنوں اور کافروں کے فریق ہیں جن میں سے ایک فریق حق کو نیست و نابود کرنے پر تلا ہوا ہے اور دوسرا فریق اللہ تعالیٰ کی توحید کو اور نیکی کو دنیا میں پھیلانا چاہتا ہے چنانچہ اس کی وضاحت آیت ۲۵ میں کر دی ہے اور آگ کے کپڑے قطع کرنا بطور مجاز ہے کیونکہ کپڑے تو انسان کی پردہ پوشی اور زینت کے لیے ہوتے ہیں۔ ان کی پردہ پوشی اور زینت کا کام آگ دے گی ایسا ہی سروں کے اوپر کھولتا ہوا پانی ڈالنا اس وجہ سے ہے کہ وہ سر کو اللہ تعالیٰ کے آگے نیچا نہ کرتے تھے۔

نمبر ۲- وہ آلائشیں جو ان کے اندر جمع ہوگئی ہیں وہ بھی نکال دی جائیں گی اور جلود یعنی باہر کا حصّہ بھی صاف کر دیا جائے گا۔

نمبر ۳- قمع کے اصل معنی ہی مغلوب اور مطیع کرنا اور مِقمع گرز یا کوڑے کو کہا جاتا ہے۔ معلوم ہوا اس کی اصل غرض بھی ان کی سرکشی کے مادہ کو دور کرنا اور ان میں اطاعت اور فرمانبرداری کی روح پیدا کرنا ہے۔

نمبر ۴- من غم کے معنی دو طرح پر ہو سکتے ہیں یا یہ منھا سے بدل ہے یعنی اس غم سے باہر نکل جانا جو اُن کے لاحق حال ہے گویا بتایا ہے کہ اصل عذاب ان کا وہ غم ہے جو ان کے دلوں کو کھا رہا ہے اور وہی آگ بن کر اُن کے جسموں پر محیط ہو جائیگا اور یا من غم علت خروج ہے یعنی اس غم کی وجہ سے نکلنا چاہیں گے جو انھیں ہوگا اور بعض نے غم سے یہاں ڈھانک دینے والا عذاب لیا ہے۔

اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ؕ وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿٢٣﴾

جائیں گے اور اُن کا لباس اُن میں ریشم ہو گا۔

وَ هُدُوْۤا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۖۚ وَ هُدُوْۤا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿٢٤﴾

اور اُن کو پاک بات کی طرف ہدایت کی گئی اور انھیں اس راہ کی ہدایت کی گئی ہے جس کی تعریف کی جاتی ہے ١۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ۨ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَ الْبَادِ ؕ وَ مَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٢٥﴾ ع

جو لوگ کفر کرتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور مسجد حرام سے جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے یکساں بنایا ہے (خواہ) اس میں رہنے والا (ہو) اور (خواہ) باہر سے آنیوالا، اور جو کوئی اس میں ظلم کے ساتھ ناانصافی کا ارادہ کرے ہم اسے دردناک عذاب کا مزا چکھائیں گے ٢۔

وَ اِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّ طَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْقَآئِمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿٢٦﴾

اور جب ہم نے ابراہیمؑ کے لیے خانہ (کعبہ) کی جگہ مقرر کر دی کہ میرے ساتھ کسی کو شریک کر اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع (اور) سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک کر ٣۔

وَ اَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّ عَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿٢٧﴾

لوگوں میں حج کے لیے پکار دے، وہ تیری طرف آئیں گے (کچھ) پیدل اور (کچھ) ہر طرح کی دُبلی (سواریوں) پر، جو ہر دُور کے رستے سے آتی ہوں گی ٤۔

نمبر١۔ اس ہدایت سے مراد اس دنیا کی زندگی میں ہدایت ہے اور طیب من القول اقرار توحید ہے یا سب اچھی باتوں کا اقرار۔

نمبر٢۔ اس آیت میں یہ واضح کر دیا ہے کہ یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو شرارت کی راہ سے لوگوں کو حق کے قبول کرنے سے روکتے تھے اور مسجد حرام سے بھی روکتے تھے اور یہ کفار مکہ تھے جن کی اذیت مسلمانوں کے حق میں اس وقت کمال کو پہنچ چکی تھی جس کی وجہ سے مسلمان مکہ کو چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔
خانہ کعبہ کے متعلق الحاد یہ ہے کہ جو اس کی غرض ہے اُسے پورا نہ ہونے دیا جائے یعنی اللہ تعالیٰ نے تو اُسے اپنی عبادت کا گھر اور لوگوں کا مرجع بنایا تو جو شخص اللہ کے نام لینے والوں کو اس سے روکتا ہے وہ اس میں الحاد چاہتا ہے اور بظلم ساتھ بڑھایا ان مظالم کی طرف اشارہ کرنے کے لیے جو مسلمانوں پر ہو رہے تھے۔

نمبر٣۔ بَوَّاْنَا کے معنی دو طرح پر ہو سکتے ہیں ہم نے اس کے لیے مرجع بنایا اور ہم نے اس کو جگہ دی اور زجاج نے معنی کیے ہیں ہم نے اسے خانہ کعبہ کی جگہ بتادی اور طہر بیتی سے مراد ہے شرک سے پاک کر اور یہ مجاہد سے مروی ہے اور شرک کے ذکر کے بعد طہر کا لانا بتاتا ہے کہ اسی سے پاک کرنا مراد ہے اور پھر طواف قیام رکوع سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک کرنا بھی یہی ہو سکتا ہے۔

نمبر٤۔ اذن میں خطاب عموماً حضرت ابراہیمؑ سے مانا گیا ہے گویا ارکان حج حضرت ابراہیمؑ کے قائم کردہ ہیں اور خانہ کعبہ کا حج اُن کے ذریعہ ہی مقرر ہوا

لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾

تاکہ اپنے فائدہ کی جگہوں پر حاضر ہوں ۱؎ اور مقرر دنوں میں اللہ کے نام کا ذکر اس پر کریں، جو اس نے انھیں چارپائے جانور دیئے ہیں۔ سو اُن سے کھاؤ اور تکلیف والے محتاج کو کھلاؤ ۲؎۔

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۲۹﴾

پھر چاہیے کہ اپنی میل کچیل اتاریں اور اپنی منتوں کو پورا کریں اور قدیم گھر کا طواف کریں ۳؎۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴿۳۰﴾

یہ (یوں ہو) اور جو شخص اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرتا ہے تو وہ اس کے رب کے نزدیک اس کے لیے بہتر ہے اور تمھارے لیے چارپائے حلال ہیں سوائے اس کے جو تم پر پڑھا جاتا ہے پس بتوں کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹ بات سے بچو ۴؎۔

اور اذن میں اسی قسم کا اعلان ہے جیسا اذن من اللہ ورسولہ میں اور بعض کے نزدیک یہ خطاب آنحضرت صلعم سے ہے جس کا حکم آپ کو حجۃ الوداع میں دیا گیا لیکن یہ سورت مکی ہے اور حجۃ الوداع میں اس آیت کا نزول صحیح نہیں ہاں اس میں شک نہیں کہ یہاں خطاب آنحضرت صلعم سے ہے اور آگے تمام آیات جن میں قربانیوں وغیرہ کا ذکر ہے اس کو صحیح ٹھہراتی ہیں اور اس آیت میں مسلمانوں پر حج کو فرض کیا گیا ہے اور آگے قربانیوں وغیرہ کا فلسفہ بیان کیا ہے جن کا تعلق حج سے ہے۔

نمبر۱۔ منافع سے مراد دنیوی اور اُخروی دونوں قسم کے فوائد لیے گئے ہیں مگر اصل غرض منافع اخروی ہیں اور منافع کی تنکیر ان کی عظمت اور کثرت کے لیے ہے اور اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑا نفع ہے مگر لفظ کا جمع لانا خود بتاتا ہے کہ اس میں مختلف قسم کے فوائد شامل ہیں اور حج میں روحانی فوائد بہت کثرت سے ہیں انھی میں سے ایک مساوات کا وہ منظر ہے جو سوائے حج کے اور دنیا میں کہیں نظر نہیں آتا ایسا ہی سب مسلمانوں کا مل کر دعا کرنا وغیرہ اللہ تعالیٰ کی عظمت وجبروت کا دل پر اثر، مسلمانانِ عالم میں اتحاد، اسلام اور مسلمانوں کی بہتری کی تجاویز کو عمل میں لانا وغیرہ۔

نمبر۲۔ ایامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ سے مراد عموماً ایام نحر لیے گئے ہیں یعنی عید کا دن اور دو دن اس کے بعد کیونکہ یہاں قربانیوں کا خاص طور پر ذکر ہے اور فی الحقیقت ایام حج بھی اس میں شامل ہیں اس لیے کہ قربانی حج کی آخری منزل ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے ذوالحج کے دس دن ہی مراد لیے ہیں پس مراد صرف جانوروں کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا نہیں بلکہ عبادت مراد ہے یہاں تک کہ قربانی کا دن آجائے اور اس بات کو کہ قربانی کی غرض ذکر اللہ کس طرح پر ہے کھول کر آیت ۳۴ میں بیان کیا ہے اور آخر پر ہدایت فرمائی کہ قربانیوں کے گوشت سے خود بھی کھاؤ جس میں دوستوں عزیزوں کو کھلانا بھی آجاتا ہے اور محتاجوں کو بھی کھلاؤ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانیوں کا گوشت ضائع نہیں ہونا چاہیئے اور اس میں سے ایک حصہ محتاجوں کو بھی کھلانا چاہیئے۔

نمبر۳۔ حدیث ابن زبیر میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام اس لیے بیت عتیق رکھا ہے کہ اسے ظالم حملہ آوروں سے آزاد کیا اور کبھی کوئی ظالم حملہ آور اس پر غالب نہیں آیا اور بیت عتیق اس کے قدیم ہونے کے لحاظ سے بھی اس کا نام ہے کیونکہ وہ اوّل بیت وضع للناس آل عمرٰن ۹۶ ہے اور طواف سے مراد یہاں طواف افاضہ ہے جو قربانی کے دن ہوتا ہے۔

نمبر۴۔ جب ظاہری میل کچیل کا ذکر کیا تو دو اندرونی ناپاکیوں کا بھی ذکر کیا یعنی ایک بتوں کی ناپاکی اور دوسرے جھوٹ کی ناپاکی اس لیے کہ خانہ کعبہ توحید کا نشان ہے اور صدق توحید کی طرح تمام نیکیوں کی جڑ ہے گویا بتایا کہ حج کرتے ہو تو ہر قسم کی اندرونی ناپاکیوں سے بھی بچو۔

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ
يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ
فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ
فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ﴿٣١﴾

ایک اللہ کے ہو کر اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوئے اور
جو کوئی اللہ کے ساتھ (اور کو) شریک بنائے تو گویا وہ بلندی سے
گر پڑا، پھر اسے پرندے اچک لے جائیں گے یا ہوا اسے اُڑا کر
دُور کے مکان میں پھینک دے گی [1]۔

ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا
مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿٣٢﴾

یہ (اسی طرح ہے) اور جو کوئی اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرتا ہے
تو یہ دلوں کے تقوٰے سے ہے [2]۔

لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ
ع مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿٣٣﴾

تمھارے لیے ان میں ایک مقررہ وقت تک فائدے ہیں، پھر
اُن کی آخری منزل قدیم گھر کی طرف ہے [3]۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا
اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ
الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ
اَسْلِمُوْا ؕ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿٣٤﴾

اور ہر قوم کے لیے ہم نے قربانی مقرر کی ہے تاکہ اللہ کا نام
اس پر یاد کریں جو اس نے انھیں چار پائے جانوروں سے دیئے
ہیں۔ پس تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے سو اسی کے فرماں بردار
ہو جاؤ اور عاجزی اختیار کرنے والوں کو خوشخبری دے [4]۔

نمبر۱۔ اس میں شرک کا انجام بتایا گویا توحید سے انسان کا مقام بلند ہوتا ہے اور شرک کر کے وہ اپنے آپ کو نیچے گراتا ہے اور مشرک فی الواقع اپنے آپ کو اس قدر ذلیل کرتا ہے کہ اس سے بڑھ کر انسان کی ذلت نہیں ہو سکتی اور خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ اس لیے فرمایا کہ فطرتاً تو انسان کو بلند مقام پر کھڑا کیا گیا ہے پس شرک کو اختیار کرنا اس مقام بلند سے گرنا ہے اور پرندوں کے اُچک لے جانے کی تشبیہ خواہشات سفلی کے افکار کو پریشان کرنے سے ہے کیونکہ ایسے شخص کو اطمینان قلب حاصل نہیں ہوتا اور ہوا کے دُور پھینک دینے سے مراد ضلالت میں اس قدر دور نکل جانا ہے جس کا نتیجہ سوائے ہلاکت کے کچھ نہیں۔

نمبر۲۔ گو ہر عبادت کے ظاہری ارکان ہیں جیسے حج کے مگر ان تمام افعال کا مقصد بھی دل کی حالت کا بدلنا ہے اور دل میں تقویٰ پیدا کرنا اس لیے فرمایا کہ شعائر اللہ کی تعظیم سے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کی عزت پیدا کرو۔ شعائر اللہ سے مراد تمام وہ امور ہیں جن میں انسان شرعاً مکلف کیا گیا ہے یعنی سب حدود فرائض اور خصوصیت سے مراد اعمال حج بھی ہو سکتے ہیں اور قربانیاں بھی۔

نمبر۳۔ فیہا میں قربانیوں کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے اور بعض نے کل اعمال حج مراد لیکر محلھا کے معنی لوگوں کا حالتِ احرام سے نکلنا لیا ہے اور کل حدود و فرائض کو مراد لیکر یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ تمام احکام دینی کی آخری منزل حج ہے کیونکہ حج میں اللہ تعالیٰ سے عاشقانہ تعلق کا اظہار ہوتا ہے اور دیگر عبادات میں محض عبودیت کا رنگ ہے۔

نمبر۴۔ اس رکوع میں قربانی کا مضمون بیان کیا ہے اور اس کی ابتداء یوں کی ہے کہ ہر قوم کے لیے ہم نے قربانی مقرر کی اور اس کی اصل غرض یہ ہے کہ وہ اللہ کا نام چارپایوں پر یاد کریں اور آگے بتایا کہ ایک خدا کی ہی فرمانبرداری کرو۔ گویا اصل غرض یہ ہے کہ کل خواہشات حیوانی وسفلی کو اس معبود حقیقی کی فرمانبرداری کے سامنے قربان کر دیا جائے۔ پس قربانی فی الحقیقت انہی خواہشات حیوانی کو قربان کرنے کا نام ہے اور بھیمۃ الانعام کی قربانی بھی اسی حقیقی قربانی کا ظاہری نشان ہے ظاہر ہے کہ انسان دو مختلف قسم کی خواہشات سے بنا ہوا ہے ایک اس کی حیوانی خواہشات ہیں جو اس سفلی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں اور ایک ملکی خواہشات ہیں جو اُن خواہشات حیوانی سے الگ اور ان سے بالاتر ہیں۔ مثلاً اپنا آرام چاہنا، یہ ایک ایسی خواہش ہے جو حیوانی زندگی سے تعلق رکھتی ہے اور اپنی حقیقی ترقی کے

الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ
وَالصّٰبِرِينَ عَلٰى مَآ أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيمِي
الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿٣٥﴾
وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ
لَكُمْ فِيهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ
عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَإِذَا وَجَبَتْ جُنُوبُهَا
فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ
كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٣٦﴾
لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا
وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ
سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا
هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ ﴿٣٧﴾
إِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ
ع اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُورٍ ﴿٣٨﴾

وہ کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل خوف محسوس کرتے
ہیں اور اس پر صبر کرنے والے جو انھیں تکلیف پہنچتی ہے اور نماز کے
قائم کرنے والے اور وہ اس سے جو ہم نے انھیں دیا ہے خرچ کرتے ہیں ۱؎
اور قربانی کے اونٹوں کو ہم نے تمھارے لیے اللہ کے نشانوں سے
ٹھیرایا ہے تمھارے لیے ان میں بھلائی ہے تو اللہ کا نام اُن پر یاد کرو جب (وہ)
قطار باندھے ہوئے (ہوں) پھر جب وہ پہلو کے بل پر گر پڑیں، تو ان
سے کھاؤ اور سوال کرنے والے اور سوال نہ کرنے والے کو کھلاؤ، اسی
طرح ہم نے انھیں تمھارے کام میں لگا دیا ہے تاکہ تم شکر کرو۔
نہ اُن کے گوشت اللہ کو پہنچتے ہیں اور نہ ان کے خون،
لیکن اسے تمھاری طرف سے تقوےٰ پہنچتا ہے ۲؎ اسی طرح
اس نے اُنھیں تمھارے کام میں لگا دیا تاکہ تم اس پر اللہ کی بڑائی
کرو جو اس نے تمھیں ہدایت دی اور احسان کرنیوالوں کو خوشخبری دو۔
اللہ مومنوں سے (دشمنوں کو) ہٹاتا رہتا ہے۔ اللہ کسی دغاباز،
ناشکر گذار کو پسند نہیں کرتا ۳؎

لیے یا دوسروں کی بھلائی کے لیے اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالنا۔ یہ ایک ملکی خواہش ہے قربانی کی اصل غرض یہی ہے کہ حیوانی خواہشات کو ملکی خواہشات کے ماتحت کر دیا جائے بالفاظ دیگر ان کے سامنے قربان کر دیا جائے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری ہے اور یہی وہ سبق ہے جو چارپایوں کی قربانی ہمیں سکھاتی ہے گویا حیوان کے ذبح کرنے میں مقصود یہ ہے کہ حقیقۃً حیوانیت کو قربان کر دیا جائے اور اس کے لیے یہ ظاہری نشان ہے۔

نمبر۱۔ دل میں خوف الٰہی کا احساس ہونا مصائب پر صبر کرنا، نماز کے ذریعے اپنے نفس کی اصلاح کرنا اپنے مال اور اپنے قویٰ کو جو اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں مخلوق خدا کی بھلائی میں لگا دینا یہی چیزیں ہیں جو انسان میں قربانی کی وہ روح پیدا کرتی ہیں جس سے اس کی خواہشات سفلی بکلی حالتِ اعتدال پر آجاتی ہیں۔

نمبر۲۔ یہاں صفائی سے بیان کر دیا کہ قربانی کی غرض اس کا گوشت نہیں جو کھایا جاتا ہے نہ اس کا خون ہے جو گرایا جاتا ہے نہ تو خون کے گرانے کا نام قربانی ہے اور نہ گوشت غربا کو کھلانے کا نام بلکہ قربانی حقیقت میں وہ تقویٰ ہے جو انسان کے اندر پیدا ہوتا ہے اور لحوم اور دما کا ذکر اس لیے کیا کہ خون چھڑکنے اور گوشت پھیلانے کی رسم اہل جاہلیت میں بھی پائی جاتی تھی اور اور اقوام میں بھی پائی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا تعلق قلوب سے ہے نہ اجسام سے۔

نمبر۳۔ اس آیت میں صاف جنگ کا مضمون شروع کر دیا ہے جو اگلے رکوع کا مضمون ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اصل مضمون کی طرف رجوع کیا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ جس کے آخر پر ہے ومن یرد فیه بالحاد بظلم نذقه من عذاب الیم (۲۵) گویا وہ عذاب الیم آنحضرت صلعم کے دشمنوں پر جنگ کے رنگ میں آنے والا تھا اور قربانی اور جنگ میں یوں تعلق بھی بتا دیا گویا اگر تم میں قربانی کی روح پیدا ہو گئی ہو تو پھر تم اس قابل بھی ہو کہ حق کی خاطر جنگ کرو۔

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۚ وَإِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿٣٩﴾

ان لوگوں کو اجازت دی گئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے، اس لیے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے ١۔

الَّذِيْنَ أُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّآ أَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ إِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٤٠﴾

اور وہ اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے، صرف اس بات پر کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا رب اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے نہ ہٹاتا رہتا تو یقیناً راہبوں کی کوٹھریاں اور گرجے اور عبادتگاہیں اور مسجدیں جن میں اللہ کا نام بہت لیا جاتا ہے گرادی جاتیں۔ اور اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا جو اس (کے دین) کی مدد کرتا ہے یقیناً اللہ طاقتور غالب ہے ٢۔

الَّذِيْنَ إِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَأَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۗ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْأُمُوْرِ ﴿٤١﴾

وہ جنھیں اگر ہم زمین میں طاقت دیں تو وہ نماز کو قائم کریں گے اور زکوٰۃ دیں گے اور اچھی باتوں کا حکم کریں گے اور بری باتوں سے روکیں گے۔ اور سب کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہی ہے ٣۔

نمبر ١۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ پہلی آیت ہے جو قتال کے بارہ میں نازل ہوئی بعض روایات میں ہے کہ جب نبی کریم صلعم کو کفار نے مکہ سے نکال دیا تو آپ نے فرمایا کہ اب یہ ہلاک ہو جائیں گے تب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ ضرور لڑائی ہوگی اور یہ جو فرمایا کہ ان اللہ علی نصرھم لقدیر تو اس کا یہ مطلب ہے کہ باوجود اس قدر قلیل تعداد میں ہونے کے انھیں جنگ کی اجازت دی جاتی ہے تو یہ ہلاک نہیں ہونگے اس لیے کہ ان کا مددگار اللہ ہے۔

نمبر ٢۔ یہاں نہایت صفائی سے اسلامی جنگ کی غرض صرف مساجد کو بچانا نہیں بلکہ ہر قوم کی عبادت گاہوں کو بچانا بتائی ہے۔ یہاں تک کہ عبادت گاہوں کو چھوڑ کر عبادت کرنے والوں کی کوٹھڑیوں کو بھی حفاظت میں شامل کیا اور صحابہ کی لڑائیوں میں بھی اس بات کو مدِ نظر رکھا جاتا تھا کہ کسی راہب کی کوٹھڑی کو اور کسی عبادت گاہ کو نقصان نہ پہنچے بلکہ بعض معاہدات کی رُو سے گرجا گھروں کی حفاظت اور مرمّت کا انتظام بھی بیت المال کے ذمّے تھا۔ پس اسلام کی جنگ مذہبی آزادی کے لیے تھی نہ صرف مسلمانوں کی آزادی کے لیے۔ یہ اسلام کا کمال ہے کہ نہ صرف سب مذاہب کی اصلیت کو خدا کی طرف سے ماننا اور تمام انبیاء پر ایمان لانا اصول ایمان میں داخل کر دیا بلکہ دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت کو بھی مسلمانوں کے فرائض میں داخل کر دیا اور پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ کس قدر پُرزور الفاظ میں یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ وہ چند متفرق مسلمان جو نزول آیت کے وقت اپنی جانیں بچانے کے لیے بھاگ گئے تھے اور جن کی جمیعت کا کہیں نام و نشان بھی نہ تھا اُن کی تائید میں خدا کا ہاتھ ہوگا اور وہ غالب آجائیں گے اور اس قابل ہونگے۔

نمبر ٣۔ مکہ کے آخری ایام کی یہ سورت ہے مسلمان کچھ حبش میں ہیں کچھ مدینہ میں، آنحضرت صلعم کو خود مکہ چھوڑنا پڑا ہے۔ کافر اپنی کامیابی پر خوش ہیں اور ادھر حکومت اور بادشاہت کی خبر ہی نہیں دی جاتی بلکہ اتنی وسیع حکومت کی خبر دی جاتی ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی مسلمانوں کے ماتحت آجائیں گے اور پھر ساتھ ہی یہ پیشگوئی بھی کی جاتی ہے کہ حاکم اور بادشاہ ہو کر یہ لوگ کیا نمونہ دکھائیں گے۔ یہ تمام باتیں اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتیں جس طرح یہ بات بھی اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتی کہ کسی قوم نے

وَ اِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ عَادٌ وَّ ثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾

اگر تجھے جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے نوحؑ کی قوم اور عاد اور ثمود نے جھٹلایا۔

وَ قَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَ قَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾

اور ابراہیمؑ کی قوم اور لوطؑ کی قوم نے۔

وَّ اَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَ كُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾

اور مدین کے رہنے والوں نے اور موسیٰؑ (بھی) جھٹلایا گیا سو میں نے کافروں کو مہلت دی پھر انھیں پکڑا۔ پس میرا انکار (ان پر) کیسا ہوا۔

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَ هِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾

سو کتنی بستیاں ہیں جنھیں ہم نے ہلاک کر دیا اور وہ ظالم تھیں۔ سو وہ خالی ہیں اپنی چھتوں پر اور کتنے بیکار کنوئیں اور پکے محل (ویران ہیں)

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾

تو کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں۔ پس ان کے دل ہوتے جن سے وہ سمجھتے، یا کان ہوتے جن سے وہ سنتے۔ کیونکہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں ۲۔

وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَ لَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَ اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾

اور تجھ سے عذاب جلد مانگتے ہیں اور اللہ اپنے وعدہ کا خلاف ہرگز نہیں کرے گا اور ایک دن تمھارے رب کے نزدیک ایک ہزار سال کے برابر ہے جو تم گنتے ہو ۳۔

سوائے مسلمانوں کے حکومت پاکیزگی کا دنیا میں پھیلانا اپنی زندگی کی اصل غرض سمجھا ہو یا فی الواقع فتوحات کے نشہ میں اور انتظام ملکی میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پروا کی ہو۔

نمبر ۱۔ یہاں جن اقوام کی تکذیب کا ذکر کیا وہ تاریخی ترتیب سے ہے اور بتایا ہے کہ جب انھوں نے حق کو قبول نہ کیا اور دنیوی زندگی پر ہی گر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس آرام کی حالت کو دکھ کی حالت میں تبدیل کر دیا۔

نمبر ۲۔ یعنی زمین میں چلنے پھرنے کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ وہ غور کرتے کہ کس طرح پہلی قومیں ہلاک ہوئیں اور آخر میں بتادیا کہ آنکھوں سے تو انسان بہتیرا کچھ دیکھتا ہے مگر غور نہ کرنے سے ہی نقصان اٹھاتا ہے یعنی جب اس کی ہلاکت آتی ہے تو اس کی وجہ آنکھوں کا اندھا ہونا نہیں ہوتی بلکہ دل اندھا ہو جاتا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا صم بکم عمی میں یا من کان فی ھذہ اعمٰی وغیرہ میں آنکھوں کا اندھاپن مراد نہیں بلکہ دل کا اندھاپن مراد ہے۔

نمبر ۳۔ اللہ کے نزدیک ایک دن کے ہزار سال کے برابر ہونے کا ذکر صرف اس لیے نہیں کیا کہ جسے تم بہت وقت سمجھتے ہو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تھوڑا سا ہوتا ہے بلکہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ بعض قوموں کو ایک ایک ہزار سال تک کی بھی مہلت دے دیتا ہے اور دوسری جگہ صاف طور پر اسلام کی ترقی کے ایک ہزار سال تک رکا رہنے

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ
ع ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۴۸

اور کتنی بستیاں ہیں جنھیں میں نے مہلت دی اور وہ ظالم تھیں پھر میں نے انھیں پکڑا اور میری طرف ہی انجام کار آنا ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ
نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۴۹

کہہ اے لوگو میں صرف تمھارے لیے کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔

فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۵۰

پس جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے۔

وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ
اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۵۱

اور جو ہماری آیتوں کو ہرانے کی کوشش کرتے ہیں، وہی دوزخ والے ہیں۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ
وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ
فِيْۤ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي
الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ؕ وَ
اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۵۲

اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا اور نہ نبی مگر جب اس نے آرزو کی شیطان نے اس کی آرزو کے بارے میں وسوسہ اندازی کی۔ پس اللہ اسے مٹا دیتا ہے جو شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ پھر اللہ اپنی آیتوں کو مضبوط کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ۱؎

کا ذکر ہے ثم یعرج الیه فی یوم کان مقدارہ الف سنة مما تعدون (السجدة ۳۲ - ۵)

نمبر ۱- اس آیت کی تفسیر میں بہت سے مفسرین نے ایک جھوٹا قصہ لکھ دیا ہے جس کی کوئی صحیح سند نہیں۔ ابن کثیر کہتے ہیں قد ذکر کثیر من المفسرین ھھنا قصة الغرانیق ...... ولکنھا من طرق کلھا مرسلة ولم ارھا مسندة من وجه صحیح یعنی بہت سے مفسرین نے یہاں غرانیق کا قصہ لکھ دیا ہے۔ ...... لیکن یہ سب روایات مرسل ہیں اور میں نے کسی وجہ صحیح سے اس کی سند کو رسول اللہ صلعم تک نہیں پایا اور غرانیق کا قصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم سورہ نجم پڑھتے وقت جب یہاں پہنچے۔ افرایتم اللات والعزی ومناة الثالثة الاخری تو بجائے الکم الذکر وله الانثی تلك اذا قسمة ضیزی (۵۳: ۱۹تا۲۲) کے جو الفاظ قرآنی ہیں یوں پڑھ دیا تلك الغرانیق العلی وان شفاعتھن لترتجی یعنی یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت کی امید رکھی جاتی ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ اس قصہ کو سورۂ حج کی اس آیت سے ملانا واقعات تاریخی کی پوری لاعلمی کا ثبوت دیتا ہے۔ سورۂ نجم ابتدائی زمانہ کی سورت ہے اور ہجرت حبش کے ابتدائی ایام کی ہے یعنی پانچویں سال بعثت کی اور سورۂ حج اس قدر پچھلے زمانہ کی ہے کہ بہت سے لوگوں نے اسے مدنی قرار دیا ہے اور اصل یہ ہے کہ یہ مکہ کے آخری ایام کی ہے اب ان دونوں سورتوں میں آٹھ سال کا فرق اس قصہ کے ابطال کے لیے کافی ہے۔ خود الفاظ آیت کو لو تو بھی صاف یہی نتیجہ نکلتا ہے اصل غلطی صرف لفظ تمنی کے استعمال سے لگتی ہے۔ جو اس میں شک نہیں کہ اکثر جھوٹی آرزوؤں کے لیے بولا گیا ہے مگر جیسا کہ امام راغب نے صغانی سے لکھا ہے اس کا استعمال ایسی خواہش اور ایسے اندازہ پر بھی ہوتا ہے جس کی بنا اصلیت پر ہو۔ پس نیک آرزو اور نیک خواہش بھی امنیتہ ہے اور یہاں وہی مراد ہے اور غلط آرزو ہرگز مراد نہیں اور الفاظ فی اُمنیتہٖ خود اس قصہ کی غلطی کو ظاہر کرتے ہیں اس لیے کہ قصہ تو یہ ہے کہ شیطان نے وحی میں دخل دیکر وحی کو بدل دیا۔ اور الفاظ قرآنی میں یہ نہیں کہ القی الشیطٰن فی وحیه بلکہ فی امنیته ہے اور اس کے معنے صرف اس قدر ہیں کہ نبی کی نیک آرزو کے بارہ میں شیطان لوگوں کے دلوں میں وساوس ڈالتا رہتا ہے نہ یہ کہ وہ نبی کی وحی میں کچھ ڈالتا رہتا ہے پھر الفاظ کے حصر کو دیکھو۔ کوئی نبی اور

لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ
فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ
وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ۙ﴿۵۳﴾
وَّ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ
لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾
وَ لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ مِرْيَةٍ
مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

تاکہ وہ اسے جو شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے ان لوگوں کے لیے آزمایش کا موجب بنائے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں اور بلاشبہ ظالم پرلے درجے کی مخالفت میں ہیں۔

اور تاکہ وہ جنھیں علم دیا گیا ہے جان لیں کہ وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے پس وہ اس پر ایمان لائیں پس ان کے دل اس کے لیے نرم ہو جائیں اور یقیناً اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے سیدھے رستہ کی طرف ہدایت کرنے والا ہے۔

اور جو کافر ہیں وہ اس کے بارے میں شک میں ہی رہیں گے یہاں تک کہ وہ گھڑی ان پر اچانک آجائے یا ان پر تباہ کرنے

رسول ایسا نہیں بھیجا کہ اس کے ساتھ یہ معاملہ نہ ہوا ہو۔ حالانکہ ایک بھی نبی کا ذکر قرآن شریف میں نہیں جس کی وحی میں القائے شیطان کا ذکر آیا ہو حالانکہ دوسرے معاملات میں جہاں ایسا حصر کیا ہے اس کی مثالیں بھی دی ہیں۔ مثلاً جب یہ فرمایا کہ سب نبیوں سے استہزا ہوا سب نبیوں کی تکذیب ہوئی تو ایک ایک نبی کا ذکر کر کے اس کی تکذیب کا بھی ذکر کر دیا۔ پھر نتیجہ اس کا بتایا۔ لیعلم الذین اوتوا العلم انہ الحق (آیت ۵۴) تو کیا صاحب علم لوگوں کو اس کے حق ہونے کا علم نہ ہو سکتا تھا جب تک کہ شیطان وحی میں القا نہ کرے یہ کیسی بدیہی البطلان بات ہے۔

آیت کے معنی صاف ہیں اس سے پہلی آیت میں فرمایا تھا والذین سعوا فی آیاتنا معاجزین یعنی ہماری آیتوں کے ابطال کی کوشش کرتے ہیں یہ خیال کرتے ہوئے کہ خدا کو عاجز کر دیں گے تو اب فرمایا کہ یہ مخالفت کچھ تمھارے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ سب انبیاء و رسل کے ساتھ ایسا ہی ہوا یعنی جب کسی نے خدا کے نام کو دنیا میں پھیلانا چاہا اور نیکی کے پھیلانے کی آرزو کی تو شیطان نے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی شروع کی کہ اس کی مخالفت کرو یہ یاد رکھنے کے قابل بات ہے کہ نبی کی وحی میں شیطان کا القا ایک ایسا امر ہے جس کی تردید قرآن شریف کا لفظ لفظ کر رہا ہے اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصداً لیعلم ان قد ابلغوا رسالات ربھم (الجن - ۲۷ و ۲۸) یعنی وحی کے آگے پیچھے اللہ تعالیٰ پہرہ لگا دیتا ہے تاکہ جان لے کہ ان کے رب کا صحیح صحیح پیغام پہنچا دیا گیا ہے اور ہمارے مفسرین قصہ گھڑتے ہیں کہ خدائی پہرہ پر شیطان غالب آجاتا ہے۔ پھر وہ فرماتا ہے کہ شیطان کا میرے بندوں پر کچھ تسلط نہیں اور اس لغو قصہ سے یہ اصول تسلیم کیا جاتا ہے کہ انبیاء پر بھی شیطان کا تسلط ہو جاتا ہے۔ یہاں تو ذکر نہیں کہ شیطان کس کی طرف القا کرتا ہے مگر قرآن کریم نے دوسری جگہ خود بتا دیا کہ شیطانوں کا القا شیطانوں یا ان کے متبعین کی طرف ہی ہوتا ہے ان الشیاطین لیوحون الی اولیاءھم لیجادلوکم (الانعام - ۱۲۱) اور درحقیقت اس آیت کی تفسیر اس دوسری آیت سے ہوتی ہے۔ وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیطین الانس والجن یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا (الانعام - ۱۱۲) ہر نبی کے لیے ہم شیطان انسان اور جن دشمن بناتے ہیں جو ایک دوسرے کے دل میں باتیں دھوکا دینے کے لیے ڈالتے رہتے ہیں۔ پس یہی مراد یہاں ہے۔ نبی کی آرزو کو باطل کرنے کے لیے شیطان اپنے اولیاء کے دلوں میں طرح طرح کی باتیں مخالفت کی ڈالتا رہتا ہے مگر اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں کو منسوخ کر دیتا ہے اور اپنی آیات کو مضبوط کر دیتا ہے یعنی حق کو قائم کر دیتا ہے ہاں یہ شیطان کی مخالفت کمزور دلوں اور سخت دلوں کے لیے موجب فتنہ ہو جاتی ہے کیونکہ مخالفت کی وجہ سے مومنوں کو زور لگانا پڑتا ہے اور کمزور دل چاہتے ہیں کہ سکھ ہی سکھ ہو۔ ایسا ہی سخت دل لوگ بھی چونکہ حق کی آخری کامیابی پر ایمان لا ہی نہیں سکتے اس لیے ان کے لیے بھی یہ مخالفت موجب فتنہ ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اگلی آیت میں صاف فرمایا اور اہل علم کے لیے یہی مخالفت ازدیاد ایمان کا موجب ہو جاتی ہے جس کا ذکر اگلی سے اگلی آیت میں ہے۔

أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ ﴿٥٥﴾

والے دن کا عذاب آجائے۔

الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۚ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٥٦﴾

بادشاہت اس دن اللہ کے لیے ہی ہوگی، وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے گا، پس جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں۔ وہ نعمت کے باغوں میں ہوں گے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٥٧﴾ ع

اور جو کافر ہیں اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿٥٨﴾

اور جنھوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر قتل ہو گئے یا مر گئے، اللہ انھیں اچھا رزق دے گا۔ اور اللہ یقیناً بہترین رزق دینے والا ہے۔

لَيُدْخِلَنَّهُم مُّدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿٥٩﴾

وہ ضرور انھیں ایسی جگہ میں داخل کرے گا جسے وہ پسند کریں گے اور اللہ یقیناً جاننے والا بُردبار ہے۔

ذَٰلِكَ ۖ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنصُرَنَّهُ اللَّهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوٌّ غَفُورٌ ﴿٦٠﴾

یہ (اسی طرح ہوگا) اور جو اس کی مثل سزا دے جو اسے ایذا دی گئی اور اس پر زیادتی ہوئی ہو، اللہ ضرور اس کی مدد کرے گا یقیناً اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے [1]۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿٦١﴾

یہ اس لیے ہے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور کہ اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا

یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور کہ جو کچھ اس کے

نمبر ۱۔ یہاں بتایا کہ مسلمانوں کو حکومت اور غلبہ ملے گا اور وہ اپنے دکھ دینے والوں کو سزا دینے پر قادر ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کی تائید کرے گا۔ اور مسلمانوں کے غلبہ اور حکومت کی طرف ہی اگلی آیت میں بھی رات اور دن کے ایک دوسرے میں داخل کرنے میں اشارہ ہے جیسا کہ دوسری جگہ تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک من تشاء کے مقابل پر بھی تولج الیل فی النہار وتولج النہار فی الیل (آل عمران۔ ۲۶،۲۷) فرمایا ہے اور آیت کے آخر پر اللہ تعالیٰ کی صفات عفو و غفر لانے سے یہ بتانا ہے کہ اگر اتنی سزا بھی نہ دو تو اور بھی بہتر ہے کیونکہ اللہ جو تمھارا رب ہے وہ عفو و غفر کرنے والا ہے اور یہی سچ ہے کہ نبی کریم صلعم نے ہرگز اتنی سزا نہیں دی جتنا دکھ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو دیا گیا تھا۔

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَ	سوائے پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور کہ اللہ
اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۝٦٢	بلند شان والا بڑا ہے۔
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ	کیا تو نے غور نہیں کیا کہ اللہ بادل سے پانی اتارتا ہے تو
مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً ۭ اِنَّ	زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ اللہ باریک باتوں کا جاننے
اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ۝٦٣	والا خبردار ہے۔
لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ	اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے
وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝٦٤	اور بلاشبہ اللہ بے نیاز تعریف کیا گیا ہے۔
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي	کیا تو نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے جو کچھ زمین میں ہے تمھارے کام
الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ	میں لگا رکھا ہے اور کشتی کو (بھی) جو اس کے حکم سے سمندر میں
بِاَمْرِهٖ ۭ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ	چلتی ہے اور وہ مینہ کو روکتا ہے کہ سوائے اس کی اجازت
عَلَي الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ	کے زمین پر پڑے۔ یقیناً اللہ لوگوں پر مہربان
بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝٦٥	رحم کرنے والا ہے عا۔
وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ	اور وہی ہے جس نے تمھیں زندہ کیا پھر تمھیں مارے گا پھر
ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ۝٦٦	تمھیں زندہ کرے گا۔ یقیناً انسان ناشکر گزار ہے۔
لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ	ہر ایک قوم کے لیے ہم نے عبادت کا طریق مقرر کیا جس پر
فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ	وہ چلیں پس تجھ سے اس امر میں جھگڑا نہ کریں اور تو اپنے رب

نمبر۱۔ سمآء کے معنی آسمان، بلندی، بارش، بادل ہیں پس سما کے گرنے سے مراد یا آسمان کا گرنا ہو سکتا ہے یا مینہ کا پڑنا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی آسمان کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے۔ مگر یہاں منشاء یہ معلوم نہیں ہوتا اور اس پر اِلَّا بِاِذْنِهٖ بڑا بھاری قرینہ ہے جو بتاتا ہے کہ جب اللہ کا اذن ہوتا ہے تو وہ سماء گرتا بھی رہتا ہے اور ظاہر ہے کہ آسمان کبھی زمین پر نہیں گرا اور یہ خیال کہ اس میں اشارہ قیامت کی طرف ہے اس لیے درست نہیں کہ قیامت میں آسمانوں کے انفطار انشقاق وغیرہ کا ذکر تو ہے مگر آسمان کے زمین پر گرنے کا کہیں ذکر نہیں۔ پس یہاں سماء سے مراد مینہ ہے اور جیسا کہ امام راغب نے قول نقل کیا ہے سماء کا لفظ بارش پر بالخصوص اس وقت تک بولا جاتا ہے مالم یقع علی الارض جب تک وہ زمین پر نہ گرے اور اللہ تعالیٰ کا مینہ کو روکنا کہ سوائے اس کی اجازت کے زمین پر نہ گرے۔ درحقیقت عظیم الشان اسباب رحمت الٰہی سے ہے نہ صرف اس لیے کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے نہ روکے اور اندازہ سے نہ اتارے تو وہی مینہ بجائے رحمت کے تباہی کا موجب ہو جاتا ہے بلکہ اس لیے بھی کہ اس کے روکنے سے ہی وہ مختلف قطعات زمین پر پہنچتا ہے ورنہ سمندر سے اُٹھ کر سمندر پر برس جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی لوگوں پر مہربانی اور رحمت ہے کہ کہاں سے اُٹھا کر کہاں لا کر اُسے برسنے کی اجازت دیتا ہے۔ سیاقِ مضمون بھی اسی معنی کو چاہتا ہے۔

إِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ﴿۶۷﴾
کی طرف بلا، یقیناً تو سیدھے رستہ پر ہے ۱ۓ

وَإِنْ جٰدَلُوكَ فَقُلِ اللّٰهُ أَعْلَمُ
بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۶۸﴾
اور اگر تجھ سے جھگڑا کریں تو کہدے اللہ خوب جانتا
ہے جو تم کرتے ہو۔

اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا
كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۶۹﴾
اللہ تمہارے درمیان قیامت کے دن ان باتوں کا فیصلہ کریگا
جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ
وَالْأَرْضِ ؕ إِنَّ ذٰلِكَ فِي كِتٰبٍ ؕ إِنَّ ذٰلِكَ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيرٌ ﴿۷۰﴾
کیا تو نہیں جانتا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمان
اور زمین میں ہے یہ سب کچھ کتاب میں ہے۔ یہ اللہ پر
آسان ہے۔

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ
بِهِ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ ؕ
وَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ نَّصِيرٍ ﴿۷۱﴾
اور اللہ کے سوائے اس کی عبادت کرتے ہیں جس کی اس نے
کوئی سند نہیں اتاری اور جس کا انھیں کوئی علم نہیں اور
ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ۲ۓ

وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ
فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُونَ
يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ
قُلْ أَفَأُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ
اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ؕ
اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو تو ان کے
چہروں میں جو کافر ہیں انکار دیکھے گا قریب ہے کہ ان پر حملہ
کریں جو ان پر ہماری آیتیں پڑھتے ہیں۔
کہہ کیا میں تمھیں اس سے بدتر (چیز) کی خبر دوں (وہ) آگ
(ہے)، اللہ نے اس کا وعدہ ان سے کیا ہے جو کافر ہیں

نمبر۱۔ منسک کے معنی عبادت یا عبادت کا طریق ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کو اپنی نعمائے جسمانی سے بہرہ ور کیا ہے اسی طرح اپنی عبادت کا طریق بھی سب قوموں کو بتایا جس طرح زمین سب کے لیے ہے بارش سب کے لیے ہے اسی طرح طریق عبادت الٰہی بھی سب قوموں کو بتایا اور یہ مذہب کی حقانیت پر کھلی دلیل ہے کیونکہ مختلف قوموں اور مختلف ملکوں اور مختلف زمانوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا طریق سکھانے والے لوگ پیدا ہوتے ہیں اس لیے الامر یعنی دین کے معاملہ میں جھگڑا کیسا اور مطلب یہ ہے کہ تم ان کے جھگڑے کی پروا نہ کرو۔ اور دعوت الی اللہ میں لگے رہو۔

نمبر۲۔ یعنی توحید الٰہی پر تو ساری دنیا گواہ ہے با ایں ایک خدا کو چھوڑ کر کوئی مسیح کو خدا بناتا ہے کوئی اہرمن کو کوئی بتوں کو حالانکہ ان میں سے کسی کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی کیونکہ کسی نبی پر یہ تعلیم نہیں اتری پھر ان کے پاس اس کی علمی دلیل بھی نہیں اور آخری بات یہ ہے کہ من دون اللہ کی مدد جس پر انہیں بھروسہ ہے وہ بھی انہیں نہیں ملے گی یعنی عملی طور پر بھی کوئی ثبوت اس کا نہیں۔

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٧٢﴾

اور بُرا ٹھکانا ہے ۱؎

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ۭ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـــًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ۭ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿٧٣﴾

اے لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے سو اُسے سُن رکھو، وہ جنھیں تم اللہ کے سوائے پکارتے ہو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے، گو وہ سب اس کے لیے اکٹھے ہو جائیں۔ اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو اُسے اس سے چھڑا نہیں سکتے۔ طالب اور مطلوب (دونوں) کمزور ہیں ۲؎

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿٧٤﴾

انھوں نے اللہ کو نہیں پہچانا (جس طرح) اس کے پہچاننے کا حق (تھا)، یقیناً اللہ طاقتور غالب ہے۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿٧٥﴾

اللہ فرشتوں میں سے رسول چنتا ہے، اور انسانوں میں سے۔ اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے ۳؎

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿٧٦﴾

وہ جانتا ہے جو ان کے آگے ہے اور جو اُن کے پیچھے ہے اور اللہ کی طرف ہی سب کام لوٹائے جاتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٧٧﴾ السجدة

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو اور نیک کام کرو، تاکہ تم کامیاب ہو۔

نمبر۱ شر من ذلکم یا اس سے بدتر میں اشارہ ان کے غیظ وغضب کی طرف ہے جس کی وجہ سے وہ داعی حق پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں تو فرمایا کہ تمھارے غیظ وغضب سے بدتر چیز وہ آگ ہے جو فی الحقیقت غیظ وغضب کا ہی نتیجہ ہے اور یہ ان کا غیظ وغضب بھی اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے ہاتھ میں دلیل کوئی نہیں۔

نمبر۲۔ اس میں معبودانِ باطل کی کمال درجہ کی کمزوری دکھائی ہے۔ تمام دنیا میں جس قدر انسانوں یا دوسری چیزوں کو معبود مانا گیا ہے وہ سب کے سب مل کر بھی ایک مکھی نہیں بنا سکتے۔ بلکہ ان کی عاجزی کی یہ انتہا ہے کہ مکھی کوئی چیز ان سے چھین لے جائے تو وہ اسے اس سے واپس نہیں لے سکتے۔ جب معبود کی کمزوری کی یہ حالت ہے تو عابد کی کمزوری کو خود سمجھ لو۔ اسی لیے فرمایا کہ طالب ومطلوب دونوں کمزور ہیں۔ طالب سے مراد عبادت کرنے والے اور مطلوب ان کے معبود ہیں۔ اس کمزوری کے ذکر میں یہ بھی سمجھا دیا کہ وہ پرستاران باطل اور نہ خود باطل حق کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

نمبر۳۔ یہاں فرشتوں اور انسانوں کے رسول بنانے کا ذکر مضمون توحید کے لحاظ سے ہی کیا ہے کیونکہ انسانوں کو خدا بنایا گیا ہے تو اس لیے فرمایا کہ انسان کی برگزیدگی کا بلند سے بلند مرتبہ رسالت کا ہے اس سے اوپر کچھ نہیں اور اس کی مخلوق تو فرشتے بھی ہیں، انھیں بھی وہ رسالت کا مرتبہ ہی دیتا ہے۔ خدائی کے حصّہ دار وہ بھی نہیں ہوتے۔

وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۷۸﴾ ع	اور اللہ کی راہ میں کوشش کرو ، جو اس کی (راہ میں) کوشش کا حق ہے ، اس نے تمھیں چُن لیا اور دین کے معاملہ میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی ، تمھارے باپ ابراہیم کا مذہب ، اس نے تمھارا نام پہلے سے اور اس (قرآن) میں بھی مُسلم رکھا ۱؎ تاکہ رسول تمھارا پیش رو ہو اور تم لوگوں کے پیش رو ہو ، سو نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو ۔ اور اللہ کو مضبوط پکڑو وہ تمھارا آقا ہے ، سو کیا ہی اچھا آقا ہے ، اور کیا ہی اچھا مددگار ہے ۔

آیاتھا ۱۱۸ (۲۳) سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ ۲؎ رکوعاتھا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اللہ بے انتہا رحم والے باربار رحم کرنے والے کے نام سے
قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾	مومن یقیناً کامیاب ہیں ۳؎۔

نمبر۱۔ تمھارا نام مسلم رکھا پہلی کتابوں میں بھی جیسا حضرت ابراہیمؑ کی دعا میں ومن ذریتنا امۃ مسلمۃ لک یا جیسے حضرت عیسیٰؑ کے قول میں کہ بادشاہت بنی اسرائیل سے لے لی جائے گی اور ایسی قوم کو دی جائے گی جو اس کے پھل وقت پر دیگی یہی مسلم ہے اور اس قرآن میں بھی مسلم نام رکھا اور غرض خود بتادی تاکہ تم کامل فرمانبرداری اختیار کر کے لوگوں کے مزکی اور معلم بنو اور اس آیت میں مسلمانوں کو توجہ یہ دلائی ہے کہ وہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے پورا پورا زور لگائیں۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام المؤمنون ہے اور اس میں چھ رکوع اور ۱۱۸ آیتیں ہیں اس کا نام المؤمنون پہلی ہی آیت میں آتا ہے ، جہاں یہ بتایا کہ مومنوں کی کامیابی کا انحصار کن باتوں پر ہے اور اسی لحاظ سے یعنی یہ بتانے کو کہ مومن اپنی کامیابی صرف دنیوی ترقی کو نہ سمجھیں اس سورت کا نام یہ رکھا ہے یہ سورت بالاتفاق مکّی ہے اور مضمون کے لحاظ سے مکّہ کے آخری زمانہ میں رکھی جاسکتی ہے۔

نمبر۳۔ اس رکوع میں مومنوں کی فلاح یا کامیابی کا ذکر ہے اور اس کے لیے چند صفات کا موجود ہونا ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔ صلوٰۃ یعنی رجوع الی اللہ ان باتوں اور کاموں سے اجتناب جن کا اثر انسان کی ترقی اور بہتری پر اچھا نہیں ۔ ہر ایک فعل میں پاکیزگی یا قوائے انسانی کے نشوونما کو مدنظر رکھنا ۔ قوائے شہوانی پر پورا غلبہ حاصل کرنا ۔ امانتوں اور عہد کی پابندی ۔ نمازوں پر محافظت ۔ پس فلاح قومی کو اللہ کا کلام اخلاقی ترقی سے وابستہ کرتا ہے ۔ مومنوں کو بلاشبہ وہ سب مشکلات پیش آنے والی ہیں جو دنیا میں قوموں کو پیش آتی ہیں لوگ ان کے مخالف اور دشمن ہوں گے ، ان کو ظلم سے کچلنا چاہیں گے ، ان کو لڑائیاں لڑنی پڑیں گی ، ان کو مختلف قوموں اور مذاہب سے واسطہ پڑے گا ، انھیں دنیوی رنگ میں اپنی تجارتوں وغیرہ کا فکر کرنا ہوگا ۔ مگر ان کی قومی ترقی کی جڑ اُن کی فلاح کا سنگ بنیاد اخلاق میں بلند مرتبگی کو قرار دیا گیا ۔ دنیا کی کسی کتاب نے قومی ترقی کا یہ راز نہیں بتایا جو قرآن شریف نے بتایا اور تاریخ شاہد ہے کہ اس بنیاد پر جو عمارت بنی وہ کیسی مضبوط بنی ، قرآن کریم کا ایک طرف مسلمانوں کی فلاح کے لیے ان صفات کو ضروری ٹھہرانا اور دوسری طرف آنحضرت صلعم کے ساتھیوں کی فلاح کی بار بار پیشگوئیاں کرنا صاف بتاتا ہے کہ یہ سب صفات نبی کریم صلعم کے صحابہ میں پائی جاتی تھیں اور یہ وہ انقلاب تھا جو آپ کی قوتِ قدسی سے ملک عرب کے رہنے والوں میں پیدا ہوا جن کی پہلی حالت ان سب باتوں کے خلاف تھی اور

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝٢	جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں ١
وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝٣	اور جو لغو سے منہ پھیرنے والے ہیں ٢
وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝٤	اور جو پاکیزگی کے لیے کام کرنے والے ہیں ٣
وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝٥	اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں
اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝٦	مگر اپنی بیویوں سے یا اُن سے جن کے اُن کے داہنے ہاتھ مالک ہوئے تو وہ ملامت کیے گئے نہیں ٤
فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝٧	لیکن جو اس سے آگے نکلنا چاہیں وہ حد سے بڑھنے والے ہیں۔

قد افلح المؤمنون کے آگے جو مومنوں کی تصویر کھینچی ہے وہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کا ہی نقشہ ہے۔ اسی سے محمد رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے حالات کا اندازہ کرلو۔

نمبر١۔ خشوع۔ سکون، فرمانبرداری، عاجزی کی حالت کا نام ہے اور نماز میں سکون یہی ہے کہ نماز کے سوائے اور کسی چیز کی طرف توجہ نہ ہو، جب یہ حالت ہوگی تو قلب میں بوجہ اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کے احساس کے اس مقام کی پوری عظمت ہوگی اور جوارح خود ہی سب سکون کی حالت میں ہوں گے اور مومن کے لیے نماز میں خشوع اس کی روحانی ترقی کا پہلا قدم ہے۔ اسلام نے صلوٰۃ یا رجوع الی اللہ کو تمام اخلاقِ فاضلہ کی جڑ قرار دیا ہے اس لیے کہ خلوص میں جو تمام اخلاق فاضلہ کی جڑ ہے وہ کبھی کسی قوم یا کسی انسان میں سوائے خدا سے تعلق کے پیدا نہیں ہوسکتا۔ اور جب تک تمام اخلاق اور معاملات میں خلوص نہ ہو اس وقت تک اخلاق فاضلہ کا نام بھی ان کو نہیں دیا جاسکتا۔

نمبر٢۔ اخلاقی اور روحانی ترقی میں لغو سے اعراض کو دوسرا مرتبہ قرار دیا ہے اور اس سے مراد نہ صرف لغو باتیں ہیں بلکہ لغو کام بھی جن میں اکثر لوگ مبتلا رہتے ہیں اور اس زمانہ کی تہذیب کے خاص اشغال میں سے ہیں جنھوں نے انسانی زندگی کو چارپایوں کی زندگی سے بڑھ کر بلا مقصد بنا دیا ہے۔

نمبر٣۔ یہاں مراد تزکیہ ہے للزکوٰۃ میں لام علت کا ہے یعنی جو وہ کرتے ہیں اس غرض سے کرتے ہیں کہ ان کے نفس کا تزکیہ ہو۔ یہ تیسرا مرتبہ انسانی ترقی میں ہے، لغو سے وقت کو بچانا خود چاہتا ہے کہ اسے کسی بہتر مصرف پر لگایا جائے۔ وہ مصرف بتایا کہ تزکیہ کو اپنے ہر ایک فعل کی غرض رکھے اور تزکیہ سے مراد صرف پاکیزگی اپنے تمام معنوں میں نہیں، بلکہ اس کے معنے ہی نفس کو خیرات و برکات سے ترقی دینا ہیں۔ پس کامیابی کے لیے یہ ضروری ہے کہ اپنے اوقات کو ایسے مصرف میں لگایا جائے جس میں انسان کی اپنی یا اس کی قومی بہتری مدِنظر ہو۔

نمبر٤۔ حفظِ فروج تو فی الحقیقت وسیع معنی میں ہے یعنی ہر ایک موضع مخافت کا یعنی ایسے مقام کا جہاں سے شیطان حملہ آور ہوسکتا ہے محفوظ رکھنا، مگر یہاں ازواج کا استثناء بتاتا ہے کہ مراد ایسے مواضع مخافت ہیں جو قوت شہوانیہ سے تعلق رکھتے ہیں لیکن مراد صرف زنا سے بچنا نہیں، بلکہ شہوات کے تمام موقعوں سے اپنی حفاظت کرنا ہے یہاں تک کہ بدنظری سے بچنا بھی اس میں داخل ہے۔ انسانی ترقی کا یہ چوتھا زینہ ہے اور اس کا منشاء یہ ہے کہ انسان کے قوائے شہوانی جو اسے قدرت نے دیئے ہیں ان پر اس کو پوری حکومت حاصل ہو۔ یہ وہ بات ہے جس کی طرف سے اکثر قوموں نے غفلت کی ہے اور یہی آخرکار ان کی تباہی کا موجب ہوتی ہے۔ قوائے شہوانی کو جب تک حدِ اعتدال کے اندر نہ رکھا جائے یہ تمام دوسری قوتوں کو دبا لیتے ہیں اور ان کا ہیجان آہستہ آہستہ انسانوں کو اور قوموں کو بڑے بڑے اخلاق فاضلہ سے عاری کردیتا ہے۔ آج بھی کس قدر قومیں ہیں جو اپنے آپ کو مہذب اور ترقی یافتہ سمجھتی ہیں۔ مگر قوائے شہوانی کی غلامی کی طرف ان کا قدم اٹھ رہا ہے اور وہ نہیں جانتیں کہ وہ ہلاکت کے گڑھے کے قریب ہوتی چلی جاری ہیں۔

وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾

اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس رکھنے والے ہیں ۱؎

وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾

اور جو اپنی نمازوں کی محافظت کرتے ہیں ۲؎

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾

یہی وارث ہیں۔

الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾

جو فردوس کو ورثہ میں لیتے ہیں، وہ اسی میں رہیں گے۔

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾

اور ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا ۳؎

ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾

پھر ہم نے اسے ایک مضبوط ٹھیرنے کی جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا۔

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ

پھر ہم نے نطفہ کو لوتھڑا بنایا اور لوتھڑے کو گوشت کا ٹکڑا بنایا۔ اور گوشت کے ٹکڑے میں ہڈیاں بنائیں اور ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر ہم نے اسے ایک اور پیدائش دیکر اٹھا کھڑا کیا پس اللہ بابرکت ہے (جو) سب بنانے

نمبر۱۔ یہ ترقی کا پانچواں مرتبہ ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کی مدعی تہذیب قوموں کی حالت کو مدِ نظر رکھ کر ہی یہ علاج بتلائے گئے ہیں۔ جب ایک قوم دنیوی ترقی کے معراج پر پہنچتی ہے تو پھر اسے امانت اور عہد کی کوئی پروا نہیں رہتی اس لیے کہ وہ زبردست ہے اور جو چاہے کر سکتی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ امانت اور عہد کے عدم ایفا سے قوموں کا اعتماد اٹھ جاتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساتھ ہی ان کا رعب جاتا رہتا ہے اور رعب کے بغیر کوئی مادی قوت کچھ کام نہیں دیتی۔

نمبر۲۔ چھٹے اور آخری مرتبہ پر نمازوں کی محافظت رکھی ہے اور اسی طرح سورۂ المعارج میں بھی آخری مرتبہ نمازوں کی محافظت کا ہی رکھا ہے اور اس سے مراد صرف اوقات وارکان کی حفاظت ہی نہیں، بلکہ ہر ایک فحشاء اور منکر سے بچنا بھی ہے اور نماز یا خدا کی طرف رجوع ایسے انسان کے لیے بطور ایک غذا کے بن جاتا ہے جس کے بغیر اسے چین نہیں پڑتا اور یہی وجہ ہے کہ نماز کو مومن کا معراج کہا ہے۔ کیونکہ اس کی ترقی کا آخری مرتبہ یہی ہے جب انسان اس مرتبہ کو حاصل کرتا ہے تو اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔ بلند سے بلند اخلاق والے لوگ دنیا میں مادی ترقی کے لیڈر نہیں بلکہ وہ روحانی پیشوا ہوئے ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ کامل ہوا ہے اور تمام دنیا کی اقوام انہی لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کا دعویٰ کرتی ہیں۔

نمبر۳۔ سل ایک چیز کا دوسری سے کھینچ کر نکال لینا ہے اور سلالہ وہ صاف جوہر ہے جو زمین سے کھینچ کر نکال لیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں کئی جگہ انسان کو مٹی سے پیدا کرنے کا ذکر ہے یہاں اس کی تصریح فرما دی اور بتا دیا کہ مٹی کا بت نہیں بنایا جاتا، بلکہ اس کا خلاصہ نکالا جاتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت پر دلالت کرتا ہے کہ ایسے کثیف جوہر سے جیسے مٹی ہے وہ نہایت لطیف جوہر پیدا کرتا ہے جس سے انسان کی زندگی کی ابتدا ہوتی ہے اور جسے کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی پس جب مٹی جیسی کثیف چیز سے اللہ تعالیٰ زندگی کے جوہر کو نکالتا رہتا ہے اور یہ نظارہ دن رات ہماری آنکھوں کے سامنے ہے تو اعمال سے اس سے بھی لطیف ترکیب کیوں نہیں بن سکتا جو انسان کی دوسری زندگی کے لیے بطور ایک بنیاد کے ٹھہرے۔

اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِيۡنَ ؕ ﴿۱۴﴾	والوں سے بہتر ہے۔ ۱
ثُمَّ اِنَّكُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوۡنَ ؕ ﴿۱۵﴾	پھر تم اس کے بعد یقیناً مرنے والے ہو۔
ثُمَّ اِنَّكُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ تُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۶﴾	پھر تم قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے۔
وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا فَوۡقَكُمۡ سَبۡعَ طَرَآئِقَ ۖ	اور ہم نے تمہارے اوپر سات رستے بنائے اور ہم مخلوق
وَمَا كُنَّا عَنِ الۡخَلۡقِ غٰفِلِيۡنَ ﴿۱۷﴾	سے بے خبر نہیں ۲
وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ	اور ہم نے بادل سے ایک اندازہ سے پانی اتارا۔ پھر
فَاَسۡكَنّٰهُ فِى الۡاَرۡضِ ۖ وَاِنَّا عَلٰى	اسے زمین میں ٹھیرایا، اور ہم اُسے اٹھالے جانے
ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوۡنَ ۚ ﴿۱۸﴾	پر بھی قادر ہیں۔
فَاَنۡشَاۡنَا لَكُمۡ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ	پھر ہم نے اس کے ساتھ تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں
وَّ اَعۡنَابٍ ۘ لَـكُمۡ فِيۡهَا فَوَاكِهُ كَثِيۡرَةٌ	کے باغ اُگائے، ان میں تمہارے لیے بہت پھل ہیں۔
وَّمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ ۙ ﴿۱۹﴾	اور ان سے تم کھاتے ہو۔
وَشَجَرَةً تَخۡرُجُ مِنۡ طُوۡرِ سَيۡنَآءَ تَنۡۢبُتُ	اور ایک درخت جو سینا پہاڑ سے نکلتا ہے وہ روغن اور
بِالدُّهۡنِ وَصِبۡغٍ لِّلۡاٰكِلِيۡنَ ﴿۲۰﴾	کھانیوالوں کے لیے سالن لیے ہوئے نکلتا ہے۔ ۳

نمبر۱۔ جسمانی زندگی کے مدارج کو روحانی زندگی کے مدارج پر بطور شہادت کے پیش کیا ہے اور یہاں بھی چھ ہی مدارج بیان فرمائے ہیں اور انشانا خلقاً آخر میں نفس ناطقہ یا عقل انسانی کے دینے کی طرف اشارہ ہے یعنی بتایا ہے کہ انسان کی زندگی کی ترقیات کو ہم نے محض حیوان کی زندگی کی ترقیات تک محدود نہیں رکھا بلکہ اسے کوئی چیز زائد بھی دی ہے جو اس کے اعمال کے محاسبہ کو اور بعثت کو ضروری ٹھہراتی ہے۔ اسی لیے اس کے بعد اس کی موت کے ساتھ اس کی بعثت کا ذکر کیا۔

نمبر۲۔ سات رستوں کی توجیہ مفسرین نے یوں کی ہے کہ وہ سات آسمان ہیں اور رستے انھیں اس لیے کہا ہے کہ فرشتوں کی آمد و رفت ان میں ہے۔ یا کواکب ان میں چلتے ہیں مگر طریقہ اس چیز کو نہیں کہتے جس میں کوئی رستہ بھی ہو۔ یوں تو زمین بھی طریقہ ہوئی کیونکہ اس میں سبلاً فجاجاً ہیں۔ بلکہ طریقہ خود رستہ کو کہتے ہیں اور یہاں صرف طریقوں کا ذکر ہے۔ دوسرے قرآن کریم نے خود بتا دیا ہے کہ وہ چلنے والے کون ہیں وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الطَّارِقُ النَّجۡمُ الثَّاقِبُ (۸۶: ۱-۳) اور نجم الثاقب زہرہ ہے پس معلوم ہوا کہ جن کے یہ رستے ہیں اُن میں سے ایک چلنے والا زہرہ ہے اور باقی بھی اسی کے ساتھ کے دوسرے کواکب ہیں جو زمین کے علاوہ نظام شمسی میں سات ہیں۔ پس انہی سات کے رستوں کو سبع طرائق کہا ہے نہ آسمانوں کو۔ ہاں سبع سماوات کا لفظ خود ان سات سیاروں پر اس لحاظ سے صادق آتا ہے کہ وہ اوپر ہیں اور ماکنا عن الخلق غافلین اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم سے بیان فرما رہا ہے اور ان اجرام فلکی کی طرف اس لیے توجہ دلائی کہ انسان کی پیدائش کیا حقیقت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اتنے اتنے بڑے اجرام بھی پیدا کیے ہیں اور ممکن ہے کہ ماکنا عن الخلق غافلین میں یہ اشارہ ہو کہ ان اجرام میں جو مخلوق ہے ہم اس کی بھی خبرگیری کرتے ہیں۔

نمبر۳۔ یہ درخت زیتون ہے اور اس کے الگ ذکر میں حالانکہ اوپر بارش کے ساتھ باغ وغیرہ لگانے کا ذکر ہے۔ اشارہ اس طرف معلوم ہوتا ہے بوقد من

وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور تمھارے لیے چار پایوں میں بھی عبرت ہے ۔ ہم تمھیں اس سے پلاتے ہیں جو اُن کے پیٹوں میں ہے اور ان میں تمھارے لیے بہت سے فائدے ہیں اور ان سے تم کھاتے ہو۔

ع وَ عَلَيْهَا وَ عَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور ان پر اور ان کشتیوں پر تم سوار ہوتے ہو۔

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا ۔ سو اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو تمھارے لیے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں تو کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے ۔

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۖۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾

تو ان لوگوں کے سرداروں نے جو اس کی قوم میں سے کافر ہوئے کہا یہ صرف تم ہی جیسا ایک بشر ہے چاہتا ہے کہ تم پر بڑائی حاصل کرے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے اتار دیتا ۔ ہم نے یہ پہلے اپنے باپ دادوں میں نہیں سُنا۔

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ ۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾

وہ صرف ایک ایسا شخص ہے جسے جنون ہے تو ایک وقت تک اس کے بارے میں انتظار کرو۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾

(نوحؑ نے) کہا میرے رب مجھے مدد دے اس لیے کہ انھوں نے مجھے جھٹلایا۔

فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَ لَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾

پس ہم نے اس کی طرف وحی کی کہ ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہماری وحی سے کشتی بنا ۔ پھر جب ہمارا حکم آئے اور زمین (پر پانی) جوش مارے تو اس میں ہر ضرورت کی، شے کے نر و مادہ دو دو لیلے ۔ اور اپنے اہل کو بھی سوائے اس کے جس کے متعلق اُن میں سے پہلے حکم ہو چکا اور ان کے متعلق مجھ سے خطاب کرنا جو ظالم ہیں وہ غرق کیے جائیں گے ۔

فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَ مَنْ مَّعَكَ عَلَى

پس جب تو اور جو تیرے ساتھ ہیں کشتی پر بیٹھ جاؤ ، تو کہہ

الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا	سب تعریف اللہ کے لیے ہے ، جس نے ہمیں ظالم
مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝۲۸	قوم سے نجات دی ۔ ؎۱
وَ قُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا	اور کہہ اے میرے رب مجھے برکت والا اُتارنا اُتاریو
وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ۝۲۹	اور تو سب اُتارنے والوں سے بہتر ہے ۔
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ وَّ اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ۝۳۰	یقیناً اس میں نشان ہیں اور ہم آزمایش کرتے رہتے ہیں ؎۲
ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ۝۳۱	پھر ہم نے ان کے بعد ایک اور نسل پیدا کی ۔
فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ	پس ان میں انہی میں سے رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو
اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ	تمھارے لیے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں ، تو کیا تم
ع اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝۳۲	تقوٰے اختیار نہیں کرتے ؎۳
وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا	اور اس کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے اور
وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِی	آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے تھے اور ہم نے انھیں دنیا کی
الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ	زندگی میں آسودگی دی تھی کہنے لگے یہ کچھ نہیں مگر تم جیسا
یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَ یَشْرَبُ	ایک انسان ہے اسی سے کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور اسی سے
مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ۝۳۳	پیتا ہے جو تم پیتے ہو ۔
وَ لَىِٕنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ	اور اگر تم اپنے جیسے ایک انسان کی اطاعت کرو گے تو
اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝۳۴	اس حال میں تم یقیناً نقصان اٹھانے والے ہو گے ۔

شجرۃ مبٰرکۃ زیتونۃ لا شرقیۃ ولا غربیۃ (النور ۳۵) جہاں اسلام کو درخت زیتون سے تشبیہ دی ہے اور بعض احادیث میں زیتون کی تعریف بھی بہت آئی ہے ۔

نمبر۱ ۔ حالانکہ قوم غرق ہو گئی تھی مگر ان کے غرق ہونے پر الحمد نہیں کہا بلکہ اپنی نجات پر ۔ اور نجات بھی ان لوگوں کے ہاتھ سے جنھوں نے ظلم کر کے چند خدا کے بندوں کو ہلاک کرنے کی ٹھان لی تھی ۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ کسی کی مصیبت پر خوش نہ ہونا چاہیئے ۔

نمبر۲ ۔ اِن بمعنی اِنَّ ہے اور مراد قوم نوحؑ کی آزمائش بھی ہو سکتی ہے ۔ مگر نشان کے ذکر کے لحاظ سے یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے بندوں کی آزمائش مراد لی جائے ۔ یہ الفاظ ایک قانون کے رنگ میں ہیں ۔ یعنی ہمارا قانون یہ ہے کہ ہم بندوں کی آزمائش کرتے رہتے ہیں ۔ یعنی ان کی جودت اور رداءت کو ظاہر کرتے رہتے ہیں ۔

نمبر۳ ۔ قوم نوحؑ کے بعد جس قوم کا ذکر قرآن شریف نے کیا ہے وہ عاد ہی ہے واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح (الاعراف ۶۹) اور ان کے رسول حضرت ہود علیہ السلام تھے ۔

أَيَعِدُكُمْ أَنَّكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنتُمْ
کیا وہ تمھیں ڈراتا ہے کہ جب تم مرجاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں

تُرَابًا وَعِظَامًا أَنَّكُم مُّخْرَجُونَ ۝٣٥
ہوجاؤ گے تو تم (پھر) نکالے جاؤ گے۔

هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ ۝٣٦
بہت ہی دور (از عقل) بات ہے جس کا تمھیں وعدہ دیا جاتا ہے

إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا
یہ کچھ نہیں مگر صرف ہماری دنیا کی زندگی ہے ہم مرتے ہیں

وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۝٣٧
اور زندہ ہوتے ہیں اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔

إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ
وہ کچھ نہیں مگر صرف ایک شخص ہے جس نے اللہ پر جھوٹ افترا کیا

كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ۝٣٨
ہے اور ہم اس پر ایمان لانے والے نہیں۔

قَالَ رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونِ ۝٣٩
رسول نے کہا میرے رب میری مدد کر اس لیے کہ انھوں نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔

قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ۝٤٠
فرمایا تھوڑی ہی دیر میں یقیناً پشیمان ہوں گے۔

فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ
تو ایک ہولناک آواز نے انھیں حق کے ساتھ آپکڑا سو ہم نے انھیں کوڑا

غُثَاءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝٤١
کرکٹ کردیا پس ظالم لوگوں کے لیے دوری ہے۔

ثُمَّ أَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ۝٤٢
پھر ان کے بعد ہم نے اور نسلیں پیدا کیں۔

مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۝٤٣
کوئی قوم نہ اپنے وقت مقرر سے آگے جاسکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے

ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَىٰ ۖ كُلَّ مَا جَاءَ
پھر ہم نے اپنے رسول پے در پے بھیجے جب کبھی کسی قوم کے پاس

أُمَّةً رَّسُولُهَا كَذَّبُوهُ ۚ فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُم
اس کا رسول آیا انھوں نے اسے جھٹلایا تو ہم بھی ایک کے پیچھے

بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ
دوسرے کو ہلاکت میں پہنچاتے رہے اور ہم نے انھیں کہانیاں بنادیا

لَّا يُؤْمِنُونَ ۝٤٤
پس ان لوگوں کے لیے دوری ہے جو ایمان نہیں لاتے۔

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ
پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی آیتوں اور

بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ۝٤٥
کھلی سند کے ساتھ بھیجا۔

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا
فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف، مگر انھوں نے تکبر کیا اور

وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ۝٤٦
وہ سرکش لوگ تھے۔

فَقَالُوا أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَ
تو انھوں نے کہا کیا ہم اپنے جیسے دو انسانوں پر ایمان لائیں اور ان

قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۚ ﴿٤٧﴾ — کی قوم (کے لوگ) ہمارے خدمتگار ہیں۔

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿٤٨﴾ — سو انھوں نے ان دونوں کو جھٹلایا تو ہلاک شدہ (قوموں) میں سے ہو گئے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿٤٩﴾ — اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، تاکہ وہ ہدایت پائیں۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ۧ ﴿٥٠﴾ — اور ہم نے ابن مریم اور اس کی ماں کو ایک نشان بنایا ہے اور ان دونوں کو ایک بلند جگہ پر پناہ دی جو ہموار اور چشموں والی تھی ۱۔

نمبر ۱۔ ربوہ وہ ایسی بلند زمین ہے جہاں پہاڑ نہ ہو، یعنی سطح مرتفع۔
قرار کے معنی ٹھہرنا ہیں اور ذات قرار کے معنی ہیں ایسی زمین جس میں پانی ٹھہرے۔ یا سطح مستوی یعنی ہموار جگہ۔ یا پھلوں والی۔
ماء معین اور ماء معیون کے ایک معنی ہیں ظاہر یعنی جسے آنکھ زمین پر چلتا دیکھے۔
ابن مریم اور اس کی ماں کو ایک نشان بنایا، کس لحاظ سے، مفسرین اکثر بن باپ پیدائش کی طرف ہی گئے ہیں مگر یہاں ذکر نیک لوگوں کی فلاح اور ان کے ظالموں کے ہاتھ سے نجات پانے کا ہے اور اسی کو بار بار نشان کہا گیا ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً اور قوم نوح کو غرق کرنے کے بعد فرمایا وجعلنٰھم للنّاسِ اٰیۃ (الفرقان ۲۵-۳۷) پس قوم نوح اگر ہلاک کیا جانے کے لحاظ سے نشان ہے تو ابن مریم اور ان کی والدہ بچائے جانے کے لحاظ سے نشان ہیں۔ پس مراد ان کا نشان ہونا اسی لحاظ سے ہے کہ انھیں ظالم قوم کے ہاتھ سے نجات دی گئی اور قرآن کریم نے خود اس آیت کا بیان اگلے الفاظ میں کر دیا ہے۔
یہ جگہ کون سی تھی جہاں ابن مریم اور ان کی والدہ کو پناہ ملی۔ مفسرین کا اس میں بہت اختلاف ہے۔ کوئی اسے فلسطین قرار دیتا ہے کوئی بیت المقدس کوئی دمشق اور کوئی مصر۔ مگر سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ قرآن شریف کے لفظ ربوۃ۔ ذات قرار، ذات معین۔ ان میں سے کسی پر بھی صادق نہیں آتے۔ ربوہ چاہتا ہے کہ بلند زمین ہو۔ ذات قرار چاہتا ہے کہ ہموار ہو پہاڑ نہ ہو۔ یا بہت پھلوں والی ہو۔ ذات معین چاہتا ہے کہ اس میں سطح زمین پر چشمے اور نہریں بہ رہی ہوں۔ ان تمام صفات میں اگر کوئی یکتا قطعۂ زمین ہے تو وہ کشمیر ہے اور فلسطین اور بیت المقدس اور دمشق اور مصر تو بہرحال نہیں۔ کشمیر کی بلندی چار ہزار فٹ یا اس سے اوپر ہے۔ پھر ذات قرار ہموار میدان ہونے کے لحاظ سے بھی ہے اور پھلوں والی جگہ ہونے کے لحاظ سے بھی پھر چشمے بھی اس میں اس کثرت سے بہتے ہیں کہ ان کی نظیر دوسری جگہ نہیں ملتی۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں ایواء یا پناہ دینے کا ذکر ہے اور انبیاء کا جس قدر ذکر قرآن شریف میں ہے وہ بعد تبلیغ ظالم مخالفوں کے ہاتھ سے نجات دینے پر ہی ہے۔ پس حضرت عیسٰے کو جو یہ پناہ ملی ہے یہ بھی اپنے دشمنوں کے ہاتھ سے ملی اور یہاں قرآن کریم نے اس عقدہ کو بھی حل کر دیا کہ صلیب سے زندہ اُتر کر حضرت عیسٰی کہاں گئے اور یہ بتا دیا کہ انھیں اور ان کی والدہ کو ایک اور ملک میں پناہ ملی اور اس کا نقشہ ایسا بتا دیا کہ دنیا کے کسی دوسرے حصۂ ملک پر صادق نہیں آسکتا۔ گویا فلسطین سے انھوں نے ہجرت کی۔ کشمیر میں حضرت عیسٰی کا آنا تاریخ سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ محلہ خان یار، شہر سری نگر میں ایک قبر ہے جو یوز آسف کی قبر کے نام سے موسوم ہے اور جسے نبی صاحب کی قبر بھی کہا جاتا ہے اور یہ نہ صرف زبانی روایتوں سے ہی معلوم ہوتا ہے بلکہ تاریخ علمی کشمیر جسے لکھے ہوئے ڈیڑھ سو سال گزر چکا ہے اس میں صفحہ ۸۲ پر اس قبر کا ذکر بدیں الفاظ ہے کہ یہ قبر عام طور پر ایک نبی کی قبر مشہور ہے اور کہ وہ ایک شہزادہ تھا، جو کشمیر میں کسی دوسرے ملک سے آیا اور کہ اس کا نام یوز آسف تھا۔ اب یہ امر غور طلب ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد تو کوئی نبی ہوا نہیں اور نہ کسی ولی کا قبر نبی کی قبر کہلا سکتی تھی اور نبی کا لفظ عربی اور عبرانی زبانوں کا ہے پس لازماً یہ کوئی عبرانی نبی ہیں۔ عرصہ جو روایتاً بیان کیا جاتا ہے وہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ سے ملتا ہے اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ نام یوز یا یوس (کیونکہ س، ز سے بدل جاتا ہے) اور یسوع باہم ملتے ہیں۔ یہ دلائل ایک زبردست قرینہ ہیں کہ وہ قبر جو محلہ خان یار میں ہے وہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ہی ہے اور کسی نبی کی قبر نہیں۔

يَاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾

اے رسولو! پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ اور اچھے عمل کرو میں اسے جو تم کرتے ہو جانتا ہوں۔ [۱]

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾

اور کہ یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو میرا تقویٰ کرو۔

فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾

پھر انھوں نے اپنے دین کو آپس میں قطع کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا سب گروہ اس پر جو ان کے پاس ہے خوش ہیں۔ [۲]

فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾

سو انھیں اپنی جہالت میں ایک وقت تک پڑا رہنے دے۔

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾

کیا یہ خیال کرتے ہیں یہ جو ہم ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دے رہے ہیں

نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

تو ہم ان کو بھلائی پہنچانے میں جلدی کر رہے ہیں بلکہ وہ محسوس نہیں کرتے [۳]

علاوہ ازیں اور بھی وجوہات ہیں کہ حضرت عیسیٰ مشرق کی طرف آئے۔ افغان اب تک اپنے آپ کو بنی اسرائیل بتاتے ہیں اور ان کی روایات ان کے رسم و رواج سے ان کے نقشوں سے ان کا بنی اسرائیل ہونا ثابت ہوتا ہے۔ یہی بات اہل کشمیر کے متعلق معلوم ہوتی ہے اور کشمیر کے بہت سے شہروں کے نام فلسطین کے شہروں پر ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کچھ حصہ بنی اسرائیل کا ایام جلاوطنی میں افغانستان اور کشمیر میں آباد ہوا اور حضرت عیسیٰ کو جب یہود فلسطین کی ایذا دہی سے ہجرت کرنی پڑی تو آپ نے ان اقوام بنی اسرائیل کی طرف رخ کیا جو اپنے وطن سے الگ ہو چکی تھیں اور حدیث میں جو آتا ہے اِنَّ عیسٰی عاش مائۃ وعشرین سنۃ یعنی حضرت عیسیٰ ایک سو بیس سال زندہ رہے اس کی رو سے بھی ضروری ٹھہرتا ہے کہ بقیہ عمر آپ نے کہیں اور گزاری ہو۔

نمبر ۱۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ خطاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہے اور ایک شخص کے لیے بعض وقت جمع کا صیغہ استعمال ہو جاتا ہے اور مراد یہ ہے کہ ہم نے جب عیسیٰ اور ان کی والدہ کو اچھی جگہ پر پناہ دی تو ساتھ ہی ان کو یہ بھی کہہ دیا کہ طیبات سے کھاؤ اور یا یہ حکایت کے طور پر ہے کہ ہر رسول سے اپنے زمانہ میں یوں ہی خطاب ہوا تھا اور اب گویا نبی کریم صلعم کو انہی الفاظ میں خطاب ہوتا ہے اور امام راغب کہتے ہیں کہ رسل کے لفظ میں نبی کریم صلعم کے ساتھ آپ کے برگزیدہ اصحاب شامل ہیں۔

نمبر ۲۔ مختلف رسولوں کا ذکر کرنے سے منشا یہ ہے کہ سب خدا کی طرف سے آئے اور اصلاح خلق ان کے مدنظر تھی سب کے حالات ان کا دشمنوں کے ہاتھ سے نجات پانا اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو دنیا میں قائم کرنا یکساں تھا۔ اسی لیے پہلے یا ایھا الرسل میں سب کو ایک ہی لفظ سے خطاب کیا پھر ان کی بعثت کا مقصد ایک ہونے کا ذکر اور بھی صراحت سے ان الفاظ میں کیا ان ھذہ امتکم امۃ واحدۃ یعنی رسولوں کی جماعت ایک ہی جماعت ہے اور ان کی بعثت کی غرض دنیا میں اس بات کا قائم کرنا ہے کہ سب کا رب اللہ ہے اس کا تقویٰ اختیار کیا جائے لیکن ان کے پیروؤں نے اس واحد مقصد کو ملیامیٹ کر دیا اور امر دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ ہر گروہ صرف جو اس کے پاس تھا اس پر خوش ہو گیا اور دوسرے رسولوں کی رسالت کا انکار کر دیا اور نسل انسانی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ یہ اس آیت کا مضمون ہے اور اس کے بیان کرنے کی غرض صاف ہے کہ اس حالت میں ضروری تھا کہ سب کو ایک دین پر جمع کرنے کے لیے اور اس حقیقت کو دنیا میں آشکارا کرنے کے لیے کہ سب مذاہب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں ایک رسول مبعوث ہوتا۔ جیسا کہ آگے چل کر تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (الفرقان ۲۵-۱) میں بیان فرمایا۔

نمبر ۳۔ یہاں بتایا ہے کہ لوگ دنیا کے مال اور جتھے کو یعنی دنیوی طاقت کو ہی کامیابی سمجھ لیتے ہیں حالانکہ وہ فلاح سے اس قدر دور پڑے ہوئے ہیں کہ ان کو احساس بھی نہیں کہ فلاح کسے کہتے ہیں اور حقیقی کامیابی بلند اخلاق سے ہے نہ مال و دولت سے۔ اسی کو غمرۃ یعنی ان کی جہالت کہا ہے جس میں وہ ڈوبے ہوئے ہیں اور

إِنَّ الَّذِينَ هُم مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِم مُّشْفِقُونَ ﴿٥٧﴾

جو لوگ اپنے رب کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں۔

وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٨﴾

اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

وَالَّذِينَ هُم بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ ﴿٥٩﴾

اور وہ جو اپنے رب کے ساتھ (کسی کو) شریک نہیں کرتے۔

وَالَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوا وَّقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿٦٠﴾

اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ کہ وہ دیتے ہیں حالانکہ ان کے دل خوف سے بھرے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿٦١﴾

یہ لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور وہ ان کی طرف سبقت لے جانے والے ہیں۔

وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَلَدَيْنَا كِتَابٌ يَنطِقُ بِالْحَقِّ ۚ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٢﴾

اور ہم کسی شخص پر کچھ بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کی طاقت کے مطابق اور ہمارے پاس کتاب ہے جو سچ سچ بتا دیتی ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا[1]۔

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِّنْ هَٰذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّن دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ لَهَا عَامِلُونَ ﴿٦٣﴾

بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں، اور اس کے سوائے ان کے اور عمل بھی ہیں جو وہ کرتے رہتے ہیں[2]۔

حَتَّىٰ إِذَا أَخَذْنَا مُتْرَفِيهِم بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْأَرُونَ ﴿٦٤﴾

یہاں تک کہ جب ہم ان کے آسودہ حال لوگوں کو عذاب میں پکڑیں گے تو اس وقت وہ چلانے لگیں گے[3]۔

اسی لیے اس کے بالمقابل اگلی آیات میں پھر اللہ تعالیٰ سے تعلق کا ذکر کیا ہے جو اخلاق فاضلہ کی بنیاد ہے۔

نمبر۱۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکام انسان کی فلاح کے لیے دیئے ہیں یا جو راہیں ترقی کی اُسے بتائی ہیں تو یہ کوئی ایسے امور نہیں جو عام انسانوں کی وسعت سے باہر ہوں اور کتاب ینطق بالحق میں اپنا قانون بیان فرمایا کہ اعمال کے نتائج پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ جو کچھ انسان کرتا ہے اسی کے مطابق نتیجہ پاتا چلا جاتا ہے۔

نمبر۲۔ یعنی اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ ترقی کی راہیں انسان کے اخلاق میں مضمر ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ پھر طرح طرح کی بدعملیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں جن کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

نمبر۳۔ گو ان الفاظ کے معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ جب ہم انھیں عذاب میں پکڑیں گے تو وہ چلائیں گے لیکن آیت ۵، سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی کوئی عذاب ان پر آیا تھا اور چونکہ یہ سورت مکی ہے اس لیے غالباً یہ عذاب قحط تھا، جس کے لیے نبی کریم صلعم نے دعا بھی کی تھی اور جس کا ذکر قرآن کریم میں پیشگوئی کے طور پر سورۃ الدخان میں آتا ہے (الدخان۔ ۱ تا ۱۲) اور احادیث میں ہے کہ یہ قحط اس قدر شدید ہوا کہ انھوں نے مردار اور چمڑے اور ہڈیاں کھائیں اور بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا

لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ ۟ اِنَّكُمْ مِّنَّا
لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿٦٥﴾

آج مت چلاؤ، تمھیں ہماری طرف سے کوئی مدد نہیں دی جائے گی۔

قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِیْ تُتْلٰی عَلَيْكُمْ
فَكُنْتُمْ عَلٰٓی اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿٦٦﴾ ۙ

میری آیتیں تمھارے سامنے پڑھی جاتی تھیں تو تم اپنی ایڑیوں پر اُلٹے پھر جاتے تھے۔

مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿٦٧﴾

اکڑتے ہوئے اسے مشغلہ بناتے ہوئے بکواس کرتے تھے[1]۔

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا
لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ ۫

تو کیا انھوں نے (اس) بات پر غور نہیں کیا بلکہ ان کے پاس وہ بات آئی ہے جو ان کے پہلے باپ دادوں کے پاس نہ آئی تھی۔

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ
مُنْكِرُوْنَ ﴿٦٩﴾ ۫

کیا انھوں نے اپنے رسول کو نہیں پہچانا اس لیے وہ اس سے منکر ہیں[2]۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ
بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿٧٠﴾

کیا کہتے ہیں اسے جنون ہے بلکہ وہ ان کے پاس حق لایا ہے، اور ان میں سے اکثر حق کو ناپسند کرتے ہیں[3]۔

وَ لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ
السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ؕ
بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ
ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٧١﴾ ؕ

اور اگر حق ان کی خواہش کے مطابق ہوتا تو آسمان اور زمین اور جو کوئی ان کے اندر ہیں بگڑ جاتے بلکہ ہم ان کے پاس ان کی بڑائی (کا سامان) لائے ہیں سو وہ اپنی بڑائی سے منہ پھیرنے والے ہیں[4]۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖۗ

کیا تو ان سے کچھ صلہ مانگتا ہے تو تیرے رب کا صلہ بہتر ہے

ہے کہ یہ قبل از ہجرت تھا اور بعض سے یہ کہ بعد از ہجرت تھا اور چونکہ یہ سات سال کا قحط تھا اس لیے قرین قیاس یہ ہے کہ ہجرت سے قبل شروع ہو کر بعد تک رہا۔

نمبر۱۔ بہٖ کو بعض نے مستکبرین کے ساتھ ملا کر پڑھا ہے اور معنے یوں کیے ہیں کہ خانہ کعبہ کی خدمت کی وجہ سے متکبر بنے ہوئے تھے مگر بہٖ کا تعلق سامرا سے اولیٰ ہے اور بہٖ میں ضمیر قرآن شریف کی طرف ہے جس کا ذکر آیاتی میں موجود ہے اور مطلب ان کا خانہ کعبہ میں بیٹھ کر رات کے وقت قرآن شریف کے متعلق طرح طرح کی باتیں بنانا ہے گویا قرآن شریف کا ذکر ایک مشغلہ کے طور پر کرتے تھے۔

نمبر۲۔ مطلب یہ ہے کہ رسول کو تو یہ پہچانتے ہیں اس کی کوئی حالت ان سے مخفی نہیں۔ وہ آپ کی نیکی کے اس حد تک معترف تھے کہ آپ کو الامین کے نام سے پکارتے تھے پس ایسے راستباز انسان کا جسے بچپن سے جانتے تھے انکار جائے تعجب تھا۔

نمبر۳۔ یعنی رسول کو تو پہچانتے ہیں کہ وہ صادق اور امین ہے مگر وہ حق جو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لایا ہے وہ پسند نہیں۔

نمبر۴۔ آسمان و زمین کا نظام تو پابندی قانون پر ہے مگر وہ اپنی خواہشات کی پیروی میں کسی قانون کا پابند ہونا نہیں چاہتے اگر حق بھی ایسا ہی ہوتا تو نظام عالم قائم نہ رہتا اور اس قانون کی اتباع میں ان کے لیے عز و شرف ہے جس سے وہ منہ پھیر رہے ہیں۔

وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾

اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾

اور یقیناً تو انھیں سیدھے رستہ کی طرف بلاتا ہے۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے، رستہ سے ہٹ رہے ہیں۔

وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾

اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور جو انھیں تکلیف ہے اسے دور کردیں تو وہ اپنی سرکشی میں حیران پھرتے ہوئے اصرار کریں۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾

اور ہم نے انھیں عذاب میں پکڑا، مگر وہ اپنے رب کے آگے نہ گرے اور یہ عاجزی کرتے ہی نہیں ۱؎

حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ ع

یہاں تک کہ جب ہم ان پر سخت عذاب کا دروازہ کھول دیں گے پھر ناگہاں وہ اس میں مایوس ہو جائیں گے۔

وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

اور وہی ہے جس نے تمھارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے بہت ہی کم تم شکر کرتے ہو۔

وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾

اور وہی ہے جو تمھیں زمین کے اندر وجود میں لاتا ہے اور اسی کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔

وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۸۰﴾

اور وہی ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے اور رات اور دن کا اختلاف اسی کے اختیار کا ہے تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾

بلکہ اسی کی طرح کہتے ہیں جو پہلوں نے کہا۔

قَالُوْۤا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا

کہتے ہیں کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں

نمبر ۱۔ استکانة اور تضرع دونوں اظہار عاجزی کے لیے ہیں مگر استکانة میں اظہار عاجزی غریبانہ داری کے اختیار کرنے سے ہے اور تضرع میں اس کا تعلق دل سے ہے اسی لیے دعا میں تضرع ہوتا ہے۔ یہاں سے بھی معلوم ہوا کہ عذاب کی اصل غرض صرف انسانوں کو خدا کی طرف جھکانا ہے اور اگلی آیت میں بتایا کہ سخت عذاب آنے پر رحمت الٰہی سے بھی مایوس ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ رحم کرنے کے لیے تیار ہے۔

ءَ اِنَّا لَمَبۡعُوۡثُوۡنَ ۝۸۲

گے کیا ہم دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔

لَقَدۡ وُعِدۡنَا نَحۡنُ وَ اٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنۡ
قَبۡلُ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۝۸۳

ہمیں اور ہمارے باپ دادوں کو پہلے سے یہی وعدہ دیا
جاتا رہا ہے یہ کچھ نہیں مگر پہلوں کی کہانیاں ہیں۔

قُلۡ لِّمَنِ الۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِيۡهَاۤ
اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۸۴

کہہ زمین اور جو اس میں ہیں وہ کس کے لیے ہیں
اگر تم جانتے ہو۔

سَيَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰهِ‌ ؕ قُلۡ اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ۝۸۵

کہیں گے اللہ کے لیے کہہ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبۡعِ وَ
رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِيۡمِ ۝۸۶

کہہ ساتوں آسمانوں کا رب اور بڑے عرش کا
رب کون ہے۔

سَيَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰهِ‌ ؕ قُلۡ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ۝۸۷

کہیں گے اللہ کے لیے ہی ہے تو کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔

قُلۡ مَنۡۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوۡتُ كُلِّ شَىۡءٍ
وَّهُوَ يُجِيۡرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيۡهِ اِنۡ
كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۸۸

کہہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے
اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل پناہ نہیں ملتی
اگر تم جانتے ہو۔

سَيَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰهِ‌ ؕ قُلۡ فَاَنّٰى تُسۡحَرُوۡنَ ۝۸۹

کہیں گے اللہ کے لیے ہی ہے کہہ پھر تمہیں کہاں سے دھوکا لگتا ہے

بَلۡ اَتَيۡنٰهُمۡ بِالۡحَـقِّ وَاِنَّهُمۡ لَـكٰذِبُوۡنَ ۝۹۰

بلکہ ہم اُن کے پاس حق لائے اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں ۱

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنۡ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ
مَعَهٗ مِنۡ اِلٰهٍ‌ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ
بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعۡضُهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ‌ ؕ
سُبۡحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوۡنَ ۝۹۱

اللہ نے کوئی بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی (دوسرا)
معبود ہے اس صورت میں ہر ایک معبود اسے لیجاتا جو اس نے
پیدا کیا ہوتا اور ان میں سے ایک دوسرے پر بڑائی حاصل کرنے میں
لگا رہتا، اللہ اس سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں ۲

نمبر ۱۔ یہ حق توحید ہے۔ اوپر کی آیات میں تین باتوں کا اثبات کیا ہے۔ آیت ۸۴ و ۸۵ میں خلق کا اثبات صرف اللہ کے لیے ہے اور آیت ۸۶ و ۸۷ میں ربوبیت کا اور آیت ۸۸ و ۸۹ میں حکومت کا اور ان باتوں کا اقرار کفار کے منہ سے کرایا ہے کیونکہ ان باتوں کا اقرار مشرکوں کو بھی ہے کہ خلق اور ربوبیت اور حکومت اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے نہ مسیح کا نہ بتوں کا اور آخر پر فرمایا کہ دوسرے معبود بنانے میں خواہ وہ مسیح کی طرح خدا کا بیٹا کہلائے یا کوئی بت وغیرہ ہو مشرک جھوٹے ہیں۔

نمبر ۲۔ جب دو بادشاہ ایک ملک میں نہیں ہو سکتے تو اتنی بڑی مخلوق کا انتظام کس طرح قائم رہ سکتا ہے اگر خدا کے ساتھ کوئی اور بھی شریک ہو کیسی سیدھی اور قطعی دلیل ہے۔

عٰلِمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾	غیب اور حاضر کا جاننے والا، سو وہ اس سے بلند ہے جو وہ شریک بناتے ہیں۔
قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾	کہہ میرے رب اگر تو مجھے وہ دکھائے جس کا انھیں وعدہ دیا جاتا ہے۔
رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾	میرے رب تو مجھے ظالم لوگوں میں نہ رکھیو[۱]۔
وَ اِنَّا عَلٰۤى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾	اور ہم اس پر کہ تجھے وہ دکھائیں جس کا انھیں وعدہ دیتے ہیں قادر ہیں۔
اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾	بدی کو اس (بات) کے ساتھ دور کر جو بہت اچھی ہے۔ ہم خوب جانتے ہیں جو وہ بیان کرتے ہیں[۲]۔
وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾	اور کہہ میرے رب میں شیطانوں کی عیب جوئی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔
وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾	اور میرے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے سامنے آئیں۔
حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾	تو جب ان میں سے ایک کو موت آتی ہے کہتا ہے میرے رب مجھے لوٹاؤ[۳]۔

نمبر۱۔ اس دعا کا منشاء یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نزول عذاب اس حالت میں نہ ہو کہ آپ ان ظالم لوگوں کے اندر ہوں، کیونکہ یہ سورۃ مکی ہے اور واتقوا فتنۃ لا تصیبنّ الذین ظلموا منکم خاصۃ (الانفال - ۲۵) کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے۔ اگلی آیت میں بتا دیا کہ ان لوگوں کی قوت کا استیصال جنھوں نے حق کا استیصال کرنا چاہا آپ کی زندگی میں ہو جائے گا۔

نمبر۲۔ جو تمہارے ساتھ بدی کرتا ہے تم اس کے ساتھ نیکی کرو، یہ تمام راستبازوں کی تعلیم ہے اور حضرت مسیحؑ کے ساتھ اسے کوئی خصوصیت حاصل نہیں۔ لیکن یہ تعلیم باوجود ایک بلند پایہ تعلیم ہونے کے ہر حالت میں عمل میں نہیں آسکتی۔ قرآن کریم چونکہ ایک کامل کتاب تھی، اس لیے اس بلند پایہ تعلیم میں جو نقص تھا اُسے دُور کر کے پیش کیا ہے اور اس نقص کو دُور کرنے کے لیے ایک چھوٹا سا لفظ اِدْفَعْ اختیار فرمایا ہے یعنی بدی کو دفع کرنا اصل غرض ہو۔ اگر ایک بدی بالمقابل نیکی کرنے سے دور نہیں ہو سکتی تو اس وقت نیکی کرنے کا حکم قرآن شریف نے نہیں دیا بلکہ پھر جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا بھی ہے۔ بہر حال مقدم امر بدی کا دفع کرنا ہے اور اس کے دفع کرنے میں بہترین طریق اختیار کرنے کا حکم ہے اور یہ بہترین طریق بعض وقت بالمقابل نیکی کا اختیار کرنا ہے بعض وقت صرف بدی سے درگزر کرنا بعض وقت اس پر ملامت کرنا بعض وقت اس کی سزا دینا۔

نمبر۳۔ عام طور پر یہاں ھمزات الشیاطین سے مراد وساوس شیطانی لیے گئے ہیں اور آنحضرتؐ کو یہ حکم ہونا کہ وساوس شیطانی سے اللہ کی پناہ مانگو، بتاتا ہے کہ آپ وساوس شیطانی سے محفوظ تھے کیونکہ جو اللہ کی پناہ میں آتا ہے وہ شیطان سے محفوظ ہو جاتا ہے اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا میرا شیطان میرا فرمانبردار ہو گیا ہے اور وہ سوائے بھلائی کے مجھے کسی چیز کا حکم نہیں کرتا اور قرآن کریم میں کہیں ذکر نہیں کہ کبھی شیطان نے کوئی وسوسہ آنحضرت صلعم کے دل میں ڈالا۔ ہاں انجیل میں یہ ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شیطان نے بعض باتیں کہی تھیں جس کا مطلب صرف یہی ہو سکتا ہے کہ وہ وساوس آپ کے دل میں ڈالے تھے چنانچہ اس کا ذکر متی ۴: ۱تا ۱۰ میں ہے گو حضرت عیسیٰؑ نے ان وساوس کو رد کر دیا اور انھیں قبول نہیں کیا مگر آنحضرتؐ کا مقام بہت بلند ہے لیکن اگر

لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ
كَلَّا ۭ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ
وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝۱۰۰
فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ
بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَاۗءَلُوْنَ ۝۱۰۱
فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۰۲
وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝۱۰۳
تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ۝۱۰۴
اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ
بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝۱۰۵

تاکہ میں اس میں جسے چھوڑ آیا ہوں اچھا عمل کروں۔ ہرگز نہیں وہ ایک بات ہے جسے وہ کہے گا اور ان کے سامنے ایک روک ہے اس دن تک کہ وہ اٹھائے جائیں ۱؎۔

سو جب صور میں پھونکا جائے گا تو اس دن ان میں رشتہ داریاں نہ رہیں گی اور نہ ایک دوسرے سے (حال) دریافت کریں گے ۲؎۔

پس جس کے اچھے عمل بھاری ہوں گے تو وہی کامیاب ہوں گے۔

اور جس کے اچھے عمل ہلکے ہوں گے پس وہی ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو گھاٹے میں رکھا، جہنم میں رہیں گے۔

آگ ان کے مونہوں کو جھلس دیگی اور وہ اس میں بُرے منہ بنائے ہوئے ہونگے۔

کیا میری آیتیں تم پر نہ پڑھی جاتی تھیں، تو تم انھیں جھٹلاتے تھے۔

سیاق پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہاں شیاطین سے مراد رؤسائے کفار ہیں اور ان کے ہمزات سے مراد اُن کی عیب جوئی اور بدگوئی ہے جو وہ رسول اللہ صلعم کی کرتے تھے چنانچہ اوپر کی آیت میں نحن اعلم بما یصفون میں، صاف ان کی ان بدگوئیوں کا ذکر ہے اور انہی کے مقابل پر ادفع بالتی ھی احسن بھی فرمایا تھا اور بعد کی آیت میں صاف فرمایا حتی اذا جاء احدھم الموت یعنی انھیں شیطانوں میں سے ایک کو موت آتی ہے تو وہ یوں کہتا ہے جس سے صاف معلوم ہوا کہ اوپر ذکر رؤسائے کفر کا تھا اور ھمز کے معنی عیب اور ہماز کے معنی عیب لگانے والا ہیں۔

نمبر۱۔ برزخ وہ حالت ہے جو انسان کی موت سے لیکر قیامت تک ہے۔ قرآن کریم اور احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ موت کے بعد عذاب اور ثواب کا ایک رنگ شروع ہو جاتا ہے گو اس کا کامل ظہور قیامت کے دن ہی ہوگا مثلاً لوگ جو نیکی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقامات پر پہنچ گئے ہیں جیسے شہداء، اُن کو رزق کا ملنا یا مومن کی قبر میں جنت کی کھڑکی کا کھولا جانا جس کا ذکر احادیث میں ہے۔ ایسا ہی فرعون صفت لوگوں کا عذاب میں مبتلا ہونا معلوم ہوتا ہے۔ البتہ یہ حالت کامل انکشاف کی نہیں اور انسان کی زندگی کی اس حالت کے مشابہ ہے جو ماں کے پیٹ میں ہوتی ہے جس پر ایک پردہ اخفا کا رہتا ہے اور حالت برزخ بعض لوگوں کا عرصہ دراز اور بعض کا کم عرصہ رہنا قابل اعتراض نہیں، اس لیے کہ وقت کا احساس وہاں نہیں ہوگا اور یہ باتیں کہ روحیں عالم برزخ سے اس دنیا میں آتی رہتی ہیں اور وہ اپنے مکانوں وغیرہ میں جاتی ہیں محض قصے ہیں۔ ہاں رؤیا یا کشف میں ان کی ملاقات ایک علیحدہ رنگ رکھتی ہے۔

نمبر۲۔ فلا انساب بینھم سے مراد ہے کہ کوئی نسب فائدہ نہ دیگی یعنی صرف اعمال ہی فائدہ دیں گے اور یہ جو حدیث میں آتا ہے کہ قیامت کے دن ہر سبب اور نسب منقطع ہوگا سوائے میرے سبب اور نسب کے، تو اس سے یہ مراد نہیں کہ آنحضرت صلعم کے نسب سے ہونا نجات کے لیے کافی ہے اور اگر کوئی سید عیسائی ہو جائے تو بھی وہ نجات یافتہ ہوگا اور آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر فاطمہ بنت محمدؐ چوری کرے تو اس کے ہاتھ کاٹے جائیں۔ جب نسب اس دنیا کی سزا سے نہیں بچا سکتی۔ تو قیامت کی سزا سے کس طرح بچا سکتی ہے۔ بلکہ یہاں نسب اپنے وسیع معنی میں ہے یعنی آنحضرت کے ساتھ تعلق روحانی مراد ہے۔ ایک دوسرے سے دریافت نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ حال دریافت نہیں کریں گے۔ لکل امرئ منھم یومئذ شان یغنیہ (عبس۔ ۳۷)

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا
وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾

کہیں گے اے ہمارے رب ہماری بدبختی ہم پر غالب آگئی
اور ہم گمراہ قوم تھے۔

رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا
فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اے ہمارے رب ہمیں اس سے نکال دے پھر اگر ہم دوبارہ یہ کام
کریں تو ہم ظالم ہوں گے۔

قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾

کہیگا اسی میں ذلیل ہو کر پیچھے ہٹ جاؤ اور میرے ساتھ بات نہ کرو۔

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ
رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ
خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾

میرے بندوں میں سے ایک گروہ تھا وہ کہتے تھے ہمارے
رب ہم ایمان لائے سو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور
تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر ہے۔

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ
ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

تو تم نے اُن سے تمسخر کیا یہاں تک کہ گویا انھوں نے تمھیں میرا
ذکر بھلا دیا اور تم اُن پر ہنسی اڑاتے تھے [1]۔

اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا
اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

آج میں نے اُنھیں اُن کے صبر کرنے کا بدلہ دیا، کہ وہی
بامراد ہیں۔

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

کہے گا تم کتنے برس زمین میں رہے؟

قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ
فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾

کہیں گے ہم ایک دن یا دن کا کوئی حصہ رہے۔
سو گنتی کرنے والوں سے پوچھیئے۔

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ
كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

کہے گا تم رہے تو تھوڑا ہی، کاش! تم
جانتے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ
اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾

کیا تم خیال کرتے ہو کہ ہم نے تمھیں بیکار پیدا کیا ہے
اور کہ تم ہماری طرف نہیں لوٹائے جاؤ گے؟

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

سو اللہ بلند ہے بادشاہ ہے حق ہے اس کے سوائے کوئی معبود

نمبر۱۔ انسوکم ذکری۔ ذکر کے بھلا دینے کو مومنوں کی طرف منسوب کیا ہے مطلب صرف یہ ہے کہ تمھارا ان سے استہزا اس قدر بڑھا کہ تم اللہ کے ذکر کو بالکل بھول گئے گویا وہ ترک ذکر کا سبب بن گئے۔

رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾
وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾
وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ ع

نہیں وہ معزز عرش کا رب ہے۔
اور جو کوئی اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو پکارے گا جس کی اس کے پاس کوئی روشن دلیل نہیں تو اس کا حساب اس کے رب کے ہاں ہے۔ کافر ہی کامیاب نہیں ہوں گے۔
اور کہہ میرے رب حفاظت فرما اور رحم کر اور تو سب رحم کرنے والوں سے بہتر ہے۔

آیاتہا ۶۴ (۲۴) سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ ۱ رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱﴾
اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔
(یہ) ایک سورت ہے جسے ہم نے اتارا ہے اور اس (کے احکام) کو ضروری ٹھہرایا اور اس میں کھلے کھلے حکم اتارے ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔
زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والے مرد (کا حکم یہ ہے) کہ ان دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ، اور ان پر مہربانی تمہیں اللہ کے حکم کی تعمیل سے نہ روکے، اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہو اور چاہیئے کہ ان کی سزا کے وقت مومنوں کی ایک جماعت موجود ہو۲۔

نمبر۱۔ اس سورت کا نام النُّور ہے اور اس میں نو رکوع اور چونسٹھ آیات ہیں۔ اس کے پانچویں رکوع میں رسول اللہ صلعم کے ظہور کو ایک اعلیٰ درجہ کے مصفی دائمی اور کل عالم پر محیط نور سے تشبیہ دی ہے اور اسی لحاظ سے اس کا نام النُّور ہے اور یہاں بتایا ہے کہ آپ کا نور کل عالم پر محیط ہو جائے گا اور آپ کے بعد آپ کے جانشینوں کو حکومت ملے گی۔ یہ سورت بالاتفاق مدنی ہے اور حضرت عائشہؓ کے افک کا واقعہ جس کا اس میں ذکر ہے پانچویں سال ہجرت کا ہے اس لیے اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ بیشتر حصہ اس سورت کا پانچویں سال ہجرت کا ہے۔

نمبر۲۔ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ زانیہ اور زانی کو ایسے کوڑے کے ساتھ مارا جاتا تھا جس پر گانٹھ کوئی نہ ہوتی تھی اور نہ اس کی کوئی شاخ ہوتی تھی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس قسم کے کوڑے کے ساتھ مارنا بھی حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اجماع صحابہ سے شروع ہوا اور اس سے پہلے کبھی ہاتھ سے مارا جاتا تھا اور کبھی جوتی اور کبھی

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً ۫ وَّ الزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ③

بدکار مرد سوائے بدکار یا مشرک عورت کے کسی سے تعلق پیدا نہیں کرتا اور بدکار عورت کے ساتھ سوائے بدکار مرد یا مشرک کے کوئی تعلق پیدا نہیں کرتا اور یہ مومنوں پر حرام کیا گیا ہے ۱؎

وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَۃِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَۃً وَّ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَۃً اَبَدًا ۚ وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ④

اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ نہ لائیں ، تو انھیں اسّی کوڑے لگاؤ اور ان کی گواہی کبھی قبول نہ کرو ، اور وہی نافرمان ہیں ۲؎

تازہ شاخ سے، پھر یہ مارنا کپڑے اُتار کر اور ننگا کر کے نہیں بلکہ شافعیؒ اور احمدؒ کا قول ہے کہ اس پر ایک یا دو قمیصیں چھوڑ دی جائیں اور حضرت علیؓ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے ایک شخص کو حد لگائی اور اس پر قسطلانی کپڑا تھا اور ابن مسعودؓ سے ہے کہ اس امت میں تجرید یعنی ننگا کرنا اور مدّ یعنی کھینچنا یا کسی چیز سے باندھنا جائز نہیں البتہ پوستین یا روئی دار کپڑا اوپر سے پہنا ہوا ہو تو وہ اُتروا دینا چاہیئے کیونکہ ایسی صورت میں مار کا اثر چمڑے تک نہیں پہنچ سکتا اور مناسب ہے کہ سختی سے نہ مارا جائے اور بعض کے نزدیک صرف پیٹھ پر مارنا چاہیئے اور بعض کے نزدیک سوائے سر اور منہ اور ایسی جگہ کے جس پر مارنے سے ہلاکت کا خطرہ ہو تمام اعضاء پر تقسیم کر کے مارنا چاہیئے۔ قرآن کریم نے ایسی صراحت سے زنا کی سزا کا ذکر کر دیا ہے کہ رجم کے لیے کوئی گنجائش باقی نہیں چھوڑی اور حضرت عمرؓ کی طرف جو قول منسوب ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آیت رجم نازل ہوئی تھی اور ہم اسے پڑھتے رہے اور اس پر عمل کرتے رہے تو یہ قرآن کریم کی صراحت کے بالمقابل کسی طرح قابل قبول نہیں اور اس قول میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں کہ ایسا نہ ہو کہ زمانہ گزر جانے پر لوگ کہیں کہ ہم قرآن میں آیت الرجم نہیں پاتے تو یہ بے معنی بات ہے اور ایک قول میں یوں ہے کہ اگر کوئی کہنے والا یہ نہ کہتا کہ عمرؓ نے کتاب اللہ میں ایزادی کر دی تو میں آیۃ الرجم کو لکھ دیتا۔ یہ سب کچی باتیں ہیں اور اس سے بڑھ کر پھر یہ بات ہے کہ یہ آیت منسوخ التلاوت ہے لیکن اس کا حکم باقی ہے اور اس قسم کی باتوں سے سوائے اس کے کہ دشمنوں کو دین پر استہزا کا موقعہ ملے اور کچھ حاصل نہیں۔ ہمارے نبیؐ نے کسی آیت کو منسوخ نہیں کیا اور منسوخ التلاوۃ تو ہے ہی بے معنی بھلا جس حکم کے لفظ منسوخ ہو گئے وہ حکم کس طرح باقی رہ سکتا ہے۔ رہا یہ کہ رسول اللہ صلعم نے رجم کیا سو بظاہر وہ قرآن کریم میں اس حکم کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے اور ممکن ہے کہ آپ نے توریت کے حکم کے مطابق رجم کیا ہو اور یہ بھی اغلب ہے کہ ایسا واقعہ یہود کے متعلق ہوا ہو گا جن کی شریعت میں رجم کا حکم تھا اور قرآن کریم نے النساء ۲۵ میں نکاح شدہ مومن لونڈی کے لیے سزائے زنا نکاح شدہ آزاد عورت سے نصف قرار دے کر رجم کے خیال کو بالکل رد کر دیا ہے کیونکہ رجم کا نصف نہیں ہو سکتا۔ لیکن دُرّوں کا نصف ہو سکتا ہے پس قرآن حکیم کے نزدیک سزائے زنا خواہ نکاح شدہ مرد و عورت سے اس کا وقوع ہو یا ایسوں سے جن کا ابھی نکاح نہیں ہوا صرف دُرّے ہی ہے اور خود لفظ زنا کے معنے لغت میں صرف اسی قدر ہیں کہ بغیر عقد شرعی کے عورت کے ساتھ ہم بستری کی جائے۔

نمبر ۱۔ لفظ نکاح یہاں اپنے وسیع معنی میں ہے یعنی مراد اس سے ایک عورت اور ایک مرد کا جمع ہونا ہے اور عقد شرعی مراد نہیں اور یہ معنی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہیں اور لغت میں لفظ نکاح اس معنی میں آتا ہے معنی صاف ہیں کہ زنا کرنے والا مرد کسی پاک دامن مومن عورت سے ناجائز تعلق پیدا نہیں کر سکتا اگر کریگا تو کسی زانیہ عورت سے ہی کریگا یا کافر عورت سے اور ایسا ہی حال زنا کرنیوالی عورت کا ہے گویا اسلام انسان کا مرتبہ اس قدر بلند کر دیتا ہے کہ وہ ارتکاب زنا سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ ہاں چونکہ ناپاک انسان بھی بیچ بیچ میں ہی ہوتے ہیں اس لیے اگر کوئی ایسے ناپاک خیالات کا مرد ہے تو وہ اپنے جیسی ہی کسی ناپاک خیالات کی عورت کو پھسلا سکتا ہے یا کسی کافر عورت کو۔

نمبر ۲۔ چار گواہوں کو اس لیے ضروری ٹھہرایا کہ اس بات کے سچ ہونے میں کوئی شبہ نہ رہے۔ ہاں یہ قاضی یا مجسٹریٹ کی رائے پر انحصار ہے کہ قرائن کی شہادت کو بھی شامل کر لے۔ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر ایک شخص ہی دیکھے اور اسے گواہ نہ ملیں تو وہ کیا کرے۔ حکم قرآنی یہ ہے کہ ایسی صورت میں اسے تشہیر کا

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵

مگر جو بعد میں توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں تو اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۶

اور جو لوگ اپنی عورتوں پر تہمت لگائیں اور سوائے اپنے ان کا کوئی گواہ نہ ہو تو ان (تہمت لگانے والوں) میں سے ایک کی گواہی یہ ہے کہ اللہ کی قسم کے ساتھ چار بار گواہی دے کہ وہ سچوں میں سے ہے۔

وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۷

اور پانچویں (بار یہ کہ) اللہ کی لعنت اس پر ہو اگر وہ جھوٹوں میں سے ہے۔

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۸

اور عورت سے یہ بات سزا کو ٹال سکتی ہے کہ وہ اللہ کی قسم کے ساتھ چار بار گواہی دے کہ وہ (مرد) جھوٹوں میں سے ہے۔

وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۹

اور پانچویں (بار یہ) کہ اللہ کا غضب اس پر ہو اگر وہ سچوں میں سے ہے [1]۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝۱۰ ع

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی [2] اور اللہ رجوع برحمت کرنے والا حکمت والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ

جو جھوٹ بنا لائے تم ہی میں سے ایک گروہ ہے [3]۔

کوئی حق نہیں سوائے اس کے کہ وہ اپنی عورت سے ایسے فعل کا ارتکاب دیکھے جس کا علاج آیت ۶ میں بتایا ہے۔

نمبر۱۔ ان چار آیتوں میں جو صورت بیان کی گئی ہے وہ لعان کی صورت ہے اور پانچ مرتبہ قسم اٹھانا اس لیے ہے کہ تا دل پر واقعہ کے جھوٹ ہونے کی صورت میں خوف طاری ہو۔ لعان کے ساتھ شوہر اور عورت میں مفارقت لازم ہے اور ان کا نکاح دوبارہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح کی گواہی اکیلے شخص کی دوسری جگہ کیوں کافی نہیں اس لیے کہ دوسروں پر انسان جھوٹی تہمت بھی لگا سکتا ہے اپنی بیوی پر نہیں لگا سکتا۔

نمبر۲۔ ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ یہاں بغیر جواب کے مذکور ہے اور دوسرے رکوع کے آخر میں بھی اور تیسرے رکوع کی پہلی آیت میں بھی یہی الفاظ دوہرا کر جواب دیا ہے ما زکی منکم من احد ابدا (۲۱)۔ یعنی اللہ کے فضل اور رحمت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور تمہیں پاک کیا گیا۔ ورنہ زنا سے ملک عرب کی حالت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ اس پر فخر کیا جاتا تھا۔

نمبر۳۔ یہ واقعہ جس کی طرف اشارہ ہے پانچویں سال ہجرت کا ہے جب نبی کریم صلعم غزوہ بنی مصطلق سے واپس آ رہے تھے اور حضرت عائشہؓ کی زبانی بخاری میں مذکور ہے یہاں باختصار درج کیا جاتا ہے۔ نبی کریم صلعم جب سفر پر نکلا کرتے تو قرعہ اندازی سے ایک حرم کو ساتھ لیتے۔ اس غزوہ میں قرعہ میرے نام نکلا۔ سو میں رسول اللہ صلعم کے ساتھ نکلی، اس کے بعد آیت حجاب نازل ہو چکی تھی۔ واپسی پر جب ہم مدینہ کے قریب تھے تو رات کے وقت کوچ کا اعلان ہوا،

مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ	اسے اپنے لیے بُرا نہ سمجھو بلکہ وہ تمھارے لیے اچھا ہے
هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ	ان میں سے ہر شخص کے لیے وہی ہے جو اس نے
مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى	گناہ کمایا اور اُن میں سے جس نے اس کا بڑا بوجھ اپنے اوپر لیا،
كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾	اس کے لیے بڑا دکھ ہے ۱۔
لَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ	جب تم نے اُسے سُنا تھا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں
وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا	نے اپنے لوگوں پر نیک ظن کیوں نہ کیا اور (کیوں) کہا کہ یہ صریح
هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾	جھوٹ ہے ۲۔

میں قضائے حاجت کے لیے لشکر سے باہر نکل گئی۔ وہاں سے لوٹتے ہوئے میں نے دیکھا کہ میرا ہار گر گیا ہے اور اسے ڈھونڈھنے لگی ادھر قافلہ والوں نے میرا ہودہ اُٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا، اس خیال سے کہ میں اس کے اندر ہوں اور اس وقت عورتیں بہت ہلکی پھلکی تھیں کیونکہ کھانے کو بہت کم ملتا تھا اور میں تھی بھی نو عمر لڑکی پس وہ چلے گئے اور میں ہار تلاش کر کے واپس آئی تو کسی کو نہ پایا اور اس خیال سے اپنی جگہ پر بیٹھ گئی کہ جب مجھے ہودہ میں نہ پائیں گے تو واپس آئیں گے۔ اتنے میں میری آنکھ لگ گئی اور صفوان بن معطل لشکر کے پیچھے پیچھے رہا کرتا تھا تاکہ کوئی چیز رہ جائے یا گر جائے تو اسے اُٹھا لیا کرے، وہ اس مقام پر پہنچا تو ایک انسان کی شکل دیکھ کر میرے پاس آیا اور مجھے پہچان لیا کیونکہ حجاب سے پہلے وہ مجھے دیکھا کرتا تھا تب اس نے بلند آواز سے اناللہ پڑھا اور میں جاگ اٹھی تب اس نے اپنی اونٹنی بٹھا دی اور میں چڑھ گئی تو اس کی مہار پکڑ کر چل پڑا، یہاں تک کہ دوپہر کے وقت ہم لشکر سے مل گئے۔ اسی بنا پر بعض لوگوں نے طوفان اُٹھایا اور سب سے بڑا حصّہ اس میں عبداللہ بن ابی بن سلول نے لیا اُدھر میں مدینہ پہنچ کر بیمار ہو گئی اور ایک ماہ تک بیمار رہی مگر مجھے کوئی علم نہ تھا یہاں تک کہ مسطح کی ماں سے میں نے یہ قصّہ سُنا تب اس کی تصدیق کے لیے رسول اللہ صلعم سے اجازت چاہی کہ والدین کے گھر چلی جاؤں۔ ادھر آنحضرت صلعم نے اسامہؓ اور حضرت علیؓ سے مشورہ کیا تو اسامہؓ نے کہا کہ ہم نے سوائے بھلائی کے کوئی بات کبھی نہیں دیکھی اور حضرت علیؓ نے بریرہ (لونڈی) سے دریافت کرنے کو کہا، اس نے کہا کہ سوائے اس کے میں نے عیب کی بات نہیں دیکھی کہ وہ ایک کم سن لڑکی ہیں، اور کبھی آٹا گندھا ہوا چھوڑ کر سو جاتی ہیں تو بکری کھا جاتی ہے۔ ادھر مجھے دو راتیں اور ایک دن روتے گزر گئے۔ تب رسول اللہ صلعم آئے اور مجھ سے دریافت کیا۔ میں نے عرض کیا کہ اگر میں اپنی بریت کا اظہار کروں تو کون مانیگا اور اگر میں جھوٹ اقرار کر لوں تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ سچ نہیں پس سوائے اس کے کچھ نہیں کہتی جو حضرت یعقوبؑ نے کہا تھا فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون۔ پھر آپؐ پر وحی نازل ہوئی اور میری بریت ہوئی۔ اور حضرت عائشہؓ کی والدہ سے روایت ہے کہ جب حضرت عائشہ رضؓ نے طوفان کی خبر سنی تو غش کھا کر گر گئیں۔

اس واقعہ پر عیسائی مصنّفین نے بھی کچھ بیہودہ گوئی کی ہے، حالانکہ جانتے ہیں کہ اگر عائشہؓ صدیقہ پر الزام لگا تو مریمؑ صدیقہ پر بھی تو لگا تھا اور یہاں تو ادنیٰ وجہ بھی شک کی نہیں۔ بلکہ صرف منافقوں کی شرارت تھی جو ہمیشہ اسلام کو نقصان پہنچانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔

نمبر ا۔ اس واقعہ کو خیر اس لیے کہا کہ نتیجہ میں بھلائی تھی اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی بھلائی کے لیے ان کو آئندہ ایسی باتوں میں شمولیت سے روک دیا۔ اصل تشہیر کرنے والا تو گروہ منافقین ہی تھا چار شخصوں کا نام اس واقعہ میں بالخصوص لیا گیا ہے یعنی عبداللہ بن ابی۔ حمنة جو ام المومنین زینب بنت جحش کی بہن تھیں۔ مسطح جو حضرت ابوبکرؓ کے عزیزوں میں سے تھے اور حسان بن ثابتؓ اس میں اختلاف ہے کہ ان پر قذف کی حد لگائی گئی یا نہیں اور والذی تولی کبرہ کا مصداق جیسا کہ بخاری سے ثابت ہے۔ عبداللہ بن اُبی ہی ہے جس نے اپنے چیلوں کے ذریعہ سے اس جھوٹ کو پہلے خود بنایا، پھر خوب شہرت دی۔ مگر بعض لوگوں نے غلطی سے حسان بن ثابت کو سمجھ لیا ہے۔

نمبر ۲۔ مومنوں کو آپس میں حسن ظن سے کام لینا چاہیئے اس لیے کہ وہ ایک دوسرے کے اندرونی حالات کا علم رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ایک مومن جو خدا کی رضا کو چاہنے والا ہے اس قسم کے شنیع فعل کا ارتکاب نہیں کر سکتا اور پھر آٹھ یا دس گھنٹے کی علیحدگی میں بدوں کسی پہلے تعلق کے جو ممکن طور پر ہوتا

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ
فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ
عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

کیوں نہ اس پر چار گواہ لائے ،
پس جب گواہ نہیں لائے ، تو اللہ کے نزدیک یہی
جھوٹے ہیں ۱؎

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ
فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِىْ مَآ
اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ۚۖ

اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر دنیا اور
آخرت میں نہ ہوتی تو جس بات کا تم نے چرچا کیا تھا ،
اس کی وجہ سے تمھیں بھاری عذاب پہنچا ہوتا۔

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ
بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ
وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾

جب تم اپنی زبانوں سے اسے لیتے تھے اور اپنے
مونہوں سے وہ بات کہتے تھے جس کا تمھیں کوئی علم نہ تھا
اور تم اسے آسان سمجھتے تھے اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی بھاری بات تھی۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ
لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا
بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾

اور جب تم نے اُسے سنا تو کیوں نہ کہا کہ ہمیں یہ مناسب نہیں کہ اس
کے متعلق باتیں کریں (اے اللہ) تیری ذات پاک ہے یہ تو بڑا
بہتان ہے۔

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ۚ

اللہ تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ ایسی بات پھر کبھی (نہ) کرو،
اگر تم مومن ہو۔

وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾

اور اللہ تمھارے لیے آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ
علم والا حکمت والا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ
فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ

جو لوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی (کی باتیں) ان لوگوں میں پھیلیں
جو ایمان لائے ان کے لیے دنیا اور آخرت میں

اتنی بلند پایہ عورت سے جیسے کہ صدیقہ تھیں محمد رسول اللہ صلعم جیسے مزکّی انسان کی زوجہ ، ابوبکر صدیق جیسے پاکباز کی بیٹی سے کس طرح ایسے گندے فعل کا ارتکاب ہو سکتا تھا جو ایک بدمعاش خبیث انسان کا کام تھا۔ پھر اس کا بنانے والا عبداللہ بن ابی جیسا دشمن اسلام۔ ادنیٰ تامل بھی بتا سکتا تھا کہ یہ ایک بہتان ہے اور یہ کہنا کہ خود نبی کریم صلعم کو بھی شک ہو گیا تھا یہ بھی آپ پر بہتان ہے آپ نے نزول آیت سے پہلے وعظ فرمایا کہ میں اپنے اہل کی نسبت بھلائی کا ہی علم رکھتا ہوں۔

نمبر ۱۔ ایسے معاملہ کی تشہیر کرنا جس پر ایک بھی شہادت نہیں کاذب کے سوائے اور کس کا کام ہو سکتا ہے اور اللہ کا حکم یہی ہے کہ ایسے آدمی کو کاذب سمجھا جائے جو بغیر شہادت کے پاک دامن عورتوں پر تہمتیں لگاتا اور ان کی تشہیر کرتا ہے۔

فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ
وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾

دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ جانتا ہے، اور تم
نہیں جانتے۔

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ
ع ۸ وَ اَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۰﴾

اور اگر کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی اور
کہ اللہ مہربان رحم کرنے والا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
الشَّیْطٰنِ ؕ وَ مَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ
فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ
وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ
مَا زَكٰی مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّ لٰكِنَّ
اللّٰهَ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۱﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو شیطان کے قدموں کی پیروی
نہ کرو، اور جو کوئی شیطان کے قدموں کی پیروی کرتا ہے تو
(شیطان) بے حیائی اور بُرائی کے لیے ہی کہتا ہے اور اگر تم پر
اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی، تو کوئی بھی
تم میں سے کبھی پاک نہ ہوتا۔ لیکن اللہ جسے چاہتا ہے،
پاک کرتا ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ ۱

وَ لَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ
اَنْ یُّؤْتُوْۤا اُولِی الْقُرْبٰی وَ الْمَسٰكِیْنَ
وَ الْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۪ۖ وَ لْیَعْفُوْا
وَ لْیَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ
اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۲﴾

اور تم میں سے بزرگی اور وسعت والے لوگ یہ قسم نہ
کھائیں کہ وہ قریبیوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ
میں ہجرت کرنے والوں کو نہیں دیں گے اور چاہیئے کہ
معاف کریں اور در گزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ
اللہ تمھاری مغفرت کرے اور اللہ حفاظت کرنیوالا رحم کرنیوالا ہے۔ ۲

نمبر ۱۔ یہ رکوع پہلے دونوں رکوعوں کے لیے بطور تتمہ کے ہے عرب کے لوگ ہر قسم کے افعال شنیعہ کے ارتکاب کی وجہ سے شیطان کے پیچھے لگے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مزکی بھیج کر کس طرح ان تمام ناپاکیوں سے انھیں صاف کیا تو جس راستباز انسان کی قوتِ قدسی سے سارا ملک پاک ہوگیا کیا اس کا گھر اس کی قوت قدسی سے پاک نہ ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہؓ صدیقہ کے افک کے ذکر سے پہلے بھی یہ لفظ آئے ہیں دیکھو آیت ۱۰ اور اس ذکر کے خاتمہ پر بھی یہی لفظ آئے ہیں دیکھو آیت ۲۰۔

نمبر ۲۔ مسطح جو تشہیر افک میں ملوث ہوا حضرت ابوبکرؓ کی خالہ یا ہمشیرہ کا بیٹا تھا، بدر میں شامل تھا اور فقراء مہاجرین میں سے تھا اور حضرت ابوبکرؓ اس کی امداد کیا کرتے تھے۔ قصۂ افک میں ملوث ہونے کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ نے اس کی امداد بند کر دی، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ جن میں حضرت ابوبکرؓ کو فضل والا یعنی بلحاظ دین بزرگی والا اور وسعت والا یعنی مال دنیوی کے لحاظ سے فراخ دست فرمایا ہے اور یہ حکم دیا کہ امداد سے ہاتھ نہ روکو اور حضرت ابوبکرؓ نے امداد جاری رکھی۔ کس قدر فراخ دلی کی یہ تعلیم ہے کہ دنیا میں اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ محمد رسول اللہ صلعم کی بیوی اور حضرت ابوبکرؓ کی بیٹی اس پر اتنا بڑا اتہام باندھا جاتا ہے اور محمد رسول اللہ پر ہی یہ وحی ابوبکرؓ کی ہدایت کے لیے نازل ہوتی ہے کہ طوفان باندھنے والوں کی امداد سے ہاتھ نہ روکو۔ کس قدر بڑے دل کا انسان یہ رسول ہے جس کی بیوی پر طوفان باندھا جاتا ہے اور اس پر وحی نازل ہوتی ہے کہ طوفان باندھنے والوں کی امداد سے کنارہ کشی نہ کی جائے اور کس قدر وسعتِ قلب اس کے اس شاگرد کی ہے کہ بیٹی پر بہتان باندھنے والے کی امداد بھی کرتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ
الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ
وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۲۳﴾

جو لوگ پاک دامن بے خبر مومن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا اور آخرت میں لعنت ہے اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے۔

يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَ
أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۴﴾

جس دن اُن کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے خلاف اس کی گواہی دیں گے جو وہ کرتے تھے۔

يَوْمَئِذٍ يُوَفِّيهِمُ اللّٰهُ دِينَهُمُ الْحَقَّ
وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿۲۵﴾

اس دن اللہ انھیں ان کا ٹھیک بدلہ پورا پورا دے گا، اور جان لیں گے کہ اللہ ہی حق (اور) کھولنے والا ہے۔

الْخَبِيثٰتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ
لِلْخَبِيثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِينَ وَ
الطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ أُولٰئِكَ مُبَرَّءُونَ
مِمَّا يَقُولُونَ ۖ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ
كَرِيمٌ ﴿۲۶﴾ ع

پلید چیزیں پلید لوگوں کے لیے اور پلید لوگ پلید چیزوں کے لیے ہیں۔ اور اچھی چیزیں اچھے لوگوں کے لیے ہیں اور اچھے لوگ اچھی چیزوں کے لیے ہیں، یہ لوگ ان باتوں سے بری ہیں جو وہ کہتے ہیں، ان کے لیے مغفرت اور عزت والا رزق ہے [1]۔

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا
غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا
عَلٰى أَهْلِهَا ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۲۷﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوائے (دوسرے) گھروں میں داخل نہ ہو جب تک کہ اجازت نہ لے لو اور ان کے رہنے والوں پر سلام نہ کر لو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو [2]۔

نمبر ۱۔ خبیثات اور طیبات سے مُراد بُرے اور اچھے اقوال یا اعمال ہیں مطلب یہ ہے کہ ناپاک منافقوں کے لیے ایسی ہی ناپاک باتیں رہ گئی ہیں نہ ان کے اپنے دل میں پاک خیالات آتے ہیں نہ دوسروں کی طرف انھیں منسوب کرتے ہیں اور اولٰئک میں اشارہ ان پاک لوگوں کی طرف ہے جن پر اتہام باندھا گیا خصوصاً اہل بیت نبوی۔

نمبر ۲۔ اس رکوع میں وہ علاج بتائے ہیں جو مسلمانوں کو زنا اور تہمتیں لگانے سے بچا سکتے ہیں۔ انہی میں سے پہلی بات ہے کہ گھروں میں بغیر اجازت کے اور السلام علیکم کہنے کے داخل نہ ہوں کیونکہ ناگہاں دوسرے کے گھر میں داخل ہونے سے بدظنی کے موقعے بھی پیدا ہوتے ہیں اور بدی کے بھی اور دوسرے انسان اپنے گھر میں ہر وقت ایسی حالت میں نہیں ہوتا کہ وہ پسند کرتا ہو کہ دوسرا اُسے اس حالت میں دیکھے۔ علٰحدگی یا خلوت ہر انسان کا حق ہے جس میں کوئی دوسرا دخل دینے کا مجاز نہیں۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں نے اب یہ اصول اجازت حاصل کرنے کا بالکل ترک کر دیا ہے اور یورپ نے اس اصول کو لے لیا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو بہت سے اسلامی تعلیم کے اصول سے مسلمان دُور پڑے ہوئے ہیں اور دوسری قومیں ان پر عامل ہیں۔ اسلام کے ذریعہ جو فائدہ مسلمانوں کو پہنچ سکتا ہے وہ تو اس کے اصول پر عمل پیرا ہونے سے پہنچ سکتا ہے نہ برائے نام مسلمان کہلانے سے پس اگر اصول اسلامی کو مسلمان چھوڑ دیں اور دوسری قومیں ان پر عامل ہوں تو فوائد اسلامی سے بھی مسلمان محروم ہونگے اور دوسری قومیں ان سے بہرہ در ہوں گی۔ حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ اپنی ماؤں اور بہنوں کے گھر جاؤ تو بھی اجازت لے کر جاؤ۔

فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فِيۡهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدۡخُلُوۡهَا
حَتّٰى يُؤۡذَنَ لَكُمۡ ۚ وَاِنۡ قِيۡلَ لَكُمُ
ارۡجِعُوۡا فَارۡجِعُوۡا هُوَ اَزۡكٰى لَكُمۡ ؕ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِيۡمٌ ﴿۲۸﴾

پھر اگر ان میں کسی کو نہ پاؤ تو ان میں داخل نہ ہو جب تک
کہ تمھیں اجازت نہ دی جائے اور اگر تمھیں کہا جائے کہ لوٹ
جاؤ تو لوٹ جاؤ وہ تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ ہے اور
جو تم کرتے ہو اللہ اُسے جانتا ہے ۱؎

لَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا بُيُوۡتًا
غَيۡرَ مَسۡكُوۡنَةٍ فِيۡهَا مَتَاعٌ لَّكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ
يَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۲۹﴾

تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم غیر آباد گھروں میں داخل ہو جاؤ
جن میں تمھارا اسباب ہو، اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر
کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ يَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِهِمۡ
وَيَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَهُمۡ ؕ ذٰلِكَ اَزۡكٰى لَهُمۡ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا يَصۡنَعُوۡنَ ﴿۳۰﴾

مومنوں کو کہہ دو اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی
شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں یہ ان کے لیے زیادہ
پاکیزہ ہے اللہ اس سے خبردار ہے جو وہ کرتے ہیں ۲؎

وَقُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنٰتِ يَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِهِنَّ
وَيَحۡفَظۡنَ فُرُوۡجَهُنَّ وَلَا يُبۡدِيۡنَ
زِيۡنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَلۡيَضۡرِبۡنَ

اور مومن عورتوں کو کہہ دے اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور
اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کو ظاہر
نہ کریں سوائے اس کے جو (عادتاً) کھلا رہتا ہے ۳؎ اور چاہیے

نمبر۱۔ کس قدر پاکیزہ اور سادگی کی تعلیم ہے آج اوّل تو مسلمانوں میں باہم تعلقات محبت کی جگہ بغض پھیلا ہوا ہے پھر اگر کوئی کسی کی ملاقات کو جائے اور وہ اس وقت کسی مصروفیت کی وجہ سے نہ مل سکے تو یہ ہمیشہ کے تعلقات سے منقطع ہونے کے لیے کافی سمجھا جاتا ہے بعض مہاجرین کا قول نقل کیا ہے کہ انھوں نے اپنی ساری عمر اس بات کو چاہا کہ وہ کسی سے ملنے جائیں تو انھیں کہا جائے واپس ہو جاؤ تا کہ اس حکم الٰہی کی بھی تعمیل ہو اور ایسا موقعہ نہیں ملا۔ یہ روح احکام قرآنی کی تعمیل کی ہم میں پیدا ہونی چاہیے۔

نمبر۲۔ غضِ بصر یعنی مردوں اور عورتوں کو ایک دوسرے کے سامنے آتے وقت اپنی آنکھوں کو نیچا رکھنا بدنظری سے اور بالآخر زنا سے بچنے کی بہترین تدبیر ہے اور اس غرض کے لیے قرآن میں یہاں یہ حکم دیا ہے۔

نمبر۳۔ علاوہ اس حکم کے جو دونوں کو دیا عورتوں کو یہ بھی حکم ہے کہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں سوائے اس کے جو اُن سے عادتاً ظاہر ہوتا ہے ماظہر منہا کے معنی ہیں کہ عام ضروریات انسانی کے لیے بعض مقام کو کھلا رکھنا پڑتا ہے اس کے سوائے اور زینت کو ظاہر نہ کریں چنانچہ یہی معنی امام رازی نے قفال سے نقل کیے ہیں الا ما یظہرہ الانسان فی العادۃ الجاریۃ اور یہی معنی روح المعانی میں لیے گئے ہیں الا ما جرت العادۃ والجبلۃ علی ظہورہ ابن جریر قول نقل کر کے لکھتے ہیں کہ صحیح تر قول ما ظہر منہا میں یہی ہے کہ اس سے مراد منہ اور ہاتھ ہیں اس کی دلیل انھوں نے یہ دی ہے کہ نماز میں عورت کو اپنا منہ اور ہاتھ کھلا رکھنے کا حکم ہے اور ابو داؤد میں حدیث ہے کہ اسماء باریک کپڑے پہن کر نبی صلعم کے سامنے آئیں تو آپ نے فرمایا عورت جب حیض کی عمر کو پہنچ جائے تو پھر مناسب نہیں کہ سوائے ہاتھ اور منہ کے کچھ کھلا رکھے۔

اب ہم اگر واقعات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اس میں جو حصہ عادتاً سب انسانوں کو کھلا رکھنا پڑتا ہے وہ منہ اور ہاتھ ہیں عام حالت انسانی میں اس کے بغیر

بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۠ وَلَا يُبْدِيْنَ
زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ
بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ
اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ
اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ
مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ
يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۠ وَلَا يَضْرِبْنَ
بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ
وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۱
وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ
مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا

کہ اپنی اوڑھنیاں اپنے سینوں پر ڈال لیں ۱؎ اور اپنی زینت
کو (اور کسی کے سامنے) ظاہر نہ کریں سوائے اپنے خاوندوں کے
یا اپنے باپوں کے یا اپنے خاوندوں کے باپوں کے یا اپنے بیٹوں کے
یا اپنے خاوندوں کے بیٹوں کے یا اپنے بھائیوں کے یا اپنے بھائیوں کے
بیٹوں کے یا اپنی بہنوں کے بیٹوں کے یا اپنی عورتوں کے یا ان کے جن کے
داہنے ہاتھ مالک ہیں یا مردوں میں سے ایسے خادموں
کے جو (عورتوں کی) حاجت نہیں رکھتے یا لڑکوں
کے جو عورتوں کے پردے کی باتوں سے واقف نہیں ۲؎
اور اپنے پاؤں کو (اس طرح) زمین پر نہ ماریں کہ اُن کے
چھپے ہوئے زیور معلوم ہو جائیں اور اے مومنو سب کے سب
اللہ کی طرف رجوع کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ
اور جو تم میں سے مجرد ہیں ان کے نکاح کر دو اور اپنے غلاموں
اور لونڈیوں کے بھی جو صلاحیت رکھتے ہوں اگر وہ محتاج ہونگے

چارہ نہیں چند آسودہ حال لوگوں کو چھوڑ دیا جائے تو کیا مسلمانوں میں اور کیا غیروں میں بڑی بھاری کثرت انہی لوگوں کی ہوگی، چونکہ مردوں اور عورتوں دونوں کو اشغالِ زندگی کے لیے جدوجہد کرنی پڑتی ہے اور شاید بمشکل پانچ فیصد لوگ ایسے ہوں گے جو عورتوں کے معاش کے کاروبار میں حصہ لیے بغیر گزارہ کر سکتے ہیں اور بغیر منہ اور ہاتھ کھلے رکھنے کے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ پس قرآن کریم کا منشاء یہی ہے کہ ضروریات انسانی کے مطابق جن حصوں کو عادتاً کھلا چھوڑا جاتا ہے ان کے علاوہ عورتیں دیگر مقاماتِ زینت کو ڈھانک لیا کریں۔

نمبر۱۔ بعض وقت یہ کہا جاتا ہے کہ اگر منہ کھلا رہا تو پھر پردہ بے معنی ہے۔ اس مشکل کو الفاظ ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن صاف کرتے ہیں۔ عرب میں بعینہٖ وہی دستور تھا جو آج یورپین عورتوں میں ہے کہ وہ گردن اور کندھے اور سینہ کا کچھ حصہ اظہارِ حُسن کے لیے کھلا چھوڑتی تھیں۔ تو اسلام نے ان مقامات کو عورت میں داخل کر دیا یعنی چھپانے کے مقامات میں اور اس کی طرز بھی ساتھ ہی بتا دی کہ اپنی اوڑھنیاں گردن پر ڈال لیں۔ اوڑھنی اصل میں وہ چیز ہے جو سر کو ڈھانکتی ہے۔ مگر اوڑھنی ایسے رنگ میں بھی اوڑھی جا سکتی ہے کہ سوائے سر کے باقی محاسن ظاہر رہیں اس لیے حکم دیا کہ اوڑھنی ایسی صورت میں اوڑھی جائے کہ گریبان کو ڈھانک لے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ گردن اور سینہ اور کانوں کے محاسن سب پردہ کے نیچے آ جائیں گے اور ایسا ہی کنپٹیاں، زُلفیں اور گال جو پیشانی کو زینت دیتے ہیں وہ سب ڈھک جائیں گے اسلام نے اسی بات کو روکا ہے کہ عورت اپنے محاسن کی نمائش کر کے باہر نکلے اور لوگوں کے لیے موجب فتنہ ہو۔ کاروبار کی ضروریات نہیں روکا جن کے لیے منہ اور ہاتھ کھلے چھوڑنے پڑتے ہیں۔

نمبر۲۔ اوما ملکت ایمانھن میں غلام تو شامل ہیں البتہ نوکر شامل نہیں ہو سکتے۔ سوائے ایسے نوکروں کے جیسے خاکروب جن کی حیثیت غلاموں سے بھی بدتر ہے دوسرے ملازمین سے اس قدر پردہ رکھ کر جیسے باہر نکلنے میں ہے کام لینے میں حرج نہیں۔

فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ
وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٣٢﴾

تو اللہ اپنے فضل سے ان کو غنی کر دے گا اور اللہ
فراخی والا علم والا ہے ١۔

وَ لْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا
حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ الَّذِيْنَ
يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ
فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ
وَّ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ
وَ لَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ
اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا ؕ وَ مَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ
بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٣﴾

اور جو شادی (کا سامان) نہیں پاتے اپنے تئیں بچائے رکھیں
یہاں تک کہ اللہ اپنے فضل سے انھیں غنی کر دے اور جن کے
تمھارے داہنے ہاتھ مالک ہیں ان میں سے جو آزادی کی
تحریر مانگیں تو انھیں لکھ دو اگر تم ان میں بھلائی جانتے ہو
اور ان کو اللہ کے مال سے وہ جو اس نے تمھیں دیا ہے ٢۔
اور اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاکدامن رہنا چاہتی ہیں بدکاری پر
مجبور نہ کرو، تاکہ تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہو اور جو کوئی
انھیں مجبور کرے گا تو اللہ ان کے جبر کے بعد بخشنے والا
رحم کرنے والا ہے ٣۔

وَ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّ
مَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ
ع وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٤﴾

اور ہم نے تمھاری طرف کھول کر بیان کرنے والی آیتیں
اتاریں اور کچھ ان لوگوں کے حالات جو تم سے پہلے گزر چکے
ہیں اور متقیوں کے لیے نصیحت۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ مَثَلُ

اللہ آسمانوں اور زمین کا روشن کرنے والا ہے ٤۔ اس کے

نمبر١۔ ایمٰی کا لفظ ہر مجرد پر حاوی ہے مرد ہو یا عورت۔ نکاح کر کے اپنے زوج کو کھو چکا ہو یا ابھی نکاح ہی نہ کیا ہو، گو خصوصیت سے رانڈ یا رنڈوے پر بولا جاتا ہے اور یہاں عام ہی ہے اور مراد یہ ہے کہ نکاح ضروری ہے اور مجردوں سے بدکاری پیدا ہوتی ہے اور یہاں بھی ان اسباب کا ذکر کیا ہے جن سے بدکاری اور زناکاری رکے اس لیے یہ بھی بتا دیا کہ حتی الوسع نکاح ہونے چاہئیں یہاں تک کہ غلاموں اور لونڈیوں کے بھی ہونے چاہئیں بعض بیوہ عورتوں کو نکاح سے روکتے ہیں وہ احکام قرآنی کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

نمبر٢۔ نکاح کے ذکر میں غلاموں کی کتابت کا ذکر کیا، یعنی غلاموں کو آزاد کرنے کا۔ منشا یہ ہے کہ وہ آزاد ہو کر نکاح کو زیادہ پسند کریں گے اور یہاں مکاتبت کی شرط یہ رکھی ہے ان علمتم فیہم خیرا۔ اگر تمھیں بھلائی کا علم ہو یعنی یہ دیکھ لو کہ وہ آزاد ہو کر اپنے لیے بھی اور قوم کے لیے بھی مفید ہو سکتے ہیں۔

نمبر٣۔ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ لونڈیوں سے زنا کراتے اور اس کی اجرت سے فائدہ اٹھاتے تھے اس ناپاک رسم کو مٹایا ان اردن تحصنا میں محض صورت حال کا بیان ہے یہ منشا نہیں کہ کوئی لونڈی ایسا فعل جبر کے بغیر کرے تو مالک کے لیے ایسا جائز ہے اور اس آیت کے یوں بھی معنے ہو سکتے ہیں کہ اگر تمام لونڈیاں اس سے آزادی حاصل کر کے نکاح کرنا چاہتی ہیں اور تم انھیں روکتے ہو تو گویا تم انھیں زنا پر مجبور کرتے ہو گویا ایسی حالت میں ضرور آزادی دینی چاہیئے۔

نمبر٤۔ عربی زبان میں جب کمال صفت کا کسی میں اظہار کرنا ہو تو وہی صفت اس پر بول دیتے ہیں جیسے بڑے سخی کو جود۔ اسی طرح یہاں نور سے مراد منور یعنی روشن

نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ
فِىْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ
دُرِّىٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ
زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ
يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِىْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ
نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ
مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ
لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ۙ ﴿۳۵﴾
فِىْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ
فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ

نور کی مثال (ایسی ہے) جیسے ایک طاق میں ایک چراغ ہے
چراغ ایک شیشہ میں ہے، شیشہ گویا کہ ایک
چمکتا ہوا تارہ ہے (چراغ) ایک بابرکت زیتون کے
درخت سے روشن ہو رہا ہے، جو نہ شرقی ہے اور نہ غربی
قریب ہے کہ اس کا تیل روشنی دے، گو اسے آگ بھی نہ
چھوئے۔ روشنی پر روشنی ہے اللہ اپنے نور کے لیے جسے چاہتا
ہے ہدایت کرتا ہے اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان کرتا
ہے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ۱؎
یہ نور ان گھروں میں ہے جو اللہ نے حکم دیا ہے کہ بلند کیے جائیں
اور ان میں اس کا نام یاد کیا جائے ان میں اس کی تسبیح صبح اور

کرنے والا ہے یا ہادی۔ جیسے ابن جریر نے کہا ہے۔

نمبر ا۔ اللہ تعالیٰ جو منور اور ہادی ہے اس کے نور کی یہاں مثال بیان کی ہے اور اس کے نور سے مراد اس کی ہدایت یا اس کا رسول ہی ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کو بھی نور کہا ہے قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین (المائدۃ ۱۵) اور اگلے الفاظ میں جو مثال بیان کی ہے وہ محمد رسول اللہ صلعم کی مثال ہی ہے اور یہ کعب سے مروی ہے اس نور کو پہلے مثال طاق سے دی ہے جس میں چراغ رکھا جاتا ہے اور اس سے اشارہ قلب رسول کی طرف ہے۔ پھر اس طاق یعنی قلب میں چراغ موجود ہے اور اس سے مراد فطری نور الٰہی ہے اور وہ فطری نور نہایت صاف ہے کیونکہ وہ شیشہ میں ہے اور شیشہ یا قندیل میں جو چراغ ہو وہ دھواں نہیں دیتا گویا آپ کا فطری نور ایسا ہے کہ اس میں ادنیٰ شائبہ ظلمت کا نہیں ہے اور وہ شیشہ ایسا نہیں کہ اس نور کو کم کر دے بلکہ ایک چمکتے ہوئے ستارہ کی طرح ہے گویا وہ فطری نور مصفّٰے بھی ہے اور نہایت درجہ کا چمکدار بھی یعنی کمزور نور نہیں۔ پھر اس چراغ میں جو تیل ہے جس سے وہ چراغ روشن ہے وہ ایک بابرکت درخت سے ہے اور مبارک وہ ہے جس کی خیر منقطع نہ ہو یعنی نور کبھی بجھے گا نہیں اور دائمی ہوگا اور وہ زیتون ہے، اس لیے کہ زیتون کے تیل میں کمال درجہ کی صفائی ہوتی ہے پھر وہ نہ فقط شرقی ہے نہ فقط غربی بلکہ مشرق و مغرب دونوں کی خصوصیات کو اپنے اندر جمع رکھتا ہے اور اس کا نور بھی مشرق و مغرب دونوں کے لیے ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ اسی نور کے ذریعہ سے انجام کار مشرق و مغرب دونوں مل جائیں گے اور آپ کی ذات بابرکات جامع شرق و غرب ہے اور آپ کا نور کل عالم پر محیط ہے اور اس کے محل وقوع کی طرف بھی اشارہ ہے کہ وہ نہ مشرق میں ہے یعنی مشرقی ممالک میں سے اور نہ مغرب میں یعنی مغربی ممالک بلکہ مشرق اور مغرب کے درمیان میں ہے اور عرب اسی طرح واقع ہے اور یہ جو فرمایا یکاد زیتھا یضیئ ولولم تمسسہ نار۔ تو اس میں یہ اشارہ ہے کہ نور فطری اپنی روشنی تب دیتا ہے جب تعلق باللہ سے جو نار پیدا ہوتی ہے وہ اسے چھوئے مگر محمد رسول اللہ صلعم کا نور فطری اس قدر زبردست ہے کہ وہ خود ہی روشن ہو جانے کو تیار تھا اور اس میں رسول اللہ صلعم کی بعثت سے پہلے کی زندگی کی طرف اشارہ ہے کہ وہ پہلے سے ہی ایک نہایت درجہ کی پاکیزہ زندگی تھی اور مخلوق خدا کی ہدایت کے سوائے آپ کے دل میں کوئی تڑپ نہ تھی اور اس کا نور کمال کو پہنچا ہوا تھا۔ تب تعلق باللہ کی نار نے اس فطری نور کو روشن کیا اور اس قلب صافی پر وحی الٰہی کا نزول ہوا اور نور علیٰ نور بن گیا کہ ایک تو وہ فطری نور اس کمال کو پہنچا تھا پھر دوسرا نور وحی الٰہی کا اس پر آ پہنچا اس لیے وہ نور علیٰ نور کا مصداق ہو گیا اور یہدی اللہ لنورہ من یشاء میں اسی ہدایت وحی کی طرف اشارہ ہے جو محمد رسول اللہ صلعم کے قلب صافی پر نازل ہوئی۔

وَ الْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾	شام کے وقتوں میں کرتے رہتے ہیں ۱؎
رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ	(ایسے) لوگ جنھیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے
عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ	اور نماز قائم کرنے سے اور زکوٰۃ دینے سے غافل نہیں کرتی۔
الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ	اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں اُلٹ
الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾	جائیں گی ۲؎
لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ	تاکہ اللہ انھیں اس کا بہترین بدلہ دے جو وہ کرتے ہیں اور اپنے
مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ	فضل سے انھیں زیادہ دے اور اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب
بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾	کے رزق دیتا ہے۔
وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ	اور جو کافر ہیں ان کے عمل چٹیل میدان میں چمکتی ریت کی طرح
بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى	ہیں، جسے پیاسا پانی سمجھتا ہے یہاں تک کہ جب اس کے پاس
اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ	آتا ہے اسے کچھ بھی نہیں پاتا اور اللہ کو اپنے پاس پاتا ہے
عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ	سو وہ اس کا حساب اُسے پُورا پُورا دے دیتا ہے اور اللہ جلد
سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾	حساب لینے والا ہے ۳؎
اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ	یا جیسے گہرے سمندر میں اندھیرے اس کے اوپر ایک لہر چڑھی
مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ	آرہی ہے اس کے اوپر ایک اور لہر ہے اس کے اوپر بادل ہے۔
ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ اَخْرَجَ	اندھیرے ہیں جو ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہیں جب وہ اپنا
يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَ مَنْ لَّمْ	ہاتھ نکالتا ہے تو اسے دیکھ بھی نہیں سکتا اور جسے اللہ روشنی نہ

نمبرا۔ اب بتایا کہ وہ نور ہدایت کہاں ہے۔ فی بیوت بعض گھروں میں ہے اور ان بیوت سے مراد یا تو مسجدیں ہیں اور یا عام گھر اور دونوں معنی مروی ہیں اور ترفع سے مراد یہاں تعظیم ہے یعنی دنیا میں ان کا نام بلند ہو اور عام گھر مراد لے کر یہ لفظ زیادہ مناسب موقع ہے کیونکہ وہ گھر جنھیں دنیا میں کوئی جانتا بھی نہ تھا یعنی مکہ اور مدینہ کے بغیر دروازوں کی جھونپڑیاں، ان کا نام دنیا کے چاروں کناروں میں روشن ہوا اس لیے کہ وہاں اللہ کے نام کی تسبیح ہوئی۔

نمبر۲۔ چونکہ پیچھے ذکر تھا کہ صبح شام اس کی تسبیح کرتے ہیں تو یہاں بتایا کہ وہ راہبوں کا گروہ نہیں جو دنیا سے الگ ہو کر تسبیح میں لگ گئے ہوں بلکہ وہ تجارت اور بیع بھی کرتے ہیں ہاں یہ مشاغل دنیوی ان کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے غافل نہیں کرتے۔

نمبر۳۔ کافروں کے اعمال کو سراب سے مشابہت دی ہے گویا دُور سے کچھ نظر آتا ہے مگر فی الحقیقت کچھ نہیں کیونکہ ان کے اعمال سارے دنیا کے لیے ہوتے ہیں وجد اللّٰہ عندہٗ یعنی اس کا محاسبہ موجود ہوتا ہے۔

ع يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ﴿٤٠﴾

دے اسے رکہیں بھی، روشنی نہیں ملتی ۱؎

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٤١﴾

کیا تو نے غور نہیں کیا کہ اللہ (وہ ہے کہ) اس کی تسبیح کرتے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور پر پھیلائے ہوئے پرندبھی ، ہرایک، اپنی دعا اور اپنی تسبیح کو جانتا ہے اور اللہ اسے جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿٤٢﴾

اور اللہ کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور اللہ کی طرف ہی انجام کار پھر کر جانا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿٤٣﴾

کیا تو نے غور نہیں کیا کہ اللہ بادل کو چلاتا ہے پھر اسے اکٹھا کرتا ہے پھر اسے تہ بتہ کرتا ہے پھر تو بارش کو اس کے اندر سے نکلتے ہوئے دیکھتا ہے اور وہ بادل سے جو پہاڑوں کی طرح ہیں ، اولے برساتا ہے ، پھر وہ اُسے پہنچاتا ہے جسے چاہتا ہے اور جس سے چاہتا ہے اُسے ہٹائے رکھتا ہے قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر دے ۲؎۔

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿٤٤﴾

اللہ دن اور رات کو پھیرتا رہتا ہے اس میں آنکھوں والوں کے لیے عبرت ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ

اور اللہ نے ہر ایک جاندار کو پانی سے پیدا کیا ، سو

نمبر ۱۔ یہ دوسری مثال کفار کے اعمال کی ہے پہلی مثال تو اعمال دنیا کی بلحاظ نتائج کے ہے۔ یہ دوسری مثال اس دنیا کی زندگی کے متعلق ہے۔ کافر کے لیے اس دنیوی زندگی میں تاریکی ہی تاریکی ہے۔ بحر لجی گویا جہالت کا سمندر ہے جس میں وہ غرق ہے اور موج پر موج کا آنا واقعات کے تھپیڑے ہیں جن کی وجہ سے وہ حیرت میں کبھی ایک طرف جھکتا ہے اور یا مصیبت پر مصیبت مراد ہے اور کبھی دوسری طرف اور اس کے اوپر بادل ہے یعنی سماوی روشنی بالکل رُکی ہوئی ہے اور اس قدر ضلالت اور حیرت میں ہے کہ اپنا ہاتھ بھی نہیں دیکھ سکتا۔

نمبر ۲۔ یہاں اولوں کے برسانے کا ذکر اور ان سے بعض کو مبتلائے مصیبت کرنے کا ذکر اس غرض کے لیے ہے کہ بارش جو رحمت الٰہی ہے بعض لوگوں کے لیے ان کے اعمال کی وجہ سے مصیبت بھی بن جاتی ہے اور برق کی چمک سے آنکھوں کے لے جانے میں جس سے مراد اُن کا خیرہ کرنا ہے۔ اشارہ عظیم الشان کامیابیوں کی طرف ہے جو آنکھوں کو خیرہ کردیں گی اور اگلی آیت میں رات اور دن کے ادل بدل میں بھی اشارہ ایک قوم کی کامیابی اور ایک کی ناکامیابی کی طرف ہے۔ جیسا کہ خود بتا دیا کہ اس میں عبرت ہے یعنی ظاہری نظارہ سے گزر کر سبق لینا چاہیئے۔

فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَ مِنْهُمْ	کوئی اُن میں سے وہ ہے جو اپنے پیٹ پر چلتا ہے اور کوئی
مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ	ان میں سے وہ ہے جو دو پاؤں پر چلتا ہے اور کوئی ان میں سے
يَّمْشِيْ عَلٰۤى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ	وہ ہے جو چار (پاؤں) پر چلتا ہے اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا
اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴۵	ہے ۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۱
لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ	ہم نے کھول کر بیان کرنے والی آیتیں آتاری ہیں اور اللہ جسے
مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۴۶	چاہتا ہے سیدھے رستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے ۔
وَ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا	اور کہتے ہیں ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے ہیں اور اطاعت
ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ	کرتے ہیں پھر اس کے بعد ان میں سے ایک فریق پھر جاتا ہے اور
وَ مَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۷	یہ لوگ مومن نہیں ۔
وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ	اور جب انھیں اللہ اور اسکے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ ان کے
بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝۴۸	درمیان فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک گروہ منہ پھیرنے والا ہوتا ہے
وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا	اور اگر حق ان کی جانب ہو تو وہ اس کی طرف فرمانبرداری کرتے
اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ؕ ۝۴۹	ہوئے دوڑے آتے ہیں ۲
اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ	کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا وہ شک میں ہیں یا
يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ	ڈرتے ہیں کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے ساتھ بے انصافی
ع رَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۵۰	کریں گے ۔ بلکہ وہ خود ہی ظالم ہیں ۳

نمبر ۱۔ یہ بھی ظاہری قدرت کا ایک نظارہ ہے اور اشارہ یہ ہے کہ جس طرح حیوانات میں مختلف اقسام ہیں ۔ انسانوں میں بھی ہیں پیٹ پر چلنے والے تو بالکل زمین کے ساتھ لگے رہتے ہیں اور زمین سے اوپر اُٹھتے ہی نہیں ۔ اس کے مقابل دو پاؤں پر چلنے والے ہیں جو زمین پر سیدھے کھڑے رہتے ہیں جیسے انسان اور پھر ایک درمیانی قسم ہے چار پاؤں پر چلنے والے اور ان کے سر بھی زمین کی طرف ہی جھکے رہتے ہیں ۔ گو وہ بالکل زمین سے پیوست نہیں ۔

نمبر ۲۔ یہ منافقوں کا ذکر ہے اللہ اور رسول پر ایمان کا دعویٰ مگر قرآن کے احکام کی پروا نہ کرنا اپنی خواہش کے مطابق بات ہو تو قرآن و حدیث کی حکومت کے آگے سر نیچا کرنا اور یہ ظاہر کرنا کہ ہم تو اسی کو مانتے ہیں عملاً یہ آج کل مسلمانوں کی حالت ہے ۔

نمبر ۳۔ یعنی خدا اور اس کے رسول کے حکم سے انحراف کی وجہ کیا ہو سکتی ہے سوائے اس کے کہ یا دل میں بیماری ہو یعنی نفاق کی حالت یا اس کے خدا اور رسول کے حکم ہونے میں شک ہو یا یہ خیال ہو کہ اللہ اور اس کا رسول کسی کے ساتھ نا انصافی کریں گے اور یہ تینوں باتیں شان ایمان سے بعید ہیں ۔ پس مومن کہلا کر اللہ اور اس کے رسول کے حکم سے انحراف کرنا کسی طرح جائز نہیں ۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوٓا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥١﴾

مومنوں کا جواب جب وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں، تاکہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، یہی ہوتا ہے کہ کہیں ہم نے سُن لیا اور ہم فرمانبرداری کرتے ہیں اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں ۱

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُونَ ﴿٥٢﴾

اور جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اور اللہ سے ڈرتا ہے اور اس کا تقویٰ اختیار کرتا ہے تو یہی بامراد ہیں۔

وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ۖ قُلْ لَا تُقْسِمُوا ۖ طَاعَةٌ مَعْرُوفَةٌ ۚ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٥٣﴾

اور وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں نہایت زور کی قسمیں کہ اگر تو انھیں حکم دے تو وہ نکل کھڑے ہوں گے کہہ قسمیں نہ کھاؤ دستور کے مطابق فرمانبرداری چاہیئے اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔

قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ ۖ وَإِنْ تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا ۚ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِينُ ﴿٥٤﴾

کہہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر وہ پھر جائیں تو اس پر صرف وہ پہنچا دینا اس کے ذمہ ڈالا گیا، اور تم پر وہ واجب ہے جو تمھارے ذمہ ڈالا گیا اور اگر اس کی اطاعت کرو گے تو سیدھے رستے پر رہو گے اور رسول کے ذمے سوائے کھول کر پہنچا دینے کے کچھ نہیں ۲

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ

اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں وعدہ کیا ہے کہ وہ انھیں زمین میں خلیفہ بنائیگا، جیسا انھیں خلیفہ بنایا جو اُن سے پہلے تھے اور وہ ان کے لیے ان کے دین کو جو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے مضبوطی سے قائم کردیگا اور وہ ان کے لیے ان کے خوف کے بعد

نمبر۱۔ جب پچھلے رکوع میں ان لوگوں کا ذکر کیا جو منہ سے ایمان لانے کا دعوے کرتے ہیں مگر اللہ اور اس کے رسول کے فیصلوں کی پروا نہیں کرتے تو یہاں بتایا سچے مومن کون ہیں اور ان دونوں باتوں کے ذکر کی ضرورت یہ ہے کہ اب مومنوں کے لیے حکومت اور بادشاہت کا وعدہ دیا جاتا تھا اور اس وعدہ میں شرط ایمان اور عمل صالح ہیں تو پس بتایا کہ صرف نام کی فرمانبرداری ان وعدوں کا مستحق نہیں ٹھیرا سکتی۔

نمبر۲۔ اس آیت میں رسول کی اطاعت سے مراد کسی صورت میں رسالت کی اطاعت نہیں ہوسکتی بلکہ رسول بشر کی اطاعت ہی ہے کیونکہ علیہ ما حمل بتاتا ہے کہ وہی رسول بشر ہے جو کسی بات کا مکلف کیا گیا ہے۔ مکلف انسان ہوسکتا ہے نہ پیغام۔ یہ آیت اہل قرآن پر قطعی حجت ہے جو بشر رسول کی اطاعت کے منکر ہیں۔

اٰمِنًا ؕ یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ
بدل کر امن (کی حالت) کر دیگا وہ میری عبادت کرینگے، میرے ساتھ

شَیۡئًا ؕ وَ مَنۡ کَفَرَ بَعۡدَ ذٰلِکَ
کسی کو شریک نہ کریں گے اور جو کوئی اس کے بعد کفر کرے

فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿٥٥﴾
تو وہی نافرمان ہیں ؎۱

وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ
اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو، اور رسولؐ کی

وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿٥٦﴾
اطاعت کرو، تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

لَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مُعۡجِزِیۡنَ
(یہ) خیال نہ کر کہ جو کافر ہیں وہ زمین میں (ہمیں)

فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَ مَاۡوٰىہُمُ النَّارُ ؕ وَ
ہرا دینے والے ہیں اور ان کا ٹھکانا آگ ہے

ع لَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿٥٧﴾
اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِیَسۡتَاۡذِنۡکُمُ
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جن کے تمھارے داہنے ہاتھ

الَّذِیۡنَ مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ وَ الَّذِیۡنَ لَمۡ
مالک ہیں۔ اور وہ جو تم میں سے بلوغ کو نہیں پہنچے چاہیئے

یَبۡلُغُوا الۡحُلُمَ مِنۡکُمۡ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنۡ
کہ تین دفعہ تم سے (اندر آنے کی) اجازت لے لیا کریں۔ نماز فجر

نمبر۱۔ اس آیت میں تین وعدے صراحت سے دئے گئے ہیں۔ اوّل وعدہ استخلاف، دوم تمکین دین، سوم خوف کی جگہ امن قائم کر دینا۔ وعدہ استخلاف سے عموماً مراد صرف حکومت اور بادشاہت کا ملنا لیا گیا ہے مگر استخلاف کا لفظ وسیع ہے اور یہاں کفار کے استخلاف کا ذکر نہیں اور پھر یہاں ذکر امت کا ہے جو رسول سے الگ کر کے کیا گیا ہے کیونکہ اس آیت سے پہلے بھی اور بعد بھی اطاعت رسول کو فلاح اور فوز کے لیے ضروری قرار دیا ہے تو پس یہاں مراد یہی ہے کہ امتِ محمدیہ کو آنحضرت صلعم کی خلافت دی جائے گی اور آنحضرت صلعم سے امت کو خلافت ملنا خلافت کے دونوں معنوں کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی امارت یا حکومت بھی اور ولایت بھی جیسا کہ لفظ خلیفہ میں یہ دونوں مفہوم شامل ہیں کیونکہ نیابت سے مراد ہے کہ جو کچھ رسول اللہ صلعم کو دیا گیا وہ آپ کی اُمت کو بھی دیا جائے گا اور آپ کو بادشاہت بھی دی گئی اور ہدایت اور ارشاد خلق کا کام بھی دیا گیا اور بنی اسرائیل کو جس کی طرف یہاں الفاظ کما استخلف الذین من قبلھم میں اشارہ کیا گیا ہے بادشاہت اور نبوت دونوں دئے گئے۔ اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم ملوکاً (المائدہ۔ ۲۰) البتہ پہلے سلسلہ بنی اسرائیل میں خلافت میں نبوت بھی شامل تھی اس لیے کہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کامل نہ تھی بلکہ اپنے اپنے اوقات میں انبیائے بنی اسرائیل ہدایت و رشد اپنے اپنے زمانہ کے مطابق لاتے رہے اور ایسا ہی حضرت موسیٰؑ اپنی امت کے لیے کامل نمونہ نہ تھے بلکہ الگ الگ اخلاق کے الگ الگ نمونے ان میں ہوتے رہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حدیث نبوی ہے کانت بنو اسرائیل تسوسہم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی وانہ لا نبی بعدی وسیکون خلفاء یعنی بنی اسرائیل کی رہنمائی نبی کرتے تھے جب ایک نبی فوت ہو جاتا دوسرا اس کا جانشین ہو جاتا اور میرے بعد کوئی نبی نہیں اور خلفا ہونگے۔ پس وہاں بادشاہت اور نبوت تھی یہاں بادشاہت اور ولایت رہے گی اس دُہری خلافت میں بعض وجود تو ایسے ہوئے کہ وہ دونوں امور یعنی سلطنت اور رشد و ہدایت کو جمع رکھتے تھے۔ جیسے خلفائے راشدین مہدیین یعنی خلفائے اربعہ جنھوں نے آنحضرت صلعم کے بعد جسمانی اور روحانی دونوں قسموں کی بادشاہت کو اپنے وجود میں جمع کیا اور اس کے بعد عموماً بادشاہت اور ولایت کا سلسلہ الگ الگ چلا اور خلافت روحانی میں اگرچہ اصل ولایت ہی ہے مگر کسی شخص کے منہاج نبوت پر کھڑا کیا جانے کا ذکر بھی صحیح حدیث میں موجود ہے اور یہ حدیث ابوداؤد نے بیان کی ہے اِنَّ اللّٰہَ یَبۡعَثُ لِھٰذِہِ الۡاُمَّۃِ عَلٰی رَاۡسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنۡ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیۡنَھَا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر صدی کے سر پر ایک مجدد مبعوث کرتا رہے گا۔ اور امام سیوطی کہتے ہیں اتفق الحفاظ علی تصحیحہ۔ یعنی حدیث کے حافظ اس کی صحت پر اتفاق رکھتے ہیں۔

قَبۡلِ صَلٰوةِ الۡفَجۡرِ وَحِيۡنَ تَضَعُوۡنَ
ثِيَابَكُمۡ مِّنَ الظَّهِيۡرَةِ وَ مِنۡۢ بَعۡدِ صَلٰوةِ
الۡعِشَآءِ ۛ ثَلٰثُ عَوۡرٰتٍ لَّكُمۡ ؕ لَيۡسَ
عَلَيۡكُمۡ وَلَا عَلَيۡهِمۡ جُنَاحٌۢ بَعۡدَهُنَّ ؕ
طَوّٰفُوۡنَ عَلَيۡكُمۡ بَعۡضُكُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ ؕ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ ؕ
وَ اللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۵۸﴾
وَ اِذَا بَلَغَ الۡاَطۡفَالُ مِنۡكُمُ الۡحُلُمَ
فَلۡيَسۡتَاۡذِنُوۡا كَمَا اسۡتَاۡذَنَ الَّذِيۡنَ مِنۡ
قَبۡلِهِمۡ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ ؕ
وَ اللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۵۹﴾
وَ الۡقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِىۡ لَا يَرۡجُوۡنَ
نِكَاحًا فَلَيۡسَ عَلَيۡهِنَّ جُنَاحٌ اَنۡ يَّضَعۡنَ
ثِيَابَهُنَّ غَيۡرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيۡنَةٍ ؕ وَ اَنۡ

سے پہلے اور جب تم (گرمی کی) دوپہر کو
اپنے کپڑے اتار دیتے ہو اور عشاء کے بعد
تین وقت تمھارے پردے کے ہیں - ان
کے بعد نہ تم پر اور نہ ان پر کوئی گناہ ہے۔
تم ایک دوسرے کے پاس پھرتے پھراتے ہی رہتے ہو،
اسی طرح اللہ تمھارے لیے حکم کھول کر بیان کرتا ہے اور
اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ۱۔
اور جب تم میں سے لڑکے بلوغ کو پہنچ جائیں تو چاہیئے کہ وہ
(اندر آنے کی) اجازت لے لیا کریں، جس طرح وہ اجازت لیتے
رہے جو ان سے پہلے ہیں- اسی طرح اللہ اپنے حکم تمھارے لیے
کھول کر بیان کرتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔
اور بڑی عمر کی عورتیں جو نکاح کی امید نہیں رکھتیں ان پر کوئی گناہ
نہیں کہ وہ اپنے (اوپر کے) کپڑے اتار رکھیں، بغیر اس کے
کہ سنگار دکھاتی پھریں اور وہ اپنے آپ کو بچائے رکھیں تو

نمبر۱- اس رکوع میں بظاہر بعض چھوٹی چھوٹی باتیں بیان کی ہیں اور مراد اس سے یہ سمجھانا ہے کہ بڑی بڑی بدیاں چھوٹے چھوٹے امور کی طرف توجہ کرنے سے رُک جاتی ہیں- اس آیت میں خلوت کی قدر سکھائی ہے - پچھلے رکوع میں بادشاہت کا وعدہ تھا جس کا حصول ہر قوم کا پہلا مقصد ہوتا ہے مگر انسان کو راحت صرف اسی سے نہیں پہنچتی بلکہ اس کے گھر کے اندر چھوٹی چھوٹی باتیں بھی اس کی راحت میں معاون ہوتی ہیں اور انہی سے اس کے لیے یہ دنیا کی زندگی بہشت یا دوزخ کا نمونہ بنتی ہے اور بالخصوص میاں بیوی کے محبت آمیز تعلقات میں تسکین قلب ملتی ہے پس جو امور اس میں مخل ہو سکتے ہیں انھیں روکا ہے یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دیگر اوقات میں غلام اور نابالغ لڑکے آجا سکتے ہیں گویا ان سے پردہ نہیں اور نہ انھیں اذن لینے کی ضرورت ہے مگر میاں بیوی میں بے تکلفی کی حالت اور محبت آمیز امور دوسرے لوگوں کے سامنے نہ ہونے چاہئیں - یورپ کی تہذیب نے ان امور کو جو خلوت سے تعلق رکھنے تھے جلوت میں لا کر اخلاق انسانی کا ستیاناس کر دیا ہے اور فسق و فجور کی رُو تمام حد بندیوں سے باہر نکل گئی ہے - جوان مرد اور عورتیں کھلے میدانوں میں منہ کر دہ کام کرتے ہیں جنھیں دیکھ کر شرم بھی شرما جاتی ہے - جن باتوں کو چھوٹا سمجھا جاتا ہے وہی آج کے فسق و فجور کا اصل علاج ہے اور یورپ آج عرب سے زیادہ ان ہدایات کا محتاج ہے اور یہ جو فرمایا حین تضعون ثیابکم تو مراد اس سے دن کا لباس اُتار دینا اور سونے کے لباس کا پہن لینا ہے ننگے ہونا مراد نہیں جیسا کہ آگے بوڑھی عورتوں کے ذکر میں آتا ہے۔
ان یضعن ثیابھن وہ اپنے کپڑے اتار دیں اور مراد خاص ان کپڑوں کا اتارنا ہے جو زینت کے مقاموں کو ڈھانکنے کے لیے پہنے جاتے ہیں۔

يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ⑥٠ — ان کے لیے بہتر ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے ا

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ — اندھے پر کوئی تنگی نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی تنگی

حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى — ہے ، اور نہ بیمار پر کوئی تنگی ہے ، اور نہ خود

اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ — تم پر کہ تم اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپوں

بُيُوْتِ اٰبَاۗىِٕكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ — کے گھروں سے یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا

بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ — اپنے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے

بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ — یا اپنے چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے

بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ — یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے

مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ۭ — یا وہ جس کی چابیوں کے تم مالک ہو یا اپنے دوست کے (گھر سے)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا — تم پر کوئی گناہ نہیں کہ سب اکٹھے کھاؤ یا الگ الگ ۲

نمبر ا- تبرج حسن کو نمایاں کرکے دکھانا ہے اور تبرج کی اصل حقیقت یہ ہے کہ تکلف سے ان محاسن کو ظاہر کرے ، جن کا چھپانا واجب ہے اور
تبرج ایسا اظہار زینت ہے جس سے مرد کی شہوت کو تحرک میں لایا جائے اور عرب میں عورتوں کا بناؤ سنگار کرکے باہر نکلنا اسی طرح مروج تھا جس طرح یورپ میں مروج ہے
اس آیت میں ان عورتوں کو پردہ کے کپڑے اتار دینے کی اجازت دی ہے جو عمر رسیدہ ہو گئی ہوں - یوں معمر عورتیں پوری آزادی کے ساتھ باہر نکل
سکتی ہیں اور ہر قسم کے کاروبار میں پورا حصہ لے سکتی ہیں -

نمبر ۲- اندھے اور لنگڑے اور بیمار پر ہرج نہ ہونے سے کیا مراد ہے جس بات میں ہرج نہیں اسے خود بیان فرما دیا ہے ان تاکلوا من بیوتکم او بیوت آبائکم
یعنی اس بات میں ہرج نہیں کہ ایسے معذور لوگ اپنے قریبی عزیزوں کے گھروں سے کھانا کھالیں - اصل غرض تو اس بات کا بیان کرنا ہے کہ کسی شخص پر تنگی نہیں ڈالی گئی کہ وہ
اپنے عزیزوں اور قریبیوں کے گھر سے کھانا نہ کھائے ، کیونکہ جب اور پر عزیز سے عزیز یہاں تک کہ ماں اور باپ اور بہن کے گھر جانے کے لیے اجازت ضروری ٹھیرائی تو
اس سے یہ خیال گزرنا ممکن تھا کہ ان کے ساتھ معاملہ غیروں کا سا ہے اس لیے کسی قسم کی بے تکلفی بھی جائز نہیں اور اس بے تکلفی میں بڑا حصہ یہ ہے کہ انسان دوسرے کے
گھر سے کھانا کھالے - اس لیے فرمایا کہ اُن کے گھروں سے کھانا کھانے کی ممانعت نہیں ہے گویا بتایا کہ اجازت لینے کی ضرورت اَور وجوہات پر ہے - اس وجہ پر کہ ان کو غیر سمجھا
گیا ہے اور اس کی ابتدا اس بات سے کی کہ اندھے لنگڑے بیمار پر کوئی تنگی نہیں کہ وہ اپنے عزیزوں کے گھروں سے کھانا کھائیں ، اس لیے کہ بوجہ معذور ہونے کے اس
بات کے مستحق تھے کہ انھیں ایسی اجازت دی جاتی اور اُن کے خصوصیت سے ذکر میں یہ اشارہ ہے کہ وہ اس بات کے اہل ہیں کہ انھیں کھانا کھلایا جائے اور یا جس
بات میں ہرج نہیں اس کا ذکر لیس علیکم جناح ان تاکلوا جمیعا او اشتاتاً میں کیا ہے یعنی ان کے ساتھ مل کر کھانے میں بھی ہرج نہیں اور اگر کوئی صورت کراہت
وغیرہ کی ہو تو اس میں بھی ہرج نہیں کہ ایسے معذور لوگوں سے علیحدہ کھانا کھالیا جائے - بیوتکم کے معنی اپنے گھر ہیں یعنی جہاں انسان کے بیوی بچے ہوں اور اس کا
ذکر اس لیے کیا کہ قریبی رشتہ داروں کے گھر ایسے ہی ہیں جیسے اپنے گھر مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان دوسرے رشتہ داروں پر بوجھ بن کر پڑا رہے بلکہ مطلب صرف
اس قدر ہے کہ اگر ان کے گھر جائے اور کھانے کا وقت ہو تو وہاں سے کھانا کھا لینے میں ہرج نہیں - قرآن شریف کا ایک ایک لفظ موجودہ تہذیب کی بیماریوں کے
علاج کے لیے نازل ہوا ہے علم اور تہذیب کے دعویداروں کو یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ باپ کے گھر بیٹا یا بیٹے کے گھر باپ یا بھائی کے گھر بہن یا چچا کے گھر بھتیجا مہمان
جائے تو وہ اخلاق انسانی کو جواب دے کر کھانے کا بل اُن کے سامنے نہ رکھا کریں - او ما ملکتم مفاتحہ سے مراد ایک قول میں جائداد کا منتظم ہے کہ وہ اس
جائداد سے اپنی خوراک کے لیے لے سکتا ہے -

اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا
عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ
مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ
الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۶۱ ع

پس جب تم گھروں میں داخل ہو تو اپنے لوگوں کو سلام کہا کرو، دعائے خیر اللہ کی طرف سے برکت دی گئی پاکیزہ۔ اسی طرح اللہ تمھارے لیے حکم کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ
وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ
جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ
الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ
لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ
وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۶۲

مومن وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور جب کسی بات کے لیے جہاں جمع ہونے کی ضرورت ہے اس کے ساتھ جمع ہوتے ہیں، تو جاتے نہیں جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے لیں وہ لوگ جو تجھ سے اجازت لے لیتے ہیں وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں، پس جب وہ اپنے کسی کام کے لیے تجھ سے اجازت مانگیں تو تو ان میں سے جسے چاہے اجازت دیدے اور ان کے لیے استغفار کر اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۱ـ

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ
بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

رسول کے بلانے کو آپس میں ایسا قرار نہ دو جیسا ایک دوسرے کو بلانا ہے ۲ـ اللہ ان لوگوں کو جانتا ہے جو تم میں سے چھپ کر

نمبر۱: امر جامع وہ امر ہے جس کی اتنی اہمیت ہو کہ لوگ اس کے لیے اکٹھے ہو جائیں گویا خود اس امر نے ہی لوگوں کو جمع کیا ہے۔
چونکہ پچھلے رکوع میں خانگی امور کی اہمیت پر زور دیا تھا تو اب بتایا ہے کہ اس میں بھی افراط نہ ہو قومی یا دینی معاملات ذاتی معاملات پر ترجیح رکھتے ہیں پس جب کسی قومی یا دینی معاملہ کے لیے طلب کیا جائے تو نہ صرف حاضر ہوں بلکہ حاضری کے بعد بھی نہ جائیں جب تک کہ رسول اللہ صلعم سے اجازت نہ لے لیں۔ آج مسلمانوں کی مجالس قومی کی یہ حالت ہے کہ اول تو وہاں لوگ آتے نہیں اور جو آتے ہیں تو پابندی کا کوئی خیال نہیں فاذن لمن شئت منہم بتاتا ہے کہ خانگی امور ایسے نہیں کہ ہر ضرورت کے لیے اجازت دیدی جائے بلکہ کوئی اہم معاملہ ہو یا بہت نقصان ہوتا ہو تو اجازت دینی چاہیئے اور رسول کے بعد امام کی اجازت بکار ہوگی یا کسی مجلس میں اس کے صدر کی
نمبر۲. یہاں صاف فرمایا کہ رسول اللہ کا بلانا تمھارے ایک دوسرے کو بلانے کی طرح نہیں، کیونکہ ایک دوسرے کا بلانا ذاتی یا دنیوی ضروریات کے لیے ہوتا ہے اور رسول کا بلانا محض اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بعض نے دعاء الرسول سے مراد رسول کا اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا لیکر آنحضرت صلعم کی استجابت دعا کا یہاں سے استنباط کیا ہے اور بعض نے دعاء الرسول سے مراد لیا ہے لوگوں کا رسول کو بلانا اور اس سے یہ استنباط کیا ہے کہ جس طرح ایک دوسرے کو یا فلاں کہہ کر پکارا جاتا ہے اس طرح آنحضرت صلعم کو نام لیکر نہیں پکارنا چاہیئے بلکہ یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہہ کر پکارنا چاہیئے۔ مگر حقیقت میں دعاء الرسول سے مراد رسول کا دین حقہ کی طرف دعوت دینا ہے اور اہم دینی امور کے لیے بلانا اس میں آجاتا ہے اور سیاق اسی معنی کو چاہتا ہے اور رسول اللہ صلعم نے جو دعوت دی تھی تو اس کا منشاء یہ تھا کہ دین حق دنیا میں پھیلایا جائے اور لوگوں کو نیکی کی تعلیم دی جائے اور بری باتوں سے روکا جائے۔ آج مسلمان رسول اللہ صلعم کی اس دعوت کو ایک دوسرے کی دعوت کی طرح بھی قرار نہیں دیتے۔ ایک دوسرے کو جس کام کی طرف بلاتے ہیں ادھر رخ کرنا آسان ہو رہا ہے مگر رسول اللہ صلعم کی دعوت کی طرف توجہ نہیں کرتے، الا ماشاء اللہ اسی کا نتیجہ فتنہ یا عذاب الیم ہے جس میں اس وقت مسلمان مبتلا ہیں۔

يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾

نکل جاتے ہیں۔ پس چاہیئے کہ وہ لوگ ڈریں جو اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں کہ وہ آزمائش میں نہ پڑیں یا انھیں دردناک عذاب نہ پہنچے۔

اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ قَدْ يَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۗ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾ ع

سُن رکھو اللہ کے لیے ہی ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ جانتا ہے جس (حال) پر تم ہو اور جس دن اس کی طرف لوٹائے جائیں گے تو وہ انھیں اس کی خبر دے گا جو وہ کرتے تھے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

اٰیاتھا ۷۷ (۲۵) سُوْرَةُ الْفُرْقَانِ مَكِّيَّةٌ ۱ رکوعاتھا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۙ ﴿۱﴾

وہ (ذات) بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان اتارا، تاکہ وہ تمام جہان کے لیے ڈرانے والا ہو۔ ۲

الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَىْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ﴿۲﴾

وہ وہی ہے جس کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور اس نے کوئی بیٹا نہیں بنایا اور نہ حکومت میں اس کا کوئی شریک ہے اور اس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کے لیے ایک اندازہ ٹھیرایا۔ ۳

نمبر۱۔ اس سورت کا نام الفرقان ہے اور اس میں چھ رکوع اور ۷۷ آیات ہیں۔ الفرقان کے نزول کا ذکر اس سورت کی پہلی ہی آیت میں ہے اور اس سورت میں چونکہ یہ دکھایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلعم کی تشریف آوری سے کیسا کھلا کھلا فرق حق و باطل میں ہو گیا ہے اس لیے اس کا نام الفرقان اسی مضمون کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ہے پچھلی سورت میں رسول اللہ صلعم کو ایک اعلیٰ درجہ کے کامل نور سے تشبیہ دی گئی تھی جس کے متعلق یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ وہ نور مشرق و مغرب پر محیط ہو جائے گا اس لیے اس کے بعد اس سورت کو رکھا ہے جو بتاتی ہے کہ وہ کون سی باتیں ہیں جو قرآن کریم اپنے متبعین کے اندر پیدا کرتا ہے اور یوں ظاہر طور پر ایک فرقان یعنی حق و باطل میں فرق پیدا کر دیتا ہے اس کا نزول مکہ کے آخری ایام میں ہوا۔

نمبر۲۔ یہاں قرآن کی بجائے فرقان کا لفظ اختیار کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ وہ حق و باطل میں عملی طور پر فرق کر دکھائے گا اور پچھلی سورت میں لفظ نور کی مناسبت سے جس سے عالم میں تمیز پیدا ہوتی ہے، یہاں قرآن کریم کا نام فرقان ہی موزون تھا اور عالمین کے لفظ میں تمام قومیں بلحاظ مکان بھی شامل ہیں خواہ وہ کہیں ہوں اور تمام نسلیں بلحاظ زمان بھی شامل ہیں خواہ وہ کبھی پیدا ہوں ان سب کے لیے نذیر آپ ہی ہیں۔

نمبر۳۔ تقدیر کے دو ہی مفہوم ہیں، ایک قدرت کا عطا کرنا دوسرا اشیاء کو اقتضائے حکمت کے مطابق ایک خاص اندازہ اور خاص وجہ پر بنانا اور اشیاء

وَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً لَّا
يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا
يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا
وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝٣
وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ
افْتَرٰىهُ وَ اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ
فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا ۝٤
وَ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ
تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝٥

اور لوگوں نے اس کے سوائے معبود بنا لیے ہیں جو کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کیے گئے ہیں اور ان کو اپنے بُرے بھلے کا بھی اختیار نہیں اور نہ موت اور نہ زندگی اور نہ مرکر جی اٹھنا ان کے اختیار میں ہے۔
اور جو کافر ہیں کہتے ہیں یہ تو نرا جھوٹ ہے جو اس نے گھڑ لیا ہے اور اس پر اسے اور لوگوں نے مدد دی ہے۔ یہ ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے ہیں ۱۔
اور کہتے ہیں پہلوں کی کہانیاں ہیں جو اس نے لکھوائی ہیں سو وہ اس پر صبح اور شام پڑھی جاتی ہیں ۲۔

کی تقدیر انہی دونوں معنوں میں ہو سکتی ہے خود قرآن کریم نے جہاں تقدیر کا ذکر کیا ہے انسان کے لیے علیحدہ ذکر نہیں کیا بلکہ اپنی تمام مخلوق کے لیے تقدیر کا ذکر کیا پس تقدیر محض وہ اندازہ ہے جو ہر چیز کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے جس سے وہ آگے نہیں نکل سکتی اور قرآن کریم میں اس لفظ کا استعمال اعمال انسانی کے متعلق قطعاً نہیں ہُوا، ہاں شقی یا سعید ہونا یہ اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔ اسے تقدیر نہیں کہا جائے گا اور وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی میں اس بات کو صاف کر کے بیان کیا ہے کہ ہر چیز کے لیے مادہ ہو یا روح، پتھر ہو یا درخت یا حیوان یا بڑے بڑے اجرام سماوی اللہ تعالیٰ نے ایک اندازہ مقرر کر دیا ہے جس کے اندر وہ شے ترقی کر سکتی ہے اور پھر اسے اس ترقی کی راہیں بھی بتا دی ہیں جس کا ذکر ھدٰی میں ہے اسی طرح انسان کے لیے بھی ایک اندازہ مقرر ہے جس کے اندر وہ ترقی کر سکتا ہے یہ تقدیر ہے اور وہ اچھے کام کرے یا بُرے کرے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے علم کی بات ہے۔

نمبر۱۔ قوم آخرون سے مراد یہاں وہی لوگ معلوم ہوتے ہیں جن کی طرف کفار اس بات کو منسوب کرتے تھے کہ وہ آپ کو کہانیاں بنا بنا کر دیتے ہیں، یعنی بعض نومسلم غلام، جیسے عداس، عایش، یسار، جبر وغیرہ۔ فقد جاء و ظلماً و زورا میں اس کا جواب ہے اس لیے کہ اگر چند کہانیوں سے یہ انقلاب روحانی پیدا ہو سکتا تھا تو اس کے بنانے والے ہی کر سکتے تھے یا خود یہودی اور عیسائی جو صدیوں تک اس کوشش میں لگے رہے کہ عرب کی اصلاح کریں وہ ان کہانیوں کے ذریعہ سے کیوں انقلاب پیدا نہ کر سکے۔ پس معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا طاقتور ہاتھ محمد رسول اللہ صلعم کی تائید میں کام کر رہا تھا۔

نمبر۲۔ اکتتب کے معنی ہیں اس سے سوال کیا کہ اس کے لیے ایک تحریر لکھ دے۔ یعنی دوسرے سے کسی چیز کا لکھوانا، جس سے معلوم ہُوا کہ آنحضرت صلعم خود لکھنا نہ جانتے تھے اور اس کے معنی محض کتب بھی آتے ہیں تملی علیہ سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم خود نہ پڑھ سکتے تھے ورنہ دوسروں کے پڑھ کر سنانے کا ذکر نہ ہوتا جس اعتراض کا یہاں ذکر ہے اسی کے قریب قریب ایک جرمن ہرشفیلڈ نے اپنی کتاب نیو ریسرچز یعنی نئی تحقیقات میں لکھا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ بائبل کے اس قدر مضامین قرآن شریف کے اندر بھرے ہوئے ہیں کہ ضرور ہے کہ نبی کریم صلعم نے اس کتاب کو پڑھ کر ضروری مضامین کے نوٹ اپنے پاس رکھ لیے ہوں اور پھر انہی نوٹوں کو وقتاً فوقتاً قرآن شریف میں داخل کر دیا ہو۔ جو شخص لکھے ہوئے کو پڑھ نہیں سکتا وہ نوٹ کس طرح رکھ سکتا ہے۔ قرآن شریف کے الفاظ تملی علیہ صاف بتاتے ہیں کہ مخالفین نے کبھی یہ خیال نہیں کیا کہ آپ خود لکھتے یا پڑھتے ہیں بلکہ دوسروں سے لکھوانا اور دوسروں سے پڑھانا آپ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ پس جرمن پروفیسر کے خیال کو تاریخ باطل کرتی ہے اور جو اعتراض اس وقت مخالفین نے کیا اس کا جواب یہی کافی ہے کہ جو لوگ کہانیاں اس طرح لکھ کر دیتے اور سناتے تھے وہ آنحضرت صلعم پر ایمان کیوں کر لا سکتے تھے اور ایمان بھی تمام دنیا کے مصائب کے مقابلہ میں اس لیے کہ انہی لوگوں کو یعنی بالخصوص غلاموں کو سخت سے سخت مظالم کا تختۂ مشق بنایا گیا۔ اور دوسرا جواب اگلی آیت میں دیا ہے کہ اس قرآن میں ایسی اسرار کی باتیں ہیں جنہیں انسان نہیں جان سکتا۔ پس یہ بناوٹی بات کس طرح ہو سکتی ہے۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝۶	کہہ ، اسے اُس نے اتارا ہے جو آسمانوں اورزمین کے بھیدوں کو جاننے والا ہے ، ہاں وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۔
وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا ۝۷	اور کہتے ہیں یہ کیسا رسول ہے (جو) کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے ۔کیوں اس کے ساتھ فرشتہ نہ اتارا گیا تو وہ اس کے ساتھ ہو کر ڈرانے والا ہوتا ۔
اَوْ یُلْقٰۤی اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝۸	یا اس کی طرف خزانہ بھیجا جاتا یا اس کا باغ ہوتا ،جس سے وہ کھاتا ۔ اور ظالم کہتے ہیں تم صرف ایک سحر والے آدمی کی پیروی کرتے ہو ۔
اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ۝۹ ع ۱۲	دیکھ تیرے لیے کیسی مثالیں بیان کرتے ہیں سو وہ گمراہ ہوگئے ہیں پس رستہ نہیں پا سکتے ۔
تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَ یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝۱۰	وہ (ذات) بابرکت ہے ، اگر چاہے تو تجھے اس سے بہتر باغ دے دے ،جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور تجھے محل دے دے[1] ۔
بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۫ وَ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِیْرًا ۝۱۱	بلکہ وہ مقرر گھڑی کو جھٹلاتے ہیں اور ہم نے اس شخص کے لیے جو مقرر گھڑی کو جھٹلائے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی ہے[2] ۔

نمبر۱۔ اعتراض یہ تھا کہ رسول ہے تو ہماری طرح کیوں معاش کے لیے چلتا پھرتا اور کام کاج کرتا ہے کیوں اس کے پاس خزانہ خدا کی طرف سے نہیں آجاتا دوسرے آخرت میں جنات کے وعدے دیتا ہے تو اسے یہیں کوئی باغ کیوں نہیں مل جاتا جس کی وجہ سے فکر معاش سے سبکدوش ہو جائے ۔ پہلے حصہ کا جواب اس رکوع کی آخری آیت میں دیا ہے اور دوسرے حصہ کا جواب یہاں ہے خیرمن ذٰلک سے مراد ہے اس سے بہتر جو اُن کے خیال میں ہے اور جنات اور قصور سے مراد اس دنیا کے جنات اور قصور ہیں جیسا کہ روح المعانی میں بھی ہے اور سوال کرنے والوں کے دل میں تو شاید مکہ یا زیادہ سے زیادہ طائف کے کچھ باغ ہوں گے ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عرب کے باغوں کے ساتھ عراق اور شام اور ایران کے باغوں کا مالک بھی بنادیا اور شام اور ایران کے محلات اور خزانے سب آپ کے ادنےٰ خادموں کے قدموں میں لاکر ڈال دیئے ۔ جنگ خندق میں نبی کریم صلعم کو قیصر اور کسریٰ اور صنعاء کے محل دکھائے گئے اور آپ کو خبر دی گئی کہ ان کے مالک آپ ہوں گے اور خزانوں کی تو یہ حالت تھی کہ ایک ادنیٰ صحابی سراقہ کے ہاتھ میں کسریٰ کے سونے کے کڑے ایک پیشگوئی کو پورا کرنے کے لیے پہنائے گئے ۔ پس بتادیا کہ جس فرقان کے تم طالب ہو وہ بھی ظاہر کردیا جائے گا مگر اپنے وقت پر ۔

نمبر۲۔ الساعۃ سے مراد قیامت بھی مراد ہوسکتی ہے اور اُن کی اپنی ساعت بھی ۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہونگے کہ یہ لوگ جو رسول کے انذار کو جھوٹا ٹھہرا

إِذَا رَأَتْهُم مِّن مَّكَانٍ بَعِيدٍ سَمِعُوا لَهَا تَغَيُّظًا وَزَفِيرًا ﴿۱۲﴾

جب وہ انھیں دور کے مکان سے دیکھے گی تو وہ اس کے جوش وخروش کو سنیں گے۔

وَإِذَا أُلْقُوا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِينَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُورًا ﴿۱۳﴾

اور جب وہ اس کی تنگ جگہ میں جکڑے ہوئے ڈالے جائیں گے تو وہاں ہلاکت کو پکاریں گے[۱]

لَّا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُورًا وَاحِدًا وَادْعُوا ثُبُورًا كَثِيرًا ﴿۱۴﴾

آج ایک ہلاکت کو نہ پکارو اور بہت سی ہلاکتوں کو پکارو[۲]

قُلْ أَذَٰلِكَ خَيْرٌ أَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ ۚ كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَمَصِيرًا ﴿۱۵﴾

کہہ کیا یہ بہتر ہے یا ہمیشگی کا باغ جس کا متقیوں کو وعدہ دیا جاتا ہے۔ وہ ان کے لیے بدلہ اور آخری ٹھکانا ہوگا۔

لَّهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ خَالِدِينَ ۚ كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْئُولًا ﴿۱۶﴾

ان کے لیے جو چاہیں گے اس میں ہوگا (اسی میں) رہیں گے یہ تیرے رب کے ذمے مانگے جانے کے قابل وعدہ ہے[۳]

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ أَأَنتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هَٰؤُلَاءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ﴿۱۷﴾

اور جس دن وہ انھیں اکٹھا کرے گا اور ان کو (بھی) جس کی وہ اللہ کے سوائے بندگی کرتے ہیں، پھر کہے گا کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا وہ خود رستہ سے بہک گئے۔

قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنبَغِي لَنَا أَن نَّتَّخِذَ مِن دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَاءَ وَلَٰكِن مَّتَّعْتَهُمْ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ نَسُوا الذِّكْرَ وَكَانُوا قَوْمًا بُورًا ﴿۱۸﴾

کہیں گے تو پاک ہے ہمارے لیے یہ شایاں نہ تھا کہ تیرے سوائے اور کارساز بناتے لیکن تو نے انھیں اور ان کے باپ دادوں کو سامان دیا یہاں تک وہ ذکر کو بھول گئے اور وہ ہلاک ہونے والی قوم تھے[۴]

کر اس خیال میں بیٹھے ہیں کہ وہ کبھی مغلوب نہ ہوں گے ان کے لیے نہ صرف وہ وعدۂ مغلوبیت ہی پورا ہو کر رہے گا بلکہ آخر کار جلتی ہوئی آگ میں بھی داخل ہوں گے یعنی وعدہ آخرت بھی پورا ہوگا اور اوپر کا وعدۂ جنّات وغیرہ انہی کی ساعت وسطیٰ سے وابستہ تھا۔

نمبر ۱۔ پس یہاں بھی مراد زنجیروں میں جکڑے ہونے ہے۔ اس دنیا کی خواہشات کی زنجیریں آخرت کی زنجیریں بن جاتی ہیں۔

نمبر ۲۔ ان کا ہلاکت کو پکارنا اس طرف اشارہ ہے جو دوسری جگہ فرمایا لیقض علینا ربك (الزخرف - ۷۷) یعنی ان کا کام تمام ہو جانے گویا خود ہلاکت کی خواہش کریں گے۔ اس کے جواب میں فرمایا ایک ہلاکت کیا بیسیوں قسم کی ہلاکتوں کے سامان تم نے کر رکھے ہیں ان سبھی کو بلاؤ۔

نمبر ۳۔ مسئول سے مراد ہے اس قابل کہ مانگا جائے ابن زید کا قول ہے جس کے متعلق انھوں نے دنیا میں سوال کیا یعنی اسے طلب کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں دیا۔

نمبر ۴۔ ما یعبدون من دون اللہ سے مراد یہاں ایسے لوگ ہیں جن کو خدا بنایا گیا جیسے مسیح وغیرہ ان کا انکار یہ بتانے کے لیے ہے کہ کبھی کسی راستباز نے

فَقَدْ كَذَّبُوكُمْ بِمَا تَقُولُونَ فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَن يَظْلِم مِّنكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا ﴿١٩﴾

سو انھوں نے تم کو اس میں جھٹلایا جو تم کہتے ہو سو نہ تم (عذاب کو) پھیر سکو گے اور نہ مدد (پا سکو گے)، اور جو کوئی تم میں سے ظلم کرے ہم اسے بڑا عذاب چکھائیں گے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۗ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ ۗ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ﴿٢٠﴾ ع

اور ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجے مگر وہ یقیناً کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔ اور ہم نے تم میں سے بعض کو بعض کے لیے آزمایش کا ذریعہ بنایا ہے کیا تم صبر کرو گے اور تیرا رب دیکھنے والا ہے ۔۱

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةُ أَوْ نَرَىٰ رَبَّنَا ۗ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيرًا ﴿٢١﴾

اور جو ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے، کہتے ہیں کیوں ہم پر فرشتے نہیں اتارے جاتے یا (کیوں) ہم اپنے رب کو (نہیں) دیکھتے، انھوں نے اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا اور بڑی بھاری سرکشی اختیار کی ۔۲

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَىٰ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حِجْرًا مَّحْجُورًا ﴿٢٢﴾

جس دن فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن مجرموں کے لیے کوئی خوشخبری نہیں ہوگی اور کہیں گے کوئی روک حائل ہو جائے ۔۳

دنیا میں یہ تعلیم نہیں دی کہ اسے خدا سمجھا جائے۔

نمبر۱۔ اس میں اس اعتراض کا جواب دیا ہے جو پہلے رکوع کے آخر پر تھا کہ یہ رسول کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہی سنت اللہ ہے کہ انسانوں کے لیے انسان ہی رسول ہو کر آئے۔ جہاں کہیں دنیا میں مصلح آئے ایسے ہی آئے بعض کو بعض کے لیے فتنہ بنانے سے مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ جو تکلیفیں نیکوں کو پہنچائی جاتی ہیں وہ ان کو اعلیٰ مراتب پر پہنچانے کے لیے ہیں کیونکہ فتن سونے کو آگ میں ڈالنا ہے تاکہ ہر قسم کے میل سے پاک ہو جائے۔ اسی لیے اس کے بعد فرمایا کہ تم صبر کرو اللہ تعالیٰ نتیجہ تمھارے حق میں کرے گا کیونکہ وہ بصیر ہے تمھارے اعمال کو دیکھتا ہے۔

نمبر۲۔ فی انفسھم سے مراد فی شان انفسھم ہے۔ یعنی اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا۔ فرشتے کیوں نہیں اُترتے۔ یا ہم اپنے رب کو کیوں نہیں دیکھتے۔ ان کا منشاء صرف اتنا اعتراض نہیں کہ فرشتے یا اللہ تعالیٰ ان آنکھوں سے کیوں نظر نہیں آتے بلکہ جیسا کہ اوپر کی آیت میں تعبدون سے ظاہر ہے مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچاتے تھے پھر کہتے تھے محمد رسول اللہ کی حمایت کے لیے فرشتے کیوں نہیں آتے یا خود خدا کیوں نہیں آتا اسی کو استکبار اور سرکشی کہا ہے اور بتایا ہے کہ یہ اپنے آپ کو اتنا بڑا خیال کرتے ہیں کہ سمجھتے ہیں کہ ہم پر کبھی سزا ہی نہیں آئے گی خود جواب سے بھی یہی ظاہر ہے جو اگلی آیت میں ہے۔

نمبر۳۔ حجراً محجوراً۔ حجر کے معنی منع یا روک ہیں اور محجور روکا گیا۔ مفردات میں ہے کہ جب ایک شخص ایسے آدمی کے سامنے آتا جس سے وہ ڈرتا تو یہ لفظ بولتا اور یہاں مراد یہ ہے کہ کافر فرشتوں کو دیکھ کر ایسا کہیں گے تاکہ وہ اس طرح سزا سے بچ جائیں۔

یہاں اُن کے مطالبۂ سزا کا جواب دیا ہے اور بتایا ہے کہ فرشتوں کا نزول تو ان کی سزا کے لیے ہوگا اور اس دن وہ چاہیں گے کہ ان میں اور ان کی سزا میں کوئی روک حائل ہو جائے مگر اس وقت شوخی کر کے جلدی کر رہے ہیں۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ﴿٢٣﴾

اور ہم اس کی طرف متوجہ ہوں گے جو انھوں نے عمل کیا ہوگا ہو ہم اُسے اُڑتی ہوئی دھول کردیں گے[1]۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّ اَحْسَنُ مَقِيْلًا ﴿٢٤﴾

جنّت والوں کا اس دن اچھا ٹھکانا ہوگا اور بہت خوب استراحت کی جگہ ہوگی[2]۔

وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿٢٥﴾

اور جس دن آسمان بادل کے ساتھ پھٹ جائے گا اور فرشتے اتارے جائیں گے[3]۔

اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ٍالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ﴿٢٦﴾

حقیقی بادشاہت اس دن رحمٰن کے لیے ہوگی، اور وہ دن کافروں پر سخت ہوگا[4]۔

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿٢٧﴾

اور جس دن ظالم اپنے دونوں ہاتھ کاٹے گا، کہے گا اے کاش! میں نے رسول کے ساتھ رستہ اختیار کیا ہوتا[5]۔

نمبر۱۔ ھباء باریک مٹی کو کہتے ہیں اور جو ہوا میں ذرات اُڑتے ہیں اور سورج کی روشنی کمرہ میں کسی سوراخ میں سے پڑے تو نظر آتے ہیں + یہاں عمل سے مراد جیسا کہ سیاق سے ظاہر ہے اُن کا وہ عمل ہے جو مخالفتِ حق میں انھوں نے کیا۔

نمبر۲۔ قیلولہ یا مقیل۔ اہلِ عرب کے نزدیک دوپہر کے وقت محض استراحت کا نام ہے گو اس کے ساتھ نیند نہ ہو۔

نمبر۳۔ آسمان کے بادل سے پھٹ پڑنے سے مراد بارش کا اُترنا ہی ہوسکتا ہے۔ اس میں جنگ بدر کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ بارش کا نازل ہونا اور فرشتوں کا نزول دونوں اس جنگ میں ہوئے اور بدر کو یوم الفرقان بھی کہا ہے۔ یوم الفرقان یوم التقی الجمعٰن (الانفال۔ ۴۱) اور گو مفسرین اس کو قیامت پر لگاتے ہیں۔ لیکن آگے آیت ۲۷ میں اور اس کے بعد یہاں ظالم کے ہاتھ کاٹنے کا اور کسی کو دوست بنانے وغیرہ کا ذکر ہے وہاں مراد جنگ بدر کا ہی ایک واقعہ لیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات جنگ بدر کے متعلق ہی ہیں جو مکذبوں کے لیے یوم فرقان تھی کیونکہ اس دن اُن کی طاقت توڑ دی گئی۔

نمبر۴۔ رحمٰن کی بادشاہت تو ہر وقت ہی ہے وہ مالک الملک ہے جس سے چاہتا ہے ملک لیتا ہے اور جسے چاہتا ہے دیتا ہے۔ پس یہاں مراد رحمٰن کے بندے ہیں۔ عباد الرحمٰن جن کا ذکر آگے آتا ہے اور اس میں اشارہ بدر میں مسلمانوں کے غلبہ کی طرف اور کفار کی ہزیمت کی طرف ہے اس لیے علی الکفرین عسیرا بھی اس دن کے متعلق فرمایا۔

نمبر۵۔ ہاتھ کاٹنے سے مراد اظہارِ ندامت ہے کیونکہ ندامت کے وقت لوگ ایسا کرتے ہیں + مفسرین نے یہاں ظالم سے مراد عقبۃ بن ابی معیط کو لیا ہے اور اگلی آیت میں فلاناً سے مراد اُبی بن خلف کو اور یہ واقعہ لکھا ہے کہ عقبہ جو اُبی بن خلف کے کہنے پر رسول اللہ صلعم کے منہ پر تھوکنے کے لیے تیار ہوگیا تھا بدر کے دن قیدیوں میں پکڑا گیا اور قتل کیا گیا اور یہ ابن عباسؓ سے اور کئی اوروں سے روایت ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیات جنگ بدر کے ہی متعلق ہیں اور آیت ۲۹ میں شیطان سے مراد وہی گمراہ کرنے والا دوست ہے۔

يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ﴿٢٨﴾	مجھ پر افسوس! کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔
لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ؕ	اس نے مجھے ذکر سے بہکا دیا، اس کے بعد کہ وہ میرے پاس
وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ﴿٢٩﴾	آگیا تھا اور شیطان (آخر) انسان کو اکیلا چھوڑ دیتا ہے۔
وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا	اور رسول نے کہا اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن
هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿٣٠﴾	کو چھوڑی ہوئی چیز (کی طرح) قرار دیا ہے[1]
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ	اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے مجرموں میں سے دشمن بنائے اور
الْمُجْرِمِيْنَ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴿٣١﴾	تیرا رب ہدایت دینے والا اور مدد دینے والا کافی ہے۔
وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ	اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں اس پر قرآن (سارے کا) سارا ایک دفعہ ہی
ع الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ	کیوں نہ اتارا گیا، اسی طرح (ضروری تھا) تاکہ ہم اس کے ساتھ تیرے
بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿٣٢﴾	دل کو مضبوط کرتے رہیں اور ہم نے اسے اچھی ترتیب مرتب کیا ہے[2]
وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ	اور وہ تیرے پاس کوئی اعتراض نہیں لاسکتے مگر ہم حق (جواب) اور عمدہ
وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿٣٣﴾	بیان تیرے پاس لاچکے ہیں[3]
اَلَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ اِلٰى	جو لوگ اپنے مونہوں کے بل دوزخ کی طرف اکٹھے کیے جائیں

نمبر۱۔ یہاں قومی سے مراد کفار قوم ہی ہیں کیونکہ اکثر حصہ قوم کا کفر پر تھا پچھلی آیتوں میں بھی انہی کا ذکر ہے اور آگے بھی مجرموں کا ذکر ہے جو نبی کے اعداء بن جاتے ہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ عملی طور پر مسلمانوں نے قرآن شریف کو یہاں تک چھوڑا ہے کہ وہ الفاظ جو کفار کے لیے تھے آج ان پر صادق آتے ہیں۔

نمبر۲۔ رتل الکلام کے معنی ہیں اس کی تالیف کو خوب کیا اور اسے واضح کیا اور اس میں آہستگی اختیار کی اور ترتیل فی القراءۃ اسے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا اور اس میں جلدی نہ کرنا ہے۔

قرآن کریم کا یا وحی الٰہی کا بتدریج نازل ہونا اس غرض کے لیے ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے جو وقتاً فوقتاً رسول پر طرح طرح کے مصائب اور مشکلات کے اندر نازل ہو رسول کو تسلی ملتی رہے اور اللہ تعالیٰ کے کلام سے بڑھ کر تسلی دینے والی کیا چیز ہو سکتی ہے۔ اور ترتیل سے مراد یا تو اللہ تعالیٰ کا بتدریج قرآن کریم کو نازل کرنا ہے اور یا اس سے اس کی ترتیب احسن مراد ہے یعنی گو ٹکڑے ٹکڑے کرکے نازل ہوا ہے مگر اس کو ترتیب ایسی دی گئی ہے جس نے اسے ایسا ہی منظم کلام بنا دیا ہے جیسا کہ ایک مرتبہ نازل ہونے میں ہوتا۔

نمبر۳۔ ان کے اعتراض کو یہاں مثل کہا ہے گویا وہ بطلان میں مثال ہے۔ اوپر جب ان کے اس اعتراض کا جواب دیا کہ قرآن کریم سارا ایک مرتبہ کیوں نازل نہ ہوا تو اب فرمایا کہ ایک اعتراض کیا جس قدر بھی اعتراض یہ اس پر کریں ان کا جواب اس کلام پاک کے اندر پائیں گے اور نہ صرف جواب ہی پائیں گے بلکہ اسے نہایت عمدہ طور پر واضح کیا ہوا پائیں گے۔ یعنی اس جواب کے دلائل بھی قرآن کے اندر پائیں گے۔ بہت ہی عظیم الشان یہ دعویٰ ہے جس کتاب کے اوپر اعتراض کرنے والوں کی کوئی انتہا نہیں ان سب کو یہ چیلنج ہے کہ تمام اعتراضات کا جواب مع دلائل قرآن کے اندر ہی ملے گا۔ کاش مسلمان اس نظر سے قرآن کو پڑھتے تو آج غیر مسلم دنیا پر قرآن کی عظمت ظاہر ہوتی اور گردنیں اس کے سامنے جھک جاتیں۔

جَهَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضَلُّ	گے، وہی بدتر حالت والے اور رستہ سے بہت دور
سَبِيْلًا ۳۴ ع	پڑے ہوئے ہیں۔
وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَجَعَلْنَا	اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے ساتھ اس کے
مَعَهٗٓ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ۳۵	بھائی ہارون کو مددگار بنایا۔
فَقُلْنَا اذْهَبَآ اِلَى الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا	سو ہم نے کہا اس قوم کی طرف جاؤ جو ہماری باتوں
بِاٰيٰتِنَا ؕ فَدَمَّرْنٰهُمْ تَدْمِيْرًا ۳۶	کو جھٹلاتے ہیں پس ہم نے انھیں جڑ سے اکھیڑ دیا۔
وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ	اور نوحؑ کی قوم نے جب رسولوں کو جھٹلایا، ہم نے انھیں
وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ؕ وَّ اَعْتَدْنَا	غرق کردیا اور ہم نے انھیں لوگوں کے لیے نشان بنایا اور
لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ۳۷	ہم نے ظالموں کے لیے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔
وَّ عَادًا وَّ ثَمُوْدَاۡ وَ اَصْحٰبَ الرَّسِّ وَ	اور عاد اور ثمود اور کنوئیں والوں کو اور اس کے
قُرُوْنًا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا ۳۸	درمیان بہت سی نسلوں کو ہلاک کیا۔ ع۱
وَ كُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ وَكُلًّا	اور سبھی کے لیے ہم نے مثالیں بیان کیں اور سبھی کو ہم نے
تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ۳۹	ہلاکت کو پہنچایا۔
وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ	اور وہ اس بستی پر گزرتے رہے ہیں جس پر بُرا مینہ برسایا
مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ	گیا، تو کیا وہ اُسے نہیں دیکھتے رہے، بلکہ وہ دوبارہ
كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۴۰	جی اُٹھنے کی امید نہیں رکھتے ع۲
وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ	اور جب تجھے دیکھتے ہیں، تو تجھے صرف ہنسی بناتے ہیں،
اَهٰذَا الَّذِيْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۴۱	کیا یہ وہ ہے جسے اللہ نے رسول بنایا ہے۔
اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْ لَآ	قریب تھا کہ وہ ہمیں ہمارے معبودوں سے بہکا دیتا اگر ہم

نمبر۱۔ اصحٰب الرّس۔ رس ایک وادی کا نام ہے۔ رس اصل میں تھوڑا اثر ہے جو کسی چیز میں موجود ہو۔ تفاسیر میں مختلف اقوال ہیں بعض کہتے ہیں ثمود میں سے تھے بعض اسے یمامہ کی ایک بستی بتاتے ہیں بعض کہتے ہیں انھوں نے اپنے نبی کو ایک کنوئیں میں گرا دیا تھا جس کا نام رس تھا۔ ابن جریر آخری قول کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ رس کلام عرب میں ہر ایک کھودی ہوئی جگہ یا کنوئیں کو کہا جاتا ہے۔

نمبر۲۔ یہ بستی سدوم ہے اور جو مینہ ان پر برسایا گیا وہ پتھروں کی بارش تھی جو آتش فشاں پہاڑ سے ہوئی۔

اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ۭ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۲﴾	اِن پر ثابت نہ رہتے اور وہ جان لیں گے جب عذاب دیکھیں گے کہ کون رستہ سے دُور جا پڑا ہے ۱؎
اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ۭ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ﴿۴۳﴾	کیا تو نے اسے دیکھا، جو اپنی خواہش کو اپنا معبود بناتا ہے۔ تو کیا تو اس کا ذمہ وار ہو سکتا ہے ۲؎
اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ۭ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۴۴﴾ ع	یا کیا تو خیال کرتا ہے کہ ان میں سے اکثر سنتے ہیں، یا عقل سے کام لیتے ہیں وہ صرف چارپایوں کی طرح ہیں بلکہ وہ رستہ سے اور بھی دُور بھٹکے ہوئے ہیں ۳؎
اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَاۗءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿۴۵﴾	کیا تو نے اپنے رب کے کام پر غور نہیں کیا کس طرح سایہ کو لمبا کرتا ہے اور اگر چاہتا تو اس کو ٹھیرا رکھتا۔ پھر ہم نے سورج کو اس پر دلیل ٹھیرایا ہے ۴؎

نمبر۱۔ اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلعم کے وعظ کا اثر کیسا تھا۔ اس قدر خطرناک بت پرستوں کو بھی متزلزل تو کر دیا مگر ڈھٹائی سے انھوں نے اپنے بتوں کو نہ چھوڑا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ گو وہ ظاہر طور پر مخالفت کرتے تھے مگر ان کے دل اندر سے کھائے گئے تھے اور یہی وجہ تھی کہ جب آخری حیلا اسلام کو مٹانے کا کر چکے اور تلوار سے اسلام کو مٹانے میں ناکامیاب ہوئے تو پھر گروہ در گروہ دین اسلام میں داخل ہونے لگے اور چند دنوں میں سارا عرب مسلمان ہو گیا۔

نمبر۲۔ بیان تو کفار کا ہے کہ اصل میں انھوں نے اپنی خواہش کو معبود بنایا ہوا ہے ورنہ بتوں کی خدائی تو ٹوٹ چکی ہے لیکن توحید کی تعلیم میں ایک نہایت ہی لطیف اصول بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ شرک یا بت پرستی صرف یہی نہیں کہ پتھروں کو یا ہواؤں کو یا اور چیزوں کو یا بعض انسانوں کو خدا مانا جائے بلکہ یہ بھی شرک ہے کہ انسان اپنی حرص و ہوا کے اتباع میں کسی حق بات کی پروا نہ کرے کامل موحد نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی حرص و ہوا اس کے تابع نہ ہو جو شخص خواہشات کا غلام ہے وہ موحد نہیں۔

نمبر۳۔ چارپایوں کی طرح تو اس لیے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے جو سمع اور عقل دی تھی ان سے فائدہ نہ اٹھایا اور حیوانوں کی طرح ہو گئے اور اضل یعنی زیادہ گمراہ اس لیے کہا کہ حیوان کو تو عقل ملی نہیں، انھوں نے باوجود عقل کے غلط راہ پر قدم مارا مگر اصل میں عرب کی اس حالت پر توجہ دلائی ہے جو اسلام سے پیشتر تھی کہ وہ لوگ حیوانی زندگی پر گرتے گرتے آخر کار بالکل حیوانوں کی طرح ہو گئے تھے، چارپائے کو تو پکڑ کر بھی رستہ پر لایا جا سکتا ہے مگر وہ اس قابل بھی نہ تھے۔ اس ایک فقرہ کالانعام میں بتا دیا کہ عرب کے لوگوں میں نہ اخلاق و روحانیت رہ گئی تھی، نہ سیاست و تمدن نہ معاشرت کے صحیح اصول باقی رہے تھے۔ عقاید نہایت ذلیل، پرلے درجہ کی توہم پرستی حیوانیت کا جوش، شراب خوری اور زناکاری اور قمار بازی کی کثرت، علم سے بالکل بے بہرہ۔ یہ وہ چارپایوں سے بدتر قوم تھی جس کی اصلاح کے لیے رسول اللہ صلعم کو کھڑا کیا گیا۔ ان میں ہر قسم کی خوبیاں پیدا کر دینا یہ وہ فرقان تھا جو آپ کے وجود سے ظہور میں آیا۔

نمبر۴۔ ظل رات کی تاریکی پر بھی بولا جاتا ہے۔ یہاں سایہ کے لمبا کرنے سے مراد رات کا طول ہے اور اسے ساکن کرنے میں بھی یہی اشارہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت نہ ہوتی تو رات کی تاریکی ہی ٹھہری رہتی مگر پھر سورج نکلتا ہے اور سایہ آہستہ آہستہ کم ہوتا چلا جاتا ہے اور سورج کو اس پر دلیل ٹھہرانے کے یہ معنی ہیں کہ سورج سے وہ زائل ہوتا چلا جاتا ہے۔ یا یہ کہ چونکہ ایک چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ اس لیے اگر سورج نہ نکلتا تو سایہ یا تاریکی کا بھی علم نہ ہوتا کہ وہ کیا چیز ہے۔ طلوع آفتاب میں یہ اشارہ کیا ہے کہ آفتاب نبوت کے طلوع سے عرب کی حالت کس طرح تبدیل ہو کر ظلمت دور ہو جائے گی۔

ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا ﴿٤٦﴾
پھر ہم اسے آہستہ آہستہ سمیٹتے ہوئے اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں^١

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا ﴿٤٧﴾
اور وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات کو پردہ اور نیند کو (موجب) آرام بنایا اور دن کو اُٹھ کھڑے ہونے کا وقت بنایا۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا ﴿٤٨﴾
اور وہی ہے جو ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے آگے خوشخبری کے طور پر بھیجتا ہے اور ہم اوپر سے پاک کرنے والا پانی اتارتے ہیں^٢

لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا ﴿٤٩﴾
تاکہ ہم اس کے ساتھ مردہ شہر کو زندہ کریں اور ان میں سے جو ہم نے پیدا کیے ہیں بہت سے چارپایوں اور لوگوں کو اسے پلائیں۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٥٠﴾
اور ہم نے اسے ان کے درمیان طرح طرح کے پیرایوں میں بیان کیا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں مگر بہت سے لوگوں کو سوائے انکار کے کچھ منظور نہیں۔

وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيْرًا ﴿٥١﴾
اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے^٣

فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿٥٢﴾
سو کافروں کی بات نہ مان اور اس (قرآن) کے ساتھ ان سے (وہ) جہاد کر (جو) بڑا جہاد (ہے)^٤

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ
اور وہی ہے جس نے دو دریا ملا رکھے ہیں۔ یہ میٹھا مزیدار ہے اور وہ کھاری کڑوا، اور ان دونوں کے درمیان ایک

نمبر١۔ مراد یہ ہے کہ ظلمتِ کفر تدریجاً کم ہوتی جائے گی۔

نمبر٢۔ ہواؤں کے بھیجنے میں یہ اشارہ ہے کہ پہلے اس کا اثر تھوڑا تھوڑا معلوم ہوتا ہے اور پھر زور کی بارش ہوتی ہے تو مُردہ شہر جی اُٹھتا ہے جیساکہ اگلی آیت میں ہے اور یہاں عرب کے روحانی مُردوں کے اُٹھنے کی طرف اشارہ ہے اور اسی لیے یہاں ماءً طھوراً فرمایا کہ آسمانی وحی کی بارش سے ہر قسم کی پلیدیاں دُور ہو جاتی ہیں جس طرح پانی ہر قسم کی غلاظتوں کو دُور کر دیتا ہے۔

نمبر٣۔ شروع سورت میں فرمایا تھا کہ قرآن اس لیے آتا ہے کہ سب قوموں کے لیے آنحضرت صلعم نذیر ہوں اور یہاں فرمایا کہ اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں الگ الگ نذیر اُٹھا کھڑا کرتے۔ تو مطلب یہ ہے کہ ہماری مشیت نہ تھی بلکہ ارادہ الٰہی یہی تھا کہ بالآخر تمام قوموں کے لیے ایک ہی نذیر ہو اور اس کی وجہ ظاہر ہے تاکہ نسلِ انسانی میں وحدت پیدا ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تسلسل مضمون قرآن شریف میں کس طرح چلتا ہے۔

نمبر٤۔ یہاں بِہٖ میں ضمیر قرآن کی طرف ہونا ابن عباسؓ سے اور اسلام کی طرف ہونا ابن زیدؒ سے مروی ہے اور اوّل صحیح ہے کیونکہ قرآن شریف کا ہی ذکر اوپر بھی ہے اور قرآن شریف کی طرف ضمیر بغیر اس کا پہلے ذکر ہونے کے بھی بوجہ اس کی عظمت اور شہرت کے آ جاتی ہے جیسے اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ (القدر ٩٧: ١) یا اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (القیٰمۃ ٧٥: ١٧) اور یہاں قرآن کریم کے ذریعہ سے حق پھیلانے کو جہادِ کبیر کے نام سے موسوم کیا ہے کیونکہ یہی اصل اور بڑا جہاد ہے اور ہر وقت قائم رہتا ہے اور جہادِ سیف کی

بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝۵۳
آڑ اور ایک حائل ہوئی ہوئی روک بنادی ہے ۱؎

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ؕ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ۝۵۴
اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا - پھر اسے نسب اور سسرال (والا) بنایا اور تیرا رب قدرت والا ہے ۲؎

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ؕ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ۝۵۵
اور اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہیں جو انھیں نفع نہیں دیتا اور نہ انھیں نقصان پہنچاتا ہے اور کافر اپنے رب کے خلاف (دوسروں کا) مددگار بنتا ہے -

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝۵۶
اور ہم نے تجھے صرف خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے -

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝۵۷
کہہ میں تم سے اس پر کچھ اجر نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ جو چاہے اپنے رب کی طرف رستہ اختیار کرے -

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ؕ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۝۵۸ ع
اور زندہ (خدا) پر بھروسہ کر جو مرتا نہیں اور اس کی حمد کرتا ہوا تسبیح کر اور وہ اپنے بندوں کے قصوروں سے باخبر رہنے کو کافی ہے -

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى
وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ وقتوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر غالب ہے

ضرورت کبھی کبھی پیش آتی ہے۔ جہاد کے متعلق جو عام غلط فہمی ہے اُسے یہ ایک ہی آیت دُور کرنے کے لیے کافی ہے۔ مکی سورت ہے مدافعانہ جنگ کرنے کی بھی ابھی اجازت نازل نہیں ہوئی اور حکم ہوتا ہے کہ جہاد کبیر کرو اور کس ہتھیار کے ساتھ؟ قرآن کے ساتھ۔ کیا آج مسلمانوں میں اس جہاد کبیر کی طاقت بھی نہیں رہی؟

نمبر۱- دریاؤں کا پانی میٹھا ہوتا ہے اور سمندر کا کھاری بس دو دریا ایک میٹھا اور ایک کھاری جو باہم ملتے بھی ہیں اور ان کے درمیان روک بھی ہے اس طرح پر ہیں کہ دریاؤں کا پانی سمندر میں جا ملتا ہے باایں وہ کھاری ہے اور یہ شیریں اور پھر اسی سمندر سے پانی اُڑ کر خشکی پر برستا ہے اور اس سے دریا بنتے ہیں مگر سمندر کا کھاری پن اُن میں نہیں آتا۔ یہ ان کے درمیان برزخ اور حجر ہے اور اشارہ یہاں جسمانی اور روحانی زندگی کے چشموں کی طرف ہے جو دنیا پر گرجاتا ہے اس کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسی کھاری پانی پینے والے کی کہ وہ پیاس کو اور بڑھاتا ہے اور جو روحانیت کے چشمہ سے اپنے آپ کو سیراب کرتا ہے تو اس کی شیرینی تسکین پیدا کرتی ہے اور اس کو اطمینان قلب میسر آجاتا ہے مگر طالب دنیا کو اطمینانِ قلب نہیں ملتا۔

نمبر۲- نسب آباء یعنی مرد کی طرف سے ہے اور صہر عورت کی طرف سے اور یہاں مراد ذو نسب اور ذو صہر ہے یعنی مرد اور عورت اور بجائے ذکر اور انثیٰ کے یہ لفظ اس لیے استعمال ہوئے کہ ان کے پھیلنے کی طرف بھی اشارہ ہو۔

الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿٥٩﴾
بے انتہا رحم والا۔ سو اس سے سوال کر جو اس سے خبر دار ہے ؎۱

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ
اور جب انھیں کہا جاتا ہے کہ رحمٰن کو سجدہ کرو، کہتے ہیں

قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۗ اَنَسْجُدُ لِمَا
اور رحمٰن کیا ہے کیا ہم اسے سجدہ کریں جس کے لیے تو حکم دیتا ہو

تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۩ ﴿٦٠﴾
اور اس نے انھیں نفرت میں بڑھایا۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا
وہ ذات، بابرکت ہے جس نے آسمان میں ستارے بنائے اور

وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿٦١﴾
اس میں سورج اور روشنی دینے والا چاند بنایا ؎۲

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ
اور وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے

خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ
پیچھے آنے والا بنایا اس کے لیے جو چاہتا ہے کہ نصیحت حاصل

اَرَادَ شُكُوْرًا ﴿٦٢﴾
کرے یا شکر گزاری کا ارادہ کرتا ہے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى
اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر انکساری سے چلتے

الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ
ہیں اور جب جاہل انھیں خطاب کرتے ہیں، تو

قَالُوْا سَلٰمًا ﴿٦٣﴾
کہتے ہیں سلام ؎۳

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا
اور وہ جو رات گزارتے ہیں اپنے رب کے آگے

وَّقِيَامًا ﴿٦٤﴾
سجدہ کرتے اور کھڑے ہو کر ؎۴

نمبر۱۔ فسئل به خبيرا کے ایک معنی کیے گئے ہیں فسئل بالرحمٰن خبيرا بخلقه یعنی رحمٰن سے سوال کر جو اپنی خلق سے خبردار ہے گویا بہ میں ضمیر خلق کی طرف جاتی ہے اور یا سوال کرنے سے مراد حاجات کا مانگنا ہے یعنی مخلوق کا خیال مت کرو جو کچھ مانگنا ہے خدا سے مانگو اور یوں بھی معنے ہو سکتے ہیں کہ رحمٰن کے متعلق کسی خبردار سے پوچھ لو مگر پہلے معنے کو ترجیح ہے

نمبر۲۔ شمس و قمر کے لفظ میں اشارہ آنحضرت صلعم کی طرف ہے اور بروج میں صحابہ کی طرف یا آپ کے سچے پیروؤں کی طرف اصحابی کالنجوم۔

نمبر۳۔ اس آیت سے لیکر آخر تک صحابہ رضی اللہ عنہم کا نقشہ کھینچا ہے اور یہ مکہ کا آخری زمانہ ہے اور مدینہ کی تیاریاں ہیں اور ان آیات میں یہ بتایا ہے کہ ان چند سالوں کے اندر اس ملک کے اندر جس کے انسانوں کی حالت چارپایوں کی سی تھی نبی کریم صلعم کی قوت قدسی نے اور قرآن کریم کی آیات پاک نے کتنا بڑا انقلاب پیدا کر دیا۔ ہر ایک نیکی جو یہاں گنی ہے وہ کسی پہلی بدی کے مقابل پر ہے جو عرب میں مروج تھی اور جس پر فخر کیا جاتا تھا اول اُن کا انکساری سے چلنا ہے اور یہ ان کی پہلی متکبرانہ روش کے مقابل پر ہے جب ہر ایک کے حقوق کو پامال کرنا ان کا فخر تھا پھر فرمایا کہ جہالت کے مقابل میں سلامت روی اختیار کرتے ہیں۔ حالانکہ پہلے ان کا یہ فخر تھا کہ جہالت کے مقابل پر اور زیادہ جہالت دکھاتے تھے اور عباد الرحمٰن کا لفظ یہاں اس اشارہ کے لیے استعمال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمانیت سے ایک نبی کو ان کے اندر مبعوث کرکے اور اپنا کلام نازل کرکے اُنھیں اس مقام پر پہنچایا ورنہ اپنی سعی سے وہ کچھ بھی نہ کر سکتے تھے۔

نمبر۴۔ اہل عرب راتوں کو شراب خوری ناچ، گانے بجانے میں صرف کرتے تھے جس طرح اہل یورپ آج کرتے ہیں یہ قرآن کریم کی تعلیم کا اثر تھا کہ نہ صرف راتوں کی عیاشی کو چھوڑا بلکہ وہی راتیں اب عبادت الٰہی میں صرف ہونے لگیں۔ کتنا بڑا انقلاب ہے کیا آج یورپ میں بال اور سینما اور تھیٹر کو دور کرکے انھیں کوئی تہجد خواں بنانے

وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖۗ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۖۗ ﴿۶۵﴾
اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّ مُقَامًا ﴿۶۶﴾
وَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴿۶۷﴾
وَ الَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَ لَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ لَا يَزْنُوْنَ ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾
يُّضٰعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ

اور وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم سے دوزخ کا عذاب ہٹا دے کیونکہ اس کا عذاب بھاری مصیبت ہے۔
وہ (تھوڑا) ٹھیرنے کے لیے اور (ہمیشہ) رہنے کے لیے بُری جگہ ہے۔
اور وہ جو جب خرچ کرتے ہیں نہ بیجا خرچ کرتے ہیں اور نہ (محنِ) تنگی کرتے ہیں[۱] اور (ان کا خرچ) ان (دو حالتوں) کے درمیان اعتدال پر ہے۔
اور وہ جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی جان کو جسے اللہ نے حرام کیا ہے قتل نہیں کرتے سوائے اس کے کہ انصاف چاہے اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے وہ (اپنے گناہ کی) سزا پائے گا[۲]۔
اس کے لیے قیامت کے دن دوچند عذاب ہوگا اور اس

کا خیال دل میں لا سکتا ہے یہی وہ معجزہ ہے جو رسول اللہ صلعم نے عرب میں کر کے دکھایا۔ اس سے بڑھ کر کسی شخص کے منجانب اللہ ہونے کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ وہ شراب پی کر عیاشی کرتے تھے اور شراب اور عیاشی چھڑا کر محبت الٰہی کی ایسی شراب پلائی وسقٰهم ربهم شرابًا طهورًا (۷۶ : ۲۱) کہ ساری ساری رات عبادت الٰہی میں صرف کرتے تھے۔ کہاں سے کہاں پہنچایا۔

نمبر۱- اسراف معاصی میں خرچ کرنا۔ قتر۔ طاعت میں خرچ کرنے سے رُکنا۔ پہلی حالت یہ تھی کہ بیجا رسوم ورواج میں نمود کے لیے۔ عیاشی میں سب کچھ بھی لٹا دیتے تھے۔ بیکسوں غریبوں پر نیک کاموں میں جہاں نام نہ ہو بخل کرتے تھے۔ آج بھی مسلمانوں کی یہی حالت ہے۔ غریب سے غریب آدمی جو رسم ورواج کے ماتحت اور نمود کے لیے خرچ کرنے لگتا ہے تو مکان اور جائداد بیچ کر سود پر روپیہ لیکر بھی امراء کی طرح خرچ کرتا ہے۔ امیر سے امیر آدمی فی سبیل اللہ خرچ کرنے کے لیے کہ جہاں نمود نہ ہو تو ایسا ظاہر کرتا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی غریب آدمی نہیں۔ مال تو خرچ ہوتا ہی ہے اس خرچ کو حالتِ اعتدال میں لانا ہی سب سے مشکل کام ہے۔ آنحضرت صلعم کی قوتِ قدسی نے اس خوبی کو پیدا کر کے قوم کی طاقت کو برمحل لگا دیا۔

نمبر۲- یہاں ان تین باتوں کا ذکر کیا ہے جن میں عرب سب سے بڑھ کر مبتلا تھے اور جن کی وجہ سے وہ نہایت ذلت کی حالت میں گرے ہوئے تھے یعنی شرک، قتل، زنا شرک کی حالت تو یہ تھی کہ بن تراشے پتھروں، درختوں، جانوروں تک کی پرستش کرتے تھے اور بُت پرستی کی تو کوئی انتہا ہی نہ تھی۔ اس کی بجائے کیسی توحید پھیلائی کہ کسی چیز کو خدا کا شریک نہ چھوڑا اور توحید کی آگ ان کے سینوں میں ایسی مشتعل ہوئی کہ اس کے پھیلانے کے لیے دنیا کے کناروں تک چلے گئے۔ قتل کی یہ حالت تھی کہ ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر ایک دوسرے کو قتل کر دینا معمولی کام تھا۔ ذرا ذرا بات پر قوموں میں باہم جنگ چھڑتی تو سالہا سال تک ختم نہ ہوتی۔ رسول اللہ صلعم کے انفاسِ قدسی نے اس بلا سے نجات دی۔ زنا کی کثرت کی یہ حالت تھی کہ علانیہ شعروں میں زنا کرنے پر فخر کرتے اور زن و مرد کے ننگے تعلقات کو شعروں میں فخریہ بیان کرتے جس طرح آج اہل یورپ بجائے شعروں کے تصویروں میں انہیں ظاہر کرتے ہیں اور فخر سے ایسی تصویروں سے اپنے کمروں کو سجاتے ہیں۔ اسی طرح اہل عرب فحش شعروں سے اپنی مجلسوں کی رونق بڑھاتے تھے۔ اس قوم کو درست کرنا ایسا ہی تھا جیسا آج ایک شخص اہل یورپ سے زنا کاری چھڑا کر ان میں وہ قوت پیدا کر دے کہ دوسرے کی بیوی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ یہ وہ کام تھا جو محمد رسول اللہ صلعم کی قوتِ قدسی نے کیا۔

يَخْلُدْ فِيهٖ مُهَانًا ۝۶۹	میں ذلیل ہو کر رہے گا۔
اِلَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا	مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے عمل کرتا رہا، تو
فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ؕ	ایسے لوگوں کی بُری زندگی کو اللہ نیک زندگی سے بدل دیتا
وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۷۰	ہے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔
وَ مَنْ تَابَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاِنَّهٗ يَتُوْبُ	اور جو توبہ کرتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کی
اِلَى اللّٰهِ مَتَابًا ۝۷۱	طرف اچھا رجوع کرتا ہے۔
وَ الَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَ اِذَا	اور وہ جو جھوٹ گواہی نہیں دیتے اور جب لغو پر گزرتے
مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝۷۲	ہیں بزرگانہ طور پر گزرتے ہیں ۱؎
وَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ	اور وہ کہ جب انھیں اُن کے رب کے حکموں سے نصیحت
يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا ۝۷۳	کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گرتے۔
وَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ	اور وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں سے
اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا	اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما ۲؎ اور
لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۝۷۴	ہمیں متقیوں کا امام بنا۔
اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا	انھیں بلند مقام بدلہ میں دیا جائے گا اس لیے کہ انھوں
وَ يُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّ سَلٰمًا ۝۷۵	نے صبر کیا اور اس میں انھیں دعا اور سلامتی ملے گی۔
خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا	اسی میں رہیں گے، اچھی قرارگاہ اور ٹھیرنے کی جگہ
وَّ مُقَامًا ۝۷۶	ہے۔
قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّيْ لَوْ لَا دُعَآؤُكُمْ	کہہ میرا رب تمھاری کچھ پروا نہیں کرتا اگر تمھاری دعا نہ ہو

نمبر۱۔ خاص خاص آدمیوں کو چھوڑ کر عام حالت اہلِ عرب کی یہی تھی کہ انھیں جھوٹ کی کچھ پروا نہ تھی۔ وقت ضرورت جھوٹے معاہدے بھی کر لیتے تھے۔ منافقوں کا کتنا بڑا گروہ تھا جو جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے مسلمان ہونے کا یقین دلاتے تھے۔ ان کی جگہ ایسی صداقت کی محبت پیدا کی کہ جو روایت صحیح طور پر صحابی تک پہنچ جائے وہ جھوٹی نہیں اور لغو کہانیوں اور لغو شغلوں میں مبتلا قوم کو ایسے مفید کاموں میں لگایا کہ نہ صرف نیکی میں ہی دنیا کے رہبر ہوئے بلکہ ہر قسم کے علوم میں بھی کمال حاصل کیا۔

نمبر۲۔ یہ ان کی خواہش کہ ہمیں متقیوں کے امام بنا ان کے کمالِ روحانی کے معراج کو ظاہر کرتی ہے۔ یہی تڑپ نہیں کہ ہم متقی بنیں بلکہ یہ ہے کہ ہم متقیوں کے امام بنیں۔ یعنی جو لوگ ہم سے تعلق رکھتے ہیں وہ بھی ہمارے نمونہ کو دیکھ کر متقی بنیں۔

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُوْنُ لِزَامًا ﴿٧٧﴾ سو تم نے جھٹلایا پس (اس کی سزا) تمھارے لازم حال ہوگی ۵۔

آیاتہا ۲۲۷ (۲۶) سُوْرَۃُ الشُّعَرَآءِ مَكِّيَّةٌ ۲ رکوعاتہا ۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

طٰسٓمّٓ ﴿١﴾ طور سینا پر موسیٰؑ (کی وحی پر غور کرو) ۳۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿٢﴾ یہ کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٣﴾ شاید تو اپنی جان کو ہلاک کر دے گا کہ یہ ایمان نہیں لاتے ۴۔

نمبر ۱۔ یہاں بتایا کہ انسان جس قدر اپنا تعلق خدا سے پیدا کرتا ہے اسی قدر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی عزت ہوتی ہے ورنہ مخلوق تو بہائم بھی ہیں اسی تعلق باللہ کی طرف انھیں بلایا گیا تو انھوں نے تکذیب کی پس جب وہ عزت کے مقام کی طرف نہیں آتے تو فرقان کا دوسرا پہلو عذاب کا آنا ہے وہ آکر رہے گا۔ اس لیے کہ فرقان یہی ہے کہ نیکوں کو بلند مقام پر پہنچایا جائے اور بدوں کو بدی کی سزا دی جائے تاکہ دونوں میں کھلا کھلا فرق نظر آ جائے۔ اس لیے رسول کے ماننے والوں کی حالت کا ذکر کر کے اور یہ بتا کر کہ وہ کس ذلیل حالت سے نکل کر کس بلند مقام پر پہنچ گئے ہیں۔ اب مکذبین کا ذکر کیا ہے کہ ان پر سزا آئے گی۔

نمبر ۲۔ اس سورت کا نام الشعراء ہے اور اس میں گیارہ رکوع اور ۲۲۷ آیتیں ہیں اور اس کا یہ نام اس کے آخری رکوع سے لیا گیا ہے جہاں اس بات کا ذکر کرتے ہوئے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے جس طرح پہلے انبیاء کو وحی ہوئی اس بات کی تردید کی ہے کہ یہ کہانت ہے یا شاعری ہے اور بتایا ہے کہ شعراء کی عادات کیسی ہوتی ہے اسی مناسبت سے اس کا نام الشعراء ہے۔ اس سورت اور اس کی بعد کی دو سورتوں کا مضمون قریبًا ملتا جلتا ہے تینوں میں زیادہ تر توجہ حضرت موسیٰؑ کے حالات کی طرف یا سلسلہ موسوی کی طرف دلائی ہے اور گویہ ذکر تینوں سورتوں میں یکساں نہیں مگر تینوں میں حضرت موسیٰؑ کے ذکر کا خاتمہ فرعون کے غرق ہونے پر کیا ہے اور یہ حضرت موسیٰؑ کا فرقان تھا یوں سورۂ فرقان کے بعد فرقان موسیٰؑ کا ذکر کیا ہے اور ان تینوں سورتوں میں سلسلہ اسرائیلی کے ذکر میں تاریخ اسلام کو دہرایا ہے۔ چنانچہ اس سورت میں فرعون کے مقابلہ اور اس کی ہلاکت کو بالتفصیل بیان کیا ہے سورۂ النمل میں اس شان و شوکت کا ذکر کیا ہے جو آخر کار سلسلہ اسرائیلی کو ملی۔ سورۂ القصص میں حضرت موسیٰؑ کی ہجرت کا ذکر ہے اور یہ تمام باتیں اسی طرح پر تاریخ اسلام میں دہرائی گئیں۔ یہ تینوں سورتیں مکی ہیں اور غالبًا مکہ کے درمیانی زمانہ کی ہیں۔

نمبر ۳۔ طسم۔ یہ تین سورتوں کا ایک مجموعہ ہے یعنی سورۂ شعراء اور قصص جو طسم سے شروع ہوتی ہیں اور نمل جو طس سے شروع ہوتی ہے۔ ان تینوں سورتوں کے مضمون پر غور کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ تینوں میں حضرت موسیٰؑ اور ان کے سلسلہ کی طرف خصوصًا توجہ دلائی ہے جس سے نبی کریم صلعم کی صداقت پر روشنی پڑتی ہے یعنی صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ وحی جو طور سینا پر موسیٰؑ پر نازل ہوئی قرآن کریم کے لیے بطور تمہید کے تھی۔ چنانچہ اس مضمون کو کھول کر اس مجموعہ کی آخری سورۃ القصص میں بیان کیا ہے اور اس کے پانچویں رکوع میں نہایت صفائی سے یہ ذکر کیا ہے۔ اس لیے ان حروف میں اشارہ اسی وحی کی طرف معلوم ہوتا ہے جو طور سینا پر حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوئی، اور طا سے مراد طور، س سے مراد سینا، م سے مراد موسیٰؑ ہے گویا فرمایا ہے کہ اگر اس کتاب کی صداقت معلوم کرنا چاہتے ہو تو اس وحی پر غور کرو، جو موسیٰؑ پر طور سینا پر نازل ہوئی۔

نمبر ۴۔ آپ کو نذیر کر کے بھیجا گیا۔ آپ کا فرض تھا کہ بتاتے کہ بدی کا انجام دکھ ہے۔ قرآن کریم میں بار بار سخت وعید نازل ہوتے تھے۔ آپ ان کو اپنے فرض منصبی کے لحاظ سے پہنچاتے تھے مگر دل غم سے بھرا ہوا تھا اور تڑپ یہی تھی کہ کسی طرح یہ ایمان لائیں اور نیک بنیں تاکہ عذاب ٹل جائے یہی آپ کی تڑپ تھی جس نے آخر اس قوم کا سر اسلام کے سامنے جھکا دیا۔ یہی خوشخبری ہے جو اگلی آیت میں دی گئی ہے وہ آیت مخالفت کی کمر ہمت کا ٹوٹ جانا تھا۔ جس کے بعد عرب کی گردنیں اسلام کے آگے جھک گئیں۔

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ	اگر ہم چاہیں ان پر آسمان سے ایک نشان اتاریں تو
اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ۝۴	ان کی گردنیں اس کے سامنے جھک جائیں۔
وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ	اور ان کے پاس رحمٰن کی طرف سے کوئی نئی نصیحت نہیں آتی
مُحْدَثٍ اِلَّا كَانُوْا عَنْهُ مُعْرِضِيْنَ ۝۵	مگر وہ اس سے منہ پھیرنے والے ہوتے ہیں۔
فَقَدْ كَذَّبُوْا فَسَيَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا	انھوں نے تو جھٹلا دیا، پس ان کے پاس اس کی حقیقت آ جائے گی
كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۶	جس سے ہنسی کرتے تھے۔
اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمْ اَنْۢبَتْنَا	کیا انھوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا اس میں ہم نے کتنے
فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۷	ہر قسم کے عمدہ جوڑے اگائے ہیں[۱]۔
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ	یقیناً اس میں ایک نشان ہے اور ان میں سے اکثر ایمان
اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۸	لانے والے نہیں۔
وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۹	اور تیرا رب بیشک وہی غالب رحم کرنے والا ہے[۲]۔
وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ	اور جب تیرے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ
الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۰	ظالم قوم کے پاس جا۔
قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۭ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝۱۱	فرعون کی قوم کے پاس، کیا وہ تقویٰ اختیار نہیں کریں گے۔
قَالَ رَبِّ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝۱۲	اس نے کہا میرے رب میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے جھٹلا دیں۔
وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ	اور میرا سینہ رکتا ہے اور میری زبان نہیں چلتی، تو ہارون

نمبر۱۔ کریم۔ ہر شے سے اشرف کو کہا جاتا ہے اور مراد یہاں منفعت والی اشیاء ہیں کہ ان سب کے جوڑے جوڑے پیدا کیے ہیں اور اگلی آیت میں جو فرمایا کہ زمین میں ہر قسم کے ازدواج پیدا کرنے میں بھی ایک نشان ہے تو وہ نشان صرف یہی نہیں کہ انسان سب سے اشرف ہے وہ اپنے آپ کو کیوں ذلیل کر رہا ہے بلکہ اس کی تصریح دوسری جگہ فرمائی ہے ومن کل شئ خلقنا زوجین لعلکم تذکرون ففروا الی اللہ۔ (الذاریٰت ۔ ۴۹ و ۵۰) یعنی جب ہر چیز کے ازواج ہیں تو انسان کے اندر جو قوٰی دیگر حیوانات سے بڑھ کر رکھے گئے ہیں ان کا نشوونما صحیح طریق پر بغیر کسی زوج سے تعلق کے کیونکر ہو سکتا ہے اور اس صورت میں یہ تعلق باللہ ہے جو انسان کے قوائے روحانی کا نشوونما کرتا ہے یہی وہ نشان ہے جس کی طرف یہاں اشارہ کیا ہے اور اسی لیے اگلے رکوعوں میں انبیاء کا ذکر کر کے جو تعلق باللہ پیدا کرتے ہیں اور ان کی کامیابی کا ذکر کر کے یہ لفظ ہر بار دہرائے ہیں۔

نمبر۲۔ ان دو صفات کے انتخاب میں یہ اشارہ ہے کہ مخالفین حق پر اللہ غالب آتا ہے مگر نہ ان کی بیخکنی کے لیے، بلکہ ان پر رحم کرنے کے لیے۔ اس میں رسول اللہ صلعم کو تسلی دی ہے کہ آپ ان لوگوں کے لیے زیادہ غم نہ کریں اللہ تعالیٰ غلبہ کے بعد ان سے رحم کا معاملہ کرے گا۔

فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ﴿۱۳﴾

کی طرف (میری مدد کے لیے) پیغام بھیج۔

وَلَهُمْ عَلَیَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ﴿۱۴﴾

اور وہ میرے ذمّے ایک قصور دھرتے ہیں سو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں۱۔

قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰیٰتِنَاۤ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ﴿۱۵﴾

کہا ہرگز نہیں، سو دونوں ہمارے نشانوں کے ساتھ جاؤ ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں۔

فَاْتِیَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶﴾

سو فرعون کے پاس دونوں جاؤ اور کہو ہم جہانوں کے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔

اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۱۷﴾

کہ ہمارے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔

قَالَ اَلَمْ نُرَبِّكَ فِیْنَا وَلِیْدًا وَّ لَبِثْتَ فِیْنَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِیْنَ ﴿۱۸﴾

(فرعون نے) کہا، کیا ہم نے تجھے اپنے ہاں بچہ سا نہیں پالا اور تو ہمارے اندر اپنی عمر کے (کئی) سال رہا۔

وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِیْ فَعَلْتَ وَاَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۱۹﴾

اور تو نے اپنا وہ کام کیا جو کیا، اور تو ناشکر گزاروں میں سے ہے۔

قَالَ فَعَلْتُهَاۤ اِذًا وَّاَنَا مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۲۰﴾

کہا میں نے اسے اس حال میں کیا جبکہ میں ناواقفوں میں سے تھا۲۔

فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِیْ رَبِّیْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۲۱﴾

سو میں تم سے بھاگ گیا جب میں تم سے ڈرا، سو میرے رب نے مجھے فہم عطا فرمایا اور مجھے رسولوں میں سے بنایا۔

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ﴿۲۲﴾

اور یہ وہ نعمت ہے جسے تو مجھ پر جتاتا ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا لیا ہے۳۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۳﴾

فرعون نے کہا اور جہانوں کا رب کون ہے؟

نمبر۱۔ یہ قصور قبطی کا قتل تھا جس کا مفصّل ذکر سورۂ قصص میں ہے اور یہاں بھی آگے کچھ ذکر آتا ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ واقعی قصور کیا تھا بلکہ یہ کہ ان کا دعویٰ میرے خلاف ایسا ہے۔

نمبر۲۔ پچھلی آیت میں کافر سے مراد کافر نعمت ہے اور یہاں ضال سے مراد جاہل ہے اور عرب جہل الطریق اور ضل الطریق ایک ہی معنی میں استعمال کرتے ہیں اور ضال سے مراد اس فعل کے نتیجہ سے ناواقف ہے کیونکہ آپ کا ارادہ قتل تو نہ تھا بلکہ صرف مُکا مارنا تھا فوکزہ موسیٰ (القصص۔۱۵) اور یہ انہیں کس طرح خبر ہو سکتی تھی کہ ایک مُکے سے ایک شخص مر جائے گا اور اگلی آیت میں جو خفتکم فرمایا تو مطلب یہ ہے کہ تمہارے ظلم کا خوف تھا اس لیے کہ جو شخص مارا گیا وہ قبطی تھا اور دوسری قوم کی وجہ سے حضرت موسیٰ کو کوئی توقع نہ تھی کہ آپ کے ساتھ اس معاملہ میں انصاف ہوگا۔

نمبر۳۔ یعنی ایک میرے پالنے کا تم احسان جتاتے ہو اور ساری قوم کو تم نے غلام بنا رکھا ہے۔

قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۲۴﴾

کہا آسمانوں اور زمین کا رب اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اگر تم یقین کرنے والے ہو۔

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗۤ اَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ﴿۲۵﴾

(فرعون نے) انھیں جو اردگرد تھے کہا، کیا تم سنتے نہیں

قَالَ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآىِٕكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۶﴾

(موسیٰؑ نے) کہا تمھارا رب اور تمھارے پہلے باپ دادوں کا رب۔

قَالَ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِيْۤ اُرْسِلَ اِلَيْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۲۷﴾

(فرعون نے) کہا تمھارا رسول جو تمھاری طرف بھیجا گیا ہے، یقیناً مجنون ہے ۱؎

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ؕ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

(موسیٰؑ نے) کہا مشرق اور مغرب کا رب اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اگر تم عقل سے کام لو۔

قَالَ لَىِٕنِ اتَّخَذْتَ اِلٰهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ ﴿۲۹﴾

(فرعون نے) کہا اگر تو میرے سوا کوئی دوسرا معبود بنائے گا تو میں تجھے قیدیوں میں داخل کر دوں گا۔

قَالَ اَوَ لَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾

کہا بھلا اگر میں تیرے پاس کوئی کھلی بات لاؤں!

قَالَ فَاْتِ بِهٖۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾

کہا تو وہ لے آ اگر تو سچا ہے۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۲﴾

پس اپنا عصا ڈالا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ صریح اژدہا ہے۔

وَّ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۳۳﴾

اور اپنا ہاتھ نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لیے سفید تھا۔

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾

(فرعون نے) اپنے اردگرد کے سرداروں سے کہا یہ علم والا جادوگر ہے۔

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ ۖ فَمَا ذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۳۵﴾

چاہتا ہے کہ اپنے جادو سے تمھیں تمھارے ملک سے نکال دے۔ سو تم کیا مشورہ دیتے ہو۔

قَالُوْۤا اَرْجِهْ وَ اَخَاهُ وَ ابْعَثْ فِي الْمَدَآىِٕنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۳۶﴾

انھوں نے کہا اسے اور اس کے بھائی کو مہلت دے اور شہروں میں نقیب بھیج دے۔

يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سَحَّارٍ عَلِيْمٍ ﴿۳۷﴾

وہ ہر ایک علم والے جادوگر کو تیرے پاس لے آئیں۔

نمبر۱ مجنون اس لیے کہا کہ حضرت موسیٰؑ نے اس کی بات کی پروا نہ کرکے اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا ذکر جاری رکھا اور یوں بھی انبیاء کو بوجہ اس جوش کے جو انھیں حق کے لیے دیا جاتا ہے کہ وہ بالمقابل کسی طاقت کی پروا نہیں کرتے دنیا کے لوگ مجنون سمجھتے ہیں۔

فَجُمِعَ السَّحَرَةُ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۝٣٨	سو جادوگر ایک مقررہ دن کے وعدے پر جمع ہو گئے۔
وَّقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنتُم مُّجْتَمِعُونَ ۝٣٩	اور لوگوں کو کہا گیا کیا تم جمع ہو گئے۔
لَعَلَّنَا نَتَّبِعُ السَّحَرَةَ إِن كَانُوا	شاید ہم جادوگروں کی پیروی کریں اگر وہ غالب
هُمُ الْغَالِبِينَ ۝٤٠	رہیں۔
فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ	سو جب جادوگر آ گئے انھوں نے فرعون سے کہا کیا ہمارے
أَئِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ۝٤١	لیے کچھ اجر ہے اگر ہم غالب رہیں۔
قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذًا لَّمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ۝٤٢	کہا ہاں اور تم اس صورت میں مقربوں میں سے ہو گے۔
قَالَ لَهُم مُّوسَىٰ أَلْقُوا مَا أَنتُم مُّلْقُونَ ۝٤٣	موسیٰؑ نے ان سے کہا ڈالو جو تم ڈالتے ہو۔
فَأَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ	سو انھوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں ڈالیں اور کہا فرعون
فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ۝٤٤	کے اقبال سے ہم ہی غالب ہوں گے۔
فَأَلْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ	تب موسیٰؑ نے اپنا عصا ڈالا، تو جو وہ جھوٹ بناتے تھے
مَا يَأْفِكُونَ ۝٤٥	وہ اسے نگلنے لگا۔
فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سَاجِدِينَ ۝٤٦	پس جادوگر سجدے میں گر گئے۔
قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝٤٧	انھوں نے کہا ہم جہانوں کے رب پر ایمان لائے۔
رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ۝٤٨	موسیٰؑ اور ہارونؑ کے رب (پر)
قَالَ آمَنتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ	(فرعون نے) کہا تم اس پر ایمان لائے قبل اس کے کہ میں تمھیں
إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمُ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ	اجازت دوں یقیناً یہ تمھارا بڑا ہے جس نے تمھیں
فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ لَأُقَطِّعَنَّ	جادو سکھایا ہے سو تم جان لو گے۔ میں تمھارے ہاتھ اور
أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُم مِّنْ خِلَافٍ	تمھارے پاؤں مخالف طرفوں سے کاٹ دوں گا،
وَلَأُصَلِّبَنَّكُمْ أَجْمَعِينَ ۝٤٩	اور میں تم سب کو صلیب دے دوں گا۔
قَالُوا لَا ضَيْرَ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنقَلِبُونَ ۝٥٠	انھوں نے کہا کچھ حرج نہیں ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں۔
إِنَّا نَطْمَعُ أَن يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطَايَانَا	ہم آرزو رکھتے ہیں کہ ہمارا رب ہماری خطائیں ہمیں بخش دے کہ

أَنْ كُنَّآ أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ۝٥١	ہم پہلے ایمان لانے والے ہیں۔
وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰٓ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِيٓ	اور ہم نے موسیٰؑ کی طرف وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں
إِنَّكُم مُّتَّبَعُونَ ۝٥٢	کو لے جا کیونکہ تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔
فَأَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِينَ ۝٥٣	تو فرعون نے شہروں میں نقیب بھیجے۔
إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ ۝٥٤	کہ یہ تھوڑی سی جماعت ہے۔
وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُونَ ۝٥٥	اور وہ ہمیں غصے میں لانے والے ہیں۔
وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حٰذِرُونَ ۝٥٦	اور ہم ایک محتاط جماعت ہیں [م۱]
فَأَخْرَجْنٰهُم مِّن جَنّٰتٍ وَّعُيُونٍ ۝٥٧	سو ہم نے انھیں باغوں اور چشموں سے نکال دیا۔
وَّكُنُوزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيمٍ ۝٥٨	اور خزانوں اور عزت والے مقام سے۔
كَذٰلِكَ ۖ وَأَوْرَثْنٰهَا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ۝٥٩	ایسا ہی (اب ہوگا) اور ان (چیزوں) کا وارث بنی اسرائیل کو بنایا [م۲]
فَأَتْبَعُوهُم مُّشْرِقِينَ ۝٦٠	سو انھوں نے سورج نکلتے ان کا پیچھا کیا۔
فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ أَصْحٰبُ	پس جب دونوں جماعتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا، موسیٰؑ
مُوسَىٰٓ إِنَّا لَمُدْرَكُونَ ۝٦١	کے ساتھیوں نے کہا ہم تو پکڑے گئے۔
قَالَ كَلَّآ ۖ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝٦٢	(موسیٰؑ نے) کہا ہرگز نہیں، میرے ساتھ میرا رب ہے، وہ مجھے رستہ دکھائیگا۔
فَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰ مُوسَىٰٓ أَنِ اضْرِب بِّعَصَاكَ	سو ہم نے موسیٰؑ کی طرف وحی کی کہ اپنے عصا سے سمندر کو مار
الْبَحْرَ ۖ فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ	پس وہ پھٹ گیا اور ہر ایک فریق ایک بڑے

نمبر۱۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو بالکل تباہ کرنے کی ٹھان لی تھی اسی لیے وہ کہتا ہے کہ ہم محتاط لوگ ہیں یعنی قبل اس کے کہ بنی اسرائیل ہماری برابری کا دعویٰ کریں اور معزز بن جائیں ہمیں ان کا کام تمام کر دینا چاہیئے۔ دوسری جگہ ہے ونری فرعون وھامان وجنودھما منھم ما کانوا یحذرون۔ (القصص)

۲) غصہ دلانے سے مراد یہ ہے کہ ہم بڑے لوگ ہیں یہ ایک ماتحت اور ذلیل قوم ہو کر جب ہماری برابری کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہمیں غصہ آتا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ بیان وحی کا ذکر پہلے ہے تو وحی اور چیز ہے اور بنی اسرائیل کا مصر سے نکلنا اور چیز ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ بنی اسرائیل مصر سے نکل پڑے تو فرعون نے شہروں میں نقیب بھیجے بلکہ مطلب صرف اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو بذریعہ وحی پہلے سے اطلاع دیدی تھی کہ اب فرعون ایسا کام کرنے والا ہے کہ سوائے اس کے کہ بنی اسرائیل کو رات کو پوشیدہ طور پر نکال لیا جائے اور چارہ نہیں۔

نمبر۲۔ اورثنٰھا سے مراد ہے کہ باغوں اور خزانوں کا وارث۔ نہ فرعون کے باغوں اور خزانوں کا۔ اس لیے کہ جب وہ غلامی سے نکل کر آزاد ہوگئے تو باغ اور خزانے اور عزت کا مقام مل گیا اور بعض نے یہ مراد لی ہے کہ حضرت سلیمانؑ کے زمانہ میں مصر پر بنی اسرائیل قابض ہوگئے۔

كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾
تودہ کی طرح تھا ۔

وَ اَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۴﴾
اور وہیں ہم دوسروں کو قریب لے آئے ۔

وَ اَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَ مَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۶۵﴾
اور ہم نے موسیٰ کو اور جو اس کے ساتھ تھے اُن سب کو نجات دی ۔

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۶۶﴾
پھر ہم نے دوسروں کو غرق کر دیا ۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ
اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۶۷﴾
اس میں ایک نشان ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں ۔

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۶۸﴾
اور تیرا رب وہی غالب رحم کرنے والا ہے ۔

وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾
اور ان پر ابراہیمؑ کی خبر پڑھ ۔

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾
جب اس نے اپنے بزرگ اور اپنی قوم سے کہا تم کس کو پوجتے ہو ۔

قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ﴿۷۱﴾
انھوں نے کہا ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور انہی کی عبادت میں لگے رہیں گے ۔

قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ﴿۷۲﴾
کہا کیا یہ تمھاری (بات) سنتے ہیں جب تم پکارتے ہو ۔

اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿۷۳﴾
یا تمھیں فائدہ پہنچاتے ہیں یا نقصان دے سکتے ہیں ۔

نمبر۱۔ اضرب بعصاک البحر علاوہ اس معنی کے جو ترجمہ میں ہیں یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ اپنے عصا کے ساتھ سمندر میں چل پڑ۔ یا اپنی جماعت کے ساتھ چل پڑ اس کی تائید دوسری آیت سے ہوتی ہے فاضرب لھم طریقًا فی البحر یبسًا (طٰہٰ۔ ۷۷) فرق الگ ہوئے ہوئے ٹکڑے کو کہا جاتا ہے اور فرقۃ اس جماعت کو جو باقی لوگوں سے الگ ہو جائے اور فرق کے معنی قسم بھی ہیں اور لوگوں کے ایک گروہ کو بھی کہتے ہیں۔

طود بڑے پہاڑ کو بھی کہتے ہیں اور پشتہ یا تودہ کو بھی اور ایک شعر میں اونٹوں کے کوہانوں کو اطواد کہا گیا ہے۔ سمندر میں حضرت موسیٰ کو رستہ ملنے کے متعلق پہلے بیان ہو چکا ہے۔ یہاں سے مفسرین نے بارہ رستے نکالے ہیں۔ حالانکہ یہاں بارہ کا ذکر نہیں نہ کسی حدیث میں ہے اور کل فرق سے مراد پانی کے قطعات بھی ہو سکتے ہیں اور دونوں فریق یا جماعتیں بھی ہو سکتی ہیں اور اس دوسری صورت میں مراد یہ ہوگی کہ فرعون کے پہنچتے پہنچتے بنی اسرائیل سمندر کو عبور کر گئے اور سمندر کے دونوں کناروں پر یہ دونوں جماعتیں بڑے تودہ کی طرح نظر آنے لگیں اور ازلفنا ثم الآخرین (۶۴) سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر فرعون نے وہی رستہ لیا جس پر بنی اسرائیل چلے تھے۔ نپولین بونا پارٹ کی لائف میں میں نے ایک واقعہ پڑھا ہے بعینہٖ بحیرہ قلزم کے اسی مقام پر جب جوار بھاٹے کی وجہ سے سمندر پیچھے ہٹا ہوا تھا۔ غروب آفتاب کے قریب نپولین اپنے ساتھیوں سمیت داخل ہوا ادھر تاریکی شروع ہوئی اور پانی چڑھنا شروع ہوا یہاں تک کہ رستہ ملنا محال ہو گیا۔ آخر نپولین نے چاروں طرف چند آدمی روانہ کیے اور جدھر جدھر پانی گہرا ہوتا گیا اس طرف سے رُخ ہٹا کر اس جانب رخ کیا جدھر پانی کم ہوتا چلا گیا۔ اگر یہ تجویز نہ سوجھتی تو لشکر سمیت غرق ہو جاتا۔ ہو سکتا ہے کہ فرعون نے تعاقب میں فرعون نے چڑھاؤ کے وقت کا خیال نہ کیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے لیے اعجازی طور پر سمندر نے رستہ دیدیا اور فرعونی وہاں غرق ہو گئے۔

نمبر۲۔ اس سورت میں سب سے پہلے حضرت موسیٰؑ کا ذکر کیا کیونکہ اصل مقصود وہی ہے جیسا کہ طسم کی تشریح میں دکھایا گیا ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کا ذکر ہے اس لیے کہ حضرت ابراہیم میں حضرت موسیٰؑ اور آنحضرت صلعم ملتے ہیں اس کے بعد چند انبیاء کا ذکر کیا جو عرب کے اردگرد آئے جن کے دشمنوں کو ہلاک کیا گیا اور یہ ترتیب تاریخی سے ہے یعنی اوّل نوحؑ، پھر ہودؑ، پھر صالحؑ، پھر لوطؑ، پھر شعیبؑ۔

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٤﴾	انھوں نے کہا بلکہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایسا ہی کرتے پایا۔
قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ﴿٧٥﴾	کہا کیا تم دیکھتے ہو کہ جن کی تم عبادت کرتے ہو۔
اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿٧٦﴾	تم اور تمھارے پہلے باپ دادا۔
فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٧﴾	تو وہ میرے لیے دشمن ہیں مگر جہانوں کا رب۔
الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ﴿٧٨﴾	جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی مجھے ہدایت دیتا ہے۔
وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ﴿٧٩﴾	اور جو مجھے کھلاتا اور مجھے پلاتا ہے۔
وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ﴿٨٠﴾	اور جب میں بیمار ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے۔
وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ﴿٨١﴾	اور جو مجھے مارے گا پھر مجھے زندہ کرے گا۔
وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓـَٔتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿٨٢﴾	اور جو میں امید رکھتا ہوں کہ میری خطائیں جزا و سزا کے دن معاف کرے گا ؎
رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٣﴾	میرے رب مجھے حکمت عطا فرما اور مجھے صالح لوگوں کے ساتھ ملا۔
وَاجْعَلْ لِّيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿٨٤﴾	اور میرے لیے پچھلوں میں ذکر خیر جاری رکھ ؎
وَاجْعَلْنِيْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِيْمِ ﴿٨٥﴾	اور مجھے نعمتوں والی جنت کے وارثوں میں بنا۔
وَاغْفِرْ لِاَبِيْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿٨٦﴾	اور میرے بزرگ کو معاف فرما وہ گمراہوں میں سے ہے۔
وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٨٧﴾	اور مجھے اس دن رسوا نہ کیجیو جس دن (لوگ) اٹھائے جائیں۔
يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ ﴿٨٨﴾	جس دن نہ مال نفع دے گا اور نہ بیٹے۔

نمبر۱۔ خطیئۃ کا لفظ وسیع ہے۔ بھول کر جو غلطی ہو جائے وہ بھی اس میں داخل ہے حالانکہ وہ گناہ نہیں۔ اس قسم کی غلطی عصمت انبیاء کے منافی نہیں بلکہ تقاضائے بشریت ہے۔ اسی معنی میں حضرت مسیح نے کہا تھا تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔ نیک سوائے خدا کے کوئی نہیں کیونکہ ہر بشر سے غلطی ہو سکتی ہے۔

نمبر۲۔ آخرین سے مراد یہاں بعض کے نزدیک آخری امت ہے یعنی خاتم النبیین کی امت جس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ درود شریف میں حضرت ابراہیم کا ذکر اسی طرف اشارہ کرتا ہے۔

إِلَّا مَنْ أَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝٨٩	مگر جو سلامتی والے دل کے ساتھ اللہ کے حضور آئے ۱؎
وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝٩٠	اور جنت کو متقیوں کے لیے قریب کیا جائے گا۔
وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ ۝٩١	اور دوزخ گمراہوں کے لیے ظاہر کیا جائے گا۔
وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَمَا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ۝٩٢	اور انھیں کہا جائیگا وہ کہاں ہیں جن کی تم عبادت کرتے تھے۔
مِن دُونِ اللّٰهِ هَلْ يَنصُرُونَكُمْ أَوْ يَنتَصِرُونَ ۝٩٣	اللہ کے سوائے۔ کیا وہ تمھاری مدد کر سکتے ہیں یا بدلہ لے سکتے ہیں۔
فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ۝٩٤	سو وہ اور گمراہ کرنے والے اس میں اوندھے منہ ڈالے جائیں گے ۲؎
وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ۝٩٥	اور ابلیس کے لشکر سب کے سب۔
قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ۝٩٦	کہیں گے اور وہ اس میں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہونگے۔
تَاللّٰهِ إِن كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝٩٧	اللہ کی قسم ہم کھلی گمراہی میں تھے۔
إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝٩٨	جب ہم تمھیں جہانوں کے رب کے برابر کرتے تھے ۳؎
وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ۝٩٩	اور ہمیں گمراہ نہیں کیا مگر مجرموں نے۔
فَمَا لَنَا مِن شَافِعِينَ ۝١٠٠	پس ہمارے لیے کوئی سفارش کرنے والا نہیں۔
وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ۝١٠١	اور نہ کوئی غم کھانے والا دوست ہے۔
فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝١٠٢	سو کاش اگر ہمارے لیے لوٹ کر جانا ہو تو ہم مومنوں میں سے ہوں۔
إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ۝١٠٣	اس میں ایک نشان ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔

نمبر۱- سلیم - تمام آفات باطنی سے محفوظ - مطلب یہ ہے کہ انسان کے بچاؤ اور نجات کے لیے مال اور اولاد کام نہیں آئینگے مگر قلب سلیم کام آئے گا۔

نمبر۲- یہاں تین گروہ ہیں: ھم، غاؤن، جنود ابلیس - جو اگلی آیت میں مذکور ہے - ظاہر ہے کہ آخری لفظ سے شیاطین کا گروہ مراد ہے جو بدی کے محرک ہیں اور غاوی یا گمراہ کرنے والے وہ لوگ سردار ہیں جو دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں اور ھم سے مراد اُن کے متبعین ہیں - جنود ابلیس کے لفظ سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ ہر انسان کے لیے ابلیس کی کوئی الگ ہستی ہے اور یہ حدیث کے مطابق ہے اور یہاں بتوں کے آگ میں ڈالنے کا کوئی ذکر نہیں۔

نمبر۳- اوپر کے نوٹ سے ظاہر ہے کہ جنہیں رب العالمین کے برابر بنانے کا ذکر ہے وہی ان کے گمراہ کنندہ ہیں - کیونکہ ان کے احکام کو وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی طرح مانتے تھے۔

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿١٠٤﴾	اور تیرا رب وہی غالب رحم کرنے والا ہے۔
كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ ِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٠٥﴾	نوحؑ کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔
اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٠٦﴾	جب ان کے بھائی نوحؑ نے ان سے کہا کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿١٠٧﴾	میں تمہارے لیے رسول امین ہوں۔
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿١٠٨﴾	سو اللہ کا تقویٰ کرو اور میری فرمانبرداری کرو۔
وَ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ	اور میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر صرف
اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٩﴾	جہانوں کے رب پر ہے۔
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿١١٠﴾	سو اللہ کا تقوےٰ کرو اور میری فرمانبرداری کرو۔
قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَ اتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ ﴿١١١﴾	انھوں نے کہا کیا ہم تجھ پر ایمان لائیں اور تیرے پیرو ادنیٰ درجے کے لوگ ہیں۔
قَالَ وَ مَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٢﴾	اس نے کہا اور مجھے کیا علم ہے وہ کیا کرتے ہیں۔
اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰى رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ﴿١١٣﴾	ان کا حساب صرف میرے رب کا کام ہے کاش تم سمجھو۔
وَ مَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٤﴾	اور میں مومنوں کو حقیر سمجھ کر نکالنے والا نہیں ہوں۔
اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٥﴾	میں صرف کھول کر ڈرانے والا ہوں۔
قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ	انھوں نے کہا اے نوحؑ اگر تو نہ رکا تو ضرور تجھے سنگسار
مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ﴿١١٦﴾	کیا جائے گا۔
قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ﴿١١٧﴾	اس نے کہا اے میرے رب میری قوم نے مجھے جھٹلا دیا ہے۔
فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَ بَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّ نَجِّنِيْ	سو میرے اور اُن کے درمیان فیصلہ کر اور مجھے اور اُنھیں
وَ مَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾	جو مومنوں میں سے میرے ساتھ ہیں نجات دے۔
فَاَنْجَيْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿١١٩﴾	سو ہم نے اُسے اور انھیں جو اس کے ساتھ تھے بھری ہوئی کشتی میں نجات دی۔
ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ﴿١٢٠﴾	پھر اس کے بعد باقی لوگوں کو غرق کر دیا۔
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَ مَا كَانَ	اس میں ایک نشان ہے۔ اور اُن میں سے اکثر ایمان لانے
اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿١٢١﴾	والے نہیں۔

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۱۲۲	اور تیرا رب وہی غالب رحم کرنے والا ہے۔
كَذَّبَتْ عَادُ الْمُرْسَلِيْنَ ۱۲۳	عاد نے رسولوں کو جھٹلایا۔
اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۱۲۴	جب ان کے بھائی ہودؑ نے اُن سے کہا کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔
اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۱۲۵	میں تمہارے لیے رسول امین ہوں۔
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۱۲۶	سو اللہ کا تقویٰ کرو اور میری اطاعت کرو۔
وَ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۱۲۷	اور میں تم سے اس پر اجر نہیں مانگتا، میرا اجر صرف جہانوں کے رب پر ہے۔
اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۱۲۸	کیا تم ہر اونچی جگہ پر یادگاریں بناتے ہو عبث کام کرتے ہوئے!
وَ تَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۱۲۹	اور کاریگری کے کام بناتے ہو کہ شاید تم ہمیشہ رہو گے۔
وَ اِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۱۳۰	اور جب تم (کسی کو) پکڑتے ہو سختی سے پکڑتے ہوئے۔
فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوْنِ ۱۳۱	سو اللہ کا تقوےٰ کرو اور میری اطاعت کرو۔
وَ اتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۱۳۲	اور اس کا تقویٰ کرو جس نے ان چیزوں سے تمہاری مدد کی جو تم جانتے ہو۔
اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّ بَنِيْنَ ۱۳۳	چارپایوں اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی ہے۔
وَ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۱۳۴	اور باغوں اور چشموں سے۔
اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۱۳۵	میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب (کے آنے) سے ڈرتا ہوں۔

نمبر۱۔ ریع ۔ ربعۃ کی جمع ہے۔ ہر ایک اونچی جگہ جو دُور سے نظر آئے۔ ایۃ یہاں بلند عمارت ہے معلوم ہوتا ہے یہ بلند عمارتیں صرف بڑے بڑے آدمیوں کی یادگاروں کے طور پر بنائی جاتی تھیں۔ اسی لیے ان کو آیۃ یا نشان کہا ہے اور ان کی غرض صرف اپنے نام کی بڑائی اور نمود تھی۔

نمبر۲۔ مصانع سے مراد ہے جو وہ بناتے تھے اور اعلیٰ درجہ کے مکانوں کو بھی مصانع کہتے ہیں اور حوض کو یا تالاب بند وغیرہ کو جس میں بارش کا پانی جمع کیا جائے۔ اور عمارتوں کو جو لوگ بنائیں اور محلات کو بھی مصانع کہتے ہیں اور مفسرین کے بھی اس میں مختلف اقوال ہیں۔ بعض بڑی بڑی عمارات مراد لیتے ہیں۔ بعض قلعے، بعض محلات بعض پانی کے تالاب۔ ابن جریر کہتے ہیں یہ لفظ ان سب پر حاوی ہے اور وسیع معنی میں ہی لیا جاسکتا ہے اور اعلیٰ درجہ کی کاریگری کے کام بڑی عمارات ہوں یا قلعے۔ یا پانی کے تالاب کوئی معیوب امر نہیں بلکہ معیوب یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بالکل بھول گئے اور انہی چیزوں کو اپنی طاقت کا اصل موجب سمجھا۔ اس لیے فرمایا کہ یہ چیزیں تم کو باقی نہیں رکھ سکتیں اگر خدا کو منظور نہ ہو۔

نمبر۳۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم بوجہ آسودگی کے تکبر اور ظلم میں بہت تجاوز کر گئی تھی اور اپنی بڑی بڑی عمارتوں اور کاریگری کے کاموں پر اتنا فخر تھا کہ غربا کے حقوق کی پروا نہیں کرتے تھے۔ آج بھی ہم دنیا میں یہی نقشہ دیکھتے ہیں۔ جہاں کسی قوم نے ترقی کی اور قوت و حشمت کی مالک ہوئی دوسری قوموں کو اپنا شکار سمجھا یہی بات اللہ کو ناپسند ہے۔

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ
انھوں نے کہا ہمارے لیے برابر ہے خواہ تو وعظ کرے یا تو

تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝١٣٦
وعظ کرنے والوں میں سے نہ ہو۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٣٧
یہ (اور) کچھ نہیں مگر پہلوں کا (بنایا ہوا) جھوٹ ہے ۱؎

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝١٣٨
اور ہم عذاب نہیں دیے جائیں گے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ
سو انھوں نے اسے جھٹلایا پس ہم نے انھیں ہلاک کر دیا اس میں

وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝١٣٩
ایک نشان ہے اور ان میں سے اکثر ایمان لانیوالے نہیں۔

ع وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝١٤٠
اور تیرا رب وہی غالب رحم کرنے والا ہے۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝١٤١
ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا۔

اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝١٤٢
جب ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے

اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝١٤٣
میں تمھارے لیے رسول امین ہوں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝١٤٤
سو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری فرمانبرداری کرو۔

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ
اور میں تم سے اس پر کچھ اجر نہیں مانگتا، میرا اجر صرف

اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٤٥
جہانوں کے رب پر ہے۔

اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ۝١٤٦
کیا تم (چیزوں) میں جو یہاں ہیں امن میں چھوڑ دیئے جاؤ گے۔

فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝١٤٧
(یعنی) باغوں اور چشموں میں۔

وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۝١٤٨
اور کھیتیوں اور کھجوروں (میں) جن کا گابھا ملائم ہے۔

وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۝١٤٩
اور تم اتراتے ہوئے پہاڑوں میں گھر تراش لیتے ہو۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝١٥٠
سو اللہ کا تقوےٰ کرو اور میری فرمانبرداری کرو۔

وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝١٥١
اور حد سے بڑھنے والوں کی بات کو نہ مانو۔

الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا
جو زمین میں فساد کرتے ہیں، اور اصلاح نہیں

نمبر۱۔ خُلق ۔ خَلق ۔ جہاں جہاں کلام کے وصف میں استعمال کیا گیا ہے تو اس سے مراد کذب یعنی جھوٹ ہے اور اسی لیے بہت سے لوگوں نے لفظ خلق کے قرآن کریم پر اطلاق سے منع کیا ہے اور اسی معنی میں یہاں لفظ خلق ہے اور اسی معنی میں اختلاق ہے ان ھذا الا اختلاق۔

يُصْلِحُونَ ۝۱۵۲	کرتے۔
قَالُوٓا إِنَّمَآ أَنتَ مِنَ ٱلْمُسَحَّرِينَ ۝۱۵۳	انھوں نے کہا تجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے ۔[1]
مَآ أَنتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ فَأْتِ	تو کچھ نہیں مگر ہماری طرح ایک انسان ہے ، سو کوئی
بِـَٔايَةٍ إِن كُنتَ مِنَ ٱلصَّـٰدِقِينَ ۝۱۵۴	نشان لا اگر تو سچوں میں سے ہے۔
قَالَ هَـٰذِهِۦ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ	کہا یہ اونٹنی ہے اس کے لیے پانی کی باری ہے اور تمھارے
شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۝۱۵۵	لیے ایک معلوم وقت پانی کی باری ہے ۔[2]
وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوٓءٍ فَيَأْخُذَكُمْ	اور اُسے کوئی تکلیف نہ پہنچانا ، ورنہ تمھیں ایک بڑے دن
عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝۱۵۶	کا عذاب آ پکڑے گا۔
فَعَقَرُوهَا فَأَصْبَحُوا نَـٰدِمِينَ ۝۱۵۷	پس انھوں نے اس کے پاؤں کاٹ ڈالے پھر پشیمان ہوئے۔
فَأَخَذَهُمُ ٱلْعَذَابُ ۗ إِنَّ فِى ذَٰلِكَ	سو اُنھیں عذاب نے آ پکڑا ، اس میں ایک نشان ہے اور اُن
لَـَٔايَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ۝۱۵۸	میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔
ع وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ ٱلْعَزِيزُ ٱلرَّحِيمُ ۝۱۵۹	اور تیرا رب وہی غالب رحم کرنے والا ہے۔
كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ ٱلْمُرْسَلِينَ ۝۱۶۰	لوطؑ کی قوم نے رسولوں کو جھٹلایا۔
إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ لُوطٌ أَلَا تَتَّقُونَ ۝۱۶۱	جب ان کے بھائی لوطؑ نے اُن سے کہا کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔
إِنِّى لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ۝۱۶۲	میں تمھارے لیے رسول امین ہوں۔
فَٱتَّقُوا ٱللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝۱۶۳	سو اللہ کا تقویٰ کرو اور میری فرمانبرداری کرو۔
وَمَآ أَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ ۖ إِنْ	اور میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا ، میرا اجر

نمبر۱۔ مسحر کے معنی جادو کیا گیا بھی ہیں اور یہاں ابن جریر نے ابن عباسؓ سے مخلوق معنی کر کے کہا ہے کہ ہر ایک کھانے والے پر انسان ہو یا چارپایہ مسحر بول دیا جاتا ہے۔

نمبر۲۔ شرب پینے کا حصّہ ہے۔ کل شرب محتضر (القمر ۵۴: ۲۸) شرب یوم معلوم سے مراد مقررہ وقت پانی لینا ہے گویا وہ معلوم ہے اور یوم سے مراد یہاں عام ہے یعنی وقت یوم معلوم سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایک دن اونٹنی کے پانی پینے کے لیے مقرر تھا اور ایک دن ساری قوم کے لیے اور اونٹنی اپنی باری میں سارے شہر کا پانی پی جاتی تھی یہ کہیں قرآن شریف میں ذکر نہیں بلکہ کل شرب محتضر (القمر ۵۴: ۲۸) سے معلوم ہوتا ہے کہ چشمہ ایک معین وقت پر کھلتا تھا کیونکہ یہ پہاڑی ملک تھا اور بارش کی کمی سے ایسے مقامات پر پانی کے لیے وقت مقرر کرنا پڑتا ہے) اور مطلب یہ تھا کہ اونٹنی کو پانی پینے سے روکا نہ جائے۔

أَجْرِيَ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۱۶۴﴾ — صرف جہانوں کے رب پر ہے۔

أَتَأْتُونَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِينَ ﴿۱۶۵﴾ — کیا تم تمام جہان سے مَردوں کے پاس جاتے ہو۱

وَتَذَرُونَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ ۚ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُونَ ﴿۱۶۶﴾ — اور اسے چھوڑتے ہو جو تمھارے رب نے تمھارے لیے تمھارے جوڑے پیدا کیے، بلکہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔

قَالُوا لَئِنْ لَمْ تَنْتَهِ يٰلُوطُ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿۱۶۷﴾ — انھوں نے کہا اے لوطؑ اگر تو باز نہ آیا، تو تجھے نکال دیا جائے گا۔

قَالَ إِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ ﴿۱۶۸﴾ — اس نے کہا میں تمھارے عمل سے بیزار ہوں۔

رَبِّ نَجِّنِي وَأَهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۶۹﴾ — میرے رب مجھے اور میرے اہل کو اس سے نجات دے جو یہ کرتے ہیں۔

فَنَجَّيْنٰهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿۱۷۰﴾ — سو ہم نے اسے نجات دی اور اس کے اہل کو سب کے سب کو۔

إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغٰبِرِينَ ﴿۱۷۱﴾ — مگر ایک بُڑھیا۲ (جو) پیچھے رہ جانے والوں میں سے (تھی)

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْآخَرِينَ ﴿۱۷۲﴾ — پھر ہم نے دوسروں کو ہلاک کر دیا۔

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا ۖ فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۱۷۳﴾ — اور ہم نے اُن پر ایک مینہ برسایا، سو کیا بُرا اُن کا مینہ تھا جو ڈرائے گئے۔

إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۷۴﴾ — اس میں ایک نشان ہے، اور ان میں سے اکثر ایمان لانے والے نہیں۔

ع وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۷۵﴾ — اور تیرا رب وہی ہے غالب رحم کرنے والا ہے۔

كَذَّبَ أَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۷۶﴾ — بن کے رہنے والوں نے رسولوں کو جھٹلایا۔

إِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾ — جب شعیبؑ نے ان سے کہا کیا تم تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۷۸﴾ — میں تمھارے لیے رسول امین ہوں۔

نمبر۱۔ اگر من العالمین کو ذکران کے ساتھ پڑھا جائے تو معنی یوں ہوں گے کہ عالمین یعنی خدا کی مخلوق میں سے بجائے عورتوں کے پاس جانے کے تم مردوں کے پاس جاتے ہو اور اگر من العالمین کو تاتون سے متصل لیا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ تم ایک ایسا طریق اختیار کرتے ہو، جو کسی قوم نے نہیں کیا۔ یعنی مردوں کے پاس جاتے ہو۔

نمبر۲۔ عجوز سے مراد اُن کی بیوی ہے دوسری جگہ ہے الامراتہ (الاعراف - ۸۳) اور اہل میں اُن کے اہل بیت اور پیرو سب شامل ہیں۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝١٧٩
سو اللہ کا تقویٰ کرو اور میری فرمانبرداری کرو۔

وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ
اور میں اس پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میرا

اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٨٠
اجر صرف جہانوں کے رب پر ہے۔

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝١٨١
ماپ پورا دیا کرو اور کم دینے والوں میں سے نہ ہو۔

وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝١٨٢
اور ٹھیک ترازو سے تولا کرو۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا
اور لوگوں کو اُن کی چیزیں کم نہ دو، اور زمین میں

تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝١٨٣
فساد پھیلاتے نہ پھرو۔

وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ۝١٨٤
اور اس کا تقویٰ کرو جس نے تمھیں اور پہلی مخلوق کو پیدا کیا۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝١٨٥
انھوں نے کہا تجھ پر تو کسی نے جادو کر دیا ہے۔

وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ
اور تو کچھ نہیں مگر ہماری طرح ایک انسان ہے اور ہم تجھے

نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝١٨٦
جھوٹوں میں سے ہی سمجھتے ہیں۔

فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ
سو ہم پر کوئی آسمان کا ٹکڑا گرا دے، اگر تو

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝١٨٧
سچا ہے۔

قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝١٨٨
اس نے کہا میرا رب خوب جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ
سو انھوں نے اسے جھٹلایا پس بادل والے دن کے عذاب

اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝١٨٩
نے انھیں آپکڑا وہ بڑے دن کا عذاب تھا۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ
اس میں ایک نشان ہے اور ان میں سے اکثر ایمان

اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝١٩٠
لانے والے نہیں۔

ع وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝١٩١
اور تیرا رب وہی غالب رحم کرنے والا ہے۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٩٢
اور یہ جہانوں کے رب کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۝١٩٣
جبریل امین اسے لے کر اترا ہے۔

عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝١٩٤
تیرے دل پر، تاکہ تو ڈرانے والوں میں سے ہو ف۱

ف۱ اس مضمون کو رکوع اول کے مضمون کی طرف لوٹایا ہے اور بتایا ہے کہ جس قدر ذکر درمیان میں انبیاء کا ہوا وہ سب مثال کے طور پر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾
کھول کر بیان کرنے والی عربی زبان میں ۱؎۔

وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٩٦﴾
اور وہ پہلوں کے صحیفوں میں (موجود) ہے ۲؎۔

أَوَلَمْ يَكُن لَّهُمْ آيَةً أَن يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٩٧﴾
کیا اُن کے لیے یہ نشان نہیں کہ بنی اسرائیل کے عالم اُسے جانتے ہیں ۳؎۔

وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ﴿١٩٨﴾
اور اگر ہم اسے عجمیوں میں سے کسی پر اتارتے ۴؎۔

فَقَرَأَهُ عَلَيْهِم مَّا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١٩٩﴾
اور وہ اسے اُن پر پڑھتا اس پر کبھی ایمان نہ لاتے۔

كَذَٰلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٠٠﴾
اسی طرح ہم نے اسے مجرموں کے دلوں میں داخل کیا ہے۔

لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿٢٠١﴾
وہ اس پر ایمان نہیں لاتے، یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں ۵؎۔

فَيَأْتِيَهُم بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٠٢﴾
سو وہ ان پر اچانک آجائے گا اور انھیں خبر نہ ہوگی۔

فَيَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنظَرُونَ ﴿٢٠٣﴾
تب کہیں گے، کیا ہمیں مہلت دی جائے گی۔

کی تسلی کے لیے ہے اور وہی کام جو ان رسولوں کے ایک ایک کرکے سپرد کیا گیا، وہ سب کام آپ کے سپرد کیا گیا۔ جب وہ کامیاب ہوئے، تو آپ کیوں کامیاب نہ ہوں گے۔

نمبر۱۔ یہ لفظ بڑھائے ہیں تاکہ اوّل یہ معلوم ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر قرآن کے نازل کرنے سے یہ مراد نہیں کہ اس کے معانی آپ کے قلب پر نازل ہو گئے تھے بلکہ الفاظ اُترے ہیں اور دوسرے اس میں اشارہ حضرت موسٰی کی اور دیگر ان پیشگوئیوں کی طرف ہے جن میں ایک نبی کے عرب میں آنے کا ذکر تھا اور یوں اس آیت کا تعلق پچھلی آیات سے بھی ہے اور اگلی آیت سے بھی جس میں یہ ذکر ہے کہ قرآن کریم کی پیشگوئیاں سب پہلے صحیفوں میں تھیں۔

نمبر۲۔ پہلوں کے صحیفوں میں موجود ہونے سے مراد یہ ہے کہ قرآن کریم اور رسول اللہ صلعم کی پیشگوئیاں پہلی کتابوں میں موجود ہیں اور یہ خیال کہ صرف بعض صحیفوں میں یہ پیشگوئیاں ہیں صحیح نہیں بلکہ آپ کی پیشگوئیاں تو کل انبیاء نے کیں۔ ہاں جس طرح بعض کے صحیفے ہی دنیا سے نابود ہو گئے بعض میں سے یہ پیشگوئیاں بھی جاتی رہیں مگر اب تک بھی بالخصوص مجموعہ بائبل ان پیشگوئیوں سے بھرا پڑا ہے۔

نمبر۳۔ علمائے بنی اسرائیل کا بالخصوص ذکر کیا ہے اس لیے کہ جس قدر پیشگوئیاں بائبل میں ہیں اور کسی کتاب میں نہیں۔ علمائے بنی اسرائیل انھیں جانتے تھے اب بھی جانتے ہیں خواہ ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ بعض ان میں سے ایمان بھی لائے اور اب بھی لا رہے ہیں۔

نمبر۴۔ اس لیے کہ یہ حکمت الٰہی کے خلاف تھا جس حکمت کے مطابق پیشگوئیوں میں بھی اس کا عربی ہونا ظاہر کیا جا چکا تھا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کا آخری کلام چونکہ ہر قسم کی خوبیوں کو کیا ظاہری اور کیا باطنی اپنے اندر جمع کرنے والا تھا اس لیے اس کے لیے زبان بھی عربی ہو سکتی تھی جو اُن خوبیوں کو اپنے اندر جمع کر سکے فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے کوئی زبان عربی کو نہیں پہنچتی اور جس قدر اس کے الفاظ میں معانی جمع ہو جاتے ہیں۔ دوسری کوئی زبان اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

نمبر۵۔ مجرم وہ ہے جس نے جناب الٰہی سے قطع تعلق کر لیا اور حق کے مقابلہ پر کھڑا ہو گیا ایسے شخص کو کوئی دلیل کام نہیں دیتی۔ اس لیے جو شخص مجرم بنتا ہے۔ اس کے لیے یہی قانون الٰہی ہے کہ سوائے عذاب دیکھنے کے ایمان نہیں لاتا۔

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۲۰۴ — تو کیا ہمارے عذاب کے لیے جلدی کرتے ہیں۔

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۲۰۵ — تو کیا تو نے دیکھا اگر ہم انھیں سالوں تک فائدہ اٹھانے دیں۔

ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۲۰۶ — پھر ان کے پاس وہ آجائے جس کا انھیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۲۰۷ — تو جس سامان سے فائدہ اٹھاتے رہے ان کے کسی کام نہ آئے گا۔

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۲۰۸ — اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہیں کی، مگر اس کے لیے ڈرانے والے تھے۔

ع ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۲۰۹ — یاد دلانے کے لیے، اور ہم ظالم نہیں ہیں۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۲۱۰ — اور شیطان اسے لیکر نہیں اُترے۔

وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۲۱۱ — اور یہ اُن کے مناسب حال نہیں اور نہ وہ کر سکتے ہیں۔

اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۲۱۲ — وہ (وحی الٰہی کے) سننے سے دور کر دیئے گئے ہیں ۱۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۲۱۳ — سو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو نہ پکار، ورنہ تو عذاب پانے والوں میں سے ہوگا۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۲۱۴ — اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرا ۲۔

نمبر ۱۔ نبی کریم صلعم کو مفتری کہنے والے بہت ہی کم سیاہ باطن تھے کیونکہ وہ آپ کے حالات سے واقف تھے اور آپ کی راستبازی اور نیکی کا ان میں شہرہ تھا آج بھی یہی حال ہے کروڑوں دشمنوں میں سے سیکڑوں بھی نہیں جو آپ کے حالات کا سرسری علم رکھتے ہوئے بھی آپ کو مفتری کہہ سکیں۔ حتیٰ کہ عیسائی پادری بھی اپنا رویہ بدلتے جا رہے ہیں اُس وقت بھی آپ پر دو ہی بڑے اعتراض تھے اور آج بھی وہی دو ہیں۔ ماھو بقول شاعر قلیلًا ما تومنون ولا بقول کاھن (الحاقۃ ۴۱ و ۴۲)، آج مہذب عیسائیوں کی نئی سے نئی تصانیف کو اُٹھا کر دیکھو تو بڑا زور اس بات پر ہے کہ جیسے عرب میں کاہن تھے اور کہانت کا رواج تھا جس کی جگہ آج سپرچولزم نے لی ہوئی ہے ویسے ہی محمد رسول اللہ صلعم تھے۔ اسی کہانت کے الزام کی تردید ہی ان الفاظ میں ہے وما تنزلت بہ الشیاطین۔ یہ تو دعویٰ ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے مضامین ایسے ہیں کہ نہ ہی یہ کاہنوں کے موزون حال ہے اور نہ ان کی طاقت میں ہے۔ موزوں حال تو اس لیے نہیں کہ کہانت کو نیکی اور راستبازی سے کوئی تعلق نہیں بلکہ عموماً ان لوگوں کی زندگیاں ملوث ہوتی ہیں لیکن قرآن کریم میں سارا زور نیکی اور راستبازی اور تقویٰ پر دیا گیا ہے اور اسی لیے اس سورت میں بالخصوص جملہ انبیاء کی تعلیم کے اس حصہ پر زور دیا گیا ہے کہ لوگ تقویٰ اختیار کریں اور کہ نبی ان سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور یہ دونوں باتیں وہ ہیں جو کاہن میں نہیں پائی جاتیں کاہن اپنے پیشہ کہانت کو کمائی کا ذریعہ بھی بناتے ہیں اور وہ تقویٰ، نیکی اور راستبازی پر کبھی زور نہیں دیتے کیونکہ اگر وہ ایسا کریں تو ان کے پاس کوئی نہ آئے اور تیسری بات جس پر اس سورت میں زور دیا گیا ہے وہ رسول کا امین ہونا ہے یعنی ان کی پہلی زندگی بھی اعلیٰ درجہ کی راستبازی کی ہوتی ہے صرف کاہن نہیں بلکہ شاعر بھی ان باتوں سے خالی ہوتا ہے وہ طالب اجر ہوتا ہے اور کم سے کم واہ واہ کا خواہاں ہوتا ہے۔ اس کی پہلی زندگی ایسی نہیں ہوتی کہ وہ امین کہلا سکے۔ اشعار کا بھی نیکی اور راستبازی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

نمبر ۲۔ بخاری میں ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو آں حضرت صلعم صفا پر چڑھ گئے اور بلند آواز سے پکارنا شروع کیا: اے بنی فہر اے بنی عدی اور قریش کے مختلف بطنوں کو پکارتے رہے۔ یہاں تک کہ سب جمع ہو گئے اور جو شخص خود نہ آسکا اس نے اپنی طرف سے ایک آدمی بھیج دیا تاکہ وہ دیکھے کہ کیا معاملہ ہے۔ ابولہب بھی آیا اور قریش بھی

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۱۵﴾ اور اپنے بازو کو اس کے لیے جھکا ، جو مومنوں میں سے تیری پیروی کرتا ہے۔

فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۱۶﴾ سو اگر وہ تیری نافرمانی کریں تو کہہ دے ، میں اس سے بری ہوں جو تم کرتے ہو۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۲۱۷﴾ اور غالب رحم کرنے والے پر بھروسہ رکھ ؎۱

الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۲۱۸﴾ جو تجھے دیکھتا ہے ، جب تو کھڑا ہوتا ہے۔

وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ ﴿۲۱۹﴾ اور سجدہ کرنے والوں میں تیرے پھرتے رہنے کو دیکھتا ہے ؎۲

إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۲۲۰﴾ کیونکہ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔

هَلْ أُنَبِّئُكُمْ عَلَىٰ مَن تَنَزَّلُ الشَّيَاطِينُ ﴿۲۲۱﴾ کیا میں تمھیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں؟

تَنَزَّلُ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿۲۲۲﴾ وہ ہر جھوٹ بنانے والے گنہگار پر اترتے ہیں ؎۳

يُلْقُونَ السَّمْعَ وَأَكْثَرُهُمْ كَاذِبُونَ ﴿۲۲۳﴾ وہ کان لگاتے ہیں اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں ؎۴

تو آپ نے فرمایا بتاؤ اگر میں تمھیں خبر دوں کہ وادی میں ایک لشکر ہے جو تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے تو تم میری بات کو سچ مان لوگے ؟ انھوں نے کہا ہاں ہمارا ہمیشہ کا تجربہ آپ کے متعلق یہی ہے کہ آپ سچ بولتے ہیں۔ فرمایا تو میں تمھیں ایک سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمھارے سامنے ہے۔ تو ابولہب نے کہا تجھ پر ہمیشہ بربادی ہو کیا اس بات کے لیے تو نے ہمیں اکٹھا کیا تھا۔

اس انذار میں بھی ایک حکمت تھی کیونکہ انسان کے قریبی سب سے بڑھ کر اس کے حال کو جانتے ہیں اس لیے ان کو ڈرایا اور ان میں سے بہت سے لوگوں کو آپ کے ساتھ ہونا یہاں تک کہ شعب ابی طالب میں کل بنی ہاشم کا آپ کے ساتھ قید کی سختی کو برداشت کرنا بتاتا ہے کہ جو لوگ آپ سے قریب ترین تعلقات رکھتے تھے وہ سب سے بڑھ کر آپ کی صداقت کے معترف تھے۔

نمبر۱۔ یہاں انہی دو صفات الٰہی کا اعادہ کیا ہے جو ہر نبی کے ذکر کے آخر میں لائے گئے ہیں اور عزیز رحیم پر توکل میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو غالب بھی کریگا اور اپنے رحم سے لوگوں کو ایمان کی توفیق بھی دیگا اگر خدا کے کلام پر ایمان ہو تو آج یہی بشارت ہمارے لیے بھی ہے۔

نمبر۲۔ ساجدین سے مراد غازی اور انبیاء بھی لیے گئے ہیں۔ اول صورت میں یہ مراد ہے کہ تمھارا خدا کے حضور گرنا اپنا پھل لائے گا۔ دوسری صورت میں آپ کی کامیابی کی طرف اشارہ ہے اور ابن عباسؓ سے ایک معنی مروی ہیں تنتقل فی اصلاب حتی ولدتہ امہ یعنی نیک لوگوں کی پشتوں میں آپ کا منتقل ہوتے رہنا، یہاں تک کہ آپ کی ماں نے آپ کو جنا یعنی آپ کے آباؤ اجداد ساجدین میں سے تھے اور اس سے آپ کے والد اور والدہ کے مومن ہونے پر استدلال کیا گیا ہے۔

نمبر۳۔ یہاں بتا دیا کہ شیاطین کا تعلق تو انسان کی زندگی سے ظاہر ہو جاتا ہے جن لوگوں کا شیاطین سے تعلق ہو وہ جھوٹ بولتے اور ہر قسم کے گناہوں میں ملوث ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلعم کی زندگی کا ایک ایک واقعہ بتاتا ہے کہ آپ کا تعلق سرچشمہ قدوسیت سے تھا۔

نمبر۴۔ یعنی شیطانوں کی طرف کان لگانے سے مراد یہ ہے کہ ان کی طرف ان کا سخت میلان ہوتا ہے اس لیے وہ شیاطین سے مختلف باتیں سیکھتے رہتے ہیں اور ایسے لوگوں کی ظاہری علامت یہ بتائی کہ وہ صادق القول نہیں ہوتے بلکہ عام معاملات میں بھی جھوٹ بولتے رہتے ہیں اور فرشتوں سے شیاطین کا باتیں سننا اور کہ

وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ﴿۲۲۴﴾	اور رہے شاعر، ان کی پیروی گمراہ کرتے ہیں۔
اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ﴿۲۲۵﴾	کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ ہر وادی میں سرگردان پھرتے ہیں[1]
وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۲۲۶﴾	اور کہ وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔
اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	مگر وہ جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں اور
وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ	اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں اور اس کے بعد جو ان پر ظلم
بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ	کیا گیا بدلہ چاہتے ہیں اور جو ظالم ہیں جان لیں گے
ع ظَلَمُوْٓا اَیَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۲۷﴾	کہ کس جگہ لوٹ کر جائیں گے۔

ایاتها ۹۳ ۔ (۲۷) سُوْرَةُ النَّمْلِ مَكِّيَّةٌ ۲ ۔ رکوعاتها ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾	(طور سینا کی وحی پر غور کرو) یہ قرآن اور کھول کر بیان کرنیوالی کتاب کی آیتیں ہیں۔
هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾	مومنوں کے لیے ہدایت اور بشارت ہے۔
الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ	جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ آخرت پر
الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۳﴾	یقین رکھتے ہیں۔

آیت کے صریح خلاف ہے۔

نمبر۱۔ ان آیات میں اس دوسرے الزام کا جواب دیا ہے کہ یہ شاعر ہے پہلی یہ بات بتائی ہے کہ جو لوگ شاعروں کے تبع ہوتے ہیں وہ حق سے دور پڑے ہوئے ہوتے ہیں ان کو نیکی اور راستبازی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف نبی کے پیروؤں میں نیکی سے محبت حق کی خاطر دکھ اور تکلیفیں اُٹھانا ایسی باتیں ہیں جو شاعر اور نبی میں کھلا کھلا فرق کردیتی ہیں۔ دوسری بات جو بطور ما بہ الامتیاز نبی اور شاعر میں بتائی ہے وہ یہ ہے کہ شاعر لوگ ہر وادی میں گشت لگاتے رہتے ہیں کسی کی مدح پر اُترے تو آسمان وزمین کے قلابے ملا دیئے کسی کی بدگوئی شروع کی تو دنیا کے سارے عیب اس میں جمع کردیئے۔ نبی کی تعلیم ان باتوں سے پاک ہوتی ہے اور کسی کی مدح وذم سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کے سامنے ایک خاص مقصد ہوتا ہے اور اس کی ساری تعلیم اسی مقصد پر زور دینے کے لیے ہوتی ہے اور اس کی ساری جدوجہد اسی کو حاصل کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ تیسری بات کا ذکر اگلی آیت میں ہے شاعر یقولون ما لا یفعلون کا مصداق ہوتے ہیں کہتے کچھ ہیں کرتے کچھ ہیں اس میں اس بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ خدا کی طرف سے جو لوگ آتے ہیں وہ جو کچھ دوسروں کو کرنے کے لیے کہتے ہیں خود بھی کرکے دکھاتے ہیں۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام النمل ہے اور اس میں سات رکوع اور ۹۳ آیات ہیں اس کا نام نمل اس واقعہ سے لیا گیا ہے جو حضرت سلیمانؑ کے متعلق اس میں بیان ہوا یعنی حضرت سلیمانؑ کو کس قدر قوت اور رعب کا دیا جانا کہ قومیں ان کی مخالفت کرنے کی بجائے ان کے سامنے سر جھکانے لگیں اور اس سورت کے اس نام میں یہ اشارہ ہے کہ ایسی ہی شوکت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ملے گی۔ پچھلی سورت میں جو فرمایا تھا اور تنہا بنی اسرائیل تو یہاں بنی اسرائیل کی شوکت وقوت کے زمانہ کا ذکر کرکے گویا اسی کی تشریح کی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ④	جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے، ہم نے ان کے عملوں کو ان کے لیے اچھا کرکے دکھایا ہے مگر وہ حیران پھر رہے ہیں ¹۔
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ⑤	یہی ہیں جن کے لیے بُرا عذاب ہے اور وہ آخرت میں سب سے بڑھ کر نقصان اٹھانے والے ہیں۔
وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ⑥	اور یقیناً تجھے قرآن حکمت والے علم والے کی طرف سے دیا جاتا ہے۔
اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا ؕ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ⑦	جب موسیٰؑ نے اپنے گھر والوں سے کہا، میں نے آگ دیکھی ہے، میں اس سے تمھارے پاس خبر لاؤں گا یا تمھارے پاس جلتا ہُوا شعلہ لاؤنگا تاکہ تم سینکو۔
فَلَمَّا جَآءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ⑧	سو جب اس کے پاس آیا آواز آئی کہ برکت دیا گیا ہے جو آگ میں ہے اور جو اس کے اِرد گرد ہے اور اللہ جہانوں کا رب (سب نقصوں سے) پاک ہے ²۔
يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑨	اے موسیٰؑ میں اللہ غالب حکمت والا ہوں۔
وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ ⑩	اور اپنا عصا ڈال دے، سو جب اسے ہلتا ہوا دیکھا گویا وہ چھوٹا سانپ ہے پیٹھ پھیر کر اُلٹا بھاگا اور مڑ کر نہ دیکھا، اے موسیٰ ڈر نہیں، میرے ہاں رسولوں کو کوئی خوف نہیں۔

نمبر۱۔ دوسری جگہ صراحت ہے وزین لہم الشیطان ما کانوا یعملون (الانعام۔ ۴۳) یعنی جو بُرے کام وہ کرتے تھے وہ شیطان انھیں اچھے کرکے دکھاتا تھا۔ ایک ہی کام اللہ تعالیٰ اور شیطان کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا۔ پس یہاں جن اعمال کے اچھا کرکے دکھانے کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کرتا ہے وہ وہ اعمال بد نہیں ہو سکتے جو وہ کر رہے ہیں بلکہ وہ اعمال حسنہ ہیں جو انھیں کرنے چاہئیں۔ اور حسن سے روایت ہے کہ انھوں نے یہاں اعمال سے مراد اعمال حسنہ ہی لیے ہیں اور وہ بھی ان کے اعمال کہلا سکتے ہیں اس لیے کہ انھیں کرنے کو کہا گیا۔

نمبر۲ من فی النار سے مراد خود نار ہے یعنی یہ آگ بابرکت ہے اور من حولہا سے مراد موسیٰؑ اور فرشتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ اس آگ کے اندر تھا؟ اس کا جواب تو خود یہیں موجود ہے سبحان اللہ رب العلمین اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے کہ وہ کسی مکان میں ہو۔ پس من فی النار سے مراد یا تو اللہ تعالیٰ کا نور ہے یعنی آگ آگ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا نور اس میں ہے گویا یہ حقیقی طور پر آگ نہ تھی بلکہ کشف کے رنگ میں حضرت موسیٰؑ کو دکھائی گئی تھی اور یا من فی النار سے مراد موضع نار ہے یعنی جہاں آگ ہے وہ بابرکت مقام ہے اور اس کا ارگرد بھی۔ اور اس کی تائید میں ابی کی قرأت ہے تبارکت الارض ومن حولہا یعنی یہ مقام اور اس کا اردگرد بابرکت ہے بلکہ خود قرآن کریم میں دوسری جگہ اسے البقعۃ المبارکۃ (القصص۔ ۳۰) کہہ کر بھی واضح کر دیا ہے۔

إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوٓءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١١﴾

مگر جو ظلم کرتا ہے پھر بدی کے بعد بدل کر نیکی کرتا ہے تو میں بخشنے والا رحم کرنے والا ہوں ؎۱

وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوٓءٍ فِي تِسْعِ ءَايٰتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِۦٓ إِنَّهُمْ كَانُوا۟ قَوْمًا فٰسِقِينَ ﴿١٢﴾

اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال، بغیر کسی روگ کے سفید نکلے گا۔ فرعون اور اس کی قوم کی طرف نو نشانوں میں سے ہے وہ نافرمان لوگ ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ ءَايٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا۟ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿١٣﴾

سو جب اُن کے پاس ہماری بصیرت دینے والی نشانیاں آئیں انھوں نے کہا یہ کھلا جادو ہے۔

وَجَحَدُوا۟ بِهَا وَٱسْتَيْقَنَتْهَآ أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا فَٱنظُرْ كَيْفَ كَانَ عٰقِبَةُ ٱلْمُفْسِدِينَ ﴿١٤﴾ ع

اور ظلم اور تکبر سے ان کا انکار کیا، حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا، پس دیکھ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہُوا۔

وَلَقَدْ ءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۖ وَقَالَا ٱلْحَمْدُ لِلَّهِ ٱلَّذِي فَضَّلَنَا عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿١٥﴾

اور ہم نے داؤدؑ اور سلیمانؑ کو علم دیا۔ اور انھوں نے کہا سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے ہمیں اپنے بہت سے مومن بندوں پر فضیلت دی ہے۔

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوُۥدَ وَقَالَ يٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ عُلِّمْنَا مَنطِقَ ٱلطَّيْرِ وَأُوتِينَا

اور سلیمانؑ داؤدؑ کا وارث ہُوا، اور کہا اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھائی گئی ہے ؎۲ اور ہمیں ہر

نمبر۱۔ اِلّا استثنائے منقطع ہے اوپر فرمایا تھا کہ رسولوں کو خوف نہیں۔ اور یہاں اِلّا من ظلم میں فرمایا کہ خوف تو ظالموں کو ہو سکتا ہے (اور رسول جب ظالم نہیں تو انھیں خوف کیسا) اور ظلم کرنے والے کو بھی خوف اسی صورت میں ہے جب وہ اس ظلم سے باز نہ آئے لیکن جو شخص ظلم کرکے پھر نیکی کرتا ہے اسے بھی کوئی خوف نہیں اور مغنی میں ہے کہ اِلّا بعض وقت عاطفہ ہوتا ہے۔ یعنی واؤ کی جگہ اور لکھا ہے کہ اخفش اور فراء اور ابوعبیدہ نے اس کا ذکر کیا ہے اور یہ معنی اس کے یہاں لیے گئے ہیں اور مثلاً یکون للناس علیکم حجۃ الا الذین ظلموا (البقرۃ - ۱۵۰) میں اور اس صورت میں عاطفہ قرار دیکر یخاف کے نیچے آئے گا یعنی مرسلوں کو خوف نہیں اور نہ ان لوگوں کو جو ظلم کرکے پھر نیکی کا طریق اختیار کریں۔

نمبر۲۔ یہاں حضرت سلیمانؑ کہتے ہیں عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّیْرِ۔ یعنی ہمیں پرندوں کی منطق یا بولی سکھائی گئی ہے۔ تنہا اپنی طرف نسبت نہیں کرتے یہ بھی ظاہر ہے کہ پرندوں کی منطق سے یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ پرند بھی انسانوں کی طرح سب علوم سے واقف ہیں اور صرف ان کی بولی مختلف ہے اور نہ ہی اس خیال کے نیچے کوئی حقیقت ہے کہ جانوروں کو غیب کا علم ہوتا ہے اور انسان کو تو معلوم نہیں کہ کل کیا ہوگا مگر ایک گدھے کو علم ہوتا ہے اس لیے ایک انسان جب گدھے کی بولی سمجھنے لگ جائے تو اس کو پتہ لگ جاتا ہے کہ کل اس کو یہ مصیبت پیش آنے والی ہے اور فلاں بات سے اس کو نفع حاصل ہو سکتا ہے۔ علم غیب تو اللہ تعالیٰ ہر انسان کو

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ١٦

ایک چیز دی گئی ہے ، یہ صریح فضل ہے ۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ١٧

اور سلیمانؑ کے لیے اس کے لشکر جنوں اور انسانوں اور پرندوں سے اکٹھے کیے گئے اور انھیں روکا جاتا تھا[1]۔

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰي وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ١٨

یہاں تک کہ جب وادیٔ نمل میں آئے ایک نملہ نے کہا ، اے نملو اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ ، سلیمانؑ اور اس کے لشکر تمھیں کچل نہ ڈالیں اور انھیں خبر بھی نہ ہو[2]۔

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰي وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ

تو اس کی بات پر خوش ہوتا ہوا مسکرایا اور کہا ، اے میرے رب مجھے توفیق دے کہ تیری نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کیا اور کروں اچھے

بھی نہیں دیتا بلکہ رسول پر بھی کچھ حصہ ہی ظاہر فرماتا ہے ۔ قرآن کریم کے بیان سے ظاہر ہے کہ منطق الطیر کوئی سلطنت کے سامانوں میں سے ہے جس کو اوتینا من کل شیٔ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اگلی آیت میں پرندوں کو فوج کا حصہ قرار دیکر یہ صاف بھی کر دیا گیا ہے اور سلطنت کے سامانوں میں بالخصوص قدیم زمانہ میں سب سے بڑا کام جو پرندوں سے لیا جاتا تھا وہ نامہ بری کا کام تھا ، تو مجازاً وہ نامہ جو پرند ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا ہے منطق الطیر ہی کہلائے گا اگر نامہ بری مراد نہ ہوتی تو طیر کے نطق کا بالخصوص کیوں ذکر ہوتا ۔ دوسرے جانوروں کا ذکر کیوں نہ ہوتا اور جس طرح کتاب ناطق سے مراد بولنے والی کتاب نہیں بلکہ وہ کتاب ہے جو ایک حالت کو واضح کرتی ہے اسی طرح منطق الطیر کا لفظ اس حالت کو بیان کرنے کے لیے ہے جس کا فہم پرندوں کے ذریعہ سے حاصل کیا جاتا تھا یعنی نامہ بری۔

نمبر۱۔ روکنے سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کا مال ناحق لینے سے روکا جاتا تھا اور لشکر میں جنّ وہی غیر اسرائیلی اور پہاڑی اقوام ہیں جن سے حضرت سلیمانؑ صناعی کے کام لیتے تھے یعملون لہ مایشاء من محاریب وتماثیل (السبا ۳۴ : ۱۳)

نمبر۲۔ تاج العروس میں ہے وادی النمل بین جبرین وعسقلان ۔ وادی النمل جبرین اور عسقلان کے درمیان ہے اور بعض کا قول ہے کہ وہ نواح یمن میں ہے اور یہی درست ہے اور نملۃ سے مراد اسی قوم کا ایک شخص ہے اور قاموس میں ہے الابرقہ من سبا و نملۃ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نملہ ایک قوم کا نام ہے یہاں چیونٹی مراد نہیں نہ چیونٹیوں کو یہ پتہ ہو سکتا ہے کہ سلیمانؑ کون ہے ۔ یہ کوئی قوم تھی جن کو علم ہوا کہ حضرت سلیمانؑ اپنی افواج کے ساتھ آ رہے ہیں تو انھوں نے کہا ایسا نہ ہو کہ ہم خواہ مخواہ مخالف سمجھ کر مارے جائیں اور گھروں میں داخل ہو جانا اس بات کا نشان ہے کہ ان کا ارادہ مقابلہ کا نہیں بلکہ فرمانبرداری کا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس بات کو سن کر حضرت سلیمانؑ خوش بھی ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر بھی کیا کہ لوگ آپ کی فرمانبرداری اختیار کر رہے ہیں ورنہ چند چیونٹیوں کا اپنے سوراخوں میں گھس جانا کونسا شکر نعمت کا موقعہ تھا ۔ جب ہزاروں چیونٹیاں اور لاکھوں کیڑے مکوڑے روزانہ اتنے بڑے لشکر کے پاؤں کے نیچے مسلے جاتے ہونگے ۔ ھم لا یشعرون یعنی وہ یہ نہ جانتے ہوں کہ یہ قوم ہماری دشمن نہیں کیونکہ یہ وادی نواح یمن میں تھی اور ملکۂ سبا پر یہ چڑھائی تھی پس یہ قرین قیاس تھا کہ اردگرد کی قوموں کو بھی دشمن سمجھا جاتا ۔ چنانچہ کعبؓ احبار سے روایت ہے کہ حضرت سلیمانؑ یمن کے ارادہ سے بیت المقدس سے روانہ ہوئے اور مدینہ اور مکہ پر سے گزرے اور چلتے گئے یہاں تک کہ آپ وادی النمل میں پہنچے ۔

صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾

عمل کروں جن سے تو راضی ہو اور مجھے اپنی رحمت سے صالح بندوں میں داخل فرما۔

وَ تَفَقَّدَ الطَّیْرَ فَقَالَ مَالِیَ لَاۤ اَرَی الْهُدْهُدَ ۖؗ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآىِٕبِیْنَ ﴿۲۰﴾

اور پرندوں کو طلب کیا تو کہا، کیا بات ہے مَیں ہُدہُد کو نہیں دیکھتا، کیا وہ غیر حاضر ہے م۱۔

لَاُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِیْدًا اَوْ لَاۡاَذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَیَاْتِیَنِّیْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۱﴾

مَیں اُسے سخت سزا دوں گا یا اُسے قتل کر دوں گا، یا میرے پاس کوئی کھلی دلیل لائے۔

فَمَكَثَ غَیْرَ بَعِیْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَ جِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ یَّقِیْنٍ ﴿۲۲﴾

سو بہت دیر نہ ٹھیرا (اور آیا) تو کہا مَیں نے ایک ایسی خبر معلوم کی جس کا تجھے علم نہیں اور مَیں سبا سے تیرے پاس یقینی خبر لایا ہوں م۲۔

اِنِّیْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَ اُوْتِیَتْ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ وَّ لَهَا عَرْشٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾

میں نے ایک عورت کو اُن پر بادشاہی کرتے پایا اور اسے ہر چیز دی گئی ہے اور اُس کا ایک بڑا تخت ہے م۳۔

نمبر۱۔ ہد ہد سے مراد یہاں پرند ہد ہد لیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس کا جو کچھ ذکر یہاں ہے وہ صاف بتاتا ہے کہ وہ انسان تھا چنانچہ اس کا یہ کہنا کہ میں سبا سے یقینی خبر لایا ہوں اور ان لوگوں پر ایک عورت حاکم ہے اور اس کے پاس سب قسم کے سامان ہیں اور کہ وہ قوم سورج کی پرستار ہے پھر اس کا وعظ کرنا یہ باتیں پرندکی نہیں انسان کے موزوں حال ہیں۔ یہ تمام باتیں علم سے تعلق رکھتی ہیں جو انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے نہ پرندوں کے لیے خبر دہی نامہ بر پرند ہیں۔ ہد ہد کسی شخص کا نام ہے جو اس محکمہ خبر رسانی سے تعلق رکھتا ہے اور جس کی موجودگی جائزہ کے وقت ضروری تھی۔ کیونکہ پرندوں سے خبر رسانی کا ہی کام لیا جاتا تھا تو حضرت سلیمانؑ نے جب پرندوں کو طلب کیا تاکہ سب سامانوں کی حالت سے واقفیت حاصل کریں تو افسر محکمہ کو غائب پایا تو فرمایا کہ ہُدہُد کہاں ہے اور پرندوں اور جانوروں کے ناموں پر انسانوں کے نام عام طور پر رکھے جاتے ہیں اور بائبل میں اسلاطین بیویں باب میں ایک شخص بن ہدد کا ذکر ہے اور ہدد ہُدہُد سے ملتا جلتا نام ہے اور بلقیس کے باپ کا نام ہداد لکھا ہے منتہی الادب۔ اور لسان العرب میں ہے کہ ہُدہُد کو ہُداہد بھی لکھا جاتا ہے اور پھر لکھا ہے کہ ہداہدا اور ہُدہُدین کے قبیلے کا نام ہے تو یہ کونسی عجیب بات ہے کہ سلیمانؑ کے کسی افسر کا نام ہُدہُد ہو اور جئتك من سبا بنبا یقین صاف بتاتا ہے کہ یہ محکمہ خبر رسانی کا افسر تھا جو خود سبا سے یقینی خبر لے کر پہنچ گیا ہے۔

نمبر۲۔ سبا ایک شہر کا نام ہے جس میں یمن کے قبائل عامہ جمع ہوتے ہیں اور یہ یمن کے اس شہر کا نام ہے جہاں بلقیس تھی جس کو مأرب کہا جاتا ہے۔ سبا سے یقینی خبر لانا اس بات کا موید ہے کہ حضرت سلیمانؑ اسی ملک کی طرف آ رہے تھے اس لیے ان کے افسروں کا فرض تھا کہ وہ یقینی خبر لا کر دیتے کہ وہاں کے معاملات کیسے ہیں۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اُن لوگوں کی طرف سے کسی حملہ کی تیاری کی خبر حضرت سلیمانؑ کو پہنچی ہے جس کی وجہ سے وہ تیاری کر کے ان کی سرحد پر پہنچ گئے احطت بما لم تحط بہ یعنی وہ صحیح خبریں جو میں نے اس ملک میں جا کر جمع کی ہیں وہ ابھی تک آپ کو نہیں پہنچیں۔ ایک پرند یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اسے دوسرے انسانوں کے متعلق وہ علم حاصل ہے جو خود انسانوں کو حاصل نہیں مفسرین کہتے ہیں اس ہُدہُد نے جا کر اس ملک کے کسی ہُدہُد سے یہ باتیں دریافت کر لی تھیں گویا اس زمانہ میں سب ہُدہُد ہی انسانوں کی طرح واقعات کا علم حاصل کر لیا کرتے تھے۔

نمبر۳۔ اوتیت من کل شیٔ سے مراد سلطنت اور حکومت کے سارے سامان ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہد ہد کو ان کی فوجوں، سامان جنگ وغیرہ کی بھی خبر

وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿٢٤﴾

میں نے اُسے اور اُس کی قوم کو اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہوئے پایا اور شیطان نے اُن کے عمل انھیں اچھے کرکے دکھائے اور انھیں رستہ سے روک دیا، سو وہ سیدھی راہ پر نہیں چلتے۔

اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿٢٥﴾

کہ وہ اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزوں کو نکالتا ہے اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو۔[1]

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۩ ﴿٢٦﴾

اللہ، اس کے سوائے کوئی معبود نہیں بڑے عرش کا رب ہے۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٢٧﴾

کہا، ہم دیکھیں گے کہ تو سچ بولتا ہے یا تو جھوٹوں میں سے ہے۔[2]

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٢٨﴾

یہ میرا خط لے جا، سو یہ انھیں دیدے، پھر اُن سے پھر آ اور انتظار کر کہ وہ کیا (جواب) دیتے ہیں۔

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّيْۤ اُلْقِيَ اِلَيَّ كِتٰبٌ كَرِيْمٌ ﴿٢٩﴾

(ملکہ نے) کہا، اے سردارو مجھے ایک معزز خط ملا ہے۔

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٣٠﴾

وہ سلیمانؑ کی طرف سے ہے اور وہ اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے ہے۔

ل گئی تھی۔

نمبر۱۔ یہ وعظ پرندہ کا کام نہیں ہو سکتا۔ اسے یہ بھی خبر ہے کہ معبود حقیقی تو خدا ہے مگر انسانوں نے کچھ اور معبود بھی بنا لیے ہیں اور وہ سورج کو سجدہ کرتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ شیطان بھی ہے جو انسانوں کو ورغلاتا ہے اور اعمال بد انھیں اچھے کرکے دکھاتا ہے۔ گویا اسے اعمال حسنہ اور اعمال سیئہ کا بھی پتہ ہے اور ما تخفون اور ما تعلنون میں تو صاف انسانوں کو خطاب ہے اور بتایا ہے کہ جس طرح آسمانوں اور زمین کی مخفی قوتوں کو اللہ تعالیٰ ظاہر کرتا ہے اسی طرح تمہارے اعمال پر بھی وہ نتائج مترتب کرتا ہے۔

نمبر۲۔ صادق اور کاذب کے الفاظ انسانوں پر صادق آتے ہیں نہ پرندوں پر اگر یہ سچ ہو تو پرندوں کی طرف رسول مبعوث ہونے چاہئیں جو انھیں سیدھی راہ بتائیں۔

اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ — کہ میرے خلاف سرکشی نہ کرو اور فرمانبردار ہوکر میرے پاس آجاؤ۔ا

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ ۚ — ملکہ نے کہا اے اہل دربار میرے معاملہ میں مجھے جواب دو۔ میں کسی

مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ ﴿٣٢﴾ — معاملہ کا فیصلہ نہیں کرتی جب تک کہ تم میرے پاس موجود (نہ) ہو۔

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ۙ — انھوں نے کہا ہم قوت والے اور سخت لڑنے والے ہیں۔

وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ ﴿٣٣﴾ — اور حکم کرنا تیرے اختیار میں ہے پس دیکھ لے کہ تو کیا حکم کرتی ہے۔

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً — اس نے کہا کہ بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں؛

اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْۤا اَعِزَّةَ اَهْلِهَاۤ اَذِلَّةً ۚ — اس کو برباد کردیتے ہیں اور اس کے عزت والے لوگوں کو ذلیل

وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٤﴾ — کردیتے ہیں اور اسی طرح کریں گے۔

وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌ ۢ — اور میں ان کی طرف تحفہ بھیجتی ہوں پھر دیکھتی ہوں کہ

بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٣٥﴾ — ایلچی کیا جواب لاتے ہیں۔

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ — پس جب (ایلچی) سلیمانؑ کے پاس آیا اس نے کہا کیا تم مجھے مال

بِمَالٍ ۫ فَمَاۤ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّاۤ اٰتٰىكُمْ ۚ — سے مدد دیتے ہو، سو جو کچھ اللہ نے مجھے دیا ہے وہ اس سے بہتر

بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ ﴿٣٦﴾ — ہے جو تمھیں دیا ہے بلکہ تم اپنے تحفہ پر اتراتے ہو۔۲

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا — ان کی طرف لوٹ جا سو ہم ان پر ایسے لشکر لائیں گے جن کا وہ

قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَاۤ — مقابلہ نہ کرسکیں گے اور ہم انھیں اس سے ذلیل کرکے نکال

اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٣٧﴾ — دیں گے اور وہ خوار ہوں گے۔۳

نمبرا: حضرت سلیمانؑ کے خط کے یہ الفاظ صاف بتاتے ہیں کہ بلقیس کا ارادہ خود سلیمانؑ کی سلطنت پر فوج کشی کا تھا اسی لیے لکھا کہ میرے خلاف سرکشی نہ کرو یا یہ صوبہ پہلے ان کا مطیع تھا اب بغاوت اختیار کررہا تھا۔

نمبر۲- اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تحفہ سے اس نے اپنی بڑائی کا اظہار کیا اور حضرت سلیمانؑ کی کچھ تحقیر بھی کی ہے امراکے مشورہ کا بھی یہی منشا معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں سلیمانؑ کی کیا پروا ہے ہم بڑے طاقت والے اور سخت جنگ کرنے والے ہیں جس میں جنگ کی دھمکی موجود تھی۔ تحفہ کیا تھا اس کے مفسرین نے بڑے بڑے عجیب نقشے کھینچے ہیں۔ پانچ سو لونڈیاں لڑکوں کے لباس میں اور پانچ سو لڑکے لونڈیوں کے لباس میں اور پھر اور عجائبات پھر اسی کے مقابل پر حضرت سلیمانؑ کی تیاری کی عظمت ظاہر کی ہے۔ یہ سب فرضی خیالات ہیں قرآن کریم نے اگلی آیات میں خود بتادیا ہے کہ وہ ہدیہ کیا تھا یہ ایک بڑا مرصع تخت تھا جس پر کچھ تصاویر وغیرہ بنی ہوئی تھیں۔

نمبر۳- اگر یہ تحفہ دوستانہ رنگ کا ہوتا اور اس میں اظہار دوستی ہوتا تو حضرت سلیمانؑ یہ جواب نہ دیتے اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اُن لوگوں کا ارادہ سلیمانؑ کے خلاف کچھ کرنے کا تھا۔

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ﴿٣٨﴾

(سلیمانؑ نے) کہا، اے اہل دربار تم میں سے کون میرے پاس اس کا تخت لائیگا اس سے پہلے کہ وہ میرے پاس فرمانبردار ہو کر آئیں ۱؎

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ ﴿٣٩﴾

جنوں میں سے ایک زبردست نے کہا: میں اُسے تیرے پاس لے آؤں گا اس سے پہلے کہ تو اپنی جگہ سے اُٹھے، اور میں اس (کے اُٹھانے) کی قوت رکھتا ہوں۔ امین ہوں۔

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۭ

جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا میں تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے اُسے تیرے پاس لے آتا ہوں ۲؎

فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ڜ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۭ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ﴿٤٠﴾

پھر جب اُسے اپنے پاس موجود دیکھا، کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے، کہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری کرتا ہوں اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ صرف اپنے بھلے کے لیے ہی شکر کرتا ہے اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے تو میرا رب بے نیاز بزرگی والا ہے

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿٤١﴾

(سلیمانؑ نے) کہا اس کے لیے اس کے تخت کی صورت بدل دو، ہم دیکھیں کہ آیا وہ سیدھے رستہ پر چلتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہو جاتی ہے جو سیدھی راہ پر نہیں چلتے ۳؎

نمبر۱۔ درمیانی واقعات کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کے عزم اور ان کی طاقت کا حال معلوم کر کے ان لوگوں کا ارادہ جنگ کمزور ہو گیا اور انھوں نے فرمانبرداری اختیار کی اور اپنی فرمانبرداری کے خلوص کا یقین دلانے کے لیے خود حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کیا۔ تب حضرت سلیمانؑ نے اس کا تخت لانے کے لیے کہا۔ اس کے تخت سے یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ وہاں جس تخت پر بیٹھ کر حکومت کرتی تھی بلکہ وہ اس کا مال ہے وہ لایا جائے۔ یہ وہی تحفہ ہے جو اس نے بھیجا تھا اسی لیے اسے اس کا تخت کہا ہے۔ اس تحفہ پر آپ ناراض کیوں ہوئے تھے اور اس کو اب منگوانے کی غرض کیا ہے اس کا ذکر آگے آتا ہے۔

نمبر۲۔ یہاں عفریت کے مقابل پر ایک صاحب علم کا ذکر کیا علم من الکتاب سے ممکن ہے علم دین مراد ہو مگر لفظ ہر علم علم ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ معاملہ صرف ایک تخت کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لانے کا ہے کوئی دینی مسئلہ نہیں اور قبل ان یرتد الیک طرفک کو بعض نے حقیقت پر محمول کیا ہے اور مراد یہ لی ہے کہ آنکھ کھول کر سامنے دیکھے تو قبل اس کے کہ نظر لوٹ کر آئے اور بعض نے کہا کہ قبل اس کے اتنی دور تک جہاں نظر پہنچے ایک آدمی آجائے۔ اور مجاہد کا قول قابل ترجیح ہے کہ یہ سرعت میں مبالغہ ہے اور یہاں قوت اور علم کا مقابلہ ہے پہلی آیت میں عفریت قوت اور طاقت جسمانی کا نمائندہ ہے وہ پھر بھی بہت وقت چاہتا ہے اور صاحب علم گو قوت میں اتنی شدت نہ رکھتا ہو اس کام کو فوراً کر سکتا ہے گویا قوت کے مقابل پر علم بڑی چیز ہے اور حضرت سلیمانؑ کا تخت کو دیکھ کر یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ مجھے آزماتا ہے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اس بات کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر تخت کی صورت بدلنے میں اگلی آیت میں آتا ہے۔

نمبر۳۔ حضرت سلیمانؑ نے تخت کی صورت بدلنے کا حکم دیا۔ مفسرین اس کی وجہ صرف یہ بتاتے ہیں کہ آپ کو کہا گیا تھا کہ بلقیس کا دماغ خراب ہے تو آپ نے امتحان کے لیے ایسا کیا لیکن دوسری طرف یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسی کا تخت منگوایا گیا تھا اور اس کو معجزہ دکھانا مقصود تھا۔ اب اگر تخت کی صورت بدل دی جائے تو معجزہ باقی نہیں رہتا کیونکہ اس صورت میں تو صاف خیال گزرے گا کہ اس کے تخت کی مانند دوسرا تخت حضرت سلیمانؑ نے تیار کرا لیا ہے۔ پس تخت کی صورت کا بدل دینا

فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۖ
قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ ۚ وَأُوتِينَا الْعِلْمَ
مِن قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿٤٢﴾
وَصَدَّهَا مَا كَانَت تَّعْبُدُ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ
إِنَّهَا كَانَتْ مِن قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿٤٣﴾
قِيلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۖ فَلَمَّا رَأَتْهُ
حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَن سَاقَيْهَا ۚ
قَالَ إِنَّهُ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّن قَوَارِيرَ ۗ
قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ
ع مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٤٤﴾

سو جب وہ آئی کہا گیا، کیا تیرا تخت ایسا ہی تھا۔ کہنے لگی گویا کہ یہ وہی ہے۔ اور ہمیں اس سے پہلے علم ہو گیا تھا اور ہم فرماں بردار ہو گئے ۱۔

اور اسے اس نے روک رکھا جس کی وہ اللہ کے سوائے عبادت کرتی تھی وہ کافر قوم سے تھی ۲۔

اسے کہا گیا محل میں داخل ہو جا، سو جب اُسے دیکھا، اُسے بہت گہرا پانی سمجھا، اور گھبرائی۔ (سلیمان نے) کہا، یہ محل ہے جو شیشوں سے جڑا گیا ہے۔

(اس نے) کہا میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں سلیمان کے ساتھ اللہ جہانوں کے رب پر ایمان لائی ۳۔

معجزہ دکھانے کے خیال کو باطل کرتا ہے اور امتحان عقل کے لیے صورت تخت کو بدل دینا بھی کوئی عقل مندی کا خیال نہیں۔ اس واقعہ پر کافی روشنی ان باتوں سے پڑتی ہے جو خود قرآن کریم نے بیان کی ہیں۔ اول حضرت سلیمانؑ پہلے اس تخت کو جو تحفہ کی صورت میں پیش کیا گیا تھا دیکھ کر ناراض ہوئے ہیں۔ دوم جب بلقیس کی آمد پر تخت منگوایا ہے تو اُسے دیکھ کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ امتحان ہے کہ میں شکرگذاری اختیار کرتا ہوں یا نہیں۔ سوم تخت کے تبدیل کرنے کی غرض یہ ہے کہ ملکہ خود اس تبدیلی سے راہِ راست کی طرف آتی ہے یا نہیں۔ ان تینوں باتوں پر غور کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس تخت پر جو ملکہ نے بطور تحفہ بھیجا کچھ شکلیں بتوں کی یا اور اس قسم کی شکلیں بنی ہوئی تھیں جنہیں ایک موحد انسان پسند نہ کر سکتا تھا۔ اس لیے حضرت سلیمانؑ نے یہ فرمایا کہ ان شکلوں وغیرہ کو ملیامیٹ کر دو اور اسے شکرگزاری کا امتحان اس لیے کہا کہ وہ شکلیں جواہرات وغیرہ سے بنی ہوئی ہونگی جیسا کہ اس کے ایک بادشاہ سے دوسرے بادشاہ کی طرف تحفہ ہونے سے ظاہر ہے تو ایمان کا تقاضا یہ تھا کہ وہ شکلیں دُور کر دی جائیں اور خوبصورتی اور آرائش کی محبت یہ چاہتی تھی کہ وہ اسی طرح بنی رہیں اور ملکہ کا اس سے ہدایت پانا یوں تھا کہ اس سے معلوم ہو جاتا کہ حضرت سلیمانؑ مال دنیا کی پروا ایمان کے مقابلہ میں کچھ نہیں کرتے اور دوسرے یہ کہ وہ معبود کس طرح ہو سکتا ہے جسے ایک انسان بنائے اور دوسرا فنا کر دے۔

نمبر۱۔ اصل بات یہ ہے کہ جب اس نے اپنے بتوں وغیرہ کی شکلوں کو اس پر نہ پایا تو اس نے کہا کہ آپ نے ان کو ناپسند کر کے دور کرا دیا ہے اور آپ کی اس ناپسندیگی کا علم ہمیں پہلے ہی ہو گیا تھا اس لیے کہ ایلچی نے جا کر سب کچھ بتا دیا ہوگا کہ کس طرح حضرت سلیمانؑ نے اس تحفہ کو ناپسند کیا بل انتم بھدیتکم تفرحون[۳۶] میں حضرت سلیمانؑ نے اظہار ناپسندیدگی اس کے سامنے کر دیا تھا۔ قبلھا میں ضمیر اس تبدیلی کی حالت کی طرف ہے اور کنا مسلمین کے معنی دونوں طرح ہو سکتے ہیں یعنی ہم نے بت پرستی کو چھوڑ کر توحید اختیار کر لی ہے یا یہ کہ سرکشی کو چھوڑ کر فرمانبرداری اختیار کر لی ہے۔ اگلی دونوں آیات کے مضمون کو مدنظر رکھتے ہوئے میں دوسرے معنی کو ترجیح دیتا ہوں۔ ابھی اسلمت للہ رب العالمین آگے آئے ہے۔

نمبر۲۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اب تک ایمان نہیں لائی بلکہ عبادت من دون اللہ نے اُسے ابھی تک سلیمانؑ پر ایمان لانے سے روک رکھا تھا۔

نمبر۳۔ لسان العرب میں ہے کہ یہاں ساق سے مراد امر شدید ہے اور اس کا کشف شدتِ امر میں مثال ہے جیسا بخیل کو کہا جاتا ہے یدہ مغلولۃ اور نہ وہاں ہاتھ ہوتا ہے نہ اس کا باندھنا اور یہ شدت بخل میں مثال ہے اسی طرح یہاں نہ پنڈلی ہے اور نہ اس کا کھولنا اور اس کا اصل یہ ہے کہ انسان جب ایک امر شدید میں مبتلا ہو جائے تو کہا جاتا ہے شمر ساعدہ وکشف عن ساقہ گویا اس امر عظیم کے لیے اپنے آپ کو تیار کرتا ہے۔

مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت سلیمانؑ بلقیس سے شادی کرنا چاہتے تھے مگر انھیں خبر ملی کہ اس کی پنڈلیوں پر بال ہیں تو انھوں نے اس بات کی تحقیق کے لیے ایک عظیم

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ۝	اور ہم نے ہی ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا ۔ کہ اللہ کی عبادت کرو ، تو وہ دو فریق ہو کر آپس میں جھگڑنے لگے ۔
قَالَ يٰقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُوْنَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ ۚ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝	اس نے کہا ، اے میری قوم کیوں تم بھلائی سے پہلے دکھ کو جلدی مانگتے ہو ۔ کیوں تم اللہ سے استغفار نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۔
قَالُوا اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ ۚ قَالَ طٰٓئِرُكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُوْنَ ۝	انھوں نے کہا ہمیں تیری وجہ سے اور ان کی وجہ سے جو تیرے ساتھ ہیں مصیبت ہی پہنچی ۔ اس نے کہا تمھاری مصیبت اللہ کی طرف سے ہے ، بلکہ تم لوگ ہو جو آزمائے جاتے ہو ۔
وَكَانَ فِي الْمَدِيْنَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُّفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝	اور شہر میں نو شخص تھے ، جو ملک میں فساد کرتے تھے ، اور اصلاح نہیں کرتے تھے ۔
قَالُوْا تَقَاسَمُوْا بِاللّٰهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ وَاَهْلَهٗ ثُمَّ لَنَقُوْلَنَّ لِوَلِيِّهٖ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ	انھوں نے کہا اللہ کی قسم کھاؤ کہ ضرور ہم اس پر اور اس کے اہل پر رات کے وقت حملہ کریں گے پھر ہم اس کے ولی کو کہہ دیں گے

الشان شیش محل بنایا اور اس کے نیچے پانی چلایا اور بلقیس کو اس میں داخل ہونے کے لیے کہا گیا تو اس نے پانی سمجھ کر اپنی پنڈلیاں کھول دیں۔ ایک نبی ہو کر محض ایک عورت کی پنڈلیاں دیکھنے کے لیے اتنا خرچ اور ایسی تجویزیں کرے یہ سمجھ سے باہر بات ہے اور قرآن کریم کے الفاظ اس کی تردید کرتے ہیں اس لیے کہ قرآن کریم میں صاف ہے حسبتہ لجۃ اسے لجۃ سمجھا لجۃ اس پانی کو کہتے ہیں کہ جس کی گہرائی کا احاطہ نہ ہو سکے تو اس میں سے پنڈلیاں کھول کر گزرنے کا خیال کس طرح آ سکتا تھا ۔ اصل بات یہ ہے کہ کشف عن الساق سے جیسا کہ اوپر لسان العرب سے دکھایا گیا ہے پنڈلیوں کا کھولنا مراد نہیں بلکہ ایک شدید امر کا پیش آنا ہے جس سے انسان گھبرا جائے اصل یوں معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ملکہ نے حضرت سلیمانؑ کو ایک تخت بھیج کر جس پر مشرکانہ تصاویر وغیرہ بنی ہوئی تھیں گویا شرک کی دعوت دی تھی اس کے مقابل پر حضرت سلیمانؑ نے اسے اس کی عبادت من دون اللہ کی غلطی کی طرف اس طرح پر توجہ دلائی ہے حضرت سلیمانؑ بادشاہ تھے اور ان کے محلات بھی تھے (وہ کامل نمونہ کہ بادشاہ ہو کر گارے اور کھجور کی بنی ہوئی جھونپڑی میں گزارہ کریں محمد رسول اللہ صلعم کے لیے ہی مقدر تھا) انھوں نے ایک تصویری رنگ میں ملکہ پر اس کی غلطی کا اظہار کیا یعنی نہایت مصفا شیشوں کے نیچے پانی چلایا ۔ ملکہ نے ان شیشوں کو پانی سمجھ لیا ۔ وہ سورج کی پرستار تھی ۔ سورج کی طاقت بڑی نظر آتی ہے مگر حقیقی طاقت جو اس کے نیچے کام کر رہی ہے وہ الٰہی طاقت ہے نظر غائر سے کام نہ لینے والے خود سورج کو ہی الٰہی طاقت سمجھ لیتے ہیں پس اس تصویری زبان میں شیشہ کو پانی نہ سمجھو یہ سمجھایا کہ سورج کو خدا نہ سمجھو ۔ اللہ تعالیٰ ایک ہے یہ سب چیزیں اس کی طاقت اور قوت کے مظاہر ہیں ۔

مظاہر قدرت کو خدا سمجھنا غلطی ہے اس سے ہر انسان فائدہ اٹھا سکتا ہے اس لیے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کیا ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تصویری زبان میں کسی حقیقت کا روشن کرنا جائز امر ہے ۔ اس لیے تصاویر کے ساتھ علم کا پڑھانا ممنوع نہیں ۔

أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝۴۹
ہم اس کے گھر والوں کی ہلاکت پر موجود نہ تھے اور ہم بالکل سچے ہیں۔[1]

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝۵۰
اور انھوں نے ایک مخفی تدبیر کی اور ہم نے بھی ایک مخفی تدبیر کی اور انھیں خبر نہ تھی۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ أَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِيْنَ ۝۵۱
سو دیکھ ان کی تدبیر کا انجام کیسا ہُوا۔ کہ ہم نے اُنھیں اور ان کی قوم سب کو تباہ کر دیا۔

فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةً ۢ بِمَا ظَلَمُوْا ۗ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۵۲
سو یہ ان کے گھر ویران پڑے ہیں اس لیے کہ انھوں نے ظلم کیا اس میں یقیناً ان لوگوں کے لیے نشان ہے جو جانتے ہیں۔

وَأَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝۵۳
اور ہم نے انھیں نجات دی جو ایمان لائے اور تقوٰے اختیار کرتے تھے۔

وَلُوْطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ أَتَأْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝۵۴
اور لُوط کو (بھیجا) جب اس نے اپنی قوم سے کہا، کیا تم بےحیائی کے کام کرتے ہو، حالانکہ تم دیکھتے ہو۔

أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۗ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ۝۵۵
کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں کے پاس شہوت سے آتے ہو۔ بلکہ تم جاہل قوم ہو۔

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ إِلَّآ أَنْ قَالُوْٓا أَخْرِجُوْٓا اٰلَ لُوْطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ إِنَّهُمْ أُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝۵۶
سو اس کی قوم کا جواب کچھ نہ تھا، مگر یہ کہ انھوں نے کہا لوط کے لوگوں کو اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنا چاہتے ہیں۔

نمبر۱۔ اس اور اس سے پہلی آیت میں حضرت صالحؑ کے ذکر میں نبی کریم صلعم کے اعدا اور ان کے منصوبوں کا ذکر ہے تسعۃ رھط سے مراد نو بڑے بڑے آدمی ہیں جن کے ساتھ جتھے تھے۔ آنحضرت صلعم کے بھی بڑے دشمن نو ہی تھے جن میں سے آٹھ بدر میں مارے گئے اور نواں ابولہب بدر کی شکست کا حال سُن کر مر گیا۔ یعنی ابوجہل۔ مطعم بن عدی۔ شیبہ بن ربیعہ۔ عتبہ بن ربیعہ۔ ولید بن عتبہ۔ اُمیہ بن خلف۔ نضر بن الحرث۔ عقبہ بن ابی معیط۔ ابولہب۔ اور رات کے وقت حملہ کرنے کا مشورہ بالکل ایسا ہی تھا جیسا یہاں حضرت صالحؑ کے ذکر میں ہے یعنی نبی کریم صلعم کے متعلق آخری فیصلہ دار الندوہ میں یہی کیا گیا تھا کہ رات کے وقت آپ کے گھر کا محاصرہ کر لیا جائے اور جب رات کو آپ نکلیں جیسا کہ تہجد کے لیے آپ کی نکلنے کی عادت تھی تو اس وقت چند کس یکبارگی حملہ کریں تا کہ کسی ایک پر الزام قتل نہ آئے۔

فَاَنۡجَيۡنٰهُ وَ اَهۡلَهٗۤ اِلَّا امۡرَاَتَهٗ ؗ	سو ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دی مگر اس کی عورت جسے
قَدَّرۡنٰهَا مِنَ الۡغٰبِرِيۡنَ ﴿۵۷﴾	ہم نے پیچھے رہنے والوں میں مقدر کیا تھا۔
وَ اَمۡطَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ	اور ہم نے اُن پر ایک مینہ برسایا۔ تو کیا ہی بُرا ان کا مینہ
ع مَطَرُ الۡمُنۡذَرِيۡنَ ﴿۵۸﴾	تھا جو ڈرائے گئے۔
قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ وَ سَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ	کہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے اور اس کے بندوں پر سلامتی
الَّذِيۡنَ اصۡطَفٰى ؕ آٰللّٰهُ خَيۡرٌ اَمَّا	ہے جنہیں اس نے چُنا۔ کیا اللہ بہتر ہے یا وہ جنہیں یہ
يُشۡرِكُوۡنَ ﴿۵۹﴾	شریک بناتے ہیں ۱؎
اَمَّنۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ	بھلا کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور
اَنۡزَلَ لَكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنۡۢبَتۡنَا بِهٖ	تمہارے لیے بادل سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس کے ساتھ
حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهۡجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمۡ	خوشنما باغ اُگائے، تمہارے لیے (ممکن) نہ تھا، کہ اُن
اَنۡ تُنۡۢبِتُوۡا شَجَرَهَا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ	کے درختوں کو اُگاتے۔ کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اور) معبود بھی ہے
بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ يَّعۡدِلُوۡنَ ﴿۶۰﴾	بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو ایک طرف جھک گئے ہیں ۲؎
اَمَّنۡ جَعَلَ الۡاَرۡضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ	بھلا کس نے زمین کو قرارگاہ بنایا، اور اس کے
خِلٰلَهَاۤ اَنۡهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِىَ وَ	اندر دریا بنائے اور اس کے لیے پہاڑ بنائے اور دو دریاؤں
جَعَلَ بَيۡنَ الۡبَحۡرَيۡنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ	کے درمیان روک بنائی، کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اور) معبود ہے
مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۱﴾	بلکہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے ۳؎
اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكۡشِفُ	بھلا کون بیقرار کی فریاد کو پہنچتا ہے جب وہ اسے پکارتا
السُّوۡٓءَ وَ يَجۡعَلُكُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰهٌ	ہے اور مصیبت کو دور کرتا ہے اور تمہیں زمین میں حاکم بناتا ہے۔ کیا

نمبر۱۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کے اصطفا کا ذکر فرمایا ہے وہ اصحاب رسول اللہ صلعم ہیں اور ابن عباسؓ سے یہی مروی ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں سلامتی کا وعدہ ہے یعنی دشمن ان کو تباہ نہیں کر سکتے۔ اور ان کے مقابل پر ساتھ ہی مشرکوں کا ذکر بھی یہی بتاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اصحاب رسول اللہ صلعم کا اصطفا بھی انبیاء کے رنگ میں تھا اس لیے کہ اُن سے کام بھی وہی لیا گیا جو انبیاءؑ سے لیا جاتا تھا۔

نمبر۲۔ جب خلق، اللہ تعالیٰ کا ہی کام ہے تو دوسرا معبود بھی نہیں ہو سکتا۔

نمبر۳۔ یہاں بتایا ہے کہ وہ قوانین جن پر عالم کا دارومدار ہے وہ بھی اللہ کے بنائے ہوئے ہیں نہ کسی اور کے۔

مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿٦٢﴾

اللہ کے ساتھ (کوئی اور) معبود ہے؟ تم بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہو۔[1]

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٣﴾

بھلا کون تمھیں خشکی اور تری کی تاریکیوں میں رستہ دکھاتا ہے، اور کون اپنی رحمت کے آگے آگے ہواؤں کو خوشخبری دیتے ہوئے بھیجتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اور) معبود ہے، اللہ اس سے بلند ہے جو وہ (اس کے ساتھ) شریک ٹھہراتے ہیں۔[2]

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٦٤﴾

بھلا کون مخلوق کو پہلے پیدا کرتا ہے پھر اسے لوٹاتا رہتا ہے اور کون تمھیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ کیا اللہ کے ساتھ (کوئی اور) معبود ہے۔ کہہ اپنی روشن دلیل لاؤ، اگر تم سچے ہو۔[3]

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ؕ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٦٥﴾

کہہ جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں سوائے اللہ کے کوئی غیب کو نہیں جانتا اور وہ نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ قف بَلْ

بلکہ آخرت کے پانے سے ان کا علم پیچھے رہ گیا، بلکہ وہ اس کے

نمبر ۱۔ سب سے پہلے خلق اشیاء کا ذکر فرمایا پھر قوانین کے اجرا کا یہ دونوں کام اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے نہ کوئی اور فرضی معبود۔ مگر یہاں تک بس نہیں بلکہ انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تعلق بھی ہے جو اور کسی شے کا نہیں اور وہ تعلق اس وقت پورے طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ جب انسان ماسوا اللہ کو بکلی چھوڑ کر اپنے آپ کو صرف ایک ذات پاک کا محتاج سمجھتا ہے (اسی کو مضطر فرمایا ہے) تب وہ نہ صرف اس کی حالت اضطرار کی دعا کو قبول کرتا ہے بلکہ دعا کا جواب بھی دیتا ہے کیونکہ کام کا ہونا یا نہ ہونا اتفاقی بھی ہو سکتا ہے اس کی ہستی اور اس کے تعلق کی دلیل اس کا جواب دینا ہی ہے یعنی ایسے بندے کے ساتھ کلام کرنا اور اس کو مصیبت کے وقت تسلی دینا۔ اور گو یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا عام قانون بیان فرمایا مگر خاص اشارہ انہی اپنے برگزیدہ بندوں کی طرف یعنی اصحاب رسول کی طرف ہے جن کے ذکر سے رکوع کو شروع کیا تھا اور اسی لیے کشف سوء یا مصیبت کے دور کرنے کے ساتھ انھیں بادشاہ بنانے کا بھی ذکر ہے گویا بتایا ہے کہ داؤدؑ اور سلیمانؑ کے قصے بیان نہیں کیے بلکہ مسلمانوں کو وہ سب کچھ دیا جائے گا جو پہلی قوموں کو دیا گیا۔ آیت ۶۰ میں خلق کے ساتھ یعدلون فرمایا اس لیے کہ دلیل خلق موٹی دلیل ہے اگلی آیت میں اپنے قوانین کا ذکر کرکے یعلمون فرمایا اس لیے کہ قوانین کا تعلق حکم سے ہے اور یہاں قبولیت دعا کے ذکر میں تذکرون فرمایا اس لیے کہ اس کا تعلق ذکر سے ہے۔

نمبر ۲۔ یہاں اس تعلق کو اور بھی کمال کو پہنچایا وہ نہ صرف مصیبت کے وقت انسان کو تسلی دیتا ہے۔ بلکہ انسان کی بہتری کے لیے اپنی ہدایت بھی بھیجتا ہے ظاہری رستوں کے ذکر میں انہی باطنی راہوں کی طرف اشارہ ہے اور رحمت کے آگے ہوائیں بھیجنے میں اشارہ ہے کہ اس کامیابی کے آثار اب بھی نظر آتے ہیں۔

نمبر ۳۔ خلق کے اعادہ میں یہاں اشارہ اجرائے قانون کی طرف ہے اور آسمانی رزق وحی الٰہی ہے پس ان تینوں باتوں کا پھر ایک جگہ کرکے اعادہ کیا جو اوپر کی آیات میں الگ الگ کرکے بیان کی ہیں۔

هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْهَا ۫ بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ ۝٦٦	متعلق شک میں ہیں، بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں ۱؎
وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا	اور وہ جو انکار کرتے ہیں، کہتے ہیں کیا جب ہم اور ہمارے
وَّ اٰبَآؤُنَاۤ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ۝٦٧	باپ دادا مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نکالے جائیں گے۔
لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ	یہ وعدہ ہمارے ساتھ اور پہلے ہمارے باپ دادوں سے (بھی)
اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ۝٦٨	کیا گیا۔ یہ صرف پہلوں کی کہانیاں ہیں۔
قُلْ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ	کہہ زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو مجرموں کا
كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ ۝٦٩	انجام کیسا ہوا۔
وَ لَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَ لَا تَكُنْ فِیْ ضَیْقٍ	اور ان پر غم نہ کھا، اور اس سے تنگی محسوس نہ کر،
مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ ۝٧٠	جو یہ تدبیریں کرتے ہیں ۲؎
وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ	اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب ہے، اگر تم سچے
كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝٧١	ہو۔
قُلْ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ	کہہ شاید اس کا کچھ حصہ تم سے نزدیک ہی آگیا ہو،
بَعْضُ الَّذِیْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۝٧٢	جسے تم جلد چاہتے ہو ۳؎
وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ	اور تیرا رب یقیناً لوگوں پر فضل کرنے والا ہے، لیکن
وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَشْكُرُوْنَ ۝٧٣	ان میں سے اکثر شکر نہیں کرتے۔
وَ اِنَّ رَبَّكَ لَیَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ	اور تیرا رب یقیناً اسے جانتا ہے جو اُن کے سینے چھپاتے

نمبر۱۔ علم کے پیچھے رہ جانے سے مراد ہے کہ وہ جاہل رہ گئے یعنی ان کا علم وہاں تک نہ پہنچ سکا اور پھر فرمایا بل ھم فی شك منھا۔ یعنی ان کا اپنا علم تو وہاں تک نہ پہنچ سکا لیکن جب ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے یہ علم دیا تو وہ شک میں پڑ گئے اور پھر اس شک میں ترقی کرتے کرتے بالکل اندھے ہو گئے یعنی اس کے قبول کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔

نمبر۲۔ آپ کا غم اس لیے تھا کہ یہ لوگ بجائے حق کو قبول کرنے کے مخالفت میں بڑھتے جاتے ہیں اور ان کی تدبیروں کے ذکر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی کافر ہیں جو حق کو تباہ کرنے کی تدبیروں میں لگے ہوئے ہیں۔

نمبر۳۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت رسول اللہ صلعم کی ہجرت کے قریب زمانہ کی ہے کیونکہ عذاب کا آنا آپ کے چلے جانے کے بعد مقدر تھا ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم (الانفال۔ ۳۳) چونکہ آپ اب مکہ سے جانے والے تھے اس لیے فرمایا کہ عذاب کا بھی ایک حصہ قریب ہی چکھ لو گے۔ بعض اس لیے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو رحمۃ للعالمین کی بدولت پوری تباہی سے بچا لیا۔

وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿٧٤﴾ — ہیں اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں ۔

وَ مَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ — اور کوئی چھپی ہوئی چیز آسمان اور زمین میں نہیں

اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٥﴾ — مگر وہ واضح کتاب میں ہے[1]

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ — یہ قرآن بنی اسرائیل پر بہت سی وہ باتیں بیان

اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿٧٦﴾ — کرتا ہے جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں[2]

وَ اِنَّهٗ لَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٧﴾ — اور بیشک وہ مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے ۔

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ — تیرا رب اُن کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کردے گا ،

وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٨﴾ — اور وہ غالب علم والا ہے ۔

فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ﴿٧٩﴾ — سو اللہ پر بھروسا رکھ ، تُو کھُلے حق پر ہے ۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ — ہاں تو مُردوں کو نہیں سُنا سکتا ، اور نہ تو بہروں کو سُنا سکتا

الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿٨٠﴾ — ہے ، جب وہ پیٹھ پھیرتے ہوئے واپس ہو جائیں ۔

وَ مَآ اَنْتَ بِهٰدِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ — اور نہ تو اندھوں کو اُن کی گمراہی سے نکال کر رستہ دکھانے

اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا — والا ہے ، تو صرف اُسے سُناتا ہے جو ہماری آیتوں پر

فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿٨١﴾ — ایمان لاتا ہے سو وہ فرماں بردار ہیں[3]

وَ اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ — اور جب بات اُن پر واضح ہو جائے گی ہم اُن کے لیے زمین

نمبر ۱۔ اصل مقصد یہ ہے کہ جس سے آسمان وزمین کی کوئی چیز مخفی نہیں اس سے تمہاری تدابیر کیونکر مخفی رہ سکتی ہیں ۔

نمبر ۲۔ بنی اسرائیل سے مراد یہاں یہود ونصاریٰ ہیں جیسا کہ قتادہ سے مروی ہے کیونکہ سب سے بڑا اختلاف انہی کا تھا ۔ پس گویں ہی یہ دعویٰ کیا گیا تھا کہ یہود ونصاریٰ کے باہمی اختلافات کا فیصلہ قرآن کریم فرماتا ہے ۔

نمبر ۳۔ ان آیات کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر صرف ڈرانے والا ہے جو سُننا چاہے اُسی کو سُنا سکتا ہے اور ان کی کفر پر اصرار کی حالت یہاں تک ترقی کر گئی ہے کہ کسی انسان کی طاقت میں اب یہ نہیں کہ انہیں راہِ راست پر لا سکے ۔ اذا ولوا مدبرین اصل حقیقت کو واضح کرتا ہے ۔ مُردے ہیں ، بہرے ہیں یا اپنے پیغمبر کی آواز پر پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں ایسوں کو پیغمبر نہیں سُنا سکتا ۔ اندھے ہیں اور پھر گمراہی میں ہی رہنا پسند کرتے ہیں ایسوں کی ہدایت پیغمبر نہیں کر سکتا ۔ کیونکہ وہ صرف ڈرانے والا ہے اور یہ لوگ ڈرانے کی پروا نہیں کرتے ۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ ہمیشہ کے لیے ایمان سے بے بہرہ رہیں گے ۔ کیونکہ دوسری جگہ فرمایا کہ اللہ ان کو بھی سنائیگا ۔ ان اللہ یسمع من یشآء (فاطر ۳۵ ۔ ۲۲) ہاں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں وہ پیغمبر کی ہر بات کو سنتے اور مانتے ہیں اس لیے اعلیٰ مقامات پر پہنچ جاتے ہیں ۔ سنانا اچھے اعمال کی طرف بلانا ہے ۔ پیغمبر کے بلانے پر اچھے اعمال کی طرف وہی رجوع کرے گا جو پہلے اس کے منجانب اللہ ہونے پر ایمان لاتا ہے ۔

دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ	سے ایک جانور نکالیں گے جو اُن سے باتیں کرے گا ، اس لیے کہ
ع النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۸۲﴾	لوگ ہماری آیتوں پر یقین نہیں رکھتے تھے ۱۔
وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا	اور جس دن ہم ہر امت سے ایک گروہ ان میں سے اکٹھا کریں گے ،
مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾	جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں پھر وہ روکے جائیں گے ۲۔
حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْ قَالَ اَكَذَّبْتُمْ بِاٰيٰتِيْ	یہاں تک کہ جب وہ آئیں گے کہیگا کیا تم نے میری آیتوں کو
وَلَمْ تُحِيْطُوْا بِهَا عِلْمًا اَمَّا ذَا	جھٹلایا ، حالانکہ تم نے اپنے علم سے اُن پر احاطہ نہ کیا تھا ، بھلا
كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۴﴾	تم کیا کرتے تھے ۔
وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوْا	اور ان پر بات واقع ہو جائے گی اس لیے کہ انھوں نے ظلم کیا
فَهُمْ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿۸۵﴾	تو وہ بات نہ کریں گے ۔

نمبر ۱۔ اس آیت میں ذکر ہے کہ جب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیات پر یقین نہیں رہے گا اور ان پر قول واقع ہو جائے گا یعنی اللہ تعالیٰ کی کوئی بات جو سختی یا عذاب سے تعلق رکھتی ہے ان کے حق میں پوری ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ ان کے لیے ایک دآبّۃ زمین سے نکالے گا ، جو اُن سے باتیں کرے گا یا انھیں زخمی کرے گا (تکلیم دونوں معنی میں آتا ہے) ابن کثیر کہتے ہیں یہ دابّۃ آخری زمانہ میں لوگوں کے فساد کے وقت نکلے گا جب وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو ترک کر دیں گے اور دین حق کو تبدیل کر دیں گے۔ اور روح المعانی میں ہے کہ یہ اس وقت ہوگا جب امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو ترک کر دیا جائے گا اور دس اشراط الساعۃ میں سے ایک شرط خروج دابہ بھی ہے۔ پس اس آیت کا تعلق مسلمانوں کی حالت کے بگڑ جانے سے ہے۔ دابۃ الارض سے کیا مراد ہے۔ روایات اس کے متعلق اس قدر ہیں کہ روح المعانی میں چند اس قسم کی روایات دیکر یہ قول نقل کیا ہے کہ روایات میں اس کی ماہیت اور اس کی شکل اور اس کی جائے خروج اور اس کی تعداد خروج اور اس کی مقدار خروج اور ان راہوں میں کہ لوگوں سے اس کا کیا معاملہ ہوگا اور وہ کیا چیز ہے جس کی وجہ سے وہ نکلے گا ایسا اختلاف ہے کہ بعض روایات بعض کی معارض ہیں یعنی یہ سب پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ قرآن کریم اسے ایسا دابۃ الارض قرار دیتا ہے جو لوگوں سے باتیں کرے گا اور کلام کرنا انسان سے خاص ہے اور دوسرا کوئی جانور کلام نہیں کرتا۔ پس دابۃ الارض سے مراد انسان ہی ہے جیسے دابۃ الارض اس وجہ سے کہا کہ وہ بالکل اسباب ارضی پر گرا ہُوا ہے اور خدا کی طرف اس کی نظر نہیں اُٹھتی دیکھو النحل۱۶ - ۱۱ - اور فاطر۳۵ - ۴۵ - پھر دابۃ الارض کے ایک یا کئی ہونے میں بھی اختلاف ہے قرآن کریم نے جو الفاظ استعمال کیے ہیں وہ جنس پر دلالت کرتے ہیں اور ایک روایت میں بھی ہے کہ ہر شہر سے دابہ نکلے گا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین پر پھیلی ہوئی قومیں ہیں جو مشرق و مغرب میں یکساں پھیل جائیں گی اور ایک روایت میں ان کا مشرق و مغرب میں یکساں دیکھا جانا مذکور ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو آیات اللہ پر وہ یقین نہ رہے گا جو انسان کے اندر قوتِ عمل پیدا کرتا ہے اور اس لیے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو بھی چھوڑ دیں گے تو ان کے لیے بطور سزا ایک ایسی مخلوق نکل پڑے گی جو بالکل زمین پر جھکی ہوئی ہو جیسے موجودہ تہذیب کی مدعی قومیں ہیں جن کے متعلق خود قرآن کریم نے دوسری جگہ فرمایا ہے اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الکہف ۔ ۱۰۴) یعنی ان کی ساری کوشش دنیا کی زندگی تک ہی ختم ہو جائے گی۔ اور اگر تکلمہم کے معنی زخمی کرنا لیا جائیں تو بھی صحیح ہے کہ مسلمانوں کو ان قوموں سے طرح طرح کے نقصانات بھی پہنچے ہیں اور ان کے جسم اور دل ان سے زخمی ہوئے ہیں۔ اور اگر دابۃ الارض سے مراد انسان نہ لیے جائیں تو پھر مراد وہ تمام اسباب ہوں گے جو زمین سے ہی پیدا ہو کر انسان کی ہلاکت کا موجب ہو جاتے ہیں خواہ وہ طاعون اور وباؤں کے رنگ میں ہوں جن کے کیڑے زمین سے پیدا ہوتے ہیں اور خواہ جنگ کے رنگ میں ہوں ۔

نمبر ۲۔ یوزعون کے معنی ہیں شرارت اور فساد سے روکے جائیں گے تو مطلب یہ ہُوا کہ سرداروں کو سزا دے کر ان کی شرارت سے روک دیا جائے گا اور باقی لوگ آخرکار ایمان لائیں گے یا پہلوں کا روکنا ہے یہاں تک کہ پچھلے اُن سے آملیں۔

اَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّا جَعَلۡنَا الَّيۡلَ لِيَسۡكُنُوۡا
فِيۡهِ وَ النَّهَارَ مُبۡصِرًا ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۸۶﴾

کیا وہ غور نہیں کرتے کہ ہم نے رات کو بنایا ہے تاکہ وہ اس میں آرام کریں اور دن کو روشن بنایا ہے، یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشان ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔

وَ يَوۡمَ يُنۡفَخُ فِى الصُّوۡرِ فَفَزِعَ مَنۡ
فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ اِلَّا مَنۡ
شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَكُلٌّ اَتَوۡهُ دٰخِرِيۡنَ ﴿۸۷﴾

اور جس دن صور میں پھونکا جائے گا پس جو کوئی آسمانوں میں ہیں اور جو کوئی زمین میں ہیں گھبرا جائیں گے سوائے اس کے جو اللہ چاہے اور سب عاجز ہو کر اس کے پاس آئیں گے۔

وَتَرَى الۡجِبَالَ تَحۡسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِىَ
تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ؕ صُنۡعَ اللّٰهِ الَّذِىۡۤ
اَتۡقَنَ كُلَّ شَىۡءٍ ؕ اِنَّهٗ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۸۸﴾

اور تو پہاڑوں کو دیکھتا ہے تو انھیں جمے ہوئے سمجھتا ہے۔ اور وہ بادلوں کی طرح چلیں گے۔ اللہ کا کام ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا وہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔[1]

مَنۡ جَآءَ بِالۡحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيۡرٌ مِّنۡهَا ۚ
وَهُمۡ مِّنۡ فَزَعٍ يَّوۡمَئِذٍ اٰمِنُوۡنَ ﴿۸۹﴾

جو کوئی نیکی لاتا ہے اس کے لیے اس سے بہتر ہے اور وہ اس دن گھبراہٹ سے امن میں ہوں گے۔

وَمَنۡ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتۡ وُجُوۡهُهُمۡ
فِى النَّارِ ؕ هَلۡ تُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا
كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۰﴾

اور جو بدی لاتا ہے تو وہ اوندھے منہ آگ میں ڈالے جائیں گے تم کو بدلہ نہیں دیا جاتا مگر اسی کا، جو تم عمل کرتے تھے۔

اِنَّمَاۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَعۡبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الۡبَلۡدَةِ
الَّذِىۡ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَىۡءٍ وَّاُمِرۡتُ
اَنۡ اَكُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ﴿۹۱﴾

مجھے صرف یہی حکم دیا گیا ہے کہ اس شہر کے رب کی عبادت کروں جس نے اسے حرمت والا بنایا اور ہر چیز اسی کے لیے ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں فرمان برداروں میں سے رہوں۔[2]

نمبر۱- اس آیت میں بظاہر پہاڑوں کی مضبوطی اور اُن کے آخر گزر جانے کا ذکر ہے لیکن آیت کا خاتمہ اِنَّهٗ خَبِيۡرٌۢ بما تفعلون پر کیا ہے یعنی افعال انسانی کی جزا و سزا پر اس لیے جامد پہاڑوں کے گزر جانے میں اشارہ ان بڑے بڑے انسانوں کے گزر جانے کی طرف ہے جو حق کی مخالفت کرتے ہیں اور اسی لحاظ سے صنع اللہ الذی اتقن کل شئ بھی درست ہے جس میں یہ اشارہ ہے کہ حق اس قدر مضبوط چیز ہے کہ پہاڑ بھی اس کے سامنے نہیں ٹھیر سکتے اور بعض نے وَهِىَ تَمُرُّ میں واؤ کو واؤ حالیہ لیا ہے تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تو پہاڑوں کو اپنی جگہ پر جمے ہوئے سمجھتا ہے جو ہلتے نہیں اور وہ بادل کی تیزی کے ساتھ چل رہے ہیں کیونکہ زمین کے ساتھ وہ چکر کھا رہے ہیں۔

نمبر۲- یہ شہر مکہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی حرمت کو اپنی طرف منسوب کیا ہے اور اس شہر کے رب کی عبادت میں اشارہ ہے کہ یہ شہر آپ کو دیا جائیگا۔

وَ اَنۡ اَتۡلُوَا الۡقُرۡاٰنَ ۚ فَمَنِ اهۡتَدٰی	اور کہ میں قرآن کی پیروی کروں ، سو جو کوئی ہدایت اختیار کرتا ہے
فَاِنَّمَا یَهۡتَدِیۡ لِنَفۡسِهٖ ۚ وَ مَنۡ ضَلَّ	وہ اپنے ہی فائدہ کے لیے ہدایت اختیار کرتا ہے اور جو کوئی
فَقُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُنۡذِرِیۡنَ ﴿۹۲﴾	گمراہ ہوتا ہے تو کہدے میں صرف ڈرانے والوں میں سے ہوں۔
وَ قُلِ الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ سَیُرِیۡکُمۡ اٰیٰتِهٖ	اور کہہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے وہ تمھیں اپنے نشان دکھائیگا۔
فَتَعۡرِفُوۡنَهَا ؕ وَ مَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ	پھر تم انھیں پہچان لوگے اور تیرا رب اس سے غافل نہیں
عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۹۳﴾ ع	جو تم کرتے ہو۔

اٰیَاتُهَا ۸۸ (۲۸) سُوۡرَةُ الۡقَصَصِ مَکِّیَّةٌ ۴۹ رُکُوۡعَاتُهَا ۹

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
طٰسٓمّٓ ﴿۱﴾	طور سینا پر موسیٰ (کی وحی پر غور کرو)
تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡمُبِیۡنِ ﴿۲﴾	یہ کھول کر بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں۔
نَتۡلُوۡا عَلَیۡکَ مِنۡ نَّبَاِ مُوۡسٰی وَ فِرۡعَوۡنَ	ہم تجھ پر موسیٰ اور فرعون کی خبر سے کچھ حق کے ساتھ پڑھتے
بِالۡحَقِّ لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳﴾	ہیں، ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں ۲۔
اِنَّ فِرۡعَوۡنَ عَلَا فِی الۡاَرۡضِ وَ جَعَلَ	فرعون نے ملک میں سرکشی اختیار کی اور اس کے رہنے والوں کو
اَهۡلَهَا شِیَعًا یَّسۡتَضۡعِفُ طَآئِفَةً مِّنۡهُمۡ	فرقے بنا رکھا تھا ، ان میں سے ایک گروہ کو کمزور کرتا جاتا تھا ،
یُذَبِّحُ اَبۡنَآءَهُمۡ وَ یَسۡتَحۡیٖ نِسَآءَهُمۡ ؕ	ان کے بیٹوں کو مار دیتا تھا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا ، وہ

نمبر۱۔ اس سورت کا نام القصص ہے اور اس میں نو رکوع اور ۸۸ آیات ہیں اور اس کا نام القصص سورت کے تیسرے رکوع میں آتا ہے جہاں حضرت موسیٰؑ کے مصر سے ظالموں کے ہاتھ سے بھاگ کر مدین پہنچنے اور وہاں اپنی سرگزشت سنانے کا ذکر ہے۔ سورت کا نام القصص رکھ کر اس واقعہ کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی ہے کیونکہ حضرت موسیٰ کی مماثلت میں اسی کا خاص ذکر اس سورت میں مقصود ہے اور اس میں نبی کریم صلعم کی ہجرت مدینہ اور وہاں دس سال کے قیام کی طرف توجہ دلائی ہے اور سورت کا خاتمہ اس پیشگوئی پر کیا ہے کہ گو نبی صلعم اب مکہ سے بھاگتے ہیں مگر آپ کا یہاں واپس لایا جانا یقینی ہے گویا ہجرت ہی اس سورت کا خاص مضمون ہے اور اسی لیے حضرت موسیٰؑ کی ہجرت کی سرگزشت پر اس کا نام رکھا اور پچھلی سورت میں چونکہ آنحضرت کی شوکت کا ذکر بطور پیشگوئی تھا یہاں بتایا کہ آپ کی یہ شوکت ہجرت سے والبتہ ہے۔

نمبر۲۔ فرعون اور بنی اسرائیل کے قصہ کو مومنوں کے لیے بیان کرنا صاف بتاتا ہے کہ اس میں مسلمانوں اور ان کے اعدا کا ذکر ہے مسلمانوں کی آج کی تاریخ بالخصوص بڑی صفائی سے بنی اسرائیل کے ان حالات میں لکھی ہوئی ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ④

فساد کرنے والوں میں سے تھا ؎۱

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا
فِي الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ
الْوٰرِثِيْنَ ⑤

اور ہم چاہتے تھے کہ ان لوگوں پر احسان کریں جو زمین میں کمزور کیے گئے تھے اور اُنھیں امام بنائیں ، اور اُنھیں وارث بنائیں ؎۲

وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ
وَهَامٰنَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا
يَحْذَرُوْنَ ⑥

اور انھیں زمین میں طاقت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو ان سے وہ چیز دکھائیں ، جس سے وہ ڈرتے تھے ؎۳

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ
فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِي الْيَمِّ
وَلَا تَخَافِيْ وَلَا تَحْزَنِيْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ

اور موسیٰ کی ماں کو ہم نے وحی کی کہ اسے دودھ پلا ، پھر جب اس کے متعلق تجھے خوف ہو تو اسے دریا میں ڈال دے اور نہ ڈرنا اور نہ غم کرنا ، ہم اِسے تیری طرف واپس لائیں

نمبر۱۔ فرعون کے اس ملک کے رہنے والوں کو گروہ گروہ کر دینے سے یہ منشا ہے کہ ایک ہی ملک کے رہنے والوں کے مختلف گروہ بنا دیئے ایک گروہ کے حقوق بہت قرار دیئے اور دوسرے کو ذلیل رکھنا چاہا۔ دوسرا گروہ بنی اسرائیل کا تھا جنھیں اس ملک میں رہتے ہوئے عرصہ دراز گزر چکا تھا اب فرعون نے ان کو ملک میں اچھے کاموں اور اعلیٰ عہدوں سے محروم کر کے طرح طرح کی ذلت کے کام ان کے سپرد کیے۔ اسی وجہ سے اسے مفسد کہا ہے۔ فساد صرف یہی نہیں کہ ملک کے اندر بدامنی پھیلائے بلکہ کسی قوم کو انسانیت کے حقوق مساوی سے محروم کرنا بھی فساد ہے۔ یہی وہ فساد ہے جس کا ارتکاب آج دنیا میں مغربی قومیں کر رہی ہیں اور یہی فساد ملک ہندوستان میں ہندو کر رہے ہیں جنھوں نے اس ملک کی اصلی قوموں کو غلام بنایا اور اب مسلمانوں کو اپنی اقتصادی غلامی میں لا رہے ہیں۔

نمبر۲۔ ائمّۃ سے مراد دین میں پیش رو ہیں۔ وارثین سے مراد ملک و حکومت کے وارث ہیں۔ یعنی الٰہی ارادہ یہ تھا کہ ان میں دین و دنیا کی خوبیاں جمع کر دے اللہ تعالیٰ ہمیشہ دنیا میں کمزوروں کو طاقتور بنا کر اور اپنی طاقت پر فخر کرنے والوں کو نیچا دکھا کر اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا ہے۔ یہی نظارہ بنی اسرائیل میں دکھایا یہی محمد رسول اللہ صلعم کے اصحاب میں دکھایا جس کی طرف یہاں اشارہ ہے۔

نمبر۳۔ ھامان ۔ فرعون کا کوئی سرلشکر یا کوئی اور بڑا عہدے دار معلوم ہوتا ہے۔ بائبل میں اس کا ذکر نہیں مگر ایران کے ایک بادشاہ کے مقربین میں سے ایک کا نام ہامان تھا۔ اس لیے پادری صاحبان اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن نے غلط واقعات بیان کر دیئے ہیں مگر یہ کیوں ناممکن ہے کہ فرعون کے کسی سردار کا نام بھی ہامان ہو، قرآن کریم نے ایسے ایسے واقعات بیان کر کے جنھیں دنیا میں کوئی نہ جانتا تھا اور جن کی صداقت پر آج واقعات نے مہر لگا دی ہے اپنے بیانات کا ہر قسم کے شبہات سے بالاتر ہونا ثابت کر دیا ہے۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کو بنی اسرائیل سے کچھ خوف تھا یعنی یہ کہ یہ قوم کسی دن غالب آ جائے گی۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ ان کی تعداد مصریوں کے مقابل میں کچھ بھی نہ تھی۔ بعینہٖ یہی حالت آج مغربی اقوام کی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کو خوب پامال کر کے اور ان کی طاقت کو جہاں تک ممکن تھا توڑ کر اور انھیں دنیا بھر میں اپنے غلام بنا کر پھر بھی ان سے ہر وقت ڈرتے ہیں اور پین اسلامزم کا نام یورپ کے لیے ایک ہوّا بنا ہوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے آخر جو چیز غالب آنے والی ہوتی ہے اس کا خوف بڑے بڑے طاقتوروں کے دلوں میں ہوتا ہے خواہ وہ کتنی کمزور نظر آئے اسلام کا جو خوف آج ہندوؤں کے دلوں میں ہے وہی اس بات کی کافی شہادت ہے کہ اسلام غالب آنے والا ہے۔

اِلَيۡكِ وَجَاعِلُوۡهُ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ ۝٧

گے اور اسے مرسلوں میں سے بنائیں گے ۔[۱]

فَالۡتَقَطَهٗۤ اٰلُ فِرۡعَوۡنَ لِيَكُوۡنَ لَهُمۡ عَدُوًّا وَّحَزَنًا ؕ اِنَّ فِرۡعَوۡنَ وَهَامٰنَ وَجُنُوۡدَهُمَا كَانُوۡا خٰطِــِٕيۡنَ ۝٨

پس فرعون کے لوگوں نے اُسے اٹھالیا تاکہ وہ ان کے لیے دشمن اور (موجب) غم ہو۔ فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر بلاشبہ خطاکار تھے۔

وَقَالَتِ امۡرَاَتُ فِرۡعَوۡنَ قُرَّتُ عَيۡنٍ لِّىۡ وَلَكَ ؕ لَا تَقۡتُلُوۡهُ ۖ عَسٰٓى اَنۡ يَّنۡفَعَنَاۤ اَوۡ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ۝٩

اور فرعون کی عورت نے کہا میرے لیے اور تیرے لیے آنکھ کی ٹھنڈک ہے اسے قتل نہ کرو، شاید وہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور وہ نہیں جانتے تھے۔

وَاَصۡبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوۡسٰى فٰرِغًا ؕ اِنۡ كَادَتۡ لَتُبۡدِىۡ بِهٖ لَوۡلَاۤ اَنۡ رَّبَطۡنَا عَلٰى قَلۡبِهَا لِتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۝١٠

اور موسیٰؑ کی ماں کا دل خالی ہوگیا، قریب تھا کہ وہ اسے ظاہر ہی کر دیتی اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کر دیتے تاکہ وہ مومنوں میں سے ہو ۔[۲]

وَقَالَتۡ لِاُخۡتِهٖ قُصِّيۡهِ ۫ فَبَصُرَتۡ بِهٖ عَنۡ جُنُبٍ وَّهُمۡ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ۝١١ۙ

اور (موسیٰؑ کی ماں نے) اس کی بہن سے کہا، اس کے پیچھے پیچھے جا، سو وہ اُسے دُور سے دیکھتی رہی اور انھوں نے معلوم نہ کیا۔

وَحَرَّمۡنَا عَلَيۡهِ الۡمَرَاضِعَ مِنۡ قَبۡلُ فَقَالَتۡ هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰٓى اَهۡلِ بَيۡتٍ يَّكۡفُلُوۡنَهٗ لَكُمۡ وَهُمۡ لَهٗ نٰصِحُوۡنَ ۝١٢

اور ہم نے اسے پہلے سے (اور) دودھ پینے سے روک دیا، سو اس نے کہا کیا میں تمھیں ایسے گھر والے بتاؤں جو اسے تمھارے لیے پالیں اور اس کے خیر خواہ ہوں۔

فَرَدَدۡنٰهُ اِلٰٓى اُمِّهٖ كَىۡ تَقَرَّ عَيۡنُهَا وَلَا تَحۡزَنَ وَلِتَعۡلَمَ اَنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ۝١٣ ع

سو ہم نے اسے اس کی ماں کی طرف واپس کردیا تاکہ اس کی آنکھ ٹھنڈی رہے اور وہ غم نہ کرے اور تاکہ وہ جان لے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

نمبر۱۔ حضرت موسیٰؑ کی ماں نبی نہ تھیں مگر ان کو وحی ہوئی جس سے یہ یقینی نتیجہ نکلتا ہے کہ غیر انبیاء کو وحی ہوتی ہے اور اس لیے گو اس امت میں نبوت نہیں مگر وحی کا سلسلہ جاری ہے اور غیر انبیاء کی وحی کا یقینی ہونا یہاں سے ظاہر ہے۔

نمبر۲۔ فارغ کے معنی خالی ہیں۔ یہاں مراد بعض نے موسیٰؑ کے ذکر سے خالی لیا ہے۔ یعنی اس کا ذکر بھول گئی اور اسے تسکین حاصل ہوگئی اور بعض کے نزدیک سوائے اس کے ذکر کے اور چیزوں سے خالی ہونا مراد ہے۔ لا تخافی ولا تحزنی کی بشارت بتاتی ہے کہ خوف و حزن سے خالی ہونا مراد ہے ان کادت لتبدی بہ یعنی قریب تھا کہ وہ ظاہر کر دیتیں اگر اللہ تعالیٰ نے دل مضبوط نہ کر دیا ہوتا اور بعض نے ظاہر کر دینے سے مراد لیا ہے کہ بسبب خوشی کے جو حضرت موسیٰؑ کے بچ جانے سے حاصل ہوئی اس واقعہ کو ظاہر کر دیتیں۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۴

اور جب (موسیٰ) اپنی جوانی کو پہنچا اور کمال حاصل کیا ہم نے اسے فہم اور علم دیا۔ اور اسی طرح ہم احسان کرنے والوں کو بدلے دیتے ہیں۔

وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۗ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۗ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝۱۵

اور وہ شہر میں اس کے باشندوں کی بے خبری کے وقت میں داخل ہوا، تو اس میں دو شخصوں کو لڑتے پایا وہ (ایک) اس کی قوم سے تھا اور وہ (دوسرا) اس کی دشمن (قوم) سے تو اس نے جو اس کی قوم سے تھا اس کے خلاف اس سے مدد مانگی جو اس کی دشمن (قوم) سے تھا، پس موسیٰ نے اسے ایک مُکا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ کہا یہ شیطان کے عمل کی وجہ سے ہے، وہ کھلا گمراہ کرنے والا دشمن ہے ۱۔

قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۱۶

کہا میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا، سو میری حفاظت فرما۔ سو اللہ نے اس کی حفاظت فرمائی وہ حفاظت کرنیوالا رحم کرنیوالا ہے ۲۔

نمبر ۱۔ حضرت موسیٰ کا قبطی کو مارنا آپ کی عصمت کے خلاف اعتراض سمجھا گیا ہے حالانکہ حضرت موسیٰؑ نے صرف اسے اسرائیلی پر حملہ کرنے سے رد کا ہے اور ایک مُکا مارا ہے یہ تو ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل غلامی کی حالت میں تھے اس لیے قبطی کی زیادتی اسرائیلی پر ہو سکتی تھی نہ اسرائیلی کی قبطی پر پس حضرت موسیٰ کا اسرائیلی کو بچانے کے لیے قبطی کو مُکا مارنا بالکل حق بجانب فعل تھا اور بائبل میں یہ ذکر موجود بھی ہے کہ مصری اسرائیلی کو مار رہا تھا (خروج ۲ : ۱۱) لیکن مُکا مارنا قتل کرنے کا ذریعہ نہیں۔ اس لیے حضرت موسیٰ کا ارادہ اسے قتل کرنے کا نہ تھا۔ مگر قبطی مر گیا جس کی وجہ ظاہر ہے کہ وہ پہلے ہی شراب خوری یا کسی اور وجہ سے ایسی حالت کو پہنچا ہوا تھا کہ ایک مُکے سے مر گیا اور اگر یہ کہا جائے کہ ایسا شخص دوسرے پر زیادتی کیا کر سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حاکم و محکوم کا فرق ہے محکومیت کی حالت میں رہ کر یہ حالت ہو جاتی ہے کہ بڑے بڑے قوی آدمی ایک ذلیل نیم مردہ حاکم سے بھی مار کھا لیتے ہیں اور سامنے بولنے کی جرأت نہیں کرتے۔ ھذا من عمل الشیطان سے حضرت موسیٰ کی مراد نہیں ہو سکتی کہ یہ میرا فعل عمل شیطانی ہے کیونکہ وہ تو بالکل حق بجانب تھا۔ بلکہ بتایا ہے کہ یہ تمہاری موت تمہاری اس زیادتی اور ظلم کا نتیجہ ہے جو تم نے ایک غریب اسرائیلی پر کیا اور وہ یقیناً شیطانی فعل ہے اور یا مطلب یہ ہے کہ ایک مُکے سے موت کا واقع ہو جانا اس شخص کے کسی شیطانی فعل شراب خوری یا زناکاری کا نتیجہ ہے۔ بائبل میں بجائے مُکا مارنے کے یوں ذکر ہے "تب اس مصری کو مار ڈالا اور ریت میں چھپا دیا" (خروج ۲ : ۱۲) جو صاف طور پر ایک مجرمانہ فعل نظر آتا ہے تعجب ہے ان لوگوں پر جو کہہ دیتے ہیں کہ قرآن کریم بائبل سے لیتا ہے حالانکہ یہاں قدم قدم پر بائبل کی اصلاح موجود ہے۔ صرف ایک مُکے کا ذکر کر کے قرآن کریم نے انبیاء کی عصمت کے اصول کو قائم رکھا ہے۔ بائبل میں اس ذکر کے نہ ہونے سے یہ ایک مجرمانہ فعل بن گیا ہے۔

نمبر ۲۔ یہاں نفس پر ظلم سے مراد اپنے آپ کو مشکلات میں ڈالنا ہے کیونکہ حضرت موسیٰؑ نے اس طرح ظالموں کو اپنے اوپر ظلم کرنے کا ایک موقعہ دے دیا اور غفر سے مراد حفاظت ہے اور اگر اسے کوئی غلطی بھی مانا جائے تو یہ غلطی ارادہ اور عمد سے نہیں نہ گناہ کہلا سکتی ہے بلکہ یہ ایک خطا تھی کہ مُکا مارا تو موت واقع ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ کا حفاظت

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ فَلَنۡ اَكُوۡنَ ظَهِیۡرًا لِّلۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿١٧﴾

کہا میرے رب اس لیے کہ تو نے مجھ پر انعام کیا میں کبھی مجرموں کا مددگار نہ ہوں گا ۔

فَاَصۡبَحَ فِی الۡمَدِیۡنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسۡتَنۡصَرَهٗ بِالۡاَمۡسِ یَسۡتَصۡرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوۡسٰۤی اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿١٨﴾

پس شہر میں ڈرتے ہوئے انتظار کرتے ہوئے صبح کی ۔ کہ ناگہاں وہی شخص جس نے کل اس سے مدد مانگی تھی اُسے مدد کے لیے پکارنے لگا ۔ موسیٰ نے اُسے کہا ، تو یقیناً کھلا گمراہ ہے ۔

فَلَمَّاۤ اَنۡ اَرَادَ اَنۡ یَّبۡطِشَ بِالَّذِیۡ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوۡسٰۤی اَتُرِیۡدُ اَنۡ تَقۡتُلَنِیۡ كَمَا قَتَلۡتَ نَفۡسًۢا بِالۡاَمۡسِ ٭ۖ اِنۡ تُرِیۡدُ اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَ جَبَّارًا فِی الۡاَرۡضِ وَ مَا تُرِیۡدُ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡمُصۡلِحِیۡنَ ﴿١٩﴾

پس جب اس نے ارادہ کیا کہ اسے پکڑے جو دونوں کا دشمن تھا ، اس نے کہا اے موسیٰ کیا تو چاہتا ہے کہ مجھے قتل کر دے ، جس طرح کل ایک شخص کو قتل کر دیا ۔ تو کچھ نہیں چاہتا مگر یہی کہ ملک میں زبردست ہو جائے ، اور تو نہیں چاہتا کہ تو اصلاح کرنے والوں میں سے ہو ۔

وَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنۡ اَقۡصَا الۡمَدِیۡنَةِ یَسۡعٰی ۫ قَالَ یٰمُوۡسٰۤی اِنَّ الۡمَلَاَ یَاۡتَمِرُوۡنَ بِكَ لِیَقۡتُلُوۡكَ فَاخۡرُجۡ اِنِّیۡ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیۡنَ ﴿٢٠﴾

اور شہر کی پرلی طرف سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا ، اس نے کہا اے موسیٰ بڑے بڑے لوگ تیرے متعلق مشورہ کر رہے ہیں کہ تجھے قتل کر دیں ۔ سو تو نکل جا میں تیرے خیرخواہوں میں سے ہوں ۔

فرمایا یہ تھا کہ حضرت موسیٰ کو ایک ظالم حاکم قوم کے ہاتھ سے بچا دیا ۔

نمبر۱ ۔ انعام تو حضرت موسیٰ پر قبطی کے قتل سے بہت پہلے سے تھا پس مراد یہی ہے کہ تیرے انعامات کو پا کر میں مجرموں کا مددگار کبھی ہو سکتا ہی نہیں ۔

نمبر۲ ۔ یہاں پھر اسی اسرائیلی کا ذکر ہے جس کی مدد پہلے حضرت موسیٰ نے کی تھی اس کا فریاد کرنا بتاتا ہے کہ وہ کسی سے لڑائی کر رہا ہے یہ دوسرا شخص مصری ہے یا اسرائیلی ، قرآن کریم میں ذکر نہیں مگر بائبل میں ہے کہ اس موقعہ پر دونوں عبرانی تھے جو باہم لڑ رہے تھے اور یہی درست بھی معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہاں زیادتی کرنے والا جسے حضرت موسیٰ گمراہ قرار دیتے ہیں وہی کل والا اسرائیلی ہے اور ایک محکوم اسرائیلی کا حاکم مصری پر زیادتی کرنا بعید از قیاس ہے ۔

نمبر۳ ۔ یہاں عدولھما کون ہے یعنی دو کا دشمن ۔ ظاہر ہے کہ یہ وہی شخص ہے جسے حضرت موسیٰ نے غوی کہا ہے یعنی غلطی پر قرار دیا ہے کہ وہ اپنے بھائی پر زیادتی کر رہا تھا ۔ پس اول تو وہ اس شخص کا دشمن تھا جس پر زیادتی کر رہا تھا اور پھر حضرت موسیٰ کا بھی دشمن ہوا اس لیے کہ وہ ناحق پر تھا ۔ حضرت موسیٰ نے ارادہ کیا کہ اس ظالم کو پکڑ کر مظلوم کو چھڑا دے اس نے شور ڈال دیا کہ کل تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا آج مجھے قتل کرنا چاہتے ہو ۔ اس سے حکام کو خبر پہنچ گئی اور انھوں نے حضرت موسیٰ کی گرفتاری کا فیصلہ کیا مگر کسی خیرخواہ نے گرفتاری سے پہلے حضرت موسیٰ کو خبر پہنچا دی جیسا کہ اگلی آیت میں ذکر ہے اور آپ وہاں سے بھاگ گئے ۔

فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا يَّتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ
ع ۲ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۱﴾

سو ڈرتا ہُوا انتظار کرتا ہُوا اس سے نکل پڑا، کہا میرے رب
مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى
رَبِّيْٓ اَنْ يَّهْدِيَنِيْ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۲۲﴾

اور جب (موسیٰؑ نے) مدین کی طرف رُخ کیا، کہا اُمید ہے
کہ میرا رب مجھے سیدھے رستہ پر چلائے گا۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ
اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُوْنَ ۥ
وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَيْنِ
تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ۭ قَالَتَا لَا
نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَآءُ ۫ وَاَبُوْنَا
شَيْخٌ كَبِيْرٌ ﴿۲۳﴾

اور جب مدین کے پانی پر پہنچا، اس پر لوگوں کے ایک گروہ
کو (مویشیوں کو) پانی پلاتے ہوئے پایا، اور ان سے
سوائے دو عورتوں کو پایا، جو (اپنی بکریوں
کو) روک رہی تھیں۔ کہا تمھارا کیا معاملہ ہے۔ انھوں نے
کہا ہم پانی نہیں پلا سکتیں، جب تک کہ چرواہے (اپنے جانوروں کو) نہ
لے جائیں اور ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے[1]۔

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ
رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ﴿۲۴﴾

سو اس نے اُن کے لیے پانی پلا دیا، پھر سایہ کی طرف پھر آیا اور
کہا میرے رب جو بھلائی تو میری طرف بھیجے میں اس کا محتاج ہوں۔

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِيْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۡ
قَالَتْ اِنَّ اَبِيْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا
سَقَيْتَ لَنَا ۭ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ
الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ۫ نَجَوْتَ مِنَ
الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵﴾

پس اُن دونوں میں سے ایک حیا سے چلتی ہوئی آئی، کہنے لگی
میرا باپ تجھے بلاتا ہے، تاکہ تجھے اس کی اجرت بدلہ میں
دے، جو تو نے ہمارے لیے پانی پلایا۔ سو جب اس کے پاس آیا
اور سرگزشت اس سے بیان کی، اس نے کہا ڈر نہیں تو ظالم
لوگوں سے بچ گیا[2]۔

نمبر۱۔ یہ شیخ کبیر اکثر مفسرین کے نزدیک حضرت شعیبؑ تھے اور بعض نے کہا ہے شعیبؑ کے بھتیجے اثرون تھے اور شعیب کا نام بائبل میں یثرو ہے اور بائبل میں اس شخص کو مدین کا کاہن رعوائل نام قرار دیا ہے اور یہی نام مفسرین میں سے ابن جریج نے اختیار کیا ہے یہ بھی فطرت انبیاء کا نقشہ ہے کہ وہ کمزوروں اور ضعیفوں کے حامی ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ بالکل نووارد اجنبی ہیں مگر جب دو لڑکیوں کی بیکسی کو دیکھا تو اُن کی فطری ہمدردیٔ انسانی نے جوش مارا اور ہمارے نبی کریم صلعم نے یتیموں، بیواؤں، عورتوں، غلاموں کے حقوق دلانے میں وہ کام کیا جو دنیا میں کسی نے نہیں کیا۔

نمبر۲۔ اس میں یہ تعلیم دی ہے کہ عورت کی چال میں خصوصیت سے حیا ہونا چاہیئے اپنے کام کاج کے لیے عورتوں کو باہر نکلنا پڑتا ہے اور ان کے باہر نکلنے میں ہرج کوئی نہیں لیکن وہ اگر حیا سے اپنی آنکھ کو نیچا رکھیں اور صرف اپنے کام سے کام رکھیں تو دوسروں پر بھی نیک اثر ڈال سکتی ہیں اور یہ بھی کہ کوئی کچھ کام کرے تو اُس کی اُجرت دے دینی چاہیئے۔ اسی لفظ القصص سے جو اس آیت میں آیا ہے اس سورت کا نام لیا گیا ہے کیونکہ اس سورت میں اہمیت اسی واقعہ کو دی گئی ہے اور

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ؗ — دونوں (لڑکیوں) میں سے ایک نے کہا اے میرے باپ اسے نوکر رکھ لے

اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ۝۲۶ — بہترین نوکر جو تو رکھنا چاہے مضبوط امین ہے۔

قَالَ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ اُنْكِحَكَ اِحْدَى — اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح

ابْنَتَيَّ هٰتَيْنِ عَلٰٓي اَنْ تَاْجُرَنِيْ ثَمٰنِيَ — تجھ سے کردوں اس شرط پر کہ تو آٹھ سال میری نوکری کرے

حِجَجٍ ۚ فَاِنْ اَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ — پھر اگر تو دس سال پورے کرے تو یہ تیری طرف سے

عِنْدِكَ ۚ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اَشُقَّ عَلَيْكَ ۭ — ہے[1] اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر تکلیف ڈالوں۔ اگر

سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۲۷ — اللہ چاہے تو تو مجھے نیکو کاروں سے پائے گا۔

قَالَ ذٰلِكَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ ۭ اَيَّمَا الْاَجَلَيْنِ — (موسیٰ نے) کہا یہ میرے اور تیرے درمیان وعدہ ہوا۔ جونسی مدت

قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي — میں پوری کردوں مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی، اور اللہ اس پر

مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝۲۸ ع — جو ہم کہتے ہیں کارساز ہے۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖٓ — سو جب موسیٰ نے مدت پوری کر لی اور اپنے گھر والوں کے ساتھ

اصل میں اس کو دقت دیکر اشارہ نبی کریم صلعم کی ہجرت اور ظالموں کے ہاتھ سے نجات پانے وغیرہ کی طرف کیا ہے۔ گویا بتایا ہے کہ اس سورت میں اہم واقعہ جس کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے حضرت موسیٰؑ کی ہجرتِ مدین اور وہاں سے بالآخر واپس آنا ہے۔

نمبر[1]- یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ بیٹی دینے کے عوض میں خدمت نہیں لی گئی بلکہ اس خدمت کا ذکر نکاح سے پہلے سے ظاہر ہے کہ شیخ کبیر کو ضرورت ہے کہ کوئی اس کا ملازم ہو اور حضرت موسیٰ کو بھی ضرورت ہے کہ کوئی صورت ان کے معاش کی ہو۔ اس لیے خود بیٹیاں یہ تجویز کرتی ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کو ملازم رکھ لیا جائے۔ نکاح کر دینا الگ معاملہ تھا۔ البتہ یہ ضرور تھا کہ لڑکی کے والد نے چاہا کہ کم از کم کچھ مدت ان کا داماد ان کے پاس رہے اس لیے آٹھ سال کی شرط لگائی اور اس ملازمت کے لیے آجر اور مستاجر اختیار کر کے خود بتا دیا کہ مراد اس سے کوئی کام کسی اجرت کے عوض لینا ہے۔ بس کام کی اجرت الگ ہے جس سے نکاح کو کوئی تعلق نہیں۔ جن لوگوں نے اس سے یہ نکالا ہے کہ بیٹی نکاح میں دیکر داماد سے کچھ وصول کرنا جائز ہے انھوں نے سخت غلطی کھائی ہے اور یہ رواج جو بعض قوموں میں پایا جاتا ہے اسلامی تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔ فمن عندك سے مراد یہ ہے کہ یہ تمھارے اختیار کی بات ہے میں مجبور نہیں کرتا۔ یہ مطلب نہیں کہ پھر تم جس سے چاہو نکاح کرو۔ حضرت موسیٰؑ کی تاریخ میں آنحضرت صلعم اور اسلام کی تاریخ کا ہونا خود قرآن کریم سے ثابت ہے لیکن بعض پہلو اس تاریخ کے نہایت حیرت انگیز ہیں یہ آٹھ اور دس سال حضرت موسیٰؑ کے مدین میں رہنے کا واقعہ بائبل میں مذکور نہیں مگر قرآن کریم نے اسے بیان کیا ہے اور اس کی سچائی پر اس سے بڑھ کر اور کیا شہادت ہو سکتی ہے کہ بعینہٖ یہی واقعہ آنحضرت صلعم کو پیش آتا ہے یہ سورت مکی ہے ہجرت کے قریب کی ہے اس کی ایک آیت عین ہجرت کے اندر نازل ہوئی جس میں یہ وعدہ ہے کہ اس وقت تو تم مکہ سے بھاگ رہے ہو لیکن ہم اسی مکہ میں تمھیں واپس بھی لائیں گے اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَاۗدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ (۸۵) تو حضرت موسیٰؑ کے مدین میں آٹھ اور دس سال کا واقعہ اس لیے بیان کیا کہ جتنی مدت وہ مدین رہے وہی مدت آنحضرت صلعم کے مدینہ میں رہنے کی تھی آٹھ سال بعد آپ مکہ میں بحیثیت فاتح واپس آجاتے ہیں اور دس سال آپ کی کل مدت اقامت مدینہ ہے جس کے بعد آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملتے ہیں کیا اس واقعہ سے صاف معلوم نہیں ہوتا کہ آٹھ اور دس سال کا واقعہ عالم الغیب خدا کی طرف سے ہے بائبل ناقص ہے اور قرآن کریم نے اس کے نقصوں کی اصلاح کی ہے اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ گو آج یہودی انسائیکلوپیڈیا سے ہمیں اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ حضرت موسیٰؑ مدین میں دس سال رہے مگر آٹھ سال کا ذکر وہاں بھی نہیں۔

اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ﴿٢٩﴾

چلا، طور کی طرف سے آگ دیکھی، تو اپنے گھروالوں سے کہا، ٹھیرو! مَیں نے آگ دیکھی ہے شاید میں تمھیں اس سے کچھ خبر لا دوں یا آگ کا انگارہ (لا دوں) تاکہ تم تاپو۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ يّٰمُوْسٰٓى اِنِّيْٓ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٠﴾

سو جب اس کے پاس آیا، وادی کے دائیں جانب میں درخت والی بابرکت جگہ میں، آواز آئی کہ اے موسیٰؑ! میں اللہ جہانوں کا رب ہوں [1]۔

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰٓى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۣ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ﴿٣١﴾

اور کہ اپنا عصا ڈال دے، سو جب اُسے ہلتا ہُوا دیکھا گویا وہ چھوٹا سانپ ہے پیٹھ پھیرتا ہُوا اُلٹا پھر گیا اور پیچھے نہ مڑا، اے موسیٰؑ آگے آ اور ڈر نہیں تُو امن پانے والوں میں سے ہے۔

اُسْلُكْ يَدَكَ فِيْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاۗءَ مِنْ غَيْرِ سُوْۗءٍ ۡ وَّاضْمُمْ اِلَيْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿٣٢﴾

اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال، وہ بغیر کسی عیب کے سفید ہو کر نکلے گا اور خوف میں اپنا بازو اپنی طرف ملالے [2]۔ یہ دو روشن دلیلیں تیرے رب کی طرف سے فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف ہیں، وہ نافرمان لوگ ہیں۔

نمبر۱۔ من شاطئ الواد الایمن ۔ایمن کے معنی اگر دایاں لیا جائے تو شاطی کی صفت ہوگی یعنی دائیں جانب سے اور اگر ایمن کے معنی بابرکت ہوں تو شاطی یا وادی دونوں کی صفت ہو سکتی ہے اور فی البقعۃ المبارکۃ شاطی سے حال ہے یعنی وہ اس مبارک قطعہ میں زمین تھی اور من الشجرۃ بدل اشتمال ہے شاطی سے یعنی وہ جانب درختوں والی تھی اور معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ موسیٰؑ کو ادھر سے آواز آتی ہوئی معلوم ہوئی اور یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ موسیٰؑ کو آواز آئی جب وہ اس جگہ تھا نودی کا مُنادی شاطی الوادی اور دوسرے صفایات کو مدّنظر رکھتے ہوئے دوسرے معنے ہی درست معلوم ہوتے ہیں۔

نمبر۲۔ اضمم الیك جناحك ۔جناح سے مراد ہاتھ یا بازو ہے اور ضم الجناح کنایہ ہے تجلد اور ضبط سے اور وہ پرند کے فعل سے ماخوذ ہے کہ خوف کے بعد حالت امن ہو تو وہ ایسا کرتا ہے ۔مطلب یہ ہُوا کہ خوف کے وقت گھبراؤ نہیں اور من الرھب سے مراد من اجل الرھب ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا
فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝۳۳

اس نے کہا ، میرے رب میں نے اُن میں سے ایک شخص کو قتل
کیا تھا سو میں ڈرتا ہوں کہ وہ مجھے قتل کر دیں ۔

وَ اَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا
فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً يُّصَدِّقُنِیْٓ اِنِّیْٓ
اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝۳۴

اور میرا بھائی ہارون وہ مجھ سے فصیح زبان والا ہے ۔ سو
اسے میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ میری تصدیق کرے ۔ میں
ڈرتا ہوں کہ مجھے جھٹلا دیں ۔

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِيْكَ وَ
نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا يَصِلُوْنَ
اِلَيْكُمَا ۚ بِاٰيٰتِنَآ ۚ اَنْتُمَا وَمَنِ اتَّبَعَكُمَا
الْغٰلِبُوْنَ ۝۳۵

کہا ، ہم تیرا بازو تیرے بھائی کے ساتھ مضبوط کریں گے
اور تمھیں غلبہ دیں گے ، سو وہ تم تک نہ پہنچ سکیں گے ۔
ہمارے نشانوں کے ساتھ (جاؤ) تم دونوں اور جو تمھاری
پیروی کرے غالب رہو گے ۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰی بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ
قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًی وَّمَا
سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۶

سو جب موسیٰ ہمارے کھلے نشانوں کے ساتھ ان کے پاس آیا ،
انھوں نے کہا یہ کچھ نہیں مگر بنایا ہوا جادو ہے ۔ اور ہم نے
اپنے پہلے باپ دادوں میں یہ نہیں سنا[1] ۔

وَقَالَ مُوْسٰی رَبِّیْٓ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ
بِالْهُدٰی مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ
لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا
يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۳۷

اور موسیٰ نے کہا ، میرا رب اسے خوب جانتا
ہے جو اس کی طرف سے ہدایت لایا ہے اور
اسے جس کے لیے اس گھر کا اچھا انجام ہے ،
ظالم کامیاب نہیں ہوتے ۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ مَا
عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِیْ ۚ فَاَوْقِدْ
لِیْ يٰهَامٰنُ عَلَی الطِّيْنِ فَاجْعَلْ لِّیْ صَرْحًا
لَّعَلِّیْٓ اَطَّلِعُ اِلٰٓی اِلٰهِ مُوْسٰی ۙ وَاِنِّیْ

اور فرعون نے کہا ، اے سردارو ! میں تمھارے
لیے اپنے سوائے کوئی معبود نہیں جانتا ۔ سو اے ہامان
میرے لیے پکی اینٹیں بنوا ، پھر میرے لیے
ایک محل بنوا ، تاکہ میں موسیٰ کے خدا پر اطلاع پاؤں اور

[1] نمبرا ۔ سیاق سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مراد توحید نبوت وغیرہ اور ان کے دلائل ہیں ۔ ساحروں کا رسیوں کے سانپ وغیرہ بنانا ایسا امر نہیں جن کے متعلق وہ کہہ سکتے کہ اپنے باپ دادوں میں ہم نے یہ نہیں سنا اور اگلی آیت میں حضرت موسیٰ ہدایت لانے کا ذکر بھی کرتے ہیں ۔

لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۳۸﴾ — میں اسے یقیناً جھوٹا سمجھتا ہوں [1]۔
وَ اسْتَكْبَرَ هُوَ وَ جُنُوْدُهٗ فِی الْاَرْضِ — اور اس نے اور اس کے لشکروں نے ملک میں ناحق تکبر کیا۔
بِغَیْرِ الْحَقِّ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اِلَیْنَا — اور انھوں نے سمجھا کہ وہ ہماری طرف نہیں لوٹائے
لَا یُرْجَعُوْنَ ﴿۳۹﴾ — جائیں گے۔
فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ ۚ — سو ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑا اور انھیں سمندر میں
فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ — ڈال دیا۔ سو دیکھ ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔
وَ جَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ — اور ہم نے انھیں (ایسے) پیشرو بنایا جو آگ کی طرف بلاتے ہیں
وَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾ — اور قیامت کے دن انھیں مدد نہیں دی جائے گی۔
وَ اَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ وَ — اور ہم نے اُن کے پیچھے اس دنیا میں لعنت لگادی اور قیامت
ع یَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ﴿۴۲﴾ — کے دن وہ بُرے حال والوں میں سے ہوں گے۔
وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ — اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اس کے بعد کہ ہم نے پہلی
مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىِٕرَ — نسلوں کو ہلاک کر دیا (جو) لوگوں کے لیے روشن دلیلیں اور ہدایت
لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾ — اور رحمت (تھی) تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔
وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ اِذْ قَضَیْنَاۤ — اور تو مغربی جانب میں نہ تھا، جب ہم نے موسیٰ کی طرف حکم
اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَ مَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۴۴﴾ — بھیجا اور تو حاضر ہونے والوں میں سے نہ تھا۔
وَ لٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَیْهِمُ — لیکن ہم نے (کئی) نسلیں پیدا کیں، پھر اُن پر لمبا زمانہ گزر
الْعُمُرُ ۚ وَ مَا كُنْتَ ثَاوِیًا فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ — گیا اور تو اہل مدین میں ٹھیرا ہوا نہ تھا کہ ان کو ہماری آیتیں
تَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۙ وَ لٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ ﴿۴۵﴾ — پڑھ کر سناتا ہو، لیکن ہم ہی رسول بھیجتے رہے ہیں۔
وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَیْنَا — اور تو طور کے کنارے پر نہ تھا، جب ہم نے آواز دی لیکن

نمبر۱۔ مٹی پر آگ جلوانے سے مراد اینٹ کا پکانا ہے۔ ما علمت لکم من الٰہ غیری سے معلوم ہوتا ہے کہ بُت پرست اقوام کی طرح وہ بادشاہ کو بھی خدا کی طرح مانتے تھے اور بمقابلہ دیگر اشیاء جن کی پرستش کی جاتی تھی بادشاہ کی عزت بہت بڑھ کر ہوگی اور فرعون نے موسیٰ کے رب العالمین کے مقابل پر اپنے آپ کو پیش کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اصل مقابلہ توحید باری تعالیٰ پر ہی تھا۔ اور محل بنوانا بطور استہزا تھا۔ یا وہ سچ مچ خیال کرتا ہوگا کہ اوپر محل کے ذریعہ سے آسمان کی حالت کو دیکھا جا سکتا ہے اور کہ حضرت موسیٰ کا دعویٰ ہے کہ خدا تعالیٰ آسمان پر ہے۔

وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۶﴾

یہ تیرے رب کی طرف سے رحمت ہوئی تاکہ تو اس قوم کو ڈرائے جن کے پاس تجھ سے پہلے ڈرانے والا نہیں آیا ۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ۱؎۔

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور اگر ایسا نہ ہوتا کہ انھیں اس کی وجہ سے جو اُن کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے کوئی مصیبت پہنچے پھر وہ کہیں ہمارے رب کیوں تونے ہماری طرف رسول نہ بھیجا، کہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اور مومنوں میں سے ہوتے ۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰىؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۫ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

سوجب ہماری طرف سے حق اُن کے پاس آگیا ، کہنے لگے اسے کیوں اس کی مثل نہیں دیا گیا جو موسٰیؑ کو دیا گیا ۔ کیا انھوں نے اس کا انکار نہیں کیا جو پہلے موسٰیؑ کو دیا گیا ۔ کہنے لگے (یہ) دو جادو ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور کہنے لگے ہم سب کے منکر ہیں ۲؎۔

نمبر۱۔ ان آیات میں جس بات کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی ہے وہ حضرت موسیٰؑ کے ساتھ آنحضرت صلعم کی مشابہت ہے اس مشابہت کا واضح الفاظ میں آیت ۴۸ میں ذکر ہے سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا یعنی حضرت موسیٰؑ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم دو جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں ۔ یعنی موسیٰؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کرکے آپ کو سچا ٹھہراتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم موسیٰؑ کی تصدیق کرتے ہیں اور یہاں انہی پیشگوئیوں کی طرف ہی اشارہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے جو پیشگوئیاں آپ کے متعلق کیں اور وہ دو ہزار سال بعد پوری ہوئیں تم کوئی اس وقت موسیٰؑ کے پاس تھے کہ وہ ایسی پیشگوئی کرسکتے اگر اللہ تعالیٰ نے انھیں علم نہ دیا ہوتا یا موسیٰؑ کے جو حالات اب قرآن کریم میں بیان کیے جاتے ہیں اور اصولاً ویسی ہی تعلیم ایک عرب کا اُمی دیتا ہے جیسی تعلیم موسیٰؑ نے دی تھی تو یہ باتیں تو ایسی ہیں کہ مشاہدہ کو چاہتی ہیں لیکن تم تو اس وقت موجود نہ تھے پس حضرت موسیٰؑ کا وہ علم غیب اور اب اسی کے مطابق اور ویسی ہی تعلیم دیتے ہوئے دو ہزار سال بعد ملک عرب میں ایک نبی کا آنا اس بات پر شاہد ہیں کہ یہ دونوں باتیں دونوں وحیاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور یہ جو فرمایا کہ تم مدین میں نہیں رہے تو یہ اس طرف اشارہ ہے کہ موسیٰؑ کا فرعون کے ارادۂ قتل سے بھاگنا اور پھر مدین میں جاکر دس سال ٹھہرنا تمھاری زندگی میں اسی طرح پیش آنے والا ہے گویا کہ تم مدین میں ہی تھے حالانکہ مدین میں نہ تھے اور انشانا قرونًا میں اس عرصۂ دراز کا ذکر کیا جو حضرت موسیٰؑ اور آنحضرت صلعم کے درمیان گزرا تھا اور مَآ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ میں اہل عرب کا ذکر کیا جن کے لیے پیشگوئی موجود ہے کیونکہ ایک طرف بنی اسرائیل ہیں جن میں پے در پے رسول آتے رہے ۔ دوسری طرف بنی اسمٰعیل ہیں جن میں ایک بھی رسول نہ آیا ۔ اور یہ کہنا کہ حضرت اسماعیلؑ ان کی طرف رسول تھے صحیح نہیں اس لیے کہ بنی اسمٰعیل کا ملک عرب میں پھیلنا اور قوم بننا حضرت اسمٰعیلؑ کی موت کے بعد وقوع میں آیا ۔

نمبر۲۔ چونکہ اوپر کی آیت میں آنحضرت صلعم کی حضرت موسیٰؑ سے مماثلت اور حضرت موسیٰؑ کی پیشگوئیوں اور ایک دوسرے کی تائید و تصدیق کا ذکر ہے اور آنحضرت کی حضرت موسیٰؑ سے مماثلت پر قرآن کریم میں بہت زور بھی دیا گیا ہے اس لیے بار بار موسیٰؑ اور فرعون کا قصہ یاد دلایا جاتا تھا ۔ انا ارسلنا الیکم رسولًا شاھدًا علیکم کما ارسلنا الی فرعون رسولًا (المزمل ۔ ۱۵) اس لیے وہ مطالبہ کرتے ہیں کہ پھر جو حالت فرعون کی موسیٰؑ کے مقابل پر ہوئی تھی ۔ وہی حالت ہماری کیوں نہیں ہوتی مثل ما اوتی موسیٰ میں یہی اشارہ ہے کہ ایسا ہی نشان ہلاکت ہم پر بھی آئے اگر یہ نبی مثل موسیٰؑ ہے جیسا اس کا دعویٰ ہے تو پھر ہم فرعون کی طرح غرق کیوں نہیں ہوتے

قُلْ فَأْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۴۹

کہہ تو اللہ کی طرف سے کوئی کتاب لاؤ جو ان دونوں سے زیادہ ہدایت والی ہو تاکہ میں اس کی پیروی کروں اگر تم سچے ہو ملہ

فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۰

پس اگر وہ تجھے جواب نہ دیں تو جان لو کہ وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو اللہ کی طرف سے کسی ہدایت کے بغیر اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۵۱

اور ہم اپنا کلام ایک دوسرے سے ملتا ہوا انھیں پہنچاتے رہے ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ملے

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ

جنھیں ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر

اور جب انھیں تعلیم کی مماثلت پیشگوئیوں کے پورا ہونے توریت میں آنحضرت صلعم کا ذکر ہونے وغیرہ امور کی طرف توجہ دلائی جاتی کہ کیا مماثلت کے لیے یہ کافی نہیں تو کہہ دیتے کہ یہ تو جادوگری ہے دو جادوگر ہیں جو ایک دوسرے کی مدد کر رہے ہیں سحران تظاھرا سے یہی مراد ہے۔ چنانچہ حضرت عباسؓ سے بخاری نے تاریخ میں یہی معنی روایت کیے ہیں کہ اس سے مراد موسیٰؑ و آنحضرت صلعم ہیں اور اگلی آیت میں فاتوا بکتب من عند اللہ ھو اھدی منہما میں صاف بھی کر دیا ہے کہ سحران سے ان کی مراد توریت اور قرآن ہی ہیں پس جو تائید و تصدیق تعلیم اور پیشگوئیوں سے ہوتی تھی اس کی پروا نہ کرتے اور یہی مطالبہ کرتے تھے کہ پھر ہم بھی فرعون کی طرح ہلاک ہو جائیں۔

نمبر ۱- یہاں توریت اور قرآن کا باہم مقابلہ نہیں بلکہ ان کی اس حیثیت کا ذکر ہے کہ وہ ایک دوسرے کے موید اور مصدق ہیں کفار کے دونوں کے انکار پر فرمایا کہ ان دونوں کی شہادت کو رد کرتے ہو تو بتاؤ ان سے زیادہ ہدایت والی اور کون سی کتاب ہے جس کی پیروی کی جائے اور اس میں کچھ بھی شک نہیں کہ قرآن کریم کے بعد جو مرتبہ توریت کو حاصل ہے وہ دنیا کی اور کسی کتاب کو نہیں توحید کی تعلیم جس صفائی اور زور کے ساتھ اور بت پرستی سے نفرت کی جو تعلیم توریت میں پائی جاتی ہے وہ نہ تو ویدوں میں ہے نہ دنیا کی اور کسی کتاب میں اور اصولی اور اصل تعلیم تو توحید الٰہی ہے جس پر صداقت کا دار و مدار ہے اس لیے فرمایا کہ توریت و قرآن جو ایک دوسرے کی تائید کرتے ہیں اور ایک ہی تعلیم اصولی رنگ میں دیتے ہیں باوجودیکہ دونوں میں زمانہ اور ملک اور قوم کا اتنا بڑا فرق ہے اگر ان کی تائیدی شہادت کو قبول نہیں کرتے تو ان سے بہتر کوئی اور کتاب بتاؤ۔ اگلی آیت میں فان لم یستجیبوا لک میں بتا دیا کہ اس مطالبہ کو پورا نہیں کر سکتے ہیں وہ کسی حق کی پیروی نہیں کرتے اپنی خواہشات کے پیرو ہیں۔

نمبر ۲- قول اور اس کی توصیل سے کیا مراد ہے۔ پچھلے رکوع میں قرآن کریم اور توریت کے ایک دوسرے کے مصدق اور موید ہونے کا ذکر تھا اب اسی کو عام کیا ہے اور بتایا ہے کہ فی الحقیقت وحی الٰہی کہیں ہوئی ہو اور کبھی ہوئی ہو وہ سب ایک قول کے حکم میں ہے اور اس میں باہم بہت تعلق پایا جاتا ہے گویا توریت و قرآن ہی ایک دوسرے کی مصدق اور موید نہیں بلکہ سب وحی ہی ایک دوسرے کی موید ہیں اور اس میں صداقت وحی پر بڑی بھاری دلیل ہے کہ مختلف ملکوں میں مختلف زمانوں میں مختلف زبانوں میں جو وحیاں ہوتی ہیں ان سب کی غرض ایک ہے۔ انسان کے اخلاق کو سنوارنا اور اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق پیدا کرنا ان سب کے اصول ایک ہیں۔ انسان کے لیے ایک دہستی کا ہونا اور اعمال کی جزا و سزا کا حق ہونا تمام وحی پانے والے ایک ہی قسم کی سادہ زندگی بسر کرتے ہیں مخلوق سے کمال درجہ کی ہمدردی رکھتے ہیں بلا کسی اجر اور مزد کے کام کرتے ہیں۔ پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک کی وحی میں دوسرے کے آنے کا ذکر ہے بالخصوص جملہ انبیاء نے ہمارے نبی کریم صلعم کے آنے کی پیشگوئی کی ہے۔

هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٢﴾
وَ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ
اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ اِنَّا كُنَّا
مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ ﴿٥٣﴾
اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا
صَبَرُوْا وَ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ
وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٥٤﴾
وَ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ
قَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ز
سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ز لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ﴿٥٥﴾
اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ
اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ج وَ هُوَ اَعْلَمُ
بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿٥٦﴾
وَ قَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ

ایمان لاتے ہیں ۱؎
اور جب ان پر (قرآن) پڑھا جاتا ہے کہتے ہیں ہم اس پر
ایمان لائے کہ یہ ہمارے رب کی طرف سے حق ہے ہم
اس سے پہلے بھی فرماں بردار تھے۔
یہی ہیں جنھیں اُن کا اجر دوچند دیا جائے گا، اس لیے کہ
انھوں نے صبر کیا اور وہ بدی کو نیکی کے ساتھ دُور کرتے ہیں
اور اس سے جو ہم نے انھیں دیا ہے خرچ کرتے ہیں ۲؎
اور جب لغویات سنتے ہیں اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اور
کہتے ہیں ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور تمھارے لیے تمھارے
عمل ہیں تمھارے لیے سلامتی ہو ہم جاہلوں کو نہیں چاہتے۔
تو اسے ہدایت نہیں دے سکتا جسے تو دوست رکھتا ہو، لیکن
اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے
والوں کو خوب جانتا ہے ۳؎
اور کہتے ہیں اگر ہم تیرے ساتھ ہو کر ہدایت کی پیروی کریں تو اپنے

نمبر۱۔ مفسرین دس یہودیوں یا چالیس عیسائیوں وغیرہ کا بیان ذکر کرتے ہیں مگر اس میں لاکھوں اور کروڑوں وہ انسان داخل ہیں جو ہر مذہب میں سے اسلام میں آئے، آتے ہیں اور آتے رہیں گے۔ کروڑہا ہندو اور بدھ مذہب کے پیرو کروڑہا کانفیوشس کے پیرو۔ زرتشت کے پیرو۔ حضرت مسیحؑ اور حضرت موسیٰؑ کے پیرو سب اس میں داخل ہوئے۔ کوئی مذہب نہیں جس میں سے اسلام نے ایک بڑا بھاری حصہ نہ لیا ہو اور یہی اس کے آخری غلبہ کا نشان ہے۔

نمبر۲۔ مرتین یعنی دو دفعہ، دوچند اجر کی وجہ مفسرین یہ دیتے ہیں کہ ایسے لوگ پہلے اپنی کتاب پر ایمان لائیں۔ پھر قرآن کریم پر، مگر قرآن کریم نے جو خود وجہ بیان فرمائی ہے وہ اُن کا صبر اُن کا بدی کو نیکی کے ذریعہ دُور کرنا اور ان کا اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے اور یہی حق ہے دوچند اجر انھیں کا ہے جو صرف آپ ہی نیکی کی راہ اختیار نہیں کرتے بلکہ دنیا میں بھی بدی کو دور کر کے نیکی کو پھیلاتے ہیں۔ اور یا یہ کہ وہ صرف ایمان ہی نہیں لاتے بلکہ ایمان کو بذریعہ نیک اعمال کمال تک پہنچاتے ہیں۔

نمبر۳۔ اس آیت کے شان نزول میں وفات ابوطالب کا ذکر لکھا ہے۔ یعنی آنحضرت صلعم بوجہ اس محبت کے جو ابوطالبؓ آپ کو تھی اس لیے کہ انھوں نے آپ کا ساتھ سخت ترین مشکلات میں دیا، چاہتے تھے کہ وہ مسلمان ہو جائیں، مگر انھوں نے ظاہر طور پر اقرار توحید نہیں کیا۔ تو اس پر آنحضرت صلعم کو تسلی دی گئی کہ انسان کے یہ اختیار کی بات نہیں کیونکہ قلب کی حالت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہوتا ہے اس لیے جسے وہ چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور ہر ایک کو بھی خطاب ہے جو دوسروں کی ہدایت کا کام اختیار کرتا ہے کہ وہ ایک یا دوسرے کے ایمان نہ لانے سے گھبرائے نہیں۔ اسلام تو آخر کار دنیا میں مقبول ہوگا ہاں ضروری نہیں کہ جسے آج تم چاہتے ہو وہ بھی فوراً مسلمان ہو جائے۔

نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَ لَمْ نُمَكِّنْ	ملک سے اُچک لیے جائیں، کیا ہم نے انھیں امن والے حرم
لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰۤى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ	میں جگہ نہیں دی جس کی طرف ہر قسم کے میوے کھنچے آتے ہیں
كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَ لٰـكِنَّ	(یہ) ہماری طرف سے رزق (ہے) لیکن ان میں سے اکثر
اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾	نہیں جانتے [1]۔
وَ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۭ بَطِرَتْ	اور کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کیں، جو اپنی
مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ	روزی کے سامان میں اِتراتی تھیں۔ سو یہ ان کے
تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَ	مکانات ہیں جو ان کے بعد آباد نہیں ہوئے، مگر بہت کم۔
كُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿۵۸﴾	اور ہم ہی وارث ہیں [2]۔
وَ مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى	اور تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہ تھا جب تک کہ ان کے
يَبْعَثَ فِیْۤ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ	مرکزی مقام میں رسول نہ بھیجتا جو ان پر ہماری آیتیں پڑھتا اور
اٰيٰتِنَا ۚ وَ مَا كُنَّا مُهْلِكِی الْقُرٰۤى	ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہیں مگر اس حال میں کہ ان کے
اِلَّا وَ اَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾	رہنے والے ظالم ہوں [3]۔
وَ مَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ	اور جو کوئی چیز تم کو دی گئی ہے تو وہ دنیا کی زندگی کا سامان اور
الدُّنْيَا وَ زِيْنَتُهَا ۚ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ	اس کی زینت ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے

نمبر ۱۔ مکہ میں بہت لوگ ایسے تھے جو صداقت اسلامی کا دل سے اعتراف کرتے تھے مگر خوف یہ تھا کہ مسلمان ہو کر مارے جائیں گے یا گھروں سے نکالے جائیں گے تو ان کو تسلی دی ہے کہ جس خدا نے حرم جیسی امن والی جگہ انھیں دی کیا وہ انھیں کفار کے ہاتھ سے بچا نہیں سکتا اور یجبی الیہ ثمرات کل شئی میں بتایا ہے کہ مکہ ایک وادی غیر ذی زرع میں آباد ہے پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کیا تماشہ ہے کہ ہر قسم کے پھل وہاں پہنچتے ہیں۔

نمبر ۲۔ جن قوموں کو روزی کا سامان کچھ اچھا مل جاتا ہے وہ اترا کر حد سے نکل جاتی ہیں اس کا نتیجہ ہلاکت ہوتا ہے۔ آج بھی کئی قومیں اسی سامانِ روزی پر اتراتی ہوئی ہیں کہ انھیں کھانے اور پہننے کو اچھا مل جاتا ہے آیت ۶۰ میں فرمایا کہ یہ صرف حیوانی زندگی کی خوشی ہے انسان کو خوش اس بات پر ہونا چاہیے جس کا فائدہ اس کے لیے دیرپا ہے نحن الوارثین میں بتایا کہ اللہ تعالیٰ ہی ایک قوم سے لے کر دوسری قوم کو دیتا ہے۔

نمبر ۳۔ یہ ان کے اس مطالبہ کا جواب ہے جو کہتے تھے کہ جس طرح فرعون ہلاک ہوا ہم ہلاک کیوں نہیں ہوتے تو اس کے جواب میں فرمایا کہ بلاشبہ عرب کے ملک کی حالت اس انتہائے فساد کو پہنچ چکی تھی کہ ان پر عذاب بھیج کر انھیں ہلاک کر دیا جاتا۔ یہودیوں نے بھی ان کی اصلاح پر زور لگایا مگر یہ درست نہ ہوئے۔ عیسائیوں نے بھی لگایا مگر ان کی اصلاح نہ ہوئی بلکہ ظلم و فساد میں ترقی کرتے گئے مگر چونکہ یہ وہ قوم تھی کہ خود ان کے اندر کوئی رسول نہ آیا تھا آیت ۴۶۔ اس لیے ضرور تھا کہ پہلے ان میں رسول بھیجا جاتا جو انھیں ڈراتا۔ اور اُمّھا سے مراد یہاں اُم القریٰ یعنی مکہ ہے اور پھر دوبارہ جو فرمایا وماکنا مھلکی القریٰ الا واھلھا ظلمون تو سمجھایا ہے کہ یہ بھی نہیں ہوتا کہ ادھر رسول مبعوث ہو ادھر مکذبین کو ہلاک کر دیا جائے بلکہ جب تک وہ ظالم ثابت نہ ہوں اور ان کا ظلم کمال کو نہ پہنچے اس وقت تک بھی انھیں ہلاک نہ کیا جائے گا۔

وَ اَبْقٰى ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۟ ع (۶۰)	والا ہے ، تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے ۔
اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ	بھلا جس سے ہم نے اچھا وعدہ کیا ہے پھر وہ اسے پا لینے والا
لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ	بھی ہے اس کی طرح ہے جسے ہم نے دنیا کی زندگی کا سامان فائدہ
الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ (۶۱)	اٹھانے کو دیا پھر وہ قیامت کے دن عذاب میں حاضر کیے گئے لوگوں میں سے ہوگا ۔
وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِىَ	اور جس دن انھیں پکارے گا اور کہیگا میرے وہ شریک کہاں ہیں ،
الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ (۶۲)	جن کا تم دعوے کرتے تھے ۔
قَالَ الَّذِيْنَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا	جن کے خلاف بات ثابت ہوئی وہ کہیں گے ہمارے رب یہ
هٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَغْوَيْنَا ۚ اَغْوَيْنٰهُمْ كَمَا	وہ ہیں جنھیں ہم نے گمراہ کیا ، ہم نے انھیں گمراہ کیا جس طرح ہم خود
غَوَيْنَا ۚ تَبَرَّاْنَاۤ اِلَيْكَ ۫ مَا كَانُوْۤا	گمراہ ہوئے ہم تیرے سامنے ان سے بے تعلق ہوئے ہیں
اِيَّانَا يَعْبُدُوْنَ (۶۳)	یہ ہماری عبادت نہ کرتے تھے ۱
وَ قِيْلَ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ	اور کہا جائے گا اپنے شریکوں کو بلاؤ ، سو وہ انھیں بلائیں گے
فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَ رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ	مگر وہ انھیں جواب نہ دیں گے اور عذاب کو دیکھ لیں گے
لَوْ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَهْتَدُوْنَ (۶۴)	کاش وہ ہدایت اختیار کرتے ۔
وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَاۤ اَجَبْتُمُ	اور جس دن انھیں پکارے گا پھر کہے گا تم نے رسولوں کو
الْمُرْسَلِيْنَ (۶۵)	کیا جواب دیا ۔
فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْاَنْۢبَآءُ يَوْمَىِٕذٍ فَهُمْ	پس اس دن ان کو باتیں نہ سوجھیں گی ، سو وہ ایک دوسرے
لَا يَتَسَآءَلُوْنَ (۶۶)	سے بھی سوال نہ کریں گے ۲
فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا	سو جو توبہ کرتا ہے اور ایمان لاتا ہے اور نیک کام کرتا ہے تو

نمبر۱۔ جنھیں اوپر کی آیت میں شرکاء کہا تھا انھیں یہاں گمراہ کرنے والے خود گمراہ ہونے والے اور الذین حق علیہم القول کہا ہے جس سے صاف معلوم ہوا کہ وہاں شرکاء سے مراد صرف اُن کے رؤساء ہیں۔ اور اغوینٰہم کما غوینا سے مراد ہے کہ ہم نے انھیں مجبور کر کے گمراہ نہیں کیا بلکہ جس طرح ہم اپنے اختیار سے گمراہ ہوئے وہ بھی اپنے اختیار سے گمراہ ہوئے ۔ ہماری عبادت نہیں کرتے تھے ، بلکہ اپنی ہوا و حرص کو پوجتے تھے ۔

نمبر۲۔ عمی علیہ کے معنی ہیں مشتبہ ہو گیا۔ انباء نبا کی جمع ہے جس کے معنی خبر ہیں اور مراد یہاں وہ مطالبہ ہے جو اُن سے کیا گیا یا ہر قسم کی باتیں اور ایک دوسرے سے سوال نہ کرنے سے یہ مطلب ہے کہ سب یکساں تاریکی کی حالت میں ہونگے ۔

فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ ﴿۶۷﴾

امید ہے کہ وہ کامیاب ہونے والوں میں سے ہوگا۔

وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَ يَخْتَارُ ؕ مَا
كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ تَعٰلٰى
عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور تیرا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے چُن لیتا
ہے چُن لینا اُن کا کام نہیں۔ اللہ اس سے پاک اور بلند ہے
جو وہ شرک کرتے ہیں ۱؎

وَ رَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ
وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور تیرا رب جانتا ہے جو اُن کے سینے چھپاتے ہیں اور جو وہ
ظاہر کرتے ہیں۔

وَ هُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ
فِی الْاُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ ۫ وَ لَهُ الْحُكْمُ
وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور وہ اللہ ہے، اس کے سوائے کوئی معبود نہیں، دنیا
اور آخرت میں اسی کی تعریف ہے اور اسی کا حکم ہے،
اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ
الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ
اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ؕ
اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ﴿۷۱﴾

کہہ دیکھو تو سہی، اگر اللہ (تعالیٰ) تم پر ہمیشہ
کے لیے قیامت کے دن تک رات ہی رکھے، تو
اللہ کے سوائے کون معبود ہے جو تمھیں روشنی لا دے۔
تو کیا تم سنتے نہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ
النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ
اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ
فِيْهِ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۷۲﴾

کہہ دیکھو تو سہی اگر اللہ تم پر ہمیشہ کے لیے قیامت
کے دن تک دن ہی رکھے، تو اللہ کے سوائے کون معبود
ہے جو تم پر رات لائے جس میں تم آرام کرتے ہو۔ تو
کیا تم دیکھتے نہیں۔

وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ
وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا
مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۳﴾

اور اپنی رحمت سے اس نے تمھارے لیے رات اور دن بنائے
تاکہ تم اس میں آرام کرو اور تاکہ تم اس کا فضل ڈھونڈو
اور تاکہ تم شکر کرو۔

نمبر۱۔ یہاں چُن لینے سے مراد رسالت کے منصب کے لیے چُن لینا بھی ہو سکتا ہے اور شفاعت کے لیے چُن لینا بھی اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ اپنے خاص بندوں کو نیک بناتا ہے یا انھیں دوسروں پر فضیلت دیتا ہے۔

وَ يَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ
الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۷۴﴾

اور جس دن انھیں پکارے گا پھر کہے گا میرے وہ شریک
کہاں ہیں جن کا تم دعوےٰ کرتے تھے۔

وَ نَزَعْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا فَقُلْنَا
هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوْٓا اَنَّ الْحَقَّ لِلّٰهِ
ع وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۷۵﴾

اور ہم ہر ایک قوم سے ایک گواہ نکال لائیں گے۔ پس
کہیں گے اپنی روشن دلیل لاؤ تب جان لیں گے کہ حق اللہ کے
لیے ہی ہے اور ان سے جاتا رہیگا جو وہ افترا کرتے تھے۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى
عَلَيْهِمْ وَ اٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ
مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ
اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ
اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ﴿۷۶﴾

قارون موسیٰ کی قوم سے تھا اور ان پر زیادتی کرتا تھا اور ہم
نے اسے اتنے خزانے دیئے کہ اس کے
خزانے ایک طاقتور جماعت کے لیے اُٹھانے مشکل تھے ۔۱
جب اس کی قوم نے اسے کہا اترا نہیں، اللہ اترانے والوں
کو پسند نہیں کرتا۔

وَ ابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ
وَ لَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَ
اَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ

اور اس سے جو اللہ تعالیٰ نے تجھے دیا ہے آخرت کے
گھر کی بہتری تلاش کر اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلا۔
اور احسان کر جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے، اور

نمبر۱۔ قارون کا ذکر جس کا نام بائبل میں قورح آتا ہے گنتی سولھویں باب میں ہے مگر بائبل نے واقعات کو کچھ ایسا خلط ملط کر دیا ہے کہ اس باب میں قارون کے ساتھ داتن اور ابیرام وغیرہ کی بغاوت کا ذکر اکٹھا کیا ہے پادری ڈبلو نے اپنی تفسیر بائبل میں لکھا ہے کہ یہ دو الگ الگ واقعات ملا دیئے گئے ہیں جو الگ الگ زمانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

ہمارے مفسرین کہتے ہیں کہ قارون حضرت موسیٰؑ کے چچے کا بیٹا تھا اور بغٰی علیہم سے مراد ہے کہ ان پر بڑائی چاہتا تھا اور یہ کہ وہ اس کے ماتحت ہوں یا اُن پر ظلم کرتا تھا، یا اُن کی نعمت کا زوال چاہتا تھا اور بعض نے کہا کہ کپڑا اُن سے لمبا پہنتا تھا مگر یہ کوئی ایسی بات نہیں جو قابل ذکر ہوتی اور بعض اقوال میں ہے کہ یہ اس کی زیادتی اس وقت کا واقعہ ہے جب فرعون نے اسے بنی اسرائیل پر حاکم بنایا ہوا تھا اور یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے ورنہ اس قدر دولت بیابان میں کہاں سے حاصل کر سکتا تھا جابر حاکم محکوم قوموں سے اسی طرح کام لیتے ہیں کہ کسی چالاک آدمی کو کچھ لالچ دیکر اسی کو اُن پر متعین کر دیتے ہیں۔ اس طرح پر اس شخص نے بھی کچھ فرعون سے انعام کے طور پر اور کچھ بنی اسرائیل پر ظلم کر کے روپیہ اکٹھا کیا۔ رہی یہ بات کہ اس کی ہلاکت بیابان میں ہوئی یا مصر میں، کہا نہیں جا سکتا۔ بائبل اسے بیابان میں قرار دیتی ہے مگر جیسا کہ اوپر دکھایا جا چکا ہے بائبل کا بیان خود گڈ مڈ ہے۔ ممکن ہے کہ سارا ایام مصر کا ہی واقعہ ہو اور اس سورت میں حضرت موسیٰؑ کے واقعات مصر کا ہی ذکر ہے اور سورہ المومن ۲۴:۴۰ میں فرعون اور ہامان اور قارون کا ذکر اکٹھا کیا ہے جس سے اسی بات کو توت ملتی ہے کہ یہ مصر کا ہی واقعہ ہے اور اس قصہ کو لا کر اللہ تعالیٰ نے یہ سمجھایا ہے کہ بعض لوگ اپنے مال پر فخر کر کے بھی حق سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ گو وہ بظاہر نبی کی پیروی کرنے کا بھی دعوٰی کرتے ہوں اور ان کی کثرت مال اور ان کے ٹھاٹھ کو دیکھ کر لوگ گمراہ ہوتے ہیں۔ چونکہ پچھلے رکوع میں ان گمراہ کنندوں کا ذکر تھا جو تکذیب کر کے حق کی مخالفت پر کھڑے ہو جاتے ہیں اس لیے یہاں اس قسم کے گمراہ کرنے والوں کا ذکر کیا جو مومن قوم میں سے کہلا کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔

الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ ۖ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٧٧﴾	ملک میں فساد نہ چاہ - اللہ تو فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ۱
قَالَ إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي ۚ أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِن قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا ۚ وَلَا يُسْأَلُ عَن ذُنُوبِهِمُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٧٨﴾	اس نے کہا یہ مجھ کو اپنے علم سے ملا ہے ۲ کیا اسے علم نہ تھا کہ اللہ نے اِس سے پہلے ایسی ایسی نسلوں کو ہلاک کیا جو اس سے طاقت میں بڑھ کر اور جمعیت میں زیادہ تھیں - اور مجرموں سے ان کے گناہوں کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا ۳
فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ ۖ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿٧٩﴾	سو وہ اپنی قوم کے سامنے اپنی آرائش میں نکلا، جو لوگ دنیا کی زندگی چاہتے تھے انھوں نے کہا اے کاش! ہمارے لیے بھی اس کی مثل ہوتا جو قارون کو ملا ہے وہ بڑے نصیب والا ہے -
وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ﴿٨٠﴾	اور جنھیں علم دیا گیا تھا انھوں نے کہا تم پر افسوس اللہ کا (دیا ہوا) بدلہ اس کے لیے بہتر ہے جو ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے اور یہ سوائے صبر کرنیوالوں کے اور کسی کو نہیں ملتا -
فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِن فِئَةٍ يَنصُرُونَهُ	سو ہم نے اُسے اور اس کے گھر کو زمین میں نابود کر دیا ۴ تو کوئی گروہ اس کے لیے نہ ہُوا جو اللہ کے مقابلہ پر اس

نمبر۱۔ گویا سمجھایا کہ مال دنیا کا جمع کرنا تو کوئی غرض زندگی نہیں یہ مال کسی اور غرض کے حصول میں معاون ہو سکتا ہے سو آخرت کے گھر کی بہتری چاہو اور نصیبک من الدنیا سے مراد یہ ہے کہ دنیا کی زندگی تو آخرت کی تیاری کے لیے ہے اسے مت بھلا۔

نمبر۲۔ علم عندی سے مراد بعض مفسرین نے علم کیمیا لیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو بھی کیمیا کا علم یعنی سونا بنانا آتا تھا۔ تفسیروں کے انہی بےبنیاد قصوں نے بہت سے مسلمانوں کو لغو کاموں میں لگا کر تباہ کر دیا ہے۔ جن کی ساری ساری زندگی اسی امید میں گزر جاتی ہے کہ ایک آگ کی کسر باقی رہ گئی ہے۔ اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ میں نے اپنے علم سے اسے کمایا ہے۔

نمبر۳۔ مجرموں سے سوال نہ کرنا اس لیے ہے کہ ان کے جرموں کا اثر خود ان پر ظاہر ہوگا۔ سوال کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی۔

نمبر۴۔ خسف کے معنی مطلق نابود کر دینا ہیں اسے اور اس کے گھر کو یعنی مال و متاع سمیت نابود کر دیا۔ یہ نہیں بتایا کہ کس طرح نابود کر دیا۔ بائبل میں ہے کہ زلزلہ سے زمین پھٹ کر زمین میں دھنس گئی۔

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنْتَصِرِيْنَ ۝۸۱

کی مدد کرتے۔ اور نہ وہ خود اپنے تئیں بچا سکا۔

وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۭ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸۲

اور جو لوگ کل اس کی جگہ کی آرزو کرتے تھے، کہنے لگے ہائے افسوس! اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی ذلیل کر دیتا۔ ہائے افسوس کافر کامیاب نہیں ہوتے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝۸۳

یہ آخرت کا گھر ہم اسے ان لوگوں کے لیے بناتے ہیں، جو زمین میں بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد رچاتے ہیں اور عاقبت متقیوں کے لیے ہے ۱۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۸۴

جو نیکی لاتا ہے اس کے لیے اس سے بہتر ہے اور جو بدی لاتا ہے تو ان لوگوں کو جو برائیاں کرتے ہیں ویسا ہی بدلہ دیا جاتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَاۗدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ

جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے، وہ یقیناً تجھے لوٹ کر آنے کی جگہ واپس لائے گا ۲۔ کہہ میرا رب اسے

نمبر۱۔ فرعون بوجہ کافر کہلاتا تھا یا قارون جو مومن کہلاتا تھا جو کوئی زمین میں تکبر اور ظلم اختیار کرتا ہے وہ دار آخرت سے محروم رہ جاتا ہے۔

نمبر۲۔ معاد۔ عَوْد کسی چیز سے پھر جانے کے بعد اس کی طرف رجوع کرنا اور معاد کے معنی لوٹنا بھی ہیں۔ اور لوٹنے کا زمانہ بھی اور لوٹ کر آنے کا مکان بھی اور یہاں معاد کے معنی مکہ کیے گئے ہیں اور اس کو معاد کہنے کی وجہ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ آپ وہاں پیدا ہوئے یا اس لیے کہ وہ آپ کا وطن تھا حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں معاد سے مراد یہاں مکہ ہے اور معاد سے مراد مکہ ہونا مجاہد اور ضحاک سے بھی مروی ہے اور انسان کا اپنا شہر یا وطن اس لیے معاد کہلاتا ہے کہ سب طرف سے پھر پھرا کر وہ اپنے شہر کی طرف واپس آتا ہے اور مکہ کا نام معاد اس لیے بھی ہے کہ لوگ ہر سال لوٹ لوٹ کر اس کی طرف آتے ہیں۔ اور اصل بات یہ ہے کہ خود قرآن کریم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معاد مکہ کا ہی نام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے واذ جعلنا البیت مثابۃ للناس (البقرۃ - ۱۲۵) اور مثابۃ بھی اسے اسی لیے کہا کہ وہاں لوگ لوٹ لوٹ کر آتے تھے۔

روایت ہے کہ نبی کریم صلعم جب ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ کو جا رہے تھے تو جحفہ میں یہ آیت آپ پر نازل ہوئی اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ معاد سے مراد یہاں مکہ ہے۔ آخرت یا جنت یہاں معنی لینا درست نہیں کیونکہ یہ موقعہ آخرت یا جنت کے وعدے کا نہ تھا۔ علاوہ ازیں اس سورت میں حضرت موسیٰ کا مدین کو بھاگ جانا اور دس سال وہاں رہنا اور پھر مصر کو واپس آنا سب اسی لیے بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلعم کے حالات میں یہی باتیں پیش آنے والی تھیں اسی لیے جب ابتدائے سورت میں حضرت موسیٰؑ کے ان واقعات کو بیان کیا تو آخر میں مضمون کو صاف کرنے اور تکمیل کو پہنچانے کے لیے نبی کریم صلعم کو عین ہجرت کے اندر یہ وعدہ دیا کہ آپ بھی

مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَ مَنْ هُوَ فِىْ	خوب جانتا ہے جو ہدایت لایا ہے اور اسے رجی جو کھلی
ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۸۵	گمراہی میں ہے۔
وَ مَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ	اور تو امید نہیں رکھتا تھا کہ تیری طرف کتاب بھیجی جائے گی
الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ	مگر تیرے رب کی طرف سے رحمت کے طور پر (لایا ہوا) سو تو
فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝۸۶	کافروں کا مددگار نہ ہو[1]۔
وَ لَا يَصُدُّنَّكَ عَنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ بَعْدَ	اور وہ تجھے اللہ کے حکموں سے نہ روک دیں، اس کے
اِذْ اُنْزِلَتْ اِلَيْكَ وَ ادْعُ اِلٰى رَبِّكَ	بعد جو وہ تیری طرف اتارے گئے اور اپنے رب کی طرف
وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۸۷	بلا اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہو۔
وَ لَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ	اور اللہ کے ساتھ دوسرا معبود نہ پکار، اس کے سوائے کوئی
اِلَّا هُوَ كُلُّ شَىْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ	معبود نہیں، ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے سوائے اس کے جس
لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۸۸	سے اسکا ارادہ کیا جائے، اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے[2]۔

مکہ میں واپس آئیں گے اور یہاں سے آپ کا بھاگ کر جانا عارضی ہے۔ عین اس وقت جب آپ کی بیکسی کی حالت انتہا کو پہنچ گئی تھی۔ یہ وعدہ کہ آپ اسی شہر میں واپس آئیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ بحیثیت فاتح آئیں گے، اللہ تعالیٰ کی زبردست قدرت اور علم کو ظاہر کرنے والا ہے۔

نمبر ۱۔ وما کنت ترجوا اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کو بعثت سے پیشتر یہ علم نہیں ہوتا کہ انھیں منصب نبوت پر فائز کیا جانے گا فلا تکونن گو نہی ہے مگر بمعنی خبر ہے جیسے اگلی آیت میں ولا یصدنک بھی بمعنی خبر ہے کیونکہ وہاں بہرحال کفار کو حکم نہیں ہو سکتا بلکہ پیشگوئی کے طور پر بتایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات اتاری ہیں تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ان آیات کی تبلیغ قطعاً رک جائے۔

نمبر ۲۔ کل شئ ھالک الا وجھہ۔ میں بعض نے وجہ کے معنی ذات کیے ہیں۔ مفردات میں ہے کہ عبداللہ بن الرضا کے سامنے یہ معنی بیان کیے گئے تو آپ نے فرمایا سبحان اللہ بہت بڑی بات کہتے ہیں۔ یہاں مراد وہ وجہ ہے جس سے کسی چیز کی طرف آیا جاتا ہے۔ مراد اس سے یہ ہے کہ بندوں کے اعمال میں سے ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے اور باطل ہے۔ سوائے اس عمل کے جس سے اللہ تعالیٰ کا ارادہ کیا جائے۔ امام راغب نے یہی دوسرے معنی وجہ کے دیئے ہیں اعمال صالحہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ اور سیاق بھی یہی معنی چاہتا ہے اس لیے کہ یہاں فرمایا کہ اللہ کے سوائے کسی دوسرے کو مت پکارو اور معبود وہی ایک ہے یعنی حقیقی مقصود اور مطلوب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے پس اور جس چیز کو تم مقصود بناؤ گے وہ ہلاک ہونے والی ہے اور باطل ہے اسی لیے آخر پر پھر بڑھایا اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے اور حضرت ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر میں مروی ہے ہر زندہ چیز مرنے والی ہے۔ یعنی باقی سب زندوں پر موت آنے والی ہے ایک اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ایسی ہے کہ اس پر موت نہیں آسکتی اور اس معنی پر بھی کوئی اعتراض نہیں۔

آیاتہا ۶۹ (۲۹) سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ رکوعاتہا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے ۔
الٓمّٓ ۝۱	میں اللہ کامل علم رکھنے والا ہوں ۔
اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝۲	کیا لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور وہ مصائب میں نہ ڈالے جائیں ۔
وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝۳	اور یقیناً ہم نے انھیں مصائب میں ڈالا جو اُن سے پہلے تھے پس ضرور اللہ انھیں معلوم کرلے گا جو سچے ہیں اور وہ جھوٹوں کو بھی ضرور معلوم کرلے گا ۲
اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّسْبِقُوْنَا ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝۴	کیا وہ لوگ جو بدیاں کرتے ہیں سمجھتے ہیں کہ ہمارے قابو سے نکل جائیں گے بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں ۔
مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۵	جو کوئی اللہ کی ملاقات کی امید رکھتا ہے تو اللہ کا مقرر کردہ وقت ضرور آنے والا ہے اور وہ سننے والا جاننے والا ہے ۔
وَمَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ؕ	اور جو کوئی جہاد کرتا ہے وہ اپنی ہی جان کی بھلائی کے لیے جہا

نمبر ۱۔ اس سورت کا نام العنکبوت ہے اور اس میں سات رکوع اور ۶۹ آیات ہیں ۔ آیت ۴۱ میں مشرکانہ عقاید کو اور مخالفین اسلام کی تدابیر کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دے کر بتایا ہے کہ شرک آخر کار مٹ جائے گا اور توحید پھیل جائے گی اور اسلام کے خلاف کوئی تدبیر کارگر نہ ہوگی ۔ اس سورت میں مسلمانوں کی تکالیف کا ذکر کرکے انھیں آخری کامیابی کا یقین دلایا ہے اور اسی کی طرف اس نام میں اشارہ ہے ۔ یہ سورت اور اس کے بعد کی تین سورتیں جو الٓمّٓ سے شروع ہوتی ہیں ان سب کا مضمون قریباً ایک ہی ہے یعنی اسلام کی آخری کامیابی ۔ پچھلی تین سورتوں میں اصل مضمون حضرت موسیٰؑ کی آخری کامیابی پر تھا ۔ یہاں اس کے مقابل پر آنحضرت صلعم کی کامیابی کا ذکر کیا ہے اور پچھلی سُورت سے خصوصیت سے اس سورت کا یہ تعلق ہے کہ وہاں اوّل حضرت موسیٰؑ کی ہجرت کا ذکر کیا تھا اور آخری رکوع میں نبی کریم صلعم کی ہجرت کا ۔ تو یہاں بتایا کہ ہجرت کامیابی کے لیے ضروری ہے اور تکالیف میں پڑنا تزکیہ نفس اور حصولِ کمال کے لیے ضروری ہے ۔

ان چاروں سورتوں کا زمانہ نزول ایک ہی معلوم ہوتا ہے اور اگلی سورت کی ابتدائی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پانچواں یا چھٹا سال بعثت نبوی کا تھا ۔ پس اس سورت کا زمانہ نزول بھی وہی ہے اور اس میں مسلمانوں کی تکالیف کا خاص ذکر بھی یہی بتاتا ہے اور ہجرت کی ضرورت میں اشارہ ہجرت حبش کی طرف معلوم ہوتا ہے ۔

نمبر ۲۔ فتن کے اصل معنی ایسے دکھوں میں ڈالنا ہیں جو انسان سے کمزوریاں دور کرکے اسے اعلیٰ مقام پر پہنچا دیں ۔ کیونکہ سونے کو آگ میں اسی غرض کے لیے ڈالا جاتا ہے اسی اصول کو یہاں بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء کو بھیجنے کی غرض یہ نہیں کہ لوگ منہ سے کہہ دیں کہ ہم ایمان لاتے ہیں بلکہ اصل غرض انسان کو اپنے کمالات تک پہنچانا ہے اور وہ بغیر دکھوں اور مصائب میں پڑنے کے نہیں ہوتا اور صادقین سے مراد یہاں وہی لوگ ہیں جو دکھوں اور تکالیف میں قدم آگے بڑھاتے ہیں ۔

اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۞ ٦	کرتا ہے اللہ یقیناً جہانوں سے بے نیاز ہے ۔
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ	اور جو ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں ہم یقیناً ان سے ان
عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ	کی بدیاں دُور کردیں گے اور ہم ضرور انھیں اس کا بہترین بدلہ دینگے
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ ٧	جو وہ کرتے ہیں ۔
وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ؕ	اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ سے نیکی کرنے کا تاکیدی حکم
وَاِنْ جَاهَدٰكَ لِتُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ	دیا ہے اور اگر وہ تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ (دوسروں کو)
لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ؕ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ	شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں تو ان کی بات نہ مان[۲] تمھیں میری طرف
فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ ٨	لوٹ کر آنا ہے پس میں تمھیں بتاؤنگا جو تم کرتے تھے ۔
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں ہم ان کو ضرور
لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ ۞ ٩	نیکوں میں داخل کریں گے ۔
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ	اور لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے
فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ	پھر جب اللہ کے لیے دُکھ اُٹھانا پڑتا ہے تو لوگوں کے دُکھ
النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ	دینے کو اللہ کے عذاب کی طرح سمجھتے ہیں اور اگر تیرے رب
نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا	کی طرف سے مدد آئے تو وہ ضرور کہیں گے ہم بھی تمھارے
مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا	ساتھ تھے کیا اللہ اسے خوب نہیں جانتا ، جو لوگوں کے
فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۞ ١٠	سینوں میں ہے ۔[۳]

نمبر۱۔ یہاں بھی جہاد سیفی مراد نہیں کیونکہ یہ سورت مکی ہے بلکہ مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوشش کرنا ہے خواہ اپنے تزکیہ کے لیے ہو خواہ دوسرے لوگوں کو حق کی طرف بلانے کے لیے۔ دونوں کا فائدہ انسان کو پہنچتا ہے۔ دعوت الی اللہ تزکیہ نفس کے لیے بہترین جہاد ہے اس اصلی جہاد کی طرف آج مسلمانوں کو مطلق توجہ نہیں۔

نمبر۲۔ وان جاهداك ۔ دوسری جگہ ایسے ہی الفاظ کے ساتھ بڑھایا وصاحبهما فی الدنیا معروفا (لقمان ۳۱ - ۱۵) یعنی والدین کی نافرمانی صرف اسی خاص بات میں ہے جو شرک سے تعلق رکھتی ہے۔ امور دنیا میں پھر بھی ان سے حُسن سلوک ہونا چاہیئے۔ والدین کی اطاعت تمام اطاعتوں پر مقدم ہے مگر وہ بھی اللہ تعالیٰ کی معصیت کا حکم دیں تو نہیں ماننا چاہیئے۔ یہ قرآن کریم کی صریح تعلیم ہے۔ حاکم ہو یا عالم یا پیر کسی کا وہ حکم جو خلاف شریعت ہے کسی صورت میں نہ ماننا چاہیئے۔ لاطاعة لمخلوق فی معصیة اللہ۔ اور گو یہاں لفظ شرک ہے مگر حکم عام ہے یعنی ہر معصیت کی بات مراد ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب والدین اولاد کو مجبور کرتے تھے کہ وہ اسلام قبول نہ کریں۔

نمبر۳۔ فی اللہ سے مراد لاجل اللہ یا فی سبیل اللہ ہے اس سے معلوم ہوا کہ جو اللہ کی راہ میں دُکھ اُٹھانے سے گھبراتا ہے اس کی حالت منافقانہ ہے اور آج کتنے مسلمان ہیں جو اللہ کی راہ میں ایک تنکا اُٹھانا بھی بوجھ سمجھتے ہیں۔ خدا کے لیے تکلیف اُٹھانا جو حصول کمال کا اصل ذریعہ تھا اسے ایسا بھلایا ہے کہ یہ گویا تعلیم اسلامی کا کوئی

وَ لَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ﴿۱۱﴾

اور اللہ یقیناً انھیں معلوم کرلے گا جو ایمان لائے ہیں اور وہ منافقوں کو بھی ضرور معلوم کرکے رہیگا۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا وَ لْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَ مَا هُمْ بِحٰمِلِيْنَ مِنْ خَطٰيٰهُمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۲﴾

اور جو کافر ہیں وہ انھیں جو ایمان لائے ہیں کہتے ہیں ہماری راہ کی پیروی کرو اور ہم ضرور تمھاری خطاؤں کو اٹھالیں گے ۱؎ اور وہ ان کی خطاؤں میں سے کچھ بھی اٹھانے والے نہیں وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔

وَ لَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ ز وَ لَيُسْـَٔلُنَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَمَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳﴾ ع

اور وہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کے ساتھ اور بوجھ (بھی) اور قیامت کے دن ان سے اس کی باز پرس ہوگی جو وہ افترا کرتے تھے ۲؎

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَ هُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا وہ اُن میں پچاس برس کم ہزار سال رہا۔ اور انھیں طوفان نے آپکڑا اور وہ ظالم تھے ۳؎

حقیقت میں نہیں اور اس بارے میں جو طریق مجاہدہ کا صوفیوں نے اختیار کیا یعنی چلہ کشی وغیرہ وہ بھی منشائے قرآنی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تو مسلمانوں کو مجاہدات کا صرف ایک ہی رستہ بتایا تھا کہ دینِ حق کو دنیا میں پھیلائیں اور اس رستہ میں تکالیف کو برداشت کریں تو یہی چیز اُن کے لیے حصولِ کمال کا موجب ہوگی۔ لیکن اس رستہ کو ترک کرکے نئے طریقے ایجاد کیے گئے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ قرآن کریم اور اس کی تعلیم کی اشاعت کو ترک کرکے مسلمان چلہ کشیوں اور تسبیح وغیرہ کے اشغال میں لگ گئے جن سے نہ وہ صفائی قلب حاصل ہوسکتی ہے جو خدا کے رستہ میں مجاہدہ سے ہوسکتی ہے یعنی اعلائے کلمۃ اللہ کے کام سے اور جو فوائد جہاد فی سبیل اللہ سے حاصل ہوتے تھے ان سے قوم قطعی طور پر محروم ہوگئی اور آہستہ آہستہ قرآن کریم کی تعلیم کی جگہ چند اذکار نے لے لی اور قوم کو اپنی طاقت کے اصل سرچشمہ سے محروم کردیا۔

نمبر۱۔ یہ باتیں جو کفار کہتے تھے آج ان لوگوں کے مونہوں سے سُنی جاتی ہیں جو اپنے آپ کو دوسروں کا پیرومرشد بتاتے ہیں۔ آج کثرت سے مسلمان اس حالت میں غرق ہیں کہ ہمیں کچھ کرنے کرانے کی ضرورت نہیں ہمارے پیر ہم کو بہشت میں پہنچا دیں گے اور یوں مسلمان قوم میں سے قوتِ عمل نکل گئی ہے۔

نمبر۲۔ اثقالاً مع اثقالہم۔ اپنے بوجھ تو اپنے گناہ ہیں اور دوسرے بوجھ گمراہ کرنے کے بوجھ ہیں۔ دونوں آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ گمراہ کرنے والے گمراہ شدہ پیروؤں کے بوجھ میں تو کچھ کمی نہیں کریں گے یعنی گمراہ شدہ پیرو اپنے گناہوں کے بوجھ آپ اُٹھائیں گے۔ البتہ اپنے گناہوں کے ساتھ گمراہ کرنے کا مزید بوجھ انھیں اُٹھانا پڑے گا۔ اور آج یہ اثقال تو جہالت کے رنگ میں اس دنیا میں بھی مسلمان قوم اُٹھائے ہوئے نظر آتی ہے۔

نمبر۳۔ بائبل میں حضرتِ نوحؑ کی عمر ساڑھے نو سو سال بیان کی گئی ہے۔ چونکہ حضرت نوحؑ کی کوئی تاریخ ہمارے سامنے نہیں اور بائبل نے جو دنیا کی عمر قریباً چھ سات ہزار سال قرار دی ہے وہ قابلِ اعتماد نہیں اور قرآن کریم میں ہے قوم نوح وعاد وثمود والذین من بعدھم لایعلمھم الا اللہ۔ (ابراہیم ۱۴-۹) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت قدیم زمانہ ہے اور کچھ بھی بعید نہیں کہ اس زمانہ میں انسان کی عمر زیادہ ہو۔ اور حضرت نوحؑ کی عمر اپنے زمانہ میں خصوصیت سے لمبی ہو جیسا اس زمانہ میں جو انسان کی اوسط عمر ۶۰-۷۰ سال ہے بعض لوگوں کی عمر دو سو سال تک بھی پہنچ جاتی ہے لیکن ان الفاظ کی ایک اور توجیہ بھی ہوسکتی ہے یعنی یہ کہ حضرت نوحؑ کی شریعت اور برکات ساڑھے نو سو سال رہیں کیونکہ ایک پیغمبر کی مدت بعثت وہ بھی کہی جاسکتی ہے جو اس کی لائی ہوئی شریعت باقی رہے جیسا کہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ

فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَآ
اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵﴾

سو ہم نے اسے اور کشتی والوں کو نجات دی اور ہم
نے اسے تمام جہان کے لیے نشان بنایا ملے

وَ اِبْرٰهِيْمَ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا
اللّٰهَ وَ اتَّقُوْهُ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ
اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور ابراہیم کو (بھیجا) جب اس نے اپنی قوم سے کہا اللہ
کی عبادت کرو اور اس کا تقویٰ کرو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے
اگر تم جانتے ہو۔

اِنَّمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا
وَّ تَخْلُقُوْنَ اِفْكًا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ
تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ
لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ
وَ اعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ اِلَيْهِ
تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۷﴾

اللہ کے سوائے تم صرف بتوں کو پوجتے ہو اور
جھوٹ بناتے ہو ملے وہ جن کی تم اللہ کے سوائے
عبادت کرتے ہو، وہ تمھارے لیے رزق کا
اختیار نہیں رکھتے، سو اللہ سے ہی رزق چاہو اور
اس کی عبادت اور اس کا شکر کرو، تم اسی کی طرف
لوٹائے جاؤ گے۔

وَ اِنْ تُكَذِّبُوْا فَقَدْ كَذَّبَ اُمَمٌ
مِّنْ قَبْلِكُمْ ؕ وَ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا
الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۸﴾

اور اگر تم جھٹلاتے ہو تو تم سے پہلے قوموں نے بھی
جھٹلایا اور رسول کے ذمے کھول کر پہنچا دینے کے
سوائے اور کچھ نہیں ملے

ہمارے نبی کریم صلعم قیامت تک زندہ ہیں اور بائبل نے جو تاریخیں دی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی پیدائش میں نو سو باون سال تھے۔

نمبر ۱۔ کہتے ہیں کہ کشتی ایک مدت تک جودی پر رہی لیکن اس کا نشان ہونا اس لحاظ سے ہے کہ اس کے ذکر میں لوگوں کے لیے عبرت ہے یہ مطلب نہیں کہ اس کشتی کے تختے نشان ہیں بلکہ نشان ظالموں کی ہلاکت اور راستبازوں کا بچایا جانا ہے۔

نمبر ۲۔ اوثان وثن کی جمع ہے اور وثن بت کو کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک وثن وہ ہے جس کے لیے جثہ ہو خواہ وہ زمین کے جواہر سے بنایا گیا ہو یا لکڑی اور پتھر سے۔ مثلاً آدمی کی صورت پر بنایا جائے اور قائم کیا جائے اور اس کی عبادت کی جائے۔ اسی کو ان کا جھوٹ بنانا کہا ہے یعنی ان چیزوں سے تمھیں کچھ فائدہ نہیں پہنچتا۔ جیسا اگلے الفاظ میں بتایا اور بت پرستوں کا اکثر خیال یہی ہوتا ہے کہ یہ بت ہمیں مختلف راہوں سے مدد پہنچاتے ہیں۔ بلکہ الگ الگ بت الگ الگ کاموں کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ گذشتہ تاریخ میں آنحضرت صلعم کے سامنے جو بت پرستی ہو رہی تھی اور جس سے ملک عرب بھرا ہوا تھا اس کا ذکر کیا ہے افسوس ہے کہ آج مسلمان نہ حضرت ابراہیمؑ کے ذکر سے کچھ فائدہ اٹھاتے ہیں نہ رسول اللہ صلعم کے ذکر سے۔ ان کے سامنے دنیا بت پرستی سے بھری پڑی ہے مگر وہ پیغام حق کو لیکر نہیں نکلتے کہ اپنے بھائی انسانوں کو اس ذلت کی حالت سے نکال کر خدا پرستی کے بلند مقام پر پہنچائیں بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ خود قسم قسم کی بت پرستی کے اندر مبتلا ہیں۔

نمبر ۳۔ یہ حضرت ابراہیمؑ کے ذکر کا حصہ بھی ہو سکتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے لیکر اگلے رکوع کی پہلی آیت تک کلام کا رخ آنحضرت صلعم اور آپ کے مخالفین کی طرف لے لیا جائے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللّٰهُ الْخَلْقَ
ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿١٩﴾

کیا وہ غور نہیں کرتے کس طرح اللہ پہلی بار پیدا کرتا ہے
پھر وہی اسے دوبارہ پیدا کرتا ہے یہ اللہ پر آسان ہے۔

قُلْ سِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ
بَدَاَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللّٰهُ يُنْشِئُ النَّشْاَةَ
الْاٰخِرَةَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٢٠﴾

کہ زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو کس طرح اس نے پہلی
بار پیدا کیا۔ پھر اللہ ہی آخرت کا اٹھانا اٹھائے
گا، اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ
وَاِلَيْهِ تُقْلَبُوْنَ ﴿٢١﴾

وہ جسے چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم کرے[1]
اور اسی کی طرف تم واپس پھیرے جاؤ گے۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ
وَلَا فِى السَّمَآءِ ۫ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٢٢﴾ ع

اور تم (اسے) زمین میں عاجز کرنے والے نہیں اور نہ آسمان
میں، اور تمھارے لیے اللہ کے سوائے کوئی دوست
نہیں اور نہ کوئی مددگار ہے[2]

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ
اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ
لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٢٣﴾

اور جو لوگ اللہ کی آیتوں اور اس کی ملاقات کا انکار
کرتے ہیں، وہ میری رحمت سے مایوس ہیں اور اُن کے
لیے دردناک دکھ ہے[3]

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوا
اقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ
النَّارِ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٢٤﴾

سو اس کی قوم کا جواب کچھ نہ تھا سوائے اس کے کہ انھوں
نے کہا کہ اسے قتل کردو یا اسے جلا دو، سو اللہ نے اسے آگ سے نجات
دی[4] اس میں یقیناً ان لوگوں کے لیے نشان ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔

نمبر۱۔ اس قسم کے الفاظ سے بعض وقت یہ غلط مطلب لیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو نیکوں کو عذاب دے اور بدوں کو بخش دے یہ اس کے قوانین اور صفات کے خلاف ہے۔ بدی کے متعلق بے شک اس کا قانون یہی ہے کہ چاہے تو اسے بخش دے اور چاہے تو اس کی مثل سزا دے۔ مگر نیکی کی جزا وہ ضرور دیتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیّت اس کے قانون کے مطابق ہے۔

نمبر۲۔ یعنی نہ زمین کے اندر گھس کر اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بھاگ سکتے ہو نہ اوپر بلندی پر چڑھ کر۔

نمبر۳۔ یہ مطلب لیا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن رحمت سے مایوس ہوں گے۔ میرے نزدیک مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا انکار کرنے والا گویا رحمت الٰہی سے مایوس ہوتا ہے کیونکہ وہ اپنی زندگی کے مقصد کو نہایت ذلیل کر لیتا ہے۔

نمبر۴۔ یہاں الفاظ اسی کے قریب قریب ہیں جو الانبیاء ۶۸ و ۶۹ میں گذر چکے۔ دیکھو وہاں نوٹ۔ آگ سے نجات دینا یوں بھی ہو سکتا ہے کہ آگ میں پڑنے کے بعد نجات دی ہو مگر اس سے بھی بڑھ کر یہ نجات ہے کہ آگ میں پڑنے سے پہلے نجات دے دی ہو اور یوں اُن کی تدبیروں کو جو جلانے کے لیے

وَ قَالَ اِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْثَانًا ۙ مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّ يَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا ۫ وَّ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور اس نے کہا تم نے اللہ کے سوائے بتوں کو صرف دنیا کی زندگی میں آپس کی محبت کے طور پر معبود بنایا ہے پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کا انکار کروگے، اور تم ایک دوسرے پر لعنت کروگے اور تمہارا ٹھکانا آگ ہو اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا [1]۔

فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ ۘ وَ قَالَ اِنِّيْ مُهَاجِرٌ اِلٰى رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۶﴾

سو لوطؑ اس پر ایمان لایا اور کہا میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں، وہ غالب حکمت والا ہے [2]۔

وَ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ وَ اٰتَيْنٰهُ اَجْرَهٗ فِي الدُّنْيَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۲۷﴾

اور ہم نے اُسے اسحٰقؑ اور یعقوبؑ عطا کیے اور ہم نے اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب جاری رکھی اور ہم نے اُسے دنیا میں اس کا اجر دیا اور وہ آخرت میں یقیناً نیکوں میں سے ہے۔

وَ لُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۫ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ

اور لوطؑ کو (بھیجا) جب اس نے اپنی قوم سے کہا تم نے یقیناً ایسی بے حیائی اختیار کی ہے جسے تم سے پہلے اہل عالم میں

انھوں نے کی تھیں ناکام کیا ہو۔

نمبر۱۔ مودۃ بینکم کے معنی دو طرح پر ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ تمھاری بُت پرستی آپس کی محبت کی وجہ سے ہے یعنی محض ایک دوسرے کی محبت کی وجہ سے اس غلط راہ پر چلے جاتے ہو اور کبھی غور نہیں کرتے اور دوسرے یہ کہ اس بُت پرستی کو آپس کی محبت کی بنیاد بنا رکھا ہے ویسے تم جانتے ہو کہ یہ بُت کچھ چیز نہیں مگر ایک قومی اتحاد بنانے کے لیے ایک مذہب کا ڈھانچا بنایا ہُوا ہے جیسے آج کل عیسائی اقوام نے۔ حالانکہ بہت ہی کم لوگ ہیں جو توریت و انجیل میں جو کچھ لکھا ہے اُسے سچ مانتے ہوں لیکن عیسائیت کے ڈھانچہ کو اتحاد قومی اور اغراض ملکی کے لیے قائم رکھا ہُوا ہے۔ تیسرے معنی یوں کیے گئے ہیں کہ بُت پرستی کی ابتدا انسانوں کی ایک دوسرے سے محبت ہے یعنی اوّل اُن لوگوں کے بُت بنائے گئے جنھیں لوگ راستباز سمجھ کر اُن سے محبت کرتے تھے۔ پھر اُن کی موت کے بعد اُن کے بُت بنا لیے گئے اور ابھی اوثان کے معنے میں گزر چکا کہ انسانوں کی صورت پر وہ بُت بناتے تھے۔

نمبر۲۔ مہاجر الی ربی سے مراد ہے الجہۃ التی امرنی ربی بالھجرۃ الیھا۔ یعنی اس طرف جدھر میرے رب نے مجھے ہجرت کا حکم دیا ہے اور یہ ملک شام تھا اور بعض نے مراد لی ہے کہ اپنے ان لوگوں کو ترک کر کے جو میرے مخالف ہیں اپنے رب کا قرب حاصل کرنے والا ہوں بعض نے اسے لوطؑ کا قول سمجھا ہے اور حضرت لوطؑ بھی ایک دوسری قوم کی طرف گئے تھے مگر ہجرت عموماً ایک جگہ سے دُکھ دیا جانے پر ہوتی ہے اور حضرت لوطؑ کے نہیں بلکہ حضرت ابراہیمؑ کے خلاف منصوبہ قتل کرنے یا جلانے کا ہوا تھا اور یہاں ذکر بھی حضرت ابراہیمؑ کا ہی چلتا ہے اور دوسری جگہ ہے انی ذاھب الی ربی (الصّٰفّٰت ۔۹۹) پس یہ حضرت ابراہیمؑ کا قول ہی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا آگ سے بچایا جانا بذریعہ ہجرت ہی واقع ہُوا تھا جس طرح ہمارے نبی کریم صلعم کو قتل سے بذریعہ ہجرت بچایا گیا۔ انبیاء ہجرت بھی اسی وقت کرتے ہیں جب دشمنوں کے منصوبے آخری انتہا تک پہنچ جاتے ہیں۔

مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٨﴾

سے کسی نے نہیں کیا۔

اَئِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ وَ تَقْطَعُوْنَ
السَّبِيْلَ ۙ وَ تَاْتُوْنَ فِيْ نَادِيْكُمُ
الْمُنْكَرَ ؕ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ
اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللّٰهِ
اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٢٩﴾

کیا تم مردوں کے پاس جاتے ہو اور راہ مارتے ہو۔ اور اپنی مجلس میں بُرے کام کرتے ہو سو اس کی قوم کا جواب سوائے اس کے کچھ نہ تھا، انھوں نے کہا ہم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب لے آ اگر تو سچا ہے [1]۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ عَلَى الْقَوْمِ
الْمُفْسِدِيْنَ ﴿٣٠﴾ ع

اس نے کہا میرے رب! مجھے فساد کرنے والی قوم کے خلاف مدد دے۔

وَ لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ
قَالُوْۤا اِنَّا مُهْلِكُوْۤا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ
اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿٣١﴾ ۚ

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لے کر آئے انھوں نے کہا ہم اس بستی کے رہنے والوں کو ہلاک کرنے والے ہیں کیونکہ اس کے رہنے والے ظالم ہیں۔

قَالَ اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا ؕ قَالُوْا نَحْنُ
اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا ٝ لَنُنَجِّيَنَّهٗ وَ اَهْلَهٗۤ
اِلَّا امْرَاَتَهٗ ٝ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٣٢﴾

اس نے کہا اس میں لوطؑ بھی ہے، انھوں نے کہا ہم خوب جانتے ہیں اس میں کون ہے، ہم اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دینگے سوائے اس کی عورت کے وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہے۔

وَ لَمَّاۤ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ
بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالُوْا لَا
تَخَفْ وَ لَا تَحْزَنْ ٝ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَ اَهْلَكَ
اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٣٣﴾

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے لوطؑ کے پاس آئے وہ ان کی وجہ سے غمگین ہُوا اور اُن کے معاملہ میں ہاتھ کو تنگ پایا اور انھوں نے کہا ڈر نہیں اور نہ غم کر، ہم تجھے اور تیرے گھر والوں کو بچالیں گے، سوائے تیری عورت کے وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہے۔

نمبر ١۔ قطع طریق یا سبیل سے مراد ڈاکہ زنی ہے اور راغب کہتے ہیں کہ یہ اشارہ یصدّون عن سبیل اللہ کی طرف ہے کیونکہ اس طرح بھی لوگوں کو رستہ سے روکا جاتا ہے۔ مجلس میں بُرے کام کرنے کا ذکر اس لیے کیا کہ تا معلوم ہو کہ ساری قوم کی حالت ہی خراب ہو چکی تھی اور ایک دوسرے کا لحاظ بھی نہ رہا تھا بلکہ ان کاموں پر فخر کرتے تھے۔ جب تک ایک بدی ایسی حالت میں رہتی ہے کہ کرنے والے اُسے بُرا سمجھیں اور اُسے چھُپ کر کریں اس کی اصلاح ہو سکتی ہے مگر جب قوم کی حالت یہاں تک پہنچ جائے کہ بدکاری کا ارتکاب جلسوں میں کیا جائے اور اس پر فخر کیا جائے تو یہ آثار تباہی کے ہوتے ہیں۔ آج یہی حالت یورپ میں زناکاری کی ہے کہ کھلے رستوں میں اور مجالس میں اس کا ارتکاب ہوتا ہے اور ہر پریس کے واقعات کو عام و خاص جانتے ہیں۔

إِنَّا مُنزِلُونَ عَلَىٰ أَهْلِ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ
رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٣٤﴾
وَلَقَد تَّرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيِّنَةً
لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿٣٥﴾
وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا فَقَالَ
يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ
وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٣٦﴾
فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ
فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿٣٧﴾
وَعَادًا وَثَمُودَا وَقَد تَّبَيَّنَ لَكُم مِّن
مَّسَاكِنِهِمْ ۖ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ
أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ
وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ﴿٣٨﴾
وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ ۖ وَلَقَدْ
جَاءَهُم مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا
فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ ﴿٣٩﴾
فَكُلًّا أَخَذْنَا بِذَنبِهِ ۖ فَمِنْهُم مَّنْ أَرْسَلْنَا
عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُم مَّنْ أَخَذَتْهُ
الصَّيْحَةُ وَمِنْهُم مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْأَرْضَ
وَمِنْهُم مَّنْ أَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ

ہم اس بستی کے رہنے والوں پر آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے ہیں۔

اور یقیناً ہم نے اس کا ایک کھلا نشان ان لوگوں کے لیے چھوڑا ہے جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو (بھیجا)، تو اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو، اور پچھلے دن کی امید رکھو اور زمین میں فساد پھیلاتے ہوئے نہ پھرو۔

تو انھوں نے اُسے جھٹلایا سو انھیں زلزلے نے آپکڑا اور وہ اپنے گھروں میں پڑے کے پڑے رہ گئے۔

اور عاد اور ثمود کو (بھی ہلاک کیا) اور (یہ) تمھارے لیے ان کے مکانوں سے ظاہر ہے۔ اور شیطان نے ان کے عمل انھیں اچھے کرکے دکھائے، سو انھیں (سیدھے) رستہ سے روک دیا، اور وہ بصیرت والے تھے [۱]۔

اور قارون اور فرعون اور ہامان کو (ہلاک کیا) اور موسیٰ اُن کے پاس کھلی دلائل لے کر آیا، پر انھوں نے زمین میں تکبر کیا اور وہ (ہم سے) آگے بڑھنے والے نہ تھے۔

سو ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ کی وجہ سے پکڑا، سو ان میں سے کسی پر ہم نے پتھر برسائے اور ان میں سے کسی کو سخت آواز نے آپکڑا اور ان میں سے کسی کو ہم نے زمین میں نابود کر دیا۔ اور ان میں سے کسی کو ہم نے غرق کر دیا اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر

نمبر۱۔ مستبصرین۔ جب ایک شخص کے لیے بُرائی یا بھلائی جو آنے والی ہو واضح ہو جائے تو کہا جاتا ہے استبصر اور بصیرت والا ہو گیا بھی اس کے معنی آتے ہیں اور یہاں معنی یہ ہیں کہ انھوں نے کیا جو کچھ کیا اس حالت میں کہ ان پر واضح ہو گیا تھا کہ ان کے ان افعال کا انجام عذاب ہے۔

وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۴۰
ظلم کرتا لیکن وہ اپنی جانوں پر آپ ظلم کرتے تھے[۱]۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتًا ۭ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۱
ان لوگوں کی مثال[۲] جو اللہ کے سوائے دوست بناتے ہیں مکڑی کی مثال کی طرح ہے - وہ ایک گھر بناتی ہے اور یقیناً سب گھروں سے کمزور مکڑی کا گھر ہے۔ کاش یہ جانتے۔

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۴۲
اللہ اس کو جانتا ہے جو وہ اس کے سوائے کسی چیز کو پکارتے ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝۴۳
اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں اور انہیں سوائے علم والوں کے اور کوئی نہیں سمجھتا۔

خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۴ ع
اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا۔ یقیناً اس میں مومنوں کے لیے نشان ہے۔

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ۭ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْكَرِ ۭ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ۝۴۵
(اے) پڑھ سارہ جو تیری طرف کتاب سے وحی کیا جاتا ہے اور نماز کو قائم رکھ۔ نماز بے حیائی اور برائی سے روک دیتی ہے۔ اور اللہ کا یاد کرنا یقیناً سب سے بڑھ کر ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو[۳]۔

نمبر۱- یہاں ذکر تو گذشتہ قوموں کے عذاب کا ہی کیا ہے مگر اصل منشا یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کے مخالفین پر یہ سب قسم کے عذاب آنے والے ہیں

نمبر۲- اس میں ایک نہایت زبردست پیشگوئی کی ہے کہ شرک آخر کار دنیا سے اٹھ جائے گا۔ کیونکہ وہ عنکبوت یعنی مکڑی کے جالے کی طرح ہے جو نہایت کمزور چیز ہے۔ ایک طرف مسلمانوں پر سخت مشکلات اور مصائب کا زمانہ ہے، کفر کا زور ہے مسلمان کفار کے سامنے کچھ حیثیت نہیں رکھتے، دوسری طرف انہی کفار کو بتایا جاتا ہے کہ ان کے شرکیہ جنہیں وہ اپنے مددگار سمجھتے ہیں ان کی کمزوری مکڑی کے جالے کی طرح ہے جو ایک ہوا کے جھونکے کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتا۔ اس مثال میں ایک لطیف اشارہ بھی ہے کہ مشرک بلکہ ہر ایک غلط عقیدہ کا پیرو کبھی ایک حالت پر قائم نہیں رہتا جس طرح مکڑی کا جالا جب ایک اشارہ سے ٹوٹ جاتا ہے تو پھر دوسری دفعہ اسے ایک اور ہی رنگ میں تنتی ہے اسی طرح جب شرک پر یا کسی غلط عقیدہ پر ایک دلیل سے الزام قائم کیا جاتا ہے تو پھر اس کا پیرو دوسرا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور ایک حالت پر اس کا قیام نہیں ہوتا کیونکہ ان چیزوں کی بنیاد کسی علمی دلیل پر نہیں اور دوسری طرف اور پر مخالفین انبیاء کے انجام کا ذکر کر کے یہ بتایا ہے کہ مخالفین اسلام کی تدابیر اسلام کے خلاف ایک مکڑی کے جالے سے بڑھ کر نہیں اور یوں اسلام کی آخری کامیابی کو یقینی ٹھہرایا ہے۔

نمبر۳- جہاں تک دلائل عقلی کا سوال ہے فی الواقع عبادت الٰہی اور پھر عبادت کی وہ طرز جو اسلامی نماز میں پائی جاتی ہے انسان کو بدیوں سے روک کر نیکی کی طرف لانے کا سب سے زبردست ہتھیار ہے۔ عبادت تین باتوں کے جمع ہونے کا نام ہے یعنی معبود کی طرف کامل توجہ اس کی حمد و ستائش، اس سے دعا کرنا ان تینوں

وَ لَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ
هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ
وَ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ
اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ اِلٰهُنَا وَ اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ
وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۴۶﴾
وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ
اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَ مِنْ

اور اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو، مگر ایسے طریق سے
جو نہایت اچھا ہو، سوائے اس کے جو ان میں سے
ظالم ہیں، اور کہو ہم اس پر ایمان لائے جو ہماری طرف اتارا
گیا اور تمھاری طرف اُتارا گیا اور ہمارا معبود اور تمھارا معبود ایک
ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں ۔
اور اسی طرح ہم نے تیری طرف کتاب اُتاری، سو وہ لوگ
جنھیں ہم نے کتاب دی اس پر ایمان لاتے ہیں، اور اُن

باتوں میں سے کوئی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ معبود کی عظمت کا احساس دل میں پیدا نہ ہو اور اس کی عظمت کا احساس انسان کے دل میں پیدا نہ ہو اور اس کی عظمت کا احساس انسان کے دل میں ایک تبدیلی پیدا کر دیتا ہے جس سے اس کے سارے خیالات متاثر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ قلب انسانی قدرت نے ایسا بنایا ہے کہ جس چیز کی عظمت کا احساس دل میں پیدا ہو جائے اس کے خلاف دل میں خیالات ہی پیدا نہیں ہوتے جن لوگوں کے دلوں پر اپنے پیر کی عظمت کا اثر ہوتا ہے وہ پیر کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کرتے جن پر حکام کی عظمت کا اثر ہو وہ حکام کے خلاف کچھ نہیں کرتے۔ اسلام نے وہ طریق عبادت کا سکھایا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اثر دل پر ہو اسی لیے اس عبادت میں تمام ارکان ایسے رکھے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا اثر دل میں پیدا ہوتا ہے دست بستہ کھڑے ہونا جھکنا سجدہ کرنا مؤدب بیٹھنا پھر ہر ایک حالت میں اس کے مناسب حال اذکار رکھے ہیں پھر نماز کو دن رات پر تقسیم کر کے ہر روز پانچ بار انسان کے قلب پر اس عظمت الٰہی کے وارد کرنے کی طرز سکھائی ہے۔ بار بار اس کو دوسرے اشغال سے ہٹا کر ذکر الٰہی کی طرف لانے میں یہ حکمت ہے کہ تا قلب کے بار بار اس طرف متوجہ ہونے سے اس میں وہ قوت پیدا ہو جائے کہ دوسرے اشغال کے اندر بھی اصل حکومت خیالات انسانی پر عظمت الٰہی کی ہو۔ ہاں یہ سچ ہے کہ یہ سب باتیں پہلے دن حاصل نہیں ہوتیں بلکہ جس طرح ہر ایک بلند مقام کو حاصل کرنے کے لیے انسان کو لگاتار ایک مدت تک محنت کرنی پڑتی ہے اسی طرح نماز کی حالت ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا کبھی نماز نے ایسا کر کے دکھایا سو اس کی نہایت کھلی مثال تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیاں ہیں کہ کس طرح اس نماز نے انھیں گناہ کی غلامی کی ذلیل حالت سے نکال کر گناہ سے نجات کے ایسے بلند مقام پر کھڑا کر دیا جس کا اعتراف اعدائے اسلام تک کو کرنا پڑتا ہے اس کے علاوہ اسلام میں سیکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں وہ لوگ ہوئے ہیں جن کی زندگیاں اس پاک اصول کی روشن دلیل تھیں۔

ولذکر اللہ اکبر کے معنی یہ ہیں کہ تم اگر نماز میں اللہ کا ذکر کرتے ہو تو اللہ بھی تمھارا ذکر کرتا ہے یعنی تمھیں شرف اور بزرگی عطا کرتا ہے، اور وہ تمھارے ذکر اللہ سے بڑھ کر ہے جیسا دوسری جگہ فرمایا فاذکرونی اذکرکم اس کا یہ مطلب نہیں جیسا بعض اباحت پسند لوگ کہہ دیتے ہیں کہ نماز سے بڑھ کر کوئی فرضی ذکر ہے۔

نمبرا مذہبی مباحث میں پڑ کر چونکہ لوگ اصل غرض مذہب یعنی تزکیہ نفس کو بھول جاتے ہیں اس لیے جب تزکیہ نفس کا ذکر کیا تو مذہبی مباحث میں بھی ایک اچھی راہ بتائی پہلی بات یہ بتائی کہ اہل کتاب یعنی ہر مذہب کے پیروؤں کے ساتھ احسن طریق سے مجادلہ کرو جس میں یہ سکھایا کہ دوسرے مذاہب پر کسی قسم کی زیادتی نہ کرو نہ ان کے بزرگوں کے حق میں کوئی بُری بات کہو اور اس کی وجہ بھی ساتھ ہی بتا دی یعنی یہ کہ تم اس پر بھی ایمان لاتے ہو جو ان پر اُتارا گیا اور جس پر انسان ایمان لاتا ہے اس کی ہتک نہیں کر سکتا۔ نرمی سے سمجھاؤ کہ ہم تمھارے بزرگوں کو بھی مانتے ہیں اس لیے محمد رسول اللہ صلعم پر ایمان لانے سے کسی اچھی بات کو ترک نہیں کرنا پڑتا۔ صرف بعض اچھی باتیں جن سے دوسرے مذاہب محروم ہیں وہ بھی انسان اختیار کر لیتا ہے اور الٰھنا والٰھکم واحد میں اصول مقابلہ مذاہب کی طرف توجہ دلائی کہ حقیقی معبود تمھارا اور ہمارا ایک ہی ہے اس لیے کہ ایک خدا کے تم بھی قائل ہو۔ اور یہ جو استثناء کیا الا الذین ظلموا منھم تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عام رویہ تو یہ ہونا چاہیے مگر بعض وقت ظالم مخالف جب حد سے گزر جاتا ہے تو اس کو متنبہ کرنے کے لیے کچھ سختی کا طریق بھی اختیار کرنا پڑتا ہے۔ ظالم نہ تو دلائل کی پروا کرتا ہے اور نہ نرمی سے کچھ فائدہ اٹھاتا ہے اس لیے اس کو مناسب طریق پر اور حدود کے اندر رہ کر سختی سے سمجھانا بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

هٰٓؤُلَآءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۝	میں سے (بھی) وہ ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں [1] اور ناشکروں کے سوائے ہماری آیتوں کا کوئی انکار نہیں کرتا۔
وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝	اور تو اس سے پہلے کوئی کتاب نہ پڑھتا تھا اور نہ اسے اپنے دائیں ہاتھ سے لکھتا ہے اس صورت میں (اس کو) باطل کہنے والے شک کرتے [2]۔
بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝	بلکہ وہ ان لوگوں کے سینوں میں کھلی آیتیں ہیں جنہیں علم دیا گیا ہے اور ظالموں کے سوائے ہماری آیتوں کا کوئی انکار نہیں کرتا [3]۔

نمبر۱۔ کَذٰلِكَ اَنْزَلْنَا۔ یعنی سابقہ کتب کی تصدیق کرتے ہوئے ہم نے اس کتاب کو تجھ پر نازل کیا اور من ھٰؤلاء سے مراد اہل عرب ہیں جن کی طرف پہلے کوئی وحی نہیں آئی تھی۔

نمبر۲۔ قرآن کریم نے ایک اعلیٰ درجہ کا مذہبی اصول قائم کیا ہے یعنی یہ کہ سب مذاہب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور سب نے بالآخر ایک معبود حقیقی کو تسلیم کیا ہے۔ یہ ایک ایسا اصول ہے جسے کوئی شخص سوائے اس کے کہ دنیا کے تمام مذاہب سے خود واقفیت حاصل کرے یعنی خود ان کی کتابوں کو پڑھے قائم نہیں کر سکتا۔ آج عیسائیوں کو کس قدر مصیبت کے بعد دنیا کے حالات کو دیکھ کر اور اصل کتابوں کو پڑھ کر آخر اس کے قریب قریب ماننا پڑا ہے کہ تمام مذاہب میں کچھ نہ کچھ صداقت ہے۔ یہ رسول اللہ صلعم کے تیرہ سو سال بعد ساری دنیا میں پھر کر اور ساری کتابوں کو پڑھ کر ان لوگوں کو مجبوراً تسلیم کرنا پڑا ہے مگر رسول اللہ صلعم نہ دنیا میں پھرے نہ کوئی کتاب آپ نے پڑھی۔ اس لیے اس اصول کو بیان کرکے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ محمد رسول اللہ صلعم تو پڑھنا نہ جانتے تھے اگر پڑھنا جانتے ہوتے تو کوئی شک کی گنجائش ہو سکتی تھی کہ یہ اصول انھوں نے خود بنا لیا ہے۔ ورلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اس لیے ساتھ بڑھایا کہ ان اصول عالیہ کے علاوہ جو قرآن کریم نے قائم کیے ہیں اس میں ہر قسم کی تعلیم بھی جو ہمیشہ رہنے کے قابل تھی جمع کر دی ہے اور یہ کام صرف ایسے شخص کا ہو سکتا تھا جو پڑھنے کے علاوہ لکھنا بھی جانتا ہو ورنہ وہ ایک کتاب میں اسے جمع کیوں کر کر سکتا تھا۔ اس بات کا دعویٰ آج ایک جرمن فاضل نے کیا ہے کہ بائبل کے اس قدر حوالجات اور مضامین قرآن کریم میں موجود ہیں کہ سوائے اس کے نہیں ہو سکتا کہ آنحضرت صلعم نے بائبل کو پڑھ کر اس کے نوٹ لیے ہوں اور پھر وقتاً فوقتاً مناسب موقعہ پر انھیں قرآن میں داخل کر دیا ہو۔

یہاں ایک اور بے سود بحث چھیڑی گئی ہے کہ آیا بعد نبوت رسول اللہ صلعم لکھنا یا پڑھنا جانتے تھے یا نہیں۔ قبل نبوت نہ جاننے پر اتفاق ہے اس بحث کے ایک یا دوسری طرف فیصلہ ہونے سے کچھ حاصل نہیں لیکن یہ کہیں سے معلوم نہیں ہوتا کہ بعد نبوت رسول اللہ صلعم نے لکھنا پڑھنا سیکھا ہو بطور اعجاز اگر آپ کو آ گیا ہو تو الگ امر ہے لیکن کتابت وحی کے بارے میں یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہمیشہ دوسرے کاتب کو بلا کر لکھوایا کرتے تھے۔ اگر خود لکھنا جانتے ہوتے تو خود ہی لکھ لیا کرتے۔

اور احادیث میں جو لفظ کتب آیا ہے تو اس سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ نے ایسا لکھوایا۔ ایسا ہی حدیث بخاری کے الفاظ لا یحسن یکتب بھی قطعی دلیل نہیں اس لیے کہ ان سے یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ آپ لکھنا نہ جانتے تھے۔ بایں اگر بعد میں آپ کا لکھنا پڑھنا مانا جائے تو یہاں جو دلیل دی ہے وہ اسی طرح قائم رہتی ہے۔

نمبر۳۔ اوتوا العلم سے مراد نبی صلعم اور علمائے صحابہ بھی ہو سکتے ہیں اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم میں نہ صرف وہ صداقتیں ہیں جو پہلی کتابوں میں پائی جاتی ہیں بلکہ اس میں وہ باتیں بھی ہیں جو کسی کتاب میں نہیں اور صرف اہل علم کے سینوں میں ہیں یا اہل علم آیندہ ان کو دریافت کر سکتے ہیں۔

وَ قَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۵۰﴾

اور کہتے ہیں اس پر اپنے رب کی طرف سے نشان کیوں نہ اتارے گئے، کہہ نشان صرف اللہ کے پاس ہیں اور میں صرف کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔

اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ ع

کیا ان کے لیے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تیری طرف کتاب اتاری ہے جو ان پر پڑھی جاتی ہے یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے رحمت اور نصیحت ہے جو ایمان لاتے ہیں ۱۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ شَهِيْدًا ۚ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾

کہہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ کافی گواہ ہے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور جو لوگ باطل پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کا انکار کرتے ہیں، وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَ لَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَهُمُ الْعَذَابُ ؕ وَ لَيَاْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۳﴾

اور تجھ سے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں، اور اگر ایک وقت مقرر نہ ہوتا تو عذاب ان پر آچکا ہوتا، اور وہ ان پر اچانک آجائیگا اور انھیں خبر (بھی) نہ ہوگی ۲۔

يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ ؕ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۴﴾

تجھ سے عذاب کے لیے جلدی کر رہے ہیں اور یقیناً دوزخ نے کافروں کو گھیرا ہوا ہے ۳۔

نمبر۱۔ پچھلی آیت میں مطالبۂ نشانات تھا اس کے جواب میں اوّل وہیں فرمایا کہ نشان جن سے ڈرایا جاتا ہے وہ تو آکر رہیں گے جس کی مزید تصریح آیت ۵۳ و ۵۴ میں موجود ہے مگر یہاں ایک نہایت لطیف بات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ کیا یہ نشان کافی نہیں کہ قرآن کو قبول کرکے اور اس پر عامل ہوکر انسانوں کی زندگیاں پاک ہوجاتی ہیں اور مذہب کی جو غرض دنیا میں ہے وہ پوری ہوتی ہے۔ ایک صداقت کے صداقت ہونے کا اصلی نشان تو یہی ہے کہ اس کو قبول کرنے والے اس سے فائدہ اٹھائیں اس سیدھی راہ کو لوگ اختیار نہیں کرتے۔

نمبر۲۔ اجل مسمی یا وقت مقرر سے مراد قیامت لینا بالکل غلط ہے۔ وہ عذاب جس کے لیے وہ جلدی کر رہے تھے۔ عذاب قیامت نہ تھا بلکہ وہی نشان ہلاکت تھا جس کے لیے وہ بار بار مطالبہ کرتے تھے کہ جب ہم تمہاری تکذیب کرتے ہیں تو ہم ہلاک کیوں نہیں ہوتے۔ چنانچہ یہی تفسیر ابن جریر نے کی ہے اور اس آیت کو نقل کیا ہے اللّٰھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السمآء او ائتنا بعذاب الیم (الانفال۔ ۳۲) اور اجل مسمی کا ذکر ان الفاظ میں ہے ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون (الانفال۔ ۳۳) اور ایک قول یوم بدر کے متعلق ہے۔

نمبر۳۔ یہاں بھی جس عذاب کے لیے جلدی کرتے ہیں وہی عذاب دنیا ہے مگر جواب میں فرمایا کہ جہنم نے کافروں کا احاطہ کیا ہوا ہے یعنی یہ عذاب دنیا تو کیا ہے اس سے بڑا عذاب بھی ان کے لیے موجود ہے گویا بتایا ہے کہ دنیا کا عذاب تو صرف بطور پیش خیمہ ہے اور یا جہنم سے مراد یہاں اُن کے اعمال بد کے نتائج ہیں

يَوْمَ يَغْشٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ
وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ وَيَقُوْلُ ذُوْقُوْا
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝٥٥

جس دن عذاب انھیں اُن کے اوپر سے اور اُن کے پاؤں کے نیچے سے ڈھانک لے گا اور کہے گا چکھو جو تم عمل کرتے تھے۔[۱]

يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ
وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ ۝٥٦

اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو میری زمین فراخ ہے سو میری ہی عبادت کرو۔[۲]

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ اِلَيْنَا
تُرْجَعُوْنَ ۝٥٧

ہر شخص موت (کا مزہ) چکھنے والا ہے۔ پھر تم ہماری طرف ہی لوٹائے جاؤ گے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ
مَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝٥٨

اور جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں ہم ضرور انھیں جنّت کے بلند مقامات میں جگہ دیں گے جس کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اسی میں رہیں گے۔ کام کرنے والوں کا اجر کیا ہی اچھا ہے۔

ذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝٥٩

جو صبر کرتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۖ
اَللّٰهُ يَرْزُقُهَا وَاِيَّاكُمْ ۖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝٦٠

اور کتنے جاندار ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، اللہ انھیں رزق دیتا ہے اور تمھیں بھی اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔[۳]

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ۚ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝٦١

اگر تو ان سے پوچھے کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کام پر لگایا، تو کہیں گے اللہ نے، پھر کہاں سے اُلٹے پھر جاتے ہیں۔

جو فی الحقیقت تو ان کو گھیرے ہوئے ہیں مگر وہ انھیں دیکھتے نہیں۔ اگلی آیت سے دوسرے معنی کی تائید ہوتی ہے۔

نمبر ۱۔ مفسرین نے عموماً اس سے عذاب جہنم مراد لیا ہے مگر خود قرآن کریم میں دوسری جگہ یہی لفظ اسی عذاب دنیا پر آئے ہیں قل ھو القادر علی ان یبعث علیکم عذابًا من فوقکم او من تحت ارجلکم او یلبسکم شیعا و یذیق بعضکم باس بعض (الانعام - ٦٥)

نمبر ۲۔ ایک خدا کی عبادت کو وسعت زمین سے کیا تعلق ہے۔ اس میں صاف اشارہ ہجرت کی طرف ہے یعنی اگر ایک جگہ تمھیں دُکھ ملتا ہے تو دوسری جگہ چلے جاؤ۔ مجاہد سے ہے فہاجروا وجاھدوا اور ابن زید سے ہے کہ اس سے مراد ہے من کان بمکة من المؤمنین اور یا مراد ہے کہ بدوں کی صحبت سے الگ ہو جاؤ۔

نمبر ۳۔ مطلب یہ ہے کہ رزق جہاں جاؤ گے مل جائے گا۔ رزق ساتھ ساتھ اٹھائے پھرنا ضروری نہیں۔

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۲﴾

اللہ اپنے بندوں میں سے جس کے لیے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور اس کے لیے تنگ کرتا ہے جس کے لیے چاہتا ہے، اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ ع

اور اگر تو ان سے پوچھے کون بادل سے پانی اتارتا ہے پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے تو وہ کہیں گے اللہ۔ کہہ سب تعریف اللہ کے لیے ہے بلکہ اُن میں سے بہت عقل سے کام نہیں لیتے۔

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾

اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف بے حقیقت شغل اور کھیل ہے اور آخرت کا گھر وہی یقیناً (اصل) زندگی ہے، کاش وہ جانتے ع۱

فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۶۵﴾

سو جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں اللہ کو پکارتے ہیں، اسی کے لیے فرماں برداری کو خالص کرتے ہوئے۔ پھر جب انھیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۚ وَلِيَتَمَتَّعُوْا ٝ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾

تاکہ اس کی ناشکری کریں جو ہم نے انھیں دیا ہے اور تاکہ وہ عارضی فائدہ اٹھائیں سو جان لیں گے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ﴿۶۷﴾

کیا انھوں نے غور نہیں کیا کہ ہم نے حرم کو امن والا بنایا ہے، اور لوگ اُن کے اردگرد سے اُچک لیے جاتے ہیں، تو کیا باطل پر ایمان لاتے اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

اور اس سے زیادہ کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ بنائے

نمبر۱۔ دنیا کی زندگی سے مراد کھانا پینا اور حوائج جسمانی کا پورا کرنا ہے اور آخرت کے گھر سے مراد وہ امور ہیں جو اخلاق اور روحانیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اوّل الذکر موت کے ساتھ منقطع ہو جانے والی چیزیں ہیں اس لیے جو صرف انھیں کو غرضِ زندگی ٹھہرا لیتا ہے وہ گویا لہو و لعب میں مصروف ہو گیا۔ کیونکہ حقیقی غرضِ زندگی سے محروم رہ گیا جو حقیقی غرضِ زندگی کو اختیار کرتا ہے وہی کامیاب ہوگا۔

كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾

یا حق کو جھٹلائے جب وہ اس کے پاس آگیا ہو، کیا کافروں کا ٹھکانا دوزخ میں نہیں ہے۔

وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۶۹﴾ ع

اور جو لوگ ہمارے لیے محنت اٹھاتے ہیں ہم یقیناً انھیں اپنے رستوں پر چلائیں گے اور اللہ تو یقیناً نیکی کرنیوالوں کے ساتھ ہے۔

سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ (۳۰)

اٰیاتھا ۶۰ — رکوعاتھا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ﴿۱﴾

مَیں اللہ کامل علم رکھنے والا ہوں۔

غُلِبَتِ الرُّوْمُ ﴿۲﴾

رومی مغلوب ہو گئے ۲۔

فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَ هُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ﴿۳﴾

قریب سرزمین میں ۳۔ اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد

فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَ مِنْۢ بَعْدُ ؕ وَ يَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۴﴾

چند سال میں غالب آجائیں گے۔ پہلے اور پیچھے، اللہ تعالیٰ کا ہی حکم ہے اور اس دن مومن خوش ہوں گے۔

نمبر۱۔ اس سورت کا نام الروم ہے اور اس میں چھ رکوع اور ساٹھ آیتیں ہیں۔ یہ سورت شروع اس مضمون سے ہوتی ہے کہ روم والے جو اس وقت عیسائی تھے ایرانیوں کے ہاتھوں مغلوب ہو گئے لیکن نو سال کے اندر اندر وہ ایران پر غالب آجائیں گے مگر صرف اس خبر کا دینا مقصود نہیں بلکہ اصل بات جو بتائی ہے وہ یہ ہے کہ جو وقت رومیوں کے ایرانیوں پر غلبہ کا ہے وہی وقت مسلمانوں کے اپنے دشمنوں پر غلبہ کا ہے۔ اور دونوں کو اکٹھا کرنے کی وجہ یہ ہے کہ پیشگوئی کے وقت یہ دونوں قومیں مغلوب تھیں اور مغلوب بھی ایسی کہ ان کے اُٹھنے اور ایک طاقتور دشمن پر غالب آنے کا خفیف سے خفیف قرینہ بھی نہ تھا اس تعلق کی وجہ سے اس سورت کا نام جس میں غلبہ اسلام کی صریح پیشگوئی ایک معین وقت کے اندر پورا ہونے والی کی ہے الروم رکھا گیا۔

نمبر۲۔ الروم۔ سلطنت روما کے لوگ اپنے آپ کو رومی کہتے تھے اور یہ عیسائی تھے۔ سلطنت روما کی یہ مغلوبیت جس کا بیان ذکر ہے ایرانیوں کے ہاتھ سے وقوع میں آئی۔ ان دونوں سلطنتوں کا مقابلہ مدت سے چلا آتا تھا۔ آخر ۶۰۲ء میں وہ عظیم الشان جنگ شروع ہوئی جو خسرو ثانی شاہ ایران نے رومیوں کے ساتھ شروع کی "اس کی افواج نے سیریا اور ایشیائے کوچک کو لوٹا اور ۶۰۸ء میں کیلسیڈون پر بڑھیں ۶۱۳ء و ۶۱۴ء میں جرنیل شاہ براز نے دمشق اور یروشلم کو فتح کرلیا اور مقدس صلیب کو لے گیا۔ جلد ہی بعد مصر بھی فتح ہو گیا۔ رومی کوئی مقابلہ نہ کر سکے کیونکہ ایک طرف اندرونی جھگڑوں سے اور دوسری طرف سلافیوں کے دباؤ سے وہ بہت ہی کمزور ہو رہے تھے" (انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا)

نمبر۳۔ ادنی الارض کے لفظی معنی قریب سرزمین ہیں اور یہاں ملک عرب سے قریب مراد ہے اور مراد اس سے یردن اور فلسطین ہیں اور یہی صحیح ہے۔

بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝۵
اللہ کی مدد سے ۔ وہ جس کی چاہتا ہے مدد کرتا ہے، اور وہ غالب رحم کرنے والا ہے ؎۱

وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۶
اللہ کا وعدہ ہے ۔ اللہ اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کرتا، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ۔

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ
وہ دنیا کی زندگی کی ظاہر (باتوں) کو جانتے ہیں اور

نمبر۱۔ جب مکہ میں ایرانیوں کے غلبہ اور رومیوں کی مغلوبیت کی خبر پہنچی تو بُت پرست قریش نے خوشی کا اظہار کیا اس لیے کہ وہ اہل کتاب کو اچھا نہ سمجھتے تھے اور بالخصوص مسلمانوں کی مخالفت کی وجہ سے اور کچھ عرب پر ایرانیوں کے تسلط کی وجہ سے انھیں ایرانیوں کے غلبہ کی خوشی ہوئی۔ اس پر ان آیات کا نزول ہُوا جن میں دو پیشگوئیاں ہیں اوّل یہ کہ نو سال کے اندر اندر رومی اپنے دشمنوں پر فتح پالیں گے، دوسری یہ کہ اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد پہنچے گی اور خوش ہوں گے۔ چنانچہ ابن جریر میں ہے یوم یغلب الروم فارسا یفرح المؤمنون باللہ ورسولہ بنصر اللہ ایاھم علی المشرکین جس دن رومی ایران پر غالب آئیں گے اللہ اور رسول پر ایمان لانے والے اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے جو اللہ انھیں مشرکوں کے خلاف دیگا اور ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ یہ بدر کا دن تھا اور اگر غور کیا جائے تو نصر اللہ کا لفظ مومنوں کی کافروں پر فتح پر ہی صادق آسکتا ہے اور یوں یہ پیشگوئی اپنے اندر اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کا عجیب ترین نمونہ ہے اور کوئی پیشگوئی صفائی میں اس سے بڑھ کر نہیں۔ ایک عرصہ دراز کے بعد ایک ایسی لمبی جنگ میں جو ۶۰۲ء سے شروع ہو کر ۶۱۵ء میں ختم ہوتی ہے یعنی تیرہ سال جاری رہتی ہے سلطنت ایران سلطنت روما پر غالب آتی ہے اس کا صوبہ پر صوبہ لیتی چلی جاتی ہے یہاں تک کہ کل صوبجات کو لے کر اس کے دارالخلافہ کے دروازہ پر جا موجود ہوتی ہے ایسے وقت میں یہ پیشگوئی کہ یہ مغلوب سلطنت آخرکار غالب آجائے گی کسی انسان کی طاقت میں نہیں مگر اس پر بضع سنین کی شرط بڑھا دینا یعنی نو سال کے اندر اندر غالب آجائے گی نہ صرف قیاس و قرائن سے باہر بلکہ عین ان کے خلاف ہے اور اسی پر بس نہیں بلکہ اس کے ساتھ ایک ایسی ہی بظاہر ناممکن الوقوع بات اور ملا دی ہے یعنی یہ کہ عین اس وقت جب رومی ایران پر نو سال کے اندر اندر غالب آئیں گے مسلمان بھی مشرکوں پر غالب آئیں گے حالانکہ مسلمانوں کی اس وقت کوئی جماعت بھی نہیں جس کے غالب آنے کا وہم بھی کسی کو ہو سکے لیکن قدرت خداوندی کا کیا عجیب نظارہ ہے کہ جس سال میں یعنی ۶۲۴ء میں ہرقل نہ صرف اپنے علاقے واپس لے لیتا ہے بلکہ ایران کے اندر داخل ہو کر ان کے بڑے آتشکدہ کو تباہ کر دیتا ہے اور اسی سال میں ۳۱۲ مسلمان جن کے پاس ہتھیار نہیں جو جنگ آزمودہ جوان نہیں ایک ہزار قریش کی مسلح جمعیت پر غالب آتے ہیں۔ اس عظیم الشان پیشگوئی پر عرب خاموش نہ رہ سکتے تھے۔ اُبی ابن خلف نے بڑی شد و مد سے اس کا انکار کیا اور کہا کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ واقعات اس کے خلاف ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے جن کا ایمان وحی الٰہی پر پہاڑ کی طرح مضبوط تھا اس پر اس سے شرط لگائی کہ اگر تین سال میں اہل روم غالب نہ آگئے تو دس اونٹ میں دونگا اور اگر غالب آگئے تو دس اونٹ تم سے لونگا۔ آنحضرت صلعم کو جب یہ علم ہُوا تو آپ نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ بضع کا لفظ نو تک آتا ہے۔ اس لیے میعاد اور شرط دونوں کو بڑھا دو۔ اُبی بن خلف نے اس کو منظور کیا اور شرط یہ قرار پائی کہ اگر نو سال کے اندر رومیوں نے ایران کو مغلوب نہ کیا تو ایک سو اونٹ حضرت ابو بکرؓ اُبی کو دیں گے ورنہ اس سے ایک سو اونٹ لیں گے۔ چنانچہ روح المعانی میں ذیل کی روایت بیان کی گئی ہے اور ترمذی کے حوالہ سے اسے حسن قرار دیا ہے انہ لما کان یوم بدر ظھرت الروم علی فارس فاخذ ابوبکر رضی اللہ عنہ الخطر من ورثۃ ابی وجاء بہ الی النبی صلعم فقال علیہ الصلوٰۃ والسلام تصدق بہ۔ یعنی جب بدر کا واقعہ ہُوا تو رومی ایران پر غالب آئے پس ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اُبی کے وارثوں سے شرط کا مال لیا اور اُسے نبی صلعم کے پاس لائے تو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یہ صدقہ کر دو۔ پس یہ پیشگوئی کفار میں بھی خوب شہرت پا چکی تھی اور پھر اُس کا پورا ہونا بھی ان پر اچھی طرح ظاہر ہو گیا تھا۔ اس سے بڑھ کر کونسا معجزہ ایک نبی کی صداقت کو ظاہر کر سکتا ہے جن معجزات پر حضرت عیسیٰؑ کی خدائی کی بنیاد رکھی جاتی ہے ان میں سے ایک کا بھی کوئی ثبوت اس وقت موجود نہیں مگر نبی کریم صلعم کا یہ معجزہ آج بھی ایسا ثابت ہے جیسا آپ کی زندگی میں پیشگوئی کے پورا ہونے کے وقت ثابت تھا۔ اپنی صفائی کے لحاظ سے آنحضرت صلعم کا یہ ایک ہی معجزہ قیامت تک آپ کی صداقت کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔

وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ ۝۷
آخرت سے وہ بالکل غافل ہیں۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۣ مَا خَلَقَ
اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ
اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَاِنَّ
كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ لَكٰفِرُوْنَ ۝۸

کیا انھوں نے اپنے دل میں غور نہیں کیا، اللہ نے
آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، حق
کے ساتھ اور ایک وقت مقرر تک کے لیے رہنے کو ہی پیدا کیا ہے
اور بہت سے لوگ اپنے رب کی ملاقات کا انکار کرنے والے ہیں۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ
كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاَثَارُوا الْاَرْضَ
وَعَمَرُوْهَآ اَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوْهَا وَجَاۗءَتْهُمْ
رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۭ فَمَا كَانَ اللّٰهُ
لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۹

کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھیں
کہ ان کا انجام کیسا ہوا، جو اُن سے پہلے تھے۔
وہ ان سے قوت میں بڑھ کر تھے اور انھوں نے زمین
کو کاشت کیا اور اسے آباد کیا، اس سے بڑھ کر جو انھوں
نے آباد کیا اور ان کے پاس ان کے رسول کھلی دلائل کے ساتھ آئے
سو اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہ اپنی جانوں پر آپ ظلم کرتے تھے۔

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِيْنَ اَسَاۗءُوا السُّوْٓآٰى
اَنْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَكَانُوْا
ع بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰

پھر ان لوگوں کا انجام جنھوں نے بدی کی بہت بُرا ہوا،
اس لیے کہ انھوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا اور ان
پر ہنسی کرتے تھے۔

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ
اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۱۱

اللہ ہی پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ پیدا کرتا ہے
پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۱۲
اور جب (موعودہ) گھڑی آئے گی مجرم سخت ناامید ہو جائیں گے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَاۗىِٕهِمْ شُفَعٰۗؤُا
وَكَانُوْا بِشُرَكَاۗىِٕهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝۱۳

اور ان کے شریکوں میں سے کوئی ان کے سفارشی نہ ہوں گے
اور وہ اپنے شریکوں کا انکار کرنے والے ہونگے۔

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يَوْمَىِٕذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ۝۱۴
اور جب وہ گھڑی آئے گی اس دن الگ الگ ہو جائیں گے ملہ

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
پس وہ جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں وہ سرسبز

نمبرا۔ یعنی اچھے اور بُرے الگ الگ ہو جائیں گے جیسا آگے تفصیل سے ظاہر ہے۔ اس دُنیا میں ملے جُلے رہتے ہیں۔

فَهُمْ فِیْ رَوْضَةٍ یُّحْبَرُوْنَ ﴿۱۵﴾ جگہ میں خوش ہوں گے [1]۔

وَ اَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ لِقَآئِ الْاٰخِرَةِ فَاُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور وہ جو کافر ہیں اور ہماری آیتوں کو اور آخرت کی ملاقات کو جھٹلاتے ہیں، وہ عذاب میں پکڑے ہوئے ہوں گے۔

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِیْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِیْنَ تُصْبِحُوْنَ ﴿۱۷﴾

سو اللہ پاک ہے جب تم پر شام ہو اور جب تم پر صبح ہو۔

وَ لَهُ الْحَمْدُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِیًّا وَّ حِیْنَ تُظْهِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی تعریف ہے اور تیسرے پہر اور جب تم پر دوپہر ہو [2]۔

یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَ یُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ وَ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ﴿۱۹﴾ ع

وہ زندہ کو مُردہ سے نکالتا ہے اور مُردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم نکالے جاؤ گے [3]۔

نمبر۱. روضة، روض وہ جگہ ہے جہاں پانی جمع ہو جائے اور سبزی ہو اور یہاں جنت کے روضوں میں سے روضہ مراد ہے اور وہ اس کے خوبصورت اور لذت والے مقام ہیں اور فی روضٰت الجنات (الشورٰی۔ ۲۲) میں اس کی طرف اشارہ ہے جو عقبٰی میں ظاہر طور پر اُن کے لیے تیار کیا جائیگا اور مفردات میں ہے کہ یہ اشارہ ان علوم واخلاق کی طرف ہے جن کا انھیں اہل بنایا ہے جن کے ساتھ جو شخص مخصوص ہو اس کا دل خوش اور پاکیزہ ہوتا ہے اور حقیقت یہی ہے کہ جو لوگ بوجہ اپنے اخلاق اور علوم الٰہی کے یہاں طیب نفس حاصل کر لیتے ہیں وہی ان کے لیے آخرت میں ظاہری روضات کی شکل میں ظاہر ہو جائے گا۔ فی الحقیقت مومن یہاں بھی رَوضوں میں خوش ہوتے ہیں اور قیامت میں بھی ہوں گے۔

نمبر۲. بلاشبہ ان دو آیات میں پانچ نمازوں کا ذکر ہے۔ شام کے وقت میں مغرب اور عشا کی نمازیں داخل ہیں اور صبح کے وقت میں نماز فجر ہے۔ عشیًّ میں نماز عصر اور تظہرون میں نماز ظہر۔ لیکن الفاظ ایسے اختیار فرمائے ہیں کہ جن سے ایک اور غرض بھی حاصل ہوتی ہے۔ یعنی شام میں داخل ہونا روشنی سے تاریکی میں داخل ہونا ہے اور صبح میں داخل ہونا تاریکی سے روشنی کی حالت میں آنا ہے اور انسان پر بلحاظ حالات ظاہری دونوں حالتیں آتی رہتی ہیں۔ ایسا ہی عشی یا عصر کا وقت آفتاب کے بہت نیچے ہو جانے کا وقت ہے اور ظہیرہ اس کے سب سے بلند مقام پر ہونے کا وقت ہے اور یہاں بھی اشارہ ایک انسان کی اس حالت کی طرف ہے جب اس کا آفتابِ اقبال ڈھل جاتا ہے اور دُوسرا اس حالت کی طرف جب وہ اُفق پر ہوتا ہے ان تمام حالات میں جو انسان کو پیش آتے رہتے ہیں سبحان اللہ کی تعلیم بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر حال میں عیوب اور نقصانوں سے پاک ہے اور ان حالات مختلفہ کا انسان پر آنا انسان کی اپنی اصلاح یا کسی اور مصلحت الٰہی سے ہے یا رات کے آنے میں اشارہ زمانہ جہالت کی طرف ہے اور دن کے آنے میں علم اور دین کے پھیلنے کی طرف۔

نمبر۳. اخراج ایک حالت سے نکالنے پر بھی بولا جاتا ہے اور یہاں اوّل زندہ کو مُردہ سے اور مُردہ کو زندہ سے نکالنے کا ذکر کیا اور چونکہ موت اور زندگی کے لفظ روحانی موت اور روحانی زندگی پر بھی بولے جاتے ہیں۔ اس لیے مُردہ کو زندہ سے اور زندہ کو مُردہ سے نکالنے کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ ایک روحانی طور پر مُردہ قوم سے زندہ قوم کو پیدا کرتا ہے اور یہی یہاں مراد ہے جیسا کہ مجاہد سے مروی ہے یخرج المؤمن من الکافر ویخرج الکافر من المؤمن اور یہی حسن کا قول ہے۔ پس کذٰلک تخرجون سے مراد بھی یہی ہے کہ تمھیں بھی ایک مُردہ حالت سے نکال کر زندہ کیا جائے گا۔

وَ مِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور اس کے نشانوں میں سے ہے کہ تمھیں مٹی سے پیدا کیا پھر دیکھو تم انسان بن کر پھیل جاتے ہوئے[۱]۔

وَ مِنْ اٰیٰتِہٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور اس کے نشانوں میں سے ہے کہ تمھارے لیے تمھارے نفسوں سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان سے تسکین پاؤ اور تمھارے درمیان محبت اور رحم پیدا کیا۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشان ہیں جو فکر کرتے ہیں[۲]۔

وَ مِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَ اَلْوَانِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ ﴿۲۲﴾

اور اس کے نشانوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا اور تمھاری زبانوں اور تمھارے رنگوں کا اختلاف ہے۔ یقیناً اس میں علم والوں کے لیے نشان ہیں[۳]۔

وَ مِنْ اٰیٰتِہٖ مَنَامُكُمْ بِالَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ ابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور اس کے نشانوں میں سے رات اور دن کو تمھارا سونا اور تمھارا اس کے فضل کو تلاش کرنا ہے۔ یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشان ہیں جو سنتے ہیں۔

وَ مِنْ اٰیٰتِہٖ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور اس کے نشانوں میں سے ہے کہ تمھیں خوف اور امید کے لیے بجلی دکھاتا ہے اور بادل سے پانی اتارتا ہے پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے نشان ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں۔

نمبر۱۔ نشان وہی چیز ہو سکتی ہے جو سامنے موجود ہو۔ پس جہیں مٹی سے پیدا کرنے کے یہ معنی لینا کہ حضرت آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا تھا صحیح نہیں ہے بلکہ ہر ایک انسان مٹی سے پیدا ہوتا ہے اور نشان یہی ہے کہ کس طرح مٹی کے اجزا خلاصہ در خلاصہ نکل کر ایک انسان بن جاتا ہے۔ پس وہ خدا جو ہماری آنکھوں کے سامنے مٹی سے انسان بنا کر کھڑا کرتا ہے کیا وہ ہمارے اعمال سے ایک نئی پیدائش نہیں کر سکتا۔ اسی کی طرف رکوع کی آخری آیت میں توجہ دلائی ہے کہ وہ اس پر بہت آسان ہے۔

نمبر۲۔ یہاں مردوں کے لیے ان کے نفسوں سے بیویاں پیدا کرنے کا ذکر ہے پس صرف حوا ہی حضرت آدمؑ کے نفس سے پیدا نہیں ہوئیں بلکہ سب کے لیے ازواج اُن کے نفسوں سے پیدا ہوتی ہیں اور مراد اس سے جنس پیدا کرنا ہے تاکہ باہم محبت اور رحم ہو اور اس میں ذکر کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی توحید پر نشان ہونے کا ذکر کیا اور آگے کہیں علم والوں کے لیے کہیں سننے والوں کے لیے کہیں عقل سے کام لینے والوں کے لیے ایسے ہی نشانات کا ذکر کیا اور بتا دیا کہ عقل و فکر سے کام لیا جائے تو انسان کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مظاہر میں صاف اس کی ہستی اور اس کی توحید کے دلائل ملتے ہیں۔

نمبر۳۔ زبانوں اور رنگوں کے اختلاف کے ذکر سے مطلب یہ ہے کہ اس قدر اختلافات کے باوجود تم سب انسان ایک ہی ہو اور یہی وجہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش کے ذکر کے ساتھ اس کو جمع کیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں ظاہری اختلاف کے اندر ایک وحدت نظر آتی ہے۔

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَ
الْاَرْضُ بِاَمْرِهٖ ؕ ثُمَّ اِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً ۖۗ
مِّنَ الْاَرْضِ ۖۗ اِذَآ اَنْتُمْ تَخْرُجُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور اس کے نشانوں میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اس
کے حکم سے قائم ہیں پھر جب وہ تمھیں زمین سے ایک آواز دیکر
پکارے گا تو تم فوراً نکل پڑو گے ۔ ۱ـ

وَ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ
كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور اسی کے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اسی
کے فرماں بردار ہیں ۔

وَ هُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ
وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَ لَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى
فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ
ع الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

اور وہی ہے جو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ پیدا
کرتا ہے اور یہ اس پر بہت آسان ہے اور اس کی شان آسمانوں
اور زمین میں بہت بلند ہے ۔ اور وہ غالب حکمت والا
ہے ۔

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ
لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ
فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ
تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ
نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۲۸﴾

وہ تمھارے لیے تمھاری اپنی مثال بیان کرتا ہے کیا ان میں
سے جن کے تمھارے داہنے ہاتھ مالک ہیں اس رزق میں
جو ہم نے تمھیں دیا ہے کوئی تمھارے شریک ہیں کہ تم (سب)
اس میں برابر ہو، ان کی تم ایسی پرواکرتے ہو جیسی اپنی پرواکرتے ہو،
اسی طرح ہم ان لوگوں کے لیے باتیں کھول کر بیان کرتے ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں ۲ـ

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ
بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ فَمَنْ يَّهْدِيْ مَنْ اَضَلَّ
اللّٰهُ ؕ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۹﴾

بلکہ جو ظالم ہیں وہ اپنی خواہشات کی پیروی بغیر علم کے کر رہے ہیں
سو اسے کون ہدایت دے جسے اللہ گمراہ ٹھیرائے اور ان کے لیے
کوئی مددگار نہیں ۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ فِطْرَتَ
اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا
تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ

سو یکسو ہو کر دین کی طرف اپنا رخ کر اللہ کی بنائی ہوئی
فطرت پر قائم رہ جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے ، اللہ کی
پیدائش کو کوئی بدل نہیں سکتا ، یہ قائم رہنے والا دین ہے

نمبر۱ـ اس سے مراد قیامت ہے اس کا پکارنا کس رنگ میں ہوگا اُسے وہی بہتر جانتا ہے ۔
نمبر۲ـ فطرت انسانی کو اپیل کی ہے کہ جب مالک اور مملوک آقا اور نوکر تمھارے نزدیک برابر نہیں حالانکہ ایک ہی جیسے انسان ہیں تو مخلوق کو خالق
کے برابر کس طرح ٹھیراتے ہو ۔

الْقَيِّمُ ۙ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۰ — لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے ؎۱

مُنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ وَ اتَّقُوْهُ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ — اس کی طرف رجوع کرنے والے (رہو) اور اس کا تقوےٰ کرو

وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۳۱ — اور نماز کو قائم کرو اور مشرکوں سے نہ ہو ؎۲

مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا — ان میں سے جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا

شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝۳۲ — اور فرقے فرقے بن گئے سب گروہ اس پر جو ان کے پاس ہے خوش ہو رہے ہیں ؎۳

وَ اِذَا مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ — اور جب لوگوں کو دکھ پہنچتا ہے اپنے رب کو پکارتے ہیں، اس

مُّنِيْبِيْنَ اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَآ اَذَاقَهُمْ مِّنْهُ — کی طرف رجوع کرتے ہوئے پھر جب وہ انھیں اپنی طرف سے

نمبر۱۔ فطرت۔ فطر کے معنے شق یعنی پھاڑنا ہیں اور فطر اللہ الخلق سے مراد ہے اللہ تعالیٰ ایک چیز کو وجود میں لایا۔ اور مفردات میں ہے کہ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ ہے اس کی طرف جو اس نے پیدا کیا یعنی اصل حالت میں بنایا اور لوگوں کے اندر اپنی معرفت کا حصّہ مرکوز کر دیا اور فطرۃ اللہ وہ ہے جو اس میں معرفت ایمان کی قوت مرکوز ہے جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے ولئن سألتھم من خلقھم لیقولن اللہ (الزخرف ۴۳ - ۸۷) اور بخاری میں ہے الفطرۃ الاسلام یعنی فطرۃ اسلام ہے اور فطرۃ اللہ یہاں فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے الزموا فطرۃ اللہ یا علیکم فطرت اللہ۔

جب پچھلے رکوع میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور قدرت کے نشان بیان کیے اور یہاں پہلی آیت میں فطرت انسانی کو اپیل کی تو اب اس کا نتیجہ بیان فرمایا کہ اسی دین پر قائم رہو جس کی طرف یہ شواہد لے جاتے ہیں اور حنیف رہو یعنی افراط و تفریط اس میں نہ ہو۔ اسی کو اگلے الفاظ فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا میں واضح کیا گویا بتایا کہ وہ دین فطرت اللہ ہے اور فطرت اللہ کیا ہے؟ التی فطر الناس علیھا وہ اصل حالت جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے اور بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ما من مولود الا یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ ۔ اور پھر ابو ہریرہؓ نے یہی آیت پڑھی، یعنی کوئی بچہ نہیں مگر وہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے (یعنی اصل حالت پر جو اسلام ہے) پھر اس کے والدین اسے یہودی بناتے ہیں یا عیسائی بناتے ہیں یا مجوسی بناتے ہیں۔ پس قرآن و حدیث صراحت کے ساتھ اسلام کو فطرت کا مذہب قرار دیتے ہیں یعنی وہ مذہب جس پر فطرت انسانی اپنی اصل حالت میں شہادت دیتی ہے۔ اور یہاں پہلے اس مذہب فطرت کے اصل الاصول یعنی توحید الٰہی کا ذکر کیا۔ یعنی یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی شریک کا نہ ہونا ہر اس انسان پر ظاہر ہے جو فکر و عقل سے کام لیتا یا علم رکھتا یا سنتا ہے اور آگے پھر توحید کا صاف الفاظ میں ذکر کر کے رکوع کے آخر میں مخلوق خدا کی خدمت کا ذکر کیا جو اس فطری مذہب کا دوسرا اصول ہے۔ فات ذا القربی حقہ ٭ لا تبدیل لخلق اللہ سے یہ مراد ہے کہ وہ اصل فطرت بہرحال قائم رہتی ہے اسے کوئی بدل نہیں سکتا۔ چنانچہ اس کی شہادت بھی سب مذاہب میں ملتی ہے کہ باوجود طرح طرح کے مشرکانہ عقاید کے بنا لینے کے توحید کو بھی قائم رکھا ہے عیسیٰ مسیح کو خدا بنا کر ایک عیسائی کی فطرت تبدیل نہیں ہوئی پھر بھی اسے خدا ایک ماننا پڑا گو اس کے لیے عقل انسانی کے خلاف تین کو ایک بھی کہنا پڑا اگر فطرت کی روشنی بجھی نہیں گو اس پر طرح طرح کے پردے ڈال دیئے گئے۔

نمبر۲۔ یہاں توحید کے عملی پہلو کو بیان کیا۔ یعنی صرف اللہ کو ایک مان لینا کافی نہیں بلکہ پھر اسی کی طرف رجوع کرنا بھی ضروری ہے۔ اور اس کا تقویٰ کرنا یعنی اس کے قائم کردہ حقوق کو ملحوظ رکھنا اور نماز جو اس کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کا واحد ذریعہ ہے اُسے قائم رکھنا ضروری ہے۔

نمبر۳۔ پچھلی آیت میں فرمایا تھا کہ مشرکوں میں سے نہ ہو یہاں انہی کے متعلق فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ان کا دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا یہ ہے کہ توحید الٰہی پر جو اصل الاصول تھا قائم نہ رہے بلکہ اس توحید کے ساتھ شرک کو ملا لیا کسی نے کسی کو اور کسی نے کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا اگر دین کے اصل الاصول پر قائم رہتے تو باہم یہ تفرقہ بھی نہ ہوتا لیکن حالت یہ ہو گئی کہ توحید کو جو اصل تھا پیچھے چھوڑا اور جو اس کے ساتھ شرک ملایا تھا اسے ہی مذہب کی اصل بنیاد سمجھ لیا۔ ایک عیسائی سارا زور حضرت مسیح کی خدائی پر لگاتا ہے اور توحید کو تین ایک کہہ کر برائے نام رکھا ہوا ہے ایک ہندو اپنے بتوں کو سب کچھ سمجھتا ہے اور انہی سے دعا کرتا ہے انہی کی عبادت کرتا ہے اور ایک اللہ کی ہستی برائے نام تسلیم کی ہوئی ہے۔

رَحۡمَةً اِذَا فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ بِرَبِّهِمۡ يُشۡرِكُوۡنَ ۝۳۳
رحمت چکھاتا ہے تو ان میں سے ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شریک بنانے لگتے ہیں۔

لِيَكۡفُرُوۡا بِمَاۤ اٰتَيۡنٰهُمۡ‌ؕ فَتَمَتَّعُوۡا فَسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ۝۳۴
تاکہ اس کی ناشکری کریں جو ہم نے انھیں دیا ہے سو فائدہ اٹھا لو پھر تم جلد جان لوگے۔

اَمۡ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوۡا بِهٖ يُشۡرِكُوۡنَ ۝۳۵
یا ہم نے ان پر کوئی سند اتاری ہے جو ان کو ان کا پتہ بتاتی ہے جنھیں وہ اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں[۱]

وَاِذَاۤ اَذَقۡنَا النَّاسَ رَحۡمَةً فَرِحُوۡا بِهَا‌ؕ وَاِنۡ تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ اِذَا هُمۡ يَقۡنَطُوۡنَ ۝۳۶
اور جب ہم لوگوں کو رحمت چکھاتے ہیں اس پر خوشی مناتے ہیں اور اگر انھیں اس کی وجہ سے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے مصیبت پہنچتی ہے تو وہ مایوس ہو جاتے ہیں۔

اَوَلَمۡ يَرَوۡا اَنَّ اللّٰهَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ‌ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ۝۳۷
کیا وہ غور نہیں کرتے کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کو فراخ کرتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کرتا ہے اس میں یقیناً ان لوگوں کے لیے نشان ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔

فَاٰتِ ذَا الۡقُرۡبٰى حَقَّهٗ وَالۡمِسۡكِيۡنَ وَابۡنَ السَّبِيۡلِ‌ؕ ذٰلِكَ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَ اللّٰهِ‌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝۳۸
سو قریبی کو اس کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو (بھی) یہ ان لوگوں کے لیے بہتر ہے جو اللہ (تعالیٰ) کی رضا چاہتے ہیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔

وَمَاۤ اٰتَيۡتُمۡ مِّنۡ رِّبًا لِّيَرۡبُوَا۟ فِىۡۤ اَمۡوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرۡبُوۡا عِنۡدَ اللّٰهِ‌ۚ وَمَاۤ اٰتَيۡتُمۡ مِّنۡ زَكٰوةٍ تُرِيۡدُوۡنَ وَجۡهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُضۡعِفُوۡنَ ۝۳۹
اور جو تم سود پر دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں جا کر بڑھتا رہے، تو وہ اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔ اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو (اس کے ساتھ) اللہ کی رضا چاہتے ہو تو یہی بڑھا لینے والے ہیں[۲]

نمبر۱۔ مطلب یہ ہے کہ فطرت انسانی کی اس روشنی کو وہ کیوں قبول نہیں کرتے کیا کوئی دلیل اللہ تعالیٰ نے ایسی اتاری ہے جس نے ان کے دلوں پر تسلط کر لیا ہے۔
نمبر۲۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کا اصول شروع سے یہی تھا کہ غربا کے لیے مال خرچ کیا جائے، نہ کہ ان کی تنگدستی سے فائدہ اٹھا کر اپنے

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ
يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ هَلْ مِنْ
شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ
ع مِّنْ شَيْءٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمھیں پیدا کیا پھر تمھیں رزق دیا۔ پھر تمھیں مارے گا، پھر تمھیں زندہ کرے گا۔ کیا تمھارے شریکوں میں سے کوئی ہے جو اس میں سے کچھ بھی کرتا ہے۔ وہ پاک ہے اور اس سے بلند ہے جو وہ شرک کرتے ہیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا
كَسَبَتْ اَيْدِی النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ
بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾

خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو گیا، اس سے جو لوگوں کے ہاتھوں نے کمایا تاکہ انھیں اس کا کچھ مزہ چکھائے جو انھوں نے کیا شاید وہ رجوع کریں [41]۔

قُلْ سِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ
كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ
كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّشْرِكِيْنَ ﴿۴۲﴾

کہہ زمین میں چلو پھرو، پھر دیکھو کہ ان کا جو پہلے تھے انجام کیسا ہوا۔ ان میں سے اکثر مشرک تھے۔

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ الْقَيِّمِ مِنْ
قَبْلِ اَنْ يَّاْتِیَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهٗ
مِنَ اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿۴۳﴾

سو اپنی توجہ کو قائم کر دینے والے دین کے لیے سیدھا کر اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس کے لیے اللہ کی طرف سے ٹلنا نہیں اس دن وہ الگ الگ ہو جائیں گے۔

مَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۚ وَمَنْ عَمِلَ
صَالِحًا فَلِاَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُوْنَ ﴿۴۴﴾

جو کفر کرتا ہے تو اس کا وبال (کفر) اسی پر ہے اور جو کوئی نیک عمل کرتا ہے تو وہ اپنی ہی جانوں کے لیے سامان کرتے ہیں۔

مال کو بڑھایا جائے۔ گو یہاں سُود کو حرام نہیں کیا مگر یہ بتایا ہے کہ ان دو چیزوں میں سے یعنی ایک طرف سُود جس کے ذریعہ سے انسان چاہتا ہے کہ تنگدست لوگوں سے کچھ وصول کر کے اپنے مال کو بڑھائے اور دوسری طرف زکوٰۃ جس سے وہ اپنے مال کا ایک حصہ تنگدستوں کو دیتا ہے اللہ تعالیٰ سُود کو ناپسند کرتا اور زکوٰۃ کو پسند کرتا ہے اور حقیقت میں مال غربا پر خرچ کرنے سے بڑھتا ہے نہ اُن کو اور زیادہ غریب بنانے سے۔ اور یہاں رِبا کے معنے حضرت ابن عباسؓ سے ایسا تحفہ یا عطیہ بھی مروی ہیں جس کے دینے میں غرض یہ ہو کہ اس سے بڑھ کر کچھ ملے جیسا عموماً ہمارے ملک میں بھی لوگ رواج کے طور پر ایک دوسرے کو دیتے ہیں اور نیت یہ ہوتی ہے کہ دوسرا انھیں اس سے بڑھ کر دے۔

[41] بحر کے معنے مدن البحر یا سمندر کے شہر بھی کیے گئے ہیں اور بحرۃ زمین اور شہر کو کہتے ہیں اور عرب کے لوگ شہروں اور گاؤں کو بحار کہتے ہیں۔ اور قتادہ کا قول ہے کہ بر سے مراد جنگل اور قبائل کے مواضع اور صحراؤں اور خیموں کے رہنے والے ہیں اور بحر سے مراد شہر ہیں۔

خواہ بر اور بحر سے مراد خشکی اور تری لیں یا دیہات اور شہر، ماحصل ایک ہے یعنی مراد اس سے کل عالم میں فساد کا ظاہر ہونا ہے اور بعض نے جو بحر کے فساد سے مراد جہازوں کشتیوں کا غصب یا فساد کیا ہے تو یہ بھی درست ہے۔ یعنی سمندر کے فساد سے مراد وہ فساد بھی ہو سکتا ہے جس کا ارتکاب سمندروں پر حکومت کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور فساد سے مراد یہاں خشک سالی، موت، آگ لگنا وغیرہ مصائب بھی لیے گئے ہیں اور ابن آدم کا اپنے بھائی کو قتل کرنا بھی۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۵﴾

تاکہ وہ انھیں جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں اپنے فضل سے بدلہ دے وہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَلِتَجْرِيَ الْفُلْكُ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور اس کے نشانوں سے ہے کہ وہ ہواؤں کو خوش خبری دیتے ہوئے بھیجتا ہے اور تاکہ وہ تمھیں اپنی رحمت چکھائے اور تاکہ کشتیاں اس کے حکم سے چلیں اور تاکہ تم اس کے فضل کو طلب کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَانْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا ؕ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور ہم نے تجھ سے پہلے رسولوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا پس وہ ان کے پاس کھلی دلائل لے کر آئے سو ہم نے ان کو سزا دی جو مجرم ہوئے، اور مومنوں کی مدد کرنا ہم پر لازم ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَيَبْسُطُهٗ فِي السَّمَآءِ كَيْفَ يَشَآءُ وَيَجْعَلُهٗ كِسَفًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ فَاِذَآ اَصَابَ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ ۚ

اللہ وہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے سو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں پھر وہ اسے جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلاتا ہے اور اسے تہ بتہ کر دیتا ہے پھر تو مینہ کو دیکھتا ہے کہ اس کے اندر سے نکلتا ہے سو جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے اسے پہنچاتا ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں۔

وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّنَزَّلَ

گو وہ اس سے پہلے جو ان پر اتارا جائے اس سے پہلے

ان الفاظ کی عظمت کے شایاں نہیں۔ قتادہ سے روایت ہے کہ یہ فساد قبل از بعثت نبوی تھا اور فساد سے مراد اس حالت میں شرک اور ہر ایک قسم کی بدی کا دور دورہ ہے اور تاریخ عالم اس پر شاہد ہے کہ تاریکی اور جہالت اور بدی نبی کریم صلعم کے ظہور سے پہلے اپنے کمال کو پہنچ گئی تھی۔ سر ولیم میور جیسے متعصب عیسائی کو یہ اقرار ہے کہ عیسائیت کی جو دنیا کا اس وقت کا آخری مذہب تھا اس وقت نہایت ذلیل حالت میں تھی۔ چنانچہ اس کے یہ لفظ ہیں" ساتویں صدی کی عیسائیت بہت ہی گری ہوئی اور فساد کی حالت میں تھی"۔ باقی مذاہب کا جن پر اس سے بھی زیادہ زمانہ گزر چکا تھا اسی سے قیاس ہو سکتا ہے۔ ہندوستان میں اس وقت جہالت کا اس قدر زور تھا کہ بڑے بڑے نیک آدمیوں اور دیوتاؤں کی طرف بدترین سیاہ کاریوں کا ارتکاب منسوب کیا جاتا تھا غرض تمام ممالک روشنی سے خالی ہو چکے تھے اور اس فسادِ عظیم کی طرف یہاں اشارہ ہے اور اس صورت میں لیذیقھم میں لام عاقبت کا ہے اور روح المعانی میں ہے کہ اس آیت کا حکم ہر اس فساد کے لیے عام ہے جو قیامت تک ظاہر ہو اس صورت میں جو فساداتِ عظیم آج عالم میں برپا ہو رہے ہیں ان کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔

عَلَيْهِمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمُبْلِسِيْنَ ﴿۴۹﴾
فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ
يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ
لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۵۰﴾
وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا رِيْحًا فَرَاَوْهُ مُصْفَرًّا
لَّظَلُّوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ يَكْفُرُوْنَ ﴿۵۱﴾
فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ
الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ ﴿۵۲﴾
وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِ الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ
اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا
فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۵۳﴾ ع
اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ

وہ بالکل مایوس تھے۔
سو اللہ کی رحمت کے آثار کی طرف دیکھ کس طرح زمین کو
اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے بیشک وہی مُردوں
کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے ۱؎
اور اگر ہم ہوا بھیجیں پھر وہ اسے زرد دیکھیں تو اس کے
بعد بھی کفر ہی کرتے رہیں ۲؎
پس تو مُردوں کو نہیں سُنا سکتا اور نہ بہروں کو آواز سُنا
سکتا ہے جب وہ پیٹھ پھیر کر واپس ہو جائیں ۳؎
اور نہ تو اندھوں کو ان کی گمراہی سے (روک کر) ہدایت دے
سکتا ہے تو صرف انہی کو سنا سکتا ہے جو ہماری آیتوں پر ایمان
لاتے ہیں سو وہ فرماں بردار ہیں۔
اللہ ہی وہ ہے جس نے تمہیں کمزوری (کی حالت) سے بنایا

نمبر۱- رکوع کی ابتداء زمین میں فساد کے ہونے سے کی تھی اور بدکاروں کے انجام کی طرف توجہ دلائی تھی، پھر ہواؤں اور بارشوں کا ذکر کر کے نہایت لطیف پیرایہ میں بیان آکر اصل مطلب کو واضح کر دیا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی رحمت ظاہر دنیا میں کام کر کے مُردہ زمین کو زندہ کر دیتی ہے اسی طرح اب یہ روحانی مُردے زندہ ہونگے اس سے بھی معلوم ہُوا کہ آیت ۴۱ میں فساد سے مراد روحانی مُردگی ہی ہے۔

نمبر۲- رَاَوْهُ میں ضمیر نبات کی طرف لی گئی ہے جو سیاق کا مفہوم ہے یعنی کوئی ایسی ہوا چلے جو نباتات کو زرد کر دے مگر ایک قول ہے کہ ضمیر سحاب کے لیے ہے۔ یعنی بادل کو زرد دیکھیں کیونکہ زرد بادل پانی نہیں برساتا۔ اور ایک اور قول ہے کہ ریح کو مذکر بھی لایا جاتا ہے اور مونث بھی اور یہاں ضمیر ریح کی طرف ہی ہے اور میرے نزدیک یہ آخری قول ہی صحیح ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار تو یوں نمایاں ہیں لیکن اُن کے انکار کی وجہ سے اگر عذاب کی ہوا بھی آئے تو بھی کفر سے باز نہ آئیں اور زرد ہَوا سے مراد یہاں عذاب کی ہوا ہی ہے اور یہ ان کے کفر پر اصرار کی حالت کا بیان ہے جیسا کہ اگلی آیت میں واضح کر دیا ہے۔

نمبر۳- یہاں ظاہر الفاظ کو لے کر سماع موتیٰ پر بھی بحث کی گئی ہے اور اس حدیث سے کہ بدر کے دن اہل قلیب کو پکار کر نبی صلعم نے فرمایا تھا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فھل وجدتم ما وعد ربکم حقا۔ اور حضرت عمرؓ کے سوال پر فرمایا کہ تم ان سے بہتر نہیں سنتے۔ اس بات کا استدلال کیا گیا ہے کہ مُردے سُنتے ہیں۔ حالانکہ ظاہر الفاظ کو لیں تو قرآن کریم صاف فرماتا ہے کہ مُردے نہیں سنتے اور اصولاً بھی یہ بات قبول کرنے کے قابل نہیں کہ مر کر انسان کے حواس ایسے ہو جاتے ہیں کہ کہیں کوئی زندہ دنیا میں کچھ بات کرے تو مُردہ اُسے سُن لیتا ہے۔ بات صرف اس قدر ہے کہ خاص حالات میں اللہ تعالیٰ کے اذن سے ایک بات مُردہ کو زندہ کی طرف سے پہنچا دی جاتی ہے اور یہی مطلب اہل قلیب والی حدیث کا ہے یعنی اس وقت وہ اس بات کو ایسا سُن رہے ہیں جیسا تم سُن رہے ہو۔ جیسا کہ قتادہ سے مروی ہے احیاھم اللہ حتی اسمعھم اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کر دیا یہاں تک کہ یہ بات اُن کو سُنا دی۔ اسی طرح اہل قبور کو السلام علیکم کہنا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ انہیں پہنچا دیتا ہے۔

جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ
جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَّشَيْبَةً ؕ
يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ ﴿٥٤﴾

پھر کمزوری کے بعد قوت دی، پھر قوت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا بنایا ۔ وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ جاننے والا قدرت والا ہے ۔[1]

وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ
مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا
يُؤْفَكُوْنَ ﴿٥٥﴾

اور جب وہ گھڑی آئے گی مجرم قسمیں کھائیں گے (کہ) وہ ایک گھڑی سے زیادہ نہیں ٹھیرے، اسی طرح اُلٹے پھر جاتے تھے ۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَالْاِيْمَانَ
لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ
الْبَعْثِ ۫ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلٰكِنَّكُمْ
كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٥٦﴾

اور وہ جنھیں علم اور ایمان دیا گیا ہے کہیں گے تم اللہ کے حکم کے مطابق جی اُٹھنے کے دن تک ٹھیرے رہے، سو یہ جی اُٹھنے کا دن ہے لیکن تم نہیں جانتے تھے ۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا
مَعْذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿٥٧﴾

پس اس دن اُنھیں جو ظالم تھے ان کا عذر کوئی نفع نہیں دے گا اور نہ انھیں ناراضگی دور کرنے کا موقع دیا جائیگا ۔

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ
مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ
لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ
اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ﴿٥٨﴾

اور ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں اور اگر تو ان کے پاس نشان لائے تو جو کافر ہیں وہ کہہ دیں گے کہ تم صرف دھوکا دینے والے ہو ۔

كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٥٩﴾

اسی طرح اللہ ان کے دلوں پر مُہر لگا دیتا ہے جو نہیں جانتے ۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ
الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ﴿٦٠﴾ ع

سو صبر کر، اللہ کا وعدہ سچا ہے اور وہ لوگ تجھے خفیف نہ کریں جو یقین نہیں کرتے ۔

نمبر۱۔ ضعف ۔ انسان کی ابتدائی حالت ایسی کمزوری کی ہے کہ اس پر خود لفظ ضعف بولا ہے ۔ نطفہ کی حالت میں تو ایسا کمزور رہے کہ وہ نظر بھی نہیں آتا پھر رحم میں، پھر بچہ ہونے کی حالت میں بھی کس قدر کمزور ہے اس میں توجہ انسان کی دوسری زندگی کی طرف دلائی ہے ۔

آیاتھا ۳۴ (۳۱) سُوْرَۃُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ ۵۷ رکوعاتھا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اللہ تو بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
الٓمّٓ ۞ ۱	مَیں اللہ کامل علم رکھنے والا ہوں۔
تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۞ ۲	یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔
هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ۞ ۳	احسان کرنے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔
الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۞ ۴	جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں۔
اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۞ ۵	وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی کامیاب ہونے والے ہیں۔
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۞ ۶	اور ایسے لوگ بھی ہیں جو کھیل کی باتوں کے خریدار ہیں تاکہ علم کے بغیر اللہ کی راہ سے گمراہ کریں، اور اُسے ہنسی بنائیں، انہی کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے ۲

نمبر۱۔ اس سورت کا نام لقمان ہے اور اس میں چار رکوع اور چونتیس آیتیں ہیں۔ اس سورت کے دوسرے رکوع میں حضرت لقمانؑ کا ذکر ہے جو حبش کے رہنے والے تھے اور بتانا یہ مقصود ہے کہ اعلےٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم جس سے قوموں کو فلاح ملتی ہے کسی ایک قوم سے خاص نہیں بلکہ ہر ملک اور ہر قوم میں وہ تعلیم اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص وحی سے پہنچائی اور یہاں بتایا ہے کہ فلاح کی بنیاد اخلاق فاضلہ پر ہے۔

نمبر۲۔ لہوالحدیث سے مراد ہر وہ بات ہے جو اصل مقصد سے توجہ کو ہٹاتی ہے حسن کہتے ہیں ہر چیز جو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے ذکر سے روکے جیسے کہانیاں، مخول بازی، خرافات، غناء، ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ کے نزدیک غناء یا اس قسم کی چیزیں مراد ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ نضر بن الحرث نے ایک گانے بجانے والی رنڈی رکھی ہوئی تھی۔ اور جس شخص کی نسبت اُسے معلوم ہوتا کہ اسلام کی طرف مائل ہے اسے اس کے پاس لے جاتا کہ اسے گانے بجانے میں مشغول رکھے اور بعض روایات میں ہے کہ وہ ایران سے کہانیاں سن کر آتا اور مجلس قریش میں اُنھیں سُنا کر کہتا کہ محمد صلعم تمھیں عاد و ثمود کی کہانیاں سُناتے ہیں میں رستم و اسفندیار کی کہانیاں سناتا ہوں اگر یہ کام اس زمانہ میں کفار کا تھا تو اس وقت مسلمانوں نے اختیار کیا ہوا ہے۔ کتنے مسلمان ہیں جن کی مجلسوں میں ہنسی ٹھٹھے میں گھنٹوں گزر جاتے ہیں مگر خدا کا نام تک نہیں لیا جاتا، نماز کے لیے وقت نہیں ملتا، قرآن کو کھول کر نہیں دیکھتے۔ آج جن لوگوں کے ہاتھ میں مسلمانوں کی باگ ہے جو لیڈر کہلاتے ہیں اُن کے سامنے نماز ہو رہی ہو تو ان کی ہنسی ٹھٹھے اور قہقہوں کی آواز میں ذرہ بھر فرق نہیں آتا اس میں شامل ہونا تو ایک طرف رہا۔

غنا کے متعلق بہت بحث ہوئی ہے امام ابو حنیفہؒ سے اس کی حرمت مروی ہے لیکن کسی شخص کا اکیلے دفع وحشت کے لیے گانا یا عید دن یا شادیوں میں گانے کے

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِیْۤ اُذُنَيْهِ وَقْرًا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝۷

اور جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تکبّر کرتا ہُوا پھر جاتا ہے گویا کہ انھیں سُنا ہی نہیں، گویا اس کے کانوں میں بوجھ ہے سو اسے دردناک عذاب کی خبر دیدے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتُ النَّعِيْمِ ۝۸

جو ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں، اُن کے لیے نعمتوں والے باغ ہیں۔

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۹

انھیں میں رہیں گے اللہ کا وعدہ ہے سچا (وعدہ) اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَاَلْقٰى فِى الْاَرْضِ رَوَاسِىَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ؕ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيْمٍ ۝۱۰

اس نے آسمانوں کو بغیر ایسے ستونوں کے پیدا کیا، جنھیں تم دیکھ سکو اور زمین میں پہاڑ قائم کیے تاکہ وہ تمھیں لیکر کانپے نہیں اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہم بادل سے پانی اتارتے ہیں پھر اس میں ہر قسم کی اعلیٰ درجہ کی چیزیں اگاتے ہیں۔

هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ فَاَرُوْنِىْ مَاذَا خَلَقَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ بَلِ الظّٰلِمُوْنَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۱ ع

یہ اللہ تعالیٰ کی پیدائش ہے، تو مجھے دکھاؤ کہ انھوں نے کیا پیدا کیا ہے جو اس کے سوائے ہیں بلکہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ

اور ہم نے لقمانؔ کو حکمت عطا کی کہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرے اور جو کوئی شکر کرتا ہے وہ اپنی جان کی بھلائی کے لیے شکر

متعلق اختلاف ہُوا ہے اور امام مالکؒ سے بھی مروی ہے کہ انھوں نے غنا اور اُس کے سننے سے منع کیا۔ امام شافعیؒ سے بھی منقول ہے کہ غنا لہو مکروہ ہے لیکن اس سے اس قسم کا گانا مستثنیٰ ہے جیسے عورتوں کا بچوں کو لوری دینا یا اعراب کی حُدی اونٹوں کو چلانے کے لیے یا جنگ میں کیونکہ اس میں ایک مقصد مدّنظر ہے اور بخاری میں حضرت عائشہ رضہ سے روایت ہے کہ نبی صلعم آپ پر داخل ہوئے اور آپ کے پاس دو لونڈیاں بعاث کے گیت گا رہی تھیں تو آپ منہ پھیر کر لیٹ گئے اور حضرت ابوبکرؓ آئے تو انھوں نے فرمایا کہ شیطان کی مزامر رسول اللہ کے گھر میں اور دوسری روایت میں ہے کہ یہ عید کا دن تھا اور آپ نے فرمایا کہ اے ابوبکرؓ ان کو چھوڑ دے ہر قوم کے لیے عید کا دن ہوتا ہے۔ تو اس سے سرور کے جائز موقعوں پر جیسے یوم عید یا شادی میں دف کے جواز کی طرح غنا کا جواز نکالا جا سکتا ہے اور ایسے غنا کی حرمت میں تو کوئی شبہ ہی نہیں جس میں فحش ہو یا شراب وغیرہ کی تعریف اور جو بعض مسلمانوں میں قوالی کا طریق مروّج ہے اُسے بھی اسی میں رکھا ہے کیونکہ اس میں مجنونوں کے سے فعال ہوتے ہیں جیسے ناچنا اور اُچھلنا اور روح المعانی میں ہے کہ یہ زندیقوں کے آثار میں سے ہے بلکہ یہ بھی کہ ایسا سماع ممنوع ہے گو اس میں رقص نہ ہو۔

وَ مَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾

کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو اللہ بے نیاز تعریف کیا گیا ہے [۱]

وَ اِذْ قَالَ لُقْمٰنُ لِابْنِهٖ وَ هُوَ يَعِظُهٗ يٰبُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ ؕ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۳﴾

اور جب لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا اور وہ اسے نصیحت کرتا تھا اے میرے بیٹے اللہ کے ساتھ شریک نہ کرنا کہ شرک یقیناً بڑا بھاری ظلم ہے۔

وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسٰنَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيْكَ ؕ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۱۴﴾

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے حق میں تاکیدی حکم دیا ہے اس کی ماں ضعف پر ضعف کی حالت میں اسے اٹھاتی ہے اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہوتا ہے کہ میرا شکر کر اور اپنے ماں باپ کا بھی۔ میری طرف انجام کار آنا ہے۔

وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۙ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا ۫ وَّ اتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

اور اگر وہ تجھ پر زور دیں کہ تو میرے ساتھ اسے شریک کرے جس کا تجھے علم نہیں، تو ان کی بات نہ مان اور دنیا میں ان کا اچھی طرح ساتھ دے اور اس کے رستہ کی پیروی کر جو میری طرف رجوع کرتا ہے پھر میری طرف تمہارا لوٹ کر آنا ہے سو میں تمہیں بتاؤں گا جو تم عمل کرتے تھے۔

يٰبُنَيَّ اِنَّهَاۤ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۶﴾

اے میرے بیٹے! اگر وہ (عمل) رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا آسمانوں میں ہو یا زمین میں اللہ اسے لائے گا اللہ باریکیوں سے واقف خبردار ہے [۲]

نمبر۱- لقمان۔ بظاہر عجمی نام ہے گو اہل لغت نے اس کا اشتقاق لقم سے صحیح تسلیم کیا ہے اور گو بعض لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے کہ لقمان کون تھے مگر ترجیح اس قول کو ہے جو مجاہد ابن عباسؓ وغیرہم سے مروی ہے کہ یہ حبشی تھے اور نوبیہ یا مصر کے رہنے والے تھے پھر اس بارہ میں اختلاف ہوا ہے کہ وہ نبی تھے یا انہیں صرف علم و حکمت عطا ہوا تھا۔ میرے نزدیک یہ قول صحیح نہیں کہ وہ نبی نہ تھے کیونکہ قرآن کریم کے بیان کی غرض یہی ہے کہ وحی الٰہی ہی اصل سرچشمہ اس علم و حکمت کا ہے جو اخلاق سے تعلق رکھتے ہیں اور بالخصوص شرک کے خلاف زور دینے والی ایک ہی قوم ہوئی ہے یعنی انبیاء علیہم السلام۔ اور اَنْ قول کی تفسیر ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس طرح احکام دینا انبیاء سے ہی خاص ہے اور یہاں یہ بتایا ہے کہ شکر گزاری سے انسان خود فائدہ اٹھاتا ہے اور ناشکری سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑتا اسے ضرورت نہیں کہ کوئی اس کا شکر گزار ہو۔

نمبر۲- انہا میں ضمیر ما کنتم تعملون سے جو عمل مفہوم ہوتا ہے اس کی طرف جاتی ہے اور صخرۃ یا پتھر میں ہونا اس لحاظ سے ہے کہ اس میں صلابت

يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَآ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۷﴾

اے میرے بیٹے نماز کو قائم کر اور نیکی کا حکم دے، اور برائی سے روک اور جو تکلیف تجھے پہنچے اس پر صبر کر یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۸﴾

اور لوگوں سے بے رُخی نہ کر[۱] اور نہ زمین میں اکڑتا ہُوا چل۔ اللہ تعالیٰ کسی خودپسند شیخی خورہ کو پسند نہیں کرتا۔

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ؕ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ﴿۱۹﴾

اور اپنی چال میں میانہ روی اختیار کر اور اپنی آواز کو نیچا رکھ۔ سب آوازوں سے بُری گدھے کی آواز ہے[۲]۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ﴿۲۰﴾

کیا تم غور نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتوں کو پورا کیا ہے اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو اللہ کے بارے میں جھگڑتا ہے (حالانکہ) نہ اس کے پاس علم ہے اور نہ ہدایت اور نہ روشن کرنے والی کتاب[۳]۔

یعنی سختی ہے اور آسمان میں ہونا بلندی کے لحاظ سے ہے اور زمین میں ہونا تاریکی کے لحاظ سے ہے۔

نمبر۱۔ تُصَعِّرْ۔ صعر منہ کا ایک طرف جھکانا ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ رخسار کے ایک طرف جھکانے سے مخصوص ہے اور خد رخسار اور بعض کے نزدیک گردن کے میلان پر بولا جاتا ہے اور صعر کے معنی تکبر کے بھی ہیں اور متکبر کو کہا جاتا ہے فیہ صعر اور حدیث میں صعار بمعنی متکبر ہے اور لا تصعر خدک کے معنی ہیں تکبر سے اعراض نہ کر۔

نمبر۲۔ چلنے میں قصد یا میانہ روی سے یہ مراد نہیں کہ انسان اچھے تیز قدم سے نہ چلے۔ حضرت عائشہ رض کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ لاغری سے موت کے قریب پہنچا ہوا تھا۔ آپ نے پوچھا اسے کیا ہوا ہے لوگوں نے کہا یہ قاریوں میں سے ہے۔ آپ نے فرمایا عمرؓ سید القراء تھے اور جب چلتے تھے تیز چلتے تھے اور نبی کریم صلعم کی صفت میں ہے کہ جب آپ چلتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اوپر سے نیچے کی طرف آ رہے ہیں۔ یعنی تیز چلتے تھے اور مجاہد نے قصد فی المشی سے مراد متواضعانہ چال لی ہے۔

عیسائیت کو مسیح کی تعلیم پر فخر ہے لیکن قرآن کریم نے ایک حبشی نبی کے ذکر میں اُن اعلیٰ درجہ کے اصول کو بیان کر کے جو مسیح کی تعلیم کا نچوڑ بلکہ اس سے کچھ بڑھ کر ہیں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم سے بخل نہیں کیا بلکہ سب قوموں کو اعلیٰ درجہ کی اخلاقی تعلیم عطا فرمائی اور جس بات پر یورپ کے سفید منہ والوں کو فخر ہے وہی تعلیم حبش کے ایک سیاہ فام کو بھی اللہ تعالیٰ نے دی پس اختلافِ الوان اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

نمبر۳۔ ظاہری نعمتیں وہ ہیں جو انسان کی جسمانی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں اور باطنی وہ ہیں جو اخلاق اور روحانیت سے تعلق رکھتی ہے اور ظاہری نعمتوں کا

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوْهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۲۱﴾

اور جب انھیں کہا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کرو جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے کہتے ہیں بلکہ ہم اس کی پیروی کرتے ہیں جس پر ہم نے باپ دادوں کو پایا اور کیا اگرچہ شیطان انھیں جلتی ہوئی آگ کے عذاب کی طرف بلا رہا ہو۔

وَ مَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۲۲﴾

اور جو شخص اپنے تئیں اللہ کی فرمانبرداری میں لگا دیتا ہے اور وہ احسان کرنے والا ہے تو اس نے ایک محکم جائے گرفت کو مضبوط پکڑ لیا اور (سب) کاموں کا انجام اللہ کے اختیار میں ہے۔

وَ مَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنْكَ كُفْرُهٗ ؕ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۳﴾

اور جو کوئی کفر کرتا ہے تو اس کا کفر تجھے غمگین نہ کرے، ہماری طرف انھیں لوٹ کر آنا ہے سو ہم انھیں بتائیں گے جو انھوں نے کیا۔ اللہ تعالیٰ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔

نُمَتِّعُهُمْ قَلِيْلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ اِلٰى عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۲۴﴾

ہم انھیں تھوڑا سامان دیں گے پھر ہم انھیں سخت عذاب کی طرف کھینچ لے جائیں گے۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور اگر تو ان سے پوچھے کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تو کہیں گے اللہ تعالیٰ نے۔ کہہ سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۶﴾

اللہ کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اللہ بے نیاز تعریف کیا گیا ہے۔

وَ لَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ

اور اگر جو درخت زمین میں ہیں سب قلمیں بن جائیں، اور سمندر سیاہی ہو۔ اس کے بعد سات سمندر اور ہوں تو

ذکر صراحت سے سخر لکم ما فی السمٰوات وما فی الارض میں کر کے توجہ دلائی ہے۔ کہ باطنی نعمتوں کی تکمیل بھی بغیر اس کے نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا سامان ہو اور اسی سامان کا ذکر آگے ہدایت اور کتاب منیر میں ہے۔

نمبر ا۔ یعنی ان باتوں میں بھی باپ دادا کا اتباع نہیں چھوڑتے جن کا کھلا نتیجہ دکھ اور تکلیف ہے۔ کتاب منیر کے ذکر کے بعد اس مضمون کے لانے سے یہ منشا ہے کہ نعمائے باطنی میں لوگ دلائل کی پیروی نہیں کرتے جن کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحی توجہ دلاتی ہے بلکہ اندھا دھند تقلید میں لگے چلتے ہیں۔

سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۷

اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے[1]۔

مَا خَلْقُكُمْ وَ لَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝۲۸

تمھارا پیدا کرنا اور تمھارا دوبارہ اٹھانا ایک ہی جان کی طرح ہے اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِى النَّهَارِ وَ يُوْلِجُ النَّهَارَ فِى الَّيْلِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ۫ كُلٌّ يَّجْرِىْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۲۹

کیا تو غور نہیں کرتا کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام پر لگا رکھا ہے، ہر ایک مقرر وقت تک چلتا ہے اور جو تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ اَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِىُّ الْكَبِيْرُ ۝۳۰

یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور کہ جس کو اس کے سوائے پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور کہ اللہ بہت بلند بہت بڑا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۳۱

کیا تو غور نہیں کرتا کہ کشتیاں سمندر میں اللہ کی نعمت لے کر چلتی ہیں تاکہ وہ تمھیں اپنے نشانوں سے دکھائے اس میں یقیناً ہر ایک صبر کرنیوالے شکر کرنیوالے کے لیے نشان ہیں[2]

وَ اِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ

اور جب انھیں لہر سائبانوں کی طرح ڈھانک لیتی ہے اللہ کو اسی کی بندگی کو خالص کرتے ہوئے پکارتے ہیں پھر جب انھیں خشکی پر بچا لاتا ہے تو ان میں سے بعض میانہ روی اختیار کرنیوالے ہوتے ہیں اور ہماری آیتوں کا

نمبر۱۔ اس آیت کا مضمون الکہف ۱۰۹ کے مضمون سے مشابہ ہے اور بتایا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمات یا اس کی مخلوق وہی نہیں جو تم دیکھتے ہو بلکہ اسے اتنی وسعت حاصل ہے کہ کل زمین کے درختوں کی اگر قلمیں بنا دی جائیں اور سمندر سیاہی بن جائیں بلکہ ایسے ہی اور بھی بے شمار سمندر (سبعۃ کا استعمال عدد کامل کے طور پر ہے) سیاہی بن جائیں تو وہ مخلوق احاطۂ شمار میں نہیں آسکتی اور اس میں توجہ اللہ تعالیٰ کی کمال عظمت کی طرف دلائی ہے۔

نمبر۲۔ نعمۃ سے مراد یہاں احسان ہے اور مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایسے اسباب پیدا کیے ہیں جن سے کشتیاں چلتی ہیں اور یا مراد یہ ہے کہ کشتیاں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو لیے ہوئے چلتی ہیں اور نشانوں کا صبر کرنے والوں اور شکر کرنے والوں کے لیے ہونا اس لحاظ سے ہے کہ ان ذرائع سے نعمتوں کو وہی حاصل کر سکتے ہیں جو مصائب کو برداشت کرتے ہیں اور پھر وہ نعمتیں انہی کے پاس رہتی ہیں جو ان پر شکر کرتے ہیں اور یا اشارہ اس طرف ہے کہ ایک قوم جو اس وقت صبر سے کام لے رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر کرتی ہے اسے ایک دن سمندروں کا مالک بنایا جائے گا۔

وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۲﴾

سوائے ہر دغاباز ناشکر گزار کے اور کوئی انکار نہیں کرتا[1]

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَاخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ ۫ وَلَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا ۭ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۫ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴿۳۳﴾

اے لوگو اپنے رب کا تقویٰ کرو اور اس دن سے ڈرو جس دن باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام نہیں آئے گا اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آسکے گا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے۔ سو دنیا کی زندگی تمھیں دھوکا نہ دے۔ اور نہ بڑا دھوکا دینے والا اللہ کے بارے میں تمھیں کچھ دھوکا دے۔

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ ۚ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ ۚ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۭ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۳۴﴾

اللہ وہ ہے کہ اسی کے پاس قیامت کا علم ہے اور وہ مینہ برساتا ہے اور جو کچھ رحموں میں ہے اسے جانتا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کل کیا کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کس زمین میں مرے گا۔ اللہ (تعالیٰ) جاننے والا خبردار ہے[2]

نمبر۱۔ خَتَّارٍ ختر۔ ایسا غدر ہے جس میں زور لگانے کی وجہ سے انسان کمزور ہو جائے یا فریب دہی یا بہت بری قسم کی غداری۔ بعض کی میانہ روی اور بعض کی بدعہدی کے ذکر میں یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان جب بھی ان نعمتوں کی جو انھیں دی جائیں ناشکری کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آجائیں گے۔

نمبر۲۔ بخاری میں ایک لمبی حدیث میں جس میں ایمان اور اسلام اور احسان کے متعلق سوال ہے یہ بھی ہے کہ آخر پر اس شخص نے آنحضرت صلعم سے پوچھا متی الساعة یعنی وہ گھڑی یا قیامت کب ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس کے متعلق مسئول کا علم سائل سے زیادہ نہیں اور پھر آپ نے فرمایا یہ ان پانچ باتوں میں سے ایک ہے جنھیں سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا اور پھر یہ آیت پڑھی اور بخاری میں ہی ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا غیب کے خزانے پانچ ہیں تب یہ آیت پڑھی اور بعض روایات میں ہے کہ ان پانچ باتوں کا علم نبی صلعم کو نہیں دیا گیا۔ یہ تو صحیح ہے لیکن یہ سوال ہوتا ہے کہ ان پانچ باتوں کو اکٹھا لانے کی کیا وجہ ہے کیونکہ غیب کی اور بھی بے شمار باتیں ہیں جن کا علم نہ آنحضرت صلعم کو دیا گیا نہ اور کسی کو دیا جاتا ہے اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایک رنگ میں یہ پانچوں باتیں حق کی کامیابی اور مخالفت کی ناکامی سے تعلق رکھتی ہیں۔ الساعة سے مراد ساعت دسطیٰ لیکر مخالفین حق کی تباہی کا وقت مراد ہو سکتا ہے۔ بارش کے نازل کرنے میں عرب کی مردہ زمین کے زندہ کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ بار بار بارش کا ذکر کرکے یہ بتایا بھی گیا ہے کہ جس طرح مردہ زمین کو زندہ کیا جاتا ہے اسی طرح تمھیں زندہ کیا جائے گا۔ ارحام میں جو ہیں وہ آئندہ نسل ہے جنھیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے یعنی انہی کفار کی اولاد کے مسلمان ہو جانے کی طرف اشارہ ہے۔ اور کل کیا کرے گا میں یہ اشارہ ہے کہ جو آج حق کی مخالفت کر رہے ہیں وہی کل کو اس کے حامی بن جائیں گے اور کس زمین میں مرے گا میں یہ اشارہ ہے کہ یہ لوگ پیغام حق کو لے کر کہیں کے کہیں نکل جائیں گے۔ اس میں ایک اور لطیف اشارہ بھی ہو سکتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ سے جب قیامت کے متعلق دریافت کیا گیا تو انھوں نے یہ جواب دیا کہ اس کا علم کسی کو نہیں دیا گیا حتیٰ کہ بیٹے کو بھی نہیں۔ پس معلوم ہوا بیٹا بھی انسانوں میں سے ایک انسان ہے نہ خدا۔

سُوْرَۃُ السَّجْدَۃِ مَکِّیَّۃٌ (۳۲)

آیاتہا ۳۰ — رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○ — اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

الٓمّٓ ① — میں اللہ کامل علم رکھنے والا ہوں۔

تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْہِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ② — اس کتاب کا اُتارنا اس میں کچھ شک نہیں جہانوں کے رب کی طرف سے ہے۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىہُ ۚ بَلْ ہُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىہُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِکَ لَعَلَّہُمْ یَہْتَدُوْنَ ③ — کیا یہ کہتے ہیں اس نے خود اسے بنالیا ہے بلکہ وہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تاکہ تو اس قوم کو ڈرائے جن کے پاس تجھ سے پہلے کوئی ڈرانیوالا نہیں آیا تاکہ وہ ہدایت پائیں۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَہُمَا فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ مَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِہٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا شَفِیْعٍ ؕ اَفَلَا تَتَذَکَّرُوْنَ ④ — اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ وقتوں میں پیدا کیا پھر وہ عرش پر غالب ہے اس کے سوائے تمہارا کوئی کارساز نہیں اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا ہے تو کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے۔

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ ثُمَّ یَعْرُجُ اِلَیْہِ فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗۤ اَلْفَ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ⑤ — وہ اس امر کی تدبیر آسمان سے زمین کی طرف کرتا ہے۔ پھر وہ اس کی طرف چڑھ جائے گا ایک دن میں جس کا اندازہ ایک ہزار سال ہے اس سے جو تم گنتے ہو۔[۲]

نمبر۱۔ اس سورت کا نام السجدۃ ہے اور اس میں تین رکوع اور تیس آیات ہیں۔ اس نام میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کی فلاح اور کامیابی قرآن کریم کی کامل فرمانبرداری سے وابستہ ہے اور یہی سورت کا مضمون ہے۔ یہ الٓمّٓ کے کی مجموعہ کی آخری سورت ہے اور اس میں اسلام کے غلبا در استحکام کے ذکر کے ساتھ یہ بھی بتایا ہے کہ ایک وقت اس کی ترقی میں رکاوٹ کا بھی ہوگا مگر وہ ایک محدود زمانہ ہے اس میں گویا اس کی آخری کامیابی کی بشارت بھی ہے اور یہ [illegible] مکی سورت ہے اور اس زمانہ کی ہے جس زمانہ کی اس مجموعہ کی باقی سورتیں ہیں۔

نمبر۲۔ بعض نے یہاں الامر سے مراد وحی یا شریعت کا نزول لیا ہے اس میں شک نہیں کہ الامر سے مراد وحی یا شریعت اسلام یا امر اسلام ہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا اس کی تدبیر فرمانا اس کو دنیا میں محکم اور مضبوط کرنا ہے جیسا کہ تدبیر کے معنی سے ظاہر ہے اور اگلی آیت کے الفاظ عالم الغیب والشھادۃ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یعرج الیہ میں کسی علم غیب کا اظہار ہے اور یہ پیشگوئی کے رنگ میں ہوتا ہے پس یہاں امر اسلام کے متعلق پیشگوئی ہے اور ظاہر ہے کہ تدبیر یعنی اتقان کے مقابل پر اس کا کمزور ہونا یا اس کی ترقی کا رک جانا ہے جسے یہاں یعرج الیہ سے ظاہر کیا ہے اور حدیث صحیح میں ہے کہ میرے بعد تین قرن اعلیٰ درجہ کے ہیں

ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝٦

وہ غیب اور موجود کا جاننے والا ہے ، غالب رحم کرنے والا -

الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝٧

جس نے ہر چیز کو جو اس نے پیدا کی اچھا بنایا اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا[1]

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝٨

پھر اس کی نسل ایک نچوڑ سے ٹھیرائی (جو) کمزور پانی میں (آ جاتا ہے)

ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝٩

پھر اسے ٹھیک بنایا اور اپنی روح اس میں پھونکی اور تمھارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے ، بہت ہی کم تم شکر کرتے ہو[2]

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ڛ بَلْ هُمْ بِلِقَاۗئِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ ۝١٠

اور کہتے ہیں کیا جب ہم زمین میں گم ہو جائیں گے ، کیا پھر ہم نئی پیدائش میں (زندہ) ہوں گے ، بلکہ وہ اپنے رب کی ملاقات کا انکار کرنے والے ہیں۔

قُلْ يَتَوَفّٰىكُمْ مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ

کہہ موت کا فرشتہ تمھاری روح قبض کرتا ہے جو تم پر

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم۔ اور قرن کی سب سے بڑی میعاد ایک سو سال مانی گئی ہے دیکھو نہایہ اور خود نبی کریم صلعم نے اپنے قرن کو ایک سو سال قرار دیا جب فرمایا کہ ایک سو سال میں وہ کل لوگ جو اس وقت زندہ ہیں مرجائیں گے اور ایک حدیث میں یہ ہے کہ آپ نے ایک لڑکے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا عش قرناً تو وہ ایک سو سال زندہ رہا پس وہ تین قرن جنھیں حدیث اسلام کی مضبوطی کا زمانہ قرار دیتی ہے تین سو سال ہیں اور یہی زمانہ یدبر الامر کا ہے اور اسی حدیث میں آتا ہے کہ اس کے بعد کذب وغیرہ ظاہر ہو جائے گا یعنی مسلمان اس اعلیٰ حالت سے گر جائیں گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ اسلام کی ترقی رُک جائے گی اور ایک ہزار سال کا محدود زمانہ اس روک کے لیے معین فرما کر یہ بتا دیا کہ اس کے بعد پھر امر اسلام ترقی کرے گا اور اگر یہ مراد ہوتی کہ پھر حالتِ تنزل ہی رہے گی تو ہزار سال کی قید نہ لگائی جاتی اور آیت ۹ میں قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے کہ انسانوں کی ناشکر گزاری ہی اس روک کا باعث ہے۔ یہ چونکہ اس مجموعہ الٓمٓ کی جس میں اسلام کی کامیابیوں کا ذکر ہے آخری سورت ہے اس لیے اس میں کامیابی کی خوشخبری کے ساتھ ترقی کی روک کی میعاد کا ذکر بھی کر دیا ہے۔

نمبر۱۔ ہر چیز کو خوبصورت بنایا اور اس کا حسن اسی لحاظ سے ہے کہ وہ اقتضائے حکمت کے مطابق بنی ہے اور انسان کو سب سے خوبصورت بنایا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ (التین ۹۵-۴) گویا وہ بہترین استعداد اور بہترین قویٰ کو لے کر آیا ہے اور مٹی سے پیدائش ہر انسان کی شروع ہوتی ہے۔

نمبر۲۔ سَوّٰىهُ یعنی حالتِ اعتدال پر بنایا اور اس کے بعد اپنی روح نفخ کی۔ یہاں بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی روح ہر انسان میں نفخ ہوتی ہے۔ روح حیوانی تو حیوان و انسان میں مشترک ہے پس وہ مراد نہیں ہو سکتی ورنہ انسان کا ذکر الگ کر کے اس کا ذکر نہ کیا جاتا۔ پس یہ روح وہ چیز ہے جو انسان کو دیگر حیوانات سے ممتاز کرتی ہے یعنی نفس ناطقہ یا تمیز اور شکر کی صفت جس کی طرف آیت کے آخر میں توجہ دلائی ہے اسی سے پیدا ہوتی ہے۔ دوسری مخلوقات کو نہیں کہا کہ وہ شکر کرتے ہیں یا نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی طرف روح کی اضافت بلحاظ تشریف کے ہے جیسے بیت اللہ ، ناقۃ اللہ ہیں۔ عیسائیوں کو فخر ہے کہ حضرت عیسیٰ کو روح من اللہ کہا ہے ،

ع وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ﴿١١﴾
وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ
عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا
فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ﴿١٢﴾
وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا
وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ
جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٣﴾
فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا
إِنَّا نَسِينَاكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ
بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾
إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا
بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ
السجدة وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿١٥﴾
تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ
رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ

مقرر کیا گیا ہے، پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاتے ہو۔
اور اگر تو دیکھے جب مجرم اپنے رب کے سامنے سر جھکائے
ہوئے ہوں گے، ہمارے رب ہم نے دیکھ لیا اور سُن لیا سو
ہمیں واپس بھیج ہم اچھے عمل کریں گے (اب) ہمیں یقین آگیا۔
اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو اس کی ہدایت دے دیتے لیکن
میری طرف سے بات سچی ہوئی، میں ضرور دوزخ کو
جنّوں اور انسانوں سب سے بھر دوں گا ١۔
سو چکھو اس لیے کہ تم اس دن کی ملاقات کو بھولے رہے۔
ہم نے بھی تمہیں بھلا دیا اور دیرپا عذاب چکھو، اس کے
عوض جو تم کرتے تھے۔
ہماری آیتوں پر صرف وہی ایمان لاتے ہیں کہ جب انھیں
ان سے نصیحت کی جاتی ہے وہ سجدہ کرتے ہوئے گر جاتے ہیں
اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور وہ تکبّر نہیں کرتے ٢۔
ان کے پہلو بستروں سے الگ ہو جاتے ہیں، وہ اپنے رب
کو ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے پکارتے ہیں ٣۔ اور

یہاں ہر انسان میں اللہ کی روح کے نفخ کا ذکر ہے۔

نمبر ١۔ وہ قول کیا ہے، دوسری جگہ شیطان کہتا ہے لاغوینھم اجمعین الا عبادك منھم المخلصین (الحجر ١٥۔ ٣٩-٤٠) جس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فالحق والحق اقول لاملئن جھنم منك وممن تبعك منھم اجمعین (صٓ ٣٨۔ ٨٤ و ٨٥) پس اللہ تعالیٰ کا قول جو واقع ہوا وہ یہ تھا کہ شیاطین اور ان کے پیرو جہنم میں جائیں گے اور لو شئنا میں بتایا کہ اگر ہماری مشیت ایسی ہوتی کہ انسان کو پیدا ہی ایسا کرتے کہ وہ ہمارے حکم کی مخالفت نہ کر سکتا اور ایک راہ اختیار کرنے پر مجبور ہوتا جیسا دوسری مخلوق مجبور ہے تو ہم ایسا بھی کر سکتے تھے۔

نمبر ٢۔ یہاں بتایا کہ منہ سے اپنے آپ کو مومن کہہ دینا کافی نہیں جب تک کہ احکام الٰہی کی کامل فرمانبرداری اور ان احکام کے آگے پورا سر جھکا دینا نہ ہو، آج اسی بات کو مد نظر نہ رکھنے سے مسلمان اپنے مصائب کی صحیح وجہ کو معلوم نہیں کر سکتے۔

نمبر ٣۔ یہ نیند کے ترک کرنے سے کنایہ ہے اور احمد اور ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی صلعم نے صلوٰۃ الرجل فی جوف اللیل یعنی رات کے درمیان میں نماز کا ذکر کر کے یہ آیت پڑھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد نماز تہجد ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ تہجد کی نماز میں ہی انسان کو بستر سے الگ ہونا یا نیند کو ترک کرنا پڑتا ہے اور یہ گویا اخفاء میں نماز ہے اس لیے اس کے اجر کے ذکر میں فرمایا ما اخفی لھم من قرۃ اعین۔ (١٩)

يُنْفِقُوْنَ ۝١٦

اس سے جو ہم نے انھیں دیا ہے خرچ کرتے ہیں۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝١٧

پس کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے لیے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے اس کا بدلہ جو وہ کرتے تھے ۱۔

اَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ ۝١٨

تو کیا وہ جو مومن ہے اس کی طرح ہو سکتا ہے جو نافرمان ہے وہ برابر نہیں ہو سکتے۔

اَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ جَنّٰتُ الْمَاْوٰى ۡ نُزُلًۢا بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝١٩

وہ جو ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں تو ان کا ٹھکانا باغ ہیں ریہ ان کی مہمانی ہے، اس کا بدلہ جو وہ کرتے تھے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا فَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَقِيْلَ لَهُمْ ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ۝٢٠

اور جو نافرمان ہیں تو ان کا ٹھکانا آگ ہے، جب کبھی چاہیں گے کہ اس سے نکل جائیں، اس میں لوٹا دیئے جائیں گے اور انھیں کہا جائے گا آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلاتے تھے۔

وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝٢١

اور ضرور ہم انھیں نزدیک کا عذاب بڑے عذاب سے پہلے چکھائیں گے تاکہ وہ رجوع کریں ۲۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جسے اپنے رب کی آیتوں

نمبر ۱۔ بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا یقول اللہ اعددت لعبادی الصالحین مالاعین رأت ولا اُذن سمعت ولاخطر علی قلب بشر یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے صالح بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی انسان کے دل پر گزرا اور تب آپ نے یہ آیت پڑھی فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین اور ابن جریر کی ایک روایت میں ہے مالم تسمعہ ملک مقرب یعنی وہ ایسی نعمتیں ہیں کہ کسی مقرب فرشتہ نے بھی انھیں نہیں سنا۔ پس جنت اور اس کی نعماء کے متعلق یہ حدیث اور آیت فیصلہ کن ہیں کہ وہ اور رنگ کی نعمتیں ہیں اور اس دنیا کی نعمتوں پر ان کا قیاس کرنا صحیح نہیں اس لیے کہ قیاس میں تو وہی چیز آئے گی جو دل میں گزرے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ کسی بشر کے دل پر بھی نہیں گزریں۔

نمبر ۲۔ العذاب الادنیٰ سے مراد بعض نے یوم بدر اور بعض نے قتل و جوع۔ بعض نے مصائب دنیا لی ہیں اور اصل یہی ہے کہ اس سے مراد دنیا میں عذاب کا آنا ہے اور العذاب الاکبر سے مراد اکثر نے عذاب آخرت لیا ہے اور بعض نے قتل و اسر۔ ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں عذاب دنیوی ہی ہوں ایک چھوٹے چھوٹے عذاب اور ایک وہ عذاب جس نے ان کی قوت کا استیصال کلی کر دیا مگر عذاب ادنیٰ سے مراد عذاب دنیا اور عذاب اکبر سے مراد عذاب آخرت زیادہ قرین قیاس ہے گویا دو عذابوں کا اکٹھا وعدہ دیا ایک اس دنیا کا عذاب دوسرا آخرت کا۔ دنیا کے عذاب نے ان پر قطعی طور ثابت کر دیا کہ دوسرا وعدہ بھی سچا ہے۔

ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ
مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

کے ساتھ نصیحت کی جائے پھر وہ ان سے منہ پھیر لے، ہم مجرموں کو سزا دینے والے ہیں۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ
فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى
لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۲۳﴾

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی سو تو اس کے ملنے سے شک میں نہ رہ[1]، اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت بنایا۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا
لَمَّا صَبَرُوْا ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور ان میں سے ہم نے امام بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے جب انھوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۲۵﴾

تیرا رب ہی قیامت کے دن ان میں ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ
مِّنَ الْقُرُوْنِ يَمْشُوْنَ فِيْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ ؕ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۶﴾

کیا اُن کے لیے یہ واضح نہیں ہوا کہ اس سے پہلے ہم نے کتنی نسلوں کو ہلاک کیا۔ جن کے گھروں میں یہ چلتے پھرتے ہیں یقیناً اس میں نشان ہیں تو کیا وہ سنتے نہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَسُوْقُ الْمَآءَ اِلَى
الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهٖ زَرْعًا
تَاْكُلُ مِنْهُ اَنْعَامُهُمْ وَاَنْفُسُهُمْ ؕ
اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور کیا وہ غور نہیں کرتے کہ ہم پانی کو سبزی سے خالی زمین کی طرف چلاتے ہیں، پھر اس کے ساتھ کھیتی نکالتے ہیں جس سے ان کے چارپائے اور وہ خود کھاتے ہیں۔ تو کیا دیکھتے نہیں[2]۔

نمبر۱۔ لقائہ میں ضمیر بعض نے جنس کتاب کی طرف لی ہے یعنی تجھے بھی کتاب مل کر رہے گی اور بعض نے موسیٰؑ کی طرف اور مراد اس سے لیلۃ المعراج کی ملاقات کو لیا ہے۔ اصل میں یہاں خطاب عام ہے یعنی ہر مخاطب کو کہا ہے نہ نبی صلعم کو کہ اس کے لقاء میں شک نہ کرو اور لقاء ایک ہی ہے جس کا ذکر قرآن شریف میں آتا ہے اور اس کا ذکر یہاں بھی پیچھے آچکا ہے بل ھم بلقائ ربھم کفرون[10] یعنی لقاء اللہ۔ پس یہاں بھی حضرت موسیٰؑ کو کتاب دینے کا ذکر کر کے جملہ معترضہ کے طور پر بیان فرمایا کہ جن باتوں میں تمھیں استبعاد معلوم ہوتا ہے وقالوا ءاذا ضللنا فی الارض ءانا لفی خلق جدید[10] یعنی حیات بعد الموت وہی موسیٰؑ کی تعلیم بھی تھی پس تم لقاء اللہ میں شک نہ کرو۔

نمبر۲۔ یوں تو یہ اللہ تعالیٰ کا عام قانون ہے مگر یہاں خاص اشارہ عرب کی بنجر زمین کی طرف ہے جو کسی اثر کو قبول نہ کرتی تھی۔ تو فرمایا کہ ہم یہاں بھی کھیتی اگائیں گے یعنی اسی زمین میں زندگی پیدا کریں گے اور ان لوگوں کے روحانی قویٰ نشو ونما پائیں گے یہاں تک کہ وہ نہ صرف خود ہی فائدہ اٹھائیں گے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی فائدہ پہنچائیں گے اور انھیں بھی جو ضلالت اور گمراہی میں چارپایوں کی طرح ہیں اس سے پہلی آیت میں اعدائے حق کی ہلاکت کی طرف اشارہ ہے تو یہاں نیکوں اور راستبازوں کی جماعت کے قیام کی طرف اشارہ ہے وہ کفار ہیں یہ مومن اس لیے اگلی آیت میں متی ھذا الفتح کا سوال ہے یعنی باطل کی ناکامی

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۸﴾ — اور کہتے ہیں ، یہ فیصلہ کب ہوگا ، اگر تم سچے ہو؟

قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِيْمَانُهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۲۹﴾ — کہہ فیصلے کے دن انھیں جو کافر ہیں ان کا ایمان نفع نہ دے گا اور نہ انھیں مہلت دی جائے گی۔

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ انْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنْتَظِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ — سو اُن سے منہ پھیر لے اور انتظار کر وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں[۱]

سُوْرَةُ الْاَحْزَابِ مَدَنِيَّةٌ (۳۳)

اٰیاتھا ۷۳ — رکوعاتھا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱﴾ — اے نبی اللہ کے تقوے پر قائم رہ اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مان ، اللہ جاننے والا حکمت والا ہے[۳]

وَّ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۲﴾ — اور اسی پر چل جو تیرے رب کی طرف سے تیری طرف وحی ہوتی ہے اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔

اور حق کی اس کامیابی کا فیصلہ کب ہوگا جس کا ذکر یہاں ہے۔

نمبر۱- انتظر سے مراد ہے ان پر نصرت کا انتظار کر یعنی ان کی ہلاکت کا انتظار کر، جس طرح وہ تم پر غلبہ یا تمھاری ہلاکت کا انتظار کرتے ہیں۔

نمبر۲- اس سورت کا نام الاحزاب ہے اور اس میں نو رکوع اور ۷۳ آیتیں ہیں اس کا نام الاحزاب اعدائے اسلام کی اس عظیم الشان جمعیت سے لیا گیا ہے جس میں بہت سی عرب کی قومیں شامل ہوئیں اور ایک جرار لشکر مسلمانوں کو کچلنے کے لیے تیار کیا گیا۔ مسلمان مدینہ میں محصور ہوگئے مگر اُن کے پائے ثبات میں ذرہ بھی جنبش نہ آئی اور الٰہی نصرت سے یہ لشکر خود ہی بھاگ اُٹھا اس سورت کا اصل مضمون یہ ہے کہ نبی کریم صلعم ایک کامل نمونہ ہیں اور مسلمانوں کو آپ کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے اور جنگ احزاب کا ذکر جس پر اس سورت کا نام ہے اس غرض سے لایا گیا ہے کہ کوئی طاقت اس حق کو مٹا نہیں سکتی۔

مجموعہ الٓمٓ کی چار سورتیں جو پیچھے گزریں اُن میں اسلام کی کامیابی کی پیشگوئیاں تھیں اس سورت میں ان پیشگوئیوں کو پورا ہوتے دکھایا ہے کہ کس طرح کفار اپنا پورا زور خرچ کرکے ناکام رہے۔

اس سورت کا نزول جنگ احزاب کے زمانہ سے شروع ہوتا ہے اس لیے پانچویں سال ہجرت میں اس کی ابتدا ہے اور ساتویں سال تک کے واقعات کی طرف اس میں اشارہ موجود ہے بلکہ واقعہ ایلاء اور تخییر جو نویں سال ہجرت کا ہے وہ بھی اس میں مذکور ہے اس لیے اس کا نزول پانچویں سال سے لے کر نویں سال تک ہے۔

نمبر۳- کفار مکہ ایک جرار لشکر کے ساتھ جس کے مقابلہ کی طاقت مسلمانوں میں نہ تھی حملہ آور ہورہے تھے۔ اور منافق شب و روز ریشہ دوانیاں کررہے تھے۔ یہ اور اگلی دو آیتیں انہی پریشان کن حالات میں آنحضرت صلعم اور مسلمانوں کی تسلی کے لیے نازل ہوئیں کہ اللہ ان کا کارساز ہے اور دشمن کتنا بھی طاقتور ہو کچھ نہیں کرسکتا آنحضرت کا تقوی اللہ جس پر قائم رہنے کی یہاں تاکید فرمائی ہے یہی تھا کہ اس کام کو جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے کھڑا کیا ہے پورا زور لگا کر کرتے جائیں اور کافروں اور منافقوں کی جو تبلیغ حق سے روکتے تھے بات نہ مانیں۔

وَّ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝

اور اللہ پر بھروسا رکھ ، اور اللہ تعالیٰ کارساز بس ہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ ۚ وَ مَا جَعَلَ اَزْوَاجَكُمُ الّٰٓـِٔيْ تُظٰهِرُوْنَ مِنْهُنَّ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ وَ مَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَقُوْلُ الْحَقَّ وَ هُوَ يَهْدِي السَّبِيْلَ ۝

اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے لیے اس کے اندر دو دل نہیں بنائے [1]۔ اور نہ تمھاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمھاری مائیں بنایا ہے اور نہ تمھارے لے پالکوں کو تمھارے بیٹے بنایا ہے۔ یہ تمھاری اپنی منہ کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ سچ کہتا ہے اور وہی سیدھا رستہ دکھاتا ہے [2]۔

اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ مَوَالِيْكُمْ ؕ وَ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيْمَآ اَخْطَاْتُمْ بِهٖ ۙ وَ لٰكِنْ مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

انھیں ان کے باپوں کے نام سے پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف ہے پھر اگر تم ان کے باپوں کو نہیں جانتے تو وہ دین میں تمھارے بھائی اور تمھارے دوست ہیں اور تم پر اس بارے میں کچھ گناہ نہیں جو تم سے چوک ہو جائے لیکن (وہ گناہ ہے) جو تمھارے دل عمداً کریں اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے [3]۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ

نبی مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق رکھتا ہے اور اس کی بیویاں ان کی مائیں ہیں [4]۔ اور رشتہ دار اللہ

نمبر۱۔ سمجھایا ہے کہ انسان کے اندر دو دل نہیں کہ ایک طرف تو دعویٰ ایمان کرے اور دوسری طرف اس کے اعمال اس ایمان کے مطابق نہ ہوں یا ایک دل سے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے کلام پر ایمان ہو اور دوسرے دل سے رسم و رواج اور حرص و ہوا کی اتباع ہو اور یا یہ منافقوں کی طرف اشارہ ہے۔

نمبر۲۔ رواج جاہلیت یہ تھا کہ بیوی کو ماں کہہ دیا جاتا لیکن وہ اسی گھر میں رہتی تعلقات زوجیت کے لحاظ سے یہ طلاق تھی۔ مگر عورت گھر کو نہ چھوڑ سکتی تھی۔ نہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی تھی قرآن کریم نے اسے ناجائز قرار دیا اور دوسرا رواج کسی کا دوسرے شخص کو بیٹا کہہ دینا تھا اور پھر وہ حق دار وراثت سمجھا جاتا۔ قرآن کریم نے جاہلیت کے پرانے رواج کو کہ جہاں دو شخصوں میں مواخات ہوتی تو ایک دوسرے کی وفات پر حصہ میراث پاتا منسوخ کر دیا۔ آیت ۶ جس طرح منہ کی اخوت کو بلحاظ وراثت منسوخ کیا اسی طرح منہ کی ابنیت کو بھی منسوخ کیا۔

نمبر۳۔ بخاری میں ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے لوگ زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہا کرتے تھے اس آیت میں بتایا کہ زید کا تعلق آنحضرت سے وہی روحانی تعلق ہے جو سب مومنوں کا ہے جسمانی تعلق کوئی نہیں اس روحانی تعلق میں جو جس قدر چاہے زیادہ نسبت پیدا کرے اسی روحانی تعلق کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

نمبر۴۔ اول فرمایا کہ نبی مومنوں سے ان کی اپنی جانوں سے بڑھ کر محبت کرتا ہے اس لیے کہ وہ انھیں بلند سے بلند مقامات پر پہنچانا چاہتا ہے۔ پھر فرمایا کہ آپ کی ازواج مطہرات مومنوں کی مائیں ہیں گویا اگر ایک طرف جسمانی تعلقات نسبی کی عزت قائم کی تو دوسری طرف تعلقات روحانی کی عزت قائم کی اور بجائے اس کے

بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ﴿۶﴾

کے حکم میں مومنوں اور مہاجروں کی نسبت ایک دوسرے پر زیادہ حق رکھتے ہیں مگر یہ دوسری بات ہے) کہ تم اپنے دوستوں سے کچھ اچھا سلوک کرو - یہ کتاب میں لکھا ہُوا ہے -

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَ مِنْكَ وَ مِنْ نُّوْحٍ وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۪ وَ اَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۙ﴿۷﴾

اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا عہد لیا اور تجھ سے (بھی لیا) اور نوحؑ اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ ابن مریم سے - اور ہم نے اُن سے پختہ عہد لیا [1]۔

لِّيَسْـَٔلَ الصّٰدِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ۚ وَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۸﴾ ع

تاکہ وہ سچوں سے اُن کی سچائی کے متعلق سوال کرے۔ اور اس نے کافروں کے لیے دردناک عذاب تیار کیا ہے [2]۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ﴿۹﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو جب تم پر لشکر چڑھ آئے، سو ہم نے اُن پر ہَوا کو اور ایسے لشکروں کو بھیجا جنھیں تم نے نہیں دیکھا اور اللہ اُسے جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے [3]۔

کریوں کہا جاتا کہ آپ مومنوں کے باپ ہیں یوں فرمایا کہ آپ کی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں۔ اس سے بھی امت کے حق میں آپ کی ابوتِ روحانی ثابت ہوئی لیکن اس سے بھی بڑھ کر ان الفاظ میں ایک گہرا راز ہے اور وہ یہ ہے کہ جب ماں بلحاظ نسب وہ ہے جو بچہ کی جسمانی طور پر پرورش کرتی ہے تو ماں بلحاظ روحانیت وہ ہے جو بچہ کی روحانی پرورش کرتی ہے آنحضرت صلعم کا اپنی امت کا روحانی باپ ہونا تو ایک امر ظاہر تھا۔ کیونکہ آپ سے ہی نور ایمان و ہدایت سب کچھ ملا۔ لیکن ان الفاظ میں یہ بتایا کہ آنحضرتؐ کی بیویاں بھی محض اس غرض کو پورا نہیں کرتیں هن لباس لکم (۲: ۱۸۷) میں یا لتسکنوا الیها (۳۰: ۲۱) میں ہے بلکہ وہ مومنوں کے لیے روحانی ماں کا حکم بھی رکھتی ہیں یعنی مومنوں کی روحانی پرورش بھی ان کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور وہ دین کے اس کثیر حصہ میں جو انسان کے لیے اس دنیا میں جنت کا حکم رکھتا ہے یعنی معاشرت کے حصہ میں مومنوں کے لیے اخلاق اور افعال نبوی کو محفوظ رکھ کر اور پھر دنیا کی عورتوں کے لیے نمونہ اور رہنما بن کر مومنوں کی روحانی مائیں بن گئیں۔

نمبر۱- نبیوں کے عہد سے وہی مراد ہے جو میثاق النّبیین سے آل عمرانؑ - ۸۰ میں یعنی یہ کہ سب نبیوں کے آخر پر ایک نبی آئے گا جو سب کا مصدق ہوگا اور جس پر سب قوموں کو ایمان لانا ہوگا اور یہاں جو منک میں نبی صلعم کا ذکر سب سے پہلے کیا تو یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے جو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کنت اوّل النبیین فی الخلق وآخرهم فی البعث یعنی پیدائش میں سب نبیوں سے اوّل ہوں اور بعثت میں سب سے آخر اور رسول اللہ صلعم کا عہد کل انبیائے عالم کی تصدیق تھی اور چار نبیوں کا خصوصیت سے ذکر بلحاظ اُن کی عظمت کے کیا۔

نمبر۲- چونکہ سلسلۂ نبوت کی اصل غرض یہی ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدق دکھائیں اس لیے اس بات کو بطور نتیجہ بیان کیا۔

نمبر۳- یہاں سے جنگ احزاب کا ذکر شروع ہوتا ہے اور اسی پر سورت کا نام ہے اور اس ذکر کے لانے کی غرض یہ دکھانا ہے کہ مومنوں کا ایمان آنحضرت

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ
مِنْكُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَبَلَغَتِ
الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾

جب وہ تمھارے اوپر سے اور تمھارے نیچے سے تم پر آگئے
اور جب آنکھوں میں اندھیرا آگیا اور دل (دہشت سے گویا)
گلوں تک پہنچ گئے اور تم اللہ پر مختلف قسم کے ظن کرنے لگے ۱؎

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا
زِلْزَالًا شَدِيْدًا ﴿۱۱﴾

وہاں مومن آزمائے گئے اور سخت مصائب میں
ڈالے گئے۔

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ
قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ
رَسُوْلُهٗٓ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾

اور جب منافق اور وہ جن کے دلوں میں بیماری تھی
کہنے لگے اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے جو
وعدہ کیا، نرا دھوکا تھا۔

وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يٰٓاَهْلَ يَثْرِبَ
لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوْا ۚ وَيَسْتَاْذِنُ فَرِيْقٌ
مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ ۛؕ
وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۚۛ اِنْ يُّرِيْدُوْنَ اِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾

اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا اے یثرب کے رہنے
والو تمھارے لیے یہاں ٹھیرنے کی جگہ نہیں سو لوٹ چلو اور ان میں سے
ایک فریق نبی سے اجازت مانگتا تھا کہتے تھے ہمارے گھر کھلے
پڑے ہیں اور وہ کھلے نہیں تھے وہ صرف بھاگنا چاہتے تھے ۲؎

صلعم پر کس قدر تھا چاروں طرف سے دشمنوں کے نرغہ میں آجانے پر بھی ان کا ایمان آخری کامیابی پر اس قدر مضبوط تھا کہ وہ بول اُٹھے ھذا ما وعدنا اللہ ورسولہ۔ جنود سے مراد یہاں احزاب ہی ہیں اور یہ ذیل کی قومیں تھیں۔ قریش۔ بنو اسد۔ غطفان، بنو عامر، بنو سلیم، بنی نضیر۔ بنی قریظہ اور ان کی کل تعداد دس ہزار یا پندرہ ہزار تھی۔ رسول اللہ صلعم کو جب اُن کی چڑھائی کی خبر ملی تو سلمانؓ فارسی کے مشورہ سے آپ نے مدینہ کے گرد خندق کھدوائی۔ یہ واقعہ شوال ۵ھ ہجری کا ہے۔ قریب ایک ماہ کے دونوں فوجیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے پڑی رہیں۔ تب اللہ کی نصرت ریح یعنی ہوا کی صورت میں آئی اور جنود الم تروھا سے مراد ملائکہ ہیں جنھوں نے دشمن کو باوجود اس کی اتنی کثرت کے کہ پانچ گنا اُن کی تعداد تھی ایسا مرعوب کیا کہ وہ راتوں رات بھاگ گئے اور یہ سخت ٹھنڈی ہوا تھی جو ٹھنڈی رات میں چلی اور اس قدر زور کی چلی کہ مٹی اور کنکر اُن کے مُنہ پر پڑتے تھے اور آگ بُجھ گئی اور ہانڈیاں گر گئیں اور خیموں کی میخیں اکھڑ گئیں اور رسیاں ٹوٹ گئیں۔ اور گھبراہٹ میں پندرہ ہزار فوج راتوں رات بھاگ گئی۔ یہ نبی کریم صلعم کا کھلا معجزہ ہے کہ اس قدر کثیر دشمن سے ایک آندھی کے ذریعہ سے مسلمانوں کو بچا لیا۔ حالانکہ آندھی تو دونوں فریق پر یکساں چلی تھی مگر ایک گروہ کے لیے نجات اور دوسرے کے لیے ہلاکت کا موجب ہو گئی یہ معجزہ حضرت موسیٰؑ کے فلق بحر کے معجزہ سے کم نہیں۔

نمبر۱۔ من فوقکم سے مراد اوپر کی طرف یعنی وادی کی بلند طرف ہے اور یہ مدینہ کا مشرق تھا اور اسفل سے مراد نچلی یعنی سمندر کی طرف ہے جو مدینہ سے غربی جانب ہے۔ گویا مشرق و مغرب دونوں طرف سے حملہ آور ہوئے اور یا مراد اُن کا چاروں طرف سے حملہ آور ہونا ہے اور ظنونا سے مراد مختلف قسم کے ظن ہیں یعنی مختلف قسم کے آدمیوں کے ظن مختلف قسم کے تھے۔ منافقوں کا یہ خیال تھا کہ اب تباہ ہوئے اور مومنوں کا خیال اللہ تعالیٰ نے خود اگلے رکوع میں بیان کر دیا ہے آیت ۲۲ یعنی وہ خوش تھے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اب پُورا ہوگا یعنی مومنوں کو کامیابی ملے گی اور آنکھوں میں اندھیرا آنا اور دلوں پر دہشت چھا جانا منافقین کے لیے تھا، یہ مطلب نہیں کہ سب پر دہشت چھا گئی تھی۔ تاریخ سے بھی یہی ثابت ہے۔

نمبر۲۔ یعنی ان میں شگاف ہیں جو چاہے ان میں آسکتا ہے یا دیواریں پست ہیں مطلب یہ ہے کہ ان میں چوری وغیرہ ہو سکتی ہے۔ یثرب مدینہ کا پہلا نام ہے اور لا مقام لکم سے مراد۔ ہے کہ مکانِ اقامت تمھارے لیے نہیں یعنی اس قدر زبردست دشمن ہے کہ تم اس کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتے اور فارجعوا

وَ لَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ اَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَاٰتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوْا بِهَآ اِلَّا يَسِيْرًا ﴿۱۴﴾

اور اگر دشمن ان پر اس کی اطراف سے داخل ہوتا۔ پھر ان سے فساد کرنے کو کہا جاتا تو وہ ضرور ایسا کرتے اور بہت ہی کم وہاں ٹھہرتے ۱؎

وَلَقَدْ كَانُوْا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّوْنَ الْاَدْبَارَ ؕ وَ كَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ﴿۱۵﴾

اور پہلے اللہ تعالیٰ سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہیں پھیریں گے، اور اللہ تعالیٰ کے عہد کی پرسش ہوگی ۲؎

قُلْ لَّنْ يَّنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ اِنْ فَرَرْتُمْ مِّنَ الْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ وَ اِذًا لَّا تُمَتَّعُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۶﴾

کہہ، تمھیں بھاگنا نفع نہیں دے گا۔ اگر تم موت یا قتل سے بھاگتے ہو اور اس صورت میں تمھیں تھوڑا ہی سامان ملے گا۔

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ؕ وَلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا ﴿۱۷﴾

کہہ، کون ہے جو اللہ تعالیٰ سے تمھیں بچا سکے، اگر وہ تمھیں تکلیف پہنچانے کا ارادہ کرے یا (تمھیں تکلیف پہنچا سکے اگر) وہ تم پر رحم کرنے کا ارادہ کرے اور وہ اللہ کے سوائے اپنے لیے نہ کوئی حمایتی پائیں گے اور نہ کوئی مددگار۔

قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَ الْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا ۚ وَ لَا يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۸﴾

اللہ تعالیٰ تم میں سے روکنے والوں کو جانتا ہے اور اپنے بھائی بندوں سے کہنے والوں کو کہ ہماری طرف آ جاؤ اور وہ لڑائی میں کم ہی آتے ہیں۔

سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مقابلہ سے لوٹ کر اپنے گھروں میں چلے جاؤ جس طرح منافق چلے گئے اور یہ بھی کہ اسلام سے لوٹ کر شرک میں چلے جاؤ۔

نمبر۱۔ اقطارھا سے مراد یہاں شہر کی اطراف ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہی لوگ جو اب گھروں کے کھلا ہونے اور ان میں سرقہ ہو جانے کا اندیشہ ظاہر کرتے ہیں اگر حالت یہ ہوتی کہ دشمن شہر میں داخل ہو جاتا پھر انھیں کہا جاتا کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرو اور انھیں دکھ پہنچاؤ تو فوراً اس کام میں لگ جاتے اور پھر گھروں میں نہ ٹھہرتے۔ الا یسیرا اس لیے کہا کہ ہتھیار وغیرہ لینے کے لیے جتنا ٹھہرنا پڑتا اتنا ہی ٹھہرتے۔ اس صورت میں گھروں کے کھلا رہنے کا عذر نہ ہوتا حالانکہ جیسا کہ اگلی آیت میں ہے عہد ان کا مسلمانوں کے ساتھ تھا کہ اگر دشمن حملہ آور ہو تو ہم تمھارے ساتھ مل کر دشمن سے جنگ کریں گے۔

نمبر۲۔ مفسرین کہتے ہیں یہ بنو حارثہ یا بنو سلمہ تھے جو جنگ احد میں الگ رہے تھے اور یوم خندق سے پہلے توبہ کی تھی اور عہد کیا تھا مگر بنو حارثہ اور بنو سلمہ جنگ احد میں شریک ہوئے تھے اور حضرت ابن عباسؓ اس سے لیلۃ العقبۃ کا عہد مراد لیتے ہیں۔ مگر صحیح یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد وہ عہد ہے جو آنحضرت صلعم کی مدینہ تشریف آوری پر یہود اور مسلمانوں میں ہوا تھا جس کی رو سے سب فریق اس بات کے ذمہ دار تھے کہ اگر باہر سے کوئی دشمن مدینہ پر حملہ آور ہو تو اس کا دفاع سب ایک ہو کر کریں گے اور منافق بھی اس میں شامل تھے۔

اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ ۚ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ
رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ
كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ۚ فَاِذَا
ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ
اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوْا
فَاَحْبَطَ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ⑲

تمھارے ساتھ بخل کی وجہ سے، پھر جب خوف آتا ہے تو انھیں دیکھتا ہے کہ تیری طرف دیکھتے ہیں ان کی آنکھیں گھومتی ہیں اس شخص کی طرح جس پر موت کی بے ہوشی آجائے پس جب خوف جاتا رہتا ہے تو مال کے بخل سے تیز زبانوں سے تم پر طعن کرتے ہیں، یہ لوگ ایمان نہیں لائے، سو اللہ نے ان کے عملوں کو برباد کر دیا۔ اور یہ اللہ تعہ پر آسان ہے۔

يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا ۚ وَ
اِنْ يَّاْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ
بَادُوْنَ فِى الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْۢبَآئِكُمْ ؕ
وَلَوْ كَانُوْا فِيْكُمْ مَّا قٰتَلُوْٓا اِلَّا قَلِيْلًا ⑳ ع

وہ خیال کرتے ہیں کہ کفار کی جماعتیں نہیں گئیں اور اگر وہ جماعتیں پھر آجائیں تو آرزو کریں گے کہ وہ دیہاتیوں میں جا کر صحرا نشین ہو جائیں۔ تمھاری خبریں پوچھتے ہیں اور اگر تمھارے اندر ہوں تو کم ہی جنگ کریں۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ
حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ
الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ؕ ㉑

یقیناً تمھارے لیے اللہ تعہ کے رسول میں ایک نیک نمونہ ہے اس کے لیے جو اللہ تعہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہے اور اللہ تعہ کو بہت یاد کرتا ہے ۱؎۔

۱؎ ۔ رسول اللہ صلعم میں اُسوہ حسنہ کا ہونا اس موقعہ پر خصوصیت سے کیوں بیان کیا گیا، اس لیے کہ مصائب میں استقلال تمام اخلاق کی جان ہے اور یہ موقعہ اس استقلال کے دکھانے کا تھا آنحضرت صلعم کے اسوہ حسنہ ہونے کا یہ منشا ہے کہ آپ کا وجود تعلیم قرآنی کا عملی نقشہ ہے اور آپ سب قسم کے انسانوں کے لیے اسوۂ حسنہ نہ ہو سکتے تھے جب تک کہ آپ خود جملہ حالاتِ انسانی میں سے نہ گزریں۔ اگر آپ متاہل نہ ہوتے تو آپ ایک خاوند کے لیے اسوۂ حسنہ نہ ہو سکتے تھے۔ اگر آپ صاحبِ اولاد نہ ہوتے تو آپ کسی باپ کے لیے اُسوۂ حسنہ نہ ہو سکتے۔ آپ کے والد اور والدہ گو فوت ہو چکے تھے مگر آپ نے اپنے چچا ابوطالب سے وہی سلوک کر کے دکھایا جو بیٹا باپ سے کرتا ہے اور آپ کی رضاعی والدہ جب آپ سے ملنے آئیں تو آپ نے والدہ کی طرح ہی ان کی عزت کی پھر انسان پر جو مختلف حالتیں آتی ہیں وہ یتیمی کی حالت سے لیکر جو انتہائی بیکسی کی حالت ہے بادشاہی تک ہیں جہاں پہنچ کر انسان نخوت و تکبر کا شکار ہوتا اور طاقت کے نشہ میں سب کے حقوق کو پامال کرتا چلا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیمی سے لے کر بادشاہی تک پہنچایا اور ان دونوں حالتوں کے اندر اور جس قدر حالات انسان پر آتے ہیں ان سب میں سے گزر ہو پھر اگر آپ کو جنگ پیش نہ آتی تو آپ کا اسوۂ حسنہ ہونا ایک ایسے پہلو میں ناقص رہ جاتا جس کی ضرورت دنیا میں ہر قوم اور ہر زمانہ میں پیش آتی رہتی ہے اور اس حالت میں آپ کی زندگی میں اگر ایک جرنیل کا نمونہ پایا جاتا ہے تو ایک سپاہی کا نمونہ بھی موجود ہے۔ پھر بادشاہت کی حالت میں آپ خود قانون سازی کرنے والے تھے۔ خود اس قانون کے ماتحت جج اور قاضی کا کام کرنے والے تھے۔ خود انتظامی معاملات کو طے کرنے والے تھے، خود معاملات ملکی کو سرانجام دینے والے تھے۔ پس مقنن کے لیے ایک جج کے لیے ایک انتظامی عہدیدار کے لیے ایک مدبر ملکی کے لیے آپ کی زندگی میں نمونہ موجود ہے اور باوجود بادشاہت اور افسری کے آپ نے ادنیٰ سے ادنیٰ کام ٹوکری اٹھانا، پھاوڑا چلانا، جوتی اور کپڑے کی

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ ۙ قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۫ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّاۤ اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا ۞ ۲۲

اور جب مومنوں نے جماعتوں کو دیکھا انھوں نے کہا یہ وہ ہے جس کا وعدہ اللہ اور اس کے رسول نے دیا تھا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے سچ کہا تھا اور اس نے انھیں صرف ایمان اور فرمانبرداری میں بڑھایا ۱؎۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا ۞ ۲۳

مومنوں میں سے کچھ مرد ہیں جنھوں نے سچ کر دکھایا جو اللہ سے عہد کیا تھا۔ سو اُن میں سے بعض وہ ہیں جنھوں نے اپنی نذر کو پورا کر دیا اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو انتظار کرتے ہیں اور اپنی بات نہیں بدلی ۲؎۔

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۞ ۲۴

(یہ اس لیے ہُوا) تاکہ اللہ تعالیٰ صادقوں کو ان کے صدق کا بدلہ دے اور منافقوں کو اگر چاہے عذاب دے، یا ان پر رجوع برحمت کرے اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ لَمْ يَنَالُوْا خَيْرًا ۭ وَكَفَى اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ الْقِتَالَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِيًّا عَزِيْزًا ۞ ۲۵

اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو ان کے غصے میں لوٹا دیا انھوں نے کوئی بھلائی حاصل نہ کی اور جنگ میں اللہ مومنوں کے لیے بس ہوا اور اللہ تعالیٰ طاقتور غالب ہے۔

مرمت کرنا۔ برتن دھولینا، دُودھ دوہ لینا، بازار سے سودا لے آنا، اپنے ہاتھ سے کر دکھائے جس میں ہر قسم کے مزدوری پیشہ آدمی کے لیے آپ نمونہ ہیں۔ پھر دشمنوں کے ہاتھ سے طرح طرح کے دُکھ اٹھا کر آپ صبر و استقلال کا نمونہ بھی بنے اور انھی ظالموں پر فتح پا کر کامل عفو و رحم کا نمونہ بھی بنے۔ حضرت مسیحؑ کی زندگی میں ہم ان میں سے کونسا نمونہ تلاش کریں نہ آپ کو ان حالات سے گزرنا میسر آیا نہ آپ ان حالات میں سے کسی کے لیے نمونہ کہلا سکتے ہیں یہی حالت دیگر انبیاء کی ہے کہ بعض انبیاءؑ ایک حالت کے لیے نمونہ ہیں اور بعض دوسری کے لیے بعض نے ایک خلق کا کمال دکھایا بعض نے دوسرے کا لیکن نہ جملہ حالات کسی نبی کی زندگی میں جمع ہوئے نہ جملہ اخلاق فاضلہ میں کوئی نمونہ بنا یہ فخر کل عالم میں صرف ایک کو میسر آیا اور اسی لیے وہ سرور عالم اور فخر بنی نوع انسان اور اسوۂ حسنہ ہُوا۔

نمبر ۱۔ هذا ما وعدنا الله ورسوله صاف کسی پہلی پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے۔ سورہ ص میں احزاب کا ذکر صاف الفاظ میں ہے جند ما هنالك مهزوم من الاحزاب (ص ۳۸-۱۱) جہاں احزاب کا، ان کے لشکروں کا اور ان کی ہزیمت کا ذکر ہے پس احزاب کا لشکر لے کر آنا مومنوں کے لیے نشان تھا کہ اب یہ بھاگ بھی جائیں گے۔ قرآن کریم کی یہ پیشگوئی جو مکہ میں بے کسی کی حالت میں کی گئی تھی مدینہ میں اتنے سال بعد اس صفائی سے پوری ہوتی دیکھ کر صحابہؓ کے ایمان میں کس قدر ترقی ہوئی ہوگی۔

نمبر ۲۔ اس آیت میں صحابہ کی کمال وفاداری کا ذکر کیا ہے گویا اپنی جانوں کو اللہ کی راہ میں دیدینا انھوں نے نذر مانی ہوئی تھی۔ پس جس شخص نے اللہ کی راہ میں جان دے دی اس نے تو گویا اپنی نذر پوری کر دی اور جو ابھی زندہ ہیں وہ بھی موت کے ان نظاروں کو دیکھ کر بدل نہیں گئے بلکہ وہ اس انتظار میں ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں بھی وہ موقعہ دے کہ اپنی جانیں خدا کی راہ میں دیں۔ المومنین میں قیامت تک آنے والے مومن مراد ہیں اور رجال میں خصوصیت سے صحابہ کرامؓ کی طرف اشارہ ہے۔

وَ اَنْزَلَ الَّذِيْنَ ظَاهَرُوْهُمْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ صَيَاصِيْهِمْ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ وَ تَاْسِرُوْنَ فَرِيْقًا ۟ ﴿۲۶﴾

اور انھیں جنھوں نے اہل کتاب میں سے ان کی مدد کی تھی ان کے قلعوں سے نکال دیا اور ان کے دلوں میں رُعب ڈال دیا، ایک فریق کو تم قتل کرتے تھے اور ایک فریق کو قید کرتے تھے ۱۔

وَ اَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَ دِيَارَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ وَ اَرْضًا لَّمْ تَطَـُٔوْهَا ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۟ ﴿۲۷﴾ ع

اور تمھیں ان کی زمین اور ان کے گھروں اور ان کے مالوں کا وارث بنایا اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے (ابھی) قدم نہیں رکھا اور اللہ تو ہر چیز پر قادر ہے ۲۔

یٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿۲۸﴾

اے نبیؐ! اپنی بیویوں سے کہدے کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو، تو آؤ، مَیں تمھیں سامان دوں، اور تمھیں اچھی طرح سے رخصت کردوں ۳۔

نمبر۱- اہل کتاب میں سے یہ کفار کی مدد کرنے والے یہود بنو قریظہ تھے - مدینہ میں یہودیوں کی تین قومیں آباد تھیں بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ - ان تینوں نے شروع میں آنحضرت صلعم سے معاہدہ کیا تھا جس میں یہ وعدہ تھا کہ مدینہ پر کوئی دشمن حملہ آور ہو تو وہ اپنی جان و مال سے اس کا مقابلہ کریں گے مگر بعد میں آپ کی ترقی کو دیکھ کر اُن کا حسد ترقی کر گیا اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی دشمنی ہو گئی - پہلے بنو قینقاع نے خلاف ورزی معاہدہ کی اور جلاوطن ہوئے - پھر بنی نضیر نے، ان کا ایک حصہ خیبر میں جا آباد ہوا اور بنو قریظہ کو بھی جو اب تک اپنے عہد پر قائم تھے انھوں نے اکسایا اور بنو قریظہ بھی آخر مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ مل گئے ان کا مدینہ کے اندر ہو کر قریش کو مدد پہنچانا ظاہر دھم سے صاف ظاہر ہے بلکہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مسلمانوں کی مستورات پر بھی حملہ کرنا چاہا یہ موقعہ مسلمانوں کے لیے نہایت نازک تھا جب کفار کا لشکر پراگندہ ہو گیا تو نبی کریم صلعم نے بنو قریظہ کی سزا کے لیے فوراً ان کا محاصرہ کیا - کوئی پچیس دن تک ان کا محاصرہ رہا آخر کار انھوں نے درخواست کی کہ سعد بن معاذؓ جو فیصلہ کریں وہ ہمیں منظور ہے۔ سعدؓ اُن کے حلفا میں سے تھے اگر نبی صلعم کے فیصلہ پر یہ لوگ راضی ہو جاتے تو آپ غالباً اُن سے وہی سلوک کرتے جو پہلے بنو قینقاع اور بنو نضیر سے کیا تھا مگر سعدؓ کو اُن کی خطرناک غداری پر بہت رنج تھا کہ انھوں نے مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں تک کو تہ تیغ کرنے کا عزم کر لیا تھا اس لیے انھوں نے یہ فیصلہ دیا کہ ان کے مرد جو جنگ کے قابل ہیں قتل کر دیئے جائیں عورتیں اور بچے قید ہوں یہ فیصلہ وہی تھا جو یہود اپنے دشمنوں کے حق میں عاید کرتے تھے - چنانچہ توریت میں ہے کہ جب محاصرہ تک نوبت پہنچ جائے اور خداوند تیرا خدا اُسے تیرے قبضے میں کر دیوے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار کی دھار سے قتل کر، مگر عورتوں اور لڑکوں اور مواشی کو اور جو کچھ اس شہر میں ہو اس کا ساراُلوٹ اپنے لیے لے۔" (استثنا ۲۰ : ۱۳ و ۱۴) اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی فیصلہ کو جو نہ صرف اُن کے اپنے پیش کردہ منصف کا تھا، بلکہ اُن کی اپنی آسمانی کتاب کے مطابق بھی تھا اُن کے حق میں عاید کیا اور کوئی تین سو آدمی قتل ہوئے۔

نمبر۲- مراد اس سے صاف طور پر وہ دور دراز کے ممالک ہیں جن پر اہل عرب عموماً جانتے بھی نہ تھے - اس پیشگوئی کا ایک ایسے وقت میں کرنا جب جنگ احزاب میں قریب تھا کہ مسلمانوں کا نام و نشان مٹ جانا اس کے منجانب اللہ ہونے کا بین ثبوت ہے۔

نمبر۳- اس وقت تک مسلمانوں کے گھروں میں فقر و فاقہ کی تکلیفات کم ہو کر کسی قدر آسودگی آگئی تھی مگر نبی کریم صلعم اسی سادگی سے زندگی بسر کرتے تھے جو ایک

وَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو اور آخرت کے گھر کو چاہتی ہو تو اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والیوں کے لیے بڑا اجر تیار کیا ہے [۱]۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

اے نبی کی عورتو! جو کوئی تم میں سے کھلی بے حیائی کرے اسے دوچند سزا دی جائے گی اور یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے [۲]۔

۲۲ وَ مَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَاۤ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَ اَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

اور جو کوئی تم میں سے اللہ اور اُس کے رسول کی فرمانبردار ہوگی اور اچھے عمل کرے گی ہم اس کا اجر اُسے دوچند دیں گے اور ہم نے اس کے لیے عزت والا رزق تیار کیا ہے۔

يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۚ﴿۳۲﴾

اے نبیؐ کی عورتو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم تقوےٰ اختیار کرو [۳]۔ سو نرم آواز میں بات نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ جس کے دل میں بیماری ہو طمع کرے اور نیکی کی بات کہو [۴]۔

نبی کے شایان شان ہے۔ ہجرت کے نویں سال میں بھی آپ کے گھر کا سامان سوائے ایک کھجور کی چارپائی اور پانی کی ٹلیا کے اور کچھ نہ تھا۔ آپ کی بیویوں کے دل میں یہ خیال گزرا کہ اُن کے گھروں میں بھی کچھ آسودگی ہونی چاہیئے تو یہاں ان کو سمجھایا کہ تمھیں سادگی کا وہی نمونہ دکھانا ہوگا جو نبی صلعم دکھاتے ہیں کیونکہ تم اُمت کی مائیں اور اس کی روحانی تربیت کرنے والی ہو۔ اور صاف کہہ دیا گیا کہ ایسی صورت میں نبی کریم صؐ کے گھر میں تم اس کی زوجہ ہو کر نہیں رہ سکتیں اور طلاق لے سکتی ہو۔

نمبر ۱۔ بخاری میں حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل کیں جن میں امہات المومنین کو رسول کے گھر میں رہنے یا طلاق لینے کا اختیار دیا گیا تو آپ نے مجھ سے ابتدا کی اور فرمایا کہ میں ایک بات تم سے کہتا ہوں مگر اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا بلکہ اپنے ماں باپ سے مشورہ کر لینا۔ تب آپ نے یہ آیتیں پڑھیں تو میں نے کہا میں اس باپ سے کس بات کا مشورہ کروں، میں اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کو چاہتی ہوں۔ تب آپ نے باقی بیویوں سے بھی اسی طرح دریافت کیا اور سب نے وہی جواب دیا اور یہ واقعہ تخییر کے واقعہ سے تعلق رکھتا ہے یعنی جب نبی کریم صلعم ایک ماہ کے لیے اپنی بیویوں سے علیحدہ ہو گئے تھے اور یہ ۹ھ ہجری کا واقعہ ہے۔

نمبر ۲۔ فاحشۃ مبینۃ سے یہاں مراد بعض نے نبی صلعم کی نافرمانی لی ہے اور بعض نے وہ امور جو آپ کی تکلیف اور حزن کا موجب ہوں۔

نمبر ۳۔ نفی مثلیت کے لیے شرط ہے یعنی اگر تقویٰ کرو تو تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں اور تقویٰ سے مراد یہاں اُن ذمہ داریوں کا مدنظر رکھنا ہے جو اُن کے اس منصب کے لحاظ سے کہ وہ نبی کی بیویاں ہیں اُن پر عاید ہوتی ہیں۔

نمبر ۴۔ عورتوں کی طرز کلام میں عموماً نرمی اور ملائمت ہوتی ہے مگر چونکہ اُن کا منصب تعلیم دینا تھا اور اس لیے ہر قسم کے لوگوں کا اُن کے پاس آنا ضروری تھا اس لیے فرمایا کہ طرز کلام ایسی نہ ہو کہ ایسے شخص کے دل میں جو بد خیالات اپنے اندر رکھتا ہے اور مرض سے یہاں یہی مراد ہے طمع پیدا ہو اور قلن قولاً معروفاً میں۔ پھر انہیں اُن کے

وَ قَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ	اور اپنے گھروں میں ٹھیری رہو اور پہلی جاہلیت کی طرح بناؤ
تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ	سنگار نہ دکھاتی پھرو ؏ا اور نماز کو قائم کرو ، اور
وَ اٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ	زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔
اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ	اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے اے اہل بیت ناپاکی کو
الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۳۳	دُور کر دے اور تمھیں بالکل پاک صاف کر دے ؏۲
وَ اذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ	اور اسے یاد رکھو جو تمھارے گھروں میں اللہ کی آیتوں
اٰيٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ	اور حکمت سے پڑھا جاتا ہے ۔ اللہ تو باریک باتوں کا
ع لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۳۴	جاننے والا خبردار ہے ؏۳
اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ	مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن
وَ الْمُؤْمِنٰتِ وَ الْقٰنِتِيْنَ وَ الْقٰنِتٰتِ وَ	مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرماں بردار

اصل کام کی طرف توجہ دلائی یعنی نیکی کی باتیں لوگوں کو پہنچانا اور یہاں گو خاص حکم نبی صلعم کی بیویوں کو ہے مگر چونکہ وہ دوسری عورتوں کے لیے نمونہ ہیں اس لیے دوسری عورتوں کو بھی ضمناً حکم ہے کہ جب انھیں غیر محرم مردوں سے کلام کرنا پڑے تو ایسی آواز سے کلام نہ کریں جو دوسروں کے لیے کشش کا موجب ہو بلکہ مردانہ اندازِ کلام اختیار کریں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کا اجنبی مردوں سے کلام کرنا منع نہیں۔

نمبر۱- جاہلیت میں عورتوں کا بن سنور کر باہر نکلنا عام طور پر مروّج تھا پس گھروں میں ٹھہرا رہنے اور بناؤ سنگار نہ دکھانے کو ایک جگہ جمع کرنے کا یہی مطلب ہے کہ اس غرض کے لیے باہر نہ نکلو۔ حاجات ضروری کے لیے باہر نکلنے سے منع نہیں کیا گیا بلکہ حدیث صحیح میں ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد نبی کریم صلعم نے اپنی بیویوں کو فرمایا اذن لکن ان تخرجن لحاجتکن یعنی تمھیں اجازت ہے کہ اپنی حاجت کے لیے باہر نکلو اور عورتوں کا جنگ میں جانا اور اپنی دیگر ضروریات کے لیے باہر نکلنا مسجدوں میں جانا بہت حدیثوں سے ثابت ہے۔

نمبر۲- اہل البیت بروئے لغت وہ لوگ ہیں جنھیں ایک گھر جمع کرے اور گھر میاں بیوی اور بچوں کو جمع کرتا ہے اور یہاں اصل خطاب بیویوں سے چلتا ہے پس اصل مراد وہی ہے اور اختلاف روایات میں ابن عباسؓ کا قول ہے کہ یہ آیت آنحضرت صلعم کے ازواج کے حق میں نازل ہوئی اور قرآن کے مطابق ہونے کی وجہ سے یہی قابل قبول ہے اور تاریخ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ازواج مطہرات نے اپنے آپ کو اس آیت کریمہ کا مصداق ثابت کیا۔ کیونکہ سب سے بڑی ناپاکی دنیا کے مال کی محبت ہے اور نبی کریم صلعم کی بیویوں کے متعلق جس بات کا یہاں ذکر ہے وہ یہی تھی کہ انھوں نے مال کا مطالبہ کیا تھا پس اصل مقصد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ہے کہ اس رجس اور اس کے ساتھ ہر قسم کی برائیوں سے اہل بیتِ نبوی کو پاک کر کے انھیں اُمّہاتِ اُمت صحیح معنی میں بنائے تاکہ وہ بھی رسول کے ساتھ امت کی روحانی پرورش کرنے والیاں اور امت کے لیے نمونہ ہوں اس لیے جب ان کو اختیار دیا گیا کہ وہ دنیا کا مال لیکر نبی صلعم سے علیحدہ ہو جائیں تو انھوں نے مال دنیا پر لات ماری اور غربت اور فاقوں میں نبی صلعم کی رفاقت اختیار کی اور تاریخ سے بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم کی بیویوں کے دل میں مال دنیا کی ایک تنکے کے برابر بھی وقعت نہ تھی۔ خلفائے وقت جب اُن کے پاس کچھ مال بھیجتے تو وہ فوراً اُسے اللہ کی راہ میں دے دیتیں اور حضرت عائشہؓ کے متعلق یہاں تک ثابت ہے کہ بعض وقت رات کے لیے بھی انھوں نے اپنے گھر میں کچھ نہیں رکھا اور سب کا سب اللہ کی راہ میں دے دیا۔

نمبر۳- یہاں انھیں اُن کا خاص کام بتایا گیا اور وہ آیات اللہ اور اقوال و افعال نبوی کا محفوظ رکھنا تھا اور محفوظ رکھنے کی یہی غرض تھی کہ اسے لوگوں تک پہنچایا جائے اور وہ لوگوں کے لیے ہدایت اور نور کا موجب ہو۔

الصّٰدِقِيْنَ وَ الصّٰدِقٰتِ وَ الصّٰبِرِيْنَ
وَ الصّٰبِرٰتِ وَ الْخٰشِعِيْنَ وَ الْخٰشِعٰتِ وَ
الْمُتَصَدِّقِيْنَ وَ الْمُتَصَدِّقٰتِ وَ الصَّآئِمِيْنَ
وَ الصّٰٓئِمٰتِ وَ الْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ
وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا
وَّ الذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً
وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ٣٥

عورتیں اور صدق دکھانے والے مرد اور صدق دکھانیوالی عورتیں اور
صبر کرنیوالے مرد اور صبر کرنیوالی عورتیں اور فروتنی کرنیوالے مرد اور
فروتنی کرنیوالی عورتیں اور خیرات کرنیوالے مرد اور خیرات کرنیوالی عورتیں
اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہوں
کی حفاظت کرنیوالے مرد اور حفاظت کرنیوالی عورتیں اور اللہ کو بہت یاد کرنیوالے
مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان کے اللہ نے مغفرت
اور بڑا اجر تیار کیا ہے ۱

وَ مَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ
اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ
يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ
وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ
ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ٣٦

اور نہ یہ کسی مومن مرد نہ کسی مومن عورت کو شایاں ہے
کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دے
تو وہ اِس معاملہ میں کچھ (اپنا) اختیار سمجھیں۔ اور
جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے وہ
کھلی گمراہی میں دور نکل گیا ۲

وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ
وَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ
وَ اتَّقِ اللّٰهَ وَ تُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ
مُبْدِيْهِ وَ تَخْشَى النَّاسَ ۚ وَ اللّٰهُ اَحَقُّ
اَنْ تَخْشٰىهُ ؕ فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا

اور جب تُو اسے جس پر اللہ نے انعام کیا اور جس پر تو نے
انعام کیا۔ کہتا تھا اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے
اور اللہ کا تقویٰ کر اور تو اپنے دل میں وہ بات چھپاتا ہے
جسے اللہ ظاہر کرنے والا ہے اور تو لوگوں سے ڈرتا ہے اور اللہ
زیادہ حقدار ہے کہ تو اس سے ڈرے ۳۔ پھر جب زیدؓ نے اس سے

نمبر۱۔ یہاں ان تمام اعلیٰ صفات میں جو اللہ کے نزدیک مردوں کو بلند مرتبہ پر پہنچاتی ہیں عورتوں کو شریک کرکے یہ بتایا ہے کہ عورتیں اللہ کے ہاں مقاماتِ عالیہ حاصل کرنے میں مردوں سے کسی طرح کم نہیں۔

نمبر۲ رسول اللہ صلعم نے اپنی پھوپی کی بیٹی زینبؓ کے زیدؓ سے نکاح کے لیے درخواست کی تو زینبؓ نے انکار کر دیا اور اپنے خاندانی شرف کو پیش کیا اور ایک آزاد کردہ غلام سے نکاح پر راضی نہ ہوئی۔ چونکہ اسلام کی غرض ان تفریقات کو مٹانا تھا اور سب مسلمانوں کو خواہ وہ کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں ایک کرنا تھا اس لیے یہ آیت نازل ہوئی پس یہ اللہ اور اس کے رسول کا فیصلہ ہے کہ مسلمان ایسے تعلقات میں خاندانی اور قومی تفریقات پیدا نہ کریں۔

نمبر۳ امسك عليك زوجك سے صاف پایا جاتا ہے کہ زیدؓ زینبؓ کو طلاق دینا چاہتے تھے اور نبی کریم صلعم روکتے تھے۔ اگر زینبؓ کا قصور ہوتا تو نبی صلعم زیدؓ کو طلاق سے نہ روکتے۔ یہی اتق الله سے معلوم ہوتا ہے اور الفاظ تخفی فی نفسك ما الله مبديه و تخشی الناس والله احق ان تخشه۔ یہیں گو عام

وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ٣٧

قطع تعلق کر لیا تو ہم نے اُسے تیرے نکاح میں دیدیا تاکہ مومنوں پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے جب وہ اُن سے قطع تعلق کر لیں۔ اور اللہ کا حکم ہو کر رہتا ہے ۱؎۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيْمَا فَرَضَ اللّٰهُ لَهٗ ۭ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَا ۨ ٣٨

نبیؐ پر اس کے بارے میں کوئی مضائقہ نہیں جو اللہ نے اس کے لیے مقرر کیا ہے یہی اللہ کا قانون ان کے بارے میں ہے جو پہلے گزر چکے۔ اور اللہ کا حکم ایک اندازہ ہے جو ٹھیرایا جا چکا ہے۔

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ٣٩

وہ لوگ جو اللہ کے پیغاموں کو پہنچاتے ہیں اور اسی سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوائے کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ حساب لینے والا بس ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ٤٠

محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں۔ اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ۲؎۔

طور پر خطاب آنحضرت صلعم کی طرف کیا گیا ہے اگر یہی صحیح ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ آنحضرت صلعم نہ چاہتے تھے کہ جس عورت کا نکاح ایک آیت قرآنی کے نزول پر ہوا ہے اب ناچاقی ہو کر وہاں طلاق واقع ہو جس پر معترض طرح طرح کی باتیں بنائیں اور یہی آپ کا لوگوں سے ڈرنا تھا یعنی آپ لوگوں کے ابتلا میں پڑنے سے ڈرتے تھے لیکن انہی الفاظ وتخفی فی نفسك ما الله مبديه وتخشى الناس والله احق ان تخشٰه کے متعلق ایک اور قول بھی تفاسیر میں ہے کہ ان میں پہلے الفاظ امسك عليك زوجك واتق الله کی طرح خطاب زیدؓ کو ہے اور غالباً صورت یہ تھی کہ زیدؓ زینبؓ سے کچھ بدسلوکی یا اس کی تحقیر اس خیال سے کرتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ یہ بیوی کو بڑا سمجھتا ہے اور یا الله مبديه میں بھی اشارہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ زینبؓ کو مقام بلند دینا چاہتا ہے اور زیدؓ اس کے مقام بلند کو چھپانا چاہتا ہے۔

نمبر ۱۔ زیدؓ کے طلاق دیدینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلعم کو زینبؓ سے نکاح کا حکم دیا اور یہی وہ بات ہے جسے یہاں زوجنکھا کہا ہے سیرت ابن ہشام میں ہے کہ زینبؓ کو اس کے بھائی نے آپؐ کے نکاح میں دیا اور چار سو درم مہر ادا کیا گیا۔ اصل بات یہ تھی کہ زیدؓ سے نکاح کے وقت بھی زینبؓ کے بھائی چاہتے تھے کہ رسول اللہ صلعم زینبؓ سے خود نکاح کر لیں۔ اب جب زیدؓ کی زیادتی کی وجہ سے وہ مطلقہ ہو گئیں تو رسول اللہ صلعم کا اخلاقی فرض تھا کہ انھیں اپنے نکاح میں لیتے۔ اس کے خلاف جو کچھ کہا جاتا ہے وہ منافقین کی مشہور کردہ کوئی روایت ہے ورنہ زینبؓ کو آنحضرت صلعم پہلے سے دیکھتے اور جانتے تھے اور اُن سے نکاح کرنا بھی آپ نے خود نہ چاہا۔

نمبر ۲۔ لغت میں ہے خاتم القوم وخاتمہم آخرہم۔ یعنی کسی قوم کا خاتم یا خاتم ان کا آخری ہے۔ انبیاء علیہم السلام ایک قوم ہیں پس ان کا خاتم ان کا آخری ہے پس نبیوں کے خاتم کے معنی نبیوں کی مہر نہیں بلکہ آخری نبی ہیں۔ یہاں ان سب احادیث کے نقل کرنے کی گنجایش نہیں جن میں خاتم النبیین کی تشریح کی گئی ہے یا جن میں آنحضرت صلعم کے بعد نبی کا نہ آنا بیان کیا گیا ہے اور یہ احادیث متواترہ ہیں جو صحابہ کی ایک بڑی جماعت سے مروی ہیں اور امت کا اس پر اجماع ہے کہ آنحضرت صلعم کے

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ﴿۴۱﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرو۔

وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ﴿۴۲﴾

اور صبح اور شام اس کی تسبیح کرو۔

هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ لِيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا ﴿۴۳﴾

وہی ہے جو تم پر درود بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے بھی۔ تاکہ تمھیں اندھیرے سے روشنی کی طرف نکالے۔ اور وہ مومنوں پر رحم کرنے والا ہے۔

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ۖۚ وَ اَعَدَّ لَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا ﴿۴۴﴾

ان کی دعائے ملاقات جس دن وہ اس سے ملیں گے سلامتی ہوگی اور ان کے لیے عزت والا اجر تیار کیا ہے۔

بعد نبی نہیں۔ ایک حدیث میں نبی صلعم کو قصر نبوت کی آخری اینٹ قرار دیا ہے کسی میں ہے میرے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والے دجال کذاب ہوں گے کسی میں ہے لا نبی بعدی، کسی میں ہے ختم بی النبیون میرے ساتھ نبی ختم کیے گئے، کسی میں ہے میرا نام عاقب ہے اور عاقب وہ ہے جس کے بعد نبی نہ ہو کسی میں ہے اگر میرے بعد نبی ہوتا تو عمرؓ ہوتا۔ کسی میں ہے کہ اے علیؓ تیری نسبت مجھ سے ہارونؑ اور موسیٰؑ کی نسبت ہے مگر میرے بعد نبی نہیں۔ کسی میں ہے نبوت اور رسالت منقطع ہوگئی، کسی میں ہے نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا مگر مبشرات اور مبشرات رویائے صالحہ ہیں۔ پس نبوت کا آنحضرت صلعم پر ختم ہونا قطعیات دینی میں سے ہے۔ اور اس کے خلاف جو کچھ احادیث میں سمجھا گیا ہے وہ ابن ماجہ کی ایک حدیث ہے لو عاش ابراھیم لکان نبیا۔ مگر اول اس سے امکان نبوت نہیں نکلتا بلکہ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا جس طرح یہاں دو خداؤں کا ہونا اور فساد دونوں ممتنع امر ہیں اسی طرح وہاں ابراہیم کا زندہ رہنا اور اس کا نبی ہونا دونوں ممتنع امر ہیں۔ دوسرے اس حدیث کی سند میں ضعف ہے کیونکہ اس میں ابوشیبہ ابراہیم ہے جسے ضعیف کہا گیا ہے۔ تیسرے اس کی تشریح دوسرے اقوال سے ہوتی ہے مثلاً بخاری میں عبداللہ بن ابی اوفیٰ کا قول ہے لو قضی بعد محمد صلعم نبی عاش ابنہ ابراھیم ولکن لا نبی بعدہ یعنی اگر آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی مقدر ہوتا تو آپ کا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا۔ لیکن آپ کے بعد کوئی نبی نہیں یا انسؓ کا قول ولو بقی لکان نبیا لکن لم یبق لان نبیکم آخر الانبیاء یعنی اگر ابراہیم زندہ رہتا تو نبی ہوتا لیکن وہ باقی نہیں رہا کیونکہ تمھارے نبی آخری نبی ہیں اور حضرت عائشہؓ کا قول سو اول بے سند ہے دوسرے احادیث کے خلاف صحابی کا قول کچھ وقعت نہیں رکھتا۔

اس آیت کا یہاں کیا تعلق ہے۔ اصل مضمون تو آنحضرت صلعم کا اسوۂ حسنہ ہونا تھا اور یہ کہ مومنوں کا تعلق آپ سے روحانی تعلق ہے اور آپ مومنوں کے لیے روحانی طور پر باپ ہیں اسی مضمون کو یہاں ادا کیا ہے اور بتایا ہے کہ محمد صلعم تمھارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں لیکن چونکہ اس سے جسمانی اور روحانی دونوں قسم کی ابوت کی نفی کا اشتباہ پیدا ہوتا تھا اس لیے حرف استدراک لکن سے فی الفور اس کا ازالہ کیا اور فرمایا رسول اللہ وہ اللہ کے رسول ہیں یعنی روحانی طور پر تمھارے باپ ہیں کیونکہ ہر ایک رسول اپنی امت کے حق میں روحانی طور پر باپ کا حکم رکھتا ہے جس طرح جسم کی ابتدا باپ سے ہوتی ہے روحانیت کی ابتدا رسول سے ہوتی ہے پس رسول اللہ کا لفظ ملا کر آپ کی ابوت روحانی کو قائم کیا لیکن یہاں پھر ایک وہم پیدا ہوتا تھا کہ جس طرح پہلے رسولوں کے بعد دوسرے رسول آتے جاتے رہے تو پہلے رسولوں کی ابوتِ روحانی منقطع ہو جاتی رہی کیا اسی طرح رسول اللہ صلعم کے ساتھ ہوگا تو فرمایا ایسا نہیں ہوگا بلکہ آپ خاتم النبیین بھی ہیں یعنی آخری نبی اور آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اس لیے آپ کی ابوتِ روحانی کا سلسلہ کبھی تاقیامت منقطع نہ ہوگا۔ بلکہ جو فیض ملے گا وہ صرف محمد رسول اللہ صلعم سے ہی ملے گا اور اسی فیض کے پانے سے ہی آپ کی امت کے لوگ مثیل انبیاء ہونگے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل اور یہ آیت آنحضرت صلعم کے بعد پرانے اور نئے نبی کے آنے سے یکساں مانع ہے۔ پس عیسیٰ کے اس امت میں آنے سے مراد یہی ہے کہ کوئی مجدد عیسیٰ صفت پیدا ہوگا۔ ورنہ خاتم النبیین کے بعد نبی کیسا۔ اور نبوت سے معزول ہو کر بھی وہ نہیں آسکتے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے خلاف ہے کہ پہلے ایک شخص کو نبی بنائے پھر اس سے نبوت چھین لے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا
وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ۝۴۵

اے نبیؐ ہم نے تجھے گواہ بنا کر بھیجا ہے اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا۔

وَّ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝۴۶

اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن کرنیوالا سورج۔

وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ مِّنَ
اللّٰهِ فَضْلًا كَبِيْرًا ۝۴۷

اور مومنوں کو بشارت دے کہ ان کے لیے اللہ کا بڑا فضل ہے۔

وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَدَعْ
اَذٰىهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَ كَفٰى
بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝۴۸

اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مان اور ان کے ایذا دینے کی پروا نہ کر اور اللہ پر بھروسا کر اور اللہ ہی کارساز بس ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ
الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ
اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ
عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا ۚ فَمَتِّعُوْهُنَّ وَ
سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝۴۹

اے لوگو جو ایمان لائے ہو جب تم مومن عورتوں سے نکاح کرو پھر تم انھیں طلاق دے دو قبل اس کے کہ تم انھیں چھوؤ تو تمھارے لیے ان پر کوئی عدت نہیں جسے تم شمار کرو۔ سو انھیں سامان دو اور انھیں خوبی کے ساتھ رخصت کر دو۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَحْلَلْنَا لَكَ اَزْوَاجَكَ
الّٰتِيْٓ اٰتَيْتَ اُجُوْرَهُنَّ وَ مَا مَلَكَتْ
يَمِيْنُكَ مِمَّآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلَيْكَ وَ بَنٰتِ
عَمِّكَ وَ بَنٰتِ عَمّٰتِكَ وَ بَنٰتِ خَالِكَ

اے نبیؐ ہم نے تیرے لیے تیری وہ بیویاں جائز کر دی ہیں جنھیں تو نے ان کے مہر دے دیئے ہیں اور جس کا تیرا دایاں ہاتھ مالک ہوا اس سے جو اللہ نے تجھے (کفار سے) دلایا ما؎ اور تیرے چچا کی بیٹیاں اور تیری پھوپھیوں کی بیٹیاں اور

نمبرا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کی بیویاں پہلے ہی آپ کے لیے جائز تھیں تو اس حکم کی ضرورت کیا پیش آئی؟ اس کی وجہ سورۃ النساء ۴ کا وہ حکم ہے جس کی رُو سے تعدد ازواج کی اجازت کو چار تک محدود کیا گیا اور آگے قد علمنا ما فرضنا علیهم فی ازواجهم میں اس کی طرف اشارہ بھی ہے پس مطلب اس کا یہ ہے کہ جہاں اور لوگوں کو جن کے پاس اس حکم کے نزول کے وقت چار سے زیادہ بیویاں تھیں چار کو رکھ کر باقی کو رخصت کر دینے کا حکم ہوا۔ نبی صلعم کو اجازت دی گئی کہ جس قدر ازواج آپ کے نکاح میں تھیں خواہ ان کی تعداد چار سے زیادہ ہو سب آپ کے لیے جائز ہیں اس فرق کی وجہ سوائے اس کے کوئی نہیں ہو سکتی کہ آپ کے نکاحوں کی غرض صرف تعلقاتِ زوجیت نہیں، بلکہ دینی غرض تھی +

دوم اُن عورتوں کو آپ کے لیے جائز قرار دیا۔ مما افاء اللہ علیک اس سے مراد وہ بیبیاں ہیں جو دشمن قوم سے آئیں اور ما ملکت یمینک ساتھ اس لیے بڑھایا کہ پھر وہ جائز طور پر آپ کے نکاح میں آئیں اس میں نبی کریم صلعم کے نکاحوں کی ایک غرض بتائی ہے کیونکہ دشمن قوم سے کسی بی بی کا نکاح میں لانا اسی غرض کے

وَ بَنٰتِ خٰلٰتِكَ الّٰتِیْ هَاجَرْنَ مَعَكَ ؗ
وَ امْرَاَةً مُّؤْمِنَةً اِنْ وَّهَبَتْ نَفْسَهَا
لِلنَّبِیِّ اِنْ اَرَادَ النَّبِیُّ اَنْ یَّسْتَنْكِحَهَا ۗ
خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ قَدْ
عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَیْهِمْ فِیْۤ اَزْوَاجِهِمْ
وَ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ لِكَیْلَا یَكُوْنَ
عَلَیْكَ حَرَجٌ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۵۰﴾

تیرے ماموؤں کی بیٹیاں اور تیری خالاؤں کی بیٹیاں جنھوں نے تیرے ساتھ ہجرت کی [۱]۔ اور مومن عورت اگر وہ اپنے تئیں نبیؐ کو بخش دے اگر نبیؐ چاہے کہ اس سے نکاح کرے یہ خاص تیرے لیے ہے۔ مومنوں کے لیے نہیں [۲]۔ ہم جانتے ہیں جو ہم نے ان کے لیے ان کی بیویوں کے اور ان کے بارے میں جن کے ان کے داہنے ہاتھ مالک ہوئے فرض کیا ہے تاکہ تجھ پر تنگی نہ ہو اور اللہ مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

تُرْجِیْ مَنْ تَشَآءُ مِنْهُنَّ وَ تُـْٔوِیْۤ اِلَیْكَ
مَنْ تَشَآءُ ؕ وَ مَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ
فَلَا جُنَاحَ عَلَیْكَ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ تَقَرَّ
اَعْیُنُهُنَّ وَ لَا یَحْزَنَّ وَ یَرْضَیْنَ بِمَاۤ
اٰتَیْتَهُنَّ كُلُّهُنَّ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا فِیْ
قُلُوْبِكُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَلِیْمًا ﴿۵۱﴾

(تجھے اختیار ہے کہ) ان میں سے جسے چاہے پیچھے رکھے اور جسے چاہے اپنے پاس جگہ دے اور جسے تو ان میں سے چاہے جن سے تو نے علٰحدگی اختیار کی تھی تو تجھ پر کوئی گناہ نہیں یہ بہت قریب ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور غمگین نہ ہوں اور سب کی سب اس پر راضی رہیں جو تو انھیں دے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تمھارے دلوں میں ہے اور اللہ جاننے والا بردبار ہے [۳]۔

لیے ہو سکتا ہے کہ دوسری قوم کے ساتھ اتحاد پیدا کیا جائے اور عداوت کی جڑ کاٹی جائے ایسے دو نکاح آپ کے ثابت ہیں ایک حضرت صفیہؓ کے ساتھ جو قوم یہود میں سے تھیں۔ دوسرا حضرت جویریہؓ کے ساتھ جو بنی المصطلق میں سے تھیں اور اُن کے رئیس حارث کی بیٹی تھیں۔

نمبر۱۔ یہ دوسری قسم کی عورتیں آپ کی قریبی تعلقات والی ہیں۔ چچا اور پھوپھی اور ماموں اور خالہ کی بیٹیاں جن سے یہاں توسیع کے طور پر دو اوّل الذکر سے قریشی بیبیاں اور دو مؤخر الذکر سے بنی زہرہ مراد لیے گئے ہیں۔ ان تعلقات تک آپ کے ازواج کو اس لیے محدود کیا ہے کہ ان کی خبرگیری آپ کے ذمہ تھی اور اسی لیے ہجرت بھی ساتھ شرط رکھی ہے اس سے معلوم ہوا کہ بعض صورتوں میں آپ کے نکاح کی غرض اُن بیکس بیبیوں کو پناہ میں لینا تھا جنھوں نے آپ کے ساتھ تکلیفیں اُٹھائیں۔

نمبر۲۔ تیسری قسم کی وہ عورتیں ہیں جو خود نبی صلعم سے خواہش نکاح کریں۔ جب نبی کے گھر کو دنیا کے سامانوں اور اس کی زینتوں سے پاک کر دیا گیا اور یہ بتا دیا گیا کہ نبی کی بیوی وہی ہو سکتی ہے جو دنیا پر دار آخرت کو ترجیح دے اور آپ کے اقوال اور افعال کو محفوظ رکھ کر دوسروں تک پہنچائے تو ظاہر ہے کہ یہ اجازت محض اسی لیے تھی کہ اگر کسی بی بی کے دل میں یہ تڑپ ہو تو اس کے لیے یہ دروازہ بند نہ ہو۔ بشرطیکہ نبیؐ بھی اسے اس بات کا اہل سمجھیں۔

نمبر۳۔ یہ واقعہ ایلاء کے متعلق ہے یعنی جب نبی صلعم نے ایک ماہ کے لیے اپنی بیویوں سے علٰحدگی اختیار کی گویا ایک طرف ازواج کو اختیار دیا گیا کہ وہ چاہیں تو مال لے کر رخصت ہو جائیں اور چاہیں تنگی کی حالت میں نبی صلعم کے گھر میں رہیں اور دوسری طرف آپ کو بھی اختیار دیا گیا کہ جسے چاہیں رکھیں اور جسے چاہیں طلاق دیں اور ممن عزلت میں بھی اسی علٰحدگی کی طرف اشارہ ہے اور ابتغاء سے مراد اس بی بی کو اپنے پاس جگہ دینا ہے اور اس کا دوبارہ ذکر اس لیے کیا کہ اس کی سفارش خاص طور پر کی ہے جیسا کہ ذٰلک ادنیٰ ان تقر اَعْیُنُهن سے ظاہر ہے یعنی تمھارا انھیں اپنے پاس رکھنا ہی ان کی راحت کا موجب ہے پس

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَآ اَنْ
تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكَ
حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ ۗ وَكَانَ
اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ﴿٥٢﴾ ع
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ
النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ
غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَلٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ
فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا
مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ۗ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ
يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَاللّٰهُ
لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ۗ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ
مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ۗ
ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ۗ وَمَا

(اس کے بعد تیرے لیے (اور) عورتیں (نکاح میں لانا) جائز نہیں اور
نہ یہ کہ تو ان کی جگہ دوسری بیویاں بدل لے خواہ ان کا حسن تجھے
اچھا لگے مگر جس کا تیرا دایاں ہاتھ مالک ہو چکا، اور اللہ
ہر چیز پر نگہبان ہے[۱]
اے لوگو جو ایمان لائے ہو نبی کے گھروں میں داخل
نہ ہو سوائے اس کے کہ تمھیں کھانے کے لیے اجازت دی
جائے (مگر) اس کے بھی پکنے کا انتظار کرنیوالے نہ ہو بلکہ جب تمھیں
بلایا جائے تو داخل ہو پھر جب تم کھانا کھالو تو تفرق ہو جاؤ اور
باتوں میں نہ لگ جاؤ۔ یہ بات نبی کو تکلیف دیتی
ہے مگر وہ تم سے حیا کرتا ہے اور اللہ حق
بات سے شرم نہیں کرتا[۲] اور جب تم ان سے کوئی
چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے ان سے مانگو۔ یہ
تمھارے دلوں کے لیے اور ان کے دلوں کے لیے بہت پاک ہے[۳]

مطلب یہ ہے کہ جب انھیں اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو نبی کے گھر میں رہیں اور چاہیں طلاق لے لیں اور ایسا ہی اختیار نبی کو دیا گیا کہ جسے چاہیں رکھیں اور جسے چاہیں طلاق دیدیں تو جب بیبیوں نے نبی کے گھر کو سب دنیا کی آسائشوں پر ترجیح دی تو آنحضرت صلعم کو بھی یہی حکم دیا گیا کہ سب کو اپنے پاس رکھیں اور آپ نے ایسا ہی کیا یعنی کسی کو طلاق نہ دی۔

نمبر۱۔ مال دنیا کے خیال کو ترک کر کے نبی صلعم کی رفاقت کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو آئندہ اور نکاح کرنے سے روک دیا اس وقت دس بیویاں آپ کے نکاح میں تھیں آپ کو نہ صرف اس تعداد پر بڑھانے سے روکا گیا بلکہ اس بات سے بھی کہ ان بیبیوں میں سے کسی کو طلاق دیکر اس کی جگہ اور نکاح کریں اور الا ما ملکت یمینك سے مراد وہی بیویاں ہیں جو بذریعہ عہد آپ اپنے نکاح میں لے چکے ہیں۔

نمبر۲۔ یہ ہدایت آنحضرت صلعم کے وقت کی قدر سکھانے کے لیے ہے اور عموماً ہر انسان کے وقت کی قدر سکھانے کے لیے۔

نمبر۳۔ حکم حجاب کا منشاء صرف اس قدر ہے کہ غیر مرد آزادانہ دوسرے گھروں میں نہ جا سکیں اور جو حکم نبی صلعم کی بیویوں کے لیے ہے وہ تمام مومن عورتوں کے لیے ہے۔ واقعی یہ حکم حجاب نہایت درجہ قلوب کی پاکیزگی کا موجب ہے۔ مردوں اور عورتوں کا وہ کھلا میل جول جو یورپ میں مروج ہے اس نے اس قدر تمام قلوب کو ناپاک کر دیا ہے جس کا نتیجہ زنا کی کثرت میں کھلا کھلا نظر آرہا ہے۔ اسلام کے احکام اعلیٰ درجہ کی حکمت پر مبنی ہیں جہاں عورتوں کے مردوں کے سامنے آئے بغیر کام ہو سکتا ہے وہاں ان کو سامنے آنے سے روک دیا ہے اور یوں عورتوں کو ناپاک مردوں کے جذبات کا شکار ہونے سے بچایا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ضرورت کے وقت بھی عورتوں کو باہر نکلنے سے منع کیا گیا ہے۔

كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ	اور تمھیں مناسب نہیں کہ اللہ کے رسول کو ایذا دو[1] اور نہ
اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ؕ	یہ کہ اس کی بیویوں سے اس کے بعد کبھی نکاح کرو[2] یہ
اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۝۵۳	بات اللہ کے نزدیک بہت بڑی ہے۔
اِنْ تُبْدُوْا شَيْـًٔا اَوْ تُخْفُوْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ	اگر تم کچھ ظاہر کرو یا اسے چھپاؤ تو اللہ تعالیٰ ہر چیز
كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝۵۴	کو جاننے والا ہے۔
لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ	ان پر اپنے باپوں کے سامنے ہونے میں کوئی گناہ نہیں
وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ	اور نہ اپنے بیٹوں کے اور نہ اپنے بھائیوں کے اور نہ اپنے بھتیجوں کے
اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا	اور نہ اپنے بھانجوں کے اور نہ اپنی عورتوں کے اور نہ اس
مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ؕ	کے جن کے ان کے داہنے ہاتھ مالک ہیں اور اے بی بیو، اللہ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝۵۵	کا تقویٰ کرو اللہ ہر چیز پر گواہ ہے[3]۔
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ	اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں اے لوگو
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ	جو ایمان لائے ہو اس پر درود بھیجو اور

نمبر۱۔ یہ ایذا دینا آپ کے متعلق غلط باتوں کے پھیلانے سے تھا اور یہ کام اصل میں منافق کرتے تھے اور بعض مسلمان اپنی سادگی سے ان باتوں کو پھیلا دیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اس قسم کے جھوٹے قصے جو منافقین نے مشتہر کیے تھے روایات میں بھی راہ پا گئے۔

نمبر۲۔ جب ازواج مطہرات کو امہات المومنین قرار دیا تو اس بات سے بھی روکا کہ آپ کے بعد انھیں کوئی شخص اپنے نکاح میں لائے کیوں کہ بیوی بننے سے اس مرتبۂ بلند سے گر کر ایک ادنیٰ حیثیت قبول کرنی پڑتی اور یہ ظاہر ہے کہ جو بی بی کسی دوسرے کے نکاح میں آجاتیں اُن کی وہ حیثیت ام المومنین ہونے کی باقی نہ رہتی اور اس کے ساتھ ہی وہ غرض بھی مفقود ہو جاتی جس کے لیے وہ نبی کریم صلعم کی زوجیت میں آئی تھیں پھر وہ نمونہ کہاں دکھا سکتی تھیں جو نبی کی بیوی ہونے کی حیثیت میں دکھایا اور علاوہ اس کے زوجہ کی حیثیت میں خاوند کے بعض خیالات کا اثر ان پر ضرور پڑتا اور یہ بات خود موجب فتنہ ہوتی۔ جب تمام دنیوی آسائشوں کو نبی کریم صلعم کی زوجیت کی خاطر ترک کیا تو یہ بھی ایک آسایش تھی جسے ترک کرایا گیا۔ جس طرح ان کا باقی آسائشوں کو ترک کرنا دین کے لیے ضروری تھا اسی طرح اس آسایش کو ترک کرنا بھی دین کی خاطر ضروری تھا۔ حضرت ماریہ قبطیہؓ کا یہاں سے ازواج مطہرات میں ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ حکم ازداج کے لیے ہے اور نبی کریم صلعم کی وفات کے بعد آپ کو بھی ازواج میں شمار کرکے اس حکم کے ماتحت سمجھا گیا۔ حالانکہ اگر ان کی حیثیت لونڈی کی ہوتی تو وہ ازواج میں داخل نہ ہوتیں بلکہ ما ملکت ایمانہم میں داخل کرکے انھیں اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا جاتا۔ صحابہ کے اس عمل نے اُن کے ازواج میں ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیا ہے اس آیت کے شان نزول میں جو بعض باتیں لکھی ہیں کہ فلاں صحابی نے یوں کہا تھا تو وہ منافقین کی انہی ایذا دہ باتوں میں سے ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا اور جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ منافق ایسی باتیں کہتے تھے یہی صحیح ہے۔

نمبر۳۔ یہ استثنا اظہار زینت میں ہے عام عورتوں کے لیے اسی کی مثل حکم سورہ نور میں گزر چکا ہے۔

وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾

سلام بھیجو ۔[۱]

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۵۷﴾

وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ نے دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کیا ہے۔

وَ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۸﴾ ع

اور وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایذا دیتے ہیں بغیر اس کے کہ انھوں نے (قصور) کیا ہو تو وہ بہتان اور کھلے گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں ۔[۲]

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَ بَنٰتِكَ وَ نِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾

اے نبی اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں سے کہہ دے کہ اپنی چادریں اپنے اوپر اوڑھ لیا کریں ۔ یہ زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچان لی جائیں تو انھیں ایذا نہ دی جائے ۔ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۔[۳]

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِي

اگر منافق اور وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور مدینہ میں بری خبریں اڑانے والے باز نہ آئیں

نمبر۱ ۔ اللہ کی صلوٰۃ تزکیہ ہے یا رحمتوں کا نزول کرنا ۔ فرشتوں کی صلوٰۃ استغفار یا طلبِ حفاظت ہے ۔ مومنوں کی صلوٰۃ دعا کے رنگ میں ہے جس طرح آنحضرت کی مومنوں پر صلوٰۃ (وصلّ علیہم) دعا کے رنگ میں ہے اور درود شریف کی تعلیم حدیث میں دی گئی ہے ۔ یہ ذکر ایذا کی باتوں کے بالمقابل کیا ہے یعنی ایک طرف تو وہ لوگ ہیں جو ایذا کی باتیں کرتے ہیں تو مومنوں کو حکم ہوتا ہے کہ تم آپ کے لیے رحمت و برکت کی دعا کرو جس میں اشارہ یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کی عزت و مرتبہ دنیا میں ترقی کرتا رہے گا کیونکہ جو دعا اللہ تعالیٰ خود سکھاتا ہے وہ ضائع نہیں ہو سکتی ۔

نمبر۲ ۔ آنحضرت صلعم کے ذکر کے بعد عام مومن مردوں اور مومن عورتوں کا ذکر کر کے بتایا کہ نیک اور پاک لوگوں پر تہمت لگانے والے خواہ وہ پاک لوگ خود نبی ہوں یا ان کے ساتھی سب ایک حکم میں ہیں ۔ جو لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم پر اور ائمہ اور مجددین پر ناپاک تہمتیں لگاتے ہیں وہ غور کریں ۔

نمبر۳ ۔ پردہ کا حکم سورہ نور میں گزر چکا ہے اور یہاں یہ ذکر ہے کہ مسلمان بیبیاں چادریں اوڑھ لیا کریں تاکہ پہچان لی جائیں اور اگر وہ پہلے ہی چادریں اوڑھتی ہوتیں تو انھیں سے پہچان لی جاتیں پس یہ الفاظ صاف بتاتے ہیں کہ پہلے یہ حکم نازل ہوا ہے اور اس کی غرض صرف اسی قدر تھی کہ مسلمان بیبیوں کو شہر کے بدمعاش تکلیف نہ دیں کیونکہ روایات سے ثابت ہے کہ لونڈیاں اور آزاد عورتیں رات کو جب قضائے حاجت کے لیے باہر نکلتیں تو بعض بدمعاش رستوں پر بیٹھے رہتے اور عورتوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے اور پھر عذر کر دیتے کہ ہم نے اس بی بی کو لونڈی خیال کیا تھا تو پس یہ ایک امتیازی نشان قرار دیا گیا جس سے شریف عورتیں پہچانی جا سکیں اور کوئی ان سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی جرأت نہ کر سکے ۔ بعد میں مستقل حکم سورہ نور میں دیا کہ عورتیں زینت کو چھپا کر باہر نکلا کریں اور چادریں اوپر ڈال لیا کریں پس جلباب اور خمار سے ایک ہی مراد ہے ۔

الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا
يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا ۖ ﴿٦٠﴾

تو ہم تجھے ان کے خلاف اٹھائیں گے پھر وہ اس (شہر)
میں تیرے ساتھ نہ رہنے پائیں گے مگر تھوڑا ؎۱

مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا
تَقْتِيْلًا ﴿٦١﴾

پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں پائے جائیں گے پکڑے جائیں
گے اور قتل کیے جائیں گے۔

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ﴿٦٢﴾

(ایسا ہی) اللہ کا قانون ان میں (رہا ہے) جو پہلے گزر چکے
اور تو اللہ کے قانون میں کوئی تبدیلی نہ پائے گا۔

يَسْـَٔلُكَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ ۭ قُلْ اِنَّمَا
عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَمَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّ
السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْبًا ﴿٦٣﴾

لوگ تجھ سے (موعود) گھڑی کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دے
اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور تجھے کیا معلوم ہے کہ
شاید وہ گھڑی قریب ہی ہو۔

اِنَّ اللّٰهَ لَعَنَ الْكٰفِرِيْنَ وَاَعَدَّ لَهُمْ سَعِيْرًا ﴿٦٤﴾

اللہ تعالیٰ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لیے جلتی ہوئی آگ تیار کی ہے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۚ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا
وَّلَا نَصِيْرًا ﴿٦٥﴾

ہمیشہ اس میں رہیں گے نہ کوئی دوست پائیں گے اور نہ کوئی
مددگار۔

يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ
يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ﴿٦٦﴾

جس دن ان کے منہ آگ میں الٹائے جائیں گے کہیں گے اے کاش!
ہم نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ہوتی اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔

وَقَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاۗءَنَا
فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا ﴿٦٧﴾

اور کہیں گے اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں
کی اطاعت کی سو انھوں نے ہمیں رستہ سے گمراہ کر دیا۔

رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ
وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ﴿٦٨﴾

اے ہمارے رب انھیں دوچند عذاب دے اور ان
پر بہت بڑی لعنت کر۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ
اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنھوں
نے موسیٰ کو ایذا دی سو اللہ نے اسے اس سے بری کیا جو وہ

نمبر۱ اس آیت میں انہی لوگوں کا ذکر ہے جو رسول اللہ صلعم اور مومنوں کے متعلق ایذا دہ باتیں کرتے تھے۔ ان کے متعلق یہاں صریح پیشگوئی ہے کہ آخرکار یہ یا تو ان باتوں سے رک جائیں گے ورنہ مدینہ سے نکال دیئے جائیں گے۔

وَ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ﴿۶۹﴾	کتے تھے اور وہ اللہ کے نزدیک مرتبے والا تھا۔[1]
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾	اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقوےٰ کرو اور سیدھی بات کہو۔
يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾	وہ تمھارے لیے تمھارے عملوں کی اصلاح کریگا اور تمھارے گناہ تمھیں بخش دے گا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اس نے بڑی بھاری کامیابی حاصل کی۔
اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَ اَشْفَقْنَ مِنْهَا وَ حَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿۷۲﴾	ہم نے امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں پر پیش کیا تو انھوں نے انکار کیا کہ اس کا بوجھ اٹھائیں اور اس سے ڈرے اور انسان نے اس کا بوجھ اُٹھا لیا۔ وہ بڑا ظلم کرنے والا بڑا جاہل ہے[2]۔

نمبر۱۔ بخاری میں حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کے ایذا دینے کا قصہ یوں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰؑ لوگوں سے شرم کی وجہ سے اپنے جسم کو بہت چھپایا کرتے تھے تو لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ موسیٰؑ کو برص کی بیماری ہے یا کوئی اور بیماری ہے جس کی وجہ سے وہ لوگوں کے سامنے ننگے نہیں ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے جب ان کی بریت کا ارادہ کیا تو یوں ہُوا کہ ایک دن حضرت موسیٰؑ تنہائی میں ننگے نہا رہے تھے اور کپڑے ایک پتھر پر رکھے ہوئے تھے تو پتھر کپڑے لے کر بھاگا۔ تب حضرت موسیٰؑ اس کے پیچھے پیچھے بھاگے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل کے لوگوں کے سامنے آگئے اور انھوں نے دیکھ لیا کہ آپ کو ایسی کوئی بیماری نہیں اور حضرت موسیٰؑ نے اپنے کپڑے لے لیے اور پتھر کو مارنا شروع کیا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ بخاری کی حدیث ہے مگر بخاری کتاب اللہ نہیں اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا ایک ایک حرف واقعی رسول اللہ صلعم کے منہ سے نکلا ہُوا ہے اور اس لیے اس کے ہر ایک لفظ پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ممکن ہے یہ روایت ہی غلط ہو یا رسول اللہ صلعم کے الفاظ پورے طور پر محفوظ نہ رہے ہوں اور حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ موسیٰؑ کا یہ ایذا دینا آپ پر ہارونؑ کے قتل کا الزام دینا تھا اور بعض روایات میں ہے کہ آپ پر نعوذ باللہ زنا کا الزام لگایا گیا تھا اور اس آخری روایت کے مطابق بائبل (گنتی ۱:۱۲) میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی بہن نے اُن پر اُن کی کوشی بی بی کے متعلق کچھ الزام لگایا تھا اور اس آیت کے شان نزول میں لکھا ہے کہ یہ زینبؓ کے نکاح کے قصہ میں نازل ہوئی تو یہ بات بھی بائبل کے بیان کی مؤید ہے اور حق یہی ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا ذکر یہاں قطعاً اصل مقصود نہیں بلکہ بتانا یہ ہے کہ نبی صلعم پر اسی طرح کا الزام لگایا گیا اور اس میں کچھ شک معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت زینبؓ کے متعلق جو بعض قصے روایات میں آگئے ہیں۔ یہ منافقوں نے بنا کر مشہور کیے اور یہی وہ روایت ہے جس کی طرف یہاں اشارہ ہے اور یوں قرآن کریم نے ان ناپاک قصوں کی تردید کی ہے۔

نمبر۲۔ لسان العرب میں ہے کہ زجاج کا قول ہے کہ یہاں یحملنھا کے معنی ہیں اس میں خیانت کریں اور امانت یہاں وہ فرائض ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے مقرر کیے ہیں اور انسان اس جگہ کافر اور منافق ہے اور ابو اسحاق اس آیت کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو وہ امانت دی ہے جو اُن پر اپنی طاعت سے فرض کیا ہے اور آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو بھی امانت دی ہے جیسا کہ فرمایا ائتیا طوعاً او کرھاً قالتا اتینا طائعین (حٰم السجدۃ ۔ ۱۱) سو اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ آسمان اور زمین نے امانت کو نہیں اٹھایا یعنی اسے ادا کیا اور ہر شخص جو امانت میں خیانت کرتا ہے وہ امانت کو اُٹھاتا ہے جس طرح گناہ کرے تو کہتے ہیں حمل الاثم اور آسمانوں اور زمین نے انکار کیا کہ امانت کا بوجھ اُٹھائیں اور اس امانت کو ادا کیا اور اس کا ادا کرنا اللہ کی طاعت ہے اس میں جو انھیں حکم دیا اور اس پر عمل کرنا اور معصیت کا ترک کرنا اور حملھا الانسان میں حسن کہتے ہیں کافر اور منافق مراد ہے۔ انھوں نے امانت کا بوجھ اپنے اوپر لیا یعنی اس میں خیانت کی اور طاعت نہ کی اور یہ معنی صحیح ہیں اور جو کوئی انبیاء اور صدیقوں اور مومنوں میں سے اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو اسے ظلوم جھول نہیں کہا جاتا اور اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے جو آگے آتا ہے لیعذب

لِّيُعَذِّبَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ وَ يَتُوْبَ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۷۳ ع	تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو سزا دے اور (تاکہ) اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں پر رجوع برحمت کرے۔ اور اللہ مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے ؎۱

سُوْرَةُ سَبَاٍ مَكِّيَّةٌ (۳۴)

آیاتہا ۵۴ — رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝	اللہ بےانتہا رحم والے باربار رحم کرنے والے کے نام سے
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ ؕ وَ هُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝۱	سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس کا وہ (سب کچھ) ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور آخرت میں (بھی) اور وہ حکمت والا خبردار ہے۔
يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَ مَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا ؕ وَ هُوَ الرَّحِيْمُ الْغَفُوْرُ ۝۲	وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو اس میں چڑھتا ہے اور وہ رحم کرنے والا بخشنے والا ہے ؎۳

اللہ المنافقین۔ اور بعض نے حمل امانت سے مراد فرائض انسانی کا اختیار کرنا لیکر ظلوم سے مراد لی ہے کہ باوجود ضعف کے اس امانت کو لے لیا۔ اور یہ اپنے نفس پر ظلم تھا اور جہول سے مراد لی ہے کہ عاقبت کو نہ سوچا مگر اس میں بُعد ہے اور سیاق مضمون پہلے معنے کو ہی چاہتا ہے۔

نمبر۱۔ اس میں بتایا کہ عذاب درحقیقت اسی خیانت کا نتیجہ ہے جو انسان کرتا ہے یعنی جب وہ ان قویٰ کو جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیئے ہیں ٹھیک طور پر استعمال نہیں کرتا تو اس کا نتیجہ دکھ ہوتا ہے۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام السبا ہے اور اس میں ۶ رکوع اور ۵۴ آیتیں ہیں۔ سبا کی قوم ملک یمن میں رہتی تھی اور ان کی تباہی کا واقعہ آنحضرت صلعم کے زمانہ سے قریب ترین تھا۔ یعنی یہ پہلی یا دوسری صدی عیسوی کا واقعہ ہے اور ان کے متعلق بیان تبلایا ہے کہ ہم نے ان کو بڑی بڑی نعمتیں دیں مگر انھوں نے ناشکری کی اس لیے ان پر تباہی آئی۔ اسی کی طرف مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے کہ نعمتوں کے بعد ناشکری پر اللہ تعالیٰ اظہار ناپسندیدگی فرمایا کرتا ہے۔ جب پچھلی سورتوں میں اسلام کے غلبہ کی پیشگوئیاں کیں اور آخر سورہ احزاب میں دکھا بھی دیا کہ اسلام کو کفر کی کوئی طاقت تباہ نہیں کر سکی تو اب ایک ایسی سورت اس کے بعد رکھی ہے جس میں یہ بتایا ہے کہ یہ انعام جو مسلمانوں پر ہوا محض ان کے اعمال کے لحاظ سے ہُوا۔ اگر نعمت کے ملنے پر انھوں نے ناشکری کی تو ان کا انجام بھی وہی ہوگا جو ان سے پہلے قوموں کا ہُوا +
یہ سورت بالاجماع مکّی ہے اس کے زمانہ نزول کی تعیین مشکل ہے لیکن نفس مضمون کے لحاظ سے درمیانی مکّی زمانہ میں رکھی جا سکتی ہے۔

نمبر۳۔ اس میں اپنے جسمانی اور روحانی قوانین کی طرف توجہ دلائی ہے۔ زمین میں داخل ہونے والی چیز پانی ہے اور اس سے نکلنے والی سبزی اور روئیدگی ہے۔ یہ تو جسمانی قانون ہے اور اس کے مقابل پر روحانی قانون یہ ہے کہ آسمان سے وحی اُترتی ہے جو پانی کے مشابہ ہے اور اس میں چڑھنے والی چیز عمل ہے اور انہی نتائج اعمال کے حق ہونے کی طرف اس رکوع میں توجہ دلائی ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِيْنَا السَّاعَةُ ؕ
قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ ۙ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ
لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ
وَلَا فِي الْاَرْضِ وَلَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ
وَلَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۳﴾

اور کافر کہتے ہیں وہ گھڑی ہم پر نہیں آئے گی۔ کہہ، ہاں میرے رب کی قسم (جو) غیب کا جاننے والا ہے وہ تم پر آکر رہے گی اس سے ایک ذرّہ بھر بھی غائب نہیں رہتا (نہ آسمان) میں اور نہ زمین میں اور نہ اس سے چھوٹا اور نہ بڑا مگر سب کچھ ایک کھلی کتاب میں ہے۔

لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۴﴾

تاکہ ان لوگوں کو بدلہ دے جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں ان کے لیے مغفرت اور عزت والا رزق ہے۔

وَالَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿۵﴾

اور جو لوگ ہماری آیتوں کے ہرانے میں کوشش کرتے ہیں۔ ان کے لیے سخت قسم کا دردناک عذاب ہے۔

وَيَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ
اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَيَهْدِيْۤ
اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴿۶﴾

اور وہ جنھیں علم دیا گیا ہے جانتے ہیں کہ وہ جو تیری طرف تیرے رب کی طرف سے اتارا گیا وہی سچ ہے اور اس کا رستہ دکھاتا ہے جو غالب تعریف کیا گیا ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ
عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ
مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۚ﴿۷﴾

اور کافر کہتے ہیں کیا ہم تمھیں ایک آدمی بتائیں جو تمھیں خبر دیتا ہے کہ جب تم ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو پھر تم ایک نئی پیدائش میں آؤ گے۔

اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ
بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ﴿۸﴾

اس نے اللہ پر جھوٹ بنایا ہے یا اسے جنون ہے بلکہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ عذاب میں اور دور کی گمراہی میں ہیں۔

اَفَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا
خَلْفَهُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنْ
نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ
عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

کیا وہ اس پر غور نہیں کرتے جو ان کے سامنے اور جو ان کے پیچھے آسمان اور زمین سے ہے۔ اگر ہم چاہیں تو انھیں زمین میں نابود کردیں۔ یا اُن پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دیں۔ اس میں ہر ایک رجوع کرنے والے

لَاٰيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ﴿٩﴾
وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ۗ يٰجِبَالُ
اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ
الْحَدِيْدَ ﴿١٠﴾
اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِي السَّرْدِ
وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١١﴾
وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ
رَوَاحُهَا شَهْرٌ ۚ وَاَسَلْنَا لَهٗ عَيْنَ
الْقِطْرِ ۭ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ يَّعْمَلُ بَيْنَ
يَدَيْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۭ وَمَنْ يَّزِغْ مِنْهُمْ
عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿١٢﴾

بندے کے لیے نشان ہے۔
اور داؤدؑ کو ہم نے اپنی طرف سے بزرگی دی۔ اے
پہاڑو! اس کے ساتھ تسبیح کرو اور پرندوں کو (ان کے) کام
میں لگایا اور ہم نے ان کے لیے لوہے کو نرم کر دیا[1]
کہ فراخ زرہیں بنا اور (ان کے) بنانے میں اندازہ نگاہ رکھ
اور اچھے عمل کرو جو تم کرتے ہو میں اُسے دیکھتا ہوں[2]
اور سلیمان کے لیے ہوا کو (کام میں لگا دیا) اس کی صبح کی منزل ایک مہینے
کی راہ تھی اور شام کی منزل بھی ایک مہینے کی راہ اور ہم نے اس کے لیے
پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہا دیا[3] اور جنوں میں سے کچھ وہ تھے جو اس کے
سامنے اس کے رب کے حکم سے کام کرتے اور جو کوئی ان
میں سے ہمارے حکم سے پھرتا ہم اسے جلتی ہوئی آگ کا عذاب چکھاتے[4]

نمبر۱۔ بنی اسرائیل پر جو انعام ظاہری ہُوا یعنی حکومت اور بادشاہت وہ اپنے کمال کو داؤدؑ اور سلیمانؑ میں پہنچا اس لیے یہاں انھیں دو کا ذکر کیا ہے۔ اصل غرض تو قوم سبا کا ذکر ہے لیکن چونکہ سبا کی بڑائی اور عظمت کا زمانہ حضرت سلیمانؑ سے تعلق رکھتا ہے اس لیے تمہیداً پہلے داؤدؑ اور سلیمانؑ کا ذکر کیا اور یہ بھی بتایا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ انعام دیتا ہے اور اس کے بعد قومیں ظلم و زیادتی کرتی ہیں تو پھر ان کی پاداش بھی ملتی ہے۔ پہاڑوں کی تسبیح اور پرندوں کی تسخیر اور زرہوں کے بنانے کے لیے دیکھو الانبیاء ۔ ۹، پر نوٹ۔

اور لوہے کے نرم کرنے سے کیا غرض ہے یہ آگے خود بتایا یعنی یہ کہ زرہیں بناؤ اور لوہے کے نرم ہونے سے ہی چیزیں بن سکتی ہیں۔

نمبر۲۔ حضرت داؤدؑ کے ذکر میں دوسری جگہ ہے وعلّمنٰہ صنعۃ لبوس لکم لتحصنکم من باسکم (الانبیاء ۔ ۸۰) اور یہاں بھی سابغات سے مراد فراخ زرہیں ہیں اور قدر فی السرد سے مراد عموماً یہ لی گئی ہے کہ زرہ کے حلقوں کو مناسب اندازہ سے بنا مگر ایک قول یہ ہے کہ زرہ کے بنانے میں اندازہ سے وقت صرف کرو اور سارا وقت اس میں صرف نہ کرو اور یہی معنی سیاق کے مطابق ہیں کیونکہ آگے آتا ہے واعملوا صالحًا۔ مطلب یہ ہے کہ نبی کا کام نہیں کہ سارا زور جنگ پر صرف کر دے وہ ایک ضرورت وقتی ہے اور اصل غرض اعمال صالحہ ہیں۔

نمبر۳۔ حضرت سلیمانؑ کے لیے ہوا کی تسخیر پر دیکھو الانبیاء ۔ ۸۱ پر نوٹ۔ صبح اور شام کے آنے جانے کو شہر کہا ہے یعنی ایک ماہ کا سفر اور مطلب یہ لیا گیا ہے کہ صبح کے وقت اتنی دور پہنچا دیتی تھی کہ ایک مہینہ میں آدمی سفر کر سکے اور اگر اس سے جہازوں کا چلنا مراد لیا جائے جو ہُوا سے ہی چلتے تھے تو مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ صبح کے وقت روانہ ہوتے ہوئے شام تک اتنا سفر کر لیتے تھے جس قدر ایک ماہ میں کیا جاتا اور ایسا ہی شام کے وقت چلے ہوئے صبح تک اتنا ہی کام کر لیتے اور یا مطلب غدوھا سے ان کی کسی ملک کی طرف روانگی ہے اور رواح سے مراد اُن کی واپسی، جس طرح چارپایوں کے شام کو گھر آنے کو اراحۃ کہا جاتا ہے اور مطلب یہ ہو کہ ایک ایک مہینہ تک کے سفر پر آپ کے جہاز جاتے تھے۔

نمبر۴۔ جنوں سے مراد وہی لوگ ہیں جنھیں دوسری جگہ شیاطین کہا ہے دیکھو الانبیاء ۔ ۸۲ پر نوٹ اور یہ قسم قسم کے کاریگر لوگ تھے جو غیر اسرائیلی اقوام سے حضرت سلیمانؑ کی حکومت کے ماتحت تھے (۲۔ تواریخ ۔ ۲:۱۷) ان کے کاموں کا آگے خود ذکر کیا ہے اور نذقہ من عذاب السعیر میں اشارہ اُن سخت سزاؤں کی طرف ہے جو نافرمانی پر دی جاتی تھیں۔ اور جنّ معاملات میں تیز اور زود رس انسان کو بھی کہا جاتا ہے

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ	وہ اس کے لیے جو وہ چاہتا تھا بناتے تھے (یعنی) مسجدیں اور مجسمے
وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ	اور (بڑے بڑے) لگن جیسے تالاب اور ایک جگہ دھری رہنے
رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا ؕ	والی دیگیں۔ اے آل داؤد شکر کرتے ہوئے عمل کرو۔
وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ﴿۱۳﴾	اور میرے بندوں میں سے تھوڑے شکرگزار ہیں ۱؎
فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ	سو جب ہم نے اس پر موت کا حکم صادر کیا تو انھیں اس کی
عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ	موت کا پتہ کسی چیز نے نہ دیا مگر ایک زمین کے کیڑے نے جو
مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ	اس کے عصا کو کھا گیا۔ سو جب وہ گر گیا جنوں پر واضح ہوگیا کہ اگر
لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا	وہ غیب جانتے تو رسوا کرنے والے دُکھ میں
فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۱۴﴾	نہ رہتے ۲؎۔
لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ ۚ	سبا کے لیے ان کی سکونت کی جگہ میں ایک
جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّشِمَالٍ ۚ	نشان تھا، دو باغ دائیں اور بائیں تھے۔

نمبر۱۔ تمثال یا مجسمے جو سلیمانؑ کے لیے بنائے گئے بعض کے نزدیک حیوانات کے تھے، بعض کے نزدیک فرشتوں اور انسانوں کے تھے اور بائبل میں ہے "اس نے پاک ترین مکان میں دو کروبیوں کو تراش کر بنایا" (۲۔تواریخ ۳ : ۱۰) "اور اس کے نیچے بیلوں کی صورتیں اس کے گرداگرد دس دس ہاتھ تک تھیں" "اور حورام نے برتن اور پھاوڑے اور کٹورے بنائے"۔ (۲۔تواریخ ۴ : ۳ و ۱۱) کہا گیا ہے کہ اس شریعت میں تصاویر وغیرہ کا بنانا ناجائز تھا، مگر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایسی باتوں کے جواز یا عدم جواز کا انحصار نیات پر ہے۔

نمبر۲۔ مفسرین نے یہاں ایک قصہ لکھا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی جب وفات قریب آئی تو انھوں نے دعا کی کہ میری موت کا علم جنوں کو نہ ہو تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جن علم غیب نہیں جانتے جیسا کہ انھیں دعوی تھا۔ چنانچہ آپ ایک عصا کا سہارا لیے کھڑے ہوئے حالت عبادت میں فوت ہو گئے اور اسی طرح ایک سال کھڑے رہے یہاں تک کہ دیمک نے عصا کو کھا لیا تب آپ گر پڑے۔ اس قصہ کی کوئی اصلیت توریت میں نہیں ہے اور گو ابن جریر نے اسے حدیث مرفوع کے طور پر بیان کیا ہے مگر ابن کثیر کہتے ہیں کہ اس کی صحت میں نظر ہے اور اسے غریب اور منکر کہا ہے اور بظاہر یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس مضمون کا یہاں کیا تعلق ہے۔ اگر ایسا ہوا بھی تو اس کو اس موقعہ پر بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ حضرت سلیمانؑ پر اپنی نعمتوں کے ذکر کے بعد بتانا تو یہ چاہیئے تھا جیسا آگے سبا کے ذکر میں بتایا ہے کہ جب پچھلے لوگوں نے ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے وہ نعمتیں چھین لیں۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی وفات کے جلد ہی بعد اس سلطنت کی حالت خراب ہو گئی حضرت سلیمانؑ کے بیٹے رحبعام کے تخت نشین ہونے کے تھوڑی دیر بعد یربعام کی انگیخت پر بنی اسرائیل نے کچھ مطالبات پیش کیے اس وقت حضرت سلیمانؑ کے پرانے مشیروں نے رحبعام کو یہ مشورہ دیا کہ وہ قوم کو تنگ نہ کرے اور ان کے مطالبات کو قبول کرلے مگر اس نے بجائے اُن مشیروں کی بات سننے کے اپنے نوجوان ساتھیوں کے کہنے پر بنی اسرائیل کے مطالبات کا سخت جواب دیا اور ان پر سختی کرنے کی ٹھانی جس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ دس قومیں باغی ہوگئیں اور حضرت سلیمانؑ کی سلطنت برباد ہو گئی۔ اور رحبعام کی حکومت صرف ایک چھوٹی سی شاخ پر رہ گئی (اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ غیر اسرائیلی قومیں بھی آزاد ہو گئیں (دیکھو ۱۔سلاطین باب ۱۲)۔ پس دابۃ الارض یہی رحبعام حضرت سلیمانؑ کا بیٹا ہے جس کی نظر صرف زمین تک محدود تھی اور سلیمانؑ کے عصا کا کھایا جانا اس کی سلطنت کی بربادی ہے اور جنّ سے مراد غیر قومیں ہیں جنھوں نے اب تک بنی اسرائیل کی ماتحتی کا جُوا اُٹھایا ہُوا تھا۔

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾

اپنے رب کے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر کرو اچھا شہر اور بخشنے والا رب ہے ۱۔

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ شَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾

تو انھوں نے منہ پھیر لیا سو ہم نے ان پر زور کا سیلاب بھیجا اور ان کے دو باغوں کی جگہ دو اور باغ بدل دیئے. جن میں تلخ میوے اور جھاؤ اور کچھ تھوڑی سی بیریاں تھیں ۲۔

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ وَ هَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾

یہ سزا ہم نے انھیں دی اس لیے کہ انھوں نے ناشکری کی اور ہم ناشکر گزار ہی کو سزا دیتے ہیں۔

وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَ اَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور ہم نے ان میں اور ان بستیوں میں جن میں ہم نے برکت دی تھی نظر آنے والی بستیاں بنائی تھیں اور ہم نے ان میں سفر کا اندازہ کر دیا تھا، ان میں راتوں اور دنوں کو امن سے چلو ۳۔

نمبر۱۔ سبا یمن کے ایک شہر کا نام ہے۔ یہاں مراد اس سے وہ قبائل ہیں جو سبا کی نسل سے تھے اور دائیں اور بائیں باغوں سے مراد یہ ہے کہ دائیں طرف بھی باغ ہی باغ تھے اور بائیں طرف بھی جیسا کہ قتادہ سے مروی ہے اور شہر کو طیب بلحاظ اس کی اعلیٰ درجہ کی آب و ہوا کے کہا ہے۔ چونکہ سبا کا تعلق سلیمانؑ سے بھی تھا اس لیے اس ذکر کے بعد اس ذکر کو شروع کیا ہے۔

نمبر۲۔ اس قوم نے ایک بڑا بند لگا کر پہاڑوں کے پانی کا ذخیرہ بنایا ہوا تھا جس پر اُن کی خوشحالی کا دارومدار تھا مگر جب انھوں نے نعمائے الٰہی سے اعراض کیا تو وہی بند ٹوٹ کر اُن کی تباہی کا موجب ہو گیا اور باغوں کی جگہ جنگل بن گئے۔ اس بند کا ٹوٹنا ایک تاریخی واقعہ ہے جو پہلی یا دوسری صدی عیسوی کا ہے ان لوگوں کی طرف کسی نبی کے آنے کا ذکر یہاں نہیں ہے اور یہ زمانہ بھی فترت کا تھا۔ پس ان کا اعراض ان نعمتوں سے اعراض تھا جو اُن کو دی گئیں اس سے معلوم ہوا کہ نعمتوں کی قدر نہ کرنے پر بغیر انبیاء کے آنے کے بھی عذاب آ جاتا ہے اور اگلی آیت میں ان کے کفر سے مراد بھی ناشکر گزاری ہے جس پر لفظ کفور بھی شاہد ہے اور اس قوم کی تباہی کا واقعہ چونکہ قریب ترین واقعہ آنحضرت صلعم کے زمانہ سے تھا اس لیے اس کی طرف کفار کے ساتھ مسلمانوں کو بھی توجہ دلائی ہے کہ اگر نعمتیں ملنے کے بعد ناشکر گذاری کریں گے تو مواخذہ کے نیچے بھی آئیں گے اور اس کے لیے کسی نئے رسول کے بھیجنے کی ضرورت نہ ہو گی۔ اس لیے کہ آنحضرت صلعم کو کافۃ للناس بھیجا گیا ہے دیکھو آیت ۲۸۔

نمبر۳۔ یہ بھی اہل سبا کا ذکر ہی ہے۔ یمن اور شام میں بڑی بھاری تجارت تھی۔ اصل میں یہ لوگ سمندر کے رستے ہندوستان اور دیگر ممالک سے تجارت کرتے تھے اور پھر ان تمام ممالک کی اشیاء کو لا کر شام میں پہنچاتے تھے۔ گویا تجارت کے لیے درمیانی بن کر دونوں طرف سے فائدہ اٹھاتے تھے اور تجارت سے دولت اور اس کے ساتھ آسایش میں ترقی ہوتی ہے تب لوگ دنیا میں مبتلا ہو کر اللہ تعالیٰ کو بھول جاتے ہیں۔ میور کہتا ہے کہ یہ تجارت بہت رونق پر تھی اور اس سے یہ قوم بہت دولت مند ہو گئی تھی اور لکھتا ہے کہ حضرموت سے ایلہ تک اس وقت ستر منزلیں تھیں اور وہی آج بھی موجود ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان سب بستیوں کو اپنی طرف

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَظَلَمُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَمَزَّقْنٰهُمْ
كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ
صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾

تو انھوں نے کہا اے ہمارے رب ہمارے سفروں میں دوری ڈال دے اور اپنی جانوں پر ظلم کیا پس ہم نے انھیں افسانے بنا دیا اور انھیں ریزہ ریزہ کر دیا۔ اس میں ہر ایک صبر کرنے والے شکر کرنیوالے کے لیے نشان ہیں ۱؎۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ
فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور شیطان نے ان پر اپنا ظن سچ کر دکھایا، سو مومنوں کی ایک جماعت کے سوائے انھوں نے اس کی پیروی کی ۲؎۔

وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا
لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ
مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ
ع شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾

اور اسے ان پر کوئی غلبہ حاصل نہ تھا مگر یہ اس لیے ہوا کہ ہم اسے جو آخرت پر ایمان لاتا ہے اس سے الگ کر دیں جو اس کے بارے میں شک میں ہے اور تیرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي
السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا
مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾

کہ ان کو بلاؤ جنھیں تم اللہ کے سوائے (معبود) سمجھتے ہو وہ ایک ذرہ کے برابر بھی اختیار نہیں رکھتے (نہ) آسمانوں میں اور نہ زمین میں اور نہ ان دونوں میں ان کی کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں اس کا کوئی مددگار ہے۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ
لَهٗ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا
مَاذَا ۙ قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ ۚ وَ

اور اس کے ہاں شفاعت کوئی فائدہ نہیں دیتی مگر اس کے لیے جس کے بارے میں وہ اجازت دے یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو جائے گی کہیں گے کیا ہے جو تمھارے

منسوب فرمایا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے سامانوں سے انسان جو کچھ بناتا یا حاصل کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی اسے دیتا ہے اور رات اور دن کو امن سے سفر کرنے کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قدر رستہ چلتا تھا کہ رات چلنے والوں کو بھی اس پر خطرہ نہ تھا۔

نمبر۱۔ ربنا باعد بین اسفارنا ہو سکتا ہے کہ زبان قال سے کہا اور ہو سکتا ہے کہ زبان حال سے کہا اور دوسرے معنی زیادہ موزوں ہیں یعنی اُن کی ناشکر گزاری زبان حال سے اپنی تجارت کی تباہی مانگنا تھی فجعلنٰھم احادیث یعنی ان کے قصّے باقی رہ گئے اور اس قوم کا نام و نشان مٹ گیا۔

نمبر۲۔ ابلیس کا ظن یہی تھا کہ انسان میرے پیچھے لگ کر اور شہوات دنیوی میں منہمک ہو کر تباہ ہو جائیں گے اور اگلی آیت میں صاف بتا دیا کہ ان لوگوں پر بھی ابلیس کو سلطان یعنی تسلط حاصل نہ تھا یعنی وہ خود اس کے پیچھے لگے ورنہ شیطان کو کوئی ایسی طاقت نہیں دی گئی کہ وہ زبردستی لوگوں کو اپنے پیچھے لگا لے۔

هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾
ربّ نے کیا ہے کہیں گے حق (فرمایا ہے) اور وہ بلند اور بڑا ہے ۱؎

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ
کہ کون تمھیں آسمانوں اور زمین سے رزق دیتا ہے

وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّاۤ اَوْ اِيَّاكُمْ
کہ اللہ اور ہم یا تم سیدھے رستے پر ہیں یا کھلی گمراہی میں

لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾
ہیں ۲؎

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ
کہ تم سے اس کے متعلق باز پرس نہ ہوگی جو ہم نے جرم کیا ہو

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾
اور ہم سے اس کے متعلق پرسش نہ ہوگی جو تم کرتے ہو۔

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا
کہ ہمارا رب ہمیں جمع کرے گا پھر ہمارے درمیان انصاف کے

بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾
ساتھ فیصلہ کریگا اور وہ خوب فیصلہ کرنے والا جاننے والا ہے ۳؎

قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ
کہ مجھے وہ دکھاؤ جنھیں تم نے شریک بنا کر اس کے ساتھ ملا

كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾
رکھا ہے ہرگز نہیں بلکہ وہی اللہ غالب حکمت والا ہے ۴؎

وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا
اور ہم نے تجھے تمام ہی لوگوں کے لیے خوشخبری دینے والا اور

وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾
جانتے ۵؎

نمبر۱۔ اس آیت کے معنی میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں ان میں سے دو معنی سیاق کے لحاظ سے ہو سکتے ہیں یعنی ایک یہ کہ جس گھبراہٹ کے واقع ہونے اور دُور ہونے کا ذکر ہے وہ قیامت کی گھبراہٹ ہے اور ماذا قال ربکم کہنے والے مشفوع ہیں اور الحق کہنے والے شافع اور الحق سے مراد اذن شفاعت ہے اور دوسرے یہ کہ یہ فترت کے بعد نزول وحی کے متعلق ہے اور اس کی توجیہہ یوں کی گئی ہے کہ جب وحی کے نزول پر ایک لمبا زمانہ گزر گیا اور پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کا نزول آنحضرت صلعم پر ہُوا تو ملائکۂ سماء نے خیال کیا کہ قیامت آگئی ہے پھر جب ان کا خوف دُور ہُوا تو بعض نے کہا کہ کیا حکم ہُوا ہے تو دوسروں نے کہا الحق یعنی وحی الٰہی کا نزول ہُوا ہے اور ایک معنی یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ فزع عن قلوبھم میں اس گھبراہٹ کا دُور ہونا مراد ہے جو قوم کی تباہی پر پیدا ہوتی ہے یعنی قیامت وسطیٰ کے بعد اور مطلب یہ ہے کہ ان کی تباہی صرف مخالفت کی تباہی ہوگی اور آخر کار یہ لوگ حق کو پہچان لیں گے۔

نمبر۲۔ یہ لف ونشر مرتب ہے اور معنی ظاہر ہیں کہ ایک گروہ اہل توحید کا ہے اور ایک اہل شرک کا، اب ظاہر ہے کہ ان میں سے ہدایت پر کون ہے اور گمراہی میں کون۔

نمبر۳۔ اللہ تعالیٰ کا سب کو جمع کرنا ایک تو قیامت کے دن ہے اور اسی دن سب فیصلے کھُلے کھُلے ہونگے لیکن جب من العذاب الادنیٰ (السجدہ ۳۲ - ۲۱) کے وعدے کھلے کھلے قرآن شریف میں موجود ہیں جب کفار کی مسلمانوں پر چڑھائی اور ان کی شکست کا ذکر موجود ہے سیھزم الجمع ویولون الدبر (القمر ۵۴ - ۴۵) اور یہاں آگے آیت ۲۹ میں سوال بھی موجود ہے متیٰ ھذا الوعد جو وہ ہمیشہ اپنی ہلاکت کی پیشگوئیوں پر کرتے تھے۔ تو اس جمع کرنے سے مراد بھی اسی دنیا میں جمع کرنا ہے یعنی کسی میدان میں حریفوں کے طور پر ہر دو فریق کا لے آنا اور یہ مسلمانوں اور کفار کی جنگ کی طرف اشارہ ہے۔

نمبر۴۔ اَرُونی سے مراد یہاں دلائل سے دکھانا ہے اور عزیز کے لفظ میں اشارہ ہے کہ اس کا نام پھیلانے والے غالب ہونگے اور بُت تمہاری کچھ بھی مدد نہ کر سکیں گے۔

نمبر۵۔ یہاں کافۃ کے لفظ کو اختیار کر کے یہ بتایا ہے کہ آپ کی رسالت عامہ سے اب کوئی شخص باہر نہیں نکل سکتا گویا اس سے خروج سے روکا گیا ہے کیونکہ

وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا ، اگر تم سچے ہو۔

قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّ لَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

کہہ تمہارے لیے ایک دن کی میعاد ہے اس سے تم ایک گھڑی پیچھے نہیں رہ سکتے اور نہ بڑھ سکتے ہو۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ لَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚۖ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ﹰالْقَوْلَ ۚ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْ لَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾

اور کہتے ہیں ہم اس قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس پر جو اس سے پہلے ہے اور اگر تو دیکھے جب ظالم اپنے رب کے سامنے کھڑے کیے جائیں گے ایک دوسرے کی طرف بات لوٹائیں گے جو کمزور تھے وہ انھیں جو بڑے تھے کہیں گے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہوتے۔

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾

جو بڑے تھے وہ اُنھیں جو کمزور تھے کہیں گے کیا ہم نے تمھیں ہدایت سے روکا تھا اس کے بعد کہ وہ تمہارے پاس آگئی بلکہ تم خود مجرم تھے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَ نَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَ جَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور جو کمزور تھے وہ انھیں جو بڑے تھے کہیں گے بلکہ (یہ تمہاری) رات اور دن کی تدبیریں (تھیں) جب تم ہمیں کہتے تھے کہ ہم اللہ کا انکار کریں اور اس کے شریک ٹھیرائیں اور جب عذاب دیکھیں گے تو ندامت کو چھپائیں گے ۲ اور جو کفر کرتے ہیں ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال دیئے ہیں ان کو بدلہ نہیں ملے گا مگر اسی کا جو وہ کرتے تھے۔

کف کے معنی روکنا ہیں۔ یہ آیت بھی ختم نبوت پر دلیل ہے کیونکہ جب کوئی شخص اس رسالت سے باہر نہیں نکل سکتا تو اور رسول کی بھی ضرورت نہیں۔

نمبر ۱۔ ہوسکتا ہے کہ میعاد یوم میں اشارہ یہ ہو کہ میرے چلے جانے کے بعد ایک دن کی میعاد ہو گی جیسا کہ دوسری جگہ ہے عسی ان یکون ردف لکم بعض الذی تستعجلون (النمل ۲۷ - ۷۲) اور دن سے مراد پیشگوئی میں ایک سال لیا جائے گا اور پہلا اجتماع مسلمانوں اور کفار کا ہجرت سے ایک سال گزر جانے کے بعد ہوا۔

نمبر ۲۔ اسرار ندامت سے مراد اظہار بھی ہوسکتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّذِیْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ ۙ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝۳۴

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانیوالا نہیں بھیجا، مگر اس کے آسودہ حال لوگوں نے کہا جو تمھیں دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس کے منکر ہیں۔

وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۙ وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ۝۳۵

اور کہتے ہیں ہم مال اور اولاد میں بڑھ کر ہیں اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائے گا۔

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝۳۶

کہہ میرا رب جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِیْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰۤی اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۙ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِی الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ۝۳۷

اور نہ تمھارے مال اور نہ تمھاری اولاد وہ چیز ہے جو مرتبہ میں تمھیں ہمارے قریب کرے مگر جو ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو ان کے لیے ان کے عمل کا دوچند اجر ہے اور وہ بلند مقامات میں امن میں ہوں گے۔

وَالَّذِیْنَ یَسْعَوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ فِی الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ۝۳۸

اور جو لوگ ہماری آیتوں کو ہرانے کی کوشش کرتے ہیں وہ عذاب میں حاضر کیے جائیں گے۔

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَیَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ۝۳۹

کہہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے رزق کی کشایش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے اس کے لیے تنگ کرتا ہے اور جو چیز تم خرچ کرو وہ اس کا بدلہ دیتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔

وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اَهٰۤؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ۝۴۰

اور جس دن ان سب کو اکٹھا کرے گا پھر فرشتوں کو کہے گا کیا یہ لوگ تمھاری عبادت کرتے تھے؟ نمبر ا

نمبرا۔ اس لیے کہ مشرک ملائکہ کو اللہ کی بیٹیاں کہتے اور انھیں دیویاں سمجھ کر ان کی عبادت کرتے تھے اگلی آیت میں جواب مذکور ہے کہ یہ ہماری نہیں بلکہ

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ۝٤١

کہیں گے، تو پاک ہے تو ہمارا کارساز ہے نہ یہ بلکہ وہ جنّوں کی عبادت کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر ان پر ایمان لانے والے تھے۔

فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۗ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝٤٢

سو آج تم میں سے کوئی دوسرے کے لیے نفع کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ نقصان کا اور جو ظلم کرتے تھے ہم انھیں کہیں گے آگ کا عذاب چکھو جسے تم جھٹلاتے تھے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ۗ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝٤٣

اور جب اُن پر ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں، کہتے ہیں یہ صرف ایک (ایسا) شخص ہے جو چاہتا ہے کہ تمھیں ان سے روک دے جس کی عبادت تمھارے باپ دادا کرتے تھے اور کہتے ہیں یہ صرف بنایا ہوا جھوٹ ہے اور کافر حق کے بارے میں جب وہ ان کے پاس آگیا کہتے ہیں ۔ یہ تو کھلا جادو ہے۔

وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ۝٤٤

اور ہم نے انھیں کوئی کتابیں نہیں دیں جنھیں وہ پڑھتے ہوں اور ہم نے تجھ سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈرانیوالا نہیں بھیجا۔

وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِيْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝٤٥ ع

اور انھوں نے (بھی) جھٹلایا جو اُن سے پہلے تھے اور یہ اس کے دسویں حصّے کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے انھیں دیا تھا سو انھوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا پس میری ناپسندیدگی کیسی تھی م۱

جنّوں یعنی شیاطین کی عبادت کرتے تھے کیونکہ انہی راہوں پر چلتے تھے جن پر شیطان چلاتا تھا۔ اسی ذیل میں سب لوگ آتے ہیں جو نیک بندوں کو خدا بناتے ہیں جیسے پرستاران مسیح۔ یہ لوگ فی الحقیقت انھیں معبود نہیں بناتے کیونکہ ان کی بتائی ہوئی راہوں پر نہیں چلتے بلکہ جنّوں یا شیاطین یا اپنی خواہشات کو اپنا معبود بناتے ہیں۔ کیونکہ انہی کے پیچھے لگتے ہیں۔

نمبر۱۔ واقعی عرب کے لوگ سامان دنیا کے لحاظ سے بعض پہلی قوموں کے مقابل پر کچھ بھی حقیقت نہ رکھتے تھے لیکن انھوں نے بھی جب جھٹلایا تو ان کی طاقت دنیوی انھیں اللہ تعالیٰ کی سزا سے نہ بچا سکی مطلب یہ ہے کہ اپنے مال اور اولاد پر کیا فخر کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو بڑے بڑے جبار بھی اس کے سامنے یوں گر جاتے ہیں کہ ان کا نام و نشان باقی نہیں رہتا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَ فُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۫ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿٤٦﴾

کہ میں تمھیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لیے دو دو اور ایک ایک کر کے کھڑے ہو جاؤ پھر غور کرو، کہ تمھارے ساتھی کو کچھ جنون نہیں ہے[1]۔ وہ صرف تمھیں سخت عذاب سے پہلے ڈرانے والا ہے۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿٤٧﴾

کہ جو میں تم سے اجر مانگتا ہوں وہ تمھارے لیے ہی ہے۔ میرا اجر صرف اللہ تہ پر ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے[2]۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۚ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿٤٨﴾

کہ میرا رب حق فرماتا ہے، وہ غیب کی باتوں کا خوب جاننے والا ہے[3]۔

قُلْ جَاۗءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ ﴿٤٩﴾

کہ حق آ گیا اور باطل نہ (کسی امر کی) ابتدا کر سکتا ہے۔ اور نہ لوٹا سکتا ہے[4]۔

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰي نَفْسِيْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَيْتُ فَبِمَا يُوْحِيْٓ اِلَيَّ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ قَرِيْبٌ ﴿٥٠﴾

کہ اگر میں گمراہ ہوں تو میری گمراہی اپنی ہی جان پر ہے اور اگر میں سیدھے راہ پر ہوں تو اس کی وجہ سے ہے جو میرا رب میری طرف وحی کرتا ہے وہ سننے والا قریب ہے۔

نمبر۱۔ تنہائی میں انسان کو غور کا موقع ملتا ہے اس لیے فرمایا کہ ایک ایک دو دو ہو کر اس معاملہ پر غور کرو۔ مجنون انسان کو دنیا کی بہتری کی فکر نہیں ہو سکتی وہ تو اپنی بہتری بھی نہیں سوچ سکتا، دوسروں کی کیا سوچے گا۔

نمبر۲۔ اجر تو آپ کوئی مانگتے ہی نہ تھے ان اجری الا علی اللہ۔ پس یہاں اجر سے مراد صرف یہ ہے کہ جو کچھ میں تمھیں کرنے کو کہتا ہوں، وہ صرف تمھاری بھلائی کے لیے ہے۔

نمبر۳۔ یہاں مراد قذف بالحق سے صرف رمی یعنی پھینکنا ہے اور اگر دور پھینکنا مراد لیا جائے تو اشارہ اس کے اطراف واکناف عالم میں اشاعت کی طرف ہے یا اس لفظ کے اختیار کرنے میں اشارہ ایک زیادہ مخلوق کی طرف ہے جو حق سے بہت دور پڑی ہوئی تھی اور حق سے مراد یہاں وحی یا قرآن کریم ہے اور ابن عباسؓ سے یہ معنی بھی مروی ہیں کہ حق کو باطل پر پھینکتا ہے اس صورت میں علام الغیوب میں اس پیشگوئی کی طرف اشارہ ہے کہ باطل حق کے سامنے نابود ہو جائے گا جیسا دوسری جگہ فرمایا فیدمغہ فاذا ھو زاھق (الانبیاء۔ ۱۸) اگلی آیت میں بھی اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

نمبر۴۔ دوسری جگہ فرمایا قل جاء الحق و زھق الباطل ..... (بنی اسرائیل۔ ۸۱) اور یہاں اس باطل کے نابود ہونے کی طرف ان الفاظ میں اشارہ ہے مایبدئ الباطل ومایعید یعنی اس کا کوئی اثر باقی نہ رہا اور یہ محاورہ قبیلہ کی ہلاکت سے ماخوذ ہے کیونکہ جب وہ ہلاک ہو جائے تو اس کے لیے نہ کسی امر میں ابتدا کرنا باقی رہتا ہے نہ اس کا اعادہ کرنا اور باطل سے مراد یہاں کفر و شرک ہے۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا — اور کاش تو دیکھتا جب گھبرا اٹھیں گے تو (اس وقت) بچ نہ
مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿۵۱﴾ — سکیں گے اور نزدیک مکان سے پکڑے جائیں گے ۱؎
وَّقَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ — اور کہیں گے ہم اس پر ایمان لائے اور ان کے لیے دور جگہ
مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾ — سے (ایمان کا) پالینا کہاں (ممکن) ہے ۲؎
وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ — اور اس کا پہلے انکار کر دیا اور دور جگہ سے بن دیکھے (اٹکل
بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ — پچو) باتیں کرتے ہیں ۳؎
وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ — اور ان کے اور ان کی خواہشوں کے درمیان ایک روک ڈال
كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ — دی جائے جس طرح پہلے ان جیسے لوگوں سے کیا گیا۔ وہ بے چین
اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ﴿۵۴﴾ — کر دینے والے شک میں تھے ۴؎

سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَّكِّيَّةٌ (۳۵)

اٰیاتہا ۴۵ — رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنیوالے کے نام سے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — سب تعریف اللہ کے لیے ہے (جو) آسمانوں اور زمین کا پیدا

نمبر۱۔ یہاں مراد ہے لا یفوتون اس سے یعنی اللہ تعالیٰ کی گرفت سے دور نہ ہو سکیں گے یا بچ نہ سکیں گے اور مکان قریب سے پکڑا جانے سے مراد یہاں عذاب دنیا کا آنا ہے اور ابن زید نے اس میں بدر کی طرف اشارہ لیا ہے۔

نمبر۲۔ مطلب یہ ہے کہ ایک اور جگہ سے (یعنی موت کے بعد) ایمان کا پالینا کس طرح ممکن ہے اور جب قریب مکان (یعنی اس دنیا) میں تھے تو اس وقت ایمان نہ لاتے تھے یعنی جب ان کے اختیار میں تھا اور ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر رجوع الی الدنیا مراد ہے۔ مراد وہی لوگ ہیں جو عذاب میں گرفتار ہو کر مارے گئے کہ مرنے کے بعد وہ چاہیں گے کہ ایمان لائیں اور اگلی آیت میں وقد کفروا بہ من قبل میں اس دنیا میں کفر کرنے کا ذکر ہے۔

نمبر۳۔ یہاں ان کے اس دنیا میں کفر اور تک بازیوں کا ذکر ہے اور مکان بعید سے مراد یہاں معقولی رنگ میں بعید ہونا مراد ہے۔

نمبر۴۔ ما یشتہون سے مراد آیات بالا کے لحاظ سے رجوع الی الدنیا یا ایمان یا طاعت وغیرہ مفسرین نے لیا ہے مگر وہ چیز جسے کفار چاہتے ہیں وہ اغراض دنیوی ہیں۔ پس مراد یہ ہے کہ وہ عذاب جو ان کی موت کا موجب ہوگا۔ ان کی محبوب چیزوں کو ان سے دور کر دے گا۔ یا ما یشتہون سے مراد حق کو نابود کرنے کی خواہش ہے کہ وہ پوری نہ ہوگی اور وہ ناکام رہیں گے۔

نمبر۵۔ اس سورت کا نام فاطر ہے اور ملائکہ بھی اس کا نام ہے اور اس میں پانچ رکوع اور پینتالیس آیتیں ہیں اور اس کے نام فاطر میں جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے یہ اشارہ ہے کہ وہ خدا جس نے فطرت انسانی کو بنا کر خدا سے ملنے کی تڑپ اس میں رکھی ہے اُسے اس تڑپ کے پورا کرنے کا سامان بھی دیا ہے اس لیے اس کا مضمون بھی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت روحانی ہی ہے۔ پچھلی سورت میں مسلمانوں پر اپنے انعامات کا ذکر دوسرے لوگوں کے ذکر میں کیا تھا۔ یہاں بتایا کہ وہ خدا جو جسمانی طور پر لوگوں کی ربوبیت فرماتا ہے روحانی طور پر بھی فرماتا ہے اور تمام امتوں میں رسول بھیجنے کے بعد اب اس نے اپنی روحانی نعمت کتاب اللہ کا وارث امت محمدیہ کو بنایا ہے۔

سورت مکی ہے اور زمانہ نزول وہی معلوم ہوتا ہے جو پچھلی سورت کا ہے۔

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ
مَّثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِي
الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①

کرنیوالا ہے (اور) فرشتوں کو رسول بنانیوالا (ہو) دو دو تین
تین چار چار بازوؤں والے (ہیں)، وہ پیدائش میں جو
چاہتا ہے بڑھاتا ہے اللہ ہر چیز پر قادر ہے ۔ ~~مثلہ~~ [1]

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا
مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ
لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ②

اللہ جو رحمت لوگوں کے لیے کھولے تو اس کو بند کرنے
والا کوئی نہیں اور جسے وہ بند کر دے تو اس کے بعد اسے کوئی
کھولنے والا نہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے ۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ؕ
هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللّٰهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ
السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫ۖ
فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ③

اے لوگو ! اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو کیا اللہ کے
سوائے کوئی اور پیدا کرنے والا تمھیں آسمان اور زمین سے رزق
دیتا ہے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں ، سو تم کہاں سے
الٹے پھر جاتے ہو ۔

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ
مِّنْ قَبْلِكَ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ④

اور اگر یہ تجھے جھٹلاتے ہیں تو تجھ سے پہلے رسول (بھی) جھٹلائے
گئے اور اللہ کی طرف ہی (سب) کام لوٹائے جاتے ہیں ۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا
تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ٚ وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ

اے لوگو ! اللہ کا وعدہ سچا ہے سو تمھیں دنیا کی زندگی
دھوکا نہ دے اور نہ بڑا دھوکا دینے والا تمھیں اللہ کے بارے

نمبر ۱ - فرشتوں کی رسالت دو طرح پر ہے ایک امور جسمانی میں ایک امور روحانی میں ۔ وہ مدبرات امور جسمانی بھی ہیں یعنی وہ وسائط جن کے ذریعہ سے نظم عالم جسمانی قائم ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی وحی اور اس کا کلام اس کے خاص بندوں یعنی اس کے انبیاء اور اولیاء کو پہنچانے والے بھی ہیں اور یہاں فاطر کا لفظ اختیار کرنے میں خصوصیت سے اشارہ اسی کی طرف ہے کہ وہ خدا جس نے فطرت انسانی کے اندر ایک پیاس رکھی ہے کہ کسی ہستیٔ بالا سے تعلق پیدا کرے اس نے لازماً اس فطرت کی پیاس کے بجھانے کا سامان بھی دیا ہے اس لیے فاطر کے ساتھ ہی ملائکہ کی رسالت کا ذکر کیا اور فرشتوں کو اولی اجنحۃ کہا ہے اور جناح پرند میں پر ہیں جس سے وہ پرواز کر کے ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ سکتا ہے اور انسان میں اس کا ہاتھ یا بازو ہے جس کی مدد سے وہ کام کرتا ہے پر نہیں ۔ پس فرشتہ کا جناح اپنے رنگ کا ہوگا اس کی کیفیت کو ہم نہیں جان سکتے کیونکہ وہ جسم نہیں جسے ہم دیکھ سکیں اور جو لوگ فرشتوں کے پرندوں جیسے پر سمجھتے ہیں وہ غلطی کھاتے ہیں اور مثنیٰ وثلث وربع کو بعض نے یرسلون محذوف قرار دیکر اس کے متعلق مانا ہے یعنی فرشتے دو دو تین تین بھیجے جاتے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ اجنحۃ کی صفت ہے یعنی فرشتوں میں بھی تفاوت ہے سب فرشتے یکساں نہیں بعض دو جناح والے ہیں بعض تین جناح والے اور بعض چار والے اور یزید فی الخلق میں یہ اشارہ ہے کہ بعض کے جناح اس سے بھی زیادہ ہیں چنانچہ حدیث متفق علیہ میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے جبرئیل کو دیکھا اور اس کے چھ سو جناح تھے اور ظاہر ہے کہ جس طرح انسان کی طاقت اس کے بازو سے ہے اسی طرح جن ملائکہ کے جناح زیادہ ہیں وہ زیادہ قوت اور طاقت والے ہیں اور یہاں اس ذکر کی غرض اللہ تعالیٰ کی نعمائے جسمانی اور روحانی کی طرف توجہ دلانا ہے ۔

بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ۵

میں دھوکا دے۔

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ
عَدُوًّا ۭ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا
مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ۶

شیطان تمہارا دشمن ہے سو اُسے دشمن سمجھو وہ صرف اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ جلتی ہوئی آگ کے رہنے والوں میں سے ہوں۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ڛ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۷ ع

جو کافر ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ اور جو ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں، ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ
حَسَنًا ۭ فَاِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَاۗءُ وَ
يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ڮ فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ
عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا
يَصْنَعُوْنَ ۸

تو کیا وہ شخص جسے اس کا عمل بھلا معلوم ہوتا ہے اور وہ اسے اچھا سمجھتا ہے ہدایت پا سکتا ہے، سو اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ پس تیری جان ان پر افسوس کرتے ہوئے ہلاک نہ ہو جائے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں ۔۱

وَاللّٰهُ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ
سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَحْيَيْنَا
بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ كَذٰلِكَ النُّشُوْرُ ۹

اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ہواؤں کو بھیجتا ہے سو وہ بادل کو اٹھاتی ہیں پس ہم اسے ایک مُردہ شہر کی طرف چلاتے ہیں پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتے ہیں اسی طرح جی اٹھنا ہے ۔۲

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ

جو کوئی عزت چاہتا ہے تو سب عزت اللہ کے لیے ہی ہے،

نمبر۱۔ جب انسان گمراہی میں یہاں تک دُور نکل جائے کہ بدی کو اچھا سمجھے تو اس کا ہدایت پانا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔ یہی حالت عرب کی بحیثیت قوم ہو چکی تھی کردہ بدیوں پر علانیہ فخر کرتے تھے اور اُنھیں اچھا سمجھ کر کرتے تھے۔ یہ حالت اخلاقی موت کی ہے اور اس وقت یہ حالت عرب کی ہی نہیں بلکہ کل عالم کی ہو چکی تھی ایسے لوگوں کے لیے نبی کریم صلعم کا دل رنج سے پگھلتا تھا جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین (الشعراء ۳) آپ کے قلب کا یہ درد ہی تھا جس نے آخرکار ایسے سخت دلوں کو بھی موم کر دیا۔

نمبر۲۔ اس نشور سے اُس قیامت روحانی کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جو نبی کریم صلعم کے دردِ دل سے برپا ہونے والی تھی کیونکہ آسمانی پانی وحی کی جگہ ہے اور مردہ زمین سے مُردہ دلوں کا ذکر مقصود ہے اور مردہ زمین کا آسمانی پانی سے زندہ ہونا بتاتا ہے کہ مُردہ دل وحی الٰہی کی تاثیر سے زندہ ہو جائیں گے اور کذلک النشور میں اگر نشور سے مراد قیامت کبریٰ ہی لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ جس طرح نبی کریم صلعم کی وحی کے طفیل ایک قیامت روحانی برپا ہوگی اور اسی کا ذکر بادل کے آنے اور مردہ زمین کے زندہ ہونے میں ہے اسی طرح قیامت کبریٰ بھی ہو کر رہے گی۔

جَمِيْعًا ۭ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ	اسی کی طرف پاک کلمے چڑھتے ہیں اور نیک عمل اس کو بلند کرتا
وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ ۭ وَ الَّذِيْنَ	ہے ۱؎ اور جو لوگ بُری مخفی تدبیریں کرتے
يَمْكُرُوْنَ السَّيِّاٰتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ	ہیں ان کے لیے سخت عذاب ہے اور ان کی مخفی
وَ مَكْرُ اُولٰٓئِكَ هُوَ يَبُوْرُ ⑩	تدبیر ملیامیٹ ہو جائے گی۔
وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ	اور اللہ نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا۔ پھر نطفہ سے پھر تمھیں
ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ۭ وَ مَا تَحْمِلُ مِنْ	جوڑے بنایا۔ اور کوئی عورت حمل میں نہیں لیتی اور
اُنْثٰى وَ لَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَ مَا يُعَمَّرُ	نہ جنتی ہے مگر اسے علم ہوتا ہے، اور کسی عمر والے کو
مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّ لَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖٓ	عمر نہیں دی جاتی اور نہ کسی کی عمر کم ہوتی ہے، مگر یہ
اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ⑪	سب کچھ ایک کتاب میں ہے یہ اللہ پر آسان ہے۔
وَ مَا يَسْتَوِي الْبَحْرٰنِ ڰ هٰذَا عَذْبٌ	اور دو دریا برابر نہیں، یہ میٹھا ہے خوش ذائقہ،
فُرَاتٌ سَآئِغٌ شَرَابُهٗ وَ هٰذَا مِلْحٌ	اس کا پینا خوش گوار ہے اور یہ کھاری ہے کڑوا۔
اُجَاجٌ ۭ وَ مِنْ كُلٍّ تَاْكُلُوْنَ لَحْمًا	اور ہر ایک سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو اور
طَرِيًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْنَ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ	زیور نکالتے ہو، جسے تم پہنتے ہو۔
وَ تَرَى الْفُلْكَ فِيْهِ مَوَاخِرَ لِتَبْتَغُوْا	اور تو کشتیوں کو دیکھتا ہے کہ اسے پھاڑتی چلی جاتی ہیں۔
مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑫	تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو ۲؎

نمبر۱: عزت وہ حالت ہے جو انسان کو مغلوب ہونے سے بچانے والی ہو۔ پس بتایا کہ ہر انسان یہ چاہتا ہے کہ اسے عزت حاصل ہو اور وہ ذلت کی حالت سے بچے۔ تو عزت کا اصل سرچشمہ العزیز خدا ہی ہے جو سب غالبوں پر غالب ہے پس اس سے تعلق پیدا کرے اور اس کے لیے دو طریق بتائے۔ ایک کلمۂ طیب یا پاکیزہ کلمات جس سے مراد لا الٰہ الا اللہ لیا گیا ہے یعنی توحید الٰہی کا قائل ہو اور یہ تمام پاکیزہ کلمات کی جڑ ہے اور دوسرے اعمال صالحہ بالفاظ دیگر انسان اچھی باتوں کا قائل ہو اور پھر اپنے قول کو عمل میں لانے والا ہو تو اسے رفعت ملتی ہے۔ یعنی وہ قرب الٰہی حاصل کرتا ہے اور کلمات کے متعلق فرمایا کہ وہ چڑھتے ہیں اور عمل صالح کے متعلق فرمایا کہ وہ انسان کا مرتبہ بلند کرتا ہے اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ اقرارِ توحید کو بھی اللہ تعالےٰ قبول فرماتا ہے۔ لیکن مراتب بلند اور اللہ تعالیٰ کا قرب صرف اقرارِ توحید سے حاصل نہیں ہوتے، بلکہ اعمال صالحہ سے اور یرفعہ میں بعض نے مراد لیا ہے کہ اچھے عمل پاک کلمات کو بلند کرتے ہیں۔ اور بعض نے یہ کہ پاک کلمات عمل صالح کو بلند کرتے ہیں۔ اور ضمیر کرنے والے کی طرف بھی جا سکتی ہے۔ اور پاک کلموں سے مراد پاک روحیں بھی ہو سکتی ہیں اور یرفعہ کی ضمیر اس پاک روح کی طرف بھی جا سکتی ہے اور آیت کے دوسرے حصہ میں بتایا کہ جو لوگ اللہ سے تعلق پیدا کرنے والوں کے خلاف تدبیریں کرتے ہیں۔ ان کی تدابیر ناکام ہوں گی۔

نمبر۲: یہاں دو سمندروں میں اشارہ جسمانی اور روحانی زندگی کے دو سرچشموں کی طرف ہے دنیا پر گرنے والا کھاری پانی کو لیتا ہے دین کو اختیار کرنے والا

يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ
فِي الَّيْلِ ۙ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ
كُلٌّ يَّجْرِيْ لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ ذٰلِكُمُ
اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۚ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۚ ﴿۱۳﴾
اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ ۚ وَلَوْ
سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ
يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ ۚ وَلَا يُنَبِّئُكَ
ع مِثْلُ خَبِيْرٍ ﴿۱۴﴾
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ
وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۱۵﴾
اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾
وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ﴿۱۷﴾
وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ وَاِنْ
تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا لَا يُحْمَلْ مِنْهُ
شَيْءٌ وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ اِنَّمَا تُنْذِرُ
الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَاَقَامُوا
الصَّلٰوةَ ۚ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى

وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل
کرتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے۔
ہر ایک ایک وقت مقرر کے لیے چلتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ
تمھارا رب ہے ، اسی کی بادشاہت ہے اور وہ جنھیں تم اس
کے سوائے پکارتے ہو وہ ایک ذرہ بھر اختیار نہیں رکھتے م۱۔
اگر تم انھیں بلاؤ تو وہ تمھاری پکار کو نہیں سنتے اور اگر سنیں
تو تمھاری بات کو قبول نہ کر سکیں اور قیامت کے دن تمھارے
شرک کا انکار کریں گے اور (خدائے) باخبر کی طرح کوئی
تجھے خبر نہ دے گا م۲۔
اے لوگو! تم اللہ کے محتاج ہو ، اور اللہ تعالیٰ بے نیاز
تعریف کیا گیا ہے۔
اگر چاہے تمھیں لے جائے اور نئی مخلوق لے آئے۔
اور یہ اللہ تعالیٰ پر مشکل نہیں۔
اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا اور
اگر کوئی بوجھ میں دبا ہوا اپنے بوجھ (کے بٹانے) کے لیے بلائے
اس کے بوجھ میں سے کچھ نہ اٹھایا جائیگا اگرچہ قریبی ہو تو صرف انھیں
ڈراتا ہے جو اپنے رب سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اور نماز قائم
کرتے ہیں اور جو کوئی اپنے آپ کو پاک کرتا ہے تو اپنی ہی جان (کی

میٹھے پانی کو اور یہ بھی بنا یا کر سامان آرایش دنیا کے پیچھے پڑنے سے بھی مل جاتے ہیں لیکن حقیقی آرایش کے سامان آخرت کو اختیار کرنے سے ملتے ہیں۔

نمبر۱- قطمیر کھجور کی گٹھلی میں ننھے گڑھے کو کہتے ہیں اور وہ نہایت قلیل شے کے لیے بطور مثال بولا جاتا ہے اور بعض کے نزدیک کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کو کہا جاتا ہے۔

نمبر۲- یہاں پہلے حصہ میں کہ تمھاری پکار کو نہیں سنتے، بُت بھی مراد ہو سکتے ہیں اور انسان بھی جو گذر چکے جیسے حضرت عیسیٰؑ اور دوسرے معنی موقعہ کے لحاظ سے انسب ہیں اس لیے کہ دوسرے حصہ آیت میں ہے کہ اگر وہ تمھاری پکار کو سنیں بھی تو قبول نہیں کر سکتے اور آخر پر قیامت کے دن انکار کا ذکر صاف بتاتا ہے کہ یہ انسان یا ملائکہ ہیں جن کی لوگ عبادت کرتے ہیں۔

لِنَفْسِهٖ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾ بھلائی کے لیے پاک کرتا ہے اور اللہ کی طرف ہی پھر کر جانا ہے۔

وَ مَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ﴿۱۹﴾ اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں۔

وَ لَا الظُّلُمٰتُ وَ لَا النُّوْرُ ﴿۲۰﴾ اور نہ اندھیرا اور روشنی۔

وَ لَا الظِّلُّ وَ لَا الْحَرُوْرُ ﴿۲۱﴾ اور نہ سایہ اور دھوپ۔

وَ مَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَ لَا الْاَمْوَاتُ ؕ اور نہ ہی زندے اور مُردے برابر ہیں۔ اللہ

اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَ مَآ اَنْتَ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سناتا ہے اور تو انھیں سنانے

بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۲۲﴾ والا نہیں، جو قبروں میں ہیں ۱۔

اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِيْرٌ ﴿۲۳﴾ تو صرف ڈرانے والا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ؕ ہم نے تجھے حق کے ساتھ خوش خبری دینے والا اور ڈرانیوالا

وَ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴿۲۴﴾ بنا کر بھیجا ہے اور کوئی قوم نہیں مگر اس میں ڈرانے والا گذر چکا ۲۔

نمبر ۱۔ آیت ۱۹ سے لیکر ۲۲ تک میں نیکی اور بدی یا ان کے کرنے والوں کا مقابلہ کیا ہے۔ پہلی اور آخری آیت میں نیکی اور بدی کرنے والے ہیں جنھیں پہلے اندھے کہا ہے انھیں کو یہاں مُردے کہا ہے اور جنھیں پہلے دیکھنے والے قرار دیا ہے انھیں یہاں زندہ کہا ہے اور درمیانی دو آیتوں میں نیکی اور بدی کا مقابلہ ہے بدی کو پہلے اندھیرا اور پھر دھوپ کہا ہے اور نیکی کو پہلے نور اور پھر سایہ کہا ہے۔ گویا بدی باوجود اندھیرے کے گرمی کی شدت لیے ہوئے ہے اور نیکی باوجود نور اور روشنی ہونے کے سایہ کی ٹھنڈک اپنے اندر رکھتی ہے اور ترتیب پہلی دو آیتوں میں ایک ہے اور پچھلی دو میں بدل دی ہے اور یہ ایک کے پہلے لَا لانا عربی زبان کی خاص ترکیب ہے اور نفی کی تاکید کے لیے ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ تکرار کے قائم مقام ہے گویا اصل ترکیب یوں ہے ولا الظلمت والنور ولا النور والظلمت اور مقابل کے لفظ کو چھوڑ دیا ہے یہاں پر مفسرین نے قبول کیا ہے کہ من فی القبور سے مراد کفر پر اصرار کرنے والے ہیں لیکن ان اللہ یسمع من یشاء میں یہ خوشخبری دے دی ہے کہ جو کام بشر کی طاقت سے نہیں ہو سکتا وہ الٰہی طاقت کر دکھائے گی۔

نمبر ۲۔ جب آنحضرت صلعم کے کام کا ذکر کیا کہ بدی کے بد انجام سے آپ ڈراتے ہیں اور لوگوں کو راہِ راست پر لاتے ہیں اور مُردوں کو زندگی اور اندھوں کو بصارت دیتے ہیں تو ساتھ ہی بتایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون یعنی ایسے لوگوں کا آنا کوئی نیا قانون نہیں بلکہ دنیا کی تمام قوموں میں رسول آتے رہے یہاں تک کہ کوئی قوم رسول سے خالی نہیں گزری۔ یہ سورت مکی ہے اور مکہ میں بھی پہلے زمانہ کی جس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی تعلیم کی یہ وسعت کہ تمام قوموں میں نبی آتے رہے کوئی بعد کا خیال نہیں اور نہ یہاں کوئی تدریجی ترقی ہے بلکہ ابتدا سے اسلام کی بنیاد ہی اس اصول پر رکھی گئی جس کا ذکر الحمد للہ رب العالمین میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمام قوموں کی ربوبیتِ روحانی پہلے الگ الگ رسولوں کے ذریعے سے فرماتا رہا اب تمام قوموں کو ایک رسول کے ہاتھ پر جمع کرنا چاہتا ہے جس کی طرف آیت ۱۳ میں اشارہ ہے تاکہ قومی نفاق اور بغض دُور ہوں۔ پس مذہبی عداوتوں کو دُور کرنے کے لیے یہ اصول قائم کیا کہ تمام مذاہب کی اصل بنیاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے بعد میں ان میں غلطیوں کا پیدا ہو جانا اور بات ہے نظامِ مذہب جو اسلام نے شروع سے بتایا ہے وہ اپنے اندر ایک علمی رنگ رکھتا ہے۔ اگر مذہب انسانوں کی ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس ضرورت کو پورا کرنا ضروری سمجھا تو اس کا نظام شروع سے ایک ہونا چاہیے۔ یہی اصول ان من اُمّةٍ اِلّا خلا فیھا نذیر میں قائم کیا ہے اور خود اس اصول کو قائم کر کے ان مذاہب باطلہ کا رد کیا ہے جو خدا کا قانون ساری دنیا میں یکساں جاری نہیں سمجھتے جس کی بدترین مثال عیسائی مذہب ہے جو پہلے تو خدا کی وحی کو ایک خاص گھرانا یعنی بنی اسرائیل کے لیے مخصوص کرتا ہے پھر وہاں بھی ایک عرصہ دراز تک پیغمبر اور شرائع بھیجکر آخر خدا کو پتہ لگتا ہے کہ شرائع کا بھیجنا فضول تھا۔ انسان ان پر عمل نہیں کر سکتا خدا کا بیٹا کفارہ ہو تو کام بن سکتا ہے۔

وَ اِنْ یُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ ۚ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ
وَ بِالزُّبُرِ وَ بِالْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ ﴿۲۵﴾

اور اگر تجھے جھٹلائیں تو انھوں نے بھی اپنے رسولوں کو جھٹلایا جو ان سے پہلے تھے۔ ان کے رسول ان کے پاس کھلی دلیلوں اور صحیفوں اور روشن کرنے والی کتاب کے ساتھ آئے۔

ثُمَّ اَخَذْتُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فَكَیْفَ
ع ۱۵ كَانَ نَكِیْرِ ﴿۲۶﴾

پھر میں نے انھیں پکڑا جنھوں نے کفر کیا، سو میری ناپسندیدگی کیسی تھی۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ
فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ؕ
وَ مِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِیْضٌ وَّ حُمْرٌ
مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَ غَرَابِیْبُ سُوْدٌ ﴿۲۷﴾

کیا تو نے غور نہیں کیا کہ اللہ بادل سے پانی اتارتا ہے، پھر ہم اس کے ساتھ پھل نکالتے ہیں جو مختلف قسموں کے ہیں۔ اور پہاڑوں میں سفید اور سُرخ خطے ہیں، جن کے رنگ مختلف ہیں اور بعض نہایت سیاہ ہیں [۱]۔

وَ مِنَ النَّاسِ وَ الدَّوَآبِّ وَ الْاَنْعَامِ
مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ ؕ اِنَّمَا یَخْشَى
اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ؕ اِنَّ اللّٰهَ
عَزِیْزٌ غَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾

اور اسی طرح آدمیوں اور جانوروں اور چارپایوں کے رنگ کئی طرح کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے صرف اس کے علم والے بندے ڈرتے ہیں۔ اللہ غالب بخشنے والا ہے [۲]۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا
الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ
عَلَانِیَةً یَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾

جو لوگ کتاب اللہ کو پڑھتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور اس سے جو ہم نے انھیں دیا چھپ کر اور ظاہر خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو تباہ نہیں ہوگی۔

لِیُوَفِّیَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَ یَزِیْدَهُمْ مِّنْ
فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾

تاکہ وہ انھیں ان کے اجر پورے دے اور اپنے فضل سے انھیں بڑھ کر دے وہ بخشنے والا قدر دان ہے۔

نمبر ۱۔ مناظرِ قدرت کے اختلافات میں مراتبِ انسانی کے اختلافات کی طرف توجہ دلائی ہے اور یہ اگلی آیت میں واضح کر دیا ہے۔

نمبر ۲۔ پہلی آیت میں نباتات اور جمادات کے اختلافات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یہاں انسانوں اور جانداروں کے اختلافات کی طرف توجہ دلانے میں ایک طرف عقیدہ تناسخ کی کھلی تردید ہے اس لیے کہ اختلافات صرف انسانوں اور جانداروں میں نہیں بلکہ جمادات اور نباتات میں بھی ہیں بس یہ کسی پہلی پیدائش کے اعمال کا نتیجہ نہیں ہو سکتے کیونکہ جمادات کے لیے اہل تناسخ بھی پہلی پیدائش کوئی نہیں مانتے اور دوسری طرف ان تمام اختلافات قدرت کے اندر اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایک دلیل ملتی ہے کہ ایک ہی قسم کی ایک چیز دوسری سے نہیں ملتی اسی لیے ساتھ ہی فرمایا کہ علماء اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں یعنی جس قدر زیادہ کوئی شخص ان تغیرات پر غور کرتا ہے اسی قدر زیادہ خشیت اللہ اس پر غالب آتی ہے آگے انہی کا ذکر ہے۔

وَ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ
هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾

اور کتاب جو ہم نے تیری طرف وحی کی ہے وہ حق ہے اس کی تصدیق کرنے والی جو اس سے پہلے ہے۔ یقیناً اللہ اپنے بندوں سے خبردار (انھیں) دیکھنے والا ہے۔

ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتٰبَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا
مِنْ عِبَادِنَا ۚ فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ
وَ مِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَ مِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ
بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ﴿۳۲﴾

پھر ہم نے کتاب کا وارث ان کو بنایا جنھیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چُنا سو کوئی ان میں سے اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہے اور کوئی ان میں سے میانہ رَو ہے، اور کوئی ان میں سے اللہ کے حکم سے نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے یہی بڑا فضل ہے [1]

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا يُحَلَّوْنَ فِيْهَا
مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ لُؤْلُؤًا ۚ
وَ لِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۳۳﴾

ہمیشگی کے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے ان میں انھیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے۔ اور ان کا لباس ان میں ریشم ہوگا۔

وَ قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا
الْحَزَنَ ؕ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ﴿۳۴﴾

اور کہیں گے سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہم سے غم دُور کر دیا، یقیناً ہمارا رب مغفرت کرنے والا قدردان ہے۔

الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ
لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّ لَا يَمَسُّنَا
فِيْهَا لُغُوْبٌ ﴿۳۵﴾

وہ جس نے ہمیں اپنے فضل سے ٹھیرنے کے گھر میں اتارا نہ ہمیں اس میں مشقت ہوگی اور نہ ہمیں اس میں تکان ہوگی۔

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ ۚ لَا

اور جو کافر ہیں ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے، نہ اُن

نمبر ۱۔ نظامِ مذہب کو قائم کرکے اور یہ بتا کر کہ سب نبیوں کے آخر پر ہم نے ایسا نبی بھیجا جو تمام پہلے انبیاء کی تصدیق کرتا ہے اب بتایا ہے کہ آئندہ دنیا کی ہدایت کے لیے ہم نے جو مکمل کتاب نازل کی ہے یعنی قرآن کریم تو آنحضرت صلعم یا امم سالقہ کے بعد اس کا وارث امت محمدیہ کو بنایا ہے جو تمام اُمتوں میں سے برگزیدہ امت ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا وکذٰلک جعلنٰکم اُمّۃ وسطاً لتکونوا شھدآء علی الناس ویکون الرّسول علیکم شھیدا (البقرہ ۔ ۱۴۳) اور اصطفینا من عبادنا اس امت کے متعلق فرما کر اس کے بہترین امت ہونے کی طرف اشارہ کیا لیکن یہ بتا دیا کہ یہ ساری امت بھی ایک رنگ میں رنگین نہیں اختلاف مراتب جو دنیا میں ہر جگہ موجود ہے اِن میں بھی رہے گا۔ ظالم لنفسہ وہ ہے جو ان ہدایات کی تعمیل میں قاصر رہتا ہے جو دی گئی ہیں مقتصد یا میانہ رَو وہ ہے جو نیک اور بد کے بین بین ہے یعنی نیکی بھی کرتا ہے کبھی اس سے بدی بھی سرزد ہو جاتی ہے اور سابق وہ ہے جو نیکیوں میں اور خدمات کے بجالانے میں کمال کو حاصل کرتا ہے اور ترتیب ان لوگوں کی کثرت وقلت کے لحاظ سے ہے یعنی تعداد میں زیادہ قاصر ہیں پھر میانہ رو، پھر سابق اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ یہ سب اِس امت میں سے ہیں اور سب جنت میں جائیں گے۔ ہاں جو ظالم ہیں انھیں اللہ چاہے تو بخش دے اور چاہے تو سزا دیکر جنت دیدے۔

يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا ۭ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۝۳۶

کا کام تمام کیا جائے گا کہ مر جائیں اور نہ کچھ اس کا عذاب ان سے ہلکا کیا جائے گا۔ اسی طرح ہم ہر ناشکرے کو سزا دیتے ہیں۔

وَهُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا ۚ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاۗءَكُمُ النَّذِيْرُ ۭ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝۳۷ ع

اور وہ اس میں چلائیں گے ہمارا رب ہمیں نکال دے۔ ہم اچھے عمل کریں گے نہ وہ جو (پہلے) کرتے تھے۔ کیا ہم نے تمھیں اتنی عمر نہ دی تھی کہ اس میں نصیحت حاصل کرلیتا جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا تھا اور تمھارے پاس ڈرانے والا آیا سو چکھو کیونکہ ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۳۸

اللہ تو آسمانوں اور زمین کے غیب کو جاننے والا ہے۔ وہ سینوں کی باتوں کو (بھی) جاننے والا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰۗىِٕفَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهٗ ۭ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِلَّا مَقْتًا ۚ وَلَا يَزِيْدُ الْكٰفِرِيْنَ كُفْرُهُمْ اِلَّا خَسَارًا ۝۳۹

وہی ہے جس نے تمھیں زمین میں حاکم بنایا، سو جو کوئی کفر کرے تو اس کا کفر اسی پر ہے اور کافروں کو ان کے رب کے نزدیک صرف بغض میں بڑھاتا ہے۔ اور کافروں کو ان کا کفر صرف نقصان میں بڑھاتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ شُرَكَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۚ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰبًا فَهُمْ عَلٰي بَيِّنَتٍ مِّنْهُ ۚ بَلْ اِنْ يَّعِدُ الظّٰلِمُوْنَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا اِلَّا غُرُوْرًا ۝۴۰

کہہ کیا تم اپنے شریکوں کو دیکھتے ہو جنھیں تم اللہ کے سوائے پکارتے ہو مجھے دکھاؤ انھوں نے زمین سے کیا پیدا کیا ہے یا اُن کے لیے آسمانوں میں شرکت ہے، یا ہم نے انھیں کتاب دی ہے تو وہ اس کی کھلی دلیل پر قائم ہیں بلکہ ظالم جو ایک دوسرے کو وعدہ دیتے ہیں، صرف ایک دھوکا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ڬ وَلَىِٕنْ زَالَتَآ اِنْ

اللہ تو ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے ہوئے ہے کہ وہ اپنے رستہ سے ہٹ نہ جائیں۔

اَمۡسَکَهُمَا مِنۡ اَحَدٍ مِّنۡۢ بَعۡدِهٖ ؕ اِنَّهٗ
کَانَ حَلِیۡمًا غَفُوۡرًا ﴿۴۱﴾
وَ اَقۡسَمُوۡا بِاللّٰهِ جَهۡدَ اَیۡمَانِهِمۡ لَئِنۡ
جَآءَهُمۡ نَذِیۡرٌ لَّیَکُوۡنُنَّ اَهۡدٰی مِنۡ
اِحۡدَی الۡاُمَمِ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ نَذِیۡرٌ
مَّا زَادَهُمۡ اِلَّا نُفُوۡرَا ۙ ﴿۴۲﴾
اسۡتِکۡبَارًا فِی الۡاَرۡضِ وَ مَکۡرَ السَّیِّیٴِ ؕ
وَ لَا یَحِیۡقُ الۡمَکۡرُ السَّیِّیٴُ اِلَّا بِاَهۡلِهٖ ؕ
فَهَلۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا سُنَّتَ الۡاَوَّلِیۡنَ ۚ
فَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبۡدِیۡلًا ۚ۬
وَ لَنۡ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحۡوِیۡلًا ﴿۴۳﴾
اَوَ لَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا
کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ
وَ کَانُوۡۤا اَشَدَّ مِنۡهُمۡ قُوَّةً ؕ وَ مَا کَانَ
اللّٰهُ لِیُعۡجِزَهٗ مِنۡ شَیۡءٍ فِی السَّمٰوٰتِ
وَ لَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّهٗ کَانَ عَلِیۡمًا قَدِیۡرًا ﴿۴۴﴾
وَ لَوۡ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوۡا

اور اگر وہ ہٹ جائیں تو اس کے بعد کوئی نہیں جو انھیں تھام سکے ، وہ بُردبار بخشنے والا ہے ۱۔

اور اللہ کی پکی قسمیں کھاتے تھے کہ اگر ان کے پاس کوئی ڈرانے والا آئے تو وہ قوموں میں سے ہر ایک سے بڑھ کر ہدایت والے ہوں گے پھر جب ان کے پاس ڈرانے والا آیا تو اس نے انھیں نفرت میں ہی بڑھایا ۲۔

زمین میں تکبّر اور بُری تدبیریں کرنے لگے ۔ اور بُری تدبیر کا وبال صرف اس کے کرنے والے پر ہی پڑتا ہے ، سو یہ پہلوں کے ہی برتاؤ کا انتظار کرتے ہیں سو تُو اللہ تعالیٰ کے طریق میں کوئی تبدیلی نہ پائے گا۔ اور نہ تُو اللہ کے طریق کو ٹلتا ہوا پائے گا ۔

اور کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں ، پس دیکھتے کہ ان کا انجام کیا ہُوا جو ان سے پہلے تھے ، اور وہ قوت میں ان سے بڑھ کر تھے ۔ اور اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ اسے کوئی چیز عاجز کردے (نہ) آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہ جاننے والا قدرت والا ہے۔

اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو اس پر پکڑتا جو وہ کرتے ہیں تو

نمبر۱۔ تزولا ۔ زال کے معنی ہیں ایک چیز اپنے رستہ سے ہٹ گئی ایک طرف کو مائل ہوتی ہوئی اور اسی سے زوال ہے جو اس چیز کے متعلق کہا جاتا ہے جو پہلے ثابت ہو۔ زمین کا رستہ سے ہٹنے کو روکنا صاف بتاتا ہے کہ زمین بھی حرکت کرتی ہے اور اس کا ایک رستہ ہے اور آسمانوں کا ہٹنے سے روکنا بتاتا ہے کہ آسمانوں سے مراد یہاں اجرام سماوی ہیں جو اپنے اپنے رستوں پر چلتے ہیں ۔ مطلب یہ کہ وہ قوانین جن سے یہ چیزیں اپنے اپنے رستوں پر چلتی ہیں اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں اگر ان چیزوں کے مقرر رستے نہ ہوں تو عالم تباہ ہو جائے لئن زالتا میں اشارہ قیامت کی طرف ہے ۔

نمبر۲۔ احدی الامم سے مراد ہے کل واحدۃ من الامم ، قریش جب سنتے کہ یہودیوں نے کس طرح اپنے پیغمبروں کو رد کیا اور جھٹلایا تو کہتے کہ اگر ہمارے پاس رسول آئے تو ہم اس کی تابعداری کرکے دکھائیں ۔

مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ — اس کی پیٹھ پر کوئی حیوان نہ چھوڑتا ۔ لیکن وہ انھیں
يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ — ایک وقت مقرر تک مہلت دیتا ہے ، سو جب ان
اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا ﴿٤٥﴾ — کا وقت آجائے گا ۔ تو اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والا ہے ۱؎

(۳۶) سُوْرَةُ يٰسٓ مَكِّيَّةٌ ۲

اٰیاتہا ۸۳ — رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنیوالے کے نام سے

يٰسٓ ﴿١﴾ — اے انسان کامل ۳؎

وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﴿٢﴾ — حکمت والا قرآن گواہ ہے ۴؎

نمبرا۔ رکوع کی آخری آیت میں جو مضمون بیان ہوا ہے وہی مضمون النحل ۶۱ میں ہے ولو یواخذ اللہ الناس بظلمھم ما ترک علیہا من دابۃ ولکن یوخرھم الی اجل مسمی فاذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون ۔ دآبۃ ہر زمین پر چلنے والا ہے مگر مجازاً اس سے مراد وہ لوگ لیے گئے ہیں جو حیوانات کی طرح زمین پر جھکے رہتے ہیں اور اسی زندگی کو اصل غرض اور مقصد سمجھ لیتے ہیں جیسے فرمایا ان ھم الا کالانعام (الفرقان ۴۴) ظلم یا برے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی گرفت انسانوں پر ہی ہوتی ہے اور انہی انسانوں کا یہاں ذکر ہو سکتا ہے نہ دوسروں کا ۔ یوخرھم میں ضمیر ھم جو عقلا کے لیے ہے صاف بتاتی ہے کہ یہاں اسی قسم کے لوگوں کا ذکر ہے مراد حیوانات نہیں اور سارے لوگ بھی اس میں شامل نہیں اور دابۃ سے مراد انسان ہونا مفسرین نے بھی مانا ہے ۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام یٰس ہے اور اس میں پانچ رکوع اور ۸۳ آیتیں ہیں ۔ اس کا نام یٰس پہلی آیت سے لیا گیا ہے اور یہ خطاب اے انسان آنحضرت صلعم کو ہے جس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ انسانیت کو آپ نے کمال تک پہنچایا اور اس لیے آپ کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے ہی انسان کمال کو حاصل کر سکتا ہے یہی اس سورت کا اصل مضمون ہے ۔ اس سورت کو خود زبانِ مبارک نبوی سے قلب قرآن کا خطاب ملا ہے اور اس کا قلب قرآن ہونا اسی لحاظ سے ہے کہ قرآن کی اصل غرض انسان کو کمال پر پہنچانا ہے اور اسی کا بالخصوص ذکر اس سورت میں ہے اور بلحاظ ترتیب ظاہری بھی اس کا مقام قلب کا ہی ہے ۔

پچھلی سورت میں انسانوں کی ربوبیتِ روحانی کا ذکر تھا اور بتایا تھا کہ اس نے تمام قوموں کی ربوبیتِ روحانی بذریعہ رسل کے کی تو اب یہاں یہ بتایا ہے کہ اب انسان کامل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے تمام انسانوں کی ربوبیتِ روحانی ہوگی ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ چھ سورتوں کا ایک مجموعہ ہے یعنی السبا ، فاطر ، یٰس ، الصّٰفّٰت ، صٓ ، الزمر ۔ چنانچہ سورہ السبا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے شروع ہوتی ہے اور سورۃ الزمر الحمد للہ رب العلمین پر ختم ہوتی ہے ان کا مضمون بھی قریباً ایک ہی چلتا ہے اور زمانہ نزول بھی ایک ہی معلوم ہوتا ہے اور یہ سورت درمیانی مکی زمانہ کی ہے ۔

نمبر۳۔ یٰس ۔ حضرت ابن عباسؓ سے اس کے معنی اے انسان مروی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ حق مقطعات کے طور پر انسان [illegible] لیا گیا ہے اور انسان کا لفظ نکرہ لانے سے آپ کے کمال انسانیت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے ۔

نمبر۴۔ وَ ۔ یہ واؤ قسم کی کہلاتی ہے ۔ انسان کے قسم کھانے کا یہ منشا ہوتا ہے کہ وہ اپنے بیان کو کسی زبردست شہادت سے مؤید کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے وہی لفظ استعمال ہوتے ہیں جو انسان کے لیے مگر دونوں کے استعمال میں یہ کھلا فرق ہے کہ جب ایک فعل اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جائے تو اس کا منشا صرف اس فعل کی آخری غرض ہوتی ہے اور وہ آلہ یا ذریعہ کالعدم ہوتا ہے جس کے واسطہ سے انسان اس غرض کو حاصل کرتا

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝٣	کہ تو پیغمبروں میں سے ہے۔
عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝٤	سیدھے رستہ پر ہے۔
تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝٥	غالب رحم والے نے آتارا،
لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ	تاکہ تو ان لوگوں کو ڈرائے، جن کے باپ دادا نہیں
فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝٦	ڈرائے گئے سو وہ غافل ہیں [1]۔
لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلٰٓى اَكْثَرِهِمْ	اُن میں سے بہتوں پر بات پوری ہوئی سو وہ
فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٧	ایمان نہیں لاتے۔
اِنَّا جَعَلْنَا فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ اَغْلٰلًا فَهِيَ	ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈالے ہیں اور وہ
اِلَى الْاَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُوْنَ ۝٨	ٹھوڑیوں تک ہیں سو ان کے سر اونچے کے اونچے رہ گئے ہیں [2]۔
وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ	اور ہم نے ان کے سامنے ایک دیوار بنا دی ہے اور ایک
خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا	دیوار ان کے پیچھے بھی، یوں ان پر پردہ ڈال دیا ہے

جس طرح بنانا ایک فعل ہے۔ جب انسان کسی چیز کو بنائے گا تو وہ آلوں اور ذریعوں کے واسطے سے ایک چیز کو جو پہلے نہیں تھی وجود میں لائے گا لیکن یہی فعل بنانا جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگا تو مطلب صرف اس کا وجود میں لانا ہوگا اور آلے اور ذریعے درمیان میں نہیں رہیں گے۔ پس قسم کی اصل غرض چونکہ ایک شہادت پیش کرنا ہے اس لیے جب قسم اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگی تو مطلب صرف یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو بطور شہادت پیش کرتا ہے۔ اور شہادتوں سے ایک بیان کو موید کرنا چونکہ معیوب نہیں بلکہ ضروری ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق کی قسم کھانا بھی معیوب نہیں بلکہ ضروری ہے۔

اسی اصول پر قرآن حکیم کی قسم کا مفہوم یہ ہُوا کہ قرآن حکیم کو آپ کی رسالت پر بطور گواہ پیش کیا ہے گویا یہ آپ کا معجزہ ہے جس سے آپ کی رسالت ثابت ہوتی ہے اور یہ وہ معجزہ ہے جو نہ صرف آپ کی زندگی میں کل عرب نے دیکھا بلکہ آج تیرہ سو سال سے عرب و عجم ایشیا و یورپ سب دیکھتے چلے جاتے ہیں اور ہمیشہ تک ساری دنیا دیکھتی چلی جائے گی۔ پس یہی ایک زندہ معجزہ ہے اور ضروری تھا کہ جس شخص پر نبوت و رسالت کو ختم کیا جاتا اسے ایسا ہی زندہ اور دائمی معجزہ دیا جاتا۔

نمبر ۱۔ اس میں شبہ نہیں کہ آنحضرت صلعم سے پہلے حجاز میں کوئی رسول نہیں آیا۔ لیکن یہاں ما انذر آباؤھم سے مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ انھوں نے انذار قبول نہیں کیا کیونکہ یہاں اُن کی سخت دلی کا ذکر ہے اور ایک رنگ میں یہود اور نصاریٰ کے ذریعہ سے ملک عرب کے لوگوں کو انذار ہُوا مگر انھوں نے ان کی پروا نہیں کی اس لیے ان کی حالت غافلوں کی تھی یعنی ایسے لوگ جن میں نیکی کا احساس بھی نہ رہا تھا ایسی قوم کے انذار کو آپ کے سپرد کرنے میں بتایا ہے کہ کس قدر مشکل وہ کام تھا جو آنحضرت م کے سپرد کیا گیا جس قوم کی اصلاح کرنے میں پہلے مذاہب ناکام ہوئے اس کی اصلاح آپ کے ذمے ڈالی گئی۔

نمبر ۲۔ گردنوں میں طوقوں کے ہونے سے مراد اُن کا رسم و رواج وغیرہ میں جکڑا ہُوا ہونا ہے اور طوقوں کا ٹھوڑیوں تک ہونا اسی تشبیہ کے لحاظ سے ہے جو مقمحون میں ہے کیونکہ جب طوق ٹھوڑی تک ہوگا تو سر بالکل نیچے نہیں ہو سکے گا اور مراد یہی ہے کہ رسم و رواج کے طوقوں نے انھیں ایسے طور پر جکڑا ہُوا ہے کہ وہ اپنے سروں کو بالکل نہیں جھکا سکتے اور تیسیر میں ہے کہ اس سے مراد ہے کہ انھیں قبول حق کی توفیق نہیں ملتی یہاں تک کہ وہ حق کے مقابلہ میں تکبر اختیار کرتے ہیں کیونکہ متکبر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کی گردن اونچی ہے اور بعض نے اسے اُن کے کفر پر پختہ ہونے سے تمثیل لیا ہے۔

يُبْصِرُوْنَ ⑨
سو وہ نہیں دیکھتے ۱؎

وَسَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑩
اور ان کے لیئے برابر ہے کہ تو انھیں ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہیں لاتے۔

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ ۚ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ ⑪
تو صرف اسے ڈرا سکتا ہے جو نصیحت کی پیروی کرتا ہے اور رحمٰن سے غیب میں ڈرتا ہے، سو اُسے مغفرت اور عزت والے رزق کی خوش خبری دے دے۔

اِنَّا نَحْنُ نُحْيِ الْمَوْتٰى وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوْا وَاٰثَارَهُمْ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ فِيْٓ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ ⑫
ہم ہی مُردوں کو زندہ کرتے ہیں اور ہم لکھ لیتے ہیں جو وہ آگے بھیجتے ہیں اور ان کے نشان پیچھے رہ جاتے ہیں اور ہر ایک چیز کو ہم کھلی کتاب میں محفوظ کر لیتے ہیں ۲؎

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ⑬
اور ان کے لیے گاؤں کے رہنے والوں کی مثال بیان کر جب ان کے پاس رسول آئے ۳؎

نمبر۱۔ سامنے اور پیچھے دیوار ہونا اور پردہ ڈالنا سب اسی معنی میں ہے جیسا طوقوں وغیرہ کا ہونا اور خلفھم کی رد کہ یہ ہے کہ وہ عواقب امور پر غور نہیں کرتے گویا ان کی نظر رک گئی اور آگے نہیں جاتی اور بین ایدیہم سے مراد یہ ہے کہ پچھلی تاریخ پر اور قوموں کی حالت پر غور نہیں کرتے گویا اس طرف سے بھی نظر رکی ہوئی ہے اور یہی دو باتیں ہیں یعنی عواقب امور میں فکر کرنا اور پہلی قوموں کی حالت پر غور یا پہلے لوگوں کو جو ایسے ہی افعال پر نتائج ہے ان پر غور کرنا، جن سے راہ راست پر چلنے کی توفیق ملتی ہے پس جب یہ دو باتیں نہیں تو گویا ان پر پردہ پڑ گیا اور وہ کچھ بھی نہیں دیکھ سکتے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف ان باتوں کو منسوب کیا اس لیے یہ سب باتیں ان کے افعال کا نتیجہ ہیں اور فعل کا نتیجہ اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔

نمبر۲۔ نحی الموتی میں اشارہ انہی کفر پر اصرار کرنے والوں کی طرف بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ ابھی پچھلی سورت میں وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ (فاطر۲۲) میں کفار کو مُردے کہا ہے اور قیامت کے دن مُردوں کو زندہ کرنا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ مگر یہاں پہلے معنی انسب ہیں یعنی اول ان کے کفر پر اصرار اور مُردہ ہونے کا ذکر کیا اور پھر فرمایا کہ اس قرآن حکیم کے ذریعہ سے ہم اُن مُردوں کو بھی زندہ کریں گے اور یہ ایسے زندہ ہوں گے کہ نہ صرف اپنے لیے اعمال صالحہ آگے بھیجیں گے جس کا ذکر مَا قَدَّمُوْا میں ہے بلکہ وہ اپنے پیچھے علم اور نیکی کے آثار چھوڑیں گے اس لیے وَاٰثَارَهُمْ بھی ساتھ بڑھایا اور فی الحقیقت قرآن کریم نے اپنی صداقت کا ثبوت مُردہ عرب کو زندہ کر کے دیدیا اور ایسا ثبوت کسی اور نبی کی زندگی میں نظر نہیں آتا۔ ہاں اسی طرح بیشمار مُردے اُس نے زندہ کیے اور آئندہ بھی کریگا۔ یوں جو دعویٰ شروع رکوع میں کیا تھا کہ قرآن کریم آنحضرت ؐ کا معجزہ ہے اس کا ثبوت یہاں دے دیا ✦

نمبر۳۔ اس قریہ سے مفسرین نے مراد انطاکیہ لیا ہے اور یہی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور مرسلون سے مراد بعض نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری لیے ہیں اور بعض کے نزدیک یہ اللہ تعالیٰ کے رسول تھے جو حضرت عیسیٰ کی تائید کے لیے بھیجے گئے اور کہتے ہیں وہ [illegible] کرنیوالے تھے مگر اول تو حضرت عیسیٰؑ خود حضرت موسیٰؑ کی شریعت کے پیرو تھے اور دوسرے حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اور آنحضرت صلعم کے درمیان کوئی نبی نہیں ہوا اور یہ زمانہ فترت ہے پس اگر ان الفاظ میں کسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ سمجھا جائے تو مرسلون سے مراد حضرت عیسیٰؑ کے بھیجے ہوئے ہونگے اور ان پر لفظ رسول بطور مجاز بولا گیا ہے۔ لیکن اول تو ایسا کوئی خاص تاریخی واقعہ عیسائیت کی تاریخ میں نظر نہیں آتا دوسرے آگے یہاں صاف [illegible]

اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا
فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوْٓا اِنَّآ اِلَيْكُمْ مُّرْسَلُوْنَ ۱۴

جب ہم نے ان کی طرف دو رسول بھیجے تو انھوں نے دونوں کو جھٹلایا تب ہم نے تیسرے سے قوت دی سو انھوں نے کہا ہم تمھاری طرف رسول ہیں۔

قَالُوْا مَآ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۙ وَمَآ
اَنْزَلَ الرَّحْمٰنُ مِنْ شَيْءٍ ۙ اِنْ اَنْتُمْ
اِلَّا تَكْذِبُوْنَ ۱۵

انھوں نے کہا، تم تو ہماری طرح انسان ہی ہو، اور رحمٰن نے کچھ نہیں اتارا۔ تم جھوٹ ہی کہتے ہو۔

قَالُوْا رَبُّنَا يَعْلَمُ اِنَّآ اِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُوْنَ ۱۶

انھوں نے کہا ہمارا رب جانتا ہے کہ ہم تمھاری طرف ضرور بھیجے گئے ہیں۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۱۷

اور ہمارے ذمے سوائے کھول کر پہنچا دینے کے اور کچھ نہیں۔

قَالُوْٓا اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ ۚ لَئِنْ لَّمْ
تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُمْ مِّنَّا
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۱۸

انھوں نے کہا ہم نے تمھیں منحوس پایا ہے اگر تم باز نہ آؤ، تو ہم تمھیں پتھراؤ دیں گے اور ہماری طرف سے ضرور تمھیں دردناک دُکھ پہنچے گا۔

قَالُوْا طَآئِرُكُمْ مَّعَكُمْ ۭ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ ۭ
بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۱۹

انھوں نے کہا تمھاری نحوست تمھارے ساتھ ہی ہے[1] یا اس لیے کہ تمھیں نصیحت کی گئی ہے بلکہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو۔

وَجَآءَ مِنْ اَقْصَا الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى
قَالَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۲۰

اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، اس نے کہا اے میری قوم رسولوں کی پیروی کرو[2]۔

اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۲۱

ان کی پیروی کرو جو تم سے اجر نہیں مانگتے اور وہ ہدایت پر ہیں۔

ہے اس لیے تاریخی واقعہ مراد لینا درست بھی نہیں۔ بلکہ یہ صرف مثال کے طور پر ایک بات سمجھانی ہے اور اس میں عرب کی سخت دلی کا بیان ہے اور یہ بتایا ہے کہ ان لوگوں کے احساس مذہبی کی یہ حالت تھی کہ دو رسولوں کا پیغام یکے بعد دیگرے انھیں پہنچایا گیا مگر اس قوم پر کوئی اثر نہ ہوا اور یہ دو رسول حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام تھے اور یہ امر واقع ہے کہ عرب کی اصلاح کے لیے پہلے یہودیوں نے بڑی زبردست کوشش کی اور ناکام رہے پھر عیسائیوں نے ہمارے نبی کریم صلعم کی تشریف آوری سے پہلے بڑی بھاری کوشش کی مگر ملک عرب پر بحیثیت مجموعی کوئی اثر نہ ہوا اور اس کا ذکر اسی مناسبت سے کیا کہ عرب کے لوگوں کی سخت دلی کا اوپر ذکر تھا کہ ان میں نیکی کا احساس بھی باقی نہ رہا تھا۔ اس لیے انھوں نے نہ یہود کے پیغام کی پروا کی نہ نصاریٰ کی اور اس کو بطور مثال یوں بیان کیا کہ ایک بستی ایسی سخت دل ہے جو دو رسولوں کو جھٹلا چکی ہے تب تیسرا رسول ان کے پاس بھیجا جاتا ہے اگر اس واقعہ کی طرف اشارہ نہ ہو تو پھر دو رسول پہلے بھیجنے میں اور تیسرا بعد میں بھیجنے میں کوئی خاص غرض نظر نہیں آتی۔

نمبر ۱۔ طائرکم معکم یعنی تمھاری شومیٔ قسمت کی وجہ تمھارے اپنے اعمال ہیں۔ اَئِنْ ذُكِّرْتُمْ کا جواب محذوف ہے یعنی کیا نیک نصیحت کو تم اپنی شومیٔ قسمت کی وجہ ٹھہراتے ہو یا نیک نصیحت کرنے پر تم ہمیں بُرا کہتے ہو اور دُکھ دیتے ہو۔

نمبر ۲۔ مفسرین نے اس کا نام حبیب دیا ہے مگر یہ محض خیال ہی خیال ہے۔ یہ واقعہ بھی اسی تمثیل کا حصہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ رسولوں کی تائید کے لیے کوئی نہ کوئی بااثر شخص اس قوم میں سے کھڑا ہو جاتا ہے جو لوگوں کو سمجھاتا ہے۔ آنحضرت صلعم کو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کے ذریعہ سے نصرت پہنچائی اور بہت سے لوگ آپ کی نصیحت سے داخل اسلام ہوئے۔ مطلب یہ ہے کہ رسولوں کو اللہ تعالیٰ بغیر نصرت کے نہیں چھوڑتا۔

وَمَالِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾

اور مجھے کیا ہُوا کہ مَیں اس کی عبادت نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

ءَاَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً اِنْ یُّرِدْنِ الرَّحْمٰنُ بِضُرٍّ لَّا تُغْنِ عَنِّیْ شَفَاعَتُهُمْ شَیْــًٔا وَّلَا یُنْقِذُوْنِ ﴿۲۳﴾

کیا مَیں اُسے چھوڑ کر (اور) معبود بناؤں کہ اگر رحمٰن مجھے کوئی دُکھ پہنچانے کا ارادہ کرے تو ان کی سفارش میرے کسی کام نہ آئے گی اور نہ وہ مجھے بچا سکیں گے۔

اِنِّیْٓ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۴﴾

میں اس صورت میں یقیناً کھلی گمراہی میں ہوں گا۔

اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُوْنِ ﴿۲۵﴾

میں تمھارے رب پر ایمان لایا سو میری (بات) سنو۔

قِیْلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ یٰلَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾

کہا گیا، جنت میں داخل ہو جا، اس نے کہا اے کاش میری قوم جانتی ۱۔

بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ وَجَعَلَنِیْ مِنَ الْمُكْرَمِیْنَ ﴿۲۷﴾

وہ جو میرے رب نے میری مغفرت کی اور مجھے عزت والوں میں سے بنایا۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِهٖ مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِیْنَ ﴿۲۸﴾

اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر آسمان سے کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہم کبھی اتارتے ہیں ۲۔

اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَیْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ﴿۲۹﴾

وہ صرف ایک آواز ہوتی ہے۔ پس وہ ناگہاں بجھ کر رہ گئے۔

نمبر ۱۔ قیل ادخل الجنۃ میں ایک قول تو یہ ہے کہ وہ زندہ جنت میں داخل ہو گیا اور دوسرا یہ ہے کہ شہید ہو کر داخلِ جنت ہُوا اور مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد صرف یہ ہے کہ جنت اس کے لیے واجب ہو گئی اور بعض نے اس سے مراد صرف بشارت لی ہے یعنی اسے جنت کی خوشخبری دی گئی اور یہ معنی لیے جائیں تو پھر موت کے وقت سے اس کی خصوصیت نہیں۔ بہتیرے لوگ ہیں جنھیں اس دنیا کی زندگی میں جنت کی بشارت مل جاتی ہے اور ہمارے نبی کریم صلعم کے دس صحابی جو عشرہ مبشرہ کہلاتے ہیں مشہور ہیں اور اس کا اپنی قوم پر افسوس کرنا بظاہر اسی دنیا کی زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔

نمبر ۲۔ من بعدہ سے مراد اس کی موت لی گئی ہے مگر اس کے ایمان لانے کے بعد بھی مراد ہو سکتی ہے کیونکہ ایمان لا کر وہ اپنی قوم سے نکل جاتا ہے اور قوم مخالفت پر اڑی رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دشمنِ حق قوم پر ہم آسمان سے لشکر نہیں اتارا کرتے بلکہ زمین سے ہی وہ اسباب پیدا ہو جاتے ہیں جو اُس قوم کی تباہی کا موجب ہو جاتے ہیں خواہ وہ زلزلہ ہو یا آتش فشاں ہو یا آندھی ہو یا غرق ہو یا جنگ ہو۔ پہلے نبیوں کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہُوا اور ہمارے نبی کریم صلعم کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہُوا اور نزولِ ملائکہ صرف مومنوں کو قوت دینے اور دشمنوں کے دل میں رُعب ڈالنے کے لیے تھا۔ دشمن کے مارنے کے لیے اوپر سے فرشتوں کے آنے کو یہ آیت غلط ٹھہراتی ہے اس لیے لڑائیوں میں فرشتوں کا مقابلہ کرنا صحیح نہیں اور اگلی آیت میں جو آتا ہے صیحۃ واحدۃ (۲۹) تو یہ بھی سب کے لیے ہے۔ خود نبی کریم صلعم کے اعدا کے متعلق آگے آتا ہے ما ینظرون الا صیحۃ واحدۃ (۴۹) تو مراد اس سے عذاب کے متعلق حکم الٰہی ہے خواہ کسی رنگ میں ہو۔

يٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ ۚ مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ
رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۰
اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ
الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۝۳۱
ع وَاِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيْعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُوْنَ ۝۳۲
وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَيْتَةُ ۚ اَحْيَيْنٰهَا
وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَاْكُلُوْنَ ۝۳۳
وَجَعَلْنَا فِيْهَا جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ
وَّفَجَّرْنَا فِيْهَا مِنَ الْعُيُوْنِ ۝۳۴
لِيَاْكُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖ ۙ وَمَا عَمِلَتْهُ
اَيْدِيْهِمْ ۭ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝۳۵
سُبْحٰنَ الَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا
مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ
وَمِمَّا لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۳۶

ہائے افسوس بندوں پر کوئی رسول اُن کے پاس نہیں آتا
مگر وہ اس سے ہنسی کرتے ہیں۔
کیا وہ غور نہیں کرتے کتنی نسلیں ہم نے ان سے پہلے ہلاک
کیں کہ وہ ان کی طرف رجوع نہیں کرتے تھے ۱؎
اور کُل ہاں سب کے سب ہی ہمارے حضور حاضر کیے جائیں گے۔
اور ایک نشان ان کے لیے مردہ زمین ہے ہم نے اسے زندہ کیا
اور اس میں سے اناج نکالا تو وہ اس سے کھاتے ہیں۔
اور ہم نے اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کیے
اور اس میں چشمے جاری کیے۔
تاکہ وہ اس کے پھل سے کھائیں اور اُن کے ہاتھوں نے
اسے نہیں بنایا، تو کیا وہ شکر نہیں کرتے ۲؎
بے عیب ذات ہے جس نے سب جوڑے پیدا کیے اس
سے جو زمین اگاتی ہے اور ان کی اپنی جانوں سے اور
اس سے جو وہ نہیں جانتے ۳؎

نمبر۱۔ جنھیں ہلاک کر دیا گیا وہ ان کی طرف جو اسی دنیا میں رہ جاتے ہیں لوٹ کر نہیں آتے حضرت ابن عباسؓ سے کہا گیا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ قیامت سے پہلے پھر زندہ ہو کر آئیں گے۔ تو آپ نے فرمایا پھر ہم بہت ہی بُرے لوگ ہیں کہ اُن کی عورتوں سے نکاح کیا اور اُن کی میراث تقسیم کر لی تب آپ نے پڑھا انھم الیھم لا یرجعون۔

نمبر۲۔ انسان کے لیے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت رحمانیت سے پیدا کیا۔ انسان کے ہاتھوں نے یہ چیزیں نہیں بنائیں اسی طرح وہ سامان جو انسان کی روحانی زندگی کا موجب ہیں انسان کی ہاتھ انھیں نہیں بنا سکتے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی صفت رحمانیت سے پیدا کرتا ہے اور یہی ارسال رسل ہے اور پھر یہ یوں بھی نشان ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ کر کے اس میں چشمے بہاتا اور پھل وغیرہ اُگاتا ہے ایسا ہی اب اس کی روحانی بارش سے عرب کی مردہ زمین زندہ ہو جائے گی اور علوم کے چشمے نکلیں گے اور بڑے بڑے عظیم الشان انسان اس مُردہ قوم سے پیدا ہوں گے انسان کے ہاتھوں میں یہ طاقت نہ تھی کہ یہ کام کرتے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے یہ کر دکھائے گا۔

نمبر۳۔ یہاں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں کے جوڑے پیدا کیے یہاں تک کہ سبزیوں کے بھی اور انسانوں کے جن میں سب جاندار شامل ہیں اور ممّا لا یعلمون بڑھا کر بتا دیا کہ ایسے جوڑے بھی ہیں جنھیں وہ نہیں جانتے اس میں وہ سب چیزیں آ جاتی ہیں جن کا علم انسان آہستہ آہستہ حاصل کرتا چلا جاتا ہے جوڑوں کا ذکر اس لیے کیا کہ دنیا میں سب نشو و نما جوڑوں سے ہی ہے۔ پس قوائے روحانی کے نشو و نما کے لیے بھی کسی رنگ کی زوجیت چاہیے یعنی روحانی طور پر انسان ترقی نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کا تعلق کسی اور ہستی سے نہ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ ہے جیسے دوسری جگہ ہے ومن کل شیٔ خلقنا زوجین لعلکم تذکرون ففرّوا

وَ اٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ ۚۖ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور ایک نشان ان کے لیے رات ہے اس سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو ناگہاں وہ اندھیرے میں رہ جاتے ہیں ۱؎

وَ الشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾

اور سورج اپنے مقرر رستے پر چلتا رہتا ہے۔ یہ غالب علم والے کا اندازہ ہے ۲؎

وَ الْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ﴿۳۹﴾

اور چاند کے لیے ہم نے کئی منزلیں مقرر کر دیں یہاں تک کہ وہ پھر کھجور کی پرانی سوکھی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے۔

لَا الشَّمْسُ يَنْۢبَغِيْ لَهَاۤ اَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَ لَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ ؕ وَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ ﴿۴۰﴾

نہ سورج کو حاصل ہے کہ چاند کی غایت کو پہنچے اور نہ رات دن سے آگے نکلنے والی ہے اور سب (اپنے اپنے) دائرے میں چل رہے ہیں ۳؎

وَ اٰيَةٌ لَّهُمْ اَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۴۱﴾

اور ایک نشان ان کے لیے یہ ہے کہ ہم ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں اٹھاتے ہیں۔

وَ خَلَقْنَا لَهُمْ مِّنْ مِّثْلِهٖ مَا يَرْكَبُوْنَ ﴿۴۲﴾

اور ان کے لیے اس جیسا کچھ اور پیدا کیا ہے جس پر وہ سوار ہوتے ہیں ۴؎

الی اللہ (الذٰریٰت ۵۱ : ۵۰) اور سبحان سے شروع اس لیے کیا کہ یہ تعلق اس قسم کا نہیں جیسے جسمانی ازداج میں ہوتے ہیں بلکہ یہ روح کا تعلق ہے اور تمام عیوب اور نقصوں سے پاک ہے اور بتایا یہ ہے کہ تعلق باللہ سے تم میں روحانی نشوونما پیدا ہوگا۔

نمبر۱۔ اس میں اشارہ یہ ہے کہ جب روحانی روشنی دنیا میں مفقود ہو جاتی ہے یعنی نورِ نبوت گم ہو جاتا ہے تو روحانی طور پر لوگ ظلمت میں رہ جاتے ہیں جب تک وہ نور پھر نہ آئے اس وقت تک تاریکی دُور نہیں ہو سکتی اور نہ روحانی ترقی کے لیے انسان سعی کرنے کے قابل ہوتا ہے اور بتایا ہے کہ دنیا میں اس وقت سب لوگ اندھیرے میں ہیں کیونکہ پہلی نبوتوں کا نور گم ہو چکا اس لیے اب طلوع آفتاب کی ضرورت ہے اور اس آفتاب کے طلوع کا یہ نشان ہوگا کہ دنیا میں روحانی بیداری پیدا ہو جائے گی۔

نمبر۲۔ سورج کے مستقر سے مراد اس کا انتہائے سیر بھی لیا گیا ہے اور سائنس سے آج یہ ثابت ہے کہ یہ کل نظامِ شمسی جس کا مرکز سورج ہے ایک عظیم الشان ستارے کے گرد حرکت کر رہا ہے اور بعض نے ظرف زمان لیکر مطلب یہ لیا ہے کہ ایک وقت تک چلتا ہے یعنی قیامت کے قائم ہونے تک۔

نمبر۳۔ سورج چاند کی غایت کو نہیں پہنچ سکتا یعنی جو کام چاند کا ہے وہ سورج نہیں دے سکتا۔ ہر ایک کے سپرد اللہ تعالیٰ نے الگ الگ کام کیا ہے۔ رات دن سے آگے نہیں نکل سکتی یعنی جب دن آ جاتا ہے تو رات باقی نہیں رہ سکتی اپنا کام کر کے وہ دور ہو جاتی ہے اور سورج اور چاند دونوں پر کیا منحصر ہے سب سیارے اپنے اپنے دائروں میں چل رہے ہیں۔ یَسْبَحُوْنَ کا لفظ چونکہ سیال چیز میں تیرنے پر بولا جاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ سب اجرامِ سماوی کسی مخصوص چیز پر نہیں بلکہ پانی یا ہوا کی طرح کسی رقیق چیز میں گردش کر رہے ہیں۔

نمبر۴۔ اس میں اشارہ ہوائی کشتیوں یا ہوائی جہازوں کی طرف ہے اور وہی آبی کشتیوں کی مثل کہلا سکتے ہیں اور خلقنا اس لیے فرمایا کہ جو چیز انسان اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے سامانوں سے بناتا ہے اس کا بنانا اللہ تعالیٰ کی طرف بھی منسوب ہو سکتا ہے اور کشتی اللہ تعالیٰ کے تصرفاتِ عظیمہ میں سے ہونے کے لحاظ سے نشان ہے والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس (البقرہ ۲ - ۱۶۴) اور اگلی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک خاص قوم کا ذکر ہے

وَإِن نَّشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنقَذُونَ ﴿٤٣﴾

اور اگر ہم چاہیں تو انھیں غرق کر دیں تو ان کے لیے نہ کوئی فریاد رس ہوگا اور نہ وہ بچائے جائیں گے۔

إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿٤٤﴾

مگر ہماری طرف سے رحمت اور ایک وقت تک سامان ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّقُوا مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٤٥﴾

اور جب انھیں کہا جاتا ہے اس سے بچاؤ کر لو جو تمھارے سامنے ہے اور جو تمھارے پیچھے ہے تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۱۔

وَمَا تَأْتِيهِم مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٤٦﴾

اور ان کے پاس کوئی پیغام اپنے رب کے پیغاموں میں سے نہیں آتا مگر وہ اس سے منہ پھیرنے والے ہوتے ہیں۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنُطْعِمُ مَن لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ أَطْعَمَهُ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٤٧﴾

اور جب انھیں کہا جاتا ہے اس میں سے خرچ کرو جو اللہ نے تمھیں دیا ہے۔ تو جو کافر ہیں وہ انھیں جو ایمان لائے کہتے ہیں کیا ہم اسے کھانا دیں جسے اگر اللہ چاہتا تو کھانا دیتا۔ تم کھلی غلطی میں ہو۔

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٨﴾

اور کہتے ہیں، یہ وعدہ کب ہے؟ اگر تم سچے ہو۔

مَا يَنظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿٤٩﴾

وہ کسی چیز کا انتظار نہیں کرتے مگر ایک آواز کا جو انھیں پکڑ لے گی اور وہ ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہوں گے ۲۔

جنھیں اللہ تعالیٰ کشتیوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے بہت کچھ عطا فرمائے گا۔ لیکن وہ ایک وقت کے لیے ہوگا اور اگر وہ قبولِ حق سے انکار کریں گے تو انھیں غرق کر دیا جائے گا رحمۃ منا ومتاعا الی حین۔

نمبر۱۔ مفسرین کے اتقوا ما بین ایدیکم وما خلفکم میں کئی اقوال ہیں مثلاً ما بین ایدیکم سے مراد اُمم سابقہ کا عذاب لیا ہے اور وما خلفکم سے عذابِ آخرت ما بین ایدیکم جو پہلے گناہ کر چکے اور ما خلفکم جو آیندہ کریں گے۔ ما بین ایدیکم وہ مکروہات جن کا انھیں فکر ہے اور ما خلفکم وہ مکروہات جن کا انھیں گمان بھی نہیں لیکن اتقوا کے معنی نگہداشت حقوق لیکر ما بین ایدیکم سے مراد وہ باتیں ہیں جو آنکھوں کے سامنے ہیں اور ما خلفکم وہ جو پس پردہ ہیں یا وہ حقوق جو امور ظاہری سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ جو امور باطنی سے تعلق رکھتے ہیں۔

نمبر۲۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ متی ھذا الوعد کا سوال عذاب دنیا کے لیے آتا ہے کیوں کہ یہاں عذاب دنیا کا ذکر ہے جو انھیں جھگڑتے ہوئے آلیگا اور وہ وصیت بھی نہ کر سکیں گے اور جھگڑنے سے مراد یہ ہے کہ امور دنیا اور تجارت میں اُن کا اس قدر انہماک ہوگا کہ باہم جھگڑ رہے ہونگے اور آنے والے عذاب کی طرف خیال بھی نہ ہوگا۔ آج یورپ کے باہم جھگڑے بعید نہیں کسی ایسے ہی عذاب کا پیش خیمہ ہوں جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔

فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَّلَآ إِلَىٰٓ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ۝٥٠	پس نہ وہ وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھر والوں کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔
وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ ۝٥١	اور صور پھونکا جائے گا پس وہ ناگہاں قبروں سے نکل کر اپنے رب کی طرف دوڑ پڑیں گے ۱
قَالُوا يَا وَيْلَنَا مَن بَعَثَنَا مِن مَّرْقَدِنَا ۜ هَٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ۝٥٢	کہیں گے ہم پر افسوس کس نے ہمیں ہماری خوابگاہ سے اٹھایا یہ وہ ہے جس کا وعدہ رحمٰن نے کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔
إِن كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ۝٥٣	وہ صرف ایک ہی آواز ہوگی تو وہ سب کے سب ہمارے حضور حاضر ہو جائیں گے۔
فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝٥٤	سو آج کسی جان پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا اور تمھیں کچھ بدلہ نہ ملے گا، مگر اسی کا جو تم کرتے تھے۔
إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغُلٍ فَاكِهُونَ ۝٥٥	جنّت والے اُس دن ایک کام میں لگے ہوئے خوش ہوں گے۔
هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلَالٍ عَلَى الْأَرَائِكِ مُتَّكِئُونَ ۝٥٦	وہ اور ان کے جوڑے سایوں میں تختوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے۔
لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُم مَّا يَدَّعُونَ ۝٥٧	ان کے لیے اس میں پھل ہوگا اور ان کے لیے ہوگا جو وہ مانگیں۔
سَلَامٌ قَوْلًا مِّن رَّبٍّ رَّحِيمٍ ۝٥٨	سلامتی رحم کرنے والے رب کی طرف سے قول ہوگا
وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ۝٥٩	اور اے مجرمو! آج جدا ہو جاؤ۔
أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ ۖ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ	اے آدم کے بیٹو! کیا میں نے تمھیں حکم نہیں دیا تھا کہ شیطان کی عبادت نہ کرو وہ تمھارا کھلا دشمن

نمبر۱۔ قبروں سے نکل پڑنے سے مراد اس حالت سے نکلنا ہے جس میں وہ بعد موت ہیں اور پہلی آیت کے عذاب دنیا کے بعد اس آیت میں عذاب قیامت کی طرف توجہ دلائی۔

مُّبِيْنٌ ﴿۶۰﴾ | ہے۔

وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِیْ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ ﴿۶۱﴾ | اور کہ میری عبادت کرو، یہ سیدھا رستہ ہے۔

وَ لَقَدْ اَضَلَّ مِنْكُمْ جِبِلًّا كَثِیْرًا ؕ اَفَلَمْ تَكُوْنُوْا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۲﴾ | اور یقیناً اس نے تم میں سے بہت سی مخلوق کو گمراہ کیا، تو کیا تم عقل سے کام نہ لیتے تھے۔

هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۶۳﴾ | یہ وہ دوزخ ہے جس کا تم کو وعدہ دیا جاتا تھا۔

اِصْلَوْهَا الْیَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۶۴﴾ | آج اس میں داخل ہو جاؤ اس کے بدلے جو تم کفر کرتے تھے۔

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤی اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾ | آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں اس کی گواہی دیں گے جو وہ کماتے تھے ۔[1]

وَ لَوْ نَشَآءُ لَطَمَسْنَا عَلٰۤی اَعْیُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَاَنّٰی یُبْصِرُوْنَ ﴿۶۶﴾ | اور اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو مٹا دیں پھر وہ رستے کے آگے بڑھیں تو کس طرح دیکھیں گے۔

وَ لَوْ نَشَآءُ لَمَسَخْنٰهُمْ عَلٰی مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوْا مُضِیًّا وَّ لَا یَرْجِعُوْنَ ﴿۶۷﴾ | اور اگر ہم چاہیں تو انھیں ان کی جگہ پر مسخ کر دیں، پھر وہ نہ آگے چل سکیں اور نہ لوٹ سکیں ۔[2]

وَ مَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِی الْخَلْقِ ؕ اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾ | اور جسے ہم لمبی عمر دیتے ہیں اسے بناوٹ میں اوندھا کر دیتے ہیں تو کیا یہ عقل سے کام نہیں لیتے ۔[3]

نمبر۱۔ مونہوں پر مہر لگانے سے مراد یہ ہے کہ کلام نہ کریں گے اس قسم کی آیات میں بتایا ہے کہ دوسرے عالم کی کیفیات الگ رنگ کی ہیں انسان کلام تو منہ سے کرتا ہے مگر وہاں منہ سے کلام نہیں ہوگا کیونکہ وہاں عمل کے نتائج ظاہر ہوں گے اور وہ اظہار بذریعہ کلام نہیں بلکہ انسان کی حالت سے ہوگا

نمبر۲۔ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ دونوں آیتیں اس دنیا کی حالت کے متعلق ہیں یعنی اگر اللہ چاہتا تو دنیا میں ایسا کر دیتا۔ اور جیسے آنکھوں کا مٹا دینا اس رنگ میں ہوا کہ وہ روحانی امور کو نہ دیکھ سکے اسی طرح مسخ بھی خلق میں ہوا یعنی حیوانات کی سی باتیں ان کے اندر پیدا ہو گئیں۔

نمبر۳۔ اصل ذکر قرآن حکیم میں قوموں کے عروج وزوال کا چلتا ہے گو اکثر لوگ اس نظر سے قرآن شریف کو نہیں پڑھتے۔ اس سورت میں بھی بعض قوموں کی تکذیبِ قرآن کا ذکر ہے تو اس کے لیے اپنا ایک قانون بتاتا ہے کہ جو قوم دنیا میں لمبی عمر پاتی اور ترقی کرتی ہے آخر اس پر قانونِ قدرت کے مطابق وہ زمانہ آتا ہے کہ قوت کی بجائے ضعف پیدا ہو کر زوال کی حالت نمودار ہو جاتی ہے اور توجہ دلائی ہے کہ قوم کی حالت کو انسان کی حالت پر قیاس کر لو یا گذشتہ قوموں کے حالات کی طرف توجہ دلائی ہے کہ بڑا بڑا اقبال حاصل کر کے اور لمبے زمانے تک عروج پا کر آخر وہ مٹ گئیں۔ پس قرآن کریم کی مخالفت کرنے والے کہاں باقی رہ سکتے ہیں اور اگر یہ کہا جائے کہ اس قانون کے ماتحت مسلمانوں کی بھی آخر وہی حالت ہونی چاہیئے تو یہ صحیح ہے، فرق یہ ہے کہ جب ایک مسلمان قوم زوال کی طرف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ ایک دوسری قوم کو اس کی جگہ کھڑا کر دیتا ہے، اس لیے عربوں پر زوال آسکتا ہے

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝۶۹

اور ہم نے اسے شعر نہیں سکھایا اور نہ اسے یہ شایاں ہے یہ صرف نصیحت اور کھول کر بیان کرنے والا قرآن ہے [۱]۔

لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝۷۰

تاکہ اسے ڈرائے جو زندہ ہے اور کافروں پر حجت قائم ہو [۲]۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِّمَّا عَمِلَتْ اَيْدِيْنَاۤ اَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مٰلِكُوْنَ ۝۷۱

کیا وہ غور نہیں کرتے کہ ہم نے ان کے لیے اس سے جو ہمارے ہاتھوں نے بنایا چارپائے پیدا کیے ہیں سو وہ ان کے مالک ہیں۔

وَذَلَّلْنٰهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ ۝۷۲

اور ہم نے انھیں ان کا مطیع کردیا، پس ان میں سے ان کی سواری ہے اور ان میں سے وہ کھاتے ہیں۔

وَلَهُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ وَمَشَارِبُ ؕ اَفَلَا يَشْكُرُوْنَ ۝۷۳

اور ان کے لیے ان میں فائدے اور پینے کی چیزیں ہیں، تو کیا یہ شکر نہیں کرتے۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لَّعَلَّهُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝۷۴

اور اللہ کے سوائے معبود بناتے ہیں۔ تاکہ انھیں مدد ملے۔

ایرانیوں پر آسکتا ہے، ہندیوں پر آسکتا ہے، ترکوں پر آسکتا ہے مگر اسلام پر نہیں آسکتا۔ اسلام بعض اصولوں کا نام ہے اگر اصول صحیح ہیں تو وہ آخر دنیا تک رہیں گے ہاں ان سے فائدہ اٹھانے میں کبھی ایک قوم گوئے سبقت لے جائے گی کبھی دوسری۔

نمبر ۱۔ جو کچھ اوپر کی آیت میں بیان ہوا وہ شاعرانہ تخیل نہیں بلکہ نصیحت ہے تاکہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں اس لیے آنحضرتؐ کے شعر نہ جاننے کو یہاں بیان کیا۔ آنحضرت صلعم کا شعر نہ جاننا ایک تاریخی امر ہے آپ جس زمانہ میں پیدا ہوئے وہ عرب میں شاعری کے عروج کا زمانہ تھا لیکن آپ کی طبیعت کو شعر سے ادنیٰ مناسبت بھی نہ تھی یہاں تک کہ روایات میں ہے کہ اگر کبھی آپ بطور مثال کوئی شعر پڑھتے تو اس کے اول کو آخر اور آخر کو اول کر دیتے۔

اگر آپ کا کلام اشعار میں ہوتا تو کہا جا سکتا تھا کہ اس زمانہ میں وہ ملک بڑے بڑے شاعر پیدا کر رہا تھا ایک شاعر کا خیال اس طرف چلا گیا کہ اخلاقی اور روحانی مضامین پر شعر کہے مگر آنحضرت صلعم کی آمد نے بالکل کایا پلٹ دی اتنے اعلیٰ درجہ کے مضامین بیان فرمائے جو شاعروں کے وہم و گمان میں بھی نہ آئے تھے مگر شعر کا نام تک نہیں جانتے اور سارا کلام نثر میں ہے جس سے عرب اب تک قریباً ناآشنا تھے یہ بجائے خود ایک اعجاز تھا۔

مگر تعجب یہ ہے کہ باوجود اس کے کہ مسلمانوں کو اس پیرایہ میں یہ سمجھایا گیا تھا کہ وہ بھی شعر و شاعری کی طرف کم مائل ہوں یہ بیماری مسلمانوں میں خاص طور پکڑ گئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ عملی حالت روز بروز کمزور ہوتی چلی گئی۔ بہت سے مسلمان بادشاہوں نے بجائے اس کے کہ علوم کو ترقی دیتے شاعروں کو بڑے بڑے انعامات دیکر شاعری کو ترقی دی اور آج بھی مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ کہیں مشاعرہ ہو کسی جلسہ میں نظم پڑھی جاتی ہو پیر و جوان سب کام چھوڑ کر بھاگے چلے جاتے ہیں لیکن اگر کوئی وعظ و نصیحت کی مجلس ہو قرآن حکیم کی درس و تدریس کا سلسلہ ہو تو اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہ وہاں سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔

نمبر ۲۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص کچھ بھی عقل سے کام لیتا ہے وہ تو قرآن کی نصیحت سے فائدہ اٹھاتا ہے اور جو کفر پر اڑے ہوئے ہیں ان کو احساس ہی کوئی نہیں۔

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَهُمْ ۙ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ ۝۷۵

وہ ان کی مدد کی طاقت نہیں رکھتے اور وہ ان کے لیے ایک لشکر ہے حاضر کیے گئے ۱؎۔

فَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝۷۶

سو ان کی بات تجھے غمگین نہ کرے ہم جانتے ہیں جو یہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝۷۷

کیا انسان غور نہیں کرتا کہ ہم نے اسے نطفہ سے پیدا کیا پھر دیکھو وہ کھلا جھگڑا کرنے والا ہے۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ۭ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝۷۸

اور ہمارے لیے ایک نادر بات بیان کی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، کہتا ہے کون ہڈیوں کو زندہ کریگا جب وہ گل چکی ہوں گی ۲؎۔

قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمُۨ ۝۷۹

کہہ انھیں وہی زندہ کرے گا، جس نے انھیں پہلی بار بنایا۔ اور وہ ہر پیدائش کو خوب جاننے والا ہے۔

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا فَاِذَآ اَنْتُمْ مِّنْهُ تُوْقِدُوْنَ ۝۸۰

وہ جس نے تمھارے لیے سبز درخت سے آگ بنائی۔ تو دیکھو تم اس سے جلاتے ہو ۳؎۔

اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ڲ بَلٰى ۤ

کیا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس بات پر قادر نہیں کہ ان (انسانوں) کی مثل بنا سکے، ہاں ۴؎ اور

نمبر۱- یعنی مشرک اپنے معبودوں کے لیے حاضر کیا گیا لشکر ہے اور حاضر کیے گئے سے مراد اُن کی حفاظت کے لیے حاضر ہونا یا تیار رہنا ہے اور یہ معنی قتادہ سے مروی ہیں۔ پس یہاں کھلی پیشگوئی ہے کہ باوجود ساری طاقت اُن بتوں کی حمایت میں صرف کرنے کے یہ مغلوب ہوں گے اور بُت ان کی کچھ بھی مدد نہ کرسکیں گے۔

نمبر۲- احیائے موتیٰ کے انکار کو یوں ظاہر کیا ہے کہ بوسیدہ ہڈیوں کو کون زندہ کریگا۔ مطلب یہ نہیں کہ گوشت تو زندہ ہو سکتا ہے اور بوسیدہ ہڈیاں زندہ نہیں ہوسکتیں بلکہ احیاء کے استبعاد کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے مطلب یہ ہے کہ گوشت تو ایک طرف رہا جب ہماری ہڈیاں تک بھی گل جائیں گی اور ہمارا کچھ باقی نہ رہ جائے گا تو پھر احیا یا زندہ کرنا کس طرح ہوگا اور گو یہ انکار احیائے موتیٰ پر ہے لیکن اس میں اشارہ اس بات کی طرف بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کام جو اس وقت ایک مردہ حالت میں نظر آتا ہے وہ زندہ کس طرح ہوگا آج بھی لوگ اسلام کو ایک مردہ حالت میں سمجھتے اور تعجب کرتے ہیں کہ یہ کس طرح زندہ ہوگا کیا عجیب جواب ہے جس نے پہلے زندہ کیا وہی دوبارہ زندہ کرے گا۔

نمبر۳- لفظ اخضر کو ساتھ رکھنا بتاتا ہے کہ یہ ایندھن کی طرف اشارہ نہیں جو خشک لکڑی سے ہوتا ہے مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو سبز درخت بھی آپس میں رگڑ کھا کر آگ کو پیدا کرتے ہیں جو ایک تیسری چیز ہے جس کا وجود ان درختوں میں کوئی نظر نہیں آتا اسی طرح ایک انسان کے انسان کامل کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے اور دو روحوں کے باہم رگڑ کھانے سے ایک نئی زندگی پیدا ہوتی ہے۔

نمبر۴- مثلھم کہہ کر یہ بھی صاف بتا دیا کہ وہ یہی انسان نہیں ہوں گے ان کی مثل ہوں گے۔

وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۱﴾	وہ بڑا پیدا کرنے والا جاننے والا ہے۔
اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۸۲﴾	اس کا حکم جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے صرف یہی ہوتا ہے کہ اسے کہتا ہے ہو جا، سو وہ ہو جاتی ہے۔
فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾	سو پاک ہے وہ ذات جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی حکومت ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

(۳۷) سُوْرَةُ الصّٰٰٓفّٰتِ مَكِّيَّةٌ ۱

اٰیَاتُهَا ۱۸۲ — رُکُوْعَاتُهَا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾	گواہ ہیں صف باندھنے والی (جماعتیں) قطاروں میں۔
فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿۲﴾	پھر روکنے والی (جماعتیں) روکتی ہوئی۔
فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ﴿۳﴾	پھر نصیحت کی پیروی کرنے والی (جماعتیں)
اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿۴﴾	تمھارا معبود یقیناً ایک ہی ہے ۲

نمبر ۱۔ اس سورت کا نام الصّٰفّٰت ہے اور اس میں پانچ رکوع اور ۱۸۲ آیتیں ہیں اور اس کا نام اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے۔ جہاں خدا کے حضور صف باندھ کر کھڑے ہونے والوں کو اللہ تعالیٰ کی توحید پر بطور نشان یا دلیل پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ لوگ جو اللہ کے حضور صفیں باندھ کر کھڑے ہوتے ہیں اور ذکر الٰہی کرتے ہیں یہ آخر کار غالب ہونگے اور دنیا کی کوئی طاقت انھیں برباد نہ کر سکے گی۔ جب پچھلی سورت میں انسان کامل محمد رسول اللہ صلعم کے پیغام کا ذکر کیا تو اس میں آپؐ کے اور آپ کے ساتھیوں کے ذریعہ سے توحید کے آخری غلبہ کا ذکر کیا یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور اس مجموعہ کی باقی سورتوں سے بلحاظ نزول کسی قدر پہلے کی معلوم ہوتی ہے۔

نمبر ۲۔ یہاں جن چیزوں کی قسم کھائی ہے بالفاظ دیگر جنھیں بطور گواہ پیش کیا ہے وہ صف باندھنے والی، روکنے والی، تلاوت قرآن کرنے والی جماعتیں ہیں اور جواب قسم یا وہ امر جس کی وہ شہادت ادا کرتے ہیں یہ ہے کہ معبود ایک ہی ہے عموماً مفسرین نے مراد اس سے ملائکہ لیے ہیں اور ایسے ہی بعض اور موقعوں پر بھی فرشتے مراد لیے ہیں اور یہ معنی حضرت ابن عباسؓ وغیرہ سے مروی ہیں مگر ظاہر ہے کہ ملائکہ خود غیر مرئی ہستیاں ہیں اور انھیں بطور شہادت پیش کرنا درست نہیں ہو سکتا اور دوسرے تلاوت ذکر کا لفظ فرشتوں پر صادق نہیں آ سکتا مومنین پر ہی آ سکتا ہے چنانچہ قتادہ سے التّٰلِيٰتِ ذِكْرًا کے معنی میں یہی روایت ہے یتلون کتابہ تعالیٰ اور اگر تیسری آیت میں مومنین مراد لیے جائیں تو پہلی دو آیتوں میں بھی وہی مراد ہونے چاہئیں اور صٰفّٰت صفًا میں مراد نماز میں صف باندھنے والے لوگ ہیں اور زاجرات زجرًا میں لوگوں کو معاصی سے روکنے والے اور تالیات ذکرًا میں خود اتباع ذکر کرنے والے اور پھر ان کی شہادت دو طرح پر ہے ایک تو یہ کہ جتنی اس قسم کی جماعتیں دنیا میں ہوئی ہیں یعنی انبیاء اور مصلحین اور ان کے متبع وہ دنیا میں کہیں بھی ہوئے ہوں اور کسی زمانہ میں ہوئے ہوں سب کے سب توحید الٰہی پر شہادت دیتے ہیں یعنی تمام راستبازوں کی جماعتوں کی شہادت یہی ہے کہ خدا ایک ہے اور دوسرے رنگ میں یہ شہادت بطور پیشگوئی ہے۔ کیونکہ یہ سورت تو اس وقت کی ہے جب مکہ میں آنحضرت صلعم کی مخالفت کمال پر ہے تو گویا بتایا ہے کہ آنحضرت صلعم کی قوت قدسی سے اس ملک میں جماعتوں کی جماعتیں ایسی پیدا

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا وَ رَبُّ الْمَشَارِقِ ۝٥

آسمانوں اور زمین کا رب اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور مشرقی زمینوں کا رب ۱؎

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ ِالْكَوَاكِبِ ۝٦

ہم نے ورلے آسمان کو (عجیب) زینت (یعنی) ستاروں سے آراستہ کیا ہے ۲؎

وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ۝٧

اور ہر سرکش شیطان سے (ان کی) حفاظت کی ہے ۳؎

لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَ يُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۝٨

وہ اعلیٰ درجے کے گروہ کی باتیں نہیں سن سکتے اور ہر طرف سے ملامت کیے جاتے ہیں۔

دُحُوْرًا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝٩

دھتکارے ہوئے اور (دیر) دکھ ان کو لگا ہوا ہے ۴؎

ہو جائیں گی جو خدا کے حضور نمازوں میں صفیں باندھ کر کھڑی ہوں گی اور ان کا کام دوسرے لوگوں کو معاصی سے روکنا اور خود اتباع قرآن کرنا ہوگا اور ایک ملک عرب کیا خاص ہے ہی شہادت تند کل دنیا بھی ادا کرے گی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صفت سے مراد جنگ میں صفیں باندھنے والے اور زاجرات سے مراد دشمن کو ڈکنے والے ہوں یا گھوڑوں کو چلانے والے اور اس سورت میں بھی یہ پیشگوئی ہے کہ حق اور باطل کا مقابلہ ہو کر آخر حق غالب آئے گا۔ معبودان باطل نیست و نابود ہو جائیں گے اور ایک خدا کا نام لیا جائے گا۔

نمبر۱۔ رب المشارق میں مشارق سے مراد مشرقی سرزمینیں ہیں اور لفظ مشارق خاص طور پر اختیار کرنے میں یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ روحانی تربیت میں مشرق فائق رہا ہے۔ چنانچہ انبیاء اور راستباز اکثر مشرقی ممالک میں ہی پیدا ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ جسے خدا خدا کرکے پکارا جاتا ہے وہ بھی صرف ایک مشرقی انسان ہی تھا اور شاید اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اب جو دنیا کی ربوبیت روحانی آنحضرت صلعم کے ذریعہ سے کی جاتی ہے تو اول اس کا عروج مشرقی ممالک میں ہی ہوگا اور ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے تھا کہ صداقت روحانی کو پہلے وہی لوگ قبول کرتے جن کو روحانیت سے تعلق زیادہ رہا ہے اور مغربی لوگ ایک وقت تک بوجہ اپنی مادہ پرستی کے اس سے محروم رہتے۔

نمبر۲۔ اس ظاہری زینت میں اشارہ ہے کہ عالم روحانیت میں بھی بعض وجود اس عالم کی زینت کا موجب ہو جاتے ہیں اور دوسرے نفوس کے لیے روشنی کا موجب ہو جاتے ہیں جیسا کہ ہمارے نبی کریم صلعم نے فرمایا اصحابی کالنجوم میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں اور سماء الدنیا سے مراد وہ بلندی ہے جو ہماری حد نگاہ ہے۔

نمبر۳۔ حفظا فعل محذوف کا مفعول ہے حفظنا حفظاً آسمان کے شیاطین سے محفوظ ہونے سے مراد یہ ہے کہ شیاطین کی آسمانوں تک جیسا کہ وہ دعویٰ کرتے ہیں رسائی نہیں اور روحانی رنگ میں یہ مراد ہے کہ وہ راستبازوں کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے اور شیطان مارد سے مراد یہاں کاہن وغیرہ ہی ہیں جو ستاروں سے علم غیب حاصل کرنے کا دعویٰ کرتے تھے اور ان کا ذکر ان راستبازوں کے مقابل پر کیا ہے جن کا اوپر ذکر تھا۔

نمبر۴۔ یہ کاہن وغیرہ ملاء الاعلیٰ کی باتیں نہیں سنتے اور ملاء الاعلیٰ سے مراد ملائکہ ہیں یا اشراف ملائکہ مطلب یہ ہے کہ وہ جو ظاہر کرتے ہیں کہ ہم غیب کی باتیں معلوم کرتے ہیں تو یہ بالکل جھوٹ ہے وہاں تک ان کی رسائی نہیں نہ وہ سن سکتے ہیں اور یقذفون من کل جانب دحوراً میں جو یہ مراد لی گئی ہے کہ ان پر آسمان کی چاروں جہات سے انگارے پھینکے جاتے ہیں تو یہ صحیح نہیں اس لیے کہ اگر ظاہر پر شہاب مراد لیے جائیں تو ان کا چاروں طرف سے پھینکا جانا شاذ و نادر ہی وقوع میں آتا ہے اور یہاں یہ مراد اس لیے بھی نہیں کہ اگلی آیت میں ہے الا من خطف الخطفۃ فاتبعہ شہاب ثاقب پس شہاب مراد نہیں قذف کے معنی ملامت بھی ہیں اور یہ ملامت ان پر اس لیے ہوتی ہے کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ جھوٹ ثابت ہوتا ہے اس لیے سب لوگ حتیٰ کہ ان کے معتقد بھی ان پر ملامت کرتے ہیں اور عذاب لازم یا تو یہی ہے اور یا مراد عذاب آخرت ہے یعنی دنیا میں یوں ذلیل ہوتے ہیں کہ ان کی باتیں جھوٹی نکلتی ہیں تو ملامت ہوتی ہے اور آخرت کا عذاب الگ ہے۔

اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾

سوائے اس کے جو ایک (آدھ) دفعہ اُچک لیجائے تو اس کے پیچھے روشن انگارا آتا ہے ۱۔

فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾

تو ان سے پوچھ کیا اُن کا بنانا زیادہ مشکل ہے یا وہ خلقت جو ہم نے بنائی ہم نے انھیں مضبوط مٹی سے پیدا کیا ہے ۲۔

بَلْ عَجِبْتَ وَ يَسْخَرُوْنَ ﴿۱۲﴾

بلکہ تو تعجب کرتا ہے اور وہ ہنسی کرتے ہیں ۳۔

وَ اِذَا ذُكِّرُوْا لَا يَذْكُرُوْنَ ﴿۱۳﴾

اور جب انھیں نصیحت کی جاتی ہے نصیحت قبول نہیں کرتے۔

وَ اِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور جب کوئی نشان دیکھتے ہیں ہنسی اڑاتے ہیں۔

وَ قَالُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

اور کہتے ہیں یہ کچھ نہیں مگر کھلا جادو ہے۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۱۶﴾

کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجائیں گے تو کیا ہم ضرور دوبارہ اُٹھائے جائیں گے۔

اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ﴿۱۷﴾

اور کیا ہمارے باپ دادا بھی۔

قُلْ نَعَمْ وَ اَنْتُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۱۸﴾

کہہ ہاں اور تم ذلیل (بھی) ہوگے ۴۔

نمبر۱۔ چونکہ اوپر ذکر تھا کہ ان کی باتیں جھوٹ ہونے کی وجہ سے ہر جانب سے ان پر ملامت ہوتی ہے اس لیے یہاں بتایا کہ کبھی کبھار کوئی بات ان کی سچ بھی نکل آتی ہے اور اس کو جلدی سے اچک لیجانے سے تشبیہہ دی ہے یعنی یہ بھی ایسی بات نہیں جس سے معلوم ہو کہ اس سرچشمۂ غیب تک ان کی کوئی دسترس ہے بلکہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی جلدی سے کوئی چیز اُچک لیجائے من خطف الخطفة سے یہ مراد نہیں کہ ملاء اعلیٰ سے کچھ باتیں سُن بھی آتے ہیں اس کی تردید لایسمعون میں صاف موجود ہے اور دوسری جگہ بھی ہے انہم عن السمع لمعزولون (الشعراء ۲۶-۲۱۲) ام لھم سلم یستمعون فیہ (طور ۵۲-۳۸) اور یہ خود اللہ تعالیٰ پر اعتراض ہوتا اگر وہ اپنے رازوں کو شیاطین سے محفوظ نہ رکھ سکتا اور شہاب ثاقب کے پیچھے آنے سے مراد شہاب ظاہری نہیں جیساکہ سورہ جن کی آیت ۹ سے ظاہر ہے کہ یہ شہاب رسول اللہ صلعم کی بعثت کے بعد آنے لگے حالانکہ ظاہری شہاب کا سلسلہ آغازِ عالم سے ہے پس اس سے مراد صرف یہ ہے کہ پہلے جو لوگ اُن کی باتوں سے کچھ دھوکہ کھالیتے تھے تو اب آنحضرت صلعم کی بعثت نے اس دھوکے کو دور کردیا اور شہاب ثاقب میں آپ کی ان کھلی کھلی پیشگوئیوں کی طرف اشارہ ہے جن سے یہ معلوم ہوگیا کہ کاہنوں منجموں کو علم غیب میں کوئی دسترس نہیں۔

نمبر۲۔ اھم اشد خلقا ام من خلقنا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ من ذوی العقول کے لیے ہے یہ فی الحقیقت وہی لوگ ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا یعنی نمازوں کو قائم کرنے والے بدیوں سے روکنے والے قرآن کریم کی پیروی کرنے والے ان کے مقابل پر کاہنوں کا ذکر کیا تھا جو اس وقت ملک عرب کے روحانی پیشوا تھے تو اب سوال یہ ہے کہ کیا ایسی حالت میں یہ جماعت قائم رہ سکتی ہے جنھیں ہم نے پیدا کیا ہے یعنی راستبازوں کی جماعت یا یہ لوگ یعنی کاہن وغیرہ۔ مطلب یہ ظاہر کرنا ہے کہ نیکی کے مقابل پر یہ کہانت وغیرہ اب ملک عرب میں نہیں رہ سکتی اور باطل کی ساری فوجیں توحید کے مقابل پر نیست و نابود کردی جائیں گی اور چمٹ جانے والی مٹی سے ان راستبازوں کو پیدا کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ وہ ثابت و قائم رہیں گے۔

نمبر۳۔ یعنی تو بوجہ اپنی شدت معرفت کے ان کے انکار پر تعجب کرتا ہے اور وہ بسبب اپنی جہالت کے ہنسی کرتے ہیں۔

نمبر۴۔ یعنی تم صرف اپنے اعمال کی جزا و سزا کے لیے مبعوث ہی نہیں ہوگے بلکہ اس دنیا میں بھی مغلوب اور ذلیل ہوگے یہ بھی ابتدائی سورتوں میں کا

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾

وہ صرف ایک ہی للکار ہے سو وہ ناگہاں دیکھنے لگیں گے۔

وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾

اور کہیں گے ہم پر افسوس یہ جزا کا دن ہے۔

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

یہ فیصلہ کا دن ہے، جسے تم جھٹلاتے تھے۔

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾

اکٹھا کرو انھیں جو ظلم کرتے تھے اور ان کے ساتھیوں کو اور انھیں جن کی وہ اللہ کے سوائے عبادت کرتے تھے[1] پھر انھیں دوزخ کے رستہ کی طرف لے جاؤ۔

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور انھیں ٹھیراؤ کہ ان سے پوچھا جائے گا۔

مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾

تمھیں کیا ہوا تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔

بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾

بلکہ وہ اس دن فرمانبردار ہوں گے۔

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور ایک دوسرے کی طرف منہ کرکے پوچھنے لگیں گے۔

قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾

کہیں گے تم بڑے زور سے ہمارے پاس آتے تھے۔

قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾

(دوسرے) کہیں گے بلکہ تم (خود ہی) مومن نہ تھے۔

وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾

اور ہمارا تم پر کوئی زور نہ تھا، بلکہ تم خود سرکش لوگ تھے۔

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ اِنَّا

سو ہمارے رب کی بات ہم پر پوری ہوئی ہمیں ضرور مزا

کی آخری مغلوبیت کی ایک کھلی پیشگوئی ہے۔

نمبر[1] ازواجھم - ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ اس سے مراد اُن کے پیرو ہیں اور جو ظالموں میں سے ان کے مشابہ ہیں اور حضرت عمرؓ سے اس کے معنی امثالھم مروی ہیں یعنی ان کی مثل۔ اور ما کانوا یعبدون سے مراد سب معبودان باطل لیے گئے ہیں لیکن آگے جو سوال و جواب آتا ہے کہ بعض بعض سے کہیں گے کہ تم نے ہمیں گمراہ کیا اور وہ کہیں گے ہم نے زبردستی تمھیں کسی راہ پر نہیں ڈالا تم خود کفر کرتے تھے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ما کانوا یعبدون سے مراد یہاں ان کے وہ سردار ہیں جن کے پیچھے وہ آنکھیں بند کرکے چلتے تھے اور دوزخ کی طرف لیجایا جانا بھی انہی کے حق میں درست ہوسکتا ہے۔ نہ ملائکہ و مسیح کے حق میں۔

لَذَآئِقُوْنَ ﴿٣١﴾	چکھنا ہوگا۔
فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿٣٢﴾	پس ہم نے تمھیں گمراہی کی طرف بلایا کیونکہ ہم خود گمراہ تھے۔
فَاِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾	سو وہ اس دن عذاب میں شریک ہونگے۔
اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿٣٤﴾	ایسا ہی ہم مجرموں سے (معاملہ) کرتے ہیں۔
اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا	یہ ایسے تھے کہ جب انھیں کہا جاتا کہ اللہ کے
اللّٰهُ ۙ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٣٥﴾	سوائے کوئی معبود نہیں، اکڑتے تھے۔
وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا	اور کہتے، کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک مجنون شاعر کی
لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ﴿٣٦﴾	خاطر چھوڑ دیں۔
بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٣٧﴾	بلکہ وہ حق لے کر آیا اور رسولوں کی تصدیق کی
اِنَّكُمْ لَذَآئِقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ﴿٣٨﴾	تم یقیناً دردناک عذاب چکھو گے۔
وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٣٩﴾	اور تمھیں بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر وہی جو تم کرتے تھے۔
اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿٤٠﴾	مگر اللہ کے مخلص بندے۔
اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿٤١﴾	ان کے لیے رزق ہے جس کی خبر دی گئی ہے ۱
فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿٤٢﴾	(یعنی) پھل اور وہ باعزت۔
فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿٤٣﴾	نعمتوں والے باغوں میں۔
عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿٤٤﴾	تختوں پر آمنے سامنے ہونگے ۲
يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿٤٥﴾	ان میں ایک پیالہ پھرایا جائے گا صاف سفید (شراب)
بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٤٦﴾	سے پینے والوں کے لیے لذت والا۔
لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿٤٧﴾	نہ اس میں ہلاکت ہوگی اور نہ وہ اس سے متوالے ہونگے ۳

نمبر۱۔ رزق معلوم کیا ہے خود اگلی آیت میں بتا دیا فواکہ یعنی پھل ہیں۔ یہ پھل درحقیقت نعماء کے قائم مقام ہیں اور ان کو پھل اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ وہ اعمال کے ثمرات ہیں اور وہ معلوم اسی لحاظ سے ہے کہ اس کی خبر دی گئی ہے ورنہ اس کی کیفیات کا علم انسانوں کو نہیں دیا گیا۔

نمبر۲۔ ان کے متقابل سے ان کے ایک دوسرے کے ساتھ مانوس ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

نمبر۳۔ ان تین آیتوں میں بہشتی نعمتوں میں سے پینے کی چیزوں کا ذکر ہے پہلے اسے معین کہا ہے اور معین اسے کہتے ہیں جو ظاہر ہو یعنی سطح زمین پر

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿٤٨﴾ اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی بڑی آنکھوں والی ہونگی۔

كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿٤٩﴾ گویا کہ وہ محفوظ کیے ہوئے انڈے ہیں۔[۱]

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٥٠﴾ سو وہ ایک دوسرے کی طرف منہ کرکے پوچھیں گے۔

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ اِنِّيْ كَانَ لِيْ قَرِيْنٌ ﴿٥١﴾ ان میں سے ایک کہنے والا کہیگا کہ میرا ایک ساتھی تھا۔

يَّقُوْلُ اَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِيْنَ ﴿٥٢﴾ (جو) کہا کرتا تھا کہ کیا تو ماننے والوں میں سے ہے۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَدِيْنُوْنَ ﴿٥٣﴾ کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں بدلہ دیا جائے گا۔

قَالَ هَلْ اَنْتُمْ مُّطَّلِعُوْنَ ﴿٥٤﴾ کہے گا کیا تم جھانکنا چاہتے ہو۔

جاری ہو یہ اشارہ اس طرف ہے کہ وہ ختم نہیں ہوتا اور وہ سفید ہے یعنی ہر قسم کے عیب سے پاک ہے پھر اس میں پینے والوں کے لیے لذت ہے یہ اس لیے کہا کہ اس دنیا میں جس چیز کو پی کر لوگ سرور حاصل کرتے ہیں وہ لذت سے خالی ہوتی ہے۔ پھر یہاں کی شراب آہستہ آہستہ انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے مگر اس میں یہ بھی نقص نہیں پھر اس سے عقل جاتی رہتی ہے۔ اس میں یہ بھی نقص نہیں مطلب یہ ہے کہ اس میں سرور ہے اور لذت ہے مگر وہ ہر قسم کے عیوب سے خالی ہے اور یہ کیا چیز ہے دوسری جگہ فرمایا مثل الجنة التی وعد المتقون فیھا انھار من ماء غیر آسن وانھار من لبن لم یتغیر طعمه وانھار من خمر لذة للشاربین وانھار من عسل مصفی (محمد ۱۵) یعنی پانی کی نہریں ہونگی اور دودھ کی اور شراب کی اور شہد کی اور یہی پینے کی معمولی اور اعلیٰ درجہ کی چیزیں ہیں اور مثل الجنة کہہ کر بتا دیا کہ سچ مچ اس دنیا کا سا پانی اور اس دنیا کا سا دودھ اور اس دنیا کی سی شراب اور اس دنیا کا سا شہد نہیں بلکہ یہ مثال کے طور پر بتایا ہے کیونکہ پانی پیاس بجھاتا ہے اور دودھ قوت دیتا ہے اور شراب سے سرور حاصل ہوتا ہے اور شہد میں شفاء ہے تو مطلب یہ ہوا کہ وہ چیزیں جن سے یہ اغراض یہاں حاصل ہوتی ہیں وہاں بھی ملیں گی۔ گو اُن کی کیفیت یہ نہیں۔

نمبر ۱۔ بہشت میں عورتیں بھی ہونگی۔ یہ تو ظاہر ہے کیونکہ جو انعام مومن مردوں کے لیے ایمان اور عمل صالح پر ہے وہی مومن عورتوں کے لیے ہے اور مومن عورتیں اسی طرح بہشت میں جائیں گی جس طرح مومن مرد اس لیے عندھم قٰصرٰتُ الطرف میں ان پاک دامن بیبیوں کا ذکر بھی ہوسکتا ہے جنھوں نے یہاں اپنی نگاہوں کو کسی ناجائز موقعہ پر نہیں اٹھایا اور اُن کا بیض ہونا بلحاظ ان کی سیادت و شرافت کے ہوسکتا ہے کیونکہ بیضہ رئیس کو کہا جاتا ہے بوجہ اس کی محفوظیت کے اور ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلعم نے ایک بوڑھی عورت کے سوال پر کہا کہ جنت میں کوئی بوڑھی عورت نہ ہوگی اور وہ غمناک ہوئی تو آپ نے یہ آیت پڑھی اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا عُرُبًا اَتْرَابًا لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ (الواقعہ ۳۵ تا ۳۸) یعنی یہی بوڑھی عورتیں جنت میں ایک نئی پیدائش حاصل کریں گی اس لیے ان پر بوڑھی کا لفظ صادق نہ آئے گا۔ لیکن چونکہ یہاں نعمائے بہشتی میں یہ ذکر ہے اور انھیں کو دوسری جگہ حور عین بھی کہا ہے اس لیے بہشت کی ان نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے مالا عین رات ولا اذن سمعت جس طرح بہشت کے فواکہ کو یہاں کے پھلوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا اور بہشت کے پانی اور دودھ کو یہاں کے پانی اور دودھ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح بہشت کی قاصرات الطرف کو بھی اس دنیا کی عورتوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ ازیں جس طرح بہشت کے فواکہ اور بہشت کا پانی اور دودھ مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں ہیں اسی طرح بہشت کی قاصرات الطرف بھی مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں ہیں قرآن نے بہشت کی کسی نعمت کے لحاظ سے مردوں اور عورتوں میں فرق نہیں کیا پس بلا شبہ حور ایک بہشت کی نعمت ہے اور جس طرح بہشت کی دوسری نعمتوں کا ذکر بطور مثال ہے اسی طرح حور کا ذکر بھی بطور مثال ہے لیکن بظاہر یہ سمجھ آتا ہے کہ نہ جنت میں بقائے نوع کی ضرورت ہے اور نہ ان کی جو بقائے نوع سے تعلق رکھتے ہیں۔

فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۵۵﴾	سو اس نے جھانکا تو اس کو دوزخ کے درمیان دیکھا۔
قَالَ تَاللّٰهِ اِنْ كِدْتَّ لَتُرْدِیْنِ ﴿۵۶﴾	کہا اللہ کی قسم قریب تھا کہ تو مجھے ہلاک کر دیتا۔
وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّیْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِیْنَ ﴿۵۷﴾	اور اگر میرے رب کی نعمت نہ ہوتی تو میں بھی ان میں سے ہوتا جو (عذاب میں) حاضر کیے گئے ہیں۔
اَفَمَا نَحْنُ بِمَیِّتِیْنَ ﴿۵۸﴾	تو کیا (یہ سچ نہیں کہ) ہم مرنے والے نہیں۔
اِلَّا مَوْتَتَنَا الْاُوْلٰى وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِیْنَ ﴿۵۹﴾	مگر ہماری پہلی موت اور ہمیں عذاب نہیں دیا جائیگا۔[1]
اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۰﴾	یقیناً یہ بڑی کامیابی ہے۔
لِمِثْلِ هٰذَا فَلْیَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾	ایسی ہی چیزوں کے لیے چاہیئے کہ عمل کرنیوالے عمل کریں۔
اَذٰلِكَ خَیْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾	کیا یہ بہتر مہمانی ہے یا تھوہر کا درخت۔
اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِیْنَ ﴿۶۳﴾	ہم نے اسے ظالموں کے لیے سزا بنایا ہے۔
اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْۤ اَصْلِ الْجَحِیْمِ ﴿۶۴﴾	وہ ایک درخت ہے جو دوزخ کی جڑ میں اُگتا ہے۔
طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۶۵﴾	اس کا خوشہ ایسا ہے جیسے شیطانوں کے سر۔[2]
فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾	سو وہ اس سے کھائیں گے پھر اس کے ساتھ پیٹوں کو بھریں گے۔
ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَیْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِیْمٍ ﴿۶۷﴾	پھر اس کے اوپر اُن کے لیے کھولتے ہوئے پانی کی ملونی ہوگی۔

نمبر ۱۔ یہ اسی جنتی کا قول ہے اور یہ اس کے مطابق ہے جو دوسری جگہ فرمایا لا یذوقون فیھا الموت الا الموتۃ الاولی ووقٰھم عذاب الجحیم۔ (الدخان۔ ۵۶) یعنی اب ہم پر دوسری موت نہ آئے گی کیونکہ جنت سے پھر نہ نکالے جائیں گے اور نہ کوئی تکلیف آئے گی۔

نمبر ۲۔ مفردات میں ہے کہ شجرۃ الزقوم سے مراد دوزخ کے ناپسندیدہ کھانے ہیں اور لسان العرب میں ہے کہ زقوم طعام اہل نار ہے اور اس کا ظالموں کے لیے فتنہ (سزا) ہونا یوں ہے کہ اس کے ذریعہ سے ظالم گناہ کی آلائش سے پاک کیے جائیں گے اور شیاطین میں یہاں تین وجوہ بیان کی گئی ہیں ایک یہ کہ اس کا خوشہ بدنمائی میں گویا شیطانوں کے سر کی طرح ہے اور وہ گو دیکھے نہ جاتے ہوں لیکن قبیح چیز کے متعلق کہا جاتا ہے کانّہ راس شیطان۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ شیطان ایک قسم کے سانپ کا نام ہے جس کا منہ بہت بدنما ہوتا ہے۔ تیسرا یہ کہ ایک بدشکل روئیدگی ہوتی ہے جس کا نام رؤس الشیاطین ہے۔ ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ ایک اعرابی نے مجھے خبر دی کہ زقوم ایک سیاہ سا درخت ہے جس کے چھوٹے چھوٹے پتے ہوتے ہیں اور اس کے پتوں کے سرے بہت بدنما ہوتے ہیں اور ثعلب سے ہے کہ زقوم ہر ایک کھانا ہے جو قتل کردے۔ معلوم ہوا کہ یہاں شجرۃ الزقوم سے مراد وہ تھوہر کا درخت نہیں جو اس دنیا میں ہوتا ہے بلکہ یہ کوئی اور درخت ہے جو دوزخ کی جڑ بنیاد میں اُگتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دوزخ کی جڑ میں اُگنے والا درخت اعمال بد کے نتائج کا ہی درخت ہے۔ اور رؤس الشیاطین کا لفظ اختیار کرنے میں بھی اسی طرف اشارہ کرنا مقصود معلوم ہوتا ہے کہ یہ شیطان کے پیچھے لگنے سے پیدا ہوتا ہے۔

ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿۶۸﴾	پھر ان کا لوٹ کر آنا دوزخ کی طرف ہے۔
اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿۶۹﴾	انھوں نے اپنے باپ دادوں کو گمراہ پایا۔
فَهُمْ عَلٰۤى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾	اور وہ اُسی (قدموں کے نقشوں پر دوڑے چلے جاتے ہیں۔
وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۷۱﴾	اور ان میں سے پہلے بھی بہت سے پہلے لوگوں میں سے گمراہ ہوئے۔
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۷۲﴾	اور ہم نے ان کے اندر ڈرانے والے بھیجے۔
فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾	سو دیکھ کہ ان لوگوں کا انجام کیسا ہُوا جو ڈرائے گئے۔
اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۷۴﴾	مگر خدا کے مخلص بندے (بچ گئے)
وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾	اور نوحؑ نے ہمیں پکارا، سو ہم کیسے اچھے (دعا) قبول کرنیوالے ہیں۔
وَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾	اور ہم نے اسے اور اس کے پیروؤں کو بڑی سختی سے نجات دی۔
وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿۷۷﴾	اور ہم نے اس کی نسل کو (وہاں) انہی کو باقی رکھا۔
وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ﴿۷۸﴾	اور ہم نے پچھلے لوگوں میں اس کا (ذکر خیر) باقی رکھا۔
سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۹﴾	قوموں میں نوحؑ پر سلام ہے۔
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۰﴾	اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۱﴾	وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔
ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿۸۲﴾	پھر دوسروں کو ہم نے غرق کر دیا۔
وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿۸۳﴾	اور ابراہیمؑ بھی اسی کے گروہ میں سے تھا۔
اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾	جب وہ بے عیب دل کے ساتھ اپنے رب کے پاس آیا۔
اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾	جب اس نے اپنے بزرگ اور اپنی قوم سے کہا یہ کیا ہے جس کی تم پوجا کرتے ہو۔
اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾	کیا تم اللہ کے سوائے جھوٹے بنائے ہوئے معبودوں کو چاہتے ہو۔
فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾	تو تمہارا خیال جہانوں کے رب کے متعلق کیا ہے؟
فَنَظَرَ نَظْرَةً فِى النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾	تب اس نے ستاروں کو ایک نظر دیکھا۔

فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ ﴿۸۹﴾
اور کہا میں تو بیمار ہوں [1]

فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِیْنَ ﴿۹۰﴾
پھر وہ پیٹھ پھیرتے ہوئے اس سے پھر گئے۔

فَرَاغَ اِلٰۤى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾
سو وہ ان کے معبودوں کی طرف متوجہ ہُوا اور کہا کیا تم کھاتے نہیں

مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾
تمھیں کیا ہُوا تم بولتے نہیں۔

فَرَاغَ عَلَیْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْیَمِیْنِ ﴿۹۳﴾
پھر انھیں زور سے مارنے کی طرف متوجہ ہُوا۔

فَاَقْبَلُوْۤا اِلَیْهِ یَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾
تب وہ دوڑتے ہوئے اس کی طرف آئے۔

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾
اس نے کہا کیا تم اس کی عبادت کرتے ہو جسے (خود) تراشتے ہو۔

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَ مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾
اور اللہ نے تمھیں پیدا کیا اور جو تم بناتے ہو [2]

قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْیَانًا فَاَلْقُوْهُ فِی الْجَحِیْمِ ﴿۹۷﴾
انھوں نے کہا اس کے لیے ایک عمارت بناؤ پھر اسے شعلے مارتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔

فَاَرَادُوْا بِهٖ كَیْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِیْنَ ﴿۹۸﴾
سو انھوں نے اس کے ساتھ ایک چال چلنی چاہی پر ہم نے انہی کو نیچا دکھایا۔

وَ قَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ ﴿۹۹﴾
اور اس نے کہا میں اپنے رب کی طرف جانے والا ہوں وہ مجھے رستہ دکھائیگا۔

رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۰﴾
میرے رب مجھے (اولاد) عطا فرما (جو) نیکو کاروں میں سے (ہو)

نمبر۱ ان اقوال میں سے جو انی سقیم کی تفسیر میں دیئے گئے ہیں ایک یہ ہے سقیم بما اری من عبادتکم غیراللہ یعنی تمھاری غیراللہ کی عبادت کو دیکھ کر بیمار ہوگیا ہوں یعنی اس سے سخت بیزار ہوں اور ایک قول ہے سقیم القلب لکفرکم تمھارے کفر کی وجہ سے میرا دل بیمار ہے اور تاج العروس میں ہے کہ قلب سقیم۔ فہم سقیم۔ کلام سقیم سب محاورات بولے جاتے ہیں۔

بعض مفسرین نے اسے حضرت ابراہیم کے تین جھوٹوں میں سے ایک جھوٹ ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ صدیقا نبیا ان تینوں جھوٹوں کو خود جھوٹ ٹھہراتا ہے اور یہ کہنا کہ یہ جھوٹ اللہ کی راہ میں تھے بے معنی ہے۔ اللہ کی راہ اور بدی۔ یہ دو باتیں جمع نہیں ہوسکتیں۔ بدی نہ اللہ کی طرف منسوب ہوسکتی ہے نہ اللہ کی راہ کی طرف۔ اگر جھوٹ بولنا بُرا فعل ہے تو کسی وقت بھی جائز نہیں جس طرح چوری کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں مثلاً اگر ایک بُت کو پہنائے ہوئے زیور چرانے جائز نہیں، خواہ نیت ان کو اچھی جگہ صرف کرنے کی ہی ہو تو جھوٹ بول کر بُت کا توڑنا بھی جائز نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ سقیم سے مراد سقیم القلب لیکر جس کی لغت اجازت دیتی ہے کوئی دِقت باقی نہیں رہتی اور نہ خواہ مخواہ ایک نبی کی طرف جھوٹ منسوب کرنا پڑتا ہے اور نجوم کی طرف دیکھ کر یہ فقرہ بمعنی سقیم القلب اور بھی زیادہ موزوں ہے اس لیے کہ وہ لوگ نجوم کی عبادت کرتے تھے جیسا کہ قرآن شریف میں دوسری جگہ حضرت ابراہیم کے ساتھ ان کی بحث کا ذکر ہے فلما راکوکباً قال ھذا ربی (الانعام - ۷۷) اور اگر بیماری معنی لیے جائیں تو اس کے جھوٹ ہونے پر کیا دلیل ہے۔ ستاروں کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ رات بہت چلی گئی ہے۔ تب انھوں نے کہا کہ میں بیمار بھی ہوں اور زیادہ نہیں جاگ سکتا۔ اسی موقعہ پر راوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم کے جھوٹ بولنے کے متعلق جو حدیث ہے وہ صحیح نہیں ہوسکتی اور ایک راوی کی طرف جھوٹ منسوب کرنا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک نبی کی طرف جھوٹ منسوب کیا جائے۔

نمبر۲ ما تعملون کے ظاہری معنی یہی ہیں کہ اس سے مراد بُت وغیرہ ہیں جنھیں وہ تراش کر بناتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ تم پتھر لکڑیوں وغیرہ سے بت بناتے ہو، حالانکہ ان سب چیزوں کا پیدا کرنیوالا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور بعض نے ما کو استفہامیہ انکار و تحقیر کے لیے لیا ہے ای شیٔ تعملون یہ تم کیا کام کرتے ہو۔

فَبَشَّرۡنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيۡمٍ ﴿۱۰۱﴾ سو ہم نے اسے ایک بردبار لڑکے کی خوش خبری دی۔

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعۡىَ قَالَ يٰبُنَىَّ اِنِّىۡۤ اَرٰى فِى الۡمَنَامِ اَنِّىۡۤ اَذۡبَحُكَ فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰى‌ؕ قَالَ يٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ‌ سَتَجِدُنِىۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيۡنَ ﴿۱۰۲﴾ سو جب وہ اس کے ساتھ کام کاج (کی عمر) کو پہنچا اس نے کہا اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں تو دیکھ تیری کیا رائے ہے، اس نے کہا اے میرے باپ جو کچھ تجھے حکم دیا جاتا ہے کر، تو مجھے اگر اللہ چاہے صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔[1]

فَلَمَّاۤ اَسۡلَمَا وَتَلَّهٗ لِلۡجَبِيۡنِ‌ۚ ﴿۱۰۳﴾ سو جب دونوں نے حکم مانا اور اسے ماتھے کے بل لٹایا۔[2]

وَنَادَيۡنٰهُ اَنۡ يّٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ ۙ‏ ﴿۱۰۴﴾ اور ہم نے اُسے پکارا کہ اے ابراہیم!

نمبر ۱۔ حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ انھوں نے اپنے بیٹے کو ذبح کیا ہے تو ہو سکتا ہے کہ واقعی یہی دیکھا یا جو کچھ دیکھا تھا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کو رویا میں حکم دیا گیا تھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر دیں اور الفاظ ماتؤمر صاف بتاتے ہیں کہ یہی بات حق ہے اور اسی کے مطابق توریت میں ہے یعنی خدا نے ابراہیمؑ کو حکم دیا تھا کہ آپ اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی کریں (پیدائش ۲۲: ۱و۲)

یہ کونسا بیٹا تھا جس کے قربان کرنے کا حکم ہوا تھا۔ توریت میں صاف طور پر اسحاق کا نام دیا ہے اور مسلمانوں میں سے بھی بعض نے اسی بنا پر اسحاق کا نام دیا ہے مگر قرآن کریم کی صراحت اس کے خلاف ہے اس لیے کہ یہاں صفائی سے پہلے ایک بیٹے کے لیے دعا کا۔ اس پر بشارت کا۔ اسی بیٹے کے قربان کرنے کا ذکر ہے اور اس ذکر کے خاتمہ پر فرمایا وَبشّرنٰه باسحٰق نبیًّا من الصالحین (۱۱۲) جس سے معلوم ہوا کہ یہ سب حضرت اسماعیلؑ کا ذکر ہے۔ اسحاق کی بشارت بھی اس واقعہ کے بعد ہے اور اس کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ کتاب پیدائش سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی عمر چھیاسی سال کی تھی جب حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے اور ان کی عمر ننانوے سال کی تھی جب حضرت اسحاق کی بشارت ملی گویا اس وقت حضرت اسماعیلؑ کی عمر چودہ سال کی تھی اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حضرت اسمٰعیلؑ بلغ معه السعی کا مصداق ہیں اور یہ عمر دس بارہ سال کی ہونی چاہیئے اور توریت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس بارہ میں حضرت اسمٰعیلؑ کی دشمنی کی وجہ سے یہودیوں نے تحریف کر کے اسمٰعیلؑ کی جگہ اسحاق کا نام رکھ دیا۔ کیونکہ جہاں قربانی کا حکم ہے وہاں ایک طرف اسحاق کا نام ہے دوسری طرف اس کے ساتھ ہی ہے" اپنے اکلوتے بیٹے کو" (پیدائش ۲۲: ۲) اب اکلوتے کا لفظ حضرت اسحاقؑ پر کسی صورت میں صادق نہیں آسکتا۔ کیونکہ اس سے پہلے حضرت اسمٰعیلؑ موجود ہیں۔ بلکہ لفظ اسحاق کی پیدائش سے پیشتر صرف اسمٰعیلؑ پر صادق آسکتا ہے علاوہ ازیں مینڈھے کے بطور فدیہ دیا جانے کا ذکر توریت میں بھی ہے لیکن اس قربانی کی یادگار حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد میں عرب میں رہی اور یہ یادگار آج تک اُمتِ محمدیہ میں چلتی ہے اور کوئی اس کی یادگار حضرت اسحاقؑ سے وابستہ نہیں۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبح کرنے کا خواب یا حکم بے معنی نہ تھا۔ اور اس سے مراد صرف اس قدر نہ تھی کہ حضرت ابراہیمؑ کو آزمایا جائے بلکہ اس کے نیچے ایک اور مفہوم تھا اور وہ یوں پورا ہوا کہ حضرت اسمٰعیلؑ کو آخر حضرت ابراہیمؑ نے حکم الٰہی کے ماتحت اپنے سے جدا کر کے ایک ایسے بیابان میں رکھا جو بظاہر ذبح کرنے کے برابر تھا اور اس کے یوں چھوڑا جانے میں ایک پُر حکمت اشارہ تھا جس کو بعد میں نبیوں نے کھولا جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا "کیا تم نے کتاب مقدس میں کبھی نہیں پڑھا کہ جس پتھر کو معماروں نے ردّ کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور ہماری نظر میں عجیب ہے (متی ۲۱: ۴۲) پس حضرت اسمٰعیلؑ کے ذبح کرنے کے حکم میں اُن کے مکّہ معظمہ میں تنہا چھوڑا جانے کی طرف اشارہ تھا اور یہ خود ایک پیشگوئی تھی کہ یہ وہی پتھر ہے جو عمارتِ نبوت کے کونے کا سرا بنے گا۔ جیسا کہ آنحضرت صلعم نے خود بھی فرمایا انا هذه اللبنة وانا خاتم النبیین۔

نمبر ۲۔ حضرت ابراہیمؑ کا اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہو جانا قابلِ اعتراض نہیں اس لیے کہ اس سے پہلے انسان کی قربانی کا رواج تھا اور حضرت ابراہیمؑ نے جو رؤیا دیکھا اس کا منشا یہی سمجھا کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی دی جائے اور اس واقعہ سے درحقیقت انسان کی قربانی کی رسم منسوخ ہوئی اور جانوروں کی قربانی اس کی جگہ قرار پائی۔

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝١٠٥	تو نے خواب سچ کر دکھایا، اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔
اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ۝١٠٦	بیشک یہ ایک کھلا امتحان تھا۔
وَ فَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝١٠٧	اور ہم نے ایک بھاری قربانی اس کا فدیہ دیا[1]۔
وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ۝١٠٨	اور ہم نے پچھلے لوگوں میں اس کا ذکر خیر باقی رکھا۔
سَلٰمٌ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝١٠٩	ابراہیمؑ پر سلام ہو۔
كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝١١٠	اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۝١١١	وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔
وَ بَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝١١٢	اور ہم نے اسے اسحاقؑ کی خوشخبری دی ایک نبی کی جو نیکو کاروں میں سے تھا
وَ بٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَ عَلٰٓى اِسْحٰقَ ۭ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ۝١١٣ ع	اور ہم نے اُسے اور اسحاقؑ کو برکت دی اور ان دونوں کی نسل سے نیکی کرنے والے بھی ہیں اور اپنے نفس پر کھلا ظلم کرنیوالے (بھی)
وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ۝١١٤	اور ہمیں نے موسیٰؑ اور ہارونؑ پر احسان کیا۔
وَ نَجَّيْنٰهُمَا وَ قَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝١١٥	اور ہم نے ان دونوں کو اور ان کی قوم کو بڑی سختی سے نجات دی۔
وَ نَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ۝١١٦	اور ہم نے انھیں مدد دی سو وہ غالب ہوئے۔
وَ اٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ۝١١٧	اور ہم نے دونوں کو واضح کتاب دی[2]۔
وَ هَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝١١٨	اور ہم نے دونوں کو سیدھے رستے پر چلایا۔
وَ تَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِى الْاٰخِرِيْنَ ۝١١٩	اور ہم نے دونوں کا پچھلے لوگوں میں ذکر خیر باقی رکھا۔
سَلٰمٌ عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ۝١٢٠	موسیٰؑ اور ہارونؑ پر سلام ہو۔

نمبر۱۔ اس کا فدیہ تو مینڈھا تھا اور عظیم اسے اس لحاظ سے کہا کہ اس کی یادگار میں ہمیشہ کے لیے دنیا میں ایک قربانی قرار پائی۔

نمبر۲۔ کتاب یا توریت صرف حضرت موسیٰ کو نہیں دی گئی بلکہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون دونوں کو۔ پس اصل کتاب دونوں کی وحی پر مشتمل ہے چونکہ بعض قسم کے کام جیسے عبادت وغیرہ کا کرانا حضرت ہارونؑ کے سپرد تھے اس لیے اس کے متعلق حضرت ہارونؑ کو وحی ہوتی ہوگی اور مستبین بلحاظ تفصیلات شریعت اسے کہا۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔

اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ اور الیاسؑ بھی رسولوں میں سے تھا

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا تم تقوےٰ اختیار نہیں کرتے۔

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ کیا تم بعل کو پکارتے ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑتے ہو؟ ع۱

اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ (یعنی) اللہ کو جو تمھارا رب اور تمھارے پہلے باپ دادوں کا رب ہے۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ تو انھوں نے اسے جھٹلایا پس وہ (عذاب میں) حاضر کیے گئے ہیں۔

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ مگر اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے (بچ گئے)

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ اور ہم نے پچھلے لوگوں میں اس کا ذکرِ خیر باقی رکھا۔

سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ یاسینؑ پر سلام ہو ع۲

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اور لوطؑ بھی رسولوں میں سے تھا۔

اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ جب ہم نے اسے اور اس کے اہل کو سب کو نجات دی۔

نمبر۱۔ عرب کے لوگ اپنے معبود کو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا تقرب چاہتے بعل کہتے تھے اور قوم الیاس کا بُت بھی بعل تھا اور لغت یمن میں بعل رب کو کہتے ہیں اور بعل سورج یا سورج دیوتا کا قائم مقام بھی ہے۔

نمبر۲۔ الیاسین۔ الیاس کی دوسری صورت ہے۔

حضرت الیاسؑ نویں صدی قبل مسیح کے پہلے نصف میں ظاہر ہوئے اور ان کا دعظ بعل کے خلاف تھا حضرت الیاسؑ کا ذکر صرف ایک اور موقعہ پر قرآن شریف میں آتا ہے یعنی الانعام۔ ۸۶ میں۔

پہلے حضرت نوحؑ اور ابراہیمؑ کا ذکر ہے پھر حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کا۔ پھر الیاسؑ کا جو نویں صدی قبل مسیح کے ہیں پھر لوطؑ کا جو حضرت ابراہیمؑ کے ہمعصر ہیں پھر یونسؑ کا جو آٹھویں صدی قبل مسیح کے ہیں۔ اب اگر حضرت لوطؑ کا ذکر درمیان میں نہ ہوتا تو یہ ترتیب تاریخی تھی گویا حضرت ابراہیمؑ کے بعد آپ کے خاندان کی شاخ اسرائیل کا ذکر ہے اور اسمٰعیلی شاخ میں چونکہ صرف آنحضرت صلعم ہی ایک نبی ہیں اس لیے آخر پر آپ کا ذکر ہے حضرت لوطؑ کا ذکر یہاں اس مناسبت سے لایا گیا ہے جسے قرآن کریم نے صراحت سے بیان فرما دیا وانکم لتمرون علیھم مصبحین وبالیل افلا تعقلون یعنی ان کی تباہ شدہ بستیاں شب و روز تمھاری آنکھوں کے سامنے آتی ہیں۔

اِلَّا عَجُوْزًا فِی الْغٰبِرِیْنَ ﴿۱۳۵﴾ — سوائے ایک بڑھیا کے (جو) پیچھے رہنے والوں میں سے (تھی)

ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِیْنَ ﴿۱۳۶﴾ — پھر دوسروں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔

وَ اِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْهِمْ مُّصْبِحِیْنَ ﴿۱۳۷﴾ — اور تم ان پر صبح کے وقت گزرتے ہو۔

وَ بِالَّیْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ ع — اور رات کو، تو پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

وَ اِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۳۹﴾ — اور یونسؑ بھی رسولوں میں سے تھا۔

اِذْ اَبَقَ اِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ﴿۱۴۰﴾ — جب وہ بھری ہوئی کشتی کی طرف بھاگا[1]۔

فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ — سو اس نے قرعہ ڈالا، پھر وہ مغلوب ہوا[2]۔

فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَ هُوَ مُلِیْمٌ ﴿۱۴۲﴾ — سو مچھلی نے اُسے لقمہ بنایا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرنیوالا تھا[3]۔

فَلَوْلَاۤ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ ﴿۱۴۳﴾ — لیکن اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتا۔

لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِهٖۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ — تو اس کے پیٹ میں رہتا اس دن تک کہ (لوگ) اٹھائے جائیں[4]۔

نمبر۱۔ ہجرت سنت انبیاء ہے مگر حضرت یونسؑ کی ہجرت پر لفظ اَبَاقَ بولا ہے گویا ابھی خوف کی وہ حالت نہ تھی جس کے لیے ہجرت ضروری ہو جاتی ہے اسی لیے دوسری جگہ فرمایا فاصبر لحکم ربک ولا تکن کصاحب الحوت (القلم ۴۸) یعنی مصائب کو برداشت کرو اور خوف کی حالت میں رہ کر بھی دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ حکم دے کہ ہجرت کر جاؤ۔ پس حضرت یونسؑ کی ہجرت قبل از وقت اور حکم الٰہی کے پہنچنے سے پیشتر ہونے کی وجہ سے اس پر اَبَقَ بولا گیا ہے۔

نمبر۲۔ حضرت یونسؑ کا قصہ بائبل میں کتاب یونہ میں مذکور ہے اس میں اور قرآن کریم کے بیان میں یہ اختلاف ہے کہ بائبل میں مذکور ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت یونسؑ کو اہل نینوہ کی طرف جانے کا حکم دیا تو وہ ترسیس کو بھاگ گئے اور اس وقت یہ کشتی میں سوار ہونے کا قصہ پیش آیا اور اس کے بعد آپ اہل نینوہ کی طرف گئے اور پھر جب اہل نینوہ کی گریہ وزاری کی وجہ سے ان سے عذاب ٹل گیا تو یونسؑ ناراض ہو گئے۔ یہ دونوں باتیں یعنی نبی کا انکار کرنا اور خدا تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کر کے دوسری طرف چلے جانا اور خدا سے ناراض ہونا شان نبوت کے منافی ہیں اور قرآن کریم میں مذکور نہیں اور نہ ہی یہ بات قابلِ قبول ہے البتہ کشتی کا واقعہ اور قرعہ اندازی سے حضرت یونسؑ کا دریا میں ڈالا جانا بائبل میں بھی مذکور ہے اور قرآن شریف کے ان الفاظ سے بھی بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے۔

نمبر۳۔ قرآن کریم میں حضرت یونسؑ کے مچھلی کے پیٹ میں رہنے کے متعلق صریح الفاظ نہیں ہیں ہاں یہ لفظ ہیں فالتقمه الحوت جن کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ مچھلی نے انھیں نگل لیا اور یہ بھی کہ مچھلی نے انھیں منہ میں لیا اور اس صورت میں ممکن ہے کہ یہی ان کے باہر نکال پھینکنے کا بھی موجب ہوا ہو۔ دوسرے لفظ جن سے آپ کے مچھلی کے پیٹ میں رہنے کا استدلال کیا گیا ہے یہ ہیں للبث فی بطنه الی یوم یبعثون (۱۴۴) مگر یہاں بھی مچھلی کے پیٹ میں جانے کا کوئی ذکر نہیں۔ البتہ یونہ کی کتاب میں حضرت یونسؑ کے تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں رہنے کا ذکر ہے اور حدیث جو ابو ہریرہؓ سے مروی ہے یوں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے یونسؑ کو مچھلی کے پیٹ میں قید کرنے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے مچھلی کی طرف وحی کی کہ اسے پکڑ لے اور نہ اس کے گوشت کو نقصان پہنچا اور نہ اس کی ہڈی کو توڑ۔ مگر اول تو یہ قصہ کی حدیث ہے اور احادیث قصص میں بہت کچھ کمی بیشی ہے پھر صرف ایک ہی طریق سے مروی ہے پھر کسی اعلیٰ پایہ کے محدث نے اُسے نہیں لیا۔ اس کے مقابل پر یا امر واقع ہے اتنی بڑی مچھلی کوئی نہیں دیکھی گئی جس کے گلے میں سے سالم انسان گزر جائے البتہ اتنے بڑے منہ کی مچھلیاں سمندروں میں ملتی ہیں جن کے منہ میں سالم انسان آ سکتا ہے اور معجزہ کہنا اسے اس لیے درست نہیں کہ یہ کوئی امر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دشمنوں پر اتمام حجت کے لیے نہیں بلکہ صرف ایک نبی پر احسان و انعام کا ذکر ہے اس سے ہم صرف اسی نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں کہ مچھلی نے یونسؑ کو منہ میں لیا، نگلا نہیں۔

نمبر۴۔ اگر یونسؑ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو اس کے پیٹ میں قیامت کے دن تک رہتے مگر یوم بعث تک کسی مچھلی کا زندہ رہنا تمام مسلّمات اسلامی کے

فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾	پھر ہم نے اسے کھلے میدان میں ڈالا اور وہ بیمار تھا۔
وَ اَنْۢبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَّقْطِيْنٍ ﴿۱۴۶﴾	اور ہم نے اس پر ایک کدّو کا درخت اگا یا ۔
وَ اَرْسَلْنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ يَزِيْدُوْنَ ﴿۱۴۷﴾	اور ہم نے اسے ایک لاکھ کی طرف بھیجا بلکہ (اس سے) زیادہ ہی تھے ۔
فَاٰمَنُوْا فَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۴۸﴾	سو وہ ایمان لائے تو ہم نے انھیں ایک وقت تک سامان دیا۔
فَاسْتَفْتِهِمْ اَلِرَبِّكَ الْبَنَاتُ وَ لَهُمُ الْبَنُوْنَ ﴿۱۴۹﴾	پس ان سے پوچھ کیا تیرے رب کے لیے بیٹیاں ہیں اور ان کے لیے بیٹے ہیں۔
اَمْ خَلَقْنَا الْمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّ هُمْ شٰهِدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾	یا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا اور وہ موجود تھے ۔
اَلَآ اِنَّهُمْ مِّنْ اِفْكِهِمْ لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾	دیکھو وہ اپنی طرف سے جھوٹ (بنا کر) کہتے ہیں۔
وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۵۲﴾	کہ اللہ کی اولاد ہے اور وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔
اَصْطَفَى الْبَنَاتِ عَلَى الْبَنِيْنَ ﴿۱۵۳﴾	کیا اس نے بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح دی۔
مَا لَكُمْ ٝ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۱۵۴﴾	تمہیں کیا ہوا کیسا فیصلہ کرتے ہو۔
اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۵﴾	تو کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے ۔
اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾	یا تمھارے پاس کوئی کھلی سند ہے ۔
فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾	سو اپنی کتاب لاؤ اگر تم سچے ہو۔
وَ جَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ	اور اس کے اور جنوں کے درمیان ناطہ تجویز کرتے ہیں۔

خلاف ہے اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ حضرت یونسؑ قیامت تک اس کے پیٹ میں زندہ محبوس رہتے یہ بھی خلاف مسلمات ہے ۔ مراد صرف اس قدر معلوم ہوتی ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے نام کو دنیا میں پھیلانے والے نہ ہوتے تو مچھلی اُن کو نگل جاتی یا دریا میں ہی ڈوب کر مر جاتے اور یہی ان کا قیامت کے دن تک وہاں رہنا ہے کیونکہ وہیں دریا میں ہی وہ مدفون ہو جاتے ۔

نمبر ا- بائبل میں ارنڈی کا درخت اگانے کا ذکر ہے گو وہاں دریا سے باہر پھینکا جانے پر یہ ذکر نہیں بلکہ بعد میں اہل نینوہ سے ناراض ہو کر شہر سے باہر چلا جانے اور وہاں مکان بنا لینے پر یہ ذکر ہے ۔ مفسرین نے عموماً کدّو مراد لیا ہے۔ لغوی تشریح دونوں پر صادق آسکتی ہے ۔ غرض اس کی کیا تھی بائبل میں یہ ذکر ہے کہ ایک دن یہ درخت اُگا اور دوسرے دن ایک کیڑے نے اسے کھانا شروع کر دیا اور وہ خشک ہو گیا جس پر یونسؑ کو افسوس ہُوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھے اس رینڈی کے درخت پر رحم آیا جس کے لیے تو نے کچھ محنت نہ کی اور نہ تو نے اسے اُگایا جو ایک ہی رات میں اُگا اور ایک ہی رات میں سوکھ گیا اور کیا مجھے لازم نہ تھا کہ میں اتنے بڑے شہر نینوہ پر جس میں ایک لاکھ بیس ہزار آدمیوں سے زیادہ ہیں جو اپنے دہنے بائیں ہاتھ کے درمیان امتیاز نہیں کر سکتے اور مواشی بھی بہت ہیں شفقت نہ کروں " (یونہ ۴: ۱۰ و ۱۱) اور مفسرین میں سے وہب کا قول بھی اسی کے قریب قریب ہے اور یہ بات ویسے بھی قرین قیاس ہے کیونکہ سمجھانا یہ مقصود ہے کہ گو اللہ تعالیٰ نیکوں کو بچاتا ہے مگر وہ ان کے دشمنوں کو تباہ کرنے میں جلدی نہیں کرتا وہ اس کی مخلوق ہیں اور ان پر بھی وہ شفقت کرتا ہے ۔

وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾	اور جن خوب جانتے ہیں کہ وہ (عذاب میں) حاضر کیے جاتے ہیں ۱۔
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾	اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے جو وہ بیان کرتے ہیں۔
اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾	ہاں اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے (بچ جاتے ہیں)
فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾	سو تم اور جن کی تم عبادت کرتے ہو۔
مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾	تم اس کے خلاف (کسی کو) فتنہ میں نہیں ڈال سکتے۔
اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾	سوائے اس کے جو (خود) دوزخ میں جانے والا ہے ۲۔
وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾	اور ہم میں سے کوئی نہیں مگر اس کے لیے ایک معلوم مقام ہے۔
وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ ﴿۱۶۵﴾	اور ہم صفیں باندھنے والے ہیں۔
وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ﴿۱۶۶﴾	اور ہم تسبیح کرنے والے ہیں ۳۔
وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ﴿۱۶۷﴾	اور یہ کہا کرتے تھے۔
لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶۸﴾	اگر ہمارے پاس کوئی پہلوں کی نصیحت ہوتی ۴۔
لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۹﴾	تو ہم ضرور اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہوتے۔
فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۰﴾	سو اس کا انکار کیا پس جان لیں گے۔
وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾	اور ہمارا حکم ہمارے بندوں (یعنی) رسولوں کی نسبت پہلے سے ہو چکا ہے
اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ﴿۱۷۲﴾	کہ وہ ضرور نصرت دیئے جائیں گے ۵۔

نمبر ۱۔ مطلب یہ ہے کہ اصل میں تو یہ ملائکہ کو نہیں پوجتے بلکہ جنوں یعنی شیاطین کو پوجتے ہیں جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا (السّبا۔ ۳۴: ۴۱) اسی لحاظ سے فرمایا کہ بت پرست فرشتوں اور خدا میں نہیں بلکہ شیاطین اور خدا میں نسب ٹھہراتے ہیں۔

نمبر ۲۔ علیہ میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے اور مطلب ہے اس کے خلاف یا اس کی راہ سے ہٹا کر۔ اس آیت اور اگلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ مشرکوں یا ان کے معبودوں یعنی شیاطین کا کسی پر کوئی تسلط نہیں کہ کسی کو زبردستی فتنہ یعنی امتحان یا دکھ میں ڈال سکیں ہاں جو خود جہنم کا رستہ لیتا ہے وہی جہنم میں جاتا ہے۔

نمبر ۳۔ آیت ۱۶۴ سے ۱۶۶ تک حکایت کے طور پر قول ہے اور مفسرین نے عموماً اسے قول ملائکہ سے حکایت لیا ہے۔ لیکن دوسرا قول اس بارہ میں یہ ہے کہ یہ مومنوں کے قول سے حکایت ہے دوسرے قول کو اس لیے ترجیح ہے کہ جن دو گروہوں کا ذکر چلتا ہے وہ کافر اور مومن ہیں۔ جب کفار اور مشرکین کی حالت کو بیان کیا تو اس کے بالمقابل ضروری تھا کہ مومنوں کا بھی ذکر ہوتا۔ چنانچہ آیت ۱۶۰ میں ہے اِلَّا عباد اللّٰہ المخلصین اور ابتدائے سورت میں والصّٰفّٰت صفّا میں بھی دکھایا جا چکا ہے کہ مومن ہی مراد ہیں اور یہاں بھی وہی الفاظ ہیں۔

نمبر ۴۔ ذکر سے مراد یہاں نصیحت کی کتاب ہے جو منجانب اللہ نازل ہوئی ہو جیسا کہ دوسری جگہ ہے واقسموا باللّٰہ جھد ایمانھم لئن جاءھم نذیر لیکونن اھدی من احدی الامم (فاطر ۳۵: ۴۲)

نمبر ۵۔ سورت کے خاتمہ پر ان پُر زور الفاظ میں تحدی کر کے سورت کے اصل مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے اور یہ سورت جیسا کہ اس کے مضمون اور طرز عبارت

وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۱۷۳﴾	اور کہ ہمارا لشکر ضرور غالب رہے گا۔
فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۴﴾	سو ان سے ایک وقت تک منہ پھیر لے [۱]۔
وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾	اور انھیں دیکھتا رہ یہ دیکھ لیں گے۔
اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾	تو کیا ہمارے عذاب کے لیے جلدی کرتے ہیں۔
فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾	سو جب وہ ان کی انگنائی میں آ اُترے گا تو ان لوگوں کی صبح بُری ہوگی جو ڈرائے گئے [۲]۔
وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾	اور اُن سے ایک وقت تک منہ پھیر لے
وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾	اور دیکھتا رہ وہ بھی دیکھ لیں گے۔
سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾	تیرا رب رہا، عزت والا رب اس سے پاک ہی جو وہ بیان کرتے ہیں
وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾	اور رسولوں پر سلام ہے۔
ع وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾	اور سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔

سے ظاہر ہے پہلے زمانہ کی سورتوں میں سے ہے جب کوئی صورت آنحضرت صلعم کی کامیابی کی کسی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتی تھی اور مخالفت اپنے پورے زور پر تھی۔ رسولوں کو یقیناً مدد ملے گی۔ خدا کا لشکر یعنی مومن ضرور غالب آئیں گے۔ کس قدر صاف پیشگوئی اسلام کے غلبہ کی ہے اور جن حالات میں یہ بیان ہوئی اس وقت کسی کو ایسے غلبہ کا وہم بھی نہ ہوسکتا تھا۔ یہی بیکسی کے وقت کی کہی ہوئی باتیں آخر عرب کے دلوں کو کھا گئیں کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ جن حالات میں یہ کہا گیا کوئی انسان یہ نہ کہہ سکتا تھا۔ آج اللہ تعالیٰ کی یہی آواز انهم لهم المنصورون وان جندنا لهم الغالبون فضائے آسمانی میں گونج رہی ہے مگر کاش کوئی اللہ کا جند بنے اور اللہ کی راہ میں اسی طرح جان و مال کو بیدریغ قربان کرے۔

نمبر ۱۔ ایک وقت تک منہ پھیر لے۔ یہ مطلب نہیں کہ وعظ ونصیحت چھوڑ دو بلکہ یہ منشا ہے کہ اُن کے غلبہ کی پروا نہ کرو اور ان کی ایذا دہی پر صبر کرو۔ حتی حین میں مسلمانوں کے اسی غلبہ کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر صراحت سے ان جندنا لهم الغالبون میں ہے۔

نمبر ۲۔ یعنی وہی عذاب موعود جس کے لیے جلدی کر رہے ہیں وہ ان کے گھروں میں آ کر رہے گا اور ساحة یا انگنائی کے لفظ میں یہ اشارہ بھی صاف ہے کہ خود مکہ میں ان کی آخری مغلوبیت ہوگی۔

آیاتہا ۸۸ (۳۸) سُوْرَةُ صٓ مَكِّيَّةٌ رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۚ ① — اللہ صادق ہے بزرگی دینے والا قرآن گواہ ہے ۲

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِیْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ② — بلکہ جو کافر ہیں وہ جھوٹی شیخی اور مخالفت میں ہیں۔

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ③ — ان سے پہلے ہم نے کتنی نسلیں ہلاک کیں، تب انھوں نے پکارا اور خلاصی کا وقت نہ رہا تھا۔

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ؗ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ۖۚ ④ — اور وہ تعجب کرتے ہیں کہ ان میں سے ایک ڈرانے والا اُن کے پاس آیا اور کافر کہتے ہیں یہ جادوگر (اور) جھوٹا ہے۔

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَابٌ ⑤ — کیا سب معبودوں کو ایک ہی معبود بنا دیا! یہ تو بہت ہی عجیب بات ہے

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓی اٰلِهَتِكُمْ ۖۚ اِنَّ هٰذَا — اور ان میں سے بڑے بڑے لوگ کہتے ہیں کہ چلو اور اپنے معبودوں پر ثابت قدم رہو، اس بات میں

نمبر۱۔ اس سورت کا نام صٓ ہے اور اس میں پانچ رکوع اور ۸۸ آیتیں ہیں۔ اور صٓ بجائے صدق اللہ کے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچ ہے اور وہ وعدہ حق کی کامیابی کا ہے اور اس میں اشارہ ان تکلیفوں اور مصیبتوں کی طرف ہے جو راستبازوں کو پہنچتی ہے اور بتانا یہ مقصود ہے کہ کتنے بھی دکھ انھیں پہنچیں مگر وہ مایوس نہیں ہو سکتے اس لیے کہ انھیں اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی سچائی پر یقین کامل ہوتا ہے۔ پچھلی سورت میں توحید کے آخری غلبہ کا ذکر تھا تو یہاں بتایا کہ بڑے بڑے مصائب کے بعد اور بڑا صدق دکھانے کے بعد یہ غلبہ ملے گا۔ اس کے نزول کا زمانہ وہی معلوم ہوتا ہے جو پچھلی سورت کے نزول کا ہے۔

نمبر۲۔ صٓ۔ اس کی تفسیر ضحاک سے صدق اللہ مروی ہے یہاں قرآن ذی الذکر کی قسم کھائی ہے بالفاظ دیگر قرآن کی اس حیثیت کو شہادت میں پیش کیا ہے کہ اس سے ذکر یعنی شرف ملتا ہے اور جواب قسم درحقیقت پہلے صٓ میں مذکور ہے۔ صدق اللہ یعنی اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے خود یہ بات گواہ ہے کہ قرآن سے شرف ملتا ہے اور وہ بات جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی اور جس کے سچ ہونے کا یہاں ذکر ہے وہی ہے جو پچھلی سورت کے آخر میں ہے یعنی ان جندنا لهم الغالبون اور یہ بات بطور گواہی اس لیے پیش کی کہ وہ چیز جس سے انسان کو شرف ملتا ہے ضرور ہے کہ وہ دنیا میں غالب ہو اس لیے کہ اگر اس دنیا کی بنانے والی کوئی مدبر بالارادہ ہستی ہے تو ضرور ہے کہ وہ چیز جس سے انسان کو بزرگی ملتی ہے وہ ضائع اور برباد نہ ہو بلکہ آخرکار غالب آئے۔ اس کے مقابل پر اگلی آیت میں فرمایا کہ کافروں کو حقیقی شرف انسانیت تو حاصل نہیں صرف کچھ مال و ریاست کی وجہ سے جھوٹی شیخی دکھا رہے ہیں اور حق کی مخالفت اختیار کر رہے ہیں۔

لَشَيْءٌ يُّرَادُ ۝٦	کچھ غرض رکھی گئی ہے ۱؎
مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ	ہم نے پچھلے دین میں یہ نہیں سنا ، یہ صرف
اِنْ هٰذَآ اِلَّا اخْتِلَاقٌ ۝٧	بناوٹ ہے ۲؎
ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا ۭ بَلْ	کیا ہم میں سے اسی پر نصیحت اتاری گئی ، بلکہ وہ
هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا	میرے ذکر کے بارے میں شک میں ہیں۔ بلکہ انھوں نے
يَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝٨	میرا عذاب نہیں چکھا ۳؎
اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ	کیا ان کے پاس تیرے رب کی رحمت کے خزانے ہیں،
الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ۝٩	(جو) غالب بہت دینے والا (ہے)
اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا	یا ان کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور (اسکی)
بَيْنَهُمَا ۣ فَلْيَرْتَقُوْا فِي الْاَسْبَابِ ۝١٠	جو اُن کے درمیان ہے تو چاہئیے کہ وہ ذریعے بناکر اوپر چڑھ جائیں ۴؎
جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُوْمٌ مِّنَ	یہ بھی ایک شکست خوردہ لشکر (اگلے) لشکروں
الْاَحْزَابِ ۝١١	سے ہے ۵؎

نمبر۱۔ انطلق الملا کے معنی دو طرح ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ چلے گئے ۔ دوسرے یہ کہ وہ بول اُٹھے ۔ جیسے دوسری جگہ ہے اور چونکہ یہاں سرداروں کا ذکر ہے اس لیے دوسرے معنی ہی زیادہ موزوں ہیں اور یہ معنی گو مجازی ہوں مگر ایسے مشہور ہیں کہ حقیقی معنی کی طرح ہی ہیں اصبروا علی آلھتکم اس لیے کہا کہ انھیں خوف ہُوا کہ آنحضرت صلعم کی باتوں سے لوگوں کے قدموں میں بت پرستی کے معاملہ میں لغزش نہ آجائے ان ھذا الشئ یراد سے مراد ہے کہ توحید کا قائم کرنا اور بُت پرستی کا دُور کرنا ایک ایسا امر ہے جس کا ارادہ آنحضرت صلعم نے کرلیا ہے یعنی یہ ارادہ کرلیا ہے کہ ایسا کرکے رہیں گے اور یہ اب اس پر پورا زور لگائیں گے ۔ یا یہ کہ مصائب زمانہ میں سے ایک مصیبت ہے جس کا ہمارے متعلق ارادہ ہو چکا ہے ۔

نمبر۲۔ الملۃ الاخرۃ سے مراد عیسائی مذہب بھی ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں بھی توحید نہیں بلکہ تثلیث کی تعلیم ہے اور عرب کا مذہب بھی ہو سکتا ہے اور درحقیقت کسی مذہب میں بھی توحید خالص کی تعلیم باقی نہ رہی تھی ۔

نمبر۳۔ یعنی ان کا اعتراض یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلعم پر وحی کیوں نازل ہوئی لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم (الزخرف ۴۳ - ۳۱) اس کا جواب دیا ہے کہ اصل میں اعتراض رسول اللہ صلعم کی ذات پر نہیں اس لیے کہ آپ کو تو امین اور صادق جانتے تھے بلکہ وحی الٰہی کے متعلق شک ہے دُوسرا جواب دیا ہے کہ اس میں بھی حقیقت میں کوئی شک نہیں مگر جب تک عذاب نازل نہ ہو ماننے کے لیے تیار نہیں ۔

نمبر۴۔ ان دونوں آیتوں میں بتایا ہے کہ غالب آنے کے اسباب اُن کے قبضہ میں نہیں ہیں ۔ ارتقاء کے معنی اوپر چڑھنا ہیں اور یہاں ارتقاء سے مراد اسباب یا ذرائع میں ترقی کرنا یا آگے بڑھنا ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ جتنا زور چاہیں لگالیں وہ حق کو مغلوب نہیں کر سکتے ۔

نمبر۵۔ جب اوپر ان کی تکذیب پر زور لگانے کا ذکر کیا اور ان کو بتایا کہ جتنا زور تکذیب پر چاہیں لگالیں غالب نہیں آسکتے بلکہ حق ہی غالب آئے گا ۔ تو اب صافّٰی سے یہ بتایا کہ یہ تکذیب کے لیے ایک لشکر تیار کریں گے ۔ جند کے بعد ما تکبیر کے لیے بڑھا کر اس کی عظمت کی طرف توجہ دلائی ہے اور ھنالک میں اشارہ آنحضرت صلعم کی مخالفت کی طرف ہے اور مھزوم صیغہ اسم مفعول اس لیے لایا گیا ہے تا کہ تحقق وقوع کی طرف اشارہ کرے یعنی باوجود رسول اللہ صلعم کی مخالفت میں ایک

كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوۡحٍ وَّ عَادٌ وَّ فِرۡعَوۡنُ ذُو الۡاَوۡتَادِ ۙ﴿۱۲﴾

ان سے پہلے نوحؑ کی قوم اور عادؔ اور لشکروں والے فرعون نے جھٹلایا۔

وَ ثَمُوۡدُ وَ قَوۡمُ لُوۡطٍ وَّ اَصۡحٰبُ لۡـَٔيۡكَةِ ؕ اُولٰٓئِكَ الۡاَحۡزَابُ ﴿۱۳﴾

اور ثمودؔ اور لوطؑ کی قوم اور بَن کے رہنے والوں نے۔ یہ (شکست خوردہ) گروہ ہیں۔

اِنۡ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿۱۴﴾ ع

سب کے سب نے ہی رسولوں کو جھٹلایا۔ سو میرا عذاب ثابت ہُوا۔

وَ مَا يَنۡظُرُ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَيۡحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنۡ فَوَاقٍ ﴿۱۵﴾

اور یہ کسی چیز کے منتظر نہیں مگر ایک آواز کے جس سے کوئی افاقہ نہیں۔

وَ قَالُوۡا رَبَّنَا عَجِّلۡ لَّنَا قِطَّنَا قَبۡلَ يَوۡمِ الۡحِسَابِ ﴿۱۶﴾

اور کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمارا حصّہ حساب کے دن سے پہلے ہی ہمیں جلد دیدے ۔[1]

اِصۡبِرۡ عَلٰى مَا يَقُوۡلُوۡنَ وَ اذۡكُرۡ عَبۡدَنَا دَاوٗدَ ذَا الۡاَيۡدِ ۚ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾

اس پر صبر کر جو یہ کہتے ہیں اور ہمارے قوت والے بندے داؤدؑ کو یاد کر وہ (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا تھا۔

اِنَّا سَخَّرۡنَا الۡجِبَالَ مَعَهٗ يُسَبِّحۡنَ بِالۡعَشِىِّ وَ الۡاِشۡرَاقِ ۙ﴿۱۸﴾

ہم نے پہاڑوں کو اس کے ساتھ کام میں لگایا تھا وہ شام اور دن چڑھتے تسبیح کرتے تھے۔

وَ الطَّيۡرَ مَحۡشُوۡرَةً ؕ كُلٌّ لَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۱۹﴾

اور پرندوں کو جو اکٹھے کیے گئے تھے سب اسکی طرف رجوع کرنیوالے تھے

وَ شَدَدۡنَا مُلۡكَهٗ وَ اٰتَيۡنٰهُ الۡحِكۡمَةَ وَ فَصۡلَ الۡخِطَابِ ﴿۲۰﴾

اور ہم نے اس کی سلطنت کو مضبوط کیا اور اسے حکمت عطا کی اور بات کا فیصلہ کرنا (سکھایا)

وَ هَلۡ اَتٰىكَ نَبَؤُا الۡخَصۡمِ ۘ اِذۡ تَسَوَّرُوا

اور کیا تجھے دشمن کی خبر پہنچی ہے، جب وہ دیوار پھاند کر

عظیم الشان لشکر جمع کرنے کے یہ شکست کھائیں گے۔ اور من الاحزاب میں اشارہ پہلی قوموں کی طرف ہے جیساکہ اگلی دو آیتوں میں اس کی تصریح موجود ہے یعنی جس طرح پہلے گروہوں اور جنھوں نے جو رسولوں کی تکذیب اور مخالفت کے لیے جمع ہوئے شکستیں کھائیں اور مغلوب ہُوئے ایسا ہی نبی کریم صلعم کی مخالفت میں جو عظیم الشان لشکر جمع ہوگا وہ شکست کھائے گا۔ پیشگوئی میں جنگ احزاب کی طرف اشارہ ہے۔

نمبرا- یعنی عذاب جلدی مانگتے ہیں۔

الْمِحْرَابَ ﴿۲۱﴾ حجرے میں داخل ہوئے ۱؎

إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ جب وہ داؤدؑ کے پاس آئے تو وہ ان سے گھبرا گیا۔

قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ خَصْمَانِ بَغَىٰ بَعْضُنَا انھوں نے کہا ڈر نہیں (ہم) دو فریق ہیں جن میں سے ایک نے

عَلَىٰ بَعْضٍ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ دوسرے پر زیادتی کی ہے سو ہمارے درمیان حق کے ساتھ

وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ فیصلہ کر اور ناانصافی نہ کرنا اور ہمیں سیدھے رستہ کی طرف ہدایت کر۔

إِنَّ هَٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ یہ میرا بھائی ہے، اس کی ننانوے دُنبیاں ہیں۔ اور

نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ میری ایک ہی دُنبی ہے۔ تو اس نے کہا، اسے میرے

نمبر۱۔ یہاں مفسرین نے اوریاہ کی جورو کا قصہ لکھا ہے جو اصل میں بائبل سے لیا گیا ہے اور ابن جریر نے اسے حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب کیا ہے۔ ابن کثیر کہتے ہیں کہ یہ قصہ اسرائیلیات سے لیا گیا ہے اور آنحضرت صلعم سے اس میں کوئی حدیث ثابت نہیں اور پھر لکھا ہے کہ ابن ابی حاتم نے جو ایک حدیث یزید الرقاشی کی روایت سے بیان کی ہے اس کی سند صحیح نہیں کیونکہ یزید ضعیف الحدیث ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ اس قصہ کو ان آیات کی تفسیر ٹھہرانے کے لیے قرآن کریم کے الفاظ کو بھی توڑنا مروڑنا پڑتا ہے۔ مثلاً یہ کہ جو لوگ دیوار پھاند کر آئے وہ دو فرشتے تھے۔ فرشتوں کو دیوار پھاندنے کی کیا ضرورت تھی اور قرآن شریف میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ وہ فرشتے تھے۔ پھر اگر فرشتے تھے تو انھوں نے جھوٹ کیوں بولا اور از سر تا پا ایک جھوٹا قصہ کیوں بنایا اور قرآن کریم کے صریح الفاظ اس بات کی تردید کرتے ہیں کہ یہاں حضرت داؤدؑ کی کسی کمزوری کا ذکر ہو بلکہ پہلی اور پچھلی آیات سب ان کے مقام بلند کے اظہار کے لیے ہیں۔ ابو حیان نے ان آیات کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہم ظاہر آیات کو نہیں چھوڑ سکتے کہ دیوار پھاندنے والے انسان تھے اور کہ حضرت داؤدؑ کا ان سے خوف اس وجہ سے تھا کہ آپ نے خیال کیا کہ یوں بے وقت وہ آپ پر حملہ کرنے کے لیے آئے ہیں کیونکہ آپ اس وقت اکیلے حالت عبادت میں تھے اور جب ان پر واضح ہو گیا کہ وہ ایک مقدمہ لیکر آئے ہیں تو آپ نے اس غلط ظن کی وجہ سے استغفار کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو معاف کیا۔ اسی کے قریب قریب یہ ہے کہ اصل میں یہ دیوار پھاندنے والے ارادۂ قتل سے آئے تھے لیکن حضرت داؤدؑ کو بیدار پا کر انھوں نے ایک غلط قصہ بنا لیا کہ ہم مقدمہ کے فیصلہ کے لیے آئے ہیں تب حضرت داؤدؑ نے ارادہ کیا کہ ان سے بدلہ لیں لیکن پھر خیال ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان تھا کہ کیا اپنے نفس کے لیے وہ غضب میں آتے ہیں یا نہیں سو آپ نے استغفار کیا اور استغفار کے متعلق ایک توجیہہ یہ بھی کی گئی ہے کہ یہ استغفار اُن پر حملہ آوروں کے لیے تھا اور فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ میں لام اجل کا ہے یعنی آپ کے استغفار کی وجہ سے ہم نے ان لوگوں کو معاف کر دیا۔

ادنیٰ تدبر سے معلوم ہوگا کہ یہ قصہ آنحضرت صلعم کی تسلی کے لیے بیان کیا گیا ہے اور آپ کو بتایا گیا ہے کہ اگر آپ کی مخالفت کی جاتی ہے اور آپ کی جان لینے کے منصوبے کیے جاتے ہیں تو ایسا ہی پہلے نبیوں کے ساتھ بھی ہوا یہاں تک کہ داؤدؑ جیسے طاقتور بادشاہ کے خلاف بھی ایسے منصوبے ہوتے رہے۔ چنانچہ ذکر یہاں سے شروع ہوتا ہے۔ اصبر علی ما یقولون واذکر عبدنا داؤد ذا الاید یعنی اگر تمھیں تکلیفیں دی جاتی ہیں تو صبر کر۔ واللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے نبیوں سے ایسا ہی ہے کہ ان کے دشمن پہلے پہلے انھیں خوب دکھ دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارے طاقتور بندے داؤد کو یاد کر کہ اسے بھی ایسا معاملہ پیش آیا اور آگے ذکر ہے کہ کس طرح منصوبہ کرنے والوں نے دیوار پھاند کر آپ کا کام تمام کرنا چاہا۔ لیکن آپ کو بیدار پا کر ٹال گئے اور ایک مقدمے کا فیصلہ چاہا۔ معلوم ہوتا ہے ان لوگوں کا منشا آپ کو مار کر ملک لینے کا تھا اس لیے آپ نے انھیں نرمی سے یوں بھی سمجھایا کہ شریک ایک دوسرے پر ظلم اور ایک دوسرے کے خلاف بغاوت کرتے ہیں اور بیغی کے لفظ میں یہ اشارہ بھی معلوم ہوتا ہے اور فتنہ سے مراد تکالیف دشمن ہیں جو اس کے اصل معنی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف اسے اس لیے منسوب کیا کہ سب باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف ہی منسوب ہوتی ہیں اور استغفار درحقیقت طلب حفاظت کے لیے ہے اور غفرنا لہ میں یہ اشارہ ہے کہ ہم نے دشمنوں سے اس کی حفاظت کی اور ذلک میں اشارہ آپ کے دشمنوں کے منصوبوں کی طرف ہے اور اس کی وجہ یہ فرمائی کہ وہ ہمارے مقرب تھے اور یہ سب گویا رسول اللہ صلعم کو تسلی ہے کہ آپ کے خلاف بھی ایسے منصوبے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ آپ کی بھی حفاظت کرے گا ورنہ اس قصہ کا کوئی تعلق اس سورت سے نہیں۔

أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾
قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ
إِلَىٰ نِعَاجِهِ ۖ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ
لَيَبْغِي بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَقَلِيلٌ
مَّا هُمْ ۗ وَظَنَّ دَاوُودُ أَنَّمَا فَتَنَّاهُ
السجدة فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ ۩ ﴿۲۴﴾
فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِندَنَا
لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ﴿۲۵﴾
يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ
فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ
الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِنَّ
الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ
ع عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۶﴾
وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا
بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذَٰلِكَ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ
فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾
أَمْ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ
الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾

سپرد کردے اور جھگڑے میں مجھ پر غالب آگیا۔
(داؤدؑ نے) کہا یقیناً اس نے تجھ پر ظلم کیا ہے کہ تیری دنبی
کو اپنی دنبیوں (میں ملانے) کے لیے مانگا اور بہت سے شریک
ایک دوسرے پر زیادتی ہی کرتے رہتے ہیں سوائے ان کے
جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں اور وہ بہت ہی تھوڑے
ہیں اور داؤد نے سمجھا کہ ہم نے اسے مصائب میں ڈالا ہے سو
اس نے اپنے رب کی حفاظت مانگی اور رکوع کرتا ہوا گر گیا اور (اللہ کی طرف) متوجہ ہوا
سو ہم نے اس سے اس کی حفاظت کر دی اور اس کے لیے ہمارے
ہاں قرب اور اچھی منزلت ہے۔
اے داؤدؑ ہم نے تجھے زمین میں حاکم بنایا ہے سو لوگوں
کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر اور خواہشات کی پیروی نہ کر
ورنہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں گی۔ وہ لوگ جو
اللہ کی راہ سے بہک جاتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب
ہے اس لیے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے[1]۔
اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے
درمیان ہے بیفائدہ پیدا نہیں کیا یہ ان کا خیال ہے جو کافر ہیں
سو اُن پر جو کافر ہیں آگ کی وجہ سے افسوس ہے۔
کیا ہم ان کو جو ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں زمین میں
فساد کرنے والوں کی طرح ٹھیرائیں گے، یا کیا ہم متقیوں کو
بدکاروں کی طرح کر دیں گے[2]۔

نمبر۱۔ یہ خلیفہ بنانا پہلے سے ہے مگر یہاں اس کے لانے میں آنحضرت صلعم کی بادشاہت کی طرف اشارہ ہے۔
نمبر۲۔ یہ گویا پچھلی آیت کا نتیجہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے اقتضائے حکمت سے پیدا کیا ہے تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ متقی اور فاجر [illegible]
یعنی اللہ تعالیٰ کا معاملہ اُن سے یکساں ہو اس لیے ضروری ہے کہ متقیوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں کامیاب کرے اور حق کو قائم کرے۔

كِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰهُ اِلَيۡكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوۡۤا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۝٢٩

یہ کتاب جو ہم نے تیری طرف اتاری ہے برکت دی گئی ہے تاکہ وہ اس کی آیتوں پر غور کریں اور تاکہ عقل والے نصیحت حاصل کریں۔

وَوَهَبۡنَا لِدَاوٗدَ سُلَيۡمٰنَ ؕ نِعۡمَ الۡعَبۡدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ۝٣٠

اور ہم نے داؤدؑ کو سلیمانؑ دیا، کیا اچھا بندہ تھا وہ بار بار (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا تھا۔

اِذۡ عُرِضَ عَلَيۡهِ بِالۡعَشِىِّ الصّٰفِنٰتُ الۡجِيَادُ ۝٣١

جب اس پر پچھلے پہر اصیل تیز رو گھوڑے پیش کیے گئے تو

فَقَالَ اِنِّىۡۤ اَحۡبَبۡتُ حُبَّ الۡخَيۡرِ عَنۡ ذِكۡرِ رَبِّىۡ ۚ حَتّٰى تَوَارَتۡ بِالۡحِجَابِ ۝٣٢

اس نے کہا میں اچھے مال کی محبّت کو اپنے رب کے ذکر کی وجہ سے اختیار کرتا ہوں یہاں تک کہ وہ پردے میں چھپ گئے۔[1]

رُدُّوۡهَا عَلَىَّ ؕ فَطَفِقَ مَسۡحًۢا بِالسُّوۡقِ وَالۡاَعۡنَاقِ ۝٣٣

انھیں میرے پاس لوٹا کر لاؤ۔ تب وہ اُن کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

وَلَقَدۡ فَتَنَّا سُلَيۡمٰنَ وَاَلۡقَيۡنَا عَلٰى كُرۡسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ ۝٣٤

اور ہم نے سلیمانؑ کو امتحان میں ڈالا اور اس کے تخت پر ایک جسم کو ڈالا، پھر اس نے رجوع کیا۔[2]

نمبر۱۔ اس واقعہ کو بھی عجوبہ بنانے کی کوشش کی گئی ہے یہاں تک کہ بعض مفسرین نے یہ بھی لکھ دیا ہے کہ یہ پردوں والے گھوڑے تھے اور لفظ عن کے صحیح معنی بیان نہ لینے کی وجہ سے یہ خیال کرلیا گیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ گھوڑوں کی دوڑ کو دیکھتے رہے اور نماز ترک کردی اور تب اپنے اس قصور سے توبہ یوں کی کہ سب گھوڑوں کو اپنے ہاتھ سے کاٹ ڈالا جو ایک ہزار یا بیس ہزار تھے۔ اگر عصر کی نماز گھوڑ دوڑ کے دیکھنے میں قضا ہوئی تو مغرب اور عشا گھوڑوں کے مارنے میں قضا ہوگئی ہوں گی۔ قرآن کریم نے ایک سیدھا سادہ واقعہ لکھا ہے۔ حضرت سلیمانؑ بادشاہ تھے، وسیع سلطنت تھی انھیں گھوڑے بھی رکھنے پڑتے تھے اچھے اچھے خوبصورت گھوڑے منگواتے اور رکھتے لیکن بتایا یہ ہے کہ گھوڑوں کی محبت کی وجہ سے نہ تھا جیسا اہل دنیا کا خیال ہوتا ہے بلکہ یہ محبت عن ذکر ربّی تھی یعنی اس لیے کہ یہ گھوڑے بھی خدا کی راہ میں جہاد میں کام آتے تھے۔ وحتّٰی توارت بالحجاب میں انہی گھوڑوں کا دور نکل جانا اور نظر سے غائب ہوجانا مراد ہے ان کی دوڑ کو دیکھ کر آپ خوش ہوئے اور ان گھوڑوں کو اپنے ہاتھ سے تھپکی دی۔ ذبح کی کاٹنے کا یہاں کوئی ذکر نہیں۔ بخاری میں موجود ہے یمسح اعراف الخیل وعراقیبھا یعنی گھوڑوں کے عیال اور پاؤں پر ہاتھ پھیرنا شروع کیا اور نہ سورج کے غروب ہونے کا ذکر ہے اور ان باتوں کا ذکر کرنے سے بتانا یہ مقصود ہے کہ خود نبی کریم صلعم کو خدا کی راہ میں گھوڑوں سے کام لینا ہوگا مگر یہ دنیا کے مال کی محبت کی وجہ سے نہ ہوگا۔ بلکہ صرف اس لیے کہ وہ خدا کی راہ میں کام آئیں گے انبیاء کو ظاہری شان و شوکت سے کوئی دابستگی نہیں ہوتی اور مسلمانوں کو بھی سمجھایا ہے کہ سلطنت ملے تو اسے صرف دین کا خادم سمجھیں اصل مقصود نہ بنالیں۔ مال دنیا صلحا کے پاس بھی آتا ہے مگر اس کی عظمت ان کی نگاہ میں نہیں ہوتی۔

نمبر۲۔ حدیث میں ہے کہ حضرت سلیمانؑ نے کہا تھا کہ میں سو یا ننانوے بیویوں کے پاس جاؤں گا اور ہر ایک سے ان میں سے ایک مجاہد فی سبیل اللہ پیدا ہوگا اور انشاء اللہ نہیں کہا تھا تو صرف ایک بی بی حاملہ ہوئی اور اس سے بھی ایک ادھورا بچہ پیدا ہوا۔ اس میں صاف طور پر بتادیا کہ حضرت سلیمانؑ کا جانشین ایک نکما شخص تھا اور اس کے تخت پر ڈالنے کے یہ معنی صحیح نہیں کہ دائی نے بچہ کو لاکر تخت پر رکھ دیا۔ بلکہ مراد سلیمانؑ کی جانشینی ہے اور ثم اناب فرمایا کیونکہ گو حضرت سلیمانؑ پہلے ہی اواب تھے مگر جب انھوں نے دیکھا کہ ان کا جانشین کسی قابل نظر نہیں آتا تو اور بھی اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوئے اور جو یہاں بعض مفسرین نے ایک قصہ بیان کیا ہے کہ حضرت سلیمانؑ کی شان و شوکت اور شیاطین اور جنوں کا ان کے ماتحت ہونا ایک انگشتری کی وجہ سے تھا جس پر اسم اعظم تھا

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۳۵

کہا میرے رب! میری حفاظت فرما اور مجھے وہ بادشاہت عطا فرما جو میرے بعد کسی کو شایاں نہیں (کہ چھین لے) تو بہت عطا فرمانے والا ہے ۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيْحَ تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖ رُخَاۗءً حَيْثُ اَصَابَ ۝۳۶

سو ہم نے اس کے لیے ہوا کو کام میں لگایا وہ اس (اللہ) کے حکم سے نرمی سے چلتی تھی جدھر وہ قصد کرے۔

وَالشَّيٰطِيْنَ كُلَّ بَنَّاۗءٍ وَّغَوَّاصٍ ۝۳۷

اور شیطانوں کو ہر ایک معمار اور غوطہ زن کو (ان کے کام میں لگایا)

وَّاٰخَرِيْنَ مُقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝۳۸

اور اوروں کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے ۔

هٰذَا عَطَاۗؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۳۹

یہ ہماری عطا بے حساب ہے سو احسان کر ، یا روک رکھ ۔

ع وَاِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝۴۰

اور اس کے لیے ہمارے ہاں قرب اور اچھی منزلت ہے ۔

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِيَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ۝۴۱

اور ہمارے بندے ایوبؑ کو یاد کر جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے شیطان نے تکان اور تکلیف پہنچائی ہے ۔

اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ ۚ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ

اپنی ایڑی لگائے چل ، یہ ٹھنڈا (پانی) نہانے اور

اور وہ انگشتری ایک شیطان نے چرالی اور وہ سلیمانؑ بن گیا اور پھر اس قصہ کو طول دیا ہے تو یہ سب لچر حکایات ہیں جن سے قرآن کریم جیسی پُرحکمت کتاب پاک ہے۔

نمبر۱۔ حضرت سلیمانؑ کی اس دعا کا کیا منشا ہے کیا یہ مطلب ہے کہ وہ سچ مچ دنیا کی بڑی بھاری بادشاہت کے طالب تھے اور یہ چاہتے تھے کہ اتنی بڑی حکومت آپ کے بعد کسی کو نہ ملے۔ یہ دونوں باتیں شانِ نبوت کے خلاف ہیں۔ ایک توجیہ ان الفاظ کی یوں کی گئی ہے ھب لی ملکا لاینبغی لاحد غیری ممن ھو فی عصری ان یسلبہ منی کھذہ السلبۃ اور یہ معنی عطا اور قتادہ سے مروی ہیں یعنی مجھے ایسا ملک دے جو کسی میرے اہل زمانہ کے لیے شایاں نہ ہو کہ وہ مجھ سے چھین لے جس طرح اس دفعہ چھین لیا گیا ہے اور جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔ یہ دعائے عدم سلب ملک ہو سکتی ہے گو پہلے سلب نہ ہُوا ہو اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا دوام چاہنا اچھی دعا ہے۔ پس حضرت سلیمانؑ کی دعا یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ انھیں ایسی بادشاہت عطا فرمائے جو کسی دوسرے کے لیے شایاں نہیں کہ ان سے چھین سکے اور یہی صحیح ہے اور یہ دعا آپ نے اس لیے کی کہ آپ کو اپنے بعد اس بادشاہت کی جو آپ نے اس قدر محنت سے بنائی تھی بُری حالت دکھائی گئی (اور بعد یہاں بمعنی غیر ہے) پس وہ اعلائے کلمۃ اللہ یا اللہ کے نام کی حکومت چاہتے ہیں۔ کیونکہ جو حکومت [illegible] حاصل ہوتی ہے وہ دوسرا چھین سکتا یا برباد کر سکتا ہے لیکن جو حکومت روحانی طور پر حاصل ہوتی ہے یعنی جس کا تعلق اخلاق سے ہے [illegible]

نمبر۲۔ معماری کا کام کرنے والے اور غوطہ زن انسان ہی ہو سکتے ہیں اور ان کا زنجیروں میں جکڑا ہُوا ہونا صاف بتاتا ہے کہ وہ غیر مرئی [illegible] جو ناری مخلوق ہے بلکہ ایسے اجسام ہیں جو زنجیروں میں جکڑے جا سکتے ہیں۔

بَارِدٌ وَّشَرَابٌ ﴿۴۲﴾	پینے کو ہے ۔ؔ
وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ	اور ہم نے اسے اس کے اہل اور ان کی مثل ان کے ساتھ
رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾	دیئے (یہ) ہماری طرف سے رحمت (تھی) اور خالص عقل والوں کے لیے نصیحت ہے ؔ
وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ	اور اپنے ہاتھ میں جھاڑو لے اور اس سے مار اور قسم نہ توڑ۔ ہم نے
وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ	اسے صابر پایا۔ کیا اچھا بندہ تھا وہ بار بار (اللہ کی طرف)
نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾	رجوع کرنے والا تھا ۔ؔ
وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ	اور ہمارے بندوں ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کو یاد کر
وَيَعْقُوْبَ اُولِي الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾	(رجو) قوت والے اور بصیرت والے (تھے)
اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾	ہم نے انھیں ایک خالص بات سے خالص کرلیا (یعنی آخرت کے) گھر کی یاد سے۔

نمبر۱۔ پچھلی آیت میں لفظ نُصْب آیا ہے جس کے معنی تکان ہیں اور یہاں فرمایا ارکض برجلک اور رکض سواری کے دوڑانے اور چلنے کو کہا جاتا ہے اور یہاں برجلک سے معلوم ہوتا ہے کہ مراد سواری کا دوڑانا ہے یہ دونوں لفظ اس بات پر صریح دلالت کرتے ہیں کہ حضرت ایوبؑ کی تکالیف جن کا ذکر یہاں اور قرآن کریم میں دوسری جگہ ان الفاظ میں ہے انی مسنی الضر (الانبیاء - ۸۳) کسی سفر سے تعلق رکھتی ہیں جن میں وہ اپنے اہل وعیال اور اپنے ساتھیوں سے جدا ہو گئے ہیں اور دُکھ تکلیف یا غلطی کو شیطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جیسے فرمایا وما انسٰنیہ الا الشیطٰن ان اذکرہ (الکہف - ۶۳) اور یا شیطان سے مراد یہاں کوئی شیطان صفت دشمن ہے جس نے شرارت سے آپ کو تکلیف پہنچائی ہے اور ان تکالیف کی وجہ سے آپ کو ہجرت کرنی پڑی ہے اور یہاں اللہ تعالیٰ نے انھیں بشارت دی ہے کہ آگے چلے چلو - ان تکلیفوں کا ازالہ ہو جائے گا۔ اگر انھیں کوئی جسمانی بیماری بھی تھی جیسا کہ بائبل میں ذکر ہے تو کسی ایسے چشمہ پر پہنچا دیا جس میں نہانے اور جس کا پانی پینے سے وہ بیماری دُور ہو گئی اور یا نہانے کی غرض محض تکان کا دُور کرنا ہے۔

نمبر۲۔ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے پیرو جو اُن سے جُدا ہو گئے تھے وہ بھی انھیں مل گئے اور جہاں ہجرت کر کے گئے تھے وہاں اللہ تعالیٰ نے اور پیرو بھی دے دیئے۔ دوسرے انبیاء کے ذکر میں آنحضرت صلعم کا ذکر برابر موجود ہے اور حضرت ایوبؑ کے ان واقعات کا ذکر کر کے یہی بتایا ہے کہ جس طرح انھیں ایک لمبے زمانے تک تکلیفیں اُٹھا کر آخر ہجرت کرنی پڑی ایسا معاملہ آپ کے ساتھ ہوگا اور جس طرح انھیں ان کے اہل اور اس کی مثل مل گئے۔ اسی طرح آنحضرت صلعم کے ساتھ ہوگا ہجرت میں صحابہ سے جدا ہو کر پھر مدینہ پہنچ کر نہ صرف وہ صحابہ ہی مل جاتے ہیں بلکہ اتنی یا اس سے بڑھ کر تعداد انصار کی بھی مل گئی۔

نمبر۳۔ ان الفاظ کے معنی یوں کیے گئے ہیں کہ جھاڑو ہاتھ میں لے اور اس سے اپنی بیوی کو مار اور قسم نہ توڑ۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ایوبؑ نے اپنی بیماری کے ایام میں قسم کھائی تھی کہ وہ سو کوڑا اپنی بیوی کو لگائیں گے۔ لیکن چونکہ اس بیوی نے ان کی بڑی خدمت کی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اُن کی شفایابی پر انھیں یہ حکم دیا کہ سو تنکوں کا ایک جھاڑو لیکر اپنی بیوی کو مار لو اور یوں قسم پوری کر لو اور پھر اس کی بنا پر جواز حیلہ کا دروازہ کھول دیا گیا ہے اور یہاں اگر جھاڑو ہی معنی لیے جائیں تو ہو سکتا ہے کہ مراد صرف یہ ہو کہ اپنے دشمنوں پر جب قابو ملے تو ان سے ایسا معاملہ کر جیسا کوڑوں کی جگہ ایک جھاڑو سے مار لیا جائے کیونکہ اعدا کا ذکر مفہوم میں داخل ہے اور کامیابی پر ان کو سزا دینا ایک قدرتی امر ہے اور شاید اس میں اشارہ اس طرف ہو کہ نبی کریم صلعم کا معاملہ نرمی اور تخفیف میں اپنے اعدا سے کیسا ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ مراد صرف اس قدر ہو کہ مال دنیا سے جو حصّہ دیا جاتا ہے وہ لے لو اور اس کے ساتھ مجد یا بزرگی کو کماؤ اور اللہ تعالیٰ کی معصیت نہ کر یعنی ایسا نہ ہو کہ مال دنیا کو اصل چیز سمجھ کر اس سے محبت کرنے لگو۔

وَ اِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِؕ ﴿۴۷﴾
اور وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ لوگوں (اور) نیکوں میں سے تھے۔

وَ اذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَ الْيَسَعَ وَ ذَا الْكِفْلِؕ وَ كُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِؕ ﴿۴۸﴾
اور اسماعیلؑ اور الیسعؑ اور ذوالکفلؑ کو یاد کر اور وہ سب نیکوں میں سے تھے۔

هٰذَا ذِكْرٌؕ وَ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍۙ ﴿۴۹﴾
یہ نصیحت ہے اور متقیوں کے لیے اچھا ٹھکانا ہے۔

جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُۚ ﴿۵۰﴾
ہمیشگی کے باغ (جن کے) دروازے ان کے لیے کھولے گئے ہیں۔

مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّ شَرَابٍ ﴿۵۱﴾
ان میں تکیے لگائے ہوئے ہونگے ان میں بہت سے پھل اور پینے کی چیزیں بھی منگوائیں گے۔

وَ عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾
اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی ہم عمر ہوں گی[1]

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾
یہ وہ ہے جن کا تمھیں حساب کے دن کے لیے وعدہ دیا جاتا تھا۔

اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍۚۖ ﴿۵۴﴾
یہ ہمارا (دیا ہوا) رزق ہے جو ختم نہ ہوگا۔

هٰذَاؕ وَ اِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍۙ ﴿۵۵﴾
یہ متقیوں کے لیے ہے) اور سرکشوں کے لیے بہت بُرا ٹھکانا ہے

جَهَنَّمَۚ يَصْلَوْنَهَاۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾
(یعنی) جہنم اس میں داخل ہوں گے سو وہ بُری جگہ ہے۔

هٰذَاۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّ غَسَّاقٌۙ ﴿۵۷﴾
یہ ہے پس چاہیئے کہ اسے چکھیں اُبلتا ہوا اور حد سے زیادہ ٹھنڈا پانی[2]

وَّ اٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌؕ ﴿۵۸﴾
اور اسی صورت کی اور (سزا) رنگا رنگ کی (موجود ہے)

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْۚ لَا مَرْحَبًۢا
یہ ایک فوج ہے جو تمھارے ساتھ اندھا دُھند داخل ہونے والی ہے

نمبر۱۔ قاصرات الطرف کی تشریح گذر چکی ہے اور اتراب بھی انھیں کہا ہے یعنی وہ ساتھ پیدا ہوئی ہوئی ہیں ظاہر ہے کہ مراد اس سے اہل جنت کے ساتھ پیدا ہوئی ہوئی ہیں اور اہل جنت کی ولادت سے ان کا ماں کے پیٹ سے پیدا ہونا مراد نہیں، بلکہ ان کی وہ روحانی پیدائش مراد ہے جو انھیں اہل جنّت بناتی ہے۔ گویا ان نعمائے جنت کی پیدائش اعمال صالحہ کے ساتھ ہوتی ہے۔

نمبر۲۔ غاسق کے معنی بارد یعنی ٹھنڈا ہیں اور غساق کے معنی تین طرح پر کیے گئے ہیں۔ ابن عباسؓ اور ابن مسعودؓ سے اس کے معنی زمہریر مروی ہیں یعنی سخت ٹھنڈا اور ایک قول یہ ہے کہ یہ وہ پانی ہے جو دوزخیوں کے زخموں سے بہے گا اور ایک قول ہے کہ اس سے مراد اُن کے آنسو ہیں جو آنکھوں سے بہیں گے اور پہلے قول کے مطابق ایک قول ہے کہ غساق بدبودار سخت ٹھنڈا ہے جس کی ٹھنڈک اُبلتے ہوئے پانی کی حرارت کی طرح جلا دیتی ہے اور حمیم یا ابلتے پانی کے مقابل پر سخت ٹھنڈا زیادہ موزوں معنی بھی ہیں۔ جیسے دوسری جگہ ہے لا یرون فیہا شمسا و لا زمہریرا (الدھر-۱۳) اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح انھوں نے اپنے قویٰ کو اعتدال پر نہیں رکھا یا افراط کی طرف نکل گئے یا تفریط کی طرف اسی طرح ان کی غذا بھی یا حد سے زیادہ گرم ہوگی یا حد سے زیادہ سرد جزاء وفاقاً ۱۲

بِهِمْ ۭ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ۝۵۹

ان کے لیے فراخی نہیں کیونکہ وہ آگ میں داخل ہونے والے ہیں ۔[۱]

قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۣ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ۭ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝۶۰

کہیں گے بلکہ تم (ایسے ہو) تمھارے لیے کوئی فراخی نہیں، تم نے اسے ہمارے لیے پہلے بھیجا، سو کیا ہی بُری ٹھیرنے کی جگہ ہے۔

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ۝۶۱

کہیں گے اے ہمارے رب جس نے اسے ہمارے لیے آگے بھیجا تو اس کے لیے آگ میں عذاب کو دوچند بڑھا۔

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ۝۶۲ؕ

اور کہیں گے ہمیں کیا ہوا ہم ان لوگوں کو نہیں دیکھتے جنھیں ہم شریروں میں سے گنتے تھے۔

اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ۝۶۳

کیا ہم ان کی ہنسی اڑاتے تھے یا ہماری آنکھیں اُن سے پھر گئی ہیں ۔[۲]

ع اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ۝۶۴ۧ

یہ دوزخ والوں کا ایک دوسرے سے جھگڑنا یقیناً سچ ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ڰ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۶۵ۚ

کہہ میں صرف ڈرانے والا ہوں اور سوائے اللہ اکیلے فوقیت والے کے کوئی معبود نہیں۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝۶۶

آسمانوں اور زمین کا رب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے: غالب بخشنے والا۔

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۝۶۷ۙ

کہہ یہ ایک عظیم الشان خبر ہے ۔[۳]

اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ۝۶۸

تم اس سے منہ پھیر رہے ہو۔

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۢ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰٓى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ۝۶۹

مجھے اعلیٰ درجہ کے سرداروں کا کوئی علم نہیں، جب وہ جھگڑتے ہیں ۔[۴]

نمبر۱۔ فوج مقتحم ۔ اندھا دھند داخل ہونے والی فوج سے مراد وہ لوگ ہیں جو دوسروں کے پیچھے چل کر اور اپنی عقل سے کام نہ لے کر گمراہ ہوئے یعنی اتباع ۔ اور لا مرحبا بکم متبوع سرداروں کی ان مقلدوں کے لیے دعا ہے۔

نمبر۲۔ پہلی آیت میں اور یہاں اشارہ مومنوں کی طرف ہے یعنی ہم تمسخر کر کے ان کی تحقیر کرتے اور انھیں بُرا کہتے تھے یا وہ کہیں آگ میں ہی ہیں اور ہم انھیں دیکھتے نہیں۔

نمبر۳۔ ھو میں اشارہ قرآن کریم کی طرف ہے اور یا وہ چیز جس سے ڈرایا جاتا ہے۔

نمبر۴ حدیث میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلعم نماز فجر میں بہت دیر سے آئے۔ پھر آپ نے نماز پڑھا کر فرمایا کہ میں آج رات اٹھا اور نماز پڑھی اور پھر نماز میں

اِنۡ یُّوۡحٰۤی اِلَیَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ ﴿۷۰﴾	میری طرف سوائے اس کے کچھ وحی نہیں کیا جاتا کہ میں صرف ڈرانے والا ہوں۔
اِذۡ قَالَ رَبُّكَ لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیۡ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنۡ طِیۡنٍ ﴿۷۱﴾	جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں۔
فَاِذَا سَوَّیۡتُهٗ وَنَفَخۡتُ فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِیۡ فَقَعُوۡا لَهٗ سٰجِدِیۡنَ ﴿۷۲﴾	سو جب میں اس کی تکمیل کر دوں اور اپنی روح اس میں پھونکوں تو اس کے لیے فرمانبرداری کرتے ہوئے گر جاؤ۔
فَسَجَدَ الۡمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمۡ اَجۡمَعُوۡنَ ﴿۷۳﴾	تو سب فرشتوں کل کے کل نے فرمانبرداری کی۔
اِلَّاۤ اِبۡلِیۡسَ ؕ اِسۡتَكۡبَرَ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۷۴﴾	مگر ابلیس (نے نہ کی) اس نے تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا۔
قَالَ یٰۤاِبۡلِیۡسُ مَا مَنَعَكَ اَنۡ تَسۡجُدَ لِمَا خَلَقۡتُ بِیَدَیَّ ؕ اَسۡتَكۡبَرۡتَ	کہا، اے ابلیس کس چیز نے تجھے روکا کہ تو اس کی فرمانبرداری کرتا جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ہے۔ کیا تو نے تکبر کیا یا تو

اونگھ آگئی یہاں تک کہ میں جاگ اٹھا پھر میں نے اپنے رب کو احسن صورت پر دیکھا تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا اے محمدؐ کیا تو جانتا ہے کہ ملاء اعلیٰ کس بارے میں جھگڑتے ہیں میں نے کہا نہیں۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی میرے دونوں کندھوں کے درمیان رکھی تو میرے لیے ہر چیز روشن ہوگئی اور میں نے پہچان لیا۔ تب فرمایا اے محمدؐ! کیا تو جانتا ہے ملاء اعلیٰ کس بارے میں جھگڑتے ہیں۔ میں نے کہا کفاروں کے بارے میں۔ کہا کفارے کیا ہیں۔ میں نے کہا جماعت کی طرف قدم اٹھا کر جانا اور نماز کے بعد مسجدوں میں بیٹھنا اور مشکلات کے وقت وضو کو پورا کرنا۔ کہا اور درجات کیا ہیں۔ میں نے کہا کھانا کھلانا اور کلام میں نرمی کرنا اور نماز پڑھنا جب لوگ سوئے ہوئے ہوں۔ فرمایا مانگ۔ میں نے کہا میں تجھ سے نیکیوں کا کرنا اور منکرات کا ترک اور مسکینوں کی محبت مانگتا ہوں اور یہ کہ تو میری حفاظت فرمائے اور مجھ پر رحم کرے اور جب تو کسی قوم کو فتنہ میں ڈالنا چاہے تو مجھے بغیر فتنہ میں ڈالنے کے وفات دیجیو اور میں تجھ سے تیری محبت مانگتا ہوں اور اس کی محبت جو تجھ سے محبت کرے اور اس عمل کی محبت جو مجھے تیری محبت سے قریب کرے اور رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ یہ حق ہے اسے پڑھو اور سیکھو۔

مفسرین کہتے ہیں کہ یہاں ملاء اعلیٰ کا وہ اختصام مراد ہے جو آدمؑ کے خلیفہ بناتے وقت انھوں نے کیا گویا فرشتے کہتے تھے کہ آدمؑ کو خلیفہ نہ بنائیے مگر جیسا تفصیل سے دوسری جگہ بیان ہو چکا یہ بات درست نہیں کہ فرشتوں نے آدمؑ کے خلیفہ بنانے پر کوئی جھگڑا اللہ تعالیٰ سے کیا ہو اور یہاں یختصمون میں ضمیر کفار کی طرف جاتی ہے اور بتانا یہ مقصود ہے کہ جس بات سے ڈرایا جاتا ہے وہ تو آکر رہے گی لیکن کب آئے گی اس کا مجھے علم نہیں اس کا علم ملاء اعلیٰ کو ہے یعنی ان فرشتوں کو جن پر اللہ تعالیٰ اپنے رازوں کا اظہار فرماتا ہے پیغمبر پر سارا علم غیب ظاہر نہیں کیا جاتا اور نذیر مبین سے جو آگے آتا ہے اور منذر سے جو شروع رکوع میں ہے اسی معنی کی تائید ہوتی ہے اور حدیث میں جو ملاء اعلیٰ میں اختصام کا ذکر ہے تو اس کی کیفیت کا علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے مگر ظاہر ہے کہ اس سے یہ مراد نہیں ہو سکتی کہ ملاء اعلیٰ خدا سے جھگڑتے ہیں کیونکہ وہ لا یعصون اللہ ما امرھم کے مصداق ہیں اور نہ یہ مراد ہو سکتی ہے کہ وہ باہم جھگڑتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ یہ ثواب کا کام ہے اور بعض یہ کہ یہ نہیں بلکہ مراد اس سے صرف اس قدر معلوم ہوتی ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس سے تعلق ہے اور دوسری طرف خدمت مخلوق تو اختصام سے مجازی رنگ میں مراد یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کس بات کو دوسری پر فضیلت ہے گویا یہ دونوں باتیں ایسی اعلیٰ درجے کی ہیں کہ ملاء اعلیٰ بھی نہیں جانتے کہ کس کو ان میں سے دوسری پر فضیلت دیں۔

اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِيْنَ ۝٧٥	عالی مرتبہ (لوگوں) میں سے ہے ؂۱
قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ؕ خَلَقْتَنِيْ مِنْ	اس نے کہا، مَیں اس سے بہتر ہوں۔ تو نے مجھے آگ سے
نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ۝٧٦	پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے پیدا کیا۔
قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝٧٧	کہا تو اس (حالت) سے نکل جا، کیونکہ تو دُور کیا گیا ہے۔
وَّاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْٓ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝٧٨	اور تجھ پر میری لعنت قیامت کے دن تک ہے۔
قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝٧٩	کہا میرے رب تو مجھے اس دن تک مہلت دے جب وہ اٹھائے جائیں۔
قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝٨٠	کہا تو ان میں سے ہے جنھیں مہلت دی گئی۔
اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝٨١	اس دن تک جس کا وقت معلوم ہے۔
قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝٨٢	کہا تو تیری عزت کی قسم میں ان سب کو گمراہ کروں گا۔
اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝٨٣	سوائے ان میں سے تیرے خالص بندوں کے۔
قَالَ فَالْحَقُّ ۡ وَالْحَقَّ اَقُوْلُ ۝٨٤	کہا تو حق یہ ہے اور میں حق ہی کہتا ہوں۔
لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ	مَیں ضرور جہنم کو تجھ سے اور ان سب سے جو تیری پیروی
مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝٨٥	کریں بھر دوں گا۔
قُلْ مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ	کہہ میں تم سے اس پر اجر نہیں مانگتا، اور میں بناوٹ
وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ۝٨٦	کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔
اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝٨٧	یہ صرف جہانوں کے لیے بزرگی (کا موجب) ہے۔
وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۝٨٨ ع ۵	اور تم ضرور اس کی خبر کو ایک وقت کے بعد جان لو گے۔

نمبر۱۔ یدی یا دونوں ہاتھوں سے کیا مراد ہے یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اس میں قوائے ملکوتی اور قوائے حیوانی جمع کیے گئے ہیں اور ام کنت من العالین سے یہ مراد ہے کہ کیا تو بلند مرتبہ والوں میں سے ہے اور یہ اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ شیطان کا تعلق سفلی یا حیوانی خواہشات سے ہے نہ اعلیٰ یا ملکوتی صفات سے۔

آیاتہا ۷۵ (۳۹) سُوْرَۃُ الزُّمَرِ مَکِّیَّۃٌ رکوعاتہا ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○
تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ①
اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ②
اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ؕ وَالَّذِيْنَ
اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ
اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ؕ اِنَّ اللّٰهَ
يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۬ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③
لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى
مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ اللّٰهُ

اللہ بے انتہا رحم والے باربار رحم کرنے والے کے نام سے
یہ کتاب اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے اتاری گئی ہے۔
ہم نے تیری طرف کتاب حق کے ساتھ اتاری ہے سو اللہ
کی ایسی عبادت کر کہ فرمانبرداری صرف اسی کی ہو۔
سنو خالص فرمانبرداری اللہ کے لیے ہی ہے اور جو لوگ اس
کے سوائے ولی بنانے ہیں رکھتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت صرف
اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ کے نزدیک کر دیں۔ اللہ
ان کے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کریگا جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں
اللہ اسے منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا جو جھوٹا ناشکر گزار ہے
اگر اللہ چاہتا کہ بیٹا بنائے تو وہ اپنی مخلوق سے جسے چاہتا،
چن لیتا، بے عیب ذات ہے وہ اللہ اکیلا

نمبر۱۔ اس سورت کا نام الزمر ہے اور اس میں آٹھ رکوع اور ۷۵ آیات ہیں۔ سورت کا نام دو گروہوں یعنی مومنوں اور کافروں کے گروہوں سے لیا گیا ہے جن کا ذکر اس سورت میں ہے۔ پچھلی سورت میں مومنوں کو بتایا تھا کہ کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ مصائب کو برداشت کریں اور ان پر صدق دکھائیں اب یہاں ان دونوں گروہوں کا مفصل ذکر کیا ہے یعنی وہ ایک گروہ جو حق کو پھیلانے کے لیے کھڑا کیا گیا ہے اور دوسرا وہ جو حق کو قبول نہیں کرتا بلکہ اس کی مخالفت پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ زمانہ نزول وہی ہے جو اس مجموعہ کی باقی سورتوں کا۔

نمبر۲۔ لله الدين الخالص حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم اپنے مال لوگوں کو دیتے ہیں تاکہ ہماری شہرت ہو اور تاکہ ہمیں اجر ملے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ کسی چیز کو قبول نہیں کرتا سوائے اس کے جو خالص اس کے لیے ہو۔ پس یہاں سکھایا ہے کہ نیکی کرنا محض اللہ تعالیٰ کے لیے ہو نہ اس لیے کہ اس پر کچھ اجر ملے گا اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہونے سے یہ مراد ہے کہ اسے اپنا فرض سمجھ کر کیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے ذمے رکھا ہے۔ نیکی کرنا درحقیقت فرائض انسانی میں سے ایک فرض ہے اور یہ دین اسلام کی سب سے پہلی تعلیم ہے۔ یہی توحید کامل ہے اور کسی اور غرض کو مدنظر رکھ کر کام کرنا شرک کا ایک باریک پہلو ہے اسی لیے اس کے ساتھ ہی غیر اللہ کی عبادت کا ذکر کیا جو موٹی قسم شرک کی ہے اور بتایا کہ بت پرست بھی یہی عذر کرتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے بت پرستی کرتے ہیں یہ عذر بہت سے پیر پرستوں کا بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ان پیروں کی وساطت سے ہمیں خدا کے دربار میں رسائی حاصل ہوتی ہے اور بعض بت پرست یہ کہتے ہیں کہ ہم صرف تصور جمانے کی خاطر بتوں کو سامنے رکھتے ہیں۔ درحقیقت ان سب باتوں کا ماحصل وہی ہے جو قرآن کریم نے بیان کیا باطل پرستی کبھی حق پرستی تک نہیں پہنچا سکتی۔

الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝۴

سب کے اوپر ہے ملے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ
يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ
النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ
اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ۝۵

اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا، وہ رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اس نے سورج اور چاند کو کام میں لگا رکھا ہے ہر ایک ایک وقتِ مقرر کے لیے چلتا ہے سنو وہ غالب بخشنے والا ہے۔

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ
مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ
ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ
اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ
ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ
الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝۶

تمھیں ایک ہی اصل سے پیدا کیا، پھر اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور تمھارے لیے چارپایوں کے آٹھ جوڑے اتارے - وہ تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹوں میں پیدا کرتا ہے - پیدائش کے بعد پیدائش ہے تین اندھیروں میں، یہ اللہ تمھارا رب ہے اسی کی بادشاہت ہے، اس کے سوائے کوئی معبود نہیں پھر تم کس طرح پھرے جاتے ہو ملے

اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ ۣ وَلَا
يَرْضٰى لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۚ وَاِنْ تَشْكُرُوْا
يَرْضَهُ لَكُمْ ۭ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ

اگر تم ناشکری کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے ناشکری پسند نہیں کرتا اور اگر تم شکر کرو تو وہ اسے تمھارے لیے پسند کرتا ہے اور کوئی بوجھ اٹھانیوالا

نمبرا۔ یہاں عیسائی عقیدہ کی تردید کی ہے کیونکہ سب سے بڑا شرک یہی ہے عیسائی باپ بیٹے اور روح القدس کی ایک ذات کے تین اقنوم قرار دیتے ہیں۔ سچے؟ الواحد۔ القہار کہہ کر بتایا کہ یہ تو ہو سکتا ہی نہیں اور لو اراد اللہ اس لیے فرمایا کہ ارادہ الٰہی تو کسی ضرورت پر ظہور پذیر ہوتا ہے اگر جیسا کہ عیسائی کہتے ہیں فی الواقع یہ ضرورت بھی ہوتی کہ خدا کا کوئی بیٹا ہو تو پھر بھی اس کی ذات میں شرک نہ ہو سکتا تھا بلکہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو بیٹا بنانے کے لیے چن لیتا اور اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں جو پہلے انبیاء سے ہُوا اگر کہیں بیٹے کا لفظ آیا ہے تو محض اس معنی سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ ہے کیونکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنے اندر لے لیتے ہیں وہ ایک گونہ مشابہت (اللہ کی ذات اس لفظ کے عام معنی میں مشابہت اور مماثلت سے پاک ہے) اللہ تعالیٰ سے پیدا کر لیتے ہیں اور یوں مجاز کے طور پر نہ حقیقت کے رنگ میں ان پر بیٹے کا لفظ بولا جا سکتا ہے۔

نمبر۲۔ انزل لکم من الانعام صاف بتاتا ہے کہ انزال کے معنی لازماً اوپر سے اتارنا نہیں بلکہ ایک شے کے اسباب مہیا کرنا ہیں اور یہ حدیث کہ اللہ تعالیٰ نے چارپایوں کو جنت میں پیدا کیا پھر وہاں سے اتارا صحیح نہیں۔

اور تین اندھیروں سے مراد پیٹ، رحم اور مشیمہ کے پردے لیے گئے ہیں اور بعض نے پیٹھ اور پیٹ اور رحم کی ظلمت مراد لی ہے مطلب یہ ہے کہ اگر تمھاری پہلی پیدائش بھی تمھاری نظروں سے مخفی تیار ہوتی ہے تو دوسری پیدائش اگر تمھاری نظروں سے مخفی ہے تو تعجب کیوں کرتے ہو۔

أُخْرٰى ۚ ثُمَّ إِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۭ إِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۷

دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا پھر تمھارے رب کی طرف تمھارا لوٹ کر جانا ہے پس وہ تمھیں اس کی خبر دیگا جو تم کرتے تھے۔ وہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلّٰهِ أَنْدَادًا لِّيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيْلًا ۖ إِنَّكَ مِنْ أَصْحٰبِ النَّارِ ۝۸

اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے وہ اپنے رب کو اس کی طرف رجوع کرتا ہوا پکارتا ہے پھر جب وہ اسے اپنی طرف سے نعمت عطا کرتا ہے اسے بھول جاتا ہے جس کے لیے (اسے) پہلے پکارتا تھا اور اللہ کے لیے ہمسر بناتا ہے تاکہ اس کے رستے سے (لوگوں کو) گمراہ کرے۔ کہہ اپنی ناشکری سے تھوڑا فائدہ اُٹھالے تُو آگ والوں میں سے ہے۔

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّقَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَيَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۭ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ۝۹ ع

کیا وہ جو رات کے وقتوں میں سجدہ کرکے اور کھڑا ہوکر فرماں برداری کرنے والا ہے آخرت سے ڈرتا اور اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا ہے (نافرمان کے برابر ہے) کہہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہیں؟ صرف خالص عقل والے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ أَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ وَأَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةٌ ۭ إِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝۱۰

کہہ اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو اپنے رب کا تقویٰ کرو، جو لوگ بھلائی کرتے ہیں ان کے لیے اس دنیا میں بھلائی ہے اور اللہ کی زمین فراخ ہے۔ صابروں کو اُن کا اجر ضرور بے حساب ملے گا۔

قُلْ إِنِّيْٓ أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ۝۱۱

کہہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی عبادت اس کے لیے فرمانبرداری کو خالص کرتا ہوا کروں۔

نمبر ا۔ یا عبادی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکایتاً قول ہے اور یہاں نیکی کرنے والوں کو اس دنیا میں بھلائی کا وعدہ دیا ہے اور ارض اللہ واسعۃ میں یہ اشارہ ہے کہ ایک جگہ حق کے قبول کرنے سے روکا جاتا ہے تو دوسری جگہ چلے جاؤ اور یہ ہجرت کی طرف اشارہ ہے اور صابر کے لفظ میں بھی صاف بتا دیا کہ اللہ کی راہ میں بڑے بڑے دکھ بھی اٹھانے پڑیں گے۔ مگر آخر کار کامیابی ہے۔

وَ اُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲﴾

اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے بڑھ کر فرمانبردار بنوں ۔

قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ
عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۳﴾

کہہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو میں ایک بڑے دن
کے عذاب سے ڈرتا ہوں ۔[۱]

قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهٗ دِيْنِيْ ﴿۱۴﴾

کہہ میں اللہ کی ہی اس کے لیے اپنی فرمانبرداری کو خالص کرتا ہوا عبادت کرتا ہوں ۔

فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ ؕ قُلْ
اِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
وَ اَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَا ذٰلِكَ هُوَ
الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾

تو تم اس کے سوائے جس کی چاہو عبادت کرو ۔ کہہ گھاٹے میں
رہنے والے وہ ہیں جنھوں نے قیامت کے دن اپنے آپ
کو اور اپنے اہل کو گھاٹے میں رکھا ۔ دیکھو یہی کھلا
گھاٹا ہے ۔

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَ
مِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ؕ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ
بِهٖ عِبَادَهٗ ؕ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ ﴿۱۶﴾

ان کے لیے ان کے اوپر آگ کے سائبان ہوں گے اور
ان کے نیچے (ایسے ہی) سائبان ۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے
بندوں کو ڈراتا ہے اے میرے بندو تم میرا تقویٰ اختیار کرو ۔[۲]

وَ الَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا
وَ اَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾

اور وہ جو طاغوت کی عبادت سے بچتے ہیں اور اللہ کی طرف
جھکتے ہیں ان کے لیے خوشخبری ہے سو میرے بندوں کو خوشخبری دو ۔

الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ
اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ
وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾

وہ جو بات کو سنتے ہیں پھر اس کی اچھی بات کی پیروی کرتے
ہیں ، یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے
اور یہی خالص عقل والے ہیں ۔[۳]

اَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ ؕ
اَفَاَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿۱۹﴾

تو کیا وہ جس پر عذاب کا فتوےٰ سچ ثابت ہوا ، سو
کیا تو اسے بچا سکتا ہے جو آگ میں جا رہا ہے ۔[۴]

نمبر۱۔ اس میں بتایا ہے کہ سکھ صرف فرمانبرداری سے ملتا ہے اگر سید البشر کے منہ سے بھی یہ لفظ کہلوائے گئے ہیں تو آج مسلمان اللہ تعالیٰ کے قوانین کی نافرمانی کر کے کس طرح سکھ کے امیدوار ہو سکتے ہیں ۔ اول المسلمین میں اور یہاں اصل الاصول یہ ہے کہ قانون الٰہی کی کامل فرمانبرداری ہو ۔

نمبر۲۔ گویا آگ ہی اوپر ہوگی اور آگ ہی نیچے یعنی چاروں طرف سے احاطہ کیے ہوئے اس سے بھی معلوم ہوا کہ دوزخ میں مکان کی کیفیت وہ نہیں جو یہاں ہے ۔

نمبر۳۔ یا تو قول عام ہے اور مطلب یہ ہے کہ بُری باتوں کے پیچھے نہیں لگتے اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں اور یا قول سے مراد قرآن کریم ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس میں اگر بدلہ لینے کی اجازت ہے تو اس سے بہتر یہی ہے کہ عفو کیا جائے پس وہ اعلیٰ درجہ کی باتوں کی پیروی کرتے ہیں ۔

نمبر۴۔ یعنی جو آگ کی طرف چلا جا رہا ہے پیغمبر اسے جبراً نہیں بچا سکتا ۔

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ
مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ ۙ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۬ وَعْدَ اللّٰهِ ؕ لَا
يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ ۝٢٠

لیکن وہ لوگ جو اپنے رب کا تقوےٰ اختیار کرتے ہیں ان کے لیے بلند مقامات ہیں ان کے اوپر (اور) بلند مقامات بنے ہوئے ہیں[1] ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ کیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ وعدے کا خلاف نہیں کرتا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً
فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ فِي الْاَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهٖ
زَرْعًا مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ
مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهٗ حُطَامًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
ع لَذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ۝٢١

کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے پانی اتارتا ہے۔ پھر اسے چشمے بنا کر زمین میں چلاتا ہے پھر اس کے ساتھ کھیتی اگاتا ہے جس کے مختلف رنگ ہیں پھر وہ خشک ہو جاتی ہے۔ تب تو اسے زرد دیکھتا ہے پھر وہ اسے چُورا چُورا کر دیتا ہے۔ اس میں عقل والوں کے لیے نصیحت ہے۔

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ
عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ
قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ
فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝٢٢

بھلا جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لیے کھول دیا اور وہ اپنے رب کی طرف سے ایک نور پر ہے (کیا وہ تاریکی میں رہنے والے کی طرح ہے) سو اُن پر افسوس جن کے دل اللہ کے ذکر کے مقابلہ میں سخت ہیں، وہ کھلی گمراہی میں ہیں۔

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا
مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ
الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ
جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ

اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام اتارا ہے (یعنی) کتاب جس کی باتیں ملتی جلتی دوہرائی گئی ہیں اس سے ان لوگوں کے دل کانپ اٹھتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔ پھر ان کے بدن اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے نرم ہو جاتے ہیں[2]۔ یہ اللہ تعالیٰ

نمبر۱۔ اس میں اشارہ جنت کی ترقیات غیر متناہی کی طرف ہے کتنے بھی بلند مقام پر پہنچ جائیں اس سے آگے اور بلند مقامات ہوں گے ان بلند مقامات کو دیکھ کر اس لیے اُن کے دل میں تڑپ پیدا ہو گی کہ ان پر پہنچیں اور دوسری جگہ التحریم ۶۶۔ ۹ میں جنتیوں کی اس دعا کا ذکر ہے ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا جہاں مغفرت سے مراد ترقی درجات ہے اور بہشت میں اتمام نور اور ترقی درجات کی دعا صاف بتاتی ہے کہ قرآن کریم بہشت کی ترقیات کو غیر متناہی قرار دیتا ہے یہی بات یہاں اور بھی زیادہ صفائی سے بیان کی ہے کہ جس بھی بلند مقام پر مومن پہنچیں اس سے بلند تر اور مقام ہوں گے اور یہ وہ بات ہے جو بہشت کے متعلق دنیا کے اور کسی مذہب نے نہیں بتائی وہ بہشت کو محض ایک خوشی اور سرور کی جگہ سمجھتے ہیں جس میں انسان ہمیشہ کے لیے پڑا رہے گا اور بعض مذاہب تو اسے وہاں سے پھیر کر اس دنیا میں واپس لاتے ہیں جیسے اہل تناسخ۔ عیسائیوں کا دعویٰ ہے کہ اُن کے ہاں بہشت کے روحانی ہونے کا ذکر ہے مگر بہشت کی ترقیات کی طرف ان کی کتابوں میں اشارہ تک بھی نہیں۔ یہ بات صرف قرآن کریم نے ہی کھولی۔

نمبر۲۔ اس سے خشیۃ اللہ رکھنے والوں کے چمڑے کانپ اٹھتے ہیں پھر ان کے چمڑے نرم ہو جاتے ہیں۔ کانپنا اور نرمی دونوں بلحاظ معنی ہیں یعنی ایسی کیفیت

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ	کی ہدایت ہے وہ اس کے ساتھ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے
وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾	اور جسے اللہ گمراہ ٹھیرائے تو اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔
اَفَمَنْ يَّتَّقِيْ بِوَجْهِهٖ سُوْٓءَ الْعَذَابِ	بھلا وہ جو اپنے منہ کے ساتھ بڑے عذاب سے قیامت کے
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَقِيْلَ لِلظّٰلِمِيْنَ	دن بچاؤ کرنا چاہے (اہل جنت کی طرح ہے)، اور ظالموں سے کہا جائے
ذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۲۴﴾	گا چکھو، جو تم کماتے تھے ۱۔
كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتٰىهُمُ	انھوں نے جو ان سے پہلے تھے جھٹلایا، سو ان پر ایسی جگہ
الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۵﴾	سے عذاب آیا جس کی انھیں خبر نہ تھی۔
فَاَذَاقَهُمُ اللّٰهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ	سو اللہ (تعالیٰ) نے انھیں دنیا کی زندگی میں رسوائی
وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا	کا مزہ چکھایا، اور آخرت کا عذاب بڑا ہے
يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾	کاش وہ جانتے۔
وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ	اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کے لیے ہر طرح کی مثالیں
مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾	بیان کی ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔
قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾	قرآن عربی جس میں ٹیڑھا پن نہیں تاکہ وہ بچیں۔
ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ	اللہ تو مثال بیان کرتا ہے، ایک آدمی ہے جس میں کئی (مالک)

ان کے اندر پیدا ہو جاتی ہے جیسا کانپنے والے کے اندر اور جیسے اس کے اندر جس کا چمڑا نرم ہو یعنی وہ مرعوب ہو اور بات اس کے اندر اتر کر جائے اور بعض نے کہا ہے کہ عذاب کے ذکر پر کانپ اٹھتے ہیں اور رحمت کے ذکر پر نرم ہو جاتے ہیں مگر اصل غرض صرف یہ ہے کہ کلام اللہ کی عظمت کا ان کے دلوں پر رعب ہوتا ہے اور وہ ان کے اندر اثر کرتی ہے اور اگر ظاہر الفاظ کو بھی لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عظمتِ کلام اللہ کے سامنے واقعی انسان کانپ اٹھے لیکن بیہوش ہو جانا یا وجد کرنے لگنا یہ بناوٹ کی بدعات ہیں عروہ بن زبیر کہتے ہیں کہ میں نے اپنی دادی اسماءؓ سے کہا کہ بعض لوگ قرآن کریم کو سن کر بیہوش ہو جاتے ہیں تو انھوں نے فرمایا اعوذ باللہ تعالیٰ من الشیطان۔ اور حضرت ابن زبیرؓ سے ایسی ہی روایت ہے کہ میں نے اپنی والدہ سے ایسے لوگوں کا ذکر کیا کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے تو کانپنے لگتے اور بیہوش ہو جاتے تو آپ نے فرمایا کہ ان کے ساتھ مت بیٹھ میں نے رسول اللہ صلعم کو قرآن پڑھتے دیکھا ہے ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھی اور ان پر یہ حالت طاری نہ ہوتی تھی تو یہ لوگ ان سے زیادہ خشیۃ اللہ نہیں رکھنے اور ابن عمرؓ سے ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے ایک شخص کو دیکھا جو قرآن سن کر گر پڑا تو آپ نے فرمایا ہم تو نہیں گرتے ان لوگوں کے اندر شیطان گھس گیا ہے مگر تعجب ان لوگوں پر ہے جو معمولی انسان کے کلام کو سن کر وجد کرنے لگتے اور بیہوش ہو جاتے ہیں صحابہ نے جس بات کو قرآن کریم کے لیے بھی جائز نہیں سمجھا وہ غیر اللہ کے کلام کے سامنے وہ حالت بناتے ہیں۔

نمبر۱۔ یہاں اس عذاب کی شدت پر تنبیہ ہے جو انھیں پہنچے گا۔ گویا قیامت کے دن کے عذاب سے جس چیز کو وہ اپنے لیے بطور ڈھال بنائیں گے وہ ان کے منہ ہوں گے۔ وجہ چونکہ اشرف اعضا ہے اس لیے مطلب یہ ہے کہ اشرف ترین مقام پر بدترین عذاب ہوگا۔

مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ — ایک دوسرے سے جھگڑنے والے شریک ہیں اور ایک آدمی جو پورے

هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ — طور پر ایک آدمی کا نوکر ہے کیا ان دونوں کی حالت برابر ہے سب

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۲۹ — تعریف اللہ کے لیے ہے بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے ۔ ۱

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝۳۰ — تو بھی مرنے والا ہے اور وہ بھی مرنے والے ہیں۔

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ — پھر تم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس

ع ۳ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ۝۳۱ — جھگڑا کروگے۔

الجزء ۲۴ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ — سو اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ بولتا ہے

وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ — اور سچائی کو جھٹلاتا ہے، جب وہ اس کے پاس آتی ہے کیا

فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝۳۲ — جہنم میں کافروں کا ٹھکانا نہیں؟

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ — اور وہ جو سچائی کو لایا اور اس کی تصدیق کرتا ہے،

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝۳۳ — یہی متقی ہیں ۲

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ — ان کے لیے اپنے رب کے پاس ہے جو کچھ وہ چاہیں

جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ۝۳۴ — یہ نیکی کرنے والوں کا بدلہ ہے۔

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا — تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے وہ بہت برے عمل دور کردے، جو

وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ — انھوں نے کیے اور ان کو ان کے بہترین اعمال کا

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۳۵ — جو وہ کرتے تھے بدلہ دے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ — کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں اور تجھے

بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ — ان سے ڈراتے ہیں جو اس کے سوائے ہیں اور جسے

نمبر ۱- موحد یا ایک خدا کے پرستار کے سامنے صرف ایک ہی بات ہوتی ہے یعنی اپنے ہر کام میں خدا کی خوشنودی کو مدنظر رکھنا لیکن بہت معبودوں کا پرستار یا بہت لوگوں کی رضا کا طالب یا اپنی حرص و ہوا کا متبع کبھی ایک طرف جاتا ہے کبھی دوسری طرف۔

نمبر ۲- پہلی آیت میں اللہ پر جھوٹ بولنے والے اور سچائی کو جھٹلانے والے گروہ کا ذکر ہے اس میں سچائی کے لانے والے اور سچائی کی تصدیق کرنے والے گروہ کا اللہ پر جھوٹ بولنا مشرکانہ عقاید کی ترویج ہے جیسے یہ کہ اللہ تعالےٰ کا بیٹا ہے اور یا بت ہمارے شفیع اور کارساز ہیں اور پھر اس غلطی پر دوسری غلطی یہ کہ حق کی مخالفت کرتے ہیں اور سچائی لانے والے اور تمام پہلی سچائیوں کی تصدیق کرنے والے تو نبی کریم صلعم ہیں اور پھر آپ کا ہر متبع اس ذیل میں آجاتا ہے۔

اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝۳۶
وَ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ
اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِى انْتِقَامٍ ۝۳۷
وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ
مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ
اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ
اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ
رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ
يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۳۸
قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ
عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳۹
مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ
عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝۴۰
اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ
بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ
مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ
ع اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝۴۱

اللہ گمراہ ٹھیرائے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں [1]
اور جسے اللہ ہدایت دے تو اسے کوئی گمراہ کرنے والا
نہیں۔ کیا اللہ غالب سزا دینے والا نہیں؟
اور اگر تو ان سے پوچھے کہ کس نے آسمانوں اور زمین
کو پیدا کیا تو کہیں گے اللہ نے۔ کہہ تو کیا تم نے
غور نہیں کیا کہ وہ جنہیں تم اللہ کے سوائے پکارتے ہو،
اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف پہنچانی چاہے تو کیا وہ اس کی
(بھیجی ہوئی) تکلیف کو دور کر سکتے ہیں یا اگر وہ مجھ پر رحم کرنا چاہے
تو کیا وہ اس کے رحم کو روک سکتے ہیں۔ کہہ اللہ میرے لیے
بس ہے بھروسا رکھنے والے اسی پر بھروسا رکھتے ہیں۔
کہہ، اے میری قوم اپنی جگہ پر عمل کرتے رہو میں بھی عمل
کرنے والا ہوں، سو تم جان لو گے۔
کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اُسے رُسوا کردے اور
اس پر باقی رہنے والا عذاب نازل ہوگا [2]
ہم نے تجھ پر لوگوں (کی بھلائی) کے لیے حق کے ساتھ
کتاب اتاری ہے سو جو کوئی سیدھی راہ پر چلتا ہے تو وہ
اپنے (بھلے کے) لیے ہے اور جو کوئی گمراہ ہوتا ہے تو اس کے
گمراہ ہونے کا وبال اسی پر ہے اور تو اُن کا ذمہ دار نہیں۔

نمبر ۱۔ مشرکین عرب خود توہم پرست اور بزدل تھے ان کا اعتقاد یہ تھا کہ بُت نفع و نقصان پہنچا سکتے ہیں اور وہ نبی کریم صلعم کو بھی ڈراتے ہوں گے جیسا مفسرین نے لکھا ہے مگر یہاں بالذین من دونہ ہے جس سے مراد اُن کے بڑے بڑے سردار ہیں جو آپ کے خلاف منصوبے کرتے تھے اس کے جواب میں فرمایا کہ ان کے تمام منصوبوں اور کوششوں سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو بچانے کے لیے کافی ہے۔

نمبر ۲۔ پہلے عذاب (یعنی رسوا کرنے والے عذاب) میں اشارہ عذاب دنیوی کی طرف ہے اور عذاب مقیم دوزخ کا عذاب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے شروع سے ہی آنحضرت صلعم کے مخالفین کو صفائی سے بتا دیا تھا کہ ان پر اسی دنیا میں عذاب ذلت آئے گا۔

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰۤى اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾

اللہ روحوں کو قبض کرتا ہے اور ان کی موت کے وقت اور جو مرے نہیں ان کی نیند میں پھر انھیں روک رکھتا ہے جن پر موت کا حکم ہو چکا ہے اور دوسروں کو ایک مقررہ وقت تک بھیج دیتا ہے اس میں اُن کے لیے نشان ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں [1]۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ؕ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾

کیا انھوں نے اللہ کے سوائے سفارشی بنا رکھے ہیں ، کہہ کیا اگر وہ نہ کچھ اختیار رکھتے ہوں اور نہ عقل رکھتے ہوں۔

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ؕ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾

کہہ سفارش سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

نمبرا۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا توفی نفس یا قبض روح کا قانون بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ توفی نفس دو وقتوں میں ہوتا ہے ایک موت کے وقت اور ایک نیند میں یہ آیت اس بات کے لیے فیصلہ کن ہے کہ توفی میں وہ چیز جو اللہ تعالیٰ لیتا ہے کیا ہے یہاں توفی کا مفعول انفس ہے جو نفس کی جمع ہے اور نفس کے معنی حسب ذیل ہیں۔ روح حیوانی ۔ نفس ناطقہ ۔ سارا انسان ۔ توفی میں ان میں سے کونسی چیز لی جاتی ہے ۔ ظاہر ہے کہ سارا انسان نہیں لیا جاتا کیونکہ نیند اور موت دونوں میں جسم یہیں رہ جاتا ہے اور کبھی بھی اللہ تعالیٰ اسے اٹھا کر کہیں اور نہیں لے جاتا پس سارا انسان اگر ایک جگہ سے دوسری جگہ جائے تو اس پر لفظ توفی نہیں بولا جائیگا اور جب کسی کے متعلق لفظ توفی بولا جائے گا تو یہ اس کا لازم نتیجہ ہوگا کہ اس کا جسم نہیں لیا گیا ۔ آیا روح حیوانی لی جاتی ہے ۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ نیند میں روح حیوانی انسان کے اندر موجود ہوتی ہے اور موت میں نہیں اس لیے توفی نفس سے مراد روح حیوانی کا لیا جانا بھی نہیں باقی صرف ایک صورت رہ جاتی ہے یعنی یہ کہ نفس ناطقہ یا وہ چیز جس سے عقل وتمیز ہے لی جائے اور یہی صحیح ہے اور اس پر کئی دلائل ہیں اول یہ کہ توفی کا لفظ صرف انسان پر بولا جاتا ہے دوسرے جانداروں پر نہیں اگر روح حیوانی کا لیا جانا مراد ہوتا تو یہی لفظ دوسرے جانداروں پر بھی بولا جاتا ۔ دوسرے یہ کہ نیند اور موت دونوں میں جو چیز لی جاتی ہے وہ تمیز یا عقل انسانی ہی ہے اور کوئی چیز نہیں جو دونوں میں مشترک طور پر لی جاتی ہو تیسرے جس غرض کے لیے توفی نفس ہوتی ہے وہ جزا و سزائے اعمال ہے اور اعمال کرنے میں گو جسم اور روح حیوانی شریک ہوتے ہیں مگر اعمال کی ذمہ داری اور ان کا احساس تمیز یا عقل انسانی سے ہی پیدا ہوتا ہے اس لیے وہی چیز لی جانی چاہیئے جس پر اصل ذمہ واری عاید ہوتی ہے حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ابن آدم میں ایک نفس ہے اور ایک روح اور ان دونوں کے درمیان سورج کی شعاع کا سا تعلق ہے اور نفس تو وہ ہے جس سے عقل اور تمیز ہے اور روح وہ ہے جس سے سانس لیتا اور حرکت کرتا ہے سو موت کے وقت یہ دونوں لیے جاتے ہیں اور نیند میں صرف نفس لیا جاتا ہے اور یہ نفس و روح میں فرق کے متعلق ایک قول ہے اور بعض نے اسے اکثر کی طرف منسوب کیا ہے ۔ ایک اور امر جو اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے یہ ہے کہ جب ایک شخص پر موت وارد ہو جائے تو اسے زندہ کرکے اس دنیا میں نہیں بھیجا جاتا گو یہاں نفس ناطقہ کا ذکر ہے لیکن چونکہ روح کے واپس آنے کا لازمی نتیجہ نفس ناطقہ کا واپس آنا ہے اس لیے اگر نفس ناطقہ کو اللہ تعالیٰ روک رکھتا ہے ۔ تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ روح حیوانی بھی واپس نہیں آتی ۔ اور منام کے لفظ میں غشی وغیرہ بھی آجاتے ہیں یعنی وہ تمام حالات جن میں عقل وتمیز واپس آجاتی ہے لیکن موت کے بعد نفس ناطقہ کا اس جسم کی طرف واپس آنا قرآن کریم کی صراحت کی رو سے محال ہے ۔

اس آیت کا یہاں کیا تعلق ہے کہ موت اور نیند میں نفس انسانی کو لے لیا جاتا ہے اس کی غرض جزا و سزائے اعمال کی طرف توجہ دلانا ہے جس کا ذکر یہاں ہو رہا ہے اور بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ اس چیز کو جو اعمال انسانی کی اصل محرک ہے لے لیتا ہے اور ان اعمال کی جزا و سزا لازمی طور پر اسے ملے گی ۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور جب اکیلے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کے دل نفرت کرتے ہیں جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور جب ان کا ذکر کیا جاتا ہے جو اس کے سوائے ہیں، تو وہ خوش ہوتے ہیں ۱؎

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

کہہ اے اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، غائب اور حاضر کے جاننے والے، تو اپنے بندوں میں اس بارے میں فیصلہ کرے گا جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾

اور اگر ان لوگوں کے لیے جو ظلم کرتے ہیں وہ سب کچھ بھی ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا اور ہو، تو اس کے ساتھ بُرے عذاب سے بچنے کے لیے قیامت کے دن فدیہ دے دیں اور اللہ کی طرف سے ان کے لیے وہ ظاہر ہوگا جس کا انھیں گمان بھی نہ تھا۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور اس کے لیے اس کی برائیاں ظاہر ہو جائیں گی جو وہ کماتے ہیں اور وہی انھیں آلے گا جس پر وہ ہنسی کرتے تھے۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ ۭ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾

سو جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے ہمیں پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے نعمت عطا کرتے ہیں کہتا ہے، یہ مجھے (اپنے) علم سے ملی ہے بلکہ وہ آزمایش ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے ۲؎

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾

یہی (بات) انھوں نے کہی جو ان سے پہلے تھے تو وہ ان کے کچھ کام نہ آیا جو وہ کماتے تھے۔

نمبر۱۔ یہ تو کفار کا ذکر ہے مگر آج مسلمانوں کی بھی یہی حالت ہے اپنے اپنے حلقہ میں جس شخص کو بڑا مانتے ہیں اس کا ذکر نہ آئے تو ان کے دل خوش نہیں ہوتے۔

نمبر۲۔ علی علم یعنی وجوہ کسب کے علم سے یہ چیز مجھے حاصل ہوئی ہے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتا بلکہ اپنی بڑائی ظاہر کرتا ہے اور اوتیتہ اور ھی فتنۃ میں ضمیر نعمت کی طرف ہی ہے پہلی جگہ بلحاظ معنی اور دوسری جگہ بلحاظ لفظ۔ اور فتنۃ اسے اس لیے کہا کہ کھرے اور کھوٹے کے پرکھنے کا ذریعہ ہے۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ؕ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ هٰٓؤُلَآءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾

سو انھیں اس کے بدنتائج پہنچ گئے جو وہ کماتے تھے۔ اور جو ان میں سے ظلم کرتے ہیں انھیں اس کے بدنتائج پہنچ کر رہیں گے جو یہ کماتے ہیں اور وہ (خدا کو) عاجز کرنے والے نہیں۔

اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ ع

کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے اس میں ان لوگوں کے لیے نشان ہیں جو ایمان لاتے ہیں۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾

کہہ، اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اللہ سبھی گناہ بخش دیتا ہے۔ ہاں وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے [۱]۔

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کی فرمانبرداری کرو، اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے پھر تمھیں مدد نہ ملے۔

وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

اور اس بہتر بات پر چلو جو تمھارے رب کی طرف سے تمھاری طرف اتاری گئی قبل اس کے کہ تم پر ناگہاں عذاب آجائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ

(ایسا نہ ہو) کہ کوئی شخص کہے ہائے افسوس اس پر جو میں نے اللہ کی جانب نگاہ رکھنے میں کوتاہی کی اور میں تو ہنسی

نمبرا۔ رحمت الٰہی کی وہ وسعت بے پایاں جس کو یہ آیت ظاہر کر رہی ہے دوسری کتابیں اس سے خالی ہیں اگر کوئی تھکے ماندوں کو آرام کی خوشخبری دیتا ہے تو قرآن تمام قسم کی خطاریوں اور زیادتیوں پر رحمت کی خوشخبری سناتا ہے کس قدر کمال تعلیم اسلامی کا ہے کہ رحمتِ الٰہی کا دروازہ تو اتنا وسیع کھولا مگر یہ نہیں کہ کفارہ کی طرح ساتھ ہی گناہ پر جرأت کا باب بھی وا کر دیا ہو بلکہ رجوع الی اللہ شرط رکھی ہے جیسا کہ اگلی آیت میں صراحت سے بتا بھی دیا وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ اس بارے میں افراط و تفریط کے دو پہلو ہیں ایک عیسائی مذہب نے اختیار کیا ہے کہ جو شخص کفارہ پر ایمان لے آئے جو گناہ چاہے کرتا جائے اس پر کوئی مواخذہ نہیں اور دوسرا ہندو مذہب نے کہ جتنی مدت چاہے توبہ کرے اور گناہوں کی معافی کے لیے روئے مگر خدا معاف ہی نہیں کر سکتا۔ اسلام کی تعلیم افراط و تفریط کے درمیان ہے۔

لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۝٥٦

کرنے والوں میں سے تھا۔

اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ
مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝٥٧

یا کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی متقیوں
میں سے ہوتا۔

اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ
اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝٥٨

یا جب عذاب دیکھے تو کہے، اگر میرے لیے لوٹ کر
جانا ہوتا تو میں نیکی کرنے والوں میں سے ہوتا۔

بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا
وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝٥٩

ہاں میری آیتیں تیرے پاس آئی تھیں پر تو نے انھیں جھٹلایا
اور تکبر کیا اور تو منکروں میں سے تھا۔

وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا
عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ ؕ اَلَيْسَ
فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝٦٠

اور قیامت کے دن تو ان لوگوں کو دیکھے گا جنھوں نے اللہ
پر جھوٹ بولا کہ، ان کے منہ کالے ہیں، کیا متکبروں کا
ٹھکانا دوزخ میں نہیں۔

وَيُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ ۫
لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝٦١

اور جو تقویٰ کرتے تھے اللہ انھیں ان کی کامیابی کے ساتھ
نجات دیگا انھیں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۫ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝٦٢

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر
نگہبان ہے۔

لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝٦٣

آسمانوں اور زمین کے خزانے اسی کے ہیں اور
جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں وہی نقصان
اٹھانے والے ہیں۔

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ
اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝٦٤

کہہ، اے جاہلو! کیا تم مجھے کہتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے
غیر کی عبادت کروں۔

وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِكَ ۚ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ
وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝٦٥

اور تیری طرف وحی کی گئی ہے اور ان کی طرف جو تجھ
سے پہلے تھے اگر تو شرک کرے تو تیرا عمل ضرور برباد
ہو جائیگا اور تو نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا ؎۱

نمبرا۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ بذریعہ وحی لوگوں کو اطلاع دیتا رہا ہے کہ شرک سے عمل حبط ہو جاتا ہے یعنی جس عمل میں جس قدر حصہ شرک کا ہوگا وہ انسان کے

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٦﴾	بلکہ اللہ کی ہی عبادت کر اور شکر کرنے والوں میں سے ہو۔
وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَ	اور انھوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جو اس کی قدر کا حق ہے
الْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ	اور زمین سب قیامت کے دن اس کی مُٹھی میں ہوگی اور
وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ ؕ سُبْحٰنَهٗ	آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے وہ
وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٧﴾	پاک ہے اور اس سے بلند ہے جو وہ شرک کرتے ہیں۔
وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي	اور صور پھونکا جائے گا، پس جو کوئی آسمانوں
السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ	اور زمین میں ہیں بیہوش ہو جائیں گے سوائے اس
شَآءَ اللّٰهُ ؕ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى	کے جو اللہ چاہے پھر وہ دوسری بار پھونکا جائے گا۔
فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ﴿٦٨﴾	تب وہ دیکھتے ہوئے کھڑے ہوں گے ۱۔
وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا	اور زمین اپنے رب کے نور کے ساتھ چمک اٹھے گی،
وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ	اور کتاب رکھ دی جائے گی اور نبی اور شہید بلائے جائیں
وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ	گے اور ان کے درمیان انصاف سے فیصلہ کیا جائے
وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٦٩﴾	گا اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا ۲۔
وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ	اور ہر نفس کو جو اس نے کیا ہے پورا دیا جائے گا اور وہ
ع وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧٠﴾	خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔
وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ؕ	اور جو کافر ہیں وہ دوزخ کی طرف گروہ گروہ بنا کر لے جائے

کسی کام نہیں آسکتا اور ہو سکتا ہے کہ خطاب پہلے حصّہ آیت میں خاص ہو اور دوسرے میں عام یا دونوں حصّوں میں عام ہو۔

نمبر ۱۔ یہاں دو نفخوں کا ذکر ہے۔ پہلا نفخہ وہ ہے جس سے صفحہ زمین لپیٹ لیا جائے گا۔ دوسرا نفخہ وہ ہے جس سے حساب کتاب کے لیے سب انسانوں کو اُٹھا کھڑا کیا جائے گا۔ گویا ایک تباہی کی ساعت ہے اور دوسری زندہ ہونے کی قیامت۔

نمبر ۲۔ ارض سے مراد زمینِ محشر ہے یوم تبدل الارض غیر الارض (ابراہیم ۱۴۔ ۴۸) اور اس زمین کا تباہ ہو جانا اوپر سے ظاہر ہے اور نورِ رب سے اس کے چمک اُٹھنے میں ایک یہ اشارہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ نتائج جو آنکھوں سے مخفی تھے ظہور پذیر ہو جائیں گے اور الکتٰب سے مراد یہاں حساب ہے جیسا کہ سدی سے مروی ہے اور بعض نے صحائف اعمال مراد لیے ہیں اور نبیوں اور شہیدوں کا بلایا جانا اس لحاظ سے بھی ہے کہ وہ سابق ہیں اور اس لحاظ سے بھی کہ وہ اپنی امتوں پر گواہ ہیں اور شہداء سے مراد یہاں اُمتِ محمدیہ کو بھی لیا گیا ہے اور یہ بہت موزوں ہے اس لیے کہ نبی بھی شہدا میں داخل ہیں۔ مگر اس اُمت کا ذکر کرتے ہوئے خصوصیت سے فرمایا۔ لتکونوا شھداء علی الناس (البقرۃ ۲۔ ۱۴۳) اور دوسری امتوں کے صلحا بھی اس میں داخل ہیں۔

حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَ
قَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَاۤ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ
مِّنْكُمْ يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ
وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ
قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ
الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝۷۱

جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے
اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور اس کے چوکیدار ان
سے کہیں گے کیا تم میں سے تمہارے پاس رسول نہ آئے تھے جو تم پر تمہارے
رب کی آیتیں پڑھتے تھے اور تمھیں تمھاری اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے
کہیں گے ہاں ، لیکن کافروں پر عذاب کا
وعدہ ثابت ہوا۔

قِيْلَ ادْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَا ۚ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝۷۲

کہا جائے گا دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ اسی
میں رہو ، سو متکبروں کا ٹھکانا کیا برا ہے۔

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ
زُمَرًا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ
اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ
عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝۷۳

اور جنھوں نے اپنے رب کا تقوی کیا وہ بہشت کی طرف گروہ گروہ کرکے
چلائے جائیں گے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آئینگے اور اس کے دروازے
کھول دیئے جائیں گے اور اس کے چوکیدار انھیں کہیں گے تم پر سلام ہو،
تم پاک ہو سو اس میں ہمیشہ رہنے کے لیے داخل ہو جاؤ۔

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا
وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ
الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ ۚ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝۷۴

اور وہ کہیں گے سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے اپنا
وعدہ ہم سے سچا کیا اور ہمیں زمین کا وارث بنایا ہم جنت میں جہاں
چاہیں رہیں سو عمل کرنے والوں کا اجر کیا ہی اچھا ہے ۲

وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّيْنَ مِنْ حَوْلِ
الْعَرْشِ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۚ
وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيْلَ الْحَمْدُ
لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۷۵ ع

اور تو فرشتوں کو دیکھے گا عرش کے اردگرد حلقہ باندھے ہوئے
اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہونگے اور ان کے
درمیان انصاف سے فیصلہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا
سب تعریف اللہ کے لیے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔

نمبر۱۔ جماعت جماعت کرکے لے جانے میں یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ الگ الگ مراتب کے لوگ علیحدہ علیحدہ گروہ ہوں گے۔ جیسا اہل جنت کی صفت میں حدیث میں ہے کہ پہلا گروہ جو میری امت میں سے جنت میں جائے گا بدر کی صورت پر ہوگا یعنی کاملین کا گروہ ہوگا۔ اسی طرح دوسرے گروہوں کا ذکر ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عذاب اتمام حجت کے بعد ہے۔

نمبر۲۔ زمین کا وارث بنانے میں صاف اشارہ فتوحات ملکی کی طرف ہے اور اس طرف کہ جس زمین پر کفار اس وقت متصرف تھے وہ مومنوں کو دی جائے گی۔

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ (۴۰)

ایاتہا ۸۵ — رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ﴿۱﴾
(اللہ تعالیٰ) بے انتہا رحم والا ہے ۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۲﴾
یہ کتاب اللہ غالب علم والے کی طرف سے اُتری ہے ۔

غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ
گناہ بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا سخت سزا دینے والا

الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
بڑے فضل والا کی طرف سے، اس کے سوائے کوئی معبود

اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾
نہیں اسی کی طرف انجام کار جانا ہے ۔

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ
اللہ کی آیتوں کے بارے میں جھگڑا نہیں کرتے مگر وہی جو کافر

كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ ﴿۴﴾
ہیں سو ان کا شہروں میں تصرف تجھے دھوکا نہ دے ۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّ الْاَحْزَابُ
ان سے پہلے نوحؑ کی قوم نے جھٹلایا اور ان کے بعد (اور)

مِنْۢ بَعْدِهِمْ وَ هَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍ
گروہوں نے اور ہر قوم نے اپنے رسول کے متعلق ارادہ کیا

نمبرا۔ اس سورت کا نام المؤمن ہے اور اس میں نو رکوع اور پچاسی آیتیں ہیں سورت کا نام اس رجل مومن کے ذکر سے لیا گیا ہے جو فرعون کے سامنے حمایت حق کے لیے کھڑا ہو گیا اور اس سورت کا اصل مضمون بھی یہی ہے کہ رسول تو رسول مومنوں کو بھی جب وہ حمایت حق میں کھڑے ہو جائیں اللہ تعالیٰ اس دنیا میں نصرت دیتا ہے اور مخالفت حق کتنی بھی زبردست ہو یہ اللہ تعالیٰ کا قانون مستمرہ ہے کہ اس کا انجام ناکامی ہوتی ہے۔

اس سورت سے لیکر چھیالیسویں سورت تک یعنی سات سورتوں کا یہ ایک مجموعہ ہے جو حٰمٓ سے شروع ہوتا ہے اور اس لیے یہ آل حٰمٓ کہلاتی ہیں۔ ان ساتوں سورتوں کا مضمون باہم ملتا جلتا ہے جس طرح پچھلے مجموعۂ سور کا مضمون حق کی کامیابی ہے اس مجموعہ کا مضمون بھی یہی ہے ہاں یہاں زیادہ زور اعدا کی ناکامی پر دیا ہے۔ ان میں انبیاء کی تاریخ کا بہت کم ذکر ہے اور جیسا کہ حٰمٓ میں اشارہ ہے ان سب سورتوں میں یہ بتایا کہ دشمن باوجود اپنی طاقت اور دولت اور دنیوی سامانوں کے غالب نہیں آسکتے اور اہل حق کی نصرت یقینی ہے۔ زمانہ نزول ان کا مکی زمانہ کا درمیانی حصہ معلوم ہوتا ہے۔

نمبر۲۔ حٰمٓ بعض کے نزدیک اس کے معنی ہیں قضی ما ھو کائن یعنی جو کچھ ہونے والا تھا اس کا فیصلہ ہو چکا اور ابن عباسؓ سے تفسیر میں تین قول آئے ہیں ایک یہ کہ یہ اللہ کا اسم اعظم ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ قسم ہے۔ تیسرا یہ کہ یہ الرحمٰن کے حروف ہیں اور یہ سات سورتیں جن کی ابتدا میں حٰمٓ آتا ہے آل حٰمٓ یا ذوات حٰمٓ کہلاتی ہیں اور ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ آل حٰمٓ قرآن کا دیباچہ ہیں۔

نمبر۳۔ یہاں چار صفات بیان فرمائی ہیں جن میں سے تین فضل و رحم کی صفات ہیں اور صرف ایک میں سزا کا ذکر ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی صفات میں رحم کو کس قدر غالب کیا ہے۔ پھر ان تین صفات رحم میں سے دو گناہوں کی معافی سے تعلق رکھتی ہیں اور غافر الذنب کے ساتھ قابل التوب لاکر صاف بتا دیا ہے کہ پہلے سے مراد بغیر توبہ کے گناہوں کا بخشنے والا ہے اور دوسرے سے مراد توبہ پر بخشنے والا اور شدید العقاب کو قابل التوب کے بعد اس لیے لایا گیا ہے کہ جو بدی پر اصرار کرتا ہے اس کے لیے اس کی سزا بھی سخت ہے۔

بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۵

کہ اسے پکڑلیں اور جھوٹ کولیکر جھگڑتے رہے تاکہ اس کے ساتھ سچائی کو زائل کردیں۔ تو میں نے انھیں پکڑا، سو میری سزا کیسی تھی۔

وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ۝۶

اور اسی طرح تیرے رب کی بات ان لوگوں پر جو کافر ہیں پوری ہوئی کہ وہ دوزخی ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝۷

وہ جو عرش کو اٹھاتے ہیں اور جو کوئی اس کے اردگرد ہیں اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان لاتے ہیں ۱ اور ان کے لیے جو ایمان لائے حفاظت مانگتے ہیں ہمارے رب تیری رحمت اور علم ہر چیز پر پھیلا ہوا ہے سو انھیں بخش جو توبہ کرتے ہیں اور تیرے رستے پر چلتے ہیں اور انھیں دوزخ کے عذاب سے بچا ۲

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۸

اے ہمارے رب اور انھیں ہمیشگی کے باغوں میں داخل کر جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور ان کے باپ دادوں اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو نیک ہوں۔ تو غالب حکمت والا ہے۔

وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ

اور انھیں برائیوں سے بچا اور جسے تو آج برائیوں سے بچالے تو تو نے اس پر رحم کیا اور یہ عظیم الشان

نمبر۱۔ الّذین یحملون العرش اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ اسے یا اس کے عرش کو کوئی اور اٹھائے ہوئے ہو۔ وہ قیوم ہے اور ساری مخلوقات اس سے قائم ہے وہ کسی سے قائم نہیں اور حمل عرش کا وہ مفہوم نہیں ہو سکتا جو کسی چیز کے اٹھانے کا مفہوم ہوتا ہے نہ فرشتوں کا اٹھانا اس طرح پر ہے جیسے انسان اپنے کندھوں پر ایک بوجھ اٹھا لیتا ہے (دیکھو نوٹ البقرہ ۲۵۵) جس طرح کرسی علم کے لیے ہے عرش قدرت کے لیے ہے اس کے حامل وہ ملائکہ ہیں جو قدرت کا نفاذ کرتے ہیں اور فرشتے بھی مومنوں کی حفاظت اور ان کی ترقی درجات کے لیے دعائیں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے بھی بالخصوص انبیاء جو انسان کے لیے خدا تعالیٰ کا پیغام لاتے ہیں۔

نمبر۲۔ رحمت اور علم کو جمع کر کے بتایا کہ جس طرح ہر چیز پر علم حاوی ہے ہر چیز کا احاطہ رحمت نے بھی کیا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس وسیع رحم کی طرف سوائے قرآن کے اور کسی کتاب نے توجہ نہیں دلائی۔

الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٩﴾
کامیابی ہے ۱ـ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِن مَّقْتِكُمْ أَنفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ﴿١٠﴾
جو کافر ہیں انھیں پکارا جائے گا کہ اللہ کی بیزاری تمھاری اپنی جانوں کی بیزاری سے کہیں بڑھ کر ہے۔ جب تمھیں ایمان کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے ۲ـ

قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَىٰ خُرُوجٍ مِّن سَبِيلٍ ﴿١١﴾
کہیں گے ہائے ہمارے رب تو نے ہم پر دو موتیں وارد کیں اور دو دفعہ ہمیں زندہ کیا۔ سو ہم اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں تو کیا نکلنے کے لیے کوئی رستہ ہے ۳ـ

ذَٰلِكُم بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ ۖ وَإِن يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا ۚ فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ﴿١٢﴾
یہ اس لیے کہ جب اکیلے اللہ کو پکارا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ شرک کیا جاتا تو تم مان لیتے تھے پس اللہ کے لیے ہے (جو بلند) اور (بڑا ہے)

هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُم مِّنَ السَّمَاءِ رِزْقًا ۚ وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَن يُنِيبُ ﴿١٣﴾
وہی ہے جو تمھیں اپنے نشان دکھاتا ہے اور تمھارے لیے آسمان سے رزق اتارتا ہے اور فائدہ وہی اٹھاتا ہے جو (اللہ کی طرف) رجوع کرتا ہے۔

فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿١٤﴾
تو اللہ کو اسی کی خالص فرمانبرداری کرتے ہوئے پکارو، اگرچہ کافر ناپسند کریں۔

نمبر۱۔ برائیوں سے بچانے کے لیے دعا غفر کے بعد ہے پس یہاں غفر سے مراد اُن گناہوں کی بخشش ہے جو توجہ سے یا ایمان لانے سے پیشتر وہ کر چکے ہیں اور برائیوں سے بچانے کا مطلب یہ ہے کہ ان سے آئندہ بدیاں سرزد نہ ہوں مفسرین نے سیئات سے مراد عقوبات لی ہیں مگر عقوبات سے بچنا خود غفر کا نتیجہ ہے۔

نمبر۲۔ یعنی اب جو بدی کے نتائج ظاہر ہوئے تم کو اپنی جانوں سے بیزاری ہے اس سے کہیں بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی تم سے بیزاری تھی جب دنیا میں تمھیں ایمان کی طرف یعنی نیک باتوں کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے ایک بدکار انسان بھی جب اپنی بدی کے نتائج کو دیکھتا ہے تو اپنی جان سے بیزاری کا اظہار کرتا ہے اور بسا اوقات یہ اس دنیا میں بھی نظر آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی جو قدوسیت کا سرچشمہ ہے بدی سے بیزاری کس قدر ہونی چاہیئے۔

نمبر۳۔ دوسری جگہ فرمایا کنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم میں پہلی موت وہ نیستی کی حالت ہے جس سے انسان کو پیدا کیا گیا اور دوسری موت وہ ہے جو اس دنیوی زندگی کے بعد آتی ہے اور دوسری جگہ اسی دوسری موت کو موت اولیٰ کہا ہے ان ھی الا موتتنا الاولی (الدخان۔ ۳۵) اس لیے کہ اس سے اس پہلی یا دنیوی زندگی کا انقطاع ہوتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دو موتوں کے وارد کرنے سے مراد ایک موت جہالت و کفر ہو اور ایک موت جس سے انقطاع حیات ہوتا ہے اور دو زندگیوں سے مراد ایک حیات دنیوی اور دوسری حیات اخروی ہے۔

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾

درجوں کا بلند کرنے والا صاحب عرش ہے - وہ روح کو اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے ڈالتا ہے تاکہ ملاقات کے دن سے ڈرائے ۱؎

يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ۚ لَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾

جس دن وہ نکل کھڑے ہوں گے ، اُن کی کوئی چیز اللہ پر مخفی نہیں ، آج بادشاہت کس کے لیے ہے - اللہ اکیلے سب پر غالب کے لیے ۲؎

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ ۭ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾

آج ہر جان کو وہی بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا آج کوئی ظلم نہیں ، اللہ جلد حساب لینے والا ہے -

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ۚ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾

اور انھیں قریب آنے والے دن سے ڈرا جب دل غم سے بھرے ہوئے گلوں تک آ رہے ہوں گے - ظالموں کا کوئی ولی دوست نہیں اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات مانی جائے -

نمبر۱- رفیع الدرجات سے مراد لوگوں کے درجات بلند کرنے والا ہے - جیسے فرمایا رفعنا بعضھم فوق بعض درجات یا نرفع درجات من نشاء -

یوم التلاق سے مراد قیامت کا دن ہے اور اسے اس نام سے اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ وہ پہلوں اور پچھلوں کے اکٹھا ہو جانے یعنی ایک دوسرے کو ملنے اور اہل سماء اور اہل ارض کی ملاقات کا اور ہر شخص کی اپنے عمل سے ملاقات کا دن ہے اور لقاء اللہ یا ملاقاۃ اللہ سے مراد بھی قیامت ہے -

روح سے مراد یہاں وحی ہے جیسا کہ قتادہ سے مروی ہے اور یہ ظاہر بھی ہے کیونکہ یہ روح سب بندوں پر نہیں خاص بندوں پر نازل ہوتی ہے اور القائے روح کی غرض یہاں امر الٰہی کی تبلیغ بیان فرمائی ہے یعنی تاکہ ایسا انسان لوگوں کو ڈرائے کہ آخر انھیں اپنے اعمال کے نتائج دیکھنے پڑیں گے اور اس آیت کے نیچے روح المعانی میں حدیث مجدد کا ذکر کیا ہے فان الالقاء لم یزل من لدن آدم علیہ السلام الی انتھاء زمان نبینا صلعم وھو فی حکم المتصل الی قیام الساعۃ باقامۃ من یقوم بالدعوۃ علی ما روی ابوداؤد عن ابی ھریرۃ عن النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام انہ قال ان اللہ یبعث لھذہ الامۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ من یجدد لھا دینھا ای باحیاء ما اندرس من العمل بالکتاب والسنۃ - یعنی یہ القائے وحی آدم علیہ السلام سے لیکر ہمارے نبی صلعم کے زمانہ تک رہا اور قیامت تک کے لیے حکم اتصال رکھتا ہے اس شخص کے کھڑا ہونے سے جو دعوت اسلام کے کام کو لیکر کھڑا ہو جیسا کہ ابوداؤد نے ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر سو سال کے سر پر ایک ایسے شخص کو اُٹھاتا رہے گا جو اس کے لیے اس کے دین کی تجدید کرتا رہے یعنی عمل بالکتاب والسنۃ سے جو کچھ مٹتا رہا ہے اسے زندہ کرتا ہے اور حدیث مجدد کو صرف ابوداؤد نے بیان کی ہے لیکن حفاظ کا اس کی صحت پر اتفاق ہے اور امت کے تعامل نے اس کی صداقت پر مُہر لگا دی ہے کیونکہ بڑے بڑے راستبازوں کے مجددیت کے دعوے موجود ہیں -

نمبر۲- مطلب یہ ہے کہ ان کی چھپی ہوئی حالت ظاہر ہو جائے گی - یعنی نتائج اعمال جو مخفی تھے وہ ظاہر ہو جائیں گے اور لا یخفی علی اللہ منھم شیء میں بتایا کہ اللہ پر وہ نتائج اس وقت بھی مخفی نہ تھے یہ ظاہر ہونا صرف انسان کے اپنے لیے ہے اور للہ الواحد القھار گویا ان لوگوں کا جواب ہے جو یہاں اللہ تعالیٰ کی

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي
الصُّدُوْرُ ⑲

وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور اُسے جو سینے
چُھپاتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَقْضِيْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَيْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
ع هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑳

اور اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور وہ جنھیں یہ
اس کے سوائے پکارتے ہیں، کسی چیز کا فیصلہ نہیں کرتے
اللہ ہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا
مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ
قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِي الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ
اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ
مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ㉑

اور کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں۔ پس دیکھیے ان
کا انجام کیا ہُوا جو اُن سے پہلے تھے، وہ قوت
میں اور زمین میں نشانات (بنانے) میں ان سے
بڑھ کر تھے، سو اللہ نے انھیں ان کے گناہوں کی
وجہ سے پکڑا اور کوئی انھیں اللہ تعالیٰ (کی سزا) سے
بچانے والا نہ تھا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ
اِنَّهٗ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ㉒

یہ اس لیے ہُوا کہ اُن کے رسول اُن کے پاس کھُلی
دلائل لے کر آتے تھے، پر انھوں نے انکار کیا سو اللہ تعالیٰ
نے انھیں پکڑا وہ طاقتور سزا دینے میں سخت ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا
وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ ㉓

اور ہم نے موسیٰؑ کو اپنی آیتوں اور کھُلی سند کے
ساتھ بھیجا۔

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ
فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ㉔

فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف۔ تو انھوں
نے کہا جادوگر جھوٹا ہے [1]

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا

سو جب وہ ہماری طرف سے حق لے کر ان کے پاس

وحدانیت اور اس کے فوق ہونے کا اقرار نہ کرتے تھے یعنی اس دن وہ بھی تسلیم کر لیں گے یوں تو ہمیشہ ہی بادشاہت اللہ کی ہے۔

نمبر ا۔ مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کے متکبروں کے لیے حضرت موسیٰ کا پیغام تھا۔ فرعون و ہامان کو اپنی بادشاہت اور طاقت پر بھروسہ تھا قارون کو دولت پر فخر تھا طاقت یا دولت کا نشہ جہاں ہو وہاں حق کی کون پرواکرتا ہے اور یہ رسول اللہ صلعم کے لیے تسلی ہے اور فرعون اور ہامان کے ساتھ قارون کو جمع کیا ہے جو بنی اسرائیل میں سے تھا اور جیسا کہ دوسری جگہ دکھایا گیا ہے قارون کا واقعہ بھی غالباً زمانہ مصر کا ہی ہے۔

قَالُوا اقْتُلُوٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ۲۵

آیا انھوں نے کہا ان لوگوں کے بیٹوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے ہیں قتل کرو اور ان کی عورتوں کو زندہ چھوڑ دو، اور کافروں کی تدبیر رائیگاں ہی جاتی ہے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۲۶

اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو، میں موسیٰ کو قتل کردوں اور چاہیئے کہ وہ اپنے رب کو بلائے میں ڈرتا ہوں کہ وہ تمھارے دین کو بدل دے یا یہ کہ وہ زمین میں فساد ظاہر کرے۔

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ۲۷ ع

اور موسیٰؑ نے کہا میں اپنے رب اور تمھارے رب کی پناہ چاہتا ہوں، ہر اس متکبر سے جو حساب کے دن پر ایمان نہیں لاتا۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ۲۸

اور فرعون کے لوگوں میں سے ایک مومن مرد نے جو اپنا ایمان چھپاتا تھا کہا، کیا تم ایسے شخص کو قتل کرتے ہو، جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے اور وہ تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے کھلے نشان لایا ہے اور اگر وہ جھوٹا ہے تو اس کا جھوٹ اسی پر ہے اور اگر وہ سچا ہے تو بعض وہ باتیں تمھیں پہنچ رہیں گی جن کا وہ وعدہ دیتا ہے اللہ اسے ہدایت نہیں کرتا جو حد سے گزرنے والا جھوٹا ہے ۱۔

نمبر۱- ظاہر یہی ہے کہ یہ مرد مومن فرعون کے لوگوں میں سے تھا بعض نے بوجہ مومن پر وقف کے اسے اسرائیلی کہا ہے ایمان چھپانے سے مراد فرعون سے اس بات کو مخفی رکھنا ہے فعلیہ کذبہ سے مراد ہے کہ وہ بوجہ اپنے افترا کے خود ہلاک ہوجائے گا یا اس کا جھوٹ خود ظاہر ہو جائے گا اور سچا ہونے کی صورت میں بعض ان تکالیف کے پہنچنے سے جن کا وہ وعدہ کرتا ہے بعض نے مراد عذاب دنیا لیا ہے اور بعض نے مراد کل بھی لیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس میں اشارہ ہو کہ بعض وقت عذاب رجوع سے ٹل بھی جاتا ہے اور رجل مومن کا قصہ بتاتا ہے کہ حضرت موسیٰ کی صداقت کے بہت سے دلائل فرعون کے سامنے آتے رہے ہیں اور صرف عصا کا سانپ بننا ہی سب بینات نہ تھیں جو حضرت موسیٰ لیکر گئے تھے۔ موسیٰ اور فرعون کا قصہ فی الحقیقت حق اور اس کی مخالفت کا قصہ ہے۔ ایک طرف حق اپنی غایت درجہ کی بیکسی میں ہے کہ اس کی پیٹھ پر کوئی طاقت نہیں کوئی دولت نہیں۔ دوسری طرف طاقت ظاہری اور حکومت اور دولت ہے اور اس مقابلہ میں آخر کار حق کا غالب آنا اور طاقت کا مغلوب ہونا اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کے کلام کی صداقت کا سب سے بڑا گواہ ہے آنحضرت صلعم کے وقت بھی یہی مقابلہ تھا۔ اور آج پھر دنیا میں یہی مقابلہ ہے باطل اپنی تمام تر طاقت اور دولت اور حکومت کے ساتھ صف آرا ہے اور اس کے مقابلہ میں حق بیکسی اور بے سروسامانی کی حالت میں نظر آتا ہے اس مقابلہ میں خود مخالفت حق کرنے والی قوم میں بھی کچھ دل بول اٹھتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں زیادتی ہے۔ یہی رجل مومن کے ذکر میں بتانا مقصود ہے

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۝۲۹

اے میری قوم آج تمھاری بادشاہی ہے زمین میں تم غالب ہو مگر اللہ کی سزا سے بچانے کے لیے کون ہماری مدد کرے گا اگر وہ ہم پر آجائے۔ فرعون نے کہا میں تمھیں وہی دکھاتا ہوں جو میں صحیح سمجھتا ہوں اور میں تمھیں بھلائی کی راہ پر ہی چلاتا ہوں۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ ۝۳۰

اور جو ایمان لایا تھا اس نے کہا اے میری قوم میں تم پر (اور) گروہوں کی طرح (مصیبت کا) دن آنے سے ڈرتا ہوں۔

مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ۝۳۱

قوم نوح کے حال کی طرح اور عاد اور ثمود کے اور ان کے جو اُن کے بعد آئے اور اللہ تعالیٰ بندوں کے لیے ظلم نہیں چاہتا۔

وَيٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ۝۳۲ يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝۳۳

اور اے میری قوم میں تم پر ایک دوسرے کو پکارنے کا دن آنے سے ڈرتا ہوں[1] جس دن تم پیٹھ پھیرتے ہوئے بھاگ جاؤ گے۔ تمھیں اللہ تعالیٰ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ ٹھیرائے تو کوئی اسے ہدایت دینے والا نہیں ہوسکتا۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ۭ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ۭ

اور پہلے تمھارے پاس یوسف علیہ السلام کھلی دلیلیں لے کر آیا، مگر تم اس کے بارے میں جو وہ تمھارے پاس لایا شک ہی میں رہے، یہاں تک کہ جب وہ فوت ہوگیا، تو تم نے کہا اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجے گا اسی طرح اللہ تعالیٰ اسے

اور اسی کی طرف یہ رجل مومن توجہ دلاتا ہے کہ اگر وہ باطل ہے جو حضرت موسٰیؑ لائے ہیں تو باطل سرسبز نہیں ہوسکتا اور اگر حق ہے تو کوئی طاقت اسے مغلوب نہیں کرسکتی۔

نمبرا:- یوم التناد۔ یوم التنادی سے زجاج کے نزدیک مراد یہ ہے کہ دوزخ والے اہل جنت کو پکاریں گے کہ ہم پر پانی بہاؤ اور تنادوا کے معنی یہ بھی ہیں کہ ایک دوسرے کو پکارا اور یہ بھی کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ مجلس میں بیٹھے اور ایک دوسرے کو پکارنا مدد کے لیے ہوتا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ مجلس میں بیٹھنا مشورہ کے لیے پس یوم التناد سے مراد بھی وہی عذاب یا مصیبت کا دن ہے جب مدد کے لیے ایک دوسرے کو پکارنے کی ضرورت ہو اور آگے صاف آتا ہے یوم تولون مدبرین پیٹھ پھیر کر بھاگنے کا دن بھی وہی ہے۔

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۳۴	گمراہی میں چھوڑتا ہے جو حد سے گزرنے والا شک کرنے والا ہے ۱
الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ	جو اللہ کی آیتوں کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر کسی دلیل کے
سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۭ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ	جو اُن کے پاس آئی ہو (یہ) اللہ کے نزدیک اور اس کے نزدیک
وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ	جو ایمان لائے بڑی بیزاری (کی بات) ہے۔ اسی طرح اللہ
اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ۳۵	ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگاتا ہے۔
وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ	اور فرعون نے کہا اے ہامان میرے لیے ایک بلند محل بنا،
صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۳۶	تاکہ میں رستوں تک پہنچوں ۲
اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ	(یعنی) آسمانوں (پر پہنچنے) کے رستے پھر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں
مُوْسٰى وَاِنِّىْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ۭ وَكَذٰلِكَ	اور میں اسے جھوٹا ہی سمجھتا ہوں اور اسی طرح فرعون
زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْۗءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ	کو اس کا بُرا کام اچھا معلوم ہوا اور وہ رستے سے رُک گیا۔
عَنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ	اور فرعون کی تدبیر ہی ہلاک ہونے والی
اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ۳۷ ع	تھی۔
وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ	اور جو ایمان لایا تھا اس نے کہا اے میری قوم
اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۳۸	میری پیروی کرو تاکہ میں تمھیں بھلائی کا رستہ دکھاؤں۔
يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ	اے میری قوم یہ دنیا کی زندگی صرف (چند روزہ)
وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِىَ دَارُ الْقَرَارِ ۳۹	سامان ہے اور آخرت ہی ٹھیرنے کا گھر ہے۔

نمبر ۱۔ اشارہ حضرت یوسفؑ کی نبوت کی طرف ہے اور یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مصر حضرت یوسفؑ پر ایمان نہیں لائے بلکہ آپ کے متعلق شک ہی میں ہی رہے یہاں تک کہ جب حضرت یوسفؑ فوت ہو گئے تو وہ تکذیب پر پختہ ہو گئے اور لن یبعث اللہ من بعدہ رسولاً میں حضرت یوسفؑ کی رسالت کی بھی تکذیب ہے اور دوسرے کسی رسول کی رسالت کی بھی یعنی رسول کوئی ہو ہی نہیں سکتا جسے اللہ تعالیٰ بھیجے۔ بعض لوگوں نے ان الفاظ سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ فرعون اس بات کا قائل تھا کہ حضرت یوسفؑ پر نبوت ختم ہو گئی ہے یہ قرآن کریم کے ساتھ ہنسی کرنا ہے نعوذ باللہ من ذٰلک وہ فرعون جو اللہ تعالیٰ کا بھی قائل نہیں وما رب العالمین (الشعراء ۲۳) اور جو اپنی خدائی منواتا ہے۔ ما علمت لکم من الٰہ غیری (القصص ۳۸) اسے توحید کا قائل اور وحی الٰہی کا معتقد مگر ختم نبوت کا قائل قرار دینا بگڑے ہوئے دماغ کا کام ہے آنحضرت صلعم پر ختم نبوت کے انکار نے کہاں تک اس قوم کو پہنچا دیا ہے۔

نمبر ۲۔ ایسا ہی بیان (القصص ۳۸) میں گزر چکا ہے یہاں اسباب السموات کے لفظ بڑھائے ہیں اور مراد وہ ذرائع ہیں جن سے آسمان تک پہنچا جائے یا رستے مراد ہو سکتے ہیں۔

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۴۰﴾

جو بُرائی کرتا ہے اسے اس کی مثل ہی بدلہ دیا جاتا ہے اور جو نیکی کرتا ہے مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو، تو وہی بہشت میں داخل ہوں گے اس میں بے حساب رزق دیئے جائیں گے۔

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ ﴿۴۱﴾

اور اے میری قوم مجھے کیا ہوا ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلاتے ہو۔

تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ۫ وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿۴۲﴾

تم مجھے بلاتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا انکار کروں اور اس کے ساتھ اسے شریک کروں جس کا مجھے علم نہیں اور میں تمہیں غالب بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں۔

لَا جَرَمَ اَنَّمَا تَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ لَيْسَ لَهٗ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ مَرَدَّنَآ اِلَى اللّٰهِ وَاَنَّ الْمُسْرِفِيْنَ هُمْ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۴۳﴾

سچ تو یہ ہے کہ جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو اس کے لیے کوئی دعوت نہ دنیا میں ہے اور نہ آخرت میں اور کہ ہمارا لوٹ کر جانا اللہ کی طرف ہے اور کہ حد سے گزرنے والے ہی آگ کے رہنے والے ہیں ۱؎

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَآ اَقُوْلُ لَكُمْ ۭ وَاُفَوِّضُ اَمْرِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۴۴﴾

سو تم یاد کرو گے جو میں تمہیں کہتا ہوں، اور میں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں اللہ تعالیٰ بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔

فَوَقٰىهُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِ مَا مَكَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْۗءُ الْعَذَابِ ﴿۴۵﴾

سو اللہ تعالیٰ نے اسے ان کی تدبیروں کی شر سے بچا لیا اور فرعون کے لوگوں کو بُرے عذاب نے آلیا۔

اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۣ اَدْخِلُوْٓا

آگ ہے جس پر وہ صبح اور شام پیش کیے جاتے ہیں، اور جس دن آخری گھڑی آجائے گی (کہا جائے گا) فرعون

نمبر۱- لیس لہ دعوۃ کیونکہ وہ نہ بولتے ہیں نہ سمجھتے ہیں یعنی نہ نفع دیتے ہیں نہ نقصان دیتے ہیں اور یا یہ مطلب ہے کہ سچے معبود کو تو چاہیئے کہ وہ اپنے معزز بندوں یعنی نبیوں کو اپنی طرف بلائے اور انہیں اپنی عبادت کا حکم دے پھر ان کے ذریعے سے دوسرے لوگوں کو بلائے مگر معبودانِ باطل ایسا نہیں کرتے۔

اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿٤٦﴾	کے لوگوں کو سخت تر عذاب میں داخل کرو۔ ۱
وَ اِذْ یَتَحَآجُّوْنَ فِی النَّارِ فَیَقُوْلُ الضُّعَفٰٓؤُا	اور جب آگ کے اندر جھگڑتے ہوں گے کمزور تکبر کرنے
لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ	والوں سے، کہیں گے ہم تمھارے تابع تھے تو کیا تم ہم
اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا نَصِیْبًا مِّنَ النَّارِ ﴿٤٧﴾	سے آگ کا کچھ حصّہ ہٹا سکتے ہو۔
قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُلٌّ فِیْهَآ ۙ	جو بڑے بنے ہوئے تھے کہیں گے ہم سب اس کے اندر ہیں
اِنَّ اللّٰهَ قَدْ حَكَمَ بَیْنَ الْعِبَادِ ﴿٤٨﴾	اللہ نے بندوں کے درمیان فیصلہ کر دیا ہے۔
وَ قَالَ الَّذِیْنَ فِی النَّارِ لِخَزَنَةِ	اور وہ جو آگ میں ہوں گے دوزخ کے نگہبانوں سے
جَهَنَّمَ ادْعُوْا رَبَّكُمْ یُخَفِّفْ عَنَّا یَوْمًا	کہیں گے اپنے رب کو پکارو (کہ) وہ ایک دن ہم پر سے کچھ
مِّنَ الْعَذَابِ ﴿٤٩﴾	عذاب ہلکا کر دے۔
قَالُوْٓا اَوَ لَمْ تَكُ تَاْتِیْكُمْ رُسُلُكُمْ	کہیں گے اور کیا تمھارے پاس تمھارے رسول دلائل کے ساتھ
بِالْبَیِّنٰتِ ؕ قَالُوْا بَلٰی ؕ قَالُوْا فَادْعُوْا ۚ وَ مَا	نہیں آئے تھے؟ کہیں گے ہاں، کہیں گے پھر تم پکارو اور
دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ ﴿٥٠﴾ ع	کافروں کی دعا بھی رائیگاں جائے گی ۲۔
اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور ان کی جو ایمان لائے دنیا کی زندگی
فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿٥١﴾	میں مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے ۳۔

نمبر۱- اس سے معلوم ہوا کہ عالم برزخ میں بھی کسی نہ کسی رنگ میں عذاب کا (اور اس لیے ثواب کا بھی) احساس کرایا جاتا ہے۔ گو اس کا پورا ظہور قیامت کے دن ہی ہوگا۔ اس لیے ساتھ ہی فرمایا کہ قیامت کے دن سخت تر عذاب میں داخل کیے جائیں گے اور صحیحین میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب ایک شخص مرجاتا ہے تو اس کی جگہ دوزخ میں ہو یا بہشت میں صبح اور شام اس کے سامنے لائی جاتی ہے اور شرحبیل اور ابن مسعودؓ سے ایک روایت میں ہے کہ ان کی روحیں صبح و شام سیاہ پرندوں کے پیٹوں میں آگ پر لائی جاتی ہیں اور یہ پرندے صورتیں ہیں جو اُن کے اعمال کی صورتوں سے تیار ہوتی ہیں۔

نمبر۲- اس آیت کا مطلب تو صرف اس قدر ہے کہ جب عذاب آجائے پھر کافروں کی دعا بیکار ہے۔ روح المعانی میں ہے کہ آیت میں جس دعائے کفار کا ذکر ہے وہ قیامت کے دن کے متعلق ہے۔ رہا یہ امر کہ کفار کی دعا قبول ہوتی ہے یا نہیں یہ علیحدہ بحث ہے مگر ظاہر ہے کہ امن یجیب المضطر کے الفاظ عام ہیں اور اس سے بڑھ کر یہ کہ قرآن کریم میں صاف ذکر ہے کہ مشرک جب مصیبت میں ہوتے ہیں جیسے سمندر میں کشتی میں اور طوفان آتا ہے تو وہ خدا کو پکارتے ہیں تب اللہ تعالٰے انھیں نجات دیتا ہے اور وہ پھر شرک کرنے لگتے ہیں۔

نمبر۳- یہاں نہ صرف رسولوں کے لیے بلکہ مومنوں کے لیے بھی نصرت کا وعدہ دنیا اور آخرت میں دونوں جگہ ہے دنیا کی زندگی میں نصرت کے ملنے پر لوگوں نے اعتراض کیے ہیں مثلاً یہ کہ بعض رسول قتل کیے گئے یا مومن قتل ہو جاتے ہیں اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ان کے دشمنوں سے بعد میں انتقام لے لیا جاتا ہے۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ نصرت الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ جس حق کو رسول لائے ہیں یا جسے مومن پھیلانا چاہتے ہیں اس مقصد میں انھیں کامیابی ہو سو گو

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾

جس دن ظالموں کو ان کا عذر کچھ فائدہ نہ دے گا اور ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے بُرا گھر ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْهُدٰى وَاَوْرَثْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ ﴿۵۳﴾

اور ہم نے موسیٰؑ کو ہدایت دی اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔

هُدًى وَّذِكْرٰى لِاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۵۴﴾

(جو) ہدایت اور نصیحت عقل والوں کے لیے ہے۔

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۵۵﴾

سو صبر کر، کیونکہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ اور اپنے قصور کے لیے حفاظت مانگ اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ شام اور صبح تسبیح کر[۱]۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۵۶﴾

وہ لوگ جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر کسی سند کے جو اُن کے پاس آئی ہو، ان کے سینوں میں کچھ نہیں، مگر بڑائی (کی خواہش) ہے جسے وہ پہنچنے والے نہیں سو اللہ کی پناہ چاہ۔ وہی سننے والا دیکھنے والا ہے[۲]۔

لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ

آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے

اہل حق اپنا کام کر کے شہید ہو جائیں، مگر حق مغلوب نہیں ہوتا اور ضرور ہے کہ آخر کار حق کا غلبہ ہو۔ یہ وہ نصرت ہے جو رسولوں اور مومنوں کو ملتی ہے اور مومنوں سے مراد یہاں وہی مومن ہیں جو رسولوں کے جانشین ان کے کام میں ہوتے ہیں۔

نمبر۱۔ استغفار کے معنے گو کئی دفعہ بیان ہو چکے ہیں لیکن یہاں اس پر مزید روشنی ڈالنا ضروری معلوم ہوتا ہے گو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ یہاں خطاب خاص رسول اللہ صلعم کو نہیں ہے لیکن یہ فرض کر کے کہ رسول خدا کو ہی یہ خطاب ہے استغفار اور ذنب کے معنے سمجھ لینے ضروری ہیں۔ غفر کے اصل معنے زبان عربی میں محفوظ رکھنا ہیں۔ چنانچہ لسان العرب میں اس کے معنے تغطیہ اور ستر لکھے ہیں یعنی ڈھانک دینا اور استغفار اس سے باب استفعال ہے پس اس کے معنے ہوئے حفاظت مانگنا اور ذنب ہر ایک اُس فعل پر استعمال ہوتا ہے جس کا انجام ناگوار اور گراں ہو اور لسان العرب میں ہے کہ ذنب۔ اثم، جرم اور معصیت تینوں پر شامل ہے یعنی بڑے اور چھوٹے اور عمدا اور سہو پر۔ کیونکہ معصیت کا لفظ عام ہے عمداً یا سہواً۔ پس ذنب میں چھوٹے سے چھوٹا قصور بھی آجاتا ہے خواہ وہ سہواً ہو اور بڑے سے بڑا گناہ بھی جو جرم کی حد تک پہنچ گیا ہو۔ دوسری بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ ذنب یا گناہ سے استغفار یعنی طلب حفاظت دو طرح پر ہے جیساکہ قسطلانی شرح بخاری میں بھی ہے۔ ایک ان گناہوں کی سزا سے حفاظت جو انسان کر چکا ہے اور دوسرا خود گناہ کرنے سے حفاظت بلکہ زیادہ تر استغفار کا مفہوم یہی ہوتا ہے کہ انسان گناہوں سے بچنے کی دعا کرے اور انسان کے ذنوب وہ بھی ہیں جو وہ کر چکا اور وہ بھی جو اس سے سرزد ہو سکتے ہیں اور مومن کا استغفار ان دونوں معنوں پر شامل ہے لیکن انبیاء کا استغفار جن کی عصمت پر قرآن کریم کا لفظ لفظ شاہد ہے۔ ذنوب سے بچا یا جانے کی دعا ہے اور فی الحقیقت ان کی یہی دعا ہے جو انھیں ذنوب سے محفوظ رکھتی اور مقام عصمت پر قائم رکھتی ہے۔

نمبر۲۔ یہاں استعاذہ سے مراد مخالفین کی شرارتوں سے خدا کی پناہ میں آنا ہے جیساکہ پہلے یجادلون لا کر اور بعد میں سمیع اور بصیر لا کر بتا دیا۔

خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۷﴾

سے بڑا کام ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں
جانتے ۱؎۔

وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ
لَا الْمُسِيْٓءُ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾

اور اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں۔
اور نہ وہ جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں اور
بدی کرنے والے، بہت کم تم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۹﴾

یقیناً (موعود) گھڑی آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں
لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ۭ
اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ
سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۶۰﴾

اور تمہارا رب کہتا ہے مجھے پکارو میں تمہاری (دعا)
قبول کروں گا وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبّر کرتے ہیں،
ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا
فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ
فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس
میں آرام پاؤ اور دن کو روشن (بنایا)۔ اللہ تو لوگوں پر
فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں
کرتے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ ۘ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۡ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾
كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾

یہ اللہ تمہارا رب ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے،
اس کے سوائے کوئی معبود نہیں تو تم کس طرح اُلٹے پھر جاتے ہو۔
اسی طرح وہ لوگ اُلٹے پھر جاتے تھے جو اللہ کی آیتوں کا
انکار کرتے تھے۔

نمبر ۱۔ ظاہر مطلب یہ ہے کہ لوگ جو مخالفت حق کرتے ہیں اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں وہ خدا کے سامنے لاشے ہیں انسان کیا چیز ہے اس نے آسمان اور زمین پیدا کیے ہیں جن کے سامنے انسان کی کچھ حقیقت ہی نہیں اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓي اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ (یٰسٓ ۳۶-۸۱) مگر ابو العالیہ سے یہاں مروی ہے کہ الناس سے مراد دجال ہے اور چونکہ پیچھے الذین یجادلون کا ذکر ہے اور دجال سب سے بڑا حق سے جدال کرنے والا ہے اس لیے یہ معنی موزوں ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ دجال ایک آدمی کا نام نہیں بلکہ ایک گروہ کا نام ہے اور یہ لغت کی تشریح کے مطابق ہے چنانچہ ابن سیدہ کہتے ہیں کہ دجال کو دجال اس لیے کہا گیا ہے کہ وہ حق کو باطل کے ساتھ ڈھانک لے گا، بلکہ اس لیے کہ وہ اپنی جماعتوں کی کثرت کے ساتھ زمین کو ڈھانک لیگا اور ازہری نے کہا ہے کہ ہر کذاب دجال ہے اور دجال کے ایک معنے ہیں بڑا گروہ جو اپنی کثرت کی وجہ سے ساری زمین پر پھیل جائے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا
وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ
صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ ذٰلِكُمُ
اللّٰهُ رَبُّكُمْ ښ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۴﴾

اللہ تو وہ ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو ٹھیرنے کی جگہ بنایا
اور آسمان کو ایک عمارت بنایا اور تمھاری صورتیں بنائیں تو
خوب ہی تمھاری صورتیں بنائیں اور تمھیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا یہ اللہ
تمھارا رب ہے سو اللہ جہانوں کا رب بابرکت ہے۔

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ
مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۵﴾

وہ زندہ ہے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں سو خالص اسی کی
فرماں برداری کرتے ہوئے اُسے پکارو، سب تعریف اللہ
کے لیے ہے جو جہانوں کا رب ہے۔

قُلْ اِنِّىْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَمَّا جَاۗءَنِيَ
الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّيْ ۡ وَاُمِرْتُ اَنْ
اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۶﴾

کہہ، مجھے روکا گیا ہے کہ میں اُن کی عبادت کروں، جنھیں
تم اللہ کے سوائے پکارتے ہو، جب میرے پاس میرے
رب کی طرف سے کھلی دلائل آگئی ہیں اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ
میں جہانوں کے رب کی فرمانبرداری کروں۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ
مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ
يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ
ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ
يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْٓا اَجَلًا
مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

وہی ہے جس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر
لوتھڑے سے۔ پھر وہ تمھیں بچّہ بنا کر نکالتا ہے،
پھر تم اپنی جوانی کو پہنچتے ہو، پھر تم بوڑھے ہو
جاتے ہو اور تم میں سے کوئی وہ ہے، جسے
پہلے وفات دے دی جاتی ہے اور تم ایک مقرر میعاد کو
پہنچتے ہو اور تاکہ تم عقل سے کام لو۔

هُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۚ فَاِذَا قَضٰٓى
ع اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۶۸﴾

وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے پھر جب وہ ایک
بات کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اسے صرف یہی کہتا ہے کہ ہوجا تو وہ ہوجاتی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ
اللّٰهِ ۭ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ﴿۶۹﴾

کیا تو نے ان کی حالت پر غور نہیں کیا جو اللہ کی آیتوں کے بارے
میں جھگڑتے ہیں وہ کس طرح اُلٹے پھر جاتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَبِمَآ اَرْسَلْنَا

جو کتاب کو اور اسے جس کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا،

بِهٖ رُسُلَنَا ۛ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۰﴾	جھٹلاتے ہیں سو وہ جان لیں گے۔
اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْۤ اَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُ ۭ	جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں
يُسْحَبُوْنَ ﴿۷۱﴾	گھسیٹ کر،
فِي الْحَمِيْمِ ۙ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ﴿۷۲﴾	اُبلتے ہوئے پانی میں ڈالے جائیں گے پھر آگ میں جھونکے جائیں گے۔
ثُمَّ قِيْلَ لَهُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ	پھر انھیں کہا جائے گا کہ وہ کہاں ہیں، جو تم اللہ
تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۳﴾	کے سوائے،
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا بَلْ	شریک بناتے تھے، کہیں گے وہ ہم سے کھوئے گئے،
لَّمْ نَكُنْ نَّدْعُوْا مِنْ قَبْلُ شَيْـًٔا ۭ	بلکہ ہم پہلے کسی چیز کو بھی نہ پکارتے تھے، اسی طرح
كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۷۴﴾	اللہ کافروں کو ہلاک کرتا ہے۔
ذٰلِكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُوْنَ فِي الْاَرْضِ	یہ اس لیے ہے کہ تم زمین میں ناحق خوش ہوتے
بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُوْنَ ﴿۷۵﴾	تھے اور اس لیے کہ تم اتراتے تھے۔
اُدْخُلُوْۤا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ	دوزخ کے دروازوں میں داخل ہوجاؤ، اسی میں رہو گے
فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۷۶﴾	سو متکبروں کا ٹھکانا کیا ہی بُرا ہے۔
فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۚ فَاِمَّا	سو صبر کر کیونکہ اللہ کا وعدہ سچا ہے، سو اگر ہم
نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ	تجھے بعض وہ باتیں دکھائیں جن کا ہم ان سے وعدہ کرتے
نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴿۷۷﴾	ہیں یا تجھے وفات دیدیں تو ہماری طرف ہی وہ لوٹائے جائیں گے۔[1]
وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ	اور یقیناً ہم نے تجھ سے پہلے رسول بھیجے ان میں سے وہ ہیں جن کا
مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَ مِنْهُمْ	ذکر ہم نے تجھ سے کردیا اور ان میں سے وہ ہیں جن کا
مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۭ وَ مَا كَانَ	تجھ سے ذکر نہیں کیا۔ اور کسی رسول کے لیے (اختیار)
لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ	نہ تھا کہ وہ اللہ کے اذن کے سوائے نشان لائے

نمبر۱- عموماً قرآن کریم میں بعض وعیدوں کا دکھایا جانا ہی بیان کیا گیا ہے اس کی کئی وجوہات ہیں۔ اوّل یہ کہ سزا کی وعید بعض ٹل بھی جاتے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے رحم بے پایاں کی وجہ سے ہے۔ دوسرے یہ کہ آنحضرت صلعم کے اعداء قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے تیسرے یہ کہ وعدۂ عذاب دنیا اور آخرت دونوں کا ہے۔

اللہِ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَمۡرُ اللّٰہِ قُضِیَ بِالۡحَقِّ
وَ خَسِرَ ہُنَالِکَ الۡمُبۡطِلُوۡنَ ﴿۷۸﴾

سو جب اللہ کا حکم آگیا حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور اہلِ باطل حق کرنے والے گھاٹے میں رہے ۔[1]

اَللّٰہُ الَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَنۡعَامَ لِتَرۡکَبُوۡا
مِنۡہَا وَ مِنۡہَا تَاۡکُلُوۡنَ ﴿۷۹﴾

اللہ وہ ہے جس نے تمھارے لیے چار پائے بنائے تاکہ تم ان میں سے بعض پر سوار ہو اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے ہو۔

وَ لَکُمۡ فِیۡہَا مَنَافِعُ وَ لِتَبۡلُغُوۡا عَلَیۡہَا
حَاجَۃً فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ وَ عَلَیۡہَا وَ
عَلَی الۡفُلۡکِ تُحۡمَلُوۡنَ ﴿۸۰﴾

اور تمھارے لیے اُن میں فائدے ہیں اور تاکہ ان پر چڑھ کر تم اس حاجت کو پہنچو جو تمھارے سینوں میں ہے اور ان پر اور کشتیوں پر تم اُٹھائے جاتے ہو۔

وَ یُرِیۡکُمۡ اٰیٰتِہٖ ٭ۖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰہِ تُنۡکِرُوۡنَ ﴿۸۱﴾

اور وہ تمھیں اپنے نشان دکھاتا ہے سو تم کن کن اللہ تعالیٰ کے نشانوں کا انکار کرو گے۔

اَفَلَمۡ یَسِیۡرُوۡا فِی الۡاَرۡضِ فَیَنۡظُرُوۡا
کَیۡفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیۡنَ مِنۡ
قَبۡلِہِمۡ ؕ کَانُوۡۤا اَکۡثَرَ مِنۡہُمۡ وَ اَشَدَّ
قُوَّۃً وَّ اٰثَارًا فِی الۡاَرۡضِ فَمَاۤ اَغۡنٰی
عَنۡہُمۡ مَّا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۸۲﴾

تو کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہیں، پھر دیکھتے ان کا انجام کیسا ہوا جو اُن سے پہلے تھے ، وہ (تعداد میں) ان سے زیادہ تھے اور طاقت میں اور زمین میں نشانات کے لحاظ سے مضبوط تر تھے سو اُن کی کمائی ان کے کام نہ آئی ۔

فَلَمَّا جَآءَتۡہُمۡ رُسُلُہُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ
فَرِحُوۡا بِمَا عِنۡدَہُمۡ مِّنَ الۡعِلۡمِ وَ
حَاقَ بِہِمۡ مَّا کَانُوۡا بِہٖ یَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۸۳﴾

پھر جب ان کے پاس ان کے رسول کھلی دلائل لے کر آئے وہ اسی پر نازاں رہے جو ان کے پاس کچھ علم تھا ، اور ان کو اس (سزا) نے آلیا جس پر وہ ہنسی کرتے تھے ۔[2]

نمبر۱- یعنی رسول کا آنا تو عام ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا (و ان من اُمّۃٍ اِلّا خلا فیھا نذیر۔ فاطر - ۲۴) اور ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ قانون بھی عام ہے کہ سزا کا لانا رسول کے اختیار میں نہیں ہوتا لیکن وہ سزا آتی ضرور ہے اور آخر حق و باطل میں فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور حق غالب آجاتا ہے اور باطل مغلوب ہو جاتا ہے۔ یہاں سے دو باتیں اور معلوم ہوتی ہیں۔ اوّل یہ کہ اس سورت کا نزول اس زمانہ سے تعلق رکھتا ہے جب کچھ رسولوں کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو چکا ہے اس لیے یہ سب سورتیں جو حٰم سے شروع ہوتی ہیں مکی زمانہ کے درمیانی حصہ کی معلوم ہوتی ہیں دوسری بات جو یہاں سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ سوائے ان انبیاء کے جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے اور بھی نبی ہوئے ہیں اور طبرانی نے حضرت علیؓ سے روایت بیان کی ہے کہ ان رسولوں میں سے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم پر نہیں کیا حبش کا ایک نبی تھا۔ اور ایسے ہی بلفظ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حبش میں اللہ تعالیٰ نے ایک سیاہ رنگ کا نبی مبعوث کیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے جب ایران کو فتح کیا تو ایرانیوں کو اہل کتاب میں داخل کر کے گویا زرتشت کا نبی ہونا تسلیم کر لیا اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم ہندوستان کو نبیوں سے خالی مانیں اور رام چندر اور کرشن جی کی جو عزت اور محبت کروڑہا انسانوں کے دلوں میں ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگ بھی اپنے زمانہ میں اس ملک میں نبی ہی گزرے ہیں ہاں یہ محض اجتہاد ہے۔

نمبر۲- ایک وہ علمِ اخلاق و روحانیت اور آخرت کا علم ہے جو رسول لاتے ہیں۔ دوسرا وہ علمِ انسانی اور خشک فلسفہ اور منطق ہے جو انسان اپنی کوشش سے

فَلَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ — پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھا کہا ہم اللہ واحد پر ایمان
وَحۡدَہٗ وَ کَفَرۡنَا بِمَا کُنَّا بِہٖ مُشۡرِکِیۡنَ ﴿۸۴﴾ — لائے اور اس کا انکار کیا جو اس کے ساتھ شریک ٹھیراتے تھے۔
فَلَمۡ یَکُ یَنۡفَعُہُمۡ اِیۡمَانُہُمۡ لَمَّا رَاَوۡا — پھر جب انھوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو ان کا ایمان انھیں سود مند
بَاۡسَنَا ؕ سُنَّتَ اللّٰہِ الَّتِیۡ قَدۡ خَلَتۡ — نہ ہوا، یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جو اس کے بندوں میں چلی آئی ہے
فِیۡ عِبَادِہٖ ۚ وَ خَسِرَ ہُنَالِکَ الۡکٰفِرُوۡنَ ﴿۸۵﴾ ع ۱۴ — اور وہاں کافر گھاٹے میں رہے ۱۔

(۴۱) سُوۡرَۃُ حٰمٓ السَّجۡدَۃِ مَکِّیَّۃٌ ۲

اٰیاتھا ۵۴ — رکوعاتھا ۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔
حٰمٓ ﴿۱﴾ — (اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والا (ہے)
تَنۡزِیۡلٌ مِّنَ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۲﴾ — (کتاب کا) نازل کرنا اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنیوالے کی طرف سے ہے۔
کِتٰبٌ فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا — یہ کتاب ہے جس کی آیتیں کھول کر بیان کی گئی ہیں۔ قرآنِ عربی
لِّقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۳﴾ — ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔
بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا ۚ فَاَعۡرَضَ اَکۡثَرُہُمۡ — خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا، پر ان میں سے بہتوں
فَہُمۡ لَا یَسۡمَعُوۡنَ ﴿۴﴾ — نے منہ پھیر لیا، سو وہ نہیں سنتے۔
وَ قَالُوۡا قُلُوۡبُنَا فِیۡۤ اَکِنَّۃٍ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَاۤ — اور کہتے ہیں ہمارے دل اس بات سے پردوں میں ہیں جس کی طرف

حاصل کرتا ہے لوگ اس دوسرے علم پر خوش ہو جاتے ہیں اور اول الذکر علم کے حاصل کرنے کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے، حالانکہ یہی وہ علم ہے جس نے دنیا میں تبدیلی
پیدا کی ہے اور انسان کو بدی کے پنجے سے چھڑا کر نیکی اور اخلاق کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقاموں پر پہنچایا ہے۔ مگر علم خشک انسان کو بدی سے نہیں روک سکتا
بلکہ اس سے بدی پر اور جرأت بڑھتی رہتی ہے یہاں تک کہ اس بات پر ہنسی کی جاتی ہے کہ ایک قوم جو زبردست قوت کی مالک ہے وہ بھی کبھی نیچا دیکھ سکتی ہے لیکن
آخر وہ سزا واقع ہو کر رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون بدی کی سزا کے متعلق یہی ہے کہ جب تک وہ کچھ نیکیوں کے ساتھ ملی رہتی ہے اس وقت تک کھلے طور پر ظاہر
نہیں ہوتی کیونکہ یہ نتائج اس قدر باریک ہوتے ہیں کہ انسان کی آنکھ انھیں دیکھ نہیں سکتی۔ لیکن جب ایک قوم کی کثرت بدکاریوں میں مبتلا ہو جاتی ہے تو وہ نتائج کھلے
رنگ میں ظاہر ہو جاتے ہیں اور یہی قوم کی تباہی ہوتی ہے بدی کے نتیجے کے اسی قانونِ مستمرہ کا ذکر یہاں ہے اور یہ ذکر کثرت سے قرآن شریف میں پایا جاتا ہے۔
نمبرا۔ مطلب یہ ہے کہ ایک وقت تک انسان کو رجوع فائدہ دیتا ہے۔ لیکن جب بدی اس انتہا کو پہنچ جائے جس پر سزا لازماً مترتب ہو جاتی ہے
تو پھر رجوع یا ایمان بھی کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ اسی لیے لَمَّا رَاَوۡا بَاۡسَنَا کی شرط ہے یعنی جب ہماری سزا پہنچے تو پھر ایمان سے بھی نفع نہیں ہوتا۔
نمبر۲۔ اس سورت کا نام فُصِّلَت ہے اور حٰمٓ یا حٰمٓ السجدہ بھی اسے کہا جاتا ہے اور اس میں چھ رکوع اور ۵۴ آیتیں ہیں۔ اس کی ابتدا میں ہی آتا ہے کِتٰبٌ
فُصِّلَتۡ اٰیٰتُہٗ جہاں سے اس کا نام لیا گیا ہے یعنی اس کی آیات کو بار بار واضح کر کے بیان کیا گیا ہے اصل غرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یوں ہی انسان پر گرفت نہیں

اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّمِنْۢ بَيْنِنَا	تو ہمیں بلاتا ہے اور ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے
وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝۵	اور تمھارے درمیان پردہ ہے سو عمل کر ہم بھی عمل کرنے والے ہیں ۱؎
قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ	کہہ میں صرف تمھاری طرح ایک انسان ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے
اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا	کہ تمھارا معبود ایک ہی معبود ہے سو اسی کی طرف سیدھی راہ پر لگے رہو
اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۭ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝۶	اور اس کی حفاظت مانگو اور مشرکوں کے لیے افسوس ہے۔
الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ	جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور وہ آخرت کے بھی
بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۷	منکر ہیں۔
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں، ان کے
لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝۸	لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے ۲؎
قُلْ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ	کہہ کیا تم اس کا انکار کرتے ہو، جس نے زمین کو دو
الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ	وقتوں میں پیدا کیا اور اس کے لیے ہمسر ٹھیراتے ہو
اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۹	وہ جہانوں کا رب ہے۔
وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا	اور اس میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور اس میں برکت دی۔
وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ اَقْوَاتَهَا	اور اس کی خوراکوں کا اس میں اندازہ کیا (یہ) چار دن میں (کیا)،
فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۭ سَوَاۗءً لِّلسَّاۗىِٕلِيْنَ ۝۱۰	مانگنے والوں کے لیے سب کچھ ٹھیک کر دیا گیا ۳؎

کرتا جب تک کہ اس کی بھلائی اور اس کی برائی کی راہیں کھول کھول کر اُسے نہیں بتا دیتا۔ پچھلی سورت میں مومنوں کی نصرت کا ذکر تھا اس میں بھی مخالفت حق کی ناکامی کو کھول کر بیان کیا اور آخر پر بتایا کہ اسلام کا غلبہ نہ صرف ملک عرب میں بلکہ اطراف واکناف عالم میں بھی یقینی ہے۔

نمبر۱- یہ ان کے اعراض کا نقشہ ہے مطلب یہ ہے کہ تمھاری بات ہماری سمجھ میں نہیں آسکتی۔ جیسا دوسری جگہ ہے یاشعیب مانفقہ کثیرا مما تقول (ہود- ۹۱) یہی نہیں بلکہ ہم کو وہ بات سنائی بھی نہیں دیتی بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اور تمھارے درمیان ایک حجاب ہے۔

نمبر۲- اسلام نے اعمال صالحہ کا اجر غیر منقطع فرمایا ہے۔ برخلاف بعض مذاہب کے جو کہتے ہیں کہ اعمال صالحہ کا اجر محدود ہے اہل تناسخ کا یہی خیال ہے جو نجات کو عارضی قرار دے کر پھر روحوں کو واپس لاتے ہیں یہ عقیدہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات میں نقص لازم کرتا ہے کیونکہ نیک انسان کے اعمال صالحہ کا منقطع ہو جانا اس کی موت کی وجہ سے ہے اور وہ اس کے اپنے اختیار کی بات نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ اسے لاکھوں سال تک زندہ رکھتا تو وہ اسی طرح نیکیوں پر قائم رہتا بلکہ یوماً فیوماً ترقی کرتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اسے اجر غیر محدود عطا فرماتا ہے۔

نمبر۳- زمین اور آسمان اور ہر چیز چھ وقتوں میں یا چھ مراتب طے کر کے پیدا ہوئی۔ مفسرین نے عموماً یہاں یہ غلطی کھائی ہے کہ اربعۃ ایام یا چار دن میں پہلے دو دن کو شامل سمجھا ہے اور پھر آیت ۱۲ کے دو دن ملا کر کل چھ دن بنائے ہیں گویا چار دن میں زمین بنی اور دو دن میں آسمان اس کی کوئی سند نہیں بلکہ یہاں وہ بات بیان

ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ
فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ
كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾
فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ
وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ وَزَيَّنَّا
السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ
ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾

پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا، سو اُسے اور زمین کو کہا، آجاؤ خوشی سے یا ناخوشی سے۔ انھوں نے کہا ہم دونوں خوشی سے حاضر ہیں ۱۔
سو انھیں سات آسمان دو دن میں بنایا اور ہر آسمان میں اس کا امر وحی کیا اور ہم نے ورلے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور ہر طرح سے اس کی حفاظت کی۔ یہ غالب علم والے کا اندازہ ہے ۲۔

کی ہے جو آج سے تیرہ سو سال پیشتر کسی کے وہم میں بھی نہ آئی تھی۔ اوّل زمین کا دو وقتوں میں بنانا ہے یعنی خود اس زمین پر دو حالتیں آئیں جہاں تک آج ہمارا علم پہنچا ہے وہ بھی یہی ہے کہ پہلے یہ محض ایک ناری ٹکڑا تھا پھر آہستہ آہستہ ٹھنڈا ہو کر اس کے اوپر کی سطح بنی۔ ان دو حالتوں کے بعد تیسری حالت جس کا بیان کیا پہاڑوں کا بننا ہے اور یہ بھی تازہ علمی تحقیقات کے عین مطابق ہے۔ یعنی جب اوپر کی سطح موٹی ہونی شروع ہوئی تو پھر زلازل وغیرہ سے اصل سطح کے اوپر پہاڑ بنے اور یہ پہاڑ دریاؤں اور بارشوں کا موجب بنے اسی کی طرف چوتھی حالت بارک فیھا میں اشارہ معلوم ہوتا ہے اور قدر فیھا اقواتھا میں نباتات حیوانات اور خود انسان کی پیدائش کی طرف اشارہ ہے کیونکہ قوت وہ ہے جس سے بدنِ انسان قائم رہتا ہے نبات پانچویں اور حیوان چھٹی حالت ہے اور سواء للسائلین میں یا تو سوال زمین وغیرہ کے پیدا کرنے کے متعلق ہے یعنی یہ جواب سب کے لیے برابر ہے اور یا سوال سے مراد رزق کا طلب کرنا ہے جس کی کسی کو حاجت ہو یعنی وہ اقوات جو اللہ تعالیٰ نے زمین میں رکھے ہیں انھیں کوئی طلب کرنے والا ہو، سب کو برابر ملتا ہے۔

نمبر ۱۔ دخان دھوئیں کو کہتے ہیں اور یہاں قرآن کریم نے صراحت سے بیان فرما دیا ہے کہ جیسا کہ عام خیال ہے کہ آسمان کوئی ٹھوس چیز نہیں بلکہ یہ ایک ایسی چیز ہے جسے دھوئیں سے مشابہت ہے چنانچہ مفردات میں اس آیت میں لفظ دخان کی تشریح میں لکھا ہے کہ یہاں مراد ہے کہ وہ دخان کی شکل ہے۔ آج سائنس نے اسے اثیھر کہہ کر قرآن کریم کی صداقت کے سامنے سر جھکایا ہے۔

طوعًا او کرھًا روح المعانی میں ہے کہ یہ ان میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی تاثیر کے لیے اور ان کے اس سے رکنے کے محال ہونے کے لیے یہ ایک مثال ہے۔ اثبات طوع او کرہ مراد نہیں اور ان کا یہ کہنا کہ اتینا طائعین بھی ایک مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ان میں کامل طور پر مؤثر ہے۔

نمبر ۲۔ وحی فی کل سماء امرھا مفردات میں ہے کہ یا تو جن کی طرف وحی کی گئی اس کا ذکر نہیں اور یا وحی خود آسمانوں کی طرف ہوئی صورت اوّل میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جن سات آسمانوں کا یہاں ذکر ہے وہ نظام شمسی کے دیگر سات سیارے ہیں اور ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے جس کی طرف وحی کی جاتی ہے جیسے زمین پر انسان کی طرف۔ صورت ثانی میں مراد صرف اس قدر ہوگی کہ ہر ایک سماء میں اسی امر کا نفاذ کیا جو اس کے متعلق تھا۔

یہاں سات آسمانوں کے اسی طرح دو دن میں بنانے کا ذکر ہے جس طرح زمین کے دو دن میں بنانے کا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سات آسمانوں سے مراد نظام شمسی کے سات بڑے سیارے ہیں جو اوپر نظر آنے کے لحاظ سے آسمان کہلاتے ہیں مگر جس طرح وہاں پہاڑ بنانے اور سامانِ خوراک وغیرہ زمین میں پیدا کرنے کا ذکر تھا یہاں وہ ذکر نہیں بلکہ صرف اس قدر فرمایا کہ ہر آسمان میں اس کا امر وحی کیا یعنی ہر ایک میں وہ کچھ پیدا کیا جس کے لیے اس میں استعداد تھی اور جس کا تقاضا حکمتِ الٰہی نے کیا۔

یہاں زمین اور آسمان کے بنانے کی کسی ترتیب کا ذکر نہیں بلکہ صرف دونوں کے بنانے کا ذکر ہے۔ ترتیب کے متعلق دوسری جگہ صاف ہے والارض بعد ذٰلک دحٰھا (النّٰزعٰت ۷۹ : ۳۰)

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً
مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ﴿۱۳﴾

سو اگر وہ منہ پھیرلیں تو کہہ دے، میں تمھیں عاد اور ثمود کے عذاب جیسے عذاب سے ڈراتا ہوں [۱]۔

اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ
وَ مِنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ
قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً
فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

جب رسول ان کے پاس ان کے آگے اور ان کے پیچھے سے آئے کہ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کرو، انھوں نے کہا اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتوں کو اتارتا، سو جو تم کو دے کر بھیجا گیا ہے ہم اس سے انکاری ہیں [۲]۔

فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ
بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا
قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ
خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَ
كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾

سو عاد نے تو زمین میں ناحق تکبّر کیا، اور کہنے لگے کہ کون طاقت میں ہم سے زیادہ مضبوط ہے۔ کیا انھوں نے غور نہ کیا کہ اللہ جس نے انھیں پیدا کیا طاقت میں ان سے زیادہ مضبوط ہے۔ اور وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْٓ
اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ
الْخِزْىِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ

سو ہم نے اُن پر منحوس دنوں میں تُند ہوا چلائی، تاکہ اُنھیں دنیا کی زندگی میں رسوائی کا عذاب چکھائیں اور آخرت کا عذاب زیادہ رسوا کرنے والا ہے

نمبر۱۔ ابن ہشام کی ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت حمزہؓ ایمان لائے اور مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی اور وہ بہت ہوگئے تو ایک دن عتبہ بن ربیعہ نے جو سرداران قوم سے تھا قریش سے کہا تم کہو تو میں محمد رسول اللہ صلعم کے پاس جاؤں اور کچھ باتیں ان کے پیش کروں کہ وہ اس کام سے رُک جائیں۔ چنانچہ عتبہ جب آپ اکیلے خانہ کعبہ میں بیٹھے تھے آپ کے پاس گیا اور کہا کہ اگر آپ کا ارادہ اس کام سے مال جمع کرنے کا ہو تو ہم اس قدر مال جمع کرکے آپ کو دے سکتے ہیں کہ آپ ہم سب سے زیادہ مالدار ہوں اور اگر بزرگی چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں کوئی امر بغیر آپ کے مشورہ کے طے نہ کریں گے اور اگر بادشاہت چاہتے ہیں تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں اور اگر آپ کو کوئی بیماری ہے تو ہم آپ کے علاج پر جتنا روپیہ ضرورت ہو صرف کرنے کے لیے تیار ہیں۔ جب عتبہ بات کرچکا تو آپ نے یہی سورت حٰمٓ۔ تنزیل من الرحمٰن الرحیم پڑھنی شروع کی یہاں تک کہ آپ اس آیت تک پہنچے تب عتبہ اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور اس کا چہرہ متغیر ہُوا ہُوا تھا اور اس نے کہا میں نے وہ بات سُنی ہے جو نہ شعر ہے نہ سحر ہے نہ کہانت ہے۔ پس اے معشر قریش تم ان کو اپنے کام سے نہ روکو اور مخالفت نہ کرو۔ اگر وہ عزت پائیں تو اس میں تمھاری عزت ہوگی۔ تب سب بولے اے ابوالولید تم پر بھی آپ کا سحر چل گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتنے کتنے سخت دل لوگوں پر بھی قرآن اثر کیے بغیر نہ رہتا تھا لیکن قومی تعصب غالب آجاتا اور پھر مخالفت شروع کردیتے۔

نمبر۲۔ من بین ایدیھم ومن خلفھم آگے اور پیچھے سے مراد ہر طرف سے آنا ہے اور آنا یہاں بطور تمثیل وسعتِ دعوت پر ہے یعنی ہر طرح سے سمجھایا۔

الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَ هُمْ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾
وَ اَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا
الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ
الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۷﴾ۚ
ع وَ نَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾ۧ
وَ يَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ
فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾
حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ
سَمْعُهُمْ وَ اَبْصَارُهُمْ وَ جُلُوْدُهُمْ بِمَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۰﴾
وَ قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا ؕ
قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ
شَيْءٍ وَّ هُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ
اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۱﴾
وَ مَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ اَنْ يَّشْهَدَ
عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَ لَآ اَبْصَارُكُمْ وَ لَا
جُلُوْدُكُمْ وَلٰكِنْ ظَنَنْتُمْ اَنَّ اللّٰهَ لَا

اور انھیں مدد نہیں دی جائے گی ملہ۱۔
اور رہے ثمود، تو ہم نے انھیں رستہ دکھایا، پر انھوں
نے اندھا رہنے کو ہدایت پر ترجیح دی سو ذلّت کے عذاب
کی ہولناک آواز نے انھیں آلیا اس کی وجہ سے جو وہ کماتے تھے۔
اور ہم نے انھیں بچالیا جو ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے تھے۔
اور جس دن اللہ کے دشمن آگ کی طرف چلائے جائیں گے تو وہ
جدا جدا جماعتوں میں تقسیم کیے جائیں گے۔
یہاں تک کہ جب اس پر آ پہنچیں گے، اُن کے کان اور
ان کی آنکھیں اور ان کے جسم ان کے خلاف ان کے عملوں
کی گواہی دیں گے ملہ۲۔
اور وہ اپنے جسموں سے کہیں گے تم نے ہمارے خلاف گواہی کیوں دی
کہیں گے اللہ نے ہمیں بولنے کی قوت دی، جس نے ہر چیز کو
بولنے کی قوت دی اور اس نے تمھیں پہلی بار پیدا کیا، اور اسی کی
طرف تم لوٹائے جاتے ہو۔
اور تم پردہ داری اس خیال سے نہ کرتے تھے کہ تمھارے کان
اور تمھاری آنکھیں اور تمھارے جسم تمھارے خلاف گواہی دینگے
لیکن تم نے خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ بہت سی باتیں جو تم کرتے

نمبر۱۔ نحس سعد کی ضد ہے اور اس کے معنے بدبختی ہیں اور فی الواقع دونوں میں کوئی نحوست نہیں بلکہ ان کی نحوست اس قوم یا انسان کی بدبختی کے لحاظ سے ہے جس پر وہ مصیبت وارد ہوتی ہے وہ دن اس قوم کے لیے بدقسمتی کا موجب تھے کہ سخت عذاب سے ان ایام میں تباہ ہوگئی مگر مومنوں کے لیے وہ دن بدبختی کے نہیں بلکہ خوش قسمتی کے تھے کہ خطرناک دشمنوں کے ہاتھ سے نجات پائی۔ پس دونوں میں کوئی نحوست نہیں اور یہ جو عام لوگوں کے خیال میں ہے کہ فلاں دن منحوس ہے اور فلاں اچھا ہے تو یہ اسلام کی تعلیم نہیں بلکہ نری توہم پرستی ہے اور یہ خیال مسلمانوں میں ہندوؤں سے آیا ہے جو کسی کام کے کرنے کے لیے اپنے کاہنوں یعنی پنڈتوں وغیرہ سے شگون نکلواتے ہیں اور جب تک اُن کے کاہن اجازت نہیں دیتے۔ وہ کام نہیں کرتے۔

نمبر۲۔ جلود کے ظاہر معنی چمڑے ہی ہیں مگر بعض نے یہاں مراد جوارح یعنی اعضا لیے ہیں اور بعض نے فرج سے کنایہ لیا ہے۔ اس سے مراد بعض وقت بدن بھی لیا جاتا ہے اور یہاں یہی وسیع معنی ہیں۔ کان اور آنکھ کا ذکر اس لیے علیحدہ کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت تھی وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ (۲۳:۷۸) اور

يَعْلَمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾
وَ ذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِيْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ
اَرْدٰىكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾
فَاِنْ يَّصْبِرُوْا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۚ
وَ اِنْ يَّسْتَعْتِبُوْا فَمَا هُمْ مِّنَ الْمُعْتَبِيْنَ ﴿۲۴﴾
وَ قَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَآءَ فَزَيَّنُوْا لَهُمْ مَّا
بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ وَ حَقَّ
عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِيْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ
مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۚ
اِنَّهُمْ كَانُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۱۷

جو نہیں جانتا ۱۔
اور اسی تمھارے ظن (فاسد) نے جو تم نے اپنے رب کے متعلق کیا تمھیں ہلاک کیا، سو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگئے۔
سو اگر وہ صبر کریں تو آگ ان کا ٹھکانا ہے، اور اگر وہ معافی چاہیں تو انھیں معافی نہ دی جائے گی۔
اور ہم نے ان کے لیے ساتھی مقرر کر رکھے ہیں، سو وہ انھیں جو کچھ ان کے آگے اور ان کے پیچھے ہے اچھا کرکے دکھاتے ہیں اور (خدا کی) بات ان پر صادق آئی ان قوموں میں (داخل ہوتے ہوئے) جو جنوں اور انسانوں سے ان سے پہلے گزر چکیں، وہ نقصان اٹھانے والے ہوئے ۲۔

اگلی آیت میں ان کو لفظ جلود میں شامل کرلیا ہے اور جسم یا اعضا کی شہادت سے بتانا یہ مقصود ہے کہ ان کی وہ حالت ایسی ہوگی جو ہر قسم کی کمزوری کو جو اُن سے سرزد ہوئی تھی خود بخود عیاں کردیگی اور فی الحقیقت یہی مراد وہاں ہے جہاں فرمایا ونخرج له یوم القیامة کتابا یلقٰه منشورا (۱۷: ۱۳)۔ اور اگلی آیت میں جو فرمایا انطقنا اللہ تو وہاں گویائی سے مراد بھی ایک حالت کا اظہار یا دلالت ہے یعنی ان اعضاء کی حالت خود بخود بتادیگی کہ انسان نے کیا کچھ کیا تھا اور گو یہ شہادت کھلے طور پر قیامت میں ادا ہوگی لیکن بدی کا اثر انسان کے جوارح پر یہاں بھی پڑتا ہے۔ ہاں وہ یہاں اکثر حالات میں عام نظروں سے مخفی رہتا ہے اور جب بدی حد سے زیادہ ترقی کرجاتی ہے تو وہ اثر یہاں بھی ظاہر ہوجاتا ہے۔ ایک شخص جب ایک بدی کو انتہا تک پہنچاتا ہے تو اس کے جوارح یہاں بھی شہادت دے اُٹھتے ہیں۔ ایک قوم میں جب کثرت سے ایک بدی پھیل جاتی ہے تو وہ قوم اس کے اثر کو اس دنیا میں دیکھ لیتی ہے۔

نمبر ۱۔ یعنی جس وقت تم بدیوں کا ارتکاب چھپ چھپ کر کرتے تھے تو اس وقت تمھارے وہم میں بھی یہ بات نہ آتی تھی کہ خود تمھاری اپنی حالت سے کل کو ان بدیوں کے بدنتائج ظاہر ہوجائیں گے بلکہ اس وقت تمھارا خیال تھا کہ کوئی بالاتر ہستی ایسی نہیں جو تمھارے افعال کو جانتی ہو اور ان افعال کے نتائج تم پر وارد کرے اور اگلی آیت میں فرمایا کہ وہ ہستی جو تمھاری ربوبیت کرتی ہے اس کے ساتھ یہ ظنِ باطل ہی تمھاری ہلاکت کا موجب ہوا کیونکہ تم اس طرح گناہوں پر دلیر ہوتے چلے گئے فی الحقیقت غور کیا جائے تو بدی سے روکنے والی طاقت اس دنیا میں ایک ہی ہے اور وہ ہے ایک ایسی ہستی پر ایمان جو ہمارے ہر فعل پر جزا و سزا مرتب کرتی ہے۔

اور جس چیز سے چھپتے تھے وہ ان کے جوارح ہیں یعنی اپنے جوارح سے تم اس لیے نہ چھپتے تھے کہ اس وقت تمھیں یہ خیال بھی نہ تھا کہ یہی چیزیں تم پر گواہی دیں گی اور یا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے جوارح سے چھپ نہ سکتے تھے۔

نمبر ۲۔ قیضنا۔ دوسری جگہ ہے ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض له شیطانا (الزخرف ۴۳ - ۳۶) اور قیض انڈے کے اوپر کا چھلکا ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ قرین یا شیطان اس پر ایسا غالب ہوجاتا ہے جیسے انڈے پر چھلکا اور قیض اللہ له قرینا کے معنی ہیں اس کے لیے تیار کردیا یا ذریعہ بنا دیا ایسے طور سے کہ اسے گمان بھی نہ تھا (لسان العرب) میں ہے زجاج نے قرآن کریم میں دونوں جگہ معنے کیے ہیں کہ ہم اس کے لیے شیطان یا قرین کو ایک سبب بنا دیتے ہیں اور یہ بطور جزا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شیطانوں کو مقرر کرنا یا مسلط کرنا محض ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر شیطان کو بطور ابتدا مسلط نہیں کیا وما کان لی علیکم من سلطان (ابراہیم ۱۴ - ۲۲) لیکن جب انسان شیطان کے ساتھ تعلق پیدا کرتا کرتا اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ پھر بدی اُسے اچھی لگتی ہے تو اس وقت درحقیقت شیطان کا پورا تسلط انسان پر ہوجاتا ہے فھو ولیھم الیوم (النحل ۱۶ - ۶۳) اسی حالت کا یہاں ذکر ہے۔ جب اعراض

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو مت سنو، اور اس میں شور ڈالو شاید تم غالب آجاؤ۔[۱]

فَلَنُذِيْقَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

سو ہم انھیں جو کافر ہیں ضرور سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے، اور ہم انھیں بہت بُری باتوں کا بدلہ دیں گے جو وہ کرتے تھے۔

ذٰلِكَ جَزَآءُ اَعْدَآءِ اللّٰهِ النَّارُ ۚ لَهُمْ فِيْهَا دَارُ الْخُلْدِ ؕ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۲۸﴾

یہ اللہ تعٰ کے دشمنوں کی سزا ہے (یعنی) آگ، ان کے لیے اس میں رہنے کا گھر ہے (یہ) اس کی سزا ہے، جو وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے۔

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَاۤ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور جو کافر ہیں وہ کہیں گے اے ہمارے رب جنھوں نے جنّوں اور انسانوں میں سے ہمیں گمراہ کیا تھا ہمیں دکھا، کہ ہم انھیں اپنے پاؤں کے نیچے ڈالیں تاکہ وہ سب سے نیچے رہنے والوں میں سے ہوں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعٰ ہمارا رب ہے پھر سیدھے راہ پر جمے رہتے ہیں ان پر فرشتے اُترتے ہیں کہ تم نہ ڈرو اور نہ غمگین ہو، اور اس جنّت کی خوشی مناؤ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔[۲]

میں حد سے گزر گئے کسی نیک بات کی طرف کان نہ دھرا بدی سے محبت اور پیار ہوگیا تو گویا شیطان کے قبضہ میں آگئے اور پھر اس سے شیطانی خیالات کا ہی اظہار ہوتا ہے۔

نمبر۱- قرآن کریم کا اثر چونکہ قلوب پر بہت ہوتا تھا۔ ابھی عتبہ جیسے دشمن کا ذکر ہوچکا۔ حضرت ابو بکرؓ کا واقعہ بھی اسی طرح کا ہے کہ آپ اپنے گھر کے صحن میں بلند آواز سے قرآن شریف پڑھتے تھے تو کفار نے یہ کہہ کر روک دیا کہ ہماری عورتوں اور بچوں پر اس کا اثر ہوتا ہے اس لیے ان لوگوں نے یہ علاج سوچا کہ جب بلند آواز سے قرآن مجید پڑھا جائے تو دوسرے لوگ شور ڈالنے لگیں یا سیٹیاں اور تالیاں بجانے لگیں یا اور بیہودہ باتوں میں لگ جائیں جن سب کی غرض شور پیدا کرنا تھا تاکہ کوئی شخص قرآن کو سن نہ سکے اسے وہ اپنے غلبہ کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

نمبر۲- اس آیت کے معنی میں اقوال مختلف ہیں۔ اوّل استقامت کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ ان کی موت توحید پر ہو۔ دوسرا یہ کہ وہ پھر شرک کی طرف نہ لوٹیں۔ تیسرے یہ کہ اللہ تعالٰی کی اطاعت پر استقامت اختیار کریں۔ یہی معنی حضرت عمرؓ نے منبر پر کیے اور استقامۃ کے اصل معنی بھی یہی ہیں کہ ایک انسان سیدھی راہ پر لگا رہے گویا قالوا ربنا اللّٰہ میں توحید قولی ہے اور استقاموا میں عملی توحید ہے کیونکہ استقامت فعل کو چاہتی ہے۔ دوسرا اختلاف نزول ملائکہ کے متعلق ہے بعض نے کہا موت کے وقت نزول ملائکہ مراد ہے اور بعض نے آخرت میں نزول ملائکہ لیا ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس دنیا میں ملائکہ کا آنا مراد ہے گویا ان کا نزول بطور الہام ہے اور قرآن کریم اسی آخری قول کی تائید کرتا ہے اوّل اس لیے کہ خوف وحزن کا وقت یہ دنیا ہی ہے۔ دوسرا اس لیے کہ اگلی آیت میں ہے نحن اولیاؤکم فی الحیوٰۃ الدنیا اس کا فائدہ یہی ہے کہ اس زندگی میں انھیں یہ تسکین دی جائے اگر وقت پر کوئی تسکین نہیں دی گئی اور موت کے وقت یا آخرت میں

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۳۱

ہم دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں تمھارے مددگار ہیں اور تمھارے لیے اس میں وہ سب کچھ ہے جو تمھارے دل چاہیں اور تمھارے لیے اس میں (وہ سب کچھ) ہے جو تم مانگو۔

ع ۱۸ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۳۲

(یہ) مہمانی بخشنے والے رحم کرنے والے (اللہ) کی طرف سے (ہے)

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۳۳

اور اس سے بہتر کس کی بات ہے جو اللہ کی طرف بلاتا ہے اور اچھے کام کرتا ہے اور کہتا ہے میں فرمانبرداروں میں سے ہوں ۱۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۭ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۳۴

اور نیکی اور بدی برابر نہیں (بدی کو) بہت اچھے طریق سے دُور کر، پھر تو دیکھے گا کہ وہ شخص کہ تجھ میں اور اس میں دشمنی ہے گویا وہ دل سوز دوست ہے۔

وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ۳۵

اور یہ (خصلت) انہی کو دی جاتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور یہ انہی کو دی جاتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں ۲۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۳۶

اور اگر شیطان کی طرف سے تجھے بُری بات پہنچے، تو اللہ کی پناہ مانگ، وہ سننے والا جاننے والا ہے ۳۔

یہ کہا تو اس کا فائدہ کچھ نہیں۔ علاوہ ازیں اوپر آچکا ہے انا لننصر رسلنا والذین اٰمنوا فی الحیٰوۃ الدنیا (المومن۔ ۵۱) اور یہ نزول ملائکہ بھی درحقیقت انہی نصرت کے سامانوں میں سے ایک سامان ہے اور امت مسلمہ کی اس پر شہادت فعلی رنگ میں موجود ہے کہ اولیاء اللہ پر نزول ملائکہ ہوتا ہے اور اس امت کے اندر ہزارہا ایسے راستباز ہر زمانہ میں ہوئے ہیں جنھوں نے یہ شہادت دی ہے کہ ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ انھیں اپنے کلام سے مشرف فرماتا ہے اور پہلے حصہ رکوع میں کفار کے اثر قرآن کو باطل کرنے کا ذکر تھا۔ یہاں بتایا کہ وہ اثر ایسا ہے کہ باطل نہیں ہوسکتا۔

نمبر ۱۔ دعوت الی اللہ (اور یہی دعوت الی الاسلام ہے) بہترین کام ہے بشرطیکہ انسان خود بھی عمل صالح کرے۔ مسلمانوں کو دعوت الی اللہ کی طرف توجہ دلائی گئی تھی مگر آج سب کاموں سے پیچھے یہی کام رکھا گیا ہے اور اگر کوئی ایک کام ہے جس کی طرف دنیائے اسلام کی آج بے توجہی ہے تو وہ دعوت الی الاسلام کا کام ہے اور اگلی آیت میں بتایا کہ جو شخص دعوت الی اللہ کا کام کرتے ہیں انھیں دوسروں کے ہاتھ سے دکھ بھی اُٹھانے پڑتے ہیں مگر ان کا کام نہیں کہ بدی کا بدلہ بدی پہنچائیں۔ بلکہ بدی کو نیکی سے دور کرنے کی کوشش کریں نتیجہ یہ ہوگا کہ بدترین دشمن بہترین دوست بن جائے گا۔ دعوت الی اللہ کے کام میں اس سے بڑھ کر کوئی رُک نہیں ہوسکتی کہ ایک انسان ہر ایک دکھ اور تکلیف کو جو دوسروں کی طرف سے پہنچے بدلہ لینے کے لیے دل میں جمع کرتا جائے۔

نمبر ۲۔ یعنی دعوت الی الاسلام میں اس مقام کو حاصل کرلینا کہ انسان خود عمل صالح بھی کرے اور دکھ دینے والوں سے بھلائی سے پیش آئے بڑا بلند مقام ہے گویا توجہ دلائی ہے کہ مسلمانوں کو اس مقام کے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

نمبر ۳۔ نزغ کے اصل معنے فساد ہیں اور یہاں شیطان سے مراد وہی دشمن حق ہے جو حق کی مخالفت کرتا اور اس کی اشاعت میں طرح طرح کی رکاوٹیں

وَ مِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝۳۷

اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن اور سورج اور چاند ہیں ۔ سورج کو سجدہ نہ کرو اور نہ چاند کو ، اور اللہ کو سجدہ کرو ، جس نے انھیں پیدا کیا اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

فَاِنِ اسْتَكْبَرُوْا فَالَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُوْنَ لَهٗ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ هُمْ لَا يَسْئَمُوْنَ ۩ السجدة ۝۳۸

پس اگر وہ تکبر کریں تو وہ جو تیرے رب کے پاس ہیں رات کو اور دن کو اس کی تسبیح کرتے ہیں ، اور وہ تھکتے نہیں ۱؎

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ ؕ اِنَّ الَّذِيْۤ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى ؕ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۳۹

اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تو زمین کو مُردہ دیکھتا ہے پھر جب ہم اس پر پانی اتارتے ہیں تو وہ ہلتی ہے اور پھولتی ہے ، وہی جس نے اسے زندہ کیا یقیناً مُردوں کو زندہ کرنے والا ہے وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ۲؎

اِنَّ الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ؕ اَفَمَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ يَّاْتِيْۤ اٰمِنًا يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ ۙ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۴۰

وہ لوگ جو ہماری آیتوں کے بارے میں کجروی اختیار کرتے ہیں ہم پر مخفی نہیں ، تو کیا وہ جو آگ میں ڈالا جاتا ہے بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن کی حالت میں آئے ۔ جو چاہو سو کرو ، جو کچھ تم کرتے ہو دیکھنے والا ہے ۳؎

ڈالتا ہے اور چھپے انہی دشمنوں کا ذکر ہے اس لیے یہاں مراد یہی ہے کہ اعداء سے تکلیف کے وقت اللہ کی پناہ تلاش کرو اور یہاں وسوسہ شیطانی کا ذکر نہیں نہ سیاق اس معنے کو چاہتا ہے اور آیت میں خطاب بھی عام ہے خاص رسول اللہ صلعم کو نہیں بلکہ ہر ایک داعی الی الحق کو ہے ۔

نمبر۱۔ الذین عند ربك سے مراد عموماً ملائکہ لیے گئے ہیں مگر جو انسان اللہ تعالےٰ کے حضور میں قرب رکھتے ہیں وہ بھی اسی کا مصداق ہیں۔ وہ رات اور دن اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی راحتِ قلب اس سے بڑھتی ہے ملال کبھی پیدا نہیں ہوتا اور انہی کا ذکر یہاں موزون بھی ہے ۔

نمبر۲۔ خاشعة جب زمین خشک ہو جائے اور اس پر مینہ نہ برسے تو کہا جاتا ہے خشعت ۔ پس خاشعة اس زمین کو کہا جاتا ہے جو مُردہ ہو اور جس میں سرسبزی نہ ہو اور ارض خاشعة اسے بھی کہا جاتا ہے جسے بوجہ نرمی کے ہوائیں اُڑا لے جاتی ہوں ۔ اس میں صاف اس انقلاب عظیم کی پیشگوئی ہے جو قرآن کریم کے ذریعہ سے دنیا میں پیدا ہونے والا تھا اور مُردوں کی زندگی میں اشارہ عرب میں انقلاب روحانی کی طرف ہے یعنی نزول وحی کا وہی اثر مردہ دلوں پر ہوگا جو بارش کا اثر مُردہ زمین پر ہوتا ہے ۔

نمبر۳۔ آیات میں الحاد سے یہاں مراد آیات الہٰی کے بارے میں باطل کی طرف مائل ہونا ہے یعنی ان کی تکذیب کرنا ظلم بھی معنے ہو سکتے ہیں اور ظلم ان آیات

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ ۚ
وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ﴿٤١﴾

جنھوں نے نصیحت کا انکار کیا جب وہ ان کے پاس آگئی (وہ
اپنا انجام دیکھ لیں گے) اور وہ یقیناً عزت والی کتاب ہے ؎۱

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ
وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾

جھوٹ نہ اس پر اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ اس
کے پیچھے سے وہ حکمت والے تعریف کیے گئے (اللہ) کی طرف اتاری گئی ہے ؎۲

مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ
مِنْ قَبْلِكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ
وَّذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ﴿٤٣﴾

تجھے کچھ نہیں کہا جاتا مگر وہی جو تجھ سے پہلے رسولوں کو کہا
گیا۔ تیرا رب بخشش والا اور دردناک سزا دینے
والا ہے۔

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَّقَالُوا
لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ۖ ءَأَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ۗ
قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَّشِفَاءٌ ۖ
وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ
وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۚ أُولَٰئِكَ
يُنَادَوْنَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٤٤﴾ ع

اور اگر ہم اسے عجمی قرآن بناتے، تو کہتے اس کی
آیتیں کھول کر کیوں نہ بیان کی گئیں کیا عجمی اور عربی (برابر ہیں؟)
کہہ وہ ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے ہدایت اور شفا ہے۔
اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بوجھ ہے
اور وہ ان کے حق میں نابینائی ہے وہ دُور کی جگہ سے پکارے
جاتے ہیں ؎۳

کے مٹانے پر زور لگانے میں ہے اور ذکر انہی اعدائے حق کا ہے جو حق کے مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔ ہم پر مخفی نہیں، یعنی ہم انھیں ضرور اس کی سزا دیں گے۔

نمبر۱۔ کافروں کا کیا حشر ہوگا۔ یوں بتایا کہ یہ کتاب جس کا انکار کرتے ہیں عزیز ہے یعنی غالب آنے والی چیز ہے نہ مغلوب ہونے والی۔ پس اس کے منکر ضرور ہے کہ آخرکار مغلوب ہوں اور یہ حق دنیا میں غالب ہو۔ یہ تمام صریح پیشگوئیاں ہیں جو غایت درجہ کی بیکسی اور کمزوری کے وقت کی گئیں۔

نمبر۲۔ باطل آگے اور پیچھے سے اس پر نہیں آسکتا مراد سب جہات ہیں یعنی کسی طرف سے نہیں آسکتا اور یا بین یدیه یا سامنے سے مراد واقعات ہیں جو موجود ہیں یا گذر چکے اور خلفه علوم ہیں جو بعد میں ظاہر ہوں اور اسی لحاظ سے حکیم اور حمید کی صفات ہیں یعنی اس کے علوم سب حکمت پر مبنی ہیں۔ اور جو کچھ اس میں بیان ہوا اس پر اس کی تعریف ہوتی ہے اگر یہ خدائے حکیم کی طرف سے نہ ہوتی تو آیندہ علوم اس کی تکذیب کر دیتے اگر خدائے حمید کی طرف سے نہ ہوتی تو گذشتہ واقعات اس کا ابطال کر دیتے۔

نمبر۳۔ عجمی عجمة۔ ابانته یا کھول کر بیان کرنے کے خلاف ہے اور اعجام کے معنی ابہام ہیں اور عجم خلاف عرب ہے جس کے معنی وضاحت ہیں اور اعجم وہ ہے جس کی زبان میں ابہام ہو خواہ وہ عربی ہو یا غیر عربی اور اعجمی اس کی طرف منسوب ہے اور چارپائے کو عجماء کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ ناطق کی طرح اپنے مطلب کو بیان نہیں کرسکتا۔

یہاں قرآنِ اعجمی سے مراد ایسی کتاب ہے جس میں کافی وضاحت نہ ہوتی اسی لیے اس کے مقابل پر لولا فصّلت آیاته فرمایا اور یہ اس لیے کہا کہ ان سورتوں میں بہت کھول کھول کر انذار کیا گیا ہے۔ مگر باوجود اس قدر وضاحت کے کافروں کو اب بھی کچھ نظر نہیں آتا۔ هو علیهم عمی کے یہی معنی ہیں اور ینادون من مکان بعید میں بھی یہی اشارہ ہے کہ وہ ان کو دور کی آواز معلوم ہوتی ہے یعنی ٹھیک سمجھ نہیں آتی اور یہ بُعد اُن کی اپنی حالت کی وجہ سے ہے گویا حق سے اس قدر دور پڑے ہوئے ہیں کہ باوجود میرے حد درجہ کی وضاحت کے بھی وہ بُعد کم ہونے میں نہیں آتا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ
فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ
رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ
شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝۴۵

اور ہم نے موسٰی کو کتاب دی سو اس کے بارے میں
اختلاف کیا گیا اور اگر ایک بات تیرے رب کی طرف سے
پہلے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ ہو گیا ہوتا اور وہ
یقیناً اس کے متعلق سخت شک میں ہیں ؎۱

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ
اَسَاۗءَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۴۶

جو کوئی نیک عمل کرتا ہے تو اپنی جان (کی بھلائی) کے لیے اور جو کوئی
بُرا کرتا ہے تو اس کا وبال اس پر ہے اور تیرا رب بندوں پر کچھ بھی ظلم کرنیوالا نہیں

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۭ وَمَا
تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا
وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ
اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ
شُرَكَاۗءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ۝۴۷

اسی کی طرف (موعودہ) گھڑی کا علم حوالہ کیا جاتا ہے - اور نہ
کوئی پھل اپنے گابھوں سے نکلتے ہیں اور نہ کسی مادہ کو حمل ہوتا
ہے اور نہ وہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے ہوتا ہے اور جس دن
انھیں پکارے گا میرے شریک کہاں ہیں، کہیں گے ہم تیرے سامنے
اعلان کرتے ہیں کہ ہم میں سے کوئی اس کا اقرار کرنے والا نہیں ؎۲

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ
قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ۝۴۸

اور وہ جنھیں وہ پہلے پکارا کرتے تھے وہ ان سے کھوئے جائیں
گے اور وہ یقین کریں گے کہ ان کے لیے کوئی بھاگنے کی جگہ نہیں

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَاۗءِ الْخَيْرِ ۡ
وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ۝۴۹

انسان بھلائی مانگنے سے نہیں اکتاتا، اور اگر اسے تکلیف
پہنچے تو مایوس ناامید ہو جاتا ہے -

وَلَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ
ضَرَّاۗءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ
وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَاۗىِٕمَةً ۙ وَّلَىِٕنْ
رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ

اور اگر ہم اسے اپنی طرف سے رحمت کا مزہ چکھائیں کسی تکلیف
کے بعد جو اسے پہنچی ہو تو وہ ضرور کہیگا، یہ میرا حق ہے -
اور میں (موعودہ) گھڑی کو آنے والا یقین نہیں کرتا - اور اگر میں
اپنے رب کی طرف لوٹایا جاؤں تو میرے لیے اس کے پاس یقیناً بھلائی

نمبر۱- موسٰی کی کتاب کا ذکر یہاں اس لحاظ سے کیا کہ اس میں رسول اللہ صلعم کی پیشگوئیاں ہیں اور وہ بھی اس حق کے منجانب اللہ ہونے پر دلیل ہیں۔
نمبر۲- مطلب یہ ہے کہ جس طرح پھل گابھوں کے اندر ہوتے ہیں تو کوئی انھیں دیکھ نہیں سکتا لیکن آثار سے معلوم ہو جاتا ہے کہ پھل نکلے گا۔ یا جس
طرح عورت کے پیٹ میں بچہ ہوتا ہے تو اُسے کوئی دیکھ نہیں سکتا، یہی حالت اعمال کے نتائج کی ہے آثار سے نظر بھی آتا ہے کہ وہ ظاہر ہوں گے لیکن
وہ شخص جس نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں کچھ پروا نہیں کرتا۔ نتائج اعمال کو قرآن شریف میں دوسری جگہ بھی عورت کے حمل سے تشبیہ دی گئی ہے (دیکھو الرعد-۸)

فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۡ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾

ہے سو ہم ضرور انھیں جو کافر تھے جو وہ کرتے تھے بتا دیں گے اور ہم انھیں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾

اور جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور کنارہ کش ہو جاتا ہے اور جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعاؤں میں لگ جاتا ہے ۱؎۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾

کہہ، کیا تم نے غور کیا اگر (یہ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو، پھر تم اس کا انکار کرو اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو دور کی مخالفت میں ہے۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾

ہم انھیں اپنی نشانیاں اطراف میں اور ان کی اپنی جانوں میں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان کے لیے کھل جائے کہ وہ حق ہے ۲؎۔ کیا یہ کافی نہیں کہ تیرا رب ہر چیز کا شاہد حال ہے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ۭ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾ ع

سنو! وہ اپنے رب کی ملاقات سے شک میں ہیں، سنو! وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

نمبر۱۔ نأ بجانبہ پہلو پھیر لیا یعنی اعراض کیا۔ اور نأ بجانبہ اس شخص کے متعلق کہا جاتا ہے جو تکبر کر کے اپنا منہ پھیر لے اور یہاں مراد ہے کہ اپنے خالق سے اپنے پہلو کو پھیر لیا گویا اس کی عبادت اور دعا سے اعراض کیا اور یا اس کے معنی ہیں قبول سے دور ہو گیا۔ عریض اصل میں اجسام میں بولا جاتا ہے لیکن اس کا استعمال غیر اجسام میں بھی ہے اور عریض کے معنی وسیع ہیں اور مراد بہت دعا ہے جسے برابر جاری رکھا جائے۔
مطلب یہ ہے کہ خوشحالی میں انسان خدا کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، بلکہ اس خوشحالی کو اپنی قابلیت کا نتیجہ سمجھتا ہے اور تکلیف آتی ہے تو پھر لمبی لمبی دعائیں خدا سے کرنے لگتا ہے گویا کہ وہ بڑا ہی خدا پرست ہے اور یہ ناشکر انسان کا ذکر ہے۔

نمبر۲۔ آفاق واحد اُفق یا اُفُق ہے اور آفاق کے معنی نواحی یا اطراف ہیں یعنی چاروں طرف۔ یہاں دو باتوں کا ذکر ہے ایک آفاق میں نشانیوں کا دکھانا، دوسرے اہل عرب کو ان کے اپنے نفسوں میں یعنی ملک عرب کے اندر اور مطلب یہ ہے کہ اسلام کی کامیابی مشرق و مغرب میں بھی دکھائیں گے اور خود ملک عرب میں بھی۔ سخت ترین مصائب کے وقت یہ عظیم الشان بشارت اور تسکین سوائے خدائے عالم الغیب کے کون دے سکتا تھا اور آج آفاق عالم میں اسلام کا پھیل جانا کس قدر زبردست شہادت اس کے منجانب اللہ ہونے کی ہے۔

سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی مَکِّیَّۃٌ (۴۲)

اٰیاتُہَا ۵۳ — رُکوعاتُہا ۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اللہ تم بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ۝۱

(اللہ تم) بے انتہا رحم والا۔

عٓسٓقٓ ۝۲

جاننے والا سننے والا قادر ہے ۲۔

كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ

قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳

اسی طرح اللہ غالب حکمت والا تیری طرف وحی کرتا ہے، اور ان کی طرف جو تجھ سے پہلے ہوئے ۳۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ

وَ هُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝۴

اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہ بلند عظمت والا ہے۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ

وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ

وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَاۤ

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۵

قریب ہے کہ آسمان ان کے اوپر سے پھٹ پڑیں اور فرشتے اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور ان کے لیے بخشش مانگتے ہیں جو زمین میں ہیں۔ سنو! اللہ ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۴۔

نمبر۱۔ اس سورت کا نام الشوریٰ ہے اور اس میں پانچ رکوع اور ۵۳ آیتیں ہیں۔ سورت کا نام اس عظیم الشان حکم سے لیا گیا ہے جسے مسلمانوں کی حکومت اور کل قومی کاموں کی بنیاد قرار دیا گیا ہے یعنی باہمی مشورہ سے امور کو طے کرنا یہ سورت بالاتفاق مکّی ہے اور اس زمانہ کی ہے جب مسلمانوں کی نہ کوئی قوم بنی تھی۔ نہ کوئی کام طے ہونے والے تھے اور حکومت کا تو وہم و گمان بھی نہ تھا اس وقت مسلمانوں کو مشورہ کا حکم دینا اور نماز اور انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ اسے مسلمانوں کی عظیم الشان ضرورت قرار دینا بتاتا ہے کہ کس قدر اہمیت اس اصول کو اللہ تعالیٰ نے دی ہے۔

پچھلی سورت میں اسلام کے اطراف و کناف میں غلبہ کی پیشگوئی کی تو یہاں بتایا کہ اسلام کا پیغام کل عالم کے لیے ہے اور اسلام سب اختلافات مذہبی کا فیصلہ کرتا اور اصولِ اتحاد اقوام کی صحیح بنیاد رکھتا ہے۔

نمبر۲۔ عٓسٓقٓ۔ مفسرین ان حروف پر خاموش ہیں۔ ابن جریر نے حذیفہ سے ایک روایت بیان کی ہے جو ان حروف کو آنے والے فتنوں پر لگاتے ہیں اور ابن عباسؓ سے ایک روایت بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ س ہر ایک فرقہ کی عمر ہے جو ہونے والا ہے اور ق ہر ایک جماعت ہے جو ہونے والی ہے مگر اس سے بھی کچھ مطلب نہیں کھلتا۔ اصل بات یہی ہے کہ یہ حروف اسماء الٰہی کے قائم مقام ہیں یعنی ع علیم، س سمیع، ق قادر کی جگہ اور پہلی آیت میں حٰمٓ رحمان کی جگہ ہے اور وحی کا نازل فرمانا صفت رحمانیت کا تقاضا ہے اور علیم، سمیع، قادر کا تعلق انذار۔ وحی کی مخالفت اور ابطال حق کرنے والوں کی سزا سے ہے۔

نمبر۳۔ کذالك یعنی اس کی مثل جو اس سورت میں ہے یا اسی طرح بواسطہ ملک وحی کرتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ مراد یہ ہو کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کا جس کا ذکر حٰمٓ میں ہے یہ تقاضا رہا ہے کہ وہ وحی کرے۔

نمبر۴۔ فوقھن میں ضمیر بعض نے سماوات کی طرف ہی لی ہے اور مراد اُن کی جہت فوقانیت یا اوپر کی سمت ہے اور بعض نے ضمیر کو جماعات کفار کی طرف

وَ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ
اللّٰهُ حَفِيْظٌ عَلَيْهِمْ ۖ وَ مَاۤ اَنْتَ
عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ۝٦

اور جو لوگ اس کے سوائے مددگار بناتے ہیں،
اللہ تعالیٰ ان پر نگہبان ہے اور ان کا معاملہ تیرے
سپرد نہیں کیا گیا۔

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا
لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا وَ تُنْذِرَ
يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَرِيْقٌ فِى الْجَنَّةِ
وَ فَرِيْقٌ فِى السَّعِيْرِ ۝٧

اور اسی طرح ہم نے تیری طرف قرآن عربی وحی کیا ہے،
تاکہ تو بستیوں کے مرکز کو ڈرائے اور ان (سب) کو جو اس کے اردگرد
ہیں اور اس اکٹھا ہونے کے دن سے ڈرائے جس میں کوئی شک نہیں،
ایک گروہ بہشت میں ہوگا اور ایک گروہ دوزخ میں[1]۔

وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً
وَّ لٰكِنْ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِىْ رَحْمَتِهٖ ؕ
وَ الظّٰلِمُوْنَ مَا لَهُمْ مِّنْ وَّلِىٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ۝٨

اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انھیں ایک ہی گروہ بناتا، لیکن وہ
جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں کے
لیے کوئی کارساز نہیں اور نہ کوئی مددگار ہے۔

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ۚ فَاللّٰهُ
هُوَ الْوَلِىُّ وَ هُوَ يُحْىِ الْمَوْتٰى ۬ وَ هُوَ
ع عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝٩

کیا انھوں نے اللہ تعالیٰ کے سوائے مددگار بنائے ہیں،
سو اللہ تعالیٰ ہی مددگار ہے اور وہی مُردوں کو زندہ کرتا
ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَ مَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَىْءٍ فَحُكْمُهٗۤ
اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّىْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ

اور جو تم کسی بات میں اختلاف کرو تو اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ
کی طرف ہے، یہ اللہ میرا رب ہے اس پر میں بھروسا رکھتا

لیا ہے اور یہ زیادہ قرین قیاس ہے یعنی کفار کا ظلم تو اس قدر ہے کہ آسمان ان کے اوپر سے پھٹ پڑتے مگر اس کی صفات میں رحم اس قدر غالب ہے کہ اس کے فرشتے لوگوں کے لیے بخشش مانگتے ہیں اور اس روایت کو مدِنظر رکھتے ہوئے جو حذیفہ نے بیان کی ہے اور دوسری طرف ان الفاظ قرآنی کو مدِنظر رکھتے ہوئے جو دوسری جگہ عیسائیت کے متعلق فرمائے ہیں تکاد السمٰوٰت یتفطرن منہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اشارہ عیسائی اقوام کی طرف ہے یعنی ان کے عقائد باطلہ تو ایسے ہیں کہ ان پر آسمان پھٹ پڑیں مگر ان کے بعض افعال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو تباہ نہیں کریگا اگلی آیت میں بھی اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے

نمبر۱۔ یوم الجمع سے مراد قیامت کا دن لیا گیا ہے کیونکہ اس میں مخلوقات جمع ہوگی اور یا ارواح اور جسم جمع ہوں گے یا اعمال اور عمل کرنے والے جمع ہوں گے اور دوسری جگہ ہے یوم یجمعکم لیوم الجمع (التغابن ۶۴-۹) لیکن حق و باطل کے فیصلہ کے لیے ایک جمع ہونے کے دن کا اس دنیا میں بھی آنا ضروری قرار دیا گیا تھا قل یجمع بیننا ربنا ثم یفتح بیننا (السباء ۳۴-۲۶) اور اس لیے یہاں دونوں کی طرف اشارہ ہے۔

ام القریٰ و من حولھا کے انذار میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلعم کا انذار پہلے اس قوم کے لیے ہے جو اس سے فائدہ اٹھا کر دنیا کے لیے مال کا کام دے یعنی دنیا کی روحانی تربیت کرے گویا بتایا ہے کہ خاتم النبیین کی بعثت کا مرکز وہی مقام ہو سکتا تھا جو دنیا کا مرکز ہے جب تک پہلے اس میں انذار نہ ہو دوسری قوموں میں انذار نہ ہو سکتا تھا کیونکہ اس قوم نے دوسری قوموں کے لیے منذر بننا تھا۔

وَ اِلَیۡہِ اُنِیۡبُ ﴿۱۰﴾
ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ع۱۔

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ جَعَلَ لَکُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ اَزۡوَاجًا وَّ مِنَ الۡاَنۡعَامِ اَزۡوَاجًا ۚ یَذۡرَؤُکُمۡ فِیۡہِ ؕ لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ ۚ وَ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ﴿۱۱﴾
آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا، اس نے تمھارے لیے تمھاری جنس سے جوڑے پیدا کیے اور چارپایوں کے بھی جوڑے پیدا کیے، وہ اس طرح اسے تمھیں پھیلاتا رہتا ہے اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے ع۲۔

لَہٗ مَقَالِیۡدُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۚ یَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ یَّشَآءُ وَ یَقۡدِرُ ؕ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۲﴾
آسمانوں اور زمین کے خزانے اسی کے ہیں، وہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

شَرَعَ لَکُمۡ مِّنَ الدِّیۡنِ مَا وَصّٰی بِہٖ نُوۡحًا وَّ الَّذِیۡۤ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ وَ مَا وَصَّیۡنَا بِہٖۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَ مُوۡسٰی وَ عِیۡسٰۤی اَنۡ اَقِیۡمُوا الدِّیۡنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوۡا فِیۡہِ ؕ کَبُرَ عَلَی الۡمُشۡرِکِیۡنَ مَا تَدۡعُوۡہُمۡ اِلَیۡہِ ؕ
اس نے تمھارے لیے دین کا وہی رستہ مقرر کیا ہے جس کا نوحؑ کو حکم دیا تھا اور جو ہم نے تیری طرف وحی کی اور جس کا ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا کہ دین کو قائم رکھو۔ اور اس میں تفرقہ نہ ڈالو۔ مشرکوں کو وہ بھاری معلوم ہوتا ہے جس کی طرف تو انھیں بلاتا ہے

نمبر۱- آیت ۸ میں اختلافات امم کا ذکر تھا تو فرمایا کہ اس اختلاف مذہبی کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کر سکتا ہے کیونکہ جب ساری قومیں اپنے اپنے اندر رسولوں کا آنا مانتی تھیں اور تمام قوموں میں سخت اختلافات پیدا ہو چکے تھے تو ان کا فیصلہ کس طرح ہو سکتا تھا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نبی وحی نہ آتی یہی فحکمہ الی اللہ سے مراد ہے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہمیشہ ایک ہی دین کی تلقین کی ہے یعنی اسلام یا اللہ تعالیٰ کی کامل فرمانبرداری کا دین اور تمام انبیاء کا ایک ہی مذہب تھا اسی کے اصل اصول کو اسلام کا اصل الاصول قرار دیا۔ اختلافات مذہبی کا فیصلہ کیا گیا ہے جب پہلے رکوع میں آپ کی بعثت کو ام القریٰ سے شروع کر کے کل عالم کے لیے قرار دیا تو اب بتایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام ہی تمام اختلافاتِ مذہبی کا فیصلہ کرتا ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ وہ کل عالم کا مذہب ہو۔

نمبر۲- من الانعام ازواجًا سے مراد ہے کہ چارپایوں کے جوڑے ان کی جنس سے پیدا کیے اور یا مراد ہے کہ تمھارے فائدہ کے لیے حیوانات کے جوڑے پیدا کیے یا قسم قسم کے حیوان پیدا کیے اور یذرؤکم فیہ سے مراد ہے کہ اس تدبیر سے وہ تمھیں پھیلاتا ہے یعنی تعلق زوجیت کی غرض یہ ہے کہ ان کے درمیان توالد ہو اور انسان اور حیوان کی نسل پھیلے۔ لیس کمثلہ شیء یہاں کاف کو جو تشبیہ کے لیے ہے اور مثل کو تاکید نفی کے لیے جمع کیا ہے اور اس میں تنبیہ ہے کہ نہ مثل کا استعمال صحیح ہے نہ کاف کا اس لیے دونوں امور کو جمع کیا اور بعض کے نزدیک مثل یہاں بمعنی صفت ہے یعنی اس کی صفت جیسی کوئی صفت نہیں اور اس میں تنبیہ ہے کہ گو یا اللہ تعالیٰ کی صفات میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کے ساتھ انسان کی صفات کو بھی بیان کیا جاتا ہے لیکن یہ صفات اس طرح پر نہیں جس طرح بشر میں ہیں یعنی اس کی صفات بشر پر قیاس نہیں کی جا سکتیں۔ مثلاً اس کا دیکھنا۔ سننا ایسا نہیں جیسا بشر کا ہے۔ اور اس کا بنانا ایسا نہیں جیسا بشر کا ہے کیونکہ بشر آلات اور مادے کا محتاج ہے خدا نہیں۔ اور بعض نے مثل سے مراد یہاں ذات لی ہے یعنی مراد یہ ہے کہ اس کی ذات

اَللّٰهُ يَجْتَبِىْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِىْٓ
اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾

اللہ تعالیٰ اپنے لیے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے۔ اور اسے اپنی طرف ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے ۱۔

وَ مَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ
الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ
سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى
لَّقُضِىَ بَيْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْرِثُوا
الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَفِىْ شَكٍّ
مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۴﴾

اور انھوں نے تفرقہ نہیں کیا مگر اس کے بعد جو اُن کے پاس علم آگیا آپس کے حسد کی وجہ سے اور اگر ایک بات تیرے رب کی طرف سے پہلے سے ایک وقت مقرر کے لیے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا اور جن لوگوں کو ان کے بعد کتاب ورثہ میں ملی ، وہ اس کے متعلق سخت شک میں ہیں ۲۔

فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَ اسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ
وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَ قُلْ اٰمَنْتُ
بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَ اُمِرْتُ
لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ؕ
لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ؕ لَا حُجَّةَ
بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ ؕ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ

سو تُو اسی کی طرف بلا ۳۔ اور سیدھی راہ پر چلتا رہ جیسا تجھے حکم دیا گیا ہے اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر اور کہہ میں اس پر ایمان لایا جو اللہ تعالیٰ نے کتاب اتاری ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمھارے درمیان انصاف کروں اللہ ہمارا رب اور تمھارا رب ہے ہمارے لیے ہمارے عمل ہیں اور تمھارے لیے تمھارے عمل ہمارے اور تمھارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں اللہ ہمیں جمع کرے گا

جیسی کوئی شے نہیں۔ جیسے عرب کہتے ہیں مثلک لایبخل اور مراد یہ ہوتی ہے کہ تو بخیل نہیں اور یہاں یہ ذکر اس مناسبت سے کیا ہے کہ اوپر تعلق زوجیت کا ذکر تھا اور انسان بھی تعلق باللہ سے ہی ترقی کرتا ہے تو فرمایا کہ ان دونوں تعلقوں میں کوئی مشابہت نہیں۔

نمبر۱۔ یہاں بتایا کہ دین کا اصل اصول تو ہمیشہ ایک ہی رہا ہے چنانچہ جو حکم اب دیا جاتا ہے یہی نوحؑ اور ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا گیا تھا اور نوحؑ اور ابراہیمؑ کے درمیان والذی اوحینا الیک لا کر اس وحی کی عظمت کی طرف توجہ دلائی ہے اور اقیموا الدین میں دین سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی کامل فرمانبرداری ہے اور آگے فرمایا کہ مشرکوں کو شرک چھوڑ کر ایک اللہ کو ماننا بڑا دشوار معلوم ہوتا ہے اور یہ حالت ہر قوم کی ہے جن نے جو شرک بنایا ہے اس شرک کے چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔

نمبر۲۔ ماتفرقوا میں ضمیر ان انبیاء کی امتوں کی طرف ہے یعنی سب انبیاء کو تو ایک ہی دین توحید الٰہی کا دیکر بھیجا گیا تھا۔ مگر اس علم کے آنے کے بعد پھر لوگوں نے باہم تفرقہ کیا۔ کلمۃ سبقت من ربك یہ ہے کہ اختلافات عقائد پر یہاں سزا نہیں دی جاتی اور اُورِثوا الکتٰب من بعدھم سے مراد آنحضرت صلعم کے زمانہ یا اس کے بعد کے لوگ ہیں کہ وہ اس حق میں جو نہایت واضح تھا شک کر رہے ہیں۔

نمبر۳۔ فَلِذٰلك سے مراد لی گئی ہے کہ اس تفرقہ کے سبب سے لوگوں کو راہ حق کی طرف بلاتے رہو مگر اصل مراد اسی اصل الاصول کی طرف بلانا ہے جو سب دینوں کی تعلیم مشترک ہے اور اسی لیے آگے فرمایا آمنت با انزل اللہ من کتٰب اور اسی اصولِ مشترک کی طرف اشارہ ہے اللہ ربنا وربکم ہیں۔ تو مطلب یہ ہے کہ پہلے ایک خدا کی طرف بلاؤ کیونکہ یہ سب دینوں کا اصولِ مشترک ہے۔

وَ اِلَيۡهِ الۡمَصِيۡرُ ؁۱۵

اور اسی کی طرف انجام کار پھر آنا ہے ۔

وَ الَّذِيۡنَ يُحَآجُّوۡنَ فِى اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا اسۡتُجِيۡبَ لَهٗ حُجَّتُهُمۡ دَاحِضَةٌ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ وَ عَلَيۡهِمۡ غَضَبٌ وَّلَهُمۡ عَذَابٌ شَدِيۡدٌ ؁۱۶

اور جو لوگ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اس کے بعد کہ اس کی بات مان لی گئی ان کا جھگڑا ان کے رب کے نزدیک باطل ہے اور ان پر ناراضگی ہے اور ان کے لیے سخت عذاب ہے ۔

اَللّٰهُ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَـقِّ وَالۡمِيۡزَانَ‌ ؕ وَمَا يُدۡرِيۡكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ قَرِيۡبٌ ؁۱۷

اللہ وہ ہے جس نے کتاب اور میزان کو حق کے ساتھ اتارا اور تجھے کیا خبر ہے شاید (موعودہ) گھڑی نزدیک ہی ہو ۔

يَسۡتَعۡجِلُ بِهَا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِهَا‌ ۚ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مُشۡفِقُوۡنَ مِنۡهَا ۙ وَيَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهَا الۡحَـقُّ‌ ؕ اَلَاۤ اِنَّ الَّذِيۡنَ يُمَارُوۡنَ فِى السَّاعَةِ لَفِىۡ ضَلٰلٍۢ بَعِيۡدٍ ؁۱۸

اس کے لیے وہی جلدی کرتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں لاتے اور جو ایمان لائے وہ اس سے ڈرنے والے ہیں ، اور وہ جانتے ہیں کہ وہ سچ ہے سنو! جو لوگ (موعودہ) گھڑی کے بارے میں جھگڑتے ہیں وہ پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں ۔

اَللّٰهُ لَطِيۡفٌۢ بِعِبَادِهٖ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ‌ ۚ وَهُوَ الۡقَوِىُّ الۡعَزِيۡزُ ؁۱۹ ع

اللہ اپنے بندوں پر لطف کرنے والا ہے وہ جسے چاہتا ہے رزق دیتا ہے اور وہ طاقتور غالب ہے ۔

مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ حَرۡثَ الۡاٰخِرَةِ نَزِدۡ لَهٗ فِىۡ

جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اسے اس کی کھیتی میں

نمبر ۱ - کس قدر وضاحت سے یہاں بیان کیا کہ مسلمان سب وحیوں پر ایمان لاتا ہے جو کچھ اللہ نے کتاب یعنی اپنی وحی سے اتارا میں اس سب کو صحیح مانتا ہوں اور پھر تمام مذاہب میں کیسا عدل کا ترازو قائم کیا ۔ اللہ سب کا رب ہے ایک مسلمانوں کا نہیں ، ہاں پھر جیسے جیسے کسی کے عمل ہوں گے ویسی ہی اس کی ربوبیت ہوگی ویسا ہی وہ پھل کھائے گا جھگڑے کی بات ہی کوئی نہیں ۔

نمبر ۲ - من بعد ما استجیب لہ یعنی بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی بات کو بہتیرے لوگوں نے قبول بھی کر لیا یعنی دین اسلام قائم ہو گیا ، کیونکہ ایک یہ بھی صریح شہادت صداقت اسلامی کی تھی کہ سخت ترین مخالفت کے باوجود لوگ اسے قبول کرتے جاتے تھے اور اس زمانہ کے لیے یہ دلیل بالخصوص قابل غور ہے کہ عیسائیت نے ساری دنیا پر تسلط حاصل کر کے اسلام کو مٹانا چاہا ۔ مگر ان کی سب کوشش حجتہم داحضۃ کی مصداق ہے اور وہ خود بھی اسے محسوس کر رہے ہیں ایک طرف اصول اسلام کو قبول کر رہے ہیں دوسری طرف اسلام کا انکار کر رہے ہیں ۔

نمبر ۳ - میزان کے معنی یہاں عدل مروی ہیں یا شریعت جس سے حقوق کا موازنہ کیا جاتا ہے یعنی کتاب تو انسانوں کی رہنمائی کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ نے عدل یا ایک اندازہ بھی نازل کیا ہے جس میں اشارہ انسانوں کے محاسبہ کی طرف معلوم ہوتا ہے ۔ اسی لیے آگے ساعۃ کا ذکر آتا ہے یعنی وہ محاسبہ کا وقت قریب ہی آ پہنچا ہے ۔

حَرْثِهٖ ۚ وَ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا
نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝۲۰
اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ
الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَ لَوْ
لَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَ اِنَّ
الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۲۱
تَرَى الظّٰلِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا كَسَبُوْا
وَ هُوَ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۭ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ ۚ
لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ ذٰلِكَ
هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيْرُ ۝۲۲
ذٰلِكَ الَّذِيْ يُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ قُلْ لَّآ
اَسْــَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي
الْقُرْبٰى ۭ وَ مَنْ يَّقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهٗ

برکت دیتے ہیں اور جو کوئی دنیا کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس میں سے
کچھ اسے دیدیں گے اور اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں [1]
کیا ان کے کوئی شریک ہیں جنھوں نے دین کا کوئی ایسا رستہ ان کے
لیے مقرر کردیا ہے جس کی اجازت اللہ تعالیٰ نے نہیں دی۔ اور اگر
فیصلے کی بات (پہلے سے) نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان (ابھی)
فیصلہ کر دیا جاتا اور ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔
تُو ظالموں کو دیکھے گا (کہ) اس سے ڈر رہے ہیں جو انھوں نے کمایا
ہے اور وہ ان پر واقع ہونے والا ہے اور جو ایمان لائے اور
اچھے عمل کرتے ہیں وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے،
اُن کے لیے ان کے رب کے پاس ہے جو وہ چاہیں۔
یہی بڑا فضل ہے۔
یہ وہ ہے جس کی خوشخبری اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں کو دیتا ہے جو
ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں کہ مَیں تم سے اس
پر کوئی اجر نہیں مانگتا، مگر قریبیوں میں باہم محبت
(چاہتا ہوں) [2] اور جو کوئی نیکی کرتا ہے ہم اس کے لیے اس میں

نمبر۱۔ اس سے معلوم ہُوا کہ دنیا میں بعض باتوں میں ناکامی بھی ہو سکتی ہے مگر آخرت کی کوئی کوشش ضائع نہیں ہوتی۔

نمبر۲۔ اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى۔ یہاں بعض نے اِلّا کو استثنائے متصل قرار دیکر یوں معنی کیے ہیں کہ مَیں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا سوائے اس کے کہ تم مجھ سے بوجہ قرابت کے (یعنی گویا سببیت کے لیے ہے) محبت کرو اور حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ قریش کا کوئی بطن نہ تھا جس میں آپؐ کا تعلق قرابت نہ ہو گویا اسی تعلق قرابت کی طرف توجہ دلائی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ جس طرح تم اپنے قریبیوں کی حمایت کرتے ہو اور خواہ مخواہ ایذا نہیں دیتے یہی معاملہ مجھ سے کرو اور ایک معنی یوں کیے گئے ہیں کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں چاہتا، سوائے اس کے کہ تم میرے قریبیوں سے محبت کرو گویا یہ اہلِ بیت کی محبت کی تلقین ہے اور اہل بیت کی محبت کے متعلق بعض احادیث بھی بیان کی جاتی ہیں لیکن اگر یہ احادیث صحیح بھی مانی جائیں تو بھی اس بات کی کہ اس آیت کا یہی منشا ہے کوئی سند نہیں۔ ان احادیث کا منشا صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو دکھایا گیا تھا کہ آپ کی امت کے بعض لوگ اہل بیت سے بغض کریں گے اس لیے آپ نے اس سے بچنے کی اور اہل بیت سے محبت کی ہدایت فرمائی اور ان سب معنوں پر یہ اعتراض ہے کہ وعظ پر کسی اجر کا نہ مانگنا سب انبیاء کی عام تعلیم ہے جیسا کہ ہر نبی کے ذکر میں یہ لفظ آتے ہیں اور آنحضرت صلعم کے ذکر میں بھی یہی لفظ آتے ہیں کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا یہاں کوئی اور اصول قائم نہیں کیا جا سکتا پس اِلّا المودۃ فی القربیٰ میں اِلّا استثنائے منقطع ہے اور اس سے مراد یا تو یہ ہے جیسا کہ عبداللہ ابن القاسم سے مروی ہے کہ میں تم سے کوئی اجر یا اپنی ذات

فِيهَا حُسْنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۲۳﴾

خوبی بڑھاتے ہیں اللہ بخشنے والا قدر دان ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۚ
فَاِنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يَخْتِمْ عَلٰى قَلْبِكَ ۭ وَ
يَمْحُ اللّٰهُ الْبَاطِلَ وَ يُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ ۭ
اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۲۴﴾

کیا کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بنالیا ہے، سو اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تیرے دل پر مُہر کر دیتا، اور اللہ تعالیٰ جھوٹ کو مٹاتا ہے اور اپنی باتوں سے حق کو ثابت کرتا ہے وہ سینوں کی باتوں سے واقف ہے ۱؎۔

وَ هُوَ الَّذِيْ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ
وَ يَعْفُوْا عَنِ السَّيِّاٰتِ وَ يَعْلَمُ
مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

اور وہی ہے جو اپنے بندوں سے توبہ قبول کرتا ہے اور بدیوں کو مٹاتا ہے اور وہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔

وَ يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَ يَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ
وَ الْكٰفِرُوْنَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ﴿۲۶﴾

اور اُن کی (دعا) قبول کرتا ہے جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں اور انھیں اپنے فضل سے زیادہ دیتا ہے اور کافروں کے لیے سخت عذاب ہے ۲؎۔

کے لیے کوئی منفعت نہیں چاہتا اگر چاہتا ہوں تو صرف یہی چاہتا ہوں کہ تم باہم محبت سے رہو یعنی اس میں اتفاق و یگانگت کی تعلیم ہے اور یا جیسا کہ حسن سے مروی ہے قربیٰ بجائے قربۃ ہے اور مراد قرب الٰہی کا حاصل کرنا ہے یعنی تم سے یہ چاہتا ہوں کہ اعمال صالحہ سے اللہ تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنے کی تڑپ اپنے دلوں میں پیدا کرو اور ان آخری معنوں پر خود قرآن کریم کی شہادت ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا قل ما اسئلکم علیہ من اجر الا من شاء ان یتخذ الی ربہ سبیلا (الفرقان ۵۷) یعنی میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا سوائے اس کے کہ جو کوئی چاہے اپنے رب کی طرف راستہ اختیار کرے اب دونوں جگہ ایک ہی لفظ ہیں کہ میں تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا اور دونوں جگہ بعد میں الّا آتا ہے جو منقطع ہی ہو سکتا ہے نہ متّصل پھر ایک جگہ الّا کے بعد یہ لفظ ہیں کہ جو کوئی چاہے اپنے رب کی طرف رستہ اختیار کرے اور دوسری جگہ مودت فی القربیٰ ہے پس یا تو مودت فی القربیٰ سے مراد حصولِ قرب الٰہی کی تڑپ اور محبت ہی ہے اور دونوں آیتیں ایک دوسری کی تفسیر کرتی ہیں اور یا ایک جگہ الی ربہ سبیلا کہہ کر حقوق اللہ کی طرف اور دوسری جگہ مودۃ فی القربیٰ کہہ کر حقوق العباد کی طرف توجہ دلائی ہے۔

نمبر۱- اس بات کا جواب کہ یہ کہتے ہیں جھوٹ افترا کر لیا ہے یہ دیا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو تیرے دل پر بھی مہر لگ جاتی اور تمھیں کسی نیکی کی توفیق نہ ملتی۔ بالفاظ دیگر بتایا ہے کہ افترا کرنے والے تو یہ ہیں جن کے دلوں پر ایسی مہر لگی ہوئی ہے کہ انھیں کسی نیکی کی توفیق ملتی ہی نہیں اور آنحضرت صلعم جو خود نیکی کرتے اور دوسروں کو نیکی کی تعلیم دیتے ہیں وہ ان باتوں سے بہت بلند ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خطاب عام ہو یعنی یختم علیٰ قلبک سے مراد کافر کے دل پر مہر کر دینا ہے جو ایسی باتیں کہتا ہے اور مجاہد اور مقاتل سے یہ معنی مروی ہیں کہ تیرے دل پر ایسی صبر کی مہر لگا دے کہ ان کی اذیت دینے والی باتیں تجھے ناگوار نہ گزریں۔

نمبر۲- ترجمہ میں وہ معنی اختیار کیے گئے ہیں جب استجابت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو گویا پہلی آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے پھر بدیوں کو معاف کرتا ہے۔ پھر اعمال صالحہ کرنے والوں کی دعاؤں کو قبول کرتا ہے بلکہ اپنے عظیم الشان فضل سے اس سے بھی بڑھ کر دیتا ہے جس قدر وہ مانگتے ہیں اور یستجیب کا فاعل الذین اٰمنوا بھی ہو سکتا ہے یعنی مومن اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کرتے ہیں۔

وَ لَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ وَ لٰكِنْ يُّنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۲۷﴾

اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق فراخ کر دے تو وہ زمین میں سرکش ہو جائیں لیکن وہ اس اندازہ سے اتارتا ہے جو چاہتا ہے ہاں وہ اپنے بندوں سے خبردار دیکھنے والا ہے۔

وَ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْۢ بَعْدِ مَا قَنَطُوْا وَ يَنْشُرُ رَحْمَتَهٗ ؕ وَ هُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۸﴾

اور وہی ہے جو بارش اتارتا ہے، اس کے بعد کہ وہ مایوس ہو گئے ہوں اور وہ اپنی رحمت کو پھیلاتا ہے اور وہ کارساز تعریف کیا گیا ہے ۔[1]

وَ مِنْ اٰيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَثَّ فِيْهِمَا مِنْ دَآبَّةٍ ؕ وَ هُوَ عَلٰى جَمْعِهِمْ اِذَا يَشَآءُ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ ع

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے اور جو ان کے اندر اس نے جاندار پھیلائے ہیں اور وہ ان کے جمع کرنے پر جب چاہے قادر ہے ۔[2]

وَ مَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَ يَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۰﴾

اور جو تم پر مصیبت پڑتی ہے، تمھارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے اور وہ بہت کچھ معاف بھی کر دیتا ہے ۔[3]

نمبر۱- اس میں اشارہ اس رحمت کی طرف معلوم ہوتا ہے جو زمین کے مردہ ہو جانے کے بعد رحمۃ للعالمین کے وجود میں عطا کی گئی۔

نمبر۲- دابۃ کے آسمان اور زمین دونوں میں ہونے پر مفسرین کو دقت پیش آتی ہے اور کبھی اسے ملائکہ پر لگایا گیا ہے اور کبھی مراد مطلق حی لیے گئے ہیں حالانکہ دابۃ بالخصوص چلنے والے پر بولا جاتا ہے اور ملائکہ جو غیر مرئی لطیف ہستیاں ہیں ان پر یہ لفظ صادق نہیں آسکتا۔ لیکن اس میں کیا بُعد ہے کہ آسمانوں میں جو اجرام سیارے وغیرہ ہیں ان میں ویسے جاندار موجود ہوں جیسے اس زمین پر چلتے ہیں بلکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ دیگر کرہ ہائے سماوی جانداروں سے خالی نہیں۔ ابھی سائنس اس بارہ میں کسی نتیجہ پر نہیں پہنچی۔ لیکن جس طرح قرآن کریم کے دوسرے کئی علمی انکشاف سچے ثابت ہوئے ہیں یہ بھی اپنے وقت پر سچا ثابت ہوگا کہ دوسرے کرّوں پر بھی زندگی ہے۔

نمبر۳- مفسرین نے بعض احادیث اس آیت کی تفسیر میں بیان کی ہیں کہ جو کوئی تکلیف یا بیماری وغیرہ آتی ہے تو وہ کسی گناہ کی وجہ سے آتی ہے مگر ان احادیث کے صریحاً خلاف یہ آیت قرآنی ہے ولنبلونکم بشئ من الخوف والجوع (البقرۃ ۲ - ۱۵۵) جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو محض ان کی ترقی درجات کے لیے بھی تکالیف میں ڈالتا ہے اور حدیث میں ہے اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل سخت تر مصائب کے اُٹھانے میں نبی ہیں پھر جیسے جیسے اعلیٰ درجے کے لوگ ہوں گے ویسی ہی ان کی تکالیف بھی زیادہ ہوتی ہیں اور بچوں پر جو تکالیف آتی ہیں وہ ان کے لیے ترقی درجات کا موجب ہونے کے علاوہ ان کے والدین کے لیے بھی ترقی درجات کا موجب ہوتی ہیں۔ اسی لیے حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس کے چھوٹے بچے مر جائیں وہ والدین کے لیے بہشت میں لے جانے کا موجب ہوتے ہیں اور یہاں جو ذکر ہے وہ کفار کا ذکر ہے جو ابطال حق کرنا چاہتے ہیں اور اپنا سارا زور حق کے نیست و نابود کرنے کے لیے صرف کر رہے تھے انھیں بتایا کہ جو کچھ تمھیں مصیبت پہنچے گی وہ تمھاری اپنی ہی کرتوتوں کی وجہ سے پہنچے گی اور پھر بھی تمھارے سارے اعمال کی سزا تمھیں نہیں ملے گی اللہ تعالیٰ بہت کچھ تمھاری زیادتیوں کو معاف بھی کر دے گا اور یہ اس عفو کی طرف اشارہ ہے جو نبی کریم صلعم نے دکھایا اور ان کی ساری زیادتیوں پر عفو کی قلم پھیر دی اور یہ بات کہ یہاں مخالفین کی سزا کا ذکر ہے اگلی آیت سے ظاہر ہے کہ تم خدا کی سزا سے بھاگ نہیں سکتے اور تمھارا کوئی مددگار بھی نہیں ہوگا دونوں آیتوں میں ایک ہی خطاب ہے۔

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚۖ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۳۱﴾

اور تم زمین میں (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں، اور تمھارے لیے اللہ کے سوائے کوئی کارساز نہیں اور نہ کوئی مددگار ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۳۲﴾

اور اس کی نشانیوں میں سے سمندر میں پہاڑوں جیسی کشتیاں ہیں۔

اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۳۳﴾

اگر وہ چاہے تو ہوا کو ٹھیرا دے سو وہ اس کی پیٹھ پر کھڑی رہ جائیں یقیناً اس میں ہر ایک صبر کرنے والے شکر کرنے والے کے لیے نشان ہیں ۱؎

اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَيَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۴﴾

یا انھیں اس کی وجہ سے جو انھوں نے کمایا تباہ کر دے اور وہ بہت کچھ معاف کرتا ہے۔

وَّيَعْلَمَ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا ۭ مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۳۵﴾

اور (تاکہ) وہ جان لیں، جو ہماری آیتوں کے بارے میں جھگڑتے ہیں ان کے لیے کوئی بھاگنے کی جگہ نہیں۔

فَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۳۶﴾

تو جو چیز تم کو دی گئی ہے وہ دنیا کی زندگی کا سامان ہے، اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے اور اپنے رب پر بھروسا رکھتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَجْتَنِبُوْنَ كَبٰۗىِٕرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور جو لوگ بڑے بڑے گناہوں اور بےحیائی کی باتوں سے بچتے ہیں اور جب غصے میں آئیں، تو معاف کر دیتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ۠ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۠

اور جو لوگ اپنے رب کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور ان کا کام آپس میں مشورے سے ہوتا ہے

نمبر۱۔ کشتیوں کا سمندر میں چلنا اللہ تعالیٰ کے فضل کے نشانات میں سے ہے مگر یہاں اس بیان میں خاص اشارہ کفار کی حالت کی طرف ہے کہ وہ کتنے ہی طاقتور ہوں لیکن اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی طاقت کا خاتمہ کر دے اور وہ دیکھتے کے دیکھتے رہ جائیں۔ اسی لیے آیت کے اخیر پر صبار شکور کے لفظ آئے ہیں۔

وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ﴿۳۸﴾	اور اس سے جو ہم نے انھیں دیا خرچ کرتے ہیں ۱؎
وَ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾	اور وہ کہ جب ان پر زیادتی ہو تو وہ بدلہ لیتے ہیں۔
وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾	اور بدی کا بدلہ اس کی مثل سزا ہے پھر جو کوئی معاف کرے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ پر ہے، وہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا ۲؎
وَ لَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ سَبِیْلٍ ؕ ﴿۴۱﴾	اور جو کوئی اپنے (اوپر) ظلم کے بعد بدلہ لیتا ہے تو ان لوگوں پر (الزام کا) رستہ نہیں۔

نمبر۱۔ اسلام کی جو کچھ تعلیم ہے شروع سے ایک ہی ہے یہ مکی سورت ہے اور یہاں بھی شوریٰ یعنی مشورہ کا حکم موجود ہے یہ ظاہر ہے کہ اس سورت یا آیت کے نزول کے وقت مسلمانوں کے کوئی اہم کام ایسے نہ تھے جن میں شوریٰ کے حکم کی حاجت ہو کیونکہ مشورہ قومی کاموں میں ہوتا ہے اور قومی کام زیادہ تر حکومت کے متعلق ہی ہوتے ہیں پس یہاں امرھم شوریٰ بینھم میں گویا بتا بھی دیا ہے کہ مسلمانوں کو حکومت بھی ملے گی اور ان کی حکومت کی بنیاد مشورہ پر ہونی چاہیئے اور نماز اور انفاق کے درمیان اس حکم کو لا کر اس کی اہمیت بتادی ہے اور احادیث بھی مشورہ کے متعلق صریح ہیں۔ ایک حدیث میں حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ آپ کے بعد کوئی اہم امر پیش آئے جس میں قرآن کریم کی کوئی نص صریح نہیں، نہ آپ کا کوئی فیصلہ ہے۔ تو فرمایا کہ میری امت کے نیک لوگوں کو جمع کرو اور مشورہ سے اس کا فیصلہ کرو اور اکیلے کی رائے سے فیصلہ نہ کرو۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جس سے مشورہ لیا جاتا ہے وہ عاقل ہو اس آیت کے صریح حکم سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی حکومت کی بنیاد صرف شوریٰ پر ہے اور پارلیمنٹ اصل اسلامی قانون ہے جس کا حکم سوائے اسلام کے اور کسی مذہب کی کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ مسلمان قوم کی تربیت جن اصول پر ہوتی ان میں سے تین عظیم الشان اصول یہاں بیان ہوئے ہیں یعنی نماز یا اللہ تعالیٰ کے حضور جھکے رہنا اور اصلاح نفس اور انفاق فی سبیل اللہ یا اپنی قوتوں اور اپنے مال و دولت کو مخلوقِ خدا کی بھلائی کے لیے خرچ کرنا اور شوریٰ یعنی امور قومی کو باہمی مشورہ سے طے کرنا اس سے بہتر قوم کی رہنمائی کے لیے کوئی اصول نہیں ہو سکتے

نمبر۲۔ تمام تعزیرات کا خلاصہ اس ایک آیت میں آجاتا ہے۔ بلکہ اس سے بہت کچھ بڑھ کر تعزیرات کا اصل منشا لوگوں کو دوسروں پر ظلم اور زیادتی سے روکنا ہے اور اس کے لیے کچھ سزائیں تجویز کی ہیں ان سب سزاؤں کا خلاصہ یہاں چار لفظوں میں ہے بدی کا بدلہ اس کی مثل سزا ہے۔ یہی تمام سزاؤں کی اصل بنیاد ہے قتل زنا اور ڈاکہ چوری قذف کی سزا کو بیان کر دیا ہے مگر ان میں بھی ایک حد تک امام کی رائے پر معاملہ کو چھوڑا ہے باقی تمام سزاؤں کے لیے ایک اصول بتا دیا ہے مگر اس سے بڑھ کر یہ کہ اگر بغیر سزا دینے کے اصلاح ہو جائے جو تعزیرات کی اصل غرض ہے تو معاف کرو یہی وجہ ہے کہ عفا کے ساتھ اصلح کا لفظ بڑھایا یعنی معافی اس صورت میں ہو جب اس کا نتیجہ اصلاح ہو۔ یہ آیت بھی ایک پیشگوئی کے رنگ میں ہے اور اس میں بتایا ہے کہ مسلمانوں کو اس قدر طاقت ملے گی کہ اپنے مخالفوں کو سزا دینے کا اختیار رکھتے ہوں گے اس وقت بھی عفو کو مدنظر رکھنے کی ضرورت بتائی ہے۔ غربت اور مسکینی کی حالت میں جیسے حضرت مسیح اور آپ کے حواریوں کو پیش آئی۔ صبر اور عفو آسان باتیں ہیں لیکن جب ظالموں پر تسلط حاصل ہو اور ظلم کرنے والے حاکم محکوم بن جائیں اس وقت عفو دکھانا بڑا کام ہے یہی وہ بات ہے جس کا نمونہ ہمارے نبی کریم صلعم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایسا پیش کیا جس کی کوئی نظیر دنیا میں نہیں ملتی اسی لیے رکوع کی آخری آیت میں فرمایا صبر و غفر عزم الامور میں سے یہ ہے کہ مصیبت کے وقت صبر کرے طاقت کے وقت معاف کرے۔

اور یہ جو بدی کے بدلہ سیئۃ کہا ہے تو اس میں سزا کے فلسفہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ سزا بھی کسی کو تکلیف پہنچانا ہے مگر یہ ظلم کو روکنے کے لیے ضروری ہو جاتی ہے۔

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٢﴾

الزام کا رستہ صرف ان پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتی کرتے ہیں، انہی کے لیے دردناک دکھ ہے۔

وَلَمَن صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿٤٣﴾ ع

اور جو کوئی صبر کرے اور معاف کرے تو یہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن وَلِيٍّ مِّن بَعْدِهِ ۗ وَتَرَى الظَّالِمِينَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِّن سَبِيلٍ ﴿٤٤﴾

اور جسے اللہ گمراہ قرار دے تو اس کے لیے اس کے بعد کوئی کارساز نہیں اور تو ظالموں کو دیکھے گا، جب وہ عذاب کو دیکھیں گے کہیں گے کیا کوئی رستہ لوٹنے کا بھی ہے۔

وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا خَاشِعِينَ مِنَ الذُّلِّ يَنظُرُونَ مِن طَرْفٍ خَفِيٍّ ۗ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ ﴿٤٥﴾

اور تو انھیں دیکھے گا اس پر لائے جائیں گے تو ذلت کی وجہ سے عاجزی اختیار کر رہے ہوں گے (اور) چھپی نگاہ سے دیکھتے ہوں گے اور جو ایمان لائے وہ کہتے ہیں نقصان اٹھانے والے وہی ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے دن نقصان میں رکھا سنو ظالم قائم رہنے والے عذاب میں رہیں گے ۱۔

وَمَا كَانَ لَهُم مِّنْ أَوْلِيَاءَ يَنصُرُونَهُم مِّن دُونِ اللَّهِ ۗ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِن سَبِيلٍ ﴿٤٦﴾

اور اللہ کے سوائے ان کے کوئی حمایتی نہ ہوں گے جو اُن کی مدد کریں اور جسے اللہ گمراہ قرار دے تو اس کے لیے کوئی بھی رستہ نہیں۔

اسْتَجِيبُوا لِرَبِّكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ ۚ مَا لَكُم

اپنے رب کی فرماں برداری کرو اس سے پہلے کہ اللہ کی طرف سے وہ دن آجائے جس کے لیے ٹلنا نہیں۔ تمھارے لیے اس دن

نمبر۱۔ خفی کے معنی مخفی ہیں اور یہاں مراد ضعیف یعنی کمزور ہے اور ابن عباسؓ نے اس کے معنی ذلیل کیے ہیں۔ یہاں جو نقشہ عذاب کا کھینچا ہے وہ قیامت پر بھی صادق آتا ہے مگر اس سے بڑھ کر صفائی سے ان کی اس حالت پر صادق آتا ہے جو اس دنیا میں پیش نہیں آئی۔ ذلت کی وجہ سے عاجزی اختیار کرنا اور کمزور نگاہ سے دیکھنا ان کی وہ حالت ہے جو فتح مکہ میں ظہور میں آئی۔

مِّنْ مَّلْجَاٍ یَّوْمَىِٕذٍ وَّ مَا لَكُمْ مِّنْ نَّكِیْرٍ ﴿۴۷﴾

کوئی پناہ نہیں اور نہ تمھارے لیے انکار کرنا ہے۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا ؕ اِنْ عَلَیْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَ اِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۴۸﴾

سو اگر وہ منہ پھیرلیں تو ہم نے تجھے ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ تجھ پر صرف (بات کا) پہنچا دینا ہے، اور ہم جب انسان کو اپنی طرف سے رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو وہ اس پر خوش ہوجاتا ہے اور اگر انھیں کوئی بُرائی پہنچے اس کی وجہ سے جو اُن کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے تو انسان ناشکرگزار ہوجاتا ہے۔

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ؕ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ اِنَاثًا وَّ یَهَبُ لِمَنْ یَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ﴿۴۹﴾

اللہ کے لیے ہی آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جسے چاہتا ہے لڑکیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکے دیتا ہے [1]۔

اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّ اِنَاثًا ۚ وَ یَجْعَلُ مَنْ یَّشَآءُ عَقِیْمًا ؕ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۵۰﴾

یا وہ انھیں ملا دیتا ہے (کچھ) لڑکے اور (کچھ) لڑکیاں اور جسے چاہتا ہے بانجھ بناتا ہے، وہ جاننے والا قدرت والا ہے۔

وَ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِهٖ مَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِیٌّ حَكِیْمٌ ﴿۵۱﴾

اور کسی بشر کے لیے یہ میسّر نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر وحی سے یا پردہ کے پیچھے سے یا رسول بھیجے، پس اپنے حکم سے جو چاہے وحی کرے۔ وہ بڑا بلند حکمت والا ہے [2]۔

نمبر ۱۔ اوپر کفار کی سزا کا ذکر تھا اور آگے اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں سے کلام کا ذکر ہے اور درمیان میں ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے کسی کو لڑکیاں اور کسی کو لڑکے دینے کا ذکر ہے ان آیات کا باہم تعلق کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ منکرین کی سزا میں ایک قوم کو مٹانے کا اور وحی الٰہی سے دوسری قوم کو زندہ کرنے کا اشارہ ہے گویا اللہ تعالیٰ ایک قوم کو مٹاتا اور ایک کو خلق کرتا ہے اس پر فرمایا یخلق مایشاء یعنی وہ اختیار رکھتا ہے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ لفظ اناث میں اشارہ کمزور عمل والوں کی طرف ہو اور عقیم میں یہ اشارہ ہو کہ ایک نسل کا خاتمہ کردیا جائے اور اس کی آگے ترقی کا سامان بند کردیا جائے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اناث اور ذکور کے دینے میں اشارہ ایک قوم کی تکثیر کی طرف ہو اور عقیم میں دوسری قوم کی ہلاکت کی طرف اور آگے علیم اور قدیر کی صفات میں بھی اس طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے اور قرآن کریم میں یہ بسا اوقات ہوتا ہے کہ ایک ظاہری نظارہ کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے اور اس کے نیچے ایک اور غرض بھی ہوتی ہے اور روح المعانی میں ہے کہ اناث کو پہلے اس لیے رکھا کہ وہ تکثیر نسل کا موجب ہوتی ہے لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عورتوں کی جو تحقیر ملک عرب میں اور عام طور پر دنیا میں کی گئی تھی اس کو دور کرنے کے لیے اناث کا ذکر پہلے کیا۔

نمبر ۲۔ راغب کے نزدیک آیت زیر بحث میں جن وحیوں کا ذکر ہے وہ ایک تو رسول کے ذریعہ سے ہے جسے دیکھا جاتا ہے اور جس کی بات سُنی جاتی ہے

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ
اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ
وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا
نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَ
اِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾
صِرَاطِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِلَى اللّٰهِ
تَصِيْرُ الْاُمُوْرُ ﴿۵۳﴾ ع

اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے روح بھیجی، تو نہ جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور نہ یہ کہ اس پر ایمان (کیا ہے) لیکن ہم نے اسے نور بنایا، اس کے ساتھ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت دیتے ہیں اور تو یقیناً سیدھے رستے کی طرف ہدایت کرتا ہے [۱]
اس اللہ کا رستہ جس کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ سنو! اللہ تعالیٰ کی طرف ہی سب باتیں انجام کار لوٹتی ہیں۔

جیسا جبرئیل علیہ السلام کا نبی صلعم کو صورت معین میں کلام پہنچانا اور دوسرے کلام کا سننا در آنحالیکہ کلام کرنے والا نہ دیکھا جائے۔ جیسے حضرت موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا اور تیسری قسم میں ایک القاء فی الروع ہے یعنی دل کے اندر ایک بات کا ڈالنا جیسے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ روح القدس نے میرے دل میں یہ بات ڈالی ہے اور ایک الہام ہے جیسے اوحینا الی ام موسیٰ ان ارضعیہ (۲۸: ۷) یا تسخیر جیسے اوحی ربك الی النحل (۱۶: ۶۸) اور ایک خواب کے ذریعے سے جیسے آنحضرت صلعم نے فرمایا انقطع الوحی وبقیت المبشرات جس میں مومن کا رؤیا شامل ہے پس الہام اور تسخیر اور رؤیا پر لفظ وحیا دلیل ہے اور سماع کلام بغیر معاینہ پر من وراء حجاب اور جبرئیل کے صورت معینہ میں پہنچانے پر یرسل رسولا۔ میرے نزدیک مفسرین نے جو استثناء حضرت موسیٰؑ کے لیے کیا ہے وہ صراحت قرآنی کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انا اوحینا الیك کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ (النساء ۴: ۱۶۳) اور انہی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور یہ بات قابل قبول نہیں کہ تمام انبیاء کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے علٰحدہ کسی پیرایہ میں کلام کیا تھا۔
اللہ تعالیٰ کا قانون عام ہے انبیاء کے مکالمہ میں بھی ایک حصہ تو وہ ہے جو اُن کی وحی متلو کہلاتی ہے اور یہ جبرئیل صورت معینہ میں پہنچاتے ہیں اور دوسرا وہ جو بذریعہ رؤیا یا کشف ان پر وارد ہوتا ہے جو کلام بغیر کلام کرنے والے کے دیکھنے کے سنا جاتا ہے جو اولیاء اللہ میں الہام کہلاتا ہے اور تیسرا وہ جو بذریعہ وحی خفی ان کے دل میں ڈالا جاتا ہے جس پر بعض وقت الہام کا لفظ بھی بول دیا جاتا ہے اور یہ وحی غیر متلو ہے۔ صورت اول یرسل رسولاً والی ہے اور یہ انبیاء سے مخصوص ہے اسی لیے اب بعد خاتم النبیین صلعم جبرئیل کا وحی نبوت لیکر آنا موقوف ہے گو وہ مومنوں کی تائیدات کے لیے آتا ہے اور دوسری صورت من وراء حجاب ہے اور تیسری صورت وحیا اور ان پچھلی دونوں صورتوں میں اولیاء اور انبیاء دونوں شامل ہیں اور اسی میں حضرت موسیٰ کی والدہ یا حضرت مریم یا حواری آتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا۔ باقی رہی نحل کی طرف وحی یا زمین یا آسمان کی طرف وحی تو یہ انسانوں کے ساتھ کلام سے بالکل علٰحدہ چیز ہے۔

نمبر۱- یہاں قرآن کو روح یا زندگی کہہ کر بتا دیا کہ اسی سے آئندہ قوموں کو زندگی ملے گی اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے روح یعنی قرآن کو جو قوموں کے لیے زندگی ہے تیری طرف وحی کیا۔ اس پر ایمان لاکر قوموں میں زندگی پیدا ہوگی۔ قبل از بعثت نہ رسول اللہ صلعم کو اس قرآن کی خبر تھی اور نہ ہی یہ خبر تھی کہ اس پر ایمان سے کیا انقلاب ظہور میں آئے گا۔ اسی لیے آگے فرمایا کہ پہلے آپ نہ جانتے تھے کہ یہ لوگ کس طرح ان ظلمتوں سے باہر نکلیں گے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک نور دیدیا اس نور کے ذریعہ سے آپ نے لوگوں کو صراط مستقیم پر چلایا۔ یوں آنحضرت صلعم اللہ تعالیٰ کی توحید پر قبل از نبوت بھی ایمان لاتے تھے۔

سُوْرَةُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّةٌ

آیاتہا ۸۹ (۴۳) رکوعاتہا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
حٰمٓ ۞ ۱	(اللہ تعالیٰ) بے انتہا رحم والا (ہے)
وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ ۲	کھول کر بیان کرنے والی کتاب گواہ ہے،
اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ ۳	کہ ہم نے اسے عربی قرآن بنایا، تاکہ تم
وَاِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۞ ۴	اور وہ ہمارے پاس ام الکتاب میں بلند مرتبہ حکمت والا ہے ۲؎
اَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِيْنَ ۞ ۵	تو کیا ہم تم سے اعراض کرتے ہوئے نصیحت کو پھیر دینگے اس لیے کہ تم حد سے گزرنے والے لوگ ہو ۳؎

نمبر ۱۔ اس سورت کا نام الزخرف ہے اور اس میں سات رکوع اور ۸۹ آیتیں ہیں۔ زخرف کے معنی سونا ہیں اور اس سورت میں بتایا ہے کہ لوگ عموماً دنیوی آرائش کے ظاہری سامانوں پر فریفتہ رہتے ہیں حالانکہ یہ چیزیں یعنی چاندی سونا وغیرہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ حقیقت نہیں رکھتیں اور وہ محض اپنے رحم بے پایاں سے رسول کو بھیجتا ہے تاکہ وہ لوگوں کو اخلاق فاضلہ کے لباس سے زینت دے۔ جب پچھلی سورت میں یہ بتایا کہ پیغام اسلام کل عالم کے لیے ہے تو یہاں بتایا کہ مذہب لوگوں کے اخلاق کی درستگی کے لیے آتا ہے دنیوی سامانوں سے متمتع کرنا اس کی کوئی غرض نہیں۔ عیسائی اقوام کو اپنی دنیوی زیب و زینت پر بہت فخر ہے حالانکہ مذہب کی غرض اخلاقی زیب و زینت کا جامہ پہنانا ہے۔ انہی کی طرف زخرف کے ذکر میں خاص اشارہ ہے اور آخری دو رکوعوں میں حضرت عیسیٰ کا ذکر اور عقیدۂ ابنیت کی تردید ہے۔

نمبر ۲۔ پہلے فرمایا کہ قرآن ام الکتاب میں ہے اور مراد اس سے لوح محفوظ لیا گیا ہے اور لوحِ محفوظ علم الٰہی کے لیے دوسرا نام ہے اور اس کے لوح محفوظ یا علم الٰہی میں ہونے سے یہ مراد ہے کہ دشمن اسے ضائع نہیں کر سکتے اور پھر قرآن کو علی یعنی بلند مرتبہ کہا ہے اور حکیم یا حکمت والا۔ اور اس پر کتاب مبین یعنی خود قرآن کو ہی گواہ ٹھیرایا ہے یعنی قرآن اپنی صداقت آپ اس طرح ثابت کر دیگا کہ اپنی پیروی کرنے والوں کو بلند مقام پر پہنچا دے اور حکیم بنا دے۔

نمبر ۳۔ آیت کا مطلب یہی ہے کہ ایک قوم اگر خطا کاری میں حد سے گزر گئی ہے تو یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ بھی اسے اسی اسراف کی حالت میں چھوڑ دے اور ان کو نصیحت نہ کرے بالفاظ دیگر کوئی قوم کتنی بھی خطا کاری میں پڑ جائے اللہ تعالیٰ کا رحم اس کی دستگیری کے لیے بھی تیار ہے یٰعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ (الزمر ۳۹-۵۳) مگر مفسرین نے یوں بھی معنی کیے ہیں کہ کیا ہم تمہارے گناہوں سے درگذر کرتے ہوئے عذاب کو تم سے پھیر دیں گے گویا ذکر سے مراد ذکر عذاب ہے اور پہلے معنی بلحاظ سباق بھی زیادہ موزوں ہیں۔ اس لیے کہ آگے یہی ذکر چلتا ہے کہ پہلے لوگوں میں بھی ہم نبی بھیجتے رہے اور وحی کا نزول صفتِ رحمانیت کا تقاضا ہے جیسا کہ سب سے پہلی آیت میں اشارہ ہے۔

وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ ۝٦
اور کتنے ہی نبی ہم نے پہلوں میں بھیجے۔

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّا كَانُوْا
اور کوئی نبی ان کے پاس نہیں آتا تھا مگر وہ اس

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝٧
سے ہنسی کرتے تھے۔

فَاَهْلَكْنَآ اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰى
سو ہم نے انھیں ہلاک کر دیا جو قوت میں ان سے زیادہ

مَثَلُ الْاَوَّلِيْنَ ۝٨
سخت تھے اور پہلوں کی مثال گزر چکی ۱۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ
اور اگر تو ان سے سوال کرے کہ کس نے آسمانوں اور زمین

وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۝٩
کو پیدا کیا تو ضرور کہیں گے کہ انھیں غالب علم والے نے پیدا کیا۔

الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ
جس نے تمھارے لیے زمین کو جائے آرام بنایا اور تمھارے

لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝١٠
لیے اس میں رستے بنائے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ
اور وہ جس نے بادل سے پانی ایک اندازے سے اتارا پھر ہم

فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝١١
اس کے ساتھ ایک مردہ شہر کو زندہ کرتے ہیں اسی طرح تم زندہ کر کے نکالے جاؤ گے

وَالَّذِيْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ
اور وہ جس نے سب کے سب جوڑے پیدا کیے اور تمھارے لیے کشتیاں

مِّنَ الْفُلْكِ وَالْاَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ۝١٢
اور چارپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔

لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ
تاکہ تم ان کی پیٹھوں پر سوار ہو، پھر اپنے رب کی نعمت کو یاد کرو

رَبِّكُمْ اِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا
جب اس پر قرار پکڑو اور کہو ، وہ پاک

سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا
ذات ہے جس نے ہمارے لیے اسے کام میں لگایا

كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۝١٣
اور ہم اسے قابو میں رکھنے والے نہ تھے۔

وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝١٤
اور ضرور ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں ۲۔

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا ۭ اِنَّ
اور وہ اس کے بندوں میں سے اس کی اولاد مقرر کرتے ہیں

نمبر ۱۔ مثل الاولین سے مراد ان کا ذکر ہے جو ایک مثل کے حکم میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ قرآن میں یہ ذکر ہو چکا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورتیں درمیانی زمانہ کی ہیں اور ان سے پہلے ایسی سورتیں نازل ہو چکی تھیں جن میں انبیاء اور ان کے مکذبین کا ذکر ہے۔

نمبر ۲۔ یہ دعا سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا لہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون جانور پر سواری کے وقت پڑھی جاتی ہے۔

الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾	انسان کھلا ناشکر گزار ہے [۱]
اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ ﴿۱۶﴾	کیا اس نے اپنی مخلوق سے (اپنے لیے) بیٹیاں بنالیں اور تمھیں بیٹوں کے لیے چن لیا ہ
وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ﴿۱۷﴾	اور جب ان میں سے کسی کو اس کی خوش خبری دی جاتی ہے جو وہ رحمٰن کے لیے مثال بیان کرتا ہے تو اس کا منہ سیاہ ہوجاتا ہے اور وہ غم سے بھرا ہوا ہوتا ہے [۲]
اَوَ مَنْ يُّنَشَّؤُا فِی الْحِلْيَةِ وَ هُوَ فِی الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ﴿۱۸﴾	کیا وہ جو زیور میں پرورش پائے اور وہ جھگڑے میں کھول کر بات نہ کر سکے [۳]
وَ جَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ الَّذِيْنَ هُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا ؕ اَشَهِدُوْا خَلْقَهُمْ ؕ سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۱۹﴾	اور انھوں نے فرشتوں کو جو خدا کے بندے ہیں دیویاں بنایا، کیا وہ ان کی پیدائش پر موجود تھے۔ ان کی گواہی لکھ لی جائے گی اور ان سے پوچھا جائے گا [۴]

نمبر۱۔ جزء کے معنی بعض یا حصہ ہیں اور یہاں بعض مفسرین نے ولد یا بیٹا اور بعض نے عدل یا اس کا ہمسر مراد لیا ہے۔ یہاں انتقال مضمون اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹا منسوب کرنے کی طرف کیا ہے اور اگلے رکوع میں عرب کے اس عقیدہ کا ذکر ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں چونکہ عیسائیوں کا عقیدۂ ابنیت اور عرب کا یہ عقیدہ باہم ملتے جلتے ہیں۔ اس لیے دونوں کا ذکر ایک جگہ کیا ہے اس رکوع میں اصل ذکر بعثت انبیاء کا تھا۔ اس کے آخر پر اس عقیدہ کا ذکر یہ ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ تمام انبیاء کی اصولی تعلیم اللہ تعالیٰ کی توحید ہی ہے۔ یہ مشرکانہ عقیدہ کہ اس کا بیٹا یا بیٹیاں بھی ہیں لوگوں کا اپنا افترا ہے کسی نبی نے یہ تعلیم نہیں دی۔ یعنی کسی نبی یا راستباز کی یہ تعلیم نہیں بالفاظ دیگر نقلی دلیل بھی کوئی نہیں۔

نمبر۲۔ یہی مضمون النحل [۱۶] ۵۷ و ۵۸۔ اور الصافات [۳۷] ۱۴۹ تا ۱۵۳ میں بیان ہوچکا ہے یعنی ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں قرار دینا بما ضرب الرحمٰن مثلاً میں اسی طرف اشارہ ہے اور مثل سے مراد یہاں شبہ ہے یعنی اس کو اللہ تعالیٰ کی مثل یا اس کی جنس سے قرار دیتے ہیں کیونکہ اولاد والد کی جنس سے ہوگی۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف اولاد منسوب کرنا گویا دوسروں کو اس کی جنس سے یا اس جیسا قرار دینا ہے اور پہلی آیت میں مما یخلق اس لیے بڑھایا کہ مخلوق تو تغیر اور فنا کے نیچے ہے اسے اللہ تعالیٰ جیسا قرار دینا کیسی بعید از عقل بات ہے۔

نمبر۳۔ زیورات میں پرورش پانے والے کے متعلق دو قول ہیں بعض کے نزدیک اس سے مراد لڑکیاں اور عورتیں ہیں اس صورت میں یہ فقرہ او من ینشؤا فی الحلیة وھو فی الخصام غیر مبین گویا اسی شخص کا قول ہے جس کو لڑکی کی بشارت دی جاتی ہے اور ابن زید کا قول ہے کہ اس سے مراد ان کے بت ہیں جو وہ چاندی اور سونے سے بناتے تھے اور ینشؤا فی الحلیة سے مراد زیورات سے ان کا بنانا ہے اور فی الخصام غیر مبین بھی بتوں پر صادق آسکتا ہے اور اس صورت میں نفی ابانة سے مراد نفی خصام ہوگی یعنی وہ دلیل دینے یا کچھ بیان کرنے یا جھگڑا کرنے کے قابل ہی نہیں اور چونکہ اگلی آیت میں اناث سے مراد ان کی دیویاں یا ان کے بت ہی ہیں اس لیے یہاں بھی بتوں کا ذکر ہی اصل منشا معلوم ہوتا ہے اور بتوں کو زیورات یعنی سونے چاندی اور جواہرات سے مرصع کرنا بت پرستوں میں عام رواج ہے اور بتوں کے دلیل نہ دینے یا نہ بولنے کو دوسری جگہ بھی بطور دلیل پیش کیا گیا ہے فسئلوھم ان کانوا ینطقون (الانبیاء [۲۱] -۶۳) افلا یرون الا یرجع الیھم قولا (طٰہٰ [۲۰] -۸۹)

نمبر۴۔ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیکر ان کی عبادت بھی کرتے تھے جیسے کہ اگلی آیت سے ظاہر ہے پس اناث سے مراد انھیں دیویاں قرار دینا ہی ہے اور

وَقَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَٰنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ ۗ مَا لَهُمْ بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۲۰﴾

اور کہتے ہیں کہ اگر رحمٰن چاہتا تو ہم ان کی عبادت نہ کرتے۔ انھیں اس کا کچھ علم نہیں۔ وہ محض اٹکلیں دوڑاتے ہیں۔

أَمْ آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا مِنْ قَبْلِهِ فَهُمْ بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ ﴿۲۱﴾

کیا ہم نے انھیں اس سے پہلے کوئی کتاب دی ہے۔ جس سے وہ دلیل پکڑتے ہیں ۱؎

بَلْ قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِمْ مُهْتَدُونَ ﴿۲۲﴾

بلکہ کہتے ہیں ہم نے اپنے بزرگوں کو ایک طریق پر پایا اور ہم ان کے قدموں کے نقشوں پر چلنے والے ہیں۔

وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي قَرْيَةٍ مِنْ نَذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِمْ مُقْتَدُونَ ﴿۲۳﴾

اور اسی طرح ہم نے تجھ سے پہلے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے آسودہ حال لوگوں نے کہا ہم نے اپنے بزرگوں کو ایک طریق پر پایا اور ہم ان کے قدموں کے نقشوں کے پیچھے چلتے ہیں۔

قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكُمْ بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ آبَاءَكُمْ ۖ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿۲۴﴾

ڈرانیوالے نے کہا کیا اگر میں تمھارے پاس اس سے زیادہ ہدایت والی بات لایا ہوں جس پر تم نے اپنے بزرگوں کو پایا۔ انھوں نے کہا ہم اس کا جو تمھیں دیکر بھیجا گیا ہے انکار کرنے والے ہیں۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۲۵﴾ ع

تو ہم نے انھیں سزا دی، سو دیکھ کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ ﴿۲۶﴾

اور جب ابراہیم نے اپنے بزرگ اور اپنی قوم سے کہا۔ میں اس سے بیزار ہوں جس کی تم عبادت کرتے ہو۔

چونکہ ان کے بتوں کے نام جن کی وہ عبادت کرتے تھے عورتوں پر تھے اور فرشتوں کی اور کسی رنگ میں ان کا عبادت کرنا معلوم نہیں ہوتا اس لیے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان بتوں یا اپنی دیویوں کو ملائکہ کا مظہر قرار دیتے تھے جس پر دوسری جگہ قرآن کریم میں شہادت موجود ہے کہ جب فرشتوں سے کہا جائے گا کہ کیا یہ تمہاری عبادت کرتے تھے تو وہ جواب میں کہیں گے بل کانوا یعبدون الجن (السبا ۴۱)

نمبر۱ پہلی آیت میں فرمایا کہ ان کے پاس اس عقیدہ کے متعلق کوئی علم نہیں یعنی عقلی دلیل نہیں۔ یہاں فرمایا کہ کوئی کتاب بھی ان کے پاس نہیں یعنی کسی نبی راستباز کی یہ تعلیم نہیں یا الفاظ دیگر نقلی دلیل بھی کوئی نہیں۔

اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ﴿۲۷﴾	مگر وہ جس نے مجھے پیدا کیا سو وہی مجھے سیدھی راہ دکھائیگا[1]
وَجَعَلَهَا كَلِمَةًۢ بَاقِیَةً فِیْ عَقِبِهٖ	اور اس نے اپنی اولاد میں یہ کلمہ پیچھے چھوڑا تاکہ
لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۲۸﴾	وہ رجوع کریں[2]
بَلْ مَتَّعْتُ هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى	بلکہ میں نے انھیں اور ان کے باپ دادوں کو سامان دیا،
جَآءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُوْلٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۹﴾	یہاں تک کہ اُن کے پاس حق اور کھول کر بیان کرنیوالا رسول آیا[3]
وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ	اور جب حق ان کے پاس آیا کہنے لگے یہ جادو ہے اور ہم
وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾	اس کا انکار کرنے والے ہیں[4]
وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى	اور کہنے لگے کیوں یہ قرآن دو بستیوں کے کسی بڑے
رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ﴿۳۱﴾	آدمی پر نہ اتارا گیا[5]
اَهُمْ یَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ ؕ نَحْنُ	کیا وہ تیرے رب کی رحمت کو تقسیم کرتے ہیں، ہم نے ان کے
قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَّعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیٰوةِ	درمیان ان کی دنیا کی زندگی میں ان کی روزی تقسیم کی ہے،
الدُّنْیَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ	اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کیے ہیں۔ تاکہ
دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا ؕ	ایک دوسرے سے کام لیتا رہے اور تیرے

نمبر۱۔ یعنی میں سوائے ایک پیدا کرنے والے کے اور کسی کی عبادت نہیں کرتا اِلّا یہاں استثنائے منقطع ہے اور ہدایت دینے سے مراد صحیح تعلیم پر قائم کرنا نہیں کیونکہ وہ تو قائم ہیں اور سوائے خدا کے کسی کی عبادت نہیں کرتے بلکہ منزل مقصود پر پہنچانا ہے۔

نمبر۲۔ عقب پاؤں کے پچھلے حصّہ کو کہا جاتا ہے اور استعارۃً بیٹے اور بیٹے کے بیٹے پر اس کا استعمال ہوتا ہے جیسے یہاں اور بعض نے فی عقبہ کے معنی من خلفہ کیے ہیں یعنی اپنے پیچھے اور بعض نے عقب ابراہیمؑ سے مراد آل محمد صلعم کو لیا ہے اوپر ذکر تھا کہ حضرت ابراہیمؑ نے تمام معبودان باطل سے بیزاری کا اظہار کیا اور توحید الٰہی پر قائم ہوئے اس لیے اس کے بعد فرمایا کہ توحید الٰہی کے مذہب کو ہی ابراہیمؑ نے اپنی اولاد میں باقی چھوڑا اور یرجعون میں رجوع سے مراد اسی صحیح تعلیم کی طرف رجوع ہے یعنی ملک عرب میں یہ تعلیم باقی چلی آتی ہے۔ پس اگر یہ لوگ غور کریں تو بت پرستی چھوڑ کر خدائے واحد کی طرف رجوع کریں۔

نمبر۳۔ یعنی ان کے مشرکانہ عقاید اور اُن کی بدکرداریوں پر گرفت نہیں کی اور حق قرآن کریم ہے۔

نمبر۴۔ کافر قرآن کریم کو سحر کہتے تھے اس لیے کہ اس کی تعلیم دلوں کو اپنی طرف کھینچتی تھی انبیاء کو ساحر کہنے کی اصل وجہ یہی ہے۔

نمبر۵۔ قریتین یعنی دو بستیوں میں اشارہ مکہ اور طائف کی طرف ہے اور رجل عظیم سے مراد جاہ و مال والا آدمی ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کیونکہ کفار کی نظر میں عظمت کا انحصار مال دنیا پر تھا اور مال دنیا کے لحاظ سے رسول اللہ صلعم بڑے نہ تھے۔ ہاں نیکی اور راستبازی میں آپ کا مرتبہ اس قدر بلند تھا کہ اس کا اعتراف سب عرب کو تھا۔ بعض لوگوں نے خاص نام لیے ہیں۔ مثلاً مکہ میں ولید بن مغیرہ یا عتبہ بن ربیعہ کا نام اور طائف میں حبیب بن عمرو یا ابن عبد یالیل یا ابن مسعود ثقفی کا نام مگر اس تعین کی کوئی ضرورت نہیں۔

وَ رَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۳۲﴾

رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں ۱؎

وَ لَوْلَآ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ وَّ مَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُوْنَ ﴿۳۳﴾

اور اگر یہ نہ ہوتا کہ سب لوگ ایک ہی گروہ ہو جائیں گے تو ہم ان کے لیے جو رحمٰن کا انکار کرتے ہیں ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا دیتے اور سیڑھیاں (بھی) جن پر وہ چڑھتے ہیں ۲؎

وَ لِبُيُوْتِهِمْ اَبْوَابًا وَّ سُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِـُٔوْنَ ﴿۳۴﴾

اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت جن پر وہ تکیہ لگاتے ہیں۔

وَ زُخْرُفًا ؕ وَ اِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۵﴾ ع

اور سونے کے (بھی)، اور یہ سب صرف دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور آخرت تیرے رب کے نزدیک متقیوں کے لیے ہے ۳؎

وَ مَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ﴿۳۶﴾

اور جو کوئی رحمٰن کی یاد سے منہ پھیر لے، ہم اس کے لیے ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں سو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے ۴؎

نمبر۱- رحمۃ ربلک سے مراد نبوت یا اللہ تعالیٰ سے قرب کا تعلق ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی باطنی نعمتوں کی تقسیم ان کے ہاتھ میں نہیں بلکہ ظاہری نعمتوں کی تقسیم بھی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ظاہری قانون قدرت یہ ہے کہ سامان روزی کے لحاظ سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت کا کام لے سکیں اور نظام قائم رہے تو جس طرح بعض مصالح کی بنا پر یہ اختلافات ظاہری ہیں یہی حالت اختلافات روحانی کی ہے اور کون شخص فی الحقیقت دوسروں پر فضیلت رکھتا ہے اور کس کی قوت قدسی دوسروں کو نیکی کی راہ پر لا سکتی ہے یہ علم اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔

نمبر۲- لوگوں کے امۃ واحدۃ یا ایک ہی گروہ ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ سب کفر پر جمع ہو جائیں۔ مطلب یہ ہے کہ مال دنیا تو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ایک حقیر شے ہے اور وہ کفار کو اتنا مال بھی دیدے کہ ان کے گھروں کی چھتیں اور سیڑھیاں اور دروازے اور ان کے بیٹھنے کے تخت سب سونے چاندی کے ہوں۔ لیکن اس صورت میں لوگ سب کے سب کفر کی طرف ہی جھک جائیں اور مال دنیا کو ہی اپنا مطلوب اور مقصود بنالیں۔ آج اس آیت کی سچائی کس قدر عیاں ہو رہی ہے کہ یورپ کی کافر قوموں کو اللہ نے کچھ وافر حصہ مال دنیا سے دیا۔ تو کس طرح پر سب لوگ ان کی پیروی کر کے مال دنیا کے حصول پر ہی گر گئے ہیں اور شب و روز ہر ایک کو یہ فکر ہے کہ اس کا گھر نہایت خوبصورت بن جائے اور اس میں بیش قیمت سامان ہو اس ہوس نے آج دنیا کو اخلاق فاضلہ کے لیے قدم اٹھانے سے محروم کر رکھا ہے ہاں یہ چیزیں اپنی ذات میں بُری بھی نہیں لیکن ان کو مطلوب اور مقصود بنا لینا انسان کو اپنے کمال حقیقی سے محروم کر دیتا ہے۔

نمبر۳- زینت اور کمال حُسن کو بھی زخرف کہا جاتا ہے یا طمع اور سونے کو بھی اور ابن زید کا قول ہے کہ زخرف سے مراد اثاث البیت اور اس کا تجمل ہیں اور سونا معنی لیکر زخرفاً من زخرف کے قائم مقام ہوگا یعنی یہ چیزیں چاندی اور سونے کی بنا دیں اور آخری الفاظ میں فرمایا کہ یہ محض دنیا کی زندگی کا سامان ہے اور آخرت اُن لوگوں کے لیے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے لیے ہر قسم کی قربانی کرتے ہیں اور سونے چاندی کی پرستش نہیں کرتے۔

نمبر۴- اس آیت سے اور ۲۵ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شیطان ہر انسان کا قرین نہیں بلکہ وہ صرف انہی کے لیے قرین بنتا ہے جو خود حق اور صداقت سے منہ پھیرتے ہیں۔ شیطان کی وسوسہ اندازی عام ہے مگر اس کے وسوسوں کو قبول سب نہیں کرتے۔ جب انسان شیطان کے وسوسہ کو رد کرتا ہے تو اس کی وسوسہ اندازی بھی کم ہو جاتی ہے اور جس قدر زیادہ وہ اس کے وساوس کو قبول کرتا جاتا ہے اسی قدر زیادہ اس کا تعلق اس

وَ اِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۷﴾
اور وہ انھیں رستے سے روکتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پانے والے ہیں ۔ ۱

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِىْ وَ بَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ ﴿۳۸﴾
یہاں تک کہ جب ہمارے پاس آتا ہے کہتا ہے اے کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق و مغرب کی دوری ہوتی سو کیا بُرا ساتھی ہے ۔ ۲

وَ لَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْ ظَّلَمْتُمْ اَنَّكُمْ فِى الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ﴿۳۹﴾
اور آج تمھیں یہ بات فائدہ نہ دے گی، جبکہ تم ظالم ہو کہ تم عذاب میں شریک ہو۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْ تَهْدِى الْعُمْىَ وَ مَنْ كَانَ فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۰﴾
تو کیا بہروں کو سنا سکتا ہے یا اندھوں کو رستہ دکھا سکتا ہے اور اسے جو کھلی گمراہی میں ہے ۔ ۳

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ ﴿۴۱﴾
سو اگر ہم تجھے لے جائیں تو بھی انھیں ہم سزا ہی دینے والے ہیں۔

اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ ﴿۴۲﴾
یا تجھے دکھا دیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے تو ہم ان پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں ۔ ۴

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِىْۤ اُوْحِىَ اِلَيْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۳﴾
سو اسے مضبوط پکڑ لے جو تیری طرف وحی کی گئی ہے، بیشک تو سیدھے رستے پر ہے۔

وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ ۚ وَ سَوْفَ تُسْئَلُوْنَ ﴿۴۴﴾
اور یقیناً وہ تیرے لیے اور تیری قوم کے لیے مشرف ہے اور تم سے پوچھا جائے گا۔

سے ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کا دائمی رفیق ہو جاتا ہے شیطان تو وہی ہے مگر وہ قرین صرف بدکاروں کا ہوتا ہے ۔

نمبر۱ ۔ روکنے والے وہی شیاطین ہیں مگر وہ بدی کو ایسا خوبصورت کرکے دکھاتے ہیں کہ بدکار سمجھتے ہیں کہ ہم راہ راست پر ہیں اور اچھا کام کر رہے ہیں جب انسان بدی میں بہت زیادہ مبتلا ہو جاتا ہے تو اسی بدی کو وہ اچھا سمجھنے لگتا ہے اس لیے کہ نور فطرت بالکل دب جاتا ہے ورنہ اصل حالت انسان کی یہ نہیں ۔

نمبر۲ ۔ مشرقین سے مراد مشرق و مغرب ہیں بعض نے گرمی اور سردی کے مشرق مراد لیے ہیں ۔

نمبر۳ ۔ قرآن شریف نہ صرف اندھوں کو رستہ دکھاتا اور بہروں کو سناتا ہے بلکہ مُردوں تک کو زندہ کرتا ہے اومن کان میتا فاحییناہ ۔ (الانعام ۔ ۱۲۲) یہاں مراد وہ لوگ ہیں جو دیکھنا چاہتے ہی نہیں، اور نہ سننا چاہتے ہیں اور مراد روحانی اندھے اور روحانی بہرے ہیں جیسا کہ آیت کے آخری الفاظ صاف بتاتے ہیں ۔

نمبر۴ ۔ ان دونوں آیات میں یہ بتایا ہے کہ بدی کی سزا تو بدکاروں کو مل کر رہے گی کسی کو رسول اللہ کی زندگی میں مل جائے تو کیا اور بعد میں مل جائے تو کیا چونکہ اسلام کے مخالف تو آپ کے بعد بھی پیدا ہوتے رہنے تھے اس لیے فرمایا کہ بعد میں بھی سزا ملتی رہے گی ۔

وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَاۤ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور ان سے پوچھ جنھیں ہم نے تجھ سے پہلے اپنے رسولوں میں سے بھیجا کیا ہم نے رحمٰن کے سوائے (اور بھی) معبود بنائے تھے جن کی عبادت کی جائے [1]۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَقَالَ اِنِّيْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور ہم نے موسیٰؑ کو اپنی آیتوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا، تو اس نے کہا میں جہانوں کے رب کا رسول ہوں

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ﴿۴۷﴾

سو جب وہ ہمارے نشان لے کر ان کے پاس آیا تو وہ ان پر ہنسی کرنے لگے۔

وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا ۫ وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۸﴾

اور ہم انھیں کوئی نشان نہ دکھاتے تھے مگر وہ اپنی نوع کے (پہلے نشان) سے بڑا ہوتا تھا [2] اور ہم نے انھیں عذاب میں پکڑا تا کہ وہ رجوع کریں [3]۔

وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور انھوں نے کہا اے جادوگر [3]! ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر جیسا اس نے تجھ سے عہد کیا ہے ہم ضرور ہدایت پا نیوالے ہیں [3]۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۵۰﴾

سو جب ہم نے ان سے عذاب دور کر دیا تو وہ عہد شکنی کرنے لگے۔

وَنَادٰى فِرْعَوْنُ فِيْ قَوْمِهٖ قَالَ يٰقَوْمِ اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ

اور فرعون نے اپنی قوم میں منادی کی کہا اے میری قوم کیا مصر کی بادشاہت میری نہیں اور یہ نہریں ہیں جو میرے نیچے بہتی ہیں [4]

نمبر۱- یہاں سوال رسولوں سے تو نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ فوت ہو چکے اس لیے مراد ان رسولوں کی امتیں لی گئی ہیں یا رسولوں سے سوال سے مراد ان کی تعلیم کو دیکھنا ہے کہ کوئی رسول اللہ تعالیٰ کی طرف شرک کی تعلیم کو منسوب نہیں کرتا اور اصل غرض مشرکین پر اتمام حجت ہے کہ جن انبیاءؑ کو وہ مانتے ہیں وہ تو شرک کی تعلیم نہیں دیتے تھے۔

نمبر۲- یہاں اُختہا سے مراد وہ نشان ہے جو اس سے پہلے گزر چکا اور اسے اس کی اُخت اس لحاظ سے کہا کہ صحت اور بیان کرنے اور صدق میں وہ دونوں شریک ہیں۔

نشانوں سے مراد حضرت موسیٰؑ کی سچائی کے نشانات ہیں اور انہی میں وہ معجزات بھی ہیں جن کا ذکر دوسری جگہ ہے۔ سورہ اعراف ع ۱۳۳- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عصا کے سانپ بننے اور ید بیضا سے بڑھ کر معجزات وہ تھے جو اُن سے پیچھے دکھائے گئے ہیں اور کسی نشان کا بڑا ہونا بلحاظ اس کی وضاحت کے اور اس اثر کے ہے جو وہ ایک چیز کی صداقت پر پیدا کرتا ہے اور سچائی کا یہی نشان ہے کہ وہ روز بروز زیادہ واضح ہوتی چلی جاتی ہے اور اس پر نئے سے نئے دلائل پیدا ہوتے جاتے ہیں اور ہر ایک قسم کا دھندلا پن اس کے دلائل سے دور ہوتا جاتا ہے۔

نمبر۳- ابن جریر کہتے ہیں کہ ساحر کے معنی ان کے نزدیک عالم تھے اور سحر ان کے نزدیک مذموم نہیں تھا اور مراد اس سے عالم ہے۔

نمبر۴- من تحتی یعنی میرے سامنے باغوں میں یا مراد یہ ہے کہ میرے زیر حکومت جن سے میں جس طرح چاہوں فائدہ اٹھاؤں ہمنشینوں کے متعلق بھی ایسے

تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِیۡ ۚ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ ﴿۵۱﴾	تو کیا تم دیکھتے نہیں۔
اَمۡ اَنَا خَیۡرٌ مِّنۡ ہٰذَا الَّذِیۡ ہُوَ مَہِیۡنٌ ۬ۙ وَّ لَا یَکَادُ یُبِیۡنُ ﴿۵۲﴾	بلکہ میں اس سے بہتر ہوں جو ذلیل ہے اور کھول کر بیان نہیں کر سکتا[۱]۔
فَلَوۡ لَاۤ اُلۡقِیَ عَلَیۡہِ اَسۡوِرَۃٌ مِّنۡ ذَہَبٍ اَوۡ جَآءَ مَعَہُ الۡمَلٰٓئِکَۃُ مُقۡتَرِنِیۡنَ ﴿۵۳﴾	تو اس پر سونے کے کڑے کیوں نہ اتارے گئے، یا اس کے ساتھ فرشتے اکٹھے ہو کر (کیوں نہ) آئے[۲]۔
فَاسۡتَخَفَّ قَوۡمَہٗ فَاَطَاعُوۡہُ ؕ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا قَوۡمًا فٰسِقِیۡنَ ﴿۵۴﴾	سو اس نے اپنی قوم کو خفیف کیا تو انھوں نے اس کی بات مان لی وہ نافرمان لوگ تھے۔
فَلَمَّاۤ اٰسَفُوۡنَا انۡتَقَمۡنَا مِنۡہُمۡ فَاَغۡرَقۡنٰہُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۵۵﴾	سو جب انھوں نے ہمیں ناراض کیا تو ہم نے انھیں سزا دی، پس ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔
فَجَعَلۡنٰہُمۡ سَلَفًا وَّ مَثَلًا لِّلۡاٰخِرِیۡنَ ﴿۵۶﴾ ع	سو انھیں گئے گزرے کر دیا اور پچھلوں کے لیے کہاوت بنا دیا[۳]۔
وَ لَمَّا ضُرِبَ ابۡنُ مَرۡیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوۡمُکَ مِنۡہُ یَصِدُّوۡنَ ﴿۵۷﴾	اور جب مریم کے بیٹے کی مثال بیان کی جاتی ہے تو تیری قوم اس پر چلا اٹھتی ہے[۴]۔

ہی الفاظ آتے ہیں تجری من تحتہم الانہر جس سے مراد یہی ہے کہ وہ جس طرح چاہیں فائدہ اٹھاتیں اور جس طرح فوق بلحاظ مرتبہ ہو سکتا ہے تحت بھی بلحاظ مرتبہ ہو سکتا ہے۔

نمبر۱- ایک طرف اپنی حکومت اور بادشاہت کا ذکر کیا ہے اور دوسری طرف حضرت موسیٰؑ کی کمزوری کا کہ وہ ایک محکوم قوم سے تھے اور لا یکاد یبین میں یہ کہا ہے کہ نہ صرف قومی طور پر محکوم ہے بلکہ ذاتی وصف بھی اس میں نہیں کہ کوئی زبردست تقریر کر سکے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اس کے سامنے تقریریں بھی کرتے رہے ہیں اور اس کا انکار کہ یہ بیان نہیں کر سکتے محض شرارت کی راہ سے ہے۔

نمبر۲- مجاہد کہتے ہیں کہ جب کسی شخص کو سردار بنایا جاتا تھا تو اسے سونے کے کڑے اور سونے کا طوق پہنایا جاتا تھا گویا سونے کے کڑوں کا پہنا نا نشان ریاست تھا اور فرعون کا مطلب یہ تھا کہ خدا نے ایک ایسے شخص کو رسول کیوں بنایا جو ریاست سے حصہ نہیں رکھتا جیسا کفار مکہ کا قول ابھی گذر چکا لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم (۳۱)

نمبر۳- سلف متقدم ہے یعنی جو پہلے گذر چکا اور مراد ان کی ہلاکت ہے اور ان کا آگ میں پہلے جانا بھی مراد لیا گیا ہے اور مثل سے مراد ان کا عبرت ہونا ہے۔

نمبر۴- مجاہد کا قول اس آیت کی تفسیر میں یہ ہے کہ قریش کہتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ چاہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت کریں جس طرح عیسیٰؑ کی عبادت عیسیٰ کی قوم کرتی ہے اور ایک روایت میں ہے کہ عبداللہ بن الزبعری نے آنحضرت صلعم کو پڑھتے سنا انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم تو کہا کہ حضرت عیسیٰ کی نصاریٰ عبادت کرتے ہیں اور آپ اسے نبی اور عبد صالح بتاتے ہیں تو اگر وہ آگ میں جائیں گے تو ہم اور ہمارے معبود بھی آگ میں جانے پر راضی ہیں۔ اصل مطلب صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ بت پرست دیکھتے تھے کہ حضرت عیسیٰؑ کی تو آنحضرت صلعم عزت کرتے ہیں اور ان کے بتوں کی نہیں کرتے اس لیے وہ کہتے تھے کہ ہمارے معبود بہتر ہیں یا عیسیٰ یہ عرب کے معبود تھے اور حضرت عیسیٰؑ ایک دوسری قوم کے معبود تھے تو

وَقَالُوٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيۡرٌ اَمۡ هُوَ ؕ مَا ضَرَبُوۡهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا ؕ بَلۡ هُمۡ قَوۡمٌ خَصِمُوۡنَ ﴿۵۸﴾

اور کہتے ہیں کیا ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ۔ یہ اسے تیرے لیے بیان نہیں کرتے مگر جھگڑنے کو بلکہ یہ لوگ جھگڑالو ہی ہیں [۱]

اِنۡ هُوَ اِلَّا عَبۡدٌ اَنۡعَمۡنَا عَلَيۡهِ وَجَعَلۡنٰهُ مَثَلًا لِّبَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ ؕ ﴿۵۹﴾

وہ (اور) کچھ نہیں مگر ایک بندہ ہے جس پر ہم نے انعام کیا اور اسے بنی اسرائیل کے لیے نمونہ بنایا [۲]

وَلَوۡ نَشَآءُ لَجَعَلۡنَا مِنۡكُمۡ مَّلٰٓـئِكَةً فِى الۡاَرۡضِ يَخۡلُفُوۡنَ ﴿۶۰﴾

اور اگر ہم چاہتے تو تم میں فرشتے مقرر کر دیتے جو زمین میں خلیفہ ہوتے [۳]

وَاِنَّهٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمۡتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوۡنِ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ﴿۶۱﴾

اور یقیناً یہ (موعودہ) گھڑی کے لیے علم ہے سو تم اس کے متعلق شک نہ کرو اور میری پیروی کرو، یہ سیدھا راستہ ہے [۴]

وہ اس بات پر چلا اٹھتے کہ کیا وجہ ہے کہ ایک غیر قوم کے معبود کی عزت کی جاتی ہے اور اپنے معبودوں کی عزت نہیں کی جاتی اس کا جواب آیت ۵۹ میں دیا ہے کہ اس کی عزت اس وجہ سے ہے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کا ایک برگزیدہ بندہ تھا۔ نہ اس وجہ سے کہ وہ ایک قوم کا معبود ہے اور آیت ۶۴ میں بتایا کہ وہ اپنے آپ کو معبود بنا کر پیش نہ کرتا تھا بلکہ وہ تو اللہ کی عبادت کی طرف ہی بلاتا تھا ان کی امت نے ایک غلط راہ پر قدم مار کر انہیں خدا بنا لیا ہے۔

نمبر۱۔ یہاں ضربوا بیان کرنے کے معنی میں ہے اور یہاں ان کا بیان بمقابلہ اس بیان کے ہے جو قرآن شریف نے حضرت عیسیٰؑ کا ذکر کیا کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ وہ بھی تو ایک قوم کا معبود ہے یہ ان کا کہنا محض جھگڑے اور مقابلہ کے لیے ہے بلکہ فرمایا کہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو۔ ہر بات میں جھگڑا کرنا ہی ان کا کام ہے کیونکہ خصم اسے کہتے ہیں جو جھگڑے سے مختص ہو۔

نمبر۲۔ مثلاً لبنی اسرائیل میں مثل کے معنی آیۃ یا نشان کیے گئے ہیں۔ جس کی تشریح ابن جریر یوں کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے لیے نشان اور ہماری ان پر حجت اس لیے کہ ہم نے انھیں اپنی طرف بلانے کے لیے اسے بھیجا اور یا چونکہ مثل تشبیہ کے طور پر بیان کی جاتی ہے۔ اس لیے مراد اس سے ان کے لیے نمونہ بنانا ہے۔ جس کی زندگی کے مطابق وہ اپنی زندگیاں بنائیں اور یا حسنات میں مثل مراد ہے اور اس صورت میں بھی معنی نمونہ ہی ہوں گے۔

نمبر۳۔ منکم کے ایک معنی بدلاً منکم کیے گئے ہیں اور مطلب یہ لیا گیا ہے کہ اگر ہم چاہیں تو تم سب کو ہلاک کر دیں اور تمھاری جگہ فرشتوں کو لے آئیں اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ تمھاری جگہ خلافت روحانی یعنی نبوت کے لیے فرشتے بھیج دیتے اور اس میں نصاریٰ کے عقیدے کی تردید ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ انسان کی گنہگاری کی وجہ سے ضروری ہوا کہ خود خدا انسان بنے۔ تو بتایا کہ خدا کو انسان بناتے ہو اگر ایسا ہی تھا کہ انسانوں کو اللہ تعالیٰ نا قابل خلافت پاتا اور خلافت کے لیے کسی اور کی ضرورت ہوتی تو وہ انسانوں کے لیے فرشتے بنا دیتا جو خلیفۃ اللہ کا کام کرتے کیونکہ فرشتے تو معصوم من الخطا بھی ہیں لیکن وہ تمھارے لیے نمونے کا کام نہ دے سکتے جس طرح بشر رسول نمونے کا کام دیتے ہیں۔

نمبر۴۔ انہ میں ضمیر حضرت ابن عباسؓ اور بعض اور مفسرین کے نزدیک ابن مریم کی طرف جاتی ہے اور حسن اور قتادہ سے مروی ہے کہ یہ قرآن کی طرف ہے اس دوسرے قول پر جو اعتراض بعض نے کیا ہے کہ یہاں قرآن کا ذکر پہلے نہیں وہ صحیح نہیں اس لیے کہ بہت موقعوں پر اسی طرح قرآن کی طرف بغیر اس کے پہلے ذکر کے آئی ہے جیسے لا تحرک بہ لسانک لتعجل بہ (القیمۃ۔ ۱۶) یا جیسے انا انزلنہ فی لیلۃ القدر (القدر۔ ۱) اور حق یہی ہے کہ قرآن ہی ساعۃ کا علم دیتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کو ساعت کے لیے نشان تو کہا جا سکتا ہے خواہ نزول عیسیٰ ہی مراد ہو مگر ساعت کا علم وہ نہیں اور بلحاظ سیاق بھی اس معنی پر کوئی اعتراض نہیں اس لیے کہ جب عیسائیوں کے عقیدۂ باطل کا ذکر کیا کہ وہ ایک انسان کو خدا بناتے ہیں تو ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ آخر ان کی طاقت پر بھی خاتمہ کی گھڑی آئے گی جس کا علم قرآن شریف نے دیدیا ہے سو وہ اس میں شک نہ کریں اور رسول اللہ صلعم کی اطاعت اختیار کریں کہ یہی صراط مستقیم ہے اور اگر ضمیر حضرت عیسیٰؑ کی طرف ہی لی جائے تو ساعت سے مراد بنی اسرائیل کی ساعت یا قیامت وسطیٰ ہو گی یعنی حضرت عیسیٰؑ کا رجے

وَ لَا يَصُدَّنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ
عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٦٢﴾

اور تمھیں شیطان نہ روک دے ، وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔

وَ لَمَّا جَآءَ عِيْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ قَالَ قَدْ
جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَ لِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ
الَّذِيْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
وَ اَطِيْعُوْنِ ﴿٦٣﴾

اور جب عیسیٰ کھلی دلیلیں لے کر آیا : کہا میں تمھارے پاس حکمت لایا ہوں اور تاکہ بیں تمھارے لیے بعض وہ باتیں کھول کر بیان کروں جن میں تم اختلاف کرتے ہو، سو تم اللہ کا تقویٰ کرو اور میری فرماں برداری کرو۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ
هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٦٤﴾

اللہ ہی میرا رب اور تمھارا رب ہے سو اس کی عبادت کرو ، یہ سیدھا رستہ ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ فَوَيْلٌ
لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ عَذَابِ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿٦٥﴾

سو ان میں سے (کئی) جماعتوں نے اختلاف کیا ، سو ان کے لیے جو ظالم ہیں دردناک دن کے عذاب کی وجہ سے افسوس ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ
بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٦٦﴾

یہ صرف (موعودہ) گھڑی کے منتظر ہیں کہ ان پر اچانک آجائے اور انھیں خبر بھی نہ ہو۔

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍۭ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ
ع اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٧﴾ۧ

متقیوں کے سوائے اس دن دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن ہونگے م۱۔

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَ لَآ
اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿٦٨﴾ۚ

اے میرے بندو! تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہوگے۔

عیسائیوں نے خدا بنالیا) ظہور بنی اسرائیل کے لیے ایک نشان تھا کہ ان کی ساعت وسطیٰ آگئی۔ جب نبوت ان سے لے لی جائے گی جیسا کہ حضرت مسیح کے اقوال میں بھی صاف اس بات کا ذکر ہے: "اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائے گی اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائے گی دے دی جائے گی۔" (متی ۲۱ : ۴۳) اور اس کے آگے آتا ہے کہ کاہن اور فریسی سمجھ گئے کہ ہمارے حق میں کہتا ہے"۔ گویا حضرت عیسیٰ کا آنا ایک نشان تھا کہ اب نبوت ان میں سے نکل کر دوسری طرف جاتی ہے۔ اسی لیے فرمایا واتبعون ھذا صراط مستقیم گویا جس بات کی خبر حضرت عیسیٰ نے دی تھی وہ خدا کی بادشاہت آگئی۔ اس لیے تم میری پیروی کرو یہی سیدھا رستہ ہے اور قیامت کے نشانوں میں اگر ہے تو نزول عیسیٰؑ ہے نہ خود عیسیٰ مگر یہاں ذکر نزول عیسیٰ کا نہیں بلکہ عیسیٰ کا ہے۔ ہم قرآن شریف میں اپنی طرف سے یہ نہیں بڑھا سکتے کہ عیسیٰؑ سے مراد نزول عیسیٰؑ لے لیں اور کوئی حدیث بھی آنحضرت صلعم سے اس آیت کی تفسیر میں مروی نہیں جس کی وجہ سے اس قدر تصرف جائز ہو۔

نمبر۱۔ مراد یہ ہے کہ سب محبتیں قیامت کے دن منقطع ہو جائیں گی سوائے اس محبت کے جو اللہ تعالیٰ کے لیے ہو یا مراد بدکار اور اُن کے ہم صحبت ہیں کہ وہ قیامت میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ﴿٦٩﴾

وہ جو ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرمانبردار ہیں۔

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ﴿٧٠﴾

تم اور تمھارے ساتھی جنت میں داخل ہو جاؤ، عزت کے ساتھ رکھے جاؤ گے۔

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ اَكْوَابٍ ۚ وَ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْاَعْيُنُ ۚ وَ اَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٧١﴾

ان پر سونے کی رکابیاں اور پیالے لیے پھرینگے اور اس میں ہے جو دل چاہے اور جس سے، آنکھیں لذت پائیں، اور تم اسی میں رہو گے[1]۔

وَ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْۤ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٢﴾

اور یہ وہ جنت ہے جس کے تم وارث کیے گئے ہو اس کا بدلا جو تم کرتے تھے۔

لَكُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ كَثِيْرَةٌ مِّنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿٧٣﴾

اس میں تمھارے لیے بہت پھل ہیں، جن سے تم کھاتے ہو۔

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿٧٤﴾

مجرم دوزخ کے عذاب میں رہیں گے۔

لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَ هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿٧٥﴾

اور وہ ان سے ہلکا نہ کیا جائیگا اور وہ اس میں ناامید ہونگے۔

وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٦﴾

اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود ظالم تھے۔

وَ نَادَوْا يٰمٰلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ ؕ

اور پکاریں گے اے مالک! تیرا رب ہمارا کام تمام

نمبر۱۔ یہ تو ظاہر ہے کہ دلوں کی آرزوؤں سے مراد کفار کے دلوں کی آرزوئیں نہیں کہ اس دنیا کی آرایش اور آسائش کے سامان مراد لیے جائیں وہ تو دوزخ میں ہوں گے اور ان کے لیے حِیل بینہم وبین مایشتہون (۳۴:۵۴) کا حکم ہے بلکہ راستبازوں کی آرزوئیں مراد ہیں اور وہ آرزوئیں جسمانی آسائش کے لیے نہیں ہوتیں بلکہ اخلاقی اور روحانی ترقیات کے لیے ہوتی ہیں اور ان کی آنکھوں کو لذت بھی دنیا کی چیزوں سے نہیں ملتی بلکہ روحانی نعماء سے ملتی ہے کسی راستباز کی زندگی میں ہمیں یہ نظر نہیں آتا کہ اس کے دل میں یہ آرزو ہو کہ رہنے کو آراستہ محل اور کھانے کو اعلےٰ درجہ کی چیزیں اور پہننے کو فاخرہ لباس ہوں۔ اور روح المعانی میں ہے کہ تلذ الاعین سے اشارہ اللہ تعالیٰ کی رویت کی طرف ہے اور نبی کریم صلعم فرماتے ہیں قرۃ عینی فی الصلوٰۃ میری آنکھ کی راحت نماز میں ہے اور ظاہر ہے کہ وہاں کا کھانا پینا بھی کوئی اور رنگ رکھتا ہے اس کا قیاس اس دنیا کے کھانے پینے پر کرنا صحیح نہیں۔

قَالَ اِنَّكُمْ مّٰكِثُوْنَ ﴿۷۷﴾

کر دے ، کہیگا تمھیں رہیں رہنا ہے ۱؎

لَقَدْ جِئْنٰكُمْ بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۸﴾

یقیناً ہم تمھارے پاس حق لائے لیکن تم میں سے اکثر حق کو ناپسند کرنے والے ہیں۔

اَمْ اَبْرَمُوْٓا اَمْرًا فَاِنَّا مُبْرِمُوْنَ ﴿۷۹﴾

کیا انھوں نے کوئی بات ٹھان رکھی ہے سو ہم نے بھی ٹھان رکھی ہے۔

اَمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ ؕ بَلٰى وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۸۰﴾

آیا سمجھتے ہیں کہ ہم ان کی چھپی باتوں اور ان کی سرگوشیوں کو نہیں سنتے ہاں اور ہمارے بھیجے ہوئے ان کے پاس لکھتے جاتے ہیں ۲؎

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖۗ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۱﴾

کہہ اگر رحمٰن کا کوئی بیٹا ہو ، تو میں پہلا عبادت کرنے والا ہوں ۳؎

سُبْحٰنَ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۸۲﴾

آسمانوں اور زمین کا رب ، رب عرش - اس سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ يُوْعَدُوْنَ ﴿۸۳﴾

سو انھیں چھوڑ دے باتوں میں لگے رہیں اور کھیلتے رہیں یہاں تک کہ اپنے اس دن کو پائیں جس کا انھیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ اِلٰهٌ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۴﴾

اور وہی ہے جو آسمان میں معبود ہے اور زمین میں معبود ہے ، اور وہ حکمت والا علم والا ہے۔

نمبر۱۔ مالک دوزخ کے داروغہ کا نام ہے۔ عذاب سے چھوٹنے کے لیے موت مانگتے ہیں جواب میں ماکثون کا لفظ لا کر بتایا کہ ابھی ان کو اور انتظار کرنا ہے۔

نمبر۲۔ ابرموا امرا سے مراد ہے کہ انھوں نے اپنی مخالفت رسول کی تدبیر کو مضبوط کر لیا ہے اور فانا مبرمون میں بتایا کہ ہم اس امر کا استحکام کر رہے ہیں جس کے لیے رسول بھیجا گیا ہے۔ اگلی آیت میں بتا دیا کہ ان کی شرارتوں اور تدابیر کا سد باب کر دیا جائے گا۔

نمبر۳۔ بہت سے مفسرین نے یہاں ان کو نافیہ لیا ہے اور رحمٰن کے ساتھ یہی معنے زیادہ موزوں ہیں کیونکہ بیٹا بنانے میں رحمانیت کا انکار کیا جاتا ہے اور اول العابدین کے معنی اول الشاہدین لیے ہیں یا یہ کہ میں پہلا وہ شخص ہوں جو اللہ کی عبادت کرتا ہے اس ایمان اور تصدیق کے ساتھ کہ رحمان کا کوئی بیٹا نہیں اور بعض نے عبد فلان من ھذا الامر کے محاورہ پر جس کے معنی ہیں اس کام سے عار کی اور ناراض ہوا اور اس کا انکار کیا۔ اول العابدین سے مراد اس کام کی عار کرنے والا یا اول انکار کرنے والا لیے ہیں اور ان کو اس صورت ہیں بمعنی تو مانا ہے اور بعض نے تقدیر یوں مانی ہے کہ اگر تمھارے زعم میں کوئی اللہ کا بیٹا ہے تو میں تمھاری تکذیب اور تمھاری بات کا انکار کرنے میں اول المومنین باللہ ہوں اور یوں بھی معنی کیے گئے ہیں کہ اگر رحمان کا کوئی بیٹا ہوتا اور کسی دلیل سے یہ ثابت ہو جاتا تو میں اس بیٹے کی سب سے پہلا عبادت کرنے والا ہوتا کیونکہ جب میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت کو ظاہر کرتا ہوں تو اس کا اگر بیٹا ہوتا تو اس کی میں کیوں عبادت نہ کرتا۔

وَ تَبٰرَكَ الَّذِیۡ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا بَیۡنَهُمَا ۚ وَ عِنۡدَهٗ عِلۡمُ السَّاعَةِ ۚ وَ اِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ﴿۸۵﴾

اور وہ بابرکت ہے کہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان اسی کی بادشاہت ہے اور اسی کو موعودہ گھڑی کا علم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

وَ لَا یَمۡلِكُ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنۡ شَهِدَ بِالۡحَقِّ وَ هُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۶﴾

اور وہ شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے جنھیں یہ اس کے سوائے پکارتے ہیں مگر وہ جس نے حق کی گواہی دی، اور وہ (اسے) جانتے ہیں ۔[1]

وَ لَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ مَّنۡ خَلَقَهُمۡ لَیَقُوۡلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰی یُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۸۷﴾

اور اگر تو ان سے پوچھے کس نے انھیں پیدا کیا، تو کہیں گے اللہ تعالیٰ نے، پھر کس طرح اُلٹے پھر جاتے ہیں۔

وَ قِیۡلِهٖ یٰرَبِّ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوۡمٌ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۸۸﴾

اور اس کی پکار کا علم بھی اللہ تعالیٰ کو ہے[2] کہ اے میرے رب یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے ۔

فَاصۡفَحۡ عَنۡهُمۡ وَ قُلۡ سَلٰمٌ ؕ فَسَوۡفَ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۹﴾ ع

سو اُن سے درگزر کر اور کہہ دے سلام۔ آخر جان لیں گے۔

(۴۴) سُوۡرَةُ الدُّخَانِ مَكِّيَّةٌ [3]

اٰیاتھا ۵۹ — رکوعاتھا ۳

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے باربار رحم کرنے والے کے نام سے

حٰمٓ ﴿۱﴾

(اللہ تعالیٰ) بے انتہا رحم والا۔

نمبر۱- الا من شہد بالحق - حق یا توحید کی شہادت دینے والے خود حضرت محمد مصطفےٰ صلعم ہیں اسی لیے آگے بڑھایا وھم یعلمون یعنی وہ آپ کو جانتے ہیں یعنی اب جو لوگ ہیں ان کی شفاعت صرف رسول اللہ صلعم ہی کر سکتے ہیں کیونکہ یہ زمانہ اتباع رسول صلعم کا تھا یہاں آنحضرت صلعم کی شفاعت کا بالتصریح ذکر کیا ہے۔

نمبر۲- وقیلہ میں ضمیر آنحضرت صلعم کی طرف ہی ہے اور قیلہ کا عطف ساعۃ پر ہے یعنی مراد ہے عندہ علم الساعۃ وعلم قیلہ یعنی جس طرح ساعت کا علم اللہ کو ہے اسی طرح رسول کی اس پکار کا بھی علم اللہ کو ہے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اور اس پکار کا علم ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ اس کو سنتا ہے اور وہ ضرور اس کا فیصلہ کرے گا اور رسول کے اس دردِ دل کی آواز پر توجہ فرمائے گا اور واؤ قسم کے لیے بھی ہو سکتی ہے اور یہاں آنحضرت صلعم کی اس پکار کی قسم کھائی ہے یعنی اسے بطور شہادت پیش کیا ہے کہ ایسا شخص جس کو اس قدر غم لوگوں کے ایمان نہ لانے کا ہے ضرور ہے کہ اسے نصرت دی جائے۔

نمبر۳- اس سورت کا نام الدخان ہے اور اس میں تین رکوع اور اُنسٹھ آیتیں ہیں۔ دخان کے عام معنی دھواں ہیں، مگر اس کے معنی قحط اور خشک سالی

وَ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾
کھول کر بیان کرنے والی کتاب گواہ ہے۔

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿۳﴾
ہم نے اسے ایک بابرکت رات میں اتارا ہے۔ ہم ہمیشہ ڈراتے رہے ہیں۔ ع۱

فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ﴿۴﴾
پھر حکمت کی بات کا اس میں فیصلہ کردیا جاتا ہے۔ ع۲

اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ؕ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ﴿۵﴾
ہماری طرف سے حکم ہوتا ہے ہم ہمیشہ رسول بھیجتے رہے ہیں۔

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶﴾
تیرے رب کی طرف سے رحمت ہے وہ سننے والا جاننے والا ہے

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۷﴾
آسمانوں اور زمین کا رب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اگر تم یقین کرنے والے ہو۔

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ؕ رَبُّكُمْ وَ رَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸﴾
اس کے سوائے کوئی معبود نہیں وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے تمھارا رب اور تمھارے پہلے باپ داداؤں کا رب ہے۔

بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ﴿۹﴾
بلکہ وہ شک میں پڑے ہوئے، کھیلتے ہیں۔

بھی آئے ہیں اور اس لفظ میں اس سورت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے کیونکہ اس میں ذکر نبی کریم صلعم کے مخالفین کی سزا کا ہے اور انھیں بتایا ہے کہ پہلے ان پر خشک سالی کے رنگ میں چھوٹا عذاب بھیجا جائے گا اور آخر ان کی طاقت بالکل توڑ دی جائے گی۔ پچھلی سورت میں یہ ذکر تھا کہ دنیا کی زیب و زینت ظاہری کو لوگ زندگی کی اصل غرض سمجھ کر مقصد زندگی سے دُور جا پڑتے ہیں اس لیے اب بتایا کہ یہ ظاہری آسایش کے سامان بھی بعض وقت تھوڑی دیر کے لیے بطور تنبیہ لے لیے جاتے ہیں مگر جو لوگ پھر بھی سبق نہیں ان پر آخر سخت گرفت ہوتی ہے۔

نمبر۱۔ لیلۃ مبارکۃ سے مراد لیلۃ القدر ہے جیساکہ دوسری جگہ صراحت سے موجود ہے انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ گویا قرآن شریف کے نزول کی ابتدا رمضان میں لیلۃ القدر میں ہوئی اور لیلۃ القدر ۲۵ یا ۲۷ یا ۲۹ رمضان میں ہے اور ابن جریر کہتے ہیں کہ قرآن کریم رمضان کے چوبیس دن گزرنے کے بعد نازل ہُوا گویا پچیسویں رات میں۔

نمبر۲۔ یہاں مفسرین نے امرِ حکیم سے مراد کسی کی زندگی اور کسی کی موت اور معایش اور مصائب اور رزق وغیرہ لیا ہے کہ ایک سال کے لیے اس رات میں فیصلہ کردیا جاتا ہے قطع نظر اس سے کہ ایسی کوئی رات ہے یا نہیں جس میں ایک سال کی قضا و قدر کا فیصلہ کردیا جاتا ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ امر حکیم سے مراد کسی کا مرنا کسی کا جینا کسی کا رزق حاصل کرنا کسی کا بھوکا رہنا نہیں یہ وہ امور نہیں جن کی وجہ سے کوئی رات مبارک کہلا سکے بلکہ اس کی برکت یہی ہے کہ اس میں وہ پرحکمت باتیں نازل ہوئیں جو ہدایت و اصلاح عالم کا موجب ہوئیں اور یہ بات کہ وہ تمام امور ایک ہی رات میں نازل نہیں ہوئے محل اعتراض نہیں اس لیے کہ اس پاک کتاب کا نزول جس معنی سے اس لیلۃ مبارکۃ میں صحیح ہے اسی معنی سے تمام حکمت والے امور کا کھول کر بیان کرنا بھی اس میں صحیح ہے اور اس کی عام توجیہ یہ ہے کہ اس رات میں قرآن کریم کا نزول سمائے اوّل پر ہوگیا اور دوسری یہ کہ ابتدا اس رات میں ہوئی اور تیسری توجیہ یوں بھی ہوسکتی ہے کہ لیلۃ مبارکۃ میں اشارہ اس سارے زمانہ کی طرف ہے جس میں نبی کریم صلعم پر قرآن نازل ہوتا رہا اور اسے لیلۃ اس لحاظ سے کہا کہ اصل میں وہ تاریکی کا زمانہ تھا۔ انوار نبوت نے اسے روشن کیا، اگلی آیت میں امرا من عندنا سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے یعنی اس کتاب کا نزول اور ان امور کی تفصیل یہ ہماری جناب سے ایک حکم ہے۔

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝١٠	سو اس دن کا انتظار کر جب آسمان کھلا دھواں لائے۔
يَّغْشَى النَّاسَ ؕ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝١١	وہ لوگوں کو ڈھانک لے گا یہ دردناک عذاب ہے [۱]
رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۝١٢	ہمارے رب ہم سے عذاب دور کر ہم ایمان لانے والے ہیں۔
اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝١٣	یہ نصیحت کہاں حاصل کرینگے اور ان کے پاس کھولکر بیان کرنیوالا رسول آیا۔
ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ۝١٤	پھر وہ اس سے پھر گئے اور کہنے لگے سکھایا ہوا ہے، دیوانہ ہے۔
اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ۝١٥	ہم عذاب کو تھوڑی دیر کے لیے دور کردینگے تو پھر (انہی کی طرف) لوٹ جاؤ گے۔
يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝١٦	جس دن ہم سخت گرفت سے پکڑیں گے ہم ضرور سزا دینے والے ہیں [۲]
وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ وَجَآءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ۝١٧	اور ہم نے ان سے پہلے فرعون کی قوم کو آزمایا اور ان کے پاس معزز رسول آیا۔
اَنْ اَدُّوْٓا اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ ؕ اِنِّيْ لَكُمْ	کہ اللہ کے بندوں کو میرے سپرد کردو، میں تمہارے لیے

نمبر۱- بخاری میں حضرت ابن مسعودؓ سے ہے کہ جب قریش نے آنحضرت صلعم کی باتوں کو ماننے سے انکار کیا تو آپ نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ یوسفؑ کے سالوں کی طرح ان پر قحط کے سال لائے پس ان پر قحط آیا اور یہ سخت مصیبت تھی یہاں تک کہ انھوں نے ہڈیاں اور چمڑے اور مُردار کھائے پس ایک شخص آسمان کی طرف دیکھتا تھا تو بھوک کے مارے اسے اپنے اور آسمان کے درمیان ایک دھواں سا دکھائی دیتا تھا اور بعض روایات میں ہے کہ زمین سے ایک دھواں سا اٹھتا نظر آتا تھا پس کوئی شخص رسول اللہ صلعم کے پاس آیا اور ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان آیا اور کہا یارسول اللہ مضر کے لیے اللہ تعالیٰ سے بارش کی دعا کیجئے کیونکہ وہ ہلاک ہو گئے۔ تب آپ نے بارش کی دعا کی اور بارش ہوئی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس شخص کو جو اس آیت کو عذاب قیامت کے متعلق سمجھتا تھا کہا کیا قیامت کے دن یہ عذاب دور کیا جائے گا اور آپ نے فرمایا البطشۃ الکبریٰ یوم بدر ہے اور اس کے متعلق مختلف روایتیں بخاری میں ہیں اور دیگر کتب حدیث میں بھی ہیں اور بعض نے اس دخان کو نشانات قیامت میں سے قرار دیا ہے اور حذیفہؓ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ دخان قیامت کے نشانات میں سے ہے۔ پس اس میں دوہری پیشگوئی ہے اور ایک دفعہ مکہ کے قحط میں وہ پوری ہو چکی ہے اور دوسری دفعہ کا تعلق قرب قیامت سے ہے یعنی موجودہ زمانہ سے اور یہاں واقعی دخان کا نظارہ اپنے دوسرے معنی کی رُو سے دکھیا گیا ہے۔ یعنی شر عظیم کے دنیا پر ظاہر ہونے سے جو گذشتہ جنگ یورپ کی صورت میں نمودار ہوئی اور اس کی صداقت حدیث سے ظاہر ہے جس میں ایک شر عظیم کا ذکر ہے۔ یہ حدیث حضرت حذیفہؓ کی ہے اور ابوداؤد میں ہے قلت یارسول اللہ هل بعد هذا الشر خیر قال هدنة علی دخن یعنی میں نے دریافت کیا یارسول اللہ اس شر کے بعد خیر ہوگی تو آپ نے فرمایا صلح ہوگی جس کے نیچے فساد ہوگا جس سے صاف معلوم ہوا کہ اس شر سے مراد جنگ ہے اور یہ هدنة علی دخن ہی ہے جس کا نظارہ آج ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور یہاں لفظ دخن اسی طرف اشارہ کرتا ہے اور پھر اس کے بعد اس حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا فتنة عمیاء صماء ایک ایسا فتنہ ہوگا جو سخت خطرناک ہوگا۔ اور قحط اس وقت شروع ہوا جب ابھی آپ مکہ میں ہی تھے اور ختم اس وقت ہُوا جب آپ مدینہ میں تشریف لے گئے اور یہاں یہ آیات بطور پیشگوئی ہیں جیسا کہ فارتقب کے لفظ سے ظاہر ہے کہ ان کا نزول قحط کے ظہور سے پہلے ہُوا۔

نمبر۲- اسے یوم بدر کہا گیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد فتح مکہ ہو بطشۃ الکبریٰ کا لفظ اس پر زیادہ صادق آتا ہے کیونکہ ایک تو اس میں حملے کا رنگ ہے اور دوسرے اس سے ان کی قوت کا کلی استیصال ہو گیا۔ ہاں یہ سچ ہے کہ ابتدا اس کی جنگ بدر سے ہے۔

رَسُولٌ اَمِيْنٌ ۱۸	امانت والا رسول ہوں۔
وَّ اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنِّيْۤ اٰتِيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۱۹	اور کہ اللہ کے مقابل سرکشی اختیار نہ کرو میں تمھارے پاس کھلی دلیل لایا ہوں۔
وَاِنِّيْ عُذْتُ بِرَبِّيْ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ ۲۰	اور میں اپنے رب اور تمھارے رب کی پناہ مانگتا ہوں کہ تم مجھے سنگسار کرو۔
وَاِنْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا لِيْ فَاعْتَزِلُوْنِ ۲۱	اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو مجھ سے الگ ہو جاؤ۔
فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنَّ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ۲۲	سو اس نے اپنے رب کو پکارا کہ یہ مجرم لوگ ہیں۔
فَاَسْرِ بِعِبَادِيْ لَيْلًا اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ۲۳	تو میرے بندوں کو رات کے وقت لے جا تمھارا پیچھا کیا جائے گا۔
وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا ؕ اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ۲۴	اور دریا کو ساکن چھوڑ دے۔ یہ ایک لشکر ہے جو غرق کیے جائیں گے[1]۔
كَمْ تَرَكُوْا مِنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۲۵	کتنے باغ اور چشمے چھوڑ گئے۔
وَّزُرُوْعٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۲۶	اور کھیتیاں اور عزت والے مقام۔
وَّنَعْمَةٍ كَانُوْا فِيْهَا فٰكِهِيْنَ ۲۷	اور نعمتیں جن میں مزے سے رہتے تھے۔
كَذٰلِكَ ۫ وَاَوْرَثْنٰهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۲۸	ایسا ہی (اب) ہوگا اور ہم نے ان (چیزوں) کا وارث دوسرے لوگوں کو بنا دیا[2]۔
فَمَا بَكَتْ عَلَيْهِمُ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ وَمَا كَانُوْا مُنْظَرِيْنَ ۲۹	سو ان پر آسمان اور زمین نہ روئے اور نہ انھیں مہلت دی گئی[3]۔

نمبر۱۔ سمندر کو ساکن چھوڑ دے۔ الفاظ کے معنی تو یہی درست ہیں۔ مگر سمندر کے ساکن ہونے سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ اس کا پانی پتھر بن جائے، بلکہ پانی میں تموج کا نہ ہونا اس کا ساکن ہونا ہے گویا حضرت موسیٰؑ کے گذرنے کے وقت سمندر سکون کی حالت میں تھا اور یوں اپنی جگہ سے پیچھے ہٹا ہوا تھا اس لیے خشک رستہ نکل آیا تھا۔ اسی سمندر میں جب تموج پیدا ہوا تو اس نے خشک جگہ کو ڈھانک لیا اور یوں لشکر فرعون غرق ہو گیا۔ یہی اصل حقیقت فلق بحر کی ہے۔

نمبر۲۔ قوماً آخرین سے مراد یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان ہلاک ہونے والوں کے بعد دوسرے لوگ (جو بنی اسرائیل نہ تھے) ان چیزوں کے وارث ہوئے اور اس سے مراد بنی اسرائیل لیکر یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ فرعون اور اس کے ساتھیوں کو نعمت اور دولت سے محروم کر کے ہم نے بنی اسرائیل کو جنہیں وہ ذلیل کرنا چاہتا تھا اس قسم کی نعمتیں جو فاتح اور زندہ قوموں کو ملتی ہیں دیں۔ اس صورت میں اورثنٰھا سے مراد یہ ہو گی کہ ایسی نعمتوں کا انھیں اپنی جگہ پر وارث بنایا کیونکہ بنی اسرائیل مصر میں واپس نہیں گئے۔ البتہ حضرت سلیمانؑ کے وقت میں وہ مصر پر قابض ہوئے۔

نمبر۳۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس کے معنی یوں کیے ہیں کہ قوم فرعون نے نہ تو زمین میں کوئی اچھے آثار چھوڑے اور نہ ان کا کوئی نیک عمل آسمان پر چڑھا پس نہ زمین اُن پر روئی اور نہ آسمان۔ گویا ان کا رونا ایک اچھی چیز کے نہ پائے جانے پر اظہار غم ہے۔ مومن جب فوت ہوتا ہے تو اس کے

وَ لَقَدۡ نَجَّیۡنَا بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ مِنَ الۡعَذَابِ الۡمُہِیۡنِ ﴿۳۰﴾	اور ہم نے بنی اسرائیل کو رسوا کرنے والے عذاب سے نجات دی۔
مِنۡ فِرۡعَوۡنَ ؕ اِنَّہٗ کَانَ عَالِیًا مِّنَ الۡمُسۡرِفِیۡنَ ﴿۳۱﴾	(یعنی) فرعون (کے ہاتھ) سے، وہ سرکش حد سے نکل جانے والوں میں سے تھا۔
وَ لَقَدِ اخۡتَرۡنٰہُمۡ عَلٰی عِلۡمٍ عَلَی الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿ۚ۳۲﴾	اور ہم نے انھیں (اپنے) علم کی بنا پر قوموں پر برگزیدہ کیا۔
وَ اٰتَیۡنٰہُمۡ مِّنَ الۡاٰیٰتِ مَا فِیۡہِ بَلٰٓؤٌا مُّبِیۡنٌ ﴿۳۳﴾	اور ہم نے انھیں نشانیوں میں سے وہ کچھ دیا جس میں کھلا انعام تھا۔
اِنَّ ہٰۤؤُلَآءِ لَیَقُوۡلُوۡنَ ﴿ۙ۳۴﴾	یہ کہتے ہیں،
اِنۡ ہِیَ اِلَّا مَوۡتَتُنَا الۡاُوۡلٰی وَ مَا نَحۡنُ بِمُنۡشَرِیۡنَ ﴿۳۵﴾	کچھ نہیں، مگر ہماری پہلی موت ہی ہے اور ہم پھر اٹھائے نہیں جائیں گے۔
فَاۡتُوۡا بِاٰبَآئِنَاۤ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۶﴾	سو ہمارے باپ داداؤں کو لے آؤ، اگر تم سچے ہو۔
اَہُمۡ خَیۡرٌ اَمۡ قَوۡمُ تُبَّعٍ ۙ وَّ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ؕ اَہۡلَکۡنٰہُمۡ ۫ اِنَّہُمۡ کَانُوۡا مُجۡرِمِیۡنَ ﴿۳۷﴾	کیا یہ اچھے ہیں یا تبّع کی قوم! اور وہ جو اُن سے پہلے تھے۔ ہم نے انھیں ہلاک کر دیا، کیونکہ وہ مجرم تھے۔

اعمال صالحہ کے رُک جانے کی وجہ سے آسمان اور زمین اظہار غم کرتے ہیں اور کافر کے لیے ایسا نہیں ہوتا اور ایک حدیث کا مضمون بھی اس کے قریب قریب ہے۔

نمبر۱۔ چونکہ یہاں بنی اسرائیل کو فضیلت اور انعام دینے کا ذکر ہے اس لیے بلاء سے مراد بھی انعام ہی ہے اور آیات سے مراد ایسی نشانیاں ہیں جیسے سمندر سے پار کرنا اور ان کے دشمنوں کو تباہ کرنا، بادل کا سایہ، من وسلوٰی اور توریت بھی مراد ہو سکتی ہے۔

نمبر۲۔ جیسا کہ خود ان کے اس قول سے ظاہر ہے وہ دوسری زندگی کے قابل نہ تھے پس موتتنا الاولی کے الفاظ ان کی طرف کیوں منسوب کیے اور فی الحقیقت بھی دوسری موت تو کوئی ہے ہی نہیں۔ ہاں قرآن شریف نے پہلی نیستی پر موت کا لفظ استعمال کیا ہے کنتم امواتا فاحیاکم (۲:۲۸) اصل یہ ہے کہ موت اولی یا پہلی موت سے مراد وہ موت ہے جو حیات اولی یعنی پہلی زندگی کا خاتمہ کرتی ہے۔ گویا وہ جب دوسری زندگی کا انکار کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو مر جائیں گے اور اس موت کے بعد جو اس پہلی زندگی کا خاتمہ کر دے گی کوئی دوسری زندگی نہیں۔

نمبر۳۔ تفسیر میں ہے کہ تبع بادشاہ تھا اور مومن تھا اور اس کی قوم کافر تھی اور اور بھی تبع ہوئے ہیں اور کہا گیا ہے کہ وہ یمن کا بادشاہ تھا اور شاہ یمن کو تبع نہیں کہتے تھے۔ سوائے اس کے کہ وہ حضرموت اور سبا اور حمیر کا مالک ہو اور حضرت عائشہؓ اور بعض اور صحابہ نے اسے مومن قرار دیا ہے اور بعض احادیث میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تبع کو بُرا مت کہو اور بعض روایات میں ہے کہ وہ سمرقند سے فتح کر کے واپس آیا تو لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ وہ خانہ کعبہ کو برباد کرنا چاہتا ہے مگر اس نے ایسا نہ کیا بلکہ خانہ کعبہ کا حج کیا بعض تواریخ میں ہے کہ وہ آنحضرت صلعم سے سات سو یا ہزار سال پہلے ہوا۔ تبع کا ذکر صرف ایک جگہ اور آتا ہے واصحاب الایکة وقوم تبع (ق۵۰-۱۴) جہاں اس قوم کا ذکر مکذبین رسل میں کیا پس ممکن ہے کہ وہ بھی رسولوں میں سے ہو اور روح المعانی میں ہے کہ ایک اور روایت میں حضرت ابن عباسؓ سے اس کا نبی ہونا بیان کیا گیا ہے گو اس کی صحت ثابت نہیں۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا	اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے
بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ﴿۳۸﴾	کھیلتے ہوئے پیدا نہیں کیا۔
مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ	ہم نے انھیں حق کے ساتھ ہی پیدا کیا ہے، لیکن ان میں سے
اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾	اکثر نہیں جانتے۔
اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۰﴾	فیصلے کا دن ان سب کا وقت مقرر ہے۔
يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَّوْلًى شَيْئًا وَّ	جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا،
لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۱﴾	اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔
اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ	سوائے اس کے جس پر اللہ تعالیٰ رحم کرے بیشک وہ
ع الرَّحِيْمُ ﴿۴۲﴾	غالب رحم کرنے والا ہے۔
اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾	بے شک زقوم کا درخت،
طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾	گنہگار کا کھانا ہے۔
كَالْمُهْلِ ۚ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾	پگھلے ہوئے تانبے کی طرح پیٹوں میں کھولے گا۔
كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۶﴾	اُبلتے ہوئے پانی کے کھولنے کی مانند۔
خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ﴿۴۷﴾	اسے پکڑ لو، پھر اسے دوزخ کے درمیان کھینچ لے جاؤ۔
ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِيْمِ ﴿۴۸﴾	پھر اس کے سر کے اوپر اُبلتے ہوئے پانی کا عذاب ڈالو۔
ذُقْ ۖ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ ﴿۴۹﴾	چکھ، تُو زبردست معزز تھا۔
اِنَّ هٰذَا مَا كُنْتُمْ بِهٖ تَمْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾	یہ وہ ہے جس پر تم جھگڑتے تھے۔
اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ ﴿۵۱﴾	متقی امن کی جگہ میں ہوں گے۔
فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿۵۲﴾	(یعنی) باغوں اور چشموں میں۔

نمبر۱- انت العزیز الکریم یا تو یہ مراد ہے کہ تو اپنے آپ کو عزیز کریم کہتا تھا یا سمجھتا تھا۔ حالانکہ فی الواقع ایسا نہ تھا۔ اور یا یہ کہ تو اپنی قوم میں عزیز و کریم تھا۔ مگر وہ تیری دنیوی عزت و وجاہت اب کسی کام نہیں آ سکتی اور نہ عذاب سے بچا سکتی ہے اور یہاں دوزخ کے عذاب کے ذکر میں بتایا کہ یہ عذاب انسان کے اندر بھی ہوگا اور باہر سے بھی ہوگا۔

يَّلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝۵۳

باریک اور موٹا ریشم پہنیں گے ، ایک دوسرے کے سامنے (بیٹھیں گے)

كَذٰلِكَ وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۝۵۴

ایسا ہی ہوگا ، اور ہم انھیں خوبصورت حوروں کے ساتھی بنا دیں گے[1]

يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ ۝۵۵

اس میں حالت امن میں ہر قسم کے پھل منگوائیں گے ۔

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى ۚ وَ وَقٰىهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝۵۶

اس میں کوئی موت نہیں چکھیں گے سوائے پہلی موت کے جو چکھ چکے ، اور اس نے انھیں دوزخ کے عذاب سے بچا دیا ۔

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۵۷

تیرے رب کی طرف سے فضل ہے ، یہی بڑی کامیابی ہے ۔

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝۵۸

سو ہم نے اسے تیری زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ۔

ع فَارْتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ۝۵۹

پس انتظار کر وہ بھی انتظار کرنے والے ہیں ۔

نمبر ۱ - زوجنٰھم - زوج بمعنی قرین بھی آتا ہے یعنی ساتھی اور شبیہ بھی ۔ مفردات میں ہے وقولہ وزوجنٰھم بحور عین ای قرناھم بھن ولم یجئ فی القرآن زوجنٰھم حورا کما یقال زوجتہ امرأۃ تنبیھا علی ان ذلک لایکون علی حسب المتعارف فیما بیننا من المناکحۃ ۔ یعنی یہاں زوجنا سے مراد حور کو ان کا قرین بنا دینا ہے اور قرآن شریف میں کہیں زوجنٰھم حورا نہیں آیا جس طرح پر زوجتہ امرأۃ کہہ دیا جاتا ہے یعنی میں نے عورت کو اس کے نکاح میں دیدیا اور یہ تنبیہ ہے اس بات پر کہ بہشت میں یہ تعلق اس قسم کا نہیں ہوگا جیسا ہمارے درمیان عورت اور مرد کے نکاح میں متعارف ہے ۔

حُور - اَحْوَر اور حَوراء دونوں کی جمع ہے اور احور وہ مرد اور حوراء وہ عورت ہے جس کی آنکھ کی سفیدی اعلیٰ درجہ کی سفید اور سیاہی شدت سے سیاہ ہو اور جس کا رنگ بھی سفید ہو اور عین اعین اور عیناء دونوں کی جمع ہے یعنی بڑی آنکھ والا مرد اور بڑی آنکھ والی عورت اور اصل میں یہ لفظ بقر وحش پر بولے جاتے ہیں اور یہ بحث مفصل گذر چکی ہے کہ حور نعمائے جنت میں سے ایک نعمت ہے جو مردوں کے لیے بھی ہے اور عورتوں کے لیے بھی اور زوج کی بحث میں امام راغب نے اس بات کو صاف کر دیا ہے کہ حور کے ساتھ تزویج مناکحت کے رنگ میں نہیں بلکہ قرین کے رنگ میں ہے اور مزید برآں یہ کہ حور اور عین دونوں لفظ مذکر کی جمع بھی ہیں اور مونث کی بھی اور اگرچہ یہ الفاظ ایسے ہیں جو عورتوں کے لیے عام طور پر استعمال ہوتے ہیں مگر مراد اس سے کیا ہے اس کا علم ہمیں نہیں ۔ نعمائے بہشتی ہیں نام بے شک اس دنیا کے ہیں گو ان چیزوں کی اصل حقیقت وہ نہیں اور اصل غرض صرف کمال حسن کو ظاہر کرنا ہے جو انسان کے حسن اعمال کا نتیجہ ہے مگر اس عالم میں ایک نیا رنگ اختیار کر لیتا ہے جس کی حقیقت کو ہم اس عالم میں نہیں سمجھ سکتے ۔

رکوعاتہا ۴ — سُوْرَةُ الْجَاثِيَةِ مَكِّيَّةٌ (۴۵) — اٰیاتہا ۳۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔
حٰمٓ ①	(اللہ تعالیٰ) بے انتہا رحم والا۔
تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ②	کتاب کا اتارنا غالب حکمت والے کی طرف سے ہے۔
اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ③	یقیناً آسمانوں اور زمین میں مومنوں کے لیے نشان ہیں۔
وَفِيْ خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ④	اور تمھاری پیدائش میں اور اس میں جو وہ جانوروں سے پھیلاتا رہتا ہے ان لوگوں کے لیے نشان ہیں جو یقین رکھتے ہیں۔
وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ⑤	اور رات اور دن کے اختلاف میں اور اس میں جو اللہ تعالیٰ بادل سے رزق اتارتا ہے۔ پھر اس کے ساتھ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرتا ہے اور ہواؤں کے ہیر پھیر میں ان لوگوں کے لیے نشان ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں[2]۔
تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهِ يُؤْمِنُوْنَ ⑥	یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو ہم تجھ پر حق کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے[3]۔

نمبر۱- اس سورت کا نام الجاثیۃ ہے اور اس میں چار رکوع اور ۳۷ آیتیں ہیں اس میں وحی الٰہی کی حقانیت اور جزا و سزا کے حق ہونے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور ان کی صداقت کے انکار پر سزا کا ذکر ہے اور اسی لحاظ سے اس کا یہ نام بھی ہے جس کے معنی ہیں گھٹنوں کے بل بیٹھنے والی جماعت یعنی جزا و سزا کے خوف یا احوال قیامت کی وجہ سے بڑی بڑی جماعتیں خدا کے حضور عاجز ہوں گی۔

نمبر۲- رزق سے مراد یہاں پانی ہے جو بادلوں سے برستا ہے۔ اس میں اور اوپر کی آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت کی طرف توجہ دلائی ہے ان تمام امور میں یہ نشان ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے اپنی صفت رحمانیت سے یہ سارے سامان پیدا کیے اسی طرح کتاب کا اتارنا بھی صفت رحمانیت کا تقاضا تھا بلکہ بارش کے ساتھ زمین کے احیا میں یہ بھی بتا دیا کہ وحی الٰہی سے بھی مردہ لوگ زندہ ہو جائیں گے۔

نمبر۳- بعد اللہ وآیاتہ سے مراد ہے بعد حدیث اللہ وآیاتہ یعنی اللہ کی بات یا قرآن کریم کے بعد اور اسکے نشانات کے بعد جن کی طرف اس میں توجہ دلائی گئی ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝٧

افسوس ہر جھوٹے گنہگار پر۔

يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ
مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ
بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝٨

وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو سنتا ہے (جو) اس پر پڑھی جاتی ہیں، پھر تکبر کرتا ہوا اڑ جاتا ہے، گویا کہ انھیں سنا ہی نہیں۔ سو اسے دردناک عذاب کی خبر دے۔

وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْئَا ۨاتَّخَذَهَا
هُزُوًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝٩

اور جب ہماری آیتوں سے کسی کا علم اسے ہوتا ہے۔ تو اس پر ہنسی کرتا ہے، یہی ہیں جن کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

مِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ جَهَنَّمُ ۚ وَلَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ
مَّا كَسَبُوْا شَيْـــًٔا وَّلَا مَا اتَّخَذُوْا مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَاۗءَ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝١٠ؕ

ان کے آگے دوزخ ہے اور جو کچھ انھوں نے کمایا ان کے کسی بھی کام نہ آئے گا اور نہ وہ جو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے سوائے حمایتی بنائے ہیں، ان کے لیے بھاری عذاب ہے۔

هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ
لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝١١ۧ

یہ ہدایت ہے اور جو لوگ اپنے رب کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں، ان کے لیے شدید قسم کا دردناک عذاب ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ
الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ
فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝١٢ۚ

اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے سمندر تمھارے کام میں لگایا تاکہ اس کے حکم سے اس میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي
الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝١٣

اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے (فضل سے) تمھارے کام پر لگایا، اس میں ان لوگوں کے لیے نشان ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَغْفِرُوْا لِلَّذِيْنَ
لَا يَرْجُوْنَ اَيَّامَ اللّٰهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًۢا بِمَا
كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝١٤

انھیں کہہ دے جو ایمان لائے ہیں کہ ان سے جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے (دنوں کی) امید نہیں رکھتے درگزر کریں تاکہ وہ ایک قوم کو اس کے مطابق بدلہ دے جو وہ کماتے ہیں م۱

نمبر۱۔ ایام اللہ یوم سے مراد کوئی سی مدت زمانہ ہے مگر ایام کا لفظ عربی میں واقعات پر بھی بولا جاتا ہے اور ایام اللہ کے معنے نعم اللہ اور نقم اللہ کیے گئے ہیں یعنی اللہ کی نعمتیں اور اس کی عقوبتیں اور مجاہد نے صرف نعم اللہ معنے کیے ہیں۔ یہاں یرجون ساتھ لاکر جس کا اقتضا خوش کرنے والی بات ہے بتا دیا کہ ان الفاظ سے مراد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے دن ہیں اور مطلب یہ ہے کہ کافر یہ توقع نہیں رکھتے کہ نیکی کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی انعام ملتا ہے۔ اس لیے

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ۖ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ تُرْجَعُوْنَ ⑮

جو کوئی اچھا کام کرتا ہے تو اپنی جان (کی بھلائی) کے لیے ہے اور جو بُرا کرتا ہے تو اسی پر (اس کا نقصان) ہے پھر تم اپنے رب کیطرف لوٹائے جاؤ گے

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۚ ⑯

اور یقیناً ہمیں نے بنی اسرائیل کو کتاب اور حکم اور نبوت دی اور انھیں ستھری چیزوں سے رزق دیا اور انھیں قوموں پر فضیلت دی۔

وَ اٰتَيْنٰهُمْ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْاَمْرِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْۤا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۙ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ⑰

اور ہم نے انھیں اس معاملہ کے متعلق کھلی دلیلیں دیں[1] سو انھوں نے اختلاف نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آگیا۔ آپس کے حسد کی وجہ سے، تیرا رب ان کے درمیان قیامت کے دن ان باتوں میں فیصلہ کریگا جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑱

پھر ہم نے تجھے اس معاملہ میں ایک کھلے رستہ پر لگا دیا سو اس کی پیروی کر اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کر جو علم نہیں رکھتے۔

اِنَّهُمْ لَنْ يُّغْنُوْا عَنْكَ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ وَ اللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ ⑲

وہ اللہ کے سامنے تیرے کچھ بھی کام نہ آئیں گے اور ظالم ایک دوسرے کے مددگار ہیں اور اللہ (تعالیٰ) متقیوں کا مددگار ہے۔

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ⑳

یہ لوگوں کے لیے روشن دلیلیں ہیں اور ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو یقین کرتے ہیں۔

نیکی کرنے والوں کو دکھ بھی دیتے ہیں۔ پس مومنوں کو حکم دیا کہ ان تکالیف پر ان کو معاف کرتے رہیں۔ اس قسم کی تعلیم اذن قتال سے منسوخ نہیں، کیوں کہ اذن قتال کفار کے پہلے جنگ کرنے پر ہے اور جنگ کو چھوڑ کر بہتیری تکلیفیں پہنچائی جاتی تھیں۔ مکہ میں جنگ نہ تھی مگر یہ تکالیف بے انتہا تھیں ان سب پر معافی کا حکم ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان سورتوں کا نزول تکالیف کے زمانہ کا ہے۔

[1] ۔ الامر سے مراد یہاں بعض نے دین لے کر بینات من الامر سے مراد حضرت موسیٰؑ کے معجزات لیے مگر اس کا یہاں کوئی موقع نہیں اور ابن عباسؓ نے مراد امر النبی صلعم لیا ہے یعنی آنحضرت کے دنیا میں ظاہر ہونے کا معاملہ تو اس صورت میں بینات من الامر سے مراد آنحضرت صلعم کے ظہور کے متعلق کھلی دلیلیں ہوں گی یعنی وہ پیشگوئیاں اور نشانات جو بنی اسرائیل کی کتاب میں موجود تھے اور یہاں اختلاف سے مراد بھی آنحضرت صلعم سے اختلاف ہے اور اگلی آیت میں الامر کا لفظ آنحضرت صلعم کے متعلق لا کر صاف بتا دیا کہ یہی مراد ہے۔

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ
أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
الصَّالِحَاتِ سَوَاءً مَحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ۚ
سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿٢١﴾ ع

آیا وہ لوگ جو بدیاں کماتے ہیں گمان کرتے ہیں کہ ہم انھیں ان کی طرح کردیں گے جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں (یعنی) ان کا جینا اور ان کا مرنا برابر ہے۔ بُرا ہے جو یہ فیصلہ کرتے ہیں ۱؎

وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ
وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ
لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٢﴾

اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے اور تاکہ ہر جان کو اس کے مطابق بدلہ دیا جائے جو اس نے کمایا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ وَ
أَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ
وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً
فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ ۚ
أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿٢٣﴾

تو کیا تو نے دیکھا جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنایا اور اللہ نے اسے (اپنے) علم کی بنا پر گمراہ ٹھیرایا اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا۔ پس اللہ کے بعد کون اسے ہدایت دے سکتا ہے، تو کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے ۲؎

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ
وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ ۚ وَمَا
لَهُمْ بِذَٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ۖ إِنْ هُمْ
إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿٢٤﴾

اور کہتے ہیں یہ کچھ نہیں مگر ہماری دنیا کی زندگی ہے۔ ہم مرتے ہیں اور ہم جیتے ہیں اور سوائے زمانہ کے ہمیں کوئی ہلاک نہیں کرتا اور انھیں اس کا کچھ علم نہیں، وہ صرف ظن سے کام لیتے ہیں ۳؎

نمبر۱۔ یعنی نیکوں اور بدوں کی زندگی اور موت کا یکساں ہونا گمان باطل ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس زندگی میں بھی نیکی کرنے والے بدوں پر ممتاز ہوجاتے ہیں اور موت سے مراد موت سے بعد کی حالت ہے۔

نمبر۲۔ یہاں اصل ذکر تو کفار کا ہی ہے اور انھیں کے متعلق فرمایا کہ انھوں نے اپنے حرص و ہوا کو معبود بنا رکھا ہے مگر اصل غرض مسلمانوں کو سمجھانا ہے کہ اپنی خواہشات کے پیچھے لگے رہنا یہ بھی شرک ہے۔ گو بہت سے لوگ اس شرک خفی کو دیکھ نہ سکتے ہوں بلکہ یہ شرک ایسا خطرناک ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق فرماتا ہے اضلّہُ اللہ علیٰ علمٍ ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ شدہ قرار دیتا ہے جو بجائے احکام الٰہی کی پیروی کے اپنی خواہشات کی پیروی میں لگ جاتا ہے اور اس کے دل وغیرہ پر مہر لگا دیتا ہے۔ آج گو مسلمان بت پرستی سے بچے ہوئے ہوں مگر یہ شرک خفی یا اپنے حرص و ہوا کا اتباع ان میں اس قدر پایا جاتا ہے کہ قرآن شریف کی بھی اس کے مقابل پر کچھ پروا نہیں۔ جہاں اپنی خواہش کا معاملہ ہوتا ہے وہاں خدا کا کلام بھی بالائے طاق رکھ دیا جاتا ہے۔

نمبر۳۔ دھر اصل میں عالم کی کل مدت ہے اس کے ابتدائے وجود سے لیکر اس کے خاتمہ تک ھل اتیٰ علی الانسان حین من الدھر (الدّھر۔۱)

وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ مَّا
كَانَ حُجَّتَهُمْ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوا ائْتُوْا
بِاٰبَآئِنَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۵﴾
قُلِ اللّٰهُ یُحْیِیْكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ
یَجْمَعُكُمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ
ع فِیْهِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۲۶﴾
وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ یَوْمَ
تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَئِذٍ یَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾
وَ تَرٰی كُلَّ اُمَّةٍ جَاثِیَةً ۫ كُلُّ اُمَّةٍ
تُدْعٰۤی اِلٰی كِتٰبِهَا ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ
مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾
هٰذَا كِتٰبُنَا یَنْطِقُ عَلَیْكُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّا
كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۹﴾

اور جب ان پر ہماری کھلی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کی دلیل اور کچھ نہیں ہوتی سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں ہمارے باپ داداؤں کو لے آؤ اگر تم سچے ہو۔

کہہ اللہ تم ہی تمھیں زندہ کرتا ہے پھر وہی تمھیں مارے گا، پھر وہ تمھیں قیامت کے دن جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اور اللہ کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور جس وقت (موعودہ) گھڑی قائم ہوگی اس وقت (حق کو) باطل قرار دینے والے گھاٹے میں ہونگے

اور تو ہر ایک امت کو گھٹنوں کے بل دیکھے گا ہر ایک امت اپنی کتاب کی طرف بلائی جائے گی۔ آج تمھیں وہی بدلہ دیا جائے گا جو تم عمل کرتے تھے[1]۔

یہ ہماری کتاب تمھارے بارے میں حق کے ساتھ بولتی ہے ہم لکھ لیتے تھے، جو کچھ تم عمل کرتے تھے[2]۔

دہر ہر لمبی مدت پر بولا جاتا ہے اور آنحضرت صلعم کی حدیث میں ہے۔ لا تسبوا الدھر فان اللہ ھو الدھر تو اللہ کے دہر ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ خیر و شر جو لوگ زمانہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اللہ کی طرف سے ہے اور یہاں مراد زمانہ ہی ہے۔

نموت ونحیا میں مفسرین نے بہت سی توجیہات کی ہیں۔ بعض مرجاتے ہیں بعض جیتے ہیں یا ایک نسل مرجاتی ہے تو اس کی جگہ دوسری نسل لے لیتی ہے یا نموت میں حالتِ عدم کی طرف اشارہ ہے اور ایک مراد یہ بھی لی گئی ہے کہ اس سے اشارہ تناسخ کی طرف ہے یعنی ایک جسم پر موت آتی ہے تو کسی دوسرے جسم میں زندہ ہوجاتے ہیں اور دہر کے ہلاک کرنے سے یہ مراد ہے کہ جس طرح ہر چیز ایک مدت کے بعد ہلاک ہوجاتی ہے اور اس کا کچھ نشان نہیں رہتا۔ یہی ہماری حالت ہے۔

نمبر۱۔ گھٹنوں کے بل بیٹھا ہونے میں اشارہ اس دن کے شدائد کی طرف ہے اور جہاں ایک شخص کے نامہ اعمال کا ذکر نہیں بلکہ ایک قوم کے نامۂ اعمال کا ذکر ہے اور یہ سچ ہے کہ قومیں بھی اسی طرح حساب کتاب کے ماتحت آتی ہیں جس طرح افراد۔ اور قرآن شریف کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم کے لیے بھی ایک اجل یعنی مقرر وقت ہوتا ہے اور اس پر اس دنیا میں بھی جزا و سزا آتی ہے بلکہ اعمال کی ظاہر جزا و سزا جو اس دنیا میں ہی آتی ہے اس کا تعلق بجائے افراد کے قوموں سے زیادہ ہے یعنی جب ایک قوم کی قوم بدعملیوں کو اختیار کرتی ہے تو اسی دنیا میں اس کی سزا بھی اس پر آجاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ بوجہ کثرت اس بدی کے اس کے نتائج جو افراد کی حالت میں عموماً مخفی رہ جاتے ہیں قوم کی حالت میں کھل کر نظر آجاتے ہیں اور قوموں کے قیامت کے حساب کتاب میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ہر قوم کا حساب و کتاب اس نبی کی تعلیم کے مطابق ہوگا جو اس قوم کی طرف بھیجا گیا۔

نمبر۲۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ نامۂ اعمال کو گویائی دی جائے گی اور کہیں ہے کہ اس کا وزن کیا جائے گا اور کہیں ہے اقراء کتابك (تو

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ۭ ذٰلِكَ
هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ۝۳۰

سو وہ لوگ جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں، تو انھیں
ان کا رب اپنی رحمت میں داخل کرے گا۔ یہ کھلی کامیابی
ہے۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۣ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ
تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ
قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝۳۱

اور جو کافر ہیں (انھیں کہا جائے گا) کیا میری آیتیں تم پر پڑھی نہ
جاتی تھیں۔ پھر تم نے تکبر کیا اور تم مجرم
لوگ تھے۔

وَاِذَا قِيْلَ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّالسَّاعَةُ
لَا رَيْبَ فِيْهَا قُلْتُمْ مَّا نَدْرِيْ مَا السَّاعَةُ ۙ
اِنْ نَّظُنُّ اِلَّا ظَنًّا وَّمَا نَحْنُ بِمُسْتَيْقِنِيْنَ ۝۳۲

اور جب کہا جاتا کہ اللہ کا وعدہ سچ ہے اور (موعودہ)
گھڑی میں کچھ شک نہیں، تم کہتے ہم نہیں جانتے وہ
گھڑی کیا ہے ہم کو ایک خیال سا آتا ہے اور ہمیں یقین نہیں۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ
بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۳۳

اور ان کے لیے ان کی برائیاں ظاہر ہو گئیں جو وہ عمل کرتے تھے۔
اور انھیں اس چیز نے آلیا جس پر وہ ہنسی کرتے تھے۔

وَقِيْلَ الْيَوْمَ نَنْسٰىكُمْ كَمَا نَسِيْتُمْ
لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَمَاْوٰىكُمُ النَّارُ
وَمَا لَكُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۳۴

اور کہا جائے گا آج ہم تمھاری پروا نہیں کرتے جس طرح تم نے ہمارے
اس دن کی ملاقات کی پروا نہ کی اور تمھارا ٹھکانا آگ ہے اور تمھارے
لیے کوئی مددگار نہ ہوگا۔

ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا
وَّغَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا
يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ۝۳۵

یہ اس لیے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو ہنسی بنایا اور تمھیں دنیا
کی زندگی نے دھوکا دیا، سو آج وہ اس سے باہر نہیں نکالے
جائیں گے اور نہ انھیں گناہ بخشوانے کا موقع دیا جائے گا۔

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ
الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۶

پس اللہ ہی کے لیے سب تعریف ہے (جو) آسمانوں کا رب اور
زمین کا رب، سب جہانوں کا رب (ہے)

وَلَهُ الْكِبْرِيَاۗءُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۠
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۳۷

اور اسی کے لیے آسمانوں اور زمین میں بڑائی ہے اور وہ
غالب حکمت والا ہے۔

گویا بغیر پڑھنے کے ہی وہ بتا دے گا کہ کیا عمل ہیں اس قسم کے الفاظ بتاتے ہیں کہ یہ سب کچھ وہاں حال سے ہوگا نہ قال سے۔

سُوْرَةُ الْاَحْقَافِ مَكِّيَّةٌ (۴۶)

آیاتها ۳۵ — رکوعاتها ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے (شروع کرتا ہوں)

حٰمٓ ۝١

(اللہ تعالیٰ) بے انتہا رحم والا۔

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۝٢

کتاب کا اُتارنا اللہ تعالیٰ غالب حکمت والے کی طرف سے ہے۔

مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَمَّآ اُنْذِرُوْا مُعْرِضُوْنَ ۝٣

ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے حق کے ساتھ اور ایک وقتِ مقرر کے لیے ہی پیدا کیا ہے اور جو کافر ہیں جس سے انھیں ڈرایا جاتا ہے اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ ۭ اِيْتُوْنِيْ بِكِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَآ اَوْ اَثٰرَةٍ مِّنْ عِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝٤

کہہ، کیا تم نے دیکھا وہ جنھیں تم اللہ تعالیٰ کے سوائے پکارتے ہو، مجھے بتاؤ کون سی چیز انھوں نے زمین سے پیدا کی ہے یا اُن کی آسمانوں میں شراکت ہے۔ میرے پاس اس سے پہلے کی کوئی کتاب لے آؤ یا علم کا کوئی نشان (لاؤ) اگر تم سچے ہو۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَاۗىِٕهِمْ غٰفِلُوْنَ ۝٥

اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوائے اسے پکارتا ہے جو قیامت کے دن تک اُسے جواب نہیں دے سکتا اور وہ اُن کے پکارنے سے بے خبر ہیں۔

وَاِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوْا لَهُمْ اَعْدَاۗءً وَّكَانُوْا بِعِبَادَتِهِمْ كٰفِرِيْنَ ۝٦

اور جب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت کا انکار کرنے والے ہوں گے ؎۲

نمبر۱۔ اس سورت کا نام الاحقاف ہے اور اس میں چار رکوع اور پینتیس آیتیں ہیں الاحقاف کے معنی ریت کے ٹیلے یا تودے ہیں اور غرض اس سورت کی انجامِ مخالفت کی طرف توجہ دلانا ہے جس کے لیے تیسرے رکوع میں قوم عاد کی مثال بیان کی ہے جو زبردست قوم تھی اور یوں بتایا ہے کہ دنیا میں کوئی قوم اپنی طاقت پر بھروسہ کر کے حق سے روگردانی نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کی زبردست طاقت کے سامنے سب طاقتیں ہیچ ہو جاتی ہیں۔

نمبر۲۔ ظاہر ہے کہ یہاں انھیں معبودوں کا ذکر ہے جو انسانوں میں سے بنا لیے گئے ہیں۔

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۭ ۞٧

اور جب اُن پر ہماری کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو جو کافر ہیں حق کے متعلق کہتے ہیں جب وہ ان کے پاس آچکا، یہ کھلا جادو ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَلَا تَمْلِكُوْنَ لِيْ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔا ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ۭ كَفٰى بِهٖ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ۭ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۞٨

بلکہ کہتے ہیں اس نے جھوٹ بنالیا ہے۔ کہہ اگر مَیں نے یہ جھوٹ بنایا ہے تو تم میرے لیے اللہ کے مقابل پر کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے جن باتوں میں تم لگے رہتے ہو، وہ انھیں خوب جانتا ہے، وہ میرے اور تمھارے درمیان گواہ بس ہے اور وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَ مَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَ لَا بِكُمْ ۭ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَ مَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۞٩

کہہ، مَیں کوئی نیا رسول نہیں ہوں اور مَیں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا کیا جائیگا اور نہ (یہ کہ) تمھارے ساتھ (کیا کیا جائے گا)[1] مَیں اسی پر چلتا ہوں جو میری طرف وحی ہوتی ہے اور مَیں صرف کھلا ڈرانے والا ہوں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَ اسْتَكْبَرْتُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي

کہہ، کیا تم دیکھتے ہو اگر یہ اللہ کی طرف سے ہو، اور تم اس کا انکار کرتے ہو اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اپنے مثیل (کے آنے) کی گواہی دی تھی، سو اُس نے تو مانا اور تم تکبّر کرتے ہو۔ اللہ ظالم لوگوں کو سیدھی

نمبر۱- بدعًا، بدیع اور مبدع کسی چیز کا اس کے پہلے کو کہتے ہیں اور ماکنت بدعًا من الرسل سے مراد ہے کہ میں پہلا رسول نہیں ہوں، جو بھیجا گیا ہوں مجھ سے پہلے بھی رسول آچکے ہیں اور بدع کے معنی مبدع بھی ہو سکتے ہیں یعنی جس سے پہلے کوئی نہ آیا ہو اور مبدع بھی یعنی بدعت کے طور پر کچھ کہنے والا۔

ما ادری مایفعل بی ولا بکم۔ حسن سے روایت ہے کہ اس سے مراد آخرت نہیں یعنی یہ مطلب نہیں کہ مجھے علم نہیں کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کا مجھ سے یا تم سے کیا معاملہ ہوگا۔ بلکہ دنیا کا معاملہ مراد ہے یعنی آیا میں نکالا جاؤنگا جس طرح مجھ سے پہلے نبی نکالے گئے یا قتل کیا جاؤں گا جس طرح مجھ سے پہلے نبی قتل کیے گئے اور سیاقِ عبارت اسی کو صحیح ٹھہراتا ہے۔ یعنی جس طرح پہلے رسول عالم الغیب نہ تھے میں بھی نہیں نہ مجھے یہ معلوم ہے کہ تم میرے ساتھ کیا معاملہ کرو گے اور نہ یہ کہ اللہ تمھارے ساتھ کیا معاملہ کرے گا یعنی معاف کردے گا یا سزا دے گا، یا کتنی سزا دے گا۔ مگر یہاں علم نہ ہونے سے مراد تفصیلات کا علم نہ ہونا ہے اور نذیر مبین کہہ کر بتا دیا کہ تم بدی کے بدنتائج کو ضرور بھگتو گے۔

ع الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰﴾

راہ نہیں دکھاتا ۔ؑ

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ ؕ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾

اور جو کافر ہیں وہ ان کے بارے میں جو مومن ہیں کہتے ہیں اگر یہ بہتر ہوتا تو وہ اس کی طرف ہم سے سبقت نہ لیجاتے اور چونکہ وہ اس سے ہدایت یاب نہ ہوئے تو کہیں گے یہ پُرانا جھوٹ ہے ؎۲۔

وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾

اور اس سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب راہ نما اور رحمت تھی) اور یہ کتاب (اسے) سچ کردکھانے والی ہے عربی زبان (میں) تاکہ وہ انھیں ڈرائے جو ظالم ہیں اور نیکی کرنے والوں کے لیے خوشخبری ہے ؎۳۔

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾

وہ لوگ جو کہتے ہیں اللہ ہمارا رب ہے پھر سیدھی راہ پر جمے رہتے ہیں تو ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہوں گے ؎۴۔

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

یہی جنّت والے ہیں ، اسی میں رہیں گے ۔ یہ اس کا بدلہ ہے جو وہ عمل کرتے ہیں۔

نمبر۱۔ یہ شاہد کون ہے؟ جمہور مفسرین نے اسے عبداللہ بن سلامؓ کہا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں مسروق سے روایت ہے کہ یہ عبداللہ بن سلامؓ کے بارے میں نہیں کیونکہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اور عبداللہ بن سلامؓ مدینہ میں اسلام لائے .... آپ نے فرمایا کہ تورات قرآن کی مثل ہے اور موسیٰؑ مثیل آنحضرت صلعم ہیں اور یہ شاہد موسیٰؑ ہیں اور یہاں فی الحقیقت اشارہ اس موسیٰؑ کی مثل نبی والی پیشگوئی کی طرف ہے جو استثنا ۱۸: ۱۵-۱۸ میں پائی جاتی ہے "میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کردوں گا" تو اس پیشگوئی کی طرف توجہ دلا کر کفار پر اتمام حجت کیا ہے اور بتایا ہے کہ یہ افترا نہیں ہوسکتا۔ جیسا تم کہتے ہو۔ کیونکہ یہ حضرت موسیٰؑ کی پیشگوئی کے مطابق ہے اگلے رکوع میں اس مضمون کو کھول کر بیان کیا ہے۔

نمبر۲۔ لو کان خیراً۔ یعنی قرآن کوئی اچھی چیز ہوتی تو یہ غربا اور ضعفاء جیسے بعض غلام اور لونڈیاں تھیں۔ ہم سے جو بڑے بڑے لوگ ہیں سبقت نہ لیجاتے افک قدیم کہنے سے یہ منشا ہے کہ پہلے لوگ بھی اسی طرح جھوٹ بناتے رہے ہیں۔

نمبر۳۔ قبلہ میں ضمیر قرآن کی طرف ہے اور اماماً و رحمۃ اسی سے حال ہے اور بعض کے نزدیک یہ کتاب سے حال ہے۔ صورت اوّل میں امام اور رحمۃ قرآن کریم کو کہا ہے اور صورت ثانی میں توریت کو بنی اسرائیل کے لیے امام اور رحمۃ بیان فرمایا ہے۔ اور وہ اس لحاظ سے بھی امام اور رحمت ہے کہ آنحضرت صلعم کی پیشگوئی اس میں بالتصریح موجود ہے اور یہاں بالخصوص اسی کی طرف اشارہ بھی ہے کیونکہ آگے قرآن کریم کو مصدق کہا ہے اور لساناً عربیاً میں اشارہ وضاحت بیان کی طرف بھی ہے اور پیشگوئی کی طرف بھی جس کی رو سے بنی اسمٰعیل یا عرب میں سے نبی کا آنا ضروری تھا۔

نمبر۴۔ ایمان کی رو سے توحید پر قائم ہیں اور منتہائے عمل استقامت ہے۔

وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ اِحْسٰنًا ؕ
حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّ وَضَعَتْهُ كُرْهًا ؕ
وَ حَمْلُهٗ وَ فِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ؕ حَتّٰۤى
اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۙ
قَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ
الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰى وَالِدَیَّ وَ اَنْ
اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَ اَصْلِحْ لِیْ
فِیْ ذُرِّیَّتِیْ ۚ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْكَ وَ اِنِّیْ
مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۱۵

اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیکی کا حکم دیا ہے - اس کی ماں نے اسے تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور اسے تکلیف سے جنا اور اس کا حمل میں رکھنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینے (تک) ہے یہاں تک کہ جب اپنی قوت کو پہنچتا ہے اور چالیس سال کو پہنچتا ہے کہتا ہے میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو دی اور کہ میں نیک عمل کروں جس سے تو راضی ہو اور میرے لیے میری اولاد کی اصلاح کر، میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں ۱۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ
مَا عَمِلُوْا وَ نَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ
فِیْۤ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ؕ وَعْدَ الصِّدْقِ
الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ۱۶

یہی وہ ہیں جن سے ہم ان کے بہترین عمل قبول کرتے ہیں اور ان کی برائیوں سے درگزر کرتے ہیں جنت والوں میں (شامل کرکے) سچا وعدہ ہے، جو انھیں دیا جاتا ہے -

وَ الَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْهِ اُفٍّ لَّكُمَاۤ

اور وہ جو اپنے ماں باپ کو کہتا ہے تف ہے تم پر

نمبر۱- حمل اور فصال یعنی دودھ چھڑانے کی کل مدت تیس ماہ ہے اور دودھ پلانے کا زمانہ دو سال ہے والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین (البقرۃ - ۲۳۳) باقی چھ ماہ حمل کے رہ جاتے ہیں جس کی وجہ یہ بھی دی گئی ہے کہ اقل مدت حمل چھ ماہ ہے لیکن اصل وجہ اس کی یہ ہے کہ یہاں حمل میں مشقت کا ذکر ہے اور مشقت کا رنگ اسی وقت پیدا ہوتا ہے جب بچے کا بوجھ پیٹ میں محسوس ہو اور یہ چوتھے مہینے میں ہی ہوتا ہے - بلغ اشدہ و بلغ اربعین سنۃ - اشد اور اربعین سنۃ کو بعض نے الگ الگ لیا ہے یعنی ایک سے مراد بلوغ جسمانی یا وہ بلوغ جو قوائے جسمانی کے کمال نشو و نما سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرے سے بلوغ روحانی یعنی وہ بلوغ جو اخلاق کے کمال نشو و نما سے تعلق رکھتا ہے اور بعض نے ایک ہی- اور بلوغ روحانی چالیس سال پر ہی ہے اور اسی عمر میں انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوتی ہے اور یہ سب انبیاء کے متعلق مسلم ہے - سوائے اس کے کہ بعض لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے اور کہا ہے کہ ان دونوں کو بچپن میں نبوت عطا ہوئی - مگر بچپن میں نبوت کا ملنا بے معنیٰ ہے اس لیے حضرت عیسیٰؑ کے متعلق آتانی الکتاب اور حضرت یحییٰؑ کے متعلق آتینٰہ الحکم صبیًا کی توجیہ یوں کی گئی ہے کہ یہ اس بات کی خبر ہے جو ابھی واقع ہونے والی تھی اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت ۳۰ سال کی عمر میں مانی ہے مگر یہ لوگ تاریخ کے بہت کچے ہیں خود اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ جو پیدائش مسیح کا سال اناجیل میں دیا گیا ہے اس سے پانچ چھ سال پہلے آپ کی پیدائش ہوئی بعثت انبیاء چالیس سال پر صحیح ہے اور آیت کا مضمون عام ہے -

أَتَعِدَانِنِىٓ أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ
الْقُرُونُ مِن قَبْلِى ۚ وَهُمَا يَسْتَغِيثَانِ
اللَّهَ وَيْلَكَ ءَامِنْ ۚ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ
فَيَقُولُ مَا هَٰذَآ إِلَّآ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٧﴾
أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِىٓ
أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ
وَالْإِنسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَٰسِرِينَ ﴿١٨﴾
وَلِكُلٍّ دَرَجَٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوا ۖ
وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَٰلَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٩﴾
وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ
أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَٰتِكُمْ فِى حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا
وَاسْتَمْتَعْتُم بِهَا ۖ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ
عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ
فِى الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ

کیا تم مجھے ڈراتے ہو کہ میں نکال کھڑا کیا جاؤنگا اور مجھ
سے پہلے (بہتیری) نسلیں گزر چکی ہیں اور وہ دونوں اللہ سے
فریاد کرتے (ہوئے کہتے) ہیں تجھ پر افسوس ایمان لا، اللہ کا وعدہ
سچا ہے تو وہ کہتا ہے یہ کچھ نہیں مگر پہلوں کی کہانیاں ہیں ١ـــ
یہی وہ ہیں جن پر بات صادق آئی ، ان گروہوں میں
سے جو جنوں اور انسانوں سے ان سے پہلے گزر چکے۔
وہ نقصان اٹھانے والے تھے۔
اور ہر ایک کے لیے اس کے مطابق درجے ہیں جو انھوں نے عمل کیے اور تاکہ
ان کے اعمال (کے اجر) وہ انھیں پورے پورے دے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائیگا۔
اور جس دن کافر آگ پر پیش کیے جائیں گے ، تم اپنی اچھی
چیزوں کو دنیا کی زندگی میں لے چکے اور ان سے چند روزہ
فائدہ اٹھالیا ٢ـــ سو آج تمھیں ذلت کا عذاب
بدلے میں دیا جائے گا ، اس لیے کہ تم زمین میں
ناحق تکبّر کرتے تھے ، اور اس لیے کہ تم نافرمانی

نمبر۱۔ یہ اس حالت کا ذکر ہے جہاں والدین اولاد کو نیک رستہ پر ڈالنا چاہتے ہیں اور اولاد پروا نہیں کرتی۔

نمبر۲۔ طیبات کے اذہاب یا لے جانے سے مراد عموماً یہ لی گئی ہے کہ اچھے اچھے سامانوں یا لذات کو تم نے دنیا کی زندگی میں پورا پورا لے لیا اور آخرت کے لیے کوئی حصہ ان کا باقی نہ چھوڑا۔ اور گو یہ سچ ہے کہ لذات دنیوی میں انہماک انسان کے لیے حصۂ آخرت کو باقی نہیں رہنے دیتا اور یہ بھی سچ ہے کہ صلحا کی زندگی میں نمونہ یہی پایا جاتا ہے کہ وہ دنیوی لذات کی طرف توجہ نہیں کرتے اور سادہ غذا سادہ لباس سادہ مکان پر ہی گذارہ کرتے ہیں اور یہ بھی سچ ہے کہ بالخصوص اس زمانہ میں جب چاروں طرف لذات دنیوی کے لیے ایک جنون سا لوگوں کی طبائع پر غالب آگیا ہے۔ صلحاء کی سادہ زندگی کی طرف رجوع کرنا اصلاح کی سب سے پہلی ضرورت ہے اور تعجب تو اس قوم پر ہے جو حضرت عیسیٰ کو خدا بناتی ہوئی اور ان کی زندگی میں ایک کراس اور مصیبت کی برداشت کا ہی سب سے بڑا سبق بتاتی ہوئی خود ہر طرح کی لذات اور عیش و آرام کے سامانوں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے لیکن یہاں طیبات کے اذہاب یا ضائع کرنے سے مراد اُن قویٰ کا ضائع کر دینا جو انسان کے لیے طیبات کو بطور نتیجہ پیدا کرتے ہیں زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہاں اذہاب اور استمتاع دو الگ الگ فعل ہیں اور لذات دنیوی میں پڑ جانا استمتاع کا مفہوم ہے۔ کیونکہ اس طرح انسان چند روزہ فائدہ اُٹھا کر اپنے آپ کو طیبات سے ہمیشہ کے لیے محروم کر دیتا ہے اور اس محرومی کی طرف ہی اذہاب طیبات میں اشارہ ہے دنیا کی زندگی کتنی بھی لمبی ہو بمقابلہ آخرت کے چند روزہ ہے۔

تَفْسُقُوْنَ ﴿۲۰﴾

کرتے تھے۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖۤ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۲۱﴾

عاد کے بھائی (ہود) کا ذکر کر، جب اس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا، اور ڈرانے والے اس سے پہلے بھی آئے اور اس کے پیچھے بھی، کہ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کرو، میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب (کے آنے) سے ڈرتا ہوں ۱؎۔

قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَاْفِكَنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا ۚ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۲﴾

انھوں نے کہا، کیا تو ہمارے پاس آیا ہے کہ ہمیں اپنے معبودوں سے پھیر دے، سو لے آ جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے اگر تو سچا ہے۔

قَالَ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاُبَلِّغُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَلٰكِنِّيْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

اس نے کہا، (اس کا) علم تو صرف اللہ ہی کو ہے اور میں تمھیں وہی پہنچاتا ہوں جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے لیکن میں ایسے لوگ دیکھتا ہوں جو جہالت کرتے ہیں۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ عَارِضًا مُّسْتَقْبِلَ اَوْدِيَتِهِمْ ۙ قَالُوْا هٰذَا عَارِضٌ مُّمْطِرُنَا ؕ بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهٖ ؕ رِيْحٌ فِيْهَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۴﴾ۙ

پھر جب اسے ایک بادل (کے رنگ میں) دیکھا جو اُن کی وادیوں کی طرف بڑھ رہا تھا، کہنے لگے یہ بادل ہم پر مینہ برسانے والا ہے، بلکہ یہ وہ ہے جس کے لیے تم جلدی کرتے تھے ہوا ہے جس میں دردناک عذاب ہے ۲؎۔

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا فَاَصْبَحُوْا لَا يُرٰۤى اِلَّا مَسٰكِنُهُمْ ؕ كَذٰلِكَ

اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو تباہ کرتی ہے۔ سو وہ ایسے ہو گئے کہ سوائے ان کے مکانوں کے کچھ نظر نہیں

نمبر۱۔ احقاف۔ حقف کی جمع ہے تو دۂ ریگ یا ریت جو مستطیل شکل میں اونچی ہو گئی ہو۔ جس میں ٹیڑھا پن پیدا ہو جائے اور یہ علاقہ یمن میں عمّان اور حضر موت کے درمیان ہے جہاں قوم عاد کے لوگ رہتے تھے اور پہلے پیچھے ڈرانے والوں کے آنے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے عام قانون ارسالِ رسل کی طرف توجہ دلائی ہے یا یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ خاص اس قوم میں ہودؑ سے پہلے بھی رسول آئے اور پیچھے بھی جس سے معلوم ہوا کہ اس قوم کا کچھ بقایا رہ بھی گیا تھا۔

نمبر۲۔ عارض وہ چیز جو اپنے عرض یعنی فراخی کو ظاہر کرے۔ بعض وقت بادل پر بولا جاتا ہے جیسے یہاں اور بعض وقت اس پر جو بیماری سے سامنے آجائے اور بعض وقت رخسار پر۔

نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿٢٥﴾

آتا تھا، اسی طرح ہم مجرم قوم کو بدلہ دیتے ہیں۔

وَلَقَدْ مَكَّنَّاهُمْ فِيمَا إِنْ مَكَّنَّاكُمْ فِيهِ وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَأَبْصَارًا وَأَفْئِدَةً فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُمْ مِنْ شَيْءٍ إِذْ كَانُوا يَجْحَدُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿٢٦﴾ ع

اور یقیناً ہم نے انھیں ایسی باتوں میں قدرت دی تھی جن میں تم کو بھی قدرت نہیں دی اور انھیں کان اور آنکھیں اور دل دیئے تھے سو نہ ان کے کان اور نہ ان کی آنکھیں اور نہ ان کے دل کسی کام آئے، جب کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور انھیں اس نے آلیا جس پر وہ ہنسی کرتے تھے۔

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِنَ الْقُرَىٰ وَصَرَّفْنَا الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢٧﴾

اور ہم نے تمھارے آس پاس کی کئی بستیاں ہلاک کردیں اور ہم آیتوں کو بار بار بیان کرتے ہیں تاکہ وہ رجوع کریں۔

فَلَوْلَا نَصَرَهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً ۖ بَلْ ضَلُّوا عَنْهُمْ ۚ وَذَٰلِكَ إِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٨﴾

تو انھوں نے ان کی مدد کیوں نہ کی جنھیں انھوں نے قرب حاصل کرنے لیے اللہ کے سوائے معبود بنایا تھا، بلکہ وہ ان سے غائب ہوگئے اور یہ ان کا جھوٹ اور افترا کی ہوئی باتیں تھیں۔

وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنْصِتُوا ۖ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ ﴿٢٩﴾

اور جب ہم جنّوں کا ایک گروہ تیری طرف لے آئے کہ وہ قرآن کو سنیں سو جب اس پر حاضر ہوئے کہنے لگے چپ رہو۔ سو جب تمام ہوا، اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر واپس ہوئے۔[1]

قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ

کہا اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے، جو

نمبر۱۔ جنّوں کے اس گروہ کے متعلق ذیل کی باتیں روایات میں ملتی ہیں جو تفسیر ابن کثیر سے لی گئی ہیں۔ مسند احمد کی روایت میں زبیرؓ سے مروی ہے کہ یہ نخلہ میں تھا اور رسول اللہ صلعم عشا کی نماز پڑھ رہے تھے (۲) ابن عباسؓ سے ابن جریر میں روایت ہے کہ وہ سات تھے اور نصیبین کے رہنے والے تھے۔ (۳) محمد بن اسحاق نے محمد بن کعب سے روایت کی ہے کہ جب آنحضرت صلعم طائف تشریف لے گئے تو وہاں سے واپسی پر نخلہ میں رات رہے اور وہاں جنّوں نے آپ سے قرآن سنا اور یہ نصیبین کے رہنے والے تھے (۴) ابن مسعودؓ سے امام احمد نے روایت کی ہے کہ ہم نے مکّہ میں ایک رات رسول اللہ صلعم کو نہ پایا اور ہمیں سخت فکر دامنگیر رہا یہاں تک کہ صبح ہوئی تو آپ حرا کی طرف سے واپس آئے اور فرمایا کہ مجھے جنّوں کا بلانے والا

مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ — موسیٰ کے بعد اتاری گئی، اس کی تصدیق کرتی ہوئی جو اس
يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى — سے پہلے ہے، وہ حق کی طرف اور سیدھی راہ کی
طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ — طرف ہدایت کرتی ہے۔
يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَ اٰمِنُوْا — اے ہماری قوم اللہ کی طرف بلانے والے کو قبول کرو اور

بلا کرلے گیا تھا سو میں ان کے پاس گیا اور انھیں قرآن پڑھ کر سنایا۔ پھر آپ ہمارے ساتھ گئے یہاں تک کہ ہمیں ان کے نشان اور ان کی آگ جلانے کے نشان دکھائے اور کسی روایت میں ابن مسعودؓ سے یوں ہے کہ اس رات رسول اللہ صلعم نے صحابہ سے فرمایا کہ تم میں سے کون میرے ساتھ جنوں کے پاس جائے گا تو میرے سوائے اور کوئی آپ کے ساتھ نہ گیا۔ پھر جب ہم مکہ کی اوپر کی زمین میں پہنچ گئے تو آپ نے میرے لیے ایک نشان لگا دیا اور میں وہاں ٹھیرا رہا اور آپ آگے چلے گئے اور قرآن شریف پڑھنا شروع کیا اور ایک سواد کثیر میرے اور آپ کے درمیان حائل ہو گیا۔ یہاں تک کہ میں آپ کی آواز بھی نہ سن سکتا تھا اور بیہقی کی ایک روایت میں ابن مسعودؓ سے ہے کہ رسول اللہ صلعم مجھے اپنے ساتھ لے گئے اور فرمایا کہ جنوں کی ایک جماعت پندرہ کس کی بنی اخوہ اور بنی عمہ سے میرے پاس آج آنے والی ہے اور عبدالعزیز بن عمرؓ سے ایک روایت ہے کہ جو جن آپ کو نخلہ میں ملے وہ نینوہ سے تھے اور جو مکہ میں ملے وہ نصیبین سے تھے اور ابن مسعودؓ کی ایک روایت میں یہ لفظ بھی ہیں کہ جب رسول اللہ صلعم وہاں سے واپس آئے اور نماز پڑھنے لگے تو ان میں سے بھی دو شخص آئے اور انھوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی تو ابن مسعودؓ کہتے ہیں، میں نے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ یہ کون تھے تو آپ نے فرمایا نصیبین کے جن۔ اس اختلاف روایات میں حضرت ابن عباسؓ اُن کو ایسی غیر مرئی ہستیاں قرار دیتے ہیں جو شیاطین کہلاتی ہیں۔ اور اس واقعہ کو ابتدائے نبوت کا واقعہ بتاتے ہیں۔ حالانکہ یہ سورتیں بہت بعد کی ہیں پس یہ خیال قابل قبول نہیں اور حضرت ابن عباسؓ کے مقابل پر زیادہ قابل اعتماد حضرت ابن مسعودؓ کی روایات ہیں کیونکہ وہ اس واقعہ میں آنحضرت صلعم کے ساتھ ہونا بیان کرتے ہیں اور ان سب روایات میں جو قدر مشترک کے طور پر بات ہے وہی لی جا سکتی ہے اور وہ صرف اسی قدر ہے کہ یہ ایک نفر یا چند آدمیوں کی جماعت تھی اور رسول اللہ صلعم کو اُن کے آنے کا علم تھا مگر آپ تنہائی میں اور رات کے وقت اُن سے ملے ہیں اور قرآن شریف انھیں پڑھ کر سنایا ہے اور جہاں وہ رات رہے ہیں وہاں اُن کے نشان اور اُن کے آگ جلانے کے نشان بھی ان کے چلے جانے کے بعد باقی تھے اور یہ باہر سے آئے تھے اور یہ واقعہ مکہ کا ہے۔ لفظ جن انسانوں پر بھی بولا جاتا تھا اور غیر مرئی ہستیوں پر بھی۔ اور حضرت ابن مسعودؓ نے جو باتیں ان کے متعلق بیان کی ہیں وہ صاف بتاتی ہیں کہ یہ غیر مرئی ہستیاں نہ تھیں وہ کہیں باہر سے آئے تھے یعنی اجنبی لوگ تھے۔ شاید اسی وجہ سے انھیں جن کہا ہے اور رسول اللہ صلعم کا ان سے مکہ سے باہر جا کر تنہائی میں ملاقات کرنا اسی کا مؤید ہے اگر غیر مرئی ہستیاں ہوتیں تو مکہ میں کون امر مانع تھا۔ علیحدگی اور تنہائی کی ضرورت اسی لیے پیش آئی کہ کفار تکلیف نہ دیں۔ پھر ان کے اپنے نشان اور ان کے آگ جلانے کے نشان بھی ان کے چلے جانے کے بعد موجود تھے آگ جلانے کی ضرورت کھانا وغیرہ پکانے کے لیے انسانوں کو ہوتی ہے اور نشان بھی انسانوں کے باقی رہ سکتے ہیں نہ غیر مرئی ہستیوں کے۔ پھر بعض ان میں سے آنحضرت صلعم کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں شاید یہ ایسے ہوں جو فوراً ایمان لے آئے ہوں اور باقی ابھی تردد میں ہوں اور انھیں اہل نصیبین یا اہل موصل یا اہل نینوہ قرار دینا بھی صاف بتاتا ہے کہ وہ انسان ہی تھے ورنہ جنوں کی کوئی خاص بستیاں نصیبین یا موصل میں نہیں۔ وہ تو غیر مرئی ہستیاں ہیں انھیں بستیاں بنا کر رہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اور غالباً یہ نصیبین کے یہودی تھے جیسا کہ انا سمعنا کتابا انزل من بعد موسیٰ سے ظاہر ہے علاوہ ازیں جن ان احکام کے مکلف بھی نہیں ہو سکتے جو انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کیے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ علیحدہ ہستیاں ہیں اور قرآن شریف میں جس قدر احکام ہیں وہ انسانوں کے لیے ہیں جنوں کے لیے نہیں اگر ان کے لیے بھی اسی طرح قرآن شریف پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہوتا جس طرح انسانوں کے لیے ضروری ہے تو کچھ نہ کچھ تفصیلی احکام ضرور اُن کے متعلق ہوتے۔ رہا انسانوں کے جنوں کو دیکھنے کا سوال، سو وہ اسی رنگ میں دیکھے جا سکتے ہیں جس طرح ملائکہ اور وہ اسی قسم کی ہستیاں ہیں کیونکہ وہ نار سے پیدا ہوئے ہیں تو ملائکہ نور سے۔ پس جہاں تک اُن کے شکل و صورت کے اختیار کرنے، مکلف با حکام ہونے، کھانے پینے وغیرہ کا معاملہ ہے انھیں مشابہت ملائکہ سے ہے نہ انسانوں سے۔

بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ
يُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۱﴾

اس پر ایمان لاؤ کہ وہ تمھارے قصور تمھیں معاف کر دے
اور تمھیں دردناک عذاب سے پناہ دے۔

وَ مَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ
بِمُعْجِزٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَيْسَ لَهٗ مِنْ
دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءُ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۲﴾

اور جو کوئی اللہ کی طرف بلانے والے کو قبول نہ کرے گا،
تو وہ زمین میں (اللہ کو) عاجز کرنے والا نہیں اور اس کے لیے
اس کے سوائے کوئی مددگار نہ ہونگے یہی لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔

اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ لَمْ يَعْيَ
بِخَلْقِهِنَّ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ؕ
بَلٰۤى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۳﴾

کیا انھوں نے غور نہیں کیا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو
پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے تھکا نہیں وہ اس پر
قادر ہے کہ مُردوں کو زندہ کرے۔ ہاں وہ ہر
چیز پر قادر ہے۔

وَ يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى
النَّارِ ؕ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى
وَ رَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا
كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور جس دن وہ جو کافر ہیں آگ پر پیش ہوں گے
کیا یہ سچ نہیں؟ کہیں گے ہاں ہمارے رب کی قسم
کہے گا، پس عذاب چکھو، اس لیے کہ تم
کفر کرتے تھے۔

فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ
الرُّسُلِ وَ لَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ ؕ كَاَنَّهُمْ
يَوْمَ يَرَوْنَ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ لَمْ يَلْبَثُوْۤا
اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ؕ بَلٰغٌ ۚ فَهَلْ
يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

سو صبر کر، جس طرح اولوالعزم رسول صبر کرتے
رہے، اور ان کے لیے جلدی نہ کر جس دن وہ اسے
دیکھیں گے جس کا انھیں وعدہ دیا جاتا ہے، گویا دن کی
ایک گھڑی ہی ٹھہرے تھے (یہ) پہنچا دینا ہے تو کیا سوائے
نافرمان لوگوں کے کوئی اور بھی ہلاک کیا جائے گا[1]

نمبر ۱۔ الوالعزم۔ عزم دل کا کسی کام کے کر لینے پر مضبوط ہو جانا ہے اور الوالعزم سے مراد وہ ہیں جنھوں نے اللہ کے امر پر عزم کر لیا اس میں جو اس نے انھیں حکم دیا اور تفسیر میں ہے کہ نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اولوالعزم رسول ہیں اور آنحضرت صلعم بھی ان میں سے ہیں اور بعض نے اور نام بھی لیے ہیں مگر ابن زید کا قول جو ابن جریر میں منقول ہے صحیح ہے کل الرسل کانوا اولی عزم یعنی سب رسول ہی الوالعزم تھے۔

آیاتہا ۳۸ (۴۷) سُوْرَۃُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِيَّةٌ ۹۵ رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ — اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ (۱) — جنھوں نے انکار کیا اور اللہ تعالیٰ کے رستے سے روکا، ان کے عمل برباد کر دیئے [۲]۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ اَصْلَحَ بَالَهُمْ (۲) — اور جو ایمان لائے اور اچھے عمل کیے اور اس پر ایمان لائے، جو محمد پر اتارا گیا، اور وہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے ان کی برائیوں کو ان سے دور کر دیا اور ان کی حالت سنوار دی۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا — یہ اس لیے کہ جو کافر ہیں وہ غلط رستے پر چلے

نمبر ۱۔ اس سورت کا نام محمد ہے اور دوسرا نام قتال بھی ہے اور اس میں چار رکوع اور اڑتیس آیتیں ہیں۔ آنحضرت صلعم کا اسم مبارک محمد اس سورت کی دوسری آیت میں آتا ہے جہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جو محمد صلعم پر ایمان لاتے ہیں اور اس نام میں ہی یہ اشارہ ہے کہ آپ کے نام لیوا دنیا میں ذلیل وخوار نہیں رہ سکتے۔ اور اسی مضمون کو صراحت سے اس سورت میں بیان کیا ہے اس لیے کہ محمد کے معنی ہیں تعریف کیا گیا۔ گویا اس سورت کا یہ نام رکھ کر اور دوسری طرف دونوں فریق کا جو آپ پر ایمان لاتے تھے اور جو آپ کی مخالفت کرتے تھے ذکر کر کے یہ سمجھایا ہے کہ آپ اور آپ کے ساتھی کس مپرسی کی حالت میں نہیں رہ سکتے بلکہ ضرور ہے کہ آپ کا جلال دنیا میں ظاہر ہو۔

حٰمٓ کی ساری سورتیں عام طور پر حق اور باطل کے مقابلہ کا ذکر کرتی ہیں۔ اس لیے ان کے بعد ایسی سورت کو لایا گیا ہے جس میں یہ وضاحت سے بیان کر دیا گیا کہ اس وحی پر ایمان لانے والے کس طرح کامیاب ہوں گے اور ان کے مخالفین جو اہل باطل ہیں کس ذریعہ سے ہلاک ہوں گے اور وہ وحی جو اللہ تعالیٰ نے بھیجی ہے اس کے حامل کا جلال آخر دنیا میں کس طرح ظاہر ہوگا۔ یہ سورت مدنی ہے اور جیسا کہ اس کے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے ابتدائی مدنی زمانہ کی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ بقرہ کا کچھ حصہ اس کے نزول سے پیشتر نازل ہو چکا تھا۔ بالخصوص وہ حصہ جس میں جنگ کی اجازت دی گئی ہے لیکن جنگِ بدر سے پہلے کی یہ سورت معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس میں کوئی ذکر اس جنگ کا نہیں۔ بلکہ مسلمانوں کے غلبہ کا ذکر محض بطور پیشگوئی ہی ہے۔

نمبر ۲۔ یہ انہی اعمال کے برباد کرنے کا ذکر ہے جو اُن کے کفر اور اللہ کے رستے سے روکنے کے اعمال ہیں کیونکہ یہ سورت دونوں فریق کے مقابلہ کو ظاہر کرتی ہے ایک طرف کافر ہیں جو اس وقت مسلمانوں پر غالب آکر انھیں ان کے گھروں سے نکال چکے ہیں۔ اور لوگوں کو دین اسلام کی طرف سے روکنے میں گویا کامیاب ہو چکے ہیں دوسری طرف مسلمان ہیں جو اس وقت نہایت کس مپرسی کی حالت میں گھر بار چھوڑ کر مدینہ میں آ بیٹھے ہیں تو اس حالت میں یہ سورت نازل ہوتی ہے اور بتاتی ہے کہ کفار کا غلبہ اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا باقی نہ رہے گا اور مسلمانوں کی بیکسی کی حالت بھی باقی نہ رہے گی۔ نہ ان کی تکالیف باقی رہیں گی جیسا اگلی آیت میں صفائی سے فرمایا اور وہاں سیّئات سے مراد وہی تکالیف جسمانی ہیں جو اس وقت مسلمانوں کے لاحق حال ہو رہی تھیں۔

الْبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا
الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ
اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝۳

اور جو ایمان لائے انھوں نے اپنے رب کی طرف
سے حق کی پیروی کی - اسی طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے
لیے ان کی حالتیں بیان کرتا ہے [1]

فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ
الرِّقَابِ ؕ حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا
الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً
حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۛۚ ذٰلِكَ ۛؕ
وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَ لٰكِنْ
لِّيَبْلُوَا۟ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۴
سَيَهْدِيْهِمْ وَ يُصْلِحُ بَالَهُمْ ۝۵
وَ يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ۝۶

سو جب تمھاری کافروں سے مڈبھیڑ ہو جائے ، تو
گردنیں مارنا ہے یہاں تک کہ جب تم ان پر غالب
آجاؤ تو قید میں مضبوط باندھ لو پھر بعد میں یا تو احسان کے
طریق پر یا فدیہ لیکر چھوڑ دو ، یہاں تک کہ لڑائی اپنے ہتھیار
رکھ دے [2] یہ (یاد رکھو) اور اگر اللہ چاہے تو انھیں (اور طرح)
سزا دیدے لیکن (جنگ اس لیے ہوئی) تاکہ تمھیں ایک دوسرے کے ذریعہ سے آزمائے
اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے تو وہ ان کے عمل برباد نہیں کرے گا۔
انھیں منزل مقصود پر پہنچائیگا اور ان کی حالت سنوار دے گا۔
اور انھیں جنت میں داخل کرے گا جس کی پہچان انھیں کرادی ہے [3]

مع ۱۳ [illegible]

نمبر ۱ - یعنی کفار کے ان اعمالِ کفر و مخالفتِ اسلام کی بربادی اور مومنوں کی حالت کو اچھا بنانا اس لیے ہے کہ کفار باطل کی پیروی کرتے ہیں اور مسلمان حق کی - اور حق کی پیروی سے ضرور ہے کہ انسان کی حالت سنور جائے اور امثالہم سے مراد کفار اور مسلمانوں کی حالت یا ان کی صفات ہیں۔

نمبر ۲ - اول بتایا کہ کفار کو کس صورت میں قید کیا جا سکتا ہے اور یاد رکھنا چاہیئے کہ کسی آزاد انسان پر اگر غلامی کا نام اسلام کی رو سے آسکتا ہے تو انھیں لوگوں پر آسکتا ہے جنھیں غلبہ پاکر قید کر لیا گیا ہو یہی مراد ما ملکت ایمانہم سے ہے اس کی پہلی شرط ہے جنگ جس کا ذکر لقیتم میں ہے اور جنگ میں تو قتل ہی ہے پھر جب دشمن مغلوب ہو جائے تو جو پکڑے جائیں انھیں قید کر لینا ہے - پس دشمن کا قید میں لینا صرف بعد جنگ اور غلبہ ہی جائز ہے اور غلبہ کے بعد پھر قتل نہیں بلکہ قید کرنا ہے پھر قید کر کے بھی ہمیشہ کے لیے انھیں غلام نہیں بنایا جا سکتا بلکہ ان کا آزاد کر دینا ضروری ہے - خواہ دشمن قوم سے فدیہ لیکر آزاد کیا جائے اور خواہ بغیر فدیہ لینے کے محض بطور احسان - وہ ہمیشہ کے لیے قید یا غلامی میں نہیں رکھے جا سکتے اور یہ اسلام کا کھلا کھلا قانون ہے اور اسی کے مطابق رسول اللہ صلعم کا عمل ہے آپ نے جنگِ بدر میں قیدیوں سے فدیہ لیکر آزاد کیا اور بہت سی لڑائیوں میں بطور احسان آزاد کیا - ایک حنین کی جنگ میں چھ ہزار قیدی بغیر ایک حبہ فدیہ لینے کے آزاد کیے - بنی مصطلق کی جنگ میں بغیر فدیہ کے قیدی آزاد کیے اور اگر کبھی کسی ایک آدھ آدمی کو آپ نے مارنے کا حکم دیا تو وہ اس کے کسی اور جرم کی بنا پر تھا نہ جنگ کرنے کی وجہ سے - پس یہی صحیح اسلامی قانون ہے اور لکھا ہے کہ حجاج نے بھی عمرؓ کے پاس ایک قیدی قتل کرنے کو بھیجا تو آپ نے فرمایا یہ حکم ہمیں نہیں اور یہی آیت پڑھی اور جن لوگوں نے قیدیوں کے قتل کو جائز کیا ہے تو وہ ان کی اجتہادی غلطی ہے نص صریح اس کے خلاف ہے اور یہ جو فرمایا حتی تضع الحرب اوزارھا تو مطلب یہ ہے کہ یہ قید میں لینا بھی اس وقت تک ہے جب تک جنگ کا سلسلہ جاری رہے اور جب جنگ نہ ہو تو کسی کو قید میں لینا یا عارضی طور پر غلام بنانا بھی جائز نہیں۔

نمبر ۳ - یہاں عرّفہا کے معنی ہیں طیّبہا و زیّنہا یعنی اسے طیّب اور خوبصورت بنایا اور یا یہ معنی ہیں کہ ان کے لیے اس کا وصف بیان

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ
يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ۝۷

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ (کے دین) کی مدد
کرو تو وہ تمھاری مدد کرے گا اور تمھارے قدم مضبوط کر دیگا۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ
اَعْمَالَهُمْ ۝۸

اور جو کافر ہیں اُن کے لیے ٹھوکریں کھانا ہے اور ان
کے عمل برباد کر دے گا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ
فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹

یہ اس لیے کہ انھوں نے اُسے ناپسند کیا جو اللہ نے
اتارا۔ سو اس نے اُن کے عمل بیکار کر دیئے۔

اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ
قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكٰفِرِيْنَ
اَمْثَالُهَا ۝۱۰

تو کیا وہ زمین میں پھرے نہیں، پس وہ دیکھ لیتے کہ
ان کا انجام کیسا ہُوا جو اُن سے پہلے تھے۔ اللہ
نے اُن پر تباہی بھیجی اور کافروں کے لیے اس جیسی
(سزائیں) ہی ہیں ؎۱

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
ع وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝۱۱

یہ اس لیے کہ اللہ اُن کا کارساز ہے جو ایمان لائے
اور کافروں کے لیے کوئی کارساز نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ
عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا
يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ
الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۝۱۲

اللہ (تعالیٰ) ان لوگوں کو جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے
ہیں باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔
اور جو کافر ہیں وہ چند روزہ فائدہ اٹھاتے ہیں اور کھاتے
ہیں جس طرح چارپائے کھاتے ہیں، اور آگ اُن
کا ٹھکانا ہے ؎۲

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ

اور کتنی بستیاں تھیں جو تیری اس بستی سے جس نے

کیا اور اس کی طرف انھیں شوق دلایا اور انھیں اس کا رتبہ دکھایا۔ پہلے معنی لے کر مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس جنت کی کچھ معرفت مومنوں کو یہاں بھی کرا دی ہے ایک تو ان کی کامیابیوں کے وعدوں کو پورا کر کے اور دوسرا اس دنیا کی جنتِ روحانی عطا فرما کر۔

نمبر۱- یعنی ان کی عاقبت کی مثالیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ متعدد عذاب یا سزائیں اُن پر آئیں گی۔

نمبر۲- اس لیے کہ انھوں نے زندگی کی غرض چارپایوں کی طرح صرف کھانے پینے کو ٹھہرا رکھا ہے اور چونکہ اپنے قویٰ کو ان کاموں میں نہیں لگاتے جن سے راحت پیدا ہوتی ہے اس لیے ان کا ٹھکانا آگ ہے۔

قَرْيَتِكَ الَّتِيْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ
فَلَا نَاصِرَ لَهُمْ ۝۱۳

تجھے نکالا ہے طاقت میں بڑھ کر تھیں ، ہم نے انھیں
ہلاک کر دیا ، پس ان کا کوئی مددگار نہ ہوا[1]۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ
زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَ اتَّبَعُوْٓا
اَهْوَآءَهُمْ ۝۱۴

تو کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک کھلی دلیل پر
(قائم) ہے اس کی طرح ہو سکتا ہے جسے اس کا برا عمل اچھا
معلوم ہوتا ہے اور وہ اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِيْهَآ
اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَ اَنْهٰرٌ
مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَ اَنْهٰرٌ
مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ۬
وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَ لَهُمْ
فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ
مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي
النَّارِ وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ
اَمْعَآءَهُمْ ۝۱۵

اس جنت کی (ایک) مثال ہے جس کا وعدہ متقیوں کو دیا جاتا ہے
اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بگڑتا نہیں ، اور دودھ کی
نہریں ہیں جس کا مزا نہیں بدلتا - اور شراب کی نہریں
ہیں جو پینے والوں کے لیے لذت ہے - اور صاف
کیے ہوئے شہد کی نہریں ہیں - اور ان کے لیے
اس میں سب قسم کے پھل ، اور ان کے رب کی طرف
سے مغفرت ہے (کیا اس کے رہنے والے) ان کی مثل
ہیں جو آگ میں رہنے والے ہیں اور انھیں ابلتا ہوا پانی پلایا
جائیگا تو ان کی انتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا[2]۔

نمبر۱- اس آیت میں کفار کے نبی کریم صلعم کو مکہ سے نکالنے کا ذکر ہے گو وہ تو آپ کو قتل ہی کرنا چاہتے تھے لیکن نکالنے کی نسبت ان کی طرف اس لیے کی ہے کہ ان کے اس فعل کی وجہ سے ہی آپ کو نکلنا پڑا۔ حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت میں ہے کہ جب آنحضرت صلعم گھر سے نکل کر غار کی طرف چلے تو پھر کر فرمایا انت احب بلاد اللہ تعالیٰ الی اللہ و انت احب بلاد اللہ تعالیٰ الیّ ولولا ان اھلک اخرجونی منک لم اخرج منک یعنی اے مکہ تو اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں سے اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور تو مجھے بھی تمام شہروں سے بڑھ کر محبوب ہے اور اگر تیرے لوگوں نے مجھے نکالا ہوتا تو میں تجھ سے نہ نکلتا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی مگر چونکہ یہ ساری سورت بعد ہجرت کی ہے جب جنگ کی تیاری کفار کی طرف سے ہو چکی ہے اور مسلمانوں کو بھی دفاع کے لیے جنگ کرنے کی اجازت مل چکی ہے اس لیے یہ قرین قیاس نہیں کہ ایسی آیت پہلے کی نازل شدہ ہو اور یہاں بھی صاف پیشگوئی ہے کہ ان کفار کو ہم ہلاک کر دیں گے اور کوئی ان کا مددگار نہ ہوگا

نمبر۲- یہاں چند چیزوں کا ذکر ہے اور ایک طرف اگر مثل الجنۃ کہہ کر بتا دیا ہے کہ یہ اس دنیا کی چیزیں نہیں تو دوسری طرف خود ان چیزوں کے اوصاف بھی ایسے بیان کر دیئے ہیں۔ وہ ایسا پانی ہے کہ اس کی بو بگڑتی نہیں۔ ایسا دودھ ہے کہ اس کا مزہ تبدیل نہیں ہوتا۔ ایسی شراب ہے جو لذت ہی لذت ہے یعنی نہ اس کے مزہ میں نقص یا بگاڑ ہے نہ اس کا نتیجہ سکر ہے۔ ایسا شہد ہے جس میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں۔ پھر فرمایا کہ سب قسم کے پھل بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت کو سب کے ساتھ اکٹھا کر کے بتا دیا کہ ان نعمتوں کا رنگ کیا ہے خمر کے لفظ سے یہ خیال کر لینا کہ اسی دنیا کی شراب وہاں ہو گی صحیح نہیں۔ یہ خمر وہ ہے جس کو دوسری جگہ شراباً طهوراً (الدھر ۲۱) کہا گیا ہے گویا انسان کو پاک کر دینے والی۔ اور یہاں خمر یا ڈھانک لینے والی

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ حَتّٰٓى	اور ان میں سے بعض وہ ہیں جو تیری طرف کان لگاتے ہیں
اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ	یہاں تک کہ جب تیرے پاس سے نکلتے ہیں انھیں جنھیں علم دیا
اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ اٰنِفًا ۣ اُولٰٓئِكَ	گیا ہے، کہتے ہیں اس نے ابھی کیا کہا تھا۔ یہی وہ ہیں جن
الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی اور وہ اپنی خواہشوں
وَ اتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ ۝۱۶	کی پیروی کرتے ہیں۔
وَ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى	اور جو ہدایت اختیار کرتے ہیں وہ انھیں ہدایت میں بڑھاتا
وَّ اٰتٰىهُمْ تَقْوٰىهُمْ ۝۱۷	ہے اور انھیں ان کا تقوے دیا[۱]۔
فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ	تو یہ اور کچھ انتظار نہیں کرتے مگر (موعودہ) گھڑی کا کہ اُن پر
بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ	اچانک آجائے۔ سو اس کی نشانیاں تو آچکیں، پھر جب
اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ۝۱۸	وہ آجائے گی ان کی نصیحت انھیں کہاں (مفید) ہوگی[۲]۔
فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اسْتَغْفِرْ	سو جان لے کہ اللہ کے سوائے کوئی معبود نہیں اور اپنے
لِذَنْۢبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ	قصور کے لیے حفاظت مانگ اور مومن مردوں اور مومن
۶ع وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَ مَثْوٰىكُمْ ۝۱۹	عورتوں کے لیے اور اللہ تمھارے آنے جانے اور تمھارے ٹھیرنے کو جانتا ہے[۳]۔

چیز اس کو اس لیے کہا ہے کہ وہ کمزوریوں کو ڈھانک کر انسان کو اعلیٰ مراتب پر پہنچانے والی ہے اور یہاں چار قسم کی نہروں کا ذکر کیا ہے جو ہر ایک مومن کے لیے ہوں گی۔ ایک پانی کی جس سے زندگی ہے۔ دوسری دودھ کی جس سے قوت ملتی ہے۔ تیسری شراب کی جس سے لذت اور سرور ملتا ہے۔ چوتھی شہد کی مکھی جس سے شفا ملتی ہے۔ در یہی چار چیزیں انسان کی راحت کے نقشہ کو مکمل کرتی ہیں اور بہشت میں مغفرت سے مراد گناہوں کی بخشش نہیں۔ کیونکہ گناہوں کی بخشش کے بعد تو انسان بہشت میں داخل ہوگا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور اس کا خاص تعلق ہے جو اہل جنت کو میسر ہوگا۔

نمبر۱۔ ان کا تقویٰ انھیں دیا یعنی انھیں متقی بنایا اور یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ انھیں ان کے تقویٰ کی راہیں بتا دیں۔

نمبر۲۔ الساعۃ کی اشراط سے مراد عموماً علامات قیامت لی گئی ہیں مگر یہاں لفظ ہیں فقد جاء اشراطھا اس کی علامتیں ظاہر ہو چکی ہیں اور یہ کہنا کہ چونکہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے انا والساعۃ کھاتین اس لیے آپ کا ظہور ہی علامات قیامت کا ظاہر ہو جانا ہے صحیح نہیں اس لیے کہ وہ تو محض ابتدا ہے اور جو علامات قیامت حدیث میں بیان ہوئی ہیں ان میں آنحضرت صلعم کا ظہور نہیں۔ پس اس ساعت سے مراد ساعت وسطیٰ یا ان مخالفین کی تباہی ہے اور درحقیقت اسی کا ذکر اس سورت میں ہے اور اس کی علامات ظاہر ہو چکی تھیں۔ کیونکہ اس کی سب سے بڑی علامت یہی تھی کہ آنحضرت صلعم مکہ سے نکل جائیں وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم (الانفال۔۳۳) اَنّٰی لَھُمْ اِذَا جَآءَتْھُمْ ذِکْرٰھُمْ کی ترکیب اس طرح ہے کہ اذا جاءتھم جملہ معترضہ کے طور پر ہے یعنی جب وہ ساعت آجائے گی انّٰی لھم ذکرٰھم یعنی پھر انھیں نصیحت کیا فائدہ دے گی۔

نمبر۳۔ اس سورت میں شروع سے ذکر دو گروہوں یعنی مومنوں اور کافروں کا چلتا ہے اور سوائے اس کے کہ قرآن تو یہ ہوں خطاب قرآن شریف میں عام ہی ہوتا ہے اور یہاں بھی یہی صورت ہے یعنی خطاب ہر مسلم کو ہے کہ اپنے قصور کی بھی مغفرت چاہے اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ لَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّ ذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى لَهُمْ ﴿۲۰﴾	اور جو ایمان لائے وہ کہتے ہیں کوئی سورت نازل کیوں نہیں ہوتی پس جب ایک واضح معنی والی سورت نازل کی گئی اور اس میں جنگ کا ذکر کیا گیا تو تو انھیں دیکھتا ہے جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ وہ تیری طرف دیکھتے ہیں اس شخص کی طرح جس پر موت (کے خوف) سے بیہوشی طاری ہو، سو ان کے لیے ہلاکت ہے[1]۔
طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۫ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۫ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾	فرمانبرداری اور پسندیدہ بات کا کہنا (مناسب تھا) پھر جب معاملہ پختہ ہو گیا تو اگر یہ اللہ تعالیٰ کے لیے (عہد کو) سچ کر دکھاتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا[2]۔
فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾	پس اگر تم حاکم بن جاؤ تو قریب ہے کہ زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رحموں کو قطع کرو[3]۔
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فَاَصَمَّهُمْ وَ	یہی وہ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی، سو انھیں بہرا

بھی اور یہ خطاب خصوصیت سے رسول اللہ صلعم کو نہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ میں آپ کے لیے استغفار کیا کروں تو آپ نے فرمایا ہاں اور یہ آیت پڑھی۔ اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس آیت کے یہی معنی سمجھے کہ ہر شخص کو دوسرے کے لیے استغفار کرنا چاہیئے اور اگر آپ کے لیے بھی مانا جائے تو ذنبک سے وہ ذنوب مراد ہیں جو ابھی سرزد نہیں ہوئے کیونکہ انبیاء سے کسی ذنب کا سرزد ہونا قرآن کی نص صریح کے خلاف ہے لا یسبقونہٗ بالقول وھم، مرہ یعملون (الانبیاء - ۲۷) ہاں وہ بھی انسان کا ذنب کہلا سکتا ہے جو امکانی طور پر انسان سے سرزد ہو سکتا ہے اور اس کے لیے حفاظت چاہنا یہ ہے کہ وہ سرزد نہ ہو اور یہی استغفار انبیاء ہے۔

نمبر ۱۔ اس میں مومنوں اور منافقوں کا مقابلہ ہے یعنی مومن تو اس حالت کو دیکھ کر کہ کافر کس طرح تلوار لے کر اسلام کو نیست و نابود کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہ خواہش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں دفاع کی اجازت دے۔ لیکن جب یہ حکم نازل ہوتا ہے تو منافق جن کے دلوں میں بیماری ہے اسے اپنے لیے ایک موت کی طرح سمجھتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر جنگ ہوئی تو مسلمانوں کے ساتھ ہم بھی مارے جائیں گے اور سورت محکمہ سے مراد واضح المعنی ہے کیونکہ جنگ کا پیش آنا تو پیشگوئیوں سے بھی معلوم ہوتا تھا مگر مسلمانوں کو وضاحت سے یہ حکم ابھی نہ دیا گیا تھا۔

نمبر ۲۔ یعنی چاہیئے یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے طاعت اور قول معروف اختیار کرتے اور امر کے پختہ ہونے سے مراد جنگ کا واقع ہونا ہے یعنی نزول حکم پر سنت اطاعت اختیار کرتے اور موقعہ پر اپنے عہد کو سچا کر دکھاتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔

نمبر ۳۔ تولیتم کے معنی یہاں دونوں طرح پر لیے گئے ہیں اگر تم اس حکم سے پھر جاؤ یا اگر تم حاکم بن جاؤ۔ پہلی صورت میں ان کا کفار کے ساتھ ملنا فساد فی الارض اور قطع رحمی تھی اس لیے کہ انہی منافقین کے رشتہ دار ہی مسلمان تھے تو ان کو مروانا قطع رحمی تھی اور زمین میں فساد اس طرح پر کہ کافر فساد کر رہے تھے اور مسلمانوں کو محض ظلم سے تکلیفیں پہنچا رہے تھے۔

اَعْمٰى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾	کر دیا اور ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا۔
اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى	تو کیا قرآن پر غور نہیں کرتے ، یا دلوں پر ان کے
قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾	تالے لگے ہوئے ہیں۔
اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ	وہ لوگ جو اپنی پیٹھوں پر پھر گئے ۔اس کے بعد کہ ان کے
مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ	لیے ہدایت واضح ہوگئی شیطان نے (اسے) ان کے لیے اچھا
الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ۭ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾	کر دکھایا اور انھیں لمبے وعدے دیئے ۔
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا	یہ اس لیے ہُوا کہ وہ انھیں کہتے ہیں جو اللہ کے اتارے ہوئے
مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ	حکم کو ناپسند کرتے ہیں کہ ہم بعض باتوں میں تمھاری فرمانبرداری
الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾	کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے بھید کو جانتا ہے ۔
فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ	تو کیا حالت ہوگی جب فرشتے انھیں وفات دیں گے اُن کے
وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾	مونہوں اور ان کی پیٹھوں کو مارتے ہوں گے ۔
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَ	یہ اس لیے کہ وہ اس بات کی پیروی کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو غضب
ۗ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾	دلاتی ہے اور اس کی رضا کو ناپسند کرتے ہیں سو اُن کے عمل بیکار کر دیئے۔
اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ	آیا وہ جن کے دلوں میں بیماری ہے ،خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾	ان کے کینوں کو باہر نہیں نکالے گا ۔
وَلَوْ نَشَآءُ لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ	اور اگر ہم چاہیں تو ہم تجھے وہ (لوگ) دکھا دیں پس تو انھیں

نمبر ۱۔ یہاں مراد آرزوؤں کا لمبا کرنا یا اپنے جھوٹے وعدوں کو آگے آگے کرتے جانا ہے یا لمبی زندگی کا وعدہ دینا مراد ہے اور بعض نے ضمیر یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف مانی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کو مہلت دیتا ہے اور ان پر عقوبت جلد نہیں لاتا۔

نمبر ۲۔ الذین کرھوا ما نزل اللہ کفار ہیں۔ ما یود الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین ان ینزل علیکم من خیر من ربکم (البقرۃ ۲-۱۰۵) منافق انھیں کہتے تھے کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں اور تمھاری اطاعت کریں گے ۔یعنی رسول اللہ صلعم کے خلاف تمھیں مدد دیں گے ۔یا اشارہ اس کی طرف ہے جیسا دوسری جگہ فرمایا۔ الم تر الی الذین نافقوا یقولون لاخوانھم الذین کفروا من اھل الکتاب لئن اخرجتم لنخرجن معکم ولا نطیع فیکم احدا ابدا"۔(الحشر ۵۹-۱۱)

نمبر ۳۔ اضغان۔ ضغن کی جمع ہے جس کے معنی سخت کینہ ہیں اور کینوں کو باہر نکالنے سے مراد یہ ہے کہ انھیں ظاہر کردے۔ کیونکہ منافق اپنے کینہ کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے اور یوں پتہ لگ جائے کہ کون منافق ہے اور یا مراد یہ ہے کہ کینہ دُور کر دے اور دونوں طرح پر ہی ہُوا۔

بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَ لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ
الْقَوْلِ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٠﴾

ان کی نشانیوں سے پہچان لے اور یقیناً تو انھیں ان کے طرز کلام سے
ہی پہچان لے گا اور اللہ تمھارے عملوں کو جانتا ہے ١۔

وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ
مِنْكُمْ وَ الصّٰبِرِيْنَ ۙ وَ نَبْلُوَا اَخْبَارَكُمْ ﴿٣١﴾

اور ہم تمھیں ضرور آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم تم میں سے جہاد کرنیوالوں اور صبر
کرنے والوں کو ظاہر کردیں اور تمھارے حالات کو جانچ لیں ٢۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ وَ شَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا
تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ
شَيْــًٔا ؕ وَ سَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾

جو کافر ہیں اور اللہ کے رستے سے روکتے ہیں اور رسول
کی مخالفت کرتے ہیں، اس کے بعد کہ ان کے لیے ہدایت
واضح ہوگئی، وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے اور وہ
ان کے عملوں کو بے کار کردے گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ
اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿٣٣﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور
رسول کی اطاعت کرو اور اپنے عملوں کو ضائع نہ کرو۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَ هُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ
يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿٣٤﴾

جو کافر ہیں اور اللہ کے رستے سے روکتے ہیں پھر وہ
مرجاتے ہیں حالانکہ وہ کافر ہی ہیں، تو اللہ تعالیٰ انھیں
ہرگز نہیں بخشے گا۔

فَلَا تَهِنُوْا وَ تَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۗ وَ
اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۖۗ وَ اللّٰهُ مَعَكُمْ وَ لَنْ

سو تم سست نہ ہو اور صلح کی طرف (نہ) بلاؤ اور تم ہی
غالب رہو گے۔ اور اللہ تمھارے ساتھ ہے، وہ

نمبر١۔ لحن۔ کلام کا اس طریق سے پھیرنا ہے جس پر وہ جاری ہے یا اعراب کے دور کرنے سے یا مٹا کر اور یہ مذموم ہے اور اس کا اکثر استعمال
اسی طرح ہے اور یا تصریح سے دور کرکے اور تعریض کی طرف اس کے معنی کو پھیر کر۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو منافقوں کے ماتھے پر ایسا
کلنک کا ٹیکا لگا دیتا کہ ہر شخص انھیں ان کی ظاہر علامات سے ہی پہچان لیتا۔ لیکن ایسا اس نے نہیں چاہا۔ ہاں جس طرز سے وہ کلام کرتے ہیں اس سے
بھی پہچاننے والا انھیں پہچان سکتا ہے اور رسول اللہ صلعم تو پہچانتے ہی تھے لیکن ان کا کھلے طور پر ظاہر کردینا ایک وقت تک مقدر نہ تھا اس کی وجہ اگلی آیت
میں دی ہے۔ ہاں آخرکار ان کے نام بھی آنحضرت صلعم کو بتا دیئے گئے۔ ایسی روایتیں قابلِ قبول نہیں کہ بعض منافق رات کو سوئے تو صبح کو ان کے ماتھے
پر لکھا ہوا تھا، ھذا منافق اللہ تعالیٰ کا ماتھے پر لکھنا یہی ہوتا ہے کہ اس کے افعال سے ظاہر کردے۔ اسی طرح دجّال کے متعلق جو آتا ہے کہ اس کے ماتھے
پر کفر کا لفظ لکھا ہوا ہوگا تو اس سے بھی مراد سیاہی سے لکھا ہوا ہونا نہیں۔ بلکہ افعال کی شہادت مراد ہے۔
نمبر٢۔ منافقوں اور مسلمانوں کا امتیاز اس لیے ابتدا میں نہیں کیا گیا کہ تا جہاد کرنے والوں اور صابروں کی کماں کوشش اور صبر کے نمونے ظاہر
ہوں۔ اخبارکم سے مراد ان کی خبریں یا حالات ہیں یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ مومنوں کے صبر اور کوشش کے نتائج دنیا میں ظاہر ہوں اور منافقوں
کا نفاق ظاہر ہو جائے۔

يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾
اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَاِنْ
تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ
وَلَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾
اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ
يُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾
هٰاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ
وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ
نَّفْسِهٖ ؕ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ
وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ
ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾

تمھارے لیے تمھارے عملوں کو کم نہ کرے گا۔[1]
دنیا کی زندگی صرف کھیل اور بے حقیقت چیز ہے اور اگر
تم ایمان لاؤ اور تقوٰے اختیار کرو، تو وہ تمھارے اجر تمھیں
دے گا اور تمھارے مال تم سے نہیں مانگے گا۔
اگر وہ اُن (اموال) کو تم سے مانگے اور تم سے الحاح کرے تو تم بخل
کرو اور وہ (بخل) تمھارے کینوں کو باہر نکال دے۔[2]
دیکھو تم وہ لوگ ہو جو بُلائے جاتے ہو کہ اللہ کی راہ میں
خرچ کرو، پس تم میں سے وہ ہے جو بخل کرتا ہے، اور جو
کوئی بخل کرتا ہے تو وہ صرف اپنی جان سے بخل کرتا ہے
اور اللہ (تعالیٰ) بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو۔[3] اور
اگر تم پھر جاؤ تو وہ تمھارے سوائے کسی اور قوم کو بدل کر لے
آئیگا، پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے۔

نمبرا۔ مطلب یہ ہے کہ جب لڑائی شروع ہو چکی ہے تو دب کر اور مغلوب فریق کی حیثیت اختیار کر کے صلح کی طرف نہ بلاؤ۔ اس لیے کہ اس صورت میں مسلمانوں کو دبا کر بالکل نابود کر دیا جاتا اور یہ بھی بتایا کہ غلبہ تمھارے لیے ہے۔

نمبر۲۔ پہلی آیت میں ہے کہ اگر تم ایمان لاؤ تو وہ تمھیں اجر دیگا اور تمھارے مال تم سے نہیں مانگے گا۔ اور دوسری میں ہے کہ اگر وہ تم سے مانگے تو تم بخل کرو۔ پس پہلی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمھیں کچھ ایمان ہو تو تمھیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ تم سے تمھارے مال نہیں مانگتا بلکہ وہ تمھیں کچھ اجر دینا چاہتا ہے۔ لیکن اجر بغیر انسان کی محنت اور قربانی اور عمل کے نہیں ملتا۔ اس لیے تمھیں مال خرچ کرنا پڑے گا تب ہی اجر ملے گا۔ منافقوں کو بتایا ہے کہ جس ایمان کا تمھیں دعوٰی ہے کہ اگر تم میں واقعی وہ ایمان ہو تو تمھیں کبھی خدا کی راہ میں خرچ کرنا مصیبت معلوم نہ ہو۔ اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ اپنے لیے نہیں مانگتا بلکہ تمھیں اجر دینے کے لیے اور تمھارے مراتب بلند کرنے کے لیے تمھیں خرچ کرنے کو کہتا ہے۔ دوسری آیت میں ان کی اصل حالت کا نقشہ کھینچا ہے کہ تم پر بڑا بڑا زور بھی دیا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو تو تم بخل کرتے ہو۔ اور فی الحقیقت تمھیں اسلام سے بغض ہے اور یہ بغض آخر ظاہر ہو کر رہے گا۔ خواہ تم اسے کتنا بھی چھپانا چاہو۔

نمبر۳۔ پچھلی دو آیتوں میں سے پہلی آیت میں مومنوں کا ذکر تھا اور دوسری میں منافقوں کا تو اب دونوں کا اکٹھا ذکر کر کے یا کل امت کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ تم کو جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کو بلایا جاتا ہے وہ تمھاری اپنی بھلائی کے لیے ہے لیکن بعض لوگ تم میں سے بخل کرتے ہیں اور جو بخل کرتا ہے اس کا نقصان بھی خود اس کی اپنی ذات کو ہی پہنچتا ہے اور اگر تم سب کے سب احکام الٰہی سے پھر جاؤ تو پھر اللہ تعالیٰ تمھاری جگہ اور لوگوں کو کھڑا کر دیگا۔ روح المعانی میں ایک روایت نقل کی ہے کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہیں جن کے لانے کا یہاں ذکر ہے۔ تو آپ نے سلمان فارسی کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔ یہ اور اس کی قوم اور پھر فرمایا کہ اگر ایمان ثریا پر ہو تو فارس کے کچھ لوگ اسے واپس لائیں گے۔

آیاتہا ۲۹ (۴۸) سُوْرَۃُ الْفَتْحِ مَدَنِیَّۃٌ ۱؎ رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ۝۱ ہم نے تیرے لیے ایک کھلی فتح (کی راہ) کھول دی ہے ۲؎

لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۲ تاکہ اللہ تعالیٰ اُن قصوروں سے تیری حفاظت کرے جو تیرے ذمّے پہلے لگائے گئے اور جو پیچھے لگائے جائیں گے اور اپنی نعمت کو تجھ پر تمام کرے اور تجھے سیدھے رستے پر چلائے ۳؎

نمبر۱۔ اس سورت کا نام الفتح ہے اور اس میں چار رکوع اور انتیس آیتیں ہیں۔ اس سورت کا نام اس عظیم الشان فتح پر ہے جو اسلام کو صلح حدیبیہ میں حاصل ہوئی اور اس کا فتح مبین ہونا بعد میں واقعات نے ثابت کر دیا۔ یعنی اس صلح کے ساتھ آمد و رفت کے رستے کھل گئے اور مسلمانوں اور کفار کا باہم میل ملاپ ہوگیا اور اسلام کی خوبیاں دلوں میں گھر کرنے لگیں اور کثرت کے ساتھ لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے۔ مگر فتح سے مراد صرف اسی قدر نہ تھی۔ بلکہ کچھ ظاہری فتوحات کا پیشگوئی کے رنگ میں ذکر کر کے آخر پر اصلی فتح کی صاف خوشخبری سنادی کہ دین اسلام تمام مذاہب عالم پر غالب آکر رہے گا۔ پچھلی سورت کا نام محمدؐ تھا اور اس کا نام الفتح ہے گویا بتایا ہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کا ظہور دنیا میں چاہتا تھا کہ فتح بھی اس کے ساتھ ہو اور اس کا نزول حدیبیہ سے واپسی پر حالت سفر میں مکّہ سے قریب ہی ہُوا۔ اور یہ ذیقعدہ ۶ھ کے آخری دن تھے مگر چونکہ ہجرت کے بعد جو کچھ نازل ہُوا وہ مدنی کہلائے گا۔ اس لحاظ سے یہ سورت مدنی ہے۔

نمبر۲۔ بخاری میں حضرت انسؓ کا قول ہے کہ جس فتح مبین کا ذکر اس آیت میں ہے وہ صلح حدیبیہ ہے اور ابن کثیر میں حضرت ابن مسعودؓ اور جابرؓ اور براءؓ کے اقوال نقل کیے گئے ہیں جن کے الفاظ قریبًا ایک ہی ہیں کہ تم فتح مکّہ کو فتح سمجھتے ہو اور ہم صلح حدیبیہ کو فتح سمجھتے ہیں اور روح المعانی میں زہری سے اس کی وجہ نقل کی ہے کہ کوئی فتح صلح حدیبیہ سے بڑھ کر نہیں ہوئی۔ مشرکوں کا مسلمانوں کے ساتھ میل جول ہُوا اور انھوں نے ان کی باتوں کو سنا اور اسلام نے ان کے دلوں میں جگہ پکڑ لی اور تین سال میں بہت سی مخلوق اسلام لائی اور ان کے ساتھ سواد اسلام بہت بڑھا اور جمہور کے نزدیک یہ ذکر صلح حدیبیہ کا ہی ہے۔

نمبر۳۔ لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تاخر یہ نتیجہ ہے فتح مبین یعنی صلح حدیبیہ کا۔ اس لیے اس کے یہ معنی کرنا کہ اللہ تعالیٰ تیرے گناہ بخش دے جو پہلے ہوئے یا جو بعد میں ہوں گے۔ کسی طرح صحیح نہیں۔ کیونکہ گناہوں کا بخشنا کسی صلح یا فتح کا نتیجہ نہیں ہو سکتا اور وہ باتیں جو اس کا نتیجہ بتائی ہیں چار ہیں: غفر ذنب، اتمام نعمت۔ ہدایت، نصرت۔ اگر غفر ذنب سے مراد گناہوں کا بخشنا لیا جائے تو اس کا باقی تینوں باتوں سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا اور نہ ہی صلح حدیبیہ سے کچھ تعلق رہتا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن کریم میں کہیں آنحضرت صلعم کے کسی ذنب کا ذکر نہیں بلکہ آپ کے مقامات عالیہ کا ہی ذکر ہے اور تاریخ تو بتاتی ہے کہ اس وقت بھی جب ابھی آپ منصب نبوت پر فائز نہ ہوئے تھے آپ الامین کے پاک نام سے مشہور تھے۔ پس ذنبك کے معنی آنحضرتؐ کے گناہ نہ تو سیاق وسباق سے درست ٹھہرتے ہیں اور نہ ہی قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے اور یہ ہم جانتے ہیں کہ اضافت بعض وقت حقیقت پر مبنی نہیں ہوتی۔ مثلاً اثمی واثمك (المائدہ ۔ ۲۹) میں اثمی سے مراد ہے وہ گناہ جو تو میرے خلاف کرنے لگا ہے اور شرکاؤکم (الانعام ۔ ۲۲) میں معنی تمھارے شریک نہیں، بلکہ مراد ہیں وہ شریک جو تم بناتے تھے شرکائی (النحل ۔ ۲۷) میں معنی میرے شریک نہیں بلکہ مراد ہے وہ جنھیں میرے شریک سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح یہاں ذنبك کے معنی ہیں جو دوسروں کے زعم میں آنحضرت صلعم کے ذنوب تھے۔ یا وہ ذنوب جو دوسرے آپ کی طرف منسوب کرتے تھے اور انہی کا تعلق صلح حدیبیہ سے بھی تھا۔ کیونکہ بہت سی باتیں غلط طور پر دشمنان اسلام نے مشہور کر رکھی تھیں جب

وَّ يَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ﴿۳﴾
اور اللہ تعہ تجھے زبردست نصرت سے مدد دے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ فِيْ قُلُوْبِ
الْمُؤْمِنِيْنَ لِيَزْدَادُوْٓا اِيْمَانًا مَّعَ
اِيْمَانِهِمْ ؕ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ
الْاَرْضِ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۴﴾
وہی ہے جس نے مومنوں کے دلوں میں تسکین نازل کی، تاکہ وہ اپنے ایمان کے ساتھ ایمان میں ترقی کریں، اور اللہ تعہ کے لیے ہی آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں اور اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے۔

لِّيُدْخِلَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
وَ يُكَفِّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ
عِنْدَ اللّٰهِ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۵﴾
تاکہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو باغوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، انھیں میں رہیں گے اور ان سے ان کی بُرائیاں دُور کرے اور یہ اللہ تعہ کے نزدیک بڑی بھاری کامیابی ہے۔

وَّ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْمُنٰفِقٰتِ وَ
الْمُشْرِكِيْنَ وَ الْمُشْرِكٰتِ الظَّآنِّيْنَ
بِاللّٰهِ ظَنَّ السَّوْءِ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ۚ
وَ غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَ لَعَنَهُمْ وَ اَعَدَّ
لَهُمْ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۶﴾
اور منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو اللہ تعہ کے حق میں بُرے خیال رکھنے والوں کو سزا دے، انہی پر بُری گردش ہے اور اللہ تعہ کا غضب اُن پر آیا، اور ان پر لعنت کی اور ان کے لیے دوزخ تیار کیا اور وہ بُری جگہ ہے۔

وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ
وَ كَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۷﴾
اور اللہ تعہ کے لیے ہی آسمانوں اور زمین کے لشکر ہیں اور اللہ تعہ غالب حکمت والا ہے۔

جو صلح ہوئی اور مسلمانوں اور مشرکوں کا باہم میل جول ہوا اور اصل حقیقت پر انھیں آگہی ہوئی تو انھیں معلوم ہوا کہ یہ باتیں نادرست ہیں اور آنحضرت صلعم کے وہ گرویدہ ہو گئے اور اسلام میں داخل ہونے لگے۔ یہی آنحضرت صلعم پر اتمام نعمت تھا کہ لوگ راہ حق کو قبول کر کے آپ کے حلقہ بگوش ہوں اور یہی وہ ہدایت ہے یعنی منزل مقصود پر پہنچانا جس کا یہاں ذکر ہے کیونکہ آپ کی منزل مقصود یہی تھی کہ ملک عرب نور اسلام سے منور ہو جائے اور یہی وہ نصر عزیز یا زبردست نصرت تھی جو آپ کو عطا فرمائی گئی۔ جس کی وجہ سے لوگوں کی گردنیں دین اسلام کے سامنے جھک گئیں اور یہ جو اُن ذنوب کے متعلق فرمایا۔ ماتقدم اور ماتاخر، تو ماتقدم تو وہی ذنوب ہیں جو آپ کے متعلق مشتہر ہو چکے تھے اور ماتاخر وہ ہیں جو ابھی اور ذنوب آپ کی طرف منسوب کیے جانے والے تھے دیکھو (آل عمران۔ ۱۸۵) اور ان کو اس لیے ساتھ ملایا ہے کہ آخر اللہ تعالیٰ اسی طریق پر ان الزامات سے بھی آپ کو پاک کر دیگا جو آپ پر لگائے جانیوالے تھے اور جس طرح صلح اور میل جول باہمی سے ماتقدم کا فیصلہ ہوا۔ اسی طرح جب ٹھنڈے دل سے عیسائی لوگ آنحضرت صلعم کی زندگی کے واقعات پر غور کریں گے تو انھیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ انھوں نے محض پادریوں کی سنی سنائی باتوں پر ایسے معائب آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کیے تھے جن سے فی الحقیقت آپ پاک ہیں۔

إِنَّآ أَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا
وَّ نَذِيْرًا ﴿۸﴾

ہم نے تجھے گواہ اور خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔

لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُعَزِّرُوْهُ
وَ تُوَقِّرُوْهُ ؕ وَ تُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً
وَّ أَصِيْلًا ﴿۹﴾

تاکہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو، اور اس کا ادب کرو اور صبح اور شام اس کی تسبیح کرو۔

إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ
اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ
نَّكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ
أَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ
أَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۰﴾ ع

وہ لوگ جو تجھ سے بیعت کرتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ سے ہی بیعت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں کے اوپر ہے پس جو کوئی (یہ بیعت) توڑتا ہے وہ اپنی جان کے نقصان کے لیے ہی توڑتا ہے اور جو اسے پورا کرتا ہے جس پر اس نے وعدہ کیا ہے تو وہ اسے بڑا اجر دے گا۔[1]

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْأَعْرَابِ
شَغَلَتْنَآ أَمْوَالُنَا وَ أَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ
يَقُوْلُوْنَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ
قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ لَكُمْ

دیہاتیوں میں سے پیچھے رہے ہوئے لوگ تجھ سے کہیں گے ہمیں ہمارے مالوں اور ہمارے گھر والوں نے مشغول رکھا سو ہمارے لیے بخشش مانگ۔ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں جو اُن کے دلوں میں نہیں ہے۔ کہہ، تو کون تمہارے

نمبر۱ یہاں جس مبایعۃ یا بیعت کا ذکر ہے وہ بیعت الرضوان ہے جو حدیبیہ میں درخت کے نیچے ہوئی۔ اور یہ بیعت اس پر تھی کہ آنحضرت صلعم کی نصرت کو نہ چھوڑیں گے گو موت بھی قبول کرنی پڑے۔ یہاں فرمایا کہ وہ بذل طاعت کا عہد تجھ سے نہیں اللہ سے ہے گویا اصل طاعت تو اللہ تعالیٰ کی ہی ہے اور رسول درمیان میں واسطہ ہے اور ید اللّٰه فوق ایدیهم کے معنی ابن جریر نے دو طرح پر کیے ہیں ایک یہ کہ بیعت میں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر تھا یعنی وہ نبی کریم سے بیعت کر کے گویا اللہ سے بیعت کر رہے تھے اور دوسرے یہ کہ ید سے مراد قوت ہے اور معنی یہ ہیں کہ نصرتِ رسول میں اللہ کی طاقت ان کی طاقتوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ بیعت اسی بات پر تھی کہ وہ دشمن کے خلاف رسول اللہ صلعم کی نصرت کریں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کے ذکر سے جسم لازم نہیں آتا بلکہ یہ صرف کنایہ کے طور پر ہے اور مفردات راغب میں ہے کہ اولیاء اللہ کو ایدی اللّٰه کہا جاتا ہے اور اسی معنی میں یہاں ید اللّٰه ہے یعنی آنحضرت صلعم کے ہاتھ کو ید اللہ کہا ہے اور آپ کا ہاتھ چونکہ ان کے ہاتھوں کے اوپر تھا اس لیے فرمایا ید اللّٰه فوق ایدیهم اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو حدیث میں ہے لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتی احبّهٗ فاذا احببتہٗ کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها یعنی بندہ نوافل کے ذریعہ سے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، پس جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان ہوتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہوتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ ہوتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور پھر دوسرے معنی بھی دیئے ہیں یعنی یہ کہ ید اللّٰه سے مراد اس کی نصرت اور اس کی نعمت اور اس کی قوت ہے۔

مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا
اَوْ اَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا ؕ بَلْ كَانَ اللّٰهُ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١١﴾

لیے اللہ کے مقابل میں کسی چیز کا اختیار رکھتا ہے اگر وہ تمھیں
نقصان پہنچانے کا ارادہ کرے یا تمھیں نفع پہنچانے کا ارادہ کرے
بلکہ اللہ تو اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے ۔

بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ
وَ الْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا وَّ زُيِّنَ
ذٰلِكَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ ظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ ۚۖ
وَ كُنْتُمْ قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿١٢﴾

بلکہ تم نے خیال کیا تھا کہ رسولؐ اور مومن اپنے گھر والوں
کی طرف کبھی بھی لوٹ کر نہیں آئیں گے اور یہ تمھارے دلوں کو
اچھا معلوم ہُوا اور تم بُرا خیال دل میں لائے ۔ اور تم
ہلاک شدہ قوم تھے ۔

وَ مَنْ لَّمْ يُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ
اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا ﴿١٣﴾

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان نہیں لاتا ،
تو ہم نے کافروں کے لیے بھڑکائی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے ۔

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ
لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ
كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٤﴾

اور اللہ کے لیے ہی آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے وہ
جسے چاہتا ہے بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے
اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى
مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ ۚ
يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ ؕ

جب تم غنیمت کے حاصل کرنے کے لیے جاؤ گے تو پیچھے رہے
ہوئے لوگ کہیں گے ہمیں اپنے ساتھ جانے دو ۔ وہ چاہتے
ہیں کہ اللہ کے کلام کو بدل دیں ؎۱ کہہ ، تم ہمارے

نمبر۱۔ یہ سورت آنحضرت صلعم پر حدیبیہ سے واپسی کے وقت نازل ہوئی اور وہ باتیں جن کا یہاں ذکر ہے بطور پیشگوئی ہیں جو بعد میں واقع ہونے والی تھیں اور وہ مغانم جن کی طرف یہاں مسلمانوں کے جانے کا ذکر ہے جنگ خیبر سے تعلق رکھتے ہیں ۔ جیسا کہ آیت ۱۸ و ۱۹ میں فرمایا اور صحیح حدیث میں یہ موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب حدیبیہ سے مغانم خیبر کا وعدہ کیا تھا اور مخلفین کا یہ کہنا کہ ہم بھی ساتھ چلیں اس وعدۂ الٰہی کے خلاف تھا ۔ کیونکہ وہ وعدہ صرف بیعت رضوان والوں سے مخصوص تھا اس لیے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو بدلنا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے کلام سے یہی وعدہ مراد ہے جس کا ذکر آگے آیت ۱۸ میں ہے اور یہ جو فرمایا کذٰلکم قال اللّٰه من قبل تو اس سے مراد ہے کہ تمھاری طرف واپس آنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ فرما دیا تھا کیونکہ سورت رستے میں ہی نازل ہوئی تھی اور مخلفین کے ساتھ یہ معاملہ بعد میں پیش آیا اور جن لوگوں نے اس سے اشارہ اس آیت کی طرف لیا ہے قل لن تخرجوا معی ابدا ولن تقاتلوا معی عدوا (التوبۃ ۹ ۔ ۸۳) تو انھوں نے غلطی کی ہے اس لیے کہ یہ قول غزوہ تبوک سے تعلق رکھتا ہے جو حدیبیہ سے تین سال بعد پیش آیا اور اسی وقت ہی سورۂ توبہ کا بھی نزول ہُوا تھا پس مطلب ان الفاظ کا یہ ہے کہ جب مخلفین جنگِ خیبر میں نکلنے کے وقت یہ کہیں کہ ہمیں بھی ساتھ لے چلو تو اس وقت ان کو کہہ دینا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں پہلے سے ہی اطلاع دے چکا ہے کہ تم اس میں ہمارے ساتھ نہیں جا سکتے ۔

قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ
مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ؕ
بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿١٥﴾

ساتھ نہیں چلو گے ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے پہلے
سے فرما دیا ہے ، تو کہیں گے بلکہ تم ہم پر حسد کرتے ہو
بلکہ یہ خود بہت ہی کم سمجھتے ہیں ۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ
سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ
تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ فَاِنْ تُطِيْعُوْا
يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا
كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ
عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦﴾

پیچھے رہے ہوئے دیہاتیوں سے کہہ دے کہ تم ایک
سخت جنگ کرنے والی قوم کی طرف بلائے جاؤ گے ،
ان کے ساتھ جنگ کرو گے یہاں تک کہ وہ فرمانبردار ہو جائیں
پس اگر تم اطاعت کرو گے تو اللہ تمھیں اچھا بدلہ دے گا ،
اور اگر تم پھر جاؤ گے ، جس طرح تم پہلے پھر گئے ، تو تمھیں دردناک
عذاب میں مبتلا کرے گا[1]۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى
الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ
حَرَجٌ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
ع الْاَنْهٰرُ ۚ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٧﴾

اندھے پر کوئی تنگی نہیں اور نہ لنگڑے پر
تنگی ہے اور نہ بیمار پر تنگی ہے ۔ اور جو شخص
اللہ (تعالیٰ) اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتا ہے ،
اُسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ،
اور جو کوئی پھر جائے اسے دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا ۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ
يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا

یقیناً اللہ مومنوں سے راضی ہوا ، جب وہ درخت کے
نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے ، سو اس نے جان لیا جو کچھ

نمبر ۱ ۔ یہ قوم کون ہے ؛ فارس و روم ۔ ہوازن و غطفان ۔ بنو حنیفہ مختلف نام لیے گئے ہیں لیکن اس قوم کا ذکر ان الفاظ میں کہ وہ اولی باس شدید ہے یعنی سخت جنگ کرنے والی قوم صاف بتاتا ہے کہ یہ عرب سے باہر کی اقوام ہیں یعنی فارس و روم کیونکہ ان دونوں طاقتوں سے عرب کے لوگ خائف تھے اور گو وہ برائے نام آزاد تھے مگر فارس و روم کی سلطنتیں جو کچھ چاہتیں ان کے ملک کے اندر کر سکتی تھیں اور عرب کے بعض حصوں پر بھی قابض تھیں ۔ یہ بڑی عظیم الشان اور پرانی بادشاہتیں تھیں اور زبردست مسلح اور تواعد دان فوجیں رکھتی تھیں او یسلمون میں یہ خوشخبری دی ہے کہ ان کے ساتھ جنگ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ فرمانبردار ہو جائیں گے اور اَوْ بمعنی حتیٰ ہے اس سے یہ مراد لینا کہ یا وہ مسلمان ہو جائیں گے یا ان سے لڑائی کرو گے بے معنی سی بات ہے اور پھر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ تلوار اور اسلام ان کے سامنے پیش کیے جائیں گے ۔ ساری تعلیم قرآنی اور اصول دین کو باطل کرنا ہے جو کتاب لا اکراہ فی الدین کی تعلیم کھلے الفاظ میں پیش کرتی ہے جو جنگ کو جائز نہیں ٹھیراتی جب تک کہ دشمن ابتدا نہ کرے وہ یہ تعلیم نہیں دے سکتی کہ لوگوں کے سامنے تلوار اور اسلام کو پیش کرو ۔

فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ	ان کے دلوں میں تھا پس ان پر تسکین نازل کی[1] اور
وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝۱۸	انھیں بدلے میں ایک قریب فتح دی۔
وَّ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ؕ وَ كَانَ	اور بہت سے مال غنیمت جنھیں وہ لیں گے، اور اللہ تعالیٰ
اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۱۹	غالب حکمت والا ہے۔
وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا	تمھارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے
فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَ كَفَّ اَيْدِيَ	جنھیں تم لوگے پھر یہ تم کو جلدی دلوادی اور لوگوں کے ہاتھ تم سے
النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَ لِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ	روک دیئے اور تاکہ مومنوں کے لیے نشان ہو اور تمھیں
وَ يَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۲۰	سیدھے رستے پر چلائے[2]۔

نمبر۱۔ اسی آیت کی وجہ سے اس بیعت کا نام بیعت الرضوان مشہور ہے اور یہ حدیبیہ کے مقام پر ایک سمرہ یعنی کیکر کے درخت کے نیچے ہوئی۔ اصحاب بیعت رضوان کی تعداد چودہ سو تھی۔ واقعات اس بیعت کے یہ ہیں کہ جب آنحضرت صلعم ذیقعد ۶ھ کی پہلی تاریخ مدینہ سے ایک رؤیا کی بنا پر نکل کر عمرہ کے ارادہ سے حدیبیہ کے مقام پر پہنچے جو مکہ سے نو میل ہے تو آپ نے ایک شخص خراش نام کو قریش کے پاس بھیجا کہ انھیں اطلاع دے کہ آپ عمرہ کے لیے آئے ہیں اور کوئی غرض نہیں تا ان کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ مگر انھوں نے اس کے اونٹ کو مار ڈالا اور خود اسے مار دینا چاہتے تھے مگر بعض لوگوں نے روک دیا۔ تب آپ نے حضرت عثمانؓ کو بھیجا مگر قریش نے ان کی بات کو بھی نہ سنا۔ اور کہا کہ خود طواف کرنا چاہتے ہو تو کرلو۔ انھوں نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلعم کے بغیر نہیں کرسکتا۔ تب انھوں نے حضرت عثمانؓ کو قید کردیا۔ ادھر رسول اللہ صلعم اور مسلمانوں کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمانؓ قتل ہوگئے ہیں اور آپ نے فرمایا کہ ہم نہیں جائیں گے جب تک کہ ان سے بدلہ نہ لے لیں۔ اور ایک منادی نے آواز دی کہ روح القدس آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی ہے اور آپ کو بیعت لینے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ لوگوں نے آپ سے بیعت کی اور بخاری میں ہے کہ یہ بیعت موت پر تھی۔ اور مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ یہ اس بات پر تھی کہ ہم بھاگیں گے نہیں۔ اس بیعت کا نتیجہ بیان فرمایا ہے فانزل السکینۃ علیھم یعنی انھیں اطمینان خاطر حاصل ہوا اور ان کے قلوب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکینت نازل ہوئی اور ان کے دل مضبوط ہوگئے اور ہر قسم کا خوف ان کے دلوں سے جاتا رہا اور تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ باوجود ایک طاقتور دشمن کے عین گھر میں ہونے کے اس قدر دشمن کی بے رعبی ان کے دلوں میں تھی کہ وہ ان شرائط صلح پر بھی راضی نہ تھے اور مرنے مارنے کو تیار تھے اور علم ما فی قلوبھم میں اشارہ ان کے صدق و اخلاص کی طرف ہے اور اثابھم فتحا قریبا میں جس قریبی فتح کا ذکر ہے وہ فتح خیبر ہے جو کہ حدیبیہ سے واپسی کے بعد جلد ہی ظہور میں آگئی۔ آنحضرت صلعم کا اس موقعہ پر صحابہ سے بیعت لینا حالانکہ وہ نہ صرف سچے دل سے مسلمان تھے بلکہ اسلام کے لیے اپنا سب کچھ فدا کرچکے تھے اور بار با اپنی جانیں اور سر بھی خدا کی راہ میں پیش کرچکے تھے۔ بتاتا ہے کہ بعض وقت خاص ضروریات کے لیے بھی بیعت کی ضرورت واقع ہوجاتی ہے۔ یہ وہ بیعت نہیں جو عام طور پر صوفیا لیتے ہیں بلکہ ایک خاص غرض کے لیے بیعت لی گئی اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت لی گئی۔ اسی طرح اگر اس اُمت میں کوئی مجدد اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہو کر اسی کے حکم کے ماتحت بیعت لے تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ لبیک کہیں۔ یہ بیعت ایک قوت پیدا کرنے کا موجب ہوتی ہے۔

قرآن کریم کے ایسے ایسے صریح الفاظ کے ہوتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ ان مومنوں پر راضی ہے جنھوں نے شجرہ کے نیچے بیعت کی۔ اہل تشیع کا صحابہ کے متعلق نفاق وغیرہ کے الفاظ منہ پر لانا کلام الٰہی کا صریح مقابلہ ہے کیا ان میں ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ نہ تھے بلکہ عثمانؓ کی طرف سے آنحضرت صلعم نے اپنا ہاتھ ہاتھ پر رکھا اس لیے کہ وہ اس وقت اہل مکہ کی قید میں تھے اور انہی کے متعلق خبر کی وجہ سے اس بیعت کی ضرورت پیش آئی تھی۔

نمبر۲۔ یہاں پھر دہرایا ہے کہ ایک تو مغانم کثیرہ ہیں اور دوسری وہ فتح ہے جو جلد عطا فرمائی اور مغانم کثیرہ سے مراد فتوحات مکہ حنین وغیرہ ہیں اور

وَّ اُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ	اور اور (فتوحات) بھی ہیں جن پر تمھیں قدرت نہیں تھی
اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝۲۱	اللہ تعالیٰ نے ان کا بھی احاطہ کر لیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے[۱]
وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ	اور اگر وہ جو کافر ہیں تمھارے ساتھ جنگ کرتے تو پیٹھیں پھیر دیتے،
ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝۲۲	پھر وہ نہ کوئی دوست پاتے اور نہ کوئی مددگار۔
سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ښ	اللہ تعالیٰ کا قانون ہے جو پہلے سے چلا آتا ہے، اور تو اللہ تعالیٰ
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۝۲۳	کے قانون میں کوئی تبدیلی نہیں پائے گا۔
وَهُوَ الَّذِيْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَ	اور وہی ہے جس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے اور تمھارے
اَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْ	ہاتھوں کو ان سے وادی مکہ میں روک رکھا بعد اس کے کہ تمھیں
بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ ۭ وَكَانَ	ان پر فتح دی اور اللہ (تعالیٰ) جو تم کرتے ہو، اسے
اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا ۝۲۴	دیکھنے والا ہے[۲]۔
هُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْكُمْ عَنِ	وہی ہیں جنھوں نے کفر کیا اور تمھیں مسجد حرام سے
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوْفًا	روک دیا اور قربانی کو بھی جو روکی گئی کہ اپنے
اَنْ يَّبْلُغَ مَحِلَّهٗ ۭ وَلَوْلَا رِجَالٌ	ٹھکانے پر پہنچے[۳]۔ اور اگر مومن مرد اور مومن

عجل لکم ھذہ والی فتح، فتح قریب ہے یعنی خیبر۔ اور کف ایدی الناس عنکم میں بتایا کہ اب قریش تم کو تکلیف نہ پہنچا سکیں گے۔ کیونکہ اس سے پہلے وہ تین حملے مدینے پر کر چکے تھے۔ گویا بتا دیا کہ ان کے حملوں کا اب خاتمہ ہے۔ اور یا کف ایدی الناس عنکم میں اشارہ صلح حدیبیہ کی طرف ہے جیسا کہ آیت ۲۴ میں ذکر ہے۔ بلکہ صلح حدیبیہ نے ویسے بھی دشمنی کا خاتمہ کر دیا۔

نمبر۱۔ یہ اور فتوحات جن کو یہاں لم تقدروا علیہا فرمایا ہے فتوحات فارس و روم و دیگر ممالک ہیں لم تقدروا علیہا اس لیے کہا کہ عرب کی کیا مجال تھی کہ ان ممالک کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھتے۔ وہ تو خود ان سلطنتوں سے اس قدر مرعوب تھے کہ ان کے چند سپاہی ملک کے اندر آ کر جسے چاہتے پکڑ لیتے تو وہ عذر نہ کرتے تھے۔

نمبر۲۔ اس آیت میں دونوں فریقوں کے جنگ سے رکا رہنے کا ذکر ہے اور من بعد ان اظفرکم علیہم میں یا تو اشارہ سابقہ فتوحات اسلامی کی طرف ہے اور یہ زیادہ قرین قیاس ہے اور یا اس چھوٹے سے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ جو خود حدیبیہ میں پیش آیا کہ قریش کے اسّی آدمیوں نے چھپ کر آنحضرت صلعم پر حملہ کرنا چاہا تھا مگر خود قید ہو گئے اور آنحضرت صلعم نے بالآخر انھیں معاف کر دیا۔

نمبر۳۔ باوجود قربانیاں ساتھ ہونے کے اور باوجود یہ علم ہو جانے کے کہ سوائے زیارت و طواف بیت اللہ کے اور آپ کا کچھ منشا نہیں۔ حرم کی حد پر پہنچے ہوئے چودہ سو آدمیوں کو حج سے روک دیا گیا۔ آخر جب قریش کو علم ہوا کہ مسلمان مرنے مارنے پر تیار ہیں تو سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا مگر ساتھ یہ شرط لگا دی کہ اس سال حج کی اجازت ہرگز نہ دی جائے گی۔ سہیل کے ساتھ جو شرائط طے ہوئیں وہ حسب ذیل تھیں اور یہ معاہدہ دس سال کے لیے تھا (۱) مسلمان اس سال بغیر حج کیے واپس چلے جائیں۔ (۲) اگلے سال آئیں مگر تین دن سے زیادہ مکہ میں قیام نہ کریں (۳) مکہ میں جو مسلمان ہیں ان کو

مُّؤْمِنُوْنَ وَ نِسَآءٌ مُّؤْمِنٰتٌ لَّمْ
تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَـُٔوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ
مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ لِيُدْخِلَ
اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ لَوْ تَزَيَّلُوْا
لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ
عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۲۵﴾

عورتیں نہ ہوتیں جنھیں تم نہیں جانتے ، کہ تم انھیں پامال کردو گے پھر تمھیں ان کی وجہ سے لاعلمی میں کوئی نقصان پہنچ جائے ۔تاکہ اللہ (تعالیٰ) جسے چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے ۔ اگر وہ الگ ہو جاتے تو جو ان میں سے کافر تھے ہم انھیں دردناک عذاب میں مبتلا کرتے ۱ـ

اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ
الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ
سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا
اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۲۶﴾ ع ۱۱

جب کافروں نے اپنے دلوں میں ضد ٹھان لی (اور ضد بھی جاہلیت کی ، تو اللہ (تعالےٰ) نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر تسکین اتاری اور انھیں تقوے کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اسی کے زیادہ حق دار اور اسی کے اہل تھے اور اللہ (تعالیٰ) ہر چیز کو جاننے والا ہے ۲ـ

ساتھ نہ لے جائیں اور مسلمانوں میں سے کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اسے نہ روکیں (۴) مکہ والوں میں سے اگر کوئی شخص مدینہ جائے تو مسلمان پابند ہوں گے کہ اس کو واپس کر دیں لیکن اگر مسلمانوں میں سے کوئی مکہ چلا جائے تو قریش اسے واپس نہ کریں گے (۵) قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ جس فریق کے ساتھ چاہیں شریک معاہدہ ہو جائیں۔

ابھی معاہدہ نہ لکھا گیا تھا کہ ابوجندلؓ جو سہیل کے فرزند تھے اور مکہ میں اسلام لاچکے تھے پہنچے اور اپنی حالت زار رسول اللہ صلعم کو دکھائی۔ آنحضرت نے بہتیرا چاہا کہ وہ معاہدہ سے مستثنےٰ ہوں مگر سہیل نے نہ مانا۔ معاہدہ پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا لکھنا بھی سہیل نے نہ مانا۔ محمد رسول اللہ کے لفظ کٹوا کر محمد بن عبداللہ لکھوایا گیا۔ حج نہ ہونا تھا۔ حکم ہوا کہ اسی جگہ قربانیاں کرکے واپس چلو۔ ان سب باتوں کی وجہ سے مسلمان سخت مغموم تھے۔ حضرت عمرؓ نے جرأت کرکے آنحضرت صلعم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ رسول برحق نہیں۔ فرمایا یقیناً ہوں۔ پھر کہا کیا ہم حق پر نہیں فرمایا ہیں۔ کہا پھر دین میں ہم پر ایسی ذلت کیوں ڈالی جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا میں خدا کے حکم کے مطابق کرتا ہوں اس واقعہ کے بعد سورۃ فتح نازل ہوئی۔ جس سے مسلمانوں کے سارے غم اور پریشانیاں دور ہوگئیں۔

نمبر۱۔ یہاں بتایا ہے کہ مکہ میں کچھ مومن بھی تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا کہ جنگ ہو۔ کیونکہ جنگ میں وہ بھی پامال ہو جاتے اور ان کا مارا جانا قومی نقصان یا مسلمانوں کا اپنا ہی نقصان تھا اور لیدخل اللہ فی رحمتہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جنگ کو روک دینا صرف اس لیے تھا کہ بہت سے لوگوں کو اپنی رحمت میں داخل کرے یعنی اسلام کی توفیق دے اور آخری الفاظ میں بتایا ہے کہ مومنوں اور کافروں کا ملا ہوا ہونا کافروں کے بھی بچاؤ کا موجب ہوگیا۔ اگر مومن ان میں ملے ہوئے نہ ہوتے تو جنگ ہو کر ہلاک ہو جاتے۔

نمبر۲۔ حمیۃ الجاھلیۃ میں اشارہ ان کی جھوٹی غیرت کی طرف ہے کہ اگر مسلمانوں کو حج کرنے دیں گے تو عرب کے لوگ ہم پر طعن کریں گے اور مسلمانوں نے تقویٰ اختیار کیا یعنی مغلوب فریق کی حیثیت اختیار کر لی مگر خونریزی نہ کی۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۲۷﴾

اللہ نے اپنے رسول کو خواب سچ کر دکھایا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا تو تم ضرور مسجد حرام میں امن کے ساتھ داخل ہوگے اپنے سر منڈواتے اور بال کٹواتے، کچھ خوف نہ کرو گے۔ سو وہ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے، پس اس سے پہلے ایک قریب فتح عطا کی ۱؎

هُوَ الَّذِيْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۲۸﴾

وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا، تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اور اللہ گواہ بس ہے ۲؎

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ۫ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ ذٰلِكَ

محمد (صلعم) اللہ کا رسول ہے اور جو اس کے ساتھ ہیں کافروں کے مقابلہ میں قوی آپس میں رحم کرنے والے، تو انہیں رکوع کرتے ہوئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھتا ہے وہ اپنے رب کا فضل اور اس کی رضا چاہتے ہیں ان کا نشان اُن کے مونہوں پر سجدوں کے اثر سے ظاہر ہے ۳؎۔ یہ ان کی

نمبر۱۔ آنحضرت صلعم مدینہ میں تھے کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ مکّہ میں داخل ہوئے ہیں اور خانہ کعبہ کا طواف کیا ہے۔ پس آپ نے اپنے صحابہ کو اس کی خبر دی پھر جب آپ حدیبیہ کے سال نکلے تو ان میں سے کسی جماعت کو شک نہیں تھا کہ یہ رؤیا اسی سال پوری ہوگی لیکن جب صلح ہوگئی اور آپ لوٹ آئے تو صحابہ کے دلوں میں کچھ خیال گذرا کہ ایسا کیوں ہُوا۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے اس کے بارے میں سوال کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تسلی نازل ہوئی کہ وہ رؤیا پوری ہو کر رہے گی۔

نمبر۲۔ اس آیت میں یہ توجہ دلائی ہے کہ ایک کفار عرب پر ہی اسلام کا غلبہ مقدر نہیں بلکہ دنیا کے سب مذاہب پر یہ مذہب غالب آکر رہے گا اور اللہ کی گواہی کا ذکر اس لیے کیا کہ ظاہر حالات بسا اوقات اس کے مخالف نظر آئیں گے۔

نمبر۳۔ صحابہ کا پہلا وصف اشداء علی الکفار ہے اس کے معنی کافروں پر سختی کرنے والے نہیں بلکہ کفار کے مقابل پر قوی اور مضبوط ہیں جیسے اعزۃ علی الکافرین یعنی ان سے مرعوب نہیں ہوجاتے۔ ان کے اثر کو قبول نہیں کرتے، مقابلہ ہوجائے تو مضبوطی اور قوت سے مقابلہ کرتے ہیں دوسرا وصف رحماء بینہم ہے یعنی آپس میں ایسے نہیں کہ دوسرے کے اثر کو قبول نہ کریں۔ بلکہ ایک دوسرے پر رحم کرنے والے ہیں یہ دونوں اوصاف ایسے ہیں جن سے قومی ترقی وابستہ ہے۔ قدرت میں ہر ایک شے کی ترقی اسی سے وابستہ ہے کہ جو امور اسے نقصان پہنچانے والے ہیں ان کے اثر کو قبول نہ کرے اور اندرونی ترکیب میں اس کے اجزا ایک دوسرے کے معاون ہوں اسی کے مطابق حدیث صحیح میں ہے مثل المؤمنین فی توادھم و تراحمھم

مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرٰىةِ ۖۛ وَمَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ ۚ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ ۗ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۲۹﴾

مثال توریت میں ہے اور ان کی مثال انجیل میں، کھیتی کی طرح، جس نے اپنی سوٹی نکالی پھر اُسے مضبوط کیا، سو وہ موٹی ہوئی، پھر اپنی نالوں پر سیدھی کھڑی ہوگئی کسانوں کو خوش کرتی ہے تاکہ ان کی وجہ سے کافروں کو غضب میں لائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں حفاظت اور بڑے اجر کا وعدہ کیا ہے ۱؎۔

سُوْرَةُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِيَّةٌ (۴۹)

اٰیاتھا ۱۸ رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَىِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو (کسی معاملہ میں) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ کرو اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ۲؎۔

مثل الجسد الواحد مومنوں کی مثال آپس کی محبت اور رحم میں ایک جسم کی مثال ہے المومن للمومن کالبنیان یشد بعضہ بعضا۔ مومن مومن کے لیے دیوار کی طرح ہے جس کا بعض بعض کو قوت دیتا ہے اور ان کے مونہوں پر نشانیوں کے ہونے سے مراد ماتھے پر سیاہ نشان نہیں بلکہ وہ نور ہے جو اللہ کی طرف جھکنے والوں کے چہروں پر ہوتا ہے تعرف فی وجوھھم نضرۃ النعیم (التطفیف۔ ۲۴) چنانچہ مجاہد نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ وہ نشان نہیں جو تم دیکھتے ہو بلکہ وہ اسلام کا نشان اور اس کی اچھی صفت اور خشوع ہے۔

نمبر۱۔ کزرع سے ان کی ایک اور مثال دی ہے جس میں یہ سمجھانا مقصود ہے کہ گو ابھی مسلمان تھوڑے نظر آتے ہیں مگر چونکہ حق ایک بیج کی طرح ہے اس لیے یہ بڑھے گا اور پھیلے گا اور دنیا کی کوئی طاقت اس کے قدرتی نشوونما کو نہیں روک سکتی۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام الحجرات ہے اور اس میں دو رکوع اور اٹھارہ آیتیں ہیں۔ اس سورت کا اصل مضمون جماعت اسلامی کے نظام کو قائم کرنا اور باہمی محبت و وداد کا پیدا کرنا ہے اور نظام جماعت کے لیے جماعت کے پیشرو یعنی خود رسول خدا صلعم کی محبت و ادب کی ضروری تعلیم تھی تو اس مناسبت سے اس کا نام الحجرات رکھا جس میں اشارہ یہ ہے کہ جب آپ تنہائی میں ہوں تو باہر سے آنے والے لوگ آپ کے اوقات میں مخل نہ ہوں۔

اس سورت کا تعلق پچھلی سورت سے ظاہر ہے یہ گویا اس کے آخری حصہ رحماء بینھم کی تفسیر ہے اور یوں بھی جب فتح کا ذکر کیا اور اس میں یہ اشارہ کیا کہ لوگ اسلام میں داخل ہوں گے تو ان نئے داخل ہونے والوں کے لیے آداب کا ذکر بھی ضروری تھا اور وہ یہاں کیا۔ سورت کا نزول ۹ھ کا ہے اور یہ مدنی ہے۔

نمبر۳۔ چونکہ اس سورت کا مضمون مسلمانوں کی باہمی اخوت قائم کرنا ہے اس لیے اس کی ابتدا اس سے کی ہے کہ سب سے پہلے اللہ اور اس کے رسول کے احکام

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝٢

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنی آوازوں کو نبیؐ کی آواز سے اونچا نہ کرو ، اور نہ اس سے پکار پکار کر بات کرو جیسا ایک دوسرے کو پکارتے ہو ، ایسا نہ ہو کہ تمھارے عمل بے کار ہو جائیں اور تمھیں خبر بھی نہ ہو ؎۱

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ۭ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝٣

وہ لوگ جو اپنی آوازوں کو رسول اللہؐ کے سامنے پست رکھتے ہیں وہی ہیں جن کے دل اللہ نے تقوے کے لیے خالص کر دیئے ہیں ، ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝٤

جو لوگ تجھے حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ، ان میں سے اکثر عقل سے کام نہیں لیتے ؎۲

وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝٥

اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تو ان کی طرف نکل آتا تو ان کے لیے بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا اَنْ تُصِيْبُوْا

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ، اگر کوئی فاسق تمھارے پاس خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو ، ایسا

کی اطاعت کو سب باتوں پر مقدم کریں کیونکہ یہی اخوت اسلامی کی بنیاد ہے اور باہمی محبت جو اس سورت کا اصل مضمون ہے قائم نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ رسول اللہ صلعم کی محبت سب محبتوں پر فائق نہ ہو لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔

نمبر۱۔ اصلاح اسی کا نام ہے کہ کسی معاملہ میں افراط و تفریط ہر دو پہلوؤں سے روک کر میانہ روی پر قائم کیا جائے۔ مساوات بلاشبہ بہت اچھی چیز ہے مگر اس کے ساتھ اگر آداب مجلس قائم نہ رہیں، تو اخلاق کو بجائے فائدہ کے نقصان پہنچتا ہے یوں تو سب انسان برابر ہیں لیکن اگر ایک سپاہی جرنیل کے سامنے ادب ملحوظ نہ رکھے اور اگر ایک شاگرد استاد کے سامنے سر جھکا کر نہ رکھے تو نہ وہ سپاہی وقت پر کام کر سکتا ہے نہ وہ طالب علم علم حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ آنحضرت صلعم بشر مثلکم بھی ہیں مگر آپ سب انسانوں کے معلم بھی ہیں اور معلم سے کوئی شاگرد علم حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کے سامنے مؤدبانہ طریق اختیار نہ کرے اور اس وقت چونکہ کثرت سے نئے لوگ آتے تھے جو آداب سے قطعاً ناواقف تھے اس لیے یہ ہدایات نازل ہوئیں۔

نمبر۲۔ مراد نبی کریم صلعم کی ازواج کے حجرے ہیں اور یہ کھجور کی ٹہنیوں کے بنے ہوئے تھے جن کے دروازوں پر پردے پڑے ہوئے تھے اور چھوٹے چھوٹے تھے لوگ باہر سے آتے تو آنحضرت صلعم کے مشاغل کثیرہ سے ناواقفیت کی وجہ سے آتے ہی آوازیں دینا شروع کر دیتے۔ نہ صرف انھیں طریق ادب سکھایا بلکہ آنے والی نسلوں کو بھی بزرگان دین کے متعلق ادب کا طریق سکھایا۔

قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا
فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ ۞۶

نہ ہو کہ کسی قوم کو نادانی سے دکھ پہنچاؤ،
پھر اس پر جو تم نے کیا پشیمان ہوٓ۔

وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ ؕ لَوْ
يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ
وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ
وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ
الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۞۷

اور جان لو کہ تمھارے اندر اللہ تعالیٰ کا رسول ہے اگر
وہ بہت سے معاملات میں تمھاری بات مان لیا کرے تو تم مشکل
میں پڑ جاؤ. لیکن اللہ تعالیٰ نے تمھارے نزدیک ایمان کو محبوب کر دیا
ہے اور اسے تمھارے دلوں میں زینت دی ہے اور کفر
اور فسق اور نافرمانی کو تمھارے نزدیک مکروہ کر دیا ہے،
یہی بھلائی کی راہ پر چلنے والے ہیں ؀۲۔

فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ نِعْمَةً ؕ وَ اللّٰهُ
عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۞۸

اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل اور اس کی نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ
جاننے والا حکمت والا ہے۔

وَ اِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا
فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا
عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى
تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ

اور اگر مومنوں میں سے دو گروہ جنگ کریں تو ان میں
صلح کرا دو. پس اگر ایک دوسرے پر زیادتی کرتا ہے
تو اس سے جنگ کرو جو زیادتی کرتا ہے، یہاں تک کہ
وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع کرے. پس اگر وہ

نمبر۱۔ حرث بن ابی ضرار خزاعی کا واقعہ احادیث میں لکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے اسلام قبول کیا اور رسول اللہ صلعم سے عرض کیا کہ میں اپنی قوم کو اسلام کی طرف بلاؤں گا اور اُن سے زکوٰۃ بھی وصول کرونگا۔ آپ اپنا عامل بھیج دیں جو مال زکوٰۃ لے آئے جس شخص کو آپ نے بھیجا وہ رستہ سے واپس آگیا اور کہا کہ زکوٰۃ دینے کی بجائے وہ مجھے قتل کرنے کے لیے تیار ہوگیا۔ تب رسول اللہ صلعم نے خالدؓ یا کسی اور شخص کو ایک دستہ کے ساتھ اس کی طرف بھیجا اور بعد میں اصل واقعہ کا اظہار ہُوا۔ ایسے ایسے واقعات چونکہ پیش آتے رہتے تھے اس لیے فرمایا کہ ہر خبر پر بغیر کافی وجہ اور بغیر تحقیقات کیے اس قدر وثوق نہیں کر لینا چاہیئے کہ اس کی بنا پر کسی قوم کو نقصان پہنچ جائے ضروریات قومی کے ساتھ اصول انصاف اور تحقیق کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیئے۔

نمبر۲۔ پہلے فرمایا کہ رسول دوسرے لوگوں کی اطاعت نہیں کرتا کیونکہ وہ رضائے الٰہی کے رستوں پر چلتا ہے۔ اس کے مقابل پر رسول کے پیروؤں کے رسول کی اطاعت کرنے کا ذکر کیا اور اطاعت کی بجائے لفظ ایمان اختیار کیا کیونکہ اس میں فعل قلب اور اقرار لسان اور فعل جوارح تینوں شامل ہیں اور پھر ایمان یا اطاعت رسول کا ان کے نزدیک محبوب ہونا بیان کیا۔ گویا بتا دیا کہ صحابہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو دل سے بھی اچھا سمجھتے ہیں اور زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ میں بتایا کہ وہ طاعتِ رسول ان کے قلوب میں گھر کر گئی ہے اور پھر تین قسم کی ظلمتوں کی نفی کی۔ اوّل کفر اس سے اُتر کر فسق اور بالآخر کسی قسم کی نافرمانی۔ ان تمام ظلمتوں سے ان کا پاک ہونا ان الفاظ میں بیان کیا کہ ان کی طبیعت ان چیزوں سے کراہت کرتی ہے اور جس چیز سے انسان کی طبیعت کراہت کرے اس کی طرف وہ کبھی عمداً قدم نہیں اٹھا سکتا اور یہ حکم ان کی اکثریت پر ہے۔

فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا ؕ — رجوع کرے تو ان کے درمیان عدل سے صلح کرادو اور انصاف

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٩﴾ — کرو. کیونکہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے ۱؎

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ — مومن بھائی بھائی ہی ہیں، سو اپنے بھائیوں کے درمیان صلح

اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿١٠﴾ ع — کرادیا کرو اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ — اے لوگو! جو ایمان لائے ہو (ایک) قوم (دوسری) قوم

مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا — پر ہنسی نہ کرے شاید وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں

مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى — (دوسری) عورتوں پر (ہنسیں) شاید وہ اُن سے بہتر

اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْۤا — ہوں - اور اپنے لوگوں کو عیب نہ لگاؤ

اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ — اور نہ ایک دوسرے کو نام دھرو، ایمان

بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ — کے بعد بُرا نام کیا ہی بُرا ہے اور جو توبہ

وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿١١﴾ — نہ کرے تو وہی ظالم ہیں ۲؎

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا — اے لوگو! جو ایمان لائے ہو بہت گمان (بد) کرنے

نمبر۱۔ باہم جنگ و جدال میں یہ دیکھنا ضروری ہے کہ غلطی پر کون فریق ہے اور زیادتی کس کی ہے پس اگر زیادتی کرنے والا فریق اپنی زیادتی سے باز نہ آئے تو جماعت اہل اسلام کا فرض ہے کہ وہ اس کی اعانت کرے جس پر زیادتی ہوئی ہے۔ مسلمانوں نے اس طریق عمل کو بالکل چھوڑ دیا ہے اور آج کل جو صلح کل لوگ ہیں وہ مصالحت اسے قرار نہیں دیتے جس کا ذکر قرآن شریف میں ہے بلکہ مصالحت ان کے نزدیک یہ ہے کہ منہ سے اتنا کہہ دیں کہ ہم دونوں کو بُرا نہیں کہتے۔ جب زیادتی کرنے والے کے ساتھ اللہ تعالیٰ مقاتلہ تک کو ضروری ٹھہراتا ہے اور مصالحت کے لیے صحیح طریق عمل اسی کو قرار دیتا ہے تو آج ہمارا کوئی اور طریق تجویز کرنا قرآن کے اس صریح حکم سے سرتابی ہے اور یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا باہمی تفرقہ روز بروز ترقی کر رہا ہے۔
یہاں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ قرآن کریم دونوں گروہوں کو مومن قرار دیتا ہے گو جنگ تک بھی ان کی نوبت پہنچ چکی ہو پس وہ لوگ جو ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر اپنے مسلمان بھائیوں کو کافر قرار دیتے ہیں اس حکیمانہ تعلیم سے کتنی دور پڑے ہوئے ہیں۔ صحابہ میں جو لڑائیاں ہوئیں وہ اس آیت کے ماتحت آتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں جنگ کرنے والے گروہوں کو مومن قرار دیا ہے خواہ حضرت علیؓ کا گروہ ہو خواہ حضرت معاویہؓ کا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اس جنگ میں حصہ لینا محض مصالحت کی غرض سے تھا۔

نمبر۲۔ جب یہ ذکر کیا کہ مسلمانوں میں باہمی مصالحت کی کوشش کرنی چاہیئے تو ساتھ ہی ان موجبات کو بھی دور کرنے کی تعلیم دی جن سے باہم تنافر وتحاسد پیدا ہوتا ہے اور بعض وقت لڑائیوں تک نوبت پہنچا دیتا ہے اور یہاں تین باتوں سے روکا ہے اوّل دوسروں پر تمسخر کرنا دوسرا ان کے منہ پر عیب لگانا تیسرا ان کے نام رکھنا اور ان تینوں میں دوسرے کی تحقیر اس کے منہ پر ہے لا یسخر میں تو اس بات سے روکا ہے کہ اس کی تحقیر کے لیے اس پر ہنسی کرے اور لا تلمزوا میں اس سے کہ سر یا آنکھ یا ہونٹوں کے اشارہ اور کلام خفی سے اس کی تحقیر کرے اور لا تنابزوا میں اس سے کہ اس کے نام رکھے اور یہ تینوں باتیں عموماً دوسروں کے سامنے ہی ہوتی ہیں اور اگلی آیت میں ان باتوں کا ذکر ہے جو عموماً پیٹھ کے پیچھے ہوتی ہیں۔

مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ وَّلَا	سے بچو۔ کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہے اور نہ ایک دوسرے
تَجَسَّسُوۡا وَلَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُکُمۡ بَعۡضًا ؕ	کے بھید ٹٹولو اور نہ ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا کہو۔ کیا
اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡہِ	تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا
مَیۡتًا فَکَرِہۡتُمُوۡہُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ	گوشت کھائے تو تم اس سے کراہت کرتے ہو اور اللہ کا تقویٰ
اللّٰہَ تَوَّابٌ رَّحِیۡمٌ ۝١٢	کرو اللہ تعالیٰ رجوع برحمت کرنے والا رحم کرنے والا ہے ۱
یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقۡنٰکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ	اے لوگو! ہم نے تمھیں مرد اور عورت سے پیدا کیا ۲
وَّاُنۡثٰی وَجَعَلۡنٰکُمۡ شُعُوۡبًا وَّقَبَآئِلَ	اور تمھاری شاخیں اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو
لِتَعَارَفُوۡا ؕ اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ ؕ	پہچانو۔ تم میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے شریف وہ ہے جو سب سے
اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ ۝١٣	پرہیزگار ہے۔ اللہ تعالیٰ جاننے والا خبردار ہے۔
قَالَتِ الۡاَعۡرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلۡ لَّمۡ تُؤۡمِنُوۡا	دیہاتی کہتے ہیں ہم ایمان لائے، کہہ تم ایمان نہیں لائے۔
وَلٰکِنۡ قُوۡلُوۡۤا اَسۡلَمۡنَا وَلَمَّا یَدۡخُلِ	لیکن کہو ہم مسلمان ہوئے اور ایمان ابھی تمھارے دلوں میں
الۡاِیۡمَانُ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ ؕ وَاِنۡ تُطِیۡعُوا	داخل نہیں ہوا، اور اگر تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت

نمبر۱۔ یہاں تین اور باتوں کا ذکر ہے جن سے جماعت میں نقصان پیدا ہوتا ہے۔ پہلی بات ظن ہے۔ حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ اگر تمھارے بھائی کے منہ سے کوئی بات نکلے تو جب تک اسے اچھے معنی پر حمل کر سکتے ہو کرو۔ بعض الظن اثم میں بتایا کہ گو بعض وقت بدگمانی صحیح بھی ہو مگر ہمیں ضرورت نہیں کہ بدگمانی میں پڑیں اس لیے کہ شاید وہ غلط ہی ہو اور گناہ ہو جائے اور دوسری بات جس سے روکا ہے لوگوں کے احوال کا تجسس کرنا ہے۔ تیسری بات جس سے منع کیا ہے غیبت ہے یعنی پیٹھ پیچھے کسی کے عیبوں کا ذکر کرنا اور اسے مردہ بھائی کے گوشت کے کھانے سے تشبیہ دی ہے کیونکہ عیب یا کمزوری ایک مردہ گوشت کے حکم میں ہے۔ لیکن حصول علم کے لیے لوگوں کے احوال تلاش کرنا یا کسی کے اس عیب کا بیان کرنا جس کا اثر اس علم پر پڑتا ہے جیسے راویوں کا کذب وغیرہ یہ ایک ضرورت کے لیے ہے غیبت وہ ہے جو بلا ضرورت ہو۔

نمبر۲۔ ان ہدایات کے بعد ایک اصل بتایا کہ ایک دوسرے کی تحقیر یا عیب شماری وغیرہ جو کی جاتی ہے تو اس لیے کہ ایک شخص اپنے آپ کو بڑا اور معزز خیال کرتا ہے۔ فرمایا کہ بڑا اور معزز اللہ کے نزدیک وہی ہے جو متقی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کو نگاہ رکھنے والا۔ اور کوئی بڑائی چھوٹائی اللہ کے ہاں کوئی عذر نہیں رکھتی بلکہ یہ جو مختلف قومیں اور قبیلے ہیں تو ان کی اصل غرض یہی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گویا یہ تقسیم انسانوں کی محض شناخت کے لیے ہے نہ بڑائی چھوٹائی پیدا کرنے والی۔ اسلام کی تعلیم کا یہ اصول ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ایک ایسی بنیاد اخوت کی رکھتا ہے جس کا مقابلہ دنیا کا کوئی اصول نہیں کر سکتا یعنی تمام قومی تفریقات و امتیازات کو یکسر مٹا دیتا ہے جن کی بنا پر لوگ ایک دوسرے پر فخر ہی نہیں بلکہ ظلم اور زیادتی بھی کر لیتے ہیں اور کالے اور گورے کے سب جھگڑوں کو یکسر مٹا دیا۔ آج دنیا جن مصائب میں سفید اور سیاہ کی تفریق سے پڑ رہی ہے ان کا کوئی علاج سوائے اسلام کے نہیں اور حجۃ الوداع کے خطبہ میں ایک روایت میں ہے کہ اے لوگو! تمھارا رب ایک ہی ہے پس عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں اور نہ کالے کو گورے پر اور نہ گورے کو کالے پر کوئی فضیلت ہے سوائے تقویٰ کے۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک وہی سب سے بڑھ کر عزت والا ہے جو سب سے بڑھ کر متقی ہے۔

اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ	کرو تو تمہارے عملوں میں سے تمھیں کچھ کم کر کے نہیں دے گا
شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۴	اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۔ [۱]
اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ	مومن صرف وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان
وَ رَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَ جٰهَدُوْا	لاتے ہیں، پھر کچھ شک نہیں کرتے اور اپنے مالوں اور اپنی
بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ	جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں ۔ یہی
اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝۱۵	سچے ہیں ۔
قُلْ اَتُعَلِّمُوْنَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ	کہہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنا دین جتاتے ہو اور اللہ (تعالیٰ)
يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ	جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے ،
وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۶	اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے ۔
يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا ؕ قُلْ لَّا	تجھ پر احسان جتاتے ہیں کہ وہ اسلام لائے ، کہہ مجھ پر اپنے
تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ ۚ بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ	اسلام کا احسان مت رکھو ، بلکہ اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان
عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ	کیا کہ تمھیں ایمان کی راہ دکھائی [۲] اگر
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۷	تم سچے ہو ۔
اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَ	اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا غیب جانتا ہے اور اللہ تعالیٰ
الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۸	اسے دیکھتا ہے جو تم کرتے ہو ۔

نمبر۱ ۔ ظاہر ہے کہ یہ خاص لوگوں کا ذکر ہے جنھوں نے اسلام ظاہر کیا تھا مگر ان کے دلوں میں کھوٹ تھا وہ صرف مغانم اور دنیا کے مال کے خواہش مند تھے عام طور پر اعراب کا ذکر نہیں، دوسری جگہ ہے ومن الاعراب من یؤمن باللہ والیوم الآخر (التوبہ ۹۹) اور اسلمنا سے یہاں مراد صرف ظاہری طور پر فرمانبرداری کرلینا ہے لیکن یہ لفظ لاکر بتا دیا کہ دائرہ اسلام میں وہ بھی داخل ہیں اور جماعت اسلامی کا حصہ ہیں انھیں اسلام سے خارج قرار نہیں دیا بلکہ آخر پر ان اللہ غفور رحیم لاکر مسلمانوں کو یہی ہدایت کی ہے کہ ان سے نرمی کا معاملہ کریں اور برائے نام مسلمانوں کو بھی مسلمان اور اپنا بھائی ہی سمجھیں ۔ ہاں ان کی کمزوریوں کا ذکر کرکے اصلاح کی طرف توجہ دلائی اور اگلی آیت میں بتایا کہ مومن کے نام کے مستحق ہونا چاہتے ہو تو اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرکے دکھاؤ یوں مومن اور مسلم میں ایک فرق رکھا ہے یعنی مسلم تو ہر وہ شخص ہے جو دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا خواہ ابھی اسلام کے احکام پر پورے طور پر عامل ہے یا نہیں اور خواہ دل میں وساوس بھی پیدا ہوتے ہوں ۔ اور مومن وہ ہے جس کا نہ صرف دل ہر قسم کے وساوس سے پاک ہے بلکہ جو بلحاظ عمل بھی اس بلند مرتبہ پر پہنچ چکا ہے کہ اس کی ساری طاقت اور اس کا مال و دولت اعلائے کلمۃ اللہ میں صرف ہوتے ہیں ۔ جو لوگ اپنے بھائیوں پر ذرا ذرا کمزوریاں دیکھ کر کفر کے فتوے صادر کرتے ہیں ان کے لیے یہ مقام محل غور ہے کہ قرآن کریم کس صراحت سے ان لوگوں کو مسلم قرار دیتا ہے جن کے متعلق خود ہی فرماتا ہے کہ ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا ۔

نمبر۲ ۔ بنی اسد بن خزیمہ کے متعلق لکھا ہے کہ جب وہ رسول اللہ صلعم کے پاس آئے تو کہنے لگے کہ ہم بوجھوں اور عیال کے ساتھ آپ کے پاس آئے ہیں

سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ (٥٠)

اٰيَاتُهَا ٤٥ — رُكُوْعَاتُهَا ٣

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ①
(اللہ سب باتوں پر) قادر ہے۔ بزرگی والا قرآن گواہ ہے ؎

بَلْ عَجِبُوْۤا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ②
بلکہ یہ تعجب کرتے ہیں کہ ان کے پاس ان میں سے ایک ڈرانے والا آیا، سو کافر کہتے ہیں یہ عجیب بات ہے۔

ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ③
کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی ہو جائیں گے (تو اُٹھائے جائیں گے) یہ لوٹ کر آنا دُور (از قیاس) ہے۔

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ ۚ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ ④
ہم جانتے ہیں جو زمین ان سے کم کر دیتی ہے اور ہمارے پاس حفاظت کرنے والی کتاب ہے ؎۳

اور ہم نے آپ کے ساتھ جنگ نہیں کی جیسا کہ فلاں قبیلہ نے کی ہے تو گویا یہ احسان جتاتا تھا تو فرمایا کہ احسان تو اللہ کا تم پر ہے کہ تمہیں ایمان کا رستہ دکھا دیا۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی شخص کو اللہ کے رستے میں کچھ کام کر کے یہ کہنا مناسب نہیں کہ میں نے فلاں بڑا کام کیا ہے بہت ایسے لوگ ہیں جن کو کسی خدمت دینی کی توفیق ملتی ہے تو وہ اسے بہت بڑی چیز سمجھ کر خدا کے دین یا اس کے رسول پر احسان سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ ان کا فرض تھا جو انھوں نے ادا کیا۔

نمبر۱۔ اس سورت کا نام قٓ ہے اور اس میں تین رکوع اور پینتالیس آیتیں ہیں۔ قٓ مقطعات قرآنی میں سے ہے اور مراد اس سے اللہ تعالیٰ کا اسم قادر یا قدیر ہے اور اس سورت میں یہی دکھایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قرآن کے ذریعہ سے ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیگا اور اس کے ساتھ ہی قیامت کا ذکر بھی ہے اور دونوں باتوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی طرف ہی توجہ دلائی ہے اور ترتیب کے لحاظ سے پچھلی سورتوں سے تعلق ظاہر ہے۔ اس لیے کہ سورۃ الفتح میں دین اسلام کے کل دینوں پر غلبہ کا ذکر تھا اور سورۃ الحجرات اسی کے ایک حصہ کی تفسیر تھی پس اس سورت کو ساتھ رکھ کر یہ بتا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس غلبہ کے لانے پر قادر ہے اور کہ یہ غلبہ بذریعہ قرآن کریم ہوگا اسی لیے قرآن کی صفت مجید کا سب سے پہلے یہاں ذکر کیا ہے اور یہ سورت مکی ہے اور اس کا نزول ابتدائی مکی زمانہ سے ہی تعلق رکھتا ہے۔

نمبر۲۔ قٓ۔ والقرآن المجید کی ترکیب ایسی ہی ہے جیسے صٓ والقرآن ذی الذکر کی۔ اور جواب قسم گویا قٓ میں آگیا جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے جس کا کافر انکار کرتے ہیں۔ یعنی قیامت کا آنا یا آنحضرت صلعم کا ایک روحانی قیامت قائم کرنا اور اس پر گواہ خود قرآن مجید کو بتایا ہے اس لیے کہ اس کے ذریعہ سے دنیا میں مجد پیدا ہوگی اور اس کے متبعین کو مکارم دنیوی اور اخروی سے حصہ کثیر دیا جائے گا اور قرآن شریف میں قیامت کے ذکر کے ساتھ ساتھ اس روحانی قیامت کا ذکر بھی چلتا ہے جس کی طرف یحشر الناس علی قدمی میں اشارہ ہے۔

نمبر۳۔ کتاب حفیظ سے مراد حفاظت کرنے والی کتاب ہے مگر جس چیز کی حفاظت کی طرف یہاں اشارہ ہے وہ اعمال انسانی ہیں کیونکہ انہی کی حفاظت کا ذکر بار بار قرآن شریف میں آتا ہے جیسے کراما کاتبین یعلمون ما تفعلون (الانفطار۔ ۱۱-۱۲) ما یلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید (قٓ۔ ۱۸) له معقبات من بین یدیه ومن خلفه یحفظونه من امر اللّٰه (الرعد۔ ۱۱) پس ان کے اس اعتراض کے مقابل پر کہ ہم مٹی ہو جائیں گے فرمایا ہے کہ جس چیز کو زمین کم کر دیگی اسے بھی ہم جانتے ہیں یعنی وہ جسم انسانی ہے لیکن ہمارے پاس ایک کتاب ہے جو ان چیزوں کو محفوظ کر لیتی ہے جو محفوظ کرنے کے قابل ہیں یعنی

بَلْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَهُمْ فِيْٓ اَمْرٍ مَّرِيْجٍ ۝۵

بلکہ انھوں نے حق کو جھٹلا دیا . جب وہ ان کے پاس آیا. سو وہ الجھن کی حالت میں ہیں۔

اَفَلَمْ يَنْظُرُوْٓا اِلَى السَّمَآءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنٰهَا وَزَيَّنّٰهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوْجٍ ۝۶

تو کیا وہ اپنے اوپر آسمان کو نہیں دیکھتے ہم نے اُسے کس طرح بنایا اور اسے زینت دی اور اس میں کوئی خلل نہیں مے۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝۷

اور زمین کو ہمیں نے پھیلایا اور اس میں پہاڑ ڈالے اور اس میں ہر قسم کی خوش نما چیزیں اگائیں۔

تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ۝۸

ہر ایک رجوع کرنے والے بندے کو سوجھانے اور یاد دلانے کو۔

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبٰرَكًا فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ جَنّٰتٍ وَّحَبَّ الْحَصِيْدِ ۝۹

اور ہم نے بادل سے برکت والا پانی اتارا، پھر ہم نے اس کے ساتھ باغ اگائے اور دانہ جو کاٹا جاتا ہے۔

وَالنَّخْلَ بٰسِقٰتٍ لَّهَا طَلْعٌ نَّضِيْدٌ ۝۱۰

اور لمبی لمبی کھجوریں جن کا گابھا تہ بتہ ہے۔

رِّزْقًا لِّلْعِبَادِ ۙ وَاَحْيَيْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا ؕ كَذٰلِكَ الْخُرُوْجُ ۝۱۱

بندوں کے لیے رزق (ہے) اور اس کے ساتھ ہم مُردہ بستی کو زندہ کرتے ہیں اسی طرح نکلنا ہوگا ۲۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ ۝۱۲

ان سے پہلے بھی جھٹلایا نوحؑ کی قوم نے اور کنوئیں والوں نے اور ثمود نے۔

وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوْطٍ ۝۱۳

اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائیوں نے۔

وَّاَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ؕ كُلٌّ

اور بن کے رہنے والوں اور تُبّع کی قوم نے، سب نے

اعمال انسانی کو۔ اس لیے کہ جسم میں تو میاں بھی ہر آن ایک تغیر رہتا ہے لیکن اعمال کے نتائج ساتھ ساتھ پیدا ہوتے جاتے ہیں اور کوئی عمل بے فائدہ نہیں جاتا اور وہ حفاظت کرنے والی کتاب خود روح انسانی یا انسان کا نفس ناطقہ ہے۔ کیونکہ اعمال اس کے اوپر اپنا اثر چھوڑتے ہیں۔

نمبرا۔ مراد اس سے ہر عیب اور خلل سے سلامت ہونا ہے اور دوسری جگہ فرمایا الذی خلق سبع سمٰوٰت طباقا ما تری فی خلق الرحمٰن من تفٰوت فارجع البصر ھل تری من فطور (الملک ۔ ۳) جہاں آسمانوں کے ذکر میں ہی فرمایا کہ نہ ان میں تفاوت ہے نہ اختلال یعنی ایک ہی قانون کے ماتحت سب نظام چل رہا ہے یہی منشا یہاں فروج کے نہ ہونے سے ہے یعنی قانون الٰہی میں کوئی فرق اور اختلال نہیں۔

نمبر۲۔ اس کے اندر دونوں مفہوم شامل ہیں۔ قیامت میں مردوں کا زندہ کرنا اور روحانی زندگی کا عطا کرنا جس طرح آسمانی بارش سے مردہ زمین زندہ ہوجاتی ہے اسی طرح وحی کی بارش سے روحانی مردے زندہ ہوجاتے ہیں اور یہ قیامت کا ثبوت ہے۔

كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِيۡدِ ۞ ۱۴	رسولوں کو جھٹلایا سو میرا (عذاب کا) وعدہ سچا ہُوا۔
اَفَعَيِيۡنَا بِالۡخَلۡقِ الۡاَوَّلِ‌ؕ بَلۡ هُمۡ فِىۡ لَبۡسٍ مِّنۡ خَلۡقٍ جَدِيۡدٍ ۞ ۱۵	تو کیا ہم پہلی پیدائش میں تھک گئے؟ بلکہ وہ نئی پیدائش کے متعلق شبہ میں ہیں ۱؎
وَلَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ وَنَعۡلَمُ مَا تُوَسۡوِسُ بِهٖ نَفۡسُهٗ ۖۚ وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ ۞ ۱۶	اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا اور ہم جانتے ہیں جو اس کا نفس وسوسہ ڈالتا ہے اور ہم اس سے اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہیں ۲؎
اِذۡ يَتَلَقَّى الۡمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الۡيَمِيۡنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيۡدٌ ۞ ۱۷	جب دو لینے والے لیتے جاتے ہیں (وہ) دائیں اور بائیں بیٹھے ہوتے ہیں ۳؎
مَا يَلۡفِظُ مِنۡ قَوۡلٍ اِلَّا لَدَيۡهِ رَقِيۡبٌ عَتِيۡدٌ ۞ ۱۸	وہ کوئی بات نہیں بولتا، مگر اس کے پاس ایک نگہبان تیار ہوتا ہے۔
وَجَآءَتۡ سَكۡرَةُ الۡمَوۡتِ بِالۡحَـقِّ‌ ؕ ذٰلِكَ مَا كُنۡتَ مِنۡهُ تَحِيۡدُ ۞ ۱۹	اور موت کی بے ہوشی سچ مچ آ کر رہے گی۔ یہ وہ ہے جس سے تو کنارہ کرتا تھا۔
وَنُفِخَ فِى الصُّوۡرِ‌ ؕ ذٰلِكَ يَوۡمُ الۡوَعِيۡدِ ۞ ۲۰	اور صور میں پھونکا جائے گا یہ (عذاب کے) وعدے کا دن ہے۔

نمبر۱۔ مطلب یہ ہے کہ پہلی پیدائش جو نیستی سے ہستی کرنا تھا اگر اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ عاجز نہیں آئی تو نئی پیدائش کے متعلق یہ شبہات کہ کس طرح ہوگا۔ صحیح نہیں۔ یہاں اس دوسری پیدائش کو خلق جدید کہہ کر صاف بتا دیا کہ یہی جسم پھر نہیں بنے گا بلکہ وہ ایک نئی پیدائش ہوگی اور وہ جسم جیسا کہ اوپر ذکر ہوا اعمال انسانی سے تیار ہوگا۔

نمبر۲۔ حبل الورید۔ حبل ہر ذریعہ کو کہتے ہیں اور یہاں مراد رگ ہے اور ورید وہ رگ ہے جو جگر اور دل سے ملتی ہے اور اس میں خون اور روح حیوانی کے مجاری ہیں۔ پہلے رکوع میں آسمان زمین وغیرہ کی پیدائش کا ذکر کیا تو اس میں انسان کی پیدائش اور اس کے ساتھ ہی اس کے اعمال کی حفاظت کا ذکر کیا ہے جس کی طرف کتاب حفیظ میں اشارہ کیا تھا پہلے اپنے علم کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ صرف انسان کے اعمال کا ہی علم ہے بلکہ ان بُرے خیالات کا بھی علم ہوتا ہے جو اس کے دل میں ہوتے ہیں اور بُرے خیالات کا ذکر بالخصوص اس لیے کیا کہ شریروں کی سزا کا ذکر خصوصیت سے آگے کیا ہے اور یہ بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو خالق فطرت انسانی ہے وہی اس کی بیماریوں اور اس کے وساوس سے بھی خبردار ہے۔ اور بذریعہ اپنی وحی کے ان کا علاج کرتا ہے اور یہاں وسوسہ کو نفس کی طرف منسوب کیا ہے اور دوسری جگہ شیطان کی طرف من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والناس اور یہ دونوں باتیں صحیح ہیں وسوسہ کے پیدا کرنے میں شیطان کی تحریک بھی ہے اور وہ وسوسہ انسان کے اندر ہی پیدا ہوتا ہے اور انسان سے اپنے قریب ہونے کا ذکر اس لیے کیا کہ انسان گناہ پر جرأت اس لیے کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دور سمجھتا ہے۔

نمبر۳۔ اب اس حفاظت اعمال کا ذکر صراحت سے فرماتا ہے دو لینے والے ہیں جو ہر فعل اور قول کو لے لیتے ہیں یعنی وہ فرشتے جو ہر انسان کے ساتھ ہیں اور نیک و بد اعمال کو محفوظ کر لیتے ہیں اور عن الیمین اور عن الشمال میں اشارہ منزل حسنہ اور گری ہوئی حالت کی طرف ہے جو علی الترتیب نیکی اور بدی سے پیدا ہوتی

وَجَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيْدٌ ۝٢١

اور ہر شخص آئے گا اس کے ساتھ ایک چلانے والا اور ایک گواہ ہوگا۱

لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ۝٢٢

یقیناً تو اس سے غفلت میں تھا تو ہم نے تیرا پردہ تجھ سے ہٹا دیا، پس تیری نگاہ آج تیز ہے۲

وَقَالَ قَرِيْنُهٗ هٰذَا مَا لَدَيَّ عَتِيْدٌ ۝٢٣

اور اس کا ساتھی کہیگا یہ وہ ہے جو میرے پاس تھا جہنم کے لیے تیار۳

اَلْقِيَا فِيْ جَهَنَّمَ كُلَّ كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ۝٢٤

ہر ناشکرے دشمن (حق) کو دوزخ میں ڈال دو۴

مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيْبٍ ۝٢٥

نیکی سے روکنے والے حد سے بڑھنے والے شک کرنے والے کو۔

الَّذِيْ جَعَلَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَاَلْقِيٰهُ فِي الْعَذَابِ الشَّدِيْدِ ۝٢٦

جو اللہ کے ساتھ دوسرا معبود ٹھیراتا تھا، سو اُسے سخت عذاب میں ڈال دو۔

قَالَ قَرِيْنُهٗ رَبَّنَا مَآ اَطْغَيْتُهٗ وَلٰكِنْ كَانَ فِيْ ضَلٰلٍۭ بَعِيْدٍ ۝٢٧

اس کا ساتھی کہے گا اے ہمارے رب میں نے اسے سرکش نہیں بنایا بلکہ وہ خود ہی گمراہی میں دُور نکل گیا تھا۵

ہیں اور دوسری جگہ انہی لینے والوں کو کاتبین یا لکھنے والے کہا ہے کراماً کاتبین یعلمون ما تفعلون (الانفطار - ۱۱ - ۱۲) مگر ان کا لکھنا اس طرح قلم ودوات سے نہیں نہ اس طرح کے کاغذوں پر ہے جیسا ہم انسان لکھتے ہیں۔ جیسا کہ روح المعانی میں بھی ہے وکذا الجمیع خبر قلمهما ومدادهما پس ان کا لکھنا ان کا کسی طرح پر محفوظ کر لینا ہے۔

نمبر۱۔ چونکہ یہاں ذکر دو فرشتوں کا ہے جو حسنات اور سیئات کو لکھتے ہیں اس لیے قرین قیاس یہی ہے کہ مراد سائق اور شہید سے وہی ہیں اور بدیوں کے لکھنے والے کو سائق اس لیے کہا کہ بدیوں کے نتائج سامنے آنے پر انسان ان کی طرف خود قدم نہیں اٹھاتا گویا مجبور کر کے اس طرف لیجایا جاتا ہے جس طرح ایک چارپائے کو لے جایا جاتا ہے اور نیکیوں کے لکھنے والا چونکہ انسان کے اعمال حسنہ کی گواہی دیتا ہے اس لیے اسے شہید کہا۔

نمبر۲۔ من ھذا میں اشارہ بدی کے ان بد نتائج کی طرف ہے جن پر لفظ سائق دلالت کرتا ہے تو اس وقت وہ شخص گویا اس قول کا مصداق ہوگا۔ اور غطا کے لفظ میں یہ اشارہ ہے کہ وہ نتائج بد تو یہاں بھی دیکھے جا سکتے ہیں مگر انسان کی آنکھوں پر ایک پردہ پڑا رہتا ہے اور لذات دنیا میں انہماک کی وجہ سے وہ انہیں نہیں دیکھتا تو قیامت میں صرف وہ غطاء دور کر دیا جاتا ہے جو یہاں پڑا ہوا ہے جس سے معلوم ہوا کہ بد نتائج تو پہلے بھی اسی طرح موجود تھے مگر انسان انہیں دیکھتا نہ تھا اور قیامت کے دن ان چیزوں کو اس لیے دیکھ لیگا کہ اس کی نظر تیز ہو جائے گی یا اس کو نئے حواس مل جائیں گے جن سے وہ اس قابل ہو جائے گا کہ ان لطیف امور کو بھی دیکھ لے جو ان حواس سے مخفی ہیں اور بعض نے من ھذا سے مراد امور معاد وغیرہ کو لے کر یہ معنے کیے ہیں کہ وحی الٰہی سے ہم نے وہ غفلت کا پردہ دور کر دیا جس کی وجہ سے لوگوں کو یہ امور نظر نہ آتے تھے۔

نمبر۳۔ قرین سے مراد شیطان قرین ہے وقیضنا لہم قرناء (حٰمٓ - ۲۵) یعنی جب بدی کے بد نتائج سامنے آئیں گے تو شیطان جو اس بدی کا محرک تھا وہ بھی آجائے گا کہ یہ میری تحریک سے تیار ہوا ہے جو جہنم میں ڈالا جانے کے لائق ہے۔

نمبر۴۔ القیا۔ میں ہو سکتا ہے کہ خطاب سائق اور شہید کی طرف ہو اور دونوں کو خطاب اس لیے کیا کہ بدی کی وجہ سے تو اُسے جہنم میں ڈالا جاتا ہے اور نیکی اس کی اس قدر کم تھی کہ وہ بدی کے بد نتائج کو دور نہ کر سکی علاوہ ازیں اہل عرب اکیلے اور جماعت کو حکم دینے میں تاکید کے لیے تثنیہ کو استعمال کرتے ہیں اور بعض نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ تثنیہ فعل کے دوہرانے کے قائم مقام ہوتا ہے یعنی الق الق کی جگہ القیا کہہ دیا اور فعل کا دہرانا تاکید کے لیے ہے۔

نمبر۵۔ گویا شیطان اپنی بریت ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے اسے گمراہ نہیں کیا۔ یہ خود ہی گمراہی میں مبتلا تھا۔ اس کا جواب دیا ہے کہ لاتختصموا

قَالَ لَا تَخْتَصِمُوْا لَدَیَّ وَ قَدْ قَدَّمْتُ اِلَیْکُمْ بِالْوَعِیْدِ ﴿٢٨﴾
کہے گا میرے سامنے مت جھگڑو اور میں نے (عذاب کا) وعدہ تمھاری طرف پہلے بھیجدیا تھا۔

مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ وَ مَآ اَنَا بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ ﴿٢٩﴾ ع
میرے حضور بات بدلی نہیں جاتی اور نہ میں بندوں پر کچھ ظلم کرنے والا ہوں۔

یَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ ﴿٣٠﴾
جس دن ہم دوزخ کو کہیں گے کیا تو بھر گئی؟ اور وہ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے [1]۔

وَ اُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِیْنَ غَیْرَ بَعِیْدٍ ﴿٣١﴾
اور بہشت متقیوں کے لیے قریب کردی گئی ہے کچھ دور نہیں [2]۔

هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ اَوَّابٍ حَفِیْظٍ ﴿٣٢﴾
یہ وہ ہے جس کا تمھیں وعدہ دیا جاتا ہے ہر (اللہ کی طرف) رجوع کرنیوالے حفاظت کرنیوالے کیلیے

مَنْ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ وَ جَآءَ بِقَلْبٍ مُّنِیْبِ ﴿٣٣﴾
جو غیب میں رحمٰن سے ڈرتا ہے اور رجوع کرنے والے دل کے ساتھ آتا ہے۔

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ذٰلِكَ یَوْمُ الْخُلُوْدِ ﴿٣٤﴾
سلامتی سے اس میں داخل ہو جاؤ، یہ رہنے کا دن ہے۔

لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ فِیْهَا وَ لَدَیْنَا مَزِیْدٌ ﴿٣٥﴾
ان کے لیے اس میں ہوگا جو وہ چاہیں اور ہمارے پاس (اس سے) بڑھ کر ہے [3]

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوْا فِی الْبِلَادِ هَلْ مِنْ مَّحِیْصٍ ﴿٣٦﴾
اور کتنی نسلیں ہم نے ان سے پہلے ہلاک کیں جو قوت میں ان سے سخت تر تھیں، سو انھوں نے شہروں کو چھان مارا کیا کوئی بھاگنے کی جگہ ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ
اس میں اس کے لیے نصیحت ہے جس کا دل ہے، یا وہ

لدی - یعنی میرے حضور جھگڑا نہ کرو - دونوں کو بدی پر عذاب کا وعدہ دیا گیا تھا۔

نمبر۱ - ظاہر ہے کہ یہ کلام اسی طرح صورت حال کا اظہار ہے جس طرح فقال لها وللارض ائتیا طوعًا اوکرها قالتا اتینا طائعین جس سے مراد صرف زمین اور آسمان کی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا اظہار ہے نہ یہ کہ وہ لفظ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان سے کہے تھے اور انھوں نے وہ جواب دیا تھا۔ اسی طرح یہاں بھی یہ ظاہر کرنا مراد ہے کہ دوزخ تو هل من مزید کا ہی نعرہ لگاتی ہے اگر کوئی چیز اس کی آگ کو ٹھنڈا کرسکتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی ہے جس طرح انسان کی حرص ہر وقت هل من مزید کا نعرہ لگاتی ہے - وہی مثال دوزخ کی ہے یہ دونوں نعرے زبان حال سے ہی ہیں۔

نمبر۲ - یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ بہشت قیامت کے دن متقیوں کے لیے قریب کردی جائے گی - لیکن قریب کرنے کا ذکر اس دنیا کے لیے زیادہ موزوں ہے یعنی متقی کے لیے اسی جگہ جنت قریب کردی جاتی ہے گویا جس قدر وہ تقویٰ میں قدم بڑھاتا ہے اسی قدر جنت اس سے قریب ہوتی چلی جاتی ہے۔

نمبر۳ - یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کہ انسان جو چاہے اسے مل جائے لهم ما یشاؤن فیها مگر لدینا مزید میں بتایا کہ ہم اسے وہ کچھ بھی دیں گے جو اس کے اپنے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا اور اسے اللہ تعالیٰ کی رؤیت سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔

لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ﴿٣٧﴾

کان لگاتا ہے درانحالیکہ (اس کا دل) حاضر ہے ۔[1]

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ۖ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ ﴿٣٨﴾

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے چھ وقتوں میں پیدا کیا ۔ اور تکان نے ہمیں نہیں چھُوا ۔[2]

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿٣٩﴾

سو اس پر صبر کر جو وہ کہتے ہیں ، اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر سورج نکلنے سے پہلے اور ڈوبنے سے پہلے ۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ﴿٤٠﴾

اور رات کے حصے میں بھی اس کی تسبیح کر اور نماز کے پیچھے بھی ۔[3]

وَاسْتَمِعْ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ﴿٤١﴾

اور سُن ! جس دن پکارنے والا نزدیک جگہ سے پکارے ۔

يَّوْمَ يَسْمَعُوْنَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوْجِ ﴿٤٢﴾

جس دن وہ چیخ کو حق کے ساتھ سُن لیں گے یہ نکل پڑنے کا دن ہے ۔[4]

اِنَّا نَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَاِلَيْنَا الْمَصِيْرُ ﴿٤٣﴾

ہم ہی زندہ کرتے اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہماری طرف ہی انجام کار آنا ہے ۔

يَوْمَ تَشَقَّقُ الْاَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ؕ ذٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيْرٌ ﴿٤٤﴾

جس دن زمین ان پر سے پھٹ جائے گی (وہ) تیزی سے نکل پڑیں گے) یہ جمع کرنا ہم پر آسان ہے ۔[5]

نمبر۱۔ لمن کان لہ قلب ۔ ظاہر ہے کہ یہاں مراد عقل وعلم ہی ہے ورنہ دل تو ہر ایک کا موجود ہی ہے اور وھو شھید میں بھی حضور قلب ہی مراد ہے کہ جس کا دل حاضر نہیں وہ گویا وہاں موجود ہی نہیں۔

نمبر۲۔ چھ دن میں بنانے سے یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ تھک گیا تھا بلکہ بتدریج بنانے میں حکمت تھی اسی لیے فرمایا کہ حق اور صداقت کی ترقی بھی تبدیج ہوگی فاصبر علیٰ مایقولون۔

نمبر۳۔ ادبار السجود میں سجود سے مراد نماز ہے اور نماز کے بعد تسبیح سے مراد نوافل بھی ہو سکتے ہیں اور ذکر بھی۔

نمبر۴۔ منادی کے پکارنے سے مراد عموماً قیامت کے دن اسرافیل یا جبرائیل کا پکارنا لیا گیا ہے اور مکان قریب سے مراد بیت المقدس، مگر قرآن کریم میں دوسری جگہ صاف منادی آنحضرت صلعم کو کہا ہے رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ (آل عمران۔۱۹۲) اور یہی یسمعون الصیحۃ بالحق ہے گویا مضمون کا انتقال قیامت کبریٰ سے قیامت روحانی کی طرف کیا ہے اور من مکان قریب میں اشارہ ان کے قبول کر لینے کی طرف ہے جس طرح واخذوا من مکان قریب (السبا۔۵۱) میں اسی دنیا کے عذاب کی طرف اشارہ ہے اور یوم الخروج سے مراد روحانی طور پر اُٹھ کھڑا ہونا بھی ہو سکتا ہے۔

نمبر۵۔ اگر یہاں اشارہ قیامت کبریٰ کی طرف لیا جائے تو زمین کے پھٹنے کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہاں مجازاً مراد ان کا روحانی قبروں سے نکلنا ہی ہو۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ ۣ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ﴿۴۵﴾

ہم خوب جانتے ہیں جو کہتے ہیں اور تو ان پر جبر کرنے والا نہیں، سو قرآن کے ساتھ اسے نصیحت کر جو میرے وعدہ (عذاب سے) ڈرتا ہے ۔

(۵۱) سُوْرَةُ الذّٰرِيٰتِ مَكِّيَّةٌ ۲

اٰيَاتُهَا ۶۰ — رُكُوْعَاتُهَا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ﴿۱﴾ — گواہ ہیں اُڑا کر پھیلا دینے والیاں۔

فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ﴿۲﴾ — پھر بوجھ اٹھانے والیاں۔

فَالْجٰرِيٰتِ يُسْرًا ﴿۳﴾ — پھر نرمی سے چلنے والیاں۔

فَالْمُقَسِّمٰتِ اَمْرًا ﴿۴﴾ — پھر کام کو تقسیم کرنے والیاں ۳

نمبر۱۔ ق والقرآن المجید سے سورت کو شروع کیا تھا اور فذکر بالقرآن پر ختم کیا۔ پس اصل مضمون اس کا قرآن مجید کے ذریعہ سے انقلاب عظیم کا پیدا ہونا ہے۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام الذاریت ہے اور اس میں تین رکوع اور ساٹھ آیتیں ہیں۔ ذاریات وہ ہوائیں ہیں جو اڑا کر پھیلانے کا کام کرتی ہیں یعنی بیج کو ایک جگہ سے اڑا کر دوسری جگہ پہنچاتی ہیں اور یہاں حق کے پھیلانے والی جماعتوں کے ساتھ انھیں مشابہت دی ہے اور بتایا ہے کہ یہی حالت حق کی بھی ایسی ہی ہوتی ہے مگر آخر وہ بڑھتا اور پھیلتا ہے اور کوئی مخالفت اسے روک نہیں سکتی۔ پچھلی سورت میں ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ حق کو غالب کرے تو یہاں بتایا کہ وہ غلبہ تدریجی ہوتا ہے اور یہ بیج پھیلتا جائے گا یہاں تک کہ آخر بارآور ہو کر تمام دنیا میں پہنچے گا۔ سورت مکی ہے اور اس کا نزول ابتدائی مکی زمانہ کا ہی معلوم ہوتا ہے۔

نمبر۳۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے اور حضرت عمرؓ سے ایسے ہی الفاظ مرفوع ہیں کہ ذاریات سے مراد ہوائیں ہیں اور حاملات سے مراد بادل ہیں اور جاریات سے مراد کشتیاں ہیں اور مقسمات سے مراد ملائکہ ہیں اور ہوائیں جو کام کرتی ہیں وہ یہ ہے کہ بیج کو ایک جگہ سے اڑا کر دوسری جگہ پہنچاتی ہیں یا نباتات اور درختوں میں نر و مادہ کو ملاتی ہیں۔ جیسا کہ آج تحقیقات علمی سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے اور یہ قرآن کریم کی صداقت اور رسول اللہ صلعم کی سچائی کا ایک بین ثبوت ہے کہ ایسی علمی باریکیاں جن کا دنیا کو صدہا سال بعد علم ہوا۔ عرب کے ایک اُمی کی زبان سے ظاہر ہوئیں اور والذریت ذروا کے بعد دوسرے مرتبہ حملت وقرا کا بیان فرمایا ہے گویا اس طرف اشارہ کیا ہے کہ ہواؤں کا اس چیز کو پھیلانا جسے سائنس والے پالن کہتے ہیں ایک حمل کے قائمقام ہوتا ہے اور حملت کی تفسیر میں جو اوپر بادل بیان ہوا ہے تو وہ بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے کیونکہ بادلوں کا کام یہ ہے کہ وہ بوجھ کو اٹھاتے ہیں یعنی پانی کو سمندروں سے اٹھا کر لاتے ہیں اور پھر جگہ جگہ پانی برس کر وہ بیج جن کو ہواؤں نے پھیلا دیا تھا اُگتے اور پھولتے اور پھلتے ہیں۔ تب اس پیداوار کو اور اس سے جو دوسرا سامان پیدا ہوتے ہیں کشتیاں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتی ہیں۔ پھر فرشتے حکم الٰہی کے مطابق اس کی مخلوق میں تقسیم امر کا کام کرتے ہیں تو گویا ان چاروں باتوں میں مناظر قدرت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ کس طرح ایک چیز ادنیٰ منازل سے ترقی کر کے اعلےٰ مقامات تک پہنچتی ہے اور یوں ان ظاہری نظاروں سے قدرت کو حق کی ترقی اور کامیابی کے قانون پر بطور گواہ پیش کیا ہے۔ اور ان تو عدون لصادق میں انہی وعدوں کی طرف اشارہ ہے جو حق کی آخری کامیابی اور اس کی مخالفت کی آخری ناکامی کے متعلق دیئے گئے تھے گویا بتایا ہے کہ جس طرح ظاہری منظر قدرت میں کچھ اسباب کام کر رہے ہیں اسی

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَصَادِقٌ ۵	جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے وہ یقیناً سچا ہے۔
وَّ اِنَّ الدِّیْنَ لَوَاقِعٌ ۶	اور جزا و سزا ضرور آکر رہے گی۔
وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ۷	رستوں والا آسمان گواہ ہے ۔
اِنَّكُمْ لَفِیْ قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ۸	تم صرف مختلف باتیں کہہ رہے ہو۔
یُّؤْفَكُ عَنْهُ مَنْ اُفِكَ ۹	اس سے وہی پھیرا جاتا ہے جو حق سے باطل کی طرف پھرتا ہے۔
قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ ۱۰	اٹکلیں دوڑانے والے مارے گئے۔
الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَ ۱۱	جو جہالت میں بھولے ہوئے ہیں۔
یَسْـَٔلُوْنَ اَیَّانَ یَوْمُ الدِّیْنِ ۱۲	پوچھتے ہیں جزا و سزا کا دن کب آئیگا۔
یَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ یُفْتَنُوْنَ ۱۳	جس دن وہ آگ میں جلائے جائیں گے۔
ذُوْقُوْا فِتْنَتَكُمْ هٰذَا الَّذِیْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۱۴	اپنے دکھ دینے کا مزہ چکھو ۔ یہ وہ ہے جس کے لیے تم جلدی کرتے تھے۔

طرح حق کی ترقی میں بھی کچھ اسباب کام کر رہے ہیں جس طرح وہاں ہوائیں بیج کو اڑا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچا دیتی ہیں اسی طرح حق کے قائم ہونے میں پہلی منزل یہی تھی کہ کچھ لوگ اس حق کے بیج کو تمام ملک میں پہنچا دیں۔ چنانچہ عرب کے کناروں سے لوگ آتے تھے اور اس حق کو جو رسول اللہ صلعم لائے بغیر قبول کیے عرب کے کناروں تک لے جاتے تھے دوسرا مرتبہ ان ہواؤں کا ہے جو اس بیج میں زندگی پیدا کرتی اور درختوں اور نباتات کو بار آور کرتی ہیں اور یہ بارش کی ہوائیں ہیں چنانچہ اسی طرح اس بیج پر جو جگہ جگہ پھیل گیا تھا جب رحمت الٰہی کی بارش ہوئی تو وہ لامعلوم بیج جگہ جگہ پرورش پاکر کزرع اخرج شطاہ کا مصداق ہوا اور لوگوں نے حق کو قبول کیا۔ پھر جماعتوں کی جماعتیں اس حق کو لیکر باہر پہنچیں اور یہ جاریات کے قائمقام ہوگئیں۔ گویا جو وحی اللہ تعالیٰ نے ملک عرب میں نازل کی تھی اس کی پیداوار کو لے کر ملک عرب کے لوگ باہر چلے گئے تا اس بارش کے پھلوں سے دوسرے لوگوں کو بھی متمتع کریں اور یوں اُسے دنیا میں تقسیم کر کے مقسمٰت امرا کا مصداق ہوئے اور ہر ملک کے لوگوں میں اسے پہنچایا اور جو اس کا اہل تھا اس نے اس سے فائدہ اٹھایا اور چاروں لفظ ہواؤں پر بھی صادق آسکتے ہیں یعنی ذاریات وہ ہوائیں جو سمندروں سے بخارات کو اڑاتی ہیں اور حاملات وہ جو اس بخار کے بوجھ کو اٹھاتی ہیں اور جاریات وہ جو اسے لیکر چلتی ہیں اور قسمٰت وہ جو اسے جگہ جگہ برساتی ہیں اور اس صورت میں وحی الٰہی کی اس بارش کی طرف ہی اشارہ ہے جو رسول اللہ صلعم کے ذریعہ سے دنیا پر برسائی گئی۔ گویا ایک پیاسی اور تڑپتی ہوئی دنیا سے بخارات بن کر اوپر کو اٹھے اور وحی الٰہی کے رنگ میں پھر دنیا پر بارش ہو کر دنیا کی زندگی کا موجب ہوئے اور بادلوں کو حاملات اور فرشتوں کو مقسمٰت بلحاظ جماعتوں کے فرمایا ہے اور اسی لحاظ سے مومنوں کی جماعتیں بھی ان الفاظ سے مراد ہوسکتی ہیں یعنی ایک جماعتیں وہ ہونگی جو حق کے بیج کو دور دور پہنچائیں گی پھر ایسی جماعتیں ہونگی جو اس بیج کو بطور حمل اپنے اندر لے لیں گی پھر ایسی جماعتیں ہونگی جو اسے لیکر آسانی سے چلنے والی ہوں گی یعنی وہ اسے کوئی بوجھ محسوس نہ کریں گی بلکہ اس کا نتیجہ اُن کے حق میں یسر ہوگا۔ پھر وہی لوگ اس حق کو لے کر دوسرے انسانوں تک پہنچائیں گے اور یہ مقسمٰت ہیں۔

نمبر ۱۔ اللہ تعالیٰ کا آسمان کو ذات الحبک فرمانا اسی کے مطابق ہے جو فرمایا وکل فی فلک یسبحون یٰسٓ ۔ ۴۰ یعنی ان رستوں سے مراد اجرام سماوی کے رستے ہیں اور یہ قرآن کے منجانب اللہ ہونے پر ایک زبردست دلیل ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنّٰتٍ وَّعُيُونٍ ﴿١٥﴾
متقی باغوں اور چشموں میں ہونگے۔

اٰخِذِينَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ ۚ إِنَّهُمْ
لے رہے ہوں گے جو ان کو اُن کے رب نے دیا۔

كَانُوا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِينَ ﴿١٦﴾
وہ اس سے پہلے نیکی کرنے والے تھے۔

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴿١٧﴾
تھوڑا سا جو وہ رات کو سوتے تھے۔

وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿١٨﴾
اور صبح کے وقتوں میں وہ استغفار کرتے تھے۔

وَفِيٓ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿١٩﴾
اور ان کے مالوں میں سوالی اور نہ مانگنے والے محتاج کا حق تھا[1]

وَفِي الْأَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿٢٠﴾
اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے نشان ہیں۔

وَفِيٓ أَنفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿٢١﴾
اور تمھاری اپنی جانوں میں بھی تو کیا تم دیکھتے نہیں۔

وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿٢٢﴾
اور تمھارا رزق آسمان میں ہے اور وہ بھی جس کا تمھیں وعدہ دیا جاتا ہے[2]

فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ
سو آسمان اور زمین کا رب گواہ ہے کہ یہ یقیناً سچ ہے ٹھیک

مِّثْلَ مَآ أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ ﴿٢٣﴾
اسی طرح جو تم باتیں کرتے ہو۔

هَلْ أَتٰكَ حَدِيثُ ضَيْفِ إِبْرٰهِيمَ
کیا تیرے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں

الْمُكْرَمِينَ ﴿٢٤﴾
کی خبر آئی؟

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلٰمًا ۖ قَالَ
جب اس پر داخل ہوئے، کہا سلام۔ اُس نے

سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ ﴿٢٥﴾
(جواب میں) کہا سلام۔ (یہ) اجنبی لوگ ہیں۔

نمبر۱۔ محروم وہ ہے جو خیر سے روکا گیا ہے اور یہاں محروم کے معنی ایسا شخص بھی کیے گئے ہیں جس کا مال بڑھتا نہیں اور کہا گیا ہے کہ وہ بے روزگار شخص ہے جو کچھ کما نہیں سکتا اور مفردات میں ہے کہ یہاں محروم سے مراد ہے جس کا رزق وسیع نہیں جس طرح اوروں کا ہے اور جس نے یہ کہا کہ اس سے مراد کتا ہے تو اس سے یہ مطلب نہیں کہ یہ کتے کا نام ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے خیال کیا ہے اور یہ اس کی طرف سے مثال کے طور پر ہے کیونکہ کتے کو لوگ بہت محروم کرتے یا روکتے ہیں اور رسول اللہ صلعم سے مروی ہے کہ محروم وہ ہے جس کے پاس کچھ نہیں اور جس کی حاجت کا علم نہیں ہوتا کہ اسے کوئی خیرات دے یعنی وہ جو مانگتا نہیں اور تعفف اختیار کرتا ہے۔

نمبر۲۔ فی السماء رزقکم مجاہد سے ہے کہ رزق سے مراد یہاں مطر یعنی بارش ہے تو مطلب یہ ہوا کہ پانی جو تمھارے لیے مایۂ حیات ہے وہ آسمان سے ہی اترتا ہے اور سماء کے معنی سحاب یعنی بادل بھی یہاں لیے گئے ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ بارش سے تمھیں رزق ملتا ہے اگر بارش بند ہو جائے تو تمھارے کھانے پینے کے سامان بھی نہ رہیں اور اس صورت میں ما توعدون کا منشا یہ ہوگا کہ وہ جو تمھیں وعدہ دیا جاتا ہے بارش کی طرح اوپر سے ہی آتا اور تمھارے لیے مایۂ حیات بنتا ہے یا یہ کہ وہ بھی روحانی بارش سے ہی تعلق رکھتا ہے

فَرَاغَ إِلَىٰٓ أَهۡلِهِۦ فَجَآءَ بِعِجۡلٖ سَمِينٖ ٢٦
پس وہ اپنے گھر والوں کی طرف چپکے سے گیا اور ایک موٹا بچھڑا لایا۔

فَقَرَّبَهُۥٓ إِلَيۡهِمۡ قَالَ أَلَا تَأۡكُلُونَ ٢٧
سو اُسے ان کے نزدیک کیا، کہا کیا تم کھاتے نہیں!

فَأَوۡجَسَ مِنۡهُمۡ خِيفَةٗۖ قَالُواْ لَا تَخَفۡۖ وَبَشَّرُوهُ بِغُلَٰمٍ عَلِيمٖ ٢٨
پس دل میں اُن سے ڈرا، انھوں نے کہا ڈر نہیں اور اسے ایک صاحبِ علم لڑکے کی خوش خبری دی۔

فَأَقۡبَلَتِ ٱمۡرَأَتُهُۥ فِي صَرَّةٖ فَصَكَّتۡ وَجۡهَهَا وَقَالَتۡ عَجُوزٌ عَقِيمٞ ٢٩
تو اس کی عورت چیخ مار کر آگے آئی اور اپنے مُنہ پر ہاتھ مارا اور کہا بُڑھیا بانجھ (ہوں) ۱

قَالُواْ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِۖ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلۡحَكِيمُ ٱلۡعَلِيمُ ٣٠
انھوں نے کہا اسی طرح تیرے رب نے کہا ہے وہ حکمت والا علم والا ہے۔

قَالَ فَمَا خَطۡبُكُمۡ أَيُّهَا ٱلۡمُرۡسَلُونَ ٣١
(ابراہیمؑ نے) کہا، اے رسولو! تمھارا اصل کام کیا ہے؟

قَالُوٓاْ إِنَّآ أُرۡسِلۡنَآ إِلَىٰ قَوۡمٖ مُّجۡرِمِينَ ٣٢
انھوں نے کہا، ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔

لِنُرۡسِلَ عَلَيۡهِمۡ حِجَارَةٗ مِّن طِينٖ ٣٣
تاکہ اُن پر مٹی کے پتھر برسائیں۔

مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ لِلۡمُسۡرِفِينَ ٣٤
جن پر تیرے رب کے ہاں حد سے بڑھ جانے والوں کے لیے نشان کیے گئے ہیں ۲

فَأَخۡرَجۡنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ٣٥
سو ہم نے ان کو جو اس میں مومن تھے نکال دیا۔

فَمَا وَجَدۡنَا فِيهَا غَيۡرَ بَيۡتٖ مِّنَ ٱلۡمُسۡلِمِينَ ٣٦
پر ہم نے اس میں سوائے مسلموں کے ایک گھر کے اور کسی کو نہ پایا۔

وَتَرَكۡنَا فِيهَآ ءَايَةٗ لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ ٱلۡعَذَابَ ٱلۡأَلِيمَ ٣٧
اور ہم نے اس میں ان لوگوں کے لیے نشان چھوڑا، جو دردناک عذاب سے ڈرتے ہیں۔

وَفِي مُوسَىٰٓ إِذۡ أَرۡسَلۡنَٰهُ إِلَىٰ فِرۡعَوۡنَ بِسُلۡطَٰنٖ مُّبِينٖ ٣٨
اور موسیٰؑ میں (نشان ہے) جب ہم نے اسے فرعون کی طرف کھلی سند کے ساتھ بھیجا۔

فَتَوَلَّىٰ بِرُكۡنِهِۦ وَقَالَ سَٰحِرٌ أَوۡ مَجۡنُونٞ ٣٩
سو اس نے اپنی قوت پر سرتابی کی اور کہا (یہ) جادوگر ہے یا دیوانہ۔

نمبر۱۔ بخاری میں اس کی تفسیر میں ہے فجمعت اصابعها فضربت جبهتها یعنی اپنی انگلیاں اکٹھی کیں اور اپنی پیشانی پر ہاتھ مارا۔ دوسری جگہ بیان کیا ہے کہ یہ صرف تعجب سے تھا یٰویلتیٰ ءَالِدُ وَاَنَا عجوزٌ وھٰذا بعلی شیخًا ان ھذا الشیء عجیب (ہودؑ-۷۲)

نمبر۲۔ یعنی ان کا خطاکاروں پر بھیجا جانا مقدر تھا اور مسوّمة کے معنی مرسلة بھی کیے گئے ہیں لنرسل علیہم حجارة میں فاعل اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ آیت ۳۷ وترکنا فیہا آیة سے صاف ظاہر ہے۔

فَاَخَذْنٰهُ وَ جُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ وَ هُوَ مُلِیْمٌ ؕ﴿۴۰﴾
سو ہم نے اسے اور اس کے لشکروں کو پکڑا پھر انھیں سمندر میں ڈالا اور وہ قابلِ ملامت تھا۔

وَ فِیْ عَادٍ اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ ﴿۴۱﴾
اور عاد میں (نشان ہے) جب ہم نے ان پر نباہ کرنے والی ہوا بھیجی۔

مَا تَذَرُ مِنْ شَیْءٍ اَتَتْ عَلَیْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِیْمِ ؕ﴿۴۲﴾
وہ کسی چیز کو نہ چھوڑتی تھی جس پر آتی تھی ۔ مگر اسے چورا کر دیتی تھی۔

وَ فِیْ ثَمُوْدَ اِذْ قِیْلَ لَهُمْ تَمَتَّعُوْا حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۴۳﴾
اور ثمود میں (نشان ہے) جب انھیں کہا گیا ، ایک وقت تک فائدہ اٹھالو۔

فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَ هُمْ یَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾
سو انھوں نے اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی ۔ تو انھیں ہولناک آواز نے آلیا اور وہ دیکھ رہے تھے۔

فَمَا اسْتَطَاعُوْا مِنْ قِیَامٍ وَّ مَا كَانُوْا مُنْتَصِرِیْنَ ۙ﴿۴۵﴾
پس نہ وہ اٹھنے کے قابل رہے اور نہ وہ بدلہ لے سکے۔

وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۠﴿۴۶﴾ ع
اور (اس سے) پہلے نوحؑ کی قوم (میں نشان تھا) بیشک وہ نافرمان لوگ تھے۔

وَ السَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا بِاَیْىدٍ وَّ اِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾
اور آسمان کو ہم نے قوت کے ساتھ بنایا اور ہم وسیع قدرت والے ہیں۔

وَ الْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾
اور زمین کو ہم نے ہی بچھایا ، سو ہم کیا خوب تیار کرنے والے ہیں۔

وَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۹﴾
اور ہر چیز سے ہم نے جوڑے پیدا کیے ، تاکہ تم نصیحت حاصل کرو[۱]۔

نمبر۱۔ پہلے آسمان اور زمین کا ذکر کرکے پھر فرمایا کہ ہر چیز کے ہم نے جوڑے پیدا کیے ہیں گویا اول آسمان اور زمین کی زوجیت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ کیونکہ آسمان سے بارش نازل ہوتی ہے تو زمین میں روئیدگی پیدا ہوتی ہے اور پھر عام کیا کہ دنیا میں ہر چیز کے جوڑے پیدا کیے ہیں جیساکہ دوسری جگہ کھول کر فرمایا سبحان الذی خلق الازواج کلھا مما تنبت الارض و من انفسھم و مما لا یعلمون (یٰسٓ۔ ۳۶) یعنی نہ صرف نباتات میں جوڑے ہیں بلکہ اور مخلوق میں بھی جس کا ابھی انھیں علم بھی نہیں۔ یہ مخلوق وہی ہے جس کا علم آج خوردبین سے حاصل ہوا ہے بلکہ شاید اور بھی کوئی ہو جس کا علم ابھی حاصل نہیں ہوا اور اس سب کا نتیجہ یہ بتایا کہ لعلکم تذکرون تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرو ، جیساکہ اگلی آیت میں وضاحت سے بیان کیا ہے۔

فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۚ﴿۵۰﴾ سو اللہ تعالیٰ کی طرف دوڑو ۔ میں اس کی طرف سے تمہارے لیے کھلا ڈرانے والا ہوں ۔[1]

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ؕ اِنِّیْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۵۱﴾ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرا معبود نہ بناؤ ، میں اس کی طرف سے تمہارے لیے کھلا ڈرانے والا ہوں ۔

كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۚ﴿۵۲﴾ اسی طرح ان لوگوں کے پاس جو ان سے پہلے تھے ، کوئی رسول نہیں آیا ، مگر انھوں نے کہا جادوگر ہے یا دیوانہ ۔

اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۚ﴿۵۳﴾ کیا ایک دوسرے کو وصیت کر رکھی ہے بلکہ یہ سرکش لوگ ہیں ۔

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ ۫﴿۵۴﴾ سو ان سے منہ پھیر لے کیونکہ تجھ پر کوئی الزام نہیں ۔[2]

وَّذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۵﴾ اور نصیحت کر ، کہ نصیحت مومنوں کو فائدہ دیتی ہے ۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾ اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں ۔[3]

مَآ اُرِیْدُ مِنْهُمْ مِّنْ رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِیْدُ اَنْ یُّطْعِمُوْنِ ﴿۵۷﴾ میں ان سے کوئی رزق نہیں چاہتا اور نہ میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھانا دیں ۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِیْنُ ﴿۵۸﴾ اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا قوت والا زبردست ہے ۔

نمبر۱ - جس طرح ہر چیز کی ترقی اور اس کا نشوونما بغیر زوج کے نہیں ہوتا اسی طرح انسان کی ترقی اور اس کی روح کا حقیقی نشوونما اللہ تعالیٰ سے تعلق کے بغیر نہیں ہوتا اور فروا الی اللہ کا مطلب یہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو ہی تم اپنا محبوب و مقصود حقیقی بناؤ اور سب چیزوں کو چھوڑ کر اس کی طرف بھاگو اس لیے اگلی آیت میں فرمایا کہ اس کے ساتھ کسی کو الٰہ مت بناؤ ۔ یعنی کوئی تمہارا محبوب و مقصود سوائے باری تعالیٰ کے نہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ کو محبوب بھی بناؤ مگر ایسا محبوب کہ اس کے سوائے اور کوئی محبوب نہ ہو ۔

نمبر۲ - اوپر چونکہ ذکر تھا کہ ساحر و مجنون کہتے ہیں اور یہ ان کی ایذاؤں کی طرف اشارہ ہے جو وہ نبی کریم صلعم کو استہزا کر کے پہنچاتے تھے اس لیے فرمایا کہ ان سے منہ پھیر لو یعنی ان کے اس استہزاء وغیرہ کی کچھ پروا نہ کرو ۔ یہ ہجرت کا حکم نہیں البتہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے نزول پر بعض صحابہ کو یہ خیال گذرا کہ اب قریش پر عذاب نازل ہوگا فما انت بملوم گو یہاں صرف اس غرض کے لیے لایا گیا ہے کہ معاملہ تبلیغ میں آپ نے کوئی کمی نہیں کی مگر الفاظ عام ہیں اور صاف بتاتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کسی قسم کی ملامت کے نیچے نہ تھے ۔ یہ بھی آپ کی عصمت پر دلیل ہے ۔

نمبر۳ - جن اور انسان کی پیدائش کی اصل غرض بتائی کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود بنائیں بالفاظ دیگر بتایا کہ انسان اپنے کمال کو صرف عبادت الٰہی سے حاصل کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگلی آیت میں کہا ہے کہ میں ان سے رزق یا کھانا طلب نہیں کرتا یعنی ان کی عبادت سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا کیونکہ وہ کسی

فَاِنَّ لِلَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا ذَنُوۡبًا مِّثۡلَ ذَنُوۡبِ اَصۡحٰبِهِمۡ فَلَا یَسۡتَعۡجِلُوۡنِ ﴿۵۹﴾

سو اُن کے لیے جو ظلم کرتے ہیں مقرر پیمانہ ہے، جیسے ان کے ساتھیوں کا مقرر پیمانہ تھا سو وہ مجھ سے جلدی نہ کریں

فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ یَّوۡمِهِمُ الَّذِیۡ یُوۡعَدُوۡنَ ﴿۶۰﴾

پس افسوس اُن پر جو کافر ہیں اس دن سے جس کا انھیں وعدہ دیا جاتا ہے۔

ایاتہا ۴۹ (۵۲) سُوۡرَۃُ الطُّوۡرِ مَکِّیَّۃٌ ۱ رکوعاتہا ۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالطُّوۡرِ ﴿۱﴾

طُور گواہ ہے۔

وَکِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ﴿۲﴾

اور لکھی ہوئی کتاب۔

فِیۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ ﴿۳﴾

پھیلے ہُوئے ورقوں میں۔

وَّالۡبَیۡتِ الۡمَعۡمُوۡرِ ﴿۴﴾

اور آباد گھر۔

وَالسَّقۡفِ الۡمَرۡفُوۡعِ ﴿۵﴾

اور اونچی چھت۔

وَالۡبَحۡرِ الۡمَسۡجُوۡرِ ﴿۶﴾

اور بھرا ہُوا دریا ۲۔

چیز کا محتاج نہیں اور یوں سمجھایا کہ عبادت کی غرض صرف اپنی تکمیل ہے اور وہ کمال صرف عبادتِ الٰہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

نمبر۱ اس سورت کا نام الطور ہے اور اس میں دو رکوع اور انچاس آیتیں ہیں۔ لفظ طُور میں اشارہ حضرت موسیٰ کی وحی کی طرف ہے جس کا نزول طُور پر ہوا اور مقصود اس نام میں یہ ہے جیسا کہ سورت کی ابتدائی آیات میں وضاحت کر دی ہے کہ جس طرح اس وحی کی مخالفت کرنے والوں کا انجام ہلاکت ہوا۔ اسی طرح آنحضرت صلعم کی وحی کی مخالفت کرنے والوں کا انجام ہلاکت ہوگا اور یہی مضمون اس سورت کا ہے۔ پچھلی سورت میں حق کی تدریجی ترقی کا ذکر تھا یہاں مخالفت کرنے والوں کی سزا کا ذکر کیا اس کا نزول بھی ابتدائی زمانہ سے ہی تعلق رکھتا ہے۔

نمبر۲ طور سے مراد اس نام کا پہاڑ بھی لیا گیا ہے اور مطلق پہاڑ بھی۔ اور کتاب مسطور سے مراد توریت بھی لی گئی ہے اور توریت، زبور اور انجیل بھی اور قرآن بھی اور لوحِ محفوظ بھی۔ اور بیت المعمور سے مراد وہ گھر لیا گیا ہے، جو خانہ کعبہ کے مقابل پر آسمان میں ہے اور حسن نے کہا ہے کہ یہ کعبہ ہے اور سقف مرفوع سے مراد آسمان لیا گیا ہے اور بحر مسجور سے مراد بھرا ہُوا یا خشک یا آگ لگا ہوا دریا لیا گیا ہے اور ان سب چیزوں کو اس بات پر گواہ ٹھہرایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب مکذبین پر یقیناً آ کر رہے گا۔ گویا گذشتہ واقعہ کو بطور شہادت پیش کیا ہے اور اس صورت میں طور سے مراد وہ پہاڑ ہونا جہاں حضرت موسیٰ پر وحی نازل ہوئی اور آپ کو شریعت دی گئی اور کتاب سے مراد توریت ہونا اور بحر سے مراد وہ دریا ہونا جو بنی اسرائیل کے لیے خشک ہو گیا اور فرعون کے لیے بھر کر غرق کرنے کا موجب ہو گیا۔ لیکن قرآن کریم نے لفظ ایسے اختیار کیے ہیں جو ایک طرف اگر حضرت موسیٰ کے متعلق صادق آتے ہیں تو دوسری طرف آنحضرت صلعم کے متعلق بھی صادق آتے ہیں یعنی آپ پر بھی ایک پہاڑ پر نزولِ وحی ہوا اور آپ کو بھی ایک کتاب

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝۷	تیرے رب کا عذاب آکر رہے گا۔
مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝۸	اسے کوئی روکنے والا نہ ہوگا۔
يَّوْمَ تَمُوْرُ السَّمَآءُ مَوْرًا ۝۹	جس دن آسمان جنبش میں ہوگا ملے
وَّ تَسِيْرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ۝۱۰	اور پہاڑ اُڑ جائیں گے۔
فَوَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۱	تو اس دن جھٹلانے والوں کے لیے افسوس ہے۔
الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ خَوْضٍ يَّلْعَبُوْنَ ۝۱۲	جو (عبث) باتوں میں لگے ہوئے کھیل رہے ہیں۔
يَوْمَ يُدَعُّوْنَ اِلٰى نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا ۝۱۳	جس دن دھکے دیکر دوزخ کی آگ کی طرف دھکیلے جائیں گے۔
هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ۝۱۴	یہ وہ آگ ہے جسے تم جھٹلاتے تھے۔
اَفَسِحْرٌ هٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ ۝۱۵	تو کیا یہ جادو ہے یا کیا تم دیکھتے نہیں۔
اِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوْٓا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۶	اس میں داخل ہو جاؤ، پھر صبر کرو یا نہ صبر کرو تمھارے لیے برابر ہے تمھیں صرف اسی کا بدلہ دیا جاتا ہے جو تم کرتے تھے۔
اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ ۝۱۷	متقی باغوں اور نعمتوں میں ہیں۔
فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝۱۸	اپنے رب کے دیئے پر خوش ہوں گے اور ان کے رب نے انھیں جلتی ہوئی آگ کے عذاب سے بچا یا۔
كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۱۹	خوشگواری سے کھاؤ اور پیو، بدلہ اس کا جو تم کرتے تھے۔

دی گئی جو کھالوں وغیرہ پر لکھی جاتی تھی اور آپ کو بھی ایک بیت معمور یعنی خانہ کعبہ دیا گیا اور آپ کے دشمن بھی آپ کے مقابلہ میں تباہ ہوئے جس طرح حضرت موسیٰؑ کے دشمن تباہ ہوئے اگر وہ دریا میں غرق ہوئے تو یہ خشکی پر غرق ہوئے اور بحر کا لفظ دونوں پر صادق آتا ہے اور سقف مرفوع میں مراد آسمان بھی ہو سکتا ہے اور بیت المعمور کی بلند چھت بھی ہو سکتی ہے اور البیت المعمور کا خانہ کعبہ کے مقابل آسمان پر یا ایک بیت معمور کا یہ آسمان پر ہونا خود اس بات کو چاہتا ہے کہ خانہ کعبہ بھی بیت المعمور ہی ہے جیسا کہ حسن سے روایت ہے اور گو یہ لفظ دوسرے قبلوں پر بھی بولا گیا ہو مگر حقیقتاً خانہ کعبہ پر ہی صادق آتا ہے جس کی زیارت قیامت تک ہوتی رہے گی۔

نمبر ا۔ جس عذاب کی طرف یہاں توجہ دلائی ہے وہ اوّلاً عذاب دنیا ہی ہے اور بعدہٗ عذاب آخرت، کیونکہ حضرت موسیٰؑ کے مقابل پر جس عذاب کا ذکر ہے وہ بحر مسجور کا عذاب ہے یعنی فرعون کا سمندر میں غرق ہونا، جسے حضرت موسیٰؑ کے لیے فرقان قرار دیا گیا ہے اور اس کے بالمقابل ہمارے نبی صلعم کا فرقان بدر ہے جیسا کہ سورت کی آخری آیات سے ظاہر ہے وان یروا کسفا من السماء ساقطا (۴۴۔ ۴۷) اور یہ عذاب دنیا ہے، نہ عذاب آخرت۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَ زَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ۝٢٠

برابر بچھے ہوئے تختوں پر تکیے لگائے ہوئے اور ہم انھیں خوبصورت حوروں کا ساتھی بنا دیں گے۔

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ اتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَ مَاۤ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِیًٔۢ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ ۝٢١

اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان میں اُن کی پیروی کی، ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے عمل سے ہم کچھ کم نہیں کریں گے۔ ہر شخص اپنی کمائی میں گرو ہے۔[1]

وَ اَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّ لَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ ۝٢٢

اور ہم انھیں پھل اور گوشت جس سے وہ چاہیں، پے بہ پے دیں گے۔

يَتَنَازَعُوْنَ فِيْهَا كَاْسًا لَّا لَغْوٌ فِيْهَا وَ لَا تَاْثِيْمٌ ۝٢٣

وہ اس میں ایک دوسرے سے وہ پیالہ لیں گے جس میں نہ لغو ہے اور نہ گناہ۔

وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَاَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُوْنٌ ۝٢٤

اور ان کے آس پاس ان کے غلام پھرتے ہوں گے گویا کہ وہ پردے میں رکھے ہوئے موتی ہیں۔[2]

وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ۝٢٥

اور وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر ایک دوسرے سے پوچھیں گے۔

قَالُوْۤا اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِيْۤ اَهْلِنَا مُشْفِقِيْنَ ۝٢٦

کہیں گے ہم پہلے اپنے اہل میں ڈرنے والے تھے۔

نمبر ۱۔ مراد اس سے یہ لی گئی ہے جیسا کہ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ مومن کی ذریت کو گو اس نے اعمال کے لحاظ سے وہ کمال حاصل نہ کیا ہو جنت میں وہی درجہ مل جائے گا جو اعلیٰ درجہ کے مومنوں کو ملے گا اور بعض نے دوسری ذریت سے مراد چھوٹے بچے لیے ہیں مگر آیت کے آخری الفاظ کل امری بما کسب رھین سے اشارہ کچھ اور معلوم ہوتا ہے اور دوسری جگہ یہی مضمون یوں ادا ہوا ہے کل نفس بما کسبت رھینۃ الا اصحاب الیمین (المدثر ۳۸ و ۳۹) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان الفاظ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اپنی کرتوتوں کی وجہ سے گرفتار بلا ہوں گے تو پس یہاں اصل بات جس کا ظاہر کرنا مقصود معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ محض نسب سے کچھ فائدہ حاصل نہیں نیک لوگوں کی اولاد ان نیکوں کے ساتھ اگر ملے گی تو اس شرط پر کہ اتبعتھم بایمان کی مصداق ہو یعنی ایمان میں ان کا اتباع کرے اور جو ایمان میں نیکوں کا اتباع نہیں کرتے وہ نیکوں کی ذریت ہونے کی وجہ سے چھٹکارا نہیں پا سکتے کیونکہ یہاں ہر شخص کی اپنی ذمہ داری ہے ہاں ساتھ ہی یہ اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر ایمان میں اتباع ہو اور اعمال اس کمال کو نہ پہنچ سکیں جس کمال کو اس پہلی نسل کے اعمال پہنچے ہیں جنھوں نے خطرناک تکالیف اٹھا کر حق کو قبول کیا ہے تو اس کمی کی وجہ سے پیچھے نہیں رہیں گے بلکہ اپنے باپ داداؤں کے ساتھ ہی ہوں گے اور ما التنھم میں شاید اسی طرف اشارہ ہے اور یا یہ عام ہے کہ کسی کا عمل بھی ہم کبھی کم نہیں کرتے۔

نمبر ۲۔ غلمان۔ غلام کی جمع ہے۔ غلمان سے مراد یہاں خادم ہیں اور بعض نے مراد اُن کی اولاد لی ہے جو اُن سے پہلے گذر چکی۔ صورت اوّل میں یہ نعمائے بہشتی میں سے ایک نعمت ہے اور جیسے یہاں ان خدام کو موتی کہا ہے دوسری جگہ ان ساتھیوں کو جنھیں حور کہا ہے یاقوت اور مرجان سے تشبیہ دی ہے دونوں صورتوں میں مطلب یہ ہے کہ یہ اس دنیا کی چیزیں نہیں۔

فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَوَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾	سو اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں لُو کے عذاب سے بچا لیا۔
اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوْهُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيْمُ ﴿۲۸﴾ ع	ہم پہلے سے اُسے پکارتے تھے، وہ بڑا احسان کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔
فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ﴿۲۹﴾	سو نصیحت کرتا رہ کہ تو اپنے رب کی نعمت سے کاہن نہیں اور نہ ہی دیوانہ ہے[۱]۔
اَمْ يَقُوْلُوْنَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهٖ رَيْبَ الْمَنُوْنِ ﴿۳۰﴾	بلکہ کہتے ہیں کہ شاعر ہے ہم اس کے لیے زمانہ کی گردش کا انتظار کرتے ہیں۔
قُلْ تَرَبَّصُوْا فَاِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُتَرَبِّصِيْنَ ﴿۳۱﴾	کہہ، انتظار کرو کہ میں بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔
اَمْ تَاْمُرُهُمْ اَحْلَامُهُمْ بِهٰذَآ اَمْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ﴿۳۲﴾	کیا اُن کی عقلیں انھیں یہ حکم دیتی ہیں، بلکہ وہ سرکش لوگ ہیں۔

نمبر۱- کاہن - کاہن وہ ہے جو ایک قسم کے ظن سے گذری ہوئی مخفی خبریں بتاتا ہے اور اعتراف وہ ہے جو آئندہ کی خبریں دیتا ہے اور آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جو شخص کاہن یا اعراف کے پاس جاتا ہے اور جو کچھ وہ کہتا ہے اس پر اس کی تصدیق کرتا ہے تو اس سے کفر کرتا ہے جو ابی القاسم پر نازل ہوا اور لسان العرب میں ہے کہ حدیث میں جو کاہن کا ذکر آتا ہے تو ابن اثیر نے لکھا ہے کہ وہ وہ ہے جو آئندہ زمانہ میں ہونے والی چیزوں کی خبریں دیتا ہے اور چھپی ہوئی باتوں کے جاننے کا دعویٰ کرتا ہے اور عرب میں کاہن لوگ تھے۔ بعض ان میں گمان کرتے تھے کہ ان کا کوئی جن تابع ہے جو انھیں خبریں پہنچاتا ہے اور بعض کا اُن میں سے خیال تھا کہ وہ سائل کے کلام اور فعل اور حال وغیرہ پر غور کر کے ایسی باتوں کا استدلال کر لیتا ہے جن سے وہ امورِ غیبی کو معلوم کر سکتا ہے ایسے لوگوں کو عراف کے نام سے مخصوص کرتے تھے اور ازہری کا قول ہے کہ کہانت ملک عرب میں ہمارے نبی صلعم کی بعثت سے پیشتر موجود تھی۔ لیکن آپ کی تشریف آوری سے کہانت کا علم باطل ہو گیا اور کاہنوں کے اباطیل فرقان کے سامنے اُٹھ گئے اور اب کہانت باقی نہیں رہی اور کاہن لوگ اپنے باطل قولوں کو مسجع کر کے پیش کرتے تھے جس سے لوگوں کے دلوں پر خاص اثر پڑتا تھا اور ان کے دل اور کان ان کی طرف مائل ہوتے تھے۔

اعدائے حق نے جو پیرائے آنحضرت صلعم کو بدنام کرنے کے لیے اختیار کیے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ لوگوں کو کہتے رہتے تھے کہ آپ کاہن ہیں اس کی اللہ تعالیٰ نے یہاں نفی کی ہے اور جس شخص کو عربی زبان سے ادنیٰ واقفیت بھی ہے اور اس نے کاہنوں کے کلام کو دیکھا ہے وہ خود دیکھ سکتا ہے کہ کاہنوں کے کلام اور فرقان حمید میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کاہنوں کا کلام صرف ایک ظنی بات کو ذو معنی پیرایہ میں بیان کرنے کے لیے مسجع کیا جاتا ہے اس میں کوئی صداقت کوئی اخلاق کوئی اصول نہیں ہوتے تھے۔ بالمقابل قرآن کریم ایک نہایت پاکیزہ کلام ہے جس میں اعلیٰ درجہ کے اخلاق اور روحانیت کے اصول اور اللہ تعالیٰ کی ہستی اور قدرت کاملہ پر اعلیٰ درجہ کی دلائل بیان ہوئی ہیں اور قرآن کریم نے تو کہانت کو دنیا سے نابود کیا آج کل کی اس تحریک میں جو سپریچولزم کے نام سے موسوم ہے کہانت کا بیشتر رنگ پایا جاتا ہے اور اس کو بھی صرف قرآن شریف ہی دور کر سکتا ہے۔ عیسائیت نے اس بیماری کو یورپ میں پیدا کیا ہے اور اس کا علاج اسلام میں ہے۔

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلۡ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝۳۳	کیا کہتے ہیں یہ جھوٹ بنالیا ہے بلکہ وہ ایمان نہیں لاتے۔
فَلۡيَاۡتُوۡا بِحَدِيۡثٍ مِّثۡلِهٖۤ اِنۡ كَانُوۡا	تو اِس جیسی کوئی بات لائیں ، اگر
صٰدِقِيۡنَ ۝۳۴	سچے ہیں۔
اَمۡ خُلِقُوۡا مِنۡ غَيۡرِ شَىۡءٍ اَمۡ هُمُ	کیا یہ بغیر کسی کے (پیدا کرنے کے) پیدا ہو گئے ہیں یا
الۡخٰلِقُوۡنَ ۝۳۵	یہی پیدا کرنے والے ہیں [1]۔
اَمۡ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ ۚ	یا انھوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے ، بلکہ
بَلۡ لَّا يُوۡقِنُوۡنَ ۝۳۶	یقین نہیں کرتے۔
اَمۡ عِنۡدَهُمۡ خَزَآٮِٕنُ رَبِّكَ اَمۡ هُمُ	کیا ان کے پاس تیرے رب کے خزانے ہیں
الۡمُصَيۡطِرُوۡنَ ۝۳۷	یا یہ مسلط ہیں۔
اَمۡ لَهُمۡ سُلَّمٌ يَّسۡتَمِعُوۡنَ فِيۡهِ ۚ فَلۡيَاۡتِ	کیا ان کے پاس کوئی ذریعہ ہے جس سے سُن لیتے ہیں تو
مُسۡتَمِعُهُمۡ بِسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ۝۳۸	چاہیئے کہ ان کا سننے والا کوئی کھلی دلیل لائے [2]۔
اَمۡ لَهُ الۡبَنٰتُ وَلَكُمُ الۡبَنُوۡنَ ۝۳۹	کیا اس کے لیے بیٹیاں ہیں اور تمھارے لیے بیٹے ہیں۔
اَمۡ تَسۡـَٔلُهُمۡ اَجۡرًا فَهُمۡ مِّنۡ مَّغۡرَمٍ	کیا تو ان سے اجر مانگتا ہے تو یہ چٹی کے بوجھ میں دبے
مُّثۡقَلُوۡنَ ۝۴۰	ہوئے ہیں۔
اَمۡ عِنۡدَهُمُ الۡغَيۡبُ فَهُمۡ يَكۡتُبُوۡنَ ۝۴۱	کیا ان کے پاس غیب ہے تو وہ لکھ لیتے ہیں [3]۔
اَمۡ يُرِيۡدُوۡنَ كَيۡدًا ؕ فَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا	کیا یہ کوئی داؤ کرنا چاہتے ہیں ، تو جو کافر ہیں وہی

نمبر ۱۔ خلقوا من غیر شئ۔ یعنی بغیر کسی اندازہ کرنے والے اور خالق کے خود بخود ہو گئے ہیں۔ ام ھم الخالقون یعنی اپنے خالق آپ ہیں اور اگر یہ اپنے خالق ہیں تو کیا آسمانوں اور زمین کو بھی انھوں نے ہی پیدا کیا ہے جس کا ذکر اگلی آیت میں ہے اور ام خلقوا من غیر شئ کے یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ کیا بغیر کسی علت و غایت کے پیدا کیے گئے ہیں۔

نمبر ۲۔ سلّم سے مراد کوئی ذریعہ یا سبب ہے یہ آیت اس خیال کی کلی نفی کرتی ہے کہ شیاطین آسمان پر چڑھ کر کچھ غیب کی باتیں سن لیتے ہیں جنھیں کاہنوں تک پہنچا دیتے ہیں کیونکہ یہاں اسی بات کا مطالبہ کیا گیا ہے کہ اگر یہ کچھ سنتے ہیں تو پیش کریں۔

نمبر ۳۔ یعنی ان کے پاس کوئی ایسا علم غیب نہیں جس پر انھیں اس قدر وثوق ہو کہ وہ اسے لکھ لیں۔ زبانی بعض باتیں کہہ دیتے تھے اگر جھوٹ نکلا تو کوئی پوچھنے والا نہیں اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ نبی کریم صلعم کو اس غیب پر جس کا آپ نے اظہار کیا کس قدر وثوق تھا کہ ہر ایک آیت نزول کے ساتھ لکھ بھی لی جاتی تھی اور علاوہ ازیں حفظ بھی کر لی جاتی تھی۔

هُمُ الْمَكِيدُونَ ۝۴۲	داؤ کے نیچے آتے ہیں۔
اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ ۭ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝۴۳	کیا ان کے لیے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے جو وہ شرک کرتے ہیں۔
وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاۗءِ سَاقِطًا يَّقُوْلُوْا سَحَابٌ مَّرْكُوْمٌ ۝۴۴	اور اگر یہ آسمان سے عذاب کا کوئی ٹکڑا گرتا ہوا دیکھیں، کہیں گے تہ بتہ بادل ہیں ۱؎۔
فَذَرْهُمْ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِيْ فِيْهِ يُصْعَقُوْنَ ۝۴۵	سو انھیں چھوڑ دے یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن کو ملیں، جس میں ہلاک کیے جائیں گے ۲؎۔
يَوْمَ لَا يُغْنِيْ عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْـًٔا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ۝۴۶	جس دن ان کا داؤ اُن کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ انھیں مدد دی جائے گی۔
وَاِنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا عَذَابًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۴۷	اور ان کے لیے جو ظالم ہیں اس کے سوائے ایک اور عذاب ہے، لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے ۳؎۔
وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝۴۸	اور اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر کر، کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر جب تو اٹھے۔
ع وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاِدْبَارَ النُّجُوْمِ ۝۴۹	اور رات کے کسی حصہ میں بھی اس کی تسبیح کر اور ستاروں کے ڈوبنے کے بعد بھی۔

نمبر۱۔ کفار بار بار اس رنگ میں عذاب کا مطالبہ کرتے تھے فاسقط علینا کسفا من السماء (الشعراء۲۶-۱۸۷) او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا (بنی اسرائیل-۹۲) اور مراد اس سے مطلق عذاب کا آنا تھا اور کسف اس لحاظ سے کہا کہ وہ عذاب کا ایک ٹکڑا یا حصہ ہے اور سحاب مرکوم کہنے سے یہ منشا ہے کہ عذاب کے آنے سے پہلے وہ ان حالات کو جن سے عذاب پیدا ہوتا ہے اپنی بہتری کا موجب سمجھتے ہیں۔ قومیں جب حق کی مخالفت میں مست ہوتی ہیں تو وہ انہی چیزوں کو جو ان کے لیے انجام کار دکھوں کا موجب بنتی ہیں سکھ کا موجب سمجھتی ہیں۔

نمبر۲۔ اس سے مراد عموماً نفخ اولیٰ یعنی قیامت کو لیا گیا ہے مگر دیکھو اگلی آیت جہاں صاف فرمایا کہ یہ اس دن کا ذکر ہے جس دن ان کی تدبیر انھیں کچھ کام نہ دیگی اور یہ وہی تدبیر ہے جس کا ذکر آیت ۴۲ میں ہو چکا ہے ام یریدون کیدا فالذین کفروا ھم المکیدون علاوہ ازیں جیسا کہ روح المعانی میں لکھا ہے۔ نفخ اولیٰ پر تو وہی لوگ مریں گے جو اس وقت زندہ موجود ہوں گے۔ ان کفار پر تو وہ نفخ اولیٰ آنے والا نہ تھا اور یہاں صاف لکھا ہے کہ ان کفار کو جو آپ کو کاہن شاعر مفتری وغیرہ کہتے ہیں اور آپ کے خلاف تدبیریں کرتے ہیں آپ چھوڑ دیں یہاں تک کہ ان پر وہ دن آ جائے جس میں وہ ہلاک ہو جائیں یا ان پر عذاب آ جائے اور یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ یہاں اس عذاب دنیا کا وعدہ ہے جو ان کفار پر آنے والا تھا اور جو فی الحقیقت ان کی تدابیر کا جو وہ اسلام کے خلاف کر رہے تھے یہ نتیجہ تھا اور انھی کی تدابیر کا وبال اُن پر آنے والا تھا جیسا کہ ھم المکیدون سے ظاہر ہے پس صحیح قول وہی ہے جو روح المعانی میں ہے کہ اس سے مراد یوم بدر ہے اور یہی وہ دن تھا جو لا یغنی عنھم کیدھم شیئا کا مصداق ہوا اس لیے کہ وہ اسلام کے تباہ کرنے کے لیے ایک زبردست تدبیر کر کے آئے تھے اور آخر خود ہلاک ہو کر واپس گئے۔

نمبر۳۔ دُوْنَ ذٰلِکَ سے مراد جنگ بدر سے پہلے ہے اور وہ جیسا کہ مجاہد نے کہا ہے قحط ہے جو سات سال کے لیے ان پر پڑا اور یا دون یہاں

آیاتہا ۶۲ (۵۳) سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّةٌ رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ۝۱ — ستارہ گواہ ہے جب وہ ڈوبتا ہے [2]

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۝۲ — تمہارا ساتھی گمراہ نہیں ہوا اور نہ وہ بہکا ہے [3]

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝۳ — اور نہ خواہش نفس سے بولتا ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝۴ — یہ صرف وحی ہے جو اس کی طرف کی جاتی ہے [4]

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝۵ — اسے مضبوط قوتوں والے نے سکھایا ہے۔

ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ۝۶ — حکمت والے نے [5] سو وہ اعتدال پر قائم ہوا۔

وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ۝۷ — اور وہ بلند انتہائی مقامات پر ہے [6]

صرف سوائے کے معنی میں ہے اور اشارہ عذاب قیامت کی طرف ہے۔

نمبر۱۔ اس سورت کا نام النجم ہے اور اس میں تین رکوع اور باسٹھ آیتیں ہیں۔ اور النجم سے مراد قرآن کریم کا ہر حصہ ہے جو نازل ہوتا ہے اور اس میں آنحضرت صلعم کے مقامات عالیہ کی طرف توجہ دلائی ہے اور پچھلی سورت میں اگر حضرت موسیٰ کی وحی کی طرف جو طور پر ہوئی بالخصوص توجہ دلائی تھی تو اس میں قرآن کریم اور اس وحی کے حامل حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کے کمالات کی طرف توجہ دلائی ہے اس کا نزول پانچویں سال بعثت کا ہے۔ یعنی ابتدائی مکی زمانہ کا۔

نمبر۲۔ النجم کے معنی ستارہ بھی لیے گئے ہیں اور ابن عباسؓ مجاہد وغیرہ کا قول ہے قرآن کریم کی مقدار جو نبی صلعم پر نازل ہوئی تھی۔ اور جعفر صادق کا قول ہے کہ اس سے مراد نبی صلعم ہیں اور ھوٰی سے مراد معراج کی رات آپ کا نزول ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ یہاں نجم کو بطور گواہ پیش کیا ہے اس بات پر کہ محمد رسول اللہ صلعم گمراہ نہیں ہیں۔ پس اگر نجم سے مراد قرآن شریف کے نازل شدہ ٹکڑے لیے جائیں یا خود رسول اللہ صلعم کو لیا جائے تو مطلب صاف ہے یعنی قرآن کا ہر ٹکڑہ جو نازل ہوتا ہے اس بات پر گواہ ہے کہ رسول اللہ صلعم ضلالت میں نہیں کیونکہ ہر ٹکڑہ اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے کی شہادت رکھتا ہے اور اگر نجم سے مراد ایک خاص ستارہ لیا جائے یا ستارے لیے جائیں تو ان کے غروب ہونے سے صبح کا طلوع مراد ہے اور رسول اللہ ص کے ظہور اور مخالفین کے اقبال کے دور ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

نمبر۳۔ ما ضلّ میں نفی ضلالت کی ہے یعنی آپ طریق حق سے نہیں پھرے اور ما غوٰی میں نفی اعتقاد فاسد کی ہے یعنی آپ کا اعتقاد بھی صحیح ہے یعنی عملی طور پر بھی اور علمی طور پر بھی آپ کا قدم ثواب پر ہے۔ اس سے زیادہ جامع اور مانع الفاظ میں کسی کی عصمت کا ذکر نہ ہو سکتا تھا۔

نمبر۴۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى عام ہے یعنی رسول اللہ صلعم خواہش نفسانی سے کوئی بات نہیں کرتے اور ان ھو میں ضمیر قرآن شریف کی طرف ہے جس کا ذکر اوپر والنجم میں موجود ہے۔

نمبر۵۔ شدید القویٰ اور ذو مرۃ سے مراد جبرائیل لیے گئے ہیں۔ مگر حسنؒ سے منقول ہے کہ شدید القویٰ اور ذو مرۃ اللہ تعالیٰ ہے اور یہی درست ہے۔

نمبر۶۔ فاستویٰ وھو بالافق الاعلیٰ۔ ثم دنا فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنیٰ میں تمام ضمیریں ایک ہی طرف جاتی ہیں اور ثم دنیٰ میں

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝۸	پھر قریب ہوا اور بہت قریب ہوا[1]۔
فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝۹	سو وہ دو کمانوں کا وتر ہوا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر قریب[2]۔
فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝۱۰	سو اس نے اپنے بندے کی طرف وحی کی، جو وحی کی۔
مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝۱۱	جو اس نے دیکھا وہ دل نے جھوٹ نہیں کہا۔
اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝۱۲	تو کیا تم اس سے اس پر جھگڑتے ہو جو وہ دیکھتا ہے۔
وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝۱۳	اور اس نے اسے ایک اور نزول کے وقت بھی دیکھا[3]۔
عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝۱۴	سدرۃ المنتہیٰ کے پاس[4]۔

حسن نے ضمیر آنحضرت صلعم کی طرف مانی ہے اور جیسا کہ آگے ظاہر ہوگا۔ ان الفاظ میں ذکر نبی کریم صلعم کا ہی ہے اور آپ کا ذکر فاستویٰ میں ہے اور مراد یہ ہے کہ آپ اپنی تمام قوتوں کے لحاظ سے حالتِ اعتدال پر ہیں اور قوتوں کا حالتِ اعتدال پر ہونا آپ کے عملی کمال کو ظاہر کرتا ہے اور آپ کے افق اعلیٰ میں ہونے سے یہ مراد ہے کہ آپ علو اور بلند مرتبگی کے انتہائی مقامات کو پہنچ گئے اور یہ فاستویٰ کے لیے گویا بطور ایک تتمہ کے ہے یعنی وہ قویٰ ایسی حالت میں اعتدال پر قائم ہیں کہ کمال کو بھی پہنچ چکی ہیں۔

نمبر۱۔ اکثر مفسرین نے تو یہاں ضمیر جبرئیل کی طرف ہی لی ہے اور مراد یہ لیا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ آنحضرت صلعم سے قریب ہوئے مگر جبرئیلؑ کے آنحضرتِ صلعم سے قرب کو خاص طور پر بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی بلکہ یہ ذکر بھی آنحضرت صلعم کے اللہ تعالیٰ سے قرب کا ہے اسی کی تائید دو روایات سے ہوتی ہے۔

نمبر۲۔ قاب قوسین کے معنی دو طرح پر کیے گئے ہیں۔ دو کمانوں کو ملا کر ان کا وتر ایک ہو جانا یا دو قوسوں میں جن میں سے ایک اوپر اور دوسری نیچے ہو وتر بن جانا یہ مطلب نہیں کہ جبرئیلؑ اور آنحضرت صلعم میں اور اللہ تعالیٰ میں دو کمانوں کا فاصلہ رہا۔ یہ بے معنی بات ہے کیونکہ ایسا فاصلہ ہر جا میں ہو سکتا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں عرب میں جب ایک دوسرے سے مضبوط عہد کرتے تھے تو وہ دو کمانیں نکالتے تھے اور ایک کو دوسری کے ساتھ ملا دیتے تھے اور دونوں کے قاب مل جاتے تھے یہاں تک کہ وہ گویا ایک ہی قاب والی ہو جاتی تھیں پھر ان دونوں کو اکٹھا کھینچتے اور ان سے ایک ہی تیر چلاتے اور یہ اس بات کی طرف اشارہ ہوتا کہ ان میں سے ایک کی رضامندی دوسرے کی رضامندی ہے اور ایک کی ناراضگی دوسرے کی ناراضگی ہے اور اس کے خلاف ممکن نہیں۔ پس مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کا اللہ تعالیٰ سے ایسا قرب شدید کا تعلق ہے کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں اور دوسرے معنے لیکر یعنی آپ دو قوسوں کا وتر ہوگئے یہ مطلب ہے کہ ایک طرف قوس اعلیٰ یعنی اللہ تعالیٰ سے کامل تعلق پیدا کیا اور دوسری طرف قوس ادنیٰ یعنی مخلوق سے اور یوں خدا سے فیض لیکر مخلوق کو فیض پہنچانے والے ہوئے جس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔

نمبر۳۔ حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ یہ حضرت جبرئیلؑ تھے اور کہ آنحضرت صلعم نے انھیں دو مرتبہ اپنی اصلی صورت پر دیکھا اور ان کے چھ سو پر تھے اور بہت سے مفسرین اسی طرف گئے ہیں اور حضرت ابن عباسؓ سے ایک قول میں اس کی تفسیر میں منقول ہے۔ رای ربہٗ بقلبہ اپنے رب کو اپنے قلب سے دیکھا اور حسن سے بھی روایت ہے کہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ اور چونکہ میں دکھا چکا ہوں کہ اوپر کی آیات میں جبرئیلؑ کا نہیں بلکہ آنحضرت صلعم کا ہی ذکر ہے اسی لیے اس ذکر کو جاری رکھا ہے اور یا تو یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ صلعم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا اور یا مراد یہ ہے کہ آپ کو سدرۃ المنتہیٰ کے پاس دیکھا اور یہ معراج نبوی کی طرف اشارہ ہے گو اصل مقصود اس میں یہی ہے کہ آپ کے مقامات عالیہ بتائے جائیں۔

نمبر۴۔ محض لفظ سدرۃ کی وجہ سے اسے ایک ایسا درخت سمجھنا جیسے ہم یہاں بیری کے درخت دیکھتے ہیں گو وسیع پیمانہ پر ہی ہو صحیح

عِنۡدَهَا جَنَّةُ الۡمَاۡوٰی ﴿۱۵﴾ — اسی کے پاس جنت ہے جو اصل ٹھکانا ہے۔

اِذۡ یَغۡشَی السِّدۡرَةَ مَا یَغۡشٰی ﴿۱۶﴾ — جب سدرہ پر چھا رہا تھا، جو چھا رہا تھا۔

مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَ مَا طَغٰی ﴿۱۷﴾ — آنکھ پھری نہیں اور نہ حد سے بڑھی۔

لَقَدۡ رَاٰی مِنۡ اٰیٰتِ رَبِّهِ الۡکُبۡرٰی ﴿۱۸﴾ — اس نے اپنے رب کے بڑے بڑے نشانات دیکھے ۱۔

اَفَرَءَیۡتُمُ اللّٰتَ وَ الۡعُزّٰی ﴿۱۹﴾ — تو کیا تم نے لات اور عزیٰ کو دیکھا۔

وَ مَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الۡاُخۡرٰی ﴿۲۰﴾ — اور منات تیسرے اور کو۔

اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَ لَهُ الۡاُنۡثٰی ﴿۲۱﴾ — کیا تمھارے لیے لڑکے ہیں اور اس کے لیے لڑکیاں۔

تِلۡکَ اِذًا قِسۡمَةٌ ضِیۡزٰی ﴿۲۲﴾ — یہ تقسیم تو بہت بے انصافی کی ہے ۲۔

اِنۡ هِیَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّیۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ
وَ اٰبَآؤُکُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ
سُلۡطٰنٍ ؕ اِنۡ یَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ مَا
تَهۡوَی الۡاَنۡفُسُ ۚ وَ لَقَدۡ جَآءَهُمۡ مِّنۡ

یہ صرف نام ہیں جو تم نے اور تمھارے باپ داداؤں نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نہیں اتاری۔ یہ لوگ صرف ظن کی پیروی کرتے ہیں اور اس کی جو ان کے نفس چاہتے ہیں اور ان کے پاس ان کے

نہیں۔ بلکہ اس سے مراد ایک خاص مقام ہے جس سے آگے کسی انسان کا علم ترقی نہیں کر سکتا۔ جیسا ابن اثیر نے لکھا ہے کہ سدرۃ المنتہی جنت کی انتہائی حد پر ہے جس پر اولین اور آخرین کا علم منتہی ہو جاتا ہے تو بتانا یہ مقصود ہے کہ آپ کا علم بھی اس کمال کو پہنچا جس سے آگے ترقی ممکن نہیں۔ جیسا کہ فاستویٰ میں بتایا تھا کہ آپ کے کمالات عملی انتہائے علو کو پہنچے اور آپ کا علم ایسا کامل ہوا کہ تا قیامت اب کوئی ترقی علمی اس کو باطل نہیں کر سکتی۔

نمبر۱۔ ان آیات سے مراد وہ عجائبات ہیں جو معراج میں آپ کو دکھائے گئے جن میں نہ صرف آپ کے کمالات ہی ظاہر کیے گئے بلکہ آپ کی اور آپ کے دین کی کامیابیوں کی بھی بشارت دی گئی۔

نمبر۲۔ واقدی کی ایک روایت کی بنا پر کہا جاتا ہے کہ جب نبی صلعم اس سورت کو پڑھتے ہوئے اس آیت پر پہنچے تو آپ نے بجائے اَلَکُمُ الذَّکَرُ وَلَهُ الۡاُنۡثٰی۔ تِلۡکَ اِذًا قِسۡمَةٌ ضِیۡزٰی۔ کے یہ الفاظ پڑھ دیئے۔ تلک الغرانیق العلیٰ وان شفاعتھن لترتجی یعنی یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں اور ان کی شفاعت کی امید رکھی جاتی ہے۔ ایسی خرافات اور قرآن جیسا پُر حکمت کلام۔ اس سورت کے متعلق یہ مسلّم امر ہے کہ علی الاعلان کفار میں پڑھی گئی اور ابن مسعودؓ کی ایک روایت میں ہے کہ یہ پہلی سورت ہے جو نبی کریم صلعم نے علی الاعلان کفار کو سنائی اور یہ پہلی سورت تھی جس پر سجدہ نازل ہوا اور سجدہ کے موقعہ پر نبی کریم صلعم نے سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ ہی سب سامعین نے بھی جن میں مشرک بھی تھے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس خیال کو تو سورت کا لفظ لفظ دھکے دے رہا ہے۔ اگر بالفرض وہ آیتیں چھوڑ کر ان کی بجائے یہ لفظ رکھے بھی جائیں تو اگلی تمام آیات پھر اس خیال کی کھلی کھلی تردید کر رہی ہیں کیونکہ آیت ۲۳ میں صاف طور پر ان بتوں کو نام قرار دیا ہے جن کے نیچے کچھ حقیقت نہیں اور اس سے بھی آگے چل کر آیت ۲۶ میں فرشتوں کی شفاعت کو بھی اذنِ الٰہی سے مشروط کیا ہے۔ بتوں کی شفاعت کا اقرار یہاں کس طرح موزون ہو سکتا تھا اور آیت ۲۷ و ۲۸ میں پھر وہی مضمون ہے جس کی طرف اشارہ الکم الذکر ولہ الانثیٰ میں ہے پھر اس سے آگے ساری سورت کو پڑھ جاؤ جن کفار کو یہ کہہ دیا کہ تمھارے بت بھی واقعی خدا کے ہاں سفارشی ہیں کیا انھیں ایسے الفاظ میں مخاطب کیا جا سکتا تھا۔ ذٰلک مبلغہم

رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿۲۳﴾	رب کی طرف سے ہدایت آچکی ہے۔
اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ﴿۲۴﴾	کیا انسان کو وہ مل جاتا ہے جس کی وہ آرزو کرتا ہے۔
فَلِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَ الْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾	تو آخرت اور پہلی زندگی اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔
وَ كَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِى السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِىْ	اور کتنے فرشتے آسمانوں میں ہیں جن کی سفارش کچھ
شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اَنْ	کام نہیں دیتی ، مگر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے
يَّاْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَرْضٰى ﴿۲۶﴾	اور پسند کرے اجازت دے۔
اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ	وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ، وہ
لَيُسَمُّوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ تَسْمِيَةَ الْاُنْثٰى ﴿۲۷﴾	فرشتوں کے نام عورتوں کے رکھتے ہیں۔
وَ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ	اور انھیں اس کا کچھ علم نہیں ، وہ صرف ظن
اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِىْ مِنَ	کی پیروی کرتے ہیں اور ظن حق کے مقابل کچھ
الْحَقِّ شَيْـًٔا ﴿۲۸﴾	کام نہیں دیتا۔
فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى ۙ عَنْ ذِكْرِنَا	سو اس سے منہ پھیر لے جو ہمارے ذکر سے پھر جاتا
وَ لَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۲۹﴾	ہے اور سوائے دنیا کی زندگی کے اور کچھ نہیں چاہتا۔
ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ	ان کے علم کا منتہا یہی ہے ، تیرا رب اسے خوب
هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۙ	جانتا ہے جو اس کے رستے سے گمراہ ہے اور وہ
وَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اهْتَدٰى ﴿۳۰﴾	اسے خوب جانتا ہے جو ہدایت پر ہے۔
وَ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِى الْاَرْضِ ۙ	اور اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ
لِيَجْزِىَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا	زمین میں ہے تاکہ وہ اُن لوگوں کو جو برا کرتے ہیں ان کے عمل
وَ يَجْزِىَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾	کا بدلہ دے اور انھیں جو نیکی کرتے ہیں اچھا بدلہ دے۔

من العلم ۳- لیجزی الذین اساؤا بما عملوا ویجزی الذین احسنوا بالحسنیٰ ۳۱- افرءیت الذی تولی ۳۴ الا تزر وازرۃ وزر اخری - وان لیس للانسان الا ما سعیٰ ۳۹- پھر اس سے آگے مختلف قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہے - اگر بتوں کی شفاعت تسلیم کرلی تھی تو پھر باقی اختلاف کس بات پر تھا جس پر اس قدر تہدید کفار سے کی جاتی جو اس سورت میں موجود ہے یہاں تک کہ آخر میں ان کو سنا دیا کہ ان کی ہلاکت کی گھڑی سر پر آپہنچی ہے - واقدی نے بہتیری موضوع حدیثوں کو لکھ مارا ہے اور محدثین اس کی سند کو کچھ بھی وقعت نہیں دیتے۔

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ كَبٰٓىِٕرَ الْاِثْمِ	وہ جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے
وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ	ہیں سوائے اس کے کہ خیال دل میں گزرے تیرا رب
وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ ؕ هُوَ اَعْلَمُ بِكُمْ اِذْ	وسیع مغفرت والا ہے وہ تمھیں خوب جانتا ہے جب
اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اِذْ اَنْتُمْ اَجِنَّةٌ	تمھیں زمین سے پیدا کرتا ہے اور جب تم اپنی ماؤں کے
فِیْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ ۚ فَلَا تُزَكُّوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ	پیٹوں میں بچے ہوتے ہو۔ سو اپنے نفسوں کو پاک نہ ٹھیراؤ[1]
هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى ۝۳۲	وہ اسے خوب جانتا ہے جو تقوے اختیار کرتا ہے۔
اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ تَوَلّٰى ۝۳۳	کیا تو نے اُسے دیکھا جو پھر گیا۔
وَ اَعْطٰى قَلِیْلًا وَّ اَكْدٰى ۝۳۴	اور تھوڑا سا دیا پھر رُک گیا[2]۔
اَعِنْدَهٗ عِلْمُ الْغَیْبِ فَهُوَ یَرٰى ۝۳۵	کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ دیکھتا ہے۔
اَمْ لَمْ یُنَبَّاْ بِمَا فِیْ صُحُفِ مُوْسٰى ۝۳۶	کیا اسے اس کی خبر نہیں ملی، جو موسیٰ کے صحیفوں میں ہے۔
وَ اِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤى ۝۳۷	اور ابراہیم کے جس نے وفا دکھلائی۔
اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۝۳۸	کہ کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھاتا۔
وَ اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝۳۹	اور کہ انسان کے لیے کچھ نہیں، مگر وہی جو وہ کوشش کرتا ہے[3]۔

نمبر ۱۔ مطلب یہ ہے کہ انسان کو تزکیہ نفس کے لیے سخت جد و جہد کی ضرورت ہے ہر ایک گناہ سے اور فاحشہ سے بچنے کی ضرورت ہے ہاں اگر کوئی خیال دل میں گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی وسیع مغفرت سے کام لیتا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان بُرے خیالات کو دل میں لا سکتا ہے بلکہ اس کے مد نظر تو یہی بات ہونی چاہیئے کہ ہر ایک گناہ سے اور ہر ایک بد خیال سے بچے۔ ہاں اگر کمزوری سے کبھی کوئی خیال دل میں گزر جائے تو اللہ تعالیٰ اس پر گرفت نہیں فرماتا اور لمم سے مراد یہاں خیال بد کا دل میں آنا ہی ہے کیونکہ اہل لغت کا اس پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد ایسی مقاربت گناہ ہے جس میں فعل انسان سے کوئی سرزد نہیں ہوا۔ پھر اس کے ساتھ ہی تزکیہ کے لیے ایک اور اصول بتایا اور وہ یہ ہے کہ انسان اپنے قصور اور عاجزی کا معترف رہے۔ جو لوگ اپنے آپ کو پاک سمجھ لیتے ہیں وہ گناہ سے بچنے کی کوشش ترک کر دیتے ہیں اور بدی کے مقابلہ کی کوشش کا چھوڑ دینا آخر انسان کو بدی کے سامنے عاجز اور کمزور کر دیتا ہے۔ یوں کمزوری کا اعتراف اصل میں قوت کا موجب ہے۔ اگلے رکوع میں اس سعی کے مضمون کو ہی جاری رکھا ہے۔ انشاکم من الارض سے یہ بھی ظاہر ہے کہ سارے انسان زمین سے ہی پیدا کیے جاتے ہیں۔

نمبر ۲۔ تھوڑا دینے سے مراد یہاں تھوڑی فرمانبرداری کرنا ہی ہے۔

نمبر ۳۔ یہ وہ زرین اصول ہے جس میں نہ صرف مذہب کا بلکہ دنیا کے کاروبار کا دار و مدار ہے۔ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے لیے آخرت میں کوئی نتیجہ پیدا ہو وہ یہاں کوشش کرے۔ ہاں جو چیزیں اللہ تعالیٰ کے فضل و رحم سے مل جاتی ہیں وہ بھی اس کی بعض صفات کا تقاضا ہے مثلاً انسان کے لیے ہوا پیدا کر دی گئی پانی پیدا کر دیا گیا مگر ان ہواؤں اور پانیوں سے اب جس قدر انسان اپنی سعی اور جد و جہد سے کام لیتا ہے اسی قدر فائدہ اٹھاتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اور اپنی رحمانیت سے ہمارے لیے قرآن بھیج دیا۔ لیکن اس سامان سے جس قدر ہم اپنی سعی اور جد و جہد سے فائدہ

وَ اَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ﴿۴۰﴾	اور کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی ۔
ثُمَّ يُجْزٰىهُ الْجَزَآءَ الْاَوْفٰى ﴿۴۱﴾	پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔
وَ اَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ﴿۴۲﴾	اور کہ انجام تیرے رب کی طرف ہی ہے۔
وَ اَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَ اَبْكٰى ﴿۴۳﴾	اور کہ وہی ہنساتا اور رُلاتا ہے ۔
وَ اَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَ اَحْيَا ﴿۴۴﴾	اور کہ وہی مارتا اور زندہ کرتا ہے۔
وَ اَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰى ﴿۴۵﴾	اور کہ وہی دو جوڑے پیدا کرتا ہے ، نر اور مادہ ۔
مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى ﴿۴۶﴾	نطفہ سے جب وہ ڈالا جاتا ہے۔
وَ اَنَّ عَلَيْهِ النَّشْاَةَ الْاُخْرٰى ﴿۴۷﴾	اور کہ اسی پر دوسرا اٹھانا ہے۔
وَ اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى ﴿۴۸﴾	اور کہ وہی دولت دیتا اور وہی پونجی دیتا ہے۔
وَ اَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾	اور کہ وہی شعریٰ کا رب ہے [1]۔
وَ اَنَّهٗ اَهْلَكَ عَادَا ۨالْاُوْلٰى ﴿۵۰﴾	اور کہ اسی نے عاد اوّل کو ہلاک کیا۔
وَ ثَمُوْدَاۡ فَمَآ اَبْقٰى ﴿۵۱﴾	اور ثمود کو، سو (انھیں) باقی نہ چھوڑا۔
وَ قَوْمَ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلُ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا	اور نوحؑ کی قوم کو اس سے پہلے (ہلاک کیا) کیونکہ وہ

اٹھانے کی کوشش کریں اسی قدر فائدہ اٹھا سکتے ہیں افسوس ہے کہ آج مسلمان اس اصول سے بالکل غافل ہیں اور سعی اور جد وجہد کا اصول نہ دنیا میں برتتے ہیں نہ دین میں۔ یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا جب انسان کے اعمال اس کی موت کے ساتھ منقطع ہوجاتے ہیں تو پھر دوسرے اعمال کا بھی اس کو کوئی فائدہ ملتا ہے ؟ ہم میت کے لیے نماز جنازہ پڑھتے ہیں تو یہ ایک دعا ہے۔ ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے دریافت کیا کہ میری ماں یکا یک فوت ہوگئی اور میرا خیال ہے کہ اگر وہ بات کرتی تو صدقہ کرتی تو کیا اگر میں اس کی طرف سے صدقہ کروں تو اسے اجر ملے گا۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ اور مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے۔ سوائے تین باتوں کے۔ ایک ولد صالح جو اس کے لیے دعا کرتا ہے۔ ایک صدقہ جاریہ جو اس کے بعد چلتا ہے۔ ایک علم جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور یہ باتیں فی الحقیقت اس کے اعمال ہی میں داخل ہیں تو ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دوسرے کے عمل سے بھی انسان کچھ نفع اٹھا لیتا ہے مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جیسا کہ یہ حدیثیں صاف بتاتی ہیں یہ ایسے تعلق شدید کی صورت ہے کہ گویا عمل کرنے والا انسان اس دوسرے کا قائم مقام ہوجاتا ہے اور ایسے امور میں ہمیں یہ حق حاصل نہیں کہ جو امر شریعت سے معلوم ہوتا ہے اسے اس قدر وسیع کریں کہ قیاس کرتے کرتے ایک نیا اصول قائم کرلیں۔ اسی لیے وہ لوگ جو اُجرت دیکر قبروں پر کسی میت کی خاطر قرآن پڑھواتے ہیں ایسا طریق اختیار کرتے ہیں جو خلاف شریعت ہے۔

نمبر ۱۔ شعریٰ ایک ستارہ کا نام ہے اس کی تخصیص اس لیے کی ہے کہ ان کی ایک قوم اس کی عبادت کرتی تھی۔

هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْغَىٰ ﴿۵۲﴾	بڑے ظالم اور بڑے سرکش تھے۔
وَالْمُؤْتَفِكَةَ أَهْوَىٰ ﴿۵۳﴾	اور تباہ شدہ بستیوں کو دے مارا۔
فَغَشَّاهَا مَا غَشَّىٰ ﴿۵۴﴾	سو انھیں وہ ڈھانک لیا جس چیز نے ڈھانک لیا۔
فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارَىٰ ﴿۵۵﴾	سو تو اپنے رب کی کن نعمتوں پر جھگڑتا ہے۔
هَٰذَا نَذِيرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْأُولَىٰ ﴿۵۶﴾	یہ اگلے ڈرانے والوں میں سے ڈرانے والا ہے۔
أَزِفَتِ الْآزِفَةُ ﴿۵۷﴾	آنے والی گھڑی آپہنچی۔
لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ﴿۵۸﴾	اللہ کے سوائے اسے کوئی دُور کرنے والا نہیں۔
أَفَمِنْ هَٰذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ﴿۵۹﴾	تو کیا تم اس بات سے تعجب کرتے ہو۔
وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴿۶۰﴾	اور ہنستے ہو اور روتے نہیں۔
وَأَنتُمْ سَامِدُونَ ﴿۶۱﴾	اور تم غافل ہو۔
فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ۩ ﴿۶۲﴾ (السجدة)	سو اللہ کے لیے سجدہ کرو اور اس کی عبادت کرو[۱]

(آیاتها ۵۵) سُورَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّةٌ (۵۴) (رکوعاتها ۳)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔
اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانشَقَّ الْقَمَرُ ﴿۱﴾	(وعدے کی) گھڑی قریب آگئی اور چاند پھٹ گیا[۳]

نمبر۱۔ یہ پہلی سورت ہے جس میں سجدہ نازل ہوا کفار باوجود بت پرستی کے اللہ تعالیٰ کی ہستی کے قائل تھے اور بتوں کو صرف اس کی جناب میں سفارشی مانتے تھے۔ اس لیے جب آنحضرت صلعم نے فاسجدوا للہ واعبدوا پڑھ کر سجدہ کیا تو وہ بھی ساتھ ہی سجدہ میں گر گئے۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام القمر ہے اور اس میں تین رکوع اور پچپن آیتیں ہیں اس کا نام القمر معجزہ شق القمر کے ذکر سے لیا گیا ہے جس سے اس سورت کی ابتدا ہوتی ہے اور چونکہ اس سورت میں صراحت کے ساتھ مخالفین کی طاقت کے خاتمہ کا ذکر ہے جس کا جنگ کی صورت میں ظاہر ہونا بیان البزر پیشگوئی بیان کیا گیا ہے اور چونکہ چاند اہل عرب کے لیے بطور نشان تھا اس لیے شق القمر کا معجزہ اور اس سورت کا نام القمر دونوں ایک ہی حقیقت کے اظہار کے لیے اختیار کیے گئے ہیں۔ یہ سورت بھی مکی ہے اور ابتدائی زمانہ کی ہے۔

نمبر۳۔ روایات سے جس نتیجہ پر ہم پہنچتے ہیں وہ اس حد تک یقینی ہے کہ رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں انشقاق قمر دیکھا گیا یعنی چاند کا پھٹنا دیکھا گیا لیکن باقی امور میں کہ دو ٹکڑے کہاں کہاں تھے روایات میں اتفاق نہیں معجزات کی تمام تاریخ میں کوئی معجزہ ایسی زبردست شہادت سے ثابت نہیں جیسے شق القمر کا معجزہ اور یہ جو بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ انشقاق قرب قیامت میں وقوع میں آنے گا اور اس بنا پر انھوں نے اس کو پیشگوئی قرار دیا ہے یہ الفاظ اقتربت الساعۃ سے غلطی لگی ہے ساعت سے مراد یہاں قیامت کبریٰ نہیں بلکہ قریش کی یا مخالفین کی ہلاکت کی ساعت

وَ اِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَ يَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿٢﴾	اور اگر کوئی نشان دیکھیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں زبردست جادو ہے۔
وَ كَذَّبُوْا وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ وَ كُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ﴿٣﴾	اور انھوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی، اور ہر کام (اپنے وقت پر) قرار پکڑنے والا ہے ملے
وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ ﴿٤﴾	اور یقیناً انھیں وہ باتیں پہنچ چکی ہیں جن میں تنبیہ ہے۔
حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ ﴿٥﴾	کامل دانائی (کی باتیں) مگر ڈرانا کسی کام نہ آیا۔
فَتَوَلَّ عَنْهُمْ ۘ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلٰى شَيْءٍ نُّكُرٍ ﴿٦﴾	سو اُن کی پروا نہ کر، جس دن بلانے والا ایک سخت چیز کی طرف بلائے گا۔
خُشَّعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ﴿٧﴾	ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہونگی قبروں سے نکل پڑیں گے، گویا کہ وہ بکھری ہوئی ٹڈیاں ہیں۔

ہے بل الساعۃ موعدھم (۴۶) میں اسی ساعت کا ذکر ہے اور رسول اللہ صلعم کا اسے بدر کے دن پڑھنا جو بخاری سے ثابت ہے صاف بتاتا ہے کہ اسی ساعت کا بیان ذکر ہے۔

رہا یہ کہ انشقاق قمر خلاف قانون قدرت ہے تو یہ اعتراض اس قدر زبردست شہادت کے ہوتے ہوئے قابل توجہ نہیں کسی قانون قدرت نے کوئی فیصلہ قطعی نہیں دیدیا کہ ان اجرام سماوی میں کوئی تغیرات یا بڑے بڑے انقلاب نمودار نہیں ہوتے رہتے بلکہ قانون قدرت کی شہادت تو اس کے خلاف ہے آخر زمین پر جو یہ اتنے بڑے بڑے پہاڑ بنے تو کیا یہ بغیر کسی انقلاب عظیم کے ہی بن گئے تھے اور خود سورج میں بڑے بڑے انقلاب آتے رہتے ہیں اور بعض وقت بڑے بڑے داغ نمودار ہوتے ہیں جنھیں ظاہر آنکھ بھی دیکھ سکتی ہے تو یہ کونسی بعید بات ہے کہ کوئی عظیم انقلاب چاند کے اندر نمودار ہوا جس نے انشقاق کی کیفیت اس کے اندر پیدا کر دی اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کی قوت اعجازی کے اظہار کے لیے یہ تغیر عظیم ان لوگوں کو بھی دکھا دیا جو آپ سے نشان مانگتے تھے۔ انبیاء علیہم السلام کی قوت کشفی بعض وقت اس قدر زبردست ہوتی ہے کہ دور کی چیزیں انھیں پاس نظر آتی ہیں اور اسی قوت کشفی کا اثر بعض وقت دوسرے لوگوں پر بھی اعجازاً ڈال دیا جاتا ہے کہ وہ بھی اس نظارہ میں شریک ہو جائیں۔

صرف سوال یہ رہ جاتا ہے کہ دو ٹکڑے الگ الگ دیکھنے بیان کیے گئے ہیں۔ سو یہ سب روایات میں نہیں بعض روایات میں ہے اور ان میں باہم اختلاف ہے اور یہ بھی قرین قیاس معلوم ہوتا ہے کہ اس انشقاق کے وقت چاند کو گرہن بھی لگا تھا جیسا کہ ایک روایت میں صاف الفاظ بھی ہیں اور شاید یہی وجہ ہو کہ بعض بزرگوں نے انشقاق کو خاص قسم کا خسوف ہی قرار دیا ہے غالباً وہ گرہن نصف چاند کا تھا یعنی نصف تاریک ہو گیا اور نصف روشن رہا اور شاید یہی وجہ ہو کہ دو ٹکڑوں کا ذکر الگ الگ بعض روایات میں آتا ہے۔

نمبر ا۔ مستقر یعنی قرار پکڑنے والا استقر سے جس کے معنی ہیں ایک چیز نے قرار پکڑ لیا اور مضبوط ہو گئی اور کل امر سے مراد ہر امر ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو کیونکہ پہلے ایک امر اللہ کی تکذیب کا ذکر ہے تو قانون کو عام کر کے بتایا ہے کہ ہر امر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو ضرور ہے کہ وہ قائم اور ثابت ہو کر رہے۔

مُّهْطِعِيْنَ اِلَى الدَّاعِ ؕ يَقُوْلُ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ۝۸

پکارنے والے کی طرف دوڑے جاتے ہونگے۔ کافر کہیں گے یہ تنگی کا دن ہے [1]۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ فَكَذَّبُوْا عَبْدَنَا وَقَالُوْا مَجْنُوْنٌ وَّازْدُجِرَ ۝۹

ان سے پہلے نوحؑ کی قوم نے جھٹلایا، سو انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا دیوانہ ہے اور (اسے) ڈانٹا گیا۔

فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّىْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۝۱۰

سو اس نے اپنے رب کو پکارا کہ میں مغلوب ہوں تو میری مدد فرما۔

فَفَتَحْنَاۤ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝۱۱

پس ہم نے بادل کے دروازے زور سے برستے ہوئے پانی سے کھول دیئے۔

وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا فَالْتَقَى الْمَآءُ عَلٰۤى اَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝۱۲

اور زمین میں چشمے بہا دیئے تو پانی ایک کام کے لیے جمع ہوگیا جس کا اندازہ ہو چکا تھا [2]۔

وَحَمَلْنٰهُ عَلٰى ذَاتِ اَلْوَاحٍ وَّدُسُرٍ ۝۱۳

اور ہم نے اسے تختوں اور میخوں والی (کشتی) پر سوار کر دیا۔

تَجْرِىْ بِاَعْيُنِنَا ۚ جَزَآءً لِّمَنْ كَانَ كُفِرَ ۝۱۴

اور وہ ہمارے سامنے چلتی تھی۔ یہ اس شخص کو بدلہ دیا گیا جس کا انکار کیا گیا۔

وَلَقَدْ تَّرَكْنٰهَاۤ اٰيَةً فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝۱۵

اور ہم نے اسے نشان کے طور پر چھوڑا تو کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ۝۱۶

سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝۱۷

اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کیا ہے۔ تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ۝۱۸

عاد نے جھٹلایا۔ تو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔

نمبر۱۔ بلاشبہ یہ لفظ قیامت پر بھی صادق آسکتے ہیں لیکن جس چیز کی طرف یہاں توجہ دلائی گئی ہے وہ وہی ساعت وسطیٰ ہے یعنی مکہ کی ہلاکت کا وقت نہ قیامت کبریٰ، اسی سے اعدائے حق کو بار بار ڈرایا جاتا تھا اور اسی لیے جو مثالیں پیش کی گئی ہیں وہ یہی قوموں کی ہلاکت کی ہیں۔ جیسے آگے نوحؑ کی قوم کا اور اس کے بعد عاد و ثمود کا ذکر آتا ہے اور داعی پیغمبر صلعم ہی ہیں اور شئ نکر کی طرف آپؐ کا بلانا یہی تھا کہ ان لوگوں کو جو آپ کو دنیا سے نابود کرنے کے درپے تھے آخر آپ کی اطاعت اختیار کرنی پڑی اور اجداث سے مراد مجازاً ان کے گھر ہیں جو بوجہ فقدان روحانی زندگی قبروں سے مشابہ ہیں۔

نمبر۲۔ فالتقی الماء۔ یہاں مفسرین نے ماء کی جگہ ماءین یعنی دو پانی لیے ہیں یعنی ایک اوپر سے بادل سے پانی برستا ہے اور دوسرا نیچے سے زمین سے پھوٹتا تھا۔ اور یہ دونوں پانی جمع ہوگئے۔ بالفاظ دیگر پانی اوپر تک چڑھ گیا کہ بادلوں کو جا ملا۔ مگر یہاں صرف ماء ہے اور دو پانیوں کا ذکر نہیں اور پانی کے التقاء سے مراد پانیوں کا اکٹھا ہونا ہے اور امر قدر میں اشارہ ہے قوم نوحؑ کی ہلاکت کی طرف اور ایک قوم کی ہلاکت کے لیے بادلوں تک پانی پہنچنے کی ضرورت بھی نہیں۔

اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمۡ رِيۡحًا صَرۡصَرًا	ہم نے ان پر ایک آندھی ایک سخت نحوست والے
فِىۡ يَوۡمِ نَحۡسٍ مُّسۡتَمِرٍّ ۱۹	دن میں چلائی ۔
تَنۡزِعُ النَّاسَ ۙ كَاَنَّهُمۡ اَعۡجَازُ	وہ لوگوں کو یوں اکھاڑ پھینکتی تھی گویا کہ وہ اکھڑی ہوئی
نَخۡلٍ مُّنۡقَعِرٍ ۲۰	کھجوروں کے تنے ہیں ۔
فَكَيۡفَ كَانَ عَذَابِىۡ وَنُذُرِ ۲۱	سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا ۔
وَلَقَدۡ يَسَّرۡنَا الۡقُرۡاٰنَ لِلذِّكۡرِ	اور یقیناً ہم نے نصیحت کے لیے قرآن کو آسان کر دیا ، تو کیا
ع فَهَلۡ مِنۡ مُّدَّكِرٍ ۲۲	کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے ۔
كَذَّبَتۡ ثَمُوۡدُ بِالنُّذُرِ ۲۳	ثمود نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا ۔
فَقَالُوۡۤا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗۤ ۙ	سو انھوں نے کہا کیا ہم اپنے میں سے ہی ایک انسان کی پیروی کریں
اِنَّاۤ اِذًا لَّفِىۡ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ۲۴	تو اس صورت میں ہم گمراہی اور دکھ میں ہونگے ۔
ءَاُلۡقِىَ الذِّكۡرُ عَلَيۡهِ مِنۡۢ بَيۡنِنَا	کیا ہمارے درمیان میں سے اسی پر نصیحت اتری ہے بلکہ وہ
بَلۡ هُوَ كَذَّابٌ اَشِرٌ ۲۵	جھوٹا خود پسند ہے ۔
سَيَعۡلَمُوۡنَ غَدًا مَّنِ الۡكَذَّابُ الۡاَشِرُ ۲۶	کل کو جان لیں گے کہ کون جھوٹا خود پسند ہے ۔
اِنَّا مُرۡسِلُوا النَّاقَةِ فِتۡنَةً لَّهُمۡ	ہم اونٹنی کو ان کی آزمائش کے طور پر بھیجنے والے ہیں سو
فَارۡتَقِبۡهُمۡ وَاصۡطَبِرۡ ۲۷	انھیں دیکھتا رہ اور صبر کر ۔
وَنَبِّئۡهُمۡ اَنَّ الۡمَآءَ قِسۡمَةٌ ۢ بَيۡنَهُمۡ ۚ	اور انھیں خبر دے کہ پانی ان کے درمیان تقسیم ہوا ہوا ہے
كُلُّ شِرۡبٍ مُّحۡتَضَرٌ ۲۸	ہر پینے کی باری پر حاضری ہو گی [1] ۔
فَنَادَوۡا صَاحِبَهُمۡ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ۲۹	پس انھوں نے اپنے ساتھی کو پکارا سو اس نے ہاتھ بڑھایا اور (اسے) مار دیا ۔

[1] نمبرا ۔ اَنَّ الۡمَآءَ قِسۡمَةٌ بَيۡنَهُمۡ کے معنی یوں لیے گئے ہیں کہ پانی ان کے اور اونٹنی کے درمیان تقسیم کر دیا گیا ہے اور پھر اس سے یہ قصہ بنایا گیا ہے کہ ایک دن اونٹنی سارا پانی پی جاتی تھی اور لوگوں کو اس دن پانی نہ ملتا تھا ۔ حالانکہ یہ ذکر نہ قرآن میں ہے اور نہ حدیث میں اور پھر یہاں پانی کی تقسیم ان میں آپس کے اندر ہے مطلب تو صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت صالح کی اونٹنی کو چراگاہ اور پانی سے نہ روکا جائے ۔ چراگاہ کے متعلق دوسری جگہ ذکر ہے فذروھا تاکل فی الارض (ھود ۔ ۶۴) اور یہاں پانی کے متعلق فرمایا کہ پانی تم میں تقسیم شدہ ہے ۔ اس لیے کہ علاقہ پہاڑی تھا اور جب کافی بارشیں نہ ہوں تو ایسے علاقوں میں پانی کی تکلیف ہو جاتی ہے تو مطلب یہ تھا کہ تم نے تو آپس میں پانی کے حصے کیے ہوئے ہیں لیکن اس وجہ پر صالح کی اونٹنی کو پانی سے نہ روکا جائے گا ۔ خواہ باری ایک فریق کی ہو یا دوسرے کی ۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِىْ وَنُذُرِ ۝۳۰	تو میرا عذاب اور میرا ڈرانا کیسا تھا۔
اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً	ہم نے ان پر ایک ہی آواز بھیجی، سو وہ باڑ لگانے والے کی
فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ۝۳۱	روندی ہوئی باڑ کی طرح چورا ہو گئے ؎۱
وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ	اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کیا ہے تو کیا
فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝۳۲	کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔
كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطٍۭ بِالنُّذُرِ ۝۳۳	لوطؑ کی قوم نے ڈرانے والوں کو جھٹلایا۔
اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا اِلَّآ اٰلَ	ہم نے ان پر پتھر برسائے، سوائے لوطؑ کے لوگوں کے۔
لُوْطٍ ؕ نَجَّيْنٰهُمْ بِسَحَرٍ ۝۳۴	انھیں ہم نے صبح کے وقت بچا لیا۔
نِّعْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِىْ	(یہ) ہماری طرف سے نعمت (تھی) اسی طرح ہم اسے بدلہ
مَنْ شَكَرَ ۝۳۵	دیتے ہیں جو شکر کرتا ہے۔
وَلَقَدْ اَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا فَتَمَارَوْا	اور اس نے انھیں ہماری گرفت سے ڈرایا تھا، پر انھوں نے
بِالنُّذُرِ ۝۳۶	ڈرانے میں جھگڑا کیا۔
وَلَقَدْ رَاوَدُوْهُ عَنْ ضَيْفِهٖ فَطَمَسْنَآ	اور انھوں نے اس کے مہمانوں کو لے جانا چاہا، پس ہم نے ان
اَعْيُنَهُمْ فَذُوْقُوْا عَذَابِىْ وَنُذُرِ ۝۳۷	کی آنکھیں بند کر دیں سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا چکھو۔
وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ ۝۳۸	اور ایک قائم رہنے والے عذاب نے انھیں صبح کے وقت آ لیا۔
فَذُوْقُوْا عَذَابِىْ وَنُذُرِ ۝۳۹	سو میرا عذاب اور میرا ڈرانا چکھو۔
وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ	اور یقیناً ہم نے قرآن کو نصیحت کے لیے آسان کیا ہے تو کیا
ع فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝۴۰	کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔
وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ۝۴۱	اور فرعون کے لوگوں کے پاس بھی ڈرانے والے آئے۔
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كُلِّهَا فَاَخَذْنٰهُمْ	انھوں نے ہمارے سب نشانوں کو جھٹلایا، سو ہم نے انھیں

نمبر۱۔ ھشیم المحتظر سے مراد یہی ہو سکتی ہے کہ باڑ لگانے والا جب خشک ٹہنیوں وغیرہ کو اکٹھا کر کے باڑ لگاتا ہے تو پتے وغیرہ گر کر چورا ہو جاتے ہیں اور ان سے مثال دینے میں یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ان کی کچھ قدر و قیمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ تھی۔

اَخۡذَ عَزِيۡزٍ مُّقۡتَدِرٍ ﴿۴۲﴾
(السیاہی) پکڑا (جیسا) غالب قدرت والے کا پکڑنا (ہوتا ہے)

اَكُفَّارُكُمۡ خَيۡرٌ مِّنۡ اُولٰٓئِكُمۡ اَمۡ لَكُمۡ بَرَآءَةٌ فِى الزُّبُرِ ﴿۴۳﴾
کیا تمہارے کافر ان سے بہتر ہیں یا تمہارے لیے صحیفوں میں بریت (لکھی ہوئی) ہے۔

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ نَحۡنُ جَمِيۡعٌ مُّنۡتَصِرٌ ﴿۴۴﴾
کیا کہتے ہیں کہ ہم ایک جمعیت ایک دوسرے کی مدد کرنے والے ہیں[1]

سَيُهۡزَمُ الۡجَمۡعُ وَيُوَلُّوۡنَ الدُّبُرَ ﴿۴۵﴾
(یہ) جمعیت شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر دیں گے۔

بَلِ السَّاعَةُ مَوۡعِدُهُمۡ وَالسَّاعَةُ اَدۡهٰى وَاَمَرُّ ﴿۴۶﴾
بلکہ (موعودہ) گھڑی ان کا وقت مقرر ہے اور وہ گھڑی بہت مصیبت والی اور بہت تلخ ہے۔

اِنَّ الۡمُجۡرِمِيۡنَ فِىۡ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ ﴿۴۷﴾
بیشک مجرم گمراہی اور دکھ میں ہیں۔

يَوۡمَ يُسۡحَبُوۡنَ فِى النَّارِ عَلٰى وُجُوۡهِهِمۡ ؕ ذُوۡقُوۡا مَسَّ سَقَرَ ﴿۴۸﴾
جس دن آگ کے اندر اپنے مونہوں کے بل گھسیٹے جائیں گے دوزخ کا چھو جانا چکھو۔

اِنَّا كُلَّ شَىۡءٍ خَلَقۡنٰهُ بِقَدَرٍ ﴿۴۹﴾
ہم نے ہر چیز کو ایک اندازے پر پیدا کیا ہے۔

وَمَاۤ اَمۡرُنَاۤ اِلَّا وَاحِدَةٌ كَلَمۡحٍۢ بِالۡبَصَرِ ﴿۵۰﴾
اور ہمارا حکم تو ایک ہی ہے (یوں آجائے گا) جیسے آنکھ کا جھپکنا۔

نمبر۱ - بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم بدر کے دن ایک خیمہ میں تھے اور آپ دعا کر رہے تھے اللھم انشدك عهدك ووعدك اللھم ان شئت لن تعبد بعد الیوم ابدا اے اللہ میں تجھ سے چاہتا ہوں کہ اپنا عہد اور اپنا وعدہ پورا فرما۔ اے اللہ اگر تو چاہے تو آج کے دن بعد تیری عبادت کرنے والا کوئی نہ ہوگا (یعنی اگر یہ مٹھی بھر مسلمان کفار کے ہاتھ سے مارے گئے) تو حضرت ابو بکرؓ نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور عرض کیا یا رسول اللہ بس کیجئے اپنے رب سے دعا کرنے میں آپ نے حد درجہ کا زور لگایا ہے اور آپ اس وقت زرہ پہنے ہوئے تھے پس آپ نکلے اور آپ پڑھ رہے تھے سیھزم الجمع ویولون الدبر بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر۔ یعنی یہی آیات' اور عکرمہ کی ایک روایت میں ہے کہ جب سیھزم الجمع نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے کہا کونسی جمعیت شکست کھائے گی اور کونسی جمعیت مغلوب ہوگی تو عمرؓ کہتے ہیں جب بدر کا دن آیا تو میں نے رسول اللہ صلعم کو زرہ پہنے ہوئے دیکھا اور آپ پڑھ رہے تھے سیھزم الجمع ویولون الدبر تو اس دن اس کے معنی سمجھ آئے۔ پس آنحضرت صلعم نے خود ان الفاظ کو بدر کے متعلق قرار دیکر یہ بھی فیصلہ کر دیا کہ الساعۃ سے مراد یہاں قریش کی ساعت وسطیٰ ہے۔

اور یہ بھی ثابت ہے کہ یہ آیت مکہ میں پانچویں چھٹے سال بعثت میں نازل ہوئی جو رسول اللہ صلعم کی دعوت کا ابھی بالکل ابتدائی زمانہ تھا اور جب کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ آسکتا تھا کہ رسول اللہ صلعم کے ساتھ کبھی اتنے آدمی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ کفار کے بالمقابل جنگ میں نکلیں اور پھر کفار کی جمعیت کو جو سب ایک دوسرے کی مدد پر تلے ہوئے تھے (نحن جمیع منتصر) شکست دے سکتے ہیں۔ ایسے حالات میں جب کوئی بات بھی نہیں سنتا یہ کھلی پیشگوئی کہ مسلمانوں اور کفار میں جنگ ہوگی اور اس جنگ میں کافر شکست کھائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی اس قدرت اور غیب کا پتہ دیتی ہے اور خدا کی ہستی پر وہ ایمان پیدا کرتی ہے جس کے سامنے تمام دنیا کے علوم عاجز ہیں اور معجزات میں بھی کوئی معجزہ اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ یہ وہ حقیقت تھی جو شق القمر کے معجزہ کے نیچے تھی۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَآ اَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿٥١﴾	اور ہم تم جیسوں کو ہلاک کر چکے ہیں، تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔
وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوْهُ فِي الزُّبُرِ ﴿٥٢﴾	اور ہر ایک بات جو انھوں نے کی ہے صحیفوں کے اندر ہے۔
وَكُلُّ صَغِيْرٍ وَّكَبِيْرٍ مُّسْتَطَرٌ ﴿٥٣﴾	اور ہر ایک چھوٹی اور بڑی (بات) لکھی ہوئی ہے۔
اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ﴿٥٤﴾	متقی باغوں اور فراخی میں ہوں گے۔
فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٥٥﴾	راستی کے مقام میں، قدرت والے بادشاہ کے پاس۔

(۵۵) سُوْرَةُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِيَّةٌ ۱

اٰیاتھا ۷۸ — رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
اَلرَّحْمٰنُ ﴿١﴾	رحمٰن نے :
عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿٢﴾	قرآن سکھایا۔
خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿٣﴾	انسان کو پیدا کیا،
عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿٤﴾	اُسے بولنا سکھایا ۲۔
اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿٥﴾	سورج اور چاند حساب کے نیچے ہیں،
وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ﴿٦﴾	اور بوٹیاں اور درخت سجدے کرتے ہیں ۳۔

نمبر ۱۔ اس سورت کا نام الرحمٰن ہے اور اس میں تین رکوع اور ۷۸ آیتیں ہیں اس کا نام الرحمٰن پہلی آیت میں ہی مذکور ہے جہاں بتایا کہ قرآن کریم کا بھیجا جانا بتقاضائے صفت رحمانیت ہے۔ یہ ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

نمبر ۲۔ پہلی دو آیتوں میں قرآن کے سکھانے کا ذکر ہے اور دوسری دو میں بیان سکھانے کا اور یہ دونوں باتیں رحمان نے سکھائی ہیں یعنی اس کی صفت رحمانیت کا تقاضا ہیں اور انسان کے کسی عمل کا نتیجہ نہیں اور ابتدا قرآن سے کی گویا اسی کو سب سے بڑی نعمت قرار دیا اور اس سورت میں ذکر نعمتوں کا ہی ہے اور حق بھی یہی ہے اس لیے کہ اسی نے انسان کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی کیا کیا نعمتیں اس کے لیے ہیں اور بیان سکھانے سے جیسا کہ اس سے پہلے خلق الانسان سے ظاہر ہے مراد یہ ہے کہ اسے اظہار خیالات کرنے کا طریق سکھایا اور نطق کی بجائے بیان کا لفظ اس لیے اختیار کیا کہ نطق صرف گویائی ہے مگر بیان میں نطق تحریر اور اشارات سب آجاتے ہیں اور انسان بیان عام ہے۔

نمبر ۳۔ بڑے بڑے اجرام سماوی ایک طرف چھوٹی چھوٹی بوٹیاں اور درخت دوسری طرف سب کے سب ایک قانون میں جکڑے ہوئے ہیں اور جکڑنے والے کے وجود پر دلالت کرتے ہیں اور باایں یہ چیزیں ایک دوسرے پر اثر ڈالنے والی ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان سب کا چلانے والا ایک ہی ہے سورج اور چاند کے اثر سے چھوٹی چھوٹی بوٹیاں اور درخت نشو و نما پاتے ہیں۔ اس مخلوق میں ایک عظیم الشان ربط موجود ہے اس کی طرف توجہ دلاتی ہے

وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ۝٧	اور آسمان کو بلند کیا اور میزان کو قائم کیا ۔[1]
اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ۝٨	تاکہ تم میزان میں سرکشی نہ کرو۔
وَاَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ۝٩	اور وزن کو انصاف سے قائم کرو اور تول میں کمی نہ کرو۔
وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۝١٠	اور زمین کو مخلوق کے لیے رکھا۔
فِيهَا فَاكِهَةٌ وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۝١١	اس میں پھل ہے اور گابھوں والی کھجوریں۔
وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝١٢	اور بھُس والا دانہ اور خوشبودار پھول۔
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝١٣	تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ۔[2]
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۝١٤	اس نے انسان کو ٹھیکری جیسی سُوکھی ہُوئی مٹی سے پیدا کیا۔
وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۝١٥	اور جنوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝١٦	تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

پھر وہ خدا جو ان تمام چیزوں کو ایک قانون میں رکھ کر کمال تک پہنچاتا ہے ۔ کیا اس نے انسان کے کمال کو پہنچنے کے لیے کوئی قانون نہیں بنایا ۔ اسی کا ذکر اگلی آیات میں لفظ میزان میں ہے۔

نمبر۱۔ میزان کے معنی عدل ہیں اور یہاں بھی مجاہد سے عدل ہی معنی مروی ہیں اور یہ وہ میزان یا عدل ہے جو تمام اجرام سماوی میں قائم کیا گیا ہے ۔ کیونکہ اس کا ذکر رفع سماء کے ساتھ یہ ہے یعنی وہ قانون جس کی وجہ سے یہ تمام سلسلہ ایک نظم میں منسلک ہے چھوٹے سے چھوٹے ذرہ سے لیکر اُن بڑے سے بڑے اجرام سماوی تک جن کے سامنے یہ ساری زمین بھی ایک چھوٹے سے گیند سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ سب ایک قانون کے ماتحت چلتے ہیں تو جس طرح یہ ایک میزان ظاہری ہے اسی طرح انسان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک میزان دی ہے جس سے اس کا نظام صحیح طور پر قائم رہ سکتا ہے ۔ یہ میزان اخلاق کے لیے ہے ۔ وانزلنا معھم الکتٰب والمیزان (الحدید ۔ ۲۵) اور اسی کا ذکر اگلی آیت میں ہے گویا ظاہری میزان سے جو مخلوقات کے اندر کام کر رہی ہے اسی باطنی میزان کی طرف توجہ دلائی ہے جس پر انسان کے اخلاقی اور روحانی نظام کا مدار ہے۔

نمبر۲۔ تثنیہ کا استعمال جن وانس کے خطاب کی وجہ سے سمجھا گیا ہے اور گو اس میں شک نہیں کہ جن بھی اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے اور انسان کی طرح وہ بھی ناشکری کرنے والے ہیں اس لحاظ سے دونوں کو خطاب صحیح ہو سکتا ہے ۔ لیکن اول تو اوپر جنوں کا ذکر نہیں کہ انھیں خطاب میں شامل سمجھا جائے اور دوسرے جن نعمتوں کا یہاں ذکر کیا گیا ہے ان سب سے انسان ہی فائدہ اُٹھانے والے ہیں مثلاً پھل اور دانہ اور موتی اور کشتیاں وغیرہ اس لیے یا تو انسانوں کے دو گروہ مراد ہو سکتے ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں اکثر آتا رہتا ہے یعنی مومن اور کافر یا بڑے اور چھوٹے یا تثنیہ کا استعمال محض تاکید کے لیے ہے اور اس فقرہ کا بار بار دہرانا اس کی عظمت کے لیے ہے اور یہ اسلوب کلام ہے کہ جس بات کی بہت تاکید منظور ہو اُسے بار بار دہرایا جاتا ہے اور اس کی مثالیں عرب کے شعراء میں بکثرت موجود ہیں ۔ ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم نے اس سورت کے پڑھتے وقت صحابہ کو فرمایا کہ اس آیت کے پڑھا جانے پر بارگاہ الٰہی میں یوں عرض کریں لا بشیء من نعمك ربنا نکذب فلك الحمد ۔

رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ﴿۱۷﴾	وہ دونوں مشرقوں کا رب ہے اور دونوں مغربوں کا رب ہے[۱]
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۱۸﴾	تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ﴿۱۹﴾	اسی نے دو دریا چلائے ہیں جو باہم ملتے ہیں۔
بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ﴿۲۰﴾	ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے جس سے آگے نہیں گذر سکتے[۲]
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۱﴾	تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۲۲﴾	ان دونوں میں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۳﴾	تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ﴿۲۴﴾	اور اسی کی کشتیاں ہیں جو دریا میں پہاڑوں کی طرح اٹھی ہوئی ہیں[۳]
ع فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۵﴾	تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾	سب جو اس کے اوپر ہیں فنا ہونے والے ہیں۔
وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾	اور تیرے رب کی ذات باقی رہتی ہے جو جلال اور عزت والا ہے[۴]
فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۲۸﴾	تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

نمبر۱۔ سردی اور گرمی میں سورج کے طلوع اور غروب کے انتہائی نقطوں کو دو شرق اور دو غرب کہا ہے یا سورج اور چاند کے دو جائے طلوع اور انہی کے دو جائے غروب مراد ہیں اور بعض کے نزدیک مطلع فجر اور مطلع سورج دو مشرق ہیں۔ اور مغرب شمس اور مغرب شفق دو مغرب ہیں اور یا آج کل کی اصطلاح کے مشرق قریب اور مشرق بعید مراد لیے جائیں اور دوسری طرف پرانی دنیا ایک مغرب اور نئی دنیا دوسرا مغرب سمجھ لیا جائے تو کل روئے زمین اس تقسیم میں آجاتی ہے

نمبر۲۔ بعض نے مراد یہاں بحر ارض اور بحر سماء لیے ہیں اور بعض نے بحر فارس اور بحر روم۔ ہر لحاظ سے یہ دوسرے معنی درست ہیں ان دونوں کے درمیان ہی وہ قطعہ زمین ہے جو اقوام عالم کا اس وقت جولانگاہ بنا ہوا ہے اور ہمیشہ ہی رہا ہے اور ان دونوں سمندروں کو اب ملا بھی دیا گیا ہے اور سمندروں کا ملانا یہی ہے کہ ان دونوں میں جہازوں کا رستہ کھل جائے اور انہی دو میں جہازوں کی تگ و دو بھی سب سے زیادہ ہے جن کی طرف آیت ۲۴ اشارہ کرتی ہے۔

نمبر۳۔ پہاڑوں کی طرح اٹھی ہوئی کشتیاں وہی ہیں جو اس زمانہ میں نظر آتی ہیں اور انہی کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں نہ جیسا کہ ان کے مالک تصور کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ہی خدا سمجھنے لگ گئے ہیں اور شاید اس طرف بھی اشارہ ہو کہ آخر کار یہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ کے آگے جھکیں گے۔

نمبر۴۔ قریباً ایسے ہی الفاظ سورۂ القصص کی آخری آیت میں ہیں کل شئی ھالک الا وجھہ جس پر بحث گذر چکی ہے یہاں بھی اگر وہی معنی لیے جائیں تو سیاق کے مطابق ہیں اوپر ذکر ظاہری نعمتوں کا ہے تو یہاں بتایا ہے کہ یہ چیزیں نہ رہیں گی، باقی رہنے والے صرف وہی اعمال ہیں جن میں رضائے الٰہی مقصود

یَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ	اسی سے مانگتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں ،
كُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِیْ شَاْنٍ ﴿۲۹﴾	ہر آن وہ ایک شان میں ہے ۱؎
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۰﴾	تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ۔
سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَیُّهَ الثَّقَلٰنِ ﴿۳۱﴾	ہم تمھاری طرف جلد متوجہ ہوئے اے دونوں گروہو ۲؎
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۲﴾	تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ۔
یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ	اے جنّوں اور انسانوں کے گروہ اگر تمھیں طاقت ہے
اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ	کہ آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ ، تو نکل
وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا ؕ لَا تَنْفُذُوْنَ	جاؤ ۔ تم نہیں نکل سکتے ، مگر غلبہ کے
اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ﴿۳۳﴾	ساتھ ۳؎
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۳۴﴾	تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے ۔
یُرْسَلُ عَلَیْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ ۙ۬	تم دونوں پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑا جائے گا
وَّ نُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ﴿۳۵﴾	تو تم اپنے آپ کو بچا نہ سکو گے ۴؎

ہو پس تم اس نعمت کا انکار کیوں کرتے ہو اور دوسرے معنی وہ ہیں جو ترجمہ میں اختیار کیے گئے ہیں یعنی ہر چیز ہر آن ایک تغیر کے ماتحت ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات تغیر سے پاک ہے گویا خالق اور مخلوق میں یہ فرق ہے کہ خالق کی ذات میں کوئی تغیر نہیں اور مخلوق کوئی بھی اور کسی وقت بھی تغیر سے پاک نہیں۔ پس تم مخلوق کی رضامت چاہو اور اتنی بڑی نعمت کو جو رضائے الٰہی ہے نہ چھوڑو۔

نمبر۱۔ ان کے سوال مراد اُن کا محتاج ہونا ہے اور اس احتیاج کا اکثر اظہار حالت سے ہی ہوتا ہے اور کل یوم ھو فی شان کے متعلق ابن ماجہ میں ہے من شانہ ان یغفر ذنبًا ویفرج کربًا ویرفع قومًا ویضع آخرین اس کی شان سے یہ ہے کہ گناہ کو معاف کرے مصیبت کو دور کرے اور کسی قوم کو بلند کرے اور کسی کو ذلیل کرے اور ایک روایت میں یہ لفظ ساتھ فرمائے ہیں ویجیب داعیًا دعا کرنے والے کی دعا کو قبول کرے اور فی الحقیقت ہر ایک کی احتیاج کو پورا کرنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے اور یہی اس کی شان ہے۔

نمبر۲۔ یہاں متوجہ ہونے سے مراد سزا دینے کے لیے متوجہ ہونا ہے اور معمولی معنی لیکر بھی مراد وہی ہوگی یعنی سخت سزا دینا کیونکہ کسی چیز کے لیے فارغ ہونا اکثر تہدید کے موقع پر بولا جاتا ہے گویا اس کی خاطر اور سب کاموں کو چھوڑ دیا اور ابن عصیہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسے عذاب دنیا کا وعدہ قرار دیتے ہیں۔

نمبر۳۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سزا سے بچنے کی کوئی راہ نہیں بغیر غلبہ کے اس سے بچ نہیں سکتے اور غلبہ انھیں مل نہیں سکتا۔

نمبر۴۔ یہ سزا ضحاک کے قول میں دنیا میں ہے اور ابن ابی شعیب نے ان سے اسی آیت کی تفسیر میں یہ روایت کی ہے کہ مغرب کی طرف سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو اکٹھا کر دیگی اور بحر میں ہے کہ مراد اس سے جنّوں اور انسانوں کا عاجز آجانا ہے گویا یوں فرمایا کہ تمھاری حالت اس شخص کی سی ہوگی جس پر شعلے اور دھواں بھیجا جائے پس اسے اس سے بچنے کی طاقت نہ ہو۔ اور ضحاک کی روایت اس جنگ عظیم پر خوب چسپاں ہوتی ہے جس کا مزا ابھی لوگ چکھ چکا ہے جس میں واقعی آگ کے شعلے اور گیس یا دھواں اس طرح برسائے گئے کہ لوگوں کی حالت دیوانوں کی طرح ہوگئی۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۶﴾	تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَکَانَتْ وَرْدَةً کَالدِّهَانِ ﴿۳۷﴾	سو جب آسمان پھٹ جائے گا اور سُرخ ہو جائے گا جیسے سُرخ چمڑا۔
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۳۸﴾	تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّ لَا جَآنٌّ ﴿۳۹﴾	سو آج کے دن نہ انسان سے اس کے گناہ کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور نہ جن سے [1]
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۰﴾	تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
یُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِیْمٰهُمْ فَیُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِیْ وَ الْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾	مجرم اپنے نشانوں سے پہچانے جائیں گے۔ پھر پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑے جائیں گے [2]
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۲﴾	تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
هٰذِهٖ جَهَنَّمُ الَّتِیْ یُکَذِّبُ بِهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۴۳﴾	یہ وہ دوزخ ہے جسے مجرم جھٹلاتے تھے۔
یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَ بَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ ﴿۴۴﴾	وہ اس کے اور کھولتے پانی کے درمیان پھریں گے۔
ع ۲ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿۴۵﴾	تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾	اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے کا خوف رکھتا ہے اس کے لیے دو جنت ہیں [3]

نمبر۱۔ دوسری جگہ ہے فو ربك لنسئلنهم اجمعین (الحجر ۱۵: ۹۲) تو وہاں سوال سے مراد باز پرس ہے یعنی سزا دینا اور یہاں مطلب یہ ہے کہ یہ سوال نہیں کیا جائے گا کہ تم نے فلاں گناہ کیا یا نہیں کیونکہ جیسا کہ اگلی آیت میں آتا ہے کہ مجرم اپنے نشانوں سے پہچانے جائیں گے۔ بالفاظ دیگر گناہ خود بخود اپنے نتائج سے ظاہر ہوں گے پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اس سے بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن نتائج کا ظہور ہوگا اور ہر چیز کا خود بخود اپنے نتیجہ سے پتہ لگ جائے گا یہی اعضا وغیرہ کی شہادت ہے۔

نمبر۲۔ دونوں اطراف کا نام لیا ہے اور مراد کل ہے اور ان کا پکڑا جانا بھی انہی نتائج کا ظہور ہے جن کا ذکر یعرف المجرمون بسیماھم میں ہے اور عذاب کے ذکر کے ساتھ فبای الآء ربکما تکذبان کہہ کر بتایا کہ نعمتوں کو جھٹلانے کا نتیجہ ہی عذاب ہے۔ پہلے رکوع میں یہ لفظ اپنی نعمائے ظاہری کے ساتھ بڑھائے ہیں اور یوں نعمائے باطنی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ دوسرے رکوع میں مجرموں کی سزا کے ذکر کے ساتھ یہ لفظ بڑھائے ہیں اور یوں ان کے جھٹلانے کا نتیجہ بتایا ہے اور تیسرے میں مومنوں کے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے یہی لفظ فرمائے ہیں اور یوں بتایا ہے کہ ان نعمتوں سے فائدہ اٹھانے اور ان کو کام میں لانے کا انجام خوشی ہے۔

نمبر۳۔ ایسے شخص کے لیے دو بہشت ہیں۔ مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ایک جنت فعل کی طاعات کا اور ایک ترک معاصی کا اور ایک یہ کہ ایک جنت روحانی اور ایک جسمانی۔ میرے نزدیک دو جنتوں سے مراد ایک اس دنیا کی جنت ہے اور ایک آخرت کی جنت۔ کیونکہ متقی کو اس دنیا میں بھی جنت ملتی ہے جس طرح مخالفین حق کے لیے قرآن شریف میں جگہ جگہ دو عذابوں کا وعدہ ہے یہاں متقی کے لیے دو انعاموں کا وعدہ ہے جو بہ رنگ جنت ہیں

فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٧﴾ — تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

ذَوَاتَاۤ اَفْنَانٍ ﴿٤٨﴾ — دونوں (بہشت) شاخوں والے ہیں۔

فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٤٩﴾ — تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ ﴿٥٠﴾ — ان دونوں میں دو چشمے بہتے ہیں۔

فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥١﴾ — تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

فِيْهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجٰنِ ﴿٥٢﴾ — ان دونوں میں ہر پھل کی دو قسمیں ہیں۔

فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٣﴾ — تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى فُرُشٍۭ بَطَاۤىِٕنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ ۭ وَجَنَا الْجَنَّتَيْنِ دَانٍ ﴿٥٤﴾ — ایسے بچھونوں پر تکیے لگائے ہوئے ہونگے، جن کے استر موٹے ریشم کے ہیں اور دونوں باغوں کے پھل قریب ہیں۔

فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٥﴾ — تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

فِيْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ ۙ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَاۗنٌّ ﴿٥٦﴾ — ان میں نگاہوں کو نیچی رکھنے والی ہوں گی جنھیں ان سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ جن نے۔ [1]

فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٧﴾ — تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

كَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٨﴾ — گویا کہ وہ یاقوت اور مونگا ہیں۔

فَبِاَيِّ اٰلَاۤءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿٥٩﴾ — تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

هَلْ جَزَاۗءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ ﴿٦٠﴾ — نیکی کا بدلہ سوائے نیکی کے کچھ نہیں۔

اور دوسری جگہ نفس مطمئنہ کو یعنی ایسے نفس کو جو اللہ تعالیٰ سے کامل تعلق پیدا کر چکا ہے مخاطب کر کے فرمایا وادخلی فی عبادی وادخلی جنتی (الفجر ۸۹: ۳۰،۲۹) گویا اسے دنیا میں بھی جنت مل جاتی ہے اور پھر اس دنیا کی جنت سے مراد فتوحات ظاہری بھی ہو سکتی ہیں جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائیں۔ حدیث میں دجلہ وفرات یا نیل وفرات کو انہار جنت میں سے قرار دیا ہے تو وہ شاید اسی طرف اشارہ ہے۔ لیکن یہاں من خاف میں الفاظ میں عمومیت ہے اور اس لیے مراد اس دنیا کی روحانی جنت ہے اور ہر ایک شخص جو رضائے الٰہی کے رستوں پر قدم مارتا ہے اور ہر ایک قسم کی بدی سے بچتا ہے۔ یقیناً اس دنیا میں بھی ایک جنت پالیتا ہے اور یہ جنت بطور ایک نشان کے ہوتی ہے کہ اس کے لیے آخرت میں بھی ایک جنت ہے جس طرح اس دنیا کی سزا آخرت کی سزا کا پیش خیمہ ہے۔

[1] قاصرات الطرف میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ وہ حوران بہشتی ہیں یعنی نعمائے جنت میں سے ایک نعمت اور دوسرا یہ کہ وہ اس دنیا کی عورتیں ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اس دوسری پیدائش میں انھیں جن یا انسان نے نہ چھوا ہو گا اور ام سلمہ کی حدیث میں ہے نساء الدنیا افضل من الحور العین دنیا کی عورتیں حوروں سے بڑھ کر ہیں۔

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٦١﴾	تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
وَمِنۡ دُوۡنِہِمَا جَنَّتٰنِ ﴿٦٢﴾	اور ان سے ادھر دو اور باغ ہیں ۱؎
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٦٣﴾	تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
مُدۡہَآمَّتٰنِ ﴿٦٤﴾	دونوں بہت سرسبز ہیں۔
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٦٥﴾	تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
فِیۡہِمَا عَیۡنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ ﴿٦٦﴾	ان دونوں میں دو چشمے جوش مار رہے ہیں ۲؎
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٦٧﴾	تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
فِیۡہِمَا فَاکِہَۃٌ وَّ نَخۡلٌ وَّ رُمَّانٌ ﴿٦٨﴾	ان دونوں میں پھل ہے اور کھجور اور انار۔
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٦٩﴾	تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
فِیۡہِنَّ خَیۡرٰتٌ حِسَانٌ ﴿٧٠﴾	ان میں اچھی خوب صورت ہوں گی۔
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٧١﴾	تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
حُوۡرٌ مَّقۡصُوۡرٰتٌ فِی الۡخِیَامِ ﴿٧٢﴾	حوریں جو خیموں میں ٹھیرائی ہوئی ہیں۔
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ﴿٧٣﴾	تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔
لَمۡ یَطۡمِثۡہُنَّ اِنۡسٌ قَبۡلَہُمۡ وَلَا جَآنٌّ ﴿٧٤﴾	انھیں ان سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا اور نہ جن نے۔

نمبر۱- یہ دو جنت ہر رنگ میں پہلے دو جنتوں کی طرح ہی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ایک سابقین مقربین کے لیے ہیں اور دوسرے معمولی مومنین کے لیے اور اگلی سورت میں ان دونوں گروہوں کا بالتفصیل ذکر ہے یعنی سابقین یا مقربین کا اور اصحاب الیمین کا اور من دونہما میں اشارہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان سے کمتر ہیں۔ اس لیے پہلے سابقین کے لیے ہیں اور یہ اصحاب الیمین کے لیے اور ابن جریر میں اس کے مطابق ایک مرفوع روایت بھی ہے۔ اور اگلی سورت میں جہاں دونوں گروہوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے سابقین کے ذکر کو ہی مقدم کیا ہے اس لیے یہاں بھی وہی مقدم ہونا چاہیئے اور یہ بھی دو ہی جنت ہیں یعنی ایک اس دنیا کا اور ایک آخرت کا اور ان جنتوں میں چار چشموں یا دریاؤں کا ذکر ہے اور اس میں ایک طرف اشارہ فتوحات ملکی کی طرف بھی ہے چنانچہ حدیث مسلم میں ما فی الدنیا من انہار الجنۃ کے باب میں ہے عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیحان وجیحان والفرات والنیل کل من انہار الجنۃ یعنی سیحون اور جیحون اور فرات اور دجلہ، نیل کا لفظ یہاں دجلہ کے لیے ہی معلوم ہوتا ہے جنت کی نہروں میں سے ہیں تو یہ بھی چار ہی دریا ہیں اور یوں ان چار دریاؤں کے ذکر میں جو ان آیات میں مذکور ہیں ان چاروں کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے اور مسلمانوں نے پہلے اس علاقہ کو فتح کیا جس میں دجلہ و فرات ہیں اور بعد میں اس کو جس میں سیحون اور جیحون ہیں۔

نمبر۲- عین نضاخۃ وہ چشمہ ہے جو پانی کے ساتھ جوش مار رہا ہو گویا یہ ابتدا ہے اور پہلی حالت میں وہ چشمے بہ رہے ہیں اسی طرح یہاں صرف باغوں کی سرسبزی کی طرف توجہ دلائی ہے اور پہلی صورت میں انھیں زیادہ شاخوں والے قرار دیا ہے۔

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۵﴾ تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ وَّ عَبْقَرِيٍّ حِسَانٍ ﴿۷۶﴾ سبز قالینوں اور خوبصورت فرشوں پر تکیے لگائے ہوئے ہونگے ؎۱

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۷۷﴾ تو تم اپنے رب کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤ گے۔

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلٰلِ وَ الْاِكْرَامِ ﴿۷۸﴾ ع تیرے رب کا نام بابرکت ہے، جو جلال اور عزت والا ہے۔

سُوْرَةُ الْوَاقِعَةِ مَكِّيَّةٌ ؎۲ (۵۶)

اٰیاتھا ۹۶ — رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱﴾ جب ہو جانے والی (بات) ہو جائے گی۔

لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿۲﴾ اس کے ہو جانے میں کوئی جھوٹ نہیں ؎۳

خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿۳﴾ (وہ کسی کو) نیچا کرنے والی (کسی کو) بلند کرنے والی (ہے)

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا ﴿۴﴾ جب زمین سخت حرکت سے ہلے گی۔

وَّ بُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿۵﴾ اور پہاڑ ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے۔

فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ﴿۶﴾ پس وہ اڑتا ہوا غبار ہو جائیں گے۔

نمبر۱۔ عرب عبقر کو جنوں کا مکان سمجھتے تھے اس لیے جس چیز کو دیکھتے تھے کہ دوسروں پر فوقیت لی گئی ہے اور نادر ہے جس کا کرنا مشکل ہے یا اپنے نفس میں عظمت رکھتی ہے اسے عبقری کہہ دیتے تھے اور حدیث میں عبقری بمعنی دیباج یا ایسے فرش کے لیے آیا ہے جو نشانوں والا ہو اور وہ ایک قسم کا فرش ہے اور یہاں جنت کے فرشوں کے لیے بطور مثال بیان کیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عظمت یا ندرت کے لحاظ سے جنّ کی طرف نسبت دینے کا عرب میں عام محاورہ تھا۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام الواقعہ ہے اور اس میں تین رکوع اور چھیانوے آیتیں ہیں اس کا نام الواقعہ پہلی ہی آیت میں مذکور ہے اور یہ وقوع میں آنے والی چیز جزاو سزا کی گھڑی ہے اور اس دنیا کی جزا و سزا اور قیامت کی جزا و سزا دونوں اس کے اندر آجاتی ہیں اور اس میں انسانوں کے تین گروہوں کا ذکر ہے۔ گروہ اوّل جو مقربین بارگاہِ الٰہی ہیں۔ گروہ دوم عامہ مومنین۔ گروہ سوم مکذبین اور اعدائے حق۔ یہ سورت مکی ہے اور اسی زمانہ کی ہے جس زمانہ کی اس سے پہلی سورت اور اس میں اسی کے مضمون کو جاری رکھا ہے۔ وہاں بھی در اصل تین گروہوں کا ذکر تھا۔ یہاں واضح کر کے بیان کر دیا ہے۔

نمبر۳۔ الواقعہ سے مراد قیامت لی گئی ہے لیکن اس کا اطلاق عام بھی ہے اور سختی اور ناپسندیدگی کے موقعہ پر بولا جاتا ہے پس اس میں اشارہ قیامت کی طرف بھی ہے اور سزا کی طرف بھی جس کا مخالفین کو وعدہ دیا جاتا تھا۔

وَّ كُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً ۝۷	اور تم تین قسم ہو گے ۔
فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝۸	سو برکت والے ، برکت والوں کی کیا (اچھی) حالت ہے ملا
وَ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ۝۹	اور بدبختی والے ، بدبختی والوں کی کیا (بُری) حالت ہے ۔
وَ السّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ ۝۱۰	اور آگے بڑھنے والے سب سے آگے ہی ہیں ۔
اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝۱۱	وہی مقرب ہیں
فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝۱۲	نعمتوں والے باغوں میں ۔
ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۳	ایک بڑی جماعت پہلوں میں سے ،
وَ قَلِيْلٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝۱۴	اور تھوڑے پچھلوں میں سے ملا
عَلٰى سُرُرٍ مَّوْضُوْنَةٍ ۝۱۵	جڑاؤ تختوں پر ،
مُّتَّكِـِٕيْنَ عَلَيْهَا مُتَقٰبِلِيْنَ ۝۱۶	ان پر تکیے لگائے ہوئے آمنے سامنے (ہوں گے)

نمبر۱۔ لسان العرب میں ہے کہ میمنۃ اور یمین کے ایک ہی معنی ہیں یعنی برکت اور اصحاب المیمنۃ وہ ہیں جو اپنے نفسوں پر برکت کا موجب ہیں ۔ مشئمۃ اور شؤم کے ایک ہی معنی ہیں اور یہ ضد یمن ہے یعنی نحوست ۔

نمبر۲۔ سابقین میں جو مقربان بارگاہ الٰہی ہیں فرمایا کہ کثیر حصّہ پہلوں میں سے ہوگا اور تھوڑے پچھلوں میں سے ۔ یہ اوّلین کون ہیں قرآن کریم نے خود دوسری جگہ بتا دیا والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار (التوبۃ ۔ ۱۰۰) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جس قدر قربانیاں اس وقت لوگوں نے کیں پچھلے زمانہ میں اس قدر قربانیاں نہیں کیں ورنہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آیندہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے دروازۂ تکمیل بند کر دیا ہے یا تنگ کر دیا ہے اور بہت یا تھوڑے بلحاظ نسبت ہیں یعنی جو لوگ پہلے پہلے اسلام لائے انھیں چونکہ بڑے بڑے دکھ اللہ تعالےٰ کے رستے میں اٹھانے پڑے اس لیے ان کا بڑا حصّہ مقربین بارگاہ الٰہی میں داخل ہُوا ۔ اور پچھلے لوگوں میں سے کثیر حصّہ کو چونکہ ایسا مقابلہ پیش نہیں آیا اس لیے ان میں سے تھوڑے سابقین کے رتبہ کو حاصل کرتے ہیں اور یہ آیت جو اوّلین میں سے کثیر حصّہ کو مقربین بارگاہ الٰہی ٹھہراتی ہے نہ صرف عیسائیوں پر ہی اتمام حجّت کرتی ہے جو حضرت عیسیٰؑ کے متعلق من المقربین قرآن میں پاکر سمجھتے ہیں کہ ایک حضرت عیسیٰؑ ہی خدا کے پاس پہنچے ہیں اور امت محمّدیہ کے اولین گروہ یعنی اولین من المهاجرین والانصار سے کثیر حصّہ کو مقربین میں داخل کرکے صاف بتاتی ہے کہ بلحاظ درجات یہ لوگ بھی حضرت عیسیٰؑ سے پیچھے نہیں رہے اور گروہِ انبیاء میں ہی داخل ہیں بلکہ ان اہل تشیع پر بھی یہ حجت قاطع ہے جو اوّلین من المهاجرین والانصار کے کثیر گروہ کو نعوذ باللہ منافق قرار دیتے ہیں اور مومنین کی کثرت کو مھدی غائب کے ظہور سے وابستہ قرار دیتے ہیں ۔ قرآن کریم اپنے نہایت ہی کھلے الفاظ میں ان کی تردید کرتا ہے اور فرماتا ہے کہ اولین میں سے مقربین کا حصّہ کثیر ہے اور آخرین سے قلیل ۔ اور صحابہ کے کثیر حصّہ کو مقربین بارگاہ الٰہی میں داخل کرکے یہ بتایا ہے کہ انھوں نے جس حد تک آنحضرت صلعم کی فرمانبرداری کی اس حد تک پچھلوں کو میسر نہیں آسکتا ۔

يَطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ﴿١٧﴾	ان پر ہمیشہ ایک حالت میں رہنے والے لڑکے پھر رہے ہونگے۔
بِأَكْوَابٍ وَّأَبَارِيقَ ۙ وَكَأْسٍ مِّن مَّعِينٍ ﴿١٨﴾	آب خورے اور لوٹے اور خالص پینے کا پیالہ لیے ہوئے۔
لَّا يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنزِفُونَ ﴿١٩﴾	اس سے انھیں دردِ سر نہ ہوگا اور نہ وہ متوالے ہونگے۔
وَفَاكِهَةٍ مِّمَّا يَتَخَيَّرُونَ ﴿٢٠﴾	اور میوہ جیسا وہ پسند کریں۔
وَلَحْمِ طَيْرٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٢١﴾	اور پرند کا گوشت جس کی انھیں خواہش ہو۔
وَحُورٌ عِينٌ ﴿٢٢﴾	اور خوبصورت حوریں،
كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ﴿٢٣﴾	محفوظ رکھے ہُوئے موتیوں کی طرح۔
جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٤﴾	اس کا بدلہ، جو وہ عمل کرتے تھے۔
لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ﴿٢٥﴾	وہ اس میں کوئی لغو بات نہ سنیں گے اور نہ کوئی گناہ کی بات۔
إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ﴿٢٦﴾	مگر ایک ہی بات سلامتی سلامتی۔
وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ ۙ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿٢٧﴾	اور برکت والے، برکت والوں کی کیا (اچھی) حالت ہے۔
فِي سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ﴿٢٨﴾	بیریوں میں (رہیں) جن کے کانٹے نہیں
وَطَلْحٍ مَّنضُودٍ ﴿٢٩﴾	اور کیلے تہ بتہ (پھل والے)
وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ ﴿٣٠﴾	اور وسیع سایہ۔
وَمَاءٍ مَّسْكُوبٍ ﴿٣١﴾	اور بلندی سے گرتا ہوا پانی۔
وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ﴿٣٢﴾	اور بہت پھل۔
لَّا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ﴿٣٣﴾	نہ ختم ہو اور نہ (اس سے) روکے۔
وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ ﴿٣٤﴾	اور بلند فرش۔
إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنشَاءً ﴿٣٥﴾	ہم نے انھیں ایک نئی پیدایش میں اٹھا کھڑا کیا ہے۔
فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ﴿٣٦﴾	پس انھیں نوجوان بنایا ہے۔

عُرُبًا اَتْرَابًا ۝۳۷	محبت والیاں ہم عمر[1]
لِّاَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ۝۳۸ ع	برکت والوں کے لیے۔
ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۹	ایک بڑی جماعت پہلوں میں سے۔
وَ ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۝۴۰	اور ایک بڑی جماعت پچھلوں میں سے۔
وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ مَآ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۝۴۱	اور بائیں ہاتھ والے ، بائیں ہاتھ والوں کی کیا (بری) حالت ہے۔
فِيْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِيْمٍ ۝۴۲	لُو میں ، اور اُبلتے ہوئے پانی میں۔
وَّ ظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ۝۴۳	اور سیاہ دھوئیں کے سایہ میں۔
لَّا بَارِدٍ وَّ لَا كَرِيْمٍ ۝۴۴	نہ ٹھنڈا اور نہ عزت والا۔
اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُتْرَفِيْنَ ۝۴۵	وہ اس سے پہلے آسودہ حال تھے۔
وَ كَانُوْا يُصِرُّوْنَ عَلَى الْحِنْثِ الْعَظِيْمِ ۝۴۶	اور بڑے گناہ پر اصرار کرتے تھے۔
وَ كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ ۙ اَئِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا	اور کہتے تھے کہ کیا جب ہم مرجائیں گے اور مٹی اور

نمبر۱۔ یہ عورتیں کون ہیں۔ ترمذی کی حدیث میں ہے کہ ایک بڑھیا نبی کریم صلعم کے پاس آئی اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے لیے دعا کریں کہ میں جنت میں جاؤں۔ آپ نے فرمایا جنت میں کوئی بڑھیا داخل نہیں ہوگی۔ وہ روتی ہوئی لوٹ گئی تو آپ نے فرمایا کہ اسے کہہ دو کہ مطلب یہ ہے کہ بڑھیا ہونے کی حالت میں کوئی عورت جنت میں داخل نہیں ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّآ اَنْشَاْنٰهُنَّ اِنْشَآءً فَجَعَلْنٰهُنَّ اَبْكَارًا لیکن یہ ظاہر ہے کہ جس طرح پہلے مقربین کے لیے کچھ نعماء کا ذکر ہے اس کے مقابل پر یہاں اصحاب الیمین کے لیے عُرُبًا اَتْرَابًا کا ذکر ہے اور یہ ترتیب ضروری ٹھہراتی ہے کہ یا تو دونوں جگہ مراد اس دنیا کی عورتیں لی جائیں۔ تو اس صورت میں حورعین بھی انہی مقربین بارگاہ الٰہی کی صفت ہوگی جو عورتوں میں سے قرب الٰہی کا بلند مرتبہ حاصل کرتی ہیں اور یا انا انشاہن انشاء میں بھی حورعین کا ہی ذکر ہے گو لفظ دوسرے ہوں اس دوسری صورت میں وہ نعمائے جنت میں سے ایک نعمت ہے جو مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں ہے اور اعمال حسنہ کے نیک نتائج کو جس طرح ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے جو کھانے پینے سے تعلق رکھتے ہیں اور انسان کے لیے بقا کا موجب ہیں اسی طرح ان الفاظ کو ظاہر کیا ہے جو حسن منظر سے تعلق رکھتے ہیں اور راحت اور لذت اور سرور کا موجب ہوتے ہیں جس طرح اس دنیا کی زندگی میں ایک وہ چیزیں ہیں جو انسان کی بقا کا موجب ہیں اور دوسری وہ جو اس کی راحت اور سرور کا موجب ہیں۔ اسی طرح نعمائے بہشتی میں دونوں چیزوں کا ذکر ہے اور غرض صرف یہ بتانا ہے کہ بہشت میں وہ اعلیٰ سے اعلیٰ چیزیں بھی ہیں گی جو انسان کی روح کے بقا کا موجب ہیں اور وہ بھی جو اس کی روح کے لیے لذت اور سرور کا موجب ہیں۔ پس ایک طرف اگر پھلوں کا اور گوشت کا اور پانیوں اور دودھ کا اور ایسی چیزوں کا ذکر ہے تو دوسری طرف مناظر حسن کا ذکر ہے کیونکہ حسن انسان کی طبیعت میں سرور اور راحت پیدا کرنے میں سب سے بڑا سامان ہے۔ پھر اس حسن کا رنگ کہیں تو زیب و زینت کے سامانوں میں نظر آتا ہے جیسے تخت اور فرش یا مناظر قدرت کے رنگ میں جیسے چشمے اور درخت وغیرہ لیکن ان دونوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے انسان کی شکل میں حسن کو انسان کے لیے مرغوب خاطر کیا ہے اس لیے منظر حسن و جمال کو کمال تک پہنچانے کے لیے اس رنگ کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اسی میں حور و غلمان یا قاصرات الطرف کا ذکر ہے لیکن بہشت کی سب سے بڑی نعمت دیدار الٰہی کو قرار دیا ہے اور یوں بتایا ہے کہ اصل غرض کیا ہے۔

تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ۝۴۷	ہڈیاں ہوجائیں گے تو کیا ہم اُٹھائے جائیں گے ؟
اَوَ اٰبَآؤُنَا الْاَوَّلُوْنَ ۝۴۸	اور کیا ہمارے پہلے باپ دادا بھی -
قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ ۝۴۹	کہ پہلے اور پچھلے (سب)
لَمَجْمُوْعُوْنَ ۵ اِلٰى مِيْقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ ۝۵۰	یقیناً ایک مقرر دن کے مقرر وقت پر اکٹھے کیے جائیں گے۔
ثُمَّ اِنَّكُمْ اَيُّهَا الضَّآلُّوْنَ الْمُكَذِّبُوْنَ ۝۵۱	پھر تم اے گمراہو! جھٹلانے والو!
لَاٰكِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ ۝۵۲	ضرور تھوہر کے درخت سے کھاؤ گے -
فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ۝۵۳	پھر اپنے پیٹوں کو اس سے بھرو گے -
فَشٰرِبُوْنَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيْمِ ۝۵۴	پھر اس کے اوپر اُبلتا ہُوا پانی پیو گے -
فَشٰرِبُوْنَ شُرْبَ الْهِيْمِ ۝۵۵	پھر پیو گے جیسے پیاسے اونٹ پیتے ہیں-
هٰذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝۵۶	یہ جزا کے دن اُن کی مہمانی ہے -
نَحْنُ خَلَقْنٰكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُوْنَ ۝۵۷	ہم نے تم کو پیدا کیا پھر کیوں تم (دوسری پیدائش کو) سچ نہیں مانتے -
اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تُمْنُوْنَ ۝۵۸	تو کیا تم نے دیکھا جو تم نطفہ ڈالتے ہو-
ءَاَنْتُمْ تَخْلُقُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الْخٰلِقُوْنَ ۝۵۹	کیا تم اسے پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں-
نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ وَمَا	ہم نے تمھارے درمیان موت مقرر کر دی ہے اور ہم
نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝۶۰	اس سے عاجز نہیں -
عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنْشِئَكُمْ	کہ تمھاری شکل بدل کر لائیں اور تمھیں اس صورت میں پیدا
فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۱	کریں جو تم نہیں جانتے ؎۱
وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى فَلَوْلَا	اور تم پہلی پیدائش کو جانتے ہو تو پھر نصیحت کیوں
تَذَكَّرُوْنَ ۝۶۲	نہیں پکڑتے -

نمبرا۔ یہاں بعث بعد الموت پر ہی بحث ہے اسی سے کفار انکار کرتے تھے اسی پر اللہ تعالیٰ نے زور دیا ہے۔ پس ننشئکم فی ما لا تعلمون میں بھی بعث بعد الموت کا ذکر ہے اور یہاں صرف فرما دیا کہ بعث میں تمھاری صورتیں ایسی ہوں گی جنھیں تم نہیں جانتے یعنی یہ صورتیں نہ ہوں گی پس یہ جسم بھی نہ ہوں گے رہا یہ کہ پھر ایک دوسرے کو کس طرح پہچانیں گے تو اس دنیا میں بھی ایک انسان اپنی آواز تک سے پہچانا جا سکتا ہے تو وہاں جہاں سب حالات شکل و صورت میں عیاں اور آشکارا ہو جائیں گے ایک دوسرے کو پہچاننا کونسا مشکل کام ہے۔

أَفَرَءَيْتُم مَّا تَحْرُثُونَ ﴿٦٣﴾	کیا تم نے دیکھا جو تم بوتے ہو
ءَأَنتُمْ تَزْرَعُونَهُۥٓ أَمْ نَحْنُ ٱلزَّٰرِعُونَ ﴿٦٤﴾	کیا تم اُسے اُگاتے ہو یا ہم اُگانے والے ہیں۔
لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنَٰهُ حُطَٰمًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿٦٥﴾	اگر ہم چاہیں تو اسے چُورا چُورا کر دیں، تو تم تعجب کرنے لگو۔
إِنَّا لَمُغْرَمُونَ ﴿٦٦﴾	(کہ) ہم پر چٹی پڑ گئی۔
بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿٦٧﴾	بلکہ ہم محروم ہو گئے۔
أَفَرَءَيْتُمُ ٱلْمَآءَ ٱلَّذِى تَشْرَبُونَ ﴿٦٨﴾	کیا تم نے وہ پانی دیکھا، جو تم پیتے ہو۔
ءَأَنتُمْ أَنزَلْتُمُوهُ مِنَ ٱلْمُزْنِ أَمْ نَحْنُ ٱلْمُنزِلُونَ ﴿٦٩﴾	کیا تم اُسے بادل سے اُتارتے ہو یا ہم اُتارنے والے ہیں۔
لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنَٰهُ أُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُونَ ﴿٧٠﴾	اگر ہم چاہتے تو اُسے کھاری بنا دیتے، تو کیوں تم شکر نہیں کرتے۔
أَفَرَءَيْتُمُ ٱلنَّارَ ٱلَّتِى تُورُونَ ﴿٧١﴾	کیا تم نے آگ کو دیکھا، جو تم روشن کرتے ہو۔
ءَأَنتُمْ أَنشَأْتُمْ شَجَرَتَهَآ أَمْ نَحْنُ ٱلْمُنشِـُٔونَ ﴿٧٢﴾	کیا تم اس کا درخت پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔
نَحْنُ جَعَلْنَٰهَا تَذْكِرَةً وَمَتَٰعًا لِّلْمُقْوِينَ ﴿٧٣﴾	ہم نے اسے نصیحت اور مسافروں کے لیے سامان بنایا۔
ع فَسَبِّحْ بِٱسْمِ رَبِّكَ ٱلْعَظِيمِ ﴿٧٤﴾	سو اپنے رب عظمت والے کے نام کی تسبیح کر۔
فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوَٰقِعِ ٱلنُّجُومِ ﴿٧٥﴾	(ایسا) نہیں میں قرآن کے حصوں کے نزول کی قسم کھاتا ہوں[1]

نمبر۱۔ ابن عباس مجاہد عکرمہ کے نزدیک مواقع النجوم سے مراد یہاں قرآن کریم کے نجوم یا ٹکڑوں کا نزول یا وقت نزول ہی ہے قرآن کے ہر حصہ کے نزول کو بطور شہادت یا قسم پیش کر کے جواب قسم میں تین باتیں بیان فرمائی ہیں (۱) یہ قرآن کریم ہے (۲) محفوظ کتاب میں ہے (۳) سوائے پاکوں کے اسے کوئی نہیں چھوتا۔ اب ظاہر ہے کہ جواب قسم وہ ہے جسے ثابت کرنا مقصود ہے اور قسم بجائے شہادت ہے۔ پس قرآن کے ہر حصہ کے نزول کو بطور شہادت پیش کیا ہے کہ یہ قرآن کیا ہے یعنی اندرونی شہادت کی طرف توجہ دلائی ہے پہلی بات قرآن کا کریم ہونا ہے۔ قرآن کو کریم بلحاظ اس کے معزز اور ممتاز ہونے کے بھی کہا جا سکتا ہے مگر یہ صرف ایک دعویٰ ہوگا۔ کریم جب اللہ تعالیٰ کا وصف ہو تو مراد اس کا احسان و انعام ہوتا ہے۔ پس کلام الٰہی کے ہونے میں بھی اس کے ذریعہ سے احسان و انعام ہی مراد ہے یعنی دنیا کو اس سے پہنچے گا اور قرآن کا نزول اس پر یوں گواہ تھا کہ جو کچھ نازل ہو رہا تھا وہ انسانوں میں ایک روحانی انقلاب پاکیزگی کی طرف پیدا کرتا چلا جاتا تھا۔ مکنون سے مراد یہ ہے کہ وہ دشمنوں کے حملوں اور منصوبوں سے محفوظ ہے یعنی وہ اُسے

وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿٧٦﴾	اور وہ بھاری قسم ہے اگر تم جانو۔
اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿٧٧﴾	یقیناً یہ قرآن نفع پہنچانے والا ہے۔
فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿٧٨﴾	محفوظ کتاب میں۔
لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿٧٩﴾	سوائے پاک لوگوں کے اسے کوئی نہ چھوتا۔
تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٨٠﴾	جہانوں کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے۔
اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿٨١﴾	تو کیا تم اس کلام کو جھوٹا قرار دیتے ہو۔
وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿٨٢﴾	اور (اسے) اپنا حصہ ٹھیراتے ہو کہ تم جھٹلاتے ہو۔
فَلَوْلَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿٨٣﴾	تو کیوں نہیں ہوتا کہ جب (روح) گلے میں آپہنچتی ہے۔
وَ اَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ﴿٨٤﴾	اور تم اس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو۔
وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَ لٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ﴿٨٥﴾	اور ہم تمھاری نسبت اس سے قریب تر ہیں، لیکن تم نہیں دیکھتے۔
فَلَوْلَاۤ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ﴿٨٦﴾	تو کیوں اگر تم کسی کے ماتحت نہیں،
تَرْجِعُوْنَهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٨٧﴾	اسے لوٹا نہیں دیتے اگر تم سچے ہو۔[1]

برباد نہیں کر سکتے اور تغیر و تبدل سے بھی محفوظ ہے۔

اب تیسری بات یہ ہے کہ اسے پاکوں کے سوائے کوئی چھو نہیں سکتا تو اس میں ابن جریر میں ایک قول کے مطابق ملائکہ کے ساتھ رسول اور وہ لوگ بھی شامل ہیں جو انہی کی طرح گناہوں سے پاک کیے گئے ہیں اور روح المعانی میں ایک قول ہے کہ مطہرون سے مراد کفر سے پاک یعنی مومن ہیں اور یمسّہ سے مراد یطلبہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اوپر جو دو باتیں بیان ہوئیں کہ قرآن پاک کے منافع بہت ہیں جو لوگوں کو اس سے پہنچیں گے اور کہ یہ دشمنوں سے محفوظ ہے۔ انہی کے ذیل میں یہ تیسری بات ہے کہ اس تک رسائی سوائے پاک لوگوں کے اور کسی کی نہیں ہو سکتی پس دشمن جو نقصان دینے کی نیت سے اس تک پہنچنا چاہتا ہے وہ اس تک نہیں پہنچ سکتا۔ اسے صرف وہی چھو سکیں گے جو پاک ہیں اور اس سے دونوں باتیں اخذ ہوتی ہیں ایک یہ کہ مسلمان کو بھی چاہیئے کہ قرآن کریم کو طہارت کی حالت میں چھوئے اور دوسرے یہ کہ اس کے مضامین عالیہ تک رسائی انہی لوگوں کو ملتی ہے جو اپنے آپ کو گناہوں سے پاک کر کے اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کریں۔ یہ مطہرین کے قرآن شریف تک پہنچنے کے دو رنگ ہیں ایک ظاہری ایک باطنی۔ قرآن شریف کے ظاہری آداب کا جو شخص پاس کرتا ہے وہی اس کے باطن تک بھی پہنچ سکتا ہے اور یہ حکم مسلمانوں کے لیے ہے اس کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ کفار کو قرآن شریف پڑھنے کے لیے نہ دیا جائے کیونکہ اس طرح تبلیغ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور قرآن کریم کے آنے کی اصل غرض ہی مفقود ہو جاتی ہے۔ البتہ ایک حدیث سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ دشمنوں کے ہتک آمیز سلوک سے بچانے کے لیے آنحضرت صلعم نے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ قرآن شریف کو لیکر دشمن کی سرزمین کی طرف سفر نہ کریں بخاری میں ہے نھینا ان نسافر بالقرآن الی الارض العدو۔ (ص۴۵۸)

[1] ان آیات میں بتایا ہے کہ انسان کسی دوسرے کے حکم کے ماتحت ہے اگر وہ خود قادر ہے تو اپنی موت پر کیوں قدرت حاصل نہیں۔

فَاَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۸۸﴾ — پھر اگر وہ مقربوں میں سے ہے۔

فَرَوْحٌ وَّ رَيْحَانٌ ۙ وَّ جَنَّتُ نَعِيْمٍ ﴿۸۹﴾ — تو راحت اور رزق اور نعمت کا باغ ہیں۔

وَ اَمَّآ اِنْ كَانَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۰﴾ — اور اگر وہ برکت والوں میں سے ہے۔

فَسَلٰمٌ لَّكَ مِنْ اَصْحٰبِ الْيَمِيْنِ ﴿۹۱﴾ — تو تیرے لیے سلامتی ہے (تو) برکت والوں میں سے (ہے)

وَ اَمَّآ اِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِيْنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۹۲﴾ — اور اگر وہ جھٹلانے والوں گمراہوں میں سے ہے۔

فَنُزُلٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۹۳﴾ — تو کھولتے پانی کی مہمانی ہے۔

وَّ تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿۹۴﴾ — اور دوزخ میں جلنا۔

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۹۵﴾ — یہ یقینی سچ ہے۔

ع فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ﴿۹۶﴾ — سو اپنے رب عظمت والے کے نام کی تسبیح کر۔

آیاتہا ۲۹ | (۵۷) سُوْرَةُ الْحَدِيْدِ مَدَنِيَّةٌ ۱ | رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱﴾ — اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۚ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲﴾ — آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے، وہ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

نمبر ا۔ اس سورت کا نام الحدید ہے اور اس میں چار رکوع اور انتیس آیتیں ہیں۔ اس کا نام الحدید اس ذکر سے لیا گیا ہے کہ جب لوگ حق کو نیست و نابود کرنے پر تل جاتے ہیں تو پھر انبیاء کو بھی تلوار اٹھانی پڑتی ہے۔ ورنہ یہ ان کے آنے کی اصل غرض نہیں ہوتی۔
یہ سورت مدنی ہے اور اس کا نزول صلح حدیبیہ کے بعد کا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں ان لوگوں کی فضیلت کا ذکر ہے جو فتح (مکہ) سے پہلے اپنے اموال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہے۔ بعض لوگوں نے اس کے صدر کو مکی کہا ہے مگر یہ درست معلوم نہیں ہوتا اور تعلق اس کا پہلی سورت کے ساتھ اس لحاظ سے ہے کہ وہاں جن اچھے لوگوں کا ذکر تھا وہ دین الٰہی کی نصرت کرنے والا گروہ ہے اور جو لوگ نصرت دینِ الٰہی نہیں کرتے ان کا حشر گویا کفار کے ساتھ ہے اور یہاں سے سورۂ تحریم تک دس سورتیں مدنی ہیں۔

هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ ۚ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۳﴾

وہ (سب سے) پہلے اور (سب سے) پیچھے اور (سب سے) ظاہر اور (سب سے) مخفی ہے اور ہر چیز کو جاننے والا ہے ۔ ملہ

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ ؕ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَ مَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَ مَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَ هُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۴﴾

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ وقتوں میں پیدا کیا ۔ پھر وہ عرش پر قائم ہے ۔ وہ جانتا ہے جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس میں چڑھتا ہے وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں تم ہو اور اللہ تم اسے جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے ۔

لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۵﴾

آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اسی کی ہے اور اللہ تم کی طرف سب کام لوٹائے جاتے ہیں ۔

یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَ یُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ؕ وَ هُوَ عَلِیْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۶﴾

وہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور وہ دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے ۔

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اَنْفِقُوْا مِمَّا جَعَلَكُمْ مُّسْتَخْلَفِیْنَ فِیْهِ ؕ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ اَنْفَقُوْا لَهُمْ اَجْرٌ كَبِیْرٌ ﴿۷﴾

اللہ تم اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس سے خرچ کرو جس میں اس نے تمہیں (اپنا) نائب بنایا ہے سو جو لوگ تم میں سے ایمان لاتے ہیں اور خرچ کرتے ہیں ان کے لیے بڑا اجر ہے ۔ ملہ

وَ مَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۚ وَ الرَّسُوْلُ

اور تمہیں کیا ہوا کہ تم اللہ تم پر ایمان نہیں لاتے اور رسول تمہیں

نمبر۱- الاوّل والآخر والظاہر والباطن ۔ حدیث میں ایک دعا کی ذیل میں زبان نبوی سے ان صفات باری کی حسب ذیل تفسیر موجود ہے ۔ انت الاوّل فلیس قبلک شیٔ وانت الآخر فلیس بعدک شی وانت الظاہر فلیس فوقک شی وانت الباطن فلیس دونک شیٔ ۔ یعنی تو اوّل ہے تجھ سے پہلے کوئی نہیں اور تو آخر ہے تجھ سے پیچھے کوئی نہیں (یعنی سب مخلوق کی فنا کے بعد باقی رہنے والا) اور تو ظاہر ہے تجھ سے اوپر کوئی نہیں اور تو باطن ہے تجھ سے دون کوئی نہیں ۔ اور ان آخری دو فقروں کی تشریح پھر دو طرح پر کی گئی ہے یعنی ظاہر کے ایک یہ معنی کہ تو غالب ہے تجھ پر کوئی غالب نہیں اور دوسرے یہ کہ تو سب چیزوں سے زیادہ ظاہر ہے ظہور میں تجھ سے اوپر کوئی نہیں کیونکہ ہر چیز کا ظہور تجھ سے ہے اور باطن کے ایک معنی یہ کہ تیرے سوائے کوئی ملجا اور کوئی منجا نہیں جس کی طرف التجا لے جائی جائے اور دوسرے یہ کہ تو سب چیزوں سے زیادہ باطن ہے اور ہر چیز کی حقیقت کو جانتا ہے اور تیری حقیقت کو تیرا غیر نہیں جانتا ۔ یا ہر چیز کی حقیقت کی معرفت ممکن ہے لیکن تیری ذات کی حقیقت کی معرفت ممکن نہیں ۔

نمبر۲- گویا حقیقی مالک ان اموال کا اللہ تعالیٰ ہے اور انسان صرف بطور نائب یا امین ہے پس اللہ کے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرو ۔

يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٨﴾

بلاتا ہے کہ تم اپنے رب پر ایمان لاؤ اور وہ تمھارا عہد لے چکا ہے، اگر تم مومن ہو۔[۱]

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِؕ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩﴾

وہی ہے جو اپنے بندے پر کھلی آیتیں اتارتا ہے تاکہ وہ تمھیں اندھیرے سے روشنی کی طرف نکالے اور اللہ تم پر مہربان رحم کرنے والا ہے۔

وَمَا لَكُمْ اَلَّا تُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِؕ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقٰتَلُوْاؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰىؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١٠﴾ ع

اور تمھارا کیا عذر ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔ اور اللہ ہی کے لیے آسمانوں اور زمین کا ورثہ ہے۔ تم میں سے وہ برابر نہیں جس نے فتح سے پہلے خرچ کیا، اور لڑائی کی (اور جس نے پیچھے کیا) یہ مرتبہ میں ان سے بڑھ کر ہیں جنھوں نے بعد میں خرچ کیا اور ہر ایک کے ساتھ اللہ نے اچھا وعدہ کیا ہے اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے۔[۲]

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿١١﴾ ع

کون ہے جو اللہ کے لیے اچھا مال الگ کرے، تو وہ اسے اس کے لیے بڑھاتا ہے اور اس کے لیے عزت والا بدلہ ہے۔

يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ يَسْعٰى نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ بُشْرٰىكُمُ الْيَوْمَ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

جس دن تو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھے گا ان کا نور ان کے آگے دوڑ رہا ہوگا اور ان کے دائیں، آج تمھارے لیے خوش خبری ہے، باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ انھیں میں رہو گے۔ یہی بھاری

نمبر۱- یہاں کفار کو خطاب نہیں کہ میثاق سے مراد دلائل عقلی یا عہد اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ لیا گیا ہے۔ مگر اصل مخاطب یہاں ایمان لانے والے ہیں۔ جیسا کہ آیت ۱۰ سے صاف معلوم ہوتا ہے اور ایمان سے مراد یہاں بات کا مان لینا یا ایمان کامل ہے اور میثاق سے مراد اقرار زبانی ہے جو اسلام لا کر کیا۔ ان کنتم مومنین میں بھی اسے صاف کر دیا ہے اور یہ تنبیہ منافقوں کو ہے۔

نمبر۲- الفتح سے مراد مجاہد اور قتادہ کے نزدیک فتح مکہ ہے اور عامر نے اسے فتح حدیبیہ کہا ہے اور حضرت ابو سعید خدری کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے بھی اسی آیت کو فتح حدیبیہ کے متعلق ہی بیان فرمایا ہے اور قرآن کریم نے بھی اپنے کھلے الفاظ میں حدیبیہ کو ہی فتح مبین کہا ہے اس لیے اسی قول کو ترجیح ہے۔

فِيهَا ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٢﴾
يَوْمَ يَقُولُ الْمُنٰفِقُونَ وَ الْمُنٰفِقٰتُ
لِلَّذِينَ اٰمَنُوا انْظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ
نُّورِكُمْ ۚ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَآءَكُمْ
فَالْتَمِسُوا نُورًا ۚ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُورٍ
لَّهٗ بَابٌ ۚ بَاطِنُهٗ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ
مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿١٣﴾
يُنَادُونَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۚ قَالُوا بَلٰى
وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَ تَرَبَّصْتُمْ
وَ ارْتَبْتُمْ وَ غَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ
اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُورُ ﴿١٤﴾
فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا

کامیابی ہے ۱؎۔
جس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے
کہیں گے ہمارا انتظار کرو، ہم بھی تمھارے نور سے
روشنی لیں کہا جائے گا اپنے پیچھے کو لوٹ جاؤ،
اور نور تلاش کرو۔ پس ان کے درمیان ایک دیوار حائل
کردی جائے گی اس کا ایک دروازہ ہوگا اس کے اندر کی طرف
رحمت ہے اور اس کے باہر کی جہت سے عذاب ہے ۲؎۔
انھیں پکاریں گے کیا ہم تمھارے ساتھ نہیں تھے کہیں گے ہاں
لیکن تم نے اپنی جانوں کو فتنے میں ڈالا اور انتظار کرتے رہے
اور شک میں پڑے رہے اور تمھیں آرزوؤں نے دھوکے میں رکھا
یہاں تک کہ اللہ کا حکم آگیا اور بڑے دھوکے باز نے تمھیں دھوکے میں رکھا۔
سو آج تم سے فدیہ نہیں لیا جائے گا اور نہ ان سے جنھوں

نمبر۱۔ ابن جریر میں دو قول ہیں ایک یہ کہ نور آگے اور دائیں ہوگا، دوسرا یہ کہ ان کا ایمان ان کے آگے ہوگا اور ان کی کتاب ان کے دائیں ہاتھ میں، اور یہ ضحاک کا قول ہے اور ابن جریر نے اسی کو ترجیح دی ہے اور اصل بات یہ ہے کہ اعمال کی جزا تو اعمال کے مطابق ہے جس شخص کی یہاں یہ حالت ہے کہ اس کا نور ایمان اس کے آگے آگے ہے اور کتاب دائیں ہاتھ میں یعنی اس پر مضبوط ہو کر عمل کرتا ہے وہی ایمان اور کتاب اس کے لیے نور بن جاتے ہیں اور فی الحقیقت نور ہیں سے ساتھ لیکر جاتے ہیں یخرجھم من الظلمٰت الی النور (البقرہ ۔ ۲۵۷) اور دائیں ہاتھ ہونے سے یہ مراد نہیں کہ باقی طرفوں میں ظلمت ہوگی بلکہ آگے بڑھنے اور یمین کے لحاظ سے ان دو طرفوں کا نام لیا ہے اور جس کے دو جانب نور ہوگا اس کے چاروں طرف روشنی ہوگی۔ ظلمت اس کے کسی طرف بھی نہیں ہو سکتی۔

نمبر۲۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منافق ظلمت میں ہوں گے۔ روایات میں ہے کہ پہلے انھیں نور دیا جائے گا لیکن جب صراط پر جائیں گے تو بجھا دیا جائے گا یہ بھی جزاء وفاقا کا رنگ ہے۔ وہ پہلے ایمان لائے مگر صراط مستقیم پر نہ چلے ایسا ہی معاملہ ان سے قیامت میں ہوگا اور ان کا مومنوں سے نور مانگنا اور مومنوں کا جواب سب اُن کے انھیں اعمال کی طرف اشارہ ہے۔ ارجعوا وراءکم یعنی یہ نور تو بذریعہ اعمال دنیا میں ہی مل سکتا تھا اور درمیان میں دیوار کا حائل ہو جانا یا روک کا یہ ظاہر کرنے کے لیے ہے کہ ان کا تعلق باہم منقطع ہو جائے گا جس طرح دنیا میں انھوں نے منقطع کر دیا تھا۔ اور اس دیوار میں دروازہ بتاتا ہے کہ اس دروازے سے وہ آخرکار داخل ہو جائیں گے مگر جب تک کہ اپنے اعمال کی پاداش نہ حاصل کریں اس وقت تک نہیں۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جنت اور نار میں فرق بھی صرف ایک دیوار کا ہے حالانکہ ایک اعلیٰ علیین پر ہے اور دوسرا اسفل السافلین میں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور دوزخ کے بیان میں ظاہری بلندی اور پستی مراد نہیں۔ ایک ہی دیوار درمیان میں ہے۔ ادھر عذاب ہے ادھر رحمت اور یہ وہی دیوار ہے جسے انسان اپنے اعمال سے کھڑا کر لیتا ہے۔ پھر ایک دفعہ اسے نور کہا تو دوسری دفعہ اسے رحمت اور جنت قرار دیا اور جسے پہلے ظلمت قرار دیا اسی کو بعد میں عذاب جہنم سے تعبیر کیا۔

مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ۭ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝١٥

نے کفر کیا، تمہارا ٹھکانا آگ ہے وہی تمہاری رفیق ہے اور وہ بُری جگہ ہے ۱ـ

اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ ۙ وَلَا يَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝١٦

کیا ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کے ذکر کے لیے نرم ہو جائیں اور اس کے (لیے) جو حق سے اترا ہے اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جنھیں پہلے کتاب دی گئی پھر ان پر لمبا زمانہ گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے۔ اور ان میں سے بہت سے نافرمان ہیں ۲ـ

اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝١٧

جان لو کہ اللہ زمین کو اس کی موت کے بعد زندہ کرے گا، ہم نے تمہارے لیے آیتیں کھول کر بیان کر دی ہیں تاکہ تم عقل سے کام لو۔

اِنَّ الْمُصَّدِّقِيْنَ وَالْمُصَّدِّقٰتِ وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝١٨

صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور (جو) اللہ کے لیے اچھا مال الگ کرتے ہیں، ان کے لیے بڑھایا جائے گا اور ان کے لیے عزت والا اجر ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰۗىِٕكَ

اور جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے یہی اپنے

نمبر۱۔ آگ یا دوزخ کو یہاں کفار اور منافقین کا مولیٰ یا مددگار کہا ہے اور اس طرح صاف بتا دیا ہے کہ دوزخ اُن کے لیے بطور علاج ہے گو ایک ایسا علاج ہے جو ان کے لیے دکھ کا موجب ہے مگر وہ اس قابل نہیں رہے کہ جب تک آگ کے ذریعہ سے ان کی آلائشوں کو صاف نہ کیا جائے وہ جنت میں یا خدائے قدوس کے حضور حاضر ہو سکیں۔

نمبر۲۔ ابن جریر نے اس آیت کی تفسیر میں ایک روایت بیان کی ہے اول ما یرفع من الناس الخشوع سب سے پہلے لوگوں سے خشوع اٹھایا جائے گا جس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے اس آیت کو آیندہ زمانے پر لگایا جب لوگوں کے درمیان سے خشوع اُٹھ جائے اور قرآن کریم کے کھلے الفاظ اسی نتیجہ کے مؤید ہیں۔ اس لیے کہ یہاں طال علیہم کا ذکر اہل کتاب کے متعلق ہے یعنی ان کے دل ایک لمبا زمانہ گذرنے کے بعد سخت ہوئے تھے تو اسی حالت سے مسلمانوں کو ڈرایا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی لمبا زمانہ گذر جائے تو تمہارے دل سخت ہو جائیں اور الم یان میں کچھ مصائب کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے یعنی اس قدر مصائب اور تکالیف کو اُٹھا کر بھی تمھیں سمجھ آئے گا یا نہیں کہ پہلی ضرورت ذکر اللہ اور قرآن کے آگے اپنے آپ کو جھکانا ہے اور یہی وہ بات ہے جس کی طرف آج مسلمانوں کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اگلی آیت میں خوش خبری دی ہے کہ ایسا مُردگی کا زمانہ آنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ اس قوم کو زندہ کرے گا اور اس کے لیے اس سے اگلی آیت میں رستہ بھی بتایا کہ صدقات کرو اور یہ صدقات دین اسلام کے احیاء کے لیے ہیں۔

هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ وَ الشُّهَدَآءُ عِنْدَ
رَبِّهِمْ ؕ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَ نُوْرُهُمْ ؕ
وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ
ع اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۹﴾
اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ
لَهْوٌ وَّ زِيْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَيْنَكُمْ وَ
تَكَاثُرٌ فِي الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ ؕ كَمَثَلِ
غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ
فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا ؕ
وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ
مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ
الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۲۰﴾
سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ جَنَّةٍ
عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ ۙ
اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ؕ

رب کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں ۱ ان
کے لیے ان کا اجر اور ان کا نور ہے ، اور جو لوگ
انکار کرتے ہیں اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں،
وہ دوزخ والے ہیں۔
جان لو کہ دنیا کی زندگی کھیل اور تماشا اور زینت اور
آپس میں فخر کرنا اور مال اور اولاد میں ایک
دوسرے پر کثرت چاہتا ہے ، بارش کی مثال
کی طرح جس کا سبزہ کسانوں کو خوش لگتا ہے ۔
پھر وہ خشک ہو جاتا ہے تو اسے زرد دیکھتا ہے پھر وہ
چورا چورا ہو جاتا ہے اور آخرت میں سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ
کی طرف سے مغفرت اور رضا ، اور دنیا کی زندگی صرف
دھوکے کا سامان ہے ۲۔
اپنے رب کی مغفرت کی طرف سبقت کرو اور اس جنت کی طرف
جس کی فراخی آسمان اور زمین کی فراخی کی طرح ہے وہ ان لوگوں
کے لیے تیار کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاتے

نمبر۱۔ امنوا باللہ ورسلہ سے مراد یہاں کامل الایمان لوگ ہیں جو دین کے مقابل پر کسی چیز کی پروا نہیں کرتے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا من فر بدینہ من ارض الی ارض مخافۃ الفتنۃ علی نفسہ ودینہ کتب عند اللہ صدیقا فاذا مات قبضہ اللہ شہیدا ثم تلا الایۃ .... ثم قال ھذہ فیھم ثم قال والفرارون بدینھم من ارض الی ارض یوم القیٰمۃ مع عیسٰی بن مریم فی درجتہ فی الجنۃ۔ یعنی جو شخص اپنے نفس اور دین پر فتنہ کے خوف سے اپنے دین کو لیکر ایک ملک سے دوسرے ملک کو بھاگتا ہے وہ اللہ کے نزدیک صدیق لکھا جاتا ہے اور جب مرتا ہے تو اللہ اسے شہید کے طور پر قبض کرتا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی والذین اٰمنوا باللہ ورسلہ اور فرمایا یہ انہی کے بارہ میں ہے پھر فرمایا اور اپنے دین کو لے کر ایک ملک سے دوسرے ملک کی طرف بھاگنے والے قیامت کے دن عیسٰی بن مریم کے ساتھ ان کے جنت کے درجہ میں ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ حضرت عیسٰی بھی اپنے دین کو لے کر ملک شام سے بھاگ گئے تھے۔

نمبر۲۔ یہ دنیا کی زندگی کو غرض بنا لینے کے نتائج ہیں اس لیے آخر پر فرمایا کہ آخرت میں سخت عذاب ہے کیونکہ یہاں آخرت کے لیے کوئی تیاری نہیں کی۔ اور اس کے مقابل پر مغفرت اور رضا کا ذکر کیا کہ یہ اس کے لیے ہے جو آخرت کو غرض بناتا ہے۔ آج ان الفاظ کو بالخصوص سامنے رکھنے کی ضرورت ہے۔ جب چاروں طرف یہی لہو ولعب اور تفاخر اور تکاثر کا نظارہ نظر آتا ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۱﴾	ہیں ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے ۔ اور اللہ (تعالیٰ) بڑے فضل والا ہے ۔
مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۲۲﴾	کوئی مصیبت زمین میں نہیں پہنچتی ہے اور نہ تمھاری اپنی جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں ہوتی ہے ، اس سے پہلے کہ ہم اسے پیدا کریں یہ اللہ تعالیٰ پر آسان ہے ۱؎
لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَ لَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرِ ۙ﴿۲۳﴾	تاکہ تم اس پر غم نہ کھاؤ جو تم سے جاتا رہا اور نہ اس پر اتراؤ جو تمھیں دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی متکبر فخر کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا ۔
الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَ يَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾	جو بخل کرتے ہیں اور لوگوں کو بخل کا حکم دیتے ہیں اور جو پھر جاتا ہے ، تو اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے ، تعریف کیا گیا ۔
لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَ اَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَ رُسُلَهٗ	ہم نے اپنے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا ، اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاری ، تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں ۔ اور ہم نے لوہا اتارا ، اس میں شدت کی سختی ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں اور تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے کون اس کی اور اس کے رسولوں کی

نمبر ۱ ۔ کتاب سے مراد علم الٰہی ہے اور نبرآہا کی ضمیر مصیبت کی طرف جاتی ہے اور ہر مصیبت کے کتاب میں ہونے سے یہ مراد ہے کہ وہ بعض اسباب کا نتیجہ ہے ان اسباب کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور فی الارض سے مراد قحط زلزلے وغیرہ لیے گئے ہیں اور فی انفسکم سے مراد بیماریاں وغیرہ ۔ مگر ہو سکتا ہے کہ یہاں خطاب مسلمانوں کو ہے اور مراد فی الارض سے دنیا کی اور قوموں کی مصائب ہیں اور فی انفسکم سے مسلمانوں کی مصائب ۔ اور دیلمی میں ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا سیفتح علی امتی باب من القدر فی آخر الزمان لا یسدہ شئی یکفیکم منہ ان تلقوہ بھذہ الایۃ یعنی میری امت پر ایک مصائب کا دروازہ آخری زمانہ میں کھولا جائے گا اسے کوئی چیز نہیں روک سکے گی ۔ تمھارے لیے کافی ہوگا کہ اس آیت ما اصاب من مصیبۃ سے اس کا مقابلہ کرو جس میں یہاں یہ پایا جاتا ہے کہ یہ آیت آخری زمانہ کے متعلق ایک پیشگوئی اپنے اندر رکھتی ہے اور فی الحقیقت آج کے مسلمانوں کی مصائب مفصل احادیث نبوی میں موجود ہیں اور اس آیت میں تسلی ہے ۔ اور امام احمد کی حدیث میں ہے کہ دو شخص حضرت عائشہ رض پر داخل ہوئے اور عرض کیا کہ ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم کہا کرتے تھے کہ عورت اور چار پائے اور گھر میں شگون ہے تو انھوں نے کہا یہ نہیں بلکہ آپ یوں فرمایا کرتے تھے کہ اہل جاہلیت کہا کرتے تھے کہ ان چیزوں میں شگون ہے اور آپ نے یہ آیت پڑھی ۔

ع بِالْغَيْبِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۵﴾
وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرٰهِيْمَ وَ
جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ
فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾
ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓي اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا
وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ
الْاِنْجِيْلَ ڏ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ
الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ۭ
وَرَهْبَانِيَّةَۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا
عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَاۗءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا
رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ

غیب میں مدد کرتا ہے اللہ تعالیٰ قوت والا غالب ہے ۱۔
اور ہم نے ہی نوحؑ اور ابراہیمؑ کو بھیجا اور ان کی نسل میں نبوت
اور کتاب (کے سلسلہ) کو رکھا، سو ان میں سے کچھ ہدایت
پر ہیں اور بہت سے ان میں سے نافرمان ہیں۔
پھر ہم نے ان کے قدموں پر ان کے پیچھے (اور) رسول
بھیجے اور (سب سے) پیچھے عیسیٰؑ ابن مریم کو بھیجا اور اُسے
انجیل دی ۲۔ اور ان لوگوں کے دلوں میں جنھوں نے
اس کی پیروی کی مہربانی اور رحم ڈالا۔ اور رہبانیت
انھوں نے خود نکالی ہم نے اسے ان پر لازم نہیں کیا،
مگر اللہ کی رضا کو حاصل کرنے کے لیے (نکالی)، پر اس کی وہ
نگہداشت نہ کر سکے جو اس کی نگہداشت کا حق تھا ۳۔ سو

نمبر۱۔ میزان سے مراد یہاں عدل ہے رسولوں کے ساتھ کتاب بھیجی جس میں احکام اور شرائع ہیں اور ان کے ساتھ عدل کو نازل کیا۔ یعنی اس کتاب کو ٹھیک طور پر استعمال کرنے کا طریق۔ دونوں کی غرض بتائی کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں اگر صرف احکام ہوتے یعنی کتاب اور اس کے ساتھ میزان نہ ہوتی تو بھی لوگ اس پر عمل نہ کر سکتے۔ اس لیے کہ انھیں علم نہ ہوتا کہ کس حکم پر کس حد تک اور کن حالات میں عملدرآمد کرنا ہے۔ رسول کا اس پر عمل کر کے دکھانا گویا ایک میزان قائم کر دینا ہے۔ پس میزان اصل میں رسول کا نمونہ ہے اور اس کے ساتھ لوہے کا ذکر کیا یعنی لوگ اس کی مخالفت کرتے اور تلوار سے اسے نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں۔ یہی منشاء ہے لیعلم اللہ من ینصرہ ورسلہ بالغیب کا۔ اور اس نصرت کو جو مومن ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ کے دین کی کرتے ہیں۔ بالغیب اس لیے کہا کہ اس وقت غلبہ کفر کا ہی ہوتا ہے اور حق کی کامیابی محض ایک ایمانی بات ہوتی ہے اور لوہے کے اتارنے کا یہ منشاء نہیں کہ حضرت آدمؑ کے ساتھ کچھ اوزار نازل ہوئے تھے بلکہ زمین میں لوہے کا پیدا کرنا مراد ہے جس طرح دوسری جگہ چارپایوں کو اتارنے کا ذکر ہے۔

نمبر۲۔ علیٰ آثارھم میں ضمیر نوحؑ اور ابراہیمؑ کی طرف ہی ہے اور تثنیہ کی بجائے جمع ضمیر لانے میں اشارہ دیگران کے ہمعصر رسولوں کی طرف ہے جیسے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ لوطؑ تھے اور قفینا بعیسی بن مریم لا کر بتا دیا کہ ان تمام قومی رسولوں کا عیسیٰ بن مریم پر خاتمہ کر دیا گیا گویا یوں فرمایا کہ رسول کے رسول بھیجتے رہے یہاں تک عیسیٰؑ پر سلسلہ ختم ہو گیا اور اس کے پیروؤں کے دلوں میں مہربانی اور رحم کا خصوصیت سے ذکر کیا اور یوں صحابہ کی صفت میں بھی ہے رحماء بینھم اس لیے رسول کی تعلیم میں صرف اس ایک پہلو پر ہی زور تھا گویا ان کی تعلیم صرف ایک شاخ قوائے انسانی کی پرورش کے لیے تھے اور یوں بتا دیا کہ یہ سب مقامی اور وقتی تعلیمات تھیں۔

نمبر۳۔ امتِ مسیح کی رہبانیت کا ذکر کیا جو انھوں نے بطور بدعت اختیار کر لی، یعنی نرمی اور محبت کی تعلیم تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے مگر یہ کبھی اس نے کسی قوم کو تعلیم نہیں دی کہ علایق دنیوی سے بکلی منقطع ہو کر عبادت میں مصروف ہو جائیں اور الا ابتغاء رضوان اللہ میں الّا استثنائے منقطع ہے یعنی یہ بدعت حصول رضائے الٰہی کے لیے تھی۔ مسلمانوں نے بھی اسی قسم کی بہت سی بدعات نکالی ہیں جیسے مختلف قسم کے اذکار اور چلّے جن کا کتاب اور سنت

اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَ كَثِيْرٌ
مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾

ہم نے ان میں سے ان لوگوں کو جو ایمان لائے ان کا اجر دیا۔
اور بہت سے ان میں سے نا فرمان ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا
بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ
وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ
لَكُمْ ۚ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۸﴾ۙ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ کرو اور اس کے
رسول پر ایمان لاؤ تاکہ وہ تمھیں اپنی رحمت کے دو حصّے دے[1]
اور تمھارے لیے نور پیدا کردے جس سے تم چلو اور تمھاری
مغفرت کرے اور اللہ تم مغفرت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

لِّئَلَّا يَعْلَمَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَلَّا
يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللّٰهِ
وَ اَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ
مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾ۧ

تاکہ اہل کتاب یہ نہ سمجھیں کہ وہ (مسلمان) اللہ تم کے فضل میں سے
کسی چیز پر دسترس نہیں رکھتے۔ اور فضل اللہ تم
کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے،
اور اللہ (تعالیٰ) بڑے فضل والا ہے۔

میں کوئی نام ونشان نہیں۔ مگر ان کی غرض بھی تزکیہ نفس ہی تھی فما رعوھا حق رعایتھا میں بتایا کہ ایسی باتیں جو لوگ ایجاد کر لیتے ہیں ان پر قائم نہیں رہ سکتے اور انجام کار ان کا نقصان بہ نسبت ان کے نفع کے بڑھ جاتا ہے اگر کچھ لوگ ان سے فائدہ اٹھا کر منھم مھتد کا مصداق ہوتے ہیں تو کثیر حصّہ فسق میں مبتلا ہو جاتا ہے چنانچہ رہبانیت کا انجام بھی یہی ہوا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بدعت گو حصول رضائے الٰہی کے لیے ہی ہو مگر نتیجہ اس کا اچھا نہیں ہو سکتا اور بدعت محض ہر ایک ایسے کام کا نام نہیں جو رسول اللہ صلعم نے نہ کیا ہو بلکہ کسی ایسی بات یا کسی ایسی رسم کو دین کا جزو قرار دینا ہے جو کتاب یا سنت نبوی سے ثابت نہ ہو۔ مثلاً بعض بزرگوں نے بدعت کی تعریف کو وسعت دیتے ہوئے رد ملاحدہ وغیرہ کو اور تصنیف کتب علما اور بنائے مدارس کو بھی بدعت میں داخل کیا ہے اور پھر اسے بدعت کی واجب اور مندوب قسم قرار دیا ہے اور بعض نے مختلف اقسام کے کھانوں یا لباس کو بدعت قرار دیکر پھر اسے بدعت کی قسم مباح قرار دیا ہے۔ ایسا ہی بعض لوگ خطبہ جمعہ میں سامعین کی زبان میں وعظ کرنے کو بدعت سمجھتے ہیں۔ اب باطل کا رد کرنا خواہ کسی جائز طریق پر ہو نہ صرف بدعت نہیں بلکہ اولین فرض ہر مسلم کا ہے رسول اللہ صلعم خود ساری عمر رد باطل کرتے رہے اور رد کرنے میں کوئی تقریر کرے یا کتاب لکھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ ایسا ہی خطبہ جمعہ میں وعظ رسول اللہ صلعم کرتے تھے اور اس کی غرض سامعین کو فائدہ پہنچانا تھا۔ اب اگر کوئی خطیب عربی زبان میں خطبہ پڑھ چھوڑتا ہے تو وہ خطبہ کی اصل غرض سے بے خبر ہے اور خطبہ کا حق وہی ادا کرتا ہے جو سامعین کو وعظ سناتا ہے اور اس کے لیے ان کی زبان میں تقریر کرنا ضروری ہے۔ رہا یہ سوال کہ کوئی شخص کونسا کھانا کھاتا ہے یا کس طرح کھاتا ہے یا کونسا لباس پہنتا ہے یا کس مکان میں رہتا ہے ان پر بدعات کا نام نہیں آسکتا۔

نمبر ۱۔ کفلین سے مراد کفل دُنیا اور کفل آخرت ہیں۔ رہبانیت کے مقابل پر بتایا کہ مسلمان اگر تعلیم قرآن پر چلیں تو وہ دین و دنیا دونوں کو اپنے اندر جمع کر لیں گے۔

آیاتھا ۲۲ (۵۸) سُوْرَةُ الْمُجَادَلَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱ رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ
زَوْجِهَا وَ تَشْتَكِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ يَسْمَعُ
تَحَاوُرَكُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ ۢ بَصِيْرٌ ①
اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ
مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ ؕ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ
وَلَدْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا
مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ
لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ②
وَ الَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ

اللہ نہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اللہ نے اس (عورت) کی بات سُن لی، جو تجھ سے اپنے خاوند کے بارے میں جھگڑتی تھی، اور اللہ سے فریاد کرتی تھی، اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سُن رہا تھا۔ اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

تم میں جو لوگ اپنی عورتوں کو مائیں کہہ دیتے ہیں، وہ اُن کی مائیں نہیں، ان کی مائیں صرف وہی ہیں جنھوں نے انھیں جنا، اور وہ بیہودہ بات اور جھوٹ کہتے ہیں۔ اور اللہ (تعالیٰ) یقیناً معاف کرنے والا اور مغفرت کرنے والا ہے ۲۔

اور جو لوگ اپنی عورتوں کو مائیں کہہ دیتے ہیں پھر اس کی

نمبر۱۔ اس سورت کا نام المجادلۃ ہے اور اس میں تین رکوع اور بائیس آیتیں ہیں۔ یہ نام اس سورت کا ایک مسلمان عورت کے آنحضرت صلعم کے ساتھ مجادلہ سے لیا گیا ہے مگر صدر سورت میں اس کا ذکر کر کے باقی ساری سورت میں مخالفین کی منصوبہ بازیوں اور شرارتوں کا ذکر ہے اور یہ دو گروہ ہیں ایک یہودی اور ایک منافق، یہ دونوں اندرونی دشمن اسلام تھے۔ کیونکہ یہود نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کیا ہوا تھا اور منافق برائے نام مسلمان کہلاتے تھے اور یہ ذکر مقابلہ کے رنگ میں ہے ایک عورت بھی رسول اللہ صلعم سے جھگڑتی ہے مگر اس کے جھگڑے کی اللہ تعالیٰ اس قدر عزت کرتا ہے کہ فرماتا ہے کہ اس کی بات کو ہم نے سُن لیا اس لیے کہ وہ حق پر جھگڑتی تھی۔ مگر منافق اور یہودی ناحق پر جھگڑا کرتے تھے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ ذلیل ہوں گے اور اللہ کا رسول غالب آئیگا اور پچھلی سورت میں جو ذکر کیا تھا یہاں اس کو زیادہ واضح کر دیا ہے۔ اس کا نزول مدینہ میں چوتھے سال ہجرت سے پیشتر ہُوا۔

نمبر۲۔ پہلی چار آیات کا نزول خولہ بنت ثعلبہ کے متعلق ہے۔ ان کا خاوند اوس بن صامت بوڑھا آدمی تھا اور طبیعت میں کچھ بدخلقی آگئی تھی۔ کسی بات پر ناراض ہو کر بیوی سے ظہار کیا اور جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جب بیوی کو ماں کہہ دیا جاتا تو وہ اس پر قطعاً حرام ہو جاتی اور ان کا بال بچہ بہت تھا۔ تب وہ بی بی رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنا ماجرا بیان کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ تو اس پر حرام ہو گئی۔ اس پر وہ بار بار عرض کرتی رہی کہ میرے بچے چھوٹے چھوٹے ہیں۔ اسی حالت میں رسول اللہ صلعم پر حالت وحی طاری ہوئی جب وہ حالت جاتی رہی تو آپ نے اسے بلا کر یہ آیات سنائیں اس مسئلہ کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔ یہ آیات بتاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کی بات کو سنتا ہے اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تک بات پہنچانے کے لیے درمیان میں کوئی واسطہ ہونا چاہیئے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ یہاں خود رسول اللہ صلعم سے ایک معمولی عورت بحث کر رہی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس کی بات کو سُن لیا تو اس میں عاجز سے عاجز اور گنہگار سے گنہگار بندے کے لیے خوشخبری ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو بھی سننے کے لیے تیار ہے بشرطیکہ خواہ جیسا دل رضائے مولیٰ کا طالب اس کے سینہ میں ہو۔

يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ	طرف واپس لوٹتے ہیں جو کہا تھا، تو ایک غلام کا آزاد
مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ؕ ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ	کرنا ہے، اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں، اس کے
بِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ③	ساتھ تمھیں وعظ کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے[1]
فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ	پھر جو کوئی (غلام) نہ پائے تو دو مہینے کے پے بہ پے روزے
مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ۚ	ہیں، اس سے پہلے کہ وہ ایک دوسرے کو چھوئیں۔ پھر جسے
فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ	(یہ) طاقت نہ ہو، تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔
مِسْكِيْنًا ؕ ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ	یہ اس لیے کہ تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور
رَسُوْلِهٖ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَ	یہ اللہ تعالیٰ کی (قائم کردہ) حدّیں ہیں۔ اور کافروں کے
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ④	لیے دردناک عذاب ہے۔
اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ	جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کرتے ہیں
كُبِتُوْا كَمَا كُبِتَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ	ذلیل کیے جائیں گے جس طرح ان سے پہلے (مخالفتِ حق کرنے والے)
وَ قَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ	ذلیل کیے گئے اور ہم نے تو کھلے حکم اتار دیئے ہیں اور کافروں کے
عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۚ ⑤	لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے[2]۔
يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُهُمْ	جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا۔ پھر انھیں اس کی
بِمَا عَمِلُوْا ؕ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَ نَسُوْهُ ؕ	خبر دے گا جو انھوں نے کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے محفوظ رکھا ہے
ع وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۠ ⑥	اور وہ اسے بھول گئے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر گواہ ہے۔
اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو آسمانوں میں ہے

نمبر۱۔ ثم یعودون لما قالوا یعنی اول تو اسے ماں کہا۔ پھر اس سے بیوی کا تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں گویا جس چیز کو اپنے اوپر حرام کر دیا تھا۔ اب اس کی طرف لوٹتے ہیں تو اس کا کفارہ ایک غلام کا آزاد کرنا ہے وہ نہ کرسکے تو ساٹھ روزے، وہ نہ ہوسکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا جیسا کہ اگلی آیت میں ذکر ہے اس سے معلوم ہوا کہ اسلام ظہار سے روکتا ہے۔ اور جو شخص ظہار کرتا ہے اس کے لیے یہ خاص سزا مقرر کی ہے اور سزا انہی افعال پر دی جاتی ہے جن کا روکنا مدنظر ہو اور پھر اسے منکر اور زور بھی کہا ہے پس کسی مسلمان کا اپنی بیوی کو ماں کہنا تعلیم اسلامی کی رو سے ناجائز ہے۔

نمبر۲۔ یہ قرآن کریم کی نہایت ہی لطیف طرز انتقالِ مضمون کی ہے۔ شروع سورت کو بیان سے کیا تھا کہ ایک عورت اپنے خاوند کے بارہ میں تجھ سے جھگڑتی ہے اسی اثنا میں ان لوگوں کا ذکر کیا جو عورتوں پر ظلم اور زیادتی کرتے ہیں گویا یہ بھی ایک گونہ مخالفت حق ہے تو اس سے اب اس عظیم الشان مخالفت حق کی طرف انتقال مضمون کیا جو اعدائے اسلام کر رہے تھے۔

وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ مَا يَكُونُ مِنْ نَّجْوٰى
ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا
هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰى مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ
اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَيْنَ مَا كَانُوْا ۚ
ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۷

اور جو زمین میں ہے کوئی تین خفیہ مشورہ کرنے والے نہیں ہوتے مگر وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے اور نہ پانچ مگر وہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم ہوتے ہیں اور نہ زیادہ مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں وہ ہوں پھر انھیں قیامت کے دن اس کی خبر دے گا جو انھوں نے کیا۔ اللہ (تعالیٰ) ہر چیز کو جاننے والا ہے ۱؎

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى
ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ
بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ ۡ
وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ
بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا
يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ۭ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ
يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۸

کیا تو نے انھیں نہیں دیکھا جنھیں خفیہ مشورے سے روکا گیا پھر وہ لوٹ کر اس کی طرف جاتے ہیں جس سے روکے گئے اور گناہ اور زیادتی اور رسولؐ کی نافرمانی کا خفیہ مشورہ کرتے ہیں اور جب تیرے پاس آتے ہیں۔ تو تجھے اس (کلمہ) سے دعا دیتے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے تجھے دعا نہیں دی اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کیوں ہمیں اس پر عذاب نہیں دیتا جو ہم کہتے ہیں ان کے لیے دوزخ کافی ہے وہ اس میں داخل ہوں گے سو وہ بری جگہ ہے ۲؎

نمبر۱۔ ان آیات میں ان خفیہ مشوروں کا ذکر ہے جو یہود اور منافقین اسلام کی بربادی کے لیے کیا کرتے تھے جیسا کہ اگلی آیت میں صاف کر دیا اور جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا لاخیر فی کثیر من نجواھم (النساء ۴:۱۱۴) یعنی ان کے خفیہ مشورے کسی بھلے کام کے لیے نہیں تو یہاں ان مخالفینِ حق کو جو خفیہ منصوبوں سے اسلام کو تباہ کرنا چاہتے تھے بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مشوروں کے حالات سے واقف ہے اور ثلاثۃ اور خمسۃ چونکہ مطلق ہیں اس لیے تین افراد بھی مراد ہو سکتے ہیں اور تین قومیں بھی اور ادنیٰ من ذلک دوسری بات کا مؤید ہے کیونکہ قوموں کی حالت میں ایک یا دو قومیں بھی منصوبہ بازی اور خفیہ مشورہ کر سکتے ہیں اور آج تین قوموں نے بھی اسلام کے خلاف خفیہ مشورے کیے اور پانچ نے بھی اور اس سے کم نے بھی اور زیادہ نے بھی گو زیادہ تر تین اور پانچ کے ہی رہے مگر اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے اور جسے اپنی طرف سے مار چکے تھے اسے اعجازی زندگی اللہ تعالیٰ نے دوبارہ عطا فرمائی اور اسلام کا نام پہلے سے بڑھ کر روشن ہوا تین اور پانچ کے خاص عدد اختیار کرنے میں اسی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے۔

نمبر۲۔ حضرت عائشہ رضؓ کی روایت بخاری مسلم وغیرہما میں ہے کہ کچھ یہودی رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو بجائے السلام علیک کے کہا السام علیک جس کے معنی ہیں تجھ پر موت آئے تو حضرت عائشہ رضؓ نے کہا علیکم السام و لعنکم اللہ وغضب علیکم۔ تم پر موت آئے اور اللہ کی لعنت ہو اور اس کا غضب ہو۔ تو رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اے عائشہؓ اللہ تعالیٰ اس قسم کی سخت گوئی کو پسند نہیں کرتا اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہودی رسول اللہ صلعم کے پاس آتے تو السام علیک ہی کہا کرتے تھے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ ان آیات میں یہودیوں کا ذکر ہے اور یہ لوگ منافقوں کے ساتھ مل کر اسلام کی تباہی کے لیے خفیہ مشورے کیا کرتے تھے اور بما لم یحیک بہ اللہ میں اس دعا کی طرف اشارہ ہے جو تشہد میں ہے السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جو حکایۃً من جانب اللہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَ مَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۹

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب تم الگ ہو کر بات چیت کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی بات چیت نہ کرو، اور نیکی اور تقوٰی کی بات چیت کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کا تقوٰے کرو جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔

اِنَّمَا النَّجْوٰى مِنَ الشَّيْطٰنِ لِيَحْزُنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ لَيْسَ بِضَآرِّهِمْ شَيْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰

(یہ) خفیہ مشورہ شیطان کی طرف سے ہے تاکہ انھیں غم میں ڈالے جو ایمان لائے اور وہ (مشورہ) سوائے اللہ کے اذن کے انھیں کوئی نقصان پہنچانے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ پر ہی چاہیئے کہ مومن بھروسا کریں۔[1]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِي الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا يَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَ اِذَا قِيْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝۱۱

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تمھیں کہا جائے کہ مجلسوں میں کُھل کر بیٹھو، تو کھل جایا کرو، تاکہ اللہ تعالیٰ تمھیں فراخی دے۔ اور جب کہا جائے اُٹھ جاؤ، تو اُٹھ جایا کرو[2] تا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے درجات بلند کرے جو تم میں سے ایمان لائے اور وہ جنھیں علم دیا گیا، اور اللہ (تعالیٰ) اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جب تم رسولؐ سے علیحدہ بات چیت کرو، تو اپنے مشورے سے پہلے صدقہ دے لیا کرو۔ یہ تمھارے لیے بہتر اور زیادہ پاکیزگی کا موجب ہے۔ پھر

نمبر۱: یہاں صاف بتایا کہ یہ خفیہ مشورے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے تھے اور اسی لیے انھیں شیطان کی طرف منسوب کیا ہے۔

نمبر۲: اوپر اعدائے اسلام کے خفیہ منصوبوں کا ذکر تھا اور یہاں آداب مجلس میں ایک بات کا ذکر کر دیا ہے یعنی مجلس میں اپنے بھائیوں کے آرام کا خیال رکھنا اور دوسروں کی خاطر خود تکلیف اُٹھالینا۔ تو وجہ تعلق یہ ہے کہ جب ان مجالس خفیہ کا ذکر کیا جہاں گناہ اور زیادتی اور معصیت رسول کے مشورے ہوتے تھے اور اس کے بالمقابل مومنوں کو تعلیم دی کہ وہ جو مجالس قائم کریں نیکی اور تقوٰی کے قائم کرنے کے لیے کریں۔ تو اب ان مجالس میں کچھ آداب کا بھی ذکر کیا اور گو یہ حکم عام ہے مگر خصوصیت سے رسول اللہ صلعم کی مجلس کا ذکر ہے جہاں کثرت سامعین کی وجہ سے اور اس شوق کی وجہ سے کہ رسول اللہ صلعم کے قریب بیٹھا جائے بھیڑ زیادہ ہو جاتی تھی اور بعض نے مجالس قتال مراد لی ہیں جہاں شوق شہادت کی وجہ سے ہر ایک آگے بڑھنے کی کوشش کرتا تھا اور انشزو سے مراد بھی رسول اللہ صلعم کی مجلس سے اُٹھ جانا ہے تاکہ آپ تنہا بھی ہو سکیں اور بعض کے نزدیک مراد جنگ یا نماز یا طاعت رسول کے لیے اُٹھنا ہے اور والذین اوتوا العلم سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلعم کی مجالس علمی کا ذکر ہے جہاں علم اور معرفت اور روحانیت کا سبق ملتا تھا۔

فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۲﴾
ءَاَشۡفَقۡتُمۡ اَنۡ تُقَدِّمُوۡا بَيۡنَ يَدَىۡ
نَجۡوٰٮكُمۡ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذۡ لَمۡ تَفۡعَلُوۡا
وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ فَاَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ
وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ ؕ
ع وَاللّٰهُ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۳﴾

اگر تم نہ پاؤ تو اللہ تعالیٰ مغفرت والا رحم کرنیوالا ہے۔
کیا تم ڈر گئے کہ اپنے مشورہ سے پہلے صدقہ دیا کرو، تو جب تم نے (ایسا) نہ کیا اور اللہؔ نے تم پر رجوع برحمت کیا ہے، تو نماز کو قائم کرو، اور زکوٰۃ دو۔ اور اللہؔ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور اللہؔ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو[1]

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ تَوَلَّوۡا قَوۡمًا غَضِبَ
اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ ؕ مَا هُمۡ مِّنۡكُمۡ وَلَا مِنۡهُمۡ ۙ
وَيَحۡلِفُوۡنَ عَلَى الۡكَذِبِ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۴﴾

کیا تو نے انھیں نہیں دیکھا جو ان لوگوں سے دوستی گانٹھتے ہیں جن پر اللہؔ ناراض ہے، نہ وہ تم میں سے ہیں اور نہ ان میں سے اور وہ جھوٹ پر قسمیں اُٹھاتے ہیں اور وہ جانتے ہیں[2]

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا ؕ اِنَّهُمۡ
سَآءَ مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵﴾

ان کے لیے اللہؔ نے سخت عذاب تیار کیا ہے۔ بُرا ہے جو وہ کرتے ہیں۔

اِتَّخَذُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ جُنَّةً فَصَدُّوۡا عَنۡ
سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿۱۶﴾

انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنایا ہے، پس اللہؔ کے رستہ سے روکتے ہیں سو ان کے لیے رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

لَنۡ تُغۡنِىَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ
مِّنَ اللّٰهِ شَيۡـًٔـا ؕ اُولٰۤٮِٕكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ؕ
هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۱۷﴾

نہ ان کے مال اور نہ ہی ان کی اولاد اللہؔ کے مقابل پر ان کے کسی کام آئیں گے۔ یہ آگ والے ہیں، وہ اسی میں رہیں گے۔

نمبر۱ اس سے پہلی آیت میں تھا کہ رسول اللہ صلعم سے مشورہ کرو تو کچھ صدقہ دے لو اور یہاں ہے کہ اگر تم نہ دو تو بھی ہرج نہیں تو کہا گیا ہے کہ پہلی آیت دوسری سے منسوخ ہے اور بعض کے نزدیک وہ آیت حکم زکوٰۃ سے منسوخ ہے پھر کوئی کہتا ہے پہلی آیت کا حکم دس دن قائم رہا تھا کوئی کہتا ہے صرف ایک گھڑی کوئی کہتا ہے عمل کرنے سے پہلے ہی اس پر خطِ نسخ کھینچا گیا۔ اگر غور کیا جائے تو دونوں آیتوں میں اختلاف کوئی نہیں بلکہ دوسری آیت پہلی کے مطلب کو ہی واضح کرتی ہے پہلی آیت میں صدقہ دینے کے حکم کے ساتھ ہی فرمایا فان لم تجدوا یعنی اگر نہ پاؤ تو اللہ غفور رحیم ہے اور دوسری آیت میں بھی یہی بتایا ہے کہ اگر تم ایسا نہ کرو تو اللہ تعالیٰ اس پر گرفت نہیں کرتا۔ چنانچہ فاذلم تفعلوا کے بعد ہے وتاب اللّٰہ علیکم تو دونوں کا ماحصل ایک ہے جو دینا چاہے دے، دینا افضل ہے لیکن اگر کوئی شخص نہ دے تو مواخذہ اس پر نہیں۔

نمبر۲ قوماً غضب اللّٰہ علیہم۔ یہودی ہیں اور ان سے دوستی کرنے والے منافق۔ انہی کا ذکر پچھلے رکوع میں تھا اور ماھم منکم ولا منھم میں انہی منافقوں کا ذکر ہے۔

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ
كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ
عَلٰى شَيْءٍ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۸﴾

جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اٹھائے گا، تو اس کے سامنے بھی قسمیں کھائیں گے جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ وہ کسی بات پر ہیں دیکھو یہ یقیناً جھوٹے ہیں۔

اِسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطٰنُ فَاَنْسٰهُمْ
ذِكْرَ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَاۤ
اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

شیطان نے ان پر قابو پالیا ہے۔ سو انھیں اللہ کا ذکر بھلا دیا۔ یہ شیطان کا گروہ ہیں۔ دیکھو شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ
اُولٰٓئِكَ فِى الْاَذَلِّيْنَ ﴿۲۰﴾

جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں، وہ سخت ذلیل لوگوں میں سے ہیں۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۲۱﴾

اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا ہے کہ یقیناً میں غالب رہوں گا میں اور میرے رسول۔ اللہ تعالیٰ طاقتور غالب ہے ؎۱

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ
وَلَوْ كَانُوْۤا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ
اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ
فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ
بِرُوْحٍ مِّنْهُ ؕ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ

تو ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں ایسا نہ پائے گا کہ وہ اس سے دوستی رکھیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے اور گو وہ ان کے باپ ہوں یا ان کے بیٹے یا اُن کے بھائی یا ان کے کنبے کے لوگ ؎۲۔ انہی کے دلوں کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے اور وہ انھیں باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ اُنھیں میں رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ

نمبر۱۔ حق اور باطل کے مقابلہ میں آخر حق غالب آتا ہے گو یہ جدوجہد کتنے عرصہ تک بھی جاری رہے اور یہی رسولوں کا غالب آنا ہے کیونکہ وہ حق کو قائم کرنے کے لیے ہی آتے ہیں۔ عرب میں حق محمد رسول اللہ صلعم کی زندگی میں ہی غالب آگیا اور باطل نابود ہوگیا۔ خود دنیا بھی اسی حق کے آگے آہستہ آہستہ سر جھکاتی چلی جارہی ہے

نمبر۲۔ یومنون باللہ والیوم الآخر یہاں صاف بتادیا کہ اس سے مراد صرف مسلمان ہیں اور ان الفاظ کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی مسلمان کسی کافر سے کسی قسم کا تعلق محبت کا رکھ نہیں سکتا۔ اگر یہ منشا ہوتا تو اہل کتاب بیبیوں سے نکاح کی اجازت کیوں دی جاتی جو جعل بینکم مودۃ ورحمۃ (الروم۔۲۱) کا مصداق ہوں گی۔ بلکہ کفار میں سے یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جو حاد اللہ ورسولہ کا مصداق ہیں یعنی دشمنی میں دوسری حد پر چلے گئے ہیں۔ حالتِ جنگ میں ایک قوم کُل کی کُل اس کا مصداق ہو جائے گی خواہ اس کے بعض افراد اس حد پر نہ بھی ہوں مگر اس کے علاوہ ہر فرد سے علیحدہ معاملہ اس کی حالت کے مطابق ہوگا

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۲۲

ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا گروہ ہیں سنو! اللہ (تعالیٰ) کا گروہ ہی کامیاب ہوگا۔

سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّةٌ (۵۹)

اٰیاتھا ۲۴ — رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۱

اللہ (تعالیٰ) کی تسبیح کرتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ ؕ مَا ظَنَنْتُمْ اَنْ يَّخْرُجُوْا وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مَّانِعَتُهُمْ حُصُوْنُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ فَاَتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوْا ۚ وَ قَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَ اَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فَاعْتَبِرُوْا

وہی ہے جس نے اہل کتاب میں سے ان لوگوں کو جو کافر ہیں اپنے گھروں میں سے پہلی جلاوطنی کے لیے نکالا۔ تم خیال نہ کرتے تھے کہ وہ نکل جائیں اور وہ سمجھتے تھے کہ ان کے قلعے انھیں اللہ تعالیٰ (کی سزا) سے بچالیں گے، سو اللہ تعالیٰ ان پر وہاں سے آیا جہاں سے انھیں گمان بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا، وہ اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے ویران کرتے تھے اور مومنوں کے ہاتھوں سے بھی۳ سوائے

اور دوسری طرف لفظ یوادون کا استعمال فرمایا۔ پس دشمنانِ اسلام کے ساتھ مودت نہیں ہو سکتی لیکن جو لوگ اسلام کے دشمن نہیں اور اسلام کا استیصال کرنے کے درپے نہیں ان سے تعلقات محبت یا موالات بھی ہو سکتے ہیں۔

نمبر۱۔ ایدھم بروح منه۔ روح کلام الٰہی کو بھی کہا جاتا ہے اور جبرئیل کو بھی۔ اور یہاں مراد جبرئیل ہی ہیں جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسانؓ کو کہا تھا روح القدس معک روح القدس تیرے ساتھ ہے اور ایک روایت میں ہے وجبرئیل معک جبرئیل تیرے ساتھ ہے پس اللہ تعالیٰ حضرت جبرئیل کے ساتھ مومنوں کی تائید فرماتا ہے اور یہاں بالخصوص صحابہ کا ذکر ہے اور رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ کی سند نے اس بات کا فیصلہ کر دیا ہے کہ یہ پاک جماعت انتہائی مراتب قرب الٰہی کو طے کر چکی تھی ان کو بُرا کہنے والے اہل تشیع اور ان کو ناقص قرار دینے والے ختم نبوت کے بعد اجرائے نبوت کرنے والے غور کریں۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام الحشر ہے اور اسے سورت بنی نضیر بھی کہا گیا ہے اور اس میں تین رکوع اور چوبیس آیتیں ہیں۔ حشر سے مراد یہاں جلاوطنی ہے اور اس سورت میں بنی نضیر کی جلاوطنی کا ذکر ہے اور یہ گویا ان کی منصوبہ بازیوں اور شرارتوں کی سزا تھی جن کا ذکر پچھلی سورت میں ہے اور یہی وجہ تعلق ہے یہ سورت مدنی ہے اور اس کا نزول چوتھے سال ہجری کا ہے۔

نمبر۳۔ آنحضرت صلعم کی ہجرت کے بعد قریش مدینہ کے مختلف لوگوں سے سازباز رکھتے اور اس ذریعہ سے اسلام کو تباہ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ

يٰۤاُولِي الْاَبْصَارِ ۲
بصیرت والو عبرت حاصل کرو۔

وَلَوْلَاۤ اَنْ كَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَآءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا ۗ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ۳
اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان پر جلاوطنی نہ لکھ دی ہوتی تو انھیں دنیا میں عذاب دیتا اور آخرت میں ان کے لیے آگ کا عذاب ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَآقِّ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۴
یہ اس لیے کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کی اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ سزا دینے میں سخت ہے۔

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَآئِمَةً عَلٰۤى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ
تم نے جو کھجور کا درخت کاٹا، یا اُسے اپنی جڑوں پر کھڑا چھوڑا۔ سو اللہ (تعالیٰ) کے اذن سے تھا اور تاکہ

ابوداؤد میں ہے کہ جنگِ بدر سے پیشتر انھوں نے عبداللہ بن ابی کو خط لکھا جس میں دھمکی بھی دی کہ اگر وہ نبی کریمؐ کے ساتھ جنگ نہ کرے گا تو قریش اس پر چڑھائی کریں گے اور عبداللہ تیار بھی ہوگیا مگر نبی کریمؐ کو وقت پر خبر پہنچ جانے کی وجہ سے اس جنگ کا سدِباب ہوگیا۔ پھر قریش نے جنگِ بدر کے بعد ایسا ہی ایک خط بنونضیر کو لکھا۔ انھوں نے آنحضرت صلعم سے بدعہدی کرنی چاہی رسول اللہ صلعم نے ان کا محاصرہ کیا اور کہا کہ تم میرے ساتھ عہد کرو (ایک عہد مدینے آنے پر اُن سے پہلے بھی ہُوا تھا مگر اس کے خلاف ان سے افعال سرزد ہونے پر آپ نے تجدید معاہدہ چاہی) مگر انھوں نے انکار کیا پھر آپ بنوقریظہ کے پاس گئے اور یہی مطالبہ ان سے کیا تو انھوں نے عہد کرلیا تب آپ نے بنونضیر کے ساتھ جنگ کی۔ یہاں تک کہ وہ مدینہ کو چھوڑ دینے پر راضی ہوگئے اس شرط پر کہ جو کچھ مال واسباب اپنے اونٹوں پر لاد کرلے جاسکیں لے جائیں لیکن دوسری روایات میں اس واقعہ کے جنگِ اُحد کے بعد پیش آنے کا ذکر ہے چنانچہ اصحابِ مغازی کہتے ہیں کہ اصحاب بئرِمعونہ کے قتل کے بعد یہ واقعہ پیش آیا اور بئرمعونہ کا واقعہ جنگِ اُحد کے بعد کا ہے اور صحیح یہی معلوم ہوتا ہے اور بنونضیر کی عداوت کا ذکر یہاں بھی صاف الفاظ میں آیت ۴ میں موجود ہے اور تاریخی طور پر یہ بھی ثابت ہے کہ جنگِ اُحد کے بعد کعب بن اشرف چالیس سواروں کے ساتھ مکہ گیا اور اسلام کی تباہی کے لیے قریش کے ساتھ خانہ کعبہ کے پاس معاہدہ کیا یہی وجہ کعب کے قتل کیا جانے کی تھی۔ یہ جلاوطنی ملک شام کی طرف تھی کیونکہ یہ لوگ کو کچھ خیبر میں بھی گئے مگر اکثر حصہ ملک شام میں چلا گیا تھا اور اس پر اوّل الحشر کا لفظ آنا بطور پیشگوئی کے ہے جس میں یہ اشارہ ہے کہ یہودیوں کی ایک اور جلاوطنی بھی ملک عرب سے وقوع میں آنے والی تھی اور یہ حضرت عمرؓ کے عہد میں وقوع میں آئی جب خیبر سے انھیں جلاوطن کر کے ملک شام میں آباد ہونے کی اجازت دی گئی اور بعض روایات میں ارضِ شام کا نام ارض محشر بھی آتا ہے تو شاید اسی لحاظ سے ہو یا اس لحاظ سے کہ آخری زمانہ میں ملک شام کے اندر بعض واقعات مسلمانوں کو پیش آنے والے تھے اور اگلی آیت میں بتایا کہ یہ جلاوطنی بھی ان کی نرم سزا تھی ورنہ وہ اس سے بھی زیادہ سزا کے مستحق تھے۔

یہ لوگ مضبوط قلعوں میں رہتے تھے اور اس لیے ان کا خیال یہ تھا کہ مسلمان ہمیں نکال نہیں سکتے اور دوسری طرف عبداللہ بن ابی نے اُن سے وعدہ کیا تھا کہ ہم تمھاری مدد کریں گے اور تمھارے ساتھ مل کر جنگ کریں گے جیسا کہ آیت ۱۱ میں ذکر ہے اور اتٰھم اللہ سے مراد اُن پر اللہ کی سزا کا آنا ہے اور ان کا اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو خراب کرنا اس طرح تھا کہ ایک تو وہ نہ چاہتے تھے کہ یہ جگہ مسلمانوں کے کام آئے اور دوسرے انھیں اجازت تھی کہ جو کچھ ساتھ لے جا سکتے ہیں لے جائیں اس لیے انھوں نے گھروں کو برباد کرنا شروع کیا تاکہ لکڑی وغیرہ ان میں سے نکال کر ساتھ لیجائیں۔ ایدی المومنین اس لیے فرمایا کہ محاصرہ کرنے میں مسلمانوں کو بھی یہ ضرورت پیش آئی کہ ان کے گھروں کو ویران کریں۔

وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵

وہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔[۱]

وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۶

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ان سے جو مالِ غنیمت دلوایا تو تم نے اس پر گھوڑے نہیں دوڑائے اور نہ اونٹ ، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو جس پر چاہتا ہے تسلّط دے دیتا ہے ۔ اور اللہ (تعالیٰ) ہر چیز پر قادر ہے ۔

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۷

جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو بستیوں والوں سے مالِ غنیمت دلایا تو وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اور رسولؐ کے لیے اور قریبیوں کے لیے اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافر کے لیے ہے تاکہ تم میں سے دولتمندوں کے اندر نہ پھرتا رہے[۲] ۔ اور جو تمھیں رسول دیتا ہے وہ لے لو، اور جس سے وہ تمھیں روکتا ہے رُک جاؤ[۳] ۔ اور اللہ تعالیٰ کا تقویٰ کرو۔ اللہ (تعالیٰ) سزا دینے میں سخت ہے ۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا

(وہ) مہاجر ناداروں کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور

نمبر۱۔ محاصرہ کی ضرورت کے لیے مسلمانوں نے بعض درخت کھجور کے کاٹ دیئے تھے۔ ان کی نیت برباد کرنا نہ تھا بلکہ کسی آڑ کو دور کرنا تھا اگر محض بربادی کی نیت ہوتی تو کوئی بھی درخت باقی نہ چھوڑتے۔

نمبر۲۔ جو حکم مالِ غنیمت کے پانچویں حصّہ کے بارے میں ہے، وہی یہاں کل مال فَے کے متعلق ہے اور بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلعم نے یہ مال اپنے اہل کے نفقہ کے لیے خاص کر لیا تھا آپ اس میں سے ایک سال کا خرچ اپنے اہل کے لیے باقی ہتھیاروں، گھوڑوں وغیرہ کی تیاری پر جہاد کے لیے صرف کرتے اور ابوداؤد میں ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ حضرت عمرؓ کے پاس ایک جھگڑا لائے جو اس مال کے متعلق تھا اور اور صحابی بھی وہاں تھے تو حضرت عمرؓ نے سب سے قسم دیکر پوچھا کہ کیا یہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا تھا یا نہیں لا نورث ماترکنا صدقۃ۔ ہم (انبیاء) ورثہ نہیں چھوڑتے جو ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے پھر فرمایا اموال بنی نضیر سے رسول اللہ صلعم اپنے عیال کے لیے ایک سال کا خرچ رکھ لیا کرتے تھے اور باقی فی سبیل اللہ صرف کر دیتے۔ آپ نے پھر سب کو قسم دیکر پوچھا تو انھوں نے اقرار کیا کہ ایسا ہی ہوتا تھا۔ پھر آپ نے حضرت ابوبکرؓ کا ذکر کیا کہ ان کے خلیفہ ہونے پر حضرت عباسؓ اپنا اور حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کا ورثہ طلب کرنے آئے تو حضرت ابوبکرؓ نے یہی فیصلہ کیا پھر فرمایا کہ میرے خلیفہ ہونے پر تم پھر آئے تو میں نے تم کو وہ مال اس شرط پر دے دیا کہ اسے اسی طرح پر خرچ کرو جس طرح رسول اللہ صلعم خرچ کرتے تھے سو اگر تم اس شرط پر قائم ہو تو اس مال کو رکھو ورنہ واپس کر دو اور اس کے خلاف میں ہرگز فیصلہ نہیں کر سکتا۔

نمبر۳۔ ما اٰتٰکم الرسول فخذوہ ہر حکم ایک خاص موقعہ پر ہی دیا جاتا ہے مگر اس کے الفاظ کی عمومیت صاف بتلاتی ہے کہ اس میں رسول اللہ صلعم کے کل احکام و نواہی آجاتے ہیں۔

مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ	اپنے مالوں سے نکالے گئے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فضل اور
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا وَّ يَنْصُرُوْنَ	رضا چاہتے ہیں اور اللہ (تعالیٰ) اور اس کے رسول
اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۚ﴿۸﴾	کی مدد کرتے ہیں ، یہی سچے ہیں۔
وَ الَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَ الْاِيْمَانَ مِنْ	اور وہ جو ان سے پہلے (ہجرت کے) گھر میں رہتے اور
قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ	ایمان رکھتے تھے وہ اس سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کرکے
وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً	ان کی طرف آتا ہے اور اپنے سینوں میں اس کی کوئی حاجت
مِّمَّآ اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ	نہیں پاتے جو انھیں دیا جاتا ہے اور وہ اپنے آپ پر انھیں
وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ؕۗ وَ مَنْ يُّوْقَ	مقدم رکھتے ہیں گو انھیں تنگی ہی ہو اور جو شخص اپنے نفس کے بخل
شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۹﴾	سے بچ جائے تو وہی کامیاب ہوں گے ۱
وَ الَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ	اور وہ جو ان کے بعد آئے کہتے ہیں ہمارے رب ہماری
رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا	مغفرت کر اور ہمارے بھائیوں کی جو ایمان میں ہم سے سبقت
بِالْاِيْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا	لے گئے اور ہمارے دلوں میں ان کے لیے جو ایمان لائے حسد
ع لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ع ﴿۱۰﴾	نہ پیدا ہونے دے اے ہمارے رب تو مہربان رحم کرنے والا ہے ۲
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ	کیا تو نے انھیں نہیں دیکھا جو منافق ہیں وہ اپنے بھائیوں

نمبر ۱- والذین تبوالدار والایمان سے مراد انصار ہیں۔ اور الدار سے مراد دارِ ہجرت یعنی مدینہ ہے اور ایمان میں جگہ بنانے سے مراد ایمان میں مضبوط ہونا ہے اور یہاں انصار کی یہ خصوصیت سے تعریف کی ہے کہ وہ باوجود اپنی تنگی کے مہاجرین کو ترجیح دیتے ہیں اور اسی کو شُحّ سے بچنا قرار دیا ہے کیونکہ شحّ بخل اور حرص کے اکٹھا ہونے کا نام ہے۔ اموال بنی نضیر میں سے انصار کو کوئی حصّہ نہیں دیا گیا۔ سوائے تین کے اس لیے کہ مہاجرین کے پاس کچھ بھی نہ تھا اور جب آنحضرت صلعم نے انصار سے دریافت کیا کہ چاہو تو تم مہاجرین کو اپنے مکانوں میں سے حصّہ دیدو اور بنی نضیر کی جگہ سب میں تقسیم کردی جائے اور چاہو تو یہ جگہ صرف مہاجرین کو دیدی جائے، تو انھوں نے عرض کیا کہ ہم اپنے اموال میں سے بھی مہاجرین کو حصّہ دیتے ہیں اور اموال بنی نضیر بھی آپ انہی کو دیدیں۔ یہ وہ پاک گروہ تھا جن کے دلوں میں مالِ دنیا کی محبت ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی نہ تھی۔ اس آیت کی تفسیر میں بخاری میں اس شخص کا قصّہ لکھا ہے جس کے سپرد رسول اللہ صلعم نے ایک مہمان کو کیا تو اس کے گھر میں سوائے بچوں کے کھانے کے کچھ نہ تھا تو میاں بیوی نے بچوں کو بھوکا سلا دیا اور آپ چراغ بجھا کر جو کچھ تھا وہ مہمان کو کھلا دیا اور آپ بھی بھوکے رہے اور کھانے کو ہاتھ نہ لگایا۔

نمبر ۲- مہاجرین اور انصار کی تعریف کے بعد فرمایا، بعد میں آنے والے ان کے لیے دعائے ترقی درجات کرتے ہیں اور اپنے دلوں میں ان کے لیے کسی قسم کا حسد یا کپٹ نہیں رکھتے۔ اہلِ تشیع کو قرآن کریم کے ایسے الفاظ سے سبق لینا چاہیئے۔ صحابہ کے پاک گروہ کے ساتھ بغض رکھنا اچھا نہیں۔ ہاں اگر ایک شخص ایک کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے تو یہ اس کا اختیار ہے۔

لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ
الْكِتٰبِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ
مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا أَبَدًا
وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ وَاللّٰهُ
يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُونَ ﴿۱۱﴾

کو جو اہل کتاب میں سے کافر ہیں کہتے ہیں اگر تمھیں نکالا گیا
تو ہم تمھارے ساتھ نکلیں گے اور ہم تمھارے معاملہ میں
کبھی کسی کی اطاعت نہ کریں گے اور اگر تم سے جنگ کی
گئی تو ہم ضرور تمھاری مدد کریں گے۔ اور اللہ (تعالیٰ)
گواہی دیتا ہے کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔

لَئِنْ أُخْرِجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ
وَلَئِنْ قُوتِلُوا لَا يَنْصُرُونَهُمْ وَلَئِنْ
نَصَرُوهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ
لَا يُنْصَرُونَ ﴿۱۲﴾

اگر انھیں نکالا گیا تو یہ ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور اگر ان
سے جنگ ہوئی تو یہ ان کی مدد نہ کریں گے اور اگر یہ ان کی
مدد کریں تو پیٹھیں پھیر دیں گے۔ پھر ان کی کوئی
مدد نہ ہوگی [1]

لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ
مِنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۱۳﴾

اللہ کی نسبت تمھارا ڈر ان کے دلوں میں بہت زیادہ
ہے یہ اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو سمجھتے نہیں۔

لَا يُقٰتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى
مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ بَأْسُهُمْ
بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَ
قُلُوبُهُمْ شَتّٰى ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ
لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۴﴾

یہ اکٹھے (بھی) تم سے نہیں لڑیں گے، سوائے اس کے
کہ قلعوں سے محفوظ کی ہوئی بستیوں میں ہوں یا دیواروں کی
آڑ میں، ان کی لڑائی آپس میں سخت ہے تو انھیں اکٹھا سمجھتا
ہے اور ان کے دل علیحدہ علیحدہ ہیں یہ اس لیے کہ وہ ایسے
لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے۔

كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا
ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۵﴾

(ان کی حالت) ان لوگوں کی حالت کی طرح ہے جو ان سے پہلے
قریب ہی اپنے کام کی سزا چکھ چکے ہیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے [2]

نمبر۱- ان آیات میں ان وعدوں کا ذکر ہے جو خفیہ طور پر منافقوں نے یہودیوں سے کیے تھے اور انھیں کہا تھا کہ تم مقابلہ پر اڑے رہو ہم تمھارے ساتھ ہیں اور لئن قوتلوا لا ینصرونہم کے بعد فرمایا لئن نصروہم تو اس کی وجہ یہ ہے کہ منافق جنگ میں کھلے طور پر جیسا کہ وعدہ کیا تھا ان یہودیوں کی امداد کے لیے نہ نکلے ہاں خفیہ طور پر انھیں مدد پہنچاتے رہے جس کا فائدہ یہودیوں کو کچھ نہ ہوا۔

نمبر۲- مجاہد کہتے ہیں کہ مراد اس سے اہل بدر ہیں۔ مگر ابن عباسؓ کا قول کہ مراد بنی قینقاع ہیں ترجیح کے قابل ہے۔ یہ بھی مدینہ میں یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا اور سب سے پہلے اسی نے اہل اسلام کے ساتھ معاہدہ توڑا اور لڑائی کا فیصلہ کر کے قلعہ گزیں ہو گئے آخر پندرہ دن کے محاصرہ کے بعد جلاوطنی اختیار کی اور شام میں جا آباد ہوئے۔ یہ بدر سے ایک ماہ بعد کا واقعہ ہے۔ دونوں بھی مراد ہو سکتے ہیں۔

كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ	شیطان کی حالت کی طرح، جب وہ انسان کو کہتا ہے کفر کر پھر
اكْفُرْ ۚ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ	جب وہ کفر کرتا ہے تو کہتا ہے میں تجھ سے بے تعلق ہوں۔
اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٦﴾	میں اللہ تعالیٰ جہانوں کے رب سے ڈرتا ہوں[1]۔
فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ	سو ان دونوں کا انجام یہ ہے کہ وہ دونوں آگ میں ہیں، اسی
ع فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٧﴾	میں رہیں گے اور یہی ظالموں کی سزا ہے۔
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ	اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ کرو اور ہر نفس
نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ	غور کرے کہ اس نے کل کے لیے کیا آگے بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ
اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿١٨﴾	کا تقویٰ کرو، اللہ تعالیٰ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ	اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے اللہ تعالیٰ کو بھلا دیا،
اَنْفُسَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿١٩﴾	سو اس نے انھیں اپنا آپ بھلوا دیا، یہی نافرماں ہیں
لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ	آگ والے اور جنّت والے برابر نہیں۔ جنت والے
الْجَنَّةِ ۭ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ﴿٢٠﴾	ہی بامراد ہیں۔
لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰي جَبَلٍ	اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتارتے تو تُو اسے اللہ
لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ	کے خوف سے گرا ہوا پھٹا ہوا دیکھتا[2] اور یہ
اللّٰهِ ۭ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ	مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ
لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١﴾	وہ فکر کریں۔
هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عٰلِمُ الْغَيْبِ	وہی اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں پوشیدہ
وَالشَّهَادَةِ ۚ هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿٢٢﴾	اور ظاہر کا جاننے والا وہ بے انتہا رحم والا بار بار رحم کرنے والا ہے۔

نمبر۱- پہلی آیت میں مشابہت بنی نضیر کی ہے اور یہاں منافقین کی جو انھیں شیطان کی طرح جھوٹے وعدے دیتے رہے۔

نمبر۲- یہ بیان تو بطور مثال ہے جیسا کہ خود فرما دیا۔ مگر قرآن کریم کی مثالیں بھی ایک گہری حقیقت اپنے اندر رکھتی ہیں جبل بلحاظ ثبت ایک انسان پر بھی بولا جاتا ہے اور عرب کے اندر ایک کیا ہزار ہا جبال تھے جو اپنے عقاید و اعمال پر ایسے پکے تھے کہ انھیں نہ یہود یوں کی تعلیم توحید اپنی جگہ سے ہلا سکی نہ عیسائیت کا عروج اور اس کی پُر زور تبلیغ۔ پانچ سو سال تک ان کی اصلاح پر دو قوموں نے زور لگایا مگر یہود و نصاریٰ کی تبلیغ اگر زبردست آندھی بھی تھی تو عرب کے لوگ پہاڑ تھے جن پر اس کا کچھ اثر نہ تھا۔ لیکن قرآن نے بیس سال کے اندر ان پہاڑوں کو گرا کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور علوم اور اخلاق کے دریا ان سے بہا نکالے وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ۔

هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞ ۲۳

وہی اللہ ہے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں، بادشاہ پاک سلامتی والا امن دینے والا نگہبان غالب بگڑے کو بنانے والا سب بڑائیوں کا مالک ۱؎ اللہ اس سے پاک ہے جو وہ شرک کرتے ہیں۔

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞ ۲۴

وہی اللہ ہے (مادہ کا) پیدا کرنے والا، روح کا پیدا کرنے والا۔ (مختلف) شکلیں بنانیوالا اس کے لیے سب اچھے نام ہیں ۲؎ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اسی کی تسبیح کرتا ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

سُوْرَةُ الْمُمْتَحِنَةِ مَدَنِيَّةٌ ۳؎ (۶۰)

اٰیاتُھا ۱۳ — رُکوعاتُھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو میرے مخالفوں اور اپنے مخالفوں کو دوست نہ بناؤ کہ ان کی طرف دوستی کے پیغام دو، حالانکہ

نمبر۱: یہاں اللہ تعالیٰ کے چند اسمائے حسنیٰ کا ذکر کیا ہے کیونکہ جتنی غلطیاں مذاہب میں لگتی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد سے پیدا ہوئی ہیں۔ بلحاظ اپنی حکومت اور تصرف کے وہ بادشاہ ہے، مگر وہ دنیا کے بادشاہوں کی طرح دوسروں کا محتاج نہیں کیونکہ وہ ہر نقص سے پاک یا قدوس اور ہر عیب اور ہر آفت سے سلامت یا سلام ہے بلکہ وہ دوسروں کو امن دینے والا اور ان پر نگہبان ہے پھر وہ غالب بھی ہے مگر ایسا غالب کہ فی الحقیقت سب کے اوپر ہے۔ اور بڑی سے بڑی عظمت اور کبریائی کا مالک ہے۔

نمبر۲- پہلی آیت میں ان اسماء کا ذکر کیا تھا جو قدرت وعظمت سے تعلق رکھتے ہیں اور یہاں ان اسماء کا ذکر کیا ہے جو ایجاد سے تعلق رکھتے ہیں۔ یعنی اشیاء کو وجود میں لانے سے اور یہاں تین صفات بیان کی ہیں۔ الخالق یعنی مادہ کا پیدا کرنے والا۔ الباری یعنی روح کا پیدا کرنے والا۔ المصوّر یعنی مادہ اور روح کی مختلف ترکیبوں سے مختلف صورتیں بنانے والا۔ آریہ سماج والے اللہ تعالیٰ کو صرف المصوّر مانتے ہیں اور اس کے مادہ اور روح کا خالق ہونے سے انکار کرتے ہیں گویا وہ ان دو صفات کے منکر ہیں اور چونکہ کسی اسم الٰہی کا انکار صریح شرک ہے اس لیے آریہ سماج بھی ایک مشرک فرقہ ہی ہے کامل توحید سوائے اسلام کے کسی کو نصیب نہیں۔ ان اسمائے الٰہی کے انکار کا نتیجہ یہ ہے کہ مادہ اور روح کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خود بخود اور ازلی ہونے میں کامل شریک مانتے ہیں چھوٹے چھوٹے اگر تینتیس کروڑ دیوتا چھوڑ دیئے تو کیا، دو بڑے خدا بنا لیے۔ صفاتِ الٰہی کا جو کامل اور مکمل نقشہ قرآن کریم نے کھینچا ہے کسی آسمانی کتاب میں تلاش کرنا عبث ہے۔

نمبر۳- اس سورت کا نام الممتحنہ ہے اور اس میں دو رکوع اور تیرہ آتیں ہیں اور اس میں مسلمانوں کے کفار کے ساتھ تعلقات پر بحث ہے اور ایک طرف اگر ان کفار سے جو جنگ کرتے ہیں ہر طرح پر ترک موالات کا حکم ہے تو دوسری طرف جو غیر مسلم جنگ نہیں کرتے اُن سے احسان کرنے اور انصاف کرنے کا حکم ہے انہی تعلقات باہمی میں یہ بھی ذکر ہے کہ جب ایسی عورتیں خاوندوں سے الگ ہو کر آجائیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہیں تو ان کے متعلق اُن کا امتحان لیکر پورا اطمینان کر لینا چاہیئے اگر وہ صحیح معنوں میں مسلمان ہوں تو پھر ان کے تعلقاتِ نکاح پہلے خاوندوں سے قائم نہیں رہ سکتے۔ اسی امتحان

وَقَدۡ كَفَرُوۡا بِمَا جَآءَكُمۡ مِّنَ الۡحَقِّ‌ۚ	وہ اس کا انکار کرتے ہیں جو تمھارے پاس آیا وہ رسول کو اور
يُخۡرِجُوۡنَ الرَّسُوۡلَ وَاِيَّاكُمۡ‌ اَنۡ تُؤۡمِنُوۡا	تھیں نکالتے ہیں اس لیے کہ تم اللہ اپنے رب پر
بِاللّٰهِ رَبِّكُمۡ ؕ اِنۡ كُنۡتُمۡ خَرَجۡتُمۡ	ایمان لاتے ہو، اگر تم میرے رستہ میں جہاد کے لیے اور
جِهَادًا فِىۡ سَبِيۡلِىۡ وَابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِىۡ‌ ۖ	میری رضا کو ڈھونڈنے کے لیے نکلے ہو تم چھپ کر انھیں
تُسِرُّوۡنَ اِلَيۡهِمۡ بِالۡمَوَدَّةِ ‌ۖ وَاَنَا اَعۡلَمُ	دوستی کے پیغام دیتے ہو۔ اور میں خوب جانتا ہوں جو تم
بِمَاۤ اَخۡفَيۡتُمۡ وَمَاۤ اَعۡلَنۡتُمۡ‌ ؕ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡهُ	چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو، اور جو کوئی تم میں سے
مِنۡكُمۡ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ﴿۱﴾	ایسا کرے گا وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا[1]۔
اِنۡ يَّثۡقَفُوۡكُمۡ يَكُوۡنُوۡا لَـكُمۡ اَعۡدَآءً	اگر وہ تمھیں پالیں تو تمھارے دشمن ہوں اور اپنے
وَّيَبۡسُطُوۡۤا اِلَيۡكُمۡ اَيۡدِيَهُمۡ وَاَلۡسِنَتَهُمۡ	ہاتھ اور اپنی زبانیں تم پر بدی کے ساتھ چلائیں اور وہ
بِالسُّوۡٓءِ وَوَدُّوۡا لَوۡ تَكۡفُرُوۡنَؕ ﴿۲﴾	چاہتے ہیں کہ تم کافر بن جاؤ۔
لَنۡ تَنۡفَعَكُمۡ اَرۡحَامُكُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُكُمۡ‌ ۚ	تمھارے رشتے اور تمھاری اولاد قیامت کے دن
يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ‌ ۚ يَفۡصِلُ بَيۡنَكُمۡ‌ ؕ وَاللّٰهُ	تمھیں نفع نہ دیں گے، وہ تمھارے درمیان فیصلہ کرے گا
بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۳﴾	اور اللہ اسے جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔
قَدۡ كَانَتۡ لَـكُمۡ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ فِىۡۤ اِبۡرٰهِيۡمَ	تمھارے لیے ابراہیمؑ اور ان لوگوں میں جو اس کے ساتھ
وَالَّذِيۡنَ مَعَهٗ‌ ۚ اِذۡ قَالُوۡا لِقَوۡمِهِمۡ	تھے اچھا نمونہ ہے۔ جب انھوں نے اپنی قوم سے کہا،

سے اس سورت کا نام لیا گیا ہے یہ سورت مدنی ہے اس کا زمانۂ نزول صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان ہے۔

نمبر ا۔ بخاری میں حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے مجھے اور زبیرؓ اور مقداد کو بھیجا اور فرمایا کہ روضہ خاخ پر تمھیں ایک عورت اونٹ پر سوار ملے گی اس کے پاس ایک خط ہوگا اسے لے لینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مشرکین مکہ کے نام تھا جس میں نبی صلعم کی بعض باتوں کی خبر انھیں پہنچائی گئی تھی دریافت پر حاطب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مہاجرین کے تو سب کے اہل مکہ میں رشتے ہیں اور میں قریش میں سے نہیں، میں نے خیال کیا کہ میں ان میں سے کوئی احسان کر چھوڑوں تاکہ وہ میرے رشتہ داروں کو نہ ستائیں اور میں نے یہ کفر و ارتداد سے نہیں کیا۔ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ حاطب نے سچ کہا ہے اور عمرو بن دینار نے جو اس حدیث کا پہلا راوی ہے کہا یہ آیت اسی کے بارہ میں نازل ہوئی۔ یہ واقعہ فتح مکہ سے پیشتر کا ہے اور حاطب نے قریش کو آنحضرت صلعم کے مکہ پر چڑھائی کرنے کے ارادہ کی خبر دی تھی۔ یہ واقعہ بھی اسی آیت کے ماتحت آتا ہے مگر اس قسم کی ہدایات ہر زمانہ میں مسلمانوں کے لیے بکار ہیں کیونکہ اسلام کی دشمنی کا سلسلہ ختم نہیں ہوگیا اور جو لوگ مسلمانوں کو اپنے گھروں سے نکالتے ہوں اس لیے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں تو ایسے لوگوں سے تعلقات محبت قائم کرنا مسلمان کا کام نہیں۔ کھول کر اس مضمون کو دوسرے رکوع میں بیان کیا ہے یہاں اور پھر اگلی آیت میں کفار کی حالت کا نقشہ کھینچا ہے کہ وہ جلاوطنی، قتل، قید، بدزبانی ہر طرح سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے

إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ ۖ رَّبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۴

ہم تم سے بے تعلق ہیں اور اس سے جس کی تم اللہ تعالیٰ کے سوائے عبادت کرتے ہو، ہم تم سے بیزار ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان دشمنی اور بیر ہمیشہ کے لیے ظاہر ہو گیا یہاں تک کہ تم اکیلے اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ، مگر ابراہیمؑ کا اپنے بزرگ کو یہ کہنا کہ میں تیرے لیے بخشش مانگوں گا اور میں اللہ تعالیٰ کے سامنے تیرے لیے کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا، اے ہمارے رب ہم نے تجھ پر بھروسا کیا اور تیری طرف رجوع کیا اور تیری طرف انجام کار پھر کر آنا ہے م۱

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۵

اے ہمارے رب ہمیں ان لوگوں (کے ہاتھ) سے جو کافر ہیں دکھ نہ پہنچا اور اے ہمارے رب ہماری حفاظت فرما۔ تو غالب حکمت والا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ ۚ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۶ ع

یقیناً تمہارے لیے ان میں اچھا نمونہ ہے، اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ (کے سامنے جانے، اور) پچھلے دن کی امید رکھتا ہے۔ اور جو کوئی منہ پھیر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہی بے نیاز تعریف کیا گیا ہے۔

عَسَى اللَّهُ أَن يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُم مِّنْهُم مَّوَدَّةً ۚ وَاللَّهُ قَدِيرٌ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۷

قریب ہے کہ اللہ تمہارے اور ان لوگوں کے درمیان جن کے ساتھ ان میں سے تمہاری دشمنی ہے محبت پیدا کر دے اور اللہ تعالیٰ قادر ہے اور اللہ (تعالیٰ) بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ م۲

لَّا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ

اللہ تعالیٰ تمھیں ان سے نہیں روکتا جنھوں نے تمہارے ساتھ دین کے

لیے تیار ہیں اور وہ راضی نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ اسلام کا نام مٹا کر ان چند نفوس کو بھی کافر نہ بنا لیں جو مسلمان ہو چکے تھے۔

نمبر۱۔ کفرنا بکم۔ کفر بعض وقت معنی براءۃ بھی آتا ہے یعنی کسی چیز سے بے تعلق یا بیزاری۔
حضرت ابراہیمؑ کا نمونہ پیش کیا ہے کہ جب ان کی قوم کی دشمنی اور نفرت ان کے ساتھ علی الاعلان ظاہر ہو گئی تو وہ بھی قوم سے الگ ہو گئے اور آپ کو مستثنیٰ رکھنا شاید اس وجہ سے ہو کہ وہ اسے ایسا دشمن نہ سمجھتے تھے کیونکہ دوسری جگہ ہے: فلما تبین له انه عدو لله تبرا منه (توبہ۔۱۱۴) اور حضرت ابراہیمؑ کو یہاں صرف اس امر میں بطور نمونہ پیش کیا ہے کہ باوجود حد درجہ کے حلم کے انھیں بھی آخر اعدائے دین سے قطع تعلق کرنا پڑا کیونکہ خدا کی محبت کے سامنے آخر سب محبتوں کو قربان کرنا پڑتا ہے۔

نمبر۲۔ یہ پیشگوئی صاف بتاتی ہے کہ ان کفار کی تباہی ہونے والی نہیں تھی بلکہ اصلاح ہو کر آخر وہی مسلمانوں کے دوست بننے والے تھے۔

فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ
اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝٨

بارے میں لڑائی نہیں کی اور تمھیں اپنے گھروں سے نہیں نکالا کہ تم
ان سے احسان کرو اور ان سے انصاف کرو۔ اللہ تعالیٰ
انصاف کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے [1]۔

اِنَّمَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ
وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓى
اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝٩

اللہ تم کو صرف ان لوگوں سے دوستی کرنے سے روکتا
ہے جنھوں نے دین کے بارے میں تم سے لڑائی کی اور تمھیں تمھارے گھروں سے
نکالا اور تمھارے نکالنے میں (دوسروں کی) مدد کی اور جو اُن سے
دوستی کرتے ہیں تو وہی ظالم ہیں [2]۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ
مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ
بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ
فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۭ لَا هُنَّ
حِلٌّ لَّهُمْ وَ لَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۭ وَ
اٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا ۭ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۭ
وَ لَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَ سْـَٔلُوْا مَآ
اَنْفَقْتُمْ وَ لْيَسْـَٔلُوْا مَآ اَنْفَقُوْا ۭ ذٰلِكُمْ حُكْمُ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب مومن عورتیں تمھارے پاس
ہجرت کرتی ہوئی آئیں تو اُن کا امتحان لے لیا کرو۔ اللہ ان کے
ایمان کو خوب جانتا ہے۔ پھر اگر تم انھیں مومنہ جانو۔ تو انھیں
کافروں کی طرف نہ لوٹاؤ، نہ وہ عورتیں ان کے لیے حلال ہیں اور
نہ وہ ان عورتوں کے لیے حلال ہیں، اور جو انھوں نے خرچ کیا
ہے انھیں دے دو اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان سے
نکاح کرو، جب تم اُنھیں اُن کے مہر دے دو۔
اور کافر عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ روک رکھو اور تم طلب کرو
جو تم نے خرچ کیا ہے اور وہ طلب کریں جو انھوں نے خرچ کیا ہے۔

نمبر۱۔ یہ آیت اور اس سے اگلی آیت کفار سے تعلقات کے متعلق بطور اصول محکم ہیں اور جہاں جہاں کفار سے موالات یا عدم موالات کا ذکر آتا ہے اس کے حل کرنے کی یہی کنجی ہے۔ کفار کے ساتھ بڑے بڑے احسان بھی ہو سکتے ہیں۔ انصاف کا معاملہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ اس آیت میں بتایا۔ بشرطیکہ وہ مسلمانوں سے دین کی وجہ سے جنگ نہ کرتے ہوں نہ مسلمانوں کو دین کی وجہ سے گھروں سے نکالتے ہوں جو احسان کا مستحق ہے اس سے احسان کرنا چاہیئے جو انصاف کا مستحق ہے اس سے انصاف کرنا چاہیئے۔ اہل عرب کے کتنے کافر قبیلے تھے جیسے خزاعہ۔ بنی الحرث۔ کنانہ۔ مزینہ۔ وغیرہ جن سے نبی کریم صلعم کے معاہدات تھے اور عبد اللہ بن زبیرؓ نے اس میں کفار کی عورتوں اور بچوں کو شامل کیا ہے۔ وہ لوگ ظالم ہیں جو اسلام کی تعلیم کو تنگ دلی کی تعلیم قرار دیتے ہیں۔ کفار کے ساتھ انصاف ہی نہیں حسن سلوک کی تعلیم عملی رنگ میں اگر دی ہے تو اسلام نے دی ہے یہ اگر آزاد کافر قوموں کے لیے ہے تو ذمیوں کے حقوق تو اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔

نمبر۲۔ اگر یہ ہدایت نہ دی جاتی تو مسلمان زندہ کیونکر رہ سکتے تھے جو لوگ مسلمانوں کے ساتھ لڑائی کرتے ہیں ان سے دوستی اپنی قوم سے کھلی دشمنی ہے آج جب دو قوموں میں جنگ ہوتی ہے تو کیا کوئی مہذب قوم اپنی قوم کے افراد کو ایسی قوم کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھنے یا کاروبار کرنے کی اجازت دیتی ہے اسلام

اللّٰہِ ؕ یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ﴿۱۰﴾
وَاِنْ فَاتَکُمْ شَیْءٌ مِّنْ اَزْوَاجِکُمْ اِلَی
الْکُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَاٰتُوا الَّذِیْنَ ذَھَبَتْ
اَزْوَاجُھُمْ مِّثْلَ مَآ اَنْفَقُوْا ؕ وَاتَّقُوا
اللّٰہَ الَّذِیْٓ اَنْتُمْ بِہٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾
یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الْمُؤْمِنٰتُ
یُبَایِعْنَکَ عَلٰٓی اَنْ لَّا یُشْرِکْنَ بِاللّٰہِ
شَیْئًا وَّلَا یَسْرِقْنَ وَلَا یَزْنِیْنَ
وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ وَلَا یَاْتِیْنَ
بِبُھْتَانٍ یَّفْتَرِیْنَہٗ بَیْنَ اَیْدِیْھِنَّ
وَاَرْجُلِھِنَّ وَلَا یَعْصِیْنَکَ فِیْ
مَعْرُوْفٍ فَبَایِعْھُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَھُنَّ

یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے وہ تمھارے درمیان فیصلہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے[1]
اور اگر تمھاری عورتوں (کے مہروں) سے کچھ تم سے نکل کر کافروں کی طرف
چلا گیا ہے، پھر تمھاری باری آئے تو ان لوگوں کو جن کی عورتیں
چلی گئی ہیں اس کی مثل دے دو جو انھوں نے خرچ کیا اور اللہ تعالیٰ کا
تقویٰ کرو جس پر تم ایمان لائے ہو[2]
اے نبیؐ! جب تیرے پاس مومن عورتیں آئیں، تجھ سے بیعت
کریں اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گی،
اور نہ چوری کریں گی، اور نہ زنا کریں گی، اور نہ
اپنی اولاد کو قتل کریں گی، اور نہ اپنے ہاتھوں
اور پاؤں کے سامنے کوئی بہتان باندھ لائیں
گی، اور نہ کسی اچھی بات میں تیری نافرمانی
کریں گی، تو ان سے بیعت لے لے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے

کی تعلیم اصول صحیحہ پر مبنی ہے اس آیت نے صاف بتا دیا کہ ترکِ موالات کلی طور پر جنگ کرنے والی قوم کے ساتھ ہو سکتا ہے۔

نمبر۱۔ یہ سورت صلح حدیبیہ کے بعد کے زمانہ کی ہے اور جو عورتیں اسلام لا کر مکہ میں تکلیف اٹھاتی تھیں وہ ہجرت کر آتی تھیں کیونکہ شرائط صلح صرف مردوں پر حاوی تھیں اور کفار کی اصل غرض یہی تھی کہ مسلمانوں کی جنگی طاقت نہ بڑھ جائے تو ان عورتوں کے بارے میں پہلے یہ حکم دیا ہے کہ ان کا امتحان لے لیا کرو۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ امتحان یوں تھا کہ عورت کا حلفی بیان لیا جاتا تھا کہ نہ وہ خاوند کے بغض کی وجہ سے نکلی ہے اور نہ صرف ایک زمین کو چھوڑ کر دوسری زمین میں جانے کے لیے اور نہ دنیا کی کسی غرض کے لیے۔ بلکہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے لیے۔ اور حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ آپ ان عورتوں کا امتحان بیعت سے لیتے تھے جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ لا یشرکن باللہ شیئًا اور درست یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں باتیں ہوتی تھیں۔

چونکہ مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد سے ناجائز تھا اس لیے ایسی عورتوں سے جو کافر خاوندوں کو چھوڑ کر ہجرت کر آئیں مسلمانوں کو نکاح کرنے کی اجازت دی۔ مگر دو شرطیں ساتھ لگائیں۔ اول یہ کہ کافر خاوندوں نے جو مہر اُن کو دیئے تھے وہ انھیں واپس کیے جائیں اور دوسری یہ کہ اس بی بی کو مہر بھی دیا جائے۔ کفار کے ساتھ یہ معاملہ کہ مہر انھیں واپس کر دو اسلام کی تعلیم میں کمال انصاف کو ظاہر کرتا ہے اور پھر جس طرح یہ کہا کہ مسلمان عورتیں اگر کفار کے گھروں سے نکل آئیں تو نکاح باقی نہیں رہتا اسی طرح مسلمانوں کو حکم دیا کہ جو عورتیں اپنے کفر و شرک پر قایم ہیں انھیں تم قیدِ نکاح میں روک کر نہ رکھو اور یہاں کوافر سے مراد یہی کافر مشرک عورتیں ہیں ورنہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔

نمبر۲۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح کسی مسلمان کی بیوی کافر تھی اور وہ علیحدہ ہو گئی اسی طرح تمھاری باری آ جائے اور کسی کافر کی عورت مسلمان ہو کر آ جائے تو جو مہر کفار کی طرف لوٹانا تھا اسے اس مسلمان کو دیدو۔

اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۲﴾

بخشش مانگ، اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے [1]۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَوَلَّوۡا قَوۡمًا غَضِبَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ قَدۡ یَئِسُوۡا مِنَ الۡاٰخِرَۃِ کَمَا یَئِسَ الۡکُفَّارُ مِنۡ اَصۡحٰبِ الۡقُبُوۡرِ ﴿۱۳﴾ ع

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ان سے دوستی مت کرو، جن پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوا ہے۔ وہ آخرت سے ایسے ہی ناامید ہیں، جیسا کہ کافر قبروں والوں (کے جی اٹھنے) سے ناامید ہیں [2]۔

سُوۡرَۃُ الصَّفِّ مَدَنِیَّۃٌ [3]

(۶۱) — آیاتہا ۱۴ — رکوعاتہا ۲

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ۚ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ﴿۱﴾

اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لِمَ تَقُوۡلُوۡنَ مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۲﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

کَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰہِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳﴾

اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سخت بیزاری کی بات ہے کہ تم وہ کہو جو تم کرتے نہیں۔

نمبر۱- فتح مکہ کے بعد رسول اللہ صلعم نے انہی الفاظ میں عورتوں سے بیعت لی تھی انھی میں ہند بنت عتبہ ابوسفیان کی بیوی بھی تھی - جو درمیان میں بعض باتیں بھی کہتی جاتی تھی اور عورتوں کی بیعت کے متعلق حضرت عائشہ رضہ کی روایت ہے کہ نبی کریم صلعم ہاتھ میں ہاتھ نہ لیتے تھے اور احمد ترمذی وغیرہ کی روایات میں بھی ہے کہ نبی کریم صلعم عورتوں سے مصافحہ نہ کرتے تھے جس طرح مردوں سے کرتے تھے اور شعبی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم جب عورتوں سے بیعت لیتے تھے تو اپنے ہاتھ پر کپڑا رکھ لیتے تھے۔ ممکن ہے کہ دونوں طرح آپ نے بیعت لی ہو۔ اور لا یاتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن سے یہ مراد لی گئی ہے کہ عورتیں جاہلیت میں فرضی حمل قرار دیکر خاوندوں کو دھوکہ دے لیا کرتی تھیں مگر اس کے معنی محض بہتان باندھنے کے بھی ہو سکتے ہیں۔

نمبر۲- عملاً تو یہود و نصاریٰ دونوں کی یہ حالت ہے کہ آخرت پر ان کا ایمان کچھ نہیں، صرف دنیا کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں مگر یہودیوں میں بالخصوص ایک فرقہ ایسا بھی ہے یعنی صدوقی جو آخرت کے عقیدتاً بھی منکر ہیں۔

نمبر۳- اس سورت کا نام الصّف ہے اور اس میں دو رکوع اور چودہ آیتیں ہیں۔ اس سورت کا اصل مضمون غلبۂ دین اسلام ہے جو سب تمام مذاہب پر حاصل ہوگا۔ مگر اس کے لیے بتایا کہ مسلمانوں کو بڑی بڑی قربانیاں کرنی چاہئیں، یہاں تک کہ ضرورت ہو تو خدا کے رستے میں مستحکم دیوار کی طرح کھڑے ہوکر جنگ بھی کریں اور دوسری طرف عیسیٰؑ کے حواریوں کی طرح دین اسلام کو لے کر دنیا میں نکل جائیں کیونکہ یہی غلبہ کی اصل راہ ہے۔ یہ سورت مدنی ہے اس کی تاریخ نزول کے تعین کے لیے کوئی یقینی واقعات نہیں ہیں مگر غالباً ابتدائی مدنی زمانہ کی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝۴

اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے محبت رکھتا ہے جو اس کے رستے میں صف باندھ کر جنگ کرتے ہیں گویا کہ وہ مضبوط دیوار ہیں ۱؎

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۭ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝۵

اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم تم مجھے کیوں ستاتے ہو اور تم جانتے ہو کہ میں تمھاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، سو جب وہ ٹیڑھے چلے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل ٹیڑھے ہی رہنے دیئے۔ اور اللہ (تعالیٰ) نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ۭ فَلَمَّا جَاۗءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۶

اور جب عیسیٰؑ بن مریم نے کہا، اے بنی اسرائیل میں تمھاری طرف اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، اس کی تصدیق کرتا ہُوا جو میرے سامنے توریت سے ہے۔ اور ایک رسول کی خوش خبری دیتا ہُوا جو میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام احمد ہے سو جب وہ ان کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آیا تو انھوں نے کہا یہ صریح جادو ہے ۲؎۔

نمبر۱۔ پہلی آیتوں میں اُن لوگوں سے اللہ تعالیٰ نے اظہار ناراضگی فرمایا ہے جو منہ سے کہہ دیتے ہیں مگر کرتے نہیں اور یہاں بتایا کہ اللہ تعالیٰ محبت تو اس سے کرتا ہے کہ جب اس نے ایک بات منہ سے نکالی تو پھر اپنے دوسرے بھائیوں سے مل کر حفاظت دین میں ایک مضبوط دیوار کی طرح کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان پر تیر اور تلواریں اس طرح پڑتی ہیں جیسے دیوار پر۔ قول جو عمل میں نہیں آتا وہ کہنے والے کو اللہ تعالیٰ کے غضب کا محل بنا دیتا ہے اور جب کہنے والا اس کے عمل میں لانے کے لیے اپنی جان بھی حاضر کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔ نبی کریم صلعم کے صحابہؓ نے بارہا بنیان مرصوص کا نقشہ جنگ میں دکھایا۔ اگلی آیت میں حضرت موسیٰؑ جس ایذا کا اپنی قوم کے ہاتھوں سے ذکر کرتے ہیں وہ ان کا انکار جنگ ہی تھا (المائدہ۔۲۶)

نمبر۲۔ حضرت عیسیٰؑ کی بشارت کے لیے دیکھو (۱) "اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمھارے ساتھ رہے" (یوحنا ۱۴-۱۶) (۲) "لیکن جب وہ مددگار آئیگا جس کو میں تمھارے پاس باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کی روح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے تو وہ میری گواہی دیگا" (یوحنا ۱۵-۲۶) (۳) "اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمھارے پاس نہ آئے گا لیکن اگر جاؤں گا، تو اسے تمھارے پاس بھیج دوں گا" (یوحنا ۱۶-۷) (۴) "مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آئیگا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لیے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سُنے گا وہی کہے گا اور تمھیں آیندہ کی خبریں دے گا" (یوحنا ۱۶-۱۳)

کہا جاتا ہے کہ اس دوسرے تسلی دینے والے سے مراد روح القدس ہے جو عیسائیوں کے نزدیک خدائی کا تیسرا اقنوم ہے حسب ذیل دلائل اس کے خلاف ہیں۔ اوّل: اسے دوسرا مددگار یا شفیع کہا ہے۔ پس وہ حضرت عیسیٰؑ کی طرح کا ہی شفیع یا مددگار ہے یعنی بصورت انسان۔ دوم: پیشگوئیوں میں انتظار ایک نبی کا تو پایا جاتا ہے جیسا کہ مثیل موسیٰ نبی کے آنے کی پیشگوئی، لیکن روح القدس کے آنے کی کوئی پیشگوئی بائبل میں کہیں نہیں۔ سوم: اس کے متعلق

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَ هُوَ يُدْعٰۤى اِلَى الْاِسْلَامِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۞٧	اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افترا کرتا ہے اور اسے اسلام کی طرف بلایا جائے اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔
يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۞٨	چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور کو اپنے مونہوں (کی پھونکوں) سے بجھا دیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کر کے رہیگا گو کافر برا منائیں۔
هُوَ الَّذِىْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۞٩ ع	وہی ہے جس نے اپنا رسولؐ ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا، تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک برا منائیں۔
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۞١٠	اے لوگو! جو ایمان لائے ہو میں تمھیں ایسی تجارت بتاتا ہوں جو تمھیں دردناک عذاب سے بچائے۔

لکھا ہے کہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ تمھارے پاس نہ آئے گا۔ حالانکہ روح القدس کا نزول پہلے انبیاء پر ہوا۔ خود حضرت عیسیٰؑ پر ہوا جب حضرت یحییٰؑ سے انھوں نے بپتسمہ لیا۔ چہارم: اس کے متعلق صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہیگا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہیگا۔ اب روح القدس کہاں سے سنے گا اگر نبی کی پیشگوئی اسے مانیں تو بات صاف ہے کہ نبی جو کچھ اللہ تعالیٰ سے سنتا ہے وہی کہتا ہے۔ پنجم: وہ باتیں جو حضرت عیسیٰؑ نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ اس قوم میں ان باتوں کی برداشت نہیں وہ دوسرا شفیع آ کر کہے گا یہ بے معنی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے سامنے برداشت نہ تھی اور اگلے دن روح القدس کے آنے پر برداشت پیدا ہو گئی۔ ششم: اس کے متعلق صاف لکھا ہے کہ وہ آیندہ کی خبریں دیگا اور آیندہ کی خبریں دینے والے کو لغت میں نبی کہتے ہیں پس صاف معلوم ہوا کہ یہ نبی کی پیشگوئی ہے یہ پیشگوئی ہمارے نبی کریم صلعم پر نہایت صفائی سے صادق آتی ہے آپ ابد تک ہمارے ساتھ ہیں اس لیے کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں اور آپ کی نبوت کا دامن قیامت تک پھیلا ہوا ہے آپ نے حضرت عیسیٰؑ کی صداقت کی گواہی اس وقت دی جب دنیا انھیں رد کر رہی تھی۔ آپ کا آنا حضرت عیسیٰؑ کے جانے سے وابستہ تھا۔ آپ نے سچائی کی تمام راہیں دکھائیں البوم اکملت لکم دینکم۔ آپ جو کچھ سنتے تھے وہی کہتے تھے ان ھو الا وحی یوحیٰ۔ آپ نے آیندہ کی خبریں دیں اور آج تک آپ کی آیندہ کی خبریں پوری ہو کر آپ کی صداقت کی شہادت دے رہی ہیں۔ رہا یہ کہ اس آنے والے کو روح القدس یا روح حق کہا گیا ہے تو یہ بلحاظ اس کے تقدس اور اس کے حق ہونے کے ہے اور قرآن کریم نے بھی رسول اللہ صلعم کو الحق ہی کہا ہے قل جاء الحق۔ رہی یہ بات کہ یہاں آپ کے اسم احمد کا ذکر ہے اور موجودہ انجیل میں یہ نام نہیں پایا جاتا۔ تو اول تو اصل انجیل جو عبرانی میں ہونی چاہیئے دنیا میں باقی نہیں رہی اس لیے نہیں کہہ سکتے کہ حضرت عیسیٰؑ نے لفظ احمد نہیں بولا تھا۔ دوسرے حضرت عیسیٰؑ نے جو اوصاف اس دوسرے شفیع کے بیان کیے ہیں ان کے رو سے آنیوالے کو اپنے آپ سے زیادہ حمد کا مستحق ٹھہرایا ہے اور یہی اشارہ اسم احمد میں ہے جیسا کہ راغب نے لکھا ہے اور لفظ احمد کو خاص کیا عیسیٰؑ کی بشارت کے ساتھ اس بات کے بتانے کے لیے کہ آپ عیسیٰؑ سے بڑھ کر قابل حمد ہیں۔ اور محمد اور احمد دونوں آنحضرت کے اسم عام ہیں۔

نمبر۷: یہ عیسائیوں کا ذکر ہے جو اللہ پر جھوٹ افترا کرتے ہیں کہ اس نے یہ تعلیم بھیجی تھی کہ خدا تین ہیں اور کہ عیسیٰ مسیح بھی خدا ہے حالانکہ انھیں اسلام کی طرف بلایا جاتا ہے اور آگے بھی انہی کی کوششوں کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اللہ کے نور کو بجھانے کی کوششیں کریں گے مگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر چھوڑے گا اور وہ کمال تک پہنچانا صرف تکمیل دین نہیں بلکہ دین اسلام کو کل دینوں پر غالب کرنا ہے۔

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ؕ
ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۱۱﴾
یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ یُدْخِلْكُمْ
جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ
وَ مَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ
ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۙ﴿۱۲﴾
وَ اُخْرٰی تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ
فَتْحٌ قَرِیْبٌ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۳﴾
یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ
كَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ
مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ
نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْۢ
بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَ كَفَرَتْ طَّآىِٕفَةٌ ۚ
فَاَیَّدْنَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلٰی عَدُوِّهِمْ
فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِیْنَ ﴿۱۴﴾ ع

تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اللہ تعالیٰ
کے رستے میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ
جہاد کرو، یہ تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔
وہ تمھارے گناہوں سے تمھاری حفاظت کرے گا اور
تمھیں باغوں میں داخل کریگا، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور
پاکیزہ مکانوں میں جو ہمیشگی کے باغوں میں ہیں۔ یہ
بڑی کامیابی ہے۔
اور ایک اور چیز جسے تم پسند کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد
اور نزدیک فتح اور مومنوں کو خوش خبری دے۔
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ تعالیٰ (کے دین) کے مددگار
بن جاؤ، جس طرح عیسیٰؑ بن مریم نے حواریوں سے کہا تھا،
اللہ تعالیٰ (کے رستے) میں کون میرے مددگار ہیں، حواریوں نے کہا
ہم اللہ تعالیٰ (کے دین) کے مددگار ہیں سو بنی اسرائیل سے ایک گروہ
ایمان لایا، اور ایک گروہ نے انکار کیا۔ سو ہم نے
مومنوں کی ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں تائید کی
سو وہ غالب ہو گئے ۔[1]

نمبر۱۔ حضرت عیسیٰؑ نے جنگ نہیں کی اس لیے یہاں انصار اللہ ہونے سے مراد اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت بذریعہ اشاعت ہے اور مسلمانوں کو یہ بتایا ہے کہ ان کی کامیابی بھی اسی میں ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰؑ کے حواری اپنے دین کو لے کر مختلف ملکوں میں نکل گئے تھے اسی طرح مسلمان بھی دین اسلام کو دنیا کے اکناف واطراف میں پہنچا دیں۔ گویا ابتدائے سورت میں اگر یہ بتایا تھا کہ مسلمان کہلا کر اگر ضرورت ہو تو دین اسلام کی خاطر سر کٹوانے کے لیے بھی تیار رہو تو آخر پر بتایا کہ دین کا غلبہ اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ اسے اکناف و اطراف عالم میں پہنچاؤ۔ شاید اس پچھلے زمانہ کی زیادہ تر ضرورت بھی یہی ہے۔ صحابہ نے تو دونوں حکموں کی تعمیل کی اور توحید کو لیکر تمام دنیا میں پھیل گئے مگر آج اسلام ساری دنیا میں بدنام ہو رہا ہے اور ان کے نام لیوا ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کے لیے بھی گھروں سے نکلنے کا نام نہیں لیتے۔

آیاتہا ۱۱ (۶۲) سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ ركوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
اللہ تو بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ①
اللہ کی تسبیح کرتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے (جو) بادشاہ پاک غالب حکمت والا (ہے)

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ②
وہی ہے جس نے اُمیوں کے اندر انہی میں سے ایک رسول[۱] بھیجا، جو اُن پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انھیں پاک کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور وہ پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں پڑے تھے۔

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ ۭ
اور ان میں سے اوروں کو بھی[۲] جو ابھی ان کو نہیں ملے

نمبر۱۔ اس سورت کا نام الجمعۃ ہے اور اس میں دو رکوع اور گیارہ آیتیں ہیں۔ اصل مضمون اس سورت کا یہ ہے کہ نبی کریم صلعم ہی اب تاقیامت دنیا کے معلم اور مزکی رہیں گے اور جس قدر علم دنیا میں پھیلیگا اور جس قدر لوگوں کا تزکیہ ہوگا آپ کی شاگردی سے ہی پھیلے گا اور ہوگا اور چونکہ مسلمانوں میں تعلیم اسلامی کو زندہ رکھنے لیے جمعہ کے دن اجتماع نہایت ضروری ہے اس لحاظ سے اس سورت میں نماز جمعہ کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے اور اسی پر اس سورت کا نام ہے گویا اصل غرض تو یہ ہے کہ تعلیم اسلامی ہی دنیا میں زندہ رہے گی اور اس کی زندگی کے سامانوں میں سے جو ایک عظیم الشان سامان تھا اس کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے اور اس سورت کا نام ہے۔ پچھلی سورت میں مسلمانوں کو بتایا تھا کہ دین کو دنیا کے کناروں تک پہنچائیں کیونکہ یہی دین سب دینوں پر غالب آئے گا۔ یہاں بتایا کہ آنحضرت صلعم کی شاگردی سے ہی اب دنیا کی پیاس بجھ سکے گی۔ یہ سورت مدنی ہے اور اس کا نزول بھی ابتدائی مدنی زمانہ سے ہی تعلق رکھتا ہے۔

نمبر۲۔ واخرین منھم۔ یہ وہ لوگ ہیں جو صحابہ کے بعد آئے اور تعلیم کا سلسلہ جو یوں آخر زمانہ تک چلے گا تو وہ سب کا سب اوّل کی طرف ہی منسوب ہوگا اور ابن جریر نے دو قول نقل کیے ہیں ایک یہ کہ یہ اعاجم ہیں اور دوسرا یہ کہ اس میں وہ سب لوگ داخل ہیں جو بعد نبی صلعم قیامت تک اسلام میں داخل ہوتے رہیں گے خواہ کوئی ہوں اور بخاری میں پہلے قول کی تائید میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی صلعم کے پاس بیٹھے تھے آپ پر سورت جمعہ نازل ہوئی تو میں نے پوچھا کہ یارسول اللہ وآخرین منھم میں کن کا ذکر ہے تو آپ نے تین دفعہ سوال دہرانے پر اپنا ہاتھ سلمان فارسی کے کندھے پر رکھا اور فرمایا۔ اگر ایمان ثریا پر ہوتا تو ان میں سے آدمی اس حد تک پہنچ جاتے یا ایک آدمی پہنچ جاتا۔ اور حدیث کا منشا یہ نہیں کہ آخرین منھم صرف فارسیوں میں سے ایک یا چند آدمی ہیں۔ بلکہ یہ آخرین کی مدح کے طور پر فرمایا ہے کہ وہ دوسرے لوگ جنھوں نے براہِ راست مجھ سے تعلیم نہیں پائی بلکہ وہ بعد میں آئیں گے اور میری تعلیم سے فائدہ اٹھائیں گے تو ان میں ایسے ایسے کامل الایمان لوگ بھی ہوں گے اور یوں آخرین منھم میں کل امت صحابہ کے بعد اوّل سے لیکر آخر تک شامل ہے گویا ایک تو نبی کریم صلعم کے صحابہ ہیں جن کی تعریف قرآن شریف میں بار بار آچکی اور ایک آخرین ہیں ان کی تعریف میں آنحضرت صلعم نے یہ لفظ فرمائے کہ ان میں بھی بڑے بڑے کامل الایمان لوگ ہونگے اور یہ آیت نص صریح اس بات پر ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد دوسرا نبی نہیں آسکتا اور نہ ہی حضرت

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿٣﴾
اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿٤﴾
یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ (تعالیٰ) بڑے فضل والا ہے۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا ۭ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥﴾
ان لوگوں کی مثال جن پر تورات کا بوجھ ڈالا گیا، پھر انھوں نے اسے نہ اٹھایا گدھے کی مثال کی طرح ہے (جو) کتابیں اٹھاتا ہے۔ کیا ہی بری مثال اُن لوگوں کی ہے جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور اللہ (تعالیٰ) ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا[1]۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَاۗءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٦﴾
کہہ اے لوگو! جو یہودی ہو اگر تم سمجھتے ہو کہ اور لوگوں کو چھوڑ کر تم ہی اللہ کے دوست ہو تو موت کی آرزو کرو اگر تم سچے ہو[2]۔

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿٧﴾
اور کبھی اس کی آرزو نہ کریں گے اس کی وجہ سے جو اُن کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

قُلْ اِنَّ الْمَوْتَ الَّذِيْ تَفِرُّوْنَ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مُلٰقِيْكُمْ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٨﴾ ع
کہہ، موت جس سے تم بھاگتے ہو وہ تمھیں مل کر رہے گی، پھر تم پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے، سو وہ تمھیں اس کی خبر دے گا جو تم کرتے تھے[3]۔

ملتی آ سکتے ہیں اس لیے کہ اگر ایسا ہو تو پھر آخرین کے معلم نبی کریم صلعم نہ ہوں گے بلکہ وہ نبی ہوگا یا حضرت عیسیٰؑ ہوں گے۔ کیونکہ وہ براہِ راست اللہ تعالیٰ سے بوساطت جبرئیل تعلیم حاصل کرتا ہے وہ کسی نبی کا شاگرد نہیں ہوتا اور حضرت عیسیٰؑ کے متعلق تو خود قرآن شریف کی شہادت موجود ہے کہ انھوں نے تعلیم براہِ راست اللہ تعالیٰ سے حاصل کی۔ آنحضرت صلعم سے نہیں کی ویعلمہ الکتاب والحکمۃ والتوراۃ والانجیل (آل عمران۔ ۴۷)

نمبر۱۔ تورات کا بوجھ ڈالنے سے مراد اس پر عمل کے لیے مکلف کیا جانا ہے اور نہ اٹھانے سے مراد اُن کا اس پر عمل نہ کرنا ہے اور ان کو گدھے سے مثال دی۔ اس لیے کہ انسان جو نفع کتاب سے اٹھا سکتا ہے وہ نہ اٹھایا نرا بوجھ اس پر رہ گیا وہ مسلمان غور کریں جو قرآن کریم پر عمل نہیں کرتے۔

نمبر۲۔ یہ آرزوئے موت برنگ مباہلہ ہے۔ دیکھو البقرۃ۔ ۹۴۔

نمبر۳۔ آیت کا مطلب تو صاف ہے کہ یہ یہودی جو مباہلہ سے گریز کرتے ہیں تو کریں آخر اپنے کیے کی سزا پا کر ہی رہیں گے لیکن اس آیت سے یہ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ
لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا
اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ
خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۹

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب جمعہ کے دن نماز کے لیے بلایا جائے تو اللہ (تعالیٰ) کے ذکر کی طرف جلدی آجاؤ اور کاروبار کو چھوڑ دو۔ یہ تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا
فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ
وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۱۰

پس جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرو اور اللہ (تعالیٰ) کو بہت یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔

وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْۤا
اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ
اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ؕ

اور جب تجارت یا کھیل کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور تجھے کھڑا چھوڑ جاتے ہیں، کہہ جو اللہ کے پاس ہے وہ کھیل سے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ (تعالےٰ)

غلط استدلال کیا گیا ہے کہ جہاں طاعون پڑ جائے وہاں سے بھاگنا نہیں چاہیئے۔ حالانکہ صحابہ سے طاعون کی جگہ سے خروج کا جواز مروی ہے مثلاً عمرو بن العاص سے کہ انھوں نے کہا کہ طاعون رجس ہے اس سے وادیوں وغیرہ یعنی کھلے میدانوں میں پھیل جاؤ اور ابو موسیٰ اشعری سے کہ انھوں نے طاعون کے پڑنے پر کہا کہ کھلے میدانوں میں پھیل جاؤ یہاں تک کہ یہ دور ہو جائے اور حضرت عمرؓ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ طاعون زدہ جگہ کو چھوڑ کر پہاڑوں کی بلندیوں میں پھیل جائیں۔ ہاں موت سے مومن خائف نہیں ہوتا اور جہاں اپنے فرض کی ادائیگی کا سوال ہے وہ اپنی جان دینے کے لیے تیار ہوتا ہے۔

نمبر۱۔ علامہ ابن حجر کہتے ہیں کہ نماز جمعہ مکہ میں فرض ہوئی مگر رسول اللہ صلعم نے وہاں جمعہ نہیں پڑھایا تو اس لیے کہ کافی تعداد نہ تھی اور یا اس لیے کہ جمعہ کے لیے اظہار ضروری تھا اور مکہ میں آپ کو چھپ کر نماز پڑھنی پڑتی تھی اور مدینہ میں اول اول اسعد بن زرارہ نے جمعہ پڑھا مگر یہ صحیح نہیں ہو سکتا کہ بغیر رسول اللہ صلعم کی ہدایت کے ایسا کیا اور بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے جب مصعب بن عمیر کو انصار کی تعلیم کے لیے بھیجا تو اسے جمعہ پڑھانے کا حکم دیا تھا اور مدینہ میں سب سے پہلے جمعہ انھوں نے قائم کیا اور اسعد ایک گاؤں میں جمعہ پڑھا کرتے تھے جو مدینہ سے ایک میل کے فاصلہ پر ہے اور آنحضرت صلعم ہجرت کر کے جب تشریف لائے تو دوشنبہ کے دن قبا میں اُترے اور پھر جمعہ مدینہ میں جا کر پڑھا اور یہ پہلا جمعہ تھا جو آپ نے پڑھا۔ اور کتنے آدمی ہوں تو جمعہ فرض ہوتا ہے، اس میں اختلاف ہے ایک قول میں دو، ایک میں تین ایک میں چار پھر اسی طرح بڑھاتے بڑھاتے چالیس اور اسی تک تعداد پہنچائی ہے اور ایک قول میں ہے کہ جماعت کثیر ہو بغیر تعداد کی قید کے اور صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ دو سے جب جماعت ہو جاتی ہے تو جمعہ کے لیے بھی دو آدمی کافی ہیں اور جمعہ کے ترک کرنے پر احادیث میں سخت مواعید ہیں اور جمعہ کا خطبہ وعظ و نصیحت کے لیے ہے اس لیے اگر سامعین نے اسے سمجھا نہیں تو اصل مقصد جمعہ کا فوت ہو گیا۔ عربی میں خطبہ پڑھ دینا جب سامعین عربی کا حرف بھی نہ جانتے ہوں جمعہ کی غرض کو ہی کالعدم کر دیتا ہے ایسا ہی اسعد کا ایک گاؤں میں جمعہ پڑھنا صاف بتاتا ہے کہ جمعہ شہر میں بھی ہو سکتا ہے اور گاؤں میں بھی اور جنگل میں بھی اور جمعہ کے بعد جو لوگ نماز ظہر کو دوہراتے ہیں اور اس کا نام احتیاطی رکھتے ہیں تو یہ طریق بالکل آنحضرت صلعم اور صحابہؓ کے عمل کے خلاف ہے۔

نمبر۲۔ جمعہ پڑھ کر کاروبار میں لگ جانا جائز ہے اور کاروبار صرف نماز جمعہ کے لیے چھوڑے جاتے ہیں آگے پیچھے نہیں۔ یہودیوں یا عیسائیوں کے سبت کے خلاف کہ وہ سبت کا سارا دن دنیوی کاروبار کو ممنوع سمجھتے ہیں۔

ع وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱﴾

بہترین رزق دینے والا ہے ۱؎

آیاتہا ۱۱ (۶۳) سُوْرَةُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِيَّةٌ ۲ رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

إِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ
إِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّكَ
لَرَسُوْلُهٗ ۗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ
لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱﴾

جب منافق تیرے پاس آتے ہیں، کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو یقیناً اللہ تعالیٰ کا رسول ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تو اس کا رسول ہے۔ اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق یقیناً جھوٹے ہیں ۳؎

اِتَّخَذُوْٓا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوْا
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۗ إِنَّهُمْ سَآءَ مَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲﴾

انھوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے، سو وہ اللہ تعالیٰ کے رستے سے روکتے ہیں۔ بُرا کام ہے جو یہ کرتے ہیں۔

ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ
عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۳﴾

یہ اس لیے کہ وہ ایمان لائے پھر کافر ہوئے تو ان کے دلوں پر مُہر لگ گئی، سو وہ سمجھتے نہیں ۴؎

وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ ۗ
وَإِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ ۗ كَأَنَّهُمْ
خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۗ يَحْسَبُوْنَ كُلَّ

اور جب تو انھیں دیکھتا ہے تو ان کے جسم تجھے اچھے معلوم ہوتے ہیں اور اگر وہ بات کریں تو تو ان کی بات کو سُنے، گویا کہ وہ لکڑیاں ہیں جنھیں لباس پہنایا گیا ہے۔ وہ ہر زور کی آواز کو

نمبر۱۔ یہ ذکر منافقوں کا ہے کہ اُن کی یہ حالت ہے کہ وہ تجارت اور کھیل کود کو ذکر اللہ پر ترجیح دیتے ہیں اور اگلی سورت منافقوں کے متعلق ہی ہے اور یہ روایت کہ صحابہ تجارت کا قافلہ آنے پر خطبہ سے اُٹھ گئے تھے کسی طرح قابلِ قبول نہیں۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام المنافقون ہے اور اس میں دو رکوع اور گیارہ آیتیں ہیں اور اس میں منافقوں کا ذکر ہے جو منہ سے کچھ کہتے تھے اور دل میں کچھ رکھتے تھے اور یہ پچھلی سورت کے مضمون کا ہی تتمہ ہے تاکہ مومن کسی قسم کی مشابہت ایسے لوگوں سے پیدا نہ کریں اسی لیے دوسرے رکوع میں مومنوں کو ان کا اصل مقصد زندگی ذکر اللہ یاد دلا کر متنبہ کیا ہے کہ اموال واولاد میں اس قدر مشغول نہ ہوں کہ اصل غرض زندگی کو بھول جائیں۔ یہ سورت بھی مدنی ہے اور اسی زمانہ کی ہے جس زمانہ کی پچھلی سورت ہے۔

نمبر۳۔ نشهد انك لرسول الله سے مراد ہے کہ ہم ایمان لاتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ مگر منافق ایمان نہ لاتے تھے اس لیے انھیں جھوٹا کہا ہے اور یا ان کے جھوٹا ہونے سے مراد عام طور پر ان کے جھوٹ بولنے کی عادت ہے۔

نمبر۴۔ امنوا ثم كفروا۔ بعض نے اسے ان لوگوں کے متعلق لیا ہے جو مرتد ہو گئے اور یا مراد ہے کہ قول سے ایمان لاتے ہیں اور دل سے کفر کرتے ہیں

صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ ؕ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ ؕ
قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ؗ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ④
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ
رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ
يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ⑤
سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ
تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ⑥
هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى
مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا ؕ
وَلِلّٰهِ خَزَآئِنُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ ⑦
يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ
لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ؕ وَلِلّٰهِ
الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ
ع الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ⑧
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ
وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ
يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ⑨

اپنے اوپر (تباہی) خیال کرتے ہیں۔ وہ دشمن ہیں، سو اُن سے بچتا
رہ۔ اللہ انھیں ہلاک کرے کس طرح اُلٹے پھر جاتے ہیں ؎۱
اور جب انھیں کہا جاتا ہے آؤ اللہ کا رسول تمھارے لیے
بخشش مانگے، وہ اپنے سر پھیر لیتے ہیں اور تو انھیں دیکھیگا
کہ وہ (دوسروں کو بھی) روکتے ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں۔
ان پر برابر ہے کہ تو ان کے لیے بخشش مانگے یا ان کے لیے
بخشش نہ مانگے، اللہ انھیں نہیں بخشے گا۔ اللہ (تعالیٰ)
نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔
وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ ان پر خرچ نہ کرو جو اللہ کے
رسول کے پاس ہیں، یہاں تک کہ وہ چلے جائیں اور اللہ
کے لیے ہی آسمانوں اور زمین کے خزانے ہیں، لیکن
منافق نہیں سمجھتے۔
کہتے ہیں اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹ کر گئے تو عزت والے
ذلیل لوگوں کو اس سے نکال دیں گے اور اللہ کے لیے
ہی عزت ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے
لیے لیکن منافق نہیں جانتے۔
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو نہ تمھارے مال اور نہ
ہی تمھاری اولاد تمھیں اللہ کے ذکر سے غافل کریں
اور جو کوئی ایسا کرے تو وہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

یا مومنوں کے سامنے ایمان لاتے ہیں اور اپنے شیاطین سے مل کر کفر کرتے ہیں۔
نمبر: یہاں گو عام طور پر ٹیک لگانے کے معنے لیے گئے ہیں مگر دوسرے معنی (یعنی مسندہ سے مراد ملبوس) زیادہ موزون ہیں یعنی ظاہر ڈیل ڈول اچھی
ہے باتیں خوب بنا بنا کرتے ہیں مگر جو کچھ ہے باہر ہی باہر ہے گویا وہ انسان نہیں بلکہ لکڑیاں ہیں جو اچھے لباس میں ملبوس کی گئی ہیں اور یحسبون کل صیحۃ علیھم
سے یہ مراد ہے کہ دشمن کی چڑھائی وغیرہ کی جو آواز آتی ہے اس سے اُنھیں خیال گزرتا ہے کہ اب مارے گئے۔

وَ اَنْفِقُوْا مِنْ مَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ
يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْ
لَاۤ اَخَّرْتَنِيْۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ فَاَصَّدَّقَ
وَ اَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۰
وَ لَنْ يُّؤَخِّرَ اللّٰهُ نَفْسًا اِذَا جَآءَ اَجَلُهَا ؕ
وَ اللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۱ ع ۱۴

اور اس سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس سے
پہلے کہ تم میں سے کسی کی موت آ جائے تو وہ کہے اے
میرے رب تو نے مجھے ایک قریب وقت تک کیوں مہلت نہ
دی تو میں صدقہ کرتا اور نیکوں میں سے ہوتا۔
اور اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مہلت نہیں دیتا۔ جب اس کا وقت
مقرر آ جائے اور اللہ اس سے خبردار ہے جو تم کرتے ہو۔

آیاتہا ۱۸ (۶۴) سُوْرَةُ التَّغَابُنِ مَدَنِيَّةٌ ۱ رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝
يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي
الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَ لَهُ الْحَمْدُ ۫ وَ هُوَ
عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّ مِنْكُمْ
مُّؤْمِنٌ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۲

اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین
میں ہے اسی کی بادشاہی ہے اور اسی کے لیے تعریف ہے
اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔
وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا، سو تم میں سے (کوئی) کافر
ہے اور (کوئی) تم میں سے مومن ہے اور اللہ تعالیٰ اسے جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۲

نمبر۱۔ اس سورت کا نام التغابن ہے اور اس میں دو رکوع اور ۱۸ آیتیں ہیں۔ تغابن کے معنی ہیں اس کمی کا ظاہر ہو جانا جو انسان اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں دکھاتا ہے اور اس سورت کا مضمون یہی ہے کہ جو کچھ انسان خدا کے حق میں کمی دکھائے گا اس کا نتیجہ دیکھ لے گا۔ چونکہ پچھلی سورت میں منافقوں کا ذکر تھا اور مومنوں کو متنبہ کیا تھا کہ وہ مال اور اولاد میں اسی طرح مبتلا ہو کر ذکر اللہ سے غافل نہ ہو جائیں۔ اس لیے اب اس مضمون کو اور کھولا ہے اور انفاق فی سبیل اللہ کی طرف توجہ دلائی ہے اکثر کے قول میں یہ سورت مدنی ہے اور بلحاظ مضمون بھی مدنی ہی معلوم ہوتی ہے کیونکہ انفاق پر زیادہ زور مدنی سورتوں میں ہی پایا جاتا ہے۔

نمبر۲۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارا خالق ہے تو چاہیئے تو یہ تھا کہ تم سب ایمان لاتے مگر بعض لوگ کفر کو اختیار کر لیتے ہیں اور شکر نعمت نہیں کرتے۔ چنانچہ آیت کے آخری الفاظ واللہ بما تعملون بصیر اس معنی کی وضاحت کرتے ہیں اور اس کے یہ معنی کرنا کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کرنے میں ہی بعض کو کافر اور بعض کو مومن بنا دیا ہے صحیح نہیں۔ ہاں یہ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پیدائش کے وقت کیا اس سے بھی پہلے علم ہوتا ہے کہ ایک شخص کیسا ہوگا مگر اللہ تعالیٰ پیدا سب کو صحیح فطرت پر کرتا ہے۔ فطرت اللہ التی فطر الناس علیہا (الروم۔ ۳۰) اور حدیث میں ہے کل مولود یولد علی الفطرۃ۔ اور کفر اور ایمان بذریعہ اکتساب ہیں اور حدیث میں جو آتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں جب بچہ ہوتا ہے تو ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو اس کا رزق اور اس کی اجل اور اس کا عمل اور اس کا شقی اور سعید ہونا لکھ لیتا ہے تو یہ سب کچھ علم الٰہی سے تعلق رکھتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی پیدائش میں کوئی ایسا فرق کر دیا جاتا ہے کہ وہ خاص قسم کے

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ
وَ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَ
اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾

اس نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا، اور تمھاری تصویریں بنائیں سو تمھاری تصویروں کو خوبصورت بنایا اور اسی کی طرف انجام کار جانا ہے۔

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ
يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ؕ
وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴﴾

وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور اللہ سینوں کی باتوں کو جانتا ہے۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ
قَبْلُ ۫ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَ لَهُمْ
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۵﴾

کیا تمھارے پاس ان لوگوں کی خبر نہیں آئی، جنھوں نے پہلے کفر کیا، سو انھوں نے اپنے کام کی سزا چکھی اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا ۡ
فَكَفَرُوْا وَ تَوَلَّوْا وَّ اسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ
غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۶﴾

یہ اس لیے کہ ان کے پاس ان کے رسول کھلی دلیلیں لے کر آتے تھے تو وہ کہتے، کیا انسان ہمیں راہ دکھائیں گے سو انھوں نے کفر کیا اور پھر گئے اور اللہ کسی کا محتاج نہ تھا اور اللہ بے نیاز تعریف کیا گیا ہے۔

زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا ؕ
قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ
بِمَا عَمِلْتُمْ ؕ وَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۷﴾

جو کافر ہیں وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ اٹھائے نہیں جائیں گے کہہ ہاں میرے رب کی قسم تم ضرور اُٹھائے جاؤ گے پھر تمھیں ضرور اس کی خبر دی جائیگی جو تم نے عمل کیے اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِيْٓ
اَنْزَلْنَا ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۸﴾

سو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اس نور (پر) جو ہم نے اتارا اور اللہ اس سے جو تم کرتے ہو خبردار ہے۔

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجَمْعِ ذٰلِكَ يَوْمُ
التَّغَابُنِ ؕ وَ مَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ يَعْمَلْ
صَالِحًا يُّكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَ يُدْخِلْهُ

جس دن کہ وہ تمھیں جمع ہونے کے دن کے لیے اکٹھا کریگا یہ کمی کے ظاہر ہو جانے کا دن ہے اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے اس کی برائیاں اس سے دور کر دیتا ہے اور اسے

اعمال بجا لانے کے لیے مجبور ہوتا ہے یہ قرآن شریف کی تعلیم کے اصول کے خلاف ہے۔

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ
فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝۹
وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ
ع اَصْحٰبُ النَّارِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝۱۰

باغوں میں داخل کرتا ہے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ انہی میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے ۱۔ اور جو انکار کرتے ہیں اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں وہی آگ والے ہیں اسی میں رہیں گے اور وہ بری جگہ ہے۔

مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ
وَ مَنْ يُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۱

اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی مصیبت نہیں پہنچتی اور جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے ۲۔

وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ
تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا
الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۱۲

اور اللہ (تعالیٰ) کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو، پھر اگر تم پھر جاؤ تو ہمارے رسول پر صرف کھول کر پہنچا دینا ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۳

اللہ تعالیٰ وہ ہے کہ اس کے سوائے کوئی معبود نہیں اور اللہ پر ہی مومنوں کو چاہیئے کہ بھروسا کریں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ
وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ ۚ
وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۴

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تمھاری بیویوں میں سے اور تمھاری اولاد میں سے بعض تمھارے دشمن بھی ہیں، سو ان سے بچتے رہو۔ اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخش دو، تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۳۔

نمبر۱- مفردات میں ہے کہ غبن یہ ہے کہ تم اپنے ساتھی کا کسی معاملہ میں جو تمھارے اور اس کے درمیان ہوا اخفا کے طریق پر حق کم کر دو اور یہ مال میں بھی ہوتا ہے اور رائے میں بھی اور یوم التغابن قیامت کا دن ہے۔ بوجہ اس مبالیعت میں ظہور غبن کے جس کی طرف آیات میں اشارہ ہے ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ - ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسہم و اموالہم بان لہم الجنۃ - الذین یشترون بعہد اللہ و ایمانہم ثمنا قلیلا- اور بعض کے نزدیک یوم التغابن اسے اس لیے کہا گیا ہے کہ دنیا میں جو کچھ اُن کا اندازہ تھا اس کے خلاف وہاں ظاہر ہوگا پس کافر کی وہ کمی ظاہر ہو جائے گی جو ترک ایمان کی وجہ سے ہے اور مومن کی وہ جو نیکی کی کمی کی وجہ سے ہے۔

نمبر۲- ایمان کا تعلق اول قلب سے ہے اور قلب مرکز ہے پس ایمان سے دل ہدایت پاتا ہے اور دل کے ہدایت پانے سے سب اعمال درست ہو جاتے ہیں۔

نمبر۳- اس سے یہ مطلب نہیں کہ بعض بیویاں خاوندوں کی دشمن ہو جاتی ہیں اور ان کے قتل کے منصوبے کرتی ہیں اور بعض اولاد ماں باپ کی دشمن بن جاتی ہے بلکہ ان کا دشمن ہونا اس لحاظ سے ہے جس کی تصریح آگے خود کر دی ہے کہ وہ فتنہ یعنی آزمائش ہیں یعنی بیوی اور اولاد کی محبت انسان سے نہ صرف

اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ اَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾	تمھارے مال اور تمھاری اولاد صرف ایک آزمائش ہیں اور اللہ تعالیٰ وہ ہے کہ اس کے پاس بڑا اجر ہے۔
فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۶﴾	سو اللہ تم کا تقویٰ کرو جہاں تک ہو سکے اور سنو اور اطاعت کرو اور خرچ کرو، تمھارے اپنے لیے بہتر ہے اور جو اپنے نفس کے بخل سے بچ جائے ، تو وہی کامیاب ہیں۔
اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾	اگر تم اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی اچھا مال الگ کرو تو وہ اسے تمھارے لیے بڑھاتا ہے اور تمھاری حفاظت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ قدر کرنیوالا بُردبار ہے
عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ ع	پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا غالب حکمت والا ہے۔

سُوْرَةُ الطَّلَاقِ مَدَنِيَّةٌ (۶۵)

اٰیاتها ۱۲ — رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ	اے نبیؐ جب تم عورتوں کو طلاق دو تو انھیں ان کی عدت کے

اللہ تعالیٰ کی معیت کے بڑے بڑے کام کرا دیتی ہے بلکہ جب خدا کی راہ میں خرچ کرنے کی ضرورت پیش آئے تو بڑی رکاوٹ یہی ہو جاتی ہے یعنی بیوی اور اولاد کا خیال۔ یا وہ چاہتے نہیں کہ تمھارا مال اللہ تعالیٰ کے رستہ میں خرچ ہو اور یوں انفاق فی سبیل اللہ میں وہ روک ہو جاتے ہیں اور یہی ان کا دشمن ہونا ہے یعنی وہ انسان کے آخر کار نقصان کا موجب ہو جاتے ہیں اور ایک حدیث میں ہے کہ میری امت پر ایک زمانہ آئے گا کہ ایک شخص کی ہلاکت اس کی بیوی اور اس کی اولاد کے ہاتھ پر ہوگی۔ یعنی وہ ان کے لیے مال کمانے کی خاطر ارتکاب معاصی کرے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔ اور آخر پر جو فرمایا وان تعفوا وتصفحوا وتغفروا تو یہ مراد ہے کہ بیویوں اور اولاد سے اگر تمھیں کچھ تکلیف پیش آئے اس لیے کہ وہ چاہتے ہیں کہ تم انھیں ناجائز مال لاکر دو یا تمھارے انفاق فی سبیل اللہ پر تم سے ناراض ہو جاتے ہیں یا تکلیف پہنچاتے ہیں تو تم ان سے عفو و درگزر وغیرہ ہی کرو۔ اور اگلی آیت میں صاف کر دیا کہ مال اور اولاد انسان کے لیے فتنہ ہے یعنی اس ذریعہ سے اس کا کھرا پن اور کھوٹا پن پرکھا جاتا ہے کہ کون اولاد اور بیوی کی محبت پر اللہ تعالیٰ کی محبت کو قربان کر کے انفاق سے رک جاتا ہے اور کون اللہ کی محبت کو سب پر مقدم کر لیتا ہے اور اس مضمون کو آیت ۱۶ میں سب کا نتیجہ انفقوا الا کر صاف کر دیا ہے اور ساتھ ہی من یوق شح نفسہ بھی بڑھا دیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اصل غرض یہی ہے۔

نمبر۱۔ اس سورت کا نام الطلاق ہے اور اس میں دو رکوع اور ۱۲ آیتیں ہیں۔ یہ سورت مدنی ہے اور سورۃ بقرہ کے بعد کی نازل شدہ ہے۔ غالباً اس کا زمانہ چھٹے سال ہجری کے قریب کا ہے بظاہر اس سورت میں ایک ایسے مضمون کا ذکر ہے جس کا پہلی سورتوں سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا لیکن اگر قرآن کریم کی ترتیب پر بحیثیت مجموعی ایک غور کی نظر ڈالی جائے تو یہی ظاہر بے تعلقی ایک لطیف حکمت کو اپنے اندر لیے ہوئے ہے قرآن کریم کی ابتدا مدنی سورتوں سے ہوتی ہے اور اس کا خاتمہ مکی سورتوں پر ہوتا ہے یعنی سورۃ تحریم کے بعد انتیسویں پارہ سے لیکر آخر تک مکی سورتیں

لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ وَ اتَّقُوا
اللّٰهَ رَبَّكُمْ ۚ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ
بُيُوْتِهِنَّ وَ لَا يَخْرُجْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ
بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ؕ وَ تِلْكَ حُدُوْدُ
اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ
ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ
يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا ①
فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ
بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ
وَّ اَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ

شروع میں طلاق دو اور عدت کی حفاظت کرو ۱ ۔ اور اللہ تعالیٰ
اپنے رب کا تقویٰ کرو ، انھیں اپنے گھروں سے نہ نکالو
اور نہ وہ خود نکلیں سوائے اس کے کہ کھلی بے حیائی
کریں ۔ اور یہ اللہ (تعالیٰ) کی حدیں ہیں ۔ اور جو
شخص اللہ تعالیٰ کی حدوں سے آگے بڑھتا ہے تو وہ
اپنی جان پر ظلم کرتا ہے تو نہیں جانتا شاید اللہ تعالیٰ اس
کے بعد کوئی بات پیدا کر دے ۲ ۔
پس جب وہ اپنے مقرر وقت کو پہنچنے لگیں تو انھیں پسندیدہ
طریق سے روک رکھو یا پسندیدہ طریق سے انھیں جدا کر دو اور
اپنے میں سے دو صاحب عدل گواہ رکھ لو اور گواہی کو اللہ تعالیٰ

ہیں سوائے سورہ النصر کے ۔ اس کا نزول بھی گو مدنی زمانہ میں ہے مگر مکہ میں ہے اور ظاہر ہے کہ مکی سورتوں میں تفصیلات شریعت نہیں اور یوں یہ دونوں سورتیں الطلاق اور التحریم مدنی سورتوں کے خاتمہ پر ہیں تو جس طرح پر سب سے پہلی مدنی سورت یعنی سورۃ البقرۃ میں ایلا اور طلاق کا ذکر تھا ۔ یہاں مدنی سورتوں کے خاتمہ پر ان سورتوں کو رکھا ہے جن میں وہی ذکر ہے اور یوں گویا اس پہلی سورت کے مضمون کی تکمیل یہاں کر کے ایک پر حکمت ترتیب کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ گویا تفصیلات شریعت میں مسئلہ طلاق سے ہی آغاز کیا اور مسئلہ طلاق پر ہی خاتمہ کیا اور اسی مسئلہ کے ضمن میں عورتوں سے حسن سلوک کے پر زور الفاظ میں تاکید کی ۔

نمبر ۱ ۔ فطلقوھن لعدتھن کے معنی ہیں ایسے طور پر طلاق دو کہ وہاں سے وہ اپنی عدت کا استقبال کرنے والی ہوں اور کشاف نے اس کی وضاحت یوں کی ہے کہ انھیں ایسے طہر میں طلاق دی جائے جس میں خاوند ان کے قریب نہیں گیا اور پھر انھیں چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ ان کی عدت پوری ہو جائے اور یہ طلاق احسن کہلاتی ہے اور ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم کے اصحاب صرف ایک ہی طلاق دیتے تھے ۔ پھر اس کے بعد کوئی طلاق نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ عدت گزر جائے اور بخاری میں ہے کہ عبداللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو آنحضرت صلعم ناراض ہوئے اور مراجعت کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب وہ غسل کرے اور پھر ایک طہر گذرنے کے بعد حیض آنے پر غسل کرے تو اگر چاہے تو طلاق دے قبل اس کے کہ اسے چھوئے یہ وہ عدت ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے طلاق کا طریق بتایا ہے اور وہ یہ ہے کہ طلاق صرف طہر میں دی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس طہر میں مقاربت نہ ہوئی ہو اور جب طلاق دی جائے تو اس سے عدت شروع ہو جائے گی اور پھر اس عدت کا شمار رکھا جائے یعنی تین طہر گذریں پس ان طہروں کے اندر کوئی دوسری طلاق نہیں دی جا سکتی ۔ صحابہ کا بھی یہی عمل تھا ۔ مگر یہاں قرآن کریم کے الفاظ صاف موجود ہیں ۔ وہاں کسی عمل کا بھی کوئی سوال نہیں ۔ البتہ یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اس حکم قرآنی کے خلاف کیا جائے تو کیا ہوگا ۔ سو اگر کوئی شخص حالت حیض میں طلاق دے تو مراجعت نبی کریم صلعم سے ثابت ہے جیسا کہ ابن عمر کی حدیث میں اوپر گذر چکا ہے اور اگر طہر میں طلاق دے لیکن تین طلاق ایک ہی وقت دے جسے طلاق بدعی کہا جاتا ہے یا تین طہروں میں تین طلاقیں دے تو اس کا اثر صرف اس قدر ہوگا کہ پہلی طلاق پر عدت شروع ہو جائے گی اور باقی طلاقیں خواہ اسی وقت کہی گئی ہوں خواہ بعد کے طہروں میں بے اثر ہوں گی کیونکہ وہ قرآنی حکم کے خلاف ہیں ۔ گویا طلاق ایک ہی طلاق کے حکم میں ہوگی ۔

نمبر ۲ ۔ یعنی عدت میں عورتوں کا اسی طرح گھر میں رکھنا ضروری ہے جس طرح وہ نکاح کی حالت میں تھیں اور انھیں بھی یہی حکم ہے کہ انہی گھروں میں رہیں ۔

وَ اَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۲

کے لیے درست ادا کرو، اِن باتوں کا اسے وعظ کیا جاتا ہے جو اللہ (تعالےٰ) اور پچھلے دن پر ایمان لاتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا تقوےٰ کرتا ہے وہ اس کے لیے (مشکلات سے) نکلنے کا رستہ بنا دیتا ہے۔

وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ؕ وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ؕ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا ۳

اور اسے ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسا کرتا ہے تو وہ اس کے لیے بس ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے کام کو پورا کر کے رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

وَ الّٰٓیْٔ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلٰثَةُ اَشْهُرٍ ۙ وَّ الّٰٓیْٔ لَمْ يَحِضْنَ ؕ وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ؕ وَ مَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا ۴

اور جو تمھاری عورتوں میں سے حیض سے ناامید ہو چکی ہیں اگر تمھیں شک ہو تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور (ان کی بھی) جنھیں حیض نہیں آتا، اور حمل والی عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ بچہ جنیں۔ اور جو اللہ (تعالےٰ) کا تقوےٰ کرتا ہے وہ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دیتا ہے ؏۱

اس سے مقصود یہ ہے کہ شاید کوئی اصلاح کی صورت پیدا ہو جائے جیسا کہ آیت کے آخری الفاظ میں اشارہ ہے لیکن ایک صورت میں ان کا گھر سے رخصت کر دینا جائز ہے یعنی جب ان کو کسی امر فاحش کے ارتکاب کی وجہ سے طلاق دی گئی ہو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ طلاق کسی وجہ پر دی جا سکتی ہے اور بلا وجہ طلاق دینا جائز نہیں اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ طلاق کو نبی کریم صلعم نے ابغض المباحات کہا ہے اور اسے مباح کہنا صاف بتاتا ہے کہ اس کی اجازت محض کسی ضرورت کی وجہ سے ہے اور اگر حاجت نہ ہو تو وہ مکروہ ہے اور صحابہ کے طلاق سے جس قدر واقعات نقل ہوئے ہیں تو وہ سب بوجہ کسی ضرورت کے طلاق ہوئی ہے نہ بلا ضرورت۔

نمبر۱- طلاق کی اصل عدت تین قرو ہے جیسا کہ سورہ بقرہ [illegible] چکا، لیکن یہاں تین قسم کی عورتوں کا ذکر کیا جو قرء سے عدت شمار نہیں کر سکتیں ایک وہ جو اس قدر بوڑھی ہو گئی ہیں کہ انھیں حیض آنا موقوف ہو گیا ہے اور یہاں اِنِ ارْتَبْتُمْ اس لیے بڑھایا کہ بعض وقت بیماری کی صورت ہو جاتی ہے جسے استحاضہ کہا جاتا ہے اور ماہوار ایام نہیں ہوتے۔ دوسری وہ جنھیں ابھی حیض آیا ہی نہیں اور تیسری حاملہ عورتیں اور حاملہ کی صورت میں حکم عام ہے۔ یعنی خواہ مطلقہ ہو خواہ بیوہ اس کی عدت وضع حمل ہے اور جس طرح حمل کی صورت میں اگر بیوہ کی معمولی عدت چار ماہ دس یوم گذر جائیں اور وضع حمل نہ ہوا ہو تو نکاح جائز نہیں۔ بلکہ وضع حمل کا انتظار کرنا ہوگا۔ اسی طرح اگر چار ماہ دس یوم سے پہلے وضع حمل ہو جائے تو عدت وضع حمل کے ساتھ ختم سمجھی جائیگی اور اس بارہ میں صحیح بخاری میں حدیث بھی ہے کہ حضرت ام سلمہ رض نے فرمایا کہ ربیعہ اسلمیہ کا خاوند مر گیا اور وہ حاملہ تھیں اور چالیس دن کے بعد ان کے ہاں بچہ ہوا۔ تب انھیں نکاح کا پیغام آیا اور رسول اللہ صلعم نے ان کا نکاح پڑھا دیا۔

ذٰلِكَ اَمْرُ اللّٰهِ اَنْزَلَهٗۤ اِلَيْكُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗۤ اَجْرًا ۵

یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جو اس نے تمھاری طرف اتارا ہے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کا تقویٰ کرتا ہے وہ اس کی برائیوں کو اس سے دور کر دیتا ہے اور اس کو بہت بڑا اجر دیتا ہے۔

اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ؕ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ ۚ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ۚ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوْفٍ ۚ وَاِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهٗۤ اُخْرٰى ۶

انھیں اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو، اور انھیں تنگ کرنے کے لیے انھیں تکلیف نہ دو۔ اور اگر وہ حاملہ ہوں تو ان پر خرچ کرتے رہو، جہاں تک کہ بچہ جنیں۔ پھر اگر وہ تمھارے لیے دودھ پلائیں تو انھیں ان کی اجرت دو۔ اور آپس میں پسندیدہ طور پر مشورہ کرلو۔ اور اگر تم ایک دوسرے سے تنگی محسوس کرو تو اس کے لیے دوسری عورت دودھ پلا دے گی۔

لِيُنْفِقْ ذُوْ سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ فَلْيُنْفِقْ مِمَّاۤ اٰتٰىهُ اللّٰهُ ؕ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا ؕ سَيَجْعَلُ اللّٰهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُّسْرًا ۷ ع

چاہیئے کہ وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرے اور جس پر اس کی روزی تنگ ہے تو چاہیئے کہ وہ اس سے خرچ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اسے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص پر کچھ لازم نہیں کرتا مگر اسی کے مطابق جو اسے دیا ہے اللہ تعالیٰ تنگی کے بعد آسانی کر دے گا۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّعَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۸

اور کتنی بستیاں ہیں جنھوں نے اپنے رب کے حکم اور اس کے رسولوں سے سرکشی کی تو ہم نے اس کا حساب سختی سے لیا، اور اسے سخت سزا سے عذاب دیا۔

فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۹

تو انھوں نے اپنے کام کی سزا چکھی، اور ان کے کام کا انجام گھاٹا ہی ہوا[1]۔

[1] نمبرا۔ پہلے رکوع میں طلاق کا ذکر ہے اور دوسرے میں رسولوں کے حکم سے انحراف کا۔ وجہ تعلق یہ معلوم ہوتی ہے کہ جس طرح خاوند میں اثر ڈالنے کا اور زوجہ میں اثر قبول کرنے کا مادہ ہوتا ہے اسی طرح روحانی طور پر رسول میں اثر ڈالنے کا مادہ ہوتا ہے اور امت میں قبولیت کا اثر۔ اور یوں ایک لطیف تعلق عورت کی خاوند سے علیحدگی اور امت کے تعلیم رسول سے انحراف میں ہے اور اس مضمون کو سورۂ تحریم کے آخر پر قرآن شریف نے خود واضح کر دیا ہے جہاں کفار کی مثال عورتوں سے دی ہے اور مومنوں کی مثال بھی دو عورتوں سے دی ہے۔

أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۖ فَاتَّقُوا
اللّٰهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ۚ الَّذِينَ آمَنُوا ۚ
قَدْ أَنزَلَ اللّٰهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا ﴿۱۰﴾
رَّسُولًا يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللّٰهِ مُبَيِّنَاتٍ
لِّيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَمَن يُؤْمِن
بِاللّٰهِ وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ
تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ
فِيهَا أَبَدًا ۖ قَدْ أَحْسَنَ اللّٰهُ لَهُ رِزْقًا ﴿۱۱﴾
اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ
الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ
بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيرٌ وَأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ
شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾

اللہ نے ان کے لیے سخت عذاب تیار کیا ہے۔ سو اللہ کا تقوے کرو اے عقل والو جو ایمان لائے ہو، اللہ نے تمھاری طرف ذکر اتارا ہے۔

(وہ) رسول وہی جو تم پر اللہ کی کھلی آیتیں پڑھتا ہے [1] تاکہ انھیں جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں اندھیرے سے روشنی کی طرف نکالے اور جو اللہ (تعالیٰ) پر ایمان لاتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے اس کو باغوں میں داخل کرتا ہے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ہمیشہ انہی میں رہیگا اللہ نے اسے اچھا رزق دیا ہے۔

اللہ وہ ہے جس نے سات آسمان پیدا کیے اور زمین، انھیں کی مانند ان کے درمیان حکم نازل ہوتا ہے تاکہ تم جان لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور کہ اللہ (تعالیٰ) نے ہر چیز کا (اپنے) علم سے احاطہ کر رکھا ہے [2]۔

نمبرا۔ رسولا یہاں پہلی آیت میں ذکرا سے بدل ہے اور آنحضرت صلعم کے بھیجنے کو یہاں نزل سے تعبیر کیا ہے اور رسول اللہ صلعم کو ذکر کے نام سے موسوم کیا ہے۔

نمبر۲۔ چونکہ ہر چیز اپنے نیچے والی چیز کے لحاظ سے سماء کہلاتی ہے اور اوپر والی چیز کے لحاظ سے ارض، اس لیے سات آسمانوں اور ان کی مثل زمینوں سے مراد ایک ہی ہے یعنی نظام شمسی کے سات بڑے سیارے جو زمین کے علاوہ ہیں یتنزل الامر بینھن سے مراد اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کا نفوذ بھی ہو سکتا ہے اور قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس کا حکم اور اس کی قضا ہر زمین میں ہے اور بعض کے نزدیک مراد موت اور حیات اور غنا اور فقر وغیرہ ہیں اور مقاتل کا قول ہے کہ نزول وحی مراد ہے اور بینھن اس لیے کہا کہ ان ایام میں ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک ان امور کا نفوذ ہے۔

آیاتہا ۱۲ (۶۶) سُورَةُ التَّحْرِيمِ مَدَنِيَّةٌ ۱ رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ①

اے نبی ! کیوں اسے حرام کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے حلال کیا، تُو اپنی بیویوں کی رضا چاہتا ہے اور اللہ (تعالیٰ) بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ۱۔

نمبر۱۔ اس سورت کا نام التحریم ہے اور اس میں دو رکوع اور بارہ آیتیں ہیں اور اس کا نام التحریم اس واقعہ سے لیا گیا ہے ، جو آنحضرت صلعم کو مدینہ میں پیش آیا یعنی واقعہ ایلاء ۔ جب ازواج کے مطالبہ سامان پر آپ نے ایک ماہ کے لیے ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اسی لحاظ سے اس کا نام تحریم ہے ۔ یہ سورت مدنی ہے اور نویں سال ہجرت کی ہے ۔

نمبر۲۔ ان الفاظ میں کسی چیز کی تحریم کا ذکر ہے ایک تو قصہ ماریہ قبطیہ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے جس کے متعلق اسی قدر کہہ دینا کافی ہے کہ وہ قصہ کسی صحیح طریق پر مروی نہیں دیکھو روح المعانی ، دوسرا قصہ شہد پینے کا ہے یعنی آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ کے کہنے پر شہد پینے سے قسم کھالی تھی ۔ یہ قصہ بھی قابلِ قبول نہیں جس بات کی طرف یہاں اشارہ ہے وہ بخاری اور دیگر صحاح میں مذکور ہے بخاری نے باب تبتغی مرضات ازواجك قد فرض الله لكم تحلة ايمانكم کے تحت ایک حدیث نقل کی ہے اور اس میں واقعہ ایلاء کا ہی ذکر حضرت عمرؓ کی زبانی ہے اور اس حدیث کے آخر پر یہ لفظ آتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے قسم کھائی تھی کہ آپ ایک ماہ تک اپنی بیویوں کے پاس نہیں جائیں گے ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر اظہار ناراضی فرمایا ۔ جب ہم سیاق کو دیکھتے ہیں تو اس سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے ۔ اگر یہ شہد کا قصہ ہوتا تو اظہار ناراضی صرف ازواج پر ہوتا یعنی حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہ رضؓ پر ۔ حالانکہ یہاں آگے چل کر عسى ربه ان طلقكن میں سب بیویوں کو شامل کیا ہے اور یہ قطعی شہادت اس بات پر ہے کہ یہاں ذکر اسی ایلاء کے واقعہ کا ہے جس میں سب ازواج شامل تھیں اور مطالبہ بھی سبھی کا تھا اور اس کا مفصل ذکر سورۂ احزاب میں گزر چکا ہے یعنی آنحضرت صلعم کی ازواج نے زیادہ نفقہ طلب کیا تھا ۔ دوسرے ابن جریر میں حضرت عائشہ رضؓ کی روایت صاف ہے عن عائشة قالت الى رسول الله صلعم وحرم فامر في الايلاء بكفارة وقيل له في التحريم لم تحرم ما احل الله لك حضرت عائشہ رضؓ سے بہتر سند اس بارہ میں نہیں مل سکتی ۔ اور نسائی میں حضرت ابن عباسؓ کے متعلق ہے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی عورت کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ تو جھوٹ کہتا ہے وہ تجھ پر حرام نہیں ۔ پھر یہ آیت پڑھی لم تحرم ما احل الله لك جس سے معلوم ہوا کہ یہ زوجہ کے اپنے اوپر حرام کر لینے کے متعلق ہی ہے اور اہل لغت کے نزدیک حرام اور تحریم کا لفظ بالخصوص ایسے موقعہ پر بولا جاتا ہے ۔ چنانچہ لسان العرب میں ہے کہ حضرت عمرؓ کی حدیث میں ہے في الحرام كفارة یعنی حرام میں کفارہ ہے جس کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ زوجہ کی تحریم مراد ہے جس میں نیت طلاق نہ ہو اور آگے لکھا ہے کہ اسی سے ہے يا ايها النبي لم تحرم ما احل الله لك اور اسی سے حدیث عائشہ رضؓ آلى رسول الله صلعم وحرم فجعل الحرام حلالا جس سے مراد ہے کہ جو اپنے نفس پر ایلاء کر کے اپنی بیویوں کو حرام کر لیا تھا اس کو توڑا یا یعنی حلال کیا ۔

اب صرف ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ بیویوں کی رضامندی چاہنے سے کیا مراد ہے ۔ شہد پینے کا واقعہ جس رنگ میں بیان کیا جاتا ہے اس میں اگر آنحضرت صلعم کا شہد پینا چھوڑ دینا ایک بیوی کو خوش کرنے کے لیے مانا جائے تو دوسری بیوی کو ناخوش کرنے والا تھا ، بظاہر یہ رضامندی کُل کی ہے یا کم سے کم بہت بڑے حصہ کی ۔ اب ہم ایلاء کے واقعہ کو لیتے ہیں تو تبتغی مرضات ازواجك کے یہ معنی ہوئے کیا تو اپنی بیویوں کی رضامندی چاہتا ہے ؟ یعنی اگر تم ایسا چاہتے ہو تو پھر ان کو الگ کرنا ٹھیک نہیں ، یا یوں معنی ہو سکتے ہیں کہ تم تو اپنی بیویوں کی رضامندی کو چاہتے ہو تو پھر علیحدگی کیوں اختیار کرتے ہو ۔

قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۞٢

اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے تمھاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور اللہ تعالیٰ تمھارا کارساز ہے اور علم والا حکمت والا ہے۔

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا ۭ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۞٣

اور جب نبیؐ نے اپنی ایک بیوی سے ایک بھید کی بات کہی، سو جب اس نے وہ بات بتا دی اور اللہ تعالیٰ نے اُسے اس پر آگاہ کر دیا تو اس کا کچھ حصّہ جتا دیا اور کچھ حصّہ سے اعراض کیا۔ پس جب اس کو اس کی خبر دی تو اس نے کہا آپ کو کس نے بتایا۔ کہا مجھے علم والے خبردار نے بتایا[1]۔

اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۞٤

اگر تم دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف جھک جاؤ تو تمھارے دل مائل ہی ہو چکے ہیں اور اگر تم اس کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو تو اللہ تعالیٰ ہی اس کا دوست ہے اور جبرئیلؑ اور صالح مومن بھی۔ اور (سب) فرشتے اس کے بعد مددگار ہیں[2]۔

عَسٰى رَبُّهٗٓ اِنْ طَلَّقَكُنَّ اَنْ يُّبْدِلَهٗٓ اَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكُنَّ مُسْلِمٰتٍ مُّؤْمِنٰتٍ

اگر وہ تمھیں طلاق دیدے تو اس کا رب ابھی اسے تم سے بہتر بیویاں تمھارے بدلے دیدے۔ مسلم، مومن، فرماں بردار،

اور یہ گویا آپ کے حسن سلوک کا نقشہ کھینچا ہے جو آپؐ اپنی بیویوں سے کرتے تھے اور یا مرضات ازواجك سے مراد بیویوں کے لیے رضامندی ہے یعنی بیویوں کے لیے رضاالٰہی چاہتے ہو تو گویا اس صورت میں یہ بتایا کہ آپ نے جو اپنی بیویوں سے تعلق کو منقطع کیا جس پر سورۂ تحریم نازل ہوا تو یہ اپنی خوشی کے لیے نہ تھا یا محض غضب کی وجہ سے۔ بلکہ اصل بات یہ تھی کہ آپ چاہتے تھے کہ یہ بیویاں رضائے الٰہی کو حاصل کریں کیونکہ ان کا مطالبہ زیادتی نفقہ کا رضائے الٰہی کے حصول کے خلاف تھا تو پس یہ صاف کر دیا کہ آپ کا اپنے آپ کو ایک حلال چیز سے روکنا محض دوسروں کی خیرخواہی کے لیے ہے اور آپ نہ چاہتے تھے کہ جن لوگوں کا آپ سے تعلق ہے ان کا کوئی قدم رضائے الٰہی کے خلاف پڑے، مگر اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے روک دیا۔ کیونکہ نبی صلعم میں اگر ایسا نمونہ جائز رکھا جاتا تو امت میں اس قسم کی افراط وتفریط کے لیے گنجایش نکل آتی۔

نمبر۱۔ اس بات کو ظاہر نہیں فرمایا، بظاہر اسی واقعہ ایلاء کے متعلق کوئی بات ہے اور اس ذکر میں یہ اشارہ ہے کہ میاں بیوی میں اپنے راز کا دوسرے پر اظہار کرنا حسن معاشرت میں داخل ہے۔

نمبر۲۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نفقہ کی زیادتی کے مطالبہ میں ابتداءً دو بیبیاں یعنی حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ شامل تھیں اور توبہ کی صورت میں جو فرمایا فقد صغت قلوبکما تو اس کے یہ معنی ہیں کہ توبہ کی طرف ہی تمھارے دل مائل ہیں اور دوسری صورت میں فرمایا کہ اللہ اس کا مولیٰ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر کا حقیقی تعلق تو اللہ سے ہے اور جبرئیل سے جو آپ پر وحی لاتا ہے اور پھر صالح مومنوں سے جو آپ کے پیغام کو قبول کرتے ہیں اور ازواج سے جو تعلق ہے وہ بھی بوجہ ان کے صالح ہونے کے ہے کہ وہ پیغام حق کے پہنچانے میں معاون بنتی ہیں اور اگر وہ اس میں

قٰنِتٰتٍ تٰٓئِبٰتٍ عٰبِدٰتٍ سٰٓئِحٰتٍ ثَيِّبٰتٍ وَّ اَبْكَارًا ۝۵

توبہ کرنے والیاں، عبادت کرنے والیاں، روزے رکھنے والیاں، بیوہ اور کنواریاں ۱؎۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝۶

اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اس کے اوپر فرشتے (مقرر) ہیں سخت (اور) طاقتور، اللہ تہ جو حکم انھیں دے وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور جو کچھ حکم ملتا ہے وہی کرتے ہیں ۲؎۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۷ ع

اے منکرو! آج عذر مت کرو، تمھیں وہی بدلہ ملے گا جو تم عمل کرتے تھے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ تہ کے آگے خالص توبہ کرو۔ امید ہے کہ تمھارا رب تم سے تمھاری برائیوں کو دور کردے اور تمھیں باغوں میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ جس دن اللہ تہ نبی ؐ کو اور اُن کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے رسوا نہیں کرے گا، ان کا نور ان کے سامنے اور ان کے دائیں چلتا ہوگا کہیں گے اے ہمارے رب

روک نہیں تو پھر ان کی بھی کچھ پروا نہیں۔ یہ مسلمانوں کو سبق دیا ہے حسن معاشرت کا، مگر امر حق میں اگر بیوی روک بنے تو اس کی پروا نہ کرو۔

نمبر۱۔ ان طلقکن میں تمام ازواج کا ذکر ہے کیونکہ مطالبہ بالآخر تمام کی طرف سے تھا اور یہاں بتایا یہ ہے کہ اگر آنحضرت صلعم سے علٰحدگی تم چاہو تو اللہ تعالیٰ اُسے اور بیبیاں ان اوصاف کی دے دیگا کیونکہ اصل غرض جس کے لیے آنحضرت صلعم کو ازواج کی ضرورت ہے، وہ دین حق کا دوسروں کو پہنچانا ہے لیکن چونکہ ازواج مطہرات نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا اس لیے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سب اوصاف ان ازواج میں ہی موجود تھے انھوں نے مال دنیا پر لات ماری اور رسول اللہ صلعم کے گھر میں رہنے کو ترجیح دی۔

نمبر۲۔ اصل غرض اس سورت میں اور پچھلی سورت میں مومنوں کی تطہیر اور تزکیہ ہے اس لیے اب انھیں خطاب کیا ہے کہ تم اپنی بھی اصلاح کرو اور اپنے اہل و عیال کی بھی اصلاح کی فکر رکھو۔ نہ تم ان پر زیادتی کرو یا حقوق اللہ میں کسی قسم کی افراط و تفریط کرو نہ انھیں احکام الٰہی کی حد سے آگے نہ بڑھنے دو۔

رَبَّنَآ اَتۡمِمۡ لَنَا نُوۡرَنَا وَ اغۡفِرۡ لَنَا ۚ
اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۸﴾

ہمارا نور ہمارے لیے کامل کر اور ہماری مغفرت فرما۔ تو ہر
چیز پر قادر ہے ؁۱

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الۡکُفَّارَ وَ
الۡمُنٰفِقِیۡنَ وَ اغۡلُظۡ عَلَیۡهِمۡ ؕ وَ مَاۡوٰىهُمۡ
جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴿۹﴾

اے نبی ؑ کافروں اور منافقوں سے جہاد کر اور ان کے
مقابل میں سخت رہ۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے
اور وہ بری جگہ ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوا
امۡرَاَتَ نُوۡحٍ وَّ امۡرَاَتَ لُوۡطٍ ؕ کَانَتَا
تَحۡتَ عَبۡدَیۡنِ مِنۡ عِبَادِنَا صَالِحَیۡنِ
فَخَانَتٰهُمَا فَلَمۡ یُغۡنِیَا عَنۡهُمَا مِنَ اللّٰهِ
شَیۡئًا وَّ قِیۡلَ ادۡخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیۡنَ ﴿۱۰﴾

اللہ (تعالیٰ) ان کے لیے جو کافر ہیں، نوح کی
عورت اور لوط کی عورت کی مثال بیان کرتا ہے۔
وہ ہمارے بندوں میں سے دو صالح بندوں کے ماتحت تھیں،
پھر انھوں نے ان کی خیانت کی پس وہ اللہ تعالیٰ کے مقابل میں ان دونوں
کے کچھ بھی کام نہ آئے اور کہا گیا کہ تم دونوں آگ میں داخل ہونیوالوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ ؁۲

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِیۡنَ اٰمَنُوا امۡرَاَتَ
فِرۡعَوۡنَ ۘ اِذۡ قَالَتۡ رَبِّ ابۡنِ لِیۡ عِنۡدَکَ
بَیۡتًا فِی الۡجَنَّةِ وَ نَجِّنِیۡ مِنۡ فِرۡعَوۡنَ
وَ عَمَلِهٖ وَ نَجِّنِیۡ مِنَ الۡقَوۡمِ الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۱﴾

اور اللہ تعالیٰ ان کے لیے جو ایمان لائے۔ فرعون کی عورت کی
مثال بیان کرتا ہے۔ جب اس نے کہا اے میرے رب میرے لیے
اپنے پاس جنت میں گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے عمل
سے نجات دے اور مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے ؁۳

نمبر۱۔ یہاں وضاحت کردی کہ اصل غرض مومنوں کی تطہیر ہے، اور اسی تطہیر کا ہی نتیجہ ہے کہ وہ بہشت میں داخل ہونگے اور ان کی دعائے اتمام نور و مغفرت (ترقی درجات) صاف بتاتی ہے کہ قرآن کریم بہشت کی ترقیات کو غیر متناہی قرار دیتا ہے دیکھو نوٹ الزمر ۲۰

نمبر۲۔ اس آیت میں کفار کی مثال عورت سے دی ہے اور اگلی میں مومنوں کی مثال عورت سے دی ہے اور یوں بتادیا کہ عورتوں کے ذکر میں بھی امت کا ذکر مقصود ہو سکتا ہے۔ کفار کی مثال حضرت نوحؑ اور حضرت لوطؑ کی بیویوں سے دی ہے اب لوطؑ کی بیوی کا ذکر تو قرآن شریف میں ہے اور اس کی تباہی کا ذکر بھی ہے لیکن نوحؑ کی بیوی کا ذکر نہ قرآن شریف میں ہے اور نہ حدیث میں اور توریت میں بھی ایسا ذکر نہیں ملتا۔ البتہ نوحؑ کے ایک بیٹے کا ذکر قرآن شریف میں بھی ہے اور توریت میں بھی جو تباہ ہو گیا اور قرین قیاس ہے کہ اس نے اپنی والدہ کی تربیت کے نیچے عقاید کفر میں تربیت پائی ہو اور ان عورتوں کی خیانت سے مراد اُن کا کفر یا نفاق ہی ہے۔ اور راغب نے خیانت اور نفاق کو ایک ہی کہا ہے۔ اور یہاں نفاق ہی معنی لیے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ کفار گو رسولوں کے پیرو ہی ہوں لیکن اگر ان رسولوں کی تعلیم پر عامل نہ ہوں تو محض برائے نام پیرو ہونا انھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا اور اس میں سمجھایا مسلمانوں کو ہے کہ اگر وہ رسول کی پیروی نہ کریں تو دعویٰ ایمان سے انھیں کوئی فائدہ نہ پہنچے گا۔

نمبر۳۔ اس آیت میں مومن کی مثال فرعون کی عورت سے دی ہے اور اگلی میں مریم بنت عمران سے۔ اور فرعون کی عورت حضرت موسیٰؑ کی تربیت کرنے والی تھی اور مریم حضرت عیسیٰؑ کی اور شاید ان مثالوں میں یہ اشارہ بھی ہو کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ جیسے انسان آنحضرت صلعم کی

وَ مَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَ صَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَ كُتُبِهٖ وَ كَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ ﴿۱۲﴾ ع

اور مریم عمران کی بیٹی کی، جس نے اپنی عصمت کو محفوظ کیا تو ہم نے اپنی روح اس میں پھونکی اور اس نے اپنے رب کی باتوں کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ فرماں برداروں میں سے تھی [۱]

سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّةٌ (۶۷) ‏[۲]

آیاتہا ۳۰ ‏ رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۨ ﴿۱﴾

وہ ذات، بابرکت ہے جس کے ہاتھ میں بادشاہت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَ الْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ ۙ ﴿۲﴾

جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے اور وہ غالب بخشنے والا ہے [۳]

امت میں سے پیدا ہوں گے اور حدیث میں ہے لو کان موسیٰ و عیسیٰ حیین لما وسعھما الا اتباعی۔ لیکن اصل میں مومن کے دو مرتبوں کی طرف ان دو مثالوں میں توجہ دلائی ہے یعنی اس پہلی مثال میں اس مومن کے مرتبہ کی طرف جو فرعون کے نیچے ہے یعنی اس کا شیطان ابھی مسلم نہیں ہوا اور اسے بدی کی تحریک کرتا ہے مگر مومن اس کے بالمقابل جد وجہد میں لگا رہتا ہے من فرعون و عملہ میں اسی جد وجہد کی طرف اشارہ ہے اور اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ جنت میں داخل ہو یعنی جہاں شیطان کا مقابلہ ختم ہو جاتا ہے اس حالت کے لیے اگلی مثال بیان کی ہے۔

نمبر۱۔ یہ دوسری مثال مومن کی اس اعلیٰ مرتبہ کے لیے ہے جب وہ احصنت فرجھا کا مصداق ہوتا ہے یعنی شیطان کسی جگہ سے اس پر حملہ آور نہیں ہو سکتا گویا اس کا شیطان فرمانبردار ہو جاتا ہے تب اس میں اللہ تعالیٰ کی روح یا اس کا پاک کلام پھونکا جاتا ہے اور وہ نفس مطمئنہ بن جاتا ہے۔ چونکہ اصل ذکر مقصود مومن کا تھا۔ مریم کا اس لیے بجائے نفخنا فیھا کے نفخنا فیہ فرمایا حالانکہ دوسری جگہ ایسے ہی موقعہ پر جہاں مریم کا ذکر مقصود تھا فیھا فرمایا ہے دیکھو الانبیاء ۲۱-۹۱ جس سے معلوم ہوا کہ یہاں ذکر مومن کا مقصود ہے اور اسی میں نفخ روح کا ذکر ہے اور بعض نے ضمیر کو حضرت عیسیٰؑ کی طرف لیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی مثال میں مراد یہ ہو کہ جس طرح نوحؑ اور لوطؑ کی بیویاں تباہ ہو گئیں اسی طرح پہلے نبیوں کی امتیں آخر کار ہلاکت تک پہنچ جائیں گی اور دوسری مثال میں یہ کہ امت محمدیہ ایک وقت فرعون کے نیچے آکر مبتلائے معصیت ہو جائے گی لیکن آخر کار وہ اس معصیت سے نکل جائے گی

نمبر۲۔ اس سورت کا نام الملک ہے اور اس میں دو رکوع اور تیس آیتیں ہیں اور اس کے نام الملک میں یہ اشارہ ہے کہ ایک خدا کا قانون ہی ساری دنیا میں چلتا ہے اور اس لیے شروع میں توجہ دلائی ہے کہ وہ عظیم الشان مخلوقات سماوی جس کو دیکھ کر نظر بھی متحیر رہ جاتی ہے۔ وہ بھی سب ایک قانون کے ماتحت ہے اور اسی سے انسان کو توجہ دلائی ہے کہ وہ بھی جب تک اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے قانون کے ماتحت نہیں چلاتا نہ صرف اس کی زندگی کی غرض پوری نہیں ہوتی بلکہ اس کا نتیجہ دکھ ہوتا ہے یہاں سے لیکر آخر تک سب سورتیں مکی ہیں سوائے سورۃ النصر کے اور ہر ایک سورت میں ایک خاص امر کی طرف توجہ دلائی ہے۔

نمبر۳۔ موت اور زندگی کا پیدا کرنا اللہ تعالیٰ کی بادشاہت کا ایک عظیم الشان نشان ہے جن قوانین کے ماتحت زندگی پیدا ہوتی اور جن قوانین کے ماتحت موت

الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ؕ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ؕ فَارْجِعِ الْبَصَرَ ۙ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾

جس نے سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر پیدا کیا، تو رحمان کی پیدائش میں کوئی اختلاف نہ دیکھے گا۔ پھر نظر کو لوٹا۔ کیا تو کوئی بگاڑ دیکھتا ہے ؎۱۔

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ ﴿۴﴾

پھر نظر کو بار بار لوٹا، نظر تیری طرف حیرت سے تھک کر واپس آجائے گی ؎۲۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ ﴿۵﴾

اور ہم نے ورلے آسمان کو ستاروں سے زینت دی اور انھیں شیطانوں کے لیے اٹکل بازی کا ذریعہ بنا دیا ہے اور اُن کے لیے جلنے کا عذاب تیار کر رکھا ہے ؎۳۔

وَلِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۶﴾

اور ان کے لیے جو اپنے رب کا انکار کرتے ہیں، دوزخ کا عذاب ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔

پیدا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے تصرف تام میں ہیں کوئی ان قوانین کو ایک ذرہ بھر ادھر اُدھر نہیں کر سکتا اور موت اور زندگی انسان کے لیے انعام کا موجب ہیں زندگی اسے اچھے کام کا موقعہ دیتی ہے اور موت اچھے کام کے نتائج کو ظاہر کرتی ہے۔

نمبر ۱۔ جب اپنا موت و حیات کا قانون بیان فرمایا کہ اس میں کسی کو کوئی تصرف حاصل نہیں تو اب اپنی عظیم الشان سماوی مخلوق کی طرف توجہ دلائی ہے، سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے موافق پیدا کیا، خواہ یہ سات نظام شمسی کے سیارے ہوں اور خواہ ستاروں کے سات درجے۔ ایک دوسرے کے اوپر بھی ہیں۔ مگر یہاں ان کے ایک ہی قانون کے ماتحت ہونے کا ذکر ہے اس لیے فرمایا کہ تم اس مخلوق میں تفاوت نہیں پاؤ گے یعنی اوصاف میں اختلاف نہیں یہ نہیں کہ ایک جگہ ایک قانون کام کر رہا ہے تو دوسری جگہ اس کے مخالف قانون کام کر رہا ہو جو اس پہلے قانون کو باطل کر دیتا ہو اور دوسری بات اس کی قدرت عظیم پر دلالت کرنیوالی یہ بتائی کہ اس قانون میں خلل کوئی واقعہ نہیں ہوتا، یعنی یہ کبھی نہیں ہوتا کہ قانون کسی حالت میں اپنا کام کرنا چھوڑ دے۔ یہ دو باتیں اللہ تعالیٰ کی عظمت قدرت پر دلالت کرتی ہوئی اس کی توحید پر بھی شہادت ہیں اتنی عظیم الشان مخلوق میں کہ جہاں انسان کی نظر متحیر رہ جاتی اور تھک جاتی ہے، جیسا کہ اگلی آیت میں بیان فرمایا ایک ہی قانون کام کر رہا ہے۔ سائنس بھی آج یہی بتاتا ہے کہ ایک ذرہ سے لیکر اُن عظیم الشان کرّوں تک جن کی عظمت کا انسان کے وہم میں آنا بھی مشکل ہے ایک ہی قانون کام کر رہا ہے۔

نمبر ۲۔ کرتین۔ تثنیہ سے مراد تکرار و تکثیر ہے، یعنی بار بار ایک فعل کا کرنا اور مراد ہے رجعۃ بعد رجعۃ یعنی لوٹاتے چلے جاؤ آخر نظر تھک جائے گی مگر قانون ایک ہی کام کرتا نظر آئے گا۔

نمبر ۳۔ ابن اثیر کہتے ہیں کہ یہاں رجوماً سے مراد ظنون اور شیاطین سے مراد منجم اور کاہن ہیں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ نجوم یعنی ستاروں سے کچھ علم حاصل کر کے آئندہ کی خبریں بتا سکتے ہیں۔ لسان العرب میں بھی اسی معنی کو قبول کیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اگر ہم یہ مراد لیں کہ خود وہ ستارے جن سے آسمان مزین ہے شیطانوں پر پھینکے جاتے ہیں تو آج تک یہ ختم ہو گئے ہوتے۔ اس دقت کو حل کرنے کے لیے مفسرین کہتے ہیں کہ ستاروں سے شعلہ لیکر شیطانوں پر پھینکا جاتا ہے مگر شعلے کا ذکر قرآن شریف میں نہیں اور صاف اور صحیح معنے ان الفاظ کے یہی ہیں کہ کاہن اور منجم ان ستاروں سے علم حاصل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور یہ جھوٹا دعویٰ ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے اس لیے کہ ستاروں کا بنانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

إِذَآ أُلْقُوا فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيقًا وَّهِيَ تَفُورُ ۝٧

جب اس میں ڈالے جائیں گے اس کا چیخنا سُنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی۔

تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ ۖ كُلَّمَآ أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ۝٨

قریب ہے کہ جوش سے پھٹ پڑے، جب کبھی اس میں ایک گروہ ڈالا جائے گا اس کے چوکیدار اُن سے پوچھیں گے کیا تمھارے پاس ڈرانے والا نہ آیا تھا۔

قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَآءَنَا نَذِيرٌ ۙ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ ۚ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَٰلٍ كَبِيرٍ ۝٩

کہیں گے، ہاں! ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا۔ مگر ہم نے جھٹلایا اور کہا اللہ (تعالیٰ) نے کچھ نہیں اتارا۔ تم بڑی غلطی میں ہو۔

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيٓ أَصْحَٰبِ السَّعِيرِ ۝١٠

اور کہیں گے اگر ہم سنتے یا عقل سے کام لیتے تو ہم دوزخ والوں میں نہ ہوتے ۱؎۔

فَاعْتَرَفُوا بِذَنۢبِهِمْ ۚ فَسُحْقًا لِّأَصْحَٰبِ السَّعِيرِ ۝١١

سو اپنے گناہ کا اقرار کریں گے۔ پس دوزخ والوں کے لیے دُوری ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَّأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝١٢

وہ لوگ جو غائبانہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں، ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے۔

وَأَسِرُّوا قَوْلَكُمْ أَوِ اجْهَرُوا بِهِۦٓ ۖ إِنَّهُۥ عَلِيمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝١٣

اور اپنی بات کو چھپاؤ یا اسے ظاہر کرو وہ سینوں کی باتوں کو جاننے والا ہے۔

أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝١٤ ع

کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا اور وہ باریک باتوں کا جاننے والا خبردار ہے ۲؎۔

هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ ذَلُولًا

وہی ہے جس نے زمین کو تمھارے ماتحت کردیا، سو

نمبر۱۔ پچھلی آیت میں سوال صرف نذیر کے متعلق تھا مگر یہاں سمع اور عقل دونوں کا ذکر کیا ہے اور اس میں اشارہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر پیغمبر کی آواز کسی جگہ نہ پہنچی ہو جسے انسان سُن سکتا ہو تو عقل تو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک انسان کو دی ہے اس لیے فرمایا لو کنا نسمع او نعقل یعنی اگر ہم ڈرانے والے کی آواز کو سُن لیتے یا وہ آواز نہ پہنچی تھی تو عقل سے ہی کام لیتے۔

نمبر۲۔ یہاں خلق کو دلیلِ علم قرار دیا ہے اس لیے کہ ایک چیز کا پیدا کرنا اس کے تمام حالات پر پیدا کرنے والے کو حاوی کر دیتا ہے۔

فَامۡشُوۡا فِیۡ مَنَاکِبِهَا وَ کُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِهٖ	اس کی اطراف میں چلو اور اس کے دیے سے کھاؤ اور
وَ اِلَیۡهِ النُّشُوۡرُ ﴿۱۵﴾	اس کی طرف (موت کے بعد) اُٹھ کر جانا ہے ۱۔
ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یَّخۡسِفَ	کیا تم اس سے نڈر ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تمھیں زمین میں نابود
بِکُمُ الۡاَرۡضَ فَاِذَا هِیَ تَمُوۡرُ ﴿۱۶﴾	کردے سو وہ ناگہاں کانپنے لگے گی ۲۔
اَمۡ اَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یُّرۡسِلَ	یا تم اس سے نڈر ہو جو آسمان میں ہے کہ وہ تم پر پتھر برسائے
عَلَیۡکُمۡ حَاصِبًا ؕ فَسَتَعۡلَمُوۡنَ کَیۡفَ نَذِیۡرِ ﴿۱۷﴾	سو تم جان لوگے کہ میرا ڈرانا کیسا تھا۔
وَ لَقَدۡ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ	اور انھوں نے بھی جھٹلایا جو اُن سے پہلے تھے۔ سو میری
فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ ﴿۱۸﴾	ناپسندیدگی کا (انجام) کیسا ہُوا۔
اَوَ لَمۡ یَرَوۡا اِلَی الطَّیۡرِ فَوۡقَهُمۡ صٰٓفّٰتٍ	کیا وہ اپنے اوپر پرندوں کو نہیں دیکھتے (جو) پر پھیلائے ہوئے
وَّ یَقۡبِضۡنَ ؕۘ مَا یُمۡسِکُهُنَّ اِلَّا الرَّحۡمٰنُ ؕ	(رہیں) اور سکیڑ (بھی) لیتے ہیں۔ سوائے رحمٰن کے انھیں کون
اِنَّهٗ بِکُلِّ شَیۡءٍۭ بَصِیۡرٌ ﴿۱۹﴾	روک رکھتا ہے وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے ۳۔
اَمَّنۡ هٰذَا الَّذِیۡ هُوَ جُنۡدٌ لَّکُمۡ	بھلا وہ کون ہے؟ جو تمھارے لیے لشکر
یَنۡصُرُکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ الرَّحۡمٰنِ ؕ اِنِ	ہو کر رحمٰن کے مقابلہ میں تمھیں مدد دے۔

نمبر۱۔ منکب بازو اور کندھے کے ملنے کی جگہ ہے اور زمین کے مناکب سے مراد اس کے رستے یا اس کی جوانب یا پہاڑ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمانیت سے انسان کے لیے سب سامان پیدا کیے۔ زمین کو انسان کے ماتحت کردیا ہے مگر وہ خود بخود رزق لاکر اس کے آگے نہیں رکھ دیتی بلکہ رزق کے حاصل کرنے کے لیے جد وجہد سے کام لینا پڑتا ہے اور اس کی اطراف و جوانب میں چلنا پڑتا ہے۔ یہ آیت توکل کے غلط خیال کو جڑ سے کاٹتی ہے کیونکہ حصولِ رزق کے لیے جد وجہد کو ضروری قرار دیتی ہے آج یورپ کا عمل اس پر ہے اور حصولِ رزق کے لیے جد وجہد میں ان لوگوں نے اس قدر سرگرمی دکھائی ہے کہ زمین کے کونے کونے کو چھان مارا ہے یہی وجہ ہے کہ انھیں اس رزقِ دنیا سے حصّہ بھی بہت دیا گیا ہے ہاں یہاں الیہ النشور میں یہ بھی بتا دیا کہ جس طرح جسمانی رزق کے لیے جد وجہد کی ضرورت ہے اسی طرح روحانی رزق کے لیے بھی ہے۔

نمبر۲۔ من فی السمآء سے مفسرین نے عموماً مراد اللہ تعالیٰ لیا ہے لیکن یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک خاص مکان میں آسمان میں ہے بلکہ محض بلندی اور علو سے نسبت دی ہے اور دوسری جگہ ہے وھو اللہ فی السمٰوٰت و فی الارض (الانعام ۳)۔ بعض نے یہ توجیہہ کی ہے کہ اس کا امر آسمان میں نافذ ہے۔ بعض نے یہ کہ وہ خالق من فی السماء ہے۔ بعض نے مراد ملائکہ لیے ہیں کیونکہ سزا کا ذکر ہے اور خود عذاب کی نسبت بھی آسمان کی طرف ہی کی جاتی ہے اور جن عذابوں کا یہاں ذکر ہے وہ مخالفین نبی کریم صلعم پر آئے ان کا خسف ان کی ذلت تھی اور زمین کا کانپنا ان لڑائیوں کی وجہ سے تھا جو اس پر ہوئیں اور اگلی آیت میں حاصب کا ذکر ہے جس کے معنی عذاب بھی ہوسکتے ہیں اور سخت آندھی بھی جنگِ احزاب میں ان پر آندھی کا عذاب ہی آیا تھا۔

نمبر۳۔ پرندے پر پھیلائے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ایک قانون کے ماتحت ہیں اسی کی طرف انسان کو توجہ دلاتی ہے کہ وہ بھی قانون کی فرمانبرداری اختیار کرے اور عذاب کے متعلق پرندوں کے ذکر پر دیکھو النحل ۱۶ - ۷۹ پر نوٹ۔

الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِيْ غُرُوْرٍ ﴿۲۰﴾
کافر صرف دھوکے میں ہیں۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ ۚ بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ ﴿۲۱﴾
بھلا وہ کون ہے جو تمھیں رزق دے۔ اگر وہ اپنا رزق روک دے، بلکہ سرکشی اور نفرت پر اڑے ہوئے ہیں۔

اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۲﴾
توکیا وہ جو اپنے منہ کے بل اوندھا چلتا ہے زیادہ ہدایت پر ہے یا وہ جو سیدھا راو راست پر چلتا ہے ۱؎۔

قُلْ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۳﴾
کہہ وہی ہے جس نے تمھیں پیدا کیا اور تمھارے لیے کان اور آنکھیں اور دل بنائے، بہت ہی کم تم شکر کرتے ہو۔

قُلْ هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾
کہہ وہی ہے جس نے تمھیں زمین میں پھیلایا، اور اسی کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے۔

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۵﴾
اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب ہے، اگر تم سچے ہو۔

قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۠ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۶﴾
کہہ علم تو صرف اللہ کے پاس ہے اور میں صرف کھلا ڈرانے والا ہوں۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْۗـــَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ ﴿۲۷﴾
سو جب اُسے قریب دیکھیں گے تو کافروں کے منہ بُرے ہو جائیں گے اور کہا جائے گا یہ وہی ہے جو تم مانگا کرتے تھے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ
کہہ بھلا دیکھو تو اگر اللہ مجھے ہلاک کردے اور اُنھیں

نمبر۱۔ مکب وہ ہے جس کا عمل برمنہ اوندھا ہے اور کب کسی چیز کا منہ کے بل گرانا ہے اور سوی وہ ہے جو اخلاق میں اور خلقت میں افراط وتفریط سے محفوظ ہو اور مکب اور سوی دونوں کا تعلق عمل سے ہے جو شخص قانون پر چلتا ہے وہ افراط وتفریط سے بچا ہُوا سیدھے راستے پر چلتا ہے اور جو شخص قانون کی فرمانبرداری نہیں کرتا وہ گویا اوندھا اپنے منہ پر چلتا ہے تو ان دونوں میں سے منزل مقصود پر پہلا ہی پہنچے گا۔ اور یہاں حرص وہوا کی پیروی کو منہ پر اوندھا چلنا قرار دیا ہے کیونکہ ایسے انسان کی نظر زمین پر ہی جھکی رہتی ہے جیسے حیوان کی، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جسمانی رنگ میں بھی سوی پیدا کیا ہے یعنی اس کا سر اونچا رہتا ہے مگر یہی انسان اگر اپنی غرض صرف اس دنیا کی زندگی کو قرار دے لے تو روحانی طور پر وہ اپنے آپ کو ایک چارپائے سے مشابہ کر لیتا ہے۔ بتایا یہ ہے کہ روحانی رنگ میں اپنے سر کو اونچا رکھو یعنی حرص وہوا کی اتباع کے بجائے مولیٰ کی رضا کو مدنظر رکھو۔

مَّعِیَ اَوْ رَحِمَنَا ۙ فَمَنْ یُّجِیْرُ الْکٰفِرِیْنَ
جو میرے ساتھ ہیں یا ہم پر رحم کرے تو کافروں کو دردناک

مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۸﴾
عذاب سے کون پناہ دے گا[۱]

قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَ عَلَیْهِ
کہہ وہ رحمٰن ہے جس پر ہم ایمان لائے اور اسی پر ہم بھروسا

تَوَكَّلْنَا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِیْ
کرتے ہیں۔ سو تم جان لوگے، کون کھلی گمراہی

ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۹﴾
میں ہے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا
کہہ دیکھو تو[۲] اگر تمہارا پانی زمین کے اندر چلا جائے

فَمَنْ یَّاْتِیْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ ﴿۳۰﴾ ع
تو کون تمہارے پاس جاری پانی لائے گا؟

اٰیاتُها ۵۲ (۶۸) سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّیَّةٌ ۳ رکوعاتُها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

نٓ وَ الْقَلَمِ وَ مَا یَسْطُرُوْنَ ﴿۱﴾
دوات (گواہ ہے) اور قلم اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں۔

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲﴾
تُو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ نہیں۔

وَ اِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ﴿۳﴾
اور یقیناً تیرے لیے اجر ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا۔

نمبر۱۔ یعنی تمہاری آرزو تو یہ ہے کہ پیغمبر اور اس کے ساتھی ہلاک ہو جائیں اور ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ ہم پر رحم کرے گا اور ہماری نصرت کرے گا۔ تو دونوں صورتوں میں سے کوئی بھی صورت ہو لیکن بہر حال کفار کو جو ان کی نافرمانی کی سزا ملنے والی ہے اس سے وہ کس طرح بچ سکتے ہیں لیکن یہ بات کہ مومنوں پر اللہ تعالیٰ کا رحم ہی ہوگا۔ اگلی آیت میں واضح کر دی ہے۔

نمبر۲۔ ظاہر طور پر بھی یہ بات صحیح ہے کہ جب بارش بند ہوتی ہے تو زمین کا پانی یعنی وہ چشمے جو زمین کے اندر جاری ہیں وہ بھی نیچے چلے جاتے ہیں اور خشک ہو جاتے ہیں اور یہی قانون اس کا عالمِ روحانی میں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی وحی نازل نہ ہو تو اخلاق خود بخود مردہ ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے اگلی سورت کے شروع میں آنحضرت صلعم کے اخلاقِ فاضلہ کی طرف توجہ دلائی ہے۔ آنحضرت صلعم سے پیشتر جو ایک لمبا زمانہ فترت کا گذرا ہے اس میں تمام دنیا کے اخلاق مردہ ہوگئے تھے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس امت میں اپنے کلام کو بند نہیں کیا ورنہ اخلاق مُردہ ہو کر پھر نبوت کی ضرورت پڑے اور جس قدر اللہ تعالیٰ سے کسی کا تعلق ہوتا ہے اسی قدر اس کے اخلاق بھی ہر قسم کی آلایش سے پاک ہوتے ہیں۔

نمبر۳۔ اس سورت کا نام القلم ہے اور نٓ بھی اسے کہتے ہیں اور اس میں دو رکوع اور باون ۵۲ آیتیں ہیں، یہ دونوں نام پہلی ہی آیت میں آتے ہیں اور ان دونوں لفظوں میں توجہ علوم کی طرف دلائی ہے جو بتا دیں گے کہ محمد رسول اللہ صلعم کے اخلاقِ فاضلہ کس بلند مقام پر پہنچے ہوئے ہیں اور اس سورت کی غرض یہی بتانا ہے کہ ایک طرف اگر محمد رسول اللہ صلعم کے اخلاق تعلق باللہ سے کمال کو پہنچ گئے ہیں تو دوسری طرف دنیا داروں اور طالبانِ مال کے اخلاق گرتے گرتے آخر کار کہاں تک پہنچ جاتے ہیں۔ پچھلی سورت سے تعلق دیکھو پچھلا نوٹ۔ اس سورت کا نزول بہت ہی ابتدائی زمانہ کا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ پہلے سورۃ اقرأ نازل ہوئی پھر یہ سورت پھر مزمّل پھر مدثر۔

وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴
اور تو یقیناً بلند اخلاق رکھتا ہے ۱

فَسَتُبْصِرُ وَ يُبْصِرُوْنَ ۝۵
سو تو دیکھ لے گا اور یہ بھی دیکھ لیں گے

بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝۶
کہ تم میں سے کس کو جنون ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۠ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝۷
تیرا رب اُسے خوب جانتا ہے جو اس کے رستہ سے بھٹک گیا اور وہ سیدھے رستے پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۸
سو تو جھٹلانے والوں کی بات نہ مان۔

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝۹
وہ چاہتے ہیں کہ تو مداہنت اختیار کرے تو وہ بھی مداہنت اختیار کریں ۲

وَ لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝۱۰
اور تو کسی قسمیں کھانے والے ذلیل آدمی کی بات نہ مان۔

نمبر۱۔ نوؔن کے معنی مچھلی ہیں اور یہاں نؔ کے معنی حسن اور قتادہ سے دوات مروی ہیں + دوات اور قلم اور تمام تحریروں کی قسم کھائی ہے یعنی انھیں بطور گواہ پیش کیا ہے اور جواب قسم میں فرمایا کہ پیغمبر مجنون نہیں تو گویا تمام دنیا کے علوم اس بات پر گواہی دیں گے کہ محمد رسول اللہ مجنون نہیں اور اس کے ساتھ دو باتیں اور بیان فرمائیں ایک یہ کہ آپ کا اجر غیر منقطع ہے اور دوسری یہ کہ آپ خلق عظیم پر ہیں اور یہ دونوں باتیں بھی بطور جواب قسم ہیں اور ان میں ایک پیشگوئی بھی ہے۔ یہ سورت بہت ہی ابتدائی زمانہ کی ہے۔ اس وقت اجر پھر اجر غیر ممنون کی خبر کیسی عظیم الشان پیشگوئی تھی اور اس مضمون کے ساتھ اس کا یوں رابطہ ہے کہ مجنون کا فعل کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرتا۔ مگر محمد رسول اللہ صلعم نے وہ انقلاب دنیا میں پیدا کیا کہ جس کی نظیر کسی دوسرے انسان میں نہیں ملتی۔ ایک عظیم الشان سلطنت کے ساتھ ایک ایسا مذہب قائم کیا کہ جب تک دنیا باقی ہے یہ بھی باقی ہیں۔ اس لیے آپ کا اجر بھی منقطع نہیں ہوسکتا۔ مگر اس سے بھی بڑھ کر تیسری بات یہ ہے کہ آپ خلق عظیم کے مالک ہیں۔ یہ خلق عظیم کیا تھا مسلم ابوداؤد وغیرہ میں ہشام سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ مجھے آنحضرت صلعم کے اخلاق کی کچھ خبر دو، تو آپ نے فرمایا کہ تم قرآن نہیں پڑھتے، میں نے کہا پڑھتا ہوں تو فرمایا کہ آپ کا خلق قرآن ہی تھا یعنی جس قدر اعلیٰ درجہ کی صفات انبیاء اور مومنوں کے اندر بیان کی گئی ہیں یا جن صفات عالیہ کی طرف قرآن شریف میں توجہ دلائی گئی ہے، وہ سب آپ میں موجود تھیں اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق میں اس لیے مبعوث ہوا ہوں کہ اعلیٰ درجے کے اخلاق کو کمال کو پہنچاؤں اور آپ کے اخلاق فاضلہ کے سامنے گو عرب نے سر جھکایا اور پھر ایک عالم نے تو وہ دن بھی دور نہیں کہ کل عالم ہی سر جھکا دے حالانکہ مجنون میں تو اخلاق کا نام بھی نہیں ہوسکتا اور اجر غیر ممنون کے ساتھ خلق عظیم کو بیان کرکے بتایا کہ غربت میں ہر شخص اچھے اخلاق دکھانے کا دعویٰ کرسکتا ہے۔ مگر طاقت اور غلبہ کے وقت وہ حلم اور فروتنی اور بردباری کے اخلاق بھول جاتے ہیں لیکن محمد رسول صلعم کے اخلاق ایسے کمال کو پہنچے ہوئے ہیں اور ایسے حالت اعتدال پر ہیں کہ بلند سے بلند مقام پر کھڑے ہو کر بھی ان اخلاق میں کوئی فرق نہیں آتا اور اگر اہل عرب پہلے آپ کے اخلاق فاضلہ کی وجہ سے آپ کے الامین ہونے کے قائل تھے تو آخر میں صرف اخلاق نبوی نے ہی دنیا کی متکبر ترین قوم کو ایسا رام کیا کہ سر، جان، مال، عزت سب کچھ آپ پر قربان کر دیا۔

نمبر۲۔ مداھنۃ یہ ہے کہ اس کے خلاف ظاہر کیا جائے جو دل میں ہے جب نبی کریم صلعم کے مقام عظیم اور خلق عظیم کا ذکر کیا تو ساتھ ہی بتایا کہ آپ کے اخلاق مداہنت سے پاک ہیں۔ دنیا دار خواہ کتنے بھی اعلیٰ درجے کے اخلاق دکھائیں مگر یہ سب کچھ مداہنت کے رنگ میں ہوتا ہے باہر سے ہنس ہنس کر ملتے ہیں اندر سے جڑیں کاٹتے چلے جاتے ہیں اللہ سے تعلق رکھنے والے کے اخلاق اس آلائش سے پاک ہوتے ہیں وہ اندر باہر سے ایک ہوتا ہے اخلاص اور سچائی اس کے اندر ہوتی ہے دنیا داروں کے اخلاق ظاہری گو بعض وقت خدا پرستوں کے اخلاق کی طرح نظر آئیں مگر یہ سب کچھ دکھاوے کے لیے ہوتا ہے یہ ایک قسم کے مکذبین ہیں دوسرے وہ ہیں جن کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ﴿١١﴾	رجو، عیب لگانے والا، چغلیاں لگانے والا۔
مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿١٢﴾	بھلائی سے روکنے والا، حد سے بڑھنے والا گنہگار۔
عُتُلٍّۭ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ﴿١٣﴾	سخت جھگڑالو، اس کے علاوہ شرارت میں مشہور (ہے)
اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿١٤﴾	اس لیے کہ وہ مال اور بیٹوں والا ہے ملہ
اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ	جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں کہتا ہے پہلوں کی
الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٥﴾	کہانیاں ہیں۔
سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ﴿١٦﴾	ہم اس کی ناک پر داغ لگائیں گے ملہ
اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ	ہم انھیں آزمائیں گے جس طرح ہم نے باغ والوں کو آزمایا۔
اِذْ اَقْسَمُوْا لَيَصْرِمُنَّهَا مُصْبِحِيْنَ ﴿١٧﴾	جب انھوں نے قسمیں کھائیں کہ وہ صبح ہوتے ہی اس کا پھل کاٹیں گے۔
وَلَا يَسْتَثْنُوْنَ ﴿١٨﴾	اور (حق مساکین کا) استثنا نہ کرتے تھے۔
فَطَافَ عَلَيْهَا طَآئِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ	سو اس پر تیرے رب کی طرف سے پھر جانے والی (آفت) پھر
وَهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿١٩﴾	گئی اور وہ سو رہے تھے۔
فَاَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ﴿٢٠﴾	اور وہ ایسی زمین کی طرح ہو گیا جس کی کھیتی کاٹی گئی ہو۔
فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ﴿٢١﴾	ادھر صبح ہوتے ہی انھوں نے ایک دوسرے کو پکارا۔
اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ	کہ سویرے ہی اپنی کھیتی پر چلو، اگر تم (اسے) کاٹنے
صٰرِمِيْنَ ﴿٢٢﴾	والے ہو۔
فَانْطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ ﴿٢٣﴾	سو وہ چلے اور آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے۔

نمبر۱۔ یہ اخلاقِ انسانی کا ذلیل ترین پہلو ہے جو خلق عظیم کی ضد کے طور پر بیان کیا گیا ہے اور اعدائے حق کی نوبت آخر یہاں تک پہنچ جاتی ہے اور اس سبب کی وجہ بتائی ہے کہ وہ صاحب مال اور اولاد ہے یعنی مال دنیا اور جتھے پر فخر کرنا آخر انسان کو بندۂ سیم و زر بنا دیتا ہے تب اس کے اخلاق کی یہ حالت ہو جاتی ہے اور مداہنت کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے جو اندر بھرا ہوا تھا وہ آخر باہر نکل آتا ہے اور زیادہ قسمیں کھانے کو بھی یہاں بدترین اخلاق میں رکھا گیا ہے گو وہ جھوٹ بولے یا سچ۔

نمبر۲۔ خرطوم۔ اصل میں ہاتھی (اور سؤر) کے متعلق بولا جاتا ہے اور یہاں اظہار قباحت کے لیے ناک کو خرطوم کہا ہے اور یہاں وسم علی الخرطوم سے مراد ہے ایسی عار اس کو لگا دیں جو اس سے محو نہ ہو جیسے ناک کاٹ دینا کہہ دیتے ہیں۔ یہ مراد نہیں کہ ہر ایک ایسے انسان کی ناک پر سچ مچ کوئی نشان لگ جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ جن باتوں کے ذریعہ وہ اپنی عزت قائم کرنا چاہتا ہے وہ آخر اس کی ذلت کا موجب ہو جاتی ہیں۔

اَنۡ لَّا یَدۡخُلَنَّهَا الۡیَوۡمَ عَلَیۡکُمۡ مِّسۡکِیۡنٌ ﴿۲۴﴾	کہ آج تمھارے پاس اس میں کوئی مسکین داخل نہ ہونے پائے۔
وَّ غَدَوۡا عَلٰی حَرۡدٍ قٰدِرِیۡنَ ﴿۲۵﴾	اور وہ سویرے ہی جا پہنچے (اور وہ) روکنے پر قادر تھے۔
فَلَمَّا رَاَوۡهَا قَالُوۡۤا اِنَّا لَضَآلُّوۡنَ ﴿۲۶﴾	سو جب اُسے دیکھا کہنے لگے بلاشبہ ہم راہ بھول گئے ہیں۔
بَلۡ نَحۡنُ مَحۡرُوۡمُوۡنَ ﴿۲۷﴾	بلکہ ہم بے نصیب ہیں۔
قَالَ اَوۡسَطُهُمۡ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکُمۡ لَوۡ لَا تُسَبِّحُوۡنَ ﴿۲۸﴾	ان میں سے بہترین (شخص) بولا کیا میں نے تمھیں نہیں کہا تھا کہ تم کیوں تسبیح نہیں کرتے۔
قَالُوۡا سُبۡحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیۡنَ ﴿۲۹﴾	کہنے لگے، ہمارا رب پاک ہے ہم ہی ظالم تھے۔
فَاَقۡبَلَ بَعۡضُهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ یَّتَلَاوَمُوۡنَ ﴿۳۰﴾	پھر ایک دُوسرے کی طرف متوجہ ہو کر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے۔
قَالُوۡا یٰوَیۡلَنَاۤ اِنَّا کُنَّا طٰغِیۡنَ ﴿۳۱﴾	کہنے لگے ہم پر افسوس! ہم سرکش تھے۔
عَسٰی رَبُّنَاۤ اَنۡ یُّبۡدِلَنَا خَیۡرًا مِّنۡهَاۤ	امید ہے کہ ہمارا رب ہمیں اس سے بہتر بدلے میں دے۔
اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا رٰغِبُوۡنَ ﴿۳۲﴾	ہاں ہم اپنے رب کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔
کَذٰلِکَ الۡعَذَابُ ؕ وَ لَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَکۡبَرُ ۘ لَوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۳۳﴾ ع	اسی طرح عذاب آئے گا اور آخرت کا عذاب یقیناً اس سے بڑا ہے کاش یہ جانتے ۱ؕ
اِنَّ لِلۡمُتَّقِیۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ جَنّٰتِ النَّعِیۡمِ ﴿۳۴﴾	متقیوں کے لیے ان کے رب کے پاس نعمتوں کے باغ ہیں۔
اَفَنَجۡعَلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ کَالۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۳۵﴾ؕ	تو کیا ہم فرماں برداروں کو مجرموں کی طرح کر دیں۔
مَا لَکُمۡ ۟ کَیۡفَ تَحۡکُمُوۡنَ ﴿۳۶﴾	تمھیں کیا ہوا، تم کیسا فیصلہ کرتے ہو۔

نمبر۱- اس مثال میں مخالفین کے دونوں عذابوں کا کھلا کھلا ذکر کر دیا ہے یعنی ایک عذاب دنیا اور ایک عذاب آخرت اور عذاب دنیا کی نوعیت بھی صراحت سے بتادی جس طرح باغ والوں کی کیے کرائے پر اللہ تعالیٰ نے پانی پھیر دیا اس لیے کہ وہ مساکین کا حق نہ دیتے تھے اسی طرح ان کفار پر عذاب آئے گا یعنی ان کی تمام کوششیں جو وہ کریں گے برباد کر دی جائیں گی اور یہ بھی بتادیا کہ آخر یہ لوگ مسلمان ہوں گے انا الی ربنا راغبون اور اس باغ سے بہتر انھیں ملے گا۔ فی الواقع عرب میں ان کی طاقت نابود ہوئی تو دنیا پر حکومت دیدی اس قدر صراحت اس نہایت ہی ابتدائی زمانہ کی پیشگوئی میں کس قدر زبردست دلیل صداقت اسلام پر ہے اس مثال سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلعم کے دل کو جو بڑا غم کھا رہا تھا وہ مساکین کی حالت تھی اور یہی اسلام کا سب سے بڑا مقصد تھا کہ غربا اور مساکین کی خبر گیری ہو ضعیفوں اور کمزوروں کے حق ملیں۔

اَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ ﴿۳۷﴾	کیا تمھارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں تم پڑھتے ہو۔
اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ ﴿۳۸﴾	کہ تمھارے لیے اس میں وہ ہے جو تم پسند کرو۔
اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ اِلٰى	یا تم نے ہم سے کوئی قسمیں لے رکھی ہیں جو قیامت کے دن تک پہنچنے
يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۹﴾	والی ہیں کہ تمھارے لیے وہی ہے جو تم خود فیصلہ کرو۔[1]
سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ ﴿۴۰﴾	ان سے پوچھ، کون اُن میں سے اس کا ذمہ دار ہے۔
اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ	یا ان کے کوئی شریک ہیں تو اپنے شریکوں کو لائیں، اگر وہ
اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۴۱﴾	سچے ہیں۔
يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَّيُدْعَوْنَ	جس دن شدت ظاہر ہوگی اور وہ سجدے کی طرف
اِلَى السُّجُوْدِ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۴۲﴾	بلائے جائیں گے تو کر نہ سکیں گے۔[2]
خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ	ان کی نظریں جھکی ہوئی ہوں گی، ذلت اُن پر چھائی ہوئی ہوگی
وَقَدْ كَانُوْا يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ	اور کبھی ان کو سجدے کی طرف بلایا جاتا تھا اور وہ
وَهُمْ سٰلِمُوْنَ ﴿۴۳﴾	صحیح و سالم تھے۔
فَذَرْنِيْ وَمَنْ يُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ	سو مجھے چھوڑ دے اور اسے جو اس بات کو جھٹلاتا ہے ہم انھیں

نمبر۱۔ اوپر کی آیات میں بتایا ہے کہ جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مجرموں اور مسلموں سے اللہ تعالیٰ کا ایک ہی معاملہ ہوگا وہ صحیح نہیں۔ مسلم وہ ہے جو ایک قانون الٰہی کی فرمانبرداری کرتا ہے مجرم وہ ہے جو ذات باری سے قطع تعلق کر لیتا ہے قانون پر چلنے والا اور قانون کو توڑنے والا یکساں نہیں ہو سکتے تو پہلے ان کے اس فیصلہ کو غلط قرار دیا پھر فرمایا کہ کوئی کتاب اللہ تعالیٰ نے ایسی نہیں اتاری جس میں یہ لکھا ہو نہ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم سے کوئی ایسا عہد کیا ہے کہ جو راہ وہ چاہیں اختیار کر لیں مگر نتیجہ سکھ ہی ملتا رہیگا۔ جو کچھ ملتا ہے آرزوؤں سے نہیں ملتا۔ اور یہ جو ایمان کے متعلق بالغۃ الی یوم القیامۃ فرمایا تو مطلب یہ ہے کہ ہمارا عہد اگر ہوتا تو پھر قیامت کے دن تک یہی عہد ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنتیں بدلتی نہیں لیکن یہ فیصلہ کرنے والے خود دوسروں کے لیے اُن کی آرزوؤں کے وہ نتائج تسلیم نہیں کرتے جو اپنے لیے تجویز کرتے ہیں۔

نمبر۲۔ صحابہ اور تابعین نے یکشف عن ساق کے معنی کیے ہیں اُمر شدید ظاہر ہوگا اور ابن عباسؓ سے یہ بھی معنی مروی ہیں کہ سخت امر کھل جائے گا اور اعمال ظاہر ہو جائیں گے اور مجاہد، سعید بن جبیر، قتادہ سے معنی شدت الامر مروی ہیں اور ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جاہلیت میں اسی معنی میں یہ محاورہ استعمال ہوتا تھا اور عرب کے لوگوں کو جب کسی امر کی شدت کو ظاہر کرنا ہوتا تھا کہتے تھے کشف ھذا الامر عن ساق اور لغت میں بھی یہی معنی کشف عن الساق کے ہیں یعنی شدید یا ہولناک امر کا ظاہر ہونا، بلکہ خود ساق کا لفظ بھی امر شدید پر بولا جاتا ہے۔ فلا یستطیعون۔ حدیثؑ میں بھی آتا ہے کہ اُن کی پیٹھیں ایسی ہو جائیں گی کہ وہ سجدہ نہ کر سکیں گے گویا ان کی وہ حالت ہو جائے گی جو اپنے اندر اپنے عمل سے یہاں پیدا کر لی تھی۔ اس دنیا میں جب انھیں سجدہ کی طرف بلایا جاتا تھا تو باوجود اس پر قدرت رکھنے کے وہ اس طرف متوجہ نہ ہوتے تھے، جیسا اگلی آیت میں بتایا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ وہ نہ جھکنا اُن کی طبیعت کا جزو بن گیا۔ اسی اصول کی طرف توجہ دلائی ہے کہ راحت اخلاقِ فاضلہ سے اور اخلاق فاضلہ تعلق باللہ سے پیدا ہوتے ہیں۔

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ آہستہ آہستہ اس طریق سے پکڑیں گے جس کا انھیں علم نہ ہو۔

وَ اُمْلِيْ لَهُمْ ؕ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۴۵﴾ اور میں اُنھیں مہلت دیتا ہوں، میری تدبیر مضبوط ہے۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ اَجْرًا فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ کیا تو ان سے اجر مانگتا ہے تو وہ چٹی کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں۔

اَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ ﴿۴۷﴾ یا ان کے پاس غیب ہے تو وہ لکھ لیتے ہیں۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ لَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۘ اِذْ نَادٰى وَ هُوَ مَكْظُوْمٌ ﴿۴۸﴾ سو اپنے رب کے حکم کا صبر سے انتظار کر اور مچھلی والے کی طرح نہ ہو جا جب اس نے پکارا اور وہ رنج سے بھرا ہوا تھا۔[1]

لَوْ لَاۤ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ وَ هُوَ مَذْمُوْمٌ ﴿۴۹﴾ اگر اسے اپنے رب کی نعمت نہ پا لیتی، تو وہ بُرے حال میں، کھلے میدان میں ڈال دیا جاتا۔

فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَجَعَلَهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵۰﴾ سو اس کے رب نے اُسے چن لیا اور اُسے نیکوکاروں سے بنایا۔

وَ اِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَ يَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ اور قریب ہے کہ کافر تجھے اپنی نظروں سے (گھور کر) پھسلا دیں۔ جب وہ نصیحت سنتے ہیں اور کہتے ہیں یقیناً یہ دیوانہ ہے۔

وَ مَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾ اور وہ جہانوں کے لیے شرف ہے۔[2]

نمبر۱۔ صاحب الحوت، مچھلی والے حضرت یونسؑ ہیں اور یہاں صبر سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں سے بوجہ ان کی بداخلاقی کے یا ان کے دُکھ دینے کے علیحدگی کا خیال دل میں نہ لاؤ، جیسے حضرت یونسؑ نے جلدی کی یعنی انھوں نے بلا اذنِ الٰہی ہجرت کی اور اگلی آیت میں بتایا کہ پھر بھی اللہ تعالیٰ کے فضل نے ان کی دستگیری کی ورنہ اس طرح ہجرت کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ کامیابی سے محروم رہ جاتے مذموم میں اشارہ ناکامی کی طرف ہی ہے اور کھلے میدان میں ڈالے جانے سے مطلب ایسی جگہ ہے جہاں انھیں پناہ نہ ملتی اور آیت کا بھی یہی مطلب ہے کہ کافر اس قدر بُری نگاہوں سے آپ کی طرف دیکھتے ہیں کہ اُن کے بُرے تیوروں کو دیکھ کر ہی ایک شخص اپنی جگہ چھوڑ جائے مگر جسے اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر کھڑا کیا ہے وہاں چیزوں کی پروا نہیں کرتا۔

نمبر۲۔ گویا وحی الٰہی نے صرف محمد رسول اللہ صلعم کے اخلاق فاضلہ کو ہی کمال کو نہیں پہنچایا نہ وہ صرف ایک قوم عرب کو ہی مقام عزت تک پہنچائے گا بلکہ اس کے اندر اس قدر وسعت ہے کہ تمام دنیا کی قوموں کو مقامِ عظمت تک پہنچا دے گا۔

سُوْرَةُ الْحَاقَّةِ مَكِّيَّةٌ (۶۹)

آیاتہا ۵۲ — رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○	اللہ تو بے انتہا رحم والے باربار رحم کرنے والے کے نام سے۔
اَلْحَآقَّةُ ۙ﴿۱﴾	حق ہو کر رہنے والی۔
مَا الْحَآقَّةُ ۚ﴿۲﴾	حق ہو کر رہنے والی کیا (بات) ہے۔
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۭ﴿۳﴾	اور تجھے کیا معلوم ہے حق ہو کر رہنے والی کیسی (بات) ہے ؂۲
كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ﴿۴﴾	ثمود اور عاد نے بڑی مصیبت کو جھٹلایا۔
فَاَمَّا ثَمُوْدُ فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ ﴿۵﴾	سو ثمود زور کی کڑک سے ہلاک کیے گئے۔
وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۙ﴿۶﴾	اور عاد سخت آندھی سے ہلاک کر دیئے گئے۔
سَخَّرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ ۙ حُسُوْمًا ۙ فَتَرَى الْقَوْمَ فِيْهَا صَرْعٰى ۙ كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۚ﴿۷﴾	اس نے اسے اُن پر سات راتیں اور آٹھ دن چلائے رکھا جڑ سے کاٹتی ہوئی، سو تو لوگوں کو اس میں گرے پڑے دیکھتا گویا کہ وہ کھوکھلی کھجوروں کے تنے ہیں۔
فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِّنْۢ بَاقِيَةٍ ﴿۸﴾	تو کیا تُو ان میں سے کسی کو باقی دیکھتا ہے۔
وَجَآءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهٗ وَالْمُؤْتَفِكٰتُ	اور فرعون نے اور انھوں نے جو اس سے پہلے تھے اور الٹی

نمبر۱۔ اس سورت کا نام الحاقۃ ہے اور اس میں دو رکوع اور باون آیتیں ہیں اور اس کے نام میں اشارہ اس طرف ہے کہ جو کچھ بدی کا اور اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق کا نتیجہ ہے وہ کسی صورت میں ٹل نہیں سکتا۔ ہاں یہ نتیجہ پہلے اس دنیا میں بڑنگ عذاب ظاہر ہوتا ہے جیسے عاد و ثمود و فرعون کی حالت میں اور آخر کو انکشاف اس کا قیامت میں ہوگا جب تمام مخفی قوتیں اور مخفی نتائج ظاہر ہو جائیں گے اور آخر پر پھر تسبیح یا تعلق باللہ کی طرف توجہ دلائی۔ یہ بھی ابتدائی زمانہ کی سورت ہے اور اس کا تعلق پچھلی سورت سے یوں ہے کہ اس میں ایک قانون کی خلاف ورزی کا جو نتیجہ بتایا تھا تو یہاں اس کے متعلق فرمایا کہ وہ نتیجہ ایک حد تک اس دنیا میں اور آخر کامل طور پر قیامت میں ظاہر ہو جائیگا۔

نمبر۲۔ لسان العرب میں ہے کہ حاقۃ مصیبت یا بھاری مصیبت کو بھی کہا جاتا ہے اور قیامت کو الحاقۃ اس لیے کہا کہ وہ ہر انسان کو خیر یا شر سے کچھ اجب کریگی یا اس لیے کہ اس میں امور کی حقیقت کھلے گی۔ یا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں ہر باطل کے ساتھ جھگڑا کرنے والے پر وہ غالب آئے گی اور ہر ایک معنی کے لحاظ سے جس طرح یہ لفظ قیامت کبریٰ پر صادق آتا ہے اسی طرح مکذبین کی ہلاکت یا قیامت وسطیٰ پر بھی صادق آتا ہے اسی لیے ایک طرف ثمود اور عاد کی ہلاکت سے مکذبین رسول کی ہلاکت کی طرف اشارہ کیا اور دوسری طرف قیامت کبریٰ کا بھی ذکر کیا اور قیامت وسطیٰ قیامت کبریٰ کے لیے ایک نشان کے طور پر قرار دی گئی ہے ہاں قیامت میں انکشاف تام ہے اور یہاں کا انکشاف صرف اہل بصیرت کے لیے ہے۔

بِالْخَاطِئَةِ ﴿۹﴾
ہوئی بستیوں نے خطا کاریاں کیں۔

فَعَصَوْا رَسُولَ رَبِّهِمْ فَأَخَذَهُمْ أَخْذَةً رَّابِيَةً ﴿۱۰﴾
سو اُنھوں نے اپنے رب کے رسول کی نافرمانی کی، پس اس نے انھیں بڑا سخت پکڑا۔

إِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ حَمَلْنَٰكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ﴿۱۱﴾
جب پانی حد سے بڑھنے لگا ہم نے تمھیں کشتی پر سوار کیا۔

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً وَتَعِيَهَآ أُذُنٌ وَٰعِيَةٌ ﴿۱۲﴾
تاکہ اسے تمھارے لیے نصیحت بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اسے یاد رکھیں۔

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْخَةٌ وَٰحِدَةٌ ﴿۱۳﴾
پس جب صور میں ایک پھونک سے پھونکا جائے گا۔

وَحُمِلَتِ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَٰحِدَةً ﴿۱۴﴾
اور زمین اور پہاڑ اُٹھائے جائیں گے پھر ایک ہی مرتبہ ریزہ ریزہ کردیے جائیں گے۔

فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱۵﴾
سو اس دن ہوجانے والی بات ہوجائے گی۔

وَانشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ﴿۱۶﴾
اور آسمان پھٹ جائے گا، سو وہ اس دن بودا ہوگا[1]۔

وَالْمَلَكُ عَلَىٰٓ أَرْجَآئِهَا ۚ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَٰنِيَةٌ ﴿۱۷﴾
اور فرشتے اس کے کناروں پر ہوں گے اور تیرے رب کا عرش اُس دن آٹھ اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے[2]۔

نمبر۱- یہ ذکر احوال قیامت کا ہے اور بظاہر زمین اور پہاڑوں کا ایک مرتبہ توڑا جانا اور آسمان کا کمزور پڑجانا یہ سب موجودہ نظام کے قائم نہ رہنے پر دلالت کرتا ہے کس طرح یہ ہوگا اس کیفیت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ لیکن چونکہ یہاں عاد ثمود کے عذابِ دنیوی کے بعد اس کا ذکر لایا گیا ہے اس لیے اس میں انقلاب عظیم کی طرف بھی اشارہ ہے جو آنحضرتؐ کی بعثت سے ملکِ عرب میں پیدا ہونے والا تھا۔

نمبر۲- فرشتوں کے کناروں پر ہونے سے کیا مراد ہے بعض نے کہا وہاں پناہ لیں گے، بعض نے کہا نزول کے لیے وہاں اجتماع ہوگا اور ممکن ہے یہ اشارہ ہو کہ وہ ملائکہ جو مدبرات امر ہیں وہ کناروں پر ہونگے کیونکہ کسی چیز کے کنارہ پر ہونا گویا اس سے الگ ہوجانا ہے۔ حمل عرش سے یہ مراد لینا کہ واقعی کوئی عظیم الشان تخت بنا ہُوا ہے جس کو کسی اور نے سہارا دیا ہوا ہے صحیح نہیں وہ القیوم ہے یعنی ہر چیز کے قیام کا موجب ہے اور کوئی اس کے قیام کا موجب نہیں پس یہاں مراد نفاذ امر کا حمل ہے رہا یہ کہ اس کے حمل کو آٹھ سے کیا تعلق ہے سو اس کا حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے لیکن چونکہ ایک حدیث میں یہ لفظ آتے ہیں کہ اس عرش کے اُٹھانے والے اب چار ہیں اور سورۂ فاتحہ میں چار صفات الٰہی کو سب صفات کے لیے بطور اُم قرار دیا ہے تو ہوسکتا ہے کہ چار کے لفظ میں انہی چار صفات کی طرف اشارہ ہو جن پر موجودہ نظام عالم کا انحصار ہے یعنی ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت، مالکیت اور قیامت کے دن آٹھ کے لفظ میں یہ اشارہ ہو کہ ان چار صفات کا اس دن ایک نیا ظہور ہوگا۔ ان چار صفات پر ہمارے اعمال اور نتائج اعمال کا انحصار ہے اور چونکہ ان اعمال کے نتائج وہاں ایک نئی زندگی کی صورت میں رونما ہوں گے اور وہ نئی زندگی چونکہ موجودہ کیفیت کو اپنے اندر نہیں رکھتی ہوگی اس لیے وہاں ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت، مالکیت کا بھی ایک نیا رنگ ظاہر ہوگا اور یہ توجیہہ حضرت مجددؒ صد چہارم نے کی ہے اور بعض نے ثمانیۃ سے مراد آٹھ اصناف یا آٹھ صنوف بھی لی ہیں اور ایک توجیہہ یوں بھی ہوسکتی ہے کہ اس نظام شمسی میں چونکہ زمین سمیت آٹھ سیارے ہیں اور پچھلی سورتوں میں یہ ذکر آچکا ہے کہ ان میں بھی نزول وحی ہوتا ہے اس لیے ہوسکتا ہے کہ آٹھ کے لفظ میں آٹھ عظیم الشان

يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ لَا تَخْفٰى مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ۝١٨
اس دن تم پیش کیے جاؤ گے تمھاری کوئی بات چھپی نہ رہے گی ۱؎

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ
هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ ۝١٩
سو جس کی کتاب اس کے (دائیں ہاتھ) میں ملے گی، تو وہ
کہے گا لو میری کتاب پڑھو۔

اِنِّيْ ظَنَنْتُ اَنِّيْ مُلٰقٍ حِسَابِيَهْ ۝٢٠
میں جانتا تھا میرا حساب مجھے ملے گا۔

فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝٢١
سو وہ خوشی کی زندگی میں ہوگا۔

فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝٢٢
بلند باغ میں۔

قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۝٢٣
جس کے میوے قریب ہیں۔

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـئًۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ
فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝٢٤
خوش گواری سے کھاؤ اور پیو، اس کا بدلہ جو تم نے گزرے
ہوئے دنوں میں کیا۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ ۙ فَيَقُوْلُ
يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ ۝٢٥
اور جس کی کتاب اس کے بائیں (ہاتھ) میں دی جائے گی تو وہ کہیگا
اے کاش میری کتاب مجھے نہ دی جاتی۔

وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ ۝٢٦
اور میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے۔

يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ۝٢٧
اے کاش! وہ (موت) کام تمام کرنے والی ہوتی ۲؎

مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ ۝٢٨
میرے مال نے مجھے کام نہ دیا۔

هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ ۝٢٩
میرا غلبہ مجھ سے جاتا رہا۔

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۝٣٠
اسے پکڑو، پھر اسے طوق پہناؤ۔

ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ ۝٣١
پھر اسے دوزخ میں داخل کرو۔

ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ
ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ۝٣٢
پھر ایک ایسی زنجیر میں جس کی ناپ ستر ہاتھ ہے
اسے جکڑو ۳؎

انسانوں کی طرف اشارہ ہو جو ان آٹھ زمینوں میں ظاہر ہوئے ہوں یا کوئی آٹھ اصناف ہوں جو ان آٹھ سیاروں سے تعلق رکھتی ہوں اور محمد رسول اللہ صلعم جیسا انسان جو امر الٰہی کو عالم میں پھیلاتا ہے حامل عرش کہلا سکتا ہے ایک حدیث میں بھی ہے کہ ہر ایک زمین میں تمھارے نبی کی طرح ایک نبی ہے۔

نمبر۱۔ گویا حقائق کا انکشاف کامل ہو جائے گا اور تمام مخفی نتائج اور مخفی قوتیں ظہور پذیر ہو جائیں گی۔

نمبر۲۔ یلیتہا کانت القاضیۃ اشارہ موت کی طرف ہے اور قاضیۃ قاطعۃ ہے یا مراد ہے کہ دنیا کی زندگی نہ ہوئی ہوتی۔

نمبر۳۔ سبعون کا استعمال عدد کامل کے طور پر ہوتا ہے یعنی ایک لمبی زنجیر میں۔ جس طرح اس نے دنیا کی زندگی میں اپنے آپ کو ایک لمبی زنجیر کے اندر

اِنَّهٗ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ ﴿۳۳﴾	وہ اللہ تعالیٰ عظمت والے پر ایمان نہ لاتا تھا۔
وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۳۴﴾	اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہ دیتا تھا۔
فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ﴿۳۵﴾	سو آج اس کے لیے یہاں کوئی ولی دوست نہیں۔
وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ﴿۳۶﴾	اور نہ دھوؤں کے سوائے کوئی کھانا ہے۔
لَّا يَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ ﴿۳۷﴾ ع	سوائے خطاکاروں کے اسے کوئی نہیں کھاتا۔
فَلَاۤ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾	سو نہیں میں اس کی قسم کھاتا ہوں جو تم دیکھتے ہو۔
وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾	اور جو تم نہیں دیکھتے ملے
اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾	وہ یقیناً معزز رسول کا کلام ہے۔
وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾	اور وہ شاعر کی بات نہیں، تم بہت کم ایمان لاتے ہو۔
وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾	اور نہ کاہن کی بات ہے تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو۔
تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾	جہانوں کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے۔
وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾	اور اگر وہ ہم پر بعض باتیں افترا کے طور پر بنا لیتا۔
لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾	تو ہم ضرور اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے۔
ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾	پھر اس کی رگ جان کاٹ دیتے۔
فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾	پھر تم میں سے کوئی (بھی) اس سے روکنے والا نہ ہوتا ملے
وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾	اور وہ یقیناً متقیوں کے لیے نصیحت ہے۔
وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾	اور بیشک ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے جھٹلانے والے ہیں۔

ڈالا ہوا تھا حضرت مجدد صد چہارم نے ایک لطیف بات بیان کی ہے کہ جس طرح انسان کی اوسط عمر ستر سال ہے اسی کے مقابل پر ستر ہاتھ کی زنجیر ہے گویا اس کی ہر کڑی انسان نے اپنے ہاتھ سے تیار کی ہے۔

نمبر۱۔ شاہد و غائب کو بطور شہادت پیش کیا ہے یعنی ایسے نشاناتِ صداقت جو تمھیں نظر آ رہے ہیں اور ایسے جو آیندہ دیکھو گے اور اس کے جواب میں جو فرمایا کہ وہ رسولِ کریم کا قول ہے تو اس سے مراد اکثر کے نزدیک آنحضرت صلعم ہی ہیں۔

نمبر۲۔ ان چار آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنا قانون بیان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر افترا کرے اور کہے کہ اسے یہ وحی ہوئی ہے حالانکہ اسے وحی نہیں ہوئی تو ایسے شخص کو وہ زیادہ مہلت نہیں دیتا بلکہ جلد اس کا خاتمہ کر دیتا ہے اور اس قانون کو آنحضرت صلعم کی صداقت پر یہاں بطور دلیل پیش کیا ہے۔ یہ گویا اللہ تعالیٰ نے صادق کے لیے پرکھ رکھی ہے۔ اگر وہ مفتری پر گرفت نہ کرتا تو نبوت کے معاملہ میں امن اُٹھ جاتا۔

وَ اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝۵۰ اور یقیناً وہ کافروں کے لیے حسرت ہے۔

وَ اِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ۝۵۱ اور وہ یقینی حق ہے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ ۝۵۲ سو اپنے عظمت والے رب کے نام کی تسبیح کر۔[۱]

اٰیاتھا ۴۴ (۷۰) سُوْرَةُ الْمَعَارِجِ مَكِّيَّةٌ ۲ رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اللہ بے انتہا رحم والے باربار رحم کرنے والے کے نام سے

سَاَلَ سَآئِلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ ۝۱ ایک مانگنے والا وہ عذاب مانگتا ہے، جو کافروں پر

لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌ ۝۲ آکر رہے گا کوئی اسے ہٹانے والا نہیں۔

مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ۝۳ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بلند مرتبوں والا ہے[۳]۔

تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ الرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ فرشتے اور روح اس کی طرف چڑھتے ہیں ایک دن میں جس کا

يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ ۝۴ اندازہ پچاس ہزار سال ہے[۴]۔

نمبر۱- ان پانچ آیات میں اصل مضمون کی طرف توجہ دلائی ہے اوّل قرآن کا ذکر ہونا پھر اس کے جھٹلانے والوں کا ذکر، پھر یہ کہ جھٹلانا ان کے لیے موجب حسرت ہوگا۔ انہ لحسرة میں ضمیر ان کے فعل تکذیب کی طرف جاتی ہے۔ پھر فرمایا کہ اس کا وقوع حق الیقین ہے اسی لیے اسے شروع میں الحاقة کہا تھا اور ان سب کا نتیجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو گویا اصل غرض تو تسبیح ہی تھی مگر جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کرتے ان کے لیے دُکھ اور حسرت کا آنا یقینی ہے۔ حق الیقین یقین کا سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے جو اس سے اُتر کر عین الیقین اس سے اُتر کر علم الیقین۔ علم الیقین ایسا ہے جیسا دھوئیں سے آگ کے وجود کا یقین عین الیقین گویا اس آگ کا خود دیکھ لینا ہے اور حق الیقین اس کے اندر داخل ہو جانا ہے۔ بدی کے نتائج انسان دلیل سے بھی مان سکتا ہے، دیکھ بھی سکتا ہے لیکن اگر اس طرح فائدہ نہ اٹھائے تو پھر ان کا بھگتنا ضروری ہے۔

نمبر۲- اس سورت کا نام المعارج ہے اور اس میں دو رکوع اور چوالیس آیتیں ہیں اور اس کا مضمون اس کے نام کے مطابق یہ ہے کہ مومنوں کے لیے جو بعض اعلیٰ درجہ کی صفات کو جس کا ذکر اس سورت میں ہے اپنے اندر پیدا کر کے تزکیۂ نفس کرتے ہیں بڑے بڑے بلند مراتب اللہ تعالیٰ کی جناب میں ہیں اور مخالفین کو بھی یہی سمجھایا ہے کہ وہ بجائے عذاب مانگنے کے ان نیک صفات کو اپنے اندر لیں اور ترقیات روحانی کا مشاہدہ کریں اور آخر پر یہ بھی بتایا ہے کہ آخرکار یہ لوگ اس طرف رجوع کریں گے۔ پچھلی سورت میں اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق کا نتیجہ عذاب بتایا تھا تو یہاں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والوں کے مراتب عالیہ کا ذکر ہے۔

نمبر۳- ابن جریر نے ذی المعارج کے معنی ذی العلو والدرجات والفواضل والنعم کیے ہیں اور مراد ذی المعارج سے یہ ہے کہ اس کے پاس انسان کے لیے بڑے بڑے بلند مراتب ہیں یعنی جو انسان ترقی کرنا چاہتا ہے اس کے لیے اس کے پاس بڑے بڑے درجات ہیں۔ یہاں سوال کرنے والے کافر ہیں۔ وہ سوال کرتے ہیں کہ وہ عذاب آتا کیوں نہیں جو اللہ کی طرف سے آنے والا ہے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ اپنے لیے تکلیف کیوں مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ تو ذی المعارج ہے جس کے ساتھ تعلق پیدا کرنے سے انسان بڑے بڑے بلند درجات کو حاصل کر سکتا ہے۔

نمبر۴- روح کے معنی کئی جگہ بیان ہو چکے ہیں یہاں مفسرین نے روح کے معنی میں ذیل کے اقوال دیئے ہیں۔ اوّل جبریل، دوم ایسے ملائکہ جو ان ملائکہ کے حق میں جو بنی آدم پر نگہبان کے طور پر مقرر ہیں حفظہ کا حکم رکھتے ہیں۔ سوم ایک ملک عظیم الخلقت۔ چہارم ایک مخلوق انسان کی طرح مگر انسان نہیں۔ پنجم میت کی روح جب قبض کی جائے اور مراد غالباً مومن میت کی روح ہے۔ یہاں سیاق جس معنی کو چاہتا ہے وہ آخری ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذی المعارج ہونے میں توجہ یہ دلائی تھی

فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا ۝۵	سو صبر کر خوبیوں سے بھرا ہوا صبر ۱
اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا ۝۶	وہ اسے دور سمجھتے ہیں۔
وَّ نَرٰىهُ قَرِيْبًا ۝۷	اور ہم اسے قریب دیکھتے ہیں ۲
يَوْمَ تَكُوْنُ السَّمَآءُ كَالْمُهْلِ ۝۸	جس دن آسمان تلچھٹ کی طرح ہو جائے گا۔
وَ تَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ۝۹	اور پہاڑ اُون کی طرح ہو جائیں گے ۳
وَ لَا يَسْـَٔلُ حَمِيْمٌ حَمِيْمًا ۝۱۰	اور دوست دوست کو نہ پوچھے گا۔
يُّبَصَّرُوْنَهُمْ ؕ يَوَدُّ الْمُجْرِمُ لَوْ يَفْتَدِيْ	(گو) وہ اُنھیں دکھائے جائیں گے مجرم چاہیگا کہ کاش وہ اس دن کے
مِنْ عَذَابِ يَوْمِىٕذٍۭ بِبَنِيْهِ ۝۱۱	عذاب کا کوئی سا فدیہ دے سکتا اپنے بیٹے۔
وَ صَاحِبَتِهٖ وَ اَخِيْهِ ۝۱۲	اور اپنی جورو اور اپنا بھائی۔
وَ فَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُـْٔوِيْهِ ۝۱۳	اور اپنا کنبہ جو اُسے پناہ دیتا ہے ۴

کہ کافر عذاب مانگتے ہیں، حالانکہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کریں تو بڑے بڑے درجات حاصل کر سکتے ہیں۔ پس یہاں عروج سے مراد بھی مومنوں کا عروج ہی ہے یعنی ان کی روحانی ترقی اور ملائکہ کا ذکر بھی اس لیے کیا کہ ملائکہ انسان کے دل میں نیکیوں کے محرک ہیں جس طرح اہل نار کے متعلق ان کے قرین یعنی شیطان کا ذکر کیا اسی طرح مومنوں کے عروج کے ذکر میں ملائکہ کا ذکر ساتھ کیا جو اس عروج میں ان کے معاون ہیں اور دوسری جگہ آتا ہے یوم یقوم الروح والملائکۃ صفًّا لا یتکلمون الا من اذن لہ الرحمٰن وقال صوابًا (النبأ ۲۸) اور یہاں بھی صاف معلوم ہوتا ہے کہ مراد مومن ہی ہیں اور مومنوں کو روح اس لحاظ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی روح یعنی کلام الٰہی سے وہ نئی زندگی حاصل کرتے ہیں۔ جسمانی زندگی میں تو کفار بھی ان کے ساتھ اشتراک رکھتے ہیں بلکہ دیگر حیوانات بھی، لیکن وہ زندگی جو مومنوں کو ملتی ہے، صرف کلام الٰہی سے ملتی ہے اس لیے اُن پر الروح کا لفظ بولا ہے۔

رہا یہ کہ فی یوم کان مقدارہٗ خمسین الف سنۃ سے کیا مراد ہے تو یہ انسان کی ترقیات روحانی کی طرف اشارہ ہے۔ کہ ان کا میدان اس قدر وسیع ہے کہ اتنی مدت تک بھی ترقی کرتے چلے جائیں تو وہ ترقیات ختم نہیں ہوتیں اور اس سے مراد بھی محدود کرنا نہیں کہ اس کے بعد کوئی ترقی نہ ہوگی بلکہ یا تو یہ صرف ایک منزل ترقی ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان کی ترقیات کا وہ زمانہ ایسا وسیع ہے کہ اس کا ایک ایک دن گویا پچاس پچاس ہزار سال کا ہے۔

نمبر۱۔ چونکہ یہاں کفار کی ایذا رسانیوں پر صبر کا ذکر ہے اس لیے ارشاد فرمایا کہ صرف مصائب کو برداشت کر لینا کافی نہیں بلکہ صبر جمیل ہو جس میں سب قسم کی بھلائیاں جمع ہوں اور دوسروں کو اس سے فائدہ پہنچے اور یہاں مراد یہ نہیں کہ صبر کرو آخر قیامت آئے گی بلکہ کفار کی ایذا رسانیوں پر صبر مراد ہے۔

نمبر۲۔ یرونہ بعیدا یعنی اس سزا یا عذاب کو بعید سمجھتے ہیں اور بعید سے مراد امکان سے بعید ہے یعنی کہتے ہیں کہ عذاب نہیں آ سکتا۔

نمبر۳۔ عھن رنگی ہوئی اُون کو کہتے ہیں اور رنگ کی خصوصیت ایسی ہی ہے جیسے فکانت وردۃً کالدھان میں اور بعض کے نزدیک ہر اون کو عہن کہا جاتا ہے۔ عذاب کے ذکر میں عذابِ قیامت کا بالخصوص ذکر ہے اس لیے کہ عذاب دنیا صرف اسی کے لیے بطور پیش خیمہ ہے اور یہی لفظ مجازاً عذابِ دنیا پر بھی صادق آتے ہیں۔

نمبر۴۔ مطلب یہ کہ جن کی خاطر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تھی وہ وہاں کام نہ آ سکیں گے یہ باتیں اس دنیا کے عذاب اور آخرت کے عذاب دونوں پر صادق آتی ہیں۔

وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ يُنْجِيهِ ﴿۱۴﴾	اور سب کوئی جو زمین میں ہیں پھر یہ اسے چھڑا دے۔
كَلَّا ۖ إِنَّهَا لَظَىٰ ﴿۱۵﴾	ہرگز نہیں وہ شعلہ مارتی ہوئی آگ ہے۔
نَزَّاعَةً لِلشَّوَىٰ ﴿۱۶﴾	ہاتھ پاؤں کو کھا جانے والی ہے[1]۔
تَدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّىٰ ﴿۱۷﴾	اسے بلاتی ہے جو پیٹھ پھیر لیتا ہے اور پھر جاتا ہے۔
وَجَمَعَ فَأَوْعَىٰ ﴿۱۸﴾	اور جمع کرتا ہے اور بند رکھتا ہے۔
إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿۱۹﴾	انسان بے صبر پیدا ہوا ہے[2]۔
إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ﴿۲۰﴾	جب اُسے تکلیف پہنچتی ہے واویلا کرتا ہے۔
وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ﴿۲۱﴾	اور جب اسے بھلائی پہنچتی ہے (ہاتھ) روک لیتا ہے۔
إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴿۲۲﴾	مگر نماز پڑھنے والے (ایسے نہیں)
الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ﴿۲۳﴾	جو اپنی نماز پر ہمیشہ قائم ہیں۔
وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَعْلُومٌ ﴿۲۴﴾	اور وہ جن کے مالوں میں ایک مقرر حق ہے۔
لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿۲۵﴾	سوال کرنے والے اور محروم کے لیے۔
وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿۲۶﴾	اور وہ جو جزا و سزا کے دن کی سچائی کو مانتے ہیں۔
وَالَّذِينَ هُمْ مِنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ	اور وہ جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرنے
مُشْفِقُونَ ﴿۲۷﴾	والے ہیں۔
إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ﴿۲۸﴾	بیشک ان کے رب کا عذاب ایسا ہے کہ اس سے نڈر نہ ہونا چاہیئے
وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿۲۹﴾	اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں۔
إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ	سوائے اپنی بیویوں کے یا اُن کے جن کے اُن کے دائیں ہاتھ مالک
أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿۳۰﴾	ہیں تو ان پر ملامت نہیں۔
فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ	پھر جو کوئی اس (حد) سے آگے نکلنا چاہتا ہے تو یہی حد سے

نمبر۱۔ دوزخ کو نزاعة للشوی کہا ہے۔ اطراف یعنی ہاتھ پاؤں کو سلب کر دینے والی گویا کام کرنے کی طاقت اور چلنے کی طاقت کو سلب کر دیتی ہے۔

نمبر۲۔ هلع حرص کو کہتے ہیں یا جزع اور قلت صبر اور اگلی آیتیں خود تفسیر کرتی ہیں اور انسان سے مراد یہاں وہی کافر انسان ہے جو جمع فاوعیٰ کا مصداق ہے کیونکہ مومنوں کو آگے الا المصلین میں خود مستثنےٰ کیا ہے اور خلق میں یہ اشارہ ہے کہ اس پر یہ حالت اس قدر غالب ہے کہ گویا پیدا ہی ایسا ہوا ہے۔

هُمُ الْعٰدُوْنَ ﴿۳۱﴾	بڑھنے والے ہیں۔
وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۳۲﴾	اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں۔
وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ ﴿۳۳﴾	اور جو اپنی شہادتوں پر قائم ہیں۔
وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۳۴﴾	اور جو اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں۔
ع اُولٰٓئِكَ فِيْ جَنّٰتٍ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۳۵﴾	یہی باغوں میں عزت والے ہیں ۔ا
فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَ ﴿۳۶﴾	مگر انھیں کیا ہوا جو کافر ہیں تیری طرف دوڑے آرہے ہیں۔
عَنِ الْيَمِيْنِ وَ عَنِ الشِّمَالِ عِزِيْنَ ﴿۳۷﴾	دائیں (جانب) سے اور بائیں سے گروہ گروہ ہو کر ۔۲
اَيَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيْمٍ ﴿۳۸﴾	کیا ان میں سے ہر شخص آرزو رکھتا ہے کہ نعمتوں والی جنت میں داخل ہو۔
كَلَّا ؕ اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّمَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾	ہرگز نہیں ہم نے انھیں اس غرض کے لیے پیدا کیا ہے جو وہ جانتے ہیں۔
فَلَآ اُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشٰرِقِ وَ الْمَغٰرِبِ اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ ﴿۴۰﴾	سو نہیں میں مشرقوں اور مغربوں کے رب کی قسم کھاتا ہوں کہ ہم (اس بات) پر قدرت رکھتے ہیں۔
عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ ۙ وَ مَا نَحْنُ	کہ بدل کر اُن سے بہتر کر دیں ، اور ہم اس

نمبر۱۔ یہاں جو صفات مومنوں کی بیان کی ہیں ان میں سے بہت سی وہی ہیں جو سورۂ مومنون کی ابتدا میں گزر چکی ہیں اور یہ مومنوں کی وہ صفات ہیں جو ان کے تزکیہ و تطہیر کا موجب ہیں اور یہی اصل غرض نزول کتاب اللہ کی ہے اور انہی صفات کو اپنے اندر لیکر انسان وہ ترقی کرتا اور وہ فضائل حاصل کرتا ہے جن کی طرف ذی المعارج میں اشارہ ہے۔

نمبر۲۔ کہا گیا ہے کہ اس سے مراد کفار کا آں حضرت صلعم کے گرد استہزا کے لیے جمع ہونا ہے جب آپ کعبہ میں نماز یا قرآن پڑھتے۔ مگر مھطعین میں ذلت یا خوف کا پایا جانا ضروری ہے یہاں بھی بطور پیشگوئی اس حالت کا نقشہ کھینچا ہے جب وہی لوگ جو حق کو نیست و نابود کرنے کے درپے تھے آخرکار گروہ گروہ بن کر دوڑے دوڑے رسول اللہ صلعم کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور یہ جماعات متفرقہ عرب کے تمام کونوں سے مدینہ میں پہنچیں جس کے لیے عن الیمین و عن الشمال کے لفظ زیادہ موزوں ہیں۔ اس پیشگوئی کے پورا ہونے پر فرمایا ورایت الناس یدخلون فی دین اللہ افواجا (۱۱۰:۲) اور آگے جو فرمایا ایطمع کل امرئ منہم ان یدخل جنۃ نعیم تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض ان کے منہ سے یہ کہہ دینے پر کہ ہم ایمان لائے جنت نہیں مل جاتی اس لیے کہ اصل غرض تو تزکیہ اور تکمیل نفس ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں مجاہدات شاقہ اختیار نہ کریں اور اپنے آپ کو بلیٰ من اسلم وجہہ للہ کا مصداق نہ بنائیں۔ اسی کی طرف توجہ دلانے کے لیے فرمایا انا خلقنٰہم مما یعلمون جہاں من اجل کے لیے ہے یعنی ہم نے انھیں پیدا ہی تکمیل نفس کے لیے کیا ہے گویا انہی صفات مومنین کی طرف توجہ دلائی ہے جن کا ذکر اوپر کیا اور آگے نُبَدِّلَ خیرا منہم میں بھی اسی طرف اشارہ ہے اور تبدیلی حالت کی بھی ہو سکتی ہے اور آخری آیت میں خاشعۃ ابصارہم ترھقہم ذلۃ کے بعد ذٰلک الیوم الذی کانوا یوعدون لا کر صاف بتا دیا کہ اس عذاب کے دن کا نقشہ ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے جس کا کچھ ذکر ابھی سورۂ قلم میں گزر چکا ہے اور وہاں بھی ان کی عاجزی اور ذلت کا ذکر تھا اور یہ وہی عاجزی اور ذلت تھی جو رسول اللہ صلعم کی کامیابی سے آخر انھیں حاصل ہوئی اور جس کے بعد وہ گروہ در گروہ رسول اللہ صلعم کی طرف چلے آئے۔

بِمَسۡبُوۡقِيۡنَ ﴿۴۱﴾	سے عاجز نہیں۔
فَذَرۡهُمۡ يَخُوۡضُوۡا وَيَلۡعَبُوۡا حَتّٰى يُلٰقُوۡا	سو انھیں چھوڑ دے، بیہودہ باتوں میں لگے رہیں اور کھیلیں،
يَوۡمَهُمُ الَّذِىۡ يُوۡعَدُوۡنَ ﴿۴۲﴾	یہاں تک کہ اپنے اس دن کو پالیں جس کا انھیں وعدہ دیا جاتا ہے۔
يَوۡمَ يَخۡرُجُوۡنَ مِنَ الۡاَجۡدَاثِ سِرَاعًا	جس دن وہ قبروں سے نکل پڑیں گے دوڑتے ہوئے۔ گویا کہ وہ کسی
كَاَنَّهُمۡ اِلٰى نُصُبٍ يُّوۡفِضُوۡنَ ﴿۴۳﴾	نشان کی طرف دوڑے جارہے ہیں۔
خَاشِعَةً اَبۡصَارُهُمۡ تَرۡهَقُهُمۡ ذِلَّةٌ	ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی ذلت ان پر چھائی ہوئی ہوگی،
ذٰلِكَ الۡيَوۡمُ الَّذِىۡ كَانُوۡا يُوۡعَدُوۡنَ ﴿۴۴﴾ ع	یہ وہ دن ہے جس کا انھیں وعدہ دیا جاتا تھا۔

(۷۱) سُوۡرَةُ نُوۡحٍ مَكِّيَّةٌ

اٰیاتہا ۲۸ — رکوعاتہا ۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○	اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔
اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰى قَوۡمِهٖۤ اَنۡ اَنۡذِرۡ	ہم نے نوحؑ کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ اپنی قوم کو ڈرا، اس
قَوۡمَكَ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۱﴾	سے پہلے کہ اُن پر دردناک عذاب آجائے۔
قَالَ يٰقَوۡمِ اِنِّىۡ لَكُمۡ نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ﴿۲﴾	اس نے کہا اے میری قوم میں تمھارے لیے کھلا ڈرانے والا ہوں۔
اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوۡهُ وَاَطِيۡعُوۡنِ ﴿۳﴾	کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کا تقویٰ کرو اور میری اطاعت کرو۔
يَغۡفِرۡ لَكُمۡ مِّنۡ ذُنُوۡبِكُمۡ وَيُؤَخِّرۡكُمۡ	وہ تمھارے گناہ بخش دے گا اور تمھیں ایک وقت مقرر تک
اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا	مہلت دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا وقت مقرر جب آجائے تو پیچھے نہیں ڈالا جا
جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ ۘ لَوۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴﴾	سکتا۔ کاش! تم جانتے۔
قَالَ رَبِّ اِنِّىۡ دَعَوۡتُ قَوۡمِىۡ لَيۡلًا	اس نے کہا، اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو

نمبر ۱۔ اس سورت کا نام نوحؑ ہے اور اس میں دو رکوع اور اٹھائیس آیتیں ہیں اور سورت کا نام حضرت نوحؑ کے ذکر سے لیا گیا ہے جو اس کا واحد مضمون ہے حضرت نوحؑ کے ایک عرصہ دراز تک لوگوں کو نصیحت کرنے اور حق کی طرف بلانے میں سمجھانا یہ مقصود ہے کہ دنیا کی اصلاح ایک زمانہ چاہتی ہے لوگ ان باتوں کو فوراً قبول نہیں کر لیتے اور آخر اس قوم کی ہلاکت میں یہ نشان ہے کہ جو لوگ اس حق کو جو رسول اللہ صلعم لائے ہیں قبول نہ کریں گے اور کفر اور بدی پر اصرار کریں گے تو وہ آخر کار ہلاک کر دیئے جائیں گے پچھلی سورت میں ان بلند مراتب کا ذکر تھا جو انسان حاصل کر سکتا ہے مگر ان کی طرف متوجہ نہیں تاہم سب سے پہلے تاریخی نبی کے حالات میں ایک مثال دی ہے کہ اپنی ترقی کی راہوں سے لوگ کس طرح منہ موڑ رکھتے ہیں۔

وَّ نَهَارًا ۝۵
رات اور دن بلایا۔

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا ۝۶
مگر میرے بُلانے نے ان کا بھاگنا ہی بڑھایا۔

وَاِنِّيْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْٓا
اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ
وَاَصَرُّوْا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا ۝۷
اور جب کبھی میں نے انھیں بُلایا کہ تو انھیں بخش دے انھوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں اور اپنے کپڑے اوڑھ لیے اور (کفر پر) اَڑ گئے اور بڑا تکبّر کیا۔

ثُمَّ اِنِّيْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا ۝۸
پھر میں نے انھیں کھُلے طور پر بُلایا۔

ثُمَّ اِنِّيْٓ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ
لَهُمْ اِسْرَارًا ۝۹
پھر مَیں نے اُن سے ظاہر باتیں کیں اور چھُپ کر بھی اُن سے کہا۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ
كَانَ غَفَّارًا ۝۱۰
مَیں نے کہا ، اپنے ربّ سے بخشش مانگو ، وہ بڑا بخشنے والا ہے۔

يُّرْسِلِ السَّمَاۗءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝۱۱
وہ تم پر زور کا مینہ برساتا ہُوا بادل بھیجے گا۔

وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ
لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝۱۲ۭ
اور تھیں مال اور بیٹوں سے مدد دیگا اور تمھارے لیے باغ بنائے گا اور تمھارے لیے نہریں بہائے گا۔

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝۱۳ۚ
تمھیں کیا ہُوا کہ تم اللہ تعالیٰ سے عزّت کی امّید نہیں رکھتے۔

وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا ۝۱۴
اور اس نے تمھیں مختلف حالات میں سے (گزار کر) پیدا کیا۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ
سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ۝۱۵
کیا تم نہیں دیکھتے کس طرح اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کو ایک دوسرے کے اوپر پیدا کیا ہے ۔؎۱

نمبر۱۔ اطوار کے یہاں معنی کیے گئے ہیں احوالِ مختلفہ ، اور ایک قول ہے کہ اس سے مراد ہے پہلے نطفہ پھر علقہ وغیرہ اور بعض کے نزدیک صورتوں اور اخلاق کا اختلاف ہے۔

انسان کی خلق اطوار سے مراد اس کا مختلف حالات سے گزرنا ہے جیسا کہ ابن عباسؓ ، مجاہدؒ ، قتادہؒ ، حسنؒ سے مروی ہے اور یہ حالات مختلفہ وہی ہیں جنھیں قرآن کریم نے مختلف جگہ پر بیان کیا ہے مثلاً پہلے مٹی کی حالت پھر اس سے کئی حالتوں میں تبدیل ہو کر یعنی نبات کی حالت میں سے گذر کر جس کا ذکر آگے آیت ۱۷ میں ہے نطفہ کی شکل ، پھر اس کے بعد حالات مختلف ، اور ہو سکتا ہے کہ ابتدائے آفرینش سے جو حالاتِ مختلفہ انسان پر گذرے ہیں ان کی طرف اشارہ ہو۔ اس حد تک مسئلہ ارتقا کا مان لینا قرآن کریم کی کسی تصریح کے خلاف نہیں ۔ لیکن خود مسئلہ ارتقا جس صورت میں پیش کیا جاتا ہے اس میں بہت سی فرضی باتیں ہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ انسان کو ابتدائی حالت سے موجودہ شکل و صورت تک پہنچنے میں ایک لمبا زمانہ لگا ہو ، تو ان حالات مختلفہ کی طرف توجہ دلا کر تم کیا تھے

وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾	اور چاند کو اُن میں نُور بنایا اور سُورج کو چراغ بنایا۔
وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾	اور اللہ تعالیٰ نے تمھیں زمین سے سبزہ کے طور پر اُگایا۔
ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾	پھر وہ تمھیں اس میں لوٹا دیگا اور تمھیں ایک نئی پیدائش میں نکال کھڑا کرے گا۔[1]
وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾	اور اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے زمین کو وسیع قطعہ بنایا۔
ع ۹ لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾	تاکہ تم اس کے کھُلے رستوں میں چلو۔
قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِيْ وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾	نوحؑ نے کہا اے میرے رب انھوں نے میری نافرمانی کی اور اس کی پیروی کی جس کے مال اور اولاد نے اس کا نقصان ہی بڑھایا۔
وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا ﴿۲۲﴾	اور انھوں نے بڑے بھاری حیلے کیے۔
وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا ۙ وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ﴿۲۳﴾	اور کہا، اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو۔ اور ودّ کو نہ چھوڑو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث اور یعوق اور نسر کو۔[2]

اور کن کن حالتوں سے گذار کر تمھیں اس موجودہ حالت تک پہنچایا یہ توجہ دلائی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے وقار کی امید کیوں نہیں رکھتے یعنی اس بات کی امید کہ اللہ تعالیٰ تمھیں اس سے بھی بلند تر مقامات عطا فرما سکتا ہے اور چونکہ پچھلی سورت کا یہی مضمون تھا اس لیے یہی معنی زیادہ موزوں ہیں اور یہاں یہی توجہ دلائی ہے کہ انسان باوجود اس علم کے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کس حالت سے اُٹھا کر کس حالت تک پہنچایا ہے آئندہ کے متعلق پھر کیوں یہ امید نہیں رکھتا کہ اللہ تعالیٰ اس سے بھی بلند مقامات عطا فرما سکتا ہے۔

نمبر۱۔ یعنی پہلی زندگی کی ابتدا تو زمین سے نبات کے رنگ میں ہوتی ہے کیونکہ نبات حیاتِ جسمانی کی ادنیٰ ترین صورت ہے پھر اسی زمین میں انسان لوٹایا جاتا ہے مگر دوبارہ نکالنے کو نبات سے تعبیر نہیں کیا بلکہ یخرجکم اخراجًا کہہ کر بتا دیا کہ وہ ایک خاص رنگ کا نکال کھڑا کرنا ہے اس رنگ کی حیوانی زندگی نہیں اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس زمین میں ہی انسان کی ترقی کا اتنا سامان رکھا ہے کہ مٹی کی حالت سے ترقی کر کے وہ اس مرتبہ کو پہنچتا ہے تو دوسری زندگی میں ترقی کے اس سے بھی بلند تر مراتب ہونا بالکل قرینِ قیاس ہے۔

نمبر۲۔ بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ وہی بُت جو قوم نوح میں تھے بعد میں ملک عرب میں آگئے اور ودّ دومۃ الجندل میں کلب کا بُت تھا اور سواع ہذیل کا اور یغوث مراد کا تھا پھر بنی غطیف کا ہو گیا۔ جو جوف میں سبا کے پاس ہے اور یعوق ہمدان کا تھا اور نسر حمیر کا تھا اور یہ اصل میں قوم نوح میں صالح لوگ تھے جب وہ مر گئے تو اس قوم نے ان کے نام کے بُت بنا لیے اور پہلے یہ صرف بطور یادگار بنائے گئے تھے بعد میں ان کی پرستش شروع ہو گئی اور ملک عرب میں آجانے کی روایت سے یہ مراد نہیں کہ وہی بُت اُٹھا کر وہاں لائے گئے بلکہ یہ مطلب ہے کہ ایسے ہی بت اہل عرب نے بھی بنا لیے اور ان کے ہی نام رکھ لیے اور بعض نے کہا کہ ودّ مرد کی شکل پر، سواع عورت کی شکل پر، یغوث شیر کی شکل، یعوق گھوڑے کی صورت پر اور نسر عقاب کی شکل پر تھا۔

وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا ۚ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا ﴿۲۴﴾

اور انھوں نے بہتوں کو گمراہ کیا اور تو ظالموں کی ہلاکت ہی بڑھائیو۔

مِمَّا خَطِيْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ۙ فَلَمْ يَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ﴿۲۵﴾

اپنی خطا کاریوں سے وہ غرق کیے گئے، پھر آگ میں داخل کیے گئے، سو انھوں نے اللہ تعالیٰ کے سوائے کسی کو مددگار نہ پایا۔

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا ﴿۲۶﴾

اور نوح نے کہا اے میرے رب زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑیو[1]۔

اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿۲۷﴾

اگر تو انھیں چھوڑدے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کردیں گے اور ان کی اولاد بھی سوائے بدکار ناشکروں کے نہ ہوگی۔

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ۭ وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا تَبَارًا ﴿۲۸﴾

اے میرے رب میری حفاظت فرما اور میرے ماں باپ کی اور اس کی جو ایمان لا کر میرے گھر میں داخل ہو اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کی اور ظالموں کی ہلاکت ہی بڑھائیو۔

(۷۲) سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّةٌ[2]

اٰیاتُھا ۲۸ — رُکُوْعاتُھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ

کہہ میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے سنا[3]

نمبر۱۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ کفر میں اور فسق و فجور میں اس حد تک ترقی کر گئے تھے کہ اگر انھیں تباہ نہ کیا جاتا تو حق کا نام دنیا سے مٹ جاتا۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام الجن ہے اور اس میں دو رکوع اور اٹھائیس آیتیں ہیں اور جنّ سے مراد انسان ہی ہیں، چونکہ یہ باہر کے لوگ تھے۔ جو اہل عرب کی نظر سے مخفی تھے اس لیے انھیں جنّ کہا گیا ہے اور یہ جنّ عیسائی تھے اور اس سورت میں یہ ذکر ہے کہ یہ لوگ بھی آنحضرت صلعم پر ایمان لائے چونکہ پچھلی سورت میں حضرت نوحؑ کا ذکر تھا جس کی مخالفت پر قوم اس قدر کمربستہ ہوئی کہ آخر ان کی ہلاکت کے سوائے اور کوئی رستہ نہ رہا اور اس میں بھی نبی صلعم کو تسلی دینا تھا کہ حق کن سخت مشکلات کے ساتھ دنیا میں قائم ہوتا ہے تو اب اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ اہل عرب مخالفت کرتے ہیں تو اور لوگ ہیں جو اس پیغام حق کو سن کر قبول کرتے چلے جاتے ہیں اور اس میں اسلام کی آیندہ کامیابیوں کی بشارت تھی۔ اس سورت کا نزول آنحضرت صلعم کی طائف سے واپسی کے وقت کا مانا گیا ہے۔ اگر سورۂ احقاف میں اسی واقعہ کا ذکر سمجھا جائے تو یہی تاریخ نزول ہوگی اور اسی سفر میں ایک عیسائی غلام بھی مسلمان ہوا تھا اور اگر اس میں کسی اور واقعہ کا ذکر ہے تو اس کا زمانہ نزول ابتدائی مکی زمانہ ہوگا جس زمانہ کی یہ سورتیں بظاہر معلوم ہوتی ہیں۔

نمبر۳۔ ایمان لانے والے جنّ کون تھے دیکھو الاحقاف آیت ۲۹ پر نوٹ، اور آیت ۱۶ میں جو وسعتِ رزق یا مالِ کثیر کا ذکر ہے وہ بھی بتایا ہے کہ مراد انسان ہی

الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝١	تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا ہے۔
يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ	وہ بھلائی کی طرف ہدایت کرتا ہے سو ہم اس پر ایمان لائے
نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝٢	اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔
وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ	اور کہ ہمارے رب کی عظمت بہت بلند ہے اس کی نہ جورو
صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝٣	ہے اور نہ بیٹا[۱]۔
وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى	اور کہ ہم میں سے بعض بے وقوف اللہ تعالیٰ پر حق سے دُور
اللّٰهِ شَطَطًا ۝٤	بات کہتے تھے۔
وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ	اور کہ ہم نے خیال کیا کہ انسان اور جنّ اللہ تعالیٰ
وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۝٥	پر جھوٹ نہیں بولتے۔
وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ	اور کہ انسانوں میں سے کچھ مرد اور جنّوں میں سے کچھ مردوں کی پناہ
بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۝٦	پکڑتے تھے، سو انھوں نے ان کی سرکشی بڑھائی[۲]۔
وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ	اور کہ انھوں نے خیال کیا جیسے تم خیال کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ
يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۝٧	کسی کو نہیں اُٹھائے گا[۳]۔

ہیں اور وہاں ذکر بھی مالِ کثیر سے آزمانے کا ہے اور مال سے آزمایا جانا انسانوں کے لیے ہے اور ایسا ہی مساجد کا ذکر آیت ۱۸ میں اسی کا مؤید ہے اور دوسرا رکوع تو صراحت سے بتا رہا ہے کہ انسانوں کا ہی ذکر ہے جن میں سے کچھ ایمان لاتے اور کچھ مخالفت کرتے ہیں اور انہی مخالفت کرنے والوں کا ذکر پہلے رکوع میں بھی ہے اور دوسرے میں بھی اور یہ امر کہ آنحضرت صلعم کی طرف وحی ہوئی اس بات کے منافی نہیں کہ وہ انسانوں کی طرح ہوں اس لیے کہ یہ وہ واقعات ہیں جو ان لوگوں کو اپنی قوم سے پیش آئے جب وہ واپس گئے جیسا کہ سورۃ الاحقاف[۲۹] میں ذکر ہے فلمّا رجعوا الی قومھم اور ان کے نوعِ انسان سے ہونے پر آیت ۶ میں لفظ رجل کا استعمال بھی شاہد ہے۔

نمبر۱۔ یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عیسائی ہیں اور ممکن ہے کہ یہ سب ذکر بطور پیشگوئی کے ہو اور مطلب یہ ہو کہ عیسائی اقوام جو بوجہ اپنی عظمت کے کبھی جنّ کی حیثیت حاصل کریں گے۔ آخر اُن کا ایک حصّہ بھی قرآن کریم کی صداقت پر ایمان لائے گا اور یہ کوئی بعید بات نہیں کہ سورۃ احقاف[۲۹] میں جنّوں کا ذکر اور یہ ذکر الگ الگ واقعات ہوں اور اگر ایک ہی واقعہ سمجھا جائے تو ان الفاظ میں اشارہ یہودیوں کے عقیدہ کی طرف ہو سکتا ہے جو عزیر کو ابن اللہ کہتے تھے۔

نمبر۲۔ رجل۔ نوعِ انسان میں سے مرد کو (برخلاف عورت کے) کہا جاتا ہے دیکھو لسان العرب۔ یہاں رجال کا لفظ جنّوں پر لا کر صاف بتا دیا ہے کہ یہ جنّ نوعِ انسان سے ہی ہیں۔ جیسا کہ لفظ رجل کی لغت سے ظاہر ہے اور اس مشکل سے بچنے کے لیے بعض لوگوں نے یوں تاویل کی ہے کہ انسانوں میں سے کچھ لوگ جنّوں سے پناہ مانگ کر رجال یعنی انسانوں کی پناہ میں آتے ہیں جو بہت بعید تاویل ہے اور سیدھی بات یہی ہے کہ یہ انسانوں کی قسم سے ہی تھے اور چھوٹے آدمیوں کا بڑے آدمیوں کی پناہ تلاش کرنا معمولی بات ہے۔

نمبر۳۔ اس کے معنی دونوں طرح پر کیے گئے ہیں یعنی کوئی رسول مبعوث نہیں کریگا یا مُردوں کو موت کے بعد نہیں اُٹھائے گا۔

وَّ اَنَّا لَمَسۡنَا السَّمَآءَ فَوَجَدۡنٰهَا مُلِئَتۡ حَرَسًا شَدِيۡدًا وَّ شُهُبًا ۙ﴿۸﴾

اور کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اسے سخت پہروں اور شعلوں سے بھرا ہُوا پایا۔[۱]

وَّ اَنَّا كُنَّا نَقۡعُدُ مِنۡهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمۡعِ ؕ فَمَنۡ يَّسۡتَمِعِ الۡاٰنَ يَجِدۡ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ﴿۹﴾

اور کہ ہم اس کے بیٹھنے کی جگہوں میں سننے کے لیے بیٹھا کرتے تھے مگر جو کوئی اب سننے کی کوشش کرتا ہے، وہ اپنے لیے شعلہ تیار پاتا ہے۔[۲]

وَّ اَنَّا لَا نَدۡرِیۡۤ اَشَرٌّ اُرِيۡدَ بِمَنۡ فِى الۡاَرۡضِ اَمۡ اَرَادَ بِهِمۡ رَبُّهُمۡ رَشَدًا ۙ﴿۱۰﴾

اور کہ ہم نہیں جانتے کہ ان کے ساتھ جو زمین میں ہیں بُرائی کا ارادہ ہُوا ہے یا ان کے ربّ نے ان کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کیا ہے۔

وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوۡنَ وَمِنَّا دُوۡنَ ذٰلِكَ ؕ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۙ﴿۱۱﴾

اور (بعض) ہم میں سے صالح ہیں اور (بعض) ہم میں سے اس کے سوا ہیں ہم متفرق رستے اختیار کیے ہوئے ہیں۔

وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنۡ لَّنۡ نُّعۡجِزَ اللّٰهَ فِى الۡاَرۡضِ وَلَنۡ نُّعۡجِزَهٗ هَرَبًا ۙ﴿۱۲﴾

اور کہ ہمیں یقین ہے کہ ہم زمین میں اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے، اور نہ بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں۔[۳]

وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعۡنَا الۡهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنۡ يُّؤۡمِنۡۢ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخۡسًا وَّلَا رَهَقًا ۙ﴿۱۳﴾

اور کہ جب ہم نے ہدایت کو سُنا، تو اس پر ایمان لائے، سو جو کوئی اپنے ربّ پر ایمان لاتا ہے اسے نقصان کا خوف نہیں نہ ظلم کا۔

وَّ اَنَّا مِنَّا الۡمُسۡلِمُوۡنَ وَمِنَّا الۡقٰسِطُوۡنَ ؕ

اور کہ ہم میں سے (بعض) فرمانبردار ہیں اور (بعض) ہم میں سے حق سے

نمبر۱۔ یہاں اشارہ انہی باتوں کی طرف ہے جو کاہن یا اس قسم کے دوسرے لوگ کرتے ہیں اس زمانہ میں عیسائی ممالک میں سپریچوئسٹ اسی ذیل میں آتے ہیں اور حرس سے مراد ہے کہ اخبارِ غیبی تک ہماری رسائی نہیں۔

نمبر۲۔ دیکھو الحجر ۱۵: ۱۷-۱۸ پر نوٹ۔ شہاب آنحضرت صلعم سے پہلے بھی گرتے تھے حالانکہ اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ شہاب جن کا بیان ذکر ہے ان کا تعلق رسول اللہ صلعم کی بعثت سے ہے اور ایک حدیث میں ہے کہ ایک شہاب آپ کے سامنے گرا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ جاہلیت میں شہاب کے گرنے پر تم کیا خیال کیا کرتے تھے، تو صحابہ نے عرض کیا کہ ہم کہتے تھے کوئی بڑا آدمی مرجائے گا یا پیدا ہوگا اور خود واقعات بھی یہی بتاتے ہیں اور آج تک شہاب گرتے ہیں حالانکہ اس وقت تو وحی کا نزول نہیں ہو رہا پس ان شہابوں سے مراد وہی ہے جو الحجر میں بیان ہو چکا اور یہ تاویل کہ پہلے حوادث کونی سے ان شہابوں کا تعلق تھا اور آنحضرت صلعم کی بعثت پر رمی شیاطین کا کام اُن سے لیا گیا بہت دُور کی تاویل ہے اور ایک روایت میں جو آیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے وقت تین آسمانوں سے شیاطین کو روکا گیا، پھر آنحضرت صلعم کے وقت سارے آسمانوں سے تو اس کا مطلب سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ قرآن کریم کی قوت قدسی نے بدی کے دَور دورہ میں بڑی رکاوٹ پیدا کر دی۔

نمبر۳۔ مطلب یہ ہے کہ بھاگ کر ہم اللہ کی گرفت سے نہیں بچ سکتے اور لن نعجز اللّٰہ فی الارض سے مراد ہو گی کہ مقابلہ کرکے خدا کو نہیں ہرا سکتے۔

فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿۱۴﴾	پھرنے والے ہیں اور جو کوئی فرمانبردار ہوتا ہے تو یہی بھلائی کا قصد کرتے ہیں۔
وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿۱۵﴾	اور حق سے پھرنے والے سو وہ دوزخ کا ایندھن ہیں۔
وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ	اور کہ اگر وہ سیدھے رستے پر قائم رہتے تو ہم انھیں بہت سا پانی
لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾	پلاتے ۱؎
لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَ مَنْ يُّعْرِضْ عَنْ	تاکہ ہم انھیں اس میں آزمائیں اور جو کوئی اپنے رب کے ذکر سے منہ
ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿۱۷﴾	پھیرتا ہے وہ اسے سخت عذاب میں داخل کرتا ہے ۲؎
وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ	اور کہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، سو اللہ (تعالیٰ) کے ساتھ
اللّٰهِ اَحَدًا ﴿۱۸﴾	اور کسی کو نہ پکارو۔
وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ	اور کہ جب اللہ تعالیٰ کا بندہ اُسے پکارتا ہوا اٹھا تو قریب تھا کہ
ع كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾	اس پر ہجوم کر کے اسے مار) دیں ۳؎
قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۰﴾	کہہ میں صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔
قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾	کہہ میں تمھارے لیے کسی نقصان کا اختیار نہیں رکھتا اور نہ بھلائی کا۔
قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ	کہہ مجھے اللہ تعالیٰ کے مقابل پر کوئی پناہ نہیں دے سکتا، اور نہ میں اسے
وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾	چھوڑ کر کوئی جائے پناہ پا سکتا ہوں۔
اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ؕ وَمَنْ	ہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے (احکام کا) پہنچا دینا اور اس کے پیغام ہیں اور
يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ	جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے اس کے لیے دوزخ
جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴿۲۳﴾	کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔
حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ	یہاں تک کہ جب اسے دیکھیں گے جس کا انھیں وعدہ دیا جاتا ہے تو جان لیں گے

نمبر۱- غدق کے معنی کثیر ہیں یعنی بہت پانی اور مراد اس سے وسعت رزق، اور مجاہد کے نزدیک مال کثیر ہے۔

نمبر۲- صعود اور صَعَد سے مراد گھاٹی ہوتی ہے جس پر چڑھا جاتا ہے، اور ہر ایک شاق یعنی دشوار امر پر اس کا استعمال ہوتا ہے۔ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا۔ (المدثر-۱۷) اور صعد سے بھی مراد شاق ہے یا اس سے مراد ایسا عذاب ہے جو اس پر غالب آجائے۔

نمبر۳- حسن اور قتادہ کے نزدیک یہاں کادوا کی ضمیر قریش کی طرف ہے یعنی آپ کے مد کے ابطال کے لیے اکٹھے ہو کر آپ پر گرے پڑتے ہیں اور بعض نے مراد وہی جن لیے ہیں گر ان کی تعداد تھوڑی تھی اور بعض نے مومنوں کا نماز میں آپ کا اتباع کرنا مراد لیا ہے مگر یہ بھی بعید تاویل ہے اور ابن جریر نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے اور یہی بلحاظ سیاق درست ہے اور اس صورت میں قام عبداللہ سے مراد قیام بامر رسالت ہے۔

مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

کہ مددگار کس کا کمزور ہے اور گنتی میں (کون) تھوڑے ہیں ؎۱

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا ﴿۲۵﴾

کہہ میں نہیں جانتا کہ وہ جس کا تمھیں وعدہ دیا جاتا ہے، قریب ہے یا میرا رب اس کی مدت لمبی کر دے گا۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۶﴾

غیب کا جاننے والا ہے سو وہ اپنے غیب پر کسی کو غالب نہیں کرتا۔

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾

ہاں جسے رسول بنانا پسند کرے ؎۲ سو وہ اس کے آگے اور اس کے پیچھے پہرہ لگا دیتا ہے۔

لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَ اَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَ اَحْصٰی كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ﴿۲۸﴾ ع ۱۲

تاکہ (انھیں) علم ہو جائے کہ انھوں نے اپنے رب کے پیغاموں کو پہنچا دیا ہے اور وہ اس کا احاطہ کیے ہوئے ہے، جو ان کے پاس ہے اور ہر چیز اس نے گن کر محفوظ کر رکھی ہے ؎۳

نمبر۱- اذا راوا مایوعدون اسی دنیا کے عذاب کے وعدے کے متعلق ہے کیونکہ مددگار کی کمزوری اور قلت عدد کا سوال یہیں پیدا ہوتا ہے۔ ابوسفیان نے آخر مکہ کی فتح کے وقت اقرار کیا کہ ان کے بت ان کی کچھ مدد نہ کر سکے۔

نمبر۲- اظہر علی الشیٔ کے معنی ہیں غلبہ دعلاہ یعنی اس پر غالب آیا اور اس پر علو حاصل کیا اور یہاں مراد اظہار سے کامل طور پر اطلاع دے دینا ہے جس سے سارا حال اتم وجہ پر ظاہر ہو جائے۔ اوپر ذکر تھا کہ کفار اپنے آپ کو ان کے مقابلہ میں مغلوب پائیں گے جنھیں تھوڑے اور کمزور سمجھتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی دوسری آیت میں فرمایا کہ یہ مجھے علم نہیں دیا گیا کہ وہ کفار کی مغلوبیت کا وقت جلد آنے والا ہے۔ یا کچھ وقت کے بعد اور اس کی وجہ یوں دی عالم الغیب غیب کا جاننے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ فلا یظہر علی غیبہ احدا۔ غیب پر وہ کامل غلبہ جو اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں دیتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کی یہی حالت ہے وہ قدرت کاملہ رکھتا ہے اور اپنی قدرت سے کچھ حصہ انسان کو عطا کرتا ہے قدرت کامل نہیں دیتا وہ علم تام رکھتا ہے اور اپنے علم میں سے تھوڑا سا انسان کو دیتا ہے سارا علم نہیں دیتا۔ اسی طرح وہ علم غیب پر کامل طور پر حاوی ہے اور اس علم غیب میں سے کچھ حصہ انسان پر ظاہر کرتا ہے کامل طور پر اسے غیب پر اطلاع نہیں دیتا اسی لیے جب رسولوں پر کچھ پیشگوئیوں کا اظہار فرماتا ہے تو ایک حصہ منکشف کرتا ہے ایک مخفی رکھتا ہے یہ عین اس کی صفات کے تقاضا کے مطابق ہے اور آگے اِلَّا من ارتضٰی من رسول میں اِلَّا استثنائے منقطع ہے یعنی رسولوں کو جس قدر علم چاہتا ہے دیتا ہے سارا انھیں بھی نہیں دیتا۔ بلحاظ سیاق سوائے اس معنی کے اور کوئی معنی درست نہیں۔ رہا یہ سوال کہ سوائے رسولوں کے بھی کوئی غیب کی بات کسی پر ظاہر کرتا ہے یا نہیں سو یہ قرآن کریم کے دوسرے مقامات سے ظاہر ہے جیسے لہم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا یا حدیث سے جہاں فرمایا رجال یکلمون عن غیر ان یکونوا انبیاء۔ یا لم یبق من النبوۃ الا المبشرات اور اگر اظہار علی الغیب سے کثرت انکشاف مراد لے لیا جائے تو لفظ رسول میں رسول کے کامل متبعین بھی داخل ہو سکتے ہیں جن کو باتباع رسول اس نعمت سے کچھ حصہ ملتا ہے مگر نہ اس قدر جیسا کہ متبوع کو اس صورت میں بھی یہ آیت تو صرف رسولوں کے متعلق ہو گی لیکن ضمنی طور پر اس میں رسولوں کے کامل متبعین بھی داخل ہو جائیں گے۔

نمبر۳- مراد ہے لیعلم المشرکون کہ تا مشرک جان لیں کہ رسولوں نے اپنے رب کے پیغام کو پہنچا دیا اور احاط بما لدیہم بھی مخالفین کے متعلق ہی ہو سکتا ہے اور رسول کے آگے پیچھے پہرہ لگانے سے مراد صرف یہ ہے کہ رسول کی اللہ تعالیٰ حفاظت کرتا ہے اور کوئی اسے ہلاک نہیں کر سکتا یہاں تک کہ آخر کار مخالفوں کو بھی یہ پتہ لگ جاتا ہے کہ اس کی حفاظت کرنے والا خدا ہے اور کہ اس نے اپنے پیغام کو پہنچا دیا۔

اٰیاتها ۲۰ (۷۳) سُوْرَةُ الْمُزَّمِّلِ مَكِّيَّةٌ ۱ رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝	اللہ تعالیٰ انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔
يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝۱	اے کپڑا اوڑھنے والے ۲
قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۲	رات کو قیام کر سوائے تھوڑے (حصے) کے۔
نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۝۳	(یعنی) اس کا آدھا یا اس سے کچھ کم کر۔
اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝۴	یا اس پر بڑھالے، اور قرآن کو ٹھیر ٹھیر کر پڑھ۔
اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ۝۵	ہم تجھ پر ایک بھاری بوجھ ڈالیں گے ۳
اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْـًٔا وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ۝۶	بیشک رات کا اٹھنا (نفس کو) زیادہ روندنے والا اور بات کو زیادہ درست رکھنے والا ہے ۴

نمبر۱۔ اس سورت کا نام المزمل ہے اور اس میں دو رکوع اور بیس آیتیں ہیں۔ اور مزمل کے معنی ہیں لباس اوڑھنے والا اور اشارہ نماز کی تیاری کی طرف ہے اور اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ بلحاظ قیام و بلحاظ حضور قلب رات کی نماز یعنی نماز تہجد بہترین نماز ہے اور اس سے انسان میں قوتِ عملی پیدا ہوتی ہے اور اس کے قول میں تاثیر پیدا ہوتی ہے گویا نماز انسان میں اعلیٰ درجہ کا حسن روحانی پیدا کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ حدیث میں نماز کو مومن کا معراج کہا گیا ہے اور اس میں اشارہ یہ ہے کہ تعلق باللہ سے ہی جس کے لیے نماز ایک ذریعہ ہے انسان کا قدم ترقی کی طرف اٹھتا ہے۔ اس سورت کے زمانہ نزول کے متعلق کہا گیا ہے کہ اقرأ کے بعد سورۂ مدثر نازل ہوئی اور اس کے بعد مزمل۔ گو یہ ترتیب صحیح نہ ہو لیکن اس میں شک نہیں کہ سورۂ مزمل ابتدائی مکی زمانہ کی نازل شدہ ہے۔

نمبر۲۔ مزمّل، اصل میں متزمّل ہے یعنی اپنے آپ کو کپڑوں میں لپیٹ لینے والا اور قتادہ کے نزدیک تیاری نماز کے لیے اپنے آپ کو کپڑوں میں لپیٹ لینے والا مراد ہے اور عکرمہ کے نزدیک امر نبوت و رسالت کا تزمّل مراد ہے۔

نمبر۳۔ قول ثقیل سے مراد یہاں وحی ہے جو رسول اللہ پر اتاری گئی اور اسے ثقیل اس کے عظیم الشان مرتبہ کی وجہ سے اور اس کی عظیم الشان جلالت کی وجہ سے کہا ہے اور وہ جب آتی تھی تو رسول اللہ صلعم کی حالت متغیر ہو جاتی تھی یہاں تک کہ ایک حدیث میں زید بن ثابتؓ کے متعلق ہے کہ انھوں نے کہا قریب تھا کہ میری ران کچل جائے جس کے اوپر نشست میں رسول اللہ صلعم کی ران تھی اور اس حالت میں نزول وحی شروع ہوا اور ایک روایت میں ہے کہ اونٹنی پر آپ سوار ہوتے تو اونٹنی بوجھ سے ٹھہر جاتی اور آیت میں ہے کہ سخت ترین سردی کے دن میں آپ کی پیشانی پر پسینہ چل پڑتا۔ یہ واقعات بتاتے ہیں کہ نزول وحی کی خاص کیفیت تھی اور یہ کوئی فرضی بات نہ تھی۔

نمبر۴۔ مطلب یہ ہے کہ رات کو عبادت کے لیے اٹھنا قیام کی غرض کو زیادہ عمدگی سے پورا کرنے والا ہے اور قول میں درست تر ہونے سے یہ مراد ہے کہ اس میں حضور قلب بھی ہوتا ہے یا مراد یہ ہے کہ شب بیداری سے انسان میں قوت عمل بھی مضبوط ہوتی ہے اور اس کی بات بھی زیادہ مؤثر ہوتی ہے اور یہی وہ چیزیں ہیں جن کی ضرورت اصلاح خلق کے لیے ہے یعنی انسان کے اندر خود قوت عمل کا ہونا اور اس کی بات کا مؤثر ہونا اور یہ دونوں صفات نماز تہجد سے پیدا ہوتی ہیں اس لیے جب پہلی آیت میں فرمایا کہ ہم تیری طرف عظیم الشان وحی بھیج رہے ہیں جس کی غرض اصلاح عالم ہے۔ تو اب اس غرض کو پورا کرنے کے

اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا ۟ﶠ ⑦	دن کو تیرے لیے لمبا شغل ہے۔
وَ اذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ وَ تَبَتَّلۡ اِلَیۡهِ	اور اپنے رب کے نام کی بڑائی کر اور (سب سے) الگ ہو کر اس کی
تَبۡتِیۡلًا ؕ ⑧	طرف متوجہ ہو جا۔
رَبُّ الۡمَشۡرِقِ وَ الۡمَغۡرِبِ لَاۤ اِلٰهَ	مشرق اور مغرب کا رب ہے اس کے سوائے کوئی معبود نہیں
اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذۡهُ وَكِیۡلًا ⑨	سو اُسے کارساز بنا۔
وَ اصۡبِرۡ عَلٰی مَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ اهۡجُرۡهُمۡ	اور اس پر صبر کر جو یہ کہتے ہیں اور خوبی سے کنارہ کشی کرتا ہوا
هَجۡرًا جَمِیۡلًا ⑩	انھیں چھوڑ دے۔
وَ ذَرۡنِیۡ وَ الۡمُكَذِّبِیۡنَ اُولِی النَّعۡمَةِ	اور مجھے چھوڑ دے اور صاحبِ دولت جھٹلانے والوں کو اور
وَ مَهِّلۡهُمۡ قَلِیۡلًا ⑪	انھیں تھوڑی سی مہلت دے ۔[۱]
اِنَّ لَدَیۡنَاۤ اَنۡكَالًا وَّ جَحِیۡمًا ۙ⑫	ہمارے پاس بیڑیاں اور جلتی ہوئی آگ ہے۔
وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّ عَذَابًا اَلِیۡمًا ۟ۗ⑬	اور گلا گھونٹ دینے والا کھانا اور دردناک عذاب ہے۔
یَوۡمَ تَرۡجُفُ الۡاَرۡضُ وَ الۡجِبَالُ وَ	جس دن زمین اور پہاڑ کانپ اٹھیں گے اور پہاڑ پراگندہ
كَانَتِ الۡجِبَالُ كَثِیۡبًا مَّهِیۡلًا ⑭	ریت کا تودہ ہو جائیں گے۔
اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلَیۡكُمۡ رَسُوۡلًا ۬ۙ شَاهِدًا	ہم نے تمھاری طرف رسول بھیجا ہے (جو) تم پر گواہ ہے،
عَلَیۡكُمۡ كَمَاۤ اَرۡسَلۡنَاۤ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ رَسُوۡلًا ؕ⑮	جس طرح ہم نے فرعون کی طرف رسول بھیجا ۔[۲]
فَعَصٰی فِرۡعَوۡنُ الرَّسُوۡلَ فَاَخَذۡنٰهُ	تو فرعون نے رسول کی نافرمانی کی، سو ہم نے اُسے
اَخۡذًا وَّبِیۡلًا ⑯	سخت وبال میں پکڑا۔
فَكَیۡفَ تَتَّقُوۡنَ اِنۡ كَفَرۡتُمۡ یَوۡمًا	سو اگر تم انکار کرو تو اس دن سے کس طرح بچو گے، جو بچوں

لیے یہ طریق بتایا اور اس سے اگلی آیت میں بتایا کہ دن کے وقت وعظ و نصیحت اور لوگوں کی تعلیم کا شغل بھی ہے اس لیے اپنی قوت عمل اور تاثیر کو بڑھانے کے لیے رات کا وقت ہے جو شخص تہجد کو اپنی عادت کر لیتا ہے اس میں یہ خوبیاں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔

نمبر۱۔ اُن کو چھوڑنے سے مراد ہی ان کی ایذاؤں پر صبر کرنا ہے اور ذرنی والمکذبین یعنی میں اُن کی سزا دہی کے لیے کافی ہوں۔

نمبر۲۔ سورۂ مزمل کا نزول نہایت ابتدائی زمانہ کا ہے۔ اس وقت بھی کس صراحت سے آنحضرت صلعم کو مثیلِ موسیٰ کی پیشگوئی کا مصداق ٹھہرایا ہے۔ دیکھو استثناء ۱۸: ۱۸ "میں ان کے لیے اُن کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کرونگا" دنیا کی تاریخ میں محمد رسول اللہ صلعم کے سوائے کسی نبی نے موسیٰ جیسا نبی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔

يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبًا ﴿١٧﴾ — کو بوڑھا کر دے گا۔

السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ۭ كَانَ وَعْدُهٗ — آسمان اس سے پھٹ پڑنے والا ہے اس کا وعدہ

مَفْعُوْلًا ﴿١٨﴾ — پورا ہو کر رہے گا ۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ — یہ ایک نصیحت ہے، سو جو کوئی چاہے اپنے رب کی طرف

اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ﴿١٩﴾ ع — رستہ اختیار کرے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى — تیرا رب جانتا ہے کہ تو دو تہائی رات کے قریب

مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ — قیام کرتا ہے اور (کبھی) اس کا نصف اور (کبھی) اس کی تہائی اور

وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ۭ وَاللّٰهُ — ان میں سے بھی ایک گروہ جو تیرے ساتھ ہیں ۲ـ اور اللہ تعالیٰ

يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ۭ عَلِمَ اَنْ لَّنْ — رات اور دن کا اندازہ کرتا ہے وہ جانتا ہے کہ تم اس کی

تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا — حفاظت نہ کر سکو گے، سو وہ تم پر رجوع (برحمت) کرتا ہے

مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ۭ عَلِمَ اَنْ — سو قرآن سے جو بآسانی پڑھ سکتے ہو پڑھو، وہ جانتا ہے کہ

سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَ اٰخَرُوْنَ — تم میں سے بیمار ہوں گے اور اور جو زمین میں

يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ — سفر کریں گے اللہ (تعالیٰ) کے فضل کو تلاش

فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ — کرتے ہوں گے اور اور جو اللہ (تعالیٰ) کی راہ میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ ڮ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ — جنگ کریں گے۔ سو پڑھو جو اس سے بآسانی پڑھ

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ — سکو اور نماز کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ اور

وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ۭ وَ مَا — اللہ (تعالیٰ) کے لیے اچھے عمل کرو۔ اور جو کچھ

نمبر۱- فرعون بوجہ انکار موسٰی اسی دنیا میں پکڑا گیا اس لیے مثیل موسٰی کا ذکر کر کے فرعون کے مثیلوں کو خطاب کیا کہ تم ایسے ہی گرفت کے دن سے کس طرح بچ سکتے ہو اور بچوں کو بوڑھا کرنے والا دن بوجہ اپنے اہوال کے ہے۔ کیونکہ وہ کفار کی ذلت کا دن ہے قیامت کے دن میں بچے بوڑھے نہ ہوں گے وہ ایک ہی حالت پر رہیں گے۔ اور فرعون کی گرفت دنیا کا ذکر صاف قرینہ ہے کہ یہاں بھی اس دنیا میں گرفت ہی مراد ہے اور السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌ بِهٖ۔ آسمان کے اس پھٹ پڑنے سے مراد اس کا ظاہر ہونا ہے۔

نمبر۲- حضرت عائشہؓ سے ایک روایت ہے کہ اس سورت کے پہلے اور آخری حصہ نزول میں بارہ مہینے کا وقفہ تھا اور اس آخری حصہ میں بتایا کہ قیام لیل کا حکم وجوب کے طور پر ہے اور حسب استطاعت ہے مگر سب مسلمانوں کو ہے۔ بیماری، سفر، جہاد کو بطور عذر بیان کیا اور فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ میں بتایا کہ جس قدر انسان سہولت سے رات کو اٹھ سکے اور تجدوہ عند اللہ ھو خیراً و اعظم اجرا میں خیراً و اعظم اجرا مفعول ہے اور ھو کی ضمیر فصل کے لیے ہے۔

تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ | تم اپنی جانوں کے لیے نیکی سے آگے بھیجو گے، اسے اللہ تعالیٰ
عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا ؕ | کے پاس پاؤ گے بہتر اور اجر میں بڑھ کر اور
ع وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۰﴾ | اللہ تعالیٰ کی حفاظت چاہو، اللہ تعالیٰ حفاظت کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

(۷۴) سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ
ایاتہا ۵۶ — رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ | اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿۱﴾ | اے چادر اوڑھنے والے ۲۔

قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿۲﴾ | اُٹھ اور ڈرا۔

وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ﴿۳﴾ | اور اپنے رب کی بڑائی کر۔

وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ﴿۴﴾ | اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھ ۳۔

وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿۵﴾ | اور ناپاکی سے دُور رہ ۴۔

نمبر۱۔ اس سورت کا نام المدثر ہے اور اس میں دو رکوع اور چھپن آیتیں ہیں اور کپڑا اوڑھنے والے نبی کریم صلعم ہیں جیسے پچھلی سورت میں اور اس میں آپ کو انذار کے لیے مامور کیا ہے اور اعدائے حق کو حق کی مخالفت سے ڈرایا ہے۔ پچھلی سورت میں نماز کے ذریعے تکمیل نفس کا ذکر ہے اور تکمیل نفس کے بعد گویا اب بتایا ہے کہ اوروں کی تکمیل کرو۔

زمانہ نزول اس سورت کا یقینی طور پر ابتدائی ہے بلکہ بعد فترت یہ پہلی سورت ہے۔ فترت کے زمانہ سے مراد وہ زمانہ ہے جس میں پہلی وحی اقرأ نازل ہو کر پھر وحی کا آنا کچھ عرصہ کے لیے رک گیا۔ غالباً یہ عرصہ کوئی چھ ماہ کے قریب تھا اور اس فترت میں یہ حکمت معلوم ہوتی ہے کہ وحی کی عظمت اور جلال کی برداشت کی قوت نبی کریم صلعم میں پیدا ہو اور بتدریج اس پُر عظمت اور پُر جلال نظارے سے آپ کی طبیعت مانوس ہو۔

نمبر۲۔ مدثر اصل میں متدثر ہے یعنی سونے کے وقت کپڑا اوپر لے لینے والا اور اس کے معنی بعض نے کیے ہیں سونے کے لیے کپڑا اوڑھنے والا اور بعض نے نبوت اور اس کی ذمہ داریوں کے لباس کو اوڑھنے والا۔ مدثر کا خطاب بلحاظ حالات ظاہری بھی صحیح ہے جیسا کہ حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے جب دوبارہ جبرئیلؑ کو دیکھا (پہلی بار غار حرا میں دیکھا تھا) تو آپ اس کے رعب سے سخت خائف ہوئے اور گھر آئے اور خدیجہؓ سے کہا کہ مجھے کپڑا اوڑھا دو۔ اور مطلب اس سے یہ ہے کہ آپ مرعوب ہو کر کپڑا کیوں اوڑھتے ہیں۔ اٹھو اور مخلوق خدا کو بدی کے بدنتائج سے ڈراؤ اور دوسرے معنی بھی صحیح ہیں یعنی آپ کو جو لباس نبوت اور کمالات نفسی کا لباس اوڑھایا گیا ہے تو اب اُٹھو اور اپنے کام میں لگ جاؤ اور دوسروں میں بھی یہ کمالات پیدا کرو۔

نمبر۳۔ ثیاب۔ ثوب کی جمع ہے جس کے معنی کپڑا ہیں اور یہاں ثیاب سے مراد لباس بھی ہو سکتا ہے اور نفس سے کنایہ بھی ہو سکتا ہے تطہیر ثیاب کے معنی ابن عباسؓ اور عکرمہؓ سے مروی ہیں کہ اللہ کی معصیت پر لباس مت اوڑھ اور ابن عباسؓ وغیرہ سے یہ معنی مروی ہیں کہ مراد ذنوب سے تطہیر ہے اور لکھا ہے کہ عرب مطہر الثیاب اس شخص کو کہتے تھے جو عہد کو وفا کرے اور اچھے عمل کرنے والے کو بھی طاہر الثیاب کہتے تھے اور مراد دونوں معنی ہیں۔ ظاہر کو پاک صاف رکھنا بھی اسی طرح ضروری ہے۔ جیسے باطن کو پاک و صاف رکھنا۔ اور ہر مسلمان کے لیے یہ دونوں حکم ہیں کہ اپنے ظاہر کو بھی پاک و صاف رکھے اور اپنے اعمال یعنی باطن کو بھی پاک و صاف رکھے۔

نمبر۴۔ پچھلی آیت میں اپنے ظاہر و باطن کو پاک رکھنے کا حکم ہے تو یہاں اس کا طریق بھی بتایا کہ ہر قسم کی ناپاکی سے دُور رہے ظاہری ہو یا عمل کی۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ﴿٦﴾	اور اس لیے احسان نہ کر کہ زیادہ ملے ۱؎
وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿٧﴾	اور اپنے رب کے لیے صبر کر۔
فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿٨﴾	پس جب بگل بجایا جائے گا۔
فَذَٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿٩﴾	تو اس دن وہ ایک مصیبت کا وقت ہوگا۔
عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ﴿١٠﴾	(یعنی) کافروں پر سہل نہیں ہوگا۔
ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ﴿١١﴾	مجھے چھوڑ دے اور اسے جسے میں نے اکیلا پیدا کیا ۲؎
وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَمْدُودًا ﴿١٢﴾	اور اُسے مال فراواں دیا۔
وَبَنِينَ شُهُودًا ﴿١٣﴾	اور بیٹے حاضر رہنے والے۔
وَمَهَّدْتُ لَهُ تَمْهِيدًا ﴿١٤﴾	اور اس کے لیے خوب سامان تیار کیا۔
ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ أَزِيدَ ﴿١٥﴾	پھر وہ آرزو رکھتا ہے کہ میں بڑھاؤں۔
كَلَّا ۖ إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا ﴿١٦﴾	ہرگز نہیں وہ ہماری آیتوں کا مخالف ہے۔
سَأُرْهِقُهُ صَعُودًا ﴿١٧﴾	میں اسے سخت مشقت میں مبتلا کردوں گا۔
إِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾	اس نے فکر کیا اور اندازہ کیا۔
فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾	پس ہلاک ہو کیسا اندازہ کیا۔
ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾	پھر ہلاک ہو کیسا اندازہ (کیا)
ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾	پھر دیکھا۔
ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢٢﴾	پھر تیوری چڑھائی اور مُنہ بنایا۔
ثُمَّ أَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢٣﴾	پھر پیٹھ پھیری اور تکبر کیا۔

نمبر۱۔ اس کے معنی اور کئی طرح پر بھی کیے گئے ہیں مثلاً یہ کہ جو احسان کرو اسے بڑا نہ سمجھو یا یہ کہ اپنی حسنات سے اللہ تعالیٰ پر احسان نہ رکھو مگر ظاہر معنی جو ترجمہ میں ہیں اس موقعہ پر موزوں ہیں اور احسان کرنے میں ایسے احسانات بھی داخل ہیں جو انسان مالی امداد کے طور پر یا حسن سلوک دوسرے سے کرتا ہے اور وہ احسان بھی جو آنحضرت صلعم دوسروں کو ہدایت پہنچا کر لوگوں پر کرتے تھے اور مطلب یہ ہے کہ تم جو اس نعمت قرآن کو دوسروں تک پہنچاؤ تو اس لیے نہیں کہ تمہیں بڑا اجر ملے بلکہ اسے اپنا فرض منصبی سمجھ کر اور یہ معنی ابن زیدؒ نے اختیار کیے ہیں۔

نمبر۲۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیات ولید بن مغیرہ کے متعلق نازل ہوئیں اور اشارہ اس واقعہ کی طرف سمجھا گیا ہے جو کئی سال بعد کا ہے۔

فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾	پھر کہا، یہ کچھ نہیں مگر جادو ہے جو چلا آتا ہے ۔[۱]
اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾	یہ کچھ نہیں مگر انسان کی بنائی ہوئی بات ہے ۔
سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾	میں اسے دوزخ میں داخل کروں گا ۔
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ﴿۲۷﴾	اور تجھے کیا خبر ہے دوزخ کیا ہے ۔
لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ﴿۲۸﴾	وہ باقی نہیں رکھتی اور نہ چھوڑتی ہے ۔
لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ﴿۲۹﴾	چمڑے کو جھلس دینے والی ہے ۔
عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿۳۰﴾	اس پر انیس ۱۹ داروغے ہیں ۔
وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِكَةً	اور ہم نے آگ کے داروغے فرشتوں کو ہی بنایا ۔ اور
وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ	ہم نے اُن کی گنتی صرف اُن کی آزمائش کے لیے ٹھیرائی ہے جو
كَفَرُوْا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا	کافر ہیں[۲] ۔ تاکہ وہ لوگ یقین کریں ، جنھیں کتاب دی
الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِيْمَانًا	گئی ۔ اور جو ایمان لائے وہ ایمان میں بڑھیں اور
وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ	وہ جنھیں کتاب دی گئی اور مومن شک میں
وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ	نہ پڑیں اور تاکہ وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری
قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ	ہے ۔ اور کافر کہیں ، اللہ تعالیٰ نے اس مثال کے

نمبر۱- ولید بن مغیرہ کے متعلق روایت ہے کہ آنحضرت صلعم سورۂ حٰمٓ پڑھ رہے تھے اور وہ سُن رہا تھا جب اپنی قوم میں واپس گیا تو قرآن کریم کی صداقت کا اس پر اثر تھا ابوجہل کو یہ بات پہنچی تو اس نے دریافت کیا ۔ ولید نے کہا کہ شعر کو محمد سے زیادہ کوئی نہیں جانتا ، مگر یہ شعر نہیں اور ہم کاہنوں کو بھی خوب جانتے ہیں یہ کہانت نہیں اور یہ کذب بھی نہیں کیونکہ آپ نے کبھی جھوٹ بولا نہیں ۔ لیکن ابوجہل کے اصرار پر کہ کوئی ایسی بات کہے جس کی وجہ سے قریش آپ سے متنفر رہیں آخر کہا کہ یہ سحر ہے جو ایک شخص کو اس کے اہل وعیال سے الگ کر دیتا ہے ۔

نمبر۲- اصحاب النار سے مراد یہاں دوزخ کے داروغے ہیں اور ان کی گنتی انیس اوپر کی آیت میں بیان ہوئی ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہ انیس فرشتے ہوں یا انیس جماعتیں اور خاص اس گنتی کے متعلق فرمایا کہ یہ کافروں کے لیے آزمایش ہے اور آیت کے آخر میں ماذا اراد اللہ بھذا مثلاً کہہ کر اسے ایک مثال قرار دیا جس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور ممکن ہے کبھی اس کے متعلق کوئی ایسا انکشاف ہو جو مومنوں کے لیے ازدیاد ایمان کا موجب ہو جب ہم اس میں سیکڑوں باتیں علم غیب کی ایسی پاتے ہیں جن کا جاننا انسان کی طاقت میں نہیں اور ان کی صداقت آج اظہر من الشمس ہے تو دوزخ پر انیس فرشتوں کا ہونا کوئی اتنی بڑی بات نہیں جو کسی عقلمند کے لیے ٹھوکر کا موجب ہو سکے وما یعلم جنود ربک الا ھو بتاتا ہے کہ فرشتوں کی تو کوئی انتہا نہیں یہ انیس کسی خاص کام کے لحاظ سے ہیں ممکن ہے کہ انسان میں کوئی انیس قویٰ ایسے ہوں جن کے بے محل استعمال سے آگ پیدا ہوتی ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وما جعلنا عدتھم الا فتنۃ للذین کفروا صرف جملہ معترضہ کے طور پر ہو اور باقی مضمون دوزخ کے ذکر سے تعلق رکھتا ہو ۔

اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ﴿۳۱﴾	ساتھ کیا ارادہ کیا۔ اسی طرح اللہ جسے چاہتا ہے گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور تیرے رب کے لشکروں کو کوئی نہیں جانتا، مگر وہی اور یہ صرف انسان کے لیے نصیحت ہے۔
كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾	ہرگز نہیں چاند گواہ ہے۔
وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾	اور رات جب جانے لگے۔
وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾	اور صبح جب روشن ہو۔
اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾	وہ بھاری مصیبتوں میں سے ایک ہے ۱
نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾	انسان کے لیے ڈرانے والی۔
لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ﴿۳۷﴾	اس کے لیے جو تم میں سے چاہتا ہے کہ آگے بڑھے یا پیچھے رہے۔
كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ﴿۳۸﴾	ہر شخص اس کے بدلے جو اس نے کمایا گرفتار (بلا) ہوگا۔
اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ﴿۳۹﴾	سوائے دائیں ہاتھ والوں کے۔
فِيْ جَنّٰتٍ ۛ يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۴۰﴾	وہ بہشتوں میں ہوں گے، پوچھیں گے۔
عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۱﴾	مجرموں سے۔
مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ﴿۴۲﴾	تمہیں کیا چیز دوزخ میں لائی۔
قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ﴿۴۳﴾	کہیں گے ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے۔
وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ﴿۴۴﴾	اور نہ ہم مسکین کو کھانا کھلاتے تھے۔
وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ﴿۴۵﴾	اور ہم بیہودہ باتیں کرنے والوں کے ساتھ مل کر بیہودہ باتیں بنایا کرتے تھے۔

نمبر ۱ انّہا میں ضمیر سقر کی طرف ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اور بھی بڑی بڑی مصیبتیں ان کے لیے ہیں دوزخ بھی ان میں سے ایک ہے البتہ احدیٰ کے لفظ میں یہ اشارہ ہوگا کہ اس کی نظیر اور کوئی نہیں اور یہاں قمر کو بطور شہادت پیش کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح چاند پہلے چھوٹا سا ہوتا ہے اور بڑھتا چلا جاتا ہے یہی مثال حق کی ہے کہ وہ تدریجاً ترقی کرے گا اور رات کے دور ہونے اور صبح کے روشن ہونے میں بھی باطل کی تاریکی کے دور ہونے اور حق کی روشنی پھیلنے کی طرف اشارہ ہے اس لیے جواب قسم میں فرمایا کہ حق کی مخالفت کا نتیجہ احدی الکبر ہے۔

وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝٤٦	اور ہم جزا و سزا کے دن کو جھٹلاتے تھے۔
حَتّٰىٓ اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ۝٤٧	یہاں تک کہ ہمیں موت نے آلیا۔
فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ۝٤٨	سو انھیں سفارش کرنے والوں کی سفارش فائدہ نہ دے گی۔
فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ۝٤٩	تو انھیں کیا ہُوا کہ وہ نصیحت سے منہ پھیرنے والے ہیں۔
كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝٥٠	گویا کہ وہ بدکے ہوئے گدھے ہیں۔
فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝٥١	شیر سے بھاگ رہے ہیں ۱؎۔
بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ۝٥٢	بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے، کہ اُسے کھلے ہوئے صحیفے دیئے جائیں ۲؎۔
كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝٥٣	ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے۔
كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۝٥٤	ایسا نہیں یہ ایک نصیحت ہے۔
فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝٥٥	سو جو کوئی چاہے اسے یاد رکھے۔
وَ مَا يَذْكُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَ اَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ۝٥٦ ع	اور وہ یاد نہیں رکھتے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ اس کی شان ہے کہ اس کے احکام کی نگہداشت کی جائے اور اس کی شان ہے کہ وہ بخشے۔

اٰیاتھا ۴۰ (۷۵) سُوْرَةُ الْقِيٰمَةِ مَكِّيَّةٌ ۳ رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔
لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝١	نہیں، مَیں قیامت کے دن کی قسم کھاتا ہوں۔

نمبر۱۔ قسورۃ۔ قسر کے معنی غلبہ یا قہر ہیں اسی سے قسورۃ ہے جس کے معنی شیر ہیں اور تیر انداز اور شکاری بھی کیے گئے ہیں۔ حق سے ان کے بھاگنے کی وجہ سے انھیں جنگلی گدھوں سے تشبیہ دی ہے کیونکہ یہ حد درجہ کی حماقت تھی کہ سیدھی سیدھی باتوں سے اس طرح بھاگتے تھے۔

نمبر۲۔ یعنی ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ خود اسے کھلے ہوئے صحیفے ملیں یعنی رسول کی معرفت کتاب ملنے کی بجائے ہر ایک کو ایک لکھی لکھائی کتاب بھیجی جائے اور بعض وقت کفار آپ کو کہا کرتے تھے کہ ہم تو آپ کی پیروی کریں گے کہ لکھی لکھائی کتاب ہمارے پاس آئے جس کا سرنامہ یوں ہو کہ رب العالمین سے فلاں شخص کے نام۔ دوسری جگہ ہے حتیٰ تنزل علینا کتابا نقرؤہ (بنی اسرائیل-۹۳)

نمبر۳۔ اس سورت کا نام القیامۃ ہے اور اس میں دو رکوع اور چالیس آیتیں ہیں اس میں قیامت کا ذکر ہے اور قیامت پر قیامت کو بطور شہادت پیش کیا ہے یعنی اس قیامتِ روحانی کو جو بذریعہ نبی صلعم پیدا ہونے والی تھی۔ پچھلی سورت کے آخر میں فرمایا تھا کہ قرآن کریم ایک تذکرہ ہے جس میں یہی اشارہ تھا کہ اس

وَ لَآ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَةِ ؕ﴿۲﴾	اور نہیں، مَیں ملامت کرنے والے نفس کی قسم کھاتا ہوں ۱؎
اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَهٗ ؕ﴿۳﴾	کیا انسان خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیوں کو جمع نہیں کریں گے۔
بَلٰی قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ ﴿۴﴾	ہاں ہم اس بات پر قادر ہیں کہ اس کے (سارے) اعضا کو ٹھیک کریں ۲؎
بَلۡ یُرِیۡدُ الۡاِنۡسَانُ لِیَفۡجُرَ اَمَامَهٗ ﴿۵﴾	بلکہ انسان چاہتا ہے کہ آگے بدکاری کرتا چلا جائے۔
یَسۡـَٔلُ اَیَّانَ یَوۡمُ الۡقِیٰمَةِ ؕ﴿۶﴾	پوچھتا ہے قیامت کا دن کب ہے۔
فَاِذَا بَرِقَ الۡبَصَرُ ۙ﴿۷﴾	سو جب نظر خیرہ ہو جائے گی۔
وَ خَسَفَ الۡقَمَرُ ۙ﴿۸﴾	اور چاند تاریک ہو جائے گا۔
وَ جُمِعَ الشَّمۡسُ وَ الۡقَمَرُ ۙ﴿۹﴾	اور سورج اور چاند اکٹھے کر دیئے جائیں گے ۳؎
یَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ یَوۡمَئِذٍ اَیۡنَ الۡمَفَرُّ ﴿ۚ۱۰﴾	اس دن انسان کہیگا کہاں بھاگ کر جانا ہے۔
کَلَّا لَا وَزَرَ ﴿ؕ۱۱﴾	ہرگز نہیں کوئی جائے پناہ نہیں۔

سے ایک روحانی قیامت برپا ہوگی۔ اور اس صورت میں اس روحانی قیامت کو بطور شہادت قیامت کبریٰ پیش کیا ہے۔ یہ بھی ابتدائی مکی وحی ہے۔

نمبر۱۔ یہاں قیامت کے دن اور نفس لوامہ کو بطور شہادت پیش کیا ہے اور جواب قسم کا ذکر ایحسب الانسان ان لن نجمع عظامہ میں ہے یعنی بعث بعد الموت ضرور ہوگا بالفاظ دیگر قیامت کے وجود پر ایک تو خود قیامت کو ہی بطور شہادت پیش کیا ہے اور دوسرا نفس لوامہ کو۔ قیامت کے لیے قیامت کس طرح دلیل ہے ؛ قیامت کے معنی ہیں ایک ہی مرتبہ کھڑا ہو جانا۔ اب یہ زندگی جو بعد الموت ملے گی فی الحقیقت اعمال کا نتیجہ ہے اچھے عملوں والوں کی زندگی بہشتی ہوگی یعنی خوشی کی اور بُرے عملوں والوں کی زندگی جہنمی ہوگی یعنی دکھ کی۔ اس زندگی کا کھلے طور پر نمودار ہونا ہی قیامت ہے لیکن ایک باریک رنگ میں یہ زندگی یہیں پیدا ہو جاتی ہے۔ نیک اعمال کے نیک نتائج، بداعمال کے بدنتائج مخفی طور پر یہاں بھی ظاہر ہو جاتے ہیں گویا ایک چھوٹی قیامت یہاں بھی برپا ہو جاتی ہے اور یہ دونوں قیامتیں برپا کرنے والے نبی ہی ہوتے ہیں۔ یعنی کھلی قیامت کی خبر بھی انبیاء اللہ کے ذریعہ سے ملتی ہے اور روحانی قیامت کا احساس بھی وہی پیدا کرتے ہیں اور اسی احساس کا پیدا کر دینا درحقیقت اس کھلی قیامت کے وجود پر ایک بین شہادت ہے اور اسے نفس لوامہ سے مقرون کیا ہے کیونکہ نفس لوامہ ہی اس روحانی زندگی یا روحانی قیامت کے احساس کی ابتدائی حالت ہے یعنی ابتدا اس کی اس وقت سے ہوتی ہے جب انسان بدی کے بدنتائج کو محسوس کرنے لگے اور نفس اسے ہر ایسے امر پر ملامت کرنے لگے جو اس روحانی زندگی کے پیدا ہونے میں روک ہے۔

نمبر۲۔ ہڈیوں کے جمع کرنے سے یہ منشا تو ہو نہیں سکتا کہ ہڈیاں سب کہیں موجود ہوں گی ان کا جمع کرنا کوئی دشوار کام ہے ہڈی اصل میں وہ ہے جو انسان میں سب سے دیرپا شے ہے اور ہڈیوں کے جمع کرنے میں اشارہ انہیں چیزوں کے جمع کرنے کا ہے جو دیرپا ہیں یعنی نتائج اعمال قرآن کریم میں عموماً ہڈیوں کے اٹھانے کو ہی زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے اور نسوی بنانہ میں پہلی ساخت جسم انسانی کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے اور یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ دوسری پیدائش کے اعضا کو مکمل کرنے پر قادر ہیں۔

نمبر۳۔ خسف قمر سے مراد اگر گرہن لیا جائے تو جمع شمس و قمر سے سورج گرہن اور چاند گرہن کا اکٹھا واقع ہونا لیا جائیگا اور چونکہ چاند گرہن مہینہ کے وسط میں ہوتا ہے اور سورج گرہن آخر میں اس لیے مراد اس سے کسی خاص مہینہ میں دونوں کا اکٹھا ہونا ہوگا۔ جیسا کہ ایک روایت میں مہدی کے ظہور کی علامت رمضان میں کسوف و خسوف کا اجتماع ہے اور ایسا ایک اجتماع ۱۸۹۳ء میں ہو چکا ہے اور حضرت ابن مسعودؓ نے مراد دونوں کا طلوع مغرب سے لیا ہے اور اگر مراد اس سے محض چاند

إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ﴿١٢﴾ — تیرے رب کی طرف اس دن ٹھکانا ہے۔

يُنَبَّأُ الْإِنسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ
وَأَخَّرَ ﴿١٣﴾ — اس دن انسان کو اس کی خبر دی جائے گی جو اس نے آگے بھیجا اور جو پیچھے چھوڑا۔

بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴿١٤﴾ — بلکہ انسان اپنے نفس پر آپ دلیل ہے۔

وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ﴿١٥﴾ — اور گو وہ اپنے عذر پیش کرے [1]۔

لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ﴿١٦﴾ — اس کے ساتھ اپنی زبان کو مت ہلا تا کہ اسے جلدی لے لے [2]۔

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴿١٧﴾ — ہمارے ذمے اس کا جمع کرنا اور اس کا پڑھنا ہے۔

فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿١٨﴾ — پس جب ہم اس کو پڑھیں تو تو اس کے پڑھنے کی پیروی کر۔

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴿١٩﴾ — پھر ہمارے ذمے اس کا کھول کر بتانا ہے [3]۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ — ہرگز نہیں بلکہ تم دنیا سے محبت کرتے ہو۔

وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ﴿٢١﴾ — اور آخرت کو چھوڑتے ہو۔

وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ — (کچھ) مُنہ اس دن تروتازہ ہوں گے۔

کا تاریک ہونا لیا جائے تو سورج اور چاند کے اجتماع سے مراد دونوں کا تاریک ہونا لیا جائیگا اور چاند تب ہی تاریک ہوگا جب سورج تاریک ہو جائے۔ کیونکہ چاند کی روشنی سورج کی روشنی سے ہے اور دونوں کا تاریک ہو جانا گویا موجودہ نظام عالم کا درہم برہم ہو جانا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زمین مع چاند کے سورج میں جا ملے۔

نمبر۱- انسان کے اپنے نفس پر دلیل ہونے کے یہی معنی ہیں کہ اس دوسری زندگی کی شہادت تو خود اس کے اندر سے ملتی ہے جیسا کہ نفس لوامہ میں اشارہ تھا، مگر انسان طرح طرح کے عذر پیش کر کے اس احساس زندگی سے دُور ہوتا چلا جاتا ہے۔

نمبر۲- بخاری میں ہے کہ ابتدا میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تھی تو آپ اسے جلدی جلدی لینے کی کوشش کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اس سے روکا اور تسلی دی کہ اس کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔

نمبر۳- ان آیات میں قرآن کریم کے متعلق تین باتوں کا بیان ہے۔ اوّل قرآن کا جمع کرنا، دوم اس کا پڑھنا، سوم اس کا واضح کرنا۔ اور یہ تینوں الگ الگ باتیں ہیں اس کا پڑھنا تو بذریعہ وحی اس کا آنحضرت صلعم کو پہنچانا ہے۔ لیکن چونکہ جو حصہ نازل ہوتا تھا وہ بلحاظ ضروریات وقتی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نازل ہوتا تھا اس لیے اس کو ایک ترتیب میں لانا بھی ایک عظیم الشان کام تھا۔ اس کے متعلق فرمایا کہ اس کا جمع کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ترتیب قرآن کریم نہ آنحضرت صلعم نے اپنی رائے سے کی اور نہ کوئی اسے تبدیل کرنے کا مجاز ہے بلکہ یہ ترتیب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھی۔ تیسری بات جس کا یہاں دعویٰ کیا ہے یہ ہے کہ قرآن کریم کی تفسیر بھی اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے یعنی بعض مسائل میں جو عمل سے تعلق رکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے خود ہی ان مقامات کی وضاحت فرما دی ہے جس طرح جمع قرآن اللہ تعالیٰ کی وحی خفی سے آپ نے کیا اسی طرح بیان قرآن بھی اللہ تعالیٰ کی وحی خفی سے آپ نے کیا۔ پس نماز یا بعض دیگر امور کے متعلق جو کچھ آنحضرت صلعم نے فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم پا کر ہی بیان فرمایا اور یہ سب کچھ بیان قرآن ہے یہی حدیث ہے۔ اور ان لوگوں پر افسوس ہے جو خود تفسیر کرنے بیٹھ جاتے ہیں لیکن اگر یہ کہا جائے کہ نبی صلعم نے یوں اس حکم قرآنی کی وضاحت فرمائی ہے تو اسے قبول نہیں کرتے۔

اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿۲۳﴾	اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں گے۔
وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾	اور کچھ منہ اس دن بُرے بنے ہوئے ہوں گے۔
تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾	جان لیں گے کہ ان پر پیٹھ توڑنے والی مصیبت آنے والی ہے۔
كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿۲۶﴾	ہرگز نہیں جب (جان) گلے تک پہنچ جائے گی۔
وَقِيْلَ مَنْ ۜ رَاقٍ ﴿۲۷﴾	اور کہا جائے گا ، کون طبیب ہے۔
وَّظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾	اور یقین کرلے گا کہ یہ جدائی ہے۔
وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿۲۹﴾	اور ایک پنڈلی (دوسری) پنڈلی سے لپٹ جائے گی۔
ع اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ِۨالْمَسَاقُ ﴿۳۰﴾	تیرے رب کی طرف اس دن چلا جانا ہے ۱؎
فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾	تو نہ وہ تصدیق کرتا ہے اور نہ نماز پڑھتا ہے۔
وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾	لیکن جھٹلاتا ہے اور پھر جاتا ہے۔
ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰٓى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿۳۳﴾	پھر اپنے ساتھیوں کی طرف اتراتا ہوا چلا جاتا ہے۔
اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۴﴾	افسوس ہے تجھ پر اور افسوس !
ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿۳۵﴾	پھر افسوس ہے تجھ پر اور افسوس!
اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ﴿۳۶﴾	کیا انسان خیال کرتا ہے کہ مہمل ہی چھوڑ دیا جائے گا ۲؎
اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ﴿۳۷﴾	کیا وہ منی کا ایک نطفہ نہ تھا جو ڈالی جاتی ہے۔
ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۳۸﴾	پھر وہ ایک لوتھڑا تھا سو اسے پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا۔
فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿۳۹﴾	تب اس سے دو زوج بنائے مرد اور عورت۔
اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ	کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ مُردوں کو

نمبر۱۔ یہاں موت کا نقشہ کھینچا ہے کیونکہ یہ بھی ایک قیامت ہے من مات فقد قامت قیامتہٗ۔
نمبر۲۔ سدیٰ کے معنی مہمل ہیں یعنی ایسی حالت میں کہ نہ اسے کچھ کرنے کا حکم دیا جائے اور نہ کسی چیز سے رد کا جائے کیوں کہ بلا کچھ لازم کیے اور بلا کسی چیز سے روکے نہیں چھوڑا جاتا اس کی وجہ اگلی سورت میں بیان کی ہے۔

الْمَوْتٰی ﴿۴۰﴾ ع ۱۸ — زندہ کرے؟ ع۱

سُوْرَةُ الدَّهْرِ مَدَنِيَّةٌ ۲ (۷۶) — اٰیاتھا ۳۱ — رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
اللہ تعہبے انتہارحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ
الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْئًا مَّذْكُوْرًا ﴿۱﴾
یقیناً انسان پر زمانے کا ایک وقت آچکا ہے کہ وہ
کوئی چیز قابلِ ذکر شے نہ تھا۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ
اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا
بَصِیْرًا ﴿۲﴾
ہم نے اِنسان کو ملے ہوئے نطفہ سے پیدا کیا ہے
اسے ہم آزماتے ہیں، سو اسے ہم نے سُننے والا
دیکھنے والا بنایا ع۳

اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا
وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾
ہم نے اسے رستہ دکھایا ہے چاہے وہ شکرگزار رہے
اور چاہے ناشکرا۔

اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ سَلٰسِلَاۡ
وَ اَغْلٰلًا وَّ سَعِیْرًا ﴿۴﴾
ہم نے کافروں کے لیے زنجیریں اور طوق اور جلتی
ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ
نیک اس پیالے سے پیتے ہیں جس کی ملونی

نمبرا۔ یعنی جس نے عجیب درعجیب طریق سے یہ زندگی بنائی کیا وہ دوسری زندگی نہیں بنا سکتا۔ احادیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم جب یہ پڑھتے تو کہتے سبحانک اللھم دبلی۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام الانسان ہے اور الدہر بھی آیا ہے اور اس میں دو رکوع اور اکتیس آیتیں ہیں اور بلحاظ مضمون یہ نام الانسان نہایت ہی موزون ہے اس لیے کہ یہاں انسان کی روحانی ترقیات کا ذکر ہے اور بتلایا ہے کہ پہلا مرتبہ انسان کی روحانی ترقی کا یہ ہے کہ بدی کی طاقت کو دبائے اور دوسرا یہ کہ نیکی کی قوت اپنے اندر پیدا کرے اور تعلق بھی پچھلی سورت سے صاف ہے کیونکہ وہاں فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلعم کے ذریعہ سے دنیا میں ایک روحانی قیامت قائم ہوگی اور یہاں بتایا کہ اس روحانی زندگی کے دو مدارج ہیں۔ یہ سورت اس حصہ کی باقی سورتوں کی طرح ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

نمبر۳۔ ابتلاء یا آزمایش سے یہاں مراد اس کا ابتلا تکلیف سے ہے یعنی بعض احکام کے اس پر لازم کرنے سے۔ اور چونکہ انسان کو اس غرض کے لیے بنایا تھا اس لیے فرمایا کہ ہم نے اسے سمیع و بصیر بنایا پس اسے اختیار دیا گیا کہ وہ اپنے قویٰ کو جس موقعہ پر چاہے استعمال کرے اور جس موقعہ پر چاہے روکے بالفاظ دیگر وہ جذبات پر حکومت کرنے کا اہل ہے۔

كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝٥	کافور ہے ۱؎
عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۝٦	(وہ چشمہ ہے) جس سے اللہ تعالیٰ کے بندے پیتے ہیں، وہ اسے چیر کر بہا نکالتے ہیں۔
يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝٧	نذر کو پورا کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کی مصیبت پھیل جانے والی ہے۔
وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝٨	اور اس کی محبت کی وجہ سے مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ۲؎
اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝٩	ہم تمھیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کھانا کھلاتے ہیں، ہم نہ تم سے بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔
اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝١٠	ہم اپنے رب سے تنگی اور سختی کے دن کا خوف رکھتے ہیں۔
فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝١١	سو اللہ تعالیٰ نے انھیں اس دن کی مصیبت سے بچا لیا اور انھیں تازگی اور خوشی سے ملا دیا۔
وَجَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا ۝١٢	اور انھیں ان کے صبر کرنے کی وجہ سے باغ اور ریشم بدلہ میں دیا۔
مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا ۝١٣	اس میں تختوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے نہ اس میں دھوپ کی (حدت) دیکھیں گے اور نہ سخت سردی۔

نمبر۱۔ ابرار کے لیے یہاں جن باتوں کا ذکر آگے آتا ہے یوفون بالنذر۔ یطعمون الطعام۔ وہ سب اس دنیا میں ان کے کام ہیں۔ پس بظاہر قیاس اس بات کو چاہتا ہے کہ یشربون من کاس بھی اسی دنیا کے متعلق ہو اور آگے الفاظ یفجرونھا تفجیرا کہ اس چشمے کو وہ خود ہی بہا نکالتے ہیں اسی طرف اشارہ کرتے ہیں لیکن اگر اسے بہشت کا وعدہ بھی سمجھا جائے تو چونکہ ان تمام سورتوں میں اصل غرض یہی بتانا ہے کہ بہشت کی زندگی اس دنیا سے شروع ہوتی ہے۔ گو ان نعمتوں کا یہاں اور رنگ ہے اور بہشت میں اور رنگ ہوگا اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ کافوری پیالہ مومن کو یہاں بھی ملتا ہے اور کافور کے چونکہ اصل معنی ڈھانکنے والا ہیں اور کافور کی خاصیت بھی زہروں کو دبانا ہے اس لیے اس کافوری پیالے میں اشارہ روحانیت کی پہلی منزل کی طرف ہے جس میں بدی کی قوت کمزور ہو جاتی ہے اور دب جاتی ہے۔ اور پہلے اسے کاس کہہ کر پھر فرمایا عینا یشرب بھا عباد اللہ جہاں عینا کافور سے بدل ہے جس سے معلوم ہوا کہ کافوری پیالہ انسان کی جد و جہد سے آخر ایک چشمہ بہا نکالتا ہے اور اسی جد و جہد کی طرف یفجرونھا میں اشارہ ہے۔

نمبر۲۔ مسکین، یتیم، اسیر کوئی ہو مسلم کی شرط نہیں۔ آنحضرت صلعم خود بھی مشرکین پر خرچ کر دیتے تھے، صحابہ بھی۔ یہ وسعت اسلامی ہے ہاں مسلم بھائی اول حقدار ہے۔ اسلام کی تعلیم کا اصل الاصول ہی غربا اور مساکین کی خبر گیری کر کے انھیں اٹھانا ہے۔

وَ دَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ﴿۱۴﴾	اور اس کے سائے اُن پر جُھکے ہوئے ہوں گے اور اس کے پھل اُن کے لیے سہولت سے میسّر آنے والے بنائے گئے ہیں۔
وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَا۠ ﴿۱۵﴾	اور ان پر چاندی کے برتنوں کا دور چلایا جائے گا اور آبخوروں کا جو شیشہ کے ہیں۔
قَوَارِيْرَا۠ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾	شیشے بھی چاندی کے انھوں نے اسے اندازہ سے بنایا ہے ۱؎
وَ يُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿۱۷﴾	اور اس میں انھیں ایک پیالہ پلایا جائے گا، جس کی ملونی سونٹھ کی ہوگی۔
عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾	اس میں ایک چشمہ ہے جس کا نام سلسبیل ہے ۲؎
وَ يَطُوْفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُوْنَ	اور ان پر ہمیشہ ایک حالت پر رہنے والے لڑکے گھومیں گے۔
اِذَا رَاَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا ﴿۱۹﴾	جب تو انھیں دیکھے گا تو انھیں بکھرے ہوئے موتی سمجھے گا۔
وَ اِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّ مُلْكًا كَبِيْرًا ﴿۲۰﴾	جب تو ادھر دیکھے گا تو نعمتیں اور ایک بڑی بادشاہت دیکھے گا
عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّ اِسْتَبْرَقٌ ؗ وَّ حُلُّوْۤا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ ۚ وَ سَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ﴿۲۱﴾	ان کے اوپر سبز باریک ریشم اور موٹے ریشم کے کپڑے ہوں گے اور وہ چاندی کے کنگن پہنے ہوئے ہونگے اور ان کا رب انھیں پاک کرنے والی پینے کی چیز پلائے گا۔

قرء حفص بغیر الالف فی الوصل فیھما ووقف علی الاولی بالالف و علی الثانی بغیر الالف ۱۲

نمبر۱۔ یہاں ان برتنوں کو قواریر یعنی شیشے کے بھی کہا ہے اور ان کا چاندی سے ہونا بھی بیان کیا ہے گویا بلحاظ اپنی صفائی کے وہ شیشے کے ہیں اور بلحاظ بے داغ اور سفید ہونے کے چاندی کے، یا شیشے کا نقص جو ٹوٹ جانا ہے وہ ان میں موجود نہیں گویا وہ چاندی کے ہیں اور چاندی کا نقص جو شفاف نہ ہونا ہے وہ ان میں نہیں گویا شیشے کے ہیں اور اصل میں نعمائے بہشت کی کمال خوبی اور بے عیب اور خالی از نقص ہونے کا ذکر ان آیات میں ہے۔ دھوپ اور سردی دونوں کا وہاں نہ ہونا بھی اسی کمال کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اس دنیا کی زندگی میں بلحاظ اخلاق انسان کامل کا یہی نقشہ ہوتا ہے اس میں نہ حدت ہوتی ہے نہ سرد مہری وہ آئینہ کی طرح بے عیب بھی اور قدروھا تقدیرا میں یہ بتایا کہ انھوں نے خود ہی اس کا اندازہ کیا ہے جس میں ان کے اخلاق اور اعمال حسنہ کی طرف اشارہ ہے۔

نمبر۲۔ بہشت میں کیا نعمتیں ہونگی، ان سب کا ذکر بالتفصیل تو کہیں نہیں آیا جن چند چیزوں کا ذکر کیا ہے وہ کسی خاص غرض کے لیے ہے۔ پہلے ایک کاس کا ذکر کیا تھا جس کی ملونی کافور ہے یہاں ایک کاس کا ذکر ہے جس کی ملونی سونٹھ ہے وہاں اس قوت کی طرف اشارہ تھا جو بدیوں کو دباتی ہے یہاں اس قوت کی طرف اشارہ ہے جو عمل کی طاقت پیدا کرتی ہے کیونکہ زنجبیل (سونٹھ) کا خاصہ یہی ہے کہ وہ قوت دیتی ہے گویا دوسرے روحانی مرتبہ کی طرف لطیف اشارہ کیا ہے۔ کہ جب بدی کی قوت دب جاتی ہے تب نیکی کی قوت میں زبردست تحریک پیدا ہوتی ہے اور درحقیقت روحانی ترقی کے یہ دو ہی مدارج ہیں اوّل بدی کا دبانا دوسرا نیکیوں اور طاعات میں ترقی کرنا۔ ان دونوں کاموں میں ان ہی دو حالتوں کی طرف اشارہ ہے۔

إِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۲۲﴾ ع ۱۹

یہ تمھارے لیے بدلہ ہے اور تمھاری کوشش کی قدر ہوئی۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ﴿۲۳﴾

ہم نے تجھ پر قرآن کو تھوڑا تھوڑا کرکے اتارا ہے۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ﴿۲۴﴾

سو اپنے رب کے حکم کے لیے صبر کر اور ان میں سے کسی گنہگار یا ناشکرے کی اطاعت نہ کر۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ﴿۲۵﴾

اور اپنے رب کا نام صبح اور شام یاد کر۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ﴿۲۶﴾

اور رات کے کچھ حصے میں اس کے آگے سجدہ کر اور لمبی رات اس کی تسبیح کر۔

إِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ﴿۲۷﴾

یہ لوگ جلد ملنے والے نفع سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے آگے ایک بھاری دن کو چھوڑتے ہیں۔

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَشَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَاِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ﴿۲۸﴾

ہم نے انھیں پیدا کیا اور ان کی بناوٹ کو مضبوط بنایا اور جب ہم چاہیں گے تو ان کی مثل بدل کر اور لے آئیں گے۔

إِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ

یہ نصیحت ہے، سو جو کوئی چاہے ۱ اپنے رب کی

نمبر۱۔ سورۂ مدثر کے آخر پر تھا فمن شاء ذکرہ وما یذکرون الا ان یشاء اللہ اور یہاں پر ہے فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ۔ دونوں جگہ پر پہلے تو یہ فرمایا کہ جو چاہے وہ اللہ کا رستہ اختیار کرے اور پھر فرمایا کہ انسان نہیں چاہتا جب تک کہ اللہ نہ چاہے اور اسی سورت کی ابتدا میں فرمایا تھا کہ رستہ ہم نے دکھا دیا ہے اب جو چاہے رستہ اختیار کرے جو چاہے انکار کرے اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ چاہے خدا کی طرف آئے چاہے اس کی طرف سے پھر رہے۔ لیکن انسان کا یہ اختیار پھر کسی حدبندی کے ماتحت ہے اور وہ حدبندی اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے اور یہ واقعات کے بالکل مطابق ہے۔ مثلاً انسان کو اختیار دیا گیا ہے کہ چاہے تو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین سے فائدہ اٹھا کر اپنے لیے معاش کی صورت پیدا کرے اور چاہے نہ کرے۔ اس عام قاعدہ سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن پھر بھی یہ انسان کا اختیار کئی طرح پر محدود ہے اور سچ یہی ہے کہ انسان کا علم، اس کا ارادہ۔ اس کی طاقت سب ایک حدبندی کے ماتحت ہیں۔ نہ اس کا علم غیر محدود طریق پر کام کرتا ہے نہ اس کی طاقت اور نہ اس کا ارادہ۔ دوسرے انسان کی مشیت جہاں تک وحی الٰہی کا سوال ہے یوں بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ماتحت ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ وحی نہ بھیجتا۔ تو پھر انسان وہ رستہ ہی اختیار نہ کر سکتا تھا پہلے مشیت الٰہی ہوئی کہ وحی بھیجے تو پھر انسان کے اختیار کا سوال آیا کہ اس وحی پر چلے یا نہ چلے ماتشاؤن الا ان یشاء اللہ یوں بھی سچ ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت فی الحقیقت بعض افعال پر بعض نتائج مترتب کرتی ہے وہ حق ہے اس کی ہر بات حکمت اور مصلحت کے ماتحت ہے گو انسان کو معلوم نہ ہو یغفر من یشاء ویعذب من یشاء میں مشیت اسی قانون کے رنگ میں کام کرتی ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں بکثرت ہے کہ اعمالِ صالحہ کا نتیجہ مغفرت ہے اور اعمال بد کا نتیجہ عذاب۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ جو ہماری نظر میں ایک وقت عمل صالح ہے وہ کسی باریک اور

اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۲۹	طرف رستہ اختیار کرے۔
وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ	اور تم نہیں چاہتے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔
اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۳۰	اللہ تعالیٰ جاننے والا حکمت والا ہے۔
يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ	وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کرتا ہے اور ظالموں
ع وَ الظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۳۱	کے لیے اس نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

آیاتہا ۵۰ سُوْرَةُ الْمُرْسَلٰتِ مَكِّيَّةٌ (۷۷) رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔
وَ الْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۱	گواہ ہیں نیکی پھیلانے کے لیے بھیجی ہوئی۔
فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۲	پھر خس و خاشاک کو اڑا دینے والی (جماعتیں)
وَّ النّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۳	اور دور دور پھیلا دینے والی۔
فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۴	پھر الگ کر دینے والی۔
فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۵	پھر نصیحت کو پیش کرنے والی (جماعتیں)، ۲

ہماری نظروں سے مخفی وجہ کے سبب سے، خدا کی نظر میں عمل بد ہو جیسے ریاکاری کے اعمال یا جیسے وہ اعمال جن میں کبر مل جائے اسی طرح ایک شخص جب ذکر کی طرف کان نہیں دھرتا تو مشیت الٰہی کا یہ تقاضا ہے کہ اس کو ذکر و عبادت سے محروم کر دے۔

نمبر۱۔ اس سورت کا نام المرسلٰت ہے اور اس میں دو رکوع اور پچاس آیتیں ہیں۔ مرسلات سے مراد رسولوں کی جماعتیں ہیں اور اس سورت میں بتایا ہے کہ رسولوں کی تکذیب کا ثمر کیا ملتا ہے۔ پچھلی سورت میں انسان کی ان ترقیات روحانی کا ذکر تھا جو رسول کے نفخ روح سے پیدا ہوتی ہیں اور اس میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو اس نئی زندگی کو قبول نہیں کرتے بلکہ تکذیب رسل سے حق کا نام بھی مٹانا چاہتے ہیں۔

یہ سورت مکی اور ابتدائی زمانہ کی ہے۔

نمبر۲۔ مرسلات کے بارے میں تین قول ہیں۔ یعنی ہوائیں یا فرشتے یا رسول۔ عاصفات کے بارے میں ایک ہی قول ہے یعنی ہوائیں۔ ناشرات کے بارے میں تین قول ہیں۔ ہوائیں، بارش، فرشتے۔ فارقات کے بارے میں دو قول ہیں، فرشتے، قرآن کریم۔ ملقیات سے مراد فرشتے لیے گئے ہیں۔ اور جواب قسم ہے کہ جو وعدہ دیا جاتا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ پس مراد ایسی جماعتیں ہو سکتی ہیں جو وعدہ الٰہی کے وقوع پر بطور گواہ ہوں۔ ہوائیں یا بارش بھی ایک باریک رنگ میں یہ دلالت کرتی ہیں لیکن جیسا کہ آگے بالتصریح مذکور ہے الم نهلك الاولين یعنی پہلوں کی ہلاکت کا ذکر ہے اور پھر یوم الفصل کا ذکر ہے وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ کو دہرایا ہے تو یہ تمام باتیں ایک قطعی شہادت ہیں کہ والمرسلٰت میں مراد رسولوں کی جماعتیں ہیں یعنی جس قدر رسول گذر چکے ان سب کی زندگیاں اس بات پر شاہد ہیں کہ مکذب ہلاک کیے جاتے ہیں اور رسول ہی مرسلٰت عرفا ہوتے ہیں جو معروف کو لیکر آتے ہیں اور معروف کو دنیا میں پھیلاتے ہیں اور دوسری صفت ان کی یہ بیان کی ہے کہ وہ عصف کو یعنی وہ چھلکا یا پتے وغیرہ جو چورا ہو جاتے ہیں جنھیں بالفاظ دیگر خس و خاشاک کہنا چاہیئے اس کو اڑا دیتے ہیں۔ کیونکہ جب حق آتا ہے تو باطل چلا جاتا ہے اور

عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝٦	عذر کے لیے یا ڈرانے کو ۔ ١
اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝٧	جو تمھیں وعدہ دیا جاتا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گا۔
فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝٨	پس جب تاروں کی روشنی جاتی رہے۔
وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝٩	اور جب آسمان پھٹ جائے۔
وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝١٠	اور جب پہاڑ اُڑا دیے جائیں۔
وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝١١	اور جب رسولوں کا وقت مقرر آجائے ۔ ٢
لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝١٢	کس دن کے لیے دیر کی جاتی ہے۔
لِیَوْمِ الْفَصْلِ ۝١٣	فیصلے کے دن کے لیے۔
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ ۝١٤	اور تجھے کیا معلوم ہے فیصلے کا دن کیسا ہے۔
وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ۝١٥	اس دن جھٹلانے والوں کے لیے افسوس ہے۔
اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِیْنَ ۝١٦	کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں کیا۔
ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِیْنَ ۝١٧	پھر ہم پچھلوں کو اُن کے پیچھے بھیجیں گے ۔ ٣

اس میں اشارہ ان لوگوں کی ہلاکت کی طرف بھی ہے جو زندگی سے محروم یعنی مُردہ اور اخلاق کے لحاظ سے خس وخاشاک کے حکم میں ہوتے ہیں اور باطل کو بھی خس و خاشاک سے مثال دی جاتی ہے۔ پس یہ دونوں رسولوں کی صفات ہیں اور اس کے بعد بجائے فا کے واؤ سے شروع کیا یعنی والنا شرات نشرا تو یہ گویا اور قسم کی جماعتیں ہیں جو رسولوں کے ساتھ مل کر حق کو دُور دُور پہنچا دیتی ہیں اور ان ناشرات یعنی حق کو پھیلانے والی جماعتوں کی دو صفات بیان کیں۔ ایک یہ کہ وہ فارقات ہیں یعنی اپنے اعمال کے لحاظ سے حق و باطل میں فرق کرنے والی ہوتی ہیں اور ان کی زندگیاں حق و باطل میں فرق کا ایک نمونہ بن جاتی ہیں۔ اور دوسرے یہ کہ وہ ذکر کو لوگوں کے سامنے پیش کرتی ہیں یعنی ان کا کام بھی یہی ہوتا ہے کہ جو بات رسولوں پر نازل ہوتی اسے دوسرے لوگوں تک پہنچا دیں گویا ان پانچ آیتوں میں رسولوں اور ان کے ساتھیوں کی زندگیوں کو بطور شہادت پیش کیا ہے۔ اور ساتھ ہی گویا رسول کریم صلعم اور آپ کے صحابہ کی زندگیوں کی طرف توجہ دلاتی ہے کہ یہ وہی کام کر رہے ہیں جو رسول اور ان کے ساتھی دنیا میں کیا کرتے تھے۔

نمبر ١۔ عذر کا لفظ اس موقعہ پر بھی بولا جاتا ہے جب انسان یہ اقرار کرے کہ میں آیندہ گناہ نہیں کرونگا یعنی توبہ کے محل پر اور عذرت خلانًا کے معنے میں یا سے گناہ کی نجاست سے پاک کیا۔ دیکھو مفردات راغب اور عذر حق قبول کرنے والوں کے لیے ہے اور ڈرانا اس کی مخالفت کرنے والوں کے لیے۔

نمبر ٢ یہ چاروں باتیں اس وعدہ عذاب پر بھی صادق آتی ہیں جو مخالفین حق کو اس دنیا کے متعلق دیا گیا تھا اور آخرت پر بھی اور ستاروں کی روشنی جاتے رہنے سے اور آسمان کے پھٹنے سے اور پہاڑوں کے اُڑنے سے بلحاظ قیامت تو معنی ظاہر ہیں اور اس دنیا کے وعدے کے لحاظ سے مراد رات کی تاریکی کا دور ہونا اور آسمان کا روشنی سے پھٹ پڑنا اور مخالفت کا اُڑ جانا اور رسولوں کے وقت مقرر کا آجانا ایک صورت میں قیامت اور دوسری صورت میں باطل کی شکست ہے اور یا اشارہ آخری رسول کے آنے کی طرف ہے جس کی پیشگوئی سب نبیوں نے کی تھی۔

نمبر ٣ آخرین سے مراد یہاں آخری رسول محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں خواہ وہ سامنے موجود ہوں یا پیچھے آنے والے مطلب یہ ہے کہ سب کے ساتھ ایک ہی معاملہ ہوتا رہیگا اور مفسرین نے اہل مکہ مراد لیے ہیں مگر یہاں مراد آخرین سے بالخصوص پچھلے زمانہ کے لوگ ہیں یعنی جو آنحضرت صلعم کے بعد پچھلے زمانہ میں آنے والے ہیں۔

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾	اسی طرح ہم مجرموں سے سلوک کرتے ہیں۔
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾	اس دن جھٹلانے والوں کے لیے افسوس ہے۔
اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴿۲۰﴾	کیا ہم نے تمھیں حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا۔
فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾	پھر اسے ایک محفوظ جگہ میں رکھا۔
اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾	ایک مقرر اندازے تک۔
فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ﴿۲۳﴾	سو ہم اندازہ کرتے ہیں تو کیا ہی اچھا ہم اندازہ کرنے والے ہیں۔
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۴﴾	اس دن جھٹلانے والوں کے لیے افسوس ہے۔
اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ﴿۲۵﴾	کیا ہم نے زمین کو سمیٹ لینے والی نہیں بنایا۔
اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا ﴿۲۶﴾	(کیا) زندوں کو اور (کیا) مُردوں کو[1]
وَّجَعَلْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ شٰمِخٰتٍ وَّ	اور اس میں بڑے بڑے اونچے پہاڑ بنائے اور تمھیں
اَسْقَيْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ﴿۲۷﴾	میٹھا پانی پلایا۔
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۲۸﴾	اس دن جھٹلانے والوں کے لیے افسوس ہے۔
اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى مَا كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۹﴾	اس کی طرف چلو جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔
اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰى ظِلٍّ ذِيْ ثَلٰثِ شُعَبٍ ﴿۳۰﴾	تین شاخوں والے سائے کی طرف چلو[2]

نمبر ۱۔ کفت کے معنی قبض یعنی لینا اور جمع یعنی اکٹھا کر لینا ہیں اور زمین کو کفات کہنے سے مراد ہے کہ سب لوگوں کو جمع کیے ہوئے ہے خواہ مردے ہوں خواہ زندے اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنی ہیں کہ وہ زندوں کو اپنے ساتھ لگائے ہوئے ہے (یعنی اپنی طرف کھینچے ہوئے) جیسے انسان حیوان وغیرہ اور مُردوں کو جیسے جمادات اور کفات نہایت تیز چلنے کو بھی کہتے ہیں تو یوں بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ زمین کو ایسا بنایا کہ تمام چیزیں اس کی طرف کھنچی رہتی اور اس کے ساتھ لگی رہتی ہیں اور یہ اس کی کشش ثقل کی طرف اشارہ ہے اور یوں بھی کہ احیاء و اموات کو ساتھ لیے تیز چلتی رہتی ہے دونوں صورتوں میں یہ بھی قرآن کریم کے ان انکشافات علمی کی ایک مثال ہے جن کا اس کے نزول کے وقت دنیا کو علم نہ تھا۔

نمبر ۲۔ حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ صلیب کے پرستاروں کو کہا جائیگا اور تین شاخوں والے سائے کا ذکر تثلیث کا عقیدہ رکھنے والی قوم کے لیے موزوں بھی ہے اور یہاں ظل کو تین شاخوں والا کہا ہے اور فی الحقیقت تو وہ سایہ نہیں بلکہ کوئی عذاب ہے جو مکذبین حق کو ڈھانک لیتا ہے پس اس کی تین شاخوں سے مراد اس کے اندر تین قسم کی تکلیف ہے اور ان تین شاخوں کا ذکر بھی خود قرآن کریم نے کر دیا ہے ظل کے تین معنی ہیں۔ سایہ، حفاظت، آسایش۔ تو تین شاخوں کے ذکر میں انہی تین باتوں کی نفی کی ہے چنانچہ اول فرمایا کہ وہ ظلیل نہیں یعنی سایہ کا کام نہیں دیتا نہ اس میں کوئی ٹھنڈک ہے اور حفاظت کے معنی کے مقابل پر فرمایا کہ وہ آگ سے بھی نہیں بچاتا یعنی حفاظت کا کام نہیں دیتا اور آسایش کے معنے کے مقابل پر فرمایا کہ اس سے شرارے نکلتے ہیں اور ان کو محلوں سے اور زرد اونٹوں سے تشبیہ دی ہے یہ تشبیہ بھی بلحاظ ان شراروں کی جسامت اور ان کے رنگ کے صحیح ہے۔ اور ان لفظوں کے اختیار کرنے میں یہ اشارہ بھی ہے کہ وہ آسایش جو وہ محلات میں جانتے تھے اب شراروں کے رنگ میں وہی محلات اُن کے دُکھ کا موجب ہیں اور وہ دولت جو وہ اونٹوں میں خیال کرتے تھے اسی سے انھیں عذاب ملے گا۔

لَّا ظَلِيلٍ وَّلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ ﴿٣١﴾	نہ سایہ دینے والا اور نہ شعلے سے بچاتا ہے۔
إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ﴿٣٢﴾	وہ چنگاریاں پھینکتا ہے جیسے محل۔
كَأَنَّهُ جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿٣٣﴾	گویا وہ زرد اُونٹ ہیں
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٤﴾	اس دن جھٹلانے والوں کے لیے افسوس ہے۔
هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُونَ ﴿٣٥﴾	یہ وہ دن ہے کہ وہ بات نہ کریں گے۔
وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ ﴿٣٦﴾	اور نہ انھیں اجازت دی جائے گی کہ عذر پیش کریں۔
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٣٧﴾	اس دن جھٹلانے والوں کے لیے افسوس ہے۔
هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ وَالْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾	یہ فیصلے کا دن ہے ہم نے تمھیں اور پہلوں کو اکٹھا کیا ١۔
فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ فَكِيدُونِ ﴿٣٩﴾	سو اگر تمھارے پاس کوئی حیلہ ہے تو میرے خلاف حیلہ کرو۔
ع ۲۱ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٠﴾	اس دن جھٹلانے والوں کے لیے افسوس ہے۔
إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلٰلٍ وَّعُيُونٍ ﴿٤١﴾	متقی سایوں اور چشموں میں ہیں۔
وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿٤٢﴾	اور پھلوں میں جن کو وہ چاہیں۔
كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾	خوشگواری سے کھاؤ اور پیو، اس کا بدلہ جو تم کرتے تھے۔
إِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٤٤﴾	اسی طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٥﴾	اس دن جھٹلانے والوں کے لیے افسوس ہے۔
كُلُوا وَتَمَتَّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُمْ مُّجْرِمُونَ ﴿٤٦﴾	کھاؤ اور تھوڑا فائدہ اٹھالو، کیونکہ تم مجرم ہو۔
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٧﴾	اس دن جھٹلانے والوں کے لیے افسوس ہے۔
وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ ﴿٤٨﴾	اور جب انھیں کہا جاتا ہے جُھک جاؤ جھکتے نہیں۔
وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿٤٩﴾	اس دن جھٹلانے والوں کے لیے افسوس ہے۔
ع ۲۲ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٠﴾	سو اس کے بعد کس کلام پر ایمان لائیں گے۔

نمبر١۔ قیامت کے دن تو سب اکٹھے ہونگے۔ مگر اس دنیا میں بھی ایک یوم الفصل آتا ہے جب حق و باطل الگ الگ ہوجاتے ہیں اس دن پہلوں اور پچھلوں کا اکٹھا ہونا بلحاظ سزا کے ہے یعنی عذاب میں وہ اکٹھے ہوجاتے ہیں۔

سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّةٌ (۷۸)

آیاتها ۴۰ — رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اللہ کے نام سے بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔
عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝١	کس (بات) کا ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں۔
عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝٢	بڑی بھاری خبر کے متعلق۔
الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝٣	جس کے بارے میں وہ اختلاف کر رہے ہیں ۲۔
كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٤	یُوں نہیں، یہ جان لیں گے۔
ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝٥	ہاں یُوں نہیں، یہ جان لیں گے۔
اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝٦	کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا ؟
وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝٧	اور پہاڑوں کو میخیں ۳۔
وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝٨	اور ہم نے تمہیں جوڑے جوڑے پیدا کیا۔
وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝٩	اور ہم نے تمہاری نیند کو آرام (کا موجب) بنایا۔
وَّجَعَلْنَا الَّيْلَ لِبَاسًا ۝١٠	اور ہم نے رات کو پردہ بنایا۔
وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝١١	اور دن کو ہم نے معاش کے لیے بنایا۔
وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۝١٢	اور ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے۔

نمبر۱۔ اس سورت کا نام النباء ہے اور اس میں دو رکوع اور چالیس آیتیں ہیں۔ النباء اس خبر کو کہتے ہیں جس سے عظیم الشان فائدہ حاصل ہو۔ اور یہاں اس لفظ میں اشارہ اسی یوم الفصل کی طرف ہے جس کا ذکر پچھلی سورت میں تھا اور یہ یہاں صراحت سے بیان بھی کر دیا ہے۔ یوں پچھلی سورت کے مضمون کو جاری رکھا ہے۔ یہ سورت بھی ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

نمبر۲۔ النباء العظیم سے مراد قرآن یا امر نبوت بھی لیا گیا ہے اور بعث بعد الموت بھی اور کفار کا باہم اختلاف قرآن کے متعلق ہی تھا کہ یہ کیسا کلام ہے کوئی اسے سحر کہتا تھا، کوئی شعر، کوئی افترا، کوئی پریشان خوابیں، کوئی کاہن کا قول، مگر اختلاف سے مراد آنحضرت صلعم سے اختلاف بھی ہو سکتا ہے یعنی آپ کی مخالفت نباء عظیم وہی یوم الفصل ہے جس کا ذکر پچھلی سورت میں بھی تھا اور آگے بھی آتا ہے اور آگے کلّا اسی مخالفت پر زجر کے طور پر ہے۔

نمبر۳۔ زمین کو مہاد کہا ہے یعنی تیار کی ہوئی جگہ، یا وہ جگہ جس پر پھرا جاتا ہے اور پہاڑوں کو میخوں سے تشبیہ دی ہے اس لیے کہ وہ ظاہر صورت میں سطح زمین پر میخوں کی طرح ہیں اور پہاڑوں کے ساتھ ہی اس کی ابتدائی حالتِ تزلزل کا خاتمہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں مختلف چیزوں کے وجود میں اپنی حکمت کا بیان کیا ہے حتیٰ کہ دن اور رات بھی اپنی اپنی جگہ کام دیتے ہیں۔

وَّ جَعَلۡنَا سِرَاجًا وَّ هَّاجًا ﴿۱۳﴾	اور ہم نے سورج کو روشنی اور گرمی دینے والا بنایا ـــ۱
وَّ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡمُعۡصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾	اور ہم بادلوں سے زور سے برستا ہوا پانی اتارتے ہیں۔
لِّنُخۡرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ﴿۱۵﴾	تاکہ ہم اس کے ساتھ غلّہ اور سبزی نکالیں۔
وَّ جَنّٰتٍ اَلۡفَافًا ﴿۱۶﴾	اور گھنے باغ۔
اِنَّ یَوۡمَ الۡفَصۡلِ كَانَ مِیۡقَاتًا ﴿۱۷﴾	بیشک فیصلے کے دن کا وقت مقرر ہے۔
یَّوۡمَ یُنۡفَخُ فِی الصُّوۡرِ فَتَاۡتُوۡنَ اَفۡوَاجًا ﴿۱۸﴾	جس دن صُور پھونکا جائے گا تو تم فوج فوج ہو کر آؤ گے۔
وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتۡ اَبۡوَابًا ﴿۱۹﴾	اور آسمان کھول دیا جائیگا سو دروازے ہو جائیں گے۔
وَّ سُیِّرَتِ الۡجِبَالُ فَكَانَتۡ سَرَابًا ﴿۲۰﴾	اور پہاڑ اُڑائے جائیں گے سو وہ ریت ہو جائیں گے ـــ۲
اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتۡ مِرۡصَادًا ﴿۲۱﴾	دوزخ گھات میں ہے۔
لِّلطّٰغِیۡنَ مَاٰبًا ﴿۲۲﴾	وہی سرکشوں کا ٹھکانا ہے۔
لّٰبِثِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَحۡقَابًا ﴿۲۳﴾	اس میں برسوں رہیں گے ـــ۳
لَا یَذُوۡقُوۡنَ فِیۡهَا بَرۡدًا وَّ لَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾	نہ اس میں ٹھنڈک پائیں گے اور نہ پینے کی چیز۔
اِلَّا حَمِیۡمًا وَّ غَسَّاقًا ﴿۲۵﴾	سوائے اُبلتے ہوئے اور سخت ٹھنڈے پانی کے۔
جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾	بدلہ موافق (اعمال ہے) ـــ۴

نمبر۱- سبعًا شدادًا نظام شمسی کے سات سیارے ہیں- علاوہ زمین کے- اور اس کا ذکر کرکے پھر سورج کا ذکر کیا اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی طرف توجہ دلائی کہ کس طرح ایک چیز دوسری سے وابستہ ہے سورج کی گرمی مینہ برسانے کا موجب ہے اس لیے کہ سورج کی گرمی سے سمندروں کا پانی بخارات کی صورت میں منتقل ہوتا ہے اور تب پانی برستا ہے- پھر پانی سے سبزیاں نکلتی [illegible] باغوں کے باغ بن جاتے ہیں- اس لیے سب باتوں کا نتیجہ فرمایا کہ یوم الفصل بھی ایک وقت مقرر ہے- فترت کے چھ سو سال کی گرمی نے زمین کے بخارات کو اٹھا کر ابر رحمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں برسایا اور اس سے مردہ دلوں میں باغات بنا دیئے۔

نمبر۲- یہ دوسری حالت کا نقشہ کھینچا ہے یعنی یوم الفصل کا- سورت کے آخر پر انا انذرنکم عذابًا قریبًا صاف بتاتا ہے کہ ان آیات میں عذاب دنیوی کا بھی ذکر ہے جو عذاب قیامت کا پیش خیمہ ہے تو اس صورت میں فوج فوج ہو کر آنا یدخلون فی دین اللہ افواجًا کا مصداق ہے اور آسمان کا کھولا جانا یوم تشقق السمآء بالغمام (الفرقان ۲۵-۲۵) کا مصداق ہے اور پہاڑوں کے اڑائے جانے سے مراد عظیم الشان رکاوٹوں کا دُور کرنا ہے۔

نمبر۳- احقاب- حقب کی جمع ہے اور حقب اسّی سال کو کہتے ہیں اور بعض کے نزدیک اس کے معنے ایک سال یا کئی سال ہیں- اور عذاب نار کو یہاں محدود زمانہ قرار دیا ہے وہ کئی صدیاں ہوں یا کئی ہزار سال ہوں اس لیے جہاں دوزخ کے لیے لفظ ابد آتا ہے وہاں بھی مراد محدود زمانہ ہی لینا چاہیئے برخلاف اس کے کہ بہشت کی راحتوں کو کبھی محدود زمانہ میں بیان نہیں کیا۔

نمبر۴- جزآءً وفاقًا ایک اصول عذاب کے معاملہ میں قائم کرتا ہے- عذاب میں ایک طرف حمیم یعنی اُبلتا ہوا پانی ہے دوسری طرف غسّاق یا شدت کا ٹھنڈا

اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا ﴿۲۷﴾	کیونکہ وہ حساب کی اُمید نہ رکھتے تھے۔
وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ﴿۲۸﴾	اور ہماری آیتوں کو جھوٹ قرار دیتے ہوئے جھٹلاتے تھے۔
وَ كُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ كِتٰبًا ﴿۲۹﴾	اور ہر چیز کو ہم نے کتاب میں محفوظ کر لیا۔
ع فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ﴿۳۰﴾	سو چکھو، ہم تم پر عذاب ہی بڑھاتے جائیں گے ۱۔
اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾	متقیوں کے لیے کامیابی ہے۔
حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ﴿۳۲﴾	باغ اور انگور۔
وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾	اور نوجوان ہم عمر۔
وَّ كَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾	اور پاک پیالہ۔
لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّ لَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾	وہ اس میں لغو نہیں سُنیں گے۔ اور نہ جھٹلانا۔
جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾	تیرے رب کی طرف سے بدلہ عطائے کافی۔
رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا	آسمانوں اور زمین کا رب اور جو اُن کے درمیان ہے۔
الرَّحْمٰنِ لَا یَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾	بے انتہا رحم والا، وہ اس سے کوئی بات نہیں کر سکیں گے ۲۔
یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا	جس دن رُوح اور فرشتے صف باندھ کر کھڑے ہوں گے،
لَّا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ	وہ کوئی بات نہ کر سکیں گے، سوائے اس کے جسے رحمان
الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۳۸﴾	اجازت دے اور وہ درست بات کہے۔
ذٰلِكَ الْیَوْمُ الْحَقُّ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ	یہ دن حق ہے، سو جو کوئی چاہے اپنے رب کی طرف
اِلٰی رَبِّهٖ مَاٰبًا ﴿۳۹﴾	ٹھکانا بنائے۔

یہ حقوق میں افراط و تفریط کا نتیجہ ہے یا نفرت و محبت میں حد سے نکل جانے کا نتیجہ۔

نمبر۱- یہ بھی جزائے وفاق کے طور پر ہی ہے جس طرح مجرم ایک گناہ کر کے اس پر بڑھتا چلا گیا اسی طرح عذاب اس پر بڑھتا چلا جائے گا۔ جب تک اللہ تعالیٰ چاہے؛ اوپر احقاب کا لفظ لا کر صاف بتا دیا ہے کہ یہ ایک مدتِ معینہ ہے۔

نمبر۲- فرشتوں اور روح کے کھڑا ہونے پر دیکھو المعارج-۴ پر نوٹ۔ اور بیہقی کی روایت میں الاسماء والصفات میں ابن عباسؓ سے یہ ہے کہ الروح سے مراد ارواح الناس ہیں اور جیسا کہ نوٹ مذکور میں دکھایا گیا ہے۔ اصل مراد مومنین کی ارواح ہیں اور فرشتوں کا ان کے ساتھ کھڑا ہونا اسی طرح ہے جس طرح جن و شیاطین بدکاروں کے ساتھ حاضر کیے جائیں گے۔

إِنَّآ أَنذَرْنَٰكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا ۚ يَوْمَ يَنظُرُ ٱلْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ ٱلْكَافِرُ يَٰلَيْتَنِى كُنتُ تُرَٰبًۢا ﴿٤٠﴾	ہم تمھیں ایک قریب عذاب سے ڈراتے ہیں، جس دن انسان دیکھ لے گا، جو اس کے دونوں ہاتھوں نے آگے بھیجا اور کافر کہے گا، کاش میں مٹی ہوتا ۔۱

سُورَةُ النّٰزِعٰتِ مَكِّيَّةٌ (۷۹)

آیاتھا ۴۶ — رکوعاتھا ۲

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ ○	اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔
وَٱلنَّٰزِعَٰتِ غَرْقًا ﴿١﴾	گواہ ہیں ڈوب کر نکال لینے والی۔
وَٱلنَّٰشِطَٰتِ نَشْطًا ﴿٢﴾	اور خوشی سے آگے چلنے والی۔
وَٱلسَّٰبِحَٰتِ سَبْحًا ﴿٣﴾	اور تیزی سے شغل میں لگ جانے والی۔
فَٱلسَّٰبِقَٰتِ سَبْقًا ﴿٤﴾	پھر سبقت کرتی ہوئی آگے بڑھ جانے والی۔
فَٱلْمُدَبِّرَٰتِ أَمْرًا ﴿٥﴾	پھر معاملہ کی تدبیر کرنے والی (جماعتیں) ۔۳

نمبر۱- عذابا قریبا سے مراد عذاب آخرت بھی لیا گیا ہے اور جنگ بدر بھی۔

نمبر۲- اس سورت کا نام النّٰزعٰت ہے اور اس میں دو رکوع اور چھیالیس آیتیں ہیں۔ نازعات کے معنی اپنے آپ کو کھینچ کر نکال لینے والی جماعتیں ہیں اور اشارہ اس نام کے اختیار کرنے میں یہ ہے کہ مدارج روحانی کا یہ پہلا مرتبہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو خواہشات نفسانی سے کھینچ کر باہر نکال لے پھر اس کے آگے دوسرے مراتب ہیں جو انسان کو اس کے کمال روحانی تک پہنچاتے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی اشارہ ہے کہ اعدائے اسلام کے لیے سزا جو آنے والی ہے تو وہ جنگ کے رنگ میں آنے والی ہے۔ سورت ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔ مضمون کا تعلق ظاہر ہے۔

نمبر۳- مفسرین کے اقوال حسب ذیل ہیں:- نازعات سے مراد فرشتے ہیں جو کافر کی جان نکالتے ہیں یا موت یا ستارے یا کمانیں، اور ناشطات سے مراد فرشتے ہیں جو مومن کی روح قبض کرتے ہیں یا موت یا ستارے اور سابحات سے مراد ستارے یا فرشتے ہیں، اور سابقات سے مراد فرشتے یا موت یا گھوڑے یا ستارے ہیں۔ اور مدبرات سے مراد فرشتے ہیں یا ستارے، اور نازعات کی تفسیر سدی سے مروی ہے جو کہتے ہیں کہ یہ نفوس انسانی کی جماعت ہے جو موت کے ساتھ اپنے رب کی طرف نکلتی ہے، اور ناشطات کی تفسیر ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ یہ وہ نفوس مومنہ ہیں جو موت کے وقت خوشی سے دوسرے عالم کی طرف انتقال کرتے ہیں، اور سابقات کی تفسیر ابن مسعودؓ سے مروی ہے جو کہتے ہیں کہ یہ وہ نفوس انسانی ہیں جو قبض کے وقت ملائکہ کی طرف سبقت کرتے ہیں۔ تو یوں یہ سب بزرگ نازعات، ناشطات، سابقات کی تفسیر نفوس انسانی سے کرتے ہیں اس لیے ان سے مراد نفوس انسانی کی ترقیات روحانی بھی لی گئی ہے جو سلوک و تطہیر ظاہر و باطن میں انھیں پیش آتی ہیں یعنی وہ شہوات سے اپنے آپ کو باہر نکالتے ہیں اور عالم قدس کی طرف نشاط سے چلتے ہیں اور مراتب ارتقاء میں تیرتے ہیں اور کمالات کی طرف سبقت کرتے ہیں یہاں تک کہ دوسروں کی تکمیل کرنے کے اہل ہو جاتے ہیں، اور نازعات سے مراد لڑنے والے ہونا بھی عطاء سے مروی ہے جو کہتے ہیں کہ یہ کمانوں کو کھینچنے والے ہیں اور باقی صفات بھی انہی کی ہو سکتی ہیں اور جواب قسم یہاں محذوف ہے مگر اس کی طرف اشارہ یوم ترجف الراجفة میں ہے اور اگر جواب قسم حقانیت لبعثت کو بھی مانا جائے تو اس میں قیامت روحانی اور قیامت کبریٰ دونوں آجائیں گی اس لیے شہادت میں مومنین کی جماعتوں کو پیش کیا ہے اور لفظ ایسے اختیار فرمائے ہیں جو ان کے ظاہری اور باطنی دونوں قسم کے کمالات کی طرف اشارہ کرتے ہیں یعنی ظاہری رنگ میں جنگ کی طرف اشارہ ہے اور نازعات سے مراد زبردست تیر چلانے والے

يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ ۶	جس دن کانپنے والی کانپ اُٹھے گی۔
تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ ۷	پیچھے آنے والی اس کے پیچھے آئے گی ؎۱
قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۝ ۸	(کچھ) دل اس دن دھڑکتے ہوں گے۔
اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۝ ۹	اُن کی نظریں نیچی ہوں گی۔
يَقُوْلُوْنَ ءَاِنَّا لَمَرْدُوْدُوْنَ فِي الْحَافِرَةِ ۝ ۱۰	کہتے ہیں کیا ہم اُلٹے پاؤں لوٹائے جائیں گے ؎۲
ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝ ۱۱	کیا جب ہم کھوکھلی ہڈیاں ہوجائیں گے۔
قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝ ۱۲	کہتے ہیں یہ لوٹنا نقصان والا ہے۔
فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۝ ۱۳	وہ تو صرف ایک ہی ڈانٹ ہوگی۔
فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ۝ ۱۴	اور وہ ایک میدان میں ہوں گے۔
هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝ ۱۵	تجھے موسیٰ کی خبر تو پہنچ چکی ہے۔
اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ ۱۶	جب اس کے رب نے اُسے وادیٔ مقدس طوی میں پکارا۔
اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ ۱۷	(کہ) فرعون کی طرف جا کہ وہ حد سے نکل گیا ہے۔
فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰى اَنْ تَزَكّٰى ۝ ۱۸	اور کہہ کہ کیا تو چاہتا ہے کہ تو پاک ہو؟
وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۝ ۱۹	اور میں تجھے تیرے رب کی طرف رستہ دکھاؤں سو تو ڈرے۔

ہیں اور ناشطات سے مراد خوشی سے دشمن کے مقابلہ کے لیے نکلنے والے اور سابحات سے مراد تیزی سے کام میں لگ جانے والے اور سابقات سے مراد دشمن کی طرف سبقت کرنے والے اور مدبرات سے مراد امور جنگ و امور ملکی کی تدبیر کرنے والے اور کمالات روحانی کی رو سے وہ مطلب ہے جو اوپر بیان ہو چکا ہے اور ایک اور رنگ میں ہر انسان کو توجہ دلائی ہے کہ اس کی کامیابی کا رستہ کیا ہے اس کی سب سے پہلی سیڑھی نازعات کی ہے یعنی ایک امر کے اشتیاق میں ترقی کر کے اس شوق کو کمال تک پہنچانا جو غرق کا مصداق ہے اور دوسرا مرتبہ اس کا ناشطات ہے یعنی وہ بوجھ کے رنگ میں انسان نہ اٹھا رہا ہو بلکہ نشاطِ خاطر سے اس کی طرف متوجہ ہو۔ اور تیسرا مرتبہ سابحات کا ہے یعنی جس طرح پر پانی یا ہوا میں ایک جسم تیرتا ہے کہ رکاوٹ بہت کم ہوتی ہے اسی طرح وہ عمل میں لگ جائے کیونکہ سبح کے معنی عمل میں تیزی سے گذرنا ہے اور یہ گویا تین ضروریات ہر امر کی ہیں امر دین ہو یا امر دنیا۔ پہلا کمال اشتیاق اور محویت۔ دوسرا انشاط خاطر کا حاصل ہونا تیسرا عمل میں تیزی سے لگ جانا اور باقی دو نتائج ہیں۔ یعنی ایسے نفوس سبقت لے جاتے ہیں اور اصل غرض تو مومنوں کو توجہ دلانا ہے کہ دنیا میں خدا کا نام پھیلانے کے لیے کیا ضروریات ہیں۔ امور دنیا ضمناً اس کے اندر آجاتے ہیں۔

نمبر۱- مراد رجف سے جنگ کے ساتھ زمین کا کانپ اُٹھنا ہے کیونکہ رجف کے اصلی معنی اضطراب شدید ہیں اور تتبعها الرادفة میں بتایا کہ ان لڑائیوں کے بعد وہ عظیم الشان مصیبت ان پر آئے گی جس سے ان کے دل پریشان اور آنکھیں نیچی ہو جائیں گی یعنی ان کی ذلت اور مغلوبیت۔

نمبر۲- لمردودون فی الحافرۃ مثال کے طور پر ہے کہ جہاں سے آیا تھا وہیں لوٹایا گیا۔

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ — سو اس نے اسے بڑا نشان دکھایا۔

فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ — مگر اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی۔

ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ﴿۲۲﴾ — پھر وہ کوشش کرتا ہوا پھر گیا۔

فَحَشَرَ فَنَادٰى ﴿۲۳﴾ — پھر (لوگوں کو) جمع کیا اور پکارا۔

فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿۲۴﴾ — اور کہا میں تمہارا بڑا رب ہوں۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ﴿۲۵﴾ — سو اللہ تعالیٰ نے اسے آخرت اور دنیا کی عبرتناک سزا میں پکڑا۔

ع اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۲۶﴾ — اس میں اس شخص کے لیے عبرت ہے جو ڈرتا ہے۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ؕ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ — کیا پیدائش میں تم زیادہ سخت ہو یا آسمان! اس نے اسے بنایا۔

رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ — اس کی بلندی کو اونچا کیا، پھر اسے ٹھیک بنایا۔

وَاَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ — اور اس کی رات کو اندھیری بنایا اور اس کی روشنی نکالی۔

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ — اور زمین کو اس کے بعد بچھایا[1]۔

اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾ — اس سے اس کا پانی اور اس کا چارہ نکالا۔

وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ — اور پہاڑوں کو مضبوط بنایا۔

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾ — تمہارے لیے اور تمہارے چارپایوں کے لیے سامان۔

فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ — سو جب غالب آنے والی مصیبت آجائے گی[2]۔

نمبر۱۔ دحیٰ کے معنی ہیں ازالھا عن مقرھا اس کی جائے قرار سے اسے ہٹایا اور دحو کے معنی بسط یعنی پھیلانا بھی ہیں اور پتھر وغیرہ کے پھینکنے پر بھی دحو کا لفظ بولا جاتا ہے اس لفظ کے اختیار کرنے میں ایک عظیم الشان علمی بات کی طرف توجہ دلائی ہے جس کا علم آج دنیا کو ہوتا ہے یعنی یہ کہ زمین اصل میں کسی بڑے جرم سماوی کا ایک حصہ ہے جو اس سے الگ ہوگیا پھر آہستہ آہستہ اس کے گرد حرکت کرتا ہوا ٹھنڈا ہوگیا۔ دحیٰ کے لفظ میں یوں علٰحدہ کرنے کی طرف اور پتھر کی طرح پھینک دینے کی طرف اشارہ ہے۔ اور پھر بعد ذلک کہہ کر یہ بھی بتا دیا کہ زمین کا بننا بعد میں وقوع میں آیا اور پھر اگلی آیت میں ایک اور علمی انکشاف کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یعنی یہ کہ پانی اور چارہ یعنی سبزیاں وغیرہ جو اس زمین پر ہیں وہ اسی زمین سے نکالے اور یہی آج علمی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ اوّل زمین پر پانی الگ ہوا اور پھر اس پانی سے سبزیاں وغیرہ پیدا ہوئیں اور پھر پہاڑوں کو قائم کرکے اس پانی کے برسنے کا انتظام فرمایا جس پر انسان کی زندگی اور معاش کا مدار ہے۔

نمبر۲۔ طامۃ وہ عظیم الشان مصیبت ہے جو ہر چیز پر غالب آجائے اور الطامۃ قیامت کا نام بھی ہے اس نام کے اختیار کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ وہ کامل انکشاف حقائق کا وقت ہوگا اور جو حالت انسان نے اس دنیا میں اپنے اندر پیدا کی ہے وہی حالت تمام باتوں پر غالب آکر کامل ظہور پکڑے گی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس میں اشارہ مصائب دنیوی کی طرف بھی ہو۔

يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ مَا سَعَىٰ ﴿٣٥﴾	جس دن انسان یاد کرے گا جو اس نے کوشش کی ۔
وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِمَنْ يَرَىٰ ﴿٣٦﴾	اور دوزخ اس کے لیے ظاہر ہو جائے گا جو دیکھتا ہے ۔
فَأَمَّا مَنْ طَغَىٰ ﴿٣٧﴾	سو جس نے سرکشی کی ۔
وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿٣٨﴾	اور دنیا کی زندگی کو مقدم کیا ۔
فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ﴿٣٩﴾	تو دوزخ ہی ٹھکانا ہے ۔
وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٤٠﴾	اور جو اپنے رب کے آگے کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے اور نفس کو خواہش سے روکتا ہے ۔
فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ﴿٤١﴾	تو بہشت ہی ٹھکانا ہے ۔
يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا ﴿٤٢﴾	وہ تجھ سے اس گھڑی کے متعلق سوال کرتے ہیں کب اس کا قائم ہونا ہے ۔
فِيمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرَاهَا ﴿٤٣﴾	اس بارے میں کہ تو اس کا یاد دلانے والا ہے ۔
إِلَىٰ رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا ﴿٤٤﴾	تیرے رب کی طرف سے اس کا انجام ہے ۔
إِنَّمَا أَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَخْشَاهَا ﴿٤٥﴾	تو صرف اسے ڈرانے والا ہے جو اس سے ڈرتا ہے ۔
كَأَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا ﴿٤٦﴾ ع	جس دن وہ اسے دیکھ لیں گے ۔ گویا کہ صرف ایک شام یا صبح ہی ٹھیرے تھے ۔

آیاتها ۴۲ (۸۰) سُورَةُ عَبَسَ مَكِّيَّةٌ ۱ رکوعها ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ	اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ ﴿١﴾	تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا ۔
أَنْ جَاءَهُ الْأَعْمَىٰ ﴿٢﴾	اس لیے کہ اس کے پاس اندھا آیا ۲ ۔

نمبر ۱ - اس سورت کا نام عبس ہے اور اس میں بیالیس آیتیں ہیں ۔ سورت کا نام اس واقعہ سے لیا گیا ہے جو ابن ام مکتوم کے ساتھ پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب رؤسائے قریش سے بات کر رہے تھے تو ابن ام مکتوم آگئے اور انھوں نے آنحضرت صلعم کی توجہ کو اپنی طرف پھیرنا چاہا ۔ جسے آنحضرت صلعم نے ناپسند کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ سورت اتاری اور بتایا کہ بڑے آدمیوں کی اتنی پروا نہ کرو کہ ان کی طرف توجہ کرنے سے اس کی طرف سے بے توجہی ہو جائے جو خود کچھ سیکھنا چاہتا ہے اور بتایا کہ غریب و چھوٹے لوگ اس قرآن کریم کی بدولت عظیم الشان مرتبہ پر پہنچائے جائیں گے اور یہی اس سورت کا اصل مطلب ہے ۔ یہ سورت ابتدائی مکی زمانہ کی ہے ۔

نمبر ۲ - ابن جریر نے حضرت عائشہ رض سے روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ عبس و تولیٰ ابن ام مکتوم کے بارے میں نازل ہوا وہ آیا اور کہنے لگا مجھے ہدایت

وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰٓ ۝٣	اور تجھے کیا خبر ہے کہ شاید وہی پاکیزگی اختیار کرے۔
أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّكْرَىٰٓ ۝٤	یا نصیحت قبول کرے پس نصیحت اسے فائدہ دے۔
أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ ۝٥	جو پروا نہیں کرتا۔
فَأَنتَ لَهُۥ تَصَدَّىٰ ۝٦	تو اس کی طرف تو متوجہ ہوتا ہے۔
وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكَّىٰ ۝٧	اور تجھ پر کیا (الزام) ہے اگر وہ پاکیزگی اختیار نہ کرے۔
وَأَمَّا مَن جَآءَكَ يَسْعَىٰ ۝٨	اور جو تیرے پاس دوڑتا آیا۔
وَهُوَ يَخْشَىٰ ۝٩	اور وہ ڈرتا ہے۔
فَأَنتَ عَنْهُ تَلَهَّىٰ ۝١٠	تو اس سے تو بے رخی کرتا ہے۔
كَلَّآ إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝١١	یوں نہیں چاہیئے، یہ ایک نصیحت ہے۔
فَمَن شَآءَ ذَكَرَهُۥ ۝١٢	سو جو کوئی چاہے اسے یاد رکھے۔
فِى صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝١٣	عزت والے صحیفوں میں،
مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ۝١٤	(جو بلند اور پاک (ہیں)
بِأَيْدِى سَفَرَةٍ ۝١٥	لکھنے والوں کے ہاتھوں میں،
كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ۝١٦	(جو) معزز نیک (ہیں) ۔[1]
قُتِلَ الْإِنسَانُ مَآ أَكْفَرَهُۥ ۝١٧	انسان ہلاک ہو، کیسا ناشکرا ہے۔

دیکھیے اور رسول اللہ صلعم اس وقت چند مشرک رؤساء سے باتیں کر رہے تھے پس آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور دوسروں کی طرف متوجہ رہے تب یہ آیات نازل ہوئیں۔ یہ واقعہ تو بالکل ایک معمولی واقعہ ہے ابن ام مکتومؓ نابینا تھے، انھیں معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلعم کس سے باتیں کر رہے ہیں آنحضرت صلعم نے بھی اس کے دخل دینے کو برا منایا مگر اللہ تعالیٰ نے سمجھایا کہ آپ بڑوں کی پروا کر کے چھوٹوں کی طرف سے بے توجہی نہ کریں اس لیے کہ قرآن کریم انہی چھوٹے چھوٹے لوگوں کو بلند مقام پر پہنچا دے گا اور آپ کی غرض چونکہ اصلاح ہے اس لیے آپ کو اس بات کا خیال نہ ہونا چاہیئے کہ سوال کرنے والا بڑا ہے یا چھوٹا، جو کوئی قرآن کریم کو اپنا ہادی بنائے گا، جو کوئی نفس کو ہوا و حرص سے روک کر اللہ تعالیٰ کے احکام کے سامنے سر جھکا دیگا وہی دنیا میں بھی بڑا ہو جائے گا۔ یوں ان الفاظ میں یہ خوش خبری دی کہ قرآن شریف انہی چھوٹے چھوٹے آدمیوں کو بلند مقامات تک پہنچا دے گا اور انھیں دنیا کے ہادی اور رہنما بنا دیگا اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وحی کا سرچشمہ آنحضرت صلعم کا اپنا قلب مبارک نہ تھا، ورنہ اپنے متعلق ایسے الفاظ کو کون پسند کرتا ہے کہ ہمیشہ کے لیے دنیا میں پڑھے جائیں۔

[1] ان چھ آیات میں یہ عظیم الشان خوشخبری ہے کہ قرآن چونکہ خود ایک مکرم و مطہر چیز ہے اس لیے اس کے لکھنے والے بھی نہ صرف کرام یعنی معزز ہونگے بلکہ اعلیٰ درجہ کے راستباز بھی ہونگے۔ دنیوی مرتبہ کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی راستبازی کو اگر کسی قوم نے جمع کیا ہے تو وہ صرف مسلمان قوم ہے۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ سب قرآن کے کاتب تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو، اُن کے ساتھ والوں کو کرام بررہ بنا کر دکھا دیا کہ وہ قرآن کے خدمت گزاروں کو کہاں تک پہنچا دیتا ہے۔ ابن عباسؓ نے سفرۃ سے مراد کاتب قرآن ہی لیے ہیں۔

مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾	اسے کس چیز سے پیدا کیا۔
مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾	نطفہ سے اُسے پیدا کرتا ہے پھر اسے طاقت دیتا ہے۔
ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾	پھر رستہ (اس کے لیے) آسان کر دیتا ہے۔
ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾	پھر اُسے مارتا ہے پھر قبر میں ڈالتا ہے۔
ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾	پھر جب چاہے گا اُسے اٹھا کھڑا کرے گا۔
كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَآ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾	یوں نہیں وہ پورا ہی نہیں کرتا جو اسے حکم دیتا ہے۔
فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ﴿۲۴﴾	پس انسان کو چاہیئے کہ اپنے کھانے کی طرف دیکھے۔
اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾	(پہلے) ہم خوب پانی برساتے ہیں۔
ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾	پھر ہم زمین کو شق کرتے ہوئے پھاڑتے ہیں۔
فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾	پھر ہم اس میں غلہ اگاتے ہیں۔
وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ﴿۲۸﴾	اور انگور اور ترکاری۔
وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ﴿۲۹﴾	اور زیتون اور کھجور۔
وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾	اور گھنے باغ۔
وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ﴿۳۱﴾	اور پھل اور چارہ۔
مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾	تمھارے لیے اور تمھارے چارپایوں کے لیے سامان۔
فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾	سو جب بہرا کر دینے والی مصیبت آئے گی[1]
يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ ﴿۳۴﴾	جس دن انسان اپنے بھائی سے بھاگے گا۔
وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ ﴿۳۵﴾	اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے۔
وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ ﴿۳۶﴾	اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے۔
لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ ﴿۳۷﴾	ہر انسان کے لیے اس دن ایک کام ہوگا جو اسے کافی ہوگا۔

نمبر۱ صاخۃ۔ صخ لوہے کا لوہے پر مارنا ہے اور ہر ایک ایسی آواز کو صخ کہا جاتا ہے اور صاخۃ وہ آواز ہے جو قیامت لانے والی ہوگی کیونکہ وہ کانوں کو بہرا کردے گی اور صاخۃ ہر ایک بڑی مصیبت کو بھی کہا جاتا ہے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾	(کچھ) منہ اس دن چمک رہے ہوں گے۔
ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾	خوش خوش خبری کو پالینے والے۔
وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾	اور (کچھ) منہ اس دن ایسے ہوں گے کہ اُن پر غبار ہوگا۔
تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾	سیاہی اُن پر چھائی ہوگی۔
ع اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾	یہی کافر بدکار ہیں ؏

اٰیاتُھا ۲۹ سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ (۸۱) رُکُوعُھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اللہ تعالیٰ انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ﴿۱﴾	جب سُورج لپیٹ لیا جائے گا۔
وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ﴿۲﴾	اور جب تارے جھڑ جائیں گے۔
وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿۳﴾	اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔
وَاِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ﴿۴﴾	اور جب اونٹنیاں بیکار کر دی جائیں گی۔
وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ﴿۵﴾	اور جب وحشی اکٹھے کیے جائیں گے۔
وَاِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ﴿۶﴾	اور جب دریا خشک کر دیئے جائیں گے۔
وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ﴿۷﴾	اور جب لوگ باہم ملا دیے جائیں گے۔
وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ﴿۸﴾	اور جب زندہ درگور کی ہوئی سے پوچھا جائے گا۔
بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ﴿۹﴾	کس گناہ پر وہ قتل کی گئی۔
وَاِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿۱۰﴾	اور جب صحیفے پھیلا دیئے جائیں گے۔

نمبر۱- موت کے ساتھ بھی انسان اپنے تعلق والوں سے بھاگتا ہے بڑی مصیبت پر بھی اور قیامت کو بھی بھاگے گا۔
نمبر۲- اس سورت کا نام التکویر ہے اور اس میں انتیس آیتیں ہیں اور اس میں پہلے مذاہب کی صف لپیٹنے کا ذکر ہے جس کے لحاظ سے اس کا نام التکویر ہے اور اسلام کے ساتھ جو علمی ترقیات دنیا میں پیدا ہونے والی تھیں انھیں بیان بطور پیشگوئی بیان کیا ہے اور خلاصہ مضمون اس سورت کا یہی ہے کہ قرآن کریم کے ذریعہ سے دنیا میں علم اور شرف پھیلیں گے گویا پہلی سورت کے مضمون کو ہی جاری رکھا ہے۔ یہ سورت بھی ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتۡ ۪ۙ﴿۱۱﴾ — اور جب آسمان کی کھال اتاری جائے گی[1]۔
وَ اِذَا الۡجَحِیۡمُ سُعِّرَتۡ ۪ۙ﴿۱۲﴾ — اور جب دوزخ بھڑکائی جائے گی۔
وَ اِذَا الۡجَنَّۃُ اُزۡلِفَتۡ ۪ۙ﴿۱۳﴾ — اور جب بہشت قریب لائی جائے گی۔
عَلِمَتۡ نَفۡسٌ مَّاۤ اَحۡضَرَتۡ ﴿ؕ۱۴﴾ — ہر شخص جان لے گا کہ کیا لایا ہے۔
فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِالۡخُنَّسِ ﴿ۙ۱۵﴾ — نہیں میں پیچھے ہٹنے والوں کی قسم کھاتا ہوں۔
الۡجَوَارِ الۡکُنَّسِ ﴿ۙ۱۶﴾ — چلنے والوں چھپنے والوں کی۔
وَ الَّیۡلِ اِذَا عَسۡعَسَ ﴿ۙ۱۷﴾ — اور رات کی جب وہ جانے لگے۔

نمبر۱۔ جہاں جہاں قیامت کے متعلق یا موجودہ نظام عالم کے درہم برہم ہونے کے متعلق ذکر قرآن کریم میں آتا ہے، تو وہ الفاظ ایک رنگ میں اس دنیا کے بعض واقعات پر بھی صادق آتے ہیں جیسا کئی جگہ دکھایا جا چکا ہے۔ یہاں قرآن کریم نے اس حقیقت کو آشکارا کرنے کے لیے دونوں قسم کے نشانوں کو ملا دیا ہے یعنی ایک وہ نشان جو قیامتِ کبریٰ سے تعلق رکھتے ہیں اور صرف مجازاً اس دنیا کے بعض واقعات پر چسپاں ہو سکتے ہیں اور ایک وہ نشان جو صراحت سے اس دنیا کے بعض واقعات کے متعلق ہیں۔ سورج کی تکویر اور ستاروں کا جھڑ جانا اس نظام عالم کا درہم برہم ہونا ہے مگر مجازاً اس سے مراد ہو سکتی ہے نظام روحانی میں ایک خلل عظیم کا واقع ہونا جیسا کہ بعض احادیث میں ہے کہ آخری زمانہ میں علم اٹھا لیا جائے گا اور تاروں کا جھڑ جانا اصحابی کالنجوم کی طرف اشارہ ہے یعنی علمائے دین کی حالت کا خراب ہو جانا یا سورج کے لپیٹ لینے اور تاروں کے جھڑ جانے میں پہلے نظام روحانی کی صف کا لپیٹ لیا جانا اور اس کی جگہ اسلام کا نظام قائم کیا جانا ہے جن کے نشانات وہ ہیں، جن کا ذکر آگے آتا ہے۔ پہاڑوں کے چلایا جانے پر دیکھو نوٹ الرعد۔۳۱ پر۔ اونٹنیوں کے بیکار ہو جانے کا وہی مطلب ہے جو حدیث میں آتا ہے۔ ینترکن القلاص فلا یسعیٰ علیھا۔ اونٹنیوں کو چھوڑ دیا جائے گا اور اُن پر سواری نہیں کی جائے گی اور یہ ایک پیشگوئی ہے کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے کہ نئی سواری نکل آئے گی اور اونٹنیوں سے وہ کام نہ لیا جائے گا جو وہ پیشگوئی کے وقت دے رہی ہیں۔ چنانچہ خود ملک عرب میں ریل کے بن جانے سے یہ پیشگوئی پوری ہو رہی ہے۔ وحشیوں کے اکٹھا کرنے سے مفسرین نے ان کی موت لی ہے مگر ظاہر ہے کہ اس ذکر کی کچھ ضرورت نہ تھی وحشیوں کی موت کا ذکر کیوں ضروری ہوا؟ یہاں حشر سے مراد اُن کا اجتماع معلوم ہوتا ہے اور دنیا کی اس حالت کی طرف اشارہ ہے جب انسان وحشی جانوروں کو بھی اکٹھا کرے گا جیسے آج جگہ جگہ چڑیا گھروں میں وہ اکٹھے کیے گئے ہیں اور یا مراد استعارۃً وحشی قومیں ہیں اور اشارہ یہ ہے کہ اُن میں بھی تعلیم پھیل کر وہ مہذب ہو جائیں گی۔ اذا البحار سجرت کے معنے یوں بھی ہو سکتے ہیں کہ دریا بھر جائیں گے یا خشک ہو جائیں گے اور یوں بھی کہ شہر بھر جائیں گے اور ان کے بھرنے سے مراد مدنی زندگی کا ترقی کر جانا ہے اور دنیا کا میلان اسی طرف بڑھتا جا رہا ہے۔ اور اس کو اذا النفوس زوجت نے اور بھی صاف کر دیا ہے جس میں لوگوں میں میل جول ہونے کا ذکر کیا۔ اور اس کے بعد زندہ درگور کا ذکر آتا ہے۔ اس بیرحمی کی رسم کو اسلام نے دور کیا اور سوال کرنے سے مطلب اس کا روکنا ہی ہے۔ ان نشانات کا ذکر کر کے جن کی ابتدا آنحضرت صلعم کے زمانہ سے ہو گئی انا والساعۃ کھاتین کی طرف اشارہ ہے۔ اس کے بعد صحیفوں کا پھیلنا ہے۔ سو جس قدر کتابیں اور رسالے اور اخبارات آج پھیلے ہیں وہ اذا الصحف نشرت کی حقیقت کو واضح کر رہے ہیں پھر آسمان کی کھال اتارنے کا ذکر ہے اور مراد اس سے یہ ہے کہ آسمان کی حقیقت منکشف ہوتی چلی جائے گی اور یہ علوم کی ترقی کی طرف اشارہ ہے اور اس کے بعد پھر قیامت کے ذکر کی طرف منتقل کر دیا یعنی دوزخ کی آگ کا بھڑکایا جانا اور جنت کا قریب لایا جانا جس طرح سب سے پہلی دو آیتوں میں قیامت کا ذکر ہی اصل مقصود تھا اسی طرح یہاں آخری دو آیات میں اسی ذکر کو دہرایا ہے اور مجازاً یہ بھی اس دنیا کے واقعات پر لگ سکتے ہیں۔ دوزخ کی آگ کا بھڑکانا یہی ہے کہ حرص و ہوا تیز ہو جائے اور مال دنیا کی محبت ایک دوزخ کی طرح انسانوں پر حاوی ہو جائے اور اس کے ساتھ ہی جنت کا قریب لایا جانا ہے کیونکہ دنیا کی محبت کا دوزخ خود بخود انسانوں کی طبائع کو روحانیات کی طرف پھیرے گا اور پھر اصل حقیقت ان پر منکشف ہو جائے گی۔

وَ الصُّبۡحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۙ﴿۱۸﴾	اور صبح کی جب وہ طلوع کرے ۱؎
اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ۙ﴿۱۹﴾	یہ یقیناً معزز رسولؐ پر (اُترا ہُوا) کلام ہے۔
ذِىۡ قُوَّةٍ عِنۡدَ ذِى الۡعَرۡشِ مَكِيۡنٍ ۙ﴿۲۰﴾	طاقت والے صاحبِ عرش کے نزدیک مرتبے والے پر۔
مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيۡنٍ ؕ﴿۲۱﴾	جس کی اطاعت کی جاتی ہے اور امین ۲؎
وَمَا صَاحِبُكُمۡ بِمَجۡنُوۡنٍ ۚ﴿۲۲﴾	اور تمھارا ساتھی دیوانہ نہیں۔
وَلَقَدۡ رَاٰهُ بِالۡاُفُقِ الۡمُبِيۡنِ ۚ﴿۲۳﴾	اور یقیناً اس نے اپنے آپ کو کھلے انتہائی مقام پر دیکھا۔
وَمَا هُوَ عَلَى الۡغَيۡبِ بِضَنِيۡنٍ ۚ﴿۲۴﴾	اور وہ غیب پر بخیل نہیں۔
وَمَا هُوَ بِقَوۡلِ شَيۡطٰنٍ رَّجِيۡمٍ ۙ﴿۲۵﴾	اور یہ مردود شیطان کا کلام نہیں۔
فَاَيۡنَ تَذۡهَبُوۡنَ ؕ﴿۲۶﴾	سو تم کدھر جاتے ہو۔
اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ۙ﴿۲۷﴾	وہ سب قوموں کے لیے شرف ہے۔
لِمَنۡ شَآءَ مِنۡكُمۡ اَنۡ يَّسۡتَقِيۡمَ ؕ﴿۲۸﴾	اس کے لیے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا چاہے۔
وَمَا تَشَآءُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۲۹﴾ ع	اور تم نہیں چاہتے سوائے اس کے کہ اللہ جہانوں کا رب چاہے۔

آیاتها ۱۹ — سُوۡرَةُ الۡاِنۡفِطَارِ مَكِّيَّةٌ ۳؎ (۸۲) — رکوعها ۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○	اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔
اِذَا السَّمَآءُ انۡفَطَرَتۡ ۙ﴿۱﴾	جب آسمان پھٹ جائے گا۔

نمبر۱۔ خنّس۔ جوار۔ کنّس تینوں سیاروں کے لیے ہیں۔ خنّس میں اشارہ ان کی عجیب حرکت فلکی کی طرف ہے کہ آگے بڑھتے بڑھتے پیچھے ہٹنے لگتے ہیں۔ جوار میں ان کے تیز گزرنے کا ذکر ہے۔ کنّس میں اشارہ ان کے غائب ہونے کی طرف ہے۔ مراد اس سے زحل اور مشتری، مریخ، زہرہ اور عطارد لیے گئے ہیں یا نظامِ شمسی کے سب سیارے مراد ہو سکتے ہیں اور اصل منشا سیاروں کا غائب ہونا ہے جو طلوعِ فجر سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ رات کے پیچھے ہٹنے اور صبح کے نمودار ہونے کا ذکر کر کے خود ہی بتا دیا۔ گویا بتایا کہ آفتابِ صداقت طلوع ہو گیا ہے اور سب تاریکیاں اس کے سامنے کافور ہو جائیں گی۔ پیچھے ہٹنے والے خناس شیاطین بھی اسی تاریکی کے فرزند تھے اور ہو سکتا ہے کہ اس میں ان خناسوں کی طرف اشارہ ہے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کر کے حق کو نابود کرنا چاہتے ہیں۔

نمبر۲۔ بقولِ رسولٍ کریم سے مراد ہے وہ قول جو رسولِ کریمؐ پر نازل ہُوا اور آگے سب صفات آنحضرتؐ کی ہی ہیں۔ مفسرین نے جبرئیلؑ مراد لیا ہے۔

نمبر۳۔ اس سورت کا نام الانفطار ہے اور اس میں انیس آیتیں ہیں۔ ابتدائی مکی زمانہ کی سورت ہے اور لفظ انفطار میں سورت کے مضمون کی طرف اشارہ ہے

وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۝۲	اور جب تارے پھیل جائیں گے۔
وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۝۳	اور جب دریا بہا دیئے جائیں گے۔
وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ ۝۴	اور جب قبریں کھول دی جائیں گی[1]۔
عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ۝۵	ہر شخص جان لیگا جو اس نے آگے بھیجا اور (جو) پیچھے رکھا۔
يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝۶	اے انسان! تجھے اپنے ربِّ کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکا دیا۔
الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ۝۷	جس نے تجھے پیدا کیا، پھر تجھے حکمت سے بنایا پھر تجھے اعتدال پر بنایا۔
فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ ۝۸	جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دیا۔
كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالدِّينِ ۝۹	یوں نہیں بلکہ تم جزا کو جھٹلاتے ہو۔
وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ۝۱۰	اور یقیناً تم پر حفاظت کرنے والے ہیں۔
كِرَامًا كَاتِبِينَ ۝۱۱	معزز لکھنے والے۔
يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ۝۱۲	وہ جانتے ہیں جو تم کرتے ہو[2]۔
إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ۝۱۳	یقیناً نیک نعمتوں میں ہوں گے۔
وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ۝۱۴	اور بدکار یقیناً دوزخ میں ہوں گے۔
يَصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّينِ ۝۱۵	جزا کے دن اس میں داخل ہوں گے۔
وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَائِبِينَ ۝۱۶	اور وہ اس سے غائب نہیں ہوں گے[3]۔

کہ کس طرح روحانی بارش سے قوائے انسانی نشوونما پاکر کمالاتِ انسانی کا ظہور ہوتا ہے۔

نمبر۱۔ ہوسکتا ہے کہ ان تمام امور میں استعارہ ہے آسمان کے پھٹنے سے مراد بارش کا نزول ہے اور مراد روحانی بارش ہے۔ ستاروں کے پھیلنے سے مراد علمِ دین کی روشنی والوں کا دنیا میں پھیل جانا ہے، دریاؤں کے بہانے سے علوم کے دریاؤں کا بہانا مراد ہے اور قبروں کے کھول دینے سے مراد ان لوگوں کا روحانیت کی زندگی پالینا جو گویا قبروں میں دبے ہوئے تھے اور ہوسکتا ہے کہ یہ سب قیامت کے متعلق ہو۔

نمبر۲۔ یہ حافظ اعمال کی حفاظت کرنے والے ہیں دیکھو الرّعد-۱۱ پر نوٹ۔ اعمال کی ذمہ داری کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یہ منشا نہیں کہ ہماری طرح قلم دوات سے لکھتے ہیں۔ اصل غرض حفاظتِ اعمال ہے۔

نمبر۳۔ دونوں طرح معنی کیے گئے ہیں وہ اس سے غائب نہیں ہوں گے یعنی ہر وقت دوزخ میں رہیں گے یا دخولِ جہنم تو اسی وقت ہوگا مگر پہلے بھی اس سے غائب نہ تھے اور اشارہ عذابِ قبر کی طرف سمجھا گیا ہے مگر دوزخ کی ابتدا اسی دنیا سے ہوتی ہے۔

وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۷﴾ — اور تجھے کیا معلوم ہے جزا کا دن کیا ہے۔

ثُمَّ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۱۸﴾ — پھر تجھے کیا معلوم ہے جزا کا دن کیا ہے۔

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ؕ وَ الْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿۱۹﴾ — جس دن کوئی شخص کسی شخص کے لیے کوئی اختیار نہ رکھے گا اور حکم اس دن اللہ تعالیٰ ہی کا ہوگا[1]۔

(۸۳) سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّةٌ

اٰیاتہا ۳۶ — رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ﴿۱﴾ — کمی کرنے والوں کے لیے تباہی ہے[2][3]۔

الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ﴿۲﴾ — جو جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں، تو پورا کر لیتے ہیں۔

وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ﴿۳﴾ — اور جب انھیں ماپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر دیتے ہیں۔

اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ﴿۴﴾ — کیا وہ خیال نہیں کرتے کہ وہ اٹھائے جائیں گے۔

لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵﴾ — ایک بڑے دن کے لیے۔

يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶﴾ — جس دن لوگ جہانوں کے رب کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ﴿۷﴾ — ہرگز نہیں، بدکاروں کے اعمال قید خانے میں ہیں[4]۔

نمبر۱۔ حکم تو ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ہے مگر توجہ اس طرف دلائی ہے کہ یہاں تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ اختیار دیا ہے کہ ایک کام کو کرے یا نہ کرے لیکن وہ نتائج کا وقت ہوگا۔ اس وقت یہ اختیار کسی کو نہیں ہوگا کہ اپنے کیے کا نتیجہ بھگتے یا نہ بھگتے۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام التطفیف ہے اور اس میں چھتیس آیتیں ہیں تطفیف معاملہ یا ادائیگی حقوق میں کمی کرنا ہے اور اس سورت میں بتایا ہے کہ وہ قویٰ جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو دیئے ہیں انھیں مناسب محل پر استعمال نہ کرنے کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ایسے آدمیوں کے اعمال ایک قید خانہ میں رہ جاتے ہیں۔ یعنی ترقی کے قابل نہیں ہوتے اور جو ان قویٰ کو استعمال کرتے ہیں وہ بلند سے بلند ترقی کے مقامات پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہ سورت بھی ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

نمبر۳۔ تطفیف نہ صرف ماپ اور تول میں کمی پر بولا جاتا ہے بلکہ ہر قسم کے حقوق میں کمی پر۔ ایک شخص نے نماز سے غفلت کا عذر کیا تو حضرت عمرؓ نے اسے کہا طفّفتَ جس کے معنی ہیں نَقَصْتَ یعنی تو نے ادائگی حق میں کمی کی اور گو آگے ماپ اور تول کا ذکر ہے مگر ان کا استعمال بھی تمام معاملات پر ہے اور یہاں ہر قسم کی کمی کرنے والے مراد ہیں حقوق اللہ میں ہو یا حقوق العباد میں۔ ویل سے مراد ہے کہ ان کا انجام اچھا نہیں۔

نمبر۴۔ سجن۔ قید کیا۔ سِجْنٌ قید خانہ اور سجّین اسی سے ہے اور لسان العرب میں ہے کہ اس کے معنی سِجن یا قید خانہ ہیں اور جہنم میں ایک وادی ہے اور ہر چیز سے سخت کو سجّین کہا جاتا ہے اور یہاں معنی کیے گئے ہیں کہ ان کی کتاب قید خانہ میں ہوگی بوجہ ان کی خساست مرتبہ کے جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّيْنٌ ﴿۸﴾
اور تو کیا جانتا ہے قید خانہ کیا ہے۔

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۹﴾
وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۰﴾
اس دن جھٹلانے والوں کے لیے تباہی ہے۔

الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۱۱﴾
جو جزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں۔

وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ﴿۱۲﴾
اور اسے کوئی نہیں جھٹلاتا مگر ہر حد سے بڑھنے والا گنہگار۔

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ
الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾
جب اس پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں، کہتا ہے پہلوں کی
کہانیاں ہیں۔

كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ
مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۴﴾
ہرگز نہیں بلکہ ان کے دلوں پر ان کے عملوں کا زنگ بیٹھ
گیا ہے [1]۔

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ﴿۱۵﴾
ہرگز نہیں وہ اپنے رب سے اس دن اوجھل میں ہوں گے

ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ﴿۱۶﴾
پھر وہ ضرور دوزخ میں داخل ہوں گے۔

ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ
تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۷﴾
پھر کہا جائے گا یہ ہے جسے تم جھٹلاتے
تھے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ﴿۱۸﴾
ہرگز نہیں، نیکوں کے اعمال بلند مقامات پر ہیں [2]۔

فاجر وہی لوگ ہیں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد میں کمی کرتے ہیں اور دنیا پر جھکے رہتے ہیں۔ ان کی کتاب سے مراد ان کے اعمال ہیں جیسا کہ پچھلی سورت میں ذکر تھا کراماً کاتبین جو کچھ انسان کرتا رہتا ہے اسے لکھتے جاتے ہیں۔ تو جن لوگوں کے اعمال صرف اسی دنیوی زندگی تک محدود ہوتے ہیں وہ گویا ایک قید خانہ میں رہ جاتے ہیں یعنی کسی ترقی کے قابل نہیں رہتے گویا ان کا ترقی سے رکنا ہی سجین ہے اور اس کو کتاب مرقوم یا لکھی ہوئی کتاب اس لحاظ سے کہا کہ ان اعمال کے نتائج ساتھ کے ساتھ فطرت انسانی پر نقش ہوتے چلے جاتے ہیں۔

نمبر۱۔ ران۔ رین طبع اور میل ہے اور وہ زنگ جو تلوار اور شیشہ پر بیٹھ جاتا ہے اور رین دل کی سیاہی ہے۔ حضرت ابو ہریرۂ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ بندہ ایک گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ نقطہ اس کے دل پر پیدا ہوجاتا ہے پھر اگر اس سے توبہ کرے تو اس کا دل صاف ہوجاتا ہے اور اگر پھر گناہ کرے تو ایک اور نقطہ ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ آخرکار دل سیاہ ہوجاتا ہے۔ یہاں بتایا کہ گناہ سے انسان کا دل سیاہ ہوتا چلا جاتا ہے اور اس کی صفائی اور جلا باقی نہیں رہتی۔ اس لیے اگلی آیت میں اس کا نتیجہ بتایا ہے کہ وہ اپنے رب سے محجوب ہیں کیونکہ ان کے دل سیاہ ہوچکے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے لیے اعلیٰ درجہ کا صاف دل بکار ہے اور پھر ان کا جہنم میں داخل ہونا ضروری ہے تاکہ وہ زنگ جو انھوں نے خود اپنے اعمال سے لگا لیا ہے دور ہوجائے۔

نمبر۲۔ مفردات میں ہے کہ علیین سب سے اعلیٰ درجہ کا بہشت ہے اور کہا گیا ہے کہ یہ فی الحقیقت اس کے رہنے والوں کا نام ہے اور اس کا واحد علیّ ہے تو مطلب یہ ہے کہ نیک لوگ ان اعلیٰ درجہ کے لوگوں میں ہوں گے جیسے اولٰئک مع الذین انعم اللہ علیہم اور لسان العرب میں ہے کہ علیین سے مراد اعلی الامکنہ

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ﴿۱۹﴾
اور تجھے کیا معلوم ہے بلند مقامات کیا ہیں۔

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۲۰﴾
وہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے۔

يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۱﴾
جسے مقرب موجود پائیں گے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿۲۲﴾
یقیناً نیک بندے نعمتوں میں ہوں گے۔

عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۲۳﴾
تختوں پر دیکھ رہے ہوں گے۔

تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِ ﴿۲۴﴾
تو اُن کے چہروں پر نعمتوں کی تازگی معلوم کرے گا۔

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ ﴿۲۵﴾
انھیں ایک خالص پینے کی چیز پلائی جائے گی جس پر مہر لگی ہوئی ہے ؎۱

خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۭ وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾
اس کی مُہر مشک کی ہے اور اس میں چاہیئے کہ رغبت کرنے والے رغبت کریں۔

وَمِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾
اور اس کی ملاوٹ اس پانی سے ہے جو بلندیوں سے بہتا ہے ؎۲

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾
وہ ایک چشمہ ہے جس سے مقرب پیتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾
جو مجرم ہیں وہ ان پر جو ایمان لائے ہنسا کرتے تھے۔

وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ﴿۳۰﴾
اور جب ان پر گزرتے تو آنکھوں سے اشارے کرتے تھے۔

وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا
اور جب اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ کر جاتے (تو) اتراتے

ہیں یعنی اعلیٰ درجہ کے مکان اور مراد اس سے ارتفاع بعد ارتفاع۔ بلندیوں پر بلندیاں ہیں اور ابو اسحاق نے بھی علیین کے معنی اعلی الامکنۃ ہی کیے ہیں۔ یہ گویا سجین کے مقابل پر ہے۔ فجار جو دنیا کی زندگی پر گرے رہتے ہیں ان کے مقابل پر ابرار ہیں جو نیکی میں وسعت اختیار کرتے ہیں ان کے اعمال علیون میں ہونا بیان کرکے یہ سمجھایا ہے کہ وہ ایک بلندی کے بعد دوسری بلندی کی طرف غیر محدود طور پر ترقی کرتے چلے جاتے ہیں جیسا کہ لسان العرب میں اس کے معنی دیئے گئے ہیں جس طرح دنیا داروں کے اعمال قید خانہ میں رہ جاتے ہیں۔ نیکوں کے اعمال ترقی پر ترقی کرتے چلے جاتے ہیں اور یہ گویا مقربین بارگاہ الٰہی ہیں کیونکہ اصل ذکر مقصود اعلیٰ شی اعلیٰ کمال کا ہے۔

نمبر۱۔ رحیق۔ زجاج کہتے ہیں یہ وہ شراب ہے جس میں کوئی غش نہیں یعنی اعلیٰ درجہ کی صاف اور اسے مختوم کہا ہے یعنی وہ محفوظ رکھی گئی ہے جیسے ان کے اعمال خالص اور محفوظ ہیں ویسے ہی جزا ہے اور یہ شرابِ محبتِ الٰہی وہ اس دنیا میں بھی پیتے ہیں اور اگلی آیت میں اس کی مُہر کو مسک یعنی مشک کہا ہے اس لیے کہ باوجود ان کے اعمال کے اصل نتائج کے بند ہونے کے وہ اپنی خوشبو دوسروں کو پہنچاتے ہیں۔

نمبر۲۔ یہاں تسنیم کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ جنت میں پانی ہے جس کا یہ نام رکھا گیا ہے اس لیے کہ وہ چوباروں اور محلات کے اوپر سے بہے گا اور بعض نے اسے جنت میں ایک چشمہ کا نام سمجھا ہے لیکن اگر یہ معرفہ ہوتا تو غیر منصرف ہوتا۔ پس اس کے معنی ہیں ایسا پانی جو بلندیوں سے ان کے اوپر بہتا ہے (لسان) اور چونکہ پانی حیات کا موجب ہے اس لیے اونچائی سے بہنے والے پانی میں بھی اشارہ ان کے مراتب عالیہ کی طرف ہے۔

فَكِهِيْنَ ﴿۳۱﴾ — ہوئے لوٹتے۔

وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ — اور جب انہیں دیکھتے کہتے۔ یہ یقیناً گمراہ ہیں۔

وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ﴿۳۳﴾ — اور وہ ان پر محافظ بنا کر نہیں بھیجے گئے۔

فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ — سو آج جو ایمان لائے، وہ کافروں پر ہنستے ہیں [1]۔

عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ — تختوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔

ع هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ — کافروں کو وہی بدلہ ملا جو وہ کرتے تھے۔

اٰيَاتُهَا ۲۵ (۸۴) سُوْرَةُ الْاِنْشِقَاقِ مَكِّيَّةٌ [2] رُكُوْعُهَا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ — اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ — جب آسمان پھٹ جائے گا۔

وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۲﴾ — اور اپنے رب کی بات سنے گا اور وہ اسی لائق ہے۔

وَاِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾ — اور جب زمین پھیل جائے گی۔

وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۴﴾ — اور جو اس کے اندر ہے وہ نکال دے گی اور خالی ہو جائے گی۔

وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ ﴿۵﴾ — اور اپنے رب کی بات سنے گی اور وہ اسی لائق ہے [3]۔

نمبر۱۔ یہ کلام بطور مجاز ہے فی الحقیقت ہنسنا مراد نہیں کیونکہ مومن تو اس دنیا میں بھی کافر کی مصیبت پر ہنستا نہیں بلکہ اس سے ہمدردی کرتا ہے یا اس پر افسوس کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح وہ اپنے آپ کو دنیا میں بڑے عالی مرتبہ اور مومنوں کو حقیر سمجھ کر ان پر ہنستے تھے قیامت کے دن یہ حالت تبدیل ہو جائے گی۔ مومن تو مراتب عالیہ پر ہوں گے اور کافر ذلت کی حالت میں ہوں گے گویا وہ خود ہنسی کا مقام بن گئے۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام الانشقاق ہے اور اس میں پچیس آیتیں ہیں۔ انشقاق کے لفظ میں اشارہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام ترقیات کسی انشقاق سے وابستہ ہیں۔ جس طرح آسمان کے انشقاق سے جو بارش سے وقوع میں آتا ہے زمین کی مخفی طاقتیں ترقی پذیر ہوتی ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انشقاق روحانی وحی کے رنگ میں واقع ہوتا ہے تو انسان کی مخفی طاقتیں ظہور پذیر ہو کر اور ایک روحانی قیامت قائم ہو کر قیامتِ کبریٰ کے وجود پر نشان ٹھہرتی ہے۔ یعنی اسی طرح آخر کار کل انسانوں کے قوائے مخفی ظہور پذیر ہوں گے۔ یہ سورت بھی ابتدائی مکی زمانہ کی ہے اور اس میں انسان کی ان ترقیات کے ساتھ ساتھ اسلام کی ترقیات کی بشارتِ عظمیٰ ہے۔

نمبر۳۔ یہ سب نشانات قیامتِ کبریٰ کے ہو سکتے ہیں اور اس صورت میں زمین کے پھیل جانے سے مراد یہ لی گئی ہے کہ اس کی وسعت بڑھا دی جائے گی۔ اور القت ما فیہا سے یہ کہ مُردے نکال دیگی۔ مگر ہو سکتا ہے کہ یہ قیامتِ روحانی کے قیام پر بطور شہادت ایک امر پیش کیا گیا ہے اور آسمان کے انشقاق سے مراد

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ ﴿۶﴾	اے انسان تو سخت کوشش کرکے اپنے رب کی طرف پہنچنے والا پھر اُسے ملنے والا ہے [1]
فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ﴿۷﴾	سو جس کی کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں دی گئی،
فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا ﴿۸﴾	تو اس کا حساب بھی آسان لیا جائے گا۔
وَّيَنْقَلِبُ اِلٰٓى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۹﴾	اور وہ اپنے ساتھیوں کی طرف خوش خوش لوٹ جائے گا۔
وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ﴿۱۰﴾	اور جس کی کتاب اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دی گئی [2]
فَسَوْفَ يَدْعُوْا ثُبُوْرًا ﴿۱۱﴾	تو وہ موت مانگے گا،
وَّيَصْلٰى سَعِيْرًا ﴿۱۲﴾	اور دوزخ میں داخل ہوگا۔
اِنَّهٗ كَانَ فِيْٓ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ﴿۱۳﴾	وہ (پہلے) اپنے ساتھیوں میں خوش تھا۔
اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ يَّحُوْرَ ﴿۱۴﴾	اس کا خیال تھا کہ وہ لوٹ کر نہیں آئے گا۔
بَلٰٓى اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِيْرًا ﴿۱۵﴾	ہاں اس کا رب اسے دیکھنے والا ہے۔
فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿۱۶﴾	سو نہیں میں شام کی سرخی کی قسم کھاتا ہوں۔
وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿۱۷﴾	اور رات کی اور اس کی جسے وہ جمع کرتی ہے۔
وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾	اور چاند کی جب وہ کامل ہوتا ہے۔
لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾	تم ضرور ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف چڑھو گے [3]
فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾	سو انہیں کیا ہوا کہ ایمان نہیں لاتے۔

بارش کا اترنا اور زمین کے پھیلنے سے مراد اس کا سبزیوں وغیرہ سے بڑھنا اور پھولنا ہو جیسے دوسری جگہ ہے فاذا انزلنا علیھا الماء اھتزت وربت (الحج)
۵) اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح آسمان کے پانی برسانے سے زمین کی مخفی طاقتیں باہر نکل آتی ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ کی روحانی بارش سے انسان کی مخفی طاقتیں باہر نکل آتی ہیں اور وہ جیساکہ اگلی آیت میں ہے خدا کے رستہ میں کوشش کرتا کرتا اللہ تعالیٰ کو پالیتا ہے اور اس معنی کی تائید لترکبن طبقا عن طبق سے ہوتی ہے اور فی الحقیقت ان مخفی طاقتوں کا ترقی پذیر ہونا قیامت روحانی کو ہی نہیں بلکہ قیامت کبریٰ کو بھی چاہتا ہے اس لیے کہ سب لوگوں میں یہ طاقتیں اس عالم میں ترقی پذیر نہیں ہوتیں اس لیے ضروری تھا کہ دوسرے عالم میں ان کی کامل ترقی ہوتی۔ اور ما فیھا سے مراد زمین کی اندرونی طاقتوں کا باہر نکل آنا ہوگا اور بعض نے القا سے خزانوں کا دجال کے وقت میں باہر نکالنا مراد لیا ہے۔

نمبر ۱۔ کادح۔ کدح کے معنی کوشش اور مشقت ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا صرف نام لے لینے سے اللہ نہیں ملتا بلکہ یہاں بھی مجاہدہ کی ضرورت ہے۔
نمبر ۲۔ جو لوگ یہاں اپنی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک رکھتے ہیں یعنی اس پر عمل نہیں کرتے ان کو وہاں بھی کتاب پیٹھ پیچھے ملے گی۔
نمبر ۳۔ لترکبن طبقا عن طبق سے مراد ہے انسان کا درجہ بدرجہ ترقی کرنا اور شفق اور پھر رات کا تاریکیوں کو جمع کرنا پھر چاند کا کمال کو پہنچنا ظاہر مناظر

وَ اِذَا قُرِئَ عَلَيۡهِمُ الۡقُرۡاٰنُ لَا يَسۡجُدُوۡنَ ۩ ﴿٢١﴾	اور جب اُن پر قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔
بَلِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا يُكَذِّبُوۡنَ ﴿٢٢﴾	بلکہ کافر جھٹلاتے ہیں۔
وَ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا يُوۡعُوۡنَ ﴿٢٣﴾	اور اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے جو وہ دلوں میں رکھتے ہیں ۱۔
فَبَشِّرۡهُمۡ بِعَذَابٍ اَلِيۡمٍ ﴿٢٤﴾	سو انھیں دردناک عذاب کی خبر دے۔
اِلَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	ہاں جو لوگ ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں، اُن کے
ع لَهُمۡ اَجۡرٌ غَيۡرُ مَمۡنُوۡنٍ ﴿٢٥﴾	لیے اجر ہے جو ختم نہ ہوگا۔

اٰیاتہا ۲۲ (٨٥) سُوۡرَةُ الۡبُرُوۡجِ مَكِّيَّةٌ ٢ رکوعہا ۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○	اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الۡبُرُوۡجِ ﴿١﴾	ستاروں والا آسمان گواہ ہے۔
وَ الۡيَوۡمِ الۡمَوۡعُوۡدِ ﴿٢﴾	اور وعدے کا دن۔
وَ شَاهِدٍ وَّ مَشۡهُوۡدٍ ﴿٣﴾	اور گواہ اور جس کی گواہی دی گئی۔
قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ ﴿٤﴾	خندق والے ہلاک ہوگئے ۳۔

قدرت ہیں کہ اسی طرح انسان بھی روحانی طور پر ترقی کرتا ہے شفق کی حالت گویا اسی دنیا کے آخری اوقات سے مشابہ ہے اور موت کے بعد کی حالت رات کی تاریکی سے مشابہ ہے اور پھر چاند کی طرح کمال کو پہنچتا ہے جو جنت کی حالت سے مشابہ ہے اور مجاہد سے شفق کے معنی کل النہار مروی ہیں اور بخاری میں ابن عباسؓ سے ہے کہ لترکبن طبقا عن طبق نبی کریم صلعم کی ترقیات کا ذکر ہے اور معنی حالاً بعد حال ہی کیے ہیں اور مطلب یہ لیا گیا ہے کہ آپ کا امر بتدریج ترقی کرے گا یعنی پہلے مغلوبیت کی حالت ہوگی پھر برابری کی پھر غلبہ کی اور اصل میں مراد امر اسلام ہے جو سب کو شامل کرتا ہے یعنی امر اسلام ترقی کرتے کرتے آخر سب ظلمتوں کو دور کردے گا اور بدر کامل کی طرح ہو جائے گا۔ گو درمیان میں رات کی تاریکیوں کی طرح اس پر مشکلات کا زمانہ بھی آجائے۔

نمبر۱۔ یہاں مراد دلوں میں کچھ باتوں کا بند رکھنا ہے خواہ وہ منصوبے ہوں جو اسلام کے خلاف اسلام کے دشمن رکھتے ہیں یا ان کے کینے اور یا مراد ان قویٰ کا بند رکھنا ہے جنھیں وہ ترقی سے روکتے ہیں اور عذاب الیم کی بشارت میں یہ اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ عذاب الیم روحانی ترقیات کا راستہ کھولنے کے لیے ایک ضروری چیز ہے یعنی جو لوگ یہاں ان ترقیات کے لیے مجاہدہ نہیں کرتے انھیں دوسرے عالم میں ان مجاہدات کی جگہ عذاب میں سے گذرنا پڑیگا۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام البروج ہے اور اس میں بائیس آیتیں ہیں۔ لفظ بروج میں اشارہ ایک قوم کے ملک عرب میں پیدا ہونے کی طرف ہے جو اس ملک کو اسی طرح بھر دے گی جس طرح ستاروں نے آسمان کو بھرا ہوا ہے کیونکہ ستارے رات کے وقت روشنی کا موجب ہوتے ہیں اور صحابہ نے بھی روشنی کو دنیا میں پھیلایا اور مخالفین کا ذکر بھی کیا کیونکہ وہ اس قوم کو مٹانے کی کوششیں کرنے والے تھے۔ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور ابتدائی زمانہ کی ہے۔

نمبر۳۔ یہاں تین چیزوں کو گواہ کے طور پر پیش کیا۔ اول ستاروں والا آسمان اور بروج سے مراد ستارے ہیں۔ دوم یوم موعود یعنی وہ دن جب حق ظاہر ہو جائے اور اس کے رستے سے رکاوٹیں دور ہو جائیں۔ سوم شاہد اور مشہود ہیں۔ اول سے مراد جمعہ کا دن، یا آنحضرت صلعم یا خود اللہ تعالیٰ لیگیا ہے اور دوم سے مراد یوم عرفہ یا قیامت کا دن اور ان تین کی شہادت کو اس بات کے متعلق پیش کیا گیا ہے کہ خندق والے ہلاک ہوگئے۔ خندق والوں

النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝۵	آگ والے جس میں ایندھن ڈالا جاتا ہے ۔
اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ ۝۶	جب وہ اس پر بیٹھے ہوئے تھے ۔
وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ ۝۷	اور وہ اس پر گواہ تھے ، جو وہ مومنوں کے ساتھ کرتے تھے ۔
وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝۸	اور وہ ان سے صرف اس بات کو بُرا مناتے تھے کہ وہ اللہ غالب تعریف کیے گئے پر ایمان لائے ہیں ۔
الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۝۹	وہ جس کی بادشاہت آسمانوں اور زمین کی ہے اور اللہ ہر چیز پر گواہ ہے ۔
اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ ۝۱۰	وہ لوگ جو مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دکھ دیتے ہیں ، پھر توبہ نہیں کرتے ، توان کے لیے دوزخ کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلنے کا عذاب ہے ۔
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ	وہ لوگ جو ایمان لاتے اور اچھے عمل کرتے ہیں ، ان کے لیے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ، یہ بڑی

کے متعلق بھی مختلف اقوال ہیں ۔ بعض کے نزدیک جن مومنوں کے ان کے ہاتھ سے قتل کا ذکر ہے وہ بقایا نے مجوس میں سے اہل کتاب تھے اور بعض کے نزدیک بنی اسرائیل کے کچھ لوگ تھے اور بعض کے نزدیک ذونواس ایک یہودی بادشاہ تھا جس نے عیسائیوں کو آگ میں جلوا دیا اور بائبل میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ بخت النصر شاہ بابل نے تین یہودیوں سدرک ، میسک اور عبد نجو کو اس قصور پر کہ وہ بادشاہ کے بنائے ہوئے بت کو سجدہ نہ کرتے تھے آگ کی جلتی ہوئی بھٹی میں ڈلوا دیا ۔ یہاں توجیہ یوں بھی کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلعم کے اعدا بھی اسی طرح ہلاک کیے جائیں گے جس طرح خندق والے ہلاک ہوئے جنھوں نے پہلے خدا پرستوں کو تکلیف پہنچائی پس ہوسکتا ہے کہ اصحاب الاخدود میں انہی واقعات کی طرف اشارہ ہو اور ہوسکتا ہے کہ یہ آیندہ کے متعلق پیش گوئی ہو ۔ ورنہ شہادت کا پیش کرنا بے معنی ہے ۔ ایک اصحاب الاخدود تو وہ تھے جن کے مقابل پر نبی کریم صلعم کو مدینہ کے گرد خندق کھود کر اپنے آپ کو محفوظ کرنا پڑا اور ایک اصحاب الاخدود وہ ہیں جن کی تمام لڑائیاں آج خندق میں ہوتی ہیں اور دونوں جگہ مومنوں کو تکلیف محض اس لیے پہنچائی جاتی ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لانے والی قوم ہے اور یا اصحاب الاخدود سے مراد اصحاب النار ہی ہیں اور مطلب یہ ہے کہ مومنوں کو دکھ دینے کی وجہ سے آخر انھیں دوزخ کے عذاب کا مزہ چکھنا پڑے گا اور اس صورت میں آیت ، میں ان کے شہود ہونے سے مراد ہوگی کہ جو دکھ وہ مومنوں کو دیتے رہے تھے اس کا مزہ برنگ عذاب چکھ رہے ہوں گے اور ستاروں والے آسمان کی طرف توجہ دلا کر یوم موعود کے ذکر میں یہ اشارہ ہے کہ جس طرح یہ ظاہری آسمان ستاروں سے بھرا ہوا ہے اسی طرح ملک عرب پاک اور نیک لوگوں سے بھر جائے گا جو لوگوں کے لیے نور اور ہدایت کا موجب ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو نجوم سے مشابہت بھی دی ہے پس اصل مراد یہ ہے کہ وہ وعدے کا دن آ رہا ہے جب ملک عرب اسی طرح نیک لوگوں سے بھر جائے گا جس طرح آسمان ستاروں سے بھرا ہوا ہے اور شاہد حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشہود وہ امر جس کی گواہی آپ نے دی یعنی حق کا غالب آنا ۔ یا مشہود وہ لوگ ہیں جو آپ کی تعلیم کو اپنے اندر لے لیں گے کیونکہ یہی وہ امر بھی تھا جن کی گواہی دی گئی ۔

ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ ﴿۱۱﴾ | کامیابی ہے۔

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ ﴿۱۲﴾ | یقیناً تیرے رب کی گرفت سخت ہے۔

اِنَّهٗ هُوَ يُبْدِئُ وَ يُعِيْدُ ﴿۱۳﴾ | وہی پہلی بار بناتا اور بار بار بناتا ہے۔

وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ﴿۱۴﴾ | اور وہ بخشنے والا محبت کرنے والا ہے۔

ذُو الْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ﴿۱۵﴾ | عرش کا مالک بڑی شان والا۔

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۶﴾ | کرگزرنے والا جو وہ چاہتا ہے۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾ | کیا تجھے لشکروں کی خبر پہنچی ہے۔

فِرْعَوْنَ وَ ثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾ | فرعون اور ثمود کی۔

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾ | بلکہ وہ جو کافر ہیں جھٹلانے میں لگے ہوئے ہیں۔

وَّ اللّٰهُ مِنْ وَّرَآئِهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾ | اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ہر طرف سے گھیرا ہوا ہے۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ | بلکہ وہ ایک قرآن بڑی شان والا ہے۔

فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾ | محفوظ تختی میں ملے۔

(۸۶) سُوْرَةُ الطَّارِقِ مَكِّيَّةٌ ۲ — اٰیاتھا ۱۷ — رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ ﴿۱﴾ | آسمان گواہ ہے اور رات کو آنے والا۔

وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾ | اور تجھے کیا خبر ہے کہ رات کو آنے والا کون ہے۔

نمبر۱۔ قرآن مجید کے لوح محفوظ میں ہونے سے ایک مراد یہ لی گئی ہے کہ وہاں تک شیاطین نہیں پہنچ سکتے اور ایک یہ کہ قرآن شریف بعد اتارا جانے کے تغیر و تبدل اور کمی زیادتی سے محفوظ ہے اور چونکہ یہاں اوپر ذکر ان لوگوں کا تھا جو تکذیب اور مخالفت کے درپے ہیں اور قرآن مجید کو گویا نابود کرنا چاہتے ہیں تو اس لیے لوح محفوظ میں ہونے سے خاص اشارہ اسی طرف معلوم ہوتا ہے کہ دشمن اسے نیست و نابود نہیں کر سکتے اور لوح محفوظ کا تعلق علم الٰہی سے ہے۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام الطارق ہے اور اس میں سترہ آیتیں ہیں اور طارق رات کے وقت آنے والے کو کہتے ہیں اور مراد اس سے نبی کریم صلعم کا ظلمت کے وقت دنیا میں ظاہر ہونا اور اس ظلمت کو دور کرنا ہے اور پچھلی سورت کے مضمون کو جاری رکھا ہے کہ کس طرح آپ کے آنے سے تاریکی دور ہو کر نور اور ہدایت پھیل جائے گی یہ سورت بھی بالاتفاق مکی ہے اور ابتدائی زمانہ کی ہے۔

النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿۳﴾	چمکتا ہُوا ستارہ ہے ۔۱
اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۴﴾	کوئی جان نہیں مگر اس پر حفاظت کرنے والا ہے۔
فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۵﴾	پس انسان دیکھے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔
خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ﴿۶﴾	وہ گرائے ہوئے پانی سے پیدا ہُوا ہے۔
يَّخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَ التَّرَآئِبِ ﴿۷﴾	وہ پیٹھ اور پسلیوں کے بیچ میں سے نکلتا ہے ۔۲
اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ﴿۸﴾	یقیناً وہ اس کے لوٹانے پر بھی قادر ہے۔
يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ﴿۹﴾	جس دن چھپی باتیں ظاہر ہو جائیں گی ۔۳
فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّ لَا نَاصِرٍ ﴿۱۰﴾	تو اس کے لیے نہ کوئی قوت ہوگی اور نہ کوئی مددگار۔
وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۱﴾	آسمان گواہ ہے جو (مینہ کو) لوٹاتا ہے۔
وَ الْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۱۲﴾	اور زمین جو (پودوں سے) پھٹ پڑتی ہے ۔۴
اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾	یہ یقیناً فیصلہ کی بات ہے۔

نمبر۱- طارق رستہ پر چلنے والا۔ لیکن تعارف میں رات کے وقت آنے والے سے مخصوص ہو گیا ہے اور نجم کو بھی اس کے رات کے وقت ظہور کرنے کی وجہ سے طارق کہا جاتا ہے اور بلند مرتبہ لوگوں پر بھی یہ لفظ بولا گیا ہے۔

یہاں آسمان اور طارق کو شہادت میں پیش کر کے خود ہی بتا دیا ہے کہ طارق چمکتا ہوا ستارہ ہے اور لفظ ثاقب میں اشارہ ہے کہ اس کی روشنی ایسی تیز ہے کہ تاریکی کو پاش پاش کر دیگی اور چونکہ طارق کا لفظ عربی زبان میں عظیم الشان لوگوں پر بولا جاتا تھا اس لیے یہاں اس میں خاص اشارہ حضرت نبی کریم صلعم کی طرف ہے اور آپ کو طارق اس لحاظ سے کہا کہ آپ ایک سخت تاریک رات میں آئے جب ساری دنیا پر تاریکی اور جہالت چھائی ہوئی تھی اور نجم ثاقب اس لحاظ سے کہ آپ کی قوت قدسی کی تیز روشنی اس جہالت کی تاریکی کو دور کرنے والی تھی اور جواب قسم ان کل نفس لما علیها حافظ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ حفاظت اعمال کرتا ہے جس کا نتیجہ دوسری زندگی ہے اور رسول اللہ صلعم کے وجود کو قیامت کے حق ہونے پر گواہ ٹھیرایا ہے۔

نمبر۲- یہاں صلب اور ترائب کے درمیان کہہ کر ایک لطیف پیرایہ میں بتایا ہے کہ انسان کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے ایک حدیث میں ہے من یضمن لی مابین لحییته و مابین رجلیه فاضمن له الجنة جہاں مابین رجلیه یعنی اس کے دونوں پاؤں کے درمیان سے مراد اس کی شرمگاہ ہے بعث بعد الموت کو بعید خیال کرنیوالوں کو توجہ دلائی ہے کہ انسان کی پہلی پیدائش میں کیا کم قدرت کا نظارہ ہے کہ دوسری کو بعید سمجھتے ہو۔

نمبر۳- چھپی باتوں سے مراد نتائج اعمال ہیں جو نظر سے مخفی رہتے ہیں۔

نمبر۴- بخاری میں مجاہد کا قول ہے کہ ذات الرجع بادل ہے جو مینہ کو لوٹاتا ہے اور ذات الصدع زمین یعنی نبات کے ساتھ پھٹنے والی اور آسمان کو ذات الرجع اس لیے کہا کہ زمین سے بخارات آبی اُٹھتے ہیں تو آسمان انھیں بارش کے رنگ میں لوٹا دیتا ہے اور ان دونوں آیتوں میں آسمان اور زمین کی زوجیت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ آسمان کے بارش برسانے سے زمین میں سے کیا کیا نکل کھڑا ہوتا ہے اسی طرح قرآن ایک روحانی بارش ہے جو انسانوں کے اندر ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیگا اور ان کی مخفی طاقتوں کو زندہ کر دے گا اسی لیے جواب قسم ہے انه لقول فصل یعنی حق کو باطل سے الگ کر دے گا۔ حق زندہ ہوگا اور باطل مر جائے گا۔

وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۱۴﴾ اور یہ بیہودگی نہیں۔

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ﴿۱۵﴾ یہ بھی ایک تدبیریں لگے ہوئے ہیں۔

وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ﴿۱۶﴾ اور میں بھی ایک تدبیر کر رہا ہوں۔

فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ﴿۱۷﴾ پس تو کافروں کو مہلت دے انھیں تھوڑی ہی مہلت دے۔

اٰیاتها ۱۹ (۸۷) سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّةٌ رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے باربار رحم کرنے والے کے نام سے

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ﴿۱﴾ اپنے رب بہت بلند کے نام کی تسبیح کر۔

الَّذِيْ خَلَقَ فَسَوّٰى ﴿۲﴾ جس نے پیدا کیا، پھر ٹھیک بنایا۔

وَالَّذِيْ قَدَّرَ فَهَدٰى ﴿۳﴾ جس نے (حد کا) اندازہ لگایا پھر راہ دکھائی ۔

وَالَّذِيْٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ﴿۴﴾ اور جس نے چارہ نکالا۔

فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰى ﴿۵﴾ پھر اسے سیاہ کوڑا کرکٹ بنا دیا۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ﴿۶﴾ ہم تجھے پڑھائیں گے سو تو نہ بھولے گا۔

اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مگر جو اللہ (تعالیٰ) چاہے ۔ وہ کھلی بات کو جانتا ہے،

نمبر۱۔ اس سورت کا نام الاعلیٰ ہے اور اس میں انیس آیتیں ہیں۔ الاعلیٰ اللہ تعالیٰ کا اسم ہے اور یہاں بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے سے ہی انسان علو کے مقام پر پہنچ سکتا ہے۔ یہ سورت بھی ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

نمبر۲۔ یہاں اوّل اللہ تعالیٰ کے اسم الاعلیٰ کی تسبیح کے لیے فرمایا اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلعم اس آیت کو پڑھ کر کہا کرتے تھے سبحان ربی الاعلیٰ۔ اور اس میں اور نماز میں انتہائی ذلت کی حالت میں سبحان ربی الاعلیٰ کا ذکر سکھانا بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ اسی ذریعہ سے انسان علو پر پہنچ سکتا ہے اور اسی لیے نماز کو معراج مومن کہا ہے۔ اس کے بعد چار امور کا ذکر کیا۔ خلق، تسویہ، تقدیر، ہدایت اور چونکہ یہاں مفعول مذکور نہیں اس لیے ساری مخلوق ہی مراد ہے یعنی ہر چیز کو پیدا کیا۔ ہر چیز کو ایک کمال دیا۔ ہر چیز کے لیے ایک اندازہ اور حدبست مقرر کی کہ اس سے باہر وہ نہیں نکل سکتی اور ہر چیز کو رستہ دکھایا۔ یعنی ایک قانون بتایا کہ اس پر چل کر وہ اپنے کمال کو حاصل کرے۔ پیدائش کے مقابلہ میں اندازہ مقرر کرنا اور تسویہ کے مقابلہ میں ہدایت ہیں اور یہ چاروں باتیں ایک دوسرے سے وابستہ ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ خلق نہیں کرتا تو وہ ان چیزوں کی حدبست بھی مقرر نہیں کر سکتا اور نہ کمال تک پہنچانے کے قوانین بنا سکتا ہے۔ دوسری جگہ یوں فرمایا اعطی کل شئ خلقه ثم هدی گویا خلق سے ہی ہدایت وابستہ ہے۔ ایسا ہی انسان کے کمالِ روحانی کو حاصل کرنے کی راہ بھی اللہ تعالیٰ ہی بتا سکتا ہے آریہ جو خلق کے منکر ہیں انھیں ہدایت کا بھی انکار کرنا پڑے گا۔

نمبر۳۔ جب ہر چیز کا کمال الگ ہے تو اس کی ہدایت بھی الگ ہے انسان دیگر مخلوق سے ایک فوقیت رکھتا ہے اس لیے اس کا کمال بھی بلند تر ہے

وَمَا يَخْفٰى ⑦	اور (اُسے بھی) جو چھپا ہے ۔
وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ⑧	اور ہم آسان (طریق) کی طرف تجھے چلائیں گے ۔
فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ⑨	نصیحت یقیناً نفع دیتی ہے ۔
سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ⑩	وہی نصیحت حاصل کرتا ہے جو ڈرتا ہے ۔
وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ⑪	اور بدبخت اس سے دُور ہوتا ہے ۔
الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ⑫	جو بڑی آگ میں داخل ہوگا ۔
ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ⑬	پھر وہ نہ اس میں مرے گا اور نہ زندہ ہوگا ۔
قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ⑭	وہی کامیاب ہوتا ہے جو اپنے آپ کو پاک کرتا ہے ۔
وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ⑮	اور اپنے رب کے نام کو یاد کرتا ہے پس نماز پڑھتا ہے ۔
بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ⑯	بلکہ تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو ۔
وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ⑰	حالانکہ آخرت بہتر اور باقی رہنے والی ہے ۔
اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ⑱	یقیناً یہ پہلے صحیفوں میں ہے ۔
صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ⑲	ابراہیمؑ اور موسیٰؑ کے صحیفوں (میں) ؎۱

روحانی کمال حاصل کرنے کے لیے اتباع وحی ضروری ہے اللہ تعالیٰ کی وحی کا یہاں ایک نشان بیان کیا کہ ہم تجھے پڑھاتے ہیں تو تُو اُسے بُھول نہیں سکتا۔ آنحضرت صلعم بھی ایک انسان تھے اور ہر انسان بھولتا بھی رہتا ہے آنحضرت بھی دیگر باتوں میں بعض وقت بھول جاتے تھے جس کے متعلق فرمایا الا ماشاء اللہ یہاں الّا استثنائے منقطع ہے مطلب یہ ہے کہ جس طرح دوسرے انسان بھولتے ہیں تم بھی بہتیری باتیں بھول جاتے ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ کے پڑھانے کا یہ نشان ہے کہ آپ اسے بھولتے نہیں۔ آپ پر بیس بیس رکوع کی سورت اکٹھی نازل ہوتی اور ان سورتوں کے مضامین جو توحید و نبوت کے دلائل سے پُر ہیں نہایت دقیق ہیں پھر ایک ایک سورت کا نزول کئی کئی سال تک ممتدرہا جب ایک آیت اترتی تو اسے آپ ایک خاص جگہ لکھوا دیتے لیکن آپ خود نہ پڑھنا جانتے نہ لکھنا۔ نہ آپ کے گھر میں کوئی لکھا ہوا نسخہ قرآن شریف کا موجود ہے۔ باایں آپ نمازوں میں متفرق مقامات سے قرآن پڑھتے ہیں اور نہ کسی سورت میں ایک حرف کی کمی بیشی وقوع میں آتی ہے نہ ترتیب میں ایک آیت آگے پیچھے ہوتی ہے یہ کس قدر بڑا معجزہ ہے کہ بجائے خود ہی صداقت وحی پر ایک واضح دلیل ہے۔

نمبر۱ یعنی یہی تعلیم قد افلح من تزکّٰی۔ یعنی تزکیہ سے ہی انسان فلاح کو حاصل کرسکتا ہے۔ پہلے صحیفوں میں بھی موجود ہے۔

اٰیاتُہا ۲۶ (۸۸) سُوْرَةُ الْغَاشِيَةِ مَكِّيَّةٌ رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اللہ نہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۗ ۝١	کیا تیرے پاس ڈھانک لینے والی کی خبر آئی ہے؟
وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ خَاشِعَةٌ ۙ ۝٢	(کچھ) مُنہ اُس دن ذلیل ہوں گے۔
عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۙ ۝٣	محنت کرنے والے تھکے ماندے ۲۔
تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ۙ ۝٤	جلتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔
تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۗ ۝٥	اُبلتے ہوئے چشمے سے انھیں پانی پلایا جائے گا۔
لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۙ ۝٦	سوائے کانٹوں کے ان کے لیے کوئی کھانا نہ ہوگا۔
لَّا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِيْ مِنْ جُوْعٍ ۗ ۝٧	وہ نہ موٹا کرتا ہے اور نہ بھوک میں کام آتا ہے ۳۔
وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاعِمَةٌ ۙ ۝٨	(کچھ) مُنہ اُس دن تر و تازہ ہوں گے۔
لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۙ ۝٩	اپنی کوشش کی وجہ سے راضی ہوں گے۔
فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۙ ۝١٠	بلند بہشت میں۔
لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ۗ ۝١١	تو اس میں کوئی لغو بات نہ سُنے گا۔
فِيْهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ۘ ۝١٢	اس میں بہتا ہُوا چشمہ ہے۔
فِيْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ۙ ۝١٣	اُس میں اونچے تخت ہوں گے۔
وَّاَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ۙ ۝١٤	اور آب خورے رکھے ہوئے۔

نمبر۱- اس سورت کا نام الغاشیہ ہے اور اس میں چھبیس آیتیں ہیں- غاشیہ ڈھانک لینے والی چیز کو کہتے ہیں اور اس نام میں یہ اشارہ ہے کہ جو لوگ اپنے نفس کا تزکیہ نہیں کرتے اور دنیا پر ہی گرے رہتے ہیں ان کے لیے آخر ایک وقت آتا ہے کہ جس مصیبت سے وہ بچنا چاہتے تھے وہی ان کو ڈھانک لیتی ہے یہ ابتدائی مکی زمانہ کی سورت ہے۔

نمبر۲- مجاہد کا قول بخاری میں ہے کہ اس سے مراد نصاریٰ ہیں تو اس صورت میں مراد یہ ہوگی کہ وہ دنیا کے کام کرتے رہے جن کا نتیجہ سوائے تکان اور درماندگی کے کچھ نہ ملا اور یہ معنی زید سے مروی ہیں۔

نمبر۳- دنیا اور اس کی آرزوئیں فی الحقیقت خاردار جھاڑیاں ہیں جو نہ انسان کو موٹا کرتی ہیں یعنی نہ روحانی طور پر اس کے کسی فائدہ کا موجب ہیں نہ بھوک رکھتی ہے دنیا کی حرص کی آگ اور زیادہ مشتعل ہوتی ہے۔

وَّ نَمَارِقُ مَصۡفُوۡفَةٌ ﴿۱۵﴾	اور گاؤ تکیے قطار میں لگے ہوئے۔
وَّ زَرَابِیُّ مَبۡثُوۡثَةٌ ﴿۱۶﴾	اور فرش بچھائے ہوئے۔
اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ ﴿۱۷﴾	توکیا بادلوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کس طرح پیدا کیے گئے ہیں۔
وَ اِلَی السَّمَآءِ کَیۡفَ رُفِعَتۡ ﴿۱۸﴾	اور آسمان کی طرف کہ وہ کیسا بلند بنایا گیا ہے۔
وَ اِلَی الۡجِبَالِ کَیۡفَ نُصِبَتۡ ﴿۱۹﴾	اور پہاڑوں کی طرف کہ وہ کس طرح کھڑے کیے گئے ہیں۔
وَ اِلَی الۡاَرۡضِ کَیۡفَ سُطِحَتۡ ﴿۲۰﴾	اور زمین کی طرف کہ وہ کس طرح بچھائی گئی ہے ؂۱
فَذَکِّرۡ ۟ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَکِّرٌ ﴿۲۱﴾	سو نصیحت کر تو صرف یاد دلانے والا ہے۔
لَسۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِمُصَیۡطِرٍ ﴿۲۲﴾	اُن پر تو داروغہ نہیں۔
اِلَّا مَنۡ تَوَلّٰی وَ کَفَرَ ﴿۲۳﴾	ہاں جو منہ پھیرتا اور انکار کرتا ہے۔
فَیُعَذِّبُہُ اللّٰہُ الۡعَذَابَ الۡاَکۡبَرَ ﴿۲۴﴾	تو اللہ تعالیٰ اُسے بڑا عذاب دے گا۔
اِنَّ اِلَیۡنَاۤ اِیَابَہُمۡ ﴿۲۵﴾	ہماری طرف ہی اُن کا لوٹ کر آنا ہے۔
ع ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا حِسَابَہُمۡ ﴿۲۶﴾	پھر ہمارے ذمے ہی اُن کا حساب ہے۔

آیاتہا ۳۰ — (۸۹) سُوۡرَۃُ الۡفَجۡرِ مَکِّیَّۃٌ ۱۰ — رکوعہا ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ	اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔
وَ الۡفَجۡرِ ﴿۱﴾	فجر گواہ ہے ؂۲

نمبر ؂۱ ابل - اونٹوں کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ ابل کے معنی بادل ہیں جو بارش کے لیے پانی اٹھاتے ہیں اور سماء، جبال اور ارض کے ساتھ زیادہ موزوں بادل کا ذکر ہے اور اگر اونٹ مراد لیا جائے تو ان کی ریگستانوں میں برداشت کی زبردست طاقت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یوں تو سب ظاہری مناظر قدرت کی طرف توجہ دلائی ہے مگر ساتھ ہی اس میں انسان کو یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ بادلوں کی سخاوت یا اونٹ کی برداشت آسمان کی رفعت، پہاڑوں کے استقلال - زمین کی فراخی کو اپنے اخلاق میں جمع کرے۔

نمبر ؂۲ اس سورت کا نام الفجر ہے اور اس میں تیس آیتیں ہیں۔ فجر صبح کی روشنی کے پھوٹنے کا نام ہے اور اس سورت میں بتایا ہے کہ انسان کی اعلیٰ سے اعلیٰ روحانی حالت جسے نفس مطمئنہ کہا جاتا ہے عبادت الٰہی سے پیدا ہوتی ہے اور اس عبادت کے خاص ایام وہ دس راتیں ہیں جن میں نزول قرآن شروع ہوا۔ اسی فجر کی طرف سورت کے نام میں اشارہ ہے اور ابتدائی مکی سورتوں میں سے یہ ایک ہے۔

وَ لَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲	اور دس راتیں ،
وَّ الشَّفْعِ وَ الْوَتْرِ ۝۳	اور جفت اور طاق ،
وَ الَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝۴	اور رات جب جانے لگے ۱؎
هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝۵	اس میں عقل والوں کے نزدیک قسم ہے ۔
اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝۶	کیا تو نے غور نہیں کیا کہ تیرے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا
اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝۷	(عاد) ارم بلند عمارتوں والے (کے ساتھ)
الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝۸	جن کی مثل شہروں میں پیدا نہ ہوئے تھے ۲؎
وَ ثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝۹	اور ثمود کے ساتھ جنھوں نے وادی میں چٹان تراشے ۔
وَ فِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۝۱۰	اور لشکروں والے فرعون کے ساتھ ،
الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝۱۱	جنھوں نے شہروں میں سرکشی کی ۔
فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ۝۱۲	سو اُن میں بہت فساد کیا ۔
فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝۱۳	سو تیرے رب نے اُن پر عذاب کا کوڑا چلایا ۔
اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝۱۴	بیشک تیرا رب گھات میں ہے ۔

نمبر۱۔ یہاں جن چار چیزوں کو بطور شہادت پیش کیا ہے ان میں سے دس راتوں کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کی دو روایتیں ہیں اول یہ کہ یہ ذوالحج کی پہلی دس راتیں ہیں بلکہ تبریزی کا خیال ہے کہ ان دس کے رمضان کی آخری راتیں ہونے پر اتفاق ہے اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلعم جب آخری عشرہ میں داخل ہوتے تھے تو بہت شب بیداری کرتے تھے اور وہاں لفظ ہیں اذا دخل العشر ۔ اور انہی دس راتوں میں لیلۃ القدر بھی ہے اور والشفع والوتر کے متعلق رسول اللہ صلعم سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا الصلوٰۃ بعضھا شفع وبعضھا وتر یعنی یہ نماز ہے کہ اس کی رکعات جفت بھی ہیں اور طاق بھی اور بعض نے شفع سے مراد مخلوق کو لیا ہے اور وتر سے خالق کو اور پچھلی سے پچھلی سورت میں بلکہ کئی سورتوں میں اصل مضمون یہی رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عبادت کا تعلق پیدا کرنے سے انسان کو فلاح ملتی ہے ۔ تو اس سورت میں عبادت کے بہترین ایام کا ذکر کیا ہے اور بجائے ایام کے لیال کا لفظ بھی اسی لیے اختیار کیا کیونکہ رات کی عبادت ہی بہترین عبادت ہے اور جواب قسم کوئی بیان نہیں فرمایا ۔ گویا یوں فرمایا کہ اگر اس طرح سے تعلق باللہ پیدا کرو تو تم خود دیکھ لوگے کہ تم کس مقام پر پہنچ جاتے ہو چنانچہ سورت کے آخر پر اسی ابتدا کی طرف توجہ دلانے کے لیے بغیر کسی اور تمہید کے فرمایا یایتھا النفس المطمئنۃ اور یہاں بھی فرمایا ھل فی ذلک قسم لذی حجر ۔ کیونکہ حجر وہ چیز ہے جو انسان کو حرص و ہوا کے اتباع سے روکتی ہے اور شفع اور وتر کے لفظ میں یہ اشارہ بھی ہوسکتا ہے کہ مخلوق تو سب زوجین کے رنگ میں پیدا کی گئی ہے ومن کل شئ خلقنا زوجین لعلکم تذکرون (الذٰریٰت ۵۱: ۴۹) اور اللہ تعالیٰ کی ذات واحد ہے پس اگر تمھاری جسمانی ترقیات بغیر زوجیت کے نہیں ہوسکتیں تو روحانی ترقی بغیر خدائے واحد سے تعلق پیدا کرنے کے نہیں ہوسکتی جو سب مخلوق کے مقابل پر وتر ہے جیسا کہ دوسری جگہ ہر چیز سے زوجین ہونے کے ذکر کے بعد فرمایا ۔ ففروا الی اللہ ۔ (الذٰریٰت ۵۱: ۵۰)

نمبر۲۔ تاریخی طور پر بھی یہ ثابت ہے کہ عاد اپنے زمانہ میں قوی ترین قوم تھی اور اس کا تصرف دور دور پھیل گیا تھا ۔

فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ
تو انسان (کی حالت یہ ہے کہ جب اسے اس کا رب آزماتا ہے پھر اسے

فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾
عزت دیتا اور نعمت بخشتا ہے تو وہ کہتا ہے میرے رب نے مجھے معزز کیا ہے۔

وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ
اور جب اسے آزماتا ہے پھر اس کی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ

رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ﴿۱۶﴾
کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا[۱]

كَلَّا بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿۱۷﴾
ہرگز نہیں بلکہ تم یتیم کی خاطر داری نہیں کرتے۔

وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿۱۸﴾
اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے۔

وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾
اور میراث سب کچھ سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔

وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾
اور مال سے بیحد پیار کرتے ہو۔

كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾
ہرگز نہیں جب زمین ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ دی جائے گی۔

وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾
اور تیرا رب آئے گا اور فرشتے قطاروں کی قطاریں[۲]

وَجِيءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ
اور اس دن دوزخ لائی جائے گی[۳] اس دن انسان یاد

يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ ﴿۲۳﴾
کرے گا اور اس یاد سے اُسے کیا فائدہ ہوگا۔

يَقُولُ يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ﴿۲۴﴾
کہے گا اے کاش میں نے اپنی زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ ﴿۲۵﴾
سو اس دن ایسی سزا دے گا جو کسی نے نہ دی ہوگی۔

وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ﴿۲۶﴾
اور ایسا جکڑے گا کہ کسی نے نہ جکڑا ہو۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾
اے اطمینان پانے والی جان!

ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾
اپنے رب کی طرف لوٹ آ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔

نمبر۱۔ اللہ تعالیٰ انسان کو دونوں طرح آزماتا یا اس کی جودت و رداءت کو ظاہر کرتا ہے کبھی انعام دیکر کبھی مصائب سے لیکن ناشکرا انسان دونوں صورتوں میں اپنے نفس کی ہی پروا کرتا ہے انعام ملے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے معزز بنایا ہے یا بڑا بنایا ہے پھر غربا کے ساتھ مل کر بیٹھنا یا ان کے ساتھ شامل ہونا اسے دشوار معلوم ہوتا ہے اسی لیے آگے فرمایا۔ بل لا تکرمون الیتیم۔ اور جب رزق کم ملتا ہے تو اسے ذلت سمجھتا ہے حالانکہ نہ حقیقی عزت محض رزق کی فراوانی میں ہے اور نہ تنگیٔ رزق ذلت کے قائم مقام ہے بلکہ یہ دونوں انسان کی جودت و رداءت کے ظاہر کرنے کے سامان ہیں۔

نمبر۲۔ اللہ اور فرشتوں کا آنا ایک رنگ میں اس دنیا میں بھی ہوتا ہے یعنی مخالفین کی سزا کے لیے۔

نمبر۳۔ یہاں جہنم کے لانے کا ذکر ہے اور ایک حدیث میں بھی یہی ذکر ہے اور یہی صحیح ہے اس لیے کہ جہنم ہر انسان اپنے ہاتھ سے پیدا کرتا ہے اور وہی جہنم قیامت میں اس کے سامنے لائی جائے گی۔

فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ ﴿۲۹﴾ — سو میرے بندوں میں داخل ہو جا۔

وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ ﴿۳۰﴾ ع — اور میری جنت میں داخل ہو جا ۱؎

سُوْرَةُ الْبَلَدِ مَكِّيَّةٌ (۹۰) ۲

آیاتہا ۲۰ — رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ — اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۱﴾ — نہیں میں اس شہر کی قسم کھاتا ہوں۔

وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ﴿۲﴾ — اور تو اس شہر میں حرمت سے آزاد کیا گیا ہے۔

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ﴿۳﴾ — اور باپ کی اور جو اس سے پیدا ہوا۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِىْ كَبَدٍ ﴿۴﴾ — یقیناً ہم نے انسان کو مشقت کے لیے پیدا کیا ہے ۳؎

اَيَحْسَبُ اَنْ لَّنْ يَّقْدِرَ عَلَيْهِ اَحَدٌ ﴿۵﴾ — کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کو قدرت حاصل نہیں ہوگی۔

يَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ﴿۶﴾ — کہے گا، میں نے بہت سامال برباد کر دیا ۴؎

نمبر۱۔ یہ گویا ابتدائی آیات سورت کی تکمیل ہے اور الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (الرعد۔ ۲۸) سے ظاہر ہے کہ نفس مطمئنہ کا مرتبہ ذکر اللہ سے ہی حاصل ہوتا ہے جس کی طرف والفجر و لیال عشر میں توجہ دلائی گئی ہے اور ادخلی فی عبادی اور ادخلی جنتی دونوں اس دنیا کے لیے ہیں اور فی الحقیقت اگر اس دنیا میں جنت نہ ملے تو وہ نفس مطمئنہ نہیں کہلا سکتا اور راضیۃ مرضیۃ سے مراد ہے راضیۃ من ربك مرضیۃ عندہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہے اور اللہ کی رضا کا محل بھی ہے یہ کمال روحانی جو انبیاء کو ملتا ہے اس امت کے اولیاء کو بھی ملتا ہے۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام البلد ہے اور اس میں بیس آیتیں ہیں۔ البلد سے مراد مکہ معظمہ ہے اور اس نام میں اشارہ یہ ہے کہ آپ ان تمام برکات کے وارث کیے جائیں گے۔ جو اس شہر سے مخصوص ہیں اور اس میں بتایا یہ ہے کہ ان درجات عالیہ کے حصول کے لیے یہ ضروری ہے کہ آپ کو تکالیف شاقہ کا مقابلہ کرنا پڑے کیونکہ انسان کی تمام ترقیات کا انحصار ہی اس بات پر ہے کہ وہ مشقت اٹھائے۔ ابتدائی زمانہ کی مکی وحی ہے۔

نمبر۳۔ یہاں جن چیزوں کو بطور شہادت پیش کیا ہے وہ ایک تو البلد ہے یعنی مکہ معظمہ اور دوسرے والد اور ما ولد اور اس سے مراد عام انسان اور اس کی اولاد۔ آدم اور اس کی اولاد۔ ابراہیمؑ اور اس کی اولاد لیے گئے ہیں۔ اور جواب قسم ہے کہ انسان کو مشقت اٹھانے کے لیے پیدا کیا ہے یعنی انسان کی ترقی درجات بغیر مشقت اٹھانے کے نہیں ہوتی جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ کے درجات تو بہت بلند ہوں گے مگر جدوجہد کرنا اور مشقت اٹھانا اس کے لیے ضروری ہے اور البلد کے ذکر کے ساتھ فرمایا وانت حل بھذا البلد اور اس کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں یعنی تم بحیثیت فاتح اس شہر میں داخل ہوگے اور اس وقت تم اس شہر کی حرمت سے آزاد ہو گے اور جنگ کرنے کی اجازت ہو گی اور یہ بھی کہ اس وقت اس شہر میں تمہارے لیے حرمت باقی نہیں رہی اور جان تک لینے میں ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے تو گویا شہر مکہ کی گواہی جہاں اب رسول خدا کو تکلیفیں دی جاتی ہیں اور جہاں بالآخر آپ بحیثیت فاتح داخل ہوں گے اور ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ کی گواہی اور اُن کے فرزند اسماعیلؑ کی گواہی جس نے اپنی گردن چھری کے سامنے رکھ دی تھی۔ ہے کہ بغیر تکالیف شاقہ میں سے گذرنے کے انسان اپنے کمال کو حاصل نہیں کر سکتا۔

نمبر۴۔ یعنی وہ لوگ جو رسول اللہ کی مخالفت میں روپیہ صرف کر رہے ہیں۔ اس وقت تو وہ اپنی طاقت کے گھمنڈ میں یہ سمجھ رہے ہیں کہ ان پر کسی کو قدرت

اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ﴿۷﴾	کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا۔
اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ﴿۸﴾	کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں؟
وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِ ﴿۹﴾	اور زبان اور دو ہونٹ۔
وَ هَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ﴿۱۰﴾	اور ہم نے اسے دونوں اونچے رستے دکھا دیئے [۱]۔
فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾	سو وہ اونچی گھاٹی پر چڑھنے کی ہمت نہیں کرتا۔
وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾	اور تجھے کیا خبر کہ اونچی گھاٹی کیا ہے [۲]۔
فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾	کسی گردن کا آزاد کرنا،
اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾	یا بھوک کے دن میں کھانا کھلانا۔
یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾	قریبی یتیم کو۔
اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾	یا مٹی سے ملے ہوئے مسکین کو [۳]۔
ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَ تَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾	پھر ان لوگوں میں سے ہو جو ایمان لاتے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو رحم کی نصیحت کرتے ہیں۔
اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْمَیْمَنَةِ ﴿۱۸﴾	یہ خوش نصیب ہیں۔
وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْـَٔمَةِ ﴿۱۹﴾	اور جو ہماری آیتوں کا انکار کرتے ہیں، وہ بدنصیب ہیں۔

حاصل نہیں۔ مگر ایک وقت آئیگا کہ کہیں گے کہ ہم نے اپنا مال یوں ہی برباد کیا یعنی مخالفت ناکام ہوگی۔

نمبر۱۔ حق اور باطل کے رستوں کو دو اونچے رستے کہا ہے گویا وہ آسانی سے معلوم ہو سکتے ہیں اور کسی انسان کی نظر سے مخفی نہیں وہ خود بھی آنکھ سے دیکھ سکتا ہے اور زبان و ہونٹوں کو کام میں لا کر دریافت بھی کر سکتا ہے۔

نمبر۲۔ ان مشکلات کو جن میں گزر کر مراتب عالیہ حاصل ہوتے ہیں اونچے پہاڑ سے تشبیہ دی ہے جس میں سے رستہ گزرتا ہو اور یوں بتایا ہے کہ انسان کو کس قدر استقلال اور اثبات قدم بکار ہے کہ خدا کے رستہ میں ترقی کرے یہی مشکلات حق کے پھیلانے میں تھیں۔

نمبر۳۔ عقبة کی تفسیر خود کلام اللہ نے یوں فرمائی ہے کہ گردن کو آزاد کرے۔ یتیم مسکین کو کھانا کھلائے۔ ایمان لائے۔ دوسروں کو صبر اور رحم کی نصیحت کرے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام کو آزاد کرنا، یتامٰی اور مساکین کی خبرگیری، حاجتمندوں پر رحم، اسلام کی تعلیم کی اصل اور بلند ترین غرض ہے، کیونکہ اصل غرض تکمیل نفس کی بھی خدمت مخلوق ہے۔

غلام کی آزادی کو ترقی کی جدوجہد میں پہلا قدم قرار دینا اسلام کی تعلیم سے خاص ہے اور کسی مذہب میں یہ تعلیم نہیں پائی جاتی جو بات عیسائی دنیا کو آج سمجھ آئی ہے وہ آج سے تیرہ سو سال پیشتر ایک اُمی کی زبان سے ظاہر کی گئی۔

عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝٢٠ ع ١٥ — آگ میں ڈال کر ان پر دروازے بند کر دیئے جائیں گے۔

سُوْرَةُ الشَّمْسِ مَكِّيَّةٌ (۹۱) ۱
اٰيَاتُهَا ۱۵ — رُكُوْعُهَا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ — اللہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ۝١ — سورج اور اس کی روشنی گواہ ہیں۔

وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ۝٢ — اور چاند جب وہ اس کے پیچھے آتا ہے۔

وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰهَا ۝٣ — اور دن جب وہ اسے روشن کرتا ہے۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰهَا ۝٤ — اور رات جب وہ اسے ڈھانک لیتی ہے۔

وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ۝٥ — اور آسمان اور اس کا بنانا۔

وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰهَا ۝٦ — اور زمین اور اس کا بچھانا۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ۝٧ — اور نفس اور اس کی تکمیل ۲

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝٨ — پھر الہام سے اسے اس کی بدکاری اور اس کے تقوے (کے رستے بتا دیئے) ۳

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝٩ — وہ کامیاب ہوا جس نے اسے پاک کیا۔

نمبر ۱- اس سورت کا نام الشمس ہے اور اس میں پندرہ آیتیں ہیں اور اس نام میں اشارہ کمال نبوی کی طرف ہے جو عالم روحانیت میں سورج کا حکم رکھتے ہیں کہ آئندہ تمام انوار آپ کی ذات بابرکات سے ہی پھیلیں گے اور جس طرح آفتاب عالم جسمانی کا مرکز ہے۔ آنحضرت صلعم عالم روحانی کے مرکز ہیں یہ سورت ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

نمبر ۲- ان آخری الفاظ نے خود بتا دیا کہ پہلی چھ آیتوں میں جن امور کی طرف توجہ دلائی ہے وہ کسی نہ کسی رنگ میں تکمیل نفس انسانی پر شاہد ہیں۔ سورج روشنی دینے والا ہے اور چاند سورج کی روشنی کا اثر قبول کرنے والا اور چاند کے سورج کے پیچھے آنے میں اشارہ اس کے نور سے نور لینے کی طرف ہے۔ انسان کامل ان دونوں صفات کا مظہر ہے۔ یعنی رسول اللہ صلعم سورج کی طرح روشنی کا سرچشمہ بھی ہیں اور چاند کی طرح اللہ تعالیٰ کے نور سے منور بھی ہوتے ہیں دن اور رات کے بھی دو علیحدہ علیحدہ کام ہیں دن روشنی کرتا ہے اور جد وجہد کا موقعہ دیتا ہے۔ رات تاریکی کا پردہ ڈال کر سکون کا موجب ہوتی ہے۔ انسان ان دونوں خوبیوں کو اپنے اندر جمع رکھتا ہے وہ جد وجہد بھی کمال درجہ کی کرتا ہے اور اس کے نفس کو سکون بھی کامل طور پر ملتا ہے۔ اس کے بعد آسمان ہے جو علو کا مظہر ہے اور زمین جو پستی اور خاکساری کا مظہر ہے اور انسان کامل بھی ان دونوں باتوں سے حصہ لیتا ہے یعنی اس میں صفت علو کا اظہار بھی ہوتا ہے اور پستی کی صفت کا بھی۔ اور یہی اشارہ ماسوّٰھا میں ہے اور یہ تمام باتیں اپنے پورے کمال کے ساتھ تو آنحضرت صلعم میں ہی پائی جاتی ہے۔ لیکن ہر انسان اپنے اپنے کمال یا اپنی اپنی استعداد کے مطابق ان سے حصہ لیتا ہے تو یہ تو اس کے ذاتی جوہر ہیں لیکن ان ذاتی جوہروں کو جلا دینے کے لیے اور نمایاں کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی سے بھی اسے کچھ حصہ دیا ہے جس کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

نمبر ۳- الھمھا کے معنی ابن عباسؓ مجاہد وغیرہما سے بین۔ علم۔ عرف مروی ہیں اور ظاہر ہے کہ یہاں یہ مراد نہیں ہو سکتا کہ ہر شخص کے دل میں فجور اور تقویٰ

وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ۝۱۰	اور وہ نامراد رہا جس نے اسے دفن کیا[1]
كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝۱۱	ثمود نے اپنی سرکشی سے (حق کو) جھٹلایا۔
اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝۱۲	جب ان کا ایک بڑا بدبخت اُٹھا۔
فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ	تو اللہ تعالیٰ کے رسول نے اُنھیں کہا، اللہ تعالیٰ کی اونٹنی
وَسُقْيٰهَا ۝۱۳	اور اس کے پانی (سے اسے نہ روکو)
فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ۬ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ	مگر انھوں نے اسے جھٹلایا پھر اس (اونٹنی) کو مار ڈالا تو اللہ تعالیٰ
رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ۝۱۴	نے ان کے گناہ کی وجہ سے ان پر عذاب بھیجا پھر اسے برابر کردیا۔
وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝۱۵ ع	اور وہ اس کے انجام سے نہیں ڈرتا[2]

آیاتہا ۲۱ (۹۲) سُوْرَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ [3] رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝	اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ۝۱	رات گواہ ہے جب وہ پردہ ڈالتی ہے۔
وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ۝۲	اور دن جب وہ روشن ہوتا ہے۔
وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰٓى ۝۳	اور نر اور مادہ کا پیدا کرنا۔

کی باتیں ڈال دی جاتی ہیں اس لیے لفظ الہام مطلقاً اس پر بولا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو اور اللہ تعالیٰ کسی کے دل میں یہ نہیں ڈالتا کہ وہ فجور کرے۔ ہاں یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ انسان کا نورِ قلب اس کو بتا دیتا ہے کہ یہ بات فجور کی ہے یا تقویٰ کی اور یا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی وحی کے ذریعہ سے بتا دیتا ہے کہ فجور کی راہیں کونسی ہیں اور تقویٰ کی کونسی۔ گویا ایک تو انسان کے اندر صفات رکھی ہیں اور دوسرے ایک روشنی باہر سے مل جاتی ہے۔

نمبر۱۔ تزکیہ کے اصل معنے نشو و نما دینے کے ہیں پس جس نے نفس کو خیرات سے بڑھایا وہ کامیاب ہوگا اور جس نے اسے دفن کردیا یعنی اسے ترقی نہیں دی وہ نامراد ہوا۔

نمبر۲۔ لا یخاف عقبٰھا میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب ایک قوم کو ہلاک کرتا ہے تو یہ اس کی مصلحت و حکمت کے تقاضا سے ہوتا ہے کہ وہ اس کی جگہ اس سے بہتر کو لاتا ہے اس لیے کسی قوم کی تباہی یا ہلاکت میں وہ انجام کا خوف نہیں کرتا۔ انجام بہرحال اچھا ہی ہوتا ہے۔

نمبر۳۔ اس سورت کا نام الیل ہے اور اس میں اکیس آتیں ہیں اور یہاں نیک و بد کا مقابلہ دکھایا گیا ہے گویا ایک کو دن کی روشنی سے تشبیہ دی ہے اور دوسرے کو رات کی تاریکی سے۔ چونکہ پچھلی سورت میں آنحضرت صلعم کو عالم روحانی کا مرکز اور آفتاب قرار دیا تھا۔ اس لیے اب بتایا کہ اس آفتاب کی روشنی سے فائدہ اٹھانے والے اور اس کی پرواہ نہ کرنے والے یکساں نہیں ہو سکتے بلکہ تاریکی کے فرزند ان کا انجام بھی تنگی و تاریکی ہی ہے تو یہاں بتایا کہ اس کمال کا انحصار اپنی جد و جہد پر ہے جمہور کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔

اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی ؕ﴿۴﴾	بیشک تمھاری کوشش الگ الگ ہے [1]
فَاَمَّا مَنۡ اَعۡطٰی وَ اتَّقٰی ۙ﴿۵﴾	سو جو دیتا ہے اور تقوےٰ کرتا ہے۔
وَ صَدَّقَ بِالۡحُسۡنٰی ۙ﴿۶﴾	اچھی بات کی تصدیق کرتا ہے۔
فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡیُسۡرٰی ؕ﴿۷﴾	تو ہم اسے آسانی کی طرف چلائیں گے۔
وَ اَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَ اسۡتَغۡنٰی ۙ﴿۸﴾	اور جو بخل کرتا ہے اور پروا نہیں کرتا۔
وَ کَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰی ۙ﴿۹﴾	اور اچھی بات کو جھٹلاتا ہے۔
فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡعُسۡرٰی ؕ﴿۱۰﴾	تو ہم اُسے تنگی کی طرف چلائیں گے۔
وَ مَا یُغۡنِیۡ عَنۡہُ مَالُہٗۤ اِذَا تَرَدّٰی ﴿ؕ۱۱﴾	اور اس کا مال اس کے کام نہ آئیگا جب وہ ہلاک ہوگا۔
اِنَّ عَلَیۡنَا لَلۡہُدٰی ﴿۫ۖ۱۲﴾	یقیناً رستہ دکھا دینا ہمارا کام ہے۔
وَ اِنَّ لَنَا لَلۡاٰخِرَۃَ وَ الۡاُوۡلٰی ﴿۱۳﴾	اور بلاشبہ آخرت اور پہلی زندگی ہمارے لیے ہی ہے [2]
فَاَنۡذَرۡتُکُمۡ نَارًا تَلَظّٰی ﴿ۚ۱۴﴾	سو میں تمھیں اس آگ سے ڈراتا ہوں جو شعلے مارتی ہے۔
لَا یَصۡلٰىہَاۤ اِلَّا الۡاَشۡقَی ۙ﴿۱۵﴾	اس میں کوئی داخل نہیں ہوتا مگر بڑا بدبخت۔
الَّذِیۡ کَذَّبَ وَ تَوَلّٰی ؕ﴿۱۶﴾	جو جھٹلاتا ہے اور پیٹھ پھیر لیتا ہے۔
وَ سَیُجَنَّبُہَا الۡاَتۡقَی ۙ﴿۱۷﴾	اور بڑا تقویٰ کرنے والا اس سے بچایا جاتا ہے۔
الَّذِیۡ یُؤۡتِیۡ مَالَہٗ یَتَزَکّٰی ﴿ۚ۱۸﴾	جو تزکیہ کے لیے اپنا مال دیتا ہے [3]
وَ مَا لِاَحَدٍ عِنۡدَہٗ مِنۡ نِّعۡمَۃٍ تُجۡزٰۤی ﴿ۙ۱۹﴾	اور اس کے ذمے کسی کا احسان نہیں جس کا بدلہ دیا جائے۔
اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡہِ رَبِّہِ الۡاَعۡلٰی ﴿ۚ۲۰﴾	مگر اسے صرف اپنے رب بلند تر کی رضا منظور ہے [4]

نمبر ۱۔ رات کو تمام چیزوں پر تاریکی کا پردہ ڈال دینا۔ دن کا اپنی روشنی کے ساتھ عالم کو منور کر دینا دونوں یکساں نہیں پس اگر ایک انسان تصدیقِ حق میں کوشش کرتا ہے اور دوسرا تردیدِ حق کی تو دونوں کی کوشش کے نتائج بھی یکساں نہیں ہو سکتے اور خلق نر و مادہ میں یہ توجہ دلائی ہے کہ زوجیت کے عالمگیر اصول پر ہی تمام ترقیات کا مدار ہے پس جو انسان اللہ تعالیٰ سے تعلق توڑتا ہے وہ روحانیت میں کس طرح ترقی کر سکتا ہے۔

نمبر ۲۔ یعنی اس دنیا میں بھی تصرف تمام ہمارا ہے آخرت میں بھی۔ بدکار یہ نہ سمجھے کہ اس دنیا میں وہ خوش رہے گا۔

نمبر ۳۔ اشقیٰ اس میں داخل ہوتا ہے اور اتقیٰ بچایا جاتا ہے بالفاظ دیگر جو کامل طور پر معاصی میں منہمک ہے وہی آگ میں پورا پورا داخل ہوتا ہے اور جو کامل طور پر تقویٰ اختیار کرتا ہے وہی کامل طور پر بچایا جاتا ہے۔ ان کے درمیان جو لوگ ہیں وہ اپنے اپنے اعمال کے مطابق جزا پاتے ہیں۔

نمبر ۴۔ یعنی جو عمل رضائے الٰہی کے لیے ہوتا ہے اسی کا ایک بدلہ ملتا ہے۔

وَلَسَوْفَ يَرْضٰى ﴿۲۱﴾ ع — اور وہ جلد خوش ہو جائے گا۔

اٰیاتہا ۱۱ — (۹۳) سُوْرَةُ الضُّحٰى مَكِّيَّةٌ ۱ — رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ — اللہ تو بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالضُّحٰى ﴿۱﴾ — دن کی روشنی گواہ ہے۔

وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿۲﴾ — اور رات جب ساکن ہو۔

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ﴿۳﴾ — تیرے رب نے تجھے چھوڑا نہیں اور نہ وہ ناراض ہوا ۲۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ﴿۴﴾ — اور پچھلی حالت یقیناً تیرے لیے پہلی حالت سے بہتر ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴿۵﴾ — اور تیرا رب تجھے جلد دے گا سو تو خوش ہو جائے گا ۳۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ﴿۶﴾ — کیا اس نے تجھے یتیم نہیں پایا سو پناہ دی۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴿۷﴾ — اور تجھے طالب پایا تو راستہ بتایا ۴۔

نمبر۱۔ اس سورت کا نام الضحیٰ ہے اور اس میں گیارہ آیتیں ہیں۔ پچھلی سے پچھلی سورت میں آنحضرت صلعم کے کمالات کا نقشہ کھینچ کر آپ کو عالم روحانی کا آفتاب قرار دیا تھا اور اس کے بعد آپ سے روشنی لینے والوں اور اس روشنی کے رد کرنے والوں کا ذکر تھا۔ اب یہاں بتایا ہے کہ ظاہری نظارہ قدرت کے مطابق اسلام کی اس پہلی جدوجہد کے بعد ایک سکون کا زمانہ بھی آئیگا جسے لیل سے مشابہت دی ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو چھوڑے گا نہیں اور امر اسلام ترقی کرتا جائے گا۔ سورت ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

نمبر۲۔ حدیث میں ہے کہ نبی صلعم دو تین رات بیمار ہو گئے تو رات کو تہجد کے لیے نہیں اٹھتے تھے تو ایک خبیث عورت نے کہا کہ آپ کے شیطان نے آپ کو چھوڑ دیا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ مگر اول تو تہجد کے لیے نہ اٹھنے کو وحی کے آنے سے کوئی تعلق نہیں اور دوسرے دو رات یا تین رات وحی کے نہ آنے پر ودّع اور قلیٰ کے لفظ بھی نہیں بولے جا سکتے کیونکہ وحی کا روزانہ نازل ہونا کوئی لازمی امر نہ تھا بلکہ یہاں اشارہ آیندہ زمانہ کی طرف معلوم ہوتا ہے جیسا کہ قرآن شریف اور احادیث سے ثابت ہے کہ اسلام پر زمانہ نبوی کے بعد ایک زمانہ غربت کا پھر آنے والا ہے بدء الاسلام غریبا وسیعود کما بدأ اور دن کی روشنی اور رات کے سکون کی گواہی کو جو پیش کیا ہے تو وہ بھی اسی لحاظ سے ہے یعنی ایک زمانہ تو اسلام پر ضحیٰ کا ہے جب سورج کی شعاعیں تیز پڑ رہی ہیں اور کمال درجہ کی جدوجہد کی وجہ سے اسلام اور مسلمان نصرت الہٰی سے مالا مال ہو رہے ہیں اور ایک زمانہ اس کے بعد سکون کا ہے جب یہ جدوجہد نہ رہے گی اور بظاہر ایسا معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نصرت چھوڑ دی ہے مگر اللہ تعالیٰ اسلام کو نہیں چھوڑیگا بلکہ اس کے بعد پہلے سے بھی بڑھ چڑھ کر اسلام ترقی کریگا۔

نمبر۳۔ ابن عطیہ اور ایک جماعت نے کہا ہے کہ یہاں آخرت سے مراد نہایت امر آنحضرت صلعم ہے اور اولیٰ سے مراد ابتدائے امر۔ میرے نزدیک مراد ہر پیچھے آنے والا وقت ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ کا امر ترقی ہی ترقی کرتا جائے گا۔

نمبر۴۔ ضالّ ایک معنی میں محب بھی ہے اور یا وہ ایسا طالب ہے کہ وہ اپنے وجود کو طلب میں ہی محو کر دیتا ہے اور یہی حالت رسول اللہ صلعم کی قبل البعثت تھی اور یا ضالّ کے معنی یہاں بے خبر ہیں یعنی اس ہدایت کی آپ کو خبر نہ تھی جو آپ کو ملی۔ اور یہ معنی امام راغب نے کیے ہیں اور قرآن کریم میں دوسری جگہ

وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۞ ۸ — اور تجھے تنگ دست پایا تو غنی کر دیا۔

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۞ ۹ — سو یتیم پر سختی نہ کر۔

وَ اَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۞ ۱۰ — اور سوالی کو نہ ڈانٹ۔

وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۞ ۱۱ ع — اور اپنے رب کی نعمت کا ذکر کرتا رہ۔

سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّةٌ (۹۴)

آیاتها ۸ — رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ — اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۞ ۱ — کیا ہم نے تیرے لیے تیرا سینہ نہیں کھولا۔

وَ وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۞ ۲ — اور تجھ سے تیرا بوجھ اتار دیا۔

الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۞ ۳ — جس نے تیری پیٹھ توڑ رکھی تھی[۲]۔

وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۞ ۴ — اور ہم نے تیرے ذکر کو تیرے لیے بلند کیا۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۞ ۵ — تو تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔

اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۞ ۶ — ہاں تنگی کے ساتھ آسانی ہے[۳]۔

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۞ ۷ — تو تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔

فرمایا بھی ہے ماکنت تدری ماالکتاب ولا الایمان (الشوریٰ-۵۲) اور یہ معنی ان الفاظ کے کرنا کہ آپ نعوذ باللہ من ذلک گمراہ تھے قرآن کریم کے خلاف ہے۔ ماضل صاحبکم وما غویٰ (النجم-۲) میں آپ سے عمل اور عقیدہ دونوں کی غلطی کی نفی کی گئی ہے اور تاریخی شہادت بھی یہی ہے کہ آپ قبل نبوت اعلیٰ درجہ کی راستبازی، صدق امانت کی زندگی بسر کرتے تھے۔

نمبر۱۔ اس سورت کا نام الانشراح ہے اور اس میں ۸ آیتیں ہیں اور اس میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی صداقت کی دلائل قائم کر دی ہیں اس لیے اب اسلام ناکام نہیں ہو سکتا۔ یہ سورۃ بھی ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

نمبر۲۔ بعض لوگوں نے یہاں اس واقعہ شرح صدر کی طرف اشارہ سمجھا ہے جو بچپن میں اور پھر بعد بلوغت آپ کو پیش آیا اور وہ ایک کشفی نظارہ تھا، جس میں یہ دکھایا گیا کہ آپ کے دل کو ہر قسم کی آلایش سے پاک کیا گیا ہے۔ لیکن شرح صدر سے مراد یہاں وہی ہے جو راغب نے بیان کیا ہے۔ یعنی انوار الٰہی اور سکینت سے آپ کے سینہ مبارک کا بھر جانا اور یہ بذریعہ وحی وقوع میں آیا۔ اس غم نے کہ دنیا کس طرح اپنے مولیٰ سے دور پڑی ہوئی اور ناپاکیوں میں ملوث ہے۔ آپ کی پیٹھ کو توڑ رکھا تھا۔ لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین۔ اللہ تعالیٰ نے جب آپ کے سینے کو روشن کر دیا اور رستے کھول دیئے تو وہ بوجھ بھی ہلکا ہو گیا اور رفع ذکر بھی عطائے نبوت سے ہوا۔

نمبر۳۔ ان الفاظ کے دوہرانے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ دو دفعہ اسلام پر مصیبت اور تنگی آئے گی ایک اس کی ابتدا میں اور ایک آخر میں اور دونوں دفعہ عُسر کے بعد یُسر یقینی ہے۔

وَاِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ ۸ — اور اپنے رب کی طرف دل لگا۔[۱]

(۹۵) سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ ۲ — اٰیاتها ۸ — رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۱ — انجیر اور زیتون گواہ ہے

وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۲ — اور سینا پہاڑ۔

وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۳ — اور یہ امن والا شہر[۳]

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۴ — یقیناً ہم نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا ہے۔

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۵ — پھر ہم اسے ذلیل سے ذلیل حالت کی طرف بھی لوٹا دیتے ہیں[۴]

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۶ — مگر جو ایمان لائے اور اچھے کام کرتے ہیں تو اُن کے لیے ایسا اجر ہے جو ختم نہیں ہوتا۔

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۷ — تو کیا چیز تجھے اس کے بعد جزا کے معاملہ میں جھٹلا سکتی ہے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۸ — کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر نہیں؟

نمبر۱۔ اوپر ذکر تھا کہ ہم نے آپ کا بوجھ ہلکا کر دیا اور آپ کو غم و فکر سے خالی کر دیا۔ تو وہی فارغ ہونا یہاں مراد ہے یعنی اب جبکہ وہ تفکرات دور ہوگئے تو جو کام تمہارے سپرد ہوا ہے اس میں ساری توجہ لگا دو۔ اور جس رب نے یہ ہدایت دی ہے اسی کی طرف جھکے رہو یا اسی کے کام میں لگے رہو اور اس کا نام پھیلانے کی کوشش کرو۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام التین ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں اس کے نام میں سلسلہ موسویہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے بتایا ہے کہ انسان کا بلند مرتبہ اخلاق فاضلہ پر قائم رہنے سے رہتا ہے۔ جمہور کے نزدیک یہ سورت مکّی ہے۔

نمبر۳۔ یہاں چار چیزوں کو بطور شہادت پیش کیا ہے انجیر اور زیتون اور سینا پہاڑ اور بلد امین یعنی شہر مکہ۔ اب زیتون کو سورہ نور میں نور محمدی یعنی سلسلہ اسلامیہ سے تشبیہ دی ہے دیکھو آیت ۳۵۔ اور بائبل میں انجیر کو سلسلہ موسویہ سے تشبیہ دی ہے دیکھو یرمیاہ باب ۲۴۔ اور متی ۲۱۔ پس انجیر سلسلہ اسرائیل کے قائم مقام ہے اور زیتون سلسلہ محمدی کے۔ اور اس کی وضاحت کے لیے لف و نشر مرتب کے طور پر طور سینا کا ذکر کیا جہاں سے سلسلہ موسوی کی ابتدا ہوئی اور پھر بلد امین کا یعنی مکہ معظمہ کا جہاں سلسلہ محمدیہ کی بنیاد رکھی گئی اور ان چار چیزوں کی شہادت اس بات پر ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بہترین صورت پر پیدا کیا ہے اور اس میں ایسی استعداد رکھی ہے کہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر پہنچ سکتا ہے۔ لیکن وہ اپنے عملوں کی وجہ سے گر کر ذلیل سے ذلیل حالت کی طرف بھی چلا جاتا ہے۔

نمبر۴۔ بہترین صورت میں خاص اشارہ اخلاق فاضلہ و تعلق باللہ کی طرف ہے اور ذلیل اخلاق سے انسان ذلیل ہو جاتا ہے۔

آیاتها ۱۹ — سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّةٌ (۹۶) — رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اللہ تو بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱	اپنے رب کے نام سے پڑھ ،جس نے پیدا کیا۔
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲	انسان کو ایک لوتھڑے سے پیدا کیا۔
اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳	پڑھ اور تیرا رب سب سے بڑھ کر بزرگی والا ہے۔
الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴	جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا۔
عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵	انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔[۲]
كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝۶	نہیں انسان سرکشی اختیار کرتا ہے۔
اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝۷	اس لیے کہ وہ اپنے تئیں بے نیاز سمجھتا ہے۔
اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝۸	تیرے رب کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔
اَرَءَيْتَ الَّذِیْ يَنْهٰى ۝۹	کیا تو نے اسے دیکھا جو بندے کو روکتا ہے۔
عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝۱۰	جب وہ نماز پڑھتا ہے۔
اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۝۱۱	کیا تو نے دیکھا اگر وہ ہدایت پر ہوتا۔

نمبر۱- اس سورت کا نام العلق ہے اور اس میں انیس آیتیں ہیں اس سورت کی ابتدائی آیات ہیں سب سے پہلی وحی ہے جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی۔ تو علق نام میں یہ اشارہ ہے کہ اب اس نئے تعلق سے جو ذات باری کے ساتھ پیدا ہوتا ہے آپ کو ایک نئی زندگی دی جاتی ہے اور اس میں اشارہ اس انقلاب عظیم کی طرف ہے جو ایک گمنام آدمی کے ذریعہ سے دنیا میں ہونے والا تھا۔ اس سورت کا پہلا حصہ سب سے پہلی وحی ہے جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی اور باقی حصہ بھی ابتدائی مکی زمانہ کا ہی ہے۔

نمبر۲- یہ پانچ آیتیں بالاتفاق سب سے پہلی وحی ہے جو آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی۔ یہ امر غور طلب ہے کہ یہاں علق سے پیدا کرنے کا کیوں خصوصیت سے ذکر کیا۔ علقہ نطفہ کی وہ حالت ہے جب وہ رحم مادر سے تعلق پیدا کر لیتا ہے اور انسان کی زندگی کی ابتدا نہیں ہوتی جب تک کہ نطفہ رحم مادر سے تعلق نہیں پکڑتا اور اقرا باسم ربک میں اسی طرف توجہ دلائی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کر کے انسان کی اس اعلیٰ زندگی کی ابتدا ہوتی ہے جس سے اکثر لوگ بے خبر ہیں اور پھر جو دوہرایا اقرا و ربک الاکرم تو گویا بتایا کہ اس کے ساتھ تعلق پیدا کر کے انسان حقیقی عزت حاصل کرتا ہے۔ رسول اللہ صلعم ایک گمنام آدمی تھے گو آپ کے جاننے والے آپ کی فطری پاکیزگی کی وجہ سے آپ کی عزت کرتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے کلام کے نزول نے آپ کی زندگی کو اتنا بڑا پلٹا دیا کہ آپ دنیا کی سب سے زبردست طاقت بن گئے۔ اور انسانوں میں اور قوموں کی زندگیوں میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا اور قلم کی طرف توجہ دلائی کہ انسان کی علمی ترقی استعمال قلم سے ہی شروع ہوئی۔

أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوٰى ﴿١٢﴾	یا تقوے کا حکم دیتا۔
أَرَءَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿١٣﴾	کیا تو نے دیکھا اگر اس نے جھٹلایا اور پیٹھ پھیری۔
أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿١٤﴾	کیا وہ جانتا نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے۔
كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًا	نہیں اگر وہ نہ رُکے گا تو ہم اسے پیشانی کے بالوں سے پکڑ
بِالنَّاصِيَةِ ﴿١٥﴾	کر گھسیٹیں گے۔
نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿١٦﴾	جھوٹی خطا کار پیشانی (سے)
فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ﴿١٧﴾	سو وہ اپنے اہل مجلس کو بلالے۔
سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿١٨﴾	ہم بھی بہادروں کو بلالیں گے ۱
كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿١٩﴾	نہیں اس کی بات نہ مان اور سجدہ کر اور قرب حاصل کر۔

آیاتہا ۵ — سُوْرَةُ الْقَدْرِ مَكِّيَّةٌ (۹۷) ۲ — رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔
إِنَّآ أَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿١﴾	ہم نے اسے لیلۃ القدر میں اتارا ۳
وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿٢﴾	اور تجھے کیا خبر ہے کہ لیلۃ القدر کیا ہے۔
لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴿٣﴾	لیلۃ القدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔
تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا	اس میں فرشتے اور رُوح اپنے رب کے اذن سے ہر امر (خیر)
بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ أَمْرٍ ﴿٤﴾	کو لیے ہوئے اترتے ہیں۔

نمبر۱۔ یہاں مطلب سزا دینے والوں سے ہے جن کا یہ اعدائے حق مقابلہ نہ کر سکیں گے اور اس دنیا میں بھی ان کو سزا ملی اور ان کے اہل مجلس اسلام کے بہادروں کے مقابلہ میں ذلیل ہوئے۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام القدر ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں۔ اس نام میں یہ اشارہ ہے کہ اس میں امور خیر و برکت نازل ہوتے ہیں اس سورت میں اصل ذکر قرآن کریم کے نزول کا ہے جو لیلۃ القدر میں اتارا گیا۔ یہ سورت ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

نمبر۳۔ انزلنٰہ میں ضمیر قرآن کی طرف ہی جاتی ہے اور اقرأ باسم ربك کے بعد جو سب سے پہلی وحی ہے انّا انزلنٰہ کو لاکر صاف بتا دیا کہ مراد لیلۃ القدر میں اتارنے سے یہی ہے کہ اس میں قرآن کریم کا نزول شروع ہوا۔

سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝۵ — سلامتی یہ فجر کے طلوع تک ہے۔

آیاتہا ۸ — (۹۸) سُوْرَةُ الْبَيِّنَةِ مَدَنِيَّةٌ — رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝
اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ
الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى
تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۱
وہ لوگ جو اہل کتاب میں سے کافر ہوئے اور مشرک (گناہ سے) باز آنے والے نہ تھے، یہاں تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل آئے۔[۲]

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝۲
اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول جو پاک صحیفے پڑھتا ہے۔

فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝۳
جس میں قائم رہنے والی کتابیں ہیں۔[۴]

وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا
مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝۴
اور جنہیں کتاب دی گئی تھی انھوں نے تفرقہ نہیں کیا مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی دلیل آگئی۔

وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ
لَهُ الدِّيْنَ ۙ۬ حُنَفَآءَ وَ يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
وَ يُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ۝۵
اور انھیں یہی حکم دیا گیا ہے کہ وہ اللہ (تعالیٰ) کی عبادت کریں اس کے لیے فرمانبرداری کو خالص کرتے ہوئے راست رو ہوں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی ٹھیک دین ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ
وَ الْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ
وہ لوگ جنھوں نے اہل کتاب میں سے انکار کیا اور مشرک بھی دوزخ کی آگ میں ہوں گے، اسی میں رہیں گے۔ وہ

نمبر۱۔ روح سے مراد یہاں رحمت یا وحی بھی ہو سکتے ہیں اور یا مراد روحانی زندگی کا نزول ہے گویا لیلۃ القدر سے ایک نئی روحانی زندگی مومنین کو ملتی ہے اور سلام میں یہ اشارہ ہے کہ جو امور نازل ہوتے ہیں وہ سلامتی کا موجب ہیں۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام البیّنہ ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔ یہاں رسول کریم صلعم کو کھلی دلیل قرار دیا ہے اور بتایا ہے کہ دنیا گناہ اور ناپاکی میں اس قدر ملوث ہو گئی تھی، کہ بغیر آسمانی بارش اور اللہ تعالیٰ کے رسول کے اس کا گناہ کی غلامی سے نکلنا محال تھا۔ اگر محمد رسول اللہ صلعم کی قوت قدسی دنیا میں نہ آتی تو دنیا شرک و ضلالت سے باہر نہ نکل سکتی۔

نمبر۳۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ دنیا کی حالت کفر و شرک کی تاریکیوں میں پڑ کر یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ اب کوئی معمولی واعظ انھیں اس سے آزاد نہ کر سکتا تھا جب تک کہ ایک فرستادۂ خدا ان کو پاک نہ کرتا۔ اور یہ امر تاریخی طور پر ثابت شدہ ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں نے جزیرہ نمائے عرب کو شرک سے پاک کرنے کے لیے صدیوں تک زور لگایا مگر ناکام رہے۔

نمبر۴۔ فیہا کتب قیمۃ کے بڑھانے میں یہ اشارہ ہے کہ اس قرآن میں پہلی کتابوں کی تمام وہ تعلیم موجود ہے جو قائم رکھنے کے قابل تھی۔

فِيهَا ۚ أُولَٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝٦	بد ترین مخلوق ہیں۔
إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۙ	جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں،
أُولَٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝٧	بہترین مخلوق ہیں۔
جَزَآؤُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ	ان کا بدلہ ان کے رب کے ہاں ہمیشگی کے باغ ہیں۔
تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ	جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ انہی میں رہیں
فِيهَآ أَبَدًا ۖ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا	گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اس سے
ع عَنْهُ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ۝٨	راضی ہوئے یہ اس کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔

اٰیاتہا ۸ (۹۹) سُورَةُ الزِّلْزَالِ مَدَنِيَّةٌ ۱ رکوعہا ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ ○	اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝١	جب زمین اپنے بھونچال سے ہلائی جائے گی۔
وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۝٢	اور زمین اپنے بوجھ نکال دے گی۔
وَقَالَ الْإِنسَانُ مَا لَهَا ۝٣	اور انسان کہے گا اسے کیا ہوا۔
يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝٤	اس دن وہ اپنی سب خبریں بیان کر دے گی۔
بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۝٥	کیونکہ تیرے رب نے اس کے لیے وحی کی ہے۔
يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا ۙ	اس دن لوگ الگ الگ ہو کر نکل پڑیں گے کہ انہیں ان
لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝٦	کے عمل دکھائے جائیں۔
فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا	تو جو کوئی ایک ذرہ کے وزن کے برابر بھلائی کرتا ہے

نمبر۱۔ اس سورت کا نام الزلزال ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں اور اس کے نام میں یہ اشارہ ہے کہ اس روحانی بیداری کے پیدا کرنے کے لیے جس کا پیام رسول اللہ صلعم لائے ہیں ایک انقلابِ عظیم دنیا میں رونما ہوگا۔ یہ سورت ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

نمبر۲۔ اس میں زلزلۂ قیامت کا ذکر تو ظاہر ہے مگر اس انقلابِ عظیم کا بھی ذکر ہے جو رسول اللہ صلعم کے وجود سے ظہور پذیر ہوا اور یہ ذکر بھی پیشگوئی کے رنگ میں ہے۔ پچھلی سورت میں بتایا تھا کہ اس قرآن سے ملک عرب میں ایک انقلاب پیدا ہوگا تو اب بتایا کہ زمین ہل جائے گی یعنی لڑائیوں سے جیسا اگلی سورت میں صاف کر دیا ہے اور اس کے خزانے جو اس میں مخفی پڑے ہیں باہر نکل آئیں گے اور لوگ اس وقت تعجب کریں گے کیونکہ جو کچھ پہلے سے کہا گیا تھا وہ سب پورا ہو جائے گا۔

يَّرَهٗ ۝۷	اسے دیکھ لے گا۔
ع وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝۸	اور جو کوئی ایک ذرہ کے وزن کے برابر بدی کرے گا اسے دیکھ لے گا۔[1]

(۱۰۰) سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّةٌ [2]

آیاتہا ۱۱ — رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝	اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۝۱	گواہ ہیں دوڑنے والے ہانپتے ہوئے۔
فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۝۲	پھر مار کر آگ نکالنے والے۔
فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۝۳	پھر صبح کے وقت حملہ کرنے والے۔
فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا ۝۴	پھر اس کے ساتھ وہ گرد اُٹھاتے ہیں۔
فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝۵	پھر وہ اس کے ساتھ (دشمن کی) جماعت میں جا گھستے ہیں
اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ۝۶	یقیناً انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔
وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝۷	اور وہ یقیناً اس بات پر خود گواہ ہے۔
وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝۸	اور وہ یقیناً مال کی محبت میں بڑا سخت ہے۔
اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى الْقُبُوْرِ ۝۹	تو کیا وہ جانتا نہیں جب وہ جو قبروں سے باہر نکالے جائیں گے۔
وَحُصِّلَ مَا فِى الصُّدُوْرِ ۝۱۰	اور جو سینوں میں ہے وہ ظاہر کیا جائے گا۔
ع اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝۱۱	یقیناً ان کا رب اس دن ان سے باخبر ہوگا۔[3]

نمبر پس اگر کافر بھی نیکی کرے تو وہ ضائع نہیں جاتی اور اگر مسلمان بدی کرے تو اسے معافی حاصل نہیں۔

نمبر اس سورت کا نام العادیات ہے اور اس میں گیارہ آیتیں ہیں اور اس نام میں خیس یعنی رسالہ کے گھوڑوں کی طرف اشارہ ہے اور یہ بتایا ہے کہ وہ انقلابِ عظیم جس کا ذکر پچھلی سورت میں تھا اس پر گھوڑے بھی گواہ ہوں گے یعنی اس کا پیش خیمہ لڑائیاں ہوں گی اور یا اگر مراد نفوس عادیات لیے جائیں تو مومنوں کی ترقیات روحانی کی طرف اشارہ ہے جو حصول کمالات کے لیے سرپٹ دوڑتے ہیں اور محبت الٰہی کی آگ کو روشن کرتے ہیں حرص و ہوا کی فوجوں پر حملہ کرتے ہیں اور ان کے اعمال اوپر چڑھتے ہیں۔ یہ بھی ابتدائی زمانہ کی مکی سورت ہے۔

نمبر اعمال کی جزا و سزا کے وقت اللہ تعالیٰ کے باخبر ہونے میں یہ اشارہ ہے کہ کوئی عمل چھوٹا ہو یا بڑا ظاہر ہو یا پوشیدہ بغیر جزا کے نہیں رہے گا۔

آیاتہا ۱۱ (۱۰۱) سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّةٌ ۱ رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○	اللہ تو بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
اَلْقَارِعَةُ ۝۱	سخت مصیبت ،
مَا الْقَارِعَةُ ۝۲	کیا ہی بڑی مصیبت ہے ۔
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝۳	اور تجھے کیا خبر ہے کیسی بڑی سخت مصیبت ہے ۲۔
يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝۴	جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے ۔
وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝۵	اور پہاڑ دھنی ہوئی اون کی طرح ہوں گے ۔
فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۶	سو جس کی نیکیاں بھاری ہوں گی ۔
فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝۷	وہ خوشی کی زندگی میں ہوگا ۔
وَاَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝۸	اور جس کی نیکیاں ہلکی ہوں گی ،
فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝۹	تو اس کا ٹھکانا ہاویہ ہے ۔
وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝۱۰	اور تجھے کیا خبر ہے وہ کیا ہے ؛
ع نَارٌ حَامِيَةٌ ۝۱۱	وہ جلتی ہوئی آگ ہے ۔

نمبر۱- اس سورت کا نام القارعہ ہے اور اس میں گیارہ آیتیں ہیں پچھلی سورت کا مضمون یہاں بھی جاری رکھا ہے اور یہ ابتدائی مکی زمانہ کی سورت ہے۔
نمبر۲- قرع کے معنی ایک چیز کو دوسری پر مارنا اور قارعۃ سخت مصیبت کو کہا جاتا ہے۔ الرعد - ۳۱ میں دنیوی عذاب پر یہ لفظ بولا گیا ہے اور القارعۃ قیامت بھی ہے اور وہ مصیبت بھی جس کا وعدہ دیا جاتا تھا اور یہاں دونوں مفہوم لیے جا سکتے ہیں ۔

آیاتہا ۸ (۱۰۲) سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّةٌ ۱ رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝	اللہ نہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱	کثرت مال کی خواہش نے تمھیں غافل کر رکھا ہے۔
حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲	یہاں تک کہ تم قبروں کو دیکھتے ہوے ۲
كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۳	نہیں۔ تم جان لو گے۔
ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۴	نہیں نہیں تم جان لو گے۔
كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝۵	نہیں اگر تم علم یقین کے ساتھ جانتے،
لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝۶	تو تم ضرور دوزخ کو دیکھ لیتے ۳
ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝۷	پھر تم اُسے ضرور یقین کی آنکھ کے ساتھ دیکھ لو گے۔
ع ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝۸	پھر تم سے ضرور اس دن نعمتوں کے متعلق پوچھا جائے گا۔

آیاتہا ۳ (۱۰۳) سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّةٌ ۴ رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝	اللہ نہ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
وَالْعَصْرِ ۝۱	زمانہ گواہ ہے،
اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝۲	کہ انسان نقصان میں ہے۔
اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں

نمبر۱۔ اس سورت کا نام التکاثر ہے اور اس میں آٹھ آیتیں ہیں۔ یہاں بتایا ہے کہ کثرت مال و دولت کی خواہش اور تڑپ انسان کو اصل مقصد زندگی سے غافل رکھتی ہے ورنہ انہماک حرص ہوا کو دوزخ کے رنگ میں یہاں بھی دیکھ سکتا ہے۔

نمبر۲۔ قبروں کا دیکھنا موت سے کنایہ ہے۔

نمبر۳۔ یعنی بدکار اس دنیا میں بھی دوزخ میں ہوتا ہے مگر انہماک دنیا کی وجہ سے اسے دیکھتا نہیں۔

نمبر۴۔ اس سورت کا نام العصر ہے اور اس میں تین آیتیں ہیں اور اس کے نام میں مرور ایام کی طرف اشارہ ہے کہ وقت ہاتھ سے نکلا جا رہا ہے اور ہر انسان جو اس وقت کو اچھے مصرف میں نہیں لاتا وہ نقصان میں ہے۔

ع وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۳ | اور ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرتے ہیں[1]

اٰیاتھا ۹ (۱۰۴) سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّةٌ ۳۲ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۱ تباہی ہے ہر عیب لگانے والے طعن کرنے والے کے لیے،

الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۲ جو مال جمع کرتا ہے اور اُسے شمار میں لاتا ہے۔

يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۳ وہ خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اسے ہمیشہ رکھے گا۔

كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۴ ہرگز نہیں وہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۵ اور تجھے کیا خبر ہے حطمہ کیا ہے؟

نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۶ اللہ تعالیٰ کی جلائی ہوئی آگ،

الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۷ جو دلوں پر چڑھتی ہے۔

اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۸ وہ اُن پر لپیے،

ع فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۹ ستونوں میں بند کردی جائے گی[3]۔

اٰیاتھا ۵ (۱۰۵) سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ ۱۹ رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۱ کیا تو نے غور نہیں کیا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۲ کیا ان کی تدبیر کو برباد نہیں کیا؟

نمبر۱- ایک طرف وقت کی قدر سکھاتی ہے کہ ہر لحہ جو گزر جاتا ہے وہ انسان کو نقصان میں چھوڑتا ہے اگر اسے کسی اچھے مصرف پر نہیں لگایا اور زمانہ کی شہادت یعنی تاریخ بھی یہی بتاتی ہے کہ اس زندگی سے فائدہ اٹھانے والے وہی لوگ ہوئے ہیں جنھوں نے اپنے وقت کو اچھے کام پر لگایا۔

نمبر۲- اس سورت کا نام ہمزہ ہے اور اس میں نو آیتیں ہیں۔ پچھلی سورت کے مقابل پر ان لوگوں کی حالت دکھائی ہے جو مال دنیا سے محبت کرتے ہیں اور بجائے اپنی اصلاح کرنے کے دوسروں کی عیب شماری میں لگے رہتے ہیں۔

نمبر۳- یعنی آگ کا اصل منبع دل ہے کیونکہ دل سے ہی اعمال کا تعلق بلحاظ نیت وغیرہ ہے۔

نمبر۴- اس سورت کا نام الفیل ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں اور اس نام میں اشارہ اصحاب الفیل کے واقعہ کی طرف ہے جنھوں نے خانہ کعبہ کو تباہ کرنا

وَّ اَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ ۙ﴿۳﴾	اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرند بھیجے۔
تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ۙ﴿۴﴾	جو ان پر سخت پتھر مارتے تھے۔
فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ﴿۵﴾ ع	سو انھیں کھائے ہوئے بھس کی طرح کر دیا۔[۱]

سُوْرَةُ قُرَیْشٍ مَکِّیَّةٌ (١٠٦) — اٰیاتہا ۴ — رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○	اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۙ﴿۱﴾	قریش کی حفاظت کی وجہ سے۔
اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیْفِ ۚ﴿۲﴾	ان کے جاڑے اور گرمی کے سفروں میں حفاظت کی وجہ سے۔
فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ۙ﴿۳﴾	پس چاہیے کہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں۔
الَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ۬ وَّ	جس نے انھیں بھوک میں کھانا دیا۔
اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾ ع	اور خوف سے امن دیا۔[۳]

چاہا مگر خود تباہ ہو گئے اور اس سورت میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حق کو جو محمد رسول اللہ صلعم لائے ہیں دنیا کی تمام طاقتوں کے مقابلہ میں بچائے گا اور صلیب اور توحید کی جنگ میں توحید ہی غالب آئے گی یہ سورت بھی بالاتفاق ابتدائی مکی زمانہ کی ہے۔

اصحاب فیل کا واقعہ ایک مشہور تاریخی واقعہ ہے ابرہہ جو شاہ حبش کی طرف سے یمن کا عیسائی وائسرائے تھا اس نے صنعا میں ایک عظیم الشان گرجا بنوایا جس کی غرض یہ تھی کہ اہل عرب بجائے خانہ کعبہ میں جمع ہونے کے اس گرجا میں جمع ہوا کریں اور اس طرح انھیں آہستہ آہستہ عیسائی بنالیا جائے۔ مگر چونکہ اہل عرب نے ابرہہ کے اس گرجا کی کوئی پرواہ کی تو آخر اس نے خانہ کعبہ کو گرا دینے کے لیے مکہ معظمہ پر چڑھائی کی اور یہ واقعہ بالاتفاق مورخین اسی سال کا ہے جس سال حضرت نبی کریم صلعم پیدا ہوئے اور بعض کے نزدیک آپ کی پیدائش کا دن وہی تھا جس دن ابرہہ کے لشکر پر تباہی آئی اس سال کا نام تاریخ عرب میں عام الفیل ہو گیا اور اس لشکر کا نام اصحاب الفیل اور یہ اس ہاتھی کی وجہ سے ہوا جو لشکر کے ساتھ تھا اور جس کا نام محمود تھا اور بعض کے نزدیک کئی ہاتھی تھے۔ اور ابرہہ کا ہاتھی محمود نامی تھا۔ قبل اس کے کہ ابرہہ خانہ کعبہ تک پہنچ سکے اس کے لشکر میں چیچک سے تباہی پھیل گئی اور وہ خود بھی بیمار ہو گیا اور سخت ناکامی کی حالت میں یمن میں واپس پہنچا جہاں جا کر وہ مر گیا۔

نمبر۱۔ مفسرین کے اقوال اس لشکر کی تباہی کے بارے میں عموماً یہی ہیں کہ پرند اس لشکر پر آئے اور ہر ایک کی چونچ میں ایک سنگریزہ اور دو دو سنگریزے دونوں پنجوں میں تھے اور وہ سنگریزہ جس شخص پر گرتا تھا اسے ہلاک کر دیتا تھا۔ لیکن عکرمہ کا قول ہے کہ جس پر سنگریزہ گرتا تھا اسے چیچک نکل آتی تھی۔ ایسی ہی روایت ابن کثیر نے یعقوب سے بیان کی ہے اور ابرہہ خود بھی اسی مرض کا شکار ہوا اور یہ مسلم ہے کہ ابرہہ تمام پھنسیوں سے بھرا ہوا یمن میں جا مرا۔ پس خواہ پرندوں کے پتھر مارنے سے یہ وبا پھوٹی اور خواہ پرندوں نے ان کی لاشوں پر پتھر مارے۔ اصل مطلب اس لشکر کی ہلاکت سے ہے جو خانہ کعبہ کو تباہ کرنے کے لیے آیا تھا۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام قریش ہے اور اس میں چار آیتیں ہیں اور اس نام میں یہ اشارہ ہے کہ قریش جن پر ہم نے اس قدر احسان کیا انھیں چاہیئے تھا کہ خدائے واحد کی جو اس گھر کا رب ہے عبادت کرتے کیونکہ خدا نے ہی ان کو تجارت کا سامان دیکر بھوک سے بچایا اور کعبہ کو حرم بنا کر دشمنوں کے خوف سے محفوظ کر دیا۔

نمبر۳۔ قریش اپنی تجارت کی وجہ سے مالدار اور ساری قوموں میں ممتاز تھے وہ گرمیوں میں شام کی طرف تجارت کو جاتے اور سردیوں میں یمن کی طرف۔ تو انھیں

اٰیاتُھا ۷ — (۱۰۷) سُوْرَةُ الْمَاعُوْنِ مَكِّيَّةٌ [۱] — رُکُوعُھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ — اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝۱ — کیا تو نے اس شخص کی حالت پر غور کیا جو دین کو جھٹلاتا ہے [۲]۔

فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝۲ — یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے۔

وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝۳ — اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتا۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝۴ — پس ان نمازیوں کے لیے تباہی ہے۔

الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝۵ — جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔

الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝۶ — جو دکھاوا کرتے ہیں۔

وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝۷ ع — اور خیرات کو روکتے ہیں۔

اٰیاتُھا ۳ — (۱۰۸) سُوْرَةُ الْكَوْثَرِ مَكِّيَّةٌ [۳] — رُکُوعُھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ — اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝۱ — ہم نے تجھے کوثر دی ہے [۴]۔

نصیحت فرمائی ہے کہ جس خدا نے ان کو خانہ کعبہ کی وجہ سے اس قدر عزت دی ہے کہ باہر ان کی تجارت قائم ہے جس کی وجہ سے انھیں بھوک سے نجات ملتی ہے اور گھر ان کا دیسے محفوظ ہے کیونکہ حرم ہونے کی وجہ سے ان پر کوئی حملہ نہیں کرتا تو چاہیئے تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کے شکریہ میں وہ اس خدائے واحد کی عبادت کرتے جس نے انھیں یہ سامان دیئے تھے۔ مگر انھوں نے اس کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی۔

نمبر۱- اس سورت کا نام الماعون اور اس میں سات آیتیں ہیں۔ یہاں بتایا ہے کہ وہ دین جس کی طرف محمد رسول اللہ صلعم بلاتے ہیں وہ اصل میں بیکسوں اور غریبوں کی ہمدردی ہے جب تک یہ دل میں پیدا نہیں ہوتی۔ اس وقت تک نماز بھی ایک دکھاوا ہے۔ سورت مکی ہے۔

نمبر۲- دین جزاء کو بھی کہتے ہیں اور مذہب کو بھی اور ماعون کے متعلق بخاری میں ہے کہ اس کا اعلیٰ درجہ زکوٰۃ ہے اور ادنیٰ درجہ روزمرہ کی برتنے کی چیزوں کا عاریتاً دینا۔ مطلب ہر قسم کی خیرات ہے یہاں بتایا کہ ایسے نمازی بھی حقیقت نماز سے بےخبر ہیں جو زکوٰۃ نہیں دیتے یا چھوٹی چھوٹی برتنے کی چیزیں دوسرے کو دینے میں بخل کرتے ہیں اور وہ جزا کی یا خود مذہب کی تکذیب کرتے ہیں کیونکہ مذہب کی اصل غرض یہی ہے کہ انسان مخلوق خدا کی خبرگیری کرے۔

نمبر۳- اس سورت کا نام الکوثر ہے اور اس میں تین آیتیں ہیں اور اس کے نام میں یہ اشارہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر کثیر دی گئی تھی۔ یعنی ہر قسم کی بھلائی سے اتنا بڑا حصہ دیا گیا ہے جو پہلے انبیاء کو نہیں دیا گیا اور آپ سے دشمنی کرنے والے ہمیشہ ناکام رہا کریں گے۔

نمبر۴- لسان العرب میں ہے کہ کوثر کے معنی خیر کثیر اور تفسیر میں ہے کہ کوثر قرآن اور نبوت ہے۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝٢	سو تُو اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور قربانی کر۔[1]
إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۝٣ ع	جو تیرا دشمن ہے اس کا نام لیوا کوئی نہ رہے گا۔[2]

رکوعہا ١ ۔ (١٠٩) سُورَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّةٌ ۔ ایاتہا ٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝	اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے
قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝١	کہہ دے اے کافرو!
لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝٢	میں اس کی عبادت نہیں کرونگا جس کی تم عبادت کرتے ہو۔
وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝٣	اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔
وَلَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۝٤	اور نہ میں کبھی اس کی عبادت کرنے والا ہوا جس کی تم عبادت کرتے تھے۔
وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۝٥	اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔
لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝٦ ع	تمھارے لیے تمھارا بدلہ ہے اور میرے لیے میرا بدلہ ہے۔[3]

رکوعہا ١ ۔ (١١٠) سُورَةُ النَّصْرِ مَدَنِيَّةٌ ۔ ایاتہا ٣

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝	اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔
اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝١	جب اللہ (تعالیٰ) کی مدد اور فتح آگئی۔

نمبر١- قربانی کے حکم میں وسعت ہے اور مراد اپنے آپ کو اللہ کی راہ میں قربان کرنا ہے۔

نمبر٢- اس شخص کو ابتر کہا جاتا ہے جس کے پیچھے اس کی نسل نہ ہو اور اس شخص کو بھی ابتر کہا جاتا ہے جس کا ذکر خیر منقطع ہو جائے۔ کفار سمجھتے تھے کہ آنحضرت صلعم کا ذکر آپ کی زندگی کے ساتھ منقطع ہو جائے گا اس لیے کہ آپ کی اولاد نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص آپ سے دشمنی کرتا ہے اسی کا ذکر منقطع ہوگا۔

نمبر٣- اس سورت کا نام الکافرون ہے اور اس میں چھ آیتیں ہیں اور اس نام میں یہ اشارہ ہے کہ رسول خدا صلعم اور آپ کے دین میں کفر کی کوئی تاریکی باقی نہیں رہ گئی ہے اور اس سورت میں توحید کا عملی رنگ پیش کیا ہے یعنی عملی طور پر رسول اللہ صلعم اور آپ کے پیرو ان چیزوں کی عبادت سے بیزار ہیں جن کی عبادت کفار کرتے ہیں اور یہ ابتدائی مکی زمانہ کی سورت ہے۔

نمبر٤- لا اعبد میں استقبال مراد ہے یعنی میں کبھی بھی تمھارے معبودان باطل کی عبادت نہیں کرونگا اور دوسرے یعنی ولا انا عابد ما عبدتم میں عبدتم ماضی لا کر صاف بتا دیا کہ میں نے پہلے بھی کبھی اس کی عبادت نہیں کی جس کی تم عبادت کرتے رہے اور دین کے معنی یہاں جزا ہیں۔

نمبر٥- اس سورت کا نام النصر ہے اور اس میں تین آیتیں ہیں اور اس نام میں یہ اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد آنحضرت صلعم کو مطابق ان وعدوں کے

وَ رَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِيۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۝۲ — اور تونے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین میں فوج در فوج داخل ہوتے دیکھ لیا۔

فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَ اسۡتَغۡفِرۡهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳ — تو اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کر اور اس کی حفاظت مانگ[۱] وہ رجوع برحمت کرنے والا ہے۔

اٰیاتھا ۵ — سُوۡرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّةٌ ۲ (۱۱۱) — رکوعھا ۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ — اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

تَبَّتۡ يَدَاۤ اَبِيۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱ — ابولہب کے دونوں ہاتھ ہلاک ہوئے اور وہ بھی ہلاک ہوا[۳]

مَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ ۝۲ — اس کا مال اور جو اس نے کمایا تھا اس کے کسی کام نہ آیا۔

سَيَصۡلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝۳ — وہ جلد شعلوں والی آگ میں داخل ہوگا۔

وَّامۡرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الۡحَطَبِ ۝۴ — اور اس کی عورت چغل خور۔

فِيۡ جِيۡدِهَا حَبۡلٌ مِّنۡ مَّسَدٍ ۝۵ — اس کے گلے میں کھجور کی چھال کا رسہ ہے[۴]

جو پیشتر سے کیے تھے ملے۔ یہ سورت بلحاظ نزول بمقام مکی ہے اور بلحاظ زمانہ مدنی یعنی ہجرت کے بعد نازل ہوئی اور اس کا نزول حجۃ الوداع میں ہوا اسی لحاظ سے اسے مکی سورتوں کے مجموعہ میں شامل کیا ہے۔

نمبر۱۔ استغفار سے مراد یہاں ان لوگوں کے لیے استغفار ہے جو آپ کی مخالفت کے بعد اب فوج در فوج دین اسلام میں داخل ہو رہے تھے۔

نمبر۲۔ اس سورت کا نام اللہب ہے اور تبت بھی کہہ لیتے ہیں اور اس میں پانچ آیتیں ہیں اس میں ان لوگوں کا انجام ہلاکت ہونا بتایا ہے جو عداوت حق میں غضب سے بھر جاتے ہیں اسی کی طرف ابولہب کے ذکر میں اشارہ ہے اور یہ ابتدائی مکی زمانہ کی سورت ہے۔

نمبر۳۔ اصل غرض یہ بتانا ہے کہ جو شخص مخالفت میں ابولہب بنتا ہے اس کا انجام اچھا نہیں اور وہ ہلاک ہو کر رہے گا اور ابولہب جنگ بدر کے سات دن بعد وبائی بیماری سے مرگیا اور اس کے گھر کے لوگ بھی اس کے پاس نہ گئے اور آخر حبشیوں سے اٹھوا کر اسے دفن کرا دیا گیا۔

نمبر۴۔ حمالۃ الحطب ہونے سے مراد اس کی چغلخوری ہے اور وہ ویسے بھی کانٹے وغیرہ رسول اللہ صلعم کے رستے میں پھینک دیا کرتی تھی تاکہ آپ اندھیرے میں چلیں تو زخمی ہوں اور رسے کے گردن میں ہونے سے مراد یہاں دوزخ میں زنجیروں کا ہونا لیا گیا ہے اور پیشگوئی کے رنگ میں بھی یہ اس کا انجام ہوا یعنی لکڑی کے گٹھے کا رسہ اس کے گلے میں پڑ گیا اور وہ گلا گھٹ کر مر گئی اور مطلب یہ ہے کہ مرد ہو یا عورت عداوت حق اسے تباہی کو پہنچا کر چھوڑے گی۔

آیاتہا ۴ (۱۱۲) سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ ۲۲ رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ — اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱ — کہہ اللہ (تعالیٰ) ایک ہے۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝۲ — اللہ (تعالیٰ) بے نیاز ہے۔

لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝۳ — نہ اس کا کوئی بیٹا ہے۔ اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝۴ ع — اور اس کا کوئی ہمسر نہیں ہے۔

آیاتہا ۵ (۱۱۳) سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَكِّيَّةٌ ۳ رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ — اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝۱ — کہہ میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔

مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝۲ — ہر چیز کے شر سے، جو اس نے پیدا کی۔

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝۳ — اور تاریک رات کے شر سے ۴ جب تاریکی چھا جائے۔

نمبر ۱- اس سورت کا نام الاخلاص ہے اور اس میں چار آیتیں ہیں اور اس نام میں یہ اشارہ ہے کہ اس میں توحید باری کو ہر قسم کے شرک سے خالص کرکے بیان کیا گیا ہے اور اس توحید کی جامع تعلیم پر قرآن کریم کو ختم کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ یہی اس کی تعلیم کا لب لباب ہے اور یہ ابتدائی مکی سورتوں میں سے ایک ہے

نمبر ۲- اس چھوٹی سی سورت میں وحدانیت باری تعالیٰ کے سارے پہلوؤں کو شامل کیا ہے اور ہر قسم کی شرک کا ابطال کیا ہے۔ پہلی آیت میں اس کا احد ہونا بیان کیا ہے یعنی وہ اپنی ذات میں اکیلا ہے اور یوں ہر قسم کے شرک فی الذات اور تثلیث وغیرہ کی تردید کی گئی ہے۔ دوسری آیت میں اس کا صمد ہونا بیان کیا ہے یعنی وہ جس نے تمام چیزوں کو پیدا کیا ہے اور اس لیے سب چیزیں اس کی محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں اس میں اس غلط خیال کی بھی تردید ہے کہ مادہ اور روح کو اللہ تعالیٰ نے پیدا نہیں کیا بلکہ وہ خود بخود ہیں اگر ایسا ہو تو پھر اللہ تعالیٰ صمد نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ مادہ اور روح کا محتاج ہوا اور مادہ اور روح اس کے محتاج نہ ہوئے ایسا ہی بت پرست قوموں کے اس عقیدہ کی بھی تردید ہے کہ خدا تک پہنچنے کے لیے بتوں کی ضرورت ہے۔ تیسری آیت میں خدا کے باپ یا بیٹا ہونے کی تردید ہے اور یہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے۔ چوتھی میں اللہ تعالیٰ کا کوئی ہمسر ہونے کی تردید ہے جیسے اوتار ماننے والوں کا عقیدہ ہے جیسے آتش پرستوں کا عقیدہ ہے کہ خالق خیر خدا کے مقابلہ میں ایک خالق شر ہے۔

نمبر ۳- اس سورت کا نام الفلق ہے اور اس میں پانچ آیتیں ہیں اور اس کے نام میں اشارہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ تاریکیوں کو پھاڑ کر روشنی نمودار کرتا ہے اسی طرح اس شخص کے لیے ظلمتوں میں سے روشنی نکالتا اور اس کے کام کو کامیاب کرتا ہے جو اس کی پناہ میں آتا ہے یہ سورت مکی ہے مدنی نہیں۔ جیسا بعض غلطیات کی بنا پر خیال کر لیا گیا ہے اور سحر کی روایت یقیناً غلط ہے۔

نمبر ۴- اس سورت میں چار چیزوں سے پناہ مانگنے کی دعا سکھائی ہے اوّل ہر چیز کی شر سے جو اللہ نے پیدا کی ہے کیونکہ ہر چیز انسان کے نقصان کا موجب بھی

وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝۴ | اور گرہوں میں پھونکنے والی کی شر سے۔

وَ مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۝۵ | اور حسد کرنے والے کی شر سے جب وہ حسد کرے۔

اٰیَاتُهَا ۶ سُوْرَةُ النَّاسِ مَکِّيَّةٌ (۱۱۴) رُكُوْعُهَا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ | اللہ تعالیٰ بے انتہا رحم والے بار بار رحم کرنے والے کے نام سے

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝۱ | کہہ میں لوگوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔

مَلِكِ النَّاسِ ۝۲ | لوگوں کے بادشاہ کی۔

اِلٰهِ النَّاسِ ۝۳ | لوگوں کے معبود کی۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۝۴ | پیچھے ہٹ جانے والے کے وسوسہ کی شر سے۔

الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝۵ | جو لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔

ع مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۝۶ | جنوں اور انسانوں میں سے ملے۔

ہو سکتی ہے اور نفع کا بھی۔ گو بذات خود اس میں کوئی برائی نہ ہو مثلاً آگ یا پانی انسان کے نفع کا موجب بھی ہیں اور ان سے نقصان بھی ہو سکتا ہے۔ دوسرے اندھیرے سے پناہ مانگنے کو فرمایا کیونکہ تاریکی میں ہر قسم کے مصائب ہوتے ہیں اور یہاں بالخصوص ان تاریکیوں کی طرف اشارہ ہے جو کسی کام کی ابتدا میں انسان کے سامنے ہوتی ہیں۔ جب انسان کے رستے کھل جاتے ہیں اور انسان ایک کام کے لیے اپنا عزم پختہ کر لیتا ہے تو پھر ایک اور قسم کی مشکلات کا مقابلہ ہوتا ہے۔ یعنی اس کام میں رکاوٹ ڈالنے والے پیدا ہو جاتے ہیں جن کو یہاں نفثات فی العقد سے تعبیر کیا ہے اس کے اگر مشہور معنی بھی لیے جائیں تو اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جادو سچ مچ کوئی ایسی چیز ہے جس سے کام میں رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے بلکہ یہ دھوکہ باز لوگوں کی کارروائیوں کی طرف اشارہ ہے اور اصل یہ ہے کہ نفثات سے مراد نفث کرنے والی جماعتیں ہیں روح المعانی میں ہے فالنفثات صفة للنفوس۔ یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جو انسان کے عزم کو اپنی پھونکوں سے برباد کرنا چاہتے ہیں یہ رکاوٹ دوسرے مرحلہ پر پیش آتی ہے اور جب انسان اس مرحلے سے بھی گزر جاتا ہے اور کامیابی ظاہر ہوتی ہے تو پھر حاسد پیدا ہوتے ہیں اس لیے تیسرے مرحلہ پر جو آخری مرحلہ ہے حاسد کے شر سے پناہ مانگنے کا ارشاد فرمایا اور رب الفلق کی پناہ مانگنے کو اس لیے کہا کہ فلق صبح کو کہتے ہیں جب تاریکی پھٹ کر روشنی نمودار ہوتی ہے گویا اللہ تعالیٰ کی اس ربوبیت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جس طرح وہ تاریکی کو پھاڑ کر روشنی عطا کرتا ہے اسی طرح پناہ مانگنے والے کے کام سے ہر قسم کی رکاوٹوں کو دور کر دے۔

نمبر۱۔ اس سورت کا نام الناس ہے اور اس میں چھ آیتیں ہیں اور اس کے نام میں یہ اشارہ ہے کہ سب لوگوں کا حقیقی تربیت کرنے والا حقیقی بادشاہ۔ اصل محبوب صرف ایک خدا ہے اور اسی رب بادشاہ محبوب کی پناہ میں رہنا چاہیئے۔ اس سورت پر قرآن شریف کا خاتمہ ہوتا ہے۔ نزول اس کا اور اس سے پہلی سورت کا ایک ہی وقت میں ہوا اور یہ ایک دوسرے کے مضمون کی تکمیل کرتی ہیں۔

نمبر۲۔ یہاں صرف ایک چیز سے پناہ مانگنے کی دعا ہے یعنی خناس کے وسوسہ کی شرارت سے۔ اس کو پہلی سورت سے الگ کرکے بتایا ہے کہ شیطان کا وسوسہ سب سے زبردست چیز ہے جو انسان کو خیرات سے محروم کر دیتی ہے اور یہاں پناہ مانگنے کے لیے لفظ بھی زبردست رکھے ہیں رب۔ ملک۔ الٰہ۔ رب پرورش کرنے والا۔ ملک حکومت کرنے والا۔ اِلٰہ مطلوب اور محبوب حقیقی۔ اور شیطان کا وسوسہ تین رنگوں میں ہی ہوتا ہے۔ کبھی ربوبیت کے رنگ میں کہ انسان خدا کے سوائے

دُعاءُ ختمِ القرآنِ

اَللّٰهُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِیْ فِیْ قَبْرِیْ. اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًی وَّرَحْمَةً. اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِیْ مِنْهُ مَا نَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَآءَ الَّیْلِ وَاٰنَآءَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً یَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ.

سنہ ۱۳۸۴ھ ★ سنہ ۱۹۶۴ء

دوسرے کو اپنا پرورش کرنے والا سمجھ لیتا ہے۔ کبھی حکومت کے رنگ میں کہ انسان اپنے اوپر دوسرے کی حکومت کو سمجھ کر اس قدر اس کے آگے جھک جاتا ہے کہ خدا کو بھول جاتا ہے اور کبھی محبوبیت کے رنگ میں کہ انسان دوسری چیزوں کو اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ مال کو عورت کو بیٹوں کو عزت کو شہرت کو۔ پس یاد دلایا ہی کہ سب کا تربیت کرنے والا ایک ہے۔ سب پر بادشاہ بھی ایک ہے۔ سب کا محبوب حقیقی بھی ایک ہے۔ پس ان تینوں راہوں سے وسوسہ شیطانی سے اپنا بچاؤ کرو۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ وسوسہ اندازی کا کام جنّ بھی کرتے ہیں اور انسان بھی۔

یہ دونوں سورتیں معوذتین کے نام سے موسوم ہیں۔ اس لیے کہ ان میں ہر قسم کی بُرائیوں سے پناہ مانگنے کا طریق بتایا ہے اور یہ ایک دوسرے کے مضمون کی تکمیل کرتی ہیں اور یہودی کے سحر کے قصّہ کے متعلق ان کا نازل ہونا صحیح نہیں اور گو یہ روایت بخاری اور مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلعم پر ایک یہودی کے سحر کا اثر ہو گیا تھا مگر یہ قرآن کریم کی نص صریح کے خلاف ہے اس لیے کہ مسحور آپ کو کفار کہتے تھے اور یہ بات کہ آپ خیال کرتے تھے کہ آپ نے ایک فعل کیا ہے اور وہ نہ کیا ہوتا کسی طرح قابل قبول نہیں۔ اتنا بڑا واقعہ گروہ کثیر کے علم میں آتا اور اس کی روایت کرنے والے بھی بہت ہوتے۔ حالانکہ یہ روایت صرف ایک ہی راوی کی ہے اور ایسے واقعہ کے متعلق جسے نہ قرآن شریف قبول کرتا ہے نہ عقل صحیح اس کو تسلیم کر سکتی ہے۔ ایک آدمی کی روایت کچھ وقعت نہیں رکھتی۔

کاتبُ القرآن محمّد شریف لودیانوی | محمد شاہ بلاک میکر مالک انگر ویکو کشمیری بازار لاہور | ترجمہ و حواشی محررہ غلام جیلانی خوشنویس نکانوی عفی اللہ عنہ

تلخیص

بیان القرآن

من اضافات

المفسّرؒ حضرت مولینا محمد علی لاہوریؒ